

وَلَقَدْ بَعَثْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهِيَ كَلِمٌ مَبْدُوءَةٌ

تَذَكِّرُنَا بِالْحِكْمِ وَالرَّحْمَةِ
فِي تَفْسِيرِ كَلَامِ الْمَثَانِ

المعروف

(أردو)

تفسیر السعدی

فی تفسیر عبد الرحمن بن ناصر السعدی

دار السلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور
لندن • ہیوسٹن • نیو یارک



ہیڈ آفس : پوسٹ بکس: 22743 الزیاض: 11416 سعودی عرب

فون : 4033962 - 4043432 (00966 1) فیکس: 4021659

ای میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون و فیکس: 4614483

جدہ فون و فیکس: 6807752 البر فون: 8692900 فیکس: 8691551

شارجہ فون : 5632623 فیکس: 5632624 (009716)

پاکستان: ① 50 نورمال نزدیم - لے - اوکلیج لاہور فون: 7232400 - 7240024 (0092 42)

فیکس: 7354072 ای میل: darussalampk@hotmail.com

② اقراسنٹر، غزنی سٹریٹ، اڈوبازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

لندن فون: 5202666 فیکس: 5217645 (0044 208)

ہیوسٹن فون: 7220419 فیکس: 7220431 (001 713) نیویارک فون: 625 5925 (001 718)

Website: <http://www.dar-us-salam.com>

وَأَقْرَبُ لِلنَّبِيِّ وَالْقُرْآنِ لِلذَّكَوَّةِ مِنْ مَوْلَاكَ

تیسیر
الکرام الرحمن

فی تفسیر کلام المثنان
(اردو ترجمہ)

جلد اول

مفسر قرآن: فضیلہ شیخ عبدالرحمان بن ناصر السعدی رحمۃ اللہ علیہ

تحریر: عبدالرحمان بن محمد اللویحی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: انیسہ بیرونیہ فیصلہ طیبہ شاہین لودھی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: القرآن: حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ



دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ



فرمان الہی

وَقَالَ الرَّسُولُ
يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَلْجُودًا

اور رسول (ﷺ) روز قیامت فرمائیں گے:
"اے الہی! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔"
(الفرقان: ۳۷/۲۵۰)

فرمان نبوی

إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ
بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيُضِعُّ بِهَا خَيْرِينَ

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو بلندیاں
عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلت و پستی میں ڈھیل دیتا ہے
(صحیح مسلم، حدیث: ۸۱۴)

عرضِ ناشر

فضیلۃ الشیخ علامہ عبدالرحمن بن ناصر السعدی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر 'تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان' کا اردو ترجمہ اس وقت آپ کے سامنے ہے۔ یہ جدید عربی تفاسیر میں ایک نہایت ممتاز تفسیر ہے جو حسب ذیل خصوصیات کی حامل ہے

- یہ اسرائیلی اور ضعیف روایات سے پاک ہے۔
- اس میں صرفی و نحوی مباحث اور الفاظ کی لغوی تحقیق سے بھی بالعموم احتراز کیا گیا ہے۔
- احادیث کے حوالوں کا بھی اس میں زیادہ التزام نہیں ہے، لیکن اس کے باوجود اس کا منج سلفی تفاسیر کے عین مطابق ہے۔
- فقہی اختلافات سے بھی بالعموم گریز کیا گیا ہے۔
- بغیر کسی ادعا کے ربط آیات کا ایسا التزام ہے جو تکلف و تعقید سے پاک ہے۔
- نہایت سادہ اور سلیس عربی میں ہر آیت کا مفہوم فاضل مفسر نے اپنی خداداد فہم اور قرآنی بصیرت کی روشنی میں واضح کیا ہے۔
- قصص و واقعات سے عبر و حکم کا استنباط بھی خوب اور نہایت عجیب ہے۔
- اسی طرح بعض آیات سے مسائل کا استنباط و استخراج بھی قابل داد ہے۔
- غیر ضروری اور لا طائل مباحث سے بھی یہ تفسیر پاک ہے۔
- حسو و زوائد اور خواہ مخواہ کی طوالت سے اجتناب کیا گیا ہے۔

مذکورہ خصوصیات کی وجہ سے یہ تفسیر ایک منفرد مقام کی حامل اور عرب علماء میں نہایت مقبول و معروف ہے۔ انہی خوبیوں کی بنا پر دارالسلام نے اس عربی تفسیر کو اردو قالب میں ڈھالنے کا عزم کیا اور کئی سال کی محنت شاقہ کے بعد آج اس کا اردو ایڈیشن آپ کے سامنے ہے۔

ترجمے کا کام ایک مشاق، ماہر اور معروف شخصیت جناب پروفیسر طیب شاہین لودھی رحمۃ اللہ علیہ (آف ملتان) نے کیا ہے اور نظر ثانی، تنقیح و تہذیب اور حسب ضرورت تعلق و حواشی کا کام جناب حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ

مدیر شعبہ تحقیق و تصنیف و ترجمہ دارالسلام لاہور نے کیا ہے اور تقریباً ڈیڑھ پارے کا ترجمہ مولانا عطاء اللہ ساجد رحمۃ اللہ علیہ فاضل مدینہ یونیورسٹی، استاذ الحدیث جامعہ اسلامیہ گوجرانوالہ کے قلم سے ہے۔

اس کی تصحیح اور پروف ریڈنگ میں دارالسلام کے فاضل رفقاء حافظ عبدالرحمان ناصر، مولانا محمد اجمل فاضل مدینہ یونیورسٹی اور پروفیسر ابوالنس محمد سرور گوہر رحمۃ اللہ علیہ نے شب و روز محنت کی ہے۔

اس تفسیر کو نہایت نفیس اور دیدہ زیب بنانے کیلئے ڈیزائننگ سیکشن نے خوب محنت کی ہے خصوصاً محمد عامر رضوان اور محمد ندیم کامران رحمۃ اللہ علیہ نے شب و روز محنت کی ہے۔

ادارہ ان تمام حضرات کا شکر گزار اور سب کے لیے دعا گو ہے اللہ تعالیٰ مذکورہ تمام حضرات کی کاوش و محنت کو قبول فرمائے اور اس کا بہترین صلہ انہیں دینا و آخرت میں عطا فرمائے۔ (آمین)

عربی میں اس تفسیر کے متعدد نسخے طبع ہوئے ہیں۔ ان میں سے بعض میں ایک دوسرے سے جزوی اختلافات بھی ہیں چنانچہ ایک عربی فاضل اور محقق الشیخ عبدالرحمن بن معلا اللوحی نے ان تمام نسخوں کا اصل قلمی نسخوں کے ساتھ تقابل کیا جو فاضل مؤلف کے ہاتھ سے لکھے ہوئے ہیں۔ اور اس کی روشنی میں صحیح اور محقق نسخہ تیار کیا، اسی محقق نسخے کو دارالسلام الریاض نے عربی میں شائع کیا اور اب اسی ایڈیشن کو اردو کا جامہ پہنا کر شائع کیا جا رہا ہے۔ اس محقق ایڈیشن میں سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۳۸ سے تا آخر سورہ البقرہ اور سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۲۹ تک، فاضل مفسر رحمۃ اللہ علیہ نے نئے سرے سے تفسیر کی تھی جو پہلے شائع شدہ ایڈیشن کی تفسیر سے خاصی مختلف تھی۔ اس لیے اس پورے حصے کا ہم نے بھی دوبارہ ترجمہ کروا کے یہ حصہ اس میں شامل کیا ہے تاکہ دارالسلام لاہور کا اردو ایڈیشن بھی اس عربی ایڈیشن کے مطابق ہو جائے جو دارالسلام الریاض (سعودی عرب) نے بڑی محنت اور تحقیق کے بعد شائع کیا ہے۔ اس حصے کے اردو ترجمے کے لیے ہم مولانا عطاء اللہ ساجد رحمۃ اللہ علیہ فاضل مدینہ یونیورسٹی کے ممنون و مشکور ہیں۔

قرآن مجید کے عربی متن کے ساتھ جو ترجمہ لگایا گیا ہے، وہ حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا تیار کردہ لفظی ترجمہ ہے۔ تفسیر کے ضمن میں جو آیات یا آیتوں کے ٹکڑے ہیں وہاں کسی مخصوص ترجمے کی پابندی نہیں کی گئی اس لیے متن کے ترجمے اور دوران تفسیر میں آنے والی آیات کے ترجمے میں فرق و اختلاف ہے۔ اس کی وضاحت اس لیے ضروری سمجھی گئی ہے تاکہ قارئین کسی ذہنی خلجان کا شکار نہ ہوں۔

قرآن مجید کے متن کی کتابت معروف خطاط علی احمد صابر کے حسن فن کی آئینہ دار اور ان کے موئے قلم کی شہ کار ہے اور تفسیر کے ضمن میں جو آیات یا آیتوں کے ٹکڑے ہیں وہ بھی اسی خط میں ہیں۔ اس اہتمام اور کتابت سے ایک تو متن قرآن میں غلطیاں نہ ہونے کے برابر ہیں (ان شاء اللہ) دوسرے اس سے کتابت کے حسن

میں بے پناہ اضافہ ہو گیا ہے۔

اس کی پہلی جلد دس (۱۰) پاروں پر مشتمل ہے۔ اس اعتبار سے مکمل تفسیر ۳ جلدوں میں ہے۔

حسن کتابت کے ساتھ حسن طباعت کے لیے بھی ادارے نے بڑی محنت کی ہے اور دارالسلام کے روایتی معیار کو اس میں نہ صرف برقرار رکھا گیا ہے بلکہ اس میں کئی گنا اضافہ ہی کیا ہے جیسا کہ قارئین ہماری اس بات کی تصدیق کریں گے۔ گویا پیکر حسن کو لباس جمیل سے آراستہ کر کے اس کے قامت کی زیبائی اور روئے آبدار کی رعنائی کو خوب سے خوب تر اور فزوں سے فزوں تر کر دیا گیا ہے۔

اس کے حسن میں اضافے ہی کے لیے ادارے نے اسے دو رنگوں میں شائع کیا اور نہایت نفیس دیدہ زیب جلد کا اہتمام کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہماری ان مساعی کو قبول فرمائے اور ہمیں زیادہ سے زیادہ اور بہتر سے بہتر انداز میں اپنے دین کی خدمت کی توفیق سے نوازے۔ (آمین)

خادم کتاب و سنت

عبدالملک مجاہد

مدیر دارالسلام الریاض لاہور

(شوال ۱۴۲۳ھ جنوری ۲۰۰۳ء)

مقدمہ

فضيلة الشيخ عبدالله بن عبدالعزيز بن عقيل حفظه الله

الحمد لله الذي انزل على عبده الكتاب ولم يجعل له عوجا واشهد ان لا اله الا الله وحده لا شريك له واشهد ان محمدا عبده ورسوله صلى الله عليه وعلى آله واصحابه وسلم تسليما كثيرا . اما بعد!

اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت اور حکمت سے ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرنے کے لیے اپنی کتاب نازل فرمائی اور اسے امت کے لیے ہدایت و برہان قرار دیا، نیز اسے ذکر و تلاوت اور ہر قسم کی راہنمائی کے لیے نہایت آسان بنایا ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ﴾ (القمر: ۱۷/۵۴) اس عظیم کتاب کو فصیح و بلیغ عربی زبان میں نازل فرمایا، پھر اس کی حفاظت اور اس کو تمام نوع بشری تک پہنچانے کا ذمہ لیا، پھر اہل علم کی ایک جماعت کو مقرر کر دیا کہ وہ اس کی تفسیر و توضیح کریں اور اس کے الفاظ و معانی کو لوگوں تک پہنچائیں، تاکہ اس طرح ہدایت کا اتمام اور حجت قائم ہو۔ علماء نے اپنے اپنے علم کے مطابق قرآن عظیم کی بہت سی تفاسیر لکھی ہیں، ان میں سے بعض نے قرآن کے ذریعے سے قرآن کی تفسیر لکھی، بعض نے احادیث و آثار کے ذریعے سے قرآن کی تفسیر کی، بعض نے لغت عرب اور اس کی انواع کو ذریعہ تفسیر بنایا، اور ان میں سے بعض مفسرین نے صرف احکام کی آیات ہی پر اپنی توجہ کو مرکوز رکھا۔

ہمارے شیخ علامہ عبدالرحمن بن ناصر سعدی رحمۃ اللہ علیہ کو تفسیر قرآن میں حظ وافر عطا ہوا تھا اور یہ انہی کی تفسیر تھی جو تفسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام المنان کے نام سے موسوم ہوئی، کیونکہ اس تفسیر کی عبارات بہت آسان اور اشارات بہت واضح ہیں۔ جناب موصوف نے اسے نہایت خوبصورت متنوع پیرائے میں لکھا ہے جس میں کوئی پوشیدہ معنی ہے نہ ابہام۔ وہ آیت کے معنی مقصود کو ایسے مختصر اور مفید کلام کے ذریعے سے بیان کرتے ہیں جو آیت کے معانی اور احکام کا خواہ یہ منطوق ہوں یا مفہوم کسی طوالت کے بغیر مکمل احاطہ کرتا ہے۔

وہ ایسے قصے، اسرائیلیات اور اقوال نقل نہیں کرتے جو ان کے مقصد کو نظر سے اوجھل کر دیں، نہ وہ مختلف اعراب ہی بیان کرتے ہیں، سوائے نہایت شاذ و نادر صورت کے جبکہ اس پر آیت کا معنی موقوف ہو بلکہ ان کی توجہ ایسی عبارت کے ذریعے سے آیت کے معنی مقصود پر مرکوز رہتی ہے، جسے پڑھنے والا سمجھ لیتا ہے، وہ جب بھی کوئی علمی نکتہ بیان کرتے ہیں وہ درحقیقت اتنا آسان ہوتا ہے کہ محض اس کے الفاظ پڑھ کر اس کے معانی سمجھ میں آ جاتے ہیں، انہوں نے عقیدہ سلف، توجہ الی اللہ، احکام شریعت کے استنباط، قواعد اصول اور فقہی فوائد وغیرہ کو راسخ کرنے کا اہتمام کیا ہے، جو دیگر تفاسیر میں نہیں ملتے، نیز انہوں نے صفات الہیہ کی تفسیر کو عقیدہ سلف کے تقاضوں کے مطابق

بیان کیا ہے، بعض مفسرین کے برعکس جو ان آیات کی تاویل کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ میں نے عنیزہ کی جامع مسجد میں منعقد درس کے حلقوں میں علامہ عبدالرحمن بن ناصر سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر کی سماعت کی ہے۔ میں ان لوگوں میں سے ہوں جنہوں نے اس تفسیر کو چھاپنے کا مشورہ دیا چنانچہ مصنف کی زندگی ہی میں پہلے پانچ پاروں کی تفسیر ۱۳۷۵ھ میں مطبع سلفیہ مصر سے طبع ہوئی۔ اس کے بعد ہم نے باقی تفسیر کو چھاپنے کے لیے باہم مشورہ کیا، جن دنوں میں عنیزہ میں قاضی تھا میں نے بھی اس کی طباعت میں بھرپور کوشش کی تو بقیہ تفسیر مصنف کی وفات کے بعد ۷۷-۷۶-۱۳۷۶ھ میں طبع ہوئی۔ اس کی طباعت مکمل ہو جانے کے بعد لوگوں نے درس و تدریس کے حلقوں میں اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ ہم نے اپنے طالب علم بھائیوں اور بیٹوں کو اس تفسیر کی تعلیم دی، اس سے خیر کثیر حاصل ہوا، اس کی واضح عبارات کی وجہ سے ائمہ مساجد نے جماعت میں اس کی تدریس کی۔ اس کے بعد یہ متعدد بار طبع ہوئی مگر تمام طباعت غلطیوں سے خالی نہ تھیں۔

جب تمام طباعت کی یہ حالت تھی، حالانکہ لوگوں کو اس کی سخت ضرورت تھی، تو ہمارے عزیز الشیخ الفاضل عبدالرحمن بن معلا اللومحق، استاذ کلیۃ الشریعہ، جامعہ امام محمد بن سعود اسلامیہ نے اسے قرآن کریم کے حاشیہ پر طبع کرانے کے لیے کمر ہمت باندھی۔ قرآن کریم کے صفحہ کے سامنے تفسیر کا وہ حصہ رکھا گیا ہے جو قرآن کے اس جزء سے متعلق ہے۔ اس ایڈیشن کے ابتدائی نمونے مجھے دکھائے گئے جو مجھے بے حد پسند آئے۔ انہیں دیکھ کر میں بہت خوش ہوا۔ امید ہے کہ یہ ایڈیشن کتاب اللہ کو سمجھنے، اس کی تلاوت اور اس کے حفظ کی طرف توجہ میں بہترین مددگار ثابت ہوگا۔ اس طرح قرآن کریم کی تلاوت کرنے والے کے لیے استفادہ کرنا بہت آسان ہو گیا ہے، کیونکہ تفسیر کی بڑی بڑی کتابوں کی طرف رجوع کرنے کی بجائے سہولت اور سرعت سے اسی صفحہ پر آیت کی تفسیر کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے، نیز اصل نسخہ کی تصحیح اور بہترین طباعت کا اہتمام کیا گیا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہمارے ہونہار فاضل شیخ عبدالرحمن بن معلا اللومحق کی اس بابرکت کاوش کو قبول فرمائے اور انہیں بہترین جزا سے نوازے، گزشتہ ایڈیشنوں کی طرح اس ایڈیشن کو نفع مند بنائے، نیز اللہ تعالیٰ ان تمام حضرات کو بہترین جزا عطا کرے جنہوں نے اس فائدہ مند تفسیر کی طباعت و اشاعت میں حصہ لیا ہے۔ اللہ تعالیٰ تفسیر کے مؤلف اور ان تمام لوگوں کو اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔ بلاشبہ وہ جواد و کریم ہے۔
وصلی اللہ علی نبینا محمد وآلہ وصحبہ وسلم۔

عبداللہ بن عبدالعزیز بن عقیل

سابق سربراہ مجلس دائرۃ عدالت عالیہ،

(ریٹائرڈ) رکن مجلس عدالت عالیہ

(سعودی عرب)

مقدمہ

فضيلة الشيخ محمد بن صالح العثيمين رحمه الله

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على نبينا محمد وعلى آله واصحابه
ومن تبعهم باحسان الى يوم الدين. اما بعد!

ہمارے شیخ عبدالرحمن بن ناصر سعدی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر جو کہ ”تیسیر الکریم الرحمن فی تفسیر کلام
المنان“ کے نام سے موسوم ہے، بہترین تفاسیر میں شمار ہوتی ہے، کیونکہ اس کی بہت سی امتیازی خصوصیات ہیں۔
۱- اس کی عبارت بہت آسان اور واضح ہے جسے راسخ اہل علم اور کم علم رکھنے والے حضرات بھی آسانی سے سمجھ
لیتے ہیں۔

۲- حشو اور تطویل سے اجتناب کیا گیا ہے، جس میں وقت کے ضیاع اور ذہنی انتشار کے سوا کوئی فائدہ نہیں۔

۳- خلافت کے ذکر سے گریز کیا گیا ہے، البتہ اگر اختلاف قوی ہے اور اس کو بیان کرنے کی ضرورت ہے، تو
اس کا ذکر کیا گیا ہے۔ قاری کے لحاظ سے یہ امتیازی خصوصیت بہت اہم ہے، کیونکہ اس طرح کسی ایک چیز
پر اس کا فہم جم جاتا ہے۔

۴- اس میں صفات الہیہ کی آیات کے ضمن میں سلف کے منہج کو اختیار کیا گیا ہے، چنانچہ اس میں کسی قسم کی تحریف
ہے نہ کوئی ایسی تاویل ہی ہے جو کلام الہی سے اللہ تعالیٰ کی مراد کی مخالف ہو۔ اس لئے یہ تفسیر عقیدہ کو واضح
اور راسخ کرنے کے لیے بنیاد فراہم کرتی ہے۔

۵- آیات جن احکام اور فوائد پر دلالت کرتی ہیں ان میں نہایت دقیق استنباط کیا گیا ہے۔ بعض آیات میں یہ
استنباط نمایاں نظر آتا ہے، مثلاً سورۃ ”المائدہ“ میں آیت وضو جہاں انہوں نے پچاس احکام مستنبط کئے ہیں
اور اسی طرح سورۃ ”ص“ میں سیدنا داؤد اور سیدنا سلیمان علیہما السلام کے قصہ میں باریک بینی سے استنباط کیا ہے۔

۶- یہ کتاب، تفسیر اور اخلاق فاضلہ کے ضمن میں تربیت کی کتاب ہے جیسا کہ سورۃ ”الاعراف“ میں اللہ تعالیٰ
کے ارشاد ﴿حٰنِ الْعَفْوَ وَأَوْصِرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ﴾ (الاعراف: ۱۶۷-۱۶۸) ”(اے نبی)
درگزر کرنے کا رویہ اختیار کیجئے، معروف کاموں کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے کنارہ کیجئے۔“ میں واضح ہے۔

یہ نایاب کتاب ہر اس شخص کو جو کتب تفسیر کا دلدادہ ہے، مشورہ دیتا ہوں کہ اس کا کتب خانہ اس بلند پایہ تفسیر
سے خالی نہ ہو۔ میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس (عظیم تفسیر) کے مؤلف اور قارئین کو نفع پہنچائے۔

إِنَّهُ كَرِيمٌ جَوَادٌ وَصَلَّى اللَّهُ عَلَى نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَأَصْحَابِهِ وَمَنْ تَبِعَهُمْ بِإِحْسَانٍ

محمد صالح العثيمين

۱۵ رمضان ۱۴۱۶ھ (سعودی عرب)



مفسر قرآن کے حالاتِ زندگی

ایک شاگرد کے قلم سے

نام، نسب، پیدائش اور ان کی حالتِ یتیمی میں پرورش:

آپ کا نام ابو عبد اللہ عبد الرحمن بن ناصر بن عبد اللہ بن ناصر آل سعدی ہے۔ آپ کا تعلق قبیلہ تمیم سے ہے۔ آپ فصیم کے شہر عنیزہ میں ۱۲ محرم ۱۳۰۷ھ (۱۸۸۷ء) کو پیدا ہوئے۔

آپ کی والدہ محترمہ اس وقت فوت ہو گئیں جب آپ کی عمر چار برس تھی۔ اور جب آپ کی عمر سات برس ہوئی تو والد مکرم کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا۔ اس طرح آپ نے حالتِ یتیمی میں بڑی عمدہ پرورش پائی۔ آپ کی ذہانت و فطانت اور علمی شوق کی وجہ سے صغریٰ ہی میں لوگوں کی نظریں آپ کی طرف اٹھنے لگی تھیں۔

والد محترم کی وفات کے بعد آپ نے پہلے قرآن کریم پڑھا، پھر اسے حفظ کیا اور گیارہ سال تک اس میں مہارت و ثقاہت حاصل کرتے رہے۔ پھر اپنے شہر کے علماء اور شہر میں موجود بیرونی علماء سے علم حاصل کرنے میں مشغول رہے۔ آپ نے سخت جدوجہد کے ذریعے سے مختلف علمی فنون سے وافر حصہ حاصل کیا۔ اور جب آپ کی عمر ۲۳ برس ہوئی تو مسند تدریس پر متمکن ہوئے۔ اس طرح آپ تعلیم و تعلم میں مصروف رہنے لگے۔ حتیٰ کہ ۱۳۵۰ھ میں عنیزہ میں تعلیم و تدریس کی ذمہ داری آپ ہی کے سپرد کی گئی۔ اور تمام متلاشیان علم کے نزدیک آپ معتمد علیہ بن گئے۔

آپ کے مشائخ:

۱۔ سب سے پہلے آپ نے شیخ ابراہیم بن حمد بن جاسر سے استفادہ کیا۔ ان کے بارے میں استاد گرامی فرمایا کرتے تھے کہ وہ بلند مقام حافظ حدیث تھے۔ ان کے تقویٰ اور فقراء سے محبت و ہمدردی کو بیان کرتے ہوئے فرماتے کہ کئی بار کوئی فقیر سردی کے دنوں میں آپ کے پاس آتا تو آپ ذاتی ضرورت اور مالی قلت کے باوجود اپنا ایک کپڑا اتار کر اسے دے دیتے۔

- ۲- شیخ محمد بن عبدالکریم الشبل، ان سے آپ نے فقہ اور علوم عربی وغیرہ پڑھے۔
- ۳- شیخ صالح بن عثمان القاضی (قاضی عنیزہ) ان سے توحید، تفسیر، فقہی اصول و فروع اور علوم عربی میں استفادہ کیا۔ اساتذہ میں سے سب سے زیادہ استفادہ آپ نے انہی سے کیا اور ان کی وفات تک ان سے وابستہ رہے۔
- ۴- شیخ عبداللہ بن عایض۔
- ۵- شیخ صحب التویجری۔
- ۶- شیخ علی السنانی۔
- ۷- شیخ علی بن ناصر بن وادی، ان سے آپ نے حدیث کا علم سیکھا اور صحاح ستہ پڑھیں اور ان کتابوں کی روایت کی بھی اجازت لی۔
- ۸- شیخ محمد بن عبدالعزیز بن محمد بن عبداللہ بن مانع، ان سے آپ نے عنیزہ میں تعلیم حاصل کی تھی۔
- ۹- آپ کے اساتذہ میں سے شیخ محمد الشنقیطی ہیں، جو پہلے حجاز میں اور پھر الزبیر میں مقیم رہے۔ جب وہ عنیزہ تشریف لائے تو استاذ مکرم نے ان سے تفسیر، مصطلح الحدیث اور علوم عربی، نحو و صرف وغیرہ پڑھیں۔

اخلاق حمیدہ کی ایک جھلک:

آپ بہترین اخلاق سے متصف ہونے کے ساتھ ساتھ ہر چھوٹے بڑے اور امیر و غریب کے لیے انتہائی متواضع تھے۔ آپ اپنا کچھ وقت ان لوگوں کے ساتھ گزارتے جو آپ کے ساتھ مجلس کے خواہاں ہوتے۔ اس طرح ان کی مجلس ایک علمی بزم بن جاتی۔ کیونکہ آپ کی کوشش ہوتی تھی کہ آپ کی مجلس علمی اور اجتماعی مباحث پر مشتمل ہو تاکہ اہل مجلس کو زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل ہوں۔ اس طرح ان کی عام مجالس بھی عبادت اور علمی مجالس بن جاتیں۔ آپ ہر شخص سے اس کے مناسب حال کلام فرماتے اور اس کے ساتھ دنیا و آخرت کے نفع بخش مواقع کی تلاش میں رہتے۔ آپ نے کئی مواقع پر فریقین کے جھگڑے انصاف کے ساتھ حل فرمائے۔

آپ فقراء، مساکین اور غرباء پر بڑی شفقت فرماتے تھے۔ خود بھی حسب استطاعت ان کی مالی معاونت کرتے اور اہل خیر سے بھی ان کی معاونت کا تقاضا کرتے جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں معروف تھے۔

آپ اپنے تمام اعمال میں ادب و احترام، عفت و عصمت، پارسائی اور حزم و احتیاط میں بلند مرتبہ پر فائز تھے۔

آپ لوگوں میں سب سے بہترین معلم سمجھانے میں سب سے بلیغ اور اوقات تعلیم کو مرتب کرنے والے تھے۔ آپ فارغ التحصیل ہونے والے طلبہ کے افکار کو جلا بخشنے کے لیے ان کے درمیان مناظرے کرواتے۔ اور متون کے حفظ پر خصوصی انعامات سے نوازتے۔ اور آپ کی عطا سے کوئی طالب علم محروم نہ رہتا۔ آپ اپنے شاگردوں سے مفید درسی کتب کے انتخاب میں مشورہ کرتے اور اکثریت کی رائے کو ترجیح دیتے، اگر رائے دہندگان برابر برابر ہو جاتے تو فیصلہ کن رائے آپ کی ہوتی۔ آپ کے شاگرد طویل تعلیمی اوقات سے اکتاتے نہیں تھے کیونکہ وہ آپ کی مجالس سے لطف اندوز ہوتے تھے۔ اسی لیے آپ سے سند فراغت حاصل کرنے والوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی طویل زندگی سے نفع عطا فرمائے، ہمارے اور ان کے اوقات میں برکت دے اور ہمیں اور ان کو باقی رہنے والے نیک اعمال کا زاد راہ عطا فرمائے۔

علمی مقام و مرتبہ:

آپ فقہ اور اس کے اصول و فروع میں کامل معرفت رکھتے تھے۔ ابتدا میں آپ اپنے اساتذہ کے اتباع میں مذہب حنابلہ کے پیروکار تھے۔ آپ نے مذہب حنبلی کے بعض متون حفظ کیے اور شروع شروع میں فقہ میں ایک کتاب بھی تصنیف کی۔ تقریباً چار سو اشعار پر مشتمل ایک رجز یہ نظم لکھی اور اس کی مختصر شرح کی، لیکن اس کتاب کی اشاعت کو آپ نے پسند نہ فرمایا کیونکہ یہ ان کے ابتدائی مسلک کے موافق تھی۔

آپ نے زیادہ تر استفادہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور ان کے شاگرد رشید ابن قیمؒ کی کتابوں سے کیا، اور ان دو ہستیوں سے آپ کو علم اصول، توحید، تفسیر، فقہ اور دوسرے نفع بخش علوم میں بہت ساری خیر و برکت نصیب ہوئی۔ مذکورہ دو شیوخ کی کتابوں سے روشنی حاصل کرنے کے بعد آپ مذہب حنبلی کے پابند نہ رہے بلکہ دلیل شرعی سے راجح قرار پانے والے مسئلے ہی کو ترجیح دینے لگے۔

آپ بعض متعصب لوگوں کی طرح علمائے مذاہب پر طعن و تشنیع نہیں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور انہیں واضح حق کی ہدایت نصیب فرمائے۔

آپ کو تفسیر میں ید طولیٰ (کمال مہارت) حاصل تھا، اس لیے کہ آپ کا مطالعہ تفاسیر خاصاً وسیع اور نہایت گہرا تھا، آپ نے کئی جلدوں میں جلیل القدر تفسیر تالیف فرمائی ہے اور آپ نے عدیم الفرستی کی وجہ سے یہ کام بغیر کتابوں کے فی البدیہہ انداز میں کیا ہے۔ اور جب شاگرد قرآن کریم کی تلاوت کرتے تو آپ فی البدیہہ تفسیر کرتے، قرآن کریم کے معانی اور فوائد و ضاحت سے بیان فرماتے، قرآن سے نادر فوائد اور شاندار معانی کا استنباط کرتے، حتیٰ کہ سامع آپ کی فصاحت و بلاغت، موثر الفاظ کے استعمال، دلائل، قصص میں آپ کی

وسعت علمی کی وجہ سے خواہش کرتا کہ آپ بیان ہی کرتے رہیں۔

جن لوگوں نے آپ کی مجلس اختیار کی آپ سے پڑھا اور آپ کے ساتھ بحث و تہیص کی وہ آپ کی منزلت علمی سے واقف ہیں۔ اسی طرح جن لوگوں نے آپ کی تصنیفات اور فتاویٰ پڑھے وہ بھی آپ کے علمی مقام کے معترف ہیں۔

تالیفات:

آپ کی تالیفات بہت زیادہ ہیں، ہم ان میں سے چند ایک کا ذکر کرتے ہیں:

- ۱۔ تفسیر القرآن الکریم المسمیٰ "تیسیر الکریم الرحمن" ۱۳۳۲ھ میں مکمل فرمایا اور یہ تفسیر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔
- ۲۔ "حاشیة علی الفقہ" مذہب حنبلی میں مستعمل تمام کتب پر استدرک ہے۔ (طبع نہیں ہوئی)
- ۳۔ "ارشاد اولی البصائر والالباب لمعرفة الفقہ باقرب الطرق وایسر الاسباب" اس کتاب کو سوالاً جواباً مرتب کیا۔ یہ کتاب ۱۳۶۵ھ میں دمشق کے مطبع ترقی سے مؤلف کے خرچ پر طبع ہو کر مفت تقسیم ہوئی۔
- ۴۔ "الدرة المختصرة فی محاسن الاسلام" مطبع انصار السنة سے ۱۳۶۶ھ میں طبع ہوئی۔
- ۵۔ "الخطبة العصرية القيمة" جب عزیزہ شہر کی مسند خطابت آپ کے سپرد ہوئی تو آپ کو شش کرتے کہ جمعہ اور عیدین کے خطبہ میں ایسے موضوعات پر خطبہ دیں جو حالات حاضرہ کے موافق اور لوگوں کی ضروریات کے مطابق ہوں۔ پھر ان خطبوں کو جمع کر کے "الدرة المختصرة" کے ساتھ مطبع انصار السنة سے اپنے خرچ پر طبع کروا کر مفت تقسیم کیا۔
- ۶۔ "القواعد الحسان لتفسیر القرآن" مطبع انصار السنة سے ۱۳۶۶ھ میں طبع کروا کر مفت تقسیم کی۔
- ۷۔ "تنزیہ الدین و حملته ورجاله" مما افتراه القصیمی فی اغلاله، مطبع دار احیاء الکتب العربیہ سے عالی مرتبت شیخ محمد افندی نصیف کے خرچ پر ۱۳۶۶ھ میں طبع ہوئی۔
- ۸۔ "الحق الواضح المبین" فی شرح توحید الانبیاء والمرسلین۔
- ۹۔ "توضیح الکافیة الشافیة" یہ کتاب شیخ ابن القیم کے قصیدہ نونیہ کی شرح کی طرح ہے۔
- ۱۰۔ "وجوب التعاون بین المسلمین" و موضوع الجهاد الدینی "یہ آخری تین کتابیں مؤلف

۱۱- کے خرچ پر مطبع سلفیہ قاہرہ سے طبع ہوئیں اور مفت تقسیم کی گئیں۔
”القول السدید فی مقاصد التوحید۔“ مصر کے مطبع الامام سے، عبدالحسن اباطین کے خرچ پر
۱۳۶۷ھ میں طبع ہوئی۔

۱۲- ”مختصر فی اصول الفقہ۔“ (طبع نہیں ہوئی)

۱۳- ”تیسیر اللطیف المنان فی خلاصۃ تفسیر القرآن“ مطبع الامام سے استاذ محترم اور اہل خیر
کی ایک جماعت کے تعاون سے طبع ہوئی اور مفت تقسیم کی گئی۔
۱۴- ”الریاض الناضرة“ پہلی مرتبہ مطبع الامام سے طبع ہوئی۔

۱۵- ان کے علاوہ آپ کی بے شمار غیر مرتب تحریریں اور فتاویٰ ہیں جو اندرون اور بیرون شہر سے انہیں
موصول ہوتے تھے اور آپ ان کے جوابات دیتے تھے۔ اس کے علاوہ بہت سی ایسی کتابوں پر آپ کی
تعلیقات ہیں جو آپ کے زیر مطالعہ رہیں۔

آپ کی تحریر میں بڑی روانی تھی اسی لیے آپ نے بہت سی کتب اور فتاویٰ لکھے۔ آپ کی تحریروں میں ابن
عبدالقوی کی مشہور نظم کا حاشیہ بھی ہے۔ آپ نے اس کی مستقل شرح لکھنے کا ارادہ کیا لیکن اسے اپنے لیے پر
مشقت دیکھ کر اپنے ہاتھ سے اس پر حاشیہ لکھا تا کہ اسے سمجھنا آسان ہو جائے۔ اس طرح یہ حاشیہ شرح کا قائم
مقام ہو گیا۔ اسی لیے ہم نے اسے شیخ کی مستقل تصانیف میں درج نہیں کیا۔

تالیف کی غرض و غایت:

آپ کا تصنیف و تالیف کا مقصد علم کی نشر و اشاعت اور دعوت حق ہے۔ اسی لیے آپ کتابیں لکھتے اور افادۃ
عام کے لیے انہیں حسب استطاعت طبع کروا کر مفت تقسیم فرماتے اور ان سے عارضی اور دنیوی مال و متاع حاصل
نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے اور باری تعالیٰ ہمیں اپنی رضا
والے کاموں کی توفیق دے۔ (آمین)

وفات:

آپ نے علم کی خدمت میں تقریباً ۶۹ برس کی طویل عمر گزاری اور قصیم کے شہر عنیزہ میں ۱۳۷۶ھ (۱۹۵۶ء)
میں وفات پائی۔ اللہ تعالیٰ آپ پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ (آمین)





مقدمہ مفسر

ہر قسم کی حمد و ثنا کی مستحق صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل فرمایا جو حلال و حرام، خوش بخت و بد بخت اور حق و باطل کے درمیان امتیاز کرتا ہے۔ اسے کفر و ضلالت اور معاصی و جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں تمام انسانوں کے لیے عام طور پر اور اہل تقویٰ مومنین کے لیے خاص طور پر نور ایمان اور علم و تقویٰ کی طرف راہ نمائی کرنے والا قرار دیا اور اسے قلب کے شبہات و شہوات کے جملہ امراض کی شفا کے طور پر نازل فرمایا۔ اس کے ذریعے سے مقاصد عالیہ میں علم و یقین حاصل ہوتا ہے اور ابدان کو علل و امراض اور آلام و اسقام سے شفا ملتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس کتاب عظیم میں کسی بھی پہلو سے کوئی شک و شبہ نہیں، کیونکہ یہ اپنی اخبار اور اوامر و نواہی میں حق عظیم پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو برکت والی کتاب بنا کر بھیجا ہے جس کے اندر خیر کثیر، علم کی گہرائی، گونا گوں اسرار و رموز اور بلند مقاصد پنہاں ہیں۔ پس دنیا و آخرت کی ہر برکت و سعادت صرف اسی کو راہ نمایا کر اور اس کی پیروی کر کے ہی حاصل کی جاسکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ خبر بھی دی ہے کہ یہ کتاب گزشتہ کتابوں کی تصدیق اور نگہبانی کرتی ہے اس لیے جس کے حق ہونے کی یہ گواہی دے صرف وہی حق ہے اور جس کو یہ رد کر دے وہ مردود ہے، کیونکہ یہ گزشتہ کتب الہی کی ہدایت کو نہ صرف متضمن ہے بلکہ یہ مزید ہدایت پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں فرمایا: ﴿يَهْدِي بِهٖ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانًا سُبُلَ السَّلٰمِ﴾ (المائدہ: ۱۶۱۵) ”اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے سے ان لوگوں کی سلامتی کے راستوں کی طرف راہ نمائی کرتا ہے جو اس کی خوشنودی کی پیروی کرتے ہیں۔“ پس اللہ تعالیٰ ہی سلامتی کے گھر کی طرف راہ نمائی کرنے والا اس گھر تک پہنچنے والے راستے کو واضح کرنے والا اس راستے پر چلنے کے لیے آمادہ کرنے والا اور اس پر رواں دواں رکھنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی ان راستوں سے آگاہ فرماتا ہے اور ان سے ڈراتا ہے جو انسان کو آلام و مصائب کی طرف لے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿كِتٰبٌ اٰحْكَمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فَضَّلَتْ مِنْ كَدِّنٍ حٰكِمٍ حَبِيْبٍ﴾ (ہود: ۱۱۱) ”یہ وہ کتاب ہے جس کی آیات کو محکم کیا گیا پھر ان کو کھول کھول کر بیان کیا گیا، ایک دانہ اور خبر دار ہستی کی طرف سے۔“ پس اللہ تعالیٰ نے اس کتاب عظیم کی آیات کو پوری طرح واضح فرمایا اور ہر طرح سے محکم اور

مضبوط کیا۔ حق و باطل اور رشد و ضلالت کے درمیان امتیاز کرتے ہوئے ان آیات کو اس طرح کھول کھول کر بیان کیا کہ التباس کے تمام پردے ہٹا دیئے کیونکہ یہ کتاب ایک دانا اور خبردار ہستی کی طرف سے آئی ہے۔ بنا بریں یہ عظیم کتاب حق و صداقت اور یقین کے سوا کسی چیز کی خبر نہیں دیتی، عدل و احسان اور نیکی کے سوا کسی چیز کا حکم نہیں دیتی اور دین و دنیا میں نقصان دہ امور کے سوا کسی چیز سے نہیں روکتی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کی قسم کھائی اور اسے (مَجِيْدٌ) کی صفت سے موصوف فرمایا ہے۔ (الْمَجِيْدُ) سے مراد تمام اوصاف کی وسعت اور ان کی عظمت ہے۔ قرآن ان اوصاف سے اس لیے متصف کیا گیا ہے کیونکہ قرآن کے معانی اور ان کی عظمت ان تمام اوصاف پر مشتمل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کو (ذُو الذِّكْرِ) کہہ کر اس کا وصف بیان فرمایا ہے یعنی اس میں علوم الہیہ، اخلاق جمیلہ اور اعمال صالحہ کا ذکر ہے اور جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس سے نصیحت حاصل کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ (یوسف: ۲۱۱۲) ”ہم نے اس قرآن کو عربی میں نازل کیا ہے شاید کہ تم سمجھو“ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے عربی زبان میں نازل فرمایا تاکہ ہم اسے سمجھ سکیں اور ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس میں غور و فکر کریں اور اس کے علوم کا استنباط کریں، کیونکہ غور و فکر ہی ہر خیر کی کنجی ہے اور غور و فکر ہی سے علوم و اسرار حاصل ہوتے ہیں۔

پس ہر قسم کی حمد و مدح اور شکر و ثنا اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے کہ اس نے اپنی کتاب کو ہدایت و شفا، رحمت و نور، چشم بینا عطا کرنے والی یاد دہانی کرانے والی عبرت، برکت اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور خوشخبری بنایا ہے۔ جب یہ حقیقت معلوم ہوگئی تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ مکلف اس کے معانی کی معرفت اور اس سے راہ نمائی حاصل کرنے کا محتاج ہے۔

بندے پر فرض ہے کہ وہ قرآن سیکھنے اور اس کو سمجھنے کے لیے پوری کوشش اور جدوجہد سے کام لے اور اس منزل تک پہنچنے کے لیے آسان اور قریب ترین ذرائع استعمال کرے۔

ائمہ تفسیر رضی اللہ عنہم نے قرآن کریم کی بہت سی تفاسیر لکھی ہیں۔ ان میں سے کچھ تفاسیر بہت طویل اور ضخیم ہیں اور ان کے اکثر مباحث مقصد سے ہٹے ہوئے ہیں۔ کچھ تفاسیر انتہائی مختصر ہیں جن میں مفہوم مراد سے قطع نظر صرف لغوی الفاظ کی توضیح و تشریح پر اکتفا کیا گیا ہے حالانکہ اس سلسلے میں مناسب یہ ہے کہ معانی کو مقصد بنایا جائے اور الفاظ ان معانی کے حصول کا وسیلہ ہیں۔ اس لیے سیاق کلام میں غور کیا جائے کہ اس کا مقصد سیاق کیا ہے پھر دیگر مقامات پر اس کی نظائر کے ساتھ اس کا تقابل کیا جائے تب معلوم ہوگا کہ اس کا مقصد سیاق تمام مخلوق کی ہدایت ہے خواہ وہ عالم ہوں یا جاہل، شہری ہوں یا بدوی۔ پس آیات کے اسالیب میں غور و فکر کے ساتھ ساتھ

نزول قرآن کے وقت رسول اللہ ﷺ کے احوال آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم اور دشمنوں کے ساتھ آپ کی سیرت کا علم سب سے بڑا ذریعہ ہے جو معرفت معانی اور فہم مراد کے حصول میں مدد دیتا ہے۔ خاص طور پر جب اس کے ساتھ مختلف علوم عربیہ کو شامل کر لیا جائے (تو فہم قرآن آسان تر ہو جاتا ہے)

جسے ان امور کی توفیق عطا کر دی گئی ہو تو اس کے سامنے قرآن میں تدبر و تفہم اس کے الفاظ و معانی اور ان کے لوازم منطوق و مفہوم کے اعتبار سے ان کی دلالت پر بکثرت غور و فکر کے سوا کچھ باقی نہیں رہتا۔ پس جب وہ اس بارے میں پوری کوشش کرتا ہے تو رب تعالیٰ اپنے بندے سے زیادہ کریم ہے وہ اپنے بندے پر علوم قرآن کے ایسے امور منکشف کرتا ہے جنہیں وہ اکتسابی طور پر حاصل نہیں کر سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اور میرے بھائیوں پر احسان فرمایا اور ہمارے احوال کی مناسبت سے ہمیں اپنی کتاب عزیز میں مشغول رہنے کی توفیق سے نوازا۔ میں چاہتا ہوں کہ میں حسب توفیق کتاب اللہ کی تفسیر لکھوں جو فہم قرآن کے حصول کے خواہشمندوں کے لیے یاد دہانی، بصیرت کے متلاشیوں کے لیے ذریعہ بصیرت اور اصحاب سلوک کے لیے معونت ہو اور اس کے ضائع ہونے کے ڈر سے میں اس کو ضبط تحریر میں لے آیا ہوں۔

اس تفسیر میں میرا مقصد معنی مقصود کے سوا کچھ نہیں اور اس معنی کے حصول کے لیے میں الفاظ کی تحلیل اور ان کے عقدہ کشائی میں مشغول نہیں ہوا، کیونکہ اس میدان میں مفسرین کی کاوشوں نے بعد میں آنے والوں کو بے نیاز کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو تمام مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر سے نوازے۔

میں اللہ تعالیٰ سے امید کرتا ہوں اور وہی میرا سہارا ہے کہ وہ میرے مقصد کے حصول کو میرے لیے آسان کرے گا، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ اس مقصد کے حصول کو آسان نہ بنائے تو اس کو حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ مدد نہ فرمائے تو بندے کے پاس اپنی آرزوں تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں اور میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ اس کاوش کو اپنی رضا کے حصول کا ذریعہ بنائے اور اس کے نفع کو عام کرے وہ بڑا سخی اور کریم ہے۔

اللہم صل علی محمد وآلہ وصحبہ وسلم تسلیما کثیرا۔





علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف

بدائع الفوائد

میں سے تفسیر قرآن سے متعلق چند اہم فوائد

فصل: علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ نکرہ سیاق نفی میں عمومیت کا فائدہ دیتا ہے یہ اصول اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے مستفاد ہے۔ ﴿وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا﴾ (الکہف: ۴۹/۱۸) ”آپ کا رب کسی پر ظلم نہیں کرتا۔“ ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ﴾ (السجدہ: ۱۷/۳۲) ”کوئی جان نہیں جانتی کہ ان کے لیے کیا آنکھوں کی ٹھنڈک چھپائی گئی ہے۔“

نکرہ سیاق استفہام میں عمومیت کا فائدہ دیتا ہے۔ یہ اصول اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے ماخوذ ہے۔ ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَبِيًّا﴾ (مریم: ۶۵/۱۹) ”کیا تم اس کا کوئی ہم نام جانتے ہو؟“

نکرہ اسلوب شرط میں عمومیت کا فائدہ دیتا ہے۔ یہ اصول اللہ تعالیٰ کے مندرجہ ذیل ارشادات سے مستفاد ہے۔ ﴿فَأَمَّا تَوَارِثُ مِنَ الْبَشَرِ أَحَدًا﴾ (مریم: ۲۶/۱۹) ”اگر تو کسی آدمی کو دیکھے“ ﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِنَ الْبَشَرِ كَانَتْ اسْتِجَارَتُكَ﴾ (التوبہ: ۶۱/۹) ”اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ کا طلب گار ہو۔“

نکرہ سیاق نفی میں عمومیت کا فائدہ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَا يَلْتَفِتُ مِنْكُمْ أَحَدٌ﴾ (ہود: ۸۱/۱۱) ”تم میں سے کوئی مڑ کر نہ دیکھے۔“

نکرہ سیاق اثبات میں عموم علت اور مقتضی کا فائدہ دیتا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا أَحْضَرَتْ﴾ (النکویر: ۱۴/۸۱) ”تب ہر شخص کو یہ معلوم ہو جائے گا کہ وہ کیا لے کر آیا ہے۔“

جب نکرہ کے ساتھ (کُلُّ) کو مضاف بنا لیا جائے تو اس سے عمومیت مستفاد ہوتی ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَجَاءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَائِقٌ وَشَهِيدٌ﴾ (ق: ۲۱/۵۰) ”ہر شخص کے ساتھ ایک ہانکنے والا اور ایک گواہی دینے والا (فرشتہ) ہوگا۔“

نکرہ کی عمومیت، عموم مقتضی کا فائدہ دیتی ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَنَفْسٍ وَمَا سَوَّاهَا﴾ (الشمس: ۷/۹۱) ”اور انسان کی قسم اور اس کی جس نے اسے نک سب سے درست کیا۔“

فصل: اگر مفرد کے ساتھ لام معرفہ ہو تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ الْإِنْسَانَ لِفِي خُسْرٍ﴾ (العصر: ۲/۱۰۳) ”بے شک انسان خسارے میں ہے۔“ اور فرمایا: ﴿وَيَقُولُ الْكَافِرُ﴾ (النبا: ۴۰/۷۸) ”اور کافر کہے گا۔“

اور اگر مفرد مضاف ہو تو اس سے عموم مستفاد ہوتا ہے، مثلاً فرمایا: ﴿وَصَدَقَتْ بِكَلِمَاتِ رَبِّهَا وَكُتِبَ﴾ (التحریم: ۱۲/۶۶) ”اور ایک دوسری قراءت کے مطابق (وکتاہ) ”اس نے اپنے رب کی تمام باتوں کی تصدیق کی اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی“ --- دیگر قراءت کے مطابق --- اس کی کتاب کی تصدیق کی۔“ امام حفص رضی اللہ عنہ اور بصرہ کے قاریوں نے اسے جمع (وکتاہ) پڑھا ہے اور دیگر قاریوں نے اسے واحد (وکتاہ) پڑھا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿هَذَا كِتَابُنَا يُنطِقُ عَلَيْكُمْ بِالْحَقِّ﴾ (الحاثیہ: ۲۹/۴۵) ”یہ ہماری کتاب ہے جو تمہارے بارے میں ٹھیک ٹھیک بیان کر دے گی“ اس سے مراد وہ تمام کتابیں ہیں جن میں انسانوں کے اعمال محفوظ کیے گئے ہیں۔

اور جب جمع کے ساتھ لام معرفہ شامل ہو تو وہ عموم کا فائدہ دیتی ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِذَا الرُّسُلُ أُقْتِنَتْ﴾ (المرسلات: ۱۱/۷۷) ”جب رسول مقرر کر جائیں گے۔“ اور فرمایا: ﴿وَإِذَا أَخَذْنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُمْ﴾ (الاحزاب: ۷/۳۳) ”اور جب ہم نے تمام نبیوں سے ان کا عہد لیا۔“ مثلاً فرمایا: ﴿إِنَّ الْمُسْلِمِينَ وَالْمُسْلِمَاتِ﴾ (الاحزاب: ۳۵/۳۳) ”تمام مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں۔“

اور مضاف عموم کا فائدہ دیتا ہے، مثلاً ﴿كُلُّ أَمْنٍ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ﴾ (البقرہ: ۲۸۵/۲) ”ہر ایک ایمان لایا اللہ تعالیٰ پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر۔“

ادوات شرط سے عموم مستفاد ہوتا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا يَحْفُظْ ظُلْمًا وَلَا هَضْبًا﴾ (طہ: ۱۱۲/۲۰) ”پس جو کوئی نیک کام کرے گا اور وہ مومن بھی ہوگا تو اسے کسی ظلم کا ڈر ہوگا نہ کسی نقصان کا خدشہ۔“ ارشاد ہے: ﴿مَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ﴾ (الزلزال: ۷/۹۹) ”جو کوئی ذرہ بھر بھلائی کرے گا وہ اسے دیکھ لے گا۔“ اور فرمان ہے: ﴿فَإِنْ أَنْتَهُوَ أَفَانًا اللَّهُ عَفُورٌ رَحِيمٌ﴾

(البقرہ: ۱۹۲/۲) ”تم جو نیکی بھی کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔“ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اِنَّ مَا تَكُوْنُوْنَ يُدْرِكُكُمْ الْمَوْتُ﴾ (النساء: ۷۸/۴) ”تم جہاں کہیں بھی ہو گے موت تم کو پا لے گی۔“ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَحَيِّثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْكُمْ شَطْرًا﴾ (البقرہ: ۱۴۴/۲، ۱۵۰) ”اور جہاں کہیں بھی تم ہو اس کی طرف منہ پھیر لو۔“ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِيْ آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ (الانعام: ۶۸/۶) ”جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیتوں کے بارے میں بے ہودہ باتیں کرتے ہیں تب آپ ان سے الگ ہو جائیں۔“ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ﴾ (الانعام: ۵۴/۶) ”جب وہ لوگ جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں آپ کے پاس آئیں تو ان سے کہہ دیں تم پر سلامتی ہو تمہارے رب نے اپنی ذات پر رحمت لازم کر لی ہے۔“ یہ اس وقت ہے جب جواب طلب کے طور پر ہو۔ اگر شرط کا جواب ماضی میں ہو تب عموم لازم نہیں ہوتا مثلاً اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ نَهْوًا أَنْقَضُوا إِلَيْهَا﴾ (الجمعة: ۱۱/۶۲) ”جب یہ لوگ کوئی تجارت یا کوئی کھیل تماشہ دیکھتے ہیں تو اس کی طرف بھاگ جاتے ہیں۔“ فرمایا: ﴿إِذَا جَاءَكَ الْمُنْفِقُونَ قَالُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ﴾ (المنافقون: ۱/۶۳) ”جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ بے شک آپ اللہ کے رسول ہیں۔“ جب شرط کا جواب مستقبل میں ہو تو عموم کی طرف لوٹانے کو لازم قرار دیا ہے مثلاً ﴿وَإِذَا كَانُوا مِنْهُمْ أَوْ وَزَنُوهُمْ يُخْسِرُونَ﴾ (المطففين: ۳/۸۳) ”جب وہ لوگوں کو ناپ کر یا تول کر دیں تو کم دیں۔“ ارشاد ہے: ﴿وَإِذَا مَرُّوا بِهِمْ يَتَغَامِرُونَ﴾ (المطففين: ۳۰/۸۳) ”وہ جب ان کے پاس سے گزرتے تو حقارت سے اشارے کرتے۔“ ﴿إِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ يَسْتَكْبِرُونَ﴾ (الصافات: ۳۵/۳۷) ”بے شک جب ان سے کہا جاتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو وہ تکبر کرتے ہیں۔“ اور کبھی کبھی یہ اسلوب عموم کا فائدہ نہیں دیتا۔ ﴿وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ﴾ (المنافقون: ۴/۶۳) ”جب آپ ان کو دیکھتے ہیں تو ان کے جسم آپ کو اچھے لگتے ہیں۔“

فصل: امر مطلق سے وجوب اس صورت میں مستفاد ہوتا ہے کہ اس امر کی مخالفت کرنے والے کی مذمت کی گئی ہو ایسے شخص کو نافرمان گردانا گیا ہو اور اس امر کی مخالفت پر کوئی دنیاوی سزا یا اخروی عذاب مرتب ہوتا ہو۔
نہی مطلق سے تحریم اس صورت میں مستفاد ہوتی ہے کہ اسکے مرتکب کی مذمت کی گئی ہو اسے نافرمان گردانا گیا ہو اور اس کے ارتکاب پر عذاب مرتب ہوتا ہو۔

وجوب کبھی تو محض امر سے مستفاد ہوتا ہے کبھی وجوب فرضیت اور لزوم کی تصریح سے اخذ ہوتا ہے اور کبھی لفظ ”علی“ اور کبھی ”حَقَّ عَلَيَّ الْعِبَادِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ“ جیسے الفاظ وجوب کا فائدہ دیتے ہیں۔

تحریم، نہی سے مستفاد ہوتی ہے، نیز تحریم و حرمت کی تصریح، فعل حرام پر وعید، فاعل کی مذمت اور اس فعل کا کفارہ تحریم کا فائدہ دیتے ہیں۔

(لَا يَنْبَغِي) کا فقرہ قرآن اور رسول ﷺ کی لغت میں عقلاً اور شرعاً ممانعت کے لیے ہے۔ اسی طرح (مَا كَانَ لَهُمْ كَذًا وَكَذًا، لَمْ يَكُنْ لَهُمْ) فعل پر حد کا مرتب ہونا، (لَا يَجِلُّ) اور (لَا يَضْلُج) کا فقرہ، فعل کو فساد سے متصف کرنا، نیز یہ کہ فعل مذکور شیطان کی طرف سے آراستہ کیا گیا اور شیطانی فعل ہے، اللہ تعالیٰ کا اس فعل کو پسند نہ کرنا، بندوں کے لیے اس فعل پر راضی نہ ہونا، اس کے فاعل کو پاک نہ کرنا، اس کے ساتھ کلام نہ کرنے اور اس کی طرف نہ دیکھنے کی وعید سنانا اور اس قسم کے تمام اسالیب تحریم کے لیے ہیں۔

فعل کے ارتکاب کی اجازت و اختیار، اس کو حرام ٹھہرانے کے بعد اس کے فعل کا حکم دینا، اس فعل پر گناہ، حرج اور مواخذے کی نفی، اس بات کی خبر کہ اللہ تعالیٰ اس کے مرتکب کو معاف کر دیتا ہے، زمانہ وحی میں مرتکب کو اس فعل پر باقی رکھنا، اس شے کو حرام ٹھہرانے والے کا انکار کرنا، اس بات کی خبر دینا کہ یہ تمام اشیاء ہمارے لیے تخلیق کی گئی ہیں اور انہیں ہمارے لیے بنایا گیا ہے اور ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا اپنے احسان کا ذکر کرنا، سابقہ امتوں کے کسی فعل کی اس کے مرتکب کی مذمت کیے بغیر خبر دینا۔۔۔ اباحت کا فائدہ دیتا ہے۔

اگر اس کی خبر کسی ایسی مدح کے ساتھ مقرون ہو جو اس کے رائج ہونے پر دلالت کرتی ہو تو استحباب اور وجوب

کا فائدہ دیتی ہے۔

فصل: ہر وہ فعل جس کی اللہ اور اس کے رسول نے تعظیم کی ہو یا اس کی مدح کی ہو یا اس فعل کی وجہ سے اس کے فاعل کی مدح کی ہو یا اس فعل پر فرحت کا اظہار کیا ہو یا اس فعل کو پسند کیا ہو یا اس کے فاعل کو پسند کیا ہو یا اس فعل اور اس کے فاعل پر رضا کا اظہار کیا ہو یا اس فعل کو پاک، بابرکت اور اچھا ہونے کی صفت سے متصف کیا ہو یا اس فعل کو دنیا و آخرت میں اللہ کی محبت اور ثواب کا سبب قرار دیا ہو یا اس فعل کو اس بات کا سبب قرار دیا ہو کہ اللہ تعالیٰ اس فعل پر اپنے بندے کو یاد کرتا یا اس کا قدر دان ہوتا ہے یا وہ اسے اپنی ہدایت سے نوازتا ہے یا اس کے فاعل کو راضی کرتا ہے یا اس فعل کے فاعلین کو پاکیزگی کی صفت سے موصوف کرتا ہے یا اللہ تعالیٰ اس فعل کا یہ وصف بیان کرتا ہے کہ یہ معروف ہے یا اس کے فاعل سے حزن و خوف کی نفی کرتا ہے یا اس فعل پر امن کا وعدہ کرتا ہے یا اس فعل کو اپنی ولایت و سرپرستی کا سبب قرار دیتا ہے یا وہ اس فعل کے بارے میں اس بات کی خبر دیتا ہے کہ انبیاء و رسل نے اس فعل کے حصول کی دعا مانگی ہے یا اس کو تقرب الہی کا ذریعہ قرار دیا ہے یا اللہ تعالیٰ نے اس فعل یا اس کے فاعل کی قسم کھائی ہو، مثلاً اللہ تعالیٰ نے مجاہدین کے گھوڑوں اور ان کے گرداڑانے کی قسم کھائی ہے، یا یہ بات بتائی گئی ہو کہ اللہ تعالیٰ اس فعل کے فاعل پر ہنسنا، یا اللہ تعالیٰ کو یہ فعل اچھا لگا۔۔۔ یہ تمام امور اس کی مشروعیت کی

دلیل ہیں اس میں وجوب اور نذوب دونوں مشترک ہیں۔

فصل: ہر وہ فعل جس کو ترک کرنے کا شارع نے مطالبہ کیا ہو یا اس کے فاعل کی مذمت کی ہو یا اس کو معیوب قرار دیا ہو یا اس کے فاعل پر ناراضی کا اظہار کیا ہو یا اس پر لعنت بھیجی ہو یا اس سے اور اس کے فاعل سے اپنی محبت کی نفی کی ہو یا اس سے اور اس کے فاعل سے اپنی رضا کی نفی کی ہو یا اس کے فاعل کو جانوروں سے تشبیہ دی ہو یا اس فعل کو ہدایت سے مانع قرار دیا ہو یا اس کو برائی اور کراہت سے موصوف کیا ہو یا انبیائے کرام نے اس فعل سے پناہ مانگی ہو یا اسے برا سمجھا ہو یا اللہ تعالیٰ نے اس فعل کو فلاح کی نفی کا سبب قرار دیا ہو یا دنیا و آخرت کے عذاب کا باعث قرار دیا ہو یا اسے کسی مذمت و ملامت یا گمراہی و نافرمانی کا ذریعہ بتایا ہو یا اس کو نجس، رجز اور نجس کے اوصاف سے متصف کیا ہو یا اسے فسق اور گناہ کہا ہو یا اسے گناہ اور رجز یا لعنت اور غضب یا زوال نعمت کا سبب قرار دیا ہو یا اسے اللہ تعالیٰ کی ناراضی، کسی حد یا قساوت اور رسوائی، یا کسی جان کے مقید ہونے یا اللہ تعالیٰ کی عداوت، اس کے ساتھ جنگ یا اس کے ساتھ تمسخر و استہزاء کا باعث قرار دیا ہو یا اسے فاعل کے نسیان کا سبب بتایا ہو یا اللہ تعالیٰ نے اس فعل پر اپنے آپ کو صبر، حلم اور درگزر کی صفت سے متصف کیا ہو یا بندے کو اس فعل سے توبہ کرنے کے لیے کہا ہو یا اس کے فاعل کو نجس اور حقارت کے اوصاف سے موصوف کیا ہو یا اس فعل کو شیطان یا اس کی زینت کی طرف منسوب کیا ہو یا اس کے فاعل کے بارے میں یہ بتایا ہو کہ اس کا سر پرست شیطان ہے یا اسے کسی قابل مذمت صفت سے متصف کیا ہو، مثلاً اسے ظلم و زیادتی، بغاوت یا گناہ کہا ہو یا انبیاء و رسل نے اس فعل اور اس کے فاعل سے براءت کا اظہار کیا ہو اور اللہ تعالیٰ کے پاس اس کے فاعل کا شکوہ کیا ہو یا انہوں نے اس کے فاعل کے ساتھ عداوت کا اعلان کیا ہو یا اللہ تعالیٰ نے اسے اس کے فاعل کے لیے دنیا و آخرت میں ناکامی کا سبب گردانا ہو یا اللہ تعالیٰ نے اسے جنت سے محرومی کا باعث قرار دیا ہو یا اس کے فاعل کو اس وصف سے موصوف کیا ہو کہ وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے یا اللہ تعالیٰ اس کا دشمن ہے یا اس کے فاعل کے خلاف اللہ اور اس کے رسول نے اعلان جنگ کیا ہو یا اس کے فاعل کو دوسروں کے گناہ کے بوجھ کا حامل بتایا گیا ہو یا اس فعل کے بارے میں (لَا يَنْبَغِي) ”یہ مناسب نہیں۔“ یا (لَا يَصْلُحُ) ”ٹھیک نہیں۔“ کا فقرہ استعمال کیا گیا ہو یا اس فعل کے بارے میں سوال کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم دیا گیا ہو یا اس فعل سے متضاد فعل کا حکم دیا گیا ہو یا اس کے فاعل سے علیحدگی کا حکم دیا گیا ہو (یا اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہو) کہ اس فعل کے فاعلین قیامت کے روز ایک دوسرے پر لعنت بھیجیں گے اور ایک دوسرے سے براءت کا اظہار کریں گے یا اللہ تعالیٰ نے اس کے فاعل کو ضلالت و گمراہی کی صفت سے موصوف کیا ہو یا اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے (لَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ) ”یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہیں۔“ فرمایا ہو یا اس کے بارے میں کہا گیا ہو کہ یہ رسول اللہ ﷺ اور اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے نہیں یا

اسے کسی ایسی حرام چیز سے مقرون کیا گیا ہو جس کی تحریم کا حکم واضح ہو اور خبر واحد میں اس کو بیان کیا گیا ہو یا اس سے اجتناب کو فوز و فلاح کا سبب گردانا گیا ہو یا اسے مسلمانوں کے مابین عداوت اور بغض پیدا کرنے کا سبب بتایا گیا ہو یا اس کے فاعل کے بارے میں کہا گیا ہو (هَلْ أَنْتَ مُنْتَبِهٌ) ”کیا تو باز آئے گا؟“ یا انبیاء و رسل کو اس کے فاعل کے لیے دعا کرنے سے روکا گیا ہو یا اس پر اللہ کی رحمت سے دوری مرتب ہوتی ہو یا اس کے بارے میں (قُتِلَ مَنْ فَعَلَهُ) اور (قَاتَلَ اللَّهُ مَنْ فَعَلَهُ) ”وہ ہلاک ہوا جس نے یہ کام کیا۔ اللہ اسے ہلاک کرے جس نے یہ کام کیا“ یا اللہ تعالیٰ نے اس کے فاعل کے بارے میں یہ خبر دی ہو کہ (لَا يَكْلُمُهُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يَنْظُرُ إِلَيْهِ وَلَا يُزَكِّيهِ) ”قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے گا نہ اس کی طرف دیکھے گا اور نہ اسے پاک کرے گا۔“ یا یہ خبر دی گئی ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے عمل کی اصلاح نہیں کرے گا اور اس کے مکر کو راہ یاب نہیں کرے گا یا اس کے بارے میں کہا گیا ہو کہ اس کا فاعل فلاح نہیں پائے گا اور قیامت کے روز وہ گواہوں اور سفارشیوں میں سے نہ ہو گا یا اس فعل کے بارے میں کہا گیا ہو کہ اللہ تعالیٰ کو اس پر غیرت آتی ہے یا اللہ تعالیٰ نے اس فعل میں فساد کے کسی پہلو پر متغیب فرمایا ہو یا اس کے بارے میں یہ خبر دی ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے فاعل سے کوئی فدیہ قبول نہیں فرمائے گا یا اس کے فاعل کے بارے میں یہ خبر دی ہو کہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے شیطان مقرر کر دیتا ہے جو اس کا ساتھی ہوتا ہے یا اس فعل کو فاعل کے دل کی کجی کا سبب قرار دیا ہو یا اس فعل کو آیات الہی کے فہم اور اس کی نعمتوں سے دور ہٹانے کا سبب بتایا گیا ہو یا اللہ تعالیٰ نے فاعل سے فعل کی علت کے بارے میں سوال کیا ہو مثلاً (لِمَ فَعَلَ) ”کیوں کیا؟“ مثلاً: ﴿لِمَ تَصَدُّونَ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ﴾ (آل عمران: ۹۹/۱۳) ”تم اس شخص کو اللہ کے راستے سے کیوں روکتے ہو جو ایمان لایا؟“ ﴿لِمَ تَلْبِسُونَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ﴾ (آل عمران: ۷۱/۳) ”تم حق کو باطل کے ساتھ کیوں گڈنڈ کرتے ہو؟“ ﴿مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ﴾ (ص: ۷۵/۳۸) ”تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا؟“ ﴿لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾ (الصف: ۲/۶۱) ”تم وہ بات کیوں کہتے ہو جس پر خود عمل نہیں کرتے؟“

یہ اسلوب صرف اس صورت میں ہے کہ اس کا جواب ساتھ نہ دیا گیا ہو اگر جواب موجود ہو تو اس کی اہمیت جواب کے مطابق ہوگی۔

یہ اور اس قسم کے دیگر اسالیب فعل کی ممانعت پر دلالت کرتے ہیں اور یہ اسلوب کسی فعل کی مجرد کراہت سے زیادہ اس کی تحریم پر دلالت کرتا ہے۔

لفظ (يَسْكُرُهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ) ”اسے اللہ اور اس کا رسول ناپسند کرتے ہیں۔“ اور (مكروه) ہو تو یہ اکثر حرام کے لیے استعمال کیا جاتا ہے اور کبھی کبھی کراہت تنزیہی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔

یہ فقرہ (وَأَمَّا أَنَا فَلَا أَفْعَلُ) ”اور رہا میں تو میں یہ کام نہیں کرتا۔“ تو اس بارے میں تحقیق یہ ہے کہ یہ کراہت کے لیے استعمال ہوتا ہے مثلاً رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے «أَمَّا أَنَا فَلَا أَكُلُ مُتَكِنًا»^① ”راہ میں تو میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔“

لفظ (مَا يَكُونُ لَكَ) اور (مَا يَكُونُ لَنَا) ہو تو اس کا عام استعمال حرام امور کے بارے میں ہوتا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا﴾ (الاعراف: ۱۳/۷) ”تیرے شایاں نہیں کہ تو اس کے اندر تکبر کرے۔“ ﴿وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا﴾ (الاعراف: ۸۹/۷) ”ہمارے شایاں نہیں کہ ہم اس کے اندر دوبارہ لوٹیں۔“ ﴿مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقِّ﴾ (المائدہ: ۱۱۶/۵) ”میرے شایاں نہیں کہ میں وہ بات کہوں جس کے کہنے کا مجھے کوئی حق نہیں۔“

فصل: لفظ (اخلال) ”حلال ٹھہرانا“ (رَفْعُ الْجُنَاحِ) ”گناہ نہ ہونا“ (الْإِذْنُ) ”اجازت“ (الْعَفْوُ) ”معاف کرنا“ (إِنْ شِئْتَ فَافْعَلْ وَإِنْ شِئْتَ فَلَا تَفْعَلْ) ”اگر تو چاہے تو کر لے اور اگر نہ چاہے تو نہ کر۔“ بعض اشیاء کے فوائد پر احسان کا ذکر اور بعض افعال سے متعلق منافع کا تذکرہ مثلاً ﴿وَمِنْ أَصْوَابِهَا وَأَوْبَارِهَا وَأَشْعَارِهَا أَثَاثًا وَمَتَاعًا إِلَى حِينٍ﴾ (النحل: ۸۰/۱۶) ”ان بھیڑوں کی اون اونٹوں کی پشم اور بکریوں کے بالوں سے تم سامان اور گھر میں استعمال کی چیزیں بناتے ہو جو ایک مدت تک کام دیتی ہیں۔“ اور ﴿وَبِالْتَّجْوِهِمْ يَهْتَدُونَ﴾ (النحل: ۱۶/۱۶) ”اور وہ ستاروں کے ذریعے سے راہ پاتے ہیں۔“ اس قسم کے اسلوب سے اباحت مستفاد ہوتی ہے۔ کسی چیز کی تحریم کے بارے میں خاموشی اور زمانہ وحی میں کسی فعل کے مرتکب کو اس فعل پر برقرار رکھنا وغیرہ بھی اباحت کا فائدہ دیتے ہیں۔

فائدہ: کسی فعل پر اللہ تعالیٰ کا اظہار تعجب کرنا جہاں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اس فعل کو پسند کرتا ہے جیسے «عَجَبٌ رُبُّكَ مِنْ شَابٍّ لَيْسَتْ لَهُ صَبُوءَةٌ»^② ”تیرا رب اس نوجوان سے بہت خوش ہوتا ہے جس میں جوانی کی نادانی نہ ہو۔“ وہاں کبھی کبھی اللہ تعالیٰ کی ناپسندیدگی پر بھی دلالت کرتا ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَإِنْ تَعَجَّبَ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ﴾ (الرعد: ۵/۱۳) ”اگر تو تعجب کرے تو تعجب والی بات یہ ہے کہ ان کا سوال ہی عجیب ہے۔“ فرمایا: ﴿بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ﴾ (الصفّ: ۱۲/۳۷) ”بلکہ تو تعجب کرتا ہے اور یہ مذاق اڑاتے ہیں۔“ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ﴾

① سنن الترمذی، الاطعمۃ، باب ماجاء فی کراہیۃ الاکل متکناً، ح: ۱۸۳۰

② تفسیر قرطبی: ۴۸/۱۵ و زاد المسیر: ۳۰۰/۱۶ یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ مسند احمد: ۱۰۷/۴ اور

مسند ابی یعلیٰ: ۲۸۸/۳ وغیرہ میں ہے، لیکن یہ روایت سند کے اعتبار سے ضعیف ہے۔

(آل عمران: ۱۰۱۳) ”تم کیسے کفر کرتے ہو حالانکہ تمہارے سامنے اللہ کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں اور اس کا رسول تمہارے اندر موجود ہے۔“ اور کبھی یہ امتناع حکم اور عدم حسن پر بھی دلالت کرتا ہے، مثلاً فرمایا: ﴿كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ﴾ (التوبہ: ۷۱۹) ”بھلا مشرکوں کے لیے اللہ کے نزدیک عہد کیونکر ہو سکتا ہے۔“ اور کبھی تقدیری طور پر حسن ممانعت پر دلالت کرتا ہے نیز یہ کہ اس کا یہ فعل اس کے لائق ہی نہیں، مثلاً فرمایا: ﴿كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعَدَ إِيْمَانِهِمْ﴾ (آل عمران: ۸۶۱۳) ”اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو کیسے ہدایت دے جنہوں نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا؟۔“

فائدہ: قرآن مجید میں عدم مساوات کا ذکر کبھی تو دو افعال کے مابین ہوتا ہے، مثلاً فرمایا: ﴿اجْعَلْهُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ أَمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ (التوبہ: ۱۹/۱۹) ”کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کو آباد کرنے کو اس شخص کے اعمال کی مانند سمجھ لیا ہے جو اللہ اور روز آخرت پر ایمان لایا؟۔“ عدم مساوات کا ذکر کبھی فاعلوں کے مابین ہوتا ہے، مثلاً: ﴿لَا يَسْتَوِي الْقَعْدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِّ وَالْمُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ (النساء: ۹۵/۱۴) ”مومنوں میں سے جو لوگ جہاد سے جی چرا کر گھر بیٹھ رہتے ہیں اور عذر نہیں رکھتے اور جو اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔“

عدم مساوات کا ذکر کبھی دو افعال کی جزا کے مابین ہوتا ہے، مثلاً: ﴿لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ﴾ (الحشر: ۲۰/۵۹) ”جہنم والے اور جنت والے برابر نہیں ہو سکتے ہیں۔“ اور اللہ تعالیٰ نے تینوں چیزوں کے مابین عدم مساوات کا ذکر ایک ہی آیت میں جمع کر دیا ہے، مثلاً: ﴿وَمَا يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ﴾ (فاطر: ۱۹/۳۵-۲۰) ”اندھا اور دیکھنے والا برابر نہیں ہوتا اور نہ اندھیرے اور روشنی برابر ہوتے ہیں۔“

فائدہ: قرآن مجید میں مذکور ضرب الامثال سے مندرجہ ذیل امور مستفاد ہوتے ہیں:

تذکیر و عظة و نصیحت، کسی فعل پر آمادہ کرنا، زبردستی، عبرت، کسی فعل پر برقرار رکھنا، مراد کو عقل کے قریب کرنا، مراد کو محسوس صورت میں اس طرح پیش کرنا کہ عقل سے اس کی نسبت ایسے ہی ہو جیسے محسوس کی نسبت حس سے ہوتی ہے۔

قرآن مجید میں ایسی ضرب الامثال بھی وارد ہوئی ہیں جو تفاوت اجز مدح و ذم، ثواب، کسی معاملے کی تعظیم یا تحقیر اور کسی معاملے کی تحقیق یا اس کے ابطال پر مشتمل ہوتی ہیں۔

فائدہ: سیاق کلام مجمل کو واضح کرنے، محتمل کو متعین کرنے، غیر مراد معنی کے عدم احتمال کو قطعی بنانے کے لیے، عام کی تخصیص، مطلق کی تنقید اور تنوع دلالت پر راہ نمائی کرتا ہے۔ سیاق کلام مشکلم کی مراد پر دلالت کرنے والا سب سے بڑا قرینہ ہے جو سیاق کلام کو مد نظر نہیں رکھتا وہ اپنے فکر و نظر میں غلطی کرتا ہے اور اپنی بحث میں مغالطے کا

شکار ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں غور کیجیے! ﴿ذُقْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْكَرِيمُ﴾ (الدخان: ۴۴، ۴۵) ”اب تو مزہ چکھ! تو بہت باعزت اور بڑا سردار ہے۔“ آپ اس کلام کا وہ سیاق کیسے پاتے ہیں جو اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ بڑا ذلیل اور حقیر ہے؟

فائدہ: محسوس اور واقع چیز کے بارے میں رب تعالیٰ کی خبر متعدد فوائد کی حامل ہوتی ہے، ما بعد امور کے ابطال کو آسان کرنے اور اس کے مقدمے کے طور پر اس کا نصیحت اور یاد دہانی کا باعث ہونا، اس کا توحید الوہیت، صداقت رسول اور زندگی بعد موت کی خبر کا گواہ ہونا، اللہ تعالیٰ کے احسانات کے تذکرے کے طور پر ملامت اور زجر و توبیخ کے طور پر مدح یا مذمت کے طور پر یہ خبر دینے کے لیے کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے اور اسی نوع کے بعض دیگر فوائد۔ (ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کا اقتباس ختم ہوا)

یہ انتہائی نفیس کلام ہے اور علم تفسیر سے متعلق بہت سے اصول و ضوابط پر مشتمل ہے۔ اللہ تعالیٰ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کو جزائے خیر دے۔

میں کہتا ہوں کہ قرآن مجید متعدد علوم پر مشتمل ہے جن کا اس میں بار بار اعادہ کیا گیا ہے، مثلاً

(۱) ضرب الامثال: جن کا ذکر علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ نے ان فوائد میں کیا ہے جنہیں ہم گزشتہ صفحات میں نقل کر چکے ہیں۔

(۲) اہل سعادت اور اہل شقاوت کا تذکرہ۔ اس کے متعدد فوائد ہیں:

الف: وہ اوصاف جن سے اہل خیر متصف ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور رضا پر دلالت کرتے ہیں؛ نیز یہ اس بات کی دلیل ہیں کہ یہ اوصاف حمیدہ ہیں۔

ب: وہ اوصاف جن سے اہل شرم متصف ہیں؛ وہ اس حقیقت کی طرف راہ نمائی کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان اوصاف کو سخت ناپسند کرتا ہے اور یہ اوصاف قابل مذمت ہیں۔

(۳) اس میں ثنائے حسن کا بیان ہے جس سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دنیا میں نوازتا ہے۔ اس ثنائے حسن کی حیثیت دنیاوی ثواب کی سی ہے اور (قرآن کے اندر) ان اوصاف قبیحہ کا بیان ہے جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے دشمنوں کو رسوا کرتا ہے اور ان اوصاف قبیحہ کی حیثیت دنیاوی عذاب اور سزا کی سی ہے۔

(۴) قرآن مجید میں ایسے امور کا تذکرہ ہے جو نفوس انسانی کو اہل خیر کی پیروی کرنے پر ابھارتے ہیں؛ بھلائیوں میں ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی ترغیب دیتے ہیں؛ اصحاب اعمال کو اعمال بجالانے کے لیے چست اور ہشاش بشاش رکھتے ہیں اور اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ جو ان اعمال کو بجالاتا

ہے وہ اللہ تعالیٰ کا دوست ہے۔

(۵) قرآن مجید میں اصحاب شر کے افعال سے ڈرایا گیا ہے اور ان گناہوں کو ناپسند ٹھہرایا گیا ہے جن کی تاثیر گناہ گاروں کے لیے بہت بری ہے۔

(۶) قرآن مجید میں اصحاب خیر اور اصحاب شر کی صفات کا ذکر اعتبار کے طور پر کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جو کوئی ان جیسے فعل کا ارتکاب کرے گا وہ ان جیسے ثواب و عقاب کا مستحق ہوگا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایک سے زیادہ مقامات پر اعتبار پر زور دیا ہے اور "اعتبار" کا معنی ہے ایک چیز سے گزر کر دوسری چیز تک پہنچنا اور کسی چیز کو اس کی نظیر پر قیاس کرنا۔

(۷) بندہ جب اصحاب خیر کے اعمال پر نظر ڈالتا ہے پھر اپنی کوتاہی کو دیکھتا ہے کہ وہ ان اعمال کو بجالانے سے قاصر ہے، تو اپنے نفس کو اس کوتاہی کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے اور اسے حقیر سمجھتا ہے، یہ زاویہ نظر اس کے لیے عین بھلائی ہے، جیسے اپنے آپ کو خود پسندی اور تکبر کی نظر سے دیکھنا عین فساد ہے۔

(۸) قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات اور افعال کا ذکر اور اس بات کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام نقائص سے پاک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات اور اس کی تقدیس کے ذکر میں عظیم فوائد ہیں:

الف: یہ علم یعنی اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات اور افعال کا علم علی الاطلاق دیگر تمام علوم سے زیادہ شرف کا حامل اور جلیل تر ہے۔ پس اس علم کے فہم کے حصول میں مشغول ہونا اور اس کی تحقیق کرنا اس کے بلند ترین مطالب میں مشغول ہونا ہے اور بندے کے لیے اس کا حاصل ہو جانا اللہ تعالیٰ کی خصوصی نوازشات میں سے ہے۔

ب: معرفت الہی اللہ تعالیٰ سے محبت، اس سے خوف، اس پر امید اور اس کے لیے اخلاص کی دعوت دیتی ہے۔ اس معرفت کا حصول بندہ مومن کی عین سعادت ہے اور معرفت الہی کے حصول کا اس کے سوا کوئی ذریعہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی معرفت حاصل کی جائے اور ان کے معانی کو سمجھنے کے لیے جدوجہد کی جائے۔ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کی جو تفصیل، توضیحات، ان صفات کی معرفت اور معرفت الہی کے جو اصول قرآن میں پائے جاتے ہیں وہ کہیں اور نہیں پائے جاتے، تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کو پہچان لیں۔

ج: اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو اس لیے پیدا کیا ہے، تاکہ وہ اسے پہچان لے اور اس کی عبادت کرے اور یہی چیز ان سے مطلوب و مقصود ہے۔ پس اسماء و صفات کی معرفت میں مشغول ہونا گویا اس امر میں مشغول ہونا ہے جس کے لیے بندے کی تخلیق کی گئی ہے اور ان کی معرفت کے

حصول کو چھوڑ دینا گویا اس امر کو مہمل اور بے فائدہ قرار دینا ہے جو بندے کا باعث تخلیق ہے اور بندہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے متواتر فیض یاب ہو اور ہر پہلو سے اس پر اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہو تو یہ بہت ہی قبیح بات ہے کہ بندہ اپنے رب کے بارے میں جاہل رہے اور اس کی معرفت حاصل کرنے سے گریز کرے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان، ایمانیات کا سب سے بڑا رکن ہے، بلکہ تمام ارکان سے افضل اور ان کی بنیاد ہے اور ایمان معرفت الہی کے بغیر (امنت باللہ) کہنے کا نام نہیں ہے، بلکہ ایمان کی حقیقت یہ ہے کہ بندہ اپنے رب کی معرفت حاصل کرے جس پر وہ ایمان رکھتا ہے اور اس کے اسماء و صفات کی معرفت حاصل کرنے کی جدوجہد کرنے تاکہ وہ علم الیقین کے درجہ تک پہنچ جائے۔ بندہ اپنے رب کی جس قدر زیادہ معرفت رکھے گا اسی قدر اس کا ایمان زیادہ ہوگا اور جب کبھی رب تعالیٰ کی معرفت میں اضافہ ہوگا ایمان میں بھی اضافہ ہوگا اور جب معرفت رب میں کمی ہوگی تو ایمان میں بھی کمی واقع ہو جائے گی اور ایمان باللہ کی منزل تک پہنچنے کا قریب ترین راستہ یہ ہے کہ قرآن مجید میں واقع اس کے اسماء و صفات میں غور و فکر کیا جائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ جب کبھی اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے کسی اسم مبارک پر اس کا گزر ہو تو وہ کامل طور پر عمومیت کے ساتھ اس اسم کے معانی کا اثبات کرے اور اس کے متضاد معانی سے اللہ تعالیٰ کو پاک اور منزہ جانے۔

اللہ تعالیٰ کے بارے میں علم حاصل کرنا تمام اشیاء کی بنیاد ہے وہ عارف باللہ جو اللہ تعالیٰ کی حقیقی معرفت رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کی صفات و افعال کی معرفت سے ان کاموں پر استدلال کرتا ہے جو اس سے صادر ہوتے ہیں اور ان احکام پر استدلال کرتا ہے جو اس نے مشروع کیے ہیں، کیونکہ اس سے صرف وہی فعل صادر ہوتا ہے جو اس کے اسماء و صفات کے تقاضوں کے مطابق ہوتا ہے۔ پس اس کے تمام افعال عدل، فضل اور حکمت پر مبنی ہیں۔ اسی طرح وہ تمام احکام جو اس نے مشروع کیے ہیں ان کی مشروعیت صرف اس کی حمد و حکمت اور اس کے فضل و عدل کے تقاضے پر مبنی ہے۔ اس کی تمام اخبار حق و صداقت اور اس کے اوامر و نواہی عدل اور حکمت ہیں۔ یہ علم اتنا عظیم اور مشہور ہے کہ اس کی وضاحت کے لیے تنبیہ کی ضرورت ہی نہیں۔ بقول شاعر

وَ كَيْفَ يَصْحُ فِي الْأَذْهَانِ شَيْءٌ إِذَا أَحْتَاجَ النَّهَارُ إِلَى ذَلِيلٍ

”ذہنوں میں کسی چیز کا صحیح ہونا کیسے قرار پاسکتا ہے جب دن (اپنے وجود کے اثبات کے لیے) کسی دلیل کا محتاج ہو۔“

(۹) قرآن مجید میں انبیاء و مرسلین اور ان کی تعلیمات کا ذکر ہے اور اس بات کا ذکر ہے کہ ان کے ساتھ اور ان کی امتوں کے ساتھ کیا معاملہ کیا گیا۔ اس کے درج ذیل فوائد ہیں:

الف: انبیاء و مرسلین ان کی صفات اور ان کی سیرت و احوال کی معرفت ان پر ایمان کی تکمیل ہے۔ بندۂ مؤمن انبیاء کی صفات اور امور سیرت و احوال کی جس قدر زیادہ معرفت حاصل کرے اسی قدر انبیاء پر ایمان زیادہ مضبوط ہوگا اور اسی قدر (اس کے دل میں) ان کی محبت اور ان کی تعظیم و توقیر ہوگی۔

ب: انبیاء و مرسلین خصوصاً نبی اکرم ﷺ کے ہم پر کچھ حقوق ہیں ان کی معرفت اور ان کے ساتھ سچی محبت کی معرفت کا صرف یہی ذریعہ ہے کہ ہم ان کی سیرت و احوال کی معرفت حاصل کریں۔

ج: انبیاء و مرسلین کی معرفت اللہ تعالیٰ کے شکر کی موجب بنتی ہے کہ اس نے مومنین میں اپنا ایک رسول بھیج کر ان پر احسان فرمایا۔ یہ رسول ان کو پاک کرتا ہے انہیں قرآن اور سنت کی تعلیم دیتا ہے جب کہ اس سے قبل وہ کھلی گمراہی میں بہتا تھے۔

د: انبیاء و مرسل ہی اہل ایمان کے حقیقی مربی ہیں۔ اہل ایمان کو جو بھلائی بھی حاصل ہوتی ہے اور جو برائی ان سے دور کی جاتی ہے تو وہ انبیاء ہی کے ہاتھوں اور انہی کے سبب سے ہے لہذا مومن کے لیے یہ بہت ہی بری بات ہے کہ وہ اپنے رب اور اپنے معلم کے حالات سے جاہل رہے۔ جب کسی انسان کے بارے میں یہ بات تسلیم نہیں کی جاسکتی کہ وہ اپنے والدین کے حالات کے بارے میں جاہل ہوگا تو اس کے بارے میں یہ بات کیسے تسلیم کی جاسکتی ہے کہ وہ اپنے نبی کے حالات سے آگاہ نہ ہو حالانکہ نبی اہل ایمان پر ان کی جانوں سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں۔ نبی اہل ایمان کا حقیقی باپ ہے جس کا حق حقوق اللہ کے بعد تمام حقوق پر مقدم ہے۔

ه: اللہ تعالیٰ نے جس فتح و نصرت سے انبیائے کرام ﷺ کو سرفراز فرمایا اور راہ حق میں جن مصائب کا ان کو سامنا کرنا پڑا اس میں اہل ایمان کے لیے ایک نمونہ ہے جس سے ان کے قلق و اضطراب میں تخفیف ہوتی ہے کیونکہ اہل ایمان کو خواہ کتنی ہی تکالیف و شدائد کا سامنا

کرنا پڑا ہو وہ ان شدائد و مصائب کا عشر عشر بھی نہیں جو انبیاء کرام علیہم السلام کو پیش آئیں۔ ارشاد فرماتا ہے: ﴿لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ﴾ (الاحزاب: ۲۱/۳۳) ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت میں تمہارے لیے ایک اچھا نمونہ ہے۔“ اور ان کی سب سے بڑی پیروی ان کی تعلیمات کی پیروی، لوگوں کے حسب مراتب ان کو تعلیم دینے کی کیفیت میں ان کی پیروی، لوگوں کو تعلیم دینے میں صبر و استقامت، اچھی نصیحت اور حکمت و دانائی کے ساتھ لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دینا اور احسن طریقے سے لوگوں کے ساتھ بحث کرنا ہے۔ اس بنا پر اور اس قسم کے دیگر امور کی بنا پر اہل علم کو انبیاء کا وارث کہا گیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معرفت سے آیات قرآن کی معرفت اور ان کے معانی کا فہم حاصل ہوتا ہے۔ آیات قرآن کی مراد کا فہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصول، اپنی قوم، اپنے اصحاب اور دیگر لوگوں کے ساتھ آپ کی سیرت کی معرفت پر موقوف ہے، کیونکہ زمان و مکان اور اشخاص میں بہت زیادہ اختلاف ہوتا ہے۔ پس اگر انسان، ان مذکورہ امور کی معرفت حاصل کیے بغیر قرآن کے معانی کی معرفت حاصل کرنے کے لیے اپنی پوری کوشش صرف کر دے، تو وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے کلام سے اس کی مراد سمجھنے میں بہت زیادہ غلطیاں کرے گا اور اس کو وہی شخص جان سکتا ہے جو جانتا ہے کہ اکثر تفاسیر میں ایسی اغلاط قبیحہ ہیں جن سے اللہ کا کلام پاک ہے۔ اس کے علاوہ اس کے اور بہت سے مفید فوائد اور درست نتائج ہیں۔

(۱۰) علوم قرآن میں اوامر و نواہی کا ذکر ہے جن کے خطاب کا رخ اس امت اور دیگر امتوں کی طرف ہے۔

ان اوامر و نواہی پر عمل پیرا ہونا ان سے مطلوب ہے۔ ان امور کی معرفت میں متعدد فوائد ہیں:

الف: اللہ تعالیٰ نے ان حدود کو پہچاننے کی بہت تاکید کی ہے جو اس نے اپنے رسول پر نازل فرمائی ہیں اور اس شخص کی سخت مذمت فرمائی ہے جس نے ان حدود کو نہ پہچانا۔

ب: اللہ تعالیٰ کی مقرر کردہ حدود میں سے سب سے بڑی حد جس کی معرفت حاصل کرنا واجب

ہے، اس کے اوامر و نواہی ہیں جن پر عمل پیرا ہونے کا ہمیں مکلف ٹھہرایا گیا ہے اور ان کو قائم کرنا، ان کو سیکھنا اور سکھانا ہم پر لازم قرار دیا گیا ہے۔ احکام کی تعمیل اور منہیات سے اجتناب صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ اوامر و منہیات کی معرفت حاصل کی جائے، تاکہ ترک و فعل کے احکام پر عمل ہو سکے، کیونکہ جب مکلف کو کسی چیز کا حکم دیا جاتا ہے تو اولین

چیز جو اس پر واجب ٹھہرتی ہے وہ اس بات کی معرفت ہے کہ وہ کیا چیز ہے جس کو بجالانے کا حکم دیا گیا ہے، کیا کیا امور اس میں داخل ہیں اور کون کون سے امور اس سے باہر ہیں؟ جب بندہ مکلف کو اس بات کی معرفت حاصل ہو جاتی ہے تو وہ اس پر عمل پیرا ہونے کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد کا طلب گار ہوتا ہے اور حتی الامکان اور مقدور بھر اس پر عمل کرنے کے لیے جدوجہد کرتا ہے۔

اسی طرح جب اسے کسی امر سے روک دیا جاتا ہے تو اس امر ممنوع اور اس کی حقیقت کی معرفت حاصل کرنا اس پر واجب ہو جاتا ہے پھر وہ اپنے رب سے مدد طلب کرتے ہوئے اپنی پوری کوشش صرف کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کو بجالاتے ہوئے اور اس کی منہیات سے اجتناب کرتے ہوئے اس امر ممنوع کو ترک کر دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور منہیات سے اجتناب دونوں واجب ہیں اور ہر وہ امر جس کے بغیر واجب مکمل نہ ہو جو جب کے زمرے میں آتا ہے۔ پس اس سے تجھے معلوم ہو گیا ہوگا کہ عمل سے پہلے حصول علم ضروری ہے اور علم عمل سے متقدم ہے۔

(۱۱) علوم قرآن میں خیر کی طرف دعوت، نیکی کا حکم اور برائیوں سے ممانعت شامل ہے۔ اس چیز کا حصول خیر کی معرفت حاصل کرنے کے بعد ہی ممکن ہے تاکہ اس کی طرف دعوت دی جاسکے، اسی طرح معروف کا حکم دینے اور منکرات سے روکنے کے لیے معروف اور منکر کی معرفت ضروری ہے۔ قرآن مجید احسن انداز سے ان مضامین پر مشتمل ہے نیز وہ انہیں مکمل طور پر اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔

(۱۲) علوم قرآن میں آخرت کے احوال کا تذکرہ بھی شامل ہے کہ مرنے کے بعد کیا ہوگا، یہ وہ امور ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں خبر دی ہے یا اسکے رسول ﷺ نے موت، قبر، میدان حشر کی ہولناکیوں، جنت اور جہنم کے بارے میں آگاہ فرمایا ہے۔ ان امور کے علم میں بہت سے فوائد ہیں:

الف: یوم آخرت پر ایمان، ایمانیات کے ان چھ ارکان میں شمار ہوتا ہے، جن کے بغیر ایمان کی تصحیح نہیں ہوتی۔ ان کی تفصیل کی جتنی زیادہ معرفت حاصل ہوگی اتنا ہی زیادہ بندہ مومن کے ایمان میں اضافہ ہوگا۔

ب: ان امور کی حقیقی معرفت انسان پر خوف ورجاء کا دروازہ کھول دیتی ہے۔ اگر خوف ورجاء سے انسان کا دل خالی ہو جائے، تو وہ مکمل طور پر دیران ہو جاتا ہے۔ اگر دل خوف ورجاء

سے معمور ہو تو خوف انسان کو گناہوں کے ارتکاب سے روکتا ہے اور رجا (امید) اس کے لیے نیکی اور اطاعت کو بہل اور آسان بنا دیتی ہے اور یہ چیز ان امور کی معرفت سے حاصل ہوتی ہے جن سے بچا اور ڈرا جاتا ہے، مثلاً قبر کے احوال اور ان کی سختی، میدانِ حشر کی ہولناکیاں اور جہنم کے بدترین اوصاف۔

جنت اور اس کی دائمی نعمتوں، مسرتوں، خوشیوں، قلبی، روحانی اور جسمانی نعمتوں کی مفصل معرفت کے سبب سے ایسا اشتیاق پیدا ہوتا ہے جو انسان کو اپنے محبوب و مطلوب کے حصول میں مقدور بھر جہد و جہد کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

ج: اس ذریعے سے بندے کو اللہ تعالیٰ کے فضل، عدل اور اچھے برے اعمال کی جزا اور سزا کی معرفت حاصل ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی کامل حمد و ثنا کی موجب ہے اور ثواب و عقاب کی تفصیل کے علم کی مقدار کے مطابق بندہ مؤمن کو اللہ کے فضل و عدل اور اس کی حکمت کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

(۱۳) علوم قرآن میں اہل باطل کے ساتھ مجادلہ اہل ظلم کے شبہات کا رد اور دلائل نقلیہ کی تائید میں براہین عقلیہ کا تذکرہ بھی شامل ہے۔ علوم قرآن میں سے اس فن سے خواص علمائے ربانی راسخ العلم ماہرین اور عقلمند اصحاب بصیرت ہی بہرہ مند ہوتے ہیں۔ قرآن مجید جن دلائل عقلیہ اور براہین قاطعہ پر مشتمل ہے، اگر ان تمام دلائل صحیحہ کو جمع کر لیا جائے جو متکلمین کے پاس ہیں، تو ان دلائل کی قرآنی دلائل و براہین کے سامنے وہی حیثیت ہے جو ایک بحر بیکراں کے سامنے چڑیا کی چونچ میں پانی کے قطرے کی ہوتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ قرآن ہی حق ہے اور حق، صدق و عدل، میزان عدل و انصاف اور صلاح و فلاح پر مشتمل ہے۔ اگر اس نے توحید اور شرک کا ذکر کیا ہے تو اول الذکر کو اختیار کرنے کا حکم دیا ہے اور دوسرے سے روکا ہے۔ توحید کی صحت، اس کے حسن کے اثبات اور اسے نجات کا راستہ قرار دینے کے لیے براہین قائم کی ہیں۔ شرک کی قباحت، اس کے بطلان اور ہلاکت کی راہ ثابت کرنے کے لیے دلائل دیے ہیں۔ بصیرت کے لیے ان کی حیثیت دو پہر کے وقت سورج کی سی ہے۔

اگر قرآن اور امر شرعیہ کا حکم دیتا ہے، آداب اور مکارم اخلاق کو اپنانے کی ترغیب دیتا ہے، تو آپ دیکھیں گے کہ وہ عقل روشن کو ان ضروری مصلحتوں سے آگاہ کرتا ہے جن پر یہ امر شرعیہ مشتمل ہوتے ہیں اور انسان اپنی معاش و معاد میں جن کے محتاج ہوتے ہیں۔ جن کے بارے میں اس کا فیصلہ ہے

کہ ان سے بہتر کوئی اور اصول نہیں ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ان اوامر شرعیہ کا شدید تقاضا کرتی ہے۔

اگر قرآن نے حرام چیزوں برے کاموں اور دیگر خباثت سے روکا ہے تو اس نے اس کے فساد ضرر اور شر سے آگاہ کیا ہے جن پر یہ خباثت اور محرمات مشتمل ہوتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی انسانوں پر نعمت ہے کہ اس نے خباثت کو ان پر حرام ٹھہرایا۔ ان کو ان خباثت سے پاک کر کے عزت و تکریم سے نوازا۔ ان کو ان برائیوں میں ملوث ہونے سے محفوظ رکھنا ہر نعمت سے بڑی نعمت ہے۔ پس واضح ہوا کہ تمام مامورات شرعیہ مصالِح پر مشتمل ہیں اور تمام محرمات شرعیہ مفاسد کو متضمن ہیں۔

اگر قرآن نے اہل باطل کے ساتھ مناظرہ کیا، اہل تشکیک کے شبہات کا تار پود بکھیرا اور اہل ضلالت کے نظریات کا ابطال کیا، تو آپ کہہ دیجیے کہ اس نے حق کو حق ثابت کیا، باطل کا رد کیا، کسی گمراہ کو راستہ دکھایا، معاندین حق کے خلاف حجت قائم کی اور واضح کر دیا کہ باطل کے اندر ذرہ بھر بھی حق نہیں ہوتا، بلکہ باطل اپنے نام کی طرح فاسد ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ چند نام ہیں جن سے انہوں نے باطل کو موسوم کر کے سجا رکھا ہے اگر ان کو ہٹا دیا جائے تو معلوم ہوگا یہ باطل نظریات گرد وغبار کے سوا کچھ بھی نہیں۔

آپ دیکھیں گے کہ قرآن مجید عقلی دلائل و براہین کو واضح ترین اور مختصر عبارت میں پیش کرتا ہے۔ یہ دلائل اعتراضات، تناقض اور ابہام سے محفوظ ہیں۔ وہ ایک ہی کلمہ میں ایجاز و اختصار کے طور پر عقلی اور نقلی دلائل کو جمع کر دیتا ہے اور مطلوب و مقصود میں خلل واقع نہیں ہونے دیتا اور کبھی کبھی تفصیل سے کام لیتا ہے اور پے در پے اس طرح دلائل بیان کرتا ہے کہ اس کا کچھ حصہ ہی وضاحت کے لیے کافی ہوتا ہے۔ **فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَ الشُّكْرُ**

ان شاء اللہ یہ بہت ہی مفید مقدمہ ہے۔ مسلمان کے لیے مناسب ہے کہ اس کے اہم مقامات پر تتبع اور استقراء سے کام لے اور جب مذکورہ مطالب اس کے سامنے آئیں تو تفصیلاً ان پر توجہ دے لہذا جو کوئی اس مقدمہ میں شامل اصولوں کو آیات کے سمجھنے میں استعمال کرے گا تو وہ ان سے بہت فائدہ اٹھائے گا۔ ﴿ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَن يَّشَاءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ (الجمعة: ۴۱/۶۲)





تفسیر قرآن کے چند اصول و گلیات

جن کا جاننا قرآن کے ہر مفسر اور طالب علم کے لیے ضروری ہے

(۱) نکرہ جب نفی، نفی یا استفہام کے سیاق میں یا شرط کے سیاق میں واقع ہو تو وہ عموم کا فائدہ دیتا ہے۔ اسی طرح مفرد مضاف بھی عموم کا مفہوم رکھتا ہے چنانچہ جب مذکورہ اشیاء کے بعد نکرہ پایا جائے یا وہ مفرد ہو اور معرفہ کی طرف مضاف ہو تو اس لفظ میں شامل سب کو ثابت کرو اور صرف سبب نزول کو پیش نظر نہ رکھو کیونکہ ”اعتبار لفظ کے عموم کا ہے سبب کے خصوص کا نہیں۔“

لہذا تمام واقعات اور افعال جو واقع ہو چکے ہیں اور وہ تمام افعال و واقعات جو نئے نئے پیش آتے رہیں گے ان کو قرآن کے انہی عموماً پر محمول کیا جائے گا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید میں ہر چیز کی وضاحت موجود ہے۔ جو واقعہ بھی پیش آئے گا اور جو بھی نئی صورت حال پیش آئے گی قرآن مجید میں اس کی وضاحت اور تشریح موجود ہوگی۔

(۲) صفت اور اسم جنس پر الف لام (أل) داخل ہونے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس حکم میں وہ تمام مفایم شامل ہیں جو اس اسم یا صفت سے سمجھے جاسکتے ہیں۔

(۳) قرآن مجید کا ایک قاعدہ کلیہ یہ بھی ہے کہ وہ:

ا: اللہ کی توحید اور اس کی معرفت کی دعوت دیتا ہے۔ اس مقصد کے لیے اللہ تعالیٰ کے اسمائے گرامی، اس کی صفات اور ان افعال کا ذکر کرتا ہے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف اسی کو وحدانیت حاصل ہے اور اس کی صفات کمال کا ذکر کرتا ہے۔

ب: وہ اس بات کی دعوت دیتا ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور اسی کی عبادت حق ہے۔ اس کو چھوڑ کر لوگ جس جس کو بھی پکارتے ہیں وہ سب باطل ہے۔ اللہ کے سوا جن کو پوجا جاتا ہے قرآن ان کا ہر لحاظ سے ناقص ہونا واضح کرتا ہے۔

ج: وہ اس بات کو ماننے کی دعوت دیتا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ جو کچھ (قرآن، سنت، شریعت) لے کر آئے وہ صحیح اور سچ ہے۔ اس مقصد کے لیے وہ اس کے محکم اور مکمل ہونے کو اس کی تمام خبروں

کے سچا ہونے کو اور احکام کے بہترین ہونے کو واضح کرتا ہے، نیز رسول اللہ ﷺ کے انسانیت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز ہونے کو واضح کرتا ہے۔ جس تک نہ آپ ﷺ سے پہلے کوئی پہنچ سکا نہ آپ کے بعد۔ قرآن چیلنج کرتا ہے کہ اگر مخالف سچے ہیں تو ایسی عظیم کتاب یا شریعت لا کر دکھائیں۔
 و : قرآن مجید توحید کے اثبات کے لیے اللہ تعالیٰ کی گواہی پیش کرتا ہے۔ جس میں اللہ تعالیٰ کے اقوال و افعال بھی شامل ہیں اور دلائل و براہین کے ساتھ اس کی تائید بھی شامل ہے اور اہل توحید کی مدد اور غلبہ کی صورت میں عملی گواہی بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ انصاف پسند اہل علم کی گواہی بھی پیش کی گئی ہے۔ اخبار و احکام پر مشتمل حق کا موازنہ مخالفین کی باتوں کے جھوٹا ہونے اور احکام کے باطل ہونے کی وضاحت کر کے کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں طرح طرح کے معجزات کے ذریعے بھی حق کی تائید ہوتی ہے۔

ھ : آخرت کے اثبات کے لیے اللہ کی کامل قدرت کو دلیل بنایا گیا ہے۔ آسمان و زمین کی تخلیق جو انسانوں کی تخلیق سے عظیم تر مظہر ہے، یہ بھی آخرت کے وقوع کی دلیل ہے۔ ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جس خالق نے کائنات کو پہلی بار پیدا کیا ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے اور جو خالق زمین کو مردہ کرنے کے بعد زندہ کر دیتا ہے وہ فوت ہوئیوں کو بھی دوبارہ زندگی بخش سکتا ہے۔ علاوہ ازیں گزشتہ قوموں کے وہ حالات بیان کرتا ہے جو انسانوں کے مشاہدہ میں آچکے ہیں اور ان قوموں کا دنیا میں عذاب کے ذریعے سے تباہ ہو جانا اخروی سزا کی ایک جھلک اور نمونہ ہے۔
 و : قرآن مجید تمام اہل باطل، یعنی کفار، مشرکین اور ملحدین کو دین اسلام کی خوبیاں بیان کر کے اسے قبول کرنے کی دعوت دیتا ہے، وہ عقائد، اخلاق اور اعمال میں بہترین راستہ کی طرف راہنمائی مہیا کرتا ہے، وہ اللہ کی عظمت، ربوبیت اور عظیم نعمتوں کا ذکر کر کے واضح کرتا ہے کہ جو ذات مطلق کمال سے متصف ہے اور تمام نعمتیں بھی اسی کی طرف سے ہیں، تو عبادت بھی صرف اسی کا حق ہے۔ باطل پرست جن عقائد و اعمال کے حامل ہیں اگر ان کا تجزیہ کیا جائے، تو اس میں شر اور باطل کے سوا کچھ نہیں، جن کا انجام خطرناک ہے۔

(۴) تفسیر کا ایک اصول یہ بھی ہے کہ جب آیت کی دلالت مطابقت اور دلالت تضمن آپ کی سمجھ میں آجائے تو جان لیں کہ اس مفہوم کے لوازم جن کے بغیر یہ چیز وجود میں نہیں آسکتی اور اس کے شروط و تابع بھی اسی مفہوم میں شامل اور تابع ہیں۔ جن اشیاء کے بغیر کوئی خبر مکمل نہیں ہوتی، وہ اشیاء اس خبر کے تابع ہیں اور جن اشیاء کے بغیر کوئی حکم مکمل نہیں ہوتا، وہ اشیاء اس حکم کے تابع ہیں، نیز جن آیات میں

بظاہر تعارض اور تناقض محسوس ہوتا ہے ان میں تناقض اور تعارض حقیقت میں موجود نہیں بلکہ ہر نص کو اس کے مناسب حالات پر محمول کرنا چاہیے۔ علاوہ ازیں کسی متعلق، مثلاً مفعول وغیرہ کو حذف کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یہ معنی عام ہے کیونکہ حذف کا سب سے بڑا فائدہ یہی ہے۔ ایسی چیز کو حذف کرنا جائز نہیں جس کا سیاق کلام یا قرینہ حالیہ سے علم نہ ہو سکے۔ اسی طرح وہ احکام جن کے ساتھ کسی شرط یا صفت کی قید ذکر کی گئی ہے وہاں یہ مقصود نہیں کہ اس حکم کے ثبوت کے لیے اس قید کا وجود لازمی ہے۔

(۵) جب اللہ تعالیٰ کسی کام کا حکم دے تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کی ضد ممنوع ہے اور جب کسی کام سے منع کیا جائے تو اس میں اس کی ضد کا حکم پایا جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنی ذات کو کسی نقص سے پاک بیان فرمائے تو اس سے اللہ کے لیے وہ کمال ثابت ہوگا جو اس نقص کا متضاد ہے۔ اسی طرح جب کسی رسول اور ولی کی تعریف کرتے ہوئے انہیں کسی نقص سے پاک قرار دیا جائے تو اس میں ان کی تعریف پائی جاتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ ان میں اس نقص کی متضاد اچھی صفت موجود ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے جنت سے نقائص کی نفی سے اس سے برعکس صفات کا وجود ثابت ہوتا ہے۔

(۶) جب حق واضح اور بالکل روشن ہو جائے تو پھر کسی علمی بحث کی گنجائش رہتی ہے نہ عملی اختلاف کی بلکہ تمام معارضات و مجادلات کا معدوم ہو جاتے ہیں۔

(۷) قرآن مجید جس چیز کی نفی کرے وہ چیز یا تو واقعتاً موجود ہی نہیں ہوتی یا موجود ہوتی ہے لیکن مفید و نافع نہیں ہوتی بلکہ بے کار ہوتی ہے۔

(۸) موہوم کے ذریعے سے معلوم کارد نہیں کیا جاسکتا اور ثابت شدہ حقیقت کے مقابلے میں مجہول اور نامعلوم امور کو پیش نہیں کیا جاسکتا کیونکہ حق کو چھوڑ کر جو چیز بھی اختیار کی جائے گی وہ باطل ہی ہو سکتی ہے اور کچھ نہیں۔

(۹) اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر ایمان اور عمل صالح کا ذکر فرمایا ہے۔ ان دونوں پر دنیا و آخرت میں جزا اور بہت سے ایسے نتائج کا دار و مدار بیان کیا ہے۔ ایسے مواقع پر ”ایمان“ سے مراد ہے ”ان چیزوں پر پختہ یقین جن کو سچ ماننے کا اللہ نے اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے۔“ اس میں جسم کے ساتھ عمل کرنا بھی شامل ہے اور ”عمل صالح“ سے مراد ”اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کی ادائیگی“ ہے۔ اسی طرح اللہ نے تقویٰ کا حکم دیا ہے اور متقین کی تعریف کی ہے اور بھلائیوں کے حصول اور شرور سے نجات کا دار و مدار تقویٰ پر رکھا ہے۔ کامل تقویٰ یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کے احکامات کی تعمیل کی جائے۔ ان کے منع کیے ہوئے کاموں سے اجتناب کیا جائے اور ان کی دی

ہوئی خبروں کو سچا مانا جائے۔

(۱۰) جب اللہ تعالیٰ ”بِزَوْرٍ تَقْوٰی“ (نیکی اور پرہیزگاری) کا اکٹھا ذکر فرماتا ہے تو تقویٰ سے مراد تمام گناہوں سے بچنا اور نیکی سے مراد تمام اچھے کام کرنا ہوتا ہے۔ جب ان دو الفاظ میں سے کوئی ایک لفظ مذکور ہو تو دوسرا بھی اس میں شامل ہوتا ہے۔

(۱۱) اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر مطلوبہ ہدایت کا ذکر فرمایا ہے اور ہدایت یافتہ لوگوں کی تعریف فرمائی ہے اور بتایا ہے کہ ہدایت اسی کے ہاتھ میں ہے اور ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اس سے ہدایت مانگیں اور ایسے اسباب اختیار کریں جن سے ہدایت حاصل ہوتی ہے۔ اس میں علم و عمل دونوں کی ہدایت شامل ہے۔ چنانچہ ہدایت یافتہ وہ شخص ہے جس نے حق کو پہچانا اور اس پر عمل بھی کیا۔ ہدایت کا متضاد گمراہی (ضلال) اور سرکشی (غسی) ہے۔ جس نے حق کو پہچان لیا، لیکن اس پر عمل نہ کیا، وہ غَاوِی (سرکش) ہے اور جو حق سے بے خبر رہا، وہ ضَال (گمراہ) ہے۔

(۱۲) اللہ تعالیٰ نے احسان (نیکی کا کام اچھے انداز سے انجام دینے) کا حکم دیا ہے اور اہل احسان کی تعریف کی ہے اور بہت سی آیات میں ان کے لیے گونا گوں نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ احسان کا مطلب یہ ہے کہ ”تو اللہ کی عبادت اس طرح کرے جیسے تو اسے دیکھ رہا ہے، اگر تو اسے نہیں دیکھتا تو وہ تو تجھے دیکھتا ہے۔“ اور جس قدر ممکن ہو مخلوق کو مالی، بدنی اور قوی فائدہ پہنچانا بھی احسان میں شامل ہے۔

(۱۳) اللہ تعالیٰ نے اصلاح کا حکم دیا ہے اور اصلاح کرنے والوں کی تعریف کی ہے اور خبر دی ہے کہ وہ ان کے ثواب و اجر کو ضائع نہیں کرتا۔

اصلاح کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کے عقائد اور اخلاق کو اور تمام معاملات کو درست کرنے کی کوشش کی جائے حتیٰ کہ زیادہ سے زیادہ ممکن حد تک درست ہو جائیں۔ اس میں دینی معاملات کی اصلاح بھی شامل ہے اور دنیاوی معاملات کی بھی، افراد کی اصلاح بھی شامل ہے اور جماعتوں کی بھی۔ اس کی متضاد کیفیت فساد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فساد سے منع کیا ہے اور فساد (خرابی) پیدا کرنے والوں کی مذمت کی ہے۔ ان کی متعدد سزائیں ذکر فرمائی ہیں اور بتایا ہے کہ وہ ان کے دینی اور دنیاوی معاملات کو درست نہیں فرمائے گا۔

(۱۴) اللہ نے یقین اور یقین رکھنے والوں کی تعریف کی ہے اور واضح فرمایا ہے کہ قرآنی آیات اور آفاقی آیات سے یہی لوگ مستفید ہوتے ہیں۔

یقین علم سے خاص ہے اس کی تعریف یہ ہے ”پختہ علم، جس کے نتیجے میں عمل صالح اور اطمینان قلب

حاصل ہو جائے۔“

(۱۵) اللہ تعالیٰ نے صبر کا حکم دیا ہے، صبر کرنے والوں کی تعریف کی ہے اور دنیا و آخرت میں ملنے والی جزا کا ذکر فرمایا ہے۔ قرآن مجید کے تقریباً نوے مقامات پر ان امور کا بیان ہے۔ صبر میں اس کی تینوں قسمیں شامل ہیں۔ (ا) اللہ کی اطاعت پر صبر (اور ثابت قدمی) حتیٰ کہ اطاعت کے اعمال ہر لحاظ سے مکمل ادا ہوں۔ (ب) اللہ کے حرام کردہ کاموں سے صبر، یعنی نفس برائی کا حکم دے تو انسان اسے اس سے منع کر دے۔ (ج) اللہ کی تقدیر پر صبر، یعنی زندگی میں پیش آنے والے تکلیف دہ واقعات و معاملات کا سامنا صبر و تسلیم سے کرے۔ دل میں یا زبان سے یا بدن کی کسی حرکت سے اللہ کے اس فیصلے پر ناراضی کا اظہار نہ ہو۔

(۱۶) اللہ تعالیٰ نے شکر کی تعریف کی ہے اور شکر کرنے والوں کا ثواب بیان فرمایا ہے اور واضح کیا ہے کہ شکر کرنے والوں کا مقام دنیا اور آخرت میں بلند ترین ہے۔

شکر کا حقیقی مطلب ہے ”اللہ کی تمام نعمتوں کا اعتراف کرنا“ ان کی وجہ سے اللہ کی تعریف کرنا اور انعام کرنے والے رب کی اطاعت میں ان (نعمتوں) سے مدد لینا۔“

(۱۷) اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر خوف اور خشیت کا ذکر کیا ہے اس کا حکم دیا ہے اہل خشیت کی تعریف کی ہے ان کا ثواب بیان کیا ہے اور یہ واضح کیا ہے کہ اللہ سے ڈرنے والے وہ ہیں جو اس کی آیات سے فائدہ اٹھاتے اور اس کے حرام کیے ہوئے کاموں سے پرہیز کرتے ہیں۔

خوف اور خشیت کی حقیقت یہ ہے کہ ”بندہ اللہ کے سامنے پیش ہونے سے ڈر جائے اور اس خوف کے ذریعے سے اپنے نفس کو ہر اس کام سے روک لے جسے اللہ نے حرام کیا ہے۔“

(۱۸) امید کا مطلب یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی عمومی رحمت کی امید رکھے (جو تمام مخلوقات پر ہوتی ہے) اور خصوصی رحمت کی بھی امید رکھے (جو اس کے نیکو کار بندوں کے لیے مخصوص ہے۔) یعنی وہ امید رکھے کہ اللہ نے اپنے فضل سے اسے جو نیکیاں کرنے کی توفیق دی ہے، انہیں قبول فرمائے گا اور بندے سے جو لغزشیں ہوئی ہیں اور اس نے ان سے توبہ کر لی ہے، اللہ انہیں معاف فرمائے گا اور ہر حال میں اپنی امید اپنے رب ہی سے رکھے۔

(۱۹) اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر انابت (اللہ کی طرف رجوع) کا ذکر فرمایا ہے اور اہل انابت کی تعریف فرمائی ہے۔ انابت کا مطلب ہے ”دل کا ہر حال میں اللہ کی طرف کھنچنا“، نعمت کے وقت وہ شکر کے ذریعے سے مصیبت میں عاجز و نیاز کے ذریعے سے اور نفس انسانی کی بہت سی ضروریات و

مطلوبات کے موقع پر کثرت دعا کے ساتھ اللہ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ ہر وقت اس کا نام لینا اور اس کا ذکر کرنا بھی انابت میں شامل ہے۔

انابت کا ایک مطلب یہ ہے کہ بندہ تمام گناہوں سے توبہ کے ذریعے سے اللہ کی طرف متوجہ ہو نیز اپنے تمام اقوال و افعال میں اس کی طرف رجوع کرے، یعنی اپنے اعمال کو اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کی روشنی میں پرکھے اور تمام اقوال و افعال کو شریعت کی ترازو میں تولے۔

(۲۰) اللہ تعالیٰ نے اخلاص کا حکم دیا ہے اہل اخلاص کی تعریف کی ہے اور بتایا ہے کہ وہ صرف خالص عمل کو قبول کرتا ہے۔ اخلاص کا مطلب یہ ہے کہ ”عمل کرنے والا اپنے عمل کو صرف اللہ کی رضا کے لیے اور اس سے ثواب حاصل کرنے کے لیے انجام دے۔“ اس کے برعکس صورت میں ریا کاری اور نفسانی اغراض و مقاصد کے لیے کام کرنا شامل ہے۔

(۲۱) اللہ تعالیٰ نے تکبر سے منع فرمایا ہے۔ تکبر اور تکبر کرنے والوں کی مذمت کی ہے اور ان کو دنیا اور آخرت میں ملنے والی سزاؤں کا ذکر فرمایا ہے۔ تکبر کا مطلب ہے: ”حق کو قبول نہ کرنا اور مخلوق کو حقیر سمجھنا۔“ اس کی ضد ”تواضع“ (فروتنی، انکسار) ہے۔ اللہ نے اس کا حکم دیا ہے، تواضع کے حامل افراد کی تعریف کی ہے۔ ان کا ثواب بیان کیا ہے۔ تواضع کا مطلب یہ ہے ”حق کی بات تسلیم کر لینا“ جو بھی کہے اور دوسروں کو حقیر نہ سمجھنا، بلکہ ان کی فضیلت کا اعتراف کرنا اور ان کے لیے وہی کچھ پسند کرنا جو خود کو پسند ہے۔“

(۲۲) عدل (انصاف) کا مطلب ہے ”حقوق اللہ اور حقوق العباد کو ادا کرنا۔“ ظلم، انصاف کی ضد ہے۔ اس میں انسان کا اپنی ذات پر ظلم، مثلاً شرک اور دوسرے گناہ بھی شامل ہیں اور بندوں پر ظلم بھی جس کا تعلق ان کی جان، مال اور عزت سے ہے۔

(۲۳) صدق (سچ) کا مطلب ہے سیدھی راہ پر قائم رہنے میں ظاہر اور باطن کا برابر ہونا اور کذب (جھوٹ) اس کے برعکس کیفیت کو کہتے ہیں۔

(۲۴) اللہ کی حدود سے مراد وہ کام ہیں جو اس نے حرام کیے ہیں۔ ان کے بارے میں اس نے فرمایا ہے: ﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَقْرُبُوهَا﴾ (البقرہ: ۱۸۷/۲) ”یہ اللہ کی حدیں ہیں، ان کے قریب نہ جانا۔“ بعض اوقات اس سے وہ کچھ مراد ہوتا ہے جس کو اللہ نے جائز اور حلال قرار دیا ہے یا اس کی مقدار مقرر کی ہے اور اسے فرض کیا ہے۔ اس کے بارے میں فرمان ہے: ﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا﴾ (البقرہ: ۲۲۹/۲) ”یہ اللہ کی حدیں ہیں ان سے تجاوز نہ کرنا۔“ یعنی یہ حدیں پار کر کے

حرام میں داخل نہ ہو جانا۔

(۲۵) امانت سے مراد وہ اشیاء ہیں جن کے بارے میں بندے پر اعتبار کیا جاتا ہے اور اسے دیانت دار سمجھا جاتا ہے۔ اس میں اللہ کے حقوق بھی شامل ہیں، خاص طور پر جو عام لوگوں سے پوشیدہ رہتے ہیں اور مخلوق کے حقوق بھی شامل ہیں۔

(۲۶) عہد اور وعدے میں اللہ اور بندے کے باہمی معاملات بھی شامل ہیں، یعنی اللہ کی عبادت خلوص کے ساتھ کرنا اور بندے کے دوسرے بندوں کے ساتھ روزمرہ کے معاملات میں زبان اور عہد کی پاسداری کرنا۔

(۲۷) حکمت اور قوام سے مراد یہ ہے وہ کام کرنا جو کرنا چاہیے اور اس انداز سے کرنا جیسے کرنا چاہیے۔

(۲۸) اسراف و تبذیر (فضول خرچی اور بے جا خرچ) کا مطلب ہے خرچ کرنے میں جائز حد سے آگے بڑھ جانا۔ تقصیر اور بخل (کنجوسی) اس کے برعکس ہے، یعنی واجب اخراجات بھی پورے نہ کرنا۔

(۲۹) المعروف (نیکی) میں ہر وہ چیز شامل ہے جس کا اچھا اور مفید ہونا شریعت اور عقل کی روشنی میں معروف ہو اور منکر (برائی) اس کے برعکس ہے۔

(۳۰) استقامت کا مطلب ہے اللہ کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت پر ہمیشہ قائم رہنا۔

(۳۱) دل کا مرض دو طرح کا ہوتا ہے۔ حق کے بارے میں شکوک و شبہات کا مرض اور حرام کاموں کے ارتکاب کی خواہش کا مرض۔

(۳۲) نفاق (منافقت) کا مطلب ہے نیکی کا اظہار کرنا جبکہ دل میں برائی پوشیدہ ہو۔ اس میں نفاق اعتقادی (عقیدہ کا نفاق) بھی شامل ہے اور نفاق عملی (عمل کا نفاق) بھی۔

(۳۳) قرآن مجید ایک مفہوم کے اعتبار سے سارے کا سارا محکم بھی ہے اور سارے کا سارا تشابہ بھی اور ایک مفہوم کے اعتبار سے اس کا کچھ حصہ محکم ہے اور کچھ تشابہ۔

محکم اس معنی میں ہے کہ اس کی آیات پختہ ہیں، حکمت کے مطابق ہیں۔ اس کی خبریں اعلیٰ ترین سچائی کی حامل ہیں اور اس کے احکام انتہائی خوب اور بہترین ہیں اور تشابہ اس معنی میں ہے کہ بلاغت اور حسن میں یکساں ہے، اس کا ایک حصہ دوسرے کی تصدیق کرتا ہے اور یہ یکسانیت درجہ کمال کو پہنچی ہوئی ہے۔ دوسرے مفہوم کے اعتبار سے قرآن مجید کے وہ مقام تشابہ ہیں جن میں اجمال ہے اور بعض معانی کا احتمال ہے اور محکم وہ ہے جس کا مفہوم واضح اور صریح ہے۔ جب تشابہ کو محکم کی روشنی میں سمجھا جائے تو ظاہری ٹکراؤ ختم ہو جاتا ہے اور تمام مضامین اپنی اپنی جگہ درست نظر آتے ہیں۔

(۳۴) قرآن مجید میں اللہ کی جو معیت بیان کی گئی ہے (یعنی وہ اپنے بندوں کے ساتھ ہے) اس کی دو قسمیں ہیں: (ا) علم کے لحاظ سے معیت: یہ عام معیت ہے۔ بندے جہاں بھی ہوں اللہ اپنے علم و قدرت کے لحاظ سے ان کے ساتھ ہے۔ (ب) خاص معیت: یعنی اپنے خاص بندوں کے ساتھ ہے ان کی مدد کرتا ہے اور ان سے لطف و احسان کا معاملہ کرتا ہے۔

(۳۵) دعائیں دو چیزیں شامل ہیں۔ دعائے عبادت: اس میں ہر وہ عبادت شامل ہے جس کا اللہ نے اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے اور دعائے سوال: یعنی اللہ سے فائدہ مند چیزوں کے حصول اور نقصان دہ اشیاء سے بچاؤ کی درخواست کرنا۔

(۳۶) طہیبات (پاک چیزیں) ان سے مراد ہر پاک اور مفید چیز ہے خواہ وہ عقیدہ ہو یا اخلاق یا اعمال کھانے کی چیز ہو یا پینے کی یا کمائی کے ذرائع ہوں۔ خبیث (ناپاک) اس کے برعکس معنی میں مستعمل ہے۔

بعض اوقات خبیث سے مراد کمی چیز اور طیب سے عمدہ چیز بھی مراد ہوتی ہے۔ جیسے ارشاد الہی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَسَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِأَخِيذِيهِ إِلَّا أَنْ تُغْنُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَسِيدٌ﴾
(البقرہ: ۲۶۷/۲) ”اے ایمان والو! ان پاک (یعنی عمدہ) چیزوں سے خرچ کرو جو تم نے کمائی ہیں اور جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے نکالی ہے اور خبیث (کمی) چیز کا قصد نہ کرو کہ تم اس میں سے خرچ کرتے ہو اور خود سے لیے نہیں، مگر یہ کہ چشم پوشی کر لو۔ جان لو کہ اللہ تعالیٰ بے پروا قابل تعریف ہے۔“

(۳۷) نفقہ (خرچ کرنا) اس میں واجب اخراجات بھی شامل ہیں۔ جیسے زکوٰۃ کفارہ اپنی ذات کے ضروری اخراجات، بیوی بچوں اور غلاموں وغیرہ پر خرچ اور مستحب اخراجات بھی جیسے کسی بھی نیکی کے کام میں خرچ کرنا۔

(۳۸) اللہ پر توکل اور اس سے مدد مانگنا اللہ نے اس کا حکم دیا ہے اور بہت سی آیات میں اللہ پر بھروسہ کرنے والوں کی تعریف کی ہے۔ اس کا مطلب دینی اور دنیوی فوائد کے حصول اور نقصانات و تکالیف سے بچاؤ کے لیے دل میں اللہ پر اعتماد کی قوت اور اس مقصد کے حصول کے لیے اللہ پر یقین ہے۔

(۳۹) اللہ تعالیٰ نے عقل اور عقل والوں کی تعریف کی ہے اور بتایا ہے کہ عقل والے ہی آیات الہی سے فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ (عقل کا لغوی معنی باندھنا اور روکنا ہے) عقل وہ ہوتی ہے جو نفع مند حقائق کو سمجھ کر قابو کر لیتی ہے اور ان کے مطابق کام کرتی ہے۔ وہ انسان کو برے کاموں سے روک کر رکھتی ہے۔ اس کو ”حججور“، ”لب“ اور ”نہیۃ“ (جمع نہی) بھی اسی لیے کہتے ہیں کہ وہ انسان کو نقصان دہ کاموں سے

منع کرتی اور محفوظ رکھتی ہے۔

(۳۰) علم سے مراد ہدایت کو دلائل کے ساتھ پہچاننا ہے؛ چنانچہ وہ مطلوب اور مفید مسائل کو ان کے دلائل کو اور ان تک پہنچنے کے ذرائع کو جاننے کا نام ہے۔ علم نافع سے مراد حق کو جاننا اور اس پر عمل کرنا ہے۔ علم کے برعکس کیفیت کو جہل (جہالت، نادانی اور لاعلمی) کہتے ہیں۔

(۳۱) ”امت“ کا لفظ قرآن مجید میں چار انداز سے استعمال ہوا ہے۔ (ا) زیادہ تر مقامات پر ”امت“ کا مطلب ”لوگوں کی ایک جماعت یا گروہ“ ہے۔ (ب) کہیں اس سے مراد ”مدت“ ہوتی ہے۔ (ج) بعض اوقات اس سے ”دین“ اور ”ملت“ مراد ہوتی ہے۔ (د) اور بعض اوقات اس سے ”نیکی کا پیشوا“ مراد ہوتا ہے۔

(۳۲) استویٰ کا لفظ قرآن مجید میں تین معنوں میں آیا ہے۔ (ا) اگر یہ (علنی) کے ساتھ استعمال ہو تو بلند ہونا مراد ہے؛ مثلاً ﴿ثُمَّ اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ﴾ (یونس: ۳۱) ”پھر اللہ تعالیٰ عرش پر بلند ہوا“ (ب) اگر (الی) کے ساتھ مذکور ہو تو اس کا معنی ”قصد“ ہوتا ہے؛ جیسے ﴿ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوٰتٍ﴾ (البقرہ: ۲۹/۳۰) ”پھر اس نے آسمان کی طرف قصد فرمایا تو انہیں برابر کر کے سات آسمان بنا دیا“ (ج) اگر یہ کسی حرف جر کے بغیر استعمال ہو تو ”کامل ہونا“ مراد ہوتا ہے۔ جیسے ﴿وَلَمَّا بَلَغَ اَشَدَّهَا وَاسْتَوَىٰ﴾ (القصص: ۱۴/۲۸) ”جب آپ اپنی پوری طاقت کو پہنچے اور کامل ہو گئے۔“

(۳۳) توبہ بہت سی آیات میں اس کا حکم آیا ہے اور توبہ کرنیوالوں کی تعریف اور ثواب کا ذکر ہوا ہے۔ توبہ کا معنی ہے: ”اللہ جس چیز کو ظاہر اور باطناً ناپسند کرتا ہے اس سے پلٹ کر اس چیز کی طرف آجانا جسے اللہ تعالیٰ ظاہر اور باطناً پسند کرتا ہے۔“

(۳۴) صراط مستقیم (سیدھا راستہ) جس پر قائم رہنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور اس پر قائم رہنے والوں کی تعریف کی ہے۔ وہ ”اعتدال والا راستہ ہے جو اللہ کی رضا مندی اور ثواب تک پہنچاتا ہے۔“ اور وہ ہے نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال اور تمام احوال میں آپ کی پیروی کرنا۔

(۳۵) ذکر؛ جس کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ذکر کرنے والوں کی تعریف کی ہے اور ان کی دنیوی اور اخروی جزا بیان کی ہے۔ جب یہ مطلق (بلا قید) بولا جائے تو اس میں اللہ کے قریب کرنے والی ہر چیز شامل ہو جاتی ہے؛ مثلاً صحیح عقیدہ، مفید سوچ، اچھا اخلاق، قلبی یا بدنی نیکی، اللہ کی حمد و ثنا، اس کی تسبیح و تقدیس، شریعت کے اصولی اور فروعی مسائل سیکھنا، یا ایسے علوم سیکھنا جو شریعت کا علم حاصل کرنے میں معاون ہوں۔ یہ سب اللہ کے ذکر میں شامل ہے۔





اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ اور ان کا معنی و مطلب

قرآن مجید میں اللہ کے بہت سے اسمائے حسنیٰ موقع محل کی مناسبت سے بار بار ذکر ہوئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ ان کے جامع معانی کی طرف اشارہ کر دیا جائے چنانچہ ہم کہتے ہیں:

(۱) اسم مبارک (رب) بہت سی آیات میں آیا ہے۔ ”رب“ کا مطلب ہے اپنے تمام بندوں کو تدبیر اور طرح طرح کی نعمتوں کے ساتھ پالنے والا۔ اس کا ایک محدود تر مفہوم بھی ہے، یعنی اپنے اپنے بندوں کے دلوں، روحوں اور اخلاق کی اصلاح کر کے ان کی تربیت کرنے والا۔ وہ لوگ زیادہ تر اللہ کے اسی نام سے دعائیں کرتے ہیں، کیونکہ اس سے اس خاص تربیت کے طلب گار ہوتے ہیں۔

(۲) (اللہ) کا مطلب ہے معبود۔ تمام مخلوق اس کی الوہیت اور عبودیت میں شامل ہے، کیونکہ وہ ان معبودانہ صفات کا حامل ہے جو صفات کمال ہیں۔

(۳) (الملک) ”بادشاہ“ اور (المالک) بادشاہی اسی کی ہے۔ اسی لیے وہ ”بادشاہ“ کی صفات سے متصف ہے، یعنی عظمت، کبریائی، غلبہ، تدبیر و انتظام وغیرہ۔ اسے تخلیق میں احکامات جاری کرنے میں اور جزا و سزا دینے میں مطلقاً تصرف حاصل ہے۔ اوپر والا اور نیچے والا سارا جہان اس کی ملکیت ہے۔ سب اس کے بندے، مملوک اور محتاج ہیں۔ وہی اکیلا مالک ہے۔

(۴) (الواحد) ”ایک“ (الاحد) ”یکتا“: وہ تمام صفات کمال میں یکتا ہے۔ ان میں اس کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ بندوں کا فرض ہے کہ اسے عقلی طور پر زبانی طور پر اور عملی طور پر ایک مانیں۔ یعنی اس کے کمال مطلق کا اعتراف کریں و حدانیت صرف اسی کے لیے تسلیم کریں، اور ہر قسم کی عبادت صرف اکیلے کے لیے خاص کر دیں۔

(۵) (الصمد) ”بے نیاز“: یعنی وہی ذات ہے جس کی طرف تمام مخلوقات اپنی تمام ضرورتوں، تمام مجبوریوں اور تمام حالات میں متوجہ ہوتی ہیں، کیونکہ وہ اپنی ذات میں، اسماء میں، صفات میں اور افعال میں لامحدود کاملیت سے متصف ہے۔

(۶) (العلیم) ”علم رکھنے والا“ (الخبیر) ”خبر رکھنے والا“: جس کا علم ظاہر اور باطن کو محیط ہے۔ وہ چھپائی

ہوئی باتیں بھی جانتا ہے اور ظاہر کی ہوئی بھی واجبات سے بھی باخبر ہے اور ممکنات و محالات سے بھی وہ ماضی سے بھی واقف ہے، حال سے بھی اور مستقبل سے بھی چنانچہ اس سے کچھ بھی مخفی نہیں۔

(۷) (الحکیم) ”حکمت و دانائی والا“: اس کی تخلیق میں اور اس کے احکام میں اعلیٰ ترین حکمت پوشیدہ ہے۔

اس نے ہر چیز کو بہترین انداز سے پیدا فرمایا: ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حَكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾

(المائدہ: ۵۰/۱۵) ”یقین رکھنے والوں کے لیے اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کون ہو سکتا ہے؟“ وہ

کسی چیز کو بے مقصد پیدا کرتا ہے نہ بے فائدہ کوئی قانون جاری فرماتا ہے۔ دنیا و آخرت میں اسی کا

فیصلہ نافذ ہے، تینوں طرح کے حکم اسی کے لیے ہیں۔ ان میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ یعنی شریعت

(اور احکام نافذ کرنے) میں بھی بندوں کے درمیان وہی فیصلہ کرتا ہے۔ تقدیر میں بھی اور جزا و سزا میں

بھی۔ حکمت کا مطلب ہے: ”ہر چیز کو اس کے مقام و مرتبہ پر رکھنا۔“

(۸) (الرحمن) ”مہربان“ (الرحیم) ”رحم کرنے والا“ (البر) ”احسان کرنے والا“ (الکریم)

”صاحب کرم“ (الجواد) ”سخی“ (الراءوف) ”شفقت کرنے والا“ (الوهاب) ”داتا“: یہ سب

اسمائے مبارکہ قریب المعنی ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ رحمت، احسان، سخاوت اور کرم کی

صفات سے متصف ہے۔ اس کی رحمت و عطا لامحدود ہے۔ جو اس کی حکمت کے مطابق ہر موجود کو

حاصل ہے۔ اس میں سے مومنوں کو وافر اور کامل تر حصہ نصیب ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ فَسَأَلْتَهُمَهَا لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ﴾ (الاعراف: ۱۵۶/۱۷) ”میری رحمت

ہر شے کو محیط ہے، میں اسے ان لوگوں کے لیے لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کریں گے۔“ تمام نعمتیں اور

احسان اس کی رحمت اور اس کے جود و کرم کا مظہر ہیں اور دنیا و آخرت کی تمام بھلائیاں اس کی رحمت

کے نشان ہیں۔

(۹) (السمیع) ”سننے والا“: جو مختلف زبانوں میں ہر قسم کی حاجات پر مشتمل تمام آوازیں سنتا ہے۔

(۱۰) (البصیر) ”دیکھنے والا“: جو ہر چھوٹی سے چھوٹی اور باریک سے باریک چیز کو دیکھتا ہے۔ وہ تاریک

رات میں ٹھوس چٹان پر چلتی ہوئی سیاہ چیونٹی کو بھی دیکھتا ہے۔ وہ سات زمینوں کے نیچے کی چیزوں کو بھی

اسی طرح دیکھتا ہے جس طرح سات آسمانوں کے اوپر کی چیز کو۔ نیز وہ یہ بھی سنتا اور دیکھتا ہے کہ کون

اس کی حکمت کے مطابق جزا کا مستحق ہے۔ یہ آخری معنی صفت حکمت ہی کا ایک پہلو اجاگر کرتا ہے۔

(۱۱) (الحمید) ”قابل تعریف“: وہ اپنی ذات کے لحاظ سے، اپنے اسماء کے لحاظ سے، صفات کے لحاظ سے

اور افعال کے لحاظ سے (ہر طرح) قابل تعریف ہے۔ اس کے نام بہترین، اس کی صفات اور اس کے

افعال کامل ترین اور بہترین ہیں؛ کیونکہ اس کے افعال اس کے فضل کے مظہر ہیں یا اس کے عدل کے۔
 (۱۲) (المجید) ”بزرگی والا“ (الکبیر) ”بڑائی والا“ (العظیم) ”عظمت والا“ (الجلیل) ”شان والا“: وہ بزرگی، عظمت اور شان کی صفات سے متصف ہے۔ وہ ہر چیز سے بڑا، عظیم، جلیل اور بلند ہے۔ اس کے اولیاء کے دل اس کی عظمت کے احساس سے بھر پور ہیں؛ لہذا اس کی کبریائی کے سامنے بجز وانکسار کا اظہار کرتے ہوئے سرنگوں ہیں۔

(۱۳) (العفو) ”بہت معاف کرنے والا“ (الغفور) ”گناہوں کو سدا بخشنے والا“ (الغفار) ”انتہائی معاف کرنے والا“: اس کی معاف کرنے کی صفت ہمیشہ سے معروف ہے اور بندوں کے گناہ بخش دینا سدا سے اس کی شان ہے۔ ہر کوئی اس کی معافی اور مغفرت کا محتاج ہے؛ جس طرح اس کی رحمت اور اس کے کرم کے بغیر کسی کو چارہ نہیں۔ اس نے وعدہ کیا ہے کہ جو شخص معافی کے ذرائع اختیار کرے گا، اسے ضرور بخش دیا جائے گا۔ اس کا ارشاد ہے: ﴿وَإِنِّي لَغَفَّارٌ لِّمَن تَابَ وَآمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدَىٰ﴾ (طہ: ۸۲/۸۰) ”میں بہت بخشنے والا ہوں اس کو جو توبہ کرے ایمان لائے نیک عمل کرے پھر ہدایت پر قائم رہے۔“

(۱۴) (النواب) ”توبہ قبول کرنے والا“: جو ہمیشہ سے توبہ کرنے والوں کی توبہ قبول کرنے والا اور رجوع کرنے والوں کے گناہ معاف کرنے والا ہے؛ لہذا جو بھی اللہ کے دربار میں سچے دل سے توبہ کرے اللہ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ وہ بندوں پر پہلے تو اس انداز سے التفات فرماتا ہے کہ انہیں توبہ کی توفیق دیتا اور ان کے دل اپنی طرف پھیر لیتا ہے۔ پھر اس انداز سے التفات فرماتا ہے کہ ان کی توبہ قبول کر کے ان کی غلطیوں سے درگزر فرماتا ہے۔

(۱۵) (القدوس) ”پاک“ (السلام) ”سلامتی والا“: یعنی وہ تمام نقائص سے پاک ہے اور اس بات سے بھی پاک ہے کہ مخلوق میں کوئی اس کی مثل ہو۔ وہ تمام عیوب سے منزہ ہے اور اس بات سے بھی منزہ ہے کہ کوئی مخلوق کسی صفت کمال میں اس کی مثل یا اس سے قریب ہو۔ ارشاد ہے: ﴿لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ﴾ (الشوری: ۱۱/۴۲) ”کوئی چیز اس کی مثل نہیں“ ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَهُ كُفُوًا أَحَدٌ﴾ (الاحلاص: ۴/۱۱۲) ”اس کا کوئی ہم سر نہیں“ ﴿هَلْ تَعْلَمُ لَهُ سَمِيًّا﴾ (مریم: ۶۵/۱۹) ”کیا تجھے کوئی اس کے برابر کا معلوم ہے؟“ ﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلّٰهِ اٰنْدَادًا﴾ (البقرہ: ۲۲/۲) ”دوسروں کو اللہ کے جوڑ کا قرار نہ دو۔“ ”قدوس“ اور ”سلام“ کا مفہوم باہم مشابہ ہے۔ ان دونوں میں اللہ تعالیٰ سے نقص کی ہر لحاظ سے نفی پائی جاتی ہے اور ہر لحاظ سے کمال مطلق کا اثبات ہوتا ہے؛ کیونکہ جب

نقص کی نفی ہو جائے تو اس سے کمال کا اثبات ہوتا ہے۔

(۱۶) (العلیٰ الاعلیٰ) ”بلند سب سے بلند“: اسے ہر لحاظ سے مطلق بلندی حاصل ہے۔ ذاتی طور پر بھی علو

اور صفات اور قدر و منزلت کا علو غلبہ و اقتدار کا علو۔ وہی عرش پر مستوی ہے اور اقتدار کا مالک ہے۔ وہ عظمت، کبریائی، جلال اور کمال کی تمام تر صفات سے بہرہ ور ہے جن کے آگے کمال کا کوئی درجہ نہیں۔

(۱۷) (العزیز) ”با اقبال“: اسے ہر طرح کا اقبال حاصل ہے۔ قوت کا اقبال، غلبہ کا اقبال، امتناع کا اقبال،

یعنی کوئی مخلوق اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ تمام مخلوقات اس کے آگے دبی ہوئی ہیں، اس کی مطیع ہیں اور اس کی عظمت کو دل سے تسلیم کرتی ہیں۔

(۱۸) (القوی) ”قوت والا“ (المتین) ”زبردست“: ان صفات کا مفہوم بھی العزیز والا ہے۔

(۱۹) (الجبار): اس کا مطلب سب سے بلند بھی ہے زبردست بھی، جس کے سامنے کوئی بولنے کی جرأت

نہ کر سکے اور اس کا معنی شفقت کرنے والا، ٹوٹے دلوں کو جوڑنے والا بھی ہے۔ ضعیفوں، عاجزوں اور پناہ کے طالبوں کے زخمی دلوں پر مہم رکھنے والا ہے۔

(۲۰) (المتکبر) ”کبریائی والا“: یعنی اتنا عظیم کہ اس کی طرف کسی برائی، نقص یا عیب کی نسبت نہیں ہو سکتی۔

(۲۱) (المخالق) ”پیدا کرنے والا“ (البارئ) ”عدم سے وجود بخشنے والا“ (المصور) ”صورتیں بنانے

والا“: جس نے تمام موجودات کو پیدا کیا، انہیں وجود بخشا اور اپنی حکمت کے ساتھ ٹھیک ٹھیک بنایا، اور اپنی حمد و حکمت کے ساتھ ان کی صورت گری کی۔ وہ ازل سے اس وصف عظیم کا حامل ہے۔

(۲۲) (المؤمن) ”تصدیق کرنے والا“: جس نے اپنی صفات کمال اور کمال جلال و جمال کے ساتھ اپنی

تعریف فرمائی۔ جس نے دلائل و براہین کے ساتھ رسول بھیجے اور کتابیں نازل کیں۔ اس نے معجزات اور دلائل کے ساتھ اپنے رسولوں کی تصدیق فرمائی، جن سے ان کا سچا ہونا اور ان کی لائی ہوئی شریعت کا

صحیح ہونا ثابت ہو گیا۔

(۲۳) (المہيمن) ”نگران“: یعنی پوشیدہ باتوں اور دلوں کے رازوں سے باخبر، جسے ہر چیز کا علم ہے۔

(۲۴) (القدیر) ”قدرت رکھنے والا“: جس کی قدرت کامل ہے۔ اس نے اپنی قدرت سے تمام اشیاء کو

وجود بخشا، اپنی قدرت سے ان کی تدبیر کی، اپنی قدرت سے انہیں درست اور محکم بنایا۔ وہ اپنی قدرت سے زندہ کرتا اور موت دیتا ہے اور اپنی قدرت سے بندوں کو جزا و سزا کے لیے اٹھائے گا، پھر نیکی کرنے

والے کو نیکی کا انعام دے گا اور برائی کرنے والے کو برائی کی سزا۔ وہ جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو (کن) کہتے ہی وہ چیز ہو جاتی ہے۔ وہ اپنی قدرت سے دلوں کو پلٹتا اور اپنی مشیت کے مطابق ان کو

پھیرتا ہے۔

(۲۵) (اللطیف) ”باریک بین، مہربانی کرنے والا“: اس کا علم تمام خفیہ معاملات اور اسرار کو محیط ہے۔ وہ پوشیدہ اشیاء ہر کسی کے باطن اور باریک معاملات سے باخبر ہے۔ علاوہ ازیں وہ اپنے مومن بندوں پر لطف و کرم کرنے والا ہے۔ اس لطف و احسان کی وجہ سے وہ ان تک ان کے فائدے کی اشیاء اس انداز سے پہنچا دیتا ہے کہ انہیں معلوم بھی نہیں ہوتا۔ گویا اللہ کا یہ نام مبارک (الخبیر) کا معنی بھی رکھتا ہے اور (الراءف) کا معنی بھی۔

(۲۶) (الحسیب) ”حساب لینے والا“ کافی ہو جانے والا: وہ اپنے بندوں (کے حالات) سے باخبر ہے۔ توکل کرنے والوں کو کافی ہو جاتا ہے۔ اپنے بندوں کو اپنی حکمت اور اپنے علم کے مطابق ان کے چھوٹے بڑے اعمال کی جزا و سزا دیتا ہے۔

(۲۷) (الرقیب) ”نگران“: دلوں میں پوشیدہ خیالات سے باخبر ہر کسی کے اعمال ملاحظہ فرمانے والا جو مخلوقات کی حفاظت کرتا ہے اور انہیں بہترین نظام کے ساتھ اور مکمل نظم و ضبط کے ساتھ چلاتا ہے۔

(۲۸) (الحفیظ) ”حفاظت کرنے والا“: جو اپنی مخلوقات کی حفاظت کرتا ہے، اس کا علم اس کی تخلیق کردہ تمام اشیاء کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ گناہوں اور ہلاکت کے کاموں سے اپنے دوستوں کی حفاظت کرتا ہے۔ حرکات و سکنات میں ان پر لطف و کرم فرماتا ہے۔ وہ بندوں کے تمام اعمال اور ان کی جزا و سزا کی تفصیلات سے باخبر ہے۔

(۲۹) (المحیط) ”احاطہ کرنے والا“: کوئی چیز اس کے علم، قدرت، رحمت اور اقتدار کے دائرے سے باہر نہیں۔

(۳۰) (القہار) ”ہر چیز پر غالب“: جس کے سامنے کوئی سر نہیں اٹھا سکتا۔ تمام مخلوقات اس کے سامنے سرنگوں ہیں۔ سب اس کی شان، قدرت، طاقت اور اقتدار کامل کے سامنے عاجز اور سر اُگندہ ہیں۔

(۳۱) (المقیت) ”روزی رساں“: جو ہر موجود کو اس کی غذا پہنچاتا ہے اور انہیں رزق بہم پہنچاتا ہے۔ اپنی حکمت اور حمد کے ساتھ جس طرح چاہتا ہے روزیاں تقسیم کرتا ہے۔

(۳۲) (الوکیل) ”کام بنانے والا، مشکل کشا“: جو اپنے علم، کامل قدرت اور کامل حکمت کے ساتھ مخلوقات کے کام سنوارتا ہے، جو اپنے اولیاء سے محبت رکھتا ہے، انہیں آسانیاں مہیا فرماتا اور مشکلات سے بچاتا ہے۔ جو اسے اپنا کارساز مان لے، اسے کسی اور کی محتاجی نہیں رہتی۔ ارشاد ہے: ﴿اللَّهُ وَرَىٰ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ (البقرہ: ۲۵۷/۲) ”اللہ مومنوں کا دوست ہے، انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے۔“

(۳۳) (ذوالجلال والاکرام) ”عظمت والا اور عزت افزائی کرنے والا“: وہ عظمت و کبریائی سے متصف ہے۔ رحمت اور سخاوت والا ہے۔ اس کا عمومی احسان بھی ہے اور خصوصی احسان بھی۔ وہ اپنے دوستوں اور مقربین کو عزت بخشا ہے۔ وہ اس کی عظمت و جلالت شان کو پیش نظر رکھتے اور اس سے محبت رکھتے ہیں۔

(۳۴) (الودود) ”محبت کرنے والا اور محبوب“: وہ اپنے نبیوں رسولوں اور ان کی اتباع کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے اور وہ اس کی محبت سے سرشار ہیں۔ وہ انہیں ہر شے سے زیادہ پیارا ہے۔ ان کے دل اس کی محبت سے لبریز ہیں۔ ان کی زبانیں اس کی حمد و ثنا میں مصروف رہتی ہیں۔ ان کے دل ہر لحاظ سے انابت، اخلاص اور محبت سے اس کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں۔

(۳۵) (الفتاح) ”فیصلہ کرنے والا“ کھولنے والا“: وہ شرعی احکام کے ذریعے سے تقدیر کے فیصلوں کے ذریعے اور جزا اور سزا کے ذریعے سے اپنے بندوں کے درمیان فیصلے کرتا ہے۔ وہ اپنے لطف و کرم سے سچے لوگوں کی چشم بصیرت کو کھول دیتا ہے ان کے دل اپنی معرفت، محبت اور اپنی طرف جھکاؤ کے لیے کھول دیتا ہے۔ اپنے بندوں کے لیے رحمت کے اور طرح طرح کے رزق کے دروازے کھول دیتا ہے۔ انہیں وہ اسباب مہیا فرماتا ہے جن سے انہیں دنیا اور آخرت کی بھلائی نصیب ہو جائے۔ ارشاد ہے: ﴿مَا يَفْتَحِ اللَّهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا، وَمَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهُ مِنْ بَعْدِهَا﴾ (فاطر: ۲۱۳۵) ”اللہ لوگوں کے لیے جو رحمت کھولتا ہے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جسے روک لے اس کے بعد اس (رحمت) کو کوئی نہیں بھیج سکتا۔“

(۳۶) (الرزاق) ”رزق دینے والا“: وہ اپنے تمام بندوں کو رزق دیتا ہے۔ زمین میں چلنے والی جو بھی چیز ہے اس کا رزق اللہ ہی کے ذمے ہے۔ اس کی طرف سے بندوں کو ملنے والے رزق کی دو قسمیں ہیں۔ رزق عام: اس میں نیک و بد پہلے اور پچھلے سب شریک ہیں۔ یہ ابدان کا رزق ہے۔ رزق خاص: یہ دلوں کا رزق ہے اور دلوں کو خدا علم اور ایمان سے ملتی ہے۔ رزق حلال وہ ہوتا ہے جو دین کی درستی کے لیے مہم و معاون ثابت ہو۔ یہ مومنوں کے لیے مخصوص ہے۔ تاہم یہ انہیں اپنے اپنے مرتبے کے مطابق (کم و بیش) ملتا ہے جیسے بھی رب کی حکمت و رحمت کا تقاضا ہوتا ہے۔

(۳۷) (الحکم) ”فیصلہ کرنے والا“ (العدل) ”انصاف کرنے والا“: وہ دنیا اور آخرت میں عدل و انصاف کے ساتھ بندوں کے فیصلے کرتا ہے۔ وہ کسی پر ذرہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا نہ کسی پر کسی اور کا بوجھ لادتا ہے نہ بندے کو اس کے گناہوں سے زیادہ سزا دیتا ہے۔ وہ ہر حق دار کو اس کا حق پہنچاتا ہے چنانچہ

وہ تدبیر میں بھی اور تقدیر میں بھی (العدل) ”انصاف کرنے والا“ ہے۔ ﴿إِنَّ رَبِّيَ عَلَيَّ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٌ﴾ (ہود: ۵۶/۱۱) ”میرا رب سیدھی راہ پر قائم ہے“۔

(۳۸) (جامع الناس): وہ لوگوں کو اس دن جمع کرے گا جس کے وقوع میں کوئی شک نہیں۔ وہ ان کے عملوں اور رزقوں کو بھی جمع کرنے والا ہے چنانچہ ہر چھوٹا بڑا عمل اس کے شمار میں ہے۔ وہ پہلے اور پچھلے مردوں کے بکھر جانے والے اور تبدیل ہو کر مٹی بن جانے والے اعضاء کو بھی اپنی کامل قدرت و علم کے ساتھ جمع کر لے گا۔

(۳۹) (الحی، القيوم) ”زندہ قائم رہنے اور رکھنے والا“: اس کی حیات کامل اور ذاتی طور پر قائم ہے اور آسمان اور زمین والوں کو قائم رکھنے والا ہے۔ ان کے تمام انتظامات رزق اور تمام حالات اس کے ہاتھ میں ہیں۔ ”الحی“ صفات ذاتیہ کا جامع نام ہے اور ”القيوم“ صفات افعال کا جامع ہے۔

(۴۰) (النور) ”روشنی روشن کرنے والا“: وہ آسمانوں اور زمین کو روشن کرنے والا ہے۔ اس نے عارفین کے دل معرفت اور ایمان کے ساتھ منور فرمادیے اور ان کے دلوں کو ہدایت کے نور سے روشن فرمایا۔ اس نے آسمان اور زمین کو اپنے پیدا کیے ہوئے انوار سے روشن کر رکھا ہے۔ اس کا پردہ بھی نور ہے۔ اگر وہ اسے ہٹا دے تو اس کے چہرہ انور کے جلووں سے تمام مخلوق فنا ہو جائے۔

(۴۱) (بديع السماوات والارض) ”آسمان اور زمین کا موجد“: جس نے انہیں کسی سابقہ مثال کے بغیر پیدا فرمایا۔ ان کی تخلیق انتہائی حسن و جمال اور تخلیق بے مثال اور عجیب و غریب پنختہ نظام پر قائم ہے۔

(۴۲) (القابض، الباسط) ”محدود کرنے والا و وسیع کرنے والا“: وہ رزق کو تنگ کرتا ہے رزقوں کو قبض کرتا ہے رزق کو وسیع کرتا ہے دلوں کو کھولتا ہے اور یہ سب کچھ اس کی رحمت اور حکمت کے تحت ہے۔

(۴۳) (المعطي، المانع) ”دینے والا و روک لینے والا“: وہ جو کچھ دینا چاہے کوئی اس میں رکاوٹ نہیں ڈال سکتا اور جس چیز کو وہ روک لے کوئی عطا نہیں کر سکتا لہذا تمام نعمتیں اور فوائد اس سے مانگنا چاہئیں ان کے لیے اس کی طرف رغبت کرنا چاہیے۔ وہی اپنی حکمت و رحمت کی بنا پر جسے چاہتا ہے وہ نعمتیں اور فوائد عطا فرماتا ہے اور جس سے چاہتا ہے روک لیتا ہے۔

(۴۴) (الشہید) ”گواہ حاضر ناظر“: جو ہر چیز سے باخبر ہے۔ وہ تمام آوازیں سنتا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔ وہ تمام موجودات کو دیکھتا ہے خواہ وہ چھوٹی ہوں یا بڑی۔ اس کا علم ہر شے کو محیط ہے۔ وہ بندوں کے اعمال کے مطابق ان کے حق میں یا ان کے خلاف گواہ ہے۔

(۴۵) (المبدئ، المعید) ”ابتدا کرنے والا و ادا کرنے والا“: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِي يَبْدَأُ

الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيدُهُ ﴿﴾ (الروم: ۲۷/۳۰) ”وہی ہے جو پہلی بار پیدا کرتا ہے پھر دوبارہ پیدا کرے گا۔“ اس نے اپنی مخلوق کو پہلی بار اس لیے پیدا کیا ہے کہ ان کو آزمائے کہ کون بہترین عمل کرتا ہے پھر دوبارہ پیدا کرے گا تاکہ نیکی کرنے والوں کو نیکیوں کی جزا دے اور برے کام کرنے والوں کو ان کی بد اعمالیوں کی سزا دے۔ اسی طرح وہ اپنی مخلوقات کو ایک تدریج کے ساتھ ابتداءً پیدا کرتا ہے اور پھر اس کا ہر وقت اعادہ کرتا رہتا ہے۔

(۳۶) (الفعال لما يريد) ”جو چاہے کرنے والا“ مختار کل: اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کی قوت کامل اور اس کی قدرت اور مرضی نافذ ہونے والی ہے۔ وہ جو کام کرنا چاہے کر لیتا ہے اسے کوئی روکنے والا نہیں اس پر کوئی اعتراض کر کے رکاوٹ ڈالنے والا نہیں نہ اسے کسی بھی کام کے لیے کسی مددگار کی ضرورت ہے بلکہ وہ جس چیز کا ارادہ فرماتا ہے اسے کہتا ہے: (مُحْسِنٌ) ”ہوجا“ وہ ہوجاتی ہے۔ وہ اگرچہ جو چاہے کر سکتا ہے تاہم اس کا ارادہ اس کی حکمت کے تابع ہے۔ اس کی قدرت کامل اور اس کی مشیت پوری ہونے والی ہے اور اس نے جو کچھ کیا ہے جو کر رہا ہے جو کرے گا ان سب میں اس کی حکمت موجود ہے۔

(۳۷) (الغنی) ”بے پروا“ جو کسی کا محتاج نہیں“ (المغنی) ”غنی کرنے والا“: وہ غنی ہے جسے ہر پہلو اور ہر اعتبار سے مکمل اور لامحدود غنا و استغنا حاصل ہے کیونکہ وہ خود بھی کمال سے متصف ہے اور اس کی صفات بھی اس قدر کامل ہیں کہ ان میں کسی لحاظ سے کسی نقص کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس کا غنا کے برعکس کیفیت میں ہونا ممکن نہیں کیونکہ غنا اس کی ذاتی لازمی صفات میں سے ہے آسمان و زمین کے خزانے بلکہ دنیا اور آخرت کے خزانے اس کے ہاتھ میں ہیں۔ وہ اپنی تمام مخلوقات کو عمومی غنا عطا فرماتا ہے اور اپنے خاص بندوں کے دلوں پر ربانی معارف اور ایمانی حقائق کا فیض پہنچا کر غنی کر دیتا ہے۔

(۳۸) (الحلیم) ”حلیم اور بردباری والا“: جو اپنی مخلوقات پر ظاہری اور باطنی نعمتیں نازل فرماتا رہتا ہے حالانکہ وہ گناہ اور بے شمار لغزشوں کا ارتکاب بھی کرتے ہیں۔ وہ نافرمانوں کو فوری سزا دینے کے لیے بردباری کرتے ہوئے انہیں موقع دیتا ہے کہ توبہ کر لیں اور انہیں مہلت دیتا ہے کہ اس کی طرف رجوع کر لیں۔

(۳۹) (الشاکر) ”قدر دانی کرنے والا“ (الشکور) ”قدر دان“: جو تھوڑے سے عمل کی قدر کرتے ہوئے اسے بھی شرف قبولیت سے نوازتا ہے اور بے شمار لغزشوں کو معاف کر دیتا ہے اور اہل اخلاص کے اعمال کا ثواب بے حساب بڑھا دیتا ہے۔ جو شکر کرنے والوں کی قدر کرتا ہے اور ذکر کرنے والوں کو یاد فرماتا ہے۔ بندہ کوئی نیکی کر کے اس کا جس قدر تقرب حاصل کرنا چاہتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ قرب عطا فرماتا ہے۔

(۵۰) (القرب) ”زدیک“ (المجیب) ”قبول کرنے والا“: یعنی وہ ہر کسی سے قریب ہے۔ اس کا قرب دو انداز کا ہے۔ ایک عمومی قرب اس لحاظ سے کہ اللہ اس کا علم رکھنے والا اس (کے حالات و اعمال) سے

باخبر اس کی نگرانی کرنے والا اسے دیکھنے والا اور اس کا احاطہ کرنے والا ہے۔ دوسرا خاص قرب جو اس کی عبادت کرنے والوں اس سے سوال کرنے والوں اور اس سے محبت رکھنے والوں کو حاصل ہوتا ہے یہ قرب ایسا ہے کہ اس کی حقیقت کا ادراک ممکن نہیں۔ البتہ اس کے اثرات معلوم ہو سکتے ہیں مثلاً بندے پر لطف و کرم اس پر عنایتیں، توفیق و ہدایت وغیرہ۔ دعا کی قبولیت اور عبادت پر ثواب بھی اس قرب کا ایک مظہر ہے۔ اس کی قبولیت بھی ایک عام ہے ایک خاص۔ وہ تمام دعا کرنے والوں کی دعا عمومی طور پر قبول کرنے والا ہے وہ جو بھی ہوں جہاں بھی ہوں جس حال میں بھی ہوں۔ ان سے اس نے وعدہ بھی مطلق کیا ہے۔ اس کی خصوصی قبولیت ان کے لیے ہے جو اس کے احکام تسلیم کرتے اور اس کی شریعت کی پابندی کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں وہ ان لاچار اور مجبور بندوں کی دعا بھی قبول کرتا ہے جنہیں مخلوق سے کوئی امید نہ رہی ہو اور ان کا اللہ کے ساتھ طلب امید اور خوف کا تعلق مضبوط ہو چکا ہو۔

(۵۱) (الکافی) ”کفایت کرنے والا“: وہ اپنے بندوں کی تمام حاجتیں پوری کرنے والا ہے۔ یہ عمومی کفایت ہے۔ اس کی خصوصی کفایت اس شخص کو حاصل ہوتی ہے جو اس پر ایمان لائے اس پر توکل کرے اور دنیا و دین کی تمام حاجتیں اس سے مانگے۔

(۵۲) (الاول) ”پہلا“ (الآخر) ”آخری“ (الظاهر) ”ظاہر“ (الباطن) ”پوشیدہ“: نبی ﷺ نے ان اسمائے حسنیٰ کی ایک واضح اور جامع تشریح فرمادی ہے۔ ارشاد نبوی ہے: «أَنْتَ الْأَوَّلُ فَلَيْسَ قَبْلَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الْآخِرُ فَلَيْسَ بَعْدَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ الظَّاهِرُ فَلَيْسَ فَوْقَكَ شَيْءٌ وَأَنْتَ البَاطِنُ فَلَيْسَ دُونَكَ شَيْءٌ» ”تو ہی اول ہے تجھ سے پہلے کچھ نہیں تھا۔ تو ہی آخر ہے تیرے بعد کچھ نہیں۔ تو ظاہر ہے تجھ سے بلند تر کوئی چیز نہیں تو باطن ہے تجھ سے قریب تر کوئی چیز نہیں۔“^①

(۵۳) (الواسع) ”وسعت والا“: جس کی صفات اور صفات کے متعلقات بے حدود وسیع اور لامحدود ہیں۔ کوئی اس کی حمد و ثنا کا حقہ ادا نہیں کر سکتا۔ بس وہ ویسے ہی ہے جیسے اس نے اپنی تعریف خود فرمائی ہے۔ اس کی عظمت اور سلطنت بھی بے انتہا وسیع ہے اس کا فضل و احسان بھی وسیع ہے۔ اس کے جوہ و کرم کی بھی انتہا نہیں۔

(۵۴) (الہادی) ”ہدایت دینے والا“ (الرشید) ”ہدایت دینے والا حکمت والا“: وہ ہر فائدے کے حصول اور ہر ضرر سے بچاؤ کے لیے اپنے بندوں کی رہنمائی فرماتا ہے اور انہیں وہ کچھ سکھاتا ہے جسے وہ نہیں جانتے وہ انہیں ہدایت نصیب فرماتا ہے ان کے دلوں میں تقویٰ ڈالتا ہے ان کے دلوں کو اپنی طرف رجوع کرنے والے اور اپنے احکامات کی تعمیل کرنے والے بناتا ہے۔

① صحیح مسلم، الذکر والدعاء، باب الدعاء عند النوم، حدیث: ۲۷۱۳

رشید کے ایک معنی حکیم کے بھی ہیں۔ وہ اپنے ارشادات و افعال میں صاحب حکمت ہے۔ اس کی شریعت کے تمام احکام خیر ہدایت اور حکمت پر مشتمل ہیں۔ اس کی تمام مخلوقات میں حکمت پائی جاتی ہے۔

(۵۵) (الحق) ”حقیقت سچا“: وہ اپنی ذات و صفات میں حق ہے۔ وہ واجب الوجود ہے۔ کامل صفات سے متصف ہے۔ موجود ہونا اس کی ذات کے لوازم میں سے ہے۔ اس کے بغیر کسی چیز کا وجود ممکن نہیں۔ وہ ہمیشہ سے جلال، جمال اور کمال کی صفات سے متصف ہے اور ہمیشہ ان صفات سے موصوف رہے گا۔ وہ ازل سے احسان کے ساتھ معروف ہے اور ہمیشہ یوں ہی رہے گا۔ اس کا قول بھی حق ہے۔ اس کا فعل بھی حق ہے۔ اس کی ملاقات (اور قیامت) بھی حق ہے۔ اس کے رسول حق ہیں اس کی کتابیں حق ہیں۔ اس کا دین حق (اور سچا) ہے اس اکیلے کی عبادت حق ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس سے جس چیز کی بھی نسبت ہے وہ حق ہے۔ ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَاَنَّ مَا يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ هُوَ الْبَاطِلُ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ﴾ (الحج: ۲۲/۶۲) ”یہ اس لیے ہے کہ اللہ ہی حق ہے اور اس کے سوا جس جس کو پکارتے ہیں وہ سراسر باطل ہے اور اللہ ہی بلند یوں والا اور بڑا ہے۔“

﴿وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ﴾ (الکہف: ۱۸/۲۹) ”فرما دیجیے حق تمہارے رب کی طرف سے ہے لہذا جو شخص چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے کفر اختیار کر لے“ ﴿فَمَا ذَا بَعَدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ﴾ (یونس: ۱۰/۳۲) ”حق کو چھوڑ کر گمراہی کے سوا کیا رہ جاتا ہے“ ﴿وَقُلْ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا﴾ (الاسراء: ۱۷/۸۱) ”فرما دیجیے حق آ گیا اور باطل مٹ گیا یقیناً باطل کو مٹنا ہی تھا“

والحمد لله الذي بنعمته تتم الصالحات.

وصلی اللہ علی محمد وعلی آلہ واصحابہ ومن تبعہم الی یوم الدین.

راقم الحروف اپنے رب کا فقیر عبدالرحمن بن ناصر بن عبداللہ بن ناصر السعدی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی اس کے والدین کی اس کے اساتذہ احباب اور تمام مسلمانوں کی مغفرت فرمائے آمین۔



فضائل و آداب قرآن

فضيلة الشيخ حافظ صلاح الدين يوسف حفظه الله

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے جو اس نے حضرت جبریل علیہ السلام کے ذریعے سے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل فرمایا۔ اس اعتبار سے یہ بھی آخری پیغمبر کی طرح آخری آسمانی کتاب ہے۔ جس طرح رسول اللہ ﷺ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں اسی طرح قرآن کریم کے بعد کوئی آسمانی وحی کسی پر نازل نہیں ہوگی۔ اسی لئے قرآن کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں کے لئے نصیحت قرار دیا: ﴿وَمَا هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِّلْعَالَمِينَ﴾ (سورۃ القلم: ۵۲/۶۸)

اب یہی قرآن کریم قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لئے کتاب ہدایت اور دستور حیات ہے۔ جن افراد یا اقوام نے اس سے اپنا تعلق جوڑا اس سے رہنمائی حاصل کی اور اسے اپنا دستور العمل بنایا وہ یقیناً دین و دنیا کی سعادتوں سے ہم کنار اور اس سے اعراض و تغافل کرنے والے ذلیل و خوار ہوں گے۔ جیسے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيَضَعُ بِهِ الْآخَرِينَ» (صحیح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل من يقوم بالقرآن ويعلمه..... الخ، ح: ۸۱۷)

”اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے سے بہت سے لوگوں کو بلندی عطا فرماتا ہے اور کچھ دوسروں کو پستی میں دھکیل دیتا ہے۔“

یہ سرفرازی انہی لوگوں کا مقدر بنتی ہے جو قرآن کے احکام بجالاتے اور اس کی حرام کردہ چیزوں سے اجتناب کرتے ہیں اور اس کے برعکس کردار کے حامل لوگوں کے لئے بالآخر ذلت و رسوائی ہے۔ چنانچہ مسلمانوں کو اللہ نے اسلام کی ابتدائی چند صدیوں میں ہر جگہ سرخ رو کیا اور انہیں بلندیاں عطا کیں، کیونکہ وہ قرآن کے حامل اور عامل تھے۔ اس پر عمل کی برکت سے وہ دین و دنیا کی سعادتوں سے بہرہ ور ہوئے۔ لیکن مسلمانوں نے جب سے قرآن کے احکام و قوانین پر عمل کرنے کو اپنی زندگی سے خارج کر دیا تب ہی سے ان پر ذلت و رسوائی کا عذاب مسلط ہے۔

بنابریں ضروری ہے کہ مسلمانوں کا تعلق قرآن کریم کے ساتھ صحیح معنوں میں دوبارہ جوڑنے کی کوشش کی جائے تاکہ وہ قرون اولیٰ کے مسلمانوں کی طرح اس سے کسب فیض کر کے اپنی زندگی کی راہوں کو روشن اور متعین کر سکیں۔ اس لئے مناسب سمجھا گیا کہ تفسیر کے آغاز میں ایک تو قرآن کریم کے فضائل مختصراً بیان کر دیے

جائیں تاکہ لوگوں میں قرآن پڑھنے کی ترغیب پیدا ہو۔

ثانیاً: تلاوت قرآن کے آداب پر بھی کچھ روشنی ڈال دی جائے تاکہ قرآن پڑھنے کے فوائد بھی انہیں حاصل ہو سکیں، کیونکہ جب تک کسی کام کو اس کے آداب و شرائط کے مطابق نہ کیا جائے اس کے ثمرات حاصل نہیں ہوتے۔

ثالثاً: قرآن کریم میں تدبر اور غور و فکر کی اہمیت کو اجاگر کر دیا جائے، کیونکہ جب تک قرآن کے معانی و مطالب کو نہ سمجھا جائے اللہ کی پسند و ناپسند کا علم نہ ہو اس وقت تک قرآن کے پڑھنے کا اصل مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔ اُخروی ثواب تو بلا سمجھے پڑھنے سے بھی حاصل ہو جائے گا، لیکن دنیا میں ہماری زندگیوں میں محض تلاوت سے کوئی تبدیلی نہیں آ سکتی۔ یہ تبدیلی اسی وقت آ سکتی ہے جب ہم قرآن کریم کو سمجھتے ہوئے اس نیت سے پڑھیں کہ اللہ تعالیٰ ہم سے مخاطب ہے اور ہم اس کے مخاطب ہیں۔ وہ ہمیں زندگی گزارنے کے جو اصول اور ضابطے بتا رہا ہے، ہم انہیں اختیار کریں گے اور اپنے شب و روز کے معمولات کو ان کے مطابق بنائیں گے۔ کیونکہ عمل ہی اصل بنیاد ہے اس کے بغیر قرآن کا محض سمجھ لینا بھی بے فائدہ ہے۔ سمجھنے کا اصل مقصد اس پر عمل کرنا ہو تب وہ سمجھنا ہی اصل سمجھنا ہے کیونکہ وہی مفید اور نتیجہ خیز ہوتا ہے۔ ورنہ ایک شخص یہ سمجھ بھی لے کہ یہ سکھیا (زہر) ہے جس سے بچنا ضروری ہے، لیکن وہ اس سے بچنا ضروری نہ سمجھے، بلکہ اسے کھا جائے تو ظاہر بات ہے کہ اس کی ہلاکت یقینی ہے۔

فضائل قرآن: حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ قَرَأَ حَرْفًا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ فَلَهُ بِهِ حَسَنَةٌ وَالْحَسَنَةُ بِعَشْرِ أَمْثَالِهَا لَا أَقُولُ الْم حَرْفٌ، وَلَكِنْ أَلِفٌ حَرْفٌ، وَلَا م حَرْفٌ، وَمِيمٌ حَرْفٌ» (جامع الترمذی، فضائل القرآن، باب ماجاء فی من قرأ حرفاً من القرآن مالہ من الاجر، ح: ۲۹۱۰)

”جس شخص نے اللہ کی کتاب (قرآن مجید) کا ایک حرف پڑھا، اس کے لئے ایک نیکی ہے اور ایک نیکی دس نیکیوں کے برابر ہے۔ میں نہیں کہتا کہ ”الم“ ایک حرف ہے، بلکہ الف ایک حرف ہے، لام ایک حرف ہے اور میم ایک حرف ہے۔“

یعنی یہ تین حرفوں سے مرکب ہے اور اس کے پڑھنے والے کو ۳۰ نیکیاں ملیں گی۔

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا: «أَقْرَأُ وَالْقُرْآنَ فَإِنَّهُ يَأْتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيعًا لِأَصْحَابِهِ» (صحیح مسلم، صلاة المسافرین، باب فضل قراءة

القرآن..... الخ؛ ح: ۴: ۸۰)

”قرآن (کثرت سے) پڑھا کرو اس لئے کہ قیامت کے دن یہ اپنے ساتھیوں (پڑھنے والوں) کے لئے سفارشی بن کر آئے گا۔“

سفارشی کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید کو قوت گویائی عطا فرمائے گا اور وہ اپنے قاری اور عامل کے گناہوں کی مغفرت کا اللہ سے سوال کرے گا جسے اللہ قبول فرمائے گا جیسا کہ دوسری روایات میں اس کی سفارش کی قبولیت کی نوید دی گئی ہے۔ اسی طرح بہت سی سورتوں کی فضیلت میں بھی یہ چیز بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنے پڑھنے والوں کی مغفرت کے لئے اللہ کی بارگاہ میں کوشش کریں گی۔ مثلاً ایک حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

«يُوتَى بِالْقُرْآنِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَهْلِيهِ الَّذِينَ كَانُوا يَعْمَلُونَ بِهِ تَقْدُمُهُ سُورَةُ الْبَقَرَةِ وَآلِ عِمْرَانَ وَضُرِبَ لَهُمَا رَسُولُ اللَّهِ ﷺ ثَلَاثَةَ أَمْشَالٍ مَا نَسِيْتُهُنَّ بَعْدُ قَالَ: كَانَهُمَا غَمَامَتَانِ أَوْ ظَلْمَتَانِ سَوْدَاوَانِ بَيْنَهُمَا شَرْقٌ أَوْ كَانَهُمَا فِرْقَانِ مِنْ طَيْرٍ صَوَافٍ تُحَاجَّانِ عَنْ صَاحِبِهِمَا» (صحیح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل قراءة القرآن..... الخ؛ ح: ۵: ۸۰)

”قیامت کے دن قرآن کو اور ان لوگوں کو جو (دنیا میں) اس قرآن پر عمل کرتے تھے (بارگاہ الہی میں) پیش کیا جائے گا سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران ان کے آگے ہوں گی۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے تین مثالیں بیان فرمائیں جن کو میں ابھی تک نہیں بھولا آپ نے فرمایا: (وہ سورتیں اس طرح آئیں گی) گویا کہ وہ دو بدلیاں یا دو سیاہ سابان ہیں، ان کے درمیان روشنی ہے۔ یا وہ دونوں (ایسے آئیں گی) گویا کہ وہ پر پھیلائے پرندوں کے دو جھنڈ ہیں، وہ دونوں سورتیں (اس طرح آ کر) اپنے (پڑھنے اور عمل کرنے والے) ساتھیوں کی طرف سے اللہ سے جھگڑیں گی۔“

اسی طرح کی فضیلت قرآن کریم کی متعدد سورتوں کی احادیث میں بیان کی گئی ہے۔

حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم مسجد نبوی کے صفے (چبوترے) پر (جہاں اصحاب صفہ ہوتے تھے) بیٹھے ہوئے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور فرمایا: تم میں سے کون یہ پسند کرتا ہے کہ روزانہ صبح بطنخان جگہ یا وادی عقیق جائے اور وہاں سے بغیر کسی گناہ یا قطع رحمی کے دو بلند کوہان اونٹ لے کر آئے۔ ہم نے کہا: اے اللہ کے رسول! ہم (سب ہی) یہ پسند کرتے ہیں (کہ اس طرح روزانہ دو اونٹ ہمیں مل جائیں) آپ نے فرمایا: ”تو پھر تم میں سے ایک آدمی صبح کے وقت مسجد میں جا کر اللہ عزوجل کی کتاب کی دو آیتیں کیوں نہیں پڑھتا یا ان کا علم کیوں حاصل نہیں کرتا۔ یہ اس کے لئے دو اونٹوں سے بہتر ثابت ہوں گی اور

تین آیتیں تین اونٹوں سے اور چار چار سے اور اسی طرح جتنی آیتیں وہ پڑھے یا جانے گا اتنے ہی اونٹوں سے وہ اس کے لئے بہتر ہوں گی۔“ (صحیح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل قراءة القرآن في الصلاة و تعلمه، ح: ۸۰۳)

حضرت اسید بن حفص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک رات کو وہ اپنے کھلیان میں قرآن پڑھ رہے کہ ان کا گھوڑا (جو ایک طرف کھڑا ہوا تھا) بدکا۔ (انہوں نے اسے ایک نظر دیکھا) اور پھر پڑھنے لگے کہ وہ دوبارہ بدکا (انہوں نے اسے دیکھا اور) پھر پڑھنے میں مصروف ہو گئے، تو وہ پھر بدکا۔ اسید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں حتیٰ کہ مجھے اندیشہ محسوس ہوا کہ کہیں وہ (میرے لڑکے) بھئی کو نہ روند ڈالے۔ چنانچہ میں گھوڑے کی طرف گیا، تو دیکھا کہ میرے اوپر سائبان کی مثل کوئی چیز ہے اس میں دیے سے روشن ہیں (میرے دیکھنے پر) وہ فضا میں اوپر چڑھنے شروع ہو گئے حتیٰ کہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئے۔ میں صبح کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہ سارا ماجرا آپ کے سامنے بیان کیا، تو آپ نے قرآن مجید پڑھنے ہی کا حکم دیا۔ میں نے پھر (دوسری رات کو) پڑھا، تو گھوڑا اسی طرح بدکا، میں نے پھر آ کر بتلایا، تو آپ نے پڑھنے ہی کا حکم دیا۔ میں نے پھر (رات کو) پڑھا، تو اسی طرح کا منظر سامنے آیا اور مجھے بھئی کے کچلے جانے کا اندیشہ محسوس ہوا اور سائبان کی مثل چیز دیکھی جس میں چراغ سے روشن تھے وہ آہستہ آہستہ اوپر چڑھنے شروع ہو گئے حتیٰ کہ وہ میری نظروں سے اوجھل ہو گئے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: یہ فرشتے تھے جو تیرا قرآن سن رہے تھے اور اگر تو پڑھتا رہتا تو صبح کو یہ منظر لوگ بھی دیکھتے۔ (صحیح مسلم، صلاة المسافرين، باب نزول السكينة لقراءة القرآن، ح: ۷۹۶)

ایک اور روایت میں ہے، مذکورہ تفصیل سن کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: فَبِأَيِّهَا السَّكِينَةُ تَنْزَلَتْ عِنْدَ الْقُرْآنِ (صحیح مسلم، ح: ۷۹۵)

”یہ سکینت بھی جو قرآن کی وجہ سے نازل ہو رہی تھی۔“

سکینت سے مراد طمانینت اور رحمت ہے جو فرشتوں کے ساتھ نازل ہوتی ہے۔ گویا تلاوت قرآن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کا نزول ہوتا ہے جس میں طمانینت، تسکین اور راحت ہوتی ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْأُتْرَجَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا طَيِّبٌ وَمَثَلُ الْمُؤْمِنِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ التَّمْرَةِ لَا رِيحَ لَهَا وَطَعْمُهَا حُلْوٌ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الرِّيحَانَةِ رِيحُهَا طَيِّبٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ وَمَثَلُ الْمُنَافِقِ الَّذِي لَا يَقْرَأُ الْقُرْآنَ كَمَثَلِ الْحَنْظَلَةِ لَيْسَ لَهَا رِيحٌ وَطَعْمُهَا مُرٌّ» (صحیح البخاری، باب الأطعمة، باب ذكر الطعام، ح: ۵۴۲۷ و صحیح مسلم، صلاة

المسافرین، باب فضیلة حافظ القرآن، ح: ۷۹۷)

”اس مومن کی مثال جو قرآن کریم پڑھتا ہے، بیٹھے لیون (نارنگی) کی سی ہے کہ اس کی خوشبو بھی اچھی ہے اور اس کا ذائقہ بھی میٹھا ہے اور اس مومن کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا کھجور کی طرح ہے۔ جس کی خوشبو نہیں اور اس کا ذائقہ میٹھا ہے اور اس منافق کی مثال جو قرآن پڑھتا ہے خوشبودار پودے (جیسے ناز بویا سمین وغیرہ) کی طرح ہے، جس کی خوشبو اچھی ہے اور اس کا ذائقہ تلخ ہے اور اس منافق کی مثال جو قرآن نہیں پڑھتا، اندرائن (تمہ) کی طرح ہے جس میں خوشبو نہیں اور اس کا ذائقہ کڑوا ہے۔“

اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پڑھنے والا اور اس پر عمل کرنے والا مومن تو خوش رنگ اور خوش ذائقہ پھل کی طرح عند اللہ بھی مقبول ہے اور لوگوں میں بھی اس کی عزت ہے اور جو مومن قرآن نہیں پڑھتا تاہم قرآن کا عامل ہے اللہ کے ہاں اور لوگوں کی نظروں میں بھی اچھا ہے اور قرآن پڑھنے والے منافق (یا فاجر) کا ظاہر اچھا ہے لیکن باطن گندا اور تاریک ہے اور آخر میں اس منافق کا ذکر ہے جو قرآن نہیں پڑھتا، اس کا ظاہر اور باطن دونوں ناپاک ہیں:

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «الْمَاهِرُ بِالْقُرْآنِ مَعَ السَّفَرَةِ الْكِرَامِ الْبَرَّةِ، وَالَّذِي يَقْرَأُ الْقُرْآنَ وَيَتَتَعْتَعُ فِيهِ وَهُوَ عَلَيْهِ شَاقٌّ لَهُ أَجْرَانِ» (صحیح البخاری، التفسیر، سورۃ عبس، ح: ۴۹۳۷ و صحیح مسلم، صلاة المسافرین، باب فضل الماهر بالقرآن والذی يتتعتع فيه، ح: ۷۹۸ واللفظ لمسلم)

”قرآن کا ماہر (قیامت کے دن) ان فرشتوں کے ساتھ ہوگا جو (دنیا میں) وحی الہی لانے والے بزرگ اور نیکوکار ہوں گے۔ اور جو قرآن انک انک کر پڑھتا ہے اور اس کے پڑھنے میں اسے مشقت ہوتی ہے اس کے لئے دگنا اجر ہے۔“

ماہر سے مراد قرآن کریم کا حافظ اور تجوید و حسن صوت سے پڑھنے والا ہے اور دوسرا وہ شخص ہے جو حافظ ہے نہ حسن صوت اور تجوید سے بہرہ ور اس لئے قرآن فصاحت اور روانی سے نہیں پڑھ سکتا۔ لیکن اس کے باوجود ذوق و شوق سے انک انک کر پڑھتا ہے اور پڑھنے میں اسے جو مشقت ہوتی ہے اسے برداشت کرتا ہے۔ اس مشقت کی وجہ سے اسے دگنا اجر ملے گا۔ تاہم دونوں ہی قرآن کریم کی وجہ سے خصوصی شرف و فضل سے بہرہ ور ہوں گے۔

اسی لئے ایک اور حدیث میں نبی ﷺ نے فرمایا، جو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: «خَيْرُكُمْ مَنْ

تَعَلَّمَ الْقُرْآنَ وَعَلَّمَهُ» (صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب خیرکم من تعلم القرآن وعلمه، ح: ۵۰۲۷) ”تم میں سب سے بہتر وہ شخص ہے جو قرآن سیکھے اور اسے (دوسروں کو) سکھائے۔“

ایک اور حدیث میں جو حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «يُقَالُ لِصَاحِبِ الْقُرْآنِ إِفْرًا وَارْتَقٍ وَرَتَّلَ كَمَا كُنْتَ تُرْتَلُ فِي الدُّنْيَا، فَإِنَّ مَنْزِلَكَ عِنْدَ آخِرِ آيَةٍ تَقْرُوهَا» (سنن أبی داود، البتر، باب كيف يستحب الترتيل في القراءة، ح: ۱۶۶۴، جامع الترمذی، فضائل القرآن، باب ان الذي ليس في جوفه من القرآن كالبيت الخرب..... ح: ۲۹۱۴)

”صاحب قرآن (قرآن پڑھنے اور اسے حفظ کرنے والے) سے (قیامت کے دن) کہا جائے گا پڑھتا جا اور (درجے) چڑھتا جا اور اس طرح آہستہ آہستہ تلاوت کر جیسے تو دنیا میں ترتیل سے پڑھتا تھا، پس تیرا مقام وہ ہوگا جہاں تیری آخری آیت کی تلاوت ختم ہوگی۔“

یہی وہ اخروی فضیلت اور سعادت ابدی ہے جس کی بنا پر رسول اللہ ﷺ نے حامل قرآن پر رشک کرنے کو جائز قرار دیا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث میں جو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے آپ نے فرمایا: «لَا حَسَدَ إِلَّا فِي اثْنَتَيْنِ: رَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ الْقُرْآنَ فَهُوَ يَقُومُ بِهِ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ، وَرَجُلٌ آتَاهُ اللَّهُ مَالًا فَهُوَ يُنْفِقُهُ آنَاءَ اللَّيْلِ وَآنَاءَ النَّهَارِ» (صحیح مسلم، صلاة المسافرين، باب فضل من يقوم بالقرآن ويعلمه..... ح: ۸۱۵)

”سوائے دو آدمیوں کے کسی پر رشک کرنا جائز نہیں۔ ایک وہ آدمی جسے اللہ نے قرآن عطا کیا (یعنی اسے حفظ کرنے کی توفیق دی) پس وہ اس کے ساتھ رات اور دن کی گھڑیوں میں قیام کرتا ہے (یعنی اللہ کی عبادت کرتا ہے) اور دوسرا وہ آدمی جسے اللہ نے مال و دولت سے نوازا، تو وہ اسے (اللہ کی راہ میں) رات اور دن کی گھڑیوں میں خرچ کرتا ہے۔“

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «وَمَا اجْتَمَعَ قَوْمٌ فِي بَيْتٍ مِنْ بُيُوتِ اللَّهِ، يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَيَتَدَارَسُونَ بَيْنَهُمْ، إِلَّا نَزَلَتْ عَلَيْهِمُ السَّكِينَةُ وَعَشِيَتْهُمْ الرَّحْمَةُ وَحَفَّتْهُمْ الْمَلَائِكَةُ، وَذَكَرَهُمُ اللَّهُ فِيمَنْ عِنْدَهُ» (صحیح مسلم، الذكر والدعاء، باب فضل الاجتماع على تلاوة القرآن..... ح: ۲۶۹۹)

”جو لوگ اللہ کے گھروں میں سے کسی گھر میں جمع ہو کر اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے ہیں اور آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ اس کا تکرار کرتے (یا درس دیتے) ہیں، تو ان پر (اللہ کی طرف سے)

سکینت (تسکین و رحمت) نازل ہوتی ہے، رحمت انہیں ڈھانک لیتی ہے، فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان فرشتوں میں ان کا ذکر فرماتا ہے جو اس کے پاس ہوتے ہیں۔“

اس کا ایک مفہوم تو یہ ہے کہ ایک دوسرے کو قرآن کا درس دیتے ہیں، یعنی قرآنی علوم و معارف پر مذاکرہ و مباحثہ کرتے ہیں۔ دوسرا مفہوم ہے کہ قرآن مجید کا باہم دور کرتے ہیں۔ یعنی ایک دوسرے کو قرآن کریم سناتے ہیں۔ یہ دونوں ہی مفہوم صحیح ہیں، کیونکہ دونوں ہی کام محمود و مستحسن ہیں اور اللہ کی خصوصی رحمت و رضامندی کے باعث۔

بہر حال مذکورہ احادیث سے واضح ہے کہ قرآن کریم کی تلاوت کرنا، اسے حفظ کرنا، اس پر عمل کرنا اس کی تفہیم و تدریس کے حلقے قائم کرنا، اس کی تعلیم و تعلم سے وابستہ ہونا، اس کی نشر و اشاعت اور تبلیغ و دعوت کا اہتمام کرنا، اس کے ساتھ راتوں کو قیام کرنا اور اس کا آپس میں دور کرنا، یہ سب کام نہایت پسندیدہ اور بڑے فضیلت والے ہیں۔ قیامت کے دن یہ سب وابستگان قرآن اللہ کے خصوصی قرب اور اس کی رضا سے بہرہ ور اس کی رحمت و مغفرت سے شاد کام اور جنت کے اعلیٰ درجوں پر فائز ہوں گے۔

اور ظاہر بات ہے کہ اللہ نے جن حاملین قرآن کے لئے یہ اخروی فضیلتیں رکھی ہیں، وہ دنیا میں اپنے قرآن پر عمل کرنے والوں کو ذلیل و رسوا نہیں کر سکتا، بلکہ وہ ان کو دنیا میں بھی عزت و وقار اور تفوق و غلبہ عطا کرنے پر قادر ہے۔ مسلمان قرآن پر عمل کر کے تو دیکھیں: ﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران: ۱۳۹)

قرآن کریم کا اعجاز اور اس کی تاثیر: قرآن مجید اللہ تعالیٰ کا مقدس کلام ہے جو اپنے اعجاز و بلاغت اور تاثیر و فصاحت میں بے مثال ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں اور جنوں کو قرآن کریم کی ایک چھوٹی سی سورت جیسی سورت بنا کر دکھانے کا چیلنج دیا، لیکن وہ عرب بھی، جن کو اپنی فصاحت و بلاغت پر اتنا ناز تھا کہ وہ اپنے ماسوا (غیر عربوں) کو عجمی (گونگے) کہا کرتے تھے، قرآن کی نظیر پیش کرنے سے قاصر رہے۔

اس کی یہی تاثیر تھی کہ حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے دربار میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے جب سورہ مریم کی تلاوت کی، تو وہ اور اس کے درباری قرآن کے حسن بیان اور اس کی صداقت سے سخت متاثر ہوئے اور ان کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو جاری ہو گئے، حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا نقشہ سورہ المائدہ میں کھینچا ہے، فرمایا: ﴿وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ﴾ (المائدہ: ۸۳)

”جب وہ قرآن سنتے ہیں جو رسول (ﷺ) کی طرف نازل ہوا، تو آپ دیکھیں گے کہ ان کی

آنکھوں سے آنسو بہتے ہیں اس وجہ سے کہ انہوں نے حق کو پہچان لیا۔ وہ کہتے ہیں اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے، پس تو ہمیں (ایمان کی) گواہی دینے والوں میں لکھ لے۔“

سورہ حتم السجدہ کی جسے سورہ فصلت بھی کہتے ہیں شان نزول کی روایات میں بتلایا گیا ہے کہ ایک مرتبہ سرداران قریش نے باہم مشورہ کیا کہ محمد (ﷺ) کے پیروکاروں کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہی ہو رہا ہے ہمیں اس کے سدباب کے لئے ضرور کچھ کرنا چاہیے۔ چنانچہ انہوں نے اپنے سب سے زیادہ مبلغ و فصیح آدمی ”عتبہ بن ربیعہ“ کا انتخاب کیا، تاکہ وہ آپ سے گفتگو کرے چنانچہ وہ آپ کی خدمت میں گیا اور آپ پر عربوں میں انتشار و افتراق پیدا کرنے کا الزام عائد کر کے پیشکش کی کہ اس نئی دعوت سے اگر آپ کا مقصد مال و دولت کا حصول ہے تو وہ ہم جمع کئے دیتے ہیں قیادت و سیادت منوانا چاہتے ہیں تو آپ کو ہم اپنا لیڈر اور سردار مان لیتے ہیں کسی حسین عورت سے شادی کرنا چاہتے ہیں تو ایک نہیں ایسی دس عورتوں کا انتظام ہم کر دیتے ہیں اور اگر آپ پر آسیب کا اثر ہے جس کے تحت آپ ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہیں تو ہم اپنے خرچ پر آپ کا علاج کروا دیتے ہیں۔ آپ نے اس کی تمام باتیں سن کر اس سورت کی تلاوت اس کے سامنے فرمائی، جس سے وہ بڑا متاثر ہوا۔ اس نے واپس جا کر سرداران قریش کو بتلایا کہ وہ جو چیز پیش کرتا ہے وہ جادو اور کہانت ہے نہ شعر و شاعری۔ مطلب اس کا آپ کی دعوت پر سرداران قریش کو غور و فکر کی دعوت دینا تھا۔ لیکن وہ غور و فکر کیا کرتے۔ الثاقلیہ پر الزام لگا دیا کہ تو بھی اس کے سحر کا اسیر ہو گیا۔ یہ روایات مختلف انداز سے اہل سیر و تفسیر نے بیان کی ہیں۔ امام ابن کثیر اور امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہما نے بھی انہیں نقل کیا ہے۔ امام شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں ”یہ روایات اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ قریش کا اجتماع ضرور ہوا انہوں نے عتبہ کو گفتگو کے لئے بھیجا اور نبی ﷺ نے اسے سورت کا ابتدائی حصہ سنایا، جس سے وہ شدید متاثر ہوا۔“

قرآن کریم کی آیت ہے: ﴿إِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾

(المائدہ: ۱۱۸/۱۵)

”اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو تو غالب حکمت والا ہے۔“

مطلب یہ ہے کہ یا اللہ! ان کا معاملہ تیری مشیت کے سپرد ہے۔ کیونکہ تو ﴿فَعَالٌ لِّمَآئِرٍ﴾ (البروج: ۱۶/۱۸۵) بھی ہے جو چاہے کر سکتا ہے، اور تجھ سے باز پرس کرنے والا بھی کوئی نہیں ہے۔ ﴿لَا يُسْأَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ

يُسْتَأْذَنُونَ﴾ (الانبیاء: ۲۱/۲۳)

”اللہ جو کچھ کرتا ہے اس سے باز پرس نہیں ہوگی البتہ لوگوں سے ان کے کاموں کی باز پرس ہوگی۔“

گویا آیت میں اللہ تعالیٰ کے سامنے بندوں کی عاجزی و بے بسی کا اظہار بھی ہے اور اللہ کی عظمت و جلالت اور اس کے قادر مطلق اور مختار کل ہونے کا بیان بھی اور پھر ان باتوں کے حوالے سے غفو و مغفرت کی التجا بھی۔ سبحان اللہ کیسی عجیب و بلیغ آیت ہے۔ اسی لئے حدیث میں آتا ہے کہ ”ایک رات، نبی ﷺ پر نوافل میں اس آیت کو پڑھتے ہوئے ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ بار بار ہر رکعت میں اسے ہی پڑھتے رہے، حتیٰ کہ صبح ہو گئی۔“ (مسند احمد: ۱۴۹/۵)

اہل ایمان کی صفات میں اللہ نے فرمایا: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَّتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ﴾ (الانفال: ۲/۸) ”مومن تو صرف وہ ہیں کہ جب اللہ کا ذکر کیا جائے تو ان کے دل ڈرجائیں اور جب ان پر اس کی آیات پڑھی جائیں، تو ان کے ایمانوں میں اضافہ ہو جائے اور وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں۔“ ایک اور مقام پر اللہ نے فرمایا: ﴿تَفَشَعِرُ مِنْهُ جُلُودُ الَّذِينَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ﴾ (الزمر: ۲۳/۳۹) ”قرآن سے ان لوگوں کے روگئے کھڑے ہو جاتے ہیں جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔“ کیونکہ وہ ان وعیدوں اور تحریف و تہدید کو سمجھتے ہیں جو نافرمانوں کے لئے اس قرآن میں ہیں۔ پھر فرمایا:

﴿ثُمَّ تَلِينَ جُلُودُهُمْ وَقُلُوبُهُمْ إِلَىٰ ذِكْرِ اللَّهِ﴾ (الزمر: ۲۳/۳۹)

”پھر ان کی جلدیں اور دل اللہ کے ذکر کے لئے نرم ہو جاتے ہیں۔“

یعنی جب اللہ کی رحمت اور اس کے لطف و کرم کی امید ان کے دلوں میں پیدا ہوتی ہے تو ان کے اندر سوز و گداز پیدا ہو جاتا ہے اور وہ اللہ کے ذکر میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس میں اولیاء اللہ کی صفت بیان کی گئی ہے کہ اللہ کے خوف سے ان کے دل کانپ اٹھتے، ان کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو جاتے ہیں اور ان کے دلوں کو اللہ کے ذکر سے اطمینان نصیب ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ وہ مدہوش اور حواس باختہ ہو جائیں اور عقل و ہوش باقی نہ رہے، کیونکہ یہ بدعتیوں کی صفت ہے اور اس میں شیطان کا دخل ہوتا ہے۔ (ابن کثیر) جیسے آج بھی بدعتیوں کی قوالی میں اس طرح کی شیطانی حرکتیں عام ہیں جسے وہ ”وجد و حال یا سکر و مستی“ سے تعبیر کرتے ہیں۔ امام ابن کثیر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اہل ایمان کا معاملہ اس بارے میں کافروں سے بوجہ مختلف ہے۔ ایک یہ کہ اہل ایمان کا سماع، قرآن کریم کی تلاوت ہے، جب کہ کفار کا سماع، بے حیا مغنیات کی آوازوں میں گانا بجانا اور سننا ہے۔ (جیسے اہل بدعت کا سماع، مشرکانہ غلو پر مبنی قوالیاں اور نعتیں ہیں) دوسرے یہ کہ اہل ایمان قرآن سن کر ادب و خشیت سے رجا و محبت سے اور علم و فہم سے رو پڑتے ہیں اور

سجدہ ریز ہو جاتے ہیں۔ جب کہ کفار شور کرتے ہیں اور کھیل کود میں مصروف رہتے ہیں۔ تیسرے اہل ایمان سماع قرآن کے وقت ادب و تواضع اختیار کرتے ہیں، جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی عادت مبارکہ تھی، جس سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور ان کے دل اللہ کی طرف جھک جاتے تھے۔ (ابن کثیر)

تلاوت قرآن کے آداب

قرآن کریم کی یہ اثر انگیزی گو مخصوص آداب کی مرہون منت نہیں تھی، بلکہ یہ اس کی اپنی شان کا اور اس صفت جذب و انجذاب کا نتیجہ تھا جو ان لوگوں کے دلوں میں ودیعت ہوتی ہے جن کی قسمت میں حق کا قبول کرنا لکھا ہوتا ہے۔ تاہم اہل ایمان کو حکم ہے کہ وہ تلاوت کرتے وقت حق تلاوت ادا کریں تاکہ وہ قرآن کے مواعظ و عبرت قصص و امثال اور انذار و تنبیہ سے زیادہ فیض یاب ہوں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کی صفت بیان فرمائی: ﴿الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ﴾ (البقرہ: ۱۲۱/۱۲۲)

”وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی وہ اس کتاب کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ اس کی تلاوت کا حق ہے، یہی لوگ اس پر ایمان لاتے ہیں۔“

تلاوت کا یہ حق وہ کس طرح ادا کرتے ہیں۔ اس کے کئی مطلب بیان کئے گئے ہیں مثلاً:

- ❁ وہ کتاب الہی کو خوب توجہ اور غور سے پڑھتے ہیں، جنت کا ذکر آتا ہے تو جنت کا سوال کرتے اور جہنم کا ذکر آتا ہے تو اس سے پناہ مانگتے ہیں۔
- ❁ اس کے حلال کو حلال، حرام کو حرام سمجھتے اور کلام الہی میں تحریف نہیں کرتے (جیسے اہل زینغ و ضلال کا شعار ہے)
- ❁ اس کی محکم باتوں پر عمل کرتے، تشابہات پر ایمان رکھتے اور جو باتیں سمجھ میں نہیں آتیں، وہ علماء سے حل کرواتے ہیں۔
- ❁ اس کی ایک ایک بات پر عمل کرتے، اپنی طرف سے دین میں اضافہ نہیں کرتے۔ (فتح القدر للشوکانی)
- ❁ واقعہ یہ ہے کہ حق تلاوت میں یہ سارے ہی مفہوم داخل ہیں اور ہدایت ایسے ہی لوگوں کے حصے میں آتی ہے جو مذکورہ باتوں کا اہتمام کرتے ہیں۔

گویا قرآن کا سب سے بڑا ادب مذکورہ باتوں کا اہتمام اور ان کے برعکس رویہ سب سے بڑی بے ادبی ہے۔ بہر حال چند اور آداب جو قرآن و حدیث سے معلوم ہوتے ہیں درج ذیل ہیں:

آغاز میں ”تعوذ“ یعنی اَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ پڑھا جائے۔ جیسا کہ سورۃ النحل میں ہے۔

(النحل: ۹۸/۱۶)

سورہ توبہ کے علاوہ ہر سورت کے شروع کرنے سے پہلے ”بسملہ“ یعنی بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھی جائے۔

مومن ہر وقت پاک ہی ہوتا ہے اس لئے ہر حالت میں مومن مرد اور عورت اور بچے قرآن کی تلاوت کر سکتے ہیں، چاہے بے وضو ہوں یا با وضو۔ با وضو ہونا بہتر ہے۔ لیکن یہ لازمی شرط نہیں، جیسا کہ بعض علماء کہتے ہیں۔ بلکہ چلتے پھرتے اٹھتے بیٹھتے ہر وقت ہر حالت میں قرآن پڑھا جا سکتا ہے، صرف ناپاک جگہوں میں پڑھنے سے اجتناب ضروری ہے۔ (اس کی تفصیل تفسیر احسن البیان میں سورہ الواقہ: ۹۷/۵۶ کے حاشیے میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے)

قرآن کریم ترتیل اور تجوید سے پڑھا جائے۔ ترتیل کا مطلب ہے آہستہ آہستہ ٹھہر ٹھہر کر آرام سے پڑھنا اور تجوید کا مطلب ہے تجوید کے اصول و ضوابط کا لحاظ رکھتے ہوئے پڑھنا، یعنی زیر زبر، پیش کو کس طرح پڑھنا ہے، الف واؤ وغیرہ حروف کو کیسے پڑھنا ہے، کئی لوگ زبر کو کھینچ کر الف اور الف کو بغیر کھینچنے زبر کی طرح پڑھتے ہیں، ہا کو حا اور حا کو ہا پڑھتے ہیں، علاوہ ازیں اس طرح کی اور کئی موٹی موٹی غلطیاں کرتے ہیں۔ اس قسم کی غلطیوں سے معنی کچھ کے کچھ بن جاتے ہیں۔ اس لئے معتبر استاذ سے قرآن کریم کا لہجہ اور تلفظ ضرور درست کر لیا جائے۔ تھوڑی سی محنت اور توجہ سے مذکورہ غلطیوں سے بچا جا سکتا ہے اور ان غلطیوں سے ضرور بچنا چاہیے۔ حسن صوت کا اہتمام کیا جائے: نبی ﷺ کا فرمان ہے: «زَيِّنُوا الْقُرْآنَ بِأَصْوَاتِكُمْ فَإِنَّ

الصَّوْتُ الْحَسَنُ يَزِيدُ الْقُرْآنَ حُسْنًا» (صحیح الجامع الصغیر، ج: ۳۵۸۱)

”قرآن کو اپنی آوازوں کے ساتھ سنوارو اس لئے کہ خوب صورت آواز قرآن کے حسن کو بڑھا دیتی ہے۔“

ایک دوسری روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: «لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَتَغَنَّ بِالْقُرْآنِ» (صحیح البخاری، التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ (واسروا قولکم واجہروا بہ..... الآية) ج: ۷۵۲۷، سنن

أبی داؤد، السوتر، باب کیف یستحب الترتیل فی القراءۃ، ج: ۱۴۶۹)

”وہ شخص ہم (مسلمانوں) میں سے نہیں جو قرآن کو غناء کے ساتھ نہیں پڑھتا۔“

”ہم (مسلمانوں) میں سے نہیں“ کا مطلب ہے ہمارے طریقے اور سنت پر نہیں اور غناء کے ساتھ پڑھنے کا مطلب، گانے کی طرح تکلف اور تصنع سے پڑھنا نہیں ہے، جیسے آج کل بہت سے قاری بالخصوص مصر کے بعض قراء پڑھتے ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب تجوید و حسن صوت کے ساتھ ایسے سوز سے پڑھنا ہے جس سے رقت طاری ہو۔ اس میں بھی گویا خوش آوازی اور سوز ہی سے قرآن پڑھنے کی ترغیب ہے، تاہم یہ ضروری ہے

کہ حرفوں کی ادائیگی اس طرح ہو کہ اس میں کمی بیشی نہ ہو۔

آج کل ہمارے دن کا آغاز اخبار پڑھنے یا ٹی وی پر خبر سننے سے ہوتا ہے۔ اس معمول کو بدلنے کی شدید ضرورت ہے، ایک مسلمان کے یومیہ معمولات کا آغاز نماز فجر اور تلاوت کلام پاک سے ہونا چاہیے۔ روزانہ صبح سے پہلے قرآن مجید کی تلاوت کی جائے اس کے لئے جتنا وقت وہ نکال سکے، نکالے۔ تاہم قرآن کا ایک ادب یہ بھی ہے کہ زیادہ پڑھنے کا شوق رکھنے والا ایک دن میں زیادہ سے زیادہ دس پارے پڑھے۔ اس لئے کہ نبی ﷺ نے تین دن سے کم میں قرآن مجید ختم کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (فتح الباری، فضائل القرآن، باب فی کم یقرأ القرآن: ۱۲۱/۹، طبع دارالسلام)

قرآن کریم کی تلاوت کرتے وقت اس کے معانی و مطالب پر بھی غور و تدبر کرنے، تاکہ اس پر اللہ تعالیٰ کی جلالت و عظمت کا نقش قائم ہو اور اس پر خوف و رقت کی کیفیت طاری ہو۔ حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ نے ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ مجھے قرآن پڑھ کر سناؤ، انہوں نے کہا اللہ کے رسول آپ پر تو قرآن نازل ہوا ہے، کیا میں آپ کو پڑھ کر سناؤں۔ آپ نے فرمایا، ہاں میں اپنے علاوہ کسی سے سننا چاہتا ہوں۔ چنانچہ انہوں نے سورہ نساء سنائی شروع کی، جب وہ آیت: ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ (النساء: ۴۱/۴) پر پہنچے، تو حضور ﷺ نے انہیں فرمایا، بس کر۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ”میں نے قرأت بند کر کے حضور ﷺ کی طرف دیکھا، تو آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔“

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: (يستحب البكاء مع القراءة وعندھا، وطریق تحصیلہ أن يحضر قلبه الحزن والخوف بتأمل ما فيه من التهديد والوعيد الشديد والوثائق والعهود ثم ينظر تقصيره في ذلك، فإن لم يحضره حزن فليبك على فقد ذلك وانه من اعظم المصائب) (فتح الباری، فضائل القرآن، باب البكاء عند قراءة القرآن: ۱۲۳/۹، طبع دارالسلام، الرياض)

”قرآن پڑھتے اور سنتے ہوئے رونا مستحب (پسندیدہ) ہے اور اس رونے کے حصول کا طریقہ یہ ہے کہ اس قرآن میں اللہ کے بیان کردہ تہدید، سخت وعید اور اس کے عہد و میثاق پر غور کر کے اپنے دل میں خوف و حزن کو حاضر کرنے، پھر اپنی ان تقصیروں کو دیکھے جو ان کی بابت اس سے ہوئیں۔ اگر خوف و حزن کی کیفیت پیدا نہ ہو تو اس کے فقدان پر روئے کہ یہ بھی ایک عظیم آفت ہے۔“

قرآن کریم کا جتنا حصہ کسی کو یاد ہو وہ اسے دہراتا اور پابندی سے پڑھتا رہے تاکہ وہ یاد رہے اور اسے

بھول نہ جائے۔ علاوہ ازیں قرآن مجید کا کچھ نہ کچھ حصہ ہر مسلمان کو ضرور یاد کرنا اور یاد رکھنا چاہیے تاکہ وہ نمازوں میں اور قیام اللیل (نماز تہجد) میں پڑھ سکے۔ قرآن مجید کے یاد شدہ حصوں کی یہ حفاظت اس لئے ضروری ہے کہ نسیان پر جو سخت وعید ہے انسان اس سے بچ جائے۔ علاوہ ازیں نبی ﷺ کا فرمان ہے: «إِنَّمَا مَثَلُ صَاحِبِ الْقُرْآنِ كَمَثَلِ صَاحِبِ الْإِبِلِ الْمَعْقَلَةِ، إِنْ عَاهَدَ عَلَيْهَا أُمْسَكَهَا وَإِنْ أَطْلَقَهَا ذَهَبَتْ» (صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب استذکار القرآن و تعاہدہ، ح: ۵۰۳۱)

”صاحب قرآن کی مثال (قرآن کے یاد رکھنے میں) اونٹوں والے کی سی ہے جو رسی سے بندھے ہوئے ہوں۔ اگر وہ اونٹوں کی حفاظت و نگرانی کرے (اور انہیں باندھ کر رکھے) تو وہ ان کی حفاظت میں کامیاب رہے گا اور اگر وہ رسی سے باندھے بغیر ان کو چھوڑ دے گا تو وہ بھاگ جائیں گے۔“

ایک دوسری روایت میں ہے: «تَعَاهَدُوا الْقُرْآنَ فَوَ الَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَهْوٌ أَشَدُّ تَفْصِيًّا مِّنَ الْإِبِلِ فِي عُقْلِهَا» (صحیح البخاری، فضائل القرآن، باب استذکار القرآن و تعاہدہ، ح: ۵۰۳۳)

”قرآن کی حفاظت کرو، قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یہ قرآن (سینوں سے) اس طرح تیزی سے نکل جاتا ہے کہ اتنی تیزی سے اونٹ بھی رسیاں ترا کر نہیں بھاگتے۔“

ان دونوں حدیثوں سے واضح ہے کہ پابندی سے قرآن کی تلاوت نہایت ضروری ہے تاکہ یاد شدہ حصے یاد رہیں، علاوہ ازیں پابندی سے قرآن پڑھنے کی صورت میں غیر حافظ بھی قرآن روانی سے پڑھ لیتا ہے ورنہ کبھی کبھی پڑھنے والے کے لہجے میں روانی اور سلاست نہیں آتی۔ اس لئے پابندی سے قرآن کی تلاوت حافظ اور غیر حافظ دونوں کے لئے یکساں مفید اور ضروری ہے۔

فہم و تدبر اور عمل کرنے کی ضرورت

قرآن کریم کی تلاوت بجائے خود اجر و ثواب کا باعث ہے، چاہے پڑھنے والا اس کے معانی و مطالب کو سمجھتا ہو یا نہ سمجھتا ہو۔ اس کے ایک ایک حرف پر دس دس نیکیاں ہر پڑھنے والے کو ملیں گی، جیسا کہ حدیث میں فرمایا گیا ہے۔ تاہم یہ محض اللہ کا فضل و کرم ہے کہ وہ ہر پڑھنے والے کو اجر عظیم سے نوازتا ہے۔ لیکن بغیر سمجھے پڑھنے سے ثواب تو یقیناً مل جائے گا، لیکن قرآن کے نزول کا جو اصل مقصد ہے، وہ اسے حاصل نہیں ہوگا۔ وہ مقصد کیا ہے؟ ہدایت اور روشنی، یہ تو صرف اسے ہی ملے گی جو قرآن کو سمجھنے کی اور اس کے معانی و مطالب سے

آگاہی حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔ آج اس قرآن کے پڑھنے والے تو لاکھوں نہیں، کروڑوں کی تعداد میں ہیں، لیکن اس میں بیان کردہ اصول و ضوابط اور تعلیمات و ہدایات کو سمجھنے والے کتنے ہیں؟ تھوڑے بالکل تھوڑے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَكِّرٍ﴾ (القمر: ۱۷/۵۴)

”ہم نے قرآن کو آسان کیا ہے نصیحت حاصل کرنے کے لئے، کیا پس کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا۔“

اور یہ واقعہ ہے کہ گو قرآن کریم اعجاز و بلاغت اور نظم و معانی کے مشکلات و اسرار کے اعتبار سے دنیا کی عظیم ترین کتاب ہے جس کے دقائق و غوامض کی نقاب کشائی کے لئے مختلف انداز سے توضیح و تفسیر کا ایک ناقابل متناہی سلسلہ چودہ صدیوں سے قائم ہے، مگر اس کے عجائب و غرائب ختم ہونے میں نہیں آتے۔ لیکن اس کے باوجود عمل کی حد تک یہ آسان ترین کتاب بھی ہے۔ اس سے ہر شخص علم بدیع و بلاغت کی کتابیں پڑھے اور صرف و نحو کے قواعد جانے بغیر بھی ہدایت و رہنمائی حاصل کر سکتا ہے۔ یہ بھی قرآن کا ایک اعجاز ہی ہے کہ علمی طور پر مشکل ترین ہونے کے باوصف عمل کے لئے یہ آسان ترین بھی ہے۔ بنا بریں ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ قرآن کریم کو محض تبرک کے طور پر ہی نہ پڑھا کرے، بلکہ اسے سمجھنے کی بھی کوشش کیا کرے تاکہ وہ اس کے اصل مقصد نزول..... ہدایت..... کو بھی حاصل کر سکے۔

علاوہ ازیں قرآن کریم پر تدبر اور اسے سمجھنے سے اصل مقصد اللہ کی مرضی و منشا معلوم کر کے اس پر عمل کرنا ہو، نہ کہ محض اس کے لطائف و دقائق اور اس کے اسرار و غوامض سے واقفیت حاصل کرنا۔ کیونکہ یہ واقفیت تو عربوں کو حاصل ہے، ان کی زبان عربی ہے اور اس بنا پر وہ قرآن کے مطالب و معانی سے نا آشنا نہیں ہیں۔ لیکن چونکہ ان کا عمل قرآن پر نہیں ہے، اس لئے دیگر مسلمانوں کی طرح وہ بھی دنیا میں مغلوب ہی ہیں۔ ۳۰ لاکھ یہودی گیارہ کروڑ عربوں پر حاوی ہیں۔ یہ قرآن سے اعراض و گریز کی وہ مزہ ہے جو اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس دنیا ہی میں دے رہا ہے۔ اس لئے قرآن کو سمجھ لینا ہی کافی نہیں ہے، اس پر عمل کرنا بھی ضروری ہے اور جب تک مسلمانوں کی انفرادی و اجتماعی زندگی قرآن کے سانچے میں نہیں ڈھلے گی، ان کے شب و روز کے معمولات قرآنی ہدایات کے تابع نہیں ہوں گے اور مسلمان قرآن کو اپنا رہنمائے زندگی تسلیم نہیں کریں گے، ان کی ذلت و ادبار کا یہ دور ختم نہیں ہوگا، ان کی مشکلات کم نہیں ہوں گی اور ان کی وہ عظمت رفتہ بحال نہیں ہوگی جس کے وہ خواہش مند ہیں اور جس سے قرون اولیٰ کے مسلمان بہرہ یاب تھے۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے سچ کہا تھا:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلمان ہو کر اور ہم خوار ہوئے تارک قرآن ہو کر



اسلوب تفسیر

یہ جان لیجئے کہ میرا طریق تفسیر یہ ہے کہ ہر آیت کا جو مفہوم میرے ذہن میں آتا ہے، میں اسے پیش کر دیتا ہوں اور جب وہی آیت دوبارہ سامنے آتی ہے تو میں اپنے پہلے پیش کردہ مفہوم اور نکات کو کافی نہیں سمجھتا بلکہ (اس موقع کی مناسبت سے) نئے پہلوؤں کا اضافہ کرتا ہوں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی ایک خصوصیت ”مثانی“ بھی بیان فرمائی ہے۔ یعنی اس میں قصص، احکام اور اقوام عالم کے عبرت آموز واقعات کا بار بار بیان ہوتا ہے۔ ان عظیم حکمتوں کی وجہ سے یہ تمام مقامات مفید اور نافع ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب میں ہر جگہ غور و فکر کی دعوت دی ہے کیونکہ اس میں علوم و معارف اور ظاہر و باطن کی درستی اور تمام معاملات کی اصلاح بھی موجود ہے۔ (مؤلف)



وَلَقَدْ بَعَثْنَا لُلَّذِكْرِيهِمْ كَذِّبِينَ مُبَدَّلِينَ

تَلْوِينَ سَائِرِ الْبُكْرِيهِمْ لِيُحْمَلُوا
فِي تَفْسِيرِ كَلَامِ الْمَثَانِ

المعروف

(أردو)

تفسیر السعدی

فی تفسیر عبد الرحمن بن ناصر السعدی

دار السلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور
لندن • ہیوسٹن • نیو یارک



ہیڈ آفس : پوسٹ بکس: 22743 الرياض: 11416 سعودی عرب

فون : 4033962 - 4043432 (00966 1) فیکس: 4021659

ای میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون و فیکس: 4614483

جدہ فون و فیکس: 6807752 البر فون: 8692900 فیکس: 8691551

شارجہ فون : 5632623 فیکس: 5632624 (009716)

پاکستان: ① 50 نورمال نزدیم - لے - اوکلیج لاہور فون: 7232400 - 7240024 (0092 42)

فیکس: 7354072 ای میل: darussalampk@hotmail.com

② اقراسنٹر، غزنی سٹریٹ، اڈوبازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

لندن فون: 5202666 فیکس: 5217645 (0044 208)

ہیوسٹن فون: 7220419 فیکس: 7220431 (001 713) نیویارک فون: 625 5925 (001 718)

Website: <http://www.dar-us-salam.com>

وَأَقْرَبُ لِلنَّبِيِّ وَالْقُرْآنِ لِلذَّكَوٰنِ مِنْ مَوْلَاكَ

تیسیر

الکرام الرحمن

فی تفسیر کلام المثنان

(اردو ترجمہ)

پارہ نمبر ایک 1

مفسر قرآن: فضیلہ شیخ عبدالرحمان بن ناصر السعدی رحمۃ اللہ علیہ

تحریر: عبدالرحمان بن محمد اللویحی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: انیسہ پروفسر طیب شاہین لودھی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: قرآن: حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ



دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ



فرمان الہی

وَقَالَ الرَّسُولُ
يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَلْجُودًا

اور رسول (ﷺ) روز قیامت فرمائیں گے:
"اے الہی! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔"
(الفرقان: ۲۵/۳۷)

فرمان نبوی

إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ
بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيُضَعِّقُ بِهَا أُخْرَى

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو بندیاں
عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلت و پستی میں ڈھیل دیتا ہے
(صحیح مسلم، حدیث: ۸۱۴)

پارۃ نمبر ایک 1

نمبر شمار	نام سورت	صفحہ نمبر	شمار پارہ
۱	سورة الفاتحة	70	۱
۲	سورة البقرة	74	۱ - ۲ - ۳

تفسیر سورۃ الفاتحہ

سورۃ الفاتحہ
(۱۱ مکیۃ)بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اللہ کے نام سے (شرح) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہےاِنَّا هُمْ
رُكِّنَا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۝ مُلِکِ یَوْمِ الدِّیْنِ ۝

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو پالنے والا ہے سارے جہانوں کا ۝ نہایت مہربان بڑا رحم کرنے والا ۝ مالک ہے یوم جزا کا

اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ ۝ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِیْمَ ۝ صِرَاطَ

تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں ۝ دکھا ہم کو راستہ سیدھا ۝ راستہ

الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ ۙ غَیْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَیْهِمْ وَلَا الضَّالِّیْنَ ۝

ان لوگوں کا کہ انعام کیا تو نے ان پر ' وہ جو نہیں غصہ کیا گیا ان پر اور نہ وہ جو گمراہ ہیں ۝

یعنی میں اللہ تعالیٰ کے ہر نام سے ابتدا کرتا ہوں کیونکہ لفظ "اسم" مفرد اور مضاف ہے جو تمام اسمائے حسنیٰ کو شامل ہے۔ ﴿ اللہ ﴾ وہ ذات ہے جو بندگی کے قابل اور معبود ہے، وہ اکیلا ہی عبادت کا مستحق ہے کیونکہ وہ الوہیت کی صفات سے متصف ہے اور وہ صفات کمال ہیں۔

﴿ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ﴾ دو نام ہیں جو اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بے پایاں اور عظیم رحمت کا مالک ہے۔ اس کی رحمت ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے اور ہر زندہ چیز کے لیے عام ہے اور اللہ تعالیٰ نے اصحاب تقویٰ اور اپنے انبیاء و رسل کے پیروکاروں کے لیے اس رحمت کو لازم کر دیا ہے۔ پس یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے رحمت مطلقہ ہے اور ان کے علاوہ دیگر لوگوں کے لیے اس کی رحمت میں سے کچھ حصہ ہے۔

معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات اور احکام صفات پر ایمان لانا ایمانیات کے ان قواعد میں شمار ہوتا ہے جن پر تمام سلف اور ائمہ امت متفق ہیں، مثلاً وہ ایمان رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ رحمن ہے، رحیم ہے اور رحمت کا مالک ہے جس سے وہ متصف ہے اور اس کا تعلق ان لوگوں سے ہے جن پر رحم کیا جاتا ہے۔ پس تمام نعمتیں اللہ تعالیٰ کی رحمت کے آثار ہیں۔ اور یہی اصول تمام اسمائے حسنیٰ میں جاری ہے جیسے (الْعَلِیْم) کے بارے میں کہا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ علیم اور صاحب علم ہے اور اس علم کے ذریعے سے ہر چیز کو جانتا ہے۔ وہ (قَدِیْر) یعنی صاحب قدرت ہے ہر چیز پر قادر ہے۔

﴿ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ ﴾ یہ اللہ تعالیٰ کی صفات کمال اور اس کے ان افعال کی شائے جو فضل و عدل کے درمیان دائر ہیں۔ پس ہر پہلو سے کامل حمد کا مالک وہی ہے۔ ﴿ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴾ "جہانوں کا پروردگار ہے۔" (رَبِّ) وہ ہستی ہے جو تمام جہانوں کی مربی ہے۔ (الْعٰلَمِیْنَ) سے مراد اللہ تعالیٰ کے سوا تمام مخلوق ہے۔ پہلے اس نے

ان کو پیدا کیا، ان کے لیے ان کی زندگی کا سروسامان مہیا کیا اور پھر انہیں اپنی ان عظیم نعمتوں سے نوازا کہ اگر وہ نہ ہوتیں تو ان کے لیے زندہ رہنا ممکن نہ ہوتا۔ پس مخلوق کے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اللہ تعالیٰ ہی کی عطا کردہ ہے۔ مخلوق کے لیے اللہ تعالیٰ کی تربیت (پرورش کرنے) کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) تربیت عامہ (۲) تربیت خاصہ تربیت عامہ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو پیدا کیا، ان کو رزق بہم پہنچایا اور ان مفادات و مصالح کی طرف ان کی راہ نمائی کی جن میں ان کی دنیاوی زندگی کی بقا ہے۔ تربیت خاصہ وہ تربیت ہے جو اس کے اولیا کے لیے مخصوص ہے پس وہ ایمان کے ذریعے سے ان کی تربیت کرتا ہے انہیں ایمان کی توفیق سے نوازتا اور ان کی تکمیل کرتا ہے وہ ان سے ان تمام امور کو دور کرتا ہے جو راجح پر چلنے سے انہیں باز رکھتے ہیں اور ان تمام رکاوٹوں کو ہٹاتا ہے جو ان کے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حائل ہوتی ہیں۔

تربیت خاصہ کی حقیقت یہ ہے کہ اس سے ہر بھلائی کی توفیق ملتی اور ہر برائی سے حفاظت نصیب ہوتی ہے۔ شاید یہی معنی انبیائے کرام علیہم السلام کی دعاؤں کا سر نہاں ہے کہ ان میں اکثر ”رب“ کا لفظ استعمال کیا گیا ہے کیونکہ انبیائے کرام کی فریادیں تمام کی تمام اللہ تعالیٰ کی ربوبیت خاصہ کے تحت آتی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے تمام مخلوق کو تخلیق کیا ہے۔ وہ اکیلا ہی ان کی تدبیر کرتا ہے اور اسے کمال بے نیازی حاصل ہے اور تمام عالم ہر پہلو اور ہر اعتبار سے اس کا محتاج ہے۔

﴿مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ ”وہ جزا کے دن کا مالک ہے“ (الْمَالِكِ) وہ ہستی ہے جو ملک کی صفت سے متصف ہو۔ جس کے آثار یہ ہیں کہ وہ ہستی حکم دیتی ہے اور روکتی ہے، نیکی پر ثواب عطا کرتی ہے اور گناہوں پر سزا دیتی ہے، وہ اپنی مملوکات میں ہر قسم کا تصرف کرتی ہے اور اس کی ملکیت کی اقسام میں سے ایک جزا کا دن بھی ہے اور وہ قیامت کا دن ہے۔ جس دن لوگوں کو ان کے اچھے یا برے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ اس لیے اس روز اللہ تعالیٰ کی ملکیت کاملہ اور اس کا عدل اور حکمت مخلوق پر بالکل ظاہر ہو جائے گی اور یہ بھی واضح ہو جائے گا کہ مخلوق کے اختیارات میں کچھ نہیں ہے حتیٰ کہ اس دن بادشاہ اور رعایا، غلام اور آزاد سب برابر ہوں گے۔ اس روز تمام مخلوق اس کی عظمت و عزت کے سامنے سرنگوں اور سرافگندہ ہوگی۔ تمام لوگ اس کی جزا و سزا کے فیصلے کے منتظر ہوں گے، اس کے ثواب کے امیدوار اور اس کی سزا سے خائف ہوں گے۔ اسی بنا پر اس نے خاص طور پر اس دن کی ملکیت کا ذکر کیا ہے ورنہ قیامت کے دن اور دیگر دنوں کا وہی مالک ہے۔

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ ”ہم تیری ہی عبادت کرتے اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں“ یعنی تجھ

اکیلے ہی کو ہم عبادت اور استعانت کے لیے مخصوص کرتے ہیں کیونکہ (نحوی قاعدے کے مطابق) معمول کا اپنے

عامل سے پہلے آنا حصر کے معنی پیدا کرتا ہے اور حصر سے مراد صرف مذکور کے لیے حکم کا اثبات اور اس کے سوا کسی اور کے لیے اس حکم کی نفی کرنا ہے۔ گویا بندہ کہتا ہے:

”ہم صرف تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تیرے سوا کسی کی عبادت نہیں کرتے۔ اور صرف تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور تیرے سوا کسی سے مدد کے طلبگار نہیں ہوتے۔“

عبادت کو استعانت پر مقدم کرنا عام کو خاص پر مقدم کرنے کی نوع میں سے ہے نیز اللہ تعالیٰ کے حق کو بندے کے حق پر مقدم کرنے کا اہتمام ہے۔ ”عبادت“ ایک ایسا اسم ہے جو ان تمام ظاہری اور باطنی اعمال و اقوال کا جامع ہے جن کو اللہ پسند کرتا ہے اور جن سے وہ راضی ہوتا ہے۔

(اِسْتِعَانَةٌ) کا مطلب ’جلب منفعت اور دفع ضرر کے حصول میں پورے وثوق کے ساتھ اللہ تعالیٰ پر اعتماد اور بھروسہ کرنا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کی عبادت کے قیام ’منافع کے حصول اور نقصان کے ازالے میں صرف اسی سے مدد کا طلبگار ہونا ابدی سعادت کا وسیلہ اور تمام برائیوں سے نجات کا ذریعہ ہے۔ پس نجات کا راستہ یہی ہے کہ عبادت بھی صرف ایک اللہ کی کی جائے اور مدد بھی صرف اسی سے مانگی جائے۔

اور عبادت اس وقت تک عبادت نہیں جب تک کہ اسے رسول اللہ ﷺ سے حاصل نہ کیا گیا ہو اور اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضائے ہو۔ ان دو امور کے وجود سے عبادت متحقق ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ”استعانت“ کو ”عبادت“ کے بعد ذکر کیا ہے حالانکہ استعانت عبادت میں داخل ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بندہ اپنی تمام عبادات میں اللہ تعالیٰ کی مدد کا محتاج ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی مدد نہ فرمائے تو بندہ اللہ تعالیٰ کے اوامر پر عمل اور اس کی منہیات سے اجتناب نہیں کر سکتا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴾ یعنی سیدھے راستے کی طرف ہماری راہ نمائی فرما اور سیدھے راستے پر چلنے کی توفیق سے ہمیں نواز۔

(صراط مستقیم) سے مراد وہ واضح راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کی جنت تک پہنچاتا ہے۔ یہ معرفت حق اور اس پر عمل پیرا ہونے کا نام ہے۔ پس اس راستے کی طرف راہ نمائی فرما اور اس راستے میں ہمیں اپنی راہ نمائی سے نواز۔

صراط مستقیم کی طرف راہ نمائی کا مطلب دین اسلام کو اختیار کرنا اور اسلام کے سوا دیگر تمام ادیان کا ترک کر دینا ہے اور صراط مستقیم میں راہ نمائی سے نوازنے کے معنی یہ ہیں کہ تمام دینی معاملات میں علم و عمل کے اعتبار سے ہماری صحیح اور مکمل راہ نمائی فرما، لہذا یہ دعا سب سے زیادہ جامع اور بندہ مومن کے لیے سب سے زیادہ فائدہ مند ہے۔ بنا بریں انسان پر واجب ہے کہ وہ اپنی نماز کی ہر رکعت میں اس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرے

کیونکہ وہ اس کا ضرورت مند ہے۔

یہ صراط مستقیم نبیوں، صدیقیوں، شہیدوں اور صالحین کا راستہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمتوں سے سرفراز فرمایا یہ ﴿الْمَغْضُوبَ عَلَيْهِمْ﴾ لوگوں کا راستہ نہیں جن پر غضب نازل ہوا، جنہوں نے حق کو پہچان کر بھی اسے ترک کر دیا مثلاً یہود وغیرہ۔ اور نہ یہ ﴿الضَّالِّينَ﴾ یعنی گمراہ لوگوں کا راستہ ہے جنہوں نے نصاریٰ کی مانند حق کو ترک کر کے جہالت اور گمراہی کو اختیار کیا۔ پس یہ سورت اپنے ایجاز و اختصار کے باوجود ایسے مضامین پر مشتمل ہے جو قرآن مجید کی کسی اور سورت میں نہیں پائے جاتے۔ سورۃ فاتحہ توحید کی اقسام ثلاثہ کو متضمن ہے۔

۱۔ توحید ربوبیت: اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ سے ماخوذ ہے۔

۲۔ توحید الوہیت: یعنی صرف اللہ تعالیٰ ہی کو عبادت کا مستحق سمجھنا۔ لفظ ”اللہ“ اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ سے ماخوذ ہے۔

۳۔ توحید اسماء و صفات: توحید اسماء و صفات سے مراد ہے کہ بغیر کسی تعطیل، تمثیل اور تشبیہ کے اللہ تعالیٰ کے لیے ان صفات کمال کا اثبات کرنا جن کو خود اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لیے اور رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کیا ہے اور اس پر لفظ (الْحَمْدُ) دلالت کرتا ہے۔ جیسا کہ گزشتہ صفحات میں اس کا ذکر گزر چکا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ اثبات نبوت کو متضمن ہے کیونکہ سیدھے راستے کی طرف راہ نمائی نبوت و رسالت کے بغیر ناممکن ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ سے اعمال کی جزا و سزا ثابت ہوتی ہے نیز یہ جزا و سزا عدل و انصاف سے ہوگی کیونکہ ”دین“ کے معنی ہیں عدل کے ساتھ بدلہ دینا۔

اور سورۃ فاتحہ تقدیر کے اثبات کو بھی متضمن ہے نیز اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ بندہ ہی درحقیقت فاعل ہے۔ قدریہ اور جبریہ کے نظریات کے برعکس بلکہ ﴿إِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ تمام اہل بدعت و ضلالت کی تردید کو متضمن ہے، کیونکہ صراط مستقیم سے مراد حق کی معرفت اور اس پر عمل پیرا ہونا ہے اور بدعتی اور گمراہ شخص ہمیشہ حق کا مخالف ہوتا ہے۔

﴿إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ﴾ اس بات کو متضمن ہے کہ دین کو اللہ کے لیے خالص رکھا جائے، چاہے اس کا تعلق عبادات سے ہو یا استعانت سے۔ فَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ۔



تفسیر سورۃ البقرۃ

سورۃ البقرۃ
۱۱۱ آیتیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اللہ کے نام سے (شرح) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے

آیتوں کی تعداد
۲۸۶

رکوعوں کی تعداد
۳۰

آلۃ ۱ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝۱ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

○ یہ کتاب ہے نہیں کوئی شک اس میں ہدایت ہے متقیوں کے لیے ○ وہ جو ایمان لاتے ہیں بِالْغَيْبِ وَيُقِيمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝۲ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ

ساتھ غیب کے اور قائم کرتے ہیں نماز اور کچھ اس میں سے جو ہم نے انکو دیا وہ (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں ○ اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں بِمَآ اُنزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُوْنَ ۝۳

اس پر جو نازل کیا گیا آپ کی طرف اور جو نازل کیا گیا آپ سے پہلے اور ساتھ آخرت کے وہ یقین رکھتے ہیں ○ اَوْلِيَّكَ عَلٰی هُدًى مِّنْ رَبِّهِمْ ۚ وَاَوْلِيَّكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۴

یہ لوگ اوپر ہدایت کے ہیں اپنے رب کی طرف سے اور یہی فلاح پانے والے ہیں ○

بسم اللہ کی تفسیر گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

بعض سورتوں کی ابتدا میں جو حروف مقطعات آئے ہیں ان کے بارے میں محتاط اور محفوظ مسلک یہ ہے کہ بغیر کسی شرعی دلیل کے ان کے معانی معلوم کرنے کے لیے تعرض نہ کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ عقیدہ بھی رکھا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حروف مقطعات کو بے فائدہ نازل نہیں فرمایا بلکہ ان کے نازل کرنے میں کوئی حکمت پنہاں ہے جو ہمارے علم کی دسترس سے باہر ہے۔

﴿ذٰلِكَ الْكِتٰبُ﴾ یعنی یہ کتاب عظیم ہی درحقیقت کتاب کہلانے کی مستحق ہے جو بہت بڑے علم اور واضح حق جیسے امور پر مشتمل ہے جو پہلے انبیاء کی کتابوں میں نہیں ہیں۔ ﴿لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ یہ ایک ایسی کتاب ہے کہ کسی بھی پہلو سے اس میں کوئی شک نہیں۔ اس کتاب عظیم کے بارے میں شک و شبہ کی نفی اس کی ضد کو مستلزم ہے جبکہ شک و شبہ کی ضد یقین ہے۔ پس یہ کتاب ایسے علم یقینی پر مشتمل ہے جو شکوک و شبہات کو زائل کرنے والا ہے یہ ایک نہایت مفید قاعدہ ہے کہ نفی سے مقصود مدح ہے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ یہ اس کی ضد کو متضمن ہو اور وہ ہے کمال۔ کیونکہ نفی عدم محض ہوتی ہے اور عدم محض میں کوئی مدح نہیں ہے۔ جب یہ کتاب عظیم یقین پر مشتمل ہے اور ہدایت صرف یقین ہی کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے تو فرمایا: ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ ”متقیوں کے لیے ہدایت ہے۔“ (الہدٰی) وہ چیز ہے جس کے ذریعے سے گمراہی اور شبہات کی تاریکی میں راہ نمائی حاصل ہو اور جو فائدہ مند راستوں پر گامزن ہونے میں راہ نمائی کرے۔ اور اللہ تعالیٰ نے لفظ ﴿هُدًى﴾ استعمال کیا ہے اور اس میں

معمول کو حذف کر دیا گیا ہے اور یہ نہیں کہا کہ فلاں مصلحت اور فلاں چیز کی طرف راہ نمائی (ہدایت) ہے۔ کیونکہ اس سے عموم مراد ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ یہ کتاب دنیا و آخرت کے تمام مصالح کی طرف راہ نمائی ہے، لہذا یہ تمام اصولی اور فروعی مسائل میں بندوں کی راہنما ہے، باطل میں سے حق کو اور ضعیف میں سے صحیح کو واضح کرتی ہے، نیز بندوں کے سامنے بیان کرتی ہے کہ دنیا و آخرت کے لیے فائدہ مند راستوں پر انہیں کیسے چلنا چاہیے۔ ایک دوسرے مقام پر ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ (البقرہ: ۱۸۵/۱۸۶) ”تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے“ فرما کر اس کو عام کر دیا۔

اس مقام پر اور بعض دیگر مقامات پر فرمایا: ﴿هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ﴾ کیونکہ یہ فی نفسہ تمام لوگوں کے لیے ہدایت ہے، لیکن چونکہ بد بخت لوگ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی راہ نمائی قبول نہیں کرتے، اس لیے اس کے ذریعے سے ان پر رحمت قائم ہوگئی ہے کہ انہوں نے اپنی بد بختی کے سبب سے اس ہدایت سے فائدہ نہیں اٹھایا۔ رہے متقی لوگ تو انہوں نے حصول ہدایت کے لیے سب سے بڑا سبب پیش کیا ہے اور وہ ہے تقویٰ اور تقویٰ کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کے اوامر کی اطاعت اور اس کی منہیات سے اجتناب کرتے ہوئے ایسے امور کو اختیار کرنا جو بندے کو اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے عذاب سے بچاتے ہیں۔ پس اہل تقویٰ نے اس کتاب کے ذریعے سے راہ پائی اور اس سے بے انتہا فائدہ اٹھایا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا﴾ (الانفال ۲۹/۸) ”اے ایمان والو! اگر تم اللہ سے ڈرو گے تو وہ تمہارے لیے ایک کسوٹی بہم پہنچا دے گا“۔ پس اصحاب تقویٰ ہی آیات قرآنیہ (احکام الہیہ) اور آیات کونیہ (قدرت کی نشانیوں) سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس لیے کہ ہدایت کی دو قسمیں ہیں: (۱) ہدایت بیان (۲) ہدایت توفیق۔

متقی لوگ ہدایت کی دونوں اقسام سے بہرہ مند ہوتے ہیں ان کے علاوہ دیگر لوگ ہدایت توفیق سے محروم رہتے ہیں اور ہدایت بیان، توفیق عمل کی ہدایت کے بغیر حقیقی اور کامل ہدایت نہیں۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اصحاب تقویٰ کے عقائد، اعمال باطنہ اور اعمال ظاہرہ کا بیان فرمایا ہے، کیونکہ تقویٰ ان امور کو متضمن ہے۔ فرمایا: ﴿الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْغَيْبِ﴾ ”وہ لوگ جو غیب کی باتوں پر یقین رکھتے ہیں“ حقیقت ایمان ان امور کی کامل تصدیق کا نام ہے جن کی خبر انبیاء و رسل نے دی ہے یہ تصدیق جو ارح کی اطاعت کو متضمن ہے۔ اشیاء کے حسی مشاہدہ سے ایمان کا کوئی تعلق نہیں کیونکہ اس کے ذریعے سے مسلمان اور کافر کے درمیان امتیاز نہیں کیا جاسکتا۔ ایمان کا تعلق تو اس غیب سے ہے جسے ہم دیکھ سکتے ہیں نہ اس کا مشاہدہ ہی کر سکتے ہیں۔ محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے خبر دینے سے ہم اس پر ایمان لاتے ہیں۔ یہی وہ ایمان ہے جس کے ذریعے سے مسلمان اور کافر کے درمیان امتیاز کیا جاتا ہے کیونکہ یہ ایمان مجرد اللہ اور اس کے انبیاء و مرسلین کی تصدیق ہے۔ پس مومن وہ ہے جو ہر اس چیز پر ایمان لاتا ہے جس کی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں نے خبر دی ہے خواہ اس نے اس چیز کا مشاہدہ کیا ہو یا نہ کیا ہو خواہ اس نے اسے سمجھا ہو یا اس کی عقل و فہم کی رسائی وہاں تک نہ ہو سکی ہو۔

زنا دقتہ اور امور غیب کی تکذیب کرنے والوں کا معاملہ اس کے برعکس ہے کیونکہ ان کی عقل ان امور کو سمجھنے سے قاصر رہی اور وہ ان امور تک نہ پہنچ سکے بنا بریں انہوں نے ان امور کو جھٹلایا جن کا احاطہ ان کا علم نہ کر سکا۔ پس ان کی عقل فاسد ہو گئی اور ان کا فہم خرابی کا شکار ہو گیا اور امور غیب کی تصدیق کرنے والے اہل ایمان کی عقل اور بڑھ گئی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو راہ نما بنا لیا۔

ایمان بالغیب سے مراد ان تمام امور غیب پر ایمان لانا ہے جن کا تعلق ماضی، مستقبل، احوال، آخرت اللہ تعالیٰ کی صفات اور ان کی کیفیات سے ہے اور جن کی خبر اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء و مرسلین نے دی ہے۔ پس اہل ایمان نہایت یقین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفات اور ان کے وجود پر ایمان رکھتے ہیں اگرچہ وہ ان کی کیفیت کو سمجھنے سے قاصر رہیں۔

﴿وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ﴾ اور وہ نماز کو قائم کرتے ہیں۔ یہ نہیں کہا کہ وہ نماز کا فعل بجالاتے ہیں یا وہ نماز کو ادا کرتے ہیں کیونکہ ظاہری صورت و ہیئت کے ساتھ نماز پڑھنا ہی کافی نہیں بلکہ اقامت صلوة یہ ہے کہ نماز کو جہاں ظاہری شکل و صورت اس کے تمام ارکان کی کامل ادائیگی اور اس کی شرائط و واجبات کے ساتھ قائم کیا جائے وہاں اس کو باطنی اعتبار سے اس کی روح کے ساتھ یعنی اس کے اندر حضور قلب اور اپنے قول و فعل میں کامل تدبر کے ساتھ قائم کرنا بھی ضروری ہے۔ یہی وہ نماز ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ الصَّلَاةَ تَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ﴾ (العنکبوت ۴۵/۲۹) ”بے شک نماز فحش کاموں اور برائیوں سے روکتی ہے۔“ اور یہی وہ نماز ہے جس پر ثواب مرتب ہوتا ہے۔ پس بندہ مومن کو اس کی صرف اسی نماز کا ثواب ملتا ہے جسے وہ سمجھ کر ادا کرتا ہے اور نماز میں فرائض اور نوافل سب داخل ہیں۔

﴿وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ﴾ اور ان میں سے جو ہم نے ان کو دیا وہ خرچ کرتے ہیں اس میں تمام نفقات واجبہ مثلاً زکوٰۃ، بیویوں کا نان و نفقہ، قریبی رشتہ داروں اور اپنے غلاموں پر خرچ کرنا بھی شامل ہے اور بھلائی کے تمام کاموں میں نفقات مستحبہ پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔ جن لوگوں پر خرچ کیا جانا چاہیے ان کا یہاں ذکر نہیں کیا کیونکہ اس کے اسباب اور ایسے لوگوں کی اقسام بہت زیادہ ہیں نیز خرچ جہاں کہیں بھی کیا جائے تقرب الہی کا ذریعہ ہوگا۔ ﴿وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ﴾ میں (من) تبعیض کے لیے ہے اور یہ اس بات کی طرف توجہ دلانے کے لیے ہے کہ ان کے رزق اور اموال میں سے تھوڑا سا حصہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا مقصود ہے جس کا خرچ کرنا ان کے لیے نقصان دہ اور گراں نہ ہو بلکہ اس انفاق سے خود انہیں اور ان کے بھائیوں کو فائدہ پہنچے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿رَزَقْنَاهُمْ﴾ میں اس حقیقت کی طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ مال و متاع جو تمہارے قبضے

میں ہے تمہیں تمہاری اپنی قوت اور ملکیت کے بل بوتے پر حاصل نہیں ہوا بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا رزق ہے۔ اسی نے تم کو عطا کیا ہے اور اسی نے تم کو اس نعمت سے نوازا ہے۔ پس جس طرح اس نے تمہیں اور بہت سی نعمتوں سے نوازا ہے اور اس نے تمہیں اپنے بہت سے بندوں پر فضیلت عطا کی، تو تم بھی اللہ کا شکر ادا کرو اور ان نعمتوں کا کچھ حصہ اپنے مفلس اور نادار بھائیوں پر خرچ کر کے ان کی مدد کرو۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اکثر مقامات پر نماز اور زکوٰۃ کو اکٹھا کر کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ نماز معبود کے لیے اخلاص کو متضمن ہے اور زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ اس کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک کو متضمن ہے۔ پس بندہ مومن کی سعادت کا عنوان یہ ہے کہ اس کا اخلاص معبود کے لیے ہو اور اس کی تمام تر کاوش مخلوق کو نفع پہنچانے کے لیے ہو، جیسے بندے کی بدبختی اور شقاوت کا عنوان یہ ہے کہ وہ ان دونوں چیزوں سے محروم ہو اس کے پاس اخلاص ہونہ حسن سلوک۔

﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ﴾ ”اور وہ لوگ جو یقین رکھتے ہیں اس پر جو آپ کی طرف اتارا گیا“ اس سے مراد قرآن اور سنت ہے اللہ تعالیٰ نے ایک اور مقام پر فرمایا: ﴿وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ (النساء: ۱۳۱، ۱۳۲) ”اور اللہ تعالیٰ نے آپ پر کتاب اور حکمت (یعنی سنت) نازل کی“۔ پس اصحاب تقویٰ ان تمام چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں جنہیں رسول اللہ ﷺ لے کر مبعوث ہوئے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ وحی میں تفریق نہیں کرتے کہ اس کے کسی حصے پر تو ایمان لے آئیں اور کسی حصے پر اپنے انکار یا ایسی تاویل کے ذریعے سے جو اللہ اور اس کے رسول کی مراد نہ ہو، ایمان نہ لائیں۔ جیسا کہ اہل بدعت کا وتیرہ ہے جو قرآن و سنت کی ان نصوص کی تاویل کرتے ہیں جو ان کے خلاف ہوتی ہیں جو کہ درحقیقت ان نصوص کے معانی کی تصدیق نہیں ہے۔ وہ اگرچہ ان نصوص کے ظاہری الفاظ کی تصدیق کرتے ہیں مگر ان پر حقیقی طور پر ایمان نہیں لاتے۔

﴿وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ ”اور اس پر جو آپ سے پہلے اتارا گیا“ یہ آیت کریمہ گزشتہ تمام کتابوں پر ایمان رکھنے پر مشتمل ہے اور گزشتہ کتابوں پر ایمان لانا اس بات کو متضمن ہے کہ انبیائے سابقین پر ایمان لایا جائے۔ نیز ان حقائق پر ایمان لایا جائے جن پر یہ الہامی کتابیں خاص طور پر تورات، انجیل اور زبور مشتمل ہیں۔ یہ اہل ایمان کی خصوصیت ہے کہ وہ تمام کتب سماویہ اور تمام انبیاء و مرسلین پر ایمان لاتے ہیں ان میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کرتے۔

﴿وَبِالْآخِرَةِ هُمْ يُوقِنُونَ﴾ ”اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں“۔ آخرت ان تمام امور کا نام ہے جو مرنے کے بعد انسان کو پیش آئیں گے۔ عمومی ایمان کے ذکر کے بعد آخرت پر ایمان کو خاص طور پر ذکر کیا ہے، کیونکہ

آخرت پر ایمان لانا ارکان ایمان میں سے ایک اہم رکن ہے، نیز آخرت پر ایمان رغبت، خوف اور اعمال صالحہ کا باعث ہے۔ اور (یقین) ایسے علم کامل کو کہتے ہیں جس میں ادنیٰ سا بھی شک نہ ہو۔ یقین عمل کا موجب ہوتا ہے۔

﴿ **أُولَٰئِكَ** ﴾ یعنی وہ لوگ جو ان صفات حمیدہ سے متصف ہیں۔ ﴿ **عَلَىٰ هُدًى مِّن رَّبِّهِمْ** ﴾ اپنے رب کی طرف سے عظیم ہدایت پر ہیں، کیونکہ یہاں ﴿ **هُدًى** ﴾ کا نکرہ استعمال ہونا اس کی تعظیم کی بنا پر ہے اور کون سی ہدایت ایسی ہے جو صفات مذکورہ سے عظیم تر ہو جو صحیح عقیدے اور درست اعمال کو متضمن ہیں؟ ہدایت تو درحقیقت وہی ہے جس پر اہل ایمان عمل پیرا ہیں اس کے علاوہ دیگر تمام مخالف راستے گمراہی کے سوا کچھ نہیں۔ اس مقام پر (علمی) کا صلہ استعمال کیا گیا ہے جو بلندی اور غلبے پر دلالت کرتا ہے اور ”ضلالت“ کا ذکر کرتے ہوئے (فہمی) کا صلہ استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ہے: ﴿ **وَأَنَّا أَوْ أَنَا كُذِّبْنَا لَعَلَّ هُدًى آتِي صَالِحِينَ** ﴾ (سبا: ۲۴، ۲۳) ”ہم یا تم یا تو سیدھے راستے پر ہیں یا صریح گمراہی میں“ کیونکہ صاحب ہدایت بنا کر ہدایت بلند اور غالب ہوتا ہے اور صاحب ضلالت اپنی گمراہی میں ڈوبا ہوا اور نہایت حقیر ہے۔

﴿ **وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ** ﴾ ”اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے“ (فلاح) اپنے مطلوب کے حصول میں کامیابی اور خوف سے نجات کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فلاح کو اہل ایمان میں محصور اور محدود کر دیا کیونکہ اہل ایمان کے راستے پر گامزن ہوئے بغیر فلاح کی منزل کو نہیں پایا جاسکتا۔ اس راستے کے سوا دیگر راستے بدبختی، ہلاکت اور خسارے کے راستے ہیں جو اپنے چلنے والوں کو ہلاکت کے گڑھوں میں جا گراتے ہیں۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے جہاں اہل ایمان کی حقیقی صفات بیان فرمائی ہیں وہاں رسول اللہ ﷺ سے عناد رکھنے والے کھلے کافروں کی صفات کا ذکر بھی کر دیا۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۶﴾

بلاشبہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا برابر ہے ان پر آیا آپ ڈرائیں انہیں یا نہ ڈرائیں انہیں ایمان لائیں گے وہ

خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ وَلَهُمْ

مہر لگادی ہے اللہ نے اوپر ان کے دلوں کے اور اوپر ان کے کانوں کے اور اوپر ان کی آنکھوں کے پردہ ہے اور ان کے لیے

عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۷﴾

عذاب ہے بہت بڑا

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ جنہوں نے کفر کا رویہ اختیار کیا یعنی کفر کی صفات سے متصف ہوئے اور کفر کے رنگ میں اس طرح رنگے گئے کہ کفر ان کا وصف لازم بن گیا جس سے کوئی ہٹانے والا ان کو ہٹانے نہیں سکتا اور نہ کوئی نصیحت ان پر کارگر ہو سکتی ہے۔ وہ اپنے کفر میں راسخ اور اس پر جمے ہوئے ہیں لہذا ان کے لیے برابر ہے تم انہیں ڈراؤ یا نہ

ڈراؤ وہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے۔

حقیقت میں کفر اس تعلیم یا اس کے بعض حصے کا انکار کرنے کا نام ہے جسے رسول اللہ ﷺ لے کر آئے۔ پس ان کفار کو کوئی دعوت فائدہ نہیں دیتی البتہ اس دعوت سے ان پر حجت ضرور قائم ہو جاتی ہے۔ اس آیت میں گویا رسول اللہ ﷺ کی اس امید کو ختم کر دیا گیا جو آپ کو ان کے ایمان لانے کی تھی اور فرما دیا گیا کہ آپ ان کے ایمان نہ لانے پر غمزدہ نہ ہوں اور ان کفار کے ایمان نہ لانے پر افسوس اور حسرت کے مارے آپ ہلکان نہ ہوں۔ پھر ان موانع کا ذکر کیا ہے جو ان کے ایمان لانے سے مانع ہیں۔ ﴿خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر مہر لگا دی ہے لہذا ایمان ان میں داخل نہیں ہو سکتا۔ پس وہ کسی فائدہ مند چیز کو یاد کر سکتے ہیں نہ کسی فائدہ مند چیز کو سن سکتے ہیں۔ ﴿وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ﴾ یعنی ان کی آنکھوں کے سامنے پردہ ہے جو انہیں فائدہ مند چیزوں کو دیکھنے سے روکتا ہے۔ یہی وہ ذرائع ہیں جو علم اور بھلائی کے حصول میں استعمال ہوتے ہیں۔ ان ذرائع کو ان پر مسدود کر دیا گیا ہے لہذا ان سے کسی قسم کی توقع نہیں کی جاسکتی اور نہ ان سے کسی بھلائی کی امید کی جاسکتی ہے۔ ان پر ایمان کے دروازے صرف اس لیے بند کر دیے گئے کہ انہوں نے حق کے عیاں ہو جانے کے بعد بھی کفر انکار اور عناد کا رویہ اختیار کیے رکھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَنَقَلَبْنَا قُلُوبَهُمْ وَابْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ (الانعام: ۱۱۰، ۱۱۱) اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے وہ اس قرآن پر اس طرح ایمان نہ لائیں گے جس طرح وہ پہلی بار ایمان نہ لائے۔

یہ دنیاوی عذاب ہے۔ پھر آخرت کے عذاب کا ذکر کیا اور فرمایا: ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ اور ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہے، یہ جہنم کا عذاب اور اللہ جبار کی دائمی ناراضی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان منافقین کا ذکر فرمایا جو ظاہری طور پر مسلمان ہیں مگر ان کا باطن کفر سے لبریز ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ ۝۸

اور بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں ایمان لائے ہم اللہ پر اور یوم آخرت پر حالانکہ نہیں ہیں وہ ایمان لانے والے

يُخَدِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخْدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ۝۹ ط

وہ دھوکا دیتے ہیں اللہ کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نہیں دھوکا دیتے وہ مگر اپنے آپ ہی کو اور وہ نہیں شعور رکھتے

فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ۝۱۰ ه

انکے دلوں میں بیماری ہے سو بڑھادیا انکو اللہ نے بیماری میں اور ان کیلئے عذاب ہے بڑا دردناک بہ سبب اسکے کہ تھے وہ جھوٹ بولتے

معلوم ہونا چاہیے کہ نفاق بھلائی کا اظہار کرنے اور باطن میں برائی چھپانے کا نام ہے۔ اس تعریف میں نفاق

اعتقادی اور نفاق عملی دونوں شامل ہیں۔ جیسے نبی ﷺ نے بھی اپنے اس فرمان میں اس کا ذکر فرمایا: «آيَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ؛ إِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَإِذَا وَعَدَ أَخْلَفَ وَإِذَا اتَّعَمِنَ خَانَ»^① ”منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے، جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔“ ایک اور روایت میں آتا ہے «وَإِذَا خَاصَمَ فَجَرَ»^② ”جب جھگڑا کرے تو گالی گلوچ کرے۔“ رہا نفاق اعتقادی جو دائرۃ اسلام سے خارج کرنے والا ہے۔ تو یہ وہ نفاق ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے منافقین کو اس سورت میں اور بعض دیگر سورتوں میں متصف فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کی مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت سے پہلے اور ہجرت کے بعد تک نفاق کا وجود نہ تھا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے غزوہ بدر میں اہل ایمان کو غلبے اور فتح و نصرت سے سرفراز فرمایا۔ پس مدینہ میں رہنے والے وہ لوگ جنہوں نے اسلام قبول نہیں کیا تھا، ذلیل ٹھہرے۔ چنانچہ ان میں سے کچھ لوگوں نے خوف کی وجہ سے دھوکے کے ساتھ اپنا مسلمان ہونا ظاہر کیا تاکہ ان کا جان و مال محفوظ رہے۔ پس وہ مسلمانوں کے سامنے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرتے تھے درآنحالیکہ وہ مسلمان نہیں تھے۔

اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم تھا کہ اس نے ان منافقین کے احوال و اوصاف ان کے سامنے واضح کر دیے جن کی بنا پر وہ پیمان لیے جاتے تھے تاکہ اہل ایمان ان سے دھوکہ نہ کھا سکیں نیز منافقین اپنے بہت سے فسق و فجور سے باز آجائیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَحْذَرُ الْمُنَافِقُونَ أَنْ تُنزَلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ﴾ (التوبہ: ۶۴، ۶۵) ”منافق ڈرتے ہیں کہ ہمیں ان کے بارے میں کوئی ایسی سورت نہ نازل کر دی جائے جو ان کے دل کی باتوں سے مسلمانوں کو آگاہ کر دے۔“

پس اللہ تعالیٰ نے ان کے اصل نفاق کو بیان کیا اور فرمایا: ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ﴾ ”بعض لوگ کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخرت کے دن پر حالانکہ وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں“ کیونکہ یہ لوگ اپنی زبان سے ایسی بات کا اظہار کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ﴿وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِينَ﴾ کہہ کر انہیں جھوٹا قرار دیا۔ اس لیے کہ حقیقی ایمان وہ ہے جس پر دل اور زبان متفق ہوں، ان منافقین کا یہ اظہار ایمان تو اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان کو دھوکہ دینا ہے۔

(الْمُخَادَعَةُ) ”دھوکہ“ یہ ہے کہ دھوکہ دینے والا شخص جس کو دھوکہ دیتا ہے اس کے سامنے زبان سے جو کچھ ظاہر کرتا ہے اس کے خلاف اپنے دل میں چھپاتا ہے تاکہ اس شخص سے اپنا مقصد حاصل کر سکے جسے وہ دھوکہ دے رہا ہے۔

① صحیح بخاری، الإیمان، باب علامات المنافق، حدیث: 33

② حوالہ سابق حدیث: 34

پس منافقین نے اللہ تعالیٰ اور اہل ایمان کے ساتھ اسی رویہ کو اختیار کیا تو یہ دھوکہ انہی کی طرف لوٹ آیا (یعنی اس کا سارا وبال انہی پر پڑا) اور یہ عجائبات میں سے ہے، کیونکہ دھوکہ دینے والے کا دھوکہ یا تو نتیجہ خیز ہوتا ہے اور اسے اپنا مقصد حاصل ہو جاتا ہے یا وہ محفوظ رہتا ہے اور اس کا نتیجہ نہ تو اس کے حق میں ہوتا ہے اور نہ اس کے خلاف۔ مگر ان منافقین کا دھوکہ خود ان کی طرف پلٹ گیا۔ گویا کہ وہ مکر اور چال بازیوں جو دوسروں کو نقصان پہنچانے کے لیے کر رہے تھے وہ درحقیقت اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے لیے کر رہے تھے۔ اس لیے کہ ان کے دھوکے سے اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے نہ اہل ایمان کو۔ پس منافقین کے ایمان ظاہر کرنے سے اہل ایمان کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا، اظہار ایمان سے انہوں نے اپنے جان و مال کو محفوظ کر لیا اور ان کا مکرو فریب ان کے سینوں میں رہ گیا اس نفاق کی وجہ سے دنیا میں ان کو رسوائی ملی اور اہل ایمان کو قوت اور فتح و نصرت سے سرفراز ہونے کی وجہ سے وہ حزن و غم کی دائمی آگ میں سلگنے لگے۔ پھر آخرت میں ان کے جھوٹ اور ان کے کفر و فجور کے سبب سے ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا، جب کہ ان کا حال یہ ہے کہ وہ اپنی حماقت اور جہالت کی وجہ سے اس کے شعور سے بے بہرہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ **فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ** ﴾ ”ان کے دلوں میں روگ ہے“ سے مراد شکوک و شبہات اور نفاق کا مرض ہے۔ قلب کو دو قسم کے امراض لاحق ہوتے ہیں جو اسے صحت و اعتماد سے محروم کر دیتے ہیں۔
۱۔ شبہات باطلہ کا مرض ۲۔ اور ہلاکت میں ڈالنے والی شبہات کا مرض۔

پس کفر و نفاق اور شکوک و بدعات یہ سب شبہات کے امراض ہیں۔ زنا، فواحش و معاصی سے محبت اور ان کا ارتکاب یہ سب شبہات کے امراض ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ **فَيُطِيعِ الَّذِينَ فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ** ﴾ (الاحزاب: ۳۲، ۳۳) ”پس وہ شخص جس کے دل میں مرض ہے، طمع کرے گا“ اس مرض سے مراد شبہات و نفاق ہے۔ برائی سے صرف وہی بچے گا جو ان دو امراض سے محفوظ ہوگا۔ پس اس کو ایمان و یقین حاصل ہوتا ہے اور معاصی کے مقابلے میں صبر کی ڈھال عطا کر دی جاتی ہے اور وہ عافیت کا لباس زیب تن کر کے ناز و ادا سے چلتا ہے۔

منافقین کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ **فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا** ﴾ میں گناہ گاروں کے گناہوں کی تقدیر کی بابت اللہ تعالیٰ کی حکمت کا بیان ہے کہ یہ روگ نفاق ان کے سابقہ گناہوں کا نتیجہ ہے، نیز اللہ تعالیٰ انہیں اس کے سبب سے مزید گناہوں میں مبتلا کر دیتا ہے جو ان کے لیے مزید سزا کے موجب بنتے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ **وَنُقَلِّبُ أَقْدَانَهُمْ وَابْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوْلَ مَرَقَةٍ** ﴾ (الانعام: ۱۱۰، ۱۱۱) ”اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو الٹ دیں گے (وہ اس قرآن پر اسی طرح ایمان نہ لائیں گے جس

طرح) وہ پہلی مرتبہ ایمان نہ لائے تھے۔ اور فرمایا: ﴿فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ﴾ (الصف: ۵۱/۶۱) ”جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔“ اور فرمایا: ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ﴾ (التوبة: ۱۲۵/۹) ”اور رہے وہ لوگ جن کے دلوں میں مرض ہے تو اس سورت نے ان کی گندگی میں گندگی کو اور زیادہ کر دیا۔“ پس گناہ کی سزا، گناہ کی دلدل میں مزید دھنستے چلے جاتا ہے۔ جیسے نیکی کی جزا یہ ہے کہ اس کے بعد اسے مزید نیکی کی توفیق عطا ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهْتَدَوْا هُدًى﴾ (مریم: ۷۶/۱۹) ”اور وہ لوگ جو ہدایت یاب ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے۔“

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ ۝۱۱

اور جب کہا جاتا ہے ان سے نہ فساد کرو زمین میں تو کہتے ہیں یقیناً ہم تو اصلاح کرنے والے ہی ہیں ○ خبردار!

إِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُونَ وَلَكِنْ لَا يَشْعُرُونَ ۝۱۲

بلاشبہ وہی فساد کرنے والے ہیں لیکن وہ نہیں شعور رکھتے ○

جب ان منافقوں کو زمین میں فساد پھیلانے سے روکا جاتا ہے اور فساد سے مراد اعمال کفر اور معاصی ہیں۔ نیز دشمن کے پاس اہل ایمان کے راز پہنچانا اور کفار کے ساتھ دوستی رکھنا ہے۔ تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرتے ہیں۔ پس انہوں نے دو باتوں کو اکٹھا کر دیا۔ (۱) فساد فی الارض کا ارتکاب۔ (۲) اس بات کا اظہار کہ یہ فساد پھیلانا نہیں بلکہ اصلاح ہے۔ یوں گویا ایک تو انہوں نے حقائق کو بدل دیا (فساد کا نام اصلاح رکھا) دوسرے نفل باطل اور اس کے حق ہونے کے اعتقاد کو جمع کر دیا۔ یہ لوگ ان لوگوں سے زیادہ بڑے مجرم ہیں جو گناہ کو حرام سمجھتے ہوئے گناہ کا ارتکاب کرتے ہیں۔ یہ لوگ سلامتی کے زیادہ قریب ہیں اور ان کی بابت ارتکاب گناہ سے باز آ جانے کی زیادہ امید ہے۔

چونکہ ان کے قول ﴿إِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُونَ﴾ بیشک ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں، میں اصلاح ان کی جانب محدود و محصور ہے جس سے ضمناً یہ مفہوم نکلتا ہے کہ اہل ایمان اصلاح والے نہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا دعویٰ انہی پر پلٹ دیا۔ فرمایا: ﴿إِنَّمَا هُمُ الْمُفْسِدُونَ﴾ ”خبردار! بے شک یہی لوگ فساد کرنے والے ہیں“ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے کفر اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے اللہ تعالیٰ اور اس کے اولیا کو دھوکہ دینے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے والوں کے ساتھ دوستی رکھنے سے بڑا کوئی فساد نہیں۔ اس کے باوجود وہ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ وہ اصلاح کر رہے ہیں۔ کیا اس فساد کے بعد بھی کوئی اور فساد رہ جاتا ہے؟ لیکن وہ اپنے فساد کے بارے میں ایسا علم نہیں رکھتے جو انہیں فائدہ پہنچا سکے اگرچہ وہ اس کے بارے میں ایسا علم ضرور

رکھتے ہیں جو ان کے خلاف حجت قائم کرے گا اور صرف ان کے اعمال ہی زمین کے اندر فساد کا باعث ہیں کیونکہ برے اعمال اور گناہوں کے سبب سے روئے زمین پر آفتیں اور مصائب نازل ہوتے ہیں جو غلے، پھلوں، درختوں اور نباتات کو بھی خراب کر دیتے ہیں۔

زمین کے اندر اصلاح یہ ہے کہ اسے ایمان اور اطاعت الہی سے معمور رکھا جائے۔ اسی اطاعت و ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا کر کے اس کو زمین پر آباد کیا اور ان پر رزق کے دروازے کھول دیے تاکہ وہ اس رزق کی مدد سے اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی اطاعت کرے، لہذا جب اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کے خلاف عمل کیا جائے گا تو یہ عمل گویا زمین میں فساد برپا کرنا اور اس کو جاڑنا ہوگا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ امْنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ أَلَا

اور جب کہا جاتا ہے ان سے ایمان لاؤ! جیسے ایمان لائے لوگ تو کہتے ہیں کیا ایمان لائیں ہم جیسے ایمان لائے بے وقوف؟ خورا

إِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَكِنْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳﴾

بلاشبہ وہی ہیں بیوقوف لیکن وہ نہیں جانتے ○

یعنی جب منافقین سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ جیسے لوگ ایمان لائے ہیں۔ یعنی جیسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ایمان لائے ہیں جو کہ قلب و زبان کا ایمان ہے تو یہ اپنے زعم باطل میں جواب دیتے ہیں ”کیا ہم ویسا ایمان لائیں جیسا بیوقوف لوگ ایمان لائے ہیں؟“ ان کا براہو۔ بیوقوف لوگوں سے ان کی مراد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں کیونکہ ان کے زعم باطل کے مطابق صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی بیوقوفی اور حماقت ہی ان کے ایمان، ترک وطن اور کفار سے دشمنی مول لینے کی موجب ہے۔ ان کے نزدیک عقل اس کے متضاد اور برعکس رویے کا تقاضا کرتی ہے۔ بنا بریں انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سفاهت و حماقت سے منسوب کیا۔ ضمنی طور پر اس سے یہ مفہوم بھی نکلتا ہے کہ صرف وہی عقل مند اور اصحاب دانش و بینش ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعوے کی تردید کرتے ہوئے خبر دی کہ درحقیقت وہی بیوقوف اور احمق ہیں۔ کیونکہ بیوقوفی کی حقیقت یہ ہے کہ انسان اپنے مصالحوں سے بے خبر اور ایسے کاموں میں سرگرم ہو جو اس کے لیے ضرر رساں ہوں اور یہ صفت ان منافقین ہی پر منطبق ہوتی ہے۔ اور عقل اور دانش و بینش یہ ہے کہ انسان کو اپنے مصالحوں کی معرفت حاصل ہو اور وہ فائدہ مند امور کے حصول اور ضرر رساں امور کو روکنے کے لیے کاوش کرے۔ یہ صفت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اہل ایمان پر منطبق ہوتی ہے۔

پس (کسی چیز کا) اعتبار مجرد دعوے اور خالی خولی باتوں سے نہیں ہوتا بلکہ اوصاف اور دلائل کی بنا پر ہوتا ہے۔

وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا إِلَىٰ شَيَاطِينِهِمْ قَالُوا إِنَّا مَعَكُمْ

اور جب ملتے ہیں وہ ایمان والوں سے تو کہتے ہیں ایمان لے آئے ہم اور جب تنہا ہوتے ہیں وہ اپنے سرداروں کی طرف تو کہتے ہیں بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں
 إِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَهْزِءُونَ ﴿١٣﴾ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿١٤﴾
 بلاشبہ ہم تو صرف استہزاء کر نیوالے ہیں ○ اللہ استہزاء کرتا ہے ان سے اور بڑھاتا ہے انکو انکی سرکشی میں وہ بھٹکتے پھرتے ہیں ○

یہ قول ان کی ان باتوں میں سے ہے جس کا اظہار وہ اپنی زبانوں سے کرتے تھے درآں حالیکہ ان کے دل میں ایسا نہیں ہوتا تھا۔ کیونکہ جب یہ منافقین اہل ایمان کے پاس جاتے ہیں تو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ ان کے طریقے پر گامزن ہیں اور ان کے ساتھ ہیں اور جب وہ اپنے شیطان سرداروں یعنی شریر رؤسا سے تنہائی میں ملتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں: ”ہم تو درحقیقت تمہارے ساتھ ہیں ہم تو اہل ایمان کو یہ کہہ کر کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں ان کا مذاق اڑا رہے تھے“۔ یہ ہیں ان کے ظاہری اور باطنی احوال۔ بری چال کا وبال اسی پر پڑتا ہے جو یہ چال چلتا ہے۔

﴿ اللَّهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴾ ”اللہ ہنسی کرتا ہے ان سے اور بڑھاتا ہے ان کو ان کی سرکشی میں (اور) وہ سرگرداں پھرتے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا یہ استہزاء ان کے اس استہزاء کی جزا ہے جو وہ اللہ کے بندوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا استہزاء یہ ہے کہ وہ ان کے بدبختی کے اعمال اور خبیث احوال کو ان کے سامنے مزین اور آراستہ کر دیتا ہے چونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ان پر مسلط نہیں کیا اس لیے وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اہل ایمان کے ساتھ ہیں۔ قیامت کے روز ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا استہزاء یہ ہوگا کہ وہ اہل ایمان کے ساتھ انہیں ظاہری روشنی عطا کرے گا۔ جب اہل ایمان اس روشنی میں چلیں گے تو منافقین کی روشنی بجھ جائے گی۔ وہ روشنی کے بجھ جانے کے بعد تاریکی میں متحیر کھڑے رہ جائیں گے۔ پس امید کے بعد مایوسی کتنی بری چیز ہے۔ ﴿ ينادونهم ألم نكن معكم قالوا بلى ولكنكم فتننهم انفسكم وتربصنهم وادبنتهم ﴾ (الحديد: ١٤١/١٥٧) ”وہ منافق اہل ایمان کو پکار کر کہیں گے کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے اہل ایمان جواب دیں گے کیوں نہ تھے مگر تم نے اپنے آپ کو فتنے میں ڈالا اور تم ہمارے بارے میں کسی برے وقت کے منتظر رہے اور تم نے اسلام کے بارے میں شک کیا“۔

﴿ وَيَمُدُّهُمْ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو زیادہ کرتا ہے ﴿ فِي طُغْيَانِهِمْ ﴾ یعنی ان کے فسق و فجور اور کفر میں ﴿ يَعْمَهُونَ ﴾ یعنی وہ حیران و سرگرداں ہیں یہ ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا استہزاء ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کی حقیقت احوال کو منکشف کرتے ہوئے فرمایا:

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلٰةَ بِالْهُدٰى فَبَارِحَتْ تِجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿١٦﴾

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خرید لی گمراہی بدلے ہدایت کے پس نہ نفع بخش ہوئی ان کی تجارت اور نہ ہوئے وہ ہدایت پانے والے

یعنی وہ گمراہی کی طرف اس طرح راغب ہوئے جیسے خریدار کسی ایسے سامان تجارت کو خریدنے کی طرف مائل ہو جسے خریدنے کی اسے سخت چاہت ہو چنانچہ وہ اس رغبت کی وجہ سے اس میں اپنا قیمتی مال خرچ کرتا ہے اور یہ بہترین مثال ہے اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے گمراہی کو جو کہ برائی کی انتہا ہے سامان تجارت سے تشبیہ دی ہے اور ہدایت کو جو کہ بھلائی کی انتہا ہے، اس سامان تجارت کی قیمت سے تشبیہ دی۔ پس انہوں نے ہدایت کو اس سے بے رغبتی کی وجہ سے اور گمراہی کی طرف رغبت اور چاہت کی وجہ سے، گمراہی کے بدلے میں خرچ کر دیا.... پس یہ تھی ان کی تجارت، کتنی بری تجارت تھی اور یہ تھا ان کا سامان بیچ اور کتنا برسا سامان بیچ تھا۔

جب کوئی شخص ایک درہم کے مقابلے میں ایک دینار خرچ کرتا ہے تو خائب و خاسر کہلاتا ہے، تب اس شخص کے خسارے کا کیا حال ہوگا جو جو اہر خرچ کر کے اس کے بدلے میں ایک درہم حاصل کرتا ہے اور پھر اس شخص کا خسارہ کتنا بڑا ہوگا جو ہدایت کے بدلے گمراہی خریدتا ہے، خوش بختی کو چھوڑ کر بد بختی اختیار کرتا ہے اور بلند مقاصد کو ترک کر کے گھٹیا امور کی طرف راغب ہوتا ہے۔ اس کی تجارت نے اسے کوئی نفع نہ دیا بلکہ وہ سب سے بڑے خسارے میں مبتلا ہو گیا۔ ﴿قُلْ إِنَّ الْخَيْرِينَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ وَأَهْلِيَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ أَلَا ذَلِكَ هُوَ الْخُسْرَانُ الْمُبِينُ﴾ (الزمر: ۱۵/۳۹) ”(اے نبی!) فرمادیجیے کہ بے شک خسارہ اٹھانے والے وہ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو قیامت کے روز خسارے میں ڈالا۔ آگاہ رہو! کہ یہی صریح خسارہ ہے۔“ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ﴾ ”اور نہ ہوئے وہ راہ پانے والے“ ان کی گمراہی کو متحقق کرنے کے لیے ہے نیز یہ کہ ہدایت سے ان کو کوئی حصہ نہیں ملا۔ پس یہ ان منافقین کے بدترین اوصاف ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے احوال کو واضح کرنے کے لیے ایک تمثیل بیان کی، فرمایا:

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۖ فَلَمَّا اَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ

ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے جلائی آگ پھر جب روشن کر دیا اس (آگ) نے اس کے ارد گرد کو لے گیا اللہ

بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ﴿۱۵﴾ صَمٌّ بَكْمٌ عَمِيٌّ فَهَمٌّ لَا

روشنی ان کی اور چھوڑ دیا ان کو اندھیروں میں، وہ نہیں دیکھتے (وہ) بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، پس وہ نہیں

يَرْجِعُونَ ﴿۱۶﴾ اَوْ كَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ

لوٹتے (یا ان کی مثال) زوردار بارش کی سی ہے جو آسمان سے (آتی) ہے اس میں اندھے اور گرج اور بجلی ہے، ٹھونسے ہیں

اَصَابِعَهُمْ فِي اِذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۗ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿۱۷﴾

اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں بوجہ کڑکوں کے موت کے ڈر سے اور اللہ گھیرنے والا ہے کافروں کو ○

يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطِفُ أَبْصَارَهُمْ ط كَلْبًا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ ۗ وَإِذَا أظْلَمَ

قریب ہے بجلی کہ اچک لے آنکھیں ان کی، جب چمکتی ہے ان پر تو وہ چلنے لگتے ہیں اس (کی روشنی) میں اور جب اندھیرا ہوتا ہے

عَلَيْهِمْ قَامُوا ط وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ط إِنَّ اللَّهَ

ان پر تو وہ کھڑے ہو جاتے ہیں اور اگر چاہے اللہ تو لے جائے کان ان کے اور آنکھیں ان کی بے شک اللہ

عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

ہر چیز پر خوب قادر ہے ○

یعنی ان کی مثال جو ان کے احوال کی آئینہ دار ہے اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی ہو..... یعنی یہ شخص اندھیرے میں تھا آگ کی اسے سخت ضرورت تھی اس نے کسی اور سے لے کر آگ روشن کی۔ یہ آگ اس کے پاس تیار اور موجود نہ تھی۔ جب آگ نے اس کے ماحول کو روشن کر دیا اور اس نے اس جگہ کو دیکھا جہاں وہ کھڑا تھا ان خطرات کو دیکھا جنہوں نے اسے گھیر رکھا تھا اور اس امن کو دیکھا (جو اسے اس روشنی کے باعث حاصل ہوا تھا) اس نے اس آگ سے فائدہ اٹھایا اور اس آگ سے اسے اطمینان حاصل ہوا وہ سمجھتا تھا کہ اس آگ پر اسے پوری قدرت حاصل ہے اور اسی خیال میں غلطاں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس سے روشنی لے کر زائل کر دی اس کے ساتھ اس کی مسرت بھی چلی گئی اور وہ سخت تاریکی اور جلتی ہوئی آگ میں کھڑا رہ گیا۔ آگ کی روشنی چلی گئی مگر اس کی جلا دینے والی حرارت باقی رہ گئی۔ پس وہ متعدد تاریکیوں میں گھرا ہوا رہ گیا رات کی تاریکی بادلوں کا اندھیرا بارش کا اندھیرا اور ایک وہ اندھیرا جو روشنی کے بجھنے کے فوراً بعد محسوس ہوتا ہے تب اس بیان کردہ شخص کی کیا حالت ہوگی؟ یہی حال ان منافقین کا ہے۔ انہوں نے اہل ایمان سے ایمان کی آگ لے کر آگ روشن کی، کیونکہ وہ ایمان کی روشنی سے بہرہ ور نہ تھے انہوں نے وقتی طور پر اس آگ سے روشنی حاصل کی اور اس سے فائدہ اٹھایا اس طرح انہوں نے اپنے جان و مال کو محفوظ کر لیا اور دنیا میں ان کو ایک قسم کا امن حاصل ہو گیا وہ اسی حالت میں تھے کہ اچانک ان پر موت حملہ آور ہوئی اور اس روشنی سے حاصل ہونے والے تمام فوائد اس سے چھین لے گئی ہر قسم کا عذاب اور غم ان پر مسلط ہو گیا کفر و نفاق اور گناہوں کی مختلف تاریکیوں نے ان کو گھیر لیا اس کے بعد انہیں جہنم کے اندھیروں کا سامنا کرنا ہوگا جو بدترین ٹھکانا ہے۔

بنابریں اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا: ﴿صُمَّ﴾ وہ بھلائی کی بات سننے سے بہرے ہیں۔ ﴿بُكْم﴾

وہ بھلائی کی بات کہنے سے گونگے ہیں۔ ﴿عُمِّي﴾ حق کے دیکھنے سے اندھے ہیں۔ ﴿فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ﴾ چونکہ

انہوں نے حق کو پہچان کر ترک کیا ہے اس لیے اب یہ واپس نہیں لوٹیں گے۔ ان کی حالت اس شخص کی حالت کے

برعکس ہے جو محض جہالت اور گمراہی کی بنا پر حق کو ترک کرتا ہے کیونکہ وہ اسے سمجھتا نہیں۔ ان کی نسبت اس شخص کے

بارے میں زیادہ توقع کی جاسکتی ہے کہ وہ حق کی طرف رجوع کرے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَوْ كَصَيْبٍ مِّنَ السَّمَاءِ﴾ یا (ان کی مثال) اس شخص کی مانند ہے جس پر موسلا دھار بارش ہو رہی ہو۔ (صَيْبٍ) سے مراد وہ بارش ہے جو موسلا دھار برتی ہے۔

﴿فِيهِ ظُلُمَاتٌ﴾ اس میں اندھیرے ہیں۔“ اس سے مراد ہے رات کا اندھیرا بادل کا اندھیرا اور بارش کی تاریکیاں۔ ﴿وَرَعْدٌ﴾ اور کڑک کی آواز ہے۔“ جو کہ بادل سے سنائی دیتی ہے۔ ﴿وَبَرْقٌ﴾ اور بجلی کی وہ چمک ہے جو بادلوں میں دکھائی دیتی ہے۔ ﴿كَلِمًا أَضَاءَ لَهُمْ﴾ یعنی اس بجلی کی چمک جب اندھیرے میں روشنی کرتی ہے۔ ﴿فَمَشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا﴾ تو چلتے ہیں اس میں اور جب ان پر اندھیرا ہوتا ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں، یعنی وہ کھڑے رہ جاتے ہیں۔

پس اسی قسم کی حالت منافقین کی ہے جب وہ قرآن مجید اس کے اوامر و نواہی اور اس کے وعد و وعید سنتے ہیں، تو اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں ٹھونس لیتے ہیں۔ اس کے اوامر و نواہی اور وعد و وعید سے اعراض کرتے ہیں وعید ان کو گھبراہٹ میں مبتلا کرتی ہے اور اس کے وعدے ان کو پریشان کر دیتے ہیں۔ وہ حتی الامکان ان سے اعراض کرتے ہیں اور اس شخص کی مانند اسے سخت ناپسند کرتے ہیں جو سخت بارش میں گھرا ہوا بجلی کی کڑک سنتا ہے اور موت کے ڈر سے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتا ہے اس شخص کو تو بسا اوقات سلامتی اور امن مل جاتا ہے۔ مگر منافقین کے لیے کہاں سے سلامتی آئے گی؟ اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم نے انہیں چاروں طرف سے گھیر رکھا ہے۔ وہ اس کی پکڑ سے بھاگ نہیں سکتے اور نہ وہ اس کو عاجز کر سکتے ہیں؛ بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو اعمال ناموں میں محفوظ کر دیتا ہے اور وہ ان کو ان کے اعمال کی پوری پوری جزا دے گا۔ چونکہ وہ معنوی بہرے پن گونگے پن اور اندھے پن میں مبتلا ہیں اور ان پر ایمان کی تمام راہیں مسدود ہیں اس لیے ان کے بارے میں فرمایا: ﴿وَكُوشَاءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ﴾ اور اگر اللہ چاہے تو لے جائے ان کے کان اور ان کی آنکھیں، یعنی ان کی حس سماعت اور حس بصر سلب کر لے۔ اس آیت کریمہ میں ان کو دنیاوی سزا سے ڈرایا گیا ہے تاکہ وہ ڈر کر اپنے شر اور نفاق سے باز آجائیں۔

﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ اس لیے کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت میں سے یہ بات بھی ہے کہ جب وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے تو گرگزرتا ہے۔ کوئی اس کو روکنے والا اور اس کی مخالفت کرنے والا نہیں۔

اس آیت اور اس قسم کی دیگر آیات میں قدریہ کار دہے جو یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انسانوں کے افعال اللہ تعالیٰ

کی قدرت میں داخل نہیں ہیں کیونکہ انسانوں کے افعال بھی من جملہ ان اشیاء کے ہیں جو ﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلَىٰ كُلِّ

شئٌ قَدِيرٌ ﴿۱۰﴾ کے تحت اس کی قدرت میں داخل ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۱﴾ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً ﴿۱۲﴾ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزْقًا لَكُمْ ﴿۱۳﴾ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أُندَادًا وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۴﴾

متقی بن جاؤ ○ وہ جس نے بنایا تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت اور نازل کیا اس نے آسمان سے پانی پھر نکالا ساتھ اس کے پھلوں سے رزق تمہارے لیے پس نہ ٹھہراؤ تم اللہ کا شریک حالانکہ تم جانتے ہو ○

یہ تمام لوگوں کے لیے امر عام ہے اور وہ اللہ کی عبادت ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اس کے نواہی سے اجتناب اور اس کی خبر کی تصدیق کی جامع ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے بندوں کو اس چیز کا حکم دیا جس کے لیے ان کی تخلیق کی گئی ہے۔ فرمایا: ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذاریات: ۵۶/۵۱) ”میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اس لیے پیدا کیا تاکہ وہ میری عبادت کریں۔“

پھر صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ وہ تمہارا رب ہے اس نے تمہیں بہت سی نعمتوں سے نوازا کر تمہاری تربیت اور پرورش کی۔ وہ تمہیں عدم سے وجود میں لایا، اس نے ان لوگوں کو پیدا کیا جو تم سے پہلے تھے اس نے تمہیں ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا کیں، اس نے زمین کو تمہارے لیے فرش بنایا جہاں تم اپنا ٹھکانا بناتے ہو، جہاں تم عمارات تعمیر کر کے زراعت اور کاشتکاری کر کے اور ایک جگہ سے دوسری جگہ سفر کر کے مختلف فوائد حاصل کرتے ہو اس کے علاوہ تم زمین کے بعض دیگر فوائد سے استفادہ کرتے ہو۔ اس نے تمہارے اس مسکن کے لیے آسمان کو چھت بنایا۔ اس نے تمہاری ضروریات اور حاجات کو مد نظر رکھتے ہوئے اس چھت میں بھی بہت سی نفع بخش چیزیں مثلاً سورج، چاند اور ستارے پیدا کیے۔

﴿وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً﴾ ”اور اتارا اس نے آسمان سے پانی۔“ ہر وہ چیز جو آپ کے اوپر اور بلند ہے وہ آسمان کہلاتی ہے۔ بنا بریں علمائے تفسیر کہتے ہیں کہ یہاں آسمان سے مراد بادل ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے بادلوں سے پانی برسایا ﴿فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ﴾ اور اس پانی کے ذریعے سے مختلف اقسام کے غلہ جات مختلف انواع کے پھل اور میوہ جات، کھجوریں اور دیگر کھیتیاں اگائیں ﴿رِزْقًا لَكُمْ﴾ ”تمہارے رزق کے طور پر“ جس سے تم رزق اور خوراک حاصل کرتے ہو اس رزق سے زندگی بسر کرنے کا سامان کرتے ہو اور اس سے تم لذت حاصل کرتے ہو۔ ﴿فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ أُندَادًا﴾ پس تم مخلوق میں سے اس کی برابری کرنے والے ہمسر بنا کر ان کی عبادت نہ کرو جیسے تم اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہو اور ان سے ایسی محبت نہ کرو جیسے تم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہو

وہ بھی تمہاری مانند مخلوق ہیں ان کو بھی رزق دیا جاتا ہے اور ان کی زندگی کی بھی تدبیر کی جاتی ہے۔ وہ زمین و آسمان میں ایک ذرے کے بھی مالک نہیں۔ وہ تمہیں نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان۔ ﴿وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ ”حالانکہ تم جانتے ہو“ کہ تخلیق کرنے، رزق عطا کرنے اور کائنات کی تدبیر کرنے میں اس کا کوئی شریک اور کوئی نظیر نہیں اور نہ الوہیت اور کمال میں اس کی کوئی برابری کرنے والا ہے۔ یہ سب کچھ جانتے ہوئے پھر تم کیسے اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے معبودوں کی عبادت کرتے ہو۔ یہ بڑی عجیب بات اور سب سے بڑی حماقت ہے۔

یہ آیت کریمہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کے حکم اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور ہستی کی عبادت کرنے سے ممانعت کو جمع کرنے والی ہے، نیز اللہ تعالیٰ کی عبادت کے وجوب کی واضح دلیل اور اس کے سوا کسی اور کی عبادت کے بطلان کے بیان پر مشتمل ہے۔ یہ تو حیدر ربوبیت ہے جو اس امر کو مضمّن ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی تخلیق کرتا، وہی رزق عطا کرتا اور وہی کائنات کی تدبیر کرتا ہے۔ جب ہر ایک شخص یہ اقرار کرتا ہے کہ ان تمام امور میں اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں تو اسے یہ اقرار بھی کرنا چاہیے کہ عبادت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی توحید کے اثبات اور شرک کے بطلان پر واضح ترین عقلی دلیل ہے۔

﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ ”تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ“ اس آیت کریمہ میں ایک معنی کا احتمال یہ ہے کہ جب تم ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو گے تو اس کی ناراضی اور عذاب سے بچ جاؤ گے، کیونکہ تم نے ایک ایسا سبب اختیار کیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کو دور کرتا ہے۔ اس کے ایک دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ جب تم اللہ تعالیٰ کی عبادت گزار بندے بن جاؤ گے تو تم متقین میں شمار ہو گے جو تقویٰ کی صفت سے آراستہ ہوتے ہیں۔ دونوں معنی صحیح ہیں اور دونوں میں تلازم پایا جاتا ہے، یعنی جو کوئی کامل طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے اس کا شمار اہل تقویٰ میں ہوتا ہے اور جو کوئی متقی بن جاتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے عذاب سے نجات حاصل ہو جاتی ہے۔

وَإِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ ۚ وَادْعُوا شُهَدَاءَكُمْ ۖ مَن دُونِ اللَّهِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۲۳﴾ فَإِنْ لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَكِنْ تَفْعَلُوا ۚ
اپنے مددگاروں کو سوائے اللہ کے، اگر ہو تم سچے ○ پس اگر نہ کر سکو تم (یہ کام) اور ہرگز نہیں کر سکو گے تم،
فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۖ أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ﴿۲۴﴾
تو بچو اس آگ سے کہ ایندھن اس کا ہیں آدمی اور پتھر، تیار کی گئی ہے (وہ) کافروں کیلئے ○

یہ رسول اللہ ﷺ کی صداقت اور وحی الہی کی صحت کی عقلی دلیل ہے۔ گویا فرمایا: ”اے رسول کے ساتھ عناد رکھنے والو! اس کی دعوت کو رد کرنے والو! اور اسے جھوٹا سمجھنے والو! اگر تم اس وحی کے بارے میں کسی شک و شبہ میں

بتلا ہو جو ہم نے اپنے بندے پر نازل کی ہے کہ آیا یہ حق ہے یا نہیں تو یہاں ایک ایسا معاملہ موجود ہے جسے ہم تمہارے اور اس کے درمیان فیصلہ کن انداز میں بیان کرتے ہیں اور وہ یہ کہ وہ بھی تمہاری طرح بشر ہے کسی اور جنس سے نہیں؛ جب سے وہ پیدا ہوا ہے اس وقت سے تم اسے جانتے ہو وہ لکھ سکتا ہے نہ پڑھ سکتا ہے۔ اس نے تمہارے سامنے ایک کتاب پیش کی ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور تم کہتے ہو کہ اس نے اسے خود گھڑا ہے اور اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھا ہے۔ اگر معاملہ ایسے ہی ہے جیسے تم کہتے ہو تو اس جیسی ایک سورت ہی بنا لاؤ اور اپنے جن اعموان و انصار اور حمایتیوں کو اپنی مدد کے لیے بلا سکتے ہو بلا لو! تمہارے لیے یہ کام بہت آسان اور معمولی ہے خاص طور پر جبکہ تم فصاحت و خطابت کے میدان کے شاہسوار ہو اور اس رسول کی عداوت میں بھی بہت آگے ہو۔ اگر تم نے اس کتاب جیسی ایک سورت بھی پیش کر دی تو تم اس کتاب کو جھوٹ، بہتان کہنے میں حق بجانب ہو اور اگر تم اس جیسی ایک سورت بھی پیش نہ کر سکتے اور اسے پیش کرنے سے مکمل طور پر عاجز آ گئے تو تمہارا یہ عجز اور بے بسی رسول اور وحی الہی کی صداقت کی بڑی نشانی اور واضح دلیل ہے۔ پھر تم پر لازم ہو جاتا ہے کہ تم اس کی پیروی کرو اور اس آگ سے بچو جس کی گرمی اور حرارت اتنی زیادہ ہے کہ اس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے دنیاوی آگ کی مانند نہیں جسے (لکڑی کے) ایندھن سے بھڑکایا جاتا ہے۔ یہ بیان کردہ آگ اللہ اور اس کے رسول کا انکار کرنے والوں کے لیے تیار کی گئی ہے، اس لیے جب تمہیں یہ معلوم ہو گیا کہ یہ رسول برحق ہے تو اس کا انکار کرنے سے ڈرو۔

اس آیت اور اس قسم کی دیگر آیات کو آیات تحدی (مقابلہ کرنے کی دعوت دینے والی آیات) کہا جاتا ہے ”تحدی“ سے مراد ہے مخلوق کو قرآن جیسی کوئی کتاب پیش کرنے اور اس کا مقابلہ کرنے سے عاجز کر دینا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ لِّمَن اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰی اَنْ يَّاتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَاَلَوْ كَانْ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا﴾ (بنی اسرائیل: ۸۸/۱۷) ”کہو اگر تمام جن و انس اس بات پر جمع ہو جائیں کہ وہ اس جیسا قرآن بنا لائیں تو اس جیسا قرآن بنا کر نہیں لا سکتے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ ہوں۔“ پس مشیت خاک سے بنے ہوئے انسان کا کلام رب الارباب کے کلام کی مانند کیسے ہو سکتا ہے؟ یا ناقص اور تمام پہلوؤں سے محتاج ہستی اس کامل ہستی کے کلام جیسا کلام کیسے پیش کر سکتی ہے جو تمام پہلوؤں سے کمال مطلق کی اور بے پایاں بے نیازی کی مالک ہے؟ یہ چیز دائرہ امکان اور انسانی بساط سے باہر ہے۔ ہر وہ شخص جو کلام کی مختلف اصناف کی تھوڑی بہت بھی معرفت رکھتا ہے جب قرآن کا اصحاب بلاغت کے کلام سے تقابل کرے گا تو اس پر ظاہر ہو جائے گا کہ دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَ اِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّنْهُ﴾ ”اگر تم شک میں مبتلا ہو“ میں اس بات کی دلیل ہے کہ جس

کے لیے ہدایت کی توقع کی جاسکتی ہے یہ وہ شخص ہے جو شک میں مبتلا اور حیران و پریشان ہے۔ جو گمراہی میں سے حق کو نہیں پہچان سکتا۔ اگر وہ طلب حق میں سچا ہے تو اس کے لیے حق واضح ہو جانے کے بعد اس کا اتباع کرنا زیادہ مناسب ہے۔

وہ شخص جو حق کے ساتھ عناد رکھتا ہے اور حق کو پہچان کر بھی اسے ترک کر دیتا ہے اس کے حق کی طرف رجوع کرنے کا کوئی امکان نہیں کیونکہ اس نے حق کو اپنی جہالت کی وجہ سے ترک نہیں کیا بلکہ اس نے حق کو اس کے واضح ہو جانے کے بعد رد کیا ہے۔ اسی طرح وہ متشکک شخص جو تلاش حق میں سچا جذبہ نہیں رکھتا بلکہ وہ حق سے گریز کرتا ہے اور تلاش حق میں تگ و دو نہیں کرتا وہ اکثر و بیشتر قبول حق کی توفیق سے محروم رہتا ہے۔

اس مقام عظیم پر رسول اللہ ﷺ کے وصف عبدیت کو بیان کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ عبدیت آپ کی سب سے بڑی صفت ہے۔ اس مقام بلند تک اولین و آخرین میں سے کوئی شخص بھی آپ کے مقام تک نہیں پہنچ سکا۔ جیسے معراج کے موقع پر آپ کی عبدیت کو بیان فرمایا۔ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿سُبْحٰنَ الَّذِیْ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا﴾ (سنی اسرائیل: ۱۷۱) ”پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے کو رات کے ایک حصے میں سفر کرایا“۔

قرآن کی تزیل کے وقت بھی آپ کی عبدیت کو بیان فرمایا: ﴿تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ لَیْکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا﴾ (الفرقان: ۱۲۵) ”نہایت برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر فرقان نازل کیا تاکہ وہ تمام جہانوں کو ڈرائے“۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿اَعَدَّتْ لِلْکٰفِرِیْنَ﴾ ”جہنم کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے۔“ اور اس قسم کی دیگر آیات سے اہل سنت کے اس مسلک کی تائید ہوتی ہے کہ جنت اور جہنم دونوں پیدا کی ہوئی ہیں۔ جب کہ معتزلہ اس بات کے قائل نہیں۔ اس آیت کریمہ سے اہل سنت کے اس عقیدے کی بھی تائید ہوتی ہے کہ گناہ گار اور کبار کے مرتکب گناہ گار موحدین ہمیشہ جہنم میں نہیں رہیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ جہنم کفار کے لیے تیار کی گئی ہے۔ خوارج اور معتزلہ کے عقیدے کے مطابق اگر گناہ گار موحدین کے لیے جہنم میں دوام اور خلود ہوتا تو یہ صرف کفار کے لیے تیار نہ کی گئی ہوتی۔ نیز اس آیت میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ عذاب اپنے اسباب یعنی کفر اور مختلف گناہوں کے ارتکاب سے ثابت ہوتا ہے۔

وَبَشِّرِ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنَّتٍ تَجْرِمٰی مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ

اور خوشخبری دیجئے! ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور عمل کئے انہوں نے اچھے یقینا ان کیلئے باغات ہیں بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں

كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ وَأُتُوا بِهِ

جب بھی دیئے جائیں گے وہ ان میں سے کوئی پھل بطور رزق کے تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو دیئے گئے تھے ہم اس سے پہلے اور دیئے جائیگے (رزق)

مَتَشَابِهًا ط وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَهُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۵﴾

مٹا جلتا اور ان کے لیے ان میں بیویاں ہیں پاکیزہ اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے ○

جب اللہ تعالیٰ نے کفار کی جزا کا ذکر کیا تو اعمال صالحہ سے آراستہ اہل ایمان کی جزا بھی بیان فرمادی جیسا کہ قرآن مجید میں اس کا طریقہ ہے کہ وہ ترغیب و ترہیب کو اکٹھا بیان کرتا ہے تاکہ بندہ مومن اللہ کی رحمت کی رغبت بھی رکھے اور اس کے عذاب سے ڈرتا بھی رہے۔ اس کے دل میں عذاب کا خوف ہو تو رحمت و مغفرت کی امید سے بھی سرشار ہو۔

﴿ وَبَشِّرِ ﴾ یعنی اے رسول! آپ اور آپ کا قائم مقام خوشخبری دے دے۔

﴿ الَّذِينَ آمَنُوا ﴾ یعنی جو اپنے دل سے ایمان لائے ﴿ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ﴾ اور انہوں نے اپنے جوارح سے نیک کام سرانجام دیے۔ پس انہوں نے اعمال صالحہ کے ذریعے سے اپنے ایمان کی تصدیق کی۔ اللہ تعالیٰ نے اعمال خیر کو (الصالحات) سے تعبیر کیا ہے کیونکہ ان کے ذریعے سے بندے کے احوال اس کے دینی اور دنیاوی امور اور اس کی دنیاوی اور اخروی زندگی کی اصلاح ہوتی ہے اور اس کے ذریعے ہی سے احوال کا فساد ازل ہوتا ہے پس اس کی وجہ سے اس کا شمار صالحین میں ہو جاتا ہے جو جنت میں اللہ تعالیٰ کی مجاورت اور اس کے قرب کی صلاحیت سے بہرہ ور ہیں۔

پس ان کو خوشخبری سنا دیجیے ﴿ اِنَّ لَهُمْ جَنَّتٍ ﴾ کہ ان کے لیے جنت کے باغات ہیں جن میں عجیب اقسام کے درخت، نفیس انواع کے پھل، گہرے سائے اور درختوں کی نہایت خوبصورت شاخیں ہوں گی۔ اسی وجہ سے اس کا نام جنت ہے۔ اس میں داخل ہونے والے اس کے باغوں اور گہری چھاؤں سے فیض یاب ہوں گے اور اس میں رہنے والے اس میں عیش و عشرت کی زندگی گزاریں گے۔ ﴿ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ﴾ یعنی جنت میں پانی، دودھ، شہد اور شراب کی نہریں بہتی ہوں گی۔ وہ جیسے چاہیں گے انہیں جاری کر لیں گے اور جہاں چاہیں گے انہیں پھیر لیں گے۔ انہی نہروں سے جنت کے درخت سیراب ہوں گے اور مختلف اصناف کے پھل پیدا ہوں گے۔ ﴿ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِزْقًا قَالُوا هَذَا الَّذِي رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ﴾ ”جب بھی ان کو ان میں سے کھانے کو کوئی پھل دیا جائے گا تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو پہلے ہمیں دیا گیا، یعنی جنت کا یہ پھل دنیا کے پھلوں کی جنس میں سے ہوگا اس میں دنیا کے پھلوں کی سی صفات ہوں گی۔ خوبصورتی اور لذت میں جنت کے پھل دنیا کے پھلوں سے ملتے جلتے ہوں گے۔ ان میں کوئی بد ذائقہ پھل نہ ہوگا اور کوئی وقت ایسا نہ ہوگا جس میں اہل جنت

لذت نہ اٹھارہے ہوں گے بلکہ وہ دائمی طور پر جنت کے پھلوں کی لذت سے لطف اندوز ہوں گے۔

﴿ **وَأَتُوا بِهِمْ مَّتَشَابِهًا** ﴾ ”اور دیے جائیں گے ان کو پھل ملتے جلتے“ کہا جاتا ہے کہ (جنت کے پھل) نام میں مشابہت رکھتے ہیں اور ذائقے میں مختلف ہیں۔ بعض کی رائے ہے کہ اس سے مراد ہے کہ وہ رنگ میں مشابہت رکھتے ہیں مگر نام مختلف ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد ہے کہ وہ خوبصورتی، لذت اور مٹھاس میں ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔ شاید یہی تعبیر احسن ہے۔ پھر جہاں اہل جنت کے مساکن، ان کی خوراک، طعام و مشروبات اور پھلوں کا ذکر کیا ہے وہاں ان کی بیویوں کا ذکر بھی کیا ہے۔ نہایت ایجاز و اختصار کے ساتھ مکمل اور واضح طور پر ان کا وصف بیان کیا ہے۔

﴿ **وَلَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ** ﴾ ”ان کے واسطے ان میں بیویاں ہوں گی پاک“ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ فلاں عیب سے پاک ہوں گی، کیونکہ یہ تطہیر، طہارت کی تمام اقسام پر مشتمل ہوگی۔ ان کے اخلاق پاک ہوں گے، ان کی تخلیق پاکیزگی پر مبنی ہوگی، ان کی زبان پاک ہوگی اور ان کی نظر پاک ہوگی۔ ان کے اخلاق کی پاکیزگی یہ ہے کہ وہ دلکش ہوں گی اور اپنے اخلاق حسنہ، حسن اطاعت اور قوی و فعلی آداب کے ساتھ اپنے شوہروں سے اظہار محبت کریں گی۔ حیض و نفاس، منی، بول و براز، تھوک، بلغم اور بدبو سے پاک ہوں گی۔ نیز اپنی جسمانی تخلیق میں بھی پاک ہوں گی وہ کامل حسن و جمال سے بہرہ ور ہوں گی۔ ان کے اندر کسی قسم کا عیب اور کسی قسم کی جسمانی بدصورتی نہ ہوگی بلکہ وہ نیک سیرت اور خوبصورت ہوں گی۔ وہ پاک نظر اور پاک زبان ہوں گی۔ وہ نیچی نگاہوں والی ہوں گی اور ان کی نگاہیں اپنے شوہروں سے آگے نہ بڑھیں گی۔ ان کی زبانیں ہر گندی بات سے محفوظ اور پاک ہوں گی۔

اس آیت کریمہ میں مندرجہ ذیل امور کا ذکر کیا گیا ہے:

(۱) خوشخبری دینے والا۔ (۲) جس کو خوشخبری دی گئی ہے۔ (۳) جس چیز کی خوشخبری دی گئی ہے۔ (۴) وہ سبب جو اس خوشخبری کا باعث بنتا ہے۔ خوشخبری دینے والے سے مراد رسول اللہ ﷺ کی ذات یا وہ لوگ ہیں جو آپ کی امت میں سے (ابلاغ علم میں) آپ کے قائم مقام ہوں گے۔ خوشخبری دیے جانے والے وہ لوگ ہیں جو اہل ایمان ہیں اور نیک اعمال بجالانے والے ہیں۔ جس چیز کی خوشخبری دی گئی ہے وہ ہے جنت جو بیان کردہ صفات سے متصف ہے۔ اس خوشخبری کے باعث اور سبب سے مراد ایمان اور عمل صالح ہیں۔ ایمان اور عمل صالح کے بغیر اس خوشخبری کے حصول کا کوئی ذریعہ نہیں۔ یہ سب سے بڑی خوشخبری ہے جو بہترین اسباب کے ذریعے سے افضل ترین ہستی کی زبان مبارک سے دی گئی ہے۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل ایمان کو خوشخبری دینا اعمال صالحہ اور ان کے ثمرات کا ذکر کر کے ان

میں نشاط پیدا کرنا مستحب ہے کیونکہ اس طرح اعمال صالحہ آسان ہو جاتے ہیں۔ سب سے بڑی بشارت جو انسان کو حاصل ہوتی ہے وہ ایمان اور عمل صالح کی توفیق ہے۔ پس یہ اولین بشارت اور اس کی بنیاد ہے۔ اس کے بعد دوسری بشارت وہ ہے جو موت کے وقت اسے حاصل ہوتی ہے اور اس کے بعد وہ بشارت ہے جو نعمتوں سے بھرپور دائمی جنت میں پہنچ کر اسے حاصل ہوگی۔ ہم اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرتے ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيَىٰ أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا

بلاشبہ اللہ نہیں شرمانا اس بات سے کہ بیان کرے مثال کوئی سی بھی، مچھر کی یا اس چیز کی جو (عظمت یا حقارت میں) اس سے بڑھ کر ہو، پس لیکن ایمان والے

فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۗ وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ

تو وہ جانتے ہیں کہ بلاشبہ وہ حق ہے ان کے رب کی طرف سے، اور لیکن جو لوگ کافر ہوئے، تو وہ کہتے ہیں کیا ارادہ کیا اللہ نے

بِهَذَا مَثَلًا ۙ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا ۙ وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۙ وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ ﴿۲۱﴾

اس مثال سے؟ مگر وہ کہتا ہے اللہ اس سے بہتوں کو اور ہدایت دیتا ہے اس سے بہتوں کو اور نہیں مگر وہ کہتا اس سے مگر فاسقوں ہی کو ○

الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ

وہ جو توڑتے ہیں عہد اللہ کا بعد اس کے پختہ کر لینے کے اور کاٹتے ہیں اس چیز کو کہ حکم دیا ہے اللہ نے اس کی بابت یہ کہ

يُؤْصَلَ وَيُفْسَدُونَ فِي الْأَرْضِ ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۲۲﴾

ملا یا جائے (اس کو) اور فساد کرتے ہیں زمین میں، یہی لوگ ہیں خسارہ اٹھانے والے ○

﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيَىٰ أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَّا﴾ اللہ تعالیٰ اس بات سے نہیں شرمانا کہ وہ کوئی سی بھی مثال

بیان کرے، خواہ وہ کسی قسم کی مثال ہو ﴿بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا﴾ ”مچھر کی ہو یا اس چیز کی جو اس سے بڑھ کر ہو“

کیونکہ مثال حکمت اور ایضاح حق پر مبنی ہوتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ حق سے نہیں شرمانا۔ اس آیت کریمہ میں گویا

اس شخص کو جواب دیا گیا ہے جو معمولی اور حقیر اشیاء کی مثال دینے کا منکر ہے اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ پر

اعتراض کرتا ہے، پس یہ اعتراض کا مقام نہیں بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو تعلیم دینا اور ان کے ساتھ مہربانی کا

معاملہ کرنا ہے، لہذا ضروری ہے کہ اسے شکر کرتے ہوئے قبول کیا جائے۔ بنا بریں فرمایا: ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا

فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ﴾ ”پس وہ لوگ جو ایمان لائے تو وہ جانتے ہیں کہ یہ ان کے رب کی طرف سے

حق ہے، پس وہ اسے سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور اس میں غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ پس اگر انہیں اس کے

مشمولات کا تفصیلی علم حاصل ہو جاتا ہے تو ان کے علم و ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ ورنہ انہیں معلوم ہے کہ یہ حق ہے

اور حق باتوں پر ہی مشتمل ہے اور اگر اس میں حق کا پہلو ان پر مخفی رہے تب بھی انہیں یقین ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے

اسے بے فائدہ بیان نہیں فرمایا، بلکہ اس میں یقیناً کوئی حکمت بالغہ اور نعمت کاملہ مضمر ہے۔

﴿وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا﴾ ”لیکن کافر لوگ تو وہ کہتے ہیں اللہ نے اس مثال سے کیا چاہا ہے؟“ یعنی کافر حیران ہو کر اعتراض کرتے ہیں اور اپنے کفر میں اور اضافہ کر لیتے ہیں جیسے اہل ایمان کے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا﴾ ”وہ اس سے بہتوں کو گمراہ کرتا اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے“ پس آیات قرآن کے نزول کے وقت یہ اہل ایمان اور کفار کا حال ہے۔ اللہ تعالیٰ ایک اور مقام پر فرماتا ہے: ﴿وَإِذَا مَا أَنْزَلْنَا سُورَةً فَمِنْهُمْ مَن يَقُولُ آيَاتُكُمْ زَادَتْهُ هِدًىٰ أَيْمَانًا ۖ فَمَا وَاللَّذِينَ آمَنُوا فَرَادَتْهُمْ أَيْمَانًا ۚ وَهُمْ يَسْتَبْشِرُونَ ۝ وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا إِلَىٰ رِجْسِهِمْ ۖ وَمَاتُوا وَهُمْ كَافِرُونَ﴾ (التوبہ: ۱۲۴/۱۲۵) ”جب کوئی سورت نازل کی جاتی ہے تو ان میں سے بعض تمسخر کے طور پر کہتے ہیں اس سورت نے کس کا ایمان زیادہ کیا ہے؟ جو لوگ ایمان لائے ان کا ایمان تو اس سورت نے زیادہ کیا اور وہ خوش ہوتے ہیں اور جن کے دلوں میں نفاق کی بیماری ہے تو اس سورت نے ان کی گندگی میں گندگی کو اور زیادہ کر دیا اور وہ کفر کی حالت ہی میں مر گئے۔“ پس بندوں پر قرآنی آیات کے نزول سے بڑھ کر اور کوئی نعمت نہیں۔

اس کے باوجود یہ قرآنی آیات کچھ لوگوں کے لیے آزمائش حیرت، گمراہی اور ان کے شر میں اضافے کا باعث بنتی ہیں اور کچھ لوگوں کے لیے انعام، رحمت اور ان کی بھلائیوں میں اضافے کا سبب بنتی ہیں۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندوں کے درمیان تفاوت قائم کیا۔ صرف وہی ہے جو ہدایت سے نوازتا ہے اور وہی ہے جو گمراہ کرتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس عدل و حکمت کا ذکر کیا ہے جو اس شخص کی گمراہی میں کارفرما ہوتی ہے جسے وہ گمراہ کرتا ہے۔

﴿وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الْفَاسِقِينَ﴾ یعنی وہ صرف ان ہی لوگوں کو گمراہ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے باہر ہیں، جو اللہ تعالیٰ کے رسولوں سے عناد رکھتے ہیں، فسق و فجور ان کا وصف بن گیا ہے اور وہ اس وصف کو بدلنا نہیں چاہتے۔ پس اللہ تعالیٰ کی حکمت کا یہ تقاضا ہوا کہ وہ ان کو گمراہی میں مبتلا کرے کیونکہ ان میں ہدایت کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی نہیں۔ جیسے اس کی حکمت اور اس کا فضل اس شخص کی ہدایت کا تقاضا کرتے ہیں جو ایمان سے متصف اور اعمال صالحہ سے مزین ہو۔

فسق کی دو اقسام ہیں: ایک قسم وہ ہے جو انسان کو دائرہ اسلام ہی سے خارج کر دیتی ہے۔ فسق کی یہ قسم ایمان سے خارج ہونے کا تقاضا کرتی ہے جیسا کہ اس آیت میں اور اس قسم کی دیگر آیات میں ذکر کیا گیا ہے۔

فسق کی دوسری قسم وہ ہے جو انسان کو دائرہ ایمان سے خارج نہیں کرتی جیسا کہ اس آیت کریمہ میں وارد ہوا

ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن جَاءَكُمْ فَاسِقٌ بِنَبَأٍ فَتَبَيَّنُوا﴾ (الحجرات: ۶۱، ۶۲) ”اے ایمان والو! اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لے کر آئے تو اچھی طرح تحقیق کر لو“۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فاسقوں کا وصف بیان کیا فرمایا: ﴿الَّذِينَ يَنْقُضُونَ عَهْدَ اللَّهِ مِنْ بَعْدِ مِيثَاقِهِ﴾ ”وہ جو اللہ کے عہد کو اس کو پختہ کرنے کے بعد توڑ دیتے ہیں“ عہد کا لفظ عام ہے اس سے مراد وہ عہد بھی ہے جو ان کے رب کے درمیان ہے اور اس کا اطلاق اس عہد پر بھی ہوتا ہے جو انسان آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ کرتے ہیں۔ اللہ نے عہد کے پورا کرنے کی سخت تاکید فرمائی ہے۔ کافران عہدوں کی پروا نہیں کرتے بلکہ وہ ان کو توڑتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر کو ترک کرتے ہیں، اس کے نواہی کے مرتکب ہوتے ہیں اور وہ ان معاہدوں کا بھی پاس نہیں کرتے جو ان کے درمیان آپس میں ہوتے ہیں۔

﴿وَيَقْطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ﴾ ”اور اس چیز کو قطع کرتے ہیں جس کے ملانے کا اللہ نے حکم دیا ہے“ اس میں بہت سی چیزیں داخل ہیں:

اولاً: اللہ نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اس تعلق کو جوڑیں جو ہمارے اور اللہ کے درمیان ہے۔ (اس کی صورت یہ ہے کہ ہم) اللہ پر ایمان لائیں اور اس کی عبادت کریں۔

ثانیاً: ہمارے اور اس کے رسول کے درمیان جو تعلق ہے اسے قائم کریں، یعنی اس پر ایمان لائیں، اس سے محبت رکھیں، اس کی مدد کریں اور اس کے تمام حقوق ادا کریں۔ (رسول کی مکمل اطاعت کریں)

ثالثاً: وہ تعلق ہے جو ہمارے اور ہمارے والدین، عزیز و اقارب، دوست احباب اور تمام مخلوق کے درمیان ہے، ان سب کے حقوق کی ادائیگی بھی اس تعلق کے جوڑنے میں شامل ہے جس کا حکم ہمیں اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ اہل ایمان ان تمام رشتوں، حقوق اور تعلقات کو جوڑے رکھتے ہیں جن کو جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا ہے اور ان حقوق کو بہترین طریقے سے ادا کرتے ہیں۔ رہے اہل فسق تو وہ ان رشتوں کو توڑتے ہیں اور ان کو اپنی پیٹھ پیچھے پھینک کر (ان کے تقدس کا پاس نہیں کرتے) اس کی بجائے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں، قطع رحمی سے کام لیتے ہیں اور گناہوں کے کام کرتے ہیں اور یہی زمین میں فساد برپا کرنا ہے۔

﴿أُولَٰئِكَ﴾ یعنی یہی لوگ جو اس صفت سے متصف ہیں۔ ﴿هُمُ الْخٰسِرُونَ﴾ دنیا و آخرت میں خسارے میں پڑنے والے ہیں۔ خسارے کو ان فاسقین میں اس لیے محصور و محدود رکھا کیونکہ ان کا خسارہ ان کے تمام احوال میں عام ہے۔ ان کے نصیب میں کسی قسم کا کوئی نفع نہیں، کیونکہ ہر نیک کام کے مقبول ہونے کے لیے ایمان شرط ہے۔ پس جو ایمان سے محروم ہے اس کے عمل کا کوئی وزن اور اعتبار نہیں، یہ خسارہ کفر کا خسارہ ہے۔

رہا وہ خسارہ جو کبھی کفر ہوتا ہے، کبھی گناہ اور معصیت کے زمرے میں اور کبھی مستحب امور کو ترک کرنے کی

کو تباہی کے زمرے میں آتا ہے..... تو وہ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان میں مذکور ہے۔ ﴿ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِي خَسِرٍ ﴾ (العصر: ۲۱، ۳) ”بے شک انسان ضرور گھٹائے میں ہے“۔ اس خسارے میں تمام انسان داخل ہیں سوائے ان لوگوں کے جو ایمان اور عمل صالح کی صفات، ایک دوسرے کو حق کی وصیت کرنے اور ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرنے کی خوبیوں سے متصف ہیں نیز بھلائی سے محرومی کی حقیقت سے بھی وہ آشنا ہوتے ہیں؛ جس کو بندہ حاصل کرنے کے درپے ہوتا ہے اور اس کا حصول اس کے امکان میں ہوتا ہے۔

كَيْفَ تَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنْتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ۖ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ
کیسے کفر کرتے ہو تم ساتھ اللہ کے؟ حالانکہ تھے تم مردے پس زندہ کیا اس نے تمہیں پھر وہی موت دیا تمہیں پھر وہی زندہ کر دیا تمہیں

ثُمَّ إِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۲۸﴾

پھر اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے

اس آیت میں استفہام تعجب، زجر و توبیخ اور انکار کے معنی میں ہے۔ یعنی تم کیسے اللہ تعالیٰ کا انکار کرتے ہو جو تمہیں عدم میں سے وجود میں لایا اور اس نے تمہیں انواع و اقسام کی نعمتوں سے نوازا پھر وہ تمہارا وقت پورا ہونے پر تمہیں موت دے گا اور قبروں کے اندر تمہیں جزا دے گا پھر قیامت کے برپا ہونے پر تمہیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ پھر تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اور وہ تمہیں تمہارے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ پس جب تم اللہ تعالیٰ کے تصرف میں ہو اس کی تدبیر اور اس کے احسان کے تحت زندگی بسر کر رہے ہو اور تم (دنیا میں) اس کے احکام دینیہ اور اس کے بعد (آخرت میں) اس کے قانون جزا و سزا کے تحت آتے ہو، تب کیا تمہیں یہ لائق ہے کہ تم اس کا انکار کرو؟ کیا تمہارا یہ رویہ ایک بڑی جہالت اور ایک بڑی حماقت کے سوا کچھ اور ہے؟ اس کے برعکس تمہارے لیے مناسب تو یہ تھا کہ تم اس سے ڈرتے، اس کا شکر ادا کرتے، اس پر ایمان لاتے، اس کے عذاب سے خوف کھاتے اور اس کے ثواب کی امید رکھتے۔

هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ۖ ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ

وہی ہے (اللہ) جس نے پیدا کیا تمہارے لیے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب پھر متوجہ ہوا طرف آسمان کی، پس ٹھیک کر کے بنا دیا ان کو

سَبْعَ سَمَاوَاتٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۹﴾

سات آسمان اور وہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○

﴿ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ﴾ ”وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے سب کا سب“ یعنی اس نے تم پر احسان اور رحم کرتے ہوئے تمہارے فائدے، تمہارے تمتع اور تمہاری عبرت کے لیے زمین کی تمام موجودات کو پیدا کیا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمام اشیاء میں اصل

اباحت اور طہارت ہے۔ (یعنی ہر چیز جائز اور پاک ہے) کیونکہ یہ آیت احسان جتلانے کے سیاق میں ہے۔ اس جواز سے تمام ناپاک چیزیں نکل جاتی ہیں اس لیے کہ ان کی حرمت بھی فوائے آیت اور بیان مقصود سے ماخوذ ہے۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کو ہمارے فائدے کے لیے تخلیق فرمایا ہے، لہذا ان میں سے جس کسی چیز میں کوئی نقصان ہے تو وہ اس اباحت سے خارج ہے۔

یہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کاملہ ہے کہ اس نے ہمیں خباث سے منع کیا تاکہ ہم پاکیزہ رہیں۔

﴿ ثُمَّ اسْتَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾ پھر قصد کیا اس نے

آسمان کی طرف، سوٹھیک کر دیا ان کو سات آسمان، اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

کلمہ ”استوی“ کے معانی: استوی قرآن مجید میں تین معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

(۱) کبھی یہ حرف کے ساتھ مل کر متعدی نہیں ہوتا تب یہ ”کمال“ اور ”اتمام“ کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَمَّا بَلَغَ أَشُدَّهُ وَاسْتَوَىٰ ﴾ (الفصص: ۱۴۲۸) ”جب وہ اپنی جوانی کو پہنچا اور کامل جوان ہوا“

(۲) کبھی یہ ارتفاع اور بلند ہونے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب یہ ”علی“ کے ساتھ متعدی ہو۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿ الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَىٰ ﴾ (طہ: ۵۱۲۰) ”رحمن جس نے عرش پر قرار پکڑا۔“ اور ارشاد ہے: ﴿ لَتَسْتَوُوا عَلَىٰ ظُهُورِهِ ﴾ (الزحرف: ۱۳۱۴۳) ”تا کہ تم اس کی پیٹھ پر قرار پکڑو۔“

(۳) اور کبھی یہ ”قصد کرنے“ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اس وقت یہ ”السی“ کے ساتھ متعدی ہوتا ہے جیسا کہ زیر تفسیر آیت میں ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے زمین پیدا کی تو پھر اس نے آسمانوں کی تخلیق کا قصد کیا ﴿ فَسَوَّاهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ ﴾ ”پھر اس نے انہیں ٹھیک سات آسمان بنا دیا“، یعنی آسمانوں کو پیدا کیا ان کو مستحکم اور مضبوط کیا۔ ﴿ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴾ ”اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔“ یعنی ﴿ يَعْلَمُ مَا يَلْبِغُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَاءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا ﴾ (الحديد: ۴۱۵۷) ”جو کچھ زمین میں داخل ہوتا ہے جو کچھ زمین سے نکلتا ہے جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ آسمان میں چڑھتا ہے وہ اسے جانتا ہے۔“ اور ﴿ يَعْلَمُ مَا تُسْرَوْنَ وَمَا تُعْلِنُونَ ﴾ (النحل: ۱۹۱۱۶) ”جو کچھ تم چھپاتے ہو اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو وہ سب جانتا ہے۔“ اور ﴿ يَعْلَمُ السِّرَّ وَالْخَفَىٰ ﴾ (طہ: ۷۱۲۰) ”وہ تمام بھیدوں اور چھپی ہوئی چیزوں کا علم رکھتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر اپنی قدرت تخلیق اور اپنے لیے اثبات علم کو ساتھ ساتھ بیان فرمایا جیسا کہ

اس آیت میں اور ایک دوسری آیت میں بیان فرمایا ہے ﴿ اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللّٰطِيفُ الْخَبِيرُ ﴾ (المملک: ۱۶۷/۱۶۸) ”کیا وہ نہیں جانتا جس نے پیدا کیا“ اور وہ تو تمام پوشیدہ باتوں کو جاننے والا اور باخبر ہے۔“ کیونکہ مخلوقات کو پیدا کرنا اس کے علم و حکمت اور اس کی قدرت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً ۗ قَالُوْۤا اَتَجْعَلُ فِیْهَا

اور (پاکرنا) جب کہا آپ کے رب نے فرشتوں سے یقیناً میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک خلیفہ انہوں نے کہا کیا بناتا ہے تو اس (زمین) میں

مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۗ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۗ قَالَ اِنِّیْ

اسکو جو فساد کرے گا اس میں اور بہائے گا خون؟ اور ہم تسبیح کرتے ہیں ساتھ تیری تعریف کا اور پاکیزگی بیان کرتے ہیں تیری کہا اللہ نے بیشک میں

اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۙ ﴿۲۰﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلٰی الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ

جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے اور سکھائے اس نے آدم کو نام سب کے سب پھر پیش کیا ان کو اور فرشتوں کے اور کہا

اَنْبِئُوْنِیْ بِاَسْمَآءِ هٰۤؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ۙ ﴿۲۱﴾ قَالُوْۤا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۗ

خبر دو مجھے ان (چیزوں) کے ناموں کی اگر ہو تم سچے انہوں نے کہا پاک ہے تو، نہیں علم ہم کو مگر وہی جو سکھایا تو نے ہم کو

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَكِیْمُ ۙ ﴿۲۲﴾ قَالَ یٰۤاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۗ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ

بیشک تو ہی ہے جاننے والا حکمت والا ۙ اللہ نے کہا اے آدم! بتا دے تو ان کو نام ان چیزوں کے پس جب بتا دیئے اس نے ان کو نام ان کے

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا

تو کہا اللہ نے کیا نہیں کہا تھا میں نے تم سے کہ بلاشبہ میں جانتا ہوں چھپی باتیں آسمانوں اور زمین کی اور میں جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے اور جو

كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۙ ﴿۲۳﴾ وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْۤا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْۤا اِلَّاۤ اِبْلِیْسَ ۗ اَبٰی

تھے تم چھپاتے ۙ اور جب کہا ہم نے فرشتوں سے سجدہ کرو تم آدم کو! تو سجدہ کیا سب نے سوائے ابلیس کے اس نے انکار کیا

وَاسْتَكْبَرَ ۙ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِیْنَ ۙ ﴿۲۴﴾

اور تکبر کیا اور تھا وہ کافروں میں سے ۙ

﴿وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً﴾ اور جب آپ کے رب نے فرشتوں

سے کہا میں زمین میں ایک خلیفہ بناؤں گا“ یہ ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کی ابتدا اور ان کی فضیلت کا ذکر ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدم کی تخلیق کا ارادہ کیا تو اس نے فرشتوں کو آگاہ کیا اور فرمایا کہ وہ آدم کو زمین کے اندر خلیفہ بنائے گا۔ اس پر تمام فرشتوں نے کہا: ﴿ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا ﴾ ”کیا تو زمین میں اس کو بنائے گا جو اس میں فساد کرے گا“ یعنی گناہوں کا ارتکاب کر کے زمین پر فساد برپا کرے گا ﴿ وَیَسْفِكُ الدِّمَآءَ ﴾ ”اور خون بہائے گا“ یہ عموم کے بعد تخصیص ہے اور اس کا مقصد قتل کے مفاسد کی شدت کو بیان کرنا ہے۔ اور یہ فرشتوں

کے گمان کے مطابق تھا کہ وہ ہستی جسے زمین میں خلیفہ بنایا جا رہا ہے اس کی تخلیق سے زمین کے اندر فساد ظاہر ہوگا۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی پاکیزگی اور عظمت بیان کرتے ہوئے عرض کی کہ وہ اس طریقے سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کر رہے ہیں جو تمام مفسد سے پاک ہے۔ چنانچہ انہوں نے کہا: ﴿وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ﴾ اور ہم تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں تیری خوبیوں کے ساتھ، یعنی ہم ایسی تزییہ کے ساتھ تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں جو تیری حمد و جلال کے لائق ہے۔ ﴿وَنُقَدِّسُ لَكَ﴾ اس میں ایک معنی کا احتمال یہ ہے کہ ہم تیری تقدیس بیان کرتے ہیں یعنی (نُقَدِّسُ لَكَ) اس صورت میں لام تخصیص اور اخلاص کا فائدہ دے گا۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس کے معنی ہوں۔ (وَنُقَدِّسُ لَكَ اَنْفُسَنَا) ”ہم اپنے آپ کو تیرے لیے پاک کرتے ہیں“ یعنی ہم اپنے نفوس کو اخلاق جمیلہ جیسے محبت الہی، خشیت الہی اور تعظیم الہی کے ذریعے سے پاک کرتے ہیں اور ہم اپنے نفوس کو اخلاق رزیلہ سے بھی پاک کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے کہا: ﴿اِنِّیْ اَعْلَمُ﴾ یعنی میں جانتا ہوں کہ یہ خلیفہ کون ہے۔ ﴿مَا لَا تَعْلَمُوْنَ﴾ جو تم نہیں جانتے کیونکہ تمہارا کلام تو ظن اور گمان پر مبنی ہے جب کہ میں ظاہر و باطن کا علم رکھتا ہوں اور مجھے معلوم ہے کہ اس خلیفہ کی تخلیق سے جو خیر اور بھلائی حاصل ہوگی وہ اس شر سے کئی گنا زیادہ ہے جو اس کی تخلیق میں مضمر ہے اور اس میں یہ بات بھی نہ ہوتی، تب بھی اللہ تعالیٰ کا یہ ارادہ کہ وہ انسانوں میں سے انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کو چنے، اس کی نشانیاں مخلوق پر واضح ہوں اور اس سے عبودیات کی وہ کیفیتیں حاصل ہوں جو اس خلیفہ کی تخلیق کے بغیر حاصل نہ ہو سکتی تھیں، جیسے جہاد وغیرہ ہیں اور امتحان اور آزمائش کے ذریعے سے خیر و شر کی وہ قوتیں ظاہر ہوں جو مکلفین کی فطرت میں پوشیدہ ہیں اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں، دوستوں، اس کے خلاف جنگ لڑنے والوں اور حزب اللہ کے مابین امتیاز ہو اور ابلیس کا وہ شرط ظاہر ہو جو اس کی فطرت میں پوشیدہ ہے اور جس سے وہ متصف ہے۔ تو آدم علیہ السلام کی تخلیق میں یہ حکمتیں ہی اتنی عظیم ہیں کہ ان میں سے چند ایک بھی اس کی تخلیق کے لیے کافی ہیں۔

پھر چونکہ فرشتوں کے قول میں ان کے اس خیال کی طرف اشارہ ہے کہ انہیں اس خلیفہ پر فضیلت حاصل ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ فرشتوں پر آدم کی فضیلت کو واضح کر دے، تاکہ اس کے ذریعے سے وہ آدم کی فضیلت اور اللہ تعالیٰ کے کمال حکمت اور اس کے علم کو جان لیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاءَ كُلَّهَا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام چیزوں کے اسماء اور ان کے مسمی کا علم عطا کر دیا۔ پس اس نے اسے اسم اور مسمی دونوں کی تعلیم دی۔ یعنی الفاظ اور معانی دونوں سکھا دیے۔ یہاں تک کہ اسماء میں سے مکبر اور مصغر کے مابین امتیاز کو بھی واضح کر دیا، مثلاً ”قَصْعَةٌ“ (پیالہ) اور ”قَصِیْعَةٌ“ (چھوٹا سا پیالہ)

﴿ ثُمَّ عَرَضَهُمْ ﴾ یعنی پھر ان مسمیات کو پیش کیا۔ ﴿ عَلَى الْمَلَائِكَةِ ﴾ ”فرشتوں پر“ یعنی فرشتوں کو آ زمانے کے لیے کہ آیا یہ ان مسمیات کو پہچانتے ہیں یا نہیں اور فرمایا: ﴿ فَقَالَ أَنْبِئُونِي بِأَسْمَاءِ هَؤُلَاءِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴾ اگر تم اپنے اس دعوے اور گمان میں سچے ہو کہ تم اس خلیفہ سے افضل ہو تو مجھے ان چیزوں کے نام بتاؤ۔ ﴿ قَالُوا سُبْحَانَكَ ﴾ فرشتوں نے جواب دیا کہ ہم نے تجھ پر جو اعتراض کیا تھا اور تیرے حکم کی مخالفت کا ارتکاب کر بیٹھے۔ اس سے تجھے منزہ اور پاک تسلیم کرتے ہیں۔ ﴿ لَا عَلَمَ لَنَا ﴾ یعنی ہمیں کسی بھی پہلو سے کوئی علم نہیں ﴿ إِلَّا مَا عَنَبْتَنَا ﴾ سوائے اس علم کے جو تو نے اپنے فضل و کرم سے ہمیں عطا کیا ہے۔ ﴿ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ﴾ (الْعَلِيمُ) اس ہستی کو کہا جاتا ہے جس نے اپنے علم کے ذریعے سے ہر چیز کا احاطہ کر رکھا ہو۔ اس کے علم سے کوئی چیز باہر نہ ہو آسمانوں اور زمین میں کوئی ذرہ بھر چیز بھی اس سے پوشیدہ نہ ہو اس ذرے سے بڑی یا اس سے چھوٹی کوئی چیز بھی اس سے چھپی ہوئی نہ ہو۔ (الْحَكِيمُ) اس ہستی کو کہا جاتا ہے جو کامل حکمت کی مالک ہو۔ کوئی مخلوق اس کی حکمت سے باہر نہ ہو اور کوئی مامور اس حکمت سے علیحدہ نہ ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز ایسی پیدا نہیں کی جس میں کوئی حکمت نہ ہو اور نہ کوئی ایسا حکم دیا ہے جو حکمت سے خالی ہو۔ حکمت سے مراد ہے کسی چیز کو اس کے اس مقام پر رکھنا جو اس کے لائق ہے۔ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی حکمت اور علم کا اقرار اور اعتراف کیا اور اس بات کو بھی تسلیم کیا کہ وہ ایک ادنیٰ سی چیز کی معرفت سے بھی قاصر تھے۔ انہوں نے اس حقیقت کا بھی اعتراف کیا کہ ان پر اللہ تعالیٰ نے فضل کیا اور انہیں وہ کچھ سکھایا جو وہ نہ جانتے تھے۔ پس اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ يَا أَدَمُ أَنْبِئْهُمْ بِأَسْمَائِهِمْ ﴾ ”اے آدم! ان کو ان کے ناموں کی خبر دو“ یعنی ان تمام مسمیات کے اسماء کے بارے میں آگاہ کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے سامنے پیش کیا تھا اور فرشتے ان کے نام بتانے سے قاصر رہے۔ ﴿ فَلَمَّا أَنْبَأَهُمُ ﴾ ”جب آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو ان ناموں سے آگاہ کیا“ تو ان پر آدم کی فضیلت ظاہر اور اس کو خلیفہ بنانے میں باری تعالیٰ کی حکمت اور اس کا علم ثابت ہو گیا۔ ﴿ قَالَ أَمْ أَعْلَمُ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ غَيْبِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ﴾ ”اللہ نے فرمایا“ کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی چھپی چیزوں کو جانتا ہوں۔“ غیب سے مراد ہر وہ چیز ہے جو ہم سے اوجھل ہو اور ہم اس کا مشاہدہ نہ کر سکتے ہوں۔ جب وہ غائب چیزوں کا علم رکھتا ہے تو مشہودات کو وہ بدرجہ اولیٰ جانتا ہے۔ ﴿ وَأَعْلَمُ مَا تَبْدُونَ ﴾ یعنی میں جانتا ہوں اس چیز کو جسے تم ظاہر کرتے ہو ﴿ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴾ ”اور جو کچھ تم چھپاتے ہو“

پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کے اکرام و تعظیم اور اللہ تعالیٰ کی عبودیت کے اظہار کے لیے آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ ریز ہوں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کی اور تمام فرشتے اسی وقت سجدے میں گر گئے ﴿ إِلَّا إِبْلِيسَ ابْنِ ﴾ سوائے ابلیس کے اس نے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ اس نے اللہ تعالیٰ

کے حکم کے سامنے تکبر کا اظہار کیا اور آدم عَلَيْهِ السَّلَام سے اپنے آپ کو بڑا سمجھا۔ اس نے تکبر سے کہا: ﴿ءَأَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِينًا﴾ (بنی اسرائیل: ۶۱/۱۷) ”کیا میں ایسے شخص کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے تخلیق کیا ہے۔“ یہ انکار اور استکبار اس کے اس کفر کا نتیجہ تھا جو اس کی سرشت میں پوشیدہ تھا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ اور آدم عَلَيْهِ السَّلَام سے اس کی عداوت ظاہر ہو گئی اور اس کا کفر و استکبار عیاں ہو گیا۔ ان آیات کریمہ سے کچھ نصیحتیں اور کچھ نکات ماخوذ ہوتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کے لیے کلام کا اثبات وہ ہمیشہ سے کلام کرتا رہا ہے وہ جو چاہتا ہے کہتا ہے وہ جو چاہتا ہے کلام کرتا ہے وہ علم والا اور حکمت والا ہے۔

(۲) بندے پر جب بعض مخلوقات اور مامورات میں پوشیدہ اللہ تعالیٰ کی حکمت مخفی رہ جائے تو اس پر سر تسلیم خم کرنا اپنی عقل کو ناقص ٹھہرانا اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کا اقرار کرنا واجب ہے۔

(۳) ان آیات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے معاملے کو اہمیت دی، ان پر احسان عظیم فرمایا، جس چیز کے بارے میں وہ جاہل تھے اس کی انہیں تعلیم دی اور جس کا انہیں علم نہ تھا اس پر انہیں متنبہ فرمایا۔

ان آیات میں مندرجہ ذیل وجوہ سے علم کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔

(الف) اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کو اپنے علم و حکمت کی معرفت عطا کی۔

(ب) اللہ تعالیٰ نے ان کو اس حقیقت سے واقف کرایا کہ آدم عَلَيْهِ السَّلَام کو بر بنائے علم فضیلت حاصل ہے اور علم بندے کی افضل ترین صفت ہے۔

(ج) جب آدم عَلَيْهِ السَّلَام کے علم کی فضیلت واضح اور عیاں ہو گئی تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم عَلَيْهِ السَّلَام کے اکرام و تکریم کے لیے اسے سجدہ کریں۔

(د) کسی اور کو کسی امتحان کے ذریعے سے آزمانا جبکہ اس امتحان میں کچھ لوگ پورے نہ اترے ہوں، پھر امتحان میں پورا اترنے والے صاحب فضیلت سے یہ امتحان لے تو یہ اس شخص سے زیادہ کامل ہے جس سے ابتدا میں امتحان لیا گیا تھا۔

(ه) جن و انس کے والدین کے احوال سے عبرت پذیری، آدم عَلَيْهِ السَّلَام کی فضیلت، اس پر اللہ تعالیٰ کے احسانات اور آدم کے ساتھ اہلیس کی عداوت کا اظہار اور اس جیسی دیگر عبرتیں۔

وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا

اور کہا ہم نے اے آدم! ٹھہر تو اور تیری بیوی جنت میں اور کھاؤ تم دونوں اس میں سے با فراغت جہاں سے چاہو تم اور مت

تَقْرَبًا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۳۵﴾ فَازْلَهْمَا الشَّيْطَانُ عَنْهَا

قریب جانا تم دونوں اس درخت کے پس تم دونوں ہو جاؤ گے ظالموں سے ○ پس پھسلا دیا ان دونوں کو شیطان نے اس سے

فَاخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ ۗ وَقُلْنَا اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ

اور نکلوا دیا اس نے انکو اس (آرام و راحت) سے کہ تھے وہ اکسین اور کہا ہم نے اترو! (یہاں سے) بعض تمہارا بعض کا دشمن ہے

وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۳۶﴾

اور تمہارے لیے زمین میں ٹھکانا ہے اور فائدہ اٹھانا ہے ایک وقت تک ○

﴿ وَفَلْنَا يَادُمْ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجَكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَعَدًا ﴾ اور ہم نے کہا اے آدم! رہ تو اور تیری

بیوی جنت میں اور کھاؤ تم اس سے خوب سیر ہو کر۔ جب اللہ تعالیٰ نے آدم ﷺ کو تخلیق کیا اس کو فضیلت عطا کی تو خود اسی میں سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے اس پر اپنی نعمت کا اتمام کر دیا تاکہ وہ اپنی بیوی کے پاس سکون و راحت اور انس حاصل کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو حکم دیا کہ وہ جنت میں رہیں اور جنت میں مزے سے بے روک ٹوک کھائیں یہیں۔

﴿ حَيْثُ شِئْتُمَا ﴾ یعنی جہاں سے چاہو مختلف اصناف کے پھل اور میوے کھاؤ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِنَّ لَكَ أَلًا

تَجُوعٌ فِيهَا وَلَا تَعْرِى ۚ وَأَنَّكَ لَا تَظْمَأُ فِيهَا وَلَا تَصْحَى ۚ﴾ (ظہ: ۱۱۸، ۱۱۹) ”یہاں تجھے یہ آسانی حاصل ہوگی کہ تو اس میں بھوکا رہے گا نہ عریاں ہوگا۔ نہ تو اس میں پیاسا ہوگا اور نہ تجھے دھوپ لگے گی۔“

﴿ وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ ﴾ اور دونوں اس درخت کے قریب نہ جانا“ یہ جنت کے درختوں میں سے

ایک درخت ہے۔ واللہ اعلم۔ آدم اور اس کی بیوی کو صرف ان کی آزمائش اور امتحان کے لیے یا کسی ایسی حکمت کے تحت اس درخت کے قریب جانے سے روکا گیا تھا جو ہمارے علم میں نہیں۔ ﴿ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴾ ”پس

تم بے انصافوں میں سے ہو جاؤ گے“ یہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ یہاں نبی تحریم کے لیے ہے، کیونکہ اس ممانعت پر عمل نہ کرنے کو ظلم کہا ہے۔ ان کا دشمن (ابلیس) ان کے دلوں میں وسوسے ڈالتا رہا اور اس درخت کے پھل کو تناول کرنے کی خوبیوں کو مزین کر کے انہیں اس پھل کو کھالینے کی ترغیب دیتا رہا حتیٰ کہ وہ انہیں

پھسلانے میں کامیاب ہو گیا۔ ابلیس کی تزئین نے ان کو اس لغزش پر آمادہ کیا۔ ﴿ وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا لَمِنَ

الضَّالِّينَ ﴾ (الاعراف: ۲۱۷) ”اس نے ان دونوں کے سامنے قسم کھائی کہ میں تمہارا خیر خواہ ہوں۔“ چنانچہ وہ دونوں اس کی باتوں میں آ کر دھوکا کھا گئے اور اس کے پیچھے لگ گئے اور اس نے ان دونوں کو نعمتوں اور

آسائشوں کے گھر سے نکال باہر کیا اور ان کو دکھوں، تکلیفوں اور مجاہدے کی سرزمین پر اتار دیا گیا۔

﴿ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ﴾ ”تمہارا ایک دوسرے کا دشمن ہے۔“ یعنی ابلیس اور اس کی ذریت آدم ﷺ اور اولاد

آدم کی دشمن ہوگی اور ہمیں معلوم ہے کہ دشمن اپنے دشمن کو نقصان پہنچانے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ ہر طریقے سے اس کی برائی چاہتا ہے اور ہر طریقے سے اسے بھلائی سے محروم کرنے کے درپے رہتا ہے۔ اس ضمن میں بنی آدم کو شیطان سے ڈرایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا إِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ ﴾ (فاطر: ۶۱۳۰) ”بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تم اسے دشمن ہی سمجھو وہ تو اپنی جماعت کو بلاتا ہے تاکہ وہ جہنم والے بن جائیں۔“ ﴿ أَفَتَتَّخِذُونَهُ وَذُرِّيَّتَهُ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِي وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ بِئْسَ لِلظَّالِمِينَ بَدَلًا ﴾ (الکہف: ۵۰، ۱۸) ”کیا تم اسے اور اس کی اولاد کو میرے سوا اپنا دوست بناتے ہو حالانکہ وہ تمہارے دشمن ہیں؟ اور ظالموں کے لیے بہت ہی برا بدلہ ہے۔“

پھر انہیں زمین پر اتارے جانے کے مقصد سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَلكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ ﴾ یعنی زمین کے اندر تمہارا مسکن اور ٹھکانا ہوگا۔ ﴿ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴾ تمہارا وقت پورا ہونے تک (تم نے اس سے فائدہ اٹھانا ہے) پھر تم اس گھر میں منتقل ہو جاؤ گے جس کے لیے تمہیں اور جسے تمہارے لیے پیدا کیا گیا ہے۔ اس آیت کریمہ میں واضح ہے کہ اس زندگی کی مدت عارضی اور ایک خاص وقت تک کے لیے ہے یہ دنیا حقیقی مسکن نہیں ہے۔ یہ تو ایک راہ گزر ہے جہاں سے اگلے جہان کے لیے زاد راہ حاصل کیا جاتا ہے (دوران سفر) اس راہ گزر میں مستقل ٹھکانا تعمیر نہیں کیا جاتا۔

فَتَلَقَىٰ آدَمَ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۗ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۲۵﴾

پس سیکھ لئے آدم نے اپنے رب سے چند کلمات، پس متوجہ ہوا (اللہ نے اسے معاف کیا) اس پر بیٹک وہی ہے توبہ قبول کرنے والا رحیم و رحوم ۰

آدم علیہ السلام نے (کچھ کلمات) سیکھ لیے اور یاد کر لیے اللہ تعالیٰ نے یہ کلمات آدم کو الہام کیے تھے۔ وہ کلمات یہ تھے ﴿ رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴾ (الاعراف: ۲۳، ۱۷) ”اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو نے ہمیں معاف نہ کیا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم ضرور خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔“ آدم علیہ السلام نے اپنے گناہ کا اعتراف کر کے اللہ تعالیٰ سے اس کی مغفرت کا سوال کیا۔ ﴿ فَتَابَ عَلَيْهِ ۗ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ ﴾ پس اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کر لی اور اس پر رحم فرمایا۔ جو کوئی توبہ کرتا اور اس کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بندوں کی طرف رجوع کرنے کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) سب سے پہلے اللہ تعالیٰ بندے کو توبہ کی توفیق عطا کرتا ہے۔ (۲) پھر جب توبہ کی تمام شرائط پوری ہو جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول کر لیتا ہے۔

﴿ الرَّحِيمِ ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہت ہی رحم کرنے والا ہے۔ ان پر اس کی رحمت یہ ہے کہ اس نے انہیں توبہ کی توفیق سے نوازا اور ان کو معاف کر کے ان سے درگزر فرمایا۔

قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَبِيعًا ۚ فَاَمَّا يٰۤاٰتِيْنَكُمْ مِّنِّيْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا

ہم نے کہا اترو (یہاں سے) تم سب پھر آگے تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت تو جس نے پیروی کی میری ہدایت کی پس نہ کوئی

خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِآٰتِيْنَاۤ اُولٰٓئِكَ

خوف ہو گا ان پر اور نہ وہ غمگین ہی ہونگے ○ اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو یہ لوگ ہیں

اَصْحٰبُ النَّارِ ۗ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۹﴾

دوشتی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

﴿قُلْنَا اهْبِطُوا مِنْهَا جَبِيعًا﴾ ”ہم نے کہا اترو اس سے اکتھے۔“ زمین پر اتارے جانے کا مکر ذکر کیا، تاکہ اس

پر وہ حکم مرتب کیا جائے جس کا ذکر یہاں کیا جا رہا ہے۔ ﴿فَاَمَّا يٰۤاٰتِيْنَكُمْ مِّنِّيْ هُدًى﴾ یعنی اے جن وانس! اگر

تمہارے پاس میری طرف سے کسی وقت اور کسی بھی زمانے میں ہدایت پہنچے یعنی کوئی رسول اور کوئی کتاب آئے

جو اس راستے کی طرف تمہاری راہ نمائی کرے جو تمہیں میرا تقرب عطا کرے میرے اور میری رضا کے قریب

کرے۔ پس جو کوئی میری اس ہدایت کی پیروی کرتے ہوئے میرے رسولوں اور میری کتابوں پر ایمان لائے اور

ان رسولوں کو راہنما بنائے..... اور اس سے مراد ہے کہ وہ تمام انبیاء و مرسلین اور کتب وحی کی دی ہوئی خبر کی تصدیق

کرے، اللہ کے اوامر پر عمل کرے اور اس کی منہیات سے اجتناب کرے۔ تب اس صورت میں ﴿فَلَا خَوْفٌ

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ ”ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔“ ایک دوسرے مقام پر آتا ہے۔

﴿فَمَنْ اتَّبَعَ هٰذَاىَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقٰى﴾ (طہ : ۱۲۳/۲۰) ”جو کوئی میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ

نہ تو گمراہ ہوگا نہ بدبختی میں پڑے گا۔“

پس اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی پیروی پر چار چیزیں مرتب ہوتی ہیں۔

بندے سے حزن و خوف کی نفی۔ حزن اور خوف میں فرق یہ ہے کہ اگر غیر پسندیدہ امر گزر چکا ہو تو وہ دل میں

حزن کا باعث ہوتا ہے اور اگر وہ اس غیر پسندیدہ امر کا منتظر ہو تو یہ خوف پیدا کرتا ہے۔ پس جس کسی نے ہدایت

الہی کی پیروی کی اس سے حزن و خوف دور ہو گئے اور جب اس سے حزن و خوف کی نفی ہو گئی تو ان کی ضد ثابت ہو گئی

اور وہ ہے ہدایت اور سعادت، لہذا جو کوئی بھی اس کی ہدایت کی پیروی کرتا ہے اسے امن، دنیاوی اور اخروی

سعادت اور ہدایت حاصل ہوتی ہے اور ہر تکلیف وہ چیز یعنی حزن و خوف اور ضلالت و شقاوت اس سے دور کر دی

جاتی ہے۔ ہر مرغوب چیز اسے عطا کر دی جاتی ہے اور خوف زدہ کرنے والی چیز اس سے دور ہٹا دی جاتی ہے۔

اس کے برعکس اس شخص کا معاملہ ہوگا جس نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی پیروی نہ کی، پس اس کا انکار کیا اور اس

کی آیات کو جھٹلایا۔ ﴿اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ﴾ ”یہی لوگ جہنمی ہیں“ یعنی جہنم ان کے لیے لازم ہے۔ جیسے

ساتھی دوسرے ساتھی سے اور قرض خواہ مقروض سے چسٹا رہتا ہے۔ ﴿هُم فِيهَا خَالِدُونَ﴾ ”وہ اس جہنم میں ہمیشہ رہیں گے“۔ کبھی اس سے باہر نہیں نکلیں گے جہنم کا عذاب کبھی ان سے کم نہ ہوگا اور نہ ان کو کوئی مدد پہنچے گی۔ ان آیات کریمہ اور ان جیسی دیگر آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مخلوق میں سے تمام جن و انس اہل سعادت اور اہل شقاوت کی اقسام میں منقسم ہیں۔ ان آیات میں دونوں فریقوں کی صفات اور ان اعمال کا ذکر کیا گیا ہے جو سعادت یا شقاوت کے موجب ہیں۔ ان آیات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ ”جن“ ثواب و عقاب کے معاملے میں انسانوں کی طرح ہیں جس طرح وہ ان کی مانند امر و نہی کے مکلف ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنی نعمتوں اور اپنے احسانات کا ذکر شروع کیا۔ فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا اِسْرَائِيْلُ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيْ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوا بِعَهْدِيْ اَوْفِ

اے بنو اسرائیل! یاد کرو تم میری نعمت، وہ جو انعام کی میں نے تم پر اور پورا کرو تم میرا عہد، میں پورا کرونگا

بِعَهْدِكُمْ وَاِيَّايْ فَارْهَبُوْنَ ۝۱۰ وَاٰمِنُوْا بِمَا اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا كُنْتُمْ مَعَكُمْ

تمہارے (ساتھ کیا ہوا) عہد اور مجھ ہی سے ڈرو اور ایمان لاؤ اس پر جو میں نے نازل کیا جبکہ وہ تصدیق کرنے والا ہے اس (کتاب) کی جو تمہارے پاس ہے

وَلَا تَكُوْنُوْا اَوَّلَ كٰفِرِيْنَ بِهٖ ۝۱۱ وَلَا تَشْتَرُوْا بِآيٰتِيْ ثَمٰنًا قَلِيْلًا ۝۱۲ وَاِيَّايْ فَاتَّقُوْنَ ۝۱۳

اور نہ ہو تم پہلے کفر کرنے والے، ساتھ اسکے اور نہ بیچو تم میری آیتوں کو قیمت تھوڑی میں، اور مجھ ہی سے ڈرو

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۴ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ

اور نہ خلط ملط کرو حق کو ساتھ باطل کے اور مت چھپاؤ حق کو درآں حالیکہ تم جانتے ہو اور قائم کرو نماز

وَاَتُوا الزَّكٰوةَ وَاذْكُرُوْا مَعَ الرُّكُوعِ ۝۱۵

اور دو زکوٰۃ اور رکوع کرو ساتھ رکوع کرنے والوں کے

یہاں اسرائیل سے مراد حضرت یعقوب علیہ السلام ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب بنی اسرائیل کے ان گروہوں سے

ہے جو مدینہ اور اس کے گرد و نواح میں آباد تھے۔ اس خطاب میں بعد میں آنے والے اسرائیلی بھی شامل ہیں۔

پس ان کو ایک عام حکم دیا ہے۔ فرمایا: ﴿اذْكُرُوا نِعْمَتِيْ الَّتِيْ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ﴾ ”میری ان نعمتوں کو یاد کرو جو

میں نے تم پر کیں“ ان نعمتوں میں تمام نعمتیں شامل ہیں۔ ان میں سے بعض کا ذکر عنقریب اس سورت میں آئے گا۔

یہاں ان نعمتوں کے یاد کرنے سے مراد دل میں ان نعمتوں کا اعتراف کرنا زبان سے ان کی تعریف کرنا اور جو ارجح

کے ذریعے سے ان نعمتوں کو ایسی جگہ استعمال کرنا ہے جہاں اللہ پسند کرتا ہے اور اس سے راضی ہوتا ہے۔

﴿وَاَوْفُوا بِعَهْدِيْ﴾ یعنی وہ اس عہد کو پورا کریں جو اللہ تعالیٰ نے ان سے لیا ہے کہ وہ اس پر اور اس کے رسولوں

پر ایمان لائیں گے اور اس کی شریعت کو قائم کریں گے۔ ﴿اَوْفِ بِعَهْدِكُمْ﴾ ”میں تم سے کیا ہوا عہد پورا کروں

گا“ یہ ان کے عہد کے پورا کرنے کا بدلہ ہے۔

اس عہد سے مراد وہ عہد ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ذکر کیا ہے: ﴿وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَبْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا لَأُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَا أُدْخِلَنَّكُمْ جَهَنَّمَ تَجْرِبِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ﴾ (المائدہ: ۱۲۱۵) ”اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا اور ان میں سے ہم نے بارہ سردار مقرر کر دیے اور اللہ نے فرمایا کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اگر تم نماز قائم کرتے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے میرے رسولوں پر ایمان لاتے اور ان کی عزت و توقیر کرتے رہو گے اور اللہ کو قرض حسد دیتے رہو گے تو میں تم سے تمہارے گناہ دور کر دوں گا اور تمہیں ایسی جنتوں میں داخل کروں گا جس کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی پھر تم میں سے جس نے اس کے بعد کفر کا ارتکاب کیا وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ اسباب اختیار کرنے کا حکم دیا جو وفائے عہد کے حامل ہیں یعنی اس اکیلے سے خوف کھانا اور ڈرنا، کیونکہ جو کوئی اس سے ڈرتا ہے تو یہ ڈر اس کے احکام کی اطاعت اور اس کے نواہی سے اجتناب کا موجب بنتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک خاص امر کا حکم دیا ہے جس کے بغیر ان کا ایمان مکمل ہوتا ہے نہ اس کے بغیر ایمان صحیح۔ فرمایا: ﴿وَأْمِنُوا بِمَا آنَزَلْتُ﴾ ”اور ایمان لاؤ اس پر جو میں نے نازل کیا۔“ اس سے مراد قرآن مجید ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول محمد ﷺ پر نازل فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ محمد ﷺ پر ایمان لائیں اور ان کی اتباع کریں اور آپ پر ایمان لانے اور اتباع کرنے کا حکم اس کتاب پر بھی ایمان لانے کو مستلزم ہے جو آپ پر نازل کی گئی۔

پھر اس داعی کا ذکر کیا جو انہیں ایمان کی طرف بلاتا ہے۔ فرمایا: ﴿مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ﴾ ”تصدیق کرنے والا ہے ان چیزوں کی جو تمہارے پاس ہیں“ یعنی یہ (قرآن) ان کتابوں کی موافقت کرتا ہے جو تمہارے پاس ہیں یہ ان کے مخالف ہے نہ مناقض۔ پس جب یہ قرآن ان کتابوں کی موافقت کرتا ہے جو تمہارے پاس ہیں اور ان کی مخالفت نہیں کرتا تو پھر تمہارے اس پر ایمان لانے سے کوئی چیز مانع نہیں ہے۔ کیونکہ محمد ﷺ وہی چیز لے کر آئے ہیں جو پہلے رسول لائے تھے، لہذا تم سب سے زیادہ مستحق ہو کہ تم اس پر ایمان لاؤ اور اس کی تصدیق کرو کیونکہ تم اہل کتاب اور اہل علم ہو۔ نیز اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿مُصَدِّقًا لِمَا مَعَكُمْ﴾ میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اگر تم اس پر ایمان نہیں لاؤ گے تو یہ تکذیب خود تمہاری طرف لوٹے گی یعنی تم خود بھی ان کتابوں کے جھٹلانے

والے لٹھرو گے جو تمہارے پاس ہیں۔ اس لیے کہ یہ پیغمبر بھی وہی چیز لے کر آیا ہے جو حضرت موسیٰ، عیسیٰ اور دیگر انبیاء علیہم السلام لے کر آئے، لہذا تمہارا محمد ﷺ کی تکذیب کرنا درحقیقت ان کتابوں کی تکذیب ہے جو تمہارے پاس ہیں۔ نیز اس لیے بھی کہ ان کتابوں میں جو تمہارے پاس ہیں اس نبی کے اوصاف اور نشانیاں بیان ہوئی ہیں اور اس کی بشارت دی گئی جو یہ قرآن لے کر آیا ہے۔ اس لیے اگر تم اس پر ایمان نہیں لاتے تو تم نے گویا ان کتابوں کے بعض احکام کو جھٹلایا جو تمہارے پاس ہیں۔ پس جو کوئی اس کتاب کے کچھ حصے کو جھٹلاتا ہے جو اس کی طرف نازل کی گئی ہے تو وہ تمام کتابوں کو جھٹلاتا ہے۔ جیسے کوئی شخص کسی ایک رسول کا انکار کرتا ہے تو دراصل وہ تمام رسولوں کا انکار کرتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اس رسول پر ایمان لانے کا حکم دیا، تو ان کو ایمان کی ضد یعنی اس کے ساتھ کفر سے روکا اور اس سے ڈرایا۔ فرمایا: ﴿وَلَا تَكُونُوا أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ﴾ یعنی رسول اللہ اور قرآن کی تکذیب کرنے والے پہلے لوگ نہ بنو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿أَوَّلَ كَافِرٍ بِهِ﴾ ”اس کے اولین انکار کرنے والے“ (وَلَا تَكْفُرُوا بِهِ) ”اس کا انکار نہ کرو“ سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ جب وہ اولین کفر کرنے والے ہوں گے تو گویا وہ کفر کی طرف بہت تیزی سے لپکے ہیں اس روئے کے برعکس جو ان کے لیے زیادہ مناسب تھا۔ ان کے اپنے کفر اور انکار کا گناہ تو ان کے ذمہ ہے ہی بعد میں آنے والے ان لوگوں کا گناہ بھی ان کے کندھوں پر ہے جنہوں نے ان کی پیروی کی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس مانع کا ذکر کیا جو ان کو ایمان لانے سے روکتا ہے اور وہ ہے دنیا کے ادنیٰ فوائد کو ابدی سعادت پر ترجیح دینا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ ”میری آیات (میں تحریف کر کے ان) کے عوض حقیر معاوضہ مت لو“ اس سے مراد وہ دنیاوی مناصب اور کھانے پینے کی اشیاء ہیں جن کے بارے میں وہ اس وبہم میں پڑے ہوئے ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لے آئے تو وہ ان چیزوں سے محروم ہو جائیں گے۔ پس انہوں نے ان ادنیٰ چیزوں کو آیات الہی کے بدلے خرید لیا اور ادنیٰ چیزوں کو آیات الہی پر ترجیح دی۔

﴿وَايَايَ فَاتَّقُونِ﴾ ”اور مجھ ہی سے ڈرو“ اور میرے سوا کسی سے نہ ڈرو۔ کیونکہ جب تم صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرو گے تو یہ چیز تم میں تقویٰ اور تھوڑی سی قیمت کے مقابلے میں آیات الہی پر ایمان کو مقدم رکھنے کی موجب ہو گی۔ جیسے جب تم آیات الہی کے بدلے تھوڑی سی قیمت کو پسند کر لیتے ہو تو یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ تمہارے دلوں سے تقویٰ کوچ کر گیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَلْبَسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ﴾ ”اور خلط ملط نہ کرو حق کو باطل کے ساتھ اور نہ چھپاؤ تم حق کو“ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو دو چیزوں سے منع کیا ہے۔ (۱) حق کو باطل میں خلط ملط

کرنے سے۔ (۲) کتمان حق سے۔ اس لیے کہ اہل کتاب اور اہل علم سے مطلوب یہ ہے کہ وہ حق کو میسر کر کے اس کو ظاہر کریں تاکہ ہدایت کے متلاشی حق کے ذریعے سے راہ پائیں اور گم گشتہ راہ لوگ سیدھے راستے کی طرف لوٹ آئیں اور اہل عناد پر حجت قائم ہو جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے اور اپنے دلائل واضح کر دیے تاکہ حق باطل سے بالکل الگ اور ممیز ہو جائے اور مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے۔ پس اہل علم میں سے جو کوئی حق پر عمل پیرا ہوتا ہے وہ انبیاء و مرسلین کا جانشین اور قوموں کا راہ نمابن جاتا ہے اور جو حق کو باطل میں گنڈمڈ کر دیتا ہے، حق کا علم رکھنے کے باوجود حق کو باطل سے ممیز نہیں کرتا اور اس حق کو وہ چھپاتا ہے جسے وہ جانتا ہے اور جس کے اظہار کا اسے حکم دیا گیا ہے تو ایسا شخص جہنم کے داعیوں میں شمار ہوتا ہے، کیونکہ لوگ دین کے معاملے میں اپنے علماء کے سوا کسی کی پیروی نہیں کرتے۔ پس تم ان دو چیزوں میں سے اپنے لیے جو چاہو چن لو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ یعنی (ظاہری اور باطنی طور پر) نماز قائم کرو۔ ﴿وَأَتُوا الزَّكَاةَ﴾ یعنی (مستحقین کو) زکوٰۃ دو۔ ﴿وَأَذْكُرُوا مَعَ الزَّكَاةِ﴾ اور رکوٰۃ کرو رکوٰۃ کرنے والوں کے ساتھ، یعنی نماز پڑھنے والوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھو۔ جب تم نے اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور آیات الہی پر ایمان رکھتے ہوئے ان افعال کو سرانجام دیا تو یقیناً تم نے اعمال ظاہرہ اور اعمال باطنہ کو، معبود کے لیے اخلاص اور اس کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک کو اور عبادات قلبیہ، عبادات بدنیہ اور مالیہ کو جمع کر لیا۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان ﴿وَأَذْكُرُوا مَعَ الزَّكَاةِ﴾ ”رکوٰۃ کرنے والوں کے ساتھ مل کر رکوٰۃ کرو“ کے معنی یہ ہیں کہ نماز پڑھنے والوں کے ساتھ مل کر نماز پڑھو۔ پس اس آیت کریمہ میں باجماعت نماز کا حکم اور جماعت کے وجوب کا حکم ہے اور یہ کہ رکوٰۃ نماز کا رکن ہے کیونکہ یہاں نماز کو رکوٰۃ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اور عبادت کو اس کے کسی جزو سے تعبیر کرنا عبادت میں اس جزو کی فرضیت کی دلیل ہے۔

أَتَاْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۳۷﴾
کیا حکم دیتے ہو تم لوگوں کو نیکی کا اور بھول جاتے ہو اپنے آپ کو حالانکہ تم پڑھتے ہو کتاب، کیا پس نہیں عقل رکھتے تم؟

﴿أَتَاْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ﴾ کیا تم لوگوں کو نیکی (یعنی ایمان اور بھلائی) کا حکم دیتے ہو؟ ﴿وَتَنْسَوْنَ أَنْفُسَكُمْ﴾ ”اور بھول جاتے ہو اپنے آپ کو“، یعنی تم اپنے آپ کو ایمان اور بھلائی کا حکم دینا چھوڑ دیتے ہو۔ ﴿وَأَنْتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ اور تمہارا حال یہ ہے کہ تم کتاب اللہ کی تلاوت کرتے ہو، کیا تم سمجھتے نہیں؟ عقل کو اس لیے عقل کہا جاتا ہے کیونکہ اس کے ذریعے سے فائدہ مند چیز اور بھلائی کا شعور حاصل کیا جاتا ہے اور اس کے ذریعے سے اس چیز سے بچا جاتا ہے جو ضرر رساں ہے، اس لیے کہ عقل انسان کو اس بات پر آمادہ کرتی ہے کہ وہ جس چیز کا حکم دیتا ہے اس پر سب سے پہلے خود عمل کرے اور جس چیز سے روکتا ہے اس کو سب سے پہلے خود ترک کرے۔

پس جو کوئی کسی کو بھلائی کا حکم دیتا ہے اور خود اس پر عمل پیرا نہیں ہوتا یا وہ کسی کو برائی سے روکتا ہے اور خود اسے ترک نہیں کرتا تو یہ چیز اس کی جہالت اور اس کے بے عقل ہونے کی دلیل ہے خاص طور پر جبکہ ایسا شخص اس حقیقت کا علم بھی رکھتا ہو۔ پس اس پر حجت قائم ہوگی۔ ہر چند کہ یہ آیت کریمہ بنی اسرائیل کے معاملے میں نازل ہوئی ہے تاہم اس کا حکم ہر ایک کے لیے عام ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ۚ كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللَّهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾ (الصف : ۲۶۱-۳) ”اے ایمان والو! تم ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کے ہاں بہت بڑی ناراضی کی بات ہے کہ تم ایسی بات کہو جس پر عمل نہ کرو۔“

آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل نہیں ہے کہ انسان جس کام کے کرنے کا حکم دیتا ہے اگر خود اس پر عمل نہیں کرتا تو وہ نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے سے رک جائے کیونکہ یہ آیت دونوں واجبات کی نسبت تو بیخ پر دلالت کرتی ہے۔ ورنہ ہمیں معلوم ہے کہ انسان پر دو امور واجب ہیں۔

(۱) کسی دوسرے کو نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا۔ (۲) خود اپنے آپ کو نیکی پر آمادہ کرنا اور برائی سے رک جانا۔ ان میں سے ایک چیز کو ترک کرنے سے دوسری چیز کو ترک کرنے کی رخصت لازم نہیں آتی۔ کیونکہ کمال یہ ہے کہ انسان دونوں واجبات پر عمل کرے اور نقص یہ ہے کہ وہ دونوں واجبات کو ترک کر دے۔ رہا ان دونوں واجبات میں سے کسی ایک پر عمل کرنا تو یہ رتبہ کمال سے نیچے اور نقص سے اوپر ہے۔ نیز اس کی وجہ یہ ہے کہ نفوس انسانی کی جبلت میں یہ چیز داخل ہے کہ لوگ اس شخص کی اطاعت نہیں کرتے جس کا قول اس کے فعل کے خلاف ہوتا ہے پس وہ عمل سے عاری اقوال کی نسبت افعال کی زیادہ پیروی کرتے ہیں۔

وَاسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ ﴿۱۳۸﴾ الَّذِينَ

اور مدد طلب کرو تم صبر اور نماز کے ذریعے سے اور بلاشبہ وہ بھاری ہے مگر عاجزی کرنیوالوں پر (نہیں) ○ وہ جو

يُظَنُّونَ أَنَّهُمْ مُلْقَوْنَ رَبَّهُمْ وَإِنَّهُمْ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَرْجِعُونَ ﴿۱۳۹﴾ يَبْنِي إِسْرَائِيلَ إِذْ كُرُوا

یقین رکھتے ہیں اس بات کا کہ وہ ملنے والے ہیں اپنے رب سے اور یہ کہ وہ اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ○ بنو اسرائیل! یاد کرو تم

نِعْمَتِي الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَإِنِّي فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۱۴۰﴾ وَاتَّقُوا

میری نعمت، وہ جو انعام کی میں نے تم پر اور یہ کہ فضیلت دی میں نے تم کو جہانوں پر ○ اور ڈرو

يَوْمًا لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ

اس دن سے کہ نہیں فائدہ دے گی کوئی جان کسی جان کو کچھ اور نہ قبول کی جائے گی اس سے کوئی سفارش

وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۱۴۱﴾

اور نہ لیا جائے گا اس سے کوئی بدلہ اور نہ وہ مدد ہی کئے جائیں گے ○

﴿وَأَسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ اور مدد حاصل کرو صبر سے اور نماز سے۔ ”اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا ہے کہ وہ تمام امور میں صبر کی تمام اقسام سے مدد لیں۔ صبر کی اقسام یہ ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر اپنے نفس کو پابند کرنا۔ (۲) اس کی نافرمانی سے اپنے آپ کو روکنا یہاں تک کہ اسے ترک کر دے۔ (۳) اس کی تقدیر پر صبر کرنا اور اس پر ناراضی کا اظہار نہ کرنا۔ ہر معاملے میں صبر کے ذریعے سے بڑی مدد ملتی ہے۔ جو کوئی صبر کرنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے صبر کرنے کی توفیق سے نواز دیتا ہے۔

اسی طرح نماز ہے جو کہ ایمان کی میزان ہے اور فواحش و منکرات سے روکتی ہے۔ ہر معاملہ میں نماز سے مدد ملی جاتی ہے۔ ﴿وَإِنَّهَا﴾ یعنی نماز ﴿لَكَبِيرَةٌ﴾ بہت شاق گزرتی ہے ﴿إِلَّا عَلَى الْخَاشِعِينَ﴾ سوائے ڈرنے والوں کے۔ اس لیے کہ یہ نماز ان پر بہت آسان اور ہلکی ہے کیونکہ خشوع، خشیت الہی اور اللہ تعالیٰ کے ثواب کی امیدان کے لیے شرح صدر کے ساتھ نماز کے قیام کی موجب ہوتی ہے کیونکہ وہ ثواب کی امید کرتے اور عذاب سے ڈرتے ہیں۔ اس کے برعکس جو ثواب کی امید نہیں رکھتا اور عذاب سے نہیں ڈرتا اس کے اندر کوئی ایسا داعیہ موجود نہیں ہوتا جو اسے نماز کی طرف بلائے۔ جب ایسا شخص نماز پڑھتا ہے تو نماز اس کے لیے سب سے بوجھل چیز ہوتی ہے۔ خشوع سے مراد ہے قلب کا اللہ تعالیٰ کے حضور عاجزی کے ساتھ سر اقلندہ ہونا اس کا اللہ تعالیٰ کے پاس پرسکون اور مطمئن ہونا اور اس کے سامنے ذلت و فقر کے ساتھ اس کی ملاقات کی امید پر انکسار کا اظہار کرنا۔

بنابرین اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿الَّذِينَ يَظُنُّونَ﴾ یعنی جو یقین کرتے ہیں ﴿أَنَّهُمْ مُّلاقُوا رَبِّهِمْ﴾ کہ وہ اپنے رب سے ملاقات کریں گے اور وہ ان کو ان کے اعمال کی جزا دے گا۔ ﴿وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ اور یہ کہ وہ اسی کی طرف لوٹیں گے، اس یقین نے ان کے لیے عبادات کو آسان کر دیا ہے۔ یہی یقین مصائب میں ان کے لیے تسلی کا موجب ہوتا ہے، تکالیف کو ان سے دور کرتا ہے اور برے کاموں سے انہیں روکتا ہے۔ پس یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے بلند بالا خانوں میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں ہیں اور جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ملاقات پر ایمان نہیں رکھتا اس کے لیے نماز اور دیگر عبادات سب سے زیادہ شاق گزرنے والی چیزیں ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کی نصیحت کی خاطر اور ان کو برائیوں سے بچانے، نیکیوں پر آمادہ کرنے کے لیے ان پر اپنی نعمتوں کی مکرر یاد دہانی کرائی ہے اور انہیں قیامت کے دن سے ڈرایا ہے کہ ﴿لَا تَجْزِي نَفْسٌ﴾ جس روز کوئی نفس کسی کے کوئی کام نہ آئے گا اگرچہ یہ انبیائے کرام اور صالحین کے نفوس کریمہ ہی کیوں نہ ہوں۔ ﴿عَنْ نَفْسٍ﴾ اگرچہ یہ نفس قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ ﴿شَيْئًا﴾ ”کچھ بھی“ یعنی وہ کم یا زیادہ کوئی کام بھی نہ آسکے گا۔ انسان کو صرف اس کا وہی عمل کام دے گا جو اس نے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کیا ہے۔ ﴿وَلَا يَقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةً﴾ اس نفس کے بارے میں کسی کی سفارش قبول نہ کی جائے گی۔ ہاں شفاعت اس شخص کی قبول ہوگی جس کو اللہ شفاعت کرنے کی اجازت دے گا اور جس کی بابت شفاعت کی اجازت دی جائے گی اس کو بھی وہ پسند کرتا ہوگا

اور اللہ تعالیٰ اس شخص کے اسی عمل کو پسند کرے گا جو صرف اس کی رضا کے لیے اور سنت رسول کے مطابق کیا گیا ہوگا (گویا ہر شخص شفاعت کرنے کا مجاز ہوگا نہ ہر کسی کے لیے شفاعت ہی کی جاسکے گی) ﴿وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ﴾ یعنی اس سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّ لِلَّذِينَ ظَلَمُوا مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَا فِتْنَةٌ لَهُمْ مِنْ سُوءِ الْعَذَابِ﴾ (الزمر: ۴۷/۳۹) ”اگر ان لوگوں کے پاس جنہوں نے ظلم کیا وہ سب کچھ ہو جو زمین میں ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور ہو تو وہ برے عذاب سے بچنے کے لیے اسے فدیہ میں دیں گے“ (مگر ان سے یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا) ﴿وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ﴾ ”اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے“ یعنی ان سے وہ عذاب ہٹایا نہیں جائے گا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس بات کی نفی کر دی کہ وہ کسی بھی پہلو سے قیامت کے روز مخلوق سے فائدہ اٹھا سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿لَا تَجْزِي نَفْسٌ عَنْ نَفْسٍ شَيْئًا﴾ حصول منافع کے بارے میں ہے اور ﴿وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ﴾ دفع مضرت کے بارے میں ہے اور یہی نفی مستقبل میں کسی امر نافع کے بارے میں ہے۔ ﴿وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ﴾ یہ اس نفع کی نفی ہے جو معاوضہ دے کر اس شخص سے طلب کیا جاتا ہے جو اس نفع کا مالک ہو۔ یہ معاوضہ کبھی تو فدیہ ہوتا ہے کبھی اس کے علاوہ سفارش وغیرہ کی صورت میں ہوتا ہے۔ پس یہ چیز بندے پر واجب کرتی ہے کہ وہ مخلوق سے تعلق اور امید کو منقطع کر دے کیونکہ اسے علم ہے کہ مخلوق اسے ذرہ بھر نفع پہنچانے پر قادر نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ سے اپنے تعلق کو جوڑے جو نفع پہنچانے والا اور تکالیف کو دور کرنے والا ہے پس صرف اسی کی عبادت کرے جس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی عبادت پر اسی سے مدد طلب کرے۔

یہاں سے بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا تفصیلاً شمار شروع ہوتا ہے چنانچہ فرمایا:

وَإِذْ نَجَّيْنَاهُ مِنَ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُم سُوءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ
اور جب نجات دی ہم نے تم کو آل فرعون سے وہ دیتے تھے تمہیں سخت عذاب ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے

نِسَاءَكُمْ وَفِي ذَلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿۳۹﴾ وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ

تمہاری بیٹیوں کو اور اس میں آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے بڑی اور جب پھاڑا ہم نے تمہاری وجہ سے سمندر کو

فَإِنجَيْنَاهُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۴۰﴾ وَإِذْ وَعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ

پھر نجات دی ہم نے تمہیں اور غرق کر دیا ہم نے آل فرعون کو اور تم دیکھ رہے تھے اور جب وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے چالیس

لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعَجَلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿۴۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ

راتوں کا پھر بنا لیا تم نے چمڑے کو (معبود) موسیٰ کے (طور پر جانے کے) بعد اور تم ظالم تھے اور پھر معاف کر دیا ہم نے تم کو

مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۴۲﴾ وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ

بعد اس کے شاید کہ تم شکر کرو اور جب دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور (حق و باطل کے درمیان) فرق کرنے والی چیز شاید کہ تم

تَهْتَدُونَ ﴿۵۳﴾ وَاذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ لِقَوْمِهِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمْ

ہدایت پاؤں اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے اے میری قوم! بیشک تم نے ظلم کیا اپنے آپ پر بوجہ بنا لینے تمہارے

الْعَجَلِ فَتَوَبُوا اِلَىٰ بَارِيكُمْ فَاَقْتُلُوا اَنْفُسَكُمْ ط ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِيكُمْ ط

پھرنے کو (معبود) پس توبہ کرتے طرف اپنے پیدا کرنے والے کی اور قتل کر تم اپنے آپکو یہ بہتر ہے تمہارے لیے نزدیک تمہارے پیدا کرنے والے کے

فَتَابَ عَلَيْكُمْ ط اِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ وَاذْ قُلْتُمْ يٰمُوسَىٰ كُنْ نُوْمًا لَّكَ حَتَّىٰ

پھر اللہ توجہ ہوا تم پر بلاشبہ وہی ہے توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا اور جب کہا تم نے اے موسیٰ! ہم ہرگز نہیں ایمان لائیں گے تجھ پر یہاں تک کہ

نَرَىٰ اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذْتُمْ الضُّعْفَةَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِ

دیکھ لیں ہم اللہ کو علانیہ (ماننے) پس پکڑ لیا تم کو بجلی (کے عذاب) نے اور تم دیکھ رہے تھے اور پھر زندہ کیا ہم نے تم کو بعد

مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۶﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّٰنَ وَالسَّلْوٰى ط

تمہاری موت کے شاید کہ تم شکر کرو اور سایہ کیا ہم نے تم پر بادلوں کا اور نازل کیا ہم نے تم پر من اور سلویٰ

كُلُوْا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ط وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يٰظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

کھاؤ تم (ان) پاکیزہ چیزوں سے جو دیں ہم نے تمہیں اور نہیں ظلم کیا انہوں نے ہم پر لیکن تھے وہ اپنے آپ پر ہی ظلم کرتے

﴿ وَاذْ نَجَّيْنَاكُمْ مِنَ آلِ فِرْعَوْنَ ﴾ یعنی فرعون اس کے سرداروں اور اس کی فوجوں سے نجات دی جو انہیں

اس سے قبل ذلت آمیز عذاب میں مبتلا رکھتے تھے ﴿ يَسُوْا مَوْتَكُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ ﴾ وہ دیتے تھے تمہیں سخت عذاب۔

یعنی تمہیں ایذا پہنچاتے اور تم سے کام لیتے تھے ﴿ يَدَّ يَحُوْنَ اٰهْنَاءَكُمْ ﴾ اور وہ یہ کہ تمہارے بیٹوں کو اس خوف سے

ذبح کرتے تھے کہ کہیں تمہاری تعداد بڑھ نہ جائے ﴿ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاءَكُمْ ﴾ اور تمہاری عورتوں کو زندہ رکھتے تھے

یعنی وہ تمہاری عورتوں کو قتل نہیں کرتے تھے پس تمہاری حالت یہ تھی کہ یا تو تمہیں قتل کر دیا جاتا تھا یا تم سے مشقت

کے کام لے کر تمہیں ذلیل کیا جاتا تھا۔ اور تمہیں احسان کے طور پر اور اظہار غلبہ کے لیے زندہ رکھا جاتا تھا۔ یہ

تو جین اور اہانت کی انتہا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں مکمل نجات عطا کر کے اور ان کے آنکھوں دیکھتے ان کے

دشمن کو غرق کر کے ان پر احسان فرمایا۔ تاکہ ان کی آنکھوں کو ٹھنڈک نصیب ہو۔

﴿ وَفِيْ ذٰلِكُمْ ﴾ اور اس میں، یعنی اللہ تعالیٰ کے اس نجات عطا کرنے میں ﴿ بَلَاءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴾

”تمہارے رب کی طرف سے بہت بڑی آزمائش ہے۔“ پس یہ چیز تم پر اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کے احکامات کی

اطاعت کو واجب کرتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے اس احسان کا ذکر فرمایا کہ اس نے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ چالیس راتوں کا

وعدہ فرمایا تھا کہ وہ ان پر تورات نازل کرے گا جو عظیم نعمتوں اور مصالح عامہ کو مضمّن ہوگی۔ پھر وہ اس میعاد کے

مکمل ہونے تک صبر نہ کر سکے چنانچہ انہوں نے حضرت موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ کے چلے جانے کے بعد پچھڑے کی پوجا شروع کر دی۔ ﴿ **وَانتُمْ ظَالِمُونَ** ﴾ اور تم ظالم تھے، یعنی اپنے ظلم کو جاننے والے۔ تم پر حجت قائم ہوگئی۔ پس یہ سب سے بڑا جرم اور سب سے بڑا گناہ ہے، پھر اس نے اپنے نبی موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ کی زبان پر تمہیں توبہ کرنے کا حکم دیا۔ اور اس توبہ کی صورت یہ تھی کہ تم ایک دوسرے کو قتل کرو گے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس سبب سے تمہیں معاف کر دیا۔ ﴿ **لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ** ﴾ شاید کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔

﴿ **وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَرَىٰ اللَّهَ جَهْرَةً** ﴾ اور جب تم نے کہا، اے موسیٰ! ہم ہرگز تیری بات کا یقین نہیں کریں گے یہاں تک کہ ہم اللہ کو سامنے دیکھ لیں، یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مقابلے میں تمہاری جرأت کی انتہا تھی۔ ﴿ **فَاخَذْنَاكُمْ الضُّعْفَةَ** ﴾ پس تمہیں بے ہوشی نے آیا۔ (اس بے ہوشی سے مراد) یا تو موت ہے یا عظیم بے ہوشی ہے۔ ﴿ **وَانتُمْ تَنْظُرُونَ** ﴾ تم اس تمام واقعہ کو دیکھ رہے تھے۔ ہر شخص اپنے ساتھی کو دیکھ رہا تھا۔

﴿ **ثُمَّ بَعَثْنَاكُمْ مِنْ بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ** ﴾ پھر تمہارے مرنے کے بعد ہم نے تمہیں دوبارہ زندہ کیا شاید کہ تم شکر گزار بنو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ان نعمتوں کا ذکر فرمایا جن سے اس نے بنی اسرائیل کو اس بیابان و صحرا میں نوازا جو سائے اور کھانے پینے کی چیزوں کی فراوانی سے خالی تھا۔ فرمایا: ﴿ **وَوَلَدْنَا عَلَىٰكُمْ النُّعْمَاءَ وَانزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّٰنَ** ﴾ پھر ہم نے تم پر بادلوں کا سایہ کیا اور تم پر ”مَنَّ“ نازل کیا۔ ﴿ **الْمَنَّ** ﴾ ہر قسم کے اس رزق کے لیے ایک جامع نام ہے جو بغیر کسی جدوجہد کے حاصل ہوتا ہو مثلاً سونٹھ، کھمبی اور جنبر (روٹی) (ایک قسم کی نباتات) وغیرہ۔ ﴿ **وَالسَّلْوٰی** ﴾ ایک چھوٹا سا پرندہ تھا جسے ”سُمٰنی“ (ایک قسم کی بٹیر) کہا جاتا ہے اس کا گوشت بہت لذیذ ہوتا ہے۔ پس یہ من اور سلوئی اس مقدار میں ان پر اترتے کہ ان کی خوراک کے لیے کافی ہوتے ﴿ **كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ** ﴾ ”ان پاکیزہ چیزوں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں دیں“۔ یعنی ہم نے تمہیں ایسا رزق عطا کیا ہے کہ اس جیسا رزق آسودہ حال شہروں کے باشندوں کو بھی حاصل نہیں۔ مگر انہوں نے اس نعمت کا شکر ادا نہ کیا اور ان کے دلوں کی سختی اور گناہوں کی کثرت بدستور قائم رہی۔

﴿ **وَمَا ظَلَمُونَا** ﴾ یعنی انہوں نے ہمارے احکام کے برعکس مخالف افعال کا ارتکاب کر کے ہم پر ظلم نہیں کیا۔ کیونکہ اہل معاصی کی معصیت اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔ جیسے اطاعت گزاروں کی اطاعت اسے فائدہ نہیں پہنچاتی۔ ﴿ **وَلٰكِنْ كَانُوا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ** ﴾ ”لیکن وہ اپنے ہی نفسوں پر ظلم کرتے تھے“ یعنی اس کا نقصان انہی کی طرف لوٹے گا۔

وَإِذْ قُلْنَا ادْخُلُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ فَلَکُمْ مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَادْخُلُوا
 الْبَابَ سُجَّدًا وَقُولُوا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَکُمْ خَطِیْکُمْ وَسَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۵۸﴾
 دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے اور کوبخشش دے ہمیں، تو معاف کر دیں گے ہم تمہاری خطائیں اور عقرب زیادہ دینگے ہم احسان کرنے والوں کو
 فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ فَأَنْزَلْنَا عَلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوا
 پس بدل دیا ظالموں نے بت کو خلاف اسکے جو کہی گئی تھی ان سے، تو نازل کیا ہم نے اوپر ان لوگوں کے جنہوں نے ظلم کیا
 رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوا یَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾
 عذاب آسمان سے، اس وجہ سے کہ تھے وہ نافرمانی کرتے

یہ بھی ان پر اللہ تعالیٰ کی نعمت ہی تھی کہ ان کی نافرمانی کے بعد بھی اس نے ان کو حکم دیا کہ وہ ایک بستی میں داخل ہو جائیں یہ بستی ان کے لیے باعث عزت، ان کا وطن اور ان کا مسکن ہوگی اور اس بستی میں ان کو وافر اور بے روک نوک رزق ملے گا۔ بستی میں ان کا داخلہ بالفعل خضوع کی حالت میں ہو یعنی وہ بستی کے دروازے میں ﴿سُجَّدًا﴾ سجدے کی حالت میں، گزریں یعنی وہ اس حالت میں دروازے میں داخل ہوں کہ ان پر خشوع و خضوع طاری ہو اور بالقول وہ ﴿حِطَّةٌ﴾ بخشش دے، کہتے ہوئے دروازے میں داخل ہوں یعنی ان کے مغفرت کے سوال پر ان کی خطائیں معاف کر دی جائیں۔

﴿نَّغْفِرْ لَکُمْ خَطِیْکُمْ﴾ تمہارے مغفرت کے سوال کرنے پر ہم تمہاری خطائیں معاف کر دیں گے
 ﴿وَسَنَزِیْدُ الْمُحْسِنِیْنَ﴾ یعنی بھلائی کا کام کرنے والوں کو ہم دنیا و آخرت میں ان کے اعمال کی جزا زیادہ دیں گے۔

﴿فَبَدَّلَ الَّذِیْنَ ظَلَمُوا﴾ یعنی ان لوگوں نے اس قول کو بدل دیا تھا جنہوں نے ان میں سے ظلم کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ﴿فَبَدَّلُوا﴾ ”ان سب نے بدل دیا“ نہیں فرمایا کیونکہ سب لوگ قول کو بدلنے والے نہ تھے ﴿قَوْلًا غَیْرَ الَّذِیْ قِیْلَ لَهُمْ﴾ بات سوائے اس بات کے جو ان سے کہی گئی تھی ”انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی توہین اور اس سے استہزا کرتے ہوئے (حِطَّةٌ) کی بجائے (حِبَّةٌ فِی حِنْطَةٍ) کا لفظ کہا۔ جب ”قول“ کو باوجود اس کے کہ وہ آسان تھا، انہوں نے اسے بدل دیا تو ”فعل“ کو بدلنے کی ان سے بدرجہ اولیٰ توقع کی جاسکتی ہے۔ اس لیے وہ (اللہ تعالیٰ کے حکم کے برعکس) اپنے سرینوں پر گھسٹتے ہوئے دروازے میں داخل ہوئے۔ چونکہ یہ سرکشی اللہ تعالیٰ کے عذاب کے واقع ہونے کا سب سے بڑا سبب تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَأَنْزَلْنَا عَلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوا رِجْزًا﴾ یعنی ان میں سے ظالموں پر عذاب نازل کیا۔ ﴿مِّنَ السَّمَآءِ﴾ یعنی ان کی نافرمانی اور ان کے بغاوت

کے رویہ کے سبب سے (آسمان سے یہ عذاب نازل ہوا)

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ
اور جب پانی مانگا موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے تو ہم نے کہا: مار تو اپنا عصا پتھر کو پس بہہ نکلے اس (پتھر) سے
اِثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرِبَهُمْ كَلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ
بارہ چشمے تھمتین پھان لیا ہر قوم نے گھاٹ اپنا اپنا کھاؤ اور پیو اللہ کے رزق سے
وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٦﴾

اور نہ پھرو تم زمین میں فساد کرتے ہوئے ○

یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے لیے پانی مانگا تاکہ وہ اس پانی کو پینے کے لیے استعمال کر
سکیں۔ ﴿فَقُلْنَا اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ﴾ ”تو ہم نے کہا: اپنی لاشی پتھر پر مار۔“ یہاں (الْحَجَرَ) کے
معرفہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ یا تو یہ کوئی مخصوص پتھر تھا جسے حضرت موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے یا اسم جنس کی بنا پر معرفہ
ہے۔ ﴿فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾ ”پس اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے“ اور بنی اسرائیل کے بھی بارہ
قبیلے تھے۔ ﴿قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرِبَهُمْ﴾ یعنی ہر ایک قبیلے نے اپنی وہ جگہ معلوم کر لی جہاں انہوں نے ان
چشموں سے پانی پینا ہے، تاکہ وہ پانی پیتے وقت ایک دوسرے کے مزاحم نہ ہوں، بلکہ وہ بغیر کسی تکدر کے خوش
گواری کے ساتھ پانی پیئیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كَلُوا وَاشْرَبُوا مِنْ رِزْقِ اللَّهِ﴾ یعنی وہ رزق جو
اللہ تعالیٰ نے تمہیں بغیر کوشش اور جدوجہد کے عطا کیا ہے اس میں سے کھاؤ پیو۔ ﴿وَلَا تَعْتُوا فِي الْأَرْضِ
مُفْسِدِينَ﴾ یعنی فساد پھیلانے کی خاطر زمین کو مت اجاڑو۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَنْ نَصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا
اور جب کہا تم نے اے موسیٰ! ہرگز نہیں صبر کریں گے ہم ایک کھانے پر پس دعا کر ہمارے لیے اپنے رب سے کہ وہ نکالے ہمارے لیے وہ چیزیں
تُنْتِجُ الْأَرْضُ مِنْ بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصِلَهَا قَالَ أَسْتَبْدِلُونَ
کہ اگاتی ہے نشین (یعنی) اپنی ترکاری اور گلزی اور گندم اور مسور اور پیاز، موسیٰ نے کہا: کیا بدلے میں لینا چاہتے ہو تم
الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالذِّي هُوَ خَيْرٌ إِيَّاهُمْ مِمَّا سَأَلْتُمْ وَضُرِبَتْ
اس چیز کو جو ادنیٰ ہے بجائے اس چیز کے جو بہتر ہے؟ آترو! کسی شہر میں پس بیکٹ تمہارے لیے وہی ہے جس کا سوال کیا تم نے اور مسلط کر دی گئی
عَلَيْهِمُ الذَّلِيلَةُ وَالْمَسْكَنَةُ ۗ وَبَاءُوا بِغَضَبِ اللَّهِ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ
ان پر ذلت اور محتاجی اور پھرے وہ ساتھ اللہ کے غضب کے لیے اس لیے ہوا کہ بے شک تھے وہ کفر کرتے

بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ذَلِكُمْ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۶۱﴾

ساتھ اللہ کی آیتوں کے اور قتل کرتے تھے نبیوں کو ناحق، یہ اس سبب سے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور تھے وہ حد سے تجاوز کرتے

تم اس وقت کو بھی یاد کرو جب تم نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے اکتا کر اور ان کو حقیر جانتے ہوئے کہا تھا: ﴿لَنْ نُصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامِهِ وَآجِدُ﴾ یعنی ہم ایک ہی جنس کے کھانے پر صبر نہیں کر سکتے۔ ان کا کھانا جیسا کہ (گزشتہ سطور میں) گزر چکا ہے اگرچہ متعدد انواع کا تھا مگر ان میں تبدیلی نہ ہوتی تھی۔ ﴿فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُثَبِّتُ الْأَرْضَ مِنْ بَقْلِهَا﴾ ”پس تو ہمارے لیے اپنے رب سے دعا کرو وہ نکالے ہمارے لیے وہ جو اگتا ہے زمین سے، سبزی“ یعنی زمین کی نباتات، جن کا شمار تن آور درختوں میں نہیں ہوتا۔ ﴿وَمِمَّا يُخْرِجُ لَنَا مِمَّا نُفْتِنُ مِنْهَا﴾ یعنی بسنی، یعنی مسورا اور پیاز جو کہ معروف ہیں۔ تب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ﴿أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ﴾ ”کیا لینا چاہتے ہو تم وہ چیز جو ادنیٰ ہے، یعنی یہ تمام کھانے کی چیزیں جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ ﴿بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ﴾ ”اس کے بدلے میں جو بہتر ہے“ اس سے مراد ”من وسلوی“ ہے یعنی ایسا کہنا تمہارے لائق نہ تھا۔ اس لیے کہ کھانے کی یہ تمام انواع جن کا تم نے مطالبہ کیا ہے، تم جس کسی شہر میں بھی جاؤ گے وہاں تم کو مل جائیں گی۔ رہا وہ کھانا جس سے تمہیں اللہ تعالیٰ نے نوازا تھا وہ تمام کھانوں سے افضل اور ان سے بہتر ہے۔ پھر تم کیسے ان کھانوں کے بدلے دوسرے (ادنیٰ) کھانوں کا مطالبہ کرتے ہو؟

چونکہ جو کچھ ان کی طرف سے واقع ہوا وہ اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ صبر ان میں بہت ہی قلیل تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی نعمتوں کو حقیر خیال کرتے تھے لہذا اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسا بدلہ دیا جو ان کے اعمال ہی کی جنس میں سے تھا۔ فرمایا: ﴿وَصُوبَتْ عَلَيْهِمُ الذَّلِيلَةُ﴾ ”اور ان پر ذلت مسلط کر دی گئی، یعنی وہ ذلت جس کا ظاہری طور پر ان کے جسموں پر مشاہدہ کیا جاسکتا ہے ﴿وَالْمَسْكَنَةُ﴾ یعنی مسکینی جو ان کے دلوں میں جا گزریں ہو گئی۔ پس ان کی عزت نفس باقی رہی نہ بلند ہمتی بلکہ ان کے نفس ذلیل و خوار اور ان کی ہمتیں پست ترین ہو گئیں ﴿وَبَاءَوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ﴾ ”اور وہ اللہ کے غضب کے ساتھ لوٹے، یعنی وہ غنیمت جسے لے کر کامیابی کے ساتھ واپس لوٹے تھے اس کے سوا کچھ نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے ساتھ لوٹے تھے۔ ان کی غنیمت کتنی بری غنیمت تھی اور ان کی حالت کتنی بری حالت تھی۔

﴿ذَلِكُمْ﴾ وہ رویہ جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کے غضب کے مستحق ٹھہرے ﴿بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ﴾

بِآيَاتِ اللَّهِ ﴿یہ تھا کہ وہ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے، جو حق پر دلالت اور اس کو واضح کرتی تھیں چونکہ انہوں نے ان آیات کا انکار کر دیا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر ان پر اپنا غضب مسلط کر دیا اور اس کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ ﴿وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ ”انبیاء کو ناحق قتل کیا کرتے تھے۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ فعل کی برائی میں اضافہ کے اظہار کے لیے ہے ورنہ یہ تو اچھی طرح معلوم ہے کہ قتل انبیاء کسی بھی صورت میں حق نہیں ہوتا (بنا بریں یہ لفظ استعمال کیا گیا ہے) کہ کہیں وہ اپنی جہالت اور عدم علم کی وجہ سے ایسا نہ سمجھ لیں۔

﴿ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا﴾ یعنی یہ مذکورہ سزا کی وجہ ان کا گناہوں کا ارتکاب تھا ﴿وَكَانُوا يَعْتَدُونَ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر زیادتی کے مرتکب ہوا کرتے تھے۔ کیونکہ گناہ اور معاصی ایک دوسرے کا سبب بنتے ہیں۔ پس غفلت سے گناہ صغیرہ جنم لیتے ہیں پھر ان گناہوں سے گناہ کبیرہ جنم لیتے ہیں پھر کبیرہ گناہوں سے مختلف قسم کی بدعات اور کفر کے رویے پیدا ہوتے ہیں۔ ہم ہر آزمائش سے اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

معلوم ہونا چاہیے کہ ان آیات کریمہ میں خطاب بنی اسرائیل کے ان لوگوں سے ہے جو نزول قرآن کے وقت موجود تھے اور وہ افعال جن کا ذکر اس خطاب میں کیا گیا ہے ان کا ارتکاب ان کے اسلاف نے کیا تھا۔ ان افعال کی نسبت نزول قرآن کے وقت موجود بنی اسرائیل کی طرف متعدد وجوہ کی بنا پر کی گئی ہے۔ مثلاً:

(۱) یہودی اپنے آپ کو پاک سمجھتے تھے اور اپنی تعریف کیا کرتے تھے اور اس زعم میں مبتلا تھے کہ وہ محمد رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان سے افضل ہیں۔ ان کے اسلاف کے ان احوال کے ذریعے سے جو ان کے ہاں بھی مسلمہ تھے اللہ تعالیٰ نے ان سب پر واضح کر دیا کہ وہ صبر، مکارم اخلاق اور بلند پایہ اعمال کے مالک نہیں تھے۔ جب ان کے اسلاف کی حالت یہ تھی۔ اس گمان کے باوجود کہ ان کی حالت بعد میں آنے والوں سے بہتر ہوگی، تو ان یہودیوں کے بارے میں کیا کہا جاسکتا ہے جو قرآن کے براہ راست مخاطب تھے؟

(۲) اللہ تعالیٰ کی جو نعمت متقدمین کو عطا ہوتی ہے وہ متاخرین کو بھی پہنچتی ہے، جو نعمت آباء و اجداد کو عطا ہوتی ہے وہ نعمت درحقیقت اولاد کو عطا ہوتی ہے۔ چونکہ نزول قرآن کے وقت موجود یہودی بھی ان نعمتوں میں شامل تھے اس لیے ان کو خطاب کیا گیا۔

(۳) دوسروں کے افعال کی وجہ سے ان کو مخاطب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ بنی اسرائیل کی امت ایک ایسے دین پر متفق تھی جس میں وہ ایک دوسرے کے ضامن اور ایک دوسرے کے معاون تھے۔ گویا کہ ان کے متقدمین اور متاخرین ایک ہی زمانے کے لوگ ہوں۔ ان میں سے کسی ایک سے کام کا ظاہر ہونا سب کی طرف سے ہے کیونکہ ان میں سے جو کوئی بھلائی کا کام کرتا ہے تو اس بھلائی کا فائدہ سب کو پہنچتا ہے اور ان میں سے جو کوئی برائی کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کا نقصان بھی سب کو اٹھانا پڑتا ہے۔

(۴) متقدمین کے اکثر افعال کا متاخرین میں سے کسی نے انکار نہیں کیا تھا اور معصیت پر رضامندی کا اظہار

کرنے والا معصیت کے مرتکب کے گناہ میں شریک ہے۔ ان کے علاوہ دیگر حکمتیں بھی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

پھر اہل کتاب کے مختلف گروہوں کے درمیان محاکمہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّبِيَّانَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ

بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور جو یہودی ہوئے اور نصاریٰ اور صابئین (ان میں سے) جو بھی ایمان لایا اللہ

وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ

اور یوم آخرت پر اور عمل کیا نیک تو ان کے لیے اجر ہے ان کا پاس ان کے رب کے اور نہ کوئی خوف ہو گا ان پر

وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۵﴾

اور نہ وہ غمگین ہی ہوں گے ○

یہ حکم خاص طور پر اہل کتاب کے لیے ہے، کیونکہ صابئین کے بارے میں صحیح ترین رائے یہ ہے کہ یہ نصاریٰ ہی کا ایک فرقہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ اس امت کے اہل ایمان، یہودی و نصاریٰ اور صابئین میں سے جو کوئی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لایا اور اپنے رسولوں کی تصدیق کی ان کے لیے اجر عظیم اور امن ہے۔ ان پر کسی قسم کا خوف ہو گا نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔ ان میں سے جس کسی نے اللہ تعالیٰ اس کے انبیاء و رسل اور یوم آخرت کا انکار کیا تو ان کا حال مذکورہ بالا لوگوں کے حال کے برعکس ہو گا، پس وہ خوف اور غم سے دوچار ہوں گے۔

(مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں) صحیح مسلک یہ ہے کہ ان فرقوں کے مابین یہ محاکمہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کی نسبت سے نہیں بلکہ ان کی اپنی اپنی حیثیت کے مطابق ہے۔ کیونکہ یہ تو نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل ان کے احوال کی خبر ہے۔ یہ قرآن کا طریقہ ہے۔ جب سیاق آیات کے بارے میں بعض نفوس وہم کا شکار ہو جائیں تو لازمی طور پر وہ کوئی ایسی چیز ضرور پائیں گے جو ان کے وہم کو زائل کر دے۔ کیونکہ یہ کلام ایسی ہستی کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جو اشیاء کے وجود میں آنے سے قبل ہی ان کو جانتی ہے۔ اس کی رحمت ہر چیز پر حاوی ہے۔ اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بنی اسرائیل کا ذکر مذمت کے طور پر کیا ہے اور ان کے گناہوں اور برائیوں کا تذکرہ کیا ہے تو بسا اوقات دل میں خیال پیدا ہوتا ہے کہ اس مذمت میں تمام بنی اسرائیل شامل ہیں۔ اس لیے اللہ نے ایسے لوگوں کے بارے میں واضح کر دیا جو اس مذمت میں شامل نہیں۔ نیز چونکہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کا خاص طور پر ذکر کیا ہے جس سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ باتیں صرف بنی اسرائیل ہی سے متعلق ہیں، لہذا اللہ تعالیٰ نے ایک عام حکم بیان کر دیا جو تمام طوائف کو شامل ہے تاکہ حق واضح اور وہم و اشکال دور ہو جائے۔ پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی کتاب میں ایسی چیزیں

بیان کی ہیں جو عقلوں کو متحیر کر دیتی ہیں۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَكُم بِقُوَّةٍ
اور جب لیا ہم نے پختہ وعدہ تم سے اور بلند کیا ہم نے تم پر طور پہاڑ کو (اور کہا) پکڑو تم اس کو جو دیا ہم نے تمہیں قوت سے
وَادْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۳﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِمَّنْ بَعْدَ ذَلِكَ فَلَوْلَا فَضْلُ
اور یاد رکھو تم جو کچھ اس میں ہے شاید کہ تم متقی بن جاؤ ﴿۱۳﴾ پھر پھر گئے تم بعد اس کے پس اگر نہ ہوتا فضل
اللَّهُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخٰسِرِينَ ﴿۱۴﴾
اللہ کا تم پر اور رحمت اس کی تو ضرور ہو جاتے تم خسارہ پانے والوں میں سے ﴿۱۴﴾

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے اسلاف کے افعال کی وجہ سے ان پر جروتوبخ کا پھر اعادہ کیا ہے۔ فرمایا: ﴿إِذْ
أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ﴾ یعنی وہ وقت یاد کرو جب ہم نے تم سے عہد لیا تھا۔ (ميثاق) سے مراد ایسا پکا عہد ہے جو طور کو
ان کے اوپر معلق کر کے ڈرا اور دباؤ کے ذریعے سے مؤکد کیا گیا تھا اور ان سے کہا گیا تھا: ﴿خُذُوا مَا آتَيْنَكُم﴾
یعنی تورات کو پکڑے رہو ﴿بِقُوَّةٍ﴾ یعنی تورات کو محنت، کوشش اور اللہ تعالیٰ کے اوامر پر صبر و استقامت کے ساتھ
پکڑے رہو۔ ﴿وَادْكُرُوا مَا فِيهِ﴾ یعنی جو کچھ تمہاری کتاب میں ہے اسے سیکھو اور اس کی تلاوت کرو۔
﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ تاکہ تم اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی ناراضی سے بچو، تاکہ تم اہل تقویٰ میں شمار ہو۔ پھر اس
نہایت بلیغ تاکید کے بعد فرمایا: ﴿ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ﴾ یعنی پھر تم نے اس سے اعراض کیا اور یہ روگردانی تمہارے لیے
اللہ تعالیٰ کے سخت ترین عذاب کا باعث بنی۔ ﴿فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخٰسِرِينَ﴾
”لیکن اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم یقیناً خسارے میں پڑ جاتے۔“

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً
اور البتہ تحقیق جان لیا تم نے ان لوگوں کو جنہوں نے زیادتی کی تم میں سے ہفتے (کے دن) میں تو کہا ہم نے ان سے ہو جاؤ تم بندر
خٰسِرِينَ ﴿۱۵﴾ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا
ذیل ﴿۱۵﴾ پس کیا ہم نے اس (واقعے) کو عبرت ان لوگوں کیلئے جو اسکے سامنے (موجود) تھے اور جو اسکے پیچھے (آئیوالے) تھے
وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۱۶﴾
اور (کیا) نصیحت متقی لوگوں کیلئے ﴿۱۶﴾

یعنی تمہارے نزدیک ان لوگوں کی حالت ثابت ہو گئی ہے ﴿الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ﴾ جنہوں
نے تم میں سے ہفتے کے روز زیادتی سے کام لیا تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کا مبسوط اور مفصل قصہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ
اعراف میں بیان کیا ہے:

﴿ وَسَأَلْتَهُم عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ إِذْ تَأْتِيهِمْ جِئَتَانُهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرْعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ كَذَلِكَ نَبِّئُوهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُونَ قَوْمًا اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَدِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا ۝ قَالُوا مَعذَرَةٌ إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ۝ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ أَنْجَبْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَدَابِ بَئِيسٍ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ۝ ﴾
(الاعراف: ۱۶۳/۱۶۵-۱۶۷)

”اور آپ ان لوگوں سے اس بستی والوں کا جو کہ دریائے (شور) کے قریب آباد تھے اس وقت کا حال پوچھیے! جب کہ وہ ہفتہ کے بارے میں حد سے نکل رہے تھے جب کہ ان کے ہفتہ کے روز تو ان کی مچھلیاں ظاہر ہو ہو کر ان کے سامنے آتی تھیں اور جب ہفتہ کا دن نہ ہوتا تو ان کے سامنے نہ آتی تھیں۔ ہم ان کی اس طرح پر آزمائش کرتے تھے اس سبب سے کہ وہ بے حکمی کیا کرتے تھے اور جب کہ ان میں سے ایک جماعت نے یوں کہا کہ تم ایسے لوگوں کو کیوں نصیحت کرتے ہو جن کو اللہ بالکل ہلاک کرنے والا ہے یا ان کو سخت سزا دینے والا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ تمہارے رب کے روبرو عذر کرنے کے لیے اور اس لیے کہ شاید یہ ڈر جائیں۔ سو جب وہ اس کو بھول گئے جو ان کو سمجھایا جاتا تھا تو ہم نے ان لوگوں کو تو بچا لیا جو اس بری عادت سے منع کیا کرتے تھے اور ان لوگوں کو جو کہ زیادتی کرتے تھے ایک سخت عذاب سے پکڑ لیا اس وجہ سے کہ وہ بے حکمی کیا کرتے تھے۔“

اس گناہ عظیم نے ان پر اللہ تعالیٰ کا غضب واجب کر دیا۔ ﴿قِرْدَةً خَاسِئِينَ﴾ اور ان کو حقیر اور ذلیل بندر بنا دیا اور اللہ تعالیٰ نے اس سزا کو ان قوموں کے لیے ﴿نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا﴾ عبرت بنا دیا جو اس وقت وہاں موجود تھیں اور اس زمانے کی وہ قومیں جن تک یہ خبر پہنچی ﴿وَمَا خَلَفَهَا﴾ اور ان قوموں کے لیے جو ان کے بعد آئیں تاکہ بندوں پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو اور وہ گناہوں سے باز آ جائیں مگر یہ نصیحت صرف اہل تقویٰ کے کام آتی ہے۔ ان کے علاوہ دیگر لوگ اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے فائدہ نہیں اٹھاتے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَذْبَحُوا بَقَرَةً قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا

اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے، بیشک اللہ حکم دیتا ہے تمہیں یہ کہ ذبح کرو تم ایک گائے، انہوں نے کہا کیا بنانا ہے تو ہمیں ہڑواٹ قال اَعُوذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۶۵﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ ہنسی مذاق؟ موسیٰ نے کہا پناہ میں آتا ہوں میں اللہ کی اس بات سے کہ جو جاؤں میں جاہلوں سے انہوں نے کہا دعا کرو ہمارے لیے اپنے رب سے؛ یُبَيِّنُ لَنَا مَا هِيَ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِصٌ وَلَا يَكَرُّهُ وہ بیان کرے ہمارے لیے کسی ہے وہ گائے؟ کہا موسیٰ نے بلاشبہ اللہ کہتا ہے کہ بیشک وہ ایک گائے ہے نہ بوڑھی اور نہ بچی

عَوَانٌ بَيْنَ ذَلِكَ فَافْعَلُوا مَا تُؤْمَرُونَ ﴿۵۹﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ

اوسط عمر کی ہے درمیان اسکے، پس کرو وہ جو تم حکم دیئے جاتے ہو انہوں نے کہا 'دعا کرو تو ہمارے لیے اپنے رب سے بیان کرے وہ

لَنَا مَا لَوْهَا ط قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقْرَةٌ صَفْرَاءٌ فَاقْع لَوْهَا تَسُرُّ

ہمارے لیے کیسا ہے رنگ اسکا؟ کہا موسیٰ نے 'اللہ فرماتا ہے بلاشبہ وہ ایک گائے ہے زرد رنگ کی خوب گہرا ہے رنگ اسکا خوش کرتی ہے

الظَّيْبِينَ ﴿۶۰﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَنَا مَا هِيَ ۚ إِنَّ الْبَقْرَ تَشْبَهُ

دیکھنے والوں کو انہوں نے کہا 'دعا کرو ہمارے لیے اپنے رب سے بیان کرے وہ ہمارے لیے کس قسم کی ہے وہ گائے؟ بیشک وہ گائے مشابہ ہو گئی ہے

عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَكَاهِنُونَ ﴿۶۱﴾ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقْرَةٌ لَا

ہم پر اور یقیناً ہم اگر چاہا اللہ نے تو ضرور راہ پائیں گے (موسیٰ نے) کہا 'بیشک اللہ فرماتا ہے کہ بلاشبہ وہ ایک گائے ہے نہیں ہے

ذُلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَا شِيَةَ فِيهَا ط قَالُوا لَئِن

مخت کرنے والی کہ (بذر جریل) پھاڑتی ہو زمین کو اور نہیں سیراب کرتی کھیتی کو بے عیب ہے نہیں ہے کوئی داغ دھبہ اس میں انہوں نے کہا اب

جِئْتِ بِالْحَقِّ ط فَذَبْحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿۶۲﴾ وَإِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادْرَأْتُمْ

لایا ہے تو حق پس ذبح کیا انہوں نے اسکو اور نہ قریب تھے وہ کہ (ذبح) کرتے اور جب قتل کیا تم نے ایک نفس کو پھر جھگڑا کیا تم نے

فِيهَا ط وَاللَّهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ ﴿۶۳﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوهُ بِبَعْضِهَا ط كَذَلِكَ

اس کی بابت اور اللہ ظاہر کرے گا اسکو جسے تم چھپاتے پس کہا ہم نے 'مارو تم اس مردے کو ایک ٹکڑا اس (گائے) کا اس طرح

يُحْيِي اللَّهُ الْمَوْتَى وَيُرِيكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۶۴﴾ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ

زندہ کریگا اللہ مردوں کو اور وہ دکھاتا ہے تمہیں نشانیاں اپنی (قدرت کی) تاکہ تم سمجھو پھر سخت ہو گئے دل تمہارے

مِّنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً وَإِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا

بعد اس کے پس ہیں وہ مانند پتھروں کے یا (ان سے بھی) زیادہ سخت اور تحقیق کچھ پتھر البتہ وہ ہیں کہ

يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْبَاءُ ط وَإِنَّ

پھوٹی ہیں ان سے نہریں اور بلاشبہ کچھ ان میں سے البتہ وہ ہیں کہ پھٹ پڑتے ہیں پس نکلتا ہے ان سے پانی اور تحقیق

مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ط وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۶۵﴾

کچھ ان میں سے البتہ وہ ہیں کہ گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے اور نہیں اللہ غافل اس سے جو تم عمل کرتے ہو

ان واقعات کو یاد کرو جو تمہارے اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان وقوع پذیر ہوئے۔ جب تم نے ایک شخص کو قتل کر

دیا تھا اور اس کے قاتل کے بارے میں آپس میں اختلاف کرنا اور قتل کو ایک دوسرے پر ڈالنا شروع کر دیا حتیٰ کہ تم

نے معاملے کو بہت بڑھا دیا اور اگر اللہ تعالیٰ کی توضیح نہ ہوتی تو قریب تھا کہ تم ایک بڑے شر اور فساد میں مبتلا ہو

جاتے۔ حضرت موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ نے قاتل کو تلاش کرنے کے لیے تمہیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ تم پر فرض تھا کہ تم فوراً اس کے حکم کی تعمیل کرتے اور اس پر کسی قسم کا اعتراض نہ کرتے مگر ہوا یہ کہ تم نے حضرت موسیٰ کا حکم ماننے سے انکار کر دیا اور اعتراض کرنے لگے اور کہنے لگے: ﴿ **اتَّخِذْنَا هٰذٰوًا** ﴾ ”کیا تو ہمارے ساتھ مذاق کرتا ہے“۔ اللہ کے نبی نے فرمایا: ﴿ **اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ** ﴾ ”میں اللہ کی پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہل بنوں“۔ کیونکہ جاہل ہی ایسی بات کیا کرتا ہے جس کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا اور وہی لوگوں کا تمسخر اڑایا کرتا ہے۔ عقلمند شخص یہ سمجھتا ہے کہ اپنے جیسے کسی آدمی کا مذاق اڑانا عقل و دین کا سب سے بڑا عیب ہے۔ اگرچہ اسے اس آدمی پر فضیلت ہی کیوں نہ حاصل ہو۔ یہ فضیلت تو تقاضا کرتی ہے کہ وہ اپنے رب کا شکر کرے اور اس کے بندوں کے ساتھ شفقت سے پیش آئے۔

جب حضرت موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ نے ان سے یہ کہا تو انہیں معلوم ہو گیا کہ یہ سچ ہے۔ کہنے لگے ﴿ **ادْعُ لَنَا رَبَّكَ** **يُبَيِّنُ لَنَا مَا هِيَ** ﴾ ”اپنے رب سے دعا کر کہ وہ بیان کرے کہ وہ کیا ہے؟“، یعنی اس گائے کی عمر وغیرہ کیا ہے ﴿ **قَالَ اِنَّهُ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقْرَةٌ لَا فَاْرِضٌ** ﴾ ”موسیٰ نے کہا: اللہ کہتا ہے وہ ایسی گائے ہے جو بوڑھی نہیں ہے“ ﴿ **فَاْرِضٌ** ﴾ یعنی بڑی ﴿ **وَلَا يَكُوْرُ** ﴾ اور نہ ہی زیادہ چھوٹی۔ ﴿ **عَوَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ فَاَفْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ** ﴾ ان مذکورہ دو عمروں کے درمیان متوسط عمر کی ہو۔ پس وہ کام کرو جس کا حکم دیا جاتا ہے، تشدد اور تکلف کو چھوڑ دو۔ ﴿ **قَالُوْا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنُ لَنَا مَا لَوْثَهَا قَالَ اِنَّهُ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقْرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقْعِ لَوْثَهَا** ﴾ ”انہوں نے کہا: اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کر کہ وہ اس کا رنگ بیان کرے۔ موسیٰ نے کہا: اللہ کہتا ہے وہ گائے ہے زرد رنگ کی، خوب گہرا ہے رنگ اس کا“، یعنی خالص زرد رنگ۔ ﴿ **تَسْرُّ النَّظْرِيْنَ** ﴾ یعنی اپنی خوبصورتی کی وجہ سے دیکھنے والوں کو بھلی لگے۔

﴿ **قَالُوْا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنُ لَنَا مَا هِيَ اِنَّ الْبَقْرَ تَشْبَهُ عَلَيْنَا** ﴾ ”انہوں نے کہا: اپنے رب سے ہمارے لیے دعا کر کہ وہ بیان کرے کہ وہ کیا ہے کیونکہ گائے ہم پر مشتبہ ہوگئی ہے۔“، یعنی ہمیں معلوم نہیں کہ آپ کوئی گائے چاہتے ہیں ﴿ **وَاِنَّا اِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَكٰهْتَدُوْنَ** ﴾ ”اور اگر اللہ نے چاہا تو ہم ہدایت والے ہو جائیں گے۔“ ﴿ **قَالَ اِنَّهُ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقْرَةٌ لَا ذَلُوْلٌ** ﴾ ”آپ نے فرمایا کہ اللہ کا فرمان ہے کہ وہ گائے کام کرنے والی نہ ہو۔“ یعنی وہ (کھیتی باڑی کے کاموں میں جت کر) کمزور اور مطیع نہ ہو ﴿ **تُشِيْرُ الْاَرْضَ** ﴾ ”جو ترقی ہو وہ زمین کو“، یعنی اس سے زمین میں ہل نہ چلایا جاتا ہو ﴿ **وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ** ﴾ ”نہ پانی دیتی ہو کھیتی کو“ یعنی نہ وہ رہٹ میں جتنے والی ہو۔ ﴿ **مُسْلِمَةٌ** ﴾ ہر قسم کے عیب سے پاک ہو اور اس سے کسی قسم کا کام نہ لیا جاتا ہو۔ ﴿ **لَا شِيْءَ فِيْهَا** ﴾ ”اس میں کوئی داغ نہ ہو“، یعنی جس رنگ کا گزشتہ سطور میں ذکر ہو چکا ہے اس کے علاوہ اس میں کسی دوسرے رنگ کا کوئی نشان نہ ہو۔

﴿ قَالُوا لَنْ نَجِدَ بِالْحَقِّ ﴾ ”انہوں نے کہا: اب لایا تو ٹھیک بات“ یعنی اب تو نے گائے کے بارے میں واضح طور پر بیان کیا ہے۔ یہ ان کی جہالت تھی ورنہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے سامنے پہلی ہی مرتبہ حق بیان کر دیا تھا۔ اگر وہ کوئی بھی گائے پیش کر دیتے تو مقصد حاصل ہو جاتا مگر انہوں نے کثرت سوال کے ذریعے سے تشدد اور تکلف کی راہ اپنائی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر سختی کی۔ نیز اگر انہوں نے ”ان شاء اللہ“ نہ کہا ہوتا تب بھی وہ مطلوبہ گائے تک نہ پہنچ سکتے۔

﴿ فَذَبَحُوهَا ﴾ یعنی انہوں نے اس گائے کو ذبح کر ہی ڈالا جس کے یہ اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔ ﴿ وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴾ ان کے تشدد اور تکلف کی وجہ سے جس کا وہ اظہار کر رہے تھے، نظر نہیں آتا تھا کہ وہ گائے ذبح کریں گے۔

جب انہوں نے گائے ذبح کر ڈالی تو ہم نے ان سے کہا کہ گائے کا ایک عضو اس مقتول کو لگاؤ۔ اس سے مراد کوئی معین عضو ہے یا کوئی سا بھی عضو؟ اس کے تعین کا کوئی فائدہ نہیں۔ بس انہوں نے گائے کے کسی حصے کو مقتول کے ساتھ لگایا تو اللہ تعالیٰ نے اسے زندہ کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو ظاہر کر دیا جسے وہ چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں باخبر کر دیا کہ قاتل کون ہے۔ ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا اس مقتول کو دوبارہ زندہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے مردوں کو زندہ کرے گا۔ ﴿ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴾ شاید کہ تم عقل سے کام لو اور ان کاموں سے رک جاؤ جو تمہارے لیے نقصان دہ ہیں۔

﴿ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ ﴾ یعنی پھر تمہارے دل بہت سخت ہو گئے، ان پر کسی قسم کی نصیحت کارگر نہیں ہوتی تھی۔ ﴿ قَبْلَ ذَلِكَ ﴾ یعنی اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں عظیم نعمتوں سے نوازا اور تمہیں بڑی بڑی نشانیوں کا مشاہدہ کرایا۔ حالانکہ اس کے بعد تمہارے دلوں کا سخت ہو جانا مناسب نہ تھا کیونکہ تم نے جن امور کا مشاہدہ کیا تھا وہ رقتِ قلب اور اس کے مطیع ہونے کے موجب ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے دلوں کی سختی کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ كَالْجَارِ قَوْمٍ ﴾ یعنی وہ سختی میں ”پتھر کی مانند ہیں“ جو لوہے سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے، کیونکہ فولاد ہو یا سیسہ جب اسے آگ میں پگھلایا جائے تو پگھل جاتا ہے بخلاف پتھر کے جو آگ میں بھی نہیں پگھلتا ﴿ أَوْ أَشَدُّ قَسْوَةً ﴾ ”یا اس سے بھی زیادہ سخت“ یعنی ان کے دلوں کی سختی پتھروں کی سختی سے کم نہیں۔ یہاں ”او“ (بل) کے معنی میں نہیں ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پتھروں کو ان کے دلوں پر فضیلت دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَإِنَّ مِنَ الْجَارِ لَمَّا يَنْفَجَرُ مِنْهُ الْأَنْهَارُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَّا يَنْشَقُّ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَإِنَّ مِنْهَا لَمَّا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللَّهِ ﴾ کیونکہ ”بعض پتھروں سے تو نہریں بہہ نکلتی ہیں اور بعض پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے اور بعض اللہ

کے ڈر سے گر پڑتے ہیں، یعنی ان تمام مذکورہ امور کی وجہ سے پتھر تمہارے دلوں سے بہتر ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو سخت وعید سناتے ہوئے کہا: ﴿وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾ یعنی وہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں بلکہ وہ تمہارے اعمال کو پوری طرح جانتا ہے، وہ تمہارے ہر چھوٹے بڑے عمل کو یاد رکھنے والا ہے اور وہ عنقریب تمہیں تمہارے ان اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا۔

معلوم ہونا چاہیے کہ بہت سے مفسرین رحمۃ اللہ علیہم نے اپنی تفاسیر کو بنی اسرائیل کے قصوں سے لبریز کر رکھا ہے۔ وہ آیات قرآنی کو اسرائیلیات پر پیش کرتے ہیں اور ان کے مطابق کتاب اللہ کی تفسیر کرتے ہیں اور وہ اپنے اس موقف پر رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان سے استدلال کرتے ہیں «حَدِّثُوا عَنِّي بَنِي إِسْرَائِيلَ وَلَا حَرَجَ»^① ”بنی اسرائیل سے روایت کرو اس میں کوئی حرج نہیں“۔ اس بارے میں میری رائے یہ ہے کہ اگرچہ ایک پہلو سے بنی اسرائیل کی روایت نقل کرنے میں کوئی حرج نہیں مگر اس سے مراد یہ ہے کہ ان روایات کو الگ اور غیر مقرون (قرآن کی تفسیر کے ساتھ ملائے بغیر) بیان کیا جاسکتا ہے۔ ان کو کتاب اللہ پر پیش کر کے کتاب اللہ کی تفسیر بنانا قطعاً جائز نہیں جب کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے صحیح سند سے ثابت نہ ہو۔ یہ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے ارشاد کے مطابق ان روایات کا مرتبہ صرف یہ ہے «لَا تُصَدِّقُوا أَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تَتَّبِعُوا هُمُومًا»^② ”تم اہل کتاب کی تصدیق کرو نہ تکذیب“۔ جب ان روایات کا مرتبہ یہ ہے کہ ان کی صحت مشکوک ہے اور ضروریات دین کے طور پر یہ چیز بھی ہمیں معلوم ہے کہ قرآن مجید پر ایمان لانا اور اس کے الفاظ و معانی پر قطعی یقین رکھنا فرض ہے، لہذا ان مجہول روایات کے ذریعے سے منقول قصے کہانیوں کو جن کے بارے میں غالب گمان یہ ہے کہ یہ جھوٹی ہیں یا ان میں سے اکثر جھوٹی ہیں یقین کے ساتھ قرآن کے معانی قرار دینا ہرگز جائز نہیں۔ اس بارے میں کسی کو شک میں نہیں رہنا چاہیے۔ اس اصول سے غفلت کے سبب سے بہت سا خمیازہ بھگتنا پڑا ہے۔ واللہ الموفق۔

اَفْتَطَعُونَ اَنْ يُؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ يَسْعَوْنَ كَلِمَ اللّٰهِ
کیا پس تم (اے مسلمانو!) طمع رکھتے ہو کہ وہ ایمان لے آئیں گے تمہارے لیے حالانکہ تھا ایک فریق ان میں سے وہ سنتے تھے کلام اللہ کا
تَمَّ يَحْرِفُوْنَهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَاِذَا لَقُّوْا
پھر وہ تحریف کر دیتے تھے اس میں بعد اس کے کہ وہ سمجھ لیتے تھے اس (کلام) کو اور وہ جانتے تھے اور جب وہ ملتے ہیں
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْا اٰمَنَّا بِحَيِْۤٔ وَاِذَا خَلَاۤ بِعَضُّهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْا
ان لوگوں سے جو ایمان لائے تو کہتے ہیں ایمان لائے ہیں ہم بھی اور جب علیحدہ ہوتا ہے بعض انکا بعض کی طرف تو کہتے ہیں

① سنن ابی داؤد، العلم، باب الحدیث عن بنی اسرائیل، حدیث: ۳۶۶۲۔

② صحیح بخاری، التفسیر، باب قولوا آمنا باللہ وما انزل الینا، حدیث: ۴۴۸۵۔

أَتَّحِدُوا نُونَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَاجُّوكُمْ بِهِ عِنْدَ رَبِّكُمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿۵۹﴾

کیا تم بیان کرتے ہو ان سے، جو کھولا اللہ نے تم پر تاکہ وہ غالب آجائیں تم پر اسکے ساتھ نزدیک تمہارے رب کے؟ کیا نہیں تم سمجھتے؟

أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ ﴿۶۰﴾ وَمِنْهُمْ أُمِّيُونَ

کیا وہ نہیں جانتے کہ بے شک اللہ جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں اور جو ظاہر کرتے ہیں؟ اور کچھ ان میں سے ان پڑھ ہیں

لَا يَعْلَمُونَ الْكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيٍّ وَإِنَّهُمْ إِلَّا يَظُنُّونَ ﴿۶۱﴾

نہیں جانتے وہ کتاب کو سوائے آرزوؤں کے اور نہیں ہیں وہ مگر صرف گمان کرتے

یہاں اہل کتاب کے ایمان لانے کے بارے میں اہل ایمان کی امیدوں کو ختم کر دیا ہے کہ تم ان کے ایمان کی امید نہ رکھو۔ ان کے اخلاق ایسے ہیں جو ان کے ایمان کی امید کے متقاضی نہیں، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو سمجھ کر اور جان بوجھ کر اس کے معانی میں تحریف کرتے ہیں۔ پس وہ اس کے لیے ایسے معانی اور مفہم وضع کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہیں تاکہ لوگ اس وہم میں مبتلا ہوں کہ یہ مفہم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ حالانکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہرگز نہیں۔ پس جب ان کی اس کتاب کے بارے میں یہ حالت ہے جسے وہ اپنے لیے باعث شرف اور اپنا دین قرار دیتے ہیں اور اس کتاب کے ذریعے سے وہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ تب ان سے کیونکر یہ امید رکھی جاسکتی ہے کہ وہ تم پر ایمان لائیں گے۔ یہ بعید ترین چیز ہے۔

پھر اہل کتاب کے منافقین کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا﴾ ”جب وہ ایمان والوں کو ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔“ یعنی انہوں نے اپنی زبان سے ان کے سامنے اپنے ایمان کا اظہار کیا جو ان کے دلوں میں نہیں ہے۔ ﴿وَإِذَا خَلَا بِبَعْضِهِمْ إِلَىٰ بَعْضٍ﴾ یعنی جب وہ خلوت میں ہوتے ہیں اور انکے ہم مذہبوں کے سوا ان کے پاس کوئی اور نہیں ہوتا تو وہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں: ﴿أَتَّحِدُوا نُونَهُمْ﴾ ”کیا تم ان کو وہ باتیں بیان کرتے ہو جو اللہ نے تم پر کھولی ہیں؟“ یعنی کیا تم ان کے سامنے اپنے ایمان کا اظہار کرتے ہو اور انہیں بتاتے ہو کہ تم ان کی مانند ہو؟ پس یہ چیز ان کے لیے تمہارے خلاف حجت بن جائے گی۔ وہ (یعنی اہل ایمان) کہیں گے کہ انہوں نے اقرار کیا کہ اہل ایمان حق پر ہیں اور جس پر وہ ہیں وہ باطل ہے۔ پس اہل ایمان اپنے رب کے پاس تمہارے خلاف دلیل دیں گے ﴿أَفَلَا تَعْقِلُونَ﴾ ”کیا پس تم سمجھتے نہیں؟“ وہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ کیا تم عقل سے عاری ہو کہ تم ان کے پاس وہ چیز چھوڑ رہے ہو جو تمہارے خلاف حجت ہوگی؟

﴿أَوَلَا يَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّونَ وَمَا يُعْلِنُونَ﴾ ”کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ جانتا ہے جو وہ

چھپاتے اور ظاہر کرتے ہیں؟“ ہر چند کہ وہ اپنے ان عقائد کو چھپاتے ہیں جو ان کے مابین معروف ہیں اور وہ اس

زعم میں مبتلا ہیں کہ انہوں نے ان عقائد کو چھپایا ہوا ہے تاکہ یہ چیز اہل ایمان کے لیے ان کے خلاف دلیل نہ بنے۔ تاہم وہ اس بارے میں غلطی پر ہیں اور بہت بڑی جہالت میں مبتلا ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان کے ظاہر و باطن کو خوب جانتا ہے۔ اس کے بندے جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کر دے گا۔

﴿ وَمِنْهُمْ ﴾ ”اور کچھ ان میں سے“ یعنی اہل کتاب میں سے ﴿ اٰمِيْنُونَ ﴾ ان پڑھ عوام بھی ہیں جو اہل علم میں شمار نہیں۔ ﴿ لَا يَعْلَمُونَ الْكِتٰبَ اِلَّا اَمَانِيْنَ ﴾ سوائے تلاوت کے اللہ کی کتاب میں ان کا کوئی حصہ نہیں۔ ان کے پاس اس چیز کی خبر بھی نہیں جو پہلوں کے پاس تھی جن کے حالات یہ اچھی طرح جانتے ہیں۔ ان کے پاس محض ظن، گمان اور اہل علم کی تقلید کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں اہل کتاب کے علماء، عوام، منافقین اور وہ جنہوں نے نفاق اختیار نہیں کیا، سب کا ذکر کیا ہے۔ پس ان کے علماء اپنی گمراہی کے موقف پر مضبوطی سے جسے ہوئے ہیں اور عوام بصیرت سے محروم ہیں اور ان علماء کی تقلید کرتے ہیں۔ پس ان دونوں گروہوں کے بارے میں تمہیں کوئی امید نہیں رکھنی چاہیے۔

قَوْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ
پس ہلاکت ہے ان لوگوں کے لیے جو لکھتے ہیں کتاب اپنے ہاتھوں سے، پھر کہتے ہیں، یہ اللہ کی طرف سے ہے
لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمٰنًا قَلِيْلًا قَوْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبْتُ اَيْدِيْهِمْ وَّوَيْلٌ لَّهُمْ
تاکہ لیں اسکے بدلے میں مول تھوڑا سا پس ہلاکت ہے ان کے لیے بوجہ اسکے جو لکھا ان کے ہاتھوں نے اور ہلاکت ہے ان کے لئے

مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ﴿٤٩﴾

یہ سب اسکے جو وہ کماتے ہیں ○

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو سخت وعید سنائی ہے جو کتاب اللہ میں تحریف کرتے ہیں، اپنی تحریف اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں اس کے بارے میں کہتے ہیں: ﴿ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ یہ اظہارِ باطل اور کتمانِ حق ہے۔ اور انہوں نے علم رکھنے کے باوجود یہ کیا۔ ﴿ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمٰنًا قَلِيْلًا ﴾ ”تاکہ اس کے ذریعے سے تھوڑی قیمت حاصل کریں“ اور تمام دنیا اول سے لے کر آخر تک کتاب اللہ کے مقابلے میں بہت کم قیمت ہے۔ پس انہوں نے اپنے باطل کو ایک جال بنا رکھا ہے جس میں لوگوں کو پھانس کر ان کا مال ہتھیاتے ہیں۔ پس وہ لوگوں پر دو پہلوؤں سے ظلم کرتے ہیں۔ (۱) ایک پہلو یہ ہے کہ وہ لوگوں پر ان کے دین کو چھپاتے ہیں۔ (۲) اس کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ وہ لوگوں کا مال ناحق بلکہ باطل ترین طریقے سے ہڑپ کرتے ہیں اور اس کی برائی چوری اور غصب کرنے سے بھی بڑھ کر ہے۔ پس ان دو امور کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو وعید سنائی ہے۔ ﴿ قَوْلٌ لَّهُمْ

﴿مِمَّا كَتَبَتْ آيَاتُهُمْ﴾ ”پس ہلاکت ہے ان کے لیے اس سے جو ان کے ہاتھوں نے لکھا۔“ یعنی جو تحریف کی اور باطل تحریریں لکھیں۔ ﴿وَوَيْلٌ لَهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُونَ﴾ یعنی وہ مال جو وہ باطل طریقے سے کماتے ہیں۔ (وبیل) عذاب کی شدت اور حسرت کو کہا جاتا ہے اسی کے ضمن میں سخت وعید بھی آ جاتی ہے۔

شیخ الاسلام تقی الدین ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے ﴿اَفْتَطَمَعُونَ﴾ سے لے کر ﴿يَكْسِبُونَ﴾ تک آیات کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات میں تحریف کر کے ان کو اصل مفہوم سے ہٹا دیتے ہیں۔ اس وعید میں وہ لوگ بھی آتے ہیں جو کتاب و سنت کو اپنی بدعات باطلہ پر محمول کرتے ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی بھی مذمت فرمائی ہے جو کتاب کا علم نہیں رکھتے سوائے اپنی خواہشات اور آرزوؤں کے۔ اس وعید میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو تہذیب و قرآن کے سر نہاں کو ترک کر دیتے ہیں اور اس کے حروف کی مجرد تلاوت کے سوا کچھ بھی نہیں جانتے۔ یہ وعید اس شخص کے لیے بھی ہے جو محض دنیا کمانے کے لیے کوئی ایسی کتاب لکھتا ہے جو قرآن و سنت کے خلاف ہے اور کہتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ یہ شریعت اور دین ہے، یہ کتاب و سنت کا معنی ہے، یہ سلف امت اور ائمہ کرام کی تعبیرات ہیں اور یہ دین کے وہ بنیادی اصول ہیں جن پر اعتقاد رکھنا فرض عین یا فرض کفایہ ہے۔ اس وعید میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو کتاب و سنت کے علم کو محض اس وجہ سے چھپاتے ہیں کہ کہیں ان کے مخالفین اس کو اپنے حق میں ان کے خلاف دلیل نہ بنا لیں۔ اہل اہواء و بدعات میں بالجملہ یہ امور بہت کثرت سے پائے جاتے ہیں، مثلاً روافض وغیرہ اور تفصیلاً یہ امور بہت سے ان لوگوں میں بھی پائے جاتے ہیں جو اپنے آپ کو ائمہ فقہ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔“

وَقَالُوا لَنْ نَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَةً ۗ قُلْ أَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ

اور کہا انہوں نے، ہرگز نہیں چھوئے گی ہمیں آگ، مگر چند دن گنتی کے، کہہ دیجئے! کیا لیا ہے تم نے اللہ سے

عَهْدًا فَلَنْ يُخْلِفَ اللَّهُ عَهْدَهُ ۗ أَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۸۱﴾ بَلَىٰ مَنْ

کوئی عہد؟ پھر تو ہرگز نہیں خلاف کرے گا اللہ اپنے عہد کے، یا کہتے ہو تم اللہ پر وہ بات جو تم نہیں جانتے؟ ۸۱ کیوں نہیں! جس نے

كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۗ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۸۲﴾

کسائی کوئی برائی اور گھیر لیا اس کو اس کی برائی نے، پس وہی لوگ ہیں دوزخی، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۗ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۸۳﴾

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کئے انہوں نے نیک، یہی لوگ ہیں جنتی، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے

اللہ تعالیٰ نے ان کے افعال بد کا ذکر کیا پھر اس کے ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اس کے باوجود وہ اپنے آپ کو پاک

(یعنی تزکیہ شدہ) قرار دیتے ہیں اور دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات یافتہ اور اس کے ثواب کے مستحق ہوں گے اور یہ کہ وہ جہنم میں اگر گئے بھی تو جہنم کی آگ انہیں چند دن کے سوا ہرگز نہیں چھوئے گی۔ یعنی بہت ہی کم دنوں کے لیے جن کو انگلیوں پر گنا جاسکتا ہے۔ پس وہ بدی کا ارتکاب بھی کرتے ہیں اور اپنے آپ کو عذاب سے محفوظ بھی سمجھتے ہیں۔ چونکہ یہ ان کا محض دعویٰ ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

﴿قُلْ﴾ یعنی اے رسول ان سے کہہ دو! ﴿اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللَّهِ عَهْدًا﴾ یعنی کیا تم نے اللہ تعالیٰ اور اس کے انبیاء و رسل پر ایمان لا کر اور اس کی اطاعت کر کے اللہ تعالیٰ سے عہد لے رکھا ہے۔ پس یہ وعدہ تو یقیناً صاحب وعدہ کی نجات کا موجب ہے جس میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ ﴿اَمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”یا تم اللہ کے ذمے ایسی بات لگاتے ہو جس کا تمہیں علم ہی نہیں“۔ پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ ان کے دعوے کی صداقت ان دو امور میں سے ایک پر موقوف ہے۔ تیسری کوئی چیز نہیں۔

(۱) یا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے نجات کا کوئی عہد لیا ہوگا تب ان کا دعویٰ صحیح ہے۔

(۲) یا یہ لوگ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ رہے ہیں۔ تب ان کا یہ دعویٰ جھوٹا ہے۔ بس یہ بہتان ان کی رسوائی اور عذاب کے لیے کافی ہے۔

ان کے حالات ہمیں اچھی طرح معلوم ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی عہد عطا نہیں ہوا تھا۔ کیونکہ انہوں نے بے شمار انبیاء کی تکذیب کی تھی حتیٰ کہ ان کی حالت تو یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ انبیاء کا ایک گروہ ان کے ہاتھوں قتل ہو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ موڑا اور اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہدوں کو توڑا۔ پس اس سے اس بات کا تعین ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بہتان باندھ رہے اور اس کی بابت ایسی بات کہہ رہے ہیں جس کو وہ خود نہیں جانتے اور علم کے بغیر اللہ تعالیٰ کے ذمے کوئی بات لگانا سب سے بڑا حرام اور سب سے بڑی برائی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے سب کے لیے ایک عام حکم بیان کیا ہے جس میں بنی اسرائیل اور دیگر تمام لوگ داخل ہیں وہ ایک ایسا حکم ہے کہ اس کے علاوہ کوئی اور حکم ہو ہی نہیں سکتا نہ کہ ان کی آرزوئیں اور دعوے جو وہ ہلاک ہونے والوں اور نجات پانے والوں کی بابت کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿بَلَى﴾ یعنی معاملہ یوں نہیں جس طرح تم نے بیان کیا ہے کیونکہ یہ تو ایک ایسی بات ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ﴿مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً﴾ ”جس نے کوئی برائی کمائی“ یہاں ﴿سَيِّئَةً﴾ برائی شرط کے سیاق میں نکرہ استعمال ہوئی ہے لہذا اس کے عموم میں شرک اور اس سے کمتر تمام برائیاں داخل ہیں۔ لیکن یہاں اس سے مراد شرک ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے ﴿وَأَحَاطَتْ بِهِ خَطِيئَتُهُ﴾ یعنی برائی کا ارتکاب کرنے والے کو اس کی برائی نے گھیر لیا

اور اس کے لیے نکلنے کا کوئی راستہ نہیں چھوڑا اور یہ شرک کے علاوہ کوئی اور برائی نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ جو ایمان سے بہرہ ور ہے برائی اسے گھیر نہیں سکتی۔

﴿ فَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴾ ”پس وہ آگ کے مستحق ہیں اور اس میں ہمیشہ رہیں گے“ اس آیت کریمہ سے خوارج نے استدلال کیا ہے کہ گناہ کا ارتکاب کرنے والا کافر ہے حالانکہ یہ تو ان کے خلاف دلیل ہے کیونکہ یہ تو ظاہری طور پر شرک کے بارے میں ہے۔ اس طرح ہر باطل پسند جو قرآن مجید کی کسی آیت یا کسی صحیح حدیث سے اپنے باطل نظریے پر استدلال کرتا ہے تو استدلال خود اس کے خلاف ایک قوی دلیل ہوتا ہے۔

﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوا ﴾ یعنی وہ لوگ جو اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں اس کے رسولوں اور یوم آخرت پر ایمان لائے۔ ﴿ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ﴾ اور اعمال صالحہ کیے اور اعمال مندرجہ ذیل دو شرائط کے بغیر اعمال صالحہ کے زمرے میں نہیں آتے۔ (۱) خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے ہوں۔ (۲) رسول اللہ ﷺ کی سنت کے مطابق ہوں۔

ان دو آیتوں کا حاصل یہ ہے کہ نجات اور فوز و فلاح کے مستحق صرف نیک کام کرنے والے اہل ایمان ہیں اور ہلاک ہونے والے جہنمی وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک اور اس کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ تَابُوا وَالَّذِينَ أَحْسَنُوا
اور جب لیا ہم نے پختہ وعدہ بنو اسرائیل سے کہ نہ عبادت کرو تم مگر اللہ کی اور ماں باپ سے نیک سلوک کرنا
وَذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا
اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں سے اور کہو تم لوگوں سے (بات) اچھی اور قائم کرو تم نماز اور دو تم
الزَّكَاةَ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْكُمْ وَأَنْتُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۸۴﴾
زکوٰۃ پھر پھر گئے تم مگر تھوڑے تم میں سے اور تم اعراض کرنے والے ہو

پس یہ احکام ان اصول دین میں سے ہیں جن پر عمل کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے ہر شریعت میں دیا، کیونکہ یہ احکام ہر زمان و مکان میں مصالح عامہ پر مشتمل ہیں۔ دین میں ان کی حیثیت بنیاد کی سی ہے جو منسوخ نہیں ہو سکتی۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان اصولوں پر عمل کرنے کا حکم اپنے اس فرمان میں دیا ہے: ﴿ وَعَبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا ﴾ (النساء: ۳۶/۴) ”اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو“۔

﴿ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴾ ”اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا۔“ یہ ان کی سنگدلی ہی تھی کہ جب بھی انہیں کسی بات کا حکم دیا جاتا تو وہ نافرمانی کرتے۔ اس لیے وہ پختہ قسموں اور مضبوط

عہدوں کے بغیر کسی حکم کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے تھے۔

﴿ لَا تَعْبُدُونَ إِلَّا اللَّهَ ﴾ یہ اکیلے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم ہے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک کرنے کی ممانعت ہے۔ یہ دین کی بنیاد ہے اگر یہ بنیاد نہ ہو تو کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل قبول نہیں۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر حق ہے۔ پھر فرمایا: ﴿ وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا ﴾ یعنی اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کے ساتھ پیش آؤ۔ اس میں ہر قسم کا حسن سلوک شامل ہے۔ اس زمرے میں قولی، فعلی اور ہر وہ رویہ شامل ہے جس پر حسن سلوک کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس میں والدین کے ساتھ برے سلوک یا عدم حسن سلوک کی ممانعت ہے۔ کیونکہ والدین کے ساتھ حسن سلوک فرض ہے اور کسی چیز کی فرضیت کے حکم سے لازم آتا ہے کہ اس کی ضد ممنوع ہو۔ دو چیزیں حسن سلوک کے مخالف ہیں:

(۱) برا سلوک کرنا، یہ سب سے بڑا جرم ہے۔ (۲) بغیر برائی کئے، حسن سلوک نہ کرنا۔ اگرچہ والدین کے ساتھ اس قسم کا رویہ بھی حرام ہے مگر اس رویے کو اول الذکر رویے سے ملحق کرنا ضروری نہیں۔

رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ سلوک میں بھی اسی اصول کا اطلاق ہوتا ہے حسن سلوک (احسان) کی تفصیلات دائرہ شمار سے باہر ہیں البتہ جیسا کہ گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے اس کی کچھ حدود ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ تمام لوگوں کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آیا جائے چنانچہ فرمایا: ﴿ وَقُولُوا لِلنَّاسِ حُسْنًا ﴾ ”یعنی لوگوں سے اچھی بات کہنا“۔ مندرجہ ذیل چیزیں ”قول حسن“ (یعنی اچھی بات) کے زمرے میں آتی ہیں۔

(۱) لوگوں کو نیکی کا حکم دینا۔ (۲) ان کو بری باتوں سے روکنا۔ (۳) ان کو علم سکھانا۔ (۴) ان میں سلام پھیلانا۔ (۵) خندہ پیشانی اور بشارت کا اظہار کرنا۔ (۶) ان کے علاوہ دیگر اچھی باتیں۔

چونکہ ہر انسان اپنے مال کے ذریعے سے لوگوں کو فائدہ پہنچانے کی استطاعت نہیں رکھتا اس لیے اسے ایک ایسی چیز کا حکم دیا گیا ہے جس کے ذریعے سے وہ تمام مخلوق کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کی قدرت رکھتا ہے اور وہ ہے ”قول حسن“ اسی کے ضمن میں لوگوں کے ساتھ بری گفتگو کرنے کی ممانعت آ جاتی ہے حتیٰ کہ کفار کے ساتھ بھی کلام فبیح کرنا ممنوع ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَلَا تَجَادِلُوا أَهْلَ الْكِتَابِ إِلَّا بِالَّتِي

هِيَ أَحْسَنُ ﴾ (العنکبوت: ۶۱/۲۹) ”اہل کتاب کے ساتھ بحث نہ کرو مگر ایسے طریقے سے جو سب سے اچھا ہو“۔

انسانی آداب میں سے جن کی تعلیم اللہ نے اپنے بندوں کو دی ہے یہ بھی ہے کہ انسان اپنے اقوال اور افعال میں پاکیزہ رہے، فحش گوئی اور بے ہودہ باتوں سے اجتناب کرے، گالی گلوچ اور سب و شتم کرنے اور لڑائی

جھگڑے سے باز رہے۔ بلکہ اس کے برعکس حسن خلق، بے پایاں حلم، ہر ایک کے ساتھ اچھے سلوک اور مخلوق کی ایذا رسانی پر صبر کا مظاہرہ کرے۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت اور ثواب کی امید پر کرے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے اور جیسا کہ گزشتہ صفحات میں بیان کیا جا چکا ہے کہ نماز معبود کے لیے اخلاص کو اور زکوٰۃ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ حسن سلوک کو مضمّن ہے۔

﴿ثُمَّ﴾ ”پھر“ اللہ تعالیٰ کا تمہیں ان اچھے کاموں کا حکم دینے کے بعد، جن کو ایک دانش مند دیکھتا ہے تو جان لیتا ہے کہ یہ اللہ کا بندوں پر ایک احسان ہے کہ اس نے ان باتوں کا انہیں حکم دیا اور اس طرح انہیں اپنے فضل و کرم سے نوازا اور ان سے عہد و میثاق لیا۔ ﴿تَوَلَّيْتُمْ﴾ یعنی تم نے ان احکام سے روگردانی کرتے ہوئے پیٹھ پھیر لی۔ اس لیے کہ پیٹھ پھیر کر جانے والا کبھی کبھی واپس لوٹنے کی نیت سے بھی پیٹھ پھیر کر جاتا ہے، مگر یہ لوگ تو احکام الہی میں سرے سے کوئی رغبت ہی نہیں رکھتے اور نہ ان کی طرف لوٹنے کا کوئی ارادہ ہی رکھتے ہیں فَانْعَوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الْجَدَلٰنِ

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ﴾ ”مگر تھوڑے لوگ تم میں سے“ ایک استثناء ہے تاکہ اس وہم کا ازالہ ہو جائے کہ تمام لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام سے روگردانی کی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ چند لوگ ایسے بھی تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور ان کو استقامت اور ثابت قدمی عطا کی۔

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تَخْرُجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اور جب لیا ہم نے پختہ وعدہ تم سے کہ نہ بہاؤ تم خون اپنے (آپس میں) اور نہ نکالو تم اپنے آپ کو اپنے گھروں سے، ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هُوْلَاءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتَخْرُجُوْنَ پھر اقرار کیا تم نے اور تم شاہد ہو، پھر تم ہی وہ ہو کہ (اسکے بعد بھی) قتل کرتے ہو اپنے آپ (اپنوں) کو اور نکال دیتے ہو فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظْهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاِنْ يَأْتُوْكُمْ اِسْرٰى تَفْدُوْهُمْ وَهُوَ مُحْرَمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجَهُمْ اَفْتَوْمُنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ قیدی ہو کر، تو تم فدیہ دے کر چھڑاتے ہو انہیں، حالانکہ حرام کیا گیا تھا تم پر نکال دینا انکا، کیا پس تم ایمان لاتے ہو ساتھ ایک حصہ کتاب کے وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ اور کفر کرتے ہو ساتھ دوسرے حصے کے؟ پس نہیں ہے سزا اس شخص کی جو کرے یہ کام تم میں سے، مگر رسوائی زندگی میں الدُّنْيَا وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَرْدُّوْنَ اِلَى اَشَدِّ الْعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا دُنْيَا میں اور دن قیامت کے پھیرے جائیں گے وہ طرف سخت ترین عذاب کی اور نہیں ہے اللہ غافل اس سے جو

تَعْمَلُونَ ﴿۵۸﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ فَلَا يَحْقُقُ عَنْهُمْ
تم عمل کرتے ہو۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے خرید لی زندگی دنیا کی بدلے آخرت کے پس نہ ہکا کیا جائے گا ان سے

الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۵۹﴾

عذاب اور نہ وہ مدد ہی کئے جائیں گے ○

آیت کریمہ میں مذکور فعل ان لوگوں کا تھا جو نزول وحی کے زمانے میں مدینہ میں موجود تھے اور یہ اس طرح کہ اوس اور خزرج جو انصار کے نام سے مشہور ہیں رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل مشرک تھے اور جاہلیت کی عادت کے مطابق باہم دست و گریباں رہتے تھے اسی اثنا میں یہود کے تین قبیلوں بنو قریظہ بنو نضیر اور بنو قینقاع نے مدینہ میں آ کر وہاں رہنا شروع کر دیا۔ ان میں سے ہر قبیلے نے مدینہ کے کسی قبیلے کے ساتھ (دفاعی) معاہدہ کر لیا۔ جب کبھی اوس اور خزرج کی آپس میں لڑائی ہوتی تو یہودی قبیلہ اس کے مخالفین کے خلاف مدد کرتا جن کی مدد دوسرا یہودی قبیلہ کر رہا ہوتا۔ یوں یہودی ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے۔ بسا اوقات یہ بھی ہوتا تھا کہ وہ ایک دوسرے کو جلا وطن کر دیتے اور ایک دوسرے کا مال لوٹ لیتے پھر جب جنگ ختم ہو جاتی تو جنگ کے فریقین نے ایک دوسرے کے جو افراد جنگی قیدی بنائے ہوتے وہ ان کو فدیہ دے کر آزاد کرواتے۔

یہ تینوں امور جن کی یہ خلاف ورزی کر رہے تھے ان پر فرض کیے گئے تھے: (۱) ایک دوسرے کا خون نہ بہائیں۔ (۲) ایک دوسرے کو گھروں سے نہ نکالیں۔ (۳) جب وہ اپنے میں سے کسی کو قیدی پائیں تو اس کا فدیہ دے کر اسے چھڑانا ان کے لیے ضروری ہے۔

پس ان لوگوں نے آخری بات پر تو عمل کیا اور پہلی دو باتوں کو نظر انداز کر دیا۔ چنانچہ ان کے اس رویے پر اللہ تعالیٰ نے نکیر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اَفْتَوْمُنَّوْنَ بِبَعْضِ الْكِتَابِ ﴾ ”کیا تم کتاب کے ایک حصے پر ایمان لاتے ہو“ اس سے مراد ہے قیدیوں کی رہائی کے لیے فدیہ دینا ﴿ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضِ ﴾ ”اور دوسرے حصے کے ساتھ کفر کرتے ہو“ اس سے مراد ہے ایک دوسرے کو قتل کرنا اور ایک دوسرے کو گھروں سے نکالنا۔

آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اوامر پر عمل کیا جائے اور اس کی نواہی سے اجتناب کیا جائے۔ نیز یہ کہ تمام مامورات ایمان میں شمار ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَمَا جَزَاءُ مَنْ يَفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ ”تم میں سے جو بھی ایسا کرے گا اس کو اس کی سزا دنیا میں رسوائی کے سوا کوئی اور نہیں ملے گی“۔ اور اس رسوائی کا انہیں سامنا کرنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں رسوا کیا اور ان پر اپنے رسول کو غلبہ عطا کیا۔ ان میں سے کسی کو قتل کر دیا گیا اور کسی کو غلام بنا لیا گیا اور کسی کو جلا وطن کر دیا گیا۔ ﴿ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَرُدُّوْنَ اِلَىٰ اَشَدِّ الْعَذَابِ ﴾ ”اور قیامت کے روز

سخت عذاب کی طرف لوٹائے جائیں گے، یعنی قیامت کے روز کا عذاب دنیا کے عذاب سے بھی بڑھ کر ہوگا ﴿وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ کیا سبب تھا جو اس بات کا موجب بنا کہ وہ کتاب اللہ کے کچھ حصے پر ایمان لائیں اور کچھ حصے کا انکار کر دیں؟ چنانچہ فرمایا: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے خرید لیا، یعنی انہیں وہم لاحق تھا کہ اگر انہوں نے اپنے حلیغوں کی مدد کی تو یہ عار کی بات ہے پس انہوں نے عار کے بدلے میں آگ کو چن لیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَا يُخَفِّفْ عَنْهُمْ الْعَذَابَ﴾ ”پس ان سے عذاب ہلکا نہیں کیا جائے گا“ یعنی عذاب کی شدت ہمیشہ رہے گی اور کسی وقت بھی انہیں راحت نصیب نہ ہوگی ﴿وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ﴾ ”اور نہ ان کی مدد کی جائے گی“ یعنی ان سے عذاب کو نہیں ہٹایا جائے گا۔

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَفَقِينَا مِنْ بَعْدِهِ بِالرُّسُلِ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ أَفَكُلَّمَا جَاءَكُمْ رَسُولٌ بِمَا مَرِيحٌ كَوَاضِعٌ دَلَالٍ (مُجْتَمِعَاتٍ) اِدْرَقْتِ دِي هِمْنِي اِسْكُو سَا تَهْرُوحُ الْقُدُسُ (جَبْرِيْلُ) كَيْ اِيَا سْ جَبْ اِيَا تَهْمَارِي سَا سْ كُوْنِي رَسُوْلٌ سَا تَهْمَارِي اِسْ جِيْزِي كِي لَا تَهْوِي اَنْفُسَكُمْ اِسْتَكْبَرْتُمْ فَفَرِقًا كَذَبْتُمْ وَفَرِقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿٥٥﴾

جس کو نہ چاہتے تھے نفس تمہارے، تو تکبر کیا تم نے، پھر ایک فریق کو جھٹلایا تم نے اور ایک فریق کو قتل کرتے رہے تم ○

﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ﴾ ”اور تحقیق ہم نے موسیٰ کو کتاب دی، اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنے احسانات کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس نے اپنے کلیم حضرت موسیٰ ﷺ کو ان میں مبعوث فرمایا، ان کو تورات عطا کی۔ پھر حضرت موسیٰ ﷺ کے بعد ان میں پے در پے انبیاء اور رسول مبعوث فرمائے جو تورات کے مطابق فیصلے کرتے تھے۔ یہاں تک کہ بنی اسرائیل کے آخری نبی حضرت عیسیٰ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور انہیں واضح نشانیاں عطا کیں جن پر انسان ایمان لے آتا ہے۔ ﴿وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ﴾ یعنی ”حضرت عیسیٰ ﷺ کو روح القدس کے ذریعے تقویت دی“۔ اکثر مفسرین کہتے ہیں کہ روح القدس سے مراد حضرت جبرئیل ﷺ ہیں۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ اس سے مراد وہ ایمان ہے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو قوت اور استقامت عطا کرتا ہے۔

پھر ان نعمتوں کے باوجود جن کی قدر و عظمت کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا، جب وہ تمہارے پاس وہ کچھ لائے ﴿بِمَا لَا تَهْوِي اَنْفُسَكُمْ اِسْتَكْبَرْتُمْ﴾ ”جن کو تمہارا دل نہیں چاہتا تھا تو تم نے (ایمان لانے کی بجائے)

تکبر کیا“۔ ﴿وَفَرِقًا﴾ یعنی انبیاء میں سے ایک فریق کو ﴿كَذَبْتُمْ وَفَرِقًا تَقْتُلُوْنَ﴾ ”تم نے جھٹلایا اور ایک

فریق کو تم نے قتل کر دیا۔ پس تم نے خواہشات نفس کو ہدایت پر مقدم رکھا اور دنیا کو آخرت پر ترجیح دی۔ اس آیت کریمہ میں جو جروتونخ اور تشدید ہے وہ ڈھکی چھپی نہیں۔

وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ ۗ بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَّا يُؤْمِنُونَ ﴿۸۸﴾

اور کہا انہوں نے ہمارے دل غلافوں میں ہیں (نہیں) بلکہ لعنت کی ہے ان پر اللہ نے بوجہ انکے کفر کے، پس کم لوگ ہی ایمان لاتے ہیں ○

اے رسول ﷺ جب آپ ان کو ایمان کی دعوت دیتے ہیں تو یہ لوگ معذرت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ (ہمارے دل غلاف میں لپٹے ہوئے ہیں۔) یعنی ہمارے دلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اس لیے ہم تمہاری بات کو سمجھ نہیں سکتے۔ گویا یہ ان کے گمان کے مطابق عدم علم کا عذر ہے اور یہ ان کا جھوٹ ہے بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿بَلْ لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ﴾ یعنی وہ اپنے کفر کے سبب سے ملعون اور دھتکارے ہوئے ہیں۔ اس لیے ان میں سے بہت ہی قلیل لوگ ایمان لائیں گے، یا اس کا مفہوم یہ ہے کہ ان کا ایمان بہت ہی قلیل ہے اور ان کا کفر بہت زیادہ ہے۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۖ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ

اور جب آگئی ان کے پاس کتاب اللہ کی طرف سے جو تصدیق کر نیوالی ہے اس (کتاب) کی جو انکے پاس ہے اور تھے وہ پہلے

يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ ۚ

اس سے تھا کہتے خلاف ان لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا پھر جب آگیا انکے پاس وہ (حق) جسکا انہوں نے پہچان لیا تو کفر کیا انہوں نے ساتھ اسکے

فَلَعَنَهُ اللَّهُ عَلَى الْكٰفِرِينَ ﴿۸۹﴾ بِسْمًا اشْتَرَوْا بِهِ ۖ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوا بِمَا

سولحت ہے اللہ کی اوپر کافروں کے ○ بری ہے وہ چیز کہ بیجا انہوں نے بدلے اسکے اپنے نفسوں کو، یہ کہ وہ کفر کرتے ہیں ساتھ اس چیز کے

اَنْزَلَ اللَّهُ بَغْيًا اَنْ يُنَزَّلَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۗ

جو نازل کی اللہ نے، حسد کرتے ہوئے اس سے کہ نازل کرے اللہ فضل اپنا اوپر جس کے چاہے اپنے بندوں میں سے

فَبَاؤُا بِغَضَبٍ عَلَىٰ غَضَبٍ ۖ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۹۰﴾

پس پھر وہ ساتھ غضب کے اوپر غضب کے، اور کافروں کے لئے ہے عذاب رسوا کن ○

مطلب یہ ہے کہ جب افضل المخلوقات اور خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے ذریعے سے ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب آگئی جو ان تعلیمات کی تصدیق کرتی تھی جنہیں تورات نے پیش کیا، جس کا ان کو علم اور یقین تھا۔ علاوہ ازیں جاہلیت کے زمانے میں جب کبھی ان کے اور مشرکین کے درمیان جنگ ہوتی تو یہ دعا کیا کرتے تھے (اے اللہ) اس نبی کے ذریعے سے ہماری مدد فرما اور وہ مشرکین کو ذرا یا کرتے تھے کہ اس نبی کا ظہور ہونے والا ہے۔ وہ اس نبی کے ساتھ مل کر مشرکین کے خلاف جنگ کریں گے۔ جب ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی کتاب اور وہ نبی

آ گیا جس کو انہوں نے پہچان لیا تو حسد اور سرکشی کی وجہ سے اس کو ماننے سے انکار کر دیا (اور انہیں حسد اس بات پر تھا) کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے اپنا فضل نازل فرماتا ہے۔ (اللہ نے یہ شرف نبوت ان کی بجائے کسی اور کو کیوں دے دیا؟) پس اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کی اور ان پر سخت غضب ناک ہوا کیونکہ کفر میں وہ بہت بڑھ گئے تھے اور متواتر شک اور شرک میں مبتلا چلے آ رہے تھے۔

اور ان کافروں کے لیے آخرت میں ﴿عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ ”رسوا کرنے والا عذاب“ ہوگا اور وہ یہ کہ ان کو جہنم میں جھونک دیا جائے گا اور دائمی نعمتوں سے وہ محروم ہوں گے۔ پس بہت برا ہے ان کا حال بہت ہی برا ہے وہ معاوضہ جو انہوں نے اللہ تعالیٰ اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے کے مقابلے میں حاصل کیا اور وہ یہ کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ اس کی کتابوں اور رسولوں کے ساتھ کفر کیا۔ حالانکہ وہ سب کچھ جانتے تھے اور انہیں رسولوں کی صداقت کا بھی یقین تھا اسی وجہ سے ان کے لیے بہت بڑا عذاب ہوگا۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ آمِنُوا بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ قَالُوا نُوْمِنُ بِمَا أَنْزَلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ

اور جب کہا جاتا ہے ان سے ایمان لاؤ اس پر جو نازل کیا اللہ نے، تو کہتے ہیں ہم ایمان لاتے ہیں اس پر جو نازل کیا گیا ہم پر اور انکار کرتے ہیں وہ

بِمَا وَرَاءَهُ ۚ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۗ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ

اسکے ماسوا کا، حالانکہ وہ (قرآن) حق ہے، تصدیق کرنی والا اس (کتاب) کی جو ان کے پاس ہے، کہہ دیجئے! پھر کیوں قتل کرتے رہے تم اللہ کے نبیوں کو

مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۹۱﴾ ۚ وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُّوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ

پہلے اس سے، اگر تھے تم مومن ○ اور تحقیق آئے تمہارے پاس موسیٰ ساتھ واضح دلیلوں (معجزات) کے، پھر

اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ ﴿۹۲﴾ ۚ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ

بنالیا تم نے پھڑے کو (معبود) بعد اس کے اور تم (ہی) ہو ظالم ○ اور (یاد کرو) جب لیا ہم نے پختہ وعدہ تم سے

وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمْ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَكُمْ بِقُوَّةٍ وَأَسْعُوا ۗ قَالُوا سَبَعْنَا

اور بلند کیا ہم نے تم پر طور (پہاڑ اور کہا) پڑو تم جو دیا ہم نے تمہیں ساتھ قوت کے اور سنو! کہا انہوں نے سنا ہم نے

وَعَصَيْنَا ۚ وَأَشْرَبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۗ قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ

اور نافرمانی کی ہم نے اور پلا دیئے گئے وہ اپنے دلوں میں (مبت) پھڑے کی بہ سبب انکے کفر کے، کہہ دیجئے! ابری ہے وہ چیز کہ حکم کرتا ہے تمہیں اسکا

إِيمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۹۳﴾

تمہارا ایمان اگر ہو تم مومن ○

جب یہود کو حکم دیا گیا کہ وہ اس کتاب پر ایمان لائیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر نازل کی ہے یعنی قرآن

کریم پر تو انہوں نے تکبر اور سرکشی سے کہا: ﴿قَالُوا نُوْمِنُ بِمَا أَنْزَلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ﴾ یعنی وہ

(تورات کے سوا) تمام کتابوں کا انکار کرتے ہیں۔ حالانکہ ان پر فرض تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ تمام کتابوں پر علی الاطلاق ایمان لائیں خواہ یہ کتابیں بنی اسرائیل کے نبیوں پر نازل کی گئی ہوں یا ان کے علاوہ کسی اور نبی پر، اور یہی وہ ایمان ہے جو فائدہ مند ہے۔ یعنی ان تمام کتابوں پر ایمان جو تمام انبیائے کرام علیہم السلام پر نازل کی گئی ہیں۔

رہا اللہ تعالیٰ کے رسولوں اور اس کی نازل کردہ کتابوں کے درمیان تفریق کرنا اور اپنے زعم کے مطابق کسی پر ایمان لانا اور کسی کا انکار کر دینا، تو یہ ایمان نہیں بلکہ عین کفر ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنُكْفِرُ بِبَعْضٍ وَهُمْ لَا يَتَذَكَّرُونَ﴾ (النساء: ۱۵۰، ۱۵۱) ”وہ لوگ جو اللہ اور اس کے رسولوں سے کفر کرتے ہیں اور وہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کرنا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں اور وہ اس کے مابین (یعنی ایمان اور کفر کے مابین) ایک راہ نکالنا چاہتے ہیں بلاشبہ وہی کافر ہیں۔“

اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں ان کو شافی جواب دیا ہے اور ان کو ایک ایسی الزامی دلیل دی ہے جس سے ان کو کوئی مفر نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے انکار قرآن کا دو پہلوؤں سے رد کیا ہے۔

(الف) فرمایا: ﴿وَهُوَ الْحَقُّ﴾ ”اور وہ (قرآن) حق ہے“ پس جب یہ قرآن اوامر و نواہی اور اخبار میں سراسر حق پر مشتمل ہے اور یہ حق ان کے رب کی طرف سے نازل شدہ ہے، لہذا یہ معلوم ہو جانے کے بعد اس کا انکار کرنا درحقیقت اللہ تعالیٰ کا انکار کرنا اور اس حق کا انکار کرنا ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔

(ب) پھر فرمایا ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ﴾ ”ان کی موجودہ کتاب کی تصدیق کرتا ہے“ یعنی یہ ہر اس چیز کے موافق اور اس کا محافظ ہے جس پر حق دلالت کرتا ہے۔

پس تم اس کتاب پر کیوں ایمان لاتے ہو جو تم پر نازل کی گئی جب کہ اس جیسی دوسری کتاب کا انکار کرتے ہو؟ اور کیا یہ تعصب نہیں؟ کیا یہ ہدایت کی پیروی کی بجائے خواہشاتِ نفس کی پیروی نہیں؟

نیز قرآن کا ان کتابوں کی تصدیق کرنا جو ان پر نازل کی گئیں ہیں اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یہ قرآن ان کے لیے اس بات کی دلیل ہو کہ ان کے پاس جو کتابیں ہیں وہ سچی ہیں۔ اس اعتبار سے وہ اپنی کتابوں کا اثبات بھی قرآن کے بغیر نہیں کر سکتے۔ جب وہ قرآن کا انکار کر دیتے ہیں تو ان کی حالت اس مدعی کی سی ہو جاتی ہے جس کے پاس اپنے دعویٰ کو ثابت کرنے کے لیے ایسی دلیل و حجت بھی ہے جو اثباتِ دعویٰ کی واحد دلیل ہے اس دلیل کے بغیر اس کا دعویٰ ثابت ہی نہیں ہو سکتا، لیکن پھر وہ خود ہی اپنی دلیل میں جرح و قدح کرتا ہے اور اس کو جھٹلا دیتا

ہے۔ کیا یہ پاگل پن اور حماقت نہیں؟ پس واضح ہوا کہ ان کا قرآن کا انکار کرنا درحقیقت ان کتابوں کا انکار ہے جو ان کی طرف نازل کی گئی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس دعوے کی تردید کی کہ وہ ان کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں جو ان کی طرف نازل کی گئی ہیں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿قُلْ﴾ یعنی ان سے (کہہ دو) ﴿فَلِمَ تَقْتُلُونَ أَنْبِيَاءَ اللَّهِ مِنْ قَبْلُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ ”اگر تم ایماندار ہو تو پھر تم اس سے قبل اللہ کے انبیاء کو کیوں قتل کر دیتے رہے؟“ ﴿وَلَقَدْ جَاءَكُمْ مُوسَىٰ بِالْبَيِّنَاتِ﴾ یعنی تمہارے پاس موسیٰ حق کو بیان کرنے والے واضح دلائل لے کر آئے۔ ﴿ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِهِ﴾ ”پھر تم نے موسیٰ کے آنے کے بعد بھی پھڑے کو اپنا معبود بنا لیا“ ﴿وَأَنْتُمْ ظَالِمُونَ﴾ ”اور تم اس بارے میں سخت ظالم تھے“ اور تمہارے پاس کوئی عذر نہیں۔

﴿وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَكُم بِقُوَّةٍ وَأَسْعُوا﴾ اور جب ہم نے تم سے وعدہ لیا اور تم پر طور کو بلند کیا (کھڑا کیا) کہ ہماری دی ہوئی چیز کو مضبوطی سے تھامو اور سنو، یعنی اس کو قبول کرنے اس کی اطاعت کرنے اور اس کی آواز پر لبیک کہنے کے لیے سنو۔ ﴿قَالُوا سَبِعْنَا وَعَصَيْنَا﴾ یعنی ان کی حالت یہ ہو گئی ہے کہ ”وہ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی“ ﴿وَأَشْرَبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ﴾ یعنی ان کے دل پھڑے اور اس کی عبادت کی محبت کے رنگ میں رنگے گئے اور ان کے کفر کے سبب سے ان کے دلوں میں گویا پھڑے کی محبت رچ بس گئی۔

﴿قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ ”انہیں کہہ دیجیے کہ تمہارا ایمان تمہیں برا حکم دے رہا ہے اگر تم مومن ہو“ یعنی تم ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہو اور دین حق کے نام نہاد پیر ہونے پر اپنی تعریف چاہتے ہو اور تمہاری حالت یہ ہے کہ تم نے اللہ کے نبیوں کو قتل کیا، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر گئے تو تم نے اللہ کو چھوڑ کر پھڑے کو معبود بنا لیا۔ تم نے اللہ تعالیٰ کی شریعت (اوامر و نواہی) کو اس وقت تک قبول نہ کیا جب تک کہ تمہیں دھمکی نہ دی گئی اور کوہ طور کو اٹھا کر تم پر معلق نہ کر دیا گیا۔ پھر بھی تم نے زبانی طور پر تو اسے قبول کر لیا مگر بالفعل اس کی مخالفت کی۔ یہ کیسا ایمان ہے جس کا تم دعویٰ کرتے ہو اور یہ کیسا دین ہے؟

تمہارے زعم کے مطابق اگر یہی ایمان ہے تو بہت برا ایمان ہے جو تمہیں سرکشی رسولوں کے انکار اور کثرت عصیان کی دعوت دیتا ہے۔ حالانکہ یہ بات معروف ہے کہ صحیح اور حقیقی ایمان صاحب ایمان کو ہر بھلائی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے روکتا ہے لہذا اس سے ان کا جھوٹ واضح اور ان کا تضاد عیاں ہو جاتا ہے۔

قُلْ إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ عِنْدَ اللَّهِ خَالِصَةً مِّنْ دُونِ النَّاسِ فَتَمَنَّوْا

کہہ دیجئے! اگر ہے تمہارے ہی لیے گھر آخرت کا اللہ کے ہاں خاص طور پر سوائے اور لوگوں کے تو تمنا کرو تم

الْمَوْتِ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۹۸﴾ وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيهِمْ
 موت کی اگر ہوتی ہے اور ہرگز نہیں تمنا کریں گے وہ اس (موت) کی کبھی بھی نہ سبب اسکے جو آگے بھیجا لگے ہاتھوں نے
 وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۹۹﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ أَحْرَصَ النَّاسِ عَلَى حَيَاتِهِمْ
 اور اللہ خوب جاننے والا ہے ظالموں کو اور البتہ آپ ضرور پائیں گے ان (یہودیوں) کو زیادہ حریص سب لوگوں سے زندگی پر
 وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ سَنَةٍ وَمَا هُوَ
 اور ان سے بھی جنہوں نے شرک کیا۔ چاہتا ہے (ہر) ایک انکا کاش کہ عمر دیا جائے وہ ہزار سال حالانکہ نہیں ہے وہ (کوئی ایک)
 بِمَنْحَرِّجِهِ مِنَ الْعَذَابِ أَنْ يُعَمَّرَ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۰۰﴾
 بچانے والا اسکو عذاب سے یہ کہ (اس قدر لمبی) عمر دیا جائے وہ اور اللہ دیکھنے والا ہے اس کو جو وہ عمل کرتے ہیں

۱۰۰

﴿قُل﴾ یعنی ان کے دعویٰ کی تصحیح کی خاطر کہہ دیجیے ﴿إِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدَّارُ الْآخِرَةُ﴾ ”کہ اگر آخرت کا
 گھر (جنت) صرف تمہارے ہی لیے ہے“ ﴿حَاصِلَةٌ مِّنْ دُونِ النَّاسِ﴾ دوسرے لوگ اس میں نہیں جائیں
 گے۔ جیسا کہ تمہارا گمان ہے کہ جنت میں صرف وہی لوگ جائیں گے جو یہودی اور نصرانی ہیں نیز تمہیں ہرگز
 آگ نہیں چھوئے گی سوائے چند روز کے۔ اس لیے اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو ﴿فَتَمَنَّوْا الْمَوْتَ﴾ ”تو
 موت کی تمنا کر دیکھو“۔ یہ ان کے اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان مباہلہ کی ایک قسم ہے۔ ان کے دلائل کا توڑ
 انہیں لاجواب کر دینے اور ان کے عناد کے بعد ان کے لیے دو باتوں میں سے کسی ایک کو مانے بغیر چارہ نہیں۔

(۱) یا تو وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لے آئیں۔ (۲) یا وہ اپنے موقف کی صداقت ثابت کرنے
 کے لیے ایک چھوٹی سی بات پر مباہلہ کر لیں اور وہ ہے موت کی تمنا جو انہیں اس جنت میں پہنچا دے گی جو خالص
 انہی کے لیے تخلیق کی گئی ہے۔ مگر انہوں نے اس مباہلے کو قبول نہ کیا۔

پس ہر شخص کو معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مخالفت اور عناد میں انتہاء کو پہنچ گئے ہیں اور وہ
 یہ سب کچھ جانتے بوجھتے کر رہے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَنْ يَتَمَنَّوْهُ أَبَدًا بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيهِمْ﴾
 یعنی کفر اور معاصی کے اعمال کے باعث وہ موت کی تمنا نہیں کریں گے کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ یہ ان کے گندے
 اعمال کی جزا کا راستہ ہے۔

پس موت ان کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز ہے اور وہ دنیا کے تمام لوگوں سے بڑھ کر زندگی کے
 حریص ہیں حتیٰ کہ ان مشرکین سے بھی زیادہ جو رسولوں، کتابوں اور کسی چیز پر بھی ایمان نہیں رکھتے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا کے ساتھ ان کی شدید محبت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿يَوَدُّ أَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ أَلْفَ
 سَنَةٍ﴾ ”ان میں سے تو ہر شخص ایک ایک ہزار سال کی عمر چاہتا ہے“ زندگی کی حرص کے لیے یہ بلوغ ترین پیرا یہ ہے۔

انہوں نے ایک ایسی حالت کی آرزو کی ہے جو قطعاً محال ہے اور حال یہ ہے کہ اگر ان کو یہ مذکورہ عمر عطا کر بھی دی جائے تب بھی یہ عمران کے کسی کام نہیں آسکتی اور نہ ان سے عذاب کو دور کر سکتی ہے۔ ﴿وَاللَّهُ بِصِيْرِهِمْ بَصِيْرٌ﴾ اور اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو بخوبی دیکھ رہا ہے، یہ ان کے لیے تہدید ہے کہ ان کو ان کے اعمال کا بدلہ ملے گا۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَبُشْرَىٰ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴿۹۰﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ
جو اس سے پہلے ہے اور ہدایت اور بشارت ہے مومنوں کیلئے جو کوئی ہے دشمن اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا
وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ ﴿۹۱﴾
اور اس کے رسولوں کا اور جبریل و میکائیل کا تو بلاشبہ اللہ دشمن ہے کافروں کا

یعنی ان یہود سے کہہ دیجیے جن کا گمان ہے کہ ان کو آپ پر ایمان لانے سے صرف اس چیز نے روکا ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام آپ کے دوست اور مددگار ہیں۔ اگر جبریل علیہ السلام کے علاوہ کوئی اور فرشتہ ہوتا تو وہ آپ پر ایمان لے آتے اور آپ کی تصدیق کرتے۔ تمہارا یہ گمان درحقیقت تمہارا تناقض، تمہاری ضد اور اللہ تعالیٰ کے سامنے تمہارا تکبر ہے۔ کیونکہ جبریل علیہ السلام ہی وہ فرشتہ ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ کے قلب پر قرآن اتارا اور جبریل علیہ السلام ہی آپ سے پہلے دیگر انبیاء کرام پر نازل ہوتا رہا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس نے جبریل علیہ السلام کو حکم دیا اور اسے وحی کے ساتھ بھیجا۔ وہ تو محض ایک پیامبر ہے۔

بائیں ہمہ جبریل علیہ السلام اس کتاب کو لے کر نازل ہوئے جو کتب سابقہ کی تصدیق کرتی ہے۔ یہ کتاب کتب سابقہ کی مخالف ہے نہ ان کی مناقض۔ اس میں مختلف قسم کی گمراہیوں سے مکمل ہدایت کا روشن راستہ ہے اور اس پر ایمان لانے والوں کے لیے دنیاوی اور اخروی بھلائی کی بشارت ہے۔

پس ان صفات سے موصوف جبریل علیہ السلام سے عداوت رکھنا درحقیقت اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات کا انکار کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے رسولوں اور اس کے فرشتوں کے ساتھ عداوت کا اظہار ہے کیونکہ جبریل علیہ السلام کے ساتھ ان کی عداوت جبریل علیہ السلام کی ذات کے ساتھ نہیں بلکہ اس کے ساتھ ان کی عداوت محض اس وجہ سے ہے کہ وہ اللہ کے رسولوں پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق لے کر نازل ہوتا رہا ہے۔ پس ان کا کفر اور عداوت درحقیقت اس ہستی کے ساتھ ہے جس نے اسے بھیجا اور نازل کیا اور اس وحی کے ساتھ ہے جو اس کے ساتھ اتاری گئی ہے اور اس رسول کے ساتھ ہے جس کی طرف یہ وحی بھیجی گئی ہے۔ ان کی عداوت کی بس یہی وجہ ہے۔

وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ مَّ بَيِّنَاتٍ وَمَا يَكْفُرُ بِهَا إِلَّا الْفٰسِقُونَ ﴿۹۸﴾

اور تحقیق نازل کی ہم نے آپ کی طرف آیتیں واضح اور نہیں کفر کرتے انکے ساتھ مگر نافرمانی کرنے والے ہی ○
اللہ تعالیٰ اپنے نبی محمد ﷺ سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے: ﴿وَلَقَدْ أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ آيَاتٍ مَّ بَيِّنَاتٍ﴾ ”اور ہم نے آپ کی طرف روشن آیات نازل کیں“ ان سے اس کو ہدایت حاصل ہوتی ہے جو ہدایت کا طلب گار ہو اور اس پر حجت قائم ہوتی ہے جو عناد کا مظاہرہ کرے۔ یہ آیات حق پر اپنی دلالت اور وضاحت کے اعتبار سے ایک ایسے بلند مقام اور ایسی حالت پر پہنچی ہوئی ہیں کہ کوئی ان کو قبول کرنے سے انکار نہیں کر سکتا سوائے اس شخص کے جس نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل گیا اور اس نے انتہائی درجے کے تکبر سے کام لیا۔

أَوْ كَلِمًا عَهْدًا وَعَهْدًا تَبَدَّاهُ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ بَلْ أَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰۰﴾

کیا (انہوں نے کفر کیا) اور جب بھی عہد کیا انہوں نے کوئی عہد تو پھینک دیا اسکو ایک فریق نے ان میں سے بلکہ اکثر ان میں سے نہیں ایمان لاتے ○
یہ ان کے کثرت معاہدات اور پھر ان معاہدات کے ایفاء پر ان کے عدم صبر پر اظہار تعجب ہے۔ فرمایا:
﴿كَلِمًا﴾ ”جب بھی“ (كَلِمًا) تکرار کا فائدہ دیتا ہے۔ یعنی جب کبھی وہ عہد کرتے ہیں تو وفا نہیں کرتے۔ اس کا کیا سبب ہے؟

اس کا سبب یہ ہے کہ ان میں سے اکثر ایمان نہیں رکھتے۔ ان کا ایمان نہ لانا ہی وہ سبب ہے جو ان کے نقص عہد کا موجب ہے۔ اگر ان کے ایمان میں کوئی صداقت ہوتی تو ان کی مثال ان لوگوں کی سی ہوتی جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿مِنَ الْمُؤْمِنِينَ رَجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللَّهَ عَلَيْهِ﴾ (الاحزاب: ۲۳/۳۳) ”اور اہل ایمان میں سے کتنے ہی ایسے لوگ ہیں کہ جو عہد انہوں نے اللہ سے کیا تھا اسے سچ کر دکھایا“۔

وَلَمَّا جَاءَهُمْ رَسُولٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيقٌ

اور جب آیا انکے پاس کوئی رسول اللہ کے پاس سے تصدیق کر نیوالا اس (کتاب) کی جو انکے پاس ہے تو پھینک دیا ایک فریق نے

مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ كَتَبَ اللَّهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ كَانَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۰۱﴾

ان لوگوں میں سے جو دیئے گئے تھے کتاب اللہ کی کتاب کو پیچھے اپنی پیٹھوں کے گویا وہ نہیں جانتے ○

وَاتَّبَعُوا مَا تَتْلُوا الشَّيْطٰنُ عَلَىٰ مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِن

اور اتباع کیا انہوں نے اسکا جو پڑھتے تھے شیطان سلیمان کی بادشاہی میں اور نہیں کفر کیا سلیمان نے لیکن

الشَّيْطٰنُ كَفَرُوا يَعْلَمُونَ النَّاسَ السَّحَرَةَ وَمَا أُنزِلَ عَلَى الْمَلَكِیْنِ بِبَابِلَ

شیطانوں نے کفر کیا وہ سکھاتے تھے لوگوں کو جادو اور (پیروی کی) اسکی جو نازل کیا گیا اور دو فرشتوں کے ’بابل میں‘

هَارُوتَ وَمَارُوتَ ط وَمَا يَعْلَمِينَ مِنْ أَحَدٍ حَتَّى يَقُولَا إِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ
 ہاروت اور ماروت (پر) اور نہیں سکھلاتے تھے وہ (فرشتے) کسی کو یہاں تک کہ کہتے وہ (پہلے) ہم تو صرف آزمائش ہیں
 فَلَا تَكْفُرْ فَيَتَعَلَّمُونَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ ط
 سونہ کفر کر تو! پس سیکھتے تھے لوگ ان سے وہ (جادو) کہ جدائی ڈالتے تھے وہ اسکے ذریعے سے درمیان مرد اور اسکی بیوی کے
 وَمَا هُمْ بِضَارِّينَ بِهِ مِنْ أَحَدٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ط وَيَتَعَلَّمُونَ مَا يَضُرُّهُمْ
 اور نہیں تھے وہ نقصان پہنچانے والے ساتھ اس (جادو) کے کسی کو بھی مگر ساتھ حکم اللہ کے۔ اور سیکھتے تھے لوگ وہ (علم) جو نقصان پہنچاتا تھا گو
 وَلَا يَنْفَعُهُمْ ط وَلَقَدْ عَلِمُوا لَمَنِ اشْتَرَاهُ مَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ
 اور نہیں نفع دیتا تھا انہیں۔ اور تحقیق جان لیا انہوں نے اہلبتہ جس نے خرید اس (جادو) کو نہیں ہے اسکے لیے آخرت میں کوئی
 خَلَاقٍ ط وَلَيْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنْفُسَهُمْ ط لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۶﴾ وَكَلَّمَ اللَّهُ
 حصہ اور اہلبتہ بری ہے وہ چیز کہ بیچا انہوں نے بدلے اسکے اپنی جانوں کو کاش کہ ہوتے وہ جانتے ○ اور اگر بے شک وہ
 أَمْوَالَهُمْ ط وَاتَّقُوا لِمَنْ تَبَوَّأْتُمْ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ خَيْرٌ ط لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۷﴾
 ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو اہلبتہ ثواب (ملتا) اللہ کے ہاں سے بہت بہتر کاش کہ ہوتے وہ جانتے ○

یعنی جب ان کے پاس رسول کریم ﷺ اس حق کے ساتھ یہ عظیم کتاب لے کر آئے جو ان کے پاس
 موجود کتاب کے موافق تھا اور وہ یہ دعویٰ بھی کرتے تھے کہ وہ اپنی کتاب پر عمل کرتے ہیں۔ تو انہوں نے اس رسول
 اور اس کتاب کو ماننے سے انکار کر دیا جس کو یہ رسول لے کر آئے۔ ﴿نَبَدَ قَوْمٌ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
 كِتَابَ اللَّهِ﴾ ”اہل کتاب کے ایک گروہ نے اللہ کی کتاب کو پھینک دیا“ یعنی وہ کتاب جو ان کی طرف نازل کی گئی
 تھی اس کو بے رغبتی کے ساتھ دور پھینک دیا ﴿وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ﴾ ”اپنی پیٹھوں کے پیچھے“ روگردانی اور اعراض
 کے لیے یہ بلیغ ترین محاورہ ہے گویا وہ اپنے اس فعل کے ارتکاب میں سخت جہالت کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ حالانکہ
 وہ اس رسول کی صداقت اور جو کچھ وہ لایا ہے اس کی حقیقت کو خوب جانتے ہیں۔ اس سے واضح ہو گیا کہ اہل کتاب
 کے اس گروہ کے ہاتھ میں کچھ بھی باقی نہیں جبکہ یہ اس رسول پر ایمان نہیں لائے۔ ان کا اس رسول کو نہ ماننا اپنی
 کتاب کا انکار کرنا ہے مگر وہ اس بات کو سمجھتے نہیں۔

حکمت الہی اور عادت قدسی یہ ہے کہ جو کوئی اس چیز کو ترک کرتا ہے جو اسے فائدہ دیتی ہے اور جس سے فائدہ
 اٹھانا اس کے لیے ممکن ہو لیکن وہ فائدہ نہ اٹھائے تو اسے ایسے کام میں مشغول کر دیا جاتا ہے جو اس کے لیے نقصان
 دہ ہوتا ہے۔ پس جو کوئی اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منہ موڑتا ہے اسے بتوں کی عبادت میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ جو
 کوئی اللہ تعالیٰ کی محبت اس سے خوف اور اس پر امید کو ترک کرتا ہے وہ غیر اللہ کی محبت اس سے خوف اور اس سے

امید میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں مال خرچ نہیں کرتا، اسے شیطان کی فرمانبرداری میں مال خرچ کرنا پڑتا ہے۔ جو کوئی اپنے رب کے سامنے ذلت اور فروتنی کا اظہار نہیں کرتا اسے بندوں کے سامنے ذلیل ہونا پڑتا ہے اور جو کوئی حق کو چھوڑ دیتا ہے اسے باطل میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔

اسی طرح ان یہودیوں نے جب اللہ کی کتاب کو پیٹھ پیچھے پھینک دیا تو اس جادو کے پیچھے لگ گئے جو شیاطین نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی حکومت کے زمانے میں ایجاد کیا۔ جہاں شیاطین نے لوگوں کو سکھانے کے لیے جادو نکالا اور لوگوں کو باور کرایا کہ سلیمان علیہ السلام اسی جادو کے عامل تھے اور جادو ہی کے زور پر انہیں اتنی بڑی سلطنت حاصل ہوئی تھی۔ حالانکہ وہ جھوٹ بول رہے تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے کبھی جادو نہیں کیا۔ بلکہ اللہ سچے نے اپنے اس فرمان میں حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کام سے منزه قرار دیا، فرمایا: ﴿وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ﴾ یعنی (حضرت سلیمان) نے (جادو سیکھ کر) کفر کا ارتکاب نہیں کیا، انہوں نے ہرگز جادو نہیں سیکھا۔ ﴿وَلٰكِنَّ الشَّيْطٰنِ كَفَرُوْا﴾ یعنی (جادو سیکھ کر) شیاطین نے کفر کا ارتکاب کیا۔

﴿يَعْلَمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ﴾ یعنی بنی آدم کو گمراہ کرنے اور ان کو کسر بنانے کی حرص کی وجہ سے لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ اسی طرح یہودیوں نے اس جادو کی بھی پیروی کی جو سرزمین عراق کے شہر بابل میں دو فرشتوں پر نازل کیا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے امتحان اور آزمائش کے لیے ان فرشتوں پر جادو نازل کیا گیا تھا اور یہ فرشتے آزمائش ہی کے لیے لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔

﴿وَمَا يَعْلَمِيْنَ مِنْ اٰحَدٍ حَتّٰى﴾ ”اور وہ کسی کو نہیں سکھاتے تھے یہاں تک کہ“ وہ ان کی خیر خواہی کرتے اور ﴿يَقُوْلُوْا اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ﴾ ”کہتے کہ ہم تو آزمائش کے لیے ہیں، سو تم کفر مت کرو“ یعنی جادو نہ سیکھو کیونکہ جادو کفر ہے۔ پس دونوں فرشتے لوگوں کو جادو سکھانے سے روکتے تھے اور انہیں جادو کی حیثیت سے آگاہ کر دیتے تھے۔ پس شیاطین کا جادو سکھانا تو محض تدلیس اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی خاطر تھا، نیز اس جادو کو ترویج دینے اور اسے اس معصوم ہستی یعنی حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف منسوب کرنے کے لیے تھا جس کو اللہ تعالیٰ نے اس سے بری قرار دیا ہے اور فرشتوں کا جادو سکھانا لوگوں کی آزمائش اور امتحان کے لیے تھا۔ وہ خیر خواہی سے لوگوں کو آگاہ کر دیتے تھے تاکہ ان کے لیے حجت نہ بنے۔ پس یہ یہودی اس جادو کے پیچھے لگے، جسے شیاطین نے سیکھا تھا اور جو وہ دو فرشتے سکھایا کرتے تھے۔ تو انہوں نے انبیاء و رسل کے علوم کو چھوڑ دیا اور شیاطین کے علم کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ہر شخص اسی چیز کی طرف مائل ہوتا ہے جو اس کے مناسب حال ہوتی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جادو کے مفاسد بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يَفْعَلُوْنَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهِ﴾ ”پھر لوگ ان سے وہ سیکھتے جس سے خاوند اور بیوی میں جدائی ڈال دیں“ اس کے باوجود کہ

میاں بیوی کے درمیان محبت کو کسی اور کی محبت پر قیاس نہیں کیا جاسکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾ (الروم: ۲۱/۳۰) ”اور تمہارے درمیان مودت اور رحمہ لئی پیدا کر دی“۔ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جادو کی کوئی حقیقت ہے نیز یہ کہ جادو اللہ تعالیٰ کے ”اذن“ یعنی اللہ تعالیٰ کے ارادے سے نقصان دیتا ہے۔ اذن کی دو اقسام ہیں۔

(الف) اذن قدری۔ جو اللہ تعالیٰ کی مشیت سے متعلق ہے جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ذکر کیا گیا ہے۔

(ب) اذن شرعی۔ جیسا کہ سابقہ آیت کریمہ ﴿فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَىٰ قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ (البقرہ: ۹۷/۱۲)

”اس نے تو یہ کتاب اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر اتاری“ میں مذکور ہے

اس آیت اور اس جیسی دیگر آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسباب کی قوت تاثیر خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو وہ ہر حال میں قضا و قدر کے تابع ہوتے ہیں۔ ان کی مستقل تاثیر نہیں ہوتی۔ افعال العباد کے بارے میں امت کے فرقوں میں کوئی بھی اس اصول کی مخالفت نہیں کرتا سوائے قدریہ کے۔ قدریہ سمجھتے ہیں کہ اسباب کی تاثیر مستقل ہوتی ہے اور وہ مشیت الہی کے تابع نہیں ہوتے۔ چنانچہ انہوں نے بندوں کے افعال کو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے خارج کر دیا اور اس طرح وہ کتاب اللہ سنت رسول اور صحابہ و تابعین کے اجماع کی مخالفت کے مرتکب ہوئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جادو کے علم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جادو میں نقصان ہی نقصان ہے اس میں کوئی دینی یا دنیاوی منفعت نہیں ہوتی جس طرح بعض گناہوں میں دنیاوی منفعت ہوتی ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کے بارے میں فرمایا: ﴿قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا﴾ (البقرہ: ۲۱۹/۱۲) ”کہہ دو شراب اور جوئے میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لیے کچھ فائدے بھی ہیں البتہ ان کا گناہ ان کے فائدے کی نسبت زیادہ بڑا ہے“۔ پس یہ جادو تو ضرر محض ہے اور اصل میں اس کا کوئی داعیہ نہیں۔ تمام منہیات یا تو ضرر محض کی حامل ہیں یا ان میں شرک یا پہلو خیر کے پہلو سے زیادہ ہے۔ جیسے تمام مامورات صرف مصلحت پر مبنی ہیں یا ان میں خیر کا پہلو شر کے مقابلے میں زیادہ ہے۔

﴿وَلَقَدْ عَلِمُوا﴾ یعنی یہود نے جان لیا ہے۔ ﴿لَمَنِ اشْتَرَاهُ﴾ ”جس نے اسے خریدا“ یعنی انہوں نے

جادو کے علم میں اس طرح رغبت کی جیسے تاجر مال تجارت کے خریدنے میں رغبت رکھتا ہے ﴿مَا لَكُمْ فِي الْآخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ﴾ یعنی ”آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں“ بلکہ یہ جادو آخرت میں عذاب کا موجب ہوگا۔ پس ان کا جادو پر عمل کرنا جہالت اور لاعلمی کی وجہ سے نہیں بلکہ اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے آخرت کے مقابلے میں دنیا کی زندگی کو پسند کیا ہے۔ ﴿وَلَيْسَ مَا شَرَوْا بِهِ أَنفُسَهُمْ لَوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ﴾ ”اور وہ بدترین چیز ہے جس کے بدلے وہ اپنے آپ کو فروخت کر رہے ہیں“ کاش کہ یہ جانتے ہوتے، یعنی اپنے فعل کے بارے میں ایسا علم رکھنا

جو عمل کا باعث ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انظُرْنَا وَاسْمَعُوا وَلِلْكَافِرِينَ
اے لوگو! جو ایمان لائے ہو، نہ کہو تم ”راعنا“ اور کہو تم ”انظرنا“ اور (غور سے) سنو تم اور کافروں کے لیے ہے

عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۳۶﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَلَا الْمُشْرِكِينَ
عذاب بہت دردناک ○ نہیں چاہتے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اہل کتاب میں سے اور نہ مشرکین،

أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ مِمَّنْ رَزَقَكُمْ وَاللَّهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهِ
یہ کہ نازل کی جائے تم پر (اے مسلمانو!) کوئی خیر تمہارے رب کی طرف سے اور اللہ خاص کرتا ہے ساتھ اپنی رحمت کے

مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۱۳۷﴾

جس کو چاہتا ہے اور اللہ مالک ہے فضل عظیم ○

مسلمان جب دینی امور سیکھنے کے لیے رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہوتے تو عرض کرتے ﴿رَاعِنَا﴾ یعنی ہمارے حال کی رعایت کیجئے۔ ان کے نزدیک اس لفظ کا صحیح معنی مقصود تھا۔ مگر یہودی اس سے فاسد معنی مراد لیتے تھے لہذا وہ مسلمانوں کے اس لفظ کے استعمال کو نفی مت جانتے ہوئے فاسد معنی کے ارادے سے اس لفظ سے رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو بھی اس لفظ کے ذریعے سے نبی اکرم ﷺ کو خطاب کرنے سے روک دیا۔ تاکہ (گستاخی کا) یہ دروازہ بند ہو جائے۔

اس آیت کریمہ میں کسی جائز کام سے روکنے کی دلیل ہے جبکہ یہ جائز کام کسی حرام کام کے لیے وسیلہ ہو، نیز اس میں ادب کا اور ایسے الفاظ کے استعمال کا بیان ہے جو اچھے ہوں، جن میں بے ہودگی نہ ہو۔ نیز قبیح الفاظ کے ترک کرنے کی تاکید ہے، یا جن میں کسی قسم کی تشویش اور کسی نامناسب امر کا احتمال ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ایسا لفظ استعمال کرنے کا حکم دیا جس میں صرف اچھے معنی کا احتمال ہو۔ فرمایا: ﴿وَقُولُوا انظُرْنَا﴾ اور ”انظرنا کہو“ یہ لفظ کافی ہے اور بغیر کسی خدشے کے اس سے اصل مقصد حاصل ہو جاتا ہے ﴿وَاسْمَعُوا﴾ اور ”سنو“ یہاں مسموع کا ذکر نہیں کیا گیا تاکہ اس کی عمومیت میں ہر وہ چیز شامل ہو جس کے سننے کا حکم دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس کے مفہوم میں سماع قرآن اور سماع سنت شامل ہیں جو لفظی، معنوی اور قبولیت کے اعتبار سے سراسر حکمت ہے۔ اس میں ادب اور اطاعت کی تعلیم ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے کفار کو دردناک عذاب کی وعید سنائی ہے اور یہود اور مشرکین کی مسلمانوں کے ساتھ عداوت سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ نہیں چاہتے کہ ﴿أَنْ يُنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِنْ خَيْرٍ﴾ ”تم پر کوئی بھلائی نازل ہو۔“

یعنی کم یا زیادہ ﴿مِنْ رَزَقِكُمْ﴾ ”تمہارے رب کی طرف سے“ ان کی یہ خواہش تمہارے ساتھ بغض اور اس بات پر

حسد کی وجہ سے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اپنے فضل کے ساتھ مختص کیوں کیا ﴿ **وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ** ﴾ اور (بے شک) اللہ بڑے فضل والا ہے۔ یہ اس کا فضل ہی ہے کہ اس نے تمہارے رسول پر کتاب نازل کی تاکہ وہ تمہیں پاک کرے، تمہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور تمہیں وہ کچھ سکھائے جو تم نہیں جانتے۔ **فَلَهُ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ۔**

مَا نَنْسَخُ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا أَوْ مِثْلَهَا ۗ أَلَمْ تَعْلَمْ
جو منسوخ کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا بھلا دیتے ہیں اسے تو لے آتے ہیں ہم بہتر اس سے یا اس کی مثل ہی کیا نہیں جانا آپ نے کہ
أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝۱۶ **أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ**
بلاشبہ اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے؟ کیا نہیں جانا آپ نے کہ بے شک اللہ اسی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں
وَالْأَرْضِ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ۝۱۷
اور زمین کی؟ اور نہیں ہے تمہارے لیے سوائے اللہ کے کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار ○

(نسخ) کے لغوی معنی نقل کرنا ہیں۔ نسخ کی شرعی حقیقت یہ ہے کہ مکلفین کو کسی ایک شرعی حکم سے کسی دوسرے شرعی حکم کی طرف منتقل کرنا یا اس شرعی حکم کو یکسر ساقط قرار دے دینا۔ یہودی نسخ کا انکار کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ نسخ جائز نہیں حالانکہ نسخ ان کے ہاں تورات میں بھی موجود ہے ان کا نسخ کونہ ماننا کفر اور محض خواہش نفس کی پیروی ہے، پس اللہ تعالیٰ نے نسخ میں پنہاں اپنی حکمت سے آگاہ فرماتے ہوئے فرمایا: ﴿ **مَا نَنْسَخُ مِنْ آيَةٍ أَوْ نُنسِهَا** ﴾ ”جو منسوخ کرتے ہیں ہم کوئی آیت یا اس کو بھلاتے ہیں“ یعنی اپنے بندوں سے فراموش کر دیتے ہیں اور اس آیت کو ان کے دلوں سے زائل کر دیتے ہیں ﴿ **نَأْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَا** ﴾ ”تولتے ہیں اس سے بہتر“ یعنی ایسی آیت اس کی جگہ لے آتے ہیں جو تمہارے لیے زیادہ نفع مند ہوتی ہے ﴿ **أَوْ مِثْلَهَا** ﴾ ”یا اس جیسی کوئی اور آیت“۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تمہارے لیے نسخ (یعنی آیت ناسخہ) کی مصلحت پہلی آیت (یعنی آیت منسوخہ) کی مصلحت سے کسی طرح بھی کم نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فضل، خاص طور پر اس امت پر بہت زیادہ ہے جس پر اس کے دین کو اللہ نے بے حد آسان بنا دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس بات سے بھی آگاہ فرمایا کہ جو کوئی نسخ میں جرح و قدح کرتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی حاکمیت اور قدرت میں عیب نکالتا ہے۔ فرمایا: ﴿ **أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ** ﴾ ”کیا تجھے معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے؟ کیا تجھے معلوم نہیں کہ زمین و آسمان کی بادشاہی اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے؟“ جب اللہ تعالیٰ تمہارا مالک ہے وہ تمہارے اندر اسی طرح تصرف کرتا

ہے جیسے نیکو کار مہربان آقا اپنی اقدار میں اپنے احکام میں اور اپنے نواہی میں تصرف کرتا ہے۔ پس جیسے اس پر اپنے بندوں کی بابت تقدیری فیصلے کرنے پر پابندی نہیں ہے اسی طرح اللہ پر ان احکام کے بارے میں بھی اعتراض صحیح نہیں جو اس نے اپنے بندوں کے لیے مشروع کیے ہیں۔ پس بندہ اپنے رب کے امر دینی اور امر تکوینی کا پابند ہے اسے اعتراض کا کیا حق ہے؟۔

نیز اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا ولی (کارساز) اور ان کا مددگار ہے۔ پس وہ ان کے لیے منفعت کے حصول میں ان کا ولی اور سرپرست ہے اور ضرر کو ان سے دور کرنے میں ان کی مدد کرتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی ولایت (کارسازی) کا حصہ ہے کہ اس نے ان کے لیے ایسے احکام مشروع کیے جن کا تقاضا اس کی حکمت اور لوگوں کے ساتھ اس کی رحمت کرتی ہے۔

جو کوئی اس نسخ میں غور کرتا ہے جو قرآن و سنت میں واقع ہوا ہے تو اس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ اس میں اللہ کی حکمت ہے اس کے بندوں پر رحمت ہے اور اپنے لطف و کرم سے انہیں ان کے مصالح تک ایسے طریقے سے پہنچانا ہے کہ وہ اسے سمجھ ہی نہیں پاتے۔

أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ تَسْأَلُوا رَسُولَكُمْ كَمَا سَأَلَ مُوسَىٰ مِنْ قَبْلُ وَمَنْ يَتَّبِعِ

کیا چاہتے ہو تم (اے مسلمانو!) کہ سوال کرو تم اپنے رسول سے جیسے سوال کئے گئے موسیٰ پہلے اس سے؟ اور جو کوئی تباہ کرنا ہے

الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿۱۰۷﴾ وَذَكَرْنَا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ

کفر کا ایمان کے عوض، تو تحقیق بھٹک گیا وہ سیدھی راہ سے ○ چاہتے ہیں بہت سے اہل کتاب میں سے

لَوْ يَرُدُّوكُمْ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كَفَّارًا ۖ حَسَدًا مِمَّنْ عِنْدَ أَنْفُسِهِمْ مِمَّنْ بَعْدَ

کاش کہ وہ پھیر دیں (بنا دیں) تمہیں بعد تمہارے ایمان کے کافر۔ حسد کرتے ہوئے اپنے دلوں سے بعد

مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۖ فَاعْفُوا وَاصْفَحُوا حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ ۗ إِنَّ اللَّهَ

اس کے کہ واضح ہو گیا ان کے لیے حق پس معاف کرو اور درگزر کرو یہاں تک کہ لے آئے اللہ حکم اپنا بلاشبہ اللہ

عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۰۸﴾ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَمَا تُقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ مِّنْ

ہر چیز پر خوب قادر ہے ○ اور تم قائم کرو نماز اور دو زکوٰۃ اور جو کچھ آگے بھیجو گے تم اپنے نفسوں کیلئے کوئی

خَيْرٍ تَجِدُوهُ عِنْدَ اللَّهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۰۹﴾

بھلائی، تو پاؤ گے تم اس کو اللہ کے ہاں بیشک اللہ جو تم عمل کرتے ہو دیکھنے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ اہل ایمان یا یہود کو منع کرتا ہے کہ وہ اپنے رسول سے اس طرح سوال کریں ﴿كَمَا سَأَلَ مُوسَىٰ﴾

﴿مِنْ قَبْلِ﴾ جس طرح اس سے پہلے (حضرت) موسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا گیا۔ اس سے مراد وہ سوالات ہیں جو بال

کی کھال اتارنے اور اعتراض کی خاطر کیے جاتے ہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تَنزِلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِنَ السَّمَاءِ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ الْأَكْبَرَ مِنْ ذَلِكَ فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً﴾ (النساء: ۱۵۳/۱۴) ”اہل کتاب تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو ان پر آسمان سے کوئی لکھی ہوئی کتاب اتار لا۔ یہ موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑی بات کا مطالبہ کر چکے ہیں کہتے تھے کہ ہمیں اللہ ان ظاہری آنکھوں سے دکھا۔“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنَ أَشْيَاءَ إِن تُبَدَّلَ لَكُمْ تَسْؤُكُمْ﴾ (المائدہ: ۱۰۱/۱۵) ”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو ایسی چیزوں کے بارے میں سوال نہ کیا کرو کہ اگر تم پر ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں بری لگیں گی۔“ لہذا اس قسم کے (مذموم) سوالات سے منع کیا گیا ہے۔

رہا رشد و ہدایت اور تحصیل علم کے لیے سوال کرنا تو یہ محمود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس طرح کے سوالات کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (النحل: ۴۳/۱۶) ”اگر تم نہیں جانتے تو ان لوگوں سے پوچھ لو جو اہل کتاب ہیں۔“ اور اللہ تعالیٰ نے اس قسم کے سوالات کو برقرار رکھا ہے۔ فرمایا: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾ (البقرہ: ۲۱۹/۱۲) ”وہ تجھ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔“ نیز فرمایا: ﴿وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ﴾ (البقرہ: ۲۲۰/۱۲) ”اور وہ تجھ سے یتیموں کے بارے میں پوچھتے ہیں۔“ اور اس قسم کی دیگر آیات۔

چونکہ ممنوعہ سوالات مذموم ہوتے ہیں اس لیے بعض دفعہ سوال پوچھنے والے کو کفر کی حدود میں داخل کر دیتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ يَتَّبِعِ الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ﴾ ”جس نے ایمان کے بدلے کفر لے لیا پس اس نے سیدھا راستہ گم کر دیا۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب میں سے بہت سے لوگوں کے حسد کے بارے میں آگاہ فرمایا کہ ان کی یہ حالت ہو گئی ہے کہ وہ چاہتے ہیں کہ ﴿لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا﴾ ”کاش تمہیں تمہارے ایمان کے بعد کفر کی طرف لوٹا دیں۔“ اس کے لیے انہوں نے پوری کوشش اور فریب کاری کے جال بچھائے مگر ان کے مکرو فریب پلٹ کر انہی پر پڑ گئے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَقَالَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمِنُوا بِالَّذِي أُنزِلَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَجَهَ النَّهَارِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا﴾ (آل عمران: ۷۲/۱۳) ”اہل کتاب کا ایک گروہ کہتا ہے وہ کتاب جو اہل ایمان پر نازل کی گئی ہے اس پر دن کے پہلے حصے میں ایمان لاؤ اور اس کے آخر میں انکار کر دو تا کہ وہ اسلام سے باز آ جائیں۔“ یہ ان کا حسد تھا جو ان کے اندر سے پھوٹ رہا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو یہود کی برائی اور بد خلقی کے مقابلے میں عفو اور درگزر سے کام لینے کا حکم دیا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا حکم آ جائے۔

پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ جہاد کا حکم دے دیا اور اس طرح اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو شفا بخشی چنانچہ اہل ایمان نے ان یہودیوں میں سے جو قتل کے مستحق تھے ان کو قتل کیا جو قیدی بنائے جاسکے ان کو قیدی بنالیا اور کچھ کو ملک بدر کر دیا۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو فی الحال اقامت نماز ادائے زکوٰۃ اور تقرب الہی کے کاموں میں مشغول رہنے کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وعدہ کیا کہ وہ نیکی کا جو بھی کام کریں گے اللہ تعالیٰ کے ہاں کبھی ضائع نہیں ہو گا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اسے بہت زیادہ پائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو محفوظ کر رکھا ہے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ ”تم جو کچھ کرتے ہو اللہ تعالیٰ اسے دیکھتا ہے۔“

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصْرًا تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ط

اور کہا انہوں نے، ہرگز نہیں داخل ہوں گے جنت میں، مگر وہ جو ہوں گے یہودی یا عیسائی۔ یہ (باطل) خواہشیں ہیں انکی، قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۱۱﴾ بَلَىٰ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ

کہہ دیجئے! لاؤ تم دلیل اپنی، اگر ہو تم سچے، کیوں نہیں (ہاں) جس نے جھکا دیا اپنا چہرہ واسطے اللہ کے اور وہ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرٌ عِنْدَ رَبِّهِ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۱۱۲﴾

نیکی کر نیوالا ہے، تو اس کیلئے ہے اجر اسکا نزدیک اسکے رب کے اور نہ کوئی خوف ہو گا ان پر اور نہ وہ غمگین ہی ہوں گے

یعنی یہودیوں نے کہا کہ یہودیوں کے سوا کوئی شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا اور عیسائیوں نے کہا کہ صرف وہی لوگ جنت میں جائیں گے جو عیسائی ہوں گے۔ پس انہوں نے حکم لگا دیا کہ صرف وہی اکیلے جنت کے مستحق ہوں گے۔ یہ محض ان کی آرزوئیں ہیں جو دلیل و برہان کے بغیر قابل قبول نہیں۔ پس اگر تم (اپنے اس دعوے میں) سچے ہو تو دلیل مہیا کرو۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو کسی قسم کا دعویٰ کرتا ہے اس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے دعوے کی صحت پر دلیل مہیا کرے وگرنہ اس کا دعویٰ اگر اس کی طرف پلٹا دیا جائے اور کوئی دعویٰ کرنے والا اس کے برعکس بغیر دلیل کے دعویٰ کر دے، تو وہ بھی ایسا ہی ہوگا۔ ان دونوں دعوؤں کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوگا۔ پس دلیل ہی ایک ایسی چیز ہے جو دعوے کی تصدیق یا اس کی تکذیب کرتی ہے اور جب ان کے پاس کوئی دلیل نہیں ہے، تو معلوم ہوا کہ وہ اپنے اس دعوے میں جھوٹے ہیں۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایسی روشن دلیل بیان فرمائی ہے جو ہر ایک کے لیے عام ہے۔ فرمایا: ﴿بَلَىٰ﴾ یعنی تمہاری آرزوئیں اور تمہارے دعوے صحیح نہیں بلکہ ﴿مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ﴾ جس نے اپنے قلب کو اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ کرتے ہوئے اپنے اعمال کو اس کے لیے خالص کر لیا۔ ﴿وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ اور وہ اپنے اخلاص کے ساتھ اپنے رب کی عبادت احسن طریقے سے کرتا ہے۔ یعنی وہ اس کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق عبادت

کرتا ہے صرف یہی لوگ جنت میں جائیں گے۔ ﴿فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ”بے شک اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے“ یہ اجر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں پر مشتمل جنت ہے۔ ﴿وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ ”اور ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے“ پس انہیں ان کی مرغوب چیز حاصل ہوگی اور خوف سے نجات مل جائے گی۔

ان آیات کریمہ میں یہ مفہوم بھی پایا جاتا ہے کہ جو ان مذکورہ لوگوں کی مانند نہیں ہیں وہ ہلاک ہونے والے جہنمیوں میں شمار ہوں گے۔ پس نجات صرف انہی لوگوں کا نصیب ہے جو محض اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے نیکی کرتے اور رسول اللہ ﷺ کی پیروی کرتے ہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ كَيْسَتِ النَّصْرَىٰ عَلَىٰ شَيْءٍ ۖ وَقَالَتِ النَّصْرَىٰ كَيْسَتِ الْيَهُودُ

اور کہا یہودیوں نے، ’نہیں ہیں عیسائی اوپر کسی چیز کے اور کہا عیسائیوں نے، ’نہیں ہیں یہودی علیٰ شئیءٍ‘ ۚ وَهُمْ يَتْلُونَ الْكِتَابَ كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ اوپر کسی چیز کے حالانکہ وہ (دونوں) پڑھتے ہیں کتاب اسی طرح کہا ان لوگوں نے (بھی) جو نہیں علم رکھتے، مثل انکے قول کے،

فَاللَّهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿۱۳۰﴾

پس اللہ فیصلہ فرمائے گا درمیان ان کے دن قیامت کے اس (چیز) میں کہ تھے وہ اس میں اختلاف کرتے ○

اس کی وجہ یہ ہے کہ اہل کتاب خواہش نفس اور حسد میں اس حد کو پہنچ گئے کہ انہوں نے ایک دوسرے کو گمراہ اور کافر قرار دیا، جیسے مشرکین عرب میں امیوں کا وتیرہ تھا۔ پس ہر فرقہ دوسرے فرقے کو گمراہ قرار دیتا تھا۔ ان اختلاف کرنے والوں کے مابین قیامت کے روز اللہ تعالیٰ عدل کے ساتھ فیصلہ کرے گا۔ یہ وہ فیصلہ ہے جس کے بارے میں اس نے بندوں کو باخبر کر دیا ہے کہ فوز و فلاح اور نجات صرف انہی لوگوں کے لیے ہے جنہوں نے تمام انبیاء و مرسلین کی تصدیق کی اور اپنے رب کے احکام کی پیروی کی اور اس کی منہیات سے اجتناب کیا۔ ان کے علاوہ دیگر تمام لوگ ہلاکت کے گڑھے میں گریں گے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسْجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ

اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں سے، یہ کہ ذکر کیا جائے ان میں نام اللہ کا اور کوشش کی اس نے

فِي خُرَابِهِمْ ۖ أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ ۗ لَهُمْ

انکے اجازتے میں یہ (روکنے والے) نہیں تھا لائق انکے کہ داخل ہوں ان میں مگر ڈرتے ہوئے، انکے لیے

فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ فِي الآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۳۱﴾

دنیا میں رسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں عذاب عظیم ہے ○

یعنی اس شخص سے بڑھ کر ظالم اور مجرم کوئی اور نہیں جس نے اللہ کی مساجد میں لوگوں کو اللہ کا ذکر کرنے، نماز پڑھنے اور نیکی اور اطاعت کے دیگر کاموں سے روکا۔ ﴿وَسَعَى﴾ یعنی جس نے پوری جدوجہد اور بھرپور کوشش کی ﴿فِي خَرَابِهَا﴾ ”ان کے ویران کرنے میں“۔ اس سے مراد حسی اور معنوی دونوں اعتبار سے ویران کرنا ہے۔ حسی ویرانی کا مطلب ہے منہدم کرنا، اجاڑنا اور ان میں گندگی وغیرہ پھینکنا۔ معنوی ویرانی کا مطلب ان مساجد میں اللہ تعالیٰ کے ذکر سے روکنا ہے۔ اور یہ عام ہے اس زمرے میں وہ تمام لوگ آتے ہیں جو ان صفات سے متصف ہیں۔ اس میں اصحاب فیل بھی شامل ہیں، قریش بھی شامل ہیں، جب انہوں نے حدیبیہ کے سال رسول اللہ ﷺ کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روک دیا تھا اور اس گروہ میں وہ نصرانی اور اہل ظلم بھی شامل ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی مخالفت کرتے ہوئے پوری کوشش سے بیت المقدس کو ویران کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے کرتوتوں کی یہ سزا دی کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو شرعی اور تقدیری طور پر مسجد اقصیٰ میں داخل ہونے سے منع کر دیا سوائے اس کے کہ وہ ڈرتے ہوئے ذلت و انکسار کے ساتھ داخل ہوں۔ پس جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بندوں کو خوف زدہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان پر خوف مسلط کر دیا۔

مشرکین مکہ نے رسول اللہ ﷺ کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روک دیا مگر تھوڑا ہی عرصہ گزرا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مکہ مکرمہ فتح کرنے کی اجازت مرحمت فرمادی اور مشرکین کو اللہ تعالیٰ نے اپنے گھر کے قریب جانے سے منع کر دیا۔ چنانچہ فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا﴾ (التوبہ : ۲۸/۹) ”اے ایمان والو! مشرکین تو ناپاک ہیں اس سال کے بعد وہ مسجد حرام کے قریب بھی نہ جائیں“۔

اصحاب فیل کا جو حشر ہوا اللہ تعالیٰ نے (قرآن مجید میں) اس کا ذکر فرمایا ہے۔ نصرانیوں پر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو مسلط فرمایا اور انہوں نے ان کو جلا وطن کر دیا۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو ان جیسی صفات رکھتا ہے وہ اس سزا سے اپنا حصہ ضرور وصول کرے گا۔ یہ بہت بڑی نشانیاں ہیں جن کے واقع ہونے سے پہلے ہی باری تعالیٰ نے آگاہ فرمادیا اور یہ اسی طرح واقع ہوئیں جس طرح اس نے خبر دی تھی۔

اس آیت کریمہ سے اہل علم نے یہ استدلال کیا ہے کہ کفار کو مساجد میں داخل نہ ہونے دیا جائے۔

فرمایا: ﴿لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ﴾ یعنی ”ان کے لیے دنیا میں فضیحت ہے“ ﴿وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ ”اور آخرت میں بڑا عذاب ہے“

جب اللہ کی مساجد میں اللہ کے ذکر سے روکنا سب سے بڑا ظلم ہے تو اسی طرح مساجد کو حسی اور معنوی اعتبار سے آباد کرنے والے سے بڑا ایمان والا کوئی نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَن

أَمَّنْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ﴿ (التوبه: ۱۸۱۹) ”اللہ کی مساجد کو تو وہی لوگ آباد کرتے ہیں جو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔“ بلکہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اس کے گھروں کو بلند کیا جائے اور ان کی تعظیم و تکریم کی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فِي بُيُوتِ الَّذِينَ آذَنَ اللَّهُ أَنْ تُرْفَعَ وَيُرْفَعُوا فِيهَا اسْمُهُ ﴾ (النور: ۳۶/۲۴) ”ان گھروں میں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کو بلند کیا جائے اور وہاں اس کے نام کا ذکر کیا جائے۔“

مساجد سے متعلق بہت سے احکام ہیں جن کا خلاصہ ان آیات کریمہ کے اندر مضمر ہے۔

وَاللَّهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَأَيْنَمَا تُولَّوْا فَثَمَّ وَجْهَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۱۵﴾

اور اللہ کیلئے ہیں مشرق و مغرب، پس جس طرف بھی تم منہ کرو گے، تو وہاں ہی ہے چہرہ اللہ کا بلاشبہ اللہ وسعت والا، خوب جاننے والا ہے ○ ﴿ وَاللَّهُ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ﴾ ”اللہ ہی کے لیے ہے مشرق اور مغرب“ اللہ تعالیٰ نے یہاں مشرق و مغرب کا خاص طور پر ذکر کیا کیونکہ یہ روشنی کے طلوع ہونے اور غروب ہونے کے لحاظ سے اللہ تعالیٰ کی آیات عظیمہ کا محل و مقام ہیں اور جب وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے تو تمام جہات اسی کی ملکیت ہیں۔

﴿ فَأَيْنَمَا تُولَّوْا ﴾ پس ان جہات میں سے جس کسی جہت کی طرف بھی تم اپنا منہ پھیر لو گے بشرطیکہ تمہارا اس کی طرف منہ پھیرنا اللہ کے حکم سے ہو یا تو وہ تمہیں حکم دے کہ خانہ کعبہ کی طرف تم منہ پھیر لو جب کہ پہلے تم بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کے پابند تھے یا سفر میں تمہیں سواری کے اوپر نماز پڑھنے کا حکم دیا جائے اس صورت میں اس کا قبلہ وہی ہوگا جس کی طرف وہ منہ کرے گا یا (انجان جگہ میں) قبلہ کا رخ معلوم نہ ہو، پس اپنے اندازے سے نماز پڑھ لی بعد میں معلوم ہوا کہ اندازہ غلط تھا یا کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے قبلہ رخ ہونا مشکل ہو۔ ان تمام صورتوں میں وہ یا تو مامور ہے (یعنی اللہ کے حکم پر قبلہ کی طرف رخ کرنے والا ہے) یا معذور ہے۔

ہر حال میں بندہ جس جہت کی طرف بھی منہ کرتا ہے وہ جہت اللہ تعالیٰ کی ملکیت سے باہر نہیں۔ ﴿ فَثَمَّ وَجْهَ

اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴾ ”جدھر بھی تم رخ کرو ادھر ہی اللہ کا چہرہ ہے بے شک اللہ وسعت علم والا ہے“ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے چہرے کا اثبات ہوتا ہے مگر جیسے اس کی ذات اقدس کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے مگر مخلوق کے چہروں کے مشابہ نہیں۔ (اللہ تعالیٰ اس مشابہت سے بلند و برتر ہے) وہ وسیع فضل اور عظیم صفات کا مالک ہے اور تمہارے سینوں کے بھید اور نیتوں کو جاننے والا ہے۔ اس نے وسعت علم و فضل کی بنا پر تمہارے لیے احکام میں وسعت بخشی ہے اور تم سے مامورات کو قبول فرمایا۔ ہر قسم کی حمد و ثنا اور شکر صرف اسی کی ذات کے لیے ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبْحٰنَهُۥٓ بَلْ لَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ كُلٌّ

اور کہا انہوں نے 'بنالی ہے اللہ نے اولاد' پاک ہے وہ (اس سے) بلکہ اسی کیلئے ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے 'سب

لَّهُ قٰنِیٰنٌ ﴿۱۳﴾ بِدَیۡحِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِذَا قُضِيَ اَمْرًا فَاِنَّمَا یَقُوْلُ

اسی کیلئے عاجزی کرینوالے ہیں ○ وہ انوکھا موجد ہے آسمانوں اور زمین کا اور جب وہ فیصلہ کرتا ہے کسی کام کا تو صرف یہی کہتا ہے

لَّهُ كُنْ فِیۡكُوْنٍ ﴿۱۴﴾

اس کو ہو جا تو پس وہ ہو جاتا ہے ○

﴿وَقَالُوا﴾ یعنی یہود و نصاریٰ، مشرکین اور ان تمام لوگوں نے کہا جو کہتے ہیں: ﴿اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا﴾ "اللہ نے بیٹا بنا لیا"۔ انہوں نے ایسی بات اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کی جو اس کی جلالت شان کے لائق نہ تھی۔ انہوں نے بہت برا کیا اور اپنی جانوں پر ظلم کیا۔ اللہ تعالیٰ ان کی اس گستاخی پر صبر کرتا ہے، حلم سے کام لیتا ہے، انہیں معاف کر کے انہیں رزق عطا کرتا ہے۔ اس کے باوجود کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ذات میں نقص ثابت کرتے ہیں۔ ﴿سُبْحٰنَهُۥ﴾ یعنی وہ ان تمام صفات سے پاک اور منزہ ہے جن سے یہ اہل شرک اور اہل ظلم اسے متصف کرتے ہیں اور جو اس کے جلال کے لائق نہیں پس پاک اور ہر عیب سے منزہ ہے وہ ذات جو ہر پہلو سے کمال مطلق کی مالک ہے جسے کسی بھی پہلو سے نقص لاحق نہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے قول کی تردید کرتے ہوئے اپنے منزہ ہونے پر دلیل قائم کی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿بَلْ لَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ یعنی زمین و آسمان کی تمام مخلوق اس کی ملکیت اور اس کی غلام ہے۔ وہ ان میں اسی طرح تصرف کرتا ہے جس طرح مالک اپنے مملوک میں تصرف کرتا ہے۔ وہ اس کے اطاعت گزار اور اس کے دستِ تدبیر کے تحت مسخر ہیں۔ جب تمام مخلوق اس کی غلام اور اس کی محتاج ہے اور وہ خود ان سے بے نیاز ہے تو ان میں کوئی کیسے اس کا بیٹا ہو سکتا ہے۔ بیٹا لازمی طور پر اپنے باپ کی جنس سے ہوتا ہے کیونکہ وہ اس کے جسم کا حصہ ہے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ مالک اور غالب ہے تم سب لوگ مملوک اور مغلوب ہو، اس کی ہستی بے نیاز اور تم محتاج محض، ایسا ہونے کے باوجود اس کا کوئی بیٹا کیسے ہو سکتا ہے؟ یہ سب سے بڑا باطل اور سب سے زیادہ قبیح بات ہے۔ "قنوت" (اطاعت کرنا) کی دو اقسام ہیں۔ (۱) قنوت عام: یعنی تمام مخلوق خالق کے دستِ تدبیر کے تحت اس کی اطاعت گزار ہے۔ (۲) قنوت خاص: اس سے مراد اطاعتِ عبودیت ہے۔ پس قنوت کی پہلی قسم وہ ہے جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں کیا گیا ہے۔ اور قنوت کی دوسری قسم وہ ہے جس کا ذکر ﴿وَقَوْمًا يَلٰهُ قٰنِیٰنٌ﴾ (البقرہ: ۲۳۸، ۱۲) "اور اللہ کے سامنے ادب اور اطاعت گزاری کے ساتھ کھڑے رہیں"۔ میں مذکور ہے۔

پھر فرمایا: ﴿بِدَیۡحِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو بغیر کسی سابقہ مثال کے

نہایت مضبوط اور بہترین طریقے سے تخلیق کیا ہے۔ ﴿وَإِذَا قُضِيَٰٓ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ﴾ ”وہ جس کام کو کرنا چاہے کہہ دیتا ہے کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے“ یعنی کوئی چیز اس کی نافرمانی نہیں کر سکتی اور کسی چیز کو اس کے سامنے انکار کرنے کی مجال نہیں۔

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِينَ

اور کہا ان لوگوں نے جو نہیں علم رکھتے کیوں نہیں کلام کرتا ہم سے اللہ یا (کیوں نہیں) آتی ہمارے پاس کوئی نشانی؟ یہی طرح کہا ان لوگوں نے جو

مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ۖ تَشَابَهَتْ قُلُوبُهُمْ ۗ قَدْ بَيَّنَّا الْآيٰتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿۱۱۸﴾

ان سے پہلے تھے مثل انکے قول کے، ایک جیسے ہو گئے دل انکے تحقیق بیان کر دیں ہم نے نشانیاں ان لوگوں کیلئے جو یقین رکھتے ہیں

إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۗ وَلَا تُسْأَلُ عَنِ أَصْحَابِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾

بلاشبہ بھجا ہم نے آپ کو ساتھ حق کے، خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا اور نہیں سوال کئے جائیں گے آپ دوزخیوں کی بابت

یعنی اہل کتاب وغیرہ میں سے جبلاء نے کہا: ہمارے ساتھ اللہ تعالیٰ اس طرح کلام کیوں نہیں کرتا جس طرح وہ اپنے رسولوں سے کلام کرتا ہے۔ ﴿أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ﴾ ”یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی نشانی“ اس سے مراد وہ نشانیاں ہیں جو وہ اپنی فاسد عقولوں اور باطل آراء کے ذریعے سے طلب کرتے تھے۔ ان فاسد آراء کے بل بوتے پر انہوں نے خالق کے مقابلے میں جسارت کی اور اس کے رسولوں کے سامنے تکبر سے کام لیا۔ جیسے انہوں نے کہا: ﴿لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَىٰ اللَّهَ جَهْرَةً﴾ (البقرہ: ۵۵/۲) ”ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہم اللہ کو ان ظاہری آنکھوں سے نہ دیکھ لیں“۔ ﴿يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتٰبِ أَن تَنزِلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ﴾ (النساء: ۱۵۳/۴) ”اہل کتاب تجھ سے کہتے ہیں کہ تو ان پر آسمان سے ایک لکھی ہوئی کتاب اتار لا۔ پس یہ موسیٰ سے اس سے بھی بڑے بڑے سوال کیا کرتے تھے“۔ ﴿لَوْلَا أَنزَلْنَا إِلَيْهِ مَلَكًا فَيَكُونُ مَعَهُ نَذِيرًا ۗ أَوْ يُلْقَىٰ إِلَيْهِ كِتٰبٌ أَوْ تَكُونُ لَهُ جَنَّةٌ يَأْكُلُ مِنْهَا﴾ (الفرقان: ۸۷/۲۵) ”اس کی طرف کوئی فرشتہ کیوں نہ نازل کیا گیا جو ڈرانے کے لیے اس کے ساتھ ساتھ رہتا یا اس کی طرف کوئی خزانا اتارا جاتا۔ یا اس کے لیے کوئی باغ ہوتا جس سے وہ کھاتا“ یا جیسے فرمایا: ﴿وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ تَنفَجِرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنبُوعًا﴾ (بنی اسرائیل: ۹۰/۱۷) ”اور انہوں نے کہا ہم تجھ پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ تو ہمارے لیے زمین سے چشمہ جاری نہ کر دے“۔

پس اپنے رسولوں کے ساتھ یہ ان کی عادت رہی ہے کہ یہ طلبِ رشد و ہدایت کے لیے آیات کا مطالبہ نہیں کیا کرتے تھے اور نہ تمیز حق ان کا مقصد تھا بلکہ وہ تو محض بال کی کھال اتارنے کے لیے مطالبات کرتے تھے۔ کیونکہ رسول تو آیات (اور معجزات) کے ساتھ آتے رہے ہیں اور ان جیسی آیات و معجزات پر انسان ایمان لاتا رہا ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قَدْ بَيَّنَّا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ ”بے شک ہم نے بیان کر دیں نشانیاں ان لوگوں کے لیے جو یقین کرتے ہیں“ پس ہر صاحب ایقان اللہ تعالیٰ کی روشن نشانیوں اور واضح دلائل و براہین کو پہچان لیتا ہے۔ ان سے اسے یقین حاصل ہوتا ہے اور شک و ریب اس سے دور ہو جاتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے نہایت اختصار و ایجاز سے بعض جامع آیات کا ذکر فرمایا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی صداقت اور جو کچھ آپ پر نازل ہوا اس کی صحت پر دلالت کرتی ہیں۔ فرمایا: ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ بِالْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا﴾ ”ہم نے آپ کو حق کے ساتھ خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے“ یہ ان آیات پر مشتمل ہے جنہیں رسول اللہ ﷺ لے کر مبعوث ہوئے اور یہ تین امور کی طرف راجع ہیں۔

(۱) رسول اللہ ﷺ کی رسالت۔ (۲) آپ کی سیرت طیبہ آپ کا طریقہ اور آپ کی راہ نمائی۔ (۳) قرآن و سنت کی معرفت۔ پہلا اور دوسرا نکتہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ﴾ میں داخل ہے اور تیسرا نکتہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿بِالْحَقِّ﴾ میں داخل ہے۔

نکتہ اول۔۔۔ یعنی رسول اللہ ﷺ کی بعثت اور رسالت کی توضیح یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے قبل اہل زمین کی جو حالت تھی وہ معلوم ہے۔ اس زمین کے رہنے والے بتوں آگ اور صلیب کی عبادت میں مبتلا تھے۔ ان کے لیے جو دین آیا انہوں نے اسے تبدیل کر کے رکھ دیا تھا۔ یہاں تک کہ وہ کفر کی تاریکیوں میں ڈوب گئے اور کفر کی تاریکی ان پر چھا گئی تھی۔ البتہ اہل کتاب کی کچھ باقیات تھیں (جو دین اسلام پر قائم رہیں) اور وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے تھوڑا سا پہلے ناپید ہو گئیں۔

یہ بھی معلوم ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو عبث اور بے فائدہ پیدا نہیں کیا اور نہ اس کو بے حساب و کتاب آزاد چھوڑا ہے کیونکہ وہ حکیم و دانایا، باخبر، صاحب قدرت اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ پس اس کی حکمت اور اپنے بندوں پر اس کی بے پایاں رحمت کا تقاضا ہوا کہ وہ ان کی طرف ایک نہایت عظمت والا رسول مبعوث کرے جو انہیں ایک اللہ کی عبادت کا حکم دے جس کا کوئی شریک نہیں۔ ایک عقلمند شخص محض آپ کی رسالت ہی کی بنا پر آپ کی صداقت کو پہچان لیتا ہے اور یہ اس بات کی بہت بڑی علامت ہے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔

رہا دوسرا نکتہ۔۔۔ تو جس نے رسول اللہ ﷺ کو اچھی طرح پہچان لیا اور اسے آپ کی بعثت سے قبل آپ کی سیرت، آپ کے طریق زندگی اور آپ کی کامل ترین خصلتوں پر آپ کی نشوونما کی معرفت حاصل ہو گئی۔ پھر بعثت کے بعد آپ کے مکارم، عظیم اور روشن اخلاق بڑھتے چلے گئے۔ پس جنہیں ان اخلاق کی معرفت حاصل ہو گئی اور انہوں نے آپ کے احوال کو اچھی طرح جانچ لیا تو اسے معلوم ہو گیا کہ ایسے اخلاق صرف انبیائے کاملین ہی کے ہو سکتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اوصاف کو اصحاب اوصاف اور ان کے صدق و کذب کی معرفت کے لیے

سب سے بڑی دلیل قرار دیا ہے۔

رہا تیسرا نکتہ۔۔۔ تو یہ اس عظیم شریعت اور قرآن کریم کی معرفت ہے جسے رسول اللہ ﷺ پر نازل کیا گیا جو سچی خبروں، اچھے احکام، ہر برائی سے ممانعت اور روشن معجزات پر مشتمل ہے۔ پس تمام نشانیاں ان تین باتوں میں آ جاتی ہیں۔

﴿بَشِيرًا﴾ یعنی آپ اس شخص کو دنیاوی اور اخروی سعادت کی خوشخبری سنانے والے ہیں جس نے آپ کی اطاعت کی ﴿وَنَذِيرًا﴾ اور اس شخص کو دنیاوی اور اخروی بدبختی اور ہلاکت سے ڈرانے والے ہیں جس نے آپ کی نافرمانی کی۔ ﴿وَلَا تُسْئَلُ عَنْ أَصْحَابِ الْجَحِيمِ﴾ یعنی آپ سے اہل دوزخ کے بارے میں نہیں پوچھا جائے گا۔ آپ کا کام پہنچا دینا ہے اور حساب لینا ہمارا کام ہے۔

وَكُنْ تَرْضَىٰ عَنْكَ الْيَهُودُ وَلَا النَّصَارَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّ هُدَىٰ اللَّهِ هُوَ الْهُدَىٰ ۗ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ اللَّهِ بِحَقِّهِ هَيِّئْ لِنَفْسِكَ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۱۷﴾

علم، تو نہیں ہو گا آپ کے لئے اللہ سے (بچانے والا) کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار ○

اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ یہود و نصاریٰ آپ سے اس وقت تک خوش نہیں ہو سکتے جب تک آپ ان کے دین کی اتباع نہ کریں کیونکہ وہ اپنے اس دین کے داعی ہیں جس پر وہ عمل پیرا ہیں اور سمجھتے ہیں کہ یہی ہدایت ہے، لہذا آپ ان سے کہہ دیجئے ﴿إِنَّ هُدَىٰ اللَّهِ﴾ ”بے شک اللہ کی ہدایت“ یعنی وہ ہدایت جس کے ساتھ آپ کو مبعوث کیا گیا ہے ﴿هُوَ الْهُدَىٰ﴾ ”وہی درحقیقت ہدایت ہے“ اور وہ مذہب جس پر تم گامزن ہو محض خواہشاتِ نفس کی پیروی ہے اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۗ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ﴾ ”اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی، اس علم کے بعد جو آپ کو پہنچا، تو آپ کو اللہ سے بچانے والا کوئی حمایتی اور مددگار نہیں ہو گا“۔ اس آیت کریمہ میں یہود و نصاریٰ کی اتباع کرنے اور ان امور میں ان کی مشابہت اختیار کرنے سے روکا گیا ہے جو ان کے دین سے مختص ہیں۔ یہاں خطاب اگرچہ رسول اللہ ﷺ سے ہے مگر بالواسطہ آپ کی امت بھی اس میں داخل ہے، کیونکہ اصول یہ ہے کہ جس سے خاص طور پر خطاب ہو اس کی بجائے عموم معنی کا اعتبار کیا جائے۔ جیسے کسی حکم کے نازل ہونے کا کوئی خاص سبب ہوتا ہے، لیکن وہاں اس سبب کی بجائے عموم لفظ کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ أُولَٰئِكَ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَمَنْ
 يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۱۳۱﴾ لِيَبْنِيَ إِسْرَءِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي
 كَفَرْتُمْ بِهَا أَنَا وَمَنْ يَكْفُرْ بِهَا فَيَكْفُرْ بِمَا فِي يَدَيْهِ فَإِنَّمَا يَأْتِيهِ مِنَ النِّعَمِ
 لِيُذَكِّرَ الَّذِي خَلَقَهُ إِنَّ يَوْمَئِذٍ لِّلْعَالَمِينَ ﴿۱۳۲﴾ وَأَتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ
 نَّفْسًا مِّنْهُنَّ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿۱۳۳﴾
 کسی نفس کے کچھ بھی اور نہ قبول کیا جائے گا اس سے کوئی بدلہ اور نہ نفع دے گی اسکو کوئی سفارش اور نہ وہ مدد ہی کئے جائیں گے

اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب عطا کی اور کتاب عطا کر کے ان پر احسان کیا ہے ﴿يَتْلُونَهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ﴾ ”وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ تلاوت کرنے کا حق ہے“۔ یعنی اس کی اتباع کرتے ہیں جیسا کہ اتباع کرنے کا حق ہے۔ یہاں (تلاوت) سے مراد اتباع ہے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ کے حلال ٹھہرائے ہوئے امور کو حلال اور اس کے حرام ٹھہرائے ہوئے امور کو حرام سمجھتے ہیں۔ اس کی حکمت پر عمل پیرا ہوتے ہیں اور اس کی مشابہات پر ایمان لاتے ہیں۔ اہل کتاب میں سے یہی وہ لوگ ہیں جو خوش بخت ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمت کو پہچانا اور اس کے شکر گزار ہوئے جو تمام رسولوں پر ایمان لائے اور انہوں نے ان رسولوں کے مابین تفریق نہ کی۔ یہی لوگ حقیقی مومن ہیں نہ کہ وہ لوگ جو کہتے ہیں ﴿نُؤْمِنُ بِمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُونَ بِمَا وَرَاءَهُ﴾ (البقرہ: ۹۱/۲) ”جو کتاب ہم پر نازل کی گئی ہم تو اس پر ایمان لاتے ہیں اور اس کے سوا دوسری کتابوں کا انکار کرتے ہیں“۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو وعید سناتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ﴾ ”جو کوئی اس کا انکار کرے گا پس یہی لوگ گھائے میں پڑنے والے ہیں“۔ اس کے بعد آنے والی آیت کریمہ کی تفسیر گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔

وَإِذِ ابْتَلَىٰ إِبْرٰهٖمَ رَبُّهُ بِكَلِمٰتٍ فَاَتٰهِنَّ ط قَالَ اِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ط
 اور جب آزمایا ابراہیم کو اسکے رب نے ساتھ چند کلمات کے ’تو پورا کر دیا اس نے انکو اللہ نے کہا بیشک میں بناؤں گا تجھے لوگوں کا امام‘
 قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي ط قَالَ لَا يِنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ ﴿۱۳۴﴾ وَاذْجَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً
 (ابراہیم) نے کہا اور میری اولاد میں سے بھی اللہ نے کہا نہیں پہنچتا میرے عہد ظالموں کو اور جب بتلایا ہم نے بیت اللہ کو بار بار لوٹنے کی جگہ
 لِلنَّاسِ وَاٰمَنَاطٌ وَاَتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مٰصِلًا ط وَعٰهْدُنَا اِلٰى اِبْرٰهٖمَ
 لوگوں کے لیے اور امن (کی جگہ) اور بناؤ تم مقام ابراہیم کو جائے نماز اور حکم دیا ہم نے ابراہیم

وَأَسْبِغِلْ أَنْ طَهَّرَا بَيْتِي لِلظَّالِمِينَ وَالْعَافِينَ وَالرُّكَّعَ السُّجُودِ ﴿۱۷۵﴾

اور اسماعیل کو یہ کہ پاک کر دو تم دونوں میرا گھر واسطے طواف کریو والوں اور اعکاف کریو والوں اور رکوع سجود کریو والوں کے۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندے اور اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں خبر دیتا ہے۔ جن کی امامت و جلالت تمام گروہوں کے درمیان متفق علیہ ہے۔ اہل کتاب کے تمام گروہ ان کی پیشوائی کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں اور اسی طرح مشرکین مکہ بھی ان کو پیشوا مانتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چند باتوں میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لیا یعنی چند امور و نواہی میں جیسا کہ عادت الہی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو امتحان اور آزمائش میں مبتلا کرتا ہے، تاکہ جھوٹا شخص جو ابتلاء و امتحان میں ثابت قدم نہیں رہ سکتا، ایسے شخص سے علیحدہ ہو جائے جو سچا ہے تاکہ سچے شخص کے درجات بلند ہوں، اس کی قدر و قیمت زیادہ ہو، اس کے اعمال صاف ستھرے ہوں اور وہ اس آزمائش کی بھٹی سے کندن بن کر نکلے۔

اللہ تعالیٰ کے ان بندوں میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام جلیل ترین مقام پر فائز ہیں۔ جن امور میں اللہ تعالیٰ نے ان کو آزمایا تھا وہ بدرجہ اتم اس آزمائش میں پورے اترے اللہ تعالیٰ نے ان کی اس سعی کی قدر کی اور اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے (اپنے نیک بندوں کی مساعی کا) قدر دان ہے۔ فرمایا: ﴿إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا﴾ ”میں تجھ کو لوگوں کا امام بناؤں گا“، یعنی وہ زندگی کے لائحہ عمل میں تیری پیروی کریں گے اور ابدی سعادت کی منزل تک پہنچنے کے لیے تیرے پیچھے چلیں گے۔ تجھے ہمیشہ مدح و ثنا حاصل رہے گی اور بے پایاں اجر عطا ہوگا اور ہر شخص تیری عظمت کا قائل ہوگا۔ اللہ کی قسم! یہ افضل ترین درجہ ہے جس میں لوگ ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر رغبت کرتے ہیں اور ایک ایسا بلند مقام ہے کہ اصحاب اعمال اس تک پہنچنے کے لیے بڑی جدوجہد کرتے ہیں اور وہ کامل ترین حالت ہے جو صرف اولوالعزم انبیاء و مرسلین، ان کے پیروکار صدیقین اور اللہ تعالیٰ اور اس کے راستے کی طرف دعوت دینے والوں کو حاصل ہوتی ہے۔

جب ابراہیم علیہ السلام اس مقام بلند کو پا کر خوش ہوئے تو انہوں نے اپنی اولاد کے لیے بھی اس مقام کی درخواست کی تاکہ ان کے اور ان کی اولاد کے درجات بلند ہوں اور یہ دعا بھی ان کی امامت اللہ کے بندوں کے ساتھ خیر خواہی اور چاہت کا نتیجہ ہے کہ ان کی اولاد میں اللہ کی طرف رہنمائی کرنے والوں کی کثرت ہو۔ پس کیا خوب عظمت ہے ان اعلیٰ مقاصد اور مقامات بلندی کی۔

اللہ رحیم اور لطف و کرم کے مالک نے ان کی دعا قبول فرمائی اور اس رکاوٹ سے ان کو باخبر کر دیا جو اس مقام کے حصول کے راستے میں حائل ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿لَا يَنْتَظِرُ الْعَهْدِي الظَّالِمِينَ﴾ ”میرا عہد ظالموں کو نہیں پہنچے گا“، یعنی اہل ظلم دین میں امامت کے رتبے کو نہیں پہنچ سکتے۔ جس نے اپنے نفس پر ظلم کیا، اس کو نقصان پہنچایا اور اس

کی بے قدری کی، کیونکہ ظلم اس مقام کے منافی ہے۔ یہ ایسا مقام ہے جہاں تک پہنچنے کا ذریعہ صبر و یقین ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ اس رتبے کا مالک ایمان اعمال صالحہ اخلاق جمیلہ خصائل حمیدہ محبت تامہ اور خشیت و انابت میں عظمت کا حامل ہو۔ پس ظلم کا اس مقام سے کیا تعلق؟

آیت کریمہ کا مفہوم دلالت کرتا ہے کہ جو ظالم نہیں وہ اس امامت کے بلند مقام تک پہنچ سکتا ہے مگر وہاں تک پہنچانے والے اسباب استعمال کر کے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے باقی رہنے والے نمونے کا ذکر فرمایا جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امامت پر دلالت کرتا ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کا محترم گھر جس کی زیارت کو اللہ تعالیٰ نے دین کا ایک رکن اور گناہوں کو تباہیوں کو ختم کر دینے والا قرار دیا اور اس محترم گھر میں اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کے آثار ہیں جن کے ذریعے سے ان کی امامت کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور حضرت خلیل علیہ السلام کی حالت یاد آتی ہے۔ پس فرمایا:

﴿وَإِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے اس محترم گھر کو لوگوں کا مرجع قرار دیا، لوگ اپنے دینی اور دنیاوی منافع کے حصول کی خاطر وہاں اکٹھے ہوتے ہیں۔ وہاں بار بار جانے کے باوجود ان کا دل نہیں بھرتا ﴿وَأَمَّنَّا﴾ اور اللہ تعالیٰ نے اس محترم مقام کو جائے امن قرار دیا جہاں پہنچ کر ہر شخص محفوظ و مامون ہو جاتا ہے یہاں تک کہ جنگلی جانور اور نباتات و جمادات بھی مامون ہوتے ہیں۔ بنا بریں جاہلیت کے زمانے میں اہل عرب اپنے شرک کے باوجود بیت اللہ کا حد درجہ احترام کرتے تھے۔ حتیٰ کہ ان میں سے کوئی اگر بیت اللہ میں اپنے باپ کے قاتل کو بھی دیکھ لیتا تو تب بھی اس میں انتقامی جذبہ جوش نہ مارتا۔ جب اسلام آیا تو اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ کی حرمت، عظمت اور اس کے شرف و تکریم میں اور اضافہ کر دیا۔

﴿وَاتَّخِذُوا مِن مَّقَامِ رَبِّهِمْ مُصَلًّى﴾ اور بناؤ ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ، اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد وہ معروف مقام ہو جو اب بیت اللہ کے دروازے کے بالمقابل ہے۔ اور جائے نماز بنانے سے مراد طواف کی دو رکعت ہیں جو مقام ابراہیم کے پیچھے کھڑے ہو کر پڑھنا مستحب ہے۔ جمہور مفسرین کا یہی مذہب ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہاں مقام مفرد اور مضاف ہو، اس صورت میں یہ حج کے ان تمام مقامات کو شامل ہوگا، جہاں جہاں ابراہیم علیہ السلام کے قدم پہنچے اور یہ حج کے سارے مشاعر ہوں گے، جیسے طواف، سعی صفا و مروہ، وقوف عرفات و مزدلفہ، رمی جمار (کنکریاں مارنا) قربانی اور دیگر افعال حج۔

پس یہاں ﴿مُصَلًّى﴾ کا معنی ”عبادت کی جگہ“ قرار پائے گا۔ یعنی تمام شعائر حج میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیروی کرو۔ شاید یہی معنی زیادہ مناسب ہے کیونکہ اس کے اندر پہلا معنی بھی آ جاتا ہے اور لفظ بھی اس معنی کا محتمل ہے۔

﴿ وَعَهْدَنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ أَنْ طَهَّرَا بَيْتِي ﴾ یعنی ہم نے حضرت ابراہیم اور اسماعیل علیہ السلام کی طرف وحی کر کے انہیں حکم دیا کہ وہ بیت اللہ کو شرک، کفر و معاصی، رجز و نجاست اور گندگی سے پاک کریں تاکہ اللہ کا یہ گھر ﴿ لِلطَّائِفِينَ ﴾ طواف کرنے والوں، ﴿ وَالْعَاكِفِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴾ اور رکوع و سجدہ کرنے والوں، یعنی نمازیوں کے لیے پاک ہو جائے۔

آیت کریمہ میں طواف کے ذکر کو مقدم رکھا گیا ہے کیونکہ یہ مسجد حرام سے مختص ہے اس کے بعد اعتکاف کا ذکر آیا ہے کیونکہ صحت اعتکاف کے لیے مطلقاً مسجد کی شرط ہے یہی وجہ ہے کہ نماز کا ذکر طواف و اعتکاف کے بعد ہے باوجود اس بات کے کہ وہ افضل ہے۔ باری تعالیٰ نے کعبہ کو چند وجوہات کی بنا پر اپنی طرف منسوب کیا ہے۔

(۱) اللہ کا گھر ہونے کے حوالے سے یہ نہایت شدت سے اس بات کا متقاضی تھا کہ حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام اس کی تطہیر کا خوب اہتمام کریں۔ اس مقصد کے حصول کے لیے جدوجہد کریں اور اپنی پوری طاقت صرف کر دیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی طرف یہ نسبت عزت و شرف اور تکریم کی متقاضی ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا ہے۔

(۳) یہ اضافت اور نسبت ہی ہے جو دلوں کو بیت اللہ کی طرف کھینچنے کا باعث ہے۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ اجْعَلْ هَذَا بَلَدًا آمِنًا وَارْزُقْ أَهْلَهُ مِنَ الشَّرِّ مَنْ

اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب! بنا اس (جگہ) کو شہر امن والا اور رزق دے اسکے باشندوں کو پھلوں سے جو کوئی

أَمِنَ مِنْهُمْ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَأُمْتِعْهُ قَلِيلًا ثُمَّ أَضْطَرُّهُ

ایمان لائے ان میں سے ساتھ اللہ اور یوم آخرت کے اللہ نے کہا اور جس نے کفر کیا، پس فائدہ دوں گا میں اسے تھوڑا سا پھر مجبور کر دوں گا

إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ وَيُنْسِ الْبَصِيرُ ﴿۱۳۶﴾

اسے طرف عذاب جہنم کی، اور بری ہے وہ جگہ پھرنے کی

یعنی جب ابراہیم علیہ السلام نے یہ دعا کی کہ اللہ تعالیٰ اپنے اس گھر کو امن کی جگہ بنائے اور یہاں کے رہنے والوں کو مختلف قسم کے پھلوں سے رزق عطا کرے۔ پھر جناب ابراہیم علیہ السلام نے ادب الہی کی خاطر اس دعا کو ایمان کی قید لگا کر اہل ایمان کے لیے خاص کر دیا۔ چونکہ ان کی پہلی دعا مطلق تھی اس لیے اس کے جواب کو ”غیر ظالم“ کی قید سے مقید کیا گیا۔

پس جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لیے رزق کی دعا کی اور اس کے لیے ایمان کی شرط عائد کی اور

اللہ تعالیٰ کا رزق مومن اور کافر نا فرمان اور فرمانبردار سب کو ملتا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَنْ كَفَرَ ﴾

”اور جس نے کفر کیا“، یعنی میں کافر اور مسلمان تمام لوگوں کو رزق عطا کروں گا۔ رہا مسلمان تو وہ اس رزق سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے میں مدد لے گا پھر وہ یہاں سے جنت کی نعمتوں میں منتقل ہو جائے گا اور کافر تو وہ اس دنیا میں تھوڑا سا فائدہ اٹھائے گا ﴿ثُمَّ اضْطَرَّ﴾ پھر میں اسے لاچار کر دوں گا اور اس کی ناپسندیدگی کے باوجود اسے دنیا سے نکال کر ﴿إِلَىٰ عَذَابِ النَّارِ وَيَسَّ الْبَصِيرُ﴾ جہنم کے عذاب میں جھونک دوں گا جو بہت برا ٹھکانا ہے۔“

وَإِذْ يَرْفَعُ إِبْرَاهِيمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَإِسْمَاعِيلُ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ

اور جب بلند کر رہے تھے ابراہیم بنیادیں بیت اللہ کی اور اسماعیل (کہتے ہوئے) اے ہمارے رب! اور تو قبول کر لے ہم سے (یہ نیکی) یقیناً تو ہی

السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۲۵﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمِينَ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُّسْلِمَةً

سننے والا جاننے والا ہے ○ اے ہمارے رب! بنا ہم دونوں کو فرماں بردار اپنا اور (بنا) ہماری اولاد میں سے بھی ایک جماعت فرماں بردار

لَكَ ۖ وَارِنَا مَنَا سَكَنًا وَتُبَّ عَلَيْنَا ۖ إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۲۶﴾ رَبَّنَا

اپنی اور رکھا ہمیں ہماری عبادت کے طریقے اور توجہ فرما ہم پر یقیناً تو ہی ہے توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ○ اے ہمارے رب!

وَأَبْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

اور بھیج ان میں ایک رسول انہی میں سے، تلاوت کرے وہ اور پران کے تیری آیتیں اور تعلیم دے ان کو کتاب اور حکمت کی

وَيُزَكِّهِمْ ۖ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿۱۲۷﴾

اور پاک کرے ان کو! بلاشبہ تو ہی ہے غالب حکمت والا ○

یعنی حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل عليهما السلام کی اس حالت کو یاد کرو جب وہ بیت اللہ کی بنیادیں بلند کر رہے تھے اور اس عظیم کام پر تسلسل اور پابندی سے لگے ہوئے تھے اور یہ کہ اس وقت ان پر خوف اور امید کی کیسی کیفیت طاری تھی حتیٰ کہ اس عظیم عمل کے باوجود انہوں نے دعا کی کہ ان کا عمل قبول کیا جائے، تاکہ اس کا فائدہ عام ہو اور انہوں نے اپنی ذات اور اپنی اولاد کے لیے اسلام کی دعا کی۔ جس کی حقیقت قلب کا خشوع و خضوع ہے اور دل کا اپنے رب کا مطیع ہو جانے اور اعضاء و جوارح کے فرماں بردار ہونے کو مضمّن ہے۔

﴿وَارِنَا مَنَا سَكَنًا﴾ یعنی ارادہ اور مشاہدہ کے ذریعے ہمیں ہمارا طریق عبادت سکھا۔ تاکہ یہ زیادہ مؤثر

ہو۔ اس میں ایک احتمال یہ ہے کہ مناسک سے مراد تمام اعمال حج ہوں۔ جیسا کہ اس معنی پر آیت کریمہ کا سیاق و سباق دلالت کرتا ہے۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ اس سے بڑھ کر کوئی چیز مراد ہو اور وہ سارا دین اور تمام عبادات ہیں۔۔۔۔ جیسا کہ عموم لفظ اس پر دلالت کرتا ہے کیونکہ (المنسک) کا معنی عبادت کرنا ہے پھر عرف کے لحاظ سے حج کی عبادت کے لیے اس لفظ کا استعمال غالب آ گیا۔ پس ان کی دعا کا حاصل علم نافع اور عمل صالح کی توفیق مانگنا ہے۔

بندہ جیسا بھی ہو اس سے تقصیر ہو ہی جاتی ہے اس لیے وہ توبہ کا محتاج ہوتا ہے چنانچہ دونوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: ﴿وَتُبَّ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَابُ الرَّحِيمُ﴾ اے اللہ ہم پر رجوع فرما تو بہت رجوع کرنے والا بہت مہربان ہے۔

﴿رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ﴾ یعنی ہماری اولاد میں رسول مبعوث فرماتا کہ وہ ان دونوں کے درجات کی بلندی کا سبب بنے۔ لوگ اس کی اطاعت کریں اور اسے اچھی طرح پہچان لیں۔ فرمایا: ﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ﴾ یعنی وہ لفظاً لفظاً حفظ کرنے اور حفظ کروانے کیلئے تیری آیات کی تلاوت کرے۔ ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ یعنی معانی سمجھاتے ہوئے انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے ﴿وَيُزَكِّيهِمْ﴾ یعنی اعمالِ صالحہ کے ذریعے سے ان کی تربیت کرے اور اعمالِ قبیحہ سے ان کو بچائے کیونکہ قبیح اور ردی اعمال کے ہوتے ہوئے نفس پاک نہیں ہو سکتا۔ ﴿إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ﴾ یعنی تو ہر چیز پر غالب ہے۔ عزیز اس ہستی کو کہتے ہیں جس کی قوت کے سامنے کوئی چیز نہ ٹھہر سکے۔ ﴿الْحَكِيمُ﴾ حکیم اس ہستی کو کہتے ہیں جو ہر چیز کو اس کے مناسب مقام پر رکھے۔ پس تو اپنے غلبہ و حکمت کے تحت ان کے اندر اس رسول (ﷺ) کو مبعوث فرما۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں برگزیدہ نبیوں کی دعا قبول فرمائی اور تمام مخلوق پر عام طور پر اور اولادِ ابراہیم و اسماعیل علیہ السلام پر خاص طور پر رحم کرتے ہوئے اس رسول کریم (ﷺ) کو مبعوث فرمایا۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے: «أَنَا دَعْوَةُ أَبِي إِبْرَاهِيمَ»^① ”میں اپنے باپ ابراہیم کی دعا ہوں“

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس قدر عظمت و بلندی سے نوازا اور ان کی صفاتِ کاملہ بیان فرمائیں تو فرمایا:

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنِ مِلَّةِ إِبْرَاهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهُ ط وَلَقَدْ اصْطَفَيْنَاهُ

اور کون ہے جو بے رغبتی کرتا ہے ملتِ ابراہیم سے! مگر وہی جس نے نادانی کی اپنے نفس (کے معاملے) میں اور بلا شبہ جن لیاہم نے اسکو

فِي الدُّنْيَا ۚ وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لِمِنَ الصَّالِحِينَ ۝۱۳۰ اِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ ۚ قَالَ

دنیا میں اور بیشک وہ آخرت میں نیکوں میں سے ہے ۝ جب کہا اس سے اسکے رب نے فرماں بردار ہو جا! تو کہا اس نے

أَسَلْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝۱۳۱ وَوَضَىٰ بِهَا إِبْرَاهِيمُ بَيْنَهُ وَيَعْقُوبُ ط يٰبَنِي

فرماں بردار ہو گیا میں واسطے رب العالمین کے ۝ اور وصیت کی اس (کلمہ اسلام) کی ابراہیم نے اپنے بیٹوں کو اور یعقوب نے اے میرے بیٹو!

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ لَكُمْ الدِّينَ فَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ط ۝۱۳۲ أَمْ كُنْتُمْ

یقیناً اللہ نے جن لیاہے واسطے تمہارے یہ دین! پس نہ ہرگز مرنا تم، مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو ۝ کیا تھے تم

شُهِدَاءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنِّي بَعْدِي
 موجود جب آئی یعقوب کو موت؟ جب کہا اس نے اپنے بیٹوں سے، کس چیز کی عبادت کرو گے تم میرے بعد؟
 قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَالِاهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَهًا وَاحِدًا
 انہوں نے کہا، عبادت کریں گے ہم تیرے معبود کی اور تیرے باپ دادا ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق کے معبود، یکتا کی
 وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۱﴾ تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلكُمْ مِمَّا
 اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں ○ یہ ایک جماعت ہے جو گزر گئی اسی کیلئے ہے جو کمایا اس نے اور تمہارے لیے ہے جو
 كَسَبْتُمْ وَلَا تَسْأَلُونَ عَنَّا كَانُوا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۲﴾
 کمایا تم نے اور نہیں سوال کئے جاؤ گے تم اس سے جو تھے وہ عمل کرتے ○

یعنی وہ کون ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت کو پہچان لینے کے بعد ان کی ملت سے روگردانی کرے۔
 ﴿إِلَّا مَن سَفِهَ نَفْسَهُ﴾ یعنی ایسا شخص وہی ہو سکتا ہے جس نے اپنے نفس کو جاہل رکھ کر حقیر بنا دیا ہو۔ اپنے نفس
 کے لیے کمتر چیز پر راضی ہو اور گھائے کے سودے میں اسے فروخت کر دیا ہو۔ اسی طرح اس شخص سے بڑھ کر کامل
 اور راست رو کوئی نہیں جو ملت ابراہیم میں رغبت رکھتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حالت کے بارے میں آگاہ فرمایا: ﴿وَلَقَدْ
 اصْطَفَيْنَاهُ فِي الدُّنْيَا﴾ یعنی ہم نے حضرت ابراہیم کو چون لیا انہیں ایسے اعمال کی توفیق سے نوازا جن کی بنا پر وہ
 چیدہ چیدہ نیک لوگوں میں شمار ہوئے۔ ﴿وَإِنَّهُ فِي الْآخِرَةِ لَمِنَ الصَّالِحِينَ﴾ اور وہ آخرت میں صالحین میں سے
 ہوں گے، یعنی وہ نیک لوگ جو بلند ترین درجات پر فائز ہوں گے۔

﴿إِذْ قَالَ لَهُ رَبُّهُ أَسْلِمْ قَالَ﴾ اور جب انہیں ان کے رب نے کہا مطیع ہو جاؤ، یعنی (اللہ تعالیٰ کے
 فرمان کے جواب میں) حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نہایت فرمانبرداری سے عرض کی: ﴿أَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعَالَمِينَ﴾
 یعنی میں اخلاص، توحید، محبت اور انابت کے طور پر جہانوں کے پروردگار کے سامنے سر تسلیم خم کرتا ہوں۔
 پس اللہ تعالیٰ کی توحید ان کی خاص صفت قرار پائی۔ پھر اس توحید کو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وراثت کے طور
 پر اپنی اولاد میں منتقل کیا۔ اس کی ان کو وصیت فرمائی اور اسے ایک ایسا کلمہ بنا دیا جو ان کے بعد بھی باقی رہا اور نسل در
 نسل وراثت میں منتقل ہوتا رہا حتیٰ کہ حضرت یعقوب علیہ السلام تک پہنچا اور انہوں نے اپنے بیٹوں کو اسی کلمہ توحید کی
 وصیت کی۔

پس اے اولاد یعقوب! تمہیں تمہارے باپ نے خاص طور پر وصیت کی ہے اس لیے نہایت کامل طریقے
 سے اس کی اطاعت کرنا اور خاتم الانبیاء ﷺ کی اتباع کرنا تم پر واجب ہے۔ فرمایا: ﴿يَبْنِيَّ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَى

لَكُمْ الدِّينَ ﴿ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر رحم اور احسان کرتے ہوئے تمہارے لیے دین کو چن لیا ہے لہذا اس دین کو قائم کرو اس کی شرائع سے متصف اور اس کے اخلاق میں رنگے جاؤ پھر ان کو دائمی طور پر اختیار کر لو۔ جب تمہیں موت آئے تو یہ اوصاف و اخلاق تمہارا اوڑھنا بچھونا ہوں، کیونکہ انسان جن اوصاف کے ساتھ زندگی بسر کرتا ہے انہی اوصاف کے ساتھ موت سے ہم آغوش ہوتا ہے اور جن اوصاف پر وہ مرتا ہے انہی اوصاف کے ساتھ اسے قیامت کے روز اٹھایا جائے گا۔

چونکہ یہودیوں کو زعم تھا کہ وہ ملتِ ابراہیم اور ان کے بعد ملتِ یعقوب پر ہیں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا انکار کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ **أَمْ لَكُمْ شُهَدَاءُ** ﴾ یعنی ”کیا تم سب اس وقت موجود تھے“ ﴿ **إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتَ** ﴾ ”جب یعقوب علیہ السلام کو موت آئی“، یعنی جب موت کے مقدمات اور اسباب ظاہر ہوئے تو انہوں نے آزمائش اور امتحان کے طور پر اپنے بیٹوں سے پوچھا تاکہ ان کی وصیت پر ان کے بیٹوں کے عمل کرنے کی وجہ سے ان (حضرت یعقوب علیہ السلام) کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ ﴿ **مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي** ﴾ ”میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟“ پس یعقوب علیہ السلام کے بیٹوں نے انہیں ایسا جواب دیا جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں چنانچہ انہوں نے جواب دیا: ﴿ **نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَالِاهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ إِلَهُهَا وَاجِدًا** ﴾ پس ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک ٹھہرائیں گے نہ کسی کو اس کے برابر قرار دیں گے ﴿ **وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ** ﴾ ”اور ہم اسی کے مطیع اور فرماں بردار ہیں“۔ پس انہوں نے توحید اور عمل کو جمع کر دیا۔

یہ بدیہی طور پر معلوم ہے کہ یہودی حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات کے وقت موجود نہ تھے کیونکہ وہ تو ان کی وفات کے بعد وجود میں آئے۔ جب وہ اس وقت موجود نہ تھے تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں کو یہودیت کی نہیں بلکہ حنیفیت کی وصیت فرمائی تھی۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿ **يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَدْ خَلَتْ** ﴾ یعنی وہ امت گزر گئی ﴿ **لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلكُمْ مَا كَسَبْتُمْ** ﴾ ”اس کے لیے وہ ہے جو اس نے کمایا اور تمہارے لیے وہ جو تم کماؤ گے“، یعنی ہر شخص کا اپنا عمل ہے اللہ تعالیٰ اسے اسی کے فعل کی جزا دے گا۔ وہ کسی شخص کا کسی دوسرے شخص کے گناہوں کی وجہ سے مواخذہ نہیں کرے گا اور کسی شخص کو صرف اس کا اپنا ایمان اور تقویٰ ہی کام دے گا۔ پس تمہارا اس زعم میں مبتلا ہونا اور تمہارا یہ دعویٰ کہ تم ان انبیاء علیہم السلام کی ملت پر ہو مجرد دعویٰ اور ایک ایسا معاملہ ہے جو حقیقت سے خالی ہے بلکہ تم پر فرض ہے کہ تم اپنی موجودہ حالت پر غور کرو۔ کیا یہ نجات دلانے کی صلاحیت رکھتی ہے یا نہیں؟

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا اَوْ نَصْرًا تَهْتَدُوا قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيفًا وَمَا

اور کہا انہوں نے، ہو جاؤ تم یہودی یا عیسائی، تو راہ پا جاؤ گے، کہہ دیجئے! بلکہ (یہودی کرتے ہیں ہم) ملتِ ابراہیم کی جو حنیف تھا اور نہیں

كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۶۵﴾

تھا وہ مشرکوں سے ○

یعنی یہود و نصاریٰ نے مسلمانوں کو اپنے اپنے دین میں داخل ہونے کی دعوت دی ان میں سے ہر ایک اس زعم باطل میں مبتلا تھا کہ وہ ہدایت یافتہ ہے اور دوسرے گمراہ ہیں لہذا اللہ تعالیٰ نے شافی جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا﴾ بلکہ ہم تو ملت ابراہیم کی اتباع کرتے ہیں، یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام ہر طرف سے منہ موڑ کر توحید کو قائم کرتے ہوئے اور شرک کو ترک کر کے صرف اللہ تعالیٰ کی طرف متوجہ تھے۔ یہی وہ ہستی ہے جس کی پیروی میں ہدایت اور جس کی ملت سے روگردانی کرنا کفر اور گمراہی ہے۔

قَوْلُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ

کہو تم ایمان لائے ہم ساتھ اللہ کے اور ساتھ اس کے جو نازل کیا گیا ہماری طرف اور جو نازل کیا گیا طرف ابراہیم اور اسحاق

وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَمَا أُوتِيَ مُوسَىٰ وَعِيسَىٰ وَمَا أُوتِيَ النَّبِيُّونَ

اور اسحاق اور یعقوب اور (اس کی) اولاد کی اور جو دیئے گئے موسیٰ اور عیسیٰ اور جو دیئے گئے انبیاء

مِن رَّبِّهِمْ لَا نَفَرَّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ ۗ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۱۶۵﴾

اپنے رب کی طرف سے، نہیں فرق کرتے ہم درمیان کسی ایک کے ان میں سے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں ○

یہ آیت کریمہ ان تمام امور پر مشتمل ہے جن پر ایمان لانا واجب ہے۔ جان لیجئے کہ ایمان جو ان اصولوں کے ساتھ دل کی پوری تصدیق کا نام ہے اور اس کا اقرار، قلوب اور اعضاء کے اعمال کو مضمّن ہے اور اس اعتبار سے اس میں اسلام داخل ہے اور اس میں تمام اعمال صالحہ بھی داخل ہیں۔ پس تمام اعمال صالحہ ایمان کا حصہ اور اس کے آثار میں سے ہیں۔ جب ایمان کا علی الاطلاق ذکر ہوگا تو مذکورہ امور اس میں داخل ہوں گے۔ اسی طرح جب اسلام کا علی الاطلاق ذکر کیا جائے گا تو ایمان بھی اس کے اندر داخل ہوگا۔ جب ایمان اور اسلام کو مقرون اور ایک ساتھ ذکر کیا جائے گا تب ایمان، قلب کے اقرار و تصدیق کا نام اور اسلام، اعمال ظاہرہ کا نام ہوگا۔ اور اسی طرح جب ایمان اور اعمال صالحہ کو جمع کیا جائے گا (تو یہی اصول ہوگا)

ارشاد فرمایا: ﴿قَوْلُوا﴾ یعنی اپنی زبان سے کہو اور تمہارے دل تمہارے اس قول کی موافقت کرتے ہوں۔

یہی وہ کامل قول ہے جس پر ثواب اور جزا مرتب ہوتے ہیں، پس جیسے قلبی اعتقاد کے بغیر محض زبان سے ایمان کا اظہار نفاق اور کفر ہے۔ اسی طرح وہ قول جو عمل سے عاری ہو، عمل قلب ہے جو تاثیر سے محروم اور بہت کم مفید ہے تاہم اگر یہ قول کوئی بھلائی کی بات ہو اور اس کے ساتھ ساتھ دل میں ایمان بھی موجود ہو تو بندہ مومن کو اس پر اجر ملتا ہے۔ لیکن مجرد قول اور اس قول کے درمیان فرق ہے جو عمل قلب کے ساتھ مقرون ہو۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ قَوْلًا ﴾ میں عقیدے کے اعلان و اظہار اور اس کی طرف دعوت دینے کا اشارہ ہے کیونکہ عقیدہ دین کی اصل اور اس کی اساس ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿ اٰمَنَّا ﴾ وغیرہ میں جس میں فعل کا صادر ہونا مذکور ہو اور تمام امت کی طرف منسوب ہو اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ تمام امت پر فرض ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رسی کو اکٹھے ہو کر مضبوطی سے پکڑے رکھے ایک دوسرے کے ساتھ محبت و الفت سے رہے یہاں تک کہ ان کا داعی ایک اور ان کا عمل متحد ہو۔ اسی سے افتراق اور تشتت کی ممانعت بھی نکلتی ہے۔ نیز اس آیت کریمہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ تمام اہل ایمان جسد واحد کی مانند ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ قَوْلًا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ﴾ میں اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کے لیے اپنے نفس کی طرف ایمان کی اضافت کرنا جائز ہے مگر مقید طور پر بلکہ اس اضافت کے وجوب کی دلیل ہے۔ اس کے برعکس (اَنَّا مُؤْمِنُونَ) ”میں مومن ہوں“ کہنے کا معاملہ ہے تو اس طرح کہنا صرف ان شاء اللہ کے ساتھ جائز ہے۔ کیونکہ یہ اپنے آپ کو پاک کہنے اور اپنے آپ پر ایمان کی شہادت کے زمرے میں آتا ہے۔

﴿ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ﴾ یعنی ہم اس حقیقت پر ایمان لائے کہ اللہ تعالیٰ واجب الوجود ہے۔ وہ ایک ہے وہ ہر صفت کمال سے متصف اور ہر نقص اور عیب سے منزہ ہے۔ تمام عبادات کا اکیلا وہی مستحق ہے۔ ان عبادات میں کسی بھی پہلو سے کوئی بھی ہستی اس کی شریک نہیں۔

﴿ وَمَا اُنزِلَ الْيَنَّا ﴾ اس میں قرآن اور سنت دونوں شامل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ﴾ (النساء : ۱۱۳/۴) ”اور اللہ نے تجھ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی“۔ اس میں ان تمام چیزوں پر ایمان لانا داخل ہے جو کتاب و سنت میں ذکر کی گئی ہیں مثلاً باری تعالیٰ کی صفات انبیاء و مرسلین کی صفات روز قیامت گزرے ہوئے اور آنے والے نبی امور نیز تمام شرعی احکام اور ثواب و عقاب کے احکام پر ایمان لانا۔

﴿ وَمَا اُنزِلَ اِلٰی اٰبِهٰمَ وَاَسْبٰحِیْلَ وَاَسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴾

اس آیت کریمہ میں عمومی طور پر تمام کتابوں پر ایمان لانے کا ذکر کیا گیا ہے جو سابقہ انبیاء و مرسلین پر نازل کی گئی ہیں۔ اور خصوصی طور پر ان انبیاء و مرسلین پر ایمان لانا، جو کہ اس آیت کریمہ میں منصوص ہیں ان کے شرف و تکریم کے باعث اور اس سبب سے کہ وہ بڑی بڑی شریعتیں لے کر دنیا میں تشریف لائے۔ پس انبیائے کرام اور کتب سابقہ پر ایمان لانے میں جو چیز واجب ہے وہ یہ ہے کہ ان پر عمومی طور پر ایمان لایا جائے۔ پھر جس چیز کی تفصیل کی معرفت حاصل ہو جائے اس پر مفصل ایمان لایا جائے۔

﴿ وَمَا أَوْتِيَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْ دَرَجَاتٍ ﴾ اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ دین کا عطیہ ہی دراصل حقیقی عطیہ ہے جو انسان کو دنیاوی اور اخروی سعادت کی منزل تک پہنچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم نہیں دیا کہ ہم انبیائے کرام کی حکومتوں اور ان کو عطا کیے گئے مال و متاع وغیرہ پر ایمان لائیں۔ بلکہ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم ان کو عطا کی گئی کتابوں اور شریعتوں پر ایمان لائیں۔

اس آیت کریمہ میں یہ بات بھی واضح ہے کہ انبیائے کرام علیہم السلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے (دین) پہنچانے والے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ اور اس کی مخلوق کے مابین دین پہنچانے کا ذریعہ ہیں۔ حقیقت میں وہ کسی اختیار کے مالک نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ مِنْ رَبِّهِمْ ﴾ میں اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے کمال ربوبیت کی بنا پر ان پر کتابیں نازل کیں اور ان کی طرف رسول مبعوث کیے ہیں۔ پس اس کی ربوبیت یہ تقاضا نہیں کرتی کہ انسانوں کو بیکار اور بے مہار چھوڑ دیا جائے۔ جب صورت یہ ہے کہ جو کچھ انبیائے کرام علیہم السلام کو عطا کیا گیا وہ ان کے رب کی طرف سے ہے۔ تو اس سے انبیائے کرام علیہم السلام اور نبوت کا دعویٰ کرنے والوں کے درمیان فرق کیا گیا ہے۔ نیز انبیائے کرام علیہم السلام اور مدعیان نبوت کے درمیان فرق ان کی دعوت کی معرفت حاصل کرنے سے بھی کیا جاسکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے رسول صرف بھلائی کی دعوت دیتے ہیں اور صرف برائی سے روکتے ہیں۔ ان میں ہر رسول دوسرے رسول کی تصدیق کرتا اور اس کے لیے حق کی گواہی دیتا ہے۔ ان کی دعوت میں تناقض اور ایک دوسرے کی مخالفت نہیں ہوتی کیونکہ ان کی دعوت ان کے رب کی طرف سے ہوتی ہے۔ ﴿ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴾ (النساء : ۸۲/۴) ”اور اگر یہ (قرآن) غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو وہ اس میں بہت زیادہ اختلافات پاتے۔“

اس کے برعکس جو کوئی نبوت کا دعویٰ کرتا ہے تو اس قسم کے جھوٹے نبیوں کی دی ہوئی خبروں اور ان کے اوامرو نواہی میں ضرورتاً تناقض ہوتا ہے جیسا کہ اس قسم کے تمام جھوٹے مدعیان نبوت کی سیرت ان کے احوال اور ان کی دعوت کی معرفت حاصل کرنے سے معلوم ہوتا ہے۔

﴿ لَا تَفْرَقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ ﴾ یعنی ہم تمام انبیاء پر (بلا تفریق) ایمان لاتے ہیں۔ یہ اہل اسلام کی ایک ایسی خاصیت ہے جس کی بنا پر وہ ان تمام لوگوں میں منفرد ہیں جو کسی (آسمانی) دین کا دعویٰ کرتے ہیں۔

پس یہود و نصاریٰ اور صابئی وغیرہ اگرچہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ انبیاء و مرسل اور کتب منزلہ پر ایمان رکھتے ہیں مگر حقیقت یہ ہے کہ وہ اپنے علاوہ دیگر کتب کا انکار کرتے ہیں۔ پس وہ انبیاء و مرسلین اور کتب منزلہ کے مابین تفریق کرتے ہیں ان میں سے کچھ لوگ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور کچھ لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اور ان کی

تکذیب خود ان کی تصدیق کو توڑ دیتی ہے۔ کیونکہ وہ رسول جس کے بارے میں وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس پر ایمان لائے ہیں اس نے تمام رسولوں کی تصدیق کی ہوتی ہے۔ خاص طور پر محمد مصطفیٰ ﷺ کی۔ پس جب وہ محمد مصطفیٰ ﷺ کی تکذیب کرتے ہیں تو درحقیقت وہ اپنے رسول کی دی ہوئی خبر کی تکذیب کرتے ہیں اور یہ ان کا اپنے رسول کے ساتھ کفر ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کو بیان کر دیا جن پر عمومی اور خصوصی طور پر ایمان لانا ہے اور یہ بھی واضح ہے کہ قول، عمل سے کفایت نہیں کرتا، تو فرمایا: ﴿وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ﴾ یعنی ہم اس کی عظمت کے سامنے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔ ہم اپنے ظاہر و باطن سے اس کی عبودیت کے لیے اس کی طاعت کرتے ہیں اور ہم اس کی عبادت کو صرف اسی کے لیے خالص کرتے ہیں اور اس مفہوم کے لیے دلیل یہ ہے کہ معمول کو عامل پر مقدم رکھا ہے۔ ﴿لَهُ مُسْلِمُونَ﴾ میں (لَهُ) معمول ہے اور (مُسْلِمُونَ) عامل ہے۔ (اس انداز بیان سے اختصاص کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔)

یہ آیت کریمہ اپنے ایجاز و اختصار کے باوجود توحید کی تینوں اقسام پر مشتمل ہے۔ وہ ہیں توحید ربوبیت، توحید الوہیت اور توحید اسماء و صفات۔

یہ آیت کریمہ تمام انبیاء و رسل ﷺ اور تمام کتابوں پر ایمان لانے پر مشتمل ہے۔

یہ آیت کریمہ عموم کے بعد اس تخصیص پر مشتمل ہے جو فضیلت پر دلالت کرتی ہے۔

یہ آیت کریمہ دل، زبان اور جوارح کی تصدیق اور اخلاص اللہ پر مشتمل ہے۔

یہ آیت کریمہ سچے انبیاء و رسل اور جھوٹے مدعیان نبوت کے مابین فرق و امتیاز کو شامل ہے۔

یہ آیت باری تعالیٰ کی اپنے بندوں کے لیے اس تعلیم پر مشتمل ہے کہ وہ (اپنے ایمان کا) کیسے اظہار کیا کریں، نیز اس کی رحمت اور بندوں پر اس کے احسان کو شامل ہے جو اس نے ان کو دینی نعمتوں سے نواز کر کیا، یہ نعمتیں انہیں دنیاوی اور اخروی سعادت کی منزل پر پہنچاتی ہیں۔ پس پاک ہے وہ ذات جس نے اپنی کتاب کو ایسا جامع بنایا کہ اس میں ہر چیز کی تفصیل ہے اور اہل ایمان کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔

فَإِنْ آمَنُوا بِمِثْلِ مَا آمَنْتُمْ بِهِ فَقَدْ اهْتَدَوْا وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا هُمْ

پس اگر وہ ایمان لائیں ساتھ اس چیز کے کہ ایمان لائے تم ساتھ اسکے، تو یقیناً وہ ہدایت یافتہ ہو گئے اور اگر وہ اعراض کریں تو وہی ہیں

فِي شِقَاقٍ فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللَّهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۱۶۸﴾

مخالفت میں، سو ضرور کفایت کرے گا آپ کو ان سے اللہ اور وہی ہے خوب سننے والا خوب جاننے والا

یعنی اے اہل ایمان! اگر اہل کتاب اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح تم تمام انبیاء و مرسلین ﷺ اور تمام

کتابوں پر ایمان لائے ہو جن میں سب سے پہلے اور سب سے اولیٰ ہستی جس پر ایمان لایا جائے، حضرت محمد

مصطفیٰ خاتم الانبیاء ﷺ ہیں جو تمام انبیاء سے افضل ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن ہے۔ اور انہوں نے اللہ وحدہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں میں سے کسی کے درمیان تفریق نہیں کی۔ ﴿فَقَدْ اهْتَدَوْا﴾ تو ان کو سیدھے راستے کی طرف رہنمائی مل گئی جو نعمتوں والی جنت تک پہنچانے والا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ان کے لیے اس ایمان کے بغیر ہدایت تک پہنچنے کا کوئی راستہ نہیں۔ اس ہدایت کا راستہ وہ نہیں جو وہ دعویٰ کرتے ہیں۔ ﴿كُونُوا هُودًا أَوْ نَصْرًا تَهْتَدُوا﴾ یعنی یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو تم راہ راست پا لو گے پس وہ اس زعم میں مبتلا ہیں کہ ہدایت تو صرف وہی ہے جس پر وہ عمل پیرا ہیں۔

اور (الْهٰذِي) ”ہدایت“ نام ہے حق کو جاننے اور اس پر عمل کرنے کا اور اس کی ضد علم سے محرومی اور علم کے بعد عملی گمراہی ہے اور یہی وہ شقاق (دشمنی اور مخالفت) ہے جس پر وہ قائم تھے، کیونکہ وہ پیٹھ پھیر کر روگردانی کر رہے تھے۔ پس بتلائے شقاق وہ شخص ہے جو ایک طرف ہوتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول دوسری طرف۔ اس شقاق (مخالفت) سے دشمنی اور انتہا درجے کی عداوت لازم آتی ہے جس کے لوازمات میں یہ چیز بھی شامل ہے کہ عداوت میں مبتلا لوگ رسول کو اذیت دینے میں اپنی پوری کوشش صرف کرتے ہیں۔

بنابریں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے وعدہ کیا کہ وہ دشمنوں کے مقابلے میں ان کے لیے کافی ہے کیونکہ وہ لوگوں کے اختلاف زبان اور ان کی متنوع حاجات و ضروریات کے باوجود سب کی آوازیں سنتا ہے۔ جو کچھ ان کے سامنے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہو وہ سب جانتا ہے۔ غائب اور شاہد ظاہر اور باطن سب اس کے دائرہ علم میں ہیں۔ پس جب بات اس طرح ہے تو ان کے شر کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ تیرے لیے کافی ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے کیا ہوا اپنا وعدہ پورا کر دکھایا، آپ کو ان پر غلبہ اور تسلط عطا کیا یہاں تک کہ ان میں سے بعض لوگوں کو قتل کیا، بعض کو قیدی اور غلام بنا لیا گیا اور بعض کو جلاوطن کر کے انہیں پوری طرح تتر بتر کر دیا گیا۔

اس آیت کریمہ میں قرآن کے معجزات میں سے ایک معجزے کی طرف اشارہ ہے اور وہ ہے کسی چیز کے واقع ہونے سے قبل اس کے وقوع کے بارے میں خبر دینا پھر اس کا عین دی ہوئی خبر کے مطابق واقع ہونا۔

صِبْغَةَ اللَّهِ وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً زُورًا لِّمَنْ كَفَرَ ۗ وَنَحْنُ لَهُ عِبْدُونَ ﴿۱۳۸﴾

(اختیار کرد) رنگ اللہ کا اور کون زیادہ اچھا ہے اللہ سے رنگ میں؟ اور ہم اسی کے عبادت گزار ہیں ○

یعنی اللہ کا رنگ اختیار کر لو اللہ کے رنگ سے مراد اللہ کا دین ہے اس کے تمام ظاہری باطنی اعمال اور تمام اوقات میں اس کے تمام عقائد پر عمل کرو یہاں تک کہ یہ دین تمہارا رنگ اور تمہاری صفات میں سے ایک صفت بن جائے۔ پس جب یہ دین تمہاری صفت بن جائے گا تو یہ تمہارے لیے اس بات کو ضروری کر دے گا کہ تم خوشی

اختیار اور محبت سے اللہ کے حکموں کے آگے تسلیم خم کر دو اور دین تمہاری فطرت اور طبیعت بن جائے گا۔ جیسے کپڑے کو مکمل طور پر رنگ دیا جائے تو یہ رنگ اس کپڑے کی صفت بن جاتا ہے تب تمہیں دنیاوی اور اخروی سعادت حاصل ہو جائے گی، کیونکہ دین مکارم اخلاق محاسن اعمال اور بلند مرتبہ امور کو اختیار کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

بنابریں اللہ تعالیٰ نے برسبیل تعجب پاک اور طاہر عقولوں سے مخاطب ہو کر فرمایا: ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ صِبْغَةً﴾ یعنی کوئی اور رنگ اللہ کے رنگ سے اچھا نہیں۔ جب تم کوئی ایسی مثال دیکھنا چاہو جو تمہارے سامنے اللہ کے رنگ اور کسی اور رنگ کے مابین فرق کو واضح کرے تو تم کسی چیز کا اس کی ضد کے ساتھ مقابلہ کر کے دیکھو۔ آپ اس بندہ مومن کو کیسا دیکھتے ہیں جو اپنے رب پر صحیح ایمان رکھتا ہے اور اس ایمان کے ساتھ ساتھ اس کا قلب اپنے رب کے سامنے جھک جاتا ہے اور جو ارح اس کی اطاعت کرتے ہیں، پس بندہ مومن ہر اچھے وصف، خوبصورت فعل، کامل اخلاق اور بلند صفات کے زیور سے اپنے آپ کو آراستہ کرنے اور گندی صفات، رذیل عادات اور دیگر تمام عیوب سے چھٹکارا حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہتا ہے۔ پس قول و فعل میں سچائی، صبر بردباری، پاکبازی، شجاعت، توفی و فعلی احسان، محبت الہی، خشیت الہی، اللہ کا خوف اور اس سے امید رکھنا، اس کا وصف بن جاتا ہے۔ پس اس کا حال معبود کے لیے اخلاص اور اس کے بندوں کے لیے حسن سلوک ہو جاتا ہے۔ اس کا مقابلہ اس بندے کے ساتھ کیجئے جس نے اپنے رب کا انکار کیا، اس سے منہ موڑ کر مخلوق کی طرف متوجہ ہوا اور کفر، شرک، جھوٹ، خیانت، مکر و فریب، دھوکہ، بدکرداری اور اپنے اقوال و افعال کے ذریعے سے مخلوق کے ساتھ برے سلوک جیسی صفات قبیحہ سے اپنے آپ کو متصف کیا۔ اس بندے میں اپنے معبود کے لیے اخلاص ہے نہ اس کے بندوں کے لیے حسن سلوک کا اہتمام۔

اس سے آپ کے سامنے وہ عظیم فرق ظاہر ہو جاتا ہے جو ان دو بندوں کے درمیان ہے اور آپ پر یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ کوئی دوسرا رنگ اللہ کے رنگ سے اچھا نہیں نیز ضمنی طور پر اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جس نے اللہ کے دین کے سوا کوئی اور رنگ اختیار کیا اس سے بدتر کوئی اور رنگ نہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ﴾ میں اس رنگ کی توضیح ہے۔ اللہ کا رنگ درحقیقت دو بنیادوں کو قائم کرنا ہے، یعنی اخلاص اور متابعت کیونکہ ”عبادت“ ان تمام اعمال اور ظاہری و باطنی اقوال کا جامع نام ہے جنہیں اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور وہ ان پر راضی ہے۔ یہ اعمال و اقوال اس وقت تک درست قرار نہیں پاتے جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے رسول کی زبان پر مشروع قرار نہ دیا ہو۔ اخلاص یہ ہے کہ بندہ مومن ان اعمال میں صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کو اپنا مقصد بنائے۔ پس معمول کو مقدم رکھنا یعنی ”عَابِدُونَ لَهُ“ کی بجائے ”لَهُ

عَابِدُونَ“ کہنا) حصر کا فائدہ دیتا ہے۔

﴿وَنَحْنُ لَهُ عَابِدُونَ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان کو اسم فاعل (عَابِدُونَ) سے موصوف کیا ہے جو ثبات و استتقرار پر دلالت کرتا ہے تاکہ یہ لفظ ان کے اس صفت سے متصف ہونے پر دلالت کرے۔

قُلْ اتَّحَابُونَنَا فِي اللَّهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۖ وَلَنَا أَعْمَالُنَا وَلكُمْ

کہہ دیجئے! کیا جھگڑتے ہو تم ہم سے اللہ کے بارے میں حالانکہ وہ رب ہے ہمارا اور تمہارا اور ہمارے لیے ہیں ہمارے عمل اور تمہارے لیے ہیں

أَعْمَالِكُمْ ۖ وَنَحْنُ لَهُ مُخْلِصُونَ ﴿۳۵﴾

تمہارے عمل اور ہم تو اسی کے لیے خالص عمل کرنے والے ہیں ○

(مَحَاجَّةٌ) دو یا دو سے زائد افراد کے درمیان اس مباحثہ اور مجادلہ کو کہا جاتا ہے جس کا تعلق اختلافی مسائل سے ہوتا ہے ہر فریق اپنے مد مقابل کے خلاف اپنی بات میں کامیابی حاصل کرنا اور مد مقابل کے قول کا ابطال کرنا چاہتا ہے۔ اس لیے دونوں ہی دلیل قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس میں مطلوب یہ ہے کہ یہ مباحثہ نہایت احسن طریقے سے ہو۔ قریب ترین راستے کے ذریعے سے گمراہ کو حق کی طرف لوٹایا جائے۔ فریق مخالف کے سامنے دلیل بیان کر کے حق اور باطل کو واضح کر دیا جائے۔ اگر آپ ان مذکورہ امور سے باہر نکل جائیں تو مباحثہ نہیں بلکہ جھگڑا کہلائے گا یہ ایک مخاصمت ہوگی جس میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی اور اس جھگڑے اور مخاصمت سے برائی جنم لیتی ہے۔

پس اہل کتاب اس زعم باطل میں مبتلا تھے کہ مسلمانوں کی نسبت وہ اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہیں۔ یہ ان کا محض دعویٰ تھا جو دلیل اور برہان کا محتاج تھا۔۔۔ جب تمام لوگوں کا رب ایک ہے تمہارا کوئی اور رب نہیں۔ ہم اور تم میں سے ہر شخص کا اپنا اپنا عمل ہے، تو اعمال بجالانے میں ہم اور آپ برابر ہیں۔ پس یہ چیز اس بات کی ہرگز موجب نہیں کہ ہم میں سے کوئی دوسرے سے زیادہ اللہ تعالیٰ کے قریب ہے۔ کیونکہ کسی مشترک چیز میں بغیر کسی مؤثر فرق کے تفریق کرنا محض باطل دعویٰ ایک جیسی دو چیزوں کے مابین تفریق پیدا کرنا اور کھلا انکار حق ہے۔

فضیلت تو صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خالص اعمال کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے اور یہ حالت صرف اہل ایمان کا وصف ہے اور اس سے یہ بات متعین ہو جاتی ہے کہ اہل ایمان ہی دوسرے لوگوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہیں اس لیے کہ اخلاص ہی نجات کا راستہ ہے۔ یہی وہ حقیقی اوصاف ہیں جن سے اولیاء الرحمن اور اولیاء الشیطان کے مابین فرق ہوتا ہے جنہیں تمام عقلمند لوگ تسلیم کرتے ہیں اور جاہل منکر حق کے سوا کوئی اس میں نزاع پیدا نہیں کرتا۔

اس آیت کریمہ میں نہایت لطیف طور پر طریق مباحثہ کی طرف راہ نمائی کی گئی ہے۔ نیز یہ کہ تمام امور اس

اصول پر مبنی ہیں کہ دو متماثل اشیاء ایک جیسی ہوتی ہیں اور دو مختلف اشیاء میں فرق ہوتا ہے۔

أَمْ تَقُولُونَ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطَ كَانُوا
 یہودی یا عیسائی؟ کہہ دیجئے! کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟ اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے چھپائی

شَهَادَةٌ عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿۱۳۰﴾

وہ گواہی جو اس کے پاس ہے اللہ کی طرف سے؟ اور نہیں ہے اللہ غافل اس سے جو تم عمل کرتے ہو

یہ ان کی طرف سے ایک اور دعویٰ اور اللہ تعالیٰ کے رسولوں کے بارے میں ایک اور مباحثہ ہے۔ انہوں نے گمان کیا کہ وہ مسلمانوں کی نسبت مذکورہ رسولوں کے زیادہ قریب ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿أَنْتُمْ أَعْلَمُ أَمِ اللَّهُ﴾ ”کیا تم زیادہ جانتے ہو یا اللہ؟“ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿مَا كَانَ إِبْرَاهِيمَ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَكِنْ كَانَ حَنِيفًا مُسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ (آل عمران: ۶۷/۳) ”ابراہیم یہودی تھے نہ نصرانی بلکہ وہ یکسو مسلمان تھے اور وہ مشرکین میں سے بھی نہ تھے۔“ اور وہ یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی یا نصرانی تھے۔ اس بارے میں یا تو وہ سچے اور علم سے بہرہ ور ہیں یا اللہ تعالیٰ زیادہ جانتے والا اور سچا ہے ان دو باتوں میں سے لاجمالہ صرف ایک ہی بات صحیح ہے۔

جواب کی صورت مبہم ہے مگر جواب درحقیقت بہت واضح ہے حتیٰ کہ جواب میں یہ بھی کہنے کی ضرورت پیش نہ آئی ”بلکہ اللہ تعالیٰ زیادہ علم رکھنے والا اور زیادہ سچا ہے“ کیونکہ یہ جواب ہر شخص پر واضح ہے۔ مثلاً جب یہ کہا جائے کہ رات زیادہ روشن ہے یا دن؟ آگ زیادہ گرم ہے یا پانی؟ اور شرک زیادہ اچھی چیز ہے یا توحید؟ اور اس قسم کا کوئی اور سوال۔ (اس کا جواب اتنا واضح ہے کہ جواب دینے کی ضرورت نہیں رہتی۔) ایک ادنیٰ سی عقل رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے حتیٰ کہ یہ خود بھی جانتے ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء یہودی تھے نہ نصرانی، انہوں نے اس علم اور اس گواہی کو چھپانے کے گناہ کا ارتکاب کیا، لہذا ان کا ظلم سب سے بڑا ظلم ہے۔

بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ﴾ ”اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اس شہادت کو چھپائے جو اللہ کی طرف سے اس کے پاس ہے“ پس یہ شہادت جو ان کے پاس تھی اللہ کی طرف سے ان کے سپرد کی گئی تھی نہ کہ مخلوق کی طرف سے۔ اس لیے اس کی ادائیگی کا اہتمام کرنا ضروری تھا، لیکن انہوں نے اسے چھپایا اور اس کے برعکس باتوں کو ظاہر کیا۔

چنانچہ انہوں نے حق کے چھپانے سے بیان نہ کرنے اور اظہارِ باطل اور اس کی طرف دعوت دینے کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ کیا یہ سب سے بڑا ظلم نہیں؟ کیوں نہیں اللہ کی قسم! یہ سب سے بڑا ظلم ہے اس پر انہیں سخت سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اس لیے اللہ تبارک تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾ ”وہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں“ بلکہ اس نے تمہارے اعمال کو شمار کر کے محفوظ کر لیا ہے اور ان کی جزا بھی محفوظ کی ہوئی ہے۔ پس ان کی جزا بہت بری جزا ہے اور بری ہے جہنم کی آگ جو ظالموں کا ٹھکانا ہے۔

قرآن کریم کا طریقہ یہ ہے کہ وہ ان آیات کریمہ کے بعد اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کا ذکر کرتا ہے جن میں ان اعمال کا ذکر کیا گیا ہوتا ہے جن پر جزا و سزا مرتب ہوتی ہے پس ان آیات کریمہ کے عقب میں اللہ تعالیٰ کے علم اور قدرت کا ذکر کرنا وعدہ و وعید اور ترغیب و ترہیب کا فائدہ دیتا ہے۔ نیز احکام کے عقب میں اسمائے حسنیٰ کا ذکر کرنا اس امر کا فائدہ دیتا ہے کہ امر دینی و جزائی اسمائے حسنیٰ کے آثار اور اس کے موجبات میں سے ہے اور اسمائے حسنیٰ اس امر دینی و جزائی کا تقاضا کرتے ہیں۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ

یہ ایک جماعت ہے، تحقیق گزر گئی وہ اسی کے لئے ہے جو کمایا اس نے اور تمہارے لیے ہے جو کمایا تم نے

وَلَا تَسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۱﴾

اور نہیں سوال کئے جاؤ گے تم اس سے جو تھے وہ عمل کرتے ○

اس کی تفسیر گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اس کا مکرر ذکر اس لیے فرمایا کہ وہ مخلوق سے اپنا تعلق منقطع کر لیں۔ بھروسہ صرف اسی عمل اور اسی صفت پر کرنا چاہیے جس سے انسان خود متصف ہو نہ کہ اپنے اسلاف اور اپنے آباء و اجداد کے اعمال پر کیونکہ اپنے اعمال ہی حقیقی فائدہ دیتے ہیں نہ کہ بڑے انسانوں کی طرف انتساب محض۔



وَلَقَدْ بَعَثْنَا لِدَافِعِكُمُ الَّذِينَ لَدَيْكُمْ مُبَدِّلِينَ

تَدِينُكُمْ فِي الْأَنْبَاءِ الَّتِي كُنْتُمْ تُكَذِّبُونَ
فِي تَفْسِيرِ كَلَامِ الْمَثَانِ

المعروف

(أردو)

تفسیر السعدی

فی تفسیر عبد الرحمن بن ناصر السعدی

دار السلام

کتاب و سنت کی روشنی میں لکھی جانے والی اردو اسلامی مکتبہ کا ادارہ

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور
لندن • ہیوسٹن • نیو یارک



ہیڈ آفس : پوسٹ بکس: 22743 الزیاض: 11416 سعودی عرب

فون : 4033962 - 4043432 (00966 1) فیکس: 4021659

ای میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون و فیکس: 4614483

جدہ فون و فیکس: 6807752 البر فون: 8692900 فیکس: 8691551

شارجہ فون : 5632623 فیکس: 5632624 (009716)

پاکستان: ① 50 نورمال نزدیم - لے - اوکلیج لاہور فون: 7232400 - 7240024 (0092 42)

فیکس: 7354072 ای میل: darussalampk@hotmail.com

② اقراسنٹر، غزنی سٹریٹ، اڈوبازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

لندن فون: 5202666 فیکس: 5217645 (0044 208)

ہیوسٹن فون: 7220419 فیکس: 7220431 (001 713) نیویارک فون: 625 5925 (001 718)

Website: <http://www.dar-us-salam.com>

وَأَقْرَبُ إِلَيْنَا الْقُرْآنَ لِلذَّكَرِ وَمِنْ مَرَكِبِكُمْ

تيسير
الكلمة الحمن

في تفسير كلام المثنان
(اردو ترجمہ)

پارہ نمبر دو 2

مفسر قرآن: فضیلہ شیخ عبدالرحمان بن ناصر السعدی رحمۃ اللہ علیہ

تصحیح: عبدالرحمان بن محمد اللویحی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: انیسہ بیرونیہ پروفیسر طبیٹ شاہین لودھی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: القرآن: حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ



دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ



فرمان الہی

وَقَالَ الرَّسُولُ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّخَذُوا الْقُرْآنَ مَجْزُوا

اور رسول (ﷺ) فرماتے ہیں گے:
اے ایمان والو! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔

(الفرقان: ۲۵)

فرمان نبوی

إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ
بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيُضَعُّ بِهَا خَيْرِينَ

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو بلندیاں
عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلت و پستی میں ڈھیل دیتا ہے

(صحیح مسلم، حدیث: ۸۱۴)

پا رة نمبر دو 2

نمبر شمار	نام سورت	صفحہ نمبر	شمار پارہ
۲	سورة البقرة (جاری)	174	۳ - ۲ - ۱

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّيْتَهُمْ عَنِ قِبَلَتِهِمْ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا
 عنقریب کہیں گے بیوقوف لوگوں میں سے، کس چیز نے پھیر دیا ان (مسلمانوں) کو ان کے اس قبلے سے کہ تھے وہ اوپر اس کے؟
قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۳۷﴾
 کہہ دیجئے! اللہ ہی کے لئے ہے مشرق اور مغرب، ہدایت دیتا ہے وہ جسے چاہتا ہے، طرف سیدھی راہ کی ○
وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ
 اور (جیسے تمہیں ہدایت دی) اسی طرح بنایا ہم نے تمہیں امتِ عدل، تاکہ ہو تم گواہ لوگوں پر
وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا
 اور ہو رسول اوپر تمہارے گواہ

پہلی آیت ایک معجزے، تسلی اور اہل ایمان کے دلوں کو مطمئن کرنے، ایک اعتراض اور تین وجوہ سے اس کے جواب، اعتراض کرنے والے کی صفت اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے کی صفت پر مشتمل ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ عنقریب بیوقوف لوگ اعتراض کریں گے اور یہ وہ لوگ ہوں گے جو اپنے نفس کے مصالح کو نہیں پہچانتے بلکہ انہیں ضائع کر دیتے ہیں اور انہیں نہایت کم قیمت پر فروخت کر دیتے ہیں یہ یہود و نصاریٰ اور وہ لوگ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی شریعت پر اعتراض کرنے میں ان سے مشابہت رکھتے ہیں۔ ان کے اعتراض کی بنیاد یہ بنی کہ مسلمان جب تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہے ان کو بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم تھا۔ پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنے کے بعد بھی تقریباً ڈیڑھ سال تک بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمتیں تھیں جن میں سے بعض کی طرف اللہ تعالیٰ کے اشارے کا تذکرہ عنقریب ہو گا اور کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم بھی اس کی حکمت کا تقاضا تھا۔

پس اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ بیوقوف لوگ ضرور یہ کہیں گے ﴿مَا وَلَّيْتَهُمْ عَنِ قِبَلَتِهِمْ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا﴾
 ”ان کو کس چیز نے اس قبلے سے پھیر دیا جس پر وہ تھے“ مراد بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا تھا، یعنی کس چیز نے ان کو بیت المقدس کی طرف منہ کرنے سے پھیر دیا۔ اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم، اس کی شریعت اور اس کے فضل و احسان پر اعتراض ہے اللہ تعالیٰ نے اس اعتراض کے وقوع کے بارے میں خبر دے کر اہل ایمان کو تسلی دی ہے کہ یہ اعتراض صرف وہی لوگ کریں گے جو بیوقوف، یعنی قلیل العقل اور بردباری و دیانت سے محروم ہوں۔ اس لیے ان کی باتوں کی پروا نہ کرو، کیونکہ ان کا سرچشمہ کلام معلوم ہے۔ عقل مند شخص بیوقوف کے اعتراض کی پروا نہیں کرتا اور نہ اس کی طرف دھیان دیتا ہے۔

یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام پر صرف وہی شخص اعتراض کرتا ہے جو بیوقوف، جاہل اور

عناد رکھتا ہو اور رہا عقل مند اور ہدایت یافتہ مومن تو وہ اپنے رب کے احکام اطاعت اور تسلیم و رضا کے جذبے سے قبول کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ﴾ (الاحزاب: ۳۶/۳۳) ”کسی مومن مرد اور مومن عورت کو یہ حق حاصل نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی معاملے میں کوئی فیصلہ کر دیں تو اس معاملے میں وہ اپنا بھی کوئی اختیار سمجھیں۔“ ﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يَحْكُمُواكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ﴾ (النساء: ۶۵/۱۴) ”ہرگز نہیں تیرے رب کی قسم! لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے تنازعات میں تجھے حکم (فیصلہ کرنے والا) نہ بنا لیں۔“ نیز فرمایا: ﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا﴾ (النور: ۵۱/۲۴) ”اہل ایمان کی تو یہ بات ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کی طرف بلا یا جاتا ہے، تاکہ اللہ کا رسول ان کے درمیان فیصلہ کرے تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی۔“

اللہ تعالیٰ کا ان کے لیے ﴿السَّفَهَاءُ﴾ ”بے وقوف“ کا لفظ استعمال کرنا اس بات کے سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ ان کا اعتراض غیر معقول ہے جس کے جواب کی ضرورت ہے نہ اس کی پروا کرنے کی، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے باوجود اس شبہ کو یوں ہی نہیں چھوڑا، بلکہ اس کا ازالہ فرمایا اور بعض دلوں میں جو اعتراض پیدا ہو سکتا تھا اسے یہ کہہ کر دور فرمادیا۔ ﴿قُلْ﴾ ان کو جواب دیتے ہوئے کہہ دیجیے! ﴿تِلْكَ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ ”مشرق و مغرب اللہ ہی کے ہیں وہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی رہنمائی فرمادیتا ہے۔“

یعنی جب مشرق و مغرب کا مالک اللہ تعالیٰ ہے اور تمام جہات میں سے کوئی جہت بھی اللہ تعالیٰ کی ملکیت سے باہر نہیں اور اس کے باوجود وہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ دکھاتا ہے اور اس قبلہ کی طرف راہ نمائی بھی اسی کی طرف سے ہے، جو ملت ابراہیم کا حصہ ہے۔ پس معترض تمہارے اس قبلہ کی طرف منہ کر لینے کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ کی ملکیت میں داخل ہے، کس وجہ سے یہ اعتراض کرتا ہے کہ تم نے ایسی جہت کی طرف رخ کیوں کیا جو اس کی ملکیت نہیں؟ یہ ایک وجہ ہی اس کے حکم کے تسلیم کرنے کو واجب کر دینے والی ہے، تو اس وقت اسے کیوں کر تسلیم نہیں کیا جائے گا؟ جب کہ تم پر یہ اللہ کا فضل و احسان ہے کہ اس نے تمہیں اس کی ہدایت نصیب فرمائی۔ پس تم پر اعتراض کرنے والا دراصل اللہ کے فضل پر اعتراض کر رہا ہے، محض تم پر حسد اور ظلم کا ارتکاب کرتے ہوئے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ مطلق ہے اور مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے۔ اس لیے کہ ہدایت اور گمراہی کے کچھ اسباب ہیں جن کا موجب اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کا عدل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ایک سے زیادہ مقامات پر ہدایت کے اسباب بیان کئے ہیں، بندہ جب ان اسباب کو اختیار کرتا ہے، تو اسے ہدایت حاصل ہو جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ

السَّلَامُ ﴿المائدہ: ۱۶/۱۵﴾ ”اس کے ذریعے سے اللہ اپنی رضا کی پیروی کرنے والوں کو سلامتی کی راہیں دکھاتا ہے۔“ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اس سبب کا ذکر فرمایا ہے جو اس امت کے لیے ہدایت کی تمام انواع کی طرف راہنمائی کا موجب ہے۔

اس امت پر یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے اسے امت وسط بنایا۔ فرمایا: ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا﴾ ”اور اس طرح ہم نے تم کو امت معتدل بنایا۔“ یعنی معتدل اور بہترین امت ”وسط“ کے علاوہ اور اطراف خطرے کی زد میں ہیں اللہ تعالیٰ نے دین کے ہر معاملے میں اس امت کو معتدل امت بنایا ہے۔ انبیاء کرام کے ساتھ عقیدت کے حوالے سے بھی امت مسلمہ کو ان امتوں کے مابین معتدل امت بنایا ہے جو انبیاء علیہم السلام کے بارے میں غلو سے کام لیتے ہیں جیسے عیسائی ہیں اور انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ظلم و جفا کرنے والوں کے مابین بھی اسے معتدل امت بنایا کہ وہ سب پر اس طرح ایمان لائے جو ان کی شان کے لائق ہے۔ جب کہ یہودیوں نے انبیاء علیہم السلام کی توہین و تنقیص کی۔ امت مسلمہ شریعت کے اعتبار سے بھی امت وسط ہے اس میں نہ تو یہودیوں کی شریعت کی سی سختی اور بوجھ ہے اور نہ عیسائیوں کی سی نرمی اور لاپرواہی۔ طہارت اور مطہومات کے باب میں بھی۔ نہ یہودیوں کی طرح (سختی ہے) جن کے ہاں ان کی عبادت گاہ اور کنیہ کے سوا کہیں نماز نہیں ہوتی۔ پانی ان کو نجاستوں سے پاک نہیں کر سکتا۔ سزا کے طور پر ان پر طیبات حرام ٹھہرا دی گئیں اور نہ نصاریٰ کی مانند (نرمی ہے) کہ وہ کسی چیز کو نجس ہی نہیں مانتے اور نہ ان کے ہاں کوئی چیز حرام ہے بلکہ انہوں نے ہر چیز کو حلال ٹھہرا لیا ہے، بلکہ اہل ایمان کی طہارت کامل ترین طہارت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے ہر قسم کی طیب و طاہر مطہومات، مشروبات، ملبوسات اور پاک عورتیں مباح ٹھہرا دی ہیں اور تمام خباثت ان کے لیے حرام قرار دے دیے۔ بنا بریں اس امت کا دین سب سے کامل، اس کے اخلاق سب سے اچھے اور اس کے اعمال سب سے افضل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو علم و حلم اور عدل و احسان سے جس طرح نوازا ہے اس طرح ان کے علاوہ کسی اور امت کو یہ چیزیں عطا نہیں کیں۔ اس لیے وہ ﴿أُمَّةً وَسَطًا﴾ ”امت وسط“ یعنی کامل اور معتدل امت کہلانے کی مستحق ہے۔ ﴿شَهَادَاتٍ عَلَى النَّاسِ﴾ تاکہ وہ اپنی عدالت اور عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کرنے کے سبب سے لوگوں پر گواہ ہوں اور وہ تمام اہل ادیان کے لوگوں سے متعلق فیصلے کریں اور ان کی بابت دوسرے فیصلے نہ کریں۔

پس جس چیز کی بابت یہ امت قبولیت کی شہادت دے وہی مقبول اور جسے رد کرنے کی گواہی دے وہ مردود ہے۔ اگر یہ اعتراف کیا جائے کہ دوسروں کے بارے میں ان کا فیصلہ کیسے قابل قبول ہے حالانکہ تنازع میں دونوں ایک دوسرے کے مخالف فریق ہیں اور فریقین کا قول ایک دوسرے کے خلاف قابل قبول نہیں ہوتا؟ اس کا جواب

یہ ہے کہ کسی تنازع میں فریقین کا قول ایک دوسرے کے خلاف وجود تہمت کی وجہ سے قابل قبول نہیں ہوتا مگر جب تہمت کا شاہد ختم ہو جائے اور عدالت کامل حاصل ہو جائے، جیسا کہ یہ امت عدالت کامل کی حامل ہے۔ مقصد تو حق اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا ہے اور اس کی شرط علم و عدل ہے اور یہ دونوں چیزیں اس امت میں موجود ہیں۔ اس لیے اس امت کا قول قابل قبول ہے۔

اگر کوئی شک کرنے والا اس امت کی فضیلت میں شک کرے اور اس کے لیے تزکیہ کرنے والے کا مطالبہ کرے، تو اس کا تزکیہ کرنے والے اس امت کے نبی (ﷺ) تمام مخلوقات میں ایک کامل ترین ہستی ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَيَكُونُ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا﴾ ”اور رسول تم پر گواہ ہوگا“ اس امت کی دوسری قوموں پر گواہی اس طرح ہوگی کہ قیامت کے روز جب اللہ تعالیٰ انبیاء و مرسلین سے ان کی تبلیغ کے بارے میں سوال کرے گا اور ان کی امتیں اس تبلیغ کی تکذیب کریں گی اور کہیں گی کہ انبیاء و مرسلین نے اللہ تعالیٰ کا پیغام ہم تک نہیں پہنچایا، تو انبیاء کرام علیہم السلام اس امت سے گواہی لیں گے اور ان کا نبی ان کا تزکیہ کرے گا۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ امت مسلمہ کا اجماع قطعی حجت اور دلیل ہے، کیونکہ یہ امت (مجموعی طور پر) ﴿وَسَطًا﴾ ”امت وسط“ کے اطلاق کی بنا پر خطا سے معصوم ہے۔ اگر یہ فرض کر لیا جائے کہ امت مسلمہ خطا پر متفق ہو سکتی ہے تو یہ ”امت وسط“ نہ رہے گی۔ سوائے چند امور کے۔ ﴿لَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ ”تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔“ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان تقاضا کرتا ہے کہ جب وہ کسی فیصلہ کے متعلق گواہی دے دیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو حلال قرار دیا ہے یا اس کو حرام قرار دیا ہے یا اسے واجب کیا ہے، تو یہ درست ہے اس لیے کہ یہ امت اس بارے میں معصوم ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ فیصلہ کرنے، گواہی دینے اور فتویٰ وغیرہ دینے کے لیے عدالت شرط ہے۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ

اور نہیں بنایا ہم نے اس قبلہ کو کہ تھے آپ اور اس کے، مگر تاکہ جان لیں ہم اس شخص کو جو اتباع کرے گا رسول کا، اس سے جو

يَنْقَلِبُ عَلَى عَقْبَيْهِ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ وَمَا

پھر جائے گا اوپر اپنی دو ایڑیوں کے اور بلاشبہ یہ (بات) بڑی بھاری ہے، مگر اوپر ان کے جن کو ہدایت دی اللہ نے اور نہیں

كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿۱۳۷﴾

ہے اللہ کہ ضائع کر دے ایمان تمہارا، بیشک اللہ ہے لوگوں پر بہت شفیق بڑا مہربان ○

یعنی اسلام کے ابتدائی دنوں میں بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کے حکم سے مقصود یہ تھا ﴿إِلَّا﴾

لِنَعْلَمَ ”تا کہ ہم جان لیں“ یعنی ایسا جاننا جس سے ثواب ^① و عقاب متعلق ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ تمام امور کو ان کے

① مصنف رحمہ اللہ تعالیٰ کا قول ”ایسا علم جس سے ثواب و عقاب متعلق ہے“ ایک مبہم عبارت ہے جو وضاحت کی محتاج ہے ہم ائمہ تفسیر امام نسفی، امام ابو السعد، امام ابن کثیر اور امام ابو حیان رضی اللہ عنہم نے جو کچھ اپنی تفسیر میں بیان کیا ہے یہاں ذکر کرتے ہیں پس ہم کہتے ہیں کہ (لنعلم) کا مطلب ہے ”تا کہ ہم اتباع کرنے والے اور منہ موڑنے والے کے درمیان امتیاز کر سکیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان کے سامنے ان کا حال منکشف ہو جائے“ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَيْبَةَ مِنَ الظُّلُمِةِ﴾ (آل عمران: ۱۷۹، ۱۸۰) ”حتیٰ کہ پاک میں سے ناپاک ممیز ہو جائے“ پس اللہ تعالیٰ نے ”علم“ کو ”تمیز“ کی جگہ میں استعمال کیا ہے، کیونکہ علم ہی سے تمیز ہوتی ہے اور وہی تمیز کا سبب ہے۔ لہذا سبب یعنی علم کا اطلاق کر کے مسبب یعنی تمیز مراد لی گئی ہے۔ ہمارے اس موقف کی تائید ایک قراءت سے بھی ہوتی ہے (لِئَسْخَلَمَ) یعنی ”نون“ کی بجائے ”یا“ اور صیغہ جمہول کے ساتھ۔ (تا کہ جان لیا جائے) اللہ تعالیٰ نے بندوں کے علم کو اپنی طرف اسناد کیا ہے، کیونکہ وہ اس کے خاص بندے ہیں یا یہ ملاطفت خطاب ہے، مثلاً آپ اس شخص سے جو سونے کے پتھرنے کا منکر ہے، کہتے ہیں ”ہم سونے کو آگ میں ڈالتے ہیں“ تا کہ ہمیں معلوم ہو سکے کہ آیا سونا پگھلتا ہے یا نہیں۔“

البحر المحیط میں علامہ ابو حیان رضی اللہ عنہ رقم طراز ہیں ”اللہ تعالیٰ کے ارشاد (لِنَعْلَمَ) میں اس علم سے مراد ابتدائے علم ہے (یعنی پہلے سے ہی ہمیں معلوم تھا) اس کا ظاہر معنی مراد نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علم کا حادث ہونا محال ہے۔ (یعنی یہ ناممکن ہے کہ پہلے اللہ کے علم میں نہ ہو اور بعد میں اسے معلوم ہو) چنانچہ تاویل کرتے ہوئے مضاف کو محذوف مانا جائے گا۔ تب آیت کا مفہوم یہ ہوگا ”تا کہ ہمارا رسول اور اہل ایمان جان لیں“ ان کے علم کو اپنی ذات کی طرف منسوب کیا ہے، کیونکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل ایمان اس کے مقرب بندے ہیں تب اس کا شمار مجاز حذف میں ہوگا یا علم کا اطلاق تمیز پر کیا گیا ہے کیونکہ علم ہی کی بنا پر تمیز ہوتی ہے۔ یعنی ”تا کہ ہم اتباع کرنے والے اور منہ موڑنے والے کے درمیان امتیاز کر لیں“ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَيْبَةَ مِنَ الظُّلُمِةِ﴾ (آل عمران: ۱۷۹، ۱۸۰) ”حتیٰ کہ پاک میں سے ناپاک ممیز ہو جائے“ اور اس طرح اس کا شمار اطلاق سبب کے مجاز میں سے ہوگا اور مراد اس سے مسبب ہوگا۔ یہ تاویل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔۔۔ یا اس سے ان کی اطاعت یا معصیت کے وقت اللہ تعالیٰ کے علم کا ذکر مراد ہے، کیونکہ اس وقت کے ساتھ ہی اس علم کا تعلق ثواب و عقاب سے ہوگا، یا یہاں مستقبل سے ماضی مراد لیا ہے۔ تب مفہوم یہ ہوگا ”جب ہم نے جان لیا کہ رسول کی اتباع کون کرتا ہے اور اس کی مخالفت کون کرتا ہے“۔ (ملخصاً)

حافظ ابن کثیر رضی اللہ عنہ نے اپنی تفسیر میں یہ معنی بیان کرنے پر اکتفا کیا ہے اور یہ معنی بنایا ہے ”تا کہ اہل ایمان جان لیں اور کمزور ایمان والے لوگوں کا حال منکشف ہو جائے“ ابن کثیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ”اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! ہم نے تیرے لیے پہلے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کیا تھا پھر ہم نے تجھے کعبہ کی طرف پھیر دیا“ تا کہ ان لوگوں کا حال ظاہر ہو جائے جو تیری اتباع کرتے ہیں، تیری اطاعت کرتے ہیں اور تیرے ساتھ مل کر قبلہ کی طرف منہ کرتے ہیں اور ان لوگوں کا حال ظاہر ہو جائے جو اٹنے پاؤں پھر جاتے ہیں۔

(حاشیہ: از محمد زہری النجار، من علمائے ازہر)

وجود میں آنے سے قبل جانتا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے کامل عدل اور اپنے بندوں پر رحمت قائم کرنے کی بنا پر اس علم کے ساتھ ثواب اور عقاب کا تعلق نہیں، بلکہ جب ان کے اعمال وجود میں آتے ہیں تب ان پر ثواب و عقاب مرتب ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم نے یہ قبلہ صرف اس لیے مشروع کیا ہے، تاکہ ہم جان لیں اور آزمائیں ﴿مَنْ يَتَّبِعِ الرَّسُولَ﴾ ”کون رسول کی اتباع کرتا ہے۔“ یعنی کون اس رسول پر ایمان لاکر ہر حال میں اس کی پیروی کرتا ہے، کیونکہ وہ بندہ مامور اور اللہ تعالیٰ کے دست تدبیر کے تحت ہے۔ نیز کتب سابقہ نے خبر دی ہے کہ نبی آخر الزمان ﷺ کعبہ کو قبلہ بنائیں گے پس صاحب انصاف جس کا مقصود و مطلوب محض حق ہے، اس سے اس کے ایمان اور اطاعت رسول میں اضافہ ہوتا ہے۔ رہا وہ شخص جو لٹے پاؤں پھر گیا اور اس نے حق سے روگردانی کی اور اپنی خواہش نفس کی پیروی کی تو اس کا کفر بڑھتا جاتا ہے اور اس کی حیرت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور وہ شبہات پر مبنی باطل دلیل پیش کرتا ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی۔

﴿وَإِنْ كَانَتْ﴾ ”اور بلاشبہ یہ بات۔“ یعنی (عام لوگوں کے لیے) آپ کا بیت المقدس سے منہ پھیرنا ﴿تَكْبِيرًا﴾ ”بہت شاق ہے“ ﴿إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ﴾ ”سوائے ان لوگوں کے جنہیں اللہ نے ہدایت دی“ اور انہوں نے اس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو پہچان لیا، وہ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار ہوئے اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس احسان کا اقرار کیا کہ اس نے ان کا رخ اس عظیم گھر کی طرف پھیر دیا جسے اس نے روئے زمین کے تمام خطوں پر فضیلت عطا کی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس گھر کا قصد کرنے کو ارکان اسلام میں سے ایک رکن اور گناہوں کو مٹانے والا بنایا ہے، اسی لیے اہل ایمان پر اس کا ماننا آسان ہو گیا اور ان کے سوا دیگر لوگوں پر رخ کی تبدیلی بہت شاق گزری۔ ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ﴾ ”اور اللہ ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان کو یونہی ضائع کر دے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کے لیے مناسب ہے نہ یہ اس کی ذات اقدس کے لائق ہے (کہ وہ تمہارے ایمان کو ضائع کرے) بلکہ ایسا کرنا تو اس پر ممتنع (ناممکن) ہے، پس اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ تمہارے ایمان کو ضائع کرنا اس کی ذات اقدس پر ممتنع اور محال ہے۔ یہ ان لوگوں کے لیے بہت بڑی بشارت ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام اور ایمان سے نواز کر ان پر احسان کیا کہ اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کی حفاظت کرے گا اسے کبھی ضائع نہیں کرے گا۔

اللہ کا ایمان کی حفاظت کرنا دو طرح سے ہے:

- (۱) ان کو ہر فساد ایمان میں نقص پیدا کرنے والی تکلیف دہ آزمائشوں اور ایمان سے روکنے والی خواہش نفس سے بچا کر ان کے ایمان کو ضائع اور باطل ہونے سے محفوظ رکھنا۔
- (۲) ایمان کی نشوونما کے لیے ان کو ایسے اعمال کی توفیق عطا کرنا جن سے ان کے ایمان میں اضافہ اور یقین کامل حاصل ہوتا ہے۔ پس ابتدائی طور پر جس طرح اس نے ایمان کی طرف تمہاری راہ نمائی کی، اسی طرح وہ تمہارے ایمان کی حفاظت کرے گا۔ اس کو اور اس کے اجر و ثواب کو نشوونما دے کر اپنی نعمت کا

اتمام کرے گا اور ایمان کو مکدر کرنے والے ہر عمل سے اس کی حفاظت کرے گا بلکہ جب ایسی آزمائشیں آئیں جن سے مقصود سچے مومن کو جھوٹے دعوے دار سے الگ کرنا ہو تو یہ آزمائشیں مومنوں کو کھرا ثابت اور ان کی سچائی کو ظاہر کر دیتی ہیں۔

گویا اس آیت میں اس بات سے احتراز (بچاؤ) ہے جو کہی جاسکتی تھی کہ اللہ کا قول ﴿وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ﴾ کبھی کبھی بعض مومنوں کے لیے ترک ایمان کا سبب بنتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس وہم کا ازالہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضَيِّعَ إِيمَانَكُمْ﴾ اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ اس امتحان یا دیگر کسی آزمائش کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا۔ اس آیت کریمہ میں وہ تمام اہل ایمان بھی شامل ہیں جو توحیل قبلہ سے پہلے وفات پا چکے تھے اللہ تعالیٰ ان کے ایمان کو ضائع نہیں کرے گا، کیونکہ انہوں نے اپنے وقت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت یہی ہے کہ ہر وقت اس کے حکم کی پیروی کی جائے۔ اس آیت کریمہ میں اہل سنت والجماعت کے اس مذہب کی دلیل ہے کہ ایمان میں اعمال جو ارج داخل ہیں۔

﴿إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَءَوُّفٌ رَّحِيمٌ﴾ ”اللہ تو لوگوں پر بڑا مہربان اور صاحب رحمت ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ ان پر بہت زیادہ رحمت و رأفت کرنے والا ہے۔ یہ اس کی عظیم رحمت و رأفت ہے کہ اس نے اہل ایمان کو نعمت ایمان عطا کر کے اس نعمت کو مکمل کیا اور ان کو ان لوگوں سے علیحدہ کر دیا جو ایمان کا صرف زبانی دعویٰ کرتے تھے۔ ان کے دل ایمان سے خالی تھے۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا امتحان لیا جس کے ذریعے سے ان کے ایمان میں اضافہ اور ان کے درجات بلند کئے اور سب سے زیادہ عزت و شرف کے حامل گھر کی طرف ان کا رخ موڑ دیا۔

قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ
اپنا چہرہ طرف مسجد حرام کی اور جہاں کہیں بھی ہو تم تو پھیر لو اپنے چہرے اس کی طرف
وَإِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ
اور بلاشبہ وہ لوگ جو دیئے گئے کتاب وہ یقیناً جانتے ہیں کہ بیشک وہ حق ہے ان کے رب کی طرف سے

وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۷﴾

اور نہیں ہے اللہ غافل اس سے جو وہ عمل کرتے ہیں

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے: ﴿قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ﴾ ”ہم تمہارا آسمان کی طرف منہ پھیر پھیر کر دیکھنا دیکھ رہے ہیں۔“ یعنی ہم آپ کو دیکھتے ہیں کہ آپ استقبال کعبہ کے بارے میں نزول

وحی کے شوق اور انتظار میں اپنا منہ تمام جہات میں کثرت سے پھیرتے ہیں یہاں اللہ تعالیٰ نے ﴿وَجْهَكَ﴾ ارشاد فرمایا ہے (بصرک) نہیں، کیونکہ اس سے نبی ﷺ کے فکر و غم کی زیادتی کو بیان کرنا مقصود ہے، نیز چہرہ پھیرنا نظر پھیرنے کو بھی شامل ہے۔ ﴿فَلَنَوَلِّيَنَّكَ﴾ ”سو ہم آپ کو پھیر دیں گے۔“ یعنی چونکہ ہم آپ کے سر پرست اور مددگار ہیں اس لیے ہم ضرور آپ کا منہ پھیر دیں گے ﴿قَبْلَهُ تَرْضَاهَا﴾ ”اس قبلہ کی طرف جس کو آپ پسند کرتے ہیں۔“ یعنی ہم آپ کا منہ اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہیں اور وہ ہے کعبہ شریف۔ اس آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ کے شرف و فضیلت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کے پسندیدہ امر کے مطابق حکم نازل کرنے میں جلدی فرمائی۔ اس کے بعد اللہ نے آپ کو استقبال کعبہ کا صراحتاً حکم فرمایا۔ چنانچہ فرمایا: ﴿قَوْلَ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ”پس اپنا چہرہ مسجد حرام کی طرف موڑ لیں“ (وَجْهَ) سے مراد انسان کے بدن کے سامنے کا حصہ ہے۔ فرمایا: ﴿وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ﴾ ”اور تم جہاں کہیں بھی ہو“ یعنی بحر و بر مشرق و مغرب اور شمال و جنوب جہاں کہیں بھی ہو ﴿قَوْلُوا وَجْوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ ”پس اپنے چہروں کو اس جہت کی طرف پھیر لو“۔ اس آیت کریمہ سے واضح ہے کہ تمام نمازوں میں خواہ فرض ہوں یا نفل اگر عین کعبہ کی طرف منہ کرنا ممکن ہو تو اس کی طرف منہ کرنا فرض ہے ورنہ اس کی طرف اور جہت میں منہ کر لینا کافی ہے۔ اور یہ کہ نماز کے اندر بدن کے ساتھ ادھر ادھر التفات کرنا نماز کو باطل کرنے والا عمل ہے، کیونکہ کسی چیز کی بابت حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اس کی ضد ممنوع ہے۔

گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب وغیرہ میں سے اعتراض کرنے والوں کا ذکر کیا ہے وہاں ان کے اعتراض کا جواب بھی دیا ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اہل کتاب اور ان کے اہل علم جانتے ہیں کہ آپ اس معاملے میں واضح حق پر ہیں، کیونکہ انہیں اپنی کتابوں میں اس نبی کی نشانیاں ملتی ہیں۔ اس لیے وہ عناد اور سرکشی کی وجہ سے اعتراض کرتے ہیں۔ پس جب وہ اپنے کرتوتوں کی وجہ سے مبتلائے غم ہیں تو تم ان کے اعتراضات کی پروا نہ کرو۔ اس لیے کہ انسان کو صرف اس اعتراض کرنے والے کا اعتراض غم میں ڈالتا ہے، جب معاملہ مشتبہ ہو اور اس کا امکان ہو کہ صواب (صحیح بات) اس کے ساتھ ہو۔

لیکن جب یہ یقین ہو جائے کہ حق و صواب اس شخص کے ساتھ ہے جس پر اعتراض کیا جا رہا ہے اور اعتراض کرنے والا محض عناد سے کام لے رہا ہے اور اسے یہ بھی علم ہے کہ معترض کا اعتراض باطل ہے تو اسے پروا نہیں کرنی چاہیے، بلکہ اسے انتظار کرنا چاہیے کہ معترض کو دنیاوی اور اخروی عقوبت کا ضرور سامنا کرنا پڑے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ﴾ ”اللہ ان کے اعمال سے بے خبر نہیں“ بلکہ وہ ان کے اعمال کو محفوظ کرتا ہے اور ان کو ان کے اعمال کی جزا دے گا۔ اس آیت کریمہ میں اعتراض کرنے والوں کے لیے

وعید اور اہل ایمان کے لیے تسلی ہے۔

وَلَيْنَ آتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ مَّا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ وَمَا أَنْتَ
 اور البتہ اگر لے آئیں آپ ان لوگوں کے پاس جو دیئے گئے کتاب ہر قسم کی نشانی، تب بھی وہ نہیں پیروی کریں گے آپ کے قبلے کی اور نہ آپ
 بِتَابِعِ قِبْلَتَهُمْ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعِ قِبْلَةَ بَعْضٍ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ
 پیروی کرنے والے ہیں ان کے قبلے کی اور نہ بعض انکا پیروی کرنے والا ہے بعض کے قبلے کی اور البتہ اگر پیروی کی آپ نے انکی خواہشات کی
 مِّنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ إِنَّكَ إِذَا لَتَمِ الظَّالِمِينَ ﴿۱۳۰﴾
 بعد اس کے جو آ گیا آپ کے پاس علم، تو یقیناً آپ اس وقت ہو جائیں گے ظالموں میں سے ○

نبی اکرم ﷺ مخلوقات کی ہدایت کی بہت تمنا اور آرزو کیا کرتے تھے اور ان کی نہایت درجہ خیر خواہی کرتے
 تھے۔ نرمی اور پیار سے انہیں ہدایت کی راہ پر لانے کی کوششیں کیا کرتے تھے اور جب وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی
 اطاعت نہیں کرتے تو یہ امر آپ کو نہایت غمگین کر دیتا تھا۔ پس کافروں میں ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے اللہ کے
 حکم کے مقابلے میں سرتابی اختیار کی۔ اللہ تعالیٰ کے انبیاء و مرسلین ﷺ کے ساتھ تکبر سے پیش آئے اور جان بوجھ
 کر ظلم و عدوان کی بنا پر ہدایت کو چھوڑ دیا۔ انہی میں سے پہلے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ ہیں جنہوں نے
 محمد ﷺ کا جہالت کی بنا پر نہیں بلکہ یہ یقین رکھتے ہوئے انکار کیا کہ آپ نبی ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو
 آگاہ فرمایا: ﴿لَئِن آتَيْتَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ بِكُلِّ آيَةٍ﴾ ”اگر آپ ان اہل کتاب کے پاس تمام نشانیاں بھی
 لے کر آئیں۔“ یعنی اگر آپ ان کے سامنے ہر قسم کی دلیل اور برہان پیش کر دیں جو آپ کی بات اور دعوت کو
 واضح کر دیں ﴿مَّا تَبِعُوا قِبْلَتَكَ﴾ ”تو بھی یہ آپ کے قبلے کی پیروی نہ کریں گے۔“ یعنی تب بھی وہ آپ کی
 اتباع نہیں کریں گے، کیونکہ قبلہ کی طرف منہ کرنا درحقیقت آپ کی اتباع کی دلیل ہے اور اس لیے کہ اصل سبب
 قبلے کا معاملہ ہے اور معاملہ واقعی ایسا ہے، کیونکہ وہ حق کے ساتھ عناد رکھتے ہیں انہوں نے حق کو پہچانا اور اسے چھوڑ
 دیا۔ پس اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے صرف وہی شخص فائدہ اٹھا سکتا ہے جو حق کا متلاشی ہو اور حق اس پر مشتبہ ہو گیا ہو
 تب یہ آیات بینات اس پر حق کو واضح کر دیتی ہیں اور جو کوئی اس بات پر اڑ جاتا ہے کہ وہ حق کی اتباع نہیں کرے گا
 تو اسے حق کی طرف لانے کی کوئی صورت نہیں۔

نیز ان میں آپس میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے اور وہ ایک دوسرے کے قبلے کی پیروی نہیں کرتے۔ یہ سب کچھ
 ہوتے ہوئے اے محمد! (ﷺ) یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں کہ وہ آپ کے قبلے کی پیروی نہیں کرتے، کیونکہ وہ دشمن اور
 حاسد ہیں اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَمَا أَنْتَ بِتَابِعِ قِبْلَتَهُمْ﴾ (وَلَا تَتَّبِعْ) سے زیادہ بلیغ ہے، کیونکہ یہ لفظ اس بات
 کو متضمن ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان کی مخالفت سے متصف ہیں، پس آپ سے اس کا وقوع ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ

نے یہ نہیں فرمایا (وَلَوْ اَتَوْا بِكُلِّ آيَةٍ) کیونکہ ان کے پاس اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لیے کوئی دلیل ہی نہیں۔ اسی طرح جب یقینی دلائل و براہین سے حق واضح ہو جاتا ہے، تو اس پر وارد شبہات کا جواب دینا لازم نہیں، کیونکہ ان شبہات کی تو کوئی حد نہیں اور ان کا بطلان واضح ہے، کیونکہ ہمیں معلوم ہے کہ جو چیز واضح حق کے منافی ہو وہ باطل ہوتی ہے۔ تب شبہ کو حل کرنا تبرع کے زمرے میں آئے گا۔ (یعنی بغیر ضرورت کے محض خوشی سے شبہات کا ازالہ کرنا) ﴿وَلٰكِن اَتَّبَعْتَ اَهْوَاءَهُمْ﴾ ”اگر آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی“ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے (اہوائہم) ”ان کی خواہشات“ کا لفظ استعمال کیا ہے اور اس کی بجائے (دینہم) ”ان کا دین“ کا لفظ استعمال نہیں کیا، کیونکہ وہ محض اپنی خواہشات نفس کی پیروی کر رہے تھے۔ حتیٰ کہ وہ خود بھی یہ جانتے تھے کہ یہ دین نہیں ہے۔ اور جو کوئی دین کو چھوڑ دیتا ہے وہ لامحالہ خواہشات نفس کی پیروی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اَقْرَأْ يَتَّ مِّنَ اتَّخَذَ الٰهَهُ هُوْلَهُ﴾ (الحجاثیہ: ۲۳۱/۴۵) ”بھلا آپ نے اس شخص کو دیکھا جس نے اپنی خواہش نفس کو اپنا معبود بنا رکھا ہے؟“

﴿مَنْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ ”اس کے بعد کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے۔“ یعنی یہ جان لینے کے بعد کہ آپ حق پر اور وہ باطل پر ہیں ﴿اِنَّكَ اِذَا﴾ ”تب آپ“ یعنی اگر آپ نے ان کی اتباع کی، یہ احتراز ہے، تاکہ یہ جملہ اپنے ماقبل جملے سے علیحدہ نہ رہے، خواہ وہ افہام ہی میں کیوں نہ ہو۔ ﴿لِيَمِّنَ الظَّالِمِيْنَ﴾ ”ظالموں میں سے ہو جائیں گے۔“ یعنی آپ کا شمار ظالموں میں ہوگا اور اس شخص کے ظلم سے بڑھ کر کون سا ظلم ہے جس نے حق اور باطل کو پہچان کر باطل کو حق پر ترجیح دی۔ یہ خطاب اگرچہ رسول اللہ ﷺ سے ہے تاہم آپ کی امت اس میں داخل ہے نیز اگر رسول اللہ ﷺ نے بھی یہ کام کیا ہوتا، حاشا وکلا! آپ سے یہ ممکن نہیں تھا، تو آپ بھی اپنے بلند مرتبہ اور نیکیوں کی کثرت کے باوجود ظالموں میں شمار ہوتے تب آپ کے علاوہ کوئی دوسرا تو بطریق اولیٰ بڑا ظالم ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

الَّذِيْنَ اتَّبَعْتَهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهُ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اٰنْبَاءَهُمْ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ

وہ لوگ کہ دی ہم نے ان کو کتاب وہ پہچانتے ہیں اس (رسول) کو جیسے وہ پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو اور بے شک ایک فریق ان میں سے

لَيَكْتُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ

البتہ وہ چھپاتا ہے حق کو حالانکہ وہ جانتا ہے ﴿یہ﴾ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے

فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُسْتَرِيْنَ ﴿۱۳۷﴾

پس ہرگز نہ ہوں آپ شک کرنے والوں میں سے ﴿

اللہ تعالیٰ آگاہ کرتا ہے کہ اہل کتاب کو معلوم ہے اور ان کے ہاں یہ بات متحقق ہے کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے

رسول ہیں۔ جو کتاب آپ لے کر مبعوث ہوئے ہیں وہ حق اور سچ ہے اور انہیں اس بات کا پورا پورا یقین ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح انہیں اپنے بیٹوں کے بارے میں یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ ان کے بیٹے ہیں اور اس کی بابت انہیں کوئی شبہ نہیں ہوتا۔ پس محمد مصطفیٰ ﷺ کی پہچان ان کے ہاں اس حد تک پہنچی ہوئی تھی کہ اس میں شک و شبہ کی گنجائش نہ تھی، مگر اس کے باوجود ان میں سے ایک فریق جو تعداد میں زیادہ تھا۔ اس نے آپ کا انکار کیا اور آپ کے بارے میں یقینی شہادت کو چھپا لیا۔ درآں حالیکہ وہ جانتے تھے۔ فرمایا: ﴿وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهُ مِنَ اللَّهِ﴾ (البقرة: ۱۴۰) ”اس سے بڑا ظالم کون ہے جو اس گواہی کو چھپائے جو اللہ کی طرف سے اس کے پاس ہے“ اس آیت کریمہ میں رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کے لیے تسلی اور ان کو اہل کتاب کے شر اور شبہات سے بچنے کی تلقین ہے۔ البتہ ان میں سے کچھ ایسے لوگ تھے جنہوں نے جانتے بوجھے حق کو نہیں چھپایا۔ پس ان میں سے بعض آپ پر ایمان لے آئے اور بعض نے محض جہالت کی بنا پر آپ کا انکار کر دیا۔ پس صاحب علم اپنے علم کے مطابق جس قدر دلیل دینے اور تعبیر کرنے پر قادر ہے اس پر اسی قدر حق کا اظہار کرنا اس کو بیان کرنا اور اس کو مزین کرنا فرض ہے اور اسی قدر باطل کا ابطال کرنا، حق سے اس کو علیحدہ کرنا اور ہر ممکن طریقے سے نفوس کے سامنے اس کی برائی نمایاں کرنا اس پر لازم ہے۔ لیکن اس حق کو چھپانے والوں نے اس کے برعکس رویہ اختیار کیا لہذا ان کے احوال بھی اس کے برعکس ہو گئے۔

﴿الْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ﴾ ”یہ حق آپ کے رب کی طرف سے ہے۔“ یعنی یہ حق جو ہر چیز سے زیادہ حق کہلانے کا مستحق ہے، کیونکہ یہ مطالب عالیہ اچھے احکام اور تزکیہ نفوس پر مشتمل ہے، نیز نفوس کے لیے ان کے مصالح کے حصول اور ان سے مفسد کو دور کرنے کا باعث ہے۔ اس لیے کہ یہ آپ کے رب کی طرف سے صادر ہوا ہے اور یہ منجملہ آپ کے رب کی طرف سے آپ کی تربیت ہے کہ اس نے آپ پر یہ قرآن نازل فرمایا جس میں نفوس و عقول کی تربیت اور تمام مصالح ہیں ﴿فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُنْتَرِينَ﴾ ”پس آپ ہرگز شک کرنے والوں میں نہ ہونا۔“ یعنی اس حق کے بارے میں آپ کو معمولی سے شک و شبہ میں بھی مبتلا نہیں ہونا چاہئے، بلکہ اس حق میں غور و فکر کیجئے یہاں تک کہ آپ یقین کی منزل کو پہنچ جائیں، کیونکہ حق میں غور و فکر لامحالہ شک کو دور کر کے یقین کی منزل پر پہنچاتا ہے۔

وَلِكُلِّ وُجْهَةٍ هُوَ مُوَلِّيٰهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۗ اِنَّ مَا تَكُوْنُوْنَ اٰتٍ بِكُمْ اللّٰهُ

اور ہر ایک کے لیے ایک سمت ہے وہ (منہ) پھیرنے والا ہے اسی طرف پس تم سبقت کرو نیکوں میں جہاں کہیں تم ہو گئے لے آئے گا تم کو اللہ

جَمِيعًا ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۱﴾

سب کو تحقیق اللہ اوپر ہر چیز کے خوب قادر ہے ○

یعنی ہر ملت اور ہر دین والوں کے لیے ایک جہت مقرر ہے وہ اپنی عبادت میں اس کی طرف منہ کرتے ہیں۔

استقبال قبلہ کوئی بڑا معاملہ نہیں اس لیے کہ یہ ان شریعتوں میں سے ہے جو احوال و زمان کے بدلنے کے ساتھ بدلتی رہی ہیں اس میں نسخ اور ایک جہت سے دوسری جہت میں منتقل ہونا بھی داخل ہے، لیکن اصل اور اہم معاملہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اس کا تقرب اور اس کے قرب میں حصول درجات ہے یہی سعادت کا عنوان اور ولایت کا منشور ہے۔ یہی وہ وصف ہے کہ اگر نفوس اس سے متصف نہ ہوں تو دنیا و آخرت کے خسارے میں پڑ جاتے ہیں جیسے اگر نفوس اپنے آپ کو اس وصف سے متصف کر لیں تو یہی حقیقی منافع ہے۔ تمام شریعتوں میں یہ متفق علیہ امر ہے۔ اسی کی خاطر اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوق کو تخلیق کیا اور اسی کا اللہ تعالیٰ نے سب کو حکم دیا۔

نیکیوں کی طرف سبقت کرنے کا حکم نیکی کرنے کے حکم پر ایک قدر زائد ہے، کیونکہ نیکیوں کی طرف سبقت نیکیوں کے کرنے ان کی تکمیل، کامل ترین احوال میں ان کو واقع کرنے اور نہایت سرعت سے ان کی طرف بڑھنے کو متضمن ہے۔ جو کوئی اس دنیا میں نیکیوں کی طرف سبقت کرتا ہے وہ آخرت میں جنت کی طرف سبقت لے جائے گا پس سابقون (سبقت کرنے والے) تمام مخلوق میں بلند ترین درجے پر فائز ہوں گے۔

اور نیکیوں کا لفظ تمام فرائض، نماز، نوافل، روزے، زکوٰۃ، حج و عمرہ، جہاد اور لوگوں کو نفع پہنچانے وغیرہ کو شامل ہے۔ جب بات یہ ہے کہ سب سے طاقتور داعیہ جو نفوس کو نیکیوں میں مسابقت و مسارعت پر آمادہ کرتا ہے اور انہیں نشاط عطا کرتا ہے وہ ثواب ہے جو اللہ تعالیٰ ان نیکیوں پر عطا کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ ﴿اِنَّ مَّا تَكُوْنُوْنَ اَيَاتٍ لِّكُمْ اِنَّ اللّٰهَ جَمِيْعًا اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ”تم جہاں کہیں بھی ہو گے اللہ تم سب کو لے آئے گا بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے“ وہ قیامت کے روز اپنی قدرت سے تمہیں اکٹھا کرے گا۔ پھر ہر شخص کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لِيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَسَاءُوْا بِمَا عَمِلُوْا وَيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا بِالْحَسَنٰى﴾ (النجم: ۳۱/۵۳) ”تاکہ جن لوگوں نے برے کام کئے ہیں ان کو ان کے اعمال کا بدلہ دے اور جنہوں نے نیک کام کئے ہیں ان کو نیک بدلہ دے“۔

اس آیت کریمہ سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ ہر اس فضیلت کو اختیار کرنا چاہئے جس سے کوئی عمل متصف ہو سکتا ہے، مثلاً اول وقت پر نماز ادا کرنا، روزے حج و عمرہ اور زکوٰۃ کی ادائیگی سے فوری طور پر بری الذمہ ہونا۔ تمام عبادات کی سنن و آداب کو پوری طرح ادا کرنا۔ پس کتنی جامع اور کتنی نفع مند آیت ہے۔

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ ۗ

اور جہاں سے نکلیں آپ تو پھیر لیں اپنا چہرہ جانب مسجد حرام کی اور بلاشبہ وہ حق ہے آپ کے رب کی طرف سے

وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ

اور نہیں ہے اللہ غافل اس سے جو تم عمل کرتے ہو ○ اور جہاں سے آپ نکلیں تو پھیر لیں اپنا چہرہ

شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ ۚ لِئَلَّا يَكُونَ
 لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ ۚ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي ۗ
 لوگوں کے لیے تمہارے خلاف کوئی حجت سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے ظلم کیا ان میں سے پس نہ ڈرو تم ان سے اور ڈرو مجھ سے
 وَلَا تَمَنَّوْا نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۵۰﴾

اور تاکہ پوری کروں میں اپنی نعمت اوپر تمہارے اور شاید کہ تم ہدایت پاؤ

﴿وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ﴾ ”جہاں سے بھی آپ نکلیں“ یعنی اپنے سفر وغیرہ میں۔ یہ عموم کے لیے ہے ﴿قَوْلٍ
 وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ”پس اپنا منہ مسجد حرام کی طرف پھیر لیں“۔ پھر اللہ تعالیٰ نے تمام امت کو عمومی طور
 پر خطاب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ﴾ ”اور تم جہاں بھی ہو تو اپنا منہ مسجد
 حرام کی طرف کر لو۔“ فرمایا: ﴿وَأِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ﴾ ”اور یہ یقیناً آپ کے رب کی طرف سے حق ہے“ اللہ تعالیٰ
 نے (اِنَّ) اور (لام) استعمال کر کے اس کو موکد کر دیا ہے، تاکہ اس میں کسی کے لیے ادنیٰ سے شک و شبہ کی گنجائش نہ
 رہے اور کوئی شخص یہ نہ سمجھے کہ یہ محض خواہش ہے اس میں اطاعت مطلوب نہیں۔ ﴿وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا
 تَعْمَلُونَ﴾ ”اور اللہ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں ہے“ بلکہ وہ تمہیں تمہارے تمام احوال میں دیکھ رہا ہے۔ اس
 لیے اس کا ادب کرو اور اس سے ڈرتے ہوئے اس کے اوامر پر عمل کرو اور اس کی نواہی سے اجتناب کرو، کیونکہ
 اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں بلکہ تمہارے اعمال کی کامل جزا دی جائے گی۔ اگر اچھے اعمال ہیں تو اچھی
 جزا ہوگی اور اگر برے اعمال ہیں تو ان کی جزا بری ہوگی۔

﴿لِيَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ﴾ ”اس لیے کہ لوگ تم کو کسی طرح کا الزام نہ دے سکیں۔“ یعنی ہم
 نے تمہارے لیے کعبہ شریف کو اس لیے قبلہ قرار دیا ہے، تاکہ اہل کتاب اور مشرکین عرب کے لیے تم پر کوئی حجت نہ
 رہے، کیونکہ اگر بیت المقدس کو قبلہ کے طور پر باقی رکھا ہوتا تو یہ استقبال کعبہ کے خلاف حجت ہوتی، کیونکہ اہل
 کتاب اپنی کتاب میں پڑھتے ہیں کہ نبی آخر الزمان ﷺ کا مستقل قبلہ کعبہ یعنی بیت الحرام ہوگا اور مشرکین مکہ
 سمجھتے تھے کہ یہ عظیم گھران کے مفاخر میں شمار ہوتا ہے اور یہ ملت ابراہیم کا مرکز ہے اور جب رسول اللہ ﷺ کعبہ
 شریف کو قبلہ نہیں بنائیں گے تو مشرکین کے پاس آپ کے خلاف حجت ہوگی۔ وہ کہیں گے کہ محمد (ﷺ) ملت
 ابراہیم پر ہونے کا کیسے دعویٰ کرتا ہے جبکہ اس نے ابراہیم علیہ السلام کی اولاد ہوتے ہوئے بھی بیت اللہ کو قبلہ نہیں
 بنایا۔ پس بیت اللہ کو قبلہ بنانے سے اہل کتاب اور مشرکین دونوں پر حجت قائم ہوگئی اور آپ پر وہ جو حجت قائم کر
 سکتے تھے وہ منقطع ہوگئی۔

﴿إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ﴾ مگر ان میں سے جو ظالم ہیں۔ یعنی ان میں جو کوئی دلیل دیتا ہے وہ اس بارے میں ظلم کا ارتکاب کرتا ہے اس کے پاس کوئی سند اور کوئی دلیل نہیں سوائے ظلم اور خواہشات نفس کی پیروی کے لہذا آپ کے خلاف حجت قائم کرنے کی کوئی راہ نہیں۔ اسی طرح اس شبہ کی پروا کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں جسے یہ لوگ حجت کے طور پر وارد کرتے ہیں۔ اس کی طرف دھیان ہی نہ دیا جائے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَا تَخْشَوْهُمْ﴾ تم ان سے مت ڈرو، کیونکہ ان کی حجت باطل ہے اور باطل اپنے نام کی مانند بے کار اور فاسد ہے۔ باطل اور باطل پرست مدد اور تائید سے محروم ہیں۔ صاحب حق کا معاملہ اس کے برعکس ہے۔ حق کا رعب اور عزت ہے۔ حق جس کے ساتھ ہے وہ اس کی خشیت کا موجب ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی خشیت کا حکم دیا ہے جو ہر بھلائی کی بنیاد ہے۔ پس جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا وہ اس کی نافرمانی سے نہیں بچ سکتا اور نہ اس کی اطاعت کر سکتا ہے۔

مسلمانوں نے بیت اللہ کو قبلہ بنایا تو اس سے انہیں بہت بڑے فتنے کا سامنا کرنا پڑا۔ جس کی اہل کتاب منافقین اور مشرکین نے خوب خوب اشاعت کی اور اس بارے میں انہوں نے اعتراضات اور شبہات کی بھرمار کر دی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے نہایت بسط و شرح اور کامل طریقے سے اس مسئلہ کو بیان کیا ہے اور مختلف قسم کی تاکیدات سے اس کو موکد کیا جو ان آیات کریمہ میں بیان ہوئی ہیں، مثلاً

(۱) استقبال کعبہ کا تین مرتبہ حکم دیا گیا ہے جبکہ صرف ایک ہی مرتبہ کافی تھا۔

(۲) اس میں خصوصی بات یہ ہے کہ حکم یا تو رسول اللہ ﷺ کے لیے ہے اور امت اس میں داخل ہے یا یہ حکم امت کے لیے عام ہے۔ اس آیت کریمہ میں خصوصی طور پر صرف رسول اللہ ﷺ کو استقبال کعبہ کا حکم دیا گیا ﴿قَوْلٍ وَجْهَكَ﴾ اور امت کو اس آیت میں استقبال کعبہ کا حکم دیا گیا ﴿قَوْلًا وَجْهَكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں ان تمام باطل دلائل کا رد کیا ہے جو کہ معاندین نے پیش کئے تھے اور ایک شبہ کا ابطال کیا۔ جیسا کہ اس کی توضیح گزشتہ سطور میں گزر چکی ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ نے اس کی بابت امیدوں کو ختم کر دیا کہ رسول اللہ ﷺ اہل کتاب کے قبلے کی پیروی کریں گے۔

(۴) اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ﴿وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ﴾ ایک عظیم سچے شخص کا خبر دینا ہی کافی ہوتا ہے مگر بائیں ہمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِنْ رَبِّكَ﴾ ”یہ یقیناً آپ کے رب کی طرف سے حق ہے۔“

(۵) اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا اور وہ عالم الغیب ہے کہ اہل کتاب کے ہاں استقبال کعبہ کے معاملہ کی صحت متحقق ہے مگر یہ لوگ علم رکھنے کے باوجود اس گواہی کو چھپاتے ہیں۔

جب بیت اللہ شریف کی طرف تحویل قبلہ ایک عظیم نعمت ہے اور اس امت پر اللہ تعالیٰ کا بے پایاں لطف و کرم

ہے جو بڑھتا ہی رہتا ہے۔ علاوہ ازیں جب بھی اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے لیے کوئی کام مشروع کرتا ہے تو یہ ایک عظیم

نعمت ہوتی ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَلَا تَمَنَّيْ عَلَىٰ نِعْمَةٍ﴾ یہ تحویل کا حکم اس لیے دیا گیا ہے ”تا کہ میں اپنی نعمت تم پر پوری کر دوں“۔ اصل نعمت تو دین کی ہدایت ہے جو وہ اپنا رسول بھیج کر اور اپنی کتاب نازل کر کے عطا کرتا ہے اس کے بعد دیگر تمام نعمتیں اس نعمت کی تکمیل کرتی ہیں۔ یہ نعمتیں اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا حصر و شمار ممکن نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے لے کر اس دنیائے فانی سے آپ کی رحلت تک اللہ تعالیٰ ان نعمتوں سے نوازتا رہا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو احوال اور نعمتیں عطا کیں اور اس نے آپ کی امت کو وہ کچھ دیا جس سے آپ پر اور آپ کی امت پر اتمام نعمت ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مبارکہ آپ پر نازل فرمائی ﴿الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ (المائدہ: ۳۱۵) ”آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا“۔

پس اللہ تعالیٰ ہی اپنے اس فضل و کرم پر حمد و ثنا کا مستحق ہے۔ اس فضل و کرم پر اس کا شکر ادا کرنا تو کجا ہم تو اس کو شکر تک نہیں کر سکتے۔ ﴿وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ ”اور تاکہ تم راہِ راست پر چلو“۔ یعنی شاید کہ تم حق کو جانو اور پھر اس پر عمل کرو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں پر رحم کرتے ہوئے ہدایت کے اسباب بے حد آسان فرمادیئے اور ہدایت کے راستوں پر چلنے کے بارے میں آگاہ فرمادیا اور ان کے لیے اس ہدایت کو پوری طرح واضح کر دیا۔ ان میں سے ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل عناد کو حق کی مخالفت پر مقرر کر دیتا ہے چنانچہ وہ حق کے بارے میں جھگڑتے ہیں جس سے حق واضح، حق کی نشانیاں اور علامتیں ظاہر ہو جاتی ہیں اور باطل کا بطلان ثابت ہو جاتا ہے اور یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ باطل کی کوئی حقیقت نہیں۔ اگر باطل حق کے مقابلے میں کھڑا نہ ہو تو بسا اوقات اکثر مخلوق پر باطل کا حال واضح نہ ہو۔ اشیاء اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں۔ اگر رات نہ ہوتی تو دن کی فضیلت کا اعتراف نہ ہوتا۔ اگر قبیح اور بد صورت نہ ہو تو خوبصورت کی فضیلت معلوم نہیں ہو سکتی، اگر اندھیرا نہ ہو تو روشنی کے فوائد کو نہیں پہچانا جاسکتا، اگر باطل نہ ہو تو حق واضح طور پر ظاہر نہیں ہو سکتا۔ اس پر اللہ تعالیٰ ہی ہر قسم کی تعریف کا مستحق ہے۔

كَمَا أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ

جس طرح بھیجا ہم نے تم میں ایک رسول تم ہی میں سے وہ تلاوت کرتا ہے تم پر ہماری آیتیں اور پاک کرتا ہے تمہیں اور تعلیم دیتا ہے تمہیں

الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذْكُرُونِي

کتاب اور حکمت کی اور سکھاتا ہے تمہیں وہ (باتیں) جو نہیں تھے تم جانتے ۱۵۱ پس یاد کرو تم مجھے

أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ﴿۱۵۲﴾

میں یاد کروں گا تمہیں اور تم شکر کرو میرے لیے اور نہ ناشکری کرو میری ۱۵۲

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، کعبہ شریف کی طرف تھوڑی قبلہ کے ذریعے سے ہم نے تمہیں جو نعمت عطا کی اور اس کے اتمام کے لیے شرعی احکام اور دیگر نعمتیں عطا کیں، یہ ہماری طرف سے کوئی انوکھا اور پہلا احسان نہیں، بلکہ ہم نے تمہیں بڑی بڑی نعمتیں عطا کیں اور پھر دیگر نعمتوں کے ذریعے سے ان کی تکمیل کی۔ ان میں سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ ہم نے تمہاری طرف اس رسول کریم کو مبعوث کیا جو تم ہی میں سے ہے، جس کے حسب و نسب اس کی صداقت و امانت اور اس کی خیر خواہی کو تم خوب جانتے ہو۔ ﴿يَتْلُوا عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا﴾ ”وہ تم پر ہماری آیتیں پڑھتا ہے“ اس کے عموم میں آیات قرآنی اور دیگر تمام آیات داخل ہیں۔ (ہمارا) رسول تم پر آیات کی تلاوت کرتا ہے جو باطل میں سے حق کو اور گمراہی میں سے ہدایت کو واضح کرتی ہیں۔ یہ آیات الہی سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے کمال کی طرف راہنمائی کرتی ہیں پھر اس کے رسول ﷺ کی صداقت، اس پر ایمان کے وجوب اور ان تمام غیبی اور مابعد الموت امور پر ایمان لانے کے وجوب پر دلالت کرتی ہیں جن کے بارے میں اس نے خبر دی ہے، تاکہ تمہیں ہدایت کامل اور علم یقینی حاصل ہو جائے۔ ﴿وَيُذَكِّرْكُمْ﴾ ”اور تمہارا تذکرہ کرتا ہے۔“ یعنی تربیت کے ذریعے سے اخلاق جمیلہ کو اجاگر اور اخلاق رذیلہ کو زائل کر کے تمہارے نفوس اور تمہارے اخلاق کو پاک کرتا ہے، مثلاً شرک سے توحید کی طرف، ریا سے اخلاص کی طرف، جھوٹ سے صدق کی طرف، خیانت سے امانت کی طرف، تکبر سے تواضع کی طرف، بد خلقی سے حسن اخلاق کی طرف، باہم بغض، قطع تعلق اور قطع رحمی سے ایک دوسرے سے محبت، مودت اور صلہ رحمی کی طرف تمہارا تذکرہ کرتا ہے، اس کے علاوہ تذکرہ کی دیگر انواع کے ذریعے سے تمہیں پاک کرتا ہے۔

﴿وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ﴾ ”اور تمہیں کتاب (قرآن) سکھاتا ہے۔“ یعنی قرآن کے الفاظ و معانی کی تعلیم دیتا ہے، ﴿وَالْحِكْمَةَ﴾ ”اور حکمت“ ایک قول کے مطابق حکمت سے مراد سنت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ حکمت سے مراد اسرار شریعت کی معرفت اور اس کی سمجھ ہے، نیز تمام امور کو ان کے مقام پر رکھنا ہے۔ اس لحاظ سے سنت کی تعلیم کتاب اللہ کی تعلیم میں داخل ہے، کیونکہ سنت قرآن کی تفسیر و توضیح اور اس کی تعبیر کرتی ہے۔ ﴿وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾ ”اور تمہیں وہ باتیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے“ کیونکہ بعثت محمدی سے قبل اہل عرب کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔ ان کے پاس علم تھا نہ عمل۔ پس ہر علم اور عمل جو اس امت کو حاصل ہوا ہے وہ رسول اللہ ﷺ کے توسط اور آپ ہی کے سبب سے حاصل ہوا ہے۔ یہ نعمتیں علی الاطلاق حقیقی نعمتیں ہیں۔ یہ نعمتیں سب سے بڑی نعمتیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو نوازتا ہے۔ لہذا ان کا وظیفہ ان نعمتوں پر اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کے تقاضوں کی ادائیگی ہونا چاہئے۔

بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاذْكُرُونِي أَذْكَرُكُمْ﴾ ”پس تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا“ اللہ تعالیٰ نے

اپنے ذکر کا حکم دیا ہے اور اس پر بہترین اجر کا وعدہ کیا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس شخص کا ذکر کرتا

ہے جو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زبان مبارک سے فرمایا ”جو مجھ سے اپنے دل میں یاد کرتا ہے میں اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں، جو کسی مجلس میں مجھے یاد کرتا ہے میں اسے اس سے بہتر مجلس میں یاد کرتا ہوں“^① سب سے بہتر ذکر وہ ہے جس میں دل اور زبان کی موافقت ہو اور اسی ذکر سے اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کی محبت اور بہت زیادہ ثواب حاصل ہوتا ہے۔ اور ذکر الہی ہی شکر کی بنیاد ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اس کا حکم دیا ہے۔ پھر اس کے بعد شکر کا عمومی حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَأَشْكُرُوا﴾ اور میرا شکر کرو۔ یعنی میں نے جو یہ نعمتیں تمہیں عطا کیں اور مختلف قسم کی تکالیف اور مصائب کو تم سے دور کیا اس پر میرا شکر کرو۔ شکر دل سے ہوتا ہے اس کی نعمتوں کا اقرار و اعتراف کر کے۔ زبان سے ہوتا ہے اس کا ذکر اور حمد و ثنا کر کے، اعضاء سے ہوتا ہے اس کے حکموں کی اطاعت و فرمان برداری اور اس کی منہیات سے اجتناب کر کے۔ پس شکر موجود نعمت کے باقی رہنے اور مفقود نعمت (مزید نئی نعمتوں) کے حصول کے جذبے کا مظہر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ﴾ (ابراہیم: ۷۱۱) ”اگر تم شکر کرو گے تو تمہیں اور زیادہ دوں گا“۔ علم تزکیہ اخلاق اور توفیق عمل جیسی دینی نعمتوں پر شکر کا حکم دینے میں اس حقیقت کا بیان ہے کہ یہ سب سے بڑی نعمتیں ہیں بلکہ یہی حقیقی نعمتیں ہیں جن کو دوام حاصل ہے جب کہ دیگر نعمتیں زائل ہو جائیں گی۔ ان تمام حضرات کے لیے جن کو علم و عمل کی توفیق سے نوازا گیا ہے، یہی مناسب ہے کہ وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہیں، تاکہ ان پر اللہ تعالیٰ کے فضل کا اضافہ ہو اور ان سے عجب اور خود پسندی دور رہے اور وہ اللہ تعالیٰ کے شکر میں مشغول رہیں۔

چونکہ شکر کی ضد کفران نعمت ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی ضد سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَا تَكْفُرُونَ﴾ اور کفر نہ کرو، یہاں ”کفر“ سے مراد وہ رویہ ہے جو شکر کے بالمقابل ہوتا ہے۔ اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کی ناشکری، ان کا انکار اور ان نعمتوں کا حق ادا کرنے سے گریز و فرار۔ یہ بھی احتمال ہے کہ اس کا معنی عام ہو تب اس لحاظ سے کفر کی بہت سی اقسام ہیں اور ان میں سب سے بڑی قسم اللہ تعالیٰ سے کفر ہے پھر اختلاف اجناس و انواع کے اعتبار سے مختلف معاصی، مثلاً شرک اور اس سے کم تر گناہ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٦﴾

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! مدد طلب کرو تم ساتھ صبر اور نماز کے، بے شک اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے ○

اللہ تبارک نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ وہ دنیاوی امور میں صبر اور نماز سے مدد لیں۔ پس صبر، نفس کو روکنے اور ان امور سے باز رکھنے کا نام ہے جن کو وہ ناپسند کرتا ہے۔ صبر کی تین قسمیں ہیں۔

- (۱) اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر صبر کرنا حتیٰ کہ اسے بجالائے۔
- (۲) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے رکنے پر صبر کرنا یہاں تک کہ وہ اس نافرمانی کو ترک کر دے۔

① صحیح البخاری، التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ ﴿وَيُحَذِّرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ.....﴾ ح: ۷۴۰۵

(۳) تکلیف پہنچانے والی اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر پر صبر کرنا اور اس پر ناراضی کا اظہار نہ کرنا۔

صبر سے ہر کام میں زبردست معونت حاصل ہوتی ہے لہذا بے صبر آدمی کے لیے ہرگز ممکن نہیں کہ وہ اپنا مقصد حاصل کر سکے، خاص طور پر دائمی مشقت سے بھرپور نیکیاں، کیونکہ اس قسم کی نیکیاں انتہائی صبر و تحمل اور مشقت کی تلخی برداشت کرنے کی محتاج ہوتی ہیں۔ ان نیکیوں کا مشتاق جب صبر کو لازم پکڑ لیتا ہے تو کامیابی سے ہمکنار ہوتا ہے اور اگر ناپسندیدہ کام اور مشقت اسے صبر پر قائم نہ رکھ سکے تو اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا، صرف محرومی اس کا نصیب ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ گناہ جس کی طرف نفس انسانی کا داعیہ کشش رکھتا ہے اور اس گناہ کا ارتکاب اس کی قدرت میں بھی ہوتا ہے تو اس گناہ کا ترک کرنا صرف صبر عظیم اللہ تعالیٰ کی خاطر قلب کے دواعی کے ترک کرنے اور اس سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرنے ہی سے ممکن ہوتا ہے، کیونکہ وہ گناہ بھی ایک بہت بڑا فتنہ ہوتا ہے۔

اسی طرح سخت مصائب اور آزمائشوں میں خاص طور پر جبکہ یہ مصائب دائمی ہوں تب ان پے در پے مصائب سے جسمانی اور نفسانی قوی کمزور پڑ جاتے ہیں، اگر یہ شخص اللہ تعالیٰ کی خاطر صبر و توکل اللہ تعالیٰ کی پناہ کے ذریعے سے اور اپنے آپ کو اللہ کا دائمی محتاج سمجھتے ہوئے ان کا مقابلہ نہیں کرے گا تو ناراضی اور غصہ اس پر غلبہ پا لیں گے۔ پس معلوم ہوا کہ صبر ایک ایسی چیز ہے جس کا بندہ محتاج بلکہ ہر حالت میں اس کی طرف مجبور ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے صبر کا حکم دیا ہے اور آگاہ کیا ہے کہ وہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے، یعنی ان لوگوں کے ساتھ ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی مدد اور توفیق سے صبر کو اپنی عادت و وصف اور ملکہ بنا لیا ہے۔

تب ان لوگوں پر بڑی بڑی مشقتیں اور مصائب آسان ہو جاتے ہیں، ان پر ہر بڑا کام آسان اور ان سے ہر مشکل دور ہو جاتی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص معیت ہے جو اس کی محبت اس کی مدد اس کی نصرت اور اس کے قرب کا تقاضا کرتی ہے۔ یہ صبر کرنے والوں کی بہت بڑی مدد و منقبت ہے۔ اگر اہل صبر کی صرف یہی فضیلت ہوتی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی معیت میں کامیابی کی منزل پر پہنچ گئے، تو شرف و فضیلت کے لیے یہی کافی ہے۔ رہی معیت عامہ تو یہ اللہ تعالیٰ کے علم و قدرت کی معیت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَهُوَ مَعَكُمْ أَيْنَ مَا كُنْتُمْ﴾ (المحید: ۴۱۵۷) ”اور تم جہاں کہیں بھی ہو وہ تمہارے ساتھ ہے“ میں مذکور ہے اور یہ معیت تمام مخلوق کے لیے عام ہے۔

اللہ تعالیٰ نے نماز سے مدد لینے کا حکم دیا ہے، کیونکہ نماز دین کا ستون اور اہل ایمان کا نور ہے۔ نماز بندے اور اس کے رب کے درمیان رابطے کا ایک ذریعہ ہے۔ جب بندہ مومن کی نماز کامل ہو اس میں تمام لازمی امور اور سنن جمع ہوں، اس میں حضور قلب، جو نماز کا لب لباب ہے، حاصل ہو تو بندہ مومن جب نماز میں داخل ہوتا ہے تو وہ سمجھتا ہے کہ وہ اپنے رب کے سامنے حاضر ہوا ہے اور اپنے رب کے سامنے اس طرح کھڑا ہے جس طرح ایک

مؤدب خادم غلام اپنے آقا کے سامنے کھڑا ہوتا ہے۔ وہ جو کچھ کہے اور جو کچھ کرے اس کا معنی اور مفہوم اس کے شعور میں حاضر ہووے اپنے رب کے ساتھ مناجات اور اس سے دعا مانگنے میں مستغرق ہو تو یقیناً یہ نماز تمام امور میں سب سے بڑی مددگار ہے، کیونکہ نماز فواہش اور برے کاموں سے روکتی ہے۔ یہ حضور قلب جو نماز کے اندر حاصل ہوتا ہے، بندے کے قلب میں ایسے وصف اور داعیے کا موجب بنتا ہے جو بندہ مومن کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور اس کے نواہی سے اجتناب کی طرف دعوت دیتا ہے۔ یہی وہ نماز ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم ہر چیز کے مقابلے میں اس سے مدد لیں۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿۵۷﴾

اور نہ کہو تم انکو جو قتل کر دیئے جائیں اللہ کی راہ میں، مردے، بلکہ (وہ) زندہ ہیں، لیکن نہیں شعور رکھتے تم ○

چونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام احوال میں صبر سے مدد لینے کا حکم دیا ہے اس لیے اس نے ایک نمونہ ذکر فرمایا ہے جس میں صبر سے مدد لی جاتی ہے اور وہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا ہے جو سب سے افضل بدنی عبادت ہے۔ اپنی مشقت کی وجہ سے یہ نفوس انسانی پر سب سے زیادہ گراں گزرتی ہے نیز یہ عبادت نفوس انسانی پر اس لیے بھی گراں ہے کہ اس کا نتیجہ موت اور عدم حیات ہے اور زندگی ایک ایسی چیز ہے کہ لوگ اس دنیا میں زندگی اور اس کے لوازم کے حصول میں رغبت رکھتے ہیں۔ پس ہر وہ چیز جس میں لوگ تصرف کرتے ہیں اس کے حصول کے لیے کوشش کی جاتی ہے اور اس کی ضد کو دور کیا جاتا ہے۔

اور یہ معلوم ہے کہ عقل مند شخص اپنی محبوب چیز کو اس وقت ہی چھوڑتا ہے جب اسے اس سے بڑی اور اس سے بہتر کوئی اور محبوب چیز حاصل ہونے کی امید ہو، تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس وجہ سے قتل ہو جاتا ہے کہ اس نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا، تاکہ اللہ کا کلمہ بلند اور اس کا دین غالب ہو اور اس کے سوا اس کی کوئی اور غرض نہ ہو۔ تو وہ اپنی محبوب زندگی کو کھو نہیں دیتا، بلکہ اسے اس زندگی سے زیادہ عظیم اور کامل زندگی حاصل ہو جاتی ہے جس کا تم گمان اور تصور کر سکتے ہو۔

پس شہداء وہ ہیں جن کا ذکر یوں آیا ہے ﴿أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُونَ فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَفَضِيلٍ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (آل عمران: ۱۶۹، ۱۷۱) ”وہ اپنے رب کے ہاں زندہ ہیں اور ان کو رزق دیا جاتا ہے اور جو کچھ اللہ نے اپنے فضل سے ان کو عطا کیا اس پر وہ خوش ہیں اور جو پیچھے رہ گئے اور (شہید ہو کر) ان کے ساتھ نہ مل سکے ان کے بارے میں خوش ہو رہے ہیں کہ ان پر کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمزدہ ہوں گے۔ وہ اللہ کی نعمتوں، اس کے فضل اور اس بات پر خوش ہو رہے ہوں گے کہ اللہ

مومنوں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا۔“

کیا اس سے بھی بڑی کوئی اور زندگی ہے جو قرب الہی اس کے بدنی رزق، مثلاً لذیذ ماکولات و مشروبات سے تمتع اور روحانی رزق، مثلاً فرحت، خوشی اور عدم حزن و غم کو متضمن ہے؟ یہ برزخی زندگی ہے جو دنیاوی زندگی سے زیادہ کامل ہے، بلکہ رسول اللہ ﷺ نے اس زندگی کے بارے میں ان الفاظ میں آگاہ فرمایا۔ ”شہداء کی روحیں سبز رنگ کے پرندوں کے جوف (پیٹ) میں جنت کی نہروں سے پانی پینے کے لیے وارد ہوتی ہیں جنت کے پھل کھاتی ہیں اور ان قندیلوں میں بسیرا کرتی ہیں جو عرش کے ساتھ لٹکی ہوئی ہیں“^(۱)۔

اس آیت میں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے اور اس میں صبر کا دامن پکڑے رکھنے کی بڑی ترغیب ہے۔ پس اگر بندوں کو یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں قتل ہونے کا کتنا ثواب ہے تو کوئی شخص جہاد سے پیچھے نہ رہے مگر کامل علم یعنی کافقدان، عزائم کو کمزور، نیند میں مدہوش شخص کی نیند میں مزید اضافہ، نیز غنیمتیں اور بہت بڑا ثواب حاصل کرنے سے محروم کر دیتا ہے۔ ایسا کیوں نہ ہو جب کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے ان کا جان و مال خرید لیا ہے فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُمْ بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ﴾ (التوبہ: ۱۱۱۹) ”اللہ نے مومنوں سے ان کی جانیں اور ان کے مال خرید لیے ہیں اور اس کے بدلے میں ان کے لیے جنت ہے، وہ اللہ کی راہ میں لڑتے ہیں (کافروں کو) قتل کرتے ہیں اور قتل ہو جاتے ہیں۔“ اللہ کی قسم! اگر انسان کو ہزار جانیں عطا کی گئی ہوں اور وہ ایک ایک کر کے سب جانیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دے تب بھی اس اجر عظیم کے مقابلے میں یہ کچھ بھی نہیں۔ اسی لیے شہداء جب اللہ تعالیٰ کے عنایت کردہ اس بہترین جزا اور ثواب کا مشاہدہ کر لیں گے تو دنیا کی طرف لوٹائے جانے کی تمنا کریں گے تاکہ وہ اللہ کے راستے میں بار بار قتل ہوں۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ برزخ میں انسان کو آرام اور عذاب ملتا ہے جیسا کہ بکثرت نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں۔

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ
اور البتہ ہم ضرور آزمائیں گے تم کو کچھ نہ کچھ خوف اور بھوک اور کمی کرنے سے مالوں اور جانوں
وَالشَّرَاتِ وَبَشِيرِ الصَّابِرِينَ ﴿۵۵﴾ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا
اور پھلوں میں سے اور خوشخبری دے دیجئے صبر کرنے والوں کو ○ وہ لوگ کہ جب پہنچتی ہے انہیں کوئی مصیبت تو کہتے ہیں بلاشبہ ہم
لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رُجْعُونَ ﴿۵۶﴾ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ قَدْ
اللہ ہی کے لئے ہیں اور یقیناً ہم اسی کی طرف لوٹنے والے ہیں ○ یہی لوگ انکے لئے بخشش ہے انکے رب کی طرف سے اور رحمت

① صحیح مسلم، الإِمَارَةُ، باب بيان أن أرواح الشهداء في الجنة..... الخ، حدیث: ۱۸۸۷ و مسند احمد: ۱۶۶۱

وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿۱۵۵﴾

اور یہی ہیں ہدایت یافتہ ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ اپنے بندوں کو مصائب و محن کے ذریعے سے آزما رہا ہے، تاکہ سچے اور جھوٹے، صابر اور بے صبر کے درمیان فرق واضح ہو جائے۔ اپنے بندوں کے معاملے میں یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے، کیونکہ اگر اہل ایمان ہمیشہ خوشحالی سے لطف اندوز ہوں انہیں کبھی مصائب و محن کا سامنا نہ ہو تو فساد واقع ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اہل خیر اہل شر میں سے علیحدہ ہوں۔ یہ آزمائش کا فائدہ ہے۔ اس سے اہل ایمان کا وہ ایمان زائل نہیں ہوتا جو انہیں عطا کیا گیا ہے اور نہ آزمائش انہیں دین سے ہٹاتی ہے اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ایمان کو ضائع نہیں کرتا۔ پس اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو آزمائے گا ﴿بَشِيءٌ مِّنَ الْخَوْفِ﴾ ”کسی قدر خوف سے“ یعنی دشمنوں کے خوف سے ﴿وَالْجُوعِ﴾ ”اور بھوک سے“ یعنی بھوک اور دشمنوں کے خوف کے ذریعے سے کچھ نہ کچھ انہیں ضرور آزمائے گا، کیونکہ اگر اللہ تعالیٰ نے انہیں مکمل بھوک اور خوف میں مبتلا کر دیا تو وہ ہلاک ہو جائیں گے۔ اور آزمائش اور امتحان ہلاک کرنے کی غرض سے نہیں آتا، بلکہ اس کا مقصد پاک صاف کرنا ہوتا ہے۔ ﴿وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ﴾ ”اور کچھ مالوں کی کمی سے“ اس میں وہ تمام کمی اور گھانا شامل ہے جو اہل ایمان کو آفات سماوی، سیلاب یا سمندر میں غرق ہونے، ظالم حکومتوں کے مال چھین لینے اور راہزن ڈاکوؤں کے ڈاکہ ڈالنے کی وجہ سے پیش آتا ہے۔ ﴿وَالْأَنْفُسِ﴾ ”اور جانوں کی کمی سے“ اولاد، عزیز و اقارب اور دوستوں کو فوت کر کے، خود بندۂ مومن یا اس کے کسی عزیز کو بیماری لاحق کر کے ان کو آزماتا ہے۔ ﴿وَالشَّهْرَاتِ﴾ ”اور پھلوں کی کمی سے“، ظالم باری، سردی، آگ لگنے، آفات سماوی اور ٹنڈی دل کے ذریعے سے غلہ جات، کھجوروں، سبزیوں اور تمام پھلدار درختوں کو نقصان پہنچا کر ہم ضرور آزمائیں گے۔ ان تمام آزمائشوں کا آنا ضروری ہے، کیونکہ اللہ علیم وخبیر نے ان کے بارے میں خبر دی ہے اور یہ آزمائشیں اسی طرح واقع ہوئیں۔ جب یہ مصائب و محن واقع ہوئے، تو لوگ دو اقسام میں منقسم ہو گئے۔ (۱) بے صبری کا مظاہرہ کرنے والے۔ (۲) صبر کرنے والے۔

بے صبر شخص کو دو مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑا، محبوب چیز سے محروم ہونا اور وہ اس مصیبت کا وجود ہے۔ دوسرا اس سے بھی زیادہ بڑی چیز سے محروم ہونا، یعنی اللہ تعالیٰ نے صبر کا حکم دیا ہے اس پر عمل کرتے ہوئے ثواب کا حاصل نہ کرنا چنانچہ خسارہ، حرام نصیبی اور ایمان میں کمی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ وہ صبرِ رضا اور شکر سے محروم ہو جاتا ہے اور اس کے بدلے میں اسے ناراضی حاصل ہوتی ہے جو شدت نقصان پر دلالت کرتی ہے۔

لیکن وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے ان مصائب و محن کے وقت صبر سے نوازا اور اس نے اپنے آپ کو قویٰ اور فعلاً

اللہ پر اظہارِ برہمی سے روکے رکھا۔ پھر اس پر اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر و ثواب کی امید رکھی اور اسے یہ بھی علم ہے کہ صبر کرنے سے اسے جو ثواب حاصل ہوگا، وہ اس مصیبت کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے جس کا اسے سامنا ہے، بلکہ یہ مصیبت اس کے حق میں نعمت ہے، کیونکہ یہ مصیبت اس کے لیے اس بھلائی اور فائدے کے حصول کا باعث بنی ہے جو اس مصیبت سے زیادہ بہتر ہے۔ پس اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کی اور ثواب کا مستحق قرار پایا۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ﴾ اور صبر کرنے والوں کو خوشخبری سنا دو۔ یعنی انہیں خوشخبری سنا دو کہ اللہ تعالیٰ بغیر کسی حساب کے ان کو پورا پورا اجر دے گا۔ پس اہل صبر وہ لوگ ہیں جن کو عظیم بشارت اور بہت بڑے انعام سے نوازا گیا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان صابریں کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ﴾ تو وہ کہتے ہیں ہم اللہ ہی کی ملکیت ہیں۔ یعنی وہ پکاراٹھتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہیں اسی کے دستِ تدبیر اور اسی کے تصرف کے تحت ہیں۔ پس ہماری جانوں اور ہمارے مال میں ہمارا کوئی اختیار نہیں۔

جب اللہ تعالیٰ ہمیں کسی آزمائش میں مبتلا کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ جس کی ذات سب سے زیادہ رحم کرنے والی ہے، درحقیقت اپنے غلاموں اور ان کے مال میں تصرف کرتا ہے اس لیے مالک پر اعتراض کی مجال نہیں، بلکہ بندۂ مومن کا کمال عبودیت اس کا یہ جان لینا ہے کہ اس پر جو مصیبت آن پڑی ہے وہ اس کے حکمت والے مالک کی طرف سے ہے جو اپنے بندے پر خود اس بندے سے زیادہ رحم کرنے والا ہے تب یہ چیز بندے کو اللہ تعالیٰ پر راضی اور اس کی اس تدبیر پر شکر گزار رکھتی ہے کہ اس نے اپنے بندے کے لیے وہی چیز اختیار کی جو اس کے لیے بہتر تھی، اگرچہ بندے کو اس کا شعور بھی نہ تھا۔ نیز اس کے ساتھ ساتھ ہم اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں۔ پس قیامت کے روز ہم نے لوٹ کر اللہ تعالیٰ کے پاس ہی حاضر ہونا ہے۔ اور ہر شخص کو اپنے اعمال کا بدلہ ملے گا، اگر ہم صبر کریں اور اجر کی امید رکھیں، تو ہم اس کے ہاں اپنے اجر و ثواب کو وافر پائیں گے اور اگر ہم بے صبری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر پر ناراض ہوں گے تو ہمیں ناراضی اور اجر کی محرومی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ پس بندے کا اللہ کی ملکیت ہونا اور اس کا اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا صبر کا سب سے طاقتور سبب ہے۔

﴿أُولَٰئِكَ﴾ ”یہی لوگ ہیں۔“ یعنی یہی لوگ جو صبر مذکور کی صفت سے موصوف ہیں ﴿عَلَيْهِمْ صَلَٰوةٌ مِّن رَّبِّهِمْ﴾ ”ان پر برکتیں ہیں ان کے رب کی طرف سے“ یعنی یہ ان کے احوال کی مدح و ثنا اور تعریف و تعظیم ہے ﴿وَرَحْمَةٌ﴾ ”اور رحمت“ اور ان پر عظیم رحمت ہے۔ یہ بھی ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حصہ ہے کہ اس نے ان کو

صبر کی توفیق سے نوازا جس کے ذریعے سے وہ کامل اجر حاصل کرتے ہیں۔ ﴿وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ﴾ اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں، یعنی وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کو پہچان لیا اور وہ حق اس مقام پر یہ ہے کہ انہیں یہ معلوم ہو گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں اور انہیں لوٹ کر اسی کے پاس حاضر ہونا ہے اور اس پر وہ عمل پیرا ہوئے اور یہاں عمل اللہ تعالیٰ کے لیے ان کا صبر کرنا ہے۔

اس آیت کریمہ سے یہ بھی واضح ہے کہ جس نے صبر نہ کیا انہیں وہ کچھ حاصل ہوگا جو صبر کرنے والوں کی ضد ہے، یعنی مذمت، عقوبت، گمراہی اور خسارہ۔ (اعاذنا اللہ منها) پس دونوں قسموں کے درمیان کتنا بڑا فرق ہے، اہل صبر کے لیے کتنی کم مشقت اور بے صبروں کے لیے کتنی بڑی تکلیف ہے۔ یہ دونوں آیتیں نفوس کو مصائب کے نازل ہونے سے پہلے ان مصائب کو خوش دلی سے قبول کرنے پر آمادہ کرتی ہیں، تاکہ جب مصائب نازل ہوں، تو وہ آسانی سے برداشت ہو سکیں۔

ان آیات میں اس امر کا بھی بیان ہے کہ جب مصیبت نازل ہو تو کس چیز سے اس کا مقابلہ کیا جائے اور وہ ہے صبر۔ اس چیز کا بھی بیان ہے جو صبر پر مددگار ہوتی ہے، نیز یہ کہ صبر کرنے والوں کے لیے کیا اجر و ثواب ہے۔ ان سے بے صبر لوگوں کا حال بھی واضح ہوتا ہے جو صبر کرنے والوں کے بالکل برعکس ہے۔

ان آیات کریمہ سے یہ حقیقت بھی واضح ہوتی ہے کہ ابتلاء و امتحان اللہ تعالیٰ کی سنت ہے جو پہلے سے چلی آتی ہے اور تو اللہ کی سنت میں کوئی تبدیلی نہیں پائے گا۔ نیز ان آیات کریمہ میں مصائب کی مختلف انواع کا بیان ہے۔

إِنَّ الصَّفَاَ وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ

بے شک صفا اور مروہ اللہ کی (عظمت کی) نشانیوں میں سے ہیں، پس جو شخص حج کرے بیت اللہ کا یا عمرہ کرے، تو انہیں کوئی گناہ

عَلَيْهِ أَنْ يَطُوفَ بِهِمَا وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿۵۵﴾

اس پر یہ کہ طواف کرے وہ ان دونوں کا اور جو شخص خوشی سے کوئی نیکی کرے تو بلاشبہ اللہ قدر دان، جاننے والا ہے ۵

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے ﴿إِنَّ الصَّفَاَ وَالْمَرْوَةَ﴾ بے شک صفا اور مروہ، یعنی صفا اور مروہ دو معروف پہاڑیاں ﴿مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ﴾ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے دین کی ظاہری علامتیں ہیں جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی عبدیت کو جانچتا ہے اور جب صفا اور مروہ دونوں اللہ تعالیٰ کے شعائر میں شمار ہوتی ہیں، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے شعائر کی تعظیم کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَمَنْ يُعْظِمِ شَعَائِرَ اللَّهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوبِ﴾ (الحج: ۳۲/۲۲) اور جو کوئی اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتا ہے تو یہ فعل دلوں کا تقویٰ ہے۔

دونوں نصوص مجموعی طور پر اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کے شعائر ہیں اور اللہ تعالیٰ کے شعائر کی تعظیم کرنا دلوں کا تقویٰ ہے اور تقویٰ ہر مکلف پر فرض ہے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ صفا اور مروہ کی

سعی (دونوں پہاڑیوں کے درمیان دوڑنا) فرض اور حج و عمرہ کا لازمی رکن ہے۔ جیسا کہ جمہور فقہاء کا مسلک ہے اور رسول اللہ ﷺ کی احادیث بھی اس پر دلالت کرتی ہیں۔ آپ نے خود بھی یہ کام کیا اور فرمایا: ﴿خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ﴾ ”اپنے مناسک حج مجھ سے اخذ کرو“^①

﴿فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا﴾ ”پس جو شخص بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ وہ ان کا طواف کرے“ چونکہ جاہلیت کے زمانے میں صفا اور مروہ پر بت نصب تھے جن کی پوجا کی جاتی تھی اس لیے وہم دور کرنے اور مسلمانوں کے رفع حرج کے لیے فرمایا کہ ان کے طواف میں کوئی گناہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس وہم کو رفع کرنے کے لیے گناہ کی نفی کی ہے۔ اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ان کے مابین سعی لازم نہیں۔ نیز حج اور عمرہ میں ان کی سعی میں بطور خاص گناہ کی نفی اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ حج یا عمرہ کے بغیر صرف ان کی سعی کرنا جائز نہیں۔ بخلاف طواف بیت اللہ کے، کیونکہ وہ حج اور عمرہ کے ساتھ بھی مشروع ہے اور طواف ایک مستقل عبادت بھی ہے (یعنی حج اور عمرے کے بغیر بھی طواف جائز ہے) لیکن صفا اور مروہ کے مابین سعی عرفہ اور مزدلفہ میں وقوف اور رمی جمار یہ تمام افعال دیگر مناسک حج کے ساتھ کئے جاتے ہیں اگر یہ افعال دیگر مناسک حج کے ساتھ نہ کئے جائیں بلکہ اکیلے کئے جائیں تو یہ بدعت ہوں گے۔ اس لیے کہ بدعت کی دو اقسام ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی کسی ایسے طریقے سے عبادت کرنا جو اصل میں اس نے مشروع نہیں کی۔

(۲) بدعت کی دوسری قسم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک عبادت ایک خاص طریقے پر مشروع کی ہے اور اس کو کسی مختلف طریقے سے کیا جائے۔ مذکورہ بدعات اسی دوسری قسم سے ہوں گی۔

﴿وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا﴾ ”اور جو کوئی نیک کام کرے۔“ یعنی جو کوئی اللہ تعالیٰ کے لیے خلوص کے ساتھ نیکی کا کام کرتا ہے جیسے حج، عمرہ طواف، نماز اور روزہ وغیرہ نیکی کے کام تو یہ اس کے لیے بہتر ہے۔ اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ بندہ مومن جتنی زیادہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اتنا ہی زیادہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کے کمال اس کی بھلائیوں اور اس کے درجات میں اس کے ایمان میں اضافے کی وجہ سے اضافہ ہوتا ہے اور نیکیوں میں بھلائی کی قید اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو کوئی نیکی کے طور پر بدعات پر عمل کرتا ہے جن کو اللہ اور اس کے رسول نے مشروع نہیں کیا، اسے محض مشقت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ یہ اس کے لیے خیر نہیں، بلکہ اگر بدعات کا مرتکب ان کی عدم مشروعیت کا علم رکھتے ہوئے جان بوجھ کر اس پر عمل کرتا ہے، تو بسا اوقات یہ اس کے لیے شر بن جاتی ہیں۔ ﴿فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ﴾ (الشَّاكِرُ) اور (الشُّكْرُ) اللہ تعالیٰ کے نام ہیں۔ الشَّاكِرُ اور

① صحیح مسلم، الحج، باب استحباب رمی جمرة العقبة..... الخ، حدیث: ۱۲۹۷، سنن البيهقي الكبرى: ۱۲۵۱۵

الشُّكُورُ اس ہستی کو کہتے ہیں جو بندوں کے تھوڑے عمل کو بھی قبول کر لیتی ہے اور اس پر بہت بڑا اجر عطا کرتی ہے۔ جب بندہ اللہ تعالیٰ کے احکام بجالاتا ہے اور اس کی اطاعت کرتا ہے تو وہ اپنے بندے کی مدد کرتا ہے اس کی مدد و ثنا کرتا ہے اور اسے یہ بدلہ دیتا ہے کہ وہ اس کے قلب کو نور اور ایمان سے لبریز کر دیتا ہے اور اس کے بدن میں قوت و نشاط اس کے احوال میں برکت اور نشوونما اور اس کے اعمال میں مزید توفیق عطا کرتا ہے۔ پھر یہ بندہ مومن آخرت میں جب رب کے پاس حاضر ہوگا تو وہاں اسے وافر اور کامل ثواب ملے گا، مذکورہ دنیاوی جزائیں اس کے اخروی ثواب میں کمی نہیں کریں گی۔

اور اللہ تعالیٰ کی اپنے بندے کے لیے قدر دانی یہ ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کے لیے کوئی چیز ترک کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عوض اسے اس سے بہتر چیز عطا کرتا ہے اور جو اللہ تعالیٰ کے ایک بالشت قریب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہے، جو ایک ہاتھ اس کے قریب ہوتا ہے اللہ تعالیٰ دونوں ہاتھوں کے پھیلاؤ کے برابر اس کے قریب ہوتا ہے، جو چل کر اللہ تعالیٰ کی طرف آتا ہے اللہ تعالیٰ بھاگ کر اس کی طرف بڑھتا ہے، جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ کئی گنا منافع سے اسے نوازتا ہے۔

اور باوجود اس بات کے کہ وہ بندوں کے اعمال کا قدر دان ہے، وہ یہ بات بھی خوب جانتا ہے کہ کون اپنی نیت، ایمان اور تقویٰ کے مطابق کامل ثواب کا مستحق ہے اور کون اس ثواب کا حق دار نہیں۔ وہ بندوں کے اعمال کا علم رکھتا ہے، پس وہ ان کے اعمال ضائع نہیں کرے گا، بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اپنی نیتوں کے مطابق، جن کو اللہ علیم و حکیم جانتا ہے، ان عملوں کا ثواب پائیں گے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَاتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّاهُ

بے شک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں انکو جو ہم نے نازل کئے واضح دلائل اور ہدایت کی باتیں، بعد اسکے کہ ہم نے کھول کر بیان کر دیا انکو

لِلنَّاسِ فِي الْكِتَابِ أُولَٰئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنُونَ ﴿١٥٥﴾ إِلَّا الَّذِينَ

لوگوں کے لیے کتاب میں یہی لوگ ہیں لعنت کرتا ہے ان پر اللہ اور لعنت کرتے ہیں ان پر لعنت کرنے والے ○ مگر وہ لوگ جنہوں نے

تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنَّوْا فَأُولَٰئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٥٦﴾

توبہ کی اور (اپنی) اصلاح کر لی اور کھول کر بیان کیا تو یہی لوگ ہیں متوجہ ہوتا ہوں میں ان پر اور میں بہت توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہوں ○

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارًا أُولَٰئِكَ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ

بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور مر گئے اس حال میں کہ وہ کافر ہی تھے تو یہی لوگ ہیں ان پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی

وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٥٦﴾ خُلِدِينَ فِيهَا ۗ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ

اور لوگوں کی سب کی ○ ہمیشہ رہیں گے وہ اس (لعنت) میں نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے

الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يَنْظُرُونَ ﴿١٦﴾

عذاب اور نہ وہ مہلت ہی دیئے جائیں گے ○

یہ آیت کریمہ اگرچہ اہل کتاب کے بارے میں اور اس کی بابت نازل ہوئی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی صفات کو چھپایا مگر اس کا حکم ہر اس شخص کے لیے عام ہے جو ان حقائق کو چھپاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائے ہیں ﴿مَنْ ابْتَدَأَ﴾ 'دلائل'، یعنی حق پر دلالت کرنے والی اور اس کو ظاہر کرنے والی باتیں ﴿وَالْهُدَى﴾ 'ہدای' وہ علم ہے جس کے ذریعے سے صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی حاصل کی جاتی ہے اور جس سے اہل جنت اور اہل جہنم کے راستوں میں فرق واضح ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل علم سے وعدہ لیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کتاب اللہ کا جو علم عطا کیا ہے اسے لوگوں کے سامنے بیان کریں گے اور اسے ہرگز نہیں چھپائیں گے۔ پس جس نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو دور پھینک دیا اس نے دو مفاسد کو جمع کر دیا۔

(اول) اس حق کو چھپانا جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا۔ (ثانی) اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ دھوکہ کرنا ﴿أُولَئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ﴾ 'ایسے ہی لوگوں پر اللہ لعنت کرتا ہے۔' یعنی یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ دھتکار دے گا اور انہیں اپنی قربت اور رحمت سے دور کر دے گا ﴿وَيَلْعَنُهُمُ اللَّعْنُونَ﴾ 'اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔' یعنی ان پر تمام مخلوق کی بھی لعنت پڑے گی، کیونکہ انہوں نے مخلوق الہی کے ساتھ دھوکہ کیا، ان کے دین کو برباد کیا، انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کیا اس لیے انہیں ان کے اعمال کی جنس سے بدلہ دیا جائے گا۔ جیسے لوگوں کو بھلائی کی تعلیم دینے والے پر اللہ تعالیٰ رحمت بھیجتا ہے، فرشتے رحمت کی دعا کرتے ہیں، یہاں تک کہ پانی کے اندر مچھلیاں بھی اس کے لیے رحمت کی دعا کرتی ہیں، کیونکہ اس کی تمام بھاگ دوڑ اور کوشش مخلوق کی بھلائی اور ان کے دین کی اصلاح اور ان کو اللہ تعالیٰ کے قریب کرنے کے لیے ہوتی ہے۔ لہذا اسے اس کے عمل کی جنس سے بدلہ دیا گیا۔ پس اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ حق کو چھپانے والا درحقیقت اللہ کے حکم کا مخالف اور اللہ سے دشمنی کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو لوگوں کے سامنے اپنی آیات کو واضح کر کے بیان کرتا ہے اور یہ شخص اللہ تعالیٰ کی آیات کو چھپانے اور مٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ پس مذکورہ سخت وعید کا مورد یہی شخص ہے۔

﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا﴾ 'مگر جنہوں نے توبہ کی'، یعنی جو ندامت کے ساتھ گناہ چھوڑ کر اور آئندہ گناہ نہ کرنے کا عزم لے کر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹے ﴿وَأَصْلَحُوا﴾ 'اور اپنی حالت درست کر لی۔' یعنی اپنے فاسد عملوں کی اصلاح کر لی۔ پس صرف برے کام کا چھوڑ دینا ہی کافی نہیں، اس کی جگہ اچھے کام کا اختیار کرنا بھی ضروری ہے۔ کتمانِ حق کے مرتکب کے لیے بھی صرف یہی کافی نہیں کہ اس نے یہ گناہ چھوڑ دیا ہے، بلکہ اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس حق کو بھی ظاہر کرے جس کو اس نے چھپایا تھا۔ پس یہی وہ شخص ہے جس کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول کرتا ہے۔

کیونکہ اس پر توبہ کا دروازہ بند نہیں۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کا سبب لے کر توبہ کے لیے حاضر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ ﴿التَّوَابُ﴾ ”بڑا معاف کرنے والا“ ہے۔ یعنی وہ اپنے بندوں کے ساتھ گناہ کے بعد غنودرگزر سے پیش آتا ہے جب وہ توبہ کر لیتے ہیں اور جب بندے اس کی طرف رجوع کرتے ہیں تو روک لینے کے بعد ان پر پھر احسان و نعمتوں کی بارش کر دیتا ہے۔ ﴿الرَّحِيمُ﴾ اس ہستی کو کہتے ہیں جو عظیم اور بے پایاں رحمت سے متصف ہو جو ہر چیز کو محیط ہے۔ یہ اس کی رحمت ہے کہ اس نے انہیں توبہ اور انابت کی توفیق بخشی پس انہوں نے توبہ کی اور وہ اس کی طرف پلٹے۔ پھر اس نے ان پر رحم کیا یعنی اپنے لطف و کرم سے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ یہ اس شخص کا حکم ہے جو گناہوں سے توبہ کرتا ہے۔

رہا وہ شخص جو اپنے کفر پر مصر ہے اس نے اپنے رب کی طرف رجوع نہیں کیا، نہ اس کی طرف پلٹا اور نہ اس نے توبہ کی اور حالت کفر ہی میں مر گیا ﴿أُولَئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ﴾ ”تو یہی لوگ ہیں جن پر اللہ فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہے“۔ اس لیے کہ جب کفر ان کا وصف ثابت بن گیا تو ان پر لعنت بھی ان کا وصف ثابت بن گئی جو کبھی زائل نہیں ہوگی، کیونکہ حکم و جود اور عدم و جود کے اعتبار سے اپنی علت کے ساتھ ساتھ چلتا ہے۔ (یعنی علت ہوگی تو حکم ہوگا، علت نہیں ہوگی تو حکم بھی نہیں ہوگا) ﴿خَلِيدِينَ فِيهَا﴾ ”وہ ہمیشہ اس (لعنت) میں رہیں گے“، یعنی وہ لعنت یا عذاب میں ہمیشہ رہیں گے۔ لعنت اور عذاب دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ فرمایا: ﴿لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ﴾ ”اور ان پر عذاب میں تخفیف نہیں کی جائے گی“، بلکہ ان کو سخت اور دائمی عذاب دیا جائے گا ﴿وَلَا هُمْ يُنظَرُونَ﴾ ”اور نہ ان کو مہلت دی جائے گی“ کیونکہ مہلت کا وقت تو دنیا کی زندگی تھی جو گزر گئی اور ان کے پاس کوئی عذر بھی نہیں ہوگا جو وہ پیش کر سکیں۔

وَاللَّهُمَّ إِلَهٌ وَاحِدٌ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ ﴿١٦﴾

اور معبود تمہارا معبود ایک ہی ہے، نہیں ہے کوئی معبود (برحق) مگر وہی نہایت مہربان بڑا رحم کرنے والا ○

اللہ تبارک و تعالیٰ خیر دیتا ہے اور وہ سب سے زیادہ سچا ہے، فرماتا ہے، وہ ﴿إِلَهٌ وَاحِدٌ﴾ ”ایک ہی اللہ ہے“۔ یعنی وہ اپنی ذات اپنے اسماء و صفات اور اپنے افعال میں اکیلا اور متفرد ہے۔ پس اس کی ذات میں اس کا کوئی شریک ہے نہ اس کا کوئی ہم نام اور نہ ہمسرہ اس کی کوئی مثال اور نہ اس کی کوئی نظیر ہے۔ اس کے سوا کوئی کائنات کو پیدا کرنے والا ہے اور نہ اس کی تدبیر کرنے والا۔ جب حقیقت حال یہ ہے تو اس بات کا صرف وہی مستحق ہے کہ ہر قسم کی عبادت صرف اسی کے لیے ہو اور اس کی مخلوق میں سے کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا جائے۔ ﴿الرَّحْمَنُ الرَّحِيمُ﴾ کیونکہ وہ رحمان و رحیم ہے، یعنی وہ بے پایاں رحمت سے متصف ہے کسی اور کی رحمت اس سے مماثلت نہیں رکھتی۔ اس کی بے پایاں رحمت ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور اس کی رحمت ہر زندہ چیز کے

لیے عام ہے۔ اس کی رحمت ہی کے باعث تمام کائنات وجود میں آئی۔ اس کی رحمت ہی کی وجہ سے تمام مخلوقات کو تمام کمالات حاصل ہوئے۔ اس کی رحمت ہی کی بنا پر ان سے ہر قسم کی ناراضی دور ہوئی۔ یہ اس کی رحمت ہی ہے کہ اس کے بندوں نے اس کی صفات اور اس کی نعمتوں کے ساتھ اسے پہچان لیا اور اس نے اپنے رسول بھیج کر اور اپنی کتابیں نازل کر کے دین و دنیا کے تمام مصالح جن کے وہ محتاج تھے ان پر واضح کر دیئے۔

جب یہ معلوم ہو گیا کہ بندوں کو جو بھی نعمت عطا ہوئی ہے وہ صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے نیز یہ کہ مخلوق میں سے کوئی شخص دوسرے کو کوئی نفع نہیں پہنچا سکتا۔ تو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ہر قسم کی عبادت کا صرف وہی مستحق ہے اور صرف وہی ہے جو محبت، خوف ورجا، تعظیم و توکل اور دیگر ہر قسم کی اطاعت کا مستحق ہے۔ سب سے بڑا ظلم اور سب سے بڑھ کر برائی یہ ہے کہ اس کی عبادت سے منہ موڑ کر اس کے بندوں کی عبادت کی جائے۔ مٹی سے پیدا کی گئی مخلوق کو رب ارباب کا شریک ٹھہرایا جائے، یا تدبیر میں محتاج اور ہر لحاظ سے عاجز مخلوق کی اس خالق کائنات کے ساتھ عبادت کی جائے جو تدبیر کنندہ، قادر اور طاقت ور ہے جو ہر چیز پر غالب ہے اور ہر چیز اس کی مطیع ہے۔

اس آیت کریمہ میں باری تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی الوہیت کا اثبات ہے اور اس بات کا بھی کہ مخلوقات میں سے کوئی بھی الوہیت کا مستحق نہیں اور اس تو حید الوہیت پر اصل دلیل کا بیان ہے اور وہ اس کی رحمت کا اثبات ہے جس کے آثار میں سے تمام نعمتوں کا وجود اور تمام مصائب کا دور ہونا ہے۔ پس یہ اس کی وحدانیت کی ایک اجمالی دلیل ہے۔ اب اللہ تعالیٰ اس کے تفصیلی دلائل ذکر فرماتا ہے۔ فرمایا:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي

بیشک پیدائش میں آسمانوں اور زمین کی اور بدل بدل کر آنے جانے میں رات اور دن کے اور ان کشتیوں میں جو

تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ

چلتی ہیں سمندر میں ساتھ ان چیزوں کے جو نفع دیتی ہیں لوگوں کو اور (اس میں) جو نازل کیا ہے اللہ نے آسمان سے

مِنْ مَّاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ

پانی، پس زندہ کیا اس نے ساتھ اس کے زمین کو بعد اس کی موت کے اور (جو) پھیلانے اس نے اس میں ہر قسم کے جانور

وَوَضَعْنَا السَّحَابَ بَيْنَ السَّمَاءِ

اور پھیرنے میں ہواؤں کے اور ان بادلوں میں جو پابند کر دیئے گئے ہیں درمیان آسمان

وَالْأَرْضِ لآيَاتٍ لِّقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۳۷﴾

اور زمین کے یقیناً (ان سب میں) نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل رکھتے ہیں ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ ان عظیم مخلوقات میں باری تعالیٰ کی وحدانیت اور اس کی الوہیت اس کی

عظیم قدرت، رحمت اور اس کی تمام صفات کے دلائل ہیں، لیکن یہ تمام دلائل صرف ان لوگوں کے لیے ہیں جو ان امور میں اپنی عقل استعمال کرتے ہیں جن کے لیے عقل پیدا کی گئی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے کو جتنی عقل سے نوازا ہے وہ اتنا ہی آیات الہی سے فائدہ اٹھاتا ہے اور اپنی عقل اور تفکر و تدبر سے ان آیات کی معرفت حاصل کرتا ہے۔ پس ﴿فِي خَلْقِ السَّمَوَاتِ﴾ ”آسمانوں کے پیدا کرنے میں۔“ یعنی آسمانوں کی بلندی، ان کی وسعت، ان کے محکم اور مضبوط ہونے میں، نیز ان آسمانوں میں سورج، چاند اور ستاروں کی تخلیق اور بندوں کے مصالح کے لیے ان کی منظم گردش میں۔ ﴿وَالْأَرْضِ﴾ ”اور زمین میں“ یعنی مخلوق کے لیے فرش کے طور پر زمین کو پیدا کیا تاکہ وہ اس پر ٹھہر سکے اور زمین اور جو کچھ اس کے اوپر ہے اس سے استفادہ کریں۔ نیز اس سے عبرت حاصل کریں کہ تخلیق اور تدبیر کائنات میں اللہ تعالیٰ ایک اور متفرد ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت کا بیان ہے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اس زمین کو تخلیق کیا اور اس کی حکمت کا جس کی بنا پر اس نے زمین کو محکم، حسین اور موزوں بنایا اور اس کی رحمت اور علم کا جس کی بنا پر اس نے زمین کے اندر مخلوقات کے فائدے کی اشیاء اور ان کی حاجات و ضروریات و ودیعت کیں اور اس میں اس کے کمال اور اس کے واحد لائق عبادت ہونے پر سب سے زیادہ مؤثر دلیل ہے، کیونکہ کائنات کی پیدائش اور اس کی تدبیر اور تمام بندوں کے معاملات کا انتظام کرنے میں وہ متفرد ہے (اس لیے عبادت کا تمام تر مستحق بھی صرف وہی ہے نہ کہ کوئی اور، جن کا کوئی حصہ پیدائش میں ہے نہ تدبیر میں اور نہ بندوں کے معاملات کے انتظام میں)

﴿وَاجْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ ”اور رات اور دن کے ایک دوسرے کے پیچھے آنے جانے میں۔“ یعنی رات اور دن کا دائمی طور پر ایک دوسرے کے تعاقب میں رہنا۔ جب ان میں سے ایک گزر جاتا ہے تو دوسرا اس کے پیچھے پیچھے آتا ہے۔ گرمی، سردی اور معتدل موسم میں، دنوں کا لمبا، چھوٹا اور متوسط ہونا اور ان کی وجہ سے موسموں میں تغیر و تبدل کا ہونا۔ جن کے ذریعے سے تمام بنی آدم، حیوانات اور روئے زمین کی تمام نباتات کا انتظام ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ ایک ایسے انتظام، تدبیر اور تسخیر کے تحت ہو رہا ہے جسے دیکھ کر عقلیں حیرت زدہ رہ جاتی ہیں اور بڑے بڑے عقل مند لوگ اس کے ادراک سے عاجز ہیں۔ یہ چیز اس کائنات کی تدبیر کرنے والے کی قدرت، علم و حکمت، رحمت و اسعہ، لطف و کرم، اس کی اس تدبیر و تصرف، جس میں وہ اکیلا ہے، اس کی عظمت، اقتدار اور غلبہ پر دلالت کرتی ہے اور یہ اس بات کی موجب ہے کہ اس کو الہ مانا جائے اور اس کی عبادت کی جائے، صرف اسی سے محبت کی جائے، اسی کی تعظیم کی جائے، اسی سے ڈرا جائے، اسی سے امید رکھی جائے اور اس کے محبوب اور پسندیدہ اعمال میں جدوجہد کی جائے۔

﴿وَالْفَلَکِ الَّتِیْ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ﴾ ”اور ان کشتیوں میں جو سمندر میں چلتی ہیں“ اس آیت کریمہ میں

(فلک) سے مراد جہاز اور کشتیاں وغیرہ ہیں جن کی صنعت اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں الہام کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے داخلی اور خارجی آلات تخلیق کئے اور ان کے استعمال پر انہیں قدرت عطا کی۔ پھر اس نے اس بحر بے کراں اور ہواؤں کو ان کے لیے مسخر کر دیا جو سمندروں میں اموال تجارت سمیت کشتیوں کو لیے پھرتی ہیں جن میں لوگوں کے لیے منفعت اور ان کی معاش کے انتظامات اور مصلحتیں ہیں۔

وہ کون ہے جس نے ان کشتیوں کی صنعت انہیں الہام کی اور ان کے استعمال پر انہیں قدرت عطا کی اور ان کے لیے وہ آلات پیدا کئے جن سے وہ کام لیتے ہیں؟ وہ کون ہے جس نے کشتیوں کے لیے بے پایاں سمندر کو مسخر کیا جس کے اندر یہ کشتیاں اللہ کے حکم اور اس کی تسخیر سے چلتی ہیں؟ اور وہ کون ہے جس نے ہواؤں کو مسخر کیا؟ وہ کون ہستی ہے جس نے بری اور بحری سفر کی سواریوں کے لیے آگ اور وہ معدنیات پیدا کیں جن کی مدد سے وہ سواریاں (فضاؤں اور سمندروں میں) چلتی اور ان کے مال و اسباب بھی اٹھائے پھرتی ہیں؟

کیا یہ تمام امور اتفاقاً حاصل ہو گئے یا یہ کمزور عاجز مخلوق انہیں وجود میں لائی ہے۔ جو اپنی ماں کے پیٹ سے جب باہر آئی تو اسے علم تھا نہ قدرت؟ پھر اللہ تعالیٰ نے اسے قدرت عطا کی پھر اسے ہر اس چیز کی تعلیم دی جس کی تعلیم دینا وہ چاہتا تھا یا ان تمام چیزوں کو مسخر کرنے والا ایک اللہ ہی ہے جو حکمت اور علم والا ہے جسے کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی اور کوئی چیز اس کے اختیار سے باہر نہیں۔ بلکہ تمام اشیاء اس کی ربوبیت کے سامنے سرنگوں اس کی عظمت کے سامنے عاجز اور اس کے جبروت کے سامنے سراقندہ ہیں اور نحیف و نزار بندے کی انتہا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ان اسباب میں سے ایک سبب بنایا ہے جن کے ذریعے سے یہ بڑے بڑے کام سرانجام پاتے ہیں پس یہ چیز اللہ تعالیٰ کی اپنی مخلوق پر رحمت اور اس کی عنایت پر دلالت کرتی ہے اور یہ چیز اس بات کی موجب ہے کہ تمام تر محبت، خوف، امید، ہر قسم کی اطاعت، تذلل و انکسار اور تعظیم صرف اسی کی ذات کے لیے ہو۔

﴿وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَّاءٍ﴾ اور اس میں جو اللہ نے آسمان سے پانی اتارا اس سے مراد وہ بارش ہے جو بادل سے برسی ہے ﴿فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا﴾ پس اس کے ذریعے سے اس نے زمین کو مردہ ہو جانے کے بعد زندہ کر دیا، پس زمین نے مختلف قسم کی خوراک اور نباتات ظاہر کیں جو مخلوق کی ضروریات زندگی میں شمار ہوتی ہیں، جن کے بغیر وہ زندہ نہیں رہ سکتی۔ کیا یہ اس ذات کی قدرت و اختیار کی دلیل نہیں جس نے یہ پانی برسایا اور اس کے ذریعے سے زمین سے مختلف چیزیں پیدا کیں؟ کیا یہ اپنے بندوں پر اس کی رحمت اور اس کا لطف و کرم اور اپنے بندوں کے مصالح کا انتظام نہیں؟ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ بندے ہر لحاظ سے اس کے سخت محتاج ہیں؟ کیا یہ چیز واجب نہیں کرتی کہ ان کا معبود اور ان کا اللہ صرف اللہ تعالیٰ ہی ہو؟ کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ اللہ تعالیٰ مردوں کو زندہ کرے گا اور ان کو ان کے اعمال کی جزا دے گا؟

﴿وَبَشَّ فِيهَا﴾ ”اور پھیلائے اس میں“ یعنی زمین کے اندر ﴿مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ﴾ ”ہر قسم کے جانور“ یعنی زمین کے چاروں طرف مختلف اقسام کے جانور پھیلائے جو اس کی قدرت و عظمت و حدانیت اور اس کے غلبے کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان جانوروں کو انسانوں کے لیے مسخر کر دیا جن سے وہ ہر پہلو سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ پس وہ ان میں سے بعض جانوروں کا گوشت کھاتے ہیں اور بعض جانوروں کا دودھ پیتے ہیں۔ بعض جانوروں پر سواری کرتے ہیں، بعض جانوران کے دیگر مصالح اور چوکیداری کے کام آتے ہیں۔ بعض جانوروں سے عبرت پکڑی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے ہیں۔ وہی ان کے رزق کا انتظام کرتا ہے اور وہی ان کی خوراک کا کفیل ہے۔ ﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا﴾ (ہود: ۶۱، ۶۲) ”زمین کے اندر پھرنے والا کوئی جانور نہیں مگر یہ کہ اللہ کے ذمے اس کا رزق ہے وہ اس کے ٹھکانے کو جانتا ہے اور جہاں اسے سونپا جاتا ہے۔“

﴿وَأَصْرَفِ الْوَيْحِ﴾ ”اور ہواؤں کے پھیرنے میں“ یعنی ٹھنڈی، گرم شمالاً جنوباً اور شرقاً غرباً اور ان کے درمیان ہواؤں کا چلنا، کبھی تو یہ ہوائیں بادل اٹھاتی ہیں کبھی یہ بادلوں کو اکٹھا کرتی ہیں، کبھی یہ بادلوں کو باردار کرتی ہیں، کبھی یہ بادل برساتی ہیں، کبھی یہ بادلوں کو پھاڑ کر انہیں تتر بتر کرتی ہیں، کبھی اس کے ضرر کو زائل کرتی ہیں، کبھی یہ ہوائیں اللہ تعالیٰ کی رحمت ہوتی ہیں اور کبھی ان ہواؤں کو عذاب کے ساتھ بھیجا جاتا ہے۔

کون ہے وہ جو ان ہواؤں کو اس طرح پھیلتا ہے؟ کون ہے جس نے ان ہواؤں میں بندوں کے لیے مختلف منافع و دلیعت کئے ہیں جن سے وہ بے نیاز نہیں ہو سکتے؟ اور ان ہواؤں کو مسخر کر دیا جن میں تمام جاندار اشیاء زندہ رہ سکیں اور بندوں، درختوں، غلہ جات اور نباتات کی اصلاح ہو؟ یہ سب کچھ کرنے والا صرف وہ اللہ ہے جو غالب، حکیم اور نہایت مہربان ہے، اپنے بندوں پر لطف و کرم کرنے والا ہے، جو اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے سامنے تذلل اور عاجزی کا اظہار کیا جائے، اسی سے محبت اسی کی عبادت اور اسی کی طرف رجوع کیا جائے۔

آسمان اور زمین کے درمیان بادل اپنے ہلکے اور لطیف ہونے کے باوجود بہت زیادہ پانی کو اٹھائے پھرتا ہے، پھر اللہ تعالیٰ جہاں چاہتا ہے اس بادل کو لے جاتا ہے پھر وہ اس پانی کے ذریعے سے زمین اور بندوں کو زندگی عطا کرتا اور ٹیلوں اور ہموار زمین کو سیراب کرتا ہے اور مخلوق پر اسی وقت بارش برساتا ہے جس وقت اس کو ضرورت ہوتی ہے۔ جب بارش کی کثرت انہیں نقصان پہنچانے لگتی ہے تو وہ اسے روک لیتا ہے۔ وہ بندوں پر لطف و کرم کے طور پر بارش برساتا ہے اور اپنی رحمت اور شفقت سے بارش کو ان سے روک لیتا ہے۔ اس کا غلبہ کتنا بڑا؟ اس کی بھلائی کتنی عظیم اور اس کا احسان کتنا لطیف ہے!! کیا یہ بندوں کے حق میں برائی نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رزق سے فائدہ اٹھاتے ہیں؟ اس کے احسان کے ماتحت زندگی بسر کرتے ہیں۔ پھر وہ ان تمام چیزوں سے اللہ تعالیٰ کی

ناراضی اور اس کی معصیت پر مدد لیتے ہیں؟ کیا یہ اللہ تعالیٰ کے حلم و صبر، عنفو و درگزر اور اس کے عظیم لطف و کرم کی دلیل نہیں؟ پس اول و آخر اور ظاہر و باطن اللہ تعالیٰ ہی ہر قسم کی تعریف کا مستحق ہے۔

حاصل کلام یہ ہے کہ عقل مند شخص جب بھی ان مخلوقات میں غور و فکر اور انوکھی چیزوں میں سوچ بچار کرے گا اور اللہ کی کارگیری میں اور اس میں جو اس نے احسان اور حکمت کے لطائف رکھے ہیں ان میں جتنا زیادہ غور و فکر کرے گا۔ تو اسے معلوم ہوگا کہ یہ کائنات اس نے حق کے لیے اور حق کے ساتھ تخلیق کی ہے؛ نیز یہ کائنات اللہ تعالیٰ کی ذات و وحدانیت اور یوم آخرت کے نشانات اور دلائل ہیں؛ جس کے بارے میں اس نے اور اس کے رسولوں نے خبر دی ہے اور یہ کائنات اللہ تعالیٰ کے سامنے مسخر ہے؛ وہ اپنے تدبیر اور تصرف کرنے والے کے سامنے کوئی تدبیر اور نافرمانی نہیں کر سکتی۔ پس تجھے بھی معلوم ہو جائے گا کہ تمام عالم علوی اور عالم سفلی اسی کے محتاج اور اسی پر بھروسہ کرتے ہیں اور وہ بالذات تمام کائنات سے بے نیاز اور مستغنی ہے پس اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور اس کے سوا کوئی رب نہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَن يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ
اور بعض لوگ وہ ہیں جو بناتے ہیں اللہ کے سوا (دوسروں کو) شریک وہ محبت کرتے ہیں ان سے جیسے محبت (کرنی چاہیے) اللہ سے
وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ وَكَوَيَّرِي الَّذِينَ ظَلَمُوا إِذْ يَرُونَ الْعَذَابَ
اور وہ لوگ جو ایمان لائے زیادہ سخت ہیں محبت کرنے میں اللہ سے اور اگر (دنیا میں) دیکھ لیں ظالم لوگ (اس وقت کو) جب وہ دیکھیں گے عذاب
أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶﴾ إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا
(تو جان لیں یہ کہ) بے شک قوت اللہ ہی کے لئے ہے سب اور یہ کہ اللہ شدید عذاب والا ہے اور جب بیزار ہو جائیں گے وہ لوگ جن کی پیروی کی گئی
مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِينَ
ان سے جنہوں نے پیروی کی تھی جبکہ دیکھیں گے وہ عذاب اور منقطع ہو جائیں گے انکے تمام تعلقات اور کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے
اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا كَذَلِكَ
اتباع کیا تھا کاش کہ ہوا سطرے ہمارے ایک بار واپسی (دنیا میں) تو بیزار ہو جائیں گے ہم بھی ان سے جس طرح وہ بیزار ہو گئے ہیں ہم سے اسی طرح
يُؤْيِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخُرُجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۸﴾
دکھائے گا ان کو اللہ ان کے عمل حسرتیں بنا کر اور پر ان کے اور نہیں وہ نکلنے والے آگ سے

یہ آیت کریمہ (مضمون کے اعتبار سے) کتنے خوبصورت طریقے سے پچھلی آیت سے تعلق رکھتی ہے۔ اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کو بیان فرمایا اور اس کے قطعی دلائل و براہین بیان کئے جو علم یقینی عطا کرتے اور ہر قسم کے شک و شبہ کو زائل کر دیتے ہیں۔ تو یہاں اس نے ذکر فرمایا کہ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں ﴿مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ

دُونَ اللَّهِ أَنْدَادًا ﴿۱﴾ جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو شریک ٹھہرا لیتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ کے ہمسر اور مثل، جنہیں وہ عبادت، محبت، تعظیم اور اطاعت میں اللہ تعالیٰ کے برابر قرار دیتے ہیں اور حجت قائم کرنے اور توحید بیان کرنے کے بعد بھی جو شخص اس حالت پر رہنے پر مصر ہو تو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے عناد رکھنے والا اس کا مخالف ہے یا اس کی آیات و مخلوقات میں تدبر و تفکر سے روگردانی کرنے والا ہے اور اس بارے میں اس کے پاس ادنیٰ سا عذر بھی نہیں، بلکہ عذاب کا کلمہ اس پر ثابت ہو گیا ہے اور یہ لوگ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کے ہمسر بناتے ہیں وہ تخلیق، رزق اور تدبیر میں ان کو اللہ تعالیٰ کے مساوی قرار نہیں دیتے، بلکہ وہ صرف عبادت میں ان کو اللہ تعالیٰ کے برابر ٹھہراتے ہیں۔ پس وہ ان کی عبادت اس لیے کرتے ہیں، تاکہ وہ انہیں اللہ تعالیٰ کے قریب کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿يَتَّخِذُونَ﴾ میں اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی ہمسر نہیں۔

اہل شرک نے بعض مخلوقات کو اللہ تعالیٰ کا جو ہمسر قرار دے رکھا ہے۔ وہ صرف نام ہی نام ہے لفظ کے اعتبار سے ان کا کوئی معنی نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ قُلُوبًا سَوَّاهُمْ أَمْ تَتَذَكَّرُونَ يَا بَنِي آدَمَ لَا يَـٰعِلْمُ فِي الْأَرْضِ أَمْ بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ﴾ (الرعد: ۱۶/۳۳) ”اور ان لوگوں نے اللہ کے شریک مقرر کر رکھے ہیں ان سے کہو ذرا ان معبودوں کے نام تو لو کیا تم اسے ان چیزوں کے بارے میں آگاہ کرتے ہو جنہیں وہ زمین کے اندر نہیں جانتا (یعنی زمین میں ان کا وجود ہی نہیں) یا محض ظاہری بات کی تقلید کرتے ہو“۔ فرمایا: ﴿إِنْ هِيَ إِلَّا أَسْمَاءٌ سَمَّيْتُمُوهَا أَنْتُمْ وَآبَاؤُكُمْ مَّا أَنْزَلَ اللَّهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ إِنْ يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ﴾ (النجم: ۲۳/۵۳) ”یہ تو محض نام ہی ہیں جن کو تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے گھڑ رکھا ہے جن کی اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ وہ تو صرف ظن اور گمان کی پیروی کر رہے ہیں“۔

پس مخلوق اللہ تعالیٰ کی ہمسر نہیں ہو سکتی، کیونکہ اللہ تعالیٰ خالق اور اس کے علاوہ سب اس کی مخلوق ہے رب تعالیٰ رازق ہے اور اس کے علاوہ تمام مخلوق مرزوق ہے اللہ تعالیٰ غنی اور بے نیاز ہے اور تم سب اس کے محتاج ہو۔ اللہ تعالیٰ ہر لحاظ سے کامل ہے اور بندے ہر لحاظ اور ہر پہلو سے ناقص ہیں، اللہ تعالیٰ ہی ہے جس کے قبضہ قدرت میں نفع و نقصان ہے اور مخلوق کو نفع و نقصان اور کسی چیز کا بھی اختیار نہیں، لہذا اس شخص کے قول کا بطلان یقینی طور پر معلوم ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو اللہ کا ہمسر اور معبود ٹھہراتا ہے، یہ غیر اللہ خواہ فرشتہ ہو یا نبی، خواہ کوئی صالح بزرگ ہو یا کوئی بت، یا ان کے علاوہ کوئی اور، صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی محبت کامل اور تذلل تام کی مستحق ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی مدح کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ﴾ ”اور جو اہل ایمان ہیں وہ تو اللہ ہی سے سب سے زیادہ محبت کرنے والے ہیں۔“ یعنی اہل شرک اپنے معبودوں سے جتنی محبت کرتے ہیں اس سے بڑھ کر اہل ایمان اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں، کیونکہ ان کی محبت خالص اللہ

تعالیٰ کے لیے ہے اور اہل شرک اپنے معبودوں کی محبت میں بھی دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔ اہل ایمان صرف اسی سے محبت کرتے ہیں جو محبت کا حقیقی مستحق ہے، جس کی محبت میں بندے کی عین صلاح، سعادت اور فوز و فلاح ہے۔ جب کہ اہل شرک ان ہستیوں سے محبت کرتے ہیں جو محبت کا کچھ استحقاق نہیں رکھتے، ان کی محبت میں بندے کی عین بدبختی، اس کا فساد اور اس کے معاملات کا بکھرنا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو وعید سناتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَوْ يَرَى الَّذِينَ ظَلَمُوا﴾ اگر دیکھ لیں وہ لوگ جنہوں نے ظلم کیا، یعنی جنہوں نے غیر اللہ کو ہمسر بنا کر اور بندوں کے رب کے سوا دوسروں کی اطاعت کر کے ظلم کیا اور مخلوق پر ان کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روک کر اور انہیں نقصان پہنچانے کی کوشش کر کے ظلم کیا۔ ﴿إِذْ يَرُونَ الْعَذَابَ﴾ جب وہ عذاب دیکھیں گے۔ یعنی قیامت کے روز اپنی آنکھوں سے عیاں طور پر اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دیکھیں گے ﴿أَنَّ الْقُوَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا وَأَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعَذَابِ﴾ ہر طرح کی قوت اللہ ہی کے لیے ہے اور یہ کہ اللہ سخت عذاب کرنے والا ہے۔ یعنی اس وقت انہیں یقینی طور پر معلوم ہو جائے گا کہ تمام قوت و قدرت کا مالک صرف اللہ تعالیٰ ہے اور انہوں نے جو اللہ تعالیٰ کے ہمسر ٹھہرا رکھے تھے ان کے پاس کسی قسم کی کوئی طاقت نہیں، تب اس روز ان کے سامنے ان کے بنائے ہوئے معبودوں کی کمزوری اور بے بسی ظاہر ہو جائے گی۔ ایسا نہیں ہوگا جیسے اس دنیا میں ان کا معاملہ مشتبہ ہے اور اہل شرک یہ سمجھتے ہیں کہ ان معبودوں کے پاس بھی اختیار ہے اور یہ معبود انہیں اللہ تعالیٰ کے قریب کرتے ہیں اور اس کے پاس پہنچنے کا وسیلہ ہیں۔ پس وہ اپنے ظن اور گمان میں خائب و خاسر ہوئے اور ان کی تمام بھاگ دوڑ باطل گئی اور ان کے لیے سخت عذاب واجب ہو گیا۔ ان کے ٹھہرائے ہوئے یہ ہمسران سے عذاب کو روک نہیں سکیں گے اور نہ ذرہ بھر ان کے کوئی کام آسکیں گے، بلکہ ان معبودوں سے ان کو کسی فائدے کی بجائے نقصان پہنچے گا۔

اور راہ نما اپنے پیروکاروں سے براءت کا اظہار کریں گے اور وہ تمام تعلقات منقطع ہو جائیں گے جو دنیا میں ان کے مابین تھے، کیونکہ یہ تعلقات غیر اللہ کے ساتھ اور اللہ تعالیٰ کے حکم کے خلاف تھے، ان کا تعلق باطل کے ساتھ تھا جس کی کوئی حقیقت نہیں تھی اس لیے ان کے تمام اعمال مضحل اور ان کے تمام احوال نابود ہو جائیں گے اور ان پر واضح ہو جائے گا کہ وہ جھوٹے تھے اور ان کے وہ اعمال جن کے نفع مند اور نتیجہ خیز ہونے کی انہیں امید تھی، ان کے لیے حسرت اور ندامت میں بدل جائیں گے۔ وہ ہمیشہ کے لیے جہنم میں داخل ہوں گے اور وہاں سے کبھی نہیں نکلیں گے۔ پس اس خسارے کے بعد بھی کوئی اور خسارہ ہے؟ یہ اس لیے کہ انہوں نے باطل کی پیروی کی، انہوں نے ان سے امیدیں رکھیں جن پر امید نہیں رکھی جانی چاہئے تھی اور ان سے تعلق قائم کیا جن سے تعلق قائم نہیں کیا جانا چاہئے تھا۔ پس جب وہی باطل ثابت ہوا، جن سے انہوں نے تعلق جوڑا، تو ان کے اعمال بھی باطل ہو گئے اور جب ان کے اعمال باطل ہو گئے تو اپنی امیدوں کے ٹوٹ جانے کی بنا پر حسرت میں پڑ گئے، پس ان کے

اعمال نے انہیں سخت نقصان پہنچایا۔

اور یہ اس شخص کے حال کے برعکس ہے جس نے اللہ تعالیٰ سے جو بادشاہ حقیقی اور واضح کرنے والا ہے، ناطہ جوڑا۔ اسی کے لیے اپنے عمل کو خالص کیا اور اس عمل پر نفع کی امید رکھی۔ پس یہی وہ شخص ہے جس نے حق کو اس کے مقام پر رکھا، اس کے اعمال بھی حق ثابت ہوئے، کیونکہ اس نے حق کے ساتھ تعلق جوڑا تھا اور اپنے اعمال کے نتیجے میں کامیاب ہوا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان اعمال کا بدلہ پائے گا، جو کبھی منقطع نہیں ہوگا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے

فرمایا: ﴿الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ أَضَلَّ أَعْمَالَهُمْ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَآمَنُوا بِمَا نُزِّلَ عَلَىٰ مُحَمَّدٍ وَهُوَ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَأَصْلَحَ بَالَهُمْ ذَلِكَ بِأَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَأَنَّ الَّذِينَ آمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَبِّهِمْ كَذَلِكَ يَضْرِبُ اللَّهُ لِلنَّاسِ أَمْثَالَهُمْ﴾ (محمد: ۱۷۴-۳)

”وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکا، اللہ نے ان کے اعمال برباد کر دیئے اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور اس کتاب پر ایمان لائے جو محمد (ﷺ) پر نازل کی گئی اور وہ (کتاب) ان کے رب کی طرف سے برحق ہے، اللہ ان کے گناہ مٹا دے گا اور ان کا حال درست کر دے گا، یہ اس وجہ سے ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا انہوں نے باطل کی پیروی کی اور جو ایمان لائے، انہوں نے اپنے رب کی طرف سے آئے ہوئے حق کی پیروی کی، اللہ اسی طرح لوگوں کے سامنے ان کی مثالیں بیان کرتا ہے۔“

اور اس وقت (غلط کاروں کی) پیروی کرنے والے تمنا کریں گے کہ کاش انہیں دنیا میں لوٹایا جائے تو وہ بھی اپنے لیڈروں اور راہنماؤں سے بایں طور براءت کا اظہار کر دیں کہ شرک چھوڑ دیں گے اور صرف اللہ کے لیے عمل کریں گے، یہ بہت دور اور ناممکن ہے۔ معاملہ ہاتھ سے نکل گیا، اب یہ مہلت دینے کا وقت نہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی حقیقت ہے کہ وہ جھوٹے ہیں اگر انہیں دنیا میں بھیج بھی دیا گیا تو وہ وہی کریں گے جس سے انہیں روکا گیا ہے۔ یہ تو محض ان کے منہ کی بات ہے اور یہ تو محض ان کی تمنائیں ہیں چونکہ ان کے راہنماؤں نے ان سے براءت کا اظہار کیا ہے اس لیے وہ ان پر شدید غصے کی بنا پر اس تمنا کا اظہار کر رہے ہیں، ورنہ گناہ تو خود انہی کا ہے۔ پس بدی کے میدان میں تمام راہنماؤں کا راہنما تو شیطان ہے، اس کے باوجود وہ اپنے پیروکاروں سے کہے گا: ﴿لَمَّا

قُضِيَ الْأَمْرُ إِنَّ اللَّهَ وَعَدَكُمْ وَعَدَ الْحَقُّ وَعَدْتُكُمْ فَأَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِي عَلَيْكُمْ مِنْ سُلْطٰنٍ إِلَّا أَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِي فَلَا تَلُمُونِي وَلَا تَلُمُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ (ابراہیم: ۲۲/۱۴) ”جب یہ معاملہ پورا ہو چکے گا (تو شیطان کہے گا) اللہ تعالیٰ نے تم سے جو وعدہ کیا تھا وہ وعدہ سچا تھا اور جو وعدہ میں نے تمہارے ساتھ کیا تھا وہ جھوٹا تھا اور مجھے تم پر کسی قسم کا اختیار نہ تھا سوائے اس کے کہ میں نے تمہیں (بدی کی طرف) دعوت دی اور تم نے قبول کر لی۔ پس اب تم مجھے ملامت نہ کرو، بلکہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرو۔“

يَا أَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلَالًا طَيِّبًا وَلَا تَتَّبِعُوا
 اے لوگو! کھاؤ تم ان چیزوں میں سے جو زمین میں ہیں حلال پاکیزہ اور نہ پیچھے چلو
 خُطُوتِ الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۷۸﴾ اِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوِّءِ وَالْفَحْشَاءِ
 شیطان کے قدموں کے، بلاشبہ وہ تمہارا دشمن ہے ظاہر ○ یقیناً وہ تو حکم دیتا ہے تمہیں برائی اور بے حیائی کا
 وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۷۹﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ
 اور یہ کہہ دو تم اوپر اللہ کے وہ جو نہیں جانتے تم ○ اور جب کہا جاتا ہے ان سے، پیروی کرو تم اس کی جو نازل کیا اللہ نے
 قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا أَوْ لَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ
 تو کہتے ہیں (نہیں) بلکہ پیروی کریں گے ہم تو اس چیز کی کہ پاپا ہم نے اس پر اپنے باپ دادا کو کیا (اتباع کریں گے وہ ان کی) مگر چہ تھے باپ دادا ان کے

لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ﴿۱۸۰﴾

○ نہ عقل رکھتے اور نہ پاتے وہ ہدایت

یہ خطاب مومن اور کافر تمام لوگوں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر احسان فرمایا کہ انہیں اس بات کا حکم دیا کہ وہ زمین سے پیدا ہونے والے ہر قسم کے اناج، پھل، میوہ جات اور حیوانات اس حال میں کھائیں ﴿حَلَالًا﴾ کہ انکا کھانا تمہارے لیے حلال ہو وہ غصب شدہ مال ہونہ چوری کیا ہوا نہ حرام معاملے کے ذریعے سے اور نہ حرام طریقے سے حاصل کیا گیا ہو اور نہ کسی حرام امر پر اس سے مدد لی گئی ہو۔ ﴿طَيِّبًا﴾ ”پاکیزہ“ یعنی وہ خبیث اور ناپاک نہ ہو، مثلاً مردار خون، خنزیر کا گوشت اور دیگر تمام ناپاک چیزیں۔

اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ تمام اشیاء میں اصل اباحت ہے کھانے اور فائدہ اٹھانے کے اعتبار سے۔ (یعنی ہر چیز اس وقت تک حلال ہے جب تک اس کی حرمت پر دلیل قائم نہ ہو۔) اور محرمات کی دو قسمیں ہیں۔

- (۱) مُحَرَّمٌ لِدَاتِهِ، یعنی جو بذات خود حرام ہیں اور وہ ناپاک چیزیں ہیں جو پاکیزہ چیزوں کی ضد ہیں۔
- (۲) حرام کرنے والے کسی سبب کے پیش آنے کی وجہ سے حرام ہونے والی چیزیں، یہ حقوق اللہ یا حقوق العباد کے تعلق کے حوالے سے حرام ہوتی ہیں۔ یہ حلال کی ضد ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اس امر کی دلیل ہے کہ انسان پر کم از کم اتنی خوراک کھانا فرض ہے جس سے اس کا ڈھانچہ کھڑا رہ سکے۔ اس آیت کے ظاہری حکم کے مطابق کھانا ترک کرنا گناہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان امور کی اتباع کا حکم دیا جن کو بجالانے کا اس نے حکم دیا ہے، کیونکہ ان میں ان کی بھلائی ہے، تو پھر ان کو شیطان کے نقش قدم کی پیروی کرنے سے روکا ہے ﴿خُطُوتِ الشَّيْطَانِ﴾ ”شیطان کے قدم“ یعنی شیطان کے راستے جن پر

چلنے کا وہ حکم دیتا ہے۔ اس سے مراد کفر، فسق، ظلم اور دیگر تمام گناہ ہیں اور اس میں سائبہ اور حام وغیرہ کی تحریم بھی شامل ہے نیز اس کے اندر تمام حرام ماکولات بھی شامل ہیں۔ ﴿إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ ”وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔“ یعنی شیطان کی عداوت ظاہر ہے۔ وہ تمہیں محض دھوکے سے حکم دیتا ہے، تاکہ تم جہنمی بن جاؤ۔

ہمارے پروردگار نے ہمیں صرف شیطان کے نقش قدم پر چلنے ہی سے منع نہیں کیا، بلکہ اس نے یہ خبر بھی دی ہے..... اور وہ سب سے زیادہ سچا ہے..... کہ شیطان ہم سے عداوت رکھتا ہے اور اس سے بچنا چاہئے۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ تفصیل کے ساتھ آگاہ بھی فرمایا کہ شیطان کن امور کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ شیطان جن امور کا حکم دیتا ہے وہ سب سے زیادہ قباحت کے حامل اور مفسد میں سب سے بڑھ کر ہیں، چنانچہ فرمایا: ﴿إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ

بِالشُّرُوءِ﴾ ”وہ شرک کا حکم دیتا ہے“ یعنی ایسے شرک جو اپنے مرتکب کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے۔ پس تمام معاصی اس میں آجاتے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَالْفَحْشَاءِ﴾ خاص کا عطف عام پر کے باب میں سے ہوگا، کیونکہ فواحش بھی معاصی میں شمار ہوتے ہیں جن کی قباحت انتہا کو پہنچی ہوئی ہوتی ہے، مثلاً زنا، شراب نوشی، قتل ناحق،

تہمت اور بخل وغیرہ یہ سب ان کاموں میں سے ہیں جن کو ہر عقل مند برا سمجھتا ہے۔ ﴿وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ”اور یہ کہ تم اللہ پر ایسی باتیں کہو جن کا تمہیں علم نہیں“ اس میں اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کی تقدیر کے بارے میں کسی علم کے بغیر بات کہنا بھی شامل ہے۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کو کسی ایسی صفت سے موصوف کرتا ہے

جسے خود اس نے یا اس کے رسول ﷺ نے بیان نہیں کیا یا اللہ تعالیٰ کی کسی ایسی صفت کی نفی کرتا ہے جس کو خود اس نے اپنے لیے ثابت کیا ہے یا کسی ایسی صفت کو اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کرتا ہے جس کی خود اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات سے نفی کی ہے، تو وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بغیر کسی علم کے بات کرتا ہے اور جو کوئی یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی

ہمسر ہے یا بت ہیں جن کی عبادت کر کے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کیا جاسکتا ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں بلا علم بات کرتا ہے اور جو کوئی دلیل کے بغیر یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فلاں چیز حلال کی ہے یا فلاں چیز حرام کی ہے یا فلاں کام کا حکم دیا ہے یا فلاں کام سے روکا ہے، تو وہ بھی بغیر کسی علم کے اللہ تعالیٰ کی طرف بات منسوب کرتا ہے اور

جو کوئی بغیر کسی دلیل اور برہان کے یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی فلاں صنف فلاں علت کی وجہ سے تخلیق فرمائی ہے، وہ بھی اللہ تعالیٰ کے بارے میں بلا علم بات کرتا ہے اور بغیر کسی علم کے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کی ہوئی باتوں میں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ تاویل کرنے والا اللہ تعالیٰ یا اس کے رسول ﷺ کے کلام کی ان معانی کے

مطابق تاویل کرے جو کسی باطل فرقے کی اصطلاحات میں سے ہو اور پھر یہ کہے کہ یہی اللہ تعالیٰ کی مراد ہے۔ پس بغیر کسی علم کے اللہ تعالیٰ کی طرف کوئی بات منسوب کرنا سب سے بڑا حرام ہے جس میں تمام گناہ شامل ہیں اور یہ شیطان کا سب سے بڑا راستہ ہے جس کی طرف وہ لوگوں کو دعوت دیتا ہے۔ یہی شیطان اور اس کے

شکروں کے راستے ہیں، جہاں وہ اپنے مکرو فریب کے جال پھیلانے رکھتے ہیں اور جتنا بس چلتا ہے مخلوق کو پھانتے رہتے ہیں۔ جب کہ اللہ تعالیٰ تو عدل و احسان اور رشتہ داروں کو عطا کرنے کا حکم دیتا ہے اور فواحش، منکرات اور ظلم و زیادتی سے روکتا ہے۔

پس بندہ اپنے بارے میں غور کرے کہ وہ ان دو داعیوں میں سے کس داعی اور دو گروہوں میں سے کس گروہ کے ساتھ ہے؟ کیا تو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینے والے کی پیروی کر رہا ہے جو تیرے لیے بھلائی، دنیاوی اور اخروی سعادت چاہتا ہے، وہ جس کی اطاعت تمام تر فلاح، جس کی خدمت ہر لحاظ سے کامیابی ہے اور ہر قسم کا نفع اس منعم حقیقی کے ساتھ ظاہری اور باطنی نعمتوں پر معاملہ کرنے میں ہے جو صرف بھلائی کا حکم دیتا ہے اور صرف اسی چیز سے روکتا ہے جو شر ہے، یا تو شیطان کے داعی کی پیروی کر رہا ہے جو انسان کا دشمن ہے جو تیرے لیے برائی چاہتا ہے اور جو تجھے دنیا و آخرت میں ہلاک کرنے کے لیے بھرپور کوشش اور جدوجہد میں مصروف ہے، وہ جو تمام تر شر، اس کی اطاعت میں اور ہر قسم کا خسارہ اس کی سرپرستی میں ہے، وہ صرف شر کا حکم دیتا ہے اور صرف اس چیز سے روکتا ہے جو خیر ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ مشرکین کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جب ان کو اس کتاب کی اتباع کرنے کا حکم دیا جاتا ہے جو اس نے اپنے رسول ﷺ پر نازل فرمائی ہے، جس کی صفت گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے تو وہ اس سے روگردانی کرتے ہوئے کہتے ہیں: ﴿بَلْ نَتَّبِعُ مَا أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا﴾ بلکہ ہم تو اسی کی پیروی کریں گے جس پر ہم نے اپنے آباء و اجداد کو پایا ہے۔ پس انہوں نے اپنے آباء و اجداد کی تقلید پر اکتفا کیا اور انبیاء ﷺ پر ایمان لانے سے بے رغبتی اختیار کی۔ باوجود اس بات کے کہ ان کے آباء و اجداد لوگوں میں سب سے زیادہ جاہل اور سب سے زیادہ گمراہ تھے۔ حق کو رد کرنے کا یہ ایک نہایت ہی کمزور شبہ ہے، یہ ان کی حق سے روگردانی اور اس سے اعراض اور ان کے عدم انصاف کی دلیل ہے، اگر رشد و ہدایت اور اچھے مقصد کی طرف ان کی راہنمائی کی گئی ہوتی، تو حق ان کا مقصد ہوتا اور جو کوئی حق کو اپنا مقصد بنا لیتا ہے اور وہ حق اور غیر حق کے درمیان موازنہ کرتا ہے تو قطعاً طور پر حق اس کے سامنے واضح ہو جاتا ہے اور اگر وہ انصاف پسند ہے تو وہ حق کی اتباع کرتا ہے۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الذِّبْيِ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً

اور مثال ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا مانند مثال اس شخص کی ہے جو پکارتا ہے اس کو جو نہیں سنتا سوائے پکار

وَوَيْدَاءٍ ط صَّمُّ بَكْمٌ عَمِيٌّ فَهَمٌّ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۱۵﴾

اور آواز کے (وہ) بہرے، گونگے، اندھے ہیں، پس وہ نہیں عقل رکھتے ○

جب اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ جو کچھ انبیاء کرام لے کر آئے، کفار نے ان کی اطاعت نہیں کی اور آباؤ

اجداد کی تقلید کے باعث ان رسولوں کو رد کر دیا۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ وہ حق کو قبول کر کے اس کی دعوت پر لبیک نہیں کہیں گے، بلکہ اللہ تعالیٰ کو ان میں سے ہر ایک کے بارے میں یہ بھی معلوم تھا کہ وہ اپنے عناد سے ہرگز باز نہیں آئیں گے، تو اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرما دیا کہ ان کی مثال ایمان کے داعی کی پکار کے وقت ان موشیوں کی سی ہے جنہیں ان کا چرواہا پکارتا ہے، لیکن ان جانوروں کو یہ علم نہیں کہ ان کا چرواہا اور منادی کیا کہہ رہا ہے؟ وہ صرف آواز سنتے ہیں جس کے ذریعہ سے ان پر حجت قائم ہوگی مگر وہ اسے اس طرح سمجھتے نہیں کہ انہیں کوئی فائدہ پہنچے۔ پس وہ بہرے ہیں، حق کو سمجھنے اور قبول کرنے کے لیے سننے سے قاصر ہیں۔ وہ اندھے ہیں عبرت کی نظر سے دیکھ نہیں سکتے اور گونگے ہیں اس لیے حق کے اندران کے لیے جو خیر ہے اس کے بارے میں بولتے نہیں۔

اور وہ سب جو اس تمام فساد کا موجب ہے یہ ہے کہ وہ عقل سلیم سے محروم ہیں بلکہ وہ سب سے بڑے احمق اور سب سے بڑے جاہل ہیں۔ کیا عقل مند شخص اس بارے میں کوئی شک کر سکتا ہے کہ جس شخص کو رشد و ہدایت کی طرف بلایا جائے، فساد سے روکا جائے، عذاب میں گھسنے سے منع کیا جائے اور اسے اس چیز کا حکم دیا جائے جس میں اس کی بھلائی، نوز و فلاح اور نعمت ہے اور وہ اپنے خیر خواہ کا حکم ماننے سے انکار کر دے، اپنے رب کے حکم سے پیٹھ پھیر لے دیکھتے بوجھتے آگ میں جا گھسے اور حق کو چھوڑ کر باطل کی پیروی کرے۔ یقیناً یہ شخص ایسا ہے کہ اس میں ذرہ بھر عقل نہیں۔ اگر وہ عیاری دھوکہ اور فریب کو اپنی صفت بنا لے تو یہ شخص سب سے بڑا احمق ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُلُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَاشْكُرُوا لِلَّهِ إِنَّ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! کھاؤ تم ان پاکیزہ چیزوں سے جو رزق دیا ہم نے تمہیں اور شکر کرو اللہ کا، اگر کُنْتُمْ إِيَّاهُ تَعْبُدُونَ ﴿۱۶﴾ إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالْدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ
ہو تم اسی کی عبادت کرتے ہو بس صرف اس نے تو حرام کیا ہے تم پر مردار اور خون اور گوشت سور کا

وَمَا أَهْلًا بِهِ لِيُغَيِّرَ اللَّهُ ۖ فَمَن اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ

اور وہ چیز کہ پکاری گئی وہ غیر اللہ کے لئے پھر جو شخص ناچار کر دیا گیا (بشرطیکہ) نہ ہو وہ سرکشی کرنے والا اور نہ حد سے گزرنے والا

فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۷﴾

تو نہیں ہے کوئی گناہ اس پر یقیناً اللہ بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے ۝

عام حکم دینے کے بعد یہ اہل ایمان کے لیے خاص حکم ہے اور یہ اس لیے کہ وہی درحقیقت اپنے ایمان کے سبب سے اوامر و نواہی سے مستفید ہونے والے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو پاک رزق کھانے کا اور اللہ کے اس انعام پر اس کا شکر کرنے کا حکم دیا کہ وہ اس رزق کو اس کی اطاعت میں ان امور میں مدد لینے کے لیے استعمال کرتے ہیں جو انہیں اللہ تک پہنچاتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی چیز کا حکم دیا ہے جس چیز کا حکم اس نے اپنے

رسولوں کو دیا ہے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُّوَا مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَاعْمَلُوا صَالِحًا﴾ (المؤمنون: ۵۱/۲۳) ”اے رسولو! پاک چیزیں کھاؤ اور نیک کام کرو“۔ پس اس آیت کریمہ میں شکر سے مراد عمل صالح ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے لفظ (حلال) استعمال نہیں فرمایا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ضرر رساں چیزوں کو چھوڑ کر خالص پاکیزہ رزق کو اہل ایمان کے لیے مباح کیا ہے، نیز ایمان مومن کو وہ چیز تناول کرنے سے روک دیتا ہے جو اس کے لیے نہیں ہے۔ فرمایا: ﴿إِنْ كُنْتُمْ إِتَّاهُ تَعْبُدُونَ﴾ ”اگر تم اسی کی عبادت کرنے والے ہو، تو اس کا شکر کرو۔ اس آیت کریمہ میں اس امر کی دلیل ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کا شکر نہ کیا اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت نہیں کی۔ جیسے جس نے اللہ تعالیٰ کا شکر کیا اس نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اور وہ اس کا حکم بجالایا۔ نیز یہ آیت کریمہ اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ پاکیزہ رزق کھانا اعمال صالحہ اور ان کی قبولیت کا سبب ہے۔ نعمتوں کے ذکر کے بعد شکر بجالانے کا حکم دیا ہے، کیونکہ شکر موجود نعمتوں کی حفاظت کرتا ہے اور غیر موجود نعمتوں کے حصول کا باعث بنتا ہے جیسے کفر غیر موجود نعمتوں کو مزید دور کرتا ہے اور موجود نعمتوں کو زائل کرتا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے طیبات کی اباحت کا ذکر فرمایا تو خبائث کی تحریم کا ذکر بھی فرمادیا، چنانچہ فرمایا: ﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ﴾ ”اللہ نے تم پر صرف مردار حرام کیا“ مردار سے مراد وہ جانور ہے جو شرعی طریقے سے ذبح کئے بغیر مر جائے اور اس کی حرمت کی وجہ یہ ہے کہ مردار ناپاک اور خراب ہونے کی بنا پر ضرر رساں ہوتا ہے اور اکثر و بیشتر مردار کسی بیماری سے مرتا ہے۔ پس وہ مرض میں اضافے ہی کا باعث ہوتا ہے۔ مردار کی حرمت کی عمومیت سے مٹی اور مچھلی مستثنیٰ ہیں۔ یہ دونوں مردہ ہونے کی صورت میں بھی حلال اور طیب ہیں۔ ﴿وَالدَّمَ﴾ ”اور خون“، یعنی بہتا ہوا خون اور یہ قید ایک اور آیت سے ثابت ہے (ملاحظہ کیجئے: سورة الانعام: ۱۴۵/۶) (مترجم) ﴿وَمَا أَهْلًا بِهِ لِعَبِيرِ اللَّهِ﴾ ”اور جو غیر اللہ کے لیے ذبح کیا گیا ہو۔“ مثلاً وہ جانور جو بتوں، استھانوں، پتھروں اور قبوروں وغیرہ پر ذبح کئے گئے ہوں اور یہ مذکورہ انواع محرمات کے لیے خاص نہیں، بلکہ ان کو ان خبائث کی اجناس کے بیان کے لیے ذکر کیا گیا ہے جن کی حرمت پر ”طیبات“ کا مفہوم مخالف دلالت کرتا ہے۔ پس محرمات کی عمومیت گزشتہ آیت میں لفظ (حَلَالًا طَيِّبًا) سے مستفید ہوتی ہے، جیسا کہ پہلے گزرا۔

اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے اور ان کے ضرر سے بچانے کے لیے یہ چیزیں ہم پر حرام ٹھہرائی ہیں۔ اس کے باوجود یہ بھی فرمادیا: ﴿فَمِنْ اضْطُرَّ﴾ ”جو کوئی ناچار ہو جائے۔“ یعنی جو کوئی بھوک، موت کے خوف یا جبر و اکراہ کے باعث ان مذکورہ محرمات کو کھانے پر مجبور ہو جائے ﴿غَيْرَ بَاغٍ﴾ ”نہ سرکشی کرنے والا ہو“ یعنی سخت بھوکا نہ ہونے اور حلال کھانے پر قدرت رکھنے کے باوجود وہ حرام کھانے کا طلب گار نہ ہو۔ ﴿وَلَا عَادٍ﴾ ”اور نہ حد سے تجاوز کرنے والا ہو“ یعنی اضطراری حالت میں جتنی مقدار میں اس کے لیے یہ حرام کھانا جائز ہے

اس مقدار سے تجاوز نہ کرے۔ ﴿فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ﴾ ”تو اس پر کوئی گناہ نہیں“ یعنی اضطراری حالت میں یہ حرمت تناول کرنے میں اس پر کوئی گناہ نہیں اور جب گناہ اٹھ گیا تو معاملہ اسی (اباحت اصلی کی) حالت پر چلا گیا جو کہ تحریم سے پہلے تھی۔ انسان اس اضطراری حالت میں حرام کھانے پر مامور ہے، بلکہ اسے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے اور اپنے آپ کو قتل کرنے سے روکا گیا ہے، تب اس پر حرام کھانا فرض ہے۔ اگر وہ اضطراری حالت میں حرام نہیں کھاتا اور مر جاتا ہے تو گناہ گار اور خودکشی کا مرتکب ہوگا۔

یہ اباحت اور وسعت اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کا اختتام اپنے ان دو اسمائے گرامی کے ساتھ کیا ہے جو غایت درجہ تک اس مضمون کے ساتھ مناسبت رکھتے ہیں، چنانچہ فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ”بے شک اللہ بخشنے والا اور نہایت رحم کرنے والا ہے“۔ چونکہ ان کی حلت ان دو شرائط کے ساتھ مشروط ہے اور اس حالت میں انسان بسا اوقات اچھی طرح تحقیق کرنے سے قاصر رہتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ وہ بخشنے والا ہے۔ پس اگر اس حالت میں اس سے خطا سرزد ہو جائے تو وہ بخش دے گا، خاص طور پر اس حالت میں جب کہ اس پر ضرورت غالب آجائے اور مشقت اس کے حواس کو مضطرب کر دے۔ اس آیت کریمہ میں مشہور فقہی قاعدہ (الضَّرُورَاتُ تَبِيحُ الْمَخْظُورَاتِ) ”ضرورت حرام کو مباح کر دیتی ہے“ کی دلیل ہے۔ پس ہر حرام چیز جس کے استعمال کرنے پر انسان مجبور ہو جائے تو اس رحم کرنے والے مالک نے اس کے لیے اسے جائز ٹھہرا دیا ہے۔ پس اول و آخر اور ظاہری و باطنی طور پر ہر قسم کی حمد و ثنا اور شکر کی مستحق صرف اسی کی ذات اقدس ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا
بے شک وہ لوگ جو چھپاتے ہیں اس کو جو نازل کیا اللہ نے کتاب سے اور لیتے ہیں بدلے اس کے مول تھوڑا سا
أُولَئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا
یُزَكِّيهِمْ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۵۹﴾ اُولَئِكَ الَّذِينَ اشْتَرُوا الصَّلَاةَ بِالْهَدْيِ
پاک کرے گا ان کو اور ان کے لیے عذاب ہے دردناک ۰ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے خریدا اگر اسی کو بدلے ہدایت کے
وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۖ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۶۰﴾ ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَلَ الْكِتَابَ
اور عذاب کو بدلے مغفرت کے، پس کس قدر صبر کرنے والے ہیں یہاں پر آگ کے؟ ۰ یہ اس لیے کہ بے شک اللہ نے نازل فرمائی کتاب

بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿۱۶۱﴾

ساتھ حق کے اور بے شک وہ لوگ جنہوں نے اختلاف کیا کتاب میں یقیناً وہ بہت دور والی مخالفت میں ہیں ۰

اللہ تعالیٰ نے جو علم اپنے رسولوں پر نازل فرمایا اور لوگوں پر اس علم کو واضح کرنے اور اس کو نہ چھپانے کا اہل علم سے وعدہ لیا۔ اس علم کو جو لوگ چھپاتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس میں ان کو سخت وعید سنائی ہے۔ پس جو لوگ اس علم کے عوض دنیاوی مال و متاع سمیٹتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو دور پھینک دیتے ہیں۔ انہی لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ﴾ ”یہ اپنے پیٹوں میں جہنم کی آگ بھر رہے ہیں“ کیونکہ یہ قیمت جو انہوں نے (آیات الہی کے عوض) کمائی ہے یہ انہیں بدترین اور انتہائی حرام طریقے سے حاصل ہوئی ہے؛ لہذا ان کی جزا بھی ان کے عمل کی جنس سے ہوگی۔ ﴿وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ ”اور قیامت کے دن اللہ ان سے کلام نہیں فرمائے گا“ بلکہ اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہوگا اور ان سے منہ پھیر لے گا۔ پس یہ چیز ان کے لیے جہنم کے عذاب سے بھی بڑھ کر ہوگی۔ ﴿وَلَا يُذَكِّرُهُمْ﴾ ”اور نہ ان کو پاک کرے گا“ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو اخلاقِ رذیلہ سے پاک نہیں کرے گا اس لیے کہ ان کے اعمال ایسے نہیں ہوں گے جو مدحِ رضائے الہی اور جزا کے قابل ہوں۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس لیے پاک نہیں کرے گا، کیونکہ انہوں نے عدم تزیہ کے اسباب اختیار کئے۔ تزیہ کا سب سے بڑا سبب کتاب اللہ پر عمل کرنا، اس کو راہنما بنانا اور اس کی طرف دعوت دینا ہے۔ پس انہوں نے کتاب اللہ کو دور پھینک دیا، اس سے روگردانی کی ہدایت کو چھوڑ کر گمراہی اور مغفرت کو چھوڑ کر عذاب کو اختیار کیا۔ پس یہ لوگ جہنم ہی کے قابل ہیں۔ یہ جہنم کی آگ پر کیسے صبر کریں گے اور اس کی آگ کو کیسے برداشت کر سکیں گے؟

﴿ذٰلِكَ﴾ یعنی یہ اللہ کا عدل و انصاف پر مبنی بدلہ اور اس کا اسباب ہدایت سے انہیں محروم رکھنا، جنہوں نے انہیں اختیار کرنے سے انکار کیا اور ان کے سوا دوسرے اسباب اختیار کئے۔ ﴿بِاَنَّ اللّٰهَ نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ ”اس لیے ہے کہ اللہ نے کتاب کو حق کے ساتھ اتارا“ اور حق میں سے ہی یہ بات بھی ہے کہ نیک کام کرنے والے کو اس کی نیکیوں کا اور برا کام کرنے والے کو اس کی برائیوں کا بدلہ دیا جائے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿نَزَّلَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ﴾ میں اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید مخلوق کی ہدایت باطل میں سے حق کو اور گمراہی میں سے ہدایت کو واضح کرنے کے لیے نازل فرمایا ہے، اس لیے جس نے اس کو اس کے اصل مقصد سے ہٹا دیا، وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اسے اس کی پاداش میں بڑی سے بڑی سزا دی جائے۔ فرمایا: ﴿وَإِنَّ الَّذِينَ اٰخْتَلَفُوْا فِي الْكِتٰبِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيْدٍ﴾ ”جن لوگوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا وہ دور کی دشمنی میں ہیں۔“ یعنی وہ لوگ جنہوں نے کتاب اللہ کے بارے میں اختلاف کیا اور اس کے کسی حصے پر ایمان لائے اور کسی حصے کا انکار کیا اور وہ لوگ جنہوں نے اپنی مراد اور اپنی خواہشات کے مطابق اس میں تحریف کی اور اس کے اصل معانی سے ہٹا دیا ﴿لَفِي شِقَاقٍ﴾ یعنی وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ دشمنی کر رہے ہیں ﴿بَعِيْدٍ﴾ جو حق سے بہت دور ہے۔ اس لیے کہ انہوں نے کتاب اللہ کی مخالفت کی، جو حق لے کر آئی ہے جو اتفاق اور عدم تناقض کا

موجب ہے۔ پس ان کا معاملہ خراب ہو گیا، ان کی مخالفت اور دشمنی بڑھ گئی اور اس کے نتیجے میں ان میں افتراق پیدا ہو گیا۔ اس کے برعکس وہ اہل کتاب جو کتاب اللہ پر ایمان لائے اور تمام معاملات میں اسے حکم تسلیم کیا، پس ان میں اتفاق ہو گیا اور یہ لوگ محبت اور کتاب اللہ پر اجتماع کی وجہ سے بلند یوں پر پہنچ گئے۔ یہ آیت کریمہ ان لوگوں کے لیے جو اس چیز کو چھپاتے ہیں جسے اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا اور کتاب اللہ پر دنیا کو ترجیح دیتے ہیں، سخت ناراضی اور عذاب کی وعید کو متضمن ہے، نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو توفیق اور مغفرت کے ذریعے سے پاک نہیں کرتا اور اللہ تعالیٰ نے اس سبب کا ذکر فرمایا ہے جو ان کے ہدایت پر گمراہی کو ترجیح دینے کا باعث بنا اور اس پر یہ امر مترتب ہوا کہ انہوں نے مغفرت کو چھوڑ کر عذاب کو اختیار کر لیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس امر پر دکھ کا اظہار کیا کہ وہ جہنم کی آگ برداشت کرنے پر کس قدر صابر ہیں؟ جس میں وہ ان اسباب کی بنا پر داخل ہوئے جن کے بارے میں انہیں خوب علم تھا کہ یہ جہنم میں لے جاتے ہیں۔ یہ آیت اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ کتاب اللہ تمام تر حق پر مشتمل ہے جو اتفاق اور عدم افتراق کا موجب ہے، نیز ہر وہ شخص جو کتاب اللہ کی مخالفت کرتا ہے وہ حق سے بہت دور ہے اور وہ نزاع اور خصامت میں مبتلا ہے۔ واللہ اعلم۔

لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَكِنَّ الْبِرَّ مَنْ
 نہیں ہے نیکی یہ کہ پھیر لو تم اپنے چہرے طرف مشرق اور مغرب کی، لیکن نیکی (والا) تو وہ ہے جو
 اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيِّنَ ۗ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ
 ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور دن آخرت کے اور فرشتوں اور کتابوں اور نبیوں کے اور دے مال اپنا باوجود اس کی محبت کے
 ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسْكِيْنَ وَاَبْنَ السَّبِيْلِ ۗ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۗ
 قرابت داروں کو اور یتیموں کو اور مسکینوں کو اور مسافروں کو اور سوال کرنے والوں کو اور (چھڑانے) میں گردنوں کے
 وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَآتَى الزَّكٰوةَ ۗ وَالْمُؤَفُّونَ بِعَهْدِهِمْ ۗ اِذَا عٰهَدُوْا ۗ
 اور قائم کرے نماز اور دے زکوٰۃ اور وہ جو پورا کرنے والے ہیں اپنے عہد کو جب وہ عہد کریں
 وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبٰسَآءِ وَالصَّرَآءِ ۗ وَحِيْنَ الْبَآسِ طُ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ
 اور وہ جو صبر کرنے والے ہیں تنگ دستی میں اور تکلیف میں اور وقت لڑائی کے، یہی لوگ ہیں جنہوں نے
 صَدَقُوْا ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۵۰﴾

سچ کہا اور یہی متقی ہیں ○

﴿لَيْسَ الْبِرُّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ﴾ نیکی یہ نہیں کہ تم مشرق یا مغرب کی طرف منہ کر لو، یعنی یہ وہ نیکی نہیں ہے جو بندوں سے مطلوب ہے جس کے بارے میں اس کثرت سے بحث و مباحثہ کی

مشقت برداشت کی جائے جس سے سوائے دشمنی اور مخالفت کے کچھ اور جنم نہیں لیتا۔ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کی اس حدیث کی نظیر ہے جس میں آپ نے فرمایا:

(لَيْسَ الشَّدِيدُ بِالصُّرَعَةِ إِنَّمَا الشَّدِيدُ الَّذِي يَمْلِكُ نَفْسَهُ عِنْدَ الْغَضَبِ) ①

”طاقتور وہ نہیں جو کشتی میں طاقت ور ہے بلکہ حقیقی طاقت ور وہ ہے جو غصے کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھتا ہے۔“
﴿وَلَكِنَّ الْيَوْمَ مِنَ آمَنَ بِاللَّهِ﴾ ”لیکن نیکی تو یہ ہے جو ایمان لایا اللہ پر“ یعنی وہ اس بات پر ایمان لایا کہ اللہ تعالیٰ ہی معبود واحد ہے، وہ صفت کمال سے متصف اور ہر نقص سے پاک اور منزہ ہے۔ **﴿وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾** ”اور آخرت کے دن پر“ یعنی وہ ان تمام باتوں پر ایمان رکھتا ہے جو انسان کو موت کے بعد پیش آئیں گی جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یا اس کے رسول ﷺ نے خبر دی ہے۔ **﴿وَالْمَلَائِكَةِ﴾** ”اور فرشتوں پر“۔ فرشتے وہ ہستیاں ہیں جن کی بابت اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بیان کیا ہے، نیز رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے۔ **﴿وَالْكِتَابِ﴾** ”اور کتاب پر“ اس سے مراد جنس ہے، یعنی ان تمام کتابوں پر ایمان لاتا ہے جو اللہ نے اپنے رسولوں پر نازل فرمائی ہیں۔ ان میں سب سے عظیم کتاب قرآن مجید ہے۔ پس وہ ان تمام اخبار و احکام پر ایمان لاتا ہے جن پر یہ کتابیں مشتمل ہیں۔ **﴿وَالنَّبِيِّنَ﴾** ”اور پیغمبروں پر“ یعنی وہ تمام انبیاء علیہم السلام پر عام طور پر اور ان میں سب سے افضل اور خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ پر خاص طور پر ایمان لاتا ہے۔ **﴿وَأَنِّي أَنبَأُ﴾** ”اور دیتا ہے وہ مال“ مال کے زمرے میں ہر وہ چیز آتی ہے جو مال کے طور پر انسان اپنے لیے جمع کرتا ہے۔ خواہ یہ کم ہو یا زیادہ۔ **﴿عَلَىٰ حُبِّهِ﴾** ”اس کی محبت کے باوجود“ (حُبِّهِ) میں ضمیر کا مرجع مال ہے۔ یعنی وہ مال کی محبت رکھنے کے باوجود مال کو اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں یہ بھی واضح فرمایا کہ مال نفوس انسانی کو بہت محبوب ہوتا ہے۔ بندہ اسے مشکل ہی سے اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہے اس لیے جو کوئی اس مال سے محبت کے باوجود اس کو اللہ تعالیٰ کے تقرب کی خاطر خرچ کرتا ہے تو یہ اس کے ایمان کی بہت بڑی دلیل ہے۔ مال سے محبت کے باوجود اللہ تعالیٰ کے راستے میں مال خرچ کرنے کی ایک صورت یہ ہے کہ بندہ اس حال میں مال خرچ کرے کہ وہ صحت مند ہو، مال کا حریص ہو، فراخی کی امید رکھتا ہو اور محتاجی سے ڈرتا ہو۔ اسی طرح اگر قلیل مال میں سے صدقہ نکالا جائے تو یہ افضل ہے کیونکہ بندے کی یہی وہ حالت ہے جب وہ مال کو اس وہم سے روکے رکھنا پسند کرتا ہے کہ کہیں وہ محتاج نہ ہو جائے۔

اسی طرح جب مال نفیس ہو اور وہ اس مال سے محبت کرتا ہو اور پھر بھی وہ اس مال کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّىٰ تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾** (آل عمران: ۹۲/۳) ”تم

① صحیح البخاری، کتاب الادب، باب الحذر من الغضب، حدیث: ۶۱۱۴۔

اس وقت تک نیکی حاصل نہیں کر سکتے جب تک کہ تم ان چیزوں میں سے خرچ نہ کرو جن سے تم محبت کرتے ہو۔“ پس یہ سب وہ لوگ ہیں جو مال سے محبت رکھنے کے باوجود اللہ کے راستے میں خرچ کرنے والے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا ذکر کیا ہے جن پر مال خرچ کیا جانا چاہئے۔ یہی لوگ تیری نیکی اور تیرے احسان کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔ ﴿ذَوِي الْقُرْبَىٰ﴾ ”رشتے داروں کو“ ان قریبی رشتہ داروں پر جن کے مصائب پر تو تکلیف اور ان کی خوشی پر خوشی محسوس کرے جو ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور دیت ادا کرنے میں شریک ہوتے ہیں۔ پس بہترین نیکی یہ ہے کہ رشتہ داروں کے ساتھ ان کے قرب اور ان کی حاجت کے مطابق مالی اور قوی احسان سے پیش آیا جائے۔ ﴿وَالْيَتَامَىٰ﴾ ”اور یتیموں کو“ ان یتیموں پر جن کا کوئی کمانے والا نہ ہو اور نہ خود ان میں اتنی قوت ہو کہ وہ کما کر مستغنی ہو جائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر عظیم رحمت ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ رحیم ہے جتنا باپ اپنی اولاد پر ہوتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو وصیت کی ہے اور ان پر ان کے اموال میں فرض قرار دیا ہے کہ وہ ان لوگوں کے ساتھ احسان اور بھلائی سے پیش آئیں حتیٰ کہ وہ یوں محسوس کریں کہ گویا ان کے والدین فوت ہی نہیں ہوئے، کیونکہ عمل کا بدلہ عمل کی جنس ہی سے ہوتا ہے جو کسی دوسرے کے یتیم پر رحم کرتا ہے تو اس کے یتیم کے سر پر بھی دست شفقت رکھا جاتا ہے۔

﴿وَالْمَسْكِينِ﴾ ”اور مسکینوں کو“ مساکین وہ لوگ ہیں جن کو حاجت نے بے دست و پا اور فقر نے ذلیل کر دیا ہو۔ پس مال دار لوگوں پر ان کا اتنا حق ہے جس سے ان کی مسکینی دور ہو جائے یا کم از کم اس میں کمی ہو جائے۔ مال دار لوگ اپنی استطاعت کے مطابق اور جو کچھ ان کو میسر ہے (اس سے ان کی مدد کریں)

﴿وَابْنِ السَّبِيلِ﴾ ”اور مسافر کو“ یہ اس اجنبی کو کہا جاتا ہے جو کسی دوسرے شہر میں ہو اور وہ اپنے شہر سے کٹ کر رہ گیا ہو۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ اجنبی مسافر کو اتنا مال عطا کریں جو سفر میں اس کا مددگار ہو۔ اس گمان پر کہ وہ حاجت مند ہے اور اس کے سفر کے مصارف بہت زیادہ ہیں۔ پس اس شخص پر جسے اللہ تعالیٰ نے وطن سے اور اس کی راحت سے نوازا ہے اور اسے نعمتیں عطا کی ہیں، فرض ہے کہ وہ اپنے اس قسم کے غریب الوطن بھائی پر اپنی استطاعت کے مطابق ترس کھائے خواہ اسے زاد راہ عطا کر دے، یا سفر کا کوئی آلہ (سواری وغیرہ) دے دے، یا اس کو پہنچنے والے مظالم وغیرہ کا ازالہ کر دے۔

﴿وَالسَّائِلِينَ﴾ ”اور مانگنے والوں کو“ سائلین وہ لوگ ہیں جن پر کوئی ایسی ضرورت آن پڑے جو ان کو سوال کرنے پر مجبور کر دے، مثلاً ایسا شخص جو کسی دیت کی ادائیگی میں مبتلا ہو گیا ہو یا حکومت کی طرف سے اس پر کوئی جرمانہ عائد کر دیا گیا ہو یا وہ مصالح عامہ کے لیے کوئی عمارت، مثلاً مسجد، مدرسہ اور پبل وغیرہ تعمیر کروا رہا ہو۔ اس حوالے سے سوال کرنا اس کا حق ہے خواہ وہ مال دار ہی کیوں نہ ہو۔ ﴿وَفِي الرِّقَابِ﴾ ”اور گردنوں

کے آزاد کرنے میں، غلاموں کو آزاد کرنا اور آزادی پر اعانت کرنا، مکاتب کو آزادی کے لیے مالی مدد دینا تاکہ وہ اپنے مالک کو ادائیگی کر سکے۔ جنگی قیدی جو کفار یا ظالموں کی قید میں ہوں۔ سب اس مد میں شامل ہیں۔ ﴿وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَأَتَى الزَّكَاةَ﴾ اور قائم کرے وہ نماز اور ادا کرے زکوٰۃ، گزشتہ صفحات میں متعدد بار گزر چکا ہے کہ نماز اور زکوٰۃ کے سب سے افضل عبادت ہونے، تقرب الہی کا کامل ترین ذریعہ ہونے، اور قلبی، بدنی اور مالی عبادت ہونے کی بنا پر ان دونوں کو ایک ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ نماز اور زکوٰۃ ہی کے ذریعے سے ایمان کا وزن ہوتا ہے اور انہیں اپنے علوم کیا جاتا ہے کہ صاحب ایمان کتنے یقین کا مالک ہے۔ ﴿وَالْمُؤْمِنُونَ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ إِذَا وَعَدُوا﴾ اور عہدوں کو پورا کرنے والے ہیں جب وہ عہد کر لیں، اللہ تعالیٰ یا خود بندے کی طرف سے لازم کئے ہوئے امر کا التزام کرنا عہد کہلاتا ہے۔ پس تمام حقوق اللہ اس میں داخل ہو جاتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر ان کو لازم قرار دیا ہے اور وہ اس التزام کو قبول کر کے اس عہد میں داخل ہو گئے اور ان کا ادا کرنا ان پر فرض قرار پایا۔ نیز اس عہد میں وہ حقوق العباد بھی داخل ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واجب قرار دیا ہے اور اس میں وہ حقوق بھی شامل ہیں جن کو بندے اپنے آپ پر لازم قرار دے لیتے ہیں، مثلاً قسم اور نذر وغیرہ۔

﴿وَالضَّيْرِينَ فِي الْبَأْسَاءِ﴾ اور صبر کرنے والے ہیں وہ سختی میں، یعنی فقر اور محتاجی میں صبر کرتے ہیں، کیونکہ محتاج شخص بہت سے پہلوؤں سے صبر کا محتاج ہوتا ہے۔ وہ دائمی طور پر ایسی قلبی اور بدنی تکالیف میں مبتلا ہوتا ہے جس میں کوئی اور شخص مبتلا نہیں ہوتا۔ اگر مال دار دنیاوی نعمتوں سے استفادہ کرتے ہیں، تو فقیر آدمی ان نعمتوں سے استفادے پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے رنج و الم میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جب وہ اور اس کے اہل و عیال بھوک کا شکار ہوتے ہیں تو اسے دکھ ہوتا ہے جب وہ کوئی ایسا کھانا کھاتا ہے جو اس کی چاہت کے مطابق نہ ہو تب بھی اسے تکلیف پہنچتی ہے۔ اگر وہ عریاں ہوتا ہے یا عریانی کی حالت کے قریب پہنچ جاتا ہے تو دکھ محسوس کرتا ہے۔ جب وہ اپنے سامنے کی یا مستقبل میں متوقع کسی چیز کو دیکھتا ہے، تو غم زدہ ہو جاتا ہے۔ اگر وہ سردی محسوس کرتا ہے جس سے بچنے پر وہ قادر نہیں ہوتا، تو اسے تکلیف پہنچتی ہے۔ پس یہ تمام چیزیں مصائب کے زمرے میں آتی ہیں جن پر صبر کرنے کا اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھنے کا حکم دیا گیا ہے۔

﴿وَالصَّوَاءِ﴾ اور تکلیف میں، یعنی مختلف قسم کے امراض مثلاً بخار، زخم، ریح کا درد، کسی عضو میں درد کا ہونا حتیٰ کہ دانت اور انگلی کا درد وغیرہ ان تمام تکالیف میں بندہ صبر کا محتاج ہے، کیونکہ نفس کمزور ہوتا ہے اور بدن درد محسوس کرتا ہے اور یہ مرحلہ نفس انسانی کے لیے نہایت مشقت آزا ہوتا ہے۔ خاص طور پر جب بیماری طول پکڑ جائے۔ پس اسے حکم ہے کہ وہ صبر کرے اور اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھے۔ ﴿وَجِئْنَا الْبَأْسَ﴾ اور لڑائی کے وقت، یعنی ان دشمنوں سے لڑائی کے وقت جن سے لڑنے کا حکم دیا گیا ہے، کیونکہ صبر و استقلال سے جو اس

مردی کا مظاہرہ نفس انسانی کے لیے نہایت گراں بار ہے اور انسان قتل ہونے، زخمی ہونے یا قید ہونے سے بہت گھبراتا ہے۔ پس وہ اس صورت میں اللہ تعالیٰ پر ثواب کی امید رکھتے ہوئے صبر کرنے کا سخت محتاج ہے جس کی طرف سے فتح و نصرت ہوتی ہے جس کا وعدہ اس نے صبر کرنے والوں کے ساتھ کر رکھا ہے۔ ﴿أُولَئِكَ﴾ ”یہی“ یعنی جو ان عقائدِ حسنہ اور اعمالِ صالحہ سے متصف ہیں جو ایمان کے آثار، اس کی برہان اور اس کا نور ہیں اور ان اخلاق کے مالک ہیں جو انسان کا حسن و جمال اور انسانیت کی حقیقت ہے۔ ﴿الَّذِينَ صَدَقُوا﴾ ”جو سچے ہیں۔“ یعنی یہی لوگ اپنے ایمان میں سچے ہیں، کیونکہ ان کے اعمال ان کے ایمان کی تصدیق کرتے ہیں ﴿وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ﴾ ”اور یہی لوگ متقی ہیں“ کیونکہ انہوں نے محظورات کو ترک کر دیا اور مامورات پر عمل کیا، اس لیے کہ یہ امور تمام اچھی خصلتوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیتے ہیں، چاہے ضمنیاً لڑو، کیونکہ ایسے عہد میں پورا دین ہی آجاتا ہے۔ علاوہ ازیں اس آیت میں جن عبادات کی صراحت ہے، وہ سب عبادات سے اہم اور بڑی ہیں اور جو ان عبادات کا التزام کرتا ہے وہ دیگر امور کو زیادہ آسانی سے سرانجام دے سکتا ہے۔ پس یہی لوگ نیک سچے اور متقی ہیں۔ ان تین امور پر اللہ تعالیٰ نے جو دنیاوی اور اخروی ثواب مرتب کیا ہے وہ سب کو معلوم ہے جس کی تفصیل اس مقام پر ممکن نہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلِ ۖ الْحُرُّ بِالْحُرِّ
 اے لوگو جو ایمان لائے ہو! لکھ دیا گیا ہے تم پر برابر کا بدلہ لینا مقتولوں میں آزاد بدلے آزاد کے
 وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ ۖ وَالْأُنثَىٰ بِالْأُنثَىٰ ۖ فَمَنْ عَفَىٰ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْءٌ فَاتَّبِعْهُ
 اور غلام بدلے غلام کے اور عورت بدلے عورت کے، پھر جو شخص کو معاف کر دیا گیا اسے اس کے بھائی (ولی) کی طرف سے کچھ تو بخیر دی کرنی ہے
 بِالْمَعْرُوفِ ۖ وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ ۗ ذٰلِكَ تَخْفِيفٌ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ وَرَحْمَةٌ
 موافق دستور کے اور ادا کرنا ہے اس کی طرف ساتھ اچھائی کے یہ تخفیف ہے تمہارے رب کی طرف سے اور رحمت
 فَمَنْ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۸﴾ ۝ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ
 پھر جس شخص نے زیادتی کی بعد اس کے تو اس کے لئے عذاب ہے دردناک ۝ اور تمہارے لیے برابر کا بدلہ لینے میں
 حَيٰوةٌ ۙ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۷۹﴾

بڑی زندگی ہے اے عقل مندو! شاید کہ تم بچو (قتل و عارت سے) ۝

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس احسان کا ذکر کرتا ہے کہ اس نے مقتولین کے بارے میں قصاص، یعنی اس میں مساوات کو فرض کیا، جس کا مطلب یہ ہے کہ قاتل کو مقتول کے بدلے میں اسی طریقے سے قتل کیا جائے جس طریقے سے اس نے مقتول کو قتل کیا تھا، یہ بندوں کے درمیان عدل و انصاف کا تقاضا ہے۔ اس خطاب کا رخ عام

مومنوں کی طرف ہے، اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ تمام اہل ایمان پر یہ فرض ہے حتیٰ کہ قاتل کے اولیاء اور خود قاتل پر بھی کہ جب مقتول کا ولی قصاص کا مطالبہ کرے اور قاتل سے قصاص لینا ممکن ہو تو مقتول کے ولی کی مدد کی جائے اور یہ کہ ان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ اس حد کے درمیان حائل ہوں اور مقتول کے وارث کو بدلہ لینے سے روکیں، جیسا کہ جاہلیت کے زمانے میں لوگوں کی عادت تھی یا ان جیسے دیگر لوگ جو مجرموں کو پناہ دیتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس قصاص کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿الْحَرْبُ بِالْحَرْبِ﴾ ”آزاد بدلے آزاد کے“ الفاظ کے اعتبار سے اس میں مرد بدلے مرد کے کا مفہوم بھی شامل ہے۔ ﴿وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ﴾ ”عورت بدلے عورت کے۔“ اس کا مطلب ہے مرد کے بدلے عورت اور عورت کے بدلے مرد۔ پس منطوق کلام الانثیٰ بالانثیٰ کے مفہوم پر مقدم ہوگا اس لیے کہ حدیث اس پر دلالت کرتی ہے کہ مرد کو عورت کے بدلے قتل کیا جائے گا (اگر مرد عورت کا قاتل ہوگا) اس عموم سے والدین (اوپر تک) مستثنیٰ ہیں۔ لہذا بیٹے کے قتل کے قصاص میں والدین کو قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ استثناء سنت میں وارد ہوا ہے۔ نیز قصاص کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد دلالت کرتا ہے کہ بیٹے کے قتل کی پاداش میں باپ کو قتل کرنا انصاف نہیں۔ نیز اس لیے کہ باپ کا دل اپنے بیٹے کے لیے رحم اور شفقت سے لبریز ہوتا ہے جو اسے بیٹے کو قتل کرنے سے روکتا ہے۔ سوائے اس صورت کے کہ باپ کے دماغ میں کوئی خلل ہو یا بیٹے کی طرف سے اسے نہایت سخت اذیت پہنچی ہو۔ سنت نبوی ہی کی رو سے اس عموم سے کافر بھی خارج ہے۔ نیز اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ یہ خطاب خاص طور پر اہل ایمان کے لیے ہے۔ نیز یہ قرین انصاف بھی نہیں کہ اللہ کے دشمن کے بدلے اللہ تعالیٰ کے دوست کو قتل کیا جائے اور غلام کے بدلے غلام کو قتل کیا جائے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت اور خواہ ان کی قیمت مختلف ہو یا برابر، مفہوم کلام یہ بھی دلالت کرتا ہے کہ آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل نہیں کیا جائے گا کیونکہ غلام آزاد کے مساوی نہیں ہوتا۔

بعض اہل علم نے ﴿وَالْأُنْثَىٰ بِالْأُنْثَىٰ﴾ کے مفہوم سے یہ استدلال کیا ہے کہ عورت کے قصاص میں مرد کو قتل کرنا جائز نہیں اور اس کی وجہ گزشتہ سطور میں گزر چکی ہے۔ (کہ یہ صحیح نہیں کیونکہ یہ مفہوم حدیث کے خلاف ہے) اس آیت کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اصل قتل میں قصاص کا واجب ہونا ہے (یعنی قتل کے بدلے میں قتل ضروری ہے) اور دیت تو قصاص کا بدلہ ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَمَنْ عَفَىٰ لَهُ مِنْ أَخِيهِ﴾ ”اگر اس (قاتل) کو اس کے (مقتول) بھائی سے کچھ معاف کر دیا جائے۔“ یعنی اگر مقتول کا ولی قاتل کو معاف کر کے دیت قبول کر لے یا مقتول کے اولیاء میں سے کوئی شخص قاتل کو معاف کر دے تو اس صورت میں قصاص ساقط ہو جائے گا اور دیت واجب ہو جائے گی۔ قصاص میں اختیار ہوگا اور مقتول کا ولی قصاص کی بجائے دیت لے سکتا ہے۔ جب مقتول کا ولی قاتل کو معاف کر دے تب اس پر واجب ہے کہ وہ قاتل سے معروف

طریقے سے خون بہا کا مطالبہ کرے ﴿بِالْمَعْرُوفِ﴾ ”معروف طریقے سے“ یعنی ایسے طریقے سے کہ اس پر شاق نہ گزرے اور اتنا زیادہ مطالبہ نہ کرے جس کو ادا کرنے کی قاتل میں طاقت نہ ہو، بلکہ نہایت احسن طریقے سے قاتل سے دیت کا تقاضا کرے اور اسے تنگی میں مبتلا نہ کرے۔ ﴿وَأَدَاءٌ إِلَيْهِ بِإِحْسَانٍ﴾ ”اور احسان کے ساتھ اسے ادا کرنا چاہیے۔“ یعنی قاتل پر واجب ہے کہ وہ ٹال مٹول، خون بہا میں کمی اور قولی یا فعلی تکلیف پہنچائے بغیر، بھلے طریقے سے دیت ادا کرے۔ معاف کر دینے کے احسان کا بدلہ یہ ہے کہ خون بہا کو احسن طریقے سے ادا کیا جائے۔ انسان پر لوگوں کی جو ذمہ داریاں واجب ہیں ان میں یہی اصول مامور بہ ہے کہ جس نے کسی سے اپنا حق لینا ہے، وہ اس امر پر مامور ہے کہ وہ معروف طریقے سے حق کا مطالبہ کرے اور جس کے ذمے حق ہے وہ اسے بھلے طریقے سے ادا کرے۔

﴿فَمَنْ عَفَىٰ لَهُ مِنْ أَخِيهِ شَيْئًا﴾ میں نرمی اختیار کرنے اور قصاص معاف کر کے دیت قبول کرنے کی ترغیب ہے۔ اس سے بھی زیادہ احسن بات یہ ہے کہ کچھ لیے بغیر ہی قاتل کو معاف کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد (أَخِيهِ) اس بات کی دلیل ہے کہ قاتل کی تکفیر نہ کی جائے، کیونکہ یہاں ”اخوت“ سے مراد اخوت ایمانی ہے۔ پس قتل کے ارتکاب سے قاتل دائرہ ایمان سے خارج نہیں ہوگا۔ جب بات یہ ہے تو دیگر معاصی کا مرتکب، جو کفر سے کم تر ہیں، بطریق اولیٰ دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوگا البتہ اس سے اس کے ایمان میں کمی ضرور واقع ہوگی۔

اور جب مقتول کے اولیاء یا ان میں سے کوئی ایک قاتل کو معاف کر دیں تو قاتل کا خون محفوظ ہو جاتا ہے اور وہ مقتول کے اولیاء یا دیگر لوگوں کے قصاص لینے سے بچ جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَمَنْ عَفَا ذَايَ بَعْدَ ذَلِكَ﴾ ”اگر کوئی اس کے بعد زیادتی کرتا ہے“ یعنی معاف کر دینے کے بعد اگر کوئی شخص زیادتی کرتا ہے ﴿فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ”تو (آخرت میں) اس کے لیے دردناک عذاب ہے“۔

رہا اس کو قتل کرنا یا نہ قتل کرنا تو یہ حکم گزشتہ آیت سے اخذ کیا جائے گا اور چونکہ (معاف کرنے کے بعد) اس نے قاتل کو محض بدلہ لینے کے لیے قتل کیا ہے، لہذا اس کے قصاص میں اسے قتل کیا جائے گا۔ رہے وہ لوگ جنہوں نے ﴿عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ کی تفسیر ”قتل“ کی ہے۔ نیز ان کا موقف ہے کہ یہ آیت اس قاتل کا قتل متعین کرتی ہے اور اس کو معاف کرنا جائز نہیں۔ تو بعض اہل علم اس کے قائل ہیں۔ لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے، کیونکہ اس کا جرم دوسرے شخص کے جرم سے زیادہ نہیں ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ قصاص کی مشروعیت میں پنہاں عظیم حکمت کو بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيَوةٌ﴾ ”اور تمہارے لیے قصاص میں زندگانی ہے۔“ یعنی قصاص کے قانون سے خون محفوظ ہو جاتا ہے اور

شقی القلب لوگوں کا قلع قمع ہو جاتا ہے، کیونکہ جب قاتل کو معلوم ہوگا کہ قتل کے بدلے اس کو قتل کر دیا جائے گا

تو اس سے قتل کا ارتکاب ہونا مشکل ہے۔ اور جب دوسرے لوگ مقتول کے قصاص میں قاتل کو قتل ہوتا دیکھیں گے تو دوسرے لوگ خوفزدہ ہو کر عبرت پکڑیں گے اور قتل کرنے سے باز رہیں گے۔ اگر قاتل کی سزا قصاص (قتل) کے سوا کچھ اور ہوتی تو اس سے شر (برائی) کا انسداد اس طرح نہ ہوتا جس طرح قتل کی سزا سے ہوتا ہے اور اسی طرح تمام شرعی حدود ہیں کہ ان سب میں عبرت پذیری اور انسداد شر کے ایسے پہلو ہیں جو اس اللہ تعالیٰ کی حکمت پر دلالت کرتے ہیں جو نہایت دانا اور بڑا بخشنے والا ہے۔

﴿حَيَوَةٌ﴾ کو نکرہ استعمال کرنا تکثیر اور تعظیم کے لیے ہے اور چونکہ اس حکم کی حقیقت کو صرف وہی لوگ جان سکتے ہیں جو عقل کامل کے مالک ہیں اس لیے دیگر لوگوں کی بجائے انہی لوگوں کو خاص طور پر مخاطب کیا گیا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کے بندے اس کے احکام میں پوشیدہ حکمتوں اس کے کمال پر دلالت کرنے والی مصلحتوں اس کی کامل حمد و حکمت اور عدل و رحمت واسعہ میں تدبر کے لیے اپنی عقل و فکر کو استعمال میں لائیں اور جو کوئی یہ عمل کرتا ہے وہ اس مدح کا مستحق ہے کہ وہ ان عقل مند لوگوں میں سے ہے جن کو اس خطاب میں مخاطب کیا گیا ہے اور جن کو رب ارباب نے پکارا ہے۔ سوچنے سمجھنے والے لوگوں کے لیے یہی فضیلت اور شرف کافی ہے۔ فرمایا: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ ”تا کہ تم متقی بن جاؤ“ اور یہ تقویٰ اس طرح حاصل ہوتا ہے کہ جو شخص اپنے رب کو اور اس کے دین و شریعت کے بڑے بڑے اسرار انوکھی حکمتوں اور بلند مرتبہ نشانیوں کو پہچان لیتا ہے تو اس کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دے اس کی نافرمانیوں کو بہت بڑی چیز سمجھتے ہوئے انہیں ترک کر دے۔ تب وہ اس بات کا مستحق ہو جاتا ہے کہ اسے اہل تقویٰ میں شمار کیا جائے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا مِّمَّا الْوَصِيَّةُ

لِوَالِدَيْهِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۱۸﴾

واسطے والدین کے اور قرابت داروں کے موافق دستور کے یہ حق ہے متقیوں پر جو شخص بدل دے اس (وصیت) کو

بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۸﴾

بعد اسکے کہ وہ سن چکا ہے تو یقیناً اس کا گناہ انہی لوگوں پر ہے جو بدلیں گے اس کو بلاشبہ اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے

فَمَنْ خَافَ مِنْ مَوْصٍ جَنَفًا أَوْ إِشْمًا فَاصْلَحْ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ

پس جو شخص خوف کرے وصیت کرنے والے کی طرف سے حق تلفی یا گناہ کا پھر وہ اصلاح کر دے انکے درمیان، تو نہیں ہے کوئی گناہ

عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۸﴾

اس پر بے شک اللہ بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے

یعنی اے مومنوں کے گروہ جب تم میں سے کسی کی موت کا وقت قریب آجائے، یعنی جب موت کے اسباب، مثلاً مہلک مرض اور دیگر ہلاکت خیز اسباب قریب آجائیں تو اللہ تعالیٰ نے تم پر (وصیت) فرض کی ہے۔ ﴿وَإِنْ تَرَكَ خَيْرًا﴾ ”اگر اس نے مال چھوڑا ہو“ (خیر) عرف میں مال کثیر کو کہا جاتا ہے، پس اس پر واجب ہے کہ وہ اپنے والدین اور ان لوگوں کے لیے جو سب سے زیادہ اس کی نیکی کے مستحق ہیں اپنے حال اور طاقت کے مطابق بغیر کسی اسراف کے وصیت کرے۔ علاوہ ازیں قریبی رشتہ داروں کو چھوڑ کر صرف دور کے رشتہ داروں کے لیے ہی وصیت نہ کرے، بلکہ وصیت کو ضرورت اور قرابت مندی کے تقاضوں کے مطابق ترتیب دے، اسی لیے اسم تفضیل کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ (یعنی اقربین جس کا مطلب یہ ہے کہ جو جتنا زیادہ قریب ہے، وہ اتنا ہی زیادہ تمہارے مال میں استحقاق رکھتا ہے) اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ﴾ ”یہ حکم لازم ہے پرہیزگاروں پر“ وصیت کے واجب ہونے پر دلالت کرتا ہے، کیونکہ وہ حق ثابت ہے اور اس کو اللہ تعالیٰ نے موجبات تقویٰ میں شمار کیا ہے۔

جان لیجئے کہ جمہور مفسرین کی رائے یہ ہے کہ اس آیت کو میراث کی آیت نے منسوخ کر دیا ہے اور بعض کی رائے یہ ہے کہ اس آیت میں وصیت کا حکم والدین اور غیر وارث رشتہ داروں کے لیے ہے حالانکہ ایسی کوئی دلیل نہیں جو اس تخصیص پر دلالت کرتی ہو۔ اس ضمن میں بہترین رائے یہ ہے کہ یہ وصیت مجمل طور پر والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے ہے، پھر اس کو اللہ تعالیٰ نے عرف جاری کی طرف لوٹا دیا۔ پھر اس اجمالی حکم کے بعد اللہ تعالیٰ نے وارث والدین اور وارث رشتہ داروں کے لیے اس معروف کو آیات میراث میں مقدر فرما دیا (یعنی ان کے حصوں کا تعین فرما دیا) اور وصیت کا حکم ان والدین اور رشتہ داروں کے لیے باقی رہ گیا جو وراثت سے محروم ہو رہے ہوں تو وصیت کرنے والا ان کے حق میں وصیت کرنے پر مامور ہے اور یہ لوگ اس کی نیکی کے سب سے زیادہ محتاج ہیں۔ اس قول پر تمام امت متفق ہو سکتی ہے اور اس سے سابقہ دونوں اقوال میں تطبیق بھی ہو جاتی ہے، کیونکہ دونوں فریقوں نے اس آیت کو اپنے اپنے نقطہ نظر سے دیکھا اور اختلاف کا باعث بنے۔ اس تطبیق سے اتفاق اور دونوں آیات میں مطابقت حاصل ہو جاتی ہے۔ کیونکہ دونوں آیتوں میں جمع و تطبیق ممکن ہے اور دونوں آیتوں کے درمیان تطبیق نسخ کے اس دعوے سے بہتر ہے جس کی تائید میں کوئی صحیح دلیل نہ ہو۔

بسا اوقات وصیت کرنے والا اس وہم کی بنا پر وصیت کرنے سے گریز کرتا ہے کہ کہیں پسماندگان وصیت کو تبدیل نہ کر دیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَمَنْ بَدَّلَهُ﴾ ”پس جو شخص اس (وصیت) کو بدل ڈالے۔“ یعنی جو کوئی اس وصیت کو بدلتا ہے جو ان مذکور لوگوں یا دیگر لوگوں کے حق میں کی گئی ہے ﴿بَعْدَ مَا سَمِعَهُ﴾ ”اس کو سننے کے بعد“ یعنی اس وصیت کو سمجھ لینے اور اس کے طریقوں اور اس کے نفاذ کو اچھی طرح جان لینے کے بعد جو کوئی اس کو تبدیل کرتا ہے ﴿فَالِئِمَّا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يَبْدِلُونَهُ﴾ ”تو اس کا گناہ صرف انہی لوگوں پر ہے جو انہیں

تبدیل کرتے ہیں۔ ورنہ وصیت کرنے والا تو اللہ تعالیٰ کے اجر کا مستحق ہو گیا۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ﴾ ”بے شک اللہ سنتا ہے۔“ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ تمام آوازوں کو سنتا ہے۔ اسی طرح وہ وصیت کرنے والے کی بات اور وصیت کو بھی سنتا ہے۔ پس وہ اس ہستی کا خوف کھاتے ہوئے جو اسے دیکھ اور سن رہی ہے اپنی وصیت میں ظلم اور زیادتی کا ارتکاب نہ کرے۔ ﴿عَلِيمٌ﴾ وہ وصیت کرنے والے کی نیت کو جانتا ہے اور اس شخص کے عمل کو بھی جس کو یہ وصیت کی گئی ہے۔

جب وصیت کرنے والا پوری کوشش سے کام لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی نیت کو جانتا ہے تو اسے اپنی نیت کا ثواب ملتا ہے۔ خواہ اس سے خطا ہی کیوں نہ واقع ہو۔ اس آیت کریمہ میں اس شخص کے لیے تشبیہ ہے جس کو وصیت کی گئی ہو کہ وہ اس میں تبدیلی سے باز رہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے اس کے فعل سے وہ باخبر ہے۔ پس اسے اللہ تعالیٰ سے ڈرنا چاہئے۔ یہ تو تھا وصیت عادلہ کا حکم رہی وہ وصیت جو ظلم اور گناہ کی بنیاد پر کی گئی ہو تو وصیت کے وقت جو کوئی وصیت کرنے والے کے پاس موجود ہوا سے چاہئے کہ وہ اسے اس امر کی نصیحت کرے جو بہتر اور زیادہ قرین عدل ہو اور اسے ظلم کرنے سے روکے۔ (الجَنَفُ) سے مراد بغیر کسی ارادے کے غلطی سے وصیت میں ظلم کا ارتکاب کرنا اور (الْإِثْمُ) سے مراد عداً ظلم کرنا ہے۔ اگر اس نے وصیت کے وقت وصیت کرنے والے کو (غلط وصیت کرنے سے) نہیں روکا تو اس کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ ان لوگوں کے مابین صلح کروا دے جن کو وصیت کی گئی ہے۔ ان کی باہمی رضامندی اور مصالحت کے ذریعے سے ان کے درمیان عدل و انصاف کا اہتمام کرے اور ان کو وعظ و نصیحت کرے کہ وہ اپنے مرنے والے کی ذمہ داری کو پورا کریں۔ باہمی صلح کروانے والے کا یہ فعل بہت بڑی نیکی ہے اور ان پر کوئی گناہ نہیں جیسے اس شخص کو گناہ ہوتا ہے جو جائز وصیت کو تبدیل کرتا ہے۔ بنا بریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ تمام لغزشوں کو معاف کر دیتا ہے۔ اس شخص کی غلطیوں سے درگزر کرتا ہے جو توبہ کر کے اس کی طرف لوٹتا ہے وہ اس شخص کو بھی اپنی مغفرت سے نوازے گا جو اپنی ذات سے صرف نظر کر کے اپنا کچھ حق اپنے بھائی کے لیے چھوڑ دیتا ہے اس لیے کہ جو نرمی اختیار کرتا ہے اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ نرمی اختیار کرتا ہے۔ اسی طرح وہ اس مرنے والے کو بھی بخش دینے والا ہے جو اپنی وصیت میں ظلم کا ارتکاب کر گیا ہے بشرطیکہ اس کے ورثا اس کو بری الذمہ کرنے کی خاطر اللہ کی رضا کے لیے آپس میں نرمی اور درگزر کا معاملہ اختیار کریں۔ ﴿رَحِيمٌ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر نہایت رحم کرنے والا ہے، کیونکہ اس نے اپنے بندوں پر ہر معاملہ اس طرح شروع کیا ہے کہ وہ اس کے ذریعے سے ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی اور نرمی سے معاملہ کریں۔ یہ آیات کریمہ وصیت کی ترغیب پر دلالت کرتی ہیں نیز اس امر پر بھی دلالت کرتی ہیں کہ جس شخص کے لیے وصیت کی گئی ہے اس کو بیان کیا جائے اور ان میں اس شخص کے لیے سخت

وعید ہے جو جائز وصیت میں تغیر و تبدل کا مرتکب ہوتا ہے۔ اور ظلم پر مبنی وصیت میں اصلاح کرنے کی ترغیب ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ
 اے لوگو جو ایمان لائے ہو! لکھ دیا گیا ہے تم پر روزہ رکھنا جس طرح لکھا گیا (تھا) ان لوگوں پر جو تم سے پہلے تھے
 لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۸۳﴾ أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ
 شاید کہ تم متقی بن جاؤ ○ چند دن گنتی کے پس جو ہو تم میں سے بیمار یا سفر پر
 فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ
 تو گنتی (پوری کرنی) ہے دوسرے دنوں سے اور اوپر ان لوگوں کے جو طاقت رکھتے ہیں اس کی فدیہ ہے کھانا ایک مسکین کا
 فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَهُ وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَكُمْ إِنْ
 پھر جو کوئی خوشی سے کرے نیکی تو وہ زیادہ بہتر ہے اس کے لیے اور تمہارا روزہ رکھنا بہت بہتر ہے تمہارے لیے اگر
 كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۴﴾ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى
 ہو تم علم رکھتے ○ مہینہ رمضان کا وہ ہے کہ نازل کیا گیا اس میں قرآن ہدایت ہے
 لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ
 واسطے لوگوں کے اور واضح دلیلین ہدایت کی اور حق کو باطل سے جدا کرنے کی پس جو شخص حاضر ہو تم میں سے اس مہینے میں
 فَلْيَصُمْهُ وَمَنْ كَانَ مَرِيضًا أَوْ عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ يُرِيدُ
 تو چاہیے کہ روزے رکھے وہ اس کے اور جو شخص ہو بیمار یا سفر پر تو گنتی (پوری کرنی) ہے دوسرے دنوں سے چاہتا ہے
 اللَّهُ بِكُمْ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللَّهَ
 اللہ تمہارے ساتھ آسانی اور نہیں چاہتا وہ تمہارے ساتھ تنگی اور تاکہ تم پوری کرو گنتی اور تاکہ تم بڑائی (بیان) کرو اللہ کی
 عَلَى مَا هَدَاكُمْ وَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۸۵﴾

اس پر کہ ہدایت دی اس نے تمہیں اور شاید کہ تم شکر کرو ○

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ اس نے اپنے بندوں پر احسان فرماتے ہوئے ان پر روزے فرض کئے جس طرح اس نے پہلی امتوں پر روزے فرض کئے تھے، کیونکہ روزے کا تعلق ایسی شرائع اور اوامر سے ہے جو ہر زمانے میں مخلوق کی بھلائی پر مبنی ہیں۔ نیز روزے اس امت کو اس جرأت پر آمادہ کرتے ہیں کہ وہ اعمال کی تکمیل اور خصائل حسنہ کی طرف سبقت کرنے میں دوسرے لوگوں سے مقابلہ کریں، نیز روزے بوجھل اعمال میں سے نہیں ہیں جن کا صرف تمہیں ہی بطور خاص حکم دیا گیا ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے روزے کی مشروعیت کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ تاکہ تم متقی بن جاؤ۔ کیونکہ روزہ تقویٰ کا سب سے بڑا سبب ہے۔

اس لیے کہ روزے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی کامل اطاعت اور اس کی نہی سے مکمل اجتناب ہے۔ پس یہ آیت کریمہ تقویٰ کے جن امور پر مشتمل ہے وہ یہ ہیں کہ روزہ دار کھانا پینا اور جماع وغیرہ اور ان تمام چیزوں کو چھوڑ دیتا ہے جنہیں وقتی طور پر اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے حرام قرار دیا ہے اور جن کی طرف نفس کا میلان ہوتا ہے، لیکن وہ صرف تقرب الہی اور ثواب کی امید پر ان چیزوں کو ترک کر دیتا ہے اور یہی تقویٰ ہے۔

روزے دار اپنے نفس کو یہ تربیت دیتا ہے کہ وہ ہر وقت اللہ کی نگرانی میں ہے، چنانچہ وہ اپنی خواہشات نفس کو پورا کرنے کی قدرت رکھنے کے باوجود انہیں ترک کر دیتا ہے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ ان پر مطلع ہے۔ روزہ شیطان کی راہوں کو تنگ کر دیتا ہے۔ شیطان ابن آدم کے اندریوں گردش کرتا ہے جیسے اس کی رگوں میں خون گردش کرتا ہے۔ روزے کے ذریعے سے شیطان کا اثر و نفوذ کمزور پڑ جاتا ہے اور گناہ کم ہو جاتے ہیں۔ غالب حالات میں روزہ دار کی نیکیوں میں اضافہ ہو جاتا ہے اور نیکیاں تقویٰ کے خصائل میں شمار ہوتی ہیں۔ جب خوشحال روزہ دار بھوک کی تکلیف کا مزہ اچکھ لیتا ہے تو یہ چیز محتاجوں اور ناداروں کی نمکساری اور دستگیری کی موجب بنتی ہے اور یہ بھی تقویٰ کی ایک خصلت ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے اہل ایمان پر روزے فرض کر دیئے اس لیے یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ گنتی کے چند روزے ہیں۔ سہولت کی خاطر ان کی تعداد بہت تھوڑی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک اور سہولت عطا کر دی، چنانچہ فرمایا: ﴿فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ أُخَرَ﴾ ”پس جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا سفر میں ہو تو دوسرے دنوں میں روزوں کی تعداد پوری کر لے۔“ چونکہ غالب طور پر مریض کو اور مسافر کو دوران سفر مشقت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان دنوں کو روزہ چھوڑنے کی رخصت عطا کر دی ہے۔ چونکہ روزے کی منفعت و مصلحت کا حصول ہر مومن کا مطلوب و مقصود ہے۔ اس لیے مریض اور مسافر کو حکم دیا کہ جب مرض جاتا رہے اور سفر ختم ہو جائے اور انسان کو راحت حاصل ہو جائے تو چھوڑے ہوئے روزوں کی قضا دیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ أَيَّامٍ﴾ میں اس بات کی دلیل ہے کہ رمضان کے دنوں کی گنتی کی قضا دی جائے خواہ رمضان پورا ہو یا ناقص۔ نیز اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ گرمیوں کے طویل دنوں کی قضا سردیوں کے چھوٹے دنوں میں دی جاسکتی ہے اور اس کے برعکس چھوٹے دنوں کی قضا بڑے دنوں میں دی جاسکتی ہے۔

﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ﴾ ”اور ان لوگوں پر جو اس کی طاقت رکھتے ہوں۔“ یعنی جو روزے رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں، لیکن اس کے باوجود وہ روزہ نہ رکھیں، تو وہ ﴿فَذَيْبَةٌ﴾ ”فدیہ دیں“ ﴿طَعَامٌ مِّنْ سَكِينٍ﴾ ”ایک

مسکین کا کھانا۔“ یعنی ایک روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔ یہ حکم روزوں کے فرض ہونے کی ابتدا میں تھا چونکہ انہیں روزے رکھنے کی عادت نہیں تھی اور روزے ان پر فرض تھے تاہم اس میں ان کے لیے مشقت تھی اس لیے رب حکیم نے نہایت آسان طریقے کے ساتھ انہیں اس راستے پر لگایا اور روزے کی طاقت رکھنے والے کو اللہ نے اختیار دے دیا کہ چاہے تو روزہ رکھ لے اور چاہے تو ایک روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلا دے۔ مگر روزہ رکھنا افضل ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿وَأَنْ تَصُومُوا خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ ”اگر تم روزہ رکھو تو تمہارے لیے بہتر ہے۔“ اس کے بعد اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر اس مسلمان پر روزہ رکھنا فرض کر دیا جو روزہ رکھنے کی طاقت رکھتا ہو اور طاقت نہ رکھنے والے شخص کو روزہ چھوڑنے اور دوسرے دنوں میں اس کی قضا دینے کی رخصت دے دی۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ﴿وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ﴾ کا معنی یہ ہے کہ وہ لوگ جو بہت تکلیف سے روزہ رکھتے ہیں۔ یعنی وہ روزے کی مشقت کے تحمل نہیں جیسے بہت بوڑھا وغیرہ تو وہ روزہ کے بدلے میں ایک مسکین کو کھانا کھلائے اور یہی مسلک صحیح ہے۔

﴿شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ﴾ ”رمضان کا مہینہ جس میں قرآن نازل ہوا۔“ یعنی جو روزے تم پر فرض کئے ہیں وہ رمضان کے روزے ہیں یہ ایک ایسا عظمت والا مہینہ ہے جس میں تمہیں اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل حاصل ہوا، یعنی قرآن کریم جو تمہارے دینی اور دنیاوی مصالح کی طرف رہنمائی پر مشتمل ہے۔ جو حق کو نہایت وضاحت سے بیان کرتا ہے اور جو حق اور باطل ہدایت اور گمراہی اور خوش بخت اور بد بخت لوگوں کے درمیان پرکھ کرنے کی کسوٹی ہے۔ وہ مہینہ جس کی یہ فضیلت ہو جس میں تم پر اللہ تعالیٰ کا اس قدر احسان اور فضل ہو اس بات کا مستحق ہے کہ وہ بندوں کے لیے نیکیوں کا مہینہ بنے اور اس کے اندر روزے فرض کئے جائیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس مہینہ کو روزوں کے لیے مقرر کر دیا اور اس نے اس کی فضیلت اور روزوں کے لیے اس کو مختص کرنے کی حکمت کو واضح کر دیا تو فرمایا: ﴿فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ﴾ ”پس جو تم میں سے اس مہینے کو پالے تو وہ اس کے روزے رکھے“ اس آیت کریمہ میں یہ بات متعین کر دی گئی کہ ہر صحت مند شخص جو سفر میں نہ ہو اور روزے رکھنے کی طاقت رکھتا ہو وہ رمضان کے روزے رکھے۔

چونکہ نسخ کا تعلق اس اختیار سے ہے جو خاص طور پر روزہ رکھنے اور نہ دینے کے درمیان دیا گیا تھا اس لیے مریض اور مسافر کے لیے رخصت کو دوبارہ بیان کر دیا گیا، تاکہ اس وہم کا ازالہ ہو جائے کہ مریض اور مسافر کے لیے بھی رخصت منسوخ ہو گئی ہے۔ پس فرمایا: ﴿يُرِيدُ اللَّهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيدُ بِكُمُ الْعُسْرَ﴾ ”اللہ تمہارے ساتھ آسانی کا ارادہ کرتا ہے، تم پر سختی کرنا نہیں چاہتا،“ یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ تم پر اپنی رضا کے راستے حد درجہ آسان کر دے۔ اس لیے ان تمام امور کو جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض قرار دیا ہے اصل

میں حد درجہ آسان بنایا ہے اور جب کوئی ایسا عارضہ پیش آجائے جو ان کی ادائیگی کو مشکل اور بوجھل بنا دے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک اور طرح سے آسان کر دیا۔ یا تو سرے سے اس فرض ہی کو ساقط کر دیا یا ان میں مختلف قسم کی تخفیفات سے نواز دیا۔ یہ اس (آسانی) کا اجمالاً ذکر ہے۔ یہاں تفصیل بیان کرنا ممکن نہیں، کیونکہ اس کی تفصیل تمام شریعات کا احاطہ کئے ہوئے ہیں اور ان شریعات میں تمام رحمتیں اور تخفیفات شامل ہیں۔

﴿وَلِتُكْمِلُوا الْحَدِيثَ﴾ اور تاکہ تم اس کی گنتی کو پورا کرو۔ اس آیت کریمہ کا مقصد یہ ہے۔ واللہ اعلم۔ کہ کوئی شخص اس وہم میں مبتلا نہ ہو کہ رمضان کے چند روزے رکھنے سے مقصود و مطلوب حاصل ہو سکتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں روزوں کی تکمیل کے حکم کے ذریعے سے اس وہم کا ازالہ کر دیا گیا، نیز حکم دیا گیا کہ روزوں کے مکمل ہونے پر بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی توفیق، سہولت اور تمہین کا شکر ادا کیا جائے۔ رمضان کے اختتام اور روزوں کے پورے ہونے پر تکبیریں کہی جائیں۔ اس حکم میں وہ تمام تکبیریں شامل ہیں جو شوال کا چاند دیکھ کر خطبہ عید سے فراغت تک کہی جاتی ہیں۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا

اور جب سوال کریں آپ سے میرے بندے میرے بارے میں تو بلاشبہ میں قریب ہوں قبول کرتا ہوں میں پکارنے والے کی پکار جب

دَعَانٍ ۚ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿۱۸۷﴾

بھی وہ مجھے پکارے پس چاہیے کہ مانیں وہ (بھی) میرا حکم اور ایمان لائیں مجھ پر تاکہ وہ ہدایت پائیں ○

رسول اللہ ﷺ سے بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا ”کیا ہمارا رب قریب ہے کہ ہم اس سے سرگوشی کے انداز میں مناجات کریں یا وہ دور ہے کہ ہم اسے پکاریں؟“ اس سوال کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی ﴿وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ﴾ اور جب تجھ سے میرے بندے میری بابت پوچھیں تو (ان کو بتلا دیں کہ) میں قریب ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کی گہمبانی کرنے والا اور اسے دیکھنے والا ہے وہ ہر بھید اور ہر چھپی ہوئی چیز کی اطلاع رکھتا ہے۔ وہ آنکھوں کی خیانت اور سینوں میں مدفون رازوں کو جانتا ہے۔ وہ دعا قبول کرنے کے اعتبار سے بھی پکارنے والے کے قریب ہے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانٍ﴾ جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی دعا قبول کرتا ہوں۔ دعا کی دو اقسام ہیں۔ (۱) دعائے عبادت۔ (۲) دعائے سوال۔ اسی طرح قرب کی بھی دو قسمیں ہیں۔ (۱) اپنے علم کے اعتبار سے اپنی تمام مخلوق کے قریب ہونا۔ (۲) دعا کی قبولیت، مدد اور توفیق کے ساتھ اپنے عبادت گزار بندوں اور پکارنے والے کے قریب ہونا۔

جو کوئی حضور قلب کے ساتھ اپنے رب سے کوئی ایسی دعا کرتا ہے جو شروع ہو اور قبولیت دعائیں کوئی مانع بھی نہ ہو، مثلاً حرام کھانا وغیرہ، تو اللہ تعالیٰ نے ایسی دعا قبول کرنے کا وعدہ فرمایا ہے۔ خاص طور پر جب بندہ ایسے

اسباب اختیار کرتا ہے جو اجابت دعا کے موجب ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ کے قولی اور فعلی اوامر و نواہی کے سامنے سرافگندہ ہونا اور اس پر ایمان لانا جو قبولیت دعا کا موجب ہے۔ بنا بریں فرمایا: ﴿فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ﴾ ”پس ان کو چاہیے کہ وہ میری بات مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ راہ راست پالیں“ یعنی ان کو وہ رشد عطا ہوگی جو ایمان اور اعمال صالحہ اختیار کرنے کا نام ہے اور ان سے وہ گمراہی زائل ہو جائے گی جو ایمان اور اعمال صالحہ کے منافی ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا اور اس کے احکام کی اطاعت کرنا حصول علم کا سبب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ تَثَقُّوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا﴾ (الانفال: ۲۹/۱۸) ”اے ایمان دارو! اگر تم اللہ سے ڈرو تو وہ تمہارے لیے حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے والی کسوٹی بہم پہنچا دے گا۔“

أَحَلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَى نِسَائِكُمْ هُنَّ لِبَاسٍ لَكُمْ وَأَنْتُمْ لِبَاسٍ
 حلال کر دیا گیا ہے تمہارے لیے روزے کی رات کو صحبت کرنا اپنی عورتوں کے ساتھ وہ لباس ہیں تمہارے لیے اور تم لباس ہو
 لَهُنَّ عَلِمَ اللَّهُ أَنْكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُونَ أَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ
 ان کے لئے جان لیا اللہ نے کہ بیشک تھے تم خیانت کرتے اپنے نفسوں کی سو اس نے توجہ فرمائی تم پر اور معاف کر دیا تمہیں
 فَالَّذِينَ بَأْشَرُوا هُنَّ وَأَبْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّى يَتَبَيَّنَ
 پس اب مباشرت کرو تم ان سے اور تلاش کرو اس کو جو لکھ دیا ہے اللہ نے تمہارے لیے اور کھاؤ اور پیو حتیٰ کہ ظاہر ہو جائے
 لَكُمْ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ثُمَّ أَتُوا الصِّيَامَ
 واسطے تمہارے دھاری سفید، سیاہ دھاری سے یعنی فجر ہو جائے پھر پورا کرو تم روزے کو
 إِلَى اللَّيْلِ وَلَا تَبَاشَرُوا هُنَّ وَأَنْتُمْ عَاكِفُونَ فِي الْمَسْجِدِ تِلْكَ حُدُودُ
 رات تک اور نہ مباشرت (صحبت) کرو تم اپنی عورتوں سے جبکہ تم اعکاف کرنے والے ہو مسجدوں میں یہ حدیں ہیں
 اللَّهِ فَلَا تَقْرَبُوهَا ط كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۳۸﴾
 اللہ کی سومت قریب جاؤ تم ان کے اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ اپنی آیتیں لوگوں کے لئے شاید کہ وہ متقی بنیں ○

روزوں کے فرض کئے جانے کے بعد شروع شروع میں مسلمانوں پر رات کے وقت سو جانے کے بعد کھانا پینا اور جماع وغیرہ حرام تھا بنا بریں بعض اصحاب کے لیے یہ چیز مشقت کا باعث ہوئی چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اس حکم میں تخفیف فرمادی اور رمضان کی راتوں میں ان کے لیے کھانا پینا اور جماع مباح قرار دے دیا۔ خواہ وہ سویا ہو یا نہ سویا ہو اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ کچھ ایسے امور کو ترک کر کے جن کا انہیں حکم دیا گیا تھا اپنے نفسوں کے ساتھ خیانت کرتے تھے۔ ﴿فَتَابَ عَلَيْكُمْ﴾ ”پس اس (اللہ تعالیٰ) نے تم پر رجوع کیا“ بایں طور کہ اس نے

تمہارے لیے اس معاملے میں وسعت پیدا کر دی اگر اس میں یہ وسعت پیدا نہ کی جاتی تو یہ معاملہ گناہ کا موجب بنتا۔ ﴿وَعَفَا عَنكُمْ﴾ اور تم سے درگزر فرمایا، یعنی جو کچھ خیانت ہو چکی اللہ تعالیٰ نے اس پر تمہیں معاف کر دیا ﴿فَالْتَن﴾ ”پس اب“، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس رخصت اور وسعت کے بعد ﴿بِأَشْرُوهُنَّ﴾ ”ان سے مباشرت کرو۔“ یعنی اپنی بیویوں کے ساتھ مباشرت یعنی جماع، بوس و کنار اور لمس وغیرہ کرو۔ ﴿وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ﴾ ”اور اس چیز کو تلاش کرو جو اللہ نے تمہارے لیے لکھی ہے، یعنی اپنی بیویوں کے ساتھ مباشرت میں تقرب الہی اور جماع کے سب سے بڑے مقصد کو مد نظر رکھو۔ اور وہ ہے حصول اولاد خود اپنی اور اپنی بیوی کی عفت کی حفاظت اور نکاح کے مقاصد کا حصول۔ نیز رمضان کی راتوں میں اللہ تعالیٰ نے شب قدر کی موافقت کو جو تمہارے لیے مقرر کر رکھا ہے (اس کے حصول کی کوشش کرو) اور تمہارے شایاں نہیں کہ تم شب قدر کے حصول کی کوشش کو چھوڑ کر اس لذت میں مصروف ہو جاؤ اور شب قدر کو ضائع کر دو یہ لذت تو پھر بھی حاصل ہو سکتی ہے لیکن اگر شب قدر کے حصول کی فضیلت سے محروم ہو گئے تو یہ فضیلت کبھی حاصل نہیں ہو سکے گی۔

﴿وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ﴾ ”اور کھاؤ اور پیو“ یہاں تک کہ سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے واضح (یعنی) فجر ہو جائے، یہ کھانے پینے اور جماع کے وقت کی آخری حد ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس امر کی دلیل ہے کہ طلوع فجر کے وقت میں کچھ شک ہو تو اس وقت میں کچھ کھانی لیا جائے تو کوئی حرج نہیں۔ یہ آیت سحری کھانے کے استحباب پر بھی دلیل ہے، کیونکہ اس میں کھانے پینے کے لیے امر کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ سحری کے وقت کھانے پینے میں تاخیر کی جائے۔ یعنی آخری وقت میں سحری کھائی جائے، کیونکہ سحری کا حکم اللہ نے لوگوں کی آسانی ہی کے لیے دیا ہے اس لیے اس میں جتنی تاخیر کی جائے گی اتنی ہی سہولت بھی زیادہ ہوگی۔

اس میں اس امر کے جواز کی بھی دلیل ہے کہ اگر جماع کی وجہ سے حالت جنابت میں انتہائے سحر ہو جائے اور وہ غسل نہ کر سکا ہو تو اس کا روزہ صحیح ہے اس لیے کہ طلوع فجر تک جماع کی اباحت کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ جب فجر ہوگی تو وہ اس وقت جنبی ہوگا اور حق کو لازم ہونے والا امر بھی حق ہوتا ہے۔

﴿ثُمَّ﴾ ”پھر“، یعنی جب فجر طلوع ہو جائے ﴿آتَمُوا الصِّيَامَ﴾ ”تو روزے کو پورا کرو“، یعنی روزہ توڑنے والے افعال کے ارتکاب سے رکے رہو ﴿إِلَى الْآيِلِ﴾ ”رات تک“، یعنی غروب آفتاب تک۔ رمضان کی راتوں میں جماع کی جواز دی گئی ہے چونکہ یہ ہر شخص کے لیے عام نہیں، کیونکہ اعتکاف میں بیٹھے والے کے لیے جماع جائز نہیں چنانچہ اس استثناء کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: ﴿وَلَا تَبَايَسُوا وَهَنَّ﴾ ”اور جب مسجدوں میں اعتکاف بیٹھے ہو تو ان سے مباشرت نہ کرو۔“ یعنی جب تم اعتکاف کی صفت سے

متصف ہو تو تم اپنی بیویوں سے مباشرت (ہم بستری بوس و کنار وغیرہ) نہ کرو۔ یہ آیت کریمہ اعتکاف کی مشروعیت پر دلالت کرتی ہے اور وہ ہے دنیاوی امور سے منقطع ہو کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی خاطر مسجد میں گوشہ گیر ہو جانا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مسجد کے سوا کسی اور جگہ اعتکاف صحیح نہیں اور مساجد کی تعریف سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ یہاں مساجد سے مراد وہ مساجد ہیں جو مسلمانوں کے ہاں معروف ہیں اور یہ وہ مساجد ہیں جہاں پانچ وقت جماعت ہوتی ہو۔

نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جماع ان امور میں سے ہے جن سے اعتکاف فاسد ہو جاتا ہے۔ یہ تمام مذکورہ امور مثلاً روزے کی حالت میں کھانے پینے اور جماع کی ممانعت جن سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے غیر معذور کے لیے روزہ چھوڑ دینے کی ممانعت اور اعتکاف میں بیٹھنے والے کے لیے جماع کی حرمت وغیرہ ﴿حُدُودَ اللَّهِ﴾ ”اللہ کی حدیں ہیں“ جنہیں اس نے بندوں کے لیے مقرر کیا ہے اور ان کو توڑنے سے انہیں منع کیا ہے۔ ﴿فَلَا تَقْرُبُوهَا﴾ ”پس تم ان کے قریب مت جاؤ“ اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿فَلَا تَفْعَلُوهَا﴾ ”پس تم ان کا ارتکاب مت کرو“ سے زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ ”قریب جانے“ کے لفظ میں نفس فعل کی حرمت اور اس فعل حرام تک پہنچانے والے وسائل و ذرائع کی حرمت سب شامل ہیں اور بندہ مؤمن تمام محرمات کو ترک کرنے حتی الامکان ان سے دور رہنے اور ان تمام اسباب کو ترک کرنے پر مامور ہے جو ان محرمات کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

رہے اوامر تو اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں فرماتا ہے: ﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا﴾ (البقرہ: ۲۲۹) ”یہ اللہ کی مقرر کی ہوئی حدیں ہیں ان سے تجاوز نہ کرو۔“ پس اللہ تعالیٰ نے ان حدود سے باہر نکلنے سے روک دیا۔ ﴿كَذَلِكَ﴾ ”اسی طرح“ یعنی جیسے اللہ تعالیٰ نے گزشتہ احکام کو اپنے بندوں کے سامنے اچھی طرح بیان اور مکمل طور پر واضح کر دیا ہے ﴿يَسِّرُ اللَّهُ آيَاتِهِ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴾ ”اللہ بیان کرتا ہے اپنی نشانیاں لوگوں کے لیے تاکہ وہ بچیں“ اس لیے کہ جب حق ان کے لیے واضح ہو جائے گا تو وہ اس کی پیروی کریں گے اسی طرح جب باطل ان کے سامنے عیاں ہو جائے گا تو وہ اس سے اجتناب کریں گے، کیونکہ کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ انسان فعل حرام کا ارتکاب محض اس وجہ سے کر بیٹھتا ہے کہ اسے اس کے حرام ہونے کا علم نہیں ہوتا، اگر اسے اس کی حرمت کا علم ہوتا، تو وہ کبھی اس کا ارتکاب نہ کرتا اور جب اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے اپنی آیات کو کھول کھول کر بیان کر دیا، تو ان کے پاس کوئی عذر اور کوئی حجت باقی نہ رہی اور یہ چیز تقویٰ کا سبب ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوا بِهَآ إِلَى الْحُكْمِ لِتَأْكُلُوا

اور نہ کھاؤ تم اپنے مال آپس میں ناجائز طریقے سے اور (نہ) لے جاؤ ان کو حاکموں کی طرف تاکہ کھاؤ تم

فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۱۸۸﴾

کچھ حصہ لوگوں کے مالوں سے ساتھ گناہ کے حالانکہ تم جانتے ہو ○

﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ﴾ اور اپنے مال آپس میں باطل طریقے سے مت کھاؤ“ کھانے سے مراد لینا ہے اور اپنے مال سے مراد دوسرے لوگوں کا مال ہے۔ دوسروں کے مال کو اپنا مال اس لیے کہا کہ مسلمان کے شایاں یہی ہے کہ وہ اپنے بھائی کے لیے وہی کچھ پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے اور اپنے بھائی کے مال کا اسی طرح احترام کرے جس طرح وہ اپنے مال کا احترام کرتا ہے۔ دوسرے کے مال کو اپنا مال کہنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ دوسرے کا مال کھائے گا تو دوسرا شخص بھی جب اس کو قدرت حاصل ہوگی تو اس کا مال کھانے کی جسارت کرے گا۔ (اس لیے کسی دوسرے کا مال کھانا ایسا ہی ہے جیسے وہ اپنا مال کھا رہا ہے) چونکہ مال کھانے کی دو قسمیں ہیں: (۱) حق کے ساتھ مال کھانا۔ (۲) اور باطل طریقے سے مال کھانا اور حرام صرف باطل طریقے سے مال کھانا ہے اس لیے یہاں اس کو ”باطل“ سے مقید کیا ہے اور اس میں غصب کر کے چوری کر کے امانت میں خیانت کر کے اور ادھاری ہوئی چیز کا انکار کر کے مال کھانا سب شامل ہے۔ نیز اس میں وہ معاوضہ بھی شامل ہے جو حرام ہے جیسے سودی لین دین اور ہر قسم کے جوئے سے حاصل شدہ مال، کیونکہ یہ مال کسی جائز معاوضے کے طور پر حاصل نہیں ہوا۔ باطل طریقے سے مال کھانے میں خرید و فروخت اور اجارہ میں دھوکہ اور ملاوٹ کے ذریعے سے حاصل کیا ہوا مال بھی شامل ہے۔ مزدوروں سے کام لینا اور پھر ان کی اجرت کھا جانا بھی باطل طریقے سے مال کھانا ہے۔ اسی طرح ان مزدوروں کا کسی کام کی اجرت لینا اور اس کے عوض پورا کام نہ کرنا بھی حرام کھانا اور باطل ہے۔ ان عبادات اور تقرب الہی کے کاموں پر اجرت لینا جو اس وقت تک صحیح نہیں ہوتیں جب تک ان میں صرف رضائے الہی مقصود نہ ہو باطل طریقے ہی سے مال کھانے میں داخل ہے۔

اس حرام کھانے میں ان لوگوں کا زکوٰۃ، صدقات، اوقاف اور وصیتوں کا مال کھانا بھی داخل ہے جو اس مال کے مستحق نہیں، یا وہ مستحق تو تھے مگر اپنے حق سے زیادہ مال وصول کیا۔

(مال کھانے کی) مذکورہ بالا اور ان جیسی دیگر تمام اقسام باطل طریقے سے مال کھانے کے زمرے میں داخل ہیں۔ جس کا کھانا کسی بھی پہلو سے جائز نہیں۔ حتیٰ کہ اگر اس میں نزاع واقع ہو جائے اور جھگڑا شرعی عدالت میں چلا جائے اور وہ فریق جو باطل طریقے سے مال کھانا چاہتا ہے کوئی ایسی دلیل پیش کرتا ہے جو اصلی حق دار کی دلیل پر غالب آجاتی ہے اور حاکم اس دلیل کی بنیاد پر اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہے۔ (تو عدالتی فیصلے کے باوجود یہ مال حرام اور باطل ہی رہے گا) اس لیے کہ کسی حاکم کا فیصلہ کسی حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہیں کر سکتا، کیونکہ حاکم تو صرف پیش کردہ دلائل سن کر فیصلہ کرتا ہے ورنہ معاملات کے اصل حقائق تو اپنی جگہ موجود رہتے ہیں اس لیے باطل طریقے سے مال ہڑپ کرنے والے کے لیے حاکم کے فیصلے میں کوئی خوشی اور اس مال کے باطل ہونے میں کوئی شبہ اور اس کے لیے کوئی راحت نہیں۔ بنا بریں جو کوئی جھوٹے ثبوت کے ساتھ کوئی جھوٹا مقدمہ حاکم کی عدالت

میں دائر کرتا ہے اور حاکم اس ثبوت کی بنیاد پر اس کے حق میں فیصلہ کر دیتا ہے، تو یہ مال اس شخص کے لیے جائز نہیں اور وہ غیر کے مال کو جانتے بوجھتے باطل اور گناہ کے طریقے سے کھانے کا مرتکب ہوگا، اس لیے وہ سخت ترین سزا اور عقوبت کا مستحق ہے۔ اسی بنا پر جب وکیل کو یہ معلوم ہو جائے کہ اس کا موکل اپنے دعوے میں جھوٹا ہے، تو اس کے لیے اس خائن کی وکالت کرنا جائز نہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَا تَكُنْ لِلْخَائِبِينَ خَصِيمًا﴾ (النساء: ۱۰۵/۴) ”اور خیانت کرنے والوں کی حمایت میں کبھی جھگڑانہ کرنا“۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاهْلَةِ ط قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجَّ ط وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ

سوال کرتے ہیں آپ سے چاندوں کے بارے میں کہہ دیجئے! وہ اوقات مقررہ ہیں واسطے لوگوں کے اور حج کے اور نہیں ہے نیکی یہ کہ

تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ الْبِرَّ مِنَ اتَّقَىٰ ۖ وَأَتُوا الْبُيُوتَ

آؤ تم اپنے گھروں میں ان کے پچھواڑوں کی طرف سے، لیکن نیکی تو (اس کی) ہے جو پرہیزگار ہو اور آؤ تم اپنے گھروں میں

مِنْ أَبْوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۰۸﴾

ان کے دروازوں سے اور ڈرو تم اللہ سے، شاید تم فلاح پاؤ

﴿الْاهْلَةُ﴾ (ہلال) کی جمع ہے، یعنی وہ سوال کرتے ہیں کہ چاند کا کیا فائدہ اور اس میں کیا حکمت ہے یا چاند

کیا چیز ہے؟ ﴿قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ﴾ ”کہہ دیجئے! یہ اوقات مقررہ ہیں لوگوں کے لیے“، یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم سے اسے درج ذیل نظم و تدبیر پر تخلیق کیا ہے۔

مہینے کے آغاز میں چاند بہت باریک اور کمزور سا ظاہر ہوتا ہے۔ پھر مہینے کے نصف تک بڑھتا چلا جاتا ہے۔ پھر گھٹنا شروع ہو جاتا ہے اور مہینے کے پورا ہونے تک گھٹتا رہتا ہے۔ (اس طرح یہ سلسلہ مستقل جاری رہتا ہے) اس میں حکمت یہ ہے کہ لوگ اس ذریعے سے اپنی عبادات کے اوقات، مثلاً روزوں، زکوٰۃ کے اوقات، کفارے اور حج کے اوقات پہچان لیں اور چونکہ حج متعین مہینوں میں ہوتا ہے اور بہت زیادہ وقت اس میں صرف ہوتا ہے اس لیے ﴿وَالْحَجَّ﴾ فرما کر اس کا خصوصی طور پر ذکر کیا، یعنی چاند کے ذریعے سے حج کے مہینوں کا بھی علم ہوتا ہے۔ اسی طرح چاند کے ذریعے سے مدت معینہ پر ادا کئے جانے والے قرض، اجارات، عدت طلاق و وفات اور حمل وغیرہ کی مدت اور اوقات معلوم کئے جاتے ہیں جو کہ مخلوق کی ضرورت ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے چاند کو ایسا حساب بنایا کہ جس سے ہر چھوٹا بڑا اور عالم و جاہل سب معلوم کر لیتے ہیں۔ اگر یہ حساب تقویم شمسی کے ذریعے سے ہوتا تو چند لوگ ہی اس حساب کی معرفت حاصل کر سکتے۔

﴿وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ ظُهُورِهَا﴾ ”نیکی یہ نہیں کہ تم گھروں کو پچھواڑے سے آؤ“ یہ

انصار وغیرہ اور بعض دیگر عربوں کے اس طریقے کی طرف اشارہ ہے کہ جب وہ حج کے لیے احرام باندھ لیتے تھے

تو اپنے گھروں میں دروازوں میں سے داخل نہیں ہوتے تھے (بلکہ پچھواڑے سے داخل ہوتے تھے) اور اسے وہ نیکی اور عبادت تصور کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ ایسا کرنا نیکی نہیں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے مشروع نہیں کیا اور ایسا شخص جو کسی ایسی عبادت کا التزام کرتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے مشروع قرار نہیں دیا، تو وہ بدعت کا ارتکاب کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ دروازوں سے اپنے گھروں میں داخل ہوا کریں، کیونکہ اسی میں ان کے لیے سہولت ہے جو شریعت کے قواعد میں سے ایک قاعدہ ہے۔ اس آیت کریمہ کے اشارہ سے یہ بھی مستفاد ہوتا ہے کہ تمام معاملات میں مناسب یہی ہے کہ انسان آسان اور قریب ترین راستہ استعمال کرے جسے اس منزل تک پہنچنے کے لیے مقرر کیا گیا ہو۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ سرانجام دینے والے کو چاہئے کہ وہ مامور کے احوال کو مد نظر رکھے۔ نرمی اور ایسی حکمت عملی سے کام لے جس سے پورا مقصد یا اس سے کچھ حصہ حاصل ہو سکتا ہو۔ معلم اور معلم دونوں کو چاہئے کہ وہ اپنے مقصد کے حصول کے لیے قریب ترین اور سہل ترین راستہ استعمال کریں۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو کسی کام کا ارادہ کرتا ہے اور وہ اس کے لیے صحیح راستے سے داخل ہوتا ہے اور ہمیشہ اسی اصول پر عمل کرتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کی مدد سے ضرور اپنے مقصد کو پالے گا۔

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ اور اللہ سے ڈرتے رہو، اور یہی حقیقی نیکی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور وہ ہے دائمی طور پر تقویٰ کا التزام، یعنی اس کے اوامر کے سامنے سراسر اقلندہ ہونا اور اس کی منہیات سے اجتناب کرنا۔ تقویٰ فلاح کا سبب ہے جس کے ذریعے سے مطلوب (جنت) کے حصول میں کامرانی اور ڈرائے گئے امر (عذاب) سے نجات حاصل ہوتی ہے۔ پس جو اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتا اس کے لیے فوز و فلاح کا کوئی راستہ نہیں اور جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے وہی فوز و فلاح اور کامیابی و کامرانی سے شاد کام ہوگا۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ

اور لڑو تم اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو لڑتے ہیں تم سے، اور نہ زیادتی کرو تم، بیشک اللہ نہیں پسند کرتا

الْمُعْتَدِينَ ﴿۱۹﴾ وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ وَأَخْرِجُوهُمْ مِّنْ حَيْثُ أَخْرَجُوكُم

زیادتی کرنے والوں کو اور قتل کرو تم ان کو جہاں پاؤ تم ان کو اور نکال دو تم ان کو جہاں سے نکالا انہوں نے تم کو

وَالْفِتْنَةُ أَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۗ وَلَا تُقَاتِلُوهُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتَّىٰ

اور فتنہ زیادہ سخت ہے قتل سے، اور نہ لڑو تم ان سے نزدیک مسجد حرام کے یہاں تک کہ

يُقَاتِلُوكُمْ فِيهِ ۖ فَإِنْ قَاتَلُوكُمْ فَاقْتُلُوهُمْ ۗ كَذٰلِكَ جَزَاءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۰﴾ فَإِنْ أَنْتَهُوْا

لڑیں وہ تم سے اس میں پس اگر وہ لڑیں تم سے، تو قتل کرو تم ان کو اسی طرح ہے سزا کافروں کی ○ پھر اگر وہ باز آ جائیں

فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۹۱﴾ وَقَتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ

تو بلاشبہ اللہ ہے بہت بخشنے والا بزرگم کرنے والا ○ اور لڑو تم ان سے یہاں تک کہ نہ رہے فتنہ اور ہو جائے دین صرف اللہ کے لئے

فَإِنْ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ ﴿۱۹۲﴾

پھر اگر وہ باز آجائیں تو نہیں ہے زیادتی مگر اوپر ظالموں کے ○

یہ آیات کریمہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد اور قتال کو متضمن ہیں اور مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کے بعد جب مسلمان طاقتور ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس قتال کا حکم دیا جب کہ اس سے قبل ان کو حکم تھا کہ وہ اپنے آپ کو لڑائی سے روکے رکھیں۔ قتال کو ﴿فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ کے ساتھ مختص کرنے میں اخلاص کی ترغیب اور فتنوں کے زمانے میں مسلمانوں کے آپس میں لڑنے کی ممانعت ہے۔ ﴿الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ﴾ ”جو تم سے لڑتے ہیں۔“ یعنی ان لوگوں کے ساتھ قتال کرو جو تمہارے ساتھ لڑنے کی تیاری کرتے ہیں۔ یہ ذمے دار لڑنے کی اہلیت رکھنے والے کافر مرد ہیں نہ کہ وہ بوڑھے جو لڑ سکتے ہیں اور نہ لڑائی میں کوئی مشورہ دے سکتے ہیں۔ حد سے تجاوز کرنے کی ممانعت میں ظلم و تعدی کی تمام انواع شامل ہیں جیسے عورتوں، بچوں، بے عقل لوگوں اور راہبوں وغیرہ کو قتل کرنا جو لڑائی میں شریک نہ ہوں۔ جنگ کے دوران مقتولین کا مشلہ کرنا (یعنی مقتول کے کان، ناک اور پوشیدہ اعضاء کا ٹٹا، آنکھیں نکال دینا اور پیٹ چاک کرنا) اور مسلمانوں کی کسی مصلحت کے بغیر جانوروں کو قتل کرنا اور درخت وغیرہ کا ٹٹا، سب ظلم و تعدی میں شمار ہوگا۔ جب کفار جزیہ قبول کر کے اس کو ادا کر چکے ہوں تو ان کے خلاف لڑنا بھی ظلم و تعدی ہے جو کہ ہرگز جائز نہیں۔ ﴿وَأَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوهُمْ﴾ ”اور مار ڈالو ان کو جہاں کہیں بھی پاؤ تم ان کو“ یہ ان کے ساتھ قتال کا حکم ہے ہر وقت اور ہر زمانے میں جہاں کہیں بھی وہ پائے جائیں ان کے خلاف مدافعت اور جارحانہ جنگ جاری رہے۔ پھر اس عموم سے مسجد حرام کے قریب قتال کرنے کو مستثنیٰ کر دیا، کیونکہ مسجد حرام کے قریب لڑنا جائز نہیں، البتہ اگر وہ مسجد حرام کے قریب لڑائی کی ابتدا کریں تو پھر ان کے خلاف لڑائی کی جائے یہ ان کے ظلم و زیادتی کا بدلہ ہے۔

یہ کفار کے خلاف ہر وقت اور دائمی قتال و جہاد ہے یہاں تک کہ وہ کفر کو چھوڑ کر اسلام قبول کر لیں۔ (اگر وہ ایسا کر لیں) تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کرنے والا ہے۔ اگرچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا، مسجد حرام میں شرک کا ارتکاب کیا اور رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں پر رحمت اور اس کا کرم ہے، کیونکہ مسجد حرام کے قریب لڑنے کی ممانعت سے یہ وہم لاحق ہوتا ہے کہ یہ لڑائی اس محترم شہر کے اندر گویا فساد برپا کرنا ہے، تو اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ اس حرمت والے شہر کے اندر فتنہ شرک اور اللہ تعالیٰ کے دین سے لوگوں کو روکنے کے مفاسد، قتل کے مفاسد سے بڑھ کر ہیں، لہذا اے مسلمانو!

تمہارے لیے ان کے خلاف لڑنے میں کوئی حرج نہیں۔

اس آیت کریمہ سے فقہ کے ایک مشہور قاعدہ پر استدلال کیا جاتا ہے کہ دو برائیوں میں سے (جب ایک برائی کو اختیار کرنا لادبی ہو تو) کم تر برائی کو اختیار کیا جائے، تاکہ بڑی برائی کا سدباب کیا جاسکے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے راستے میں اس قتال اور جہاد کا مقصد بیان فرمایا ہے۔ قتال فی سبیل اللہ کا مقصد یہ نہیں کہ کفار کا خون بہایا جائے اور ان کے اموال لوٹ لیے جائیں؛ بلکہ جہاد کا مقصد صرف یہ ہے ﴿وَيَكُونَ الدِّينَ لِلَّهِ﴾ ”کہ دین اللہ کا ہو جائے“ یعنی اللہ تعالیٰ کا دین تمام ادیان پر غالب آ جائے اور شرک وغیرہ اور ان تمام نظریات کا قلع قمع کر دیا جائے جو اللہ کے دین کے منافی ہیں اور فتنہ سے بھی یہی مراد ہے۔ جب یہ مقصد حاصل ہو جائے، تو قتل کرنا اور لڑائی کرنا جائز نہیں۔ ﴿فَإِنْ أَنْتَهَوْا﴾ ”پس اگر وہ باز آ جائیں“ یعنی اگر وہ مسجد حرام کے قریب تمہارے ساتھ لڑائی کرنے سے باز آ جائیں ﴿فَلَا عُدْوَانَ إِلَّا عَلَى الظَّالِمِينَ﴾ ”تو ظالموں کے سوا کسی پر زیادتی نہیں“، یعنی تمہاری طرف سے ان پر کوئی ظلم اور زیادتی نہیں ہونی چاہئے سوائے اس کے جس نے ظلم کا ارتکاب کیا ہو تو ایسا شخص اپنے ظلم کے برابر سزا کا مستحق ہے۔

الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمَتُ قِصَاصٌ فَمَنْ اَعْتَدَى عَلَيْكُمْ
 حرمت والامینہ حرمت والے مہینے کے بدلے میں ہے اور سب حرمتیں بدلے کی چیزیں ہیں سو جو زیادتی کرے اور تمہارے
 فَاَعْتَدُوا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اَعْتَدَى عَلَيْكُمْ وَانْقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا اَنْ
 تو تم زیادتی کرو اور اس کے مثل اس کے جو زیادتی کی اس نے تم پر اور ڈرو اللہ سے اور جان لو بیشک
 اللَّهُ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴿۱۶﴾
 اللہ ساتھ ہے متقین کے ○

﴿الشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ﴾ ”حرمت والامینہ“ حرمت والے مہینے کے بدلے میں ہے“ اس آیت میں اس مفہوم کا احتمال ہے کہ اس سے مراد یہ واقعہ ہو کہ جب صلح حدیبیہ والے سال کفار نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روک دیا تھا اور ان سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ اگلے سال مکہ مکرمہ آئیں گے، تو مسجد حرام میں داخل ہونے سے روکنے کا واقعہ اور عمرہ قضا دونوں حرمت والے مہینے (ذوالقعدہ) میں پیش آئے۔ اس لیے حرام مہینے کے مقابلے میں حرام مہینے کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ اس مفہوم کی رو سے اس آیت کریمہ میں صحابہ کرام کے مناسک کی تکمیل کی خبر دے کر ان کی دل جوئی کی ہے دوسرا احتمال یہ ہے کہ تم نے اگر ان کے ساتھ حرمت والے مہینے میں لڑائی کی ہے تو (کیا ہوا) انہوں نے بھی تو تم سے حرمت والے مہینے ہی میں لڑائی کی ہے اس لیے حد سے تجاوز کرنے والے تو وہی کفار مکہ ہیں (تمہیں تو مجبوراً لڑنا پڑا ہے) پس تمہارے

لیے اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَالْحُرْمَتُ قِصَاصٌ﴾ ”اور حرمتوں میں بدلہ ہے“ عام کا عطف خاص پر کے باب سے ہوگا، یعنی ہر وہ چیز جو قابل احترام ہے وہ حرمت والا مہینہ ہو یا حرمت والا شہر ہو یا احرام ہو یا اس سے بھی زیادہ عام ہو، یعنی ہر وہ چیز جس کی حرمت کا حکم شریعت نے دیا ہے جو کوئی ان کی بے حرمتی کی جرأت کرے گا، اس سے قصاص لیا جائے گا۔ پس جو کوئی حرام مہینے میں لڑائی کرے گا اس کے ساتھ لڑائی کی جائے گی۔ جو کوئی اس محترم شہر کی بے حرمتی کرے گا اس پر حد جاری کی جائے گی اور اس کا کوئی احترام نہیں۔ جو کوئی بدلہ لینے کے لیے (حرم شریف کے اندر) کسی کو قتل کرے گا اسے قتل کیا جائے گا جو کسی کو زخمی کرے گا یا اس کا کوئی عضو کاٹے گا اس کا اس سے قصاص لیا جائے گا۔ جو کوئی بلا جواز کسی کا مال لے گا اس سے اس کا بدلہ لیا جائے گا۔

البتہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا صاحب حق کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ مال میں سے اپنے مال کے بقدر مال لے لے؟ اس بارے میں اہل علم میں اختلاف ہے اس میں راجح مسلک یہ ہے کہ اگر حق کا سبب واضح ہو جیسے مہمان جب کہ دوسرے شخص نے اس کی مہمان نوازی نہ کی ہو، بیوی اور وہ قریبی رشتہ دار جن کا نفقہ جس کے ذمہ فرض ہو، وہ نفقہ اور کفالت سے انکار کر دے، تو اس کے مال میں سے بقدر حق مال لے لینا جائز ہے۔

اور اگر حق کا سبب خفی اور غیر واضح ہو، مثلاً کوئی شخص کسی کے قرض کا انکار کر دیتا ہے کہ اس نے قرض لیا ہی نہیں، یا کسی امانت میں خیانت کرتا ہے یا اس میں سے چوری کر لیتا ہے وغیرہ تو اس صورت میں مال لینا جائز نہیں ہے۔ اس طرح دلائل میں تطبیق ہو جاتی ہے اور تعارض نہیں رہتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے گزشتہ حکم کی تاکید اور تقویت کے لیے فرمایا ﴿فَمَنْ اَعْتَدَىٰ عَلَيْنَا فَاَعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اَعْتَدَىٰ عَلَيْنَا﴾ ”جو تم پر زیادتی کرے، تو تم بھی اس پر اس کی مثل زیادتی کرو جو اس نے تم پر کی“ یہ بدلہ لینے کی صفت کی تفسیر ہے۔ نیز یہ کہ یہ تعدی کا ارتکاب کرنے والے کی تعدی اور ظلم کی مماثلت ہے۔

چونکہ غالب حالات میں اگر نفوس انسانی کو (اپنے ساتھ زیادتی کے بدلے میں) سزا دینے کی رخصت دے دی جائے، تو وہ اپنی تشفی اور تسکین کے لیے جائز حد پر نہیں رکتے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو التزام تقویٰ کا حکم دیا جو کہ نام ہے اللہ تعالیٰ کی حدود پر ٹھہر جانے اور ان سے تجاوز نہ کرنے کا اور ان کو بتلایا کہ ﴿اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ ”اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کے ساتھ ہے“، یعنی اللہ کی مدد و نصرت اور اس کی تائید و توفیق ان کے ساتھ ہے اور جسے اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوگی، وہ ابدی سعادت سے سرفراز ہو گیا اور جس نے تقویٰ کا التزام نہ کیا تو اس کا سر پرست اس سے علیحدہ ہو گیا، اسے بے یار و مددگار چھوڑ دیا اور اسے اس کے نفس کے حوالے کر دیا، تب اس کی ہلاکت اس کی رگ جان سے بھی زیادہ قریب ہو جاتی ہے۔

وَأَنْفِقُوا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ ۗ وَأَحْسِنُوا ۗ

اور خرچ کرو تم اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو تم اپنے ہاتھوں کو طرف ہلاکت کی اور نیکی کرو

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۹۵﴾

یقیناً اللہ پسند کرتا ہے نیکی کرنے والوں کو ○

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنے راستے میں مال خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے اور اس سے مراد ہے کہ مال کو ان راستوں میں خرچ کیا جائے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں اور یہ بھلائی کے تمام راستے ہیں جیسے مساکین، قریبی رشتہ داروں پر صدقہ کرنا اور ان لوگوں پر خرچ کرنا جن پر خرچ کرنا واجب ہے۔ ان راستوں میں سب سے بڑا اور ان میں سب سے پہلے نمبر پر آنے والا فی سبیل اللہ یعنی جہاد کی راہ میں خرچ کرنا ہے، کیونکہ اس راہ میں خرچ کرنا جہاد بالمال کے زمرے میں آتا ہے اور مالی جہاد بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح بدنی جہاد فرض ہے۔ مالی جہاد میں عظیم مصالح پنہاں ہیں۔ مالی جہاد سے اہل ایمان کو تقویت پہنچتی ہے، شرک اور اہل شرک کمزور ہوتے ہیں اور اقامت دین اور اس کی سر بلندی میں مدد ملتی ہے۔ پس جہاد فی سبیل اللہ کا درخت مالی اعانت کے تنے کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا، جہاد کے لیے مالی اخراجات وہی حیثیت رکھتے ہیں جو بدن کے لیے روح، پس اس کے بغیر جہاد کا جاری رہنا ممکن نہیں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے گریز درحقیقت جہاد کا ابطال، دشمنوں کا تسلط اور ان کی اسلام دشمنی میں اضافہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ﴾ ”اپنے ہاتھوں (جان) کو ہلاکت میں نہ ڈالو“ اس حکم کی علت کی حیثیت رکھتا ہے اور اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا دو امور کی طرف راجح ہے۔

(۱) اس امر کو ترک کر دینا جس کا حکم بندے کو دیا گیا جبکہ اس امر کو ترک کرنا بدن یا روح کی ہلاکت کا یا ہلاکت کے قریب کرنے کا موجب ہو۔

(۲) ایسے فعل کا ارتکاب کرنا جو بدن یا روح کی ہلاکت کا سبب ہو۔ اس کے تحت بہت سے امور آتے ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے راستے میں بدنی یا مالی جہاد ترک کر دینا، جو دشمن کے تسلط کا باعث بنتا ہے۔
(۲) انسان کا خود اپنے آپ کو موت کے منہ میں لے جانا، مثلاً کسی لڑائی میں گھس جانا، کسی خوفناک سفر پر روانہ ہو جانا، جانتے بوجھتے درندوں یا سانپوں کے مسکن میں داخل ہونا، کسی خطرناک درخت یا گرنے والی عمارت وغیرہ پر چڑھنا یا کسی خطرناک چیز کے نیچے چلے جانا یہ تمام امور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے کے تحت آتے ہیں۔

(۳) توبہ سے مایوس ہو کر گناہوں پر قائم رہنا۔

(۴) ان فرائض کو ترک کرنا جن کو اللہ تعالیٰ نے بجالانے کا حکم دیا ہے اور جن کے ترک کرنے میں روح اور

دین کی ہلاکت ہے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنا احسان کی ایک قسم ہے، لہذا اللہ تعالیٰ نے عمومی طور پر احسان کا حکم دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَأَحْسِنُوا إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ اور احسان کرو، یقیناً اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے، اس آیت کے معنی میں ہر قسم کا احسان شامل ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے کسی صفت اور شرط وغیرہ سے مقید نہیں کیا۔ پس اس میں مالی احسان بھی شامل ہے۔ اپنے جاہ و منصب کی بنیاد پر (کسی حق دار کی) سفارش کرنے کا احسان بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور علم نافع کی تعلیم بھی احسان میں داخل ہے۔ لوگوں کی ضروریات پوری کرنا، ان کی تکالیف کو دور کرنا، ان کی مصیبتوں کا ازالہ کرنا، ان کے مریضوں کی عیادت کرنا، ان کے جنازوں کے ساتھ جانا، ان کے بھٹکے ہوؤں کو راستہ بتانا، کسی کے کام میں ہاتھ بٹانا اور کسی ایسے شخص کے لیے کام کر دینا جسے کام نہ آتا ہو۔ یہ تمام امور اس احسان کے زمرے میں شمار ہوتے ہیں جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ اور اس احسان میں اللہ تعالیٰ کی عبادت احسن طریقے سے کرنا بھی داخل ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿أَنْ تَعْبُدَ اللَّهَ كَأَنَّكَ تَرَاهُ فَإِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهُ يَرَاكَ﴾ ”احسان یہ ہے کہ تو اس طرح اللہ کی عبادت کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر یہ کیفیت پیدا نہ ہو کہ تو اسے دیکھ رہا ہے تب وہ تو تجھے دیکھ رہا ہے“ ①۔

جو کوئی ان صفات سے متصف ہو جاتا ہے وہ ان لوگوں میں شامل ہو جاتا ہے جن کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَيَذُنَّ أْحْسِنُوا الْحَسَنَىٰ وَزِيَادَةً﴾ (یونس : ۲۶/۱۰) ”جنہوں نے نیکی کی ان کے لیے بھلائی ہے (اور مزید برآں) اور بھی۔“ اللہ تعالیٰ کی معیت اسے حاصل رہتی ہے، اللہ تعالیٰ اسے دوست رکھتا ہے، اس کی راہنمائی کرتا ہے اور ہر معاملے میں اس کی مدد کرتا ہے۔ اور جب اللہ روزے اور جہاد کے احکام کا ذکر فرما چکا، تو اب حج کے احکام کا ذکر فرماتا ہے۔

وَاتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلَّهِ فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ
 اور پورا کرو تم حج اور عمرہ اللہ کے لئے پھر اگر روک دیئے جاؤ تم، تو جو میسر ہو قربانی سے (وہ کر دو)
 وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيضًا
 اور نہ منڈاؤ اپنے سر یہاں تک کہ پہنچ جائے قربانی اپنے حلال ہونے کی جگہ پر، پس جو کوئی ہو تم میں سے مریض
 أَوْ بَهِ أَدْمَىٰ مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ فَإِذَا
 یا ہو اس کو کوئی تکلیف اس کے سر میں، تو فدیہ دینا ہے روزوں سے یا صدقے سے یا قربانی سے پھر جب

أَمْنْتُمْ^۱ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ^۲
امن میں ہو جاؤ تم، تو جس نے فائدہ اٹھایا ساتھ عمرے کے حج (کے احرام) تک، تو جو میسر ہو قربانی سے (وہ کر دو)
فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامٌ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةَ إِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ
پھر جو شخص نہ پائے (قربانی) تو روزے رکھنے ہیں تین دن کے حج (کے دنوں) میں اور سات جب واپس لوٹو تم، یہ
عَشْرَةٌ كَامِلَةٌ ذَلِكَ لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلُهُ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ط
دس ہیں پورے یہ (حکم) اس شخص کے لئے ہے کہ نہ ہوں اس کے گھر والے رہنے والے مسجد حرام کے پاس
وَ اتَّقُوا اللَّهَ وَ اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ^۳
اور ڈرو تم اللہ سے اور جان لو بیشک اللہ سخت سزا دینے والا ہے ○

﴿وَ اتَّقُوا اللَّهَ وَ الْعُمْرَةَ﴾ اور پورا کرو حج اور عمرے کو“ سے متعدد امور پر استدلال کیا جاتا ہے۔

- (۱) حج اور عمرے کا وجوب اور ان کی فرضیت
- (۲) حج اور عمرے کو ان ارکان و واجبات کے ساتھ پورا کرنا جن کی طرف رسول اللہ ﷺ کا فعل اور آپ کا یہ قول اشارہ کرتا ہے ﴿خُذُوا عَنِّي مَنَاسِكَكُمْ﴾ ”اپنے مناسک حج مجھ سے اخذ کرو“^①
- (۳) اس آیت کریمہ سے ان علماء کی تائید ہوتی ہے جو عمرے کو واجب قرار دیتے ہیں۔
- (۴) حج اور عمرہ کو خواہ وہ نقلی ہی کیوں نہ ہوں جب شروع کر دیا جائے تو ان کا اتمام واجب ہے۔
- (۵) حج اور عمرے کو احسن طریقے سے ادا کیا جائے اور یہ چیز حج اور عمرے کے لازمی افعال سے قدرزائد ہے۔
- (۶) اس میں حج اور عمرے کو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے ادا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔
- (۷) حج اور عمرے کا احرام باندھنے والا ان کی تکمیل کے بغیر احرام نہ کھولے سوائے اس صورت حال کے جس کو اللہ تعالیٰ نے مستثنیٰ قرار دیا ہے اور وہ ہے (کسی وجہ سے) محصور ہو جانا۔

بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَإِنْ أَحْصَرْتُمْ﴾ ”پس اگر تم روک دیئے جاؤ“، یعنی اگر تم کسی مرض یا راستہ بھول جانے یا دشمن کے روک لینے کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے حج اور عمرہ کی تکمیل کے لیے بیت اللہ نہ پہنچ سکو تو فرمایا: ﴿فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ ”تو جیسی قربانی میسر ہو“، یعنی (جو قربانی میسر ہو) ذبح کرو۔ یہ قربانی اونٹ یا گائے کا سا تو ان حصہ یا ایک بکری ہے جسے محصور ذبح کرے گا۔ اس کے بعد وہ اپنا سر منڈوائے اور احرام کھول دے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حدیبیہ والے سال کیا تھا جب مشرکین مکہ نے آپ کو بیت اللہ جانے سے روک دیا تھا۔ اگر محصور کو قربانی نہ ملے تو اس کے بدلے دس روزے رکھے جیسا کہ تمتع کرنے

والے کے لیے ضروری ہے اور اس کے بعد احرام کھول کر حلال ہو جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحَلَّهُ﴾ ”اور اپنے سروں کو نہ منڈواؤ یہاں تک کہ قربانی اپنے ٹھکانے کو پہنچ جائے“ بالوں کو منڈوا کر یا کسی اور طریقے سے زائل کرنا احرام کے ممنوعات میں شمار ہوتا ہے۔ بال خواہ سر کے ہوں یا بدن کے کسی اور حصے کے ان کو زائل کرنا منع ہے، کیونکہ احرام میں اصل مقصود بالوں کی پراگندگی اور ان کو زائل کر کے ان کی اصلاح کرنے کی ممانعت ہے اور وہ باقی بالوں میں بھی موجود ہے۔ بہت سے علماء نے زیب و زینت کے لیے ناخن ترشوانے کو بال منڈوانے پر قیاس کیا ہے اور مذکورہ تمام چیزیں اس وقت تک ممنوع ہیں جب تک کہ قربانی اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے اور اس سے مراد قربانی کا دن ہے اور افضل یہ ہے کہ قربانی کرنے کے بعد بال اتروائے جائیں جیسا کہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے۔

اس آیت کریمہ سے یہ بھی استدلال کیا جاتا ہے کہ تمتع کرنے والا جب اپنے ساتھ قربانی لے کر آیا ہو تو وہ قربانی کے دن سے قبل اپنے عمرے کا احرام نہ کھولے۔ پس تمتع کرنے والا جب عمرے کے طواف اور سعی سے فارغ ہو جائے تو حج کا احرام باندھ لے اور اپنے ساتھ قربانی لانے کی وجہ سے اس کے لیے احرام کھولنا جائز نہیں۔ اور اللہ تعالیٰ نے (حَلَقُ) ”بال مونڈنے“ سے اس لیے منع فرمایا ہے کہ اس میں عاجزی اللہ کے لیے خضوع اور انکسار ہے جو کہ بندے کے لیے عین مصلحت ہے اور اس میں اس کے لیے کوئی نقصان بھی نہیں۔ اگر سر میں کسی مرض یا زخم یا جوؤں کی وجہ سے تکلیف ہو تو اس کے لیے سر کو منڈوانا جائز ہے البتہ فدیہ کے طور پر تین روزے رکھنا یا چھ مہینوں کو کھانا کھلانا یا جانور ذبح کرنا جو قربانی کے لیے جائز ہو واجب ہے۔ ان میں سے جو کام چاہے اسے کرنے کا اختیار ہے۔ قربانی سب سے افضل ہے اس کے بعد صدقہ اور پھر روزے۔

اسی طرح کے حالات میں اگر ناخن تراشنے، سر ڈھاپنے، سلا ہوا کپڑا پہننے یا خوشبو لگانے کی ضرورت لاحق ہو تو ضرورت کے وقت ایسا کرنا جائز ہے البتہ مذکورہ بالا فدیہ کی مانند فدیہ دینا واجب ہے۔ اس تمام صورت میں اصل مقصد آسودگی کے مظاہر سے دور رہنا ہے۔ پھر فرمایا: ﴿فَإِذَا أَوْمَنْتُمْ﴾ ”پس جب تم امن میں ہو جاؤ“ یعنی جب تم دشمن وغیرہ کی رکاوٹ کے بغیر بیت اللہ تک پہنچنے کی قدرت رکھتے ہو ﴿فَمَنْ كَتَمَ بِالْعَصْرِ إِلَى الْحَجِّ﴾ ”پس جو حج کے وقت تک عمرے سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔“ یعنی جو عمرہ کوچ کے ساتھ ملا دے اور عمرہ سے فارغ ہو کر اپنے تمتع سے فائدہ اٹھائے ﴿فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ﴾ ”تو وہ جیسی قربانی میسر ہو کرے۔“ یعنی اس پر واجب ہے کہ وہ قربانی دے جو میسر ہو اور وہ ایسا جانور ذبح کرے جو قربانی کے لیے جائز ہو۔

یہ قربانی حج کی قربانی ہے جو ان دو عبادات کے مقابلے میں ہے جو اسے ایک ہی سفر میں حاصل ہوئیں علاوہ ازیں یہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکرانہ ہے جو اسے عمرہ سے فراغت کے بعد اور مناسک حج شروع کرنے سے پہلے

تمتع سے استفادہ کرنے کی صورت میں حاصل ہوئی اور اسی کی مثل حج قرآن ہے، کیونکہ اس میں بھی (حج تمتع کی طرح) دو عبادات کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ آیت کریمہ کا مفہوم دلالت کرتا ہے کہ مفرد حج کرنے والے شخص پر قربانی واجب نہیں۔ آیت کریمہ تمتع کے جواز بلکہ تمتع کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے نیز اس پر بھی کہ حج کے مہینوں میں تمتع جائز ہے۔ ﴿فَمَنْ لَمْ يَجِدْ﴾ ”پس جو شخص نہ پائے“ یعنی جس کے پاس قربانی یا اس کی قیمت موجود نہ ہو ﴿فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ﴾ ”تو تین روزے رکھنے ہیں حج کے دنوں میں“ ان روزوں کا پہلا جواز تو یہ ہے کہ انہیں عمرہ کے احرام کے ساتھ ہی رکھا جائے اور ان کا آخری وقت یوم النحر کے بعد کے تین دن ہیں رومی جمار اور منیٰ میں شبِ باشی کے ایام البتہ افضل یہ ہے کہ یہ روزے ساتویں، آٹھویں اور نویں ذوالحجہ کو رکھے جائیں۔

﴿وَسَبْعَةٌ إِذَا جَعَلْتُمْ﴾ ”اور سات (روزے) اس وقت جب تم گھر لوٹو“ یعنی جب تم اعمال حج سے فارغ ہو جاؤ تو ان روزوں کو مکہ مکرمہ میں رکھنا بھی جائز ہے، واپسی سفر کے دوران راستے میں اور گھر پہنچ کر بھی رکھے جاسکتے ہیں۔ ﴿ذَلِكَ﴾ ”یہ“ یعنی تمتع کر نیوالے پر قربانی کا واجب ہونا ﴿لِمَنْ لَمْ يَكُنْ أَهْلَهُ حَاضِرًا﴾ ”الْحَرَامِ“ اس کے لیے ہے جس کے گھر والے مسجد حرام کے پاس نہ رہتے ہوں“ یعنی یہ صرف اس شخص کے لیے ہے جو نماز قصر کرنے یا اس سے زیادہ فاصلے پر رہتا ہو یا اتنا دور رہتا ہو جسے عرف میں دور سمجھا جاتا ہو۔ اس شخص پر ایک ہی سفر میں دو عبادات کے ثواب کے حصول کی بنا پر قربانی واجب ہے۔

جو کوئی مکہ مکرمہ میں مسجد حرام کے پاس رہتا ہے تو اس پر عدم موجب کی بنا پر قربانی واجب نہیں۔ ﴿وَاتَّقُوا﴾ ”اور اللہ سے ڈرو“ یعنی اپنے تمام امور میں اس کے اوامر کی اطاعت اور ان ممنوعات سے اجتناب کرتے ہوئے۔ اسی زمرے میں حج کے ان اوامر کی اطاعت اور ان ممنوعات سے اجتناب ہے جو کہ اس آیت کریمہ میں مذکور ہیں۔ ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ ”اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کو سخت سزا دیتا ہے جو اس کی نافرمانی کرتا ہے۔ یہی (خوف عذاب) تقویٰ کا موجب ہے، کیونکہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرتا ہے وہ ان تمام امور سے اجتناب کرتا ہے جو عذاب کے موجب ہیں۔ جیسے جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ثواب کی امید رکھتا ہے وہ ایسے کام کرتا ہے جو ثواب کے موجب ہیں اور جو کوئی عذاب سے نہیں ڈرتا اور ثواب کی امید نہیں رکھتا وہ حرام میں گھس جاتا ہے اور فرائض کو چھوڑ دینے کی جرأت کا مرتکب ہوتا ہے۔

الْحَجُّ أَشْهَرُ مَعْلُومَاتٍ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقًا
 حج (کا وقت) چند مہینے ہیں معلوم ہیں جس نے فرض کر لیا ان میں حج تو نہیں ہے شہوت کی باتیں کرنا اور نہ نافرمانی کرنا
 وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ وَمَا تَفَعَّلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمُهُ اللَّهُ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ
 اور نہ جھگڑا کرنا حج میں اور جو کچھ کرتے ہو تم نیکی سے جانتا ہے اسے اللہ اور زاد راہ لے لو کیونکہ یقیناً

خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوَىٰ وَاتَّقَوْنَ يَا أُولِيَ الْأَلْبَابِ ﴿۱۹۵﴾

بہترین زاد راہ تقویٰ ہے اور تم مجھ سے ڈرو! اے عقل مندو! ○

اللہ تبارک و تعالیٰ خبر دیتا ہے ﴿الْحَجَّ﴾ یعنی حج واقع ہوتا ہے ﴿أَشْهَرُ مَعْلُومَتٍ﴾ ”معلوم مہینوں (میں)۔“ جو مخاطبین کے ہاں معلوم اور معروف ہیں جن کی تخصیص کی ضرورت نہیں۔ جیسا کہ روزوں کے لیے اس کے مہینے کے تعین کی ضرورت پیش آئی اور جس طرح کہ اللہ تعالیٰ نے نماز کے اوقات بیان فرمائے ہیں۔ رہا حج تو یہ ملت ابراہیم کا رکن ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں ہمیشہ سے معروف رہا ہے اور وہ لوگ حج کرتے چلے آئے ہیں۔ جمہور اہل علم کے نزدیک ﴿أَشْهَرُ مَعْلُومَتٍ﴾ ”معلوم مہینے“ سے مراد شوال ذیقعد اور ذوالحج کے پہلے دس دن ہیں۔ یہی وہ مہینے ہیں جن میں غالب طور پر حج کے لیے احرام باندھا جاتا ہے۔

﴿فَمَنْ قَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ﴾ ”تو جو شخص ان مہینوں میں حج کی نیت کر لے۔“ یعنی جو کوئی ان مہینوں میں حج کا احرام باندھتا ہے، کیونکہ جو کوئی حج شروع کر دیتا ہے تو اس کا تمام اس پر فرض ہو جاتا ہے خواہ حج نفل ہی کیوں نہ ہو۔ اس آیت کریمہ سے امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب استدلال کرتے ہیں کہ حج کے مہینوں سے قبل حج کے لیے احرام باندھنا جائز نہیں ہے۔

میں (عبدالرحمن بن ناصر السعدی) کہتا ہوں کہ اگر یہ کہا جائے کہ یہ آیت کریمہ جمہور اہل علم کے اس مسلک پر دلالت کرتی ہے کہ حج کے مہینوں سے پہلے حج کے لیے احرام باندھنا صحیح ہے تو ایسا کہنا زیادہ قرین صحت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿فَمَنْ قَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ﴾ دلالت کرتا ہے کہ حج کی فرضیت کبھی تو مذکورہ مہینوں میں واقع ہوتی ہے اور کبھی نہیں۔ ورنہ اللہ تعالیٰ اسے مقید نہ کرتا۔

﴿فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ﴾ ”تو دل لگی کی باتیں نہیں کرنا، نہ گناہ کرنا اور نہ جھگڑا کرنا ہے حج میں“ یعنی تم پر حج کے احرام کی تعظیم کرنا فرض ہے خاص طور پر جبکہ وہ حج کے مہینوں میں واقع ہو لہذا تم پر فرض ہے کہ تم احرام حج کی ہر اس چیز سے حفاظت کرو جو احرام کو فاسد کرتی ہے یا اس کے ثواب میں کمی کر دیتی ہے، مثلاً (رفث) اور (فسوق) سے مراد ہے جماع اور اس کے قولی اور فعلی مقدمات۔ خاص طور پر بیویوں کے پاس ان کی موجودگی میں۔ (فسوق) سے تمام معاصی مراد ہیں اور ممنوعات احرام بھی اس میں شامل ہیں اور (جدال) سے مراد لڑائی، جھگڑا اور مخالفت ہے، کیونکہ لڑائی جھگڑا شر کو جنم دیتا اور دشمنی پیدا کرتا ہے۔

حج کا مقصد اللہ تعالیٰ کے لیے تدلل اور انکسار عبادات کے ذریعے سے ممکن حد تک اس کے تقرب کا حصول اور برائیوں کے ارتکاب سے بچنا ہے اس لیے کہ یہی وہ امور ہیں جن کی وجہ سے حج اللہ کے ہاں مقبول و مبرور ہوتا ہے اور حج مبرور کا بدلہ جنت کے سوا کوئی نہیں۔ مذکورہ برائیاں اگرچہ ہر جگہ اور ہر وقت ممنوع ہیں تاہم حج کے ایام

میں ان کی ممانعت میں شدت اور زیادہ ہو جاتی ہے اور جان لیجئے کہ صرف ترک معاصی سے تقرب الہی کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک کہ اللہ تعالیٰ کے احکام بھی نہ بجائے جائیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمَهُ اللَّهُ﴾ اور جو بھی تم بھلائی کرتے ہو اللہ اسے جانتا ہے، اللہ تعالیٰ نے بھلائی کے عموم کی تصریح کے لیے (مِنْ) استعمال کیا ہے۔ اس لیے ہر بھلائی، تقرب الہی کا ہر ذریعہ اور ہر عبادت اس میں شامل ہے، یعنی اللہ تعالیٰ ہر بھلائی کو جانتا ہے۔ یہ آیت کریمہ بھلائی کے کاموں میں ترغیب کو متضمن ہے۔ خاص طور پر زمین کے ان قطعات میں جن کو شرف اور احترام میں بہت بلند مقام حاصل ہے۔ اس لیے یہی مناسب ہے کہ نماز، روزہ، صدقہ، طواف اور قوی و فعلی احسان کے ذریعے سے جتنی بھلائی ممکن ہو اسے حاصل کیا جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس مبارک سفر میں زادراہ ساتھ لینے کا حکم دیا ہے، کیونکہ زادراہ مسافر کو لوگوں سے بے نیاز کر دیتا ہے اور اسے لوگوں کے مال کی طرف دیکھنے اور سوال کرنے سے روک دیتا ہے۔ ضرورت سے زائد زادراہ ساتھ لینے میں فائدہ اور ساتھی مسافروں کی اعانت ہے اور اس سے اللہ رب العالمین کے تقرب میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہی وہ زادراہ ہے جو یہاں مراد ہے جو زندگی کو قائم رکھنے، گزر بسر کرنے اور راستے کے اخراجات کے لیے نہایت ضروری ہے۔ رہا زاد حقیقی جس کا انسان کو دنیا و آخرت میں فائدہ ہوتا ہے تو وہ تقویٰ کا زادراہ ہے جو جنت کی طرف سفر کا زادراہ ہے اور وہی زادراہ ایسا ہے جو انسان کو ہمیشہ رہنے والی کامل ترین لذت اور حلیل ترین نعمت کی منزل مراد پر پہنچاتا ہے۔ جو کوئی زاد تقویٰ کو چھوڑ دیتا ہے وہ اس بنا پر اپنی راہ کھوٹی کر بیٹھتا ہے۔ تقویٰ سے محروم ہونا ہر برائی کا نشانہ بن جانا ہے اور وہ اہل تقویٰ کی منزل پر پہنچنے سے محروم ہو جاتا ہے۔ پس یہ تقویٰ کی مدح ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے عقل مند لوگوں کو ان الفاظ میں تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا ہے: ﴿وَ اتَّقُوا يَا أُولِي الْأَلْبَابِ﴾ ”اے اہل دانش! مجھ سے ڈرتے رہو۔“ یعنی اے سنجیدہ اور عقلمند لوگو! اپنے اس رب سے ڈرو جس سے ڈرنا وہ سب سے بڑی چیز ہے جس کا عقل انسانی حکم دیتی ہے، اور اس کو ترک کرنا جہالت اور فساد رائے کی دلیل ہے۔

كَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا فَضْلًا مِّن رَّبِّكُمْ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ
نَّبِيں ہے تم پر کوئی گناہ یہ کہ تلاش کرو تم فضل اپنے رب کا پھر جب لوٹو تم عرفات سے
فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ وَاذْكُرُوا كَمَا هَدَاكُمْ ۖ وَإِنْ
تو یاد کرو اللہ کو نزدیک مشعر حرام کے اور یاد کرو تم اس کو جس طرح اس نے ہدایت دی تمہیں اور تحقیق
كُنْتُمْ مِّن قَبْلِهِ لَمِن الضَّالِّينَ ﴿۹۸﴾ ثُمَّ أَفِيضُوا مِّن حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ
تھے تم پہلے اس سے البتہ گمراہوں سے ○ پھر لوٹو تم جہاں سے لوٹیں سب لوگ
وَاسْتَغْفِرُوا اللَّهَ ط إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۹۹﴾ فَإِذَا قَضَيْتُمْ مَنَاسِكَكُمْ
اور مغفرت مانگو اللہ سے، بیشک اللہ بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے ○ پھر جب پورے کر چکو تم اپنے حج کے احکام

فَاذْكُرُوا اللَّهَ كَذِكْرِكُمْ آبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۖ فَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ
 تُوِيَادِكُرُوا اللّٰهَ كَمَا نَمُنَادِكُرُوا يَادِكُرُوا تَمِهَارَے اے اپنے باپ دادا کو بلکہ اس سے بھی زيادہ ياد كرنا پس كچھ لوگ وہ ہیں جو كہتے ہیں
 رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْآخِرَةِ مِن خَلَاقٍ ۚ وَمِنْهُمْ مَّن
 اے ہمارے رب! دے ہمیں دنيا ميں اور نہيں ہے اس كے لئے آخرت ميں كوئی حصہ ۝ اور كچھ ان ميں سے وہ ہیں جو
 يَقُولُ رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَفِي الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَقِنَا
 كہتے ہیں اے ہمارے رب! دے ہمیں دنيا ميں بھلائی اور آخرت ميں بھلائی اور بچا ہمیں
 عَذَابَ النَّارِ ۚ ۝ اُولَٰئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ

آگ كے عذاب سے ۝ يہي لوگ ہیں واسطے ان كے حصہ ہے اس سے جو انہوں نے كيا

وَاللَّهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۚ

اور اللہ جلد حساب لينے والا ہے ۝

چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تقویٰ کا حکم دیا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے یہاں آگاہ فرمادیا کہ موسم حج وغیرہ میں
 محنت و کتساب کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا فضل تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ جبکہ وہ فرائض سے غافل ہو کر اس
 میں مشغول نہ ہو جائے۔ جبکہ اس کا اصل مقصد حج ہی ہو اور یہ کمائی حلال اور اللہ تعالیٰ کے فضل کی طرف منسوب ہو
 اور بندے کی اپنی مہارت کی طرف منسوب نہ ہو؛ کیونکہ سب کو ہی سب کچھ سمجھنا اور مسبب کو فراموش کر دینا؛ یہی عین
 حرج ہے اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا فرمان ﴿ **فَاذًا أَقْضَيْتُمْ مِّنْ عَرَفَاتٍ فَاذْكُرُوا اللَّهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ** ﴾
 ”پس جب تم عرفات سے لوٹو؛ تو مشعر حرام کے پاس اللہ کا ذکر کرو“ متعدد امور پر دلالت کرتا ہے:

(۱) عرفہ میں وقوف، مناسک حج میں سے ہے اور یہ ارکان حج میں سے ایک معروف رکن ہے؛ کیونکہ عرفات
 سے واپسی صرف وقوف کے بعد ہی ہوتی ہے۔

(۲) مشعر حرام کے پاس اللہ تعالیٰ کے ذکر کا حکم دیا گیا ہے اور مشعر حرام سے مراد مزدلفہ ہے؛ مزدلفہ بھی معروف
 جگہ ہے جہاں قربانی کی رات بسر کرنی ہوتی ہے؛ نماز فجر کے بعد خوب روشنی پھیلنے تک دعائیں کرتے
 ہوئے مزدلفہ میں وقوف کرنے؛ مزدلفہ کے پاس دعاؤں اور اذکار میں فرائض اور نوافل بھی داخل ہیں۔

(۳) مزدلفہ کا وقوف، عرفات کے وقوف سے متاخر ہے جیسا کہ آیت کریمہ میں دی گئی ترتیب دلالت کرتی ہے۔

(۴) عرفات اور مزدلفہ دونوں ان مشاعر حج میں شمار ہوتے ہیں جن کا فعل اور اظہار مقصود ہے۔

(۵) مزدلفہ بھی حرم میں داخل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ”حرام“ کی صفت سے مقید کیا ہے۔

(۶) مزدلفہ کو ”حرام“ کی صفت سے مقید کرنا یہ مفہوم دیتا ہے کہ عرفہ حرم میں شامل نہیں۔

﴿وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدَاكُمْ وَإِنْ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلِهِ لَمَنِ الضَّالِّينَ﴾ اور اس (اللہ) کا اس طرح ذکر کرو جس طرح اس نے تم کو بتلایا ہے اور اس سے پہلے تم ناواقف تھے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو جیسا کہ اس نے گمراہی کے بعد تمہیں ہدایت سے نوازا اور تمہیں وہ کچھ سکھایا جو تم نہ جانتے تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے جس کا شکر واجب اور اس کے مقابلے میں قلب اور زبان سے منعم کا ذکر کرنا فرض ہے۔

﴿ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ﴾ پھر تم وہاں سے لوٹو جہاں سے لوگ لوٹتے ہیں، یعنی مزدلفہ سے۔ اور یہ وہ عمل ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے لے کر اب تک چلا آ رہا ہے۔ اور اس افاضہ یعنی واپسی کا مقصد ان کے ہاں معروف تھا اور وہ ہے رمی جمار قربانیوں کو ذبح کرنا، طواف، سعی، تشریق کی راتوں میں منیٰ میں شب بسری اور باقی مناسک کی تکمیل۔ چونکہ اس افاضہ کا مقصد وہ ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے اور یہ مذکورہ امور حج کے آخری مناسک ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ ان سے فارغ ہو کر استغفار اور کثرت سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے اس لیے کہ استغفار کا مقصد یہ ہے کہ عبادت کی ادائیگی میں بندے کی طرف سے جو خلل اور کوتاہی واقع ہوئی ہے استغفار سے اس کی تلافی ہو جائے اور اللہ کا ذکر یہ اللہ کا اس انعام پر شکر ہے جو اس نے عظیم عبادت اور بھاری احسان کی توفیق سے نوازا کر کیا۔

بندہ مومن کے لیے مناسب بھی یہی ہے کہ جب وہ اپنی عبادت سے فارغ ہو تو اپنی تقصیر اور کوتاہی پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرے اور عبادت کی توفیق پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجلائے نہ کہ اس شخص کی مانند ہو جو یہ سمجھتا ہے کہ اس نے عبادت کی تکمیل کر کے رب پر احسان کیا ہے اور اس عبادت نے اس کے مقام و مرتبہ کو بہت بلند کر دیا ہے۔ یہ رو یہ یقیناً اللہ کی ناراضی کا باعث اور اس بات کا مستحق ہے کہ اس کے فعل (عبادت) کو ٹھکرا دیا جائے جیسے عبادت کی پہلی صورت اس بات کی مستحق ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبولیت کا درجہ حاصل کرے اور بندے کو دوسرے اعمال خیر کی توفیق عطا ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے مخلوق کے احوال کی خبر دی اور آگاہ فرمایا کہ تمام مخلوق اپنے اپنے مطالبات کا سوال کرتی ہے اور جو چیز ان کے لیے ضرور رساں ہے اس سے بچنے کی دعا مانگتی ہے، البتہ ان کے مقاصد مختلف ہوتے ہیں۔

کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو یہ کہتے ہیں ﴿رَبَّنَا آتِنَا فِي الدُّنْيَا﴾ اے ہمارے رب! دے تو ہمیں دنیا میں، یعنی وہ دنیا کے ساز و سامان اور اس کی شہوات کا سوال کرتے ہیں۔ ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہو گا، کیونکہ آخرت میں ان کو کوئی رغبت نہیں اور انہوں نے اپنی ہمت اور ارادے دنیا ہی پر مرکوز کر دیئے ہیں۔

ان میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو دنیا اور آخرت دونوں کے لیے دعا کرتے ہیں اور اپنے آپ کو دنیا اور آخرت کے تمام امور میں اللہ تعالیٰ کا محتاج سمجھتے ہیں۔

ان دونوں گروہوں کے لیے اپنے اپنے اعمال اور اپنے اپنے اکتساب کا حصہ ہے۔ اللہ تعالیٰ عنقریب انہیں ان کے اعمال ان کے ارادوں اور ان کی نیتوں کی ایسی جزا دے گا جو عدل اور فضل کے دائرے میں ہوگی، اس پر اس کی کامل ترین حمد و ثنایاں کی جائے گی۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ایک کی دعا سنتا ہے خواہ وہ کافر ہو، مسلمان ہو یا فاسق و فاجر؛ البتہ کسی کی دعا قبول ہونے کے معنی یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے اور اس نے (اس کی دعا قبول کر کے) اسے اپنے قرب سے نواز دیا ہے۔ البتہ آخرت کی بھلائی اور دینی امور میں دعا کی قبولیت اللہ تعالیٰ کی محبت اور اس کے قرب کی علامت ہے۔ وہ بھلائی جو دنیا میں طلب کی جاتی ہے اس میں ہر وہ بھلائی شامل ہے جس کا ہونا بندے کو پسند ہو۔ جیسے رزق کی کشائش، نیک بیوی، نیک اولاد جسے دیکھ کر آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں، آرام اور راحت، علم نافع، اعمال صالحہ اور دیگر پسندیدہ اور مباح چیزیں اور آخرت کی بھلائی، قبر، حساب کتاب اور آگ کے عذاب سے سلامتی، اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول، ہمیشہ رہنے والی نعمتوں سے کامیاب ہونے اور رب رحیم کے قرب کا نام ہے۔ اس اعتبار سے یہ دعا سب سے جامع اور سب سے کامل دعا ہے اور اس قابل ہے کہ اسے تمام دعاؤں پر ترجیح دی جائے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ اکثر یہی دعا مانگا کرتے تھے اور اس دعا کی ترغیب دیا کرتے تھے۔

وَاذْكُرُوا اللَّهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودَاتٍ ط فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ

اور یاد کرو تم اللہ کو گنتی کے چند دنوں میں پس جس نے جلدی کی دو دنوں میں تو نہیں ہے کوئی گناہ

عَلَيْهِ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ لِمَنِ اتَّقَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ

اس پر اور جس نے تاخیر کی تو نہیں کوئی گناہ اس پر (بھی) واسطے اس کے جو ڈرا اور ڈرو تم اللہ سے

وَأَعْلَمُوا أَنَّكُمْ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿۳۴﴾

اور جان لو بیشک تم اسی کی طرف اکٹھے کئے جاؤ گے ○

اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ گنتی کے چند دنوں میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے، ان دنوں سے مراد عید کے بعد کے ایام تشریق (کے تین دن) ہیں، کیونکہ انہیں شرف و فضیلت حاصل ہے نیز اس لیے بھی کہ بقیہ تمام مناسک حج انہی ایام میں پورے کئے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان دنوں میں لوگ اللہ تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان دنوں میں روزہ رکھنا حرام قرار دیا ہے۔ ان کے اندر اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا ایک ایسی خوبی ہے جو اور دنوں میں نہیں پائی جاتی، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَيَّامُ التَّشْرِيقِ أَيَّامُ أَكْلٍ وَشُرْبٍ وَذِكْرِ اللَّهِ عَزَّ وَجَلَّ»^① ”ایام تشریق کھانے پینے اور اللہ کا ذکر کرنے کے دن ہیں“،

اور ان ایام میں جو اللہ کا ذکر کرنے کا حکم ہے، تو اس میں رمی جمار کے وقت، قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت اور فرض نمازوں کے بعد مخصوص اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی آ جاتا ہے۔ بعض اہل علم کہتے ہیں اس حکم میں مطلق تکبیرات داخل ہیں۔ جیسے ذوالحج کے پہلے دس دنوں میں تکبیرات کہی جاتی ہیں اور یہ بعید بھی نہیں۔

﴿فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ﴾ ”پس جس نے جلدی کی دو دنوں میں، تو اس پر کوئی گناہ نہیں،“ یعنی جو کوئی دوسرے روز غروب آفتاب سے قبل منیٰ سے نکل کر کوچ کرتا ہے ﴿وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ﴾ ”اور جس نے دیر کی تو اس پر کوئی گناہ نہیں،“ یعنی جو کوئی تیسری رات منیٰ میں بسر کر کے اگلی صبح کنکر مارتا ہے (تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں) دونوں امور مباح قرار دے کر اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تخفیف عطا کی ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی معلوم ہے کہ اگرچہ دونوں امور جائز ہیں تاہم تیسری رات کے بعد منیٰ سے کوچ کرنا افضل ہے، کیونکہ اس طرح کثرت عبادت کی فضیلت حاصل ہوتی ہے۔

چونکہ آیت کریمہ میں نفی حرج کا ذکر کیا گیا ہے جس سے کبھی تو صرف اسی معاملے میں نفی حرج کا مفہوم ذہن میں آتا ہے اور کبھی اس کے علاوہ دیگر معاملات میں بھی۔ جب کہ صورتحال یہ ہے کہ صرف تقدیم و تاخیر میں حرج کی نفی کی گئی ہے۔ جسے اللہ تعالیٰ نے ﴿لَيْسَ اثْمُ﴾ کے ساتھ مقید کیا ہے، یعنی جس نے تمام معاملات میں اور حج کے احوال میں تقویٰ اختیار کیا۔ پس جس نے ہر معاملے میں تقویٰ اختیار کیا اس کے لیے ہر معاملے میں حرج کی نفی حاصل ہوگئی اور جس نے بعض معاملات میں تقویٰ اختیار کیا اور بعض معاملات میں اسے نظر انداز کر دیا تو اس کو جزا بھی اس کے عمل کی جنس سے ملے گی۔

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ ”اور اللہ سے ڈرتے رہو۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل اور اس کی نافرمانی سے اجتناب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿وَاعْلَمُوا أَنكُمُ إِلَهِو تَحْشُرُونَ﴾ ”جان لو کہ تمہیں اسی (اللہ تعالیٰ) کے پاس اکٹھا کیا جائے گا“ اور وہ تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا۔ پس جس کسی نے تقویٰ اختیار کیا وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی جزا پائے گا اور جو کوئی اللہ تعالیٰ سے ڈر کر گناہوں سے باز نہ آیا، اللہ تعالیٰ اسے سخت سزا دے گا۔ جزا و سزا کا علم تقویٰ کا سب سے بڑا داعیہ ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے جزائے آخرت کے علم کی بڑی ترغیب دی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيُشْهَدُ اللَّهُ عَلَىٰ مَا

اور کچھ لوگ وہ ہیں کہ خوش لگتی ہے آپ کو اس کی بات حیات دنیا میں اور وہ گواہ بناتا ہے اللہ کو اس پر جو

فِي قَلْبِهِ وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۳۴﴾ وَإِذَا تَوَلَّىٰ سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا

اسکے دل میں ہے، حالانکہ وہ سخت جھگڑالو ہے اور جب وہ پیٹھ پھیر جاتا ہے تو کوشش کرتا ہے زمین میں تاکہ فساد کرے اس میں

وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ ﴿۳۵﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُ اتَّقِ اللَّهَ

اور برباد کرے کھیتیاں اور نسل، اور اللہ نہیں پسند کرتا فساد کو اور جب کہا جاتا ہے اے ڈر تو اللہ سے

أَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْإِثْمِ فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ ط وَلَيْسَ الْبِهَادُ ﴿۱۷﴾

تو ابھارتا ہے اسے تکبر گناہ پر سو کانی ہے اسے جہنم اور یقیناً وہ برا ٹھکانا ہے ○

جب اللہ تعالیٰ نے کثرت سے ذکر کرنے کا حکم دیا، خاص طور پر فضیلت والے اوقات میں، وہ ذکر الہی جو سب سے بڑی بھلائی اور نیکی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ایسے شخص کے حال کے بارے میں خبر دی جو اپنی زبان سے جو بات کرتا ہے اس کا فعل اس کی مخالفت کرتا ہے۔ پس کلام ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو بلند مراتب پر فائز کرتی ہے یا اس کو پستی میں گرا دیتی ہے، چنانچہ فرمایا:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَن يُعْجِبُكَ قَوْلُهُ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ ”بعض لوگ وہ ہیں جن کی بات تجھ کو اچھی لگتی ہے دنیا کی زندگی میں“، یعنی جب وہ بات کرتا ہے تو اس کی باتیں سننے والے کو بہت اچھی لگتی ہیں۔ جب وہ بات کرتا ہے تو آپ سمجھتے ہیں کہ وہ بہت ہی فائدہ مند بات کر رہا ہے۔ اور بات کو مزید موکد بناتا ہے ﴿وَيُشْهِدُ اللَّهُ عَلَىٰ مَا فِي قَلْبِهِ﴾ ”اور جو اس کے دل میں ہے اس پر وہ اللہ کو گواہ بناتا ہے“، یعنی وہ خبر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس بات سے آگاہ ہے کہ اس کے دل میں وہی کچھ ہے جس کا اظہار وہ زبان سے کر رہا ہے، درآئیکہ وہ اس بارے میں جھوٹا ہے، کیونکہ اس کا فعل اس کے قول کی مخالفت کرتا ہے۔ اگر وہ سچا ہوتا تو اس کا فعل اس کے قول کی موافقت کرتا جیسا کہ سچے مومن کا حال ہوتا ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَهُوَ أَلَدُّ الْخِصَامِ﴾ ”اور وہ سخت جھگڑالو ہے“، یعنی جب کبھی آپ اس سے بحث کرتے ہیں تو آپ دیکھتے ہیں کہ اس میں سخت جھگڑالو پن، سرکشی اور تعصب جیسی مذموم صفات موجود ہیں اور ان کے نتیجے میں اس کے اندر وہ اوصاف پائے جاتے ہیں جو قبیح ترین اوصاف ہیں۔ یہ اوصاف اہل ایمان کے اوصاف کی مانند نہیں ہیں۔ وہ اہل ایمان جنہوں نے سہولت کو اپنی سواری، اطاعت حق کو اپنا وظیفہ اور غنم و درگزر کو اپنی طبیعت بنا لیا۔

﴿وَإِذَا تَوَلَّىٰ﴾ ”اور جب وہ پیٹھ پھیر کر چلا جاتا ہے۔“، یعنی یہ شخص جب آپ کے پاس موجود ہوتا ہے تو اس کی باتیں آپ کو بہت خوش کن لگتی ہیں، جب وہ آپ کے ہاں سے واپس لوٹتا ہے ﴿سَعَىٰ فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا﴾ ”تو زمین میں دوڑتا پھرتا ہے، تاکہ اس میں فتنہ انگیزی کرے۔“، یعنی وہ گناہ اور نافرمانی کے کاموں میں دوڑ دھوپ کرتا ہے جو زمین میں فساد برپا کرنے کا باعث بنتے ہیں ﴿وَيُهْلِكُ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ﴾ ”اور کھیتی اور نسل کو نابود کر دے۔“ اور اس سبب سے کھیتیاں، باغات اور مویشی تباہ ہوتے ہیں یا ان میں کمی واقع ہوتی ہے اور گناہوں کے سبب سے برکت اٹھ جاتی ہے۔ ﴿وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفُسَادَ﴾ ”اور اللہ فساد کو پسند نہیں کرتا“ اور جب وہ فساد کو پسند نہیں کرتا تو وہ زمین میں فساد پھیلانے والے بندے کو سخت ناپسند کرتا ہے خواہ یہ بندہ اپنی زبان سے بہت اچھی اچھی باتیں ہی کیوں نہ کرتا ہو۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ باتیں جو لوگوں کے منہ سے صادر ہوتی ہیں ان کے صدق یا کذب اور نیکی یا بدی پر اس وقت تک دلالت نہیں کرتیں جب تک اس کا عمل ان باتوں کی تصدیق نہ کر دے۔ یہ آیت اس بات پر بھی دلالت کرتی ہے کہ گواہوں، حق پرستوں اور باطل پرستوں کے احوال کی تحقیق اور ان کے اعمال اور قرآن احوال میں غور و فکر کے ذریعے سے ان کی پہچان کی جائے، نیز ان کی ملمع سازی اور ان کے پاکی داماں کے دعووں سے دھوکہ نہیں کھانا چاہئے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ گناہوں اور نافرمانیوں کے ذریعے سے زمین میں فساد پھیلانے والے اس شخص کو جب اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی تلقین کی جاتی ہے تو تکبر کرنے لگتا ہے۔ ﴿أَخَذْنَاهُ الْعِزَّةَ بِالْإِثْمِ﴾ ”کھینچ لاتا ہے غرور اس کو گناہ پر“ چنانچہ اس کے اندر گناہ اور معاصی کے اعمال اور نصیحت کرنے والوں کے خلاف متکبرانہ رویہ اکٹھے ہو جاتے ہیں ﴿فَحَسْبُهُ جَهَنَّمُ﴾ ”پس اس کے لیے جہنم کافی ہے“ جو نافرمان متکبرین کا ٹھکانا ہے۔ ﴿وَلَيْسَ الْبِهَادُ﴾ ”اور بہت برا ٹھکانا ہے۔“ یعنی بہت ہی برا ٹھکانا اور مسکن ہے جہاں وہ کبھی نہ ختم ہونے والی مایوسی اور دائمی عذاب میں مبتلا رہیں گے ان کے عذاب میں کبھی تخفیف نہیں کی جائے گی۔ وہ ثواب کی کوئی امید نہیں رکھیں گے یہ ان کے اعمال بد اور ان کے جرم کی سزا ہے۔ ہم ان کے احوال سے اللہ تعالیٰ کی پناہ کے طلب گار ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنُ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ

اور کچھ لوگ وہ ہیں جو بیچ دیتے ہیں اپنا نفس واسطے تلاش کرنے کے رضا مندی اللہ کی

وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۱۶﴾

اور اللہ بہت شفیق ہے اپنے بندوں کے ساتھ ○

”اور لوگوں میں سے بعض وہ ہے جو بیچ دیتا ہے اپنے آپ کو اللہ کی رضا جوئی میں اور اللہ بڑا مہربان ہے بندوں پر۔“ یہی لوگ توفیق یافتہ ہیں جنہوں نے اپنی جانوں کو ارزاق و داموں میں بیچ دیا اور اللہ کی رضا کے حصول اور ثواب کی امید پر اپنی جانوں کو قربان کر دیا۔ پس انہوں نے بندوں کے ساتھ انتہائی مہربان، پورا بدلہ دینے والے مال دار کو قیمت ادا کی ہے وہ مہربان کہ جس کی شفقت و رحمت ہی سے ہے کہ اس نے ان کو اس قربانی کی توفیق بخشی اور اس نے اس قربانی کے پورے بدلے کا وعدہ فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِآنَ لَهُمُ الْجَنَّةَ﴾ (التوبہ: ۱۱۱/۹) ”بے شک اللہ نے خرید لیا ہے مسلمانوں سے ان کی جانوں کو اور مالوں کو اس کے بدلے کہ ان کے لیے جنت ہے۔“ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ مومنوں نے اپنی جانوں کو فروخت اور قربان کر دیا ہے اور اللہ نے ان کے مطلوب و مقصود کے حصول کے لیے اپنی واجب شفقت و رحمت کی خبر دی ہے۔ پس اس کے بعد ان پر اللہ کریم جو نوازشات فرمائے گا اور جو کامیابی و کامرانی ان کو حاصل ہوگی اس کی بابت مت پوچھ۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو! داخل ہو جاؤ تم اسلام میں پورے کے پورے اور نہ پیروی کرو تم شیطان کے قدموں کی
إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۲۵۹﴾ فَإِنْ زَلَلْتُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمْ الْبَيِّنَاتُ
بیشک شیطان تمہارا دشمن ہے ظاہر ○ پھر اگر پھسل جاؤ تم بعد اس کے کہ آگئیں تمہارے پاس واضح دلیلیں
فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۶۰﴾

○ تو جان لو! بیشک اللہ غالب ہے خوب حکمت والا ○

یہ اہل ایمان کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ وہ مکمل طور پر اسلام میں داخل ہو جائیں۔ یعنی دین کے تمام احکام پر عمل کریں اور ان احکام میں سے کسی حکم کو ترک نہ کریں اور ان لوگوں میں شامل نہ ہوں جنہوں نے اپنی خواہشات کو اپنا معبود بنا لیا۔ اگر شرعی حکم ان کی خواہش نفس کے مطابق ہوتا ہے تو اس پر عمل کر لیتے ہیں اگر یہ حکم خواہش نفس کے خلاف ہو تو اسے چھوڑ دیتے ہیں، بلکہ یہ فرض ہے کہ بندے کی خواہش دین کے تابع ہو بھلائی کا ہر وہ کام کرے جس پر اسے قدرت حاصل ہو اور جس کام کے کرنے سے وہ عاجز ہو اس کی کوشش کرے اور اس کو بجالانے کی نیت رکھے پس اپنی نیت سے وہ اسے پالے گا۔ چونکہ دین میں مکمل طور پر داخل ہونا شیطان کے راستوں کی مخالفت کے بغیر ممکن نہیں اور نہ اس کا تصور کیا جاسکتا ہے اس لیے فرمایا: ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ﴾ اور شیطان کے نقش قدم کی اتباع نہ کرو۔ یعنی اپنے اعمال میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہوئے شیطان کے نقش قدم کی پیروی نہ کرو ﴿إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ وہ تمہارا ظاہر دشمن ہے۔ یعنی اس کی دشمنی ظاہر ہے۔ ایسا دشمن جس کی عداوت ظاہر ہو ہمیشہ تمہیں برائی فواحش اور ایسے کاموں کا حکم دیتا ہے جو تمہارے لیے نقصان دہ ہوں۔ چونکہ بندے سے ہمیشہ کوتاہی اور لغزش واقع ہوتی رہتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَإِنْ زَلَلْتُمْ﴾ اگر تم پھسل جاؤ۔ یعنی اگر تم سے کوئی لغزش ہو جائے اور تم گناہ میں پڑ جاؤ ﴿فَمِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْكُمْ الْبَيِّنَاتُ﴾ احکام روشن پہنچ جانے کے بعد، یعنی علم اور یقین حاصل ہو جانے کے بعد ﴿فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ تو جان لو کہ اللہ غالب حکمت والا ہے۔

اس آیت میں نہایت سخت وعید اور تحویف ہے جو لغزشوں کو ترک کرنے کی موجب ہے، کیونکہ جب نافرمان لوگ اس غالب اور حکمت والی ہستی کی نافرمانی کرتے ہیں تو وہ نہایت قوت کے ساتھ ان کو پکڑتی ہے اور اپنی حکمت کے تقاضے کے مطابق ان کو سزا دیتی ہے، کیونکہ نافرمانوں اور مجرموں کو سزا دینا اس کی حکمت کا تقاضا ہے۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَهُمُ اللَّهُ فِي ظُلَلٍ مِنَ الْغَمَامِ وَالْمَلَائِكَةُ

نہیں انتظار کرتے وہ مگر یہ کہ آئے ان کے پاس اللہ سایوں میں بادلوں کے اور فرشتے (بھی)

وَقَضَى الْأَمْرَ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ۝

اور چکا دیا جائے معاملہ اور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں سب کام ○

یہ بہت سخت وعید اور تہدید ہے جس سے دل کانپ جاتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا شیطان کے نقش قدم کی پیروی کرنے والے زمین میں فساد پھیلانے والے اور اللہ تعالیٰ کے حکم کو رد کرنے والے روز جزا کے منتظر ہیں جو ہولناکیوں، سختیوں اور خوفناک مناظر سے بھر پور ہوگا اور بڑے بڑے ظالموں کے دل دہلا دے گا۔ اور جس میں فساد برپا کرنے والوں کو ان کے اعمال کی بری جزا گھیر لے گی۔ یہ سب کچھ یوں ہوگا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ زمین و آسمان کو لپیٹ دے گا، ستارے بکھر جائیں گے، سورج اور چاند بے نور ہو جائیں گے۔ مکرم فرشتے نازل ہوں گے اور تمام خلائق کو گھیرے میں لے لیں گے اور اللہ تعالیٰ بادلوں کے سائے میں نزول فرمائے گا، تاکہ وہ اپنے بندوں کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلے کرے۔ ترازو نصب کر دی جائیں گی، اعمال نائے کھول کر پھیلا دیئے جائیں گے سعادت مند لوگوں کے چہرے سفید اور روشن ہوں گے اور بد بخت گناہ گاروں کے چہرے سیاہ اور تاریک ہوں گے۔ نیک لوگ بدکاروں سے علیحدہ ہو جائیں گے اور ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دیا جائے گا۔ پس ظالم وہاں (افسوس کے طور پر) اپنے ہاتھوں کو کاٹے گا، جب اپنی آنکھوں سے روز جزا کی حقیقت کا مشاہدہ کرے گا۔

یہ آیت کریمہ اور اس قسم کی دیگر آیات اہل سنت والجماعت کے مذہب کی حقانیت پر دلالت کرتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی صفات اختیاری، مثلاً استواء علی العرش ”نزول“ اور ”آمد“ جیسی صفات کا اثبات کرتی ہیں جن کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے خبر دی ہے۔ اہل سنت بغیر کسی تشبیہ، تعطیل اور تاویل و تحریف کے ان صفات کا ان کے ایسے معانی کے ساتھ اثبات کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے جلال اور عظمت کے لائق ہیں۔ اس کے برعکس اہل تعطیل کے مختلف گروہ، مثلاً جمہیہ، معتزلہ اور اشاعرہ وغیرہ ان صفات کی نفی کرتے ہیں اور پھر اپنے مذہب کی تائید کے لیے ان آیات کریمہ کی ایسی ایسی تاویلیں کرتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ تاویلات اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی تمہین کو ناقص قرار دیتی ہیں۔ وہ اس زعم باطل میں مبتلا ہیں کہ اس بارے میں صرف ان کی تاویلات ہی کے ذریعے سے ہدایت حاصل ہو سکتی ہے۔

پس ان لوگوں کے پاس کوئی نقلی دلیل، بلکہ کوئی عقلی دلیل بھی نہیں ہے۔ جہاں تک نقلی دلیل کی بات ہے تو ان لوگوں کو خود اعتراف ہے کہ قرآن اور سنت کے ظاہری الفاظ بلکہ واضح الفاظ اہل سنت کے مذہب پر دلالت کرتے ہیں۔ جب کہ یہ حضرات اپنے باطل مذہب کی تائید اور اس کو ثابت کرنے کے لیے ان نصوص کے ظاہری معنی سے باہر نکلنے اور ان میں کمی بیشی کرنے پر مجبور ہیں اور جیسا کہ آپ جانتے ہیں اس چیز کو کوئی ایسا شخص پسند نہیں کر سکتا

جس کے دل میں رتی بھر بھی ایمان ہے۔ رہی عقلی دلیل تو کوئی عقلی دلیل ایسی نہیں جو مذکورہ صفات الہی کی نفی پر دلالت کرے؛ بلکہ عقل تو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ فاعل، فعل پر قدرت نہ رکھنے والے سے زیادہ کامل ہوتا ہے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ کا فعل؛ جو اس کی اپنی ذات سے متعلق ہو یا اس کی مخلوق سے متعلق؛ وہ ایک کمال ہی ہے۔

اگر وہ یہ اعتراض کریں کہ ان صفات کا اثبات، مخلوق کے ساتھ تشبیہ پر دلالت کرتا ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ صفات پر بحث، ذات پر بحث کی تابع ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات مخلوق کی ذات سے مشابہت نہیں رکھتی اسی طرح اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق کی صفات سے مشابہت نہیں رکھتیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اس کی ذات کے تابع ہیں اور مخلوق کی صفات ان کی ذات کے تابع ہیں۔ لہذا اللہ تعالیٰ کی صفات کے اثبات سے، کسی بھی پہلو سے مخلوق کی صفات کے ساتھ مشابہت لازم نہیں آتی۔ نیز اس شخص سے یہ بھی کہا جائے گا؛ جو اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کا اقرار کرتا ہے اور اس کی بعض صفات کا منکر ہے یا وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کا اقرار کرتا ہے اور اس کی صفات کی نفی کرتا ہے کہ یا تو آپ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کا اثبات کریں جیسے اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات کے لیے اور اس کے رسول ﷺ نے ان صفات کا اثبات کیا ہے۔ یا ان تمام صفات کی نفی کر کے اللہ رب العالمین کے منکر بن جائیں لیکن آپ کا بعض صفات کا اثبات کرنا اور بعض صفات کی نفی کرنا تو محض تناقض ہے اس لیے آپ ان صفات میں جن کا آپ اثبات کرتے ہیں اور ان صفات میں جن کی آپ نفی کرتے ہیں؛ فرق ثابت کریں اور اس تفریق پر آپ کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ اگر آپ کہیں کہ جن صفات کا میں نے اثبات کیا ہے ان سے تشبیہ لازم نہیں آتی تو صفات الہی کا اثبات کرنے والے اہل سنت آپ سے یہ کہتے ہیں کہ جن صفات کی آپ نے نفی کی ہے ان سے بھی تشبیہ لازم نہیں آتی۔ اگر آپ کہتے ہیں کہ جن صفات کی میں نے نفی کی ہے میرے نزدیک تو ان میں تشبیہ ہی لازم آتی ہے۔ تو صفات کی نفی کرنے والے تجھے کہیں گے کہ جن صفات کا آپ اثبات کرتے ہیں؛ ہمیں تو ان میں بھی تشبیہ ہی نظر آتی ہے۔ پس جو جواب آپ نفی کرنے والوں کو دیں گے؛ وہی جواب اہل سنت آپ کو ان صفات کی بابت دیں گے جن کی آپ نفی کرتے ہیں۔

حاصل بحث یہ ہے کہ جو کوئی کسی ایسے امر کی نفی کرتا ہے جس کے اثبات پر قرآن اور سنت دلالت کرتے ہیں؛ تو وہ تناقض کا شکار ہے۔ اس کے پاس کوئی شرعی دلیل ہے نہ عقلی؛ بلکہ وہ معقول اور منقول دونوں کی مخالفت کا مرتکب ہے۔

سَلُّ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَمَا آتَيْنَهُمْ مِّنْ آيَاتِنَا بِبَيِّنَاتٍ وَمَنْ يَبْدُلْ نِعْمَةَ اللَّهِ

سوال کیجئے بنو اسرائیل سے! کتنی ہی دیں ہم نے ان کو نشانیاں واضح اور جو کوئی بدل دیتا ہے اللہ کی نعمت کو

مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

بعد اس کے کہ آگئی وہ اس کے پاس؛ تو یقیناً اللہ سخت سزا دینے والا ہے ○

﴿سَلِّ بِنِّي إِسْرَائِيلَ كَمَا آتَيْنَهُمْ مِنْ آيَةٍ بَيِّنَةٍ﴾ ”بنو اسرائیل سے پوچھیں، کتنی ہی واضح نشانیاں ہم نے ان کو دیں؟“ ایسی آیتیں جو حق اور رسولوں کی صداقت پر دلالت کرتی ہیں انہوں نے ان آیات کو پہچان لیا اور ان کی حقانیت کا انہیں یقین بھی ہو گیا مگر وہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت پر اس کا شکر نہ بجالائے جو اس نعمت کا تقاضا ہے، بلکہ انہوں نے اس نعمت کی ناشکری کی اور اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو کفران نعمت سے بدل ڈالا۔ پس وہ اس بات کے مستحق بن گئے کہ اللہ تعالیٰ ان پر اپنا عذاب نازل کرے اور ان کو اپنے ثواب سے محروم رکھے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے کفران نعمت کو ”نعمت کی تبدیلی“ اس لیے کہا کہ اللہ تعالیٰ جس شخص کو کوئی دینی یا دنیاوی نعمت عطا کرتا ہے اور وہ اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں کرتا اور اس کے واجبات کو ادا نہیں کرتا تو یہ نعمت اضمحلال کا شکار ہو جاتی ہے اور اس کے پاس سے چلی جاتی ہے اور کفر اور معاصی اس کی جگہ لے لیتے ہیں۔ اس طرح گویا کفر نعمت کا بدل ہو گیا اور جو کوئی اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالاتا ہے اور اس کے حقوق کو ادا کرتا ہے تو وہ نعمت نہ صرف ہمیشہ برقرار رہتی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس نعمت میں اضافہ کر دیتا ہے۔

زَيْنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُونَ مِنَ الَّذِينَ اٰمَنُوْا

مزمین کر دی گئی ہے واسطے ان لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا، زندگانی دنیا کی اور مذاق کرتے ہیں وہ ان لوگوں سے جو ایمان لائے

وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ

اور وہ لوگ جو متقی ہیں، بالا ہوں گے ان پر دن قیامت کے اور اللہ رزق دیتا ہے

مَنْ يَّشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۱﴾

جس کو چاہتا ہے بغیر حساب کے ○

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ اس کی آیات اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور اس کی شریعت کے مطابق زندگی بسر نہیں کرتے اللہ تعالیٰ ان کے سامنے دنیاوی زندگی کو مزمین اور آراستہ کر دیتا ہے۔ دنیا کی یہ زندگی ان کے دلوں میں اور ان کی آنکھوں کے سامنے خوشنما بنا دی جاتی ہے، پس وہ اس دنیا میں مگن اور اس پر مطمئن ہو جاتے ہیں تو ان کی خواہشات ان کے ارادے اور ان کا عمل سب دنیا کے لیے ہو جاتے ہیں۔ وہ دنیا کی طرف بھاگتے ہیں اسی کے حصول میں ہمہ تن مشغول رہتے ہیں، وہ اس دنیا اور اپنے جیسے دنیا داروں کی تعظیم کرتے ہیں اور اہل ایمان سے نہایت حقارت سے پیش آتے ہیں اور ان کا تمسخر اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں ”کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے احسان فرمایا؟“ یہ ان کی کم عقلی اور کم نظری ہے، کیونکہ یہ دنیا آزمائش اور امتحان کا گھر ہے اس دنیا میں اہل ایمان اور اہل کفر، ان سب کو آزمائش کی یہ سختیاں برداشت کرنی پڑتی ہیں، بلکہ اس دنیا کے اندر مومن کو اگر کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور وہ اس پر صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایمان اور صبر کی بنا پر اس کی تکلیف میں

تخفیف کر دیتا ہے کسی اور کے لیے یہ تخفیف نہیں ہوتی۔ اس لیے تمام معاملہ اور تمام تر فضیلت وہ ہے جو آخرت میں عطا ہو۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَالَّذِينَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ اور پرہیزگار ان سے بلند ہوں گے قیامت کے دن“ پس اہل تقویٰ قیامت کے روز بلند ترین درجات پر فائز ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کی انواع و اقسام کی نعمتوں، مسرتوں، تروتازگی اور خوبصورتی سے لطف اندوز ہوں گے اور کفار ان کے نیچے جہنم کی اتھاہ گہرائیوں میں مختلف قسم کے عذاب ابدی اہانت اور بدبختی میں مبتلا رہیں گے جس کی کوئی انتہا نہ ہوگی۔ پس اس آیت کریمہ میں اہل ایمان کے لیے تسلی اور کفار کے لیے ان کے برے انجام کی اطلاع ہے۔

چونکہ دنیاوی اور اخروی رزق صرف اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور اس کی مشیت ہی سے حاصل ہوتے ہیں اس لیے فرمایا: ﴿وَاللَّهُ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ اور اللہ رزق دیتا ہے جسے چاہتا ہے بغیر حساب کے“ پس دنیاوی رزق تو مومن اور کافر سب کو عطا ہوتا ہے۔ رہا علم و ایمان، محبت الہی، اللہ کا ڈرا اور اس پر امید تو یہ دلوں کا رزق ہے جو اللہ تعالیٰ صرف اسے عطا کرتا ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّنَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ
تھے لوگ (پہلے) ایک ہی امت (پھر مختلف ہو گئے) تو بھیجے اللہ نے نبی خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے
وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِي مَا اخْتَلَفُوا فِيهِ
اور نازل کیں اس نے ان کے ساتھ کتابیں ساتھ حق کے تاکہ فیصلہ کرے وہ درمیان لوگوں کے اس بات میں کہ اختلاف کیا انہوں نے اس میں
وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ
اور نہیں اختلاف کیا اس میں مگر ان ہی لوگوں نے جو دیئے گئے کتاب بعد اس کے کہ آ گئے ان کے پاس واضح دلائل
بَغْيًا بَيْنَهُمْ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ
آپس کی ضد سے پھر ہدایت دی اللہ نے انکو جو ایمان لائے واسطے اس (بات) کے کہ اختلاف کیا انہوں نے اس میں حق سے اپنے حکم سے
وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۱۳۶﴾
اور اللہ ہدایت کرتا ہے جسے چاہتا ہے طرف سیدھے راستے کی ○

یعنی وہ سب ہدایت پر جمع تھے اور یہ سلسلہ آدم علیہ السلام کے بعد دس صدیوں تک جاری رہا۔ پھر جب انہوں نے دین میں اختلاف کیا تو ایک گروہ کافر ہو گیا اور دوسرا گروہ دین پر قائم رہا اور ان کے درمیان اختلاف ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے درمیان فیصلے اور ان پر حجت قائم کرنے کے لیے رسول بھیجے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ تمام لوگ کفر، ضلالت اور شقاوت پر مجتمع تھے۔ ان کے سامنے کوئی روشنی اور ایمان کی کوئی کرن نہ تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف انبیاء و رسل علیہم السلام بھیج کر ان پر رحم فرمایا ﴿مُبَشِّرِينَ﴾ بشارت دینے والے۔ یعنی یہ رسول لوگوں

کو خوشخبری سناتے کہ اللہ کی اطاعت کے ثمرات رزق، قلب و بدن کی قوت اور پاکیزہ زندگی کی صورت میں ہوں گے..... اور ان سب سے بڑھ کر وہ کامیابی ہے جو اللہ کی رضامندی اور جنت کی صورت میں حاصل ہوگی۔ ﴿وَمُنذِرِينَ﴾ اور اللہ کے نافرمانوں کو معصیت کے نتائج سے ڈراتے ہیں جو دنیا میں رزق سے محرومی، کمزوری، اہانت اور تنگ زندگی کی صورت میں نکلتے ہیں اور آخرت میں ایسے لوگوں کے لیے بدترین عذاب اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور جہنم ہے۔ ﴿وَأَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ﴾ اور ان کے ساتھ کتاب اتاری ساتھ حق کے۔ اس سے مراد وہ سچی خبریں اور عدل پر مبنی احکام ہیں جنہیں اللہ کے رسول لے کر مبعوث ہوتے رہے ہیں۔ پس وہ تمام اخبار و احکام جن پر کتب الہیہ مشتمل ہیں، حق ہیں اور اصول و فروع میں اختلاف کرنے والوں کے مابین فیصلہ کرتے ہیں اور اختلاف اور تنازع واقع ہونے کی صورت میں فرض ہے کہ اختلاف اور تنازع کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹایا جائے۔ اگر کتاب اللہ اور سنت رسول میں ان اختلاف کرنے والوں کے نزاع کا فیصلہ موجود نہ ہوتا تو اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے جھگڑوں کو ان کی طرف لوٹانے کا حکم نہ دیتا۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب پر کتابیں نازل فرما کر اپنی عظیم نعمت کا ذکر کیا ہے۔ اس نعمت کا تقاضا تھا کہ وہ ان کتابوں پر اتفاق کرتے ہوئے اکٹھے ہوتے، لیکن اللہ تعالیٰ نے بتلایا کہ انہوں نے ایک دوسرے پر زیادتی کا ارتکاب کیا جس کے نتیجے میں نزاعات، جھگڑے اور بے شمار اختلافات ظاہر ہوئے، چنانچہ انہوں نے اس کتاب میں اختلاف کیا جس کے بارے میں ان کے لیے مناسب یہ تھا کہ وہ اس کتاب پر لوگوں میں سے سب سے زیادہ اتفاق کرنے والے ہوتے اور ان کا یہ رویہ آیات بینات اور دلائل قاطعہ کو جان لینے اور ان کی صداقت پر یقین ہو جانے کے بعد تھا۔ پس وہ اپنے اس رویے کی وجہ سے دور کی گمراہی میں جا پڑے۔

﴿فَهَدَىٰ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ پس اللہ نے مومنوں کو راہ دکھادی۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس امت کے اہل ایمان کی راہنمائی فرمائی ﴿لِيَمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ﴾ ان چیزوں میں جن میں انہوں نے اختلاف کیا، حق سے یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر اس معاملے میں اہل ایمان کی راہنمائی فرمائی جس میں اہل کتاب اختلافات کا شکار ہو کر حق و صواب سے دور ہٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت کی حق و صواب کی طرف راہنمائی فرمائی ﴿بِأَذْنِهِ﴾ اپنے حکم سے یعنی اپنے اذن اور اپنی رحمت سے حق و صواب کو ان کے لیے آسان کر دیا۔

﴿وَاللَّهُ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ اور اللہ جس کو چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے، پس اللہ تعالیٰ نے عدل اور مخلوق پر رحمت قائم کرنے کے لیے تمام انسانوں کو صراط مستقیم کی طرف عام دعوت دی ہے۔ تاکہ وہ یہ نہ کہہ سکیں ﴿مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ﴾ (المائدہ: ۱۹/۱۵) ”ہمارے پاس تو کوئی خوشخبری دینے والا اور کوئی ڈرانے والا ہی نہیں آیا“ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و رحمت اور لطف و اعانت سے

اپنے بندوں میں سے جس کو چاہا ہدایت سے نوازا۔ پس ہدایت سے نوازا یہ اس کا فضل و احسان ہے اور ساری مخلوق کو صراطِ مستقیم کی طرف دعوت دینا یہ اس کا عدل اور اس کی حکمت ہے۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا
 مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ
 وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصُرَ اللَّهُ أَلا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿۱۳۰﴾
 اور وہ لوگ جو ایمان لائے اس کے ساتھ کب (آئے گی) مدد اللہ کی؟ آگاہ رہو! بیشک مدد اللہ کی قریب ہی ہے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ وہ خوشحالی، بدحالی اور مشقت کے ذریعے سے ضرور اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے جیسے اس نے ان سے پہلے لوگوں کو آزمایا۔ یہ اس کی سنت جاریہ ہے اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں ہوتا جو کوئی اس کے دین اور شریعت پر چلنے کا دعویٰ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے ضرور آزماتا ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر صبر کرتا ہے اور اس کی راہ میں پیش آنے والے مصائب اور تکالیف کی پروا نہیں کرتا تو وہ اپنے دعوے میں سچا ہے اور کامل ترین سعادت اور سیادت کی منزل کو پالے گا اور جو کوئی لوگوں کے فتنے کو اللہ تعالیٰ کے عذاب کی مانند سمجھ لیتا ہے بایں طور کہ لوگوں کی ایذا میں اور تکالیف اس کو اپنے راستے سے ہٹا دیتی ہیں اور امتحان اور آزمائش اس کی منزل کھوٹی کر دیتے ہیں تو وہ اپنے دعویٰ ایمان میں جھوٹا ہے۔ کیونکہ ایمان محض تمناؤں اور مجرد دعووں کا نام نہیں بلکہ اعمال اس کی تصدیق یا تکذیب کرتے ہیں۔ سابقہ امتوں کو بھی اسی راستے سے گزرنا پڑا ہے جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ﴾ ان کو سختیاں اور تکلیفیں پہنچیں۔ یعنی وہ فقر و فاقہ کا شکار ہوئے اور ان پر مختلف بیماریوں نے حملہ کیا ﴿وَزُلْزِلُوا﴾ اور وہ ہلا دیے گئے۔ یعنی قتل، جلا وطنی، مال لوٹ لینے اور عزیز و اقارب کو قتل کی دھمکی کے خوف اور دیگر نقصانات کے ذریعے سے ان کو ہلا ڈالا گیا اس حالت نے ان کو اس مقام پر پہنچا دیا کہ اللہ تعالیٰ کی نصرت اور مدد پر یقین رکھنے کے باوجود اس کے بارے میں بے یقینی کا شکار ہو گئے۔ یہاں تک کہ معاملے کی شدت اور تنگی کی بنا پر ﴿حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصُرَ اللَّهُ﴾ رسول اور اس کے مومن ساتھی بھی پکاراٹھے کہ اللہ کی مدد کب آئے گی۔

چونکہ ہر شدت کے بعد آسانی اور ہر تنگی کے بعد فراخی ہوتی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿الْآلَآنَ نَصَرَ اللَّهُ قَرِيبٌ﴾ آگاہ رہو کہ اللہ کی مدد قریب ہے، پس ہر وہ شخص جو حق پر قائم رہتا ہے اس کا اسی طرح امتحان لیا جاتا ہے۔ جب بندہ مومن پر سختیاں اور صعوبتیں یلغار کرتی ہیں اور وہ ثابت قدمی سے ان پر صبر کرتا ہے تب یہ امتحان

اس کے حق میں انعام اور مشقتیں راحتوں میں بدل جاتی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس کو دشمنوں کے خلاف فتح و نصرت سے نوازا جاتا ہے اور وہ قلب کی تمام بیماریوں سے شفا یاب ہو جاتا ہے۔

یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی نظیر ہے ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخَلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّابِرِينَ﴾ (آل عمران: ۱۴۲) ”کیا تم نے یہ سمجھ لیا ہے کہ تم جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ اس نے تم میں سے جہاد کرنے والوں کو آزما کر معلوم ہی نہیں کیا اور نیز یہ کہ وہ صبر کرنے والوں کو معلوم کرے۔“ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی نظیر ہے ﴿الَّذِينَ أَحْسَبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ ۚ وَلَقَدْ فَتَنَّا الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ فَلَيَعْلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعْلَمَنَّ الْكٰذِبِينَ﴾ (العنکبوت: ۱۲۹-۳) ”التم۔ کیا لوگوں نے یہ سمجھ لیا ہے کہ ان کے صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لائے ان کو چھوڑ دیا جائے گا اور ان کو آزما نہیں جائے گا یقیناً ہم نے ان لوگوں کو بھی آزما یا ہے جو ان سے پہلے تھے اللہ ان کو ضرور آزما کر معلوم کرے گا جو اپنے دعویٰ ایمان میں سچے ہیں اور ان کو بھی جو جھوٹے ہیں۔“ پس امتحان کے وقت ہی انسان کی عزت یا تحقیر ہوتی ہے۔

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۗ قُلْ مَا أُنْفِقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَلِلَّوَالِدَيْنِ

سوال کرتے ہیں آپ سے کہ وہ کیا خرچ کریں؟ کہہ دیجئے! جو خرچ کرو تم مال سے تو وہ واسطے ماں باپ کے ہے

وَالْأَقْرَبِينَ وَالْيَتَامَىٰ وَالسَّكِينِ وَأَبْنِ السَّبِيلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا

اور رشتے داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے اور جو کچھ کرو گے تم

مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۱۱۰﴾

بھلائی سے تو بلاشبہ اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے ○

لوگ آپ سے خرچ کرنے کے بارے میں سوال کرتے ہیں۔ یہ سوال خرچ کرنے والے اور جس پر خرچ کیا جائے ان کے بارے میں عام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں ان کو جواب عطا فرمایا ہے: ﴿قُلْ مَا أَنْفَقْتُمْ مِنْ خَيْرٍ﴾ کہہ دیجیے جو مال تم خرچ کرنا چاہو۔ یعنی تھوڑا یا زیادہ جو مال بھی تم خرچ کرتے ہو اس مال کے سب سے زیادہ اور سب سے پہلے مستحق والدین ہیں جن کے ساتھ نیکی کرنا فرض اور ان کی نافرمانی حرام ہے اور والدین کے ساتھ سب سے بڑی نیکی ان پر خرچ کرنا اور ان کی سب سے بڑی نافرمانی ان پر خرچ کرنے سے گریز کرنا ہے۔ اس لیے صاحب کشائش بیٹے کے لیے والدین پر خرچ کرنا فرض ہے۔

والدین کے بعد رشتہ داروں پر ان کے رشتوں کے مطابق خرچ کیا جائے اور (الْأَقْرَبُ فَلِأَقْرَبٍ) ”جو زیادہ قریبی ہے وہ زیادہ مستحق ہے“ کے اصول کو مد نظر رکھا جائے اور جو زیادہ قریبی اور ضرورت مند ہے اسے دیا جائے۔ پس ان پر

خرچ کرنا صدقہ اور صلہ رحمی ہے۔ ﴿وَالْيَتَامَى﴾ یتیموں سے مراد وہ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں جن کا کوئی کمانے والا نہیں۔ ان کے بارے میں گمان یہی ہوتا ہے کہ وہ ضرورت مند ہیں، کیونکہ ان کے لیے کوئی کمانے والا موجود نہیں ہے اور وہ خود اپنے مصالح کی دیکھ بھال نہیں کر سکتے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر رحم اور لطف و کرم کرتے ہوئے اپنے بندوں کو ان کے بارے میں وصیت کی ہے۔ ﴿وَالسَّكِينِ﴾ مساکین سے مراد حاجت مند اور ضرورت مند لوگ ہیں جنہیں ضرورتوں اور حاجتوں نے غریب و مسکین بنا دیا ہو۔ ان کی ضروریات زندگی پوری کرنے اور انہیں ضروریات سے بے نیاز کرنے کے لیے ان پر خرچ کیا جائے۔ ﴿وَابْنِ السَّبِيلِ﴾ اس سے مراد وہ مسافر اور اجنبی شخص ہے جو زاد سفر ختم ہو جانے کی وجہ سے دیار غیر میں پھنس کر رہ گیا ہو۔ اس پر خرچ کر کے اس کے سفر میں اس کے ساتھ تعاون کیا جائے، تاکہ وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائے۔

اللہ تعالیٰ نے ضرورت مندوں کی ان تمام اصناف کو خاص طور پر ذکر کرنے کے بعد اس حکم کو عام کر دیا اور فرمایا: ﴿وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ﴾ اور جو بھلائی تم کرو گے۔ یعنی مذکورہ بالا اور دیگر لوگوں پر تم جو کچھ خرچ کرتے ہو، بلکہ نیکی اور تقرب الہی کا جو کام بھی کرتے ہو، اس میں سب شامل ہیں، کیونکہ یہ تمام کام ”خیر“ یعنی بھلائی کے تحت آتے ہیں ﴿فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾ اللہ (بھلائی کے) ان تمام کاموں کو جانتا ہے، پس وہ تمہیں ان کا بدلہ عطا کرے گا اور اس کو وہ تمہارے لیے محفوظ رکھتا ہے، ہر شخص کو اس کی نیت، اخلاص، اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی قلت یا کثرت، ضرورت مندوں کی ضرورت کی شدت، اس خرچ کی وقعت اور فائدے کے مطابق جزا ملے گی۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كَرْهٌ لَّكُمْ ۖ وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۖ
لَکھ دیا گیا ہے تم پر لڑنا اور وہ ناگوار ہے تمہارے لیے اور ممکن ہے کہ تم ناپسند کر دو کسی چیز کو اور وہ بہتر ہو تمہارے لیے
وَعَسَىٰ أَنْ تَحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ
اور ممکن ہے کہ تم پسند کر دو کسی چیز کو اور وہ بری ہو تمہارے لیے اور اللہ جانتا ہے

وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۶۰﴾

اور تم نہیں جانتے ○

اس آیت کریمہ میں اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کے راستے میں (کافروں کے ساتھ) قتال فرض کیا گیا ہے اس سے قبل وہ ترک قتال پر مامور تھے، کیونکہ وہ کمزور تھے اور قتال کے متحمل نہیں تھے۔ جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ منورہ آ گئے، مسلمانوں کی تعداد زیادہ ہو گئی اور وہ طاقتور ہو گئے، تو اللہ تعالیٰ نے ان کو قتال کا حکم دے دیا۔ ان کو یہ بھی بتا دیا کہ مشقت، مکان، مختلف قسم کے خوف اور ہلاکت کے خطرے کی وجہ سے نفس کو جہاد اور قتال ناپسند ہے۔ اس کے باوجود قتال خالص نیکی ہے جس میں بہت بڑا ثواب، جہنم کے عذاب سے حفاظت، دشمن پر فتح و

نصرت اور مال غنیمت وغیرہ کا حصول ہے۔ یہ تمام چیزیں قتال کے ناپسند ہونے کے باوجود مرغوب ہوتی ہیں۔

﴿وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ﴾ اور شاید تم کسی چیز کو پسند کرو اور وہ تمہارے لیے بری ہو، مثلاً محض راحت اور آرام کی خاطر جہاد چھوڑ کر گھر بیٹھ رہنا۔ یہ بہت بڑی برائی ہے اس کا نتیجہ پساپائی، اسلام اور مسلمانوں پر کفار کے تسلط و ذلت اور رسوائی، بہت بڑے ثواب سے محرومی اور جہنم کے عذاب کے سوا کچھ نہیں۔ یہ آیات کریمہ اس بات کی بابت عام ہیں کہ نیکی کے وہ کام جن کو نفوس ناپسند کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کے کرنے میں مشقت ہے۔ بلاشک و شبہ بھلائی ہیں اور برے کام جن کو نفوس پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ ان میں لذت و راحت کا واہمہ ہے۔ بلاشک و شبہ شر ہیں۔ رہے دنیا کے حالات تو یہ اصول عام نہیں، لیکن غالب طور پر بندہ مومن جب کسی معاملے کو پسند کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے سامنے ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے جو اس کے اس خیال کو دور کر دیتے ہیں کہ یہ معاملہ اس کے لیے اچھا ہے۔ پس اس کے لیے زیادہ بہتر یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور فی الواقع خیر ہی کا اعتقاد رکھے، کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے پر اس سے کہیں زیادہ رحم کرتا ہے جتنا بندہ اپنے آپ پر رحم کر سکتا ہے اور اپنے بندے کے مصالح کی اس سے کہیں زیادہ دیکھ بھال کرتا ہے جتنی دیکھ بھال بندہ خود کر سکتا ہے اللہ تعالیٰ بندے سے زیادہ اس کے مصالح کو جانتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے، لہذا تمہارے لیے مناسب یہی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی قضاء و قدر کے ساتھ ساتھ چلو، خواہ تمہیں اچھے لگیں یا برے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے قتال کا (مطلق) حکم دیا ہے اور اگر اس حکم کو مقید نہ کیا جائے تو اس میں حرام مہینوں میں قتال بھی شامل ہو جائے گا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان حرام مہینوں کو مستثنیٰ قرار دے دیا، چنانچہ فرمایا:

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ قُلْ قِتَالٌ فِيهِ كَبِيرٌ

وہ پوچھتے ہیں آپ سے حرمت والے مہینے کی بابت لڑائی کرنے سے اس میں؟ کہہ دیجئے! لڑائی کرنا اس میں بہت بڑا (گناہ) ہے

وَصَدٌّ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَكُفْرًا بِهِ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَإِخْرَاجُ أَهْلِهِ

اور روکنا اللہ کے راستے سے اور کفر کرنا اس کے ساتھ اور (روکنا) مسجد حرام سے اور نکالنا اس کے رہنے والوں کو

مِنْهُ أَكْبَرُ عِنْدَ اللَّهِ وَالْفِتْنَةُ أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ وَلَا يَزَالُونَ يَقَاتِلُونَكُمْ

اس سے بہت بڑا (گناہ) ہے نزدیک اللہ کے اور فتنہ کہیں بڑا (گناہ) ہے قتل سے اور وہ (کافروں) ہمیشہ لڑتے رہیں گے تم سے

حَتَّىٰ يَرُدُّوكُمْ عَن دِينِكُمْ إِنِ اسْتَطَاعُوا وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ

یہاں تک کہ وہ پھیر دیں تمہیں تمہارے دین سے اگر وہ استطاعت رکھیں اور جو شخص پھر جائے تم میں سے

عَن دِينِهِ فَمَا لِيكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا

اپنے دین سے پھر وہ مر جائے ایسی حالت میں کہ وہ کافر ہی ہو تو یہی لوگ ہیں برباد ہو گئے اعمال ان کے بچ دنیا

وَ الْآخِرَةُ وَ أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۲۱۶﴾

اور آخرت کے اور بھی ہیں دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○

جمہور مفسرین کہتے ہیں کہ حرام مہینوں میں قتال کی حرمت اس آیت کے ذریعے سے منسوخ ہو گئی ہے جس میں حکم ہے کہ مشرکوں سے لڑو جہاں کہیں بھی ان کو پاؤ۔ (اشارہ ہے البقرہ ۱۹۱، النساء ۸۹، ۹۱ کی طرف۔ مترجم) اور بعض مفسرین کی رائے ہے کہ یہ آیت منسوخ نہیں کیونکہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے یہ آیت کریمہ قتال کے عام اور مطلق حکم کو مقید کرتی ہے۔ نیز اس لیے بھی کہ حرام مہینوں کی جملہ خوبیوں میں سے ایک خوبی؛ بلکہ سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ان مہینوں میں لڑائی حرام ہے۔ یہ حکم لڑائی کی ابتدا کرنے کے بارے میں ہے۔ رہی دفاعی جنگ تو یہ حرام مہینوں میں بھی جائز ہے جیسے حرم کے اندر دفاعی جنگ لڑنا جائز ہے۔

اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کا سبب یہ ہے کہ عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ کے سر یہ میں مسلمانوں نے عمرو بن الحضرمی کو قتل کر دیا اور مشرکوں کا مال لوٹ لیا..... روایات کے مطابق..... یہ سر یہ رجب کے مہینے میں واقع ہوا تھا؛ اس لیے مشرکین نے عار دلانی کہ مسلمانوں نے حرام مہینوں میں لڑائی کی ہے؛ حالانکہ اس عار دلانے میں وہ زیادتی کا ارتکاب کر رہے تھے؛ کیونکہ خود ان میں بہت سی برائیاں تھیں ان میں سے بعض برائیاں تو ایسی تھیں جو اس برائی سے بڑی تھیں جس پر مشرکین مسلمانوں کو عار دلارہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان برائیوں کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَصَدَّقْنَا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اور اللہ کی راہ سے روکنا، یعنی مشرکین کا لوگوں کو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے سے روکنا؛ اہل ایمان کو آزمائش میں ڈالنا؛ ان کو ان کے دین سے ہٹا دینے کی کوشش کرنا اور حرمت والے مہینے اور حرمت والے شہر میں کفر کا ارتکاب کرنا وغیرہ اور قباحت کے لیے تو مجرّد کفر ہی کافی ہے..... تب اس برائی کی شدت اور قباحت کا کیا حال ہوگا اگر اس کا ارتکاب حرمت والے مہینے اور حرمت والے شہر میں کیا جائے۔

﴿وَأَخْرَجَ أَهْلَهُ مِنْهُ﴾ اور اہل مسجد کو اس میں سے نکال دینا، یعنی مسجد حرام میں عبادت کرنے والوں کو مسجد سے نکالنا؛ اس سے مراد نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہیں کیونکہ وہ مسجد حرام میں عبادت کرنے کے مشرکوں سے زیادہ حق دار ہیں۔ وہی درحقیقت مسجد حرام کو آباد کرنے والے ہیں۔ پس مشرکین نے ان کو مسجد حرام سے نکال دیا اور ان کے لیے مسجد حرام تک پہنچنا ممکن نہ رہا۔ حالانکہ یہ گھر مکہ کے رہنے والوں اور باہر کے لوگوں کے لیے برابر حیثیت رکھتا ہے۔ ﴿أَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ﴾ خون ریزی سے بھی بڑھ کر ہے۔ یعنی ان تمام برائیوں میں سے ہر ایک برائی کی قباحت حرام مہینوں میں قتل کی قباحت سے بڑھ کر ہے، تب ان کا کیا حال ہے جبکہ ان کے اندر مذکورہ تمام برائیاں ہی جمع ہیں؟ تو معلوم ہوا کہ یہ فاسق و فاجر لوگ ہیں اور اہل ایمان کو عار دلانے میں زیادتی سے کام لے رہے ہیں۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ مشرکین اہل ایمان سے لڑتے رہیں گے اور اس لڑائی سے ان کی غرض اہل ایمان کو قتل کرنا یا ان کے اموال لوٹنا نہیں بلکہ ان کی غرض و غایت صرف یہ ہے کہ اہل ایمان اپنا دین چھوڑ کر پھر کفر کی طرف لوٹ جائیں اور اس طرح وہ پھر سے جہنمیوں کے گروہ میں شامل ہو جائیں۔ پس وہ مسلمانوں کو اپنے دین سے پھیرنے کے لیے پوری قوت استعمال کر رہے ہیں اور امکان بھرا سی کوشش میں مصروف ہیں مگر اللہ تعالیٰ اپنی ہدایت کی روشنی کو مکمل کر کے رہے گا خواہ کفار کو کتنا ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔

تمام کفار کا عام طور پر یہی رویہ ہے وہ دوسرے لوگوں سے ہمیشہ برسر پیکار رہیں گے جب تک کہ ان کو اپنے دین سے پھیر نہ دیں۔ خاص طور پر یہود و نصاریٰ نے اس مقصد کے لیے جماعتیں تشکیل دیں، اپنے داعی بھیجے، طبیب پھیلائے اور مدارس قائم کئے، تاکہ دوسری قوموں کو اپنے مذہب میں جذب کر لیں۔ ان کے اذہان میں ہر وہ شبہ ڈال دیں جو ان کے دین میں شک پیدا کرے مگر امید ہے کہ اللہ تعالیٰ جس نے اہل ایمان کو اسلام جیسی نعمت عطا کر کے احسان فرمایا اور اپنے اس دین قیم کو ان کے لیے چن لیا اور اپنے دین کو ان کے لیے مکمل کیا، ان پر اپنی نعمت کو قائم کرے گا، پوری طرح اس کا اتمام کرے گا اور ہر اس طاقت کو پسپا کر دے گا جو اس کے دین کی روشنی کو بچھانے کی کوشش کرے گی، وہ ان کی چالوں کو ان کے سینوں ہی میں کچل کر رکھ دے گا اور وہ اپنے دین کی مدد اور اپنے کلمہ کو ضرور بلند کرے گا اور سورۃ الانفال کی یہ آیت کریمہ جس طرح پہلے کفار پر صادق آتی تھی، اسی طرح یہ موجودہ کفار پر بھی پوری طرح صادق آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيُضِدَّوْا عَن سَبِيلِ اللَّهِ فَسَيُنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ﴾ (الانفال: ۳۶/۱۸) ”بے شک وہ لوگ جو کافر ہیں وہ لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے اپنے مال خرچ کرتے ہیں۔ وہ عنقریب ابھی اور مال خرچ کریں گے آخر کار یہ مال خرچ کرنا ان کے لیے حسرت کا باعث بنے گا اور وہ مغلوب ہوں گے اور وہ لوگ جو کافر ہیں ان کو جہنم کی طرف ہانکا جائے گا۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ جو کوئی مرتد ہو کر اسلام کو چھوڑ دے اور کفر کو اختیار کرے ہمیشہ کفر پر قائم رہے حتیٰ کہ کفر کی حالت میں مر جائے ﴿فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ ”تو دنیا و آخرت میں ان کے تمام اعمال اکارت جائیں گے“ کیونکہ ان اعمال کی قبولیت کی شرط یعنی اسلام موجود نہیں ہے ﴿وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ ”اور یہی لوگ دوزخ والے ہیں جس میں ہمیشہ رہیں گے۔“ اس آیت کریمہ کا مفہوم دلالت کرتا ہے کہ جو کوئی مرتد ہونے کے بعد پھر دین اسلام کی طرف لوٹ آئے، تو اس کا عمل اس کی طرف لوٹ آتا ہے۔ جو اس نے مرتد ہونے سے پہلے کیا تھا۔ اسی طرح جو کوئی گناہوں سے تائب ہو جاتا ہے تو اس کے سابقہ اعمال اس کی طرف لوٹ آتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۗ أُولَٰئِكَ

بلاشبہ وہ لوگ جو ایمان لائے اور وہ جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں یہی لوگ

يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۸﴾

امید رکھتے ہیں اللہ کی رحمت کی اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے ○

آیت کریمہ میں مذکور تینوں اعمال سعادت کا عنوان اور عبودیت کا مرکز و محور ہیں انہی اعمال سے پہچان ہوتی ہے کہ انسان کے پاس کیا گھائے یا منافع کا سودا ہے۔ رہا ایمان تو اس کی فضیلت کے بارے میں مت پوچھئے اور آپ اس چیز کے بارے میں کیسے پوچھ سکتے ہیں جو اہل سعادت اور اہل شقاوت اور جہنمیوں اور جہنمیوں کے درمیان حد فاصل ہو؟ یہ ایمان ہی ہے کہ جب بندہ اس سے بہرہ ور ہوتا ہے، تو بھلائی کے تمام اعمال اس سے قبول کئے جاتے ہیں اور اگر وہ اس سے محروم ہو، تو پھر اس کا کوئی فرض اور کوئی نفل قابل قبول نہیں۔ رہی ہجرت! تو یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا کی خاطر اپنے محبوب اور مالوف وطن سے جدائی کو قبول کرنا ہے۔ پس مہاجر محض تقرب الہی اور نصرت دین کی خاطر اپنا وطن اپنا مال و متاع اپنے اہل و عیال اور اپنے دوست و احباب کو چھوڑ دیتا ہے۔

رہا جہاد تو یہ دشمنان اسلام کے خلاف پوری طاقت سے جدوجہد کرنے، پوری کوشش سے اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت اور شیطانی نظریات کے قلع قمع کرنے کا نام ہے۔ جہاد اعمال صالحہ میں سب سے بڑا عمل ہے اور اس کی جزا بھی ہر عمل کی جزا سے افضل ہے۔ جہاد دائرہ اسلام کی توسیع، بتوں کے پجاریوں کی پسائی اور مسلمانوں، ان کی جان و مال اور ان کی اولاد کے لیے امن کا سب سے بڑا وسیلہ اور سبب ہے۔ جو کوئی ان تینوں اعمال کو ان کی سختیوں اور مشقتوں کے باوجود بجالاتا ہے وہ دیگر اعمال کو بدرجہ اولیٰ بجالانے اور ان کی تکمیل پر قادر ہے۔ یہی لوگ اس بات کے زیادہ مستحق ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے امیدوار بنیں، کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں ایسا سبب پیش کیا ہے جو اس کی رحمت کا موجب ہے۔

یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ سعادت کے اسباب کو عمل میں لا کر ہی سعادت کی امید کی جاسکتی ہے۔ رہی وہ امید جو سستی اور کاہلی پر مبنی ہو اور جس سے پہلے اسباب کو عمل میں نہ لایا گیا ہو۔ تو وہ محض عجز، آرزو اور فریب ہے اور اس قسم کی امید کم ہمتی اور کم عقلی پر دلالت کرتی ہے۔ اس کی مثال اس شخص کی ہی ہے جو نکاح کے وجود کے بغیر ہی اولاد کی اور بیچ بوائے اور پانی دیئے بغیر ہی غلے کی فصل کی امید رکھتا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ﴾ ”یہی لوگ اللہ کی رحمت کی امید رکھتے ہیں“ میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ مومن خواہ کتنے ہی بڑے بڑے اعمال لے کر اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہو، تب بھی اس کے لیے مناسب نہیں کہ وہ ان اعمال پر بھروسہ کرے، بلکہ وہ اپنے رب کی رحمت کی امید رکھے وہ یہ امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ

کی جناب میں اس کے اعمال قبول ہو جائیں گے، اس کے گناہ بخش دیئے جائیں گے اور اس کے عیوب کی پردہ پوشی کر دی جائے گی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاللَّهُ عَفُورٌ﴾ اور اللہ بخشنے والا، یعنی جو خالص تو بہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ بخش دیتا ہے ﴿رَحِيمٌ﴾ رحمت کرنے والا ہے۔ یعنی اس کی رحمت ہر چیز پر محیط اور اس کی سخاوت اور احسان ہر ذی حیات کے لیے عام ہے۔

یہ آیت کریمہ اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جو کوئی ان مذکورہ اعمال کو بجالائے گا، وہ مغفرت الہی سے بہرہ ور ہوگا، کیونکہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں اور بندہ مومن کو اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل ہو جائے گی اور بندہ مومن جب اللہ تعالیٰ کی مغفرت حاصل کر لے گا، تو دنیا و آخرت کی تمام عقوبتیں اس سے دور ہو جائیں گی۔ یہ عقوبتیں درحقیقت گناہوں کے اثرات ہیں ان گناہوں کو بخش دیا جائے گا تو یہ اثرات بھی ختم ہو جائیں گے۔

جب بندہ مومن اللہ تعالیٰ کی رحمت سے بہرہ مند ہو جاتا ہے تو دنیا و آخرت کی ہر بھلائی اسے حاصل ہو جاتی ہے، بلکہ مذکورہ اعمال بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا حصہ ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ان کو ان اعمال کی توفیق عطا نہ فرماتا تو کبھی ان اعمال کا ارادہ بھی نہ کر سکتے، اگر اللہ تعالیٰ ان اعمال کو بجالانے کی قدرت عطا نہ کرتا، تو وہ ان اعمال کو بجالانے پر کبھی قادر نہ ہوتے اور اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان شامل حال نہ ہوتا تو اللہ ان اعمال کو تکمیل تک پہنچاتا نہ ان اعمال کو قبول کرتا۔ پس اول و آخر وہی فضل و کرم کا مالک ہے اور وہی ہے جو سبب اور مسبب سے نوازتا ہے۔

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنْفَعٌ لِلنَّاسِ لِمَا
وہ پوچھتے ہیں آپ سے شراب اور جوئے کی بابت، کہہ دیجئے! ان دونوں میں گناہ ہے بڑا اور (کچھ) فائدے ہیں لوگوں کے لئے
وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا^ط

اور ان کا گناہ بہت بڑا ہے ان کے فائدے سے

یعنی اے رسول! اہل ایمان آپ سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں۔ صحابہ کرام زمانہ جاہلیت اور اسلام کے ابتدائی ایام میں شراب وغیرہ استعمال کیا کرتے تھے۔ یوں لگتا ہے کہ شراب اور جوئے کے بارے میں کوئی اشکال واقع ہوا تھا اس لیے انہوں نے ان کے احکام کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا کہ وہ اہل ایمان پر شراب اور جوئے کے فوائد اور نقصانات واضح کر دیں، تاکہ یہ وضاحت شراب اور جوئے کی تحریم اور ان کو حتمی طور پر ترک کر دینے کا مقدمہ بن جائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے کے گناہ اور ان کے نقصانات اور ان کے اثرات سے آگاہ فرمایا، ان اثرات اور نقصانات میں عقل اور مال کا زائل ہونا، ان کا اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکنا اور عداوت اور بغض پیدا کرنا شامل ہیں۔ یہ تمام نقصانات ایسے ہیں جو ان کے مزعومہ فوائد مثلاً شراب کی تجارت اور جوئے کے ذریعے سے اکتساب مال، شراب نوشی اور جو ا کھیتے وقت حاصل

ہونے والے طرب اور فرحت وغیرہ سے بہت بڑے ہیں۔

نیز یہ بیان نفوس کے لیے زجر و توبخ کی حیثیت رکھتا تھا کیونکہ عقل مند شخص ہمیشہ اس چیز کو ترجیح دیتا ہے جس کے فوائد رائج ہوں اور اس چیز سے اجتناب کرتا ہے جس کے نقصانات زیادہ ہوں۔ لیکن چونکہ یہ حضرات شراب اور جوئے کے عادی اور ان سے مالوف تھے لہذا فوری اور حتمی طور پر ان کو چھوڑنا ان کے لیے سخت مشکل تھا اس لیے (تدریج کے طور پر) اس آیت کریمہ کو پہلے نازل فرمایا۔ چنانچہ یہ آیت اس آیت کے مقدمہ کی حیثیت رکھتی ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ﴾ (المائدہ: ۹۰/۱۵) ”اے ایمان والے لوگو! شراب، جوایت اور پانسے تو ناپاک اور شیطان کے کام ہیں“۔ اور آخر میں فرمایا ﴿فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ﴾ (المائدہ: ۹۱/۱۵) ”کیا تم باز آؤ گے؟“ اور یہ اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم اس کی رحمت اور اس کی حکمت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پکاراٹھے: ﴿انْتَهَيْنَا انْتَهَيْنَا﴾^① ”اے ہمارے رب ہم باز آئے، ہم باز آئے“۔

رہی شراب تو اس سے مراد ہر نشہ دینے والی چیز ہے جو عقل کو ڈھانپ لے خواہ وہ کسی نوع سے تعلق رکھتی ہو۔ اور جوئے سے مراد ہر وہ کام ہے جس میں مد مقابل کو ہرانے اور خود جیتنے کے لیے مقابلہ ہو اور فریقین کی طرف سے جیتنے پر کوئی مالی عوض مقرر کیا گیا ہو مثلاً شطرنج کا کھیل اور تمام قوی اور فعلی مقابلے جن کی ہار جیت پر کوئی مالی عوض مقرر کیا گیا ہو۔ البتہ گھوڑ دوڑ، اونٹ دوڑ میں مسابقت اور تیر اندازی کا مقابلہ جائز ہے۔ کیونکہ یہ کام جہاد میں مدد دیتے ہیں اس لیے شارع نے ان مقابلوں کی رخصت دی ہے۔

وَيَسْأَلُونَكَ مَاذَا يُنْفِقُونَ ۗ قُلِ الْعَفْوَ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ الْآيَاتِ

اور وہ پوچھتے ہیں آپ سے کہ کیا خرچ کریں؟ کہہ دیجئے! جو ضرورت سے زائد ہو اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لیے (اپنے) احکام

لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۱۹﴾ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ط

تاکہ تم غور و فکر کرو ○ دنیا اور آخرت کے بارے میں

یہ سوال اس بارے میں ہے کہ اہل ایمان اپنے اموال میں سے کتنی مقدار اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کریں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے تمام معاملے کو نہایت آسان بنا دیا اور حکم دیا کہ وہ صرف وہی چیز خرچ کریں جو فاضل ہو۔ اس سے مراد ان کے اموال میں وہ زائد حصہ ہے جس کا تعلق ان کی ضرورتوں اور حاجتوں سے نہ ہو۔ یہ حکم ہر شخص کی طرف اس کی استطاعت کے مطابق لوٹتا ہے، خواہ وہ مال دار ہو، فقیر ہو یا متوسط طبقے سے تعلق رکھتا ہو۔ ہر شخص اس مال کو خرچ کرنے پر قادر ہے جو اس کی ضروریات سے فاضل ہو خواہ یہ کھجور کا ایک ٹکڑا ہی کیوں نہ ہو۔

بنا برس رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ لوگوں کے مال اور صدقات میں سے فاضل مال وصول کیا جائے اور انہیں کسی ایسے امر کا مکلف نہ کیا جائے جو ان پر شاق گزرتا ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں کسی ایسی چیز کے خرچ کرنے کا حکم نہیں دیا جس کی ہمیں خود ضرورت ہو اور نہ ہمیں کسی ایسے امر کا مکلف بنایا ہے جو ہم پر شاق گزرے بلکہ اس نے ہمیں صرف اسی چیز کا حکم دیا ہے جو ہمارے لیے آسان اور جس میں ہماری سعادت ہو اور جس میں ہمارا یا ہمارے بھائیوں کا کوئی فائدہ ہو۔ پس وہ اس عنایت اور نوازش پر کامل ترین حمد و ثنا کا مستحق ہے۔

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس حکم کو اچھی طرح واضح کر دیا اور اپنے بندوں کو اسرار شریعت سے آگاہ کر دیا، تو فرمایا: ﴿كَذَلِكَ يَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ﴾ ”اسی طرح اللہ تمہارے لیے اپنے احکام کھول کھول کر بیان کرتا ہے۔“ یعنی یہ آیات حق پر دلالت کرتی ہیں اور علم نافع اور حق و باطل کے درمیان فرق کے لیے کسوٹی عطا کرتی ہیں۔ ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ ”تا کہ تم دنیا و آخرت (کی باتوں) میں غور و فکر کرو۔“ یعنی، تا کہ تم اسرار شریعت معلوم کرنے کے لیے اپنے فکر و تدبیر کو استعمال میں لاؤ اور تمہیں اس حقیقت کی معرفت حاصل ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کے احکام میں دنیا و آخرت کے مصالح اور فوائد پوشیدہ ہیں اور تا کہ تم دنیا اور اس کے نہایت تیزی کے ساتھ اپنے اختتام کی طرف بڑھنے پر اور آخرت اور اس کے ہمیشہ باقی رہنے پر غور و فکر کرو۔ نیز یہ کہ آخرت جزا و سزا کا گھر ہے۔ تا کہ تم اسے آباد کرو۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْيَتَامَىٰ قُلْ إِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ

اور وہ پوچھتے ہیں آپ سے یتیموں کے بارے میں، کہہ دیجئے! اصلاح کرنا انکی بہتر ہے اور اگر باہم ملاؤ تم انکو تو وہ بھائی ہیں تمہارے

وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۗ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَأَعْتَبْتُمْ

اور اللہ جانتا ہے فسادی کو اصلاح کرنے والے سے اور اگر چاہتا اللہ تو تکلیف میں ڈال دیتا تمہیں

إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۱۳﴾

بیشک اللہ بہت زبردست حکمت والا ہے

جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ إِثْمًا يَا كُلُّونَ فِي

بُطُونِهِمْ نَارًا وَسَيَصْلُونَ سَعِيرًا﴾ (النساء: ۱۰۴) ”بے شک وہ لوگ جو ظلم سے یتیموں کا مال کھاتے ہیں

وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں وہ عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے“ تو یہ آیت کریمہ

مسلمانوں پر بہت شاق گزری اور انہوں نے یتیموں کے کھانے سے اپنے کھانے کو اس خوف سے علیحدہ کر لیا کہ

کہیں وہ ان کا کھانا تناول نہ کر بیٹھیں۔ اگرچہ ان حالات میں اموال میں شراکت کی عادت جاری و ساری رہی۔

پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو آگاہ فرمایا کہ اصل

مقصد تو یتیموں کے مال کی اصلاح، اس کی حفاظت اور (اضافے کی خاطر) اس کی تجارت ہے اگر ان کا مال دوسرے مال میں اس طرح ملا لیا جائے کہ یتیم کے مال کو نقصان نہ پہنچے تو یہ جائز ہے، کیونکہ یہ تمہارے بھائی ہیں اور بھائی کی شان یہ ہے کہ وہ دوسرے بھائی سے مل جل کر رہتا ہے۔ اس بارے میں اصل معاملہ نیت اور عمل کا ہے۔

جس کی نیت کے بارے میں یہ معلوم ہو جائے کہ وہ یتیم کے لیے مصلح کی حیثیت رکھتا ہے اور اسے یتیم کے مال کا کوئی لالچ نہیں، تو اگر بغیر کسی قصد کے اس کے پاس کوئی چیز آ بھی جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ جس کی نیت اللہ کے علم میں، یتیم کے مال کو اپنے مال میں ملانے سے اس کو ہڑپ کرنا ہو تو اس میں یقیناً حرج اور گناہ ہے اور قاعدہ ہے (الْوَسَائِلُ لَهَا أَحْكَامُ الْمَقَاصِدِ) ”وسائل کے وہی احکام ہیں جو مقاصد کے ہیں“

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ ماکولات و مشروبات اور عقود وغیرہ میں مخالفت (مل جل کر کرنا) جائز ہے اور یہ رخصت اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کا لطف و احسان اور ان کے لیے وسعت ہے۔ ورنہ ﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَاعْنَتْنَاكُمْ﴾ ”اگر اللہ چاہتا تو تمہیں دشواری میں مبتلا کر دیتا“ یعنی اس بارے میں عدم رخصت تم پر بہت شاق گزرتی اور تم حرج، مشقت اور گناہ میں مبتلا ہو جاتے ﴿إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ ”بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔“ یعنی وہ قوت کاملہ کا مالک ہے اور وہ ہر چیز پر غالب ہے۔ لیکن بایں ہمہ وہ حکمت والا ہے، وہ صرف وہی فعل سرانجام دیتا ہے جس کا تقاضا اس کی حکمت کاملہ اور عنایت تامہ کرتی ہے۔ پس اس کی عزت و غلبہ اس کی حکمت کے منافی نہیں ہے لہذا اللہ تبارک و تعالیٰ کے بارے میں یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے خواہ اس کی حکمت کے مطابق ہو یا مخالف ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یوں کہا جائے گا کہ اس کے افعال اور احکام اس کی حکمت کے تابع ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کسی چیز کو عبث پیدا نہیں کرتا بلکہ اس کی تخلیق کے پیچھے کوئی حکمت ضرور ہوتی ہے خواہ اس حکمت تک ہماری رسائی ہو یا نہ ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے کوئی ایسا شرعی حکم مشروع نہیں کیا جو حکمت سے خالی ہو، اس لیے وہ صرف اس بات کا حکم دیتا ہے جس میں ضرور کوئی فائدہ ہو یا فائدہ غالب ہو اور اسی طرح منع بھی صرف اسی بات سے کرتا ہے جس میں یقینی نقصان یا نقصان کا غالب امکان ہو اور ایسا اس لیے ہے کہ اس کا ہر کام حکمت اور رحمت پر مبنی ہوتا ہے۔

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتَّىٰ يُوْمِنُوْا ۗ وَآٰمَنَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ ۚ وَكَوْ

اور نہ نکاح کرو تم مشرک عورتوں سے یہاں تک کہ ایمان لائیں وہ اور لونڈی مومنہ بہتر ہے ایک مشرک عورت سے اگرچہ
 اَعْبَبْتُمْ ۙ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتَّىٰ يُوْمِنُوْا ۗ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ
 وہ تمہیں بھلی ہی لگے اور نہ نکاح میں دو تم (مسلمان عورتیں) مشرک مردوں کے یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں اور ابنت غلام مومن بہتر ہے
 مِّنْ مُّشْرِكٍ ۚ وَكَوْ اَعْبَبَكُمْ ۗ اَوْلِيْكَ يَدْعُوْنَ اِلَى الْغَارِ ۗ وَاللّٰهُ يَدْعُوْا
 مشرک سے اگرچہ وہ تمہیں بھلا ہی لگے یہ (مشرک) بلاتے ہیں طرف آگ کی اور اللہ بلاتا ہے

إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِإِذْنِهِ وَيُبَيِّنُ آيَتِهِ
طرف جنت کی اور (طرف) مغفرت کی اپنے حکم سے اور بیان کرتا ہے اپنی آیتیں

لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ ﴿۲۱﴾

واسطے لوگوں کے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ○

یعنی ان مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جو اپنے شرک پر قائم ہوں ﴿حَتَّى يُؤْمِنَ﴾ ”حتیٰ کہ وہ ایمان لے آئیں“ کیونکہ ایک مومن عورت خواہ وہ کتنی ہی بد صورت کیوں نہ ہوں، مشرک عورت سے بہر حال بہتر ہے خواہ وہ کتنی ہی زیادہ حسین کیوں نہ ہو۔ یہ حکم تمام مشرک عورتوں کے بارے میں عام ہے اور اس حکم کے عموم کو سورہ مائدہ کی اس آیت نے خاص کر دیا ہے جس میں اہل کتاب کی عورتوں سے نکاح کی اباحت کا ان الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ﴾ (المائدہ: ۵/۵) ”اور اہل کتاب میں سے پاک دامن عورتیں بھی تمہارے لیے حلال ہیں“ فرمایا ﴿وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّى يُؤْمِنُوا﴾ ”اور اپنی عورتوں کو مشرک مردوں کے نکاح میں مت دو یہاں تک کہ وہ ایمان لے آئیں“ یہ حکم عام ہے اور اس میں کوئی تخصیص نہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس حکمت کا ذکر فرمایا ہے جو ایک مسلمان مرد اور مسلمان عورت کے غیر مسلموں کے ساتھ نکاح کی حرمت میں پنہاں ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿أُولَٰئِكَ يَدْعُونَ إِلَى النَّارِ﴾ ”یہ (مشرک) آگ کی طرف بلاتے ہیں۔“ یعنی وہ اپنے اقوال، افعال اور احوال میں جہنم کی طرف بلاتے ہیں۔ لہذا ان کے ساتھ اختلاط میں سخت خطرہ ہے اور یہ خطرہ کوئی دنیاوی خطرہ نہیں بلکہ یہ تو ابدی بدبختی ہے۔

اس آیت کریمہ کی علت سے مشرک اور بدعتی سے اختلاط کی ممانعت مستفاد ہوتی ہے جب مشرکین سے نکاح جائز نہیں، حالانکہ اس میں بہت سے مصالح ہیں..... تو مجرد اختلاط تو بدرجہ اولیٰ جائز نہ ہوگا۔ خاص طور پر جبکہ مشرک مسلمان پر معاشرتی طور پر فوقیت رکھتا ہو مثلاً مسلمان مشرک کا خادم ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِينَ﴾ ”مشرک مردوں سے اپنی عورتوں کا نکاح مت کرو“ اس بات کی دلیل ہے کہ نکاح میں ولی کا اعتبار ہے (یعنی اس کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہوگا) ﴿وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ﴾ اور اللہ جنت اور مغفرت کی طرف بلاتا ہے۔ ”یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جنت کے حصول اور اپنی مغفرت کی طرف بلاتا ہے جس کے اثرات یہ ہیں کہ اس سے تمام عذاب دور ہو جاتے ہیں۔ یہ دعوت درحقیقت اعمال صالحہ خالص تو بہ اور علم نافع کی طرف دعوت ہے جو حصول جنت اور مغفرت کے اسباب ہیں۔ ﴿وَيُبَيِّنُ آيَتِهِ﴾ ”وہ اپنی آیات بیان کرتا ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ اس آیت کے حکم اور اپنے دیگر احکام کو واضح کرتا ہے ﴿لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ﴾ ”لوگوں کے لیے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں۔“ تب یہ آیات لوگوں کے لیے نصیحت اور عبرت کا موجب بنتی ہیں جسے

انہوں نے فراموش کر ڈالا تھا۔ انہیں وہ علم عطا کرتی ہیں جس سے وہ جاہل تھے اور انہیں وہ اطاعت اور فرمانبرداری عطا کرتی ہیں جسے انہوں نے ضائع کر ڈالا تھا۔

وَيَسْأَلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ قُلْ هُوَ أَذَىٌّ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ
اور سوال کرتے ہیں آپ سے حیض کے بارے میں کہہ دیجئے! وہ گندگی ہے پس الگ رہو تم عورتوں سے حیض میں
وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهَرْنَ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ
اور نہ قربت (صحبت) کرو تم ان سے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائیں پس جب وہ پاک ہو جائیں تو آؤ ان کے پاس جہاں سے حکم دیا تم کو
اللَّهُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿۳۱﴾ نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ
اللہ نے بیشک اللہ پسند کرتا ہے توبہ کرنے والوں کو اور پسند کرتا ہے پاک صاف رہنے والوں کو تمہاری عورتیں کھیتی ہیں تمہارے لیے
فَاتُوا حَرْثَكُمْ أُنَى شَيْئِكُمْ وَقَدْ مَوْا لَأَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا
پس آؤ تم اپنی کھیتی میں جس طرح سے چاہو اور آگے بھیجو (نیک عمل) واسطے اپنے نفسوں کے اور ڈرو تم اللہ سے اور جان لو
أَنْكُمْ مَلْقُوهٌ وَبَشِيرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۲﴾

بلاشبہ تم ملنے والے ہو اللہ سے اور خوشخبری سنا دیجئے مومنوں کو

اللہ تعالیٰ حیض کے بارے میں اہل ایمان کے اس سوال سے آگاہ فرماتا ہے کہ آیا ایام حیض کے شروع ہونے کے بعد عورت سے اسی طرح اختلاط رکھا جائے جس طرح ایام حیض سے قبل تھا۔ یا اس سے مطلقاً اجتناب کیا جائے جیسے یہودی کیا کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ حیض ایک نجاست ہے۔ جب حیض ایک نجاست ہے تو حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اس نجاست سے روک کر اس کی حدود مقرر کر دے۔ اس لیے فرمایا:

﴿فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ﴾ ”پس ایام حیض میں عورتوں سے کنارہ کش رہو۔“ یعنی مقام حیض سے دور رہو۔ اور اس سے مراد شرم گاہ میں مجامعت ہے اور اس مجامعت کے حرام ہونے پر اجماع ہے اور حیض کے دوران مجامعت سے دور رہنے کی تخصیص اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ شرم گاہ میں مجامعت کے سوا عورت کے ساتھ اختلاط اور اس کو ہاتھ سے چھونا جائز ہے البتہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّى يَطْهَرْنَ﴾ ”جب تک پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرنا۔“ عورت کے ساتھ ایسے اختلاط کی ممانعت پر دلالت کرتا ہے جو فرج کے قریب یعنی ناف اور گھٹنے کے درمیان ہو۔ اس قسم کے اختلاط کو ترک کر دینا چاہئے۔ نبی اکرم ﷺ جب کبھی اپنی کسی بیوی کے ساتھ اختلاط کرنا چاہتے تو اسے ازار پہننے کا حکم دیتے تب اس کے ساتھ اختلاط کرتے ①۔

اور بیوی سے دور رہنے اور حیض کی وجہ سے قریب نہ جانے کی حد ﴿حَتَّى يَطْهَرْنَ﴾ ”یہاں تک کہ وہ پاک ہو

جائیں، مقرر فرمائی ہے۔ یعنی جب حیض کا خون منقطع ہو جائے تو وہ مانع زائل ہو جاتا ہے جو جریان حیض کے وقت موجود تھا۔ اس کے جائز ہونے کی دو شرطیں ہیں۔ (۱) خون کا منقطع ہونا۔ (۲) خون کے منقطع ہونے کے بعد غسل کرنا۔ جب خون منقطع ہو جاتا ہے تو پہلی شرط زائل ہو جاتی ہے اور دوسری شرط باقی رہ جاتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَإِذَا تَطَهَّرْنَ﴾ پس جب وہ (حیض سے) پاک ہو جائیں، یعنی غسل کر لیں ﴿فَأَتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ﴾ پس تم آؤ ان عورتوں کو جہاں سے تمہیں اللہ نے حکم دیا ہے، قبل یعنی سامنے سے جماع کرو اور دُبر سے اجتناب کرو۔ کیونکہ قبل (شرم گاہ) ہی کھیتی کا محل و مقام ہے۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حائضہ عورت پر غسل فرض ہے اور غسل کی صحت کے لیے خون کا منقطع ہونا شرط ہے۔ اور چونکہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر لطف و کرم اور نجاستوں سے ان کی حفاظت ہے اس لیے فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ﴾ اللہ تو بہ کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو ہمیشہ توبہ کرتے رہتے ہیں ﴿وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ﴾ اور ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو گناہوں سے پاک رہنے کی کوشش کرتے ہیں۔

یہ آیت کریمہ حدث اور نجاست سے حسی طہارت کو شامل ہے۔ پس اس آیت سے طہارت کی مطلق مشروعیت ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اس شخص کو پسند کرتا ہے جو طہارت کی صفت سے متصف ہو۔ اس لیے مطلق طہارت صحت نماز، صحت طواف اور مصحف شریف کو چھونے کے لیے شرط ہے۔ یہ آیت کریمہ معنوی طہارت یعنی اخلاق رذیلہ صفات قبیحہ اور افعال حسیہ جیسی معنوی نجاستوں سے طہارت کو بھی شامل ہے۔

﴿نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنْتُمْ﴾ تمہاری بیویاں تمہاری کھیتیاں ہیں پس تم اپنی کھیتوں کو جہاں سے چاہو آؤ، یعنی تم اپنی بیویوں سے سامنے سے جماع کرو یا پیچھے سے۔ البتہ یہ جماع صرف قبل (یعنی شرم گاہ) میں ہونا چاہئے، کیونکہ یہی کھیتی کے اگنے کی جگہ ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں سے اولاد جنم لیتی ہے۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ دبر (یعنی پیٹھ) میں جماع کرنا حرام ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیوی کے ساتھ صرف اسی مقام میں مجامعت کو جائز قرار دیا ہے جو کھیتی (یعنی اولاد) پیدا کرنے کا مقام ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے نہایت کثرت سے احادیث مروی ہیں جو دبر میں جماع کی تحریم پر دلالت کرتی ہیں اور جن میں آپ نے اس فعل کے مرتکب پر لعنت فرمائی ہے۔ ﴿وَقَدْ مَوَّأَ لَنَا نَفْسُكُمْ﴾ اور اپنے لیے (نیک عمل) آگے بھیجو، یعنی نیکیوں کے کام سرانجام دے کر اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کی کوشش کرو۔ اور ان نیکیوں میں ایک نیکی یہ بھی ہے کہ مرد اپنی بیوی سے مباشرت کرے یہ مباشرت اللہ تعالیٰ کے تقرب کی خاطر اور اولاد کے حصول کی امید کے ساتھ ہو، وہ اولاد جن کے ذریعے سے اللہ فائدہ پہنچاتا ہے۔ ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ اور اللہ سے ڈرتے

رہو۔“ یعنی اپنے تمام احوال میں تقویٰ اختیار کرو اور اس بارے میں اپنے علم سے مدد لیتے ہوئے تقویٰ کا التزام کرو ﴿وَأَعْلَمُوا أَنكُم مَّلَاقُوهُ﴾ اور جان لو کہ تم اس (اللہ تعالیٰ) سے ملاقات کرو گے، اور وہ تمہیں تمہارے اعمال صالحہ وغیرہ کی جزا دے گا ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ اور ایمان والوں کو بشارت سنا دو۔“ یہاں اس امر کا ذکر نہیں کیا گیا جس کی بشارت دی گئی ہے، تاکہ یہ بشارت کے عموم پر اور اس بات پر دلالت کرے کہ ان کے لیے دنیا کی زندگی میں بھی بشارت ہے اور آخرت میں بھی بشارت ہے اور ہر بھلائی کا حصول، ہر نقصان سے بچاؤ جو ایمان پر مرتب ہو وہ بھی اس بشارت میں داخل ہے۔ اس آیت میں اس امر کی بھی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اہل ایمان سے محبت کرتا ہے اور اس چیز کو پسند کرتا ہے جس سے اہل ایمان خوش ہوتے ہیں۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اہل ایمان میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیار کی ہوئی دنیاوی اور اخروی جزا کے حصول کے لیے شوق اور نشاط پیدا کرنا مستحب ہے۔

وَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ عُرْضَةً لِأَيْمَانِكُمْ أَنْ تَبَرُّوا وَتَتَّقُوا وَتُصَلِّحُوا
اور نہ بناؤ تم اللہ کو نشانہ واسطے اپنی قسموں کے، یہ کہ تم نیکی (نہیں) کرو گے، اور تقویٰ (نہیں) اپنایا گئے، اور صلح (نہیں) کراؤ گے
بَيْنَ النَّاسِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۳﴾

درمیان لوگوں کے اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے ○

حلف اور قسم کا مقصد اس ہستی کی تعظیم ہے جس کی قسم کھائی جائے اور اس چیز کی تاکید مراد ہے جس پر قسم کھائی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے قسموں کی حفاظت کا حکم دیا ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ ہر معاملے میں قسم کی حفاظت کی جائے مگر اس سے اس قسم کو اللہ نے مستثنیٰ کر دیا ہے جس میں کسی کے ساتھ احسان (نہ کرنے) کی قسم کھائی گئی ہو۔ یہ اس بات کو متضمن ہے کہ وہ قسم توڑ کر اس چیز کو اختیار کرے جو اسے زیادہ پسند ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اس بات سے منع کیا ہے کہ وہ اپنی قسموں کو نشانہ یعنی نیکی کرنے سے رکاوٹ بنا لیں۔ مطلب یہ ہے کہ وہ بھلائی کے کام سرانجام دیں، برائی سے بچیں اور لوگوں کے درمیان صلح کروائیں۔ (اور اس طرح قسم نہ کھائیں کہ میں فلاں کے ساتھ احسان نہیں کروں گا، فلاں کے ساتھ نہیں بولوں گا وغیرہ)۔

پس جو کوئی کسی واجب کو ترک کرنے کی قسم کھاتا ہے اس پر قسم توڑنا واجب ہے اور اس قسم پر قائم رہنا حرام ہے اور جو کوئی کسی مستحب کو چھوڑنے کی قسم کھاتا ہے اس پر اس قسم کو توڑنا مستحب ہے اور جو کسی حرام امر کے ارتکاب کا حلف اٹھاتا ہے اس پر حلف توڑنا واجب ہے اور اگر وہ کسی مکروہ فعل کے ارتکاب پر قسم اٹھاتا ہے تو اس پر اس قسم کو توڑنا مستحب ہے۔ رہے مباح امور تو ان کے بارے میں اٹھائی ہوئی قسم کی حفاظت کرنا زیادہ مناسب ہے۔

اس آیت کریمہ سے اس مشہور فقہی اور قانونی قاعدے پر استدلال کیا جاتا ہے (إِذَا تَرَ أَحَمَّتِ الْمَصَالِحُ

قَدْ مَ أَهْمُهَا) ”جب مصالح میں باہم ٹکراؤ ہو تو اس کو مقدم رکھا جائے گا جو ان میں سب سے زیادہ اہم ہوگا“ پس یہاں قسم کا پورا کرنا ایک مصلحت ہے اور ان اشیاء میں اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کرنا اس سے زیادہ بڑی مصلحت ہے اس لیے اس کو مقدم رکھا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ان دو اسمائے کریمہ کے ذکر کے ساتھ آیت کا اختتام کیا ہے ﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ﴾ ”اللہ سننے والا“ یعنی اللہ تمام آوازوں کو سننے والا ہے ﴿عَلِيمٌ﴾ یعنی وہ مقاصد اور نیتوں کو خوب جانتا ہے۔ گویا وہ قسم اٹھانے والوں کی بات کو سنتا ہے اور ان کے مقاصد کو بھی جانتا ہے کہ آیا یہ قسم کسی نیک مقصد کے لیے اٹھائی گئی ہے یا برے مقصد کے لیے۔ یہ آیت کریمہ اس بات کو بھی متضمن ہے کہ اللہ تعالیٰ کی سزا سے بچا جائے نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال اور تمہاری نیتوں کو جانتا ہے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا
نَمِيتُمْ مَوَازِئَ اللَّهِ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَاللَّهُ عَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۳۵﴾
جن کا قصد کیا تمہارے دلوں نے اور اللہ بخشنے والا بڑا بردبار ہے ○

یعنی اللہ تعالیٰ ان لغو قسموں پر تمہارا مواخذہ نہیں کرتا جو تمہاری زبان سے نکلتی رہتی ہیں اور بندہ بغیر کسی قصد اور ارادے کے قسمیں کھاتا رہتا ہے اور یوں ہی اس کی زبان سے بلا قصد قسمیں نکل جاتی ہیں مثلاً وہ بات چیت میں بار بار کہتا ہے ”اللہ کی قسم! نہیں“ اور ”ہاں! اللہ کی قسم!“ وغیرہ۔ یا جیسے وہ کسی گزرے ہوئے معاملے میں حلف اٹھاتا ہے جس کے بارے میں وہ اپنے آپ کو سچا سمجھتا ہے۔ البتہ اس قسم پر مواخذہ ہوگا جو دل سے کھائے گا۔ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس طرح مقاصد افعال میں معتبر ہوتے ہیں اسی طرح اقوال میں بھی مقاصد کا اعتبار ہوگا۔ ﴿وَاللَّهُ عَفُورٌ﴾ ”اللہ تعالیٰ اس شخص کو بخش دیتا ہے جو توبہ کے ذریعے سے اس کی طرف لوٹتا ہے“ ﴿حَلِيمٌ﴾ جو شخص اس کی نافرمانی کرتا ہے وہ اس کے بارے میں بہت حلم سے کام لیتا ہے اور اس کو سزا دینے میں عجلت سے کام نہیں لیتا بلکہ اپنے حلم کی بنا پر اس کی پردہ پوشی کرتا ہے اور اس پر قدرت رکھنے اور اپنے سامنے ہونے کے باوجود اس سے درگزر کرتا ہے۔

لِلَّذِينَ يُؤْتُونَ مِنْ نِسَائِهِمْ تَرَبُّصًا أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءُوا فَإِنَّ

واسطے ان لوگوں کے جو تم کھالیتے ہیں اپنی عورتوں (کے پاس جانے) سے انتظار کرنا ہے چار مہینے پھر اگر وہ رجوع کر لیں تو بلاشبہ
اللَّهُ عَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۳۶﴾ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۷﴾
اللہ بہت بخشنے والا بڑا رحم کرنے والا ہے ○ اور اگر عزم کر لیں وہ طلاق کا تو بیشک اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے ○

یہ قسم کسی خاص معاملے میں صرف بیوی کے ساتھ مخصوص ہے اور یہ بیوی کے ساتھ مطلق طور پر یا چار مہینے یا

اس سے بھی زیادہ کی قید کے ساتھ جماع نہ کرنے کی قسم ہے۔ پس جو کوئی اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھاتا ہے۔ اگر یہ قسم چار ماہ سے کم مدت کے لیے ہے تو یہ عام قسموں میں شمار ہوگی۔ اگر وہ قسم توڑے گا تو اس کا کفارہ ادا کرے گا اور اگر وہ اپنی قسم پوری کرتا ہے تو اس پر کوئی چیز نہیں اور اس کی بیوی کو اس کے خلاف چارہ جوئی کرنے کا کوئی اختیار نہیں؛ کیونکہ اس کی بیوی چار ماہ تک اس کی ملک ہے اور اگر اس نے ہمیشہ کے لیے اپنی بیوی کے پاس نہ جانے کی قسم کھائی ہے یا قسم کا عرصہ چار ماہ سے زیادہ ہے ایسی صورت میں جب اس کی بیوی اس سے حق زوجیت کا مطالبہ کرے گی تو اس قسم کے لیے چار ماہ کی مدت مقرر کر دی جائے گی؛ کیونکہ یہ بیوی کا حق ہے۔ جب چار ماہ کی مدت پوری ہو جائے تو خاوند کو رجوع یعنی جماعت کا حکم دیا جائے؛ اگر وہ رجوع کر کے تعلق زوجیت قائم کر لے تو اس پر قسم کے کفارے کے سوا کچھ لازم نہیں اور اگر وہ رجوع کرنے سے انکار کر دے تو اسے طلاق دینے پر مجبور کیا جائے گا اور اگر پھر بھی طلاق نہ دے تو حاکم طلاق نافذ کر دے گا..... البتہ بیوی کی طرف رجوع کرنا اللہ تعالیٰ کو زیادہ پسند ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قَانَ قَاءً وَ﴾ ”پس اگر وہ رجوع کریں۔“ یعنی جس چیز (تعلق زوجیت) کو چھوڑ دینے کی انہوں نے قسم اٹھائی تھی اگر اس کی طرف دوبارہ لوٹ آئیں۔ ﴿قَانَ اللّٰهُ عَقُوْرٌ﴾ تو قسم اٹھانے کی وجہ سے انہوں نے جس گناہ کا ارتکاب کیا تھا ان کے رجوع کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے گا ﴿رَحِيْمٌ﴾ وہ بہت رحم کرنے والا ہے کہ اس نے بندوں کی قسموں کو اٹوٹ اور ان پر لازم قرار نہیں دیا؛ بلکہ ان سے باہر نکلنے کے لیے کفارہ مقرر کیا۔ نیز وہ ان پر اس لحاظ سے بھی مہربان ہے کہ انہوں نے اپنی بیویوں سے رجوع کیا ان سے مہربانی اور شفقت سے پیش آئے۔ (یعنی ان کا رجوع بھی اللہ کی مہربانی ہی کا نتیجہ ہے)

﴿وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ﴾ ”اور اگر وہ طلاق کا ارادہ کر لیں۔“ یعنی اگر وہ رجوع کرنے سے انکار کر دیں، تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ انہیں ان میں رغبت نہیں اور وہ ان کو بیوی کے طور پر باقی رکھنا نہیں چاہتے..... اور یہ چیز طلاق کے ارادے کے سوا کچھ نہیں..... اگر یہ طلاق جو اس پر واجب ہے کہنے سننے پر بیوی کو حاصل ہو جائے تو ٹھیک ہے ورنہ حاکم اس کو طلاق پر مجبور کرے یا خود نافذ کر دے۔ ﴿قَانَ اللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ﴾ ”بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے“ اس آیت کریمہ میں اس شخص کے لیے سخت وعید اور تہدید ہے جو کوئی اللہ کی قسم اٹھاتا ہے اور اس کا مقصد محض ضرر رسانی اور تکلیف پہنچانا ہوتا ہے۔ اس آیت کریمہ سے اس امر پر استدلال کیا جاتا ہے کہ إِنْ لَاءَ بیوی سے مخصوص ہے کیونکہ اس میں مِنْ نَسَاءِ هُمْ کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ نیز چار ماہ میں ایک مرتبہ بیوی کے ساتھ جماعت فرض ہے؛ کیونکہ چار ماہ کے بعد یا تو اسے جماعت پر مجبور کیا جائے گا یا اسے طلاق دینی پڑے گی۔ یہ جبر صرف اسی وقت ہو سکتا ہے جب وہ کسی واجب کو ترک کرے۔

وَالْمُطَلَّقَاتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكْتُمْنَ
 اور مطلقہ عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو تین حیض تک اور نہیں حلال ان کے لیے یہ کہ چھپائیں وہ
 مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي أَرْحَامِهِنَّ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنَنَّ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ
 اس کو جو پیدا کیا اللہ نے ان کے رحموں میں اگر ہیں وہ ایمان رکھتیں ساتھ اللہ اور یوم آخرت کے
 وَبُعُولَتُهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا وَلَهُنَّ
 اور خاندان کے زیادہ حق دار ہیں انکو لوٹا لینے کے اس (مدت) میں اگر ارادہ رکھیں وہ اصلاح کا اور (ان) عورتوں کا (حق ہے مردوں پر)
 مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ
 مانند اس کے جو ہے ان (عورتوں) پر مطابق دستور کے اور مردوں کو ان پر ایک فضیلت ہے

وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۲۷۸﴾

اور اللہ غالب، خوب حکمت والا ہے ○

یعنی وہ عورتیں جن کو ان کے شوہروں نے طلاق دے دی ہے ﴿يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ﴾ ”اپنے تئیں روکے
 رکھیں“، یعنی وہ انتظار کریں اور عدت پوری کریں ﴿ثَلَاثَةَ قُرُوءٍ﴾ ”تین حیض“ (فرضاً) کے معنی میں اختلاف ہے
 بعض کے نزدیک اس کے معنی حیض اور بعض کے نزدیک طہر کے ہیں۔ تاہم صحیح مسلک یہ ہے کہ اس سے مراد تین
 حیض ہیں اور اس عدت کی متعدد حکمتیں ہیں، مثلاً جب مطلقہ عورت کو بیکر تین حیض آجاتے ہیں تو براءت رحم ہو
 جاتی ہے اور معلوم ہو جاتا ہے کہ اس کے پیٹ میں حمل نہیں اور اس طرح نسب میں اختلاط کا کوئی خدشہ نہیں رہتا۔
 بنا بریں اللہ تعالیٰ نے مطلقہ عورتوں پر واجب کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے رحم میں جو کچھ تخلیق کیا ہے اس
 کے بارے میں آگاہ کریں اور حمل یا حیض کا چھپانا ان پر حرام ٹھہرایا ہے، کیونکہ ان کا حیض یا حمل چھپانا بہت سے
 مفسد کا باعث بنتا ہے۔ حمل کو چھپانا اس بات کا موجب بنتا ہے کہ عورت اپنے حمل کے نسب کو کسی ایسے شخص کے
 ساتھ ملحق کر دے جس میں اسے رغبت ہے یا محض عدت کے پورا ہو جانے میں جلد بازی کے لیے حیض آنے کا
 اعلان کر دے۔ پس جب یہ عورت اپنے حمل کو اس کے باپ کے سوا کسی اور کے ساتھ ملحق کر دیتی ہے، تو یہ چیز قطع
 رحمی اور میراث سے محروم کرنے کا باعث بنتی ہے، اس کے لیے اس کے محرموں اور اقارب سے پردے کا موجب
 بنتی ہے اور بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ اس الحاق سے محارم کے درمیان نکاح کا رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔

اس کے مقابلے میں باپ کے سوا کسی اور شخص سے اس حمل کا الحاق ہوتا ہے اور اس کے نتیجے میں اس کے تمام
 توالیع، مثلاً میراث وغیرہ کا اثبات ہوتا ہے اور جس شخص کے ساتھ اس حمل کا الحاق کیا گیا ہوتا ہے، اس کے تمام
 اقارب کو اس بچے کے اقارب بنا دیتا ہے اور اس میں بہت بڑا اثر اور فساد ہے جسے بندوں کے رب کے سوا کوئی نہیں

جانتا اور اگر اس میں مذکورہ باتیں نہ بھی ہوں تب بھی مطلقہ کا ایسے شخص سے نکاح کر لینا جس سے اس کا نکاح جائز ہی نہیں تھا تو اس کا یہ ایک نتیجہ ہی اس فعل کی برائی کے لیے کافی ہے، کیونکہ یہ نکاح نکاح نہیں زنا ہوگا جو کبیرہ گناہ اور اس پر اصرار ہے۔ رہا حیض کو چھپانا تو اس نے عجلت سے کام لے کر جھوٹ بولتے ہوئے حیض آنے کی خبر دی ہے تو اس میں پہلے خاوند کی حق تلفی اور اپنے آپ کو دوسرے کے لیے مباح قرار دینا ہے نیز اس سے دیگر برائیاں متفرع ہوتی ہیں جیسا کہ گزشتہ سطور میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اگر وہ حیض کے عدم وجود کی جھوٹی اطلاع دیتی ہے تاکہ عدت لمبی ہو جائے اور اس طرح وہ نان و نفقہ حاصل کر سکے جو شوہر پر واجب نہ تھا تو یہ دو پہلوؤں سے اس پر حرام ہے۔ (۱) اب وہ اس کی مستحق نہیں رہی۔ (۲) اس کو شریعت کی طرف منسوب کرنا حالانکہ وہ جھوٹی ہے۔

اس صورت میں بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ عدت کے ختم ہو جانے کے بعد خاوند رجوع کر لیتا ہے (یعنی خاوند مطلقہ کی اطلاع کے مطابق سمجھتا ہے کہ ابھی عدت ختم نہیں ہوئی) یہ رجوع درحقیقت زنا ہے۔ کیونکہ یہ عورت اب اس کے لیے اجنبی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا يَجِلُّ لَهُنَّ أَنْ يَكُنَّ مِمَّا خَلَقَ اللَّهُ فِي رَحْمَتِهِ إِنْ كُنَّ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ ان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اس چیز کو چھپائیں جو اللہ نے ان کے رحموں میں پیدا کی ہے اگر وہ اللہ اور آخرت کے دن پر یقین رکھتی ہیں، حیض یا حمل کو چھپانا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتیں۔ اگر ان کا اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان ہوتا اور انہیں علم ہوتا کہ انہیں ان کے اعمال کی جزا ملے گی تو ان سے کبھی یہ فعل صادر نہ ہوتا۔

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر عورت اپنے معاملات کے بارے میں جن کی اطلاع اس کے سوا کسی اور کو نہیں ہوتی، مثلاً حیض اور حمل وغیرہ..... کوئی خبر دیتی ہے تو وہ قابل قبول ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَبُعُوْنَهُنَّ أَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِي ذَلِكَ﴾ اور ان کے خاوندان کو اپنی زوجیت میں لے لینے کے زیادہ حق دار ہیں۔ یعنی جب بیویاں عدت کے اندر عدت پوری ہونے کی منتظر ہیں اس وقت تک ان کے شوہران سے رجوع کا زیادہ حق رکھتے ہیں ﴿إِنْ أَرَادُوا إِصْلَاحًا﴾ اگر ان کا ارادہ اصلاح کا ہے، یعنی اگر شوہر رغبت الفت اور مودت کا جذبہ رکھتے ہیں۔ اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ اگر رجوع کرنے سے ان کا مقصد اصلاح نہیں تو وہ انہیں واپس لانے کا حق نہیں رکھتے، کیونکہ بیوی کو نقصان پہنچانے اور عدت کو طول دینے کی غرض سے رجوع کرنا جائز نہیں۔ کیا خاوند اس قسم کا مقصد و ارادہ رکھتے ہوئے رجوع کرنے کا اختیار رکھتا ہے؟ فقہاء اس بارے میں دو آراء رکھتے ہیں۔

جمہور فقہاء کہتے ہیں کہ تحریم کے باوجود خاوند یہ اختیار رکھتا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ اگر شوہر اصلاح کا ارادہ نہیں رکھتا تو رجوع کرنے کا حق نہیں رکھتا۔ جیسا کہ آیت کریمہ کے ظاہری الفاظ دلالت کرتے ہیں۔

اور اس انتظار میں یہ دوسری حکمت ہے۔ وہ اس طرح کہ بسا اوقات شوہر بیوی کو طلاق دے کر نادام ہوتا ہے تو اس کے لیے یہ مدت رکھ دی گئی ہے تاکہ وہ دوبارہ اپنے فیصلہ طلاق پر غور کر لے اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے درمیان الفت چاہتا ہے ان کے درمیان جدائی اسے پسند نہیں۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «أَبْغَضُ الْحَالِلِ إِلَى اللَّهِ الطَّلَاقُ» "حلال چیزوں میں سے جو سب سے زیادہ اللہ کو ناپسند ہے وہ طلاق ہے" (۱) "رجوع کا یہ حق طلاق رجعی کے ساتھ مخصوص ہے۔ رہی طلاق بائن تو اس میں خاوند کو رجوع کا حق نہیں۔ البتہ اگر میاں بیوی دونوں رجوع پر راضی ہوں تو نکاح کی پوری شرائط کے ساتھ نیا نکاح ضروری ہے۔

﴿وَأَهْنَىٰ مِثْلُ النَّبِيِّ عَلَيْهِنَ بِالْمَعْرُوفِ﴾ "اور عورتوں کا حق ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے۔" یعنی عورتوں کے اپنے شوہروں پر وہی حقوق ہیں جو شوہروں کے اپنی بیویوں پر ہیں۔ میاں بیوی کے ایک دوسرے پر حقوق کے بارے میں اصل مرجع "معروف" ہے یہاں معروف سے مراد اس زمانے اور اس شہر میں عورتوں مردوں کے بارے میں جاری عادت ہے۔ زمان و مکان احوال و اشخاص اور عادات میں تغیر و تبدل کے ساتھ معروف میں تبدیلی ہو جائے گی۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ نان و نفقہ لباس معاشرتی تعلق گھر اسی طرح میاں بیوی کے درمیان خاص تعلق ان سب کا مرجع "معروف" ہے۔ یہ عقد مطلق کی صورت میں ہے یعنی نکاح کے وقت کوئی شرط طے نہ کی گئی ہو، لیکن جو نکاح مطلق نہیں مقید یعنی شرطوں کے ساتھ ہوگا تو وہاں ان شرطوں کا ایفاء ضروری ہوگا۔ البتہ کوئی ایسی شرط نہ ہو جو حرام کو حلال اور کسی حلال کو حرام ٹھہرا دے۔ ﴿وَاللِّزْجَالِ عَلَيْهِنَ دَرَجَةٌ﴾ "اور مردوں کو عورتوں پر ایک درجہ فوقیت حاصل ہے۔" جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾ (النساء: ۳۴/۴) "مرد عورتوں پر حاکم و قوام ہیں کیونکہ اللہ نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے نیز اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔"

منصب نبوت، منصب قضا، امامت صغریٰ امامت کبریٰ اور دیگر تمام شعبوں کی سربراہی مردوں سے مخصوص ہے۔ میراث وغیرہ جیسے بہت سے معاملات میں بھی مرد کو عورت کے مقابلے میں دوگنا حیثیت حاصل ہے۔ ﴿وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ "اور اللہ غالب صاحب حکمت ہے" یعنی اللہ تعالیٰ عزت، غلبہ، بہت بڑے تسلط اور اختیارات کا مالک ہے۔ تمام کائنات اس کے سامنے سرافگندہ ہے مگر وہ اپنے غلبہ اور اختیارات کے باوجود اپنے تصرفات میں نہایت حکمت سے کام لیتا ہے۔

اس آیت کریمہ کے عموم سے مندرجہ ذیل صورتیں مستثنیٰ ہیں۔

① سنن ابی داؤد، الطلاق، باب فی کراہیة الطلاق، حدیث: ۲۱۷۸

- (۱) اگر مطلقہ حاملہ ہو تو اس کی عدت وضع حمل ہے۔
 (۲) اگر مطلقہ غیر مدخولہ ہو، یعنی اس کے ساتھ خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو تو اس پر کوئی عدت نہیں۔
 (۳) لونڈیوں کی عدت دو حیض ہیں۔ جیسا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا قول ہے۔ آیات کریمہ کا سیاق دلالت کرتا ہے کہ آیت میں مذکورہ عورت سے مراد آزاد عورت ہے۔

الطَّلَاقُ مَرَّتَيْنِ فَاِمْسَاكِ بِمَعْرُوفٍ اَوْ تَسْرِيحٍ بِاِحْسَانٍ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ
 الطلاق (رجعی) دو مرتبہ ہے پھر روک رکھنا ہے موافق دستور کے یا چھوڑ دینا ہے ساتھ بھلائی کے اور نہیں حلال تمہارے لیے
 اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّا اَتَيْتُمْوَهُنَّ شَيْئًا اِلَّا اَنْ يَخَافَاْ اَلَا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ
 یہ کہ لو تم اس (مہر) میں سے جو دیا تم نے ان کو کچھ بھی مگر یہ کہ وہ دونوں ڈریں اس بات سے کہ نہ قائم رکھ سکیں گے وہ اللہ کی حدوں کو
 فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا
 پس (اے مومنو!) اگر تم خوف کھاؤ اس بات سے کہ وہ دونوں نہ قائم رکھ سکیں گے اللہ کی حدوں کو تو نہیں گناہ ان پر اس (مال) میں جو
 افْتَدَتْ بِهٖ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ
 (خلع کے) فدیے میں دے عورت وہ مال یہ حدیں ہیں اللہ کی سو نہ تجاوز کرو تم ان سے اور جو کوئی تجاوز کرے

حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۱۳۹﴾
 اللہ کی حدوں سے تو وہی ہیں ظالم ○

جاہلیت اور اسلام کے ابتدائی دور میں مرد اپنی بیوی سے طلاق و رجوع کا لامتناہی سلسلہ جاری رکھتا تھا.....
 لہذا مرد جب اپنی بیوی کو نقصان پہنچانا چاہتا تو اسے طلاق دے دیتا اور عدت پوری ہونے سے پہلے رجوع کر
 لیتا۔ پھر اسے طلاق دے دیتا اور پھر اختتام عدت سے پہلے رجوع کر لیتا اور ہمیشہ اسی طرح کرتا رہتا۔ اس طرح
 عورت کو جس ضرر اور نقصان کا سامنا کرنا پڑتا وہ اللہ ہی جانتا ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا: ﴿الطَّلَاقُ﴾
 یعنی وہ طلاق جس میں خاوند کو رجعت کا حق حاصل ہے۔ ﴿مَرَّتَيْنِ﴾ ”صرف دو مرتبہ ہے“ تاکہ اگر خاوند اپنی
 بیوی کو ضرر پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتا تو اس مدت کے دوران میں طلاق دینے کے فیصلے سے رجوع کر سکتا ہے۔ رہا
 اس سے زیادہ مرتبہ طلاق دینا تو یہ طلاق کا محل نہیں، کیونکہ جو کوئی دو مرتبہ سے زیادہ طلاق دیتا ہے وہ یا تو حرام فعل
 کے ارتکاب کی جرات کرتا ہے یا اسے اپنی بیوی کو رکھنے میں رغبت نہیں ہوتی، بلکہ وہ اسے نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔
 اسی لیے اللہ تعالیٰ نے خاوند کو حکم دیا ہے کہ یا تو وہ بھلے طریقے سے اپنی بیوی کو رکھ لے ﴿بِمَعْرُوفٍ﴾ ”بطریق
 شائستہ“ یعنی اچھے رہن سہن اور اچھے سلوک کے ساتھ اور اس کے ساتھ وہی سلوک کرے جو اس جیسے دوسرے لوگ
 اپنی بیویوں کے ساتھ کرتے ہیں اور یہی زیادہ راجح بات ہے، یا اس کو آزاد کر دے اور اس سے جدا ہو جائے

﴿ يَا حَسَانَ ﴾ یعنی بھلے طریقے سے۔

احسان یعنی بھلائی یہ ہے کہ اس نے بیوی کو جو مال وغیرہ دیا ہے اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لے اس لیے کہ یہ ظلم ہے اور یہ کچھ دیئے بغیر مال لینے کے زمرے میں آئے گا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَلَا يَجِلُّ لَكُمْ أَنْ تَأْخُذُوا مِمَّا آتَيْنَاكُمْ مِنْ شَيْءٍ ﴾ ”تمہارے لیے یہ جائز نہیں کہ تم نے ان عورتوں کو جو کچھ دیا ہے اس میں سے کچھ بھی واپس لو“ ﴿ إِلَّا أَنْ يَخَافَا أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ﴾ ”مگر یہ کہ وہ دونوں اس بات سے ڈریں کہ وہ اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے“ اس میں معروف کے ساتھ خلع کرنے کا بیان ہے (جس میں خاوند کو معاوضہ لے کر طلاق دینے کی اجازت ہے) اس کی صورت یہ ہے کہ اگر عورت اپنے شوہر کو اس کی عادات یا جسمانی بد صورتی کی وجہ سے ناپسند کرتی ہو اور ڈرتی ہو کہ وہ خاوند (کے حقوق) کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہ کر سکے گی۔ (تو وہ خلع کے ذریعے سے طلاق حاصل کر سکتی ہے) ﴿ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ﴾ ”پس اگر تم ڈرو کہ وہ دونوں اللہ کی حدود کو قائم نہیں رکھ سکیں گے تو عورت جو معاوضہ دے گی تو ان پر کوئی گناہ نہیں“ اس لیے کہ یہ اس جدائی اور علیحدگی کا عوض ہے جو وہ حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے جب یہ حکمت پائی جائے تب خلع مشروع ہے۔ ﴿ تِلْكَ ﴾ یعنی وہ تمام احکام جن کا ذکر گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے ﴿ حُدُودَ اللَّهِ ﴾ ”اللہ کی حدود ہیں۔“ یعنی وہ احکام ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے مشروع فرمایا اور حکم دیا کہ ان پر عمل کیا جائے ﴿ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللَّهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴾ ”اور جو اللہ کی حدود سے تجاوز کرے پس وہی لوگ ظالم ہیں“ اس سے بڑا اور کون سا ظلم ہے کہ حلال سے تجاوز کر کے حرام کی حدود میں داخل ہو جائے؟ کیا جو چیز اللہ تعالیٰ نے حلال ٹھہرائی ہے وہ اس کے لیے کافی نہیں؟ ظلم کی تین اقسام ہیں۔

(۱) بندے کا ان معاملات میں ظلم کا ارتکاب کرنا جو اس کے اور اللہ تعالیٰ کے مابین ہیں۔

(۲) بندے کا ظلم اکبر یعنی شرک کا ارتکاب۔

(۳) بندے کا ان معاملات میں ظلم کا ارتکاب جو اس کے اور لوگوں کے درمیان ہیں۔

اللہ تعالیٰ شرک کو توبہ کے بغیر نہیں بخشتا اور حقوق العباد کو اللہ تعالیٰ بالکل نہیں چھوڑے گا (بلکہ ایک دوسرے کو بدلہ دلویا جائے گا) اور وہ ظلم جو بندے اور اس کے مابین ہے اور شرک سے کم تر ہے وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت اور حکمت پر منحصر ہے۔

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدُ حَتَّىٰ تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ

پھر اگر وہ خاوند (تیسری) طلاق دے دے اسکو تو وہ حلال نہیں اسکے لیے اسکے بعد یہاں تک کہ نکاح کرے وہ کسی خاوند سے اسکے علاوہ

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا
 پھر اگر وہ طلاق دے دے اسکو تو نہیں گناہ ان (سابقہ میاں بیوی) پر یہ کہ باہم رجوع کر لیں اگر وہ یقین کریں یہ کہ قائم رکھیں گے
 حُدُودَ اللَّهِ وَتِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۳۰﴾ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ
 حدیں اللہ کی اور یہ حدیں ہیں اللہ کی وہ بیان کرتا ہے انہیں ان لوگوں کے لئے جو جانتے ہیں ○ اور جب (پہلی یا دوسری) طلاق دوئم
 النِّسَاءَ فَبَلَّغْنَ أَجَلَهُنَّ فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ
 عورتوں کو پھر (قریب) پہنچ جائیں وہ اپنی عدت کے، تو روک لو ان کو موافق دستور کے یا چھوڑ دو ان کو موافق دستور کے
 وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضَرَارًا لْتَعْتُدُوا ۚ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ط
 اور نہ روکو ان کو ستانے کے لئے تاکہ تم زیادتی کرو اور جو کوئی ایسا کرے گا تو وہ یقیناً ظلم کرے گا اپنے نفس ہی پر
 وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ وَادْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنْزَلَ
 اور نہ بناؤ تم اللہ کی آیتوں کو ہنسی مذاق اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو (جو ہوئی) تم پر اور اس کو (بھی) جو نازل کی اس نے
 عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا
 تم پر کتاب اور حکمت نصیحت کرتا ہے وہ تمہیں اس کے ساتھ اور ڈرو تم اللہ سے اور جان لو!

أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۳۱﴾

بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○

﴿فَإِنْ طَلَّقَهَا﴾ پھر اگر (تیسری) طلاق دے دے“ ﴿فَلَا تَحِلُّ لَهُ مِنْ بَعْدِ حَتَّى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهُ﴾
 ”تو اب اس کے لیے حلال نہیں وہ عورت اس کے بعد یہاں تک کہ وہ نکاح کرے کسی خاوند سے اس کے سوا“۔
 یعنی وہ عورت دوسرے خاوند سے صحیح نکاح کرے اور وہ خاوند اس سے ہم بستری بھی کرنے اس لیے کہ اہل علم کے
 اجماع کے مطابق نکاح شرعی اس وقت تک صحیح نہیں ہوتا جب تک کہ اس میں عقد اور جماعت نہ ہو۔ اس سے یہ
 بات متعین ہو جاتی ہے کہ نکاح ثانی رغبت سے کیا گیا ہو۔ اگر یہ نکاح پہلے شوہر کے لیے حلال ہونے کی نیت سے کیا
 گیا ہو تو یہ نکاح نہیں ہوگا اور نہ اس نکاح سے عورت پہلے خاوند کے لیے حلال ہی ہوگی نہ اس سے اس کی ہم بستری
 ہی مفید ہے، کیونکہ وہ اس کا خاوند ہی نہیں ہے۔

اگر اس مطلقہ سے کوئی دوسرا شخص نکاح کر لیتا ہے اور اس سے جماع بھی کرتا ہے پھر اسے طلاق دے دیتا ہے
 اور اس مطلقہ کی عدت پوری ہو جاتی ہے ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا﴾ ”تو نہیں ہے گناہ ان دونوں پر“ یعنی پہلے خاوند
 اور اس بیوی پر ﴿أَنْ يَتَرَاجَعَا﴾ ”یہ کہ وہ دونوں رجوع کر لیں“ یعنی وہ ایک دوسرے سے رجوع کر کے اپنے
 نکاح کی تجدید کر لیں یہ آیت باہمی رضامندی پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ تراجع کی اضافت دونوں کی طرف کی گئی

ہے۔ مگر ان کے آپس کے رجوع میں یہ یقین شرط ہے ﴿أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ﴾ کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھیں گے اور اللہ تعالیٰ کی حدوں کو قائم رکھنے کی صورت یہ ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے حقوق ادا کریں اور وہ اس طرح کہ دونوں اپنے سابقہ رویوں پر نادم ہوں جن کی وجہ سے ان میں جدائی پیدا ہوئی اور یہ عزم کریں کہ وہ اپنے ان رویوں کو بدل کر اچھی معاشرت اختیار کریں گے۔ تب ان کے ایک دوسرے سے رجوع کرنے میں کوئی گناہ نہیں۔

آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ کی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے، کیونکہ ان کو گمان غالب ہے کہ ان کے گزشتہ رویے باقی رہیں گے اور ان کی بری معاشرت زائل نہیں ہوگی، تو پھر ان پر گناہ ہوگا، اس لیے کہ تمام معاملات میں اگر وہ اللہ کے حکم کو قائم نہیں کریں گے اور اس کی اطاعت کے راستے پر نہیں چلیں گے، تو ان کے لیے (دوبارہ باہم نکاح کرنے کا) یہ اقدام جائز ہی نہیں ہے۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ انسان کے لیے مناسب یہی ہے کہ جب وہ کسی معاملے میں داخل ہونے کا ارادہ کرے، خاص طور پر چھوٹے یا بڑے عہدے کو قبول کرتے وقت، تو اسے اپنے آپ میں غور کرنا چاہئے۔ اگر اسے ذمہ داری کو پورا کرنے کی طاقت رکھنے کا پورا یقین ہے تو اسے آگے بڑھ کر اس ذمہ داری کو قبول کر لینا چاہئے ورنہ پیچھے ہٹ جائے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان بڑے بڑے احکام کو بیان فرمایا ہے، اس لیے فرمایا: ﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ﴾ ”یہ اللہ کی حدیں ہیں“، یعنی یہ اللہ تعالیٰ کے شرائع ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اور ان کو واضح کیا۔ ﴿يَبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾ ”وہ اسے جاننے والے لوگوں کے لیے بیان کرتا ہے“ کیونکہ یہی لوگ اللہ تعالیٰ کے ان احکام سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں اور پھر دوسروں کو فائدہ دے سکتے ہیں۔ اس میں اہل علم کی جس فضیلت کا بیان ہے، وہ مخفی نہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حدود کی توضیح و تبیین کو ان کے ساتھ مختص کیا ہے اور اس آیت میں وہی لوگ مقصود اور مراد ہیں۔ یہ آیت کریمہ اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے چاہتا ہے کہ وہ ان حدود کی معرفت اور ان میں تفقہ حاصل کریں جو اس نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کی ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِذَا طَلَقْتُمُ النِّسَاءَ﴾ ”جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو۔“ یعنی جب تم اپنی بیویوں کو ایک طلاق رجعی یا دو طلاق دے دو ﴿فَبَلَّغْنَ أَجَلَهُنَّ﴾ ”پھر وہ اپنی عدت کو پہنچ جائیں۔“ یعنی وہ اپنی عدت پوری ہونے کے قریب پہنچ جائیں ﴿فَأَمْسِكُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ أَوْ سَرِّحُوهُنَّ بِمَعْرُوفٍ﴾ ”تو انہیں یا تو حسن سلوک سے نکاح میں رہنے دو یا بطریق شائستہ رخصت کر دو۔“ یعنی یا تو تم ان سے رجوع کرو اور تمہاری نیت یہ ہونی چاہئے کہ تم ان کے حقوق پورے کرو گے یا تم ان کو بغیر رجوع کئے اور بغیر نقصان پہنچائے چھوڑ دو۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضَرَارًا﴾ ”اور ان کو نقصان پہنچانے کے لیے نہ روکو۔“ ﴿لَتَعْتَدُوا﴾

”تا کہ تم زیادتی کرو“ یعنی تم اپنے اس فعل میں حلال سے تجاوز کر کے حرام میں نہ پڑ جاؤ یہاں ”حلال“ سے مراد معروف طریقے سے بیوی کو روک لینا اور ”حرام“ سے مراد اس کو نقصان پہنچانا ہے ﴿وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ﴾ اور جو شخص ایسا کرے گا، پس یقیناً اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا، اگر حق مخلوق کی طرف لوٹتا ہو تو ضرر اس شخص کی طرف لوٹے گا جو ضرر پہنچانے کا ارادہ کرے۔ ﴿وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا﴾ اور نہ ٹھہراؤ اللہ کے حکموں کو ہنسی مذاق، چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی مقرر کردہ حدود کو نہایت وضاحت سے بیان کر دیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ ان حدود کا علم حاصل کیا جائے، ان پر عمل کیا جائے اور انہی پر اکتفا کی جائے اور ان حدود سے تجاوز نہ کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان حدود کو عبث اور بے فائدہ نازل نہیں فرمایا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان حدود کو حق، صدق اور اہتمام کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ اس لیے ان کا تمسخر اڑانے سے منع کیا ہے، یعنی ان کو کھیل تماشا بنانے سے روکا ہے، جس کا مطلب ان کے خلاف جسارت کرنا اور ان کی ادائیگی میں عدم اطاعت کا راستہ اختیار کرنا ہے، مثلاً بیوی کو نقصان پہنچانے کی خاطر روکنا، یا جدار کھنایا کثرت سے طلاق دینا یا تین طلاق ایک ہی بار دے دینا۔ جب کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی رحمت مہربانی اور بندے کی بھلائی کی بنا پر یکے بعد دیگرے (ایک ایک کر کے) طلاق دینے کا طریقہ مقرر فرمایا ہے۔ ﴿وَإِذْ لَرَوْنَا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ﴾ اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہوئی، زبان سے عام طور پر حمد و ثنا کے ذریعے سے۔ دل سے اقرار و اعتراف کر کے اور جوارح (اعضاء) کے ذریعے سے، ان کو اللہ کی اطاعت میں مصروف کر کے۔ ﴿وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ مِنَ الْكِتَابِ وَالْحِكْمَةِ﴾ اور جو اس نے تم پر کتاب و حکمت سے اتارا، حکمت سے مراد سنت ہے، یعنی قرآن اور سنت کے ذریعے سے تمہارے لیے بھلائی کی راہیں واضح کر دیں اور ان پر گامزن ہونے کی تمہیں ترغیب دی اور تمہارے سامنے برائی کے راستے بھی واضح کر دیئے اور ان پر چلنے سے ڈرایا، اور اس نے تمہیں اپنی معرفت سے نوازا اور تمہیں اپنے اولیاء اور اعداء کے بارے میں اپنی عادت اور اپنے طریقے سے آگاہ کیا اور تمہیں وہ کچھ سکھایا جو تم نہیں جانتے تھے۔

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ یہاں حکمت سے مراد اسرار شریعت ہیں اس معنی کے لحاظ سے، کتاب سے مراد احکام الہی اور حکمت سے مراد وہ اسرار و حکم ہیں جو اس کے اوامر اور نواہی کے اندر ہیں اور حکمت کے دونوں ہی معنی صحیح ہیں۔ ﴿يَعْظُمُ بِهِ﴾ وہ اس کے ذریعے سے تمہیں نصیحت کرتا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے تم پر جو کتاب نازل فرمائی ہے اس کے ذریعے سے وہ تمہیں نصیحت کرتا ہے، آیت کریمہ کا یہ لکڑا اس رائے کو تقویت دیتا ہے کہ حکمت سے مراد اسرار شریعت ہیں، کیونکہ حکم اور حکمت اور ترغیب یا ترہیب کے بیان کے ذریعے سے ہی نصیحت کی جاتی ہے۔ پس حکم (یعنی شریعت) سے جہالت زائل ہو جاتی ہے۔ حکمت، ترغیب کے ساتھ رغبت کی موجب ہوتی ہے اور ترہیب کے ساتھ حکمت اللہ تعالیٰ کے ڈر کی موجب ہوتی ہے۔ فرمایا: ﴿وَإِشْقُوا اللَّهَ﴾ اور اللہ سے

ڈرتے رہو۔ یعنی اپنے تمام امور میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ شَيْءًا عَلَيْهِمْ﴾ اور جان رکھو کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔ اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہارے لیے یہ احکام کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں جو اپنے تمام تر مصالح کے ساتھ ہر زمان و مکان میں جاری و ساری ہیں۔ پس ہر قسم کی حمد و ثنا کا وہی مستحق ہے اور اسی کا احسان ہے۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ فَبَلَغْنَ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ
اور جب طلاق دو تم عورتوں کو پھر پہنچ جائیں وہ اپنی عدت کو تو مت روکو تم ان کو اس بات سے کہ وہ نکاح کریں
أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضُوا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ذَلِكَ يُوعِظُ بِهِ مَنْ كَانَ
اپنے (پہلے) خاوندوں سے جب کہ وہ راضی ہوں آپس میں موافق دستور کے یہ بات نصیحت کی جاتی ہے ساتھ اس کے اس شخص کو جو ہے
مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ذَلِكَُمْ أَزْكَى لَكُمْ وَأَطْهَرُ
تم میں سے ایمان رکھتا ساتھ اللہ اور یوم آخرت کے یہ بہت پاکیزہ ہے واسطے تمہارے اور زیادہ صاف ستھرا

وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۳۷﴾

اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے ○

یہ خطاب اس مطلقہ عورت کے سر پرستوں سے ہے جسے تین سے کم طلاق دی گئی ہو عدت پوری ہونے کے بعد اس کا خاوند اس سے دوبارہ نکاح کا خواہاں ہو اور وہ عورت بھی اس نکاح پر راضی ہو تو اس عورت کے ولی کے لیے خواہ وہ باپ ہو یا کوئی اور جائز نہیں کہ اسے نکاح کرنے سے روکے، یعنی پہلی طلاق پر اپنے غصہ، بغض اور نفرت کی بنا پر میاں بیوی کو نکاح کی تجدید سے منع نہ کرے اور بیان کیا کہ تم میں سے جو کوئی اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اس کا ایمان اسے ان دونوں کو نکاح کرنے سے روکنے سے منع کرتا ہے، کیونکہ عورت کا اپنے خاوند کے ساتھ تجدید نکاح تمہارے لیے اس سے زیادہ پاک اور بہتر ہے جو عورت کا ولی سمجھتا ہے کہ عدم نکاح درست رائے ہے اور نکاح سے روکنا (انقضاء) پہلی طلاق کا جواب ہے۔ جیسا کہ متکبر اور نام نہاد اونچے گھرانوں کے لوگوں کی عادت ہے۔ پس اگر ولی یہ سمجھتا ہے کہ عدم نکاح ہی میں میاں بیوی کی مصلحت ہے تو ﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ اسے اللہ جانتا ہے تم نہیں جانتے۔ پس اس ہستی کی اطاعت کرو جو تمہارے مصالح کا تم سے زیادہ علم رکھتی ہے، وہ تمہارے لیے یہ مصالح چاہتی ہے، وہ ان پر قادر ہے اور ان کو تمہارے لیے اس طرح آسان بناتی ہے جن کو تم خوب جانتے ہو۔ اس آیت کریمہ میں اس امر کی دلیل ہے کہ نکاح میں ولی کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اولیاء (یعنی سر پرستوں) کو عورتوں کے نکاح سے روکنے سے منع کیا ہے اور اللہ تعالیٰ بندوں کو اسی چیز سے روکتا ہے جو ان کی تدبیر کے تحت آتی ہو اور اس میں ان کا حق ہو۔

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ
 اور مائیں دودھ پلائیں اپنی اولاد کو دو سال مکمل (یہ حکم) اس شخص کے لئے ہے جو ارادہ کرے یہ کہ پوری کرے
 الرِّضَاعَةَ ط وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ لَا تُكَلَّفُ
 وہ دودھ پلانے کی مدت اور بچے کے باپ پر ہے کھانا ان کا اور کپڑا ان کا موافق دستور کے نہیں تکلیف دیا جاتا
 نَفْسٌ إِلَّا وَسْعَهَا لَا تَضَارُّ وَالِدَاتُ الْيُودِيَّاتُ وَلَا مَوْلُودُهُنَّ لَهُ يُولَدِيَّاتٌ
 کوئی نفس مگر اپنی وسعت کے مطابق ہی نہ نقصان پہنچایا جائے ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے اور نہ باپ کو اسکے بچے کی وجہ سے
 وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ
 اور اوپر وارثوں کے مثل اسی کے (نان نفقہ) ہے پس اگر ارادہ کریں ماں باپ دودھ چھڑانے کا آپس کی رضامندی اور باہمی مشورے سے
 فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ط وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ
 تو نہیں کچھ گناہ ان دونوں پر اور اگر ارادہ کرو تم کہ دودھ پلواؤ (کسی آنا سے) اپنی اولاد کو تو نہیں کوئی گناہ
 عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَاءً اتَّيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ ط وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا
 تم پر جب کہ حوالے کر دو (ان کے) جو کچھ تم نے دینا ٹھہرایا تھا موافق دستور کے اور ڈرو اللہ سے اور جان لو

أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۳۱﴾

بیشک اللہ ساتھ اس کے جو تم عمل کرتے ہو دیکھنے والا ہے ○

یہ خبر امر کے معنی میں ہے گویا یہ امر متحقق ہے جو کسی حکم کا محتاج نہیں وہ یہ کہ مائیں ﴿يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ﴾ اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں۔ چونکہ (حَوْل) کا لفظ سال یا سال کے بڑے حصے کے لیے بولا جاتا ہے اس لیے فرمایا: ﴿كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرِّضَاعَةَ﴾ ”پورے دو سال اس شخص کے لیے جو دودھ پلانے کی مدت پوری کرنی چاہے“ پس جب دودھ پیتے بچے کے دو سال مکمل ہو جائیں تو اس کی رضاعت مکمل ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد ماں کا دودھ دیگر غذاؤں کی مانند ہو جاتا ہے۔ اسی لیے دو سال کے بعد کی رضاعت معتبر نہیں اور اس سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ اس نص اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَحَمْلُهُ وَفِطْرَتُهُ﴾ (الاحقاف: ۱۵/۱۶) ”اس کو پیٹ میں اٹھائے رکھنا اور اس کا دودھ چھڑانا تیس مہینوں میں ہوتا ہے“ کو ملا کر یہ فقہی مسئلہ اخذ کیا گیا ہے کہ حمل کی کم سے کم مدت چھ ماہ ہے۔ اس مدت میں بچے کا پیدا ہونا ممکن ہے۔ ﴿وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ﴾ ”اور بچے کے باپ پر“ ﴿رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ ”ان کا رزق اور ان کا لباس ہے معروف کے ساتھ“ اور یہ حکم دودھ پلانے والی خواہ اس کے نکاح میں ہو یا مطلقہ دونوں کو شامل ہے۔ مولود (بچے) کے باپ پر اس عورت کا نان و نفقہ اور لباس واجب ہے اور یہ دودھ پلانے کی اجرت ہے۔

یہ آیت کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جب تک عورت مرد کے نکاح میں ہے اس وقت تک عورت کو رضاعت کی اجرت دینا واجب نہیں، سوائے نان و نفقہ اور لباس کے۔ نان و نفقہ اور لباس بھی مرد کے حسب حال اور حیثیت کے مطابق ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا تُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ ”کسی جان کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی جائے، یعنی کسی فقیر شخص کو مال دار شخص جیسے نان و نفقہ دینے کا مکلف نہیں ٹھہرایا جائے گا اور نہ اس شخص کو مجبور کیا جائے گا کہ وہ نان و نفقہ ادا کرے جس کے پاس نان و نفقہ ادا کرنے کے لیے کچھ بھی نہ ہو۔ یہاں تک کہ اس کے پاس طاقت ہو جائے۔ فرمایا: ﴿لَا تُضَارُّ وَالِدًا وَابْنًا﴾ ”ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے نقصان نہ پہنچایا جائے۔“ یعنی یہ جائز نہیں کہ ماں کو اپنے بیٹے کے سبب سے نقصان پہنچایا جائے۔ (یعنی ان دو صورتوں میں سے کسی ایک صورت کے ذریعے سے) یا تو اس کو دودھ پلانے سے روک دیا جائے یا نان و نفقہ لباس اور اجرت وغیرہ جیسے واجبات اس کو ادا نہ کئے جائیں۔ ﴿وَلَا مَوْلُودًا لَهُ يُولَدُ﴾ ”اور نہ باپ کو بچے کی وجہ سے تکلیف پہنچائی جائے، یعنی ماں نقصان پہنچانے کے لیے بچے کو دودھ پلانے سے انکار کر دے یا اس اجرت سے زیادہ کا مطالبہ کرے جو دودھ پلانے پر اس کا حق بنتا ہے اور اس قسم کے دیگر نقصانات۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿مَوْلُودًا لَهُ﴾ دلالت کرتا ہے کہ بیٹا اپنے باپ کی ملکیت ہوتا ہے کیونکہ وہ اسی کو عطا کیا گیا ہے اور اس لیے کہ بیٹا درحقیقت باپ کا کسب ہے، پس اسی لیے باپ کے لیے جائز ہے کہ وہ اپنے بیٹے کا مال لے لے خواہ وہ راضی ہو یا نہ ہو، اس کے برعکس ماں مال نہیں لے سکتی۔ فرمایا: ﴿وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَلِكَ﴾ ”اور اسی طرح وارث کے ذمے ہے۔“ یعنی جب بچے کا باپ نہ ہو اور بچے کا کوئی مال بھی نہ ہو تو بچے کے وارث پر دودھ پلانے والی کا وہی نان و نفقہ وغیرہ واجب ہے جو باپ پر واجب ہوتا ہے۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ خوش حال قریبی رشتہ داروں پر واجب ہے کہ وہ اپنے یتیم دست اقرباء کے نان و نفقہ کا انتظام کریں۔

﴿فَإِنْ أَرَادَا﴾ ”پس اگر دونوں چاہیں۔“ یعنی والدین (ماں باپ) ﴿فَصَالَا﴾ ”دودھ چھڑانا، یعنی دو سال سے قبل ہی بچے کا دودھ چھڑانا چاہیں ﴿عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا﴾ ”آپس کی رضامندی سے۔“ یعنی دونوں ہی دودھ چھڑانے پر راضی ہوں ﴿وَتَشَاوُرٍ﴾ ”اور مشورے سے، یعنی دونوں کے باہمی مشورے کے ساتھ کہ آیا بچے کا دودھ چھڑانا اس کے لیے درست ہے یا نہیں۔ اگر بچے کے لیے اس میں کوئی مصلحت ہو اور دونوں اس پر راضی ہوں ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا﴾ ”تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔“ یعنی تب دو سال سے قبل اس کے دودھ چھڑانے میں کوئی حرج نہیں۔ اس آیت کریمہ کا مفہوم دلالت کرتا ہے کہ اگر دونوں میں سے صرف ایک دودھ چھڑانے پر راضی ہو یا دودھ چھڑانے میں بچے کے لیے کوئی مصلحت نہ ہو تو اس صورت میں بچے کا دودھ چھڑانا جائز نہیں۔

﴿وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ﴾ ”اور اگر تم اپنی اولاد کو دودھ پلوانا چاہو۔“ یعنی اگر تم ضرر

پہنچائے بغیر بچوں کی ماؤں کی بجائے دوسری عورتوں سے دودھ پلوانا چاہو ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَأَلْتُمْ مَا آتَيْتُم بِالْمَعْرُوفِ﴾ تو تم پر کچھ گناہ نہیں بشرطیکہ تم دونوں پلانے والیوں کو دستور کے مطابق ان کا حق جو تم نے دینا کیا تھا دے دو۔ یعنی اگر دودھ پلانے والی دیگر عورتوں کو معروف طریقے سے ان کی اجرت عطا کر دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں ﴿إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ بے شک اللہ تمہارے عملوں کو دیکھنے والا ہے، پس اللہ تعالیٰ تمہیں اس پر اچھی یا بری جزا دے گا۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ
اور وہ لوگ جو فوت کر دیئے جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں بیویاں تو انتظار میں رکھیں وہ اپنے آپ کو
أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيهَا
چار مہینے اور دس دن پھر جب پہنچ جائیں وہ اپنی عدت کو تو نہیں کوئی گناہ تم پر اس میں جو
فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۲۳۶﴾

کریں وہ اپنے حق میں موافق دستور کے اور اللہ ساتھ اس کے جو تم عمل کرتے ہو خبردار ہے ○

یعنی جب خاوند فوت ہو جائے تو عورت پر فرض ہے کہ وہ گھر میں چار مہینے دس دن ٹھہرے اور انتظار کرے۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ چار ماہ کی مدت میں حمل واضح ہو جاتا ہے اور پانچویں مہینے کی ابتدا میں بچہ پیٹ میں حرکت کرنے لگ جاتا ہے۔ یہ حکم ان تمام عورتوں کے لیے عام ہے جن کے شوہر فوت ہو جائیں۔ مگر اس عموم میں سے حاملہ عورتیں مخصوص ہیں کیونکہ ان کی عدت وضع حمل ہے۔ اسی طرح لونڈی کی عدت نصف یعنی دو ماہ اور پانچ دن ہے۔

﴿فَإِذَا بَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ﴾ پس جب ان کی عدت پوری ہو جائے ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيهَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ﴾
”تو جو وہ اپنے لیے کریں اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں“ یعنی اگر وہ دوبارہ بناؤ سنگار کرتی ہیں اور خوشبو وغیرہ لگاتی
ہیں ﴿بِالْمَعْرُوفِ﴾ بھلائی کے ساتھ“ یعنی اگر وہ بناؤ سنگار اس طرح کریں جو حرام اور مکروہ نہ ہو (بلکہ معروف
طریقے سے ہو)۔ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ جس عورت کا خاوند فوت ہو جائے اس پر عدت کی مدت کے لیے
سوگ منانا (یعنی بناؤ سنگار سے پرہیز کرنا) فرض ہے۔ جب کہ یہ پرہیز مطلقہ رجعیہ اور بائنہ پر واجب نہیں اس
پر اہل علم کا اجماع ہے۔ ﴿وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ اور اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔ یعنی
اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہری اور باطنی چھوٹے اور بڑے تمام اعمال کو جانتا ہے۔ پس وہ تمہیں ان کا بدلہ دے گا اور
عورت کے اولیا سے اللہ تعالیٰ کے خطاب ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيهَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ﴾ میں اس امر کی
دلیل ہے کہ عورت کا ولی اس پر نظر رکھے اور جو فعل جائز نہ ہو اس کے ارتکاب سے اسے منع کرے اور اس فعل کو بجا
لانے پر اسے مجبور کرے جو اس پر واجب ہو۔ عورت کا ولی اس آیت کا مخاطب ہے اور ایسا کرنا اس پر واجب ہے۔

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ
 اور نہیں گناہ تم پر اس بات میں کہ اشارہ کرو تم ساتھ اس کے نکاح کے پیغام کا عورتوں کو (عدت میں) یا پوشیدہ رکھو تم
 فِي أَنْفُسِكُمْ طَعِمَ اللَّهُ أَنْكُمْ سَتَذَكَّرُونَ لَكِنَّ لَا تُؤَاعِدُونَ سِرًّا
 اپنے دلوں میں جان لیا اللہ نے یہ کہ یقیناً تم ضرور ذکر کرو گے ان عورتوں کا لیکن نہ وعدہ کرو ان سے چھپ کر
 إِلَّا أَنْ تَقُولُوا قَوْلًا مَعْرُوفًا وَلَا تَعْزِمُوا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتَّى
 مگر یہی کہ کہو تم کوئی بات موافق دستور کے اور مت عزم کرو عقد نکاح کا یہاں تک کہ
 يَبْلُغَ الْكِتَابَ أَجَلَهُ طَعِمَ اللَّهُ وَعَلِمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوهُ
 پہنچ جائے میعاد مقرر اپنی انتہا کو اور جان لو بے شک اللہ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے پس ڈرو تم اس سے
 وَعَلِمُوا أَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ع

اور جان لو بلاشبہ اللہ بہت بخشنے والا نہایت بردبار ہے ○

یہ حکم اس عورت کے بارے میں ہے جو خاوند کی وفات پر عدت گزار رہی ہو یا اسے طلاق دی گئی ہو۔ طلاق
 دینے والے شوہر کے علاوہ کسی اور کے لیے حرام ہے کہ وہ صریح الفاظ میں اسے نکاح کا پیغام دے اور اللہ تعالیٰ کے
 ارشاد ﴿وَلَكِنَّ لَا تُؤَاعِدُونَ سِرًّا﴾ ”لیکن تم ان سے وعدہ مت کرو چھپ کر“ سے یہی مراد ہے۔
 رہی تعریض (اشارے کنایے سے نکاح کی بات کرنا) تو اللہ تعالیٰ نے اس میں گناہ کو ساقط کر دیا ہے۔

اور ان دونوں میں فرق یہ ہے کہ تصریح صرف نکاح کے معنی کی محتمل ہوتی ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے تصریح
 کو حرام قرار دیا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ کہیں عورت جلدی نکاح کرنے کے لیے عدت پوری ہونے کے سلسلے میں
 جھوٹ نہ بولے۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حرام کی طرف لے جانے والے وسائل بھی ممنوع ہیں نیز
 عدت کی مدت کے دوران خاوند کے علاوہ کسی اور مرد سے نکاح کے وعدے کا سدباب کر کے پہلے خاوند کے حق کو
 برقرار رکھا ہے۔ رہی تعریض تو اس میں نکاح کے علاوہ دیگر معانی کا احتمال بھی ہو سکتا ہے اور یہ تعریض بابت عورت
 کے لیے بھی جائز ہے جیسے کوئی کہے ”میں نکاح کا ارادہ رکھتا ہوں۔ جب تمہاری عدت پوری ہو جائے تو مجھ
 سے مشورہ کر لینا“ تو یہ جائز ہے۔ اس لیے کہ تعریض تصریح کی مانند نہیں ہے اور نفوس انسانی کے اندر اس کا قوی
 داعیہ موجود ہے۔ اسی طرح انسان کا اپنے دل میں یہ ارادہ چھپا کر رکھنا بھی جائز ہے کہ وہ فلاں عورت جو عدت
 گزار رہی ہے اس کی عدت ختم ہونے کے بعد وہ اس کے ساتھ نکاح کرے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَوْ
 أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ طَعِمَ اللَّهُ أَنْكُمْ سَتَذَكَّرُونَ﴾ ”یا چھپا کر رکھو تم اپنے نفسوں میں۔ اللہ جانتا ہے کہ تم ضرور
 ان کو یاد کرو گے“ یہ تمام تفصیلات عقد کے مقدمات میں شمار ہوتی ہیں۔ (لہذا جائز ہیں) رہا عقد نکاح تو یہ جائز نہیں

﴿حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْكِتَابَ أَجَلَهُ﴾ ”جب تک کہ عدت پوری نہ ہو جائے“ ﴿وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي أَنْفُسِكُمْ﴾ ”اور جان لو اللہ ان باتوں کو جانتا ہے جو تمہارے دلوں میں ہیں“ اس لیے اللہ تعالیٰ کے عذاب کے خوف اور اس کے ثواب کی امید میں ہمیشہ بھلائی کی نیت رکھو اور کبھی بھی برائی کی نیت نہ رکھو ﴿وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَفُورٌ﴾ ”اور جان لو کہ اللہ بخشنے والا۔“ یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کے گناہوں کو بخش دیتا ہے جو توبہ کر کے اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے ﴿حَلِيمٌ﴾ ”وہ بردبار ہے“ کیونکہ گناہ گاروں کو ان کے گناہوں کی وجہ سے ان کو پکڑنے کی قدرت رکھنے کے باوجود ان کو پکڑنے میں جلدی نہیں کرتا۔

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَقْتُمْ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمْسُوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ
نِيسَانًا ۖ وَتَمَسُّوهُنَّ مَسًّا ۚ وَكَانَ وَضْعُ يَدَيْكُمْ مُطْمَئِنَّةً ۚ لَوْلَا فَتْنَتُكُمْ
عَنْ أَعْيُنِكُمْ قُدْرَةُ رَبِّكُمْ لَأَخَذْتُمْ يَدَيْكُمْ ۚ فَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ
الْعِقَابِ ۚ ﴿عَلَى الْمُؤْتَبِرِ قَدْرَةٌ ۖ وَعَلَى الْمُقْتَرِ قَدْرَةٌ ۖ﴾
مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِينَ ﴿۳۰﴾

فائدہ دینا مطابق دستور کے لازم ہے اوپر نیکی کرنے والوں کے ○

یعنی اے مردو! اگر تم اپنی بیویوں کو چھونے اور مہر مقرر کرنے سے قبل ہی طلاق دے دو تو تم پر کوئی گناہ نہیں، اگرچہ اس میں عورتوں کے لیے نقصان ہے تاہم متعہ طلاق سے اس کی تلافی ہو جاتی ہے۔ پس تم پر لازم ہے کہ تم ان کی دل جوئی کی خاطر ان کو کچھ مال ضرور عطا کرو۔ ﴿عَلَى الْمُؤْتَبِرِ قَدْرَةٌ ۖ وَعَلَى الْمُقْتَرِ قَدْرَةٌ﴾ ”فراخ دست پر اس کی طاقت کے مطابق اور تنگ دست پر اس کی وسعت کے مطابق“ مطلقہ کو خرچ دینا لازم ہے۔ اور اس کا مرجع عرف ہے جو کہ زمان و مکان کے اختلاف کے مطابق مختلف ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿مَتَاعًا بِالْمَعْرُوفِ﴾ ”فائدہ پہنچانا ہے معروف کے ساتھ“ پس یہ حق واجب ہے ﴿عَلَى الْمُحْسِنِينَ﴾ ”نیکی کاروں پر“ اس لیے ان کو اس حق میں کمی نہیں کرنی چاہئے۔

پس جیسے وہ عورتوں کی امیدوں ان کے اشتیاق اور ان کے دلی تعلق کا سبب بنے، لیکن پھر انہوں نے ان کو وہ چیز نہیں دی جو ان عورتوں کو مرغوب تھی، اس لیے اس کے مقابلے میں ان کو فائدہ پہنچانا ضروری ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ کتنا اچھا ہے! اور شارع کی حکمت اور رحمت پر کس قدر دلالت کرتا ہے! اور ایمان و ایقان سے بہرہ ور لوگوں کے لیے اللہ سے بڑھ کر کون اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔ یہ حکم تو ان عورتوں سے متعلق تھا جن کو چھونے سے پہلے اور حق مہر مقرر کرنے سے پہلے ہی طلاق دے دی گئی ہو۔

وَأَنْ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمْسُوهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيضَةً
اور اگر طلاق دے دو تم ان کو پہلے اس سے کہ ہاتھ لگاؤ تم ان کو جب کہ مقرر کر چکے ہو تم واسطے ان کے مہر
فَرِيضَةً مِمَّا فَرَضْتُمْ إِلَّا أَنْ يَعْفُونَ أَوْ يَعْفُوا الَّذِي بِيَدِهِ عَقْدَةُ النِّكَاحِ ط
تو نصف ہے اس (مہر) کا جو تم نے مقرر کیا مگر یہ کہ وہ عورتیں معاف کر دیں یا معاف کر دے وہ شخص کہ اسکے ہاتھ میں ہے گرہ نکاح کی،

وَأَنْ تَعْفُوا أَقْرَبَ لِلتَّقْوَى ط وَلَا تَنْسُوا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ط
اور تمہارا معاف کر دینا زیادہ قریب ہے تقویٰ کے اور نہ بھلاؤ احسان کرنا آپس میں

إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۱۳۸﴾

بے شک اللہ اس کو جو تم عمل کرتے ہو دیکھنے والا ہے ○

پھر اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کا ذکر فرمایا ہے جن کا مہر مقرر کیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم مہر مقرر
کرنے کے بعد ان کو چھوئے بغیر طلاق دے دو تو مطلقہ عورتوں کے لیے نصف مہر ہے اور باقی نصف تمہارا ہے۔ مہر
کی یہ رقم اگر عورت کی طرف سے معاف نہ کر دی جائے تو خاوند پر اس کی ادائیگی واجب ہے۔ جب کہ عورت کا اس
کو معاف کرنا صحیح ہو۔ ﴿أَوْ يَعْفُوا الَّذِي بِيَدِهِ عَقْدَةُ النِّكَاحِ﴾ یا وہ شخص معاف کر دے جس کے ہاتھ میں
نکاح کی گرہ ہے۔ صحیح مسلک کے مطابق اس سے مراد شوہر ہے، (نہ کہ ولی) کیونکہ شوہر ہی وہ شخص ہے جو نکاح
کی گرہ کو کھول سکتا ہے۔^① عورت کے ولی کے لیے تو درست ہی نہیں کہ وہ عورت کے کسی حق واجب کو معاف کر
دے کیونکہ وہ مالک ہے نہ وکیل۔

پھر اللہ تعالیٰ نے معاف کرنے کی ترغیب دی ہے اور فرمایا کہ جو کوئی معاف کر دیتا ہے وہ تقویٰ کے زیادہ
قریب ہے، کیونکہ یہ ایک ایسا احسان ہے جو شرح صدر کا موجب ہے نیز انسان کے لیے مناسب یہی ہے کہ وہ
اپنے آپ کو احسان اور نیکی سے تہی دست نہ رکھے اور اس فضیلت کو فراموش نہ کر دے جو معاملات کا بلند ترین درجہ

① اس کی وضاحت شیخ رحمہ اللہ نے حاشیہ نمبر 1 میں فرمائی ہے جس کے الفاظ یہ ہیں: "ان سطور کو لکھتے وقت میرا یہی موقف تھا
لیکن بعد میں میرے لیے یہ واضح ہوا کہ جس شخص کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے وہ قریب ترین ولی ہے اور وہ باپ ہے۔ لفظی
اور معنوی اعتبار سے یہی زیادہ صحیح قول ہے جیسا کہ غور و فکر کرنے والے کے لیے ظاہر ہے۔" اور حاشیہ نمبر 2 میں مؤلف رحمہ
اللہ کے قلم سے لکھا ہوا ہے۔ "ایک قول یہ بھی ہے کہ وہ باپ ہے (یعنی جس کے ہاتھ میں نکاح کی گرہ ہے) اور یہی وہ معنی ہے
جس پر آیت کریمہ کے الفاظ دلالت کرتے ہیں۔" (از محقق)

② خاوند کے معاف کرنے کا مطلب یہ ہے کہ وہ ادا شدہ (یا مقرر) حق مہر میں سے اپنے حصے کا آدھا حق مہر عورت سے واپس نہ

لے اور پورا کا پورا مہر ہی عورت کے پاس رہنے دے (یا اس کو دے دے)۔ (ص۔ ی)

ہے اس لیے کہ لوگوں کے آپس کے معاملات کے دو درجے ہیں۔

- (۱) عدل و انصاف جو کہ واجب ہے۔ یعنی حق واجب لینا اور کسی کا جو حق واجب ہے اسے ادا کرنا۔
- (۲) فضل و احسان اور اس سے مراد یہ ہے کہ کسی کو کچھ عطا کرنا جس کا عطا کرنا واجب نہ تھا اور اپنے حقوق کے بارے میں چشم پوشی اور مسامحت سے کام لینا۔ پس انسان کے لیے مناسب نہیں کہ وہ اس درجہ کو فراموش کر دے خواہ کبھی کبھار ہی سہی۔ خاص طور پر آپ اس شخص کے ساتھ تسامح کو ہرگز فراموش نہ کریں جس کے ساتھ آپ کے تعلقات اور میل جول ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو احسان کے بدلے میں اپنے فضل و کرم سے نوازتا ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾ تم جو کچھ کرتے ہو اللہ اسے دیکھتا ہے۔

حِفْظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الْوُسْطَىٰ وَقَوْمُوا لِلَّهِ قَنِينًا ﴿۱۳۸﴾ فَإِنْ

حفاظت کرو تم (سب) نمازوں کی اور درمیان والی نماز کی اور کھڑے ہو اللہ کے سامنے عاجزی کرنے والے ○ پھر اگر

خَفْتُمْ فِرْجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۚ فَإِذَا أَمِنْتُمْ فَأَذْكُرُوا اللَّهَ كَمَا

(حالت) خوف میں ہو تم (نماز پڑھ لو) پیدل یا سوار ہی پھر جب امن میں ہو جاؤ تم تو یاد کرو اللہ کو جس طرح

عَلِمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿۱۳۹﴾

سکھایا ہے اس نے تمہیں وہ جو تم نہیں تھے جانتے ○

اللہ تعالیٰ تمام نمازوں کی حفاظت کا عام حکم دے رہا ہے اور ”درمیان والی نماز“ کی حفاظت کا خاص طور پر۔ اس سے مراد عصر کی نماز ہے۔ نماز کی حفاظت کا مطلب ہے کہ اسے وقت پر، مشروط ارکان کا خیال رکھتے ہوئے، خشوع خضوع کے ساتھ اور اس کے تمام واجبات و مستحبات کے ساتھ ادا کیا جائے۔ نماز کی حفاظت کے ساتھ دوسری عبادتوں کی بھی حفاظت ہو جاتی ہے۔ اس کی وجہ سے (خود کو) برائی اور بے حیائی سے روک دینے کا فائدہ بھی حاصل ہو جاتا ہے، خصوصاً جب نماز اس طرح مکمل کی جائے جس طرح اللہ نے اس آیت میں فرمایا: ﴿وَقَوْمُوا لِلَّهِ قَنِينًا﴾ اللہ کے لیے باادب کھڑے رہا کرو۔ یعنی اخلاص، عاجزی اور ذلت کا اظہار کرتے ہوئے۔ اس میں قیام اور عاجزی کا حکم ہے اور نماز کے دوران بات کرنے کی ممانعت ہے۔ اس کے ساتھ آرام و سکون کا حکم ہے۔ پھر فرمایا: ﴿فَإِنْ خَفْتُمْ﴾ اگر تمہیں خوف ہو۔ ”خوف والی چیز کا ذکر نہیں فرمایا، تاکہ اس میں کافر سے ظالم سے اور درندے سے خوف اور دوسرے تمام اقسام کے خوف شامل ہو جائیں۔ یعنی ان حالات میں نماز پڑھتے ہوئے اگر تم خوف محسوس کرو تو ﴿فِرْجَالًا﴾ ”پیدل ہی“ یعنی چلتے چلتے نماز پڑھ لو یا گھوڑوں اونٹوں وغیرہ پر ﴿أَوْ رُكْبَانًا﴾ ”سوار ہو کر ہی سہی“ اس طرح نماز پڑھنے سے یہ لازم آتا ہے کہ کبھی ان کا رخ قبلہ کی طرف ہو اور

کبھی نہ ہو۔ اس سے بروقت نماز پڑھنے کی مزید تاکید ظاہر ہوتی ہے کہ بہت سے ارکان اور بہت سی شروط میں خلل پڑ جانے کے باوجود نماز وقت پر پڑھو۔ اس نازک وقت میں بھی نماز میں تاخیر کرنا جائز نہیں۔ ان حالات میں اس طریقے سے نماز پڑھنا افضل ہے، بلکہ تاخیر کر کے اطمینان کے ساتھ نماز پڑھنے سے اس طریقے سے وقت پر نماز پڑھ لینا زیادہ ضروری ہے۔ ﴿فَإِذَا آمَنْتُمْ﴾ پھر جب تم امن میں آ جاؤ۔ یعنی خوف ختم ہو جائے ﴿فَإِذْ كُرُوا لِلَّهِ﴾ تو اللہ کا ذکر کرو۔ اس میں ذکر کی ہر قسم شامل ہے۔ اور کامل نماز پڑھنا بھی اس ذکر کی ایک صورت ہے۔ ﴿كَمَا عَلَّمَكُمْ مَا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ﴾ جس طرح اس نے تمہیں اس بات کی تعلیم دی جسے تم نہیں جانتے تھے۔ اس لیے کہ یہ ایک عظیم نعمت ہے، جس کے عوض ذکر اور شکر کرنا چاہیے، تاکہ تم پر اس کی نعمت باقی رہے اور اس میں اضافہ ہو۔

وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُونَ أَزْوَاجًا ۖ وَوَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ
اور وہ لوگ جو فوت کر دیئے جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں بیویاں (ان پر لازم ہے) وصیت کرنا واسطے اپنی بیویوں کے
مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ ۚ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ
خرچ دینے کی ایک سال تک بغیر نکالنے کے (گھر سے) پس اگر وہ خود نکل جائیں تو نہیں کوئی گناہ تم پر
فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۳۰﴾
اس میں جو کریں وہ اپنے حق میں موافق دستور کے اور اللہ غالب ہے حکمت والا ○

مطلب یہ ہے کہ جو مرد فوت ہو جاتے ہیں اور اپنے پیچھے بیویاں چھوڑ جاتے ہیں تو مرنے سے پہلے ان کے لیے ضروری ہے ﴿وَوَصِيَّةً لِّأَزْوَاجِهِمْ مَتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرِ إِخْرَاجٍ﴾ اپنی بیویوں کے حق میں وصیت کر جائیں سال بھر فائدہ اٹھانے کی اور یہ کہ انہیں کوئی نہ نکالے۔ یعنی انہیں چاہیے کہ بیویوں کو سال بھر ان (شوہروں) کے گھروں میں رہنے کی وصیت کر جائیں۔ اس مدت میں عورتیں وہاں سے نہ نکلیں۔ ﴿فَإِنْ خَرَجْنَ﴾ پس اگر وہ خود نکل جائیں۔ ﴿فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ (تو اے وارثو!) تم پر اس میں کوئی گناہ نہیں۔ ﴿فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوفٍ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ جو وہ اپنے لیے اچھائی سے کریں اور اللہ تعالیٰ غالب اور حکیم ہے۔ اچھائی سے مراد زیب و زینت اور خوشبو وغیرہ کا استعمال ہے۔ اکثر مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیت اپنے سے پہلی آیت کی وجہ سے منسوخ ہو گئی ہے۔ جس کے الفاظ یہ ہیں ﴿وَالَّذِينَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ أَزْوَاجًا يَتَرَبَّصْنَ بِأَنْفُسِهِنَّ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَعَشْرًا﴾ (البقرة: ۲۳۴/۲۳۵) ”تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں وہ عورتیں اپنے آپ کو چار مہینے دس دن عدت میں رکھیں۔“ بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں بلکہ پہلی آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ چار ماہ دس دن کی مدت پوری کرنا واجب ہے۔ اس سے

زیادہ مستحب ہے۔ خاوند کے حق کی تکمیل کے لیے اور بیوی کی دلجوئی کے لیے اسے پورا کرنا چاہیے۔ مستحب ہونے کی دلیل یہ ہے کہ سال پورا ہونے سے پہلے عورتوں کے اس گھر سے چلے جانے کی صورت میں اللہ تعالیٰ نے خاوند کے وارثوں پر گناہ نہ ہونے کا ذکر کیا ہے۔ اگر اس گھر میں رہائش رکھنا واجب ہوتا تو انہیں یہ نہ کہا جاتا کہ کوئی حرج نہیں۔

وَلِلْمُطَلَّاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿۳۳﴾ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ

اور واسطے مطلقہ عورتوں کے فائدہ پہنچانا ہے مطابق دستور کے (یہ) حق ہے اوپر متقی لوگوں کے ○ اسی طرح بیان فرماتا ہے

اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۳۴﴾

اللہ واسطے تمہارے اپنی آیتیں تاکہ تم سمجھو ○

یعنی ہر طلاق یافتہ عورت کو مناسب فائدہ دینا اس کا حق ہے جو ہر متقی پر واجب ہے، تاکہ عورت کی دل جوئی ہو سکے اور اس کے بعض حقوق ادا ہو سکیں۔ جس عورت کو خلوت سے پہلے طلاق دی جائے اسے یہ متعہ (مثلاً کپڑوں کا جوڑا یا کچھ رقم وغیرہ) دینا واجب ہے۔ دوسری صورت میں پورا حق مہر ادا کرنا واجب ہے جیسے پہلے بیان ہوا۔ اس مسئلہ میں یہ قول زیادہ بہتر ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ہر عورت کو طلاق کے بعد متعہ دینا واجب ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ آیت کا مفہوم عام ہے۔ (اس میں کوئی تخصیص نہیں کی گئی) لیکن قانون یہ ہے کہ مطلق کو مقید پر محمول کیا جاتا ہے اور پہلے بیان ہو چکا ہے کہ متعہ اس عورت کے لیے واجب ہے جسے خلوت سے پہلے اور حق مہر کے تعین سے پہلے طلاق ہو جائے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ عظیم مسائل بیان فرمائے جو اس کی حکمت اور رحمت پر مشتمل ہیں تو بندوں پر اپنے احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ﴾ اللہ تعالیٰ اسی طرح تم پر اپنی آیتیں بیان فرما رہا ہے۔ یعنی حدود حلال و حرام اور وہ احکام جن میں تمہارا فائدہ ہے۔ ﴿لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ تاکہ تم انہیں سمجھو اور ان کا اصل مقصد تمہیں معلوم ہو جائے، کیونکہ جو ان کو سمجھ لے گا وہ ان پر عمل کرنا ضروری سمجھے گا۔ اس کے بعد ارشاد ہے:

الْمُتَرِّ إِلَى الَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ أُلُوفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ

کیا نہیں دیکھا آپ نے ان لوگوں کو جو نکلے اپنے گھروں سے اور وہ کئی ہزار تھے موت کے ڈر سے

فَقَالَ لَهُمْ اللَّهُ مُوتُوا ثُمَّ أَحْيَاهُمْ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ

تو کہا ان سے اللہ نے مر جاؤ تم! پھر زندہ کر دیا ان کو بے شک اللہ فضل کرنے والا ہے اوپر لوگوں کے

وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿۳۵﴾ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ

اور لیکن اکثر لوگ نہیں شکر کرتے ○ اور لڑو تم اللہ کی راہ میں اور جان لو! بے شک

اللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۶﴾ مَنْ ذَا الَّذِي يُقْرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفُهُ

اللہ سننے والا خوب جاننے والا ہے ○ کون ہے جو قرض دے اللہ کو قرض حسنہ پھر اللہ بڑھا دے وہ (مال)

لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً ۖ وَاللَّهُ يَقْبِضُ وَيَبْصِطُ ۚ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ ﴿۱۳۵﴾

اس کے لیے کئی گنا ہی تنگی کرتا اور فراموشی کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے ○

اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا واقعہ بیان فرما رہا ہے جو ایک متفقہ مقصد کے تحت کثیر تعداد میں اپنے گھروں سے نکل کھڑے ہوئے تھے۔ ان کے نکلنے کی وجہ یہ تھی کہ وہ وہاں کسی اور وجہ سے مرجانے کا خوف رکھتے تھے۔ گھروں سے نکلنے سے ان کا مقصود موت سے بچنا تھا، لیکن تقدیر کے آگے تدبیر نہیں چلتی، چنانچہ ﴿فَقَالَ لَهُمُ اللَّهُ مُوتُوا﴾ ”اللہ تعالیٰ نے انہیں فرمایا: مرجاؤ۔“ تو وہ مر گئے۔ ﴿ثُمَّ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے ﴿أَحْيَاهُمْ﴾ انہیں زندہ کر دیا۔ ”یا نبی کی دعا کی وجہ سے یا کسی اور وجہ سے۔ یہ ان پر رحمت، مہربانی اور حلم کا اظہار تھا اور مردوں کو زندہ کرنے کی ایک نشانی دکھانا مقصود تھا اس لیے فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَئِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ﴾ ”بے شک اللہ تعالیٰ لوگوں پر بڑا فضل کرنے والا ہے، لیکن اکثر لوگ ناشکرے ہیں۔“ پس وہ نعمت ملنے پر شکر میں اضافہ نہیں کرتے، بلکہ بعض اوقات ان نعمتوں سے فائدہ اٹھاتے ہوئے مزید گناہ کرنے لگتے ہیں۔ ان میں ایسے شکر گزار بندے کم ہی ہوتے ہیں جو نعمت کو پہچان کر اس کا اعتراف کر کے اسے منعم حقیقی کی اطاعت میں استعمال کرتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ میں جنگ کرنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے مراد اللہ کے دین کو بلند کرنے کے لیے اپنے دشمنوں یعنی کافروں کے خلاف جنگ کرنا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”اللہ کی راہ میں جہاد کرو اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ سنتا جانتا ہے۔“ لہذا نیت درست رکھو اور جہاد سے صرف اللہ کی رضا تمہارا مقصود ہونا چاہیے اور تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جنگ سے پہلو تہی کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ جنگ نہ کرنے کے نتیجے میں تم زیادہ عرصہ زندہ رہو گے تو حقیقت یوں نہیں ہے۔ اسی لیے اس حکم کی تمہید کے طور پر گزشتہ قصہ بیان فرمایا ہے کہ جس طرح ان کو موت کے ڈر سے گھروں سے نکلنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوا، بلکہ ان کا خطرہ ان کے سامنے آ گیا جب کہ ان کو یہ گمان بھی نہ تھا کہ موت اس طرح بھی آ سکتی ہے، تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ تمہارا معاملہ بھی ایسا ہی ہے اور چونکہ اللہ کی راہ میں جنگ کرنے کے لیے مال خرچ کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس لیے اللہ نے اس راہ میں مال خرچ کرنے کا حکم دیا اور ترغیب دی اور اسے قرض فرمایا چنانچہ فرمایا: ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يُقرِضُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ ”ایسا بھی کوئی ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے؟“ اور جتنا مال ہو سکے نیکی کے کاموں میں بالخصوص جہاد میں خرچ کرے۔ ”اچھا“ وہ ہے جو حلال کی کمائی سے ہو اور اس سے مقصود محض رضائے الہی ہو۔ ﴿فِيضْ حَقًّا لَهُ أَضْعَافًا كَثِيرَةً﴾ پس اللہ تعالیٰ اسے بہت بڑھا چڑھا کر عطا فرمائے۔ ”یعنی نیکی کا ثواب دس گنا سے سات سو گنا تک یا اس سے بھی بہت زیادہ عطا فرمائے گا۔ ثواب میں یہ اضافہ خرچ کرنے والے کی حالت، نیت، اس خرچ کے فائدے اور ضرورت کی

نسبت سے ہوتا ہے۔ انسان کو بعض اوقات یہ خیال آتا ہے کہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے وہ مفلس ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وہم کو دور کرنے کے لیے فرمایا: ﴿وَاللَّهُ يَقِضُ وَيَبْصُطُ﴾ ”اللہ ہی تنگی اور کشادگی کرتا ہے۔“ یعنی جس کا رزق چاہتا ہے وسیع کر دیتا ہے اور جس کا چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ یہ معاملات صرف اسی کے ہاتھ میں ہیں اور تمام امور کا دار و مدار اسی کی ذات پر ہے۔ بچا بچا کر رکھنے سے رزق بڑھتا نہیں اور خرچ کرنے سے گھٹتا نہیں۔ علاوہ ازیں جو خرچ کیا ہے وہ ضائع نہیں ہوتا بلکہ ایک دن آنے والا ہے جب وہ اپنی پیش کی ہوئی اشیا پوری پوری بلکہ بہت زیادہ اضافے کے ساتھ کئی گناہ وصول کر لیں گے، اس لیے فرمایا: ﴿وَاللَّيْه تَرْجَعُونَ﴾ ”اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔“ پھر وہ تمہیں تمہارے اعمال کی جزا دے گا۔

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ تقدیر کے مقابلے میں اسباب فائدہ نہیں دیتے۔ خصوصاً وہ اسباب جن سے اللہ کے احکامات پر عمل ترک ہوتا ہو۔ نیز ان میں اللہ کی عظیم نشانی کا ذکر ہے کہ اسی جہان میں مردوں کو زندہ کر کے دکھا دیا۔ ان میں اللہ کی راہ میں جہاد و قتال اور خرچ کرنے کا حکم ہے یہاں ایسی چیزیں بیان کی گئی ہیں جن سے انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب ہوتی ہے، مثلاً اسے قرض قرار دینا، اس کا بہت زیادہ بڑھ جانا اور رزق کی کمی بیشی اللہ کے ہاتھ میں ہونا اور بندوں کا اسی کی طرف لوٹ کے جانا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الْمَلِكِ مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى إِذْ قَالُوا لِنَبِيِّ لِهْمُ
کیا نہیں دیکھا آپ نے طرف ایک جماعت کی بنی اسرائیل میں سے بعد موسیٰ کے؟ جب انہوں نے کہا اپنے نبی سے
أَبْعَثْ لَنَا مَلِكًا يُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ كُتِبَ
آپ مقرر کر دیں ہمارے لیے ایک بادشاہ تاکہ ہم لڑیں اللہ کی راہ میں اس نے کہا تحقیق امید (تو یہی) ہے تم سے، اگر لکھ دیا جائے
عَلَيْكُمْ الْقِتَالُ إِلَّا تَقَاتِلُوا قَالُوا وَمَا لَنَا إِلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
اوپر تمہارے لڑنا، یہ کہ نہ لڑو تم، انہوں نے کہا! اور ہمیں کیا ہے کہ ہم نہ لڑیں اللہ کی راہ میں
وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَاءِنَا فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا
جب کہ ہم نکال دیئے گئے ہیں اپنے گھروں اور اپنے بیٹوں سے؟ پھر جب فرض کر دیا گیا او پر ان کے لڑنا تو پھر گئے وہ (سب)
إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿۳۸﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ
سوائے تھوڑے سے لوگوں کے ان میں سے اور اللہ خوب جاننے والا ہے ظالموں کو اور کہا ان سے ان کے نبی نے بے شک
اللَّهُ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا قَالُوا أَنْتَى يَكُونُ لَهُ الْمَلِكُ
اللہ نے تحقیق مقرر کیا ہے تمہارے لیے طالوت کو بادشاہ انہوں نے کہا، کیسے ہو سکتی ہے واسطے اس کے بادشاہی
عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمَلِكِ مِنْهُ وَلَمْ يَأْتِ سَعَةً مِنَ الْمَالِ قَالَ
ہم پر جب کہ ہم زیادہ حق دار ہیں بادشاہی کے اس سے اور نہیں دیا گیا وہ وسعت مال کی اس نے کہا

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَكُمْ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ وَاللَّهُ يُؤْتِي

بے شک اللہ نے چن لیا ہے اسے تم پر اور زیادہ دی ہے اسے کشادگی علم اور جسم (دونوں) میں اور اللہ دیتا ہے

مُلْكُهُ مَنْ يَشَاءُ ط وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۴﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ آيَةَ

ملک اپنا جس کو چاہتا ہے اور اللہ بڑا وسعت والا ہے اور کہا ان سے ان کے نبی نے بیشک نشانی

مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ التَّابُوتُ فِيهِ سَكِينَةٌ مِّنْ رَبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ

انکی بادشاہی کی یہ ہے کہ آئے گا تمہارے پاس صندوق، اس میں سکینت ہوگی تمہارے رب کی طرف سے اور بقیہ چیزیں ہوں گی

مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ تَحْمِلُهُ الْمَلَائِكَةُ ط إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَةً

اس سے جو چھوڑ گئے تھے آل موسیٰ اور آل ہارون اٹھا کر لائیں گے اس کو فرشتے بلاشبہ اس میں یقیناً (عظیم) نشانی ہے

لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿۳۵﴾

واسطے تمہارے اگر ہو تم مومن ○

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو بنی اسرائیل کے سرداروں کا واقعہ سنایا ہے۔ سرداروں کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ عام طور پر سردار ہی اپنے فائدے کے معاملات پر غور و فکر کرتے ہیں تاکہ وہ متفقہ فیصلہ کریں اور دوسرے لوگ ان کی پیروی کرتے ہیں۔ واقعہ یوں ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کے بعد مبعوث ہونے والے اپنے نبی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے عرض کیا: ﴿اِنْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ﴾ کسی کو ہمارا بادشاہ بنا دیجیے تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد کریں۔ تاکہ قوم کی شیرازہ بندی ہو اور ہم دشمن کا مقابلہ کر سکیں۔ شاید اس وقت ان کا کوئی متفقہ سردار نہیں تھا۔ جیسے قبائلی معاشرے میں ہوتا ہے کہ کوئی گھرانہ یہ پسند نہیں کرتا کہ دوسرے گھرانے کا کوئی آدمی اس پر حاکم مقرر ہو جائے۔ اس لیے انہوں نے اپنے نبی سے درخواست کی کہ ایک بادشاہ مقرر کر دیا جائے جس پر سب فریق متفق ہو جائیں۔ بنی اسرائیل میں سیاسی رہنمائی انبیائے کرام کا فریضہ تھی۔ جب کوئی نبی فوت ہو جاتا تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا نبی مقرر فرما دیتا۔ جب انہوں نے اپنے نبی سے یہ بات کہی تو پیغمبر نے کہا: ﴿هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا﴾ ممکن ہے جہاد فرض ہو جانے کے بعد تم جہاد نہ کرو۔ یعنی شاید تم ایسی چیز کا مطالبہ کر رہے ہو کہ اگر تم پر فرض ہو جائے تو تم اس کو انجام نہ دے سکو۔ نبی کے اس مشورہ کو تسلیم کر لینے میں ان کے لیے عافیت تھی، لیکن انہوں نے اسے قبول کرنے کے بجائے اپنے عزم و نیت پر اتماد کیا اور بولے: ﴿وَمَا لَنَا اَلَّا نُقَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَابْنَانَا﴾ بھلا ہم اللہ کی راہ میں جہاد کیوں نہ کریں گے؟ ہم تو اپنے گھروں سے اجاڑے گئے ہیں اور بچوں سے دور کر دیے گئے ہیں۔ یعنی ہمیں جہاد کرنے میں کیا عذر ہو سکتا ہے جب کہ ہمیں اس پر مجبور کر دیا گیا ہے کیونکہ ہمیں وطن سے بے

وطن کر دیا گیا اور بیوی بچوں کو قید کر لیا گیا ہے؟ ان حالات میں بھی اگر ہم پر اللہ کی طرف سے جہاد کا حکم نہ بھی آئے تب بھی ہمیں لڑنا چاہیے۔ اب جب کہ سب کچھ ہو چکا ہے اور جہاد فرض کر دیا جائے تو ہم کیوں نہیں لڑیں گے۔ لیکن ان کی نیتیں درست نہ تھیں اور اللہ پر توکل مضبوط نہیں تھا۔ اس لیے ﴿فَلَمَّا كَتَبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالَ تَوَلَّوْا﴾ ”جب ان پر جہاد فرض ہوا تو سب پھر گئے۔“ انہیں بزدلی کی وجہ سے جہاد کی ہمت نہ ہوئی وہ دشمن سے ٹکر لینے کی جرأت نہ کر سکے۔ ان کا عزم جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ اکثریت پر بزدلی کے جذبات غالب آ گئے۔ ﴿إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ﴾ ”سوائے تھوڑے سے لوگوں کے“ جنہیں اللہ نے ثابت قدمی بخشی ان کے دل مضبوط ہو گئے۔ پس انہوں نے اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے دشمن سے ٹکرانے کا حوصلہ کیا تو انہیں دنیا اور آخرت کی عزت نصیب ہوئی۔ لیکن اکثریت نے اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہوئے اللہ کے حکم کو چھوڑ دیا۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔“ ﴿وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ﴾ ”اور ان کے نبی نے (ان کا مطالبہ تسلیم کرتے ہوئے) کہا“ ﴿إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا﴾ ”اللہ تعالیٰ نے طالوت کو تمہارا بادشاہ بنا دیا ہے۔“ یہ نام زدگی اللہ کی طرف سے تھی لہذا ان کا فرض تھا کہ اسے قبول کرتے ہوئے اعتراضات بند کر دیتے۔ لیکن انہوں نے اعتراض کر دیا اور کہنے لگے: ﴿أَنَّى يَكُونُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ أَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِنَ الْمَالِ﴾ ”بھلا اس کی ہم پر حکومت کیسے ہو سکتی ہے؟ اس سے تو بہت حق دار بادشاہت کے ہم ہیں۔ اسے مالی کشادگی بھی نہیں دی گئی۔“ یعنی وہ ہمارا بادشاہ کیسے بن سکتا ہے جب کہ وہ خاندانی طور پر ہم سے کم تر ہے۔ پھر وہ غریب اور نادار بھی ہے اس کے پاس حکومت قائم رکھنے کے لیے مال بھی نہیں۔ ان کی اس بات کی بنیاد ایک غلط خیال پر تھی کہ بادشاہ اور سردار ہونے کے لیے اونچا خاندان اور بہت مالدار ہونا ضروری ہے۔ انہیں معلوم نہیں تھا کہ ترجیح کے قابل اصل صفات زیادہ اہم ہیں۔ اس لیے ان کے نبی نے فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَاهُ عَلَيْكُمْ﴾ ”سنو! اللہ تعالیٰ نے اس کو تم پر برگزیدہ کیا ہے۔“ لہذا اس کی اطاعت قبول کرنا تمہارا فرض ہے۔ ﴿وَزَادَهُ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ﴾ ”اور اسے اللہ نے علمی اور جسمانی برتری بھی عطا فرمائی ہے۔“ یعنی اسے عقل اور جسم کی قوت عطا فرمائی ہے اور ملک کے معاملات انہی دو چیزوں کی بنیاد پر صحیح طور پر انجام پاتے ہیں۔ کیونکہ جب وہ عقل و رائے میں کامل ہو اور اس صحیح رائے کے مطابق احکام نافذ کرنے کی طاقت بھی رکھتا ہو تو درجہ کمال حاصل ہو جاتا ہے۔ اگر ان دونوں میں سے کوئی ایک مفقود ہو تو نظام میں خلل آ جائے گا۔ اگر وہ جسمانی طور پر طاقت ور ہو لیکن پورا عقل مند نہ ہو تو ملک میں غیر شرعی سختی ہوگی اور طاقت کا استعمال حکمت کے مطابق نہیں ہوگا اور اگر وہ معاملات کی پوری سمجھ رکھنے والا ہو، لیکن اپنے احکام نافذ کرنے کی طاقت سے محروم ہو، تو اس عقل و فہم کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا جسے وہ نافذ نہ کر سکے۔ ﴿وَاللَّهُ وَاسِعٌ﴾ ”اللہ تعالیٰ

کشادگی والا۔“ یعنی بہت فضل و کرم والا ہے اس کی عمومی رحمت کسی کو محروم نہیں رکھتی بلکہ ہر ادنیٰ و اعلیٰ اس سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ ﴿عَلِيمٌ﴾ ”علم والا ہے۔“ وہ جانتا ہے کہ فضل کا صحیح حق دار کون ہے۔ لہذا اس پر فضل کر دیتا ہے۔ اس کلام سے ان کے دلوں کے تمام شکوک و شبہات دور ہو گئے۔ کیونکہ طالوت میں حکمرانوں والی خوبیاں موجود تھیں اور اللہ اپنا فضل جسے چاہے دیتا ہے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اس کے بعد ان کے نبی نے ایک حسی نشانی بھی بیان کی جسے وہ دیکھ لیں گے۔ وہ ہے اس تابوت کا واپس مل جانا جو ایک طویل عرصہ سے ان کے ہاتھ سے نکل چکا تھا۔ اس تابوت میں ان کے لیے اطمینان قلب اور سکون کا سامان موجود تھا۔ یعنی آل موسیٰ اور آل ہارون کی چھوڑی ہوئی اشیاء موجود تھیں۔ اسے فرشتے اٹھا کر لائے تو لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے۔

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ ۱ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ ۲ فَمَنْ شَرِبَ ۳
پس جب نکلا طالوت فوجیں لے کر تو کہا بے شک اللہ آزمائے گا تمہیں ساتھ ایک نہر کے سو جس نے پانی پیا
مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۴ وَمَنْ لَمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهُ مِنِّي ۵ إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً ۶
اس سے (سیر ہو کر) تو نہیں ہے وہ مجھ سے اور جس نے نہ چکھا اس سے تو بلاشبہ وہ مجھ سے ہے مگر جو چلو بھر لے ایک چلو
بِيَدِهِ ۷ فَشَرِبُوا مِنْهُ إِلَّا قَلِيلًا مِّنْهُمْ ۸ فَلَمَّا جَاوَزَهُ هُوَ ۹
اپنے ہاتھ سے پس پی لیا انہوں نے اس نہر سے سوائے تھوڑے سے لوگوں کے ان میں سے پھر جب عبور کر لیا اس کو اس نے
وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ ۱۰ قَالُوا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ ۱۱
اور ان لوگوں نے جو ایمان لائے تھے اسکے ساتھ تو کہا نہیں ہے طاقت ہمارے اندر آج لڑنے کی ساتھ جالوت اور اسکی فوجوں کے
قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُّلَاقُوا اللَّهَ ۱۲ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ ۱۳
کہا ان لوگوں نے جو یقین رکھتے تھے اس پر کہ وہ ملنے والے ہیں اللہ سے بارہا تھوڑی سی جماعت غالب آئی ہے
فِئَةً كَثِيرَةً ۱۴ بِإِذْنِ اللَّهِ ۱۵ وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ۱۶ ﴿۱۳﴾ وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ ۱۷
بڑی جماعت پر اللہ کے حکم سے اور اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے اور جب وہ (مومن) سامنے ہوئے واسطے جالوت
وَجُنُودِهِ ۱۸ قَالُوا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا ۱۹ وَثَبَّتْ أقدامنا وَأَنْصَرْنَا ۲۰
اور اس کی فوجوں کے تو کہا اے ہمارے رب! ڈال دے ہم پر صبر اور جمائے رکھ قدم ہمارے اور مدد فرما ہماری
عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ۲۱ ﴿۱۴﴾ فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ ۲۲ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ ۲۳
اوپر اس کافر قوم کے اور پس شکست دی مومنوں نے کافروں کو اللہ کے حکم سے اور قتل کیا داؤد نے جالوت کو
وَأَتَهُ اللَّهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ ۲۴ ﴿۱۵﴾ وَلَا دَفْعُ اللَّهِ
اور دی اللہ نے داؤد کو بادشاہی اور حکمت اور سکھایا اس کو اس سے جو چاہا (اللہ نے) اور اگر نہ ہوتا دفع کرنا اللہ کا

النَّاسَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ لَفْسَدَاتِ الْأَرْضِ وَلَكِنَّ اللَّهَ ذُو فَضْلٍ

لوگوں کو ان کے بعض کو بعض کے ذریعے سے تو یقیناً خراب ہو جاتی (ساری) زمین لیکن اللہ بڑے فضل والا ہے

عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۱۵۱﴾ تِلْكَ آيَةُ اللَّهِ تَنْتَلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ط

اوپر جہانوں کے ○ یہ آیتیں ہیں اللہ کی ہم پڑھتے ہیں ان کو آپ پر ساتھ حق کے

وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۱۵۲﴾

اور بلاشبہ آپ رسولوں میں سے ہیں ○

جب بنی اسرائیل پر طالوت کی حکومت قائم ہو گئی اور مستحکم ہو گئی تو قوم نے دشمن سے مقابلے کی تیاری کی۔ طالوت بنی اسرائیل کے لشکروں کو لے کر روانہ ہوا۔ ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ تو اس نے اللہ کے حکم سے ان کا امتحان لیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ ثابت قدم رہنے والا کون کون ہے اور دوسری طرح کا (بھگوڑا) کون کون ہے؟ چنانچہ فرمایا ﴿إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي﴾ ”سنو! اللہ تعالیٰ تمہیں ایک نہر سے آزمانے والا ہے جس نے اس میں سے پانی پی لیا وہ میرا نہیں۔“ پس وہ نافرمان ہے۔ اس کی بے صبری اور گناہ کی سزا یہ ہے کہ وہ ہمارے ساتھ نہ آئے۔ ﴿وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ﴾ ”اور جو اسے نہ چکھے“ یعنی اس کا پانی نہ پیے۔ وہ میرا ہے ﴿إِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةً بِيَدِهِ﴾ ”ہاں یہ اور بات ہے کہ اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے۔“ اسے کوئی گناہ نہیں۔ اور شاید اللہ تعالیٰ اس کے لیے اس میں برکت ڈال دے کہ وہ اس کے لیے کافی ہو جائے۔ اس امتحان سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے پاس پانی تھوڑا رہ گیا تھا، تاکہ آزمائش ہو سکے۔ اکثر نے نافرمانی کرتے ہوئے اتنا پانی پی لیا، جتنا پینے کی انہیں اجازت نہیں دی گئی تھی۔ چنانچہ یہ لوگ دشمن کے مقابلے میں جہاد کرنے سے بھی پہلو تہی کر گئے۔ ان کا گھڑی بھر پانی سے صبر نہ کر سکتا بہت بڑی دلیل تھی کہ وہ جنگ میں بھی صبر نہ کر سکیں گے جو طویل بھی ہو سکتی ہے اور پر مشقت بھی۔ ان کے اس طرح پلٹ جانے سے باقی لشکر میں اللہ پر اعتماد اللہ کے سامنے عجز و نیاز اور اپنی طاقت پر گھمنڈ سے اجتناب جیسی کیفیات اور زیادہ ہو گئیں وہ اپنی قلت اور دشمن کی کثرت کو دیکھ کر مزید ثابت قدم ہو گئے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَلَمَّا جَاوَزَهُ﴾ ”جب وہ نہر سے گزر گیا“ ﴿هُوَ﴾ ”وہ طالوت“ ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ﴾ ”مومنین سمیت“ جنہوں نے اللہ کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جائز حد سے زیادہ پانی نہیں پیا تھا، تو فوج کے اکثر لوگ اپنی قلت اور دشمنوں کی کثرت کو دیکھ کر کہنے لگے ﴿لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ﴾ ”آج تو ہم میں طاقت نہیں کہ جالوت اور اس کے لشکروں سے لڑیں۔“ کیونکہ ان کی تعداد بھی زیادہ ہے اور اسلحہ بھی ﴿قَالَ الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُمْ مُلاقُوا اللَّهِ﴾ ”لیکن اللہ کی ملاقات پر یقین رکھنے والوں نے کہا“ جو پختہ ایمان کے حامل تھے انہوں نے دوسروں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے

انہیں صبر کی تلقین کرتے ہوئے کہا ﴿كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرًا بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ بسا اوقات چھوٹی اور تھوڑی سی جماعتیں بڑی اور بہت سی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے، یعنی اس کے ارادہ اور مشیت سے۔ غلبہ پالیتی ہیں۔ کیونکہ معاملات اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ عزت اور ذلت اس کے دینے سے ملتی ہے۔ اللہ کی مدد کے بغیر کثرت کا کوئی فائدہ نہیں، اور اس کی مدد حاصل ہو تو قلت سے کوئی نقصان نہیں۔ ﴿وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ اور اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اس کی مدد اور توفیق انہیں حاصل ہوتی ہے۔ اللہ کی مدد حاصل کرنے کا سب سے اہم ذریعہ بندے کا اللہ کی رضا کے لیے صبر کرنا ہے۔ ان کی نصیحت کا کم ہمتوں پر بہت اچھا اثر ہوا، اس لیے جب وہ جالوت کے مقابلے میں آئے تو ان سب نے دعا مانگی: ﴿رَبَّنَا آفِرْغْ عَلَيْنَا صَبْرًا﴾ ”اے پروردگار! ہمیں صبر دے۔“ یعنی دل مضبوط کر دے۔ ہمیں صبر کی توفیق دے۔ ﴿وَوَسَّيْتُمْ أَقْدَامَنَا﴾ اور ثابت قدمی دے۔ کہ ہمارے قدموں میں لغزش نہ آئے، ہم بھاگنے کی غلطی سے محفوظ رہیں۔ ﴿وَأَنْصَرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾ اور قوم کفار پر ہماری مدد فرما۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جالوت اور اس کی قوم کافر تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی، کیونکہ انہوں نے قبولیت کے اسباب مہیا کر لیے تھے۔ اللہ نے ان کی مدد فرمائی ﴿فَهَزَمُوهُمْ بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُدُ﴾ ”چنانچہ اللہ کے حکم سے انہوں نے جالوتیوں کو شکست دے دی اور حضرت داود علیہ السلام کے ہاتھوں، جو طاقت کے لشکر میں شامل تھا ﴿جَاوَتْ﴾ جالوت قتل ہوا“ آپ علیہ السلام نے بہادری، قوت اور ثابت قدمی کی بدولت کافروں کے بادشاہ کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا۔ ﴿وَإِنَّهُ

اللَّهُ الْمَلِكُ وَالْحَكِيمُ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے داود علیہ السلام کو مملکت و حکمت عطا فرمائی۔“ یعنی اللہ نے آپ پر یہ احسان فرمایا کہ بنی اسرائیل کی حکومت عطا فرمانے کے علاوہ حکمت بھی عطا فرمائی۔ یعنی نبوت سے سرفرازی فرمائی جس سے عظیم شریعت اور سیدھی راہ ملی۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَعَلَّمَهُ مِمَّا يَشَاءُ﴾ ”اور جتنا کچھ چاہا، علم بھی عطا فرمایا۔“ شریعت کا علم بھی اور سیاست کا علم بھی۔ اس طرح انہیں نبوت اور حکومت دونوں عطا فرمادیں۔ اس سے پہلے انبیاء اور ہوتے تھے اور بادشاہ اور۔ پس جب اللہ نے ان کی مدد فرمائی تو وہ لوگ اطمینان سے اپنے گھروں میں رہنے لگے اور بے خوف ہو کر اللہ کی عبادت کرنے لگے۔ اللہ نے ان کے دشمنوں کو مغلوب کر دیا اور انہیں اقتدار عطا فرمادیا، یہ سب جہاد فی سبیل اللہ کی برکات تھیں۔ اس لیے اللہ نے فرمایا: ﴿وَلَوْلَا دَفَعُ اللَّهُ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَفَسَدَتِ الْأَرْضُ﴾ اگر اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو بعض کے ذریعے سے دفع نہ کرتا تو زمین میں فساد پھیل جاتا۔“ اگر مجاہدین کے ذریعے سے بدکاروں اور کفار کا قلع قمع نہ کرتا تو کافروں کے غلبے کی وجہ سے کفر کی رسمیں قائم ہونے سے اور اللہ کی عبادت سے روک دیے جانے کی وجہ سے زمین فساد سے بھر جاتی۔“ لیکن اللہ تعالیٰ دنیا والوں پر بڑا فضل و کرم کرنے والا ہے۔“ یہ اس کا فضل ہے کہ اس نے جہاد مقرر کر دیا، جس میں ان کی

سعادت اور ان کا دفاع ہے اور انہیں معلوم و نامعلوم اسباب کے ذریعے سے زمین میں اقتدار عطا فرما دیا۔ پھر فرمایا: ﴿تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ تَتْلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ﴾ ”یہ اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جنہیں ہم حقانیت کے ساتھ آپ پر پڑھتے ہیں۔“ یعنی ایسی سچائی کے ساتھ جس میں کوئی شک نہیں جو اعتبار اور بصیرت کو بھی متضمن ہے اور بیان حقائق امور کو بھی۔ ﴿وَإِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِينَ﴾ ”اور بالیقین آپ رسولوں میں سے ہیں۔“ اس میں اللہ کی طرف سے اپنے رسول کے لیے رسالت کی گواہی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی رسالت کے دلائل میں انبیائے سابقین ان کے تبعین اور مخالفین کے ان واقعات کا بیان بھی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو نہ بتاتا تو آپ کو ان کا علم نہیں ہو سکتا تھا بلکہ آپ کی پوری قوم میں کوئی بھی ایسا شخص نہ ہوتا جس کو ان واقعات کے بارے میں کچھ معلوم ہو۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ اللہ کے سچے رسول اور نبی ہیں۔ جو حق لے کر آئے ہیں آپ ﷺ کا دین بھی سچا ہے جسے اللہ تعالیٰ تمام ادیان پر غالب کرنے والا ہے۔

اس قصہ میں بہت سی نصیحت آموز نشانیاں ہیں جن سے اہل علم کو نصیحت حاصل ہوتی ہے، مثلاً

- (۱) پہلی بات یہ ہے کہ اہل صل و عقد کا جمع ہو کر یہ غور و فکر کرنا کہ ان کے معاملات کس طریقے سے سدھر سکتے ہیں اور پھر ان تجاویز پر عمل کرنا ترقی اور حصول مقصود کا سب سے بڑا سبب ہے۔ جیسے ان سرداروں نے اپنے نبی سے بادشاہ مقرر کر دینے کی درخواست کی تاکہ وہ متحد اور متفق رہیں اور ایک بادشاہ کا حکم مانیں۔
- (۲) جب حق کی مخالفت کی جائے اور اس پر شبہات وارد کیے جائیں تو اس سے حق زیادہ واضح ہو جاتا ہے اور اس کے نتیجے میں یقین تام حاصل ہو جاتا ہے، جیسے ان لوگوں نے طاہوت کے بادشاہت کا مستحق ہونے پر اعتراض کیا تو انہیں ایسے جواب دیے گئے کہ وہ مطمئن ہو گئے اور شک و شبہ ختم ہو گیا۔
- (۳) حکومت کو کمال تب حاصل ہوتا ہے جب حاکم علم و عقل بھی رکھتا ہو اور نافذ کرنے کی قوت بھی رکھتا ہو۔ ان میں سے کسی ایک شرط کا یا دونوں شرطوں کا فقدان سلطنت کے نقصان کا باعث ہے۔
- (۴) اپنے آپ پر اعتماد کرنے سے ناکامی حاصل ہوتی ہے اور صبر پر قائم رہتے ہوئے اللہ سے مدد مانگنا اور اس کی پناہ حاصل کرنا فتح و کامیابی کا ذریعہ ہے۔

پہلی صورت کی مثال ان کا اپنے نبی سے یہ کہنا ہے: ﴿وَمَا لَنَا إِلَّا نُفَاتِلَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَقَدْ أُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَأَبْنَاءِنَا﴾ ”بھلا ہم اللہ کی راہ میں جہاد کیوں نہ کریں گے؟ ہم تو اپنے گھروں سے اجاڑے گئے ہیں اور بچوں سے دور کر دیے گئے ہیں۔“ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب جہاد کا حکم ہوا تو وہ منہ موڑ گئے۔

دوسری صورت کی مثال اللہ کا یہ فرمان ہے: ﴿وَلَمَّا بَرَزُوا لِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ قَالُوا رَبَّنَا أَخْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَثَبِّتْ أَقْدَامَنَا وَانصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾ ”جب وہ جالوت کے مقابلے میں آئے تو ان سب

نے دعا مانگی! اے پروردگار! ہمیں صبر دے، ثابت قدمی دے اور قوم کفار پر ہماری مدد فرما۔“ نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کو شکست ہو گئی۔

(۵) اللہ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ ناپاک کو پاک سے، سچے کو جھوٹے سے، ثابت قدمی والے کو بزدل سے ممتاز اور الگ کر دے۔ اللہ تعالیٰ انہیں ملے جلے اور غیر نمایاں نہیں رہنے دیتا۔

(۶) اللہ کی رحمت اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ وہ کافروں اور منافقوں کے شر کو مجاہد مومنوں کے ذریعے سے دور کر دیتا ہے۔ اگر یہ بات نہ ہوتی تو زمین میں کافروں کا غلبہ ہوتا اور کافرانہ طور طریقے ہر جگہ پھیل جاتے جس سے زمین فساد سے بھر جاتی۔



وَلَقَدْ بَعَثْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهِيَ كَلِمٌ مُبْدَا كَرِيمٌ

تَلْذِيذٍ سَائِلٍ الْبَكْرِ لِلذِّكْرِ الْكَرِيمِ
فِي تَفْسِيرِ كَلِمَاتِ الْمَثَانِ

المعروف

(أردو)
تفسیر السعدی

فیاض عبدالرحمن بن ناصر السعدی

دار السلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور
لندن • ہیوسٹن • نیو یارک



ہیڈ آفس : پوسٹ بکس: 22743 الزیاض: 11416 سعودی عرب

فون : 4033962 - 4043432 (00966 1) فیکس: 4021659

ای میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون و فیکس: 4614483

جدہ فون و فیکس: 6807752 البر فون: 8692900 فیکس: 8691551

شارجہ فون : 5632623 فیکس: 5632624 (009716)

پاکستان: ① 50 نورمال نزدیم - لے - اوکلیج لاہور فون: 7232400 - 7240024 (0092 42)

فیکس: 7354072 ای میل: darussalampk@hotmail.com

② اقراسنٹر، غزنی سٹریٹ، اڈوبازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

لندن فون: 5202666 فیکس: 5217645 (0044 208)

ہیوسٹن فون: 7220419 فیکس: 7220431 (001 713) نیویارک فون: 625 5925 (001 718)

Website: <http://www.dar-us-salam.com>

وَأَقْرَبُ لِلنَّبِيِّ وَالْقُرْآنِ لِلذَّكَوَّةِ مِنْ مَوْلَاكَ

تیسیر
الکرام الرحمن

فی تفسیر کلام المثنان
(اردو ترجمہ)

پارہ نمبر تین 3

مفسر قرآن: فضیلان عبدالرحمان بن ناصر السعدی رحمہ اللہ

تصحیح: عبدالرحمان بن محمد اللویحی رحمہ اللہ

ترجمہ: تفسیر پروفیسر طیب شاہین لودھی رحمہ اللہ

ترجمہ: قرآن: حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ



دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ



فرمان الہی

وَقَالَ الرَّسُولُ
يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَلْجُودًا

اور رسول (ﷺ) روز قیامت فرمائیں گے:
"اے الہی! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔"
(الفرقان: ۳۷/۲۵۰)

فرمان نبوی

إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ
بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيُضَعِّقُ بِهَا أُخْرَى

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو بندیاں
عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلت و پستی میں ڈھیل دیتا ہے
(صحیح مسلم، حدیث: ۸۱۴)

پا رة نمبر تین 3

نمبر شمار	نام سورت	صفحہ نمبر	شمار پارہ
۲	سورة البقرة (جاری)	302	۳ - ۲ - ۱
۳	سورة آل عمران	337	۴ - ۳

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللَّهُ وَرَفَعَ

یہ سب رسول فضیلت دی ہم نے ان کے بعض کو بعض پر کچھ ان میں سے ایسے ہیں جن سے کلام فرمایا اللہ نے اور بلند کیا

بَعْضَهُمْ دَرَجَاتٍ وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُّسِ

انکے بعض کو درجوں میں اور دیئے ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو واضح دلائل (معجزات) اور قوت دی ہم نے اسکو ساتھ روح القدس (جبریل) کے

وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ

اور اگر چاہتا اللہ تو نہ باہم لڑتے وہ لوگ جو ہوئے ان (رسولوں) کے پیچھے بعد اس کے کہ آئیں ان کے پاس واضح نشانیاں

وَلَكِنْ اِخْتَلَفُوا فِيهِمْ مَنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ

لیکن انہوں نے اختلاف کیا پس کچھ ان میں سے وہ ہیں جو ایمان لائے اور کچھ ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور اگر چاہتا اللہ

مَا اقْتَتَلُوا وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ

تو وہ باہم نہ لڑتے لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے ○

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض رسولوں کو دوسروں پر فضیلت عطا فرمائی ہے۔ پہلے تو انہیں تمام لوگوں پر فضیلت عطا فرمائی کہ ان کی طرف وحی نازل کر کے انہیں دوسروں کی طرف مبعوث فرمایا اور انہوں نے مخلوق کو اللہ کی طرف بلا یا۔ پھر انہیں ایک دوسرے پر فضیلت دی کہ ان میں درست افعال اور لوگوں کو نفع پہنچانے جیسی خاص خوبیاں دیں۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلام ہونے کا خاص شرف عطا فرمایا۔ اور ہمارے نبی ﷺ کو دوسرے انبیاء سے افضل بنایا اور آپ میں وہ تمام فضائل جمع فرمادیے جو دوسرے رسولوں کو الگ الگ ملے تھے۔ اور آپ کو ایسے مناقب بخشے جن کی وجہ سے آپ اولین اور آخرین سے اشرف قرار پائے۔

﴿وَاتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ﴾ اور ہم نے عیسیٰ ابن مریم کو معجزات عطا فرمائے۔ جن سے ثابت ہوتا ہے

کہ آپ اللہ کے بندے اس کے رسول اور مریم کی طرف نازل ہونے والا اللہ کا کلمہ اور اس کی طرف سے آنے

والی ایک روح ہیں۔ ﴿وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُّسِ﴾ اور روح القدس سے ہم نے ان کی تائید کی۔ اس سے مراد ایمان

اور یقین ہے جس کے ذریعے سے ان کو وہ فریضہ انجام دینے کی طاقت حاصل ہوئی جو آپ پر عائد کیا گیا

تھا۔ ایک قول کے مطابق روح القدس سے مراد جبریل علیہ السلام ہیں جو ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے تھے۔ ﴿وَلَوْ

شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ﴾ اور اگر اللہ چاہتا تو ان کے بعد

والے اپنے پاس دلیلیں آ جانے کے بعد ہرگز آپس میں لڑائی بھڑائی نہ کرتے۔ بلکہ ان دلائل کی وجہ سے سب

مومن اور متحد ہو جاتے۔ ﴿وَلَكِنْ اِخْتَلَفُوا فِيهِمْ مَنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ﴾ لیکن ان لوگوں نے اختلاف کیا۔

ان میں سے بعض تو مومن ہوئے اور بعض کافر۔ پس اس اختلاف کے نتیجے میں افتراق دشمنی اور لڑائی ہوئی۔ اس

کے باوجود اگر اللہ چاہتا تو اختلاف کے باوجود لڑائی تک نوبت نہ پہنچتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کی مرضی اسباب پر غالب ہے۔ اسباب کا فائدہ تبھی ہوتا ہے جب مشیت اس کے برعکس نہ ہو۔ جب مشیت آجائے تو ہر سبب کا لعدم ہو جاتا ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ﴾ ”لیکن اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔“ اس کا ارادہ غالب ہے اس کی مرضی پوری ہو کر رہتی ہے۔ اس آیت اور اس جیسی دیگر آیات میں اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ازل سے اپنی مشیت اور حکمت کے تقاضوں کے مطابق جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ اور وہ جو کچھ کرتا ہے اس میں سے بعض کا ذکر قرآن وحدیث میں موجود ہے۔ مثلاً استوائ نزول، کلام اور وہ افعال جنہیں ”افعال اختیاریہ“ کہا جاتا ہے۔

فائدہ: جس طرح اللہ کی پہچان حاصل کرنا فرض ہے۔ اسی طرح رسولوں کے بارے میں علم حاصل کر لینا بھی ضروری ہے ان کی لازمی صفات کیا ہیں، کیا کچھ ان کے لیے محال ہے اور کیا کچھ ممکن ہے۔ ان امور کا علم قرآن مجید کی متعدد آیات سے ہوتا ہے۔ مثلاً رسول مرد ہیں عورتیں نہیں، وہ بستیوں میں رہنے والوں میں سے مبعوث ہوئے ہیں، خانہ بدوشوں میں سے نہیں۔ وہ اللہ کے منتخب اور پسندیدہ بندے ہوتے ہیں، ان میں ایسی خوبیاں موجود ہوتی ہیں جو انہیں اس انتخاب کا اہل بنا دیتی ہیں۔ ان میں کوئی ایسی خرابی نہیں ہوتی جو منصب رسالت کے منافی ہو۔ مثلاً جھوٹ، خیانت، حق کو چھپانا، اور قابل نفرت جسمانی عیوب۔ ان سے اگر کوئی ایسی فروگزاشت ہو جائے جو منصب رسالت سے متعلق ہو تو فوراً اصلاح کر دی جاتی ہے۔ اللہ نے انہیں وحی کے لیے مخصوص فرمایا ہے اس لیے ان پر ایمان لانا، اور ان کی اطاعت کرنا فرض ہے۔ جو شخص کسی نبی پر تنقید کرے یا اس کی شان میں گستاخی کرے، وہ کافر ہو جاتا ہے، اور اسے قتل کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ ان تمام مسائل کے دلائل بہت زیادہ ہیں۔ جو شخص قرآن مجید میں غور و فکر کرے گا اس پر حق واضح ہو جائے گا۔ اس کے بعد ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِمَّا رَزَقْنَاكُمْ مِنْ قَبْلِ أَنْ يَأْتِيَ يَوْمٌ لَا بَيْعٌ فِيهِ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، خرچ کرو تم اس میں سے جو دیا ہم نے تمہیں پہلے اس سے کہ آئے وہ دن کہ نہ خریدو فروخت ہوگی اس میں

وَلَا خِلَّةٌ وَلَا شَفَاعَةٌ ۗ وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۱۶۷﴾

اور نہ کوئی دوستی اور نہ کوئی شفاعت، اور کافر لوگ وہی ہیں ظالم

اللہ کا اپنے بندوں پر یہ بھی احسان ہے کہ اس نے حکم دیا ہے کہ اسی کے دیے ہوئے رزق میں سے تھوڑا سا واجب اور مستحب صدقہ پیش کریں تاکہ ان کے لیے ثواب کا ذریعہ ہو جائے اور انہیں اس دن زیادہ ہو کر ملے جس دن ایک ذرہ برابر نیکی کی ضرورت ہوگی تو مل نہیں سکے گی۔ اگر انسان زمین بھر سونا فدیہ کر دے تاکہ اس دن کے عذاب سے بچ جائے، تو اس کی یہ پیش کش قبول نہیں کی جائے گی۔ نہ کوئی دوست اس کے کام آسکے گا و جاہت کے ذریعے سے نہ شفاعت کے ذریعے سے۔ اس دن اہل باطل خسارے میں ہوں گے اور ظالم رسوا ہوں گے۔

ظالم وہ ہیں جو ایک چیز کو اس کے محل سے ہٹا کر دوسری جگہ رکھ دیتے ہیں۔ پس انہوں نے حقوق اللہ اور حقوق العباد کے واجب کو ترک کر دیا۔ اور حلال کے بجائے حرام اختیار کیا۔ سب سے بڑا ظلم اللہ کے ساتھ کفر کرنا ہے، یعنی عبادت جو صرف اللہ کا حق ہے۔ کافر اسے اپنے جیسی مخلوق کے لیے کرتا ہے۔ اس لیے اللہ نے فرمایا: ﴿وَالْكَافِرُونَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ اور کافر ہی ظالم ہیں۔ اور یہ حصر کے باب سے ہے، یعنی انہوں نے مکمل ظلم کا ارتکاب کیا ہے۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيمٌ﴾ (لقمن: ۱۳/۳۱) ”بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔“ اس کے بعد ارشاد ہے۔

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ ۖ أَحْيَى الْقِيَوْمَةَ لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ ۚ لَهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ ۗ مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ ۗ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۗ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ ۗ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ ۗ وَلَا يَئُودُهُ حِفْظُهُمَا ۗ

گھبر لیا ہے اس کی کرسی نے آسمانوں اور زمین کو اور نہیں گراں اس پر حفاظت ان دونوں کی

وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ ﴿۱۵۵﴾

اور وہ بلند تر نہایت عظمت والا ہے ○

یہ آیت قرآن مجید کی عظیم ترین آیت ہے اور یہ سب سے افضل آیت ہے جس میں عظیم مسائل اور اللہ کی صفات کریمہ بیان ہوئی ہیں۔ اس لیے بہت سی احادیث میں اس کی تلاوت کی ترغیب وارد ہے کہ اسے صبح شام، سوتے وقت اور فرض نمازوں کے بعد پڑھا جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے بارے میں فرمایا: ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾ ”اللہ ہی معبود برحق ہے۔“ لہذا ہر قسم کی عبادت اور اطاعت اسی کے لیے ہونی چاہیے کیونکہ وہ تمام صفات سے متصف اور عظیم نعمتیں دینے والا ہے۔ بندے کا یہ حق ہے کہ اپنے رب کا بندہ بن کر رہے اس کے احکامات کی تعمیل کرتا رہے اس کے منع کیے ہوئے کاموں سے بچتا رہے۔ اللہ کے سوا ہر شے باطل ہے، پس اس کے سوا ہر ایک کی عبادت باطل ہے، کیونکہ اللہ کے سوا ہر چیز مخلوق اور ناقص اور ہر لحاظ سے محتاج ہے۔ لہذا کسی قسم کی کسی عبادت کا حق نہیں رکھتی۔ ﴿أَحْيَى الْقِيَوْمَةَ﴾ وہ زندہ اور سب کا تھانے والا ہے۔ ”ان دوا سمائے حسنیٰ (الحی القيوم) میں دیگر تمام صفات کی طرف اشارہ موجود ہے۔ خواہ وہ دلالت مطابقت سے ہو یا دلالت تضمن سے یا دلالت لزوم

سے۔ (الحی) سے مراد وہ ہستی ہے جسے کامل حیات حاصل ہو اور یہ مستلزم ہے تمام صفات ذاتیہ کو مثلاً سننا، دیکھنا، جاننا اور قدرت رکھنا وغیرہ۔ (القیوم) سے مراد وہ ذات ہے جو خود قائم ہو اور دوسروں کا قیام اس سے ہو اس میں اللہ تعالیٰ کے وہ تمام افعال شامل ہو جاتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ متصف ہے یعنی وہ جو چاہے کر سکتا ہے، استواء، نزول، کلام، قول، پیدا کرنا، رزق دینا، موت دینا، زندہ کرنا اور دیگر انواع کی تدبیر سب اس کے قیوم ہونے میں شامل ہیں۔ اس لیے بعض محققین کا کہنا ہے کہ یہی وہ اسم اعظم ہے جس کے ذریعے کی ہوئی دعا رد نہیں ہوتی۔ اس کی حیات اور قیومیت کے تمام ہونے کا ایک مظہر یہ بھی ہے کہ ﴿لَا تَأْخُذُهُ سِنَةٌ وَلَا نَوْمٌ﴾ اسے اونگھ آتی ہے نہ نیند۔ ﴿لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ اس کی ملکیت میں آسمان و زمین کی تمام چیزیں ہیں۔ وہ مالک ہے باقی سب مملوک ہیں۔ وہ خالق رازق اور مدبر ہے باقی سب مخلوق، مرزوق اور مُدَبَّر۔ کسی کے ہاتھ میں آسمان و زمین کے معاملات میں سے نہ اپنے لیے ذرہ بھر اختیار ہے نہ دوسروں کے لیے۔ اسی لیے فرمایا: ﴿مَنْ ذَٰلِ الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَ اٰلِهٰٓاۤذِيْهِ﴾ کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے شفاعت کر سکے؟ یعنی کوئی شفاعت نہیں کر سکتا۔ تو شفاعت کا مالک اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن وہ جب کسی بندے پر رحم کرنا چاہے گا تو اپنے جس بندے کی عزت افزائی کرنا چاہے گا اسے اس کے حق میں شفاعت کی اجازت دے دے گا۔ اجازت ملنے سے پہلے کوئی شفاعت نہیں کر سکتا۔ پھر فرمایا: ﴿يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ﴾ وہ جانتا ہے جو ان کے سامنے ہے اور جو ان کے پیچھے ہے۔ یعنی ان کے گزشتہ اور آئندہ معاملات سے باخبر ہے۔ یعنی وہ تمام معاملات کی تمام تفصیلات جانتا ہے یعنی اگلے پچھلے ظاہر پوشیدہ، غیب اور حاضر سب جانتا ہے۔ بندوں کو ان میں کوئی اختیار حاصل نہیں، نہ وہ ذرہ برابر معلومات رکھتے ہیں، سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ خود بتا دے۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَلَا يُحِيطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖ اِلَّا بِمَا شَاءَ وَسِعَ كُرْسِيُّہٗ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ اور وہ اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے، مگر جتنا وہ چاہے۔ اس کی کرسی کی وسعت نے آسمان و زمین کو گھیر رکھا ہے۔ اس سے اس کی عظمت کا کمال اور سلطنت کی وسعت کا پتہ چلتا ہے۔ جب کرسی کی یہ شان ہے کہ آسمان و زمین کے اتنے بڑے ہونے کے باوجود وہ ان سے بہت بڑی ہے۔ حالانکہ وہ اللہ کی سب سے بڑی مخلوق نہیں بلکہ اللہ کی اس سے بڑی مخلوق بھی موجود ہے۔ یعنی عرش اور ایسی مخلوقات جن کا علم صرف اللہ کو ہے۔ ان مخلوقات کی عظمت کا تصور کرنے سے بھی عقلیں عاجز ہیں تو ان کے خالق کی عظمت کا اندازہ کیسے لگایا جاسکتا ہے۔ جس نے انہیں وجود بخشا، اور ان میں بے شمار حکمتیں اور اسرار رکھ دیے۔ جس نے زمین و آسمان کو اپنی جگہ چھوڑنے سے روک رکھا ہے اور وہ اس سے تھکتا نہیں۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَلَا يَـُٔودُهٗ حِفْظُہُمَا﴾ اور نہ وہ ان دونوں کی حفاظت سے تھکتا ہے۔ یعنی اس کے لیے ان کی حفاظت دشوار نہیں ﴿وہو﴾ اور وہ اپنی ذات کے لحاظ سے ﴿العلی﴾ بہت

بلند ہے۔“ اور عرش عظیم پر مستوی ہے۔ وہ اس لیے بھی بلند ہے کہ تمام مخلوقات اس کے زیر نگین ہیں۔ اس لیے بھی بلند شان والا ہے کہ اس کی صفات کامل ہیں۔ اور ﴿الْعَظِيمُ﴾ ”بہت بڑا ہے۔“ جس کی عظمت کے سامنے بڑے سے بڑے جبار متکبر اور زبردست بادشاہوں کی کوئی حیثیت نہیں۔ اس آیت میں توحید الوہیت بھی ہے توحید ربوبیت بھی اور توحید اسماء و صفات بھی۔ اس میں اس کی بادشاہت کا محیط ہونا بھی مذکور ہے اور علم کا بھی اس کی سلطنت کی وسعت بھی ہے اس کا جلال، مجد اور اس کی عظمت و کبریائی کا بھی بیان ہے۔ لہذا یہ آیت اکیلی ہی اللہ کے تمام اسماء و صفات اور تمام اسمائے حسنیٰ کے معانی کی جامع ہے۔ اس کے بعد ارشاد ہے:

لَا إِكْرَاهَ فِي الدِّينِ ۚ قَدْ تَبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَكْفُرْ بِالطَّاغُوتِ

نہیں ہے کوئی زبردستی دین میں تحقیق واضح ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے پس جو شخص کفر کرے طاغوت سے

وَيُؤْمِنُ بِاللَّهِ فَقَدْ اسْتَبَسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللَّهُ

اور ایمان لائے ساتھ اللہ کے تو تحقیق تمام لیا اس نے کرا مضبوط نہیں ہے ٹوٹنا اس کے لیے اور اللہ

سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۶۱﴾ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ

خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے ۝ اللہ دوست ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف

وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولَئِكَمُ الطَّاغُوتُ يُخْرِجُونَهُم مِّنَ النُّورِ إِلَى الظُّلُمَاتِ

اور وہ لوگ جنہوں نے کفر اختیار کیا ان کے دوست ہیں شیطان وہ نکال لے جاتے ہیں ان کو روشنی سے اندھیروں کی طرف

أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۶۲﴾

یہی لوگ ہیں دوزخی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۝

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ دین کے بارے میں کوئی زبردستی نہیں۔ اس کی ضرورت بھی نہیں۔ کیونکہ زبردستی تو اس کام کے لیے کی جاتی ہے جس کے حقائق واضح نہ ہوں یا جو کام انتہائی ناپسندیدہ ہو۔ اس صراط مستقیم کا تو ہر گوشہ واضح ہے۔ اس کا چہرہ روشن ہے۔ کوئی بھی سمجھ دار آدمی معمولی سا غور و فکر کرے تو اسے قبول کرنے پر آمادہ ہو جائے گا۔ لیکن جس کی نیت درست نہ ہو غلط ارادے رکھتا ہو، ایسا بدن آدمی حق کو دیکھ کر بھی باطل کو اختیار کر لیتا ہے۔ اچھی چیز کو دیکھ کر پھر گندی چیز کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی ضرورت نہیں کہ اسے دین کو قبول کرنے پر مجبور کرے کیونکہ اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ اور زبردستی قبول کرایا گیا ایمان معتبر بھی نہیں۔ اس آیت کا یہ مطلب نہیں کہ جو کافر مسلمانوں سے لڑتے ہیں ان کے خلاف جہاد نہ کیا جائے۔ یہ آیت تو صرف یہ بات واضح کرتی ہے کہ دین بنیادی طور پر ایسی چیز ہے کہ ہر انصاف پسند اسے قبول کرنے پر خود کو مجبور پاتا ہے۔ جنگ کرنے یا نہ کرنے کا اس آیت سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ مسئلہ دوسری نصوص سے ثابت ہے۔ البتہ اس سے یہ استدلال کیا

جاسکتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کے علاوہ دوسرے غیر مسلموں سے بھی جزیہ لینا درست ہے۔ جیسا کہ بہت سے علماء کا قول ہے۔ لہذا جو شخص غیر اللہ کی عبادت اور شیطان کی اطاعت ترک کر کے اللہ پر صریح ایمان لے آئے جس کے نتیجے میں وہ اللہ کی عبادت و اطاعت پر قائم ہو جائے ﴿فَقَدْ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقَىٰ﴾ ”تو اس نے مضبوط کڑے کو تھام لیا۔“ یعنی ایسا پختہ دین اختیار کر لیا، جس کی بنیادیں بھی مضبوط ہیں اور عمارت بھی۔ وہ پورے اعتماد سے اس پر قائم رہتا ہے کیونکہ اس نے ایسا مضبوط کڑا تھام لیا ہے ﴿لَا انْفِصَامَ لَهَا﴾ ”جو کبھی نہ ٹوٹے گا۔“ اس کے برعکس جو شخص اللہ کا انکار کر کے شیطانوں پر یقین رکھتا ہے اس نے اس مضبوط کڑے کو چھوڑ دیا، جس کے ذریعے سے نجات حاصل ہو سکتی ہے اور ایسے باطل کو پکڑ لیا جو اسے جہنم میں لے جائے گا۔ ﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔“ وہ ہر ایک کے نیک و بد اعمال سے واقف ہے لہذا اس کے مطابق جزا و سزا دے گا۔ اس کڑے کو پکڑنے والے اور نہ پکڑنے والے کا یہی انجام ہے۔ اس کے بعد اللہ نے وہ سبب بیان فرمایا ہے جس کی وجہ سے یہ نتیجہ حاصل ہوا وہ یہ ہے کہ ﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ ”ایمان لانے والوں کا کارساز اللہ خود ہے۔“ یہ آیت ان کی اپنے رب سے دوستی پر مشتمل ہے بایں طور کہ وہ اپنے رب سے محبت رکھتے ہیں پس اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے۔ اس کے پیاروں سے محبت کرتے اور اس کے دشمنوں سے دشمنی رکھتے ہیں اللہ نے بھی ان پر لطف و کرم اور احسان فرماتے ہوئے انہیں کفر، معاصی اور جہل کے اندھیروں سے نکالا اور ایمان، نیکی اور علم کی روشنی میں پہنچا دیا۔ اس کے نتیجے میں وہ قبر، حشر اور قیامت کے اندھیروں سے محفوظ رہ کر دائمی نعمت، راحت اور سرور والی جنت میں پہنچ گئے۔ ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا أُولَئِكَ لَهُمُ الظَّالِمُونَ﴾ ”اور کافروں کے اولیاء شیطان ہیں۔“ پس انہوں نے شیطان سے اور اس کی پارٹی سے دوستی کی۔ اپنے مالک اور آقا کی دوستی چھوڑ دی۔ اس کی سزا کے طور پر اللہ نے ان پر شیطانوں کو مسلط کر دیا، جو انہیں گناہوں کی طرف ہانکتے اور برائی پر آمادہ کرتے ہیں۔ اس طرح انہیں ایمان، علم اور نیکی کے نور سے ہٹا کر کفر، معاصی اور جہالت کے اندھیروں میں لے جاتے ہیں۔ ان کے نتیجے میں وہ نیکیوں سے محروم ہو جاتے ہیں۔ اور نعمت اور خوشی حاصل نہیں کر سکتے۔ یہ حسرت کے جہان (جہنم) میں بھی شیطان کی جماعت اور اس کے دوست ہی شمار ہوں گے۔ اس لیے اللہ نے فرمایا:

﴿أُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ ”یہ لوگ جہنمی ہیں۔ وہ ہمیشہ اس میں پڑے رہیں گے۔“

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ

إِبْرَاهِيمُ رَبِّى دِيكَا أَف نَسَىٰ مَا كُنَّا نَعْبُدُكَ إِذْ أَرْسَلْتَ رَبَّنَا بِآيَاتِنَا أَفَلَا يَتَذَكَّرُ إِنَّهُ كَانَ آتِيًا الْبَشَرِ ۗ

إِبْرَاهِيمُ رَبِّىَ الَّذِى يُحَىٰ وَيُيَبِّئُ ۖ قَالَ إِنَّا أُنحَىٰ وَأُمِّمْتُ ۖ قَالَ إِبْرَاهِيمُ

إِبْرَاهِيمُ نَبِيٌّ كَذَّابٌ ۖ قَالَ إِنَّمَا اتَّخَذْتُم مِّن دُونِ اللَّهِ مَنَازِلَ ۚ بَل لَّيْسَ بِبَشَرٍ مِّن دُونِ اللَّهِ ۚ بَلْ كَذَّبْتُم بِآيَاتِنَا فَتَوَلَّوۥا ۚ

فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي

پس بے شک اللہ لاتا ہے سورج کو مشرق سے سو تو لے آ اس کو مغرب سے پس ہکا بکا رہ گیا وہ جس نے

كَفَرَطَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۳۵﴾

کفر کیا تھا اور اللہ نہیں ہدایت دیتا ان لوگوں کو جو ظالم ہیں ○

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهٖ﴾ ”کیا تو نے اسے نہیں دیکھا جو ابراہیم (علیہ السلام) سے اس کے رب کے بارے میں جھگڑ رہا تھا۔“ یعنی کیا آپ نے اس کی جرأت، تجاہل، عناد اور ناقابل شک حقیقت کے بارے میں جھگڑے کا مشاہدہ نہیں فرمایا؟ اس کی وجہ صرف یہ تھی۔ ﴿أَنۢ أَنۡشَأَ اللّٰهُ الْمَلٰٓئِكَةَ﴾ ”کہ اسے اللہ نے حکومت دی تھی۔“ تو وہ سرکشی اور بغاوت پر اتر آیا۔ اس نے دیکھا کہ وہ رعیت کا حکمران بن گیا ہے تو اتنی جرأت کی کہ ابراہیم (علیہ السلام) سے اللہ کی ربوبیت کے بارے میں بحث کرنے لگا۔ اور یہ دعویٰ کیا کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ جیسے کام کر سکتا ہے۔ ابراہیم (علیہ السلام) نے فرمایا: ﴿رَبِّیَ الَّذِیۡ یُعِیۡ وَیُؤِنِّتُ﴾ ”میرا رب تو وہ ہے جو جلاتا اور مارتا ہے۔“ یعنی ہر کام کا اختیار اسی کو حاصل ہے۔ آپ نے زندہ کرنے اور مارنے کا خاص طور پر ذکر فرمایا کیونکہ یہ سب سے عظیم تدبیر ہے۔ اور اس لیے بھی کہ زندگی بخشا دنیا کی زندگی کی ابتدا ہے اور موت دینا آخرت کے معاملات کی ابتدا ہے۔ اس کے جواب میں اس نے کہا: ﴿أَنَا أَنۡحِیۡ وَأُْمِیۡتُ﴾ ”میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں۔“ اس نے یہ نہیں کہا: ”میں ہی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔“ کیونکہ اس کا دعویٰ مستقل تصرف کا نہیں تھا۔ بلکہ وہ کہتا تھا کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ جیسے کام کر سکتا ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ وہ ایک آدمی کو قتل کر دیتا ہے تو گویا اسے موت دے دی۔ اور ایک آدمی کو زندہ رہنے دیتا ہے تو گویا اسے زندگی بخش دی۔ جب ابراہیم (علیہ السلام) نے دیکھا کہ یہ شخص بحث میں مغالطہ سے کام لیتا ہے۔ اور ایسی باتیں کہتا ہے جو دلیل تو درکنار شبہ بننے کی بھی صلاحیت نہیں رکھتیں تو ایک دوسری دلیل پیش کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فَإِنَّ اللّٰهَ یَأْتِیۡ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ﴾ ”اللہ سورج کو مشرق کی طرف سے لے آتا ہے۔“ یہ حقیقت ہر شخص تسلیم کرتا ہے حتیٰ کہ وہ کافر بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا تھا۔ ﴿فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ﴾ ”پس تو اسے مغرب کی جانب سے لے آ۔“ یہ لازمی دلیل ہے۔ اگر وہ اپنے دعویٰ میں سچا ہوتا تو یہ اس کے موافق ہو جاتی۔ جب آپ نے ایسی بات فرمادی جس میں شبہ پیدا کرنے کی کوئی گنجائش نہ تھی۔ نہ اس کے پاس اس دلیل کا کوئی توڑ موجود تھا۔ ﴿فَبُهِتَ الَّذِیۡ كَفَرَ﴾ ”اس لیے وہ کافر حیران رہ گیا۔“ یعنی حیرت زدہ ہو گیا اس سے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ اس کی دلیل غلط ثابت ہو گئی اور اس کا پیش کردہ شبہ کالعدم ہو گیا۔ جو بھی جھوٹا ضد اور عناد کے ذریعے سے حق کا مقابلہ کرنا چاہے وہ اسی طرح مغلوب اور شکست خوردہ ہو جایا کرتا ہے۔ اس لیے اللہ نے فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ لَا یَهْدِیۡ الْقَوْمَ الظَّالِمِیۡنَ﴾ ”اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔“ بلکہ انہیں کفر و ضلالت

میں مبتلا رہنے دیتا ہے۔ کیونکہ انہوں نے اپنے لیے خود یہ چیز پسند کر لی ہوتی ہے۔ اگر ان کا مقصد ہدایت کا حصول ہوتا تو اللہ انہیں ہدایت دے دیتا اور ہدایت تک پہنچنے کے اسباب مہیا کر دیتا۔ یہ آیت ایک قطعی دلیل ہے کہ اللہ ہی خالق ہے اور وہی مختار کل ہے۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ عبادت اور ہر حال میں توکل اسی کا حق ہے۔ ابن القیم رحمہ اللہ نے فرمایا: ”اس مناظرہ میں ایک باریک نکتہ ہے کہ دنیا میں شرک کا دار و مدار ستاروں اور قبروں کی عبادت پر ہے۔ بعد میں انہی کے نام سے بت تراشے گئے۔ ابراہیم علیہ السلام نے جو دلائل پیش کیے ہیں ان میں ان سب کی الوہیت کی اجمالاً تردید موجود ہے کیونکہ اللہ وحدہ لا شریک ہی زندہ کرتا اور موت دیتا ہے۔ وہ زندہ جو مر جانے والا ہے وہ زندگی میں معبود بننے کی اہلیت رکھتا ہے نہ مرنے کے بعد۔ کیونکہ اس کا ایک رب ہے جو قادر ہے زبردست ہے وہ اس کی زندگی اور موت کا فیصلہ کرتا ہے۔ جو ایسا مجبور ہو وہ معبود کیسے ہو سکتا ہے کہ اس کی صورت کا بت بنایا جائے اور اس کی پوجا کی جائے۔ اسی طرح ستاروں کا حال ہے۔ ان میں سے بڑا نظر آنے والا سورج ہے۔ یہ بھی حکم کا پابند ہے اپنے بارے میں آزادی سے کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ بلکہ اس کا خالق و مالک ہی اسے مشرق سے لاتا ہے تو وہ اس کے حکم اور مرضی کے مطابق اطاعت کرتا ہے۔ یعنی یہ بھی مر بوب اور مسخر یعنی حکم کا پابند غلام ہے۔ معبود نہیں کہ اس کی عبادت کی جائے۔“ (مفتاح دار السعادة: ۳/ ۲۱۰-۲۱۱) اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ اٰتٰنِي يُحٰى هٰذِهِ

یا اسی طرح اس شخص کو (نہیں دیکھا) جو گزرا ایک بستی پر اور وہ گری پڑی تھی اوپر اپنی چھتوں کے اس نے کہا کس طرح زندہ کرے گا اسکو اللہ بَعْدَ مَوْتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۗ قَالَ كَمْ لَبِثْتُ ۗ

اللہ بعد اس کی موت کے؟ پس موت دے دی اسے اللہ نے ایک سو سال پھر زندہ کیا اسے (اللہ نے) کہا تو کتنی دیر (یہاں) رہا؟

قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۗ قَالَ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ

اس نے کہا رہا میں ایک دن یا کچھ حصہ دن کا (اللہ نے) فرمایا (نہیں) بلکہ تو (مرا) رہا سو سال پس دیکھ تو

اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهٗ ۗ وَاَنْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰیَةً

طرف اپنے کھانے اور پینے کی، نہیں سزا بسا وہ اور دیکھ طرف اپنے گدھے کی اور (یہ اس لیے) تاکہ بتائیں ہم تجھے نشانی

لِلنَّاسِ وَاَنْظُرْ اِلٰى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۗ فَلَمَّا

لوگوں کے لئے اور دیکھ طرف (گدھے کی) ہڈیوں کی، کیسے ہم اٹھا کر جوڑ دیتے ہیں انکو پھر پہناتے ہیں انکو گوشت (کا لباس) پس جب

تَبَيَّنَ لَهُ ۗ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۵۹﴾

(یہ سب) واضح ہو گیا واسطے اس کے تو اس نے کہا میں (بالیقین) جانتا ہوں کہ بیشک اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے

یہ ایک اور دلیل ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اکیلا اللہ ہی خالق ہے۔ وہی سب فیصلے کرتا ہے۔ اسی کے

ہاتھ میں زندگی اور موت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿ اَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا ﴾ ”یا اس شخص کے مانند جس کا گزر ایک بستی پر ہوا جو چھتوں کے بل اورندھی پڑی ہوئی تھی۔“ یعنی اس کے باشندے مرکب گئے تھے اور چھتیں گر کر ان کے اوپر دیواریں گر چکی تھیں وہاں کوئی نہیں رہتا تھا بلکہ بالکل ویران ہو چکی تھی۔ وہ شخص وہاں کھڑا ہو کر تعجب سے بولا ﴿ اٰتٰی يُعْجٰی هٰذَا اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ﴾ ”اس کی موت کے بعد اللہ اسے کس طرح زندہ کرے گا؟“ اسے یہ چیز ناممکن محسوس ہوئی اس نے اللہ کی قدرت کا صحیح اندازہ نہ کیا۔ اللہ نے اس کے ساتھ خیر کا ارادہ فرمایا تو خود اس کی ذات میں اور اس کے گدھے میں اپنی قدرت کا مشاہدہ کرادیا۔ اس کے پاس کھانے پینے کا سامان بھی تھا۔ ﴿ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ﴾ ”پس اللہ نے اسے سو سال کے لیے مار دیا۔ پھر اسے اٹھایا پوچھا: کتنی مدت تجھ پر گزری؟ کہنے لگا: ایک دن یا دن کا کچھ حصہ۔“ اسے یہ موت انتہائی مختصر محسوس ہوئی، کیونکہ اس کے احساسات ختم ہو چکے تھے۔ اسے اپنی صرف وہ حالت یاد تھی جو اسے موت سے پہلے معلوم تھی۔ اسے بتایا گیا: ﴿ بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ اِلٰی طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَكُنْ بِكَ يَمْسَهُ ﴾ ”بلکہ تو سو سال تک رہا۔ پس اپنے کھانے پینے کو دیکھ کہ بالکل خراب نہیں ہوا۔“ سالوں کی مدت گزرنے کے باوجود اور مختلف اوقات گزرنے کے باوجود اس میں تبدیلی نہیں آئی۔ اس میں اللہ کی قدرت کی بہت بڑی دلیل ہے کیونکہ اس نے کھانے پینے کی چیزوں کو تبدیل یا خراب ہونے سے بچائے رکھا حالانکہ یہ چیزیں سب سے جلدی خراب ہوتی ہیں۔ ﴿ وَاَنْظُرْ اِلٰی حِمَارِكَ ﴾ ”اور اپنے گدھے کو بھی دیکھ۔“ وہ مرچکا تھا۔ اس کا گوشت اور چھڑا ریزہ ریزہ ہو چکا تھا۔ اس کی ہڈیاں بکھری پڑی تھیں۔ ﴿ وَلَيَجْعَلَنَّ اٰیَةً لِلنَّاسِ ﴾ ”اور تاکہ ہم تجھے لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا سکیں۔“ جس سے اللہ کی قدرت ظاہر ہو کہ وہ مردوں کو زندہ کر کے قبروں سے اٹھا سکتا ہے۔ تاکہ یہ ایسی مثال بن جائے جس کا اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کر لیں اور انہیں معلوم ہو جائے کہ پیغمبر نے جو خبریں دی ہیں وہ واقعی سچی ہیں۔ ﴿ وَاَنْظُرْ اِلٰی الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ﴾ ”اور تو دیکھ کہ ہم ہڈیوں کو کس طرح اٹھاتے ہیں۔“ اور انہیں ایک دوسری سے جوڑتے ہیں۔ ﴿ ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ﴾ ”پھر ہم ان پر گوشت چڑھاتے ہیں۔“ پس اس نے اپنی آنکھوں سے یہ سب کچھ ہوتے دیکھ لیا۔ ﴿ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ ﴾ ”جب یہ سب ظاہر ہو چکا۔“ اور اسے اللہ کی قدرت کا علم ہو گیا۔ تو کہنے لگا: ﴿ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴾ ”میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ آیت کے الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ شخص موت کے بعد کی زندگی کا منکر تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوئی کہ اسے ہدایت دے کر لوگوں کے لیے نشانی اور قیامت کی دلیل بنا دے۔ اس موقف کے تین دلائل ہیں: (۱) اس نے کہا: ﴿ اٰتٰی يُعْجٰی هٰذَا اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ﴾ ”اس کی موت کے بعد اللہ اسے کس طرح زندہ کرے گا۔“ اگر وہ نبی یا نیک بندہ ہوتا تو یوں نہ کہتا۔ (۲) اللہ تعالیٰ نے اسے اس کی خوراک اس کے مشروب

اس کے گدھے اور اس کی ذات میں اپنی نشانی دکھا دی، تاکہ وہ جس چیز کا انکار کرتا ہے اسے آنکھوں سے دیکھ کر اقرار کر لے۔ آیت میں یہ ذکر نہیں کہ وہ بستی بعد میں پہلے کی طرح آباد ہو گئی تھی۔ نہ سیاق کلام ہی سے اس کا اشارہ ملتا ہے۔ نہ اس کا کوئی خاص فائدہ ہی ہے۔ ایک بستی جو بے آباد ہو گئی۔ بعد میں اس کے باشندوں نے واپس آ کر یا دوسرے لوگوں نے رہائش اختیار کر کے اسے آباد کر دیا تو اس سے یہ کیسے ثابت ہوا کہ اللہ مردوں کو زندہ کرے گا؟ اصل دلیل تو خود اسے اور اس کے گدھے کو زندہ کرنے میں اور اس کے سامان خورد و نوش کو اصلی حالت میں باقی رکھنے میں ہے۔ (۳) اللہ نے فرمایا: ﴿فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ﴾ ”جب اس کے لیے ظاہر ہو گیا۔“ یعنی جو چیز اسے معلوم نہیں تھی اس سے مخفی تھی وہ ظاہر اور واضح ہو گئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ ہمارا قول صحیح ہے۔ واللہ اعلم۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّ ارْنِي كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتَىٰ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَىٰ

اور جب کہا ابراہیم نے اے رب! دکھا مجھے کیسے تو زندہ کرے گا مردوں کو؟ فرمایا کیا تو نہیں ایمان لایا؟ کہا کیوں نہیں؟ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ

اور لیکن تاکہ مطمئن ہو جائے میرا دل (اللہ نے) فرمایا پس پکڑ لے تو چار پرندے پس ہلا لے انکو اپنے ساتھ پھر ان کے کڑے کڑے کر لے پھر

اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا

رکھ دے اوپر ہر پہاڑ کے ایک ایک ٹکڑا ان میں سے پھر بلا تو ان کو آئیں گے وہ تیرے پاس دوڑتے ہوئے

وَأَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ۝۴

اور جان لے کہ بیشک اللہ غالب ہے خوب حکمت والا ○

یہ بھی ایک عظیم اور محسوس دلیل ہے جس سے اللہ کی قدرت ظاہر ہوتی ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ وہ فوت شدہ لوگوں کو جزا و سزا دینے کے لیے زندہ فرمائے گا۔ اللہ نے اپنے خلیل ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں خبر دی ہے کہ انہوں نے اللہ سے درخواست کی کہ انہیں مردوں کو زندہ ہوتا آنکھوں سے دکھا دیا جائے۔ آپ علیہ السلام کو اللہ کے بتانے سے اس کا یقین تو حاصل ہو چکا تھا، لیکن آپ کی خواہش تھی کہ اس کا چشم سر مشاہدہ فرمائیں تاکہ انہیں حق الیقین کا مقام حاصل ہو جائے۔ اس لیے اللہ نے انہیں فرمایا: ﴿أَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي﴾ ”کیا تمہیں ایمان نہیں؟ جواب دیا: ایمان تو ہے، لیکن میرے دل کی تسکین ہو جائے گی۔“ اس کی وجہ یہ ہے کہ یقینی دلائل کے بعد دیگرے آنے سے ایمان میں اضافہ ہوتا ہے اور یقین کامل ہو جاتا ہے۔ اہل عرفان اسی کے حصول کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ اس کے رب نے اسے فرمایا: ﴿فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ﴾ یعنی چار پرندے لے کر اکٹھے کر لے۔ تاکہ سب کچھ آپ کی آنکھوں کے سامنے واقع ہو۔ اور آپ کے ہاتھوں سے اس کا مشاہدہ کر لیا جائے۔ ﴿ثُمَّ اجْعَلْ عَلَىٰ كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا﴾ ”پھر ہر پہاڑ پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو۔“ یعنی ان کے

مکڑے مکڑے کر کے ان کے اجزا کو باہم ملا دو۔ اور قریب پہاڑوں میں سے ہر پہاڑ پر ان کا ایک حصہ رکھ دو۔ ﴿ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَا بَيْنِكَ سَعِيًّا﴾ ”پھر انہیں پکارو تمہارے پاس دوڑتے ہوئے آجائیں گے۔“ یعنی انہیں مکمل زندگی حاصل ہو جائے گی۔ تو وہ پوری قوت سے دوڑتے ہوئے اور تیزی سے اڑتے ہوئے آپ کے پاس آجائیں گے۔ ابراہیم علیہ السلام نے ایسے ہی کیا تو انہیں مردوں کے زندہ ہونے کا مطلوبہ مشاہدہ حاصل ہو گیا۔ اور یہ معاملہ بھی (مَلَكُوتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ) ”آسمانوں اور زمین کی سلطنت“ میں شامل ہے جس کا ذکر اس آیت مبارکہ میں ہے: ﴿وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَ لِيَكُوْنُ مِنَ الْمُوقِنِيْنَ﴾ (الانعام: ۷۵/۶) ”اور ہم نے ایسے ہی طور پر ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کی مخلوقات دکھائیں اور تاکہ وہ کامل یقین کرنے والوں میں سے ہو جائیں۔“ اس کے بعد فرمایا: ﴿وَاعْلَمَ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ﴾ ”اور جان رکھو کہ اللہ غالب ہے حکمتوں والا۔“ یعنی عظیم قوتوں والا ہے جس سے اس نے مخلوقات کو مخر کر رکھا ہے۔ کوئی مخلوق اس کے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتی۔ بلکہ سب کی سب اس کی عظمت کے آگے سرنگوں اور اس کے جلال کے سامنے جھکی ہوئی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اس کے افعال اس کی حکمت کے تابع ہیں۔ وہ کوئی کام بے مقصد نہیں کرتا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّآئَةٌ حَبَّةٌ وَاللّٰهُ يُضِعُّ لِمَنْ يُشَاءُ ط
بالیان ہر ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ بڑھاتا ہے واسطے جس کے چاہتا ہے
وَاللّٰهُ وَاَسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۶﴾

اور اللہ وسعت والا خوب جاننے والا ہے ○

اس آیت میں اللہ کے اس ارشاد کی تشریح ہوتی ہے: ﴿مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضْعِفُهُ لَغَةً اَضْعَافًا كَثِيْرَةً﴾ (البقرہ: ۲۴۵/۲۴۶) کون شخص ہے جو اللہ کو اچھا قرض دے تو اللہ اس کے قرض کو اس کے لیے کئی گنا بڑھادے گا یہاں فرمایا: ﴿مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ ”مثال ان لوگوں کی جو اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔“ یعنی اس کی اطاعت میں اور اس کی خوشنودی کے کاموں میں۔ ان میں سب سے اہم جہاد فی سبیل اللہ میں خرچ کرنا ہے۔ ﴿كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلٍ فِيْ كُلِّ سُنْبُلَةٍ مِّآئَةٌ حَبَّةٌ﴾ ”مثال اس دانے جیسی ہے جس میں سے سات بالیاں نکلیں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔“ اس مثال کے ذریعے عمل کے ثواب میں اضافے کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ یہ اضافہ بندہ دنیا میں اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور ثواب میں

اضافے کو اپنی بصیرت سے دیکھتا ہے۔ اس طرح آنکھوں دیکھی چیز کی وجہ سے ایمان کے ذریعے دیکھی ہوئی چیز پر یقین بڑھتا ہے۔ لہذا دل حکم کی تعمیل کرتے ہوئے پوری آمادگی کے ساتھ خرچ کرتا ہے۔ کیونکہ اسے اس قدر اضافے اور اس اللہ کے عظیم احسان کی امید ہوتی ہے۔ ﴿وَاللَّهُ يُضْعِفُ لِمَنْ يَشَاءُ﴾ اور اللہ جسے چاہے بڑھا چڑھا کر دے۔ یعنی خرچ کرنے والے کے حال اور اس کے خلوص کے مطابق یا خرچ کی کیفیت، منافع اور بر محل ہونے کی مناسبت سے ثواب میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ﴿وَاللَّهُ يُضْعِفُ﴾ اور اللہ بڑھا چڑھا کر دے۔ اس سے بھی زیادہ ﴿لِمَنْ يَشَاءُ﴾ جسے چاہے، یعنی بے حساب اجر و ثواب عنایت فرمائے۔ ﴿وَاللَّهُ وَاسِعٌ﴾ اور اللہ کشادگی والا ہے۔ اس کا فضل وسیع ہے اس کی عطا بے حساب ہے جس میں کسی قسم کی کمی نہیں آتی۔ لہذا خرچ کرنے والے کو یہ نہیں سوچنا چاہیے کہ شاید کئی گنا بڑھا کر دینے کا ذکر مبالغے کے طور پر کیا گیا ہے۔ اللہ کے لیے تو کوئی انعام بھی مشکل نہیں۔ بے شمار عطا کے باوجود اسے کمی نہیں آئی۔ اس کے ساتھ ساتھ ﴿عَلِيمٌ﴾ وہ علیم بھی ہے اسے خوب معلوم ہے کہ کون اس دگنے چوگنے ثواب کا مستحق ہے اور کون نہیں۔ لہذا وہ اضافہ وہیں کرتا ہے جہاں اس کا صحیح مقام ہو، کیونکہ اس کا علم بھی کامل ہے اور حکمت بھی۔

الَّذِينَ يَنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُونَ مَا أَنْفَقُوا مَنًّا

وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں، پھر نہیں پیچھے لگاتے اس کے جو انہوں نے خرچ کیا احسان جتنا

وَلَا أَدَّى لَهُمْ أَجْرَهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۱۶﴾

اور نہ ایذا دینا واسطے ان کے اجر ہے ان کا نزدیک ان کے رب کے اور نہ کوئی خوف ہوگا اور پران کے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○

قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ وَمَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَتَّبِعُهَا أَذًى

بات کہنا اچھی اور درگزر کرنا بہت بہتر ہے اس صدقے سے جس کے پیچھے ہو ایذا دینا

وَاللَّهُ عَنِّي حَلِيمٌ ﴿۳۱۷﴾

اور اللہ بے پروا ہے نہایت بردبار ○

جو لوگ اپنے مال اللہ کی فرماں برداری کے کاموں میں اور اس کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ اس کے بعد ایسے کام نہیں کرتے جن سے عمل میں نقص واقع ہو جائے یا عمل ضائع ہو جائے۔ یعنی جس کو دیا ہے اس پر زبان سے یا دل سے احسان نہیں دھرتے مثلاً اپنے احسانات گن گن کر بتانا اور اس کے بدلے ان سے کسی چیز کا مطالبہ کرنا نہ زبانی نہ عملی طور پر ایذا دیتے ہیں، تو ان کو وہ ثواب ملے گا جو ان کے شایان شان ہوگا۔ انہیں کوئی خوف یا غم بھی لاحق نہیں ہوگا۔ لہذا انہیں ہر خیر حاصل ہو جائے گی اور ہر برائی ان سے دور ہو جائے گی۔ کیونکہ انہوں نے اللہ کے لیے ایسی نیکی کی تھی، جو ضائع کرنے والے اسباب سے پاک تھی۔ ﴿قَوْلٌ مَّعْرُوفٌ﴾ ”اچھی بات“۔ جس کو دل پہنانتے

ہیں اور اسے ناپسند نہیں کرتے۔ اس میں ہر اچھی بات شامل ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کے دل کی خوشی کا باعث بننا کارِ ثواب ہے۔ اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ سائل کو جواب دینا ہو تو اچھے الفاظ سے جواب دیا جائے۔ اور اسے دعا دی جائے۔ ﴿وَمَغْفِرَةٌ﴾ اور برائی کرنے والے کو معاف کر دینا۔ یعنی اس سے مواخذہ نہ کرنا۔ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ اگر سائل کوئی نامناسب حرکت کرے تو اسے معاف کر دیا جائے۔ نرم بات کہنا تو قوی احسان ہے۔ اور معاف کر دینا عملی احسان ہے کہ اس کا مواخذہ نہیں کیا گیا۔ یہ دونوں احسان ایسے ہیں جن کے ساتھ ان کو تباہ کرنے والی کوئی غلطی موجود نہیں۔ لہذا یہ اس صدقے کے احسان سے بہتر ہیں جن کے ساتھ احسان جتلانے کی یا کسی اور انداز سے تکلیف پہنچانے کی خرابی موجود ہے۔ اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ جس صدقے کے ساتھ تکلیف پہنچانے کی خرابی موجود نہ ہو وہ صدقہ نرم بات کہنے اور معاف کرنے سے افضل ہے۔ صدقہ کر کے احسان جتلانا حرام ہے جس سے عمل ضائع ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اصل احسان اللہ ہی کا ہے۔ لہذا بندے کے لیے مناسب نہیں کہ کسی کو ایسا احسان جتلانے جو اس کی طرف سے نہیں ہوا (بلکہ اصل میں اللہ کی طرف سے ہوا ہے) علاوہ ازیں احسان جتلانا غلام بنانے کے مترادف ہے اور عبودیت اور جھکنا صرف اللہ کے لیے روا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ غنی ہے۔ جو تمام مخلوقات سے مستغنی ہے۔ اور تمام مخلوقات تمام حالات اور تمام اوقات میں اس کی محتاج ہیں لہذا تمہارا صدقہ تمہارا خرچ کرنا اور تمہاری نیکیاں ان سب کا فائدہ خود تم ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ ﴿وَاللَّهُ عَنِّي﴾ اور اللہ بے نیاز ہے اسے ان کی ضرورت نہیں اس کے ساتھ ساتھ وہ ﴿حَلِيمٌ﴾ بردبار ہے جو اس کی نافرمانی کرے اسے فوراً سزا نہیں دیتا حالانکہ وہ اس کی قدرت رکھتا ہے۔ لیکن اس کی رحمت احسان اور بردباری اسے گناہ گاروں کو فوری سزا دینے سے مانع ہو جاتی ہے۔ بلکہ وہ انہیں مہلت دیتا ہے انہیں مختلف انداز سے اپنی آیات سناتا اور دکھاتا ہے تاکہ وہ اس کی طرف رجوع کریں البتہ جب یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ ان لوگوں میں خیر کی کوئی ریق نہیں رہی اور انہیں آیات سے کوئی فائدہ نہیں ہو رہا۔ پھر ان پر عذاب نازل فرمادیتا ہے اور اپنے عظیم ثواب سے محروم فرمادیتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَبْطُلُوا صَدَقَتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْأَذَىٰ كَالَّذِي يُنْفِقُ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ باطل کرو اپنے صدقے ساتھ احسان جتلانے اور ایذا دینے کے مانند اس شخص کے جو خرچ کرتا ہے

مَالَهُ رِثَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ

مال اپنا واسطے دکھاوے لوگوں کے اور نہیں ایمان لاتا وہ ساتھ اللہ اور یوم آخرت کے پس اسکی مثال مانند مثال ایک چکنے پتھر کے ہے کہ

عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاصَابُهُ وَابِلٌ فَتَرَكَهُ صَلْدًا ۗ لَا يَقْدِرُونَ

اوپر اس (پتھر) کے مٹی ہے سو پہنچی اسے زور کی بارش پس بارش نے چھوڑا اس پتھر کو صاف کر کے نہیں قدرت رکھیں گے (ایسے لوگ)

عَلَىٰ شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوا ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۳۷﴾

اوپر کسی چیز کے اس میں سے جو انہوں نے کمایا اور اللہ نہیں ہدایت دیتا کافر قوم کو ○

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر رحمت و شفقت فرماتے ہوئے انہیں اس بات سے منع کرتا ہے کہ وہ احسان جتلا کر اور تکلیف دے کر اپنے صدقے ضائع کر بیٹھیں۔ اس میں اشارہ ہے کہ احسان جتلانے اور تنگ کرنے سے صدقہ کا لہدم ہو جاتا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ گناہوں کے ارتکاب کے نتیجے میں نیک اعمال ضائع ہو جاتے ہیں۔ جیسے ارشادِ باری ہے: ﴿وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ﴾ (الحجرات: ۲۱/۴۹) ”نبی سے اونچی آواز سے بات نہ کرو جیسے آپس میں ایک دوسرے سے کرتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال اکارت جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو۔“ چنانچہ جس طرح نیکیوں کی وجہ سے گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح گناہ بھی اپنے مقابلے میں آنے والی نیکیوں کو ضائع کر سکتے ہیں۔ ایک اور مقام پر ارشاد ہے: ﴿وَلَا تُبْطِلُوا أَعْمَالَكُمْ﴾ (محمد: ۳۳/۴۷) ”اور اپنے اعمال کو غارت نہ کرو۔“ ان دونوں آیات میں عمل کو مکمل کرنے اور اسے خراب کرنے والی اشیاء سے محفوظ رکھنے کی ترغیب ہے تاکہ عمل بے کار نہ ہو جائے۔ پھر فرمایا: ﴿كَالَّذِي يُنْفِقُ مَالَهُ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ ”جس طرح وہ شخص جو اپنا مال لوگوں کے دکھاوے کے لیے خرچ کرے۔ نہ اللہ پر ایمان رکھے نہ قیامت پر۔“ یعنی اگر تم نے شروع میں اللہ کی رضا کی نیت رکھ کر بھی عمل کیا ہو تو احسان جتلانے سے وہ تباہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ تمہارا یہ عمل اس شخص کے عمل کی طرح ہو جائے گا جو صرف دکھاوے کے لیے نیکی کرتا ہے۔ اس کا مقصد اللہ کی رضا اور جنت کا حصول نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ اس کا عمل سرے سے ناقابل قبول ہے۔ کیونکہ عمل مقبول کی شرط یہ ہے کہ وہ صرف اللہ کے لیے ہو۔ اس شخص نے اصل میں عمل کیا ہی لوگوں کے لیے ہے اللہ کے لیے کیا ہی نہیں۔ لہذا اس کا عمل کا لہدم ہوگا۔ اور اس کی محنت بے کار جائے گی۔ اس کے حال کے مطابق تو اس کی مثال ﴿كَمَثَلِ صَفْوَانَ﴾ ”ملائم اور سخت پتھر کی سی ہے۔“ ﴿عَلَيْهِ تَرَابٌ فَاصَابُهُ وَآيَةٌ﴾ ”جس پر کچھ مٹی پڑی ہے۔ پھر اس پر زور دار مینہ برسا“ ﴿فَتَرَكَهُ صَلْدًا﴾ یعنی اسے اس طرح کا کر کے چھوڑا کہ اس پر وہ مٹی بالکل باقی نہیں رہی۔ دکھاوا کرنے والے کی بھی یہی مثال ہے۔ اس کا سخت دل صاف اور سخت پتھر کے مشابہ ہے۔ اس کا صدقہ وغیرہ اس پتھر پر پڑی ہوئی مٹی کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو شخص اس پتھر کی حقیقت سے واقف نہیں، وہ خیال کرے گا کہ یہ قابل کاشت اور زرخیز زمین ہے۔ جب حقیقت ظاہر ہوگی تو گویا وہ مٹی ہٹ گئی اور معلوم ہو گیا کہ اس کا عمل ایک سراب کی حیثیت رکھتا تھا۔ اس کا دل تو اس قابل تھا ہی نہیں کہ اس میں (نیکی کی) کھیتی اگ سکے اور بڑھ پھول سکے۔ اس کی ریا کاری اور بد نیتی اسے کسی نیکی سے مستفید ہونے کے قابل نہیں چھوڑتی۔ اس لیے فرمایا: ﴿لَا يَقْدِرُونَ عَلَى شَيْءٍ﴾ یعنی وہ اپنے کمائے ہوئے اعمال میں سے کچھ بھی حاصل نہیں کر سکتے، کیونکہ انہوں نے ان اعمال کو غلط جگہ پر رکھا، اور اپنے جیسی مخلوق کے لیے انجام دیا جس کے ہاتھ میں نہ نفع ہے نہ نقصان۔ جس رب کی عبادت سے فائدہ ہو سکتا ہے اس

کی عبادت سے منہ موڑ لیا، تو اللہ نے بھی ان کے دلوں کو ہدایت سے پھیر دیا۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ ”اللہ کافروں کی قوم کو راہ نہیں دکھاتا۔“

وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ وَتَشْبِيهًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ

اور مثال ان لوگوں کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال واسطے تلاش کرنے کے رضامندی اللہ کی، اور واسطے چنگلی پیدا کرنے کے اپنے نفسوں میں

كَمَثَلِ جَنَّةٍ بِرَبْوَةٍ أَصَابَهَا وَابِلٌ فَاتَتْ أَكْطَافَهَا ضِعْفَيْنِ

مانند مثال اس باغ کے ہے جو ٹیلے پر ہے پہنچی اسے زور کی بارش تو لایا وہ باغ اپنا پھل دوگنا

فَإِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿۵۰﴾

پس اگر نہ پینچے اس باغ کو زور کی بارش تو پھوار (ہی کافی ہے) اور اللہ ساتھ اس کے جو تم عمل کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہے

یہ ان لوگوں کی مثال ہے جو اپنے مال اس انداز سے خرچ کرتے ہیں کہ ان کے صدقات قبول ہوتے اور بڑھتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا: ﴿وَمَثَلُ الَّذِينَ يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ﴾ ”ان لوگوں کی مثال جو اپنا مال اللہ

کی رضامندی کی طلب میں خرچ کرتے ہیں۔“ یعنی ان کا مقصد اللہ کی رضا اور اس کا قرب حاصل کرنا ہوتا ہے۔

﴿وَتَشْبِيهًا مِّنْ أَنْفُسِهِمْ﴾ ”دل کی خوشی اور یقین کے ساتھ۔“ یعنی جب وہ خرچ کرتے ہیں تو ان کے دلوں میں سخاوت

اور خوشی کی کیفیت ہوتی ہے۔ تردد کے ساتھ بادل نخواستہ خرچ نہیں کرتے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے نیک

عمل پر دو طرح کی آفتیں آتی ہیں۔ یا تو انسان کا یہ ارادہ ہوتا ہے کہ لوگ تعریف کریں۔ یہ ریا کی بیماری ہے یا

کمزور نیت کے ساتھ ہچکچاتا ہوا خرچ کرتا ہے۔ سچے مومن ان دونوں آفتوں سے بچ کر صرف اللہ کی رضا کے

حصول کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ ان کے سامنے کوئی اور مقصد نہیں ہوتا۔ ان کے خرچ کی مثال ایسے ہے

﴿كَمَثَلِ جَنَّةٍ﴾ ”جیسے ایک باغ“ جس میں درخت بے شمار ہیں اور سایہ گھنا ہے۔ (جَنَّةٌ) کا لفظ (اجستان)

سے ماخوذ ہے یعنی چھپالیٹا۔ لہذا جنت سے مراد ایسا باغ ہے جس کے درخت زمین کو چھپا لیتے ہیں اس تک دھوپ

نہیں پہنچنے دیتے۔

اور یہ باغ ﴿بِرَبْوَةٍ﴾ ”اونچی زمین پر“ ہے۔ جس کو صبح دوپہر اور شام سورج کی پوری روشنی حاصل ہوتی ہے۔

ایسے باغ کے پھل زیادہ اور بہتر ہوتے ہیں۔ یہ ایسی جگہ نہیں جہاں نہ ہوا لگے نہ دھوپ۔ اونچی زمین پر موجود اس

باغ پر ﴿أَصَابَهَا وَابِلٌ فَاتَتْ أَكْطَافَهَا ضِعْفَيْنِ﴾ ”زوردار بارش بر سے تو وہ اپنا پھل دگنلا لائے۔“ زمین نم دار ہونے

کی وجہ سے اور دوسرے معاون اسباب کی وجہ سے اور بکثرت پانی کی موجودگی کی وجہ سے اس باغ سے دگنا پھل

حاصل ہوا۔ ﴿فَإِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ﴾ ”اور اگر اس پر بارش نہ بر سے تو پھوار ہی کافی ہے۔“ یعنی عمدہ

زمین کی وجہ سے معمولی بارش بھی کافی ہے۔ یہ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے والوں کا حال ہے۔ کوئی زیادہ خرچ

کرے یا کم، ہر ایک کو اپنے حالات کے مطابق فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ اور ہر ایک کے ثواب میں پوری طرح اضافہ ہوتا ہے۔ اس کو بڑھانے والا وہ ہے جو تجھ پر تجھ سے زیادہ رحم کرنے والا ہے۔ جہاں تجھے اپنے فائدے کا خیال نہیں رہتا، اسے وہاں بھی تیرا فائدہ مقصود ہوتا ہے۔ اگر اس دنیا میں اس طرح کا کوئی باغ ہوتا، تو لوگ اس کے حصول کے لیے پوری کوشش کرتے، بلکہ ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے اور جنگ و جدل تک نوبت پہنچ جاتی۔ حالانکہ یہ دنیا فنا ہونے والی ہے اور یہاں بے شمار آفات و مصائب ہیں۔ اور یہ ثواب جس کا اللہ نے ذکر فرمایا ہے، مومن اسے بصیرت ایمانی کے نور سے گویا سامنے دیکھتا ہے، وہ جہاں دائمی ہے اس کی تمام خوشیاں اور نعمتیں دائمی ہیں۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں لوگ اس کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ ان کی ہمت بیدار نہیں ہوتی، اس کے لیے جدوجہد کا کوئی داعیہ پیدا نہیں ہوتا۔ کیا اس کی وجہ آخرت سے بے رغبتی ہے یا اللہ کے وعدے پر یقین کمزور ہے؟ ورنہ اگر بندے کو واقعی کماحقہ یقین ہوتا، اور دل میں ایمان سرایت کر چکا ہوتا، تو دل اس کے لیے جذبے اور ولولے سے معمور ہو جاتے، اور ثواب کے حصول کے لیے زیادہ سے زیادہ خرچ کرنا آسان ہو جاتا۔ اس لیے اللہ نے فرمایا: ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيْرٌ﴾ اور اللہ تمہارے کام دیکھ رہا ہے۔“ وہ شخص کے عمل سے بھی باخبر ہے اور یہ بھی جانتا ہے کہ اس عمل کا باعث کیا ہے۔ لہذا وہ اس کے مطابق مکمل جزا دے گا۔ اس کے بعد ارشاد ہے۔

اَيُّوْدُ اَحَدِكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلِ وَّ اَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا
النُّهْرُ لَهُ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ وَّ اَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَاءٌ
نہریں اس شخص کے واسطے اس باغ میں ہر قسم کے پھل ہوں اور آپہنچا ہوا سے بڑھاپا اور واسطے اس کے اولاد ہو کمزور
فَاَصَابَهَا اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ

پھر (تاہاں) آپڑے اس (باغ) پر ایک ایسا گولہ اس میں آگ ہو پس جل جائے وہ (باغ)؟ اسی طرح

يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ الْاٰیٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ۝

(کھول کر) بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لیے آیتیں تاکہ تم غور و فکر کرو ○

یہ مثال اس شخص کی ہے جو صدقہ وغیرہ نیکی کا کام اللہ کی رضا کے لیے کرتا ہے، پھر کوئی ایسا کام کر دیتا ہے جس سے وہ نیکی تباہ ہو جائے۔ اس کی مثال ایک باغ کے مالک کی سی ہے جس کے باغ میں ہر قسم کے پھل ہیں۔ ان میں سے کھجور اور انگور کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے کیونکہ یہ دوسروں سے افضل ہیں اور ان کے فوائد بھی زیادہ ہیں۔ ان کا استعمال خوراک کے طور پر بھی ہوتا ہے اور میوہ کے طور پر (لطف اندوزی کے لیے) بھی۔ اس باغ میں نہریں بھی چل رہی ہیں، جن کی وجہ سے آب پاشی میں کوئی مشقت نہیں ہوتی۔ اس کا مالک اس پر خوش ہے

لوگ رشک کرتے ہیں۔ یہ آدمی بوڑھا ہو گیا، کام کاج کے قابل نہیں رہا۔ اس لیے اب اسے باغ ہی سے امید ہے۔ اس کی اولاد کمزور ہے، جو کام کاج میں اس کی مدد نہیں کر سکتی۔ بلکہ اس کے لیے بوجھ ہے۔ اس کا اپنا خرچ بھی باغ سے چلتا ہے اور بچوں کا بھی۔ ان حالات میں باغ پر آندھی آگئی۔ (اعْصَار) اس تیز ہوا کو کہتے ہیں جو گول گھومتی ہے اور اوپر کو بلند ہوتی ہے۔ اس بگولے میں آگ تھی جس سے باغ جل گیا۔ اس حادثے سے جو رنج و غم حاصل ہوگا اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ اگر غم سے مرا جا سکتا تو یہ آدمی ضرور مر جاتا۔ اس طرح جو شخص اللہ کی رضا کے لیے عمل کرتا ہے تو اس کے عمل کھیتی اور پھلوں کے بیج کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کے اعمال کے نتیجے میں اسے وہ باغ مل جاتا ہے جو بے انتہا دلکش ہے۔ نیکیوں کو ضائع کرنے والے اعمال اس بگولے کی طرح ہیں، جس میں آگ ہے۔ بندہ اپنے اعمال کا انتہائی ضرورت مند اس وقت ہوتا ہے جب وہ فوت ہوتا ہے۔ اس وقت اس کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ مزید کوئی عمل نہیں کر سکتا۔ اور جس عمل سے فائدے کی امید کی جا سکتی ہے وہ گرد و غبار کی طرح بے حقیقت ہو چکا ہوتا ہے۔ اگر انسان اس صورت حال کو سمجھ لے اور اس کا تصور کرے تو اگر اسے تھوڑی سی عقل حاصل ہے تو ایسا کام ہرگز نہ کرے گا، جس میں اس کا اس قدر نقصان ہے اور جس کا انجام حسرت و افسوس ہے، لیکن ایمان و عقل کی کمزوری کی وجہ سے اور بصیرت کی کمی کی وجہ سے انسان اس حال کو پہنچ جاتا ہے کہ اگر ایسی حرکت کسی مجنون سے بھی سرزد ہو تو وہ عظیم اور انتہائی خطرناک ہو۔ اس لیے اللہ نے غور و فکر کرنے کا حکم دیا ہے اور فرمایا ہے: ﴿كَذَلِكَ يَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ﴾ اسی طرح اللہ تمہارے لیے آیتیں بیان کرتا ہے تاکہ تم غور و فکر کرو۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنْفِقُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّا أَخْرَجْنَا لَكُمْ
 اے لوگو جو ایمان لائے ہو! خرچ کرو تم ان پاکیزہ چیزوں میں سے جو کماتم اور ان میں سے (بھی) جو نکالیں ہم نے تمہارے لیے
 مِنَ الْأَرْضِ وَلَا تَيَسَّمُوا الْخَبِيثَ مِنْهُ تُنْفِقُونَ وَلَسْتُمْ بِأَخِيذِيهِ إِلَّا أَنْ
 زمین سے اور نہ ارادہ کرو تم خراب چیز کا اس میں سے کہ خرچ کرو تم، اور نہیں ہو تم لینے والے اس چیز کو مگر یہ کہ
 تُغْبِضُوا فِيهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ ﴿۳۱۸﴾ الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ
 چشم پوشی کر جاؤ تم اس میں اور جان لو کہ بلاشبہ اللہ بے پروا ہے، قابل تعریف ہے، شیطان ڈراتا ہے تمہیں تنگ دہی سے
 وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعِدُكُم مَّغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا
 اور حکم دیتا ہے تمہیں بے حیائی کا، اور اللہ وعدہ کرتا ہے تم سے اپنی مغفرت اور فضل کا

وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۱۸﴾

اور اللہ وسعت والا ہے اور اللہ خوب جاننے والا ہے

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دیتا ہے کہ اس نے انہیں جس کمائی کی توفیق دی ہے اور ان کے لیے زمین سے جو کچھ نکالا ہے اس میں سے کچھ پاکیزہ اموال خرچ کریں۔ جس طرح اس نے تم پر احسان کیا ہے کہ اس کا حصول تمہارے لیے آسان فرمادیا اسی طرح اس کا شکر ادا کرنے کے لیے اپنے بھائیوں کے کچھ حقوق ادا کرنے کے لیے۔ اور اپنے مالوں کو پاک کرنے کے لیے اس میں سے کچھ حصہ اللہ کی راہ میں خرچ کرو۔ خرچ کرنے کے لیے وہ عمدہ چیز منتخب کرو جو تمہیں اپنے لیے پسند ہے۔ ایسی ٹکمی چیز دینے کا قصد نہ کرو جو خود تمہیں پسند نہیں اور جسے تم خود دوسروں سے وصول کرنا پسند نہیں کرتے۔ ﴿وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ حَمِيدٌ﴾ اور جان لو کہ اللہ بے نیاز اور خوبیوں والا ہے۔ ”وہ تم سے بے نیاز ہے۔ تمہارے صدقات اور دوسرے اعمال کا فائدہ خود تمہی کو حاصل ہوگا۔ وہ اس بات پر تعریف کے قابل ہے کہ اس نے تمہیں اچھے اعمال کے کرنے کا اور اچھی خوبیاں اپنانے کا حکم دیا ہے۔ لہذا تمہارا فرض ہے کہ اس کے احکام کی تعمیل کرو کیونکہ ان سے دلوں کو روحانی غذا ملتی ہے۔ دل زندہ ہوتے ہیں اور روح کو نعمت حاصل ہوتی ہے۔ اپنے دشمن یعنی شیطان کی پیروی ہرگز نہ کرنا جو تمہیں بخل کا حکم دیتا ہے اور تم کو ڈراتا ہے کہ خرچ کرنے سے مفلس ہو جاؤ گے۔ وہ تمہاری خیر خواہی کے طور پر یہ مشورہ نہیں دیتا بلکہ یہ اس کا بہت بڑا دھوکا ہے۔ ﴿إِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾ (فاطر: ۶۱۳) ”وہ اپنی جماعت کو (گناہ کی طرف) بلاتا ہے تاکہ وہ بھی جہنمی بن جائیں۔“ بلکہ اپنے رب کا حکم مانو جو تمہیں ایسے انداز سے خرچ کرنے کا حکم دیتا ہے جو تمہارے لیے آسان ہو اور جس میں تمہارا کوئی نقصان نہ ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ ﴿يَعِدْكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ﴾ ”وہ تم سے وعدہ کرتا ہے اپنی بخشش کا“ یعنی تمہیں گناہوں سے پاک کرنے کا ﴿وَفَضْلًا﴾ ”اور فضل کا“ جس سے دنیا اور آخرت میں تمہارا بھلا ہوگا۔ یعنی جو خرچ کرتے ہو ویسا ہی جلد ہی (دنیا میں) تمہیں دے گا دلوں کو خوشی اور سکون اور قبر میں راحت حاصل ہوگی۔ قیامت کے دن اس کا پورا پورا ثواب بھی ملے گا۔ اور اللہ تعالیٰ کے لیے اتنا زیادہ اجر و ثواب اور انعام دینا مشکل نہیں۔ کیونکہ وہ ﴿وَاسِعٌ﴾ ”وسعت والا“ یعنی وسیع فضل اور عظیم احسان کرنے والا ہے۔ اور تمہارے کیے ہوئے خرچ کو ﴿عَلِيمٌ﴾ ”جاننے والا ہے“ خواہ وہ کم ہو یا زیادہ خفیہ ہو یا ظاہر لہذا اپنے فضل و احسان سے اس کا بدلہ دے گا۔ اب بندے کو خود سوچ سمجھ کر فیصلہ کرنا چاہیے کہ اسے اللہ کی بات ماننی ہے یا شیطان کی؟

ان دو آیات میں بہت سے اہم مسائل مذکور ہیں مثلاً: (۱) اللہ کی راہ میں خرچ کی ترغیب۔ (۲) وضاحت کہ خرچ کرنا کیوں ضروری ہے۔ (۳) سونے چاندی اور سامان تجارت میں زکوٰۃ کا حکم کیونکہ یہ ﴿مِنْ طَيِّبَاتِ مَا كَسَبْتُمْ﴾ میں شامل ہیں۔ (۴) غلہ پھل اور معدنیات میں زکوٰۃ واجب ہے۔ (۵) زکوٰۃ اس پر واجب ہے جو غلہ اور پھل کا مالک ہے۔ زمین کے مالک پر واجب نہیں کیونکہ ارشاد ہے: ﴿أَخْرَجْنَا لَكُمْ﴾ لہذا زمین جس

کے لیے یہ اشیا اگاتی ہے، زکوٰۃ بھی اس پر واجب ہے۔ (۶) ان مالوں پر زکوٰۃ نہیں جو اپنی ذاتی ضروریات کے لیے رکھے گئے ہوں مثلاً قطعہ زمین اور برتن وغیرہ۔ اسی طرح اگر معلوم نہ ہو کہ فلاں نے میرا قرض ادا کرنا ہے یا کسی نے مال پر ناجائز قبضہ کر رکھا ہے یا مال اور قرض ایسے شخص کے پاس ہے جس سے واپس لینے کی طاقت نہیں، تو ایسے اموال پر زکوٰۃ نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان مالوں سے خرچ کرنے کا حکم دیا ہے جو بڑھتے ہیں یعنی زمین سے حاصل ہونے والی اشیا اور اموال تجارت اور جو مال اس مقصد کے لیے تیار نہیں رکھے گئے یا جن مالوں کو حاصل کرنا ممکن نہیں ان میں یہ وصف نہیں پایا جاتا ہے۔ (۷) نمکی چیز دینا منع ہے ایسی چیز دینے سے زکوٰۃ کا فرض ادا نہیں ہوگا۔

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ
اللہ دیتا ہے حکمت جسے چاہتا ہے اور جو شخص دیا جائے حکمت پس تحقیق دیا گیا وہ بھلائی بہت
وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّا اُولُو الْاَلْبَابِ ﴿۱۶۹﴾

اور نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر عقل مند ہی ○

چونکہ اللہ تعالیٰ نے بہت عظیم احکامات نازل فرمائے ہیں جن میں بہت سے اسرار اور بہت سی حکمتیں ہیں۔ اور ان پر عمل کی توفیق ہر کسی کو نہیں ملتی بلکہ صرف اسی کو ملتی ہے جس پر اللہ کا خاص احسان ہو اور اسے اللہ حکمت عطا فرمادے۔ حکمت سے مراد علم نافع، عمل صالح، اور شریعت کے اسرار اور حکمتوں سے واقفیت ہے۔ جسے اللہ ایسی حکمت دے دے اسے اللہ نے بہت بھلائی عطا فرمادی۔ اس بھلائی سے عظیم تر بھلائی کون سی ہو سکتی ہے جس میں دنیا اور آخرت کی خوش نصیبی پنہاں ہو، اور جس کے ذریعے سے دنیا اور آخرت کی بد نصیبی سے نجات مل جائے؟ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نعمت خاص خاص لوگوں کو ملتی ہے اور یہ انبیاء کا ترکہ ہے۔ پس بندے کو کمال صرف حکمت سے حاصل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ کمال نام ہے علمی اور عملی قوت کے کامل ہونے کا۔ علمی قوت تو حق کی معرفت سے اور اس کے مقصود کی معرفت سے کامل ہوتی ہے۔ اور عملی قوت نیکی کرنے اور برائی سے اجتناب کرنے سے مکمل ہوتی ہے۔ اس کے نتیجے میں بندہ صحیح قول اور صحیح عمل کا حامل ہو سکتا ہے۔ اور اپنی ذات کے بارے میں نیز دوسروں کے بارے میں ہر حکم کو اس کے صحیح مقام پر رکھ سکتا ہے۔ اس کے بغیر یہ ممکن نہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی فطرت میں یہ رکھ دیا ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں، بھلائی سے محبت رکھیں، حق کے طالب ہوں، اس لیے اللہ تعالیٰ نے رسول مبعوث فرمائے کہ لوگوں کو ان کی عقل و فطرت میں جڑیں رکھنے والی ان اشیا کی یاد دہانی کرائیں اور جو تفصیلات لوگوں کو معلوم نہیں، وہ بیان فرمائیں۔ پھر لوگ دو قسموں میں تقسیم ہو گئے۔ ایک قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جنہوں نے انبیاء کی دعوت کو قبول کیا، تو انہیں اپنے فائدے کی باتیں یاد ہو گئیں، انہوں نے اس پر

عمل کیا۔ اور انہیں اپنے نقصان کی باتیں معلوم ہو گئیں، لہذا وہ ان سے بچ گئے۔ یہ لوگ کامل عقل و فہم کے حامل ہیں۔ دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جنہوں نے انبیاء کی دعوت قبول نہیں کی، بلکہ ان کی فطرت میں جو خرابی پیدا ہو گئی تھی اسی کے مطابق عمل کیا، رب کا حکم نہیں مانا۔ یہ لوگ عقل والے نہیں۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا: ﴿وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ ”نصیحت صرف عقل مند ہی حاصل کرتے ہیں۔“

وَمَا أَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَةٍ أَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ يَعْلَمُهُ
اور جو خرچ کرو تم کسی قسم کا خرچ یا نذر مانو تم کوئی بھی نذر تو بیشک اللہ جانتا ہے اسے
وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿۱۵﴾

اور نہیں ہے واسطے ظالموں کے کوئی مددگار ○

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس خرچ کا اللہ نے حکم دیا ہے وہ واجب ہو یا مستحب، کم ہو یا زیادہ، ہر خرچ کا ثواب ملتا ہے۔ نذر اسے کہتے ہیں جسے کوئی مکلف انسان خود اپنے ذمے لے لے۔ اور اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے کیونکہ اس سے کچھ بھی پوشیدہ نہیں۔ اور وہ یہ بھی جانتا ہے کہ یہ عمل خلوص سے کیا گیا ہے یا کسی اور نیت سے۔ اگر صرف اللہ کی رضا کے لیے اخلاص کے ساتھ کیا گیا ہے تو اللہ اس کی جزا کے طور پر عظیم فضل اور کثیر ثواب عطا فرماتا ہے۔ اگر بندہ واجب اخراجات نہ کرے یا مانی ہوئی نذر پوری نہ کرے۔ یا یہ عمل مخلوق کی خوشنودی کے لیے کرے تو وہ ظالم بن جاتا ہے کیونکہ اس نے ایک چیز کو غلط مقام پر رکھ دیا ہے۔ لہذا وہ سخت سزا کا مستحق ہے۔ جس سے اسے کوئی نہیں بچا سکتا اس لیے فرمایا: ﴿وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾ ”اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔“

إِنْ تَبَدُّوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِنْ تُخْفَوْهَا وَتَوْتَوْهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ
اگر ظاہر کرو تم خیرات تو اچھی بات ہے یہ اور اگر چھپاؤ تم اس کو اور دو وہ فقیروں کو تو وہ
خَيْرٌ لَّكُمْ وَيَكْفُرْ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّئَاتِكُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۶﴾

بہتر ہی بہتر ہے تمہارے لیے اور دور کر دے گا (اللہ) تم سے تمہارے گناہ اور اللہ ساتھ اسکے جو تم عمل کرتے ہو خوب خبردار ہے ○

﴿إِنْ تَبَدُّوا الصَّدَقَاتِ﴾ ”اگر تم صدقے خیرات کو ظاہر کرو۔“ یعنی علانیہ خیرات کرو جبکہ اس کا مقصد اللہ

کی رضا کا حصول ہو ﴿فَنِعِمَّا هِيَ﴾ ”تو وہ بھی اچھا ہے۔“ کیونکہ اس سے مقصود حاصل ہو جاتا ہے۔ ﴿وَإِنْ تُخْفَوْهَا وَتَوْتَوْهَا الْفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ ”اور اگر تم اسے پوشیدہ مسکینوں کو دے دو تو یہ تمہارے حق میں بہتر ہے۔“ اس میں یہ نکتہ ہے کہ غریب آدمی کو پوشیدہ طور پر صدقہ دینا ظاہر کر کے دینے سے افضل ہے لیکن جب غریبوں کو صدقات نہ دیے جا رہے ہوں تو اس آیت میں اشارہ ہے کہ اس صورت میں پوشیدہ طور پر صدقہ کرنا ظاہر کرنے سے افضل نہیں۔ یعنی اس کا دار و مدار مصلحت اور فائدے پر ہے۔ اگر اس کے ظاہر کرنے سے ایک

دینی حکم کی اشاعت ہوتی ہو اور امید ہو کہ دوسرے لوگ بھی یہ نیک کام کرنے لگیں گے تو چھپانے کی نسبت ظاہر کر کے دینا افضل ہوگا۔ ﴿وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَاءَ﴾ اور اسے مسکینوں کو دے دو۔“ سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ دینے والے کو چاہیے کہ ضرورت مندوں کو تلاش کر کے صدقہ دے۔ زیادہ ضرورت مند کی موجودگی میں کم ضرورت مند کو نہ دے۔ اور اللہ کے اس فرمان میں کہ صدقہ دینا صدقہ دینے والے کے لیے بہتر ہے یہ اشارہ ہے کہ اسے ثواب حاصل ہوگا اور ﴿وَيَكْفُرْ عَنْكُمْ مِنْ سَيِّئَاتِكُمْ﴾ میں بتایا ہے کہ سزا ختم ہو جائے گی اور عذاب سے نجات مل جائے گی۔ ﴿وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ اور اللہ تمہارے تمام اعمال کی خبر رکھنے والا ہے، یعنی وہ اچھے ہوں یا برے کم ہوں یا زیادہ یہ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ان کی جزا و سزا ملے گی۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدَاهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَا يُنْفِكُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُوَفِّ إِلَيْكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تُظْلَمُونَ ﴿۲۵﴾ لِلْفُقَرَاءِ الَّذِينَ

نہیں ہے اوپر آپ کے ہدایت دینا ان کو لیکن اللہ ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے اور جو خرچ کرو تم میں سے تو وہ تمہارے نفسوں ہی کے (فائدے کے) لیے ہے اور نہیں خرچ کرتے ہو تم مگر واسطے تلاش کرنے کے رضامندی اللہ کی اور جو خرچ کرو گے تم مال سے وہ پورا پورا دیا جائے گا تمہیں اور تم نہیں ظلم کئے جاؤ گے (یہ صدقہ) واسطے ان ضرورت مندوں کے ہے جو اُحْصَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمْ رُكُوعٌ دِيَّيْكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسَيِّئِهِمْ ۗ لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلَّا حَافًا ۗ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۲۶﴾ الَّذِينَ يَنْفِقُونَ

چھٹ کر اور جو خرچ کرو تم مال سے تو بلاشبہ اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے (وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اموالہم بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلَانِيَةً فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۲۶﴾ اور نہ کوئی خوف ہو گا اوپر ان کے اور نہ وہ غمگین ہوں گے (

اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ مخلوق کو ہدایت پر چلا دینا آپ کی ذمہ داری نہیں۔ آپ کا فرض صرف یہ ہے کہ حق کو واضح طور پر ان تک پہنچادیں۔ ہدایت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ آیت میں اس امر پر بھی

دالت ہے کہ مال کا یہ خرچ کرنا عام ہے جیسے مسلم پر خرچ کرنا واجب ہے اسی طرح کافر (اہل ذمہ وغیرہ) پر بھی خرچ کیا جائے گا اگرچہ اس نے ہدایت قبول نہ کی ہو۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ﴾ تم جو کچھ خرچ کرو گے۔ ”کم ہو یا زیادہ اور چاہے یہ مال تم مسلمان پر خرچ کرو یا کافر پر: ﴿فَلَا نَفْسُكُمْ﴾ اس کا فائدہ خود پاؤ گے ﴿وَمَا تُنْفِقُونَ إِلَّا ابْتِغَاءَ وَجْهِ اللَّهِ﴾ اور تم صرف اللہ کی رضا مندی کی طلب کے لیے خرچ کرتے ہو۔“ یہاں یہ بتایا گیا ہے کہ مومنوں کے خرچ کی بنیاد ایمان ہوتی ہے اور وہ صرف اللہ کی رضا کے لیے خرچ کرتے ہیں۔ کیونکہ ان کا ایمان انہیں فضول مقاصد کے لیے کام کرنے سے منع کرتا ہے اور اخلاص پیدا کرتا ہے۔ ﴿وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ يُّوفَىٰ إِلَيْكُمْ﴾ تم جو کچھ مال خرچ کرو گے اس کا پورا پورا بدلہ تمہیں دیا جائے گا۔“ یعنی قیامت کے دن تم پورا اجر و ثواب حاصل کرو گے۔ ﴿وَأَنْتُمْ لَا تظَلُمُونَ﴾ اور تم پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔“ تمہارے نیک عملوں میں ذرہ برابر کمی نہیں کی جائے گی اور تمہارے گناہوں میں بلا وجہ اضافہ نہیں کیا جائے گا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ یہ بیان کرتا ہے کہ کون لوگ زیادہ مستحق ہیں کہ ان پر خرچ کیا جائے۔ چنانچہ ان کی چھ صفات بیان فرمائی ہیں۔ (۱) فقر اور تنگ دستی۔ (۲) ﴿أُحْصِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ یعنی جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے کاموں، جہاد وغیرہ کے لیے وقف ہو چکے ہیں، وہ اس کے لیے ہر وقت تیار رہتے ہیں۔ (۳) رزق کی تلاش کے لیے سفر کے قابل نہ ہوں۔ جیسے فرمایا: ﴿لَا يَسْتَطِيعُونَ ضَرْبًا فِي الْأَرْضِ﴾ یعنی روزی کمانے کے لیے زمین میں سفر نہیں کر سکتے۔ (۴) ﴿يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ مِنَ التَّعَفُّفِ﴾ نادان لوگ ان کی بے سوالی کی وجہ سے انہیں مال دار خیال کرتے ہیں۔“ اس سے ان کا مخلصانہ صبر اور سوال سے بچنے کی صفت کا بیان ہے۔ (۵) اللہ نے فرمایا: ﴿تَعْرِفُهُمْ بِسِينِهِمْ﴾ ”آپ ان کے چہرے دیکھ کر قیافہ سے پہچان لیں گے۔“ یعنی اس علامت کے ذریعے سے پہچان لیں گے جو اللہ نے ان کے وصف کے طور پر ذکر کی ہے۔ اور یہ ارشاد ﴿يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَاءَ﴾ نادانوں کے انہیں مال دار خیال کرنے کے منافی نہیں۔ کیونکہ جو ان کے حالات سے واقف نہیں۔ اس میں اتنی سمجھ نہیں کہ دیکھ کر ان کے حالات سمجھ لے۔ سمجھ دار آدمی تو انہیں دیکھتے ہی ان کی علامت کی وجہ سے پہچان لیتا ہے۔ (۶) ﴿لَا يَسْأَلُونَ النَّاسَ إِلْحَاقًا﴾ یعنی لوگوں سے اصرار کے ساتھ نہیں مانگتے۔ بلکہ اگر حالات انہیں سوال کرنے پر مجبور کر دیں تب بھی ان کے سوال میں اصرار اور چٹ جانے کی کیفیت نہیں ہوتی۔ یہ لوگ اپنی ان صفات کی وجہ سے صدقات دیے جانے کے زیادہ مستحق ہیں۔ دوسروں پر خرچ کرنا فی نفسہ ایک نیکی اور احسان ہے۔ خواہ کسی شخص پر خرچ کیا جائے۔ آدمی کو اس کا اجر و ثواب ملے گا۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾ تم جو کچھ

مال خرچ کرو اللہ اس کا جاننے والا ہے۔“ اس کے بعد ان لوگوں کا ذکر فرمایا جو ہر حال میں ہر وقت صدقہ کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿الَّذِينَ يَنْفِقُونَ اَمْوَالَهُمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ﴾ جو لوگ اپنے مال خرچ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں“ یعنی اس کی اطاعت میں اور اس کی خوشنودی کی راہ میں خرچ کرتے ہیں حرام اور مکروہ کاموں میں یا اپنے دل کی خواہش پوری کرنے کے لیے خرچ نہیں کرتے ﴿بِالْاَيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَعَلٰنِيَةً فَاهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ”رات دن چھپے کھلے (خرچ کرتے ہیں) ان کے لیے ان کے رب کے پاس اجر ہے۔“ یعنی رحمتوں والے مالک کے پاس عظیم اجر ہے۔ ﴿وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ﴾ ”انہیں نہ خوف ہوگا“ جب کوتاہی کرنے والے خوف میں مبتلا ہوں گے ﴿وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ ”اور نہ غم“ جب جائز حد سے آگے بڑھنے والے غم میں مبتلا ہوں گے۔ تو یہ اپنا اصل مقصود اور مطلوب حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اور ہر قسم کے شر سے محفوظ رہیں گے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس کے بندوں پر مختلف انداز سے خرچ کر کے احسان کرنے والوں کا ذکر مکمل کر لیا تو اس کے بعد ان ظالموں کا ذکر فرمایا جو اللہ کے بندوں پر انتہائی برا ظلم کرتے ہیں۔ ارشاد ہے۔

الَّذِينَ يٰۤاَكُوْنُ الرِّبٰوٰا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ

وہ لوگ جو کھاتے ہیں سود نہیں کھڑے ہوں گے وہ مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے وہ شخص کہ حواس باختہ بنا دیا ہو اس کو شیطان نے
مِنَ الْمَسِّ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوٰا وَاَحَلَّ اللّٰهُ
چھوڑ کر یہ (سزا) بہ سبب اس کے کہ انہوں نے کہا: بلاشبہ بیع بھی مثل سود ہی کے ہے حالانکہ حلال کیا ہے اللہ نے
الْبَيْعِ وَحَرَّمَ الرِّبٰوٰا فَمَنْ جَاءَكَ مَوْعَدًا مِّنْ رَّبِّهٖ فَاَنْتَهٰی فَلَهٗ مَا سَلَفَ
بیع کو اور حرام کیا سود کو پس وہ شخص کہ آگئی اسکے پاس نصیحت اسکے رب کی طرف سے اور وہ باز آ گیا تو اسکے لئے ہے جو کچھ پہلے ہو چکا
وَاَمْرًا اِلَى اللّٰهِ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

اور اس کا معاملہ اللہ کی طرف ہے اور جو شخص دوبارہ (سودی معاملہ) کرے تو یہی لوگ ہیں دوزخی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○
يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوٰا وَيَرْبِي الصَّدَقٰتِ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفّٰرٍ اٰثِمٍ ﴿۲۴۶﴾ اِنَّ
مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے صدقات کو اور اللہ نہیں پسند کرتا ہر کفر کرنے والے گناہ گار کو ○ بے شک
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَتَوْا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ
وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کیے نیک اور قائم کیا نماز کو اور ادا کرتے رہے زکوٰۃ ان کے واسطے اجر ہے ان کا
عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۴۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا
نزدیک ان کے رب کے اور نہ کوئی خوف ہوگا او پر ان کے اور نہ وہ ڈر سکیں ہوں گے ○ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ڈرو تم
اللّٰهُ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٰا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا
اللہ سے اور چھوڑ دو جو باقی ہے سود سے اگر ہو تم مؤمن ○ پس اگر نہ کیا تم نے (یہ)

فَاذْنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهِۦٓ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رَعُوْسٌ اَمْوَالِكُمْ
 تو خبردار ہو جاؤ واسطے جنگ کے اللہ اور اس کے رسول سے اور اگر توبہ کر لو تم تو تمہارے لیے ہیں اصل مال تمہارے
 لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۳۸۹﴾ وَاِنْ كَانَ ذُو عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰی مٰیسِرَةٍ وَاِنْ
 نہ تم (کسی پر) ظلم کرو اور نہ تم ظلم کئے جاؤ گے اور اگر ہو وہ (مقروض) تنگ دست تو مہلت دینا ہے (اسے) آسانی تک اور
 اَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۹۰﴾ وَاَتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ
 تمہارا معاف کر دینا بہت بہتر ہے تمہارے لیے اگر ہو تم جانتے اور ڈرو اس دن سے کہ لوٹائے جاؤ گے تم اس میں
 اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۳۹۱﴾
 اللہ کی طرف پھر پورا (بدلہ) دیا جائے گا ہر نفس کو (اس کا) جو کچھ اس نے کمایا اور وہ نہیں ظلم کئے جائیں گے

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے سود خوروں کا انجام بد بیان فرمایا ہے۔ وہ قیامت کے دن قبروں سے اٹھیں گے ﴿اَلَا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِي يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِيۡنِ﴾ تو ان کی حالت یہ ہوگی گویا انہیں شیطان نے پاگل بنا دیا ہے۔ یہ لوگ قبروں سے اٹھیں گے تو حیران پریشان ہوں گے۔ انہیں سخت سزا ملنے کا یقین ہوگا۔ ﴿قَالُوْا اِنَّمَا النَّبِيَّۃُ مِثْلُ الرِّبْوٰۃِ﴾ انہوں نے کہا تھا: تجارت بھی تو سود ہی کی طرح ہے۔ یہ بات کوئی ایسا جاہل ہی کہہ سکتا ہے جو جہالت کے انتہائی درجے تک پہنچا ہوا ہو یا دین کا انتہائی دشمن کہہ سکتا ہے۔ جس طرح ان کی عقلیں اونڈھی ہو گئی تھیں تو اس کا بدلہ بھی یہ ملے گا کہ ان کی حالت پاگلوں کے مشابہ ہوگی۔ آیت مبارکہ کے اس حصے کی تشریح اس طرح بھی کی جاسکتی ہے کہ چونکہ سود کی کمائی کے حصول میں ان کی عقلیں سلب ہو گئیں اس لیے وہ احمق بن گئے اور ان کی حرکات پاگلوں کے مشابہ ہو گئیں۔ جو بے سرو پا ہوتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے اور عظیم حکمت کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاحْلَ اللّٰهُ النَّبِيَّۃِ﴾ اور اللہ نے تجارت کو حلال کیا، کیونکہ اس میں سب کا فائدہ ہے سب کو اس کی ضرورت ہے اور اسے حرام قرار دینے میں نقصان ہے۔ اور حصول رزق سے تعلق رکھنے والے کاموں میں یہ ایک عظیم اصل ہے۔ اس سے صرف وہی تصرفات مستثنیٰ ہوں گے جن سے صاف طور پر منع کر دیا گیا ہے۔ ﴿وَحَرَّمَ الرِّبْوٰۃِ﴾ اور سود کو حرام کیا۔ کیونکہ یہ ظلم پر مبنی ہے اور اس کا انجام برا ہے۔ سود کی دو قسمیں ہیں: (۱) ربانسیہ مثلاً سودی چیز کا اس کی علت میں شریک چیز کے عوض ادھار تبادلہ۔ اور اس کی صورت یہ بھی ہے کہ واجب الادا رقم کو اس المال کا نام دے کر بیع سلم کر لی جائے۔ (۲) ربا الفضل: کسی ایسی چیز کو جس میں سود ہو سکتا ہے اس کی ہم جنس چیز کے عوض اضافے کے ساتھ بیچنا، دونوں کی حرمت پر قرآن و حدیث کے دلائل موجود ہیں۔ اور ربانسیہ کی حرمت پر اجماع بھی ہے۔ جس نے ربا الفضل کو جائز قرار دیا ہے اس کا قول شاذ ہے جو بکثرت نصوص کے خلاف ہے بلکہ سود تباہ کن کبیرہ گناہوں میں شامل ہے۔ ﴿فَمَنْ جَاءَ ذٰلِكَ فَعَلٰۤیۡتُ مِنْ رَّبِّہٖ﴾

”جس شخص کے پاس اللہ کی نصیحت آئی۔“ یعنی اللہ نے کسی کو توفیق دی کہ اسے نصیحت کرے جو اس کے لیے رحمت کا باعث ہے اور اس کی وجہ سے اس پر حجت قائم ہوگئی۔ ﴿فَاَنْتَهٰی﴾ پس اس کے ڈرانے سے وہ سود لینے سے باز آ گیا۔ اس گناہ سے رک گیا تو ﴿فَلَاۤءَ مَا سَلَفَ﴾ اس کے لیے ہے جو گزرا۔ یعنی یہ نصیحت کی بات پہنچنے سے پہلے اس نے جو غلطی دین کیا وہ معاف ہو جائے گا۔ یہ نصیحت قبول کرنے کی جزا ہے۔ اس میں یہ اشارہ ہے کہ جو باز نہیں آئے گا اسے پہلے اور پچھلے دونوں گناہوں کی سزا ملے گی۔ ﴿وَاَمْرًاۤ اِلٰی اللّٰهِ﴾ اور اس کا معاملہ اللہ کی طرف ہے۔ یعنی اسے سزا دینا اور مستقبل میں اس کے عمل دیکھنا اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ ﴿وَمَنْ عَادَ﴾ اور جس نے پھر بھی کیا، دوبارہ سود لیا، نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ سود خوری پر اصرار کیا ﴿فَاُولٰٓئِكَ اَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ﴾ تو وہ جہنمی ہیں۔ ایسے لوگ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔“

شرک کے علاوہ جن گناہوں کے بارے میں قرآن وحدیث میں دوزخ میں ہمیشہ رہنے کی سزا مذکور ہے۔ ان کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں۔ زیادہ بہتر قول یہ ہے کہ جن اعمال کا نتیجہ اللہ نے دائمی جہنم مقرر کیا ہے یہ اس کا سبب ہیں۔ لیکن سبب کے ساتھ اگر کوئی مانع نہ ہو تو نتیجہ ضرور ظاہر ہوا کرتا ہے۔ قرآن وحدیث اور اجماع سے ثابت ہے کہ توحید اور ایمان جہنم میں ہمیشہ رہنے سے مانع ہیں۔ یعنی یہ عمل ایسا ہے کہ اگر بندہ توحید کا حامل نہ ہوتا تو یہی عمل اسے جہنم میں ہمیشہ رکھنے کا باعث بن سکتا تھا۔ اس کے بعد فرمایا: ﴿يَمْنَعُ اللّٰهُ الرِّبَا﴾ ”اللہ سود کو مٹاتا ہے۔“ یعنی اسے بھی اور اس کی برکت کو بھی ذاتی اور صفاتی طور پر ختم کرتا ہے۔ یہ آفات کا باعث بنتا ہے اور برکت چھین جانے کا سبب ہوتا ہے۔ اگر اس (حرام کمائی) سے وہ اللہ کی راہ میں خرچ کرے تو اسے اس کا کوئی ثواب نہیں ملے گا، بلکہ یہ اسے جہنم میں لے جائے گا۔ ﴿وَيَرْبِي الصَّدَقٰتِ﴾ اور صدقات کو بڑھاتا ہے۔ یعنی جس مال سے صدقہ دیا جائے اس میں برکت نازل فرماتا ہے اور ثواب میں اضافہ کرتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جزا و سزا عمل کی جنس سے ہوتی ہے۔ سود خور لوگوں پر ظلم کرتا ہے اور ان کے مال غیر شرعی طریقے سے لیتا ہے اس لیے اس کی سزا یہ ہے کہ اس کا مال تباہ ہو جائے اور جو شخص لوگوں پر کسی بھی انداز سے احسان کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ سخی ہے۔ جس طرح اس شخص نے اس کے بندوں پر احسان کیا ہے اللہ بھی اس پر احسان کرتا ہے۔ ﴿وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفّٰرٍ﴾ اور اللہ نہیں دوست رکھتا کسی ناشکرے کو۔“ جو اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کرتا ہے اور اللہ کے واجب کیے ہوئے صدقے اور زکوٰۃ ادا نہیں کرتا اور اللہ کے بندے اس کے شر سے محفوظ نہیں۔ ﴿اٰتِيْمٍ﴾ اور گناہ گار کو، یعنی اس نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے جو اسے سزا ملنے کا باعث ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب سود خوروں کا ذکر فرمایا۔ اور واضح ہے کہ اگر انہیں ایمان نافع حاصل ہوتا تو ان سے یہ جرم سرزد نہ ہوتا۔ تو اس کے بعد مومنوں کا ذکر فرمایا، ان کو ملنے والا ثواب بیان فرمایا اور انہیں ایمان والے کہہ کر

مخاطب فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ سود لینا چھوڑ دیں۔ اگر وہ مومن ہیں۔ ایسے لوگ ہی اللہ کی نصیحتیں قبول کرتے اور اس کے احکامات تسلیم کرتے ہیں۔ اللہ نے انہیں تقویٰ کا حکم دیا ہے اور تقویٰ میں یہ بات بھی شامل ہے کہ موجودہ لین دین کے سلسلے میں جو سود کسی کے ذمہ ہے اسے چھوڑ دیں، وصول نہ کریں۔ باقی رہا وہ سود جو پہلے لیا جا چکا ہے تو اس کے بارے میں یہ حکم ہے کہ جو شخص نصیحت قبول کر کے آئندہ سود لینے سے اجتناب کرے گا اس کا سابقہ گناہ معاف ہو جائے گا۔ اور جس نے اللہ کی نصیحت قبول نہ کی اور باز نہ آیا وہ اللہ کا مخالف اور اللہ سے جنگ کرنے والا ہے۔ بھلا ایک عاجز ضعیف بندہ اس رب کا مقابلہ کیسے کر سکتا ہے جو غالب اور حکمت والا ہے۔ وہ ظالم کو مہلت تو دیتا ہے اسے چھوڑنا نہیں۔ ﴿وَإِنْ تُبْتُمْ﴾ ہاں اگر تم (سود سے) تویہ کر لو، ﴿فَلَكُمْ دَعْوَىٰ أَمْوَالِكُمْ﴾ تو تمہارے لیے تمہارا اصل مال ہے۔ یعنی وہ وصول کر لو ﴿لَا تَظْلِمُونَ﴾ نہ تم ظلم کرو۔ کہ اصل قرض سے زیادہ وصول کرو جو سود ہے۔ ﴿وَلَا تَظْلَمُونَ﴾ اور نہ تم پر ظلم کیا جائے۔ کہ تمہاری اصل رقم میں کمی کی جائے۔ ﴿وَإِنْ كَانَ﴾ اور اگر کوئی، مقروض ﴿ذُو عَسْرَةٍ﴾ تنگی والا ہو، جسے قرض کی ادائیگی کے لیے مال میسر نہ ہو ﴿فَنظِرَةٌ إِلَىٰ مَيْسَرَةٍ﴾ تو اسے آسانی تک مہلت دینی چاہیے۔ یہ واجب ہے کہ ایسے مقروض کو اتنی مہلت دی جائے کہ اسے قرض واپس کرنے کے لیے مال مل جائے۔ ﴿وَأَنْ تَصَدَّقُوا خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ اور صدقہ کرو (کہ سارا یا کچھ قرض معاف کر دو) تو تمہارے لیے بہت ہی بہتر ہے۔ اگر تمہیں علم ہو۔

﴿وَاتَّقُوا يَوْمًا تُرْجَعُونَ فِيهِ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ اور اس دن سے ڈرو جس میں تم سب اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔ اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔ اور ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔ یہ آیت مبارکہ قرآن مجید کی ان آیات میں شامل ہے جو سب سے آخر میں نازل ہوئیں۔ اس پر ان احکام اور امر و نہی کو ختم کیا گیا کیونکہ اس میں نیکی پر جزا کا وعدہ ہے برائی پر سزا کی وعید ہے اور یہ بیان ہے کہ جس شخص کو یہ یقین ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے پاس جانے والا ہے جو اسے ہر چھوٹے بڑے ظاہر اور پوشیدہ عمل کی جزا دے گا اور وہ اس پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرے گا اس یقین کے نتیجے میں اس کے دل میں رغبت و رہبت (شوق اور خوف) کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب تک دل میں یہ یقین جاگزیں نہ ہو یہ چیز کسی طرح پیدا نہیں ہو سکتی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَيْتُمْ بِدَيْنٍ إِلَىٰ آجَلٍ مَّسْئِي فَاكْتُبُوا ۗ ط

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب تم آپس میں معاملہ کرو ساتھ ادھار کے ایک وقت مقرر تک تو لکھ لو اے

وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبٌ بِالْعَدْلِ وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ

اور چاہیے کہ لکھے تمہارے درمیان ایک کاتب ساتھ انصاف کے اور نہ انکار کرے کاتب اس سے کہ لکھے وہ جس طرح سکھایا سے

اللَّهُ فليَكْتَبْ وَلِيُمِلِّ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلِيَتَّقِ اللَّهَ رَبَّهُ وَلَا يَبْخَسَ
 اللہ نے پس چاہیے کہ لکھے وہ اور چاہیے کہ لکھوائے وہ شخص کہ اوپر اسکے حق (قرض) ہے اور چاہیے کہ ڈرے وہ اللہ اپنے رب سے اور نہ کم کرے
 مِنْهُ شَيْئًا ط فَإِنْ كَانَ الَّذِي عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيهًا أَوْ ضَعِيفًا أَوْ لَا يَسْتَطِيعُ
 اس میں سے کوئی چیز؛ پھر اگر ہو وہ شخص کہ اوپر اس کے حق (قرض) ہے بے وقوف یا ضعیف یا نہیں استطاعت رکھتا وہ
 أَنْ يُمِلَّ هُوَ فَلِيُمِلَّ وَلِيَهُ بِالْعَدْلِ وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ
 اس بات کی کہ لکھوائے وہ خود تو چاہیے کہ لکھوائے مختار اس (مقروض) کا ساتھ انصاف کے اور گواہ بنا لو تم دو گواہ
 مِنْ رَجَالِكُمْ فَإِنْ لَمْ يَكُونَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَامْرَأَتٌ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ
 اپنے (مسلمان) مردوں میں سے پس اگر نہ ہوں دو مرد تو (گواہی دیں) ایک مرد اور دو عورتیں ان میں سے جنہیں تم پسند کرتے ہو
 مِنَ الشَّهَادَةِ أَنْ تَضِلَّ إِحْدَاهُمَا فَتُذَكِّرَ إِحْدَاهُمَا الْأُخْرَى ط وَلَا يَأْبَ
 گواہوں سے (یہ اس سبب سے) کہ بھول جائے ایک عورت ان دو میں سے تو یاد کرادے ایک ان میں سے دوسری کو اور نہ انکار کریں
 الشَّهَادَةَ إِذَا مَا دُعُوا ط وَلَا تَسْمَعُوا أَنْ تَكْتُبُوهُ صَغِيرًا أَوْ كَبِيرًا إِلَىٰ أَجَلِهِ
 گواہ جب وہ بلائے جائیں اور نہ آکٹا ہٹ ہو تمہیں اس سے کہ لکھو تم اس کو چھوٹا (معاملہ) ہو یا بڑا اس کے مقرر وقت تک
 ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا
 یہ (لکھنا) زیادہ قرین انصاف ہے نزدیک اللہ کے اور بہت درست رکھنے والا ہے گواہی کو اور زیادہ قرین ہے اس بات کے کہ نہ شک میں پڑو تم
 إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ
 مگر یہ کہ ہو سودا ہاتھوں ہاتھ کہ لیتے دیتے ہو تم اسے آپس میں تو نہیں تم پر کوئی گناہ
 إِلَّا تَكْتُبُوهَا ط وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ط وَلَا يُضَارُّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ط وَإِنْ
 یہ کہ نہ لکھو تم اس کو اور گواہ بنا لو جب تم آپس میں سودا کرو اور نہ نقصان پہنچایا جائے کاتب کو اور نہ گواہ کو اور اگر
 تَفَعَّلُوا فَإِنَّهُ فَسُوقٌ بِكُمْ ط وَاتَّقُوا اللَّهَ ط وَيَعْلَمُ اللَّهُ ط
 تم ایسا کرو گے تو بے شک یہ نافرمانی ہے (جس کا گناہ ہوگا) تمہیں اور ڈرو اللہ سے اور تمہیں سکھاتا ہے اللہ

وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۲۸۲﴾

اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○

یہ آیت (آیت ذین) ”قرض کے مسائل والی آیت“ کے نام سے معروف ہے۔ یہ قرآن مجید کی سب سے
 طویل آیت ہے۔ اس میں بڑے عظیم مسائل بیان ہوئے ہیں جو بے شمار عظیم فوائد پر مشتمل ہیں۔

(۱) اس سے قرض کی تمام صورتوں مثلاً سلم وغیرہ کا جواز ثابت ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرض کا ذکر کیا ہے

جو مومنوں میں رائج تھا، اس کے مسائل بیان کیے ہیں، جس سے ان کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ (۲-۳) بیع سلم میں مدت ضروری ہے اور وہ مدت متعین ہونی چاہیے اس لیے نہ تو نقد بیع سلم درست ہے نہ اس صورت میں جب کہ اس کی مدت مقرر نہ ہو۔ (۴) تمام قرض وغیرہ کے معاملات لکھنا شرعاً مطلوب ہے۔ البتہ اس میں اختلاف ہے کہ یہ واجب ہے یا مستحب۔ اس کی مشروعیت میں یہ حکمت ہے کہ لوگوں کو اس کی سخت ضرورت ہے۔ اور نہ لکھنے کی صورت میں غلطی، بھول، اختلاف اور جھگڑا واقع ہونے کا اندیشہ ہے۔ (۵) کاتب کو حکم ہے کہ وہ لکھے۔ (۶) کاتب کو عادل (قابل اعتماد) ہونا چاہیے۔ تاکہ اس کی تحریر پر اعتبار کیا جاسکے۔ فاسق کے نہ قول کا اعتبار ہے نہ لکھنے کا۔ (۷) کاتب پر فرض ہے کہ فریقین کے درمیان انصاف سے کام لے۔ وہ رشتہ داری، دوستی وغیرہ کی وجہ سے کسی ایک فریق کی طرف مائل نہ ہو۔ (۸) کاتب کا ایسی تحریریں لکھنے کے طریق کار سے اور فریقین کے لیے جو کچھ واجب ہے اور جس چیز سے تحریر قابل اعتماد بنتی ہے ان سب امور سے باخبر ہونا ضروری ہے۔ ان مسائل کی دلیل یہ فرمان الہی ہے۔ ﴿وَلْيَكْتُبْ بَيْنَكُمْ كَاتِبًا بِالْعَدْلِ﴾ اور لکھنے والے کو چاہیے کہ تمہارا آپس کا معاملہ عدل سے لکھے، (۹) جب کوئی ایسی تحریر موجود ہو جس کی کتابت معروف عادل (قابل اعتماد) آدمی کے ہاتھ کی ہو تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ اگرچہ لکھنے والا اور گواہ فوت ہو چکے ہوں۔ (۱۰) اللہ نے فرمایا: ﴿وَلَا يَأْبَ كَاتِبٌ أَنْ يَكْتُبَ﴾ ”کاتب کو چاہیے کہ لکھنے سے انکار نہ کرے“، یعنی جس پر اللہ نے یہ احسان کیا ہے کہ اسے لکھنے کا علم عطا فرمایا ہے اسے بھی اللہ کے ان بندوں پر احسان کرنا چاہیے جو اس سے لکھوانے کے محتاج ہیں۔ لہذا ان کو لکھ کر دینے سے انکار نہ کرے۔ (۱۱) کاتب کو حکم ہے کہ صرف وہی چیز لکھے جس کو وہ شخص لکھوائے جس کے ذمہ حق ہے۔ (۱۲) فریقین میں سے لکھوانے کی ذمہ داری اس کی ہے جس کے ذمہ قرض ہے۔ (۱۳) اسے حکم ہے کہ پورا حق بیان کرے اس میں کچھ نہ چھپائے۔ (۱۴) انسان کا اپنے بارے میں اقرار شرعاً معتبر ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مقروض کو حکم دیا ہے کہ وہ کاتب کو لکھوائے جب وہ اس کے اقرار کے مطابق لکھے گا تو اس کا مضمون اور اس کے نتائج بھی معتبر ہوں گے۔ اگرچہ بعد میں غلطی لگ جانے کا یا بھول جانے کا دعویٰ کرے۔ (۱۵) قول اس کا معتبر ہوگا جس کے ذمے کوئی حق ہے کہ بیع شدہ چیز کی مقدار، صفت، قلت، کثرت اور مقررہ مدت کیا ہے۔ جس کا حق ہے (قرض خواہ) اس کا قول معتبر نہیں ہوگا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے جو حکم دیا ہے کہ جتنا حق ہے اس سے کم نہ لکھوائے اس کی وجہ یہی ہے کہ مقدار اور وصف میں اس کا قول معتبر ہے۔ (۱۶) جس کے ذمہ حق ہے اس پر حرام ہے کہ مقدار میں عمدگی اور ظاہری اچھائی میں یا مدت وغیرہ میں کمی کرے۔ (۱۷) جو شخص کسی عذر مثلاً کم سنی، کم عقلی، گونگا ہونا وغیرہ کی وجہ سے خود نہ لکھوا سکے تو لکھوانے اور اقرار کا کام اس کا سرپرست اس کا نائب ہونے کی حیثیت سے کرے گا۔ (۱۸) جو عدل اس پر واجب ہے جس کے ذمے حق ہے وہی عدل اس کے سرپرست پر واجب

ہے۔ کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿بِالْعَدْلِ﴾ ”عدل کے ساتھ“ (۱۹) سرپرست کا عادل ہونا شرط ہے۔ کیونکہ عدل کے ساتھ لکھوانا فاسق سے نہیں ہو سکتا۔ (۲۰) مالی معاملات میں سرپرستی کا ثبوت۔ (۲۱) حق بچے، کم عقل، مجنون اور کمزور کے ذمے واجب ہوتا ہے اس کے سرپرست کے ذمے نہیں ہوتا۔ (۲۲) بچے، کم عقل، مجنون وغیرہ کا اقرار اور تصرف صحیح نہیں کیونکہ اللہ نے لکھوانے کی ذمہ داری ولی (سرپرست) پر ڈالی ہے۔ ان معذور افراد کے ذمہ نہیں۔ اس میں ان پر لطف و رحمت ہے اور ان کے مال کا ضائع ہونے سے بچاؤ ہے۔ (۲۳) مذکورہ افراد کے مال میں ولی (سرپرست) کا تصرف (قانوناً) درست ہے۔ (۲۴) انسان کے لیے ایسے معاملات کا جاننا مشروع ہے جس سے قرض کا لین دین کرنے والوں کا ایک دوسرے پر اعتماد رہتا ہے۔ لہذا اصل مقصود معاملے کا قابل اعتبار رکھنا اور انصاف ہے۔ اور جس عمل کے بغیر مشروع کام پر عمل نہ کیا جاسکے، وہ عمل بھی مشروع ہوتا ہے۔ (۲۵) کتابت سیکھنا فرض کفایہ ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرض وغیرہ کے معاملات لکھنے کا حکم دیا ہے۔ اور یہ کام کتابت سیکھے بغیر نہیں ہو سکتا۔ (۲۶) لین دین کے معاہدوں پر گواہ بنانا مشروع ہے۔ اور یہ مشروعیت مندوب کے درجے میں ہے۔ کیونکہ اس حکم کا مقصد حقوق کی حفاظت کا طریقہ بتانا ہے۔ اور اس میں آخر کار مکلف افراد ہی کا فائدہ ہے۔ ہاں اگر تصرف کرنے والا یتیم کا سرپرست ہو یا کسی وقف کا نگران ہو یا اسی قسم کا کوئی معاملہ ہو جس کی حفاظت واجب ہو۔ تب حق کو محفوظ رکھنے والی یہ گواہی واجب ہو جائے گی۔ (۲۷) مالی معاملات میں گواہوں کی کم از کم مطلوب تعداد یہ ہے کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں ہوں۔ اور حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ایک گواہ کی موجودگی میں مدعی کی ایک قسم سے بھی فیصلہ ہو سکتا ہے۔ (۲۸) بچوں کی گواہی معتبر نہیں۔ کیونکہ (درجہ) ”مرد“ کے لفظ سے یہی ظاہر ہوتا ہے۔ (۲۹) مال وغیرہ کے معاملات میں صرف عورتوں کی گواہی قبول نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مرد کے ساتھ ہی گواہ کے طور پر قبول کیا ہے۔ البتہ کوئی کہہ سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو عورتوں کو ایک مرد کے قائم مقام اس حکمت کی وجہ سے قرار دیا ہے جو آیت میں مذکور ہے۔ اور یہ حکمت مرد کی موجودگی اور غیر موجودگی دونوں صورتوں میں موجود ہے۔ واللہ اعلم۔ (۳۰) بالغ غلام کی گواہی بھی بالغ آزاد لوگوں کی طرح مقبول ہے کیونکہ اللہ کے اس فرمان میں عموم ہے: ﴿وَاسْتَشْهِدُوا شَهِيدَيْنِ مِنْ رِجَالِكُمْ﴾ ”اور اپنے مردوں میں سے دو مرد گواہ رکھ لو۔“ اور بالغ غلام ”ہمارے مردوں“ میں شامل ہے۔ (۳۱) غیر مسلم مرد ہوں یا عورتیں ان کی گواہی قبول نہیں۔ کیونکہ وہ ہم میں شامل نہیں۔ علاوہ ازیں گواہی کا دار و مدار ”عدل“ (نیک قابل اعتماد) ہونے پر ہے۔ اور غیر مسلم ”عدل“ نہیں۔ (۳۲) اس سے مرد کا عورت سے افضل ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اور ایک مرد کو دو عورتوں کے مقابلے میں رکھا گیا ہے کیونکہ مرد کا حافظہ مضبوط ہوتا ہے، عورت کا کمزور۔ (۳۳) جو شخص گواہی بھول جائے اور اسے یاد دلانے پر یاد آ جائے، تو اس کی گواہی قبول ہے کیونکہ ارشاد ہے: ﴿فَتَذَكَّرْهُمْنَا الْاٰخِرٰی﴾

”ایک کی بھول چوک کو دوسری یاد دلا دے“ (۳۴) اس سے یہ مسئلہ بھی نکلتا ہے کہ جب گواہ کو واجب حقوق سے تعلق رکھنے والی گواہی بھول جانے کا خطرہ ہو تو اس پر واجب ہے کہ اسے لکھ لے۔ کیونکہ جس عمل کے بغیر واجب ادا نہ ہو سکے وہ بھی واجب ہوتا ہے۔ (۳۵) جب گواہ کو گواہی دینے کے لیے بلایا جائے تو اگر اسے کوئی عذر لاحق نہ ہو تو اسے گواہی دینا واجب ہے۔ اس سے انکار کرنا ناجائز ہے۔ کیونکہ ارشاد ہے: ﴿وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَاءُ إِذَا مَا دُعُوا﴾ ”اور گواہوں کو چاہیے کہ وہ جب بلائے جائیں تو انکار نہ کریں۔“ (۳۶) جس شخص میں ایسی صفات موجود نہ ہوں جن کی بنیاد پر گواہی قبول کی جاتی ہے، تو اس پر گواہی کے لیے حاضر ہونا واجب نہیں، کیونکہ اس میں کوئی فائدہ نہیں اور وہ گواہوں میں شامل بھی نہیں۔ (۳۷) قرض چھوٹے ہوں یا بڑے سب لکھنے چاہئیں۔ مدت اور شروط و قیود لکھنا بھی ضروری ہیں۔ اس سے اکتاہٹ کا اظہار کرنا ممنوع ہے۔ (۳۸) آیت معاملات میں تحریر اور گواہی کی حکمت بیان کرتی ہے۔ ارشاد ہے: ﴿ذَلِكُمْ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنَىٰ أَلَّا تَرْتَابُوا﴾ ”اللہ کے نزدیک یہ بات زیادہ انصاف والی ہے اور گواہی کو درست رکھنے والی اور شک و شبہ سے زیادہ بچانے والی ہے، یعنی اس میں انصاف پایا جاتا ہے جس سے بندوں کے اور سب کے معاملات درست رہتے ہیں اور تحریری شہادت زیادہ پختہ زیادہ کامل، شک و شبہ سے زیادہ دور رکھنے والی اور جھگڑے سے بچانے والی ہے۔ (۳۹) اس سے یہ بھی مسئلہ نکلتا ہے کہ جسے گواہی میں شک ہو جائے اسے گواہی دینے سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اس کے لیے یقین ضروری ہے۔ (۴۰) اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے ﴿إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتَبُوهَا﴾ اگر تجارت دست بدست اور نقد ہو تو نہ لکھنے کی اجازت ہے۔ کیونکہ اس میں تحریر کی ضرورت اتنی شدید نہیں۔ (۴۱) نقد لین دین میں تحریر نہ کرنا تو جائز ہے۔ تاہم اس میں گواہ بنانا مشروع ہے کیونکہ فرمایا: ﴿وَأَشْهُدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ﴾ ”خرید و فروخت کے وقت گواہ مقرر کر لیا کرو۔“ (۴۲) کا تب کو تنگ کرنا منع ہے۔ مثلاً اسے اس وقت طلب کیا جائے جب وہ کسی اور کام میں مشغول ہو یا جس وقت اسے حاضر ہونے میں مشقت ہو۔ (۴۳) گواہ کو بھی تنگ کرنا منع ہے مثلاً اسے اس وقت گواہ بننے کے لیے یا گواہی دینے کے لیے بلایا جائے جب وہ بیمار ہو یا ایسے کام میں مشغول ہو جسے چھوڑ کر آنے میں پریشانی اور مشقت ہو۔ یہ اس صورت میں ہے جب ﴿وَلَا يُضَادُّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ﴾ ”نہ لکھنے والے کو نقصان پہنچایا جائے نہ گواہ کو“ میں لفظ (بضار) کو مجہول قرار دیا جائے۔ اور اگر اسے فعل معروف سمجھا جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ گواہ اور کا تب کے لیے صاحب حق کو تنگ کرنے کے لیے گواہی یا کتابت سے انکار کرنا یا بہت زیادہ اجرت طلب کرنا منع ہے اس صورت میں انہیں فائدہ نمبر ۳۴ اور نمبر ۳۵ شمار کیا جاسکتا ہے۔ (۴۶) ان حرام کاموں کا ارتکاب فسق ہے کیونکہ ارشاد ہے: ﴿وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ﴾ ”اگر تم یہ کرو تو یہ تمہاری کھلی نافرمانی ہے۔“ (۴۷) فسق ایمان، نفاق، عداوت، محبت وغیرہ

جیسے اوصاف کسی بھی انسان میں کم یا زیادہ مقدار میں ہو سکتے ہیں۔ ممکن ہے کہ ایک آدمی میں فسق وغیرہ کا مادہ موجود ہو اور اسی طرح ایمان یا کفر کا مادہ موجود ہو۔ کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے: ﴿فَاِنَّهُ فُسُوْقٌ بِكُمْ﴾ ”یہ تمہارے اندر نافرمانی ہے“ یہ نہیں فرمایا: ﴿فَاَنْتُمْ فَاَسِیْفُوْنَ﴾ ”تم فاسق ہو“ (۴۸) یہ نکتہ پہلے بیان ہونا چاہیے تھا کیونکہ وہاں اس کی مناسبت جگہ تھی۔ وہ یہ ہے کہ گواہ عادل (نیک اور قابل اعتماد) ہونا چاہیے کیونکہ ارشاد ہے: ﴿مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاءِ﴾ ”جنہیں تم گواہوں میں سے پسند کرو۔“ (۴۹) عدالت (قابل اعتماد ہونا) اس میں ہر زمانے اور ہر مقام کا عرف معتبر ہے۔ جو شخص لوگوں کے نزدیک قابل اعتبار ہو اس کی گواہی قبول کی جائے گی۔ (۵۰) اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کا عادل یا فاسق ہونا معلوم نہ ہو۔ اس کی گواہی بھی قبول نہیں، حتیٰ کہ اس کے نیک ہونے کی تصدیق ہو جائے۔ موجود حالات میں ناقص سمجھ کے مطابق یہ مسائل اخذ کیے گئے ہیں۔ اللہ کے کلام میں اور بہت سی حکمتیں اور اسرار ہیں۔ اللہ جسے چاہتا ہے ان کی سمجھ عطا فرمادیتا ہے۔

وَ اِنْ كُنْتُمْ عَلٰی سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهْنُمْ مَّقْبُوْصَةً ۗ فَاِنْ اَمِنَ
اور اگر ہو تم سفر میں اور نہ پاؤ تم کوئی کاتب تو رہن (کے طور پر) قبضے میں دیدی جائے (کوئی چیز) پس اگر امین سمجھے
بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُوَدِّ الَّذِي اَوْثِنَ اٰمَانَتَهُ وَّلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهُ ۗ وَا
بعض تمہارا بعض کو تو چاہیے کہ ادا کر دے وہ شخص کہ جس کو امین سمجھا گیا ہے امانت انکی اور چاہیے کہ ڈرے وہ اللہ سے اپنے رب سے اور نہ
تَكْتُمُوْا الشُّهَادَةَ ۗ وَّمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اِثْمٌ قَلْبُهُ ۗ
چھپاؤ تم گواہی کو اور جو شخص چھپائے گا اس (گواہی) کو تو بلاشبہ وہ شخص گناہ گار ہے دل اس کا
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ۝۷۰

○ اور اللہ ان کو جو تم عمل کرتے ہو خوب جاننے والا ہے ○

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر تم سفر میں ہو ﴿وَلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا﴾ ”اور تمہیں کاتب نہ ملے“ جو تمہارے لیے تحریر لکھ دے جس سے بات سچی اور قابل اعتماد ہو جائے ﴿فَرِهْنُمْ مَّقْبُوْصَةً﴾ ”تو رہن قبضہ میں رکھ لیا کرو۔“ صاحب حق (قرض خواہ) اسے قبضہ میں رکھے اور یہ اس کے اطمینان کا باعث (اور ضمانت کے طور پر) رہے حتیٰ کہ اس کا حق (قرض) اسے واپس مل جائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر رہن (گروی رکھی ہوئی چیز) پر قرض خواہ کا قبضہ نہ ہو تو اس سے ضمانت نہیں بنتی۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ اگر رہن (رہن والی چیز کا مالک) اور مرتہن (رہن رکھ کر قرض دینے والا) رہن شدہ چیز کی مقدار میں اختلاف کریں تو مرتہن کا قول قبول کیا جائے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرض خواہ کے اعتبار کے لیے رہن کو تحریر کا قائم مقام بنا دیا ہے۔ اگر رہن شدہ چیز کی قیمت کے بارے میں مرتہن کی بات نہ مانی جائے تو رہن کا مقصود (اعتماد اور اطمینان) حاصل نہیں ہوگا۔ کیونکہ رہن

کا مقصد اعتماد و اعتبار ہے۔ اس لیے یہ سفر اور حضر (دونوں صورتوں) میں جائز ہے۔ آیت میں سفر کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ اس کی ضرورت سفر میں زیادہ پیش آ سکتی ہے کیونکہ سفر میں ہو سکتا ہے کہ تب میسر نہ ہو۔ یہ حکم تب ہے کہ جب صاحب حق (قرض خواہ) اپنے حق (قرض) کے بارے میں تسلی کرنا چاہتا ہے۔ اگر صاحب حق کو مقروض سے کوئی خطرہ نہ ہو اور وہ بغیر رہن کے معاملہ کرنا چاہے تو مقروض کو چاہیے کہ قرض پورا پورا ادا کرے۔ نہ ظلم کرے نہ اس کی حق تلفی کرے ﴿وَلْيَسِقِ اللّٰهُ رَبَّهٗ﴾ ”اور اللہ سے ڈرتا رہے جو اس کا رب ہے۔“ حق ادا کرے۔ اور جس نے اس کے بارے میں حسن ظن رکھا اس کی نیکی کا اچھا بدلہ دے۔ ﴿وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ﴾ ”اور گواہی کو مت چھپاؤ۔“ کیونکہ حق کا دار و مدار گواہی پر ہے۔ اس کے بغیر حق ثابت نہیں ہوتا۔ لہذا اسے چھپانا عظیم ترین گناہ ہے۔ کیونکہ اس نے سچی بات بتانے کا فریضہ ترک کر کے جھوٹ بولا۔ جس کے نتیجے میں حق والے کا حق مارا گیا۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَاِنَّهٗ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ﴾ ”اور جو کوئی اسے چھپائے وہ گناہ گار دل والا ہے۔ اور جو تم کرتے ہو اللہ اسے خوب جانتا ہے۔“ اللہ نے اپنے بندوں کو یہ جو عمدہ مسائل بتائے ہیں ان میں بہت سی حکمتیں اور عام فوائد موجود ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر بندے اللہ کی ہدایات پر عمل کریں تو ان کا دین درست ہونے کے ساتھ ساتھ دنیا بھی سنور جائے۔ کیونکہ ان میں انصاف، فائدہ، حقوق کی حفاظت اور لڑائی جھگڑے کا خاتمہ اور معاشی معاملات کی درستی پائی جاتی ہے۔ اللہ کا شکر ہے جیسے اس کے چہرہ اقدس کے جلال اور عظیم سلطنت کے لائق ہے۔ ہم اس کی کما حقہ تعریف کرنے سے قاصر ہیں۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِؕ وَاِنْ تُبَدُّوْا مَا فِيْ اَنْفُسِكُمْ

اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اگر ظاہر کرو تم اس کو جو تمہارے دلوں میں ہے

اَوْ تَخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهٖ اللّٰهُؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ

یا چھپاؤ تم اس کو حساب لے گا تم سے اس کا اللہ پھر بخش دے گا وہ جس کو چاہے گا اور عذاب دے گا

مَنْ يَّشَآءُؕ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

جس کو چاہے گا، اور اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے ○

اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ سب کو اسی نے پیدا کیا، رزق دیا، ان کے دینی اور دنیوی فوائد کا بندوبست فرمایا۔ چنانچہ وہ سب اس کی ملکیت اور اس کے غلام ہیں۔ وہ اپنی ذات کے لیے نفع کا اختیار رکھتے ہیں نہ نقصان کا، نہ موت کا نہ حیات کا، نہ مگر جینے کا۔ وہ ان کا رب ہے، ان کا مالک ہے، جو اپنی حکمت، عدل اور احسان کے مطابق ان میں جیسے چاہتا ہے تصرف کرتا ہے۔ اس نے انہیں کچھ کاموں کا حکم دیا ہے، کچھ کاموں سے منع فرمایا۔ لہذا وہ ان سے ان کے ظاہر اور پوشیدہ اعمال کا حساب لے گا۔ ﴿فَيَغْفِرُ لِمَنْ

يَسْأَلُ ﴿ پھر جسے چاہے گا بخشے گا۔ یعنی جس کے پاس مغفرت کے اسباب موجود ہوں گے۔ ﴿وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ﴾ ”اور جسے چاہے گا سزا دے گا۔“ اسے ان گناہوں کی سزا ملے گی جن کی معافی کے اسباب حاصل نہیں ہوئے۔ ﴿وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ”اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ کوئی چیز اس کے بس سے باہر نہیں۔ بلکہ تمام مخلوقات اس کے غلبہ، مشیت، تقدیر اور جزا و سزا کے قوانین کے ماتحت ہیں۔

أَمِنَ الرَّسُولُ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِنْ رَبِّهِ وَالْمُؤْمِنُونَ كُلٌّ آمِنَ بِاللَّهِ

ایمان لائے رسول (ﷺ) ساتھ اس (کتاب) کے جو نازل کی گئی اگلی طرف تکذب کی طرف سے اور سارے مومن بھی سب ایمان لائے ساتھ اللہ کے

وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهِ

اور اس کے فرشتوں کے اور اسکی کتابوں کے اور اس کے رسولوں کے (کہتے ہیں) ہم نہیں تفریق کرتے درمیان کسی کے، اس کے رسولوں میں سے

وَقَالُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ﴿۹۰﴾

اور کہا انہوں نے سنا ہم نے اور اطاعت کی ہم نے (ہم طلب کرتے ہیں) تیری مغفرت اے ہمارے رب! اور تیری ہی طرف ہے لوٹنا

اللہ تعالیٰ رسولوں اور مومنوں کے ایمان، اطاعت اور طلب مغفرت کا ذکر فرماتا ہے کہ وہ لوگ اللہ پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس میں ان تمام صفات کمال و جلال پر ایمان لانا داخل ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں بتائی ہیں اور رسولوں نے بتائی ہیں۔ ان پر اجمالاً اور تفصیلاً ایمان رکھنا اور اللہ کی ذات کو تشبیہ و تمثیل، تعطیل اور تمام صفات نقص سے پاک ماننا بھی شامل ہے۔ شریعتوں میں جن فرشتوں کا ذکر کیا گیا ہے ان سب پر اجمالاً اور تفصیلاً ایمان رکھنا رسولوں کی بتائی ہوئی اور ان پر نازل ہونے والی کتابوں میں موجود تمام خبروں اور احکامات پر ایمان رکھنا بھی شامل ہے۔ مومن رسولوں میں تفریق نہیں کرتے بلکہ تمام انبیاء و رسل پر ایمان رکھتے ہیں کیونکہ وہ اللہ اور بندوں کے درمیان واسطہ ہیں (جن کے ذریعے ہمیں اللہ کے اوامر و نواہی کا علم ہوتا ہے) لہذا کسی نبی کا انکار کرنا تمام نبیوں کا انکار کرنے کے مترادف ہے۔ ﴿وَقَالُوا

سَمِعْنَا﴾ ”انہوں نے کہہ دیا کہ ہم نے سنا۔“ یعنی اے اللہ تو نے ہمیں جن کاموں کا حکم دیا ہے اور جن سے منع

کیا ہے ہم نے انہیں توجہ سے سن لیا ہے ﴿وَأَطَعْنَا﴾ ”اور ہم نے اطاعت کی“ یہ تمام احکام تسلیم کر لیے۔ ان

لوگوں میں شامل نہیں ہوئے جنہوں نے کہا تھا: ﴿سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا﴾ (البقرہ: ۹۳/۲) ”ہم نے سنا اور ہم نے

نافرمانی کی۔“ کیونکہ بندے سے اللہ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی ہو ہی جاتی ہے لہذا اسے ہمیشہ اس کی مغفرت

کی ضرورت رہتی ہے۔ اس لیے وہ کہتے ہیں ﴿غُفْرَانَكَ﴾ ”تیری بخشش“ یعنی ہم سے جو کوتاہی اور گناہ ہوئے

ہیں ہم تجھ سے ان کی بخشش طلب کرتے ہیں۔ اور ہم جن عیوب میں ملوث ہوئے ہیں ان گناہوں کو مٹا دینے کی

درخواست کرتے ہیں۔ ﴿وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ﴾ ”اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔“ یعنی تمام مخلوقات واپس

تیرے پاس ہی پہنچیں گی۔ پھر تو ان کے اچھے اور برے اعمال کا بدلہ دے گا۔

لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ
نہیں تکلیف دیتا اللہ کسی نفس کو مگر اسکی وسعت کے مطابق ہی واسطے ہی کے ہے جو کمائی اس نے (بھلائی) اور اسی پر ہے وبال جو کمائی اس نے (برائی)
رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا إَصْرًا كَمَا
اے ہمارے رب! نہ مواخذہ کرنا ہمارا اگر ہم بھول جائیں یا ہم چوک جائیں اے ہمارے رب! نہ ڈالو ہم پر ایسا بھاری بوجھ جیسا کہ
حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ
ڈالتھا تو نے وہ اوپر ان لوگوں کے جو ہم سے پہلے تھے اے ہمارے رب! اور نہ اٹھوا ہم سے وہ بوجھ کہ نہیں طاقت ہمیں اس (کے اٹھانے) کی

وَاعْفُ عَنَّا وَاقْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا إِنَّتَ مَوْلَانَا

اور درگزر فرما ہم سے اور بخش دے ہمیں اور رحم فرما ہم پر تو ہی کارساز ہے ہمارا

فَأَنْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴿۸۰﴾

پس تو مدد فرما ہماری اوپر کافر قوم کے ○

جب یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَإِنْ تُبَدُّوْا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفَوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ﴾ تمہارے دلوں میں جو کچھ ہے۔ تم اسے ظاہر کرو یا چھپاؤ۔ اللہ اس کا حساب تم سے لے گا، تو مسلمان بہت پریشان ہوئے کیونکہ انہوں نے یہ سمجھا کہ دل میں جس قسم کے خیالات ہوں خواہ وہ پختہ یقین کی صورت میں ہوں یا عارضی خیالات دل میں جاگزین ہوں یا آکر گزر جانے والے سب کا مواخذہ ہوگا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی طاقت سے زیادہ کام کا مکلف نہیں فرماتا۔ ان کاموں کا حکم دیتا ہے جو وہ کر سکتا ہو۔ ان کا حکم نہیں دیتا جو اس کی طاقت سے بڑھ کر ہوں۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿وَمَا جَعَلْ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج: ۷۸/۲۲) ”اس نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں رکھی“ اور انہوں نے بنیادی طور پر ایسے نہیں جو انسانوں کے لیے انتہائی دشوار ہوں۔ بلکہ یہ تو روح کی غذا بدن کی دوا اور نقصان سے بچاؤ کا ذریعہ ہیں۔ اللہ نے بندوں کو جن کاموں کا حکم دیا ہے وہ رحمت اور احسان کی بنا پر دیا ہے۔ اس کے باوجود جب کوئی عذر پیش آجائے جس سے مشقت کا اندیشہ ہو تو اللہ تعالیٰ تخفیف اور آسانی فرمادیتا ہے۔ کبھی تو اس عمل کو مکلف کے ذمہ سے مکمل طور پر ساقط فرمادیتا ہے۔ کبھی اس کا کچھ حصہ معاف کر دیتا ہے۔ جیسے بیمار اور مسافر کے لیے بعض احکام میں تخفیف کر دی گئی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا کہ ہر کسی کو وہی نیکی ملے گی جو اس نے کمائی اور اس کے ذمے وہی گناہ لکھا جائے گا جس کا اس نے ارتکاب کیا۔ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور کسی کی وجہ سے دوسرے کی نیکیاں ضائع نہیں ہوں گی۔ نیکی میں (کَسَبَتْ) کا لفظ فرمایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کو نیکی معمولی سی کوشش سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ بلکہ بعض اوقات صرف نیت کی وجہ سے ہی ثواب مل جاتا ہے۔ جبکہ گناہ کے

لیے (اِکْتَسَبْتُ) کا لفظ فرمایا گیا ہے جس میں یہ ارشاد ہے کہ انسان کے ذمے گناہ اس وقت تک نہیں لکھا جاتا جب تک وہ اس کا ارتکاب نہ کر لے اور اس کی کوشش نہ کی جائے۔ جب اللہ نے رسول اور مومنوں کے ایمان کا ذکر فرمایا اور بتایا کہ انسان سے کوتاہی، غلطی اور بھول چوک کا صدور ممکن ہے اور یہ بتایا کہ اس نے ہمیں صرف ایسے اعمال کا حکم دیا ہے جس کو انجام دینے کی طاقت ہم میں موجود ہے، تو اس کے بعد بتایا کہ مومن بھی یہ دعا کرتے ہیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول کر کے فرمایا: ”میں نے یہ کر دیا۔“ ارشاد ہے:

﴿رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا إِنْ نَسِينَا أَوْ أَخْطَأْنَا﴾ ”اے ہمارے رب! اگر ہم بھول گئے ہوں یا خطا کی ہو تو ہمیں نہ پکڑنا“ بھول اور غلطی میں فرق یہ ہے کہ نسیان (بھول) کا مطلب ہوتا ہے مامور کام کا دل سے فراموش ہو جانا اور بھول جانے کی وجہ سے اس عمل کا چھوٹ جانا۔ خطا (غلطی) یہ ہوتی ہے کہ انسان ایک جائز کام کا ارادہ کرے لیکن اس سے کام اس انداز سے واقع ہو جائے جو جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس امت پر رحمت اور احسان فرماتے ہوئے اس سے واقع ہونے والے یہ دونوں طرح کے کام معاف فرمادیے۔ اس اصول کی روشنی میں کہا جاتا ہے کہ جو شخص چھینے ہوئے یا ناپاک کپڑے پہن کر نماز پڑھے۔ بدن پر سے نجاست دور کرنا بھول گیا ہو یا نماز کے دوران بھول کر کسی سے بات کر لے۔ یا روزے کے دوران بھول کر کچھ کھائے یا احرام کے دوران بھول کر کوئی ممنوع کام کر لے بشرطیکہ اس میں کسی جان دار کی ہلاکت شامل نہ ہو۔ تو اس کی یہ غلطیاں معاف ہیں۔ اسی طرح اگر ایک کام نہ کرنے کی قسم کھا رکھی ہو پھر بھول کر وہ کام کر لے۔ اس طرح اگر غلطی سے کسی کی جان یا مال کا نقصان کر بیٹھے تو اس کو گناہ نہیں ہوگا۔ نقصان پورا کرنے کے لیے ادائیگی کرنے کا تعلق نقصان کرنے سے ہے (ارادہ یا بھول وغیرہ سے نہیں) اس طرح جن موقعوں پر (بسم اللہ) پڑھنا واجب ہے۔ اگر وہاں (بسم اللہ) پڑھنا بھول جائے تو کام درست سمجھا جائے گا۔ ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَا اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهُ عَلَى الَّذِينَ مِنْ قَبْلِنَا﴾ ”اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالا تھا“ اس سے مشکل احکام مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ درخواست قبول فرمائی اور اس امت پر طہارت اور عبادت کے مسائل میں ایسی نرمی فرمادی جو کسی اور امت پر نہیں فرمائی تھی۔ ﴿رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهِ﴾ ”اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو“ اللہ نے یہ درخواست بھی قبول فرمائی۔ ولہ الحمد ﴿وَاعْفُ عَنَّا وَاعْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا﴾ ”اور ہم سے درگزر فرما، ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم کر“ معافی اور بخشش کے نتیجے میں مصائب اور شر دور ہوتے ہیں۔ اور رحمت کے نتیجے میں معاملات درست ہوتے ہیں۔ ﴿اَنْتَ مَوْلَانَا﴾ ”تو ہمارا مولیٰ ہے“ یعنی ہمارا رب ہمارا بادشاہ اور ہمارا معبود ہے۔ جب سے تو نے ہمیں پیدا فرمایا تیری مدد اور توفیق ہمیں حاصل رہی ہے۔ تیری نعمتیں ہر وقت مسلسل ہمیں مل رہی ہیں۔ پھر تو نے ہم پر ایک عظیم احسان کیا کہ اسلام کی نعمت عطا فرمادی۔ باقی

سب نعمتیں اس کے تابع ہیں۔ اس لیے اے ہمارے مالک اور ہمارے مولیٰ ہم تجھ سے اس نعمت کی تکمیل کا سوال کرتے ہیں کہ ان کافروں کے خلاف ہماری مدد فرما جنہوں نے تیرے ساتھ کفر کیا، تیرے نبیوں کا انکار کیا، تیرا دین ماننے والوں سے مقابلہ کیا، تیرے احکامات کو پس پشت ڈالا۔ لہذا دلیل و برہان اور شمشیر و سنان کے ساتھ ہماری مدد فرما۔ ہمیں زمین میں شوکت عطا فرما۔ ان کو ذلیل کر دے۔ ہمیں ایسا ایمان اور ایسے اعمال نصیب فرما، جن کی برکت سے فتح حاصل ہوتی ہے۔ آمین والحمد لله رب العالمین۔

تَفْسِيْرُ سُورَةِ الْعَمْرُن

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ
 اللہ کے نام سے (شرح) جو نہایت مہربان بہت مہربان ہے

۲۰۰ آیتیں
 ۲۰۰ آیتیں

سُورَةُ الْعَمْرُن
 (۳۱) مَدَنِيَّةٌ

اَلَمْ ۙ اَللّٰهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۙ نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ ۙ اَلْمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ ۙ وَاَنْزَلَ التَّوْرَةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۙ مِنْ قَبْلُ ۙ تَصَدِيقًا لِّمَا هُوَ الْوَالِي ۙ هُوَ الَّذِي اَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ۙ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِآيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ۙ وَاَللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُوْا نِقْمٍ ۙ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ ۙ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ۙ هُوَ الَّذِيْ يُصَوِّرُكُمْ فِي الْاَرْحَامِ كَيْفَ يَشَآءُ ۙ زَمِيْنٍ مِّنْ اَرْضٍ وَلَا سَمَآءٍ مِّنْ سَمَآءٍ ۙ وَهُوَ الَّذِيْ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ۙ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۙ

نہیں کوئی معبود مگر وہی غالب ہے، خوب حکمت والا ○

اس سورت کی شروع کی اسی (۸۰) سے زیادہ آیات عیسائیوں سے مباحثہ ان کے مذہب کی تردید اور انہیں سچے دین یعنی اسلام کو قبول کرنے کی دعوت پر مشتمل ہیں۔ جس طرح سورہ بقرہ کی ابتدائی آیات یہود سے مناظرہ پر مشتمل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے یہ سورت اپنی الوہیت کے اعلان سے شروع کی ہے۔ اس نے بتایا ہے کہ وہی ایسا معبود ہے جس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ عبادت صرف اسی کی اور اسی کے لیے ہونی چاہیے۔ لہذا اس کے سوا جس معبود

کی بھی پوجا کی جاتی ہے وہ باطل ہے۔ اللہ ہی سچا معبود ہے جو الوہیت کی تمام صفات سے موصوف ہے جن سب کا تعلق حیات اور قیومیت کی صفات سے ہے۔ ﴿النَّحْيُ﴾ سے مراد یہ ہے کہ اسے عظیم ترین اور کامل ترین حیات کی صفات حاصل ہیں جو ان تمام صفات کو مستلزم ہیں جن کے بغیر صفات حیات کی تکمیل نہیں ہوتی۔ مثلاً سمع، بصر، قدرت، قوت، عظمت، بقا، دوام اور غلبہ ﴿الْقَيُّومُ﴾ کا مطلب یہ ہے کہ وہ خود بخود قائم ہے لہذا تمام مخلوقات سے بے پروا ہے۔ اور وہ سب کو قائم رکھنے والا ہے اس لیے تمام مخلوقات وجود میں آنے تیار ہونے اور ترقی کرنے میں اس کی محتاج ہیں۔ وہی تمام مخلوقات کا مدبر اور ان میں تصرف کرنے والا ہے۔ جسوں، روحوں اور دلوں کے تمام معاملات اسی کے ہاتھ میں ہیں۔ اس کی قیومیت اور رحمت کی بنا پر اس نے اپنے رسول محمد ﷺ پر وہ کتاب نازل کی جو سب سے عظیم کتاب ہے جس کی خبریں اور احکام سب حق ہیں۔ اس نے جو خبریں دی ہیں وہ سچی ہیں۔ جو اس نے حکم دیے ہیں وہ انصاف پر مبنی ہیں۔ اس نے حق کے ساتھ یہ کتاب اس لیے نازل کی ہے تاکہ بندے اس کتاب کا علم حاصل کریں اور اپنے رب کی عبادت کریں۔ ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ جو اپنے سے پہلے کی تصدیق کرنے والی ہے، یعنی گزشتہ کتابوں کی تائید کرتی ہے جس مسئلہ کے حق میں قرآن فیصلہ دے وہی مقبول ہے اور جس کی یہ تردید کرے وہی ناقابل قبول ہے۔ یہ ان تمام مسائل کے مطابق ہے جن پر تمام رسولوں کا اتفاق ہے۔ ان سے اس کا سچا ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اہل کتاب جب تک قرآن پر ایمان نہ رکھیں تب تک اپنی کتابوں کو سچا نہیں مان سکتے۔ کیونکہ قرآن کا انکار ان کتابوں پر ایمان کو کالعدم کر دیتا ہے۔ ﴿وَ أَنْزَلَ السُّورَةَ﴾ اس نے (موسیٰ علیہ السلام پر) تورات، اور عیسیٰ علیہ السلام پر ﴿وَالْإِنْجِيلَ﴾ انجیل کو اتارا تھا، ﴿مِنْ قَبْلُ﴾ اس قرآن کو نازل کرنے سے پہلے۔ ﴿هُدًى لِّلنَّاسِ﴾ لوگوں کو ہدایت کرنے والی بنا کر، ہدایت کی صفت ان تمام کے لیے ہے یعنی اللہ نے قرآن، تورات اور انجیل کو لوگوں کو گمراہی سے بچانے کے لیے رہنما بنا کر نازل کیا تھا۔ جس نے اللہ کی یہ ہدایت قبول کر لی وہ ہدایت یافتہ ہوا۔ اور جس نے قبول نہ کیا وہ گمراہ رہا۔ ﴿وَ أَنْزَلَ الْفُرْقَانَ﴾ اور اس نے فرقان کو نازل کیا۔ یعنی دلائل و براہین قاطعہ جن سے تمام مقاصد و مطالب پایہ ثبوت کو پہنچ جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس نے مخلوق کی ضرورت کے مطابق تفصیل و تفسیر بیان کی ہے۔ جس سے احکام و مسائل نہایت واضح ہو گئے ہیں۔ لہذا کسی کے لیے کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ اور اس پر ایمان نہ لانے والے کسی شخص کے پاس کوئی حجت و دلیل باقی نہیں رہی۔ اس لیے فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ﴾ جو لوگ اللہ کی آیتوں سے کفر کرتے ہیں، حالانکہ اللہ نے انہیں خوب واضح فرمادیا اور تمام شہادت کو دو فرمادیا ہے۔ ﴿لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيدٌ﴾ ان کے لیے سخت عذاب ہے۔ جس کی شدت کا اندازہ کرنا ممکن نہیں، اور جس کی حقیقت و کیفیت معلوم نہیں ہو سکتی۔ ﴿وَ اللَّهُ عَزِيزٌ﴾ اللہ غالب ہے، اس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔ اور ﴿ذُو الْقَبْآءِ﴾ جو اس کی نافرمانی کرے اس

”بدلہ لینے والا ہے“ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَخْفٰى عَلَيْهِ شَيْءٌ فِى الْاَرْضِ وَلَا فِى السَّمٰوٰتِ ﴾ ”یقیناً اللہ پر زمین و آسمان کی کوئی چیز پوشیدہ نہیں“ یعنی اس کا علم تمام معلومات کو محیط ہے۔ خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔ مثلاً ماؤں کے پیٹوں میں جو بچے ہیں انہیں مخلوق کی نظریں نہیں دیکھ سکتیں نہ لوگ ان کے بارے میں جان سکتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ بڑی باریک بینی سے انہیں سنبھالتا ہے اور ان سے متعلق ہر چیز کا صحیح اندازہ مقرر کرتا ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿ هُوَ الَّذِیْ یُصَوِّرْکُمْ فِی الْاَرْحَامِ کَیْفَ یَشَآءُ ﴾ ”وہ ماں کے پیٹ میں تمہاری صورتیں جس طرح چاہتا ہے بناتا ہے۔“ یعنی کامل جسم والے یا ناقص الخلقیت، خوبصورت یا بدصورت، مذکر یا مؤنث۔ ﴿ اَلَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ﴾ ”اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ وہ غالب ہے حکمت والا ہے“ اس سے اللہ تعالیٰ کا معبود ہونا ثابت و متعین ہوتا ہے اور نہ صرف اسی کا معبود ہونا بلکہ اس کے سوا پوجے جانے والوں کی الوہیت کا بطلان بھی ثابت ہوتا ہے۔ اور اس سے نصاریٰ کی تردید بھی ہو جاتی ہے۔ جو حضرت عیسیٰ عَلَیْہِ السَّلَام کو معبود سمجھتے ہیں۔ ان آیات میں اللہ تعالیٰ کی حیات کاملہ اور قیومیت تامہ کا اثبات بھی ہے، جن سے تمام صفات مقدسہ کا اثبات ہوتا ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔ اس سے بڑی بڑی شریعتوں کا ثبوت بھی ملتا ہے اور یہ بیان ہے کہ وہ لوگوں کے لیے ہدایت اور رحمت کا باعث تھیں۔ اور یہ کہ لوگوں کی دو قسمیں ہیں۔ ہدایت یافتہ اور ہدایت سے محروم۔ اور ہدایت قبول نہ کرنے والے کی سزا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے علم کی وسعت اور اس کی مشیت اور حکمت کا واقع ہو کر رہنا ثابت ہوتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْۤ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰیٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاٰخَرُ
وہی ہے جس نے نازل کی آپ پر کتاب اس کی بعض آیتیں محکم (واضح) ہیں وہی ہیں اصل کتاب اور (کچھ) دوسری
مُتَشٰبِهٰتٌ فَاَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوْبِهِمْ زَیْغٌ فِیَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ
تشابہ (غیر واضح) ہیں پس لیکن وہ لوگ کہ ان کے دلوں میں کمی ہے تو وہ پیچھے لگتے ہیں انہی آیتوں کے جو تشابہ ہیں ان میں سے واسطے تلاش کرنے
الْفِتْنَةِ وَاَبْتِغَآءَ تَاْوِیْلِهٖۭ وَمَا یَعْلَمُ تَاْوِیْلَهۭٗ اِلَّا اللّٰهُۥ وَالرَّسِخُوْنَ
فتنہ کے اور واسطے تلاش کرنے اسکی تاویل کے حالانکہ نہیں جانتا انکی تاویل (کوئی بھی) سوائے اللہ کے اور وہ لوگ جو پختہ ہیں
فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِہٖۙ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَاۙ وَمَا یَذَّکَّرُۙ اِلَّا
علم میں وہ کہتے ہیں ہم ایمان لائے ساتھ اس کے (یہ) سب ہمارے رب کی طرف سے ہے اور نہیں نصیحت حاصل کرتے مگر
اُولَآئِ الَّذِیْنَ اَلْبَابُ ۝۵ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَاۙ بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا
عقل مند ہی ۵ اے ہمارے رب! نہ ٹیڑھا کر ہمارے دلوں کو بعد اس کے کہ ہدایت دی تو نے ہمیں اور عطا کرو اسطے ہمارے
مِن لَّدُنْکَ رَحْمَةًۭ ۙ اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝۶ رَبَّنَا اِنَّکَ جَامِعُ النَّاسِ
اپنے پاس سے رحمت بے شک تو ہی ہے بڑا عطا کرنے والا ۵ اے ہمارے رب! یقیناً تو جمع کرنے والا ہے لوگوں کو

لِيَوْمٍ لَا رَيْبَ فِيهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْوَعْدَ ۝

ایک دن کہ نہیں ہے شک اس میں بلاشبہ اللہ نہیں خلاف ورزی کرتا وعدے کی

قرآن مجید سب کا سب محکم (پختہ مضبوط) ہے جیسے اللہ نے فرمایا: ﴿كِتَابٌ أُحْكِمَتْ آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ خَبِيرٍ﴾ (ہود: ۱۱۱) ”یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کی آیتیں محکم ہیں۔ پھر صاف صاف بیان کی گئی ہیں ایک حکیم باخبر کی طرف سے“ لہذا یہ انتہائی مضبوطی، عدل اور احسان پر مشتمل ہیں۔ ﴿وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِقَوْمٍ يُوقِنُونَ﴾ (المائدہ: ۵۰/۱۵) ”یقین رکھنے والے لوگوں کے لیے اللہ سے بہتر فیصلہ کس کا ہو سکتا ہے“ ایک لحاظ سے قرآن سب کا سب متشابہ ہے۔ یعنی یہ حسن و بلاغت کے لحاظ سے ایک دوسرے کی تصدیق کرنے کی بنا پر اور ایک دوسرے سے لفظی اور معنوی مطابقت رکھنے کی وجہ سے ایک دوسرے سے مشابہ ہیں۔ اس آیت میں جس محکم اور متشابہ ہونے کا ذکر کیا گیا ہے۔ تو اللہ کے فرمان کے مطابق ﴿مِنْهُ آيَاتٌ مُّحْكَمَاتٌ﴾ یعنی واضح مفہوم کی حامل آیات ہیں۔ جن میں نہ کوئی شبہ ہے نہ اشکال۔ ﴿هُنَّ أُمُّ الْكِتَابِ﴾ یعنی وہ کتاب کی اصل اور بنیادی تعلیمات ہیں۔ ہر متشابہ کو انہی کی روشنی میں سمجھنا چاہیے۔ قرآن کا اکثر حصہ ایسی ہی محکم آیات پر مشتمل ہے۔ ﴿وَآخِرُ مَتَشَبِهَاتٍ﴾ ”اور دوسری کچھ متشابہ آیتیں ہیں“ یعنی بعض افراد کے ذہنوں میں ان کا مفہوم ملتبس ہو جاتا ہے۔ لیکن ان کی دلالت مجمل ہے یا بعض لوگ سرسری نظر میں وہ مفہوم سمجھ بیٹھتے ہیں جو اصل میں مراد نہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآن مجید کی بعض آیات واضح ہیں جو آسانی سے ہر شخص کی سمجھ میں آ جاتی ہیں۔ یہ بہت زیادہ ہیں۔ ان ہی کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ کچھ آیتیں ہیں جو بعض لوگوں کی سمجھ میں نہیں آتیں۔ اس صورت میں متشابہ کو محکم کی روشنی میں اور خفی کو حلی کی مدد سے سمجھنا ضروری ہے۔ اس طریقے سے آیات ایک دوسری کی تائید کرتی نظر آتی ہیں۔ ان میں کوئی اختلاف اور تعارض معلوم نہیں ہوتا۔ لیکن لوگ دو قسموں میں منقسم ہیں: ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ﴾ ”پس جن کے دلوں میں کجی ہے“ یعنی وہ سیدھے راستے سے ہٹے ہوئے ہیں۔ ان کے ارادے خراب ہیں۔ گمراہی ان کا مقصود بن گئی ہے۔ ان کے دل ہدایت کی راہ سے برگشتہ ہو چکے ہیں۔ ﴿فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ﴾ ”وہ اس کی متشابہ آیتوں کے پیچھے لگ جاتے ہیں“ یعنی محکم اور واضح ارشادات کو چھوڑ کر متشابہ کی طرف چل پڑتے ہیں۔ اور معاملہ کوالٹ طریقے سے لے کر محکم کو متشابہ پر محمول کرتے ہیں۔ ﴿ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ﴾ ”فتنے کی طلب میں“ یعنی ان لوگوں کو فتنے میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں جن کو یہ اپنے قول کی طرف بلاتے ہیں۔ متشابہ میں چونکہ اشتباہ موجود ہوتا ہے اس لیے اس کے ذریعے سے فتنہ اٹھایا جاسکتا ہے۔ ورنہ محکم اور صریح میں فتنے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ کیونکہ جو شخص حق کی پیروی کرنا چاہے اسے محکم میں واضح حق مل جاتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا: ﴿وَابْتِغَاءَ تَأْوِيلِهِ وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيلَهُ إِلَّا اللَّهُ﴾ ”اور ان کی مراد کی جستجو کے لیے۔“

حالانکہ اس کی حقیقی مراد کو کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے“ اس آیت میں علماء کے دو قول ہیں۔ اکثر علمائے کرام لفظ اللہ پر وقف کرتے ہیں۔ (موجودہ ترجمہ اسی قول کے مطابق ہے) اور بعض لوگ ﴿وَالرَّسُوْلُوْنَ فِي الْعِلْمِ﴾ کا عطف بھی اس پر مانتے ہیں۔ (اس صورت میں یہ ترجمہ ہوگا ”حالانکہ اس کی تفسیر کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے اور پختہ علم والوں کے۔“ یعنی پختہ علم والے بھی جانتے ہیں۔) یہ دونوں تشریحات درست ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ اگر تاویل سے مراد کسی شے کی حقیقت اور کنہ جاننا ہو تو (الا اللہ) پر وقف کرنا ہی درست ہوگا۔ کیونکہ جن اشیاء کی حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے پاس رکھا ہے۔ مثلاً اللہ کی صفات کی حقیقت و کیفیت آخرت میں پیش آنے والے اوصاف کی حقیقت وغیرہ۔ ان کو تو اللہ کے سوا واقعی کوئی نہیں جانتا۔ اس کو معلوم کرنے کی کوشش کرنا بھی درست نہیں؛ کیونکہ یہ ایسی چیز کی کوشش ہے جسے جاننا ممکن ہی نہیں۔ امام مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: اس آیت کا کیا مطلب ہے: ﴿الرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰی﴾ (طہ: ۵۱۲) ”رحمان عرش پر مستوی ہے“ سائل نے کہا: ”کس طرح مستوی ہے؟“ امام مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا: (اَلَا سَبَوٰءٌ مَّغْلُوْمٌ وَّ اَلْكَیْفُ مَجْهُوْلٌ وَّ اَلَا یْمٰنٌ بِهٖ وَّ اَجِبْ وَّ السُّوَالُ عَنْهٖ بِذَعَةِ) ”استواء (قائم ہونا) معلوم ہے (یعنی واضح لفظ ہے جس کی تشریح کی ضرورت نہیں) اس کی کیفیت نامعلوم ہے۔ اس پر ایمان لانا واجب ہے۔ اور اس کے بارے میں سوال کرنا بدعت ہے۔“ اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کے بارے میں یہی طرز عمل اختیار کرنا چاہیے کہ اگر کوئی شخص ان کی کیفیت دریافت کرے تو امام مالک رضی اللہ عنہ کی طرح کہہ دیا جائے کہ یہ صفت تو معلوم ہے لیکن اس کی کیفیت نامعلوم ہے۔ تاہم اس پر ایمان لانا واجب ہے اور اس کے بارے میں سوال کرنا (کہ یہ صفت کس طرح ہے) بدعت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ صفات بتائی ہیں۔ ان کی کیفیت بیان نہیں فرمائی۔ لہذا ہمیں اپنی حد تک آ کر رک جانا چاہیے۔ حد سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے۔ مگر لوگ ان متشابہ امور کے بارے میں بے فائدہ بحث کرتے ہیں، اور اس چیز کے حصول کی ناکام کوشش کرتے ہیں جنہیں معلوم کرنے کا کوئی طریقہ موجود نہیں؛ کیونکہ انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پختہ کار اہل علم ان پر ایمان لاتے ہیں، اور ان کی حقیقت اللہ کے سپرد کرتے ہیں۔ اس طرح (فرمان الہی کو) تسلیم کر کے (تکلفات اور غلطیوں سے) محفوظ ہو جاتے ہیں۔

اگر تاویل کا مطلب تفسیر اور وضاحت لیا جائے تو ﴿وَالرَّسُوْلُوْنَ﴾ کا عطف لفظ (اللہ) پر ہوگا۔ (اس صورت میں لفظ (اللہ) پر وقف نہیں ہوگا، بلکہ (العلم) پر وقف ہوگا) اس صورت میں آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ متشابہ کو محکم کی روشنی میں سمجھ کر اس کی تفسیر کرنا اور اس کے شبہات دور کرنا یہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے، اور پختہ علم والے بھی جانتے ہیں چنانچہ وہ اس پر ایمان لاتے ہیں اور اسے محکم کی طرف پھیر دیتے ہیں۔ اور کہتے ہیں ﴿كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ ”یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے“ یعنی محکم اور متشابہ سب اللہ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں۔ اور اس کی طرف سے

آنے والی چیز میں تعارض اور تناقض نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ ایک دوسرے کی تائید اور تصدیق کرتے ہیں۔ اس سے ایک بڑے اصول کا پتہ چلتا ہے وہ یہ کہ چونکہ وہ جانتے ہیں کہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ تو جب انہیں کسی مجمل طور پر ذکر کیے متشابہ میں اشکال پیدا ہوتا ہے۔ تو انہیں معلوم ہوتا ہے کہ اس کا مفہوم بہر حال محکم کے مطابق ہی ہوگا، اگرچہ ہم سمجھ نہ سکے ہوں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام پر ایمان لانے اور تسلیم کرنے کی ترغیب دی ہے اور متشابہ کے پیچھے پڑنے سے منع فرمایا ہے اس لیے فرمایا: ﴿وَمَا يَذَّكَّرُ﴾ یعنی اللہ کی نصیحت سے فیض یاب ہونے والے اس کی نصیحت اور اس کی طرف سے آنے والے علم کو قبول کرنے والے ﴿إِلَّا أُولُو الْأَلْبَابِ﴾ صرف وہ لوگ ہیں جو کامل عقول والے ہیں۔ وہی جو ان کا مغز اور بنی آدم کا خلاصہ (اور بہترین حصہ) ہیں۔ نصیحت ان کی عقول تک پہنچتی ہے تو انہیں اپنے فائدے کی باتیں معلوم ہوتی ہیں۔ اور وہ اس پر عمل کر لیتے ہیں۔ اور انہیں (اس نصیحت کے ذریعے سے) اپنے نقصان کی باتیں معلوم ہو جاتی ہیں۔ اور وہ ان سے بچ جاتے ہیں۔ دوسرے لوگوں کی سمجھ مغز کے بجائے چھلکے سے مشابہت رکھتی ہے جس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ نہ ان سے کوئی نتیجہ حاصل ہوتا ہے۔ ان لوگوں کو نہ تنبیہ اور زجر تو تو بخیر سے فائدہ حاصل ہوتا ہے نہ سمجھانے سے کیونکہ ان کے پاس وہ عقل ہی نہیں، جس سے انہیں کوئی فائدہ حاصل ہو سکے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے (رَاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ) ”پختہ کار علماء“ کے بارے میں فرمایا ہے کہ وہ دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں: ﴿رَبَّنَا لَا تُفِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا﴾ ”اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر دے“ یعنی ایسا نہ ہو کہ جہالت یا عناد کی وجہ سے ہم حق سے روگردانی کریں۔ بلکہ ہمیں سیدھی راہ پر چلنے والے ہدایت دینے والے اور ہدایت پانے والے بنا۔ ہمیں ہدایت پر قائم رکھ اور ہمیں ان (بدا عملیوں) سے محفوظ رکھ، جن میں گمراہ مبتلا ہو چکے ہیں۔ ﴿وَهَبْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ رَحْمَةً﴾ ”اور ہمیں اپنے پاس سے رحمت عطا فرما“ یعنی ہمیں ایسی عظیم رحمت عطا فرما، جس کے ساتھ تو ہمیں نیکیوں کی توفیق اور گناہوں سے ہماری حفاظت فرمائے۔ ﴿إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ ”یقیناً تو ہی بہت بڑی عطا دینے والا ہے“ یعنی تیرے انعامات و عطیات بے حد وسیع اور تیرے احسانات بے شمار ہیں۔ تیری سخاوت سے ہر مخلوق بہرہ ور ہوتی ہے۔ ﴿رَبَّنَا إِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيهِ إِنَّ اللَّهَ لَا يُخْلِفُ الْعِوَادَ﴾ ”اے ہمارے رب! تو یقیناً لوگوں کو ایک دن جمع کرنے والا ہے، جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ یقیناً اللہ وعدہ خلافی نہیں کرتا“۔ لہذا وہ ان کی نیکیوں اور گناہوں کا بدلہ ضرور دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے (رَاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ) کی سات صفات بیان کی ہیں۔ یہ بندے کی خوش بختی کی علامت ہیں۔

(۱) علم: یہ وہ راستہ ہے جو اللہ تک پہنچاتا ہے۔ اس کے احکامات اور قوانین کو واضح کرتا ہے۔ (۲) (رَسُوخٌ

فِي الْعِلْمِ) ”علم میں پختہ ہونا“ یہ صفت محض علم سے بڑھ کر ہے اس لیے کہ راسخ ہونے کا تقاضا یہ ہے کہ وہ آدمی محقق و مدقق عالم ہو۔ جس کو اللہ نے ظاہری علم بھی عطا فرمایا ہو اور باطنی علم بھی۔ شریعت کے اسرار میں اس کا علم بھی پختہ ہوتا ہے، عمل بھی درست ہوتا ہے اور حال بھی کامل ہوتا ہے۔ (۳) وہ پوری کتاب پر ایمان رکھتے ہیں اور متشابہ کو محکم کی روشنی میں سمجھتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا: ﴿يَقُولُونَ اَمَّا بِهٖ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا﴾ ”کہتے ہیں ہم تو اس پر ایمان لاچکے۔ یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے“ (۴) وہ اللہ تعالیٰ سے معافی کے طلب گار ہوتے ہیں۔ اور جن غلطیوں میں گمراہ مبتلا ہو چکے ہیں۔ یہ لوگ ان سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔ (۵) وہ اللہ کا احسان مانتے ہیں کہ اس نے انہیں ہدایت دی۔ کیونکہ کہتے ہیں۔ ﴿رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا﴾ ”اے ہمارے رب! ہمیں ہدایت دینے کے بعد ہمارے دل ٹیڑھے نہ کر دے“ (۶) اس کے ساتھ ساتھ وہ اللہ کی رحمت کا سوال کرتے ہیں۔ جس میں ہر بھلائی کا حصول اور ہر برائی سے بچاؤ شامل ہے۔ اس مقصد کے لیے اللہ کے اسم مبارک (الْوَهَّاب) کا وسیلہ اختیار کرتے ہیں۔ (۷) اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ قیامت کے آنے پر ایمان اور پورا یقین رکھتے ہیں اور اس سے ڈرتے ہیں۔ یہی ایمان عمل کرنے پر آمادہ کرتا اور لغزش سے بچا کر رکھتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ مِّنْ اَللّٰهِ شَيْْئًا ۗ

بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہرگز نہیں کام آئیں گے انکے مال ان کے اور نہ ان کی اولاد اللہ (کے عذاب) سے کچھ بھی

وَ اٰوْلٰٓئِكَ هُمُ وَّقُوْدُ النَّارِ ۙ كَذٰٓبٍ اِلٰٓ فِرْعَوْنَ ۙ وَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۗ

اور یہی لوگ ایندھن ہیں آگ کا ○ مانند عادت آل فرعون کے اور ان لوگوں کے جو ان سے پہلے تھے

كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا ۗ فَآخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۙ قُلْ

جھٹلایا انہوں نے ہماری آیتوں کو پس پکڑ لیا ان کو اللہ نے بہ سبب ان کے گناہوں کے اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے ○ کہہ دیجئے

لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰٓى جَهَنَّمَ ۗ وَ يَسَّ السَّبِيْلُ ۙ

واسطے ان لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا، مغلوب کئے جاؤ گے تم اور کٹھے کئے جاؤ گے جہنم کی طرف اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے ○

قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئْتَيْنِ التَّتَاتِ ۙ فَعَةً تُقَاتِلُ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ

تعمیق ہے تمہارے لیے (عظیم) نشانی ان دو گروہوں میں جو باہم (لڑائی کے لیے) ملے ایک گروہ لڑتا تھا اللہ کی راہ میں

وَ اٰخْرٰى كَافِرَةٌ ۙ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاىَ الْعَيْنُ ۗ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ

اور دوسرا کافر تھا وہ (مسلمان) دیکھتے تھے ان کو اپنے سے دو گنا دیکھنا (ظاہری) آنکھ سے اور اللہ قوت دیتا ہے ساتھ اپنی نصرت کے

مَنْ يَّشَآءُ ۗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِي الْاَبْصَارِ ۙ

○ جس کو چاہتا ہے بلاشبہ اس میں البتہ عبرت ہے واسطے اہل بصیرت کے ○

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ اس کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ کفر کرنے والے اس کے دین اور اس کی کتاب کا انکار کرنے والے اپنے کفر اور گناہوں کی وجہ سے سزا اور سخت عذاب کے مستحق ہیں۔ وہاں انہیں اپنے مالوں اور اولادوں سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اگرچہ دنیا میں وہ آنے والی مصیبتوں کا ان کے ذریعے سے مقابلہ کر لیا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے ﴿نَحْنُ أَكْثَرُ أَمْوَالًا وَ أَوْلَادًا وَمَا نَحْنُ بِمُعَذِّبِينَ﴾ (سبا: ۳۴/۳۵) ”ہمارے مال اور ہماری اولادیں زیادہ ہیں ہمیں عذاب نہیں ہوگا۔“ قیامت کے دن انہیں ایسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑے گا جس کی انہیں بالکل توقع نہ ہوگی۔ ﴿وَبَدَأَ لَهُمْ سَيِّئَاتٍ مَا كَسَبُوا وَحَاقَ بِهِمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ﴾ (الزمر: ۴۸/۳۹) ”ان کے کمائے ہوئے اعمال کا برا انجام ان کے سامنے آ جائے گا اور انہیں وہ عذاب گھیر لے گا جس کا وہ مذاق اڑایا کرتے تھے“ اللہ کے ہاں مال اور اولاد کی قدر نہیں بلکہ بندے کو اللہ پر ایمان لانے کا اور نیک اعمال کا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالْبِئْتِ تَقْرَبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفَىٰ إِلَّا مَنْ آمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَأُولَٰئِكَ لَهُمْ جَزَاءُ الضَّعِيفِ بِمَا عَمِلُوا وَهُمْ فِي الْغُرُفَاتِ آمِنُونَ﴾ (سبا: ۳۷/۳۴) ”تمہارے مال اور تمہاری اولاد وہ چیز نہیں جو تمہیں ہمارا قرب بخشتی ہیں بلکہ جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے انہی لوگوں کو اپنے اعمال کا دگنا بدلہ ملے گا اور وہ بالا خانوں میں امن سے رہیں گے“ اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ کافر جہنم کا ایندھن ہیں یعنی ہمیشہ اس میں رہیں گے۔ یہ قانون کہ کافروں کو ان کے مالوں یا اولادوں سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہو سکے گا گزشتہ امتوں میں بھی اللہ کا یہی قانون جاری رہا ہے۔ فرعون اس سے پہلے اور اس کے بعد آنے والے سب جاہل سرکش مالوں اور لشکروں والے ان سب کے ساتھ یہی ہوا کہ جب انہوں نے اللہ کی آیات کو جھٹلایا رسولوں کی لائی ہوئی تعلیمات تسلیم کرنے سے انکار کیا اور ان سے دشمنی کی اللہ نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں پکڑ لیا یہ اس کا عدل تھا ظلم نہیں۔ جو کوئی ایسا کام کرے جو سزا کا مستوجب ہے تو اللہ اسے سخت سزا دے دیتا ہے۔ عذاب کا یہ سبب کفر بھی ہو سکتا ہے اور دوسرے گناہ بھی جن کی مختلف قسمیں اور بہت سے مراتب ہیں۔ اس کے بعد فرمایا: ﴿قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا سَتْغَلِبُونَ وَتُحْشَرُونَ إِلَىٰ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْبِهَادُ﴾ (اے محمد ﷺ!) کافروں سے کہہ دیجئے کہ تم عنقریب مغلوب کیے جاؤ گے۔ اور جہنم کی طرف جمع کیے جاؤ گے۔ اور وہ برا ٹھکانا ہے۔“ اس میں مومنوں کی مدد اور فتح کا اشارہ ہے اور کافروں کو تنبیہ ہے۔ جیسے اللہ نے فرمایا تھا ویسے ہی ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے دشمنوں یعنی مشرکین، یہود اور نصاریٰ جیسے کافروں کے خلاف مومنوں کی مدد فرمائی۔ قیامت تک وہ اپنے مومن بندوں اور لشکروں کی مدد فرماتا رہے گا۔ اس میں ایک عبرت ہے اور قرآن کی ایسی نشانی ہے جو آنکھوں سے دیکھی جاسکتی ہے۔ اللہ نے بتایا کہ کافر دنیا میں مغلوب ہونے کے ساتھ ساتھ قیامت کے دن جمع کر کے جہنم کی طرف ہانک دیے جائیں گے جو برا ٹھکانا ہے۔ اور ان کے بد اعمال کا برابر

ہے۔ ﴿قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ﴾ ”یقیناً تمہارے لیے نشانی تھی“، یعنی عظیم عبرت تھی۔ ﴿فِي فُتَيْتَيْنِ التَّقَاتَا﴾ ”ان دو جماعتوں میں جو گتھ گئی تھیں۔“ یہ غزوہ بدر کے موقع پر ہوا۔ ﴿فِعْتَةُ ثَقَاتِلُ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ﴾ ”ایک جماعت اللہ کی راہ میں لڑ رہی تھی۔“ یہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام تھے۔ ﴿وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ﴾ ”اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا۔“ یعنی کفار قریش جو فخر و تکبر کے ساتھ لوگوں کو دکھانے کے لیے اور اللہ سے روکنے کے لیے آئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دونوں جماعتوں کو بدر کے میدان میں اکٹھا کر دیا۔ مشرکوں کی تعداد مومنوں سے کئی گنا تھی۔ اس لیے فرمایا: ﴿يَرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاىَ الْعَيْنِ﴾ ”وہ انہیں اپنی آنکھوں سے اپنے سے دگنا دیکھتے تھے۔“ یعنی مومن دیکھ رہے تھے کہ کافر تعداد میں ان سے بہت زیادہ ہیں۔ یہ اضافہ دگنے سے زیادہ تھا۔ (یعنی کفار کی تعداد تین گنا سے زائد تھی) اللہ نے مومنوں کی مدد کی تو انہوں نے کفار کو شکست دی، ان کے سرداروں کو تہ تیغ کیا اور بہت سے افراد کو قید کر لیا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ جو کوئی اللہ کے دین کی مدد کرتا ہے اللہ اس کی مدد کرتا ہے اور جو کفر کرتا ہے اللہ اسے چھوڑ دیتا ہے۔ اس میں آنکھوں والوں کے لیے عبرت ہے۔ یعنی جن کی بصیرت اور عقل کامل ہے، جس کی وجہ سے وہ دیکھ رہے ہیں کہ جس جماعت کی مدد کی گئی ہے وہی اہل حق ہیں اور دوسرے باطل پر ہیں۔ ورنہ محض ظاہری اسباب سامان اور تعداد پر نظر رکھنے والا یہی فیصلہ کر سکتا ہے کہ اس چھوٹی سی جماعت کا اتنی بڑی جماعت پر فتح پانا بالکل محال اور ناممکن ہے۔ لیکن بصارت سے نظر آنے والے ان اسباب کے پیچھے ایک عظیم تر سبب بھی ہے۔ جسے بصیرت ایمان اور توکل علی اللہ کی نظر ہی دیکھ سکتی ہے۔ اور وہ سبب ہے اللہ کا اپنے مومن بندوں کو تقویت بخشنا اور اپنے کافر دشمنوں کے خلاف ان کی مدد کرنا۔

رُزِينٌ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ

مزین کر دی گئی ہے لوگوں کے لیے محبت (نفسانی) خواہشوں کی عورتوں سے اور بیٹوں سے اور خزانے جمع کئے ہوئے سے

مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذَلِكَ

سونے اور چاندی کے اور گھوڑے نشان زدہ سے اور چوپائے اور کھیتی سے یہ (سب)

مَتَاعَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۗ وَاللّٰهُ عِنْدَآ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۳﴾ قُلْ اَوْ نَبِّئْكُمْ بِخَيْرِ

سامان ہے حیات دنیا کا اور اللہ اس کے پاس ہی ہے اچھا ٹھکانا کہہ دیجئے، کیا خبر دوں میں تمہیں ساتھ بہت بہتر کے

مِّنْ ذٰلِكُمْ ۗ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنَّتْ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ

ان (سب) سے؟ واسطے ان لوگوں کے جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں نزدیک ان کے رب کے باغات ہیں بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں

خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۗ وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِالْعٰبِدِيْنَ ﴿۱۴﴾

وہ ہمیشہ رہیں گے ان میں اور بیویاں ہیں پاکیزہ اور رضامندی اللہ کی طرف سے اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے اپنے بندوں کو

الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا إِنَّنَا أَمْنَا فَأَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

وہ لوگ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! بیشک ہم ایمان لائے ہیں بخش دے واسطے ہمارے گناہ ہمارے بچاؤ اور ہم کو آگ کے عذاب سے

الضَّالِّينَ وَالضَّالِّينَ وَالضَّالِّينَ وَالضَّالِّينَ وَالضَّالِّينَ

وہ جو صبر کرنے والے اور سچ بولنے والے اور حکم بجالانے والے اور خرچ کرنے والے

وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ ۝

اور مغفرت طلب کرنے والے ہیں سحری کے اوقات میں

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس نے لوگوں کے لیے دنیوی مرغوب چیزوں کی محبت مزین کر دی ہے۔ ان میں مذکورہ بالا اشیاء کو خاص طور پر ذکر کیا ہے کہ دنیا کی مرغوب چیزوں میں سے یہ سب سے بڑھ کر ہیں۔ باقی سب ان کے تابع ہیں۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿إِنَّا جَعَلْنَا مَا عَلَى الْأَرْضِ زِينَةً لَّهَا﴾ (الکہف: ۷۱۸) ”ہم نے زمین پر جو کچھ ہے اسے زمین کی زینت بنایا ہے“ چونکہ یہ چیزیں مزین کر دی گئیں ہیں۔ اور ان میں دلوں کو مائل کرنے کا وصف ہے۔ اس لیے لوگوں کے دل ان کی طرف مائل ہو گئے۔ اور عملی طور پر لوگوں کی دہمیں ہو گئیں۔ ایک قسم کے لوگ وہ ہیں جنہوں نے انہی مادی اشیاء کو اپنا مقصود بنا لیا، ان کی سوچیں ان کے خیالات ان کے ظاہری اور باطنی اعمال اسی کے لیے خاص ہو کر رہ گئے۔ اسی دنیوی مال و متاع میں مشغول ہو کر وہ اپنی تخلیق کے مقصد کو بھول گئے۔ دنیا سے ان کا وہ تعلق رہا جو چرنے والے مویشیوں کا ہوتا ہے۔ وہ اس کی لذتوں سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ یہ پروا نہیں کرتے کہ انہوں نے یہ کیسے حاصل کی اور کہاں خرچ کی۔ دنیا ان کے لیے مشقت و عذاب کے مقام (جہنم) کی طرف لے جانے والے سفر کا سامان بن جاتی ہے۔ دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جنہوں نے اس کا اصل مقصد سمجھ لیا۔ کہ اسے تو اللہ نے بندوں کے لیے آزمائش کا ذریعہ بنایا ہے تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ کون اپنی خواہش نفس اور دنیوی لذت پر اللہ کی اطاعت اور رضا کو ترجیح دیتا ہے۔ چنانچہ انہوں نے دنیا کو آخرت کے حصول کا ذریعہ بنا لیا۔ وہ اس سے فائدہ تو اٹھاتے ہیں، لیکن اس طرح کہ وہ اللہ کی رضا کے حصول میں مددگار ثابت ہو۔ ان کے بدن تو اس کے ساتھ ہوتے ہیں، لیکن دل اس سے دور ہوتے ہیں، انہیں معلوم ہے کہ اس کی حقیقت وہی ہے جو اللہ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی: ﴿ذَلِكَ مَتَاعُ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ ”یہ تو دنیا کی زندگی کا مال و متاع ہے“ انہوں نے اسے آخرت تک پہنچنے کا ذریعہ سمجھا۔ اسے ایک بازار جانا جس میں انہیں اخروی نفع عظیم کی امید ہے۔ ان کے لیے دنیا آخرت کے سفر کے لیے زاد راہ بن گئی۔ علاوہ ازیں اس آیت میں ان ناداروں کو تسلی دی گئی ہے جو اپنی ایسی خواہشات پوری نہیں کر سکتے جو دولت مند پوری کر سکتے ہیں اور اس کے دھوکے میں گرفتار ہو جانے والوں کو تنبیہ ہے اور روشن عقل والوں کو اس کی محبت سے روکا گیا ہے۔ یہ موضوع اس طرح مکمل ہوا ہے کہ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے

دارالقرار (ہمیشہ رہنے والا گھر) اور نیک متقیوں کا انجام بیان فرمایا ہے اور بتایا ہے کہ یہ آخری نعمتیں ان مذکورہ (دنیوی) اشیاء سے بہتر ہیں۔ یعنی بلند و بالا درختوں کے باغات جن میں نفیس مہلات اور اونچے اونچے بالا خانے ہیں، طرح طرح کے پھلوں سے لدے ہوئے پھل دار درخت ہیں، ان کی مرضی کے مطابق چلنے والی نہریں ہیں، ہر ظاہری و باطنی عیب و نجاست سے پاک بیویاں ہیں، اور ان تمام نعمتوں کے ساتھ ہمیشہ کی زندگی، یہ نعمتوں کی انتہا ہے اور پھر اللہ کی خوشنودی جس سے بڑھ کر کوئی نعمت نہیں۔ ذرا اس شان دار جہان کا اس حقیر جہان سے مقابلہ و موازنہ تو کیجئے۔ پھر اپنے لیے بہتر متبادل کا انتخاب کر لیجئے۔ اپنے دل کو ان دونوں کا فرق سمجھائیے۔ ﴿وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ﴾ ”سب بندے اللہ کی نگاہ میں ہیں۔“ وہ ان کے تمام اچھے اور برے اوصاف سے باخبر ہے۔ اسے معلوم ہے کہ ان کے حالات کے مطابق کون سا نتیجہ ان کے لائق ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے توفیق دے دیتا ہے۔ وہ جنت جس کا اللہ نے ذکر فرمایا ہے، اور اس کی کامل صفات بیان فرمائی ہیں وہ بھی انہیں ملے گی جو اس کے مستحق ہیں۔ یعنی جنہوں نے اللہ سے ڈرتے ہوئے حکموں کی تعمیل کی، اور ممنوع کاموں سے پرہیز کیا۔ اور اپنی دعاؤں میں کہا: ﴿رَبَّنَا إِنَّنَا لَمَنَافِعُ فَاعْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ ”اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے۔ اس لیے ہمارے گناہ معاف فرما۔ اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچا۔“ انہوں نے اللہ کے اس احسان کا ذکر کیا کہ اس نے انہیں ایمان کی توفیق دی ہے اور اس کے وسیلے سے یہ دعا کی کہ وہ ان کے گناہ معاف کر دے۔ اور گناہوں کے برے اثرات و نتائج یعنی جہنم کے عذاب سے محفوظ فرمادے۔ اس کے بعد تقویٰ کے اوصاف تفصیل سے بیان کیے۔ اور فرمایا: ﴿الضَّابِرِينَ﴾ ”صبر کرنے والے“ جو اپنے آپ کو اللہ کے پیارے کاموں اور اس کی اطاعت کے اعمال پر قائم رکھتے ہیں، اس کی نافرمانی کے کاموں سے پرہیز کرتے ہوئے صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتے ہیں، اور اللہ کی تقدیر کے مطابق پیش آنے والے مصائب و مشکلات پر بھی صبر کرتے ہیں۔ ﴿وَالضَّالِّينَ﴾ ”اور سچ بولنے والے“ جو اپنے ایمان میں اقوال میں اور احوال میں راست باز اور سچے ہیں۔ ﴿وَالْمُتَّقِينَ﴾ ”اور خراج کرنے والے“ جو کچھ اللہ نے انہیں دیا ہے اس میں سے مختلف انداز سے ضرورت مند افراد کو دیتے ہیں خواہ وہ رشتہ دار ہوں یا اجنبی، ﴿وَالْمُسْتَغْفِرِينَ بِالْأَسْحَارِ﴾ ”اور پچھلی رات بخشش مانگنے والے“ اللہ تعالیٰ نے ان کی اچھی صفات میں یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو معمولی سمجھتے ہیں۔ اپنے آپ کو اعلیٰ مقام پر فائز نہیں سمجھتے۔ بلکہ خود کو گناہ گار اور کوتاہی کرنے والے سمجھتے ہیں۔ اس لیے رب سے مغفرت کی درخواست کرتے ہیں۔ اور اس مقصد کے لیے ایسا وقت منتخب کرتے ہیں جب قبولیت کی امید زیادہ ہو اور وہ صبح صادق کا وقت ہے۔ حسن (بصری) رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ نماز اتنی لمبی کرتے ہیں کہ سحر ہو جاتی ہے۔ پھر بیٹھ کر رب سے استغفار اور دعائے مغفرت کرنے لگتے ہیں۔ ان آیات میں یہ مسائل بیان ہوئے ہیں۔ دنیا میں لوگوں کی حالت دنیا ختم ہونے والا مال و

متاع ہے۔ جنت کا بیان اس کی نعمتیں، آخرت کا دنیا سے افضل ہونا، جس میں یہ ارشاد ہے کہ آخرت کو ترجیح دینا، اور آخرت کے لیے کام کرنا چاہیے۔ اہل جنت یعنی متقیوں کی صفات، تقویٰ پر مشتمل اعمال کا تفصیلی بیان۔ ان کی روشنی میں ہر شخص اپنا فیصلہ خود کر سکتا ہے کہ وہ جنتی ہے یا جہنمی؟

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهُ لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُو الْعِلْمِ قٰٓئِمًا بِالْقِسْطِ
گواہی دی ہے اللہ نے کہ بلاشبہ نہیں کوئی معبود سوائے اسکے اور فرشتوں نے اور اہل علم نے (بھی) اس حال میں کہ وہ قائم ہے ساتھ انصاف کے
لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا
نہیں کوئی معبود مگر وہی غالب ہے خوب حکمت والا ○ بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور نہیں
اِخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اٰتَوْا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًاۙ بَيْنَهُمْ ۗ
اختلاف کیا ان لوگوں نے جو دیئے گئے کتاب مگر بعد اس کے کہ آگیا ان کے پاس (صحیح) علم سرکشی کرتے ہوئے آپس میں
وَمَنْ يَّكْفُرْۤ اٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾ فَاَنْ حَاجُّوْكَ فَقُلْ
اور جو کوئی کفر کرے ساتھ اللہ کی آیات کے تو بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ○ پھر اگر وہ جھگڑا کریں آپ سے تو کہہ دیجئے
اَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلّٰهِ وَمَنِ اتَّبَعْتُ ۗ وَقُلْ لِلَّذِيْنَ اٰتَوْا الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيْنَ
جھکا دیا میں نے اپنا چہرہ اللہ کے لیے اور (انہوں نے بھی) جنہوں نے اتباع کیا میرا اور کہہ دیجئے ان لوگوں سے جو دیئے گئے کتاب اور ان پر ہوں نے
عَاَسَلْتُمْ ۗ فَاَنْ اَسْلَمُوْا فَقَدْ اِهْتَدَوْا ۗ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ ۗ
کیا تم اسلام لاتے ہو؟ پھر اگر وہ اسلام قبول کر لیں تو یقیناً وہ ہدایت پا گئے اور اگر وہ نہ پھیریں تو یقیناً آپ کے ذمے (صرف پیغام) پہنچا دینا ہے
وَاللّٰهُ بِصِيْرَتِكُمْ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰﴾

اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے اپنے بندوں کو ○

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید کا پختہ ترین ثبوت پیش کیا ہے، وہ ہے اللہ عزوجل کی اپنی گواہی۔ اور اس کی مخلوق میں سے معزز ترین افراد یعنی فرشتوں اور علماء کی گواہی۔ اللہ تعالیٰ کی گواہی یہ ہے کہ اس نے توحید پر دلائل و براہین قاطعہ قائم فرمائے ہیں۔ آفاق و انفس کے دلائل اس عظیم اصول پر قائم ہیں۔ اللہ کا جو بندہ بھی توحید کا علم لے کر کھڑا ہوا ہے۔ اللہ نے ہمیشہ توحید کے منکروں اور مشرکوں کے خلاف اس کی مدد کی ہے۔ بندوں کو جو بھی نعمت حاصل ہے وہ اسی کی طرف سے ہے۔ مشکلات کو اس کے سوا کوئی دور نہیں کر سکتا۔ مخلوق کے تمام افراد عاجز ہیں جو نہ اپنے آپ کو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان سے بچا سکتے ہیں نہ کسی اور کے نفع نقصان پر اختیار رکھتے ہیں۔ یہ زبردست دلیل ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کرنا واجب ہے۔ اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا باطل ہے۔ فرشتوں کی گواہی کا علم ہمیں اللہ کے بتانے سے اور اس کے رسولوں کے

بتانے سے ہوا ہے۔ اہل علم کی گواہی اس لیے معتبر ہے کہ تمام دینی امور میں انہی سے رجوع کیا جاتا ہے۔ خصوصاً سب سے عظیم سب سے زیادہ جلالت و شرف والے مسئلہ یعنی توحید کے مسئلہ میں۔ علماء کا اول سے آخر تک اس پر اتفاق ہے، انہوں نے لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی ہے اور توحید تک پہنچنے کے راستے بتائے ہیں۔ لہذا مخلوق پر واجب ہے کہ اتنی عظیم گواہیوں والے حکم کو تسلیم کریں اور اس پر عمل کریں۔ اس سے بھی یہ ثابت ہوا کہ سب سے زیادہ شرف والا کام توحید کو جاننا ہے۔ لہذا اس کی گواہی اللہ نے خود دی ہے۔ اور اپنی مخلوق میں سے عظیم ترین افراد کو اس کا گواہ بنایا ہے۔ شہادت (گواہی) علم و یقین کی بنیاد ہی پر دی جاسکتی ہے جو آنکھ سے مشاہدہ کے برابر ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص توحید کے معاملہ میں اس مقام تک نہیں پہنچتا وہ اہل علم میں شامل نہیں۔ اس آیت میں علم کے شرف و منزلت کے بہت سے دلائل ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں میں سے انبیاء کو منتخب کر کے اس عظیم ترین مسئلہ پر شہادت دینے کے لیے مقرر کیا۔ (۲) اللہ نے ان کی گواہی کو اپنی گواہی اور فرشتوں کی گواہی کے ساتھ ملا کر ذکر فرمایا۔ اور یہ بہت بڑی فضیلت ہے۔ (۳) اللہ نے انہیں ”علم والے“ فرمایا۔ ان کی اضافت علم کی طرف کی۔ کیونکہ وہی اسے لے کر اٹھنے والے اور اس صفت سے متصف ہیں۔ (۴) اللہ تعالیٰ نے انہیں لوگوں پر شاہد اور حجت قرار دیا اور جس چیز کی انہوں نے گواہی دی تھی، لوگوں کو اس پر عمل کرنے کا حکم دیا۔ اس طرح وہ اس کا سبب بنے اور اس کے مطابق ہونے والے ہر عمل کا ثواب انہیں پہنچے گا۔ یہ اللہ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عنایت فرماتا ہے۔ (۵) اللہ تعالیٰ نے اہل علم کو گواہ بنایا ہے اس سے ان کا سچا اور قابل اعتماد ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہ کہ اللہ نے انہیں جس چیز کا محافظ بنایا ہے وہ اس معاملے میں دیانت دار ہیں۔ اپنی توحید کے اثبات کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنا عدل ثابت فرمایا ہے۔ ارشاد ہے ﴿قَابِلًا بِالْقِسْطِ﴾ ”عدل کے ساتھ قائم“ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے افعال میں اور بندوں کے معاملات کے فیصلے کرنے میں ازل سے انصاف کے ساتھ متصف ہے۔ امر ونہی میں بھی اس کا راستہ ”صراط مستقیم“ ہے خلق و تقدیر میں بھی۔ اس کے بعد پھر توحید کی تاکید فرمائی اور فرمایا: ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ ”اس غالب اور حکمت والے کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔“

بنیادی مسئلہ کہ اللہ کی توحید کو تسلیم کیا جائے اور صرف اسی کی عبادت کی جائے اس کے اتنے زیادہ نقلی اور عقلی دلائل موجود ہیں کہ صاحب بصیرت حضرات کے ہاں یہ سورج سے بھی زیادہ واضح ہو گیا ہے۔ نقلی دلائل میں قرآن و حدیث کی وہ تمام نصوص شامل ہیں جن میں اس کا حکم دیا گیا ہے اس کی تائید کی گئی ہے، اہل توحید سے محبت اور منکرین توحید سے نفرت اور ان کی عقوبت مذکور ہے اور شرک و اہل شرک کی مذمت ہے۔ یہ سب توحید کے نقلی دلائل ہیں۔ قرآن تقریباً تمام ہی توحید کے دلائل پر مشتمل ہے۔ عقلی دلائل جنہیں غور و فکر کے ذریعے سمجھا جاسکتا ہے، قرآن نے ان کی طرف بھی رہنمائی فرمائی ہے اور بہت سے دلائل کی طرف توجہ دلائی ہے۔ سب سے بڑی

عقلی دلیل اللہ کی ربوبیت کا اعتراف ہے۔ جو شخص یہ جانتا ہے کہ اللہ ہی خالق، رازق، تمام معاملات میں مختار کل ہے۔ وہ لازماً اس نتیجے تک پہنچتا ہے کہ معبود بھی اللہ ہی ہے اس کے سوا کسی کی عبادت درست نہیں۔ چونکہ یہ واضح ترین اور عظیم ترین دلیل ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کثرت کے ساتھ اس سے استدلال کیا ہے۔ صرف اللہ کے مستحق عبادت ہونے کی ایک اور عقلی دلیل یہ ہے کہ نعمتیں دینے والا اور مصیبتیں دور کرنے والا صرف وہی ہے۔ جس شخص کو یہ یقین ہے کہ ظاہری، باطنی، چھوٹی، بڑی، قلیل اور کثیر تمام نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں اور ہر مصیبت، سختی، تکلیف اور پریشانی کو صرف وہی دور کر سکتا ہے اور مخلوق میں سے کوئی فرد کسی کے لیے تو درکنار اپنے لیے بھی حصول نعمت اور دفع مضرت کا مالک نہیں اسے ضرور یہ یقین ہوگا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت کرنا سب سے بڑا باطل ہے۔ اور عبودیت اسی کا حق ہے جو اکیلا ہی نعمتیں دینے والا اور مصیبتیں نالنے والا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب پر اس دلیل کو بہت ہی زیادہ ذکر فرمایا ہے۔ ایک عقلی دلیل یہ بھی ہے جو اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمائی ہے کہ اللہ کے سوا جن معبودوں کی عبادت کی جاتی ہے وہ نہ نفع کے مالک ہیں نہ نقصان کے۔ وہ نہ اپنی مدد کر سکتے ہیں نہ کسی اور کی۔ اور فرمایا ہے کہ وہ سماعت و بصارت سے محروم ہیں۔ اور اگر فرض کر لیا جائے کہ سنتے ہیں تو کچھ بھی فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ ان کی دوسری صفات بھی انہیں انتہائی ناقص ثابت کرتی ہیں۔ ان کی یہ حقیقت بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم صفات اور افعال، جلیلہ کا ذکر فرمایا ہے اور قدرت و غلبہ وغیرہ صفات ذکر کی ہیں جو سمعی اور عقلی دلائل سے معلوم ہوتی ہیں جو اس چیز کو کا حقتہ سمجھ لے گا (کہ غیر اللہ مجبور ہیں اور اللہ تعالیٰ عظیم صفات، قوت غلبہ وغیرہ کا حامل ہے) اسے معلوم ہو جائے گا کہ عبادت کے لائق صرف رب عظیم ہے جسے ہر لحاظ سے کمال، ہر قسم کی عظمت، تمام تعریف، ہر ایک قدرت اور تمام تر کبریائی حاصل ہے۔ وہ عبادت کے لائق نہیں جو پیدا کیے گئے ہیں، جن کے فیصلے کوئی اور کرتا ہے، جو ناقص ہیں، بہرے اور گونگے ہیں اور عقل و فہم سے محروم ہیں۔ ایک اور عقلی دلیل جو اللہ کے بندے زمانہ قدیم میں بھی اور زمانہ جدید میں بھی اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہیں وہ اہل توحید کی عزت افزائی اور اہل شرک کی رسوائی اور عقوبت ہے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اللہ نے توحید کو دین و دنیا کی ہر بھلائی کے حصول اور ہر سحر سے بچاؤ کا ذریعہ بنایا ہے۔ اور شرک و کفر کو تمام دینی و دنیاوی سزاؤں کا سبب قرار دیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب رسولوں کے واقعات بیان فرمائے جو انہیں اطاعت کرنے والوں اور نافرمانی کرنے والوں کے ساتھ پیش آئے، نافرمانوں کی سزائیں ذکر کیں، رسولوں اور ان کے پیروکاروں کی نجات کا ذکر فرمایا، تو ہر واقعہ کے بعد فرمایا: ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰیٰةٍ ﴾ (الشعراء: ۸۱۲۶) ”بے شک اس میں نشانی ہے،“ یعنی عبرت ہے جس سے لوگ نصیحت حاصل کر سکتے ہیں اور سمجھ سکتے ہیں کہ توحید ہی نجات کا باعث ہے، اور اسے چھوڑنا تباہی کا باعث ہے۔ یہ بڑے بڑے عقلی اور نقلی دلائل ہیں جن سے یہ عظیم اصول ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے

اپنی کتاب میں اسے بار بار مختلف انداز سے بیان کیا ہے تاکہ حق واضح ہو جائے۔ پھر جو چاہے اسے قبول کر کے نجات پالے اور جو چاہے انکار کر کے تباہی کا نشانہ بن جائے۔ ولله الحمد۔

جب یہ ثابت ہو گیا کہ معبود برحق صرف اللہ ہی ہے تب یہ بتایا کہ کس طرح عبادت کرنا اور کس دین کو قبول کرنا ضروری ہے۔ وہ دین اسلام ہے ”اسلام“ کا مطلب ”سرسلم خم کرنا“ ہے یعنی اللہ کی توحید اور اطاعت جس کی دعوت اس کے رسولوں نے دی جس کی ترغیب اس کی کتابوں نے دی۔ اس کے سوا کوئی دین قبول نہیں اس میں یہ بھی شامل ہے کہ محبت، خوف، امید، انابت اور دعا خالصتاً اس کے لیے ہو اور اس مقصد کے لیے اس کے رسول کی پیروی کی جائے۔ یہی تمام رسولوں کا دین ہے۔ جو ان کی پیروی کرے گا وہ ان کے راستے پر ہوگا۔ اہل کتاب کو ان کی کتابیں متحد ہو کر اللہ کے دین پر عمل کرنے کا حکم دیتی تھیں۔ انہوں نے ان کتابوں کے آنے کے بعد ظلم و زیادتی کرتے ہوئے آپس میں اختلاف کیا۔ ورنہ ان کے پاس اختلاف سے بچ کر حق کی راہ اختیار کرنے کا سب سے بڑا سبب موجود تھا۔ اسے پس پشت ڈال دینا ان کا کفر تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أَوْتُوا الْكِتَابَ إِلَّا مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ وَمَنْ يَكْفُرْ بِآيَاتِ اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ سَرِيعٌ الْحِسَابُ﴾ اور اہل کتاب نے اپنے پاس علم آ جانے کے بعد آپس کی سرکشی اور حسد کی بنا پر ہی اختلاف کیا ہے اور اللہ کی آیتوں کے ساتھ جو بھی کفر کرے۔ اللہ اس کا جلد حساب لینے والا ہے، پھر وہ ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔ بالخصوص جس نے حق کو پہچان کر ترک کیا یہ سخت وعید اور عذاب الیم کا مستحق ہے۔ اس کے بعد اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ عیسائی اور دیگر جو لوگ اسلام پر دوسرے مذاہب کو فوقیت دیتے ہیں ان سے بحث کرتے ہوئے انہیں فرمادیں کہ ﴿أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ﴾ ”میں نے اور میرے تابع داروں نے اللہ کی اطاعت میں اپنا چہرہ مطیع کر دیا“ یعنی میں نے اور میرے پیروکاروں نے اقرار کیا ہے گواہی دی ہے اور اپنے مالک کے سامنے سر جھکا دیے ہیں۔ ہم نے اسلام کے سوا دوسرے تمام مذاہب کو چھوڑ دیا ہے، ہمیں ان کے باطل ہونے پر یقین حاصل ہے۔ یہ کہہ کر آپ ان لوگوں کو مایوس کر دیں جن کو تمہارے بارے میں کوئی امید ہے (کہ شاید اسلام چھوڑ کر ہمارا دین اختیار کر لیں) اور شبہات پیش آنے پر اس طرح تمہارے دین کی تجدید ہو جائے گی اور جو شبہات کا شکار ہے اس کے خلاف حجت قائم ہو جائے گی۔ کیونکہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اہل علم بندوں کو توحید کی دلیل اور گواہ کے طور پر پیش کیا ہے۔ تاکہ وہ دوسروں کے خلاف حجت بن جائیں، اہل علم کے سردار سب سے افضل اور سب سے بڑے عالم ہمارے نبی محمد ﷺ ہیں۔ اس کے بعد آپ کے تبعین درجہ بدرجہ عالم ہیں۔ انہیں وہ صحیح علم اور کامل عقل حاصل ہے کہ کسی اور کو ان کے برابر تو کیا، قریب تر بھی حاصل نہیں۔ جب اللہ کی توحید اور اس کے دین کی حقانیت واضح دلیلوں سے ثابت ہو چکی ہے مخلوقات میں سے کامل ترین اور عالم ترین

شخصیت نے انہیں مانا اور پیش کیا، تو اس سے یقین حاصل ہو گیا اور ہر شک و شبہ دور ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ اس کے سوا ہر مذہب باطل ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَقُلْ لِلَّذِينَ آمَنُوا وَاللَّذِينَ آمَنُوا﴾ ”اہل کتاب سے (یعنی نصاریٰ اور یہود سے۔) اور ان پڑھ لوگوں سے (یعنی عرب و عجم کے مشرکین سے) کہہ دیجئے“ ﴿ءَأَسْلَمْتُمْ فَإِنْ آسَلَمُوا﴾ ”کیا تم بھی اطاعت اختیار کرتے ہو پھر اگر یہ بھی تابع دار بن جائیں“۔ اور تمہاری طرح ایمان لے آئیں ﴿فَقَدْ أَهْتَدُوا﴾ ”تو وہ یقیناً ہدایت پانے والے ہیں۔“ جس طرح تم ہدایت یافتہ ہو۔ اس صورت میں وہ تمہارے بھائی بن جائیں گے۔ ان کو وہی حقوق حاصل ہوں گے جو تمہیں حاصل ہیں۔ اور ان کے وہی فرائض ہوں گے جو تمہارے ہیں ﴿وَإِنْ تَوَلَّوْا﴾ ”اور اگر یہ روگردانی کریں“ اور اسلام قبول نہ کریں اور اسلام کے مخالف مذہب پر قائم رہیں۔ ﴿فَأِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلْغُ﴾ ”تو آپ پر صرف پہنچا دینا ہے“ آپ کو آپ کا رب ضرور اجر و ثواب دے گا۔ مخالف پر حجت قائم ہو چکی۔ اس کے بعد صرف یہی چیز باقی رہ گئی ہے کہ وہ انہیں ان کے جرم کی سزا دے۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ﴾ ”اور اللہ بندوں کو دیکھ رہا ہے“

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيْنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۲۱﴾ اُولَئِكَ الَّذِينَ حَقَّ عَلَيْهِمُ الْعَذَابُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نَّاصِرِينَ ﴿۲۲﴾ وہ لوگ ہیں کہ برباد ہو گئے عمل ان کے دنیا اور آخرت میں اور انہیں واسطے ان کے کوئی مددگار ○ ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کی خبر دی ہے، عظیم ترین جرائم کے مرتکب ہیں۔ اس سے بڑا جرم کیا ہو سکتا ہے کہ اللہ کی ان آیات کا انکار کیا جائے جو اس حق کا قطعی ثبوت پیش کرتی ہیں؛ جس کا انکار کرنے والا انتہائی درجے کے کفر و عناد میں مبتلا ہے۔ وہ اللہ کے نبیوں کو قتل کرتے ہیں جن کا حق اللہ کے حق کے بعد سب سے بڑا ہے جن کی اطاعت کرنا، ان پر ایمان لانا، ان کا احترام کرنا اور ان کی مدد کرنا، اللہ نے فرض قرار دیا ہے۔ لیکن انہوں نے اس کے بالکل برعکس عمل کیا۔ وہ انصاف کا حکم دینے والوں کو بھی قتل کرتے ہیں۔ انصاف سے مراد نیکی کا حکم دینا اور برائی سے منع کرنا ہے جو احسان اور خیر خواہی ہے ان لوگوں کی؛ جنہیں اچھی بات بتائی جاتی ہے یا بری بات سے منع کیا جاتا ہے۔ لیکن انہوں نے اس احسان اور خیر خواہی کا انتہائی برا جواب دیا کہ اپنے محسنوں کو شہید کر دیا۔ ان شنيع جرائم کی وجہ سے وہ انتہائی سخت عذاب کے مستحق ہو گئے۔ یعنی ایسا شدید اور دردناک عذاب جس کو پوری طرح بیان کرنا اور اس کی شدت کا اندازہ کرنا ناممکن ہے۔ جس کی تکلیف بدنوں، دلوں اور روحوں کے لیے ہے۔ ان کی

بد اعمالیوں کی وجہ سے ان کی نیکیاں ضائع ہو گئیں۔ انہیں کوئی اللہ کے عذاب سے نہیں بچا سکتا، بلکہ اللہ کی دی ہوئی سزا میں کوئی ذرہ برابر کمی نہیں کر سکتا۔ یہ لوگ ہر خیر سے مایوس ہیں۔ انہیں ہر شر اور مصیبت حاصل ہوگی۔ یہ حالت یہود کی اور ان جیسے دوسرے لوگوں کی ہے۔ اللہ ان کا برا کرے۔ یہ اللہ پر نبیوں پر اور نیک لوگوں پر کتنے جری ہیں!

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُدْعَوْنَ إِلَىٰ كِتَابِ اللَّهِ لِيَحْكُمَ

کیا نہیں دیکھا آپ نے طرف ان لوگوں کی جو دیئے گئے کچھ حصہ کتاب سے وہ بلائے جاتے ہیں کتاب اللہ کی طرف تاکہ فیصلہ کرے وہ (کتاب)

بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلَّىٰ فِرْيَاقًا مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۱۳﴾ ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَالُوا لَنْ

انکے درمیان پھر منہ پھیر لیتا ہے ایک فریق ان میں سے اور وہ اعراض کرنے والے ہیں ○ یہ بسبب اسکے کہ بے شک انہوں نے کہا ہرگز نہیں

تَسَنَّا النَّارَ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا

چھوئے گی ہمیں آگ مگر چند دن گنتی کے اور دھوکے میں ڈال دیا ان کو ان کے دین (کے بارے) میں ان چیزوں نے جو

كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۱۴﴾ فَكَيْفَ إِذَا جَمَعْتَهُم لِيَوْمِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَوَفِّيَتْ

تھے وہ گھڑتے ○ پس کیا حال ہوگا جب ہم جمع کریں گے انکو ایسے دن میں کہ نہیں شک اس (کے وقوع) میں اور پورا (بدلہ) دیا جائے گا

كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۵﴾

ہر نفس کو اس کا جو اس نے کمایا اور وہ نہیں ظلم کئے جائیں گے ○

اللہ تعالیٰ اہل کتاب کی حالت بیان فرما رہا ہے جن پر انعام کرتے ہوئے اللہ نے انہیں اپنی کتاب دی۔ ان کا فرض تھا کہ سب سے زیادہ وہ اس پر قائم رہتے اور سب سے پہلے وہ اس کے احکام کو تسلیم کرتے، لیکن اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں بتا رہا ہے کہ انہیں جب کتاب کے فیصلے (کو قبول کرنے) کی طرف بلایا جاتا ہے تو ان میں سے کچھ لوگ منہ پھیر کر چلے جاتے ہیں۔ اپنے بدنوں کے ساتھ بھی منہ پھیرتے ہیں اور دلوں کے ساتھ بھی انکار کرتے ہیں۔ یہ انتہائی قابل مذمت رویہ ہے۔ اس میں ہمارے لیے تشبیہ ہے کہ ان جیسا کام نہ کریں ورنہ ہم بھی اس مذمت کے مستحق ہوں گے۔ اور ہمیں بھی ان جیسی سزا مل سکتی ہے۔ بلکہ جس کو اللہ کی کتاب کی طرف بلایا جائے اس کا فرض ہے کہ سنے اطاعت کرے اور دل سے تسلیم کرے جیسے اللہ نے فرمایا: ﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَنْ يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا﴾ (النور: ۵۱/۲۴) ”مومنوں کو جب اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تاکہ وہ ان کے درمیان فیصلہ کر دے، تو وہ صرف یہی کہتے ہیں: ہم نے سنا اور ہم نے مان لیا“ اہل کتاب کو جو دھوکا لگا ہے جس کی وجہ سے وہ اللہ کی نافرمانی کی جرات کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں: ﴿لَنْ تَسَنَّا النَّارَ إِلَّا أَيَّامًا مَّعْدُودَاتٍ وَغَرَّهُمْ فِي دِينِهِمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ﴾ ”ہمیں تو آگ گنے چنے چند دن کے لیے ہی جلانے گی اور ان کی گھڑی ہوئی باتوں نے ان کو ان کے دین کے بارے میں دھوکے میں

ڈال دیا۔“ انہوں نے اپنے پاس سے ایک بات بنا کر اس کو حقیقت سمجھ لیا اور اس پر عمل کرنے لگے اور گناہوں سے اجتناب نہیں کرتے۔ کیونکہ ان کے دلوں نے ان کو یہ دھوکا دے رکھا ہے کہ وہ جنت میں جائیں گے۔ ان کی یہ بات سراسر جھوٹ اور کذب بیانی ہے۔ ان کا انجام تو بہت برا اور انتہائی اندوہناک ہونے والا ہے۔ اس لیے اللہ نے فرمایا: ﴿كَلِمَةً إِذَا جَعَلْنَاهُمْ لَيُؤْمِرُ لَكَ رَيْبَ فِيهِ﴾ ”پس کیا حال ہوگا جب ہم انہیں اس دن جمع کریں گے۔ جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔“ ان کا حال اتنا برا ہوگا کہ اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ وہ دن کمائی کا پورا پورا بدلہ ملنے کا دن ہے اور یہ بدلہ انصاف کے ساتھ ملے گا، جس میں ظلم بالکل شامل نہیں ہوگا۔ اور یہ بات یقینی ہے کہ یہ نتیجہ اعمال کے مطابق ہوگا اور ان کے اعمال ایسے ہیں جو انہیں شدید ترین عذاب کا مستحق ثابت کرتے ہیں۔

قُلِ اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ تُؤْتِي الْمَلِكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمَلِكَ مِمَّنْ تَشَاءُ ۚ
 آپ کہہ دیجئے اے اللہ! مالک بادشاہی کے! تو ہی دیتا ہے بادشاہی جس کو چاہے اور چھین لیتا ہے بادشاہی اس سے جس سے چاہے
 وَتُعْزِّزُ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ ۚ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۗ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ
 اور تو ہی عزت دیتا ہے جس کو چاہے اور تو ہی ذلت دیتا ہے جس کو چاہے تیرے ہی ہاتھ میں ہے سب بھلائی یقیناً تو اوپر ہر چیز کے
 قَدِيرٌ ﴿۲۱﴾ ۝ تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُؤَلِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ
 قادر ہے ۝ تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور نکالتا ہے تو زندہ کو
 مِنَ الْمَيِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۲﴾
 مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور تو رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بے حساب ۝

اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے فرماتا ہے کہ کہہ دیجئے ﴿اللَّهُمَّ مَلِكُ الْمَلِكِ﴾ ”اے اللہ! بادشاہی کے مالک“ یعنی تو بادشاہ ہے جو تمام ملکوں کا مالک ہے۔ بادشاہ کی صفت علی الاطلاق تیرے لیے ہے۔ اور آسمان کی اور زمین کی تمام سلطنت تیری ہی ہے۔ اس میں تبدیلیاں لانا اور انتظام کرنا سب تیرے ہاتھ میں ہے۔ پھر چند تبدیلیاں ذکر کی ہیں جو اکیلے باری تعالیٰ کے اختیار میں ہیں۔ فرمایا: ﴿تُؤْتِي الْمَلِكَ مَنْ تَشَاءُ وَتَنْزِعُ الْمَلِكَ مِمَّنْ تَشَاءُ﴾ ”تو جسے چاہے بادشاہی دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے“ اس میں اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ایران کے کسریٰ بادشاہوں سے اور روم کے قیصر بادشاہوں سے اور ان کے پیروکاروں سے حکومت چھین کر محمد ﷺ کو عطا فرمائے گا۔ چنانچہ ایسے ہی ہوا۔ واللہ الحمد۔ لہذا حکومت کامل جانایا چھین جانا اللہ کی مشیت سے ہوتا ہے۔ یہ فرمان اللہ کی اس سنت کے خلاف نہیں جو اس نے کچھ تکوینی اور دینی اسباب قائم کر رکھے ہیں جن کی وجہ سے حکومت باقی رہتی، ملتی اور ختم ہو جاتی ہے۔ یہ اسباب بھی اللہ کی مشیت کے تابع ہیں۔ کوئی سبب مستقل بالذات نہیں۔ بلکہ تمام

اسباب قضاء و قدر کے تحت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بادشاہی کے حصول کے جو اسباب مقرر کیے ہیں ان میں ایمان اور عمل صالح بھی ہیں۔ اس مقصد کے لیے چند ضروری اعمال صالحہ یہ ہیں: مسلمانوں کا اتفاق و اتحاد جو آلات تیار کرنے اور حاصل کرنے ممکن ہوں، جمع کرنا، صبر و ثبات، باہمی تنازعات سے پرہیز۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ (النور: ۵۵، ۲۴) ”تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کیے اللہ نے ان سے وعدہ کیا ہے کہ وہ انہیں زمین میں ضرور خلیفہ بنائے گا، جس طرح ان سے پہلے لوگوں کو خلیفہ بنایا تھا“ اللہ نے بتایا ہے کہ مذکورہ خلافت کے حصول کی شرط ایمان اور عمل صالح ہے اور فرمایا: ﴿هُوَ الَّذِي آتَاكَ بِنَبْرِهِ وَأَنْتَ بِالْمُؤْمِنِينَ ۝ وَاللَّهُ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ﴾ (الانفال: ۶۲، ۶۳) ”وہی ہے جس نے آپ کو اپنی مدد کے ساتھ اور مومنوں کے ساتھ قوت بخشی اور ان کے دلوں میں محبت ڈال دی“ اور فرمایا ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا كَفَيْتُمْ فَعَةً فَاقْتَبِتُوا ۚ وَاذْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۝ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَتَازَعُوا فَعْتَافْتَسَلُوا وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ وَأَصِدْوا ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ (الانفال: ۴۵، ۴۶) ”اے مومنو! جب تم کسی جماعت کا سامنا کرو تو ثابت قدم رہو، اور اللہ کو بہت یاد کرو، تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔ اور اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اور جھگڑانہ کرو، ورنہ تم بزدل ہو جاؤ گے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی اور صبر کرو۔ یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“ یعنی اللہ نے بتایا ہے کہ مومنوں کی باہمی محبت، ثابت قدمی اور اتفاق دشمنوں پر فتح کا باعث ہے۔ اگر آپ مسلمان ملکوں کے حالات پر غور کریں تو ان کی سلطنت ختم ہونے کا بڑا سبب دین سے دوری اور باہمی افتراق ہے جس سے دشمنوں کو حوصلہ ہوا اور ان کے درمیان لڑائی ڈال دی۔ پھر اللہ نے فرمایا: ﴿وَتَعَزَّوْا مِنْ نَشَأِكُمْ﴾ ”تو جسے چاہے (اپنی اطاعت کی وجہ سے) عزت دے“ ﴿وَتَذُنَّكَ مِنْ نَشَأِكُمْ﴾ ”اور جسے چاہے (معصیت کی وجہ سے) ذلت دے“ ﴿إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ”بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔“ کوئی چیز تیرے حکم سے سرتابی نہیں کر سکتی۔ بلکہ سب کچھ تیری قدرت اور مشیت کے تحت ہے ﴿تُولِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُولِجُ النَّهَارَ فِي اللَّيْلِ﴾ ”تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا ہے اور دن کو رات میں داخل کرتا ہے۔“ جس کی وجہ سے موسم پیدا ہوتے ہیں، روشنی، دھوپ، سایہ، سکون اور انتشار پیدا ہوتا ہے۔ جو اللہ کی قدرت، عظمت، حکمت اور رحمت کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ ﴿وَتَخْرِجُ النَّعْيَ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ ”تو نکالتا ہے جان دار کو بے جان سے۔“ جیسے انڈے سے چوڑھ گھٹلی سے درخت، نچ سے کھیتی اور کافر سے مومن۔ ﴿وَتَخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ النَّعْيِ﴾ ”اور نکالتا ہے بے جان کو جان دار سے۔“ جیسے پرندے سے انڈا، درخت سے گھٹلی، پودے سے دانہ اور مومن میں سے کافر۔ یہ اللہ کی قدرت کی سب سے بڑی دلیل ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ تمام اشیا مسخر ہیں ان کے ہاتھ میں کوئی اختیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا متضاد اشیا کو پیدا کرنا اور ایک چیز میں سے

اس سے متضاد چیز پیدا کرنا ثابت کرتا ہے کہ یہ سب مجبور و لاچار ہیں۔ ﴿وَتَرْزُقُ مَن كَشَاءَ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ ”تو ہی جسے چاہتا ہے بے حساب روزی دیتا ہے۔“ تو جسے چاہتا ہے وہاں سے وسیع رزق دے دیتا ہے جہاں سے اسے گمان بھی نہیں ہوتا اور نہ اس نے کمائی کی ہوتی ہے۔ پھر فرمایا:

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ
 نہ بنائیں مومن کافروں کو دوست سوائے مومنوں کے اور جو کوئی کرے گا یہ
 فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاتُ وَيَحْذَرُكُمْ اللَّهُ
 تو نہیں ہے اسے اللہ سے کوئی تعلق مگر اس لیے کہ چاہو تم ان (کے شر) سے بچنا اور ڈراتا ہے تمہیں اللہ
 نَفْسَهُ وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ إِنْ تُحِبُّوا مَا فِي صُدُورِكُمْ أَوْ تُبْذَرُوا
 اپنی ذات سے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے ○ کہہ دیجیے اگر چھپاؤ تم وہ بات جو تمہارے سینوں میں ہے یا ظاہر کرو اسے
 يَعْلَمُهُ اللَّهُ وَيَعْلَمُ مَا فِي السُّبُوتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ
 جانتا ہے اس کو اللہ اور وہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اللہ اوپر ہر چیز کے
 قَدِيرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا وَمَا عَمِلَتْ
 قادر ہے ○ جس دن پائے گا ہر نفس جو عمل کیا اس نے اچھائی سے (اپنے سامنے) حاضر کیا ہوا اور جو عمل کیا اس نے
 مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهَا أَمَدًا بَعِيدًا وَيَحْذَرُكُمْ
 برائی سے (وہ بھی) تو وہ آرزو کرے گا کاش کہ ہودر میان اسکے اور در میان اس (کی برائی) کے فاصلہ دور کا اور ڈراتا ہے تمہیں
 اللَّهُ نَفْسَهُ وَاللَّهُ رَعُوفٌ بِالْعِبَادِ ﴿۳۰﴾

اللہ اپنی ذات سے اور اللہ بہت شفقت کرنے والا ہے اپنے بندوں پر ○

اللہ تعالیٰ مومنوں کو کافروں سے دوستی لگانے سے منع فرماتا ہے کہ ان سے محبت نہ رکھیں ان کی مدد نہ کریں
 مسلمانوں کے کسی کام میں ان سے مدد نہ لیں اور جو کوئی ایسی حرکت کرے اسے تنبیہ فرماتا ہے کہ ﴿وَمَنْ يَفْعَلْ
 ذَلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ﴾ ”جو ایسا کرے گا اس کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں“ یعنی وہ اللہ سے کٹ گیا
 ہے اس کا اللہ کے دین میں کوئی حصہ نہیں۔ کیونکہ کافروں سے دوستی اور ایمان جمع نہیں ہو سکتے۔ ایمان تو اللہ سے
 محبت اور اس کے دوستوں یعنی مومنوں سے تعاون کر کے اللہ کے دین کو قائم کرنے اور اس کے دشمنوں سے جنگ کرنے
 کا حکم دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ (التوبہ: ۷۱/۹) ”مومن
 مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے ولی (مددگار محبت رکھنے والے) ہیں۔“ جو شخص مومنوں کو چھوڑ کر ان
 کافروں سے دوستی لگاتا ہے جو اللہ کے نور کو بجھانا چاہتے ہیں اور اس کے اولیاء کو فتنہ میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں ایسا

شخص مومنوں کی جماعت سے نکل جاتا ہے اور کافروں کی جماعت میں داخل ہو جاتا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّ مِنْهُمْ﴾ (المائدہ: ۵۱/۵) ”تم میں سے جو کوئی ان سے محبت رکھے گا وہ انہی میں سے ہوگا“

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کافروں سے ان کے ساتھ میل جول رکھنے سے ان سے دوستی لگانے سے ان کی طرف میلان رکھنے سے پچنا ضروری ہے اور یہ بھی ثابت ہوا کہ کسی کافر کو مسلمانوں کی حکومت کا کوئی عہدہ نہیں دیا جاسکتا۔

عام مسلمانوں کے فائدے کے کسی کام میں ان سے مدد نہیں لی جاسکتی۔ ﴿إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاتُ﴾ ”مگر یہ کہ ان کے شر سے کسی طرح کا بچاؤ مقصود ہو۔“ یعنی اگر تمہیں ان سے جان کا خطرہ ہو تو اپنی جان بچانے کے لیے زبان سے تقیہ کر سکتے ہو اور ظاہری طور پر ایسا کام کر سکتے ہو جس سے تقیہ ہو جاتا ہے۔ ﴿وَيَحْذَرُ لَكُمْ اللَّهُ نَفْسَهُ﴾ ”اللہ تعالیٰ تمہیں خود اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے۔“ لہذا اس کی نافرمانی کر کے اس کی ناراضی مول نہ لو۔ ورنہ وہ تمہیں اس کی سزا دے گا۔ ﴿وَإِلَى اللَّهِ الْمَصِيرُ﴾ ”اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔“ یعنی قیامت کے دن سب بندے اس کے سامنے حاضر ہوں گے۔ پھر وہ تمہارے اعمال کو شمار کرے گا ان پر محاسبہ کرے گا اور سزا و جزا دے گا۔ لہذا ایسے برے کام کرنے سے بچو جن کی وجہ سے تم عقوبت کے مستحق ہو جاؤ۔ بلکہ ایسے عمل کرو جن سے تمہیں اجر و ثواب ملے۔ پھر اللہ نے اپنے علم کی وسعت کے بارے میں فرمایا وہ زمین و آسمان کی تمام چیزوں کا علم رکھتا ہے بالخصوص جو کچھ دلوں میں ہے اسے بھی جانتا ہے۔ اس کی قدرت بھی کامل ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ دلوں کو پاک رکھنا چاہیے اور ہر وقت اللہ کے علم کو ذہن میں رکھنا چاہیے۔ اس کے نتیجے میں بندے کو اس بات سے شرم آئے گی

① تحقیق شدہ نسخہ کے حاشیہ میں لکھا ہے۔ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے ”المنہاج“ میں فرمایا ہے: اللہ کا یہ فرمان: ﴿إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاتُ﴾ اس کے بارے میں حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: (لا مصانعة) ”ان کا ساتھ نہ دو“۔ تقیہ یہ نہیں ہوتا کہ میں جھوٹ بولوں اور زبان سے وہ بات کہوں جو میرے دل میں نہیں ہے تو منافقت ہے۔ بلکہ مجھے چاہیے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق جو کچھ کرسکوں کروں۔ ارشاد نبوی ہے ”تم میں سے جو کوئی کچھ برائی دیکھے تو اسے ہاتھ سے تبدیل (اور ختم) کر دے اور اگر یہ طاقت نہ ہو تو زبان سے (منع کرے)۔ اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو دل سے (نفرت رکھے)۔“ لہذا مومن جب کافروں اور بدکاروں میں گھر جائے تو کمزور ہونے کی وجہ سے اس پر ہاتھ سے جہاد کرنا فرض نہیں۔ اگر زبان سے منع کر سکے تو ضرور کرے ورنہ دل سے نفرت رکھے۔ ان تمام درجات میں وہ جھوٹ نہیں بولے گا۔ زبان سے وہ بات نہیں کہے گا جو اس کے دل میں نہیں۔ وہ یا تو اپنا دین ظاہر کرے گا یا چھپائے گا۔ لیکن کسی بھی حال میں ان کے مذہب کی تائید نہیں کرے گا۔ زیادہ سے زیادہ وہ مومن آل فرعون کا یا زوج فرعون کا سا طرز عمل اختیار کر سکتا ہے۔ وہ مومن ان کے دین کی تائید نہیں کرتا تھا نہ جھوٹ بولتا تھا نہ زبان سے وہ بات کہتا تھا جو اس کے دل میں نہیں بلکہ اپنے دین کو چھپائے ہوئے تھا۔ دین کو چھپانا اور چیز ہے اور باطل دین کا اظہار بالکل دوسری چیز ہے۔ اللہ نے اس چیز کی بالکل اجازت نہیں دی۔ صرف اسے اجازت دی ہے جسے کلمہ کفر کہنے پر زبردستی مجبور کر دیا جائے.....“ الخ۔ (از محقق)

کہ اس کا مالک اس کے دل کو گندے خیالات کی آماجگاہ بنا ہوا دیکھے۔ بلکہ وہ اپنی سوچ کو ایسے امور میں مشغول کرے گا جن سے اللہ کا قرب حاصل ہو۔ مثلاً قرآن مجید کی کسی آیت یا رسول اللہ ﷺ کی کسی حدیث پر غور و فکر یا ایسے علم کو سمجھنے کی کوشش جس سے اسے فائدہ ہو یا اللہ کی کسی مخلوق اور نعمت کے بارے میں سوچنا یا اللہ کے بندوں کی بھلائی کے کسی کام کے بارے میں سوچ بچار۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے علم اور قدرت کا ذکر فرماتا ہے تو اس میں ضمناً اعمال کی جزا و سزا بھی شامل ہوتی ہے۔ جو قیامت کے دن واقع ہوگی۔ اس دن ہر شخص کو اس کے اعمال کی پوری جزا و سزا ملے گی۔ اس لیے فرمایا: ﴿يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ مُّحْضَرًا﴾ ”جس دن ہر شخص اپنی کی ہوئی نیکیوں کو موجود پائے گا“، یعنی اس کی نیکیاں مکمل طور پر محفوظ ہوں گی۔ ان میں ذرہ برابر نیکی کی نہ آئی ہوگی۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ﴾ (الزلزال: ۷۸۹) ”پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا“ (خیر) ایک جامع لفظ ہے جس میں اللہ کے قریب کرنے والا ہر نیک عمل شامل ہے۔ خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا۔ جس طرح (سوء) ایک جامع لفظ ہے جس میں اللہ کو ناراض کرنے والا ہر چھوٹا برا عمل شامل ہے۔ ﴿وَمَا عَمِلْتُمْ مِنْ سُوءٍ تَوَدُّ لَوْ أَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَنَا أَمَدًا بَعِيدًا﴾ ”اور جو اس نے برائیاں کی ہوں گی آرزو کرے گا“ کاش اس کے اور ان (برائیوں) کے درمیان بہت ہی دوری ہوتی“ وہ بے انتہا افسوس اور شدید ترین غم کی وجہ سے یہ آرزو کرے گا۔ بندے کو ان گناہوں سے بچنا اور ڈرنا چاہیے جن کے نتیجے میں اسے شدید ترین غم برداشت کرنا پڑے گا۔ اب ان گناہوں کو چھوڑنا ممکن ہے اس لیے فوراً ترک کر دینا چاہیے ورنہ اس وقت وہ کہے گا ﴿يُحْضِرُنِي عَلَىٰ مَا قَدَرْتُ فِي جَنَابِ اللَّهِ﴾ (الزمر: ۵۶/۳۹) ”ہائے افسوس! میں نے اللہ کی جناب میں کوتاہی کی!“ ﴿يَوْمَ يَنْذُرُ النَّاسَ أَنْ تُنْفَخُوا الْعُرْسُ﴾ (النساء: ۴۲/۴) ”جنہوں نے کفر کیا“ اور رسول کی نافرمانی کی اس دن تمنا کریں گے کاش! زمین ان کو نگل کر برابر ہو جائے“ ﴿وَيَوْمَ يَعْصِي الظَّالِمُ عَلَىٰ يَدَيْهِ يَقُولُ يَا لَيْتَنِي اتَّخَذْتُ مَعَ الرَّسُولِ سَبِيلًا﴾ ”یونکتی لیتنی لمت ائخذ فلانا خلیلًا“ (الفرقان: ۲۷/۲۵-۲۸) ”اس دن ظالم اپنے ہاتھوں کو چبا چبا کر کہے گا“ کاش! میں نے رسول (ﷺ) کی راہ اختیار کی ہوتی! ہائے افسوس! کاش میں نے فلاں کو دوست نہ بنایا ہوتا۔“ ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَنَا قَالَ يَا لَيْتَ بَنِي وَبَيْنَكَ بَعْدَ الْمَشْرِقَيْنِ فَبِئْسَ الْقَرِينُ﴾ (الزخرف: ۳۸/۴۳) ”یہاں تک کہ جب وہ ہمارے پاس آئے گا تو کہے گا“ کاش میرے اور تیرے درمیان مشرق اور مغرب کی دوری ہوتی، تو تو بڑا براسا ستمی ہے۔“ قسم ہے اللہ کی! ہر خواہش نفس کو اور لذت کو ترک کر دینا۔ اگرچہ اس جہان میں اسے ترک کرنا نفس کو کتنا دشوار محسوس ہوتا ہو۔ ان عذابوں کو جھیلنے سے اور ان رسوائیوں کو برداشت کرنے سے بہت زیادہ آسان ہے۔ لیکن بندہ ظالم اور نادان ہونے کی وجہ سے صرف حاضر و موجود پر نظر رکھتا ہے۔ اگر اس کے پاس کامل عقل ہو تو ان اعمال کے انجام کو دیکھے

پھر وہ عمل کرے جس کا دونوں جہان میں فائدہ ہو۔ اور اس کام سے اجتناب کرے جو دونوں جہان میں نقصان کا باعث ہو۔ اس کے بعد اللہ نے ہم پر شفقت و رحمت کرتے ہوئے دوبارہ اپنی ذات سے ڈرایا ہے تاکہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے دل سخت نہ ہو جائیں۔ تاکہ ترغیب بھی ہو جس کے نتیجے میں امید اور عمل صالح حاصل ہو۔ اور ترہیب بھی ہو جس کے نتیجے میں خوف حاصل ہو اور گناہ چھوٹ جائیں۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَيَحْذَرُكُمُ اللَّهُ نَفْسَهُ وَاللَّهُ رَءُوفٌ بِالْعِبَادِ﴾ اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ اپنے بندوں پر بڑا ہی مہربان ہے، ہم اس سے دعا کرتے ہیں کہ ہم پر احسان فرما کر ہمیشہ اپنے خوف سے نوازے رکھے تاکہ ہم وہ کام نہ کریں جن سے وہ ناراض ہوتا ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحِبِّكُمْ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۗ

کہہ دیجئے! اگر ہو تم محبت کرتے اللہ سے تو اتباع کرو میرا محبت کرے گا تم سے اللہ اور بخش دے گا واسطے تمہارے گناہ تمہارے

وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾

اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے ○

اس آیت میں اللہ کی محبت کا وجوب اس کی علامات اس کا نتیجہ اور فوائد ذکر کیے گئے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ﴾ کہہ دیجئے! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو، اگر تم اس اونچے مرتبے کا دعویٰ رکھتے ہو جس سے بلند کوئی مرتبہ نہیں، تو اس کے لیے صرف دعویٰ کافی نہیں، بلکہ یہ دعویٰ سچا ہونا چاہیے۔ اس کے سچا ہونے کی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہر حال میں ہو، اقوال میں بھی ہو اور افعال میں بھی، عقائد میں بھی ہو اور اعمال میں بھی، ظاہر میں بھی ہو اور باطن میں بھی۔ پس جو رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرتا ہے اللہ کی محبت اس کے دعویٰ کی تصدیق کرتی ہے، اللہ اس سے محبت رکھتا ہے اور اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے، اس پر رحمت فرماتا ہے، اسے تمام حرکات و سکنات میں راہ راست پر قائم رکھتا ہے۔ جس نے رسول کی اتباع نہ کی وہ اللہ سے محبت رکھنے والا نہیں۔ کیونکہ اللہ کی محبت کا تقاضا رسول ﷺ کی اتباع ہے۔ جب اتباع موجود نہیں، تو یہ محبت نہ ہونے کی دلیل ہے۔ اس صورت میں اگر وہ رسول سے محبت رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے تو اس کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ اور اگر محبت موجود بھی ہو تو اس کی شرط (اتباع) کے بغیر ایسی محبت بے کار ہے۔ سب لوگوں کو اسی آیت کی ترازو پر تولنا چاہیے۔ جتنی کسی میں اتباع رسول ہوگی، اسی قدر اس میں ایمان اور اللہ کی محبت کا حصہ ہوگا اور جس طرح اتباع میں کمی ہوگی، اسی قدر ایمان اور اللہ کی محبت میں نقص ہوگا۔

قُلْ اَطِيعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ ۗ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

کہہ دیجئے! اطاعت کرو تم اللہ کی اور اس کے رسول کی، پھر اگر وہ منہ پھیر لیں تو بلاشبہ اللہ نہیں پسند کرتا کافروں کو ○

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو سب سے جامع حکم صادر فرمایا ہے۔ وہ ہے اس کی اطاعت اور اس کے رسول کی اطاعت۔ اس میں ایمان اور توحید بھی شامل ہے۔ اور اس کی شاخیں یعنی ظاہری اور باطنی اقوال و افعال بھی۔ بلکہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت میں اس کے منع کیے ہوئے کاموں سے پرہیز بھی شامل ہے۔ کیونکہ گناہ سے پرہیز اللہ کے حکم کی تعمیل ہے، یعنی اس کی اطاعت میں شامل ہے۔ لہذا اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرنے والے ہی کامیاب ہیں۔ ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ ”پس اگر یہ منہ پھیر لیں“ یعنی اللہ کی اور اس کے رسول کی فرماں برداری سے اعراض کریں تو دوسرا راستہ صرف کفر کا اور شیطان کی فرماں برداری کا ہے۔ ﴿كُتِبَ عَلَيْهِ اَنْهٖ مِنْ تَوَلَّاهٖ فَاِنَّهٗ يُصَلِّهٗ وَيَهْدِيهِ اِلَىٰ عَذَابِ السَّعِيْرِ﴾ (الحج: ۴۱۲۲) ”اس کے بارے میں یہ لکھ دیا گیا ہے کہ جو اسے دوست بنائے گا، وہ اسے گمراہ ہی کرے گا اور جہنم کے عذاب میں لے جائے گا۔“ اس لیے فرمایا: ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ﴾ ”پس اگر یہ منہ پھیر لیں تو بے شک اللہ کافروں کو دوست نہیں رکھتا“ بلکہ ان سے ناراض ہے اور سخت ترین سزا دے گا۔ اس آیت مبارکہ میں اتباع رسول کی وضاحت ہے کہ اس کا طریقہ اللہ کے احکامات اور رسول کے احکامات پر عمل کرنا ہے۔ یہی حقیقی اتباع اور پیروی ہے۔ اس کے بعد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَاٰنُوْحًا وَاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلٰى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةً
 بے شک اللہ نے چن لیا آدم کو اور نوح کو اور آل ابراہیم کو اور آل عمران کو اوپر جہانوں کے اولاد ہیں
 بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾ اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرٰنَ
 بعض ان کے بعض کی اور اللہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے جب کہا عمران کی بیوی نے
 رَبِّ اِنِّى نَذَرْتُ لَكَ مَا فِى بَطْنِى مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّىْ اِنَّكَ اَنْتَ
 اے میرے رب! بیشک میں نے نذر مانی ہے تیرے لیے اس (بچے) کی جو میرے پیٹ میں ہے آزاد کیا ہوا پس تو قبول کر مجھ سے (یہ) یقیناً تو ہی
 السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۳۵﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّى وَضَعْتُهَا اُنْثٰى وَاللّٰهُ
 خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے پھر جب اس نے جناس کو تو کہا اے میرے رب! بیشک میں نے تو جنم ہے وہ لڑکی اور اللہ
 اَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ وَلٰكِنَّ الذَّكَرَ كَا لْاُنْثٰى وَاِنِّى سَمِيْتُهَا مَرْيَمَ وَاِنِّى
 خوب جانتا تھا جو اس نے جنم تھا اور نہیں تھا (وہ) لڑکا مانند (اس) لڑکی کے اور بیشک میں نے اس کا نام رکھا ہے مریم اور بے شک میں
 اُعِيْدُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ ﴿۳۶﴾ فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا
 پناہ میں دیتی ہوں اس کو تیری اور اس کی اولاد کو (بھی) شیطان مردود سے پس قبول کیا اس کو اس کے رب نے
 بِقَبُوْلٍ حَسَنِ وَاَنْبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا وَاَكْفَلَهَا زَكَرِيَّا ؕ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا
 قبول کرنا اچھا اور پرورش کی اس کی پرورش اچھی اور کفیل بنایا اس کا زکریا کو جب بھی داخل ہوتے اس پر

زَكَرِيَّا الْحَرَابَ لَا وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰرَبِّمِ اِنِّى لَكَ هٰذَا ۙ قَالَتْ

زکریا حجروں میں تو پاتے اسکے پاس کچھ کھانے کی چیزیں انہوں نے کہا اے مریم! کہاں سے آئیں تیرے لیے یہ؟ مریم نے کہا

هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۵﴾

یہ اللہ کے پاس سے (آئی) ہیں بے شک اللہ رزق دیتا ہے جسے چاہے بے حساب ○

اللہ تعالیٰ اپنے پسندیدہ اولیاء، اصفیاء اور انبیاء کے منتخب افراد ہونے کا ذکر فرماتا ہے کہ اللہ نے آدم ﷺ کا انتخاب فرمایا۔ انہیں تمام مخلوقات میں بلند مقام عطا فرمایا۔ انہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کر کے ان میں روح ڈالی، فرشتوں کو حکم دیا کہ انہیں سجدہ کریں، انہیں جنت میں ٹھہرایا۔ انہیں ایسا علم، حلم اور شرف عطا فرمایا جس کی بنا پر وہ تمام مخلوقات سے افضل قرار پائے۔ اس لیے ان کی اولاد بھی افضل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ ﴿وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِي آدَمَ وَحَمَلْنَاهُمْ فِي الْوَبْرِ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنَاهُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ وَفَضَّلْنَاهُمْ عَلَى كَثِيرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيلاً﴾ (بنی اسرائیل: ۷۰، ۱۷) ”یقیناً ہم نے اولاد آدم کو بڑی عزت دی اور انہیں خشکی اور تری کی سواریاں دیں اور انہیں پاکیزہ چیزوں کی روزیاں دیں اور اپنی بہت سی مخلوق پر انہیں فضیلت عطا فرمائی۔“

اللہ نے نوح ﷺ کو منتخب فرمایا اور انہیں اس وقت رسول بنا کر اہل زمین کی طرف بھیجا، جب بتوں کی پوجا شروع ہوئی۔ آپ کو ہر وقت صبر برداشت، شکر اور تبلیغ کی وہ توفیق بخشی جس کی وجہ سے وہ منتخب قرار دیے جانے کے لائق ہو گئے۔ اللہ نے آپ کی دعا کے نتیجے میں زمین کے تمام باشندوں کو غرق کر دیا۔ آپ کو آپ کے ساتھیوں کو کشتی کے ذریعے سے نجات بخشی، آپ کی نسل کو قیامت تک باقی رکھا۔ ہر زمانے میں لوگ آپ کی تعریف کرتے رہے اور کرتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے آل ابراہیم کو منتخب فرمایا۔ جن میں خود ابراہیم ﷺ بھی شامل ہیں جن کو اللہ نے خاص طور پر اپنی خلت سے نواز کر ظلیل الرحمن کے لقب سے مشرف فرمایا۔ جنہوں نے اپنی ذات کو آگ کے حوالے کر دیا، بیٹے کو قربانی کے لیے پیش کر دیا، اور مال مہمانوں کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ آپ نے رات دن چھپ چھپ کر اور علانیہ لوگوں کو رب کی طرف بلایا۔ اللہ نے آپ کو اسوہ (نمونہ) قرار دیا کہ بعد کے سب لوگ ان کی اتباع کریں۔ نبوت اور آسمانی کتابیں آپ کی اولاد کے لیے خاص کر دیں۔ آل ابراہیم میں وہ تمام انبیاء شامل ہیں جو آپ کے بعد مبعوث ہوئے، کیونکہ وہ سب آپ کی نسل سے تھے۔ اللہ نے ان حضرات کو ایسے ایسے فضائل سے نوازا کہ وہ جہانوں میں افضل ترین افراد بن گئے۔ ابراہیم ﷺ ہی کی آل میں سے تمام اولاد آدم کے سردار ہمارے نبی جناب محمد ﷺ بھی تشریف لائے۔ جن میں اللہ نے وہ تمام خوبیاں جمع فرمادیں جو دوسرے انبیائے کرام میں انفرادی طور پر موجود تھیں۔ چنانچہ آپ گزشتہ اور آئندہ تمام انسانوں سے بلند تر ہوئے۔ آپ رسولوں کے سردار ہوئے، جنہیں آل ابراہیم میں سے منتخب فرد (مصطفیٰ) ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت عمران کی آل کو بھی منتخب قرار دیا۔ عمران حضرت مریم علیہا السلام کے والد ماجد کا نام ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد کا نام بھی عمران تھا۔ یہ گھرانے، جن کا اللہ نے ذکر فرمایا ہے، یہ جہان والوں سے اس کے منتخب افراد کے گھرانے تھے۔ ان کی اولادوں کے ذریعے سے اصلاح اور توفیق کا تسلسل قائم رہا۔ اس لیے اللہ نے فرمایا: ﴿ذُرِّيَّةً اَبْعَضَهَا مِنْ بَعْضٍ﴾ ”یہ سب آپس میں ایک دوسرے کی نسل سے ہیں“ ان میں باہمی مناسبت اور مشابہت تخلیق کے لحاظ سے بھی ہے اور اخلاق حسنة کے لحاظ سے بھی۔ جس طرح اللہ نے ان خاندانوں کے دوسرے انبیاء کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمِنْ اَبَائِهِمْ وَذُرِّيَّتِهِمْ وَاخوانِهِمْ وَاَجْتَبَيْنَهُمْ وَهَدَيْنَهُمْ اِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ (الانعام: ۸۷/۶) ”اور ان کے کچھ آباؤ و اجداد کو اور کچھ اولاد کو اور کچھ بھائیوں کو اور ہم نے ان کو مقبول بنایا اور ہم نے ان کو راہ راست کی ہدایت کی“ ﴿وَاللّٰهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”اور اللہ سنتا جانتا ہے“ یعنی کون اس قابل ہے کہ اسے چنا جائے اور کون نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ نے انہیں اس لیے منتخب فرمایا کیونکہ اسے معلوم تھا کہ ان میں ایسی خوبیاں موجود ہیں جو انہیں انتخاب کے قابل بناتی ہیں۔ یہ بھی اللہ کا فضل و کرم تھا۔ ان بلند مرتبت حضرات کے واقعات ہمیں سنانے کا فائدہ اور حکمت یہ ہے کہ ہم ان سے محبت رکھیں، ان کی اقتدا کریں، اللہ سے سوال کریں کہ جس طرح ان کو توفیق دی تھی۔ ہمیں بھی ویسے نیک اعمال کی توفیق بخشے۔ ان کے پیچھے رہ جانے اور ویسی صفات سے متصف نہ ہونے کی بنا پر اپنے آپ کو حقیر سمجھتے رہیں (یعنی اپنے اعمال پر فخر نہ کریں) علاوہ ازیں اس بیان میں ان پر مہربانی ہے، اولین و آخرین میں ان کی تعریف کا اظہار ہے۔ اور ان کے شرف و عظمت کا اعلان ہے۔ اللہ کا جو دو کرم کتنا عظیم ہے، اگر کوئی اور شرف نہ بھی ہوتا تو ان کے لیے یہی شرف کافی تھا کہ ان کا ذکر اور ان کی خوبیوں کا بیان دوام پا گیا ہے۔

ان معزز گھرانوں کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی والدہ حضرت مریم علیہا السلام کا ذکر فرمایا ہے کہ ان کی تربیت اور نشوونما میں کس طرح اللہ کا خاص لطف و کرم شامل تھا۔ چنانچہ ارشاد ہے: ﴿اِذْ قَالَتِ امْرَاَتُ عِمْرَانَ﴾ ”جب عمران کی بیوی نے کہا“ ”یعنی مریم علیہا السلام کی والدہ نے حمل قرار پا جانے پر فرمایا: ﴿رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَكَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا﴾ ”اے میرے رب! میرے پیٹ میں جو کچھ ہے، اسے میں نے تیرے نام پر آزاد کرنے کی نذر مانی“ ”یعنی تیری رضا کے حصول کے لیے میں نے تیرے گھر کی خدمت کے لیے آزاد کر دیا۔ ﴿فَتَقَبَّلَ مِنِّیْ﴾ ”پس تو میری طرف سے (یہ مبارک عمل) قبول فرما“ ﴿اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ﴾ ”یقیناً تو خوب سننے والا اور پوری طرح جاننے والا ہے“ تو میری دعا سن رہا ہے، اور میری نیت اور ارادے سے باخبر ہے، یہ دعا انہوں نے اس وقت کی تھی جب مریم علیہا السلام ان کے پیٹ میں تھیں، ابھی پیدا بھی نہیں ہوئی تھیں۔ ﴿فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ اِنِّیْ وَضَعْتُهَا اُنْثٰی﴾ ”جب بچی کو جنا تو کہنے لگی: پروردگار! مجھے تو لڑکی ہوئی“ جب کہ

انہیں شوق تھا کہ لڑکا پیدا ہو جو اللہ کے گھر میں خدمت اچھے طریقے سے کر سکے۔ اس کلام سے گویا ایک قسم کی معذرت ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعْتَ﴾ ”اللہ کو خوب معلوم ہے کہ کیا اولاد ہوئی“ اسے بتانے کی ضرورت نہیں۔ اسے تو اس وقت بھی علم تھا جب ان کی والدہ کو بھی علم نہیں تھا۔ ﴿وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ وَإِنِّي سَخَّيْتُهَا مَرْيَمَ﴾ ”اور لڑکا لڑکی جیسا نہیں اور میں نے اس کا نام مریم رکھا“ اس سے معلوم ہوا کہ لڑکا لڑکی سے افضل ہے۔ اور پیدائش کے وقت نام رکھنا جائز ہے۔ اور ماں اپنے بچے کا نام رکھ سکتی ہے بشرطیکہ باپ کو یہ بات ناپسند نہ ہو۔ ﴿وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ ”اور میں اسے اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتی ہوں“ انہوں نے مریم علیہا السلام اور مریم علیہا السلام کی اولاد کے لیے دعا کی کہ انہیں اللہ تعالیٰ شیطان سے محفوظ رکھے۔ ﴿فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسِينٍ﴾ ”پس اسے اس کے پروردگار نے اچھی طرح قبول فرمایا“ یعنی انہیں نذر کے طور پر قبول فرمایا۔ اور انہیں اور ان کی اولاد کو شیطان سے محفوظ فرمایا۔ ﴿وَأَنْبَتَتْهَا نَبَاتًا حَسَنًا﴾ یعنی ان کی جسمانی اور اخلاقی تربیت اچھی ہوئی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کام کے لیے ذکر یا علیہ السلام کو متعین فرمایا۔

﴿وَكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا﴾ ”اور ان کی خیر خبر لینے والا ذکر یا کو بنایا“ یہ اللہ کی مہربانی تھی کہ ان کی تربیت کامل ترین حال میں ہو۔ چنانچہ اللہ کی عبادت کرتے کرتے ان کی عمر بڑھی اور دوسری عورتوں سے فائق ہو گئیں۔ وہ اپنے رب کی عبادت کے لیے وقف ہو گئیں اور اپنی محراب یعنی نماز کی جگہ زیادہ سے زیادہ وقت گزارنے لگیں۔ ﴿كَلِمًا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا﴾ ”جب کبھی ذکر یا ان کے حجرے میں جاتے تو ان کے پاس روزی رکھی ہوئے پاتے“ جس میں ان کی محنت و مشقت شامل نہیں تھی۔ بلکہ یہ رزق انہیں اللہ نے کرامت کے طور پر عطا فرمایا۔ ذکر یا علیہ السلام نے فرمایا ﴿أَنَّىٰ لَكَ هَذَا﴾ ”یہ روزی تمہارے پاس کہاں سے آئی“ ﴿قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ ”وہ جواب دہتیں یہ اللہ کے پاس سے ہے“ یہ اس کا فضل و احسان ہے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ يَرْزُقُ مَنْ يَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾ ”بے شک اللہ جسے چاہے بے شمار روزی دے“ یعنی جہاں سے بندے کو گمان بھی نہ ہو اور بغیر محنت کھانے کا بندوبست فرما دے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا وَيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ﴾ (الطلاق: ۶۵: ۲، ۳) ”اور جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اللہ اس کے لیے خلاصی کی صورت بنا دیتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے روزی دیتا ہے جس کا اسے گمان بھی نہ ہو۔“ علاوہ ازیں اس آیت سے اولیائے کرام کی خرق عادت کرامات کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ ایسے واقعات تو اتار سے ثابت ہیں۔ اس لیے جو لوگ ان کا انکار کرتے ہیں۔ ان کا موقف درست نہیں۔

جب ذکر یا علیہ السلام نے مریم علیہا السلام پر اللہ کا یہ احسان ملاحظہ فرمایا، اور انہیں بغیر کوشش اور محنت کے بہترین

رزق ملنے کی کرامت دیکھی تو آپ کے دل میں بیٹے کی خواہش پیدا ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

هٰذَا لَكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهُ ۖ قَالَ رَبِّ هَبْ لِي مِنْ لَدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۗ إِنَّكَ سَمِيعُ الدُّعَاءِ ﴿۸۵﴾

وہیں دعا کی زکریا نے اپنے رب سے کہا اے میرے رب! عطا کر مجھے اپنے پاس سے (بغیر اسباب ظاہری کے) اولاد پاکیزہ بیشک تو

خوب سننے والا ہے دعا کا ۸۵ پس آواز دی اس کو فرشتوں نے جب کہ وہ کھڑا نماز پڑھ رہا تھا حجرے میں بیشک اللہ

يُبَشِّرُكَ بِبِخِي مَصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَسَيِّدًا

خوش خبری دیتا ہے تجھے بیٹی کی درآئحالیہ وہ تصدیق کرنے والا ہوگا ایک کلمے (عیسیٰ) کی جو اللہ کی طرف سے ہے اور سردار ہوگا

وَحَصُورًا وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿۸۶﴾ قَالَ رَبِّ انِّي يَكُونُ لِي عُلْمٌ وَقَدْ

اور بہت ضبط کرنے والا (نفس کا) اور نبی ہوگا صالحین میں سے ۸۶ زکریا نے کہا اے میرے رب! کیوں کہ ہوگا میرے لیے لڑکا جبکہ

بَلَّغْنِي الْكِبَرَ وَامْرَأَتِي عَاقِرٌ قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ ﴿۸۷﴾ قَالَ

پہنچ چکا ہے مجھے بڑھاپا اور میری بیوی بانجھ ہے؟ فرشتے نے کہا اسی طرح اللہ کرتا ہے جو چاہتا ہے ۸۷ زکریا نے کہا

رَبِّ اجْعَلْ لِي آيَةً ط قَالَ آيَتُكَ إِلَّا تَكَلَّمَ النَّاسُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ إِلَّا

اے میرے رب! بنا دے میرے لیے کوئی نشانی اللہ نے فرمایا نشانی تیری یہ ہے کہ نہیں کلام کر سکے گا تو لوگوں سے تین دن مگر

رَمْزًا ط وَاذْكُرْ رَبَّكَ كَثِيرًا وَسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْإِبْكَارِ ﴿۸۸﴾

اشارے سے اور یاد کر اپنے رب کو کثرت سے اور تسبیح کر شام اور صبح ۸۸

ذکر یا عَلِيًّا ۙ نے وہیں رب سے دعا کی کہ وہ انہیں پاکیزہ اولاد عطا فرمائے۔ یعنی خوش اخلاق اور خوش اطوار

اولاد دے تاکہ دینی اور دنیوی دونوں قسم کی نعمتوں کی تکمیل ہو جائے۔ اللہ نے آپ کی دعا قبول فرمائی۔ جب

آپ حجرے میں کھڑے اپنے رب کی عبادت اور مناجات میں مشغول تھے فرشتوں نے آواز دی ﴿۸۵﴾ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِبِخِي

مُصَدِّقًا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللَّهِ ﴿۸۶﴾ کہ اللہ تجھ کو بیٹی کی خوشخبری دیتا ہے جو اللہ کے کلمے (یعنی عیسیٰ عَلِيًّا) کی تصدیق کرنے

والے ہوں گے۔ ﴿۸۷﴾ وَسَيِّدًا ﴿۸۸﴾ اور سردار، یعنی اللہ آپ کو ایسی اچھی صفات عطا فرمائے گا کہ آپ سردار بن جائیں

گے۔ اور لوگ اپنے معاملات میں رہنمائی کے لیے آپ کی طرف رجوع کریں گے۔ ﴿۸۹﴾ وَحَصُورًا ﴿۹۰﴾ اور ضابط

نفس، یعنی عورتوں سے تعلق نہیں رکھیں گے۔ رب کی خدمت و اطاعت میں مشغول ہونے کی وجہ سے آپ کے دل

میں عورتوں کی خواہش پیدا نہیں ہوگی۔ ﴿۹۱﴾ وَنَبِيًّا مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿۹۲﴾ اور نبی نیک لوگوں میں سے، کتنی عظیم بشارت

ہے۔ اس سے بڑی خوشخبری کیا ہو سکتی ہے۔ اس میں بیٹا ملنے کی خوشخبری بھی ہے اور اس کی کامل صفات والا

ہونے کی بھی اور اس کے نبی ہونے کی بھی! ذکر یا عَلِيًّا انتہائی خوشی کی حالت میں پکارا تھے۔

﴿رَبِّ اَنْىٰ يَكُوْنُ لِىْ عِلْمٌ وَّ قَدْ بَلَّغْنِى الْكِبَرَ وَاْمْرًاۙ اِنِّىْ عَاقِرٌ﴾ ”اے میرے رب! میرے ہاں بچہ کیسے ہوگا؟ میں بالکل بوڑھا ہو گیا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے۔“ ان میں سے ایک سبب بھی ہوتا تو اولاد نہ ہوتی۔ اب تو دونوں جمع ہیں۔ اللہ نے بتایا کہ یہ پیدائش معجزانہ شان کی حامل ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ اَللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ﴾ ”اسی طرح اللہ جو چاہے کرتا ہے“ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ نے اولاد کی موجودگی کو اسباب مثلاً تو والد و تناسل کے ساتھ متعلق کر دیا ہے اسی طرح اگر وہ بغیر اسباب کے اولاد دینا چاہے تو دے سکتا ہے کیونکہ اس کے لیے کوئی کام مشکل نہیں۔ زکریا علیہ السلام نے اس بشارت کے جلدی پورا ہونے کی امید میں اور مکمل اطمینان حاصل ہونے کی غرض سے فرمایا: ﴿رَبِّ اجْعَلْ لِّىْ اٰیَةً﴾ ”پروردگار! میرے لیے کوئی نشانی مقرر کر دے“ جو اس بچے کے وجود میں آنے کی علامت ہو۔ ﴿قَالَ اٰیٰتَكَ اَلَا تُشْكِمُ النَّاسَ ثَلٰثَةً اَيَّاۙ وَاِلٰہًا غٰیۙرًا﴾ ”فرمایا: نشانی یہ ہے کہ تین دن تک تو لوگوں سے بات نہ کر سکے گا“ مگر اشارے سے، یعنی آپ کی زبان بغیر کسی مرض یا آفت کے کلام سے رک جائے گی، آپ صرف اشارے سے بات کر سکیں گے۔ کلام نہ کر سکتا ایک عظیم علامت ہے۔ اس میں ایک عجیب مناسبت ہے یعنی جس طرح اسباب موجود ہوتے ہوئے اللہ ان کو کام کرنے سے روک سکتا ہے۔ اسی طرح اسباب کے بغیر پیدا کر سکتا ہے۔ تاکہ معلوم ہو جائے کہ تمام اسباب اللہ کی قضاء و قدر کے تحت ہیں۔ اللہ نے آپ کو اپنا شکر کرنے اور صبح شام کثرت سے ذکر کرنے کا حکم دیا۔ حتیٰ کہ جب آپ حجرے سے باہر تشریف لائے ﴿فَاُوْحِیْ اِلَیْہِمۡ اَنْ سَبِّحُوْا بِکُرۡةٍ وَّعَشِیۡۡا﴾ (مریم: ۱۱۹) ”تو لوگوں کو اشارے سے فرمایا کہ صبح شام اللہ کی تسبیح کرتے رہنا۔“

وَ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِکَةُ یٰمَرْیَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰکِ وَ طَهَّرَکِ وَ اصْطَفٰکِ
اور (یاد کرو) جب کہا فرشتوں نے اے مریم! بے شک اللہ نے چن لیا تجھے اور پاک کیا تجھے اور برگزیدہ کیا تجھے
عَلٰی نِسَآءِ الْعٰلَمِیۡنَ ﴿۳۷﴾ یٰمَرْیَمُ اقْنُتِیْ لِرَبِّکِ وَ اسْجُدِیْ وَ ارْکَعِیْ
اوپر دنیا جہان کی عورتوں کے ۱۰ اے مریم! تو فرماں برداری کر اپنے رب کی اور سجدہ کر اور رکوع کر
مَعَ الرَّکُوْعِیۡنَ ﴿۳۸﴾ ذٰلِکَ مِنْ اَنْبَآءِ الْغَیۡبِ نُوْحِیۡہِ اِلَیْکَ ط وَ مَا کُنْتَ لَدَیْہِمۡ
ساتھ رکوع کرنے والوں کے ۱۰ یہ خبروں میں سے ہیں غیب کی ہم وحی کرتے ہیں ان کی آپ کی طرف اور نہیں تھے آپ ان کے پاس
اِذْ یُلْقُوْنَ اَقْلَامَہُمۡ اَیْہُمۡ یَکْفُلُ مَرْیَمَ ط وَ مَا
جب کہ وہ ڈال رہے تھے اپنے قلم کہ کون ان میں سے کفالت کرے مریم کی؟ اور نہیں
کُنْتَ لَدَیْہِمۡ اِذْ یَخْتَصِمُوْنَ ﴿۳۹﴾

تھے آپ ان کے پاس جب کہ وہ باہم جھگڑ رہے تھے ۱۰

اللہ عزوجل حضرت مریم علیہا السلام کا شرف اور بلند مقام ظاہر کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ فرشتوں نے انہیں براہ راست مخاطب کر کے فرمایا: ﴿يَمْرِيْمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ﴾ ”اے مریم! اللہ نے تجھے برگزیدہ کر لیا“ ﴿وَظَهَّرَكِ﴾ ”اور تجھے (ایسی خرابیوں سے) پاک کر دیا“ جو تیری شان میں کمی کا باعث بن سکتی تھیں۔ ﴿وَاصْطَفٰكِ عَلٰی نِسَاءِ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ”اور سارے جہان کی عورتوں میں تیرا انتخاب کر لیا“ پہلے (اصطفاء) ”انتخاب اور برگزیدہ کرنے“ کا تعلق آپ کی اچھی صفات اور نیک اعمال سے ہے۔ اور دوسرے (اصطفاء) سے مراد جہان کی عورتوں سے افضل قرار دینا ہے۔ جہان سے مراد یا تو ان کے زمانے کی ساری دنیا کی عورتوں پر فضیلت ہے یا پروردگار کی تمام عورتوں سے افضل قرار دینا مقصود ہے۔ دوسرے معنی کے لحاظ سے چند خواتین یعنی جناب خدیجہ جناب عائشہ اور جناب فاطمہ رضی اللہ عنہن کا اس شرف میں شریک ہونا مریم علیہا السلام کے اصطفاء کے منافی نہیں۔ جب فرشتوں نے آپ کو اللہ کی منتخب بندی ہونے اور پاک کرنے کی خوشخبری دی تو یہ ایک عظیم نعمت اور اللہ کا عظیم احسان تھا جس کا شکر کرنا ضروری تھا۔ اس لیے فرشتوں نے کہا: ﴿يَمْرِيْمُ اقْنَبِي لِرَبِّكِ﴾ ”اے مریم! تو اپنے رب کی اطاعت کر“ قنوت سے مراد خشوع و خضوع کے ساتھ اطاعت پر مسلسل قائم رہنا ہے۔ ﴿وَاسْجُدِي وَارْكَعِي مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾ ”اور سجدہ کر اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کر۔“ عبادت میں رکوع اور سجدہ کا ذکر خاص طور پر کیا گیا ہے۔ کیونکہ ان کا مقام دوسری عبادتوں سے افضل ہے۔ اور ان سے اللہ کے سامنے عاجزی کا اظہار ہوتا ہے۔ مریم علیہا السلام نے اللہ کا شکر کرتے ہوئے اطاعت کے جذبہ سے اس حکم کی تعمیل کی۔ جب اللہ نے اپنے نبی کو مریم علیہا السلام کے بارے میں یہ باتیں بتائیں کہ وہ اللہ کی مرضی کے مطابق کن حالات سے گزریں تو یہ غیبی معاملات تھے جن کا علم وحی کے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اللہ نے فرمایا: ﴿ذٰلِكَ مِنْ اَنْبِآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ﴾ ”یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جسے ہم تیری طرف وحی سے پہنچاتے ہیں۔“ ﴿وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ لِيَكْتُلُ مَرْيَمَ﴾ ”اور آپ ان کے پاس نہ تھے جب وہ اپنے قلم ڈال رہے تھے کہ مریم کو ان میں سے کون پالے گا۔“ جب مریم علیہا السلام کی والدہ انہیں بیت المقدس کے ذمہ دار افراد کے پاس لے گئیں تو ان میں سے ہر ایک کی یہ خواہش ہوئی کہ وہ مریم علیہا السلام کی دیکھ بھال کا شرف حاصل کرے۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لیے انہوں نے قرعہ اندازی کی وہ اس طرح کہ اپنے قلم دریا میں ڈال دیے کہ جس کا قلم پانی کے ساتھ نہیں بے گا وہی مریم علیہا السلام کا سرپرست قرار پائے گا۔ یہ شرف حضرت زکریا علیہ السلام کو حاصل ہوا جو ان کے نبی اور معزز ترین فرد تھے۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ ان لوگوں کو یہ واقعات بتاتے ہیں جن کے بارے میں نہ انہیں معلوم تھا نہ ان کے آباء و اجداد کو۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ سچے ہیں اور آپ واقعی اللہ کے رسول ہیں۔ لہذا ان کا فرض ہے کہ آپ کی اطاعت قبول کریں اور آپ کے احکام کی تعمیل کریں۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغُرْبِ اِذْ قَضَيْنَا اِلٰى مُوسٰى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ﴾

(القصص: ۲۸، ۲۹) ”اور طور کے مغربی جانب جبکہ ہم نے موسیٰ کو احکام کی وحی پہنچائی تھی نہ تو آپ موجود تھے اور نہ آپ دیکھنے والوں میں سے تھے۔“

إِذْ قَالَتِ الْمَلِئِكَةُ يُرِيمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِكَلِمَةٍ مِّنْهُ ۖ اسْمُهُ

جب کہا فرشتوں نے اے مریم! بے شک اللہ خوش خبری دیتا ہے تجھ کو ایک کلمے کی اپنی طرف سے اس کا نام ہوگا

الْمَسِيحِ عِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿۳۰﴾

مسح عیسیٰ بن مریم بڑے مرتبے والا دنیا میں اور آخرت میں اور (اللہ کے) مقربین میں سے

وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۳۱﴾ قَالَتْ رَبِّ أَنِي

اور وہ کلام کرے گا لوگوں سے گہوارے میں اور پختہ عمر میں اور ہوگا صالحین میں سے

يَكُونُ لِي وَلَدًا ۖ وَلَمْ يَمَسِّنِي بَشَرًا ۗ قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ ۗ إِذَا

ہوگا میرے لیے لڑکا حالانکہ نہیں چھوا مجھے کسی بشر نے؟ فرشتے نے کہا اسی طرح اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے جب

قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۳۲﴾ وَيُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ

وہ فیصلہ کرتا ہے کسی کام کا تو صرف یہ کہتا ہے اس کے لیے کہ ہو جائے وہ ہو جاتا ہے

وَالتَّوْرَةَ ۚ وَالْإِنْجِيلَ ﴿۳۳﴾ وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۗ أَنِي قَدْ جِئْتُكُمْ

اور تورات اور انجیل کی اور (بنائے گا اسے) رسول طرف بنی اسرائیل کی (وہ کہے گا) بے شک میں آیا ہوں تمہارے پاس

بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۗ إِنِّي أَخْلَقْتُ لَكُمْ مِّنَ الطَّيْرِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ

نشانی لے کر تمہارے رب سے (وہ یہ کہ) بیشک میں بناتا ہوں تمہارے لیے گارے سے مانند شکل پرندے کی پھر پھونک مارتا ہوں اس میں

فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَأُبْرِئِي الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ

تو ہو جاتا ہے وہ (واقعی) پرندہ ساتھ اللہ کے حکم کے اور میں اچھا کر دیتا ہوں مادرزاد اندھے کو اور برص والے کو اور زندہ کرتا ہوں مردوں کو

بِإِذْنِ اللَّهِ ۗ وَأَنْدِئِكُمْ بِمَا تَأْكُلُونَ وَمَا تَدَّخِرُونَ ۗ فِي بُيُوتِكُمْ ۗ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ

ساتھ حکم اللہ کے اور خبر دیتا ہوں تمہیں اس چیز کی جو تم کھاتے ہو اور جو تم ذخیرہ کرتے ہو اپنے گھروں میں بلاشبہ اس میں

لَايَةً لَّكُمْ ۗ إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۳۴﴾ وَمَصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرَةِ

یقیناً بہت بڑی نشانی ہے تمہارے لیے اگر ہو تم مومن اور تصدیق کرنے والا ہوں واسطے اسکے جو مجھ سے پہلے (نازل شدہ) ہے تورات

وَلِأَجْلِ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۗ

اور تاکہ حلال کروں میں تمہارے لیے بعض وہ چیزیں جو حرام کر دی گئی تھیں تم پر اور آیا ہوں تمہارے پاس نشانی لے کر تمہارے رب کی طرف سے

فَاتَّقُوا اللَّهَ ۖ وَأَطِيعُوا ۗ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ ۖ فَاعْبُدُوهُ ۗ هٰذَا صِرَاطٌ

پس ڈرو تم اللہ سے اور اطاعت کرو میری بیشک اللہ ہے رب میرا اور رب تمہارا پس تم عبادت کرو اسی کی یہی ہے راستہ

مُسْتَقِيْمٌ ﴿۵۱﴾ فَلَمَّا أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنْصَارِي إِلَى اللَّهِ؟
 سیدھا ○ پھر جب محسوس کیا عیسیٰ نے ان میں کفر تو کہا کون ہے مددگار میرا اللہ کے لیے؟
 قَالَ الْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ ؕ آمَنَّا بِاللَّهِ ؕ وَاشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿۵۲﴾
 کہا حواریوں نے ہم ہیں مددگار اللہ (کے دین) کے ہم ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور تو گواہ رہ اس بات کا کہ بے شک ہم فرماں بردار ہیں ○
 رَبَّنَا آمَنَّا بِمَا أَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُولَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾
 اے ہمارے رب! ہم ایمان لائے ساتھ اس چیز کے جو تو نے نازل کی اور اتباع کیا ہم نے رسول کا پس لکھ لے تو ہمیں ساتھ گواہوں کے ○
 وَمَكْرُوهًا وَمَكْرًا أَلِيْمًا ۗ وَاللَّهُ خَيْرٌ الْمُنْظِرِيْنَ ﴿۵۴﴾ اِذْ قَالَ اللَّهُ لِيَعِيسَىٰ
 اور انہوں نے تدبیر کی اور اللہ نے (بھی) تدبیر کی اور اللہ بہتر ہے سب تدبیر کرنے والوں سے ○ (یاد کرو) جب کہا اللہ نے اے عیسیٰ!
 اِنِّي مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيّْیْ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
 بلاشبہ میں پورا پورا لینے والا ہوں تجھ کو اور اٹھانے والا ہوں تجھے اپنی طرف اور پاک کرنے والا ہوں تجھے ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا
 وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اَتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلَىٰ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ؕ ثُمَّ اِلَيّْیْ
 اور کرنے والا ہوں ان کو جنہوں نے اتباع کیا تیرا اوپر ان کے جنہوں نے کفر کیا روز قیامت تک پھر میری ہی طرف
 مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِیْمَا كُنْتُمْ فِیْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۵۵﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ
 ہے لوٹ کر آنا تمہارا پس فیصلہ کروں گا میں تمہارے درمیان ان باتوں میں کہ تھے تم ان میں اختلاف کرتے ○ پس لیکن وہ لوگ جنہوں نے
 كَفَرُوْا فَاَعْدِدْ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِی الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ۗ وَمَا لَهُمْ
 کفر کیا تو میں عذاب دوں گا ان کو عذاب شدید دنیا میں اور آخرت میں اور نہیں ہو گا ان کے لیے
 مِّنْ نُّصْرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصَّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيهِمْ اُجُوْرَهُمْ ط
 کوئی مددگار ○ اور لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کیے نیک تو اللہ پورے دے گا انہیں اجر ان کے
 وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾ ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَیْكَ مِنَ الْاٰیٰتِ
 اور اللہ نہیں پسند کرتا ظالموں کو ○ یہ (واقعات) کہ پڑھتے ہیں ہم ان کو آپ پر نشانیوں میں سے ہیں

وَ الذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ﴿۵۸﴾

اور ذکر حکمت والا ○

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ فرشتوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو عظیم ترین بشارت دی وہ اللہ کا کلمہ اس کا بندہ اس کا رسول مریم کا بیٹا عیسیٰ علیہ السلام ہے۔ آپ کو اللہ کا کلمہ اس لیے کہا گیا کہ آپ اللہ کے ایک کلمہ (اور خصوصی فرمان) کے ذریعے پیدا ہوئے تھے۔ اور آپ کے حالات اسباب سے خارج تھے۔ اللہ تعالیٰ

نے آپ کو اپنی نشانی اور عجیب مخلوق بنایا۔ وہ اس طرح کہ اللہ نے جبریل علیہ السلام کو مریم علیہا السلام کے پاس بھیجا۔ انہوں نے آپ کی قمیص کے گریبان میں پھونک ماری۔ مقدس فرشتے کی یہ مقدس پھونک مریم علیہا السلام کے جسم میں داخل ہو گئی جس سے وہ پاک روح پیدا ہو گئی۔ اس وجہ سے آپ روحانی فطرت رکھتے تھے جو روحانی مادے سے پیدا ہوئے تھے۔ اس لیے آپ کو روح اللہ (اللہ کی روح) کہا گیا۔ ﴿وَجِبَتْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ ”جو دنیا اور آخرت میں ذی عزت ہے“ یعنی انہیں دنیا میں ایک معزز مقام حاصل ہے کہ آپ کو اللہ نے ان اولو العزم رسولوں میں شامل کیا جو بڑی شریعتوں کے حامل تھے اور انہیں کثیر تعداد میں متبعین نصیب ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وہ شہرت بخشی جو مشرق اور مغرب میں پھیل گئی۔ وہ آخرت میں بھی اللہ کے ہاں عزت والے ہوں گے۔ دوسرے انبیاء اور رسولوں کی طرح آپ بھی شفاعت کریں گے جس سے آپ کا بلند مقام جہان والوں کے سامنے ظاہر ہو جائے گا۔ اس لیے وہ اللہ کے مقرب بندوں میں سے ہیں اپنے رب سے انتہائی قریب ہیں۔ بلکہ آپ مقررین کے سرداروں میں سے ہیں۔ ﴿وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي النَّهْدِ وَكَهَلًا﴾ ”اور وہ لوگوں سے اپنے گہوارے میں باتیں کرے گا اور ادھیڑ عمر میں بھی“ یہ عام بات چیت سے ممتاز کلام ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ لوگوں سے ایسی باتیں کرے گا جس میں ان کی بھلائی اور کامیابی ہے۔ اور ایسا کلام رسولوں کا ہوتا ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ رسول ہوگا جو لوگوں کو اپنے رب کی طرف بلائے گا۔ گہوارے میں لوگوں سے کلام کرنا اللہ کی ایک عظیم نشانی ہوگی جس سے مومنوں کو فائدہ ہوگا اور وہ دشمنوں کے خلاف حجت ہوگی۔ جس سے ثابت ہوگا کہ وہ رب العالمین کے رسول اور اللہ کے بندے ہیں۔ یہ کلام آپ کی والدہ کے لیے بھی نعمت ہوگا کیونکہ اس کے ذریعے سے ان پر لگنے والے الزام کی تردید ہو جائے گی۔ ﴿وَمِنَ الضَّالِّينَ﴾ ”اور وہ نیک لوگوں میں سے ہوگا“ یعنی اللہ اس پر یہ احسان بھی فرمائے گا کہ اسے نیکی عطا فرما کر نیک لوگوں میں شامل فرمائے گا۔ اس میں مریم علیہا السلام کے لیے کئی بشارتیں ہیں اور مسیح علیہ السلام کے بلند مقام کا اظہار بھی ہے۔ ﴿قَالَتْ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَنْسَسْنِي بَشَرٌ﴾ ”کہنے لگیں: الہی مجھے لڑکا کیسے ہوگا؟ حالانکہ مجھے تو کسی انسان نے ہاتھ تک نہیں لگایا“ اور اللہ کا عام قانون یہی ہے کہ مرد سے تعلق کیے بغیر اولاد نہیں ہوتی۔ یہ بات مریم علیہا السلام نے تعجب کے طور پر فرمائی۔ اللہ کی قدرت پر شک کرتے ہوئے نہیں فرمائی۔ ﴿قَالَ كَذَلِكَ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ﴾ ”فرشتے نے کہا: اسی طرح اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے۔ جب وہ کسی کام کو کرنا چاہتا ہے تو صرف یہ کہہ دیتا ہے کہ ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔“ اس نے مریم علیہا السلام کو بتایا کہ یہ خرق عادت معاملہ ہے۔ اسے پیدا کرنے والا وہ اللہ ہے جو کسی بھی کام کو کہتا ہے ہو جا تو وہ ہو جاتا ہے۔ جو اس چیز پر یقین کر لے اس کا تعجب ختم ہو جائے گا۔ یہ اللہ کی حکمت ہے کہ اس نے عجیب کے بعد زیادہ عجیب واقعہ بیان فرمایا ہے۔ پہلے حضرت یحییٰ علیہ السلام کی ولادت کا ذکر فرمایا جن کے والد انتہائی بوڑھے اور والدہ بانجھ تھیں۔ پھر زیادہ عجیب واقعہ بیان فرمایا

یعنی عیسیٰ علیہ السلام کا کسی والد کے بغیر صرف والدہ سے پیدا ہونا۔ تاکہ بندوں کو معلوم ہو جائے کہ وہ اللہ جو چاہتا ہے کر سکتا ہے۔ ہوتا وہی ہے جو وہ چاہے۔ جو کچھ وہ نہ چاہے وہ نہیں ہو سکتا۔ اس کے بعد اللہ نے اپنے بندے اور اپنے رسول عیسیٰ علیہ السلام پر اپنے عظیم احسان کا ذکر فرمایا ﴿وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ﴾ ”اللہ سے کتاب یا کتابت کا علم دے گا“ اس لفظ سے کتاب کی جنس مراد ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد تورات اور انجیل کا ذکر خصوص کے طور پر کیا گیا کیونکہ یہ دونوں کتابیں اشرف و افضل ہیں۔ ان میں وہ احکام و شرائع مذکور ہیں جن کے مطابق بنی اسرائیل کے انبیاء فیصلے فرماتے تھے۔ علم دینے میں الفاظ اور معانی دونوں کا علم شامل ہے۔ ممکن ہے کہ الکتاب سے کتابت (لکھنے کا علم) مراد ہو۔ کیونکہ تحریر کا علم اللہ کی عظیم ترین نعمتوں میں سے ہے۔ اسی لیے اللہ نے بندوں پر اپنا یہ احسان خاص طور پر ذکر فرمایا ہے کہ اس نے انہیں قلم کے ذریعے سے علم دیا، چنانچہ سب سے پہلے نازل ہونے والی سورت میں ارشاد ہے: ﴿اِقْرٰٓا بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اِقْرٰٓا وَرَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ﴾ (العلق: ۱-۶) ”پڑھا اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ تو پڑھتارہ تیرا رب بڑے کرم والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے سے علم سکھایا“ اور حکمت سے مراد اسرار شریعت کا علم اور ہر چیز کو اس کے مناسب مقام پر رکھنے کا علم ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام پر یہ احسانات بیان فرمائے کہ انہیں لکھنا سکھایا اور علم و حکمت سے نوازا۔ یہ انسان کی ذات سے تعلق رکھنے والا کمال ہے۔ پھر ایک اور کمال ذکر فرمایا جو آپ کو حاصل ہونے والے دوسرے فضائل سے بڑھ کر ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيۤ اِسْرٰٓءِیْلَ﴾ ”اور وہ بنی اسرائیل کی طرف رسول ہوگا“ اللہ نے آپ کو اس عظیم قوم کی طرف مبعوث فرمایا جو اپنے زمانے کی افضل ترین قوم تھی۔ آپ نے انہیں اللہ کی طرف بلا یا۔ اور اللہ نے آپ کو وہ معجزات عطا فرمائے جن سے ثابت ہو جائے کہ وہ واقعی اللہ کے بھیجے ہوئے رسول اور اس کے سچے نبی ہیں۔ اس لیے فرمایا: ﴿اِنِّیۤ اَقَدَّ جَحَنَّمَ بِآیٰةٍ مِّنۡ رَبِّکُمْ اِنِّیۤ اَخْلَقْتُ لَکُمْ مِّنَ الظِّلِّیۡنِ کَهَيۡئَةِ الظِّلِّیۡنِ﴾ ”کہ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں۔ میں تمہارے لیے پرندے کی شکل کی طرح مٹی کا پرندہ بناتا ہوں۔“ ﴿فَاَنْفُخْ فِیْہِ فِیۡکُوْنُ طَیْرًا بِاِذْنِ اللّٰہِ﴾ ”پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔“ یعنی اس میں اللہ کے حکم سے جان پڑ جاتی ہے اور وہ اڑنے لگتا ہے۔ ﴿وَ اٰوۡرِیۡیۡ الۡاَکۡمَةَ وَ الۡاَبۡرَصَ﴾ ”اور میں (اللہ کے حکم سے) مادر زاد اندھے اور ابرص کو اچھا کر دیتا ہوں“ ﴿وَ اٰمِیۡ الْمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰہِ وَ اَنْبِئۡکُمۡ بِمَا تَاۡکُلُوْنَ وَ مَا تَدۡخُرُوْنَ فِیۡۤ بَیۡوٰتِکُمۡ﴾ ”اور میں اللہ کے حکم سے مردے کو زندہ کر دیتا ہوں۔ اور جو کچھ تم کھاؤ اور جو اپنے گھروں میں ذخیرہ کرو میں تمہیں بتا دیتا ہوں“ ﴿اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیۡةً لِّکُمۡ اِنۡ کُنۡتُمْ مُّؤۡمِنِیۡنَ﴾ ”اس میں تمہارے لیے بڑی نشانی ہے اگر تم ایمان دار ہو“ اس سے بڑی نشانی کیا ہو سکتی ہے کہ بے جان مٹی زندہ جانور بن جائے ایسے بیمار تندرست ہو جائیں جن کا علاج کرنے سے تمام معالج عاجز تھے اور مردے زندہ ہو جائیں اور غیبی امور کی خبریں

دی جائیں۔ ان میں سے اگر کوئی نشانی اکیلی بھی ظاہر ہوتی تو بہت بڑا معجزہ ہوتی۔ تو پھر جب یہ سب نشانیاں ظاہر ہوں اور ایک دوسری کی تائید کریں تو یقیناً یقین حاصل ہوگا اور ایمان لانا ضروری ہوگا ﴿وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ﴾ اور میں تورات کی تصدیق کرنے والا ہوں جو میرے سامنے ہے، یعنی میں ویسی ہی تعلیمات لے کر آیا ہوں جیسی موسیٰ علیہ السلام لائے تھے اور جو تورات میں موجود تھیں۔ سچے آدمی کی علامت یہ ہے کہ اس کی بتائی ہوئی باتیں دوسرے سچے افراد کے بیانات کے مطابق ہوں۔ وہ سچی خبریں دے اور انصاف کے مطابق فیصلہ کرے۔ اس کی باتوں میں تناقض اور اختلاف نہ ہو۔ جھوٹا دعویٰ کرنے والوں کی کیفیت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ بالخصوص جو سب سے بڑا دعویٰ یعنی نبوت کا دعویٰ کرے۔ اگر اس کا دعویٰ جھوٹ ہے تو اس کا جھوٹ ہر کسی کے سامنے ظاہر ہو کر رہتا ہے۔ اس کی باتوں میں تناقض ہوتا ہے۔ اس کی باتیں سچے لوگوں کی باتوں کے خلاف اور جھوٹے لوگوں کی باتوں سے مشابہ ہوتی ہیں۔ گزشتہ اقوام میں یہی طریقہ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت کا بھی یہی تقاضا ہے۔ کیونکہ نبوت کے دعویٰ میں سچے اور جھوٹے میں ہرگز اشتباہ نہیں ہوتا۔ البتہ بعض چھوٹے موٹے جزوی معاملات میں سچا اور جھوٹا ایک دوسرے سے مشابہ ہو سکتے ہیں۔ نبوت پر تو مخلوق کی ہدایت و ضلالت اور نجات و ہلاکت کا دار و مدار ہے۔ اس کا سچا دعویٰ کرنے والا کامل ترین انسان ہی ہو سکتا ہے اور اس کا جھوٹا دعویٰ کرنے والا سب سے حقیر سب سے بڑھ کر جھوٹا اور سب سے زیادہ ظالم ہوتا ہے۔ لہذا اللہ کی حکمت اور رحمت کا تقاضا ہے کہ ان دونوں میں ایسے واضح فرق موجود ہوں جنہیں عقل رکھنے والا ہر شخص سمجھ سکے۔

اس کے بعد عیسیٰ علیہ السلام نے بتایا کہ انجیل کی شریعت میں آسانی اور نرمی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَلِأَجْلِ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ﴾ اور میں اس لیے آیا ہوں تاکہ تم پر بعض وہ چیزیں حلال کر دوں جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انجیل نے تورات کے اکثر احکام منسوخ نہیں کیے، بلکہ ان کی تکمیل کی ہے اور انہیں برقرار رکھا ہے۔ ﴿وَجِئْتُكُمْ بِآيَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ﴾ اور میں تمہارے پاس تمہارے رب کی نشانی لایا ہوں، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ میں سچا ہوں اور میری پیروی واجب ہے۔ اس سے مراد وہی معجزات ہیں جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ یہ سب کچھ بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ تم اللہ سے ڈرو، اس کے احکام کی تعمیل کرو، اور اس کے منع کیے ہوئے کاموں سے پرہیز کرو اور میری اطاعت کرو۔ کیونکہ رسول کی اطاعت اصل میں اللہ ہی کی اطاعت ہوتی ہے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ فَاعْبُدُوهُ﴾ یقین مانو، میرا اور تمہارا رب اللہ ہی ہے تم سب اسی کی عبادت کرو۔ تو حیدر بو بیت (یعنی اللہ کے خالق ہونے) کا اقرار سب کو ہے۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام نے اس کو تو حید الوہیت (یعنی صرف اللہ کے معبود برحق ہونے) کی دلیل بنایا۔ جسے مشرکین نہیں مانتے۔ آپ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح ہم یہ مانتے ہیں کہ ہمارا خالق رازق اور ہمیں تمام ظاہری اور باطنی نعمتیں

دینے والا صرف اللہ ہے، اسی طرح ہمیں یہ بھی ماننا چاہیے کہ ہمارا معبود صرف اللہ ہے جس سے ہم محبت رکھیں، اس سے ڈریں، اس سے امیدیں رکھیں، اس سے دعائیں کریں، اس سے مدد مانگیں، اور عبادت کی دوسری تمام صورتیں بھی اس کے لیے مخصوص کر دیں۔ اس سے نصاریٰ کی تردید ہوتی ہے۔ جو عیسیٰ علیہ السلام کو معبود مانتے ہیں۔ یا اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہتے ہیں۔ کیونکہ آپ نے خود اقرار کیا ہے کہ وہ اللہ کی مخلوق اللہ کے بندے اور اللہ کی مشیت کے ماتحت ہیں۔ جیسے انہوں نے فرمایا تھا: ﴿اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ اٰتٰیَنِ الْکِتٰبِ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّا﴾ (مریم: ۳۰/۱۹) ”میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا فرمائی اور مجھے نبی بنایا ہے۔“ نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ لِیٰعِیْسٰی اِبْنَ مَرْیَمَ ؕ اَنْتَ قُلْتُ لِلنَّاسِ اِخْذُوْنِیْ وَاُحْمٰی الْهٰیۡنِ مِنْ دُوۡنِ اللّٰهِ قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا یَكُوۡنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقِّۙ اِنْ كُنْتُ قُلْتُہٗ فَقَدْ عَلِمْتُہٗۙ تَعَلَّمُ مَا فِیْ نَفْسِیْ وَلَا اَعْلَمُ مَا فِیْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلٰمُ الْغُیُوۡبِ ۝ مَا قُلْتُ لَہُمْ اِلَّا مَا اَمَرْتَنِیْ بِہٖۙ اِنْ اَعْبُدُ وَا اللّٰہُ رَبِّیْ وَا رَبِّکُمْ﴾ (المائدہ: ۱۱۶/۵-۱۱۷) ”اور وہ وقت بھی قابل ذکر ہے جب اللہ فرمائے گا اے عیسیٰ بن مریم! کیا تو نے ان لوگوں سے کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو بھی اللہ کے علاوہ معبود قرار دے لو۔ عیسیٰ عرض کریں گے کہ میں تجھ کو منزہ سمجھتا ہوں۔ مجھ کو کسی طرح زیبا نہیں تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کے کہنے کا مجھ کو کوئی حق نہیں۔ اگر میں نے کہا ہوگا تو تجھ کو اس کا علم ہوگا۔ تو تو میرے دل کے اندر کی بات بھی جانتا ہے، اور میں تیرے نفس میں جو کچھ ہے اس کو نہیں جانتا۔ تمام غیبوں کا جاننے والا تو ہی ہے۔ میں نے ان سے اور کچھ نہیں کہا، مگر صرف وہی جو تو نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو، جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی رب ہے۔“ ﴿ہٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِیۡمٌ﴾ ”یہی سیدھی راہ ہے، یعنی اللہ کی عبادت، اس کا تقویٰ اور اس کے رسول کی فرماں برداری ہی سیدھی راہ ہے جو اللہ تک اور اس کی جنت تک پہنچاتی ہے۔ اس کے سوا ہر راستہ جہنم کی طرف پہنچانے والا ہے۔“

﴿فَلَمَّا اَحْسَسَ عِیْسٰی مِنْہُمْ الْکُفْرَ﴾ ”جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان کا کفر محسوس کر لیا،“ دیکھا کہ وہ آپ کی اطاعت قبول کرنے پر آمادہ نہیں بلکہ انہیں جادوگر کہتے ہیں۔ آپ کو شہید کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اس کی کوشش کر رہے ہیں ﴿قَالَ مَنْ اَنْصَارِیْ اِلٰی اللّٰهِ﴾ ”تو کہنے لگے: اللہ کی راہ میں میری مدد کرنے والا کون ہے؟“ یعنی اللہ کے دین کی نصرت کے لیے میرے ساتھ کون تعاون کرے گا؟ ﴿قَالَ الْحَوَارِیُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ﴾ ”حواریوں (یعنی آپ کے مددگاروں) نے کہا ہم اللہ کی راہ کے مددگار ہیں،“ یعنی انہوں نے آپ کا ساتھ دیا اور یہ فریضہ نبھایا۔ انہوں نے کہا: ﴿اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ ”ہم اللہ پر ایمان لائے،“ ﴿فَاٰکْتَبْنَا مَعَ الشّٰہِدِیۡنَ﴾ ”پس تو ہمیں گواہوں میں لکھ لے،“ یعنی ایسی گواہی جو مفید ہو، اس گواہی سے مراد اللہ کی توحید کا اقرار اور نبیوں کی تصدیق اور اس کے مطابق عمل۔ جب وہ دین کی نصرت کے لیے اور شریعت کو قائم کرنے کے لیے عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ ہو گئے تو

بنی اسرائیل کا ایک گروہ ایمان لے آیا۔ اور ایک گروہ نے کفر اختیار کیا۔ ان دونوں میں جنگ ہوئی تو اللہ نے مومنوں کی مدد کی۔ اور مشرکوں کو شکست ہوئی اور اہل توحید کامیاب ہو گئے۔ اس لیے اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَكْرُوا﴾ ”اور انہوں (کافروں) نے تدبیر کی“ یعنی اللہ کے نور کو بجھانے کے لیے اللہ کے نبی کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا ﴿وَمَكَرَ اللّٰهُ﴾ ”اور اللہ نے بھی خفیہ تدبیر کی“ اور انہیں ان کے منصوبوں کی سزا دینے کا فیصلہ فرمایا۔ ﴿وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمَكْرِيْنَ﴾ ”اور اللہ سب خفیہ تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے“ اللہ تعالیٰ نے ان کی تدبیر کو ناکام بنا دیا اور وہ خائب و خاسر ہو کر رہ گئے۔ ﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ لِيَعْسٰى اِنِّىْ مُتَوَقِّفِكَ وَرَافِعَكَ اِلَىٰ وَمُطَهِّرِكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا﴾ ”جب اللہ نے فرمایا: اے عیسیٰ! میں تجھے پورا لینے والا ہوں اور تجھے اپنی طرف اٹھانے والا ہوں اور تجھے کافروں سے پاک کرنے والا ہوں۔“ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور اپنے رسول عیسیٰ ﷺ کو اپنی طرف آسمانوں پر اٹھالیا اور کسی اور شخص پر آپ کی مشابہت ڈال دی۔ جس آدمی کو آپ کا ہم شکل بنایا گیا تھا دشمنوں نے اسے پکڑ کر صلیب پر چڑھایا اور قتل کر دیا۔ اس طرح وہ ایک عظیم جرم کے مرتکب ہوئے کیونکہ ان کی نیت حضرت عیسیٰ ﷺ کو شہید کرنے کی تھی۔ اور اپنے خیال میں وہ اس کوشش میں کامیاب بھی رہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَّوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ﴾ (النساء: ۱۵۷/۴) ”نہ تو انہوں نے اسے قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان کے لیے وہی صورت بنا دی گئی تھی“ اس آیت سے اللہ تعالیٰ کا مخلوق سے اوپر ہونا اور عرش پر حقیقتاً مستوی ہونا ثابت ہوتا ہے جیسے کہ قرآن و حدیث کی نصوص سے ثابت ہوتا ہے جنہیں اہل سنت نے تسلیم کیا ہے اور اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ غالب قوی اور زبردست ہے۔ جس کا ایک مظہر بنی اسرائیل کا عیسیٰ ﷺ کو قتل کرنے کا پختہ ارادہ کر لینے اور پروگرام بنالینے اور اس میں کوئی ظاہری رکاوٹ نہ ہونے کے باوجود اس کو عملی جامہ پہنانے میں ناکام رہنا ہے جیسے اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَ اِذْ كَفَفْتُ بَنِيْ اِسْرٰٓءِٓلَ عَنْكَ اِذْ جٰلْتَهُمْ بِالْبَيْتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَا اِلٰهٌ سَعْرٌ مُّبِيْنٌ﴾ (المائدہ: ۱۰/۱۵) ”اور جب میں نے بنی اسرائیل کو تم سے باز رکھا جب تم ان کے پاس دلیلیں لے کر آئے تھے۔ پھر ان میں سے جو کافر تھے۔ انہوں نے کہا تھا کہ بجز کھلے جادو کے یہ اور کچھ بھی نہیں۔“ اللہ تعالیٰ حکیم ہے جو ہر چیز کو اس کے مناسب مقام پر رکھتا ہے۔ بنی اسرائیل کو شبہ میں رکھنے میں بھی اس کی عظیم حکمت پوشیدہ تھی۔ چنانچہ وہ شبہ میں پڑ گئے جیسے ارشاد ہے ﴿وَ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اِتِّبَاعَ الظَّنِّ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا﴾ (النساء: ۱۵۷/۴) ”یقین جانو“ عیسیٰ ﷺ کے بارے میں اختلاف کرنے والے ان کے بارے میں شک میں ہیں انہیں اس کا کوئی یقین نہیں بجز تخمینہ باتوں پر عمل کرنے کے۔ اتنا یقینی ہے کہ انہوں نے اسے قتل نہیں کیا۔“ اس کے بعد فرمایا: ﴿وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اَتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِلَىٰ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ ”اور تیرے تابع داروں کو کافروں کے

اوپر رکھنے والا ہوں، قیامت کے دن تک، پہلے بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے کافروں کے خلاف ان کے مومنوں کی مدد فرمائی۔ پھر عیسیٰ علیہ السلام سے نسبت رکھنے والے نصاریٰ یہودیوں پر ہمیشہ غالب رہے، کیونکہ یہود کی نسبت عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کی اتباع سے قریب تر تھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا تو مسلمان عیسیٰ علیہ السلام کے حقیقی متبع بنے۔ تب اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ اور دیگر کفار کے خلاف مسلمانوں کی مدد فرمائی۔ البتہ کسی کسی زمانے میں عیسائی وغیرہ کافر مسلمانوں پر غالب آتے ہیں۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت پوشیدہ ہے اور یہ مسلمانوں کو نبی ﷺ کی اتباع سے پہلو تہی کرنے کی سزا ہے۔ ﴿ثُمَّ اِنَّا مَرْجِعُكُمْ﴾ ”پھر تم سب کا (یعنی تمام مخلوقات) کالوٹنا میری ہی طرف ہے۔“ ﴿فَاَحْلَمُ بَيْنَكُمْ فِيمَا لَكُمْ مِنْهُ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ﴾ ”پس میں ہی تمہارے آپس کے تمام تر اختلافات کا فیصلہ کروں گا“ ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ وہی حق پر ہے اور دوسرے سب غلطی پر ہیں۔ یہ سب دعوے ہیں جنہیں دلیل کی ضرورت ہے۔ چنانچہ اللہ ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ ﴿فَاَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ ”پھر جنہوں نے انکار کیا“ اللہ کے ساتھ کفر کیا، اس کی آیات کا اور رسولوں کا انکار کیا ﴿فَاعِذْ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ ”پس میں انہیں دنیا اور آخرت میں سخت تر عذاب دوں گا“ دنیا کے عذاب سے مراد ظاہر نظر آنے والی مصیبتیں، سزائیں، قتل، ذلت وغیرہ ہیں۔ اور آخرت کا عذاب سب سے بڑی آفت اور مصیبت ہے۔ یعنی جہنم کا عذاب اللہ کی ناراضی اور نیکی کے ثواب سے محرومی۔ ﴿وَمَا لَهُمْ مِنْ نَّاصِرِينَ﴾ ”اور ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا“ جو انہیں اللہ کے عذاب سے بچا سکے۔ وہ بھی جنہیں وہ اللہ کے ہاں ان کی شفاعت کرنے والے سمجھتے ہیں، وہ بھی نہیں، جنہیں وہ اللہ کو چھوڑ کر دوست بناتے ہیں، نہ ان کے رفیق نہ رشتے دار، نہ وہ خود اپنی کچھ مدد کر سکیں گے۔ ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ ”لیکن جو لوگ ایمان لائے“ اللہ پر اس کے فرشتوں پر اس کی کتابوں پر اس کے رسولوں پر، موت کے بعد کی زندگی پر اور ان سب امور پر ایمان لائے، جن پر ایمان لانے کا انہیں حکم دیا گیا ہے۔ ﴿وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ ”اور نیک اعمال کیے“ دل، زبان اور بدن سے ادا ہونے والے وہ اعمال جنہیں رسولوں نے مشروع اور مطلوب قرار دیا۔ اور ان اعمال سے ان کا مقصد رب العالمین کو خوش کرنا تھا۔ ﴿فَيُدْفِقُهِمْ اُجْرَهُمْ﴾ ”پس انہیں وہ (اللہ تعالیٰ) ان کا پورا ثواب دے گا۔“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں دنیا میں بھی نیکیوں کا ثواب ملے گا، یعنی عزت، احترام، مدد، پاکیزہ زندگی، البتہ مکمل ثواب قیامت کو ملے گا کہ اللہ ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کا ثواب بھی دے گا، اور اپنے فضل و کرم سے مزید انعامات بھی دے گا۔ ﴿وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ﴾ ”اور اللہ ظالموں سے محبت نہیں کرتا“ بلکہ ان سے ناراض ہے اور انہیں عذاب دیتا ہے ﴿ذَلِكَ تَنْوُوهَ عَلَيْكَ مِنَ الْآيَاتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيمِ﴾ ”یہ جسے ہم تیرے سامنے پڑھ رہے ہیں آیتیں ہیں اور حکمت والی نصیحت ہے۔“ یہ محمد ﷺ پر اور آپ کی امت پر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے کہ ان پر یہ حکمت والا قرآن نازل کیا جو محکم اور پختہ ہے۔ تمام احکام، حلال و حرام، گزشتہ انبیائے کرام کے واقعات

اور ان کے ہاتھوں ظاہر ہونے والے واضح معجزات بیان کرتا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ قرآن وہ تمام احکام و قصص بیان کرتا ہے جو ہمارے لیے مفید ہیں۔ ہمیں اس سے علم، عبرت، ثابت قدمی اور اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے جو رب کی عظیم ترین نعمت ہے۔ اس کے بعد فرمایا:

اِنَّ مَثَلَ عِيسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ط خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۶۰﴾

تو ہو گیا وہ (انسان) ○ (یہ) حق ہے آپ کے رب کی طرف سے، پس نہ ہوں آپ شک کرنے والوں میں سے ○

عیسائی عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں وہ عقیدہ رکھتے ہیں جو درست نہیں، ان کے پاس اس کی کوئی قوی یا ضعیف دلیل بھی نہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ چونکہ آپ کا کوئی والد نہیں، اس لیے وہ حق رکھتے ہیں کہ انہیں اللہ کا بیٹا اور شریک تسلیم کیا جائے۔ یہ بات دلیل تو درکنار شبہ بننے کے بھی قابل نہیں۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کو اس طرح پیدا کرنے سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ اکیلا اللہ ہی تخلیق و تدبیر کا مالک ہے اور تمام اسباب اس کی مشیت و ارادہ کے تابع ہیں۔ چنانچہ اس سے ان کے قول کی تردید ہی ہوتی ہے تا سید نہیں۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ مخلوق کا کوئی فرد اللہ کے ساتھ کسی بھی لحاظ سے شریک بننے کا مستحق نہیں۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو بغیر باپ اور بغیر ماں کے پیدا کیا۔ اس سے لازم آتا ہے کہ عیسائی آدم علیہ السلام کے بارے میں بھی وہی عقیدہ رکھیں جو عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں رکھتے ہیں۔ اگر مسیح علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کرنے کی وجہ سے اللہ کا بیٹا اور معبود قرار دیا جاسکتا ہے تو آدم علیہ السلام کے ماں اور باپ دونوں کے بغیر پیدا ہونے کی وجہ سے ان کے معبود ہونے کا بالاولیٰ دعویٰ کرنا چاہیے۔ اس لیے اللہ نے فرمایا: ﴿اِنَّ مَثَلَ عِيسٰی عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ط خَلَقَهُ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهُ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿۵۹﴾﴾ یعنی ہم نے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو کچھ بیان فرمایا ہے حق اور اعلیٰ ترین سچائی ہے۔ کیونکہ یہ (رب) ”پالنے والے“ کی طرف سے ہے آپ کے لیے اور آپ کی امت کے لیے خصوصی تربیت میں اس کے بیان کردہ یہ انبیاء کرام کے واقعات بھی ہیں۔

﴿فَلَا تَكُنْ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ﴾ ”پس آپ شک کرنے والوں میں سے نہ ہوں“ یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو کچھ بتایا ہے اس میں شک نہ کیجئے گا۔ اس میں اور اس کے بعد والی آیت سے ایک اہم قاعدہ و قانون ثابت ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ عقیدہ یا عمل سے تعلق رکھنے والا جو مسئلہ دلائل سے ثابت ہو جائے تو اس کے خلاف ہر قول کے بارے میں یہ پختہ یقین ہونا چاہیے کہ وہ باطل ہے۔ اس پر جو بھی شبہ وارد کیا جائے وہ غلط ہے۔ خواہ بندہ اس کا جواب تلاش کر سکے یا نہ کر سکے۔ شبہ کا جواب نہ دے سکنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ یقینی بات قابل تنقید ہے۔ کیونکہ حق کے

خلاف ہر بات باطل ہی ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَمَاذَا بَعَدَ الْحَقِّ إِلَّا الضَّلٰلُ﴾ (یونس: ۳۲/۱۰) ”حق کے بعد سوائے گمراہی کے اور کچھ نہیں“ اس شرعی قاعدہ کی مدد سے انسان کے وہ بہت سے اشکال حل ہو جاتے ہیں جو اہل کلام اور اہل منطق کی طرف سے پیش کیے جاتے ہیں۔ اگر کوئی انسان ان کا جواب دے سکتا ہے تو وہ ایک زائد نیکی ہوگی۔ ورنہ اس کا اصل فرض یہی ہے کہ دلائل کے ساتھ حق کو واضح کرے اور اس کی طرف دعوت دے۔

فَمَنْ حَاجَّكَ فِيهِ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ

پھر جو کوئی جھڑا کرے آپ سے اس (عیسیٰ) کے بارے میں بعد اسکے کہ آیا آپ کے پاس (صحیح) علم ہے تو آپ کہہ دیں آؤ بلائے ہیں ہم اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور اپنی جانوں کو اور تمہاری جانوں کو پھر ہم گڑگڑا کر دعا مانگیں

أَبْنَاءَنَا وَابْنَاءَكُمْ وَنِسَاءَنَا وَنِسَاءَكُمْ وَأَنْفُسَنَا وَأَنْفُسَكُمْ ثُمَّ نَبْتَهِلُ

اور کریں لعنت اللہ کی جھوٹوں پر ○ بے شک یہی ہے بیان سچا اور نہیں ہے

فَنَجْعَلُ لَعْنَتَ اللَّهِ عَلَى الْكٰذِبِينَ ﴿۱۱﴾ إِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ وَمَا

کوئی معبود سوائے اللہ کے اور بے شک اللہ ہی ہے غالب خوب حکمت والا ○ پس اگر وہ (اب بھی) روگردانی کریں

فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿۱۲﴾

تو اللہ خوب جاننے والا ہے فساد کرنے والوں کو ○

آیات کا مطلب یہ ہے ﴿فَمَنْ حَاجَّكَ﴾ کہ اے محمد ﷺ! جو شخص عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ سے بحث کرتا ہے اور انہیں ان کے اصل مقام سے بڑھاتے ہوئے یہ دعویٰ کرتا ہے کہ ان کا مقام عبودیت کے مقام سے بلند تر ہے۔ حالانکہ ﴿مَنْ بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ﴾ آپ کے پاس یقینی علم آچکا ہے کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور آپ نے ایسے شخص کے لیے دلائل کے ساتھ واضح کر دیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ بندے ہیں تو ثابت ہو جاتا ہے کہ آپ کی اتباع کر کے ایسے یقینی علم کو نہ ماننے والا عناد میں مبتلا ہے۔ لہذا اس سے بحث و مباحثہ کرنے میں نہ آپ کو کوئی فائدہ حاصل ہو سکتا ہے نہ اس کو۔ کیونکہ حق واضح ہو چکا ہے۔ لہذا اس کی بحث محض اللہ اور رسول کی مخالفت اور ضد کی بنا پر ہے۔ اس کا مقصد اپنے نفس کی خواہش کے پیچھے چلنا ہے، حق کی اتباع نہیں۔ ایسے شخص کا کوئی علاج نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اللہ نے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ اس سے مبالغہ اور ملامت نہ کریں۔ یعنی دونوں فریق اللہ کے سامنے معذور و نیاز کے ساتھ دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ جھوٹے فریق پر اپنی لعنت اور عذاب نازل کرے۔ اس میں فریقین خود بھی اور ان کے سب سے پیارے افراد یعنی بیویاں اور اولاد وغیرہ بھی شریک ہوں۔ نبی ﷺ نے انہیں اس کی دعوت دی تو انہوں نے یہ چیلنج قبول کرنے سے انکار

کر دیا۔ کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ اگر مباہلہ کیا تو انہیں فوری سزا ملے گی اور ان کے اہل و عیال ہلاک ہو جائیں گے۔ وہ اپنے دین پر قائم رہے حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ یہ باطل ہے۔ یہ انتہائی درجے کا عناد اور فساد ہے۔ اس لیے اللہ نے فرمایا: ﴿فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ﴾ ”پھر بھی اگر قبول نہ کریں تو اللہ ہی صحیح طور پر فساد یوں کو جاننے والا ہے“ وہ انہیں سخت ترین سزا دے گا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ هَذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ﴾ ”یقیناً صرف یہی سچا بیان ہے“ یعنی جو کچھ اللہ نے بیان کیا ہے وہی حق ہے۔ اس کے خلاف ہر چیز باطل ہے۔ ﴿وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا اللَّهُ﴾ ”اور کوئی معبود برحق نہیں سوائے اللہ کے“ اس کے سوا کسی کی عبادت درست نہیں، کوئی اور ذرہ برابر عبادت کا بھی حق نہیں رکھتا۔ ﴿وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ ”بے شک اللہ ہی غالب اور حکمت والا ہے“ وہ ہر چیز پر غالب ہے اور ہر چیز اس کے سامنے سرنگوں ہے۔ وہ حکمت والا ہے جو ہر چیز کو صحیح مقام پر رکھتا ہے۔ کافروں کے ذریعے سے مومنوں کی آزمائش میں بھی اس کی حکمت کاملہ موجود ہے۔ جن سے مومن قوی اور عملی طور پر جہاد اور قتال کرتے رہتے ہیں۔

قُلْ يَا هَلْ الْكِتَابَ تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ ۗ

اللہ ہی کی اور نہ شریک ٹھہرائیں ہم اس کے ساتھ کسی چیز کو اور نہ بنائے بعض ہمارا بعض کو رب سوائے اللہ کے

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿۳۷﴾

پس اگر وہ روگردانی کریں تو تم کہہ دو گواہ رہو اس بات کے کہ بے شک ہم تو (اللہ کے) فرماں بردار ہیں ○

اللہ تعالیٰ نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ آپ اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے کہہ دیجیے کہ ﴿تَعَالَوْا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ﴾ ”ایسی انصاف والی بات کی طرف آؤ جو ہم میں تم میں برابر ہے“ یعنی ہم اس کی بنیاد پر متحد ہو جائیں اس سے مراد وہ بات ہے جس پر تمام انبیاء و رسل کا اتفاق ہے۔ جس کی مخالفت سوائے گمراہ اور ضدی لوگوں کے کسی نے نہیں کی ہے اور وہ بات فریقین میں سے کسی ایک کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ دونوں میں مشترک ہے۔ یہ اختلاف کے موقع پر انصاف والی بات ہے۔ پھر اس کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا﴾ ”کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور نہ اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک بنائیں۔“ اکیلے اللہ کی عبادت کریں۔ محبت، خوف اور امید کا تعلق صرف اسی سے رکھیں۔ اس کے ساتھ نہ کسی نبی کو شریک کریں نہ ولی کو نہ صنم کو نہ وثن کو نہ حیوان کو نہ جمادات کو ﴿وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ ”اور نہ اللہ کو چھوڑ کر آپس میں ایک دوسرے کو رب بنائیں“ بلکہ صرف اللہ کی اور اس کے رسولوں کی اطاعت

کریں۔ ہم کسی مخلوق کی بات مان کر خالق کی نافرمانی نہ کریں۔ کیونکہ یہ کام مخلوق کو خالق کا مقام دینے کے مترادف ہے۔ جب اہل کتاب یا دوسرے غیر مسلموں کو اس بات کی دعوت دی جائے اور وہ تسلیم کر لیں تو وہ دوسرے مسلمانوں کے برابر ہو جائیں گے۔ ان کے حقوق و فرائض دوسرے مسلمانوں کے برابر ہوں گے۔ اگر وہ تسلیم نہ کریں تو ثابت ہو جائے گا کہ وہ اپنی خواہش نفس کے پیروکار اور معاند ہیں تو انہیں گواہ بنا کر کہہ دو کہ ہم تو مسلمان ہیں۔ اس کا فائدہ غالباً یہ ہے کہ جب تم انہیں یہ بات کہو گے اور حقیقی اہل علم تم ہی ہو تو یہ بات ان پر مزید حجت قائم کر دے گی۔ علاوہ ازیں جب تم ایمان لا کر اسلام میں داخل ہو چکے ہو تو اللہ کو دوسروں کے غیر مسلم رہنے کی پروا نہیں؛ کیونکہ وہ پاک نہیں ہیں؛ بلکہ ان کی فطرت ناپاک ہے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿قُلْ اٰمَنُوْا بِہٖ اَوْ لَا تُوْمِنُوْا اِنَّ الدِّیْنَ اُوْتُوْا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِہٖ اِذَا یُنۡسَلٰی عَلَیْہِمۡ یَخۡضَعُوْنَ لِاٰذَانَ سَجۡدًا﴾ (نبی اسراء: ۱۰۷/۱۱۷) ”کہہ دیجیے! تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ؛ جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا ہے ان کے پاس تو جب بھی اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں۔“ علاوہ ازیں ایمان والے عقیدے پر شبہات وارد ہونے سے مومن پر یہ ضروری ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے ایمان کی تجدید کرے اور اپنے اسلام کا اعلان کرے۔ اور اس طرح اپنے یقین کی خبر دے اور اپنے رب کی نعمت پر اس کا شکر ادا کرے۔

یٰۤاَہْلَ الْکِتٰبِ لِمَ تَحٰجُّوْنَ فِیۡ اِبْرٰہِیْمَ وَمَاۤ اُنۡزِلَتِ التَّوْرٰةُ وَاِلَّا نَجِیۡلٌ

اے اہل کتاب! کیوں جھگڑتے ہو تم ابراہیم کے بارے میں؟ حالانکہ نہیں نازل کی گئی تورات اور انجیل

اِلَّا مِنْۢ بَعۡدِہٖۤ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۵﴾ هَاۤ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ حَاجِبْتُمْ فِیۡمَا لَکُمْ بِہٖ

مگر بعد اس کے، کیا پس نہیں عقل رکھتے تم؟ سنو! آگاہ رہو! تم وہی لوگ تو ہو کہ جھگڑا کیا تم نے اس بات میں جس کا تمہیں

عِلْمٌ فَلِمَ تَحٰجُّوْنَ فِیۡمَا لَیْسَ لَکُمْ بِہٖ عِلْمٌ وَاَللّٰہُ یَعْلَمُ وَاَنْتُمْ

کچھ علم تھا تو (اب) کیوں جھگڑتے ہو تم اس چیز کی بابت کہ نہیں ہے واسطے تمہارے اس چیز کا کوئی علم؟ اور اللہ جانتا ہے اور تم

لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶﴾ مَا كَانَ اِبْرٰہِیْمُ یَہُوۡدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰکِنْ كَانَ حَنِیۡفًا

نہیں جانتے ○ نہیں تھے ابراہیم یہودی اور نہ نصرانی؛ لیکن تھے وہ صرف حق کے پرستار

مُسْلِمًا وَّمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِکِیۡنَ ﴿۱۷﴾ اِنَّ اَوَّلِی النَّاسِ بِاِبْرٰہِیْمَ لَلَّذِیۡنَ

مسلمان اور نہیں تھے وہ مشرکین میں سے ○ بے شک سب سے زیادہ قریب تمام لوگوں میں سے ابراہیم کے اہل بیت وہ لوگ ہیں جنہوں نے

اَتَّبَعُوْہٗ وَهٰذَا النَّبِیُّ وَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوْا وَاللّٰہُ وِلٰی الْمُؤْمِنِیۡنَ ﴿۱۸﴾

اتباع کیا ان کا اور یہ نبی (محمد ﷺ) ہیں؛ اور وہ لوگ ہیں جو (ان پر) ایمان لائے اور اللہ دوست ہے مومنوں کا ○

یہودیوں کا دعویٰ تھا کہ ابراہیم علیہ السلام یہودی تھے۔ اور عیسائی کہتے تھے کہ آپ عیسائی تھے۔ اس بارے میں وہ

جھگڑتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بحث و جدال کا تین طریقوں سے جواب دیا ہے۔ اولاً: ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں ان کا جھگڑا ایسے معاملے میں ہے جس کے بارے میں انہیں علم حاصل نہیں۔ لہذا انہیں اس موضوع پر بحث ہی نہیں کرنی چاہیے جن سے ان کا تعلق ہی نہیں۔ تورات و انجیل کے مسائل کے بارے میں تو انہوں نے بحث و مجادلہ کیا، خواہ ان کا موقف صحیح تھا یا غلط۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں بحث کرنے کا انہیں کوئی حق حاصل نہیں۔ ثانیاً: یہود و تورات کے احکام و مسائل کی طرف منسوب ہیں اور نصاریٰ کا تعلق انجیل کے احکام و مسائل سے ہے۔ اور یہ دونوں کتابیں ابراہیم علیہ السلام کے دنیا سے چلے جانے کے بہت بعد نازل ہوئی ہیں۔ پھر وہ لوگ ابراہیم علیہ السلام کو اپنے ساتھ کیوں ملاتے ہیں حالانکہ وہ ان سے بہت پہلے تھے۔ کیا یہ معقول بات ہے؟ اس لیے فرمایا: ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے، یعنی اگر تم خود اپنی بات کو سمجھ سکتے ہو تو یہ بات نہ کہتے۔ ثالثاً: اللہ تعالیٰ نے اپنے خلیل علیہ السلام کا یہود نصاریٰ اور مشرکین سے کوئی بھی تعلق ہونے سے انکار فرمایا ہے۔ انہیں خالص مسلمان قرار دیا ہے۔ آپ سے تعلق ان کا ہے جو آپ پر ایمان لا کر آپ کی امت بنے، ان کے بعد ابراہیم علیہ السلام سے تعلق محمد ﷺ کا اور آپ پر ایمان رکھنے والوں کا ہے۔ یہی اصل میں آپ کے تبع ہیں۔ لہذا دوسروں کی نسبت ان ہی کا تعلق ابراہیم علیہ السلام سے ثابت ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی ان کا مددگار اور مؤید ہے۔ اس کے برعکس جن لوگوں نے ابراہیم علیہ السلام کے دین کو پس پشت ڈال دیا، جیسے یہود نصاریٰ اور مشرکین، ان کا ابراہیم علیہ السلام سے کوئی تعلق نہیں۔ نہ ابراہیم علیہ السلام کا ان سے کوئی تعلق ہے۔ انہیں اس خالی نسبت کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ ان آیات میں یہ مسئلہ بیان ہوا ہے کہ بغیر علم کے بحث کرنا منع ہے۔ جو ایسی بات کرتا ہے اسے اس کی اجازت نہیں دی جانی چاہیے۔ ان میں علم تاریخ حاصل کرنے کی ترغیب بھی ہے۔ اس کے ذریعے سے بہت سے غلط اقوال اور غلط عقائد کی تردید کی جاسکتی ہے جو تاریخ کے معلوم واقعات کے مخالف ہوں۔

وَدَّتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْكُمْ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ

چاہتا ہے ایک گروہ اہل کتاب میں سے کاش کہ وہ گمراہ کر دیں تمہیں اور نہیں گمراہ کرتے وہ مگر اپنے آپ ہی کو

وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۹﴾ يَا اَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِآيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۲۰﴾

اور نہیں شعور رکھتے وہ اے اہل کتاب! کیوں کفر کرتے ہو تم ساتھ اللہ کی آیتوں کے؟ حالانکہ تم (اکلی چپائی کی) گواہی دیتے ہو

يَا اَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ

اے اہل کتاب! کیوں غلط ملط کرتے ہو تم حق کو باطل کے ساتھ اور چھپاتے ہو تم حق کو حالانکہ تم

تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ وَقَالَتْ طَّائِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْ اُنزِلَ عَلٰى الَّذِيْنَ

جاننے ہو؟ اور کہا ایک گروہ نے اہل کتاب میں سے (اپنے لوگوں کو) ایمان لاؤ ساتھ اس چیز کے جو نازل کی گئی ہے اور ان لوگوں کے جو

اٰمَنُوْا وَجِهَ النَّهَارِ وَانْكُرُوْا اٰخِرًا لِّعَلَّهْمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ

ایمان لائے شروع دن میں اور کفر کرو دن کے آخری حصے میں شاید کہ وہ (مسلمان بھی) پھر جائیں ○ اور نہ یقین کرو تم گمراہی کا جو پیر و کار ہے

دِيْنِكُمْ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدٰى اللّٰهِ اَنْ يُؤْتٰى اَحَدًا مِّثْلَ مَا اُوْتِيْتُمْ اَوْ

تمہارے دین کا کہہ دیجئے بلاشبہ ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے (اور نہ یہ مانو) کہ دیا جائے کوئی مثل اس کے جو تم دیئے گئے یا

يُحَاجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ

(یہ کہ) وہ جو چھڑیں گے تم سے (اور غالب آجائیں گے) تمہارے رب کے پاس کہہ دیجئے بے شک فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ دیتا ہے یہ (فضل)

مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاَسِعَ عَلِيْمٌ ﴿۳۹﴾ يَخْضُصْ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط

جس کو چاہتا ہے اور اللہ وسعت والا جاننے والا ہے ○ خاص کرتا ہے وہ ساتھ اپنی رحمت کے جس کو چاہتا ہے

وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۴۰﴾

اور اللہ صاحب فضل عظیم ہے ○

اللہ تعالیٰ مومنوں کو اہل کتاب کے اس خبیث گروہ کی مکاریوں سے متنبہ فرما رہا ہے کہ ان کی خواہش یہی ہے کہ تمہیں گمراہ کر دیں۔ جیسے ارشاد ہے۔ ﴿وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اَنْ يَّوَدُّوْكُمْ مِّنْ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ لَقٰرًا﴾ (البقرة: ۱۰۹/۱۲) ”اہل کتاب کے اکثر لوگ تمہیں ایمان لانے کے بعد دوبارہ کا فر بنا دینے کی خواہش رکھتے ہیں“ اور جسے کسی چیز کی خواہش ہوتی ہے وہ اسے حاصل کرنے کے لیے جدوجہد بھی کرتا ہے۔ یہ گروہ بھی پوری کوشش کرتا ہے کہ مومنوں کو مرتد کر دے۔ اس مقصد کے لیے وہ لوگ ہر ممکن طریقے سے شبہات پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن یہ اللہ کا فضل ہے کہ بری تدبیریں کرنے والا اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ اس لیے اللہ نے فرمایا: ﴿وَمَا يَصْنَعُوْنَ اِلَّا اَنْفُسَهُمْ﴾ ”دراصل وہ خود اپنے آپ کو گمراہ کر رہے ہیں“ مومنوں کو گمراہ کرنے کی کوشش خود ان کی گمراہی اور عذاب میں اضافے کا باعث بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ﴾ (النحل: ۶/۸۸) ”جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا، ہم ان کے عذاب میں عذاب کا اضافہ کر دیں گے، کیونکہ وہ فساد کرتے تھے“ ﴿وَمَا يَشْعُرُوْنَ﴾ ”اور سمجھتے نہیں“ انہیں اس بات کا احساس ہی نہیں ہوتا کہ ان کی کوشش خود انہی کو نقصان پہنچا رہی ہے اور وہ تمہارا کچھ نہیں بگاڑ رہے۔

﴿يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِآيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ﴾ ”اے اہل کتاب! تم باوجود قائل ہونے کے پھر بھی اللہ کی آیات سے کیوں کفر کر رہے ہو؟“ یعنی تمہیں اللہ کی آیات کا انکار کرنے پر کون سی چیز مجبور کرتی ہے حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ جس مذہب پر تم کار بند ہو وہ باطل ہے اور محمد ﷺ جو کچھ لے کر آئے ہیں وہ حق ہے

خود تمہیں بھی اس میں شک نہیں بلکہ تم اس کی گواہی دیتے ہو اور بعض اوقات ایک دوسرے کو خفیہ طور پر یہ بات بتا بھی دیتے ہو۔ اس طرح اللہ نے انہیں اس گمراہی سے روکا ہے۔ پھر دوسروں کو گمراہ کرنے پر انہیں زجر و توبیح فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے: ﴿يَا اَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾^۱ ”اے اہل کتاب! باوجود جاننے کے حق و باطل کو کیوں خلط ملط کرتے ہو؟ اور کیوں حق کو چھپا رہے ہو؟“ اللہ نے انہیں حق و باطل کو خلط ملط کرنے اور حق کو چھپانے پر توبیح کی ہے۔ کیونکہ ان دو طریقوں سے وہ اپنے ساتھ تعلق رکھنے والوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ جب علماء حق و باطل میں امتیاز نہ کریں بلکہ معاملہ مبہم رہنے دیں اور جس کو ظاہر کرنا ان کا فرض ہے اسے چھپالیں تو اس کا نتیجہ بہت برائے نکلے گا کہ حق چھپ جائے گا اور باطل عام ہو جائے گا۔ اور جو عوام حق کے متلاشی ہوں گے انہیں ہدایت نہیں ملے گی۔ حالانکہ اہل علم سے تو یہ مطلوب ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کے سامنے حق ظاہر کریں۔ اس کا اعلان کریں، حق کو باطل سے اور پاک کو ناپاک سے الگ کر کے واضح کر دیں۔ حلال و حرام اور صحیح و غلط عقائد کو الگ الگ کر دیں۔ تاکہ ہدایت یافتہ لوگ ہدایت پر قائم رہیں۔ اور گمراہ حق کی طرف پلٹ آئیں اور عناد کی وجہ سے انکار کرنے والوں پر اتمام حجت ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيثَاقَ الَّذِيْنَ اَوْثَقَ الْكِتٰبَ لَسُبِّئِنَّهُ لَلنَّاسِ وَاَلَّا يَكْتُمُوْنَهُ فَنَبَّؤْهُ وَاَرٰآءَ ظُهُورِهِمْ﴾ (آل عمران: ۸۷/۳)

”جب اللہ نے ان لوگوں سے وعدہ لیا جنہیں کتاب دی گئی تھی کہ اسے لوگوں کے لیے بیان کریں گے اور چھپائیں گے نہیں، تو انہوں نے اس وعدے کو پس پشت ڈال دیا۔“

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس خبیث جماعت کے ارادوں اور مومنوں کے خلاف سازش کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَقَالَتْ طَآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا بِالَّذِيْ اُنزِلَ عَلٰی الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجَهَ النَّهَارِ وَاَنْفَرُوْا اٰخِرَةَ﴾^۲ ”اور اہل کتاب کی ایک جماعت نے کہا: جو کچھ ایمان والوں پر اتارا گیا ہے اس پر دن چڑھے تو ایمان لاؤ اور شام کے وقت کافر بن جاؤ“ یعنی صبح کے وقت مکر اور دھوکا کرتے ہوئے ایمان کا اظہار کرو۔ اور جب شام ہو تو اسلام سے نکل جاؤ۔ ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾^۳ ”تاکہ یہ لوگ بھی (اپنے دین سے) پلٹ جائیں۔“ پس وہ سوچیں گے اگر یہ دین صحیح ہوتا تو اہل کتاب جو اہل علم ہیں وہ اس سے نہ نکلتے۔ انہوں نے یہ چاہا، اپنے آپ کو اچھا سمجھتے اور یہ گمان کرتے ہوئے کہ لوگ ان کے بارے میں حسن ظن رکھتے ہوئے ان کے ہر قول و عمل میں ان کی پیروی کریں گے۔ لیکن اللہ تعالیٰ اپنا نور پورا کر کے رہے گا خواہ کافروں کو کتنا ہی ناگوار ہو۔ ﴿وَلَوْ﴾^۴ ”اور“ انہوں نے ایک دوسرے سے کہا۔ ﴿لَا تُؤْمِنُوْا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِيْنََكُمْ﴾^۵ ”سوائے تمہارے دین پر چلنے والوں کے اور کسی کا یقین نہ کرو۔“ یعنی تم صرف اپنے ہم مذہب افراد پر اعتماد کرنا دوسروں سے اس بات کو چھپا کر رکھنا۔ اگر تم نے دوسرے مذہب والوں کو بتا دیا تو جو علم تمہیں حاصل ہے انہیں بھی حاصل ہو جائے گا، تو وہ تمہارے جیسے ہو جائیں گے یا

قیامت کے دن تم سے بحث کریں گے اور رب کے پاس تمہارے خلاف گواہی دیں گے کہ تم پر حجت قائم ہو چکی تھی اور تمہیں ہدایت معلوم ہو چکی تھی، لیکن تم نے اس کی اتباع نہیں کی۔ خلاصہ یہ ہے کہ انہوں نے یہ سمجھا کہ اگر ہم مومنوں کو نہیں بتائیں گے تو انہیں اس سازش کا بالکل علم نہیں ہو سکے گا۔ کیونکہ ان کے خیال میں علم صرف انہی کے پاس ہو سکتا ہے جس سے ان پر حجت قائم ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿لِنَّ الْهُدٰی هٰدِیَ اللّٰهِ﴾ ”بے شک ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے“ لہذا ہر ہدایت یافتہ کو ہدایت اللہ ہی سے ملتی ہے۔ علم میں یا تو حق کو جاننا شامل ہے یا اسے اختیار کرنا۔ علم صرف وہی ہے جو اللہ کے رسول لائے ہیں اور توفیق صرف اللہ کی طرف سے ملتی ہے۔ اہل کتاب کو علم بہت کم ملا ہے۔ اور توفیق سے وہ بالکل محروم ہیں کیونکہ ان کی نیتیں اور ارادے غلط ہیں۔ اس کے برعکس اس امت کو اللہ کی ہدایت کی وجہ سے علوم و معارف بھی حاصل ہوئے ہیں اور ان پر عمل کی توفیق بھی۔ اس وجہ سے وہ دوسروں سے افضل ہو گئے۔ لہذا وہی رہنما قرار پائے جو اللہ کے حکم کے مطابق ہدایت و رہنمائی کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ یہ امت پر اللہ کا عظیم فضل و احسان ہے۔ اس لیے اللہ نے فرمایا ﴿قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ﴾ ”کہہ دیجئے، فضل تو اللہ ہی کی ہاتھ میں ہے۔“ وہی اپنے بندوں پر ہر قسم کا احسان فرماتا ہے۔ ﴿يُوَفِّيهِ مَن يَّشَاءُ﴾ ”وہ جسے چاہے اسے دے“ جو اس کے اسباب اختیار کرے گا، اللہ اس کو اپنا فضل دے گا، ﴿وَاللّٰهُ وَّاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ ”اور اللہ وسعت والا علم والا ہے“ اس کا فضل و احسان بہت وسیع ہے۔ وہ جانتا ہے کون احسان کے قابل ہے، اسے وہ عطا فرماتا ہے اور کون اس کا مستحق نہیں، چنانچہ اسے محروم رکھتا ہے۔ ﴿يَخْصُصُ بِرَحْمَتِهِ مَن يَّشَاءُ﴾ ”وہ اپنی رحمت کے ساتھ جسے چاہے مخصوص کر لے“، یعنی اس کی وہ مطلق رحمت جو دنیا میں ہوتی ہے اور آخرت سے متصل ہے۔ اس سے مراد دین کی نعمت اور اس کی تکمیل کرنے والی چیزیں ہیں۔ ﴿وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ﴾ ”اور اللہ بڑے فضل والا ہے“ اس کے فضل کی وسعت بیان نہیں کی جاسکتی، بلکہ کسی انسان کے دل میں اس کا خیال بھی نہیں آسکتا۔ اس کا فضل و احسان وہاں تک پہنچتا ہے جہاں تک اس کا علم پہنچتا ہے۔ اے ہمارے رب! تیری رحمت اور تیرا علم ہر شے کو محیط ہے۔

وَمِنْ اٰهْلِ الْكِتٰبِ مَنۢ اِنْ تَامَنۡهُ بِقِنطَارٍ يُّوَدِّدَ اِلَيْكَ

اور بعض اہل کتاب میں سے وہ ہیں کہ اگر آپ امانت رکھیں انکے پاس ایک ڈھیر (سونے چاندی کا) تو بھی وہ ادا کر دیں گے آپ کو

وَمِنْهُمْ مَّنۢ اِنْ تَامَنۡهُ بِدِيْنَارٍ لَا يُؤَدِّدُ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قٰبِطًا

اور بعض ان میں سے وہ ہیں کہ اگر آپ امانت رکھیں انکے پاس ایک دینار تو نہیں ادا کریں گے وہ آپ کو گمراہ (یکہ) آپ ہمیشہ ہیں ان (کے سر) پر کھڑے

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاُمَمِيْنَ سَبِيْلٌۭ ؕ وَيَقُوْلُوْنَ عَلٰی اللّٰهِ

یہ سب اس کے کہ بے شک انہوں نے کہا، نہیں ہے ہم پر ایسوں (عربوں) کے بارے میں کوئی گناہ اور کہتے ہیں وہ اللہ پر

الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۵۰﴾ بَلَىٰ مَنْ اَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاَتَىٰ فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ

جھوٹ اور وہ جانتے ہیں ○ کیوں نہیں؟ جو شخص پورا کرے اپنا عہد اور (اللہ سے) ڈرے تو بلاشبہ اللہ محبت کرتا ہے

الْمُتَّقِيْنَ ﴿۵۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اَوْلٰئِكَ

متقی لوگوں سے ○ بے شک وہ لوگ جو خریدتے (لیتے) ہیں اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کے عوض قیمت تھوڑی سی یہی وہ لوگ ہیں کہ

لَا خَلٰقَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ

نہیں ہے کوئی حصہ ان کے لیے آخرت میں اور نہ کلام کرے گا ان سے اللہ اور نہ دیکھے گا انکی طرف (نظر رحمت سے) دن قیامت کے

وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَا لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۵۲﴾

اور نہ پاک کرے گا ان کو اور ان کے لیے، عذاب ہے درد ناک ○

اللہ تعالیٰ اہل کتاب کے بارے میں بیان فرما رہا ہے کہ مالوں میں ان کی دیانت اور بددیانتی کا کیا حال

ہے۔ جب دین کے بارے میں ان کی خیانت، مکر اور حق کو چھپانے کا ذکر فرمایا تو اس کے بعد بتایا کہ ان میں سے

خائن بھی ہیں اور دیانت دار بھی۔ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ ﴿مَنْ اِنْ تَامَنَهُ بِقِنطَارٍ﴾ ”تو اگر انہیں خزانے کا

(یعنی بہت زیادہ مال کا) امین بنا دے۔“ ﴿يُؤَدُّهُ﴾ ”تو بھی وہ واپس کر دیں۔“ اور اس سے کم تر تو بالاولیٰ

واپس کریں گے اور ان میں سے بعض ایسے بھی ہیں کہ ﴿مَنْ اِنْ تَامَنَهُ بِدَيْنَارٍ لَا يُؤَدُّهُ اِلَيْكَ﴾ ”اگر تو انہیں

ایک دینار بھی امانت دے تو تجھے ادا نہ کریں۔“ اور بڑی رقم ادا کرنے سے تو بالاولیٰ انکار کریں گے۔ انہیں خیانت

اور بے وفائی کی عادت اس لیے ہوئی کہ ان کے خیال کے مطابق ﴿لَيْسَ عَلَيْنَا فِي الْاٰمِيْنِ سَبِيْلٌ﴾ ”ان

پر جاہلوں کے حق میں کوئی گناہ نہیں۔“ یعنی اگر وہ (اُمیّین) ”ان پڑھ عربوں“ کے مال واپس نہ کریں تو انہیں

گناہ نہیں ہوگا۔ وہ اپنی فاسد رائے کی بنا پر انہیں انتہائی حقیر سمجھتے ہیں اور خود کو انتہائی عظمت والے تصور کرتے ہیں

حالانکہ اصل میں حقیر اور ذلیل وہ خود ہیں۔ پس انہوں نے (اُمیّین) کے مال کی حرمت کو نہ سمجھا اور اسے انہوں

نے اپنے لیے جائز قرار دے لیا۔ اس طرح وہ دو گناہوں کے مرتکب ہوئے۔ حرام کھانا اور حرام خوری کو حلال

سمجھنا۔ یہ عقیدہ اللہ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہے۔ کیونکہ جو عالم حرام اشیاء کو حلال کہتا ہے وہ گویا لوگوں کو

اللہ کا حکم سناتا ہے اپنی بات نہیں سناتا۔ جبکہ اللہ کا یہ حکم نہیں اور اسی کو جھوٹ کہتے ہیں۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا:

﴿وَيَقُوْلُوْنَ عَلٰی اللّٰهِ الْكٰذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ﴾ ”یہ لوگ باوجود جاننے کے اللہ پر جھوٹ کہتے ہیں“ یہ گناہ بغیر

جانے بوجھ اللہ کے بارے میں باتیں بنانے سے بھی بڑا گناہ ہے۔ پھر اللہ نے ان کے غلط خیال کی تردید

کرتے ہوئے فرمایا ﴿بَلٰی﴾ یعنی حقیقت وہ نہیں جو تم کہہ رہے ہو کہ تمہیں جاہلوں کے حق کا مواخذہ نہیں ہوگا۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تمہیں اس جرم کا سخت گناہ ہوگا۔ ﴿مَنْ اَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ وَاَتَىٰ﴾ ”جو شخص اپنا قرار پورا کرے

اور پرہیزگاری کرے۔“ اس عہد و قرار میں وہ وعدہ بھی شامل ہے جو بندے اور رب کے درمیان ہے۔ اس میں اللہ کے وہ تمام حق شامل ہیں جو اس نے بندے پر واجب کیے ہیں۔ اور وہ وعدہ بھی شامل ہے جو بندے کا دوسرے بندوں سے ہوتا ہے۔ اس مقام پر عہد و پیمان سے مراد ان گناہوں سے بچنا ہے جو حقوق اللہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان سے بھی جو حقوق العباد سے متعلق ہیں۔ جو شخص ان سب گناہوں سے بچتا ہے وہ متقی ہے جن سے اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے خواہ وہ (اُمّیّین) (عرب ان پڑھ لوگوں) میں سے ہو یا دوسروں میں سے ہو اور جو شخص یہ کہتا ہے کہ ہمیں جاہلوں کے حق کا کوئی گناہ نہیں، اس نے اللہ کا وعدہ پورا نہیں کیا، اور اللہ سے نہیں ڈرا۔ لہذا اسے اللہ کی محبت حاصل نہیں ہوئی، بلکہ اللہ اس سے بغض رکھتا ہے۔ اگر ان پڑھ ایقائے عہد، تقویٰ اور مالی خیانت سے پرہیز سے متصف ہوں گے تو وہی اللہ کے پیارے ہوں گے، وہی متقی کہلائیں گے جن کے لیے جنت تیار کی گئی ہے۔ وہ اللہ کی مخلوق میں افضل مقام پر فائز ہوں گے۔ لیکن جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمیں جاہلوں کی حق تلفی کرنے سے گناہ نہیں ہوتا وہ اللہ کے اس قول میں داخل ہوتے ہیں: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَشْتَرُونَ بِعَهْدِ اللَّهِ وَأَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيلًا﴾ بے شک جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی قسموں کو تھوڑی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں۔“ اس میں ہر وہ شخص شامل ہے جو اللہ کی یا بندوں کی حق تلفی کر کے اس کے عوض دنیا کی کوئی چیز لیتا ہے۔ اسی طرح جو شخص جھوٹی قسم کھا کر کسی کا مال ناجائز طور پر لے لیتا ہے وہ بھی اس آیت میں شامل ہے۔ یہی لوگ ہیں جن کے بارے میں ارشاد ہے: ﴿لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ﴾ ”ان کے لیے آخرت میں کوئی حصہ نہیں۔“ یعنی وہاں انہیں کوئی بھلائی اور خیر حاصل نہیں ہوگی۔ ﴿وَلَا يَكَلِّمُهُمُ اللَّهُ﴾ ”اور اللہ ان سے بات نہیں کرے گا“، یعنی قیامت کے دن ان سے ناراض ہوگا اس لیے ان سے کلام نہیں کرے گا۔ کیونکہ انہوں نے خواہش نفس کو رب کی رضا سے مقدم سمجھا ہے۔ ﴿وَلَا يَزِيدُهُمْ﴾ ”اور نہ انہیں پاک کرے گا“ اللہ تعالیٰ انہیں گناہوں سے پاک نہیں کرے گا، ان کے عیب زائل نہیں کرے گا۔ ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ”اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“ جس سے دلوں کو بھی تکلیف ہوگی اور بدنوں کو بھی۔ وہ ہے ناراضی کا عذاب دیدار الہی سے محرومی کا عذاب اور جہنم کا عذاب۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

وَأَنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلُونُ السُّنَّتَهُمْ بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ

اور بیشک ان میں سے البتہ ایک گروہ ایسا ہے جو مڑتے ہیں زبانیں اپنی ساتھ (پڑھنے) کتاب کے تاکہ سمجھو تم اس کو کتاب سے، حالانکہ نہیں ہے وہ

مِنَ الْكِتَابِ وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ

کتاب میں سے، اور کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی جانب سے ہے حالانکہ نہیں ہے، وہ اللہ کی جانب سے، اور کہتے ہیں وہ

عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۸۵﴾

اللہ پر جھوٹ اور وہ جانتے ہیں ○

اللہ تعالیٰ بتا رہا ہے کہ اہل کتاب میں سے ایک گروہ ایسا ہے جو کتاب پڑھتے ہوئے اپنی زبان مروڑتا ہے اور اسے اس کے اصل معانی سے ہٹا دیتا ہے۔ اس میں لفظی تحریف بھی شامل ہے اور معنوی تحریف بھی۔ کتاب سے اصل مطلوب یہ ہے کہ اس کے الفاظ کو یاد کیا جائے، ان میں تبدیلی نہ کی جائے، اس کے مفہوم کو سمجھا اور سمجھایا جائے۔ انہوں نے صورت حال برعکس کر دی۔ اور وہ بات سمجھائی جو کتاب سے مراد نہیں۔ خواہ اشارتا ایسا کیا ہو یا صراحتاً۔ اشارتا کا ذکر ان الفاظ میں ہے ﴿لِتَحْصِبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ﴾ ”تا کہ تم اسے کتاب میں سے خیال کرو۔“ یعنی وہ اپنی زبانوں کو مروڑ کر یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ اللہ کی کتاب سے یہی مسئلہ مراد ہے۔ حالانکہ حقیقت میں وہ مراد نہیں ہوتا۔ صراحتاً کا ذکر ان الفاظ میں ہے ﴿وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ ”اور یہ کہتے ہیں کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے حالانکہ دراصل وہ اللہ کی طرف سے نہیں۔ وہ تو دانستہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔“ یہ علم کے بغیر اللہ کے ذمے کوئی بات لگانے سے بڑا جرم ہے۔ یہ اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں۔ اس طرح دو طرح کا جرم کرتے ہیں۔ صحیح مفہوم کی نفی کرتے ہیں اور غلط مفہوم کا اثبات کرتے ہیں۔ اور جو لفظ حق معنی پر دلالت کرتا ہے اس سے باطل معنی مراد لیتے ہیں حالانکہ وہ حقیقت سے باخبر ہوتے ہیں۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُؤْتِيَهُ اللَّهُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَكِنْ كُونُوا رَبَّكُمْ بِنِعْمَةِ اللَّهِ تَعْلَمُونَ الْكِتَابَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُونَ ﴿۹۹﴾ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلَائِكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرْبَابًا ۗ إِنَّكُمْ لَخَالِقُونَ كُلِّ شَيْءٍ وَإِنَّا عَالِمُونَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۰۰﴾

اور بوجہ اس کے کہ ہوتم (خود بھی) پڑھتے اور نہیں حکم دے گا وہ تم کو اس بات کا (بھی) کہ بنا لو تم فرشتوں کو اور نبیوں کو رب

أَيُّكُمْ بِالْكَفْرِ بَعْدَ إِذْ أَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۱۰۰﴾

کیا وہ حکم دے گا تمہیں کفر کا بعد اس کے کہ تم ہو چکے مسلمان؟ ○

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ نبی ﷺ نے کچھ اہل کتاب کو ایمان لانے اور اطاعت کرنے کی تبلیغ کی تو انہوں نے کہا: ”محمد (ﷺ)! کیا آپ چاہتے ہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ آپ کی بھی عبادت کیا کریں؟“ اس کے جواب میں یہ آیت نازل ہوئی۔ فرمایا: ﴿مَا كَانَ لِبَشَرٍ﴾ ”کسی انسان کو یہ لائق نہیں“ یعنی جس انسان پر اللہ تعالیٰ یہ احسان کرے کہ اس پر کتاب نازل کرے اسے علم سکھائے اور مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجے ایسے انسان کے لیے ناممکن اور محال ہے کہ ﴿يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا عِبَادًا لِي مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ ”وہ لوگوں سے کہے کہ تم اللہ کو چھوڑ کر میرے بندے بن جاؤ۔“ ایسی بات کا کسی نبی کی زبان سے ادا ہونا سب سے بڑی محال چیز ہے۔ کیونکہ

یہ مطالبہ اتنا قبیح ہے کہ اس سے قبیح کوئی اور حکم نہیں ہو سکتا۔ اور انبیائے کرام کو کمال کا وہ مقام حاصل ہوتا ہے کہ اس سے زیادہ کمال کسی کو حاصل نہیں ہو سکتا۔ وہ حکم بھی ایسے کاموں کا دیتے ہیں جو ان کے حالات سے مناسبت رکھتے ہیں۔ وہ اعلیٰ کاموں کا حکم دیتے ہیں۔ اور برے کاموں سے منع کرنے میں بھی کوئی ان سے بڑھ نہیں سکتا۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رٰسِيْنَۢبَيْنَ يَمٰنٰكُمۡ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ﴾ یعنی وہ تو یہی حکم دیں گے کہ لوگ ربانی بن جائیں۔ ربانی کا مطلب یہ ہے کہ وہ عالم ہوں، دانا ہوں، حلم اور بردباری سے موصوف ہوں، لوگوں کو تعلیم دیں اور ان کی تربیت کریں، پہلے علم کے چھوٹے (اور آسان) مسئلے بتائیں۔ پھر بڑے (اور پیچیدہ) مسائل سمجھائیں، خود بھی عمل کریں۔ چنانچہ وہ علم و عمل کا حکم دیتے ہیں۔ جس پر سعادت کا دار و مدار ہے۔ جس میں کوئی چیز چھوٹ جائے تو نقص و خلل پیدا ہو جاتا ہے۔ ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ﴾ میں ”با“ سبب ہے۔ یعنی تم ربانی بن جاؤ اس سبب سے کہ تم دوسروں کو تعلیم دیتے ہو۔ اس میں یہ بات بھی آ جاتی ہے کہ تم خود اہل علم ہو۔ تم اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت پڑھتے ہو۔ اس کے پڑھنے پڑھانے سے علم پختہ ہوتا ہے اور باقی رہتا ہے۔ ﴿وَلَا يٰۤاٰمُرُكُمْۢ اَنْ تَتَّخِذُوْا الْمٰلِكِيَّةَ وَالنَّبِيْنَ اٰرْبَابًا﴾ ”اور یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ تمہیں فرشتوں اور نبیوں کو رب بنا لینے کا حکم دے“ یہ تخصیص کے بعد تعمیم ہے۔ یعنی وہ تمہیں نہ اپنی ذات کی عبادت کا حکم دے گا نہ کسی بھی دوسری مخلوق کی عبادت کا حکم دے گا خواہ وہ فرشتے ہوں یا انبیاء یا کوئی اور ﴿اٰیٰۤاٰمُرُكُمْۢ بِالْكَفْرِۢ بَعْدَۤ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ ”کیا وہ تمہارے مسلمان ہونے کے بعد پھر کفر کا حکم دے گا؟“ یہ نہیں ہو سکتا۔ جس کو نبوت کا شرف حاصل ہو اس سے کسی ایسی بات کا تصور بھی محال ہے۔ جو شخص کسی نبی کی طرف اس قسم کی کوئی بات منسوب کرتا ہے وہ بہت بڑے گناہ کا بلکہ کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيْنَ لَمَّا اٰتٰیْتِكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَ حِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ

اور (یاد کرو) جب لیا اللہ نے عہد (تمام) نبیوں سے البتہ جو کچھ دوں میں تمہیں کتاب اور حکمت سے پھر آئے تمہارے پاس

رَسُوْلًا مُّصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّۢ بِهٖ وَ لَتَنْصُرُنَّهٗۙ قَالَ ؕ اَقْرَرْتُمْ

کوئی رسول جو تصدیق کرنے والا ہو اگلی جو تمہارے پاس ہے تو تم ضرور ایمان لانا ساتھ اس (نبی) کے اور ضرور مدد کرنا اگلی اللہ نے فرمایا کیا تم اقرار کرتے ہو

وَ اَخَذْتُمْ عَلٰی ذٰلِكُمْ اِصْرِيْۙ قَالُوْۤا اَقْرَرْنَاۙ قَالَ فَاشْهَدُوْۤا وَاَنَا مَعَكُمْ

اور قبول کرتے ہو اس پر میرا عہد؟ کہا انہوں نے اقرار کیا ہم نے اللہ نے فرمایا تو تم گواہ رہنا اور میں بھی تمہارے ساتھ

مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱﴾ فَمَنْ تَوَلٰۤىۙ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُوْلٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۱۲﴾

گواہوں میں سے ہوں ○ پس جو کوئی روگردانی کرے گا بعد اس (عہد) کے تو وہی لوگ ہیں نافرمان ○

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ اس نے نبیوں سے پختہ عہد و پیمان لیا، کیونکہ انہیں کتاب دی

ہے جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے اور حکمت دی ہے جو حق و باطل کے درمیان اور ہدایت و گمراہی کے درمیان فرق کرنے والی ہے۔ کہ اگر اللہ تعالیٰ کوئی رسول بھیجے جو ان کے پاس آنے والی وحی اور کتاب کو سچا مانے۔ تو تمام نبیوں کو چاہیے کہ اس پر ایمان لائیں۔ اس کی تصدیق کریں اور اپنی امتوں کو بھی اس پر ایمان و تصدیق کا حکم دیں۔ چنانچہ اللہ نے تمام انبیاء علیہم السلام پر واجب کیا ہے کہ ایک دوسرے پر ایمان لائیں اور ایک دوسرے کی تصدیق کریں۔ کیونکہ ان کے پاس جو بھی احکام آئے ہیں اللہ کی طرف سے ہیں۔ اور اللہ کی طرف سے آنے والی ہر چیز پر ایمان لانا اور اس کی تصدیق کرنا ضروری ہے۔ وہ سب ایک اکائی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ چونکہ محمد ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ لہذا تمام انبیاء کرام پر واجب ہے کہ جس نبی کو بھی آپ ﷺ کا زمانہ ملے وہ آپ پر ایمان لائے۔ آپ کی پیروی کرے اور آپ کی مدد کرے۔ کیونکہ آپ ان کے امام پیشوا اور متبوع ہیں۔ یہ آیت کریمہ نبی ﷺ کے بلند مرتبے اور عظمت شان کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ تمام انبیاء علیہم السلام سے افضل اور ان کے سردار ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء کرام سے اقرار لیا ﴿قَالُوا أَأَقْرَبُ﴾ ”تو سب نے کہا: ہمیں اقرار ہے“ اور اے اللہ! ہم تیرا حکم قبول کرتے اور اسے سر آنکھوں پر رکھتے ہیں۔ ﴿قَالَ فَاشْهَدُوا﴾ اللہ نے انہیں فرمایا: اپنی ذات کی طرف سے بھی اور اپنی امتوں کی طرف سے بھی گواہ رہو۔ ﴿وَإِنَّا مَعَكُمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ﴾ ”اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں“ ﴿فَمَنْ تَوَلَّى بَعْدَ ذَلِكَ﴾ ”پس اس (پختہ وعدے اور عہد) کے بعد بھی (جس پر اللہ اور اس کے رسولوں کی گواہی ہے) جو پلٹ جائیں“ ﴿فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ﴾ ”تو وہ یقیناً پورے نافرمان ہیں“ لہذا جو شخص بھی یہ دعویٰ رکھتا ہے کہ وہ انبیاء کرام کا پیروکار ہے۔ یہودی ہو یا عیسائی یا کوئی اور۔ اگر وہ محمد ﷺ پر ایمان نہیں لایا تو وہ اس پختہ عہد کی خلاف ورزی کر رہا ہے۔ اس عہد شکنی کی سزا کے طور پر جہنم میں ہمیشہ رہنے کا مستحق ہو گیا ہے کیونکہ وہ نافرمان ہے۔

أَفْغَيْرَ دِينِ اللَّهِ يَبْعُونَ وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

کیا پس سوائے اللہ کے دین کے یہ (کوئی اور دین) تلاش کر رہے ہیں؟ حالانکہ اسی (اللہ) کے فرماں بردار ہیں جو کوئی بھی ہے آسمانوں اور زمین میں

طَوْعًا وَ كَرْهًا وَإِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿۸۷﴾

خوشی اور ناخوشی سے اور اسی کی طرف وہ لوٹائے جائیں گے ○

یعنی کیا یہ لوگ اللہ کے دین کے علاوہ کسی اور دین کے خواہش مند اور طالب ہیں؟ یہ خواہش نہ درست ہے نہ مناسب اس لیے کہ اللہ کے دین سے بہتر کوئی دین نہیں ﴿وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَ كَرْهًا﴾ ”حالانکہ تمام آسمانوں والے اور سب زمین والے اللہ ہی کے فرماں بردار ہیں۔ خوشی سے ہوں یا ناخوشی سے“ یعنی تمام مخلوق اس کی محکوم ہے۔ ان میں سے بعض نے اپنی خوشی سے اللہ کی اطاعت قبول کر لی ہے وہ مومن ہیں جو خوشی

سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور کچھ مجبوراً اللہ کے فرماں بردار ہیں۔ اس میں باقی تمام مخلوقات شامل ہیں۔ حتیٰ کہ کافر بھی اللہ کی قضاء و قدر کو تسلیم کرنے پر مجبور ہیں۔ اس سے نکل نہیں سکتے۔ تمام مخلوق اسی کے پاس واپس جائے گی وہ ان کے درمیان فیصلے کرے گا اور انہیں جزا و سزا دے گا۔ اور تمام معاملہ اس کے فضل کا مظہر ہوگا یا اس کے عدل کا۔

قُلْ أَمَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ عَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ

کہہ دیجئے ہم ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور ساتھ اس کے جو نازل کیا گیا ہم پر اور جو نازل کیا گیا اوپر ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق و یعقوب اور ان کی اولاد کے اور جو دیئے گئے موسیٰ اور عیسیٰ اور دوسرے انبیاء اپنے رب کی طرف سے نہیں

نُفِرَ بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ ﴿۸۴﴾

فرق کرتے ہم درمیان کسی ایک کے ان میں سے اور ہم اسی (اللہ) کے فرماں بردار ہیں ○

اس مفہوم کی آیت سورہ بقرہ میں گزر چکی ہے۔

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۗ وَهُوَ

اور جو کوئی تلاش کرے گا سوائے اسلام کے کوئی اور دین تو ہرگز نہیں قبول کیا جائے گا اس سے اور وہ

فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿۸۵﴾

آخرت میں خسارہ پانے والوں میں سے ہو گا ○

اللہ نے بندوں کے لیے دین اسلام پسند کیا ہے۔ جو شخص اللہ کے اس پسندیدہ دین کے علاوہ کسی اور دین پر چلے گا اس کا عمل ناقابل قبول ہوگا۔ کیونکہ دین اسلام میں اخلاص کے ساتھ اللہ کی اطاعت قبول کرنا اور رسولوں کی فرماں برداری کرنا شامل ہے۔ جب تک یہ کام نہ کرے اس وقت تک اس نے اللہ کے عذاب سے نجات دینے والا اور اللہ کے ثواب کا باعث بننے والا عمل نہیں کیا۔ اور اسلام کے سوا ہر مذہب باطل ہے۔

كَيْفَ يَهْدِي اللَّهُ قَوْمًا كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ

کیسے ہدایت دے گا اللہ ان کو جو کافر ہو گئے بعد اپنے ایمان کے اور (بعد اسکے کہ) گواہی دی انہوں نے اس بات کی کہ بلاشبہ رسول برحق ہیں

وَجَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ ۗ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿۸۶﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاءُ

اور آئیں ان کے پاس واضح نشانیاں اور اللہ نہیں ہدایت دیتا ظالم قوم کو ○ یہ لوگ سزا ان کی

أَنَّ عَلَيْهِمُ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْبَلَاغَةُ وَالنَّاسِ اجْعَلِينَ ﴿۸۷﴾ خَلِيدِينَ فِيهَا ۗ

(یہ ہے کہ) بیشک ان پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی ○ ہمیشہ رہیں گے وہ اس لعنت میں

لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿۸۸﴾

نہیں ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ وہ مہلت ہی دیئے جائیں گے ○

یہ استفہام استبعاد کے معنی میں ہے۔ یعنی یہ بہت بعید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو ہدایت دے جنہوں نے ایمان لا کر اور رسول کے سچا ہونے کی گواہی دینے کے بعد کفر اور گمراہی کو اختیار کر لیا۔ ﴿وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا، انہوں نے ظلم کیا اور حق کو پہچان کر اسے ترک کیا۔ اور ظلم اور سرکشی کرتے ہوئے اور خواہش نفس کی پیروی کرتے ہوئے باطل کو اختیار کر لیا، حالانکہ انہیں معلوم ہے کہ وہ باطل ہے، تو انہیں ہدایت کی توفیق نہیں ملتی۔ ہدایت کی امید اس شخص کے لیے کی جاسکتی ہے جس نے حق کو نہ پہچانا ہو، لیکن اسے حق کی تلاش ہو۔ ایسے شخص کے لیے ممکن ہے کہ اللہ اس کے لیے ہدایت کے اسباب میسر فرمادے اور گمراہی کے اسباب سے بچالے۔ پھر ان ظالموں اور ضدی لوگوں کی دنیوی اور اخروی سزا کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿أُولَئِكَ جَزَاءُ هُمْ أَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ○ خَلِيدِينَ فِيهَا لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ﴾ ان کی یہی سزا ہے کہ ان پر اللہ کی فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، ان کے عذاب کو ہلکا کیا جائے گا، نہ انہیں مہلت دی جائے گی، یعنی ان کا عذاب نہ تو لحظ بھر کے لیے ختم کیا جائے گا، نہ لحظ بھر کے لیے ہلکا کیا جائے گا۔ نہ انہیں مہلت دی جائے گی، کیونکہ مہلت کا زمانہ ختم ہو گیا اور اللہ نے ان کا عذر ختم کر دیا۔ یعنی اتنی عمر دے دی جس میں اگر کوئی نصیحت حاصل کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔ اگر ان میں کوئی بھلائی ہوتی تو ظاہر ہو جاتی۔ اب انہیں اگر دوبارہ دنیا میں آنے کا موقع دیا جائے تو دوبارہ وہی کام کریں گے، جس سے انہیں منع کیا گیا تھا۔

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ وَأَصْلَحُوا ۗ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۸۹﴾

مگر وہ لوگ جنہوں نے توبہ کی بعد اس کے اور (اپنی) اصلاح کر لی، تو بلاشبہ اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے ○
إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ اِزْدَادُوا كُفْرًا ۖ لَنْ نُقْبَلَ تَوْبَتَهُمْ ۗ
وَأُولَئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿۹۰﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفْرًا ۖ فَلَنْ يُقْبَلَ
اور یہی لوگ ہیں گمراہ ○ بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور مرے وہ ایسی حالت میں کہ وہ کافر ہی تھے تو ہرگز نہیں قبول کیا جائے گا
مِنْ أَحَدِهِمْ مِلَّةٌ مِنَ الْأَرْضِ ذَهَبًا ۖ وَلَوْ اِفْتَدَىٰ بِهِ ۗ أُولَئِكَ لَهُمْ

کسی ایک سے (بھی) ان میں سے زمین بھر سونا (بھی) اگرچہ وہ فدیے میں دے دے اسے یہی لوگ ہیں واسطے ان کے

عَذَابٌ أَلِيمٌ ۚ وَمَا لَهُمْ مِنْ نُصْرِينَ ﴿۹۱﴾

عذاب ہے دردناک اور نہیں ہو گا واسطے ان کے کوئی مددگار ○

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ جو شخص ایمان لانے کے بعد کفر کا ارتکاب کرے۔ پھر گمراہی میں آگے ہی آگے بڑھتا جائے ہدایت کو چھوڑے رکھے، ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ یعنی اسے توبہ کی توفیق ہی نہیں ملتی جو قبول ہو سکے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ انہیں ڈھیل دیتا ہے تو وہ گمراہی میں ٹانگ ٹوئیاں مارتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَنَقَلِبْ أَيْدِيَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوْلَٰ مَرَّةٍ﴾ (الانعام: ۱۱۰، ۱۱۱) ”اور ہم ان کے دلوں اور نگاہوں کو پھیر دیں گے۔ جیسے یہ لوگ اس پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے“ اور فرمایا: ﴿فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ﴾ (الصف: ۵۱، ۵۲) ”جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے بھی ان کے دل ٹیڑھے کر دیے“ گناہوں سے گناہ پیدا ہوتے ہیں۔ خاص طور پر جو شخص سیدھا راستہ چھوڑ دے اور کفر عظیم کا ارتکاب کرے، حالانکہ اس پر حجت قائم ہو چکی ہو اور اللہ نے اس کے لیے دلائل و براہین کو واضح کر دیا ہو۔ کیونکہ اس نے خود رب کی رحمت کے اسباب کو منقطع کرنے کی کوشش کی اور اپنے لیے توبہ کا دروازہ خود ہی بند کر لیا، لہذا گمراہی ایسے ہی لوگوں میں محصور ہو گئی ہے۔ اللہ نے فرمایا: ﴿وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ﴾ ”یہی لوگ گمراہ ہیں“ اس سے بڑی گمراہی کیا ہو سکتی ہے کہ انسان آنکھوں سے دیکھ کر سیدھی راہ کو ترک کر دے۔ یہ کافر اگر موت تک اپنے کفر پر قائم رہیں تو ان کے لیے ہلاکت اور ابدی بد نصیبی یقینی ہے، انہیں کسی چیز سے فائدہ نہیں ہوگا۔ ایسا شخص اگر زمین بھر سونا فدیہ دے کر اللہ کے عتاب سے بچنا چاہے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ ہمیشہ دردناک عذاب میں پڑا رہے گا۔ نہ کوئی اس کی سفارش کرے گا، نہ مدد۔ نہ کوئی اس کی فریاد سنے گا، نہ کوئی اللہ کے عذاب سے بچا سکے گا۔ یہ لوگ ہر خیر سے مایوس ہیں۔ ان کے لیے عذاب میں ہمیشہ کے لیے رہنے کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ اللہ ہمیں ان کے حال سے محفوظ رکھے۔



وَلَقَدْ بَعَثْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهِيَ كَلِمٌ مَبْدُوءَةٌ

تَذَكِّرُ بِالْحِكْمِ وَالنَّبِيِّينَ
فِي تَفْسِيرِ كَلِمِ الْمَثَانِ

المعروف

(أردو)

تفسیر السعدی

فی تفسیر عبد الرحمن بن ناصر السعدی

دار السلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور
لندن • ہیوسٹن • نیو یارک



ہیڈ آفس : پوسٹ بکس: 22743 الزیاض: 11416 سعودی عرب

فون : 4033962 - 4043432 (00966 1) فیکس: 4021659

ای میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون و فیکس: 4614483

جدہ فون و فیکس: 6807752 البر فون: 8692900 فیکس: 8691551

شارجہ فون : 5632623 فیکس: 5632624 (009716)

پاکستان: ① 50 نورمال نزدیم - لے - اوکلیج لاہور فون: 7232400 - 7240024 (0092 42)

فیکس: 7354072 ای میل: darussalampk@hotmail.com

② اقراسنٹر، غزنی سٹریٹ، اڈوبازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

لندن فون: 5202666 فیکس: 5217645 (0044 208)

ہیوسٹن فون: 7220419 فیکس: 7220431 (001 713) نیویارک فون: 625 5925 (001 718)

Website: <http://www.dar-us-salam.com>

وَأَقْرَبُ إِلَيْنَا الْقُرْآنَ لِلذَّكَرِ وَمِنْ مَرْكَبِهِ

تيسير
الكلمة الحمن
في تفسير كلام المثنان
(اردو ترجمہ)

پارہ نمبر چار 4

مفسر قرآن: فضیلہ شیخ عبدالرحمان بن ناصر السعدی رحمۃ اللہ علیہ

تحریر: عبدالرحمان بن محمد اللہوی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: انیس پر وفیسر طیب شاہین لودھی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: قرآن: حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ



دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ



فرمان الہی

وَقَالَ الرَّسُولُ
يَا رَبِّ إِنِّي قَوْمِي أَخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَلْجُورًا

اور رسول (ﷺ) روز قیامت فرمائیں گے:
"اے رب! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔"
(الفرقان: ۲۵-۳۷)

فرمان نبوی

إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ
بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيُضِعُّ بِهَا خَيْرِيْنَ

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو بلندیاں
عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلت و پستی میں ڈھیل دیتا ہے
(صحیح مسلم، حدیث: ۸۱۷)

پارہ نمبر چار 4

نمبر شمار	نام سورت	صفحہ نمبر	شمار پارہ
۳	سورة آل عمران (جاری)	391	۳ - ۳
۴	سورة النساء	467	۶ - ۵ - ۴

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ ۗ وَمَا تُنْفِقُوا

ہرگز نہ حاصل کر سکو گے تم نیکی یہاں تک کہ خرچ کر دو تم ان (چیزوں) سے جن کو تم پسند کرتے ہو اور جو خرچ کرو گے تم

مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ ﴿۹۱﴾

کسی چیز سے تو بلاشبہ اللہ اس کو خوب جاننے والا ہے ○

اس میں اللہ کی طرف سے بندوں کو ترغیب ہے کہ وہ نیکی کے کاموں میں خرچ کریں، چنانچہ فرمایا: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ﴾ ”تم ہرگز بھلائی نہ پاؤ گے“ یعنی تم کبھی ”بر“ حاصل نہیں کر سکو گے۔ ”بر“ میں ہر قسم کے نیکی اور ثواب کے کام شامل ہیں۔ جو کرنے والے کو جنت میں پہنچاتے ہیں۔ ﴿حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ ”جب تک تم ان چیزوں میں سے جو تمہیں عزیز ہیں (اللہ کی راہ میں) صرف نہ کرو گے۔“ یعنی جب تم مال کی محبت پر اللہ کی محبت کو ترجیح دیتے ہوئے اللہ کی رضامندی کے کاموں میں مال خرچ کرو گے تو اس سے ثابت ہوگا کہ تمہارا ایمان سچا ہے اور تمہارے دلوں میں نیکی اور تقویٰ موجود ہے۔ اس میں عمدہ اشیاء خرچ کرنا بھی شامل ہے اور خود ضرورت مند ہوتے ہوئے ضرورت کی چیز اللہ کی راہ میں دے دینا بھی اور صحت کی حالت میں خرچ کرنا بھی۔ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بندے کی نیکی کا معیار دل پسند اشیاء اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ جس قدر یہ خوبی کم ہوگی اتنا ہی اس کے نیک ہونے میں نقص ہوگا۔ چونکہ بندوں کو ہر انداز سے خرچ کرنے کا ثواب ملتا ہے کم ہو یا زیادہ دل پسند چیز ہو یا نہ ہو۔ اور ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتَّى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّونَ﴾ سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ جس چیز سے دلی محبت نہ ہو اسے خرچ کرنے پر ثواب نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ نے اس وہم کو دور کرنے کے لیے فرمایا: ﴿وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ﴾ ”اور جو کچھ تم خرچ کرو اللہ سے بخوبی جانتا ہے۔“ اللہ تمہیں تنگی میں نہیں ڈالتا بلکہ تمہاری نیت اور چیز کے فائدے کے مطابق تمہیں اس کا ثواب دے دیتا ہے۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلالًا لِّبَنِي إِسْرَائِيلَ إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَى نَفْسِهِ

تمام کھانا تھا حلال واسطے بنو اسرائیل کے مگر وہ جو حرام کر لیا تھا یعقوب نے اپنے نفس پر

مِنْ قَبْلِ أَنْ تَنْزَلَ التَّوْرَةُ ط قُلْ فَاتُوا بِالْتَّوْرَةِ فَاتَلَوْهَا إِنْ كُنْتُمْ

پہلے اس سے کہ نازل کی جائے تورات کہہ دیجئے! پس لاؤ تم تورات اور پڑھو اسے اگر ہو تم

صَادِقِينَ ﴿۹۲﴾ فَمِنْ أَفْتَرَى عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَأُولَئِكَ هُمُ

سچے ○ پس جس نے باندھا اوپر اللہ کے جھوٹ اس کے بعد تو یہی لوگ ہیں

الظَّالِمُونَ ﴿۹۳﴾ قُلْ صَدَقَ اللَّهُ فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا

ظالم ○ کہہ دیجئے! سچ کہا اللہ نے، پس اتباع کرو تم ملت ابراہیم کا جو حق پرست تھا

وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۹۵﴾

اور نہیں تھا وہ شرک کرنے والوں میں سے ○

یہ یہودیوں کے اس زعم باطل کی تردید ہے کہ احکام کا منسوخ ہونا جائز نہیں۔ اس لیے انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت کا انکار کیا، کیونکہ ان دونوں حضرات نے حلال و حرام کے بعض ایسے مسائل بیان فرمائے جو تورات کے احکام کے خلاف تھے۔ بحث میں انصاف کو مدنظر رکھتے ہوئے ان کے خلاف خود ان کی مسلمہ کتاب تورات سے دلیل پیش کی گئی ہے کہ کھانے کی تمام چیزیں بنی اسرائیل کے لیے حلال تھیں۔ ﴿إِلَّا مَا حَرَّمَ إِسْرَائِيلُ عَلَى نَفْسِهِ﴾ ”سوائے اس کے جس چیز کو اسرائیل یعنی یعقوب علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا“ یہ چیزیں اللہ نے حرام نہیں کی تھیں، آپ کو عرق النساء کی بیماری ہوگئی تو آپ نے نذرمان لی کہ اگر اللہ نے شفا عطا فرمائی تو وہ سب سے پسندیدہ غذا اپنے آپ پر حرام کر لیں گے۔ اللہ نے شفا دے دی تو مشہور قول کے مطابق انہوں نے اونٹ کا گوشت اور اونٹنی کا دودھ اپنے آپ پر حرام کر لیا۔ آپ کی اولاد نے بھی (آپ کے احترام میں) اس سے اجتناب کیا، یہ واقعہ تورات کے نزول سے بہت پہلے کا ہے۔ پھر تورات میں یعقوب علیہ السلام کی حرام کردہ اشیاء کے علاوہ بعض دوسری حلال اور پاک اشیاء کی حرمت کا حکم نازل ہوا۔ جیسے اللہ نے فرمایا ہے: ﴿فَيُظْلَمُ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَمْنَا عَلَيْهِمْ طَيْبَاتٍ أُحِلَّتْ لَهُمْ﴾ (النساء: ۱۶۰، ۱۶۱) ”یہودیوں کے ظلم کی وجہ سے ہم نے ان پر کئی پاک چیزیں حرام کر دیں جو ان کے لیے حلال تھیں“ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کو حکم دیتا ہے کہ اگر یہودی اس حقیقت کا انکار کریں تو تورات پیش کرنے کا حکم دیجئے۔ لیکن وہ اس کے بعد بھی ظلم و عناد کی روش پر قائم رہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَمَنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ ”اس کے بعد بھی جو لوگ اللہ پر جھوٹ بہتان باندھیں، وہی ظالم ہیں“ اس سے بڑا ظلم کیا ہو سکتا ہے کہ ایک آدمی کو اللہ کی کتاب کی روشنی میں فیصلہ کرنے کی دعوت دی جاتی ہے اور وہ عناد، تکبر اور سرکشی کی بنا پر اس سے انکار کر دیتا ہے۔ یہ بہت بڑی دلیل ہے کہ محمد ﷺ کی نبوت حق ہے۔ آپ کی اور آپ کو خبریں دینے والے کی سچائی پر طرح طرح کی واضح دلیلیں موجود ہیں، جس (اللہ) نے آپ کو وہ خبریں دیں، جن کا علم آپ کو اللہ کے بتائے بغیر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے فرمایا: ﴿قُلْ صَدَقَ اللَّهُ﴾ ”کہہ دیجئے اللہ سچا ہے“ ان خبروں میں بھی جو اس نے بتائی ہیں اور ان احکام میں بھی جو اس نے نازل کیے ہیں۔ اللہ کی طرف سے رسول کو اور اس کے رسول کے تابعین کو حکم ہے کہ زبان سے بھی کہیں ”اللہ سچا ہے“ اور ان یقینی دلائل کی بنیاد پر دل میں بھی یہ عقیدہ رکھیں، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس شخص کو سمعی اور عقلی تفصیلی دلائل کا علم زیادہ ہوتا ہے، اس کا اللہ کے سچا ہونے پر زیادہ یقین ہوتا ہے۔ پھر حکم دیا کہ اپنے جدا جدا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کی پیروی کرتے ہوئے توحید اختیار کریں اور

شُرک سے اجتناب کریں۔ کیونکہ سعادت و خوش نصیبی کا دار و مدار تو حید کو اختیار کرنے اور شرک سے پرہیز کرنے پر ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہودی وغیرہ جو ابراہیم علیہ السلام کے طریقے پر نہیں، وہ مشرک ہیں موحد نہیں۔ جب ابراہیم علیہ السلام کے اس طریقے کی پیروی کا حکم دیا گیا کہ تو حید اختیار کریں اور شرک سے بچیں تو اس کے بعد یہ حکم دیا گیا کہ ابراہیم علیہ السلام کے طریقے کی پیروی کرتے ہوئے بیت اللہ کا بھی احترام کریں یعنی حج اور عمرہ وغیرہ ادا کریں۔ چنانچہ ارشاد ہے:

إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبْرَكًا وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ ﴿۹۶﴾

بلاشبہ پہلا گھر جو مقرر کیا گیا واسطے لوگوں کے، البتہ وہ ہے جو مکہ میں ہے، بڑی برکت والا اور ہدایت واسطے جہانوں کے ○

فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ مَّقَامُ إِبْرَاهِيمَ ۚ وَمَنْ دَخَلَهُ كَانَ آمِنًا ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ

اس میں نشانیاں ہیں واضح، مقام ابراہیم (وغیرہ) اور جو اس میں داخل ہوا، ہو گیا وہ امن والا اور اللہ ہی کے لیے ہے اوپر

النَّاسِ حَجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا ۚ وَمَنْ كَفَرَ

لوگوں کے حج کرنا بیت اللہ کا، جو طاقت رکھے اس کی طرف راستے کی اور جس نے کفر کیا،

فَإِنَّ اللَّهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعَالَمِينَ ﴿۹۷﴾

تو بلاشبہ اللہ بے پروا ہے سارے جہانوں سے ○

اللہ تعالیٰ کعبہ شریف کا شرف بیان فرما رہا ہے کہ یہ پہلا گھر ہے جو اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے اس مقصد کے لیے مقرر کیا ہے کہ وہ اس میں اپنے رب کی عبادت کریں اور ان کے گناہ معاف ہوں اور انہیں وہ نیکیاں حاصل ہوں جن کی وجہ سے انہیں رب کی رضا حاصل ہو، اور وہ ثواب حاصل کر کے اللہ کے عذاب سے بچ جائیں۔ اس لیے فرمایا: ﴿مُبْرَكًا﴾ ”برکت والا ہے“ اس میں بہت سی برکتیں اور دینی و دنیوی فوائد موجود ہیں۔ جیسے دوسرے مقام

پر فرمایا: ﴿لَيْسَ هَذَا وَمَنْفَعٌ لَهُمْ وَيَدْرُكُوا السَّمَاءَ اللَّهُ فِي آيَاتِهِ مَعْلُومَاتٍ عَلَىٰ مَا رَدَّ قَهُمْ مِنْ بِهِمَةِ الْأَنْعَامِ﴾

(الحج: ۲۲/۲۸) ”تا کہ وہ اپنے فائدے حاصل کرنے کو آجائیں اور ان مقررہ دنوں میں ان چوپایوں پر اللہ کا

نام یاد کریں جو اس نے انہیں دیے ہیں“ ﴿وَهُدًى لِلْعَالَمِينَ﴾ ”اور ہدایت ہے جہان والوں کے لیے“ ہدایت

کی دو قسمیں ہیں: علمی ہدایت اور عملی ہدایت۔ عملی ہدایت تو ظاہر ہے کہ اللہ نے ایسی عبادتیں مقرر کی ہیں جو اس

مقدس گھر کے ساتھ مخصوص ہیں۔ علمی ہدایت یہ ہے کہ اس کی وجہ سے حق کا علم حاصل ہوتا ہے کیونکہ اس میں واضح

نشانیاں موجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فِيهِ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ﴾ ”اس میں کھلی کھلی نشانیاں ہیں“، یعنی مختلف علوم الہی

اور بلند مطالب پر واضح دلائل اور قطعی براہین موجود ہیں۔ مثلاً اللہ کی توحید کے دلائل، اس کی رحمت، حکمت، عظمت،

جلالت، اس کے کامل علم اور بے حد و حساب جود و سخا کے دلائل، اور انبیاء و اولیاء پر ہونے والے اللہ کے احسانات کی

نشانیوں۔ ان نشانیوں میں سے ایک ﴿مَقَامُ اِبْرٰهِيْمَ﴾ ”مقام ابراہیم“ بھی ہے۔ اس سے وہ پتھر بھی مراد ہو سکتا ہے جس پر کھڑے ہو کر ابراہیم علیہ السلام کعبہ کی عمارت بناتے رہے تھے۔ پہلے یہ کعبہ کی دیوار سے متصل تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دور خلافت میں اسے موجودہ مقام پر منتقل کیا۔ اس پتھر میں نشان سے مراد ایک قول کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قدموں کے نشان ہیں کہ سخت چٹان میں نشان پڑ گئے جو امت محمدیہ کے ابتدائی زمانے تک باقی رہے۔ یہ ایک خرق عادت مجزہ ہے۔ دوسرے قول کے مطابق نشان سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے دلوں میں اس کی عظمت، شرف اور احترام کے جذبات رکھ دیے ہیں۔ ”مقام ابراہیم“ کی دوسری تشریح یہ ہو سکتی ہے کہ یہ لفظ مفرد ہے جسے ابراہیم کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔ اس لیے اس سے مراد وہ تمام مقامات ہیں جن سے آپ کا تعلق ہے یعنی وہ تمام مقامات جہاں حج کے مناسک ادا ہوتے ہیں۔ اس لحاظ سے حج کے تمام مناسک بھی ”آیات بینات“ میں شامل ہیں۔ مثلاً طواف، سعی اور ان کے مقامات، عرفات اور مزدلفہ میں ٹھہرنا، رمی کرنا اور دوسرے شعائر۔ اس میں نشانی یہ ہے کہ اللہ نے لوگوں کے دلوں میں ان کی عظمت و احترام نقش کر دیا ہے۔ لوگ یہاں تک پہنچنے کے لیے مال و دولت خرچ کرتے اور ہر قسم کی مشقت برداشت کرتے ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں عجیب و غریب اسرار اور اعلیٰ معنویات پوشیدہ ہیں۔ اس کے افعال میں وہ حکمتیں اور مصلحتیں ہیں کہ مخلوق ان میں سے تھوڑی سی حکمتیں شمار کرنے سے بھی عاجز ہے۔ اس کی کھلی نشانیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس میں داخل ہونے والے کو اللہ تعالیٰ امن عطا فرماتا ہے اور اسے شرعی حکم بھی قرار دے دیا گیا ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اور اس کے پیغمبر ابراہیم علیہ السلام نے، پھر محمد ﷺ نے اس کے احترام کا حکم دیا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ جو اس میں داخل ہو جائے اسے امن حاصل ہو جاتا ہے۔ اسے وہاں سے نکالنا نہیں جاسکتا۔ یہ حرمت حرم کے شکار درختوں اور نباتات کو بھی حاصل ہے۔ اس آیت سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ اگر کوئی شخص حد و حرم سے باہر کوئی جرم کر لے پھر حرم میں آجائے تو اسے بھی امن حاصل ہوگا۔ جب تک وہ اس سے باہر نہیں آتا اس پر حد قائم نہیں کی جائے گی۔ اللہ کے قضا و قدر کے فیصلے کے مطابق اس مقام کے امن ہونے کی وضاحت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے دلوں میں حتیٰ کہ مشرکوں اور کافروں کے دلوں میں بھی اس کا احترام ڈال دیا۔ مشرکین عرب انتہائی لڑا کا طبیعت والے غیرت والے اور کسی کا طعنہ برداشت نہ کرنے والے تھے۔ اس کے باوجود اگر کسی کو اپنے باپ کا قاتل بھی حرم کی حدود میں مل جاتا تھا تو وہ اسے کچھ نہیں کہتا تھا۔ اس کے حرم ہونے کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ جو اسے نقصان پہنچانا چاہے اللہ تعالیٰ اسے دنیا ہی میں سزا دے دیتا ہے۔ جیسے ہاتھی والوں کے ساتھ ہوا۔

اس موضوع پر میں نے ابن قیمؒ کا بہت اچھا بیان پڑھا ہے۔ میراجی چاہتا ہے کہ اسے یہاں ذکر کر

دوں کیونکہ اس کا معلوم ہونا بہت ضروری ہے۔ امام صاحبؒ فرماتے ہیں:

فائدہ: ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا﴾ اس آیت میں (حج البيت) مبتدا ہے۔ اس کی خبر اس سے پہلے دو جارو مجرور میں سے کوئی ایک ہو سکتا ہے۔ معنی کے لحاظ سے (علی الناس) کو خبر بنانا بہتر ہے کیونکہ یہ وجوب کے لیے ہے۔ اور وجوب کے لیے (علی) ہونا چاہیے۔ ممکن ہے ”وللہ“ خبر ہو۔ کیونکہ اس میں وجوب اور استحقاق کا مفہوم ہے۔ اس قول کو اس امر سے بھی ترجیح حاصل ہوتی ہے کہ فائدہ کا اصل مقام خبر ہے۔ اس مقام میں اس کو لفظ مقدم کیا گیا ہے لیکن معنی کے لحاظ سے وہ موخر ہے۔ اس وجہ سے (وللہ علی الناس) کہنا بہتر ہوا۔ پہلے قول کی تائید میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ وجوب کے لیے (حج البيت علی الناس) ”بیت اللہ کا حج لوگوں پر واجب ہے“ کا انداز زیادہ استعمال ہوتا ہے نسبت یوں کہنے کے (حج البيت لله) ”بیت اللہ کا حج اللہ کا حق ہے۔“

اس تشریح کے مطابق پہلے مجرور کو مقدم کرنا حالانکہ وہ خبر نہیں، دونوں اندک کا حامل ہے: پہلا فائدہ: یہ حج کو واجب کرنے والے (اللہ) کا نام ہے۔ لہذا وجوب کے ذکر سے پہلے اس کا ذکر کرنا زیادہ حق رکھتا ہے۔ یعنی آیت میں تین اشیا کا ذکر ہے جو وقوع کے لحاظ سے بالترتیب ذکر ہوئی ہیں: (۱) اس فریضہ کو واجب کرنے والا۔ اس کا ذکر سب سے پہلے کیا گیا ہے۔ (۲) واجب کو ادا کرنے والا جس پر وہ فرض عائد ہوتا ہے۔ وہ ہیں لوگ (۳) وہ حق جس کے ساتھ اللہ کا تعلق واجب کرنے کا اور بندوں کا تعلق واجب ہونے اور ادا کرنے کا ہے وہ ہے حج۔

دوسرا فائدہ: مجرور اللہ تعالیٰ کا نام مبارک ہونے کی وجہ سے اہمیت کا مستحق ہے۔ لہذا اس کے واجب کیے ہوئے فریضہ کے احترام کی عظمت کا لحاظ رکھتے ہوئے اس فریضہ کو ضائع کرنے سے منع کرنے کے لیے اسے پہلے ذکر کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ کا واجب کیا ہوا کام کسی اور کے واجب کیے ہوئے کی طرح نہیں بلکہ زیادہ اہم اور لازم ہے۔ لفظ ”مَنْ“ بدل ہے۔ بعض لوگوں نے اسے مصدر کا فاعل قرار دینا پسند کیا ہے گویا آیت کا مفہوم یوں ہے: (ان یحج البيت من استطاع الیہ سبیلًا) ”کہ جو شخص اس کی طرف راستے کی طاقت رکھتا ہے وہ بیت اللہ کا حج کرے“ یہ قول کئی وجہ سے ضعیف ہے۔ (۱) حج فرض عین ہے۔ اگر آیت کا مفہوم یہ ہوتا جو ان لوگوں نے بیان کیا ہے تو اس سے حج کا فریضہ فرض کفایہ ہوتا۔ یعنی جب استطاعت والوں نے حج کر لیا تو دوسروں کے ذمہ سے ساقط ہو گیا۔ اس صورت میں معنی یوں بن جاتا ہے (وللہ علی الناس حج البيت مستطیعہم) ”لوگوں کے ذمہ اللہ کے لیے بیت اللہ کا حج فرض ہے استطاعت رکھنے والے کے لیے“ اس کا نتیجہ ہوگا کہ جب استطاعت رکھنے والوں نے ادا کر لیا تو استطاعت نہ رکھنے والوں پر واجب نہیں رہا۔ حالانکہ صحیح صورت حال یہ نہیں۔ بلکہ حج ہر شخص پر فرض عین ہے۔ طاقت والا حج کرے یا نہ کرے وہ اس کے ذمہ ہے۔ لیکن طاقت نہ رکھنے والے کو اللہ

نے معذور قرار دیا ہے۔ لہذا اس سے مواخذہ نہیں کرے گا نہ اس سے ادائیگی کا مطالبہ کرتا ہے۔ جب وہ حج کرے گا تو خود اس کا اپنا فرض ادا ہوگا۔ ایسا نہیں ہے کہ طاقت رکھنے والوں کے حج کرنے کی وجہ سے طاقت نہ رکھنے والوں سے فرضیت ساقط ہو جاتی ہو۔ اس کی مزید وضاحت اس مثال سے ہوتی ہے کہ جب کوئی کہے: (واجب علی اهل هذه الناحية ان يجاهد منهم الطائفة المستطيعون للجهاد) ”اس علاقے والوں کا فرض ہے کہ ان میں سے جہاد کی طاقت رکھنے والی جماعت ضرور جہاد کرے“ تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ جب طاقت رکھنے والے جہاد کریں تو دوسرے لوگوں سے وجوب کا تعلق ختم ہو جائے گا۔ لیکن اگر یوں کہا جائے (واجب علی الناس کلهم ان يجاهد منهم المستطيع) ”سب لوگوں کا فرض ہے کہ ان میں سے طاقت رکھنے والا جہاد کرے“ تو وجوب کا تعلق تو ہر فرد سے ہوگا، لیکن طاقت نہ رکھنے والے معذور سمجھے جائیں گے۔ لہذا (لله حج البيت علی المستطیعین) کے بجائے آیت مبارکہ کے انداز سے ارشاد فرمانے میں یہ نادر نکتہ ہے۔ لہذا اسے غور کر کے سمجھنا چاہیے۔

دوسری وجہ: جملہ میں فاعل کی موجودگی میں مصدر کی اضافت فاعل کی طرف کرنا مفعول کی طرف اضافت کرنے کی نسبت زیادہ اولیٰ ہے۔ اس اصول سے گریز صرف کسی منقول دلیل ہی کی بنیاد پر کیا جاسکتا ہے۔ آیت مبارکہ میں اگر (من) کو فاعل تسلیم کیا جائے تو اس کا تقاضا ہے کہ مصدر کو اس کی طرف مضاف کر کے یوں کہا جائے: (ولله علی الناس حج من استطاع) اسے (یُعَجِبُنِي ضَرْبُ زَيْدٍ عَمْرًا) جیسی مثال پر یا مصدر اور اس کے مضاف الیہ فاعل کے درمیان مفعول یا ظرف کے فاصلے کی صورت پر محمول کرنا گویا مکتوب پر محمول کرنا ہے جو مرجوح ہے۔ جیسے ابن عامر کی یہ قراءت مرجوح ہے (كذلك زَيْنٌ لَكثيرٍ من المشرکین قَتْلُ اولادهم شرکائهم) لہذا یہ قول درست نہیں ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ (من استطاع) میں (من) بدل بعض ہے تو ضروری ہے کہ کلام میں کوئی ضمیر موجود ہو جو (الناس) کی طرف راجع ہو۔ یعنی عبارت گویا یوں ہے (من استطاع منهم) اکثر مقامات پر اس ضمیر کا حذف کرنا بہتر نہیں ہوتا۔ البتہ یہاں اس کا حذف کرنا اچھا ہے۔ اس کی کئی وجوہ ہیں: (۱) (من) کا لفظ اس کے مبدل منہ کی طرح غیر عاقل پر واقع ہوا ہے۔ اس لیے اس سے ربط قائم ہو گیا ہے۔ (۲) یہ اسم موصول ہے جس کا صلہ اس سے زیادہ خاص ہے۔ اگر صلہ عام ہوتا تو ضمیر حذف کرنا قبیح ہوتا۔ اس کی مثال یہ ہے کہ جب آپ کہیں: (رايت اخوتک من ذهب الی السوق منهم) ”میں نے تیرے بھائیوں کو ان میں سے جو بازار گیا دیکھا“ تو یہ قبیح ہوگا۔ کیونکہ بازار جانینوالا دوسرے بھائیوں کی نسبت عام ہے۔ اسی طرح اگر یوں کہا جائے: (البس الثياب ما حسن) ”پہن جو اچھے ہیں“ مطلب یہ ہوگا کہ (ما حسن منها) ”ان میں سے جو اچھے ہیں“ تو ضمیر ذکر نہ کرنا زیادہ غلط ہوگا۔ کیونکہ لفظ (ما حسن) میں ”الثياب“ کی نسبت عموم

پایا جاتا ہے اور بدل بعض کو مبدل منہ سے زیادہ خاص ہونا چاہیے۔ اگر وہ زیادہ عام ہو پھر اسے مبدل منہ کی طرف لوٹنے والی چیز کی طرف مضاف کر دیا جائے یا اس ضمیر کے ساتھ مقید کر دیا جائے تو عموم ختم ہو جائے گا اور خصوص کا مفہوم باقی رہ جائے گا۔ (۳) یہاں مضاف کو حذف کرنا اس لیے بھی بہتر ہے کہ صلہ اور موصول کے ساتھ کلام زیادہ طویل ہو جاتا ہے۔

لفظ (لذہ) کے مجرور کے بارے میں دو احتمال ہیں اول یہ کہ وہ (من سبیل) کے محل میں ہو۔ گویا وہ مکہ کی صفت ہے جو مکہ سے مقدم ہے۔ کیونکہ اگر اسے موخر کیا جاتا تو وہ (سبیل) کی صفت کی جگہ ہوتا۔ دوم یہ کہ (سبیل) کا متعلق ہو۔ اگر آپ کہیں کہ یہ اس کا متعلق کیسے ہو سکتا ہے جب کہ اس ”سبیل“ میں فعل کا معنی نہیں۔ جواب یہ ہے کہ یہاں ”سبیل“ کا مفہوم ”الموصل الی البیت“ کعبہ تک پہنچانے والی چیز یعنی سامان سفر وغیرہ ہے۔ لہذا اس میں فعل کا تھوڑا سا مفہوم پایا جاتا ہے۔ یہاں ”سبیل“ سے وہ راستہ مراد نہیں جس پر چلتے ہیں۔ اس لیے جار مجرور اس کے متعلق ہو سکتا ہے۔ اور حسن نظم اور اعجاز لفظی کے لحاظ سے جار مجرور کو مقدم کرنا بہتر تھا، اگرچہ اس کا اصل مقام موخر ہی ہے کیونکہ یہ ضمیر ”بیت“ کی طرف راجع ہے۔ اور اصل ابیت ”بیت“ (کعبہ) ہی کو دینا مقصود ہے۔ اور اہل عرب کلام میں اہم چیز کو مقدم کرتے ہیں۔ یہ سہیلی کے کلام کی وضاحت ہے۔ لیکن یہ قول بہت بعید ہے۔ بلکہ جار مجرور کے متعلق ان دونوں سے بہتر ایک قول ہے وہی درست ہے۔ اور اس آیت سے وہی مفہوم مناسبت رکھتا ہے۔ وہ ہے ”وجوب“ جو آیت کے لفظ (علی الناس) سے سمجھ میں آتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ (یجب للہ علی الناس الحج) ”لوگوں پر اللہ کے لیے حج کرنا واجب ہے۔“ یعنی وہ اللہ کا وجودی حق ہے۔ اسے ”سبیل“ کے متعلق قرار دے کر اس کا حال بنانا بہت ہی بعید ہے۔ آیت سے یہ مفہوم بالکل ذہن میں نہیں آتا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے آپ کہیں (للہ علیک الصلاة والزکاة والصیام) ”آپ پر اللہ کے لیے نماز، زکوٰۃ اور روزہ ضروری ہے“

آیت میں ایک نکتہ یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی ایسے کام کا ذکر کرتا ہے جسے واجب یا حرام قرار دینا مقصود ہو تو وہ اکثر اوقات امر و نہی کے الفاظ سے مذکور ہوتا ہے۔ بعض اوقات اس مقصد کے لیے ایجاب، کتابت اور تحریم کے الفاظ بھی وارد ہوتے ہیں۔ مثلاً ﴿کَتَبَ عَلَیْکُمُ الصَّیَامَ﴾ (البقرہ: ۱۸۳) ”تم پر روزہ رکھنا لکھ دیا گیا ہے۔“ ﴿حَزَمْتُ عَلَیْکُمُ الْمِیْتَةَ﴾ (المائدہ: ۳۱۵) ”تم پر مردار حرام کیا گیا ہے“ ﴿قُلْ تَعَالَوْا اٰتِلْ مَا حَزَمْنَا بِکُمْ عَلَیْکُمْ﴾ (الانعام: ۱۵۱) ”آؤ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں کہ اللہ نے تم پر کیا پابندیاں لگائی ہیں۔“ حج کے بارے میں جو لفظ استعمال ہوا ہے ﴿وَاللّٰهُ عَلٰی النَّاسِ حَیْجُ الْبَيْتِ﴾ ”اس سے دس انداز سے وجوب ثابت ہوتا ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نام کو مقدم فرمایا ہے۔ اور اس پر ”ن“ داخل کیا ہے جس سے استحقاق اور اختصاص ظاہر ہوتا ہے۔ پھر جن پر واجب ہے ان کے لیے عموم کا صیغہ استعمال کیا ہے اور اس پر ”علی“

داخل کیا ہے، جس سے اہل استطاعت کو بدل بنایا ہے۔ پھر ”سبیل“ نکرہ ہے جو سیاق شرط میں واقع ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ حج ہر قسم کے ”سبیل“ میسر ہونے سے واجب ہو جاتا ہے مثلاً خوراک اور مال۔ یعنی وجوب کا تعلق ہر اس چیز سے ہے جسے ”سبیل“ کہا جاسکے۔ پھر اس کے بعد سب سے عظیم تہدید ذکر فرمائی اور فرمایا ﴿وَمَنْ كَفَرَ﴾ یعنی جس نے اس واجب پر عمل نہ کر کے اور اسے ترک کر کے کفر کا ارتکاب کیا۔ پھر اس کی عظمت شان کے لیے وعید کو موکد فرمایا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ مستغنی ہے۔ اسے کسی کے حج کی ضرورت نہیں۔ یہاں استغنا کے ذکر کا مقصد ناراضی غصے اور بے اعتنائی کا اظہار ہے جو بہت عظیم اور بلیغ وعید ہے۔ اس کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ یہاں (العالمین) کا عام لفظ بولا گیا ہے۔ یہ نہیں فرمایا: (فان الله غنى عنه) ”اللہ اس سے مستغنی ہے“ کیونکہ جب وہ تمام جہانوں سے مستغنی اور بے پروا ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اسے ہر لحاظ سے اور ہر اعتبار سے کامل و مکمل استغنا حاصل ہے۔ اس طرح اس کے واجب کردہ حق کو ترک کرنے والے پر اس کی ناراضی زیادہ تاکید سے ظاہر ہوتی ہے۔ پھر اس مفہوم کو لفظ (ان) کے ساتھ ذکر فرمایا گیا ہے جو بذات خود تاکید پر دلالت کرتا ہے۔ یہ دس وجوہ ہیں جن سے اس فرض عظیم کا ضروری اور موکد ہونا ظاہر ہوتا ہے۔

علاوہ ازیں آیت مبارکہ میں موجود بدل میں پوشیدہ نکتہ پر بھی غور کیجئے۔ بدل کا تقاضا یہ ہوتا ہے کہ اسناد دوبارہ ذکر ہوئی ہے۔ ایک دفعہ اس کی اسناد عمومی طور پر سب لوگوں سے ہے اور دوسری بار خاص طور پر استطاعت رکھنے والوں سے۔ اور بدل کا ایک فائدہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اسناد کی تکرار سے معنی میں قوت پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی لیے بدل عامل کی تکرار اور دہرانے کا مفہوم رکھتا ہے۔

پھر غور کیجئے کہ آیت میں کس طرح ابہام کے بعد توضیح اور اجمال کے بعد تفصیل ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اسے اہمیت دیتے ہوئے اور اس کی شان کی تاکید فرماتے ہوئے کلام کو دو صورتوں میں وارد کیا گیا ہے۔ پھر یہ بھی غور کیجئے کہ کس طرح وجوب کا ذکر کرنے سے پہلے کعبہ شریف کی خوبیوں اور عظمت کا ذکر کیا گیا ہے۔ جس سے دلوں میں اس کی زیارت اور حج کا شوق پیدا ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ چیز خود مقصود نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ أَوَّلَ بَنِيٍّ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبْرَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ﴾ چنانچہ کعبہ شریف کی پانچ صفات بیان کی گئی ہیں۔ (۱) وہ دنیا میں عبادت کے لیے مقرر کیا جانے والا سب سے پہلا اللہ کا گھر ہے۔ (۲) برکت والا ہے۔ برکت کا مطلب خیر کا دوام اور کثرت ہے۔ دنیا میں اتنی برکت والا اس قدر کثیر اور دائمی خیر والا اور مخلوق کے لیے اس قدر فوائد کا حامل کوئی گھر موجود نہیں۔ (۳) وہ ہدایت ہے۔ ہدایت دینے والے کے بجائے ہدایت (مصدر) کا لفظ بولنے میں مبالغہ کا مفہوم پایا جاتا ہے گویا یہ خود سراپا ہدایت ہے۔ (۴) اس میں آیات بینات (واضح نشانیاں) موجود ہیں۔ جن کی تعداد چالیس سے زیادہ ہے۔ (۵) اس میں داخل ہونے والے کے لیے

امن ہے۔ اگر یہی صفات ذکر کر دی جاتیں اور اس کی زیارت کا حکم نہ دیا جاتا تب بھی ان صفات کی وجہ سے دلوں میں اس کی زیارت کی تڑپ پیدا ہوتی، خواہ کتنی دور سے آنا پڑتا۔ یہاں تو یہ صفات ذکر کرنے کے بعد صراحت کے ساتھ فرض ہونے کا ذکر کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ اس قدر تاکیدات لائی گئی ہیں جن سے بالکل واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں اس گھر کی بے حد اہمیت ہے اور اس کے نزدیک اس کی شان و عظمت کی کوئی حد نہیں۔ اگر اس میں یہی شرف ہوتا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی نسبت اپنی طرف کرتے ہوئے اسے (بیسی) ”میرا گھر“ فرمایا ہے تو یہ نسبت ہی اتنی بڑی فضیلت اور اتنا بڑا شرف ہے کہ صرف اس کی وجہ سے جہان والوں کے دل اس کی طرف متوجہ ہو جاتے اور اس کی زیارت کے لیے دور دراز سے کھنچے آتے۔ محبت کرنے والوں کی یہی شان ہوتی ہے کہ وہ اس کے پاس اکٹھے ہو کر آتے ہیں اس کی زیارت سے کبھی سیر نہیں ہوتے۔ جتنی زیادہ زیارت کرتے ہیں اتنا ہی محبت اور شوق میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔ نہ دور جانے سے محبت کی لود ہم ہوتی ہے نہ وصال سے ان کی پیاس بجھتی ہے۔ جیسے کسی شاعر نے کہا ہے:

میں اس کا طواف کرتا ہوں اور دل پھر بھی شوق سے بھر پور ہے

کیا طواف کے بعد مزید قرب بھی ہو سکتا ہے؟

میں اس کے حجر اسود کو چومتا ہوں اور اس طرح دل میں موج زن

محبت اور پیاس کو ٹھنڈک پہنچاتا ہوں

قسم ہے اللہ کی! میری محبت ہی میں اضافہ ہوتا ہے

اور دل اور زیادہ دھڑکنے لگتا ہے

اے جنت ماویٰ! اے مقصود تمنا!

اور اے میری آرزو! ہر امان سے قریب تر!

غلبہ ہائے شوق تیرے قرب پر اصرار کرتے ہیں

تجھ سے فراق میرے بس میں نہیں

میں اگر تجھ سے دور ہوا تو اس کی وجہ بے اعتنائی نہیں

اس کا گواہ میری (اشک بار) آنکھیں اور (نالہ و شیون کرتی) زبان ہے

تجھ سے دور ہونے کے بعد میں نے صبر کو بھی آواز دی اور گریہ کو بھی

گریہ نے (فوراً) لبیک کہا (اور آ گیا) اور صبر نے میری بات نہ مانی (صبر نہ آیا)

لوگ گمان کرتے ہیں کہ جب محبت دور چلا جائے

تو لمبا عرصہ گزرنے کے بعد اس کی محبت کمزور ہو جاتی ہے
 اگر یہ خیال درست ہوتا تو یقیناً
 ہر زمانے کے لوگوں کے لیے محبت کا علاج ہوتا
 ہاں ہاں محبت کمزور ہو جائے گا اور محبت
 اسی حال میں ہوگی، اسے رات دن کے گزرنے نے کمزور نہیں کیا ہوگا ①
 یہ محبت کرنے والا ہے جسے شوق اور عشق لیے جاتا ہے
 بغیر کسی لگام اور باگ کے جو اسے کھینچنے لیے جانی ہو
 زیارت گاہ دور ہونے کے باوجود وہ تیرے در پر آ پہنچا ہے
 اگر اس کی سواری کمزور ہو جاتی تو اس کے قدم ہی اسے لے آتے
 یہاں امام ابن قیمؒ کا کلام ختم ہوا۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ شَهِيدٌ عَلَىٰ مَا

کہہ دیجئے! اے اہل کتاب! کیوں کفر کرتے ہو تم ساتھ آیتوں کے اللہ کی؟ اور اللہ گواہ ہے ان پر جو
 تَعْمَلُونَ ⑧۹ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لِمَ تَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ مَن أَمَنَ
 تم کرتے ہو ○ کہہ دیجئے! اے اہل کتاب! کیوں روکتے ہو تم اللہ کے راستے سے اس کو جو ایمان لایا

تَبْغُونَهَا عِوَجًا وَأَنْتُمْ شُهَدَاءُ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ⑨۰

ڈھونڈتے ہو تم اس (راہ) میں کبھی جب کہ تم گواہ ہو اور نہیں ہے اللہ غافل ان سے جو تم کرتے ہو ○
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا فَرِيقًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ يَرُدُّوكُم بَعْدَ
 اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر تم اطاعت کرو گے ایک فریق کی ان لوگوں میں سے جو دیئے گئے کتاب تو لوٹا (بنا) دیں گے وہ تمہیں بعد

إِيمَانِكُمْ كَافِرِينَ ⑩ وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُتْلَىٰ عَلَيْكُمْ آيَاتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ

تمہارے ایمان کے کفر کرنے والے ○ اور کیسے کفر کرو گے تم جب کہ تلاوت کی جاتی ہیں تم پر آیتیں اللہ کی اور تمہارے اندر

رَسُولُهُ ۗ وَمَن يَعْتَصِم بِاللَّهِ فَقَدْ هُدِيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ⑪

اس کا رسول (موجود) ہے؟ اور جو مضبوط پکڑ لے اللہ (کے دین) کو تو تحقیق ہدایت دیا گیا وہ طرف سیدھے راستے کی ○
 اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو جزو تو بیخ فرماتا ہے کیونکہ انہوں نے اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کیا جو اس نے اپنے

① امام ابن قیم کا یہ کلام ان کی کتاب ”بدائع الفوائد“ سے منقول ہے۔ اس میں یہ شعر اس طرح درج ہے۔

بلیٰ انہ یبلیٰ التصبر والہوی علیٰ حالہ لم یبلہ الملوٰن

ہاں صبر تو کمزور ہو جاتا ہے لیکن محبت اپنے حال پر رہتی ہے وہ رات دن کے گزرنے سے کمزور نہیں ہوتی (از محقق)

رسولوں پر نازل کیں، جنہیں اللہ نے اپنے بندوں کے لیے رحمت بنایا کہ ان کی رہنمائی میں اللہ تک پہنچ سکیں اور ان کی مدد سے تمام اہم مقاصد اور مفید علوم حاصل کریں۔ ان کافروں نے ان کا انکار بھی کیا، ان پر ایمان لانے والوں کو روکا، ان میں تحریف کی، انہیں اصل مفہوم سے پھیرنے کی کوشش کی۔ وہ خود ان جرائم کو تسلیم کرتے ہیں۔

انہیں خوب معلوم ہے کہ ان کا یہ کام بہت بڑا کفر ہے، جس کی سزا بہت سخت ہے۔ جیسے ارشاد ہے: ﴿الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ زَٰدُ لَهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ﴾ (النحل: ۸۸/۱۶) ”جنہوں نے کفر کیا، اور اللہ کی راہ سے روکا، ہم انہیں عذاب پر مزید عذاب دیں گے کیونکہ وہ فساد کرتے تھے“ یہاں انہیں یہ

فرما کر تنبیہ کی۔ ﴿وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ﴾ ”اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال سے بے خبر نہیں۔“ بلکہ تمہارے اعمال، تمہاری نیتوں اور تمہاری بری تدبیروں سے پوری طرح باخبر ہے، وہ تمہیں ان کی بہت بری سزا دے گا۔ ان کو تنبیہ کرنے کے بعد اپنی رحمت، عطا اور احسان کا ذکر کیا، اور اپنے مومن بندوں کو ان سے متنبہ کیا، تاکہ وہ بے خبری میں

ان کے مکرو فریب کا نشانہ نہ بن جائیں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَنُغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ”اے ایمان والو! اگر تم اہل کتاب کی کسی جماعت کی باتیں مانو گے تو وہ تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد مرتد کافر بنا دیں گے۔“ اس کی وجہ ان کا حسد، ظلم اور تمہیں مرتد کرنے کی

شدید خواہش ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَدَا كَثِيرٌ مِّنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَوْ يَرُدُّونَكُمْ مِن بَعْدِ إِيمَانِكُمْ كُفَّارًا بَدِئًا مِّنْهُم مَّا كَانُوا يَكْفُرُونَ﴾ (البقرہ: ۱۰۹/۱۲) ”اہل کتاب کے اکثر لوگ باوجود حق واضح ہو جانے کے، محض حسد و بغض کی بنا پر تمہیں بھی ایمان سے ہٹا دینا چاہتے ہیں۔“ پھر اللہ تعالیٰ نے

مومنوں کی اپنے ایمان پر ثابت قدمی کا اور یقین میں ڈالنا ڈول نہ ہونے کا سب سے بڑا سبب بیان کیا ہے اور یہ کہ ان کا ایمان سے پھر جانا انتہائی ناممکن ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَكَيْفَ تَكْفُرُونَ وَأَنْتُمْ تُنْتَلَىٰ عَلَيْكُمْ أَيُّتُ اللَّهِ وَفِيكُمْ رَسُولُهُ﴾ ”اور تم کیسے کفر کر سکتے ہو جب کہ تم پر اللہ کی آیتیں پڑھی جاتی ہیں اور تم میں اس کا رسول موجود ہے۔“ یعنی رسول تمہارے اندر موجود ہیں، وہ ہر وقت تمہیں رب کی آیتیں سناتے ہیں۔ یہ واضح آیات ہیں جو

بیان کردہ مسائل پر قطعی یقین کا فائدہ دیتی ہیں اور یہ کہ ان سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے اس میں کسی بھی لحاظ سے شک کی گنجائش نہیں۔ خاص طور پر اس لیے بھی کہ اسے بیان کرنے والا وہ انسان (محمد ﷺ) ہے، جو تمام مخلوق میں سب سے افضل، زیادہ عالم، زیادہ فصیح، زیادہ مخلص و خیر خواہ اور مومنوں پر زیادہ شفیق، مخلوق کو ہر ممکن طریقے سے

ہدایت دینے اور ان کی رہنمائی کرنے کا انتہائی شوق رکھنے والا ہے۔ اللہ کے درود و سلام نازل ہوں آپ کی ذات اقدس پر۔ آپ نے یقیناً خیر خواہی فرمائی اور پوری وضاحت سے اللہ کا دین پہنچا دیا۔ حتیٰ کہ کسی کو بات کرنے کی

گنجائش نہ رہی اور نیکی کے کسی طلب گار کو تلاش کی ضرورت نہ رہی، آخر میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ جو

شخص اللہ تعالیٰ سے تعلق مضبوط کرنے، اس پر توکل کرنے، ہر برائی سے بچاؤ کے لیے اس کی قوت و رحمت کا سہارا تلاش کرے اور ہر خیر کے لیے اس سے مدد طلب کرے ﴿فَقَدْ هَدَىٰ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ ”تو بلاشبہ اسے راہ راست دکھا دی گئی“ جو مطلوب منزل تک پہنچانے والی ہے۔ کیونکہ اس نے رسول اللہ ﷺ کے اقوال، افعال اور احوال کی اتباع بھی کی اور اللہ کا سہارا بھی حاصل کیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۷﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ڈرو اللہ سے جیسا کہ حق ہے اس سے ڈرنے کا اور نہ ہرگز موت آئے تمہیں مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو ○
وَأَعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا ۚ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ
اور مضبوطی سے پکڑ لو تم اللہ کی رسی اکٹھے اور نہ جدا جدا ہو اور یاد کرو نعمت اللہ کی (جو) تم پر ہوئی
إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ
جب تھے تم (باہم) دشمن پس الفت ڈال دی اس نے درمیان تمہارے دلوں کے تو ہو گئے تم اس کے احسان سے بھائی (بھائی) اور تھے تم
عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا ۗ كَذَلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ
اوپر کنارے ایک گڑھے کے آگ کے پس بچایا اس نے تم کو اس سے اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ

لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿۱۳۸﴾

تمہارے لیے اپنی آیتیں شاید کہ تم ہدایت پاؤ ○

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ اس سے ایسے ڈریں جیسے ڈرنے کا حق ہے پھر اس تقویٰ پر قائم اور ثابت قدم رہیں۔ اور موت تک استقامت ہو۔ کیونکہ انسان جس طرح کی زندگی گزارتا ہے اسے ویسی ہی موت نصیب ہوتی ہے۔ جو شخص صحت، نشاط اور طاقت کی حالت میں اللہ کے تقویٰ اور اس کی اطاعت پر قائم رہتا ہے اور ہمیشہ اس کی طرف متوجہ رہتا ہے اللہ تعالیٰ اسے موت کے وقت استقامت عطا فرماتا ہے اور اسے حسن خاتمہ سے نوازتا ہے۔ اللہ سے کما حقہ تقویٰ رکھنے کی وضاحت جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان الفاظ میں کی ہے: (هو ان يُطَاعَ فَلَا يُعْصَىٰ، وَيُذْكَرُ فَلَا يُنْسَىٰ وَيُشْكُرُ فَلَا يُكْفَرُ) ”اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کی فرماں برداری کی جائے، نافرمانی نہ کی جائے، اسے یاد کیا جائے، فراموش نہ کیا جائے، اس کا شکر کیا جائے، ناشکری نہ کی جائے۔“ اس آیت میں وضاحت ہے تقویٰ کے سلسلے میں اللہ کا کیا حق ہے۔ اس بارے میں بندے کا جو فرض ہے۔ وہ اللہ کے اس فرمان میں بیان ہوا ہے: ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن: ۱۶۷، ۱۶۸)

’جہاں تک تمہارا بس چلے اللہ سے ڈرتے رہو‘ دل اور جسم کے متعلق تقویٰ کی تفصیلات بہت زیادہ ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ جس جس کام کا حکم دے اسے انجام دینا اور جس جس کام سے منع کرے اس سے باز رہنا۔ اس

کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کام کا حکم دیا ہے جو تقویٰ اختیار کرنے میں مدد دیتا ہے، وہ ہے متحدر ہونا، اللہ کے دین پر مضبوطی سے کار بند رہنا، تمام مومنوں کا ایک آواز ہونا، مل جل کر رہنا اور اختلاف نہ کرنا۔ دین پر متحدر رہنے سے اور باہمی الفت و مودت سے ان کا دین بھی درست رہے گا اور دنیا بھی درست رہے گی۔ اتحاد کی وجہ سے وہ ہر کام کر سکیں گے اور انہیں وہ تمام فوائد حاصل ہوں گے جن کا دار و مدار اتفاق و اتحاد پر ہے۔ یہ فوائد اتنے زیادہ ہیں کہ ان کا شمار ممکن نہیں۔ علاوہ ازیں نیکی اور تقویٰ میں تعاون بھی ممکن ہو جائے گا۔ اس کے برعکس اختلاف اور تفرقہ کی وجہ سے ان کا نظام درہم برہم ہو جائے گا، باہمی رابطے ٹوٹ جائیں گے اور ہر شخص اپنے ذاتی فائدے کے لیے بھاگ دوڑ کرے گا، اگرچہ اس سے اجتماعی طور پر نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک نعمت ذکر فرمائی اور حکم دیا کہ اسے یاد رکھیں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَ اذْکُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَیْکُمْ اِذْ کُنْتُمْ اَعْدَاءً﴾ ”اور اللہ کی اس وقت کی نعمت یاد کرو، جب تم (یہ نعمت حاصل ہونے سے پہلے) ایک دوسرے کے دشمن تھے، ایک دوسرے کو قتل کرتے تھے۔ ایک دوسرے کا مال چھینتے تھے، قبیلوں کی قبیلوں سے دشمنی تھی، ایک ہی شہر کے رہنے والے آپس میں عداوت اور جنگ و جدل کا شکار تھے۔ غرض بہت بری حالت تھی۔ یہ وہ حالت ہے جو نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے عرب میں عام تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کو مبعوث فرمایا، اور وہ لوگ ایمان لے آئے، تو وہ اسلام کی بنیاد پر اکٹھے ہو گئے، ان کے دلوں میں ایمان کی وجہ سے محبت پیدا ہو گئی۔ وہ باہمی محبت اور مدد کے لحاظ سے فرد واحد کی حیثیت اختیار کر گئے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَالْفَ بَیْنَ قُلُوْبِکُمْ فَاصْبِحْتُمْ بِنِعْمَتِہٖ اِخْوَانًا﴾ ”اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی، پس تم اس کی مہربانی سے بھائی بھائی ہو گئے۔“ اس کے بعد فرمایا: ﴿وَ کُنْتُمْ عَلٰی شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ﴾ ”اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر پہنچ چکے تھے، یعنی تم جہنم کے مستحق ہو چکے تھے۔ صرف اتنی کسر رہ گئی تھی کہ تمہیں موت آ جائے تو جہنم میں داخل ہو جاؤ۔“ ﴿فَانْقَذَکُمْ مِّنْہَا﴾ ”تو اس نے تمہیں اس سے بچالیا،“ وہ اس طرح کہ تم پر یہ احسان کیا کہ تمہیں محمد ﷺ پر ایمان نصیب فرمادیا۔ ﴿کَذٰلِکَ یَبَیِّنُ اللّٰهُ لَکُم اٰیٰتِہٖ﴾ ”اللہ اسی طرح تمہارے لیے اپنی نشانیاں بیان کرتا ہے،“ یعنی ان کی وضاحت اور تشریح کرتا ہے، اور تمہارے لیے حق و باطل اور ہدایت و گمراہی الگ الگ کر کے واضح کر دیتا ہے ﴿لَعَلَّکُمْ تَهْتَدُوْنَ﴾ ”تا کہ تم (حق کو پہچان کر اور اس پر عمل کر کے) ہدایت پاؤ،“ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ بندے دلوں اور زبانوں کے ساتھ اس کی نعمت کو یاد کریں، تا کہ ان میں شکر اور اللہ کی محبت کے جذبات پروان چڑھیں اور اللہ تعالیٰ مزید فضل و احسانات سے نوازے۔ اللہ کی جو نعمت سب سے زیادہ ذکر کیے جانے کے قابل ہے وہ ہے اسلام کا شرف حاصل ہو جانے کی نعمت، اتباع رسول کی توفیق مل جانے کی نعمت اور مسلمانوں میں اتحاد و اتفاق کی موجودگی اور اختلاف و افتراق نہ ہونے کی نعمت۔

وَلَتَكُنَّ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ

اور چاہیے کہ ہوتی ہیں سے ایک جماعت جو بلائے طرف خیر کی اور حکم دے ساتھ اچھے کاموں کے اور روکے

عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۰۷﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا

برے کاموں سے اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے ○ اور نہ ہتھ ماندان لوگوں کے جو جدا جدا ہو گئے اور انہوں نے (باہم) اختلاف کیا

مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَأُولَئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰۸﴾

بعد اس کے کہ آگئیں ان کے پاس واضح دلیلیں اور یہ لوگ ان کے لیے ہے عذاب بہت بڑا ○

مطلب یہ ہے کہ اے مومنو! جن پر اللہ نے ایمان لانے اور اپنی رسی کو مضبوطی سے پکڑنے کی توفیق دے کر احسان فرمایا ہے تم میں سے ﴿اُمَّةٌ﴾ ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے ﴿يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ﴾ جو بھلائی کی طرف بلائے۔ ”(خیر)“ بھلائی“ میں ہر وہ چیز شامل ہے جو اللہ سے قریب کرنے والی اور اس کی ناراضی سے دور کرنے والی ہو۔ ﴿وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ﴾ اور وہ نیک کاموں کا حکم کرے“ (معروف) اسے کہتے ہیں جس کا اچھا ہونا عقل اور شریعت کی روشنی میں معلوم ہو چکا ہو۔ ﴿وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ اور برے کاموں سے روکے“ (منکر) اسے کہتے ہیں جس کا برا ہونا عقل اور شریعت کے ذریعے سے معلوم ہو چکا ہو۔ اس میں مومنوں کو یہ ہدایت کی گئی ہے کہ ان میں ایک ایسی جماعت موجود ہونی چاہیے جو لوگوں کو اس کی راہ کی طرف بلائے اور اس کے دین کی طرف رہنمائی کرنے کے لیے ہمہ وقت تیار رہے۔ اس جماعت میں وہ علماء بھی شامل ہیں جو لوگوں کو دین سکھاتے ہیں وہ مبلغ بھی جو دوسرے مذاہب والوں کو دین اسلام میں داخل ہونے کی اور بد عملی میں مبتلا لوگوں کو دین پر کار بند ہونے کی تبلیغ کرتے ہیں اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے بھی اور وہ لوگ بھی شامل ہیں جن کی ڈیوٹی یہ ہے کہ وہ لوگوں کے حالات معلوم کرتے رہیں اور انہیں شرعی احکام مثلاً نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ وغیرہ کی پابندی کروائیں اور غلط کاموں سے روکیں مثلاً ماپ تول کے پیمانوں اور باٹوں کو چیک کریں بازار میں خرید و فروخت کرنے والوں کو دھوکا بازی سے اور لین دین کے ان معاملات سے روکیں جو شرعاً ناجائز ہیں۔ یہ سب کام فرض کفایہ ہیں۔ جیسے کہ آیت کریمہ کے الفاظ ﴿وَلَتَكُنَّ مِنْكُمْ أُمَّةٌ﴾ ”تم میں سے ایک جماعت ہونی چاہیے“ سے ظاہر ہوتا ہے۔ یعنی تم میں ایک جماعت ایسی موجود ہونی چاہیے جس سے مذکورہ بالا مقاصد حاصل ہو سکیں۔ یہ ایک جانا پہچانا اور مانا ہوا اصول ہے کہ جب کسی خاص کام کا حکم دیا جائے تو اس میں ان تمام کاموں کا حکم شامل ہوتا ہے جو اسے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے لیے ضروری ہوں۔ لہذا وہ تمام کام جن پر ان اشیاء کا وجود موقوف ہے وہ سب ضروری ہیں اور اللہ کی طرف سے ان کا حکم سمجھا جاتا ہے۔ مثلاً جہاد کے لیے طرح طرح کے سامان تیار کرنا جن سے دشمنوں کا قلع قمع کیا جاسکے اور اسلام کا نام بلند کیا جاسکے وہ علم سیکھنا جس کی مدد سے نیکی کی طرف بلا یا جاسکے۔

علم و رہنمائی کے لیے مدارس کی تعمیر لوگوں میں شریعت نافذ کرنے کے لیے حکمرانوں کی قوی، عملی اور مالی امداد اور ایسے دوسرے کام جن پر ان امور کا دار و مدار ہے۔ یہ جماعت جو نیکی کی طرف بلائے، بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے کے لیے کمر بستہ ہے، یہ خاص مومنین ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ ”اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں“ یعنی کامیاب ہیں جنہیں مطلوب حاصل ہوگا اور خطرناک نتائج سے محفوظ رہیں گے۔ اس کے بعد انہیں اہل کتاب کی طرح اختلاف و انتشار میں گرفتار ہونے سے منع کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ تَفَرَّقُوا وَاخْتَلَفُوا﴾ ”اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے تفرقہ ڈالا اور اختلاف کیا“ اور عجیب بات یہ ہے کہ انہوں نے اختلاف بھی کیا تو ﴿مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْبَيِّنَاتُ﴾ ”روشن دلیلیں آ جانے کے بعد“ حالانکہ ان کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ افتراق و اختلاف نہ ہوتا۔ انہیں دین پر دوسروں کی نسبت زیادہ پابندی اختیار کرنا چاہیے تھی۔ لیکن انہوں نے بالکل الٹ کام کیا حالانکہ انہیں معلوم تھا کہ وہ اللہ کے احکام کی مخالفت کر رہے ہیں۔ اس لیے وہ سخت عذاب کے مستحق ہو گئے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا ہے: ﴿وَأُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ ”اور انہی لوگوں کے لیے بڑا عذاب ہے۔“

يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌُ وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌُ فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ فَمَنْ
 جس دن کہ سفید ہوں گے کئی چہرے اور سیاہ ہوں گے کئی چہرے۔ پس لیکن وہ لوگ کہ سیاہ ہوں گے چہرے اُنکے (ان سے کہا جائے گا)
 اَكْفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ فذُو الْعَذَابِ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۱۵﴾ وَاَمَّا الَّذِينَ
 کیا کفر کیا تھا تم نے بعد اپنے ایمان کے؟ تو (اب) چکھو تم عذاب بہ سبب اس کے جو تھے تم کفر کرتے ○ اور لیکن وہ لوگ
 اَبْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ فَمِنْ رَحْمَةِ اللَّهِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۶﴾ تِلْكَ اٰیٰتُ
 کہ سفید ہوں گے چہرے ان کے پس وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○ یہ آیتیں ہیں
 اللّٰهِ نَتَلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ط وَمَا اللّٰهُ يَرْيِدُ ظَلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۷﴾
 اللہ کی پڑھتے ہیں ہم ان کو آپ پر ساتھ حق کے اور نہیں اللہ ارادہ کرتا ظلم کرنے کا جہاں والوں کیلئے ○

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کے حالات بیان فرمائے ہیں۔ اس دن عدل اور فضل کی بنیاد پر ملنے والی جزا و سزا کے اثرات بیان فرمائے ہیں۔ اس بیان کا مقصد ترغیب و ترہیب ہے۔ جس کا فائدہ خوف اور امید کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوهٌُ﴾ ”جس دن بعض چہرے سفید ہوں گے“ وہ خوش نصیبوں اور نیکی کرنے والوں کے چہرے ہوں گے، جنہوں نے آپس میں الفت و محبت رکھی اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھا۔ ﴿وَتَسْوَدُّ وُجُوهٌُ﴾ ”اور بعض چہرے سیاہ ہوں گے“ وہ بدنصیبوں اور بدکاروں کے چہرے ہوں گے، جو اختلاف و افتراق پیدا کرنے والے تھے۔ ذلت و رسوائی کی وجہ سے ان کے دلوں کی جو

کیفیت ہوگی اس کے نتیجے میں ان کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے۔ اور نیک لوگوں کو نعمتیں اور خوشیاں نصیب ہوں گی ان کے اثرات ان کے چہروں پر ظاہر ہوں گے۔ اور ان کے چہرے سفید اور روشن ہوں گے۔ جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَهُمْ نَصْرَةٌ وَسُرُورًا﴾ (الدھر: ۱۱/۷۶) ”اور انہیں تازگی اور خوشی پہنچائی“ تروتازہ ہونے کا تعلق چہروں سے ہے اور خوشی دلوں میں ہوتی ہے۔ دوسرے مقام پر ارشاد ہے: ﴿وَالَّذِينَ كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَّا لَهُمْ مِنَ اللَّهِ مِنْ عَاصِمٍ كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ وُجُوهُهُمْ قِطْعًا مِّنَ اللَّيْلِ مُظْلِمًا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ (یونس: ۲۷/۱۸۰) ”جنہوں نے گناہ کماے تو ہر برائی کا بدلہ اس کے برابر ہے۔ اور ان پر ذلت چھائی ہوگی۔ انہیں اللہ سے کوئی بچانے والا نہ ہوگا۔ یوں ہوگا گویا ان کے چہروں پر رات کے تاریک ٹکڑے اوڑھادیے گئے ہیں۔ یہی لوگ آگ والے ہیں۔ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“ ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ اسْوَدَّتْ وُجُوهُهُمْ﴾ ”اور جن کے چہرے سیاہ ہوں گے“ انہیں ڈانٹ ڈپٹ اور زبردستی کے انداز سے کہا جائے گا: ﴿أَكْفَرْتُمْ بَعْدَ إِيمَانِكُمْ﴾ ”کیا تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کیا“ یعنی تم نے ہدایت اور ایمان کے بجائے کفر و ضلالت کو کیوں ترجیح دی؟ تم نے ہدایت والا راستہ چھوڑ کر گمراہی کا راستہ کیوں اختیار کیا؟ ﴿فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ﴾ اب ”اپنے کفر کے بدلے عذاب کا مزہ چکھو“ تمہارے لائق صرف جہنم کا مقام ہے تم صرف ذلت و رسوائی کے مستحق ہو۔ ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ ابْيَضَّتْ وُجُوهُهُمْ﴾ ”اور جن کے چہرے سفید ہوں گے“ انہیں مبارک باد دی جائے گی اور عظیم ترین بشارت ملے گی۔ یعنی انہیں جنت میں داخلے کی رب کی خوشنودی کی اور اس کی رحمت کی خوش خبری دی جائے گی۔ ﴿فَبِئْسَ رَحْمَةً اللَّهُ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ ”وہ اللہ کی رحمت میں داخل ہوں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے“ چونکہ وہ ہمیشہ رحمت میں رہیں گے اور جنت بھی اللہ کی رحمت کا ایک مظہر ہے۔ لہذا وہ ہمیشہ جنت میں رہیں گے جس میں دائمی نعمتیں اور سلامتی والی زندگی ہوگی۔ وہ ارحم الراحمین کے پڑوس میں ہوں گے۔

جب اللہ تعالیٰ نے احکام و اوامر بھی بتادیئے اور ان کی جزا بھی بیان فرمادی تو اس کے بعد فرمایا: ﴿تَلَاكُ آيَةُ اللَّهِ نَتَلُوهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ﴾ ”یہ اللہ کی آیتیں ہیں جو ہم آپ کو ٹھیک ٹھیک بیان کر رہے ہیں“ کیونکہ اس کے اوامر و نواہی حکمت و رحمت پر اور جزا و سزا پر مشتمل ہیں۔ اس طرح وہ حکمت و رحمت پر اور عدل پر مشتمل ہیں جن میں ظلم کا کوئی شائبہ نہیں“ اس لیے فرمایا: ﴿وَمَا اللَّهُ يُرِيدُ ظَلْمًا لِّلْعَالَمِينَ﴾ ”اور اللہ کا ارادہ لوگوں پر ظلم کرنے کا نہیں“ ظلم کرنا تو بہت دور کی بات ہے اللہ تعالیٰ ظلم کا ارادہ بھی نہیں فرماتا۔ لہذا کسی کی نیکیوں میں کمی نہیں کرتا اور ظالموں کے ظلم میں اضافہ نہیں فرماتا بلکہ صرف ان کے کیے ہوئے اعمال کی سزا دیتا ہے۔

وَاللَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ط وَ اِلٰى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۙ

اور اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور طرف اللہ ہی کی لوٹائے جاتے ہیں سب معاملات

یعنی آسمان اور زمین میں جو کچھ ہے اس سب کا مالک وہی ہے۔ جس نے انہیں پیدا کیا، انہیں رزق دیا اور اپنی قضاء و قدر کے مطابق اور اپنی شریعت اور احکام کے مطابق ان میں تصرف کرتا ہے۔ قیامت کے دن وہ اسی کے پاس واپس جائیں گے، پھر وہ انہیں اچھے اور برے اعمال کا بدلہ دے گا۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ
ہوتم بہترین امت جو نکالی (بنائی) گئی ہے لوگوں کیلئے، تم حکم کرتے ہو ساتھ اچھے کاموں کے اور روکتے ہو برے کاموں سے
وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ مِمَّنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ
اور ایمان رکھتے ہو تم ساتھ اللہ کے اور اگر ایمان لاتے اہل کتاب تو البتہ ہوتا بہت بہتر ان کیلئے، بعض ان میں سے ایمان لانے والے ہیں
وَ أَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿۱۱۰﴾ لَنْ يَضُرُّوكُمْ إِلَّا أَذًى وَإِنْ يُقَاتِلُوكُمْ يُؤْلُوكُمْ
اور اکثر ان میں سے فاسق ہیں ○ وہ ہرگز نہیں ضرر پہنچائیں گے تمہیں، مگر ایذا تھوڑی سی اور اگر لڑیں وہ تم سے تو پھیر دیں گے تمہاری طرف
الْأَذَى بَارَكْتَ ثُمَّ لَا يَنْصُرُونَ ﴿۱۱۱﴾ ضَرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذَّلِيلَةَ أَيْنَ مَا ثَقِفُوا إِلَّا بِحَبْلٍ
پٹھیں، پھر نہیں مدد کئے جائیں گے وہ ○ مسلط کر دی گئی ان پر ذلت، جہاں کہیں بھی وہ پائے جائیں، مگر ساتھ پناہ کے
مِّنَ اللَّهِ وَحَبْلِ مِّنَ النَّاسِ وَبَاءُ وَبِغَضِبِ مِّنَ اللَّهِ وَضَرِبَتْ عَلَيْهِمُ
اللہ کی اور (ساتھ) پناہ کے لوگوں کی اور لوٹے وہ ساتھ غضب کے اللہ کی طرف سے اور مسلط کر دی گئی ان پر
الْمَسْكَنَةَ ط ذَلِكِ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ الْأَنْبِيَاءَ
مٹا جی یہ اس سبب سے کہ بے شک تھے وہ کفر کرتے ساتھ آیتوں کے اللہ کی اور قتل کرتے تھے نبیوں کو
بِغَيْرِ حَقٍّ ذَلِكِ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۱۱۲﴾

ناحق یہ ہے سبب اس کے کہ نافرمانی کی انہوں نے اور تھے وہ زیادتی کرتے ○

اللہ تعالیٰ اس امت کی تعریف کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ یہ تمام امتوں سے بہتر اور افضل امت ہے جسے اللہ نے لوگوں کے لیے پیدا کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو کامل کرتے ہیں یعنی ایسا ایمان رکھتے ہیں جو اللہ کے ہر حکم پر عمل کرنے کو مستلزم ہے۔ اور دوسروں کو بھی کامل بناتے ہیں۔ یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر عمل پیرا ہوتے ہیں؛ جس میں مخلوق کو اللہ کی طرف بلانا، اس مقصد کے لیے ان سے جہاد کرنا، ان کو گمراہی اور نافرمانی سے روکنے کے لیے ہر ممکن کوشش کرنا شامل ہے۔ اس وجہ سے وہ بہترین امت ہیں۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے گزشتہ آیت میں یعنی اس فرمان الہی میں: ﴿وَلَتَكُنَّ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ”تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف بلائے، نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے۔“ اللہ کی طرف سے اس امت کو ایک حکم دیا گیا تھا۔ اور جسے حکم دیا جائے وہ بعض اوقات

حکم کی تعمیل کرتا ہے اور بعض اوقات تعمیل نہیں کرتا۔ لہذا اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ اس امت نے وہ کام انجام دیا ہے، جس کا اسے حکم دیا گیا تھا، اپنے رب کے حکم کی تعمیل کی ہے اور تمام امتوں سے افضل قرار پانے کی مستحق ہو گئی ہے۔ ﴿وَكُوَامَنَ اَهْلَ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ اگر اہل کتاب بھی ایمان لاتے تو ان کے لیے بہتر ہوتا۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے نرم انداز اختیار کرتے ہوئے اہل کتاب کو ایمان کی دعوت دی ہے۔ لیکن ان میں سے بہت کم افراد ایمان لائے۔ زیادہ فاسق اللہ کے نافرمان اور اللہ کے دوستوں سے طرح طرح سے دشمنی کا اظہار کرنے والے تھے۔ لیکن اللہ کا اپنے مومن بندوں پر یہ لطف و کرم ہے کہ اس نے دشمن کے ناپاک منصوبوں کو ناکام بنا دیا۔ اور مومنوں کو ان سے نہ دینی نقصان پہنچا، نہ جسمانی، وہ زیادہ سے زیادہ جو کچھ کر سکتے ہیں وہ یہ ہے کہ زبان سے تکلیف پہنچا سکتے ہیں۔ اور یہ چیز ایسی ہے کہ اس سے کوئی بھی دشمن بچ نہیں سکتا۔ اگر وہ مومنوں سے جنگ کریں گے تو پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے۔ ان کی یہ ہزیمت دائمی ہوگی اور ان کی ذلت ہمیشہ رہے گی۔ ان کی کبھی مدد نہیں کی جائے گی۔ اس لیے اللہ نے ان کا انجام یہ بتایا کہ باطنی طور پر وہ ذلت کا شکار ہوں گے اور ظاہری طور پر فقر و مسکنت کا۔ لہذا وہ کہیں اطمینان اور سکون سے نہیں رہ سکیں گے۔

﴿اِلَّا يَحْبِلَ مِنَ اللّٰهِ وَحَبْلٌ مِّنَ النَّاسِ﴾ ”مگر یہ کہ اللہ کی یا لوگوں کی پناہ میں ہوں“ اس لیے یہودی یا تو مسلمانوں سے معاہدہ کر کے ان کے ماتحت (ذمی بن کر) رہیں گے، ان سے جزیہ لیا جائے گا۔ وہ ذلیل ہوں گے۔ یا نصاریٰ کے ماتحت ہوں گے۔ ﴿وَبَاءٌ وَبِغَضِبٍ مِّنَ اللّٰهِ﴾ ”یہ غضب الہی کے مستحق ہو گئے“ اور یہ سب سے بڑی سزا ہے۔ وہ اس حال کو کیوں پہنچے اس کی وجہ اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے: ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِآيٰتِ اللّٰهِ﴾ ”یہ اس لیے کہ یہ لوگ اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے تھے“ یہ لوگ ان آیتوں کا انکار کرتے تھے، جنہیں اللہ نے اپنے رسول محمد ﷺ پر نازل کیا ہے، جن سے ایمان اور یقین حاصل ہوتا ہے۔ لیکن انہوں نے سرکشی اور عناد کی وجہ سے ان کا انکار کیا۔ ﴿وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقِّ﴾ ”اور انبیاء کو بے وجہ قتل کرتے تھے“ وہ انبیاء جو ان پر سب سے عظیم احسان کرتے تھے وہ اس احسان کے بدلے میں بدترین سلوک کرتے تھے یعنی انہیں شہید کر دیتے تھے۔ کیا اس جسارت اور اس جرم سے بڑھ کر بھی کوئی جرم ہو سکتا ہے؟ ان سب بد اعمالیوں کی وجہ ان کی نافرمانی اور ظلم تھا، جس کی وجہ سے انہوں نے اللہ کے ساتھ کفر کرنے اور انبیاء کرام کو شہید کرنے کی جسارت کی۔ اس کے بعد فرمایا:

لَيْسُوا سَوَاءً مِّنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اُمَّةٌ قٰٓئِمَةٌ يَّتْلُوْنَ آيٰتِ اللّٰهِ اِنَّآ الْيَلْبِطُ وَهُمْ

نہیں ہیں وہ (سب) برابر اہل کتاب میں سے ایک جماعت ہے (حق پر) قائم تلاوت کرتے ہیں وہ آیتیں اللہ کی گھڑیوں میں اور وہ

يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۳﴾ يَوْمَئِذٍ بِاللّٰهِ وَاٰخِرِ وَاٰمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ

سجدہ کرتے ہیں ○ ایمان لاتے ہیں وہ ساتھ اللہ کے اور دن آخرت کے اور حکم کرتے ہیں ساتھ اچھے کاموں کے اور روکتے ہیں

عَنِ الْمُنْكَرِ وَيَسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ وَأُولَئِكَ مِنَ الصَّالِحِينَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا

وہ برے کاموں سے اور جلدی کرتے ہیں وہ بھلائیوں میں اور یہی لوگ ہیں صالحین میں سے ○ اور جو کچھ

يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُكْفَرُوهُ ط وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿۱۱۵﴾

کریں گے وہ بھلائی سے پس ہرگز نہیں محروم کئے جائیں گے وہ اس (کے ثواب) سے اور اللہ خوب جاننے والا ہے پرہیزگاروں کو ○

جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے فاسق گروہ کا ذکر کیا ان کی بد اعمالیاں اور ان کی سزائیں بیان کیں تو ان آیات میں حق پر قائم رہنے والی جماعت کا ذکر فرمایا ان کے نیک اعمال اور ان کا ثواب ذکر فرمایا اور یہ بتایا کہ اللہ کے نزدیک یہ دونوں گروہ برابر نہیں بلکہ ان کے درمیان اتنا زیادہ فرق ہے کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ اس فاسق گروہ کا ذکر تو پہلے ہو چکا۔ باقی رہے یہ مومن تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان میں ﴿أُمَّةٌ قَائِمَةٌ﴾ ایک جماعت اللہ کے دین پر قائم رہنے والی اور اللہ نے جن کاموں کا حکم دیا ہے ان پر عمل پیرا رہنے والی ہے۔ ان نیک اعمال میں نماز قائم کرنا بھی شامل ہے۔ ﴿يَتْلُونَ آيَاتِ اللَّهِ أَنْتَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ﴾ ”وہ راتوں کے وقت کلام اللہ کی تلاوت بھی کرتے ہیں اور سجدے بھی کرتے ہیں“ یہ رات کے اوقات میں ادا کی جانے والی ان کی نمازوں کا بیان ہے کہ وہ طویل تہجد پڑھتے ہیں اور اپنے رب کے کلام کی تلاوت کرتے ہیں۔ اللہ کے لیے خشوع و خضوع کے ساتھ رکوع اور سجدے کرتے ہیں۔ ﴿يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ ”اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان بھی رکھتے ہیں“ جس طرح مسلمانوں کا ایمان ان کے لیے ضروری قرار دیتا ہے کہ وہ اللہ کے بھیجے ہوئے ہر نبی پر اور اللہ کی نازل کی ہوئی ہر کتاب پر ایمان رکھیں۔ وہ بھی اس طرح کا ایمان رکھتے ہیں۔ قیامت پر ایمان کا خاص طور پر ذکر فرمایا، کیونکہ قیامت پر صحیح یقین و ایمان ہی مومن کو ان اعمال پر آمادہ کرتا ہے جو اسے اللہ سے قریب کرتے ہیں اور جن کا قیامت کو ثواب ملے گا اور ہر اس عمل کے ترک پر آمادہ کرتا ہے جس سے اس دن سزا ملے۔ ﴿وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ”اور بھلائیوں کا حکم کرتے ہیں اور برائیوں سے روکتے ہیں“ اس طرح ان سے یہ عمل انجام پاتا ہے۔ ایمان اور ایمان کے لوازم کے ذریعے سے اپنی تکمیل کرتے ہیں اور دوسروں کو ہر نیکی کا حکم دے کر ہر برائی سے منع کر کے دوسروں کی تکمیل کرتے ہیں۔ اس میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ اپنے ہم مذہبوں کو اور دوسرے لوگوں کو محمد ﷺ پر ایمان لانے کی دعوت دیتے ہیں۔ پھر ان کی عالی ہمتی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ﴿وَيَسَارِعُونَ فِي الْخَيْرَاتِ﴾ ”بھلائی کے کاموں میں جلدی کرتے ہیں“ نیکی کے ہر موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور جب بھی ہو سکے فوراً نیکی کر لیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نیکی کی شدید رغبت اور خواہش رکھتے ہیں اور اس کے فوائد و ثمرات سے خوب واقف ہیں۔ یہ لوگ جن کی تعریف اللہ نے ان عمدہ صفات اور عظیم اعمال کے ساتھ کی ہے۔ ﴿مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ ”یہی نیک لوگوں میں سے ہیں“ جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی

رحمت میں داخل کرے گا، انہیں اپنی بخشش کے سائے میں لے لے گا اور انہیں اپنے فضل و احسان سے نوازے گا۔ ﴿وَمَا يَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ﴾ اور یہ جو کچھ بھی بھلائیاں کریں، تھوڑی ہوں یا زیادہ ﴿فَلَنْ يَكْفُرُوهُ﴾ ”ان کی ناقدری نہیں کی جائے گی“ انہیں ان کے ثواب سے محروم نہیں رکھا جائے گا، بلکہ اللہ تعالیٰ انہیں ان اعمال کا مکمل ترین ثواب دے گا۔ لیکن اعمال کے ثواب کا دار و مدار عمل کرنے والے کے دل میں موجود ایمان و تقویٰ پر ہوتا ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ﴾ ”اور اللہ پرہیزگاروں کو خوب جانتا ہے“ جیسے دوسرے مقام پر فرمایا ہے: ﴿إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ﴾ (المائدہ: ۲۷/۱۵) ”اللہ صرف پرہیزگاروں کی قربانی قبول کرتا ہے۔“

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ط
 بلاشبہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، ہرگز نہیں کفایت کریں گے ان سے مال انکے اور نہ اولاد ان کی اللہ (کے عذاب) سے کچھ بھی
 وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۶﴾ مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَذِهِ الْحَيَاةِ
 اور یہ لوگ ہیں دوزخی، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○ مثال اس کی جو خرچ کرتے ہیں وہ اس زندگی
 الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتُهُ ط
 دنیا میں مانند مثال سخت ہوا کی ہے اس میں ہوا سخت سردی، پھنی وہ کھیتی کو ایک قوم کی جس نے ظلم کیا تھا اپنی جانوں پر اور جس نے نہیں کر دیا سے

وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَكِنْ أَنفُسُهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۱۶﴾

اور نہیں ظلم کیا ان پر اللہ نے لیکن وہ اپنے نفسوں پر (خود ہی) ظلم کرتے تھے ○

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ کافروں کو ان کے مال اور ان کی اولاد اللہ کے ہاں کچھ کام نہ آئیں گی۔ یعنی اللہ کے عذاب سے بچانے میں یا اللہ سے ثواب کے حصول میں معمولی سا بھی فائدہ نہیں دیں گی۔ جیسے فرمان الہی ہے: ﴿وَمَا أَمْوَالُكُمْ وَلَا أَوْلَادُكُمْ بِالْبَقِيَّةِ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا ذُلْفَىٰ إِلَّا مَنْ أَمِنَ وَعَمِلَ صَالِحًا﴾ (سبأ: ۳۷/۳۴) ”یہ تمہارے مال اور تمہاری اولاد ایسی نہیں کہ جو تمہیں ہمارا قرب بخش سکیں، لیکن جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیے (اسے قرب حاصل ہوگا)“ بلکہ ان کے مال و اولاد جہنم کی طرف سفر میں ان کا زادراہ ہیں۔ اللہ کی نعمتوں میں اضافے کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا شکر ادا کیا جائے، لیکن ان کے لیے یہ چیزیں شکر نہ کرنے کی وجہ سے ان کے خلاف حجت ہوں گی، اس لیے ان پر شکر نہ کرنے اور ناشکری کی پاداش میں انہیں سزا دی جائے گی۔ اس لیے فرمایا:

﴿وَأُولَئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ ”یہ تو جہنمی ہیں جو ہمیشہ اس میں پڑے رہیں گے“

پھر اللہ نے کافروں کے مال خرچ کرنے کے بارے میں ایک مثال بیان فرمائی، کہ وہ لوگ مال خرچ کر کے اللہ کے نور کو بھانے کی کوشش کرتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کی راہ سے روکتے ہیں، تو یہ کوششیں ناکام رہیں گی، جیسے کوئی شخص فصل بوئے اسے اس کا نتیجہ ملنے اور اس سے پیداوار حاصل ہونے کی امید ہو، اچانک کھیتی پر ایک سخت

ٹھنڈی ہوا چلے جس سے کھیتی تباہ ہو جائے۔ اس کے حصے میں صرف محنت، مشقت اور حسرت و افسوس ہی آئے۔ کافروں کا بھی یہی حال ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے دوسرے مقام پر فرمایا: ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدَّوْا عَن سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيَنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ﴾ (الانفال: ۳۶/۸) ”بے شک کافر اپنے مال اللہ کی راہ سے روکنے کے لیے خرچ کرتے ہیں یہ خرچ کریں گے پھر یہ ان کے لیے حسرت کا باعث بن جائیں گے پھر یہ مغلوب ہو جائیں گے“ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ﴾ اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا۔“ کہ ان کے عمل ضائع کر دیے۔ ﴿وَلٰكِنْ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ﴾ ”بلکہ وہ خود اپنی جانوں پر ظلم کرتے تھے۔“ وہ اس طرح کہ انہوں نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا اس کے رسولوں کو جھٹلایا اور اللہ کے نور کو بجھانے کی کوشش کی۔ ان بد اعمالیوں کی وجہ سے ان کی نیکیاں ضائع ہو گئیں اور مال تباہ ہو گئے۔ اس کے بعد فرمایا:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا وِاِبْرٰٓئِيْمَ مِّنْ دُوْنِكُمْ لَا يٰۤاُوْنٰكُمْ خَبٰٓرًا
اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ بناؤ تم دلی دوست سوائے اپنے (لوگوں) کے نہیں کی کرتے وہ تمہیں برباد کرنے میں
وَدُوْا مَا عَنِتُّمْ ۗ قَدْ بَدَاَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ اَفْوَاهِهِمْ ۗ وَمَا تُخْفِيْ صُدُوْرُهُمْ
وہ چاہتے ہیں یہ کہ تکلیف میں پڑو تم، تحقیق ظاہر ہو چکا ہے بغض ان کے مونہوں سے اور جو چھپاتے ہیں ان کے سینے
اَكْبَرُ ۗ قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْاٰيٰتِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿۱۸﴾ هٰۤاَنْتُمْ اَوْلٰٓءُ تُحِبُّوْنَهُمْ
وہ بہت بڑا ہے تحقیق بیان کیا ہم نے تمہارے لیے نشانیوں کو اگر ہو تم عقل رکھتے ○ خبردار! تم ہی وہ لوگ ہو کہ محبت رکھتے ہو تم ان سے
وَلَا يُحِبُّوْنَكُمْ وَتُوْمِنُوْنَ بِالْكِتٰبِ كُلِّهٖ ۗ وَاِذَا لَقُوْكُمْ قَالُوْا اٰمَنَّا ۗ وَاِذَا خَلَوْا
اور نہیں محبت رکھتے وہ تم سے اور تم ایمان رکھتے ہو سب کتابوں پر اور جب وہ ملتے ہیں تم سے تو کہتے ہیں ایمان لائے ہم اور جب تمہا ہوتے ہیں
عَضُوًّا عَلَيْكُمُ الْاِنۡاَمِلَ مِنَ الْغِيْظِ ۗ قُلْ مُوْتُوْا بِغِيْظِكُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ
تو کاٹتے ہیں اوپر تمہارے انگلیاں (اپنی) غصے سے، کہہ دیجئے! امر جاؤ تم ساتھ اپنے غصے ہی کے بلاشبہ اللہ خوب جاننے والا ہے
بِذٰتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۹﴾ اِنْ تَمَسَسْتُمْ حَسَنَةً تَسُوْهُمۡ ۗ وَاِنْ نَّصِبْتُمْ سَيِّئَةً
سینوں کے راز ○ اگر پہنچے تمہیں کوئی بھلائی تو بری لگتی ہے ان کو اور اگر پہنچے تمہیں کوئی برائی
يَفْرَحُوْا بِهَا ط ۗ وَاِنْ تَصِيْرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ط
تو خوش ہوتے ہیں ساتھ اس کے اور اگر صبر کرو تم اور تقویٰ اختیار کرو تو نہیں نقصان پہنچائے گا تمہیں مگر ان کا کچھ بھی

اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۲۰﴾

بلاشبہ اللہ اس کو جو وہ کرتے ہیں گھیرنے والا ہے ○

اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اس بات سے منع فرماتا ہے کہ وہ اہل کتاب کے یا دوسرے مذاہب کے

منافقوں کو دلی دوست بنائیں، انہیں اپنے راز بتائیں، یا بعض اسلامی ذمہ داریاں ان کے سپرد کر دیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ دشمن ہیں جن کے دل بغض و عداوت سے بھرے ہوئے ہیں۔ حتیٰ کہ یہ عداوت ان کی زبان سے بلا ارادہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ ﴿وَمَا تَخْفَىٰ صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ﴾ اور جوان کے سینوں میں پوشیدہ ہے، وہ ظاہر ہو جانے والی دشمنی سے بہت زیادہ ہے۔ اسی لیے ﴿لَا يَأْتُونَكُمُ خَبْرًا﴾ وہ تمہاری تباہی میں کوئی کسر اٹھانے نہیں رکھتے، یعنی تمہیں نقصان پہنچانے اور مشکلات پیدا کرنے میں کمی نہیں کرتے۔ وہ ایسے اسباب پیدا کرتے ہیں جس کے نتیجے میں تمہیں نقصان پہنچے اور تمہارے خلاف تمہارے دشمنوں کی مدد کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مومنوں سے فرماتا ہے: ﴿قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ﴾ ہم نے تمہارے لیے آیتیں بیان کر دی ہیں، جن میں تمہاری دینی اور دنیاوی مصلحتیں اور فوائد موجود ہیں۔ ﴿إِنْ كُنْتُمْ تَعْقِلُونَ﴾ اگر تم عقل مند ہو، تو ان نشانیوں کو پہچان کر دوستوں اور دشمنوں کی پہچان کرو، کیونکہ ہر شخص اس قابل نہیں ہوتا کہ اسے ہم راز بنایا جائے۔ عقل مند وہ ہوتا ہے جسے اگر دشمن سے میل جول رکھنے کی ضرورت پیش آجائے تو اس سے میل جول صرف ظاہری معاملات میں ہو اور اپنے اندرونی معاملات اسے نہ بتائے۔ اگرچہ دشمن کتنی ہی چال چوسی کرے اور قسمیں کھائے کہ وہ دوست ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ مومنوں کو یہودی اور عیسائی منافقوں سے احتیاط کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے ان کی شدید دشمنی کو واضح کرتا ہے۔ ارشاد ہے ﴿هَآئِنْتُمْ أُولَآءِ تُحِبُّونَهُمْ وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ﴾ ہاں تم تو انہیں چاہتے ہو اور وہ تم سے محبت نہیں رکھتے اور تم پوری کتاب کو مانتے ہو، یعنی ان تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہو جو اللہ نے اپنے نبیوں پر نازل کی ہیں۔ حالانکہ وہ تمہاری کتاب قرآن پر ایمان نہیں رکھتے۔ بلکہ جب وہ تم سے ملتے ہیں تو اوپر اوپر سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں۔ ﴿وَإِذَا لَقُّوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَاِذَا خَلَوْا عَصَوْا عٰلَمِيْنَكَ الْاِنَامِلَ مِنَ الْعٰغِظِ﴾ اور جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے۔ لیکن تمہاری میں تم پر غصے کے مارے اپنی انگلیاں چباتے ہیں (انامل) کا مطلب انگلیوں کے سرے۔ ﴿قُلْ مُؤْمِنُوْٓا بِعٰظِمٰتِكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ بِذٰٓآِتِ الصُّدُوْرِ﴾ کہہ دو! اپنے غصے ہی میں مر جاؤ۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے راز بخوبی جانتا ہے۔ اس میں مومنوں کے لیے خوش خبری ہے کہ یہ دشمن تمہیں نقصان پہنچانے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ لیکن اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں۔ وہ اپنے غصے کو عملی جامہ پہنانے کے قابل نہیں۔ وہ مرتے دم تک دنیا کا یہ عذاب سہتے رہیں گے اور مرنے کے بعد دنیا کے عذاب سے آخرت کے عذاب کی طرف منتقل ہو جائیں گے۔ ﴿اِنْ تَمَسَّسْكُمْ حَسَنَةٌ﴾ تمہیں اگر بھلائی ملے، مثلاً دشمنوں پر فتح نصیب ہو یا غنیمت حاصل ہو ﴿تَسُوْهُمْ﴾ تو یہ ناخوش ہوتے ہیں، یعنی انہیں اس سے غم ہوتا ہے ﴿وَ اِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْٓا بِهَا وَاِنْ تُصِبْوْٓا وَ تَتَّقُوْٓا لَا يُضْرَكُمْ كِيْنٌ هُمْ شَيْبًا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ﴾ اور اگر تمہیں برائی پہنچے تو وہ خوش ہوتے ہیں اور تم اگر صبر کرو اور پرہیزگاری کرو تو ان کا مکر تمہیں کچھ نقصان نہ

دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے عمل کا احاطہ کر رکھا ہے۔ ”لہذا جب تم ان اسباب کو عملی جامہ پہناؤ، جن پر اللہ نے مدد کا وعدہ کر رکھا ہے۔ یعنی صبر اور تقویٰ اختیار کرو، تو ان کا مکر تمہیں نقصان نہ دے گا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ ان کے مکر کو انہی پر الٹ دے گا۔ کیونکہ اس کا علم اور اس کی قدرت ان کو گھیرے ہوئے ہے، وہ اس کی قدرت کے دائرے سے باہر نہیں نکل سکتے اور ان کی کوئی بات اللہ سے چھپی نہیں رہ سکتی۔

وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللَّهُ سَمِيعٌ

اور جب صبح کو نکلے آپ اپنے گھر والوں (کے پاس) سے بٹھاتے تھے آپ مومنوں کو مورچوں پر لڑائی کیلئے اور اللہ خوب سننے والا

عَلَيْهِمْ ۗ إِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتٌ مِنْكُمْ أَنْ تَفْشَلُوا وَاللَّهُ وَلِيُّهَا

خوب جاننے والا ہے ○ جب ارادہ کیا دو گروہوں نے تم میں سے یہ کہ وہ بزدلی کریں اور اللہ دوست تھا ان کا

وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ۗ

اور اللہ ہی پر چاہیے کہ توکل کریں مومن ○

یہ آیات واقعہ احد کے بارے میں نازل ہوئیں۔ اس کا قصہ معروف ہے جو سیرت اور تاریخ کی کتابوں میں تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ یہاں اسے بیان کرنے اور اس کے درمیان میں بدر کا واقعہ لے آنے میں غالباً یہ حکمت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں سے وعدہ کیا تھا کہ اگر وہ صبر اور تقویٰ اختیار کریں گے تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد کرے گا اور دشمن کی سازشوں سے انہیں محفوظ فرمائے گا۔ یہ ایک عام حکم اور سچا وعدہ تھا، جس کی شرائط پوری کی جاتیں تو اس کا پورا ہونا ناممکن نہیں تھا۔ ان دو قصوں میں اس کا ایک نمونہ پیش فرمادیا کہ اللہ نے بدر میں مسلمانوں کی مدد اس لیے فرمائی تھی کہ انہوں نے صبر کیا اور تقویٰ اختیار کیا، اور احد میں انہیں دشمنوں کے ہاتھوں اس لیے نقصان پہنچا کہ ان میں سے بعض افراد سے ایسی غلطی ہو گئی جو تقویٰ کے منافی تھی دونوں واقعات اکٹھے بیان کرنے کا یہ مقصد ہے کہ اللہ کو بندوں کا یہ عمل پسند ہے کہ جب انہیں کوئی ناخوشگوار صورت حال پیش آ جائے تو انہیں وہ نعمت یاد کرنی چاہیے جو انہیں پسند ہے، تو ان کی مصیبت ہلکی ہو جائے گی اور وہ اس بڑی نعمت پر رب کا شکر کریں گے۔ جس کے مقابلے میں یہ ظاہری مصیبت، جو حقیقت میں نعمت ہی ہے، بڑی نعمت کے مقابلے میں بہت معمولی محسوس ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں اسی حکمت کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ﴿أَوَلَمْ نَأْتِكُمْ مِّنْصِيبَةٍ قَدْ أَصَبْتُمْ

مِثْلَيْهَا﴾ (ال عمران: ۱۶۵/۳) ”کیا بات ہے کہ جب تمہیں ایک ایسی تکلیف پہنچی کہ تم اس جیسی دو چند پہنچا چکے“

واقعہ احد کا خلاصہ یہ ہے کہ جب ۲ھ میں جنگ بدر کے بعد بچے کچھے مشرکین مکہ پہنچے تو انہوں نے اپنی طاقت کے مطابق مال، افراد اور اسلحہ کے ساتھ بھرپور تیاری کی، حتیٰ کہ اتنا کچھ جمع ہو گیا جس کی وجہ سے انہوں نے اپنا مقصود حاصل کرنے اور اپنا غصہ نکالنے کا پختہ ارادہ کر لیا۔ تب وہ تین ہزار جنگجو افراد کا لشکر لے کر مکہ سے

روانہ ہوئے اور مدینہ کے قریب آٹھہرے۔ نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا، تو طے پایا کہ شہر سے باہر نکل کر مقابلہ کیا جائے۔ نبی ﷺ ایک ہزار آدمی لے کر روانہ ہوئے۔ تھوڑا سا فاصلہ طے کرنے کے بعد عبداللہ بن ابی (منافق) اپنے جیسے تین سو افراد لے کر واپس پلٹ گیا۔ اس طرح اسلامی لشکر کی تعداد میں ایک تہائی مقدار کی کمی ہوگئی۔ مومنوں کے دو گروہ بھی پلٹ جانے کا سوچنے لگے۔ وہ بنو حارثہ اور بنو سلمہ کے قبائل تھے۔ اللہ نے انہیں ثابت قدمی عطا فرمائی۔ جب احد کے مقام پر پہنچے تو نبی ﷺ نے لشکر کو ترتیب دے کر ان کے مختلف دستے اپنے مقام پر متعین فرمائے۔ احد کا پہاڑ ان کی پشت کی طرف تھا۔ انہوں نے اپنی پٹھیں احد کی طرف رکھیں۔ نبی ﷺ نے پچاس صحابہ کرام کو احد کی ایک گھاٹی پر متعین فرمایا اور انہیں حکم دیا کہ وہیں ٹھہرے رہیں اور وہ جگہ نہ چھوڑیں، تاکہ پیچھے سے دشمن کے حملہ کا خطرہ نہ رہے۔ جب مسلمانوں اور مشرکوں کے مابین جنگ ہوئی تو مشرکوں کو بری طرح شکست ہوئی، وہ اپنی لشکر گاہ کو پیچھے چھوڑ گئے۔ مسلمانوں نے ان کا تعاقب کر کے انہیں قتل اور قید کرنا شروع کر دیا۔ جن تیر اندازوں کو نبی ﷺ نے پہاڑ پر متعین فرمایا تھا، جب انہوں نے یہ صورت حال دیکھی تو (انہوں نے سوچا کہ اب ہمارا فرض مکمل ہو گیا ہے۔ اس لیے) انہوں نے آپس میں کہا، غنیمت! غنیمت! ہم یہاں کیوں بیٹھے ہیں جبکہ مشرکین شکست کھا چکے ہیں۔ ان کے امیر حضرت عبداللہ بن جبیر رضی اللہ عنہ نے انہیں نصیحت فرمائی کہ رسول اللہ ﷺ کی حکم عدولی نہ کریں۔ لیکن دوسروں نے اس طرف توجہ نہ دی۔ جب انہوں نے اپنی جگہ چھوڑ دی اور وہاں صرف چند افراد رہ گئے، تو مشرکین کا گھڑسوار دستہ اس گھاٹی سے آ گیا اور مسلمانوں کے پیچھے آ کر لشکر کے پچھلے دستے پر حملہ کر دیا۔ تب مسلمان کچھ ادھر ادھر ہوئے، جو اللہ کی طرف سے ایک آزمائش تھی۔ جس سے ان کے گناہ معاف ہوئے، اور تعمیل حکم میں کوتاہی کی سزا مل گئی۔ اس کے نتیجے میں جن کی قسمت میں شہادت تھی، وہ شہید ہو گئے۔ آخر کار مسلمان جبل احد کی چوٹی کی طرف جمع ہو گئے۔ اللہ نے مشرکین کے ہاتھوں کو روک دیا اور وہ لوگ اپنے وطن کی طرف لوٹ گئے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام مدینہ منورہ تشریف لے آئے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَإِذْ غَدَوْتَ مِنْ أَهْلِكَ﴾ اور اس وقت کو یاد کرو جب آپ اپنے گھر سے نکلے، اس مقام پر (غدوت) کا مطلب ”مطلقاً نکلنا ہے“ صبح کے وقت نکلنا نہیں۔ کیونکہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام جن جمعہ کی نماز پڑھ کر روانہ ہوئے تھے۔ ﴿ثَبَوْنِي الْمُؤْمِنِينَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ﴾ ”مومنوں کو میدان جنگ میں لڑائی کے مورچوں پر باقاعدہ بٹھا رہے تھے“ یعنی آپ انہیں ترتیب دے رہے تھے۔ اور ہر ایک کو اس مقام پر بٹھا رہے تھے جو اس کے لیے مناسب تھا۔ اس میں نبی ﷺ کی عظیم تعریف ہے۔ کہ آپ بنفس نفیس ان کو منظم فرما رہے تھے اور جنگ کے لیے مناسب مقامات پر بٹھا رہے تھے۔ اس کی وجہ آپ کے علم و فراست کا کمال، دور اندیشی اور بلند ہمتی تھی۔ علاوہ ازیں آپ کامل شجاعت سے بہرہ ور تھے، صلوات اللہ وسلامہ علیہ ﴿وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ اور اللہ سننے والا

جاننے والا ہے، جو ہر بات سنتا ہے۔ مومنوں کی باتیں بھی سنتا ہے اور منافقوں کی بھی۔ ہر ایک کی بات چیت سے اس کے دل کے جذبات، احساسات اور خیالات ظاہر ہوتے ہیں۔ وہ بندوں کی نیقوں کو جانتا ہے، وہ ان کے مطابق انہیں مکمل بدلہ عطا فرماتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ مطلب بھی ہے کہ وہ سننے والا جاننے والا ہے۔ تمہاری حفاظت کرتا ہے۔ تمہارے معاملات سنوارتا ہے۔ اور تمہیں اپنی مدد سے نوازتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام سے بھی اسی طرح فرمایا تھا: ﴿إِنِّي مَعَكُمْ أَسْمِعُ وَأَرَى﴾ (طہ: ۶۱۲) ”میں تمہارے ساتھ ہوں اور سنتا دیکھتا ہوں۔“

اللہ تعالیٰ کی مومنوں پر مہربانی اور احسان اس طرح بھی ہوا کہ ﴿إِذْ هَمَّتْ طَّائِفَتٌ مِّنْكَ﴾ جب مومنوں کی دو جماعتیں پست ہمتی کا ارادہ کر چکی تھیں اور وہ بنو سلمہ اور بنو حارثہ تھے جیسے پہلے بیان ہوا۔ اللہ نے ان پر اور تمام مومنوں پر احسان کرتے ہوئے انہیں ثابت قدمی کی توفیق بخشی۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَاللَّهُ وَلِيُّ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اللہ ان کا ولی اور مددگار ہے“ یہاں اللہ تعالیٰ کی خاص ولایت مراد ہے یعنی اس کی اپنے دوستوں پر مہربانی، انہیں ایسے کاموں کی توفیق دینا جن میں ان کا فائدہ ہو اور ایسے کاموں سے محفوظ رکھنا، جن میں ان کا نقصان ہو۔ اس کا ایک مظہر یہ بھی تھا کہ جب انہوں نے اس گناہ کا ارادہ کیا کہ وہ پست ہمتی کا مظاہرہ کرتے ہوئے میدان جنگ سے چلے جائیں اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں اس غلطی سے بچالیا، کیونکہ ان میں ایمان موجود تھا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿اللَّهُ وَرِثَةُ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ (البقرہ: ۲۵۷/۲) ”اللہ مومنوں کا دوست اور مددگار ہے، انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف نکال لاتا ہے۔“ اس کے بعد فرمایا: ﴿وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ ”اور اللہ ہی کی ذات پر مومنوں کو بھروسا کرنا چاہیے“ اس میں توکل کا حکم ہے توکل کا مطلب یہ ہے کہ فائدہ مند اشیاء کے حصول کے لیے اور نقصان سے بچنے کے لیے اللہ پر اعتماد کرتے ہوئے دل کا سہارا اللہ پر ہو۔ بندے کو اللہ پر جتنا ایمان ہوتا ہے اس کے مطابق اس کا توکل ہوتا ہے۔ اس آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ دوسروں کی نسبت مومن اللہ پر توکل کرنے کا زیادہ حق رکھتے ہیں۔ بالخصوص سختی اور جہاد کے موقع پر انہیں اللہ پر توکل کرنا اس سے مدد اور فتح طلب کرنا، اپنی طاقت پر بالکل بھروسہ نہ کرنا، بلکہ اللہ کی قوت اور حفاظت پر بھروسہ کرنا انتہائی ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے ان کی مدد کرتا ہے اور ان کی مصیبتیں اور مشکلات دور فرماتا ہے۔ اس کے بعد فرمایا:

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ بِبَدْرٍ وَأَنْتُمْ أَذِلَّةٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۱۲۷﴾

اور البتہ تحقیق مدد کی تمہاری اللہ نے بدر میں جب کہ تم کمزور تھے پس ڈرو تم اللہ سے تاکہ تم شکر کرو ○ جب

تَقُولُ لِمُؤْمِنِينَ اَلَنْ يَكْفِيَكُمْ اَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ اَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ

کہتے تھے آپ مومنوں سے، کیا ہرگز نہ کفایت کرے گی تمہیں یہ بات کہ مدد کرے تمہاری تمہارا رب ساتھ تین ہزار فرشتوں کے

مُنزَلِينَ ﴿۳۷﴾ بَلَىٰ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَذَا يُمْدِدْكُمْ
 اتارے ہوئے (آسمان سے)؟ کیوں نہیں (ہاں) اگر تم صبر کرو اور ڈرو اور وہ (ذمّٰن) آجائے تمہارے پاس اسی دم تو مدد کرے گا تمہاری،
 رَبِّكُمْ بِخَمْسَةِ آلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُسَوِّمِينَ ﴿۳۸﴾ وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرَىٰ
 تمہارا رب ساتھ پانچ ہزار فرشتوں کے (وہ خاص) نشان لگائے ہوں گے اور نہیں کیا اس کو اللہ نے مگر خوش خبری
 لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُم بِهِ ط وَمَا النَّصْرُ إِلَّا

تمہارے لیے اور تاکہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل ساتھ اس کے اور نہیں ہے مددگر

مِن عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ ﴿۳۹﴾

اللہ ہی کی طرف سے (جو) زبردست حکمت والا (ہے) ○

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو اپنا احسان یاد دلایا ہے اور انہیں اپنی وہ مدد یاد دلانی ہے جو بدر کے موقع پر ہوئی۔ جب وہ کمزور تھے ان کی تعداد بھی کم تھی اور سامان بھی۔ جبکہ دشمنوں کی تعداد اور سامان جنگ کی مقدار بہت زیادہ تھی۔ غزوہ بدر ہجرت کے دوسرے سال واقع ہوا۔ نبی ﷺ مدینہ منورہ سے تین سو دس سے چند افراد زیادہ کی تعداد میں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ ان کے پاس صرف ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے۔ آپ قریش کے تجارتی قافلہ کے تعاقب میں نکلے تھے۔ جو شام سے آ رہا تھا۔ مشرکین کو اطلاع ملی تو وہ اپنے قافلے کو بچانے کے لیے پوری طرح تیار ہو کر مکہ مکرمہ سے نکلے۔ وہ تقریباً ایک ہزار جنگ جو تھے جن کے پاس مکمل سامان رسد بکثرت ہتھیارا اور بہت سے گھوڑے موجود تھے۔ ان کا مسلمانوں سے آ مناسا منا ایک چشمے کے پاس ہوا جسے ”بدر“ کہتے تھے۔ یہ مکہ اور مدینہ کے درمیان واقع ہے۔ جنگ ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی عظیم مدد فرمائی۔ چنانچہ انہوں نے مشرکین کے ستر بہادر سردار قتل کیے اور ستر کو جنگی قیدی بنایا اور ان کی لشکر گاہ پر قبضہ کر لیا۔ جیسے سورہ انفال میں ان شاء اللہ بیان ہوگا۔ اس کی تفصیل کا اصل مقام وہی ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر صرف اس لیے کیا ہے کہ مسلمان اس سے نصیحت حاصل کرتے ہوئے اللہ کا تقویٰ اختیار کریں اور اس کا شکر کریں۔ اس لیے فرمایا: ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُشْكُرُونَ﴾ ”اللہ ہی سے ڈرو تاکہ تم شکر گزار بن جاؤ“ کیونکہ جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے وہی اس کا شکر ادا کرتا ہے۔ جو تقویٰ ترک کر دیتا ہے وہ شکر گزار نہیں ہوتا۔ اے محمد ﷺ! یاد کیجئے جب بدر کے دن آپ مومنوں کو فتح کی خوش خبری دیتے ہوئے ان سے فرما رہے تھے: ﴿أَلَنْ يَكْفِيَكُمْ أَنْ يُمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلَاثَةِ آلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُنزَلِينَ﴾ ”کیا تمہارے لیے یہ کافی نہیں ہوگا کہ تمہارا رب تین ہزار فرشتے اتار کر تمہاری مدد کرے؟“ ﴿بَلَىٰ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَذَا﴾ ”بلکہ اگر تم صبر اور پرہیزگاری کرو اور وہ اپنے اس جوش سے تمہارے مقابلے میں آئیں۔“ (من فورہم هذا) کا مطلب ہے (من مقصدہم هذا) ”اپنے کسی ارادے اور عزم کے ساتھ“ اس سے غزوہ بدر مراد ہے۔

﴿يُنَادِيكُمْ رَبُّكُمْ بِخَسَّةٍ الْفِ مِنَ الْمَلِيكَةِ مُسَوِّمِينَ﴾ ”تمہارا رب تمہاری امداد پانچ ہزار فرشتوں سے کرے گا جو نشان دار ہوں گے“ یعنی ان پر بہادریوں کا خصوصی نشان ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے مومنوں کی مدد کی تین شرطیں بیان فرمائی ہیں: صبر، تقویٰ اور مشرکین کا فوری جوش و جذبہ کے ساتھ آنا۔ یہ وعدہ مذکورہ بالا فرشتوں کے بطور امداد فوج کے نازل ہونے کے بارے میں ہے۔ لیکن فتح اور دشمنوں کے منصوبوں کی ناکامی کے لیے اللہ نے پہلی دو شرطیں مقرر فرمائی ہیں۔ جیسے کہ پہلے فرمان الہی گزرا ہے۔ ﴿وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا﴾ (ال عمران: ۱۲۰، ۱۲۱) ”اگر تم صبر اور تقویٰ اختیار کرو گے تو ان کے منصوبے تمہیں کچھ نقصان نہیں پہنچا سکیں گے“ اس کے بعد فرمایا: ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ إِلَّا بُشْرًا﴾ ”اللہ نے اس چیز کو (یعنی فرشتے اتار کر تمہیں کمک پہنچانے کو) صرف خوش خبری بنایا ہے“ تاکہ اس سے تمہیں خوشی حاصل ہو۔ ﴿وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوبُكُمْ بِهِ﴾ ”اور اس بشارت سے تمہارے دل مطمئن ہو جائیں“ ﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ ”ورنہ مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے“ لہذا اپنے اسباب پر اعتماد نہ کرو۔ بلکہ اسباب صرف تمہارے دلوں کے اطمینان کے لیے ہیں۔ اصل فتح جس کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا وہ تو اللہ کی مشیت ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کی مدد کرنے کا ارادہ فرمائے وہی فتح یاب ہوتا ہے۔ اگر وہ چاہے تو اس فریق کی مدد کرے جس کے پاس اسباب ہیں جیسے عام طور پر مخلوق میں اس کی سنت جاری ہے اور اگر چاہے تو کمزور اور معمولی فریق کی مدد کرے تاکہ اس کے بندوں کو معلوم ہو جائے کہ سب کام اس کے ہاتھ میں ہیں اور سب معاملات کا دار و مدار اس کی مرضی پر ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ الْعَزِيزِ﴾ ”مدد تو اللہ ہی کی طرف سے ہے جو غالب ہے“ کوئی مخلوق اس کے آگے سر تابی نہیں کر سکتی۔ بلکہ تمام مخلوقات اس کی تدبیر اور غلبے کے آگے کمزور اور مجبور ہیں۔ ﴿الْحَكِيمِ﴾ ”حکمتوں والا ہے“ جو ہر چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھتا ہے۔ بعض اوقات کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ حاصل ہو جاتا ہے تو اس میں بھی اس کی حکمت ہوتی ہے۔ کفار کا یہ غلبہ مشغل نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَانتَصَرْنَا مِنْهُمْ وَلَكِنْ لِيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ﴾ (محمد: ۴۷، ۴۸) ”اگر اللہ چاہتا تو خود ہی بدلہ لے لیتا“ لیکن اس کا منشا یہ ہے کہ تم میں سے ایک کا امتحان دوسرے سے لے

لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوا خَائِبِينَ ﴿۱۱۶﴾

تاکہ کاٹ (ہلاک کر) دے وہ ایک گروہ کو ان میں سے جنہوں نے کفر کیا یا ذلیل کرے انکو پس پھر اس وہ نامراد ہو کر

اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ وہ اپنے مومن بندوں کی مدد و مقاصد کے لیے کرتا ہے۔

- ۱۔ تاکہ کافروں کی ایک جماعت کو کاٹ لے۔ یعنی وہ قتل ہو جائیں یا قید ہو جائیں۔ یا ان کے شہر پر مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے یا مال غنیمت حاصل ہو۔ اس طرح مومنوں کو قوت حاصل ہو اور کافر ذلیل ہو جائیں۔ کیونکہ اسلام کا مقابلہ کرنے اور اسلام سے جنگ کرنے کی قوت انہیں یا افراد سے حاصل ہوتی ہے یا ہتھیاروں سے یا مال سے یا زمین سے۔ ان میں سے کسی بھی چیز کا ختم ہونا یا مسلمانوں کے قبضے میں آنا ان کی قوت میں کمی کا باعث ہے۔

۲- دوسرا مقصد یہ ہے کہ کافر اپنی قوت و کثرت پر اعتماد کر کے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی خواہش کریں بلکہ اس کی انتہائی شدید حرص میں مبتلا ہو کر اپنی طاقت اور اپنا مال صرف کریں۔ پھر اللہ تعالیٰ جنگ میں مومنوں کی مدد کر کے انہیں ناکام کر دے وہ اپنا مقصد حاصل نہ کر سکیں۔ بلکہ خسارہ اٹھا کر غم اور حسرت لے کر واپس چلے جائیں۔ جب آپ حالات پر غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ جب مومنوں کی مدد کرتا ہے تو وہ ان دو امور سے خارج نہیں ہوتی۔ یا ان پر مسلمانوں کی فتح یا کفار کی اپنی کوششوں میں ناکامی۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ أَوْ يَتُوبَ عَلَيْهِمْ أَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَإِنَّهُمْ ظَالِمُونَ ﴿١٣٨﴾
نہیں ہے واسطے آپ کے اس معاملے میں کچھ (اختیار) یا متوجہ ہووہ (مہربانی سے) ان پر یا عذاب دے وہ انکو واپس پیشک وہ ظالم ہیں ○

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ يُغْفِرُ لِمَن يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ
اور اللہ ہی کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے وہ معاف کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور عذاب دیتا ہے

مَنْ يَّشَآءُ وَاللَّهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿١٣٩﴾

○ جس کو چاہتا ہے اور اللہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے ○

جب جنگ احد کے سنگین واقعات پیش آئے اور نبی ﷺ کو سخت مصائب پیش آئے جن کی وجہ سے اللہ نے آپ کا مقام مزید بلند فرمادیا۔ اس موقع پر آپ کا سر مبارک زخمی ہوا اور دندان مبارک شہید ہوئے تو آپ ﷺ نے فرمایا تھا: «**كَيْفَ يَفْلَحُ قَوْمٌ شَجُوا نَبِيَهُمْ**»^① ”وہ قوم کس طرح فلاح پاسکتی ہے جس نے اپنے نبی کو زخمی کر دیا۔“ اس موقع پر آپ ﷺ نے مشرکین کے سرداروں کے حق میں بددعا بھی فرمائی۔ مثلاً ابوسفیان بن حرب، صفوان بن امیہ، سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پر وحی نازل فرما کر آپ کو ان کے خلاف دعا کرنے، انہیں لعنت کرنے، ان کے لیے رحمت سے دوری کی درخواست کرنے سے منع فرمادیا اور فرمایا: ﴿لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ ”آپ کے اختیار میں کچھ نہیں“ آپ کے فرائض صرف یہ ہیں کہ تبلیغ کریں، مخلوق کی رہنمائی فرمائیں، اور ان کو فائدہ پہنچانے کی کوشش کریں۔ باقی معاملات اللہ کے ہاتھ میں ہیں، وہ جیسے چاہتا ہے تدبیر فرماتا ہے۔ جسے چاہتا ہے ہدایت نصیب فرمادیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے۔ آپ انہیں بددعا میں نہ دیں۔ ان کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ اگر اس کی حکمت اور رحمت کا تقاضا ہوگا تو ان کی توبہ قبول فرما کر انہیں اسلام کی نعمت عطا فرمادے گا اور اگر اس کی حکمت کا تقاضا ہوگا تو انہیں ہدایت سے محروم فرما کر کفر میں پڑا رہنے دے گا۔ اس صورت میں اپنے نقصان کا باعث اور اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے وہی ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان معین افراد کو اور دوسروں کو بھی ہدایت نصیب فرمائی اور وہ مسلمان ہو گئے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ کا اختیار بندوں کے اختیار پر غالب ہے۔ بندے کا درجہ جتنا بھی بلند ہو اس سے یہ

① صحیح مسلم، الجہاد، باب غزوة احد، ح: ۱۷۹۱

ہوسکتا ہے کہ وہ ایک چیز کو بہتر سمجھ کر منتخب کرے حالانکہ بہتری اور مصلحت دوسری چیز میں ہو۔ اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ رسول ﷺ معاملات میں اختیار نہیں رکھتے تھے۔ لہذا دوسرے افراد بدرجہ اولیٰ اختیار سے محروم ہوں گے۔ اس میں انبیاء و اولیاء سے حاجتیں مانگنے والوں کی سخت تردید ہے اور یہ وضاحت ہے کہ اس قسم کا عقیدہ رکھنا شرک فی العبادت ہے، جو ان لوگوں کی کم عقلی کو ظاہر کرتا ہے کہ جس ہستی کے ہاتھ میں سب اختیارات ہیں اسے چھوڑ کر انہیں پکارتے ہیں جو ذرہ برابر اختیار نہیں رکھتے، یہ بہت بڑی گمراہی ہے۔ غور کیجئے جب اللہ نے ان کی توبہ قبول کرنے کا ذکر فرمایا تو نفل کو اپنی طرف منسوب فرمایا۔ (یعنی یہ فرمایا کہ اللہ توبہ قبول فرماتا ہے) اس کا کوئی سبب بیان نہیں فرمایا جس کا یہ نتیجہ برآمد ہوا ہو۔ تاکہ یہ ثابت ہو کہ نعمت تو بندے پر اللہ کا خالص فضل ہوتا ہے۔ اس کے لیے ضروری نہیں کہ بندے کی طرف سے پہلے کوئی عمل ہوا ہو جو اس نعمت کا سبب بنے نہ کسی وسیلے کی ضرورت ہے۔ لیکن جب عذاب کا ذکر فرمایا تو ساتھ ہی ان کے ظلم کا ذکر فرمایا۔ اور فائے مسببہ کے ذریعے سے واضح فرمایا کہ عذاب کا سبب ان کا ظلم ہے۔ ارشاد ہے: ﴿أَوْ يَعَذِّبُهُمْ فَأَنَّهُمْ ظَالِمُونَ﴾ ”یا ان کو عذاب دے کیونکہ وہ ظالم ہیں“ تاکہ اس سے اللہ کا کامل عدل اور اس کی کامل حکمت ظاہر ہو، کہ اس نے سزا کو مناسب مقام پر رکھا، اور بندے پر ظلم نہیں کیا، بلکہ بندے نے خود اپنے آپ پر ظلم کیا۔

جب یہ واضح فرمادیا کہ رسول کے ہاتھ میں اختیار نہیں، تو اس کے بعد بیان فرمایا کہ اختیار کس کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَاللَّهُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ﴾ ”آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، سب اللہ ہی کا ہے۔“ یعنی فرشتے، انسان، جن، حیوانات، جمادات، افلاک وغیرہ اور آسمانوں اور زمین میں موجود تمام کی تمام اشیاء اللہ کی ملک اور اللہ کی مخلوق ہیں اور اس کی تدبیر کے تابع ہیں۔ وہ ان میں اس طرح تصرف کرتا ہے جس طرح بادشاہ اپنے ملک میں تصرف کرتا ہے۔ اس حکومت میں ان کا ایک ذرہ بھی نہیں۔ جب صورت حال یہ ہے تو وہ سب اس کی مغفرت اور اسکے عذاب کے درمیان ہیں۔ وہ جسے چاہتا ہے اس کی مغفرت اس طرح فرماتا ہے کہ ہدایت دے کر اسلام میں داخل کر دیتا ہے۔ اس طرح اس کا شرک معاف کر دیتا ہے اور اس پر یہ احسان فرماتا ہے کہ اسے گناہ ترک کرنے کی توفیق دیتا ہے اور اس طرح اس کے گناہ بھی معاف کر دیتا ہے۔ ﴿وَيَعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ﴾ ”اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے“ وہ اس طرح کہ اسے اس کے نفس کے حوالے کر دیتا ہے۔ انسان کا نفس جاہل اور ظالم ہے جو برائیوں کے ارتکاب کا تقاضا کرتا ہے۔ چنانچہ انسان گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اسے گناہ کی سزا دے دیتا ہے۔

آیت مبارکہ کو دو اسمائے مبارکہ پر ختم کیا گیا ہے جن سے اللہ کی رحمت کی وسعت، اس کی مغفرت کا لامحدود ہونا، اس کے احسان کی وسعت و عموم ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ”اللہ بخشنش کرنے والا مہربان ہے“ اس میں بہت بڑا اشارہ ہے کہ اس کی رحمت اس کے غضب پر غالب ہے اور اس کی مغفرت اس کے مواخذہ پر غالب ہے۔ اس آیت میں مخلوق کی حالت بیان کی گئی ہے کہ ان میں سے کسی کو اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے اور کسی کو عذاب دیتا ہے لیکن آیت کے آخر میں اس طرح کے دو اسمائے مبارکہ ذکر نہیں فرمائے

کہ ایک سے اس کی رحمت ظاہر ہو اور دوسرے سے اس کا انتقام۔ پس اللہ تعالیٰ رحمت و احسان والا ہے۔ وہ اپنے بندوں پر ایسے انداز سے رحمت فرمائے گا جو کسی انسان کے خیال میں بھی نہیں آسکتا، نہ اس کی کیفیت معلوم ہو سکتی ہے۔ ہم بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ ہمیں اپنے دامن رحمت میں جگہ دے اور اپنی رحمت سے ہمیں بھی اپنے نیک بندوں میں شامل فرمائے۔ (آمین)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا الرِّبَا أَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۱۴۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ ۖ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَلَاحٍ ۖ وَأُورُوا اس آگ سے جو تیار کی گئی ہے کافروں کے لیے ۖ اور اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱۴۱﴾ وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ ۖ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۴۲﴾ الَّذِينَ يَنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ آسمان اور زمین تیار کی گئی ہے وہ متقین کے لیے ۖ وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں خوشی میں اور سختی میں وَ الْكُظْمِينَ الْغَيْظِ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ ۗ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۴۳﴾ اور پی جانے والے ہیں غصے کو اور معاف کر دینے والے ہیں لوگوں کو اور اللہ پسند کرتا ہے احسان کرنے والوں کو ۖ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا اور وہ لوگ کہ جب کر بیٹھے ہیں کوئی برائی یا وہ ظلم کر گزرتے ہیں اپنے آپ پر تو یاد کرتے ہیں اللہ کو اور بخشش مانگتے ہیں لِذُنُوبِهِمْ ۖ وَمَنْ يَغْفِرَ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ ۗ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا اپنے گناہوں کی اور کون بخشا ہے گناہوں کو سوائے اللہ کے؟ اور نہیں وہ اصرار کرتے اس پر جو انہوں نے کیا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ﴿۱۴۴﴾ أُولَٰئِكَ جَزَاءُ ۖ وَمَنْ يَغْفِرَ لَهُمْ مِّن رَّبِّهِمْ ۖ وَجَنَّتْ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۖ وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَمَلِينَ ﴿۱۴۵﴾ ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں اور اچھا اجر ہے عمل کرنے والوں کا ۖ

اس تفسیر کے مقدمہ میں گزر چکا ہے کہ بندۂ مومن کو چاہئے کہ وہ خود اپنی ذات میں اور دوسروں میں اوامرو نواہی کا خیال رکھے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی چیز کا حکم دیتا ہے تو سب سے پہلے بندۂ مومن پر یہ فرض عائد ہو جاتا ہے کہ وہ اس کی حدود کو پہچانے کہ وہ کیا چیز ہے جس پر عمل کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے تاکہ وہ اس کے حکم کی اطاعت

کر سکے۔ جب اسے اس حکم کی حدود کی معرفت حاصل ہو جائے تو اپنی طاقت اور امکان بھرا پنی ذات اور دوسروں پر اس حکم کے نفاذ کے لئے جدوجہد کرے اور اس پر اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کرے۔ اسی طرح جب اسے کسی امر سے روک دیا جائے تو وہ اس کی حدود کی معرفت حاصل کرے کہ کیا چیز اس کی حدود میں داخل ہے اور کیا چیز اس سے باہر ہے پھر اس کو ترک کرنے کی کوشش کرے اور اپنے رب سے مدد طلب کرے۔

یہ ایسا اصول ہے جسے اللہ تعالیٰ کے تمام ادا اور نواہی میں ملحوظ رکھنا چاہئے۔ یہ آیات کریمہ بھلائی کے ان احکام اور خصائل پر مشتمل ہیں جن کا اللہ تبارک و تعالیٰ نے حکم اور ان کی ترغیب دی ہے اور ان کے اجر و ثواب سے آگاہ فرمایا ہے اور ایسی منہیات پر مشتمل ہیں جن کو ترک کرنے کی اللہ تعالیٰ نے تاکید کی ہے اور اُحد کے قصے کے درمیان ان آیات کو بیان کرنے کی حکمت شاید یہ ہے۔۔ واللہ اعلم۔۔ کہ گزشتہ آیات میں گزر چکا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل ایمان سے وعدہ کیا ہے کہ اگر وہ صبر اور تقویٰ اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ ان کو ان کے دشمنوں پر فتح دے گا اور ان کے دشمنوں کی مدد چھوڑ دے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا﴾ (آل عمران: ۱۲۰، ۱۲۱) ”اگر تم صبر کرو اور تقویٰ اختیار کرو تو ان کی سازش تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گی۔“ فرمایا: ﴿بَلَىٰ إِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا وَيَأْتُوكُم مِّن فَوْرِهِمْ هَذَا يَغْشَىٰ ذِكْرَكُمْ رِجْسًا﴾ (آل عمران: ۱۲۵، ۱۲۶) ”کیوں نہیں اگر تم صبر کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور کفار تم پر اچانک زور کا حملہ کر دیں تو تمہارا رب تمہاری مدد کرے گا“

گویا نفوس انسانی تقویٰ کی خصائل کی معرفت کے مشتاق ہوئے، جن کے ذریعے سے فتح و نصرت اور فلاح و سعادت حاصل ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں تقویٰ کے اہم ترین خصائل کا ذکر فرمایا جن کو اگر بندہ مؤمن قائم کر لے تو پھر دوسرے خصائل تقویٰ کو وہ بطریق اولیٰ اختیار کرے گا۔ ہمارے اس قول کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں ”تقویٰ“ کا لفظ تین بار ذکر فرمایا ہے۔ ایک دفعہ بغیر کسی قید کے علی الاطلاق ذکر فرمایا ﴿أَعَدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ﴾ ”جو متقین کے لئے تیار کی گئی ہے“ دو دفعہ تقویٰ کا ذکر مقید طور پر کیا ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ ”اللہ سے ڈرو“ ﴿وَاتَّقُوا النَّارَ﴾ ”آگ سے ڈرو“۔ پس اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی یوں آتا ہے ”اے ایمان والو! فلاں کام کرو یا فلاں کام چھوڑ دو۔۔۔“ تو اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ ایمان ہی وہ سبب ہے جو اس حکم کی اطاعت کا داعی اور موجب ہے اور اس نہی سے اجتناب کا باعث ہے کیونکہ ایمان ان تمام امور کی تصدیق کامل کا نام ہے جن کی تصدیق واجب ہے اور اعضاء کے اعمال کو مستلزم ہے چنانچہ انہیں کئی کئی گنا سود کھانے سے منع کیا۔ جیسا کہ جاہلیت کے زمانے میں لوگوں کی عادت تھی یا وہ لوگ ہیں جو شرعی احکام کی پروا نہیں کرتے۔ زمانہ جاہلیت میں سود لینے کا طریقہ یہ تھا کہ جب تنگ دست مقروض کے قرض کی ادائیگی کا وقت ہو جاتا اور اس سے کچھ حاصل ہونے کی امید

نہ ہوتی تو قرض خواہ اس سے کہتا کہ وہ یا تو اپنا قرض ادا کر دے یا قرض خواہ مدت بڑھا دے گا اور مقروض کے ذمہ جو رقم ہے اس میں اضافہ ہو جائے گا۔ پس تنگ دست مقروض مجبور ہو جاتا اور اپنی جان چھڑانے اور وقتی طور پر راحت کی خاطر قرض خواہ کی شرائط کا التزام کر لیتا۔ اس طرح اس کے ذمہ جو قرض ہوتا وہ بغیر کسی فائدے کے بڑھ کر کئی گنا ہو جاتا۔ پس اللہ تعالیٰ کے قول ﴿اَضْعَافًا مُّضَاعَفَةً﴾ میں سود کی برائی پر سخت تشبیہ بیان ہوئی ہے اور اس میں سود کی تحریم کی حکمت کی طرف اشارہ ہے۔ اور سود کی حرمت کی حکمت یہ ہے کہ اس میں بے انتہا ظلم ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے سود لینے سے روک دیا اور وہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا ہے کہ تنگ دست مقروض کو مہلت دی جائے اور بغیر کسی اضافے کے اس کے ذمہ وہی قرض باقی رہنے دیا جائے جو اصل زر ہے اور اس پر اصل زر سے زیادہ رقم عائد کرنا سخت ظلم ہے۔ لہذا امتی مومن پر لازم ہے کہ وہ سود کو ترک کر دے اور اس کے قریب نہ جائے کیونکہ سود کو ترک کرنا موجبات تقویٰ میں سے ہے۔

فلاح تقویٰ پر موقوف ہے بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي أُعِدَّتْ لِلْكَافِرِينَ﴾ یعنی جہنم سے ڈرو اور ان تمام امور کو چھوڑ دو جو جہنم میں لے جاتے ہیں مثلاً کفر اور مختلف اقسام کے گناہ اور معاصی۔ کیونکہ تمام گناہ خصوصاً کبیرہ گناہ کفر کی طرف لے جاتے ہیں بلکہ کبیرہ گناہ تو کفر کے خصائل ہیں جس کے حاملین کے لئے اللہ تعالیٰ نے جہنم کی آگ تیار کر رکھی ہے اور گناہ اور معاصی کو ترک کرنا جہنم کی آگ سے نجات دیتا ہے اور (اللہ) جبار کی ناراضی سے بچاتا ہے۔ نیکی اور اطاعت کے افعال رحمن کی رضا جنت میں دخول اور حصول رحمت کے موجب ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے اوامر پر عمل اور اس کے نواہی سے اجتناب کر کے اللہ اور رسول کی اطاعت کرو ﴿لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُونَ﴾ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت حصول رحمت کا سبب ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ فَسَأَلْتَهُمُ الَّذِينَ يَتَّقُونَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ.....﴾ (الاعراف: ۱۵۶، ۱۷) اور میری رحمت ہر چیز پر وسیع ہے اور میں اسے ان لوگوں کے لئے لکھ دوں گا جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں۔“

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے مغفرت اور اس جنت کی طرف سبقت کرنے کا حکم دیا ہے جس کی چوڑائی زمین و آسمان کے برابر ہے، تب اس کی لمبائی کا کیا حال ہوگا، اللہ تعالیٰ نے اس کو متقین کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ متقین ہی اس جنت کے وارث ہیں اور اعمال تقویٰ ہی جنت تک پہنچاتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے متقین اور ان کے اعمال کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿الَّذِينَ يُنْفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالصَّرَّاءِ﴾ یعنی وہ تنگی اور فراخی میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرتے ہیں۔ یعنی جب وہ مال دار ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے راستے میں کثرت سے خرچ کرتے ہیں اور جب وہ تنگ دست ہوتے ہیں تو وہ تنگی کے کسی کام کو حقیر نہیں سمجھتے خواہ وہ کتنا ہی معمولی کیوں نہ ہو۔

﴿وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظِ﴾ یعنی جب ان کو دوسروں کی طرف سے کوئی ایسی تکلیف پہنچتی ہے جو ان کے غصے کا موجب ہوتی ہے۔ یہاں (غیظ) سے مراد ان کے دلوں کا ایسے غصے سے لبریز ہونا ہے جو قول و فعل کے ذریعے سے انتقام کا موجب ہوتا ہے۔ یہ اہل تقویٰ طبائع بشری کے ان تقاضوں پر عمل نہیں کرتے بلکہ ان کے دلوں میں جو غصہ ہوتا ہے اسے دبا دیتے ہیں اور برا سلوک کرنے والے کے مقابلے میں صبر سے کام لیتے ہیں۔ ﴿وَالْعٰفِيْنَ عَنِ النَّاسِ﴾ لوگوں کو معاف کر دینے میں ہر اس شخص کو معاف کر دینا شامل ہے جو آپ کے ساتھ قول یا فعل کے ذریعے سے برائی سے پیش آتا ہے۔

(عفو) (کظم) سے زیادہ بلیغ ہے کیونکہ ”عفو“ برائی کرنے والے سے درگزر کرنے کے ساتھ مواخذہ ترک کرنے کا نام ہے۔ یہ سب کچھ وہی شخص کر سکتا ہے جس نے اپنے آپ کو اخلاق جمیلہ سے آراستہ اور عادات رذیلہ سے پاک کر لیا ہو اور وہ ان میں سے ہو جس کی تجارت اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہو۔ جو اللہ کے بندوں پر رحم اور احسان کرتے ہوئے اور اس خوف سے کہ کہیں ان کو برائی نہ پہنچے ان کو معاف کر دیتا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دے اور اس کا اجر اس کے رب کریم پر واجب ہو نہ کہ اس بندہ فقیر پر۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ﴾ (الشوری: ۴۱، ۴۲) ”جو کوئی معاف کر دے اور معاملے کی اصلاح کر دے تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے (بندہ مومن کے) ایسے حال کا ذکر فرمایا ہے جو دیگر احوال سے زیادہ عام احسن و اعلیٰ اور زیادہ جلیل القدر ہے اور وہ ہے احسان۔ فرمایا ﴿وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ اللہ احسان کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے، احسان کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کی عبودیت میں احسان۔ (۲) اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ احسان۔ خالق کی عبودیت میں احسان کی تفسیر رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں کی ہے ﴿اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ كَمَا نَكَ تَرَاهُ فَاِنْ لَمْ تَكُنْ تَرَاهُ فَانَّهُ يَرَاكَ﴾^① ”احسان یہ ہے کہ تو اللہ کی بندگی اس طرح کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے دیکھ نہیں رہا تو پھر وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔“ رہا مخلوق کے ساتھ احسان تو یہ ان کو دینی اور دنیاوی نفع پہنچانے اور ان سے دینی اور دنیاوی شر کو ہٹانے اور دور کرنے کا نام ہے۔ چنانچہ امر بالمعروف، نہی عن المنکر، جاہل کو تعلیم دینا، غافل کو وعظ و نصیحت کرنا، مسلمان عوام اور خواص کی خیر خواہی کرنا اور ان کو متحد رکھنے کی کوشش کرنا یہ تمام امور مخلوق کے ساتھ احسان کے زمرے میں آتے ہیں۔ نیز لوگوں کے مختلف احوال اور متباہن اوصاف کے مطابق ان تک واجب اور مستحب صدقات وغیرہ پہنچانا بھی احسان ہی میں شامل ہے۔ پس سخاوت کرنا، لوگوں کی تکالیف رفع کرنا خود تکالیف برداشت کرنا احسان ہے۔ جیسا کہ انہی آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اہل تقویٰ کا وصف بیان فرمایا ہے۔ پس جس نے مذکورہ بالا امور کو قائم کیا اس نے اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق کو ادا کیا۔

① صحیح البخاری، الایمان، سوال جبریل النبی ﷺ، ح: ۵۰، و صحیح مسلم، الایمان، ح: ۱

پھر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی اس معذرت کا ذکر فرمایا جو وہ اپنے جرائم اور گناہوں کے بارے میں اپنے رب کے سامنے پیش کرتے ہیں ﴿وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ﴾ یعنی جب کبھی ان سے کوئی بڑا یا چھوٹا گناہ صادر ہو جاتا ہے تو وہ فوراً توبہ اور استغفار کرتے ہیں اور اپنے رب اور اس کی وعید کو یاد کرتے ہیں جو اس نے نافرمانوں کو سنا رکھی ہے اور اپنے رب کے اس وعدے کو یاد کرتے ہیں جو اس نے اہل تقویٰ سے کر رکھا ہے۔ پس وہ گناہوں کو ترک کرنے اور ان پر نادم ہونے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنے ان گناہوں کی مغفرت طلب کرتے ہیں اور اس سے اپنے عیوب پر پردہ پوشی کا سوال کرتے ہیں۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ﴾ ”اور وہ جانتے ہوئے اپنی بد اعمالیوں پر اڑتے نہیں ہیں“ ﴿أُولَٰئِكَ﴾ یعنی وہ لوگ جو ان صفات سے متصف ہیں ﴿جَزَاءُ وَهُمْ مَغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ﴾ ”ان کی جزا مغفرت ہے ان کے رب کی طرف سے۔“ اور یہ مغفرت ان کے ہر گناہ کو زائل کر دے گی ﴿وَجَنَّتْ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں، شادمانی، خوبصورتی، رونق، بھلائی، مسرت، عالی شان محل، خوبصورت اور بلند منازل، پھلوں سے لدے ہوئے خوش کن درخت، اور ان خوبصورت مسکن و منازل میں نہریں بہ رہی ہوں گی ﴿خَالِدِينَ فِيهَا﴾ وہ ان جنتوں میں ہمیشہ رہیں گے انہیں وہاں سے نکالا جائے گا نہ وہ ان جنتوں کے بدلے میں کچھ اور چاہیں گے اور نہ ان نعمتوں کو جن میں وہ رہتے ہوں گے بدلا جائے گا۔ ﴿وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَمِلِينَ﴾ ”اور عمل کرنے والوں کا اجر اچھا ہے“ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی خاطر تھوڑا عمل کیا مگر ان کو بہت زیادہ اجر عطا ہوا۔ مشقت برداشت کرنے کے بعد ہی راحت کی امید ہوتی ہے اور جزا کے وقت ہی عمل کرنے والے کو اپنے عمل کا پورا اور وافر بدلہ عطا ہوتا ہے۔

یہ آیات کریمہ مرجنہ کے برعکس اہل سنت و الجماعت کے اس موقف پر دلالت کرتی ہیں کہ اعمال ایمان میں داخل ہیں اور آیت کریمہ سے استدلال کا پہلو سورۃ الحمد کی اس آیت کو ملا کر مکمل ہوتا ہے جو کہ اس آیت کی نظیر ہے ﴿سَائِقُونَ إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا كَعَرْضِ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ أُعِدَّتْ لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ﴾ (الحديد: ۲۱/۵۷) ”اپنے رب کی بخشش اور جنت کی طرف لپکو جس کی چوڑائی زمین و آسمان کی چوڑائی کی مانند ہے جسے ان لوگوں کے لئے تیار کیا گیا ہے جو اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں“ اس آیت کریمہ میں صرف اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان کا ذکر کیا گیا ہے جبکہ یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ﴾ ”جنت متقین کے لئے تیار کی گئی ہے“ پھر متقین کے اعمال مالیہ اور اعمال بدنیہ بیان فرمائے۔ جس سے یہ ثابت ہوا کہ وہ متقین، جو ان صفات سے متصف ہیں، وہی مومن ہیں۔

قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُمْ سُنَنٌ لَّفَسِيرُونَ فِي الْأَرْضِ فَاَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ

تحقیق گزر چکے تم سے پہلے کئی واقعات، پس سیر کرو تم زمین میں اور دیکھو کیسا ہوا انجام

الْمُكْذِبِينَ ﴿۱۲۵﴾ هَذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ ﴿۱۲۶﴾

جھٹلانے والوں کا ○ یہ وضاحت ہے واسطے لوگوں کے اور ہدایت اور نصیحت ہے واسطے متقیوں کے ○

یہ آیات کریمہ اور ان کے بعد آنے والی آیات ”أُحَدِّثُ“ کے واقعات کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جن میں اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو تسلی دیتے ہوئے آگاہ فرماتا ہے کہ ان سے پہلے گزری ہوئی قوموں اور امتوں کو بھی امتحان میں ڈالا گیا اور اہل ایمان کفار کے ساتھ جنگ کی آزمائش میں مبتلا کئے گئے اور وہ بھی کبھی فتح سے نوازے گئے اور کبھی نہیں زک اٹھانا پڑی۔ مگر اس تمام کشمکش کا انجام اللہ تعالیٰ نے اہل تقویٰ کے حق میں رکھا اور اپنے مومن بندوں کو فتح و نصرت سے نوازا۔ آخر کار جھٹلانے والوں پر غلبہ حاصل ہوا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں اور ان کے پیروکاروں کو اپنی نصرت عطا کر کے جھٹلانے والوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا۔

﴿فَسَيَرُوا فِي الْأَرْضِ﴾ ”زمین میں چلو پھرو“ یعنی اپنے جسم اور قلوب کے ساتھ (زمین میں چلو پھرو) ﴿فَأَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكْذِبِينَ﴾ تم تکذیب کرنے والوں کو مختلف قسم کے دنیاوی عذاب اور عقوبتوں میں مبتلا پاؤ گے۔ ان کے شہر تباہ و برباد ہو گئے اور ان کا خسارہ سب پر عیاں ہو گیا۔ ان کی شان و شوکت اور اقتدار قصہ پارینہ بن گیا، ان کا تکبر اور فخر ختم ہو گیا۔ کیا یہ سب اس امر کی سب سے بڑی دلیل اور سب سے بڑا شاہد نہیں کہ جو کچھ انبیاء کرام لے کر مبعوث ہوئے وہ صداقت پر مبنی ہے؟

بندوں کو آزمائش میں مبتلا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ بچوں اور جھوٹوں میں امتیاز ہو جائے۔ بنا بریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿هَذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ﴾ یعنی یہ واضح دلیل ہے جو لوگوں کے سامنے باطل میں سے حق کو واضح کر دیتی ہے۔ اہل شقاوت میں سے اہل سعادت کو ممتاز کر دیتی ہے اور یہ اس عذاب کی طرف بھی اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے جھٹلانے والوں کو مبتلا کیا۔ ﴿وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِّلْمُتَّقِينَ﴾ اور متقین کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے صرف یہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ یہ آیات انہیں رشد و ہدایت کی راہ دکھاتی اور انہیں گمراہی کے راستے سے روکتی ہیں۔ رہے باقی لوگ تو یہ ان کے سامنے کھول کر بیان کر دینا ہے جس سے ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت قائم ہو جاتی ہے تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل کو جان کر ہلاک ہو۔ نیز اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ ﴿هَذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ﴾ میں قرآن مجید اور ذکر حکیم کی طرف اشارہ ہو اور یہ کہ یہ عمومی طور پر تمام لوگوں کے لئے بیان ہے اور اہل تقویٰ کے لئے خاص طور پر ہدایت اور نصیحت ہے۔ دونوں معنی صحیح ہیں۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۲۶﴾ إِنْ يَمْسَسْكُمْ

اور نہ ہمت ہارو تم اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر ہو تم مومن ○ اگر پہنچے تم کو

قَرِحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرِحٌ مِّثْلُهُ ط وَتِلْكَ الْآيَاتُ نَدَاؤُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ

کوئی زخم تو تحقیق پہنچ چکا ہے اس قوم (کافر) کو بھی زخم اسکی مثل اور یہ ایام باری باری بدلتے رہتے ہیں ہم انکو درمیان لوگوں کے اور تاکہ جان لے

اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿۱۳۰﴾

اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور تاکہ بنائے تم میں سے کچھ کو شہید اور اللہ نہیں پسند کرتا ظالموں کو ○

وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَبْحَثَ الْكٰفِرِينَ ﴿۱۳۱﴾ أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا

اور تاکہ پاک صاف کر دے اللہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور منادے کافروں کو ○ کیا گمان کیا تم نے یہ کہ داخل ہو جاؤ گے تم

الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِينَ ﴿۱۳۲﴾ وَلَقَدْ

جنت میں حالانکہ (ابھی) نہیں جانا اللہ نے ان لوگوں کو جنہوں نے جہاد کیا تم میں سے اور یہ کہ جان لے وہ صبر کرنے والوں کو ○ اور البتہ تحقیق

كُنْتُمْ تَمُنُّونَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ ۗ فَقَدْ رَآيْتُمُوهُ

تھے تم آرزو کرتے موت کی پہلے اس کے کہ دو چار ہو تم اس سے، پس تحقیق مشاہدہ کیا تم نے اس کا

وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ ﴿۱۳۳﴾

○ جب کہ تم دیکھ رہے تھے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کا حوصلہ بڑھانے، ان کے عزائم مضبوط اور ان کے ارادوں کو بلند کرنے کے لئے فرماتا ہے: ﴿وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا﴾ یعنی تم اس مصیبت کے وقت جو تم پر نازل ہوئی ہے اور اس ابتلا پر جس سے تم دو چار ہوئے ہو جسمانی کمزوری اور دلی غم کا مظاہرہ نہ کرو۔ کیونکہ دلوں کا حزن و غم اور جسموں کی کمزوری تمہارے لئے مصیبت میں اضافے اور دشمن کی مدد کا باعث ہوں گے بلکہ دلوں کو مضبوط رکھو اور ان میں استقامت پیدا کرو۔ حزن و غم کو اپنے دلوں سے نکال دو اور اپنے دشمن کے ساتھ قتال کے لئے سخت جان ہو جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ ایمان کے بلند مرتبہ پر فائز ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح و نصرت اور اس کے ثواب کے امیدوار ہیں اس لئے کمزوری اور حزن و غم کا مظاہرہ ان کے شایان شان نہیں۔ اس قسم کے رویے کا اظہار اس مومن کے لائق نہیں جو اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق دنیاوی اور اخروی ثواب کا طلب گار ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَأَنْتُمْ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ ”تم ہی غالب رہو گے اگر تم مومن ہو۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے اس ہزیمت پر ان کو تسلی دی جو انہوں نے اٹھائی تھی اور ان عظیم حکمتوں کو بیان کیا جو اس ہزیمت پر مرتب ہوئیں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿إِنْ يَسْأَلْكُمْ قَرِحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرِحٌ مِّثْلُهُ﴾ یعنی زخم کھانے کے اعتبار سے تم اور وہ برابر ہو۔ مگر تم اللہ تعالیٰ سے وہ امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ﴾ (النساء: ۱۰۴/۱۰۴)

”اگر تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو انہیں بھی تکلیف پہنچتی ہے جیسے تمہیں پہنچتی ہے اور تم اللہ سے ایسی امید رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے۔“ اس میں اللہ تعالیٰ کی حکمت یہ ہے کہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ مومن و کافر اور نیک و بد سب کو حصہ عطا کرتا ہے اور ان ایام کو لوگوں کے مابین ادلتا بدلتا رہتا ہے آج کامیابی ایک گروہ کے لئے ہے تو کل کسی اور گروہ کے لئے۔ کیونکہ یہ دنیا تو آخر کار ختم ہو جانے والی اور فانی ہے مگر اس کے برعکس آخرت ہمیشہ رہنے والی ہے اور وہ صرف اہل ایمان کے لئے ہے۔

﴿وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت میں سے ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ہزیمت اور آزمائش میں مبتلا کرتا ہے تاکہ مومن اور منافق کے درمیان فرق واضح ہو جائے کیونکہ اگر مومنوں کو تمام جنگوں میں فتح ہی حاصل ہوتی رہے تو اسلام میں ایسے لوگ بھی داخل ہو جائیں گے جو اسلام نہیں چاہتے۔ اگر بعض مواقع پر مسلمان آزمائش میں مبتلا ہوں تو حقیقی مومن کا پتہ چل جاتا ہے جو مصیبت و مسرت، فراخی اور تنگی ہر حالت میں اسلام میں رغبت رکھتا ہے۔ ﴿وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَاءَ﴾ اور تم میں سے گواہ بنائے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت میں سے ہے کیونکہ شہادت اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند ترین مرتبہ ہے اور اس کے اسباب کے حصول کے بغیر وہاں تک پہنچنا ناممکن ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے مومن بندوں پر رحمت ہے کہ وہ ان کے لئے اسباب مہیا کرتا ہے جو اگرچہ نفوس کو ناپسند ہوتے ہیں مگر ان اسباب کے ذریعے سے وہ اعلیٰ مراتب اور دائمی نعمتیں حاصل کر لیتے ہیں جو انہیں پسند ہیں۔ ﴿وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ﴾ اور اللہ ظالموں کو پسند نہیں کرتا، یعنی وہ لوگ جنہوں نے اپنے آپ پر ظلم کیا اور اللہ کے راستے میں جہاد کو چھوڑ کر بیٹھ رہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَوْ آرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً ۗ وَلَكِنَّ كَوِّهَ اللَّهُ اٰثِمَاعَهُمْ فَشَرَّبَهَا قَوْلًا مَّعَ الْفٰعِدٰتِیْنَ﴾ (التوبہ: ۴۶/۹) ”اگر وہ جہاد کے لئے نکلنے کا ارادہ کرتے تو وہ اس کے لئے سامان تیار کرتے مگر اللہ کو ان کا اٹھنا پسند نہ آیا اور ان کو اس سے باز رکھا اور کہا گیا کہ معذور بیٹھے ہوئے لوگوں کے ساتھ تم بھی بیٹھ رہو۔“

﴿وَلِيَمَيِّضَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اور یہ کہ اللہ ایمان والوں کو خالص (مومن) بنا دے۔“ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت میں سے ہے کہ وہ ان آزمائشوں کے ذریعے سے اہل ایمان کو گناہوں اور عیبوں سے پاک کرتا ہے۔ اور اس امر کی دلیل یہ ہے کہ شہادت اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جنگ کرنا گناہوں کو مٹا دیتے اور عیبوں کو زائل کر دیتے ہیں۔ نیز اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو منافقین سے پاک کرتا ہے اور وہ منافقین سے الگ ہو جاتے ہیں اور وہ منافق اور مومن کو پہچان لیتے ہیں اور اس میں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ اس نے یہ سب کچھ کفار کو مٹانے کے لئے مقرر کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے (جہاد کو) سزا کے ذریعے سے کفار کے استیصال کا سبب بنایا کیونکہ جب کفار فتح یاب ہوتے ہیں تو بغاوت کا رویہ اختیار کر لیتے ہیں اور اپنی سرکشی میں بڑھتے چلے جاتے ہیں چنانچہ وہ اس دنیا

ہی میں سزا کے مستحق بن جاتے ہیں اور یہ بھی مومن بندوں پر اللہ کی مہربانی ہے (کہ وہ منافقوں کو جلد ہی دنیا میں عبرت ناک انجام سے دوچار کر دیتا ہے)

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُدْخَلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصَّادِقِينَ﴾ ”کیا تمہارا خیال ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے جب کہ ابھی تک اللہ نے ان لوگوں کو بھی معلوم نہیں کیا جو تم میں سے جہاد کرنے والے ہیں اور معلوم نہیں کیا ثابت قدم رہنے والوں کو؟“ یہ استفہام انکاری ہے۔ یعنی یہ نہ سمجھ لینا اور نہ تمہارے دل میں یہ خیال آئے کہ تم کسی مشقت اور اللہ کی راہ میں اس کی رضا کے لئے کوئی تکلیف اٹھائے بغیر جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ اس لئے کہ جنت بلند ترین منزل مقصود اور سب سے افضل مقام ہے جس کے حصول کے لئے مسابقت کی جاتی ہے۔ مطلوب و مقصود جتنا زیادہ بڑا ہوگا وہاں تک پہنچانے والا وسیلہ اور عمل بھی اتنا ہی بڑا ہوگا۔ پس ایک راحت کو چھوڑ کر ہی دوسری راحت تک پہنچا جا سکتا ہے اور نعمت کو ترک کر کے ہی دوسری نعمت حاصل کی جا سکتی ہے۔

دنیا کی تکالیف اور مشکلات جن کا سامنا بندہ مومن کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں کرنا پڑتا ہے۔ نفس کو ان تکالیف کا عادی بنانے کے لئے ان کی مشق کرواتے وقت اور ان کی معرفت حاصل کرتے وقت اہل بصیرت کی نزدیک اللہ تعالیٰ کی نعمت بن جاتی ہیں جن پر وہ مسرت کا اظہار کرتے ہیں اور ان کی کوئی پروا نہیں کرتے یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جسے چاہتا ہے عطا کرتا ہے۔ پھر ایک ایسے معاملے میں جس کی وہ خود تمنا کیا کرتے تھے اور اسے حاصل کرنا چاہتے تھے اس پر ان کے عدم صبر پر اللہ تعالیٰ نے ان کو زبرد توخی کی ہے چنانچہ فرمایا: ﴿وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَلْقَوْهُ﴾ ”اور تم تو آرزو کرتے تھے مرنے کی اس کی ملاقات سے پہلے“ اس آیت کریمہ کے نزول کا پس منظر یہ ہے کہ وہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو جنگ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے وہ آرزو کیا کرتے تھے اگر اللہ تعالیٰ انہیں کسی معرکہ میں شرکت کا موقع عطا کرے تو وہ اس میں اپنی جان لڑا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: ﴿فَقَدْ رَأَيْتُمْوَهُ﴾ یعنی جس چیز کی تم تمنا کیا کرتے تھے تم نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا ﴿وَأَنْتُمْ تَنْظُرُونَ﴾ اب تمہیں کیا ہو گیا تم نے صبر کیوں چھوڑ دیا؟ یہ حالت خاص طور پر اس شخص کے لائق نہیں جو اس کی آرزو کیا کرتا تھا اور اسے وہ چیز حاصل ہو گئی ہو جس کی اسے آرزو تھی۔ اس پر تو واجب یہ ہے کہ اب وہ اس کے لئے اپنی پوری کوشش، جہد اور طاقت صرف کر دے۔ اس آیت کریمہ میں اس امر کی دلیل ہے کہ شہادت کی تمنا کرنا ناجائز نہیں۔ اس میں استدلال کا پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کی آرزو پر برقرار رکھا اور ان کی آرزو کا انکار نہیں کیا۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے اس تمنا کے تقاضے کو پورا کرنے کے لئے ان کے عمل نہ کرنے پر نکیر کی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ
 اور نہیں ہیں محمد مگر ایک رسول ہی، تحقیق گزر چکے ہیں ان سے پہلے (بھی) رسول، کیا پس اگر وہ مر جائیں یا قتل کر دیئے جائیں
 انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا
 تو پھر جاؤ گے تم اپنی ایزبوں پر؟ اور جو پھر جائے اپنی ایزبوں پر تو ہرگز نہیں نقصان پہنچائے گا وہ اللہ کو کچھ بھی
 وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۳۶﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ أَنْ تَمُوتَ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ
 اور عنقریب جزا دے گا اللہ شکر کرنے والوں کو اور نہیں ہے (ممکن) واسطے کسی جان کے یہ کہ وہ مر جائے مگر ساتھ حکم اللہ ہی کے
 كِتَابًا مُّوَجَّلًا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ
 (لکھا ہے اس نے) لکھنا ایک وقت مقرر اور جو چاہتا ہے بدلہ دنیا کا تو دے دیتے ہیں ہم اسے کچھ اس میں سے اور جو چاہتا ہے ثواب
 الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ ﴿۱۳۷﴾
 آخرت کا تو دیں گے ہم اس کو اس میں سے اور عنقریب ہم جزا دیں گے شکر گزاروں کو

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ یعنی وہ رسولوں میں سے کوئی انوکھا رسول نہیں
 ہیں بلکہ وہ ان رسولوں کی جنس سے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں اور ان کی ذمہ داری اپنے رب کا پیغام پہنچانا
 اور اس کے احکام کا نفاذ تھا۔ وہ ہمیشہ زندہ رہنے والے نہ تھے اور نہ ان کی بقاء اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت کے
 لئے کوئی شرط تھی۔ بلکہ تمام امتوں پر یہ چیز فرض تھی کہ وہ ہر وقت اور ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔
 بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ﴾ ”کیا پس اگر ان کو موت آگئی یا
 قتل کر دیئے گئے تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟“ یعنی یہ نبی ایمان اور جہاد وغیرہ کے جو احکام لے کر مبعوث ہوئے
 ہیں کیا تم ان کو ترک کر کے الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ فرمایا: ﴿وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقْبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا﴾
 ”اور جو شخص الٹے پاؤں پھر جائے گا تو ہرگز نہ بگاڑے گا اللہ کا کچھ“ وہ صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اللہ
 تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے اور وہ اپنے دین کو ضرور قائم کرے گا اور اپنے مومن بندوں کو غلبہ عطا کرے گا۔

جب اللہ تعالیٰ نے الٹے پاؤں پلٹ جانے والوں کو زجر و توبیح کی تو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی مدح و ثنا بھی
 کی جو اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ثابت قدمی سے ڈٹے رہے اور انہوں نے اپنے رب کے حکم کی اطاعت کی۔
 فرمایا: ﴿وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ﴾ ”اور اللہ شکر گزار بندوں کو جزا دے گا“ اور شکر کے تقاضے اس کے بغیر ادا
 نہیں ہوتے کہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کی عبودیت اختیار کی جائے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی راہنمائی فرمائی ہے کہ ان کے سربراہ کا مفقود ہونا خواہ وہ
 کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو کسی بھی حالت میں ان کو ان کے ایمان یا کسی لازمہ ایمان سے نہ ہٹا دے مگر یہ تب ہی ممکن

ہے کہ امور دین کے ہر شعبہ میں کچھ لوگوں کو تیار کیا جائے جو اس شعبہ میں برابر ہوں۔ ان میں سے ایک کی عدم موجودگی میں دوسرا اس کی جگہ لے لے۔ نیز اہل ایمان کا عمومی مقصد اقامت دین اور اس کے دفاع میں اپنی استطاعت کے مطابق جہاد ہونا چاہئے۔ ان کا مقصد ایک سربراہ کی جگہ دوسرے سربراہ کو لانا نہیں ہونا چاہئے۔ اسی صورت میں ان کا معاملہ درست طریقے سے جاری رہ سکتا ہے اور دیگر تمام امور صحیح سچ پر چل سکتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں صدیق اکبر جناب ابو بکر رضی اللہ عنہ اور دیگر اصحاب کرام کی فضیلت پر بھی سب سے بڑی دلیل ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے بعد مرتدین کے خلاف جنگ کی کیونکہ وہ سادات اہل شکر میں شمار ہوتے ہیں۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ تمام نفوس اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی قضا و قدر سے اپنی اپنی اجل کے ساتھ معلق ہیں۔ پس جس کی تقدیر میں موت کا حتمی فیصلہ ہو جاتا ہے۔ اسے بغیر کسی سبب کے بھی موت آ کر رہتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ جس کو باقی رکھنا چاہے تو پھر اگر موت کے تمام اسباب بھی جمع کیوں نہ ہو جائیں یہ اسباب وقت مقررہ سے پہلے اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا فیصلہ کر کے اس کو مقدر کر دیا ہے اور اس کی موت کا وقت معین اس کی تقدیر میں لکھ دیا۔ ﴿فَإِذَا جَاءَ أَجَلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْبِلُونَ مُوْتًا﴾ (الاعراف: ۳۴/۷) ”جب ان کا وقت معین آ جاتا ہے تو نہ وہ ایک گھڑی تاخیر کر سکتے ہیں اور نہ جلدی۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے خبر دی کہ وہ لوگوں کو دنیا و آخرت کا وہی ثواب عطا کرتا ہے جس سے ان کے ارادے متعلق ہوتے ہیں۔ فرمایا: ﴿وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَنْ يُرِدْ ثَوَابَ الْآخِرَةِ نُؤْتِهِ مِنْهَا﴾ ”جو کوئی دنیا ہی میں اپنے اعمال کا بدلہ چاہتا ہے ہم اسے وہیں بدلہ دے دیتے ہیں اور جو کوئی اپنے اعمال کا بدلہ آخرت میں چاہتا ہے ہم اس کو آخرت میں اس کا بدلہ عطا کریں گے۔“ فرمایا: ﴿كُلًّا نُمِدُّ هَؤُلَاءِ وَهَؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا ۚ اَنْظُرْ كَيْفَ فَضَلْنَا بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ ۚ وَلِلْآخِرَةِ الْكِبْرُ ۚ وَرَجْحَتِ وَ الْكِبْرُ تَفْضِيلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۲۰/۱۷-۲۱) ”ہم ان سب کو تیرے رب کی عطا و بخشش سے مدد دیتے ہیں اور تیرے رب کی عطا و بخشش ممنوع اور روکی ہوئی نہیں ہے۔ دیکھ ہم نے کیسے ان کو ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے اور آخرت درجات کے اعتبار سے بہت بڑی اور فضیلت میں بہت بڑھ کر ہے۔“

فرمایا: ﴿وَسَنَجْزِي الشُّكْرِيْنَ﴾ ”اور ہم جزا دیں گے شکر کرنے والوں کو“ یہاں اللہ تعالیٰ نے جزا کا ذکر نہیں فرمایا تاکہ یہ اس جزا کی کثرت اور عظمت پر دلیل ہو اور یہ بھی بندے کو معلوم ہو جائے کہ یہ جزا قلت و کثرت اور حسن کے اعتبار سے شکر کی مقدار پر منحصر ہے۔

وَكَأَيِّنْ مِنْ نَبِيٍّ قُتِلَ مَعَهُ رِبِّيُّونَ كَثِيرٌ فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ

اور کتنے ہی نبی تھے لڑے ان کے ساتھ (مل کر) اللہ والے بہت سے پس نہست ہوئے وہ بوجہ اس کے جو پہنچا ان کو

فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ ﴿۱۷۰﴾ وَمَا كَانَ
 اللَّهُ كَمَا تَقُولُونَ إِنَّ قَالُوا رَبَّنَا غَفِرْنَا ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا وَثَبَّتْ
 قَوْلُنَا لَمْ يَكُنْ لَنَا قَوْلٌ إِلَّا نَحْنُ وَرَبُّنَا يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۷۱﴾ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا
 حَتَّىٰ قَدِمُوا الْيَوْمَ لَكُمُ الْمَوْتُ فَأُولَٰئِكَ لِيُذَكَّرَ بِهِمْ ﴿۱۷۲﴾ فَآتَاهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا
 وَحُسْنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۷۳﴾
 اور اچھا ثواب آخرت کا بھی، اور اللہ پسند کرتا ہے احسان کرنے والوں کو ○

یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کے لئے تسلی ہے اور ان کے فعل کی اقتداء کی ترغیب ہے اور اس
 حقیقت سے آگاہ کرنا ہے کہ (حق و باطل کی کشمکش کا) یہ معاملہ شروع ہی سے چلا آ رہا ہے اور ازل سے اللہ تعالیٰ
 کی سنت جاری ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَكَانَ مِنْ نَبِيِّ﴾ ”یعنی کتنے ہی نبی ہیں“ ﴿قَتَلَ مَعَهُ رَبِّيُونَ كَثِيرًا﴾
 ”جن کے ساتھ ہو کر اکثر اللہ والوں نے قتال کیا ہے۔“ یعنی انبیاء کرام کے پیروکاروں کی بہت سی جماعتوں نے
 جن کی انبیاء عظیم نے ایمان اور اعمال صالحہ کے ذریعے سے تربیت کی جہاد کیا پس وہ شہید ہوئے اور انہوں نے
 زخم کھائے ﴿فَمَا وَهَنُوا لِمَا أَصَابَهُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا ضَعُفُوا وَمَا اسْتَكَانُوا﴾ یعنی ان کے دل کمزور
 ہوئے نہ ان کے بدن اور نہ انہوں نے عاجزی اور فروتنی ظاہر کی۔ یعنی وہ دشمن کے سامنے جھکے نہیں۔ بلکہ انہوں نے
 صبر کیا اور ثابت قدم رہے اور اپنا حوصلہ بڑھاتے رہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاللَّهُ يُحِبُّ الصَّابِرِينَ﴾
 ”اللہ صبر کرنے والوں کو پسند کرتا ہے۔“

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی اس دعا کا ذکر فرمایا جس میں انہوں نے اپنے رب سے فتح و نصرت طلب کی
 ہے۔ ﴿وَمَا كَانَ قَوْلُهُمْ﴾ یعنی ان انتہائی مشکل مقامات پر ان کا یہی قول تھا۔ ﴿إِلَّا أَنْ قَالُوا رَبَّنَا غَفِرْنَا
 ذُنُوبَنَا وَإِسْرَافَنَا فِي أَمْرِنَا﴾ ”اے ہمارے رب ہمارے گناہ اور وہ زیادتیاں جو ہمارے معاملے میں ہم سے
 سرزد ہوئی ہیں بخش دے۔“ اسراف سے مراد حد سے تجاوز کر کے حرام امور میں داخل ہونا ہے۔ انہیں معلوم ہے کہ
 گناہ اور اسراف اللہ تعالیٰ کی نصرت اور توفیق کے اٹھ جانے کا سبب سے بڑا سبب ہے اور گناہ اور اسراف کو چھوڑ
 دینا اللہ تعالیٰ کی نصرت کے حصول کا سبب ہے۔ اس لئے انہوں نے اپنے گناہوں کی بخشش کا سوال کیا۔ پھر
 انہوں نے محض اپنی جدوجہد اور اپنے صبر ہی پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ پر اعتماد کیا اور انہوں نے اللہ
 تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ دشمن سے مقابلہ ہونے کے وقت انہیں ثابت قدمی سے نوازے اور دشمن کے مقابلے میں فتح

ونصرت عطا کرے۔ پس اہل ایمان نے صبر کرنے، صبر کے متضاد امور کو ترک کرنے، توبہ، استغفار اور اللہ تعالیٰ سے فتح و نصرت کی دعا کو ایک جگہ جمع کر دیا۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو فتح و نصرت سے نوازا اور دنیا و آخرت میں ان کا اچھا انجام کیا۔ اس لئے فرمایا: ﴿فَأْتَهُمُ اللَّهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا﴾ ”پس دیا ان کو اللہ نے دنیا کا ثواب“، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو دنیا میں فتح و ظفر سے نوازا اور مال غنیمت عطا کیا ﴿وَحَسَنَ ثَوَابِ الْآخِرَةِ﴾ ”اور خوب آخرت کا ثواب“، یعنی اپنے رب کی رضا کے حصول میں کامیابی ہمیشہ رہنے والی نعمتوں کا عطا ہونا جو ہر قسم کے تکدر سے محفوظ ہوں گی۔ اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ انہوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا کے لئے بہترین اعمال سرانجام دیئے پس اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو بہترین جزا سے نوازا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ یعنی خالق کی عبادت اور مخلوق کے ساتھ معاملہ میں احسان کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے۔ دشمن کے ساتھ جہاد کے وقت ان مومنین کا سا کردار اختیار کرنا بھی احسان ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَطِيعُوا الَّذِينَ كَفَرُوا يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر اطاعت کرو گے تم انکی جنہوں نے کفر کیا تو لوٹا دیں گے وہ تمہیں اوپر تمہاری اڑیوں کے (شک کی طرف)
فَتَنقَلِبُوا خِصْرِينَ ﴿۱۴۹﴾ بَلِ اللَّهُ مَوْلَاكُمْ وَهُوَ خَيْرُ النَّاصِرِينَ ﴿۱۵۰﴾ سَنُلْقِي
پس پلٹو گے تم خسارہ پانے والے ○ بلکہ اللہ کا رساز ہے تمہارا اور وہ سب سے بہتر مددگار ہے ○ عنقریب ڈال دیں گے ہم
فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرَّعْبَ بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا
دلوں میں ان لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا رعب بہ سب اس کے جو شریک ٹھہرایا انہوں نے اللہ کا ایسی چیزوں کو کہ نہیں اتاری اس نے انکی کوئی دلیل
وَمَا لَهُمُ النَّارُ طَوْ بِئْسَ مَثْوَى الظَّالِمِينَ ﴿۱۵۱﴾
اور ان کا ٹھکانا آگ ہے اور برا ہے ٹھکانا ظالموں کا ○

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کو منافقین و مشرکین کی اطاعت سے ممانعت ہے۔ کیونکہ وہ جب بھی کفار کی اطاعت کریں گے تو کفار ان کے مقابلے میں برابر ارادہ ہی رکھیں گے اور ان کا قصد و ارادہ یہی ہوگا کہ وہ اہل ایمان کو کفر کی طرف لوٹا دیں جس کا انجام ناکامی اور خسارے کے سوا کچھ بھی نہیں۔

پھر اہل ایمان کو بتلایا کہ اللہ تعالیٰ ان کا مولیٰ اور حامی و ناصر ہے اور اس میں اہل ایمان کے لئے خوشخبری ہے کہ وہ اپنے لطف و کرم سے ان کے امور کی سرپرستی کرتا ہے اور انہیں مختلف قسم کے شر سے محفوظ رکھتا ہے۔ اسی ضمن میں یہ بات بھی آتی ہے کہ وہ ہر ایک کو چھوڑ کر صرف اسی کو اپنا ولی اور مددگار بنائیں۔ اللہ کی سرپرستی اور اس کی طرف سے مسلمانوں کی مدد کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ وعدہ کیا کہ وہ ان کے دشمن کفار کے دلوں میں رعب ڈال دے گا۔ یہاں رعب سے مراد وہ خوف عظیم ہے جو کفار کو ان کے بہت سے مقاصد سے

روک دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ پورا فرمایا وہ اس طرح کہ ”أُحَدِّثُ“ کے واقعہ کے بعد جب مشرکین واپس لوٹے تو (راستے میں) انہوں نے باہمی مشورہ کیا اور کہنے لگے ”ہم کیسے واپس لوٹ سکتے ہیں۔ ہم نے ان کے بعض لوگوں کو قتل کیا اور ان کو شکست دی مگر ہم نے ان کا مکمل استیصال نہیں کیا۔“ چنانچہ انہوں نے اس کا ارادہ کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ خائب و خاسر ہو کر لوٹ گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ بہت بڑی فتح ہے۔ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مومن بندوں کے لئے فتح و نصرت دو امور سے خالی نہیں ہوتی۔ (۱) اللہ تعالیٰ یا تو کفار کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ (۲) یا انہیں ذلت سے دوچار کرتا ہے اور وہ خائب و خاسر واپس لوٹ جاتے ہیں اور یہ (رعب ڈال کر انہیں ناکام لوٹا دینا) دوسری قسم سے ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس سبب کا ذکر فرمایا جو کفار کے دلوں میں رعب ڈالنے کا موجب تھا ﴿بِمَا أَشْرَكُوا بِاللَّهِ مِمَّا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ سُلْطَانًا﴾ یعنی اس کا سبب یہ تھا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہرائے اور اپنی خواہشات نفس اور اپنے فاسد ارادوں کے مطابق بتوں کو رب بنا لیا۔ جس پر کوئی حجت اور برہان نہیں تھی اور اس طرح وہ اللہ واحد و رحمن کی سرپرستی سے محروم ہو گئے۔ اسی وجہ سے مشرک اہل ایمان سے مرعوب ہو جاتا تھا اور اسے کوئی مضبوط سہارا حاصل نہیں تھا۔ کسی شدت اور تنگی کے وقت کوئی اس کی پناہ گاہ نہیں تھی۔ یہ اس کا دنیا میں حال ہے۔ آخرت کا حال اس سے زیادہ برا اور سخت ہوگا اس لئے فرمایا: ﴿وَمَا لَهُمْ النَّارُ﴾ یعنی ان کا ٹھکانا جہاں یہ پناہ لیں گے، جہنم ہے اور پھر وہاں سے نکل نہیں سکیں گے ﴿وَبِئْسَ مَثْوَى الظَّالِمِينَ﴾ اور برا ہے ٹھکانا ظالموں کا، ان کے ظلم اور تعدی کے سبب جہنم ان کا ٹھکانا ہوگا۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللَّهُ وَعْدَهُ إِذْ تَحْسَبُونَهُمْ بِأَذْنِهِ حَتَّى إِذَا فَشِلْتُمْ
اور تحقیق سچا کر دکھایا تم سے اللہ نے اپنا وعدہ جب کاٹتے تھے تم انکو ساتھ اس کے حکم کے یہاں تک کہ جب تم پست ہوتے ہو گئے
وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِمَّنْ بَعْدَ مَا أَرْكَبُوا مِمَّا تَحِبُّونَ مِنْكُمْ
اور باہم جھگڑا کیا تم نے حکم (رسول) میں اور نافرمانی کی تم نے بعد اس کے کہ دکھلایا اس نے تم کو وہ جسے تم پسند کرتے تھے تم میں سے بعض
مَنْ يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَنْ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ
وہ ہیں جو ارادہ کرتے تھے دنیا کا اور بعض تم میں سے وہ ہیں جو ارادہ کرتے تھے آخرت کا۔ پھر پھیر دیا اللہ نے تم کو ان (کافروں) سے

لِيُبْتَلِيَكُمْ وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۵۱﴾

تاکہ آزمائے وہ تمہیں اور البتہ تحقیق معاف کر دیا اس نے تم کو اور اللہ فضل والا ہے اور مومنوں کے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے اپنی نصرت کا وعدہ پورا کر دیا، پس تمہیں کفار کے مقابلے میں فتح و نصرت عطا کی حتیٰ کہ تمہیں ان کی گردنوں پر اختیار دے دیا تھا اور تم نے ان کی گردنیں مارنا شروع کر دیں یہاں تک

کہ تم خود اپنے لئے ہزیمت کا سبب بن گئے اور تم خود اپنے مقابلے میں دشمن کی اعانت کا باعث بن گئے۔ پس جب تم بزدلی، کمزوری اور سستی کا شکار ہو گئے ﴿وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ اور تم نے جھگڑے میں پڑ کر اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو چھوڑ دیا جو اتحاد اور عدم اختلاف کے بارے میں تھا۔ پس تم اختلافات میں پڑ گئے۔ کوئی کہتا تھا کہ ہم تو اسی مقام پر ڈٹے رہیں گے جہاں رسول اللہ ﷺ نے ہمیں متعین فرمایا ہے اور کسی نے کہا، اب ہمارے یہاں ٹھہرے رہنے کا کیا کام؟ جب کہ دشمن شکست کھا چکا اور کوئی خطرہ باقی نہیں رہا۔

پس تم نے رسول ﷺ کی نافرمانی کی اور آپ کے حکم کو چھوڑ دیا ﴿بَعْدَ مَا أَرْسَلَكُمْ مَا تُحِبُّونَ﴾ ”بعد اس کے جب اللہ نے تمہیں وہ چیز دکھادی جو تم پسند کرتے تھے“ اور وہ تھی تمہارے دشمن کی ناکامی اور شکست۔ اس لئے کہ جس کو اللہ تعالیٰ اس چیز سے نواز دے جو اسے پسند ہو اس پر دوسرے کی نسبت زیادہ ضروری ہے کہ وہ نافرمانی سے بچے۔ پس خاص طور پر اس حال میں اور عام طور پر ہر حال میں اس پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام پر عمل کرنا واجب ہے۔ ﴿مِنْكُمْ مَّن يُؤَيِّدُ الدُّنْيَا﴾ ”تم میں سے بعض وہ ہیں جو دنیا چاہتے ہیں“ یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا ﴿وَمِنْكُمْ مَّن يُؤَيِّدُ الْآخِرَةَ﴾ ”اور بعض تم میں سے آخرت چاہتے ہیں“ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کا التزام کیا اور جو ان کو حکم دیا گیا تھا اس پر ثابت قدم رہے۔

﴿ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ﴾ ”پھر تم کو پھیر دیا ان سے“ یعنی جب یہ تمام امور تم میں پائے گئے تو اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کے مقابلے میں پھیر کر بھگا دیا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہاری آزمائش اور تمہارے امتحان کے طور پر جیت دشمن کے ہاتھ رہی تاکہ مومن اور کافر، فرمانبردار اور نافرمان کے درمیان امتیاز ہو جائے اور تاکہ تم سے جو غلطی سرزد ہوئی ہے اس مصیبت کے ذریعے سے تمہیں معاف کر دے۔ اس لئے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ وَاللَّهُ ذُو فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اس نے تمہیں معاف کر دیا اور اللہ مومنوں پر فضل کرنے والا ہے“ یعنی وہ ان پر بہت زیادہ فضل کرنے والا ہے کیونکہ اس نے انہیں اسلام سے نوازا، اپنے احکام کی طرف راہنمائی کی، ان کے گناہوں کو معاف کر دیا اور ان کے مصائب پر ان کو اجر عطا کیا۔

یہ اہل ایمان پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہی ہے کہ وہ جو بھلائی یا مصیبت ان کے لئے مقدر کرتا ہے وہ بھی ان کے لئے بھلائی ہی ہوتی ہے۔ اگر انہیں خوشحالی عطا کرتا ہے اور وہ اس پر شکر ادا کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں شکر گزاروں کی جزا دیتا ہے۔ اگر انہیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے اور اس پر وہ صبر کرتے ہیں تو اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں صبر کرنے والوں کے ثواب سے نوازتا ہے۔

إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلُونَّ عَلَىٰ أَحَدٍ وَ الرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أَخْرَاكُمْ فَأَتَابَكُمْ

جب چڑھے جا رہے تھے تو نہیں مڑ کر دیکھتے تھے کسی کو اور رسول پکار رہے تھے تمہیں تمہاری گھلی جماعت میں (کمزور ہوئے) پس بدلے میں دیا اس نے تم کو

غَمًّا بِغَمِّ لِكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَى مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ وَاللَّهُ خَيْرٌ بِمَا
 غَمَّ بِغَمِّ تَاكْرَهُمْ كَمَا وَتَمَّ اس پر جو فوٹ ہو گیا تم سے اور نہ اس (تکلیف) پر جو پہنچی تمہیں اور اللہ خبردار ہے اس سے جو
 تَعْمَلُونَ ﴿۱۵۶﴾ ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِ الْغَمِّ أَمْنَةً نُعَاسًا يَغْشَى طَائِفَةً
 تم عمل کرتے ہو ○ پھر نازل کیا اس نے تم پر بعد غم کے امن (یعنی) اونگھ ڈھانپتی تھی وہ ایک جماعت کو
 مِنْكُمْ لَا وَطَائِفَةٌ قَدْ أَهَمَّتْهُمْ أَنْفُسُهُمْ يَظُنُّونَ بِاللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ط
 تم میں سے اور ایک جماعت تھی کہ فکر میں ڈال دیا تھا انکو انکی جانوں نے وہ گمان کرتے تھے ساتھ اللہ کے ناحق گمان جاہلیت کا
 يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ قُلْ إِنْ الْأَمْرُ كُلُّهُ لِلَّهِ يَخْفُونَ
 کہتے تھے کیا ہے ہمارے لیے معاملے سے کچھ؟ کہہ دیجئے! بے شک معاملہ سب کا سب اللہ ہی کے لیے ہے وہ چھپاتے ہیں
 فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ يَقُولُونَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ مَا
 اپنے دلوں میں وہ (بات) جو نہیں ظاہر کرتے آپ کے سامنے کہتے ہیں اگر ہوتا ہمارے لیے معاملے سے کچھ تو نہ
 قَتَلْنَا هَهُنَا قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ
 قتل کیے جاتے ہم یہاں کہہ دیجئے! اگر ہوتے تم اپنے گھروں میں (بھی) تو ضرور باہر نکلتے وہ لوگ کہ لکھ دیا گیا تھا ان پر قتل ہونا
 إِلَى مَضَاجِعِهِمْ وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ وَلِيُبَحِّصَ مَا

طرف اپنی قتل گاہوں کی اور تاکہ آزمائے اللہ اس میں جو تمہارے سینوں میں ہے اور تاکہ صاف کر دے ان (وسوسوں) کو جو

فِي قُلُوبِكُمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۱۵۷﴾

○ تمہارے دلوں میں ہیں اور اللہ جانتا ہے سینوں کے راز ○

اللہ تبارک و تعالیٰ جنگ سے ان کی پسپائی کے وقت ان کا حال بیان کرتے ہوئے ان پر عتاب کرتا ہے۔
 چنانچہ فرمایا: ﴿إِذْ تُصْعِدُونَ﴾ یعنی جب تم تیزی سے بھاگے جا رہے تھے ﴿وَلَا تَلَوْنَ عَلَى أَحَدٍ﴾ یعنی تم ایک
 دوسرے کو پیچھے مڑ کر نہیں دیکھتے تھے بلکہ جنگ سے فرار اور نجات کے سوا تمہارا کوئی ارادہ نہ تھا اور حال یہ تھا کہ تم
 کسی بڑے خطرے سے بھی دوچار نہ تھے کیونکہ تم سب سے آخر میں تھے اور ان لوگوں میں سے نہ تھے جو دشمن کے قریب
 اور بلا واسطہ میدان جنگ میں تھے بلکہ صورت حال یہ تھی ﴿وَالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِي أَخْرَابِكُمْ﴾ ”رسول تمہیں
 بلا رہے تھے تمہارے پیچھے سے“ یعنی رسول اللہ ﷺ ان لوگوں کو بلا رہے تھے جو پہاڑوں پر چڑھ رہے تھے۔
 آپ پکار رہے تھے ”اے اللہ کے بندو! میرے پاس آؤ“ مگر تم نے ان کی طرف پلٹ کر دیکھا نہ تم ان کے پاس
 رکے۔ پس میدان جنگ سے فرار فی نفسہ موجب ملامت ہے اور رسول اللہ ﷺ کا بلانا جو اس امر کا موجب تھا
 کہ اپنی جان پر بھی آپ کی پکار کو مقدم رکھا جائے سب سے بڑی ملامت کا مقام ہے کیونکہ تم لوگ بلانے کے
 باوجود آپ سے پیچھے رہے۔

﴿فَأَنبَأَكُمْ﴾ یعنی اس نے تمہارے اس فعل پر تمہیں جزا دی ﴿عَمَّا بَعِمَ﴾ یعنی غم کے بعد غم۔ فتح حاصل نہ ہونے کا غم، مالِ غنیمت سے محروم ہونے کا غم، ہزیمت اٹھانے کا غم اور ایک ایسا غم جس نے تمام غموں کو بھلا دیا اور وہ تھا تمہارا اس افواہ کو سن لینا کہ محمد ﷺ کو شہید کر دیا گیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم اور اپنے بندوں پر حسن نظر کی بنا پر ان تمام امور کے اجتماع کو ان کے لئے بھلائی بنا دیا۔ فرمایا: ﴿يَكِيدَ لَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ﴾ یعنی جو فتح و ظفر تمہیں حاصل نہ ہو سکی، اس پر غمزدہ نہ ہوں ﴿وَلَا مَا أَصَابَكُمْ﴾ اور نہ اس پر جو تمہیں پہنچا، یعنی تمہیں ہزیمت قتل اور زخموں کا جو سامنا کرنا پڑا۔ اور جب تم نے اس بات کی تحقیق کر لی کہ رسول اللہ ﷺ شہید نہیں ہوئے تو تم پر تمام مصیبتیں آسان ہو گئیں۔ تم رسول اللہ ﷺ کے زندہ ہونے پر خوش ہو گئے آپ کی زندگی کی خبر نے ہر مصیبت اور سختی کو فراموش کر دیا۔

پس ابتلاء اور آزمائش میں اللہ تعالیٰ کی حکمتیں اور اسرار پنہاں ہوتے ہیں اور یہ سب کچھ اس کے علم، تمہارے اعمال اور ظاہر و باطن کے مکمل باخبر ہونے کے ساتھ صادر ہوتا ہے۔ اس لئے فرمایا: ﴿وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ ”اللہ تمہارے اعمال کی خبر رکھتا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿يَكِيدَ لَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَا أَصَابَكُمْ﴾ میں اس معنی کا احتمال بھی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تم پر یہ غم اور مصیبت اس لئے مقدر کئے ہیں تاکہ تمہارے نفس ان مصائب کا سامنا کرنے پر آمادہ اور ان پر صبر کرنے کے عادی ہوں اور تمہارے لئے مشقتوں کو برداشت کرنا آسان ہو جائے۔

﴿ثُمَّ أَنْزَلَ عَلَيْكُم مِّن بَعْدِ الْغَمِّ﴾ ”پھر اتارا اس نے تم پر اس غم کے بعد“ یعنی وہ غم جو تمہیں پہنچا ﴿أَمَنَةً لِّعَاسَا يُغِشِي طَآئِفَةً مِّنكُمْ﴾ ”امن کو جو کہ اوگھ تھی کہ ڈھانک لیا اس نے تمہارے ایک گروہ کو“ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت، احسان، اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے دلوں کو ثابت قدم رکھنے اور طمانیت میں اضافہ کا باعث تھا۔ کیونکہ خوف زدہ شخص کو دل خوف سے لبریز ہونے کی وجہ سے اوگھ اور نیند نہیں آتی۔ جب دل سے خوف زائل ہو جاتا ہے تب نیند آنے کا امکان ہوتا ہے۔ یہ گروہ جس کو اللہ تعالیٰ نے نیند اور اوگھ سے نوازا، اہل ایمان ہیں جن کے سامنے اللہ تعالیٰ کے دین کو قائم کرنے، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے حصول اور مسلمانوں کے مصالح کے سوا کوئی اور مقصد نہیں تھا۔

رہا دوسرا گروہ جس کے بارے میں فرمایا: ﴿قَدْ أَهْمَتْنَهُمْ أَنفُسَهُمْ﴾ ”انہیں فکر میں ڈال دیا تھا ان کی جانوں نے“ تو ان کے نفاق یا ان کے ایمان کی کمزوری کی بنا پر ان کا اپنی جان بچانے کے سوا کوئی اور ارادہ نہ تھا۔ اس لئے ان کو وہ اوگھ نہ آئی جو دوسروں کو آئی تھی ﴿يَقُولُونَ هَل لَّنَا مِنَ الْأَمْرِ مِن شَيْءٍ﴾ ”وہ کہتے تھے کچھ بھی کام ہے ہمارے ہاتھ میں؟“ یہ استفہام انکاری ہے یعنی فتح و نصرت میں ہمارا کوئی اختیار نہیں۔ پس انہوں نے

اپنے رب، اپنے دین اور اپنے نبی کے بارے میں بدگمانی کی اور انہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول کی دعوت کو پورا نہیں کرے گا۔ انہوں نے یہ بھی سمجھ لیا کہ یہ شکست اللہ تعالیٰ کے دین کے خلاف ایک فیصلہ کن شکست ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: ﴿قُلْ إِنَّ الْأَمْرَ كُلَّهُ لِلَّهِ﴾ ”کہہ دو کہ تمام معاملے کا اختیار اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے۔“ (امر) دو امور پر مشتمل ہوتا ہے امر قدری اور امر شرعی۔

پس تمام چیزوں کا ظہور اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے ہے اور اللہ تعالیٰ کے اولیاء اور اس کی اطاعت کرنے والوں کے حق میں ان چیزوں کا انجام فتح و ظفر ہی ہوتا ہے خواہ ان پر کچھ بھی گزر جائے۔

﴿يُخْفُونَ﴾ یعنی منافقین چھپاتے ہیں ﴿فِي أَنْفُسِهِمْ مَا لَا يُبْدُونَ لَكَ﴾ ”اپنے دلوں میں جو آپ کے سامنے ظاہر نہیں کرتے“ پھر اللہ تعالیٰ نے اس معاملے کو واضح کر دیا جو وہ چھپاتے تھے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿يَقُولُونَ لَوْ كَان لَنَا مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ﴾ یعنی اگر اس واقعہ میں ہم سے رائے اور مشورہ لیا گیا ہوتا ﴿مَا قَاتَلْنَا هَهُنَا﴾ ”تو ہم یہاں مارے نہ جاتے۔“ یہ ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر کا انکار اور اس کی تکذیب ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام کی رائے کو بیوقوفی کی طرف منسوب کرنا اور اپنے آپ کو پاک صاف اور صحیح قرار دینا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُيُوتِكُمْ﴾ ”کہہ دیں، اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے“ گھر ایسی جگہ ہے جہاں قتل کا گمان بعید ترین چیز ہے۔ فرمایا: ﴿لَبَرَزَ الَّذِينَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ إِلَى مَضَاجِعِهِمْ﴾ ”تب بھی وہ لوگ ضرور اپنے پڑاؤ کی طرف نکلتے جن کا مارا جانا لکھ دیا گیا تھا“ پس معلوم ہوا کہ اسباب خواہ کتنے ہی بڑے کیوں نہ ہوں، وہ تب ہی فائدہ دیتے ہیں جب قضا و قدر معارض نہ ہو جب قضا و قدر اسباب کے خلاف ہو تو اسباب کوئی فائدہ نہیں دیتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے موت و حیات کے جو فیصلے لوح محفوظ میں لکھ دیئے ہیں وہ نافذ ہو کر رہتے ہیں۔ ﴿وَلِيَبْتَلِيَ اللَّهُ مَا فِي صُدُورِكُمْ﴾ ”تاکہ وہ آزمائے جو تمہارے سینوں میں (نفاق، ایمان اور ضعف ایمان) ہے۔“ ﴿وَلِيُمَحِّصَ مَا فِي قُلُوبِكُمْ﴾ ”تاکہ وہ تمہارے دلوں کو (شیطانی وسوسوں اور ان سے پیدا ہونے والی مذموم صفات سے) پاک کر دے“ ﴿وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ان تمام (خیالات اور ارادوں) کو جانتا ہے جو دلوں کے اندر ہیں اور ان میں چھپے ہوئے ہیں۔ پس اس کے علم و حکمت کا تقاضا ہوا کہ وہ ایسے اسباب پیدا کرے جن سے سینوں کے بعید اور معاملات کے اسرار نہاں ظاہر ہوں۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَكَّلُوا مِنْكُمْ يَوْمَ التَّقَى الْجَعْنِ إِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطَانُ

بلاشبہ وہ لوگ جو تم میں سے جس دن ملی تھیں دو جماعتیں یقیناً پھسلا دیا تھا انکو شیطان نے

بِبَعْضِ مَا كَسَبُوا وَ لَقَدْ عَفَا اللَّهُ عَنْهُمْ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ حَلِيمٌ ۝۵۰

بہ سبب بعض ان (کو تا ہیوں) کے جو انہوں نے کیے اور تحقیق معاف کر دیا اللہ نے ان سے بلاشبہ اللہ بہت بخشنے والا بڑا بردبار ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ ان لوگوں کے احوال کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے جنہوں نے احد کے روز ہزیمت اٹھائی۔ اور ان عوامل کی خبر دی جو ان کے فرار کا موجب بنے۔ نیز یہ کہ شیطان نے ان کو گمراہ کیا اور وہ ان کے بعض گناہوں کے سبب سے ان پر مسلط ہو گیا۔ پس یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے شیطان کو دراندازی کی اجازت دی اور اپنی نافرمانیوں پر اسے اختیار دے دیا کیونکہ معصیت شیطان کی سواری اور اس کی دراندازی کا ذریعہ ہے۔ اگر وہ اپنے رب کی اطاعت کے ذریعے سے محفوظ رہنے کی کوشش کرتے تو شیطان کو ان پر کوئی اختیار نہ ہوتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ﴾ (بنی اسرائیل: ۶۵/۱۷) ”بے شک میرے جو بندے ہیں ان پر تیرا کوئی اختیار نہیں“۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس نے ان لوگوں کو معاف کر دیا جن سے یہ قابل مواخذہ فعل سرزد ہوا اور اگر وہ ان کا مواخذہ کرتا تو ان کی جزا کاٹ کر رکھ دیتا ﴿إِنَّ اللّٰهَ عَفُوْرٌ﴾ بے شک اللہ خطا کار گناہ گاروں کو توبہ و استغفار کی توفیق عطا کر کے اور ان کو مصائب میں مبتلا کر کے بخش دیتا ہے ﴿حَلِيْمٌ﴾ یعنی جو کوئی اس کی نافرمانی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے سزا دینے میں جلدی نہیں کرتا۔ وہ اسے توبہ و انابت کے لئے اپنی طرف بلا تا ہے اگر وہ توبہ کر کے اس کی طرف لوٹ آئے تو وہ اس کی توبہ قبول کر لیتا ہے اور اسے ایسے کر دیتا ہے جیسے اس سے کوئی گناہ اور عیب صادر ہی نہیں ہوا۔ اللہ تعالیٰ کے اس احسان پر اللہ تعالیٰ ہی کی حمد و ثنا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا
 فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا عٰزِمِيْنَ لَوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قَتَلُوْا لِيَجْعَلَ اللّٰهُ
 فِيْ زَمِيْنٍ مِّمَّنْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا
 ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا عٰزِمِيْنَ لَوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قَتَلُوْا لِيَجْعَلَ
 اللّٰهُ فِيْ زَمِيْنٍ مِّمَّنْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا
 لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا عٰزِمِيْنَ لَوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا
 مَاتُوْا وَمَا قَتَلُوْا لِيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْ زَمِيْنٍ مِّمَّنْ ﴿١٥٦﴾
 اس (فاسد خیال) کو بچھتاوا انکے دلوں میں اور اللہ زندہ کرتا اور مارتا ہے اور اللہ ساتھ اسکے جو تم کرتے ہو خوب دیکھنے والا ہے
 وَلٰكِنْ قَتَلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُمْتُمْ لِمَغْفِرَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةً خَيْرٌ مِّمَّا
 اَوْ اَلْتُمْ اِغْرَقْتُمْ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْ زَمِيْنٍ مِّمَّنْ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا
 كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا عٰزِمِيْنَ
 لَوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قَتَلُوْا لِيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْ زَمِيْنٍ مِّمَّنْ ﴿١٥٧﴾
 وہ جمع کرتے ہیں اور اہل اللہ اگر تم مر گئے یا قتل کر دیے گئے تو یقیناً اللہ ہی کی طرف تم اکٹھے کئے جاؤ گے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے اہل ایمان بندوں کو کفار اور منافقین وغیرہ کی مشابہت اختیار کرنے سے روکا ہے جو اپنے رب اور اس کی قضا و قدر پر ایمان نہیں رکھتے۔ اس نے ہر چیز میں ان کی مشابہت اختیار کرنے سے روکا ہے۔ خاص طور پر اس معاملے میں کہ وہ اپنے دینی یا نسبی بھائیوں سے کہتے ہیں: ﴿اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ﴾

یعنی جب تجارت وغیرہ کے لئے سفر کرتے ہیں ﴿اَوْ كَانُوا غَزًى﴾ یا وہ غزوات کے لئے نکلتے ہیں۔ پھر اس دوران میں انہیں موت آجاتی ہے یا وہ قتل ہو جاتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر پر اعتراض کرتے ہوئے کہتے ہیں ﴿تَوَكَّلْنَا عَلٰنَا مَا مَا تَوَكَّلْنَا وَمَا قَتَلُوَا﴾ ”اگر وہ ہمارے پاس ہوتے تو وہ نہ مرتے اور نہ قتل ہوتے“ یہ ان کا جھوٹ ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿قُلْ لَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَصَاجِعِهِمْ﴾ (آل عمران: ۱۵۴/۳) ”کہہ دو اگر تم اپنے گھروں میں بھی ہوتے تو جن کی تقدیر میں قتل ہونا لکھا تھا تو وہ اپنی اپنی قتل گاہوں کی طرف نکل آتے۔“ مگر اس تکذیب نے ان کو کوئی فائدہ نہ دیا البتہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول اور عقیدے کو ان کے دلوں میں حسرت بنا دیا پس ان کی مصیبت میں اور اضافہ ہو گیا۔ رہے اہل ایمان تو وہ جانتے ہیں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے پس وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اسے تسلیم کرتے ہیں اور یوں اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو ہدایت دیتا ہے اور ان کو مضبوط کر دیتا ہے اور اس طرح ان کی مصیبت میں تخفیف کر دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ منافقین کی تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿وَاللّٰهُ يُحْيِيْ وَيُمِيْتُ﴾ یعنی زندہ کرنے اور موت دینے کا اختیار وہ اکیلا ہی رکھتا ہے۔ اس لئے صرف احتیاط تقدیر سے نہیں بچا سکتی۔ ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ ”اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کو دیکھ رہا ہے۔“ اس لئے وہ تمہارے اعمال اور تمہاری تکذیب کا بدلہ ضرور دے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں قتل ہو جانا یا مر جانا اس میں کوئی نقص یا کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے پرہیز کیا جائے بلکہ یہ تو ایک ایسا معاملہ ہے جس میں رغبت کے لئے لوگوں کو مسابقت کرنی چاہئے کیونکہ یہ ایک سبب ہے جو اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور رحمت تک پہنچاتا ہے۔ اور یہ اس دنیاوی مال و متاع سے کہیں بہتر ہے جسے دنیا والے جمع کرتے ہیں۔ نیز مخلوق کو جب بھی موت آئے گی یا کسی بھی حالت میں ان کو قتل کیا جائے انہیں اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے اور وہ ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا۔ اس لئے اللہ کے سوا کوئی جائے فرار نہیں اور مخلوق کو کوئی بچانے والا نہیں سوائے اس کے کہ اس کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیا جائے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْۗ وَوَكُنْتَ قَلْبًا غَلِيْظًا لِّلْقَلْبِ لَا تَفْضُوْا
پس بہ سبب رحمت کے اللہ کی نرم ہو گئے آپ ان کے لئے اور اگر ہوتے آپ تندخو سخت دل تو ضرور منتشر ہو جاتے وہ
مِنْ حَوْلِكَۚ فَاعْفُ عَنْهُمْۗ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْۗ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِۗ فَاِذَا
آپ کے پاس سے پس آپ معاف کر دیں انہیں اور بخشش مانگیں ان کیلئے اور مشورہ کریں ان سے (اہم) معاملے میں پس جب

عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِۗ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

پختہ ارادہ کر لیں آپ تو توکل کریں اللہ پر بلاشبہ اللہ پسند کرتا ہے توکل کرنے والوں کو ○

یعنی یہ آپ پر اور آپ کے اصحاب پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے اور یہ اللہ کا آپ پر احسان ہے کہ آپ ان کے لئے نہایت نرم دل ہو گئے، آپ ان سے نہایت مہربانی اور شفقت سے پیش آتے ہیں اور ان کے ساتھ آپ کا خلق بہت اچھا ہے اس لئے وہ آپ کے ارد گرد جمع ہو گئے اور وہ آپ سے محبت کرتے اور آپ کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔ ﴿وَلَوْ كُنْتَ فَظًا﴾ یعنی اگر آپ بد اخلاق ہوتے ﴿غَلِيظَ الْقَلْبِ﴾ یعنی سخت دل ہوتے ﴿لَا نَقْضُوا مِنْ حَوْلِكَ﴾ ”تو وہ آپ کے پاس سے چھٹ جاتے“ کیونکہ بد خوئی اور سخت دلی لوگوں کو تنفر اور ان کے دلوں میں بغض پیدا کرتی ہے۔ پس دنیاوی سربراہ کے اچھے اخلاق لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف کھینچتے ہیں اور دین کے بارے میں لوگوں میں رغبت پیدا کرتے ہیں اس کے علاوہ وہ لوگوں میں قابل تعریف اور اللہ کے ہاں اجر خاص کا مستحق ہوتا ہے اور دینی سربراہ کے برے اخلاق لوگوں کو دین سے تنفر کرتے اور دین کے بارے میں لوگوں میں بغض پیدا کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ بد خود بینی سربراہ قابل مذمت اور خاص سزا کا مستحق ہے۔ یہ رسول معصوم (ﷺ) ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ یہ فرما رہا ہے تب کسی دوسرے کا کیا حال ہوگا۔

کیا یہ سب سے زیادہ واجب اور سب سے زیادہ اہم بات نہیں کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے اخلاق کی پیروی کریں اور اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل کرتے ہوئے اور لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف راغب کرنے کے لئے ہم ان کے ساتھ نرمی، حسن خلق اور الفت کے ساتھ پیش آئیں جیسے رسول اللہ ﷺ پیش آیا کرتے تھے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا ہے کہ وہ ان کی کوتاہیاں معاف کر دیں جو آپ کے حق میں ان سے صادر ہوئی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حق میں جو کوتاہیاں ان سے سرزد ہوئی ہیں اس بارے میں اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے بخشش طلب کریں اور اس طرح غفورا و احسان کو یکجا کر دیں۔ ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ یعنی ان امور میں ان سے مشورہ کریں جو مشاورت اور فکر و نظر کے محتاج ہیں۔ کیونکہ مشاورت میں بہت سے فوائد اور بے شمار دینی اور دنیاوی مصالح ہیں۔ جیسے:

- ۱- مشاورت دینی عبادات میں شمار ہوتی ہے جن سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے۔
- ۲- مشاورت میں لوگوں کی دل جوئی اور اس قلق کا ازالہ ہوتا ہے جو حوادث کے وقت دلوں میں پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے کہ جس شخص کے ہاتھ میں لوگوں کے معاملات کا اختیار ہوتا ہے جب وہ کسی حادثہ اور اہم موقع پر اہل رائے اور اہل فضیلت اصحاب کو جمع کر کے ان سے مشورہ لیتا ہے تو لوگوں کے دل اس پر مطمئن ہو جاتے ہیں اور وہ اس سے محبت کرنے لگتے ہیں اور انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنی ہی رائے کو ترجیح نہیں دیتا بلکہ وہ تمام لوگوں کے لئے کلی مصلحت عامہ میں غور و فکر کرتا ہے۔ تب وہ اس کی اطاعت کی پوری کوشش کرتے ہیں کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ وہ مصالح عامہ میں تنگ و دو کرتا ہے۔ اس

کے برعکس جو یہ طرز عمل اختیار نہیں کرتا لوگ اس سے سچی محبت کرتے ہیں نہ اس کی اطاعت کرتے ہیں اور اگر وہ اس کی اطاعت کرتے بھی ہیں تو یہ اطاعت کامل نہیں ہوتی۔

۳۔ مشاورت میں اذکار کھڑ کر سامنے آجاتے ہیں کیونکہ ان کو ان کے اصل مقام پر استعمال کیا جاتا ہے اور اس طرح لوگوں کی عقل و فہم میں اضافہ ہوتا ہے۔

۴۔ مشاورت کے نتیجے میں صحیح رائے سامنے آجاتی ہے مشاورت سے کام لینے والا عام طور پر غلطی نہیں کرتا۔ اگر اس سے غلطی سرزد ہو بھی جائے یا مقصد پورا نہ ہو تو وہ ملامت کا مستحق نہیں ٹھہرتا۔

جب اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے فرمایا ہے ﴿وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ﴾ درآں حالیکہ آپ لوگوں میں سب سے زیادہ عقل سب سے زیادہ علم اور سب سے افضل رائے رکھتے ہیں..... تو وہ دوسروں کو یہ حکم کیسے نہ دے گا؟ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَإِذَا عَزَمْتَ﴾ یعنی اگر کسی ایسے معاملے میں جس میں مشاورت کی حاجت ہو تو مشاورت کے بعد جب آپ کوئی عزم کر لیں ﴿فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ تو اپنی طاقت اور اپنی دور بینی پر بھروسہ چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی قوت و قدرت پر بھروسہ کریں ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ﴾ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو پسند کرتا ہے جو اس پر بھروسہ کرتے ہیں اور اس کے پاس پناہ لیتے ہیں۔

إِنْ يَنْصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۖ وَإِنْ يَخْذُ لَكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِي

اگر مدد کرے تمہاری اللہ تو نہیں کوئی غالب آنے والا تم پر اور اگر وہ (بے مدد) چھوڑ دے تمہیں تو پس کون ہے جو

يَنْصُرْكُم مِّنْ بَعْدِهِ ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۶۱﴾

مدد کرے تمہاری بعد اس کے؟ اور اللہ ہی پر پس چاہیے کہ توکل کریں مومن ○

اگر اللہ تعالیٰ اپنی فتح و نصرت اور اعانت کے ذریعے سے تمہاری مدد کرے ﴿فَلَا غَالِبَ لَكُمْ﴾ تو تم پر کوئی غالب نہیں آسکتا، خواہ دنیا کے تمام گوشوں سے جمع ہو کر لوگ تمہارے خلاف کیوں نہ آجائیں اور خواہ ان کے پاس کتنی ہی زیادہ تعداد اور کتنا ہی سر و سامان کیوں نہ ہو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ پر کوئی غالب نہیں آسکتا۔ تمام بندے اس کے سامنے مغلوب و مقہور ہیں۔ ان کی پیشانی اس کے قبضہ قدرت میں ہے پس کوئی جاندار اس کی اجازت کے بغیر حرکت کر سکتا ہے نہ اس کی اجازت کے بغیر سکون اختیار کر سکتا ہے۔ ﴿وَإِنْ يَخْذُ لَكُمْ﴾ اور اگر وہ تمہاری مدد نہ کرے، یعنی تمہیں تمہارے نفس کے حوالے کر دے ﴿فَمَنْ ذَا الَّذِي يَنْصُرْكُم مِّنْ بَعْدِهِ﴾ ”پس کون ہے جو اس کے بعد تمہاری مدد کرے؟“ اس لئے اگر تمام مخلوق بھی تمہاری اعانت پر مجتمع ہو جائے تو پھر بھی تم مدد سے محروم ہو گے۔ یہ آیت کریمہ اس حکم کو متضمن ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ سے فتح و نصرت طلب کی جائے اسی پر بھروسہ کیا جائے اور اپنی طاقت و قدرت سے براءت کا اظہار کیا جائے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَعَلَى اللَّهِ

فَلَيْتَوَكَّلَ الْمُؤْمِنُونَ ﴿﴾ معمول کو عامل سے قبل لانا حصر کا معنی دیتا ہے۔ یعنی تم صرف اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرو کسی اور پر بھروسہ نہ کرو۔ کیونکہ یہ حقیقت معلوم ہے کہ وہ اکیلا مدد کرنے والا ہے۔ اس لئے اس پر اعتماد اور بھروسہ کرنا تو حید ہے اور اس سے مقصود و مطلوب حاصل ہوتا ہے اور کسی دوسرے پر بھروسہ کرنا شرک ہے اور بھروسہ کرنے والے کو کچھ حاصل نہیں ہوتا بلکہ وہ نقصان دہ ہے۔ اس آیت میں صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے کا حکم ہے اور بندہ مومن کے ایمان کے مطابق ہی اس کا توکل ہوتا ہے۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يُغْلَطَ وَمَنْ يُغْلَطْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ثُمَّ

اور نہیں لائق کسی نبی کے خیانت کرنا اور جو خیانت کرے تو آئے گا وہ ساتھ اس چیز کے جس کی خیانت کی دن قیامت کے پھر

تُؤْتِي كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۶﴾

پورا (بدلہ) دیا جائے گا ہر نفس کو جو اس نے کمایا اور وہ نہیں ظلم کئے جائیں گے ○

یہاں (غلول) سے مراد ہے مال غنیمت چھپانا اور اس چیز میں خیانت کرنا جس کا اسے منتظم بنایا گیا ہے۔ خیانت کے حرام ہونے پر اتفاق ہے بلکہ اس کا شمار کبائر میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ یہ آیت کریمہ اور دیگر نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ مال غنیمت میں خیانت کرنا ایک نبی کے شایان شان نہیں۔ کیونکہ مال غنیمت میں خیانت جیسا کہ آپ کو علم ہے۔۔۔ سب سے بڑا گناہ اور بدترین عیب ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے انبیائے کرام کو ہر عیب سے محفوظ رکھا ہے جو ان میں کسی اعتراض کا باعث بن سکتا تھا۔ اخلاق و اطوار کے لحاظ سے انہیں دنیا میں افضل ترین انسان سب سے زیادہ پاک نفوس کے مالک اور سب سے زیادہ طیب و طاہر ہستیاں بنایا ہے اور انہیں ہر عیب سے پاک کیا ہے۔ انہیں اپنی رسالت کا محل اور اپنی حکمت کا خزانہ بنایا ہے۔ **﴿اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾** (الانعام: ۱۲۴/۶) ”اللہ ہی خوب جانتا ہے کہ اس کی رسالت کا کون سا محل ہے اور وہ اپنی رسالت کے عنایت فرمائے۔“

ان میں سے کسی ایک رسول کے بارے میں بندے کا مجرد علم تمام رسولوں کے ہر عیب سے محفوظ اور سلامت ہونے کا قطعی فیصلہ کر دیتا ہے اور انبیاء و مرسلین کے بارے میں ان کے دشمنوں کی طرف سے جو کچھ کہا گیا ہے اس کے فاسد ہونے پر کسی دلیل کی حاجت نہیں کیونکہ ان کی نبوت کی معرفت ان تمام اعتراضات کو دفع کرنے کو مستلزم ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے اسلوب کے ساتھ ذکر کیا جو اس فعل کے وجود کو مانع ہے چنانچہ فرمایا: **﴿وَمَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يُغْلَطَ﴾** یعنی جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نبوت کے لئے چنا ہے اس کے بارے میں یہ ممتنع اور محال ہے کہ وہ مال غنیمت میں خیانت کرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مال غنیمت میں خیانت کرنے والوں کے لئے وعید سنائی ہے، فرمایا: **﴿وَمَنْ يُغْلَطْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾** یعنی مال غنیمت میں خیانت کرنے والا قیامت

کے روز اس مال کو خواہ وہ کوئی حیوان ہے یا مال و متاع وغیرہ اپنی پیٹھ پر اٹھائے ہوئے آئے گا اور اس مال کے ذریعے سے اسے عذاب دیا جائے گا۔

﴿ثُمَّ تَوَفَّى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ﴾ یعنی مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کو اس کی خیانت کی مقدار کے مطابق اس کے گناہ کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ اور ان پر ظلم نہیں ہوگا، یعنی ان کی برائیوں میں اضافہ اور ان کی نیکیوں میں کمی نہیں کی جائے گی اس آیت کریمہ میں آپ اس حسن احتراز (مفہوم مخالف سے بچاؤ کے احسن پیرائے) پر غور کیجئے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ نے یہاں مال غنیمت میں خیانت کرنے والے کی سزا کا ذکر کیا ہے کہ وہ قیامت کے روز خیانت شدہ مال کے ساتھ آئے گا اور چونکہ وہ اس غنیمت میں خیانت کرنے والے کی پوری جزا کا ذکر کرنا چاہتا ہے اور اس میں صرف غنیمت میں خیانت کی سزا کے ذکر پر اقتصار کیا ہے۔ یوں اس آیت کے مفہوم مخالف سے یہ وہم لازم آتا ہے کہ دیگر عمل کرنے والوں کو ہو سکتا ہے کہ پورا پورا بدلہ نہ دیا جائے۔ اس لئے یہاں ایسا لفظ استعمال کیا گیا ہے جو غنیمت میں خیانت کرنے والوں اور دیگر عمل کرنے والوں دونوں کے لئے جامع ہے۔

أَقْمِنِ اثْبَعِ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَنْ بَاءَ بِسَخَطِ مِّنَ اللَّهِ وَمَا أُهِيَ جَهَنَّمَ وَبِئْسَ

کیا پس جس نے پیروی کی رضائے الہی کی مانند اس شخص کے ہوگا جو لوٹا ساتھ ناراضی کے اللہ کی اور ٹھکانا سزا کا جہنم ہے؟ اور وہ بری ہے

الْمَصِيرُ ﴿۱۳۱﴾ هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ وَاللَّهُ بِصِيرٍ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۲﴾

جگہ لوٹنے کی ○ وہ (الگ الگ) درجوں پر ہوں گے اللہ کے ہاں اور اللہ دیکھنے والا ہے ساتھ اس کے جو وہ کرتے ہیں ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ وہ شخص جس کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا ہو اور اللہ تعالیٰ کی رضا ہی کے مطابق اس کے اعمال ہوں، اس شخص کے برابر نہیں ہو سکتا جو گناہوں میں مشغول ہے اور اپنے رب کو ناراض کرنے میں لگا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حکم اس کی حکمت اور فطرت انسانی میں یہ دونوں قسم کے اشخاص مساوی نہیں ہو سکتے ﴿أَقْمِنِ كَانَ مُؤْمِنًا كَمَنْ كَانَ فَاسِقًا لَا يَسْتَوُونَ﴾ (السجده: ۱۸/۳۲) ”بھلا جو شخص مومن ہے وہ اس شخص کی مانند ہو سکتا ہے جو فاسق ہے؟ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔“ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿هُم دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللَّهِ﴾ ”لوگوں کے مختلف درجے ہیں اللہ کے ہاں، یعنی یہ تمام لوگ اپنے اعمال میں تفاوت کی بنا پر اپنے درجات اور منزلت میں بھی متفاوت ہیں چنانچہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی پیروی کرنے والے بلند درجات و منازل اور بالا خانوں کو حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں، پس اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کے مطابق اپنے فضل و کرم سے انہیں عطا کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی ناراضی کے سبب والے امور کی پیروی کرنے والے پست سے پست اور فروترین ٹھکانے کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ ہر شخص اپنے اپنے اعمال کے مطابق جزا پائے گا۔ اللہ تعالیٰ ان کے

اعمال کو دیکھتا ہے اور ان کا کوئی عمل اس سے چھپا ہوا نہیں۔ بلکہ ان کے تمام اعمال اس کے احاطہ علم میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو لوح محفوظ میں ثبت کر رکھا ہے اور اس کے امین و کریم فرشتے ان اعمال کو لکھ کر محفوظ رکھتے ہیں۔

لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ

تحقیق احسان کیا اللہ نے مومنوں پر جب بھیجا ان میں ایک رسول انہی میں سے وہ تلاوت کرتا ہے ان پر

آيَتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَإِنْ كَانُوا

اس کی آیتیں اور پاک کرتا ہے ان کو اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت اور بلاشبہ تھے وہ

مِن قَبْلُ لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۱۳۲﴾

اس سے پہلے گمراہی ظاہر میں ○

اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ احسان جو اس نے اپنے بندوں پر کیا ہے اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے بلکہ اصل نعمت ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اس رسول کریم ﷺ کو مبعوث فرما کر ان پر بہت بڑا احسان کیا۔ جس کے ذریعے سے اس نے ان کو گمراہی کے گڑھے سے بچایا اور انہیں ہلاکت سے محفوظ کیا۔ پس فرمایا: ﴿لَقَدْ مَنَّ اللَّهُ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ إِذْ بَعَثَ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْ أَنفُسِهِمْ﴾ ”یقیناً اللہ نے مومنوں پر احسان فرمایا جو بھیجا ان میں رسول انہی میں سے“ یعنی وہ اس کا حسب و نسب اس کے احوال اور اس کی زبان جانتے ہیں۔ وہ ان کی اپنی قوم اور ان کے اپنے قبیلے سے تعلق رکھتا ہے وہ ان کے لئے خیر خواہی کے جذبات رکھتا اور ان پر بہت شفیق اور مہربان ہے۔ ﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَتِهِ﴾ یعنی وہ ان کو ان آیات کے الفاظ اور معانی سکھاتا ہے ﴿وَيُزَكِّيهِمْ﴾ یعنی وہ ان کو شرک گناہ رذائل اور دیگر تمام برے اخلاق و اطوار سے پاک کرتا ہے ﴿وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ﴾ ”اور انہیں کتاب سکھاتا ہے“ یا تو اس سے مراد جنس کتاب ہے جو کہ قرآن مجید ہے تب اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَتِهِ﴾ سے مراد آیات کو نبی ہوں گی۔ یا کتاب سے مراد ”کتابت“ ہے تب اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کتاب اور کتابت کی تعلیم دے کر ان پر بڑا احسان کیا ہے جس کے ذریعے سے علوم حاصل کئے جاتے ہیں اور ان کو محفوظ کیا جاتا ہے۔ ﴿وَالْحِكْمَةَ﴾ یہاں حکمت سے مراد سنت ہے جو کہ قرآن مجید کی مانند ہے نیز اس سے مراد تمام اشیاء کو اپنے مقام پر رکھنا اور اسرار شریعت کی معرفت بھی ہے۔

پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے تعلیم احکام، تنفیذ احکام کے ذرائع اور ان احکام کے فوائد و ثمرات کے حصول کے ذرائع کو جمع کر دیا۔ پس وہ ان عظیم امور کی بنا پر تمام لوگوں سے آگے نکل گئے اور ان کا شمار علمائے ربانی میں ہونے لگا۔ ﴿وَإِنْ كَانُوا مِنْ قَبْلُ﴾ یعنی اس رسول ﷺ کی بعثت سے قبل ﴿لَفِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ ”وہ کھلی گمراہی میں تھے“ اور اپنے رب تک پہنچانے والے راستے کی معرفت سے محروم تھے اور نہ انہیں اس طریق کا علم تھا جو ان کا

تزکیہ نفس کر کے ان کو پاک کرے بلکہ وہ تو اس راستے پر گامزن تھے جو ان کی جہالت کو مزیں کرتا تھا۔ خواہ یہ جہالت تمام جہانوں کی عقل کے متناقض ہی کیوں نہ ہو۔

أَوْ لَمَّا أَصَابَكُمْ مَصِيبَةٌ قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا لَا قُلْتُمْ أَنِّي هَذَا قُلْ هُوَ
 کیا جب (اُحد کدن) پہنچی تمہیں مصیبت حالانکہ پہنچا چکے تھے تم (بدر کدن) دو گنی اس سے تو کہا تم نے کہاں سے آئی یہ کہہ دیجئے! وہ
 مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۶۵﴾ وَمَا أَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَىٰ
 تمہاری ہی طرف سے ہے بلاشبہ اللہ اوپر ہر چیز کے خوب قادر ہے ○ اور جو کچھ پہنچا تمہیں جس دن بلیں
 الْجَمْعَيْنِ فَبِإِذْنِ اللَّهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۶۶﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ نَافَقُوا ۖ وَقِيلَ
 دو جماعتیں پس ساتھ حکم اللہ کے اور تاکہ جان لے وہ مومنوں کو ○ اور تاکہ جان لے وہ ان لوگوں کو جنہوں نے منافقت کی اور کہا گیا
 لَهُمْ نَعَالُوا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَوْ ادْفَعُوا قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَأَتَّبَعْنَاكُمْ
 ان سے آؤ! لڑو! اللہ کے راستے میں یا (دشمن کو) دفع کرو! تو انہوں نے کہا اگر جانتے ہم لڑائی کو تو ضرور ساتھ چلتے ہم تمہارے
 هُمْ لِلْكَفْرِ يَوْمَئِذٍ أَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْإِيمَانِ يَقُولُونَ بِأَفْوَاهِهِمْ مَا لَيْسَ
 وہ کفر کے اس دن زیادہ قریب تھے ان سے بہ نسبت ایمان کے کہتے تھے ساتھ اپنے مومنوں کے وہ جو نہیں تھا
 فِي قُلُوبِهِمْ ۗ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُونَ ﴿۱۶۷﴾ الَّذِينَ قَالُوا لِإِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوا
 ان کے دلوں میں اور اللہ خوب جانتا ہے ساتھ اسکے جو وہ چھپاتے ہیں ○ وہ لوگ جنہوں نے کہا اپنے بھائیوں سے جب کہ وہ خود بیٹھے رہے
 لَوْ أَطَاعُونَا مَا قَاتِلُوا قُلْ فَادْرَعُوا عَنْ أَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ

اگر اطاعت کرتے وہ ہماری تو نہ قتل کئے جاتے وہ کہہ دیجئے! تو مال لو تم اپنے نفسوں سے موت کو

إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۶۸﴾

اگر ہو تم سچے ○

جب اہل ایمان کو غزوہ اُحد میں بہت بڑی مصیبت کا سامنا کرنا پڑا اور ان میں سے تقریباً ستر صحابہ نے جام شہادت نوش کیا۔ یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے ان مومن بندوں کے لئے تسلی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿قَدْ أَصَبْتُمْ مِثْلَيْهَا﴾ ”پہنچا چکے ہو تم اس سے دو چند“ یعنی تمہارے ہاتھوں سے دشمنوں پر دو چند مصیبت پڑ چکی ہے۔ تم نے ان کے ستر آدمیوں کو قتل کیا اور ستر آدمیوں کو قیدی بنایا تھا۔ بنا بریں تمہارے لئے یہ معاملہ آسان اور تم پر یہ مصیبت ہلکی ہونی چاہئے اور اس کے ساتھ ساتھ تم اور وہ برابر نہیں ہو۔ تمہارے مقتول جنت میں ہیں اور ان کے مقتول جہنم میں۔

﴿قُلْتُمْ أَنِّي هَذَا﴾ ”تم نے کہا یہ کہاں سے آئی؟“ یعنی یہ مصیبت جو ہمیں پہنچی ہے اور یہ ہزیمت جو ہمیں اٹھانا

پڑی ہے کہاں سے آگئی؟ ﴿قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ﴾ یہ مصیبت تمہارے نفس ہی کی طرف سے وارد ہوئی ہے جس وقت اللہ تعالیٰ نے تمہیں وہ چیز دکھائی جسے تم پسند کرتے تھے اس کے بعد تم نے آپس میں جھگڑا کیا اور رسول کے حکم کی نافرمانی کی پس اپنے ہی نفسوں کو ملامت کرو اور ہلاکت کے اسباب سے بچو ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ پس اللہ تعالیٰ کے بارے میں برے گمان سے بچو۔ وہ تمہاری مدد کرنے پر قادر ہے مگر تمہیں آزمائش اور مصیبت میں مبتلا کرنے میں اس کی کامل حکمت ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿ذَٰلِكَ وَتَوَيْسَاءُ اللَّهِ لَا تَنْصَرُ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَ بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ﴾ (محمد: ۴۱، ۴۷) ”یہ (حکم یاد رکھو)“ اگر اللہ چاہتا تو ان سے انتقام لے لیتا مگر وہ ایک دوسرے کے ذریعے سے تمہاری آزمائش کرتا ہے۔“

پھر اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ دونوں لشکروں یعنی مسلمانوں کے لشکر اور کفار کے لشکر میں ٹڈبھڑ ہونے کے روز احد میں ان کو ہزیمت اور قتل کی جو مصیبت پہنچی وہ اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی قضا و قدر سے پہنچی۔ جس کو کوئی روکنے والا نہیں لہذا اس مصیبت کا واقع ہونا ایک لابدی امر تھا اور جب امر قدری نافذ ہو جائے تب اس کے سامنے سر تسلیم خم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں اور یہ حقیقت تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ اس نے اس امر کو عظیم حکمتوں اور بہت بڑے فوائد کے لئے مقدر کیا ہے۔ تاکہ جب مسلمانوں کو جنگ کا حکم دیا جائے تو اس امر قدری کے ذریعے سے مومن اور منافق کے مابین فرق واضح ہو جائے۔

﴿وَقِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اور ان سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو، یعنی تم دین کی مدافعت اور حمایت اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کی خاطر اللہ کے راستے میں جنگ کرو ﴿أَوْ ادْفَعُوا﴾ ”یاد دشمن کو دفع کرو“ یعنی اگر تمہاری نیت صالح نہیں ہے تو پھر تم اپنے حرم اور شہر کے دفاع کی خاطر لڑو۔ مگر انہوں نے انکار کر دیا اور عذر یہ پیش کیا ﴿قَالُوا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا﴾ یعنی اگر ہم یہ جانتے ہوتے کہ تمہارے درمیان اور ان کے درمیان جنگ ہوگی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے حالانکہ وہ اس میں جھوٹے تھے۔ وہ جانتے تھے اور انہیں یقین تھا بلکہ ہر شخص جانتا تھا کہ مشرکین کو اہل ایمان نے شکست دی ہے اس لئے مشرکین کے دل اہل ایمان کے بارے میں غیظ و غضب سے لبریز ہیں۔ ان سے انتقام لینے کے لئے مشرکین نے مال خرچ کیا۔ اہل ایمان کے خلاف لوگوں اور سامان حرب کو اکٹھا کرنے کے لئے اپنی پوری قوت صرف کر دی ہے اور وہ ایک بہت بڑے لشکر کے ساتھ اہل ایمان پر ان کے شہر میں حملہ آور ہو رہے ہیں۔ مسلمانوں کے ساتھ لڑائی میں ان میں سخت جوش و خروش پایا جاتا ہے۔ جب حملہ آوروں کی یہ حالت اور کیفیت ہو تو کیسے کہا جاسکتا ہے کہ ان کے اور مسلمانوں کے درمیان جنگ نہیں ہوگی۔ خاص طور پر جبکہ مسلمان کفار کا مقابلہ کرنے کے لئے مدینہ سے باہر نکل آئے تھے؟۔۔۔ یہ محال ہے۔ مگر منافقین کا خیال تھا کہ ان کا یہ عذر مسلمانوں کو مطمئن کر دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿هُم لِّلْكَفْرِ يَوْمَئِذٍ﴾ ”وہ اس دن کفر کے“ یعنی اس حال میں جس میں انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ مدینہ منورہ سے باہر نکلنے سے انکار کیا ﴿اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ يَقُولُوْنَ يَا قَوْمِ اِهْبِهْمَا لَيْسَ فِي قُلُوْبِهِمْ﴾ ”زیادہ قریب ہیں بہ نسبت ایمان کے اپنے منہ سے وہ باتیں کہتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہیں“ یہ منافقین کی خاصیت ہے کہ وہ اپنے کلام اور افعال سے وہ کچھ ظاہر کرتے ہیں جو ان کے دلوں میں چھپے ہوئے خیالات اور ارادوں کی ضد ہوتا ہے۔ ان کا یہ کہنا کہ ﴿لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَا اِسْبَعْنٰكُمْ﴾ ”بھی اسی زمرے میں آتا ہے کیونکہ انہیں علم تھا کہ جنگ ضرور ہوگی۔“

اس آیت کریمہ میں اس فقہی قاعدہ پر دلیل ملتی ہے ”کہ بوقت ضرورت بڑی برائی کو روکنے کے لئے چھوٹی برائی کو اختیار کرنا جائز ہے۔ اسی طرح دو مصلحتوں میں سے اگر بڑی مصلحت پر عمل کرنے سے عاجز ہو تو اسے چھوڑ کر کم تر مصلحت پر عمل کرنا جائز ہے“۔ اس لئے کہ منافقین کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ دین کے لئے جنگ کریں۔ اگر وہ دین کے لئے جنگ نہیں کرتے تو اپنے اہل و عیال اور وطن کے دفاع کے لئے ہی جنگ کریں ﴿وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ﴾ ”اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں“ پس وہ اسے اپنے مؤمن بندوں کے سامنے ظاہر کرے گا اس پر ان منافقین کو سزا دے گا۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿الَّذِيْنَ قَالُوْا اِلٰخْوَانِيْهِمْ وَاَطَاعُوْا مَا قَتَلُوْا﴾ ”وہ لوگ جنہوں نے کہا اپنے بھائیوں سے اور خود بیٹھے رہے اگر وہ ہماری بات مانتے تو مارے نہ جاتے“ یعنی انہوں نے دو برائیوں کو اکٹھا کر لیا تھا جہاد سے جی چرا کر پیچھے رہنا اور اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر پر اعتراض اور اس کی تکذیب کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا رد کرتے ہوئے فرمایا: ﴿قُلْ قَادِرٌ عَلٰٓى كُلِّ شَيْءٍ﴾ ”یعنی دور ہٹا دو“ ﴿عَنْ اَنْفُسِكُمْ الْمَوْتِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ﴾ ”اپنے اوپر سے موت کو اگر تم سچے ہو“ یعنی اگر تم یہ کہنے میں سچے ہو کہ اگر وہ تمہاری بات مانتے تو کبھی قتل نہ ہوتے۔ تم اس پر قدرت نہیں رکھتے اور نہ تم ان کو قتل ہونے سے بچانے کی استطاعت رکھتے ہو۔ ان آیات کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ بندے میں کبھی کبھی کفر کی کوئی خصلت ہوتی ہے اور اس کے ساتھ ایمان کی خصلت بھی اس کے اندر موجود ہوتی ہے۔ اور کبھی کبھی یوں بھی ہوتا ہے کہ وہ ایک خصلت کی نسبت دوسری خصلت کے زیادہ قریب ہوتا ہے۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قَتَلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

اور نہ ہرگز گمان کریں آپ ان لوگوں کو جو قتل کر دیئے گئے اللہ کے راستے میں مردے بلکہ (وہ) زندہ ہیں نزدیک اپنے رب کے

يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَا اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَيَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ

وہ رزق دیئے جاتے ہیں ۰ وہ خوش ہیں ان پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور خوشی محسوس کرتے ہیں وہ ساتھ ان کے جو

لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اِلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ ۙ وَاَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ

نہیں ملے ان کو ان کے پیچھے سے یہ کہ نہ خوف ہو گا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۰ وہ خوشی محسوس کرتے ہیں

بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ وَفَضْلٍ ۗ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۷﴾

ساتھ احسان کے اللہ کی طرف سے اور (ساتھ اس کے) فضل کے اور اس پر کہ بلاشبہ اللہ نہیں ضائع کرتا اجر مومنوں کا ○

ان آیات کریمہ میں شہداء کی کرامت اور فضیلت بیان کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا ذکر ہے جن سے شہداء کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و احسان سے نوازا ہے اور اسی ضمن میں ان زندہ لوگوں کے لئے تسلی اور تعزیت ہے جن کے اقرباء نے جام شہادت نوش کیا تھا۔ نیز ان کو جہاد فی سبیل اللہ کی ترغیب دینا اور ان میں شوق شہادت پیدا کرنا ہے اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ قَاتَلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ یعنی جو دشمنان دین کے ساتھ اس قصد کے ساتھ جہاد کرتے ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو، قتل ہو گئے ﴿أَمْوَاتًا﴾ ”ان کو مردہ گمان مت کرو“ یعنی ان کے بارے میں تمہارے دل میں اس خیال کا گزر بھی نہ ہو کہ وہ موت سے ہم کنار ہو کر مفقود ہو گئے اور دنیاوی زندگی کی لذات ان سے دور ہو گئیں اور وہ دنیا کی رنگینیوں سے متمتع ہونے سے محروم ہو گئے۔ جن سے محرومی کے خوف اور بزدلی کی وجہ سے جہاد سے گریز کیا جاتا اور شہادت سے بچا جاتا ہے۔ ﴿بَل﴾ بلکہ وہ اس سے بھی بلند مراتب حاصل کر چکے ہیں جن کے حصول کے لئے لوگ بڑھ چڑھ کر کوشش کرتے ہیں ﴿أَحْيَاءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے عزت و تکریم کے گھر میں زندہ ہیں۔ (عِنْدَ رَبِّهِمْ) کا لفظ ان کے بلند درجات اور ان کے رب کے قرب پر دلالت کرتا ہے ﴿يُرِزُّونَ﴾ یعنی ان انواع و اقسام کی نعمتوں سے رزق عطا کیا جاتا ہے جن کے اوصاف کو صرف وہی ہستی جانتی ہے جس نے ان کو یہ نعمتیں عطا کی ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ﴿فَرِحِينَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ یعنی ان نعمتوں کے حصول پر وہ خوش ہوتے ہیں۔ ان کی آنکھیں ٹھنڈی اور نفس خوش ہوتے ہیں۔ یہ فرحت ان نعمتوں کی خوبصورتی، ان کی کثرت و عظمت، ان نعمتوں تک پہنچنے میں کامل لذت اور ان نعمتوں کے کبھی ختم نہ ہونے کی بنا پر ہوگی۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے رزق کے ذریعے سے بدنی نعمت اور اپنے فضل و کرم پر فرحت کے ذریعے سے قلبی اور روحانی نعمت کو جمع کر دیا ہے۔

پس ان کے لئے نعمت اور مسرت کی تکمیل ہوگئی ﴿وَيَسْتَبْشِرُونَ بِالَّذِينَ لَمْ يَلْحَقُوا بِهِمْ مِنْ خَلْفِهِمْ﴾ یعنی وہ ایک دوسرے کو اپنے ان بھائیوں کے پہنچنے پر جو ابھی تک نہیں پہنچے خوشخبری دیتے ہیں نیز ان کو بھی وہی نعمتیں حاصل ہوں گی جن سے وہ بہرہ ور ہو چکے ہیں ﴿أَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ یعنی ڈرانے والے امور کے ان سے اور ان کے بھائیوں سے زائل ہونے کی وجہ سے بہت خوش ہوں گے جن کا زوال کامل مسرت کو مستلزم ہے۔ ﴿يَسْتَبْشِرُونَ بِنِعْمَةِ اللَّهِ وَفَضْلٍ﴾ وہ ایک دوسرے کو بدیہ تبریک پیش کر رہے ہوں گے اور یہ ان کے رب کی نعمت اور اس کا فضل و کرم ہے۔ ﴿وَأَنَّ اللَّهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ اور اللہ اہل ایمان کے اجر کو ضائع نہیں کرتا بلکہ وہ اسے بڑھاتا ہے اس کی قدر کرتا ہے اپنے فضل و کرم سے اس میں اتنا اضافہ کرتا ہے کہ ان کی

کوشش وہاں تک پہنچ ہی نہیں سکتی۔ ان آیات کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ برزخ میں بھی نعمتیں عطا ہوں گی اور برزخ میں شہداء اپنے رب کے پاس بلند ترین مقامات پر فائز ہوں گے۔ نیز نیک ارواح ایک دوسرے سے ملاقات اور ایک دوسرے کی زیارت کرتی ہیں اور ایک دوسرے کو خوشخبری دیتی ہیں۔

الَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِلَّهِ وَالرَّسُولِ مِنْ بَعْدِ مَا اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ط الَّذِينَ
وہ لوگ جنہوں نے حکم مانا اللہ اور رسول کا بعد اس کے کہ پہنچا انہیں زخمِ واسطے ان لوگوں کے
اَحْسَنُوا مِنْهُمْ وَاتَّقُوا اَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۱۴۱﴾ الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ
جنہوں نے احسان کیا ان میں سے اور تقویٰ اختیار کیا اجر ہے بہت بڑا ○ وہ لوگ کہ کہا ان سے لوگوں نے بلاشبہ لوگوں نے
جَمَعُوا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ط وَ قَالُوا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ
جمع کیا ہے (شکر) تمہارے مقابلہ میں پس ڈرو تم ان سے تو زیادہ کرو ایمان کو (اس بات نے) ایمان میں اور کہا انہوں نے کافی ہے ہمیں اللہ اور وہ اچھا
الْوَكِيْلُ ﴿۱۴۲﴾ فَانْقَلَبُوا بِنِعْمَةِ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلِ لَّمْ يَسْسِسْهُمْ سُوءًا ط وَ اتَّبَعُوا
کار ساز ہے ○ پس لوٹے وہ ساتھ احسان کے اللہ سے اور فضل کے، نہیں پہنچی انہیں کوئی برائی اور پیروی کی انہوں نے
رِضْوَانِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ ذُو فَضْلٍ عَظِيمٍ ﴿۱۴۳﴾ اِنَّمَا ذِكْرُ الشَّيْطٰنِ يُخَوِّفُ
رضائے الہی کی اور اللہ بہت بڑے فضل والا ہے ○ یقیناً یہ تو شیطان ہی ہے ڈراتا ہے وہ
اَوْلِيَآءَهُ ص فَلَا تَخَافُوهُمْ وَ خَافُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴۴﴾
اپنے دوستوں سے پس نہ ڈرو تم ان سے اور ڈرو مجھ سے اگر ہو تم مومن ○

جب رسول اللہ ﷺ احد سے مدینہ کی طرف لوٹ آئے آپ نے سنا کہ ابوسفیان اور اس کے ساتھ جو مشرک ہیں وہ مدینہ پر دوبارہ حملہ کرنا چاہتے ہیں تو آپ نے اپنے اصحاب کرام کو جنگ کے لئے نکلنے کو کہا۔ اس کے باوجود کہ صحابہ کرام سخت زخمی تھے رسول اللہ ﷺ کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے نکل آئے۔ جب وہ ”حمراء الاسد“ پہنچے تو ایک آنے والے نے ان کے پاس آ کر کہا ﴿اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ﴾ اس نے خوف زدہ کرنے کی غرض سے کہا کہ لوگ تمہیں مٹانے کے لئے اکٹھے ہو رہے ہیں۔ اس کے اس قول نے اللہ تعالیٰ پر ایمان اور بھروسے میں اور اضافہ کیا اور انہوں نے کہا۔ ﴿حَسْبُنَا اللّٰهُ﴾ یعنی ہماری پریشانیوں میں اللہ تعالیٰ ہمیں کافی ہے ﴿وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ اور وہ بہترین کارساز ہے اور بندوں کی تدبیر اسی کے سپرد ہے اور وہ ان کے مصالح کا انتظام کرتا ہے۔

﴿فَانْقَلَبُوا﴾ یعنی مسلمان لوٹے ﴿بِنِعْمَةِ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلِ لَّمْ يَسْسِسْهُمْ سُوءًا﴾ اللہ کے احسان اور فضل کے ساتھ ان کو کوئی برائی نہ پہنچی، جب یہ خبر مشرکین کے پاس پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام

تمہارے تعاقب میں آرہے ہیں اور جو پیچھے رہ گئے تھے وہ بھی اب نادم ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں رعب ڈال دیا اور وہ مکہ واپس چلے گئے اور اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کے فضل و کرم سے مستفید ہو کر لوٹے کیونکہ اس حالت میں بھی ان کو جنگ کے لئے نکلنے کی توفیق ہوئی اور انہوں نے اپنے رب پر بھروسہ کیا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے غازیوں کا پورا اجر لکھ دیا۔ پس اپنے رب کے لئے حسن اطاعت اور اس کی نافرمانی سے بچنے کی وجہ سے ان کے لئے بہت بڑا اجر ہے۔

﴿إِنَّمَا ذِكْمُ الشَّيْطَانِ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ﴾ یعنی مشرکین میں سے جس نے ڈرایا اور کہا کہ لوگ تمہارے لئے اکٹھے ہو چکے ہیں۔ وہ شیطان کے داعیوں میں سے ایک داعی ہے جو اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے جو ایمان سے محروم ہیں یا جن کا ایمان کمزور ہے۔ فرمایا: ﴿فَلَا تَخَافُوهُمْ خَافُونَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ یعنی شیطان کے دوست مشرکین سے نہ ڈرو کیونکہ ان کی پیشانیاں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر کے مطابق ہی تصرف کر سکتے ہیں۔۔۔ بلکہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو جو اپنے ان دوستوں کی مدد کرتا ہے جو اس سے ڈرتے ہیں اور اس کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کا خوف واجب ہے اور اللہ تعالیٰ کا خوف لوازم ایمان میں شمار ہوتا ہے۔ بندہ اپنے ایمان کی مقدار کے مطابق خوف الہی رکھتا ہے۔ اور خوف محمود وہ ہے جو بندے کو اللہ تعالیٰ کے حرام کردہ امور کے ارتکاب سے روک دے۔

وَلَا يَحْزَنُكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا

اور نہ غم میں ڈالیں آپ کو وہ لوگ جو جلدی کرتے ہیں کفر میں بلاشبہ وہ ہرگز نہیں نقصان پہنچا سکیں گے اللہ کو کچھ بھی

يُرِيدُ اللَّهُ إِلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْآخِرَةِ ۗ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۱۵۶﴾

ارادہ کرتا ہے اللہ یہ کہ نہ کرے ان کے لیے کوئی حصہ آخرت میں اور ان کے لیے عذاب ہے بہت بڑا

إِنَّ الَّذِينَ اشْتَرُوا الْكُفْرَ بِالْإِيمَانِ كُنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا ۗ

بلاشبہ وہ لوگ جنہوں نے خریدنا کفر کو بدلے ایمان کے ہرگز نہیں نقصان پہنچا سکیں گے وہ اللہ کو کچھ بھی

وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۵۷﴾

اور ان کے لیے عذاب ہے دردناک

رسول اللہ ﷺ لوگوں کی ہدایت کے بہت آرزو مند تھے اور ان کو ہدایت کی راہ پر لانے کے لئے جدوجہد

کرتے تھے۔ جب وہ ہدایت قبول نہ کرتے تو آپ بہت آزرده ہوتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا يَحْزَنُكَ

الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الْكُفْرِ﴾ یعنی ان کی کفر میں شدید رغبت اور چاہت کی وجہ سے آپ آزرده خاطر نہ ہوں

﴿إِنَّهُمْ لَنْ يَضُرُّوا اللَّهَ شَيْئًا﴾ ”وہ اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے“ پس اللہ تعالیٰ اپنے دین کا حامی و ناصر اپنے

رسول ﷺ کی مدد کرنے والا اور ان کے بغیر اپنے حکم کو نافذ کرنے والا ہے۔ اس لئے آپ ان کی پروا نہ کریں۔ یہ محض اپنے آپ کو نقصان پہنچا رہے ہیں ایمان سے محروم ہو کر اس دنیا میں اپنے آپ کو نقصان پہنچانے کی کوشش کر رہے ہیں اور قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے سامنے حقیر ہونے، اس کی نظر سے گرنے اور اللہ تعالیٰ کے اس ارادے کی وجہ سے کہ آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہ ہو..... ان کے لئے دردناک عذاب ہوگا۔ ان کی جزا یہ ہے کہ اس نے ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا اور انہیں اس توفیق سے نہ نوازا جو اس نے نہایت عدل و حکمت کی بنا پر اپنے اولیاء اور ان بندوں کو عطا کی جن کے ساتھ وہ بھلائی چاہتا ہے۔۔۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ وہ راہ ہدایت کے ذریعے سے تزکیہ نفس نہیں چاہتے اور اپنے فاسد اخلاق و اطوار اور برے مقاصد کی بنا پر رشد و ہدایت کو قبول نہیں کرتے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ لوگ جنہوں نے ایمان کے مقابلے میں کفر کو چن لیا پھر اس کفر میں اس شخص کی مانند رغبت کرنے لگے جو کسی محبوب مال تجارت کو خریدنے کے لئے اپنا محبوب مال خرچ کرتا ہے۔ فرمایا:

﴿لَنْ يَضُرَّوَاللَّهَ شَيْئًا﴾ ”وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچاتے“۔ بلکہ ان کے فعل کا نقصان خود ان کی ذات کو پہنچتا ہے۔ بنا بریں فرمایا: ﴿وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ”اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے“ وہ اللہ تعالیٰ کو کیسے نقصان پہنچا سکتے ہیں وہ ایمان سے دور بھاگتے رہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر میں پوری طرح راغب رہے۔ اللہ تعالیٰ ان سے بے نیاز ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کے لئے ان کفار کے سوا اپنے نیک اور پاک بندوں کو مقرر کر رکھا ہے اور اپنے دین کی مدد اور نصرت کے لئے اپنے پسندیدہ بندوں میں سے اصحاب عقل و بصیرت اور بڑے بڑے ذہین لوگوں کو تیار کر رکھا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ آمَنُوا بِهِ أَوْ لَا تُؤْمِنُوا إِنَّ الَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهِ إِذَا يُتْلَىٰ عَلَيْهِمْ يَخِرُّونَ لِلْأَذْقَانِ سُجَّدًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۰۷/۱۱۷) ”کہہ دیجئے کہ تم اس قرآن پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ جن کو اس سے پہلے علم دیا گیا جب یہ ان کے سامنے پڑھا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل جمدے میں گر جاتے ہیں“۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُتِلِّي لَهُمْ

اور نہ گمان کریں کافر کہ بیشک جو وحیل دے رہے ہیں ہم انکو وہ بہتر ہے انکی جانوں کے لیے ہم تو صرف مہلت دیتے ہیں ان کو

لِيُزَادُوا آثِمًا ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿۱۶۸﴾

تا کہ زیادہ ہو جائیں وہ گناہ میں اور واسطے ان کے عذاب ہے رسوا کرنے والا ○

وہ لوگ جو اپنے رب کے ساتھ کفر کرتے ہیں، اس کے دین کو دور پھینکتے ہیں اور اس کے رسول ﷺ کے خلاف جنگ کرتے ہیں، یہ نہ سمجھیں کہ ہمارا ان کو اس دنیا میں چھوڑ دینا، ان کا استیصال نہ کرنا اور ان کو مہلت دینا، ان کے لئے بہتر ہے اور ہم ان سے محبت کرتے ہیں۔ ہرگز نہیں، معاملہ ایسا نہیں جیسا وہ سمجھتے ہیں۔ یہ مہلت دینا تو

ان کے حق میں برا ہے ان کی سزا اور عذاب میں اور اضافہ ہوگا اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّمَا نُنَبِّئُ لَهُمْ لِيَبْزَدُوا أَثْمًا وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ﴾ ”ہم تو انہیں اس لئے مہلت دیتے ہیں تاکہ وہ گناہوں میں اور ترقی کریں اور ان کے لئے رسوا کن عذاب ہے“ پس اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے یہاں تک کہ اس کی سرکشی بڑھ جاتی ہے اس کے رویے میں پے در پے کفر کا اظہار ہوتا ہے۔ پھر وہ اس کو غالب اور مقتدر ہستی کے طور پر پکڑ لیتا ہے۔ پس ظالموں کو اس مہلت سے ڈرنا چاہئے اور وہ یہ نہ سمجھ لیں کہ وہ اس بڑی اور بلند ہستی کی پکڑ سے رہ جائیں گے۔

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ

نہیں ہے اللہ کہ چھوڑ دے مومنوں کو اس (حالت) پر کہ ہو تم اوپر اس کے یہاں تک کہ وہ علیحدہ کر دے ناپاک کو

مِنَ الطَّيِّبِ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَجْتَبِي

پاک سے اور نہیں ہے اللہ کہ مطلع کرے وہ تمہیں اوپر غیب کے لیکن اللہ پسند کر لیتا ہے

مِن رُسُلِهِ مَن يَشَاءُ ۚ فَأَمِنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ ۗ وَإِن تَوَمَّنُوا

اپنے رسولوں میں سے جس کو چاہتا ہے پس ایمان لاؤ تم ساتھ اللہ اور اس کے رسولوں کے اور اگر تم ایمان لاؤ گے

وَتَتَّقُوا فَلَكُمْ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۱۵۹﴾

اور تقویٰ اختیار کرو گے تو تمہارے لیے اجر ہے بہت بڑا ○

یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت نہیں کہ وہ اہل ایمان کو پرکھے بغیر خلط ملط حالت میں چھوڑ دے۔ وہ ان کو پرکھے گا اور پاک کو ناپاک میں سے، مومن کو منافق میں سے اور سچے کو جھوٹے میں سے علیحدہ کرے گا۔ نیز یہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت نہیں کہ اپنے بندوں کو اس غیب پر مطلع کرے جس کا علم اس نے اپنے بعض بندوں (رسولوں) کو عطا کیا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی حکمت تقاضا کرتی ہے کہ وہ اپنے بندوں کو مختلف قسم کی آزمائش اور امتحان میں مبتلا کرے تاکہ پاک میں سے ناپاک ممیز ہو جائے۔ اس مقصد کے لئے اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل مبعوث فرمائے اور ان کی اطاعت ان کی پیروی اور ان پر ایمان لانے کا حکم دیا۔ ایمان اور تقویٰ کے بدلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ اجر عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔ پس انبیائے کرام کی اتباع کے اعتبار سے لوگ دو اقسام میں منقسم ہیں: اطاعت گزار اور نافرمان، مومنین اور منافقین، مسلمان اور کفار۔ تاکہ ان پر اللہ تعالیٰ کا ثواب و عقاب مترتب ہو۔ اور تاکہ اس کا عدل و فضل اور اس کی مخلوق پر اس کی حکمت ظاہر ہو۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ بِمَا أَنَّهُمْ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُمْ ۚ

اور نہ گمان کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں ساتھ اس کے جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے کہ وہ بہتر ہے

بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ ۚ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخُلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَاللَّهُ

ان کیلئے بلکہ وہ بدتر ہے ان کے لیے عقرب وہ طوق پہنائے جائیں گے اس (بل) کا کہ بخل کیا تھا انہوں نے ساتھ اس کے دن قیامت کے اور اللہ ہی کیلئے

مِيْرَاتُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَاللَّهُ بِمَا تَعْبَلُونَ خَبِيرٌ ﴿۱۸﴾

ملکیت ہے آسمانوں اور زمین کی اور اللہ ساتھ اس کے جو تم کرتے ہو خوب خبردار ہے ○

یعنی جو لوگ بخل کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ مال، جاہ، علم اور دیگر چیزیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا ہے اور ان کو حکم دیا کہ ان چیزوں میں سے اس کے بندوں پر اتنا ضرور خرچ کریں جس سے خود ان کو نقصان نہ پہنچے۔ مگر انہوں نے بخل کیا اور ان چیزوں کو بندوں پر خرچ کرنے سے روک رکھا اور سمجھتے رہے کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں وہ ان کے لئے بہتر ہے (یہ ان کے لئے بہتر نہیں) بلکہ یہ تو ان کے دین و دنیا و آخرت کے لئے بدترین چیز ہے۔ ﴿سَيَطُوفُونَ مَا بِخَلْوُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ یعنی جس چیز کے بارے میں انہوں نے بخل کیا اللہ تعالیٰ اسے طوق بنا کر ان کی گردن میں ڈال دے گا اور اس سبب سے انہیں عذاب میں مبتلا کیا جائے گا۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہوا ہے چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «إِنَّ الْبَخِيلَ يُمَثَّلُ لَهُ مَالُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ لَهُ رَيْبَتَانِ يَأْخُذُ بِلَهْزِمَتَيْهِ يَقُولُ: أَنَا مَالِكٌ أَنَا كَنْزُكَ» "قیامت کے روز بخیل کے مال کو ایک بڑا سانپ بنا دیا جائے گا جس کی آنکھوں پر دو سیاہ نقطے ہوں گے وہ بخیل کو اس کے جبروں سے پکڑ لے گا اور کہے گا: میں تیرا مال ہوں میں تیرا خزانہ ہوں" پھر رسول اللہ ﷺ نے اس کے مصداق کے طور پر یہی آیت تلاوت فرمائی۔^① یہ لوگ سمجھتے تھے کہ ان کا بخل ان کے لئے نفع مند اور عزت کا باعث ہے مگر معاملہ الٹ نکلا اور یہی بخل ان کے لئے سب سے زیادہ نقصان دہ اور عذاب کا باعث بن گیا۔

﴿وَاللَّهُ وَمِيْرَاتُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ اقتدار اور بادشاہی کا مالک ہے تمام املاک اپنے مالک کی طرف لوٹتی ہیں اور بندے اس دنیا سے اس حالت میں جائیں گے کہ ان کے ساتھ درہم و دینار ہوں گے نہ کوئی مال و متاع۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّا نَحْنُ نَرِثُ الْأَرْضَ وَمَنْ عَلَيْهَا وَإِنَّا يُرْجَعُونَ﴾ (مریم: ۴۰، ۱۹) "زمین اور جو لوگ اس کے اوپر ہیں ہم ہی ان کے وارث ہیں اور انہیں ہماری ہی طرف لوٹ کر آنا ہے۔"

غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے سب ابتدائی اور سب انتہائی کو کیسے ذکر فرمایا ہے اور یہ دونوں اس بات کے موجب ہیں کہ بندہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ چیزوں میں بخل نہ کرے۔ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ بندے کے پاس اور بندے کے ہاتھ میں جو کچھ ہے وہ بندے کی ملکیت نہیں، بلکہ وہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی نعمت ہے۔ اگر بندے پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور اس کا احسان نہ ہوتا تو ان میں سے کوئی چیز بھی اسے عطا نہ ہوتی۔ لہذا

① صحیح بخاری، التفسیر، باب "ولا يحسبن الذين يبخلون..... من فضله" حدیث: ۴۵۶۵ بلفظ: من آتاه الله مالا

جو کوئی یہ چیزیں لوگوں کو عطا کرنے میں بخل کرتا ہے وہ گویا اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کو لوگوں تک پہنچنے سے روکتا ہے۔ کیونکہ بندے پر اللہ تعالیٰ کا احسان اس بات کا موجب ہوتا ہے کہ وہ بندہ اللہ کے بندوں پر احسان کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِحْسِنْ كَمَا أَحْسَنَ اللَّهُ إِلَيْكَ﴾ (القصص: ۷۷/۲۸) ”جیسی اللہ نے تیرے ساتھ بھلائی کی ہے تو بھی لوگوں کے ساتھ ویسی ہی بھلائی کر۔“

پس جسے اس بات کا یقین ہو گیا کہ اس کے پاس جو کچھ ہے وہ سب اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل و کرم کو دوسروں تک پہنچانے سے کبھی نہیں رکے گا جس سے اسے کوئی نقصان نہیں پہنچتا بلکہ یہ فعل اس کے دل اور مال میں اسے فائدہ ہی پہنچاتا ہے اس کے ایمان میں اضافہ کا باعث بنتا ہے اور اسے آفات سے محفوظ رکھتا ہے۔

ثانیاً: اللہ تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ یہ سب کچھ جو بندے کے ہاتھ میں ہے اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس کا وارث ہوگا اور وہ سب سے اچھا وارث ہے۔ کسی ایسی چیز میں آپ کا بخل کرنا کیا معنی رکھتا ہے جو چیز آپ کے پاس سے زائل ہو کر کسی دوسرے کے پاس منتقل ہو جائے گی۔

ثالثاً: اللہ تعالیٰ نے سب جزائی کا ذکر فرمایا چنانچہ فرمایا: ﴿وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ﴾ جب اللہ تعالیٰ تمہارے تمام اعمال کی خبر رکھتا ہے تو یہ حقیقت اس بات کی مستلزم ہے کہ وہ اچھے اعمال پر اچھی جزا دے اور برے اعمال پر بری جزا دے۔ اب جس کے دل میں ذرہ بھر بھی ایمان ہے وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرنے سے باز نہیں رہ سکتا جس کا بدلہ ثواب ہے اور بخل پر راضی نہیں ہو سکتا جو عذاب کا باعث ہے۔

لَقَدْ سَمِعَ اللَّهُ قَوْلَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ فَقِيرٌ وَنَحْنُ أَغْنِيَاءُ م سَنَكْتُبُ

تحقیق سن لی اللہ نے بات ان لوگوں کی جنہوں نے کہا بے شک اللہ فقیر ہے اور ہم مال دار۔ یقیناً ہم لکھتے ہیں

مَا قَالُوا وَقَتْلَهُمُ الْأَنْبِيَاءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۖ وَنَقُولُ ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿۱۸﴾ ذٰلِكَ

جو کچھ انہوں نے کہا اور ان کے قتل کرنے کو (بھی) انبیاء کا ناحق اور کہیں گے ہم چکھو عذاب جلانے والا ○ یہ

بِمَا قَدَّمْتُمْ آيْدِيكُمْ وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ ﴿۱۹﴾

بہ سبب اس کے جو آگے بھجا تمہارے ہاتھوں نے اور یہ کہ اللہ نہیں ہے ظلم کرنے والا واسطے بندوں کے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ ان متکبرین کے قول سے آگاہ فرماتا ہے جنہوں نے اللہ تبارک و تعالیٰ کے بارے میں بدترین اور فحش ترین بات کہی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ انہوں نے جو بدزبانی کی ہے اللہ تعالیٰ نے اسے سن لیا ہے۔ وہ اس بدزبانی کو لکھ کر محفوظ کر لے گا اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ دیگر افعال قبیحہ بھی محفوظ کرے گا۔ مثلاً ان کا خیر خواہی کرنے والے انبیاء کرام کو ناحق قتل کرنا اور وہ ان کو ان افعال پر سخت جزا دے گا ان کی اس ہرزہ گوئی..... ”اللہ تعالیٰ فقیر ہے اور ہم دولت مند ہیں“..... کے بدلے میں کہا جائے گا: ﴿ذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ﴾

یعنی بدن سے دل تک جلا ڈالنے والے عذاب کا مزا چکھو، ان کو دیا گیا یہ عذاب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظلم نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ ﴿لَيْسَ بِظُلْمٍ لِّلْعَالَمِينَ﴾ ”بندوں پر ہرگز ظلم نہیں کرتا۔“ وہ اس سے منزہ ہے۔ فرمایا: ﴿ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْت اَيْدِيكُمْ﴾ یہ رسوائیاں اور قباحتیں جو انہیں عذاب کا مستحق بناتی اور ثواب سے محروم کرتی ہیں ان کا اپنا کیا دھرا ہے۔ مفسرین ذکر کرتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ان یہودیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جنہوں نے مذکورہ ہرزہ سرائی کی تھی۔ ان میں ”فحاص بن عازوراء“ کا نام لیا جاتا ہے جو مدینہ میں علمائے یہود کا سرخیل تھا۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ جب فحاص بن عازوراء نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿مَنْ ذَا الَّذِي يقرض الله قرضًا حسنًا﴾ (البقرہ: ۲۴۵/۲۰) اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَاقْرُضُوا الله قرضًا حسنًا﴾ (الحديد: ۱۸/۵۷) سنا تو اس وقت اس نے تکبر کی بنا پر یہ بات کہنے کی جسارت کی۔۔۔ قبضہ اللہ

اللہ تعالیٰ نے اس کی بدگوئی کا ذکر کرتے ہوئے آگاہ فرمایا کہ ان کی یہ ہرزہ سرائیاں کوئی نئی چیز نہیں ہیں بلکہ وہ اس سے پہلے بھی اس قسم کے قبیح کام کرتے رہے ہیں ان کی ایک نظیر یہ ہے کہ انہوں نے نبیوں کو ناحق قتل کیا..... یہاں ”ناحق“ کی قید لگانے سے مراد یہ ہے کہ وہ نبیوں کو لاعلمی اور ضلالت کی وجہ سے قتل نہیں کرتے تھے بلکہ اس جرم کی قباحت اور شاعت کو جانتے ہوئے بھی سرکشی اور عناد کی بنا پر قتل انبیاء علیہم السلام کے اقدام کی جرأت کرتے تھے۔

الَّذِينَ قَالُوا اِنَّ اللهَ عَهِدَ اِلَيْنَا اَلَّا نُوْمِنَ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ ياتِنَا بِقرَبَانِ

وہ لوگ جنہوں نے کہا بلاشبہ اللہ نے عہد لیا ہے ہم سے یہ کہ نہ ایمان لائیں ہم کسی رسول پر یہاں تک کہ لائے وہ ہمارے پاس ایسی قربانی

تَاْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِي بِالْبَيِّنَاتِ وَبِالَّذِي قُلْتُمْ

کہ کھا جائے آگ کہہ دیجئے! تحقیق آئے تمہارے پاس کئی رسول پہلے مجھ سے ساتھ واضح دلائل کے اور ساتھ اسکے جو کہاتم نے

فَلَمَّ قَتَلْتُمُوهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۴﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كَذَّبَ رُسُلٌ

پھر کیوں قتل کیا تم نے ان کو اگر ہوتے سچے؟ پس اگر جھٹلایا ہے انہوں نے آپ کو، تو تحقیق جھٹلائے گئے کئی رسول

مِّنْ قَبْلِكَ جَاءُوْا بِالْبَيِّنَاتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾

آپ سے پہلے لائے تھے وہ واضح دلائل اور صحیفے اور کتاب روشن ○

اللہ تعالیٰ ان افترا پردازوں کے احوال کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے کہ جو یہ کہتے ہیں: ﴿اِنَّ اللهَ عَهِدَ

اِلَيْنَا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ ہم سے عہد لے چکا ہے اور اس نے وصیت کی ہے کہ ﴿اَلَّا نُوْمِنَ لِرَسُولٍ حَتَّىٰ ياتِنَا بِقرَبَانِ

تَاْكُلُهُ النَّارُ﴾ ”ہم کسی رسول پر اس وقت تک ایمان نہ لائیں جب تک کہ وہ ہمارے سامنے ایسی قربانی نہ لائے

جسے آگ (آسمان سے نازل ہو کر) کھالے۔“ پس انہوں نے یہ افترا پردازی کر کے اللہ تعالیٰ پر کذب بیانی اور

انبیاء و مرسلین ﷺ کے معجزات کو صرف اسی ایک معجزے میں محصور کر کے یکجا کر دیا نیز یہ کہ وہ کسی ایسے رسول پر ایمان نہیں لائیں گے جس نے ایسی قربانی نہ کی ہو جسے آگ نے کھایا ہو۔ اس لئے وہ رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہ لانے کے سلسلے میں اپنے رب کی اطاعت اور اس کے عہد کا التزام کر رہے ہیں۔ یہ چیز معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جتنے رسول مبعوث فرمائے ان سب کی معجزات و براہین کے ذریعے سے تائید کی، جس پر انسان مطمئن ہو جاتا ہے۔ اور جس معجزے کا انہوں نے مطالبہ کیا انبیاء ﷺ اس سے قاصر نہیں رہے۔ اس کے باوجود انہوں نے انبیاء ﷺ کی دعوت کو بہتان و افتراء کہہ کر اس کا التزام نہ کیا اور اسے باطل کہا اور اس پر عمل نہ کیا۔

بنابریں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ وہ ان سے کہہ دیں ﴿قُلْ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّن قَبْلِ بِالْبَيِّنَاتِ﴾ ”مجھ سے پہلے کئی پیغمبر تمہارے پاس کھلی نشانیاں لے کر آئے۔“ یعنی وہ دلائل لے کر آئے جو ان کی صداقت کی تائید کرتے تھے ﴿وَ بِالَّذِينَ قُلْتُمْ﴾ اور وہ معجزہ لے کر بھی آئے جس کا تم نے مطالبہ کیا ہے یعنی انہوں نے وہ قربانی بھی کی جس کو آگ نے کھایا ﴿فَلِمَ قَاتَلْتُمُوهُمْ إِن كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ ”اگر تم سچے ہو تو تم نے ان کو قتل کیوں کیا؟“ یعنی اگر تم اپنے اس دعوے میں سچے ہو کہ ہم تو رسول پر اس وقت ایمان لاتے ہیں جب وہ قربانی کرے اور آگ آسمان سے نازل ہو کر اسے کھالے تو پھر تم یہ معجزہ دکھانے والے نبیوں کو قتل کیوں کرتے تھے۔ پس اس سے ان کا جھوٹ اور تناقض واضح ہو گیا۔

پھر اپنے رسول ﷺ کو ان الفاظ میں خوشخبری سنائی ہے ﴿فَإِن كَذَّبُوكَ فَقَدْ كَذَّبَ رَسُولٌ مِّن قَبْلِكَ﴾ ”پس اگر انہوں نے تمہاری تکذیب کی ہے تو تم سے پہلے رسولوں کو بھی جھٹلایا گیا ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا اور اللہ کے رسولوں کی تکذیب کرنا ان ظالموں کی عادت اور وتیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسولوں کی تکذیب اس وجہ سے تھی کہ وہ معجزہ دکھانے سے قاصر رہے یا دلیل واضح نہ تھی بلکہ ﴿جَاءَ وَ بِالْبَيِّنَاتِ﴾ یعنی وہ تو دلائل عقلیہ اور براہین نقلیہ لے کر مبعوث ہوئے ﴿وَ الزُّبُرِ﴾ ان کے لئے آسمان سے لکھی ہوئی کتابیں نازل ہوئیں ان کتابوں کو رسول کے سوا کوئی اور نہیں لاسکتا۔ ﴿وَ الْكِتَابِ الْمُنِيرِ﴾ یعنی احکام شرعی کو روشن اور عیاں کرنے والی اور یہ احکام الہی جن محاسن عقلی پر مشتمل ہیں ان کو بیان کرنے والی ہیں نیز سچی خبروں کو روشن کرتی ہے۔ لہذا جب ان اوصاف کے حامل رسولوں پر ایمان لانا ان کی عادت نہیں تو ان کا معاملہ آپ کو غمزہ نہ کر دے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَمَن

ہر نفس چکھنے والا ہے موت کو اور بلاشبہ پورے دیئے جاؤ گے تم اپنے اجر دن قیامت کے پس جو

زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ وَمَا الْحَيَاةُ

دور کر دیا گیا آگ سے اور داخل کر دیا گیا جنت میں تو یقیناً وہ کامیاب ہو گیا اور نہیں ہے زندگانی

الدُّنْيَا إِلَّا مَتَاعَ الْغُرُورِ ﴿١٨٥﴾

○ دنیا مگر سامان دھوکے کا

اس آیت کریمہ میں دنیا میں زندگی کی ترغیب دی گئی ہے کہ یہ دنیا فانی ہے اور باقی نہیں رہے گی یہ محض دھوکے کا سامان ہے یہ اپنی چکا چوند اپنے غرور اور اپنی ظاہری خوبصورتی سے انسان کو دھوکے میں مبتلا کرتی ہے۔ پھر یہ دنیا ختم ہو جائے گی اور اس میں رہنے والے آخرت کے ٹھکانے میں منتقل ہو جائیں گے جہاں ہر نفس کو اچھے یا برے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا جو اس نے اس دنیا میں کئے ہیں۔ ﴿فَمَنْ ذُحِّخَ عَنِ النَّارِ وَأُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ ”جسے آگ سے بچا کر جنت میں بھیج دیا گیا پس وہ کامیاب ہو گیا۔“ یعنی دردناک عذاب سے نجات حاصل کر کے اور نعمتوں سے لبریز جنتوں میں پہنچ کر اس نے عظیم کامیابی حاصل کی۔ ان جنتوں میں ایسی ایسی نعمتیں ہوں گی جو کسی آنکھ نے دیکھی ہیں نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کے تصور کا گزر ہوا ہے۔

اس آیت کریمہ کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جس کسی کو جہنم کی آگ سے ہٹا کر جنت میں داخل نہ کیا گیا وہ کامیابی سے محروم ہو گیا۔ بلکہ ابدی شقاوت اور سردی عذاب میں مبتلا کر دیا گیا۔ نیز اس آیت کریمہ میں برزخ کی نعمتوں کی طرف ایک لطیف اشارہ ہے، لوگوں کو ان کے اعمال کا کچھ بدلہ برزخ میں بھی دیا جائے گا ان کے اعمال کے کچھ نمونے ان کے سامنے پیش کئے جائیں گے۔ یہ لطیف اشارہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے مستنبط ہوتا ہے ﴿وَإِنَّمَا نُوفِّيكَ أَجْرَ نَفْسِكَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ یعنی اعمال کی کامل جزا تو قیامت کے روز ہی ملے گی البتہ اس سے کم تر جزا برزخ میں عطا ہوگی۔ بلکہ بسا اوقات اس سے بھی پہلے کبھی کبھی یہ جزا دنیا ہی میں عطا ہو جاتی ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَلَنذِيقَنَّهُمْ مِنَ الْعَذَابِ الْأَلْوَنِ الَّذِي دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ﴾ (السجدہ: ۲۱/۳۲) ”ہم ان کو آخرت کے بڑے عذاب کے علاوہ دنیا کے عذاب کا مزہ بھی چکھائیں گے۔“

لَتُبْلَوْنَ فِيْ أَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ وَلَتَسْمَعْنَ مِنَ الَّذِينَ أَوْتُوا الْكِتَابَ

البتہ ضرور آزمائے جاؤ گے تم اپنے مالوں اور اپنی جانوں میں اور بالیقین ضرور سناؤ گے تم ان لوگوں سے جو دیئے گئے کتاب

مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيْرًا وَإِنْ تَصْبِرُوا

تم سے پہلے اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا ایذا (کی باتیں) بہت اور اگر تم صبر کرو

وَتَتَّقُوا فَإِنَّ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ ﴿١٨٦﴾

○ اور تقویٰ اختیار کرو۔ تو بلاشبہ یہ ہمت کے کاموں میں سے ہیں

اللہ تبارک و تعالیٰ اہل ایمان کو مخاطب کرتے ہوئے آگاہ فرماتا ہے کہ انہیں ان کے اموال میں اللہ کی راہ

میں واجب اور مستحب نفقات کے ذریعے سے آزما یا جائے گا اور خود ان کو ایسی جو جھل تکالیف میں مبتلا کیا جائے گا

جو اکثر لوگوں کے لئے ناقابل برداشت ہوتی ہیں مثلاً جہاد فی سبیل اللہ، جہاد میں مشقت، قتل، اسیری اور زخموں سے واسطہ پڑتا ہے اور مثلاً امراض جو خود اسے یا اس کے کسی محبوب فرد کو لاحق ہو جاتے ہیں۔

﴿وَلَتَسْمَعَنَّ مِنَ الَّذِينَ آوَتْوَا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا أَذًى كَثِيْرًا﴾ یعنی تمہیں اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے خود تمہاری ذات، تمہارے دین، تمہاری کتاب اور تمہارے رسول کے بارے میں طعنے سننے پڑیں گے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان امور کے بارے میں اپنے مومن بندوں کو آگاہ کرنے میں متعدد فوائد ہیں۔

۱۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت اس کا تقاضا کرتی ہے تاکہ مومن صادق اور دیگر لوگوں کے درمیان امتیاز واقع ہو جائے۔

۲۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے تو وہ ان کے لئے شائد اور تکالیف کو مقدر کر دیتا ہے تاکہ وہ ان کے درجات بلند کرے اور ان کی برائیوں کو مٹا دے اور تاکہ ان کے ایمان میں اضافہ ہو اور ان کے ایمان کی تکمیل ہو۔

جب اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں آگاہ فرمایا اور وہ اسی طرح واقع بھی ہوا جس طرح اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی۔ ﴿قَالُوا هَذَا أَمَّا وَعَدَنَا اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَصَدَقَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَمَا زَادَهُمْ إِلَّا إِيمَانًا وَتَسْلِيمًا﴾ (الاحزاب: ۲۲/۳۳) ”تو کہنے لگے یہ وہی ہے جس کا اللہ اور اس کے رسول نے ہمارے ساتھ وعدہ فرمایا تھا۔ اللہ اور اس کے رسول نے سچ کہا اس سے ان کے ایمان میں اضافہ اور تسلیم و رضا زیادہ ہو گئی۔“

۳۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اس کی خبر دی تاکہ ان کے نفوس اس قسم کے شائد برداشت کرنے کے لئے آمادہ ہوں اور جب سختیاں آن پڑیں تو ان پر صبر کریں۔ کیونکہ جب شائد کا مقابلہ کرنے کے لئے تیار ہوں گے تو ان کا برداشت کرنا ان کے لئے آسان ہو جائے گا اور ان کا بوجھ ہلکا لگے گا تب وہ صبر اور تقویٰ کی پناہ لیں گے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِنْ تَصْبِرُوا وَتَتَّقُوا﴾ یعنی تمہاری جان و مال میں تم جس ابتلاء و امتحان میں پڑے ہوئے ہو اور تمہیں ظالموں کی اذیتوں کا جو سامنا کرنا پڑا ہے اگر تم اس پر صبر کرو اور اس صبر میں تقویٰ کا التزام یعنی اس صبر میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے تقرب کی نیت رکھو اور اپنے صبر میں صبر کی شرعی حدود سے تجاوز نہ کرو یعنی ایسے مقام پر صبر نہ کرو جہاں صبر کرنا جائز نہ ہو بلکہ وہاں تمہارا کام اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے انتقام لینا ہو ﴿فَإِنْ ذَلِكَ مِنْ عَزْمِ الْأُمُورِ﴾ تو اس کا شمار ایسے امور میں ہوتا ہے جس پر عزم کیا جاتا ہے اور جس میں رغبت کے لئے سبقت کی جاتی ہے اور اس کی توفیق صرف انہیں عطا ہوتی ہے جو باعزم اور بلند ہمت لوگ ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا ذُو حِظٍّ عَظِيمٍ﴾ (فصلت: ۳۵/۴۱)

”یہ بات صرف ان لوگوں کو حاصل ہوتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور اس بات سے صرف وہ لوگ بہرہ ور ہوتے ہیں جو نصیب والے ہیں۔“

وَإِذَا أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْفُرُونَ ۗ

اور جب لیا اللہ نے عہد ان لوگوں سے جو دیئے گئے کتاب البتہ ضرور بیان کر دے تم اسے واسطے لوگوں کے اور نہ چھپاؤ گے اسے

فَنَبِّئُوهُمْ وَّرَاءَهُمْ ظُهُورَهُمْ وَاشْتَرُوا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبُئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿۱۸۷﴾

پس پھینک دیا انہوں نے اسے پیچھے اپنی پیٹھوں کے اور خرید لیا اس کے بدلے مول تھوڑا پس برا ہے وہ جو خریدتے ہیں

لَا تَصْبِرَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أُوتُوا وَيُجِبُونَ أَنْ يُحْصَدُوا بِمَا

نگمان کریں آپ ان لوگوں کو جو خوش ہوتے ہیں ساتھ اسکے جو انہوں نے (کرتوت) کئے اور پسند کرتے ہیں وہ یہ کہ تعریف کیے جائیں ساتھ اسکے جو

لَمْ يَفْعَلُوا ۖ فَلَا تَصْبِرَنَّهُمْ بِمَقَارِةٍ مِنَ الْعَذَابِ ۗ وَ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۸۸﴾

نہیں کیا انہوں نے، پس نہ گمان کریں آپ ان کی بابت چھوٹ جانے کا عذاب سے اور ان کے لیے عذاب ہے دردناک

﴿وَمِيثَاقٌ﴾ اس عہد کو کہتے ہیں جو بہت موکدا اور بھاری ذمہ داری کا حامل ہو۔ یہ عہد اللہ تعالیٰ نے ہر اس شخص

سے لیا ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے کتاب عطا کی اور اسے علم سے نوازا۔ اس سے یہ عہد لیا کہ لوگ اس کے علم میں سے

جس چیز کے محتاج ہوں وہ ان کے سامنے بیان کرے اور ان سے کوئی چیز نہ چھپائے اور نہ علم بیان کرنے میں مغل

سے کام لے خاص طور پر جب اس سے کوئی مسئلہ پوچھا جائے یا کوئی ایسا واقعہ پیش آجائے جو علمی راہنمائی کا

متقاضی ہو۔ پس اس صورت حال میں ہر صاحب علم پر فرض ہے کہ وہ مسئلہ کو بیان کر کے حق اور باطل کو واضح کر دے۔

اور جن لوگوں کو اللہ نے توفیق سے نوازا ہے، وہ اس ذمہ داری کو پوری طرح نبھاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو علم ان

کو عطا کیا ہے وہ اسے اللہ کی رضا کی خاطر لوگوں پر شفقت کی وجہ سے اور کتمان علم کے گناہ سے ڈرتے ہوئے

لوگوں کو سکھاتے ہیں۔

رہے وہ لوگ جن کو کتاب عطا کی گئی، یعنی یہود و نصاریٰ اور ان جیسے دیگر لوگ تو انہوں نے اس عہد اور ميثاق کو

پیٹھ پیچھے پھینک دیا اور اس ميثاق کی انہوں نے پروا نہیں کی۔ پس انہوں نے حق کو چھپا لیا اور باطل کو ظاہر کیا، حقوق

اللہ اور حقوق العباد کو حقیر سمجھتے ہوئے محرمات کے ارتکاب کی جرأت کی اور اس کتمان حق کے بدلے بہت معمولی

قیمت لی۔ وہ یہ تھی کہ انہیں کتمان حق کی بنا پر سرداری حاصل ہوئی اور ان کے گھٹیا پیروکاروں کی طرف سے جو ان

کی خواہشات کی پیروی کرتے تھے اور حق پر خواہشات کو مقدم رکھتے تھے، ان کو حقیر سے مال کے نذرانے پیش

ہوتے تھے۔

﴿فَبُئْسَ مَا يَشْتَرُونَ﴾ ”پس کتنا برا ہے جو وہ خریدتے (حاصل کرتے) ہیں،“ کیونکہ یہ خیس ترین

معاوضہ ہے جو انہوں نے حاصل کیا ہے اور جس حق کے بیان کرنے سے انہوں نے روگردانی کی، اس حق میں ان کی ابدی سعادت دینی اور دنیاوی مصالح موجود ہیں اور یہ حق سب سے بڑا اور جلیل ترین مطلوب و مقصود ہے۔ پس انہوں نے محض اپنی بدنصیبی اور ذلت کی بنا پر عالی مرتبہ دین کو چھوڑ کر گھٹیا طریق زندگی اختیار کر لیا، نیز اس لئے بھی کہ انہوں نے وہی چیز اختیار کر لی جس کے لئے وہ پیدا ہوئے تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا آتَوَاهُمْ﴾ ”آپ ان کی نسبت خیال نہ کریں جو اپنے (ناپسندیدہ) کاموں سے خوش ہوتے ہیں۔“ یعنی وہ جن فتنج امور اور قولی اور فعلی باطل کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ﴿وَيُحِبُّونَ أَنْ يُضْحَكُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا﴾ یعنی اس بھلائی کی وجہ سے ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے کبھی نہیں کی اور اس حق کی وجہ سے ان کی تعریف کی جائے جو انہوں نے کبھی نہیں بولا۔ پس انہوں نے برائی کے قول و فعل اور اس پر اظہار فرحت کو یکجا کر دیا۔ وہ چاہتے تھے کہ بھلائی کے اس کام پر ان پر تعریف کے ڈونگرے برسائے جائیں جو انہوں نے کیا ہی نہیں۔ فرمایا: ﴿فَلَا تَحْسَبَنَّاهُمْ بِمَقَارِفٍ مِنَ الْعَذَابِ﴾ یعنی وہ یہ نہ سمجھیں کہ انہیں عذاب سے نجات اور سلامتی حاصل ہوگئی ہے بلکہ وہ تو عذاب کے مستحق ہو گئے ہیں عنقریب انہیں عذاب میں ڈالا جائے گا۔ اسی لئے فرمایا ﴿وَأَلْهَمَهُمُ عَذَابَ آلِيمٍ﴾ ”ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔“

اس آیت کریمہ کی وعید میں وہ اہل کتاب شامل ہیں جو اس بات پر خوش ہیں کہ ان کے پاس علم ہے درآن حالیکہ انہوں نے رسول ﷺ کی اطاعت نہ کی اور وہ اس زعم باطل میں مبتلا رہے کہ وہ اپنے حال و مقال میں حق پر ہیں۔ اسی طرح ہر وہ شخص بھی اس وعید میں شامل ہے جو کوئی قولی یا فعلی بدعت ایجاد کرتا ہے اور اس پر خوش ہوتا ہے اور پھر اس بدعت کی طرف لوگوں کو دعوت دیتا ہے اور وہ اس بارے میں اپنے موقف کو حق اور دوسروں کے موقف کو باطل سمجھتا ہے جیسا کہ اہل بدعت کا وتیرہ ہے۔ اس آیت کریمہ کا مفہوم مخالف دلالت کرتا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ خواہش کرتا ہے کہ نیکی کے کام اور اتباع حق پر اس کی تعریف کی جائے جبکہ اس سے اس کا مقصد ریاہ اور شہرت نہ ہو تو یہ مذموم نہیں۔ بلکہ اس کا شمار تو ان امور میں ہوتا ہے جو مطلوب و مقصود ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ وہ ان نیکیوں کی بنا پر نیکوکاروں کو ان کے قول و فعل کا بدلہ دیتا ہے۔ اس نے اپنے خاص بندوں کو ان نیکیوں پر جزا سے نوازا ہے اور ان خاص بندوں نے اللہ تعالیٰ سے ان نیکیوں کا سوال کیا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی ﴿وَاجْعَلْ لِي لِسَانَ صِدْقٍ فِي الْآخِرِينَ﴾ (الشعراء: ۸۴/۲۶) ”اور پچھلے لوگوں میں میرا نیک ذکر جاری کر۔“ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿سَلِّمْ عَلٰی نُوحٍ فِي الْعَالَمِينَ﴾ (الصافات: ۸۰، ۷۹/۳۷) ”تمام جہان میں نوح پر سلام ہو۔ ہم نیکوکاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔“ ”رحمن کے بندوں نے عرض کی ﴿وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِينَ إِمَامًا﴾ (الفرقان: ۷۴/۲۵)

”اور ہمیں متقی لوگوں کا امام بنا۔“ یہ اپنے بندے پر اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے احسان کا فیضان ہے جن پر اللہ تعالیٰ کے شکر کی ضرورت ہے۔

وَاللّٰهُ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۱۸۷

اور اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور اللہ اوپر ہر چیز کے خوب قادر ہے ○
یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ تمام آسمانوں اور زمین اور ان میں موجود تمام مخلوق کا مالک ہے اور وہی اپنی قدرت کاملہ اور انوکھی ربوبیت کے ذریعے سے ان پر تصرف کرتا ہے کوئی اس کے دائرہ اختیار سے باہر نہیں اور کوئی اسے عاجز و لاچار نہیں کر سکتا۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الْاَيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولٰٓئِ

بے شک پیدائش میں آسمانوں اور زمین کی اور بدل بدل کر آنے جانے میں رات اور دن کے البتہ نشانیاں ہیں واسطے اہل

الْاَلْبَابِ ۝۱۹۰ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَمًا وَّ قَعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَّ يَتَفَكَّرُوْنَ

عقل کے ○ وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اوپر اپنے پہلوؤں کے اور غور و فکر کرتے ہیں

فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ

پیدائش میں آسمانوں اور زمین کی (اور کہتے ہیں) اے ہمارے رب! نہیں پیدا کیا تو نے یہ بے فائدہ پاک ہے تو! پس بچا تو ہمیں عذاب سے

النَّارِ ۝۱۹۱ رَبَّنَا اِنَّكَ مَنْ تَدْخِلُ النَّارَ فَقَدْ اَخْرَجْتَهُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ

آگ کے ○ اے ہمارے رب! بلاشبہ جس کو داخل کرے تو آگ میں تو یقیناً رسوا کر دیا تو نے اسے اور نہیں واسطے ظالموں کے

مِنْ اَنْصَارٍ ۝۱۹۲ رَبَّنَا اِنَّا سَبَعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ

کوئی مددگار ○ اے ہمارے رب! بلاشبہ ہم نے سنا ایک مُنَادِي کو پکارتا ہے وہ ایمان کی طرف یہ کہ ایمان لاؤ ساتھ اپنے رب کے!

فَاٰمَنَّا ۝۱۹۳ رَبَّنَا فَاعْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَ كَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا وَ تَوَفَّنَا

پس ایمان لائے ہم اے ہمارے رب! پس بخش دے واسطے ہمارے گناہ اور دور کر دے ہم سے ہماری برائیاں اور فوت کر ہمیں

مَعَ الْاَبْرَارِ ۝۱۹۴ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَاَلَّا تُخٰذِنَا

ساتھ نیک لوگوں کے ○ اے ہمارے رب! اور دے ہمیں جو وعدہ کیا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی اور نہ رسوا کرنا ہمیں

يَوْمَ الْقِيَمَةِ ۝۱۹۵ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْوَعْدَ ۝۱۹۶

دن قیامت کے۔ بلاشبہ تو نہیں خلاف ورزی کرتا وعدے کی ○

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ اخْتِلَافِ الْاَيْلِ وَ النَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولٰٓئِ الْاَلْبَابِ ﴾

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بندوں کو ترغیب دی ہے کہ وہ اس کی آیات میں غور و فکر اور اس کی مخلوق میں تدبر

کیا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد: ﴿لَاٰیٰتٍ﴾ کو مبہم رکھا ہے اور یہ نہیں فرمایا کہ فلاں معاملے میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں میں غور و فکر کرو۔ اور یہ آیات کے عموم اور ان کی کثرت پر اشارہ ہے۔ کیونکہ اس کائنات میں عجیب و غریب نشانیاں ہیں جو دیکھنے والوں کو متحیر اور غور و فکر کرنے والوں کو عاجز کر دیتی ہیں جو اہل صدق کے دلوں کو اپنی طرف کھینچ لیتی ہیں اور عقل روشن کو تمام مطالب الہیہ کی طرف متوجہ کرتی ہیں۔ یہ آیات جن تفصیلات پر مشتمل ہیں ان کو احاطہ شمار میں لانا مخلوق کے بس میں نہیں۔ البتہ مخلوق ان میں سے بعض چیزوں کا احاطہ کر سکتی ہے۔ مجمل طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کائنات کی عظمت و وسعت اور اس کی حرکت و رفتار کا ایک نظم کے تحت ہونا اس کے خالق کی عظمت پر دلالت کرتا ہے نیز اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس کا تسلط و غلبہ اور اس کی قدرت سب کو شامل ہے۔ اس کائنات کا محکم اور مضبوط انداز اس میں نئی تخلیقات اور انوکھے افعال اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کے علم کی وسعت پر دلالت کرتے ہیں نیز اس بات پر دلیل ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو اس کے صحیح مقام پر رکھا ہے۔ اس کائنات میں مخلوق کے لئے جو فوائد ہیں وہ اس حقیقت پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بہت وسیع اس کا فضل عام اس کا احسان سب کو شامل اور اس کا شکر واجب ہے۔

یہ تمام امور اس پر دلالت کرتے ہیں کہ قلب کے اپنے خالق اور پیدا کرنے والے کے ساتھ تعلق جوڑنے اور اس کی رضا کے حصول کے لئے پوری کوشش ہونی چاہئے اور اس کے ساتھ کسی ایسی ہستی کو شریک نہ ٹھہرایا جائے جو خود اپنی ذات اور زمین و آسمان میں ذرہ بھر کی بھی مالک نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان آیات کے ساتھ صرف عقل مندوں کو مخصوص کیا ہے کیونکہ یہی لوگ ان آیات سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور عقل مند لوگ ہی اپنی آنکھوں کی بجائے اپنی عقل کے ذریعے سے غور و فکر کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان عقل مند لوگوں کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ﴾ وہ اپنے تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے ہیں ﴿قِيَمًا وَّعُقُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِهِمْ﴾ یہ قلبی و قولی ذکر اور ذکر کی تمام انواع کو شامل ہے اور اس میں کھڑے ہو کر نماز پڑھنا، اگر کھڑے ہونے کی طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر اگر بیٹھنے کی طاقت نہ ہو تو لیٹ کر نماز پڑھنا بھی شامل ہے۔ نیز ﴿وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ وہ زمین و آسمان کی تخلیق پر غور و فکر کرتے یعنی ان سے ان کی تخلیق کے مقصد پر استدلال کرتے ہیں۔ نیز یہ اس بات کی دلیل ہے کہ کائنات میں غور و فکر کرنا عبادت ہے اور عارفین اولیاء اللہ کی صفت ہے۔ جب وہ اس کائنات میں غور و فکر کرتے ہیں تو انہیں اس حقیقت کی معرفت حاصل ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو عبث پیدا نہیں کیا، پس وہ پکاراٹھتے ہیں ﴿رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ﴾ تیری ذات ہر اس وصف سے پاک ہے جو تیرے جلال کے لائق نہیں، تو نے اسے حق کے ساتھ حق کے لئے بلکہ حق پر مشتمل پیدا کیا ہے۔ ﴿فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ﴾ ”پس تو ہمیں جہنم سے بچا“ بایں طور کہ ہمیں برائیوں سے بچا اور نیک اعمال کی توفیق عطا کر تا کہ اس کے ذریعے

سے ہم جہنم کی آگ سے نجات حاصل کر سکیں۔ یہ دعا جنت کے سوال کو بھی متضمن ہے۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ انہیں جہنم کے عذاب سے بچالے گا تو انہیں جنت حاصل ہو جائے گی۔ مگر جب ان کے دلوں پر خوف چھا گیا تو انہوں نے ان امور کی دعا مانگی جو ان کے لئے زیادہ اہم تھے۔

﴿رَبَّنَا إِنَّكَ مَنْ تُدْخِلُ النَّارَ فَقَدْ أَخَذْتَ بِئْتَهُ﴾ ”اے ہمارے رب! جس کو تو نے دوزخ میں ڈال دیا تو اس کو تو نے رسوا کر دیا“ یعنی اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اور اس کے اولیاء کو ناراض کرنے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اس کو رسوا کیا اور اسے فضیحت میں مبتلا کر دیا۔ جس سے نجات کی کوئی راہ ہے نہ اس سے کوئی بچانے والا ہے۔ اسی لئے فرمایا: ﴿وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ﴾ ”ظالموں کا کوئی مددگار نہ ہوگا“ جو انہیں اللہ کے عذاب سے بچاسکے۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اپنے ظلم کی وجہ سے جہنم میں داخل ہوئے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے نقل فرمایا: ﴿رَبَّنَا إِنَّا سَبَعْنَا مُنَادِيًا يُنَادِي بِلَايْمَانٍ﴾ ”اے ہمارے رب! ہم نے ایک منادی کو سنا جو ایمان لانے کی ندادیتا ہے“ ایمان کی منادی دینے والے محمد رسول اللہ ﷺ ہیں جو لوگوں کو ایمان کی دعوت دیتے ہیں اور اس کے اصول و فروع میں ان کو ترغیب دیتے ہیں ﴿فَأَمَّا﴾ پس ہم نے جلدی سے آگے بڑھ کر ان کی دعوت پر لبیک کہا۔

اس آیت کریمہ میں ان پر اللہ تعالیٰ کے احسان، اس کی نعمت پر اظہارِ فخر اور اس ایمان کو اپنے گناہوں کی بخشش اور برائیوں کو مٹانے کے لئے وسیلہ بنانے کی خبر ہے۔ کیونکہ نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ وہ ہستی جس نے انہیں ایمان سے نوازا ہے وہی انہیں کامل امان سے نوازے گی۔

﴿وَتَوْفَقْنَا مَعَ الْأَبْرَارِ﴾ ”اور ہمیں نیک لوگوں کے ساتھ موت دے“ یہ دعا اس بات کو متضمن ہے کہ نیکی کرنا اور برائی کو ترک کرنا اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہوتا ہے جس کی بنا پر بندہ ”ابرار“ میں شمار ہوتا ہے اور اس توفیق کی بنا پر نیکی کرنے اور برائی چھوڑنے پر اپنی موت تک ہمیشہ ثابت قدم رہتا ہے۔ جب انہوں نے ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ کی توفیق اور تکمیلِ نعمت کے لئے اس ایمان کو وسیلہ بنانے کا ذکر کیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے اس پر اجر و ثواب کا سوال کیا اور دعا کی کہ وہ اپنی فتح و نصرت دنیا میں غلبہ اور آخرت میں جنت اور اپنی رضا کا وہ وعدہ پورا کر دے جو اس نے اپنے نبیوں اور رسولوں کی زبانی کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا اور تضرع و زاری کو قبول فرمایا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ

پس قبول کی (دعا) ان کی ان کے رب نے یہ کہ نہیں ضائع کروں گا میں عمل کسی عمل کرنے والے کا تم میں سے مرد ہو یا عورت

بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۖ فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَ أٰخِرُجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا

بعض تمہارا بعض سے ہے (یعنی تم ایک ہی ہو) پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور نکال دیئے گئے وہ اپنے گھروں سے اور تکلیف دیئے گئے

فِي سَبِيلِي وَقُتِلُوا وَلَا كَفَرْنَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَا دُخِلَتْهُمْ جَنَّتِ

میرے راستے میں اور لڑے وہ اور قتل کر دیئے گئے وہ تو دور کر دوں گا ان سے انکی برائیاں اور یقیناً داخل کروں گا میں انکو ایسے بانوں میں
تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹﴾
کہ چلتی ہیں ان کے نیچے نہریں بطور ثواب کے اللہ کی طرف سے اور اللہ اسی کے پاس ہے اچھا ثواب ○

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعائے عبادت اور دعائے طلب (دونوں دعائیں) قبول فرمائیں اور فرمایا: ﴿أَنِّي لَا أُضِيعُ
عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ﴾ ”میں کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا، وہ مرد ہو یا عورت“
پس تمام لوگ اپنے اعمال کا پورا پورا اور وافر اجر پائیں گے۔۔۔ تم میں سے تمام لوگ (خواہ مرد ہوں یا عورت)
ثواب اور عقاب میں مساوی ہیں۔

﴿فَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَأُخْرِجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ وَأُوذُوا فِي سَبِيلِي وَقُتِلُوا﴾ ”وہ لوگ جنہوں نے ہجرت
کی اور اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے اور جنہیں میری راہ میں ایذا دی گئی اور جنہوں نے جہاد کیا اور شہید کر
دیئے گئے“ پس انہوں نے ایمان ہجرت اور اپنے رب کی رضا کی خاطر اپنے وطن اور مال و متاع جیسی محبوب چیزوں
سے مفارقت کو جمع کر دیا نیز انہوں نے اللہ کے راستے میں جہاد کیا۔ ﴿لَا كَفَرْنَ عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَا دُخِلَتْهُمْ
جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ﴾ ”میں بالضرور ان کی برائیاں ان سے دور کروں گا اور
بالضرور انہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں بدلہ اللہ کی طرف سے“ جو اپنے بندے کو اس
کے بہت تھوڑے سے عمل پر بہت زیادہ ثواب عطا کرتا ہے ﴿وَاللَّهُ عِنْدَهُ حُسْنُ الثَّوَابِ﴾ ”اور اللہ کے پاس
ہی بہترین اجر و ثواب ہے“ ایسا ثواب جو کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں
اس کے تصور کا گزر ہوا ہے۔ پس جو کوئی اس ثواب کے حصول کا ارادہ رکھتا ہے وہ حسب استطاعت اللہ تعالیٰ کی
اطاعت اور اس کے تقرب کے ذریعے اس سے یہ ثواب طلب کرے۔

لَا يَغْرُوكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿۱۹﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَا لَهُمْ

نہ دھوکے میں ڈالے آپ کو چلنا پھرنا ان لوگوں کا جنہوں نے کفر کیا شہروں میں ○ (یہ) فائدہ ہے تھوڑا سا پھر ٹھکانا ان کا

جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْبِهَادُ ﴿۲۰﴾ لَكِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّتٌ تَجْرِي

جہنم ہے اور برا بچھونا ہے (وہ) ○ لیکن وہ لوگ جو ڈر گئے اپنے رب سے ان کے لیے باغ ہیں چلتی ہیں

مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خُلْدِيْنَ فِيهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ

ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں بطور مہمان نوازی کے اللہ کے پاس سے

وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلَّابْرَارِ ﴿۲۱﴾

اور جو پاس ہے اللہ کے وہ بہتر ہے واسطے نیک لوگوں کے ○

اس آیت کریمہ میں اہل ایمان کو اس بارے میں تسلی دینا مقصود ہے کہ کفار کو جو دنیا کی نعمتیں، دنیا کی متاع، شہروں پران کا تصرف، مختلف قسم کی تجارتیں، مکاسب، انواع و اقسام کی لذات، اقتدار کی مختلف صورتیں اور بعض اوقات اہل ایمان پران کا غلبہ یہ تمام چیزیں ﴿مَتَاعٌ قَلِيلٌ﴾ ”بہت ہی تھوڑا فائدہ ہے“ بے ثبات ہیں باقی رہنے والی نہیں ہیں۔ بلکہ حقیقت حال یہ ہے کہ وہ اس متاعِ قلیل سے بہت تھوڑا فائدہ اٹھائیں گے اور اس کی وجہ سے بہت ہی طویل عذاب بھگتیں گے۔ یہ کافر کی بلند ترین حالت ہے اور آپ نے دیکھ لیا ہے کہ اس کا ٹھکانا کیا ہوگا اور جو لوگ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے اور اس پر ایمان رکھتے ہیں انہیں دنیا کی عزت اور دنیا کی نعمتوں کے حصول کے ساتھ ساتھ ﴿لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا﴾ ”ان کے لئے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہوں گی ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔“

اگر یہ مقدر کر لیا جائے کہ انہیں دنیا میں ہر قسم کی تکلیف، شدت، عناد اور مشقت کا سامنا کرنا پڑا تو یہ جنت میں ہمیشہ رہنے والی نعمتیں، کدورتوں سے سلامت زندگی، بے پایاں مسرت، خوشی اور تروتازگی کے مقابلے میں کچھ بھی نہیں۔ یہ تو محنت کی صورت میں نوازش ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِّلَّذَّابِرِ﴾ ”اور جو اللہ کے پاس ہے وہ ابرار کے لئے بہتر ہے“ اور (اسرار) وہ لوگ ہیں جن کے دل پاک اور اطاعت گزار ہوں اور ان کے اقوال و افعال بھی نیک ہوں۔ پس بھلائی کرنے والا اللہ مہربان اپنی عنایت سے انہیں اجر عظیم، بہت بڑی عطا و بخشش اور دائمی فوز و فلاح عطا کرے گا۔

وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ خُشِعِينَ لِلَّهِ لَا يَشْتُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ انْكَرُفٌ جَمَلَةٌ وَالَّذِينَ هُمْ مِنْهُ سَاهُونَ وَالَّذِينَ هُمْ مِنْهُ سَاهُونَ وَالَّذِينَ هُمْ مِنْهُ سَاهُونَ

عِنْدَ رَبِّهِمْ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿١٩٩﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا

زردیک ان کے رب کے بلاشبہ اللہ جلد لینے والا ہے حساب ○ اے لوگو جو ایمان لائے ہو! صبر کرو

وَصَابِرُوا وَرَابِطُوا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٢٠٠﴾

اور ڈٹے رہو اور کمر بستہ رہو اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم فلاح پاؤ ○

یعنی اہل کتاب میں کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنہیں بھلائی کی توفیق عطا کی گئی ہے جو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو تم پر نازل کی گئی اور اس پر بھی جو ان کی طرف نازل کی گئی اور یہی وہ ایمان ہے جو نفع پہنچاتا ہے اور اس شخص کے ایمان کی مانند نہیں جو بعض رسولوں اور کتابوں پر ایمان لاتا ہے اور بعض

کا انکار کرتا ہے۔ بنا بریں چونکہ ان کا ایمان عام اور حقیقت پر مبنی ہے اس لئے یہ نفع پہنچانے والا ہے یہ ایمان ان کے دلوں میں خشیت الہی اور اللہ تعالیٰ کے جلال کے سامنے خشوع و خضوع پیدا کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی پر عمل کرنے اور اس کی مقرر کردہ حدود پر رک جانے کا موجب ہے۔ یہی لوگ درحقیقت اہل کتاب اور اہل علم ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ (فاطر: ۲۸/۳۵) ”اللہ تعالیٰ سے تو اس کے بندوں میں سے صرف وہی لوگ ڈرتے ہیں جو علم رکھتے ہیں۔“ اور کامل خشیت الہی یہ ہے کہ ﴿لَا يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ كَمَنَّا قَلِيلًا﴾ ”وہ اللہ کی آیات کو معمولی قیمت پر نہیں بیچتے، پس دین پر دنیا کو ترجیح نہیں دیتے، جیسا کہ اہل انحراف کا دتیرہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت کو چھپاتے ہیں اور اس کے بدلے بہت معمولی قیمت حاصل کرتے ہیں۔ لیکن یہ اہل کتاب، تو انہوں نے معاملے کی حقیقت کو پہچان لیا ہے اور انہیں معلوم ہو گیا ہے کہ دین سے کم تر چیز پر راضی ہونا، نفس کے بعض سفلی حظوظ کے ساتھ ٹھہرنا اور حق کو ترک کرنا جو دنیا و آخرت میں سب سے بڑا حظ اور فوز و فلاح کا ضامن ہے..... سب سے بڑا خسارہ ہے، اس لئے وہ حق کو مقدم رکھتے ہیں، اس کو بیان کرتے ہیں اور اس کی طرف دعوت دیتے ہیں اور باطل سے ڈراتے اور بچاتے ہیں۔

اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ بدلہ دیا ہے کہ اس نے ان کے لئے اجر عظیم اور ثواب جمیل کا وعدہ کیا ہے اور اپنے قرب کی خبر دی ہے نیز آگاہ فرمایا ہے کہ وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان سے جو وعدہ کیا ہے اس میں دیر نہ سمجھیں یہ وعدہ پورا ہونے والا ہے اور اس کا حصول متحقق ہو چکا ہے۔ پس یہ وعدہ بہت قریب ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اس چیز کی ترغیب دی ہے جو انہیں فوز و فلاح کی منزل پر پہنچاتی ہے۔ اور وہ ہے سعادت اور کامیابی۔ اس سعادت تک پہنچانے والا راستہ صبر کا التزام ہے اور صبر کیا ہے؟ نفس انسانی کو ایسی چیز پر روک رکھنا جو اس کو ناپسند ہو جیسے گناہ کا چھوڑ دینا، مصائب پر صبر کرنا اور نفوس کو ان پر گراں گزرنے والے اوامر پر روک رکھنا۔ اللہ تعالیٰ نے مذکورہ تمام امور پر صبر کرنے کا حکم دیا ہے۔

(مصاہرہ) صبر کے دائمی اور مسلسل التزام اور تمام احوال میں دشمن کا مقابلہ کرنے کا نام ہے۔

(مرا بطة) سے مراد اس مقام پر جسے رہنا جہاں سے دشمن کے آنے کا خطرہ ہو۔ نیز یہ کہ اہل ایمان دشمنوں سے ہوشیار رہیں اور ان کو اپنا مقصد حاصل نہ کرنے دیں۔۔۔۔۔ شاید وہ فلاح پالیں یعنی دینی دنیاوی اور اخروی محبوب شے کے حاصل کرنے میں وہ کامیاب ہو جائیں اور اسی طرح ناپسندیدہ چیزوں سے نجات پالیں۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ صرف صبر پر دوام اور دشمن سے ہمیشہ ہوشیار رہنا ہی فلاح کا راستہ ہے۔ جس کسی نے فلاح پائی تو اسی راستہ پر چل کر فلاح پائی اور جو کوئی اس فلاح سے محروم ہوا تو ان تمام امور کو یا ان میں سے بعض کو ترک کر کے محروم ہوا۔ واللہ الموفق ولا حول ولا قوة الا بہ۔

تفسیر سورۃ النساء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اللہ کے نام سے، اشرع ابو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے

سُورَةُ النَّاسِ
(۱۱۱) مَكِّيَّةٌ

۱۵۶ آیات
۲۳ ذُکُورًا

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا
اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے وہ جس نے پیدا کیا تمہیں ایک جان سے اور پیدا کیا اسی سے
زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَاءً ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ
اس کا جوڑا اور پھیلائے ان دونوں سے مرد کثرت سے اور عورتیں۔ اور ڈرو اللہ سے وہ کہ سوال کرتے ہو تم آپس میں اسکے واسطے سے
وَالْأَرْحَامَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيبًا ۝۱

اور (ڈرو) رشتوں (کے توڑنے) سے۔ بلاشبہ اللہ ہے اوپر تمہارے نگہبان ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس سورت کا افتتاح تقویٰ کے حکم اپنی عبادت کی تاکید اور صلہ رحمی کے حکم اور اس کی تاکید سے کیا ہے۔ اور ان اسباب کو بیان کیا ہے جو ان تمام امور کے موجب ہیں اور تقویٰ کا موجب یہ ہے ﴿رَبِّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ﴾ ”وہ تمہارا رب ہے جس نے تمہیں پیدا کیا“ تمہیں رزق عطا کیا اور بڑی بڑی نعمتوں کے ذریعے سے تمہاری تربیت کی اور ان جملہ نعمتوں میں سے ایک نعمت یہ ہے کہ اس نے تمہیں پیدا کیا ﴿مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ ”ایک ہی جان سے اور اس سے اس کا جوڑا پیدا کیا“ تاکہ وہ اس کے مشابہہ اور مناسب ہو اور اسے اس کے پاس سکون حاصل ہو اس سے اللہ تعالیٰ کی نعمت کی تکمیل ہو اور اس سے فرحت و سرور حاصل ہو۔ اسی طرح تقویٰ کا موجب اور اس کا داعی اس کے نام پر تمہارا ایک دوسرے سے سوال کرنا اور تمہارا تعظیم کرنا ہے۔ حتیٰ کہ جب تم اپنی کوئی ضرورت پوری کرنا چاہتے ہو تو تم اپنے سوال میں اس کا وسیلہ اختیار کرتے ہو۔

پس جو کوئی دوسرے کے لئے یہ چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے ”میں اللہ کے نام پر تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ تو فلاں کام کر“ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اس کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت جاگزیں ہے جو اس بات کی متقاضی ہے کہ وہ کسی ایسے شخص کو رد نہ کرے جو اللہ تعالیٰ کے نام پر سوال کرتا ہے جیسا کہ تم نے اس کی اس ذریعے سے تعظیم کی ہے پس تمہیں چاہئے کہ تم اس کی عبادت اور تقویٰ کے ذریعے سے اس کی تعظیم کرو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے یہ بھی آگاہ فرمایا ہے کہ وہ نگہبان ہے وہ بندوں کی حرکات و سکنات ان کے کھلے چھپے تمام احوال میں ان کی خبر رکھتا ہے اور ان احوال میں ان کا نگہبان ہے اللہ تعالیٰ کا نگہبان ہونا جن امور کا موجب بنتا ہے ان میں تقویٰ کے التزام کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ سے حیا کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس خبر میں کہ اس نے انہیں ایک جان سے تخلیق کیا ہے اور

اس نے ان کو روئے زمین کے کناروں تک پھیلا یا جبکہ وہ ایک ہی اصل کی طرف لوٹتے ہیں۔۔۔ مقصد یہ ہے کہ بندے ایک دوسرے کے ساتھ مہربانی اور نرمی کے ساتھ پیش آیا کریں۔

اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کا حکم صلہ رحمی کے حکم اور قطع رحمی کی ممانعت کے ساتھ ملا کر بیان فرمایا تاکہ یہ حق موکد ہو جائے۔ یعنی جس طرح حقوق اللہ کو قائم کرنا لازم ہے اسی طرح حقوق العباد کو قائم کرنا بھی لازم ہے۔ خاص طور پر رشتہ داروں کے حقوق کا خیال رکھنا نہایت ضروری ہے۔ بلکہ رشتہ داروں کے حقوق کو قائم کرنا تو حقوق اللہ میں شمار ہوتا ہے جن کو قائم کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ غور کیجئے کہ اللہ نے کیسے اس سورت کا افتتاح تقویٰ کے اختیار کرنے صلہ رحمی اور عمومی طور پر بیویوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے حکم کے ساتھ کیا پھر اس کے بعد اس سورت میں اس کی ابتدا سے لے کر انتہا تک ان تمام امور کی پوری تفصیلات بیان ہوئی ہیں گویا یہ سورہ مبارکہ مذکورہ امور کی ان تفصیلات کو بیان کرتی ہے جن کو مجمل رکھا گیا تھا اور ان امور کو واضح کرتی ہے جو مبہم تھے۔

اللہ تبارک کے ارشاد ﴿وَوَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ اور پیدا کیا اس سے اس کا جوڑا، میں شوہروں اور بیویوں کے حقوق کی مراعات پر تنبیہ ہے اور ان کو قائم کرنے کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ بیویاں بھی شوہروں ہی کی صلب سے پیدا کی گئی ہیں۔ پس شوہروں اور بیویوں کے درمیان قریب ترین نسب مضبوط ترین اتصال اور نہایت قوی رشتہ ہے۔

وَآتُوا الْيَتَامَىٰ أَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا الْخَيْثَ بِالطَّيِّبِ وَلَا تَأْكُلُوا
اور دو تم یتیموں کو ان کے مال اور نہ بدل کر لو تم ناپاک کو پاک کے عوض، اور نہ کھاؤ تم

أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ ۚ إِنَّهُ كَانَ حُوبًا كَبِيرًا ۝

ان کے مال ساتھ (ملا کر) اپنے مالوں کے بلاشبہ یہ ہے گناہ بہت بڑا ○

اس سورہ مبارکہ میں جن حقوق العباد کی تاکید کی گئی ہے، یہ ان میں سے پہلا حکم ہے اور وہ یتیم بچے ہیں جن کے باپ فوت ہو گئے ہیں جو ان کی کفالت کیا کرتے تھے۔ وہ بہت چھوٹے اور نہایت کمزور ہیں اپنے مصالح کی خود دیکھ بھال نہیں کر سکتے۔ بنا بریں اللہ رؤف ورحیم نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ان یتیموں کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ ان کے مال کے قریب نہ جائیں مگر بھلے طریقے سے۔ اور جب یہ بالغ اور سمجھ دار ہو جائیں تو ان کا پورے کا پورا مال ان کے حوالے کر دیں۔ ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا الْخَيْثَ﴾ اور بدل نہ لو خبیث مال کو، خبیث سے مراد ناحق یتیم کا مال کھانا ہے ﴿بِالطَّيِّبِ﴾ طیب مال سے مراد حلال مال ہے جس میں کوئی حرج ہے نہ تاوان ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ﴾ یعنی تم اپنے اموال کے ساتھ ان کے اموال نہ کھاؤ۔

اس آیت کریمہ میں یتیموں کا مال کھانے کی قباحت پر دلیل ہے۔ اس حال میں جبکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے خود اس کے مال میں رزق عطا کیا ہوتا ہے اور وہ اپنے مال کی وجہ سے یتیم کے مال سے مستغنی ہوتا ہے اور جو کوئی

اس حال میں یتیم کا مال کھانے کی جرأت کرتا ہے تو وہ بہت بڑے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے ﴿حُبًّا كَبِيرًا﴾ یعنی گناہ عظیم اور بہت بڑا بوجھ۔

خبیث کو طیب سے بدلنا یہ ہے کہ یتیم کا سرپرست یتیم کا نفیس مال خود رکھ لے اور اس کے بدلے میں اپنا گھٹیا مال یتیم کو دے دے۔ اس آیت کریمہ میں یتیم کی سرپرستی کی دلیل ہے۔ کیونکہ یتیم کو اس کا مال حوالے کرنے والے کی سرپرستی ثابت ہوتی ہے۔ اس میں اس بات کا بھی حکم ہے کہ یتیم کے مال کی اصلاح کی جائے کیونکہ یتیم کو اس کا پورا مال حوالے کرنے کے حکم میں از خود یہ بات آجاتی ہے کہ اس مال کی حفاظت کی جائے اس کی اصلاح اور نشوونما کا انتظام کیا جائے اور اس کو تلف ہونے کے خطرات سے بچایا جائے۔

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنِي
اور اگر ڈرتے ہو کہ نہ انصاف کر سکو گے تم یتیم عورتوں کے بارے میں تو (انکی بجائے) نکاح کرو تم (ان سے) جو اچھی لگیں تمہیں عورتوں سے دو دو
وثلث وربع ۵ فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً أَوْ مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ط
اور تین تین اور چار چار۔ پس اگر ڈرتے ہو اس بات سے کہ نہ انصاف کر سکو گے تم تو (نکاح کرو) ایک ہی سے یا جس کے مالک ہوئے تمہارے دائیں ہاتھ۔
ذَلِكَ أَدْنَىٰ أَلَّا تَعْوِلُوا ۖ وَأَتُوا النِّسَاءَ صَدُقَاتِهِنَّ نِحْلَةً ط فَإِنْ طَبْنَ لَكُمْ
یہ زیادہ قریب ہے اس کے کہ نہ انصافی کرو تم ۷ اور دو تم عورتوں کو مہر ان کے خوش دلی سے پس اگر وہ خوشی سے دیں تم کو

عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوهُ هَنِيئًا مَّرِيئًا ۝

کچھ اس میں سے دل سے، تو کھا لو تم اسے رچتا پچتا ۸

یعنی اگر تمہیں اس بات کا خدشہ ہے کہ تم ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف نہیں کر سکو گے جو تمہاری پرورش اور سرپرستی میں ہیں اور تمہیں ڈر ہے کہ ان کے ساتھ تمہاری محبت نہ ہونے کی وجہ سے تم ان کے حقوق ادا نہ کر سکو گے۔ تو تم ان کے علاوہ دوسری عورتوں کے ساتھ نکاح کر لو ﴿مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ ”عورتوں میں سے جو تمہیں اچھی لگیں“، یعنی دین، مال، حسب و نسب اور حسن و جمال جیسی دیگر صفات جو نکاح کی ترغیب دیتی ہیں، ان صفات کی حامل عورتوں میں سے جس کیساتھ نکاح کرنے کا اختیار حاصل ہو اپنی خواہش اور صوابدید کے مطابق نکاح کر لو۔ نکاح کے انتخاب کے لئے بہترین صفت دین ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”عورت سے چار صفات کی بنا پر نکاح کیا جاتا ہے، اس کے مال، اس کے حسن و جمال، اس کے حسب و نسب اور اس کے دین کی وجہ سے، تیرے ہاتھ خاک آلودہ ہوں تو دین دار عورت سے نکاح کرنے کی کوشش کرو“ ①

اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ نکاح سے قبل عورت کو منتخب کر لے۔ بلکہ شارع نے تو یہاں تک مباح کیا ہے کہ انسان جس عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہے اسے ایک نظر دیکھ

① صحیح البخاری، النکاح، باب الاكفاء في الدين، ج: ۵۰۹۰ و صحیح مسلم، النکاح، باب استحباب..... ح: ۱۴۶۶۔

لے تاکہ یہ نکاح بصیرت کی بنیاد پر ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے عورتوں کی تعداد کا ذکر کیا ہے جن کے ساتھ نکاح کرنا مباح ہے چنانچہ فرمایا: ﴿مَثْنَىٰ وَثُلَّةٌ وَرُبْعٌ﴾ ”دو دو“ تین تین اور چار چار“ یعنی جو کوئی دو بیویاں رکھنا چاہتا ہے وہ دو بیویاں رکھ لے اگر تین بیویوں سے یا چار بیویوں سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو تین یا چار سے نکاح کر لے۔ البتہ چار سے زیادہ عورتوں سے نکاح نہ کرے کیونکہ آیت کریمہ کا سیاق اللہ تعالیٰ کے احسان کو بیان کرنے کے لئے ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے جو عدد مقرر کر دیا ہے بالاتفاق اس سے زیادہ بیویاں جائز نہیں۔ ایک سے زیادہ بیوی کی اجازت کی وجہ یہ ہے کہ بسا اوقات مرد کی شہوت ایک بیوی سے پوری نہیں ہوتی اس لئے یکے بعد دیگرے چار بیویاں جائز ہیں کیونکہ شاذ اور نادر صورت کے سوا چار بیویاں کافی ہوتی ہیں۔ یہ چار بیویاں بھی مرد کے لئے صرف اس وقت جائز ہیں جب وہ ظلم و جور کرنے سے محفوظ ہو اور اسے یقین ہو کہ وہ چار بیویوں کے حقوق پورے کر سکے گا اور اگر اسے ظلم و زیادتی اور حقوق کی عدم ادائیگی کا خدشہ ہو تو اسے صرف ایک ہی بیوی پر اکتفا کرنا چاہئے۔ یا اس کے ساتھ لونڈیوں پر اکتفا کرے۔ لونڈیوں میں وظیفہ زن و شوکی مساوی تقسیم واجب نہیں۔

﴿ذٰلِكَ﴾ ”یہ“ یعنی ایک بیوی یا لونڈیوں پر اکتفا کرنا ﴿اٰذٰنٰی اَلَا تَعُوْلُوْا﴾ ”اس بات کے زیادہ قریب ہے کہ تم ظلم نہ کرو۔“ اس آیت کریمہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر بندے کو کوئی ایسا معاملہ پیش آ جائے جہاں اس سے ظلم و جور کے ارتکاب کا خدشہ ہو اور اسے اس بات کا خوف ہو کہ وہ اس معاملے کے حقوق پورے نہیں کر سکے گا۔ خواہ یہ معاملہ مباحات کے زمرے میں کیوں نہ آتا ہو تو اس کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ اس معاملے میں کوئی تعرض کرے۔ بلکہ وہ اس میں بچاؤ اور عافیت کا التزام کرے۔ کیونکہ عافیت بہترین چیز ہے جو بندے کو عطا کی گئی ہے۔ چونکہ اکثر لوگ اپنی بیویوں پر ظلم کرتے ہیں اور ان کے حقوق غصب کر لیتے ہیں۔ خاص طور پر حق مہر (اکثر) بہت زیادہ ہوتا ہے یہ مہر ایک ہی بار پورے کا پورا ادا کرنا باعث مشقت ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا اور ان کو تاکید کی کہ وہ اپنی بیویوں کو مہر ادا کریں ﴿صَدَقْتِهِنَّ﴾ یعنی ان کے مہر ﴿زِحْلَةً﴾ یعنی ان کا مہر خوش دلی اور اطمینان قلب کے ساتھ ادا کرو۔ مہر ادا کرنے میں ٹال مٹول نہ کرو اور اسے ادا کرتے وقت اس میں کچھ کم نہ کرو۔ اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر عورت مکلف (یعنی بالغ اور عاقل) ہو تو مہر اس کو ادا کر دیا جائے گا اور عقد کے موقع پر عورت مہر کی مالک بن جاتی ہے۔ کیونکہ حق مہر کی اضافت اس کی طرف جاتی ہے اور اضافت تملیک کا تقاضا کرتی ہے۔ ﴿فَاِنْ طَبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِّنْهُ﴾ اگر وہ خود اپنی خوشی سے اس میں سے کچھ چھوڑ دیں“ یعنی حق مہر سے ﴿نَفْسًا﴾ یعنی اگر بیویاں برضا و رغبت مہر کا کچھ حصہ چھوڑ کر یا ادائیگی میں مہلت دے کر یا مہر کا کوئی عوض قبول کر کے شوہروں کے ساتھ نرمی کرتی ہیں ﴿فَلَكُمْوْهُنَّ مَرِيَاتًا﴾ ”تو کھاؤ تم اس کو

ذوق شوق سے، یعنی اس صورت میں تمہارے لئے کوئی حرج اور کوئی نقصان نہیں۔

اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ عورت بالغ اور عاقل ہے تو اپنے مال میں تصرف کا پورا اختیار رکھتی ہے۔ خواہ وہ صدقہ ہی کیوں نہ کر دے۔ لیکن اگر بالغ اور عاقل نہیں ہے تو اس کے عطیہ کا حکم معتبر نہیں نیز عورت کا سرپرست اس مہر میں سے کچھ حصہ لینے کا حق دار نہیں سوائے اس کے کہ عورت برضا و رغبت خود اسے کچھ عطا کر دے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿فَاتَّخِذُوا مَا طَابَ لَكُمْ مِنَ النِّسَاءِ﴾ میں اس بات کی دلیل ہے کہ خبیث یعنی ناپاک عورت سے نکاح مامور نہیں بلکہ خبیث عورتوں سے نکاح کرنا منع ہے مثلاً مشرک اور فاسق و فاجر عورت سے۔۔۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوْا﴾ (البقرة: ۲۲۱/۲) ”مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں“۔ اور فرمایا: ﴿وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحَهَا اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِكٌ﴾ (النور: ۳۱/۲) ”بدکار عورت کے ساتھ ایک زانی اور مشرک مرد کے سوا کوئی نکاح نہیں کرتا“۔

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيَمًا وَّارْزُقُوهُمْ فِيْهَا
اور نہ دو تم بے وقوفوں کو اپنے مال وہ جن کو بنایا ہے اللہ نے تمہارے لیے گزران کا سبب اور کھلاؤ تم ان کو اس میں سے

وَ اَكْسُوهُمْ وَّقُولُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ﴿۵﴾

اور پہناؤ ان کو اور کہو ان سے بات معقول ○

﴿السُّفَهَاءُ﴾ (سفیہ) کی جمع ہے اور (سفیہ) ایسے شخص کو کہا جاتا ہے جو بے عقل ہونے مثلاً پاگل وغیرہ یا عدم بلوغت جیسے چھوٹا بچہ اور بے سمجھ وغیرہ ہونے کی وجہ سے اپنے مال میں تصرف اور دیکھ بھال کی اہلیت سے محروم ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے ایسے بے عقل لوگوں کے سرپرستوں کو اس ڈر سے ان کا مال ان کے حوالے کرنے سے روک دیا ہے کہ ایسا نہ ہو کہ وہ اس کو خراب یا تلف کر دیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مال کو اپنے بندوں کے دینی اور دنیاوی مفادات و مصالح کی دیکھ بھال کے لئے بنایا ہے اور یہ بے سمجھ لوگ اس مال کی دیکھ بھال اور اس کی حفاظت سے قاصر ہیں۔ بنا بریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے سرپرست کو حکم دیا ہے کہ وہ مال ان بے سمجھ لوگوں کے حوالے نہ کرے بلکہ وہ اس مال میں سے ان کے کھانے پینے اور کپڑے لٹے کا انتظام کرے اور جو ان کی دینی اور دنیاوی ضروریات ہیں ان میں خرچ کرے اور ان سے اچھی بات ہی کہے۔ یعنی جب وہ اپنے مال کا مطالبہ کریں تو وہ ان سے وعدہ کرے کہ وہ ان کے بالغ اور عاقل ہو جانے کے بعد ان کا مال ان کو لوٹا دے گا اور ان کی دل جوئی کی خاطر ان سے نرم مقامی سے پیش آئے۔

اللہ تعالیٰ کا ان اموال کو سرپرستوں کی طرف مضاف کرنا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان بے سمجھ لوگوں

کے مال کا اس طرح انتظام کرنا ان پر فرض ہے جس طرح وہ اپنے مال کا انتظام کرتے ہیں مثلاً مال کی حفاظت اس میں تصرف اور اس مال کو خطرات سے بچانا وغیرہ۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ پاگل نابالغ اور بے عقل جب مال کے مالک ہوں تو ان پر انہی کے مال میں سے اخراجات کئے جائیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَارْزُقُوهُمْ فِيهَا وَاكْسُوهُمْ﴾ ”اس مال میں سے ان کو کھلاتے اور پہناتے رہو۔“ نیز اس میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ کھانے پینے اور لباس وغیرہ کے ممکن حد تک اخراجات میں سرپرست کا قول اور اس کا دعویٰ قابل قبول ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان بے سمجھ لوگوں کے مال پر امین مقرر کیا ہے اور امین کا قول قابل قبول ہے۔

وَابْتَلُوا الْيَتَامَىٰ حَتَّىٰ إِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۖ فَإِنْ أَنْتُمْ مِنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ ۖ وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا ۗ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۖ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهَدُوا عَلَيْهِمْ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ﴿٥﴾

اور جانچ پرکھ کر تم یتیموں کی یہاں تک کہ جب پہنچ جائیں وہ نکاح (کی عمر) کو پھر اگر پاؤ تم ان میں سمجھ داری تو سوئپ دو طرف ان کے مال اور نہ کھاؤ تم انکو حد سے بڑھ کر اور جلدی کرتے ہوئے اس سے کہ وہ (یتیم) بڑے ہو جائیں گے اور جو مال وازر فلیستعفف ۖ ومن كان فقيراً فليأكل بالمعروف ۗ فإذا دفعتم إليهم أموالهم فأشهدوا عليهم ۗ وكفى بالله حسيباً ﴿٥﴾

تو چاہیے کہ بچے اور جو ہو فقیر تو چاہیے کہ کھالے وہ موافق دستور کے۔ پس جب سوئپو تم ان کو

ان کے مال تو گواہ ٹھہرا لو ان پر اور کافی ہے اللہ خوب حساب لینے والا ○

یہاں (ابتلاء) سے مراد آزمائش و امتحان ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ اس قریبی یتیم کو جس کے بارے میں توقع ہے کہ وہ اب سمجھ دار ہو گیا ہے اس کے مال میں سے کچھ مال دے دیا جائے وہ اپنے لائق حال اس میں تصرف کرے اس طرح اس کی سمجھ داری واضح ہو جائے گی۔ اگر وہ اپنے تصرف میں مسلسل ناتجہی کا ثبوت دے رہا ہو تو مال اس کے حوالے نہ کیا جائے اور اسے نا سمجھ ہی سمجھا جائے خواہ وہ بہت بڑی عمر کو کیوں نہ پہنچ جائے۔ پھر جب اس کی سمجھ داری اور صلاحیت واضح ہو جائے اور وہ نکاح کی عمر کو پہنچ جائے ﴿فَادْفَعُوا إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ﴾ ”تو ان کا مال (پورے کا پورا) ان کے حوالے کر دو“ ﴿وَلَا تَأْكُلُوهَا إِسْرَافًا﴾ ”اور اس (مال) کو فضول خرچی سے نہ کھاؤ“ یعنی اس حد سے تجاوز کر کے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے مال میں سے حلال ٹھہرایا ہے ان کے مال میں نہ جاؤ جس کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حرام ٹھہرایا ہے ﴿وَبِدَارًا أَنْ يَكْبَرُوا﴾ ”اور ان کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے“ یعنی ان کی صغر سنی میں ان کا مال نہ کھاؤ جس عمر میں وہ تم سے اپنا مال واپس لینے پر قادر نہیں ہیں اور نہ تمہیں مال کھانے سے منع کر سکتے ہیں۔ تم جلدی جلدی مال کھاتے رہو کہ وہ بڑے ہو کر تم سے مال لے لیں گے اور ناحق مال کھانے سے منع کر دیں گے۔

یہ امور فی الواقع بہت سے سرپرستوں سے پیش آتے رہتے ہیں جن کے دل اللہ تعالیٰ کے خوف اور زیر سرپرستی بے سمجھ لوگوں کی محبت اور ان پر رحم سے خالی ہوتے ہیں چنانچہ اس مال کو وہ غنیمت سمجھتے ہیں اور جلدی جلدی وہ مال کھانے کی کوشش کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے حرام ٹھہرایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر اس حال میں مال کھانے سے روکا ہے۔

لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ

مردوں کیلئے حصہ ہے اس میں سے جو چھوڑ جائیں ماں باپ اور قرابت دار اور عورتوں کیلئے بھی حصہ ہے اس سے جو چھوڑ جائیں

الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ ۖ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا ﴿۴﴾

ماں باپ اور قرابت دار اس (متردک) سے کہ تھوڑا ہو یا زیادہ اس حال میں کہ وہ حصہ ہے مقرر کیا ہوا

زمانہ جاہلیت میں عرب اپنی جاہریت اور قساوت قلبی کی وجہ سے کمزوروں یعنی عورتوں اور بچوں کو وراثت میں حصہ نہیں دیتے تھے۔ وہ صرف طاقتور مردوں کو میراث دیا کرتے تھے ان کے زعم کے مطابق یہ لوگ جنگ و جدل اور لوٹ مار میں حصہ لینے کے قابل تھے۔ پس حکمت والے رب رحیم نے ارادہ فرمایا کہ اپنے بندوں کے لئے وراثت کا ایسا قانون بنا دے جس میں ان کے مرد اور عورتیں طاقتور اور کمزور سب مساوی ہوں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس قانون کو بیان کرنے سے پہلے ایک مجمل حکم بیان کیا تا کہ نفوس اس قانون میراث کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ جب نفوس اس کو قبول کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور وہ وحشت زائل ہو گئی جس کا سبب بری عادات تھیں تو اس اجمال کی تفصیل آ گئی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لِّلرِّجَالِ نَصِيبٌ﴾ یعنی مردوں کے لئے حصہ ہے ﴿مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ﴾ یعنی ان میں سے جو کچھ ماں اور باپ پیچھے (ترکہ میں) چھوڑ جاتے ہیں ﴿وَالْأَقْرَبُونَ﴾ ”اور رشتہ دار“ یعنی خاص کے بعد عام کا ذکر کیا ہے ﴿وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبُونَ﴾ ”اور عورتوں کے لئے بھی اس ترکہ میں سے حصہ ہے جو والدین اور دیگر اقارب چھوڑ کر فوت ہوتے ہیں“ گویا کہ سوال کیا گیا کہ یہ حصہ عرف عام اور عادت کی طرف راجع ہے اور لوگ جو چاہیں وراثت کو دے دیں؟ یا میراث کے حصے مقرر شدہ ہیں؟ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿نَصِيبًا مَّفْرُوضًا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو علم اور حکمت والا ہے ہر ایک کا حصہ مقرر کر دیا ہے۔ ان مقرر کردہ حصوں کا ان شاء اللہ عنقریب ذکر آئے گا۔

یہاں ایک اور وہم کا خدشہ ہے شاید کوئی سمجھے کہ عورتوں اور بچوں کو صرف مال کثیر کی صورت میں حصہ ملے گا اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعے سے اس وہم کا ازالہ کر دیا ﴿مِمَّا قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ﴾ ”خواہ یہ ترکہ تھوڑا ہو یا بہت۔“ نہایت ہی بابرکت ہے اللہ تعالیٰ جو سب سے اچھا فیصلہ کرنے والا ہے۔

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ فَأَرْزُقُوهُمْ مِنْهُ

اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت رشتے دار اور یتیم اور مساکین تو دو تم ان کو کچھ اس (مقسوم) میں سے

وَقُولُوا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوفًا ۝۸

اور کہو تم ان سے بات معقول ○

یہ اللہ تعالیٰ کے بہترین اور جلیل ترین احکام میں سے ہے جو نونے دلوں کو جوڑتا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ﴾ یعنی میراث کی تقسیم کے وقت ﴿أُولُو الْقُرْبَىٰ﴾ یعنی وہ رشتہ دار جو میت کے وارث نہیں ہیں اور اس کا قرینہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿الْقِسْمَةَ﴾ ہے کیونکہ ورثاء تو وہ لوگ ہیں جن میں وراثت تقسیم ہوگی ﴿وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينُ﴾ ”یتیم اور مساکین“ یعنی فقراء میں سے مستحق لوگ ﴿فَأَرْزُقُوهُمْ مِنْهُ﴾ یعنی اس مال میں سے جو تمہیں بغیر کسی کدو کاوش اور بغیر کسی محنت کے حاصل ہوا۔ ان کو بھی جتنا ہو سکے عطا کر دو۔ کیونکہ ان کا نفس بھی اس کا اشتیاق رکھتا ہے اور ان کے دل بھی منتظر ہیں۔ پس تم ان کی دل جوئی کی خاطر اتنا مال ان کو دے دو جس سے تمہیں نقصان نہ ہو اور ان کے لئے فائدہ مند ہو۔

اس معنی سے یہ بات اخذ کی جاتی ہے کہ اگر انسان کے سامنے کوئی چیز رکھی جائے اور وہاں کوئی ایسا فرد موجود ہو جو کسی آس میں اس پر نظر رکھتا ہو تو اس شخص کے لئے مناسب ہے کہ جتنا بھی ہو سکے اس کو عطا کر دے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے سامنے کھانا پیش کرے تو وہ اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلائے اور اگر ایسا نہ کر سکے تو اسے ایک یاد دلقے عطا کر دے۔“ ①

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ یہ تھا کہ جب ان کے سامنے موسم کا پہلا پھل آتا تو وہ اسے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے آپ اس میں برکت کی دعا فرماتے اور پھر وہاں موجود سب سے چھوٹے بچے کو عطا کر دیتے یہ جانتے ہوئے کہ یہ ننھا بچہ نہایت شدت سے اس کی خواہش رکھتا ہوگا۔ یہ سب کچھ اس وقت ہے جب عطا کرنا ممکن ہو اگر عطا کرنا ممکن نہ ہو۔۔۔ مثلاً یہ بے سمجھ لوگوں کا حق ہے یا اس سے بھی اہم کوئی اور وجہ ہو تو ایسی صورت میں ﴿قَوْلًا مَّعْرُوفًا﴾ ان کو اچھی اور غیر فتنج بات کہہ کر بھلے طریقے سے لوٹا دو۔

وَلْيَحْشَ الَّذِينَ لَوْ تَرَكَوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَةً ضَعِيفًا خَافُوا عَلَيْهِمْ فَلْيَتَّقُوا

اور چاہیے کہ ڈریں وہ لوگ کہ اگر چھوڑ جائیں وہ اپنے پیچھے اولاد کمزور تو (کیسے) خوف کھاتے ہیں وہ اوپر اٹکے۔ پس چاہیے کہ ڈریں وہ

اللَّهُ وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا ۝۹ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا

اللہ سے اور چاہیے کہ کہیں بات سیدھی ○ بلاشبہ وہ لوگ جو کھاتے ہیں مال یتیموں کے ظلم سے

إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا وَهُمْ لَا يَبْصُرُونَ سَعِيرًا ۝۱۰

تو بلاشبہ کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ۔ اور عقرب داخل ہوں گے وہ دہکتی آگ میں ○

① صحیح البخاری، العتق، باب إذا أتى أحدكم خادمه بطعامه، ح: ۲۵۵۷۔

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد اس شخص کے لئے ہے جو کسی قریب المرگ شخص کے پاس موجود ہو اور مرنے والا اپنی وصیت میں ظلم اور گناہ کا مرتکب ہو رہا ہو۔ تو وہ اس شخص کو اس کی وصیت میں عدل و انصاف اور مساوات کی تلقین کرے اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ﴿وَلْيَقُولُوا قَوْلًا سَدِيدًا﴾ یعنی ان سے درست بات کہو جو انصاف اور معروف کے موافق ہو۔ وہ ان لوگوں کو جو اپنی اولاد کے بارے میں وصیت کرنا چاہتے ہیں ان کی اولاد کے بارے میں ایسی تلقین کریں جو وہ خود اپنے بعد اپنی اولاد کے بارے میں پسند کرتے ہیں۔ بعض مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد بے سمجھ یعنی پاگل، کم سن اور کمزور لوگوں کے سر پرست ہیں۔ ان کو حکم ہے کہ وہ ان بے سمجھ لوگوں کے دینی اور دنیاوی مفادات کا ایسا انتظام کریں جو وہ اپنے مرنے کے بعد اپنی کمزور اور بے سمجھ اولاد کے بارے میں پسند کرتے ہیں۔ ﴿فَلْيَتَّقُوا اللَّهَ﴾ وہ دوسروں کی سرپرستی کرنے میں اللہ تعالیٰ سے ڈریں یعنی وہ ان کے ساتھ ایسا معاملہ کریں جو تقویٰ پر مبنی ہو جس میں ان لوگوں کی اہانت نہ ہو جو ان کی سرپرستی میں ہیں ان کی دیکھ بھال کریں اور ان سے تقویٰ کا التزام کروائیں۔ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے یتیموں کے مال کی دیکھ بھال کا حکم دیا تو اب ان کو یتیموں کا مال کھانے پر زبرد تو بیخ کی ہے اور اس پر سخت عذاب کی وعید سنائی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَىٰ ظُلْمًا﴾ ”جو لوگ ناحق یتیموں کا مال کھاتے ہیں۔“ اس ”ناحق“ کی قید سے وہ نادر سر پرست نکل گئے جن کو معروف طریقے سے بقدر ضرورت ان کے مال میں سے کھانے کی اجازت ہے اسی طرح وہ بھی اس سے خارج ہو گئے جو آسانی اور اصلاح کی نیت سے اپنا کھانا یتیموں کے کھانے کے ساتھ ملا لیتے ہیں کیونکہ یہ بھی جائز ہے۔

پس جو کوئی ظلم سے یتیموں کا مال کھاتا ہے ﴿يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا﴾ ”وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرتے ہیں۔“ یعنی انہوں نے یتیموں کا جو مال کھایا ہے وہ آگ ہے جو ان کے پیٹ میں بھڑکے گی یہ آگ خود انہوں نے اپنے پیٹ میں داخل کی ہے ﴿وَسَيَصْلُونَ سَعِيرًا﴾ یعنی وہ عنقریب جلائے والی بھڑکتی ہوئی آگ میں جھونکے جائیں گے۔

یہ سب سے بڑی وعید ہے جو گناہوں کے بارے میں سنائی گئی ہے جو یتیموں کا مال کھانے کی برائی اور قباحت پر دلالت کرتی ہے نیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یتیموں کا مال کھانا جہنم میں جانے کا موجب ہے اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً

وصیت کرتا ہے تمہیں اللہ تمہاری اولاد کی بابت واسطے مرد کے ہے مثل حصے دو عورتوں کے۔ پھر اگر ہوں (صرف) عورتیں

فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ وَإِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ وَلِأَبَوَيْهِ

(تو) زیادہ دو سے تو ان کیلئے ہے دو تہائی اس میں سے جو چھوڑ گیا وہ اور اگر ہوا ایک ہی (لڑکی) تو اس کیلئے ہے آدھا اور واسطے ماں باپ کے

لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ إِنْ كَانَ لَهُ وَكَذَلِكَ فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ
 ہر ایک کے لیے ان میں سے چھٹا حصہ ہے اس سے جو وہ چھوڑ گیا اگر ہے اس کی اولاد۔ پس اگر نہ ہو اس کی
 وَكَذَلِكَ وَوَرِثَةُ أَبِيهِ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ فَإِنْ كَانَ لَهُ إِخْوَةٌ فَلِأُمِّهِ السُّدُسُ
 اولاد اور وارث ہوں اسکے ماں باپ ہی تو اسکی ماں کیلئے ہے تیسرا حصہ۔ پس اگر ہوں اسکے (ایک سے زیادہ) بھائی (بہن) تو اسکی ماں کا ہے چھٹا حصہ۔
 مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۖ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَابْنَاؤُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ
 بعد وصیت کے کہ وصیت کر جائے وہ اس کی یا (بعد) قرض کے۔ تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے نہیں تم جانتے کون ان میں سے
 أَقْرَبُ لَكُمْ نَفَعًا ۖ فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ ۖ إِنْ كَانَ اللَّهُ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝۱۱
 زیادہ قریب ہے تمہارے لیے باعتبار نفع کے۔ (یہ) مقرر ہے اللہ کی طرف سے بلاشبہ اللہ ہے خوب جاننے والا بڑا حکمت والا اور تمہارے لیے
 نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لِهِنَّ وَكَذَلِكَ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَكَذَلِكَ
 آدھا ہے اس کا جو چھوڑ گئیں تمہاری بیویاں اگر نہ ہو ان کی اولاد۔ پس اگر ہو واسطے ان کے اولاد
 فَلِكُلِّ رُبْعٍ مِّمَّا تَرَكَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۖ وَلِهِنَّ الرُّبْعُ
 تو تمہارے لیے ہے جو تمہارا حصہ ہے جو وہ چھوڑ گئیں بعد وصیت کے کہ وصیت کر جائیں وہ اسکی یا (بعد) قرض کے اور ان (بیویوں) کیلئے ہے چوتھا حصہ
 مِمَّا تَرَكَتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَكَذَلِكَ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلِهِنَّ الشُّهُنُ مِمَّا
 اس سے جو چھوڑ جاؤ تم اگر نہ ہو تمہاری اولاد پس اگر ہو تمہاری اولاد تو ان (بیویوں) کے لیے ہے آٹھواں حصہ اس سے
 تَرَكَتُمْ ۖ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۖ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَّةً
 جو چھوڑ جاؤ تم بعد وصیت کے کہ وصیت کر جاؤ تم اسکی یا (بعد) قرض کے۔ اور اگر ہو وہ مرد کہ وراثت لی جا رہی ہے (اسکی) کلالہ
 أَوْ امْرَأَةً ۖ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۖ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ
 یا عورت ہو (ایسی ہی) اور واسطے اسکے ایک بھائی ہے یا ایک بہن تو ہر ایک کیلئے ان دونوں میں سے چھٹا حصہ ہے۔ پس اگر ہوں وہ زیادہ
 مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ ۖ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُوصِي بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۖ
 اس سے تو وہ شریک ہوں گے تہائی حصے میں۔ بعد وصیت کے کہ وصیت کر دی جائے اس کی یا (بعد) قرض کے۔
 غَيْرِ مَضَارٍّ ۖ وَصِيَّةٌ مِّنَ اللَّهِ ۖ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ۝۱۲

بشرطیکہ نہ نقصان پہنچانے والا ہو وہ (یہ) وصیت ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ جاننے والا بڑا ہے

وراثت کے احکام اور اصحاب وراثت :-

یہ آیات اور اس سورت کی آخری آیت وراثت کی آیات ہیں اور وراثت کے احکام پر مشتمل ہیں۔ حضرت
 عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری میں مروی ہے ”میراث کے مقررہ حصے ان کے حق داروں کو دو جو بیچ جائے
 وہ اس مرد کو دے دو جو میت کا سب سے زیادہ قریبی ہے“ ان آیات کو اس حدیث سے ملایا جائے تو یہ دونوں

وراثت کے بڑے بڑے بلکہ تمام احکام پر مشتمل ہے۔ جیسا کہ ابھی تفصیل سے واضح ہوگا، سوائے نانی کی وراثت کے، کیونکہ اس کا ذکر ان میں نہیں ہے، مگر سنن میں حضرت مغیرہ بن شعبہ اور محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے میت کی نانی کو وراثت کا چھٹا حصہ عطا کیا، اس پر علماء کا بھی اجماع ہے۔

وراثت میں میت کی اولاد کا حصہ :-

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ﴾ ”اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں تمہیں وصیت (حکم) فرماتا ہے۔“ یعنی اے والدین کے گروہ! تمہاری اولاد تمہارے پاس اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے تمہیں وصیت کی ہے تاکہ تم ان کے دینی اور دنیاوی مصالح کی دیکھ بھال کرو۔ تم ان کو تعلیم دو ادب سکھاؤ، انہیں برائیوں سے بچاؤ، انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور تقویٰ کے دائمی التزام کا حکم دو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوا أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيكُمْ نَارًا وَقُودُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ﴾ (التحریم: ۱۷۶) ”اے ایمان دارو! اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو جنہم کی آگ سے بچاؤ، جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے۔“

پس اولاد کے بارے میں والدین کو وصیت کی گئی ہے۔ اس لئے چاہیں تو وہ اس وصیت پر عمل کریں تب ان کے لئے بہت زیادہ ثواب ہے اور چاہیں تو اس وصیت کو ضائع کر دیں تب وہ سخت وعید اور عذاب کے مستحق ہیں۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر ان کے والدین سے بھی زیادہ رحم کرنے والا ہے کیونکہ اس نے والدین کو ان کی اولاد کے بارے میں وصیت کی درآں حالیکہ والدین اپنی اولاد کے لئے کمال شفقت کے حامل ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اولاد کے لئے وراثت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَّيْنِ﴾ یعنی اگر اصحاب الفروض نہ ہوں یا اصحاب الفروض کو دینے کے بعد ترکہ بچ جائے تو صلیبی اولاد اور بیٹی کی اولاد کے لئے وراثت کا حکم یہ ہے کہ دو لڑکیوں کا حصہ ایک لڑکے کے برابر ہے۔ اس پر تمام اہل علم کا اجماع ہے نیز اگر میت کی صلیبی اولاد موجود ہو تو وراثت انہی میں تقسیم ہوگی۔ اگر میت کے بیٹے بیٹیاں ہیں تو پوتے پوتیاں کو وراثت نہیں ملے گی۔ یہ اس صورت میں ہے جبکہ میت کے بیٹے اور بیٹیاں دونوں موجود ہیں یہاں دو صورتیں ہیں۔ پہلی صورت کہ صرف بیٹے ہوں اس کا ذکر آگے آئے گا۔ دوسری صورت کہ صرف بیٹیاں ہوں اس کا ذکر ذیل میں ہے۔

بیٹیوں کے لئے وراثت کے احکام :-

اگر صرف بیٹیاں وارث ہوں تو ان کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَإِنْ كُنَّ نِسَاءً فَوَاقِ اثْنَتَيْنِ﴾ یعنی اگر صلیبی بیٹیوں یا پوتیوں کی تعداد تین یا تین سے زیادہ ہے ﴿فَلَهُنَّ ثُلُثًا مِمَّا تَرَكَ﴾ ”تو ان سب کے لئے دو تہائی ترکہ ہے۔“ ﴿وَأِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾ ”اور اگر ایک بیٹی (یا پوتی) ہے تو اس کے لئے نصف ترکہ ہے“ اور اس پر علماء کا اجماع ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ اس پر اجماع کے بعد یہ اصول کہاں سے مستفاد ہوا کہ دو بیٹیوں کے لئے ترکہ میں سے دو تہائی حصہ ہے؟۔۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ اصول اللہ تعالیٰ کے ارشاد: ﴿وَأَنَّ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ﴾ سے ماخوذ ہے، کیونکہ اس کا مفہوم مخالف یہ ہے اگر بیٹی ایک سے زائد ہو تو وراثت کا حصہ بھی نصف سے منتقل ہو کر آگے بڑھے گا اور نصف کے بعد دو تہائی حصہ ہی ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ﴾ جب میت نے ایک بیٹا اور ایک بیٹی چھوڑی ہو تو ترکہ میں سے بیٹے کے لئے دو تہائی حصہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ اس کا یہ حصہ دو لڑکیوں کے حصے کے برابر ہے۔ پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ دو بیٹیوں کے لئے دو تہائی حصہ ہے۔ نیز اگر بیٹی اپنے بھائی کی معیت میں وراثت میں سے ایک تہائی حصہ لیتی ہے درآں حالیکہ بھائی بہن کی نسبت وراثت میں اس کے لئے زیادہ نقصان کا باعث ہے تو بہن کی معیت میں بیٹی کا وراثت سے حصہ لینا زیادہ اولیٰ ہے۔

نیز بہنوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثَانِ مِمَّا تَرَكَ﴾ (النساء: ۱۷۶) ”اگر دو بہنیں ہوں تو ان دونوں کے لئے ترکہ میں سے دو تہائی حصہ ہے۔“ دو بہنوں کے لئے دو تہائی ترکہ کے بارے میں یہ واضح نص ہے۔ جب دو بہنیں میت سے رشتہ میں بعد کے باوجود اس کے ترکہ میں سے دو تہائی حصہ لیتی ہیں۔ تو دو بیٹیاں میت سے رشتہ میں قرب کی بنا پر دو تہائی ترکہ لینے کی زیادہ مستحق ہیں۔ نیز صحیح حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سعد بنی دغذ کی دو بیٹیوں کو دو تہائی ترکہ عطا کیا۔

باقی رہا یہ اعتراض کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿فَوْقَ اثْنَتَيْنِ﴾ ”اگر بیٹیاں دو سے زیادہ ہوں“ کا کیا فائدہ؟ کہا جاتا ہے کہ اس کا فائدہ یہ ہے۔۔۔ واللہ اعلم۔۔۔ کہ یہ معلوم ہو جائے کہ زیادہ سے زیادہ حصہ دو تہائیاں ہی ہیں۔ وارث بیٹیوں کی تعداد میں اضافے کے ساتھ وراثت کا حصہ دو تہائی سے زیادہ نہیں ہوگا۔ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ جب میت کی صلب میں سے ایک بیٹی ہو اور ایک یا ایک سے زائد پوتیاں ہوں تو بیٹی کے لئے نصف ترکہ ہے اور اس دو تہائی میں سے جو اللہ تعالیٰ نے ایک سے زائد بیٹیوں یا پوتیوں کے لئے مقرر کیا ہے۔ چھٹا حصہ باقی بچ جاتا ہے تو یہ چھٹا حصہ پوتی یا پوتیوں کو دیا جائے گا۔ اسی وجہ سے اس چھٹے حصے کو ”دو تہائی کا مکملہ“ کہا جاتا ہے۔ اور اس کی مثال پوتی کی معیت میں وہ پوتیاں ہیں جو اس سے زیادہ نیچے ہیں۔

یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ اگر بیٹیاں یا پوتیاں پورے کا پورا دو تہائی حصہ لے لیں تو وہ پوتیاں جو زیادہ نیچے ہیں ان کا حصہ ساقط ہو جائے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کے لئے صرف دو تہائی کا حصہ مقرر کیا ہے جو کہ پورا ہو چکا ہے۔ اگر ان کا حصہ ساقط نہ ہو تو اس سے لازم آتا ہے کہ ان کے لئے دو تہائی سے زیادہ حصہ مقرر ہو اور یہ بات نص کے خلاف ہے اور ان تمام احکام پر علماء کا اجماع ہے۔ ولله الحمد

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَمِمَّا تَرَكَ﴾ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ میت ترکہ میں جو کچھ بھی چھوڑتی ہے خواہ وہ زمین کی صورت میں جائیداد ہو، گھر کا اثاثہ یا سونا چاندی وغیرہ ہوتی کہ دیت بھی جو اس کے مرنے کے بعد ہی واجب ہوتی ہے اور وہ قرضے جو میت کے ذمہ واجب الادا ہیں۔ ورنہ ان سب چیزوں کے وارث ہوں گے۔ ماں باپ کے لئے وراثت کے احکام:-

پھر اللہ تعالیٰ نے ماں باپ کے لئے وراثت کے احکام بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَالْأَبَوَيْنِ﴾ اس سے مراد ماں اور باپ دونوں ہیں ﴿لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الشُّدُّ إِنْ كَانَ لَهُ وَكَدٌ﴾ یعنی اگر میت کا ایک یا ایک سے زائد صلبی بیٹا یا بیٹی پوتا یا پوتی موجود ہوں۔ تو پس ماں اولاد (بیٹے یا پوتے) کی معیت میں چھٹے حصے سے زیادہ نہیں لے گی۔

باپ کے لئے وراثت کے احکام:-

اگر میت کی زینہ اولاد موجود ہے تو ان کی معیت میں باپ چھٹے حصے سے زیادہ نہیں لے گا۔ اگر اولاد بیٹی یا بیٹیاں ہیں اور مقررہ حصے ادا کرنے کے بعد کچھ نہ بچے جیسے ماں باپ اور دو بیٹیاں ہوں، تو باپ کا استحقاق عصبہ باقی نہیں رہے گا۔

اور اگر بیٹی یا بیٹیوں کے حصے کے بعد کچھ بچ جائے تو باپ چھٹا حصہ مقررہ حصے کے طور پر اور باقی مال عصبہ ہونے کے اعتبار سے لے گا۔ اس لئے کہ اصحاب الفروض کو ان کے حصے دینے کے بعد جو بچ جائے تو اس کا وہ مرد زیادہ مستحق ہوتا ہے جو میت کے زیادہ قریب ہو، اس لئے اس صورت میں باپ بھائی اور چچا وغیرہ سے زیادہ قریب ہے۔

﴿فَإِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهُ وَكَدٌ وَوَرِثَةٌ أَبَوُهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ﴾ اور اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لئے تیسرا حصہ ہے، یعنی باقی ترکہ باپ کے لئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ماں کی اضافت بیک وقت ماں اور باپ کی طرف کی ہے پھر ماں کا حصہ مقرر کر دیا، تو یہ بات اس امر کی دلیل ہے کہ باقی مال باپ کے لئے ہے۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوگی کہ میت کی اولاد کی عدم موجودگی میں میت کا باپ اصحاب فروض میں شمار نہیں ہوتا بلکہ وہ عصبہ کی حیثیت سے تمام مال یا مقرر کردہ حصوں (فروض) سے بچے ہوئے باقی مال کا حق دار ہوگا۔

اگر ماں باپ کی موجودگی میں میت کا خاوند یا بیوی بھی موجود ہو۔ جن کو (عمر بیتین) سے تعبیر کیا جاتا ہے..... تو خاوند یا بیوی اپنا حصہ لیس گئے ماں باقی میں سے ایک تہائی لے گی اور جو بچ رہے گا اس کا مالک میت کا باپ ہوگا۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ﴿وَوَرِثَةٌ أَبَوُهُ فَلِأُمِّهِ الثُّلُثُ﴾ یعنی جس مال کے وارث ماں باپ ہوں اس کا ایک تہائی حصہ ماں کے لئے ہے اور وہ ان دو صورتوں میں یعنی میت کے خاوند ماں اور باپ کے

وارث ہونے کی صورت میں چھٹا حصہ اور میت کی بیوی ماں اور باپ کے وارث ہونے کی صورت میں چوتھا حصہ ہے۔ پس یہ آیت اس بات پر دلالت نہیں کرتی کہ میت کی ماں میت کی اولاد کی عدم موجودگی میں تمام مال کی ایک تہائی کی وارث ہے۔ جب تک یہ نہ کہا جائے کہ یہ مذکورہ دو صورتیں مستثنیٰ ہیں۔ اس کی مزید توضیح اس سے ہوتی ہے کہ خاوند یا بیوی جو حصہ لیتی ہے وہ اس حصے کی طرح ہے جو قرض خواہ لیتے ہیں اس لئے وہ سارے مال سے ہوگا اور باقی مال کے وارث ماں باپ ہوں گے۔ کیونکہ اگر ہم کل مال کا تیسرا حصہ ماں کو عطا کر دیں تو اس سے میت کے خاوند کی معیت میں ماں کا حصہ باپ کے حصے سے بڑھ جائے گا یا میت کی بیوی کی معیت میں باپ کا حصہ ماں کی نسبت چھٹے حصے کے نصف سے زیادہ ہو جائے گا جس کی کوئی نظیر نہیں، کیونکہ اصول یہ ہے کہ ماں باپ کے مساوی حصہ لے گی یا باپ اس سے دگن لے گا جو ماں کے حصہ میں آتا ہے۔

﴿فَإِنْ كَانَ لَهَا إِخْوَةٌ فَلِأُمَّهِ الشُّدُسُ﴾ اگر مرنے والے کے بھائی ہوں تو اس کی ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے، یعنی حقیقی بھائی ہوں یا باپ کی طرف سے (علاقہ بھائی) ہوں یا ماں کی طرف سے (اخینی بھائی) ہوں خواہ وہ مرد ہو یا عورتیں۔۔۔ وارث بنتے ہوں یا وہ باپ یا دادا کی موجودگی میں محبوب ہوں۔

مگر کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿فَإِنْ كَانَ لَهَا إِخْوَةٌ﴾ کا ظاہر غیر درثناء کو شامل نہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ محبوب کو نصف حصہ نہیں پہنچتا۔۔۔ تب اس صورت میں میت کے وارث بننے والے بھائیوں کے سوا ماں کو ایک تہائی حصہ سے کوئی بھائی محبوب نہیں کر سکتا۔ اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے کہ میت کے بھائیوں کی ماں کو ایک تہائی حصے سے محبوب کر دینے میں حکمت یہ ہے کہ کہیں ان کے لئے مال میں کچھ بڑھ نہ جائے حالانکہ وہ معدوم ہے۔ مگر یہاں ایک شرط عائد کی گئی ہے کہ بھائی دو یا دو سے زائد ہوں۔ البتہ اس میں اشکال یہ ہے کہ یہاں ﴿إِخْوَةٌ﴾ جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں جمع مقصود نہیں بلکہ مجرد تعدد (متعدد ہونا) مقصود ہے۔ اور یہ تعدد دو کے عدد پر بھی صادق آتا ہے۔ کبھی جمع کا صیغہ تو بول لیا جاتا ہے، مگر اس سے مراد دو ہوتے ہیں مثلاً اللہ تعالیٰ نے حضرت داود اور سلیمان علیہما السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿وَكُنَّا لِحَكِيمِهِمْ شَهِدِينَ﴾ (الانبیاء: ۷۸، ۲۱) ”اور ہم ان کے فیصلے کو دیکھ رہے تھے“۔ اللہ تعالیٰ نے اخینی بھائیوں کے بارے میں فرمایا ﴿إِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَلَةً أَوْ امْرَأَةً أَوْ لَةً أَوْ أُخْتًا فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الشُّدُسُ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الشُّدُسِ﴾ (النساء: ۱۲، ۱۴) ”اگر ایسے مرد یا عورت کی وراثت ہو جو کلالہ ہو یعنی جس کی اولاد ہونہ باپ، مگر اس کے بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے اگر ایک سے زیادہ ہوں تو سب ایک تہائی میں شریک ہوں گے“۔ پس یہاں بھی جمع کے لفظ کا اطلاق کیا جاتا ہے مگر بالا جماع اس سے مراد دو اور دو سے زائد افراد ہیں۔

اس صورت میں اگر میت اپنے پیچھے ماں باپ اور کچھ بھائی وارث چھوڑتا ہے تو ماں کے لئے چھٹا حصہ ہے اور باقی ترکے کا وارث باپ ہے پس انہوں نے ماں کو ایک تہائی حصے سے مجبور کر دیا اور اس کے ساتھ ساتھ باپ نے ان کو بھی مجبور کر دیا۔ البتہ اس میں ایک دوسرا احتمال موجود ہے جس کی رو سے ماں کے لئے ایک تہائی اور باقی ترکہ باپ کے لئے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةِ يُوصِي بِهَا أَوْ دِينٍ﴾ یعنی میت کے ذمے اللہ تعالیٰ اور مخلوق کے قرض کی ادائیگی اور وصیت کے نفاذ کے بعد جو کچھ باقی بچتا ہے وہ میت کا ترکہ ہے جس کے مستحق ورثاء ہیں اور یہ وراثت قرض کی ادائیگی اور وصیت کے نفاذ کے بعد فروض اور ورثاء کے حصوں میں تقسیم ہوگی اور آیت میں وصیت کو مقدم رکھا گیا ہے باوجود اس بات کے کہ اس کا نفاذ قرض کی ادائیگی کے بعد ہوگا اس کی وجہ وصیت کی اہمیت کو واضح کرنا ہے (تاکہ ورثاء اس کو نظر انداز نہ کریں) علاوہ ازیں وصیت کا نفاذ ورثاء پر شاق گزرتا ہے (اور وہ اس پر عمل کرنے سے بالعموم گریز کرتے ہیں) وگرنہ قرض کی ادائیگی وصیت پر مقدم ہے اور وصیت اصل مال میں سے ہوگی۔ جہاں تک وصیت کا معاملہ ہے تو وہ صرف ایک تہائی مال یا اس سے کم میں نیز صرف غیر وارث اجنبیوں کے لئے جائز ہے اس کے علاوہ اگر وصیت کی گئی ہے تو وہ نافذ نہیں ہوگی البتہ اگر ورثاء اجازت دے دیں تو نافذ ہو سکتی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے ﴿أَبَاؤَكُمْ وَ أبنَاءُكُمْ لَا تَدْرُونَ أَيُّهُمْ أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا﴾ ”تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون نفع کے اعتبار سے تمہارے زیادہ قریب ہے“ یعنی اگر وراثت کے حصے تمہاری عقل اور تمہارے اختیار کے مطابق بنائے جاتے تو اس قدر نقصان پہنچتا جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کیونکہ عقل ناقص ہے اور ہر زمان و مکان کے مطابق جو چیز زیادہ اچھی اور زیادہ لائق ہے اس کی معرفت حاصل کرنے سے قاصر ہے۔ پس انسان نہیں جانتا کہ اس کی اولاد یا والدین میں سے دینی اور دنیاوی مقاصد کے حصول میں کون اس کے لئے زیادہ فائدہ مند اور اس کے زیادہ قریب ہے۔

﴿فَرِيضَةٌ مِّنَ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ ”اللہ کی طرف سے مقرر کیا ہوا ہے بے شک اللہ پورے علم اور کامل حکمتوں والا ہے“ یعنی وراثت کے ان حصوں کو اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے اس کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے اس نے جو شریعت بنائی ہے اسے محکم کیا ہے اور اس نے جو چیز مقدر کی ہے اسے بہترین اندازے کے ساتھ مقدر کیا ہے۔ عقل ان جیسے احکام وضع کرنے سے قاصر ہے جو ہر حال اور ہر زمان و مکان کے موافق اور نفاذ کی صلاحیت رکھتے ہوں۔

شوہر اور بیویوں کے لئے وراثت کے احکام:-

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَلَكُمْ﴾ یعنی اے شوہرو! ﴿نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُنَّ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمْ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَنَّ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِ يُوْصِيْنَ بِهَا أَوْ ذَيْنَ وَلَهُنَّ الرُّبْعُ مِمَّا تَرَكَتُمْ إِنْ لَمْ يَكُنْ لَكُمْ وَلَدٌ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الشُّمْنُ مِمَّا تَرَكَتُمْ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّتِ تُوْصَوْنَ بِهَا أَوْ ذَيْنَ﴾ ”اور جو کچھ تمہاری بیویاں (ترکے میں) چھوڑ جائیں اس میں سے نصف کے تم حق دار ہو بشرطیکہ ان کی اولاد نہ ہو۔ اگر ان کی اولاد ہے تو تمہیں جو کچھ وہ چھوڑ جائیں اس کا چوتھائی ملے گا (یہ تقسیم) مرنے والی کی وصیت کی تعمیل اور اس کے قرضے کی (ادا یگی) کے بعد (عمل میں لائی جائے) اور ان کے لئے جو کچھ تم چھوڑ جاؤ اس کا چوتھائی حصہ ہے بشرطیکہ تمہاری اولاد نہ ہو اور اگر تمہاری اولاد ہو تو ان کے لئے تمہارے ترکے کا آٹھواں حصہ ہوگا (یہ تقسیم) تمہاری وصیت کی تکمیل یا قرضے (کی ادا یگی) کے بعد (عمل میں لائی جائے)“ اولاد کے مسمی کے زمرے میں جس کے وجود اور عدم وجود کو میاں بیوی کی وراثت میں شرط بنایا گیا ہے، صلبی اولاد یا بیٹے کی اولاد لڑکے یا لڑکیاں خواہ ایک ہو یا متعدد جو اس شوہر یا بیوی سے ہوں یا کسی اور سے شمار ہوتی ہیں اس میں بیٹیوں کی اولاد شامل نہیں اور اس پر اجماع ہے۔

(کلالہ) کا معنی اور اس کے احکام :-

﴿وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَلَةً أَوِ امْرَأَةً وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ﴾ ”اور اگر کوئی مرد یا عورت ہو (جو ترکے چھوڑ جائے) اور اس کا نہ باپ ہو نہ بیٹا اور بھائی یا بہن ہو“ اس سے مراد اخیانی (ماں شریک) بہن بھائی ہیں جیسا کہ بعض قراءت میں بھی وارد ہے۔ اور فقہاء کا اجماع ہے کہ یہاں بہن بھائی سے مراد اخیانی بہن بھائی ہیں۔ اگر میت کلالہ ہے۔ یعنی میت کا باپ ہے نہ بیٹا، یعنی باپ ہے نہ دادا بیٹا ہے نہ پوتا بیٹی ہے نہ پوتی۔۔۔۔۔۔ خواہ نیچے تک چلے جائیں۔۔۔۔۔۔ ایسی میت کو کلالہ کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس کی تفسیر بیان کی ہے اور اسی مفہوم پر اجماع واقع ہو گیا۔ واللہ الحمد

﴿فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا﴾ یعنی بھائی اور بہن دونوں میں سے ہر ایک کے لئے ﴿السُّدُسُ﴾ چھٹا حصہ ہے ﴿فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذَلِكَ﴾ یعنی اگر وہ ایک سے زائد ہوں ﴿فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ﴾ یعنی ایک تہائی میں سب شریک ہیں اور ایک تہائی سے زیادہ نہیں ملے گا خواہ ان کی تعداد دو سے بڑھ جائے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ﴿فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ﴾ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ اس میں مرد اور عورتیں سب برابر ہیں کیونکہ لفظ ”شریک“ مساوات کا تقاضا کرتا ہے۔ (یعنی اس صورت میں مرد کو عورت سے دگنا حصہ نہیں بلکہ برابر کا حصہ ملے گا) لفظ ”کلالہ“ دلالت کرتا ہے کہ فروع نیچے تک اور اصول مرد اور پر تک خواہ کتنی ہی دور کیوں نہ جائیں، وہ ماں کی اولاد کو ساقط کر دیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اخیانی بہن بھائیوں کو صرف کلالہ کی صورت میں وارث بنایا ہے اور

اگر وہ کلالہ کی صورت میں وارث نہیں بنتے تو وہ کسی اور صورت میں میت کے وارث نہیں بن سکتے۔ اس پر اہل علم کا اتفاق ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿فَهُمْ شُرَكَاءٌ فِي النَّذْلِ﴾ دلالت کرتا ہے کہ ”مسئلہ ہمارا“ کے مطابق حقیقی بھائی ساقط ہو جاتے ہیں۔۔۔ یعنی اگر میت کا شوہر ماں اور حقیقی بھائی بھی ہوں تو شوہر کے لئے نصف ترکہ ماں کے لئے چھٹا حصہ اور اخیانی بھائیوں کے لئے ایک تہائی حصہ ہے اور حقیقی بھائی ساقط ہو جائیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایک تہائی ترکہ کو اخیانی بھائیوں کی طرف مضاف کیا ہے اگر اس ترکہ میں حقیقی بھائیوں کو شریک کر لیا جائے تو یہ اس چیز کو جمع کرنا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے تفریق کی ہے۔ نیز اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ اخیانی بھائی اصحاب فروض ہیں اور حقیقی بھائی عصبہ ہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”میراث کے مقررہ حصے ان کے حق داروں کو دو جو بچ جائے وہ اس مرد کو دے دو جو میت کا سب سے زیادہ قریبی ہے“^① اور اصحاب فروض وہ لوگ ہیں جن کا حصہ اللہ تعالیٰ نے مقرر کر دیا ہے۔

زیر بحث کلالہ کے مسئلہ میں اصحاب فروض کو دینے کے بعد کچھ باقی نہیں بچتا اس لئے حقیقی بھائی ساقط ہو جائیں گے اور یہی صحیح موقف ہے۔ رہی حقیقی بھائیوں اور بہنوں کی وراثت یا باپ کی طرف سے بھائیوں اور بہنوں کی وراثت تو یہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَّةِ﴾ (النساء: ۱۷۶/۴) میں مذکور ہے۔ پس ایک حقیقی باپ کی طرف سے بہن کے لئے نصف ترکہ ہے۔ اگر دو ہوں تو ان کے لئے دو تہائی ترکہ ہے۔ اگر کلالہ کی ایک حقیقی بہن ایک یا زائد باپ کی طرف سے بہنیں ہوں تو ترکہ کا نصف حصہ حقیقی بہن کو ملے گا اور دو تہائی میں سے باقی جو کہ چھٹا حصہ بنتا ہے دو تہائی کی تکمیل کے لئے باپ کی طرف سے بہن یا بہنوں کو ملے گا۔ اگر حقیقی بہنیں دو تہائی حصہ لے لیں تو باپ کی طرف سے بہنیں ساقط ہو جائیں گی جیسا کہ بیٹیوں اور پوتیوں کے بارے میں گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ اگر بھائی اور بہنیں وارث ہوں تو ایک بھائی کو دو بہنوں کے مساوی حصہ ملے گا۔ قاتل اور مختلف دین رکھنے والے کے لئے وراثت:-

اگر یہ کہا جائے کہ آیا قرآن کریم سے قاتل، غلام، غیر مسلم، جزوی غلام، منث، باپ کی طرف سے بھائیوں کی معیت میں دادا، عول، رد، ذوالارحام، بقیہ عصبہ، بیٹیوں کی معیت میں باپ شریک، بہنوں یا پوتیوں کی وراثت مستفاد ہوتی ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید میں اس بارے میں بعض دقیق اشارے اور تنبیہات موجود ہیں، گہرے غور و فکر کے بغیر ان اشارات کو سمجھنا مشکل ہے۔

رہا قاتل اور مخالف دین یعنی غیر مسلم، تو یہ بات معروف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مال کو ورثاء میں ان کے میت

① صحیح البخاری، الفرائض، باب میراث الوالد من أبيه وأمه، ح: ۶۷۳۲ و صحیح مسلم، الفرائض، باب

ألحقوا الفرائض بأهلها..... ح: ۱۶۱۵۔

سے قرب اور دینی اور دنیاوی فوائد کے اعتبار سے تقسیم کرنے کی جو حکمت بیان کی ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ وارث نہیں بن سکتے..... اللہ تعالیٰ نے اپنی اس حکمت بالغہ کی طرف ان الفاظ میں اشارہ فرمایا ہے: ﴿لَا تَنزَوْنَ إِلَيْهِمْ أَقْرَبَ لَكُمْ نَفْعًا﴾ (النساء: ۱۱۴) ”تم نہیں جانتے کہ ان میں سے کون نفع کے اعتبار سے تمہارے زیادہ قریب ہے“

یہ بات معلوم اور واضح ہے کہ قاتل نے اپنے مورث کو سب سے بڑا نقصان پہنچایا ہے لہذا وہ امر جو اس کے لئے وراثت کا موجب ہے، قتل کے ضرر کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ قتل اس نفع کی ضد ہے جس پر وراثت مرتب ہوتی ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ قتل سب سے بڑا مانع ہے جو میراث کے حصول سے روکتا ہے اور قطع رحمی کا باعث بنتا ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ﴾ (الانفال: ۷۵/۱۸) ”اور رشتہ دار اللہ کے حکم کے مطابق ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں“۔ نیز ایک شرعی قاعدہ مشہور ہے کہ ”جو کوئی وقت سے پہلے کوئی چیز حاصل کرنے میں جلدی کرتا ہے اسے اس چیز سے محرومی کی سزا دی جاتی ہے“۔

مندرجہ بالا توضیح سے واضح ہوتا ہے کہ اگر وارث، مورث کے دین سے مختلف دین رکھتا ہے تو وہ وراثت سے محروم ہے۔ وراثت کا موجب، جو کہ نسب کا اتصال ہے اور وراثت کا مانع جو کہ اختلاف دین ہے اور اختلاف دین ہر لحاظ سے وارث کو مورث سے علیحدہ کر دیتا ہے۔ پس موجب اور مانع میں تعارض ہے۔ مانع زیادہ قوی ہے اور موجب وراثت کو روک دیتا ہے۔ بنا بریں مانع کے ہوتے ہوئے موجب پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ اس اصول کی وضاحت اس امر سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے حقوق کو کفار رشتہ داروں کے حقوق پر اولیت دی ہے۔ اس لئے جب مسلمان وفات پا جاتا ہے تو اس کا مال اس شخص کی طرف منتقل ہوگا جو اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد ﴿وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ﴾ تو اسی صورت میں صادق آئے گا جب وارث اور مورث کا دین ایک ہو۔

وارث اور مورث کے دین میں تباہی اور اختلاف کی صورت میں دینی اخوت مجرد نسبی اخوت پر مقدم ہے۔ علامہ ابن القیم رحمۃ اللہ علیہ جلاء الافہام میں رقمطراز ہیں ”اس لفظ کے معنی پر مواریث کی آیت میں غور کیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کے درمیان تو ارث کو ”عورت“ کی بجائے ”زوجہ“ کے لفظ کے ساتھ معلق کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں آیا ہے ﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ﴾ اس میں اس بات کی تعلیم ہے کہ یہ تو ارث اس زوجیت کی بنا پر واقع ہوا ہے جو کامل مشابہت اور تناسب کا تقاضا کرتی ہے۔ مومن اور کافر کے مابین کوئی مشابہت اور کوئی تناسب نہیں ہوتا اس لئے ان کے مابین تو ارث واقع نہیں ہو سکتا قرآن کریم کے مفردات اور

مرکبات کے اسرار نہاں اس سے بہت بلند ہیں کہ عقل مندوں کی عقل اس کا احاطہ کر سکے۔۔۔“
غلاموں کے لئے وراثت کے احکام:-

جہاں تک غلام کا معاملہ ہے تو نہ وہ خود کسی کا وارث بن سکتا ہے اور نہ کوئی اس کا وارث بن سکتا ہے۔۔۔ رہا یہ معاملہ کہ کوئی اس کا وارث نہیں بن سکتا تو یہ بالکل واضح ہے کیونکہ اس کا کوئی مال ہی نہیں جس کا کوئی وارث ٹھہرے بلکہ اس کے برعکس اس کا تمام مال اس کے آقا کی ملکیت ہے رہی یہ بات کہ وہ وارث بھی نہیں ہو سکتا، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا، اگر اس کے ہاتھ میں کوئی چیز آتی بھی ہے تو وہ اس کے مالک کی ملکیت ہوتی ہے۔ پس وہ میت کے لئے اجنبی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ کے اس قسم کے ارشادات: ﴿لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ﴾ اور ﴿وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ﴾ اور ﴿فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا الشُّدُوسُ﴾ وغیرہ اس کے لئے ہے جو ملکیت کا اثبات کر سکتا ہو اور غلام کے لئے چونکہ ملکیت کا اثبات ممکن نہیں، اس لئے معلوم ہوا کہ وہ میراث کا حق دار نہیں۔

رہا وہ شخص جو جزوی طور پر آزاد اور جزوی طور پر غلام ہو تو اس کے احکام میں بھی تبعیض ہوگی۔ پس اس میں جو آزادی کا حصہ ہے اس کی وجہ سے اللہ نے وراثت کا جو حق مترتب کیا ہے اس کا وہ مستحق ہوگا، کیونکہ آزادی کی وجہ سے وہ مالک بننے کے قابل ہے اور اس میں جو غلامی کا حصہ ہے اس کی وجہ سے وہ اس کے قابل نہیں۔ تب اس صورت میں یہ جزوی طور پر آزاد ہے۔ وراثت میں حصہ لے گا اور خود اس کی میراث بھی اس کے ورثاء میں تقسیم ہوگی اور اپنی آزادی کی مقدار کے مطابق دوسروں کو وراثت سے محجوب کرے گا اور جب غلام قابل تعریف اور قابل مذمت، ثواب کا حق دار اور عذاب کا حق دار ان موجبات کی مقدار کے مطابق ہو سکتا ہے جو اسے ان امور کا مستحق بناتی ہیں، تو یہ معاملہ بھی اسی طرح ہے۔

مخنث کے لئے وراثت کے احکام:-

مخنث کا معاملہ تین امور سے خالی نہیں ہوتا۔

مخنث کی ذکوریت واضح ہوتی ہے (یعنی اس میں مرد کی علامتیں پائی جاتی ہیں) یا اس کی انوہیت واضح ہوتی ہے۔ (اس میں عورت کی علامتیں غالب ہوتی ہیں) یا اس کا مذکر ہونا یا مونث ہونا واضح نہیں ہوتا تب اس کو ”مشکل“ کہتے ہیں۔

اگر مخنث کا معاملہ واضح ہے تو اس کی وراثت کا مسئلہ بھی واضح ہے۔ چنانچہ اگر اس میں مرد کی علامتیں غالب ہیں تو اس پر اس نص کا اطلاق ہوگا جو مردوں کے بارے میں وارد ہوئی ہے اور اگر اس میں عورت کی علامتیں غالب ہیں تو اس پر عورتوں کے احکام کا اطلاق ہوگا۔ اگر وہ مشکل ہے تو اگر وہ مرد اور عورت ہیں جن کا حصہ وراثت مختلف نہیں۔ (بلکہ یکساں ہے) جیسے اخیانی بہن بھائیوں کا معاملہ ہے تو اس میں معاملہ بالکل واضح ہے۔

اور اگر اس کو مرد مقدر کرتے ہوئے یا عورت مقدر کرتے ہوئے اس کا حصہ وراثت مختلف ہو اور ہمارے پاس اس کے بارے میں یقین کا کوئی ذریعہ نہ ہو۔ تو ہم اسے وہ حصہ نہ دیں گے جو دونوں صورتوں میں سب سے زیادہ بنتا ہے کیونکہ اس میں ان لوگوں پر ظلم کا احتمال ہے جو اس کی معیت میں وراثت کے حق دار ہیں اور نہ ہم اسے کم ترین حصہ دیں گے کیونکہ اس صورت میں خود اس پر ظلم کا احتمال ہے۔ پس ان کے درمیان اعتدال کی راہ اختیار کرنا واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿إِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى﴾ (المائدہ: ۸۱۵) ”عدل کیا کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے۔“

اس قسم کی صورت حال میں ہمارے پاس اس سے زیادہ کوئی عدل کا راستہ نہیں جس کا گزشتہ سطور میں ہم ذکر کر چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿لَا يَكْفُرُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرہ: ۲۸۶/۲) ”اللہ کسی کو تکلیف نہیں دیتا مگر اس کی طاقت کے مطابق“۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن: ۱۶/۶) ”پس جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو۔“

دادا کے لئے وراثت کے احکام:-

ربا حقیقی بھائیوں یا باپ شریک (علاتی) بھائیوں کی موجودگی میں میت کے دادا کے لئے وراثت کا مسئلہ کہ آیا مذکورہ بھائی دادا کی معیت میں وراثت میں سے حصہ لیں گے یا نہیں۔۔۔ تو اللہ تعالیٰ کی کتاب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے اس فتویٰ کی تائید کرتی ہے کہ دادا بھائیوں کو محبوب کر دے گا چاہے وہ حقیقی بھائی ہوں یا علاتی (باپ شریک) یا اخیانی (ماں شریک) ہوں۔ جیسے باپ ان سب کو محبوب کر دیتا ہے۔

اس کی توضیح یہ ہے کہ قرآن مجید میں ایک سے زائد مقامات پر دادا کو باپ کہا گیا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتَ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنِّي بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَهَكَ وَإِلَهَ آبَائِكَ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ﴾ (البقرہ: ۱۳۳/۲) ”جب یعقوب وفات پانے لگے تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انہوں نے جواب دیا تیرے معبود اور تیرے آباء ابراہیم اسماعیل اور اسحاق کے معبود کی“۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ السلام کا قول نقل فرمایا ﴿وَإِشْبَعْتُ مَلَّةَ آبَائِي إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ﴾ (یوسف: ۳۸/۱۲) ”میں نے اپنے آباء ابراہیم اسحاق اور یعقوب کی ملت کی پیروی کی ہے۔“

پس اللہ تعالیٰ نے دادا اور باپ کے دادا کو ”باپ“ کے نام سے موسوم کیا ہے یہ چیز اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ دادا باپ کے مقام پر ہوتا ہے اور وراثت میں اس کا وہی حصہ ہے جو باپ کا حصہ ہے جس کو باپ محبوب کرتا ہے اس کو دادا بھی محبوب کرے گا (یعنی باپ کی عدم موجودگی میں)

اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ میت کے باپ کی عدم موجودگی میں میت کی میراث میں میت کی اولاد

وغیرہ کی معیت میں اس کے بھائیوں، چچاؤں اور چچاؤں کے بیٹوں کے ہوتے ہوئے دادا کا وہی حکم ہے جو باپ کا حکم ہے۔۔۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ اخیانی بھائیوں کے علاوہ دوسرے بھائیوں کو محبوب کرنے میں بھی دادا کا وہی حکم ہو جو باپ کا حکم ہے اور جب بیٹے کا بیٹا صلیبی بیٹے کی مانند ہے تو دادا باپ کے مقام پر کیوں نہیں ہو سکتا اور جب باپ کا دادا میت کے بھتیجے کی موجودگی میں اہل علم کے اجماع کے مطابق، بھتیجے کو محبوب کر دے گا۔ تو پھر میت کا دادا میت کے بھائی کو کیوں محبوب نہیں کر سکتا؟ لہذا جو دادا کی معیت میں بھائیوں کو وارث قرار دیتا ہے اس کے پاس کوئی نص ہے نہ اشارہ نہ تشبیہ اور نہ قیاس صحیح۔

عول اور اس کے احکام:-

عول کے مسائل کے احکام قرآن مجید سے مستفاد ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اصحاب موارث کے لئے حصے مقرر کر دیئے ہیں اور ان کی دو حالتیں ہوتی ہیں۔

وہ ایک دوسرے کو محبوب کرتے ہیں یا نہیں کرتے۔ اگر وہ ایک دوسرے کو محبوب کرتے ہیں تو وراثت میں محبوب ساقط ہو جاتا ہے اور وہ کسی چیز کا مستحق نہیں رہتا۔ اگر وہ ایک دوسرے کو محبوب نہیں کرتے تو وہ مندرجہ ذیل دو صورتوں سے خالی نہیں۔ یا تو وہ ترکہ کے تمام حصے کے وارث نہیں بنتے۔ (یعنی وراثت ان کے شرعی حصے دینے کے بعد بھی ترکہ بچ جاتا ہے)

یا وہ ترکہ کے تمام حصوں کے وارث اس طرح بنتے ہیں کہ یہ مقرر کردہ حصے مجموعی طور پر نہ تو ترکہ سے کم ہوتے ہیں اور نہ زیادہ۔ یا مقرر کردہ حصے ترکہ سے بڑھ جاتے ہیں۔

پہلی دو صورتوں میں ہر وارث اپنا پورا حصہ حاصل کرتا ہے مگر آخری صورت میں جب حصے ترکہ سے بڑھ جائیں تو یہ بھی دو حالتوں سے خالی نہیں۔ یا تو ہم بعض وراثت کا وہ حصہ کم کر دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے مقرر کیا ہے اور ان میں سے باقی وراثت کا حصہ پورا پورا عطا کرتے ہیں۔ یہ ترجیح بلا دلیل ہے ان میں سے کوئی ایک نقصان اٹھانے کا کسی دوسرے سے زیادہ مستحق نہیں۔

پس دوسری صورت کا یوں تعین ہوتا ہے کہ ہم امکانی حد تک ہر وارث کو اس کا پورا حصہ ادا کرتے ہیں اور موجود ترکہ کو ان کے درمیان ان کے حصوں کے مطابق تقسیم کر دیتے ہیں جیسے مقروض کے اس مال کو قرض خواہوں کے مابین تقسیم کیا جاتا ہے جو قرض خواہوں کے مطالبے سے کم ہوتا ہے۔ اب اس مال کو عول کے اصول کو استعمال کئے بغیر تقسیم کرنے کا کوئی راستہ نہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم فرائض (وراثت) میں عول کا مسئلہ بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرما دیا ہے۔

رد اور اس کے احکام:-

عول کے اس طریقے کے بالکل برعکس رد کا اصول معلوم ہوا اس لئے کہ جب اصحاب فروض میں ترکہ کو تقسیم کرنے کے بعد ترکہ میں سے کچھ بیچ جائے۔ اور اس کا کوئی حق دار نہ ہو اور قریب یا دور میت کا عصبہ بھی نہ ہو۔ اگر یہ بیچا ہوا ترکہ کسی ایک کو عطا کر دیں تو یہ بلا دلیل ترجیح ہے۔ اور یہ بیچا ہوا کسی ایسے شخص کو دے دینا جو میت کا قریبی نہیں ہے تو یہ گناہ کبیرہ اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی مخالفت ہے ﴿وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ﴾ (الانفال: ۷۵/۱۸) ”اور رشتہ دار اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق ایک دوسرے کے زیادہ حقدار ہیں۔“ پس یہ بات متحقق ہوگئی کہ بیچا ہوا ترکہ اصحاب فروض کو ان کے حصے کے مطابق واپس لوٹا دینا چاہئے۔
زوجین کی طرف رد کے احکام:-

ان فقہاء کے نزدیک جو بیچے ہوئے ترکہ کو زوجین کی طرف لوٹانے کے قائل نہیں ان کے مسلک کے مطابق زوجین اپنے مقررہ حصے سے زیادہ لینے کے مستحق نہیں کیونکہ ان کے درمیان نسبی قرابت نہیں ہوتی۔ مگر صحیح مسلک یہ ہے کہ رد کے ضمن میں زوجین کا حکم بھی وہی ہے جو باقی ورثاء کا ہے۔ مذکورہ بالا دلیل سب کو اسی طرح شامل ہے جس طرح اصول عول میں سب شامل ہیں۔
میراث میں ذوی الارحام کا حکم:-

اس کے ذریعے سے ذوی الارحام کی وراثت بھی معلوم ہوتی ہے۔ اس لئے کہ اگر میت کے پیچھے کوئی ایسا شخص نہ بچے جو اصحاب فروض (جن کے حصے اللہ کی طرف سے مقرر ہیں) یا عصبہ (میت کا قریب ترین رشتہ دار) میں شمار ہوتا ہو تو میراث کا معاملہ دو امور کے مابین گھومتا ہے۔ ترکہ کا مال بیت المال میں جمع ہو جس سے اجنبی لوگ استفادہ کریں یا ترکہ میت کے ان اقارب کی طرف لوٹ جائے جو ورثاء کے متفق علیہ قریبی ہیں۔ ان دونوں میں سے دوسرا مسلک متعین ہے اور اس کی صحت پر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد دلالت کرتا ہے ﴿وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ﴾ (الانفال: ۷۵/۱۸)

اس لئے میراث کو اولو الارحام کے علاوہ کسی اور طرف پھیرنا اس شخص کو محروم کرنا ہے جو دوسروں سے زیادہ اس کا مستحق ہے۔ پس ذوی الارحام کو وارث بنانا متعین ہو گیا اور جب ان کو وارث بنانا متعین ہو گیا تو یہ معلوم ہو گیا کہ کتاب اللہ میں اللہ تعالیٰ نے ان کے حصے مقرر نہیں فرمائے۔ نیز یہ کہ ان کے اور میت کے درمیان کچھ واسطے ہیں جن کے سبب سے وہ میت کے رشتہ دار بنے پس ان کو اسی مقام پر رکھا جائے گا جس کے ذریعے سے وہ میت کے قریبی بنتے ہیں۔ واللہ اعلم

میت کا عصبہ کون ہے؟ اور میراث میں اس کا حکم:-

رہی باقی عصبہ کی وراثت جیسے بیٹے، بھائی، بھتیجے، چچا اور چچاؤں کے بیٹے، تو ان کے بارے میں رسول اللہ

ﷺ نے فرمایا: «الْحَقُّوَا الْفَرَائِضَ بِأَهْلِهَا» فَمَا بَقِيَ فَلِأُولَىٰ رَجُلٍ ذَكَرَ»^① ”وراثت کے مقررہ حصے ان کے حق داروں کو دے دو جو بیچ جائے اس مرد کو دے دو جو میت کا سب سے زیادہ قریبی ہے“

اور فرمایا: ﴿وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِي مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبُونَ﴾ (النساء: ۳۳/۴) ”جو مال ماں باپ اور قریبی رشتہ دار چھوڑ کر مر جاتے ہیں ہم نے ہر ایک کے حق دار مقرر کر دیئے ہیں“۔ جب ہم اصحاب فروض کو ان کے مقررہ حصے عطا کر دیں اور کچھ باقی نہ بچے تو عصبہ کسی چیز کا حق دار نہیں ہوتا اور اگر ترکہ میں سے کچھ باقی بچ جائے تو عصبہ میں سے جو سب سے زیادہ مستحق ہیں وہ اپنی جہات اور درجات کے مطابق حصہ لیں گے۔
عصبہ کی جہات :-

عصبہ کی پانچ جہات ہیں۔ بیٹے، باپ، بھائی اور بھتیجے، چچا اور پچاؤں کے بیٹے، پھر ولاء۔ ان میں سے اس کو مقدم رکھا جائے گا جو جہت کے اعتبار سے سب سے قریب ہے۔ اگر تمام ایک ہی جہت میں واقع ہوں تو ان میں وہ زیادہ مستحق ہے جو منزلت کے اعتبار سے زیادہ قریب ہے۔ اگر منزلت کے اعتبار سے سب برابر ہوں تو جو سب سے زیادہ قوی ہے وہ زیادہ مستحق ہے اور وہ حقیقی بھائی ہے۔ اگر ہر پہلو سے برابر ہوں تو سب عصبہ میں شریک ہوں گے واللہ اعلم۔

رہا باپ شریک بہنوں کا بیٹیوں کی معیت یا بھتیجیوں کی معیت میں عصبہ ہونا اور ان کا ترکہ میں سے اپنے حصوں سے زائد لینا۔۔۔۔۔ تو قرآن مجید میں ایسی کوئی چیز نہیں جو یہ دلالت کرتی ہو کہ بہنیں بیٹیوں کی وجہ سے ساقط ہو جائیں گی۔ جب صورت حال یہ ہو اور بیٹیوں کے اپنا حصہ لینے کے بعد کچھ بچ جائے تو وہ بہنوں کو دیا جائے گا اور ان کو چھوڑ کر اس عصبہ کی طرف توجہ نہیں کی جائے گی جو ان سے بعید تر ہے۔ مثلاً بھتیجا، چچا اور وہ لوگ جو ان سے بھی بعید تر ہیں واللہ اعلم۔

تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ يُدْخِلْهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

یہ حدیں ہیں اللہ کی اور جو اطاعت کرے گا اللہ اور اسکے رسول کی تو داخل کرے گا وہ اسکو ایسے باغوں میں کہ چلتی ہیں انکے نیچے

الْأَنْهَارِ خَالِدِينَ فِيهَا ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ۝۱۳ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَتَعَدَّ

نہریں ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں اور یہ ہے کامیابی بہت بڑی ۱۳ اور جو نافرمانی کرے گا اللہ اور اسکے رسول کی اور تجاوز کرے گا

حُدُودَهُ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيهَا سِوَاكَ عَذَابٌ مُهِينٌ ۝۱۴

اسکی حدوں سے تو داخل کرے گا وہ اس کو آگ میں ہمیشہ رہے گا وہ اس میں اور اس کے لیے عذاب ہے رسوا کن ۱۴

① صحیح البخاری، الفرائض، باب میراث ابن الابن اذا لم يكن ابن، ح: ۶۷۳۵ و صحیح مسلم، الفرائض،

باب الحقوا الفرائض بأهلها..... ح: ۱۶۱۵۔

یہ تفصیل جن کا ذکر اللہ تعالیٰ نے میراث کے ضمن میں کیا ہے، اللہ تعالیٰ کی حدود ہیں جن پر رکنا ان سے تجاوز نہ کرنا اور ان میں کوتاہی سے بچنا فرض ہے اور اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ وارث کے لئے وصیت منسوخ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمام ورثاء کے حصے مقرر کر دیئے ہیں اور اس کے بعد فرمایا: ﴿تِلْكَ حُدُودُ اللَّهِ﴾ ”یہ اللہ کی حدیں ہیں“ بنا بریں وارث کے لئے اس کے حق سے زیادہ وصیت کرنا (منع کردہ) تجاوز میں داخل ہے۔ نیز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے: ﴿لَا وَصِيَّةَ لِرِثَةٍ﴾ ”کسی وارث کے حق میں وصیت کرنا جائز نہیں“

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے عمومی طور پر اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کا اور نافرمانی سے بچنے کا حکم دیا ہے۔ تاکہ اس عمومی اطاعت کے حکم میں فرائض (وراثت) کی حدود کا التزام اور اس سے تجاوز نہ کرنا بھی شامل ہو جائے۔ فرمایا: ﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ ”اور جو اللہ کی اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے حکم کو بجالا کر جس میں سب سے بڑی چیز توحید میں ان کی اطاعت کرنا ہے پھر اوامر میں ان کے درجات کے مطابق اطاعت کرنا اور ان کی منع کردہ چیزوں سے اجتناب کرنا ہے جن میں سب سے بڑا ممنوع اللہ کے ساتھ شرک ہے پھر دوسرے معاصی ہیں ان کی درجہ بندی کے ساتھ۔ ﴿يُدْخِلُهُ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا﴾ ”اسے اللہ باغوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے“ پس جو کوئی اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتا ہے اور منہیات سے بچتا ہے وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا اور اسے جہنم سے نجات ملے گی۔ ﴿وَذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ ”یہی وہ بڑی کامیابی ہے“ جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے عذاب سے نجات کے حصول کی ضمانت ہے اور اسی کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی رضا اس کے ثواب اور اس کی دائمی نعمتوں سے بہرہ ور ہوا جاسکتا ہے جن کا وصف کوئی بیان نہیں کر سکتا۔

﴿وَمَنْ يَعِصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ ”اور جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا“ اور نافرمانی میں کفر اور اس سے کم تر گناہ سب شامل ہیں۔ یہاں خوارج کے لئے کوئی شبہ کی گنجائش نہیں جو گناہ گاروں کے کفر کے قائل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت پر دخول جنت کو مترتب کیا ہے اور اپنی نافرمانی اور اپنے رسول ﷺ کی نافرمانی پر دخول جہنم کو مترتب کیا ہے۔ پس جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی کامل اطاعت کرتا ہے وہ بلا عذاب جنت میں داخل ہوگا اسی طرح جو کوئی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی مکمل نافرمانی کرتا ہے جس میں شرک اور دیگر گناہ بھی شامل ہیں وہ جہنم میں داخل ہوگا اور ہمیشہ وہاں رہے گا اور جس میں اطاعت اور نافرمانی دونوں مجتمع ہیں تو گویا اس میں اس کی اطاعت اور نافرمانی کی مقدار کے مطابق ثواب اور عذاب کی موجبات موجود ہیں اور نصوص متواترہ دلالت کرتی ہیں کہ موحدین جن کے ساتھ اطاعت توحید ہے جہنم میں

ہمیشہ نہیں رہیں گے۔ پس جن کے ساتھ توحید ہے، وہ توحیدان کے جہنم میں ہمیشہ رہنے سے مانع ہے (یعنی ایسے لوگ اپنی نافرمانیوں کی سزا بھگت کر بالآخر جہنم سے نکال کر جنت میں داخل کر دیئے جائیں گے)

وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِسَائِكُمْ فَاسْتَشْهَدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ
اور وہ جو کریں بے حیائی کا کام تمہاری عورتوں میں سے، تو گواہ ٹھہرا لو تم ان پر چار مرد اپنے میں سے۔
فَإِنْ شَهِدُوا فَاْمَسْكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ حَتَّىٰ يَتَوَقَّفَهُنَّ الْمَوْتُ أَوْ يَجْعَلَ اللهُ
پس اگر وہ گواہی دیں، تو بند رکھو ان کو گھروں میں یہاں تک کہ ختم کر دے ان کو موت یا بنا دے اللہ
لَهُنَّ سَبِيْلًا ۝۱۵ وَالَّذِيْنَ يَأْتِيْنَهَا مِنْكُمْ فَاذْوُهْمَا ۖ فَإِنْ تَابَا وَأَصْلَحَا
ان کیلئے کوئی راستہ ۱۵ اور وہ دو مرد جو کریں یہی بے حیائی کا کام تم میں سے، تو ایذا، دو انکو پس اگر وہ توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں،
فَاعْرِضْوْا عَنْهُمَا ط ۙ إِنَّ اللهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝۱۶

تو درگزر کرو ان سے، بلاشبہ اللہ ہے بہت توبہ قبول کرنے والا بڑا مہربان ۱۶

یعنی عورتیں ﴿وَالَّتِي يَأْتِيَنَّ الْفَاحِشَةَ﴾ جو زنا کا ارتکاب کرتی ہیں، اللہ تعالیٰ نے زنا کو اس کی قباحت اور برائی کی وجہ سے فاحشہ کے نام سے موسوم کیا ہے۔ ﴿فَاسْتَشْهَدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ﴾ ”اپنے میں سے چار اہل ایمان عادل مردوں کو گواہ بنا لو“ ﴿فَإِنْ شَهِدُوا فَاْمَسْكُوْهُنَّ فِي الْبُيُوْتِ﴾ ”اگر وہ گواہی دے دیں تو ان کو گھروں میں محبوس کر دو“ اور باہر جانے سے روک دو جو شک و شبہ کا موجب ہے۔ نیز گھر میں محبوس کر دینا ایک قسم کی سزا بھی ہے ﴿حَتَّىٰ يَتَوَقَّفَهُنَّ الْمَوْتُ﴾ ”یہاں تک کہ موت ان کا کام تمام کر دے“ یعنی یہ محبوس رکھنے کی انتہا ہے ﴿أَوْ يَجْعَلَ اللهُ لَهُنَّ سَبِيْلًا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ انہیں گھروں میں محبوس کرنے کے علاوہ کوئی اور طریقہ مقرر فرما دے۔

یہ آیت کریمہ منسوخ نہیں بلکہ یہ تو اس وقت تک کے لئے غایت مقرر ہے (جب تک اللہ تعالیٰ اس کے لئے کوئی اور راستہ نہیں نکال دیتا) اسلام کی ابتدا میں یہی طریقہ رائج رہا جب تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کا متبادل حکم نازل نہیں فرما دیا۔ اور وہ ہے شادی شدہ زانی اور زانیہ کو رجم کرنا اور غیر شادی شدہ زانی اور زانیہ کو کوڑے لگانا۔

اور اسی طرح ﴿وَالَّذِيْنَ يَأْتِيْنَهَا مِنْكُمْ﴾ تمہارے مردوں اور عورتوں میں سے جو کوئی اس فحش کام کا ارتکاب کرتا ہے ﴿فَاذْوُهْمَا﴾ پس انہیں زبانی طور پر زجر تو بیخ اور ملامت کرو اور اس برے کام پر عار دلاؤ اور ان کو عبرت ناک مار پیٹ کی سزا دو جس سے یہ اس فحش کام سے رک جائیں۔ تب اس صورت میں مردوں کو اس فحش کام کے ارتکاب پر مار پیٹ کی سزا دی جائے اور عورتوں کو گھروں میں محبوس رکھ کر سزا دی جائے۔

پس جس (گھر میں بند کر دینا) کی انتہا، موت ہے اور مار پیٹ کی افیت کی انتہا، توبہ اور اصلاح ہے بنا بریں فرمایا: ﴿فَإِنْ تَابَا﴾ یعنی اگر وہ اپنے اس گناہ سے رجوع کر لیں جس کا انہوں نے ارتکاب کیا اس فعل پر نادم ہوں

اور دوبارہ نہ کرنے کا عزم کریں ﴿وَأَصْلَحًا﴾ یعنی اپنے طرز عمل کی اصلاح کر لیں جو ان کی سچی توبہ پر دلالت کرے ﴿فَاعْرِضُوا عَنْهُمَا﴾ تو ان کو اذیت پہنچانے سے گریز کرو ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيمًا﴾ یعنی وہ خطا کار گناہ گاروں کی توبہ کو بہت کثرت سے قبول کرتا ہے، وہ عظیم رحمت و احسان کا مالک ہے۔ یہ اس کا احسان ہے کہ اس نے انہیں توبہ کی توفیق سے نوازا پھر ان کی توبہ کو قبول فرمایا اور ان سے صادر ہونے والے گناہوں کے بارے میں ان سے نرمی اختیار کی۔

ان دو آیتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ زنا کی شہادت میں چار مومن مردوں کی گواہی ضروری ہے اور ان کی عدالت کی شرط عائد کرنا بطریق اولیٰ ضروری ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس فحش کام کے بارے میں بہت سختی کی ہے تاکہ اس سے بندوں کی پردہ پوشی رہے۔ یہاں تک کہ اس بارے میں عورتوں کی شہادت خواہ وہ اکیلی ہو یا مردوں کی معیت میں ناقابل قبول ٹھہرایا ہے اور چار مردوں سے کم کی گواہی بھی قبول نہیں کی نیز اس میں صراحت کے ساتھ شہادت کو لازم قرار دیا ہے۔ جیسا کہ صحیح احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں اور یہ آیت بھی اس پر دلالت کرتی ہے ﴿فَاسْتَشْهِدُوا عَلَيْهِنَّ أَرْبَعَةً مِّنْكُمْ﴾ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ فرمایا: ﴿فَإِنْ شَهِدُوا﴾ یعنی ایک ایسے معاملے میں اشارہ کنایہ کے بغیر صریح شہادت لازم ہے جسے آنکھوں سے مشاہدہ کیا گیا ہو۔ ان آیات کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قول و فعل سے اذیت پہنچانا اور قید کر دینا اس کو اللہ نے معصیت کاری کے لئے تعزیر بنایا جس سے زجر و توبیخ کا مقصد حاصل ہوتا ہے۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ
یقیناً توبہ (کا قبول کرنا) تو اللہ کے ذمے انہی لوگوں کے لیے ہے جو کرتے ہیں برا کام جہالت سے پھر توبہ کر لیتے ہیں
مِنْ قَرِيبٍ فَأُولَٰئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٤﴾
جلدی ہی۔ پس یہی لوگ ہیں کہ متوجہ ہوتا ہے اللہ ان پر (یعنی توبہ قبول کر لیتا ہے) اور ہے اللہ بہت جاننے والا بڑا حکمت والا ○
وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ
اور نہیں توبہ (قبول ہوتی) ان لوگوں کی جو کرتے (رہتے) ہیں برے کام یہاں تک کہ جب آتی ہے ایک کو ان میں سے موت
قَالَ إِنِّي تَابْتُ إِلَيْكَ وَلَا الَّذِينَ يَمْوَتُونَ وَهُمْ كَفَّارٌ أُولَٰئِكَ

تو کہتا ہے بے شک میں نے توبہ کی اب اور نہ ان لوگوں کی جو مرتے ہیں اس حال میں کہ وہ کافر ہی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ

أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٥﴾

تیار کیا ہے ہم نے ان کے لیے عذاب بہت دردناک ○

اللہ تعالیٰ کا بندوں کی طرف رجوع کرنے کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) اللہ تعالیٰ کا بندے کو توبہ کی توفیق عطا کرنا۔

(۲) بندے کے توبہ کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کا اس کو قبول کر لینا۔

اللہ تعالیٰ نے یہاں آگاہ فرمایا ہے کہ توبہ اللہ تعالیٰ پر استحقاق ہے، قبولیت توبہ ایک ایسا حق ہے جسے خود اللہ تعالیٰ نے اپنے جود و کرم کی بنا پر اپنے آپ پر اس بندے کے لئے لازم فرمایا ہے جو برا کام کر بیٹھتا ہے ﴿بِحَبَالَةٍ﴾ یعنی وہ اس برائی کے انجام اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے عذاب سے جس کی یہ برائی موجب ہوتی ہے۔۔۔ لاعلمی کی وجہ سے برائی کا ارتکاب کرتا ہے۔ وہ برائی کرتے وقت اس بات سے بھی جاہل ہوتا ہے کہ اللہ دیکھ رہا ہے نیز وہ اس سے بھی لاعلم ہوتا ہے کہ برائی کا ارتکاب ایمان میں کمی یا اسے معدوم کرنے کا باعث بنتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کا ہر نافرمان شخص اس اعتبار سے جاہل ہوتا ہے خواہ وہ اس برائی کی تحریم کا علم رکھتا ہو۔ بلکہ برائی کی تحریم کا علم اس کے معصیت ہونے اور اس کے مرتکب کی سزا کے لئے شرط ہے۔

﴿ثُمَّ يَتُوبُونَ مِنْ قَوْنِهِ﴾ اس میں اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ وہ موت کو دیکھ لینے سے قبل توبہ کر لیتے ہیں۔ یہ بات قطعی ہے کہ جب بندہ موت کے معائنہ سے قبل توبہ کر لیتا ہے تو اللہ بندے کی توبہ قبول کر لیتا ہے۔ موت کو دیکھ لینے کے بعد گناہ گاروں کی توبہ قابل قبول نہیں ہوتی اور نہ کفار کے لئے رجوع کی کوئی گنجائش رہتی ہے۔ فرعون کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿حَتَّىٰ إِذَا أَدْرَكَهُ الْعَرَجُ قَالَ آمَنْتُ لَا إِلَهَ إِلَّا الَّذِي آمَنْتُ بِهِ بَنُو إِسْرَائِيلَ﴾ (یونس : ۹۰، ۱۰) ”یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا تو کہنے لگا کہ میں ایمان لایا کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں۔“ اور اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَاوُوا آمَنًا بِاللَّهِ وَحَدَهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا بِهِ مُشْرِكِينَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِنَّمَا كُنَّا لَهُمُ الْغِئَىٰ قَدْ حَكَّتْ فِي عِبَادِهِ﴾ (المومن : ۸۵، ۸۴، ۸۳) ”جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو انہوں نے کہا ہم ایک اللہ پر ایمان لائے اور ہم نے ان خداؤں کا انکار کیا جنہیں ہم اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے۔ مگر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو ان کے ایمان نے ان کو کوئی فائدہ نہ دیا۔ یہ اللہ کی سنت ہے جو اس کے بندوں کے بارے میں چلی آ رہی ہے۔“

یہاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ﴾ ”ان کی توبہ نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں“ یہاں برائیوں سے مراد کفر سے کم تر گناہ ہیں ﴿حَتَّىٰ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْإِثْمَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ ”یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آجائے تو کہہ دے کہ میں نے اب توبہ کی، ان کی توبہ قبول نہیں جو کفر ہی پر مرجائیں، یہی لوگ ہیں جن کے لئے ہم نے الم ناک عذاب تیار کر رکھے ہیں“ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس حالت میں توبہ اضطراری توبہ ہے جو توبہ کرنے والے کو کوئی فائدہ نہیں دیتی۔ صرف اختیاری توبہ فائدہ دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿مَنْ قَرِيبٌ﴾ میں اس معنی کا بھی احتمال ہے کہ توبہ کے موجب گناہ کے ارتکاب کے ساتھ ہی توبہ کی جائے۔۔۔ تب آیت کا معنی یہ ہوگا ”جس کسی نے برائی کا ارتکاب کرتے ہی برائی کو چھوڑنے میں جلدی کی اور نادم ہو کر اس نے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کیا۔ اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول کرتا ہے۔“ اس کے برعکس وہ شخص جو اپنے گناہ پر قائم اور اپنے عیوب پر مصرر رہتا ہے یہاں تک کہ یہ گناہ اس کی عادت راسخہ بن جاتا ہے تب اس کے لئے پوری طرح توبہ کرنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ غالب طور پر اسے توبہ کرنے کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔ اور اس کے لئے توبہ کے اسباب مہیا نہیں کئے جاتے۔ مثلاً وہ شخص جو جانتے بوجھتے اور اس یقین کے ساتھ کہ اللہ تعالیٰ دیکھ رہا ہے اور استہزاء کے ساتھ برے اعمال کا ارتکاب کرتا ہے وہ اپنے لئے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دروازہ بند کر لیتا ہے۔ ہاں کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ پر یقین رکھتے ہوئے عمداً گناہوں کا ارتکاب کرتا ہے اور ان گناہوں پر مصرر رہتا ہے مگر اللہ اسے توبہ نافعہ کی توفیق عطا کر دیتا ہے یہ توبہ اس کے گزشتہ گناہ اور جرائم کو دھو ڈالتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی توفیق پہلے شخص کے زیادہ قریب ہوتی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت اس طرح ختم فرمائی: ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ ”اور اللہ علم اور حکمت والا ہے“ اور اللہ تعالیٰ کے جاننے میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ جانتا ہے کہ کون کچھ توبہ کرتا ہے اور کون اپنی توبہ میں جھوٹا ہے ان میں سے ہر ایک کو اپنی حکمت کے مطابق جس کا وہ مستحق ہوگا جزا دیتا ہے اور یہ بھی اس کی حکمت کا حصہ ہے کہ وہ اسے توبہ کی توفیق عطا کر دیتا ہے جس کے لئے اس کی حکمت و رحمت اور توفیق تقاضا کرتی ہے اور اسے اپنے حال پر چھوڑ کر علیحدہ ہو جاتا ہے جس کو چھوڑنا اس کا عدل و حکمت اور عدم توفیق تقاضا کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرِهًا ط وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہیں ہے طلال تمہارے لیے یہ کہ وارث ہو جاؤ تم عورتوں کے زبردستی۔ اور نہ روکو تم انہیں
لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ ۚ وَ
تاکہ لے لو تم کچھ (حصہ) اس (حق مہر) کا جو دیا تم نے ان کو۔ مگر یہ کہ کریں وہ بے حیائی کھلی کا کام۔ اور
عَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا ۚ وَيَجْعَلَ
گزر بسر کرو تم ان کے ساتھ خوش اسلوبی سے۔ پس اگر ناپسند کرو تم ان کو تو شاید کہ ناپسند کرو تم کسی چیز کو اور کر دے
اللَّهُ فِيهِ خَيْرٌ كَثِيرًا ۙ ۱۹ ۝ وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ ۙ وَآتَيْتُمْ
اللہ اس میں بھلائی بہت ۝ اور اگر چاہو تم بدلنا ایک بیوی کا ایک بیوی کی جگہ اور دیا ہو تم نے
إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ۚ تَأْخُذُوا مِنْهُ بِهَتَانَا ۙ وَإِثْمًا
ایک کو ان میں سے بہت سا مال پس نہ (واپس) لو تم اس میں سے کچھ بھی۔ کیا لو گے تم اسے بہتان باندھ کر اور گناہ

مُبَيِّنًا ۲۱) وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ

صریح ہے؟ ○ اور کیسے لوگ تم اسے جب کہ ملاپ کر چکا ہے ایک تمہارا دوسرے سے

وَ أَخَذَنَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ۲۱)

○ اور لیا ہے ان عورتوں نے تم سے عہد پختہ

زمانہ جاہلیت میں اگر کوئی شخص مر جاتا اور اپنے پیچھے بیوی چھوڑتا تو مرنے والے کا کوئی قریبی مثلاً بھائی یا چچا زاد بھائی وغیرہ سمجھتا تھا کہ وہ اس عورت کا سب سے زیادہ مستحق ہے۔ چنانچہ عورت خواہ پسند کرتی یا ناپسند کرتی وہ اس عورت پر قبضہ کر لیتا تھا اور اسے کسی اور کے ساتھ نکاح نہ کرنے دیتا۔ اگر وہ چاہتا تو وہ اس کے ساتھ اپنی مرضی کے مطابق حق مہر پر اس سے نکاح کر لیتا۔ اور اگر وہ اسے پسند نہ کرتا تو اسے نکاح کرنے سے روک دیتا اور صرف اسی کے ساتھ اس کا نکاح کرتا جسے وہ خود منتخب کرتا اور بسا اوقات وہ اس کا نکاح اس وقت تک نہ ہونے دیتا جب تک وہ مرنے والے شوہر کی میراث یا مہر میں سے اسے کچھ نہ دے دیتی۔ نیز وہ اپنی ناپسندیدہ بیوی کو بھی روک رکھتا اور دوسری جگہ نکاح نہ کرنے دیتا تا کہ وہ اپنا حق مہر اور وہ سامان ساتھ نہ لے جائے جو اس نے اسے عطا کیا تھا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان تمام امور سے اہل ایمان کو منع کیا ہے۔ سوائے مندرجہ ذیل دو حالتوں کے۔

۱۔ جب عورت برضا و رغبت اپنے سابقہ شوہر کے کسی قریبی رشتہ دار کے ساتھ نکاح کر لے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿كَرِهًا﴾ کا مفہوم مخالف ہے۔

۲۔ جب واضح بدکاری مثلاً زنا وغیرہ کا ارتکاب کرے اور فحش گوئی کے ذریعے سے اپنے شوہر کو اذیت دے تو اس صورت میں خاوند کا اس کو اس کے کرتوتوں کی سزا کے طور پر دوسری جگہ شادی کرنے سے روکنا جائز ہے تاکہ وہ خاوند سے وصول کردہ مال واپس کرنے پر آمادہ ہو جائے۔ (یہ گویا خلع کی صورت ہے جس میں خاوند حق مہر وغیرہ واپس لے سکتا ہے) لیکن شرط یہی ہے کہ یہ روکنا عدل و انصاف کے مطابق ہو۔

﴿وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ اور ان سے اچھے طریقے سے گزاران کرو، یہ حکم قولی اور فعلی دونوں قسم کی معاشرت (گزاران) کو شامل ہے، پس شوہر پر فرض ہے کہ وہ اپنی بیوی کے ساتھ اچھے طریقے سے رہے، اسے کوئی اذیت نہ دے اس کے ساتھ بھلائی اور حسن معاملہ سے پیش آئے۔ اس میں نان و نفقہ اور لباس وغیرہ سب شامل ہیں۔ پس زمان و مکان کے احوال کے مطابق شوہر کا بیوی سے معروف طریقے سے پیش آنا فرض ہے اور اسی طرح بیوی پر بھی فرض ہے۔ یہ چیز احوال کے تفاوت کے مطابق متفاوت ہوتی ہے۔

﴿فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا﴾ ”اگر تم انہیں ناپسند کرو لیکن بہت ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو برا جانو اور اللہ اس میں بہت ہی بھلائی کر دے“ یعنی اسے شوہر تم اپنی بیویوں کو ناپسند کرنے کے باوجود اپنے پاس رکھو کیونکہ ایسا کرنے میں خیر کثیر ہے۔ مثلاً اس میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل اور اس کی وصیت کو قبول کرنا ہے جس کے اندر دنیا و آخرت کی سعادت ہے۔

۳۔ شوہر کا اپنی بیوی کے ساتھ عدم محبت کے باوجود اپنے آپ کو اس کے ساتھ رہنے پر مجبور کرنا اس میں مجاہدہ نفس بھی ہے اور خلق جمیل سے آراستہ ہونا بھی۔

۴۔ بسا اوقات ناپسندیدگی زائل ہو جاتی ہے اور اس کی جگہ محبت لے لیتی ہے جیسا کہ فی الواقع ہوتا ہے۔

۵۔ اور کبھی یوں بھی ہوتا ہے اللہ تعالیٰ ان دونوں کو صالح اولاد عطا کر دیتا ہے جو دنیا و آخرت میں اپنے والدین کو نفع دیتی ہے۔ بیوی کو اپنے ساتھ رکھنے میں ان تمام امور کے امکانات موجود ہیں۔

البتہ جب بیوی سے مفارقت ناگزیر ہو جائے اور اس کو ساتھ رکھنے کی کوئی صورت بنتی نظر نہ آئے تب اسے روک رکھنا لازم نہیں ﴿وَإِنْ أَرَدْتُمْ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَّانٍ زَوْجٍ﴾ یعنی جب تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی لانا چاہو یعنی ایک بیوی کو طلاق دے کر دوسری بیوی سے نکاح کرنا چاہو تو اس میں کوئی گناہ اور حرج کی بات نہیں ﴿وَأَتَيْنَتْكُمْ إِحْدَاهُنَّ﴾ البتہ اگر تم نے جدا ہونے والی بیوی کو یا اس کو جس سے نکاح کیا ہے ﴿فَنظَارًا﴾ مال کثیر عطا کر رکھا ہو ﴿فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا﴾ تو اس سے کوئی چیز واپس نہ لو بلکہ اس میں اور زیادتی کرو اور ان کے ساتھ ٹال مٹول نہ کرو۔

یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کثرت مہر حرام نہیں۔ مگر بایں ہمہ تخفیف مہر میں رسول اللہ ﷺ کی اقتدا افضل اور زیادہ لائق اعتنا ہے اور استدلال کا پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک معاہدے کی خبر دی ہے جو ان سے واقع ہوا مگر اس پر تکبر نہیں فرمائی جس سے معلوم ہوا کہ یہ فعل حرام نہیں ہے مگر کبھی زیادہ حق مہر مقرر کرنے سے روکا بھی گیا ہے جبکہ اس میں دینی مفاسد ہوں اور اس کے مقابلے میں کوئی مصلحت نہ ہو۔

پھر فرمایا: ﴿أَتَأْخُذُونَ بِبُهْتَانٍ أَشْهَاءِ مَبِينَةٍ﴾ ”کیا تم اسے ناحق اور کھلا گناہ ہوتے ہوئے بھی لے لو گے“ کیونکہ ایسا کرنا جائز نہیں خواہ تم بیوی کو عطا کی ہوئی چیز واپس لینے کے لئے کوئی بھی حیلہ کر لو بہر حال یہ واضح گناہ ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد کے ذریعے سے اس کی حکمت بیان فرمائی ہے ﴿وَكَيْفَ تَأْخُذُونَ وَ قَدْ أَفْضَى بَعْضُكُمْ إِلَى بَعْضٍ وَأَخَذْتُمْ مِنْكُمْ مَبِينًا قَاعًا عَلِيظًا﴾ ”تم اسے کیسے لے لو گے؟ حالانکہ تم ایک دوسرے سے مل چکے ہو اور ان عورتوں نے تم سے مضبوط عہد و پیمان لے رکھا ہے“ اور اس کی توضیح یوں ہے کہ بیوی شوہر کے

لئے نکاح سے قبل حرام ہوتی ہے اس نے بیوی کے طور پر حلال ہونے کے لئے صرف حق مہر کے عوض رضامندی کا اظہار کیا تھا جو وہ بیوی کو ادا کرے گا۔ جب اس نے اپنی بیوی کے ساتھ خلوت صحیحہ میں صحبت اور مباشرت کی جو اس سے قبل حرام تھی اور وہ بیوی اس کے لئے اس عوض کے بغیر راضی نہ تھی پس شوہر نے مہر کا معوض پوری طرح وصول کر لیا، تو اس پر عوض (مہر) کی ادائیگی واجب ہوگئی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ شوہر معوض (یعنی صحبت و مباشرت) تو پورا پورا وصول کرے پھر اس کے بعد حق مہر ادا نہ کرے۔ یہ بہت بڑا ظلم اور جور ہے۔ (اس لئے ایسا نہ کرو) اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے عقد میں بیوی کے حقوق کے قیام کے لئے شوہروں سے پکا عہد لیا ہے۔ (اس کا بھی تقاضا عدل و کرم ہے نہ کہ ظلم و جبر)

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ

اور نہ نکاح کرو تم ان سے کہ نکاح کیا تمہارے باپوں نے جن عورتوں سے مگر جو پہلے گزر گیا، بلاشبہ یہ

كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿۴﴾

ہے بے حیائی کا کام اور ناراضی کی بات اور برا ہے طریقہ ○

یعنی ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپ اور دادا نکاح کر چکے ہوں ﴿إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً﴾ یہ بہت فبیح کام ہے، اور اس کی قباحت بہت بڑھی ہوئی ہے ﴿وَمَقْتًا﴾ تمہارے لئے اللہ تعالیٰ اور مخلوق کی ناراضی کا باعث ہے۔ بلکہ اس کے سبب سے بیٹا باپ سے اور باپ بیٹے سے ناراض ہو جاتا ہے حالانکہ بیٹے کو باپ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنے کا حکم ہے ﴿وَسَاءَ سَبِيلًا﴾ (اس راستے پر) چلنے والے کے لئے یہ برا راستہ ہے۔ کیونکہ یہ جاہلیت کی فبیح رسوم و عادات ہیں جن سے (معاشرے کو) پاک کرنے کے لئے اسلام آیا ہے۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهَاتُكُمْ وَبَنَاتُكُمْ وَأَخَوَاتُكُمْ وَعُمَّتُكُمْ وَخَالَاتُكُمْ وَبَنَاتُ الْأَخِ

حرام کی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور (بھتیجیاں) بیٹیاں بھائیوں کی

وَبَنَاتُ الْأَخْتِ وَأُمَّهَاتُكُمُ اللَّاتِي أَرْضَعْنَكُمْ وَأَخَوَاتُكُمُ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَأُمَّهَاتُ

اور (بھانجیاں) بیٹیاں بہنوں کی اور تمہاری مائیں وہ جنہوں نے دودھ پلایا تمہیں اور تمہاری بہنیں رضاعی اور (سائیں) مائیں

نِسَائِكُمْ وَرَبَائِبُكُمُ اللَّاتِي فِي حُجُورِكُمْ مِمَّنْ نَسَّيَكُمُ اللَّاتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ إِنْ

تمہاری بیویوں کی اور تمہاری سوتیلی بیٹیاں وہ جو (پرورش پائیں) تمہاری گودوں میں ان عورتوں (کے بطن) سے کہ صحبت کی تم نے ان سے پس اگر

لَمْ تَكُونُوا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَائِلُ أَبْنَائِكُمُ الَّذِينَ

نہیں صحبت کی تم نے ان سے تو نہیں گناہ تم پر اور (بہوئیں) بیویاں تمہارے بیٹوں کی جو

مِنْ أَصْلَابِكُمْ ۗ وَأَنْ تَجْعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ

تمہاری پشتوں سے ہیں۔ اور (حرام ہے تم پر) جمع کرنا تمہارا درمیان دو بہنوں کے، مگر جو پہلے گزر گیا

إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُورًا رَحِيمًا ﴿۱۳﴾

بلاشبہ اللہ ہے بہت بخشنے والا بڑا مہربان ○

یہ آیات کریمہ نسبی محرمات، رضاعی محرمات اور سسرالی قرابت کی بنا پر محرمات، جمع کرنے کی بنا پر محرمات اور حلال عورتوں کے احکام پر مشتمل ہیں۔

نسب کے اعتبار سے حرام عورتیں سات ہیں، جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔

- (۱) ماں: اس میں ہر وہ عورت داخل ہے جس سے آپ پیدا ہوئے ہیں خواہ وہ کتنی ہی دور اور چلی جائیں۔
- (۲) بیٹی: بیٹی کے رشتے میں ہر وہ عورت داخل ہے جس کو آپ نے جنم دیا ہے۔ (خواہ وہ کس قدر نیچے تک چلی جائیں)
- (۳) بہن: اس رشتے میں تمام حقیقی، اخیانی (ماں شریک) اور علاقائی (باپ شریک) بہنیں شامل ہیں۔
- (۴) پھوپھی: ہر وہ عورت جو آپ کے باپ یا دادا کی بہن ہے خواہ وہ کتنی ہی دور اور پر تک چلی جائیں۔
- (۵) خالہ: ہر وہ عورت جو آپ کی ماں یا آپ کی نانی کی بہن ہے خواہ کتنی ہی دور اور پر تک چلی جائیں، خواہ وہ وارث ہے یا نہیں ہے۔

(۶) اسی طرح بھائی کی بیٹیاں (بھتیجیاں) اور بہن کی بیٹیاں (بھانجیاں) خواہ کتنی ہی دور تک نیچے چلی جائیں۔ یہ وہ سات محرمات ہیں جو نسب کے اعتبار سے حرام ہیں اور ان کی حرمت پر علماء کا اجماع ہے جیسا کہ آیت کریمہ کی نص سے ظاہر ہے۔ ان مذکورہ عورتوں کے علاوہ دیگر عورتیں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں داخل ہیں ﴿وَأَحِلُّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ﴾ (النساء: ۲۴) ”ان محرمات عورتوں کے سوا دیگر تمام عورتیں تمہارے لئے حلال کر دی گئیں“ مثلاً پھوپھی کی بیٹی، چچا کی بیٹی، ماموں کی بیٹی اور خالہ کی بیٹی۔

جہاں تک رضاعت کے اعتبار سے محرمات کا تعلق ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں رضاعی ماں اور رضاعی بہن کا ذکر فرمایا ہے۔ مگر اس تحریم میں رضاعی ماں کی ماں بھی شامل ہے حالانکہ حرمت کا باعث دودھ اس کا نہیں بلکہ وہ تو دودھ کے مالک یعنی رضاعی ماں کے شوہر کا ہے۔ یہ تشبیہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ رضاعی ماں کا شوہر (یعنی دودھ کا مالک) دودھ پینے والے کا (رضاعی) باپ ہے۔ جب رضاعی باپ ہونا اور ماں ہونا ثابت ہو گیا تو ان کی بہنوں وغیرہ اور ان کے اصول و فروع کی حرمت ثابت ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ﴿يَحْرَمُ مِنَ الرِّضَاعِ مَا يَحْرَمُ مِنَ النَّسَبِ﴾^① ”جو رشتہ نسب کے اعتبار سے حرام ہے وہ رشتہ رضاعت کے اعتبار سے

① صحیح مسلم، الرضاع، باب یحرم من الرضاع..... ح: ۱۴۴۴ و سنن النسائی، النکاح، یحرم من

بھی حرام ہے۔“ پس یہ تحریم دودھ پلانے والی کی جہت سے اور اس کے خاوند کی جہت سے پھیلے گی۔ جیسا کہ وہ تحریم نسبی اقارب میں پھیلتی ہے اور یہ تحریم دودھ پینے والے بچے میں صرف اس کی اولاد تک پھیلے گی۔ مگر اس شرط کے ساتھ کہ بچے نے اپنے دو سال کی عمر میں کم از کم پانچ بار دودھ پیا ہو۔ جیسا کہ سنت نے واضح کیا ہے۔

سسرالی قرابت کے اعتبار سے حرام رشتے چار ہیں۔

باپ دادا کی بیویاں: خواہ وہ کتنی ہی دور اور پر تک چلے جائیں۔

بیٹوں کی بیویاں: خواہ کتنی ہی دور نیچے تک چلے جائیں، خواہ وہ وارث ہوں یا محجوب۔

بیوی کی ماں: خواہ کتنی ہی دور اور پر تک چلی جائیں۔

یہ تین رشتے مجرد نکاح سے حرام ہو جاتے ہیں۔

چوتھا رشتہ سوتیلی بیٹی کا ہے۔ سوتیلی بیٹی بیوی کے پچھلے شوہر سے بیوی کی بیٹی ہے۔ خواہ کتنی ہی دور نیچے چلی جائیں۔ یہ سوتیلی بیٹی اس وقت تک حرام نہیں ہوتی جب تک کہ اس کی ماں سے خلوت صحیحہ نہ ہوئی ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَرَبَّابِكُمْ اَلَّتِي فِي حُجُورِكُمْ مِّنْ نِّسَابِكُمْ اَلَّتِي دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ ”اور تمہاری پرورش کردہ وہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں ہیں، تمہاری ان عورتوں سے جن سے تم دخول (خلوت صحیحہ) کر چکے ہو۔“

جمہور اہل علم کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿اَلَّتِي فِي حُجُورِكُمْ﴾ ”جو تمہاری پرورش میں ہیں“ کی قید ہے جس میں غالب احوال کا اعتبار کیا گیا ہے اس کا مفہوم مخالف معتبر نہیں۔ بنا بریں سوتیلی بیٹی خواہ سوتیلے باپ کے گھر میں نہ ہو تب بھی حرام ہے۔ البتہ اس تقید کے دو فائدے ہیں۔ (اول) اس میں سوتیلی بیٹی کی تحریم کی حکمت کی طرف اشارہ ہے گویا وہ بھی صلبی بیٹی کی طرح ہے۔ لہذا اس کی اباحت بہت ہی قبیح بات ہے۔ (ثانی) اس میں اس امر کی دلیل ہے کہ سوتیلی بیٹی کے ساتھ تنہائی اور خلوت جائز ہے کیونکہ وہ صلبی اور نسبی بیٹیوں کی مانند ہے۔ واللہ اعلم۔

رہا ایک ساتھ نکاح میں جمع کرنے سے ممنوع اور حرام رشتے تو اللہ تعالیٰ نے دو بہنوں کو جمع کرنے کا ذکر فرمایا ہے اور ان کے جمع کرنے کو حرام ٹھہرایا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے بیوی اور اس کی پھوپھی، بیوی اور اس کی خالہ کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنے کو حرام ٹھہرایا ہے۔ پس ہر وہ دو عورتیں جن کے مابین رحم کا رشتہ ہے اگر ان دونوں عورتوں میں سے ایک کو مرد اور دوسری کو عورت مان لیا جائے تو وہ دونوں ایک دوسرے کے لئے حرام ہوں، تو ان دونوں کو جمع کرنا حرام ہوگا اور یہ اس لئے کہ اس صورت میں باہم قطع رحمی کے اسباب ہیں۔



وَلَقَدْ بَعَثْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهِيَ كَلِمٌ مَبْدُوءَةٌ

تَذَكِّرُنَا بِالْحِكْمِ وَالرَّحْمَةِ
فِي تَفْسِيرِ كَلِمَاتِ الْمَثَانِ

المعروف

(أردو)

تفسیر السعدی

فی تفسیر عبد الرحمن بن ناصر السعدی

دار السلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور
لندن • ہیوسٹن • نیو یارک



ہیڈ آفس : پوسٹ بکس: 22743 الزیاض: 11416 سعودی عرب

فون : 4033962 - 4043432 (00966 1) فیکس: 4021659

ای میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون و فیکس: 4614483

جدہ فون و فیکس: 6807752 البر فون: 8692900 فیکس: 8691551

شارجہ فون : 5632623 فیکس: 5632624 (009716)

پاکستان: ① 50 نورمال نزدیم - لے - اوکلیج لاہور فون: 7232400 - 7240024 (0092 42)

فیکس: 7354072 ای میل: darussalampk@hotmail.com

② اقراسنٹر، غزنی سٹریٹ، اڈوبازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

لندن فون: 5202666 فیکس: 5217645 (0044 208)

ہیوسٹن فون: 7220419 فیکس: 7220431 (001 713) نیویارک فون: 625 5925 (001 718)

Website: <http://www.dar-us-salam.com>

وَأَقْرَبُ إِلَيْنَا الْقُرْآنَ لِلذَّكَرِ وَمِنْ مَرَكِبِكُمْ

تيسير
الكَرَامَاتِ الرَّحْمَنِ

في تفسير كلام المثنان
(اردو ترجمہ)

پارہ نمبر پانچ 5

مفسر قرآن: فضیلہ شیخ عبدالرحمان بن ناصر السعدی رحمۃ اللہ علیہ

تصحیح: عبدالرحمان بن محمد اللویحی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ و تصحیح: پروفیسر طیب شاہین لودھی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ قرآن: حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ



دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ



فرمان الہی

وَقَالَ الرَّسُولُ
يَا رَبِّ إِنِّي قَوْمِي أَخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَلْجُورًا

اور رسول (ﷺ) روز قیامت فرمائیں گے:
"اے الہی! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔"
(الفرقان: ۳۷/۲۵۰)

فرمان نبوی

إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ
بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيُضَعِّقُ بِهَا أُخْرَى

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو بندیاں
عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلت و پستی میں ڈھیل دیتا ہے
(صحیح مسلم، حدیث: ۸۱۴)

پارہ نمبر پانچ 5

نمبر شمار	نام سورت	صفحہ نمبر	شمار پارہ
۴	سورة النساء (جاری)	500	۲ - ۵ - ۴

وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ۖ وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ ۗ تمہارے لیے جو علاوہ ہیں انکے (بشرطیکہ) تلاش کرو تم اپنے مالوں کے بدلے، نکاح میں لانے والے ہونکہ بدکاری کرنیوالے، **فَمَا اسْتَبْتَعْتُمْ بِهِ مِنْهُنَّ فَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ فَرِيضَةً ۗ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا تَرْضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا ۝** اس (کمی بیشی) میں کہ باہم راضی ہو جاؤ تم ساتھ اسکے، بعد مقرر کر لینے کے، بلاشبہ اللہ ہے خوب جاننے والا بڑا حکمت والا ○

نیز ان عورتوں سے بھی نکاح حرام ہے جو اس آیت میں مذکور ہیں۔ ﴿ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ ﴾ اور شوہروالی عورتیں بھی، (تم پر حرام ہیں) یعنی جو پہلے سے شادی شدہ اور خاوند والی ہیں۔ جب تک یہ عورتیں پہلے شوہر کی زوجیت میں ہیں اور جب تک پہلا خاوند طلاق نہ دے دے اور یہ اپنی عدت پوری نہ کر لیں اس وقت تک دوسرے خاوند کے لئے حرام ہیں۔ ﴿ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ﴾ البتہ تمہارے لئے تمہاری لونڈیاں حلال ہیں۔ اگر جنگ کے دوران خاوند والی عورت کو قیدی بنا لیا جائے تو وہ استبرائے رحم (ایک حیض) کے بعد مسلمانوں کے لئے حلال ہے۔ اگر منکوحہ لونڈی کو فروخت کر دیا جائے یا کسی کو بہہ میں دے دی جائے تو اس سے لونڈی کا نکاح فسخ نہیں ہوگا۔ دوسرا مالک پہلے مالک کے مقام پر تصور کیا جائے گا اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس میں رسول اللہ ﷺ نے بریرہ بنتی عذرا کو اپنے خاوند کے ساتھ رہنے یا نہ رہنے کا اختیار عطا فرمایا تھا۔^①

﴿ كَتَبَ اللَّهُ عَلَيْكُمْ ﴾ (یہ حکم) اللہ نے تم پر فرض کر دیا ہے۔ اس کا التزام کرو اور اس کو راہنما بناؤ۔ کیونکہ اس کے اندر تمہارے لئے شفا اور روشنی ہے اور اس کے اندر حلال و حرام کی تفصیلات ہیں۔

﴿ وَأُحِلَّ لَكُمْ مَا وَرَاءَ ذَلِكَ ﴾ ہر وہ عورت جس کا ذکر اس آیت کریمہ میں نہیں ہے وہ حلال ہے۔ حرام محدود ہے اور حلال لامحدود اور غیر محصور ہے یہ اللہ تعالیٰ کا بندوں پر لطف و کرم اس کی رحمت اور ان کے لئے اس کی عطا کردہ آسانی ہے۔

﴿ أَنْ تَبْتَغُوا بِأَمْوَالِكُمْ ﴾ اس طرح سے کہ مال خرچ کر کے ان سے نکاح کر لو۔ یعنی ان عورتوں میں سے جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے مباح قرار دیا ہے جن کو تمہاری نظر نے منتخب کیا (ان کو حق مہر کے عوض) اپنے نکاح میں لاؤ۔ ﴿ مُحْصِنِينَ ﴾ نکاح کرنے والے ہو، یعنی خود بھی زنا سے محفوظ رہتے ہوئے اور اپنی

① سنن ابی داؤد، الطلاق، باب فی المملوكة نعتق وهي تحت حرأ عبد، حدیث: ۲۲۳۱

عورتوں کو بھی زنا سے بچاتے ہوئے۔ ﴿غَيْرَ مُسْفِحِينَ﴾ ”نہ کہ بدکاری کرنے والے“ (السَّفْحُ) سے مراد ہے حرام یا حلال جگہ پانی بہانا۔ (یعنی مباشرت کرنا) کیونکہ زنا کا ارتکاب کرنے والا اپنی بیوی کو محفوظ نہیں رکھ سکتا کیونکہ وہ اپنی شہوت حرام طریقے سے پوری کرتا رہا، پس اس میں حلال طریقے سے شہوت پوری کرنے کا داعیہ کمزور پڑ گیا بنا بریں اپنی بیوی کو پاکباز رکھنے کے لئے اس کے پاس کچھ بھی باقی نہ بچا۔ اس میں اس بات کی دلیل ہے کہ صرف پاک دامنوں سے نکاح کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً وَالزَّانِيَةُ لَا يَنْكِحُهَا إِلَّا زَانٍ أَوْ مُشْرِكٌ﴾ (النور: ۳۱۲۴)

”بدکار مرد بدکار عورت یا مشرک عورت کے ساتھ نکاح کرتا ہے اور بدکار عورت کے ساتھ بھی بدکار مرد یا مشرک ہی نکاح کرتا ہے۔“

﴿فَمَا اسْتَسْتَعْنَمُ بِهِ مِنْهُنَّ﴾ ”تو جن عورتوں سے تم فائدہ حاصل کرو۔“ یعنی جن کے ساتھ تم نے نکاح کیا ہے ﴿فَاتَوْهُنَّ أَجُورَهُنَّ﴾ ”تو ان کو ان کا مہر ادا کر دو۔“ یعنی تم ان کے جسم سے فائدہ اٹھانے کے بدلے میں ان کو ان کا اجر یعنی حق مہر ادا کرو۔ بنا بریں جب شوہر اپنی بیوی کے ساتھ خلوت کرے سب سے پہلے مہر مقرر کرے ﴿فَرِيضَةً﴾ ”جو مقرر کیا ہو۔“ یعنی تمہاری اپنی بیویوں کو مہر عطا کرنا تم پر فرض ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے فرض کیا ہے۔ یہ کوئی عطیہ اور بخشش نہیں ہے کہ دل چاہا تو دے دیا اور دل چاہا تو واپس لے لیا۔ یا ”فَرِيضَةٌ“ کے ایک معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں کہ مہر ایک مقرر کردہ حق ہے، جسے تم نے خود مقرر کیا ہے، جس کی ادائیگی تم پر واجب ہے، پس تم اس میں سے کچھ کم نہ کرو۔

﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا تَرَضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيضَةِ﴾ ”اور تم پر گناہ نہیں اس میں جس پر تم مہر مقرر کرنے کے بعد باہم رضامند ہو جاؤ“ یعنی اگر شوہر مقرر کردہ مہر سے زیادہ ادا کر دیتا ہے یا بیوی برضا و رغبت مہر میں سے کچھ حصہ ساقط کر دیتی ہے۔ (تو ایسا کرنا جائز ہے)۔ اکثر مفسرین کا قول یہی ہے۔ بعض دیگر مفسرین کی رائے یہ ہے کہ آیت کریمہ متعہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو اسلام کے ابتدائی زمانہ میں حلال اور جائز تھا۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے حرام قرار دے دیا۔ متعہ کی صورت یہ تھی کہ وقت اور معاوضہ مقرر کر دیا جاتا تھا، پھر جب ان دونوں کے درمیان معینہ مدت پوری ہو جاتی اور مہر مقرر کرنے کے بعد باہم رضامند ہو جاتے تو ان دونوں پر کوئی گناہ نہ ہوتا۔ واللہ اعلم

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ ”بے شک اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ وسیع کامل علم اور کامل حکمت والا ہے۔ یہ اس کا علم اور حکمت ہی ہے کہ اس نے تمہارے لئے یہ قوانین بنائے اور تمہارے لئے یہ حد و مقرر کیں جو حلال و حرام کے درمیان فاصلہ رکھتی ہیں۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا أَنْ يَنْكِحَ الْمُحْصَنَاتِ الْمُؤْمِنَاتِ فَمِنْ مَّا
 اور جو شخص نہ رکھے تم میں سے طاقت یہ کہ نکاح کرے وہ آزاد مومن عورتوں سے (تو) نکاح کر لے) اس سے کہ
 مَلَكَتْ أَيْمَانَكُمْ مِّنْ فَتَيَاتِكُمُ الْمُؤْمِنَاتِ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَيْمَانِكُمْ بِعَضْمِكُمْ
 مالک ہوئے دائیں ہاتھ تمہارے تمہاری مومن لونڈیوں سے اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے ایمان کو۔ ایک تمہارا
 مِّنْ بَعْضٍ فَإِنْ كَوَّهْتُمْ بِأَذْنِ أَهْلِيهِنَّ وَآتَوْهُنَّ أَجْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ
 دوسرے سے ہے پس نکاح کر لو تم ان سے اجازت سے انکے مالکوں کی اور دو تم انکو مہراں کے موافق دستور کے
 مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسْفِحَاتٍ وَلَا مَتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ فَإِذَا أُحْصِنَ فَإِنَّ أَتَيْنَ
 جبکہ وہ نکاح میں لائی گئی ہوں نہ ہوں بدکاری کرنے والیں اور نہ بنانے والیں چھپے پار۔ پس جب وہ نکاح میں لے آئی جائیں پھر اگر کریں وہ
 بِفَأَحْشَهِ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفٌ مَّا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ ذَلِكَ لِمَنْ
 بے حیائی کا کام تو ان پر آدھی ہے وہ جو کہ اوپر آزاد عورتوں کے ہے سزا سے۔ یہ (اجازت) اسکے لیے ہے جو
 خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ وَأَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۵﴾

ڈرے تکلیف میں پڑنے سے تم میں سے اور یہ کہ صبر کرو تم (تو) بہتر ہے تمہارے لیے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے O
 یعنی تم میں سے جو کوئی آزاد اور مومن عورتوں کو حق مہر ادا کرنے کی استطاعت نہیں رکھتا اور اس کے ساتھ
 ساتھ اسے اپنے آپ پر بدکاری اور مشقت کا خطرہ ہو تو اس کے لئے مومن لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے
 یہ تو ظاہری احوال کے مطابق ہے ورنہ اللہ تعالیٰ مومن صادق کو خوب جانتا ہے۔ دنیاوی امور ان کے ظاہر پر مبنی
 ہیں اور آخرت کے احکام کا تعلق انسان کے باطن میں چھپی نیتوں کے ساتھ ہے۔

﴿فَإِنْ كَوَّهْتُمْ بِأَذْنِ أَهْلِيهِنَّ﴾ ”پس تم لونڈیوں کے ساتھ ان کے مالکوں کی اجازت لے کر نکاح کر لو“
 خواہ مالک ایک ہو یا متعدد ہوں۔ ﴿وَآتَوْهُنَّ أَجْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ ”اور دستور کے مطابق ان کا مہر بھی ادا
 کر دو۔“ یعنی اگرچہ جن کے ساتھ نکاح کیا جا رہا ہے وہ لونڈیاں ہیں تاہم ان کو مہر ادا کرنا اسی طرح فرض ہے جس
 طرح آزاد کو ادا کرنا فرض ہے۔ مگر لونڈیوں سے نکاح کرنا صرف اسی صورت میں جائز ہے کہ وہ ﴿الْمُحْصَنَاتِ﴾
 ہوں یعنی زنا سے پاک ہوں، ﴿غَيْرَ مُسْفِحَاتٍ﴾ علانیہ بدکاری سے بچی ہوئی ہوں، ﴿وَلَا مَتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ﴾
 نہ انہوں نے خفیہ یا ردوست بنا رکھے ہوں۔

حاصل کلام یہ ہے کہ آزاد مسلمان کے لئے لونڈی کے ساتھ ان چار شرائط کے بغیر نکاح کرنا جائز نہیں جن کو
 اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔

(۱) لونڈیاں مومن ہوں۔ (۲) ظاہر اور باطن میں پاکباز ہوں۔ (۳) آزاد عورت کے ساتھ نکاح کی

استطاعت نہ ہو۔ (۴) عدم نکاح کی صورت میں بدکاری کا خوف ہو۔

جب یہ شرائط پوری ہوں تو لونڈی کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے۔ بایں ہمہ لونڈیوں کے ساتھ نکاح کرنے سے باز رہنا افضل ہے، کیونکہ لونڈیوں سے نکاح کرنے والے کی اولاد کو غلامی کا طعنہ دیا جاتا ہے نیز یہ گھٹیا بات ہے۔ یہ اس صورت میں ہے کہ انسان صبر کر سکتا ہو اگر وہ حرام میں پڑنے سے باز نہ رہ سکتا ہو تب اس پر لونڈی سے نکاح کرنا واجب ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَأَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ وَاللَّهُ عَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ اور تمہارا صبر کرنا تمہارے لئے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔“

﴿فَإِذَا أَحْصَيْنَ﴾ یعنی جب وہ نکاح کر لیں یا مسلمان ہو جائیں۔ ﴿فَإِنْ أَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفٌ مَّا عَلَى الْمُحْصَنَاتِ مِنَ الْعَذَابِ﴾ پھر اگر ان سے بے حیائی کا کام سرزد ہو تو انہیں آزاد عورتوں سے آدھی سزا دی جائے گی، یعنی جو آزاد عورتوں کی سزا ہے اس سے نصف لونڈیوں کی سزا ہے۔ وہ سزا جس کا نصف ممکن ہے کوڑوں کی سزا ہے تب ان کے لئے پچاس کوڑوں کی سزا ہے۔ رہی رجم کی بات تو لونڈیوں کے لئے رجم نہیں ہے کیونکہ رجم کا نصف ممکن نہیں۔ لہذا اس میں پہلا قول یہ ہے کہ اگر انہوں نے نکاح نہ کیا ہو تو ان پر کوئی حد نہیں۔ البتہ ان کو تعزیری سزا دی جائے تاکہ وہ فواحش کے ارتکاب سے باز رہیں اور دوسرا قول یہ ہے کہ اگر غیر مسلم لونڈیاں فواحش کا ارتکاب کریں تو ان کو بھی تعزیر کی جائے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ کا اختتام اپنے دو اسمائے مبارک (الْغُفُورُ) ”بخشنے والا“ (الرَّحِيمُ) ”نہایت رحم کرنے والا“ پر کیا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے یہ احکام بندوں پر رحمت اور اس کا کرم و احسان ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو تنگی میں مبتلا نہیں کیا بلکہ ان کو کشادگی اور وسعت عطا کی۔ شاید حد کا ذکر کرنے کے بعد مغفرت کا ذکر کرنا اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ حد کفارہ ہے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے گناہ بخشتا ہے جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے۔

مذکورہ بالا حد میں غلام کا بھی وہی حکم ہے جو لونڈی کا حکم ہے کیونکہ دونوں میں امتیاز اور فرق کرنے والا سبب معدوم ہے۔

يُرِيدُ اللَّهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوبَ عَلَيْكُمْ ط
 ارادہ کرتا ہے اللہ کہ بیان کرے تمہارے لیے اور ہدایت کرے تمہیں طریقوں کی ان لوگوں کے جو تم سے پہلے ہوئے اور متوجہ ہو تم پر،
 وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يَتُوبَ عَلَيْكُمْ وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ
 اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے اور اللہ ارادہ کرتا ہے کہ متوجہ ہو وہ تم پر اور ارادہ کرتے ہیں وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں

الشَّهْوَةِ أَنْ تَمِيلُوا مِيلًا عَظِيمًا ﴿۲۷﴾

خواہشات کی یہ کہ پھر جاؤ تم (حق سے) پھر جانا بہت زیادہ ۰

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو اپنی عظیم نوازش بہت بڑے فضل و کرم اور اپنے مومن بندوں کی حسن تربیت اور دین کی سہولت سے آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذَيِّبَنَّ لَكُمْ﴾ ”اللہ چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے بیان کرے، یعنی حق و باطل اور حلال و حرام میں سے جس چیز کی توضیح کے تم محتاج ہو اللہ تعالیٰ اسے کھول کھول کر بیان کرتا ہے ﴿وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں کا راستہ دکھاتا ہے جن پر اللہ تعالیٰ نے احسان کیا یعنی انبیائے کرام اور ان کے تبعین کی سیرت حمیدہ ان کے افعال صالحہ ان کی عادات کاملہ اور ان کی توفیق تام کا راستہ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے جو ارادہ فرمایا اسے نافذ کیا تمہارے سامنے اسے پوری طرح واضح کر دیا جیسے تم سے پہلے لوگوں پر اسے پوری طرح واضح کر دیا تھا اور تمہیں علم و عمل میں عظیم ہدایت سے نوازا ﴿وَيُؤْتِبَ عَلَيْكُمْ﴾ ”اور رجوع کرے تم پر“ یعنی اللہ تم پر تمہارے تمام احوال میں اور تمہارے لئے بنائی ہوئی شریعت میں اپنے لطف و کرم کا فیضان کرتا ہے۔ یہاں تک کہ تمہارے لئے ان حدود پر ٹھہرنا ممکن ہو جاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمائی ہیں اور تم اسی پر اکتفاء کرتے ہو جو اس نے تمہارے لئے حلال ٹھہرایا ہے۔ پس اس آسانی کے باعث جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے پیدا کی ہے تمہارے گناہ کم ہو جاتے ہیں پس یہ اللہ کا اپنے بندے کی طرف توبہ کے ساتھ پلٹنا ہے۔ نیز اللہ تبارک و تعالیٰ کا اپنے بندوں کی طرف توبہ کے ساتھ پلٹنا یہ بھی ہے کہ جب ان سے گناہ کا ارتکاب ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر رحمت کے دروازے کھول دیتا ہے اور ان کے دلوں میں انابت اور تذلل الہام کر دیتا ہے پھر وہ توبہ کو قبول کرتا ہے جس کی توفیق اس نے خود عطا کی تھی۔ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی حمد و ثنا ہے۔ ﴿وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ ”اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔“ یعنی وہ کامل حکمت والا ہے یہ اس کے علم ہی کا حصہ ہے کہ اس نے تمہیں اس چیز کی تعلیم دی جس کا تمہیں علم نہیں تھا۔ یہ اشیاء اور یہ حدود اسی زمرے میں آتی ہیں اور اس کی حکمت کے حصے سے یہ ہے کہ وہ اس بندے کی توبہ قبول کرتا ہے جس کی توبہ قبول کرنے کا تقاضا اس کی حکمت اور رحمت کرتی ہے اور اس بندے کو چھوڑ کر اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے جس کو اپنے حال پر چھوڑ دینا اس کی حکمت اور عدل تقاضا کرتا ہے اور جو توبہ کی قبولیت کا اہل نہیں ہوتا۔

﴿وَاللَّهُ يُرِيدُ أَنْ يُتُوبَ عَلَيْكُمْ﴾ ”اور اللہ تو چاہتا ہے کہ تم پر مہربانی کرے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ ایسی توبہ (رجوع) کے ساتھ تمہاری طرف توجہ کرنا چاہتا ہے جو تمہاری پراگندگی کو درست کرے تمہارے تفرقہ کو جمعیت قلبی میں اور تمہارے بعد کو قرب میں بدل دے۔ ﴿وَيُرِيدُ الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الشَّهْوَاتِ﴾ ”اور چاہتے ہیں وہ جو اپنی خواہشوں کے پیچھے چلتے ہیں۔“ یعنی وہ لوگ جو اپنی شہوات کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں وہ اپنے محبوب کی رضا پر ان شہوات کو ترجیح دیتے ہیں یہ لوگ اپنی خواہشات نفس کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ لوگ کفار اور نافرمانوں کی اصناف میں سے ہیں جو اپنی خواہشات کو اپنے رب کی اطاعت پر مقدم رکھتے ہیں پس یہ لوگ چاہتے ہیں ﴿أَنْ تَمِيلُوا مِيلًا﴾

﴿کہ تم (کچی کی طرف) بہت زیادہ جھک جاؤ﴾، یعنی تم صراطِ مستقیم سے انحراف کر کے ان لوگوں کی راہ پر چل نکلو جو مغضوب اور گمراہ ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ تمہیں اللہ رحمان کی اطاعت سے ہٹا کر شیطان کی اطاعت کی طرف پھیر دیں اور ہر قسم کی سعادت کی حدود سے نکال کر جو کہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل میں پنہاں ہے، شقاوت اور بدبختی کے گڑھے میں دھکیل دیں جو کہ شیطان کی پیروی کا نتیجہ ہے۔

جب تم نے یہ پہچان لیا کہ اللہ تعالیٰ تمہیں صرف اسی چیز کا حکم دیتا ہے جس میں تمہاری اصلاح، تمہاری فلاح اور تمہاری سعادت ہے اور یہ کفار جو اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی کرتے ہیں تمہیں ان امور کا حکم دیتے ہیں جس میں تمہارے لئے انتہائی خسارہ اور بدبختی ہے۔ پس تم ان دونوں داعیوں میں سے صرف اسے منتخب کرو جو چننے جانے کا زیادہ مستحق ہے اور دونوں راستوں میں سے وہ راستہ اختیار کرو جو زیادہ بہتر ہے۔

يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ ۖ وَخَلَقَ الْإِنْسَانَ ضَعِيفًا ﴿٢٥﴾

ارادہ کرتا ہے اللہ یہ کہ آسانی کرے تم سے اور پیدا کیا گیا ہے انسان بہت کمزور

﴿يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُخَفِّفَ عَنْكُمْ﴾ اللہ چاہتا ہے کہ تم پر سے بوجھ ہلکا کرے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ اوامر و نواہی کی آسانی کے ذریعے سے تمہارے لئے تخفیف پیدا کرنا چاہتا ہے۔ پھر بعض شرعی احکام میں مشقت کے باوجود اگر حاجت تقاضا کرتی ہے تو اضطراری حالت میں مجبور شخص کے لئے انہیں مباح کر دیا ہے مثلاً مردار اور خون وغیرہ کا تناول کرنا مجبور شخص کے لئے مباح ہے۔ اسی طرح مذکورہ شرائط کو ملحوظ رکھتے ہوئے لوٹنڈی سے نکاح کرنا جائز ہے۔ یہ اس کی رحمت کاملہ اور اس احسان کے سبب سے ہے جو سب کو شامل ہے اور یہ اس کی حکمت اور علم پر مبنی ہے۔ وہ جانتا ہے کہ انسان ہر لحاظ سے کمزور ہے، اس کی بنیاد ہی کمزوری پر رکھی گئی ہے، اس کا عزم و ارادہ کمزور ہے اور ایمان و صبر کمزور ہے۔ پس ان احوال میں مناسب یہی تھا کہ اللہ تعالیٰ ان احکام میں تخفیف کر دے جن کی بندہ اپنی کمزوری کی وجہ سے تعمیل سے قاصر ہے۔ اس کا ایمان، صبر اور قوت جن کا بوجھ اٹھانے کی طاقت نہیں رکھتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ کھاؤ تم اپنے مال آپس میں ناحق طریقے سے مگر یہ کہ ہو تجارت

عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ﴿٢٥﴾ وَمَنْ يَفْعَلْ

رضامندی سے آپس کی اور نہ قتل کرو تم اپنے نفسوں کو بلاشبہ اللہ ہے تمہارے ساتھ بڑا مہربان اور جو کرے گا

ذَلِكَ عَدُوًّا ۖ وَأَنَا وَظَلْمًا ۖ فَسَوْفَ نُصَلِّيهِ نَارًا ۖ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿٢٥﴾

یہ (کام) زیادتی اور ظلم سے، تو عنقریب داخل کریں گے ہم اس کو آگ میں، اور ہے یہ اوپر اللہ کے آسان

اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو باہم ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے کھانے سے منع کیا ہے اور اس میں غصب کر کے مال کھانا، چوری کے ذریعے سے مال کھانا، جوئے کے ذریعے سے مال ہتھیانا اور دیگر ناجائز اور گھنیا طریقوں سے مال حاصل کرنا سب شامل ہے۔ بلکہ شاید اس میں آپ کا اپنا وہ مال کھانا بھی آجاتا ہے جو آپ تکبر اور اسراف سے کھاتے ہیں کیونکہ یہ بھی باطل ہے، طریق حق نہیں ہے۔ پھر چونکہ اس نے باطل طریقے سے مال کھانے سے روک دیا ہے اس لئے اس نے تجارت اور ایسے پیشوں کے ذریعے سے جس میں کوئی شرعی ممانعت نہ ہو، اور جو باہم رضامندی اور جائز شرائط پر مشتمل ہوں، مال کمانا مباح قرار دے دیا۔ ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ اور اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو۔ یعنی ایک دوسرے کو قتل نہ کرو اور نہ کوئی شخص اپنے آپ کو قتل کرے۔ اس میں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنا اور ایسے خطرات مول لینا شامل ہیں جن کا نتیجہ ہلاکت اور اتلاف کے سوا کچھ نہیں۔

﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ ”کچھ شک نہیں کہ اللہ تم پر مہربان ہے۔“ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اس نے تمہاری جان اور مال کو محفوظ کیا، ان کو ضائع کرنے اور تلف کرنے سے منع کیا ہے اور اس کے لئے اسی طرح کی سزائیں کی جیسے دیگر جرائم پر حدود ہیں۔

ذرا اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ﴾ اور ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ﴾ کے اختصار و ایجاز اور اس کی جامعیت پر غور فرمائیے کہ یہ ارشاد دوسروں کے مال اور خود اپنے مال دوسروں کی جان اور خود اپنی جان کو شامل ہے اور ایسی عبارت کے ذریعے بیان کیا ہے جو ﴿لَا يَأْكُلُ بَعْضُكُم مَّالَ بَعْضٍ﴾ اور ﴿لَا يَقْتُلُ بَعْضُكُم بَعْضًا﴾ سے زیادہ مختصر ہے اور اس کے ساتھ ساتھ یہ مؤخر الذکر عبارت دوسروں کے مال اور دوسروں کے نفس کو شامل کرنے سے قاصر ہے۔ نیز جان اور مال کی عمومیت کے ساتھ تمام اہل ایمان کی طرف اضافت کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ تمام اہل ایمان باہم محبت کرنے، باہم رحم کرنے، باہم شفقت و عافیت سے پیش آنے میں اور اپنے مشترک مصالح میں جسد واحد کی مانند ہیں۔ کیونکہ ان کے ایمان نے ان کو دینی اور دنیاوی مصالح پر جمع کر دیا ہے۔ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے باطل طریقے سے مال کھانے سے روک دیا، کیونکہ دوسروں کا مال ہتھیانا اور کھانا ان کے لئے نقصان دہ تھا، تب مختلف قسم کے پیشوں کو جن میں ان کی مصلحت تھی مثلاً تجارت، صنعت و حرفت اور اجارات وغیرہ کو ان کے لئے مباح کر دیا، اس لئے فرمایا: ﴿إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِنْكُمْ﴾ ”اگر آپس کی رضامندی سے تجارت کا لین دین ہو جائے تو وہ جائز ہے۔“ یعنی تجارت تمہارے لئے مباح ہے۔ تجارت ہونے کے ساتھ ساتھ باہمی رضامندی کی شرط اس امر کی دلیل ہے کہ یہ تجارتی عقد سود پر مبنی نہ ہو۔ کیونکہ سود تجارت نہیں ہے بلکہ سود تجارت کے مقاصد کے خلاف ہے۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ اس تجارتی عقد کے

دونوں فریق برضا و رغبت اسے قبول کریں اور کامل رضا و رغبت یہ ہے کہ جس معاملے پر معاہدہ کیا گیا ہے وہ پوری طرح معلوم ہو کیونکہ اگر وہ چیز جس پر معاہدہ کیا گیا ہے پوری طرح معلوم نہ ہوگی۔ تو یہ معاہدہ تسلیم و رضامندی پر مبنی متصور نہ ہوگا کیونکہ جس چیز کا حصول انسان کی طاقت اور اختیار میں نہ ہو جو بازی ہے۔ اسی طرح دھوکے کی بیج اپنی تمام انواع سمیت باہمی رضامندی سے خالی ہوتی ہے اس لئے ایسا معاہدہ منعقد نہیں ہوتا۔

اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ معاہدے قول و فعل کے ذریعے سے اظہار رضامندی سے منعقد ہو جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عقد کے انعقاد کے لئے رضامندی کی شرط عائد کی ہے اور رضامندی کا اظہار جس طریقے سے بھی کیا جائے اس سے معاہدہ منعقد ہو جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد کا اختتام اس جملے پر کیا ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا﴾ ”کچھ شک نہیں کہ اللہ تم پر مہربان ہے۔“ یہ اس کی رحمت ہی ہے کہ اس نے تمہاری جان اور مال کو محفوظ و مامون کیا اور تمہیں جان و مال کو نقصان پہنچانے سے منع فرمایا۔

﴿وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ﴾ ”اور جو ایسا کرے گا“، یعنی باطل طریقے سے لوگوں کے مال کھانا اور انسان کو ناحق قتل کرنا ﴿عَدُوًّا وَظَلْمًا﴾ ”تعدی اور ظلم سے۔“ یعنی لاعلمی اور بھول کر نہیں بلکہ ظلم اور تعدی سے ﴿فَسَوْفَ نُضَلِّيهِ نَارًا﴾ ”تو ہم اسے آگ میں داخل کریں گے“ یہ بہت بڑی آگ ہوگی جیسا کہ یہ (نارًا) کے کمرہ ہونے سے مستفاد ہو رہا ہے ﴿وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا﴾ ”اور یہ اللہ تعالیٰ کے لئے بہت آسان ہے۔“

إِنْ تَجْتَنِبُوا كِبَائِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ

اگر بچو گے تم ان بڑے گناہوں سے کہ روکے جاتے ہو تم ان سے، تو دور کر دیں گے ہم تم سے تمہاری برائیاں

وَنُدْخِلْكُمْ مَدْخَلًا كَرِيمًا ﴿۳۱﴾

اور داخل کریں گے تمہیں جگہ میں عزت کی ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل ایمان سے وعدہ فرمایا ہے کہ اگر وہ بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب کریں گے تو وہ ان کے تمام گناہ اور برائیاں بخش دے گا اور انہیں اچھا ٹھکانا عطا کرے گا جہاں خیر کثیر ہوگا اور وہ ہے جنت جو ایسی نعمتوں پر مشتمل ہے جو کسی آنکھ نے کبھی دیکھی نہ کسی کان نے سنی اور نہ کسی بشر کے حاشیہ خیال میں ان کا گزر ہوا ہے۔ بڑے بڑے گناہوں سے اجتناب میں ان فرائض کا بجالانا بھی شامل ہے جن کو ترک کرنے والا گناہ کبیرہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ نماز پنجگانہ، نماز جمعہ اور رمضان کے روزے رکھنا وغیرہ۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ”نماز پنجگانہ اور جمعہ سے جمعہ اور رمضان سے رمضان کے مابین جو گناہ سرزد ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو مٹا دیتا ہے بشرطیکہ کبائر سے بچتے رہیں۔“^①

① صحیح مسلم: الصلوٰۃ، باب الصلوات الخمس الخ، حدیث: ۵۰۲

گناہ کبیرہ کی بہترین تعریف یہ ہے: گناہ کبیرہ وہ گناہ ہے جو دنیا میں حد کا موجب ہو یا آخرت میں اس پر سخت وعید آئی ہو یا اس کے مرتکب کے ایمان کی نفی یا اس پر لعنت کی گئی ہو یا اس گناہ پر سخت غصے کا اظہار کیا گیا ہو۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللَّهُ بِهِ بَعْضَكُمْ عَلَى بَعْضٍ ۚ لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا
اور نہ تمنا کرو تم اس چیز کی کہ فضیلت دی اللہ نے اسکے ساتھ بعض تمہارے کو بعض پر مردوں کیلئے حصہ ہے اس سے
اَكْتَسَبُوا ۗ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اَكْتَسَبْنَ ۗ وَسْئَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ ۗ
جو کمایا انہوں نے اور عورتوں کیلئے حصہ ہے اس سے جو کمایا انہوں نے اور سوال کرو تم اللہ سے اسکے فضل کا

إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا ﴿۳۶﴾

بلاشبہ اللہ ہے ساتھ ہر چیز کے خوب جاننے والا ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل ایمان سے فرمایا ہے کہ وہ اس چیز کی تمنا نہ کریں جو اس نے اپنے فضل و کرم سے دوسروں کو عطا کی ہے، خواہ یہ ممکن امور ہوں یا غیر ممکن۔ چنانچہ عورتیں مردوں کے خصائص کی تمنا نہ کریں جن کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر فضیلت عطا کی ہے۔ نہ صاحب فقر اور صاحب نقص مال داری اور کاملیت کی مجرد تمنا کریں کیونکہ ایسی مجرد تمنا حسد کے زمرے میں شمار ہوتی ہے یعنی دوسروں پر اللہ تعالیٰ کی نعمت دیکھ کر اس سے اس کے سلب ہونے اور خود کو حاصل ہونے کی تمنا کرنا نیز یہ تمنا اس امر کی متقاضی ہے کہ تمنا کرنے والا اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر پر ناراض ہے اور یہ اس بات کی علامت ہے کہ وہ کاہلی اور جھوٹی تمناؤں میں گرفتار ہے جو عمل اور محنت سے عاری ہوتی ہیں، البتہ صرف دو امور محمود ہیں۔

(۱) بندہ اپنی استطاعت اور مقدرت بھر اپنے دینی اور دنیاوی مصالح کے حصول کے لئے کوشش اور جدوجہد کرے۔

(۲) اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل و کرم کا سوال کرنے اپنے نفس پر بھروسہ کرے نہ اپنے رب کے سوا کسی اور پر۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا اَكْتَسَبُوا﴾ ”مردوں کو ان کاموں کا ثواب ہے جو انہوں نے کیے۔“ یعنی مردوں کے نتیجہ خیز اعمال میں ان کا حصہ ہے ﴿وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ مِّمَّا اَكْتَسَبْنَ﴾ ”اور عورتوں کے لئے اس میں سے حصہ ہے جو وہ کمائیں“ پس ان میں سے تمام لوگ وہی کچھ حاصل کرتے ہیں جو انہوں نے کمایا اور جس میں انہوں نے محنت کی ﴿وَسْئَلُوا اللَّهَ مِنْ فَضْلِهِ﴾ ”اور اللہ سے اس کا فضل مانگتے رہو۔“ یعنی اپنے دین و دنیا کے تمام مصالح میں صرف اللہ تعالیٰ سے اس کے فضل کا سوال کرو۔

یہ بندہ مؤمن کا کمال اور اس کی سعادت کا عنوان ہے۔ وہ شخص اس سے محروم ہے جو عمل کو چھوڑ دیتا ہے اپنے نفس پر بھروسہ کرتا ہے اور اپنے آپ کو اپنے رب کا محتاج نہیں سمجھتا۔ یا اس میں دونوں چیزیں جمع ہیں۔ (عمل کرتا

ہے نہ رب کی طرف رجوع اور اس پر اعتماد) یہ شخص خائب و خاسر اور اللہ تعالیٰ کی مدد سے محروم ہے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا﴾ ”کچھ شک نہیں کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔“ پس وہ صرف اسے عطا کرتا ہے جو اس کے علم میں اس کا اہل ہوتا ہے اور اسے محروم کر دیتا ہے جو اس کے علم میں غیر مستحق ہوتا ہے۔

وَلِكُلِّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبُونَ وَالَّذِينَ

اور ہر ایک کیلئے بنائے ہم نے وارث اس (مال) کے جو چھوڑا ماں باپ نے اور قریب تر رشتے داروں نے اور وہ لوگ کہ (جن سے) عَقَدْتَ أَيْمَانَكُمْ فَأَتَوْهُمْ نَصِيبَهُمْ ط إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿۳۶﴾
گرہ باندھی (عہد کیا) تمہارے دائیں ہاتھوں نے، تو دو تم ان کو حصہ ان کا۔ بلاشبہ اللہ ہے اوپر ہر چیز کے گواہ

﴿وَلِكُلِّ﴾ ”اور واسطے ہر ایک کے“ یعنی تمام لوگوں میں سے ﴿جَعَلْنَا مَوَالِيَ﴾ ”ہم نے وارث بنائے“ وہ اس کی سرپرستی کرتے ہیں اور وہ بھی نصرت و حمایت اور دیگر معاملات میں معاونت کے ذریعے سے ان کی سرپرستی کرتا ہے ﴿مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبُونَ﴾ ”اس مال کے جو چھوڑ گئے ماں باپ اور قریب دار“ اس میں اصول و فروع اور حواشی کے تعلق سے تمام رشتہ دار شامل ہیں۔ یہ تمام لوگ قرابت کے اعتبار سے وارث (موالی) ہیں۔ پھر سرپرستوں (موالی) کی ایک اور قسم کا ذکر کیا۔ ﴿وَالَّذِينَ عَقَدْتَ أَيْمَانَكُمْ﴾ ”اور جن سے تمہارا معاہدہ ہوا“ یعنی وہ لوگ جن کے ساتھ تم باہم نصرت و حمایت کر کے اور مال میں اشتراک کا معاہدہ کر کے ایک دوسرے کے حلیف بنے ہو۔

یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر انعام ہے۔ سرپرست ایک دوسرے کی وہاں مدد کرتے ہیں جہاں ان میں سے تہا آدمی کسی چیز پر قادر نہیں ہوتا۔ ﴿فَأَتَوْهُمْ نَصِيبَهُمْ﴾ ”پس ان کو ان کا حصہ دو“ یعنی غیر معصیت کے امور میں اپنے سرپرستوں اور رشتہ داروں کو نصرت و معاونت اور اپنی مدد سے حصہ دو۔ مگر میراث ان لوگوں کا حق ہے جو رشتہ داروں میں سب سے زیادہ قریب ہیں۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا﴾ ”بے شک ہر چیز اللہ کے روبرو ہے“ یعنی وہ ہر چیز کی اطلاع رکھتا ہے۔ اپنے علم کے ذریعے سے تمام امور کی اپنی بصر کے ذریعے سے اپنے بندوں کی تمام حرکات کی اور اپنی سمع کے ذریعے سے ان کی تمام آوازوں کی خبر رکھتا ہے۔

الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَىٰ بَعْضٍ وَبِمَا

مرد حاکم ہیں اوپر عورتوں کے بہ سبب اسکے جو فضیلت دی اللہ نے ان میں سے بعض کو اوپر بعض کے اور بہ سبب اسکے أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ ط فَالصَّالِحَاتُ قَنِتَتْ حِفْظًا لِلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ
جو خرچ کرتے ہیں وہ اپنے مالوں سے۔ پس نیک عورتیں فرماں بردار ہوتی ہیں حفاظت کرنے والیاں پیٹھ پیچھے ساتھ حفاظت کرنے

اللَّهُ ط وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ فَعِظُوهُنَّ وَاهْجُرُوهُنَّ فِي الْمَضَاجِعِ
اللہ کے۔ اور وہ عورتیں کہ ڈرتے ہو تم انکی سرکشی سے، تو نصیحت کرو تم انکو اور الگ کر دو ان کو خواب گاہوں میں
وَاضْرِبُوهُنَّ فَإِنْ أَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلًا إِنَّ اللَّهَ
اور مارو انہیں۔ پھر اگر اطاعت کریں وہ تمہاری، تو نہ تلاش کرو ان پر کوئی راہ (ستانے کی)۔ بلاشبہ اللہ

كَانَ عَلِيًّا كَبِيرًا ﴿۳۳﴾

ہے بہت بلند نہایت بڑا

اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے ﴿الرِّجَالُ قَوُّمُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ ”مرد عورتوں کے مگر ان اور محافظ ہیں“، یعنی مرد
عورتوں سے اللہ تعالیٰ کے حقوق کا التزام کروانے والے ان سے ان کے فرائض کی حفاظت کروانے والے اور ان
کو مفاسد سے روکنے والے ہیں اور اس اعتبار سے وہ عورتوں پر قوام ہیں اور مردوں پر فرض ہے کہ وہ عورتوں
سے ان امور کا التزام کروائیں۔ وہ عورتوں پر اس اعتبار سے بھی قوام ہیں کہ وہ ان پر خرچ کرتے ہیں اور انہیں
لباس اور مسکن مہیا کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس سبب کا ذکر کیا ہے جو عورتوں پر مردوں کے قوام ہونے کا
موجب ہے فرمایا: ﴿بِمَا فَضَّلَ اللَّهُ بَعْضَهُمْ عَلَى بَعْضٍ وَبِمَا أَنْفَقُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾ ”اس لیے کہ اللہ نے
بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے اور اس لیے بھی کہ مرد اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔“ یعنی اس سبب سے کہ مردوں کو
عورتوں پر فضیلت حاصل ہے نیز اس سبب سے کہ وہ ان پر خرچ کرتے ہیں۔ پس مردوں کی عورتوں پر فضیلت کی
متعدد وجوہات ہیں۔

(۱) تمام بڑے بڑے منصب مردوں کے ساتھ مخصوص ہیں، نبوت، رسالت اور بہت سی عبادات مثلاً جہاد
عمیرین اور جمعات وغیرہ میں مردوں کو اختصاص حاصل ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے مردوں کو وافر عقل و قار صبر اور وہ جفاکشی عطا کی ہے جو عورتوں میں نہیں پائی جاتی۔

(۳) اسی طرح اللہ تعالیٰ نے مردوں کو اپنی بیویوں پر خرچ کرنے کی ذمہ داری عطا کی ہے بلکہ بہت سے
اخراجات ایسے ہیں جو صرف مردوں سے مختص ہیں اور اس اعتبار سے عورتوں سے ممتاز ہیں۔ شاید اللہ
تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَبِمَا أَنْفَقُوا﴾ ”اور اس لیے بھی کہ وہ (مرد) خرچ کرتے ہیں۔“ کا یہی سر نہاں
ہے یہاں جملے میں مفعول کو حذف کرنا، عمومی نان و نفقہ اور اخراجات کی دلیل ہے۔

ان تمام توضیحات سے معلوم ہوتا ہے کہ مرد عورت کے آقا اور والی کی حیثیت رکھتا ہے اور عورت اپنے شوہر
کے پاس ایک اسیر کی مانند ہے۔ پس مرد کی ذمہ داری اور اس کا کام یہ ہے کہ وہ ان امور کا انتظام کرے جن کی
رعایت رکھنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے اور عورت کی ذمہ داری اور اس کا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے رب اور اپنے شوہر

کی اطاعت کرے بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ﴾ ”تو جو نیک بیبیاں ہیں وہ مطیع ہوتی ہیں۔“ یعنی وہ اللہ کی اطاعت کرنے والی ہیں ﴿حَفِظَتْ لِنَفْسِهَا﴾ یعنی وہ اپنے شوہروں کی اطاعت کرنے والی ہیں حتیٰ کہ وہ ان کی عدم موجودگی میں بھی ان کی اطاعت کرتی ہیں۔ اپنی عفت کی حفاظت کے ذریعے سے اپنے شوہر کی اور اس کے مال کی حفاظت کرتی ہیں اور یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی حفاظت اور اس کی توفیق سے ہے ان کی طرف سے کچھ بھی نہیں، کیونکہ نفس تو ہمیشہ برائی کا حکم دیتا ہے مگر جو اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کو رنج میں ڈالنے والے دینی اور دنیاوی امور میں اس کے لئے کافی ہو جاتا ہے۔

پھر فرمایا: ﴿وَالَّتِي تَخَافُونَ نُشُوزَهُنَّ﴾ ”اور وہ عورتیں جن کی نافرمانی سے تم ڈرتے ہو“ یعنی ان کا اطاعت سے باہر نکلنا، قول و فعل کے ذریعے سے اپنے شوہر کی نافرمانی کرنا۔ اس صورت میں شوہر آسان سے آسان طریقے سے اس کی تادیب کرے۔ ﴿فَعِظُوهُنَّ﴾ ”ان کو نصیحت کرو۔“ یعنی شوہر کی اطاعت اور اس کی نافرمانی کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے احکام بیان کر کے ان کو نصیحت کرو۔ شوہر کی اطاعت کی ترغیب دو اور اس کی نافرمانی سے ڈراؤ۔ اگر وہ نافرمانی سے باز آجائیں تو یہی چیز مطلوب ہے اور اگر وہ اپنا رویہ نہ بدلیں تو شوہر اسے اس کے بستر پر تنہا چھوڑ دے، اس کے بستر پر سوائے اس کے ساتھ جماعت کرے۔ یہ سزا بس اسی قدر ہو جس سے مقصد حاصل ہو جائے۔ اگر پھر بھی نافرمانی ترک نہ کرے تو شوہر اس کو ایسی مار مارے جو نقصان دہ نہ ہو۔ اگر ان مذکورہ طریقوں میں سے کسی طریقے سے مقصد حاصل ہو جائے اور وہ تمہاری اطاعت کرنے لگ جائیں ﴿فَلَا تَبْغُوا عَلَيْهِنَّ سَبِيلاً﴾ ”تو نہ ڈھونڈو ان پر کوئی راہ“ پس جو مقصد تم حاصل کرنا چاہتے تھے تمہیں حاصل ہو گیا، اس لئے اب تم گزشتہ معاملات میں ان پر عتاب کرنا اور ان کو کریدنا چھوڑ دو جن کے ذکر سے نقصان پہنچتا ہے اور اس کی وجہ سے شر پیدا ہوتا ہے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا﴾ ”بے شک اللہ سب سے اعلیٰ، جلیل القدر ہے۔“ ہر پہلو اور ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ علو مطلق (مطلق بلندی) کا مالک ہے۔ اس کی ذات بلند ہے، وہ قدرت کے اعتبار سے بلند ہے اور وہ قہر اور غلبہ کے اعتبار سے بھی بلند ہے۔ وہ بڑا ہے جس سے کوئی بڑا نہیں اس سے زیادہ جلیل اور اس سے زیادہ عظیم کوئی ہستی نہیں۔ وہ اپنی ذات میں اور صفات میں بڑا ہے۔

وَأَنَّ خِفَتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَأَبْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا

اور اگر ڈر دو تم اختلاف سے درمیان ان دونوں کے، تو مقرر کرو دو ایک منصف مرد کے کنبے سے اور ایک منصف عورت کے کنبے سے۔

إِنْ يَرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا خَبِيرًا ﴿٥٥﴾

اگر چاہیں گے یہ دونوں (منصف) صلح کرنا، تو موافقت پیدا کر دو، اللہ ان دونوں کے درمیان، پیٹک اللہ ہے جاننے والا خبر دار

یعنی اگر تمہیں میاں بیوی کے مابین مخالفت، دوری اور ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہنے کا خوف ہو حتیٰ کہ

ان میں سے ہر ایک ایک کنارے پر ہو (یعنی اختلاف و نفرت کی انتہاء پر ہو) ﴿قَابَحْنُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهِ وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا﴾ ”تو ایک منصف مرد کے گھر والوں میں سے اور ایک عورت کے گھر والوں میں سے مقرر کرو“ یعنی دو مکلف، مسلمان، عادل اور عاقل مردوں کو ثالث بنا لو جو میاں بیوی کے مابین تمام معاملات کو جانتے ہوں اور وہ جمع اور تفرقہ کو بھی جانتے ہوں۔ مذکورہ تمام صفات لفظ ”حکم“ سے مستفاد ہیں کیونکہ کوئی شخص اس وقت تک حکم (منصف) بننے کی صلاحیت سے بہرہ ور نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ ان صفات کا حامل نہ ہو۔ وہ دونوں حکم (منصف) ان شکایات پر غور کریں جو وہ ایک دوسرے کے خلاف رکھتے ہوں پھر دونوں حکم میاں بیوی کی جو ذمہ داری بنتی ہے دونوں سے اس کا التزام کروائیں۔ اگر دونوں میں سے کوئی ایک اپنی ذمہ داری پوری کرنے سے قاصر رہے تو دونوں حکم دوسرے فریق کو رزق اور خلق میں جو کچھ میسر ہے اس پر راضی رہنے پر آمادہ کریں۔ میاں بیوی کے درمیان معاملات کی اصلاح کرنے اور ان کو اکٹھا رکھنے کے لئے جو طریقہ بھی ممکن ہو ثالث اس کے استعمال سے گریز نہ کریں۔

اگر صورت حال یہاں تک پہنچ جائے کہ ان دونوں کے درمیان اصلاح اور ان کا اکٹھا رہنا ممکن نہ ہو بلکہ اس سے دشمنی، قطع تعلق اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں اضافہ ہوتا ہو اور دونوں حکم یہ رائے رکھتے ہوں کہ ان میں علیحدگی دونوں کے لئے بہتر ہے، تو دونوں میں تفریق کروادیں۔ دونوں کے درمیان علیحدگی کا فیصلہ شوہر کی رضامندی سے مشروط نہیں ہے جیسا کہ یہ معنی دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں ثالثوں کو ”حکم“ کے نام سے موسوم کیا ہے اور حکم وہ ہوتا ہے جو فیصلہ کرے خواہ اس کے فیصلے پر محکوم علیہ راضی نہ ہو۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا﴾ ”اگر یہ دونوں چاہیں گے کہ صلح کرادیں تو اللہ ان کے درمیان موافقت کر دے گا“ یعنی اللہ تعالیٰ مبارک رائے اور فریقین کے درمیان محبت اور الفت پیدا کرنے والے دلکش کلام کے ذریعے سے ان میں موافقت پیدا کر دے گا۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ ”کچھ شک نہیں کہ اللہ سب کچھ جانتا اور سب باتوں سے باخبر ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ تمام ظاہر و باطن کو جاننے والا اور تمام خفیہ امور اور تمام بھیدوں کی اطلاع رکھنے والا ہے۔ یہ اس کا علم اور اس کی خبر ہی ہے کہ اس نے تمہارے لئے یہ جلیل القدر احکام اور خوبصورت قوانین مشروع فرمائے۔

وَأَعْبُدُوا اللَّهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا وَبِذِي الْقُرْبَىٰ
اور عبادت کرو تم اللہ کی اور نہ شریک ٹھہراؤ اس کے ساتھ کسی چیز کو اور (کرد) ماں باپ کیساتھ احسان اور رشتے داروں کیساتھ
وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسْكِينِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ
اور یتیموں (کیساتھ) اور مسکینوں (کیساتھ) اور پڑوسی قرابت دار اور پڑوسی اجنبی (کیساتھ) اور ہم نشین (کیساتھ)

وَأَيْنَ السَّبِيلِ ۚ وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا
 اور مسافر کیساتھ اور (ان کیساتھ) جن کے مالک ہوئے تمہارے دائیں ہاتھ بلاشبہ اللہ نہیں پسند کرتا اس شخص کو جو ہے اترانے والا
 فَخُورًا ﴿۳۱﴾ الَّذِينَ يَبْخُلُونَ وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُونَ مَا
 فخر کرنے والا وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اور حکم دیتے ہیں لوگوں کو بخل کرنے کا اور چھپاتے ہیں وہ جو
 أَنَّهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُهِينًا ﴿۳۲﴾ وَالَّذِينَ
 دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور تیار کیا ہم نے کافروں کے لیے عذاب رسوا کرنے والا اور وہ لوگ جو
 يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ
 خرچ کرتے ہیں مال اپنے دکھلاوے کیلئے لوگوں کو اور نہیں ایمان لاتے وہ ساتھ اللہ کے اور نہ ساتھ یوم آخرت کے
 وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَرِينًا فَسَاءَ قَرِينًا ﴿۳۳﴾
 اور جو شخص کہ ہو شیطان اس کا ہم نشین تو برا ہے وہ ہم نشین ○

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کی عبادت کریں۔ وہ واحد اور لاشریک ہے۔ یہ درحقیقت
 اس کی عبودیت کے دائرے میں داخل ہونے، محبت، تدلل اور ظاہری اور باطنی تمام عبادات میں اخلاص کے ساتھ
 اس کے تمام اوامر و نواہی کی تعمیل کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ شرک اصغر اور شرک اکبر ہر قسم کے شرک سے روکتا ہے۔ کسی
 فرشتہ، کسی نبی، ولی یا دیگر مخلوق کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانے سے منع کرتا ہے جو خود اپنی ذات کے لئے بھی کسی نفع و
 نقصان، موت و حیات اور دوبارہ اٹھانے پر قدرت نہیں رکھتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اخلاص واجب ہے۔
 جو ہر لحاظ سے کمال مطلق کا مالک ہے۔ وہ کائنات کی پوری تدبیر کر رہا ہے جس میں اس کا کوئی شریک ہے نہ
 معاون اور مددگار۔

اللہ تعالیٰ نے اپنی عبادت اور اپنے حقوق کے قیام کا حکم دینے کے بعد حقوق العباد کو قائم کرنے کا حکم دیا ہے۔
 (حقوق العباد کے مراتب میں اصول یہ قائم فرمایا ہے۔) جو سب سے زیادہ قریب ہے اس کے سب سے زیادہ
 حقوق ہیں۔ فرمایا: ﴿وَالْوَالِدِينَ إِحْسَانًا﴾ ”ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرو“ یعنی ان کے ساتھ احسان
 کرو ان سے اچھی گفتگو ان کے ساتھ مخاطب میں نرمی اور فعل جمیل کر کے ان کے حکم کی اطاعت ان کے ممنوعہ
 امور سے اجتناب اور ان کی ضروریات پر خرچ کر کے ان کے دوستوں اور دیگر متعلقین کے ساتھ عزت و تکریم کا
 معاملہ کر کے اور ان رشتے داریوں کو قائم اور ان کے حقوق ادا کر کے جن سے صرف والدین کی وجہ سے رشتے
 داری ہے۔

احسان (یعنی حسن سلوک) کی دو اضداد ہیں: برا سلوک اور عدم احسان (حسن سلوک نہ کرنا) اور ان دونوں

سے روکا گیا ہے۔ فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ يُقْرِئُونَ الْقُرْبَانَ وَالْوَالِدِينَ وَالْحَالَاتِ وَالْمَسْكِينِ وَالْمَسْكِينِ﴾ "اور قرابت والوں کے ساتھ۔" یعنی دیگر اقرباء کے ساتھ بھی حسن سلوک سے پیش آؤ۔ یہ آیت کریمہ تمام اقارب کو شامل ہے۔ خواہ وہ زیادہ قریبی ہوں یا قدرے دور کے رشتہ دار ہوں۔ ان کے ساتھ قول و فعل کے ذریعے سے حسن سلوک سے پیش آئے اور اپنے قول و فعل سے ان کے ساتھ قطع رحمی نہ کرے۔ ﴿وَالْيَتَامَى﴾ "اور یتیموں کے ساتھ" یعنی وہ چھوٹے بچے جو اپنے باپ سے محروم ہو گئے ہوں تمام مسلمانوں پر ان کا حق ہے۔ خواہ وہ ان کے رشتہ دار ہوں یا نہ ہوں۔ کہ وہ ان کی کفالت کریں ان کے ساتھ نیک سلوک کریں، ان کی دلجوئی کریں، ان کو ادب سکھائیں اور ان کے دینی اور دنیاوی مصالح میں ان کی بہترین تربیت کریں۔ ﴿وَالْمَسْكِينِ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کو فقر و حاجت نے بے حرکت اور عاجز کر دیا ہو جنہیں اتنی ضروریات زندگی حاصل نہ ہوں جو ان کو کفایت کر سکیں اور نہ ان کو جن کے یہ کفیل ہوں۔ پس اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کو ضروریات زندگی مہیا کی جائیں، ان کا فقر و فاقہ دور کیا جائے اور لوگوں کو بھی اس کی ترغیب دی جائے اور حتی الامکان ان امور کا انتظام کیا جائے۔ ﴿وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبَى﴾ "اور رشتہ دار ہمسایوں کے ساتھ" یعنی رشتہ دار پڑوسی، اس کے دو حقوق ہیں۔ پڑوس کا حق اور قرابت کا حق۔ پس وہ اپنے پڑوسی پر حق رکھتا ہے اور اس کے حسن سلوک کا مستحق ہے۔ یہ سب عرف کی طرف راجع ہے۔

اسی طرح ﴿وَالْجَارِ الْجُنُبِ﴾ "اور اجنبی ہمسایوں کے ساتھ۔" یعنی وہ پڑوسی جو قریبی نہ ہو۔ پڑوسی کا دروازہ جتنا زیادہ قریب ہوگا اس کا حق اتنا ہی زیادہ مؤکد ہوگا۔ پڑوسی کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ ہدیہ اور صدقہ دیتا رہے، اس کو دعوت پر بلاتا رہے اقوال و افعال میں نرمی اور ملاحظت سے پیش آیا کرے اور قول و فعل سے اس کو اذیت دینے سے باز رہے۔

﴿وَالصَّاحِبِ بِالْجَنبِ﴾ "اور پہلو کے ساتھی سے حسن سلوک کرو" بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد شریک سفر ہے۔ بعض کی رائے ہے کہ اس سے مراد بیوی ہے اور بعض اہل علم اس کا اطلاق مطلق ساتھی پر کرتے ہیں اور یہی زیادہ قرین صحت ہے۔ کیونکہ یہ لفظ اس کو شامل ہے جو سفر و حضر میں ساتھ رہے اور یہ لفظ بیوی کو بھی شامل ہے۔ ساتھی پر ساتھی کا حق عام مسلمان بھائی سے بڑھ کر ہے یعنی دینی اور دنیاوی امور میں اس کی مدد کرنا، اس کی خیر خواہی کرنا، آسانی اور تنگی، خوشی اور غمی میں اس کے ساتھ وفا کرنا جو اپنے لئے پسند کرنا اس کے لئے بھی وہی پسند کرنا اور جو اپنے لئے ناپسند کرنا وہ اس کے لئے بھی ناپسند کرنا، صحبت جتنی زیادہ ہوگی یہ حق اتنا ہی زیادہ اور مؤکد ہوگا۔

﴿وَابْنِ السَّبِيلِ﴾ وہ غریب الوطن شخص جو دور اجنبی شہر میں ہو، وہ خواہ محتاج ہو یا نہ ہو اس کی شدت احتیاج اور وطن سے دور ہونے کی وجہ سے مسلمانوں پر اس کا حق ہے کہ وہ اسے نہایت انس و اکرام کے ساتھ اس کے

مقصد تک پہنچائیں۔ ﴿وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ ”اور جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہوئے“ یعنی آپ کی ملکیت میں آدمی ہوں یا بہائم ان کی ضروریات کا انتظام رکھنا ان پر ان کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالنا بوجھ اٹھانے میں ان کی مدد کرنا ان کی مصلحت اور بھلائی کی خاطر ان کی تادیب کرنا ان کا آپ پر حق ہے۔ پس جو ان احکامات کی تعمیل کرتا ہے وہ اپنے رب کے سامنے جھکنے والا اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ انکساری سے پیش آنے والا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اوامر اور اس کی شریعت کی پیروی کرتا ہے۔ یہی شخص ثواب جزیل (بہت زیادہ ثواب) اور ثنائے جمیل کا مستحق ہے اور جو ان احکامات پر عمل نہیں کرتا وہ اپنے رب سے روگردان اس کے اوامر کا نافرمان اور مخلوق کے لئے غیر متواضع ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ تکبر سے پیش آنے والا خود پسند اور بے حد فخر کرنے والا ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا﴾ ”یقیناً اللہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا“ یعنی وہ خود پسند ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلوق کے ساتھ تکبر سے پیش آتا ہے ﴿فَخُورًا﴾ ”اپنی بڑائی بیان کرنے والا ہے“ وہ لوگوں کے سامنے فخر اور گھمنڈ کے ساتھ اپنی تعریفیں کرتا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کا فخر اور تکبر ان حقوق کو ادا کرنے سے مانع رہتا ہے اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی مذمت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿الَّذِينَ يَبْخُلُونَ﴾ ”جو لوگ بخل کرتے ہیں“ یعنی جو حقوق واجب ہیں ان کو ادا نہیں کرتے ﴿وَيَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ﴾ ”اور وہ لوگوں کو بخیلی کا حکم دیتے ہیں۔“ یعنی وہ اپنے قول و فعل سے لوگوں کو بخل کرنے کا حکم دیتے ہیں ﴿وَيَكْتُمُونَ مَا أَنشَأَ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ ”اور جو (مال یا علم) اللہ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اسے چھپا چھپا کر رکھتے ہیں۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو علم عطا کیا جس کے ذریعے سے گمراہ راہ پاتے ہیں اور جاہل رشد و ہدایت سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ یہ لوگ اس علم کو ان لوگوں سے چھپاتے ہیں اور ان کے سامنے باطل کا اظہار کرتے ہیں اس طرح وہ مخلوق اور حق کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں۔ پس انہوں نے مالی بخل اور علمی بخل کو سیکھا کر دیا اور اپنے خسارے کے لئے بھاگ دوڑ اور دوسروں کے خسارے کے لئے بھاگ دوڑ کو جمع کر دیا۔ یہ کفار کی صفات ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا﴾ ”اور ہم نے کفار کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے“ چونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ تکبر کے ساتھ پیش آئے اللہ تعالیٰ کے حقوق کو ادا کرنے سے انکار کیا اور اپنے بخل اور بے راہ روی کی وجہ سے دوسروں کو محروم کرنے کا باعث بنے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو دردناک عذاب اور دائمی ذلت کے ذریعے سے رسوا کیا۔ اے اللہ! ہر برائی سے ہم تیری پناہ کے طلبگار ہیں۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس مال کے بارے میں خبر دی ہے جو محض دکھاوے، شہرت کی خاطر اور اللہ تعالیٰ پر عدم ایمان کی بنا پر خرچ کیا جاتا ہے چنانچہ فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ يَنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ رِئَاءَ النَّاسِ﴾ ”اور جو لوگوں کو

دکھانے کے لئے اپنا مال خرچ کرتے ہیں۔“ تاکہ لوگ انہیں دیکھیں ان کی مدح و ثنا کریں اور ان کی تعظیم کریں ﴿وَلَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے، یعنی ان کا مال اخلاص اللہ تعالیٰ پر ایمان اور ثواب کی امید پر خرچ نہیں ہوتا۔ یعنی یہ سب کچھ درحقیقت شیطان کا نقش قدم اور اس کے اعمال ہیں جن کی طرف وہ اپنے گروہ کو بلاتا ہے تاکہ وہ جہنمیوں میں شامل ہو جائیں۔ یہ اعمال شیطان کی دوستی اور شیطان کی انگیزت پر ان سے سرزد ہوتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَكُنِ الشَّيْطَانُ لَهُ قَدَرَيْنًا فَسَاءَ قَوْنِنًا﴾ اور جس کا ہم نشین اور ساتھی شیطان ہو وہ بدترین ساتھی ہے، بدترین ہے وہ مصاحب اور ساتھی جو اپنے ساتھی کی ہلاکت چاہتا ہے اور اسے ہلاک کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہے۔

جس طرح کوئی شخص اس نعمت میں بخل کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کو عطا کی ہے اور اللہ تعالیٰ کے احسان کو چھپاتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر کیا ہے وہ نافرمان، گناہ گار اور اللہ تعالیٰ کی مخالفت کا مرتکب ہے اسی طرح وہ شخص بھی گناہ گار اپنے رب کا نافرمان اور سزا کا مستحق ہے جو غیر اللہ کی عبادت کے لئے خرچ کرتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو حکم دیا ہے کہ نہایت اخلاص کے ساتھ اس کی اطاعت کی جائے اور اس کے حکم پر عمل کیا جائے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ (البینہ ۵۱، ۵۲) اور ان کو یہی حکم دیا گیا تھا کہ وہ دین کو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خالص کر کے اس کی عبادت کریں۔ یہی وہ عمل ہے جو اللہ کے ہاں قابل قبول ہے اور اس عمل کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرنے والا مدح و ثواب کا مستحق ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے ایسے عمل کی ترغیب دینے کے لئے فرمایا:

وَمَا ذَا عَلَيْهِمْ لَوْ آمَنُوا بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَانْفَقُوا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللَّهُ

اور کیا ہوتا (نقصان) انکا اگر ایمان لے آتے وہ ساتھ اللہ اور یوم آخرت کے اور خرچ کرتے وہ اس (مال) سے جو دیا انکو اللہ نے؟

وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا ﴿۴۹﴾

اور ہے اللہ ساتھ ان کے خوب جاننے والا ○

یعنی ان کے لئے کون سا حرج اور ان پر کون سی مشقت ہے اگر وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئیں جو کہ سراسر اخلاص ہے پھر اللہ تعالیٰ کے راستے میں وہ مال خرچ کریں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کیا ہے اور جس مال سے ان کو نوازا ہے۔ تب اس صورت میں وہ اخلاص اور انفاق کو جمع کریں گے۔ چونکہ اخلاص ایک ایسی چیز ہے جو اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ایک سر نہاں ہے جس کی اطلاع صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہوتی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ وہ بندے کے تمام احوال کو جانتا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿وَكَانَ اللَّهُ بِهِمْ عَلِيمًا﴾ ”اللہ ان سب کو خوب جانتا ہے“

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَإِنْ تَكَ حَسَنَةً يُّضَعِفْهَا وَيُؤْتِ
 مِنْ لَدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۳۰﴾ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ
 وَجِئْنَا بِكَ عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿۳۱﴾ يَوْمَئِذٍ يَكْفُرُونَ بِالَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصُوا
 أَوَّلًا يَكْفُرُونَ ﴿۳۲﴾ (اے رسول!) ان پر گواہ! اس دن چاہیں گے وہ لوگ، جنہوں نے کفر کیا اور نافرمانی کی انہوں نے
 الرِّسُولَ لَوْ تَسْوَى بِهْمُ الْأَرْضُ ۚ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ﴿۳۳﴾
 رسول کی کاش کہ برابر کر دی جائے ساتھ ان کے زمین، اور نہ چھپائیں گے وہ اللہ سے کوئی بات

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے کامل عدل و فضل کے بارے میں خبر دیتا اور آگاہ فرماتا ہے کہ وہ عدل کے متضاد
 صفات، یعنی ظلم سے خواہ وہ قلیل ہو یا کثیر پاک ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ ”اللہ کسی
 کی ذرہ بھر بھی حق تلفی نہیں کرتا۔“ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی نیکیوں میں ذرہ بھر کمی کرے گا نہ اس کی برائیوں میں
 ذرہ بھر اضافہ کرے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ﴾ ”وَمَنْ يَعْمَلْ
 مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ“ (الزلزال: ۷، ۹، ۸) ”جس نے ذرہ بھر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے
 ذرہ بھر برائی کی ہوگی وہ بھی اسے دیکھ لے گا۔“

﴿وَإِنْ تَكَ حَسَنَةً يُّضَعِفْهَا﴾ ”اور اگر نیکی ہو تو اسے دو گنا کر دیتا ہے،“ یعنی وہ اس نیکی کو دس گنا یا اس
 کے حسب حال اس کے نفع کے مطابق اور نیکی کرنے والے کے اخلاص، محبت اور کمال کے مطابق اس سے بھی کئی
 گنا زیادہ کر دے گا ﴿وَيُؤْتِي مِنْ لَدُنْهِ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ ”اور خاص اپنے پاس سے بہت بڑا ثواب دیتا ہے“
 یعنی وہ عمل کے ثواب سے زیادہ عطا کرے گا۔ مثلاً وہ اسے دیگر اعمال کی توفیق سے نوازے گا، بہت سی نیکی اور خیر
 کثیر عطا کرے گا۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ
 عَلَى هَؤُلَاءِ شَهِيدًا﴾ ”پس کیا حال ہوگا جس وقت کہ ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لائیں گے اور آپ کو ان
 لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے“ وہ کیسے حالات ہوں گے اور وہ عظیم فیصلہ کیسا ہوگا جو اس حقیقت پر مشتمل ہوگا کہ
 فیصلہ کرنے والا کامل علم، کامل عدل اور کامل حکمت کا مالک ہے اور وہ مخلوق میں سب سے زیادہ سچی شہادت کی بنیاد
 پر فیصلہ کرے گا۔ یہ شہادت انبیاء و مرسلین کی شہادت ہے جو وہ اپنی امتوں کے خلاف دیں گے اور جن کے خلاف
 فیصلہ ہوگا وہ بھی اس کا اقرار کریں گے۔ اللہ کی قسم! یہ وہ فیصلہ ہے جو تمام فیصلوں میں سب سے زیادہ عام سب سے
 زیادہ عادل اور سب سے عظیم ہے۔

یہ وہ مقام ہے جہاں جن کے خلاف فیصلہ ہوگا وہ بھی اللہ تعالیٰ کے کمال فضل، عدل و انصاف اور حمد و ثناء کا اقرار کرتے رہ جائیں گے۔ وہاں کچھ لوگ فوز و فلاح، عزت اور کامیابی کی سعادت سے بہرہ ور ہوں گے اور کچھ فضیحت و رسوائی اور عذاب مہین کی بدبختی میں گرفتار ہوں گے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَوْمَ مِينًا يَوْمَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصُوا الرَّسُولَ﴾ ”جس روز کافر اور رسول کے نافرمان آرزو کریں گے، یعنی ان میں اللہ اور اس کے رسول کا انکار اور رسول کی نافرمانی اکٹھے ہو گئے ہیں ﴿لَوْ تَسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ﴾ ”کہ کاش انہیں زمین کے ساتھ ہموار کر دیا جاتا، یعنی وہ خواہش کریں گے کہ کاش زمین انہیں نکل لے اور وہ مٹی ہو کر معدوم ہو جائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَيَقُولُ الْكَافِرُ لِيَلَيْتَنِي كُنْتُ تُرَابًا﴾ (النبا: ۴۰، ۷۸) ”اور کافر کہے گا کاش میں مٹی ہوتا۔“

﴿وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا﴾ ”اور وہ نہیں چھپا سکیں گے اللہ سے کوئی بات“ بلکہ وہ اپنی بد اعمالیوں کا اعتراف کریں گے۔ ان کی زبانیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے کرتوتوں کی گواہی دیں گے۔ اس روز اللہ تعالیٰ انہیں پوری پوری جزا دے گا۔ یعنی ان کی جزائے حق۔ اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ ہی حق اور کھلا کھلا بیان کر دینے والا ہے اور کفار کے بارے میں یہ جو وارد ہوا ہے کہ وہ اپنے کفر و انکار کو چھپائیں گے تو قیامت کے بعض مواقع پر ایسا کریں گے جبکہ وہ یہ سمجھیں گے کہ ان کا کفر سے انکار اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مقابلے میں کسی کام آسکے گا۔ لیکن جب وہ حقائق کو پہچان لیں گے اور خود ان کے اعضاء ان کے خلاف گواہی دیں گے تب تمام معاملہ روشن ہو کر سامنے آ جائے گا۔ پھر ان کے لئے چھپانے کی کوئی گنجائش باقی رہے گی نہ چھپانے کا کوئی فائدہ ہی ہوگا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلَاةَ وَأَنْتُمْ سُكَارَىٰ حَتَّىٰ تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ قریب جاؤ تم نماز کے جب کہ تم نشے ہو، یہاں تک کہ تمہیں علم ہو جو تم کہتے ہو،
وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتَّىٰ تَغْتَسِلُوا ۗ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ
اور نہ حالت جنابت میں، مگر عبور کرنے والے ہو راستے کو، یہاں تک کہ غسل کر لو۔ اور اگر ہو تم بیمار یا سفر پر
أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا
یا آئے کوئی تم میں سے فضائے حاجت سے یا صحبت کی ہو تم نے عورتوں سے، پس نہ پاؤ تم پانی، تو تیمم کر لو
صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿۴﴾
پاک مٹی سے، پس مسح کرو تم اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کا، بلاشبہ اللہ ہے بہت معاف کرنے والا بڑا بخشنے والا

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو نشے کی حالت میں نماز پڑھنے سے روک دیا ہے جب تک کہ

انہیں معلوم نہ ہو جائے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔ اس ممانعت میں یہ بات بھی شامل ہے کہ وہ نشے کی حالت میں نماز کی جگہوں یعنی مساجد وغیرہ کے بھی قریب نہ جائیں کیونکہ نشے کی حالت میں مسجد میں داخل ہونا ممکن نہیں۔ اس ممانعت میں نفس نماز بھی شامل ہے نشے والے شخص کی عقل کے مختل ہونے اور یہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اس کی نماز اور دیگر عبادات جائز نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے نماز پڑھنے کے لئے اس چیز کو شرط بنایا کہ نشے والا شخص جو کچھ کہہ رہا ہو اسے اس کا علم ہو۔ یہ آیت کریمہ تحریم خمر والی آیت کے ذریعے سے منسوخ ہو گئی۔ اسلام کے ابتدائی ایام میں شراب حرام نہ تھی پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمان میں شراب کی حرمت کی طرف اشارہ فرمایا: ﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ قُلْ فِيهِمَا آثَمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِنْ نَفْعِهِمَا﴾ (البقرہ: ۲۱۹/۲۰) ”تم سے شراب اور جوئے کے بارے میں پوچھتے ہیں کہہ دو کہ ان میں بہت بڑا گناہ ہے اور ان میں لوگوں کے لئے کچھ فائدے بھی ہیں البتہ ان کا گناہ ان کے فائدے سے بڑھ کر ہے۔“ پھر اللہ تعالیٰ نے نماز کے اوقات میں شراب پینے سے منع کر دیا۔ جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے۔ اس کے بعد (تیسرے مرحلے میں) اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمام اوقات میں شراب کو علی الاطلاق حرام قرار دیا فرمایا: ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ (المائدہ: ۹۰/۵) ”بے شک شراب، جو اُبت اور پانے سب شیطان کے ناپاک کام ہیں اس لئے ان سے بچو تاکہ تم فلاح پاؤ۔“

نماز کے اوقات میں تو شراب کی حرمت اور بڑھ جاتی ہے کیونکہ ان اوقات میں نماز کے مقصد کے حصول کے بعد جو کہ نماز کی روح اور لب لباب ہے اور وہ ہے خشوع اور حضور قلب۔ شراب بڑے مفاسد کو مضمّن ہے۔ شراب قلب کو بھی مدہوش کر دیتی ہے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر اور نماز سے روکتی ہے۔ آیت کریمہ کے معنی سے یہ بات بھی اخذ کی جاتی ہے کہ سخت اونگھ کی حالت میں جب انسان کو یہ عقل و شعور نہ رہے کہ وہ کیا پڑھ رہا ہے اور کیا کر رہا ہے نماز پڑھنا ممنوع ہے۔ بلکہ اس آیت کریمہ میں اس امر کی طرف بھی اشارہ ہے کہ جب کوئی شخص نماز پڑھنے کا ارادہ کرے تو اسے چاہیے کہ وہ ہر اس شغل کو منقطع کر دے جو نماز کے اندر اس کی توجہ کو مشغول رکھتا ہو مثلاً بول و براز کی سخت حاجت اور کھانے کی سخت خواہش وغیرہ۔ جیسا کہ صحیح حدیث میں وارد ہے۔

﴿وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ﴾ ”اور جنابت کی حالت میں بھی (نماز کے قریب نہ جاؤ) ہاں اگر عبور کرنے والے ہو راستے کو۔“ یعنی اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو نماز کے قریب نہ جاؤ سوائے اس حالت میں کہ تم مسجد میں سے گزر رہے ہو اور تم بغیر رکے گزر جاؤ ﴿حَتَّى تَغْتَسِلُوا﴾ ”حتیٰ کہ تم غسل کر لو۔“ یہ جنسی کے لئے نماز کے قریب جانے سے ممانعت کی حد اور انتہا ہے۔ پس جنسی کے لئے مسجد میں سے صرف گزرنا جائز ہے۔

﴿ وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُم مِّنَ الْغَايِبِ أَوْ لِمَسْتُمْ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا ﴾ ”اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی قضاے حاجت سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو تیمم کر لو“ پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے مریض کے لئے تیمم کو پانی کی موجودگی اور عدم موجودگی دونوں حالتوں میں علی الاطلاق جائز قرار دیا ہے اور اس اباحت کی علت ایسا مرض ہے جس میں پانی کا استعمال سخت تکلیف دہ ہو۔ اسی طرح سفر میں بھی تیمم کو مباح قرار دیا کیونکہ سفر میں پانی کے عدم وجود کا امکان ہو سکتا ہے اس لئے جب مسافر کے پاس پینے اور دیگر ضروریات سے زائد پانی نہ ہو تو اس کے لئے تیمم جائز ہے۔ اسی طرح جب کوئی شخص بول و برازی یا عورتوں کے لمس کی وجہ سے وضو توڑ بیٹھے خواہ وہ سفر میں ہو یا حضر میں اگر پانی موجود نہ ہو تو اس کے لئے تیمم جائز ہے۔ جیسا کہ آیت کریمہ کا عموم دلالت کرتا ہے۔ حاصل بحث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دو حالتوں میں تیمم مباح فرمایا ہے۔

(۱) سفر و حضر میں علی الاطلاق پانی کی عدم موجودگی کی صورت میں۔

(۲) کسی مرض میں پانی کے استعمال میں مشقت کی صورت میں۔

مفسرین میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد «أَوْ لِمَسْتُمُ النِّسَاءَ» کا معنی بیان کرنے میں اختلاف ہے کہ آیا لمس سے مراد جماع ہے۔ تب یہ آیت کریمہ جنبی کے لئے تیمم کے جواز میں نص ہے۔ جیسا کہ اس بارے میں بہت سی احادیث وارد ہوئی ہیں یا اس سے مراد صرف ہاتھوں سے چھونا ہے البتہ یہ چھونا اس قید سے مقید ہے کہ جب چھونے سے ندی کے خارج ہونے کا امکان ہو۔ یہ چھونا شہوت کے ساتھ ہوگا اور تب یہ آیت لمس سے وضو کے ٹوٹنے پر نص ہے۔

فقہاء ﴿ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً ﴾ سے استدلال کرتے ہیں کہ نماز کا وقت داخل ہونے پر پانی کی تلاش فرض ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اس شخص کے لئے «لَمْ يَجِدْ» ”اس نے نہ پایا“ کا لفظ استعمال نہیں کیا جاتا جس نے تلاش نہ کیا ہو۔ بلکہ یہ لفظ استعمال ہی تلاش کے بعد کیا جاتا ہے۔ اس آیت کریمہ سے فقہاء نے یہ استدلال بھی کیا ہے کہ اگر پانی کسی پاک چیز کے اختلاط سے متغیر ہو جائے تو اس سے وضو وغیرہ جائز ہے بلکہ اس کے ذریعہ سے طہارت حاصل کرنا متعین ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً ﴾ میں داخل ہے اور متغیر پانی بھی تو پانی ہی ہے، اور اس میں یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ غیر مطلق پانی ہے اور یہ محل نظر ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس عظیم حکم کی مشروعیت ثابت ہوتی ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اس امت کو نوازا ہے۔ اور وہ ہے تیمم کی مشروعیت۔ تیمم کی مشروعیت پر تمام اہل علم کا اجماع ہے۔ واللہ اعلم

تیمم پاک مٹی سے کیا جاتا ہے ﴿ صَحِيحًا ﴾ سطح زمین کی پاک مٹی کو کہتے ہیں خواہ اس میں غبار ہو یا نہ ہو۔ اس

میں اس معنی کا احتمال بھی ہے کہ ”صعید“ ہر غبار والی چیز کو کہا جائے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورہ مائدہ میں وضو والی آیت میں فرمایا ہے ﴿فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ مِنْهُ﴾ (المائدہ: ۶/۵) ”پس اس سے اپنے چہروں اور ہاتھوں کا مسح کرلو“۔ اور جس کا غبار نہ ہو تو اس سے مسح نہیں کیا جاتا۔ فرمایا ﴿فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ﴾ ”اس (مٹی) سے اپنے چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرلو“۔ جیسا کہ سورہ مائدہ میں زیادہ واضح ہے۔

آیت کریمہ میں بیان کیا گیا ہے کہ تیمم کے اندر مسح کا محل یہ ہے تمام چہرہ اور دونوں ہاتھ کلائی تک جیسا کہ اس پر احادیث صحیحہ دلالت کرتی ہیں اور اس میں مستحب یہ ہے کہ صرف ایک ہی ضرب سے تیمم کیا جائے۔ جیسا کہ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما کی حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ جسٹی کے تیمم میں بھی صرف چہرے اور ہاتھوں پر مسح کیا جائے گا جیسے کسی دیگر شخص کے تیمم میں ہے۔

فائدہ: معلوم ہونا چاہئے کہ طب کا دار و مدار تین قواعد پر ہے۔ (۱) ضرر رساں اشیاء سے حفظانِ صحت۔ (۲) موذی امراض سے نجات حاصل کرنا۔ (۳) ان امراض سے بچاؤ۔

رہا مرض سے بچاؤ اور حفظانِ صحت تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں کھانے پینے اور عدم اسراف کا حکم دیا ہے۔ مسافر اور مریض کی صحت کی حفاظت کی خاطر رمضان میں روزہ چھوڑنا اور اس مقصد کے لئے ایسی چیزیں اعتدال کے ساتھ استعمال کرنا مباح ہے جو بدن کی صحت کے لئے درست اور مریض کو ضرر سے بچانے کے لئے ضروری ہیں۔ رہا بیماری کی تکلیف سے نجات حاصل کرنا تو اللہ تعالیٰ نے سر میں تکلیف محسوس کرنے والے مضموم شخص کے لئے سرمند وانا مباح قرار دیا ہے تاکہ وہ سر میں جمع شدہ میل کچیل اور گندگی سے نجات حاصل کر سکے۔ یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ان چیزوں مثلاً بول و براز، تے، منی اور خون وغیرہ سے فارغ ہونا زیادہ اولیٰ ہے۔ ان مذکورہ امور کی طرف علامہ ابن القیم رحمہ اللہ نے توجہ دلائی ہے۔

آیت کریمہ چہرے اور ہاتھوں کے مسح کے وجوب کے عموم پر دلالت کرتی ہے نیز یہ آیت اس طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ خواہ وقت تنگ نہ ہو تیمم کرنا جائز ہے نیز یہ آیت کریمہ اس طرف بھی اشارہ کرتی ہے کہ وجوب کے سبب کے موجود ہونے کے بعد ہی پانی کی تلاش کے لئے کہا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد پر آیت کریمہ کا اختتام کیا ہے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُورًا﴾ ”بے شک اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا نہایت بخشنے والا ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے احکامات میں انتہائی آسانیاں پیدا فرما کر اپنے مومن بندوں کے ساتھ بہت زیادہ عفو اور مغفرت کا معاملہ کرتا ہے۔ تاکہ بندے پر اس کے احکام کی تعمیل شاق نہ گزرے اور اسے ان کی تعمیل میں کوئی حرج محسوس نہ ہو۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا عفو اور اس کی مغفرت ہے کہ اس نے پانی کے عدم استعمال کے عذر کے موقع پر مٹی کے ذریعے سے طہارت کو مشروع فرما کر اس امت پر رحم

فرمایا اور یہ بھی اس کا عفو اور اس کی مغفرت ہے کہ اس نے گناہ گاروں کے لئے توبہ اور انابت کا دروازہ کھولا اور انہیں اس دروازے کی طرف بلا یا اور ان کے گناہ بخش دینے کا وعدہ فرمایا نیز یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور اس کا عفو ہے کہ اگر بندہ مومن زمین بھر گناہوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہو اور اس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کیا ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اسے زمین بھر مغفرت سے نوازے گا۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يَشْتَرُونَ الضَّلَلَةَ وَيُرِيدُونَ
 أَن تَضِلُّوا السَّبِيلَ ۚ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِأَعْدَابِكُمْ ۖ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَلِيًّا ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ
 نَصِيرًا ۝ (۱۴) مِّنَ الَّذِينَ هَادُوا يُحَرِّفُونَ الْكَلِمَ عَن مَّوَاضِعِهَا وَيَقُولُونَ
 سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمِعْ غَيْرَ مُسْمِعٍ وَارْعِنَا لَيْتَا بِالسَّنِيتِهِمْ وَطَعْنَا فِي الدِّينِ
 سَنَامًا نَّعْمَ لَنَا مَا نَسِينَا وَمَا نَسِينَا جَاءَ تَوَّارًا (کہتے ہیں) ذابحاً موڑتے ہوئے اپنی زبانیں اوٹھن کرتے ہوئے دین میں
 وَكَوَّأَتْهُمْ قَالُوا سَمِعْنَا وَارْعِنَا وَاسْمِعْ وَارْعِنَا لَيْتَا بِالسَّنِيتِهِمْ وَطَعْنَا فِي الدِّينِ
 اور اگر بلاشبہ وہ کہتے 'سننا ہم نے اور اطاعت کی ہم نے اور سننے! اور دیکھئے ہمیں' تو یقیناً ہوتا بہت بہتر انکے لیے
 وَأَقْوَمًا وَلَكِن لَّعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا ۝ (۱۵)
 اور درست تر' اور لیکن لعنت کی ان پر اللہ نے بہ سبب انکے کفر کے' پس نہیں ایمان لاتے وہ مگر تھوڑے ہی

اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کی مذمت ہے جنہیں کتاب عطا کی گئی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ڈرایا ہے کہ وہ ان کی وجہ سے دھوکے میں نہ پڑیں اور ان کا ساتھی بننے سے بچیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی بابت آگاہ فرمایا کہ وہ اپنے بارے میں ﴿يَشْتَرُونَ الضَّلَلَةَ﴾ گمراہی خریدتے ہیں یعنی گمراہی سے بہت زیادہ محبت کرتے ہیں اور اسے ترجیح دیتے ہیں جیسے کوئی شخص اپنی محبوب چیز کی طلب میں مال کثیر خرچ کرنے کو ترجیح دیتا ہے۔ پس یہ لوگ ہدایت پر گمراہی کو ایمان پر کفر کو اور سعادت پر شقاوت کو ترجیح دیتے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ ﴿وَيُرِيدُونَ أَن تَضِلُّوا السَّبِيلَ﴾ اور وہ چاہتے ہیں کہ تم بھی راستہ گم کر لو۔ پس وہ تمہیں گمراہ کرنے کے بے حد خواہش مند ہیں اور اس مقصد کے حصول کے لئے بھرپور کوشش کر رہے ہیں اور چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کا ولی اور مددگار ہے اس لئے ان کے سامنے ان کفار کی گمراہی اور ان کی دوسروں کو گمراہ کرنے کی کوشش کو کھول کھول کر بیان کیا ہے۔ اس لئے فرمایا: ﴿وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَلِيًّا﴾ "اللہ ہی کافی کارساز ہے۔" یعنی اللہ تعالیٰ تمام

امور میں اپنے لطف و کرم کی وجہ سے اپنے بندوں کے تمام احوال میں ان کی سرپرستی فرماتا ہے اور ان کے لئے سعادت اور فلاح کی راہوں کو آسان کرتا ہے۔ ﴿وَكُفَىٰ بِاللَّهِ تَصْيِيرًا﴾ اور اللہ ہی کافی مددگار ہے۔“ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ان کے دشمنوں کے خلاف مدد عطا کرتا ہے اور ان کے سامنے واضح کرتا ہے کہ انہیں کن لوگوں سے بچنا چاہئے وہ ان کے خلاف ان کی مدد کرتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کی ولایت اور سرپرستی میں خیر کا حصول اور اس کی نصرت میں شر کا زوال ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی گمراہی، عناد اور ان کے حق پر باطل کو ترجیح دینے کی کیفیت بیان فرمائی ہے۔

﴿مِنَ الَّذِينَ هَادُوا﴾ اور جو یہودی ہوئے“ اس جگہ ان سے مراد یہودیوں کے گمراہ علماء ہیں۔

﴿يُحَادِّثُونَ الْكَلِمَةَ عَن مَّوَاضِعِهِ﴾ ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں کہ وہ کلمات کو ان کے مقامات سے بدل

دیتے ہیں۔“ یعنی وہ کلمات الہی میں تحریف کے مرتکب ہوتے تھے۔ یہ تحریف یا تو لفظ میں ہوتی تھی یا معنی میں یا

دونوں میں۔ یہ ان کی تحریف تھی کہ آنے والے نبی کی وہ صفات جو ان کی کتابوں میں بیان کی گئی تھیں وہ محمد رسول

اللہ ﷺ کے سوا کسی پر منطبق اور صادق نہ آتی تھیں۔ (یہودی کہتے تھے) کہ یہ صفات رسول اللہ ﷺ کی نہیں

کسی اور کی بیان ہوئی ہیں ان صفات سے مراد رسول اللہ ﷺ نہیں ہیں وہ ان صفات کو چھپاتے تھے۔ پس علم

کے بارے میں یہ ان کا بدترین حال ہے۔ انہوں نے حقائق کو بدل ڈالا اور باطل بنا دیا اور پھر انہوں نے اس کی

وجہ سے اس حق کا انکار کر دیا۔

رہا عمل اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ان کا حال تو کہا کرتے تھے: ﴿سَبِعْنَا وَعَصَيْنَا﴾ ہم نے سن لیا اور

نہیں مانا۔“ یعنی ہم نے تیری بات سنی اور تیرے حکم کی نافرمانی کی۔ یہ کفر و عناد اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل

بھاگنے کی انتہا ہے۔ اسی طرح وہ رسول اللہ ﷺ کو انتہائی سوء ادبی اور بدترین خطابات کے ساتھ مخاطب کیا

کرتے تھے اور کہا کرتے تھے: ﴿وَاسْمِعْ غَيْرَ مُسْمِعٍ﴾ ”سنئے نہ سنوئے جاؤ۔“ اور ان الفاظ سے ان کا مقصد یہ

ہوتا ہے کہ ہماری بات سن، تجھے وہ بات نہ سنوائی جائے جو تجھے پسند ہے بلکہ وہ بات سنوائی جائے جو تجھے ناپسند

ہے ﴿وَرَاعِنَا﴾ اس رعونت سے ان کی مراد تھی قبیح عیب۔ وہ سمجھتے تھے کہ چونکہ لفظ میں ان معنوں کا احتمال ہے جو

ان کے معنی مراد کے علاوہ ہیں اس لئے یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بارے میں راجح ہو جائے گا۔ چنانچہ وہ

اس لفظ کو جس کا وہ اپنی زبانوں کو مروڑ کر تلفظ کرتے تھے دین میں طعن اور رسول اللہ ﷺ کی عیب چینی کا ذریعہ

بناتے تھے۔ اور باہم ایک دوسرے کو نہایت صراحت سے بتاتے تھے اسی لئے فرمایا: ﴿كَيْفًا بَالِسْتِهِمْ وَطَعْنَا فِي

الدِّينِ﴾ ”زبانوں کو مروڑ کر اور دین میں عیب لگانے کو“ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس سے بہتر چیز کی طرف ان کی

راہنمائی کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ قَالُوا سَبِعْنَا وَأَطَعْنَا وَاسْمِعْ وَأَنْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ

وَأَقْوَمَ ﴿۱﴾ ”اور اگر یہ لوگ کہتے کہ ہم نے سنا اور ہم نے فرماں برداری کی اور آپ سنے اور ہمیں دیکھے تو یہ ان کے لئے بہت بہتر اور نہایت ہی مناسب تھا“ چونکہ یہ کلام رسول اللہ ﷺ سے مخاطب ہونے کے بارے میں حسن خطاب، لائق ادب، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے اوامر کی تعمیل کو متضمن ہے نیز یہ کلام ان کے طلب علم، ان کے سوال کو سننے اور ان کے معاملے کو درخور اعتنا سمجھنے کے بارے میں حسن ملاحظت کا حامل ہے۔ اس لئے یہ وہ راستہ ہے جس پر انہیں گامزن ہونا چاہیے، مگر چونکہ ان کی طبائع پاکیزگی سے محروم ہیں اس لئے انہوں نے اس سے اعراض کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر و عناد کے باعث انہیں دھتکار دیا اس لئے فرمایا: ﴿وَلَكِنَّ لَعْنَهُمُ اللَّهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ ”مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب سے ان پر لعنت کی، پس اب وہ ایمان نہیں لائیں گے مگر بہت تھوڑے۔“

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آوْتُوا الْكِتَابَ آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ
اے وہ لوگو جو دئیے گئے کتاب ایمان لاؤ ساتھ اسکے جو اتارا ہم نے، وہ تصدیق کرینو الہی اسکی جو تمہارے ساتھ ہے،
مِّن قَبْلِ أَنْ نَطْوِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَىٰ أَدْبَارَهَا أَوْ نَلْعَنَهُمْ
پہلے اس کے کہ منادیں ہم چہروں کو پھر لوٹادیں ان کو اوپر ان کی پیٹھوں کے یا لعنت کریں ہم ان پر،
كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿۱۵﴾
جس طرح لعنت کی ہم نے سبت والوں پر، اور ہے حکم اللہ کا کیا ہوا (یعنی اٹل) ○

اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو حکم دیتا ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ اور اس قرآن عظیم پر ایمان لائیں جو آپ ﷺ پر نازل کیا گیا ہے جو دوسری کتابوں کا نگہبان ہے۔ جن کی یہ تصدیق کرتا ہے ان کتابوں نے اس رسول کی خبر دی ہے۔ جب وہ امر واقع ہو گیا جس کے بارے میں خبر دی گئی تھی تو یہ چیز اس خبر کی تصدیق ہے، نیز اگر وہ اس قرآن پر ایمان نہیں لاتے تو گویا ان کا اپنی کتابوں پر بھی ایمان نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتابیں ایک دوسری کی تصدیق اور ایک دوسری کی تائید کرتی ہیں، اس لئے بعض کتابوں پر ایمان کا دعویٰ اور بعض پر ایمان نہ رکھنا، محض باطل دعویٰ ہے جس کی صداقت کا ہرگز امکان نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿آمِنُوا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ﴾ ”ہماری نازل کی ہوئی کتاب پر جو تمہاری کتاب کی بھی تصدیق کرتی ہے ایمان لے آؤ۔“ میں اہل کتاب کو ایمان لانے کی ترغیب دی گئی ہے نیز ان کے لئے مناسب یہ تھا، چونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم اور کتاب عطا کی اس لئے وہ اس سبب سے دوسرے لوگوں سے آگے بڑھ کر اس کی طرف سبقت کرتے یہ علم اور کتاب دوسروں کی نسبت ان کے لئے زیادہ اس بات کے موجب ہیں کہ وہ آگے بڑھ کر ایمان لاتے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے عدم ایمان کی وجہ سے ان کو وعید سنائی ہے۔ ﴿مَنْ

قَبْلِ أَنْ نَطْمِسَ وُجُوهًا فَنَرُدَّهَا عَلَىٰ أَدْبَارِهَا ﴿۱﴾ ”اس پر اس سے پہلے (ایمان لے آؤ) کہ ہم چہرے بگاڑ دیں اور انہیں لوٹا کر پیٹھ کی طرف کر دیں“ یہ جزا ان کے عمل ہی کی جنس میں سے ہے۔ چونکہ انہوں نے حق کو چھوڑ دیا، باطل کو ترجیح دی اور حقائق کو بدل ڈالا، باطل کو حق اور حق کو باطل بنا دیا، اس لئے ان کو ان کے اعمال ہی کی جنس سے سزا کی وعید سنائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے چہروں کو بگاڑ کر ان کی پیٹھ کی طرف پھیر دے۔ جس طرح انہوں نے حق کو بگاڑا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کے چہروں کو ان کی گدی کی طرف کر دیا اور یہ بدترین حال ہے۔

﴿۱﴾ **أَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّا أَصْحَابَ السَّبْتِ ﴿۱﴾** ”یا ان پر لعنت بھیجیں جیسے ہم نے ہفتے والوں پر لعنت کی“ بایں طور کہ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمت سے دور کر دے گا اور انہیں سزا کے طور پر بندر بنا دے گا جیسے اللہ تعالیٰ نے ان کے ان بھائی بند لوگوں کو سزا دی تھی جنہوں نے ظلم و تعدی کے ساتھ سبت کے اصولوں سے تجاوز کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿۱﴾ **فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿۱﴾** (البقرة: ۶۵/۲) ”پس ہم نے ان سے کہا بندر بن جاؤ دھتکارے ہوئے“۔

﴿۱﴾ **وَكَانَ أَمْرُ اللَّهِ مَفْعُولًا ﴿۱﴾** ”اور ہے اللہ تعالیٰ کا کام کیا ہوا“ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی مانند ہے ﴿۱﴾ **إِنَّمَا أَمْرُهُ إِذَا أَرَادَ شَيْئًا أَنْ يَقُولَ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿۱﴾** (یسس: ۸۲/۳۶) ”اللہ تعالیٰ کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہہ دیتا ہے ہو جا، پس وہ ہو جاتی ہے“۔

إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ

بلاشبہ اللہ نہیں بخشنے گا یہ کہ شرک کیا جائے اسکے ساتھ اور بخش دے گا جو علاوہ ہے اسکے جس کیلئے چاہے گا

وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا ﴿۱۸﴾

اور جو شریک کرتا ہے اللہ کے ساتھ، تو تحقیق گھڑا اس نے گناہ بہت بڑا

اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ وہ اس شخص کو کبھی نہیں بخشنے گا جس نے مخلوق میں سے کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا۔ اس کے علاوہ اگر اس نے چاہا اور اس کی حکمت مقتضی ہوئی تو وہ تمام چھوٹے بڑے گناہ بخش دے گا۔ شرک سے کمتر گناہوں کی مغفرت کے لئے اللہ تعالیٰ نے بہت سے اسباب مقرر فرمائے ہیں مثلاً برائیوں کو مٹانے والی نیکیاں، دنیا اور برزخ میں نیز قیامت کے روز گناہوں کا کفارہ بننے والے مصائب، اہل ایمان کی ایک دوسرے کے لئے مغفرت کی دعائیں، شفاعت اور اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت جس کے سب سے زیادہ مستحق اہل ایمان و توحید ہیں۔ جب کہ شرک کا معاملہ اس کے برعکس ہے، شرک نے خود اپنے لئے مغفرت کا دروازہ بند کر لیا اس نے خود اپنے آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کی راہیں مسدود کر لیں۔ توحید کے بغیر نیکیاں اسے کوئی

نفع نہ دیں گی اور توحید کے بغیر مصائب اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچائیں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿۱﴾ **فَمَا لَنَا مِنْ**

شَافِعِينَ ۝ وَلَا صَدِيقِي حَيِّمٍ ﴿۱﴾ (الشعراء: ۱۰۱، ۱۰۰، ۲۶) ”کافر قیامت کے دن کہیں گے پس آج نہ کوئی ہمارا سفارشی ہے اور نہ کوئی جگر می دوست“۔

بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ افْتَرَىٰ إِثْمًا عَظِيمًا﴾ ”اور جو اللہ کے ساتھ شریک مقرر کرے اس نے بہت بڑا گناہ اور بہتان باندھا“ یعنی اس نے بہت بڑے جرم کا بہتان باندھا۔ اس سے بڑا کون سا ظلم ہو سکتا ہے کہ کوئی اس مخلوق کو جو مٹی سے تخلیق کی گئی جو ہر پہلو سے ناقص ہے اور ہر لحاظ سے بذاتہ محتاج ہے۔ جس کا بندے کو کوئی نفع و نقصان پہنچانا، اس کو زندہ کرنا، مارنا اور پھر اسے دوبارہ زندہ کرنا تو کجا وہ تو اپنے آپ کی بھی مالک نہیں، اس ہستی کے برابر ٹھہرائے جو ہر چیز کی خالق ہے جو ہر لحاظ سے کامل ہے جو بذاتہ اپنی تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے۔ جس کے قبضہ قدرت میں نفع و نقصان عطا کرنا اور محروم کرنا سب کچھ ہے۔ مخلوق کے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اسی کی عطا و بخشش ہے۔

تب کیا اس ظلم سے بڑی کوئی اور چیز ہے؟ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حتمی طور پر مشرک کو دائمی عذاب اور ثواب سے محرومی کی وعید سنائی۔ ﴿إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَزَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ جُزَاءً مَّا لَهُ النَّارُ﴾ (المائدہ: ۷۲، ۱۵) ”بے شک جو کوئی اللہ کے ساتھ شرک کرے گا اللہ تعالیٰ اس پر جنت حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے“۔ یہ آیت کریمہ غیر تائب کے بارے میں ہے۔ رہا تائب تو اللہ تعالیٰ تو توبہ کرنے پر شرک اور دیگر تمام گناہ بخش دیتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿قُلْ لِيُعْبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوا مِن رَّحْمَةِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يَغْفِرُ الذُّنُوبَ جَمِيعًا﴾ (الزمر: ۵۳، ۳۹) ”کہہ دو اے میرے بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہونا۔ بے شک اللہ تمام گناہ بخش دیتا ہے“۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص کے گناہ بخش دیتا ہے جو توبہ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْكُونَ أَنفُسَهُمْ ۖ بَلِ اللَّهُ يُرِيكُم مِّنْ يَشَاءٍ وَلَا يُمْظِمُونَ

کیا نہیں دیکھا آپ نے طرف ان لوگوں کی جو پاک کہتے ہیں اپنے آپکو؟ بلکہ اللہ ہی پاک کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور نہیں ظلم کئے جائیں گے وہ

فَتِيلًا ﴿۳۹﴾ ۝ أَنْظِرْ كَيْفَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذْبَ ۖ وَكَفَىٰ بِهِ إِثْمًا مُّبِينًا ﴿۴۰﴾

تا گے برابر (بھی) ۰ دیکھئے! کیسے گھڑتے ہیں وہ اوپر اللہ کے جھوٹ؟ اور کافی ہے یہ (افترا باندھنا) گناہ ظاہر ۰

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں پر تعجب کا اظہار اور ان یہود و نصاریٰ وغیرہ کے لئے زجر و توبیخ ہے جو اپنے آپ کو پاک گردانتے ہیں۔ یہ زجر و توبیخ ہر اس شخص کے لئے ہے جو کسی ایسے امر کا دعویٰ کر کے اپنے آپ کو پاک گردانتا ہے جو اس میں نہیں ہے۔ یہود و نصاریٰ یہ دعویٰ کیا کرتے تھے ﴿نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ﴾

(المائدہ: ۱۸، ۱۵) ”ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے پیارے ہیں“۔ وہ کہا کرتے تھے ﴿لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا

”مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصْرٰی“ (البقرہ: ۱۱۱/۲) ”جنت میں صرف وہی داخل ہوگا جو یہودی یا نصرانی ہوگا۔“
یہ ان کا مجرد دعویٰ ہے جس پر کوئی دلیل نہیں۔

دلیل تو وہ ہے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمائی ہے: ﴿بَلٰی مَنْ اَسْلَمَ وَجْهًا لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَنَ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ﴾ (البقرہ: ۱۱۲/۲) ”کیوں نہیں جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کر دے اور نیکو کا رہی ہو۔ تو اس کا اجر اس کے رب کے پاس ہے۔ ان کو نہ کوئی خوف ہوگا اور نہ کوئی غم۔“

یہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے پاک کیا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿بَلِ اللّٰهُ يَزِيْزِيْ مَنْ يَّشَاءُ﴾ ”بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہے پاک کرتا ہے، یعنی ایمان و عمل صالح کے ساتھ اخلاقِ رذیلہ ترک کرنے اور اخلاقِ حسنہ کو اختیار کرنے کی بنا پر اللہ تعالیٰ ان کو پاک کرتا ہے۔“

رہے یہ لوگ تو اگرچہ بزعم خود انہوں نے اپنے آپ کو پاک کیا ہوا ہے اور سمجھتے ہیں کہ وہ حق پر ہیں اور صرف وہی ثواب کے مستحق ہیں مگر وہ جھوٹے ہیں اور وہ اپنے ظلم اور کفر کے سبب سے پاک لوگوں کی خصوصیات اور خصائل سے بے بہرہ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان خصوصیات سے محروم کر کے ظلم نہیں کیا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا﴾ ”ان پر ذرہ بھر ظلم نہیں کیا جائے گا۔“ یہ عموم کے تحقق کے لئے ہے یعنی ان کے ساتھ اس باریک دھاگے جتنا بھی ظلم نہیں ہوگا جو کھجور کی گٹھلی کے ساتھ لگا ہوتا ہے یا ہاتھ رگڑنے سے جو میل کی باریک بتی سی بنتی ہے اس مقدار میں بھی ان پر ظلم نہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اَنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلٰی اللّٰهِ الْكِذْبَ﴾ ”دیکھو یہ لوگ کس طرح اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں، یعنی انہوں نے اپنے نفوس کی پاکیزگی کا دعویٰ کر کے اللہ تعالیٰ پر افترا پردازی کی ہے۔ کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ پر سب سے بڑا بہتان ہے اور ان کے تزکیہ نفوس کا مضمون یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا موقف حق اور مسلمانوں کا موقف باطل ہے۔ اور یہ سب سے بڑا جھوٹ ہے۔ حق کو باطل اور باطل کو حق بنانا حقائق کو بدلنے کے مترادف ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَكَفٰی بِهٖ اِثْمًا مُّبِيْنًا﴾ ”اور یہ (حکمت) صریح گناہ ہونے کے لئے کافی ہے، یعنی یہ ظاہر اور کھلا گناہ ہے جو سخت عقوبت اور دردناک عذاب کا موجب ہے۔“

اَلَمْ تَرَ اِلٰی الَّذِيْنَ اٰوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْحُبَّتِ وَالطَّاغُوْتِ
کیا نہیں دیکھا آپ نے طرف ان لوگوں کی جو دیئے گئے کچھ حصہ کتاب سے؟ ایمان لاتے ہیں وہ ساتھ بتوں اور شیطان کے
وَيَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰؤُلَاءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵﴾
اور کہتے ہیں واسطے ان لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا یہ لوگ زیادہ ہدایت والے ہیں ان لوگوں سے جو ایمان لائے راستے کے لحاظ سے ۵

أُولَئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ﴿٥٦﴾
یہ لوگ وہ ہیں کہ لعنت کی ان پر اللہ نے اور جس پر لعنت کرے اللہ تو ہرگز نہیں پائیں گے آپ اس کیلئے کوئی مددگار
أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمَلِكِ فَإِذَا لَا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿٥٧﴾ أَمْ
کیا ان کے لیے کچھ حصہ ہے بادشاہی سے؟ تب تو نہیں دیں گے وہ لوگوں کو تل برابر (بھی) کیا
يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ۖ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ
حسد کرتے ہیں وہ لوگوں سے اوپر اسکے جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے؟ پس تحقیق دی ہم نے آل ابراہیم کو
الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَهُم مَّلَكًا عَظِيمًا ﴿٥٨﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ آمَنَ بِهِ
کتاب اور حکمت اور دی ہم نے انکو بادشاہی بہت بڑی کیا بعض ان میں سے وہ ہیں جو ایمان لائے ساتھ اسکے
وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۖ وَكَفَىٰ بِجَهَنَّمَ سَعِيرًا ﴿٥٩﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا
اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو رکے رہے اس سے اور کافی ہے جہنم دکھتی ہوئی بلاشبہ وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ساتھ ہماری آیتوں کے
سَوْفَ نُصَلِّيهِمْ نَارًا ۖ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا
عقرب داغل کریں گے ہم انکو آگ میں۔ جب جل جائیں گی کھالیں انکی تو بدل دیں گے ہم انکو کھالیں علاوہ انکے
لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٦٠﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا
تا کہ چکھیں وہ عذاب یقیناً اللہ ہے بہت زبردست بڑا حکمت والا اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور عمل کئے انہوں نے
الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا
نیک، عقرب داغل کریں گے ہم انکو ایسے باغات میں کہ بہتی ہیں انکے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں
أَبَدًا ۖ لَهُمْ فِيهَا زَوْجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۖ وَوَدَّخَلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿٦١﴾
ابد تک ان کیلئے ان میں بیویاں ہیں پاک صاف اور داغل کریں گے ہم انکو چھاؤں میں (جو) بہت گھنی ہوگی

یہ یہودیوں کی برائیوں اور رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کے ساتھ ان کے حسد کا ذکر ہے۔ ان کے رذیل
اخلاق اور خبیث طبیعتوں نے انہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان ترک کرنے پر آمادہ کیا اور اس کے عوض
ان کو بتوں اور طاغوت پر ایمان لانے کی ترغیب دی۔ طاغوت پر ایمان لانے سے مراد ہر غیر اللہ کی عبادت یا
شریعت کے بغیر کسی اور قانون کی بنیاد پر فیصلہ کرنا ہے۔ اس میں جادو ٹونہ کہانت، غیر اللہ کی عبادت اور شیطان کی
اطاعت وغیرہ سب شامل ہیں اور یہ سب بت اور طاغوت ہیں۔ اسی طرح ان کے کفر اور حسد نے ان کو اس بات
پر آمادہ کیا کہ وہ کفار اور بت پرستوں کے طریقہ کو اہل ایمان کے طریقہ پر ترجیح دیں۔ ﴿ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ
كَفَرُوا ﴾ ”اور کفار کے بارے میں کہتے ہیں۔“ یعنی کفار کی خوشامد اور مدد اہنت کی خاطر اور ایمان سے بغض کی وجہ

سے کہتے تھے: ﴿هُؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا﴾ ”طریقے کے اعتبار سے یہ کفار اہل ایمان سے زیادہ راہ ہدایت پر ہیں۔“ وہ کتنے قبیح ہیں ان کا عناد کتنا شدید اور ان کی عقل کتنی کم ہے؟ وہ مذمت کی وادی میں ہلاکت کے راستے پر کیسے گامزن ہیں؟ کیا وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بات کسی عقلمند کو قائل کر لے گی یا کسی جاہل کی عقل میں آ جائے گی؟

کیا اس دین کو جو بتوں اور پتھروں کی عبادت کی بنیاد پر قائم ہے جو طیبات کو حرام ٹھہرانے، خباث کو حلال ٹھہرانے، بہت سی محرمات کو جائز قرار دینے، اللہ تعالیٰ کی مخلوق پر ظلم کے ضابطوں کو قائم کرنے، خالق کو مخلوق کے برابر قرار دینے، اللہ اس کے رسول اور اس کی کتابوں کے ساتھ کفر کرنے کو درست گردانتا ہے۔۔۔ اس دین پر فضیلت دی جاسکتی ہے جو اللہ رحمن کی عبادت، کھلے چھپے اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص، بتوں اور جھوٹے خداؤں کے انکار، صلہ رحمی، تمام مخلوق حتیٰ کہ جانوروں کے ساتھ حسن سلوک، لوگوں کے درمیان عدل کے قیام، ہر خوبی چیز اور ظلم کی تحریم اور تمام اقوال و اعمال میں صدق پر مبنی ہے؟۔۔۔ کیا یہ تفضیل محض ہدیان نہیں؟

ایسا کہنے والا شخص یا تو سب سے زیادہ جاہل یا سب سے کم عقل یا حق کے ساتھ سب سے زیادہ عناد رکھنے والا اور تکبر کا اظہار کرنے والا ہے۔ یہ فی الواقع ایسے ہی ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ﴾ ”یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے دور کر دیا اور انہیں اپنی سزا کا مستحق ٹھہرایا۔ ﴿وَمَنْ يَلْعَنِ اللَّهُ فَعَلَنْ نَجْعَلْ لَهُ نَصِيرًا﴾ ”اور جس پر اللہ لعنت کر دے تو تم اس کا کسی کو مددگار نہیں پاؤ گے۔“ جسے اللہ تعالیٰ دھتکار دے تو اس کے لئے کوئی مددگار نہیں پائے گا جو اس کی سرپرستی کرنے اس کے مصالح کی نگرانی کرے اور ناپسندیدہ امور میں اس کی حفاظت کرے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو اپنے حال پر چھوڑ دینے کی انتہا ہے۔ ﴿أَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمَلِكِ﴾ ”کیا ان کے پاس بادشاہی کا کچھ حصہ ہے؟“ کہ وہ محض اپنی خواہشات نفس کی بنا پر جس کو چاہیں اور جس پر چاہیں فضیلت دیں اور تمدیر مملکت میں اللہ تعالیٰ کے شریک بن جائیں؟ اگر وہ ایسے ہوتے تو وہ بہت زیادہ بخل سے کام لیتے۔ اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَادَا﴾ یعنی اگر اقتدار میں ان کا کوئی حصہ ہوتا تب ﴿لَا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا﴾ ”وہ لوگوں کو تل برابر بھی نہ دیتے۔“ یعنی وہ لوگوں کو تھوڑی سی چیز بھی نہ دیتے۔ یہ فرض کرتے ہوئے کہ (کائنات کی) بادشاہی اور اقتدار میں ان کا حصہ ہے۔ انتہائی شدید بخل ان کا وصف بیان کیا ہے۔

یہ ہر ایک کے نزدیک تسلیم شدہ اور متحقق استنبہام انکاری ہے۔

﴿أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ ”یا یہ لوگوں سے حسد کرتے ہیں اس پر جو اللہ

تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے،“ یعنی یہ کہنے پر ان کو بزعم خود ان کے اللہ تعالیٰ کے شریک ہونے نے آمادہ کیا

ہے کہ جس کو چاہیں فضیلت دیں یا رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کے ساتھ حسد اس کا باعث تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور اہل ایمان کو اپنے فضل سے نوازا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل کے لئے یہ کوئی انوکھی اور نئی چیز نہیں ہے۔ بلکہ ﴿فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا﴾ ”پس ہم نے تو آل ابراہیم کو کتاب و حکمت اور بڑی سلطنت عطا فرمائی ہے“ یہ ان نعمتوں کی طرف اشارہ ہے جن سے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور انکی اولاد کو نوازا، یعنی نبوت، کتاب اور حکومت جو اس نے اپنے بعض انبیاء کو عطا کی جیسے داؤد اور سلیمان علیہم السلام۔

اللہ تعالیٰ کے مومن بندوں پر یہ نعمتیں ہمیشہ سے چلی آ رہی ہیں۔ پس وہ محمد ﷺ کی نبوت آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کی فتح و نصرت اور آپ کے اقتدار کا کیسے انکار کر سکتے ہیں۔ حالانکہ آپ مخلوق میں سب سے افضل، سب سے زیادہ جلیل القدر، سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھنے والے اور سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والے ہیں۔ ﴿فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ بِهِ﴾ ”پھر ان میں سے بعض اس پر ایمان لائے۔“ یعنی ان میں سے بعض لوگ محمد ﷺ پر ایمان لائے، اس لئے وہ دنیاوی خوش بختی اور اخروی فلاح سے بہرہ ور ہوئے ﴿وَمِنْهُمْ مَنْ صَدَّ عَنْهُ﴾ اور ان میں سے بعض نے محض عناد و بغاوت اور اللہ کے راستے سے لوگوں کو روکنے کے لئے اس سے اعراض کیا اس لئے وہ دنیا میں بد بختی اور مصائب کا شکار ہو گئے۔ جو ان کے گناہوں کے اثرات ہیں۔ ﴿وَكَفَىٰ بَعْضَهُمْ سَعِيرًا﴾ ”اور (ان کے لئے) دہکتی ہوئی آگ ہی کافی ہے“ یہ آگ یہود و نصاریٰ اور دیگر اقسام کے کفار پر بھڑکائی جائے گی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کا اور اس کے انبیاء علیہم السلام کا انکار کیا۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصَلِّيهِمْ نَارًا﴾ ”جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا انہیں ہم یقیناً آگ میں ڈال دیں گے“ یعنی ہم ان کو ایسی آگ میں جھونکیں گے جو ایندھن کے لحاظ سے بہت بڑی اور اور حرارت کے لحاظ سے بہت شدید ہوگی۔ ﴿كُلَّمَا نَضَجَتْ جُلُودُهُمْ﴾ ”جب ان کی کھالیں گل جائیں گی۔“ ﴿بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ﴾ ”ہم ان کے سوا اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ وہ عذاب چکھتے رہیں“ تاکہ عذاب ان کے جسم کے ہر مقام تک پہنچ جائے۔

چونکہ وہ کفر اور عناد کا بار بار مظاہرہ کرتے ہیں اور یہ کفر اور عناد ان کا وصف اور عادت بن گیا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ ان کو بار بار عذاب کا مزا چکھائے گا تاکہ ان کو پورا پورا بدلہ مل جائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا﴾ ”یقیناً اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ عظیم غلبے کا مالک ہے، اس کی تخلیق اس کے امر اور اس کے ثواب و عقاب میں اس کی حکمت جاری و ساری ہے۔ ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ ”اور جو لوگ ایمان لائے۔“ یعنی وہ اللہ تعالیٰ پر اور ان امور پر ایمان لائے جن پر ایمان لانا واجب ہے ﴿وَعَمِلُوا

الضُّلُحَاتِ ﴿ اور عمل نیک کرتے رہے۔ ”یعنی وہ واجبات اور مستحبات پر عمل کرتے ہیں۔ ﴿ سَنَدُ خَلْمُهُمْ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَلِيدِينَ فِيهَا أَبَدًا لَّهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ ﴿ ”ہم عنقریب انہیں ان جنتوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ان کے لئے وہاں صاف ستھری بیویاں ہوں گی، یعنی یہ بیویاں ان رذیل عادات اور گندے اخلاق اور ہر میل اور عیب سے پاک ہوں گی جن میں دنیا کی عورتیں ملوث ہوتی ہیں ﴿ وَنَدَّخَلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿ ”اور ہم انہیں گھنے سائے میں داخل کریں گے۔ ”یعنی ہم انہیں ہمیشہ رہنے والے سائے میں داخل کریں گے۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا ۖ وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۗ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ لَوَگُوں کے توفیلہ کرو ساتھ انصاف کے۔ بلاشبہ اللہ بہت ہی اچھی بات ہے وہ کہ نصیحت کرتا ہے تمہیں ساتھ اسکے۔ بیک اللہ ہے سَبِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۵۱﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۗ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ ۗ إِنَّ كُنْتُمْ تُوْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿۵۲﴾
تم ایمان رکھتے ساتھ اللہ اور دن آخرت کے۔ یہ بہتر اور بہت اچھا ہے انجام میں ○

ہر وہ چیز جس پر انسان کو امین بنایا جائے اور اس کے انتظام کی ذمہ داری اس کے سپرد کی جائے امانت کہلاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ امانتیں بغیر کسی کی اور بغیر کسی نال منول کے پوری کی پوری ادا کر دیں۔ اس میں عہدوں کی امانت، اموال کی امانت، بھید اور رازوں کی امانت اور ان مامورات کی امانت جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، سب شامل ہیں۔ فقہاء کہتے ہیں کہ جس کسی کے پاس کوئی امانت رکھی جائے اس پر اس کی حفاظت کرنا واجب ہے۔ چونکہ امانت کی حفاظت کئے بغیر اس کو واپس ادا کرنا ممکن نہیں اس لئے حفاظت واجب ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ ”اس کے مالک کی طرف“ میں اس بات کی دلیل ہے کہ امانت صرف اسی شخص کو لوٹائی جائے اور ادا کی جائے جو اس کا مالک ہے اور وکیل مالک ہی کے قائم مقام ہے۔ اگر وہ امانت مالک کے سوا کسی اور شخص کے حوالے کر دے تو اس نے امانت ادا نہیں کی۔

﴿وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ﴾ ”اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو

انصاف کے مطابق کرو؛ یہ حکم ان کے درمیان قتل کے مقدمات، مالی مقدمات اور عزت و آبرو کے مقدمات، خواہ یہ چھوٹے ہوں یا بڑے، سب کو شامل ہے اور اس کا اطلاق قریب، بعید، صالح، فاجر، دوست اور دشمن سب پر ہوتا ہے۔ وہ عدل جس کا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں حکم دیا ہے اس سے مراد حدود و احکام میں عدل کے وہ ضابطے ہیں جن کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زبان پر مشروع فرمایا ہے۔ یہ حکم معرفت عدل کو مستلزم ہے تاکہ اس کے مطابق فیصلہ کیا جاسکے۔

چونکہ یہ احکام بہت اچھے اور عدل و انصاف پر مبنی ہیں اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ ”اللہ تم کو اچھی نصیحت کرتا ہے، بے شک اللہ سننے والا دیکھنے والا ہے“ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے اوامر و نواہی کی مدح و تعریف ہے کیونکہ یہ اوامر و نواہی دنیا و آخرت کے مصالح کے حصول اور دنیا و آخرت کی مضرتوں کو دور کرنے پر مشتمل ہیں کیونکہ ان اوامر و نواہی کو مشروع کرنے والی ہستی سبچ و بصیر ہے۔ جس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے وہ اپنے بندوں کے ان مصالح کو جانتا ہے جو وہ خود نہیں جانتے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول کی اطاعت کا حکم دیا ہے اور یہ اطاعت اللہ اور اس کے رسول کے مشروع کردہ واجبات و مستحبات پر عمل اور ان کی منہیات سے اجتناب ہی کے ذریعے سے ہو سکتی ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے اولوالامر کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ اولوالامر سے مراد لوگوں پر مقرر کردہ حکام، امراء اور اصحاب فتویٰ ہیں کیونکہ لوگوں کے دینی اور دنیاوی معاملات اس وقت تک درست نہیں ہو سکتے جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اولوالامر کی اطاعت نہیں کرتے مگر اس شرط کے ساتھ کہ اولوالامر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم نہ دیں اور اگر وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا حکم دیں تو خالق کی نافرمانی میں مخلوق کی فرمانبرداری ہرگز جائز نہیں۔ شاید یہی سر نہاں ہے کہ اولوالامر کی اطاعت کے حکم کے وقت فعل کو حذف کر دیا گیا ہے اور اولوالامر کی اطاعت کو رسول کی اطاعت کے ساتھ ذکر فرمایا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم دیتے ہیں لہذا جو کوئی رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ رہے اولوالامر تو ان کی اطاعت کے لئے یہ شرط عائد کی ہے کہ ان کا حکم معصیت نہ ہو۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ لوگ اپنے تمام تنازعات کو خواہ یہ اصول دین میں ہوں یا فروع دین میں اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹائیں، یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف کیونکہ تمام اختلافی مسائل کا حل قرآن و سنت میں موجود ہے یا تو ان اختلافات کا حل صراحت کے ساتھ قرآن اور سنت میں موجود ہوتا ہے یا ان کے عموم، ایما، تنبیہ، مفہوم مخالف اور عموم معنی میں ان اختلافات کا حل موجود ہوتا ہے اور عموم معنی میں اس کے مشابہہ مسائل میں قیاس کیا جاسکتا ہے۔ کیونکہ کتاب اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی سنت پر دین کی بنیاد قائم ہے ان دونوں کو حجت تسلیم کئے بغیر ایمان

درست نہیں۔ اپنے تنازعات کو قرآن و سنت کی طرف لوٹانا شرط ایمان ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ ”اگر تم اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہو۔“ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ جو کوئی نزاعی مسائل کو قرآن و سنت پر پیش نہیں کرتا وہ حقیقی مومن نہیں بلکہ وہ طاغوت پر ایمان رکھتا ہے، جیسا کہ بعد والی آیت میں ذکر فرمایا ہے۔

﴿ذَلِكَ﴾ ”یہ“ یعنی تنازعات کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانا ﴿حَذِيرًا وَ أَحْسَنَ تَأْوِيلًا﴾ ”یہ بہت بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے“ کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کا فیصلہ سب سے بہتر، سب سے زیادہ عدل و انصاف کا حامل اور لوگوں کے دین و دنیا اور ان کی عاقبت کی بھلائی کے لئے سب سے اچھا فیصلہ ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ
کیا نہیں دیکھا آپ نے طرف ان لوگوں کی جو دعویٰ کرتے ہیں اس بات کا کہ وہ ایمان لائے ہیں ساتھ اس کے جو اتنا گیا طرف آپ کی اور جو نازل کیا گیا
مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ
پہلے آپ سے وہ ارادہ کرتے ہیں یہ کہ فیصلہ لے جائیں طرف طاغوت کی، حالانکہ حکم دیئے گئے تھے وہ یہ کہ
يَكْفُرُوا بِهِ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿٦٠﴾ وَإِذَا قِيلَ
کفر کریں ساتھ اس کے۔ اور ارادہ کرتا ہے شیطان یہ کہ گمراہ کر دے ان کو گمراہ کرنا دور کا ○ اور جب کہا جاتا ہے
لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنْفِقِينَ يَصُدُّونَ
ان سے آؤ تم طرف اس کی جو نازل کیا اللہ نے اور (آؤ) طرف رسول کی، تو دیکھیں گے آپ منافقوں کو رکتے ہیں وہ
عَنْكَ صُدُودًا ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمُ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ
آپ سے اعراض کرتے ہوئے ○ پس کیا حال ہوتا ہے جب پہنچے ہے انکو مصیبت، بوجہ اس کے جو آگے بھیجا گئے ہاتھوں نے پھر
جَاءُوكَ يَخْلِفُونَ ﴿٦٢﴾ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَ تَوْفِيقًا ﴿٦٣﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ
آتے ہیں وہ آپ کے پاس، تمہیں کھاتے ہیں وہ اللہ کی، نہیں ارادہ کیا تھا، ہم نے مگر بھلائی اور موافقت کا ○ یہ وہ لوگ ہیں کہ
يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرَضَ عَنْهُمْ وَعَظَّمَ قَوْلَهُمْ ﴿٦٤﴾

فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿٦٤﴾

ان کے دلوں میں بات اثر کرنے والی ○

اللہ تعالیٰ منافقین کی حالت کے بارے میں اپنے بندوں پر تعجب کا اظہار کرتا ہے۔ ﴿الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ

اٰمَنُوْا ﴿ جو دعویٰ تو یہ کرتے ہیں کہ وہ ایمان رکھتے ہیں۔ ”یعنی وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ اس چیز پر ایمان لائے جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے اور جو کچھ آپ ﷺ سے پہلے تھا۔ بایں ہمہ ﴿ **يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْا اِلَى الطَّاغُوْتِ** ﴾ ”وہ چاہتے ہیں کہ وہ فیصلے طاغوت کی طرف لے جائیں۔“ ہر وہ شخص جو شریعت الہی کے بغیر فیصلے کرتا ہے طاغوت ہے اور ان کا حال یہ ہے کہ ﴿ **وَ قَدْ اٰمُرُوْا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ** ﴾ ”انہیں اس بات کا حکم دیا گیا تھا کہ وہ طاغوت کا انکار کریں۔“ ان کا یہ رویہ اور ایمان کیسے اکٹھے ہو سکتے ہیں کیونکہ ایمان اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ کی شریعت کی پیروی کی جائے اور اس کی حکیم کو قبول کیا جائے۔ پس جو کوئی مومن ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کے فیصلے کو چھوڑ کر طاغوت کے فیصلے کو قبول کرتا ہے وہ جھوٹا ہے۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ شیطان نے ان کو گمراہ کر دیا ہے ﴿ **وَ يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا** ﴾ ”اور شیطان تو چاہتا ہے کہ انہیں بہکا کر راستے سے دور کر دے۔“ یعنی شیطان چاہتا ہے کہ وہ انہیں حق سے دور کر دے۔

فرمایا: ﴿ **فَكَيْفَ** ﴾ یعنی ان گمراہوں کا کیا حال ہوتا ہے ﴿ **اِذَا اَصَابَتْهُمْ مُصِيْبَةٌ ۗ اِنَّمَا قَدَّمَتْ اٰيٰتِنَهُمْ** ﴾ ”جب ان پر ان کے کرتوتوں کے باعث کوئی مصیبت آپڑتی ہے، یعنی گناہ، معاصی اور طاغوت کی حکیم بھی اس میں شامل ہے ﴿ **ثُمَّ جَاءَ وَاَنَّكَ** ﴾ ”پھر آپ کے پاس آتے ہیں۔“ یعنی جو کچھ ان سے صادر ہوا اس پر معذرت کرتے ہوئے آپ ﷺ کے پاس آتے ہیں۔ ﴿ **يَخْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَا اِلَّا اِحْسٰنًا وَ تَوْفِيْقًا** ﴾ ”اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو صرف بھلائی اور میل ملاپ ہی کا تھا۔“ یعنی ہمارا مقصد تو صرف بھگڑے کے فریقین کے ساتھ بھلائی کرنا اور ان کے درمیان صلح کروانا ہے۔ حالانکہ وہ اس بارے میں سخت جھوٹے ہیں۔ بھلائی تو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی حکیم میں ہے۔ ﴿ **وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ حٰكِمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُوْنَ** ﴾ (المائدہ: ۵۰، ۵۱) ”جو لوگ یقین رکھتے ہیں ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اچھا فیصلہ کس کا ہے؟“ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ **اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ** ﴾ ”یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے دلوں کا بھید اللہ تعالیٰ پر بخوبی روشن ہے،“ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے نفاق اور برے مقاصد کو جانتا ہے۔ ﴿ **فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ** ﴾ ”آپ ان کا کچھ خیال نہ کریں۔“ یعنی ان کی پروا نہ کیجئے اور جو کچھ انہوں نے کیا ہے اس پر دھیان نہ دیجئے ﴿ **وَعَظَمُهُمْ** ﴾ ”اور انہیں نصیحت کریں۔“ یعنی انہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی ترغیب دیتے ہوئے اور ترک اطاعت پر انہیں ڈراتے ہوئے ان کے سامنے اللہ تعالیٰ کا حکم بیان کیجئے۔ ﴿ **وَقُلْ لَهُمْ فِيْ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا** ﴾ ”اور ان سے وہ بات کیجئے جو ان کے دلوں میں گھر کرنے والی ہو،“ یعنی اپنے درمیان اور ان کے درمیان معاملے کو راز رکھتے ہوئے انہیں نصیحت کیجئے۔ حصول مقصد کے لئے یہ طریقہ زیادہ مفید ہے اور ان کو برائیوں سے روکنے اور جزو تو بیخ میں پوری کوشش سے کام لیجئے۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ گناہ گار کے ساتھ اگر اعراض کیا جائے تو

پوشیدہ طور پر اس کے لئے خیر خواہی کا اہتمام ضرور کیا جائے اور اس کو نصیحت کرنے میں پوری کوشش سے کام لیا جائے جس سے وہ اپنا مقصد حاصل کر سکے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللَّهِ وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللَّهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ لَوَجَدُوا اللَّهَ تَوَّابًا
اپنی جانوں پر آتے وہ آپ کے پاس، پھر معافی مانگتے وہ اللہ سے اور معافی مانگتا ان کیلئے رسول، تو یقیناً پاتے وہ اللہ کو توبہ قبول کرینوا
رَّحِيمًا ﴿۷۶﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِي مَآئِمِهِمْ ثُمَّ
مہربان ۷۶ تم ہے آپ کے رب کی، نہیں مومن ہو سکتے وہ یہاں تک کہ حاکم مانیں آپ کو اس چیز میں کہ اختلاف ہو جائے درمیان ان کے، پھر
لَا يَجِدُوا فِيْ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿۷۷﴾

نہ پائیں وہ اپنے دلوں میں کوئی تنگی اس سے جو آپ فیصلہ کر دیں اور تسلیم کر لیں وہ اسے (دل و جان سے) تسلیم کرنا
اللہ تبارک و تعالیٰ اوامر کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور فرمانبرداری کی ترغیب دیتے ہوئے آگاہ فرماتا ہے کہ انبیاء و رسل کو مبعوث کرنے کی غرض و غایت صرف یہی ہے کہ ان کی اطاعت کی جائے اور جن کی طرف رسول بھیجا گیا ہے وہ اس کے تمام احکام کی تعمیل کریں، اس کے نواہی سے اجتناب کریں اور وہ اس کی ویسے ہی تعظیم کریں جیسے اطاعت کرنے والا مطاع کی تعظیم کرتا ہے۔ اس آیت میں عصمت انبیاء کا اثبات ہے یعنی وہ اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچانے، حکم دینے اور منع کرنے میں ہر لغزش سے پاک ہیں کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے لوگوں کو انبیاء کرام کی مطلق اطاعت کا حکم دیا ہے اگر وہ منصب تشریح میں خطا سے پاک نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کی مطلق اطاعت کا حکم نہ دیتا۔

﴿بِإِذْنِ اللَّهِ﴾ اللہ کے فرمان کے مطابق۔ یعنی اطاعت کرنے والے کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے صادر ہوتی ہے۔ پس اس آیت میں قضا و قدر کا اثبات ہے نیز اس میں اس امر کی ترغیب ہے کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے مدد مانگنی چاہئے نیز اس میں یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ انسان اس وقت تک رسول کی اطاعت نہیں کر سکتا جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال نہ ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے عظیم جود و کرم کا ذکر فرمایا ہے اور ان لوگوں کو دعوت دی ہے جن سے گناہ سرزد ہوئے کہ وہ اپنے گناہوں کا اعتراف کریں، توبہ کر کے اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی بخشش طلب کریں۔ چنانچہ فرمایا:
﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ جَاءُوكَ﴾ اور اگر یہ لوگ جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا آپ کے پاس آجاتے، یعنی اپنے گناہوں کا اعتراف اور اقرار کرتے ہوئے آپ ﷺ کے پاس آتے۔ ﴿فَاسْتَغْفَرُوا﴾

اللَّهِ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُولُ نُوَجِّدُ وَاللَّهُ تَوَّابًا رَّحِيمًا ﴿۱۶﴾ اور اللہ سے استغفار کرتے اور رسول ان کے لئے استغفار کرتا تو یقیناً یہ لوگ اللہ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کا ظلم بخش کر ان کی طرف پلٹ آتا۔ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کر کے توبہ کی توفیق اور اس پر ثواب عطا کر کے ان پر رحم فرماتا۔ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں اس حاضری کا تعلق آپ کی زندگی کے ساتھ مختص تھا کیونکہ سیاق دلالت کرتا ہے کہ رسول کی طرف سے استغفار آپ کی زندگی ہی میں ہو سکتا ہے۔ آپ کی وفات کے بعد آپ سے کچھ نہ مانگا جائے بلکہ یہ شرک ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات اقدس کی قسم کھاتے ہوئے فرمایا کہ یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے جھگڑوں میں اس کے رسول کو حکم تسلیم نہ کریں۔ یعنی ہر اس معاملے میں رسول اللہ ﷺ کو حکم اور فیصلہ تسلیم کریں جس میں اجماعی مسائل کے برعکس ان کے درمیان کسی قسم کا کوئی اختلاف واقع ہو۔ کیونکہ اجماعی مسائل کتاب و سنت کی دلیل پر مبنی ہوتے ہیں۔ پھر اس تحکیم کو تسلیم کرنا ہی کافی قرار نہیں دیا بلکہ یہ شرط بھی عائد کی کہ آپ کو حکم تسلیم کرنا محض اغماض کے پہلو سے نہ ہو بلکہ ان کے دلوں میں کسی قسم کی تنگی اور حرج نہ ہو اور اس تحکیم کو ہی کافی قرار نہیں دیا جب تک کہ وہ شرح صدر، اطمینان نفس، ظاہری اور باطنی اطاعت کے ساتھ آپ کے فیصلے کو تسلیم نہ کر لیں۔ پس آپ کو حکم تسلیم کرنا اسلام کے مقام میں ہے۔ اس تحکیم میں تنگی محسوس نہ کرنا ایمان کے مقام میں ہے۔ اور آپ کے فیصلے پر تسلیم و رضا احسان کے مقام میں ہے۔

جس کسی نے ان مراتب کو مکمل کر لیا اس نے دین کے تمام مراتب کی تکمیل کر لی اور جس نے اس کا التزام کیے بغیر اس تحکیم کو ترک کر دیا وہ کافر ہے اور جس نے التزام کرنے کے باوجود اس تحکیم کو ترک کر دیا وہ دیگر گناہ گاروں کی مانند ہے۔

وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ أَنْ اقْتُلُوا أَنْفُسَكُمْ أَوْ اُخْرَجُوا مِنْ دِيَارِكُمْ مَا فَعَلُوهُ
اور اگر بیشک فرض کر دیتے ہم ان پر یہ کہ قتل کرو تم اپنی جانوں کو یا نکلو تم اپنے گھروں سے، تو نہ کرتے وہ یہ کام
إِلَّا قَلِيلٌ مِنْهُمْ ۖ وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ
مگر تھوڑے ان میں سے اور اگر بلاشبہ کر لیتے وہ (وہ کام) کہ نصیحت کئے جاتے ہیں وہ اسکی، تو ہو تا بہت بہتر ان کیلئے
وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا ﴿۱۷﴾ وَإِذَا لَأَتَيْنَهُمْ مِنْ لَدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۱۸﴾ وَلَهْدَيْنَهُمْ
اور زیادہ ثابت قدم رکھنے والا (دین میں) اور تب البتہ دیتے ہم انہیں اپنی طرف سے اجر بہت بڑا اور ضرور چلاتے ہم انہیں

صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا ﴿۱۹﴾

راتے سیدھے پر

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر اس نے اپنے بندوں پر شاق گزرنے والے احکام فرض کئے ہوتے مثلاً، اپنے آپ کو قتل کرنا اور گھروں سے نکلنا وغیرہ تو اس پر بہت کم لوگ عمل کر سکتے، پس انہیں اپنے رب کی حمد و ثنا اور اس کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر ایسے آسان احکام نافذ کئے ہیں جن پر عمل کرنا ہر ایک کے لئے آسان ہے اور ان میں کسی کے لئے مشقت نہیں۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندہ مومن کو چاہئے کہ اسے جو امور گراں گزرتے ہیں، وہ ان کی ضد کو ملاحظہ کرے تاکہ اس پر عبادات آسان ہو جائیں، تاکہ اپنے رب کے لئے اس کی حمد و ثنا اور شکر میں اضافہ ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اگر انہوں نے اس چیز پر عمل کیا ہوتا جس کی انہیں نصیحت کی گئی ہے، یعنی تمام اوقات کے مطابق ان کے لئے جو اعمال مقرر کئے گئے ہیں، ان کے لئے اپنی ہمتیں صرف کرتے ان کے انتظام اور ان کی تکمیل کے لئے ان کے نفوس پوری کوشش کرتے اور جو چیز انہیں حاصل نہ ہو سکتی اس کے لئے کوشش نہ کرتے اور اس کے درپے نہ ہوتے اور بندے کے لئے یہی مناسب ہے کہ وہ اپنے حال پر غور کرے جس کو قائم کرنا لازم ہے اس کی تکمیل میں جدوجہد کرے۔ پھر بتدریج تھوڑا تھوڑا آگے بڑھتا رہے یہاں تک کہ جو دینی اور دنیاوی علم و عمل اس کے لئے مقدر کیا گیا ہے اسے حاصل کر لے۔ یہ اس شخص کے برعکس ہے جو اس معاملے پر ہی نظریں جمائے رکھتا ہے جہاں تک وہ نہ پہنچ سکا اور نہ اس کو اس کا حکم دیا گیا تھا۔ کیونکہ وہ تفریق ہمت، سستی اور عدم نشاط کی بنا پر اس منزل تک نہیں پہنچ سکا۔

پھر ان کو جو نصیحت کی گئی ہے اس پر عمل کرنے سے جو نتائج حاصل ہوتے ہیں ان کے چار مراتب ہیں۔

اول: بھلائی کا حصول۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں ذکر کیا گیا ہے ﴿لَکَانَ خَیْرًا لَّهُمْ﴾ ”البتہ ان کے لئے بہتر ہوتا“، یعنی ان کا شمار نیک لوگوں میں ہوتا جو ان افعال خیر سے متصف ہیں جن کا ان کو حکم دیا گیا تھا اور ان سے شریر لوگوں کی صفات زائل ہو جاتیں کیونکہ کسی چیز کے ثابت ہونے سے اس کی ضد کی نفی لازم آتی ہے۔

ثانی: ثابت قدمی اور اس میں اضافے کا حصول۔ کیونکہ اہل ایمان کے ایمان کو قائم رکھنے کے سبب سے، جسے قائم رکھنے کی انہیں نصیحت کی گئی تھی، اللہ تعالیٰ انہیں ثابت قدمی عطا کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ دنیا کی زندگی میں، اوامر و نواہی میں فتنوں کے وارد ہونے اور مصائب کے نازل ہونے کے وقت انہیں ثابت قدمی عطا کرتا ہے، تب انہیں ثبات حاصل ہوتا ہے اوامر پر عمل کرنے اور ان نواہی سے اجتناب کی توفیق عطا ہوتی ہے نفس جن کے فعل کا تقاضا کرتا ہے اور ان مصائب کے نازل ہونے پر ثابت قدمی اور استقامت عطا ہوتی ہے جن کو بندہ ناپسند کرتا ہے۔ بندے کو صبر و رضا اور شکر کی توفیق کے ذریعے

سے ثابت قدمی عطا ہوتی ہے۔ پس بندے پر اس کی ثابت قدمی کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد نازل ہوتی ہے اور اسے نزع کے وقت اور قبر میں ثابت قدمی سے نواز دیا جاتا ہے۔ نیز اللہ تعالیٰ کے اوامر کو قائم رکھنے والا بندہ مومن شرعی احکام کا عادی بن جاتا ہے یہاں تک کہ وہ ان احکام سے مانوس ہو جاتا ہے اور ان احکام کا مشتاق بن جاتا ہے اور یہ الفت اور اشتیاق نیکیوں پر ثبات کے لئے اس کے مددگار ثابت ہوتے ہیں۔

ثالث: اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِذَا آتَيْنَهُمْ مِنْ لَدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا﴾ ”اور تب تو انہیں ہم اپنے پاس سے بڑا ثواب دیتے۔“ یعنی دنیا و آخرت میں ہم اسے اجر عظیم سے نوازتے جو قلب و روح اور بدن کے لئے ہے اور ایسی ہمیشہ رہنے والی نعمت ہے جسے کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی کے طائر خیال کا وہاں سے گزر ہوا ہے۔

رابع: صراط مستقیم کی طرف راہنمائی۔ یہ خصوص کے بعد عموم کا ذکر ہے کیونکہ صراط مستقیم کی طرف راہنمائی شرف کی حامل ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ہدایت حق کے علم کو حق کے ساتھ محبت اور حق کو ترجیح دینے اور اس پر عمل کرنے کو اور اس پر فلاح و سعادت کے موقوف ہونے کو متضمن ہوتی ہے۔ پس جس کسی کی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کر دی گئی اسے گویا ہر بھلائی کی توفیق عطا کر دی گئی اور اس سے ہر برائی اور ہر ضرر کو دور کر دیا گیا۔

وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَٰئِكَ رَفِيقًا ﴿۶۹﴾ ذٰلِكَ نَبِیُّوۡنَ اَوۡرِصِدِیۡقِیۡوۡنَ اَوۡرِ شَہِیۡدِوۡنَ اَوۡرِ صَٰلِحِیۡنَ (کیسا تھ) اور ایتھے ہیں یہ لوگ رفیق (ساتھی) کے طور پر ۰ یہ
الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰی بِاللّٰهِ عَلِیۡمًا ۞
فضل ہے اللہ کی طرف سے اور کافی ہے اللہ جاننے والا ۰

یعنی ہر وہ شخص جو اپنے حسب حال قدر و واجب کے مطابق خواہ مرد ہو یا عورت اور بچہ ہو یا بوڑھا اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے۔ ﴿فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ﴾ ”پس یہی وہ لوگ ہیں جو ان کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے فضل کیا، یعنی ان کو عظیم نعمت سے نوازا جو کمال فلاح اور سعادت کی مقتضی ہے۔

﴿مِنَ النَّبِيِّينَ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے وحی عطا کر کے فضیلت بخشی اور انہیں خصوصی فضیلت عطا کی کہ ان کو لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا اور انہوں نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دی

﴿ وَالصَّادِقِينَ ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اس وحی کی کامل تصدیق کی جو رسول لے کر آئے تھے۔ انہوں نے حق کو جان لیا اور یقین کامل کے ساتھ اس کی تصدیق کی اور پھر اپنے قول و فعل، حال اور اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے کر اس حق کو قائم کیا۔ ﴿ وَالشَّهَادَةَ ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کیا تاکہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ بلند ہو اور قتل کر دیئے گئے۔ ﴿ وَالضَّالِّينَ ﴾ یہ وہ لوگ ہیں جن کا ظاہر و باطن درست ہے اور اس کے نتیجے میں ان کے اعمال درست ہیں۔ پس ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے وہ ان لوگوں کی صحبت سے بہرہ ور ہوگا۔ ﴿ وَحَسَنَ أَوْلِيَّكَ رَفِيقًا ﴾ ان مذکورہ اصحاب فضیلت کے ساتھ نعمت والے باغوں میں اکٹھے ہونا اور اللہ رب العالمین کے جوار میں ان اصحاب کی قربت کا انس، ایک اچھی رفاقت ہے۔

﴿ ذَلِكَ الْفَضْلُ ﴾ یہ فضیلت جو انہوں نے حاصل کی ہے ﴿ مِنْ اللَّهِ ﴾ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے انہیں اس کی توفیق سے نوازا، اس کے حصول میں ان کی مدد کی اور انہیں اتنا زیادہ ثواب عطا کیا کہ ان کے اعمال وہاں تک نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ﴿ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ عَظِيمًا ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے احوال کا علم رکھتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ ان میں سے کون ان اعمال صالحہ کے ذریعے سے، جن پر ان کا دل اور اعضاء متفق ہوں، ثواب جزیل (زیادہ اجر) کا مستحق ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانفِرُوا ثُبَاتٍ أَوْ انفِرُوا جَمِيعًا ۝ وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيُبَطِّئَنَّ فَإِنْ أَصَابَكُمْ مُمْصِبَةٌ قَالَ قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا ۝ وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِنَ اللَّهِ لَيَقُولُنَّ كَأَنْ لَمْ يَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ لَيُكَلِّمُنِي كُنْتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝

اے ایمان والو! لے لو تم اپنے بچاؤ کا سامان، پس نکلو تم گروہ گروہ یا نکلو تم اکٹھے ۝ اور بلاشبہ بعض تم میں سے وہ ہیں جو یقیناً دیر کرتے ہیں (نکلنے میں) پس اگر پہنچے تمہیں کوئی مصیبت، تو کہتا ہے، تحقیق انعام کیا اللہ نے مجھ پر کہ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا ۝ وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِنَ اللَّهِ لَيَقُولُنَّ كَأَنْ لَمْ يَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ لَيُكَلِّمُنِي كُنْتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ۝

تھی تمہارے درمیان اور اسکے درمیان کوئی دوستی کاش کہ ہو تا میں ساتھ انکے، تو حاصل کرتا میں کامیابی بہت بڑی ۝ فَلْيَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۝ وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ۝

لڑے راستے میں اللہ کے، پھر وہ قتل کر دیا جائے یا غالب آجائے، تو عنقریب دیں گے ہم اس کو اجر بہت بڑا ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دیتا ہے کہ اپنے کفار دشمنوں سے چوکنے رہو۔ یہ حکم ان تمام اسباب

کو شامل ہے جو دشمن کے خلاف جنگ میں مدد دیتے ہیں۔ جن کے ذریعے سے دشمن کی چالوں اور سازشوں کو ناکام بنایا جاتا اور اس کی قوت کو توڑا جاتا ہے۔ مثلاً قلعہ بندیوں اور تختہ قوتوں کا استعمال، تیر اندازی اور گھوڑ سواری سیکھنا اور ان تمام صنعتوں کا علم حاصل کرنا جو دشمن کے خلاف جنگ میں مدد دیتا ہے، وہ علوم سیکھنا جن کے ذریعے سے دشمن کے داخلی اور خارجی حالات اور ان کی سازشوں سے باخبر رہا جاسکے۔ اور اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے نکلنا۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ﴾ ”جماعت جماعت ہو کر نکلا کرو۔“ یعنی متفرق ہو کر جہاد کے لئے نکلو اور اس کی صورت یہ ہے کہ ایک جماعت یا لشکر جہاد کے لئے نکلے اور دیگر لوگ مقیم رہیں ﴿اَوْ اَنْفِرُوا جَمِيعًا﴾ ”یا تمام کے تمام جہاد کے لئے نکلو۔“ یہ سب کچھ مصلحت دشمن پر غلبہ حاصل کرنے اور دین میں مسلمانوں کی راحت کے تابع ہے۔ اس آیت کریمہ کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ﴿وَ اَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ﴾ (الانفال: ۶۰/۱۸) ”جہاں تک ہو سکے دشمن کے مقابلہ کے لئے فوجی قوت تیار کرو۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کمزور ایمان مسلمانوں کے بارے میں آگاہ فرمایا جو کابلی کی بنا پر جہاد سے جی چراتے ہیں۔ ﴿وَ اِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيَبْغِطَنَّ﴾ ”اور تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے کہ عداوت دیر لگاتا ہے۔“ یعنی اے اہل ایمان! تم میں سے بعض لوگ کمزوری، سستی اور بزدلی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لئے نہیں نکلتے۔ یہی تفسیر صحیح ہے۔ بعض مفسرین کے نزدیک اس کے معنی ہیں کہ وہ دوسروں کو جہاد کے لئے نکلنے سے روکتے ہیں۔ ایسا کرنے والے منافق تھے لیکن پہلے معنی دو لحاظ سے زیادہ صحیح ہیں۔

اول: اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿مِنْكُمْ﴾ ”تم میں سے“ اس پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ یہ خطاب اہل ایمان سے ہے۔

ثانی: آیت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿كَانَ لَمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَ بَيْنَهُ مَوَدَّةٌ﴾ ”گویا کہ تمہارے اور اس کے درمیان کوئی دوستی نہ تھی“ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفار، مشرکین، منافقین اور اہل ایمان کے مابین محبت اور مودت کو منقطع کر دیا، نیز یہ فی الواقع ایسے ہی ہے اس لئے کہ اہل ایمان کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) وہ لوگ جو اپنے ایمان میں سچے ہیں، یہ صدق ایمان ان کے لئے کامل تصدیق اور جہاد کا موجب ہوتا ہے۔ (۲) وہ کمزور لوگ جو اسلام میں داخل ہوتے ہیں مگر وہ کمزور ایمان کے مالک ہوتے ہیں جہاد پر نکلنے کے لئے قوت سے محروم ہوتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قَالَتِ الْأَعْرَابُ اَمَّا ظَنُّنَا لَمْ نُؤْمِنُوا وَلٰكِنْ قَوْلُوا اسَلَمْنَا.....﴾ (الحجرات: ۱۴/۹) ”عرب دیہاتی کہتے ہیں: ہم ایمان لائے۔ کہہ دیجئے کہ تم ایمان نہیں لائے بلکہ یوں کہو کہ ہم اسلام لائے۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے جہاد میں نہ نکلنے والوں کی غرض و غایت اور ان کے مقاصد کے بارے میں آگاہ فرمایا کہ ان

کا سب سے بڑا مقصد دنیا اور اس کے چند ٹکڑے ہیں۔ ﴿فَإِنْ أَصَابَكُمْ مُمْسِيَةٌ﴾ ”پھر اگر تمہیں کوئی مصیبت پہنچتی ہے، یعنی اگر تمہیں ہزیمت اٹھانا پڑتی ہے اہل ایمان قتل ہوتے ہیں اور بعض حالات میں دشمن ظفر یاب ہوتا ہے کیونکہ اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی کچھ حکمت ہوتی ہے ﴿قَالَ﴾ یعنی جہاد سے جی چرا کر بیٹھ رہنے والا کہتا ہے: ﴿قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا﴾ ”اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان کے ساتھ موجود نہیں تھا“ وہ اپنی ضعف عقل اور ضعف ایمان کی وجہ سے سمجھتا ہے کہ جہاد سے جی چرا کر پیچھے بیٹھ رہنا نعمت ہے حالانکہ یہی تو مصیبت ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ حقیقی نعمت تو اس بڑی نیکی کی توفیق ہے جس کے ذریعے سے ایمان قوی ہوتا ہے اور اس کی وجہ سے بندہ عذاب اور خسران سے محفوظ ہوتا ہے اور اس جہاد میں ثواب اور رب کریم و وہاب کی رضا حاصل ہوتی ہے۔

رہا جہاد چھوڑ کر بیٹھ رہنا تو اگرچہ پیچھے بیٹھ رہنے والا تھوڑا سا آرام تو کر لیتا ہے مگر اس آرام کے بعد طویل دکھ اور بہت بڑی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ اس عظیم اجر و ثواب سے بھی محروم ہو جاتا ہے جو مجاہدین کو حاصل ہوتا ہے۔ پھر فرمایا: ﴿وَلَكِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِنَ اللَّهِ﴾ ”اور اگر تمہیں اللہ کا کوئی فضل مل جائے، یعنی فتح و نصرت اور مال غنیمت ﴿لِكَيْفَ لَنْ كَانَ لَمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يَلْتَمِيئِي كُنْتُ مَعَهُمْ فَافْوَزَ فَوْزًا عَظِيمًا﴾ ”تو اس طرح ہے کہ گویا تم میں اس میں دوستی تھی ہی نہیں (افسوس کرتا اور) کہتا ہے کہ کاش میں بھی ان کے ساتھ ہوتا تو مقصد عظیم حاصل کر لیتا۔“ یعنی وہ تمنا کرتا ہے کہ وہ بھی جہاد میں شریک ہوتا تاکہ وہ بھی مال غنیمت حاصل کر سکتا۔ مال غنیمت کے سوا اس کا کوئی مقصد ہے نہ اس کے سوا کسی اور چیز میں رغبت ہے۔ اے مسلمانوں کے گروہ! وہ گویا تم میں سے نہیں ہیں اور نہ ان کے درمیان اور تمہارے درمیان رشتہ ایمان کی مودت و محبت ہے جس کا تقاضا یہ ہے کہ تمام مومنین اپنے مفادات و مصالح اور دفع ضرر میں مشترک ہیں۔ وہ اس کے حصول پر خوش ہوتے ہیں خواہ یہ مفاد و مصلحت مومن بھائیوں میں سے کسی کے ذریعے سے حاصل ہوئے ہوں۔ اس سے محرومی پر دکھ محسوس کرتے ہیں اور جس میں ان کے دین اور دنیا کی اصلاح ہو اس کے حصول کے لئے سب مل کر کوشش کرتے ہیں۔ اور یہ فقط دنیا کی تمنا کرتا ہے اور مذکورہ روح ایمانی سے تہی دست ہوتا ہے۔ یہ بندوں پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا لطف و کرم ہے کہ ان پر اپنی رحمت کا سلسلہ منقطع کرتا ہے نہ اپنی رحمت کے دروازے ان پر بند کرتا ہے بلکہ اگر کوئی ایسا کام کر بیٹھتا ہے جو اس کے حکم کے مطابق نہیں ہوتا تو وہ اسے اپنے نقصان کی تلافی کرنے اور اپنے نفس کی تکمیل کی دعوت دیتا ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اخلاص اور اللہ کی راہ میں نکلنے کا حکم دیا ہے۔

فرمایا: ﴿فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ﴾ ”پس چاہئے کہ وہ لوگ اللہ کے راستے میں لڑیں جو دنیا کی زندگی کو آخرت کے بدلے بیچتے ہیں“ یہ اس آیت کی تفسیر کے بارے میں چند

اقوال میں سے ایک قول ہے اور سب سے زیادہ صحیح ہے۔ ایک اور قول کے مطابق اس کا معنی یہ ہے کہ ان مومنوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنا چاہیے جو اپنے ایمان میں کامل اور صدق کے حامل ہیں۔

﴿الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ﴾ یعنی آخرت میں رغبت رکھتے ہیں دنیا کو آخرت کے بدلے بیچ دیتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کی طرف اللہ تعالیٰ کے خطاب کا رخ ہے کیونکہ انہوں نے اپنے آپ کو دشمنوں کے ساتھ جہاد کرنے کے لئے تیار کر کے عادی بنا لیا ہے، اس لئے کہ یہ لوگ ایمان کامل کے حامل ہیں جو جہاد کا تقاضا کرتا ہے۔ رہے وہ لوگ جو جہاد کے لئے نہیں اٹھتے تو یہ لوگ جہاد کے لئے نکلیں یا گھر بیٹھے رہیں اللہ تعالیٰ کو ان کی پروا نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی نظیر ہے ﴿قُلْ اٰمَنُوْا بِهٖ اَوْ لَا تُوْمِنُوْا اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوْا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهَا اِذَا يَتْلُو عَلَيْهِمْ يَخُوْنُوْنَ لِاَلْذٰقَانِ سَجَدًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۰۷/۱۱۷) ”کہہ دیجئے کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ جن لوگوں کو اس سے پہلے علم دیا گیا ہے جب وہ ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ اپنی ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں“۔ آیات کے آخر تک۔ نیز اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے۔ ﴿فَاِنْ يَكْفُرْ بِهَا هَؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ﴾ (الانعام: ۸۹/۹۶) ”اگر یہ کفار اس کا انکار کرتے ہیں تو ہم نے اس پر ایمان لانے کے لئے کچھ ایسے لوگوں کو مقرر کر دیا ہے جو اس کا انکار کرنے والے نہیں“۔

بعض کہتے ہیں کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ لڑائی کرنے والے مجاہد کو کفار کے خلاف لڑنا چاہئے جنہوں نے آخرت کے بدلے دنیا کی زندگی خرید لی ہے۔ تب اس صورت میں آیت کریمہ میں موجود لفظ (الَّذِينَ) مفعول ہونے کی بنا پر نصب کے مقام پر ہے۔

فرمایا: ﴿وَمَنْ يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ﴾ اور جو لڑتا ہے اللہ کے راستے میں، یعنی یہ جہاد ہو جس کا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے حکم دیا ہے اور بندہ اس میں اللہ تعالیٰ کے لئے اخلاص اور اس کی رضا کا قصد رکھتا ہو ﴿فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا﴾ ”پس وہ قتل کر دیا جائے یا غالب آجائے، ہم اسے اجر عظیم عطا کریں گے“ یعنی یہ اجر ان کے دین و ایمان میں اضافہ مالِ نعمت اور ثنائے حسن کی صورت میں عطا ہوگا۔ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے جنت میں وہ ثواب تیار کر رکھا ہے جسے کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی کے دل میں اس کا کبھی گزر ہوا۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ
اور کیا ہے تمہیں کہ نہیں لڑتے تم راستے میں اللہ کے اور ان لوگوں کی خاطر جو کمزور ہیں مردوں اور عورتوں
وَالْوَلَدَانَ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظّٰلِمِ اَهْلُهَا
اور بچوں میں سے؟ وہ جو کہتے ہیں اے ہمارے رب! نکال ہمیں اس بستی سے کہ ظالم ہیں اس کے باشندے

وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا ۖ وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴿٥٠﴾

اور کر دے ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی حمایتی اور کر دے ہمارے لیے اپنی طرف سے کوئی مددگار ○

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مومن بندوں کے لئے اس کی راہ میں جہاد کی ترغیب ہے نیز یہ کہ جہاد ان پر فرض کر دیا گیا ہے اور ترک جہاد ان کے لئے بہت بڑی ملامت کا باعث ہوگا۔ ﴿وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ ”تمہیں کیا ہے کہ تم اللہ کی راہ میں لڑتے نہیں؟“ اور حال یہ ہے کہ مستضعفین مرد عورتیں اور بچے جن کے پاس کوئی چارہ ہے نہ ان کے پاس آزادی حاصل کرنے کا کوئی راستہ اور اس کے ساتھ ساتھ انہیں دشمنوں کے ظلم و ستم کا سامنا ہے۔ پس وہ اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے ہیں کہ وہ ان کو اس ہستی سے نکالے جس کے باشندے کفر و شرک کے ارتکاب کے ذریعے سے اپنے آپ پر ظلم کر رہے ہیں۔ اہل ایمان کو اذیتیں دے کر ان کو اللہ کے راستے سے روک کر اور انہیں دعوت دین اور ہجرت سے منع کر کے ان پر ظلم کے پہاڑ توڑ رہے ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ان کا کوئی ولی اور مددگار مقرر فرمادے جو انہیں اس ظالم ہستی سے نکال لے جائے۔ تب اس صورت میں جہاد تمہارے بچوں، عورتوں اور تمہاری عزت و ناموس کے دفاع کے زمرے میں شمار ہوگا۔ کیونکہ جہاد تو وہ ہے جس میں کفار کے مقابلے کی خواہش ہو۔ جہاد کی اگرچہ بہت بڑی فضیلت ہے اور جہاد سے پیچھے رہ جانے والوں کے لئے اس سے بڑھ کر ملامت ہے۔ تاہم وہ جہاد جس کے ذریعے سے اہل ایمان مستضعفین کو کفار سے نجات دلائی جاتی ہے اجر و ثواب کے اعتبار سے سب سے عظیم اور فائدے کے لحاظ سے سب سے بڑا جہاد ہے کیونکہ یہ دشمنوں سے دفاع کرنے کے زمرے میں آتا ہے۔

الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ

وہ لوگ جو ایمان لائے، وہ لڑتے ہیں راستے میں اللہ کے، اور وہ جنہوں نے کفر کیا، وہ لڑتے ہیں راستے میں

الطَّاغُوتِ فَفَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ ۚ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ﴿٥١﴾

شیطان کے، پس لڑو تم دوستوں سے شیطان کے، بلاشبہ مکر شیطان کا ہے نہایت کمزور ○

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خبر ہے کہ اہل ایمان اس کی راہ میں جہاد کرتے ہیں۔

﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ﴾ ”اور کافر طاعوت کی راہ میں لڑتے ہیں“ یہاں

طاعوت سے مراد شیطان ہے۔ اس آیت سے متعدد فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

(۱) بندہ مومن کے ایمان اس کے اخلاص اور اس کی اتباع رسول ﷺ کے مطابق اس کا جہاد اللہ کے

راستے میں جہاد شمار ہوتا ہے۔ پس جہاد فی سبیل اللہ ایمان کے آثار اس کے مقتضیات اور اس کے

لوازم میں سے ہے۔ جیسے طاعوت کی راہ میں لڑنا کفر اور اس کے مقتضیات میں سے ہے۔

(۲) جو کوئی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتا ہے اس کے لئے مناسب اور بہتر یہ ہے کہ وہ ایسے صبر و استقلال سے کام لے جس کا مظاہرہ دیگر لوگ نہیں کر سکتے جب اولیائے شیطان لڑائی کرتے ہیں اور لڑائی میں صبر سے کام لیتے ہیں حالانکہ وہ اہل باطل ہیں۔ تب اہل حق کو تو صبر و استقلال سے زیادہ کام لینا چاہئے جیسا کہ اسی معنی میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ **إِنْ تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ** ﴾ (النساء: ۱۰۴/۴) ”اگر تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو جس طرح تمہیں تکلیف پہنچتی ہے اسی طرح ان کفار کو بھی تکلیف پہنچتی ہے۔ البتہ تم اللہ تعالیٰ سے ایسی امیدیں رکھتے ہو جو وہ نہیں رکھتے۔“

(۳) وہ بندۂ مومن جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرتا ہے اس کے پاس ایک مضبوط سہارا ہوتا ہے اور وہ ہے حق اور اللہ تعالیٰ پر توکل۔ اس مضبوط اور صاحب قوت ہستی سے صبر و ثبات اور نشاط طلب کئے جاتے ہیں۔ جبکہ باطل کے راستے میں لڑنے والے جس کی کوئی حقیقت نہیں اور نہ اس کا کوئی قابل تعریف انجام ہے یہ صبر و ثبات کہیں سے طلب نہیں کر سکتے۔ بنا بریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ **فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا** ﴾ ”تم شیطان کے مددگاروں سے لڑو یقیناً شیطان کا داؤ کمزور ہوتا ہے۔“ (کیسد) سے مراد وہ خفیہ چال ہے جس کے ذریعے سے دشمن کو نقصان پہنچایا جاتا ہے۔ شیطان کی چال خواہ کتنی ہی خطرناک کیوں نہ ہو بہر حال وہ انتہائی کمزور ہوتی ہے۔ ادنیٰ سے ادنیٰ حق کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ نہ وہ اس چال کے سامنے کھڑی رہ سکتی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کے لئے چلتا ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ
 کیا نہیں دیکھا آپ نے طرف ان لوگوں کی کہ کہا گیا ان سے روک رکھو تم اپنے ہاتھ اور قائم کرو نماز اور دو تم زکوٰۃ
 فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ
 پھر جب لکھ دیا (فرض کر دیا) گیا ان پر لڑنا تب ایک فریق ان میں سے ڈرتا تھا وہ لوگوں سے مانند ڈرنے کے اللہ سے
 أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۖ وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا
 یا اس سے بھی زیادہ سخت ڈرتا اور کہا انہوں نے اے ہمارے رب! کیوں لکھا (فرض کیا) تو نے ہم پر لڑنا؟ کیوں نہ مہلت دی تو نے ہمیں
 إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۖ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۖ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ ۚ وَلَا
 ایک مدت قریب تک؟ کہہ دیجیے! فائدہ دنیا کا تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے اس کیلئے جس نے تقویٰ اختیار کیا اور نہ
 تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ﴿۱۰۴﴾ اِنِّ مَا تَكُونُوا يَدْرِكُكُمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشِيدَةٍ ط
 ظلم کئے جاؤ گے تم تا گے برابر ۰ جہاں کہیں بھی ہو گے تم پالے گی تمہیں موت خواہ ہو تم قلعہ ہائے مضبوط میں

جب مسلمان مکہ مکرمہ میں تھے تو انہیں نماز اور زکوٰۃ کا حکم دیا گیا تھا، یعنی محتاجوں کی نغمساری کرنا اور اس سے مراد وہ معروف زکوٰۃ نہیں جو ایک مخصوص نصاب کے مطابق اور مخصوص شرائط کے ساتھ ادا کی جاتی ہے۔ یہ زکوٰۃ مدینہ منورہ میں فرض ہوئی تھی اسی طرح اس وقت تک متعدد فوائد کی بنا پر جہاد کا حکم نہیں دیا گیا تھا۔ مثلاً۔

(۱) اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا تھا کہ وہ اپنے بندوں پر شریعت کے احکام اس طرح فرض کرے کہ وہ ان پر شاق نہ گزریں۔ سب سے پہلے اہم ترین امر کا حکم دے، پھر آسان امور سے ابتدا کر کے بتدریج مشکل امور کا حکم دے۔

(۲) اگر اہل ایمان پر ان کی قلت تعداد و قلت سامان اور کثرت اعداء کے باوجود قتال فرض کر دیا جاتا تو یہ چیز اسلام کو مضلل کر دیتی۔ اس لئے چھوٹی مصلحت کو نظر انداز کر کے بڑی مصلحت کی رعایت رکھی گئی اور اس میں اس قسم کی دیگر حکمتیں تھیں۔

بعض اہل ایمان چاہتے تھے کہ اس حال میں بھی ان پر قتال فرض کر دیا جاتا مگر ان حالات میں ان پر جہاد فرض کیا جانا مناسب نہ تھا۔ اس وقت ان لوگوں کے لئے مناسب یہی تھا کہ وہ توحید نماز، زکوٰۃ اور اس نوع کے دیگر احکام پر عمل کرتے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيثًا﴾ (النساء: ۶۶/۴) ”اگر یہ اس نصیحت پر عمل کرتے جو ان کو کی جاتی ہے تو ان کے لئے بہتر ہوتا اور دین میں زیادہ ثابت قدمی اور استقامت کا باعث ہوتا۔“

جب مسلمانوں نے مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی اور اسلام قوی ہو گیا تو مناسب وقت پر ان پر قتال فرض کر دیا گیا۔ وہ لوگ جو اس سے قبل قتال فرض ہونے کے لئے جلدی چاہتے تھے ان میں سے ایک گروہ نے لوگوں کے خوف، کمزوری اور بزدلی کی وجہ سے کہا۔ ﴿رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ﴾ ”اے ہمارے رب تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا؟“ ان الفاظ سے ان کی تنگ دلی اور اللہ تعالیٰ پر اعتراض کا اظہار ہوتا ہے حالانکہ ان کے لئے مناسب حال یہ تھا کہ وہ اس سے متضاد رویہ کا اظہار کرتے یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور اس کے اوامر پر صبر کرنا، مگر جو کچھ ان سے مطلوب تھا انہوں نے اس کے برعکس کیا۔ پس انہوں نے کہا ﴿لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ﴾ ”تھوڑی مدت اور ہمیں کیوں مہلت نہ دی۔“ یعنی تو نے قتال کی فرضیت کچھ عرصہ اور مؤخر کیوں نہ کر دی۔ غالب طور پر اس قسم کی صورت ان لوگوں کو پیش آتی ہے جو غیر سنجیدہ ہوتے ہیں اور تمام امور میں عجلت کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا غالب رویہ یہ ہوتا ہے کہ ان امور کے نازل ہونے پر یہ لوگ صبر نہیں کر سکتے۔ یہ امور ان کے لئے بوجھل تو نہیں مگر یہ لوگ بہت ہی کم صبر سے بہرہ ور ہیں۔

جن حالات میں وہ جہاد سے جی چرا کر بیٹھ رہے ان سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو نصیحت کی چنانچہ

فرمایا: ﴿ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَى ﴾ ”آپ کہہ دیجئے دنیا کا فائدہ تو بہت ہی کم ہے اور آخرت اس شخص کے لئے بہتر ہے جو متقی ہے“ یعنی دنیا کی لذت اور راحت سے فائدہ اٹھانا بہت ہی کم عرصہ کے لئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں تھوڑی سی مدت کے لئے بھاری بوجھ اٹھانا نفوس انسانی کے لئے آسان اور ہلکا ہوتا ہے کیونکہ جب اسے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مشقت جو وہ برداشت کر رہا ہے طویل عرصے کے لئے نہیں ہے تو اس کے لئے اس کو برداشت کرنا آسان ہو جاتا ہے۔ تب کیا کیفیت ہوگی جب تو دنیا اور آخرت کا موازنہ کرے اور معلوم ہو کہ آخرت اپنی ذات اور لذات میں اور زمان کے اعتبار سے دنیا سے کہیں بہتر ہے۔ جنت کی ذات کے بارے میں ایک صحیح حدیث میں مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جنت میں ایک کوڑے کے برابر جگہ دنیا اور اس کی موجودات سے کہیں بہتر ہے“^①

جنت کی لذتیں ہر قسم کی کدورتوں سے پاک ہیں بلکہ لذت کا جو تصور بھی فکر و خیال کی گرفت میں آ سکتا ہے۔ جنت کی لذتیں اس پر فوقیت رکھتی ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُمْ مِنْ قُرَّةِ أَعْيُنٍ ﴾ (السجدہ: ۱۷، ۳۲) ”کوئی انسان نہیں جانتا کہ ان کے لئے (جنت میں) کیا آنکھوں کی ٹھنڈک چھپا رکھی گئی ہے“۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کی زبان پر فرمایا: ”میں نے (جنت میں) اپنے نیک بندوں کے لئے ایسی ایسی چیزیں تیار کر رکھی ہیں جو کسی آنکھ نے دیکھی ہیں نہ کسی کان نے سنی ہیں اور نہ کسی کے خیال میں ان کا کبھی گزر ہوا ہے“^②

رہی دنیا کی لذتیں تو یہ مختلف قسم کی کدورتوں کے شائبے سے پاک نہیں ہوتیں۔ اگر ان لذات کا ان آلام و مصائب اور غم و ہوموم سے مقابلہ کیا جائے جو ان لذات کے ساتھ ملے ہوتے ہیں تو جنت کی لذتوں کے ساتھ کسی بھی لحاظ سے ان کی کوئی نسبت ہی نہیں۔ رہا ان لذتوں کا زمانہ تو دنیا آخر کار ختم ہو جائے گی اور انسان کی عمر دنیا کی نسبت سے نہایت ہی معمولی سا عرصہ ہے۔ آخرت کی نعمتیں ہمیشہ رہنے والی ہیں اور وہاں کے رہنے والوں کے لئے ہمیشہ کی زندگی ہے۔ جب عقلمند شخص ان دو گھروں کے بارے میں غور و فکر کرتا ہے اور ان کی حقیقت کا تصور کرتا ہے جیسا کہ تصور کرنے کا حق ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ ان میں سے کون سا گھر ترجیح کا مستحق ہے؟ کس کے لئے کوشش کرنی چاہئے اور کس کی طلب میں اسے جدوجہد کرنی چاہئے؟ ﴿ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَى ﴾ ”اور پرہیزگار کے لئے آخرت تو بہت اچھی چیز ہے۔“ یعنی جو کوئی شرک اور دیگر تمام محرمات سے بچتا ہے اس کے لیے آخرت بہتر ہے۔ ﴿ وَلَا تظَنُّمُنَّ قَتِيلًا ﴾ ”اور تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ظلم نہیں کیا جائے گا“ تم آخرت

① جامع ترمذی، تفسیر، باب ومن سورة آل عمران، حدیث: ۳۵۱۳

② مسند احمد ۴۳۸۱۲

کے گھر کے لئے جو دوڑ دھوپ کرو گے تو اس کا کامل اور وافر اجر پاؤ گے جس میں کچھ بھی کمی نہ ہوگی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ بچاؤ کی تدبیر تقدیر کے مقابلے میں کوئی کام نہیں آسکتی اور گھر میں بیٹھ رہنے والے کا بیٹھنا اللہ کی تقدیر کو ہٹا نہیں سکتا۔ ﴿ اِنَّ مَا تَكُونُوا يَدْرِكُكُمُ الْمَوْتُ ﴾ ”تم جہاں کہیں بھی رہو موت تمہیں آ پکڑے گی“ یعنی تم کسی زمانے میں اور کسی جگہ پر ہو ﴿ وَ لَوْ كُنْتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشْتَبِهَةٍ ﴾ ”خواہ تم مضبوط قلعوں اور اونچے محلوں میں ہی پناہ کیوں نہ لے لو (موت تمہیں پالے گی)۔“

یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کی ترغیب کے لئے ہے اللہ تعالیٰ کبھی تو جہاد کی فضیلت اور اس کا ثواب بیان کر کے اس کی ترغیب دیتا ہے اور کبھی جہاد کو ترک کرنے کی سزا سے ڈرا کر جہاد پر آمادہ کرتا ہے۔ کبھی اس بارے میں آگاہ کر کے جہاد کے لئے ابھارتا ہے کہ جہاد سے جی چرا کر گھروں میں بیٹھ رہنے والوں کا بیٹھنا کسی کام نہیں آتا اور کبھی کبھی اللہ تعالیٰ جہاد کے راستے کو ان کے لئے آسان کر دیتا ہے۔

وَ اِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَقُولُوا هٰذِهِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ
اور اگر پہنچے ان کو کوئی بھلائی تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر پہنچے ان کو کوئی برائی (تکلیف)
يَقُولُوا هٰذِهِ مِنْ عِنْدِكَ ط قُلْ كُلُّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ فَمَا لِيَ الْقَوْمِ لَا
تو کہتے ہیں یہ تیری طرف سے ہے کہہ دیجئے! سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے پس کیا حال ہے ان لوگوں کا؟ نہیں
يَكَادُونَ يَفْقَهُونَ حَدِيثًا ﴿۵﴾ مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ وَمَا اَصَابَكَ
قریب کہ سمجھیں بات کو ○ جو پہنچے (اے انسان!) تجھ کو کوئی بھلائی تو (وہ) اللہ کی طرف سے ہے اور جو پہنچے تجھ کو
مِّنْ سَيِّئَةٍ فَمِنَ نَّفْسِكَ ط وَاَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ط وَ كَفَى بِاللّٰهِ شٰهِيْدًا ﴿۶﴾
برائی (تکلیف) تو (وہ) تیری اپنی طرف سے ہے اور بھیجا ہم نے آپکو لوگوں کیلئے رسول بنا کر اور کافی ہے اللہ گواہ ○

﴿ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ ﴾ ”اور اگر انہیں کوئی بھلائی ملتی ہے“ اللہ تبارک و تعالیٰ ان لوگوں کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے جو علم نہیں رکھتے انبیاء و رسل ﷺ کی تعلیمات سے روگردانی اور ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ جب انہیں کوئی بھلائی مثلاً شادابی، کثرت مال، کثرت اولاد اور صحت وغیرہ حاصل ہوتی ہے تو کہتے ہیں ﴿ هٰذِهِ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ﴾ ”یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔“ جب انہیں کسی تکلیف مثلاً قحط، فقر وفاقہ، احباب و اولاد کی موت اور مرض وغیرہ کا سامنا ہوتا ہے تو پکار اٹھتے ہیں ﴿ هٰذِهِ مِنْ عِنْدِكَ ﴾ ”یہ (تکلیف) آپ کی وجہ سے (ہمیں پہنچی) ہے۔“ یعنی اے محمد! ﷺ یہ تمام مصیبت اس کے سبب سے آن پڑی ہے جو آپ لے کر آئے ہیں۔ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس سے بدشگونئی لی، جیسا کہ ان سے پہلے کفار اللہ تعالیٰ کے رسولوں سے براشگون لیتے رہے ہیں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرعون کی قوم کے بارے میں خبر دی ہے: ﴿ فَاِذَا جَاءَهُمْ

الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَذِهِ وَإِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَطَّيِّرُوا يُمُوسِي وَمَنْ مَعَهُ ﴿۱۳۱۷﴾ ”جب ان کو کوئی بھلائی حاصل ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ ہماری وجہ سے ہے اور اگر انہیں کوئی برائی پہنچتی ہے تو موسیٰ اور ان کے اصحاب کی بدشگونی قرار دیتے ہیں۔“ اور جیسا کہ حضرت صالح عَلَيْهِ السَّلَامُ کی قوم نے کہا: ﴿اَطَّيْرْنَا بِكَ وَبَيْنَ مَعَكَ﴾ (النمل: ۴۷/۲۷) ”تم اور تمہارے ساتھی ہمارے لئے بدشگونی کا باعث ہیں۔“ اور جیسے سورۃ یس میں مذکور قوم نے اپنے رسولوں سے کہا: ﴿اِنَّا تَطَيَّرْنَا بِكُمْ لَئِن لَّمْ تَنْتَهُوا لَنَرْجِمَنَّكُمْ﴾ (یس: ۱۸/۳۶) ”ہم تمہیں بدشگون سمجھتے ہیں اگر تم باز نہیں آؤ گے تو ہم تمہیں سنگسار کر دیں گے۔“

چونکہ کفر کی وجہ سے ان کے دل باہم مشابہ ہیں اس لئے ان کے اقوال و افعال میں بھی مشابہت پائی جاتی ہے۔ اسی طرح ہر وہ شخص جو برائی کے حصول اور بھلائی کے زوال کو انبیائے کرام کی تعلیمات یا بعض تعلیمات سے منسوب کرتے ہیں وہ اس مذمت میں داخل ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے جواب میں فرماتا ہے: ﴿قُلْ كُلٌّ﴾ ”کہہ دیجیے کہ سب“ یعنی نیکی اور برائی خیر اور شر ﴿مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ﴾ ”اللہ ہی کی طرف سے ہے۔“ یعنی سب اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے اور اسی کی تخلیق ہے۔ ﴿فَمَا لِهٰؤُلَاءِ الْقَوْمِ﴾ ”انہیں کیا ہو گیا ہے؟“ یعنی جن لوگوں سے یہ باطل قول صادر ہوا ہے۔ ﴿لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيثًا﴾ ”کہ بات بھی نہیں سمجھ سکتے۔“ یعنی یہ لوگ بات کو بالکل ہی نہیں سمجھ پاتے اور نہ یہ لوگ سمجھنے کے قریب جاتے ہیں یا یہ لوگ بات کو بہت ہی کم سمجھتے ہیں۔ مذکورہ تمام معنی کے مطابق یہ آیت کریمہ ان کے عدم فہم اور اللہ اور اس کے رسول کے احکام میں عدم تفقہ پر زجر و توبیح ہے۔ اور اس کا سبب ان کا کفر اور روگردانی ہے۔

اس آیت کریمہ میں ضمناً ان لوگوں کی مدح کا پہلو نکلتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کے احکام کا فہم رکھتے ہیں، نیز اس میں فہم اور اس کے اسباب کے حصول کی ترغیب ہے۔ یہ فہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے کلام میں تدبر و تفکر اور اس منزل تک پہنچانے والے راستوں پر گامزن ہونے ہی سے حاصل ہوتا ہے۔ اگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو سمجھا ہوتا تو معلوم ہو جاتا کہ نیکی اور برائی اور خیر و شر سب اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے ہے اور اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے کوئی چیز باہر نہیں، نیز انبیاء و رسل اور ان کی لائی ہوئی تعلیمات کبھی بھی شر کا باعث نہیں ہوتیں کیونکہ وہ تو دین و دنیا اور آخرت کی بھلائی کے لئے مبعوث کئے جاتے ہیں۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَا اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ﴾ ”تجھ کو جو فائدہ پہنچے۔“ یعنی دنیا و آخرت میں تجھے جو بھلائی حاصل ہوتی ہے ﴿فَمِنْ اللّٰهِ﴾ ”وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔“ وہی ہے جس نے اس بھلائی سے نوازا اور اس کے اسباب پیدا کر کے اس کے حصول کو آسان بنایا ﴿وَمَا اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ﴾ ”اور تجھے جو نقصان پہنچے۔“ یعنی دنیا و آخرت میں تجھے جو برائی پہنچتی ہے ﴿فَمِنْ نَفْسِكَ﴾ ”وہ تیری طرف سے ہے۔“

یعنی تیرے اپنے گناہوں کی وجہ سے اور تیری اپنی کمائی ہے اور جو اللہ تعالیٰ معاف کر دیتا ہے وہ اس سے بہت زیادہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اپنے فضل و احسان کے دروازے کھول دیئے ہیں۔ اس نے ان کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کے فضل و کرم سے بہرہ مند ہونے کے لئے ان دروازوں میں داخل ہوں اور انہیں آگاہ فرمایا ہے کہ گناہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے حصول سے مانع ہیں۔ اس لئے جب بندہ گناہ کرتا ہے تو اسے صرف اپنے نفس کو ملامت کرنی چاہئے کیونکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے حصول سے تو وہ خود مانع ہوا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جناب محمد ﷺ کی رسالت کی عمومیت کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرمایا:

﴿وَأَرْسَلْنَاكَ لِلنَّاسِ رَسُولًا وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا﴾ اور اے محمد! ﷺ ہم نے آپ کو لوگوں کے لیے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ اور (اس بات کا) اللہ ہی گواہ کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی شہادت اس بات پر کافی ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی فتح و نصرت بڑے بڑے معجزات اور روشن براہین و دلائل کے ساتھ آپ کی تائید فرمائی۔ اور یہی علی الاطلاق سب سے بڑی شہادت ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿قُلْ أَنبِئْتُهُمْ بِكِبْرِ شَهَادَتِي قُلْ لَئِن لَّمْ يَظْهَرْ عَلَيَّ آيَاتُ رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ﴾ (الانعام: ۱۹۱۶) ”ان سے پوچھو کہ سب سے بڑی شہادت کس چیز کی ہے۔ کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ ہی میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے۔“

جب اسے یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا علم کامل اس کی قدرت تام اور اس کی حکمت عظیم ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو اپنی تائید سے نوازا اور نصرت عظیم کے ذریعے سے اس کی مدد فرمائی تو اسے یقین ہو جائے گا کہ آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ ورنہ اگر آپ نے جھوٹ گھڑا ہوتا تو اللہ تعالیٰ آپ کو دائیں ہاتھ سے پکڑتا اور آپ ﷺ کی رگ جاں کاٹ دیتا۔

مَنْ يُطِيعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ ۚ وَمَنْ تَوَلَّىٰ فَمَا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ۝
 جس نے اطاعت کی رسول کی پس تحقیق اطاعت کی اس نے اللہ کی اور جس نے روگردانی کی تو نہیں بھیجا ہم نے آپ کو ان پر نگہبان
 وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ فَإِذَا بَرَزُوا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَائِفَةٌ مِّنْهُمْ
 اور (مناقشہ) کہتے ہیں (ہمارا کام تو) فرمانبرداری ہے، پھر جب نکلتے ہیں وہ آپ کے پاس سے تورات کو مشورہ کرتا ہے ایک گروہ ان میں سے
 غَيْرِ الَّذِي تَقُولُ ۗ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّنُونَ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ
 خلاف اس (بات) کے جو کہتے ہیں آپ اور اللہ لکھتا ہے جو وہ رات کو مشورہ کرتے ہیں پس اعراض کریں آپ ان سے اور توکل کریں
 عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ۝
 اللہ پر اور کافی ہے اللہ کا ساز

یعنی ہر وہ شخص جس نے اوامر و نواہی میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی ﴿فَقَدْ أَطَاعَ اللَّهَ﴾ ”اس نے

اللہ کی اطاعت کی۔“ کیونکہ اگر آپ کسی چیز کا حکم دیتے ہیں یا کسی چیز سے روکتے ہیں تو وہ اللہ تعالیٰ ہی کا حکم ہوتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی شریعت اس کی وحی اور تنزیل ہے۔ یہ آیت کریمہ رسول اللہ ﷺ کی عصمت کی دلیل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی مطلق اطاعت کا حکم دیا ہے لہذا اگر آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہنچانے کے بارے میں معصوم نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مطلق اطاعت کا حکم نہ دیتا اور اطاعت کرنے والوں کی مدح نہ فرماتا۔

اور اس کا شمار مشترکہ حقوق میں ہوتا ہے۔ یہ حقوق تین اقسام میں منقسم ہوتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ کا حق۔ یہ حق مخلوق میں سے کسی کے لئے نہیں ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی طرف رغبت ہے اور ان کے توابع ہیں۔

(۲) رسول اللہ ﷺ کا حق جو صرف آپ کے ساتھ مختص ہے وہ ہے آپ کی توقیر آپ کا احترام اور آپ کی مدد کرنا۔

(۳) حقوق کی تیسری قسم اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان مشترکہ ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانا ان سے محبت کرنا اور ان کی اطاعت کرنا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان حقوق کو اس آیت کریمہ میں جمع کر دیا ہے: ﴿لَتُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُعَزِّرُوهُ وَتُوَقِّرُوهُ وَتُسَبِّحُوهُ بُكْرَةً وَأَصِيلًا﴾ (الفتح: ۹۱، ۹۸) ”تا کہ تم لوگ اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اس کی مدد اور اس کی توقیر کرو اور صبح و شام اس کی تسبیح بیان کرتے رہو“۔

پس جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اس کے لئے وہی ثواب ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مترتب ہوتا ہے ﴿وَمَنْ تَوَلَّىٰ﴾ اور جس نے (اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے) منہ موڑا وہ صرف اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کا کچھ بھی نقصان نہیں کر سکتا۔ ﴿فَمَا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَفِيظًا﴾ ”ہم نے آپ کو ان کا نگہبان بنا کر نہیں بھیجا۔“ یعنی ہم نے آپ کو اس لئے مبعوث نہیں کیا کہ آپ ان کے اعمال و احوال کی نگہبانی کریں بلکہ ہم نے تو آپ کو مبلغ، کھول کھول کر بیان کرنے والا اور ناصح بنا کر بھیجا ہے اور آپ نے اپنا فرض ادا کر دیا ہے آپ کے لئے آپ کا اجر واجب ہو گیا۔ خواہ وہ راہ راست اختیار کریں یا نہ کریں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَذَكِّرْ إِنَّمَا أَنْتَ مُذَكِّرٌ ۚ لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيِّرٍ﴾ (الغاشیہ: ۲۱، ۲۲) ”تم ان کو نصیحت کرتے رہو اور تم صرف نصیحت کرنے والے ہی ہو۔ تم ان پر نگہبان نہیں۔“

نیز یہ بھی لازم ہے کہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت ظاہر و باطن اور جلوت و خلوت میں ہو۔ راہ و شخص جو لوگوں کے سامنے اطاعت اور التزام کا اظہار کرتا ہے اور جب تنہا ہوتا ہے یا اپنے ہم مشرب ٹولے کے ساتھ ہوتا ہے تو اطاعت ترک کر دیتا ہے اور ایسے کام کرتا ہے جو اطاعت کی ضد ہوتے ہیں تو ایسی اطاعت جس کا اس نے

اظہار کیا ہے اس کے لئے نفع مند اور مفید نہیں ہے۔ اسی قسم کے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ وَيَقُولُونَ طَاعَةٌ ﴾ ”وہ کہتے ہیں مان لیا۔“ یعنی جب وہ آپ ﷺ کے پاس ہوتے ہیں تو اطاعت کا اظہار کرتے ہیں ﴿ فَإِذَا بَرِّزُوا مِنْ عِنْدِكَ ﴾ ”جب وہ آپ کے پاس سے چلے جاتے ہیں“ یعنی تنہا ہوتے ہیں اور ایسی حالت میں ہوتے ہیں کہ کوئی ان کی اس حالت سے مطلع نہیں ہوتا۔ ﴿ بَيَّنَّتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ﴾ ”مشورہ کرتے ہیں رات کو کچھ لوگ ان میں سے اس کے خلاف جو آپ کہتے ہیں۔“ تو رات کے وقت آپ ﷺ کی اطاعت کے خلاف تدبیریں کرتے ہیں اور وہاں ان کے پاس نافرمانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ارشاد ﴿ بَيَّنَّتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ غَيْرَ الَّذِي تَقُولُ ﴾ میں اس امر کی دلیل ہے کہ وہ معاملہ جس کو انہوں نے دائمی و تیرہ بنایا ہوا تھا وہ عدم اطاعت کا رویہ تھا۔ کیونکہ (تبیئت) سے مراد رات کے وقت اس طرح معاملات کی تدبیر کرنا ہے کہ اس پر رائے کا استقرار ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے اس فعل پر وعید سناتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاللَّهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّنُونَ ﴾ اور اللہ لکھتا ہے جو وہ رات کو مشورہ کرتے ہیں، یعنی اللہ تعالیٰ ان کی ان کارستانیوں کو محفوظ کر رہا ہے وہ عنقریب ان کو ان کارستانیوں کی پوری پوری جزا دے گا یہ ان کے لئے وعید ہے۔ ان کی ان کارستانیوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اعراض اور سختی کا حکم دیا ہے۔ اگر آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کیا، اس کے دین کی نصرت اور اس کی شریعت کے نفاذ میں اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی تو وہ آپ ﷺ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ ﴿ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ وَكِيلًا ﴾ ”پس آپ ان سے منہ پھیر لیں اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہے۔“

أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ ط وَلَوْ كَانِ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ

کیا پس نہیں تدبر (غور و فکر) کرتے وہ قرآن میں؟ اور اگر ہوتا یہ غیر اللہ کی طرف سے تو پاتے وہ اس میں

اِخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿۸۶﴾

اختلاف بہت ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تدبر کرنے کا حکم دیا ہے۔ یہاں تدبر سے مراد ہے کتاب اللہ کے معانی میں غور و فکر اس کے مبادی، نتائج و عواقب اور اس کے لوازم میں گہری نظر سے سوچنا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کتاب میں تدبر تمام علوم و معارف کی کنجی ہے۔ ہر بھلائی اسی کے ذریعے سے حاصل کی جاتی ہے اور تمام علوم کا استخراج اسی سے کیا جاتا ہے۔ کتاب اللہ ہی سے قلب میں ایمان کا اضافہ ہوتا ہے اور شجرہ ایمان جز پکڑتا ہے۔ کتاب اللہ ہی رب معبود کی معرفت عطا کرتی ہے، اس معرفت سے نوازتی ہے کہ رب معبود کی صفات کمال کیا ہیں اور وہ کون سی صفات نقص سے منزہ ہے۔ کتاب اللہ اس راستے کی معرفت عطا کرتی ہے جو رب معبود تک پہنچاتا ہے نیز اس

راستے پر چلنے والے لوگوں کی معرفت سے نوازتی ہے اور ان نعمتوں کا ذکر کرتی ہے جو رب رحیم کی خدمت میں حاضر ہونے پر عطا ہوں گی۔

کتاب اللہ بندے کو اس کے دشمن کی معرفت عطا کرتی ہے ایسا دشمن جو حقیقی دشمن ہے۔ ان راہوں کی نشاندہی کرتی ہے جو انسان کو عذاب کی منزل تک پہنچاتی ہیں۔ ان راہوں پر چلنے والے لوگوں کی معرفت عطا کرتی ہے نیز آگاہ کرتی ہے کہ اسباب عقاب کے وجود پر ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا۔ بندہ مومن کتاب اللہ میں جتنا زیادہ غور و فکر کرے گا اتنا ہی زیادہ اس کے علم و عمل اور بصیرت میں اضافہ ہوگا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے کتاب اللہ میں تدبیر و تفکر کا حکم اور اس کی ترغیب دی ہے اور آگاہ فرمایا کہ قرآن عظیم کو نازل کرنے کا مقصد بھی یہی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ لِيَكُ لَكَ مَذْهَبًا لِيَذَرَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَهْلِيَهُمْ وَوَلِيِّتَهُمْ وَأُولَاءِ الْأَلْبَابِ﴾

(ص: ۲۹/۳۸) ”یہ کتاب ہم نے آپ کی طرف نازل کی جو بابرکت ہے تاکہ لوگ اس کی آیتوں میں تدبیر کریں اور عقلمند اس سے نصیحت پکڑیں“۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَفَلَا يَتَذَكَّرُونَ الْقُرْآنَ أَمْ عَلَى قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا﴾ (محمد: ۲۴/۴۷) ”کیا یہ لوگ قرآن میں غور و فکر نہیں کرتے یا (ان کے) دلوں پر تالے پڑے ہوئے ہیں؟“

کتاب اللہ میں تدبیر کا فائدہ یہ ہے کہ بندہ مومن اس کے ذریعے سے درجہ یقین تک پہنچ جاتا ہے اور اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ اللہ کا کلام ہے کیونکہ اسے صاف نظر آتا ہے کہ یہ کلام ایک دوسرے کی تصدیق اور موافقت کرتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر احکام اور اخبار کا اعادہ کیا جاتا ہے مگر ہر مقام پر وہ ایک دوسرے کی تصدیق اور موافقت کرتے ہیں ایک دوسرے کی مخالفت نہیں کرتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کامل ہے اور ایک ایسی ہستی کی طرف سے نازل کیا گیا ہے جس کے علم نے تمام امور کا احاطہ کر رکھا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا﴾ ”اگر یہ (قرآن) اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً وہ اس میں بہت اختلاف پاتے“ چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اس لئے اس میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِنَ الْأَمْنِ أَوْ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ط وَكَوْذُوهُ إِلَى الرَّسُولِ
اور جب آتی ہے ان کے پاس کوئی بات امن کی یا خوف کی تو مشہور کر دیتے ہیں اسکو اور اگر لوٹاتے وہ اسکو طرف رسول کی

وَإِلَى أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلَّهُ الَّذِينَ يَسْتَلِطُونَهُ مِنْهُمْ ط وَكَوْلا
یا طرف اصحاب امر کی ان میں سے، تو جان لیتے اس (کی حقیقت) کو وہ لوگ جو تحقیق کرتے ہیں اسکی ان میں سے، اور اگر نہ ہوتا

فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَا تَبَعْتُمْ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۴۲﴾

فضل اللہ کا تم پر اور اس کی رحمت تو ضرور پیچھے لگ جاتے تم شیطان کے، مگر تھوڑے ہی

یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لئے ایک غیر مناسب فعل پر تادیب ہے۔ اہل ایمان کے لئے مناسب یہ ہے کہ جب ان کے سامنے کوئی اہم معاملہ آئے جس کا تعلق مصالح عامہ، امن اور اہل ایمان کی خوشی کے ساتھ ہو یا اس کا تعلق کسی خوف سے ہو جس کے اندر کوئی مصیبت پوشیدہ ہو تو اس کو اچھی طرح جانچ پڑتال کر لیں اور اس خبر کی اشاعت میں عجلت سے کام نہ لیں۔ بلکہ وہ اس خبر کو رسول اللہ ﷺ، اصحاب امر اہل رائے اہل علم، خیر خواہی کرنے والوں، عقلمندوں، سنجیدہ اور باوقار لوگوں کی طرف لوٹائیں جو ان تمام امور کی معرفت رکھتے ہیں جو مسلمانوں کے مصالح اور ان کے اضداد کی پہچان رکھتے ہیں۔ اگر وہ اس خبر کی اشاعت میں کوئی مصلحت، اہل ایمان کے لئے سرور و نشاط کا کوئی پہلو اور ان کے دشمنوں سے بچاؤ کی کوئی بات دیکھیں تو وہ ضرور ایسا کریں۔ اگر وہ یہ دیکھیں کہ اس میں مسلمانوں کی کوئی مصلحت نہیں ہے یا اس میں مصلحت تو ہے مگر اس کی مضرت اس مصلحت پر حاوی ہے تو وہ اس خبر کو نہ پھیلائیں۔

بنابرین اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَعَلِبَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَ مِنْهُمْ﴾ ”تو تحقیق کرنے والے اس کی تحقیق کر لیتے۔“ یعنی وہ اپنے غور و فکر درست آراء اور صحیح راہنمائی کرنے والے علوم کے ذریعے سے درست نتائج کا استخراج کر لیں گے۔ اس آیت کریمہ میں ادب و احترام کے ایک قاعدہ پر دلیل ہے کہ جب کسی معاملے میں بحث اور تحقیق مطلوب ہو تو مناسب یہ ہے کہ معاملہ اس شخص کے سپرد کر دیا جائے جو ذمہ دار ہے اور وہ اس معاملے کو تحقیق کے لئے ایسے شخص کے حوالے کر دے جو اس کی اہلیت رکھتا ہے اور ان ذمہ دار اصحاب کی تحقیق سے پہلے کسی رائے کا اظہار نہ کریں۔ یہ طریق کار زیادہ قرین صواب اور خطا سے زیادہ محفوظ ہے۔ اس میں کسی معاملے کو سنتے ہی اس کو پھیلانے میں عجلت اور جلدی کرنے کی ممانعت کی بھی دلیل ہے، نیز حکم ہے کہ بولنے سے پہلے اس معاملے میں خوب غور و فکر کر لیا جائے کہ آیا اس میں کوئی مصلحت ہے کہ انسان آگے بڑھ کر کوئی اقدام کرے یا کوئی مصلحت نہیں ہے کہ انسان پیچھے ہٹ جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَوْ لَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ﴾ ”اور اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی۔“ یعنی تمہیں توفیق عطا کرنے، ادب سکھانے اور ان امور کی تعلیم دینے میں جو تم نہ جانتے تھے۔ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی ﴿لَا تَبَعْتُمْ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ ”تو چند لوگوں کے سوا تم سب شیطان کے پیروکار بن جاتے“ کیونکہ انسان اپنی فطرت کے اعتبار سے ظالم اور جاہل ہے، پس اس کا نفس اسے شر کے سوا کوئی حکم نہیں دیتا۔ بندہ جب اپنے رب کے پاس پناہ لیتا ہے اور اس کی پناہ میں آ کر گناہوں سے بچنے کی کوشش کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنے لطف و کرم کے دروازے کھول دیتا ہے، اسے ہر بھلائی کی توفیق عطا کرتا ہے اور اسے شیطان مردود سے بچاتا ہے۔

فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلِّفُ إِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ عَسَى اللَّهُ
 پس لڑیں آپ راستے میں اللہ کے، نہیں ذمے دار بنائے گئے آپ مگر اپنی ہی ذات کے اور رغبت دلائیں مومنوں کو امید ہے کہ اللہ
 أَنْ يُكَلِّفَ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا وَأَشَدُّ تَنكِيلًا ﴿۳۷﴾
 روک دے لڑائی ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا اور اللہ بہت سخت ہے لڑائی میں اور بہت سخت ہے سزا (دینے) میں ○

بندہ مومن کے احوال میں سے بہترین حال یہ ہے کہ جہاد وغیرہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں
 خود بھی کوشش کرے اور دوسروں کو بھی ترغیب دے۔ کبھی کبھی بندے میں کوئی ایک امر یا دونوں امور معدوم ہوتے
 ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ سے فرمایا: ﴿فَقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا تُكَلِّفُ إِلَّا نَفْسَكَ﴾
 ”آپ اللہ کی راہ میں لڑیں۔ آپ اپنے سوا کسی کے ذمہ دار نہیں۔“ یعنی چونکہ آپ کو اپنی ذات کے سوا کسی
 دوسرے پر قدرت حاصل نہیں اس لئے آپ کو کسی دوسرے کے فعل کا مکلف نہیں ٹھہرایا گیا۔ ﴿وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِينَ﴾
 ”اور مومنوں کو بھی ترغیب دیں۔“ یعنی اہل ایمان کو قتال کی ترغیب دیں اور یہ ترغیب ان تمام امور کو بھی شامل ہے
 جس سے اہل ایمان کو نشاط ان کے دلوں کو قوت اور ان کو طاقت حاصل ہوتی ہو۔ نیز یہ ترغیب اس بات کو بھی
 شامل ہے کہ دشمنوں کے ضعف اور کمزوری سے مومنوں کو آگاہ کیا جائے اور یہ ترغیب اس بات کو شامل ہے کہ
 مومنوں کو اس امر سے آگاہ کیا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد کرنے والوں کے لئے کیا ثواب تیار کر رکھا ہے اور جہاد
 چھوڑ کر گھر بیٹھ رہنے والوں کے لئے کیا عذاب ہے۔

مذکورہ بالا اور اس قسم کے تمام امور جہاد اور قتال کی ترغیب کے زمرے میں آتے ہیں۔

﴿عَسَى اللَّهُ أَنْ يَكَلِّفَ بَأْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ ”قریب ہے کہ اللہ کافروں کی لڑائی کو بند کر دے۔“ یعنی
 ہو سکتا ہے کہ اللہ کے راستے میں تمہارے جہاد اور جہاد کے لئے ایک دوسرے کو ترغیب دینے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ
 کفار کو روک دے۔ ﴿وَاللَّهُ أَشَدُّ بَأْسًا﴾ ”اور اللہ لڑائی کے اعتبار سے بہت سخت ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ زیادہ
 قوت اور غلبہ والا ہے ﴿وَأَشَدُّ تَنكِيلًا﴾ ”اور سزا کے لحاظ سے بھی بہت سخت ہے۔“ گناہ گار کوئی نفسہ سخت سزا
 دیتا ہے۔ جس سے دوسرے کو بھی عبرت ہوتی ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو اپنی قوت کے ذریعے سے ہی کفار پر
 غالب آجائے اور ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑے مگر اس کی حکمت کا تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے بندوں کو ایک
 دوسرے کے ذریعے سے آزمانے تاکہ جہاد کا بازار گرم رہے اور نفع مند ایمان حاصل ہو، یعنی اختیاری ایمان نہ
 کہ جبری اضطراری ایمان جو کچھ بھی فائدہ نہیں دیتا۔

مَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَكُنْ لَهُ نَصِيبٌ مِنْهَا ۖ وَمَنْ يَشْفَعْ شَفَاعَةً

جو کوئی سفارش کرے سفارش اچھی ہو گا اس کے لیے حصہ اس میں سے اور جو کوئی سفارش کرے سفارش

سَيِّئَةٌ يَكُنُّ لَهَا كِفْلٌ مِّنْهَا ط وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقْبِلًا ﴿۸۵﴾

بری ہوگا اس کے لیے حصہ اس میں سے اور ہے اللہ اوپر ہر چیز کے نگہبان ○

یہاں شفاعت سے مراد کسی معاملے میں معاونت ہے۔ جو کوئی کسی دوسرے کی بھلائی کے کسی کام میں سفارش کرتا ہے اور اس کام میں اس کی مدد کرتا ہے، مثلاً مظلوموں کے بارے میں ظالم کے پاس سفارش کرنا اسے اس کی کوشش اور عمل کے مطابق اس نیک سفارش سے حصہ نصیب ہوگا اور اصل کام کرنے والے کے ثواب میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی اور جو کوئی برائی کے کسی کام میں کسی کی مدد کرتا ہے تو اس کے تعاون اور مدد کے مطابق عذاب میں سے اس کو حصہ ملے گا۔ اس آیت کریمہ میں نیکی اور تقویٰ میں تعاون کے لئے بہت بڑی ترغیب ہے۔ اسی طرح گناہ اور زیادتی کے کاموں میں معاونت پر زجر و توبخ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے اس ارشاد کے ذریعے سے متفق کیا ہے ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ مُّقْبِلًا﴾ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کا گواہ اور حفاظت کرنے والا ہے۔ یعنی وہ ان اعمال کا حساب لے گا اور ہر شخص کو اس کے استحقاق کے مطابق جزا دے گا۔

وَإِذَا حُيِّتُمْ بِبَحِيَّةٍ فَحَيُّوا بِأَحْسَنَ مِنْهَا أَوْ رُدُّوهَا إِنَّ اللَّهَ كَانَ

اور جب دعائیے جاؤ تم ساتھ دعا کے تو دعا دو تم ساتھ زیادہ بہتر کے اس سے یا لو نا دعا سی (دعا) ہی کو تحقیق اللہ ہے

عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا ﴿۸۶﴾

ہر چیز کا حساب لینے والا ○

﴿بِحَيَّةٍ﴾ کا لفظ دو ملقاتیوں میں سے کسی ایک سے عزت و احترام نیز دعا اور بشارت وغیرہ کے طور پر صادر ہوتا ہے۔ سلام و دعا کا بہترین طریقہ وہ ہے جو سلام کرنے اور اس کا جواب دینے کے بارے میں شریعت میں وارد ہوا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ جب انہیں کسی بھی طریقے سے سلام کیا جائے تو وہ الفاظ اور بشارت کے اعتبار سے اس سے بہتر یا اسی طریقے سے سلام کا جواب دیں۔ اس آیت کریمہ کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سلام کا بالکل جواب نہ دینے یا کمتر طریقے سے جواب دینے سے روکا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی ترغیب ہے کہ سلام کرنے میں پہل کرنی چاہئے۔ اس کے دو پہلو ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ نے سلام کا بہتر طریقے سے یا ویسا ہی جواب دینے کا حکم دیا ہے اور اس سے یہ امر لازم آتا ہے کہ سلام درحقیقت شرعاً مطلوب ہے۔

(۲) لفظ (أَحْسَنَ) سے جو کہ ”أَفْعَلُ النَّفْصِيلِ“ ہے جو چیز مستفاد ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ سلام اور اس کا جواب دونوں ”حسن“ میں شریک ہیں جیسا کہ اس بارے میں یہ چیز اصل ہے۔

آیت کریمہ کے عموم سے وہ شخص مستثنیٰ ہے جو کسی کو ایسے حال میں سلام کرتا ہے جس میں اسے سلام کرنے کا حکم نہ تھا۔ مثلاً کسی ایسے شخص کو سلام کرنا جو قراءت قرآن میں مشغول ہو، خطبہ سن رہا ہو یا نماز پڑھ رہا ہو۔^① کیونکہ وہ اپنے سلام کے جواب کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔ اسی طرح وہ شخص بھی آیت کریمہ کے عموم سے مستثنیٰ ہے جس سے قطع کلامی اور سلام نہ کرنے کا حکم شارع نے دیا ہو۔ یہ وہ نافرمان شخص ہے جس نے توبہ نہ کی ہو جو بول چال اور سلام کی بندش کی وجہ سے نافرمانیوں سے باز آ جاتا ہے۔ پس ایسے شخص سے بول چال بند کر دی جائے اسے سلام کیا جائے نہ سلام کا جواب دیا جائے۔ یہ سب کچھ بڑی مصلحت کے قیام کی خاطر ہے۔ سلام کا جواب دینے میں ہر قسم کے سلام کا جواب دینا شامل ہے جس کے لوگ عام طور پر عادی ہیں۔ ایسا کرنا شرعاً ممنوع نہیں؛ کیونکہ بندہ سلام کا جواب دینے اور اس سے بہتر جواب دینے پر مامور ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے نیکی کے کاموں پر ثواب کا وعدہ اور برائی کے کاموں پر وعید سنائی ہے۔ فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ حَسِيبًا﴾ پس وہ اپنے بندوں کے اچھے برے اور چھوٹے بڑے تمام اعمال کا حساب رکھتا ہے پھر وہ اپنے فضل و عدل اور قابل تعریف فیصلے کے تقاضے کے مطابق ان کو جزا و سزا دے گا۔

اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لِيَجْمَعَنَّكُمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ وَ مَنْ اللَّهُ، نہیں کوئی معبود (برحق) مگر وہی، البتہ ضرور جمع کرے گا وہ تم کو دن قیامت کے نہیں ہے شک اس میں، اور کون
أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا ﴿۱۰﴾
زیادہ سچا ہے اللہ سے بات میں؟ ۱۰

اللہ تعالیٰ وحدانیت میں اپنی انفرادیت کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے نیز یہ کہ اس کے سوا کوئی معبود اور اللہ نہیں کیونکہ وہ اپنی ذات اور اوصاف میں کامل ہے؛ نیز اس لئے کہ وہ تخلیق و تدبیر کائنات میں اور ظاہری اور باطنی نعمتیں عطا کرنے میں متفرد ہے اور یہ امر اس کی عبادت اور عبودیت کی تمام انواع کے ذریعے سے اس کے تقرب کو مستلزم ہے؛ اس لئے اس نے محل جزا کے وقوع یعنی روز قیامت پر قسم کھائی ہے۔ فرمایا: ﴿لِيَجْمَعَنَّكُمْ﴾ ”وہ تم سب کو ضرور جمع کرے گا۔“ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے اولین و آخرین کو ایک ہی جگہ پر جمع کرے گا ﴿إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا رَيْبَ فِيهِ﴾ ”قیامت کے دن“، یعنی عقلی اور سمعی دلیل کے اعتبار سے کسی بھی پہلو سے قیامت میں کوئی شک نہیں۔ رہی عقلی دلیل تو ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ زمین کے مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ اسے زندگی عطا کرتا ہے۔

① لیکن شریعت نے ان حالتوں میں سلام کرنے سے کہاں منع کیا ہے؟ اس لئے فاضل مفسر کا ان مقامات کو مستثنیٰ کرنا بلا دلیل ہے۔ بلکہ یہ مقامات بھی سلام کرنے کے عموم میں داخل ہیں اور نماز کی حالت میں سلام کرنے کی اور اشارے کے ساتھ جواب دینے کی صراحت ترمذی کی حدیث میں موجود ہے۔ (ص۔ی)

امکان کے اعتبار سے پہلی دفعہ پیدا کرنے سے دوسری دفعہ پیدا کرنا زیادہ آسان ہے۔ حکمت الہی انسان پر واجب ٹھہراتی ہے کہ وہ قطعی طور پر جان لے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو عبث پیدا نہیں کیا کہ وہ زندگی حاصل کریں گے اور بس مرجائیں گے۔ (اور اس کے بعد کچھ نہیں ہوگا، ایسا نہیں ہوگا، بلکہ روز قیامت حساب ہوگا) رہی سمعی اور نقلی دلیل تو سب سے زیادہ سچی، ہستی نے اس کے وقوع کے بارے میں خبر دی ہے بلکہ اس پر قسم کھائی ہے۔ ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا﴾ ”اللہ سے زیادہ سچی بات والا اور کون ہوگا“ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر رسول اللہ ﷺ کو اس حقیقت پر قسم کھانے کا حکم دیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿رَعِمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ لَنْ يُبْعَثُوا قُلْ بَلَىٰ وَرَبِّي لَتُبْعَثُنَّ ثُمَّ لَتُنَبَّؤُنَّ بِمَا عَمِلْتُمْ وَذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرٌ﴾ (التغابن: ۷/۶۴) ”وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، سمجھتے ہیں کہ انہیں دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا نہیں جائے گا کہہ دو! ہاں میرے رب کی قسم! تمہیں ضرور اٹھایا جائے گا اور جو اعمال تم نے کئے ہیں ان کے بارے میں تمہیں ضرور بتایا جائے گا اور ایسا کرنا اللہ کے لئے بہت آسان ہے۔“

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ حَدِيثًا﴾ اور ﴿وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا﴾ میں اس بات کی خبر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بات اس کی خبریں اور اس کے اقوال صداقت کے اعلیٰ مراتب بلکہ اعلیٰ ترین مراتب پر ہیں لہذا ہر وہ بات جو عقائد، علوم اور اعمال کے بارے میں کہی گئی ہو اگر وہ اللہ تعالیٰ کی خبر کے خلاف ہے تو وہ باطل ہے کیونکہ یہ امور یقینی طور پر سچی خبر کے متناقض ہیں ان کا حق ہونا ممکن ہی نہیں۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنَةٍ وَاللَّهُ أَرَكْسَهُمْ بِمَا كَسَبُوا أَتُرِيدُونَ
پس کیا ہے تمہیں کہنا فتنوں (کے بارے) میں دو گروہ ہو گئے؟ اور اللہ نے ان کو دیا کہ وہ سب ان (اعمال) کے جو انہوں نے کمائے، کیا چاہتے ہو تم
أَنْ تَهْتَدُوا مَنْ أَضَلَّ اللَّهُ؟ وَمَنْ يُضِلِّ اللَّهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ﴿۱۸﴾
کہ ہدایت دو ان کو جنہیں گمراہ کیا اللہ نے؟ اور جسے گمراہ کرے اللہ پس ہرگز نہیں پائیں گے آپ اس کیلئے کوئی راہ ○
وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ
چاہتے ہیں یہ لوگ کاش کہ کفر کرو تم جس طرح کفر کیا انہوں نے، پس ہو جاؤ تم (اور وہ) برابر، پس نہ بناؤ تم ان میں سے (کسی کو) دوست
حَتَّىٰ يَهَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ حَيْثُ
یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں راستے میں اللہ کے پھر اگر پھر جائیں وہ تو پکڑو انکو اور قتل کرو ان کو جہاں کہیں
وَجَدْتُمُوهُمْ وَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ وُلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿۱۹﴾ إِلَّا الَّذِينَ يَصِلُونَ
پاؤ تم ان کو اور نہ بناؤ تم ان میں سے (کسی کو) دوست اور نہ مددگار ○ سوائے ان لوگوں کے جو جانتے ہیں

إِلَى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ أَوْ جَاءُوكُمْ حَصِرَتْ صُدُورُهُمْ أَنْ يُقَاتِلُوكُمْ أَوْ يُقَاتِلُوا قَوْمَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوكُمْ لَئِنْ أَعْتَزَلُوكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوكُمْ وَالْقَوَا إِلَيْكُمُ السَّلَامُ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا ① سَتَجِدُونَ آخِرِينَ يُرِيدُونَ أَنْ يَأْمَنُوكُمْ وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ كُلًّا رُذُودًا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكَسُوا فِيهَا فَإِنْ لَمْ يَمْنُوا بَعْتَرُوا وَيَلْقُوا إِلَيْكُمُ السَّلَامَ وَيَكْفُرُوا أَيْدِيَهُمْ فَاخْذُوهُمْ وَاقْتُلُوهُمْ كَمَا كُنْتُمْ تُقَاتِلُونَ أُولَئِكَ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُبِينًا ②

جہاں کہیں پاؤ تم ان کو اور یہی لوگ ہیں کہ کیا ہم نے تمہارے لیے ان پر غلبہ ظاہر کیا

ان آیات کریمہ میں مذکور منافقین سے مراد وہ منافقین ہیں جو اپنے اسلام کا اظہار کرتے تھے اور اپنے کفر کے ساتھ ساتھ انہوں نے ہجرت بھی نہیں کی۔ ان کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اشتباہ واقع ہو گیا چنانچہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم ان منافقین کے اظہار اسلام کے باعث ان کے ساتھ قتال اور قطع موالات میں حرج سمجھتے تھے۔ اور

① حاشیہ الف (یعنی ایک دوسرے نسخے کے حاشیے میں) میں یہ عبارت مذکور ہے کہ ”صحیحین میں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جنگ احد کے لیے نکلے تو آپ کے ساتھ جانے والوں میں سے کچھ لوگ واپس ہو گئے۔ ان کے بارے میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دو گروہ بن گئے۔ ایک گروہ کہتا تھا کہ ہم ان کو قتل کریں گے جبکہ دوسرا گروہ کہتا تھا کہ نہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِتْنَةٌ﴾ ”پس تمہیں کیا ہوا کہ منافقین کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو“ (اس موقع پر) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ”بے شک مدینہ پاک ہے اور بلاشبہ مدینہ بدطینت افراد کو اس طرح نکال باہر کرتا ہے جس طرح آگ لوہے کی میل کو دور کر دیتی ہے۔“ اس اضافے کی جگہ پر دلالت کرنے والی کوئی علامت یہاں موجود نہیں۔ محقق۔

پتہ نہیں اس سے فاضل محقق کا مطلب کیا ہے؟ ورنہ اس حدیث کی مناسبت تو آیت ﴿فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ.....﴾ کے ساتھ بالکل واضح ہے، کیونکہ اس سے شان نزول کی وضاحت ہو رہی ہے۔ (ص۔ ی)

بعض صحابہ جنی ﷺ کو چونکہ ان کے افعال کے قرینے سے ان کے احوال کا علم تھا اس لئے انہوں نے ان پر کفر کا حکم لگایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ کے بارے میں آگاہ فرمایا کہ تمہارے لئے مناسب نہیں کہ تم ان کے بارے میں کسی شک و شبہ میں مبتلا ہو، بلکہ ان کا معاملہ بالکل واضح ہے اور اس میں کوئی اشکال نہیں کہ وہ منافق ہیں۔ وہ اپنے کفر کا بار بار اظہار کر چکے ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ تم بھی کافر بن کر انہی کی مانند ہو جاؤ۔ پس جب تمہارے سامنے یہ حقیقت واضح ہوگئی ﴿فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ اَوْلِيَاءَ﴾ ”تو تم ان کو دوست نہ بناؤ۔“ یہ ممانعت ان کے ساتھ عدم محبت کو لازم ٹھہراتی ہے، کیونکہ موالات اور دوستی محبت ہی کی ایک شاخ ہے، نیز یہ ممانعت ان کے ساتھ بغض اور عداوت کو لازم ٹھہراتی ہے کیونکہ کسی چیز سے ممانعت درحقیقت اس کی ضد کا حکم ہے اور اس حکم کی مدت ان کی ہجرت تک ہے۔ اگر وہ ہجرت کر کے آجاتے ہیں تو ان پر وہی احکام جاری ہوں گے جو دیگر مسلمانوں پر جاری ہوتے ہیں، جیسا کہ نبی اکرم ﷺ ہر اس شخص پر اسلام کے احکام جاری فرماتے تھے جو آپ ﷺ کے ساتھ تھا اور ہجرت کر کے آپ کی خدمت میں پہنچ گیا تھا۔ خواہ وہ حقیقی مومن تھا یا محض ایمان کا اظہار کرتا تھا۔

اگر وہ ہجرت نہیں کرتے اور اس سے روگردانی کرتے ہیں ﴿فَخُذُوهُمْ وَاَقْتُلُوهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾ ”تو ان کو پکڑ لو اور جہاں پاؤ ان کو قتل کر دو۔“ یعنی جب بھی اور جس جگہ تم ان کو پاؤ ان کو قتل کر دو۔ یہ آیت کریمہ ان جملہ دلائل میں شامل ہے جو حرام مہینوں میں قتال کی حرمت کے منسوخ ہونے پر دلالت کرتے ہیں، جیسا کہ یہ جمہور اہل علم کا قول ہے۔ دیگر اہل علم کہتے ہیں کہ یہ تمام نصوص مطلق ہیں، حرام مہینوں میں قتال کی تحریم کی تخصیص پر معمول ہوں گی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان منافقین میں سے تین گروہوں کو قتال سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ ان میں سے دو گروہوں کو ترک کرنے کا حتمی حکم دیا ہے۔ ان میں پہلا گروہ وہ ہے جو کسی ایسی قوم کے ساتھ مل جاتا ہے جن کے ساتھ مسلمانوں کا جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہے۔ پس ان منافقین کو اس قوم میں شامل قرار دیا جائے گا اور جان و مال کے بارے میں ان کا بھی وہی حکم ہوگا جو اس قوم کا ہوگا۔ دوسرے گروہ میں وہ لوگ شامل ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿حَصْرَتْ صُدُورُهُمْ اَنْ يُقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ﴾ ”ان کے دل تمہارے ساتھ یا اپنی قوم کے ساتھ لڑنے سے رک گئے۔“ یعنی وہ تمہارے ساتھ لڑنا چاہتے ہیں نہ اپنی قوم کے ساتھ۔ وہ دونوں فریقوں کے ساتھ قتال ترک کرنا چاہتے ہیں۔ ان لوگوں کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ ان کے ساتھ قتال نہ کیا جائے اور اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَسَاطَمَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقَاتَلُوْكُمْ﴾ ”اگر اللہ چاہتا تو وہ ان کو تم پر مسلط کر دیتا، پس وہ تم سے لڑتے، اس معاملے میں تین صورتیں ممکن ہو سکتی ہیں: وہ یا تو تمہارے ساتھ ہوتے اور تمہارے دشمنوں کے ساتھ جنگ کرتے، ان سے ایسا ہونا مشکل ہے۔“

اب معاملہ صرف اس بات پر مبنی ہے کہ جنگ تمہارے اور ان کی قوم کے درمیان ہو یا دونوں فریقوں کے درمیان جنگ نہ ہو اور یہ صورت تمہارے لئے زیادہ آسان ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو تم پر مسلط کرنے پر قادر ہے۔

پس تم عافیت کو قبول کرو اور اپنے رب کی حمد و ثناء بیان کرو جس نے ان کو تمہارے خلاف لڑنے سے روکا حالانکہ وہ تمہارے خلاف لڑنے کی طاقت رکھتے تھے۔ ﴿فَإِنْ اعْتَزَلْتُمْ كُفْرًا فَلَمْ يُقَاتِلْكُمْ وَالْقَوَا إِلَيْكُمْ السَّلَامَ فَمَا جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيلًا﴾ ”اگر وہ تمہارے ساتھ جنگ کرنے سے کنارہ کشی کر لیں اور تمہاری طرف صلح اور سلامتی کا پیغام بھیجیں تو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے ان پر زیادتی کرنے کی کوئی راہ نہیں رکھی۔“

تیسرا گروہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جو تمہارے احترام سے قطع نظر صرف اپنی بھلائی چاہتے ہیں۔ اور یہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿سَتَجِدُونَ آخَرِينَ﴾ ”تم کچھ اور لوگوں کو ایسا بھی پاؤ گے، یعنی ان منافقین میں سے ﴿يُرِيدُونَ أَنْ يُبَدِّلُوا كُفْرًا﴾ ”وہ یہ چاہتے ہیں کہ تم سے بھی امن میں رہیں۔“ یعنی وہ تم سے ڈرتے ہوئے تمہارے ساتھ پر امن رہنا چاہتے ہیں۔ ﴿وَيَأْمَنُوا قَوْمَهُمْ كُلًّا رُدُّوْا إِلَى الْفِتْنَةِ أُرْكَسُوا فِيهَا﴾ ”اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں (لیکن) جب کبھی فتنہ انگیزی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو اوہ ہٹے منہ اس میں ڈال دیئے جاتے ہیں۔“ یعنی وہ اپنے کفر اور نفاق پر قائم ہیں اور جب کبھی وہ کسی فتنہ سے دوچار ہوتے ہیں یہ فتنہ انہیں اندھا کر دیتا ہے اور وہ پہلی حالت پر لوٹ جاتے ہیں اور ان کا کفر و نفاق بڑھ جاتا ہے، یہ لوگ بھی اس صورت میں دوسرے گروہ کی مانند ہیں حالانکہ درحقیقت یہ اس گروہ کے مخالف ہیں، کیونکہ دوسرے گروہ نے مسلمانوں کے خلاف اپنے نفس پر خوف کی وجہ سے قتال ترک نہیں کیا بلکہ مسلمانوں کے احترام کی بنا پر ترک کیا ہے۔ جب کہ اس گروہ نے تمہارے خلاف قتال احترام کی وجہ سے نہیں بلکہ خوف کی وجہ سے ترک کیا ہے بلکہ اگر وہ اہل ایمان کے خلاف لڑنے کا کوئی موقع پائیں تو اس کو غنیمت سمجھتے ہوئے تمہارے خلاف لڑیں، لہذا اگر یہ لوگ واضح طور پر اہل ایمان کے ساتھ لڑنے سے کنارہ کشی نہ کریں تو وہ گویا تمہارے خلاف جنگ کرتے ہیں۔

بنابرین اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَإِنْ لَمْ يَعْزِلْكُمْ وَيُلْقُوا إِلَيْكُمْ السَّلَامَ﴾ ”اگر وہ تم سے کنارہ کشی کریں نہ تمہاری طرف پیغام صلح بھیجیں۔“ یعنی اگر وہ تمہارے ساتھ امن اور صلح نہیں چاہتے ﴿وَيَكْفُرُوا بِأَيْدِيهِمْ فَخَذُوا مِنْهُمْ وَأَقْتَلُوا مِنْهُمْ حَيْثُ نَقَفْتَهُمْ وَأُولَئِكَ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطَانًا مُّبِينًا﴾ ”اور اپنے ہاتھ نہ روک لیں تو انہیں پکڑو اور قتل کرو جہاں کہیں بھی پاؤ۔ یہی ہیں جن پر ہم نے تمہیں ظاہر حجت عافیت فرمائی ہے“ تب ہم نے تمہیں ان کے خلاف ایک واضح حجت عطا کر دی ہے کیونکہ وہ تمہارے خلاف ظلم اور تعدی کا ارتکاب کرتے ہیں صلح اور امن کے رویے کو ترک کر رہے ہیں۔ پس انہیں چاہئے کہ وہ صرف اپنے آپ کو ملامت کریں۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقتُلَ مُؤْمِنًا إِلَّا خَطَاً ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً
اور نہیں لائق کسی مومن کے یہ (بات) کہ قتل کرے وہ کسی مومن کو مگر غلطی سے اور جو کوئی قتل کرے کسی مومن کو غلطی سے
فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ وَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهَا إِلَّا أَنْ يَصَدَّقُوا ۗ
تو آزاد کرنا ہے ایک مسلمان گردن کا اور دیت سوہنی جائے گی اس کے وارثوں کی طرف مگر یہ کہ معاف کر دیں وہ
فَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۗ
پس اگر ہو وہ (مقتول) ایسی قوم میں سے جو دشمن ہے تمہاری جب کہ وہ (خود) مسلمان تھا تو آزاد کرنا ہے ایک مسلمان گردن کا
وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُم مِّيثَاقٌ فَدِيَةٌ مُسَلَّمَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهَا
اور اگر ہو وہ ایسی قوم سے کہ تمہارے اور انکے درمیان عہد ہے تو دیت سوہنی جائے گی اسکے وارثوں کی طرف
وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ ۗ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ تَوْبَةً ۗ
اور آزاد کرنا ہے ایک مسلمان گردن کا پھر جو شخص نہ پائے (غلام) تو روزے رکھنے ہیں دو مہینے لگاتار۔ (یہ کفارہ) توبہ (کا قبول کرنا) ہے

مَنْ اللَّهُ ط وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٦﴾

اللہ کی طرف سے اور ہے اللہ خوب جاننے والا خوب حکمت والا ○

آیت کریمہ کا یہ اسلوب امتناع یعنی ناممکن ہونے کے اظہار کے اسالیب میں سے ہے یعنی یہ ممتنع اور محال ہے کہ ایک مومن سے دوسرے مومن کا جان بوجھ کر قتل صادر ہو۔ اس آیت کریمہ میں قتل مومن کی تحریم کو نہایت شدت سے بیان کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ مومن کا قتل ایمان کے سخت منافی ہے۔ مومن کا قتل یا تو کافر سے صادر ہوتا ہے یا ایسے فاسق و فاجر سے صادر ہوتا ہے جس کے ایمان میں بہت زیادہ کمی ہو۔ ایسے فاسق و فاجر سے اس سے بھی بڑے اقدام کا ڈر ہے۔ اس لئے کہ ایمان صحیح مومن کو اپنے مومن بھائی کے قتل سے باز رکھتا ہے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اخوت ایمانی کا رشتہ جوڑا ہے جس کا تقاضا محبت و مموالات اور اپنے بھائی سے اذیتوں کو دور کرنا ہے اور قتل سے بڑھ کر کون سی اذیت ہے؟ یہ چیز رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کی مصداق ہے ﴿لَا تَرَجَعُوا بَعْدِي كَفَارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ﴾ ”میرے بعد کفر کی طرف نہ لوٹ جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو“^① پس معلوم ہوا کہ قتل مومن عملی کفر ہے اور شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ أَنْ يَقتُلَ مُؤْمِنًا﴾ ”اور کسی مومن کے شایاں نہیں کہ مومن کو مار ڈالے۔“ تمام احوال کے لئے عام ہے اور مومن کسی بھی اعتبار سے اپنے مومن بھائی کے قتل کا ارتکاب نہیں کر سکتا اس لئے اللہ تعالیٰ قتل خطا کو مستثنیٰ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿إِلَّا خَطَاً﴾ ”مگر غلطی سے“ اس لئے کہ قتل خطا کا مرتکب شخص قتل

① صحیح البخاری، الدیات، باب ﴿وَمَنْ أَحْيَا.....﴾ حدیث: ۶۸۶۸

اور گناہ کا قصد نہیں رکھتا، نہ وہ اللہ تعالیٰ کے محارم کا ارتکاب کرتا ہے۔ مگر چونکہ اس نے ایک بہت ہی قبیح فعل کا ارتکاب کیا ہے اور اس کی ظاہری شکل اس کی قباحت کے لئے کافی ہے، اگرچہ اس کا مقصد اس کو قتل کرنا ہرگز نہیں تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے اسے کفارہ اور دیت ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ فرمایا: ﴿وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَاً﴾ ”جو شخص کسی مسلمان کو بلا قصد مار ڈالے، قاتل خواہ مرد ہو یا عورت آزاد ہو یا غلام، چھوٹا ہو یا بڑا، عاقل ہو یا پاگل اور مسلمان ہو یا کافر جیسا کہ لفظ (مَنْ) عموم کا فائدہ دے رہا ہے۔ یہاں لفظ (مَنْ) کو لانے کا یہی سر نہاں ہے کیونکہ سیاق کلام تو تقاضا کرتا ہے کہ یہاں لفظ (فَإِنْ قَتَلَهُ) استعمال ہوتا مگر یہ لفظ وہ معنی ادا نہیں کرتا جو (مَنْ) ادا کرتا ہے۔ اسی طرح مقتول خواہ مرد ہو یا عورت، چھوٹا ہو یا بڑا (آیت کریمہ تمام صورتوں کو شامل ہے) جیسا کہ سیاق شرط میں نکرہ عموم کا فائدہ دے رہا ہے۔

﴿فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ﴾ قاتل پر کفارہ کے طور پر مومن غلام کا آزاد کرنا واجب ہے۔ یہ غلام قاتل کے مال سے آزاد کیا جائے گا۔ بعض علماء کے نزدیک یہ آیت کریمہ چھوٹے بڑے مرد عورت بے عیب اور عیب دار ہر قسم کے غلام کو شامل ہے، مگر حکمت اس امر کا تقاضا کرتی ہے کہ عیب زدہ غلام کو کفارہ میں آزاد نہ کیا جائے۔ اس لیے کہ آزادی عطا کرنے کا مقصد آزاد کئے جانے والے کو نفع پہنچانا ہے اور اس کو ملکیت میں رکھنا خود اپنے آپ کو نفع پہنچانا ہے۔ پس جب آزادی عطا کرنے سے یہ نفع ضائع ہو جاتا ہے اور غلامی میں اسے باقی رکھنا اس کے لئے زیادہ نفع مند ہے تو اس کو آزاد کرنا کافی نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کے ارشاد (تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ) کا معنی اس پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ یہاں آزادی عطا کرنے سے مراد کسی ایسے شخص کے منافع کا استحقاق خود اس کے لئے خالص کرنا ہے جس کے منافع کا استحقاق کسی دوسرے کے پاس ہو۔ پس اگر اس میں (عیب زدہ ہونے کی وجہ سے) کوئی منفعت نہیں تو آزادی کے وجود کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ اس میں غور کیجئے یہ بالکل واضح ہے۔

رہی دیت، تو یہ قاتل کی برادری اور اس کے رشتہ داروں پر واجب ہے۔ دیت قتلِ خطا اور قتلِ شبہ عمد میں واجب ہوتی ہے۔ ﴿مُسَلَّمَةً إِلَىٰ أَهْلِهَا﴾ ”مقتول کے وارثوں کو ادا کرے۔“ یعنی مقتول کے وارثوں کی دل جوئی کی خاطر ان کے حوالے کرے۔ یہاں (أَهْلِيهَا) سے مراد مقتول کے ورثاء ہیں کیونکہ یہی لوگ میت کے ترکہ کے وارث ہوتے ہیں، نیز دیت بھی ترکہ میں داخل ہے۔ اور دیت میں بہت سی تفصیل ہیں جو کتب فقہ میں مذکور ہیں۔ ﴿إِلَّا أَنْ يَصَّدَّقُوا﴾ ”ہاں اگر وہ معاف کر دیں۔“ یعنی مقتول کے ورثاء قاتل کو معاف کر کے دیت اس کو بخش دیں۔ تب یہ دیت بھی ساقط ہو جائے گی۔ اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے معاف کر دینے کی ترغیب دی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس معافی کو صدقہ کے نام سے موسوم کیا ہے اور صدقہ ہر وقت مطلوب ہے۔ ﴿فَإِنْ كَانَ﴾ ”پس اگر وہ ہو، یعنی مقتول ﴿مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَكُمْ﴾ ”ایسی قوم سے جو تمہاری دشمن ہے،“ یعنی اگر مقتول حربی کفار میں

سے ہو ﴿وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ﴾ ”اور وہ مؤمن ہو تو صرف ایک مؤمن غلام کی گردن آزاد کرنی لازمی ہے، یعنی تب اس صورت میں تم پر مقتول کے (کافر) ورثاء کو دیت ادا کرنا واجب نہیں، کیونکہ ان کی جان اور مال کا احترام واجب نہیں۔

﴿وَإِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِيثَاقٌ فِدْيَةٌ مَسْلُومَةٌ إِلَىٰ أَهْلِهِمْ وَتَحْرِيرُ رَقَبَةٍ مُؤْمِنَةٍ﴾ ”اور اگر وہ (مقتول) اس قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں عہد و پیمان ہو تو خون بہا لازمی ہے جو اس کے کنبے والے کو پہنچایا جائے اور ایک مسلمان غلام کا آزاد کرنا بھی ضروری ہے، یہ ان کے ساتھ عہد و میثاق کی بنا پر مقتول کے ورثاء کے احترام کی وجہ سے ہے۔ ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ﴾ ”اور جس کو یہ میسر نہ ہو۔“ یعنی جس کے پاس تنگ دستی کی وجہ سے آزاد کرنے کے لئے غلام یا اس کی قیمت نہیں ہے اور بنیادی ضروریات و حوائج کے اخراجات کے بعد اتنی رقم نہیں بچتی جس سے غلام کو آزاد کیا جاسکے ﴿فَصِيَامٌ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ﴾ ”تب دو مہینے مسلسل روزے رکھے“ اور ان کے دوران بغیر کسی عذر کے روزہ نہ چھوڑے۔ اگر کسی عذر کی بنا پر روزہ چھوٹ جائے مثلاً مرض اور حیض وغیرہ تو اس سے تسلسل نہیں ٹوٹتا اگر اس نے بغیر کسی عذر کے روزہ چھوڑ دیا ہے تو اس سے تسلسل منقطع ہو جائے گا اور اسے نئے سرے سے روزے شروع کرنے پڑیں گے۔ ﴿تَوْبَةٌ مِّنَ اللَّهِ﴾ ”یہ (کفارہ) اللہ کی طرف سے (قبول) توبہ کے لئے ہے۔“ یعنی یہ کفارات جو اللہ تعالیٰ نے قاتل پر واجب کئے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے قبولیت توبہ ان پر رحمت اور ان کے گناہوں کی تکفیر ہے جو ممکن ہے کسی کوتاہی اور عدم احتیاط کی وجہ سے ان سے سرزد ہوئے ہوں، جیسا کہ قتل خطا کے مرتکب سے اکثر واقع ہوتے ہیں۔ ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ ”اور اللہ سب کچھ جانتا اور بڑی حکمت والا ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کامل علم اور کامل حکمت والا ہے۔ زمین و آسمان میں کسی جگہ اور کسی وقت چھوٹی یا بڑی ذرہ بھر چیز اس سے پوشیدہ نہیں۔

تمام مخلوقات اور تمام شرائع اس کی حکمت سے خالی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ تخلیق اور جو کچھ مشروع کیا ہے وہ حکمت پر مبنی ہے۔ یہ اس کی علم و حکمت ہے کہ اس نے قاتل پر کفارہ واجب کیا جو اس سے صادر ہونے والے گناہ سے مناسبت رکھتا ہے۔ کیونکہ وہ ایک قابل احترام جان کو معدوم کرنے کا سبب بنا اور اسے وجود سے نکال کر عدم میں لے گیا۔ اس جرم سے یہ چیز مناسبت رکھتی ہے کہ وہ غلام آزاد کرے، اس کو مخلوق کی غلامی سے نکال کر مکمل آزادی عطا کرے۔ اگر وہ غلام آزاد کرنے کی طاقت نہ رکھتا ہو تو دو مہینوں کے مسلسل روزے رکھے۔ یوں وہ اپنے آپ کو شہوات اور ان لذات حسیہ کی غلامی سے آزاد کر کے جو بندے کو ابدی سعادت سے محروم کرتی ہیں اللہ تعالیٰ کے تقرب کے حصول کے لئے اللہ تعالیٰ کی بندگی کی طرف لائے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے روزے رکھنے کے لئے شاق گزرنے والی طویل مدت مقرر کی ہے اور اس میں روزوں کے تسلسل کو واجب قرار دیا ہے اور ان تمام

مقامات پر عدم مناسبت کی بنا پر روزے رکھنے کی بجائے مسکینوں کو کھانا کھلانا مشروع قرار نہیں دیا۔ اس کے برعکس ظہار میں روزوں کی بجائے مسکینوں کو کھانا کھلانا مشروع ہے۔ اس کا ذکر ان شاء اللہ آئے گا۔

یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت ہے کہ قتل خواہ خطا ہی سے کیوں نہ ہو اس نے اس میں دیت واجب ٹھہرائی ہے تاکہ دیت اور دیگر اسباب کے ذریعے سے قتل کے جرائم کا سدباب ہو سکے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ اس نے قتل خطا میں دیت قاتل کے پردی (باپ کی طرف سے) رشتہ داروں (یعنی عاقلہ) پر فرض کی ہے۔ اس پر فقہاء کا اجماع ہے۔ کیونکہ گناہ کی نیت سے قاتل نے قتل کا ارتکاب نہیں کیا تھا کہ اس دیت کا سارا بوجھ اس پر ڈال دیا جائے جو اس کے لئے سخت مشقت کا باعث ہو۔ اس لئے یہ امر مناسبت رکھتا ہے کہ حصول مصالحہ اور سد مفاسد کی خاطر اس کے اور اس کے رشتہ داروں کے درمیان تعاون اور ایک دوسرے کی مدد کرنے کا جذبہ ہو۔ شاید یہ چیز اس شخص کو قتل سے روکنے کا سبب بن جائے جس کی طرف سے وہ دیت ادا کرتے ہیں تاکہ انہیں دیت کا بوجھ نہ اٹھانا پڑے نیز ان کی طاقت اور ان کے احوال کے مطابق ان پر دیت کو تقسیم کرنے سے دیت کے بوجھ میں تخفیف ہو جائے گی نیز دیت کی ادائیگی کی مدت تین سال مقرر کر کے اس میں مزید تخفیف پیدا کر دی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کا علم ہے کہ اس نے اس دیت کے ذریعے سے جو اس نے قاتل کے اولیاء پر واجب کی ہے، مقتول کے ورثاء کی مصیبت میں ان کے نقصان کی تلافی کی ہے۔

وَمَنْ يَقْتُلْ مُؤْمِنًا مُتَعَمِدًا فَجَزَاءُ ۝ جَهَنَّمَ خَلِدًا فِيهَا وَغَضَبَ اللَّهِ

اور جو کوئی قتل کرے کسی مومن کو جان بوجھ کر تو اس کی سزا جہنم ہے ہمیشہ رہے گا وہ اس میں اور غضب ناک ہو اللہ

عَلَيْهِ وَ لَعْنَةُ ۝ وَ اَعَدَّ لَهُ عَذَابًا عَظِيمًا ۝۱۶

اس پر اور لعنت کی اس پر اور تیار کیا ہے اس کے لیے عذاب بہت بڑا ۝

گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ مومن سے مومن کا قتل صادر نہیں ہو سکتا نیز یہ کہ قتل کفر عملی ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے جان بوجھ کر قتل کرنے والے کے لئے وعید کا ذکر فرمایا ہے جس سے دل کانپ جاتے ہیں، کلیجے پھٹ جاتے ہیں اور عقلمند لوگ گھبرا جاتے ہیں۔ کبیرہ گناہوں میں سے کسی اور گناہ کے لئے اس سے بڑی بلکہ اس جیسی وعید بھی وارد نہیں ہوئی۔ آگاہ رہو کہ یہ اس امر کی خبر دینا ہے کہ مومن کے قتل کے مرتکب کے لئے جہنم ہے۔ یعنی یہ گناہ عظیم اکیلا ہی کافی ہے کہ اپنے مرتکب کو جہنم عذاب عظیم رسوائی اللہ جبار کی ناراضی، فوز و فلاح سے محرومی و ناکامی اور خسارے جیسی سزا کا مستحق بنائے۔ ہم ہر اس سبب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرے۔ اس وعید کا حکم کبیرہ گناہوں کے بارے میں وارد اس جیسی دیگر نصوص وعید کی مانند ہے جن میں جہنم میں خلود اور جنت سے محرومی کا ذکر کیا گیا ہے۔ ائمہ کرام، خوارج اور معتزلہ کے اس قول کے بطلان پر متفق

ہونے کے باوجود کہ موحد گناہ گار ہمیشہ جہنم میں رہیں گے اس آیت کریمہ کی تاویل میں اختلاف رکھتے ہیں۔ اس آیت کریمہ کی تاویل و تفسیر میں حق و صواب وہ ہے جو امام محقق شمس الدین ابن القیم رحمہ اللہ نے اپنی مشہور کتاب ”مدارج السالکین“ میں ذکر فرمایا ہے۔ انہوں نے ائمہ کی تاویلات ذکر کرنے کے بعد نقد کرتے ہوئے فرمایا:

”کچھ دیگر لوگوں کی رائے ہے کہ یہ نصوص اور اس قسم کی دیگر نصوص جن میں سزا کی اقتضا کا ذکر آتا ہے مقتضائے حکم کے وجود سے اس کا وجود لازم نہیں آتا کیونکہ حکم اپنے مقتضی کے وجود اور انتفائے مانع سے پورا ہوتا ہے اور ان نصوص کی غرض و غایت محض اس امر کی اطلاع دینا ہے کہ اس قسم کے جرائم عقوبت کا سبب ہیں اور اس کا تقاضا کرتے ہیں اور مانع کے ذکر پر دلیل قائم ہو چکی ہے کچھ تو اجماع کی بنا پر اور کچھ نصوص کی بنا پر چنانچہ تو بہ بالا جماع عقوبت اور سزا کو مانع ہے اور نصوص متواترہ دلالت کرتی ہیں کہ توحید بھی مانع عقوبت ہے اسی طرح برائیوں کو مٹانے والی نیکیاں بھی مانع عقاب ہیں۔ بڑے بڑے مصائب جو گناہوں کا کفارہ بن جاتے ہیں مانع عقاب ہیں۔ دنیا میں ان جرائم پر حد قائم ہونا بھی مانع عقوبت ہے ان امور پر نصوص دلالت کرتی ہیں اور ان نصوص کو معطل کرنے کی کوئی وجہ نہیں لہذا جانہین کی طرف سے نصوص کے عمل کو تسلیم کئے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ یہ ہے وہ مقام جہاں اقتضائے عقاب اور اس کے مانع کے لئے نیکیوں اور برائیوں کے درمیان موازنہ کیا جاتا ہے تاکہ دونوں میں سے جو راجح ہو اس کے مطابق عمل کیا جائے (اقتضائے عذاب راجح ہو تو عذاب کا اور مانع راجح ہو تو عدم عذاب کا فیصلہ ہوگا)

وہ کہتے ہیں کہ اسی اصول پر دنیا و آخرت کے مصالح اور مفاسد کی بنا ہے اور یہی اصول احکام شرعیہ اور احکام قدریہ کی بنیاد ہیں اور یہی اس حکمت کا تقاضا ہے جو وجود کائنات میں جاری و ساری ہے۔ خلق و امر کے لحاظ سے اسی اصول کے ذریعے سے اسباب اور مسببات ایک دوسرے سے مرتب ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر شے کی ضد پیدا کی ہے تاکہ یہ ضد اس شے کو دفع کرے اور ضدین میں سے اغلب کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔ قوت و صحت و عافیت کا تقاضا کرتی ہے اور اخلاط فاسدہ کا غلبہ، عمل طبعی اور فعل قوت کو مانع ہے ان دونوں میں سے اغلب کے مطابق حکم لگایا جائے گا۔ یہی اصول ادویہ اور امراض کے قوی میں عمل کرتا ہے انسان کے اندر ایسی چیزیں بھی ہیں جو اس کی صحت کی متقاضی ہیں اور کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں جو اس کی ہلاکت کا تقاضا کرتی ہیں۔ (ان کے درمیان کشمکش رہتی ہے) اور ایک چیز دوسری چیز کے کمال تاثیر کو روکتی اور اس کا مقابلہ کرتی ہے پس اگر وہ اس پر غالب آ جاتی ہے تو اس کی تاثیر اس میں کارفرما ہوتی ہے۔

یہاں پہنچ کر انسانوں کی تقسیم کا علم ہوتا ہے۔ کوئی سیدھا جنت میں جائے گا کسی کو جہنم میں جھونک دیا جائے

گا۔ کچھ لوگوں کو جہنم میں داخل کر کے پھر نکال لیا جائے گا اور وہ لوگ جہنم میں بس اسی قدر ٹھہریں گے جس قدر ان کے اعمال ان کے ٹھہرنے کا تقاضا کریں گے۔ جس شخص کی چشم بصیرت روشن ہے اس اصول کے مطابق اسے معاد کے متعلق وہ تمام امور جن کی قرآن خبر دیتا ہے یوں نظر آتے ہیں گویا کہ وہ انہیں اپنی ظاہری آنکھوں سے دیکھ رہا ہے۔ اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی الوہیت، ربوبیت اور عزت و حکمت کا تقاضا ہے اور اس کی خلاف ورزی اللہ تعالیٰ سے محال ہے۔ اس کی خلاف ورزی کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنا ایک ایسے امر کی نسبت ہے جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہیں۔ ان امور کو وہ اپنی چشم بصیرت سے یوں دیکھتا ہے جیسے وہ اپنی آنکھ سے سورج اور ستاروں کو دیکھتا ہے اور یہ ایمان کا یقین ہے اور یہ وہ یقین ہے جو برائیوں کو اس طرح جلا دیتا ہے جیسے خشک ایندھن کو آگ جلا دیتی ہے۔ وہ شخص جو ایمان کے اس مقام پر فائز ہو جاتا ہے اس کے لئے برائیوں پر مصر رہنا محال ہے۔ برائیاں اگرچہ اس سے بکثرت واقع ہو جاتی ہیں مگر اس کا نور ایمان اسے ہر وقت تجدید توبہ کا حکم دیتا رہتا ہے اور ہر سانس کے ساتھ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے ایسا شخص اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے۔۔۔۔۔ ابن القیم قدس اللہ روحہ کا کلام ختم ہوا اللہ تعالیٰ انہیں اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر عطا کرے۔ (اس موضوع پر مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ کیجئے مدارج السالکین ۳۹۶/۱۔ مترجم)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ
 آتَىٰ إِيكُمُ السَّلَامُ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۖ تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ
 فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمٌ كَثِيرَةٌ ۖ كَذَلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ
 پس تحقیق کر لیا کرو، یقیناً اللہ ہے، ساتھ اس کے جو تم عمل کرتے ہو، خوب خبردار ۹۶

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دیتا ہے کہ جب وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے جہاد پر نکلیں تو تمام مشتبہ امور میں اچھی طرح تحقیق کر لیا کریں اور جلدی نہ کیا کریں۔ کیونکہ تمام معاملات دو قسم کے ہوتے ہیں۔ واضح اور غیر واضح۔ جو امور واضح ہوتے ہیں ان میں تحقیق اور جانچ پڑتال کی کچھ زیادہ ضرورت نہیں ہوتی۔ کیونکہ یہ چیز تحصیل حاصل کے زمرے میں آتی ہے۔ رہے مشکل اور غیر واضح امور تو انسان ان میں جانچ پڑتال اور تحقیق کا محتاج ہوتا ہے کہ آیا وہ اس میں اقدام کرے یا نہ کرے؟ کیونکہ ان امور میں تحقیق اور جانچ پڑتال سے

بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ بڑی بڑی برائیوں کا سدباب ہو جاتا ہے۔ اس کے ذریعے سے بندے کے دین عقل اور وقار کے بارے میں معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اس کے برعکس وہ شخص جو معاملات کی ابتدا ہی میں ان کی جانچ پڑتال سے پہلے فیصلہ کرنے میں عجلت سے کام لیتا ہے۔ اسے اس عجلت سے ایسے نتائج کا سامنا ہو سکتا ہے جو نہایت غیر مناسب ہوں، جیسا کہ ان مسلمانوں کے ساتھ ہوا جن کا اس آیت کریمہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ جنہوں نے بغیر کسی تحقیق اور جانچ پڑتال کے ایک ایسے شخص کو قتل کر دیا جس نے ان کو سلام کیا تھا۔ اس کے پاس کچھ بکریاں یا کوئی اور مال تھا اس کا خیال تھا کہ اس طرح (سلام کرنے سے) قتل ہونے سے بچ جائے گا اور ان کا یہ فعل (قتل) درحقیقت خطا تھا، بنا بریں اللہ تعالیٰ نے ان پر عتاب فرمایا۔

﴿ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْفَىٰ إِلَيْكُمْ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنَدَ اللَّهِ مَعَاذٌ مِّنْ كَثِيرٍ ۗ ﴾

”جو تمہیں سلام کرے تم اسے یہ نہ کہہ دو کہ تو مومن نہیں تم دنیاوی زندگی کے اسباب کی تلاش میں ہو تو اللہ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں، یعنی فانی دنیا کا یہ قلیل اور فانی مال و متاع تمہیں کسی ایسے کام کے ارتکاب پر آمادہ نہ کرے جو مناسب نہ ہو اور اس کے نتیجے میں تم اس بے پایاں ثواب سے محروم ہو جاؤ جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔ پس جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ بہتر اور باقی رہنے والا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ بندے کو چاہئے کہ جب وہ دیکھے کہ اس کے نفس کے داعیے کسی ایسے حال کی طرف مائل ہیں جس میں خواہشات نفس کا شائبہ ہے اور یہ اس کے لئے ضرر رساں ہیں تو وہ اس ثواب اور نعمتوں کو یاد کرے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تیار کر رکھی ہیں جنہوں نے خواہشات نفس کو روکا ہوا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ کی رضا کو اپنے نفس کی خواہش پر مقدم رکھا کیونکہ اس میں نفس کے لئے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کی ترغیب ہے خواہ اس میں اس کے لئے مشقت ہی کیوں نہ ہو۔

پھر اللہ تعالیٰ ان کو اسلام سے قبل ان کی حالت یاد دلاتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿ فَمَنْ أَلْفَىٰ إِلَيْكُمْ ﴾ ”پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ نے تم پر احسان کیا“ یعنی اللہ تعالیٰ نے جس طرح تمہیں

تمہاری گمراہی کے بعد ہدایت سے نوازا ہے۔ اسی طرح وہ دوسروں کو بھی راہ ہدایت دکھاتا ہے اور جس طرح تمہیں بتدریج آہستہ آہستہ ہدایت حاصل ہوئی ہے اسی طرح تمہارے علاوہ بھی آہستہ آہستہ راہ ہدایت پر گامزن ہو جائیں گے۔ پس کامل شخص کا اپنے پہلے اور ناقص حال پر نظر رکھنا، اور اس ناقص شخص کے ساتھ جس کی مانند کبھی وہ بھی ناقص تھا، اس کے مقتضائے حال کے مطابق معاملہ کرنا اور اس کو حکمت اور اچھی نصیحت کے ساتھ بھلائی کی طرف دعوت دینا اس کے لئے فائدہ پہنچانے اور فائدہ حاصل کرنے کا سب سے بڑا سبب ہے۔

بنا بریں اللہ تعالیٰ نے تحقیق حال کے حکم کا ان الفاظ میں اعادہ کیا ﴿ فَتَبَيَّنُوا ﴾ ”تحقیق کر لیا کرو۔“ یعنی خوب

تحقیق کر لیا کرو۔ جب کوئی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لئے نکلتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے خلاف جہاد کرتا ہے اور ان کا مقابلہ کرنے کے لئے مختلف قسم کی تیاری کرتا ہے تو وہ اس بات پر مامور ہے کہ جو کوئی اس کو سلام کرے اس کی تحقیق کر لے حالانکہ بہت ہی قوی قرینہ موجود تھا کہ اس نے جان کے خوف سے اور جان بچانے کے لئے سلام کیا ہو۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ان تمام احوال کے بارے میں جن میں کسی قسم کا اشتباہ واقع ہو گیا ہو تحقیق اور جانچ پڑتال کی جائے۔ پس بندہ حقیقت حال معلوم کرنے کی کوشش کرے حتیٰ کہ اس کے سامنے معاملہ واضح ہو جائے اور رشد و صواب متحقق ہو کر سامنے آجائے۔ فرمایا: ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ اور جو عمل تم کرتے ہو اللہ کو سب کی خبر ہے۔ اللہ اپنے بندوں کے احوال اور ان کی نیتوں کو جانتا ہے اس لئے وہ ہر ایک کو اس کے عمل اور نیت کے مطابق جزا دے گا۔

لَا يَسْتَوِي الْقَعْدُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجَاهِدُونَ
 نہیں برابر ہو سکتے (وہ جو ہیں) بیٹھ رہنے والے مومنوں میں سے نہیں ہیں وہ تکلیف (عذر رکھنے) والے، اور جو جہاد کر نیوالے ہیں
 فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فَضَّلَ اللَّهُ الْمُجَاهِدِينَ بِأَمْوَالِهِمْ
 راستے میں اللہ کے ساتھ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے فضیلت دی ہے اللہ نے جہاد کر نیوالوں کو ساتھ اپنے مالوں
 وَأَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقَعْدِينَ دَرَجَةً وَكَلًّا وَعَدَّ اللَّهُ الْحُسْنَىٰ وَفَضَّلَ اللَّهُ
 اور اپنی جانوں کے بیٹھ رہنے والوں پر مرتبے میں اور سب سے وعدہ کیا ہے اللہ نے بھلائی کا اور فضیلت دی ہے اللہ نے
 الْمُجَاهِدِينَ عَلَى الْقَعْدِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ۝۵۹ دَرَجَاتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً
 مجاہدین کو اوپر بیٹھ رہنے والوں کے بہ لحاظ اجر عظیم کے ۵۹ (یعنی) درجے ہیں اس کی طرف سے اور بخشش
 وَرَحْمَةً ۝۶۰ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ۝۶۱
 اور رحمت اور ہے اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ۶۰

یعنی اہل ایمان میں سے وہ شخص جو اپنی جان اور مال کے ذریعے سے جہاد کرتا ہے اور وہ شخص جو جہاد کے لئے نہیں نکلتا اور اللہ کے دشمنوں کے ساتھ قتال نہیں کرتا، دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لئے نکلنے کی ترغیب ہے اور سستی اور کسی عذر کے بغیر جہاد چھوڑ کر گھر بیٹھ رہنے سے ڈرایا گیا ہے۔ رہے وہ لوگ جو کسی تکلیف میں مبتلا ہیں مثلاً مریض، اندھا اور لنگڑا وغیرہ اور وہ شخص جس کے پاس جہاد پر جانے کے لئے سامان وغیرہ نہیں، تو یہ لوگ بغیر عذر گھر بیٹھ رہنے والوں میں شمار نہیں ہوں گے۔ ہاں! وہ شخص جو کسی تکلیف میں مبتلا ہے اور وہ اپنے گھر بیٹھ رہنے پر خوش اور راضی ہے اور وہ یہ نیت بھی نہیں رکھتا کہ اگر یہ مانع موجود نہ ہوتا تو وہ جہاد میں ضرور شریک ہوتا اور اس کے دل میں کبھی جہاد کی خواہش بھی نہیں ہوتی تو ایسا شخص بغیر عذر گھر

بیٹھ رہنے والوں میں شمار ہوگا۔

جو کوئی یہ عزم رکھتا ہے کہ اگر یہ مانع موجود نہ ہوتا تو وہ اللہ کے راستے میں جہاد کے لئے نکلتا، وہ جہاد کی تمنا اور آرزو کرتا ہے اور اس کے دل میں جہاد کی خواہش پیدا ہوئی ہے تو ایسا شخص جہاد کرنے والوں میں شمار ہوگا، کیونکہ نیت جازم کے ساتھ جب وہ عمل مقرون ہوتا ہے جو قولاً یا فعلاً نیت کرنے والے کے اختیار میں ہے تو وہ اس صاحب نیت کو فاعل کے مقام پر فائز کر دیتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نہایت صراحت کے ساتھ مجاہدین کو گھر بیٹھ رہنے والوں پر بلندیٰ درجات کی فضیلت سے نوازا ہے۔ یہ فضیلت اجمالاً بیان فرمائی ہے۔ اس کے بعد صراحت کے ساتھ اس کی تفصیل بیان کی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے رب کی طرف سے مغفرت اور رحمت کا وعدہ فرمایا جو ہر بھلائی کے حصول اور ہر برائی کے سدباب پر مشتمل ہے۔

صحیحین میں مروی ایک حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ان درجات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا ”جنت کے اندر سو درجے ہیں اور ان ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا زمین اور آسمان کے درمیان۔ اس جنت کو اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے میں جہاد کرنے والوں کے لئے تیار کر رکھا ہے“^①

یہ ثواب جو اللہ تعالیٰ نے جہاد پر مرتب کیا ہے اس کی نظیر سورہ صف کی یہ آیات ہیں: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا

هَلْ أَدُلُّكُمْ عَلَىٰ تِجَارَةٍ تُنْجِيكُمْ مِّنْ عَذَابِ أَلِيمٍ ۝ تُوْمِنُونَ بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَتُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ۝ يَغْفِرَ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ وَيُدْخِلَكُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ وَمَسْكِنٍ مَّسْكِينٍ طَيِّبَةً فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ ذَلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ﴾

(الصف: ۱۰۶، ۱۲)

”اے لوگو! جو ایمان لائے ہو کیا میں تمہیں ایسی تجارت نہ بتاؤں جو تمہیں دردناک عذاب سے نجات دے، تم اللہ کی راہ میں اپنی جان اور اپنے مال سے جہاد کرو۔ اگر تم علم رکھتے ہو تو یہی تمہارے لئے بہتر ہے۔ وہ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تمہیں جنت میں داخل کرے گا۔ جن میں نہریں بہ رہی ہیں اور جنت جاوداں میں پاکیزہ آرام گاہوں میں داخل کرے گا۔ یہ بڑی کامیابی ہے۔“

ذرا حسن انتقال پر غور فرمائیے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک حالت سے دوسری بلندتر حالت کی طرف منتقل ہونے کا کیسے ذکر فرمایا ہے۔ سب سے پہلے مجاہد اور غیر مجاہد کے درمیان مساوات (برابر ہونے) کی نفی فرمائی، پھر تصریح فرمائی کہ مجاہد کو گھر بیٹھ رہنے والے پر ایک درجہ فضیلت حاصل ہے، پھر مغفرت، رحمت اور بلند درجات کے ذریعے سے مجاہد کو فضیلت عطا کرنے کی طرف انتقال فرمایا۔ فضیلت اور مدح کے موقع پر فروتر سے بلندتر حالت کی طرف

① صحیح بخاری، الجہاد والسیر، باب درجات المحاہدین فی سبیل اللہ، حدیث: ۲۷۹۰

اور مذمت اور برائی کے موقع پر بلند تر حالت سے فروتر حالت کی طرف یہ انتقال، لفظوں کے اعتبار سے حسین تر اور نفوس انسانی میں کارگر ہونے کے اعتبار سے مؤثر تر ہے۔ اسی طرح جب اللہ تعالیٰ ایک چیز کو دوسری چیز پر فضیلت دیتا ہے جب کہ دونوں ہی کو فضیلت حاصل ہو تو وہ ایسے لفظ کے ساتھ فضیلت بیان کرنے سے احتراز کرتا ہے جو دونوں کا جامع ہو۔ تاکہ کسی کو یہ وہم لاحق نہ ہو کہ کم تر فضیلت کی حامل چیز کی مذمت بیان کی ہے۔ جیسا کہ یہاں بیان فرمایا: ﴿وَكَلَّا وَعَدَّ اللَّهُ الْحُسْنَى﴾ ”اللہ نے سب کے ساتھ اچھا وعدہ کیا ہے۔“ اور جیسا کہ محولہ بالا سورہ صف کی آیات میں فرمایا: ﴿وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”مومنوں کو خوش خبری دے دیجئے“ فرمایا: ﴿لَا يَسْتَوِي مِنْكُمْ مَنْ أَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَتَّلَ﴾ (الحديد: ۱۰۵۷) ”تم میں سے جس شخص نے فتح مکہ سے قبل خرچ کیا اور جہاد کیا (اور جس نے فتح مکہ کے بعد یہ کام کئے) برابر نہیں۔“ پھر فرمایا: ﴿وَكَلَّا وَعَدَّ اللَّهُ الْحُسْنَى﴾ (الحديد: ۱۰۵۷) ”اور اللہ نے سب کے ساتھ اچھا وعدہ کیا ہے۔“ اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَفَهَّمْنَهَا سَلِيمًا وَكَلَّا اتَيْنَا حُكْمًا وَعِلْمًا﴾ (الانبياء: ۷۹/۲۱) ”پس فیصلہ کرنے کا طریقہ ہم نے سلیمان کو سمجھا دیا اور ہم نے دونوں کو علم و حکمت عطا کی تھی۔“

پس جو کوئی شخصیات کے درمیان، گروہوں کے درمیان اور اعمال کے درمیان فضیلت کی تحقیق کرتا ہے تو اس کے لئے مناسب ہے کہ وہ اس نکتہ کو خوب سمجھ لے۔ اسی طرح اگر وہ بعض شخصیات اور مقالات کی مذمت بیان کرتا ہے تو ان کو ایک دوسرے پر فضیلت دینے کے لئے ایسا اسلوب استعمال کرے جو دونوں کو جامع ہو، تاکہ جس کو فضیلت دی گئی ہے وہ اس وہم میں مبتلا نہ ہو کہ اسے کمال حاصل ہے۔ مثلاً جب یہ کہا جائے کہ نصاریٰ مجوسیوں سے بہتر ہیں تو اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی کہنا چاہئے کہ دونوں ہی کافر ہیں۔ جب یہ کہا جائے قتل زنا سے زیادہ بڑا جرم ہے تو ساتھ ساتھ یہ بھی بتانا چاہئے کہ دونوں گناہ کبیرہ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے حرام قرار دیا ہے اور ان گناہوں پر زجر و توبخ کی ہے۔

چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجاہدین کے ساتھ مغفرت اور رحمت کا وعدہ کیا ہے جو اس کے اسمائے کریمہ (الْغُفُورُ) اور (الرَّحِيمُ) سے صادر ہوتی ہیں اس لئے اس آیت کریمہ کے اختتام پر فرمایا: ﴿وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ ”اللہ بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔“

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّيْتَهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنْتُمْ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا

کس حال میں تھے تم؟ کہتے ہیں وہ، تھے ہم کمزور زمین میں، کہتے ہیں وہ (فرشتے) کیا نہ تھی زمین اللہ کی فراخ؟ پس ہجرت کرتے تم

فِيهَا ط فَأُولَئِكَ مَا لَهُمْ جَهَنَّمُ ط وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٨﴾ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ
 اس میں 'پس یہ لوگ ان کا ٹھکانا جہنم ہے' اور بہت بری جگہ ہے وہ پھرنے کی ○ مگر وہ جو کمزور ہیں
 مِنَ الرِّجَالِ وَ النِّسَاءِ وَ الْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ
 مردوں اور عورتوں اور بچوں سے 'نہیں (اختیار) کر سکتے وہ کوئی تدبیر اور نہ پاتے ہیں
 سَبِيلًا ﴿٩٩﴾ فَأُولَئِكَ عَسَى اللَّهُ أَنْ يَعْفُو عَنْهُمْ ط وَكَانَ اللَّهُ عَفُورًا غَفُورًا ﴿٩٩﴾
 کوئی راہ ○ پس یہ لوگ 'امید ہے کہ اللہ معاف فرمادے انہیں' اور ہے اللہ نہایت معاف کرنیوالا بہت بخشنے والا ○

اس آیت کریمہ میں اس شخص کے لئے سخت وعید آئی ہے جو ہجرت کی قدرت رکھنے کے باوجود ہجرت نہیں
 کرتا اور دارالکفر ہی میں مرجاتا ہے۔ کیونکہ جب فرشتے اس کی روح قبض کریں گے تو اس کو سخت زجر و توبیخ
 کرتے ہوئے کہیں گے ﴿فِيهِمْ نُنْتُمْ﴾ "تم کس حال میں تھے" اور کیسے تم نے اپنے شخص کو مشرکین کے درمیان
 ممیز رکھا بلکہ حقیقت یہ ہے کہ تم ان کی تعداد میں اضافے کا باعث بنے اور بسا اوقات اہل ایمان کے خلاف تم
 نے کفار کی مدد کی، تم خیر کثیر اللہ کے رسول کی معیت میں جہاد مسلمانوں کی رفاقت اور ان کے دشمنوں کے خلاف
 ان کی معاونت کی سعادت سے محروم رہے۔

﴿قَالُوا لَنَأْمَنُكَ اللَّهُ فِي الْأَرْضِ﴾ وہ کہیں گے کہ ہم کمزور، مجبور اور مظلوم تھے اور ہجرت کی قدرت
 نہ رکھتے تھے۔ حالانکہ وہ اپنے اس قول میں سچے نہیں؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو زجر و توبیخ کی ہے اور ان کو وعید سنائی
 ہے اور اللہ تعالیٰ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔ اس نے حقیقی مستضعفین کو مستثنیٰ قرار دیا
 ہے اس لئے فرشتے ان سے کہیں گے: ﴿أَلَمْ نَكُنْ أَرْضَ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا﴾ "کیا اللہ کی زمین
 وسیع و فراخ نہ تھی کہ تم اس میں ہجرت کر کے چلے جاتے" یہاں تک کہ یہاں سے فرار کر کے چلے جاتے ہیں
 کہ اللہ کی زمین بہت وسیع ہے۔ بندہ مومن جہاں کہیں بھی ہو اگر وہاں اپنے دین کا اظہار نہیں کر سکتا تو زمین اس
 کے لئے بہت وسیع ہے جہاں وہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يُعْبَدِي الَّذِينَ
 آمَنُوا إِنَّ أَرْضِي وَاسِعَةٌ فَإِنِّي آتِي فَاعْبُدُون﴾ (العنکبوت: ۵۶/۲۹) "اے میرے بندو جو ایمان لائے
 ہو بے شک میری زمین بہت وسیع ہے پس میری ہی عبادت کرو"۔

اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے بارے میں جن کے پاس کوئی عذر نہیں، فرمایا: ﴿فَأُولَئِكَ مَا لَهُمْ جَهَنَّمُ
 وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ "یہی وہ لوگ ہیں جن کا ٹھکانا دوزخ ہوگا اور وہ بہت ہی بری جگہ ہے" جیسا کہ پیچھے گزر چکا
 ہے کہ اس میں سبب موجب کا بیان ہے جس پر اس کی شرائط کے جمع ہونے اور موانع کے نہ ہونے کے ساتھ مقتضا
 مرتب ہوتا ہے۔ کبھی کبھی کوئی مانع اس مقتضا کو روک دیتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اس امر کی دلیل ہے کہ ہجرت سب سے بڑا فرض ہے اور اس کو ترک کرنا حرام بلکہ سب سے بڑا گناہ ہے۔ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ جس شخص نے وفات پائی اس نے اپنا وہ رزق، عمر اور عمل پورا کر لیا جو اس کے لئے مقدر کیا گیا تھا۔ یہ دلیل لفظ ”توفی“ سے ماخوذ ہے۔ کیونکہ اگر اس نے وہ سب کچھ پورا نہیں کیا جو اس کے لئے مقدر کیا گیا تھا تو لفظ ”توفی“ کا اطلاق صحیح نہیں۔ اس آیت میں فرشتوں پر ایمان لانے اور ان کی مدح کی دلیل بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اثبات ان کی تحسین اور اپنی موافقت کے انداز میں فرشتوں سے خطاب کیا ہے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے حقیقی مستضعفین کو مستثنیٰ قرار دیا جو کسی وجہ سے ہجرت کرنے پر قادر نہیں۔ فرمایا: ﴿وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا﴾ ”نہ وہ کوئی راستہ جانتے ہیں۔“ یہی وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَاُولَٰئِكَ عَسَىٰ اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُو عَنْهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُورًا﴾ ”امید ہے کہ ان لوگوں کو اللہ بخش دے اور اللہ بہت درگزر کرنے والا اور نہایت بخشنے والا ہے“ (عسی) اور اس کا ہم معنی کلمہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور احسان کے تقاضے کے مطابق اس کو لازم کرتا ہے۔

جو کوئی کچھ نیک اعمال بجالاتا ہے اس کو ثواب کی امید دلانے میں فائدہ ہے اور وہ یہ کہ ایک شخص ہے جو پوری طرح عمل نہیں کرتا اور نہ وہ اس عمل کو اس طریقے سے بجالاتا ہے جو اس کے لئے مناسب ہے بلکہ وہ کوتاہی کا مرتکب ہوتا ہے لہذا وہ اس ثواب کا مستحق قرار نہیں پاتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو کوئی کسی امر واجب کی تعمیل کرنے سے عاجز ہو وہ معذور ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے جہاد سے عاجز رہنے والوں کے بارے میں فرمایا: ﴿لَيْسَ عَلَى الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْاَعْرٰجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِيضِ حَرَجٌ﴾ (الفتح: ۱۷/۴۸) ”نہ تو اندھے کے لئے کوئی گناہ ہے نہ لنگڑے پر اور نہ بیمار پر“۔ اور تمام احکام کی عمومی اطاعت کے بارے میں فرمایا: ﴿قَاتِلُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن: ۱۶/۶۴) ”اپنی استطاعت بھر اللہ تعالیٰ سے ڈرو“۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ﴿اِذَا اَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَاتُوا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ﴾ ”جس چیز کا میں تمہیں حکم دوں مقدر بھر اس پر عمل کرو“^① جب انسان پوری کوشش کرتا ہے مگر اس پر ہر قسم کے حیلے کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں تب اس صورت میں وہ گناہ گار نہیں ہوتا کیونکہ فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً﴾ ”وہ کوئی تدبیر کرنے کی طاقت نہیں رکھتے“، یعنی وہ لاچار ہیں۔ آیت میں اس امر پر تشبیہ ہے کہ حج و عمرہ اور اس قسم کی دیگر عبادات میں جن میں سفر کی ضرورت پیش آتی ہے رہنمائی کرنے والے کا ہونا بھی ”استطاعت“ کی شرطوں میں سے ہے۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرْعَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۝
اور جو شخص ہجرت کرے راستے میں اللہ کے پائے گا وہ زمین میں جگہ بہت اور فراوانی

① صحیح مسلم، الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، حدیث: ۱۳۳۷

وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكُهُ الْمَوْتُ
اور جو شخص نکلے اپنے گھر سے ہجرت کرتے ہوئے طرف اللہ اور اس کے رسول کی پھر آ پڑے اس کو موت

فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۴﴾

پس تحقیق ثابت ہو گیا اس کا اجر اللہ پر اور ہے اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ○

اس آیت کریمہ میں ہجرت کی ترغیب دی گئی ہے اور ان مصالِح اور فوائد کا بیان ہے جو ہجرت میں پنہاں ہیں۔ اس سچی ہستی نے وعدہ کیا ہے کہ جو کوئی اس کی رضا کی خاطر اس کی راہ میں ہجرت کرتا ہے وہ زمین میں بہت سے راستے اور کشادگی پائے گا۔ پس یہ راستے دینی مصالِح، زمین کی وسعت اور دنیاوی مصالِح پر مشتمل ہیں۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ ہجرت، وصال کے بعد فراق، غنا کے بعد فقر، عزت کے بعد ذلت اور فریخی کے بعد تنگدستی میں پڑنے کا نام ہے۔ معاملہ دراصل یہ نہیں کیونکہ بندہ مومن جب تک کفار کے درمیان رہ رہا ہے اس کا دین انتہائی ناقص ہے، اس کی وہ عبادات بھی ناقص ہیں جن کا تعلق صرف اسی کی ذات سے ہے جیسے نماز وغیرہ اور اس کی وہ عبادات بھی ناقص ہیں جن کا تعلق دوسروں سے ہے، مثلاً تولی و فعلی جہاد اور اس کے دیگر توابع، کیونکہ یہ اس کے بس کی بات نہیں۔ اور وہ اپنے دین کے بارے میں ہمیشہ فتنے اور آزمائش میں مبتلا رہے گا۔ خاص طور پر جبکہ وہ مستضعفین (کمزوروں) میں شمار ہوتا ہو۔ پس جب وہ دارالکفر سے ہجرت کر جاتا ہے تو اقامت دین کی کوشش اور اللہ کے دشمنوں کے خلاف جہاد کر سکتا ہے۔ کیونکہ (الْمُرَاغِمَةُ) ایک جامع نام ہے اور اس سے مراد ہر وہ قول و فعل ہے جس سے اللہ کے دشمنوں کے خلاف غیظ و غضب پیدا ہو۔ اسی طرح (مُزَاغِمٌ) سے مراد رزق وغیرہ کی فریخی ہے اور یہ چیز اسی طرح واقع ہوئی جس طرح اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی۔

چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی، اللہ کی رضا کے لئے اپنا گھریا، اپنا مال اور اپنی اولاد کو چھوڑ دیا اس لئے ہجرت کے ذریعے سے ان کے ایمان کی تکمیل ہوئی، انہیں ایمان کامل، جہاد عظیم اور اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت حاصل ہوئی۔ بنا بریں وہ بعد میں آنے والوں کے لئے امام بن گئے۔ اس ایمان کی تکمیل پر انہیں فتوحات اور غنائم حاصل ہوئیں اور وہ سب سے زیادہ بے نیاز ہو گئے۔ اسی طرح، قیامت تک ہر وہ شخص جو ان کی سیرت کو اختیار کرے گا اس کو بھی انہی انعامات سے نوازا جائے گا جن انعامات سے ان کو نوازا گیا تھا۔

پھر فرمایا: ﴿وَمَنْ يَخْرُجْ مِنْ بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف ہجرت کر کے گھر سے نکل جائے۔ یعنی جو شخص صرف اپنے رب کی رضا، اس کے رسول ﷺ کی محبت اور اللہ کے دین کی نصرت کی خاطر ہجرت کے لئے اپنے گھر سے نکلتا ہے اور اس کے سوا اس کا کوئی اور مقصد نہیں ﴿ثُمَّ يُدْرِكُهُ الْمَوْتُ﴾ پھر اس کو موت آ پڑے۔ یعنی پھر قتل یا کسی اور سبب سے اسے موت آ جاتی ہے

﴿ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ﴾ ”تو اس کا ثواب اللہ کے ذمے ہو چکا۔“ یعنی اسے اس مہاجر کا اجر حاصل ہو گیا جسے اللہ تعالیٰ کی ضمانت سے اپنی منزل مقصود مل گئی۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس نے عزم جازم کے ساتھ ہجرت کی نیت کی تھی اور اس پر عملدرآمد کرنا شروع کر دیا تھا۔ اس پر اور اس جیسے دوسرے لوگوں پر یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے کہ اگرچہ انہوں نے اپنے عمل کو مکمل نہیں کیا، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو کامل عمل عطا کر دیا اور ہجرت وغیرہ کے معاملے میں ان سے جو کوتاہی ہوئی اللہ تعالیٰ نے اس کو بخش دیا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ کو ان دو اسمائے حسنیٰ پر ختم کیا ہے ﴿ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا ﴾ ”اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کے ان تمام گناہوں کو بخش دیتا ہے جس کا وہ ارتکاب کرتے ہیں خاص طور پر وہ اہل ایمان جو توبہ کر کے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرتا ہے۔ ﴿ رَحِيمًا ﴾ یعنی وہ تمام مخلوق پر رحم کرنے والا ہے، اس کی رحمت ہی انہیں وجود میں لائی، اس کی رحمت ہی نے انہیں عافیت عطا کی اور اس کی رحمت ہی نے انہیں مال، بیٹوں اور قوت وغیرہ سے نوازا۔ وہ اہل ایمان پر رحم کرنے والا ہے، کیونکہ اسی نے اہل ایمان کو ایمان کی توفیق عطا کی، انہیں ایسے علم سے نوازا جس سے ایقان حاصل ہوتا ہے۔ ان کے لئے سعادت اور فلاح کی راہیں آسان کر دیں، جن کے ذریعے سے وہ بے انتہا فائدہ اٹھاتے ہیں وہ عنقریب اس کی رحمت اور فضل و کرم کے وہ نظارے دیکھیں گے جو کسی آنکھ نے دیکھے ہوں گے نہ کسی کان نے سنے ہوں گے اور نہ کسی بشر کے قلب سے ان کا گزر ہوا ہوگا۔

ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں ہماری برائیوں کی وجہ سے اپنی بھلائیوں سے محروم نہ کرے۔

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ ۖ

اور جب سفر کرو تم زمین میں پس نہیں تم پر گناہ یہ کہ قصر کرو تم نماز

إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۖ إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا

اگر ڈرو تم اس بات سے کہ فتنے میں ڈال دیں گے تمہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، یقیناً کافر ہیں تمہارے دشمن

مُبِينًا ۝ وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقْبْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ فَلْتَقُمْ طَافِيَةً مِنْهُمْ

ظاہر اور جب ہوں آپ ان میں پھر قائم کریں ان کیلئے نماز تو چاہیے کہ کھڑی ہو ایک جماعت ان میں سے

مَعَكَ وَلِيًا خُذُوا أَسْلِحَتَهُمْ فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ وَلْتَأْتِ

آپ کے ساتھ اور چاہیے کہ (ساتھ) لے لے وہ اپنے ہتھیار پھر جب سجدہ کر لے وہ تو ہو جائے تمہارے پیچھے اور چاہیے کہ آئے

طَافِيَةً أُخْرَى لَمْ يَصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ وَلْيَأْخُذُوا حِذْرَهُمْ وَأَسْلِحَتَهُمْ ۗ

جماعت دوسری کہ نہیں نماز پڑھی اس نے، کہ نماز پڑھے وہ آپ کے ساتھ اور چاہیے کہ لے لے وہ اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار

وَالَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغَفَّلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ

چاہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، کاش کہ غافل ہو تم اپنے اسلحے اور اپنے سامان سے پس ٹوٹ پڑیں وہ

عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً ۖ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أَذًى مِّنْ مَّقْطِرٍ
 تم پر ٹوٹ پڑنا، ایک بارگی، اور نہیں گناہ تم پر اگر ہو تمہیں تکلیف بارش سے
 أَوْ كُنْتُمْ مَّرْضَىٰ أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ ۖ وَخُذُوا حِذْرَكُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ
 یا ہو تم بیمار یہ کہ رکھ دو تم اپنے ہتھیار اور (ساتھ) لے لو تم اپنا بچاؤ، تحقیق اللہ نے تیار کر رکھا ہے
 لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿۱۲﴾

کافروں کے لیے عذاب رسواکن ○

یہ دو آیات کریمہ سفر کے دوران نماز میں قصر کی رخصت اور نماز خوف کے لئے اصل کی حیثیت رکھتی ہیں۔
 اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ ”جب چلو تم زمین میں“ یعنی سفر کے دوران۔ آیت
 کریمہ کا ظاہر سفر کے دوران نماز میں قصر کی رخصت کا تقاضا کرتا ہے سفر خواہ کیسا ہی ہو خواہ معصیت کا سفر ہی
 کیوں نہ ہو جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ جمہور فقہاء یعنی ائمہ ثلاثہ اور دیگر اہل علم آیت کے معنی اور
 مناسبت کے اعتبار سے آیت کے عموم کی تخصیص کرتے ہوئے معصیت کے سفر کے دوران نماز میں قصر کی رخصت
 کو جائز قرار نہیں دیتے۔ کیونکہ رخصت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے لئے سہولت ہے کہ جب وہ سفر
 کریں تو نماز میں قصر کر لیا کریں اور روزہ چھوڑ دیا کریں۔ یہ تخفیف گناہ کا سفر کرنے والے شخص کے حال سے
 مناسبت نہیں رکھتی۔ ﴿فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ﴾ ”تو تم پر نمازوں کے قصر کرنے میں
 کوئی گناہ نہیں“ یعنی تم پر کوئی حرج اور گناہ نہیں۔ یہ چیز قصر کے افضل ہونے کے منافی نہیں ہے کیونکہ آیت کریمہ
 میں مذکورہ نئی حرج اس وہم کا ازالہ کرتی ہے جو بہت سے نفوس میں واقع ہوتا ہے۔ بلکہ یہ تو نماز قصر کے واجب
 ہونے کے بھی منافی نہیں جیسا کہ اس کی نظیر سورہ بقرہ کی اس آیت میں گزر چکی ہے ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ
 مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ﴾ (البقرہ: ۱۵۸۱۲) ”صفا اور مروہ اللہ کے شعائر میں سے ہیں..... آیت کے آخر تک“
 اس مقام پر وہم کا ازالہ ظاہر ہے کیونکہ مسلمانوں کے ہاں نماز کا وجوب اس کی اس کامل صفت کے ساتھ متحقق
 ہے۔ اور یہ وہم اکثر نفوس سے اس وقت تک زائل نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس امر کا ذکر نہ کیا جائے جو اس کے
 منافی ہے۔ اتمام پر قصر کی افضلیت کو دو امور ثابت کرتے ہیں۔

اول: رسول اللہ ﷺ کا اپنے تمام سفروں کے دوران میں قصر کا التزام کرنا۔

ثانی: قصر بندوں کے لئے وسعت رخصت اور رحمت کا دروازہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اس
 کی رخصتوں سے استفادہ کیا جائے۔ جس طرح وہ یہ بات ناپسند کرتا ہے کہ اس کی نافرمانی کا کوئی کام
 کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ﴾ ”نماز میں سے کچھ کم کر دو“ اور یہ نہیں فرمایا (اَنْ تَقْصُرُوْا الصَّلٰوةَ) ”نماز کو کم کر دو“ اس میں دو فائدے ہیں۔

اول: اگر یہ کہا ہوتا کہ ”نماز کو کم کر دو“ تو قصر غیر منضبط اور غیر محدود ہوتی۔ اور بسا اوقات یہ بھی سمجھا جاسکتا تھا کہ اگر نماز کا بڑا حصہ کم کر دیا جائے اور صرف ایک رکعت پڑھ لی جائے تو کافی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے (مِنَ الصَّلٰوةِ) کا لفظ استعمال فرمایا تاکہ وہ اس امر پر دلالت کرے کہ قصر محدود اور منضبط ہے اور اس بارے میں اصل مرجع وہ نماز قصر ہے جو رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کے فعل سے ثابت ہے۔

ثانی: حرف جار (مِنَ) جمعیں کا فائدہ دیتا ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ صرف بعض فرض نمازوں میں قصر ہے تمام نمازوں میں جائز نہیں۔ کیونکہ فجر اور مغرب کی نماز میں قصر نہیں۔ صرف ان نمازوں میں قصر کر کے دو رکعت پڑھی جاتی ہیں جن میں چار رکعتیں فرض کی گئی ہیں۔

جب یہ بات متحقق ہو گئی کہ سفر میں نماز قصر ایک رخصت ہے تو معلوم ہونا چاہئے کہ مفسرین میں اس قید کے تعین کے بارے میں اختلاف ہے جو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں وارد ہوئی ہے۔ ﴿ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَفْتِنَكُمْ الْاٰذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ ”اگر تم اس بات سے ڈرو کہ کافر تمہیں فتنے میں ڈال دیں گے“ جس کا ظاہر دلالت کرتا ہے کہ نماز قصر اس وقت تک جائز نہیں جب تک کہ یہ دو امور ایک ساتھ موجود نہ ہوں سفر اور خوف۔ ان کے اختلاف کا حاصل یہ ہے کہ (اَنْ تَقْصُرُوْا) سے مراد صرف عدد رکعات میں کمی ہے؟ یا عدد رکعات اور صفت نماز دونوں میں کمی ہے؟ اشکال صرف پہلی صورت میں ہے اور یہ اشکال امیر المؤمنین جناب عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو لاحق ہوا تھا۔ حتیٰ کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا ”یا رسول اللہ! ہم نماز میں قصر کیوں کرتے ہیں حالانکہ ہم مامون ہوتے ہیں جب کہ اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے: ﴿ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَفْتِنَكُمْ الْاٰذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ ”اگر تمہیں کافروں کا خوف ہو کہ وہ تمہیں فتنے میں ڈال دیں گے“ رسول اللہ ﷺ نے جواب میں فرمایا: ”یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تم پر صدقہ ہے پس تم اللہ تعالیٰ کے صدقہ کو قبول کرو“^① (او کما قال علیہ السلام)

اس صورت میں یہ قید ان غالب حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے عائد کی گئی تھی جن سے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام دوچار تھے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے اکثر سفر جہاد کے لئے ہوتے تھے۔

اس میں دوسرا فائدہ یہ ہے کہ قصر کی رخصت کی مشروعیت میں حکمت اور مصلحت بیان کی گئی ہے۔ اس آیت کریمہ میں وہ انتہائی مشقت بیان کی گئی ہے جس کا قصر کی رخصت کے بارے میں تصور کیا جاسکتا ہے اور وہ ہے سفر اور خوف کا اجتماع اور اس سے یہ بات لازم نہیں آتی کہ اکیلے سفر میں قصر نہ کی جائے جو کہ مشقت کا باعث

① صحیح مسلم، صلاة المسافرین، باب صلاة المسافرین و قصرھا، حدیث: ۱۵۷۳

ہے۔ ربی قصر کی دوسری صورت یعنی عدد رکعات اور نماز کی صفت میں قصر تو یہ قید اپنے اپنے باب کے مطابق ہو گی۔ یعنی انسان کو اگر سفر اور خوف دونوں کا سامنا ہو تو عدد اور صفت دونوں میں قصر کی رخصت ہے۔ اگر وہ بلا خوف کسی سفر پر ہے تو صرف عدد رکعات میں قصر ہے اور اگر صرف دشمن کا خوف لاحق ہے تو صرف وصف نماز میں قصر ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد آنے والی آیت کریمہ میں نماز خوف کی صفت بیان فرمائی ہے۔

﴿وَإِذَا كُنْتَ فِيهِمْ فَأَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ﴾ اور (اے پیغمبر!) جب آپ ان (مجاہدین کے لشکر میں ہوں) اور ان کو نماز پڑھانے لگو۔ یعنی جب آپ ان کے ساتھ نماز پڑھیں اور اس کے ان واجبات کو پورا کریں جن کا پورا کرنا آپ پر اور آپ کے اصحاب پر لازم ہے۔

پھر اس ارشاد کے ذریعے سے اس کی تفسیر بیان فرمائی: ﴿فَلْتَقُمْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ مَعَكَ﴾ ”تو ان میں سے ایک گروہ آپ کے ساتھ نماز کے لئے کھڑا ہو“ اور دوسری جماعت دشمن کے مقابلے میں کھڑی ہو جیسا کہ آیت کا نکلا ﴿فَإِذَا سَجَدُوا﴾ ”جب وہ سجدہ کر چکیں۔“ اس پر دلالت کرتا ہے، یعنی وہ لوگ جو آپ ﷺ کے ساتھ نماز میں شریک ہیں اپنی نماز مکمل کر لیں۔ یہاں نماز کو سجدے سے تعبیر کیا ہے تاکہ سجدے کی فضیلت ظاہر ہو نیز یہ کہ سجدہ نماز کا رکن بلکہ سب سے بڑا رکن ہے۔

﴿فَلْيَكُونُوا مِنْ وَرَائِكُمْ وَلِتَأْتِ طَائِفَةٌ أُخْرَى لَمْ يُصَلُّوا﴾ ”تو یہ تمہارے پیچھے آ جائیں اور وہ دوسری جماعت آ جائے جس نے نماز نہیں پڑھی“ اور یہ وہ گروہ ہے جو دشمن کے مقابلے میں کھڑا تھا۔ ﴿فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ﴾ ”اب یہ گروہ آپ کے ساتھ نماز پڑھے۔“ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پہلے گروہ کے نماز سے چلے جانے کے بعد امام نماز میں باقی رہے اور دوسرے گروہ کا انتظار کرے جب دوسرا گروہ آ جائے تو ان کے ساتھ اپنی باقی نماز پڑھے پھر بیٹھ جائے اور ان کا انتظار کرے جب وہ اپنی نماز مکمل کر لیں تو ان کے ساتھ سلام پھیرے۔ یہ نماز خوف ادا کرنے کے متعدد طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ سے نماز خوف کے متعدد طریقے مروی ہیں۔ ان تمام طریقوں سے نماز پڑھنا جائز ہے۔

یہ آیت کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ نماز باجماعت دو جوہ سے فرض عین ہے۔

اول: اللہ تعالیٰ نے خوف کی اس شدید حالت میں یعنی دشمن کے حملہ کے خوف کی حالت میں بھی جماعت کے ساتھ نماز کا حکم دیا ہے۔ جب اس شدید حالت میں بھی جماعت کو واجب قرار دیا ہے تو امن و اطمینان کی حالت میں اس کا واجب ہونا زیادہ اولیٰ ہے۔

ثانی: نماز خوف ادا کرنے والے نمازی نماز کی بہت سی شرائط اور لوازم کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس نماز میں نماز کو باطل کرنے والے بہت سے افعال کو نظر انداز کر کے ان کو معاف کر دیا گیا ہے۔ یہ سب کچھ صرف جماعت کے وجوب کی تاکید کی بنا پر ہے، کیونکہ فرض اور مستحب میں کوئی تعارض نہیں۔ اگر جماعت

کے ساتھ نماز کا پڑھنا فرض نہ ہوتا تو اس کی خاطر نماز کے ان واجبات کو ترک کرنے کی کبھی اجازت نہ دی جاتی۔

آیت کریمہ یہ بھی دلالت کرتی ہے کہ افضل یہ ہے کہ ایک ہی امام کے پیچھے نماز پڑھی جائے۔ اگر ایسا کرنا کسی خلل کا باعث ہو تو متعدد دائرہ کے پیچھے نماز پڑھنا بھی جائز ہے۔ یہ سب کچھ مسلمانوں کے اجتماع و اتفاق اور ان کے عدم افتراق کی خاطر ہے تاکہ یہ اتفاق ان کے دشمنوں کے دلوں میں رعب اور ہیبت ڈال دے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے نماز خوف کے اندر مسلح اور ہوشیار رہنے کا حکم دیا ہے۔ نماز خوف میں اگرچہ کچھ زائد حرکات ہوتی ہیں اور نماز کے بعض احوال چھوٹ جاتے ہیں تاہم اس میں ایک راجح مصلحت ہے اور وہ ہے نماز اور جہاد کا اجتماع اور ان دشمنوں سے ہوشیار رہنا جو مسلمانوں پر حملہ کرنے اور ان کے مال و متاع لوٹنے کے سخت حریص ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَدَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ تَغْفُلُونَ عَنْ أَسْلِحَتِكُمْ وَأَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيلُونَ عَلَيْكُمْ مَيْلَةً وَاجِدَةً﴾ ”کافر چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے بے خبر ہو جاؤ تو وہ تم پر اچانک دھاوا بول دیں“

پھر اللہ تعالیٰ نے اس شخص کے عذر کو قبول فرمایا جو کسی مرض یا بارش کی وجہ سے اپنا اسلحہ اتار دیتا ہے مگر بایں ہمہ وہ دشمن سے چوکنا ہے۔ ﴿وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ كَانَ بِكُمْ أذى مِّن مَّطَرٍ أَوْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَنْ تَضَعُوا أَسْلِحَتَكُمْ وَخَذُوا حِذْرًا إِنَّ اللَّهَ أَعَدَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا﴾ ”ہاں! اپنے ہتھیار اتار رکھنے میں اس وقت تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ تمہیں تکلیف ہو بوجہ بارش کے یا تم بیمار ہو اور بچاؤ کی چیزیں ساتھ رکھو۔ یقیناً اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے رسوا کن عذاب تیار کر رکھا ہے“۔ اور اس کا رسوا کن عذاب یہ ہے کہ اس نے اہل ایمان اور اپنے دین کے موحدین انصار کو حکم دیا ہے کہ وہ ان کو جہاں کہیں پائیں ان کو پکڑیں اور ان کو قتل کریں ان کے ساتھ جنگ کریں ان کا محاصرہ کریں ہر جگہ ان کے لئے گھات لگائیں اور ہر حال میں ان سے چوکنا رہیں۔ ان کی طرف سے کبھی غافل نہ ہوں۔ ایسا نہ ہو کہ کفار اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائیں۔

اللہ تعالیٰ کی بہت زیادہ حمد و ثنا ہے کہ اس نے اہل ایمان پر احسان فرمایا اور اس نے اپنی مدد اور تعلیم کے ذریعے سے ان کی تائید فرمائی اگر وہ اس تعلیم پر صحیح معنوں میں عمل پیرا ہوں تو ان کا پرچم کبھی سرنگوں نہیں ہو سکتا اور کسی زمانے میں بھی دشمن ان پر غالب نہیں آ سکتا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد: ﴿فَإِذَا سَجَدُوا فَلْيَكُونُوا مِنْ قُرْبَانِكُمْ﴾ ”جب وہ سجدہ کر چکیں تو پرے ہو جائیں۔“ دلالت کرتا ہے کہ اس گروہ نے دشمن کے مقابلے میں جانے سے پہلے اپنی نماز مکمل کر لی تھی اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ سلام پھیرنے سے پہلے دوسرے گروہ کے منتظر تھے کیونکہ پہلے ذکر فرمایا کہ وہ گروہ نماز میں آپ ﷺ کے ساتھ کھڑا ہو۔ پس آپ ﷺ سے ان کی مصاحبت کی

خبر دی۔ پھر رسول ﷺ کو چھوڑ کر فعل کو ان کی طرف مضاف کیا یہ چیز ہمارے اس موقف پر دلالت کرتی ہے جس کا ہم نے ذکر کیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد: ﴿وَلَتَأْتَنَّ طَائِفَةٌ أُخْرَىٰ لَمْ يُصَلُّوا فَلْيُصَلُّوا مَعَكَ﴾ ”پھر دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی (ان کی جگہ) آئے“ اس امر پر دلیل ہے کہ پہلا گروہ نماز پڑھ چکا تھا۔ اور دوسرے گروہ کی تمام نماز امام کی معیت میں پڑھی گئی۔ ان کی پہلی رکعت حقیقی طور پر امام کے ساتھ تھی اور دوسری حکمی طور پر۔ اس سے یہ بات لازم آتی ہے کہ امام ان کا انتظار کرے یہاں تک کہ وہ اپنی نماز مکمل کر لیں پھر ان کے ساتھ سلام پھیرے۔ یہ چیز غور کرنے والے پر صاف واضح ہے۔

فَإِذَا قُضِيَتْمُ الصَّلَاةُ فَاذْكُرُوا اللَّهَ قِيَابًا وَقُعُودًا وَعَلَىٰ جُنُوبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأَنَّتُمْ
پھر جب پوری کر لو تم نماز تو ذکر کرو اللہ کا کھڑے ہوئے اور بیٹھے ہوئے اور اپنی کروٹوں پر پس جب بے خوف ہو جاؤ تم
فَاقِيَمُوا الصَّلَاةَ ۚ إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا ﴿۱۴﴾
تو پھر قائم کرو نماز کو (باقاعدہ) تحقیق نماز ہے مسلمانوں پر فرض مقررہ وقتوں میں ○

جب تم اپنی نماز سے فارغ ہو جاؤ، یعنی نماز خوف وغیرہ سے تو اپنے تمام احوال اور تمام بینات میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو۔ یہاں یہ حکم خاص طور پر نماز خوف کے بارے میں دیا گیا ہے جس کے چند فائدے ہیں۔

(۱) قلب کی صلاح و فلاح اور اس کی سعادت اللہ تعالیٰ کی طرف اس کی انابت اور اس کے ساتھ محبت میں پنہاں ہے نیز اس بات میں ہے کہ قلب اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی حمد و ثنا سے لبریز رہے۔ سب سے بڑا ذریعہ جس سے یہ مقصد حاصل ہوتا ہے نماز ہے جو درحقیقت بندے اور اس کے رب کے درمیان رابطے کا ذریعہ ہے۔

(۲) نماز حقائق ایمان اور معارف ایقان پر مشتمل ہے جو اس امر کے موجب ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر دن اور رات کے اوقات میں نماز فرض قرار دے دے اور معلوم ہے کہ نماز خوف کے ذریعے سے یہ مقاصد حمیدہ حاصل نہیں ہو سکتے، کیونکہ قلب و بدن خوف میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کی تلافی کے لئے نماز خوف کے بعد ذکر کا حکم دیا ہے۔

(۳) خوف قلب میں قلق کا موجب بنتا ہے جو کہ کمزوری کا باعث ہے۔ جب دل کمزور ہو جاتا ہے تو بدن بھی دشمن کے مقابلے میں کمزور پڑ جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کی کثرت سب سے بڑی مقویات قلب سے ہے۔

(۴) صبر و استقامت کی معیت میں اللہ تعالیٰ کا ذکر فوز و فلاح اور دشمنوں کے خلاف فتح و ظفر کا سبب بنتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوا وَاذْكُرُوا اللَّهَ

كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿۴۵۱۸﴾ (الانفال: ۴۵۱۸) ”اے مومنو! اگر تمہارا کفار کی کسی جماعت کے ساتھ مقابلہ ہو جائے تو ثابت قدم رہو اور اللہ تعالیٰ کو کثرت سے یاد کرو شاید کہ تم فلاح پاؤ۔“ پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس حال میں کثرت سے ذکر کرنے کا حکم دیا ہے۔ ان کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے ذکر میں اللہ تعالیٰ کی دیگر حکمتیں پوشیدہ ہیں۔

﴿فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ﴾ ”پھر جب خوف جاتا رہے تو نماز قائم کرو۔“ یعنی جب تم خوف سے مامون ہو جاؤ، تمہارے دلوں اور تمہارے ابدان کو اطمینان میسر آ جائے تو نماز کو ظاہری اور باطنی طور پر اس کے تمام ارکان و شرائط اور نہایت خشوع و خضوع کے ساتھ کامل طریقے سے ادا کرو۔ **﴿إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ كِتَابًا مَّوْقُوتًا﴾** ”نماز مومنوں پر مقررہ وقتوں پر فرض ہے، یعنی اپنے وقت میں فرض کی گئی ہے۔ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ نماز فرض ہے اور اس کو ادا کرنے کا ایک وقت مقرر کیا گیا ہے اور نماز مقررہ وقت پر پڑھے بغیر قبول نہیں ہوتی۔ نماز کے اوقات وہی ہیں جو تمام مسلمانوں کے ہاں معروف اور متحقق ہیں نماز کے اوقات کو چھوٹے بڑے عالم اور جاہل سب جانتے ہیں انہوں نے یہ اوقات اپنے نبی ﷺ سے اخذ کئے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا: **(صَلُّوا كَمَا رَأَيْتُمُونِي أُصَلِّي)** ”ویسے ہی نماز پڑھو جیسے تم نے مجھے نماز پڑھتے دیکھا ہے“^①

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد **﴿عَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾** دلالت کرتا ہے کہ نماز ایمان کی میزان ہے اور بندہ مومن کے ایمان کی مقدار کے مطابق نماز کی تکمیل ہوتی ہے۔ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ کفار جو اگرچہ اہل ذمہ کی طرح مسلمانوں کے احکام و قوانین پر عمل کرنے کے پابند ہیں، تاہم وہ فروغ دین میں مخاطب نہیں مثلاً نماز وغیرہ اس لئے ان کو نماز پڑھنے کا حکم نہیں دیا جاسکتا۔ بلکہ جب تک وہ اپنے کفر پر قائم ہیں ان کی نماز صحیح نہیں البتہ ان کو نماز اور دیگر تمام احکام کو ترک کرنے پر آخرت میں سزا دی جائے گی۔

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ

اور نہ ہمت ہارو تم تلاش میں (دشمن) قوم کی اگر ہو تم دکھ اٹھاتے تو بلاشبہ وہ بھی دکھ اٹھاتے ہیں جیسے تم دکھ اٹھاتے ہو۔

وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۳۷﴾

اور تم امید رکھتے ہو اللہ سے جس کی وہ نہیں امید رکھتے اور ہے اللہ جاننے والا حکمت والا ○

یعنی اپنے دشمن کفار کو طلب کرنے ان کے خلاف جہاد اور ان کے مقابلے میں تیار رہنے میں کمزوری اور سستی کا مظاہرہ نہ کرو، کیونکہ دل کی کمزوری بدن کی کمزوری کو دعوت دیتی ہے اور یہ کمزوری دشمن کے مقابلے میں کمزوری کا باعث بنتی ہے بلکہ دشمن کے خلاف جنگ میں چست و چالاک اور طاقتور بنو، پھر اللہ تعالیٰ نے ان امور

کا ذکر فرمایا ہے جو اہل ایمان کے دل کو قوت بخشتے ہیں اور وہ دو چیزیں ہیں۔

اول: جس درد و الم، مشقت، تھکاوٹ اور زخموں وغیرہ کا تمہیں سامنا کرنا پڑتا ہے انہی چیزوں کا سامنا تمہارے دشمن کو بھی کرنا پڑتا ہے اس لئے انسانی مروت اور اسلامی شجاعت و شہامت کے شایان نہیں کہ تم ان کے مقابلے میں زیادہ کمزوری کا مظاہرہ کرو جبکہ تمہیں اور ان کو برابر کی تکالیف کا سامنا ہے۔ عادت جاری یہ ہے کہ صرف وہی شخص کمزور ہوتا ہے جو نہایت تسلسل کے ساتھ رنج و آلام کا شکار رہا ہو اور دشمن دائمی طور پر اس پر غالب ہونے کہ وہ شخص جو کبھی غالب رہا ہو اور کبھی مغلوب۔

ثانی: اللہ تعالیٰ پر جو امید تم رکھتے ہو وہ امید کفار نہیں رکھتے۔ تم اللہ تعالیٰ کے ثواب کے حصول اور اس کے عذاب سے نجات کی امید رکھتے ہو بلکہ خواص اہل ایمان تو اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت اس کی شریعت کے نفاذ، گمراہوں کی راہ نمائی اور دین کے دشمنوں کے قلع قمع جیسے بلند مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہیں۔

پس یہ تمام امور صاحب تصدیق مؤمن کی قوت میں اضافے کا سبب بنتے ہیں ان سے ان کی چستی اور بہادری کئی گنا بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ جو دنیاوی عزت و جاہ کے حصول کی خاطر جنگ کرتا ہے اور اس میں صبر و استقامت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ وہ اس شخص کی مانند تو نہیں ہو سکتا جو دنیاوی اور اخروی سعادت اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت کے حصول کی خاطر لڑتا ہے۔

پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے بندوں کے درمیان تفاوت رکھا ہے اور اپنے علم اور حکمت کے ذریعے سے ان کے مابین تفریق کی ہے۔ بنا بریں فرمایا: ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾ اور اللہ سب کچھ جانتا بڑی حکمت والا ہے۔ یعنی وہ علم کامل اور حکمت کامل کا مالک ہے۔

إِنَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ ط وَلَا تَحْقِيقِ ۝۱۶ تَكُنْ لِلْخَائِبِينَ خَصِيمًا ۝۱۷ وَاسْتَغْفِرِ اللَّهُ ط إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ۝۱۸

ہوں آپ خیانت کر نیوالوں کی خاطر، جھگڑنے والے ○ اور بخشش مانگیں اللہ سے بیشک ہے اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ○

وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَلُونَ أَنفُسَهُمْ ط إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَافًا أَثِيمًا ۝۱۹ يُسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ خَانَ غَنَاہُ گار ○ چھپتے ہیں وہ لوگوں سے اور نہیں چھپ سکتے وہ اللہ سے اور وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے اذیبیتوں ما لا یرضی من القول ط وكان الله بما يعملون محيطًا ۝۲۰

جبکہ وہ رات کو مشورہ کرتے ہیں ایسی چیز کا کہ نہیں راضی ہوتا وہ اس بات سے اور ہے اللہ اس کو جو وہ کرتے ہیں گھیرنے والا ○ ہاں اتم

هُوَ لَأَنَّ جَدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُجَادِلِ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ
 وہی لوگ ہو کہ جھگڑا کیا تم نے انکی طرف سے زندگانی دنیا میں، پس کون جھگڑا کرے گا اللہ سے انکی طرف سے دن
 الْقِيَامَةِ أَمْ مَنْ يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكَيْلًا ۝۹ وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ
 قیامت کے، یا کون ہو گا ان کی طرف سے وکیل؟ ۹ اور جو کوئی عمل کرے برا یا ظلم کرے اپنی جان پر پھر
 يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَحِيمًا ۱۰ وَمَنْ يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ
 وہ بخشش مانگے اللہ سے، تو پائے گا اللہ کو بہت بخشنے والا نہایت مہربان ۱۰ اور جو شخص کما تا ہے کوئی گناہ، تو بلاشبہ کما تا ہے وہ اسکو
 عَلَى نَفْسِهِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ۱۱ وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً أَوْ إِثْمًا ثُمَّ
 اپنے ہی خلاف، اور ہے اللہ خوب جاننے والا خوب حکمت والا ۱۱ اور جو شخص کرتا ہے کوئی خطایا کوئی گناہ، پھر
 يَرْمِ بِهِ بَرِيئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُّبِينًا ۱۲ وَلَوْ لَا فَضْلُ
 الزام لگاتا ہے اسکا (کسی) بے گناہ پر، تو تحقیق اپنے ذمے لیا اس نے بہتان اور گناہ ظاہر ۱۲ اور اگر نہ ہوتا فضل
 اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ طَائِفَةٌ مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ
 اللہ کا آپ پر اور انکی رحمت، تو یقیناً ارادہ کر لیا تھا ایک گروہ نے ان میں سے یہ کہ بہکا دے وہ آپکو اور نہیں بہکاتے وہ
 إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَضُرُّونَكَ مِنْ شَيْءٍ وَأَنْزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
 مگر اپنے آپ ہی کو اور نہیں نقصان پہنچا سکتے وہ آپ کو کچھ بھی، اور نازل کی اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت
 وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا ۱۳

اور سکھایا آپ کو وہ کچھ کہ نہیں تھے آپ جانتے اور ہے فضل اللہ کا آپ پر بہت بڑا ۱۳

اللہ تبارک و تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اس نے اپنے بندے اور رسول پر حق کے ساتھ کتاب نازل کی یعنی بوقت
 نزول اس کتاب کو شیاطین کے باطل و سوسوں سے محفوظ و مامون رکھا، بلکہ یہ کتاب عظیم حق کے ساتھ نازل ہوئی
 اور حق پر ہی مشتمل ہے۔ اس کی خبریں سچی اور اس کے اوامر و نواہی عدل پر مبنی ہیں۔ ﴿وَتَنَزَّلُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
 وَعَدْلًا﴾ (الانعام: ۱۱۵، ۱۱۶) ”اور تیرے رب کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہوئیں“۔

اللہ تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ اس نے اس کتاب کو اس لئے نازل فرمایا تاکہ وہ لوگوں کے درمیان فیصلہ
 کرے۔ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ﴾
 (النحل: ۱۰۶، ۱۰۷) ”ہم نے آپ (ﷺ) کی طرف قرآن نازل کیا تاکہ جو کچھ ان کی طرف نازل کیا گیا ہے
 آپ لوگوں پر واضح کر دیں“۔ اس امر کا بھی احتمال ہے کہ یہ آیت کریمہ لوگوں کے آپس کے اختلافات اور نزاعی
 مسائل کے فیصلے کے بارے میں نازل ہوئی ہو۔ اور سورۃ النحل کی آیت کریمہ تمام دین، اس کے اصول و فروع کی

تعمین کے بارے میں نازل ہوئی ہو۔ نیز یہ احتمال بھی ہے کہ دونوں آیات کے معنی ایک ہی ہوں۔ تب اس صورت میں لوگوں کے درمیان یہ فیصلہ کرنا ان کے خون اموال عزت و آبرو حقوق عقائد اور تمام مسائل و احکام کے فیصلوں کو شامل ہے۔

فرمایا: ﴿بِمَا أَرْسَلَ اللَّهُ﴾ اللہ کی ہدایات کے مطابق یعنی آپ اپنی خواہش کے مطابق فیصلہ نہ کریں بلکہ اس الہام اور علم کے مطابق فیصلہ کریں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے۔ اس کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ﴿وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ ۚ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ﴾ (النجم: ۳۱۵۳-۴) ”ہمارا رسول اپنی خواہش سے نہیں بولتا بلکہ یہ تو وحی ہے جو اس کی طرف بھیجی جاتی ہے۔“

یہ آیت کریمہ اس امر کی دلیل ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان تمام احکام میں معصوم اور محفوظ ہیں جو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کو پہنچائے، نیز اس امر کی دلیل ہے کہ فیصلہ کرنے کے لئے علم اور عدل شرط ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿بِمَا أَرْسَلَ اللَّهُ﴾ اللہ کی ہدایات کے مطابق اور یہ نہیں فرمایا: (بِمَا رَأَيْتَ) ”جو آپ نے دیکھا یا جو آپ کی اپنی رائے ہے“ اور لوگوں کے درمیان فیصلہ کرنے کو کتاب اللہ کی معرفت پر مرتب فرمایا ہے۔ چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے لوگوں کے مابین ایسے فیصلے کا حکم دیا ہے جو عدل و انصاف پر مبنی ہو اس لئے ظلم و جور سے منع کیا ہے جو عدل و انصاف کی عین ضد ہے۔ پس فرمایا: ﴿وَلَا تَكُنْ لِلْخَافِيْنَ خَصِيْمًا﴾ ”اور خیانت کرنے والوں کے حمایتی نہ بنو“ یعنی جس کی خیانت کے بارے میں آپ ﷺ کو علم ہے کہ اس کا دعویٰ ناحق ہے یا وہ کسی کے حق کا انکار کر رہا ہے اس کی حمایت میں جھگڑا نہ کریں۔ خواہ وہ علم رکھتے ہوئے اس خیانت کا ارتکاب کر رہا ہو یا محض ظن و گمان کی بنا پر۔

آیت کریمہ کے اس حصے میں کسی باطل معاملے میں جھگڑنے اور دینی خصوصیات اور دنیاوی حقوق میں کسی باطل پسند کی نیابت کی تحریم کی دلیل ہے۔ اس آیت کریمہ کا مفہوم مخالف دلالت کرتا ہے کہ کسی ایسے شخص کے جھگڑے کی نیابت کرنا جائز ہے جو کسی ظلم میں معروف نہ ہو۔

﴿وَاسْتَغْفِرِ اللَّهُ﴾ اور اللہ سے مغفرت طلب کریں۔“ اگر آپ سے کوئی کوتاہی صادر ہوئی ہے تو اس کی بخشش طلب کیجئے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے“ جو کوئی اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتا ہے اور توبہ کر کے اس کی طرف رجوع کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے بڑے بڑے گناہوں کو بخش دیتا ہے اور اس کے بعد اس کو عمل صالح کی توفیق سے نوازتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ثواب کے حصول اور اس کے عقاب کے زوال کا موجب بنتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَلُونَ أَنفُسَهُمْ﴾ ”اور آپ ان لوگوں کی

طرف سے مت جھگڑیں جو اپنے نفسوں سے خیانت کرتے ہیں، (الْاِخْتِيَانُ) اور (الْخِيَانَةُ) جرمِ ظلم اور گناہ کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں اور اس میں اس شخص کی طرف سے جھگڑنا بھی شامل ہے جو کسی ایسے گناہ کا مرتکب ہے جس میں کوئی حد یا تعزیر لازم آتی ہو۔ اس شخص سے جو خیانت وغیرہ صادر ہوئی ہے اس کی مدافعت میں یا اس کو شرعی عقوبت سے بچانے کے لئے اس کی حمایت میں جھگڑا نہ کیا جائے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَانًا أَيْمًا﴾ کیونکہ اللہ خائن اور مرتکب جرائم کو دوست نہیں رکھتا۔ یعنی اللہ تعالیٰ ایسے شخص سے محبت نہیں کرتا جو نہایت کثرت سے خیانت اور گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ جب محبت کی نفی ہو جائے تو اس کی ضد کا اثبات ہوتا ہے اور محبت کی ضد بغض ہے۔ آیت کریمہ کی ابتدا میں مذکور ممانعت کے لئے یہ چیز تعلیل کی حیثیت رکھتی ہے۔

پھر ان خائن لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا: ﴿يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ﴾ ”وہ لوگوں سے تو چھپ جاتے ہیں (لیکن) اللہ سے نہیں چھپ سکتے اور وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جب کہ راتوں کے وقت وہ ایسی باتیں کرتے ہیں جو اللہ کو پسند نہیں“ یہ ایمان کی کمزوری اور یقین کی کمی ہے کہ ان کے نزدیک مخلوق کا خوف اللہ تعالیٰ کے خوف سے بڑھ کر ہے۔ وہ مباح اور حرام ہر طریقے سے چاہتے ہیں کہ لوگوں کے سامنے ان کی فضیحت نہ ہو۔۔۔ بایں ہمہ۔۔۔ ان کی حالت یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں اور اس بات کی ذرہ بھر پروا نہیں کرتے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دیکھ رہا ہے، حالانکہ وہ اپنے علم کے ذریعے سے ان کے تمام احوال میں ان کے ساتھ ہے خاص طور پر جب وہ رات کے وقت مجرم کی براءت اور بے گناہی پر جرم کے الزام کے بارے میں باتیں اور سازشیں کرتے ہیں پھر رسول اللہ ﷺ سے اپنی ان سازشوں پر عمل درآمد کروانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہوں نے متعدد جرائم کا ارتکاب کیا مگر انہیں اللہ کا خوف نہ آیا جو زمین و آسمان کا رب ہے، جو ان کے بھیدوں اور سینوں میں چھپی ہوئی باتوں کو بھی جانتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو وعید سناتے ہوئے فرمایا: ﴿وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا﴾ ”اور اللہ ان کے تمام کاموں پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے علم کے ذریعے سے ان کا احاطہ کر رکھا ہے۔ بایں ہمہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دینے میں جلدی نہیں کی بلکہ ان کو مہلت دی ان کو توبہ کا موقع دیا اور ان کو ان گناہوں پر اصرار کرنے پر ڈرایا جو بہت بڑی سزا کے موجب ہیں۔

﴿هَآئِنَّمْ هُوَآلَاءُ جَدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَمَنْ يُجَادِلُ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَنْ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا﴾ ”ہاں تو یہ ہوتم لوگ کہ دنیا میں تم نے ان کی حمایت کی لیکن اللہ کے سامنے قیامت کے دن ان کی حمایت کون کرے گا اور کون ہے جو ان کا وکیل بن کر کھڑا ہو سکے گا“ یعنی فرض کیا اس دنیا کی زندگی میں تم نے ان کی طرف سے جھگڑ لیا، تمہاری اس حمایت نے مخلوق کے سامنے ان کو عار اور فضیحت سے بچا لیا۔ تب

قیامت کے روز کون سی چیز انہیں بچائے گی اور وہ اسے کیا فائدہ دے گی؟ اور قیامت کے روز جب حجت ان کے خلاف ہوگی ان کی زبانیں ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں ان کے کرتوتوں پر گواہی دیں گے کون ان کی حمایت میں بولے گا؟ ﴿يَوْمَئِذٍ يُؤْفِكُهُمُ اللَّهُ دِينَهُمُ الْحَقُّ وَيَعْلَمُونَ أَنَّ اللَّهَ هُوَ الْحَقُّ الْمُبِينُ﴾ (النور: ۲۵۱۲۴) ”اس روز اللہ ان کو ان کے اعمال کا پورا پورا بدلہ دے گا اور انہیں معلوم ہو جائے گا کہ اللہ ہی برحق اور حق کو ظاہر کرنے والا ہے۔“ پس ان کی حمایت میں اس ہستی سے کون بھگڑے گا جو مخفی رازوں کو جانتی ہے جو ان کے خلاف ایسے گواہوں کو کھڑا کرے گی جن کے ہوتے ہوئے کسی کو انکار کی مجال نہ ہوگی؟

اس آیت کریمہ میں اس امر کے مقابلہ کی طرف راہنمائی فرمائی ہے جو ان موہوم دنیاوی مصالِح کے مابین جو اللہ تعالیٰ کے اوامر کو ترک کرنے اور اس کی منہیات کے ارتکاب پر مرتب ہوتے ہیں اور اس اخروی ثواب کے مابین ہوتا ہے جس سے انسان محروم یا وہاں کے عذاب کا مستحق ہوتا ہے۔ پس جس شخص کو اس کے نفس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو ترک کرنے کا حکم دیا ہے وہ اپنے آپ سے پوچھے ”تو نے سستی اور کوتاہی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم کو ترک کر دیا تو اس کے عوض تو نے کون سا منافع کمایا؟ اور کتنا اخروی ثواب ہے جو تجھے حاصل ہونے سے رہ گیا؟ اور اللہ کے حکم کو ترک کرنے کے نتیجے میں کتنی بد بختی، محرومی، ناکامی اور خسارے کا سامنا کرنا پڑا؟“ اسی طرح جب اس کا نفس شہواتِ محرمہ کی طرف بلائے تو وہ اس سے مخاطب ہو کر کہے ”فرض کیا جس چیز کی تو نے خواہش کی میں نے پوری کر دی اس کی لذت تو ختم ہو جائے گی مگر یہ لذت اپنے پیچھے اتنے غم و ہوم و حسرتیں، ثواب سے محرومیاں اور عذاب چھوڑ جائے گی کہ ان کا کچھ حصہ بھی عقلمند شخص کو ان لذتوں کی طرف بڑھنے سے روکنے کے لئے کافی ہوتا ہے۔“

یہی وہ سب سے بڑی چیز ہے جس میں تدبیر بندے کے لئے فائدہ مند ہے۔ یہی حقیقی عقل مندی کی خصوصیت ہے اس شخص کے برعکس جو عقل مندی کا دعویٰ کرتا ہے مگر وہ عقلمند ہوتا نہیں۔ کیونکہ وہ اپنے ظلم و جہالت کی وجہ سے دنیا کی لذت و راحت کو ترجیح دیتا ہے خواہ اس پر کیسے ہی نتائج مرتب کیوں نہ ہوں۔۔۔ واللہ المستعان پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَمَنْ يَعْمَلْ سُوءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهُ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللَّهَ يَجِدِ اللَّهَ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ ”اور جو شخص کوئی برا کام کر بیٹھے یا اپنے حق میں ظلم کر لے پھر اللہ سے بخشش مانگے تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“ یعنی جو کوئی اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جرات کرتے ہوئے گناہ کا ارتکاب کرتا ہے پھر اللہ تعالیٰ سے ایسی مغفرت طلب کرتا ہے جو گناہ کے اقرار اس پر پشیمانی، اس گناہ سے رک جانے اور اس گناہ کو دوبارہ نہ کرنے کے عزم کو مستلزم ہے تو ایسے ہی شخص کے ساتھ اس ہستی نے مغفرت اور رحمت کا وعدہ کیا ہے جو وعدہ خلافی نہیں کرتی۔

پس اس سے جو گناہ صادر ہو چکا ہوتا ہے وہ اس کو معاف کر دیتا ہے نیز اس عیب اور نقص کو اس سے زائل کر

دیتا ہے جو اس گناہ پر مرتب ہوتا ہے اور اس کے سابقہ اعمال صالحہ اس کو لوٹا دیتا ہے اور مستقبل میں اسے مزید اعمال صالحہ کی توفیق عطا کرتا ہے۔ اس کے اور اپنی توفیق کے درمیان اس کے گزشتہ گناہ کو حائل نہیں ہونے دیتا۔ کیونکہ اس نے اس گناہ کو بخش دیا ہے اور جب وہ گناہ کو بخش دیتا ہے تو وہ ہر اس چیز کو بخش دیتا ہے جو اس گناہ کے نتیجے میں مرتب ہوتی ہے۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ”براعمل“ علی الاطلاق تمام گناہوں کو خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے ہوں شامل ہے اور (سوء) ”برائی“ اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ برے عمل کے مرتکب کو اس پر مرتب ہونے والا عذاب برا لگتا ہے۔ نیز براعمل فی نفسہ برا ہے اچھا نہیں ہے۔ اسی طرح نفس کا ظلم علی الاطلاق شرک اور اس سے کم تر ظلم وغیرہ سب کو شامل ہے، مگر ان میں سے ایک کو دوسرے کے ساتھ مقرون کیا جائے تو ہر ایک کی اس کے مناسب حال تفسیر کی جائے گی۔

یہاں برے عمل کی تفسیر ”ظلم“ کی جائے گی جو لوگوں کو برا لگتا ہے اور وہ بے خون مال اور عزت و ناموس میں ان کا ایک دوسرے پر ظلم۔ اور نفس کے ظلم کی تفسیر ”ظلم اور گناہ“ بیان کی جائے گی جس کا تعلق اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان ہے۔ نفس کے ظلم کو ظلم اس لئے کہا گیا ہے کیونکہ انسان اپنے نفس کا مالک نہیں کہ وہ جس طرح چاہے اس میں تصرف کرے۔ انسان کے نفس کا مالک تو اللہ تعالیٰ ہے اس نے یہ نفس اپنے بندے کو امانت کے طور پر عطا کر کے اسے حکم دیا ہے کہ وہ اسے انصاف و عدل کی راہ پر گامزن کرے اور علم و عمل کے اعتبار سے اس سے صراط مستقیم کا التزام کروائے۔ جس چیز کا اسے حکم دیا گیا ہے وہ اسے سکھائے اور جو اس پر واجب ہے اس سے اس پر عمل کروائے۔ اس کے علاوہ کسی اور راستے میں اس کی سعی اور کوشش اپنے نفس پر ظلم، خیانت اس عدل کے راستے سے انحراف ہے جس کی ضد ظلم و جور ہے۔ پھر فرمایا: ﴿وَمَنْ يَكْسِبْ إِثْمًا فَإِنَّمَا يَكْسِبُهُ عَلَى نَفْسِهِ﴾ ”اور جو شخص گناہ کرتا ہے اس کا بوجھ اسی پر ہے“ اس میں ہر قسم کا چھوٹا بڑا گناہ شامل ہے۔ جو کوئی کسی برائی کا ارتکاب کرتا ہے تو اس کی دنیاوی اور اخروی سزا صرف اسی کے لئے ہے یہ سزا کسی اور کی طرف منتقل نہ ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى﴾ (الانعام: ۱۶۴/۱۶) ”کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا“۔ مگر جب برائیاں غالب آجائیں اور ان پر تکبیر نہ کی جائے تو ان کا عذاب عام ہو جاتا ہے اور ان کے گناہ میں سب شامل ہو جاتے ہیں اور کوئی شخص اس آیت کے حکم سے خارج نہیں کیونکہ جو کوئی برائیوں پر تکبیر نہیں کرتا جبکہ ایسا کرنا واجب ہے تو وہ گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے عدل و حکمت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو کسی دوسرے کے گناہ کی سزا نہیں دیتا اور نہ کسی کو اس کے جرم سے بڑھ کر سزا دیتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا﴾

”اور اللہ بخوبی جاننے والا بہت حکمت والا ہے“ یعنی وہ علم کامل اور حکمت تامہ کا مالک ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا علم و حکمت ہے کہ اسے گناہ کا علم ہے اسے یہ بھی علم ہے کہ گناہ کس سے صادر ہوا۔ اس گناہ کا داعیہ کیا تھا اور اس گناہ پر کیا سزا مرتب ہوگی۔ وہ گناہ کے مرتکب کے احوال کو بھی خوب جانتا ہے کہ اگر اس سے یہ گناہ نفس امارہ کے داعیہ کے غلبہ سے صادر ہوا اور وہ اپنے اکثر اوقات میں توبہ و انابت کے ذریعے سے اپنے رب کی طرف رجوع کرتا ہے تو وہ اسے بخش دے گا اور اسے توبہ کی توفیق عطا کرے گا اور اگر اس نے اللہ تعالیٰ کی نظر کا استخفاف اور اس کے عذاب کی تحقیر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے محارم کے ارتکاب کی جرأت کی ہے تو یہ شخص اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور توبہ کی توفیق سے بہت دور ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَكْسِبْ خَطِيئَةً﴾ ”جو شخص کبیرہ یا صغیرہ گناہ تو خود کرے“ ﴿ثُمَّ يَرْوِهَا﴾ ”پھر اس سے کسی (بے گناہ) کو تمہم کرے۔“ یعنی اپنے گناہ کو کسی اور کے سر تھوپ دے ﴿بَرِيئًا﴾ ”جو اس گناہ سے بری ہے۔“ خواہ اس نے کسی اور گناہ کا ارتکاب کیوں نہ کیا ہو ﴿فَقَدْ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَاِثْمًا مُّبِينًا﴾ ”تو اس نے بہت بڑا بہتان باندھا اور کھلا گناہ کیا“ یعنی اس نے بے گناہ پر لگائے گئے بہتان کے گناہ کا بوجھ بھی اٹھالیا اور اس ظاہری گناہ کا بوجھ بھی جس کا اس نے ارتکاب کیا۔ یہ آیت کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ بہتان ہلاک کرنے والے کبار میں شمار ہوتا ہے، کیونکہ اس میں متعدد مفاسد جمع ہیں:

(۱) گناہ کبیرہ کا ارتکاب۔ (۲) پھر اس گناہ کا بہتان اس شخص پر لگا دینا جو بے گناہ ہے۔ (۳) پھر اپنے آپ کو بے گناہ اور بے گناہ کو گناہ کا رثابت کرنے کے لئے جھوٹ بولنا۔ (۴) پھر اس گناہ پر جو دنیاوی عقوبت مرتب ہوتی ہے وہ عقوبت ایک بے گناہ پر نافذ کر دینا اور خود کو مزا سے بچالینا حالانکہ وہ حقیقی مجرم ہے۔ (۵) پھر بے گناہ شخص کے بارے میں لوگوں کی باتیں اور دیگر مفاسد۔

ان تمام مفاسد اور ہر ایک شر سے ہم اللہ تعالیٰ کی عافیت کا سوال کرتے ہیں۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول پر اس احسان کا ذکر فرمایا کہ اس نے آپ کو ان لوگوں کے ارادوں سے محفوظ رکھا جو آپ کو گمراہ کرنا چاہتے تھے۔ ﴿وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهُ لَهَمَّتْ لَأَيَّفَهُ مِنْهُمْ أَنْ يُضِلُّوكَ﴾ ”اگر اللہ کا فضل و رحم آپ پر نہ ہوتا تو ان کی ایک جماعت نے آپ کو بہکانے کا قصد کر ہی لیا تھا“ ان آیات کریمہ کے بارے میں اصحاب تفسیر ذکر کرتے ہیں کہ ان کا سبب نزول یہ ہے کہ ایک گھرانے نے مدینہ میں چوری کا ارتکاب کیا۔ جب چوری کی اطلاع لوگوں کو ہوئی تو انہوں نے فنیحیت اور رسوائی سے ڈرتے ہوئے چوری کا سامان کسی بے گناہ شخص کے گھر پھینک دیا۔ پھر چور نے اپنے قبیلہ کے لوگوں سے مدد طلب کی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر لوگوں کے سامنے اسے بری کروائیں۔ اس کے قبیلہ والوں نے رسول

اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ان کے آدمی نے چوری نہیں کی۔ چوری تو اس شخص نے کی ہے جس کے گھر سے مسروقہ سامان برآمد ہوا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کے آدمی کو بری قرار دینے کا ارادہ فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے حقیقت حال بیان کرنے اور رسول اللہ ﷺ کو خیانت کاروں کی حمایت کرنے سے بچانے کے لئے یہ آیات نازل فرمائیں کیونکہ باطل پسندوں کی حمایت کرنا گمراہی ہے۔ گمراہی کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) علم میں گمراہی، یہ حق سے لاعلمی اور جہالت کا نام ہے۔

(۲) عمل میں گمراہی، عمل واجب کے خلاف عمل کرنا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اس نوع کی گمراہی سے اسی طرح محفوظ رکھا جس طرح اس نے آپ ﷺ کو عمل کی گمراہی سے محفوظ و مصون رکھا ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ ان کا مکرو فریب انہی کی طرف لوٹے گا جیسا کہ ہر فریبی کے ساتھ ہوتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ﴾ ”وہ اپنے آپ کو ہی گمراہ کرتے ہیں“ کیونکہ اس فریب اور حیلہ سازی سے انہیں اپنا مقصد حاصل نہ ہو سکا اور انہیں سوائے ناکامی، محرومی، گناہ اور خسارے کے کچھ ہاتھ نہ آیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول ﷺ پر بہت بڑی نعمت ہے جو نعمت عمل کو مضمّن ہے اور یہ اس فعل کی توفیق ہے جو اللہ تعالیٰ کو محبوب ہے اور ہر قسم کے محرمات سے آپ ﷺ کی حفاظت ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر اپنی نعمت علم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَأَنزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ ”اور اللہ نے آپ پر کتاب و حکمت نازل فرمائی ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ پر قرآن عظیم اور ذکر حکیم نازل فرمایا جس میں ہر چیز کا بیان اور اولین و آخرین کا علم ہے۔

حکمت سے مراد یا تو سنت ہے جس کے بارے میں سلف میں سے کسی کا قول ہے کہ سنت بھی رسول اللہ ﷺ پر وحی کے ذریعے سے نازل ہوتی ہے جیسے قرآن نازل ہوتا ہے یا اس سے مراد اسرار شریعت کی معرفت ہے جو احکام شریعت کی معرفت سے زائد چیز ہے، نیز اس سے مراد تمام اشیاء کو ان کے اپنے اپنے مقام پر رکھنا اور ہر شے کو اس کے مطابق ترتیب دینا ہے۔ فرمایا: ﴿وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ﴾ ”اور آپ کو وہ (کچھ) سکھایا جو آپ نہیں جانتے تھے“ یہ ان تمام امور کو شامل ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا فرمایا۔ ورنہ نبوت سے قبل آپ ﷺ کے جو احوال تھے ان کا وصف بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَا كُنْتَ تَدْرِي مَا الْكِتَابُ وَلَا الْإِيمَانُ﴾ (الشوری: ۵۲/۴۲) ”آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا ہے؟“ اور فرمایا: ﴿وَوَجَدَكَ ضَالًّا فَهَدَى﴾ (الضحی: ۷/۹۳) ”اور اس نے آپ کو راستے سے ناواقف پایا تو سیدھا راستہ دکھایا۔“ پھر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کی طرف وحی بھیجتا رہا، آپ کو علم سکھاتا رہا اور آپ کے علم کی تکمیل کرتا رہا یہاں

تک کہ آپ ﷺ علم کے ایسے مقام پر فائز ہو گئے کہ اولین و آخرین وہاں تک پہنچنے سے قاصر ہیں۔ پس رسول اللہ ﷺ علی الاطلاق مخلوق میں سب سے زیادہ علم رکھنے والے صفات کمال کے سب سے زیادہ جامع اور ان صفات میں سب سے زیادہ کامل تھے بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكَ عَظِيمًا﴾ ”اللہ کا آپ پر بڑا بھاری فضل ہے“ اللہ تعالیٰ کا فضل مخلوق میں سب سے زیادہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم کی ہر جنس سے آپ ﷺ کو نوازا ہے جن کی تہہ تک پہنچنا ناممکن اور ان کو شمار کرنا آسان نہیں۔

لَا خَيْرَ فِي كَثِيرٍ مِّنْ نَّجْوَاهُمْ إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ أَوْ مَعْرُوفٍ أَوْ إِصْلَاحٍ
نہیں ہے کوئی بھلائی اکثر میں ان کی سرگوشیوں سے، مگر جو شخص حکم دے صدقے کا یا نیکی کا یا صلح کرانے کا
بَيْنَ النَّاسِ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ
درمیان لوگوں کے، اور جو شخص کرے یہ تلاش کرنے کے لیے رضامندی اللہ کی، تو عنقریب ہم دیں گے اسکو

أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۱۳﴾

اجر بہت بڑا

یعنی بہت سی ایسی سرگوشیاں جو لوگ آپس میں کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے مخاطب ہوتے ہیں ان میں کوئی بھلائی نہیں اور جس کلام میں کوئی بھلائی نہ ہو تو وہ یا تو بے فائدہ کلام ہوتا ہے مثلاً فضول مگر مباح بات چیت یا وہ محض شر ہوتا ہے مثلاً محرم کلام کی تمام اقسام، پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے استثناء بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿إِلَّا مَنْ أَمَرَ بِصَدَقَةٍ﴾ ”ہاں وہ شخص جو صدقہ کا حکم دے۔“ یعنی اس میں سے وہ شخص مستثنیٰ ہے جو مال، علم یا کسی اور منفعت میں صدقہ کا حکم دیتا ہے۔ بلکہ شاید بعض چھوٹی عبادات بھی اس زمرے میں شمار ہوتی ہیں مثلاً تسبیح و تحمید وغیرہ۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ”ہر تسبیح صدقہ ہے، ہر تکبیر صدقہ ہے، ہر تہلیل صدقہ ہے، نیکی کا حکم دینا صدقہ ہے، برائی سے روکنا صدقہ ہے اور تم میں سے کسی کا اپنی بیوی کے پاس جانا بھی صدقہ ہے۔“

الحدیث۔^①

﴿أَوْ مَعْرُوفٍ﴾ ”یا نیکی بات“ معروف سے مراد بھلائی اور نیکی ہے اور ہر وہ کام جسے شریعت نے نیکی قرار دیا اور عقل نے اس کی تحسین کی، معروف کے زمرے میں آتا ہے جب ”امر بالمعروف“ کا لفظ ”نہی عن المنکر“ کے ساتھ ملائے بغیر استعمال کیا جائے تو برائی سے روکنا اس میں شامل ہوتا ہے کیونکہ منہیات کو ترک کرنا بھی نیکی ہے، نیز بھلائی اس وقت تک تکمیل نہیں پاتی جب تک کہ برائی کو ترک نہ کر دیا جائے اور جب ”امر بالمعروف“ اور ”نہی عن المنکر“ کا ایک ساتھ ذکر ہو تو ”معروف“ سے مراد ہر وہ کام ہے جس کا شریعت میں حکم دیا

گیا ہو ”منکر“ سے مراد ہر وہ کام ہے جس سے شریعت میں روکا گیا ہو۔

﴿ **أَوْ إِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ** ﴾ ”یا لوگوں کے مابین صلح کرانے کا حکم کرنے“ اور اصلاح صرف دو جھگڑنے والوں کے درمیان ہی ہوتی ہے۔ نزاع، جھگڑا، خصامت اور آپس میں ناراضی اس قدر شر اور تفرقہ کا باعث بنتے ہیں جس کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ پس اسی لئے شارع نے لوگوں کو ان کے قتل، مال، اور عزت ناموس کے جھگڑوں میں اصلاح کی ترغیب دی ہے بلکہ تمام ادیان میں اس کی ترغیب دی گئی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ **وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا** ﴾ (آل عمران: ۱۰۳) ”سب مل کر اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو“۔ فرمایا: ﴿ **وَإِنْ طَآئِفَتَيْنِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اٰفْتَتَلُوا فَأَصَدِّحُوا بَيْنَهُمَا فَإِنْ بَغَتْ إِحْدَاهُمَا عَلَى الْأُخْرَىٰ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ** ﴾ (الحجرات: ۹/۴۹) ”اگر مومنوں میں دو گروہ آپس میں لڑ پڑیں تو ان کے درمیان صلح کرادو اگر ایک گروہ دوسرے گروہ پر زیادتی کرے تو زیادتی کرنے والے سے لڑو یہاں تک کہ وہ اللہ کے حکم کی طرف لوٹ آئے“ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ **وَالصُّلْحُ خَيْرٌ** ﴾ (النساء: ۱۲۸/۴) ”اور صلح اچھی چیز ہے“۔

لوگوں کے درمیان صلح کروانے والا اس شخص سے بہتر ہے جو کثرت سے (نفلی) نماز، روزے اور صدقہ کا اہتمام کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اصلاح کرنے والے کے عمل اور کوشش کی اصلاح کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ لوگوں کے درمیان فساد ڈالنے والے کے عمل اور کوشش کی اصلاح نہیں کرتا اور نہ اس کا مقصد پورا کرتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ **إِنَّ اللَّهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِينَ** ﴾ (یونس: ۸۱/۱۰) ”اللہ فساد کرنے والوں کے کام کی اصلاح نہیں کرتا“۔

یہ تمام افعال جہاں کہیں بھی بجالائے جائیں گے بھلائی کے زمرے میں آئیں گے جیسا کہ یہ استثناء دلالت کرتا ہے۔ مگر پورا اور کامل اجر بندے کی نیت پر منحصر ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ **وَمَنْ يَفْعَلْ ذَلِكَ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللَّهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا** ﴾ ”اور جو شخص اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے ارادے سے یہ کام کرے اسے ہم یقیناً بہت بڑا ثواب دیں گے“ بنا بریں بندے کے لئے مناسب یہی ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی رضا کو مد نظر رکھے اور ہر وقت چھوٹے سے چھوٹا عمل بھی خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرے تاکہ اسے اجر عظیم حاصل ہو تاکہ اس میں اخلاص کی عادت راسخ ہو اور وہ اہل اخلاص کے زمرے میں شمار ہو اور اس کے اجر کی تکمیل ہو خواہ اس کے مقصد کی تکمیل ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو کیونکہ اس نے اس نیک مقصد کی نیت کی تھی اور امکان بھر اس پر عمل بھی کیا تھا۔

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ

اور جو شخص مخالفت کرے رسول کی بعد اسکے کہ واضح ہو گئی اس کیلئے ہدایت اور پیروی کرے سوائے راستے کے

الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿١١٥﴾ إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُونَ ذَلِكَ لِمَنْ يَشَاءُ ۗ وَمَنْ يُشْرِكْ بِهِ فَإِنَّهُ لَمَمْلُوكٌ بِمَا يَشَاءُ ۗ وَمَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿١١٦﴾

اللہ کیساتھ پس تحقیق گمراہ ہو گیا وہ گمراہ ہونا دور کا ○

یعنی جو کوئی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرتا ہے اور آپ کی لائی ہوئی شریعت میں آپ سے عناد رکھتا ہے ﴿مَنْ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ﴾ ”سیدھا راستہ معلوم ہونے کے بعد“ یعنی دلائل قرآنی اور براہین نبوی کے ذریعے سے ہدایت کا راستہ واضح ہو جانے کے بعد ﴿وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اور مومنوں کے راستے کے خلاف چلے“ اہل ایمان کے راستے سے مراد ان کے عقائد و اعمال ہیں ﴿نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ﴾ ”ہم اس کو پھیر دیتے ہیں اسی طرف جس طرف وہ پھرتا ہے“ یعنی ہم اسے اور اس چیز کو جو اس نے اپنے لئے اختیار کی ہے چھوڑ کر اس سے الگ ہو جاتے ہیں اور ہم اسے بھلائی کی توفیق سے محروم کر دیتے ہیں۔ کیونکہ اس نے حق کو جان بوجھ کر ترک کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی جزا عدل و انصاف پر مبنی ہے کہ وہ اسے اس کی گمراہی میں حیران و پریشان چھوڑ دیتا ہے اور وہ اپنی گمراہی میں بڑھتا ہی چلا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ﴾ (الصف: ۵۱، ۶۱) ”جب انہوں نے کج روی اختیار کی تو اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا۔“ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَنَقَلْبًا أَفْجَدْتَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أُولَٰئِكَ مَرَّةً﴾ (الانعام: ۱۱۰، ۱۶) ”اور ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پلٹ دیں گے جیسے وہ پہلی مرتبہ اس پر ایمان نہ لائے تھے (اب بھی ایمان نہ لائیں گے)۔“

اس آیت کریمہ کا مفہوم مخالف دلالت کرتا ہے کہ جو کوئی رسول اللہ ﷺ کی مخالفت نہیں کرتا اور مومنین کے راستے کی اتباع کرتا ہے۔ اس کا مقصود صرف اللہ تعالیٰ کی رضا رسول اللہ ﷺ کی اتباع اور مسلمانوں کی جماعت کی معیت کا التزام کرنا ہے، تب اگر اس سے کوئی گناہ صادر ہوتا ہے یا نفس کے تقاضے اور طبیعت کے غلبے کی بنا پر گناہ کا ارادہ کر بیٹھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے نفس کے حوالے نہیں کرتا بلکہ اپنے لطف و کرم سے اس کا تدارک کر دیتا ہے اور اسے برائی سے بچا کر اس پر احسان کرتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے جناب یوسف علیہ السلام کے بارے میں فرمایا: ﴿كَذَلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ﴾ (یوسف: ۲۴، ۱۲) ”تاکہ ہم اس طرح اس سے برائی اور بے حیائی کو روک دیں بلاشبہ وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں

میں سے تھا۔“ یعنی یوسف عَلَيْهِ السَّلَامُ کے اخلاص کے سبب سے ان سے برائی کو دور کر دیا اور اللہ تعالیٰ اپنے ہر پنے ہوئے بندے کے ساتھ یونہی کرتا ہے، جیسا کہ علت کی عمومیت اس پر دلالت کرتی ہے۔

﴿وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ﴾ اور ہم اسے جہنم میں داخل کریں گے۔“ یعنی ہم جہنم میں اسے بہت بڑے عذاب سے دوچار کریں گے ﴿وَسَاءَتْ مَصِيرًا﴾ ”اور وہ بری جگہ ہے۔“ یعنی انجام کار یہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ یہ وعید جو رسول اللہ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اور مومنین کی مخالفت پر مرتب ہوتی ہے گناہ کے چھوٹا بڑا ہونے کے اعتبار سے اس کے بہت سے مراتب ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا۔ ان میں سے بعض مراتب ایسے ہیں جو جہنم میں خلود کا باعث ہوں گے۔ باقی تمام اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور دوری کا موجب ہیں۔

بعض گناہوں کا مرتبہ کمتر ہے۔ شاید دوسری آیت اس آیت کریمہ کے اطلاق کی تفصیل کی طرح ہے۔ یعنی شرک کو اللہ تعالیٰ کبھی نہیں بخشے گا کیونکہ شرک اللہ رب العالمین اور اس کی توحید میں نقص اور مخلوق کو جو خود اپنے نفع و نقصان کی مالک نہیں، اس اللہ کے برابر قرار دینا ہے جو نفع و نقصان کا مالک ہے، ہر قسم کی نعمت صرف اسی کی طرف سے ہے، تمام تکلیفوں کو صرف وہی دور کرنے والا ہے ہر اعتبار سے کمال مطلق اور تمام وجوہ سے غنائے تام کا وہی مالک ہے۔ سب سے بڑا ظلم اور سب سے بڑی گمراہی یہ ہے کہ جس ہستی کی یہ عظمت و شان ہو اس کی عبادت کے لئے اخلاص نہ ہو اور جو صفات کمال اور صفات غنائیں سے کسی چیز کی بھی مالک نہ ہو، بلکہ وہ عدم کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ اس کا وجود نیست ہے، کمال نیست ہے، بے نیازی نیست ہے اور ہر لحاظ سے محتاج ہی محتاجی ہے۔

وہ گناہ جو شرک سے کمتر ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی مشیت کے تابع ہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہے گا تو اپنی رحمت اور حکمت سے ان گناہوں کو بخش دے گا اور اگر چاہے گا تو اپنے عدل و حکمت سے ان کو عذاب دے گا۔

اس آیت کریمہ سے اس بات پر استدلال کیا گیا ہے کہ اجماع امت حجت ہے نیز یہ کہ وہ خطا سے محفوظ ہے۔ اس استدلال کی بنیاد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے راستے کی مخالفت کرنے پر جہنم اور خذلان کی وعید سنائی ہے اور مومنین کا راستہ مفرد اور مضاف ہے جو ان عقائد و اعمال پر مشتمل ہے جن پر تمام اہل ایمان عمل پیرا ہیں۔ جب تمام اہل ایمان کسی چیز کے وجوب، استحباب، تحریم، کراہت یا جواز پر متفق ہیں تو یہی ان کا راستہ ہے۔

اور جو کوئی اہل ایمان کے کسی چیز پر انعقاد اجماع کے بعد ان کی مخالفت کرتا ہے تو وہ اہل ایمان کے راستے کے علاوہ کسی اور راستے پر گامزن ہے۔ اجماع امت کے حجت ہونے پر یہ آیت کریمہ بھی دلالت کرتی ہے ﴿كُنْتُمْ

خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ (آل عمران: ۱۱۰، ۱۱۱) ”تم

بہترین امت ہو جو لوگوں کی ہدایت کے لئے پیدا کی گئی ہو تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے روکتے ہو۔“ اس آیت کریمہ میں استدلال کا پہلو یہ ہے کہ اس امت کے اہل ایمان صرف نیکی ہی کا حکم دیتے ہیں لہذا جب وہ کسی

چیز کے وجوب یا استحباب پر متفق ہو جاتے ہیں تو یہ گویا وہ چیز ہے جس کا انہیں حکم دیا گیا۔ پس آیت کریمہ کی نص سے متعین ہو گیا کہ وہ معاملہ معروف ہی ہوگا اور معروف کے علاوہ جو کچھ ہے وہ منکر ہے۔ اسی طرح جب وہ کسی چیز سے منع کرنے پر متفق ہو جاتے ہیں تو وہ انہی باتوں میں سے ہے جن سے انہیں روکا گیا ہے، پس وہ یقیناً منکر ہے۔ اسی کی نظیر اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ﴾ (البقرة: ۱۴۳/۲) ”اور اسی طرح ہم نے تمہیں ”امت وسط“ بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو“۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ اس نے اس امت کو معتدل اور بہترین امت بنایا ہے تاکہ وہ ہر چیز کے بارے میں لوگوں پر گواہ بنیں۔ جب وہ کسی حکم کے بارے میں یہ گواہی دیں کہ یہ حکم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے یا اللہ تعالیٰ نے اس سے منع کیا ہے یا اس نے اس کو مباح قرار دیا ہے، تو ان کی شہادت معتبر اور معصوم ہے کیونکہ وہ جس چیز کی شہادت دے رہے تھے اس کا علم رکھتے ہیں اور اپنی شہادت میں عادل ہیں۔ اگر معاملہ اس کے برعکس ہوتا تو وہ اپنی شہادت میں عادل اور اس کا علم رکھنے والے نہ ہوتے اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھی اس کی نظیر ہے ﴿فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ (النساء: ۵۹/۴) ”اگر کسی بات میں تم میں اختلاف واقع ہو جائے تو معاملے کو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو“۔

اس آیت کریمہ سے یہ مفہوم نکلتا ہے کہ جس معاملہ میں انکے درمیان کوئی اختلاف نہیں بلکہ اتفاق ہے، اسے وہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹانے پر مامور نہیں ہیں۔ ایسا معاملہ قرآن اور سنت کے موافق ہی ہوگا، مخالف نہیں ہو سکتا۔ ان دلائل سے قطعی طور پر یہ مستفاد ہوتا ہے کہ اس امت کا اجماع حجت ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی گمراہی کی برائی بیان کرتے ہوئے فرمایا:

إِنْ يَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ إِلَّا إِنشَاءً وَإِنْ يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَرِيدًا ﴿١١٥﴾
 نہیں پکارتے وہ اس (اللہ) کے سوا، مگر عورتوں کو اور نہیں پکارتے وہ مگر شیطان سرکش کو ○
 لَعْنَةُ اللَّهِ مَرَّةً وَقَالَ لَا تَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا ﴿١١٨﴾ وَلَا ضَلَّتْهُمْ
 لعنت کی اس پر اللہ نے اور کہا اس (شیطان) نے البتہ ضرور لوں گا میں تیرے بندوں میں سے ایک حصہ مقرر ○ اور ضرور گمراہ کروں گا میں انکو
 وَلَا مَنِيئَهُمْ وَلَا مَرْتَبَهُمْ فَلْيَبْتِكُنَّ إِذَانَ الْإِنْعَامِ وَلَا مَرْتَبَهُمْ فَلْيَغْيِرَنَّ
 اور امیدیں دلاؤں گا انکو اور ضرور حکم دوں گا میں انکو پس چیریں گے وہ کان چوپایوں کے اور یقیناً حکم دوں گا میں انکو پس ضرور تبدیل کر لیں گے وہ
 خَلَقَ اللَّهُ طُورًا وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا
 بناوٹ اللہ کی اور جو بناتا ہے شیطان کو دوست سوائے اللہ کے، پس تحقیق خسارہ اٹھایا اس نے خسارہ
 مُبِينًا ﴿١١٩﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ ط وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ﴿١٢٠﴾ أُولَئِكَ
 ظاہر ○ وعدہ دیتا ہے وہ (شیطان) انکو اور امیدیں دلاتا ہے انہیں اور نہیں وعدہ دیتا انہیں شیطان مگر دھوکے ○ یہ لوگ ہیں

تفسیر القرآن

مَا أُولَهُمْ جَهَنَّمَ وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا ﴿۱۲۱﴾

ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور نہیں پائیں گے وہ اس (جہنم) سے کوئی بھاگنے کی جگہ ○

یعنی یہ مشرکین اللہ تعالیٰ کے سوا جن ہستیوں کو پکارتے ہیں سب مؤنث ہیں یعنی لوگ جن بتوں کو پوجتے ہیں وہ عورتوں جیسے ناموں سے موسوم ہیں، مثلاً ”عزّی“ اور ”مناتہ“ وغیرہ۔ یہ بھی ہمیں معلوم ہے کہ اسم اپنے مسمیٰ پر دلالت کرتا ہے اور جب ان بتوں کے نام مؤنث اور ناقص ہیں تو یہ چیز دلالت کرتی ہے کہ ان اسماء کے مسمیات بھی ناقص اور صفات کمال سے محروم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں متعدد مقامات پر فرمایا ہے کہ یہ بت کوئی چیز تخلیق کر سکتے ہیں نہ رزق عطا کر سکتے ہیں نہ وہ اپنے عبادت گزاروں کی کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں بلکہ وہ تو اپنی ذات تک کے نفع و نقصان کے مالک نہیں اور اگر کوئی ان کو نقصان پہنچانا چاہے تو یہ اپنی مدد کرنے پر قادر نہیں ہیں۔ ان میں سماعت ہے نہ بصارت اور نہ سوچنے سمجھنے کی قوت۔ جس کے یہ اوصاف ہوں وہ کیسے عبادت کا مستحق ہو سکتا ہے اور اس ہستی کے لئے اخلاص کو کیسے ترک کیا جاسکتا ہے جو اسمائے حسنیٰ صفات علیا، حمد و کمال، مجد و جلال، غلبہ و جمال، رحمت و احسان، تخلیق و تدبیر میں منفرد اور امر و تقدیر میں عظیم حکمت کی مالک ہے۔

کیا یہ بدترین قباحت نہیں ہے جو ان ہستیوں کے نقص پر دلالت کرتی ہے اور اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہے کہ ان کی پرستش خساست و دنائت کے اس انتہائی نچلے درجے پر پہنچی ہوئی ہے جس کا کوئی تصور کر سکتا ہے نہ کوئی بیان کرنے والا بیان کر سکتا ہے؟ بایں ہمہ یہ لوگ جو ان ناقص بتوں کی عبادت کرتے ہیں محض ان کی شکل و صورت کی عبادت کرتے ہیں ورنہ درحقیقت وہ شیطان کی عبادت کرتے ہیں جو ان کا دشمن ہے اور وہ ان کو ہلاک کرنا چاہتا ہے اور اس مقصد کے لئے وہ بھرپور کوشش کر رہا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ سے بہت دور ہے اللہ تعالیٰ نے اسے ملعون قرار دے کر اپنی رحمت سے بہت دور کر دیا ہے۔ پس جس طرح اللہ تعالیٰ نے اسے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس کی رحمت سے دور کرنے کی کوشش میں لگا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾ (فاطر: ۶۱۳۵) ”وہ تو اپنے پیر و کاروں کے گروہ کو محض اس لئے بلاتا ہے تاکہ وہ جہنم والے بن جائیں“۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو گمراہ کرنے، شر اور فساد کو ان کے لئے مزین کرنے کی شیطانی کوششوں کے بارے میں خبردار کرتے ہوئے فرمایا کہ شیطان نے قسم کھا کر اپنے رب سے کہا ہے: ﴿لَا تَجِدُنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيبًا مَفْرُوضًا﴾ ”میں ضرور لوگوں گا تیرے بندوں سے حصہ مقررہ“ یعنی مقدر کیا ہوا حصہ۔ شیطان لعین کو علم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے تمام بندوں کو گمراہ نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں پر اس کا کوئی زور نہیں چلتا۔ اس کا بس تو صرف اسی پر چلتا ہے جو اسے اپنا سرپرست بناتا ہے اور اس کی اطاعت کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ترجیح دیتا ہے۔

ایک اور مقام پر وہ قسم کھا کر کہتا ہے کہ وہ ضرور ان کو گمراہ کرے گا ﴿لَا غُورِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ إِلَّا عِبَادَكَ وَنَهْمُ الْمُخْلَصِينَ﴾ (ص: ۸۲، ۸۳) ”میں ضرور ان سب کو بہکا تا رہوں گا سوائے ان کے جو تیرے پنے ہوئے بندے ہیں“۔

یہ شیطان خبیث کا خیال تھا جس کو اس نے نہایت جزم کے ساتھ ظاہر کیا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں اس کے وقوع کی خبر دی ہے۔ ﴿وَلَقَدْ صَدَقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيسُ ظَنَّهُ فَاتَّبَعُوهُ اِلَّا قَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ (سبأ: ۲۰، ۲۱) ”اور ابلیس نے ان کے بارے میں اپنا قول سچ کر دکھایا کہ اہل ایمان کے ایک گروہ کے سوا سب نے اس کی پیروی کی“۔ یہی وہ مقررہ حصہ ہے جس کے بارے میں شیطان نے قسم کھا رکھی ہے کہ وہ ان سے ضرور حاصل کر کے رہے گا۔ اس نے بتا دیا ہے کہ وہ ان سے کیا چاہتا ہے اور ان کے بارے میں اس کے کیا مقاصد ہیں۔ ﴿وَالْمُضَلِّينَ﴾ ”اور میں انہیں گمراہ کرتا رہوں گا“، یعنی میں انہیں صراطِ مستقیم سے بھٹکاؤں گا اور علم و عمل میں انہیں گمراہ کر کے رہوں گا۔ ﴿وَالْمُتَّبِعِيْنَ﴾ ”اور انہیں امیدیں دلاتا رہوں گا“، یعنی میں ان کو گمراہ کرنے کے ساتھ ساتھ یہ امیدیں بھی دلاتا رہوں گا کہ انہیں وہ سب کچھ حاصل ہوگا جو ہدایت یافتہ لوگوں کو حاصل ہوتا ہے اور یہ عین فریب ہے۔ پس اس نے ان کو مجرد گمراہ کرنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے اس گمراہی کو ان کے سامنے آراستہ کیا جس میں وہ مبتلا ہوئے اور یہ ان کی برائی میں مزید اضافہ ہے کہ انہوں نے اہل جہنم کے اعمال کئے جو عذاب کے موجب ہیں اور سمجھتے رہے کہ یہ اعمال انہیں جنت میں لے جائیں گے۔

ذرا یہود و نصاریٰ وغیرہ کا حال دیکھو ان کا وہی رویہ ہے جس کی بابت اللہ نے خبر دی انہوں نے کہا: ﴿لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصْرًا تِلْكَ اَمَانِيْنُهُمْ﴾ (البقرہ: ۱۱۱، ۱۱۲) ”یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی شخص جنت میں نہیں جائے گا یہ ان کی محض باطل آرزوئیں ہیں“۔ فرمایا: ﴿كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ﴾ (الانعام: ۱۰۸، ۱۰۹) ”اسی طرح ہم نے ہر گروہ کے عمل کو ان کے سامنے آراستہ کر دیا ہے“۔ اور فرمایا: ﴿قُلْ هَلْ نُنَبِّئُكُمْ بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا ۝ الَّذِيْنَ ضَلَّ سَعِيْرُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَهُمْ يَحْسَبُوْنَ اَنْهُمْ يُحْسِنُوْنَ صُنْعًا﴾ (الكهف: ۱۰۳، ۱۰۴-۱۰۵) ”کہہ دو کہ کیا تم تمہیں بتائیں کہ اعمال کے لحاظ سے خسارے میں کون ہیں؟ وہ لوگ جن کی کوشش دنیا کی زندگی میں برباد ہوگئی اور وہ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ وہ اچھے کام کر رہے ہیں“۔ اللہ تعالیٰ منافقین کے بارے میں فرماتا ہے کہ قیامت کے روز وہ اہل ایمان سے کہیں گے: ﴿اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ قَالُوْا بَلٰى وَلٰكِنَّا فَتَنَّاكُمْ بِاَنْفُسِكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْاَمَانِيْ حَتّٰى جَاءَ اَمْرُ اللّٰهِ وَغَرَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغُرُوْرُ﴾ (الحديد: ۱۴، ۱۵) ”کیا تمہارے ساتھ نہ تھے؟ اہل ایمان جواب دیں گے کیوں نہیں مگر تم نے اپنے تئیں فتنے میں ڈال لیا تھا اور ہمارے بارے میں حوادثِ زمانہ کے

منتظر تھے اور تم شک میں مبتلا ہوئے۔ تمہیں آرزوؤں نے فریب میں مبتلا کئے رکھا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ گیا اور دھوکے باز (شیطان) تمہیں اللہ کے بارے میں فریب دیتا رہا۔“

﴿وَلَا مَرْنَهُمْ فَلْيَبْتِكُنَّ أَذَانَ الْأَنْعَامِ﴾ اور یہ حکم دیتا رہوں گا کہ جانوروں کے کان چیرتے رہیں۔“ یعنی میں ان کو مویشیوں کے کان کاٹنے کا حکم دوں گا (تا کہ علامت بن جائے کہ یہ غیر اللہ کے نام پر چھوڑا ہوا جانور ہے) مثلاً ”بجیرہ“ ”سائبہ“ ”وصیلہ“ اور ”حام“ وغیرہ پس ایک کی طرف اشارہ کر کے تمام مراد لئے ہیں۔ گمراہی کی یہ قسم اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام ٹھہرانے اور حرام کردہ چیزوں کو حلال ٹھہرانے کی مقتضی ہے اور اسی میں فاسد اعتقادات اور ظلم و جور پر مبنی احکام بھی شامل ہیں جو بڑی گمراہیوں میں سے ہیں۔

﴿وَلَا مَرْنَهُمْ فَلْيَغْيِرْنَ خَلْقَ اللَّهِ﴾ اور میں انہیں حکم دوں گا پس وہ اللہ کی بنائی ہوئی صورتیں بدلیں گے، اس کا اطلاق ظاہری تخلیق پر ہوتا ہے یعنی گودنا، دانتوں کو باریک کرنا، چہرے سے بال اکھیڑنا اور دانتوں کے درمیان فاصلہ بنانا ان تمام چیزوں کے ذریعے سے شیطان نے لوگوں کو گمراہ کیا اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی تخلیق کو بدل ڈالا۔ لوگوں کی یہ حرکتیں اس بات کو متضمن ہیں کہ یہ لوگ اللہ کی پیدائش پر ناراض اور اس کی حکمت پر نکتہ چینی ہیں، نیز ان کا اعتقاد ہے کہ وہ کام جو وہ اپنے ہاتھوں سے سرانجام دیتے ہیں وہ اللہ کی تخلیق سے بہتر ہے، نیز یہ اللہ تعالیٰ کی تقدیر اور تدبیر پر بھی راضی نہیں ہیں۔ شیطان کا یہ کام باطنی تخلیق کی تبدیلی کو بھی شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو حنیف بنا کر اچھی فطرت پر پیدا کیا ہے، ان میں قبول حق اور حق کو ترجیح دینے والوں کی فطرت تخلیق کی۔ شیاطین آئے اور انہوں نے ان کو اس خوبصورت تخلیق سے ہٹا دیا اور شرک، کفر، فسق اور معصیت کو ان کے سامنے آراستہ کر دیا، اس لئے کہ پیدا ہونے والا ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، مگر اس کے والدین اسے یہودی نصرانی یا مجوسی وغیرہ بنا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جس فطرت پر پیدا کیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید، اس کی محبت اور اس کی معرفت، وہ اس فطرت کو بدل ڈالتے ہیں۔ اس مقام پر شیاطین بندوں کا اسی طرح شکار کرتے ہیں جس طرح درندے اور بھیڑیے ریوڑ سے الگ ہونے والی بھیڑ بکریوں کو پھاڑ کھاتے ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ کا اپنے مخلص بندوں پر فضل و کرم نہ ہوتا تو ان کا بھی وہی حشر ہوتا جو ان فتنہ زدہ لوگوں کا ہوا ہے۔ پس وہ بھی دنیا و آخرت کے خسارے میں پڑ جاتے اور انہیں ناکامی اور گھائٹے کا منہ دیکھنا پڑتا۔

ان فتنہ زدہ لوگوں کا یہ حشر اس وجہ سے ہوا کہ انہوں نے اپنے رب اور اپنے پیدا کرنے والے سے منہ موڑ کر ایسے دشمن کو اپنا سرپرست بنا لیا جو ہر لحاظ سے ان سے برائی کا ارادہ رکھتا ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَتَّخِذِ الشَّيْطَانَ وَلِيًّا مِّنْ دُونِ اللَّهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِينًا﴾ جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بنائے گا وہ صریح نقصان میں ڈوبے گا۔ جو دین و دنیا کے خسارے میں پڑ جائے اور جسے اس کے گناہ اور

نافرمانیاں ہلاک کر ڈالیں اس سے زیادہ واضح اور بڑا خسارہ اور کیا ہو سکتا ہے؟ وہ ہمیشہ رہنے والی نعمت سے محروم ہو کر ابدی بدبختی میں مبتلا ہو گئے۔

اسی طرح جو کوئی اپنے آقا اور مولا نبی کو اپنا سرپرست بناتا ہے اور اس کی رضا کو ترجیح دیتا ہے وہ ہر لحاظ سے فائدے میں رہتا ہے ہر طرح سے فلاح پاتا ہے دنیا و آخرت کی سعادت حاصل کرتا ہے اور اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں۔ اے اللہ! جو چیز تو عطا کرے اسے کوئی روک نہیں سکتا اور جس چیز سے تو محروم کر دے اسے کوئی عطا نہیں کر سکتا۔ اے اللہ! جن لوگوں کی تو نے سرپرستی فرمائی ان لوگوں کی معیت میں ہماری بھی سرپرستی فرما اور جن لوگوں کو تو نے عافیت سے نوازا ان کے ساتھ ہمیں بھی عافیت سے نواز۔

﴿يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيهِمْ﴾ ”وہ ان کو وعدے دیتا ہے اور امیدیں دلاتا ہے۔“ یعنی شیطان ان لوگوں سے وعدہ کرتا ہے اور ان کو امیدیں دلاتا ہے جو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے بھاگ دوڑ کرتے ہیں۔ یہاں وعدہ میں وعید بھی شامل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿الشَّيْطَانُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ﴾ (البقرہ: ۲۶۸، ۱۲) ”شیطان تمہیں محتاجی سے ڈراتا ہے۔“ وہ بندوں کو یہ وعید سناتا ہے کہ اگر وہ اللہ کے راستے میں خرچ کریں گے تو محتاج اور تنگ دست ہو جائیں گے۔ وہ انہیں خوف دلاتا ہے کہ انہوں نے اللہ کے راستے میں جہاد میں حصہ لیا تو وہ قتل ہو جائیں گے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّمَا ذَلِكُمُ الشَّيْطَانُ يُخَوِّفُ أَوْلِيَاءَهُ﴾ (آل عمران: ۱۷۵، ۱۳) ”یہ (خوف دلانے والا) تو شیطان ہے جو اپنے دوستوں سے خوف دلاتا ہے۔“

جب بندے اللہ تعالیٰ کی مرضی کو ترجیح دیتے ہیں تو وہ انہیں ہر ممکن طریقے سے جو اس کی عقل میں آسکے ڈراتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ بھلائی کا کام کرنے میں سست پڑ جاتے ہیں۔۔۔ اسی طرح شیطان انہیں جھوٹی اور باطل تمناؤں میں مبتلا کرتا ہے اور تحقیق کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ یہ تمناؤں تو محض سراب تھیں جن کی کوئی حقیقت نہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أُولَٰئِكَ مَا لَهُمْ جَهَنَّمُ﴾ ”ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے۔“ یعنی جس نے شیطان کی اطاعت کی اور اپنے رب سے روگردانی کی وہ شیطان کے پیروکاروں اور اس کے گروہ میں شامل ہو گیا، ان کا ٹھکانا جہنم ہے۔ ﴿وَلَا يَجِدُونَ عَنْهَا مَحِيصًا﴾ ”اور وہاں سے بھاگنے اور گلو خلاصی کی کوئی راہ نہ پائیں گے۔“ بلکہ وہ جہنم میں ابد الابد تک رہیں گے۔ بدبخت لوگوں یعنی اولیائے شیطان کا انجام کار بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے خوش بخت لوگوں یعنی اولیائے رحمان کے انجام کا ذکر ان الفاظ میں فرمایا:

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا
اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل کیے انہوں نے نیک عنقریب ہم داخل کریں گے انکو ایسے باغات میں کہ بہتی ہیں انکے نیچے
الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا وَعَدَّ اللَّهُ حَقًّا وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا ﴿۳۷﴾
نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں ابد تک وعدہ ہے اللہ کا سچا اور کون زیادہ سچا ہے اللہ سے قول (و قرار) میں؟ ○

یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، روزِ آخرت اور اچھی بری تقدیر پر علم، تصدیق اور اقرار کے ساتھ اس طرح ایمان لائیں جس طرح ان کو حکم دیا گیا ہے۔ ﴿وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ "اور نیک کام کرتے رہے۔" یعنی وہ اعمال جو ایمان سے جنم لیتے ہیں اور یہ تمام مامورات کو شامل ہے چاہے وہ فرض ہوں یا مستحب، ان کا تعلق اعمالِ قلب سے ہو، اعمالِ لسان سے ہو اور بقیہ اعمال جو ارجح سے۔ ہر شخص کے لئے اس کے حال و مقام، اس کے ایمان اور عملِ صالح کی تکمیل کے مطابق ثواب مرتب ہوتا ہے۔ ایمان و عمل میں جو کوتاہی واقع ہوتی ہے اس پر مرتب ہونے والا ثواب اس کی تلافی کر دیتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور رحمت کے مطابق ہوتا ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کا سچا وعدہ ہے جو کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کے تتبع سے معلوم کیا جاتا ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے اس پر مرتب ثواب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ "ہم انہیں ان باغوں میں داخل کریں گے جن کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں" جنت میں ایسی ایسی نعمتیں ہوں گی جن کو اس سے پہلے کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی بشر کے دل میں ان کے تصور کا گزر ہوا ہے۔ جنت میں مختلف انواع کے ماکولات، لذیذ قسم کے مشروبات، دلکش نظارے، حسین و جمیل بیویاں، خوبصورت محل، آراستہ کئے ہوئے بالا خانے، پھل سے لدے ہوئے درخت، عجیب و غریب میوے، مسحور کن آوازیں، وافر نعمتیں، دوستوں کی مجالیس اور جنت کے باغات میں اپنی یادوں کے تذکرے اور سب کچھ ہوگا۔

ان سب سے اعلیٰ اور جلیل ترین نعمت جو جنت میں عطا ہوگی وہ ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کی رضا، روح کا اس کے قرب سے فیض یاب ہونا، آنکھوں سے اس کا دیدار کرنا اور کانوں سے اس کے خطاب کو سننا۔ یہ نعمت بندے کو ہر نعمت و مسرت فراموش کرادے گی۔ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ثبات و استقامت عطا نہ کی گئی ہو تو بندے خوشی سے اڑ جائیں اور فرحت و مسرت سے مرجائیں۔

اللہ اللہ! کتنی شیریں ہوگی یہ نعمت اور کتنے بلند مرتبہ ہوں گے وہ انعامات جو رب کریم ان کو عطا کرے گا اور وہ بھلائی اور مسرت جو انہیں حاصل ہوگی۔ کوئی شخص ان کا وصف بیان نہیں کر سکتا اور ان تمام نعمتوں کا اتمام اور ان کی تکمیل یہ ہے کہ وہ ان عالی شان منازل میں ہمیشہ رہیں گے۔ اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿خُلِدِينَ فِيهَا أَبَدًا وَعَدَدَ اللَّهِ حَقًّا وَمَنْ أَصْدَقُ مِنَ اللَّهِ قِيلًا﴾ "اس میں ہمیشہ رہیں گے یہ اللہ کا وعدہ سچا ہے اور کون ہے جو اپنی بات میں اللہ سے بڑھ کر سچا ہے" اللہ عظیم نے سچ فرمایا ہے، اس کا قول اور اس کی بات سچائی کے بلند ترین مرتبے پر پہنچی ہوئی ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا کلام سچا ہے اور اس کی خبر سچی ہے، اس لئے اس کا کلام جس چیز پر دلالت کرتا ہے وہ بھی اس کے مطابق اور سچائی کو متضمن ہے۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے کلام سے مراد ہے۔

اسی طرح رسول اللہ ﷺ کا کلام سچا ہے اور سچائی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ صرف اللہ تعالیٰ

کے حکم سے خبر دیتے ہیں اور آپ صرف اللہ تعالیٰ کی وحی کے ذریعے سے ہی کلام کرتے ہیں۔

لَيْسَ بِأَمَانِيكُمْ وَلَا أَمَانِي أَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَى بِهِ وَلَا
يَجِدْ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا ﴿٢٦﴾ وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ مِنْ
بِأَنِّهِ غَاوٍ سَوَاءٌ اللَّهُ لَهُ كَوْنِي دُوسْتٍ أَوْ لَا كَوْنِي مَدَدِغَارٍ ۝ اور جو کوئی عمل کرے گا نیک
ذِكْرٍ أَوْ أَنْثَى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَأُولَئِكَ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُونَ نَقِيرًا ﴿٢٧﴾
مرد ہو یا عورت جب کہ وہ مومن ہو، پس یہ لوگ داخل ہونگے جنت میں اور نہ ظلم کیے جائینگے وہ تل برابر (بھی) ۝

یعنی معاملہ نجات اور تزکیہ تمہاری اور اہل کتاب کی خواہشات پر مبنی نہیں۔ (الْأَمَانِي) سے مراد ایسی
خواہشات اور تمناؤں ہیں جو عمل سے عاری اور محض دعویٰ ہوں۔ اگر ان تمناؤں کا مقابلہ ان جیسی دیگر تمناؤں سے
کیا جائے تو یہ ان کی جنس میں شمار ہوں گی۔ ہر امر میں تمنا اور آرزو کا یہی معاملہ ہے۔ تب ایمان اور ابدی سعادت
محض خواہشات اور آرزوؤں سے کیسے حاصل ہو سکتی ہے؟ اہل کتاب کی جھوٹی خواہشات اور تمناؤں کے بارے
میں اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ کر چکا ہے وہ کہا کرتے تھے: ﴿لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصْرًا
تِلْكَ أَمَانِيَهُمْ﴾ (البقرہ: ۱۱۱/۲) ”یہودیوں اور عیسائیوں کے سوا کوئی شخص جنت میں نہیں جائے گا یہ ان
کی محض باطل آرزوئیں ہیں“۔ یہ تو تھے اہل کتاب اور دیگر لوگ جو کسی کتاب اور کسی رسول کی طرف منسوب نہیں۔
ان کی آرزوئیں تو بدرجہ اولیٰ باطل ہیں۔

اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے کامل عدل و انصاف کی بنا پر ان لوگوں کو بھی اس دائرے میں شامل کیا
ہے جو اپنے آپ کو اسلام سے منسوب کرتے ہیں۔ اگر انسان اپنے دعویٰ کی صحت پر دلیل و برہان فراہم نہ کرے تو
کسی بھی دین کی طرف مجرمانتساب کسی کام نہیں آتا۔ اعمال دعویٰ کی تصدیق یا تکذیب کرتے ہیں اسی لئے اللہ
تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا يُجْزَى بِهِ﴾ جو برائی کرے گا اس کی سزا پائے گا“ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ
اصول تمام عالمین کو شامل ہے کیونکہ (سوء) ”برائی“ کا اطلاق چھوٹے یا بڑے ہر قسم کے گناہ پر ہوتا ہے اسی طرح
”جزا“ میں تھوڑی یا زیادہ دنیاوی یا اخروی ہر قسم کی جزا شامل ہے۔

اس مقام پر لوگ بے شمار درجات میں منقسم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ کچھ لوگ ایسے ہوں
گے جن کے نیک (یا برے) اعمال بہت کم ہوں گے اور کچھ لوگ ایسے ہوں گے جن کے نیک (یا برے) اعمال
بہت زیادہ ہوں گے۔ پس جن کے اعمال سارے کے سارے برائی پر مشتمل ہوں گے اور ایسے لوگ صرف کافر ہی
ہوں گے جب ان میں سے کوئی توبہ کئے بغیر مر جائے تو اس کی جزا یہ ہوگی کہ وہ دردناک عذاب میں ہمیشہ رہے گا

اور جس کے اعمال نیک ہوں گے اور وہ اپنے غالب احوال میں درست طرز عمل اپنانے والا ہوگا البتہ کبھی کبھار اس سے چھوٹے موٹے گناہ صادر ہو جاتے رہے ہوں گے تو اس کو اپنے بدن، قلب، اپنے محبوب شخص یا مال و منال میں جو رنج و غم اور اذیت و الم پہنچتے ہیں تو یہ تکالیف بھی اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم سے اس کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں۔ ان دو حالتوں کے درمیان بہت سے مراتب ہیں۔

عام برے عمل کی یہ جزا صرف ان لوگوں سے مخصوص ہے جو توبہ نہیں کرتے، کیونکہ گناہ سے توبہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جس کا کوئی گناہ نہ ہو۔ جیسا کہ نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں۔ ﴿وَلَا يَجِدُ لَهُ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا﴾ ”اور نہیں پائے گا وہ اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ کوئی مددگار“ یہ اس وہم کے ازالہ کے لئے ہے کہ شاید وہ شخص جو اپنے (برے) عمل پر بدلے کا مستحق ہے، یہ زعم رکھتا ہو کہ کبھی اس کا کوئی حمایتی یا مددگار یا کوئی سفارشی اس سے عذاب کو دور کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام چیزوں کی نفی کی ہے اس کا کوئی حمایتی نہیں ہوگا جو اس کے لئے اس کا مطلوب حاصل کر سکے اور نہ اس کا کوئی مددگار ہوگا جو اس کا ذرہ دور کر سکے سوائے اس کے رب اور مالک کے۔

﴿وَمَنْ يَعْمَلْ مِنَ الصَّالِحَاتِ﴾ ”اور جو نیک اعمال کرے“ اس میں تمام اعمال قلب اور اعمال بدن شامل ہیں اور عمل کرنے والوں میں جن و انس، چھوٹا بڑا اور مرد و عورت سب داخل ہیں۔ اس لئے فرمایا: ﴿مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ وَهُوَ مُؤْمِنٌ﴾ ”مرد ہو یا عورت جب کہ وہ مومن ہو“ ایمان تمام اعمال کی قبولیت کے لئے اولین شرط ہے۔ کوئی عمل اس وقت تک نیک ہو سکتا ہے نہ قبول اور نہ اس پر ثواب مترتب اور نہ وہ کسی عذاب سے بچا سکتا ہے جب تک کہ عمل کرنے والا مومن نہ ہو۔ ایمان کے بغیر اعمال اس درخت کی شاخوں کی مانند ہیں جس کی جڑ کاٹ دی گئی ہو اور اس عمارت کی مانند ہیں جسے پانی کی موج پر تعمیر کیا گیا ہو۔ ایمان درحقیقت وہ اصل، اساس اور قاعدہ ہے جس پر ہر چیز کی بنیاد ہے اس قید کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہئے ہر عمل جو مطلقاً بیان کیا گیا ہو وہ ایمان کی قید سے متقید ہے۔ ﴿فَأُولَٰئِكَ﴾ ”تو ایسے لوگ“ یعنی وہ لوگ جو ایمان اور عمل صالح کے جامع ہیں ﴿يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ﴾ ”جنت میں داخل ہوں گے۔“ ایسی جنت میں داخل ہوں گے جو ان نعمتوں پر مشتمل ہوگی جنہیں نفس چاہتے ہیں اور آنکھیں جن سے لذت حاصل کرتی ہیں ﴿وَلَا يُظَلَّمُونَ نَقِيرًا﴾ ”اور ان کی تل برابر بھی حق تلفی نہیں کی جائے گی۔“ ان کے اعمال خیر میں ذرہ بھر بھی حق تلفی نہ ہوگی۔ بلکہ وہ ان اعمال کا پورا پورا، وافر اور کئی گنا اجر پائیں گے۔

وَمَنْ أَحْسَنُ دِينًا مِمَّنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلَّهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَاتَّبَعَ

اور کون زیادہ اچھا ہے دین میں اس شخص سے جس نے چہرہ کا دیا اپنا چہرہ اللہ کیلئے اور وہ نیکی کر نیوالا (بھی) ہو اور پیروی کرے وہ

مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا وَاتَّخَذَ اللَّهُ إِبْرَاهِيمَ خَلِيلًا ﴿۱۵﴾

ملت ابراہیم کی جو صرف حق کا پرستار تھا۔ اور بنا لیا اللہ نے ابراہیم کو خاص دوست ○

یعنی اس شخص کے دین سے بہتر کسی کا دین نہیں جس نے اخلاص اور اللہ کی طرف تمام اعضاء کی توجہ کو جمع کر لیا ہے۔ یہاں اخلاص سے مراد ہے چہرے کا اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جانا جو قلب کے خشوع، اس کی توجہ، اس کی انابت اور اس کے اخلاص پر دلالت کرتا ہے۔ اس اخلاص اور فرمانبرداری کے ساتھ ساتھ ﴿وَهُوَ مُحْسِنٌ﴾ اور وہ نیکو کار بھی ہے۔“ وہ اس شریعت کا تبع ہو جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کو مبعوث فرمایا، اپنی کتابیں نازل کیں اور اسے اپنے خاص بندوں اور ان کے تبعین کے لئے لائحہ عمل قرار دیا۔ ﴿وَاتَّبَعَ مَلَائِكَةُ﴾ اور ابراہیم علیہ السلام کے دین کا پیرو ہے۔“ یعنی اس نے حضرت ابراہیم کے دین اور شریعت کی اتباع کی ﴿حَنِيفًا﴾ ”یکسو ہو کر“ یعنی شرک کو چھوڑ کر توحید کو اپنایا، مخلوق سے توجہ ہٹا کر خالق کی طرف توجہ کی ﴿وَاتَّخَذَ اللَّهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا﴾ ”اور اللہ نے ابراہیم کو خلیل بنایا“ (خلۃ) محبت کی بلند ترین نوع ہے اور محبت کا یہ اعلیٰ ترین مرتبہ اللہ تعالیٰ کے دو خلیلوں کو حاصل ہوا ہے، یعنی جناب محمد مصطفیٰ ﷺ اور جناب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو۔ اور ربی اللہ تعالیٰ کی محبت عامہ تو یہ عام اہل ایمان کے لئے ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اس لئے بنایا کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے تمام احکام کو پورا کیا اور ہر آزمائش میں پورے اترے۔ پس اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام لوگوں کا امام ٹھہرایا اور اپنا خلیل بنا لیا اور تمام جہانوں میں ان کے ذکر کو بلند کیا۔

وَاللَّهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَانَ اللهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ۝۱۶

اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے، اور ہے اللہ ہر چیز کو گھیرنے والا ○ اس آیت کریمہ میں اس حقیقت کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ اس نے خبر دی ہے کہ ﴿مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ﴾ ”جو کچھ آسمانوں اور جو کچھ زمین میں ہے (سب اسی کا ہے)۔“ یعنی ہر چیز اس کی ملکیت اور تمام لوگ اس کے غلام ہیں۔ پس تمام لوگ غلام اور وہ اکیلا ان کا مالک اور ان کے تمام معاملات کی تدبیر کرنے والا ہے۔ اس کے علم نے تمام معلومات، اس کی بصر نے تمام مبصرات اور اس کی سماعت نے تمام مسموعات کا احاطہ کر رکھا ہے۔ اس کی مشیت اور قدرت تمام موجودات پر نافذ اور اس کی رحمت زمین و آسمان کی تمام مخلوق پر سایہ کننا ہے۔ وہ اپنے قہر اور غلبہ کی بنا پر تمام مخلوق پر غالب ہے اور تمام موجودات اس کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہیں۔

وَيَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَاءِ قُلِ اللهُ يَفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ لَا وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ

اور فتویٰ پوچھتے ہیں آپ سے عورتوں کے بارے میں کہہ دیجئے! اللہ فتویٰ دیتا ہے تمہیں انکی بابت اور (دوبھی) جو پڑھا جاتا ہے تم پر

فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتْسٰى النِّسَاءِ الَّتِي لَا تُوْتُوْنَھُنَّ مَا كُتِبَ لھُنَّ وَتَرْغَبُوْنَ

کتاب میں (ان) یتیم عورتوں کے متعلق کہ نہیں دیتے تم انکو جو مقرر کیا گیا ہے ان کیلئے، اور رغبت کرتے ہو تم

أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوُلْدَانِ وَأَنْ تَقُومُوا لِيَتْلُو بِالْقِسْطِ
یہ کہ نکاح کرو ان سے اور کمزور بچوں (کے بارے) میں اور یہ کہ قائم رہو تم تیبوں کے لیے انصاف پر

وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا ﴿۱۶﴾

اور جو کرو تم کوئی اچھائی، پس تحقیق اللہ ہے اس کو خوب جاننے والا

(اسْتِفْتَاء) سے مراد ہے سائل کا مسئلہ (مفتی یا عالم) سے اپنے مسئلہ کے بارے میں شرعی حکم کا بیان طلب کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے بارے میں خبر دی ہے کہ انہوں نے عورتوں کے بارے میں رسول اللہ ﷺ سے استفتاء کیا تھا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے خود اس استفتاء کا جواب دیا: ﴿قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ﴾ ”کہہ دیجئے کہ خود اللہ ان کے بارے میں تمہیں حکم دے رہا ہے“ پس عورتوں کے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ نے جو فتویٰ دیا ہے اس پر عمل کرو۔ عام طور پر اور خاص طور پر ان کے حقوق کو ادا کرو اور ان پر ظلم کرنا چھوڑ دو۔ یہ حکم عام ہے اور عورتوں کے حقوق کے بارے میں خواہ وہ بیویاں ہوں یا کوئی اور چھوٹی ہوں یا بڑی ہوں، امر و نہی کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے جو کچھ شروع کیا ہے سب کو شامل ہے۔

اس عموم کے بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے کمزور بچوں اور تیبوں کے معاملے میں اہتمام اور ان کے حقوق میں کوتاہی پر زجر و توبیخ کے طور پر خصوصی وصیت فرمائی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَمَا يَنْبَغِي عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ فِي يَتِيمَي النِّسَاءِ﴾ یتیم عورتوں کے معاملے میں کتاب اللہ کے اندر جو کچھ تم پر تلاوت کیا جاتا ہے (اللہ تعالیٰ تمہیں اسی کا فتویٰ دیتا ہے۔)

﴿الَّتِي لَا تَوْلَوْنَ هُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ﴾ ”وہ جن کو تم نہیں دیتے، جو ان کے لئے مقرر کیا گیا ہے“ یہ اس وقت کی موجودہ حالت کے بارے میں خبر ہے۔ کیونکہ یتیم لڑکی جب کسی کی سرپرستی میں ہوتی تھی تو وہ اس کی حق تلفی کرتا اور اس پر ظلم کا ارتکاب کرتا تھا یا تو اس کا تمام مال یا اس کا کچھ حصہ کھا جاتا یا اس کو نکاح کرنے سے روکتا تاکہ اس کے مال سے فائدہ اٹھاتا رہے اور اس خوف سے کہ اگر اس نے اس کا نکاح کر دیا تو مال ہاتھ سے نکل جائے گا اور اگر وہ اس عورت میں رغبت نہ رکھتا تو جس شخص سے یہ نکاح کرتی، اس پر شرائط وغیرہ عائد کرتا یا اگر وہ اس کے حسن و جمال کی وجہ سے اس کے ساتھ خود نکاح کرنے کی خواہش رکھتا تو اس کے مہر کو ساقط تو نہ کرتا مگر وہ اسے اتنا حق مہر بھی ادا نہ کرتا جتنے مہر کی وہ مستحق ہوتی۔ یہ تمام صورتیں ظلم کی تھیں، جو اس نص کے تحت آتی ہیں۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَتَرَعَبُونَ أَنْ تَنْكِحُوهُنَّ﴾ ”تم ان سے نکاح کرنے کی رغبت رکھتے ہو۔“ یعنی تم ان کے ساتھ نکاح کرنے سے گریز کرتے ہو یا نکاح کرنے میں رغبت رکھتے ہو، جیسا کہ ہم نے اس کی مثال بیان کی ہے۔ ﴿وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الْوُلْدَانِ﴾ ”اور بے کس بچوں کے بارے میں۔“ یعنی اللہ تعالیٰ

کمزور اور چھوٹے بچوں کے بارے میں تمہیں حکم دیتا ہے کہ تم وراثت میں ان کا حق ادا کرو اور ظلم و استبداد سے ان کے مال پر قبضہ نہ جمالو۔ ﴿وَأَنْ تَقْوَمُوا لِلْيَتَامَىٰ بِالْقِسْطِ﴾ اور یہ (بھی حکم دیتا ہے) کہ یتیموں کے بارے میں پورے عدل و انصاف سے کام لو، اس حکم میں ان کے معاملات کی دیکھ بھال ان سے ان احکام کا التزام کروانا جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر واجب قرار دیے ہیں سب شامل ہیں اس بارے میں یتیموں کے سرپرست مکلف ٹھہرائے گئے کہ وہ ان سے اللہ تعالیٰ کے واجبات کا التزام کروائیں۔ اس حکم میں ان کے دنیاوی مصالح کی دیکھ بھال ان کے مال میں اضافہ کرنا اور ان کے لئے بہتری طلب کرنا وغیرہ شامل ہیں۔ نیز یہ کہ اس کے سرپرست احسن طریقے سے ان کے مال کے قریب جائیں۔ اسی طرح ان کے نکاح وغیرہ میں ان کی حق تلفی کرتے ہوئے کسی دوست وغیرہ کی محبت کو ترجیح نہ دیں۔

یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی رحمت اور انتہائی درجے کی ترغیب ہے کہ ان لوگوں کے مصالح کی دیکھ بھال کی جائے جو اپنی کمزوری اور اپنے باپ سے محروم ہونے کی بنا پر خود اپنے مفادات کی دیکھ بھال نہیں کر سکتے۔ پھر علی العموم بھلائی کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ﴾ اور تم جو بھلائی کرو گے، یعنی تم یتیموں یا دوسروں کے ساتھ جو بھلائی کرو گے خواہ یہ بھلائی متعدی ہو یا صرف تمہیں تک محدود ہو ﴿فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِهِ عَلِيمًا﴾ اللہ اس کو جانتا ہے۔ یعنی نیک عمل کرنے والوں کے اعمال کو اللہ تعالیٰ کے علم نے احاطہ کر رکھا ہے۔ اعمال خواہ کم ہوں یا زیادہ اچھے ہوں یا برے اللہ تعالیٰ ہر ایک کو اس کے عمل کے مطابق جزا دے گا۔

وَإِنْ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يُصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا وَالصُّلْحُ خَيْرٌ وَأُحْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ وَإِنْ صَلَحَ كِلَيْهِمَا وَهِيَ فِيكُمْ (کسی طرح) صلح کرنا اور صلح بہتر ہے اور حاضر کیے گئے ہیں نفس بخل کو اور اگر تَحْسِنُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۱۳﴾

تم نیکی کرو اور تقویٰ اختیار کرو، تو بلاشبہ ہے اللہ ساتھ اس کے جو تم کرتے ہو، خبردار ○

یعنی جب عورت اپنے شوہر کے سخت رویے اور ظلم سے ڈرے یعنی خاوند اپنے آپ کو اس سے برتر سمجھے اور اس میں عدم رغبت کی وجہ سے اعراض کرے تو اس حالت میں بہتر صورت یہ ہے کہ وہ دونوں آپس میں مصالحت کر لیں اور وہ اس طرح کہ بیوی اپنے بعض ان حقوق کو جو شوہر پر لازم ہیں اس طرح نظر انداز کر دے کہ وہ شوہر کے ساتھ رہ سکے یا تو وہ نان و نفقہ لباس مکان وغیرہ میں سے قلیل ترین واجب پراضی ہو جائے۔ یا اپنی باری میں سے اپنا حق ساقط کر دے یا اپنی باری کے شب و روز اپنی سوکن کو بہہ کر دے اگر میاں بیوی اس صورت حال پر راضی ہو جائیں تو اس میں دونوں کے لئے کوئی حرج نہیں، اس میں میاں بیوی دونوں پر کوئی گناہ نہیں۔ تب اس

صورت حال میں اپنی بیوی کے ساتھ باقی رہنا جائز ہے اور یہ علیحدگی سے بہتر ہے بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالصُّلْحُ خَيْرٌ﴾ اور صلح بہتر ہے۔“ اس لفظ اور معنی کے عموم سے یہ بات اخذ کی جاتی ہے کہ فریقین کے درمیان کسی حق یا تمام اشیاء میں نزاع ہو تو صلح اس سے بہتر ہے کہ وہ تمام اشیاء میں پورا پورا حق وصول کرنے کا مطالبہ کریں۔ کیونکہ اس صلح میں اصلاح دونوں کے مابین الفت کی بقا اور ساحت (درگزر کرنے) کی صفت سے متصف ہونا ہے۔ یہ صلح تمام اشیاء میں جائز ہے سوائے اس صورت کے جس میں کسی حرام کو حلال یا کسی حلال کو حرام ٹھہرایا گیا ہو۔ تب یہ صلح نہیں بلکہ ظلم و جور ہے۔

معلوم ہونا چاہئے کہ کوئی حکم اس کے مقتضی کے وجود اور موانع کی نفی کے بغیر مکمل اور پورا نہیں ہوتا اس کی مثال یہی بڑا حکم ہے یعنی فریقین کے درمیان صلح اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کا تقاضا بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ بھلائی ہے اور عمل کرنے والا ہر شخص بھلائی کا طالب اور بھلائی میں رغبت رکھتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اگر اللہ تعالیٰ نے اس بھلائی کا حکم دیا ہو اور اس کی طرف رغبت دلائی ہو تو اس میں مومن کی طلب اور رغبت اور بڑھ جاتی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے مانع کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَأُخْضِرَتِ الْأَنْفُسُ الشُّحَّ﴾ ”طبع ہر نفس میں شامل کر دی گئی ہے“ یعنی بخل انسان کی جبلت ہے یہاں (الشح) ”بخل“ سے مراد یہ ہے کہ جو کچھ انسان پر خرچ کرنا واجب ہے اسے خرچ کرنے میں راغب نہ ہو اور اپنا حق حاصل کرنے کا بڑا حریص ہو۔ تمام نفوس طبعی طور پر اسی جبلت پر پیدا کئے گئے ہیں۔ یعنی تمہارے لئے مناسب یہ ہے کہ تم اپنے نفس سے اس گھٹیا خلق کا قلع قمع کرنے اور اس کی جگہ اس کی ضد یعنی ساحت کو اختیار کرنے کی کوشش کرو۔ ساحت سے مراد یہ ہے کہ تم اس حق کو ادا کرو جو تمہارے ذمہ ہے اور اپنے حق کے بارے میں اس کے کچھ حصے پر قناعت کرو۔ جب کبھی انسان کو اس خلق حسن کو اپنانے کی توفیق مل جاتی ہے تو اس کے لئے اپنے اور اپنے مخالف کے درمیان صلح آسان ہو جاتی ہے اور منزل مقصود تک پہنچنے کا راستہ ہل ہو جاتا ہے۔ اس کے برعکس جو شخص اپنی طبیعت سے بخل کو دور کرنے کی کوشش نہیں کرتا تو اس کے لئے صلح اور موافقت بہت مشکل کام ہے کیونکہ وہ اپنا پورا حق لئے بغیر راضی نہیں ہوتا اور اس پر جو حق واجب ہے اسے ادا کرنے پر تیار نہیں ہوتا۔ اگر دوسرے فریق کا رویہ بھی ایسا ہی ہو تو معاملہ اور زیادہ سخت ہو جاتا ہے۔

پھر فرمایا: ﴿وَإِنْ تَحْسَبُوا وَيَتَّقُوا﴾ اور اگر تم اچھا سلوک کرو اور پرہیزگاری اختیار کرو، یعنی اگر تم خالق کی عبادت میں احسان سے کام لو یعنی بندہ اپنے رب کی عبادت اس طرح کرے گویا کہ وہ اسے دیکھ رہا ہے اگر ایسی کیفیت پیدا نہیں ہو سکتی تو یہ تصور پیدا کرے کہ وہ تو اسے دیکھ رہا ہے اور تم احسان کے تمام طریقوں سے یعنی مال اور جاہ وغیرہ کے ذریعے سے لوگوں سے بھلائی کرو ﴿وَتَتَّقُوا﴾ اور پرہیزگاری اختیار کرو، یعنی تمام مامورات پر عمل کرتے ہوئے اور تمام محظورات سے اجتناب کرتے ہوئے اللہ سے ڈرو یا اس کا مطلب یہ ہو گا کہ تم

مامورات پر عمل کرنے میں احسان سے کام لو اور محظورات کو ترک کر کے اللہ سے ڈرو۔ ﴿فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا﴾ ”اللہ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے۔“ اللہ تعالیٰ بندے کے ظاہر و باطن کا اپنے علم و خبر کے ذریعے احاطہ کئے ہوئے ہے پس وہ تمہارے اعمال کو محفوظ کر رہا ہے وہ تمہیں ان اعمال کی پوری پوری جزا دے گا۔

وَلَنْ تَسْتَطِيعُوا أَنْ تَعْدِلُوا بَيْنَ النِّسَاءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمِيلِ
اور ہرگز نہیں طاقت رکھو گے تم یہ کہ عدل کر سکو درمیان عورتوں کے اگر چہ حرص کرو تم پس نہ جھک جاؤ تم مکمل جھک جانا (ایک طرف)
فَتَذَرُوهُمَا كَالْمُعَلَّقَةِ وَإِنْ تُصْلِحُوا وَتَتَّقُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا ﴿۵﴾
کہ چھوڑ دو تم اس (دوسری) کو مانند (درمیان میں) لٹکی ہوئی کے اور اگر صلح کرو تم اور تقویٰ اختیار کرو تو یقیناً ہے اللہ بخشنے والا مہربان ○

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ شوہر اپنی بیویوں کے درمیان انصاف نہیں کر سکتے اور پورا پورا عدل و انصاف کرنا ان کے بس میں بھی نہیں کیونکہ عدل اس بات کو مستلزم ہے کہ تمام بیویوں کے ساتھ یکساں محبت ہو محبت کا داعیہ سب کے لئے برابر ہو اور دل کا میلان ان سب کے لئے مساوی ہو۔ پھر اس کے تقاضے کے مطابق عمل ہو۔ چونکہ یہ ناقابل عمل اور ناممکن ہے اس لئے جو چیز انسان کے بس میں نہیں اللہ تعالیٰ نے اسے معاف کر دیا ہے اور اس چیز سے منع کر دیا جو انسان کے بس میں ہے چنانچہ فرمایا:

﴿فَلَا تَمِيلُوا كُلَّ الْمِيلِ فَتَذَرُوهُمَا كَالْمُعَلَّقَةِ﴾ ”ایک ہی کی طرف مائل نہ ہو جانا کہ دوسروں کو ایسی حالت میں چھوڑ دو کہ گویا وہ لٹک رہی ہے۔“

یعنی تم ایک طرف بہت زیادہ نہ جھک جاؤ کہ تم ان کے وہ حقوق بھی ادا نہ کر سکو جو واجب ہیں بلکہ اپنی استطاعت بھر عدل و انصاف سے کام لو۔ پس نان و نفقہ لباس اور شبہ باشی کی تقسیم وغیرہ ایسے امور ہیں جن میں عدل کرنا تم پر فرض ہے اس کے برعکس محبت اور مجامعت وغیرہ میں عدل و انصاف ممکن نہیں۔ پس جب شوہر بیوی کے وہ حقوق ترک کر دیتا ہے جنہیں ادا کرنا واجب ہے تو بیوی اس معلق عورت کی مانند ہو جاتی ہے جس کا خاوند نہیں ہوتا کہ جس سے وہ راحت حاصل کرے اور حقوق زوجیت ادا کرنے کی تیاری کرے اور نہ وہ خاوند والی ہوتی ہے جو اس کے حقوق کی دیکھ بھال کرے۔ ﴿وَإِنْ تُصْلِحُوا﴾ ”اور اگر آپس میں موافقت کر لو۔“ یعنی اگر تم اپنے اور اپنی بیویوں کے درمیان معاملات کی اصلاح کر لو یعنی بیوی کے حقوق ادا کرتے ہوئے احتساب کے ساتھ اپنے نفس کو اس فعل پر مجبور کرو جس کو بجالانے پر وہ آمادہ نہیں اور ان معاملات کی بھی اصلاح کر لو جو تمہارے اور لوگوں کے درمیان ہیں اور لوگوں کے تنازعات میں ان کے مابین صلح کرواؤ۔ یہ چیز اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ صلح کے لئے علی الاطلاق ہر طریقہ بروئے کار لایا جائے۔ ﴿وَتَتَّقُوا﴾ ”اور پرہیزگاری کرو۔“ مامورات پر عمل اور محظورات کو ترک کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور مقدور بھر صبر کرو۔ ﴿فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا﴾ ”اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“ تو اللہ تعالیٰ تمہارے تمام گناہوں کو معاف کر دے گا جو تم سے صادر ہوتے ہیں اور ان کو تا ہیوں کو نظر

انداز کر دے گا اور جیسے تم اپنی بیویوں کے ساتھ شفقت و مودت کا رویہ رکھتے ہو اللہ تعالیٰ بھی تم پر رحم کرے گا۔

وَأِنْ يَتَفَرَّقَا يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهِ ۖ وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا حَكِيمًا ﴿۱۳۰﴾

اور اگر وہ دونوں الگ ہو جائیں تو بے نیاز کر دے گا اللہ ہر ایک کو اپنے فضل سے اور ہے اللہ وسعت والا حکمت والا

میاں بیوی کے درمیان تیسری حالت یہ ہے کہ جب اتفاق کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو دونوں کے درمیان علیحدگی میں کوئی حرج نہیں۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَأِنْ يَتَفَرَّقَا﴾ اور اگر وہ ایک دوسرے سے جدا ہو جائیں، یعنی اگر دونوں طلاق فسخ یا خلع کے ذریعے سے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو جائیں ﴿يُغْنِ اللَّهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهِ﴾ اللہ تعالیٰ دونوں میاں بیوی کو اپنے فضل و کرم اور لامحدود احسان کے ذریعے سے ایک دوسرے سے بے نیاز کر دے گا، شوہر کو کسی دوسری بیوی کے ذریعے سے پہلی بیوی سے اور بیوی کو اپنے فضل و کرم سے مستغنی کر دے گا۔ اگر بیوی کا اپنے شوہر کے رزق میں سے حصہ ختم ہو گیا ہے تو اس کا رزق اس ہستی کے ذمے ہے جو تمام مخلوق کو رزق عطا کرتی ہے اور ان کے مصالح کی دیکھ بھال کرتی ہے۔ شاید اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر شوہر عطا کر دے۔ ﴿وَكَانَ اللَّهُ وَاسِعًا﴾ اور اللہ بڑی کشائش والا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ بہت زیادہ فضل و کرم اور بے پایاں رحمت کا مالک ہے۔ جہاں جہاں اس کے علم نے احاطہ کیا ہوا ہے وہاں تک اس کی رحمت سایہ کنناں ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ﴿حَكِيمًا﴾ ”وہ حکمت والا ہے“ اگر کسی کو عطا کرتا ہے تو حکمت کی بنیاد پر اور محروم کرتا ہے تو حکمت ہی کی بنیاد پر۔ جب اس کی حکمت تقاضا کرتی ہے کہ کسی بندے کو کسی سبب کی بنا پر اپنے فضل و احسان سے محروم کرے جس کا وہ مستحق نہیں تو اپنے عدل و حکمت سے اسے محروم کر دیتا ہے۔

وَلِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اٰوْتُوْا الْكِتٰبَ

اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ زمین میں ہے اور البتہ تحقیق وصیت کی ہم نے ان لوگوں کو جو دیئے گئے کتاب

مِّنْ قَبْلِكَمْ وَاِيَّاكُمْ اَنْ اَتَّقُوْا اللّٰهَ ۗ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ

تم سے پہلے اور خود تمہیں بھی یہ کہ ڈرو تم اللہ سے اور اگر کفر کرو گے تم تو تحقیق اللہ ہی کیلئے ہے جو کچھ آسمانوں میں

وَمَا فِي الْاَرْضِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا

اور جو کچھ زمین میں ہے اور ہے اللہ بے پروا قابل تعریف اور اللہ ہی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں اور جو کچھ

فِي الْاَرْضِ ۗ وَكُفِيَ بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾

زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ کا ساز

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے وسیع اور عظیم اقتدار کے عموم کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے جو اس امر کو مستلزم ہے کہ

وہ شرعاً اور قدراً مختلف طریقوں سے کائنات کی تدبیر کرے اور گونا گوں تصرفات کے ذریعے سے اس کا بندوبست کرے۔ اس کا تصرف شرعی یہ ہے کہ اس نے اولین و آخرین اور کتب سابقہ اور بعد میں نازل ہونے والی کتابوں کے ماننے والوں کو تقویٰ کی وصیت کی ہے جو امر و نہی، تشریح احکام اور اس شخص کے لئے ثواب کو متضمن ہے جو اس وصیت پر عمل کرتا ہے اور اس شخص کے لئے دردناک عذاب کی وعید کو متضمن ہے جو اس وصیت کو ضائع کرتا ہے۔

بنابرین اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِنْ تَكْفُرُوا﴾ اور اگر کفر کرو گے۔ یعنی اگر تم تقویٰ ترک کر دو اور کفر اختیار کر لو اور ایسی چیزوں کو اللہ کا شریک ٹھہرا لو جس پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی تو اس طرح تم صرف اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچاؤ گے اللہ تعالیٰ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے اور اللہ تعالیٰ کے اقتدار میں ذرہ بھر کی نہیں کر سکتے۔ اس کے اور بھی بندے ہیں جو تم سے بہتر اور تم سے زیادہ اطاعت گزار اور اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم

ختم کرنے والے ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد فرمایا: ﴿وَإِنْ تَكْفُرُوا فَإِنَّ إِلَهَكُمْ فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ غَنِيًّا حَمِيدًا﴾ اللہ تبارک و تعالیٰ کامل جو دو کرم اور احسان کا مالک ہے جو کچھ اس کی رحمت کے خزانوں سے صادر ہوتا ہے وہ خرچ کرنے سے کم نہیں ہوتا۔ یہ خزانے اگر دن رات خرچ ہوتے رہیں تب بھی ختم نہیں ہوں گے۔ اگر زمین و آسمان کے رہنے والے اول سے لے کر آخر تک تمام لوگ اپنی اپنی آرزوؤں کے مطابق اللہ تعالیٰ سے سوال کریں تو اس کی ملکیت میں ذرہ بھر کی نہ ہوگی، کیونکہ وہ جواد ہے ہر چیز کو وجود بخشنے والا اور بزرگی کا مالک ہے۔ وہ اپنے کلام سے عطا کرتا ہے اور اپنے کلام سے عذاب دیتا ہے۔ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کہتا ہے ”ہو جا“ اور وہ ہو جاتی ہے۔

اس کی تمام تر بے نیازی یہ ہے کہ وہ کامل اوصاف کا مالک ہے کیونکہ اگر کسی بھی لحاظ سے اس میں کوئی نقص ہوتا تو وہ اس کمال کے لئے محتاج ہوتا، بلکہ اس کے لئے کمال کی ہر صفت ہے اور انہی میں سے ایک صفت کمال ہے اور یہ اس کی بے نیازی ہی ہے کہ اس کی کوئی بیوی اور کوئی اولاد نہیں، اقتدار میں اس کا کوئی شریک ہے نہ کوئی مددگار اور اس کے اپنے اقتدار کی تدبیر میں اس کا کسی قسم کا کوئی معاون نہیں۔

یہ اس کا کامل غنا اور اس کی بے نیازی ہے کہ عالم علوی اور عالم سفلی اپنے تمام احوال اور تمام معاملات میں اسی کے محتاج ہیں اور اپنی چھوٹی بڑی حاجتوں میں اسی سے سوال کرتے ہیں۔۔۔۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے مطلوب اور سوال کو پورا کرتا ہے، ان کو فنی اور مال دار کر دیتا ہے ان کو اپنے لطف و کرم سے نوازتا ہے اور انہیں راہ ہدایت دکھاتا ہے۔

رہا اسم گرامی (حمید) تو یہ نام اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ میں شمار ہوتا ہے اور اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ہر قسم کی حمد و ثنا، محبت اور اکرام کا مستحق ہے۔ اس لئے وہ صفات حمد سے متصف ہے جو کہ جمال و جلال کی صفات ہیں اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بے شمار نعمتوں سے نوازا ہے اس لئے وہ ہر حال میں ”محمود“ ہے۔ ان دو

اسمائے گرامی یعنی (الْغَنِيُّ، الْحَمِيدُ) کا ایک جا ہونا کتنا خوبصورت ہے۔ یقیناً وہ بے نیاز اور قابل تعریف ہے اسے کمال بے نیازی بھی حاصل ہے اور کمال حمد بھی اور ان دونوں کے حسن امتزاج کا کمال بھی۔

پھر اس نے مکر فرمایا ہے کہ زمین اور آسمانوں میں اقتدار اسی کا ہے اور ہر چیز کو کفایت کرنے والا وہی ہے، یعنی وہ علم رکھنے والا اور اپنی حکمت کے مطابق تمام اشیاء کی تدبیر کرتا ہے اور یہی کامل کفایت اور وکالت ہے کیونکہ وکالت اس بات کو مستلزم ہے کہ وہ جس چیز کا وکیل ہے اسے اس کا پورا پورا علم ہو۔ پھر اس کو نافذ کرنے اور تدبیر کرنے میں پوری قوت اور قدرت رکھتا ہو اور یہ تدبیر حکمت اور مصلحت پر مبنی ہو۔ اگر ان امور میں کوئی کمی ہوگی تو وہ وکیل میں نقص کی وجہ سے ہوگی اور اللہ تعالیٰ ہر نقص سے منزہ ہے۔

إِنْ يَشَاءُ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ ط وَكَانَ اللَّهُ عَلَىٰ ذَٰلِكَ
اگر چاہے وہ تو لے جائے تمہیں اے لوگو! اور لے آئے دوسروں کو، اور ہے اللہ پر اس کے
قَدِيرًا ﴿۳۴﴾ مَنْ كَانَ يُرِيدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ط
خوب قدرت رکھنے والا ○ جو کوئی ارادہ کرتا ہے ثواب (صلے) کا دنیا میں، تو اللہ کے ہاں ثواب ہے دنیا کا اور آخرت کا

وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿۳۵﴾

اور ہے اللہ خوب سننے والا خوب دیکھنے والا ○

یعنی وہ (غَنِيٌّ حَمِيدٌ) ہے اور وہ قدرت کاملہ اور مشیت نافذہ کاملہ ہے۔ ﴿إِنْ يَشَاءُ يُذْهِبْكُمْ أَيُّهَا النَّاسُ وَيَأْتِ بِآخَرِينَ﴾ اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کر دے اور (تمہاری جگہ) اور لوگوں کو پیدا کر دے۔ یعنی اللہ تعالیٰ تمہارے علاوہ اور لوگوں کو لے آئے گا وہ تم سے بہتر اور اللہ تعالیٰ کی زیادہ اطاعت کرنے والے ہوں گے۔ یہ آیت کریمہ لوگوں کے لئے ان کے اپنے کفر پر قائم رہنے اور اپنے رب سے روگردانی کرنے پر تہدید ہے۔ اگر وہ اطاعت نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ کو ان کی ذرہ بھر بھی پروا نہیں۔ مگر وہ ان کو مہلت اور ڈھیل دیتا ہے تاہم ان کو مہمل نہیں چھوڑے گا۔ (یعنی حساب ضرور لے گا)

پھر اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ جس کسی کی ہمت اور ارادہ گھٹیا ہے اور دنیا کے ثواب سے آگے نہیں بڑھتا۔ اور وہ آخرت کا کوئی ارادہ ہی نہیں رکھتا، پس اس کی نظر اور اس کی کوشش کوتاہ ہے۔ بایں ہمہ اسے دنیا کا ثواب بھی صرف اتنا ہی ملے گا جتنا اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے لکھ دیا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ ہی ہر چیز کا مالک ہے دنیا و آخرت کا ثواب اسی کے پاس ہے، پس دنیا و آخرت اسی سے طلب کی جائے اور ان کے حصول کے لئے اسی سے مدد مانگی جائے۔ کیونکہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ صرف اس کی اطاعت ہی سے حاصل ہو سکتا ہے اور تمام دینی اور دنیاوی امور کا حصول اسی سے مدد طلب کرنے اور ہمیشہ صرف اسی کا محتاج ہونے سے ممکن ہے وہ جس کسی

کو اپنی توفیق سے نوازتا ہے یا اسے توفیق سے محروم کر کے اسے اپنے حال پر چھوڑ دیتا ہے اس میں اس کی حکمت پنہاں ہے۔ اس کا کسی کو عطا کرنا اور محروم کرنا اس کی حکمت ہی پر مبنی ہے۔ اسی لئے فرمایا: ﴿وَكَانَ اللَّهُ سَمِيعًا بَصِيرًا﴾ ”اللہ تعالیٰ سننے والا دیکھنے والا ہے“۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۚ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا ۚ وَإِن تَلَوَّا أَوْ تَعَرَّضُوا فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿۱۳۵﴾

خوابش کی (کہ گریز کرو تم) انصاف کرنے سے اور اگر موڑو تم زبان کو یا اعراض کرو تم، پس تحقیق اللہ ہے ساتھ اس کے جو تم کرتے ہو، خبر دار

اللہ تبارک و تعالیٰ اہل ایمان کو حکم دیتا ہے کہ وہ انصاف پر قائم رہیں اور اللہ تعالیٰ کے لئے گواہی دینے والے بن جائیں۔ (الْقَوَّام) مبالغے کا صیغہ ہے یعنی اپنے تمام احوال میں عدل پر قائم رہو (قِسْطًا) سے مراد حقوق اللہ اور حقوق العباد کے بارے میں عدل و انصاف ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کے حقوق میں انصاف یہ ہے کہ اس کی نعمتوں کو اس کی نافرمانی میں استعمال نہ کیا جائے، بلکہ ان کو اس کی اطاعت و فرمانبرداری میں صرف کیا جائے اور حقوق العباد میں عدل و انصاف یہ ہے کہ بندوں کے وہ تمام حقوق ادا کئے جائیں جو تجھ پر اسی طرح واجب ہیں جس طرح تیرے حقوق ان پر واجب ہیں اور تو اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا ہے پس تو نفقات واجبہ اور قرض وغیرہ ادا کر اور تو لوگوں سے اسی اخلاق و حسن صلہ کے ساتھ معاملہ کر جو تو اپنے بارے میں ان سے چاہتا ہے۔

سب سے بڑا انصاف باتوں اور بات کہنے والوں کے بارے میں ہے۔ دو باتوں میں سے کسی ایک بات کے حق میں یا کسی تنازع کے فریقین میں کسی فریق کے حق میں محض اس وجہ سے فیصلہ نہ کرے کہ اسے اس بات سے یا فریق سے کوئی نسبت ہے یا اس کی طرف میلان ہے بلکہ ان دونوں کے درمیان عدل کو مقدم رکھے۔

عدل و انصاف کی ایک قسم یہ ہے کہ تو اس شہادت کو ادا کر جو تیرے ذمہ عائد ہے خواہ وہ کسی ہی کے خلاف کیوں نہ ہو خواہ یہ شہادت تیرے محبوب لوگوں کے خلاف، بلکہ خود تیری اپنی ذات کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدِينَ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا﴾ ”اللہ کے لئے سچی گواہی دینے والے اگرچہ وہ تمہارے اپنے خلاف ہو یا والدین کے

یا رشتہ داروں کے وہ شخص اگر امیر ہو یا فقیر، پس اللہ زیادہ حق دار ہے بہ نسبت ان دونوں کے۔“ یعنی کسی دولت مند

کی اس کی دولت کی وجہ سے رعایت کرو نہ کسی محتاج پر بزمِ خویش ترس کھاتے ہوئے اس کی رعایت کرو بلکہ صحیح صحیح شہادت دو خواہ کسی ہی کے خلاف کیوں نہ ہو۔

عدل و انصاف قائم کرنا عظیم ترین امور میں شمار ہوتا ہے، نیز یہ چیز عدل قائم کرنے والے کے دین و ورع اور اسلام میں اس کے مقام پر دلالت کرتی ہے۔ پس یہ بات متعین ہے کہ جو کوئی اپنے نفس کا خیر خواہ ہے اور وہ اس کی نجات چاہتا ہے تو وہ عدل کا پورا پورا اہتمام کرے اس کو مد نظر رکھے اور اپنے ارادے کا مرکز بنائے رکھے اور نفس سے ہر اس داعیے کو دور کر دے جو عدل کے ارادے سے مانع اور اس پر عمل کرنے کی راہ میں رکاوٹ ہو اور انصاف کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ خواہشاتِ نفس کی پیروی ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے اس رکاوٹ کو دور کرنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىَٰ اِنْ تَعَدُوا﴾ ”تم خواہشِ نفس کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑ دینا۔“ یعنی تم حق کی مخالفت میں اپنے نفس کی اتباع نہ کرو۔ اگر تم نے اپنے نفس کی پیروی کی تو راہِ صواب سے ہٹ جاؤ گے اور تم عدل و انصاف کی توفیق سے محروم ہو جاؤ گے، کیونکہ خواہشِ نفس یا تو انسان کی بصیرت کو اندھا کر دیتی ہے اور اسے حق باطل اور باطل حق دکھائی دیتا ہے۔ یا وہ حق کو پہچان لیتا ہے مگر اپنی خواہشِ نفس کی خاطر اسے چھوڑ دیتا ہے۔ پس جو شخص خواہشِ نفس سے محفوظ رہا اسے حق کی توفیق عطا ہوتی ہے اور وہ صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی سے نوازا جاتا ہے۔ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے واضح کر دیا کہ عدل و انصاف کو قائم کرنا واجب ہے تو اس نے ہر اس چیز سے بھی روک دیا جو عدل کی ضد ہے۔ یعنی شہادت وغیرہ میں زبان کو حق سے ہٹا دینا اور ہر لحاظ سے یا کسی ایک پہلو سے نطقِ زبان کو صواب مقصود سے پھیر دینا اور اسی میں شہادت میں تحریف کرنا، اس کی عدم تکمیل اور شاہد کا شہادت کی تاویل کرتے ہوئے اس کا رخ کسی اور طرف پھیر دینا، بھی شامل ہے۔ اس لئے کہ یہ بھی (لئی) زبان کی کچی میں سے ہے، کیونکہ یہ حق سے انحراف ہے۔

﴿اَوْ تَعْرِضُوْا﴾ ”یا تم اعراض کرو۔“ یعنی اگر تم اس عدل و انصاف کو ترک کر دو جس کا دار و مدار تم پر ہے جیسے شاہد کا شہادت کو ترک کر دینا یا حاکم کا اپنے فیصلے کو ترک کر دینا جو کہ اس پر واجب تھا ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ حٰمِيْرًا﴾ ”تو (جان رکھو) اللہ تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔“ یعنی وہ تمہارے افعال کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور تمہارے ظاہر و باطن تمام اعمال کا علم رکھتا ہے۔ اس آیت کریمہ میں اس شخص کے لئے سخت تہدید ہے جو زبان سے کچی اختیار کرتا یا حق سے اعراض کرتا ہے اور وہ شخص اس تہدید کا بدرجہ اولیٰ مستحق ہے جو باطل فیصلہ کرتا یا جھوٹی گواہی دیتا ہے۔ اس لئے کہ اس کا جرم سب سے بڑا ہے، کیونکہ پہلے دو اشخاص نے حق کو ترک کیا اور اس نے باطل کو قائم کیا۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهِۦ ۗ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰی رَسُوْلِهِۦ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! ایمان لاؤ ساتھ اللہ اور اس کے رسول کے اور (ساتھ) اس کتاب کے جو نازل کی اس نے اپنے رسول پر

وَالْكِتَابِ الَّذِي أَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ط وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ

اور (ساتھ) اس کتاب کے جو نازل کی اس نے پہلے اور جو کوئی کفر کرے ساتھ اللہ کے اور اسکے فرشتوں اور اسکی کتابوں

وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿۱۳۶﴾

اور اسکے رسولوں اور دن آخرت کے، پس تحقیق گمراہ ہو گیا وہ گمراہ ہونا دور کا

معلوم ہونا چاہئے کہ امر یعنی حکم کا رخ یا تو اس شخص کی طرف ہوتا ہے جو اس شے میں داخل نہیں اور اس سے کچھ بھی متصف نہیں، تب اس کے لئے یہ حکم اس چیز میں داخل ہونے کا ہے۔ مثلاً اس شخص کے لئے ایمان لانے کا حکم جو مومن نہیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آوَوْا الْكِتَابَ آمِنُوا بِنَا نَزَّلْنَا مَوْثِقًا لِمَا مَعَكُمْ﴾ (النساء: ۴۷/۴) ”اے وہ لوگو جو جن کو کتاب عطا کی گئی ہے اس کتاب پر ایمان لاؤ جو ہم نے نازل کی ہے اور اس کتاب کی تصدیق کرتی ہے جو تمہارے ساتھ ہے“۔ یا اس حکم کا رخ اس شخص کی طرف ہوتا ہے جو اس چیز میں داخل ہو چکا ہے تب یہ حکم اس لئے ہوتا ہے تاکہ اس چیز کی تصحیح کر لے جسے وہ پا چکا ہے اور اسے حاصل کرنے کی کوشش کرے جو اس نے ابھی تک نہیں پائی، اور اس کی مثال یہی آیت کریمہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ایمان لانے کا حکم دیا ہے، کیونکہ یہ ان سے اس چیز کے حکم کا تقاضا کرتی ہے جو ان کے ایمان یعنی صدق و اخلاص کی تصحیح کرتی ہے اور مفسدات سے اجتناب اور نقص میں ڈالنے والی ہر چیز سے توبہ کا تقاضا کرتی ہے، نیز یہ اس چیز کے حکم کا بھی تقاضا کرتی ہے جو ابھی مومن میں موجود نہیں یعنی علوم ایمان و عمل وغیرہ، کیونکہ جب کبھی اس کے پاس کوئی نص پہنچے گی، تو وہ اس کا معنی سمجھے گا اور اسے اپنے اعتقاد کا حصہ بنائے گا اور اسی چیز کا اسے حکم دیا گیا ہے اور تمام ظاہری اور باطنی اعمال کا یہی معاملہ ہے تمام اعمال ایمان ہی کے دائرے میں آتے ہیں جیسا کہ بہت سی نصوص اس پر دلالت کرتی ہیں اور امت کا اس پر اجماع ہے۔ پھر اس پر استمرار اور موت تک اس پر ثابت قدمی ہو۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تَقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ﴾ (آل عمران: ۱۰۲/۳) ”اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرو جیسے ڈرنے کا حق ہے اور مرنا تو مسلمان ہی مرنا“۔

یہاں ہمیں اللہ تعالیٰ پر اس کے رسولوں پر قرآن کریم پر اور سابقہ کتب پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ تمام تر ایمان واجب میں سے ہیں جس کے بغیر کوئی بندہ مومن نہیں ہو سکتا۔ جس چیز کے بارے میں تفصیل نہیں پہنچی اس پر اجمالاً ایمان لانا فرض ہے اور جہاں تفصیل معلوم ہے وہاں تفصیلاً ایمان لانا فرض ہے۔ جو کوئی اس مامور طریقے پر ایمان لاتا ہے وہی ہدایت پا کر نوزیاب ہوتا ہے۔

﴿وَمَنْ يَكْفُرْ بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا﴾ ”جو شخص

اللہ تعالیٰ سے اور اس کے فرشتوں سے اور اس کی کتابوں سے اور اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرنے تو وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا، یعنی ان لوگوں سے بھی کوئی بڑھ کر گمراہ ہو سکتا ہے جو ہدایت کی راہ راست کو چھوڑ دیتے ہیں اور اس راستے پر چل نکلتے ہیں جو دردناک عذاب میں لے جاتا ہے؟

یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ ان تمام امور میں سے کسی ایک کے ساتھ کفر گویا ان تمام امور کے ساتھ کفر ہے، کیونکہ یہ تمام امور ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں اور ان میں سے بعض کو چھوڑ کر بعض پر ایمان لانا بھی ایمان کے وجود کے لئے مانع ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا ثُمَّ أزدَادُوا كُفْرًا
 بیشک جو لوگ ایمان لائے، پھر انہوں نے کفر کیا، پھر وہ ایمان لائے، پھر انہوں نے کفر کیا، پھر زیادہ ہو گئے وہ کفر میں
 لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيُغْفِرْ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًا ۝
 نہیں ہے اللہ کہ بخشنے ان کو اور نہیں ہے کہ ہدایت دے ان کو راستے کی ○

یعنی جو کوئی ایمان لانے کے بعد بتکرار کفر کرتا رہا، ہدایت کا راستہ اختیار کیا، پھر گمراہ ہو گیا، پھر ایمان لایا، پھر اندھا ہو گیا، پھر ایمان لے آیا، پھر کفر کیا اور اپنے کفر پر قائم رہا بلکہ اپنے کفر میں بڑھتا رہا، تو وہ توفیق اور راہ راست سے بہت دور اور اللہ تعالیٰ کی مغفرت سے بہت بعید ہے کیونکہ وہ ایسی چیز کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا جو مغفرت کے لئے سب سے بڑا مانع ہے۔ اس لئے کہ اس کا کفر اس کے لئے سزا اور اس کی طبیعت بن جاتا ہے جو کبھی زائل نہیں ہوتی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿فَلَمَّا دَاخَعُوا أَذَاعَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ﴾ (الصف: ۵/۶۱) ”جب وہ کج رو ہو گئے تو اللہ نے ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیا“۔ اور فرمایا: ﴿وَنَقَّبَ أَقْدَانَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوْلَىٰ مَرَّةٍ﴾ (الانعام: ۱۱۰/۱۶) ”ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پلٹ دیں گے اور جس طرح وہ اس پر پہلی مرتبہ ایمان نہ لائے تھے (ویسے پھر ایمان نہ لائیں گے)۔“

آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ اگر وہ اپنے کفر میں بڑھتے نہ چلے جائیں بلکہ وہ ایمان کی طرف لوٹ آئیں اور کفر کے رویے کو ترک کر دیں تو اللہ تبارک و تعالیٰ ان کو معاف کر دے گا خواہ بار بار ان سے ارتداد کا ارتکاب ہوا ہو اور جب کفر کے مقابلے میں یہ حکم ہے تو دیگر گناہ جو کفر سے کم تر ہیں وہ بدرجہ اولیٰ اس بات کے مستحق ہیں کہ اگر بندے سے ان گناہوں کا تکرار ہو اور وہ توبہ کر لے تو اللہ تعالیٰ اس کے یہ گناہ بخش دے۔

بَشِيرِ الْمُنْفِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ۝ الَّذِينَ يَتَّخِذُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ

بشارت دے دیجئے منافقین کو اس بات کی کہ تحقیق ان کیلئے عذاب ہے بہت دردناک ○ جو لوگ بناتے ہیں کافروں کو دوست

مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۖ أَيْبَتُّوْنَ عِنْدَهُمُ الْعِزَّةَ فَإِنَّ الْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ﴿۱۳۹﴾
 سوائے مومنوں کے، کیا تلاش کرتے ہیں وہ انکے پاس عزت؟ پس بے شک عزت تو اللہ ہی کیلئے ہے ساری ○

”بشارت“ کا لفظ خیر کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور شر کے معنوں میں اس وقت استعمال ہوتا ہے جب کسی قید سے مقید ہو جیسا کہ اس آیت کریمہ میں ہے۔ ﴿بَشِيرِ الْمُنْفِقِينَ﴾ ”منافقوں کو بشارت سنا دو۔“ یعنی وہ لوگ جو اسلام ظاہر کرتے ہیں اور اپنے دلوں میں کفر کو چھپائے ہوئے ہیں انہیں بدترین بشارت سنا دیجئے اور وہ ہے دردناک عذاب کی بشارت۔ اس کا سبب یہ ہے کہ وہ کفار سے محبت کرتے ہیں، ان سے موالات رکھتے ہیں اور ان کی مدد کرتے ہیں اور اہل ایمان سے ترک موالات کرتے ہیں۔ کس چیز نے انہیں اس رویے پر آمادہ کیا؟ کیا یہ ان کے پاس عزت کے متلاشی ہیں؟

یہ منافقین کے احوال تھے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں بدگمانی کا شکار تھے۔ ان کا یقین اس بارے میں بہت کمزور تھا کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کی مدد فرمائے گا وہ بعض ان اسباب کو دیکھ رہے تھے جو کفار کو میسر تھے اور اس سے آگے دیکھنے سے ان کی نظر قاصر تھی۔ پس انہوں نے کفار کو اپنا دوست اور ولی و مددگار بنا لیا جن سے یہ مدد طلب کرتے ہیں اور جن کے پاس یہ عزت ڈھونڈتے ہیں۔ حالانکہ تمام تر عزت کا مالک اللہ تبارک و تعالیٰ ہے۔ بندوں کی پیشانیاں اسی کے قبضہ قدرت میں ہیں اور ان میں اسی کی مشیت نافذ ہے۔ وہ اپنے دین اور اپنے مومن بندوں کی مدد کا ضامن ہے۔ اگرچہ وہ کبھی کبھی اہل ایمان کا امتحان لینے کے لئے یہ مدد چھوڑ دیتا ہے اور دشمن کو ان پر غلبہ دے دیتا ہے۔ مگر دشمن کی فتح اور کامیابی دائمی اور مستقل نہیں ہوتی۔ انجام کار فتح اور کامیابی اہل ایمان ہی کی ہوتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں کفار کے ساتھ موالات رکھنے اور اہل ایمان کے ساتھ موالات ترک کرنے پر زبردست ترہیب ہے، نیز بتایا گیا ہے کہ یہ منافقین کی صفات ہیں۔ ایمان تو اہل ایمان کے ساتھ محبت، موالات اور کفار کے ساتھ عداوت رکھنے کا تقاضا کرتا ہے۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَمِعْتُمْ آيَةَ اللَّهِ يَكْفُرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَأُ
 اور تحقیق نازل کیا ہے اس نے تم پر کتاب میں یہ کہ جب سنو تم آیتیں اللہ کی، کہ کفر کیا جا رہا ہو ساتھ انکے اور استہزاء کیا جا رہا ہو
 بِهَا فَلَا تَقْعُدُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۗ إِنَّكُمْ إِذَا مِثْلَهُمْ ط
 ساتھ انکے، تو نہ بیٹھو تم انکے ساتھ، یہاں تک کہ مشغول ہو جائیں وہ کسی اور بات میں انکے علاوہ۔ بلاشبہ تم اس وقت ان جیسے ہی ہو گے
 إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنْفِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ﴿۱۴۰﴾ ۙ الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ
 تحقیق اللہ جمع کرنے والا ہے منافقوں اور کافروں کو جہنم میں سب کو ○ جو (منافق) انتظار کرتے ہیں

بِكُمْ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ نَكُنْ مَعَكُمْ ۗ وَإِنْ كَانَ لِلْكَافِرِينَ تَهْمَةٌ فَإِنَّ أُولَئِكَ يَنْتَظِرُونَ ۗ

تہمہاری بابت؛ پھر اگر ہوتہمارے لیے فتح اللہ کی طرف سے، تو کہتے ہیں کیانہ تھے ہم تمہارے ساتھ؟ اور اگر ہو واسطے کافروں کے نَصِيبٌ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعَكُم مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۗ قَالَ اللَّهُ يَحْكُمُ

حصہ (غلبہ) تو کہتے ہیں کیانہ غالب آنے لگے تھے ہم تم پر اور (کیانہ) بچایا تھا ہم نے تمہیں مسلمانوں سے؟ پس اللہ فیصلہ کرے گا بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۗ وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ۗ

تمہارے درمیان دن قیامت کے، اور ہر گز نہیں کرے گا اللہ کافروں کیلئے اوپر مومنوں کے کوئی راہ (غلبہ کی) ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی نازل کردہ کتاب میں کفر اور معاصی کی مجالس میں موجود ہونے کی صورت میں اپنا شرعی حکم واضح کر دیا ہے۔ ﴿ اِنْ اِذَا سَمِعْتُمْ آيَاتِ اللّٰهِ يَكْفُرُ بِهَا وَيُسْتَهْزِءُ بِهَا ﴾ ”کہ جب تم (کہیں) سنو کہ اللہ کی آیتوں سے انکار ہو رہا ہے اور ان کی ہنسی اڑائی جا رہی ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات کی اہانت کی جا رہی ہو۔ اللہ تعالیٰ کی آیات کے بارے میں ہر مکلف شخص پر فرض ہے کہ وہ ان پر ایمان لائے اور ان کی تعظیم و تکریم کرے۔ ان کو نازل کرنے کا یہی مقصد ہے اور اسی کی خاطر اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمام کائنات تخلیق کی ہے۔ پس ان پر ایمان لانے کی ضد ان کے ساتھ کفر کرنا اور ان کی تعظیم و تکریم کی ضد ان کے ساتھ استہزاء اور ان کی تحقیر کرنا ہے، نیز اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی آیات کے ابطال کے لئے کفار و منافقین کا مجادلہ اور ان کی اپنے کفر کی تائید کرنا بھی شامل ہے۔ اسی طرح ہر قسم کے بدعتی بھی داخل ہیں کیونکہ ان کا اپنے باطل نظریات کے لئے استدلال کرنا اللہ تعالیٰ کی آیات کی اہانت کو متضمن ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات حق کے سوا کسی چیز پر دلالت نہیں کرتیں اور صدق کے سوا کسی چیز کو مستلزم نہیں۔

اسی طرح اس حکم میں ان مجالس کی حاضری بھی شامل ہے جن میں فسق و فجور اور معصیت کے کام ہوتے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کی اہانت ہوتی ہے اور اس کی حدود توڑی جاتی ہیں جو اس نے اپنے بندوں کے لئے مقرر کی ہیں۔ ان کے ساتھ بیٹھنے کی ممانعت کا منہی ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ حَتّٰى يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ﴾ ”حتیٰ کہ وہ اور باتیں کرنے لگیں۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر اور استہزاء کے سوا کوئی اور بات کرنے لگیں۔ ﴿ اِنَّكُمْ اِذَا ﴾ ”ورنہ تم بھی (ان ہی جیسے) ہو جاؤ گے۔“ یعنی اگر تم آیت کریمہ میں مذکور حالت میں ان کے ساتھ بیٹھو گے ﴿ وَثَلُثُهُمْ ﴾ ”تو ان جیسے شمار ہو گے“ کیونکہ تم ان کے کفر و استہزاء پر راضی تھے۔ کسی معصیت کے فعل پر راضی ہونا اس فعل کے ارتکاب کی مانند ہے۔ اس بحث کا حاصل یہ ہے کہ جو کوئی کسی ایسی مجلس میں موجود ہو جس میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جا رہی ہو تو قدرت رکھتے ہوئے اس نافرمانی پر نکیر کرنا اور اس سے روکنا واجب ہے۔ اگر روکنے کی قدرت نہ ہو تو اس مجلس سے اٹھ کر چلا جانا ضروری ہے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ

وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ جَمِيعًا ﴿﴾ ”یقیناً اللہ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے“ جیسے وہ اس دنیا میں کفر و موالات پر مجتمع ہیں۔

منافقین کو ان کا ظاہری طور پر اہل ایمان کے ساتھ ہونا کوئی فائدہ نہیں دے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿يَوْمَ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُونَا نَقْتَبِسْ مِنْ نُورِكُمْ قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُورٍ لَهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝ يُنَادُوهُمْ أَمْرُ اللَّهِ وَأَمْرٌ يُؤْتَاهُ اللَّهُ مَنَاسِكُمْ أَتَمَّ لَمْ تُكِنَّا مَعَكُمْ قَالُوا بَلَىٰ وَلَكِنَّكُمْ فَتَنْتُمْ أَنْفُسَكُمْ وَتَرَبَّصْتُمْ وَارْتَبْتُمْ وَغَرَّتْكُمُ الْأَمَانِيُّ حَتَّىٰ جَاءَ أَمْرُ اللَّهِ وَغَرَّكُمْ بِاللَّهِ الْغُرُورُ ۝ فَالْيَوْمَ لَا يُؤْخَذُ مِنْكُمْ فِدْيَةٌ وَلَا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مَأْوِكُمُ النَّارُ هِيَ مَوْلَاكُمْ وَبِئْسَ الْبَصِيرُ ﴿﴾ (الحديد: ۱۰۷-۱۱۰) ”اس روز منافق مرد اور منافق عورتیں اہل ایمان سے کہیں گے، ٹھہرو! ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کر لیں! ان سے کہا جائے گا کہ پیچھے لوٹ جاؤ اور وہاں روشنی تلاش کرو پھر ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا جس کے اندرونی جانب رحمت ہوگی اور بیرونی جانب عذاب، منافق پکار پکار کر اہل ایمان سے کہیں گے کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟ مومن جواب دیں گے ہاں تم ہمارے ساتھ تھے مگر تم نے اپنے آپ کو فتنے میں ڈالا اور تم حوادث زمانہ کے منتظر رہے، تم نے اسلام کے بارے میں شک کیا، جھوٹی آرزوؤں نے تمہیں دھوکے میں مبتلا کئے رکھا یہاں تک کہ اللہ کا حکم آ گیا اور تمہیں شیطان دھوکے باز دھوکہ دیتا رہا۔ آج تم سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا اور نہ ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا۔ تمہارا ٹھکانا جہنم ہے اور وہی تمہارا دوست ہے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔“

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ منافقین کی کفار کے ساتھ موالات اور اہل ایمان کے ساتھ عداوت متحقق ہے۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَتَرَبَّصُونَ بِكُمْ﴾ ”جو تم کو دیکھتے رہتے ہیں۔“ یعنی مستقبل میں تمہارے اچھے یا برے حالات کے منتظر ہیں۔ انہوں نے اپنے نفاق کے مطابق ہر حالت کے بارے میں جواب تیار کر رکھا ہے۔ ﴿فَإِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِنَ اللَّهِ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ مَعَكُمْ﴾ ”پھر اگر اللہ تمہیں فتح دے تو یہ کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے؟“ وہ ظاہر کریں گے کہ وہ ظاہری طور پر اہل ایمان کے ساتھ تھے تا کہ طعن و تشنیع سے بچ سکیں نیز فتنے اور مال نفیست میں سے حصہ وصول کر سکیں اور ان کے ساتھ مل کر وہ محفوظ رہیں۔

﴿وَإِنْ كَانَ لِلْكَافِرِينَ نَصِيبٌ﴾ ”اور اگر کافروں کو کچھ حصہ مل جائے“ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اگر کافروں کی فتح ہو کیونکہ ان کو ایسی فتح حاصل نہیں ہوتی جو ان کی دائمی نصرت کی ابتدا ہو۔ اگر ان کے لئے کوئی حصہ ہوتا ہے تو اس کی انتہا یہ ہے کہ وہ عارضی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے، چنانچہ جب یہ صورت حال ہوتی ہے

﴿ قَالُوا أَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَيْنَكُمْ ﴾ ” تو کہتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہ تھے“ ﴿ وَنَسْنَعُكُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴾

” اور تم کو مسلمانوں کے ہاتھوں سے بچایا نہیں؟“ یعنی وہ کفار کے پاس بناوٹ اور تصنع سے کام لے کر ان سے کہتے تھے کہ قدرت اور طاقت کے باوجود انہوں نے ان سے لڑائی نہیں کی اور ان کو مسلمانوں سے بچائے رکھا اور وہ ہر لحاظ سے جنگ کے لئے گھر سے نکلنے سے رکے رہے لڑائی سے گریز کرتے رہے اور مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد کرتے رہے۔ اور ان کے بارے میں یہ تمام امور معروف ہیں۔

﴿ قَالَهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ﴾ ” پس اللہ تعالیٰ قیامت کے روز ان کے درمیان فیصلہ کرے گا“ اور اہل ایمان کو ظاہری اور باطنی طور پر بدلے میں جنت عطا کرے گا اور منافق مردوں اور منافق عورتوں، مشرک مردوں اور مشرک عورتوں کو جہنم کے عذاب میں مبتلا کرے گا۔ ﴿ وَلَنْ يَجْعَلَ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا ﴾ ” اور اللہ کافروں کو مومنوں پر ہرگز غلبہ نہیں دے گا۔“ یعنی اللہ کفار کو اہل ایمان پر کبھی تسلط اور غلبہ عطا نہیں کرے گا، بلکہ اہل ایمان کی ایک جماعت ہمیشہ حق پر قائم رہے گی۔ اللہ اس جماعت کی مدد کرے گا، جو ان سے علیحدہ ہوگا اور ان کی مخالفت کرے گا وہ ان کا کوئی نقصان نہیں کر سکے گا۔ اہل ایمان کی فتح و نصرت کے اسباب پیدا ہوتے چلے جائیں گے اور کفار کا تسلط ختم ہوتا چلا جائے گا اور اس کا واضح طور پر مشاہدہ ہو چکا ہے۔ حتیٰ کہ بعض مسلمان جن پر کفار حکومت کرتے ہیں وہ ان کے ہاں قابل احترام ہیں وہ ان کے دین سے کوئی تعرض نہیں کرتے وہ ان کے ہاں کمزور اور ماتحت بن کر نہیں رہتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کو پوری عزت عطا کی گئی ہے۔ اول و آخر اور ظاہر و باطن میں ہر قسم کی تعریف اللہ کے لئے ہے۔

إِنَّ الْمُنْفِقِينَ يُخِذُ عَوْنَ اللَّهِ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ

بلاشبہ منافق فریب دیتے ہیں اللہ کو اور وہ (بھی) فریب دینے والا ہے ان کو اور جب کھڑے ہوتے ہیں طرف نماز کی

قَامُوا كَسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿۳۱﴾

تو کھڑے ہوتے ہیں کالی سے، دکھلاتے ہیں لوگوں کو اور نہیں یاد کرتے اللہ کو مگر بہت تھوڑا

مُنْذَبَدَيْنَ بَيْنَ ذَلِكَ ۖ لَآ إِلَىٰ هَؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَؤُلَاءِ ۖ وَمَنْ

متروک ہیں درمیان اس (کفر و ایمان) کے، نہ ان کی طرف اور نہ ان کی طرف، اور جس کو

يُضِلُّ اللَّهُ فَلَٰنَ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ﴿۳۲﴾

گمراہ کرے اللہ، پس ہرگز نہیں پائیں گے آپ اس کے لیے کوئی راہ

اللہ تبارک و تعالیٰ منافقین کی قبیح صفات اور مکروہ علامات کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے نیز یہ کہ ان کا طریق

اللہ کو فریب دینا ہے یعنی بظاہر وہ مومن ہیں مگر باطن میں کافر ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کو دھوکہ دے دیں

گے اور اللہ تعالیٰ کو ان کے کرتوتوں کا علم نہیں اور وہ ان کا دھوکا اپنے بندوں پر ظاہر نہیں کرے گا حالانکہ اللہ تعالیٰ خود ان کو دھوکے میں مبتلا کر رہا ہے۔ ان کا مجرد یہ حال ہونا اور اس راستے پر گامزن رہنا ان کا اپنے آپ کو دھوکے میں مبتلا کرنا ہے بھلا اس سے بڑا دھوکہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ کوئی شخص پوری دوڑ دھوپ کرے مگر اس کا ماحصل رسوائی، ذلت اور محرومی کے سوا کچھ نہ ہو۔ یہ چیز اس شخص کی کم عقلی پر دلالت کرتی ہے کہ وہ معصیت کا ارتکاب کرتا ہے اور اسے نیکی خیال کرتا ہے اور اسے بڑی عقل مندی اور چال بازی سمجھتا ہے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ جہالت اور خذلان اسے کس انجام پر پہنچائیں گے۔

قیامت کے روز ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا دھوکہ یہ ہوگا۔ جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا ہے: ﴿يَوْمَ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ لِلَّذِينَ آمَنُوا انظُرُونَا نَقْتِسِمَ مِنْ نُورِكُمْ قِيلَ ارْجِعُوا وَرَاءَكُمْ فَالْتَمِسُوا نُورًا فَضُرِبَ بَيْنَهُم بِسُورٍ لَهُ بَابٌ بَاطِنُهُ فِيهِ الرَّحْمَةُ وَظَاهِرُهُ مِنْ قِبَلِهِ الْعَذَابُ ۝ يُنَادُوهُمْ أَمْهُمْ لَمْ تكنْ مَعَكُمْ﴾ (الحديد: ۱۳-۱۴) ”اس روز منافق مرد اور منافق عورتیں اہل ایمان سے کہیں گے ٹھہرو! ہم بھی تمہارے نور سے روشنی حاصل کر لیں! ان سے کہا جائے گا پیچھے لوٹ جاؤ اور وہاں روشنی تلاش کرو پھر ان کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی جائے گی جس میں ایک دروازہ ہوگا جس کے اندرونی جانب رحمت ہوگی اور بیرونی جانب عذاب۔ منافق پکار پکار کر اہل ایمان سے کہیں گے کیا ہم تمہارے ساتھ نہ تھے؟“ ان منافقین کی صفات یہ ہیں۔ ﴿وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ﴾ ”جب وہ نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں۔“ نماز جو کہ سب سے بڑی عملی نیکی ہے۔ اگر وہ نماز کے لئے کھڑے ہونے جاتے ہیں ﴿قَامُوا كَسَالَى﴾ ”توست ہو کر۔“ یعنی بوجھل پن کے ساتھ تنگ دل اور زچ ہو کر اٹھتے ہیں۔

”کاسالی“ کا اطلاق ان پر تب ہوتا ہے جب ان کے دلوں میں رغبت کا فقدان ہو اگر ان کے دل اللہ تعالیٰ اور اس کے ثواب کی طرف رغبت سے خالی نہ ہوتے اور ان میں ایمان معدوم نہ ہوتا تو ان سے سستی اور کسل مندی کبھی صادر نہ ہوتی۔ ﴿يُرَاءُونَ النَّاسَ﴾ ”لوگوں کے دکھانے کو۔“ یعنی یہ ان کی فطرت ہے اور یہی ان کے اعمال کا مصدر ہے۔ ان کے اعمال لوگوں کے دکھاوے کے لئے ہیں انکا مقصد محض ریا کاری اور لوگوں سے تعظیم اور احترام حاصل کرنا ہے۔ اپنے اعمال کو اللہ کے لئے خالص نہیں کرتے۔ لہذا فرمایا: ﴿وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا﴾ ”اور اللہ کا ذکر نہیں کرتے مگر بہت کم۔“ کیونکہ ان کے دل ریا سے لبریز ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس کا التزام صرف مومن ہی کر سکتا ہے، کیونکہ اس کا دل اللہ تعالیٰ کی محبت اور عظمت سے لبریز ہے۔

﴿مَنْ دَبَّ بَيْنَ بَيْنَ ذَلِكَ لَأَيُّهُ لَأَيُّهُ لَأَيُّهُ لَأَيُّهُ﴾ ”بیچ میں پڑے لنگ رہے ہیں۔ نہ ان کی طرف (ہوتے ہیں) نہ ان کی طرف۔“ یعنی وہ اہل ایمان اور کفار کے گروہوں کے درمیان متذبذب اور متردد ہیں۔ ظاہری اور باطنی طور پر اہل ایمان کے ساتھ ہیں نہ کفار کے ساتھ۔ انہوں نے اپنا باطن کفار کو عطا کر رکھا ہے

اور ظاہر مسلمانوں کے ساتھ ہے اور یہ سب سے بڑی گمراہی ہے، اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَكُنْ تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا﴾ ”اور جس کو اللہ بھٹکائے تو آپ اس کے لیے کبھی بھی راستہ نہیں پائیں گے۔“ یعنی آپ اس کی ہدایت کا کوئی راستہ اور اس کو گمراہی سے بچانے کے لئے کوئی وسیلہ نہیں پائیں گے کیونکہ اس پر رحمت کا دروازہ بند ہو چکا ہے اور اس کی رحمت کی بجائے اللہ تعالیٰ کا غضب و انتقام اس کا نصیب بن چکا ہے۔

یہ تمام مذموم اوصاف اشارتاً دلالت کرتے ہیں کہ اہل ایمان ان کی متضاد صفات سے متصف ہیں اور وہ ہیں ظاہر و باطن میں صدق اور اخلاص۔ انہیں اپنی نمازوں، عبادات اور کثرت ذکر الہی میں جو نشاط حاصل ہوتا ہے وہ سب معلوم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہدایت عطا کی اور صراط مستقیم پر گامزن کیا۔ پس ایک عقل مند شخص کو چاہئے کہ وہ ان دو امور پر غور کرے اور جو اس کے لئے بہتر ہے اسے اختیار کر لے۔ واللہ المستعان۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۗ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ بناؤ تم کافروں کو دوست سوائے مومنوں کے

أَتُرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِينًا ﴿۱۳۷﴾

کیا چاہتے ہو تم یہ کہ (ثابت) کرو اللہ کے لیے اپنے خلاف حجت ظاہر؟ ○

چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے منافقین کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ اہل ایمان کو چھوڑ کر کفار کو دوست بناتے ہیں، اس لئے اس نے اپنے مومن بندوں کو اس قبیح حالت سے متصف ہونے سے روکا ہے، نیز انہیں منافقین کی مشابہت اختیار کرنے سے منع کیا ہے۔ کیونکہ تمہارا یہ عمل اللہ تعالیٰ کو حجت فراہم کرے گا۔ فرمایا: ﴿أَنْ تَجْعَلُوا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِينًا﴾ ”یہ کہ تم اپنے اوپر اللہ کا صریح الزام لو۔“ یعنی تمہیں عذاب دینے کے لئے یہ واضح دلیل ہوگی۔ کیونکہ ہم تمہیں اس رویے سے ڈرا چکے ہیں اور تمہیں اس سے بچنے کی تلقین کر چکے ہیں اور اس میں جو مفاسد پنہاں ہیں ان سے آگاہ کر چکے ہیں۔ اس کے بعد بھی اسی راہ پر چلنا عذاب کا موجب ہوگا۔ یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے کامل عدل پر دلالت کرتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قانون پر دلالت کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ حجت قائم کرنے سے پہلے کسی کو سزا نہیں دے گا اور اس میں گناہوں سے بچنے کی تلقین ہے کیونکہ گناہوں کا ارتکاب کرنے والا اپنے خلاف اللہ تعالیٰ کو واضح دلیل فراہم کرتا ہے۔

إِنَّ الْمُنٰفِقِينَ فِي الدَّرٰكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّٰرِ ۗ وَلٰكِنْ تَجِدَ لَهُمْ نَصِيْرًا ﴿۱۳۸﴾

بلاشبہ منافقین سب سے نچلے درجے میں ہوں گے آگ کے اور ہرگز نہیں پائیں گے آپ ان کیلئے کوئی مددگار ○

إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَاعْتَصَمُوا بِاللّٰهِ وَأَخْلَصُوا دِيْنَهُمْ لِلّٰهِ فَأُولٰٓئِكَ

سوائے انکے جنہوں نے توبہ کی اور اصلاح کر لی اور مضبوط پکڑا اللہ (کے دین) کو اور خالص کر لیا انہادین اللہ کیلئے، پس یہ لوگ

مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ط وَ سَوْفَ يُؤْتِي اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿١٣٦﴾ مَا يَفْعَلُ اللَّهُ

ساتھ ہوں گے مومنوں کے اور عنقریب دے گا اللہ مومنوں کو اجر بہت بڑا ○ کیا کرے گا اللہ

بِعَذَابِكُمْ إِنَّ شُكْرَكُمْ وَأَمْنَتُمْ ط وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا ﴿١٣٧﴾

تمہیں عذاب دے کر اگر شکر کرو تم اور ایمان لے آؤ تم؟ اور ہے اللہ قدر دان خوب جاننے والا ○

اللہ تبارک و تعالیٰ منافقین کے انجام کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے بیان فرماتا ہے کہ وہ جہنم کے سب سے نچلے درجے میں بدترین عذاب میں مبتلا ہوں گے۔ وہ تمام کفار کے نیچے ہوں گے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ سے کفر کرنے اور رسول اللہ ﷺ کی عداوت میں کفار کے ساتھ شریک تھے مزید برآں وہ مکرو فریب اور اہل ایمان کے ساتھ مختلف اقسام کی عداوت رکھتے تھے اور یہ عداوت اس طرح رکھتے تھے کہ وہ محسوس نہیں ہوتی تھی بنا بریں ان پر اسلام کے احکام جاری ہوتے تھے اور اس بنیاد پر وہ اپنا استحقاق ظاہر کرتے تھے حالانکہ وہ اس کے مستحق نہ تھے۔ پس اس قسم کے مکرو فریب اور ہتکنڈوں کی بنا پر سخت عذاب کے مستحق ہیں۔ کوئی ہستی ان کو اس عذاب سے بچا سکے گی نہ کوئی مددگار اس عذاب کو ان سے دور کر سکے گا۔ یہ عذاب ہر منافق کے لئے عام ہے سوائے ان کے جن کو اللہ تعالیٰ گناہوں سے توبہ کی توفیق سے نواز دے ﴿وَأَصْلَحُوا﴾ اور وہ (اپنے ظاہر و باطن کی) اصلاح کر لیں۔ ﴿وَأَعْتَصَمُوا بِاللَّهِ﴾ اور اللہ (کی رسی) کو مضبوط پکڑ لیں۔ اپنے منافع کے حصول اور ضرر کے دفعیہ کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کر لیں ﴿وَأَخْلَصُوا دِينَهُمْ﴾ اور اپنے دین کو خالص کر لیں، یہاں دین سے مراد اسلام، ایمان اور احسان ہے ﴿بِاللَّهِ﴾ اللہ کے لئے، یعنی ظاہری اور باطنی اعمال میں ان کا مقصد اللہ تعالیٰ کی رضا ہو، نیز ریا اور نفاق سے بچے ہوئے ہوں۔ جو لوگ ان صفات سے متصف ہوں گے ﴿فَأُولَٰئِكَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ وہی دنیا، برزخ اور آخرت میں اہل ایمان کے ساتھ ہوں گے ﴿وَسَوْفَ يُؤْتِي اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا﴾ اور اللہ عنقریب مومنوں کو بڑا ثواب دے گا۔ اللہ تعالیٰ عنقریب اہل ایمان کو ایسے اجر سے نوازے گا جس کی حقیقت و ماہیت کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ جسے کسی آنکھ نے دیکھا ہے نہ کسی کان نے سنا ہے اور نہ کسی کے دل میں اس کے تصور کا گزر ہوا ہے۔

غور کیجئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ”اعتصام باللہ“ اور ”اخلاص“ کا خاص طور پر ذکر کیا ہے حالانکہ یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے ارشاد (وَأَصْلَحُوا) میں داخل ہیں کیونکہ ”اعتصام باللہ“ اور ”اخلاص“ اصلاح کے زمرے میں آتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اصلاح میں ان دو امور کی سخت ضرورت ہے۔ خاص طور پر یہ مقام حرج جہاں دلوں میں نفاق جڑ پکڑ لیتا ہے۔۔۔ اور نفاق کو صرف اعتصام باللہ اللہ کے پاس پناہ لینے اور اس کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی حاجت پیش کر کے ہی زائل کیا جاسکتا ہے۔ اخلاص ہر لحاظ سے پوری طرح نفاق کے منافی

ہے۔ اخلاص اور اعتصام کی فضیلت کی بنا پر ان کا تذکرہ کیا ہے، تمام ظاہری اور باطنی اعمال کا دار و مدار انہی دو امور پر ہے کیونکہ اس مقام پر ان دونوں امور کی سخت حاجت ہوتی ہے۔ اس امر پر بھی غور کیجئے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے ساتھ ان کا ذکر کیا تو ان کے کرتوتوں کی وجہ سے اس نے یہ نہیں فرمایا (وَسَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا) بلکہ فرمایا: ﴿وَسَوْفَ يُؤْتِي اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ أَجْرًا عَظِيمًا﴾

اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ قاعدہ شریف ہے جس کا وہ ہمیشہ اعادہ کرتا رہا ہے کہ جب کلام کا سیاق بعض جزئیات کے بارے میں ہو اور اللہ تعالیٰ ان جزئیات پر ثواب یا عقاب مرتب کرنا چاہتا ہو اور جس جنس میں یہ جزئیات داخل ہیں ثواب یا عقاب ان میں مشترک ہو۔ تو وہ عام حکم کے مقابلہ میں جس کے تحت یہ قضیہ مندرج ہے ثواب مرتب کرتا ہے تاکہ اس جزوی امر کے ساتھ حکم کا اختصاص متوہم نہ ہو یہ قرآن کریم کے اسرار و بدائع ہیں۔ پس منافقین میں سے اپنے نفاق سے توبہ کرنے والا شخص اہل ایمان کے ساتھ ہوگا اور اسے بھی اہل ایمان والا ثواب ملے گا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے کمال غنا و وسعت علم و رحمت اور احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِن شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ﴾ ”اگر تم (اللہ کے) شکر گزار رہو اور (اس پر) ایمان لے آؤ تو اللہ تم کو عذاب دے کر کیا کرے گا۔“ اور حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قدر شناس اور علم رکھنے والا ہے۔ وہ اپنے راستے میں بوجھ اٹھانے والوں اور اعمال میں مشقت برداشت کرنے والوں کو بہت زیادہ ثواب اور بے پایاں احسان سے نوازے گا۔

جو کوئی اللہ تعالیٰ کی خاطر کوئی چیز ترک کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس سے بہتر چیز عطا کرتا ہے۔ نیز اس کے ساتھ ساتھ وہ ظاہر و باطن اور تمہارے اعمال کو جانتا ہے۔ وہ ان اعمال کا بھی علم رکھتا ہے جو صدق و اخلاص سے صادر ہوتے ہیں اور ان اعمال کا بھی علم رکھتا ہے جو ان کی ضد ہیں۔ وہ چاہتا ہے کہ تم توبہ اور انابت کے ذریعے سے اس کی طرف رجوع کرو۔ اور جب تم اس کی طرف رجوع کرو گے تو وہ تمہیں عذاب دے کر کیا کرے گا؟ وہ تشفی حاصل کرنے کے لئے تمہیں عذاب اور کسی فائدے کے حصول کی خاطر تمہیں عقاب میں مبتلا نہیں کرتا بلکہ معاصی کا ارتکاب کرنے والا اپنے آپ ہی کو نقصان دیتا ہے جیسے اطاعت کرنے والے کا عمل صرف اس کی ذات کے لئے ہے۔

شکر و دل کے خضوع، اس کے اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اعتراف کرنے اور زبان سے مشکور کی مدح و ثنا بیان کرنے کا نام ہے، نیز شکر یہ ہے کہ جو ارح مشکور کی اطاعت کے اعمال میں مصروف ہوں اور وہ منعم و مشکور کی عطا کردہ نعمتوں کو اس کی نافرمانی میں استعمال نہ کرے۔



وَلَقَدْ بَعَثْنَا لِقَابِ الْفُلْكَانِ الَّذِي كَفَرَ فِيهَا قَبْلَ مَوْلَاكَ

تَنْبِيْهُنَّ لِلَّذِي يَنْبَغِيْ لِكُلِّ قَوْمٍ
فِي تَفْسِيْرِ كَلِمَاتِ الْمَثَانِ

المعروف

(أردو)

تفسیر السعدی

فی تفسیر عبد الرحمن بن ناصر السعدی

دار السلام

کتاب و سنت کی روشنی میں
ادارہ

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور
لندن • ہیوسٹن • نیو یارک



ہیڈ آفس : پوسٹ بکس: 22743 الرياض: 11416 سعودی عرب

فون : 4033962 - 4043432 (00966 1) فیکس: 4021659

ای میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون و فیکس: 4614483

جدہ فون و فیکس: 6807752 البر فون: 8692900 فیکس: 8691551

شارجہ فون : 5632623 فیکس: 5632624 (009716)

پاکستان: ① 50 نورمال نزدیم - لے - اوکلیج لاہور فون: 7232400 - 7240024 (0092 42)

فیکس: 7354072 ای میل: darussalampk@hotmail.com

② اقراسنٹر، غزنی سٹریٹ، ازاد بازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

لندن فون: 5202666 فیکس: 5217645 (0044 208)

ہیوسٹن فون: 7220419 فیکس: 7220431 (001 713) نیویارک فون: 625 5925 (001 718)

Website: <http://www.dar-us-salam.com>

وَأَقْرَبُ إِلَيْنَا الْقُرْآنَ لِلذَّكَرِ وَمِنْ مَرَكِبِكُمْ

تیسیر
الکرمی الرحمن
فی تفسیر کلام المثنان
(اردو ترجمہ)

پارہ نمبر چھ 6

مفسر قرآن: فضیلہ شیخ عبدالرحمان بن ناصر السعدی رحمۃ اللہ علیہ

تصحیح: عبدالرحمان بن محمد اللویحی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: انیسہ بیرونیہ فیروز پورہ فیصلہ ٹیٹ شاپین لودھی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: القرآن: حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ



دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ



فرمان الہی

وَقَالَ الرَّسُولُ
يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَلْجُودًا

اور رسول (ﷺ) روز قیامت فرمائیں گے:
"اے الہی! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔"
(الفرقان: ۳۷/۲۵۰)

فرمان نبوی

إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ
بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيُضَعُّ بِهَا خَيْرِينَ

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو بلندیاں
عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلت و پستی میں ڈھیل دیتا ہے
(صحیح مسلم، حدیث: ۸۱۴)

پا رة نمبر چه 6

شمار پاره	صفحہ نمبر	نام سورت	نمبر شمار
۶ - ۵ - ۴	621	سورة النساء	۴
۷ - ۶	641	سورة المائدة	۵

لَا يُحِبُّ اللَّهُ الْجَهْرَ بِالسُّوِّءِ مِنَ الْقَوْلِ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ وَكَانَ اللَّهُ
 نہیں پسند کرتا اللہ اونچی آواز سے برائی کی بات کرنے کو، مگر جس پر ظلم کیا گیا ہو اور ہے اللہ خوب
سَيِّعًا عَلِيمًا ۱۴۶ **إِنْ تُبْدُوا خَيْرًا أَوْ تَخْفَوْهُ أَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوءٍ**
 سننے والا خوب جاننے والا ○ اگر تم علانیہ کرو کوئی بھلائی یا خفیہ کرو اسے یا معاف کر دو برائی کو
فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفْوًا قَدِيرًا ۱۴۷

تو اللہ (بھی) ہے بہت معاف کرنے والا بڑی قدرت والا ○

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ وہ اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ کوئی علانیہ بری بات کہے، یعنی اللہ تعالیٰ اس شخص سے سخت ناراض ہوتا ہے اور اس پر سزا دیتا ہے۔ اس میں وہ تمام برے اقوال شامل ہیں جو تکلیف دہ اور صدمہ پہنچانے والے مثلاً گالی گلوچ، قذف اور سب و شتم کرنا۔ اس لئے کہ ایسے تمام اقوال سے منع کیا گیا ہے جنہیں اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے۔ اس آیت کریمہ کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اچھی بات کو پسند کرتا ہے مثلاً ذکر الہی، اچھا اور نرم پاکیزہ کلام وغیرہ۔ ﴿إِلَّا مَنْ ظَلَمَ﴾ ”مگر وہ جو مظلوم ہو۔“ یعنی جس شخص پر ظلم کیا گیا ہو وہ ظلم کرنے والے کے لئے بددعا کر سکتا ہے شکایت کر سکتا ہے اور اس شخص کو علانیہ بری بات کہہ سکتا ہے جس نے علانیہ بری بات کہی ہے، البتہ اس کے لئے جائز نہیں کہ وہ اس پر بہتان لگائے یا اس کے ظلم سے بڑھ کر زیادتی کرے یا ظالم کے علاوہ کسی اور کو گالی وغیرہ دے۔ بایں ہمہ معاف کر دینا اور ظلم و زیادتی میں مقابلہ نہ کرنا اولیٰ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ﴾ (الشوری: ۴۱، ۴۲) ”پس جس کسی نے معاف کر دیا اور اصلاح کی اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے۔“

﴿وَكَانَ اللَّهُ سَبِيحًا عَلِيمًا﴾ ”اور اللہ (سب کچھ) سنتا جانتا ہے۔“ چونکہ آیت کریمہ برے اچھے اور مباح کلام کے احکام پر مشتمل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمادیا کہ وہ سننے والا ہے تمہارے اقوال سنتا ہے اس لئے ایسی بات کہنے سے بچو جو تمہارے رب کی ناراضی کا باعث بنے اور وہ تمہیں سزا دے۔ اس آیت کریمہ میں اچھی بات کہنے کی بھی ترغیب ہے۔ ﴿عَلِيمًا﴾ وہ تمہاری نیتوں اور تمہارے اقوال کے مصدر کو جانتا ہے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنْ تُبْدُوا خَيْرًا أَوْ تَخْفَوْهُ﴾ ”اگر تم بھلائی کھلم کھلا کرو گے یا چھپا کر۔“ یہ قولی و فعلی ظاہری و باطنی واجب و مستحب ہر بھلائی کو شامل ہے۔ ﴿أَوْ تَعْفُوا عَنْ سُوءٍ﴾ ”یا برائی سے درگزر کرو گے۔“ یعنی وہ شخص جو تمہارے بدن تمہارے اموال اور تمہاری عزت و ناموس کے معاملے میں تمہارے ساتھ براسلوک کرے تم اسے معاف کر دو کیونکہ عمل کی جزا عمل کی جنس ہی سے ہوتی ہے۔ پس جو کوئی اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی کو معاف کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے معاف کر دیتا ہے جو کسی کے ساتھ بھلائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ بھلائی کرتا ہے۔

بنابریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَإِنَّ اللَّهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيرًا﴾ ”تو اللہ بھی معاف کرنے والا صاحب قدرت ہے۔“ یعنی وہ اپنے بندوں کی لغزشوں اور ان کے بڑے بڑے گناہوں کو معاف کر دیتا ہے اور ان کی پردہ پوشی کرتا ہے اور کامل عفو و درگزر سے کام لیتے ہوئے ان سے معاملہ کرتا ہے۔ جو اس کی قدرت کاملہ سے صادر ہوتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات کے معانی میں تدبر و تفکر کی طرف راہنمائی کی گئی ہے، نیز یہ کہ خلق و امر ان اسماء و صفات سے صادر ہوتے ہیں اور یہ اسماء و صفات خلق و امر کا تقاضا کرتے ہیں۔ بنا بریں اسمائے حسنیٰ کو احکام کی علت بیان کیا گیا ہے، جیسا کہ اس آیت کریمہ میں بیان ہوا ہے۔
چونکہ اللہ تعالیٰ نے بھلائی کے عمل اور براسلوک کرنے والے کو معاف کر دینے کا ذکر کیا ہے اس لئے اس نے اس پر یہ امر مرتب فرمایا کہ اس نے اپنے اسماء کی معرفت کو ہمارا مدار بنا دیا اور یہ چیز ہمیں ان اسماء حسنیٰ کے ثواب خاص کے ذکر سے مستغنی کرتی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيُرِيدُونَ أَنْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ اللَّهِ وَرُسُلِهِ وَيَقُولُونَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنُكْفِرُ بِبَعْضٍ وَهُمْ لَا يَتَّخِذُونَ ذَلِكَ سَبِيلًا ﴿١٥٠﴾ أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۖ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ﴿١٥١﴾
کوئی راہ ○ یہ لوگ وہی ہیں کافر اصل اور ہم نے تیار کیا ہے واسطے کافروں کے عذاب رسوا کن ○
وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ وَلَمْ يُفَرِّقُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِّنْهُمْ أُولَٰئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمْ أَجْرَهُم ط وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا رَحِيمًا ﴿١٥٢﴾

جلد دے گا ان کو (اللہ) اجر ان کے اور ہے اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ○

یہاں تک لوگوں کی دو اقسام ہیں جن کو ہر ایک کے لئے واضح کر دیا گیا ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں پر ایمان لانے والے لوگ

(۲) اللہ تعالیٰ اس کے رسولوں اور اس کی کتابوں کا انکار کرنے والے لوگ۔

رہ گئی تیسری قسم تو یہ وہ لوگ ہیں جو سمجھتے ہیں کہ وہ بعض رسولوں پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور یہی وہ راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نجات دے گا مگر یہ ان کی مجرد آرزوئیں ہیں۔

پس یہ لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں کے درمیان تفریق کرنا چاہتے ہیں، کیونکہ جو کوئی حقیقی طور پر اللہ تعالیٰ

کو اپنا ولی اور دوست بناتا ہے وہ تمام انبیاء و رسل کو دوست بناتا ہے کیونکہ یہی اللہ تعالیٰ کی دوستی کی تکمیل ہے اور جو کوئی انبیاء و رسل میں سے کسی ایک کے ساتھ عداوت رکھتا ہے۔ تو وہ اللہ تعالیٰ اور تمام رسولوں سے عداوت رکھتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِلَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَرُسُلِهِ وَجِبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَدُوٌّ لِلْكَافِرِينَ﴾ (البقرہ: ۹۸/۲) ”جو کوئی اللہ اس کے فرشتوں، اس کے رسولوں، جبریل اور میکائیل کا دشمن ہو تو اللہ ان کافروں کا دشمن ہے۔“

اسی طرح جو کوئی کسی رسول کا انکار کرتا ہے وہ تمام رسولوں کا انکار کرتا ہے بلکہ وہ اس رسول کا بھی انکار کرتا ہے جس کے بارے میں اس کا دعویٰ ہے کہ وہ اس پر ایمان لایا ہے۔ بنا بریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أُولَئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا﴾ ”وہ بلاشبہ کافر ہیں پکے۔“ اور (حقاً) کا لفظ اس لئے استعمال کیا ہے تاکہ کوئی اس وہم میں مبتلا نہ ہو کہ ان کا مرتبہ ایمان اور کفر کے درمیان ہے۔ اور ان کے کافر ہونے کی..... یہاں تک کہ اس رسول کے ساتھ بھی کفر کرنے کی، جس پر وہ ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں..... وجہ یہ ہے کہ ہر وہ دلیل جو اس نبی پر ایمان لانے کے وجوب پر دلالت کرتی ہے وہی دلیل یا اس جیسی یا اس سے بڑھ کر دلیل موجود ہے جو اس نبی کی نبوت پر دلالت کرتی ہے جس کا وہ انکار کر رہے ہیں۔ اسی طرح ہر وہ شبہ جس کی بنیاد پر وہ اس نبی پر اعتراض کرتے ہیں جس کے ساتھ انہوں نے کفر کیا ہے وہی شبہ یا اس جیسا یا اس سے بھی بڑا شبہ اس نبی کی نبوت میں بھی موجود ہے جس پر وہ ایمان لائے ہیں۔۔۔۔۔ تب اس کے بعد سوائے خواہشات نفس اور مجرد دعویٰ کے کچھ باقی نہیں۔ جس کے مقابلہ میں اس جیسا دعویٰ کرنا ہر ایک کے لئے ممکن ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ یہی لوگ حقیقی (پکے) کافر ہیں تو اس عذاب کا ذکر بھی فرما دیا جو ان کو اور دیگر کفار کو دیا جائے گا۔ ﴿وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا﴾ ”اور ہم نے کافروں کے لیے ذلت کا عذاب تیار کر رکھا ہے۔“ جس طرح انہوں نے تکبر کی بنا پر ایمان لانے سے انکار کر دیا اسی طرح اللہ تعالیٰ رسوا کن اور دردناک عذاب کے ذریعے سے ان کو رسوا کرے گا۔

﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ﴾ ”اور جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔“ یہ آیت کریمہ ہر اس خبر پر ایمان لانے کو متضمن ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے بارے میں دی ہے اور ان تمام اخبار و احکام پر ایمان لانے کو بھی جنہیں لے کر انبیاء و رسل مبعوث ہوئے۔ ﴿وَلَمْ يَفْعَرُوا بَيْنَ أَحَدٍ مِنْهُمْ﴾ ”اور انہوں نے ان میں سے کسی میں فرق نہ کیا۔“ بلکہ وہ تمام انبیاء و رسل پر ایمان لائے اور یہی وہ حقیقی اور یقینی ایمان ہے جو دلیل اور برہان پر مبنی ہے۔ ﴿أُولَئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيهِمُ أَجْرَهُمُ﴾ ”ایسے لوگوں کو وہ عنقریب ان (کی نیکیوں) کے صلے عطا فرمائے گا۔“ یعنی ان کے ایمان اور ایمان پر مبنی عمل صالح، قول حسن اور خلق جمیل کی جزا دی جائے گی اور یہ جزا ہر ایک کو اس کے حسب حال عطا ہوگی۔ شاید ان کے اجر میں اضافے کا یہی سر نہاں ہے۔ ﴿وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا﴾

”اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔“ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ گناہوں کو بخش دیتا ہے اور نیکیوں کو قبول فرماتا ہے۔

يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنزِلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ
سوال کرتے ہیں آپ سے اہل کتاب کہ اتار لائیں آپ ان پر ایک کتاب (بیک بار) آسمان سے، سو سوال کیا انہوں نے موسیٰ سے
اَكْبَرَ مِنْ ذَلِكَ فَقَالُوا اٰرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاخَذَتْهُمْ الضُّعْفَةُ بِظُلْمِهِمْ ۗ ثُمَّ
بڑی چیز کا اس سے بھی اور کہا، دکھا ہم کو اللہ بالکل سامنے تو پکڑ لیا ان کو بجلی نے ان کے ظلم کی وجہ سے، پھر
اَتَّخَذُوا الْعَجَلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمْ الْبَيِّنَاتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذَلِكَ ۗ وَآتَيْنَا مُوسَىٰ
بتا لیا انہوں نے بچھڑے کو (معبود) بعد اسکے کہ آپکلی تھیں انکے پاس واضح دلیلیں، پھر معاف کر دیا ہم نے یہ بھی اور دیا ہم نے موسیٰ کو
سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ۝۱۵۲ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّوْرَ بِبَيِّنٰتِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمْ ادْخُلُوا الْبَابَ
غلبہ واضح اور بلند کیا ہم نے اوپر انکے طور پہاڑ ان سے اقرار لینے کیلئے اور ہم نے کہا ان سے داخل ہو جاؤ دروازے میں
سُجَّدًا وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ وَاخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيثَاقًا غَلِيظًا ۝۱۵۳
سجدہ کرتے ہوئے اور ہم نے کہا ان سے نہ زیادتی کرو ہفتے کے دن میں اور لیا ہم نے ان سے عہد مضبوط
فِيْمَا نَقَضْتُمْ مِّيثَاقَهُمْ وَكُفِّرْتُمْ بِآيَاتِ اللّٰهِ وَقَتَلْتُمُ الْاَنْبِيَاۗءَ بِغَيْرِ حَقٍّ
پس (عنت کی ہم نے ان پر) بہ سبب انکے توڑنے کے اپنے عہد کو اور انکے کفر کرنے کیساتھ آیتوں کے اللہ کی اور انکے قتل کرنے کے انبیاء کو ناحق
وَقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۗ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا
اور (بہ سبب) انکے کہنے کے کہ ہمارے دل پردوں میں ہیں بلکہ مہر لگادی اللہ نے انکے دلوں پر بہ سبب انکے کفر کے، سو وہ نہیں ایمان لاتے مگر
قَلِيْلًا ۝۱۵۴ وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰى مَرْيَمَ بُهْتٰنًا عَظِيْمًا ۝۱۵۵ وَقَوْلِهِمْ اِنَّا
تھوڑے ہی اور بہ سبب انکے کفر کے اور ان کے ہاندھنے کے مریم پر بہتان بہت بڑا اور بہ سبب ان کے کہنے کے کہ یقیناً
قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيسٰى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلْبُوْهُ وَلٰكِنْ
ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ ابن مریم اللہ کے رسول کو حالانکہ انہوں نے نہ قتل کیا انکو اور نہ سولی پر چڑھایا انکو، لیکن
شَبَّهَ لَهُمْ ۗ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اٰخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۗ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ
شبہ میں ڈال دیا گیا انکو اور پتک جنہوں نے اختلاف کیا عیسیٰ کے بارے میں، شک میں ہیں انکی بابت۔ نہیں ہے انکے پاس انکی بابت کوئی علم
اِلَّا اِتِّبَاعَ الظَّنِّ ۗ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝۱۵۶ بَلْ رَفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا
سوائے حیر وی کے ظن کی اور نہیں قتل کیا انہوں نے انکو یقینی طور پر بلکہ اٹھالیا انکو اللہ نے اپنی طرف اور ہے اللہ بڑا زبردست
حَكِيْمًا ۝۱۵۷ وَاِنَّ مِّنْ اٰهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۗ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ
حکمت والا اور نہیں کوئی اہل کتاب میں سے، مگر وہ ضرور ایمان لائے گا عیسیٰ پر انکی موت سے پہلے اور دن قیامت کے وہ ہوں گے

عَلَيْهِمْ شَهِيدًا ﴿٥٩﴾ فَيُظْلِمُ مِنَ الَّذِينَ هَادُوا حَرَمًا عَلَيْهِمْ طَيِّبَاتٍ أُحِلَّتْ
ان پر گواہ ۵ پس بہ سبب ظلم کرنے ان لوگوں کے جو یہودی ہوئے ہم نے حرام کر دیں ان پر کچھ پاک چیزیں جو حلال تھیں
لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ كَثِيرًا ﴿٦٠﴾ وَأَخَذَهُمُ الرِّبَا وَقَدْ نُهُوا عَنْهُ
ان کیلئے اور بہ سبب انکے روکنے کے اللہ کی راہ سے بہتوں کو ۶ اور بہ سبب انکے لینے کے سود، حالانکہ روکے گئے تھے وہ اس سے
وَأَكْلَهُمْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ مِنْهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿٦١﴾
اور انکے کھانے کے سبب مال لوگوں کے ناحق اور ہم نے تیار کر رکھا ہے کافروں کیلئے ان میں سے عذاب بہت دردناک ۷

اہل کتاب نے رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال مطالبہ اور عناد کی بنا پر کیا تھا۔ اور اسی پر انہوں نے اپنی تصدیق و
تکذیب کو موقوف قرار دیا تھا اور ان کا سوال یہ تھا کہ ان پر تمام قرآن ایک ہی بار نازل ہو جائے جیسے تورات اور
انجیل ایک ہی بار نازل ہوئی تھیں۔ یہ ان کی طرف سے انتہائی ظالمانہ مطالبہ تھا کیونکہ رسول ﷺ تو ایک بشر اور
بندے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر کے تحت ہیں رسول اللہ ﷺ کے ہاتھ میں تو کوئی اختیار نہیں۔ تمام اختیار اللہ
تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ وہی ہے جو اپنے بندوں پر جو چاہتا ہے نازل کرتا ہے۔ جس طرح اللہ تبارک و
تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی طرف سے اس وقت فرمایا جب مشرکین نے اسی قسم کے مطالبے کئے تھے۔
﴿ قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيَ هَلْ كُنْتُ إِلَّا بَشَرًا رَسُولًا ﴾ (بنی اسرائیل: ۹۳/۱۷) ”کہہ دیجئے پاک ہے میرا رب میں تو ایک
بشر ہوں اللہ کی طرف سے بھیجا ہوا رسول“۔

اسی طرح مجرد کتاب کے ایک مرتبہ یا متفرق طور پر نازل کرنے کو ان کی طرف سے حق و باطل کے درمیان
فارق (فرق کرنے والا) بنانا بھی مجرد دعویٰ ہے جس کی کوئی دلیل اور کوئی مناسبت نہیں اور نہ کوئی شبہ ہے۔ انبیاء
میں سے کسی بھی نبی کی نبوت میں کہاں آیا ہے کہ وہ رسول جو تمہارے پاس کتاب لے کر آئے اور اگر یہ کتاب
نکلروں میں نازل کی گئی ہو تو تم اس پر ایمان لانا نہ اس کی تصدیق کرنا؟ بلکہ قرآن مجید کا حسب احوال تھوڑا تھوڑا
کر کے نازل ہونا اس کی عظمت اور اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس پیغمبر پر جس پر وہ نازل ہوا اللہ کی خاص
عنایت اور توجہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً
وَاحِدَةً كَذَلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا ۝ وَلَا يَأْتُونَكَ بِمَثَلٍ إِلَّا جِئْنَاكَ بِالْحَقِّ وَأَحْسَنَ تَفْسِيرًا ﴾
(الفرقان: ۳۲/۳۳) ”اور کافر کہتے ہیں کہ اس پر قرآن ایک ہی بار کیوں نازل نہیں کیا گیا اسی طرح آہستہ
آہستہ اس لئے نازل کیا گیا ہے تاکہ تمہارے دل کو قائم رکھیں اور ہم نے اسے ترتیل کے ساتھ پڑھا ہے۔ یہ لوگ
تمہارے پاس جو اعتراض بھی لے کر آئیں ہم تمہارے پاس حق اور اس کی بہترین تفسیر لے کر آتے ہیں“۔

جب اللہ نے ان کے اس فاسد اعتراض کا ذکر کیا تو یہ بھی بتلایا کہ ان کے معاملے میں یہ کوئی انوکھی بات نہیں

ہے، بلکہ اس سے پہلے ان کی اس سے بھی بری باتیں گزر چکی ہیں جو انہوں نے اس نبی کے ساتھ اختیار کیں؛ جس کی بابت ان کا گمان ہے کہ وہ اس پر ایمان لائے تھے۔

مثلاً ظاہری آنکھوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو دیکھنے کا مطالبہ کرنا۔

عبادت کے لئے پھڑے کو معبود بنانا وغیرہ؛ حالانکہ وہ اپنی آنکھوں سے وہ کچھ دیکھ چکے تھے جو کسی اور نے نہیں دیکھا۔

اپنی کتاب تورات کے احکام کو قبول کرنے سے انکار کرنا؛ یہاں تک کہ وہ طور کو اٹھا کر ان کے سروں پر معلق کر دیا گیا اور ان کو دھمکایا گیا کہ اگر وہ ایمان نہیں لائیں گے تو پہاڑ کو ان پر گرا دیا جائے گا تو انماض برتتے ہوئے اور اس ایمان کے ساتھ اسے قبول کر لیا جو ایمان ضروری کے مشابہ تھا۔

بستی کے دروازوں سے اس طریقے سے داخل ہونے سے انکار کرنا جس طریقے سے انہیں داخل ہونے کا حکم دیا گیا تھا، یعنی سجدہ کرتے ہوئے اور استغفار کرتے ہوئے۔ (اس موقع پر) انہوں نے قول و فعل دونوں طرح سے مخالفت کی۔

ہفتے کے روزان کا حد سے تجاوز کرنا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس گناہ کی پاداش میں ان کو سخت سزا دی۔ ان سے پکا عہد لیا۔ مگر انہوں نے اس میثاق کو اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دیا؛ اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ کفر کیا اور اس کے رسولوں کو ناحق قتل کیا۔

ان کا یہ کہنا کہ ہم نے مسیح (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کو صلیب پر چڑھا کر قتل کر دیا۔ حالانکہ انہوں نے انہیں قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا؛ بلکہ ان کو کسی اور کے ساتھ اشتباہ میں ڈال دیا گیا تھا؛ جسے انہوں نے قتل کیا اور صلیب پر چڑھایا۔

ان کا یہ دعویٰ کرنا کہ ان کے دلوں پر غلاف ہیں آپ ﷺ جو کچھ ان سے کہتے ہیں وہ اس کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

ان کا لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنا اور جس ضلالت اور گمراہی میں خود مبتلا ہیں لوگوں کو اس کی طرف دعوت دینا۔ اس کی پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان کو حق سے روک دیا۔

ان کا سود اور حرام کھانا حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو سود خوری سے نہایت سختی سے روکا تھا۔

پس جن لوگوں کے یہ کرتوت ہوں تو ان کے بارے میں یہ کوئی ان ہونی بات نہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے یہ مطالبہ کیا ہو کہ وہ آسمان سے ان پر کتاب اتار دیں۔

باطل پرست مخالف فریق کے ساتھ مباحثہ و مجادلہ میں دلیل دینے کا یہ بہترین طریقہ ہے کہ جب فریق مخالف

کی طرف سے کوئی باطل اعتراض وارد ہو جس نے حق ٹھکرانے میں اس کو یا کسی اور کو شبہ میں مبتلا کر رکھا ہو..... تو وہ اس مخالف کے ان خبیث احوال اور قبیح افعال کو بیان کرے جو اس سے صادر ہوئے اور وہ بدترین اعمال ہیں۔ تاکہ ہر شخص کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ اعتراضات بھی اسی خسیس نوع کے ہیں اور اس کے کچھ مقدمات بد ہیں اور یہ اعتراض بھی اس قبیل سے تعلق رکھتا ہے۔

اسی طرح ہر وہ اعتراض جو وہ نبوت محمدی (ﷺ) پر عائد کرتے ہیں اس کا مقابلہ بھی اسی قسم کے یا اس سے بھی قوی اعتراض سے اس نبوت کی بابت کر کے کیا جاسکتا ہے جس پر وہ ایمان لانے کا دعویٰ کرتے ہیں اس طرح ان کے شرکاً مقابلہ کیا جاسکتا ہے اور ان کے باطل کا قلع قمع ہو سکتا ہے۔ اور ہر وہ دلیل جس کو وہ اس نبی کی نبوت کے ثبوت اور تحقق کے لئے پیش کرتے ہیں جس پر یہ ایمان لائے ہوئے ہیں تو یہی دلیل اور اس جیسے دیگر دلائل اور ان سے بھی زیادہ قوی دلائل محمد ﷺ کی نبوت کو ثابت اور متحقق کرتے ہیں۔ چونکہ ان کے اعتراض کے مقابلہ میں ان کی برائیوں اور قباحتوں کو صرف شمار کرنا مقصود ہے اس لئے اس مقام پر تفصیل بیان نہیں کی بلکہ ان کی طرف اشارہ کر کے ان کے مقامات کا حوالہ دے دیا ہے اور اس مقام کے علاوہ دیگر مناسب مقام پر ان کو مبسوط طور پر بیان کیا ہے۔

﴿وَلَا تَنْفِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَمَا جَاءَكَ مِنَ الْقُرْآنِ فَخُذْ حَقَّهُ وَاصْبِرْ لَهُ وَخِذْ حَقَّهُ وَاصْبِرْ لَهُ﴾ اور کوئی اہل کتاب نہیں ہوگا مگر ان کی موت سے پہلے ان پر ایمان لے آئے گا۔“ (قَبْلَ مَوْتِهِ) میں اس بات کا احتمال ہے کہ ضمیر کا مرجع اہل کتاب ہو۔ تب اس احتمال کی صورت میں اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اہل کتاب کا ہر شخص اپنی موت کے وقت اس امر کی حقیقت کا معائنہ کر لے گا۔ پس وہ اس وقت جناب عیسیٰ ﷺ پر ایمان لے آئے گا مگر یہ وہ ایمان ہے جو کوئی فائدہ نہیں دیتا کیونکہ یہ اضطراری ایمان ہے۔ پس یہ مضمون ان کے لئے تہدید و وعید کی حیثیت رکھتا ہے جس کا مقصد یہ ہے کہ وہ اپنے اس حال پر قائم نہ رہیں جس پر انہیں موت سے قبل نادم ہونا پڑتا ہے۔ جب وہ یہاں نادم ہوتے ہیں تو حشر کے روز جب وہ اللہ کے حضور کھڑے ہوں گے ان کا کیا حال ہوگا؟

اور آیت میں اس بات کا احتمال بھی ہے کہ (قَبْلَ مَوْتِهِ) میں ضمیر کا مرجع جناب عیسیٰ ﷺ ہوں۔ تب معنی یہ ہوں گے کہ اہل کتاب کا ہر شخص جناب مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موت سے قبل ان پر ایمان لے آئے گا۔ جناب مسیح ﷺ قیامت کے قریب ظاہر ہوں گے۔ حضرت عیسیٰ ﷺ کی دوبارہ آمد ظہور قیامت کی بڑی بڑی نشانیوں میں شمار ہوتی ہے۔ بکثرت احادیث میں وارد ہے کہ اس امت کے آخری زمانے میں حضرت عیسیٰ ﷺ کا نزول ہوگا وہ دجال کو قتل کریں گے، جزیہ ساقط کر دیں گے اور اہل ایمان کے ساتھ اہل کتاب بھی حضرت عیسیٰ ﷺ پر ایمان لے آئیں گے۔ قیامت کے روز حضرت عیسیٰ ﷺ ان کے اعمال پر گواہی دیں گے کہ آیا یہ اعمال شریعت

کے مطابق تھے یا نہیں؟ اس روز وہ ان کے ہر اس عمل کے بطلان کی گواہی دیں گے جو شریعت قرآن کے مخالف ہوگا۔ چونکہ محمد رسول اللہ ﷺ نے اہل کتاب کو اس کی طرف دعوت دی ہے اس لئے ہمیں اس بات کا علم ہے اور اس وجہ سے بھی کہ ہمیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کامل طور پر عادل اور صاحب صدق ہونے کا علم ہے اور ہمیں یہ بھی علم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف حق کی گواہی دیں گے اور اس بات کی گواہی دیں گے کہ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ جو لے کر آئے وہ حق ہے اس کے علاوہ جو کچھ ہے باطل اور گمراہی ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ اس نے اہل کتاب پر بہت سی پاک چیزیں حرام ٹھہرا دی تھیں جو ان پر حلال تھیں۔ یہ تحریم ان کے ظلم و تعدی اللہ تعالیٰ کے راستے سے لوگوں کو روکنے، لوگوں کو ہدایت کی راہ سے باز رکھنے اور منع کرنے کے باوجود ان کے سود کھانے کی وجہ سے سزا کے طور پر نافذ کی گئی تھی۔ وہ محتاج لوگوں کو اپنی خرید و فروخت میں سود کے ذریعے سے انصاف کی راہ سے ہٹاتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے خود ان کے فعل کی جنس ہی سے ان کو سزا دی اور بہت سی طیبات کو ان پر حرام کر دیا، جن کو حلال کرنے کے وہ خواہش مند تھے، کیونکہ فی نفسہ وہ حلال تھیں۔ رہی اس امت پر بعض چیزوں کی تحریم، تو یہ تحریم ان کو ان خیانت سے بچانے کی خاطر ہے جو ان کے دین و دنیا میں نقصان دہ ہیں۔

لَكِنَّ الزُّسْحُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ يُؤْمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ
لَكِن جُو كَے ہن علم مں ان مں سے اور مومن وہ ایمان لاتے ہن اس پر جو نازل کیا گیا آپ کی طرف
وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ وَالْمُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَالْمُؤْمِنُونَ
اور جو نازل کیا گیا آپ سے پہلے اور قائم کر نیوالے ہن نماز اور ادا کر نیوالے ہن زکوٰۃ اور ایمان رکھنے والے ہن
بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أُولَئِكَ سَنُؤْتِيهِمْ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿۱۳۰﴾

ساتھ اللہ اور یوم آخرت کے یہ لوگ ہیں، عنقریب دیں گے ہم ان کو اجر بہت بڑا

جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے معایب بیان کئے تو اب ان لوگوں کا ذکر کر رہا ہے جو ان میں سے قابل تعریف ہیں۔ ﴿لَكِنَّ الزُّسْحُونَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُونَ﴾ ”مگر جو لوگ ان میں سے علم میں کچے ہیں اور مومن ہیں، یعنی وہ لوگ جن کے دلوں میں علم مضبوط اور ایقان راسخ ہے اور اس کے ثمرہ میں انہیں ایمان کامل حاصل ہوتا ہے ﴿بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ ”وہ اس کتاب پر ایمان لاتے ہیں جو آپ ﷺ پر اتاری گئی اور ان کتابوں پر جو آپ سے پہلے اتاری گئیں۔“ یہ ایمان انہیں اعمال صالحہ کا پھل عطا کرتا ہے، مثلاً نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا، یہ دونوں سب سے افضل اعمال ہیں، کیونکہ یہ دونوں معبود کے لئے اخلاص اور اس کے بندوں کے لئے احسان پر مشتمل ہیں۔ وہ لوگ روز قیامت پر بھی ایمان لاتے ہیں۔ بنا بریں وہ اللہ تعالیٰ کی

وعید سے ڈرتے ہیں اور اس کے وعدے پر امید رکھتے ہیں۔ ﴿أُولَٰئِكَ سَنُوْتِيْهِمْ أَجْرًا عَظِيْمًا﴾ ”ہم عنقریب انہیں اجر عظیم سے نوازیں گے“ کیونکہ انہوں نے علم، ایمان، عمل صالح، گزشتہ اور آئندہ آنے والے انبیاء و مرسلین اور تمام کتب الہیہ پر ایمان کو جمع کر دیا۔

إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالذِّكْرِ مِنْ بَعْدِهَا وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَهَارُونَ وَسُلَيْمَانَ وَآتَيْنَا دَاوُدَ زَبُورًا ﴿۳۶﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ وَكَلَّمَ اللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴿۳۷﴾ رُسُلًا مَّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِيَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعْدَ الرُّسُلِ ط وَكَانَ اللَّهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۳۸﴾

اور ہے اللہ بڑا زبردست حکمت والا ○

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ اس نے اپنے بندے اور رسول محمد مصطفیٰ ﷺ پر اسی طرح عظیم شریعت اور سچی خبریں وحی کی ہیں جس طرح اس نے ان انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام پر وحی کی تھیں۔ اس میں متعدد فوائد ہیں:

(۱) نبی اکرم ﷺ کوئی نئے اور انوکھے رسول نہیں ہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ سے پہلے بھی بے شمار رسول بھیجے ہیں اس لئے آپ ﷺ کی رسالت کو انوکھا اور نادر سمجھنا جہالت اور عناد کے سوا کچھ نہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف اصول اور عدل کے ضابطے وحی کئے ہیں جس طرح انبیائے سابقین کی طرف وحی فرمائے تھے جن پر عمل کر کے وہ تقویٰ اختیار کرتے تھے۔ وہ ایک دوسرے کی تصدیق اور ایک دوسرے کی موافقت کرتے تھے۔

(۳) محمد مصطفیٰ ﷺ انہی انبیاء و رسل کی جنس سے تعلق رکھتے ہیں، لہذا آپ کو دیگر انبیاء و رسل کے زمرے میں رکھ کر آپ کا اعتبار کرنا چاہئے۔ آپ کی دعوت وہی ہے جو ان رسولوں کی دعوت تھی، آپ کے اخلاق ان کے اخلاق سے متفق، آپ کی اور ان کی تعلیمات کا مصدر ایک اور آپ کے اور ان سب کے

مقاصد یکساں ہیں..... پس اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کا مجہول اور کذاب لوگوں اور ظالم بادشاہوں کے ساتھ ذکر نہیں کیا۔

(۴) (قرآن مجید میں) ان انبیاء و رسل کے تذکرے اور ان کی تعداد بیان کرنے میں ان کی ایسی مدح و ثنا اور تعریف و تعظیم ہے اور ان کے احوال کی اس طرح تشریح ہے جس سے ان کے بارے میں مومن کے ایمان اور محبت میں اضافہ ہوتا ہے ان کے طریقے اور سنت کو اپنانے کا جذبہ بڑھتا ہے اور ان کے حقوق کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے ان ارشادات کا مصداق ہے۔ ﴿سَلِّمْ عَلٰی نُوْحٍ فِي الْعَالَمِيْنَ﴾ (الصافات: ۷۹/۳۷) ﴿سَلِّمْ عَلٰی اِبْرٰهِيْمَ﴾ (الصافات: ۱۰۹/۳۷) ﴿سَلِّمْ عَلٰی مُوْسٰى وَهٰرُونَ﴾ (الصافات: ۱۲۰/۳۷) ﴿سَلِّمْ عَلٰى اِلٰى يٰكُسَبِيْنَ﴾ (الصافات: ۱۳۰/۳۷) ﴿اِنَّا كَذٰبِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ﴾ (الصافات: ۱۳۱/۳۷) ﴿﴾ پس بھلائی اور احسان کرنے والے ہر شخص کو اس کے احسان کے مطابق مخلوق کے اندر ثنائے حسن نصیب ہوتی ہے۔ تمام انبیاء و رسل خصوصاً وہ انبیائے کرام جن کے اسمائے گرامی گزشتہ سطور میں ذکر کئے گئے ہیں احسان کے بلند ترین مرتبہ پر فائز ہیں۔

جہاں اللہ تعالیٰ نے وحی میں ان کے اشتراک کا ذکر فرمایا وہاں اس نے بعض انبیاء کے اختصاص کا بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ اس نے جناب داود علیہ السلام کو زبور عطا کی اور یہ وہ معروف اور لکھی ہوئی کتاب ہے جو داود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے فضل و شرف کی بنا پر ان کے لئے مخصوص کی گئی۔ اللہ تعالیٰ نے جناب موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کلام فرمایا۔ یعنی بغیر کسی واسطہ کے بالمشافہ کلام فرمایا۔ حتیٰ کہ یہ بات تمام دنیا میں مشہور ہو گئی اور جناب موسیٰ علیہ السلام کو ”کلیم الرحمن“ کہا جانے لگا۔

نیز یہ بھی ذکر فرمایا کہ ان انبیاء و رسل میں سے بعض کا قصہ رسول اللہ ﷺ پر بیان فرمایا اور بعض انبیاء کا قصہ بیان نہیں فرمایا اور یہ امر انبیائے کرام کی کثرت پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان لوگوں کے لئے دنیاوی اور اخروی سعادت کی خوشخبری سنانے والے بنا کر مبعوث فرمایا جو ان کی اطاعت کرتے ہیں اور ان لوگوں کے لئے دونوں جہانوں کی بدبختی سے ڈرانے والے بنا کر بھیجا جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور ان رسولوں کی مخالفت کرتے ہیں۔۔۔ تاکہ انبیاء و رسل مبعوث کرنے کے بعد لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت باقی نہ رہے اور وہ یہ نہ کہیں کہ ﴿مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّلَا نَذِيْرٌ﴾ (المائدہ: ۱۹۱۵) ”ہمارے پاس کوئی خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا۔ پس تحقیق تمہارے پاس خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا آ گیا ہے۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ کے مسلسل رسول بھیجنے کے بعد لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ پر کوئی حجت باقی نہ رہی۔ یہ رسول

لوگوں کے سامنے ان کا دین بیان کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا اور ناراضی کے اسباب اور جنت و جہنم کے راستے واضح کرتے ہیں۔۔۔۔۔ تب جو کوئی ان انبیاء و رسل کا انکار کرتا ہے تو وہ اپنے نفس کے سوا کسی کو ملامت نہ کرے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کے کامل غلبہ اور کامل حکمت کی دلیل ہے کہ اس نے لوگوں کی طرف رسول مبعوث فرمائے اور ان پر کتابیں نازل فرمائیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا فضل و احسان بھی ہے، کیونکہ لوگ انبیاء و رسل کی بعثت کے سخت ضرورت مند تھے تب اللہ تعالیٰ نے ان کے اس اضطراب کا ازالہ فرمایا۔ پس وہی حمد و ثنا اور شکر کا مستحق ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ اس نے جس طرح اپنے رسول بھیج کر ہم پر اپنی نعمت کی ابتدا کی اسی طرح وہ ہمیں ان کے راستے پر گامزن ہونے کی توفیق سے نواز کر اس نعمت کا اتمام کرنے بے شک وہ جواد اور کریم ہے۔

لَكِنَّ اللَّهَ يَشْهَدُ بِمَا أَنْزَلَ إِلَيْكَ أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ وَالْمَلَكُ يَشْهَدُونَ

لیکن اللہ گواہی دیتا ہے اسی جو نازل کیا اس نے طرف آپ کی کہ نازل کیا ہے اس کو اپنے علم کے ساتھ اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں

وَكَفَى بِاللَّهِ شَهِيدًا ۝

اور کافی ہے اللہ گواہ

اللہ تعالیٰ نے جہاں یہ ذکر فرمایا کہ اس نے محمد مصطفیٰ ﷺ کی طرف اسی طرح وحی کی ہے جس طرح دیگر انبیاء کی طرف وہاں یہ خبر بھی دی ہے کہ اس نے آپ ﷺ کی رسالت کی اور جو تعلیمات لے کر آپ مبعوث ہوئے ان کی صحت کی گواہی دی ہے۔ فرمایا: ﴿أَنْزَلَهُ بِعِلْمِهِ﴾ ”اس نے اپنے علم سے اسے نازل کیا ہے۔“ اس میں اس معنی کا احتمال ہے کہ اس نے قرآن کو اس طرح نازل فرمایا کہ وہ اس (اللہ) کے علم پر مشتمل ہے یعنی اس کے اندر تمام علوم البیہ احکام شرعیہ اور اخبار غیبیہ موجود ہیں۔ یہ تمام اللہ تعالیٰ کا وہ علم ہے جو اس نے اپنے بندوں کو سکھایا۔ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد ہو کہ اس نے اس قرآن کو اپنے علم کے ساتھ نازل فرمایا ہے۔ تب اس کے اندر اللہ تعالیٰ کی شہادت کے پہلو کی طرف اشارہ اور تنبیہ ہے اور اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسے اس طرح نازل فرمایا ہے کہ وہ اوامر و نواہی پر مشتمل ہے اور یہ سب کچھ جانتا ہے اور وہ اس کے احوال کو بھی جانتا ہے جس پر یہ نازل کیا گیا اور اللہ تعالیٰ یہ بھی جانتا ہے کہ اس نے لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی ہے۔ پس جس کسی نے اس کی دعوت پر لبیک کہی اور اس کی تصدیق کی وہ اللہ تعالیٰ کا دوست ہے اور جس کسی نے اس کو جھٹلایا اور اس کے ساتھ عداوت رکھی وہ اللہ تعالیٰ کا دشمن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا مال اور خون مباح کر دیا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے دوست کو قدرت عطا کرتا ہے اور پے در پے اس کی مدد کرتا ہے اس کی دعائیں قبول کرتا ہے اس کے دشمنوں سے الگ ہو جاتا ہے اور اس کے دوستوں کی مدد کرتا ہے۔

کیا کوئی ایسی شہادت ہے جو اس شہادت سے بڑی ہو؟ اللہ تعالیٰ کے علم اس کی قدرت اور اس کی حکمت میں

عیب لگائے بغیر نیز فرشتوں کے ایمان کامل اور مشہود علیہ کی جلالت شان کی بنا پر اس چیز پر ان کی شہادت کے بارے میں جو اس نے اپنے رسول پر نازل کی ہے عیب چینی کئے بغیر اس شہادت میں جرح و قدح ممکن نہیں۔ اس قسم کے عظیم الشان امور پر خواص ہی سے شہادت طلب کی جاتی ہے جیسا کہ توحید پر شہادت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿شَهِدَ اللَّهُ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَالْمَلَائِكَةُ وَأُولُو الْعِلْمِ قَابِئًا بِأَلْقَابِهِ لَّا إِلَهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾ (ال عمران: ۱۸۳) ”اس نے شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، فرشتوں اور اہل علم نے بھی

شہادت دی ہے کہ وہ انصاف کے ساتھ حکومت کر رہا ہے، اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، وہی زبردست ہے اور حکمت والا ہے،

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا ضَلًّا بَعِيدًا ﴿١٦٥﴾ إِنَّ

بے شک جن لوگوں نے کفر کیا اور روکا (لوگوں کو) اللہ کی راہ سے یقیناً وہ گمراہ ہو گئے گمراہ بہت دور کے ○ بے شک

الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيُغْفِرْ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿١٦٦﴾

وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ظلم کیا نہیں ہے اللہ کہ بخش دے ان کو اور نہ ایسا کہ دکھلائے ان کو راہ ○

إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٦٧﴾

مگر راہ جہنم کی ہمیشہ رہیں گے وہ اس میں ابد تک اور ہے یہ اللہ پر بہت آسان ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے انبیاء و رسل صلوات اللہ وسلامہ علیہم کی رسالت اور خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ ﷺ کی رسالت کے بارے میں خبر دی ہے۔ اس رسالت پر خود بھی گواہی دی اور اس کے فرشتوں نے بھی گواہی دی اور اس سے مشہود بہ اور امر متفق کا ثابت ہونا لازم آتا ہے۔ پس اس طرح انبیاء کی تصدیق ان پر ایمان لانا اور ان کی اتباع کرنا واجب ہے، پھر جن لوگوں نے انبیاء کرام علیہم السلام کا انکار کیا اللہ تعالیٰ نے ان کو وعید سناتے ہوئے فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ ”جن لوگوں نے کفر کیا اور (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے روکا۔“ یعنی انہوں نے خود اپنے کفر کرنے کو اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکنے کو جمع کر دیا۔ یہ لوگ ائمہ کفر اور گمراہی کے داعی ہیں۔ ﴿قَدْ ضَلُّوا ضَلًّا بَعِيدًا﴾ ”وہ راستے سے بھٹک کر دور جا پڑے۔“ جو شخص خود بھی گمراہ ہو اور اس نے دوسروں کو بھی گمراہ کر دیا ہو اس سے بڑی گمراہی اور کیا ہو سکتی ہے۔ اس نے دو گناہ سیٹھے اور وہ دو خسارے لے کر لوٹا اور دو ہدایتوں سے محروم ہو گیا۔ بنا بریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَظَلَمُوا﴾ ”جو لوگ کافر ہوئے اور ظلم کرتے رہے۔“ اور یہ ظلم ان کے کفر پر اضافہ ہے ورنہ جب ظلم کا اطلاق کیا جاتا ہے تو کفر اس کے اندر شامل ہوتا ہے۔ یہاں ظلم سے مراد اعمال کفر اور اس کے اندر استغراق ہے۔ پس یہ لوگ مغفرت اور صراط مستقیم کی طرف راہنمائی سے بہت دور ہیں۔

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَمْ يَكُنِ اللَّهُ لِيُغْفِرْ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ﴾ ”اللہ ان کو بخشنے والا نہیں اور نہ انہیں راستہ ہی دکھائے گا ہاں دوزخ کا راستہ۔“ ان کے لئے مغفرت اور ہدایت کی نفی محض

اس وجہ سے ہے کہ وہ اپنی سرکشی پر قائم اور اپنے کفر میں بڑھتے جا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی اور ان کے کرتوتوں کی وجہ سے ان پر ہدایت کی راہ مسدود ہو گئی۔ ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ﴾ (حم السجدہ: ۴۶، ۴۷) ”تیرا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا“۔

﴿وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا﴾ ”اور یہ بات اللہ کو آسان ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی پروا نہیں کیونکہ وہ بھلائی کی صلاحیت نہیں رکھتے اور وہ اسی حال کے لائق ہیں جس کو انہوں نے اپنے لئے منتخب کیا۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ الرَّسُولُ بِالْحَقِّ مِن رَّبِّكُمْ فَأَمِنُوا خَيْرًا لَّكُمْ
اے لوگو! تحقیق آ گیا تمہارے پاس یہ رسول حق لے کر تمہارے رب کی طرف سے، پس ایمان لاؤ تم (ہو گیا) بہتر تمہارے لیے
وَإِن تَكْفُرُوا فَإِنَّ لِلَّهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿۵۰﴾
اور اگر تم کفر کرو گے تو اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور ہے اللہ خوب جاننے والا حکمت والا

اللہ تبارک و تعالیٰ تمام لوگوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ اس کے بندے اور رسول محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لائیں۔ اس نے اس سبب کا بھی ذکر فرمایا ہے جو ایمان کا موجب ہے اور ایمان کے اندر جو فوائد اور عدم ایمان کے اندر جو نقصانات ہیں ان سب کا ذکر کیا ہے۔ پس ایمان کا موجب، سبب اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ خبر دینا ہے کہ رسول اللہ ﷺ حق کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں۔ آپ کی تشریف آوری فی نفسہ حق اور جو شریعت آپ لائے ہیں وہ بھی حق ہے۔

عقل مند شخص اچھی طرح جانتا ہے کہ مخلوق کا اپنی جہالت میں سرگرداں رہنا اور اپنے کفر میں ادھر ادھر مارے مارے پھرنا جبکہ رسالت منقطع ہو چکی ہو۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور اس کی رحمت کے لائق نہیں۔ پس یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت اور بے پایاں رحمت ہے کہ اس نے ان کی طرف رسول کو مبعوث فرمایا تاکہ وہ ان کو گمراہی اور ضلالت میں سے رشد و ہدایت کی پہچان کروائیں۔ آپ ﷺ کی رسالت میں مجرد غور و فکر ہی آپ کی نبوت کی صداقت کی قطعی دلیل ہے۔ اسی طرح اس عظیم شریعت اور صراط مستقیم میں غور و فکر، جس کے ساتھ آپ تشریف لائے ہیں آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل ہے کیونکہ اس میں گزشتہ زمانوں اور آئندہ آنے والے زمانوں کے امور غیبیہ، نیز اللہ تعالیٰ اور روز آخرت کے بارے میں ایسی ایسی خبریں دی گئی ہیں کہ کوئی شخص وحی اور رسالت کے بغیر ان کی معرفت حاصل نہیں کر سکتا اور اس میں ہر قسم کی خیر و صلاح، رشد و ہدایت، عدل و احسان، صدق، نیکی، صلہ رحمی اور حسن اخلاق کا حکم دیا گیا ہے اور ہر قسم کے شر، فساد، بغاوت، ظلم، بد خلقی، جھوٹ اور والدین کی نافرمانی سے روکا گیا ہے جن کے بارے میں قطعی طور پر کہا جاسکتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔

بندے کی بصیرت میں جب بھی اضافہ ہوتا ہے اس کے ایمان و ایقان میں اضافہ ہوتا ہے۔ پس یہ ہے وہ سبب

جو بندے کو ایمان کی دعوت دیتا ہے۔ رہی ایمان میں فائدے کی بات تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ ﴿خَيْرًا لَّكُمْ﴾ ”تمہارے لئے بہتر ہے۔“ خیرِ شرکیٰ ضد ہے۔ پس ایمان اہل ایمان کے ابدان، ان کے دلوں، ان کی ارواح اور ان کی دنیا و آخرت میں ان کے لئے بہتر ہے۔ کیونکہ ایمان پر مصالِح اور فوائد مترتب ہوتے ہیں۔ چنانچہ ہر قسم کا ثواب، خواہ وہ اسی دنیا میں حاصل ہو یا آخرت میں، ایمان ہی کا ثمرہ ہے اور فتح و نصرت، ہدایت، علم، عمل صالح، مسرتیں، فرحتیں، جنت اور جنت کی تمام نعمتیں، ان سب کا سبب ایمان ہے۔ جیسے دنیاوی اور اخروی بدبختی عدم ایمان یا نقص ایمان کے باعث ہے۔

رہا رسول اللہ ﷺ پر عدم ایمان کا ضرر تو اسے ان فوائد کی ضد سے معلوم کیا جاسکتا ہے جو ایمان کے باعث حاصل ہوتے ہیں اور بندہ صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے۔ تمام گناہ گاروں کا گناہ اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَإِنَّ يَلَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب اللہ ہی کا ہے۔ ”یعنی زمین و آسمان میں ہر چیز اس کی مخلوق، اس کی ملکیت اور اس کی تدبیر اور تصرف کے تحت ہے ﴿وَ كَانَ اللهُ عَلِيْمًا﴾ ”اللہ تعالیٰ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔“ ﴿حَكِيْمًا﴾ ”حکمت والا ہے۔“ وہ اپنے خالق و امر میں حکمت کا مالک ہے۔ پس وہ جانتا ہے کہ کون ہدایت اور کون گمراہی کا مستحق ہے۔ ہدایت اور گمراہی کو ان کے اپنے مقام پر رکھنے میں وہ حکمت سے کام لیتا ہے۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقْوَلُوْا عَلٰى اللهِ اِلَّا الْحَقَّ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ

اے اہل کتاب! نہ غلو (زیادتی) کرو اپنے دین میں اور نہ کہو اللہ کے بارے میں مگر حق بات، بس مسیح

عِيسٰى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللهِ وَكَلِمَتُهُ اَلْقَهَآءُ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ

عیسیٰ ابن مریم تو اللہ کا رسول اور اس کا کلمہ ہی ہے جس کو اس نے ڈالامریم کی طرف اور ایک روح ہے

مِّنْهُ فَآمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَا تَقْوَلُوْا ثَلٰثَةً اِنْتَهَوْا

اسکی طرف سے، پس ایمان لاؤ تم اللہ اور اسکے رسولوں پر اور نہ کہو کہ (الہ) تین ہیں۔ باز آ جاؤ (اس سے ہوگا)

خَيْرًا لَّكُمْ اِنَّمَا اللهُ اِلٰهُ وَّاحِدٌ سُبْحٰنَهُ اَنْ يَّكُوْنَ لَهُ وَلَدٌ

بہتر تمہارے لیے بس اللہ ہی معبود ہے اکیلا، وہ پاک ہے اس سے کہ ہو اس کی کوئی اولاد

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيلًا ﴿١٥﴾

اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ کا رساز ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اہل کتاب کو دین میں غلو کرنے سے منع کرتا ہے اور غلو سے مراد ہے حد سے تجاوز کرنا اور

حدود مشروع سے نکل کر غیر مشروع کی طرف جانا۔ جیسے نصاریٰ جناب عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں غلو

سے کام لیتے ہیں اور انہیں نبوت اور رسالت کے مقام سے اٹھا کر ربوبیت کے مقام پر بٹھا دیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے لائق نہیں۔ پس جس طرح تقصیر اور تفریط (کمی) منہیات میں سے ہے، غلو بھی اسی طرح ممنوع ہے۔ اسی لئے فرمایا: ﴿وَلَا تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقَّ﴾ اور اللہ کے بارے میں حق کے سوا کچھ نہ کہو۔ یہ کلام اقدس تین امور کو محضمن ہے۔ ان میں سے پہلے دو امور ممنوع ہیں۔

اول: اللہ تبارک و تعالیٰ پر جھوٹ باندھنا۔

ثانی: اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات اس کے افعال، اس کی شریعت اور اس کے رسولوں کے بارے میں بلا علم بات کرنا۔

ثالث: اور تیسری چیز وہ ہے جس کا حکم دیا گیا ہے اور وہ ہے ان تمام امور میں قول حق۔

چونکہ یہ ایک عام قاعدہ کلیہ ہے اور سیاق کلام جناب عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں نص اور قول حق ہے اور یہودیت اور نصرانیت کے طریقے کے خلاف ہے اس لئے فرمایا۔ ﴿إِنَّمَا الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ﴾ رسول اللہ ﷺ یعنی مریم کے بیٹے عیسیٰ علیہ السلام کے رسول ہیں۔ یعنی جناب مسیح علیہ السلام کی غایت اور مراتب کمال کی انتہاء وہ اعلیٰ ترین حالت ہے جو کسی مخلوق کے لئے ہو سکتی ہے اور وہ مرتبہ رسالت ہے جو بلند ترین درجہ اور جلیل ترین مقام ہے۔

﴿وَكَلَّمَتْهُ أَلْفَمَهَا إِلَى مَرْيَمَ﴾ اور اس کا کلمہ (بشارت) تھے جو اس نے مریم کی طرف بھیجا تھا۔ اور وہ ایک کلمہ ہے جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور اس کلمہ کے ذریعے سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے تخلیق پائی۔ خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام وہ کلمہ نہ تھے بلکہ وہ اس کلمہ کے ذریعے سے وجود میں آئے اور یہ شرف و تکریم کی اضافت ہے۔ اسی طرح فرمایا: ﴿وَرُوحٌ مِّنْهُ﴾ اور اس کی طرف سے ایک روح تھی۔ یعنی ان ارواح میں سے ایک روح ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمایا اور صفات فاضلہ اور اخلاق کاملہ کے ساتھ اس کی تکمیل کی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے وہ روح جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دے کر جناب مریم علیہا السلام کی طرف بھیجا اور انہوں نے جناب مریم علیہا السلام کی فرج میں روح کو پھونک دیا، پس اللہ کے حکم سے ان کو حمل ٹھہر گیا جس سے حضرت عیسیٰ کی ولادت ہوئی۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حقیقت واضح کر دی تو اس نے اہل کتاب کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسولوں پر ایمان لانے کا حکم دیا اور ان کو تین خدا بنانے سے منع کیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت مریم علیہم السلام ان کا براہویہ نصاریٰ کا قول باطل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا ہے کہ وہ اس تثلیث سے باز آجائیں اور انہیں آگاہ فرمایا کہ یہ ان کے لئے بہتر ہے کیونکہ یہ امر متعین ہے کہ یہی نجات کی راہ ہے اور اس کے سوا ہر راستہ

موجب ہے۔ پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت اور الوہیت میں اپنے آپ کو بندے سمجھنے میں عار محسوس نہیں کی بلکہ وہ ہر طرح سے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی بندگی کا محتاج سمجھتے ہیں۔

یہ نہ سمجھا جائے کہ عیسیٰ علیہ السلام یا کسی اور کو اس مرتبے سے بڑھانا جو اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا کیا ہے ان کے لئے کوئی کمال ہے بلکہ یہ تو عین نقص اور مذمت و عذاب کا محل و مقام ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمَنْ يَسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرْهُمْ إِلَيْهِ جَمِيعًا﴾ اور جو شخص اللہ کا بندہ ہونے کو موجب عار سمجھے اور سرکشی کرے تو اللہ سب کو اپنے پاس جمع کر لے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی عبادت کو عار سمجھنے والوں، متکبروں اور اپنے مومن بندوں، سب کو عنقریب جمع کرے گا اور ان کے درمیان عدل و انصاف کے ساتھ فیصلہ کرے گا۔ اور اپنی جزا سے نوازے گا۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے مذکورہ افراد کی بابت اپنے الگ الگ فیصلے کی بابت فرمایا:

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ پس وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل صالح کئے، یعنی انہوں نے ایمان مامور کے ساتھ اعمال صالحہ یعنی حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ضمن میں واجبات و مستحبات کو جمع کیا ﴿فِيُؤْتِيهِمْ أَجْرَهُمْ﴾ وہ ان کو ان کا پورا بدلہ دے گا۔ یعنی وہ اجر جس کو اللہ تعالیٰ نے اعمال پر مترتب فرمایا ہے۔ ہر شخص کو اس کے ایمان اور عمل کے مطابق ملے گا ﴿وَيَزِيدُهُمْ مِنْ فَضْلِهِ﴾ اور اپنے فضل سے کچھ زیادہ بھی عنایت کرے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ ان کے ثواب میں اتنا اضافہ کرے گا کہ ان کے اعمال یہ ثواب حاصل نہیں کر سکتے ان کے افعال اس ثواب تک نہیں پہنچ سکتے اور اس ثواب کا تصور بھی ان کے دل میں نہیں آ سکتا۔ اس ثواب میں ہر وہ چیز شامل ہے جو جنت میں موجود ہے، مثلاً ماکولات، مشروبات، بیویاں، خوبصورت مناظر، فرحت و سرور، قلب و روح اور بدن کی نعمتیں، بلکہ اس میں ہر دینی اور دنیاوی بھلائی شامل ہے جو ایمان اور عمل صالح پر مترتب ہوتی ہے۔

﴿وَأَمَّا الَّذِينَ اسْتَنكَفُوا وَاسْتَكْبَرُوا﴾ لیکن وہ لوگ جنہوں نے عار کی اور تکبر کیا، یعنی وہ لوگ جو تکبر کی بنا پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کو عار سمجھتے ہیں ﴿فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ ان کو وہ تکلیف دینے والا عذاب دے گا۔ یہ عذاب الیم اللہ تعالیٰ کی ناراضی اس کے غضب اور بھڑکتی ہوئی آگ پر مشتمل ہے جو دلوں کے ساتھ لپٹ جائے گی۔ ﴿وَلَا يَجِدُونَ لَهُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا﴾ اور یہ لوگ اللہ کے سوا اپنا حامی اور مددگار نہ پائیں گے۔ یعنی وہ مخلوق میں کوئی ایسا شخص نہیں پائیں گے جو ان کا ولی و مددگار بن سکے اور وہ اپنا مطلوب و مقصود حاصل کر سکیں۔ اور نہ ان کا کوئی حامی و ناصر ہوگا جو ان سے اس چیز کو دور کر سکے جس سے یہ ڈرتے ہیں، بلکہ صورت حال یہ ہوگی کہ اللہ تعالیٰ جو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے وہ بھی ان سے الگ ہو جائے گا اور ان کو دائمی عذاب میں چھوڑ دیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ جو فیصلہ کرتا ہے اس کے فیصلے کو کوئی رو نہیں کر سکتا اور نہ اس کی قضا کو کوئی بدل سکتا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ﴿۱۵۴﴾

اے لوگو! تحقیق آگئی تمہارے پاس ایک دلیل تمہارے رب کی طرف سے اور نازل کیا ہم نے تمہاری طرف ایک نور واضح

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ

پس لیکن وہ لوگ جو ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور مضبوط پکڑ اس کو تو وہ ضرور داخل کرے گا ان کو اپنی رحمت اور فضل میں

وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمًا ﴿۱۵۵﴾

اور بتلا دے گا ان کو اپنے تک (پہنچنے کے لیے) راہ سیدھی

اللہ تبارک و تعالیٰ تمام لوگوں پر احسان جتلاتا ہے کہ اس نے ان تک براہین قاطعہ اور واضح روشنی پہنچائی ان

پر رحمت قائم کرتا ہے اور ان کے سامنے ہدایت کی راہ واضح کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ

بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ﴾ ”لوگو! تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس دلیل آچکی ہے۔“ یعنی تمہارے پاس

حق کی تائید میں قطعی دلائل آچکے ہیں جو حق کو واضح کرتے ہیں اور اس کی ضد کو بیان کرتے ہیں۔ یہ براہین دلائل

عقلیہ دلائل نقلیہ آیات افقی اور آیات نفسی پر مشتمل ہیں فرمایا: ﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ

حَتَّىٰ يَتَّبِعِنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ﴾ (حلم السجدہ: ۵۳/۴۱) ”ہم عنقریب ان کو آفاق میں اور خود ان کی ذات میں

نشانیوں دکھائیں گے یہاں تک کہ حق ان پر واضح ہو جائے گا۔“

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿مِن رَّبِّكُمْ﴾ ”تمہارے رب کی طرف سے۔“ اس برہان و دلیل کی عظمت و شرف پر

دلالت کرتا ہے کیونکہ یہ تمہارے رب کی طرف سے ہے جس نے تمہاری دینی اور دنیوی تربیت کی ہے۔ یہ اس کی

تربیت ہی ہے جس پر اس کی حمد و ثنا بیان کی جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے کہ اس نے تمہیں دلائل عطا کئے تاکہ وہ

صراط مستقیم کی طرف تمہاری راہنمائی کرے اور تمہیں نعمتوں سے بھری ہوئی جنتوں تک پہنچائے۔

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا﴾ ”اور اتارا ہم نے تمہاری طرف واضح نور“ وہ یہی قرآن عظیم ہے جو اولین و

آخرین کے علوم سچی خبروں عدل و احسان اور بھلائی کے احکام اور ہر قسم کے ظلم اور شر سے ممانعت پر مشتمل ہے۔

لوگ اگر قرآن سے روشنی حاصل کر کے اپنی راہوں کو روشن نہیں کریں گے تو اندھیروں میں بھٹکتے رہیں گے۔ اگر

انہوں نے قرآن سے بھلائی کو حاصل نہ کیا تو بہت بڑی بدبختی میں پڑے رہیں گے۔ تاہم قرآن عظیم پر ایمان

لانے اور اس سے فائدہ اٹھانے کے اعتبار سے لوگ دو اقسام میں منقسم ہیں:

(۱) ﴿فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ﴾ ”پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے۔“ یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے وجود

کا اعتراف کیا اور یہ تسلیم کیا کہ وہ تمام اوصاف کاملہ سے متصف اور ہر نقص اور ہر عیب سے منزہ ہے۔

﴿وَاعْتَصَمُوا بِهِ﴾ ”اور اس (کے دین کی رسی) کو مضبوط پکڑے رہے۔“ یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ پر

بھروسہ کرتے ہوئے اس کے ہاں پناہ لی اور اپنی قوت اور طاقت سے بری ہو کر اپنے رب سے مدد کے طلب گار ہوئے۔ ﴿فَسَيَدْخُلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ﴾ ”ان کو وہ اپنی رحمت اور فضل (کی بہشتوں) میں داخل کرے گا۔“ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو اپنی خاص رحمت سے ڈھانپ لے گا، انہیں نیکیوں کی توفیق عنایت کرے گا، انہیں بے پایاں ثواب عطا کرے گا اور ان سے بلائیں دور کرے گا ﴿وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمًا﴾ ”اور اپنی طرف (پہنچنے کا) سیدھا راستہ دکھائے گا۔“ یعنی اللہ تعالیٰ انہیں علم و عمل کی توفیق اور انہیں حق اور اس پر عمل کی معرفت عطا کرے گا۔

(۲) یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہ لائے اللہ کے پاس پناہ نہ لی اور اس کی کتاب کو مضبوطی سے نہ پکڑا تو اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل اور رحمت سے محروم کر دے گا ان کو ان کے نفس کے حوالے کر دے گا۔ انہوں نے ہدایت کی راہ کو اختیار نہ کیا بلکہ وہ واضح طور پر گمراہی میں جا پڑے۔ ایمان ترک کرنے پر یہ ان کی سزا ہے، پس ناکامی اور محرومی ان کا نصیب بن گئی۔ ہم اللہ تبارک و تعالیٰ سے عنوعافیت اور معافی کا سوال کرتے ہیں۔

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَّةِ ط إِنَّ امْرؤًا هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ فُتُوٰى يَظُتُّوْنَ هِي وَهِيَ اُمُّهُ فَوَيْلٌ لِلْكَافِرِيْنَ مِنْ عَذَابِ اللَّهِ الَّذِيْ هُوَ عَزِيزٌ عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ ط
 اُخْتُ فَلَهَا زَيْفٌ مَّا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ ط فَاِنْ كَانَتْ اَيُّمًا لَّيْسَ لَهَا مِيرَاثٌ ط وَانْ كَانَتْ اَيُّمًا لَّيْسَ لَهَا مِيرَاثٌ ط وَانْ كَانَتْ اَيُّمًا لَّيْسَ لَهَا مِيرَاثٌ ط
 اِثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثُ مِمَّا تَرَكَ ط وَانْ كَانُوا اِخْوَةً رِّجَالًا وَنِسَاءً فَلِلَّذَكَرِ مِثْلُ
 اِثْنَتَيْنِ ط وَانْ كَانُوا اَيُّمًا لَّيْسَ لَهَا مِيرَاثٌ ط وَانْ كَانُوا اَيُّمًا لَّيْسَ لَهَا مِيرَاثٌ ط
 حَظَّ الْاُنثَيَيْنِ ط يَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ اَنْ تَضْلُوْا ط وَاللَّهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ٥٦

حصہ دو عورتوں کے۔ وضاحت کرتا ہے اللہ تمہارے لیے تاکہ نہ گمراہ ہو تم اور اللہ ہر چیز کا خوب جاننے والا ہے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے کلالہ کے بارے میں فتویٰ طلب کیا تھا اور اس کی دلیل یہ ہے ﴿قُلِ اللَّهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَّةِ﴾ ”کہہ دیجئے! اللہ تعالیٰ تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے“ (کلالہ) سے مراد وہ میت ہے جس کی صلب سے کوئی اولاد نہ ہو نہ کوئی پوتا پوتی نہ باپ ہونہ دادا۔ اس لئے فرمایا: ﴿اِنَّ امْرؤًا هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ﴾ ”اگر کوئی ایسا مرد جائے جس کے اولاد نہ ہو۔“ یعنی اس کا کوئی بیٹا یا بیٹی ہو نہ صلیبی بیٹا ہو اور نہ بیٹی کا بیٹا ہو..... اور اسی طرح نہ اس کا باپ ہو اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کے بھائی اور بہنیں اس کے وارث نہیں گے کیونکہ اس پر علماء کا اجماع ہے کہ بہن بھائی باپ کی معیت میں وارث نہیں بہنیں

گے۔ پس جب ایسا شخص فوت ہو جائے گا جس کی اولاد ہے نہ باپ ﴿وَلَوْلَا أُخْتٌ﴾ البتہ اس کی حقیقی یا باپ شریک بہن ہے نہ کہ ماں شریک کیونکہ اس کا حکم پہلے گزر چکا ہے۔ ﴿فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ﴾ ”اس (بہن) کے لیے تر کے میں سے آدھا حصہ ہے۔“ یعنی بہن کو کالہ بھائی کے ترکہ یعنی نقدی جائیداد اور دیگر اثاثوں میں سے نصف ملے گا۔ یہ حصہ میت کی وصیت پوری کرنے اور قرض کی ادائیگی کے بعد دیا جائے گا۔ جیسا کہ اس کے بارے میں احکام گزشتہ اور اوراق میں گزر چکے ہیں۔

﴿وَهُوَ﴾ ”اور وہ“ یعنی میت کا حقیقی بھائی یا باپ کی طرف سے بھائی ﴿يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ﴾ ”اس بہن کا وارث ہوگا اگر اس کی اولاد نہیں ہوگی“ اور اس کے لئے حصہ میراث مقرر نہ ہو کیونکہ وہ تو عصبہ ہے اگر اصحاب فرض یا عصبہ میں شریک کوئی فرد نہ ہو تو وہ تمام ترکہ لے گا یا اصحاب فرض کو ان کے حصے دینے کے بعد جو کچھ باقی بچے گا وہ اس کو ملے گا۔ ﴿فَإِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ﴾ ”اور اگر دو بہنیں ہوں۔“ یعنی دو یا دو سے زیادہ بہنیں ہوں ﴿فَلَهُمَا الثُّلُثُ مِمَّا تَرَكَ﴾ ”تو ان کو ترکہ کے میں سے دو تہائی ملے گا“ ﴿وَإِنْ كَانُوا إِخْوَةً رِجَالًا وَنِسَاءً﴾ ”اور اگر بھائی اور بہن یعنی مرد اور عورتیں ملے جلے وارث ہوں۔“ یعنی اگر باپ کی طرف سے بھائی اور بہنیں وارث ہوں ﴿فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثِيَيْنِ﴾ ”تو مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے“ پس عورتوں کا مقررہ حصہ (دو تہائی) ساقط ہو جائے گا اور ان عورتوں کو ان کے بھائی عصبہ بنا دیں گے۔ (گویا اس میں عصبات کا حکم بیان کیا گیا ہے) عورتوں کا حصہ ساقط ہو جائے گا اور ان کے بھائی ان کے عصبہ بنیں گے۔

﴿يَبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ أَنْ تَضِلُّوا﴾ ”اللہ تم سے اس لیے بیان فرماتا ہے کہ بھٹکتے نہ پھرو۔“ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ان احکام کو واضح کرتا ہے اور ان کی تشریح کرتا ہے جن کے تم محتاج ہو۔ یہ اللہ تعالیٰ کا تم پر فضل و احسان ہے تاکہ تم راہ ہدایت پا لو اور تم اس کے احکام پر عمل کرو اور تاکہ تم اپنی جہالت اور عدم علم کی وجہ سے راہ راست سے بھٹک نہ جاؤ۔ ﴿وَاللَّهُ بِحَسْرَتِكُمْ عَلِيمٌ﴾ ”اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ غائب اور موجود ماضی اور مستقبل کے تمام امور کو جانتا ہے۔ وہ یہ بھی جانتا ہے کہ تم اس کی وضاحت اور تعلیم کے محتاج ہوؤ وہ اپنے علم میں سے تمہیں علم سکھاتا ہے جو تمہیں ہر زمان و مکان میں ہمیشہ فائدہ دے گا۔



تفسیر سُوْرَةِ الْمَنَادَةِ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے اسم سے شروع، جو نہایت مہربان، بہت رحم کرنے والا ہے

سُوْرَةُ الْمَنَادَةِ
٥٠ آیتیں

آیت نمبر ١٠
رُوْحًا نَزَّلْنَا

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَوْفُوا بِالْعُقُودِ أُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ إِلَّا مَا يُتْلَى
اے ایمان والو! پورا کر تمہارے عہدوں کو حلال کر دیئے گئے ہیں تمہارے لیے چار پائے مویشی سوائے انکے جن کی تلاوت کی جائے گی (ابھی)
عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ طَرِيقَ اللَّهِ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ ①
تم پر اس حال میں کہ نہ حلال جاننے والے ہو تم شکار کو جب کہ تم حالت احرام میں ہو بیشک اللہ فیصلہ کرتا ہے جو چاہتا ہے ①

یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اپنے مومن بندوں کو اس بات کا حکم ہے جس کا ایمان تقاضا کرتا ہے اور وہ یہ کہ معاہدوں کو پورا کیا جائے۔ ان میں کمی کی جائے نہ ان کو توڑا جائے۔ یہ آیت کریمہ ان تمام معاہدوں کو شامل ہے جو بندے اور اس کے رب کے درمیان ہیں جیسے اس کی عبودیت کا التزام، اسے پوری طرح قائم رکھنا اور اس کے حقوق میں سے کچھ کمی نہ کرنا۔ اور یہ ان معاہدوں کو بھی شامل ہے جو بندے اور رسول اللہ ﷺ کے مابین آپ کی اتباع اور اطاعت کے بارے میں ہیں اور اسی طرح اس میں وہ معاہدے بھی شامل ہیں جو بندے اور اس کے والدین اور اس کے عزیز و اقارب کے درمیان ان کے ساتھ حسن سلوک، صلہ رحمی اور عدم قطع رحمی کے بارے میں ہیں، نیز اس آیت کریمہ کے حکم میں وہ معاہدے بھی شامل ہیں جو فراموشی اور تنگی دستی، آسانی اور تنگی میں صحبت اور دوستی کے حقوق کے بارے میں ہیں۔ اس کے تحت وہ معاہدے بھی آتے ہیں جو معاملات، مثلاً خرید و فروخت اور اجارہ وغیرہ کے ضمن میں بندے اور لوگوں کے درمیان ہیں۔ اس میں صدقات اور ہبہ وغیرہ کے معاہدے کی پابندی، مسلمانوں کے حقوق کی ادائیگی وغیرہ بھی شامل ہے جن کی پابندی کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں عائد کیا ہے۔ ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ﴾ (الحجرات: ۱۰، ۱۴۹) ”تمام مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں“۔ بلکہ حق کے بارے میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون اور ایک دوسرے کی مدد کرنا، مسلمانوں کا ایک دوسرے کے ساتھ پیارا اور محبت سے مل جل کر رہنا اور قطع تعلقات سے اجتناب وغیرہ تک شامل ہے۔

پس اس حکم میں دین کے تمام اصول و فروع شامل ہیں اور دین کے تمام اصول و فروع ان معاہدوں میں داخل ہیں جن کی پابندی کا اللہ تبارک و تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنے احسان کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿أُحِلَّتْ لَكُمْ﴾ ”تمہارے لیے حلال کر دیئے گئے۔“ یعنی تمہاری خاطر اور تم پر رحمت کی بنا پر حلال کر دیئے گئے ہیں ﴿بَهِيمَةُ الْأَنْعَامِ﴾ ”چوپائے مویشی“ یعنی اونٹ، گائے اور بھیڑ بکری وغیرہ بلکہ بسا اوقات اس میں جنگلی جانور، مثلاً ہرن، گورخر اور اس قسم کے دیگر شکار کئے جانے والے جانور بھی شامل ہیں۔ بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم

اس آیت کریمہ سے اس بچے کی حلت پر بھی استدلال کرتے ہیں جو ذبح کرتے وقت مذبوحہ کے پیٹ میں ہوتا ہے اور ذبح کرنے کے بعد وہ مذبوحہ کے پیٹ میں مر جاتا ہے۔^①

﴿إِلَّا مَا يَمِثُّ عَلَيْكُمْ﴾ ”سوائے ان چیزوں (کی تحریم) کے جو تمہیں پڑھ کر سنائے جاتے ہیں۔“ جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةُ وَالِدَامُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أَهَلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ وَالْمُنْخَفَقَةُ وَالْمَوْوُذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَيْتُمْ..... (آیۃ)﴾ (المائدہ: ۳۱۵) ”تم پر حرام کر دیا گیا مردار خون، سور کا گوشت، جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو وہ جانور جو گلا گھٹ کر مر جائے، جو چوٹ لگ کر مر جائے، جو گر کر مر جائے، جو سینگ لگ کر مر جائے اور وہ جانور جسے درندے پھاڑ کھائیں سوائے اس کے جس کو تم ذبح کر لو اور وہ جانور جو آستانوں پر ذبح کئے جائیں.....“

مذکورہ بالا تمام جانور اگر چہ (بِهَيْمَةَ الْأَنْعَامِ) مویشیوں میں شامل ہیں تاہم یہ مردار ہونے کی وجہ سے حرام ہیں۔ یہ چوپائے مویشی عام طور پر تمام احوال و اوقات میں مباح ہیں البتہ احرام کی حالت میں ان کے شکار کو مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے، اس لیے فرمایا: ﴿غَيْرِ مُجْبِي الصَّيْدِ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ﴾ ”مگر حلال نہ جانو شکار کو احرام کی حالت میں“ یعنی یہ جانور تمہارے لئے تمام احوال میں حلال ہیں سوائے اس حالت میں جبکہ تم احرام کی حالت میں ہو تب اس حالت میں شکار نہ کرو، یعنی احرام میں ان کو مارنے کی جرأت نہ کرو، کیونکہ حالت احرام میں ان کا شکار کرنا مثلاً بہرن وغیرہ کو مارنا تمہارے لئے جائز نہیں۔ شکار سے مراد وہ جنگلی جانور ہے جس کا گوشت کھایا جاتا ہے۔

﴿إِنَّ اللَّهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيدُ﴾ ”بے شک اللہ جو چاہے فیصلہ کرتا ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ جو بھی ارادہ کرتا ہے اس امر کے مطابق فیصلہ کرتا ہے جو اس کی حکمت کے عین مطابق ہوتا ہے۔ جس طرح اس نے تمہارے مصالح کے حصول اور مضرت کو دور کرنے کے لئے تمہیں معاہدوں کو پورا کرنے کا حکم دیا اور تم پر رحمت کی بنا پر اس نے تمہارے لئے مویشیوں کو حلال قرار دیا اور بعض موانع کی وجہ سے جو جانور ان میں سے مستثنیٰ ہیں ان کو حرام قرار دیا مثلاً مردار وغیرہ اس کا مقصد تمہاری حفاظت اور احترام ہے۔ احرام کی حالت میں شکار کو حرام قرار دیا اور اس کا مقصد احرام کا احترام اور تعظیم ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحِلُّوا شَعَائِرَ اللَّهِ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ وَلَا الْهَدْيَ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ بے حرمتی کرو اللہ کی نشانیوں کی اور نہ حرمت والے مہینے کی اور نہ حرم والی قربانی کی
وَلَا الْقَلَائِدَ وَلَا أَمْمِينَ الْبَيْتِ الْحَرَامِ يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا ط
اور نہ پنوں (والے جانوروں) کی اور نہ قصد کرنیوالوں کی بیت الحرام کی طرف وہ تلاش کرتے ہیں فضل اپنے رب کا اور رضامندی

① حدیث میں بھی ایسے بچے کو یہ کہہ کر حلال قرار دیا گیا ہے ذکوۃ الجنین ذکاة أمہ (ابوداؤد ترمذی بحوالہ صحیح الجامع) ”بچے کا ذبح کرنا یہی ہے کہ اس کی ماں کو ذبح کر لیا جائے“۔ یعنی ماں کا ذبح کر لینا بچے کی حلت کیلئے کافی ہے۔ (ص۔ی)

وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ
اور جب تم احرام کھول دو تو (اب) تم شکار کر سکتے ہو اور نہ آدھہ کرے تمہیں دشمنی کسی قوم کی اس وجہ سے کہ اس نے روک دیا تھا تم کو مسجد

الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَىٰ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ
حرام ہے یہ کہ تم زیادتی کرو اور تم ایک دوسرے کی مدد کرو نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں اور نہ ایک دوسرے کی مدد کرو گناہ

وَالْعُدْوَانَ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ۝۲

اور زیادتی پر اور ڈرو اللہ سے بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے ۝

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحْلُوا شَعَائِرَ اللَّهِ ﴾ ”اے ایمان والو! اللہ کی نشانیوں کو حلال نہ سمجھو، یعنی اللہ تعالیٰ کی ان محرمات کو حلال نہ ٹھہراؤ جو جن کی تعظیم کا اور ان کے عدم فعل کا اس نے تمہیں حکم دیا ہے۔ پس یہ ممانعت ان کے فعل کی ممانعت اور ان کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھنے کی ممانعت پر مشتمل ہے۔ یعنی یہ ممانعت فعل قبیح اور اس کے حلال ہونے کا اعتقاد رکھنے کو شامل ہے اس ممانعت میں محرمات احرام اور محرمات حرم بھی داخل ہیں۔ اس میں وہ امور بھی داخل ہیں جن کا ذکر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں آتا ہے ﴿ وَلَا الشَّهْرَ الْحَرَامَ ﴾ ”اور نہ ادب کے مہینے کی۔“ یعنی حرمت کے مہینے میں لڑائی اور دیگر مظالم کا ارتکاب کر کے اس کی ہتک حرمت نہ کرو، جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كَتَبِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرْمٌ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَدِيمُ فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ ﴾ (التوبہ: ۳۶/۹) ”بے شک اللہ کے نزدیک اس کی کتاب میں مہینے گنتی میں بارہ ہیں اس روز سے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ ان میں سے چار مہینے حرمت کے ہیں۔ یہی مضبوط دین ہے۔ تم ان مہینوں میں (ناحق لڑائی کر کے) اپنے آپ پر ظلم نہ کرو۔“

جمہور اہل علم کہتے ہیں کہ حرام مہینوں میں لڑائی کی تحریم منسوخ ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے ﴿ فَإِذَا
اَسْلَخَ الْاَشْهُرَ الْحُرْمَ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ ﴾ (التوبہ: ۵/۹) ”جب حرمت کے
مہینے گزر جائیں تو مشرکوں کو جہاں پاؤ ان کو قتل کرو۔“ اور اس کے علاوہ دیگر آیات جو عموم پر دلالت کرتی ہیں جن
میں کفار کے ساتھ مطلق قتال کا حکم دیا گیا ہے اور اس قتال سے پیچھے رہ جانے پر وعید سنائی ہے، نیز نبی اکرم ﷺ
نے ذیقعد کے مہینے میں اہل طائف کے خلاف جنگ کی اور ذیقعد حرام مہینوں میں سے ہے۔

دیگر اہل علم کہتے ہیں کہ حرمت کے مہینوں میں لڑائی کی ممانعت منسوخ نہیں ہے اس کی دلیل یہی مذکورہ آیت
کریمہ ہے۔ جس میں خاص طور پر لڑائی کی ممانعت کی گئی ہے اور انہوں نے اس بارے میں وارد مطلق نصوص کو
مقید پر محمول کیا ہے۔

اور بعض علماء نے اس میں یہ تفصیل بیان کی ہے کہ حرمت والے مہینوں میں جنگ کی ابتدا کرنا جائز نہیں؛ البتہ

اگر جنگ پہلے سے جاری ہو جبکہ اس کی ابتدا حلال مہینوں میں ہوئی ہو تو حرمت کے مہینوں میں اس کی تکمیل جائز ہے اور انہوں نے اہل طائف کے خلاف رسول اللہ ﷺ کی جنگ کو اسی پر محمول کیا ہے، کیونکہ ان کے ساتھ جنگ کی ابتدا حنین میں ہوئی جو شوال کے مہینے میں ہوئی تھی۔ یہ سب اس جنگ کے بارے میں ہے جس میں مدافعت مقصود نہ ہو۔ جہاں تک دفاعی جنگ کا معاملہ ہے جبکہ وہ کفار کی طرف سے شروع کی گئی ہو تو مسلمانوں کو اپنے دفاع میں حرمت والے مہینوں میں بھی جنگ لڑنا جائز ہے۔ اور اس پر تمام اہل علم کا اجماع ہے۔

﴿وَلَا الْهَدْيَ وَلَا الْقَلَائِدَ﴾ اور نہ قربانی کے جانوروں کی۔ یعنی تم اس ﴿الْهَدْيَ﴾ ”قربانی“ کو جو حج یا عمرہ یا دیگر ایام میں بیت اللہ کو بھیجی جا رہی ہو حلال نہ ٹھہراؤ۔ اس کو قربان گاہ تک پہنچنے سے مت روکو، نہ اسے چوری وغیرہ کے ذریعے سے حاصل کرنے کی کوشش کرو، نہ اس کے بارے میں کوتاہی کرو اور نہ اس کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ لا دو۔ مبادا کہ وہ قربان گاہ تک پہنچنے سے پہلے ہی تلف ہو جائے بلکہ اس ہدی کی اور اس کو لانے والے کی تعظیم کرو۔

﴿وَلَا الْقَلَائِدَ﴾ اور نہ ان جانوروں کی (جو اللہ کی راہ میں نذر کر دیے گئے ہوں اور) جن کے گلوں میں بٹے بندھے ہوں۔“ یہ ہدی کی ایک خاص قسم ہے یہ ہدی کا وہ جانور ہے جس کے لئے قلا دے وغیرہ تیار کر کے صرف اس لئے اس کی گردن میں ڈالے گئے ہوں تاکہ اس سے ظاہر ہو کہ یہ اللہ کے شعائر ہیں نیز اس کا مقصد یہ بھی ہے کہ لوگ اس کی پیروی کریں اور اس سے سنت کی تعلیم بھی مقصود ہے۔ تاکہ لوگ پہچان لیں کہ یہ ہدی کا جانور ہے لہذا حرمت کا حامل ہے۔ بنا بریں ہدی کو علامت کے طور پر قلا دے وغیرہ پہنانا سنت ہے اور شعائر مسنونہ میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

﴿وَلَا آفِئِدِنَ الْبَيْتِ الْحَرَامِ﴾ اور نہ ان لوگوں کی جو عزت کے گھر (یعنی بیت اللہ) کو چاہے ہوں۔“ یعنی جو بیت اللہ کا قصد رکھتے ہیں ﴿يَبْتَغُونَ فَضْلًا مِّن رَّبِّهِمْ وَرِضْوَانًا﴾ ”اپنے رب کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلبگار ہوں۔“ یعنی جو بیت اللہ پہنچنے کا قصد رکھتا ہے اور وہ تجارت اور جائز ذرائع اکتساب کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے فضل کو حاصل کرنے کا ارادہ لئے ہوئے ہے یا وہ حج، عمرہ، طواف بیت اللہ نماز اور مختلف انواع کی دیگر عبادت کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کا ارادہ رکھتا ہے، اس کے ساتھ برائی سے پیش آؤ نہ اس کی اہانت کرو، بلکہ اس کی تکریم کرو اور تمہارے رب کے گھر کی زیارت کے لئے جانے والوں کی تعظیم کرو۔ اس حکم میں یہ چیز بھی داخل ہے کہ بیت اللہ کی طرف جانے والے تمام راستوں کو پر امن بنایا جائے تاکہ بیت اللہ کو جانے والے بڑے اطمینان سے اللہ کے گھر کو جا سکیں، انہیں راستے میں قتل و غارت اور اپنے اموال کے بارے میں کسی چوری ڈاکے اور کسی ظلم کا خوف نہ ہو۔

اس آیت کریمہ کے عموم کو اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد خاص کرتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ

نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا ﴿ (التوبہ: ۲۸/۱۹) ”اے ایمان لانے والے لوگو! مشرک تو ناپاک ہیں وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب بھی نہ جائیں۔ لہذا مشرک حرم میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اس آیت کریمہ میں بیت اللہ کی طرف جانے والے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کی رضا کا قصد رکھنے والے سے تعرض کرنے کی ممانعت کی تخصیص اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو شخص اس نیت سے بیت اللہ کا قصد کرتا ہے کہ گناہوں کے ذریعے سے اس کی ہتک حرمت کا ارتکاب کرے اس کو اللہ تعالیٰ کے گھر میں فساد پھیلانے سے روکا جائے کیونکہ اسے اس فعل سے روکنا حرم کے احترام کی تکمیل ہے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَمَنْ يُؤْذِ فِيهِ بِالْحَقِّ يُظَلِّمْ نَفْسَهُ مِنْ عَذَابِ آلِهِهِ ﴾ (الحج: ۲۵/۲۲) ”اور جو کوئی اس میں ظلم سے کج روی کرنا چاہے ہم اسے دردناک عذاب کا مزا چکھائیں گے۔“

چونکہ اللہ تعالیٰ نے حالت احرام میں شکار کرنے سے منع کیا ہے اس لئے فرمایا: ﴿وَإِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوا﴾ ”اور جب احرام اتار دو تو (پھر اختیار ہے کہ) شکار کرو۔“ یعنی جب تم حج اور عمرہ کا احرام کھول دو تو تمہارے لئے شکار کرنا جائز ہے اور اب اس کی تحریم ختم ہو گئی ہے۔ تحریم کے بعد کا حکم محرّمہ اشیاء کو ان کی اس حالت کی طرف لوٹا دیتا ہے جو تحریم کے حکم سے پہلے تھی۔

﴿ وَلَا يَجْرُ مِنْكُمْ شَتَانٌ قَوْمٍ أَنْ صَدُّوكُمْ عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ أَنْ تَعْتَدُوا ﴾ ”اور لوگوں کی دشمنی اس وجہ سے کہ انہوں نے تم کو عزت والی مسجد سے روکا تھا تمہیں زیادتی کرنے پر آمادہ نہ کرے۔“ یعنی کسی قوم کا بغض عداوت اور تم پر ان کا ظلم و تعدی کہ انہوں نے تمہیں مسجد حرام تک جانے سے روکا تھا تمہیں ان پر ظلم و تعدی کرنے پر آمادہ نہ کرے کہ تم ان سے بدلہ لے کر اپنے غصے کو ٹھنڈا کرو؛ کیونکہ بندے پر ہر حالت میں اللہ تعالیٰ کے حکم کا التزام کرنا اور عدل و انصاف کا راستہ اختیار کرنا فرض ہے۔ خواہ اس کے خلاف جرم، ظلم یا زیادتی کا ارتکاب ہی کیوں نہ کیا گیا ہو۔ جس نے اس پر جھوٹا الزام لگایا اس پر جھوٹا الزام لگانا اور جس نے اس کے ساتھ خیانت کی اس کے ساتھ خیانت کرنا کسی حالت میں جائز نہیں۔

﴿ وَتَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوَى ﴾ ”نیکی اور پرہیزگاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کیا کرو۔“ یعنی تم نیکیوں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو۔ یہاں ﴿الْبِرِّ﴾ ”نیکی“ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے ضمن میں ان تمام ظاہری اور باطنی اعمال کو شامل ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہیں اور وہ ان پر راضی ہے۔ اس مقام پر تقویٰ ان تمام ظاہری اور باطنی اعمال کو ترک کرنے کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو ناپسند ہیں۔ بھلائی کی ہر خصلت جس کے فعل کا حکم یا برائی کی ہر خصلت جسے ترک کرنے کا حکم ہے بندہ خود بھی اس کے فعل پر مامور ہے اور اسے اپنے مومن بھائیوں کے ساتھ اپنے قول و فعل کے ذریعے سے جو ان کو اس بھلائی پر آمادہ کرے یا اس میں نشاط پیدا کرے تعاون کرنے کا حکم ہے۔

﴿ وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ ﴾ ” اور گناہ پر ایک دوسرے سے تعاون نہ کرو“ اور یہ ان گناہوں پر جسارت ہے جن کے ارتکاب سے انسان گناہ گار اور ناقابل اعتبار ہو جاتا ہے ﴿ وَالْعُدْوَانَ ﴾ ” اور نہ زیادتی پر“ یہ مخلوق کے ساتھ ان کی جان و مال اور ان کی عزت و ناموس کے بارے میں ظلم اور زیادتی ہے۔ پس بندے پر واجب ہے کہ وہ ہر گناہ اور ظلم و تعدی سے اپنے آپ کو بھی روکے اور دوسروں کے ساتھ بھی اس ظلم و تعدی کو ترک کرنے پر تعاون کرے۔ ﴿ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴾ ” اور اللہ سے ڈرتے رہو کچھ شک نہیں کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔“ اللہ تعالیٰ ہر اس شخص کو سزا دے گا جو اس کی نافرمانی کرے گا اور محارم کے ارتکاب کی جسارت کرے گا۔ پس ہتک محارم سے بچو مبادا (ایسا نہ ہو) کہ تم اس کی دنیاوی یا اخروی سزا کے مستحق بن جاؤ۔

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهْلَ لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ
حرام کیا گیا تم پر مردہ جانور اور خون اور گوشت سور کا اور وہ جانور کہ پکارا جائے نام غیر اللہ کا اس پر
وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَا أَكَلَ السَّبْعُ إِلَّا مَا

اور گلا گھٹنے سے مر جائیو اور جو مر جائے چوٹ لگنے سے اور گر کر مرنیو اور جو کسی کے سینگ سے مر جائے اور جس کو کھا جائیں درندے مگر جسکو

ذُكِّيْتُمْ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ذَلِكُمْ فِسْقٌ

تم ذبح کرو اور جو جانور ذبح کیا جائے تھا نونوں پر اور یہ کہ قسمت معلوم کرو فال کے تیروں کیساتھ یہ سب گناہ (کے کام) ہیں۔

یہ ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کا وہ ارشاد جس کا اس نے اس آیت کریمہ ﴿ إِلَّا مَا يُنْتَلَىٰ عَلَيْكُمْ ﴾ (المائدہ: ۱۷۵) میں حوالہ دیا ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے جو چیز حرام ٹھہرائی ہے وہ اپنے بندوں کی حفاظت اور ان کو اس ضرر سے بچانے کے لئے حرام قرار دی ہے جو ان محرمات میں ہوتا ہے۔ کبھی تو اللہ تعالیٰ یہ ضرر اپنے بندوں کے سامنے بیان کر دیتا ہے اور کبھی (اپنی حکمت کے تحت) اس ضرر کو بیان نہیں کرتا۔

اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ اس نے ”مردار“ کو حرام قرار دیا ہے۔ مردار سے مراد وہ مرا ہوا جانور ہے جو شرعی طریقے سے ذبح ہوئے بغیر زندگی سے محروم ہو گیا ہو پس اس جانور کا گوشت ضرر رساں ہونے کی وجہ سے حرام ہے اور وہ ضرر ہے اس کے اندر گوشت میں خون کا رک جانا جس کے کھانے سے نقصان پہنچتا ہے اور اکثر جانور جو کسی بیماری کی وجہ سے جو ان کی ہلاکت کا باعث ہوتی ہے مر جاتے ہیں وہ کھانے والے کے لئے نقصان کا باعث ہیں۔ البتہ مری ہوئی مڈی اور مچھلی اس حکم سے مستثنیٰ ہے، کیونکہ ان کا کھانا حلال ہے ﴿ وَالْدَّمُ ﴾ ” اور خون“ یعنی بہتا ہوا خون۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں اس کو اس صفت سے مقید بیان کیا گیا ہے ﴿ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ ﴾

① یہ استثناء حدیث سے ثابت ہے (سنن ابن ماجہ حدیث: ۳۲۱۸) اسی لئے صحیح ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کے بغیر قرآن کو نہیں سمجھا جاسکتا۔ حدیث کے ساتھ ہی قرآن کی تفہیم اور اس کے احکامات کی تعمیل کی تکمیل ہوتی ہے۔ (ص۔ی)

”اور سور کا گوشت“ اس حرمت میں اس کے تمام اجزا شامل ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام ناپاک درندوں میں سے خنزیر کو خاص طور پر منصوص کیا ہے کیونکہ اہل کتاب میں سے نصاریٰ دعویٰ کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے خنزیر کو حلال قرار دیا ہے۔۔۔۔ یعنی نصاریٰ سے دھوکہ نہ کھانا، کیونکہ یہ خنزیر بھی حرام اور من جملہ خبیث کے ہے۔

﴿وَمَا أَهْلَ لَيْعِبِ اللَّهِ بِهِ﴾ ”اور وہ جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے“ یعنی اس پر بتوں، اولیاء، کواکب اور دیگر مخلوق کا نام لیا گیا ہو۔ جس طرح ذبیحہ پر ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لینا اسے پاک کر دیتا ہے اسی طرح غیر اللہ کا نام ذبیحہ کو معنوی طور پر ناپاک کر دیتا ہے۔ کیونکہ یہ شرک ہے ﴿وَالْمُنْحَقَّةُ﴾ اور جو جانور گلا گھٹ کر مر جائے۔ یہ وہ مرہا ہوا جانور ہے جس کو ہاتھ سے رسی سے یا کسی تنگ چیز میں اس کا سرداغل کر کے جہاں سے نکلنا ممکن نہ ہو اس کا گلا گھونٹ کر ہلاک کر دیا گیا ہو ﴿وَالْمَوْقُودَةُ﴾ اور جو چوٹ لگ کر مر جائے۔ اس مرے ہوئے جانور کو کہا جاتا ہے جو لٹھی، پتھر یا لکڑی وغیرہ کی ضرب سے مرہا ہو یا اس پر قصد آیا بغیر قصد کے دیوار وغیرہ گر گئی ہو ﴿وَالْمَتْرَدِيَّةُ﴾ اور جو گر کر مر جائے۔ یعنی جو بلند جگہ مثلاً پہاڑ، دیوار یا چھت وغیرہ سے گر کر مر گیا ہو ﴿وَالنَّطِيحَةُ﴾ اس مرے ہوئے جانور کو کہتے ہیں جسے کسی دوسرے جانور نے سینگ مار کر ہلاک کر دیا ہو ﴿وَمَا أَكَلَ السَّبُعُ﴾ جسے بھیڑیے، شیر، چیتے یا کسی شکاری پرندے وغیرہ نے پھاڑ کھایا ہو۔ اگر درندے کے پھاڑ کھانے سے جانور مر جائے تو یہ حلال نہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ﴿إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ﴾ ”مگر جس کو تم (مرنے سے پہلے) ذبح کر لو۔“ گلا گھٹ کر مرنے والے چوٹ لگ کر مرنے والے بلندی سے گر کر مرنے والے اور درندے کے پھاڑ کھانے سے مرنے والے جانور کی طرف راجع ہے۔ اگر اس جانور میں پوری طرح زندگی موجود ہو اور اسے ذبح کر لیا جائے تو یہ جانور شرعی طور پر مذبوح ہے۔ بنا بریں فقہاء کہتے ہیں ”اگر کسی درندے وغیرہ نے کسی جانور کو چیر پھاڑ کر اس کی آنتیں اور دیگر اندرونی اعضا کو باہر نکال کر علیحدہ علیحدہ کر دیا ہو یا اس کا حلقوم کاٹ دیا ہو تو اس میں زندگی کا وجود اور عدم وجود مساوی ہیں، کیونکہ اب اس کو ذبح کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔“ بعض فقہاء اس میں صرف زندگی کے وجود کا اعتبار کرتے ہیں۔ اگر اس جانور میں بھی زندگی کا وجود ہو اور اس حالت میں اس کو ذبح کر لیا جائے تو وہ حلال ہے خواہ اس کا اندرونی حصہ بکھیر ہی کیوں نہ دیا گیا ہو۔ آیت کریمہ کا ظاہر اسی پر دلالت کرتا ہے۔

﴿وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْآزْلَامِ﴾ ”اور یہ کہ پانسوں کے ذریعے سے قسمت معلوم کرو۔“ یعنی تمہیں تیروں کے ذریعے سے قسمت کا حال معلوم کرنے سے منع کر دیا گیا۔ (استقسام) کے معنی یہ ہیں کہ جو تمہارے مقسوم اور مقدر میں ہے اسے طلب کرنا۔ جاہلیت کے زمانے میں تین تیر ہوتے تھے جن کو اس کام کے لئے استعمال کیا جاتا تھا جن میں سے ایک پر لکھا ہوتا تھا کہ ”یہ کام کر“ دوسرے پر لکھا ہوتا تھا ”یہ کام نہ کر“ اور تیسرا تیر خالی ہوتا تھا۔

جب کوئی شخص کسی سفر پر روانہ ہونے لگتا یا شادی وغیرہ کرتا تو تینوں تیر کسی ڈونگی وغیرہ میں رکھ کر گھماتے پھر ان میں سے ایک تیر نکال لیتے اگر اس پر لکھا ہوتا ”یہ کام کر“ تو وہ یہ کام کر لیتا اور اگر لکھا ہوتا ”یہ کام نہ کر“ تو وہ اس کام میں ہاتھ نہ ڈالتا۔ اگر وہ تیر نکال آتا جس پر کچھ بھی نہ لکھا ہوتا تو وہ اس عمل کا اعادہ کرتا یہاں تک کہ لکھا ہوا تیر نکال آتا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان پر اس عمل کو اس صورت میں یا اس سے مشابہ صورت میں حرام قرار دے دیا اور اس کے عوض ان کو تمام امور میں اپنے رب سے استخارہ کرنے کا حکم دیا (جیسا کہ حدیث نبوی سے استخارے کی تاکید ہے۔ جامع الترمذی، حدیث: ۲۸۰)

﴿ذِكْرُ فَنَقْ﴾ ”یہ سب گناہ (کے کام) ہیں۔“ یہ ان تمام محرمات کی طرف اشارہ ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی حفاظت کے لئے حرام قرار دیا ہے۔ یہ تمام محرمات فسق ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل کر شیطان کی اطاعت میں داخل ہونا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں پر احسان جتلاتے ہوئے فرماتا ہے:

أَلْيَوْمَ يَيْسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ

آج ناامید ہو گئے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تمہارے دین سے پس نہ ڈرو تم ان سے اور ڈرو مجھ ہی سے۔ آج مکمل کر دیا میں نے لکم دینکم وَاْتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا فَمَنِ اضْطَرََّ

تمہارے لیے تمہارا دین اور پوری کر دی تم پر اپنی نعمت اور پسند کر لیا تمہارے لیے اسلام کو بطور دین کے۔ پس جو لاچار ہو جائے فِي مَخْصَصَةٍ غَيْرِ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۲﴾

بھوک میں نہ مائل ہونے والا ہو گناہ پر تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے ○

وہ دن جس کی طرف آیت کریمہ میں اشارہ کیا گیا ہے وہ عرفہ کا دن ہے جب اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کو مکمل فرمایا، اپنے بندے اور رسول ﷺ کی مدد کی اور اہل شرک پوری طرح بے یار و مددگار ہو گئے حالانکہ وہ اس سے پہلے اہل ایمان کو ان کے دین سے پھیرنے کی بہت خواہش رکھتے تھے۔ جب انہوں نے اسلام کا غلبہ اس کی فتح اور بالادستی دیکھی تو اہل ایمان کو دین سے پھیرنے سے پوری طرح مایوس ہو گئے اور اب ان کی حالت یہ ہو گئی تھی کہ وہ اہل ایمان سے خوف کھانے لگے۔ بنا بریں اس سال یعنی ۱۰ھ میں جب رسول اللہ ﷺ نے آخری حج کیا تو اس حج میں کسی مشرک نے حج نہیں کیا اور نہ کسی نے عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف کیا۔ اس لئے فرمایا:

﴿فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ﴾ ”تو ان سے مت ڈرو اور مجھی سے ڈرتے رہو۔“ یعنی مشرکین سے نہ ڈرو بلکہ صرف اللہ تعالیٰ سے ڈرو جس نے مشرکین کے مقابلے میں تمہاری مدد فرمائی اور ان کو تنہا چھوڑ دیا اور ان کے مکرو فریب اور ان کی سازشیں ان کے سینوں ہی میں لوٹا دیں۔

﴿أَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ﴾ ”آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کر دیا“ یعنی اپنی نصرت کا

اتمام کر کے اور ظاہری و باطنی طور پر اور اصول و فروع میں شریعت کی تکمیل فرما کر۔ اسی لئے احکام دین یعنی اس کے تمام اصول و فروع میں کتاب و سنت کافی ہیں۔ اگر تکلف کا شکار کوئی شخص یہ دعویٰ کرتا ہے کہ لوگ عقائد اور احکام دین کی معرفت کے لئے کتاب و سنت کے علم کے علاوہ دیگر علوم مثلاً علم کلام وغیرہ کے محتاج ہیں تو وہ جاہل اور اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہے گویا وہ اس زعم میں مبتلا ہے کہ دین کی تکمیل اس کے اقوال اور ان نظریات کے ذریعے سے ہوئی ہے جس کی طرف وہ دعوت دیتا ہے اور یہ سب سے بڑا ظلم اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو جاہل قرار دینا ہے۔

﴿وَأْتَمَسْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي﴾ اور میں نے تم پر اپنی (ظاہری اور باطنی) نعمت پوری کر دی ﴿وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا﴾ ”اور میں نے تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا۔“ یعنی میں نے اسلام کو تمہارے لئے دین کے طور پر اور تمہیں اسلام کے لئے چن لیا ہے۔ اب اپنے رب کی شکر گزاری کے لئے اس دین کو قائم کرو اور اس ہستی کی حمد و ستائش کرو جس نے تمہیں بہترین عالی شان اور کامل ترین دین سے نواز کر تم پر احسان فرمایا۔

﴿فَمِنْ اضْطُرٍّ﴾ ”پس جو شخص ناچار ہو جائے۔“ یعنی جسے ضرورت ان محرمات میں سے کچھ کھانے پر مجبور کر دے جن کا ذکر ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْبَيْتَةُ﴾ کے تحت گزر چکا ہے ﴿فِي مَخْصَصَةٍ﴾ ”بھوک کی وجہ سے“ یعنی اگر وہ سخت بھوکا ہو ﴿غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِآثِمٍ﴾ ”گناہ کی طرف مائل نہ ہو۔“ بایں طور کہ وہ ان محرمات کو اس وقت تک نہ کھائے جب تک کہ وہ اضطراری حالت میں نہ ہو اور ضرورت سے بڑھ کر نہ کھائے ﴿فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور بے پایاں رحمت کا مالک ہے کہ اس نے بندے کے لئے اس اضطراری حال میں محرمات کو کھانا جائز قرار دے دیا اور اس کی نیت کے مطابق اور دین میں کوئی نقص لاحق کئے بغیر اللہ تعالیٰ نے اس پر رحم فرمایا۔

يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أَحَلَّ لَهُمْ قُلْ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَمَا عَلَّمْتُمُ

پوچھتے ہیں آپ سے کہ کیا کیا چیزیں حلال کی گئی ہیں ان کیلئے؟ کہہ دیجئے حلال کر دی گئی ہیں تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں اور (شکار کا) جو سدھائے تم نے

مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِينَ تُعَلِّمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَكُلُوا مِمَّا أَمْسَكَنَّ

شکاری جانور جب سدھائیوالے ہو سکھاتے ہو تم انکو ان میں سے جو سکھائیں تمہیں اللہ نے، پس کھاؤ تم ان میں سے جو وہ روک رکھیں

عَلَيْكُمْ وَادْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهِ وَأَتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ۝

تمہاری خاطر اور ذکر کرو نام اللہ کا اس پر اور ڈرو اللہ سے بے شک اللہ جلد حساب لینے والا ہے ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ نے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ سے فرماتا ہے: ﴿يَسْأَلُونَكَ مَاذَا أَحَلَّ﴾ ”آپ سے پوچھتے

ہیں کہ کون کون سی چیزیں ان کے لیے حلال ہیں۔“ یعنی ان کے لئے کون کون سے کھانے حلال ہیں۔ ﴿قُلْ أُحِلَّ

﴿لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ﴾ ”کہہ دیجئے! تمہارے لئے پاکیزہ چیزیں حلال کر دی گئی ہیں“ (طیبات) سے مراد ہر وہ چیز ہے جس میں کوئی فائدہ ہے اور بدن اور عقل میں نقصان پہنچے بغیر ان سے لذت حاصل ہوتی ہے۔ پس طیبات میں وہ تمام غلہ جات اور پھل وغیرہ شامل ہیں جو بستیوں اور صحراؤں میں پیدا ہوتے ہیں۔ اس آیت کریمہ کے مضمون میں وہ تمام حیوانات بھی شامل ہیں جو خشک زمین پر پائے جاتے ہیں سوائے ان حیوانات کے جن کو شارع نے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ مثلاً درندے، ناپاک جانور اور ناپاک اشیاء وغیرہ۔ اسی لئے یہ آیت کریمہ اپنے مفہوم میں ناپاک چیزوں کی تحریم پر دلالت کرتی ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں صراحت کے ساتھ اس تحریم کو بیان کیا گیا ہے ﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَاتِ﴾ (الاعراف: ۱۵۷، ۱۷) ”وہ پاک چیزوں کو ان کے لئے حلال کرتا ہے اور ناپاک چیزوں کو ان کے لئے حرام ٹھہراتا ہے“۔

﴿وَمَا عَلَّمْتُمْ مِنَ الْجَوَارِحِ﴾ ”اور جن شکاری جانوروں کو تم نے سداھایا ہو۔“ یعنی جو تم شکاری جانوروں کو شکار کرنا سکھاتے ہو وہ شکار بھی تمہارے لئے حلال ہے۔ یہ آیت کریمہ شکار کے متعلق متعدد امور پر دلالت کرتی ہے۔

(۱) یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر لطف و کرم اور اس کی رحمت ہے کہ اس نے ان کے لئے رزق حلال کی راہیں کشادہ کر دی ہیں اور ان کے لئے شکاری جانوروں کے شکار کئے ہوئے اس شکار کو حلال کر دیا جس کو ذبح نہیں کر سکتے..... شکاری جانور سے مراد کتے، چیتے اور باز وغیرہ ہیں جو اپنے دانتوں سے یا پنچے سے شکار کو پکڑتے ہیں۔

(۲) شکاری جانور کے لئے شرط یہ ہے کہ اس کو شکار کے لئے سکھایا گیا ہو۔ ایسا سکھانا جس کو عرف عام میں سکھانا کہتے ہیں، یعنی اگر اسے شکار پر چھوڑا جائے تو وہ شکار پر چھپے اور اگر اس کو روک دیا جائے تو فوراً رک جائے اور جب شکار کو پکڑ لے تو اس کو نہ کھائے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿تَعْلَمُونَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللَّهُ فَكُلُوا مِمَّا آَمَسَكْنَ عَلَيْكُمْ﴾ ”اور جس (طریق) سے اللہ نے تمہیں (شکار کرنا) سکھایا ہے (اس طریق سے) تم نے ان کو سکھایا ہو تو جو شکار وہ تمہارے لیے پکڑ رکھیں اس کو کھالیا کرو۔“ یعنی وہ شکار کو تمہارے لئے روک رکھیں اور جس شکار میں سے شکاری جانور نے کچھ کھالیا ہو تو اس کے بارے میں یہ معلوم نہیں ہو سکتا کہ آیا اس نے شکار کو اپنے مالک کے لئے پکڑا ہے اور شاید یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس نے شکار خود اپنے لئے پکڑا ہو۔

(۳) شکاری جانور کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ کتا ہو یا باز وغیرہ شکار کو زخمی کرتا ہو (اس کا گلانا گھونٹنا ہو) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿مِنَ الْجَوَارِحِ﴾ سے واضح ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ گلا گٹ کر مرنے

والے جانور کی حرمت گزشتہ صفحات میں گزر چکی ہے۔ اگر کتے وغیرہ نے شکار کا گلا گھونٹ دیا ہو یا اسے اپنے بوجھ تلے دبا کر اسے ہلاک کر دیا ہو تو اس کا کھانا جائز نہیں۔ یہ اس اصول پر مبنی ہے کہ شکاری جانور وہ ہیں جو شکار کو اپنے دانتوں یا پنجوں سے زخمی کرتے ہیں۔

(جوارح) ”شکاری جانور“ کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ اس سے مراد شکار کو حاصل کر لینے اور اس کو پالنے والا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس معنی پر دلالت نہیں کرتی۔ واللہ اعلم۔ (اس لئے ”جوارح“ کا وہی مفہوم صحیح ہے جس کی وضاحت اس سے پہلے کی جا چکی ہے)

(۳) شکار کے لئے کتا پالنا جائز ہے جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہے ^① اس کے ساتھ ساتھ عام کتا پالنا حرام ہے۔۔۔ کیونکہ کتے کے شکار اور اس کو شکار کے لئے سکھانے کے جواز سے لازم آتا ہے کہ اس کو پالنا بھی جائز ہے۔

(۵) شکار کو اگر کتے کے منہ سے نکلا ہو لعاب وغیرہ لگ جائے تو وہ پاک ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کتے کے مارے ہوئے شکار کو مباح قرار دیا ہے اور شکار کو دھونے کا حکم نہیں ہے۔ یہ چیز شکار کو لگے ہوئے کتے کے لعاب کی طہارت پر دلالت کرتی ہے۔

(۶) اس میں علم کی فضیلت کی دلیل ہے، کیونکہ سدھائے ہوئے شکاری جانور کا مارا یا پکڑا ہوا شکار علم ہی کی وجہ سے، مباح ہوتا ہے۔ اگر اسے تعلیم نہ دی گئی ہو تو اس کا مارا ہوا شکار جائز نہیں ہوتا۔

(۷) شکاری کتے اور شکاری پرندے وغیرہ کو سکھانے میں مشغول ہونا مذموم، عبث اور باطل نہیں ہے؛ بلکہ یہ تو امر مقصود ہے، کیونکہ شکاری جانور کو سکھانا اس کے مارے ہوئے شکار کی حلت اور اس سے فائدہ اٹھانے کا ذریعہ ہے۔

(۸) اس آیت کریمہ میں اس شخص کے لئے دلیل ہے جو کتے کی فروخت کو جائز قرار دیتا ہے وہ کہتا ہے کہ بسا اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ خریدے بغیر کتے کا حصول ممکن نہیں۔

(۹) شکاری جانور کو شکار پر چھوڑتے وقت تکبیر پڑھنا شرط ہے۔ اگر شکاری جانور کو شکار پر چھوڑتے وقت عمداً تکبیر نہ پڑھی گئی ہو تو اس کا مارا ہوا شکار جائز نہیں۔

(۱۰) شکاری جانور کے مارے ہوئے شکار کو کھانا جائز ہے خواہ شکار مر گیا ہو یا زندہ ہو۔ اگر مالک شکار کو اس حالت میں پالے کہ ابھی وہ زندہ ہو تو ذبح کئے بغیر اس کا کھانا جائز نہیں۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں کو تقویٰ اختیار کرنے کی ترغیب دی ہے اور قیامت کے روز حساب سے

① صحیح بخاری، کتاب الحرث والمزارعة، باب اقتناء الكلب للحرث، حدیث: ۲۳۲۲

ڈرایا ہے اور یہ ایسا معاملہ ہے کہ بہت قریب آن لگا ہے۔ اس لئے فرمایا: ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ﴾ ”اللہ تعالیٰ سے ڈرو بے شک وہ جلد حساب لینے والا ہے۔“

الْيَوْمَ أُحِلَّ لَكُمْ الطَّيِّبَاتُ وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلَلٌ لَكُمْ وَطَعَامُكُمْ
 آج حلال کر دی گئیں تمہارے لیے پاکیزہ چیزیں اور کھانا ان لوگوں کا جن کو دی گئی کتاب حلال ہے تمہارے لیے۔ اور کھانا تمہارا
 حَلٌّ لَّهُمْ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ
 حلال ہے ان کیلئے۔ اور (حلال ہیں تمہارے لیے) پاک دامن مسلمان عورتیں اور پاک دامن عورتیں ان کی جن کو دی گئی کتاب
 مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أَجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسْفِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي
 تم سے پہلے جب دو تم ان کو مہراں کے (نیز) قید نکاح میں لانے والے ہونہ کہ بدکاری کرنے والے اور نہ بنانے والے
 أَخْدَانٍ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ ﴿٥﴾
 خفیہ آشنا۔ اور جو انکار کرے گا ایمان سے تو یقیناً برباد ہو گئے اسکے عمل اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے بندوں پر اپنے احسان کا ذکر کرتے ہوئے طہیات کی حلت کو مکرر بیان فرمایا۔ اس میں بندوں کو اس کا شکر ادا کرنے اور کثرت سے ذکر کرنے کی ترغیب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ان چیزوں کو مباح فرمایا جن کے وہ سخت محتاج تھے اور وہ ان طہیات سے فائدے حاصل کرتے ہیں۔

﴿وَطَعَامُ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَلَلٌ لَكُمْ﴾ ”اور اہل کتاب کا کھانا بھی تم کو حلال ہے۔“ یعنی اے مسلمانو! تمہارے لئے یہودیوں اور عیسائیوں کے ذبیحہ حلال ہیں اور باقی کفار کے ذبیحہ حلال نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام اہل کتاب انبیائے کرام اور کتابوں سے منسوب ہیں اور تمام انبیائے کرام غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنے کی تحریم پر متفق ہیں؛ کیونکہ یہ شرک ہے۔ پس یہود و نصاریٰ بھی غیر اللہ کے نام پر ذبیحہ کی حرمت کے قائل ہیں؛ اس لئے دیگر کفار کو چھوڑ کر یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ حلال قرار دیا گیا ہے اور یہاں ان کے طعام سے مراد ان کا ذبیحہ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ طعام جو ذبیحہ کے زمرے میں نہیں آتا مثلاً غلہ اور پھل وغیرہ تو اس میں اہل کتاب کی کوئی خصوصیت نہیں۔ غلہ اور پھل تو حلال ہیں؛ اگرچہ وہ اہل کتاب کے علاوہ کسی اور کا طعام ہوں۔ نیز طعام کو ان کی طرف مضاف کیا گیا ہے جو اس امر کی دلیل ہے کہ وہ ان کا ذبیحہ ہونے کے سبب سے ”ان کا کھانا“ ہے۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ یہ اضافت تملیک کے لئے ہے اور یہ کہ اس سے مراد وہ کھانا ہے جس کے وہ مالک ہیں؛ کیونکہ غصب کے پہلو سے یہ بھی حلال نہیں خواہ مسلمانوں ہی کا ہو۔

﴿وَطَعَامُكُمْ حَلَلٌ لَّهُمْ﴾ ”اور تمہارا کھانا ان کو حلال ہے۔“ اے مسلمانو! اگر تم اپنا کھانا اہل کتاب کو کھلاؤ

تو یہ ان کے لئے حلال ہے۔ ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ﴾ ”اور آزاد اور عفت مآب مومن عورتیں (تمہارے لئے حلال

ہیں) ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ اور آزاد پاک دامن اہل کتاب کی عورتیں۔ یعنی یہود و نصاریٰ کی آزاد عفت مآب عورتیں بھی تمہارے لئے حلال ہیں۔ اور یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تخصیص کرتی ہے ﴿وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَةَ حَتَّىٰ يُؤْمِنَ﴾ (البقرہ: ۲۲۱/۲) اور مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لے آئیں۔

آیت کریمہ کا مفہوم مخالف دلالت کرتا ہے کہ مومن لونڈیوں کا آزاد مردوں کے ساتھ نکاح جائز نہیں۔ لیکن اہل کتاب لونڈیوں کا نکاح آزاد مومن مردوں کے ساتھ مطلقاً حرام ہے۔ اور اس کی دلیل اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿مَنْ فَتِنَتْكُمْ الْمُؤْمِنَاتُ﴾ (النساء: ۲۵/۱۴) یعنی ان لونڈیوں سے نکاح کر لو جو مومن ہیں۔ اگر مسلمان عورتیں لونڈیاں ہوں تو آزاد مردوں کے ساتھ ان کے نکاح کے لئے دو شرائط ہیں۔

(۱) مرد آزاد عورت کے ساتھ نکاح کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔

(۲) عدم نکاح کی صورت میں اسے حرام میں پڑنے کا خدشہ ہو۔

رہی فاجر عورتیں جو زنا سے نہیں بچتیں ان کے ساتھ نکاح جائز نہیں خواہ وہ مسلمان ہوں یا اہل کتاب سے تعلق رکھتی ہوں جب تک کہ وہ حرام کاری سے تائب نہ ہو جائیں۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿الزَّانِي لَا يَنْكِحُ إِلَّا زَانِيَةً أَوْ مُشْرِكَةً﴾ (النور: ۳۱/۲۴) ”زانی مرد نکاح نہیں کرتا مگر زانی عورت یا مشرک عورت کے ساتھ ہی۔“

﴿إِذَا اتَّيَسَّرُوا لَهَا أَجُورُهُنَّ﴾ ”جب کہ ان کا مہر دے دو۔“ یعنی جب تم ان کے مہر ادا کر دو تو ہم نے ان کے ساتھ تمہارا نکاح جائز قرار دے دیا ہے اور جس کا یہ ارادہ ہو کہ وہ مہر ادا نہیں کرے گا تو وہ عورت اس کے لئے حلال نہیں ہے۔ اگر عورت سمجھ دار ہے تو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ خود اسے مہر ادا کیا جائے ورنہ شوہر اس کے سر پرست کو مہر ادا کرے۔ حق مہر کی عورتوں کی طرف اضافت دلالت کرتی ہے کہ عورت اپنے تمام حق مہر کی خود مالک ہوتی ہے اس میں کسی کا کوئی حصہ نہیں۔ سوائے اس کے کہ عورت خود اپنے شوہر کو یا اپنے ولی (سرپرست) وغیرہ کو یہ مہر عطا کر دے۔ ﴿مُحْصِنِينَ﴾ ”اور عفت قائم رکھنی مقصود ہو۔“ یعنی اسے شوہرو! اس حال میں کہ تم اپنی بیویوں کی عفت کی حفاظت کر کے ان کو پاک باز رکھو ﴿غَيْرِ مُسْفِحِينَ﴾ ”نہ کہ اس حال میں کہ تم ہر ایک کے ساتھ زنا کرتے پھرؤ“ ﴿وَلَا مَخْذِيٍّ أَخْدَانٍ﴾ اور نہ اس حالت میں کہ تم اپنی معشوقاؤں کے ساتھ بدکاری کرو (اخذان) سے مراد ہے معشوقاؤں کے ساتھ زنا کرنا۔ زمانہ عجاہلیت میں زنا کاروں کی دو اقسام تھیں۔

(۱) کسی بھی عورت کے ساتھ زنا کرنے والے کو (مُسْفِحِينَ) کہا جاتا ہے۔

(۲) صرف اپنی محبوبہ کے ساتھ زنا کرنے والے (أَخْدَانٍ) ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے بتایا کہ یہ دونوں صورتیں پاک دامنی کے منافی ہیں اور یہ کہ نکاح کی شرط ہے کہ مرد زنا کاری سے دامن بچانے والا ہو۔

﴿ وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ ﴾ ”اور جو منکر ہو ایمان سے تو ضائع ہو گئے عمل اس کے“ جو کوئی اللہ تعالیٰ اور ان چیزوں کے ساتھ کفر کرتا ہے جن پر ایمان لانا فرض ہے مثلاً اللہ تعالیٰ کی کتابیں اور اس کے انبیاء و رسل علیہم السلام اور شریعت کے بعض امور۔۔۔ اور وہ اسی کفر کی حالت میں مر جاتا ہے تو اس کے تمام اعمال اکارت چلے جاتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ ﴾ (البقرہ: ۲۱۷/۲) ”اور تم میں سے جو کوئی اپنے دین سے پھر کر کافر ہو جائے اور وہ کفر کی حالت میں مر جائے تو دنیا اور آخرت میں اس کے تمام اعمال اکارت جائیں گے۔“ ﴿ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَسِرِينَ ﴾ ”اور وہ آخرت میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا۔“ یعنی ان کا شمار ان لوگوں میں ہوگا جو قیامت کے روز اپنی جان مال اور اپنے اہل و عیال کے بارے میں سخت خسارے میں ہوں گے اور ابدی بدبختی ان کا نصیب بنے گی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو! جب اٹھو تم نماز کے لیے تو دھوؤ اپنے چہرے اور اپنے ہاتھ
إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ وَإِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا
کہنیوں تک اور مسح کرو اپنے سروں کا اور (دھوؤ) اپنے پاؤں ٹخنوں تک اور اگر ہو تم جنبی
فَأَطَهَّرُوا وَإِنْ كُنْتُمْ مَرْضَىٰ أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ
تو غسل کرو اور اگر ہو تم (شدید) بیمار یا سفر میں یا آئے کوئی تم میں سے فضائے حاجت سے
أَوْ لَمَسْتُمُ النِّسَاءَ فَلَمْ تَجِدُوا مَاءً فَتَيَمَّمُوا صَعِيدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوا
یا ہم بستری کی ہو تم نے عورتوں سے پھر نہ پاؤ تم پانی تو تیمم کر لو مٹی پاک سے پس مسح کرو
بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُمْ مِنْهُ مَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ وَلَكِنْ
اپنے چہروں اور اپنے ہاتھوں کا اس (مٹی) سے، نہیں ارادہ کرتا اللہ کہ کرے تم پر کوئی سختی، لیکن
يُرِيدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٦﴾
ارادہ کرتا ہے وہ کہ پاک کر دے تم کو اور تاکہ پوری کرے اپنی نعمت تم پر تاکہ تم شکر کرو ○

یہ آیت عظیمہ بہت سے احکام پر مشتمل ہے اللہ تعالیٰ نے اپنی توفیق سے ان کو بیان کرنے کی جتنی آسانی عطا فرمائی ہم ان کو بیان کریں گے۔

(۱) جو کچھ اس آیت کریمہ میں ذکر کیا گیا ہے ان پر عمل کرنا لوازم ایمان میں شمار ہوتا ہے۔ اس کے بغیر ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا حکم اس طرح صادر ہوتا ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا.....﴾ یعنی اے ایمان والے لوگو! اپنے ایمان کے تقاضوں کے مطابق ان امور پر عمل کرو جو ہم نے تمہارے لئے مشروع کئے ہیں۔

(۲) اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ﴾ ”جب تم نماز پڑھنے کا قصد کرو۔“ سے نماز کو قائم کرنے کا حکم ثابت ہوتا ہے۔

(۳) اس میں نماز کے لئے نیت کے حکم کا اثبات ہے فرمایا: ﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ﴾ یعنی جب تم نماز کی نیت اور ارادے سے اٹھو۔

(۴) نماز کی صحت کے لئے طہارت شرط ہے، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے نماز کے لئے اٹھتے وقت طہارت کا حکم دیا ہے اور اصولی طور پر حکم (امر) وجوب کے لئے ہوتا ہے۔

(۵) طہارت نماز کا وقت داخل ہونے پر واجب نہیں ہوتی بلکہ یہ تو صرف اس وقت واجب ہوتی ہے جب نماز پڑھنے کا ارادہ کیا جائے۔

(۶) ہر وہ نماز جس پر (الصلوة) کا اطلاق کیا جائے، مثلاً فرض، نفل، فرض کفایہ اور نماز جنازہ وغیرہ ہر قسم کی نماز کے لئے طہارت فرض ہے حتیٰ کہ بہت سے اہل علم کے نزدیک مجرد سجدہ، مثلاً سجدہ تلاوت اور سجدہ شکر کے لئے بھی طہارت ضروری ہے۔

(۷) اس میں چہرے کے دھونے کا حکم ہے اور چہرے میں چہرے کا صرف سامنے کا حصہ شامل ہے یعنی سر کے بالوں کی حدود سے لے کر طول میں جبروں کے نیچے اور ٹھوڑی تک اور عرض میں ایک کان سے دوسرے کان تک نیز کلی کرنا اور ناک میں پانی ڈالنا چہرے کے دھونے میں شامل ہے اور یہ سنت ہے۔ چہرے پہ آگے ہوئے بال بھی چہرے میں داخل ہیں۔ اگر یہ زیادہ گھنے نہیں تو تمام جلد تک پانی پہنچانا ضروری ہے۔ اگر داڑھی گھنی ہو تو اوپر سے دھونا کافی ہے۔^①

(۸) اس میں ہاتھوں کو دھونے کا حکم ہے اور ہاتھوں کی حد کہنیوں تک ہے۔ جمہور مفسرین کے مطابق (الی)

(مع) کے معنی میں استعمال کیا گیا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَهُمْ إِلَىٰ أَمْوَالِكُمْ﴾ (النساء: ۲/۴) ”ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ (ملا کر) نہ کھاؤ“، نیز ہاتھ دھونے کا

① داڑھی کے بالوں میں خلال کرنا نبی ﷺ کے عمل سے ثابت ہے (ترمذی، الطہارة، باب ماجاء فی تحلیل اللحية)

حدیث: (۲۱) اس لیے گھنی داڑھی میں بالخصوص خلال بھی کیا جائے (ص۔ ی)

و جب اس وقت تک مکمل نہیں ہوتا جب تک کہ کہنیوں کو پوری طرح نہ دھویا جائے۔

(۹) سر پر مسح کرنے کا حکم ہے۔

(۱۰) پورے سر کا مسح کرنا فرض ہے۔ کیونکہ (با) تَبْعِيضُ کے لئے نہیں، بلکہ الصَّاقِ کے لئے ہے اور یہ تمام تر سر کے مسح کو شامل ہے۔

(۱۱) سر کا مسح دونوں ہاتھوں سے کیا جائے یا ایک ہاتھ سے، کسی کپڑے سے کیا جائے یا لکڑی وغیرہ سے جیسے بھی کیا جائے کفایت کرتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مسح کا علی الاطلاق حکم دیا ہے کسی وصف سے مقید نہیں کیا۔ پس یہ چیز مسح کے اطلاق پر دلالت کرتی ہے۔

(۱۲) وضو میں سر پر مسح کرنا فرض ہے۔ اگر ہاتھوں کے ساتھ سر پر مسح کرنے کی بجائے سر کو دھویا جائے تو یہ کفایت نہیں کرے گا کیونکہ اس نے وہ کام نہیں کیا جس کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

(۱۳) (وضو میں) دونوں پاؤں کو ٹخنوں تک دھونے کا حکم دیا گیا ہے اس کا حکم بھی وہی ہے جو ہاتھوں کے بارے میں ہے۔

(۱۴) اس میں نَصْبُ (زیر) کے ساتھ جمہور کی قراءت کے مطابق روافض کا رد ہے۔ اور جب تک پاؤں ننگے ہیں ان پر مسح کرنا جائز نہیں۔

(۱۵) ”وَأَرْجُلِكُمْ“ میں جو (زیر) کے ساتھ قراءت کے مطابق موزوں پر مسح کی طرف اشارہ ہے۔ دونوں قراءتوں کو اپنے اپنے معنی پر محمول کیا جائے گا۔ اگر پاؤں میں موزے نہ پہنے ہوں تو نَصْبُ کے ساتھ قراءت کے مطابق پاؤں دھوئے جائیں اور اگر پاؤں میں موزے پہنے ہوئے ہیں تو جر کے ساتھ قراءت کے مطابق پاؤں پر مسح کیا جائے گا۔

(۱۶) وضو کے اندر اعضا کو ترتیب کے ساتھ دھونے کا حکم ہے، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو ترتیب کے ساتھ ذکر فرمایا ہے نیز جب دو دھوئے جانے والے اعضا کے درمیان مسح والے عضو کا ذکر کیا جائے تو اس کا ترتیب کے سوا کوئی اور فائدہ نہیں۔

(۱۷) ترتیب صرف ان چار اعضا کے ساتھ مخصوص ہے جن کا اس آیت کریمہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ رہا کلی کرنے، ناک میں پانی ڈالنے، منہ دھونے، دایاں بازو اور بائیں بازو، دایاں پاؤں اور بائیں پاؤں دھونے میں ترتیب کا اعتبار تو یہ واجب نہیں۔ البتہ منہ دھونے سے پہلے کلی کرنا، ناک میں پانی ڈالنا مستحب ہے۔ دایاں ہاتھ پہلے دھونا مستحب ہے۔ اسی طرح دایاں پاؤں پہلے دھونا مستحب ہے۔ کانوں کے مسح سے پہلے سر کا مسح کرنا مستحب ہے۔

- (۱۸) ہر نماز کے وقت تجدید وضو کا حکم ہے تاکہ مامور بہ پر عمل کیا جاسکے۔^①
- (۱۹) جنابت کی حالت میں غسل کا حکم دیا گیا ہے۔
- (۲۰) غسل جنابت میں تمام بدن کا دھونا واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے طہارت حاصل کرنے کو بدن کے کسی ایک حصے کے ساتھ مخصوص کرنے کی بجائے تمام بدن کی طرف مضاف کیا ہے۔
- (۲۱) جنابت کی حالت میں بالوں کو اندر اور باہر سے دھونے کا حکم ہے۔
- (۲۲) طہارت کے حصول کے وقت حدث اصغر حدث اکبر کے اندر شامل ہوتا ہے۔ حدث اکبر سے طہارت کے حصول کے لئے غسل کرنے سے حدث اصغر سے بھی طہارت حاصل ہو جاتی ہے اس کے لئے اس کی نیت کر لینا کافی ہے۔ پھر وہ تمام بدن پر پانی بہائے کیونکہ اللہ نے صرف پاکیزگی حاصل کرنے کا ذکر کیا ہے اور وضو لوٹانے کا ذکر نہیں فرمایا۔^②
- (۲۳) جنبی کا اطلاق اس شخص پر ہوتا ہے جس سے جاگتے یا سوتے منی خارج ہوئی ہو یا اس نے جماعت کی ہو خواہ منی کا انزال نہ ہوا ہو۔
- (۲۴) جسے یاد آ جائے کہ اسے احتلام ہوا ہے مگر کپڑوں پر منی کے نشانات موجود نہ ہوں تو اس پر غسل واجب نہیں کیونکہ جنابت متحقق نہیں ہوئی۔
- (۲۵) اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس احسان کا ذکر ہے کہ اس نے اپنے بندوں کے لئے تیمم مشروع فرمایا۔
- (۲۶) تیمم کے جواز کے اسباب میں سے ایک سبب ایسا مرض ہے جس میں پانی کے استعمال سے ضرر پہنچتا ہو۔ اس صورت میں تیمم جائز ہے، نیز تیمم کے جواز کے جملہ اسباب میں سفر وضو کا ٹوٹنا اور پانی کا موجود نہ ہونا شامل ہیں۔ پس پانی موجود ہونے کے باوجود مرض بھی تیمم کو جائز کر دیتا ہے کیونکہ وضو

① یہ بہتر صورت ہے ورنہ ایک وضو سے متعدد نمازیں پڑھنا جائز ہے بشرطیکہ وضو برقرار ہو۔ فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے ایک ہی وضو سے کئی نمازیں پڑھیں اور فرمایا کہ یہ میں نے عمداً کیا ہے (تاکہ لوگوں کو اس کا جواز معلوم ہو جائے) (صحیح مسلم 'الطہارۃ' باب جواز الصلوات کلھا بوضوء واحد، حدیث: ۲۷۷) (ص-ی)

② لیکن یہ بات اس وقت صحیح ہوگی جب سنت کے مطابق غسل جنابت کیا جائے اور وہ مسنون طریقہ یہ ہے کہ سب سے پہلے ہاتھ دھوئے جائیں پھر شرم گاہ کو بائیں ہاتھ سے دھو کر اس ہاتھ کو مٹی یا صابن وغیرہ سے دھویا جائے، پھر وضو کیا جائے اور سر پر مسح کرنے کے بجائے تین بار سر پر پانی ڈالا جائے، پھر سارے بدن پر پانی ڈال کر غسل کیا جائے، پھر آخر میں جگہ بدل کر پیر دھوئے۔ اس طرح غسل جنابت کے بعد دوبارہ وضو کرنے کی ضرورت نہیں بشرطیکہ دوران غسل شرم گاہ کو ہاتھ نہ لگے۔ (ص-ی)

سے ضرر کا اندیشہ ہے۔۔۔ اور باقی صورتوں میں پانی کا معدوم ہونا تیمم کا جواز فراہم کرتا ہے۔ خواہ انسان اپنے گھر میں ہی ہو۔

(۲۷) پیشاب اور پاخانہ کے راستوں میں سے کوئی چیز باہر نکلے تو اس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔

(۲۸) وہ اہل علم جو اس بات کے قائل ہیں کہ ان دو امور کے سوا کسی چیز سے وضو نہیں ٹوٹتا، وہ یہیں سے استدلال کرتے ہیں ان کے نزدیک فرج وغیرہ کو چھونے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔

(۲۹) جس فعل کے لئے صریح لفظ برا اور نامناسب لگتا ہو اس کے لئے کنایہ استعمال کرنا مستحب ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: ﴿أَوْ جَاءَ أَحَدٌ مِّنْكُمْ مِنَ الْغَائِطِ﴾ 'یا تم میں سے کوئی بیت الخلاء سے ہو کر آیا ہو۔'

(۳۰) لذت اور شہوت سے عورت کے بدن کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔^①

(۳۱) تیمم کی صحت پانی کے عدم وجود سے مشروط ہے۔

(۳۲) پانی کے وجود کے ساتھ ہی خواہ انسان نماز کے اندر ہی کیوں نہ ہو، تیمم باطل ہو جاتا ہے، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے پانی کی عدم موجودگی میں تیمم کو مباح فرمایا ہے۔^②

(۳۳) جب نماز کا وقت داخل ہو جائے اور انسان کے پاس پانی موجود نہ ہو تو اس پر اپنے پڑاؤ اور درگرد نزدیک کے علاقہ میں پانی تلاش کرنا لازم ہے، کیونکہ جس کسی نے پانی کو تلاش ہی نہ کیا ہو تو اس کے لئے (لَمْ يَجِدْ) "اس نے پانی نہ پایا" کا لفظ نہیں بولا جاتا۔

(۳۴) اگر تلاش کے بعد اسے اتنا پانی ملے جو پورے وضو کے لئے کافی نہ ہو تو اس پر اس پانی کا استعمال لازم ہے۔ اس کے بعد تیمم کر لے۔

(۳۵) پاک اشیا کی وجہ سے متغیر پانی، تیمم پر مقدم ہے۔ یعنی یہ پانی طاہر پانی شمار ہوگا کیونکہ متغیر پانی بھی پانی

① فاضل مفسر رحمہ اللہ نے غالباً لیس کولغوی معنی ہاتھ سے چھونے کے مفہوم میں لے کر یہ بات کہی ہے، جیسا کہ لیس کی ایک تفسیر یہ بھی کی گئی ہے اور دوسری تفسیر لیس کی۔ جماع۔ کی گئی ہے۔ اس تفسیر کی رو سے محض عورت کے چھونے سے وضو نہیں ٹوٹے گا ہاں اگر چھونے سے مذی یا منی کا اخراج ہو گیا تو مذی کی صورت میں ذکر (آلہ تناسل) کو دھو کر وضو کرنا اور منی کی صورت میں غسل کرنا ضروری ہوگا۔ بصورت دیگر چاہے لذت و شہوت سے چھوئے حتیٰ کہ بوسہ بھی لے لے تو وضو نہیں ٹوٹے گا۔ (دیکھیے سلسلۃ الاحادیث الضعیفہ للالبانی، رقم ۱۰۰۰) (ص۔ ی)

② یہ بھی بعض ائمہ کی رائے ہے۔ ایک دوسری رائے یہ ہے کہ نماز شروع کر دینے کے بعد نماز کے توڑنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ نماز پوری پڑھ لے۔ اس لیے کہ جس وقت اس نے نماز شروع کی تھی تو وہ پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کر کے شروع کی تھی اور اس کا ایسا کرنا شریعت کے مطابق تھا، اس لیے اس کی نماز صحیح ہوگی، کیونکہ یہ تیمم نماز کے ختم ہونے تک باطل نہیں ہوگا۔ (ص۔ ی)

ہے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿قَلَّمَ تَجِدُوا مَاءً﴾ کے حکم میں آئے گا۔

(۳۶) تیمم میں نیت بہت ضروری ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَتَيَسَّمُوا﴾ یعنی قصد کرو۔

(۳۷) تیمم کے لئے سطح زمین پر پڑی ہوئی گرد وغیرہ کافی ہوتی ہے تب اس صورت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد

﴿فَامْسَحُوا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيكُمْ﴾ یا تو تغلیب کے باب سے ہے اور غالب طور پر اس کے لئے

غبار کا ہونا ضروری ہے جس سے مسح کیا جائے اور جو چہرے اور ہاتھوں کے ساتھ لگ جائے یا یہ افضل

کی طرف راہنمائی ہے یعنی جب ایسی مٹی کا حصول ممکن ہو جس میں غبار شامل ہو تو وہ افضل ہے۔

(۳۸) نجس مٹی سے تیمم نہیں ہوتا، کیونکہ یہ پاک نہیں بلکہ ناپاک ہے۔

(۳۹) تیمم میں تمام اعضا کی بجائے صرف چہرے اور ہاتھوں پر مسح کرنا کافی ہے۔

(۴۰) اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ﴿بِوُجُوْهِكُمْ﴾ تمام چہرے کو شامل ہے اور تمام چہرے کا مسح واجب ہے۔

البتہ اس سے منہ اور ناک کے اندر مٹی داخل کرنا اور بالوں کی جڑوں تک مسح کرنا مستثنیٰ ہے۔

(۴۱) ہاتھوں کا مسح صرف ہاتھ اور کلائی کے جوڑ تک ہے، کیونکہ ہاتھ کا اطلاق صرف گٹے تک ہے۔ اگر

کہنیوں تک ہاتھوں پر مسح تیمم کے لئے شرط ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس شرط سے مقید فرما دیتا جیسا کہ اللہ

تعالیٰ نے وضو میں مقید فرمایا ہے۔

(۴۲) حدیث (ناپاکی) خواہ اکبر ہو یا اصغر ہر قسم کی ناپاکی میں تیمم جائز ہے بلکہ اگر جسم پر نجاست بھی لگی ہو تب

بھی تیمم جائز ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تیمم کے ذریعے سے طہارت کو پانی کے ذریعے سے طہارت کا

بدل بنایا ہے اور آیت کریمہ کے اطلاق کو کسی چیز سے مقید نہیں فرمایا۔ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ بدن کی

نجاست تیمم کے حکم میں داخل نہیں۔ کیونکہ آیت کریمہ کا سیاق حدیث اکبر اور حدیث اصغر کے بارے

میں ہے اور یہ جمہور علماء کا مذہب ہے۔

(۴۳) حدیث اکبر اور حدیث اصغر دونوں میں تیمم کا محل ایک ہی ہے یعنی چہرے اور ہاتھوں کا مسح کرنا۔

(۴۴) وہ شخص جسے حدیث اصغر اور حدیث اکبر دونوں لاحق ہیں اگر تیمم کرتے وقت دونوں سے طہارت کی نیت

کر لے تو تیمم ہو جائے گا۔ آیت کریمہ کا عموم اور اطلاق اس پر دلالت کرتا ہے۔

(۴۵) تیمم میں مسح ہاتھ سے یا کسی اور چیز سے جائز ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ارشاد (فَامْسَحُوا) میں

صرف مسح کا حکم دیا ہے اور یہ ذکر نہیں فرمایا کہ کس چیز کے ساتھ مسح کیا جائے۔ اس لئے ہر چیز کے

ساتھ مسح جائز ہے۔

(۴۶) تیمم میں بھی ترتیب اسی طرح شرط ہے جس طرح وضو میں شرط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہاتھوں کے مسح

سے قبل چہرے کا مسح کرنے سے ابتدا کی ہے۔

(۴۷) اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمارے لئے جو احکام مشروع فرمائے ہیں ان میں ہمارے لئے کوئی حرج، کوئی مشقت اور کوئی تنگی نہیں رکھی۔ یہ اس کی اپنے بندوں پر بے پایاں رحمت ہے تاکہ وہ ان کو پاک کرے اور ان پر اپنی نعمت کا اتمام کرے۔

(۴۸) پانی اور مٹی کے ذریعے سے ظاہری بدن کی طہارت، توحید اور خالص توبہ کے ذریعے سے حاصل ہونے والی باطنی طہارت کی تکمیل ہے۔

(۴۹) تیمم کی طہارت میں اگرچہ وہ نظافت اور طہارت نہیں ہوتی جس کا حس اور مشاہدہ کے ذریعے سے ادراک ہو سکتا ہو، تاہم اس میں معنوی طہارت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے پیدا ہوتی ہے۔

(۵۰) بندے کے لئے مناسب ہے کہ وہ طہارت اور دیگر شرعی احکام میں پوشیدہ اسرار و حکمت میں تدبر کرے تاکہ اس کے علم و معرفت میں اضافہ ہو اور اس کی شکرگزاری اور محبت زیادہ ہو ان احکام پر جو اللہ تعالیٰ نے مشروع کئے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر بندہ بلند مقامات تک پہنچ سکتا ہے۔

وَ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ ۖ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا

اور یاد کرو اللہ کی نعمت کو (جو ہوئی) تم پر اور اس عہد کو جو معاہدہ کیا اس نے تم سے ساتھ اس کے جب کہا تم نے سنا ہم نے

وَ اطعنا ۗ واثقوا اللہ طر ان اللہ علیکم بذات الصدور ﴿۵﴾

اور اطاعت کی ہم نے، اور ڈرو اللہ سے بے شک اللہ خوب جانتا ہے راز سینوں کے ﴿۵﴾

اللہ تبارک و تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اس کی عطا کردہ دینی اور دنیاوی نعمتوں کا قلب اور زبان سے ذکر کیا جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے دائمی ذکر میں اس کے لئے شکر اور محبت کا داعیہ پیدا ہوتا ہے اور بندے کا دل اس کے احسان کی معرفت سے لبریز ہو جاتا ہے، دینی نعمتوں اور اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کے بارے میں نفس کی خود پسندی زائل ہوتی ہے۔

﴿وَمِيثَاقَهُ﴾ (اور یاد کرو) اس عہد کو بھی۔ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کے میثاق کو یاد کرو ﴿الَّذِي وَاثَقَكُمْ بِهِ﴾

”جس کا تم سے قول لیا تھا،“ یعنی وہ عہد جو اس نے تم سے لیا۔ اس سے مراد یہ نہیں کہ بندوں نے اپنے نطق زبان سے اس عہد و میثاق کا اقرار کیا تھا بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لا کر اللہ اور رسول کی اطاعت کا التزام کیا ہے بنا بریں فرمایا: ﴿اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَ اطعنا﴾ ”جب تم نے کہا تھا کہ ہم نے (اللہ کا حکم) سن لیا اور قبول کر لیا۔“ یعنی تو نے اپنی آیات قرآنیہ اور کونییہ کے ذریعے سے ہمیں جو دعوت دی، ہم

نے اسے فہم اطاعت اور فرمانبرداری کے ساتھ سنا۔ تو نے جن امور پر عمل پیرا ہونے اور جن سے اجتناب کرنے کا حکم دیا ہم نے اس کی اطاعت کی۔ یہ ظاہری اور باطنی تمام شرعی احکام کو شامل ہے۔

اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے اس عہد کو یاد رکھتے ہیں اور یہ عہد ہر وقت انہیں ذہن نشین رہتا ہے اور جس چیز کا انہیں حکم دیا گیا ہے اسے کامل طریقے سے ادا کرنے کے حریص ہیں۔ ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ اپنے تمام احوال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ ”کچھ شک نہیں کہ اللہ دلوں کی باتوں (تک) سے واقف ہے۔“ یعنی دل میں جو افکار، اسرار اور خیالات چھپے ہوئے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو بھی جانتا ہے لہذا اس بات سے ڈرو کہ تمہارے دلوں میں موجود کسی ایسی بات کی اسے اطلاع ہو جس سے وہ راضی نہیں یا تم سے کوئی ایسا فعل صادر ہو جسے وہ ناپسند کرتا ہے اور اپنے دلوں کو اللہ تعالیٰ کی معرفت اس کی محبت اور اللہ کے بندوں کی خیر خواہی سے آباد کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو وہ تمہارے گناہوں کو بخش دے گا اور تمہاری نیکیوں کو کئی گنا زیادہ کر دے گا، کیونکہ اسے علم ہے کہ تمہارے دل درست ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوْمِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، ہو جاؤ تم قائم رہنے والے (حق پر) اللہ کیلئے گواہی دینے والے ساتھ انصاف کے اور نہ آ مادہ کرے تمہیں

شَنَّانٌ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا ط اِعْدِلُوا فَهُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ ط دشمنی کسی قوم کی اس بات پر کہ نہ عدل کرو تم عدل کرو یہی بات زیادہ قریب ہے تقویٰ کے اور ڈرو اللہ سے

إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ①

بیشک اللہ خبردار ہے ساتھ اس کے جو تم کرتے ہو

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ ”اے ایمان والو!“ یعنی اے وہ لوگو جو ان امور پر ایمان لائے ہو جن پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اپنے ایمان کے لوازم کو قائم کرو! ﴿كُونُوا قَوْمِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ﴾ ”اللہ کے لیے انصاف کی گواہی دینے کے لیے کھڑے ہو جاؤ۔“ یعنی انصاف کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے لئے گواہی دینے کے لئے کھڑے ہونے والے بن جاؤ۔ تمہاری ظاہری اور باطنی حرکات قیام انصاف میں نشاط محسوس کریں اور یہ قیام عدل دنیاوی اغراض کی خاطر نہ ہو بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو اور صرف (قسط) یعنی عدل تمہارا مقصد ہو۔ تمہارے اقوال و افعال میں کسی قسم کی افراط و تفریط نہ ہو اور تم قریب اور بعید دوست اور دشمن سب کے ساتھ عدل و انصاف کرو۔

﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ﴾ ”تمہیں ہرگز آ مادہ نہ کرے“ ﴿شَنَّانٌ قَوْمٍ﴾ ”لوگوں کی دشمنی۔“ یعنی کسی قوم کے

ساتھ کینہ و بغض ﴿عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا﴾ ”اس بات پر کہ تم عدل نہ کرو“ جیسا کہ وہ لوگ کرتے ہیں جن کے پاس

عدل و انصاف کا کوئی تصور نہیں۔ بلکہ ہونا یہ چاہئے کہ جیسے تم اپنے دوست کے حق میں گواہی دیتے ہو اس کے خلاف بھی گواہی دو اور جیسے تم اپنے دشمن کے خلاف گواہی دیتے ہو تو اس کے حق میں بھی گواہی دو۔ خواہ تمہارا دشمن کافر یا بدعتی ہی کیوں نہ ہو۔ اس کے بارے میں عدل کرنا اور اگر وہ حق بات کہتا ہے تو اسے قبول کرنا فرض ہے اور محض اس وجہ سے اس کا قول قبول نہ کیا جائے کہ وہ دوست کا قول ہے اور نہ دشمن کے قول کو محض اس وجہ سے رد کیا جائے کہ وہ دشمن کا قول ہے کیونکہ یہ حق پر ظلم ہے۔ ﴿إِعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَى﴾ ”انصاف کرو یہ تقویٰ کے زیادہ قریب ہے“ یعنی جب بھی تم عدل کرنے کی خواہش کرو گے اور اس خواہش پر عمل کرنے کی کوشش کرو گے تو یہ چیز تمہارے دلوں کے تقویٰ کے بہت قریب ہے۔ اگر عدل کی تکمیل ہوگئی تو تقویٰ بھی مکمل ہوگیا ﴿إِنَّ اللَّهَ حَبِيبٌ ﴿۱۰۰﴾ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ ”یقیناً اللہ اس سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو“ اس لئے وہ تمہارے اچھے اور برے چھوٹے اور بڑے تمام اعمال کی دنیا اور آخرت میں جزا دے گا۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَأَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۱۰۱﴾

وعدہ کیا اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور عمل کئے انہوں نے نیک ان کے لیے مغفرت ہے اور اجر بہت بڑا ○

وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿۱۰۲﴾

اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو یہی لوگ ہیں دوزخی ○

﴿وَعَدَ اللَّهُ﴾ ”اللہ نے وعدہ کیا ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ جو وعدہ خلافی نہیں کرتا ان لوگوں کے ساتھ وعدہ فرماتا ہے جو اس پر اس کے رسولوں اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں ﴿وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ ”اور جنہوں نے نیک عمل کئے“ جو واجبات و مستحبات پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ان کو بخش دینے ان کے گناہوں کی سزا کو معاف کر دینے اور ان کو اجر عظیم کے عطا کرنے کا وعدہ کرتا ہے جس کی بڑائی کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّا أُخْفِيَ لَهُم مِّن قَدْرَةِ غَضَبِنَا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ (السجدہ: ۱۷۱۳۲) ”کوئی تنفس نہیں جانتا کہ ان کے لئے ان کے اعمال کے صلہ کے طور پر آنکھوں کی کیا ٹھنڈک چھپا رکھی گئی“۔ ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا﴾ ”اور جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا۔“ یعنی انہوں نے ان آیات کی تکذیب کی جو حق مبین پر دلالت کرتی ہیں حالانکہ ان آیات نے حقائق کو بیان کر دیا تھا ﴿أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ ”وہ جہنمی ہیں۔“ وہ جہنم کے ساتھ اس طرح لازم رہیں گے جس طرح دوست دوست کے ساتھ لازم رہتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ كُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ هُمْ قَوْمٌ أَنْ يَبْسُطُوا إِلَيْكُمْ
اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یاد کرو نعمت اللہ کی (جو ہوئی) تم پر جب ارادہ کیا تھا ایک قوم نے کہ دراز کریں تمہاری طرف
أَيْدِيَهُمْ فَلَفَّ بِأَيْدِيهِمْ عَنْكُمْ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿١١﴾
اپنے ہاتھ تو روک دیئے اس نے انکے ہاتھ تم سے اور اور اللہ سے اور اوپر اللہ ہی کے پس چاہیے کہ توکل کریں ایمان والے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے مومن بندوں سے اپنی عظیم نعمتوں کا ذکر کرتا ہے اور انہیں ترغیب دیتا ہے کہ وہ بھی دل
وزبان سے ان نعمتوں کا ذکر کیا کریں۔ جس طرح وہ اپنے دشمنوں کے قتل، ان کے مال کو مال غنیمت بنانے، ان کے
شہروں کو فتح کرنے اور ان کے غلام بنانے کو اللہ تعالیٰ کی نعمت قرار دیتے ہیں اسی طرح وہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا
بھی اعتراف کریں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو تمہارے ساتھ لڑنے سے روکا اور ان کی سازشوں اور چالوں کو جو ان کے
سینوں میں تھیں، انہی پر لوٹا دیا۔ اس لئے کہ دشمنوں نے ایک سازش تیار کی اور ان کا گمان تھا کہ وہ اسے بروئے کار
لانے میں کامیاب ہوں گے۔ لیکن جب وہ مومنوں کی خلاف اس سازش میں کامیاب نہیں ہوئے تو یہ بھی اللہ
تعالیٰ کی طرف سے اپنے مومن بندوں کی مدد ہے، اس لئے ان کو چاہئے کہ وہ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں، اس
کی عبادت اور اس کا ذکر کریں۔ کافروں، منافقوں اور باغیوں میں سے جن لوگوں نے بھی اہل ایمان کے ساتھ کسی
برائی کا ارادہ کیا یہ آیت کریمہ ان سب کو شامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ان کے شر سے محفوظ رکھا۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ اپنے دشمنوں پر فتح حاصل کرنے کیلئے اور دیگر تمام امور میں اللہ تعالیٰ سے مدد
مانگیں اس لیے فرمایا: ﴿وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ اور مومنوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے۔ یعنی
وہ اپنے دینی اور دنیاوی مصالح کے حصول میں اللہ تعالیٰ ہی پر توکل اور اعتماد کریں، اپنی قوت اور طاقت پر بھروسہ نہ
کریں اور اپنے محبوب امور کے حصول میں صرف اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کریں اور بندے کے ایمان کے مطابق ہی
اس کا اللہ پر توکل ہوتا ہے اور یہ دل کے ان واجبات میں سے ہے جن پر اتفاق ہے۔

وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا
اور البتہ تحقیق لیا اللہ نے عہد بنی اسرائیل سے اور مقرر کئے ہم نے ان میں سے بارہ سردار
وَقَالَ اللَّهُ إِنِّي مَعَكُمْ لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ وَآتَيْتُمُ الزَّكَاةَ وَآمَنْتُمْ بِرُسُلِي
اور کہا اللہ نے بیچک میں تمہارے ساتھ ہوں البتہ اگر قائم رکھو گے تم نماز اور ادا کرو گے زکوٰۃ اور ایمان لاؤ گے ساتھ میرے رسولوں کے
وَعَزَّرْتُمُوهُمْ وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهُ قَرْضًا حَسَنًا لَّا يَكْفِرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ
اور تقویت پہنچاؤ گے ان کو اور قرض دو گے تم اللہ کو قرض حسن، تو ضرور دور کر دوں گا میں تم سے تمہاری برائیاں

وَلَا دُخْلَكُمْ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ
 اور ضرور داخل کروں گا تمہیں ایسے بانوں میں کہ چلتی ہیں ان کے نیچے نہریں پس جس نے کفر کیا بعد اس کے تم میں سے
 فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ ﴿١٧﴾ فِيمَا نَقُضُهُمْ مِيثَاقَهُمْ لَعْنُهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ
 تو تحقیق بھٹک گیا وہ سیدھی راہ سے ○ پس بسبب انکے توڑنے کے اپنے عہد کو لعنت کی ہم نے ان پر اور کر دیا ہم نے انکے دلوں کو
 قَسِيَةً ۖ يَحْرِفُونَ الْكَلِمَةَ عَنْ مَوَاضِعِهَا وَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ
 سخت بدل ڈالتے ہیں وہ باتوں کو ان کی جگہوں سے اور بھول گئے وہ ایک حصہ اس چیز سے کہ نصیحت کئے گئے تھے وہ ساتھ اس کے
 وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ فَأَعْفُ عَنْهُمْ
 اور ہمیشہ مطلع ہوتے رہتے ہیں آپ خیانت پر انکی مگر تھوڑے لوگ ان میں سے پس معاف کر دیں آپ ان کو
 وَأَصْفَحْ ۗ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿١٨﴾
 اور درگزر کریں بیشک اللہ پسند کرتا ہے احسان کرنے والوں کو ○

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ اس نے بنی اسرائیل سے بہت موکد اور بھاری عہد لیا پھر اس میثاق اور
 عہد کا وصف بیان فرمایا اور بتایا کہ اگر وہ اس عہد کو پورا کریں گے تو ان کو کیا اجر ملے گا اور اگر وہ اس عہد کو پورا نہیں
 کریں گے تو ان کو کیا سزا ملے گی، پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ انہوں نے اس عہد کو پورا نہیں کیا اور یہ بھی
 بتایا کہ ان کو اس کی پاداش میں کیا سزا ملی۔ ﴿وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ﴾ اور اللہ نے بنی اسرائیل
 سے اقرار لیا۔ ”یعنی اللہ نے بنی اسرائیل سے مضبوط اور موکد عہد لیا ﴿وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا﴾ ہم نے
 ان کے بارہ سردار مقرر کر دیئے جو ان کے معاملات کی دیکھ بھال کرتے تھے اور جن باتوں کا انہیں حکم دیا جاتا تھا
 اس کی تعمیل کرنے پر انہیں آمادہ کرتے تھے۔ ﴿وَقَالَ اللَّهُ﴾ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان نقیبوں (سرداروں) سے
 فرمایا جنہوں نے ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھایا تھا ﴿إِنِّي مَعَكُمْ﴾ ”میں تمہارے ساتھ ہوں“ یعنی میری اعانت و نصرت
 تمہارے ساتھ ہے، کیونکہ مدد ہمیشہ ذمہ داری کے بوجھ کے مطابق ہوتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان امور کا ذکر فرمایا
 جن پر عہد لیا تھا۔ ﴿لَئِنْ أَقَمْتُمُ الصَّلَاةَ﴾ ”اگر تم نماز پڑھتے رہو گے۔“ یعنی اگر تم نماز کو اس کے ظاہری اور
 باطنی لوازم کے ساتھ قائم کرو اور پھر اس پر دوام اختیار کرو گے ﴿وَأَتَيْتُمُ الزَّكَاةَ﴾ ”اور زکوٰۃ دیتے رہو گے۔“
 یعنی مستحق لوگوں کو زکوٰۃ دو گے ﴿وَأَمَنْتُمْ بِرُسُلِي﴾ ”اور میرے پیغمبروں پر ایمان لاؤ گے۔“ تمام انبیاء و رسل
 پر ایمان لاؤ گے، جن میں سب سے افضل اور سب سے اکمل جناب محمد مصطفیٰ ﷺ ہیں ﴿وَعَزَّزْتُمُوهُمْ﴾ ”اور
 ان کی مدد کرو گے۔“ یعنی اگر تم انبیاء کی تعظیم اور ان کی اطاعت اور ان کا احترام کرو گے جو تم پر واجب ہے
 ﴿وَأَقْرَضْتُمُ اللَّهَ قَرْضًا حَسَنًا﴾ ”اور تم اللہ کو قرض حسن دو گے“ یعنی صدقہ دو گے اور بھلائی کرو گے جس کا

مصدر صدق و اخلاص اور کسب حلال ہو۔

جب تم مذکورہ بالا تمام امور قائم کر لو گے ﴿لَا تَقْرَنَ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَلَا دَخَلَتْكُمْ جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ ”تو میں تم سے تمہاری برائیاں دور کر دوں گا اور تمہیں ان باغات میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی“ اس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے جنت میں اپنی نعمتوں اور محبوب امور کے حصول اور گناہوں کی تکفیر اور اس پر مرتب ہونے والی سزا کو دور کر کے ناپسندیدہ امور کے دور ہونے کو یکجا بیان فرمایا۔

﴿فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ﴾ ”پھر جس نے اس کے بعد کفر کیا۔“ یعنی جو کوئی اس عہد و پیمانے کے بعد جسے ایمان اور ثواب کی ترغیب کے ذریعے سے موکد کیا گیا ہے، کفر کا رویہ اختیار کرتا ہے ﴿فَقَدْ ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ﴾ ”تو وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔“ یعنی وہ جان بوجھ کر سیدھے راستے سے بھٹکتا ہے تو وہ اسی سزا کا مستحق ہوگا جس کے مستحق گمراہ لوگ ہوں گے، جیسے ثواب سے محرومی اور عذاب سے دوچار ہونا۔ گویا یوں کہا گیا ہے کہ ”کاش ہمیں بھی معلوم ہوتا کہ انہوں نے کیا کیا؟ کیا انہوں نے اس عہد کو پورا کیا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا تھا یا اس عہد کو توڑ دیا؟“ پس اللہ نے واضح کر دیا کہ انہوں نے اللہ کے ساتھ کئے گئے اس عہد کو توڑ دیا۔ چنانچہ فرمایا: ﴿فِيمَا نَقَضْتُمْ مِيثَاقَهُمْ﴾ ”تو ان لوگوں کے عہد توڑ دینے کے سبب۔“ یعنی ان کے نقض عہد کے سبب سے ہم نے ان کو متعدد سزائیں دیں۔

(۱) ﴿لَعْنَهُمْ﴾ ”ہم نے ان پر لعنت کی۔“ یعنی ہم نے ان کو دھتکار کر اپنی رحمت سے دور کر دیا کیونکہ انہوں نے اپنے آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دروازے بند کر لئے اور انہوں نے اس عہد کو پورا نہ کیا جو اللہ تعالیٰ نے ان سے لیا تھا جو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہونے کا سب سے بڑا سبب ہے۔

(۲) ﴿وَجَعَلْنَا قُلُوبَهُمْ قَاسِيَةً﴾ ”اور ان کے دلوں کو سخت کر دیا۔“ یعنی ہم نے ان کو پتھر دل بنا دیا۔ پس وعظ و نصیحت ان کے کسی کام آسکتے ہیں نہ آیات اور نہ ہی برے انجام سے ڈرانے والے انہیں کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں۔ کوئی شوق انہیں ترغیب دے سکتا ہے نہ کوئی خوف ان کو یہ عہد پورا کرنے کے لئے بے قرار کر سکتا ہے۔ بندے کے لئے یہ سب سے بڑی سزا ہے کہ اس کے دل کی یہ کیفیت ہو جائے کہ ہدایت اور بھلائی بھی اس پر برا اثر کریں۔

(۳) ﴿يُحَذِّرُونَ الْكَلِمَةَ عَنْ مَوَاضِعِهِ﴾ ”یہ لوگ کلمات (کتاب) کو اپنے مقامات سے بدل دیتے ہیں۔“ یعنی وہ کلام اللہ میں تغیر و تبدل کے بھی مرتکب ہوئے، چنانچہ انہوں نے کلام الہی کے اس معنی کو جو اللہ تعالیٰ کی مراد تھا بدل کر وہ معنی بنا دیا جو اللہ اور اس کے رسول کی مراد نہ تھا۔

(۴) ﴿وَسُوا حَظًا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ﴾ ”اور جن باتوں کی ان کو نصیحت کی گئی تھی اس کا ایک بڑا حصہ وہ بھلا

بیٹھے۔“ انہیں تورات اور ان تعلیمات کے ذریعے سے نصیحت کی گئی جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی تھیں مگر انہوں نے ان کو فراموش کر دیا۔ یہ اس بات کو بھی شامل ہے کہ انہوں نے جناب موسیٰ علیہ السلام کے علم کو فراموش کر دیا بنا بریں علم ان سے ضائع ہو گیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ سزا دی کہ بہت سا علم ناپید ہو گیا۔ یہ آیت کریمہ نسیان عمل کو بھی شامل ہے جو ترک عمل کا نتیجہ ہے، پس جس چیز کا انہیں حکم دیا گیا تھا اس پر عمل کرنے کی ان کو توفیق نہ ہوئی۔

اسی آیت سے استدلال کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ انہوں نے بعض ان امور کا جو انکار کیا جن کا ذکر ان کی کتابوں میں ہے یا ان کے زمانے میں واقع ہوئے یہ بھی ان باتوں میں سے ہے جن کو انہوں نے فراموش کیا۔

(۵) دائمی خیانت: جس کے بارے میں فرمایا: ﴿وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلَى خَائِنَةٍ مِنْهُمْ﴾ اور آپ ہمیشہ مطلع ہوتے رہتے ہیں ان کی خیانت پر، یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے بندوں کے ساتھ خیانت۔ اور ان کی سب سے بڑی خیانت یہ ہے کہ انہوں نے ان لوگوں سے حق کو چھپایا جو ان کو نصیحت کرتے تھے اور ان کے بارے میں حسن ظن رکھتے تھے۔ اور ان کو ان کے کفر پر باقی رکھنا۔ پس یہ بہت بڑی خیانت ہے اور جو کوئی ان صفات سے متصف ہوتا ہے اس میں یہ مذموم خصائل پائے جاتے ہیں۔

پس جو کوئی اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور ان کا التزام نہیں کرتا تو اس لعنت، قساوت قلبی اور کلام الہی کی تحریف میں وہ بھی حصہ دار ہوتا ہے۔ اس کو بھی حق اور صواب کی توفیق نہیں ملتی، وہ بھی ان امور کو فراموش کرنے کا مرتکب ہوتا ہے جن کی اسے یاد دہانی کروائی گئی تھی اور ایسے شخص کا خیانت میں مبتلا ہونا بھی یقینی ہے۔ ہم اللہ تعالیٰ سے عافیت کے طلب گار ہیں۔

جس امر کی انہیں یاد دہانی کروائی گئی تھی اللہ تعالیٰ نے اس کو (حَظٌّ) ”حصہ نصیبہ“ کے نام سے اس لئے موسوم کیا ہے کیونکہ یہ سب سے بڑا حظ ہے اس کے علاوہ دیگر تمام حظوظ دنیاوی حظوظ ہیں۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَخَرَجَ عَلَى قَوْمِهِ فِي زِينَتِهِ قَالَ الَّذِينَ يُرِيدُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا يَا لَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَا أُوتِيَ قَارُونُ إِنَّهُ لَذُو حَظٍّ عَظِيمٍ﴾ (القصص: ۷۹/۲۸) ”قارون بڑی جج حج کے ساتھ اپنی قوم کے سامنے نکلا وہ لوگ جو دنیا کی زندگی کے طالب تھے کہنے لگے کاش ہمیں بھی وہی کچھ دیا گیا ہوتا جو قارون کو دیا گیا ہے۔ وہ تو بہت بڑے نصیبے والا ہے۔“ اور حظ نافع کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا الَّذِينَ صَبَرُوا وَمَا يُلْقِيهَا إِلَّا ذُو حَظٍّ عَظِيمٍ﴾ (حم السجده: ۳۵/۴۱) ”یہ بات صرف ان لوگوں کو نصیب ہوتی ہے جو صبر کرتے ہیں اور اس سے وہی لوگ بہرہ ور ہوتے ہیں جو بہت بڑے نصیبے والے ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِلَّا قَلِيلًا مِنْهُمْ﴾ ”تھوڑے آدمیوں کے سوا۔“ یعنی وہ لوگ بہت کم تھے جنہوں نے

اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا تھا اسے پورا کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو توفیق سے نوازا اور سیدھے راستے کی طرف ان کی راہنمائی کی ﴿فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ﴾ ”پس آپ ان کی خطائیں معاف کر دیں اور ان سے درگزر فرمائیں۔“ ان کی طرف سے آپ کو جو بھی کوئی ایسی تکلیف پہنچتی ہے جو معاف کر دینے کے قابل ہو اسے معاف کر دیا کریں۔ اور ان سے درگزر کیجئے کیونکہ یہ بھلائی ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ﴾ ”بیشک اللہ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“ اور احسان یہ ہے کہ تو اس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اپنے آپ میں یہ کیفیت پیدا نہیں کر سکتا تو اللہ تعالیٰ تو تجھے دیکھ رہا ہے اور مخلوق کے حق میں احسان یہ ہے کہ تو انہیں دینی اور دنیاوی فائدے سے نوازے۔

وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرَىٰ أَخَذْنَا مِيثَاقَهُمْ فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا

اور ان لوگوں سے جنہوں نے کہا، بیشک ہم نصاریٰ ہیں، لیا ہم نے عہد ان سے، پس بھول گئے وہ ایک حصہ اس چیز سے کہ

ذُكِّرُوا بِهِ، فَاعْرَبْنَاهَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ

نصحت کئے گئے تھے وہ ساتھ اس کے، تو ڈال دی ہم نے ان کے درمیان دشمنی اور بغض روز قیامت تک

وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿١٣﴾

اور عنقریب خبر دے گا ان کو اللہ ساتھ اس چیز کے جو تھے وہ کرتے ○

یعنی جس طرح ہم نے یہود سے عہد لیا اسی طرح ہم نے نصاریٰ سے بھی عہد لیا ﴿وَمِنَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرَىٰ﴾ ”اور جو لوگ کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں۔“ یعنی جو کہتے ہیں کہ ہم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مددگار ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ اس کے انبیاء و رسل اور ان پر نازل شدہ کتابوں پر ایمان لا کر اپنے آپ کو پاک کیا اور پھر عہد کو توڑ دیا ﴿فَنَسُوا حَظًّا مِمَّا ذُكِّرُوا بِهِ﴾ ”پھر بھول گئے وہ نفع اٹھانا اس نصیحت سے جو ان کو کی گئی تھی،“ یعنی وہ نسیان علمی اور نسیان عملی کا شکار ہو گئے ﴿فَاعْرَبْنَاهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ ”پس ہم نے لگا دی آپس میں ان کی دشمنی اور کینہ قیامت کے دن تک،“ یعنی ہم نے انہیں ایک دوسرے پر مسلط کر دیا، ان کے درمیان شرفساد اور کینہ نے جنم لیا جو قیامت تک کے لئے ایک دوسرے کے خلاف بغض اور عداوت کا باعث ہے اور یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے، کیونکہ نصاریٰ ہمیشہ سے ایک دوسرے کے ساتھ بغض، مخالفت اور عداوت رکھتے چلے آ رہے ہیں ﴿وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللَّهُ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ﴾ ”اور عنقریب اللہ ان کو خبر دے گا جو کچھ وہ کرتے تھے،“ اور انہیں ان کی کارستانیوں پر عذاب دے گا۔

يَا أَهْلَ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ

اے اہل کتاب! تحقیق آیا ہے تمہارے پاس ہمارا رسول وہ بیان کرتا ہے تمہارے لیے بہ کثرت ان چیزوں سے کہ تھے تم چھپاتے

مِنَ الْكِتَابِ وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ ﴿١٥﴾
 کتاب میں سے اور درگزر کرتا ہے بہت سی باتوں سے۔ تحقیق آگئی تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب واضح ○

يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمُ
 دکھاتا ہے ساتھ اس کے اللہ اس شخص کو کہ پیروی کرتا ہے وہ اس کی رضامندی کی راہیں سلامتی کی اور نکالتا ہے ان کو

مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٦﴾
 اندھیروں سے طرف روشنی کی اپنے حکم سے اور راہنمائی کرتا ہے ان کی طرف سیدھی راہ کی ○

جب اللہ تعالیٰ نے اس عہد اور میثاق کا ذکر کیا جو اس نے اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ سے لیا تھا مگر تھوڑے سے لوگوں کے سوا سب نے اس عہد کو توڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سب کو حکم دیا کہ وہ محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لائیں اور آپ کی نبوت پر ایک قطعی دلیل کے ذریعے سے استدلال کیا۔ اور وہ یہ کہ آپ ﷺ ان کے سامنے وہ چیزیں بیان کرتے ہیں جو وہ عام لوگوں سے چھپاتے ہیں حتیٰ کہ خود اپنے عوام سے بھی چھپاتے ہیں؛ پس جب یہی لوگ علم کے بارے میں عوام کا مرجع تھے اور علم کے خواہش مند کے لئے ان کے بغیر علم حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں تھا؛ تو ان حالات میں رسول اللہ ﷺ کا قرآن کریم کے ساتھ مبعوث ہونا اور ان تمام امور کو کھول کھول کر بیان کر دینا جو وہ چھپاتے تھے دریاں حالیکہ آپ ان پڑھ تھے اور لکھ پڑھ نہیں سکتے تھے؛ آپ ﷺ کی رسالت کی سب سے بڑی دلیل ہے، مثلاً ان کی کتابوں میں جناب محمد ﷺ کی صفات اور بشارتیں موجود تھیں۔ اسی طرح آیت رجم کو (جسے وہ چھپاتے تھے) رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا۔

﴿وَيَعْفُوا عَنْ كَثِيرٍ﴾ اور درگزر کرتا ہے وہ بہت سی چیزوں سے“ یعنی آپ ﷺ نے بہت سی ایسی باتوں کو بیان نہیں فرمایا جن کو بیان کرنا حکمت کا تقاضا نہیں تھا ﴿قَدْ جَاءَكُمْ مِنَ اللَّهِ نُورٌ﴾ ”تحقیق آگیا تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور“ اس نور سے مراد قرآن کریم ہے جس سے جہالت کی تاریکیوں اور گمراہی کے اندھیاروں میں روشنی حاصل کی جاتی ہے ﴿وَكِتَابٌ مُبِينٌ﴾ ”اور روشن کتاب۔“ مخلوق اپنے دین و دنیا کے جن امور کی محتاج ہے اس کتاب نے ان کو واضح کر دیا ہے مثلاً اللہ تعالیٰ اس کے اسما و صفات اور افعال کا علم احکام شرعی اور احکام جزائی کا علم؛ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ کون ہے جو اس قرآن سے راہنمائی حاصل کرتا ہے اور وہ کون سا سبب ہے جو بندہ اس راہنمائی کے حصول کے لئے اختیار کرتا ہے۔ ﴿يَهْدِي بِهِ اللَّهُ مَنِ اتَّبَعَ﴾ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ ﴿اللَّهُ اس کے ذریعے سے ہدایت دیتا ہے اس کو جو اس کی رضامندی کی پیروی کرتا ہے؛ سلامتی کے راستوں کی“ یعنی جو کوئی اللہ تعالیٰ کی رضا کا حریص ہوتا ہے اور پھر اس کے حصول کی کوشش کرتا ہے اور اس کا قصد و ارادہ بھی صحیح ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ سلامتی کے راستوں کی طرف اس کی راہنمائی کرتا ہے۔ جو اسے

عذاب سے بچا کر سلامتی کے گھر پہنچا دیتا ہے۔ یہاں سلامتی کے گھر سے مراد حق کا اجمالی اور تفصیلی علم اور اس پر عمل کرنا ہے۔

﴿وَيُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ﴾ اور ان کو تاریکیوں سے نکالتا ہے، یعنی کفر بدعت، معصیت، جہالت اور غفلت کی تاریکیوں سے ﴿إِلَى النُّورِ﴾ روشنی کی طرف، ایمان، سنت، اطاعت، علم اور ذکر الہی کی روشنی۔ یہ تمام امور اللہ تعالیٰ کی مشیت سے راہ ہدایت ہیں۔ اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے اور جو وہ نہیں چاہتا نہیں ہوتا ﴿وَيَهْدِيهِمْ إِلَى صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ اور سیدھے راستے کی طرف ان کی رہنمائی کرتا ہے

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ
البتہ تحقیق کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا بے شک اللہ تو وہی مسیح ابن مریم ہے۔ کہہ دیجئے! پس کون اختیار رکھتا ہے
مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ
اللہ کے آگے کچھ بھی اگر وہ ارادہ کر لے ہلاک کرنے کا مسیح ابن مریم اور ان کی ماں کو اور ان کو جو زمین میں ہیں
جَمِيعًا وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ وَاللَّهُ
سارے؟ اور اللہ ہی کیلئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ پیدا کرتا ہے جو چاہتا ہے اور اللہ
عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۱۶﴾ وَقَالَتِ الْيَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ
اوپر ہر چیز کے خوب قادر ہے اور کہا یہود نے اور نصاریٰ نے ہم بیٹے ہیں اللہ کے
وَأَحِبَّاءُهُ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ
اور اسکے پیارے کہہ دیجئے! پس کیوں عذاب کرتا ہے وہ تمہیں تمہارے گناہوں کی وجہ سے بلکہ تم بھی انسان ہی ہو ان میں سے جن کو اس نے پیدا کیا
يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ
وہ بخشتا ہے جس کو چاہتا ہے اور عذاب کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی
وَمَا بَيْنَهُمَا ز وَالْيَهُ الْمَصِيرُ ﴿۱۸﴾

اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف ہے پھر کر جانا

اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ سے عہد لینے اور ان کے نقض عہد کا ذکر کرنے کے بعد ان کے اقوال قبیحہ کا ذکر فرمایا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نصاریٰ کے قول کا ذکر فرمایا اور یہ بات نصاریٰ سے پہلے کسی نے نہیں کہی۔ وہ کہتے ہیں کہ مسیح ابن مریم ہی اللہ ہے اور ان کے شبہ کا سبب یہ ہے کہ وہ بغیر باپ کے پیدا ہوئے تھے بنا بریں یہ اعتقاد باطل ان میں در آیا۔ حالانکہ جناب حوا علیہ السلام کی تخلیق اس کی نظیر ہے جن کو بغیر ماں کے پیدا کیا گیا اور اس لحاظ سے جناب آدم تو الوہیت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں جو باپ اور ماں دونوں کے بغیر پیدا ہوئے۔ کیا انہوں نے

آدم علیہ السلام اور جناب حوا علیہما السلام کے بارے میں اسی طرح الوہیت کا دعویٰ کیا ہے جس طرح انہوں نے مسیح علیہ السلام کے بارے میں کیا؟۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ ان کا حضرت مسیح کی الوہیت کا دعویٰ بغیر کسی برہان کے خواہش نفس کی پیروی ہے۔

پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے واضح عقلی دلائل سے ان کے اس قول باطل کا رد کیا ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿قُلْ فَمَنْ يَمْلِكُ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا إِنْ أَرَادَ أَنْ يُهْلِكَ الْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَأُمَّهُ وَفَمَنْ فِي الْأَرْضِ جَبِيعًا﴾ ”فرما دیجئے، پس کس کا بس چل سکتا ہے اللہ کے آگے کچھ بھی اگر وہ چاہے کہ ہلاک کر دے مسیح ابن مریم کو، اس کی ماں کو اور تمام اہل زمین کو، چونکہ اگر اللہ تعالیٰ ان مذکور لوگوں کو ہلاک کرنا چاہے تو ان کے پاس اپنے آپ کو بچانے کی قدرت اور طاقت نہیں۔ اس لئے یہ اس ہستی کی الوہیت کے بطلان کی دلیل ہے جو اپنے آپ کو ہلاکت سے نہیں بچا سکتی اور نہ چھڑا سکتی ہے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی وحدانیت کی ایک دلیل یہ بھی ہے ﴿وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا﴾ ”اور زمین و آسمان کی بادشاہت اسی کی ہے“ پس وہ ان میں ٹکونی، شرعی اور جزائی احکام کے ذریعے سے تصرف کرتا ہے وہ سب مملوک ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی تدبیر کرتا ہے۔ کیا مملوک اور بندہ محتاج کو لائق ہے کہ وہ الہ بن جائے جو ہر لحاظ سے بے نیاز ہو؟۔۔۔۔۔ یہ سب سے بڑا محال ہے۔

عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بغیر باپ کے متولد ہونا کوئی انہونی اور تعجب خیز بات نہیں ﴿يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ﴾ ”وہ (اللہ) جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے۔“ چاہے تو عورت اور مرد کے ذریعے سے پیدا کرے جیسا کہ تمام بنی آدم کی تخلیق ہوئی ہے۔ چاہے تو بغیر عورت کے، صرف مرد سے پیدا کرے جیسے حضرت حوا علیہا السلام کا معاملہ ہے۔ چاہے تو کسی کو بغیر مرد کے عورت سے پیدا کرے جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تخلیق ہوئی اور چاہے تو مرد اور عورت دونوں کے بغیر پیدا کرے جیسے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی مشیت نافذہ سے اپنی مخلوق کو الگ الگ انداز سے پیدا فرمایا جس کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں بنا بریں فرمایا ﴿وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ”اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔“

یہود و نصاریٰ کے دعویٰ میں سے، جبکہ ان کے تمام دعوے باطل ہیں، ایک دعویٰ یہ ہے کہ وہ یہ کہتے ہوئے اپنے آپ کو پاک گردانتے ہیں ﴿نَحْنُ أَبْنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ﴾ ”ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے چہیتے ہیں“ ان کی لغت میں بیٹے سے مراد محبوب ہے وہ اس سے حقیقی ابیت (بیٹا ہونا) مراد نہیں لیتے، کیونکہ یہ ان کا مذہب نہیں ہے سوائے حضرت مسیح کے بارے میں کہ عیسائی ان کو اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ چونکہ ان کا دعویٰ دلیل و برہان سے محروم ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے دعوے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوبِكُمْ﴾ ”کہہ دیجئے، پھر وہ کیوں تمہیں تمہارے گناہوں کی پاداش میں عذاب دے گا؟“ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ کے محبوب ہوتے تو وہ تمہیں کبھی عذاب نہ دیتا کیونکہ اللہ تعالیٰ صرف اسی کو محبوب بناتا ہے جو اس کی مرضی کو پورا کرتا ہے۔

﴿بَلْ أَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ﴾ ”بلکہ تم بھی ایک آدمی ہو اس کی مخلوق میں سے“ تم پر بھی اللہ تعالیٰ کے عدل و فضل کے تمام احکام جاری ہوتے ہیں ﴿يَغْفِرُ لِمَن يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَن يَشَاءُ﴾ ”وہ جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے۔“ یعنی جب وہ مغفرت یا عذاب کے اسباب لے کر اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو اللہ ان اسباب کے مطابق ان کو بخش دیتا ہے یا عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔ ﴿وَاللَّهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَإِلَيْهِ الْمَصِيرُ﴾ ”اور اللہ ہی کے لئے ہے بادشاہت آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اور اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔“ یعنی کس چیز نے تمہارے لئے اس فضیلت کو مختص کیا ہے جب کہ تم بھی اللہ تعالیٰ کے جملہ مملوکات میں شامل ہو اور تم بھی ان لوگوں میں شامل ہو جنہیں قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ وہاں وہ تمہیں تمہارے اعمال کا بدلہ دے گا۔

يَا هَلْ الْكِتَابِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلَىٰ فَتْرَةٍ مِّنَ الرَّسُلِ

اے اہل کتاب! تحقیق آیا تمہارے پاس ہمارا رسول بیان کرتا ہے وہ تمہارے لیے پیچھے موقوف ہو جانے رسولوں کے

أَنْ تَقُولُوا مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ

کہیں تم نہ کہو کہ نہیں آیا ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا اور نہ ڈرانے والا پس تحقیق آ گیا تمہارے پاس خوشخبری دینے والا

وَنَذِيرٌ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٩﴾

اور ڈرانے والا اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کو کتاب عطا کر کے ان پر احسان فرمایا اور اس سبب سے انہیں دعوت دی کہ وہ اس کے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لائیں اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں کہ اس نے ان کی طرف رسول بھیجا ﴿عَلَىٰ فَتْرَةٍ مِّنَ الرَّسُلِ﴾ ”رسولوں کے مبعوث ہونے کا سلسلہ منقطع رہنے کے بعد“ اور ان کی شدید احتیاج کی بنا پر۔ یہ چیز اس بات کی داعی ہے کہ آپ ﷺ پر ایمان لایا جائے اور ان کے سامنے تمام مطالب الہیہ اور احکام شرعیہ بیان کئے جائیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس طرح ان پر حجت پوری کر دی تاکہ وہ یہ نہ کہیں ﴿مَا جَاءَنَا مِنْ بَشِيرٍ وَلَا نَذِيرٍ﴾ ”کہ ہمارے پاس کوئی خوشخبری دینے والا یا نہ کوئی ڈرانے والا“ ﴿فَقَدْ جَاءَكُمْ بَشِيرٌ وَنَذِيرٌ﴾ ”پس تحقیق تمہارے پاس خوشخبری دینے والا اور ڈرانے والا آ گیا“ جو دنیوی اور اخروی ثواب کی خوشخبری دیتا ہے اور ان اعمال سے آگاہ کرتا ہے جو اس ثواب کے حصول کے موجب ہیں نیز ان اعمال کو بجالانے والوں کی صفات بیان کرتا ہے اور دنیوی اور اخروی عذاب اور ان اعمال سے ڈراتا ہے جو اس عذاب کا باعث بنتے ہیں اور ان اعمال کا ارتکاب کرنے والوں کی صفات سے آگاہ کرتا ہے۔

﴿وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ”اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ تمام اشیاء نے اس کی قدرت کاملہ کے

سامنے اطاعت سے سر تسلیم خم کر رکھا ہے کسی کو اس کی نافرمانی کی مجال نہیں۔ یہ اس کی قدرت کاملہ ہی ہے کہ اس نے رسول مبعوث فرمائے، کتابیں نازل کیں جو ان رسولوں کی اطاعت کرتا ہے اسے ثواب عطا کرتا ہے اور جو ان کی نافرمانی کرتا ہے انہیں عذاب میں مبتلا کرتا ہے۔

وَإِذْ قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ يُقَوْمِ اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ
اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے اے میری قوم! یاد کرو نعمت اللہ کی (جو ہوئی) تم پر جب اس نے بنائے تمہارے اندر
الرُّسُلَ وَأَجْعَلَ لَكُم مِّنَ الْكُتُبِ الْكُتُبَ وَأَسْخَرَ لَكُم مِّنَ الْأَنْدَادِ ۚ وَإِنَّكُمْ لَمِنَ الْقَائِلِينَ ﴿۲۰﴾
نبی اور بنایا تم کو بادشاہ اور دیا تم کو وہ جو نہیں دیا اس نے کسی کو جہانوں میں سے ○ اے میری قوم!
ادْخُلُوا الْأَرْضَ الْمَقْدَسَةَ الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتُدُّوا عَلَيَّ آدْبَارِكُمْ فَتَتَّقِلُوا
داخل ہو تم! زمین مقدس میں جو لکھ دی ہے اللہ نے تمہارے لیے اور نہ پھرو تم اپنی پیٹھوں پر تب پلٹو گے تم

خُسْرَيْنَ ﴿۲۱﴾ قَالُوا يَمُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ ﴿۲۲﴾ وَإِنَّا لَنَدْخُلُهَا حَتَّىٰ
نقصان اٹھائیں لے بن کر ○ انہوں نے کہا اے موسیٰ! بیشک اس میں ایک قوم ہے بڑی زور آور اور ہم ہرگز نہ جائیں گے اس میں یہاں تک کہ
يَخْرُجُوا مِنْهَا ۚ فَإِن يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَاخِلُونَ ﴿۲۳﴾ قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الَّذِينَ
نکل جائیں وہ اس میں سے پس اگر نکل جائیں وہ اس میں سے تو ہم ضرور داخل ہو جائیں گے ○ کہا دو آدمیوں نے ان میں سے جو کہ
يَخَافُونَ أَعْمَلَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَإِنَّكُمْ غَالِبُونَ ۚ
ڈرتے تھے (اللہ سے) انعام کیا تھا اللہ نے ان پر داخل ہو جاؤ تم ان پر دروازے میں سے پس جب داخل ہو گے تم اس میں سے تو تم ہی غالب ہو گے

وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۲۴﴾ قَالُوا يَمُوسَىٰ إِنَّا لَنَدْخُلُهَا
اور اوپر اللہ ہی کے پس بھروسہ کرو تم اگر ہو تم مؤمن ○ انہوں نے کہا اے موسیٰ! بے شک ہم تو ہرگز نہ جائیں گے اس میں
أَبَدًا مَّا دَامُوا فِيهَا فَادْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هُنَا قَاعِدُونَ ﴿۲۵﴾ قَالَ
کبھی بھی جب تک وہ موجود ہیں اس میں پس جا تو اور تیرا رب اور لڑو تم دونوں، تحقیق ہم تو یہیں بیٹھے ہیں (موسیٰ نے کہا)
رَبِّ إِنِّي لَأَ أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي فَافْرِقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿۲۶﴾
اے رب! بیشک میں نہیں اختیار رکھتا مگر اپنی جان کا اور اپنے بھائی کا پس تو تفریق کر دے ہمارے درمیان اور درمیان نافرمان قوم کے ○

قَالَ فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيهُونَ فِي الْأَرْضِ فَلَا
فرمایا (اللہ نے) پس وہ زمین حرام کر دی گئی ہے ان پر چالیس برس تک سرگرداں پھریں گے وہ زمین میں پس نہ

تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ ﴿۲۷﴾

غم کھا تو اوپر نافرمان قوم کے ○

اللہ تعالیٰ نے جناب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی قوم کو فرعون اور اس کی قوم کی غلامی سے نجات دلا کر

ان پر احسان فرمایا چنانچہ موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام اور ان کی قوم نے اپنے وطن بیت المقدس واپس جانے کا قصد کیا اور وہ بیت المقدس کے قریب پہنچ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر دشمن کے خلاف جہاد فرض کر دیا تاکہ وہ ان سے اپنے علاقے خالی کروائیں۔ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو وعظ و تذکیر کی تاکہ وہ جہاد کے عزم پر قائم رہیں۔

حضرت موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام نے فرمایا: ﴿أَذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ﴾ ”تم پر اللہ نے جو احسان کیے ہیں انہیں یاد کرو۔“ یعنی اپنے دل اور زبان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ذکر اس کی محبت کا باعث بنتا ہے اور عبادت کے لئے نشاط پیدا کرتا ہے ﴿إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنْبِيَاءَ﴾ ”جب پیدا کئے اس نے تمہارے اندر نبی“ جو تمہیں ہدایت کی طرف بلا تے ہیں اور تمہیں ہلاکت سے ڈراتے ہیں اور تمہیں ابدی سعادت کے حصول پر آمادہ کرتے ہیں اور تمہیں وہ کچھ سکھاتے ہیں جو تم نہیں جانتے ﴿وَجَعَلَكُمْ مَلُوكًا﴾ ”اور تم کو بادشاہ بنایا“ تم اپنے معاملات کے خود مالک تھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں دشمن کی غلامی سے نجات دلائی اور تم اپنے معاملات کے خود مالک بن گئے اور تمہارے لئے اپنے دین کو قائم کرنا ممکن ہو گیا۔

﴿وَأَنْتُمْ كُوفِرْتُمْ﴾ ”اور تم کو عنایت کیا۔“ یعنی تمہیں دینی اور دنیاوی نعمتیں عطا کیں ﴿مَا لَمْ يُؤْتِ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ﴾ ”جو اس نے جہانوں میں سے کسی کو نہیں دیں“ کیونکہ وہ اس زمانے میں منتخب قوم تھی اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے زیادہ باعزت تھی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو وہ نعمتیں عطا کیں جو کسی اور کو عطا نہیں کیں اللہ تعالیٰ نے ان کو وہ نعمتیں یاد دلائیں جو ایمان اس کے ثبات جہاد پر ان کی ثابت قدمی اور جہاد کے لئے آگے بڑھنے کی موجب ہیں۔ بنا بریں فرمایا: ﴿يَقُومُوا فِي الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ﴾ ”اے میری قوم! ارض مقدسہ میں داخل ہو جاؤ“ یعنی سرزمین پاک میں ﴿الَّتِي كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ﴾ ”جو اللہ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے“ اللہ تعالیٰ نے ایسی خبر سے آگاہ فرمایا کہ اگر وہ مومن اور اللہ تعالیٰ کی خبر کی تصدیق کرنے والے ہوتے تو یقیناً ان کے دل اس خبر سے مطمئن ہو جاتے کہ اللہ تعالیٰ نے ارض مقدسہ میں ان کا داخل ہونا اور اپنے دشمن پر فتح حاصل کرنا لکھ دیا ہے ﴿وَلَا تَرْتَدُّوا عَلَىٰ أَدْبَارِكُمْ﴾ ”اور نہ لوٹو اپنی پیٹھوں کی طرف“ یعنی واپس نہ لوٹو ﴿فَتَنْقَلِبُوا خِيسِرِينَ﴾ ”پھر جا پڑو گے نقصان میں“ یعنی اپنے دشمنوں پر غلبہ حاصل نہ کر سکنے اور اپنے شہروں کو فتح نہ کر سکنے کی وجہ سے تم دنیا میں بھی گھاٹے میں رہو گے اور آخرت میں بھی اپنی نافرمانی کی وجہ سے ثواب سے محروم اور عذاب کے مستحق ہو کر خسارے میں رہو گے۔

انہوں نے (اس کے جواب میں) موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَام کو ایک ایسا جواب دیا جو ان کے ضعف قلب، ضعف جسم اور اللہ اور اس کے رسول کے حکم کے بارے میں عدم اہتمام پر دلالت کرتا ہے ﴿يَمُوسَىٰ إِنَّ فِيهَا قَوْمًا جَبَّارِينَ﴾ ”اے موسیٰ! اس میں ایک زبردست قوم ہے“ یعنی بہت طاقتور اور بہادر لوگ ہیں یعنی اس لئے وہ اس ملک میں

ہمارے داخل ہونے سے موانع میں سے ہیں ﴿ وَإِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا حَتَّىٰ يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِن يَخْرُجُوا مِنْهَا فَإِنَّا دَاخِلُونَ ﴾ ”اور ہم اس میں ہرگز داخل نہیں ہوں گے یہاں تک کہ وہ اس میں سے نکل جائیں۔ پس اگر وہ اس میں سے نکل جائیں، تو ہم اس میں داخل ہو جائیں گے“ اور ان کا یہ قول ان کی بزدلی اور قلت یقین پر دلالت کرتا ہے۔ ورنہ اگر وہ عقلمند ہوتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ وہ بھی سب کے سب آدم کی اولاد ہیں اور طاقتور وہ ہوتا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنی اعانت سے نواز دے، کیونکہ اللہ کی اعانت و توفیق کے بغیر کسی کے پاس کوئی قوت و اختیار نہیں، نیز انہیں یہ بھی معلوم ہوتا کہ ان کو ضرور فتح و نصرت سے نوازا جائے گا، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے ساتھ فتح و نصرت کا خاص وعدہ کر رکھا ہے۔

﴿ قَالَ رَجُلٌ مِّنَ الَّذِينَ يَخَافُونَ ﴾ ”دو آدمیوں نے کہا جو ڈرنے والوں میں سے تھے، یعنی جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے تھے انہوں نے اپنی قوم کا دل بڑھاتے ہوئے ان کو دشمن کے خلاف جنگ کرنے اور ان کے علاقوں میں اترنے پر آمادہ کرنے کے لئے کہا ﴿ اَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا ﴾ ”جن پر اللہ نے انعام کیا تھا“ جنہیں اللہ تعالیٰ نے توفیق اور اس قسم کے مواقع پر کلمہ حق کہنے کی جرأت سے نوازا تھا اور انہیں صبر و یقین کی نعمت عطا کی تھی۔ ﴿ اَدْخُلُوا عَلَيْهِمُ الْبَابَ فَإِذَا دَخَلْتُمُوهُ فَانكَبُوا عَلَیْكُمْ غَلِبُونَ ﴾ ”تم دروازے میں داخل ہو جاؤ، جب تم اس میں داخل ہو جاؤ گے تو تم غالب ہو گے، یعنی تمہارے اور تمہاری فتح کے درمیان کوئی چیز حائل نہیں، سوائے اس کے کہ تم ان پر حملے کا پختہ عزم کر لو اور شہر کے دروازے میں گھس جاؤ، پس جب تم اس میں گھس جاؤ گے تو وہ ہزیمت اٹھا کر بھاگ جائیں گے، پھر ان کو اس تیاری کا حکم دیا جو سب سے بڑی تیاری ہے، چنانچہ فرمایا: ﴿ وَعَلَى اللَّهِ فَتَوَكَّلُوا إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴾ ”اور اللہ ہی پر تم بھروسہ کرو، اگر تم مومن ہو“ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ پر توکل میں، خصوصاً ایسے مواقع پر، معاملے میں آسانی اور دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی ہے اور یہ آیت کریمہ توکل کے وجوب پر دلالت کرتی ہے، نیز یہ کہ توکل بندہ مومن کے ایمان کی مقدار کے مطابق ہوتا ہے۔

مگر ان کو کسی کلام نے فائدہ دیا نہ کسی ملامت نے اور انہوں نے ذلیل ترین لوگوں کی سی بات کہی: ﴿ يٰمُوسَىٰ إِنَّا لَن نَّدْخُلَهَا أَبَدًا مَّا دَامُوا فِيهَا فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَاهُنَا قَاعِدُونَ ﴾ ”اے موسیٰ! جب تک وہ اس میں ہیں، ہم کبھی اس میں داخل نہ ہوں گے، پس تو جا اور تیرا رب اور تم دونوں لڑو، ہم یہاں بیٹھے ہیں“ اس مشکل صورت حال میں اپنے نبی کے سامنے ان کا یہ قول کتنا فحیح ہے جبکہ ضرورت اور حاجت تو اس بات کی متقاضی تھی کہ وہ عزت نفس کا خیال کرتے ہوئے اپنے نبی کی مدد کرتے۔ ان کے اس قول سے اور اس جیسے دیگر اقوال سے محمد مصطفیٰ ﷺ کی امت اور دوسری امتوں کے درمیان تفاوت واضح ہو جاتا ہے۔ بدر کے موقع پر جب رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کیا جبکہ آپ ﷺ نے ابھی ان کو کوئی حتمی حکم نہیں دیا تھا، تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کی ”یا رسول اللہ! اگر آپ ہمیں لے کر سمندر میں بھی کود جائیں تو

ہم آپ کے ساتھ ہیں اگر آپ ہمیں لے کر زمین کے آخری سرے تک پہنچ جائیں تو بھی کوئی پیچھے نہیں رہے گا اور ہم وہ بات بھی نہیں کہیں گے جو جناب موسیٰ کی قوم نے ان سے کہی تھی: ﴿فَاذْهَبْ أَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا إِنَّا هَهُنَا قَاعِدُونَ﴾ ”جائے آپ اور آپ کا رب دونوں لڑائی کریں ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔۔۔ بلکہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ آپ اور آپ کا رب جائیں لڑائی کریں ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر (آپ کے دشمنوں کے خلاف) جنگ کریں گے ہم آپ کے آگے آپ کے پیچھے آپ کے دائیں اور آپ کے بائیں طرف سے آپ کے دفاع میں جنگ لڑیں گے۔“^①

جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کی سرکشی دیکھی تو اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: ﴿قَالَ رَبِّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي﴾ ”اے میرے رب! میرے اختیار میں تو میری جان اور میرا بھائی ہے“ یعنی لڑائی کے بارے میں ہمیں ان پر کوئی اختیار نہیں۔ اور میں ان پر کوئی جبر نہیں کر سکتا ﴿فَأَفَرُّوْا بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ﴾ ”پس جدائی کر دے ہم میں اور اس نافرمان قوم میں“ یعنی ہمارے اور ان کے درمیان فیصلہ فرما دے بایں طور اپنی حکمت کے تقاضے کے مطابق ان پر عذاب نازل فرما۔ یہ بات دلالت کرتی ہے کہ ان کا قول و فعل کبیرہ گناہوں میں سے تھا جو فسق کے موجب ہوتے ہیں۔ ﴿قَالَ﴾ اللہ تبارک و تعالیٰ نے موسیٰ عَلَیْهِ السَّلَامُ کی دعا قبول کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ أَرْبَعِينَ سَنَةً يَتِيَهُونَ فِي الْأَرْضِ﴾ ”وہ ملک ان پر چالیس برس تک کے لیے حرام کر دیا گیا ہے اور وہ زمین میں سرگرداں پھرتے رہیں گے۔“ یعنی ان کی سزا یہ ہے کہ اس بستی میں جو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے لکھ دی ہے داخل ہونا چالیس برس تک ان پر حرام کر دیا گیا، نیز وہ اس مدت کے دوران زمین میں مارے مارے اور سرگرداں پھرتے رہیں گے۔ وہ کسی طرف جانے کی راہ پائیں گے نہ کسی جگہ اطمینان سے ٹھہر سکیں گے۔ یہ دنیوی سزا تھی۔ شاید اس سزا کو اللہ تعالیٰ نے ان کے گناہوں کا کفارہ بنا دیا اور ان سے وہ سزا دور کر دی جو اس سے بڑی سزا تھی۔ اس آیت کریمہ سے استدلال کیا جاتا ہے کہ گناہ کی سزا کبھی کبھی یہ بھی ہوتی ہے کہ موجودہ نعمت زائل ہو جاتی ہے یا کسی عذاب کو ٹال دیا جاتا ہے جس کے وجود کا سبب مہیا ہو، یا اس کو کسی دوسرے وقت کے لئے مؤخر کر دیا جاتا ہے۔

چالیس سال کی مدت مقرر کرنے میں شاید حکمت یہ ہے کہ اس مدت کے دوران میں یہ بات کہنے والے اکثر لوگ مر چکے ہوں گے جو صبر و ثبات سے محروم تھے بلکہ ان کے دل دشمن کی غلامی سے مالوف ہو گئے تھے بلکہ وہ ان بلند ارادوں ہی سے محروم تھے جو انہیں بلند یوں پر فائز کرتے تاکہ اس دوران نئی نسل کی عقل اور شعور تربیت پا

لے پھر وہ دشمنوں پر غلبہ حاصل کرنے، غلامی سے آزاد ہونے اور اس ذلت سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کریں جو سعادت سے مانع ہوتی ہے۔ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کو معلوم تھا کہ اس کا بندہ موسیٰ مخلوق پر بے حد رحیم ہے خاص طور پر اپنی قوم پر۔ بسا اوقات ان کے لئے ان کا دل بہت نرم پڑ جاتا تھا، ان کی یہ شفقت اس سزا پر ان کو مغموم کر دیتی یا اس مصیبت کے زائل ہونے کی دعا کرنے پر آمادہ کر دیتی۔ اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حتیٰ طور پر فرمایا: ﴿فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ﴾ ”پس تو ان نافرمان لوگوں کے حال پر افسوس نہ کر۔“ یعنی ان پر افسوس کرنے ان کے بارے غمزدہ ہو۔ یقیناً انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا ہے اور ان کی نافرمانی اسی سزا کا تقاضا کرتی تھی جو انہیں ملی ہے۔ یہ سزا ہماری طرف سے ظلم نہیں ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَىٰ آدَمَ بِالْحَقِّ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقْبِلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ

اور تلاوت کریں آپ ان پر خیر آدم کے دو بیٹوں کی ساتھ حق کے جب دونوں نے قربانی کی (ایک ایک قربانی تو مقبول ہوئی ان میں سے ایک کی اور نہ

يُتَقَبَّلُ مِنَ الْآخِرِ ط قَالَ لَا قُتِلْنَا لَقَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿٢٥﴾

مقبول ہوئی دوسرے کی اس نے کہا میں ضرور تجھے قتل کر دوں گا (پہلے نے) کہا بس قبول کرتا ہے اللہ پر ہیزگاروں ہی سے ○

لَبِنَ بَسَطَتْ إِلَىٰ يَدِكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسِطٍ يَدِيَ إِلَيْكَ لِأَقْتُلَكَ

البتہ اگر دراز کرے گا تو میری طرف اپنا ہاتھ تاکہ قتل کرے تو مجھے تو میں نہیں دراز کروں گا اپنا ہاتھ تیری طرف تاکہ قتل کروں میں تجھے

إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ﴿٢٦﴾ إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبُوءَ بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ فَتَكُونَ

پیشک میں ڈرتا ہوں اللہ رب العالمین سے ○ پیشک میں ارادہ کرتا ہوں کہ لوٹے تو ساتھ میرے گناہ اور اپنے گناہ کے پس ہو جائے تو

مِنَ أَصْحَابِ النَّارِ وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ﴿٢٧﴾ فَطَوَّعَتْ لَهُ نَفْسُهُ قَتْلَ

دوزخیوں سے اور یہی بدلہ ہے ظالموں کا ○ پس آسان کر دیا اس کے لیے اس کے نفس نے قتل کرنے کو

أَخِيهِ فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٢٨﴾ فَبَعَثَ اللَّهُ غُرَابًا يَبْحَثُ

اپنے بھائی کے تو اس نے قتل کر دیا اسے اور ہو گیا وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ○ پھر بھیجا اللہ نے ایک کوا وہ کھودتا تھا

فِي الْأَرْضِ لِيُرِيَهُ كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ ط قَالَ يُوِيلْتِي أَعَجَزْتُ أَنْ

زمین کو تاکہ دکھائے وہ اسے کہ کیسے چھپائے وہ لاش اپنے بھائی کی اس نے کہا ہائے افسوس! کیا میں عاجز ہوں اس سے بھی کہ

أَكُونَ مِثْلَ هَذَا الْغُرَابِ فَأُوَارِي سَوْءَةَ أَخِي ط فَأَصْبَحَ مِنَ النَّادِمِينَ ﴿٢٩﴾

ہوں مثل اس کوے کی کہ چھپا دیتا لاش اپنے بھائی کی پس ہو گیا وہ پچھتانے والوں میں سے ○

یعنی لوگوں کے سامنے قصہ بیان کر اور ان کو اس جھگڑے کے بارے میں بتا جو آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں کے

درمیان ہوا تھا۔ یہ اس طرح تلاوت کرے کہ اصحاب اعتبار اسے جھوٹا نہیں بلکہ سچا اور اسے کھیل تماشا نہیں بلکہ

ایک انتہائی سنجیدہ واقعہ گردانیں۔ اور ظاہر بات یہ ہے کہ آدم کے ”دو بیٹوں“ سے مراد صلیبی بیٹے ہیں، جیسا کہ آیت کریمہ کا ظاہر اور اس کا سیاق اس پر دلالت کرتا ہے اور یہی جمہور مفسرین کا قول ہے۔

یعنی ان دونوں بیٹوں کا قصہ بیان کر جبکہ انہوں نے تقرب کے لئے قربانی کی جس نے انہیں ذکر کردہ حالت تک پہنچایا۔ ﴿ **إِذْ قَرَّبْنَا قُرْبَانًا** ﴾ ”جب ان دونوں نے قربانی پیش کی۔“ یعنی دونوں میں سے ہر ایک نے اپنے مال میں سے اللہ تعالیٰ کے تقرب کی خاطر کچھ قربانی پیش کی ﴿ **مَقْبَلٍ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَلْ مِنَ الْآخَرِ** ﴾ ”پس ان میں سے ایک کی قربانی قبول ہو گئی اور دوسرے کی نامقبول“ ان میں سے جس کی قربانی قبول نہ ہوئی اسے آسمان سے کسی خبر کے ذریعے سے معلوم ہوا یا سابقہ امتوں میں عادت الہی کے مطابق قربانی کے قبول ہونے کی علامت یہ تھی کہ آسمان سے آگ نازل ہو کر قربانی کو جلا ڈالتی تھی۔

﴿ **قَالَ** ﴾ وہ بیٹا جس کی قربانی قبول نہ ہوئی تھی حسد اور تعدی کی بنا پر دوسرے بیٹے سے بولا: ﴿ **لَا قُتِلَاكَ** ﴾ ”میں تجھے قتل کر کے رہوں گا۔“ دوسرے بیٹے نے نہایت نرمی سے اس سے کہا: ﴿ **إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ** ﴾ ”اللہ صرف متقیوں کی قربانی قبول فرماتا ہے“ اس میں میرا کون سا گناہ اور کون سا جرم ہے جو تجھ پر میرے قتل کو واجب کرتا ہے۔ سوائے اس کے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں جس سے ڈرنا مجھ پر تجھ پر اور ہر ایک پر فرض ہے۔ اس آیت کریمہ میں ”متقین“ کی تفسیر میں صحیح ترین قول یہ ہے کہ یہاں اس سے مراد ہے عمل میں اللہ تعالیٰ کی خاطر تقویٰ اختیار کرنے والے یعنی ان کا عمل خالص اللہ تعالیٰ کے لئے اور رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں ہو۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے خبر دیتے ہوئے بیان فرمایا کہ دوسرا بیٹا اسے قتل کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تھا نہ ابتدا میں اور نہ اپنی مدافعت میں، اس لئے اس نے کہا: ﴿ **لَئِنْ بَسَطْتَ إِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِي مَا أَنَا بِبَاسٍ بِإِيْدِي إِيَّاكَ** ﴾ ”اگر تو ہاتھ چلائے گا مجھ پر، تاکہ تو مجھے مارے تو میں اپنا ہاتھ تیری طرف نہیں چلاؤں گا کہ تجھے ماروں“ اور میرا یہ رویہ میری بزدلی یا میرے عجز کی وجہ سے نہیں یہ تو صرف اس وجہ سے ہے کہ ﴿ **إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ** ﴾ ”میں اللہ رب العالمین سے ڈرتا ہوں“ اور اللہ تعالیٰ سے ڈرنے والا گناہ کا اقدام نہیں کر سکتا، خاص طور پر کبیرہ گناہ کا۔

اس آیت کریمہ میں اس شخص کے لئے سخت تخویف ہے جو قتل کا ارادہ کرتا ہے اور تیرے لئے مناسب یہی ہے کہ تو اللہ کا تقویٰ اختیار کرے اور اس سے ڈرے ﴿ **إِنِّي أُرِيدُ أَنْ تَبْوَءَا** ﴾ ”میں چاہتا ہوں کہ تو لوٹے۔“ ﴿ **بِإِثْمِي وَإِثْمِكَ** ﴾ ”میرے اور اپنے گناہ کے ساتھ“ یعنی جب معاملے کا دار و مدار دو امور پر ہے، ایک یہ کہ میں قاتل بنوں (دوسرا یہ کہ) تو مجھے قتل کرے۔ تو میں اس بات کو ترجیح دوں گا کہ تو مجھے قتل کرے تاکہ تو دونوں کے گناہوں کا بوجھ اٹھا کر واپس لوٹے ﴿ **فَتَكُونُ مِنَ أَصْحَابِ النَّارِ** ﴾ وَ ذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ ﴿ ”پھر ہو جائے تو

دوزخیوں میں سے اور یہی سزا ہے ظالموں کی۔“

یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ قتل کا ارتکاب کبیرہ گناہ ہے اور یہ جہنم میں داخل ہونے کا موجب ہے۔ وہ مجرم اس جرم سے پیچھے ہٹا نہ گھبرایا اور قتل کے عزم جازم پر قائم رہا حتیٰ کہ اس کے نفس نے اس کے بھائی کے قتل کی ترغیب دی جس کے احترام کا تقاضا شریعت اور فطرت دونوں کرتے ہیں ﴿فَقَتَلَهُ فَأَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ﴾ ”پس اس نے اسے قتل کر دیا اور وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو گیا“ یعنی وہ دنیا و آخرت میں خسارہ پانے والوں میں شامل ہو گیا اور اس نے ہر قاتل کے لئے ایک سنت رائج کر دی۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”جس کسی نے کوئی بری سنت رائج کی تو اس پر اس برائی کے گناہ کا بوجھ اور ان لوگوں کے گناہوں کا بوجھ بھی پڑے گا جو قیامت تک اس بری سنت پر عمل کریں گے“^① بنا بریں ایک صحیح حدیث میں وارد ہے ”دنیا میں جو بھی قتل کرتا ہے تو اس خون کے گناہ کا کچھ حصہ آدم کے پہلے بیٹے کے حصہ میں بھی جاتا ہے کیونکہ وہ پہلا شخص ہے جس نے قتل کے جرم کی ابتدا کی“^②

جب اس نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا تو اس کی سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کرے کیونکہ آدم کے بیٹوں میں وہ پہلا شخص تھا جو مرتا تھا ﴿فَبَعَثَ اللَّهُ غَدَابًا يَّبْحَثُ فِي الْأَرْضِ﴾ ”تو اللہ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کو ریدتا تھا“ یعنی وہ زمین کھودتا تھا تاکہ دوسرے مردہ کو کھودنے کرے ﴿لِيُرِيَهُ﴾ ”تاکہ اسے دکھائے“ یعنی وہ اس کے ذریعے سے آدم کے قاتل بیٹے کو دکھائے ﴿كَيْفَ يُوَارِي سَوْءَةَ أَخِيهِ﴾ ”کہ وہ اپنے بھائی کے بدن کو کیسے چھپائے۔“ کیونکہ میت کا بدن بھی ستر ہوتا ہے ﴿فَأَصْبَحَ مِنَ النَّدَامِيْنَ﴾ ”پس وہ نادام ہونے والوں میں سے ہو گیا“ اسی طرح تمام گناہوں کا انجام ندامت اور خسارہ ہے۔

مِنْ أَجْلِ ذَلِكَ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنَّهُ مَنْ قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ
 اسی وجہ سے لکھا (فرض کر دیا) ہم نے بنی اسرائیل پر کہ جو کوئی قتل کرے کسی جان کو بغیر عوض
 نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا وَمَنْ أَحْيَاهَا
 جان کے یا بغیر فساد کے زمین میں تو گویا اس نے قتل کر دیا لوگوں کو سب کو اور جو بچائے کسی ایک جان کو
 فَكَأَنَّمَا أَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا
 تو گویا اس نے بچایا لوگوں کو سب کو اور البتہ تحقیق آئے انکے پاس ہمارے رسول ساتھ واضح دلائل کے پھر بیشک بہت سے لوگ
 مِنْهُمْ بَعْدَ ذَلِكَ فِي الْأَرْضِ لَكُسْرُفُونَ^③

ان میں سے بعد اس کے زمین میں حد سے نکل جانے والے ہیں ○

① صحیح مسلم، الزکاة، باب الحث علی الصدقة..... الخ، حدیث: ۱۰۱۷

② جامع الترمذی، العلم، باب ما جاء أن الدال علی الخیر کفاعله، حدیث: ۲۶۷۳

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ مِنْ أَجْلِ ذَٰلِكَ ﴾ ”اسی سبب سے“ یعنی آدم کے بیٹوں کے اس واقعہ کے بعد جس کا ہم نے ذکر کیا ہے جس میں ان میں سے ایک نے اپنے بھائی کو قتل کر دیا اور اپنے ما بعد قتل کا طریقہ جاری کر دیا اور یہ کہ قتل کا انجام دنیا و آخرت میں انتہائی مضر اور خسارے والا ہے ﴿ كَتَبْنَا عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴾ ”ہم نے بنی اسرائیل پر لکھ دیا“ یعنی ان لوگوں پر جنہیں کتب سماویہ سے نوازا گیا ﴿ أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفْسًا بِغَيْرِ نَفْسٍ أَوْ فَسَادٍ فِي الْأَرْضِ ﴾ ”جس نے کسی جان کو بغیر جان کے یا بغیر فساد کرنے کے قتل کر دیا“ یعنی ناحق ﴿ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا ﴾ ”گویا کہ اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا۔“ کیونکہ اس کے پاس کوئی داعیہ نہیں جو اسے تینین پر آمادہ کرتا اور قتل ناحق کے اقدام سے روکتا۔ پس جب اس نے اس جان کو قتل کرنے کی جسارت کی جو قتل ہونے کی مستحق نہ تھی تب معلوم ہوا کہ اس مقتول ناحق اور دیگر مقتولین کے درمیان کوئی فرق نہیں۔ یہ تو نفس امارہ کے داعیہ کے مطابق ہے۔ پس اس کا اس نفس کو قتل کرنے کی جسارت کرنا تمام نفوس انسانی کو قتل کرنے کے مترادف ہے۔ اسی طرح جس نے کسی نفس انسانی کو زندگی بخشی یعنی نفس امارہ کے داعیہ کے باوجود کسی نفس کو باقی رکھا اور اسے قتل نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ کے خوف نے اسے قتل ناحق سے روک دیا تو اس نے گویا تمام انسانوں کو زندگی بخش دی۔ کیونکہ اس کے ہمراہ جو خوف الہی ہے وہ اسے ایسے نفس کے قتل سے روکتا ہے جو قتل کا مستحق نہیں۔

یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ دو امور کی بنا پر قتل جائز ہے۔

(۱) اگر کسی نے جان بوجھ کر ناحق قتل کیا ہو اگر قاتل مکلف اور بدلہ لئے جانے کے قابل ہو وہ مقتول کا باپ نہ ہو تو اسے (قصاص میں) قتل کرنا جائز ہے۔

(۲) وہ لوگ جو لوگوں کے دین، جان اور اموال کو ہلاک کر کے زمین میں فساد برپا کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں، مثلاً مرتدین، اہل کفر، محاربین اور بدعات کی طرف دعوت دینے والے وہ لوگ جن کو قتل کئے بغیر ان کے شر و فساد کا سدباب نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح وہ راہزن وغیرہ ہیں جو لوگوں کا مال لوٹنے یا ان کو قتل کرنے کے لئے شاہراہوں میں لوگوں پر حملہ کر دیتے ہیں۔

فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ جَاءَهُمْ رَسُولُنَا بِالْبَيِّنَاتِ ﴾ ”ان کے پاس ہمارے رسول دلائل لے کر آئے“ ان دلائل نے کسی کے پاس کوئی حجت باقی نہیں رہنے دی ﴿ ثُمَّ إِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ ﴾ ”پھر بھی ان میں سے بہت سے لوگ۔“ یعنی لوگوں میں سے ﴿ بَعْدَ ذَٰلِكَ ﴾ ”اس کے بعد“ یعنی حجت کی کاٹ کرنے والے اس بیان کے بعد جو کہ زمین میں راست روی اور استقامت کا موجب ہوتا ہے ﴿ كَسْرُ فُؤَادٍ ﴾ ”حد اعتدال سے نکل جاتے ہیں۔“ گناہوں کے اعمال اور انبیاء و رسل کی مخالفت میں جو کہ واضح دلائل اور براہین کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں حد سے بڑھنے والے ہیں۔

إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا
 يَفْتِنُوا بَدَلَهُ ان لوگوں کا جو لڑتے ہیں اللہ اور اس کے رسول سے اور کوشش کرتے ہیں زمین میں فساد کرنے کی (یہی ہے)
 أَنْ يُقْتَلُوا أَوْ يُصَلَّبُوا أَوْ تُقَطَّعَ أَيْدِيهِمْ وَأَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ أَوْ يُنْفَوْا
 کہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی دیئے جائیں یا کاٹ دیئے جائیں انکے ہاتھ اور انکے پاؤں مخالف جانب سے یا نکال دیئے جائیں
 مِنَ الْأَرْضِ ذَلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ
 اس علاقے سے یہ ان کے لیے ذلت ہے دنیا میں اور ان کے لیے آخرت میں عذاب ہے
 عَظِيمٌ ۝ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ فَاعْلَمُوا
 بہت بڑا ۝ مگر وہ لوگ کہ توبہ کر لی انہوں نے پہلے اس کے کہ قابو پاؤ تم ان پر تو جان لو
 أَنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَحِيمٌ ۝
 بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے ۝

اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ محاربت کے مرتکب وہ لوگ ہیں جو اس کے ساتھ عداوت ظاہر کرتے
 ہیں اور قتل و غارت، کفر، لوٹ مار اور شاہراہوں کو غیر محفوظ بنانے کا ارتکاب کرتے ہیں۔

مشہور یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ ان راہزنوں اور ڈاکوؤں کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو بستیاں اور دیہات
 میں لوگوں پر حملے کر کے ان کا مال لوٹتے ہیں، ان کو قتل کرتے ہیں اور دہشت پھیلاتے ہیں۔ بنا بریں لوگ ان
 شاہراہوں پر سفر کرنا بند کر دیتے ہیں پس اس وجہ سے راستے منقطع ہو جاتے ہیں، تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے بیان
 فرمایا کہ حد نافذ کرتے وقت ان لوگوں کی سزا ان سزاؤں میں سے ایک ہے جو اس آیت کریمہ میں مذکور ہیں۔
 اصحاب تفسیر میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا ان سزاؤں میں اختیار ہے اور امام یا اس کا نائب ہر راہزن کو
 اپنی صواب دید اور مصلحت کے مطابق ان مذکورہ سزاؤں میں سے کوئی سزا دے سکتا ہے۔ آیت کریمہ کے الفاظ
 سے یہی ظاہر ہوتا ہے یا ان کی سزا ان کے جرم کے مطابق دی جائے گی اور ہر جرم کے مقابلے میں ایک سزا ہے
 جیسا کہ آیت کریمہ اس پر دلالت کرتی ہے اور اس آیت کریمہ کا حکم اللہ تعالیٰ کی حکمت کے مطابق ہے، یعنی اگر
 وہ قتل اور لوٹ مار کا ارتکاب کریں تو ان کو قتل کرنے اور سولی دینے کی سزا حتمی ہے۔ یہاں تک کہ ان کا سولی دیا جانا
 مشہور ہو جائے اور دوسرے لوگ لوٹ مار اور راہزنی سے باز آجائیں۔ اگر وہ لوگوں کو قتل کریں اور مال نہ لوٹیں تو
 ان کو صرف قتل کیا جائے۔ اگر وہ صرف مال لوٹیں اور لوگوں کو قتل کرنے سے باز رہیں تو مخالف سمت سے ان کے
 ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں یعنی دایاں ہاتھ اور بائیں پاؤں کاٹ دیا جائے۔ اگر صرف لوگوں کو خوفزدہ کرنے اور
 دہشت پھیلانے کے مرتکب ہوئے ہوں اور انہوں نے کسی کا مال لوٹا ہونہ کسی کو قتل کیا ہو تو ان کو جلا وطن کیا جائے گا

اور ان کو کسی شہر میں پناہ نہیں لینے دی جائے گی یہاں تک کہ وہ توبہ کر لیں۔ یہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے اور بعض تفصیل میں اختلاف کے باوجود بہت سے ائمہ نے اس قول کو اختیار کیا ہے۔

﴿ذَلِكَ﴾ یہ سزا ﴿لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا﴾ ”ان کے لئے دنیا میں فضیحت اور عار ہے“ ﴿وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ ”اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔“ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ راہزنی بڑے گناہوں میں شمار ہوتی ہے جو دنیا و آخرت کی رسوائی اور فضیحت کی موجب ہے اور راہزنی کا مرتکب اللہ اور اس کے رسول کے خلاف جنگ کرتا ہے۔ جب یہ جرم اتنا بڑا ہے تو معلوم ہوا کہ مفسدین سے روئے زمین کی تطہیر کرنا، شاہراہوں کو قتل و عارت مار اور خوف و دہشت سے محفوظ کرنا، سب سے بڑی بھلائی اور سب سے بڑی نیکی ہے، نیز یہ زمین کے اندر اصلاح ہے جیسا کہ اس کی ضد فساد فی الارض ہے۔

﴿إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَقْدِرُوا عَلَيْهِمْ﴾ ”ہاں جن لوگوں نے اس سے پیشتر کہ تمہارے قابو آ جائیں، توبہ کر لی۔“ یعنی ان محاربین میں سے جو لوگ توبہ کر لیں پہلے اس کے کہ تم ان پر قابو پاؤ۔ ﴿فَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَفُوٌّ رَحِيمٌ﴾ ”تو جان لو کہ اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے“ یعنی اس سے جرم اور گناہ ساقط ہو جائے گا جو اللہ تعالیٰ کے حقوق کے ضمن میں تھا، یعنی قتل، سولی، ہاتھ پاؤں کاٹنا اور جلا وطنی وغیرہ سزائیں معاف ہو جائیں گی۔ اگر محارب کافر تھا اور اس نے گرفتار ہونے سے پہلے اسلام قبول کر لیا تو آدمی کا حق بھی ساقط ہو جائے گا۔ اگر محارب مسلمان ہے تو لوٹ مار اور قتل و عارت وغیرہ انسانی حقوق ساقط نہیں ہوں گے۔ آیت کریمہ کا مفہوم دلالت کرتا ہے کہ محارب پر قابو پالینے کے بعد اس کی توبہ معتبر نہیں، اس سے کوئی سزا ساقط نہیں ہوگی۔ اس میں جو حکمت ہے وہ واضح ہے۔ اور جب قابو پانے سے پہلے کی ہوئی توبہ محاربت کی حد کے نفاذ سے مانع ہے تو قابو پانے سے پہلے دیگر جرائم سے توبہ کا ان جرائم کی حدود کے نفاذ سے مانع ہونا زیادہ اولیٰ ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ وَجَاهِدُوا

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! ڈرو اللہ سے اور تلاش کرو اس کی طرف ذریعہ قرب اور جہاد کرو

فِي سَبِيلِهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٣٥﴾

اس کی راہ میں تاکہ تم فلاح پاؤ

اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ ایمان کے تقاضے کے مطابق تقویٰ اختیار کریں اور اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے غضب سے بچیں اور وہ اس طرح کہ بندہ مومن مقدر بھران امور سے اجتناب کرے جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا باعث بنتے ہیں قلب زبان اور جوارح کے ظاہری اور باطنی گناہوں سے بچے اور ان گناہوں سے بچنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے تاکہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے عذاب سے نجات حاصل کر سکے۔

﴿وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ﴾ ”اور ڈھونڈو اس کی طرف وسیلہ“ یعنی اللہ تعالیٰ کا قرب اس کے پاس مرتبہ اور اس کی محبت طلب کرو۔ یہ چیز فرائض قلبی مثلاً محبت الہی، اس کے خوف، اس پر امید، اس کی طرف انابت اور اس پر توکل، فرائض بدنی مثلاً زکوٰۃ اور حج وغیرہ اور قلب و بدن سے مرکب فرائض مثلاً نماز، ذکر اور تلاوت اور لوگوں سے اپنے اخلاق، مال، علم، جاہ اور بدن کے ذریعے سے بھلائی سے پیش آنے اور ان کی خیر خواہی کرنے سے حاصل ہوتی ہے۔ پس یہ تمام اعمال تقرب الہی کا ذریعہ ہیں۔ بندہ اعمال کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے جب اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرنے لگتا ہے تو اللہ اس کے کان بن جاتا ہے جن کے ذریعے سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھ بن جاتا ہے جس کے ذریعے سے وہ دیکھتا ہے، اس کا ہاتھ بن جاتا ہے جس کے ذریعے سے وہ پکڑتا ہے، اس کے پاؤں بن جاتا ہے جس کے ذریعے سے وہ چلتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس کی دعائیں قبول کرتا ہے۔^①

پھر اللہ کے قریب کرنے والی عبادات میں سے جہاد فی سبیل اللہ کا خصوصی طور پر بیان کیا اور یہ جہاد نام ہے کافروں کے ساتھ لڑائی میں اپنی پوری طاقت صرف کرنے کا، مال، جان، رائے، زبان کے ذریعے سے اور اللہ کے دین کی مدد میں اپنی مقدور بھرسچی و کوشش کرنے کا۔ اس لئے کہ عبادت کی یہ قسم تمام طاعات میں سب سے زیادہ جلیل القدر اور قربات میں سب سے افضل ہے نیز یہ کہ جو اس کی ادائیگی کا اہتمام کر لیتا ہے وہ دیگر فرائض و عبادات بہ طریق اولیٰ بجالاتا ہے۔ ﴿لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ﴾ ”تا کہ تم فلاح پاؤ۔“ اگر تم نے گناہوں کو ترک کر کے تقویٰ اختیار کیا، نیکیوں کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے تقرب کا وسیلہ تلاش کر لیا اور اس کی رضا کی خاطر اس کے راستے میں جہاد کیا تو امید کی جاسکتی ہے کہ تم فلاح پا لو گے۔ فلاح اپنے ہر مطلوب و مرغوب کے حصول میں کامیابی اور مرہوب سے نجات کا نام ہے۔ پس اس کی حقیقت ابدی سعادت اور دائمی نعمت ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَيَفْتَدُوا

بِشَكَ وَهَلُوكَ جَنَّهُونَ لَوْ كَفَرُوا كَمَا كَفَرُوا لَوْ أَنَّ لَهُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا وَمِثْلَهُ مَعَهُ لَيَفْتَدُوا

بِهِ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَا تُقْبَلُ مِنْهُمْ ۗ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٣٥﴾ يُرِيدُونَ

اس کو عذاب کے روز قیامت کے تو نہیں قبول کیا جائے گا ان سے اور ان کیلئے عذاب ہے بہت دردناک ○ وہ ارادہ کریں گے

أَنْ يَخْرُجُوا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنْهَا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿٣٦﴾

کہ نکل جائیں آگ سے اور نہیں ہوں گے نکلنے والے اس سے اور ان کے لیے عذاب ہے ہمیشہ رہنے والا ○

① مطلب یہ ہے کہ اللہ کا محبوب انسان اپنے تمام اعضاء کو اس طرح استعمال کرتا ہے جس طرح اللہ پسند کرتا ہے یہ مطلب نہیں کہ وہ اللہ کا جزء بن جاتا یا اللہ اس میں حلول کر جاتا ہے، جیسا کہ بعض مشرکین میں اس قسم کے عقیدے پائے جاتے ہیں۔ (ص۔ی)

قیامت کے روز کفار کا جو بدترین حال ہوگا اور وہ جس قبیح ترین عذاب میں مبتلا ہوں گے اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس روز اگر وہ زمین بھر سونا اور اتنا ہی اور اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچنے کے لئے فدیہ کے طور پر ادا کریں تو ان سے یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔ اور نہ یہ فدیہ کوئی فائدہ ہی دے گا۔ کیونکہ فدیہ دینے کا موقع تو وہ گنوا بیٹھے اب تو دردناک دائمی عذاب کے سوا کچھ باقی نہیں بچا۔ اس عذاب سے وہ کبھی نہ نکل سکیں گے بلکہ وہ اس عذاب میں ہمیشہ مبتلا رہیں گے۔

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوا أَيْدِيَهُمَا جِزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللَّهِ
چور مرد اور چور عورت پس کاٹ دو ہاتھ ان دونوں کے بدلے میں اسکے جو انہوں نے کمایا عبرت ناک سزا ہے اللہ کی طرف سے
وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٣٨﴾ فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّ اللَّهَ يَتُوبُ
اور اللہ غالب حکمت والا ہے ۰ پھر جس نے توبہ کر لی بعد اپنے ظلم کے اور اصلاح کر لی تو اللہ توبہ فرماتا ہے
عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٩﴾ أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ
اس پر بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے ۰ کیا نہیں علم ہوا آپ کو کہ اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں
وَالْأَرْضِ يُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٤٠﴾
اور زمین کی وہ عذاب کرتا ہے جس کو چاہتا ہے اور مغفرت کرتا ہے جس کی چاہتا ہے اور اللہ اوپر ہر چیز کے قادر ہے ۰

چور اس شخص کو کہا جاتا ہے جو کسی دوسرے کا قابل احترام مال اس کی رضامندی کے بغیر خفیہ طور پر ہتھیاتا ہے۔ چوری کا شمار کبیرہ گناہوں میں ہوتا ہے جو بدترین سزا کا موجب ہے یعنی دایاں ہاتھ کاٹنا جیسا کہ بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کی قراءت میں آتا ہے۔ ہاتھ کا اطلاق کلائی کے جوڑ تک پھیلی پر ہوتا ہے۔ اگر کوئی چوری کرتا ہے تو ہاتھ کلائی سے کاٹ دیا جائے اور اس کے بعد اسے تیل میں داغ دیا جائے تاکہ رگیں مسدود ہو جائیں اور خون رک جائے۔

سنت نبوی نے اس آیت کریمہ کے عموم کو متعدد پہلوؤں سے مقید کیا ہے۔

(۱) حفاظت: چوری کے اطلاق کے لئے ضروری ہے کہ مال محفوظ جگہ سے اٹھایا گیا ہو یہاں مال کی حفاظت سے مراد وہ حفاظت ہے جو عادات کی جاتی ہے۔ چور نے اگر کسی ایسے مال کی چوری کی ہو جو حفاظت میں نہ ہو تو اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔

(۲) نصاب: چور کا ہاتھ کاٹنے کے لئے مال مسروقہ کا نصاب ضروری ہے۔ یہ نصاب کم از کم ایک چوتھائی دینار یا تین درہم یا ان میں سے کسی ایک کے برابر ہو۔ مال مسروقہ اگر اس نصاب سے کم ہو تو چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ شاید یہ لفظ سرقہ اور اس کے معنی سے ماخوذ ہے کیونکہ لفظ ”سرقہ“ سے مراد ہے کوئی

چیز اس طریقے سے لینا جس سے احتراز ممکن نہ ہو اور یہ اسی وقت ہی ہوگا کہ مال کو حفاظت کے ساتھ رکھا گیا ہو۔ اگر مال کو حفاظت کے ساتھ نہ رکھا گیا تو اس مال کا لینا شرعی سرقہ کے زمرے میں نہیں آئے گا۔

یہ بھی اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت ہے کہ تھوڑی اور حقیر سی شے کی چوری میں ہاتھ نہ کاٹا جائے۔ چونکہ قطعید کے لئے کم ترین نصاب مقرر کرنا ضروری ہے اس لئے نصاب شرعی ہی کتاب اللہ کی تخصیص کرنے والا ہوگا۔ چوری میں ہاتھ کاٹنے میں حکمت یہ ہے کہ اس سے مال محفوظ ہو جاتے ہیں اور اس عضو کو بھی کٹ جانا چاہئے جس سے جرم صادر ہوا ہے۔ دایاں ہاتھ کاٹ دیئے جانے کے بعد اگر چور دوبارہ چوری کا ارتکاب کرے تو اس کا بایاں پاؤں کاٹ دیا جائے۔ اگر پھر چوری کرے تو بعض کہتے ہیں کہ اس کا بایاں ہاتھ بھی کاٹ دیا اور اگر پھر بھی باز نہ آئے تو دایاں پاؤں کاٹ دیا جائے اور بعض فقہا کہتے ہیں کہ اس کو قید کر دیا جائے یہاں تک کہ وہ قید ہی میں مر جائے۔ ﴿جَزَاءُ بِمَا كَسَبَا﴾ ”یہ بدلہ ہے اس کا جو انہوں نے کمایا“، یعنی یہ قطعید چور کو اس بات کی سزا دی گئی ہے کہ اس نے لوگوں کا مال چرایا ہے ﴿نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ﴾ ”یہ تنبیہ ہے اللہ کی طرف سے“، یعنی یہ سزا چور اور دیگر لوگوں کو ڈرانے کے لئے ہے کیونکہ چوروں کو جب معلوم ہوگا کہ چوری کے ارتکاب پر ہاتھ کاٹ دیا جائے گا تو وہ چوری سے باز آ جائیں گے ﴿وَاللّٰهُ عَزِيزٌ حَكِيْمٌ﴾ ”اور اللہ زبردست صاحب حکمت ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ غالب اور حکمت والا ہے اس لئے اس نے چور کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا ہے۔

﴿فَمَنْ تَابَ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ اِنْ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ ”پس جس نے توبہ کی اپنے ظلم کے بعد اور اصلاح کی تو اللہ قبول کرتا ہے توبہ اس کی بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے“ پس جو کوئی توبہ کرتا ہے، گناہوں کو ترک کر کے اپنے اعمال اور اپنے عیوب کی اصلاح کر لیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دیتا ہے اور یہ اس بنا پر ہے کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کے اقتدار کا مالک ہے وہ جیسے چاہتا ہے زمین اور آسمان میں تگوبنی اور شرعی تصرف کرتا ہے اور اپنی حکمت بے پایاں رحمت اور مغفرت کے تقاضے کے مطابق وہ بخشتا ہے یا سزا دیتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْا
اٰمَنَّا بِاٰفْوَاهِهِمْ وَاَلَمْ يُوْمِنُوْا بِقُلُوْبِهِمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا وَاَسْمَعُوْنَ لِلْكَذِبِ
ہم ایمان لائے ساتھ اپنے منہوں کے اور نہیں ایمان لائے دل انکے اور ان لوگوں میں سے جو یہودی ہوئے وہ بہت سننے والے ہیں جھوٹ کے
سَمْعُوْنَ لِقَوْمٍ اٰخِرِيْنَ لَمْ يَأْتُوْكَ طِيْحَرٌ فُوْنَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ
بہت سننے والے ہیں واسطے دوسری قوم کے کہ نہیں آئی وہ (ابھی) آپ کے پاس بدل ڈالتے ہیں وہ باتوں کو بعد (ثابت ہونے انکے) انکی جگہوں سے

يَقُولُونَ إِنَّ أَوْثِيئَتُمْ هَذَا فَخَدُّوهُ وَإِنْ لَمْ تُؤْتُوهُ فَاخْدَرُوا ط وَمَنْ
 وَه کہتے ہیں اگر دیئے جاؤ تم یہ (حکم) تو اسے لے لو اور اگر نہ دیئے جاؤ تم یہ تو بچو اور جو شخص کہ
 يُرِدِ اللَّهُ فِتْنَتَهُ فَلَنْ تَمْلِكَ لَهُ مِنْ اللَّهِ شَيْئًا ط أُولَئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ
 ارادہ کرے اللہ اسے گمراہ کرنے کا تو ہرگز نہیں اختیار رکھتے آپ اس کیلئے اللہ کے ہاں کچھ بھی۔ یہی لوگ ہیں کہ نہیں ارادہ کیا
 اللَّهُ أَنْ يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ط لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ عَظِيمٌ وَ لَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ
 اللہ نے یہ کہ پاک کر دے ان کے دلوں کو ان کے لیے ہے دنیا میں رسوائی اور ان کے لیے آخرت میں ہے عذاب
 عَظِيمٌ ﴿٣١﴾ سَمِعُونَ لِلْكَذِبِ أَكْوَنَ لِلصَّحْتِ ط فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ
 عظیم ۰ بہت سننے والے ہیں جھوٹ کے بہت کھانے والے ہیں حرام کے پس اگر آئیں وہ آپ کے پاس تو آپ فیصلہ کریں ان کے درمیان
 أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ط وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا ط وَإِنْ
 یا منہ پھیر لیں ان سے اور اگر منہ پھیریں گے آپ ان سے تو ہرگز نہ بگاڑ سکیں گے آپ کا کچھ بھی اور اگر
 حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ط إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿٣٢﴾ وَكَيْفَ
 فیصلہ کریں آپ تو فیصلہ کریں ان کے درمیان ساتھ انصاف کے بیشک اللہ پسند فرماتا ہے انصاف کرنے والوں کو ۰ اور کیوں کر
 يُحْكِمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ فِيهَا حُكْمُ اللَّهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْ بَعْدِ
 منصف بنائیں وہ آپ کو جب کہ ان کے پاس تورات ہے اس میں حکم ہے اللہ کا پھر پھر جاتے ہیں وہ بعد
 ذَٰلِكَ ط وَمَا أُولَئِكَ بِالْمُؤْمِنِينَ ﴿٣٣﴾ إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ
 اس کے اور نہیں ہیں وہ ایمان لانے والے ۰ بے شک نازل کیا ہم نے تورات کو اس میں ہدایت اور روشنی ہے
 يُحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسْلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ
 فیصلہ کرتے تھے ساتھ اسکے پیغمبر جو مطہر تھے (اللہ کے) واسطے ان لوگوں کے جو یہودی ہوئے اور (فیصلہ کرتے تھے) اللہ والے اور علماء
 بِمَا اسْتَحْفَظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ ط فَلَا تَخْشَوُا
 اسلئے کہ وہ نگران بنائے گئے تھے کتاب اللہ کے اور تھے وہ اوپر اس کے گواہ پس نہ ڈرو تم
 النَّاسَ وَاحْشَوْنَ وَلَا تَشْتَرُوا بِآيَاتِي ثَمَنًا قَلِيلًا ط وَمَنْ لَمْ يُحْكَمْ بِمَا
 لوگوں سے اور ڈرو مجھ سے اور نہ بیچو تم میری آیتوں کو مول پر تھوڑے سے اور جو نہ فیصلہ کرے ساتھ اس کے جو
 أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَئِكَ هُمُ الْكٰفِرُونَ ﴿٣٤﴾

نازل کیا اللہ نے تو یہی لوگ ہیں کافر ۰

رسول اللہ ﷺ مخلوق پر بے حد شفقت فرماتے تھے اس لئے اگر کوئی شخص ایمان لانے کے بعد پھر کفر کی

طرف لوٹ جاتا تو آپ ﷺ کو بہت دکھ پہنچتا اور آپ بہت زیادہ مغموم ہو جاتے۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو ہدایت فرمائی کہ وہ اس قسم کے لوگوں کی کارستانیوں پر غمزہ نہ ہو کر یں، کیونکہ وہ کسی شمار میں نہیں۔ اگر وہ موجود ہوں تو ان کا کوئی فائدہ نہیں اور اگر وہ موجود نہ ہوں تو ان کے بارے میں کوئی پوچھنے والا نہیں۔ بنا بریں ان کے بارے میں عدم حزن و غم کے موجب سبب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿مَنْ الَّذِينَ قَالُوا آمَنَّا بِأَقْوَابِهِمْ وَ لَمْ تُؤْمِنْ قُلُوبُهُمْ﴾ ”ان لوگوں میں سے جو کہتے ہیں ہم مسلمان ہیں اپنے مونہوں سے اور ان کے دل مسلمان نہیں“ کیونکہ صرف ان لوگوں کے بارے میں افسوس کیا جاتا ہے اور صرف ان کے بارے میں غم کھایا جاتا ہے جو ظاہر اور باطن میں مومن شمار ہوتے ہیں۔ حاشا اللہ اہل ایمان کبھی اپنے دین سے نہیں پھرتے، کیونکہ جب بشارت ایمان دل میں جاگزیں ہو جاتی ہے تو صاحب ایمان کسی چیز کو ایمان کے برابر نہیں سمجھتا اور ایمان کے بدلے کوئی چیز قبول نہیں کرتا۔

﴿وَمَنْ الَّذِينَ هَادُوا﴾ ”اور ان میں سے جو یہودی ہیں۔“ ﴿سَمِعُونَ لَكُذِبًا سَمِعُونَ لِقَوْمٍ آخِرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ﴾ ”جاسوسی کرتے ہیں جھوٹ بولنے کے لئے وہ جاسوس ہیں دوسرے لوگوں کے جو آپ تک نہیں آئے“ یعنی اپنے سرداروں کی آواز پر لیک کہنے والے، ان کے مقلد جن کا تمام تر معاملہ جھوٹ اور گمراہی پر مبنی ہے۔ اور یہ سردار جن کی پیروی کی جاتی ہے ﴿لَمْ يَأْتُوكَ﴾ ”آپ کے پاس کبھی نہیں آئے“ بلکہ وہ آپ سے روگردانی کرتے ہیں اور اسی باطل پر خوش ہیں جو ان کے پاس ہے ﴿يَحَرِّفُونَ الْكَلِمَ مِنْ بَعْدِ مَوَاضِعِهِ﴾ ”وہ بدل ڈالتے ہیں بات کو اس کا ٹھکانا چھوڑ کر“ یعنی وہ اللہ کی مخلوق کو گمراہ کرنے اور حق کو روکنے کے لئے الفاظ کو ایسے معانی پہناتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مراد نہیں ہے پس لوگ گمراہی کی طرف دعوت دینے والوں کے پیچھے چلتے ہیں اور محال کی پیروی کرتے ہیں جو تمام تر جھوٹ ہی لے کر آتے ہیں جو عقل سے محروم اور عزم و ہمت سے تہی دست ہیں۔ اگر وہ آپ کی اتباع نہیں کرتے تو پروا نہ کیجئے، کیونکہ وہ انتہائی ناقص ہیں اور ناقص کی پروا نہیں کی جاتی ﴿يَقُولُونَ إِن آؤْتَيْنَاهُ هَذَا فَخَذُوهُ وَإِن لَّمْ نُؤْتُوهُ فَآخَذُوا﴾ ”کہتے ہیں اگر تم کو یہ حکم ملے تو قبول کر لینا اور اگر یہ حکم نہ ملے تو بچتے رہنا“ یعنی یہ بات وہ اس وقت کہتے ہیں جب وہ فیصلہ کروانے کے لئے آپ کے پاس آتے ہیں۔ خواہشات نفس کی پیروی کے سوا ان کا کوئی مقصد نہیں ہوتا۔ وہ ایک دوسرے سے کہتے ہیں ”اگر محمد (ﷺ) تمہاری خواہش کے مطابق فیصلہ کرے تو اسے قبول کر لو اور اگر وہ تمہاری خواہش کے مطابق فیصلہ نہ کرے تو اس فیصلے میں اس کی پیروی سے بچو۔“ یہ نقطہ نظر فتنہ اور خواہشات نفس کی پیروی ہے۔

﴿وَمَنْ يَرِدِ اللّٰهُ فِتْنَتَهُ فَلَن تَمْلِكَ لَهُ مِنَ اللّٰهِ شَيْئًا﴾ ”اور جس کو اللہ گمراہ کرنے کا ارادہ کر لے آپ اس کے لئے اللہ کے ہاں کچھ نہیں کر سکتے“ اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد اس قول کی مانند ہے ﴿إِنَّكَ لَا تَهْدِي

”مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ“ (القصص: ۲۸/۵) ”آپ جسے پسند کریں اسے ہدایت نہیں دے سکتے، بلکہ اللہ ہی جس کو چاہے ہدایت دے سکتا ہے۔“ ﴿أُولَئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يُطَهِّرْ قُلُوبَهُمْ﴾ ”یہ وہی لوگ ہیں جن کو اللہ نے نہیں چاہا کہ ان کے دل پاک کرے“ یعنی پس ان سے جو کچھ صادر ہو رہا ہے وہ اسی وجہ سے صادر ہو رہا ہے۔ ان کا یہ رویہ اس حقیقت پر دلالت کرتا ہے کہ جو کوئی خواہش نفس کی اتباع کی خاطر شریعت کے مطابق فیصلہ کرواتا ہے اگر فیصلہ اس کے حق میں ہو تو راضی ہو جاتا ہے اور اگر فیصلہ اس کے خلاف ہو تو ناراض ہو جاتا ہے، تو یہ چیز اس کے قلب کی عدم طہارت میں سے ہے۔ جیسے وہ شخص جو اپنا فیصلہ شریعت کی طرف لے جاتا ہے اور اس پر راضی ہوتا ہے چاہے وہ فیصلہ اس کی خواہش کے مطابق ہو یا مخالف، تو یہ اس کی طہارت قلب میں سے ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ طہارت قلب ہر بھلائی کا سبب ہے اور طہارت قلب رشد و ہدایت اور عمل سدید کا سبب سے بڑا داعی ہے۔

﴿لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ﴾ ”ان کے لیے دنیا میں بھی ذلت ہے۔“ یعنی دنیا میں ان کے لئے فضیحت اور عار ہے ﴿وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ ”اور آخرت میں عذاب عظیم ہے“ عذاب عظیم سے مراد جہنم اور اللہ جبار کی ناراضی ہے ﴿سَتَعُونَ لِلْكَذِبِ﴾ ”جاسوسی کرنے والے ہیں جھوٹ بولنے کے لئے“ یہاں سننے سے مراد اطاعت کے لئے سننا ہے یعنی وہ قلت دین اور قلت عقل کی بنا پر ہر اس شخص کی بات پر لبیک کہتے ہیں جو انہیں جھوٹ کی طرف دعوت دیتا ہے ﴿أَكْلُونَ لِسْخٍ﴾ ”کھانے والے ہیں حرام کے“ یعنی اپنے اپنے عوام اور گھٹیا لوگوں سے ناحق و ظائف لے کر حرام مال کھاتے ہیں۔ پس انہوں نے اپنے اندر جھوٹ کی پیروی اور اکل حرام کو یکجا کر لیا ﴿فَإِنْ جَاءُوكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ ”اگر یہ آپ کے پاس (کوئی فیصلہ کرانے کو) آئیں تو آپ ان میں فیصلہ کر دیں یا اعراض کریں۔“ یعنی آپ کو اس بارے میں اختیار ہے کہ جب وہ آپ کے پاس آئیں تو ان کے درمیان فیصلہ کریں یا ان سے اعراض فرمائیں۔

یہ آیت کریمہ منسوخ نہیں ہے بلکہ اس قسم کے لوگوں کے بارے میں جو فیصلہ کروانے کے لئے آپ ﷺ کے پاس آئیں آپ کو اختیار دیا گیا ہے کہ آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں یا فیصلہ کرنے سے گریز کریں۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ وہ صرف اسی وقت شریعت کے مطابق فیصلہ کروانے کا قصد کرتے ہیں جب فیصلہ ان کی خواہشات نفس کے مطابق ہو۔ بنا بریں فتویٰ طلب کرنے والے اور کسی عالم کے پاس فیصلہ کروانے کے لئے جانے والے کے احوال کی تحقیق کی جائے اگر یہ معلوم ہو جائے کہ وہ اپنے خلاف فیصلے پر راضی نہ ہوگا تو اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا واجب ہے نہ فتویٰ دینا۔ تاہم اگر وہ ان کے درمیان فیصلہ کرے تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنا واجب ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا وَإِنْ حَكَمْتَ

فَأَحْكُمَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِينَ ﴿۱۰۰﴾ ”اگر آپ ان سے منہ پھیر لیں تو وہ آپ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں، بے شک اللہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے، حتیٰ کہ۔۔۔ خواہ لوگ ظالم اور دشمن ہی کیوں نہ ہوں تب بھی ان کے درمیان عدل کے ساتھ فیصلہ کرنے سے کوئی چیز مانع نہ ہو۔

یہ آیت کریمہ لوگوں کے درمیان انصاف کے ساتھ فیصلہ کرنے کی فضیلت پر دلالت کرتی ہے اور عدل کے ساتھ فیصلہ کرنا اللہ تعالیٰ کو بے حد پسند ہے۔ پھر ان پر تعجب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَكَيْفَ يُحْكُمُونَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرَةُ..... بِالْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اور وہ کس طرح آپ کو منصف بنائیں گے جب کہ ان کے پاس تورات ہے، جس میں اللہ کا حکم ہے، پھر اس کے بعد وہ پھر جاتے ہیں اور وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں“ اس لئے کہ اگر وہ مومن ہوتے اور ایمان کے تقاضے اور اس کے موجبات پر عمل کرتے، تو اللہ کے اس حکم سے اعراض نہ کرتے جو تورات میں موجود ہے اور جو ان کے سامنے ہے۔ (لیکن اس سے اعراض کر کے جو آپ کے پاس آئے ہیں تو اس امید پر کہ) شاید جو کچھ آپ کے پاس ہے ان کی خواہشات کے مطابق ہو۔ اور جب آپ نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مطابق فیصلہ کر دیا جو ان کے پاس ہے، تو وہ نہ صرف اس بات پر راضی نہیں ہوئے بلکہ انہوں نے اس سے روگردانی کی اور اس کو ناپسند کیا۔ ﴿وَمَا أَوْلِيَاكَ بِالْمُؤْمِنِينَ﴾ ”اور یہ لوگ ایمان ہی نہیں رکھتے۔“ یعنی وہ لوگ جن کے یہ اعمال ہیں وہ مومن نہیں، یعنی یہ اہل ایمان کا رویہ نہیں اور نہ یہ لوگ مومن کہلانے کے مستحق ہیں، کیونکہ انہوں نے اپنی خواہشات نفس کو اپنا معبود بنا لیا ہے اور احکام ایمان کو اپنی خواہشات کے تابع کر رکھا ہے۔

﴿إِنَّا أَنْزَلْنَا التَّوْرَةَ﴾ ”بے شک ہم نے تورات نازل فرمائی۔“ یعنی ہم نے موسیٰ بن عمران علیہ السلام پر تورات نازل کی ﴿فِيهَا هُدًى﴾ ”جس میں ہدایت ہے۔“ یعنی تورات ایمان اور حق کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور گمراہی سے بچاتی ہے ﴿وَنُورٌ﴾ ”اور روشنی ہے۔“ یعنی ظلم و جہالت، شک و حیرت اور شبہات و شہوات کی تاریکیوں میں اس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَىٰ وَهَارُونَ الْفُرْقَانَ وَضِيَاءً وَذِكْرًا لِّلْمُتَّقِينَ﴾ (الانبیاء: ۴۸/۲۱) ”اور ہم نے موسیٰ اور ہارون کو حق و باطل میں فرق کرنے والی روشنی عطا کرنے والی اور اہل تقویٰ کو نصیحت کرنے والی کتاب عطا کی۔“ ﴿يَحْكُمُ بِهَا﴾ ”فیصلہ کرتے تھے اس کے ساتھ“ یعنی یہودیوں کے جھگڑوں اور ان کے فتاویٰ میں ﴿الَّذِينَ اسْلَمُوا﴾ ”پیغمبر جو فرماں بردار تھے“ یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سامنے سر تسلیم خم کیا، اس کے احکامات کی اطاعت کی اور ان کا اسلام دیگر لوگوں کے اسلام سے زیادہ عظیم تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے بندے تھے۔

جب یہ انبیائے کرام جو مخلوق کے سردار ہیں، تورات کو اپنا امام بناتے ہیں، اس کی پیروی کرتے ہیں اور اس کے پیچھے چلتے ہیں تو یہودیوں کے ان رذیل لوگوں کو اس کی پیروی کرنے سے کس چیز نے روکا ہے؟ اور ان پر کس چیز نے واجب کیا ہے کہ وہ تورات کے بہترین حصے کو نظر انداز کر دیں جس میں حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لانے کا حکم ہے اور اس عقیدے کو قبول کئے بغیر کوئی ظاہری اور باطنی عمل قابل قبول نہیں۔

کیا اس بارے میں ان کے پاس کوئی راہنمائی ہے؟ ہاں! ان کی راہنمائی کرنے والے راہنما موجود ہیں جو تحریف کرنے، لوگوں کے درمیان اپنی سرداری اور مناصب قائم رکھنے، کتمان حق کے ذریعے سے حرام مال کھانے اور اظہار باطل کے عادی ہیں۔ یہ لوگ ائمہ ضلالت ہیں جو جہنم کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

﴿وَالرَّيْبِيُّونَ وَالْأَحْبَازُ﴾ ”درویش اور عالم“ یعنی اسی طرح یہودیوں کے ائمہ دین میں ربانی تورات کے مطابق فیصلے کیا کرتے تھے۔ (رَبَّانِيُون) سے مراد باعمل علماء ہیں جو لوگوں کی بہترین تربیت کرتے تھے اور لوگوں کے ساتھ ان کا وہی مشفقانہ رویہ تھا جو انبیائے کرام کا ہوتا ہے (أَحْبَازُ) سے مراد وہ علمائے کبار ہیں جن کے قول کی اتباع کی جاتی ہے اور جن کے آثار کو مد نظر رکھا جاتا ہے اور وہ اپنی قوم میں اچھی شہرت رکھتے ہیں۔

ان کی طرف سے صادر ہونے والا یہ فیصلہ حق کے مطابق ہے ﴿يَمَّا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ وَكَانُوا عَلَيْهِ شُهَدَاءَ﴾ ”اس واسطے کہ وہ نگہبان ٹھہرائے گئے تھے اللہ کی کتاب پر اور وہ اس کی خبرگیری پر مقرر تھے“ یعنی اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی کتاب کی حفاظت کی ذمہ داری ڈالی تھی، ان کو اپنی کتاب کا امین بنایا تھا اور یہ کتاب ان کے پاس امانت تھی اور اس میں کمی بیشی اور کتمان سے اس کی حفاظت کو اور بے علم لوگوں کو اس کی تعلیم دینے کو ان پر واجب قرار دیا تھا۔۔۔ وہ اس کتاب پر گواہ ہیں کیونکہ وہی اس کتاب میں مندرج احکام کے بارے میں اور اس کی بابت لوگوں کے درمیان مشتبا مور میں ان کے لئے مرجع ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل علم پر وہ ذمہ داری ڈالی ہے جو جہلا پر نہیں ڈالی اس لئے جس ذمہ داری کا بوجھ ان پر ڈالا گیا ہے، احسن طریقے سے اس کو نبھانا ان پر واجب ہے اور یہ کہ بیکاری اور کسل مندی کو عادت بناتے ہوئے جہال کی پیروی نہ کریں، نیز وہ مختلف انواع کے اذکار، نماز، زکوٰۃ، حج، روزہ وغیرہ مجرد عبادات ہی پر اقتصار نہ کریں جن کو قائم کر کے غیر اہل علم نجات پاتے ہیں۔ اہل علم سے تو مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کو تعلیم دیں اور انہیں ان دینی امور سے آگاہ کریں جن کے وہ محتاج ہیں۔ خاص طور پر اصولی امور اور ایسے معاملات جو کثرت سے واقع ہوتے ہیں نیز یہ کہ وہ لوگوں سے نہ ڈریں بلکہ صرف اپنے رب سے ڈریں۔ بنا بریں فرمایا ﴿فَلَا تَخْشَوْا النَّاسَ وَآخِشُوا وَلَا تَخْشَوْا بَأْتِيَتِي تَمَنَّا قَلِيلًا﴾ ”پس تم لوگوں سے نہ ڈرو تم مجھی سے ڈرو! اور میری آیات کے بدلے تھوڑا سا فائدہ حاصل نہ کرو“ یعنی دنیا کی متاع قلیل کی خاطر حق کو چھپا کر باطل کا اظہار نہ کرو۔

اگر صاحب علم ان آفات سے محفوظ ہو جاتا ہے تو یہ اللہ تعالیٰ کی توفیق ہے۔ اس کی سعادت اس امر میں ہے کہ علم و تعلیم میں جدوجہد اس کا مقصد رہے۔ یہ چیز ہمیشہ اس کے علم میں رہے کہ اللہ تعالیٰ نے علم کی امانت اس کے سپرد کر کے اس کی حفاظت اس کے ذمہ عائد کی ہے اور اس کو اس علم پر گواہ بنایا ہے۔ وہ صرف اپنے رب سے ڈرنے لوگوں کا ڈر اور خوف اسے لوازم علم کو قائم کرنے سے مانع نہ ہو۔ دین پر دنیا کو ترجیح نہ دے۔ اسی طرح کسی عالم کی بدبختی یہ ہے کہ وہ بے کاری کو اپنی عادت بنا لے اور جن چیزوں کا اسے حکم دیا گیا ہے ان کو قائم نہ کرے اور جس چیز کی حفاظت کی ذمہ داری اسے سونپی گئی ہے اسے پورا نہ کرے۔ ایسے شخص نے علم کو بے کار اور ضائع کر دیا، دنیا کے بدلے دین کو فروخت کر ڈالا اس کے فیصلوں میں رشوت لی اس کے فتووں میں مال سمینا اور اللہ کے بندوں کو اجرت لے کر علم سکھایا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس پر بہت بڑا احسان کیا تھا جس کی اس نے ناشکری کی، اللہ تعالیٰ نے اسے ایک عظیم نعمت عطا کی تھی، اس نے اس نعمت سے دوسروں کو محروم کر دیا۔ اے اللہ! ہم تجھ سے علم نافع اور عمل مقبول کا سوال کرتے ہیں۔ اے اللہ کریم! ہمیں ہر مصیبت سے عفو اور عافیت عطا کر۔

﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ اور جو اللہ کے نازل فرمائے ہوئے احکام کے مطابق حکم نہ دے۔“ یعنی جو کوئی واضح حق کے مطابق فیصلہ نہیں کرتا بلکہ اپنی فاسد اغراض کی خاطر جان بوجھ کر باطل کے مطابق فیصلہ کرتا ہے ﴿فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ ”تو ایسے ہی لوگ کافر ہیں۔“ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کو چھوڑ کر کسی اور قانون کے مطابق فیصلے کرنا اہل کفر کا شیوہ ہے۔ اور بسا اوقات یہ ایسا کفر بن جاتا ہے جو اپنے مرتکب کو ملت اسلامیہ سے خارج کر دیتا ہے۔ اور یہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ کتاب اللہ کو چھوڑ کر کسی اور قانون کے مطابق فیصلے کرنا جائز اور صحیح سمجھتا ہے۔

وَكُتِبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا أَنْ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْأَنْفَ بِالْأَنْفِ
 وَالْأُذُنَ بِالْأُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَالْجُرُوحَ قِصَاصٌ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ
 فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَهُ وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿٥٥﴾
 تو وہ کفارہ ہو گا اس کے لیے اور جو نہ فیصلہ کرے ساتھ اس کے جو نازل کیا اللہ نے، تو یہی لوگ ہیں ظالم

یہ احکام تورات کے اندر موجود ان جملہ احکام میں شمار ہوتے ہیں جن کے مطابق انبیائے کرامؑ ربا نیوں اور علمائے یہودیہ یودیوں کے درمیان فیصلے کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر فرض قرار دیا کہ اگر کوئی جان بوجھ کر کسی کو قتل کرے تو اس کو قصاص میں قتل کر دیا جائے۔

آنکھ کے بدلے آنکھ پھوڑ دی جائے، کان کے بدلے کان کاٹ دیا جائے اور دانت کے بدلے دانت نکال دیا جائے۔ اسی طرح بغیر کسی ظلم کے جن اعضا کا قصاص لیا جاسکتا ہے ان کا قصاص لیا جائے۔ ﴿وَالْجُرُوحُ قِصَاصٌ﴾ اور زخموں کا بدلہ ان کے برابر ہے، اور قصاص سے مراد ہے کہ فاعل کے ساتھ وہی کچھ کیا جائے جو اس نے کیا تھا جو کوئی کسی کو جان بوجھ کر زخمی کرتا ہے، تو جرح سے زخموں کا قصاص لیا جائے گا اور اسے حد مقام زخم کی لمبائی چوڑائی اور گہرائی کے مطابق اتنا ہی زخم لگایا جائے گا۔ یہ بھی معلوم ہونا چاہئے کہ ہم سے پہلے کی شریعت کی پیروی ہمارے لئے بھی اس وقت تک لازم ہے جب تک کہ ہماری شریعت میں کوئی ایسی چیز وارد نہ ہو جو اس شریعت کے خلاف ہو۔ ﴿فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهِ﴾ ”پھر جس نے معاف کر دیا“ یعنی جو کوئی جان اعضا اور زخموں کے قصاص میں مجرم کو معاف کر دیتا ہے۔ دراصل حالیکہ قصاص کا حق ثابت تھا ﴿فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهُ﴾ ”تو یہ اس کے لئے کفارہ ہے“ یعنی مجرم کے لئے کفارہ ہے، کیونکہ آدمی نے تو اس کو اپنا حق معاف کر دیا اور اللہ تعالیٰ تو اپنے حق کو زیادہ معاف کر دینے والا ہے۔ نیز یہ معاف کر دینے والے کے حق میں بھی کفارہ ہے، کیونکہ جس طرح اس نے اپنے حق میں جرم کا ارتکاب کرنے والے کو یا اس کو معاف کر دیا جو اس سے متعلق ہے اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی لغزشوں اور ان کے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ ﴿وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ ”اور جو کوئی اس کے مطابق فیصلہ نہ کرے جو اللہ نے نازل کیا، تو یہی لوگ ظالم ہیں“ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ”کفر سے کم تر کفر، ظلم سے کم تر ظلم اور فسق سے کم تر فسق ہوتا ہے“۔۔۔ پس اگر اس فعل کو حلال سمجھتے ہوئے اس کو کیا جائے تو یہ سب سے بڑا ظلم ہے اور اگر اس کو حلال نہ سمجھتے ہوئے کیا جائے تو یہ گناہ کبیرہ ہے۔

وَقَفَّيْنَا عَلَىٰ آثَارِهِم بِعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنْ التَّوْرَةِ ۖ وَأَتَيْنَهُ الْإِنجِيلَ فِيهِ هُدًى وَنُورٌ ۖ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ۖ وَلِيَحْكُمَ أَهْلَ الْإِنجِيلِ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فِيهِ ۖ وَمَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝

تھی تورات اور دی ہم نے اس کو انجیل اس میں ہدایت اور روشنی تھی اور تصدیق کرنے والی اس کی جو اس سے پہلے تھی تورات اور ہدایت اور نصیحت متقیوں کے لیے اور چاہیے کہ فیصلہ کریں اہل انجیل ساتھ اس کے جو نازل کیا اللہ نے اس میں اور جو نہ فیصلہ کرے ساتھ اس کے جو نازل کیا اللہ نے، تو یہی لوگ ہیں فاسق

یعنی ان انبیاء و مرسلین کے پیچھے جو تورات کے مطابق فیصلہ کیا کرتے تھے، ہم نے اپنے بندے اور رسول عیسیٰ

ابن مریم روح اللہ اور اللہ کے کلمہ کو جو اس نے حضرت مریم علیہا السلام کی طرف ڈالا مبعوث کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان سے پہلے گزری ہوئی کتاب تورات کی تصدیق کرنے والا نبی بنا کر بھیجا۔ وہ موسیٰ علیہ السلام اور تورات کی حق و صداقت کے ساتھ گواہی دینے والے ان کی دعوت کی تائید کرنے والے اور ان کی شریعت کے مطابق فیصلے کرنے والے تھے اور اکثر امور شرعیہ میں موسیٰ علیہ السلام کی موافقت کرتے تھے۔

بسا اوقات عیسیٰ علیہ السلام بعض احکام میں تخفیف فرمادیتے تھے جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کا قول نقل فرمایا کہ انہوں نے بنی اسرائیل سے فرمایا: ﴿وَلَا جُنْحَ لَكُمْ بِعَصْرِ اَلَّذِي حُرِّمَ عَلَيْكُمْ﴾ (آل عمران: ۵۰، ۱۳) اور تاکہ بعض چیزیں جو تم پر حرام تھیں ان کو حلال ٹھہراؤں۔ ﴿وَ اتَيْنٰهُ الْاِنْجِيلَ﴾ اور ہم نے ان کو انجیل عطا کی۔ یعنی ہم نے انہیں کتاب عظیم عطا کی جو تورات کی تکمیل کرتی ہے ﴿فِيْهِ هُدًى وَ نُوْرٌ﴾ اس میں ہدایت اور روشنی ہے یہ کتاب صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کرتی ہے اور باطل سے حق کو واضح کرتی ہے ﴿وَ مَصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرَةِ﴾ اور تورات کی جو اس سے پہلے (نازل شدہ کتاب) ہے تصدیق کرتی ہے۔ یعنی تورات کی صداقت کو ثابت کر کے اس کی شہادت دے کر اور اس کی موافقت کر کے اس کی تصدیق کرتی ہے ﴿وَ هُدًى وَ مَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ﴾ اور متقین کے لئے ہدایت اور نصیحت ہے، کیونکہ اہل تقویٰ ہی ہیں جو ہدایت سے فائدہ اٹھاتے ہیں، موعظ سے نصیحت پکڑتے ہیں اور غیر مناسب امور سے باز رہتے ہیں۔

﴿وَلِيَحْكُمَ اَهْلَ الْاِنْجِيلِ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ﴾ اور چاہیے کہ اہل انجیل اس کے موافق فیصلہ کریں جو اللہ نے اتارا۔ یعنی ان پر اپنی کتاب کا التزام کرنا لازم ہے اس کتاب سے روگردانی کرنا ان کے لئے جائز نہیں ﴿وَ مَنْ لَّمْ يَحْكَمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ﴾ اور جو اللہ کی نازل کردہ ہدایت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے پس یہی لوگ فاسق ہیں۔

وَ اَنْزَلْنَا اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مَهْمِيْنًا
اور نازل کی ہم نے طرف آپ کی کتاب ساتھ حق کے تصدیق کرنے والی اس کی جو اس سے پہلے بھی کتاب اور نگہبان
عَلَيْهِ فَاَحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ لَا تَتَّبِعْ اَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ
اوپر اسکے پس آپ فیصلہ کریں ان کے درمیان ساتھ اسکے جو نازل کیا اللہ نے اور نہ اتباع کریں انکی خواہشات کی نظر انداز کر کے اسکو جو آچکے پاس
مِنَ الْحَقِّ لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شَرْعَةً وَ مِنْهَا جَاطٌ وَ لَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ
حق ہر ایک کے لیے کیا ہم نے تم میں سے ایک دستور اور طریقہ اور اگر چاہتا اللہ تو البتہ کر دیتا تم کو
اُمَّةً وَّ اِحْدَةً وَّ لٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَا اَتٰكُمْ فَاَسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ اِلٰى اللّٰهِ
امت ایک لیکن تاکہ آزمائے تمہیں اس (کتاب) میں جو دی اس نے تمہیں پس سبقت کرو تم نیکوں میں طرف اللہ ہی کی

مَرَّجِعَكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿٣٥﴾ وَأَنْ أَحْكَمْ بَيْنَهُمْ
 لوٹا ہے تم سب کا پھر وہ خبر دیگا تمہیں اسکی بابت کہ تمہے اس میں اختلاف کرتے ○ اور یہ کہ فیصلہ کریں آپ ان کے درمیان
 بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ وَاحْذَرْهُمْ أَنْ يَفْتِنُوكَ عَنْ بَعْضِ
 ساتھ اس چیز کے جو نازل کی اللہ نے اور نہ اتباع کریں انکی خواہشات کی اور ڈریں ان سے کہ وہ بہکا نہ دیں آپکو کسی ایسی بات سے
 مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَاعْلَمُوا أَنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ
 جو نازل کی اللہ نے آپکی طرف۔ پس اگر وہ روگردانی کریں تو جان لیں کہ بیشک اللہ یہی ارادہ کرتا ہے کہ پہنچائے انکو سزا بسبب انکے بعض
 ذُنُوبِهِمْ وَإِنَّ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ لَفَاسِقُونَ ﴿٣٦﴾ أَفَحُكْمَ الْجَاهِلِيَّةِ يَبْغُونَ
 گناہوں کے اور بے شک اکثر لوگوں میں سے البتہ نافرمان ہیں ○ کیا پس جاہلیت کا فیصلہ وہ چاہتے ہیں؟

وَمَنْ أَحْسَنُ مِنَ اللَّهِ حُكْمًا لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ﴿٤٠﴾

اور کون زیادہ اچھا ہے اللہ سے فیصلہ کرنے میں اس قوم کے لیے جو یقین رکھتی ہے ○

﴿وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الْكِتَابَ﴾ اور اتاری ہم نے آپ کی طرف کتاب“ یعنی قرآن عظیم جو سب سے
 افضل اور جلیل ترین کتاب ہے ﴿بِالْحَقِّ﴾ ”حق کے ساتھ“ یعنی ہم نے اسے حق کے ساتھ نازل کیا ہے یہ کتاب
 اپنی اخبار اور امر و نواہی میں حق پر مشتمل ہے ﴿مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتَابِ﴾ ”اپنے سے پہلی کتابوں
 کی تصدیق کرنے والی ہے“ کیونکہ یہ کتب سابقہ کی صداقت کی گواہی دیتی ہے ان کی موافقت کرتی ہے اس کی
 خبریں ان کی خبروں کے مطابق اور اس کے بڑے بڑے قوانین ان کے بڑے بڑے قوانین کے مطابق ہیں۔ ان
 کتابوں نے اس کتاب کے بارے میں خبر دی ہے۔ پس اس کا وجود ان کتب سابقہ کی خبر کا مصداق ہے ﴿وَمُهَيِّئْنَا
 عَلَيْهِ﴾ ”اور ان کے مضامین پر نگہبان ہے“ یعنی یہ کتاب ان امور پر مشتمل ہے جن امور پر سابقہ کتب مشتمل تھیں
 نیز مطالب الہیہ اور اخلاق نفسیہ میں بعض اضافے ہیں۔

یہ کتاب ہر اس حق بات کی پیروی کرتی ہے جو ان کتابوں میں آچکی ہے اور اس کی پیروی کا حکم اور اس کی
 ترغیب دیتی ہے اور حق تک پہنچانے کے بہت سے راستوں کی نشاندہی کرتی ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں حکمت
 دانائی اور احکام ہیں؛ جس پر کتب سابقہ کو پیش کیا جاتا ہے، لہذا جس کی صداقت کی یہ گواہی دے وہ مقبول ہے جس
 کو یہ رد کر دے وہ مردود ہے؛ کیونکہ وہ تحریف اور تبدیلی کا شکار ہو چکی ہے۔ ورنہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتی
 تو یہ اس کی مخالفت نہ کرتی۔ ﴿فَأَحْكَمْ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ ”پس ان کے درمیان اس کے موافق فیصلہ
 کریں جو اللہ نے اتارا“ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ ﷺ پر جو حکم شرعی نازل فرمایا ہے اس کے مطابق فیصلہ
 کیجئے ﴿وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ عَمَّا جَاءَكَ مِنَ الْحَقِّ﴾ ”اور آپ کے پاس جو حق آیا اسے چھوڑ کر ان کی

خواہشات کی پیروی نہ کریں، یعنی ان کی حق کے خلاف خواہشات فاسدہ کی اتباع کو اس حق کا بدل نہ بنائیں جو آپ ﷺ کے پاس آچکا ہے ورنہ آپ اعلیٰ کے بدلے ادنیٰ کو لیں گے۔ ﴿لِكُلِّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ﴾ ”تم میں سے ہر ایک کو دیا ہم نے، یعنی اے قومو! ﴿شِرْعَةً وَمِنْهَا جَا﴾ ”ایک دستور اور راہ، یعنی تم میں سے ہر ایک کے لئے ہم نے ایک راستہ اور طریقہ مقرر کر دیا ہے۔ یہ شریعتیں جو امتوں کے اختلاف کے ساتھ بدل جاتی رہی ہیں زمان و مکان اور احوال کے تغیر و تبدل کے مطابق ان شرائع میں تغیر و تبدل واقع ہوتا رہا ہے اور ہر شریعت اپنے نفاذ کے وقت عدل کی طرف راجع رہی ہے۔ مگر بڑے بڑے اصول جو ہر زمان و مکان میں مصلحت اور حکمت پر مبنی ہوتے ہیں کبھی نہیں بدلتے، وہ تمام شرائع میں مشروع ہوتے ہیں۔

﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَعَلَكُمْ أُمَّةً وَاحِدَةً﴾ ”اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک ہی امت بنا دیتا، یعنی ایک شریعت کی پیروی میں ایک امت بنا دیتا کسی متقدم اور متاخر امت میں کوئی اختلاف نہ ہوتا ﴿وَلَكِنْ لِّيَبَيِّنُ لَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ﴾ ”لیکن وہ تمہیں آ زمانا چاہتا ہے اپنے دیئے ہوئے حکموں میں، پس وہ تمہیں آ زمانے اور دیکھے کہ تم کیسے کام کرتے ہو۔ اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تقاضوں کے مطابق ہر قوم کو آ زمانا ہے اور ہر قوم کو اس کے احوال اور شان کے لائق عطا کرتا ہے، تاکہ قوموں کے درمیان مقابلہ رہے۔ پس ہر قوم دوسری قوم سے آگے بڑھنے کی خواہش مند ہوتی ہے اس لئے فرمایا: ﴿فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ﴾ ”نیک کاموں میں جلدی کرو۔“ یعنی نیکوں کے حصول کے لئے جلدی سے آگے بڑھو اور ان کی تکمیل کرو، کیونکہ وہ نیکیاں جو فرائض و مستحبات، حقوق اللہ اور حقوق العباد پر مشتمل ہوتی ہیں، ان کا فاعل ان دو امور کو مد نظر رکھے بغیر کسی سے آگے نہیں بڑھ سکتا۔

(۱) جب نیکی کرنے کا وقت آجائے اور اس کا سبب ظاہر ہو جائے تو فرصت کو غنیمت جانتے ہوئے جلدی سے اس کی طرف بڑھنا۔

(۲) اور حکم کے مطابق اسے کامل طور پر ادا کرنے کی کوشش کرنا۔

اس آیت کریمہ سے اس امر پر استدلال کیا جاتا ہے کہ نماز کو اول وقت پڑھنے کی کوشش کی جائے، نیز یہ آیت کریمہ اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ بندے کو صرف نماز وغیرہ اور دیگر امور واجبہ کی ادائیگی پر ہی اکتفا نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ مقدمہ بھر مستحبات پر بھی عمل کرے، تاکہ واجبات کی تکمیل ہو اور ان کے ذریعے سے سبقت حاصل ہو۔

﴿إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا﴾ ”تم سب کا لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے“ تمام امم سابقہ و لاحقہ کو اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو ایک ایسے روز اکٹھا کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک و شبہ نہیں ﴿فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ﴾ ”پس وہ تمہیں ان امور کی بابت خبر دے گا جن میں تم آپس میں

اختلاف کرتے تھے، یعنی جن شرائع اور اعمال کے بارے میں تمہارے درمیان اختلاف تھا۔ چنانچہ وہ اہل حق اور نیک عمل کرنے والوں کو ثواب سے نوازے گا اور اہل باطل اور بدکاروں کو سزا دے گا۔

﴿وَأَن اخْتَلَمُ بَيْنَهُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ اور ان کے درمیان اس کے موافق فیصلہ فرمائیں جو اللہ نے اتارا، کہا جاتا ہے کہ یہی وہ آیت کریمہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿فَاخْتَلَمُ بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ ان کے درمیان فیصلہ کریں یا اس سے روگردانی کریں، کو منسوخ کرتی ہے۔ صحیح رائے یہ ہے کہ یہ آیت کریمہ اس مذکورہ آیت کو منسوخ نہیں کرتی، پہلی آیت دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کے درمیان فیصلہ کرنے یا نہ کرنے کا اختیار دیا گیا تھا اور اس کا سبب یہ تھا کہ وہ حق کی خاطر فیصلہ کروانے کا قصد نہیں رکھتے تھے اور یہ (دوسری) آیت کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ جب آپ ﷺ ان کے درمیان فیصلہ کریں، تو اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ ہدایت، یعنی قرآن اور سنت کے مطابق فیصلہ کریں۔ یہی وہ انصاف ہے جس کے بارے میں گزشتہ صفحات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَأَن حَكَمْتَ فَاخْتَلَمُ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ﴾ اگر آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں تو انصاف کے ساتھ فیصلہ کریں“

یہ آیت کریمہ عدل کی توضیح و تمہین پر دلالت کرتی ہے، نیز یہ کہ عدل کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ شریعت کے احکام ہیں جو انتہائی عدل و انصاف پر مبنی اصولوں پر مشتمل ہیں اور جو کچھ ان احکام کے خلاف ہے، وہ سراسر ظلم و جور ہے۔ ﴿وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَهُمْ﴾ اور ان کی خواہشات کی پیروی نہ کریں، شدت تحذیر کی خاطر اللہ تعالیٰ نے بنگر آپ ﷺ کو ان کی خواہشات کی پیروی کرنے سے روکا ہے۔ نیز وہ آیت حکم اور فتویٰ کے مقام پر ہے اور اس میں زیادہ وسعت ہے اور یہ صرف حکم کے مقام پر ہے۔ دونوں آیات کا مفاد یہ ہے کہ ضروری ہے کہ ان کی خلاف حق خواہشات کی پیروی نہ کی جائے۔ بنا بریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَاحْذَرَهُمْ أَن يَفْتِنُوكَ عَنِ بَعْضِ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ إِلَيْكَ﴾ اور بچتے رہیں ان سے اس بات سے کہ وہ کہیں آپ کو بہکانے دیں کسی ایسے حکم سے جو اللہ نے آپ کی طرف اتارا، یعنی ان کی فریب کاریوں سے بچتے، نیز ان سے بچتے کہ وہ آپ کو فتنے میں ڈال کر آپ ﷺ کو کسی ایسی چیز سے نہ روک دیں جو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف نازل فرمائی ہے۔ پس ان کی خواہشات کی پیروی، حق واجب کو ترک کرنے کا باعث بنتی ہے جبکہ اتباع حق فرض ہے۔

﴿فَإِن تَوَلَّوْا﴾ پس اگر وہ نہ مانیں، یعنی اگر وہ آپ کی اتباع اور حق کی پیروی سے روگردانی کریں ﴿فَاعْلَمُ﴾ ”تو جان لیجئے“ کہ یہ روگردانی ان کے لئے سزا ہے ﴿أَلَمْ يَأْتِ اللَّهُ أَن يُصِيبَهُمْ بِبَعْضِ ذُنُوبِهِمْ﴾ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ ان کو ان کے گناہوں کے سبب کوئی سزا پہنچائے، کیونکہ گناہوں کے لئے دنیا و آخرت میں سزائیں مقرر ہیں اور سب سے بڑی سزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کو آزمائش میں مبتلا کر دے اور اتباع رسول کے

أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَسِرِينَ ﴿٥٦﴾

عمل ان کے اور ہو گئے وہ خسارہ اٹھانے والے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ یہود و نصاریٰ کے احوال اور غیر مستحسن صفات بیان کرتے ہوئے اپنے مومن بندوں کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ انہیں اپنا دوست نہ بنائیں ﴿بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ کیونکہ وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں، وہ ایک دوسرے کی مدد کرتے ہیں اور وہ دوسروں کے مقابلے میں ایک ہیں۔ پس تم ان کو دوست نہ بناؤ کیونکہ وہ درحقیقت تمہارے دشمن ہیں۔ انہیں تمہارے نقصان کی کوئی پروا نہیں، بلکہ وہ تمہیں گمراہ کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتے۔ انہیں وہی شخص دوست بنائے گا جو ان جیسا ہو۔ بنا بریں فرمایا: ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَوَاقِدٌ مِنْهُمْ﴾ اور جو کوئی تم میں سے ان سے دوستی کرے گا وہ انہی میں سے ہے، کیونکہ کامل دوستی ان کے دین میں منتقل ہونے کی موجب بنتی ہے۔ تھوڑی دوستی زیادہ دوستی کی طرف دعوت دیتی ہے پھر وہ آہستہ آہستہ بڑھتی جاتی ہے حتیٰ کہ بندہ انہی میں سے ہو جاتا ہے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا، یعنی وہ لوگ جن کا وصف ظلم ہے۔ ظلم ان کا مرجع اور ظلم ہی پر ان کا اعتماد ہے۔ اس لئے آپ ان کے پاس کوئی بھی آیت اور معجزہ لے کر آئیں وہ کبھی آپ کی اطاعت نہیں کریں گے۔

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل ایمان کو اہل کتاب سے دوستی رکھنے سے منع کیا تو آگاہ فرمایا کہ ایمان کا دعویٰ کرنے والوں میں سے ایک گروہ ان کے ساتھ دوستی رکھتا ہے۔ ﴿فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ﴾ پس آپ ان لوگوں کو دیکھیں گے جن کے دلوں میں روگ ہے، یعنی ان کے دلوں میں شک، نفاق اور ضعف ایمان ہے۔ کہتے ہیں کہ ہم نے ضرورت کے تحت ان کو دوست بنایا ہے اس لئے کہ ﴿نَخْشَى أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ﴾ ہم ڈرتے ہیں کہ ہم پر زمانے کی گردش نہ آجائے، یعنی ہمیں ڈر ہے کہ کہیں گردش ایام یہود و نصاریٰ کے حق میں نہ ہو جائے اور اگر زمانے کی گردش ان کے حق میں ہو تو ہمارا ان پر یہ احسان انہیں اس بدلے میں ہمارے ساتھ اچھا سلوک کرنے پر آمادہ کرے گا۔ یہ اسلام کے بارے میں ان کی انتہائی بدظنی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی بدظنی کا رد کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَنَّ بِالْفَتْحِ﴾ ہو سکتا ہے اللہ فتح عطا کرے، جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اسلام اور مسلمانوں کو یہود و نصاریٰ پر غالب کر دے ﴿أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ﴾ یا کوئی حکم اپنے پاس سے، جس سے منافقین، یہود وغیرہ کفار کے کامیاب ہونے سے مایوس ہو جائیں۔ ﴿فَيُصِيبُحُوا عَلَى مَا أَسْرَوْا﴾ پس ہو جائیں وہ اس پر جو کچھ وہ چھپاتے ہیں ﴿فِي أَنْفُسِهِمْ نِدْمِينَ﴾ اپنے نفسوں میں نادم، یعنی اس رویے پر جس کا اظہار ان کی طرف سے ہوا اور جس نے انہیں نقصان پہنچایا اور کوئی نفع انہیں حاصل نہ ہوا۔ پس مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے اسلام اور

مسلمانوں کو نصرت سے نوازا اور کفر اور کفار کو ذلیل کیا۔ پس ان کو ندامت اٹھانی پڑی اور انہیں ایسے غم کا سامنا کرنا پڑا جسے اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ اور کہتے ہیں وہ لوگ جو ایمان لائے، یعنی جن لوگوں کے دلوں میں بیماری ہے ان کے حال پر اہل ایمان تعجب کرتے ہوئے کہتے ہیں: ﴿أَهْؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ آيْمَانِهِمْ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ﴾ کیا یہ وہی لوگ ہیں جو بڑی تاکید سے اللہ کی قسمیں کھاتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں، یعنی انہوں نے نہایت تاکید کے ساتھ حلف اٹھایا اور مختلف انواع کی تاکیدات کے ذریعے سے پکا کر کے کہا کہ وہ ایمان لانے میں نیز ایمان کے لوازم یعنی نصرت، محبت اور موالات میں ان کے ساتھ ہیں۔

مگر جو کچھ وہ چھپاتے رہے ہیں وہ ظاہر ہو گیا، ان کے تمام بھید عیاں ہو گئے۔ ان کی سازشوں کے وہ تمام تانے بانے جو وہ بنا کرتے تھے اور ان کے وہ تمام ظن و گمان جو وہ اسلام کے بارے میں رکھا کرتے تھے باطل ہو گئے اور ان کی سب چالیں ناکام ہو گئیں ﴿حَبَطَتْ أَعْمَالُهُمْ﴾ ”پس (دنیا میں) ان کے تمام اعمال اکارت گئے“ ﴿فَأَصْبَحُوا خَسِرِينَ﴾ ”اور وہ خائب و خاسر ہو کر رہ گئے“ کیونکہ وہ اپنا مقصد حاصل کرنے میں ناکام رہے اور بدبختی اور عذاب نے انہیں گھیر لیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ
اسے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جو پھر جائے تم میں سے اپنے دین سے، تو عقرب لائے گا اللہ
بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ لَا أَذِلَّةَ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ
ایسے لوگ کہ محبت کرتا ہوگا وہ ان سے اور وہ محبت کرتے ہوں گے اس سے نرم ہوں گے مومنوں پر سختی کرنے والے کافروں پر
يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ
وہ جہاد کریں گے اللہ کی راہ میں اور نہ ڈریں گے وہ کسی ملامت گر کی ملامت سے یہ فضل ہے اللہ کا

يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ ﴿٥٧﴾

دیتا ہے وہ جسے چاہتا ہے اور اللہ کثرت و الاغوب جاننے والا ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ وہ تمام جہانوں سے بے نیاز ہے جو کوئی اس کے دین سے پھر جاتا ہے وہ اللہ کا کوئی نقصان نہیں کر سکتا بلکہ وہ اپنے آپ کو ہی نقصان پہنچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے کچھ مخلص اور سچے بندے ہیں اللہ رحمان و رحیم ان کی ہدایت کا ضامن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو لانے کا وعدہ کیا ہے۔ وہ اپنے اوصاف میں سب سے کامل اپنے جسم میں سب سے طاقتور اور اپنے اخلاق میں سب سے اچھے ہیں۔

ان کی سب سے بڑی صفت یہ ہے ﴿يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ﴾ ”اللہ ان سے محبت کرتا ہے اور وہ اللہ سے محبت

کرتے ہیں۔“ بندے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی محبت جلیل ترین نعمت ہے جس کے ساتھ اس نے اپنے بندے کو نوازا ہے اور سب سے بڑی فضیلت ہے جس سے اللہ نے اپنے بندے کو مشرف فرمایا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے محبت کرتا ہے تو وہ اس کے لئے تمام اسباب مہیا کر دیتا ہے ہر قسم کی مشکل اس پر آسان کر دیتا ہے نیک کام کرنے اور برائیوں کو ترک کرنے کی توفیق عطا کرتا ہے اور بندوں کے دلوں کو محبت اور مودت کے ساتھ اس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے۔

اپنے رب کے ساتھ بندے کی محبت کا لازمی تقاضا یہ ہے کہ وہ اپنے اقوال و افعال اور تمام احوال میں ظاہری اور باطنی طور پر رسول اللہ ﷺ کی متابعت کی صفت سے متصف ہو، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ﴾ (آل عمران: ۳۱/۳) ”کہہ دو کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔“ جیسے بندے کے ساتھ رب کی محبت کے لوازم میں سے یہ ہے کہ بندہ کثرت سے فرائض اور نوافل کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرتا ہے۔ جیسا کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک صحیح حدیث میں اللہ تبارک و تعالیٰ سے نقل فرمایا ہے ”میرا بندہ جس چیز کے ذریعے سے میرا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے ان میں فرائض سے بڑھ کر کوئی چیز مجھے محبوب نہیں۔ میرا بندہ نوافل کے ذریعے سے میرا تقرب حاصل کرتا رہتا ہے یہاں تک کہ میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگ جاتا ہوں تو میں اس کے کان بن جاتا ہوں جن کے ذریعے سے وہ سنتا ہے میں اس کی آنکھیں بن جاتا ہوں جن کے ذریعے سے وہ دیکھتا ہے میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں جن کے ذریعے سے پکڑتا ہے اور میں اس کے پاؤں بن جاتا ہوں جن کے ذریعے سے وہ چلتا ہے اگر وہ مجھ سے سوال کرے تو میں اسے عطا کرتا ہوں اور اگر وہ مجھ سے پناہ مانگے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں“^①

اور اللہ تعالیٰ کی محبت کے لوازم میں سے اس کی معرفت اور کثرت کے ساتھ اس کا ذکر کرنا بھی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی معرفت کے بغیر اس کے ساتھ محبت ناقص ہے بلکہ اس محبت کا وجود ہی نہیں اگرچہ اس کا دعویٰ کیا جائے۔ جو اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے وہ کثرت سے اس کا ذکر کرتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کسی بندے سے محبت کرتا ہے تو اس کے تھوڑے سے عمل کو قبول فرما لیتا ہے اور اس کی بہت سی لغزشوں کو معاف کر دیتا ہے۔

اور اللہ تعالیٰ کے محبوب لوگوں کی صفات میں سے یہ ہے ﴿أَذَلَّةٌ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٌ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ ”نرم ہیں مومنوں پر سخت ہیں کافروں پر“ پس وہ اہل ایمان کے ساتھ محبت ان کے لئے خیر خواہی ان کے لئے نرمی اور مہربانی ان کے لئے رحمت و رافت اور ان کے ساتھ شفقت بھرے رویے کی بنا پر ان کے لئے نرم خو

① صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب التواضع، حدیث: ۶۵۰۲

ہوتے ہیں، نیز کسی ایسی چیز کے قرب کی بنا پر جو اس سے مطلوب ہے اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنے والوں کی اس کی آیت سے عناد رکھنے والوں اور اس کے رسولوں کو جھٹلانے والوں کے لئے بہت سخت ہوتے ہیں۔ ان کی عداوت پر ان کی ہمت اور عزائم مجتمع ہوتے ہیں اور وہ ان پر فتح حاصل کرنے کے لئے ہر سبب میں پوری کوشش کرتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَأَعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ (الانفال: ۶۰/۸) ”جہاں تک ہو سکے قوت و طاقت کے ساتھ اور گھوڑوں کو تیار رکھ کر ان کے مقابلے کے لئے مستعد رہو اس کے ذریعے سے تم اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو ڈرائے رکھو۔“ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿أَشِدُّوا عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءَ بَيْنَهُمْ﴾ (الفتح: ۲۹/۴۸) ”وہ کافروں کے لئے نہایت سخت اور آپس میں بہت مہربان ہیں۔“ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کے بارے میں سخت رویہ رکھنا ان ذرائع میں سے ایک ذریعہ ہے جس سے بندہ اپنے رب کا قرب حاصل کرتا ہے اور ان کے ساتھ سختی اور ناراضی میں بندہ اپنے رب کی موافقت کرتا ہے اور ان کے بارے میں سخت رویہ ان کو دین اسلام کی طرف ایسے طریقے سے دعوت دینے سے مانع نہیں جو بہتر ہو۔ ان کے بارے میں سخت رویہ اور دعوت دین میں نرمی دونوں یکجا ہوں۔ دونوں امور میں ان کے لئے مصلحت ہے جس کا فائدہ انہی کی طرف لوٹتا ہے۔

﴿يُجَاهِدُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ ”وہ (اپنی جان مال اقوال اور افعال کے ذریعے سے) اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں“ ﴿وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَائِمٍ﴾ ”وہ کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہیں ڈرتے“ بلکہ وہ اپنے رب کی رضا کو مقدم رکھتے ہیں اور مخلوق کی ملامت کی بجائے اپنے رب کی ملامت سے ڈرتے ہیں۔ اور یہ رویہ ان کے ارادوں اور عزائم کی پختگی پر دلالت کرتا ہے کیونکہ کمزور دل والا ارادے کا بھی کمزور ہوتا ہے۔ ملامت گروں کی ملامت پر اس کی عزیمت ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو جاتی ہے اور نکتہ چینیوں کی نکتہ چینی پر اس کی قوت کمزور ہو جاتی ہے۔ مخلوق کی رعایت ان کی رضا اور ناراضی کو اللہ تعالیٰ کے حکم پر ترجیح کے مطابق بندوں کے دلوں میں غیر اللہ کا تعبد جنم لیتا ہے۔ قلب غیر اللہ کی عبادت سے اس وقت تک محفوظ نہیں ہوتا جب تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں ملامت کرنے والوں کی ملامت سے ڈرنا چھوڑ نہ دے۔

چونکہ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ان صفات جمیلہ اور مناقب عالیہ سے نواز کر ان کی مدح کی ہے جو ایسے افعال خیر کو مستلزم ہیں جن کا ذکر نہیں کیا گیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ یہ ان پر محض اس کا فضل و احسان ہے، تاکہ وہ خود پسندی کا شکار نہ ہوں اور وہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں جس نے ان پر احسان کیا تاکہ وہ ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ نوازے اور دوسرے لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم محبوب نہیں۔ بنا بریں فرمایا ﴿ذَلِكَ فَضْلُ اللَّهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلِيمٌ﴾ ”یہ اللہ کا فضل ہے، وہ جسے چاہتا ہے اس سے

نوازتا ہے اور اللہ کشمکش والا جاننے والا ہے، یعنی وہ وسیع فضل و کرم اور بے پایاں احسان کا مالک ہے۔ اس کی رحمت ہر چیز پر سایہ کننا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے اولیا کو وسیع فضل و کرم سے نوازتا ہے جس سے وہ اور لوگوں کو نہیں نوازتا۔ مگر وہ علم رکھتا ہے کہ کون اس کے فضل کا مستحق ہے پس وہ اسی کو عطا کرتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ زیادہ جانتا ہے کہ اصولی اور فروعی طور پر رسالت سے کسے نوازنا ہے۔

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَ
تہمارے دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول اور وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے جو قائم کرتے ہیں نماز اور
يُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ ذُكْعُونَ ۝۵۰ وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ
دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ رکوع کرنے والے ہیں اور جو کوئی دوستی رکھے گا اللہ اور اس کے رسول سے اور ان لوگوں سے
آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ ۝۵۱

جو ایمان لائے تو یقیناً گروہ اللہ کا وہی ہے غالب آنے والا ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب یہود و نصاریٰ وغیرہ کفار کی دوستی سے روکا اور ذکر فرمایا کہ ان کی دوستی کا انجام واضح خسارہ ہے۔ جس کی دوستی متعین اور واجب ہے اب اس کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے اس کے فائدے اور مصلحت کا ذکر کیا ہے ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ﴾ ”تمہارا دوست تو صرف اللہ اور اس کا رسول ہی ہے“ اللہ تعالیٰ کی ولایت (دوستی) ایمان اور تقویٰ کے ذریعے سے حاصل ہوتی ہے۔ جو کوئی صاحب ایمان اور متقی ہے وہ اللہ کا ولی یعنی دوست ہے اور جو اللہ کا دوست ہے وہ اس کے رسول ﷺ کا دوست ہے۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو دوست بناتا ہے تو اس دوستی کی تکمیل یہ ہے کہ اللہ جن کو دوست بناتا ہے یہ بھی انہی کو دوست بنائے اور وہ ہیں اہل ایمان جو ایمان کے ظاہری اور باطنی تقاضوں کو پورا کرتے ہیں اور موجود کے لئے دین کو خالص کرتے ہیں یعنی نماز کو اس کی تمام شرائط و فرائض اور اس کو مکمل کرنے والے امور کے ساتھ قائم کرتے ہیں مخلوق کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آتے ہیں اور اپنے اموال میں سے اپنے میں سے مستحق لوگوں کو زکوٰۃ دیتے ہیں۔ ﴿وَهُمْ ذُكْعُونَ﴾ ”اور (اللہ کے آگے) جھکتے ہیں۔“ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کے سامنے خضوع اور تدلل اختیار کرتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ارشاد ﴿إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ میں حصر کا اسلوب دلالت کرتا ہے کہ ان مذکور لوگوں کی دوستی پر اقتصار کرنا اور ان کے علاوہ دیگر لوگوں سے براءت کا اظہار کرنا ضروری ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس دوستی کا فائدہ بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا فَإِنَّ حِزْبَ اللَّهِ هُمُ الْغَالِبُونَ﴾ ”اور جو اللہ سے اس کے رسول سے اور ایمان والوں سے دوستی رکھتا ہے تو بے

شک اللہ کا گروہ ہی غالب آنے والا ہے، یعنی وہ اس گروہ میں شمار ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے عبودیت اور ولایت کی اضافت رکھتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا حزب غالب ان لوگوں پر مشتمل ہے جن کا انجام دنیا و آخرت میں اچھا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَإِنَّ جُنَدَنَا لَهُمُ الْغَالِبُونَ﴾ (الصافات: ۱۷۳، ۱۷۴) ”بے شک ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔“ یہ اس شخص کے لئے بہت بڑی بشارت ہے جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کر کے اس کے گروہ اور لشکر میں شامل ہو جاتا ہے کہ غلبہ اسی کے لئے ہے۔ اگرچہ بعض اوقات اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تحت وہ مغلوب بھی ہو جاتا ہے مگر انجام کار فتح و غلبہ سے وہی بہرہ ور ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر سچی بات کہنے والا کون ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُؤًا وَ لَعِبًا
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ بناؤ تم ان لوگوں کو جنہوں نے بنا لیا تمہارے دین کو ہنسی اور کھیل
مِنَ الَّذِينَ أَوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكَفَّارَ أَوْلِيَاءَ وَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ
ان لوگوں میں سے کہ دیئے گئے وہ کتاب پہلے تم سے اور نہ کافروں کو (اپنا) دوست۔ اور ڈرو اللہ سے اگر
كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۵۴﴾ وَ إِذَا نَادَيْتُمْ إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُؤًا
ہو تم مؤمن ○ اور جب تم پکارتے ہو طرف نماز کی تو بنا لیتے ہیں وہ اسے ہنسی
وَ لَعِبًا ۖ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۵۵﴾
اور کھیل یہ اس سبب سے کہ ہیں وہ لوگ نہیں عقل رکھتے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے مؤمن بندوں کو یہود و نصاریٰ اور دیگر تمام کفار کے ساتھ موالات رکھنے سے منع کرتا ہے۔ وہ ان سے محبت نہ کریں ان کو دوست نہ بنائیں ان پر اہل ایمان کے بھید نہ کھولیں اور بعض ایسے امور پر ان کی معاونت نہ کریں جن سے اسلام اور مسلمانوں کو نقصان پہنچتا ہو۔ ان کا ایمان کفار کے ساتھ ترک موالات کا موجب ہے اور ان کو کفار کے ساتھ عداوت رکھنے کی ترغیب دیتا ہے۔ اسی طرح ان کا تقویٰ کا التزام۔۔۔ جو کہ نام ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت اور اس کی نواہی سے اجتناب کا۔۔۔ کفار کے ساتھ عداوت کی دعوت دیتا ہے۔ اسی طرح مشرکین، کفار اور مسلمانوں کے دیگر مخالفین کا رویہ بھی اسی بات کا متقاضی ہے کہ مسلمان ان سے دوستی کی بجائے دشمنی رکھیں۔ یہ لوگ دین اسلام میں نکتہ چینی کرتے ہیں اسلام کے ساتھ استہزا کرتے اور تمسخر اڑاتے ہیں اور دین کی تحقیر کرتے ہیں خصوصاً نماز کے بارے میں جو کہ مسلمانوں کا سب سے بڑا شعار اور سب سے بڑی عبادت ہے۔ جب مسلمان نماز کے لئے اذان دیتے ہیں تو اس کا مذاق اڑاتے ہیں اور اس کا سبب ان کی کم عقلی اور جہالت ہے۔ ورنہ اگر ان میں عقل ہوتی تو وہ نماز کی افادیت کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے اور

انہیں معلوم ہو جاتا کہ نماز ہی ان فضائل میں سب سے بڑی فضیلت ہے جس سے نفوس انسانی متصف ہوتے ہیں۔

پس اے مومنو! جب تمہیں کفار کا حال معلوم ہے اور تمہیں یہ بھی معلوم ہے کہ وہ تمہارے اور تمہارے دین کے ساتھ کتنی شدید عداوت رکھتے ہیں جو کوئی اس صورتحال کے بعد بھی انہیں اپنا دشمن نہیں سمجھتا تو یہ اس امر کی دلیل ہے کہ اسلام اس کے نزدیک بہت سستی چیز ہے اور اسے اس بات کی کوئی پروا نہیں کہ کوئی اس میں طعن و تشنیع کرتا ہے یا اسے کفر اور ضلالت قرار دیتا ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس شخص کے اندر مروت اور انسانیت نام کی کوئی چیز نہیں۔ آپ اپنے لئے دین قیم کا کیسے دعویٰ کر سکتے ہیں اور کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اسلام دین حق ہے اور اس کے سوا تمام ادیان باطل ہیں جب کہ حال یہ ہے کہ آپ ان جاہل اور احمق لوگوں کی موالات پر راضی ہیں جو آپ کے دین کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں اور اسلام اور مسلمانوں کا تمسخر اڑاتے ہیں؟ اس آیت کریمہ میں کفار کے ساتھ عداوت رکھنے کی ترغیب ہے اور یہ بات ہر اس شخص کو معلوم ہے جو ادنیٰ سا بھی فہم رکھتا ہے۔

قُلْ يَا هَلْ الْكِتَابِ هَلْ تَنْقِبُونَ مِنَّا إِلَّا أَنْ أَمَّنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ

کہہ دیجئے! اے اہل کتاب! انہیں کہ (خند) رکھتے تم ہم سے گمراہوں کے ایمان لائے ہم ساتھ اللہ کے اور (ساتھ) اس چیز کے جو نازل کی گئی

إِلَيْنَا وَمَا أُنزِلَ مِنْ قَبْلُ ۚ وَأَنْ أَكْثَرُكُمْ فَسِقُونَ ﴿۵۹﴾ قُلْ هَلْ أُنَبِّئُكُمْ

ہماری طرف اور جو نازل کی گئی اس سے پہلے اور یہ کہ اکثر تم میں فاسق ہیں ○ کہہ دیجئے! کیا خبر دوں میں تم کو

بَشِيرٍ مِّنْ ذَلِكَ مَثُوبَةً عِنْدَ اللَّهِ ط مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ

بدر کی اس سے جزا کے اعتبار سے نزدیک اللہ کے؟ وہ شخص کہ لعنت کی اس پر اللہ نے اور غصے ہوا اور اس کے اور کئے

مِنْهُمْ الْقُرْدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتِ أُولَئِكَ شَرٌّ مَّكَانًا

ان میں سے بندر اور سور اور پوجا کی اس نے شیطان کی وہی لوگ ہیں بدر درجے میں

وَأَضَلُّ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿۶۰﴾ وَإِذَا جَاءُوكُمْ قَالُوا آمَنَّا وَقَدْ دَخَلُوا

اور زیادہ گمراہ ہیں سیدھی راہ سے ○ اور جب آتے ہیں وہ تمہارے پاس تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اور حال یہ ہے کہ وہ داخل ہوئے تھے

بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ ط وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ ﴿۶۱﴾ وَ تَرَى

ساتھ کفر کے اور نکل گئے ساتھ اسی کے۔ اور اللہ خوب جانتا ہے اس چیز کو کہ تھے وہ چھپاتے ○ اور آپ دیکھیں گے

كَثِيرًا مِنْهُمْ يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَأَكْلِهِمُ السُّحْتِ ط لَيْسَ مَا كَانُوا

بہتوں کو ان میں سے جلدی کرتے ہیں گناہ میں اور زیادتی میں اور اپنے حرام کھانے میں البتہ بہت برا ہے وہ جو کچھ کہتے

يَعْمَلُونَ ﴿۶۲﴾ لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبُّنِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ

وہ کرتے ○ کیوں نہیں روکتے ان کو رب والے اور علماء ان کے گناہ کی بات کہنے سے

وَ أَكْلِهِمُ السُّحْتِ ط لَيْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ ﴿۳۳﴾

اور ان کے حرام کھانے سے البتہ برا ہے وہ جو کچھ کتھے وہ کرتے

﴿قُل﴾ یعنی اے رسول کہہ دیجئے! ﴿يَا هَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ﴾ ”اے اہل کتاب!“ یعنی ان پر حجت لازم کرتے ہوئے۔ بلاشبہ دین اسلام دین حق ہے اور اس میں طعن و تشنیع ایک ایسے معاملے میں طعن و تشنیع ہے جو درحقیقت مدح کے لائق ہے۔ ﴿هَلْ تَنْقُضُونَ مِيثَاقًا إِنَّمَا آتَيْنَا بِاللَّهِ وَمَا أَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ مِنْ قَبْلُ وَ أَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ الْكِتَابَ فَتُحْضِرُونَ فِيهِ آيَاتِ اللَّهِ فَتُحْضِرُونَ﴾ ”تم ہم میں برائی ہی کیا دیکھتے ہو سوائے اس کے کہ ہم اللہ پر اور جو (کتاب) ہم پر نازل ہوئی اس پر اور جو (کتا ہیں) پہلے نازل ہوئیں ان پر ایمان لائے ہیں اور تم میں اکثر فاسق ہیں۔“ یعنی اس کے سوا ہم میں اور کیا عیب ہے کہ ہم اللہ پر ایمان لائے ہیں اس کی گزشتہ کتابوں اور انبیائے متقدمین و متاخرین پر بھی ایمان رکھتے ہیں اور ہم نہایت جزم کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ جو کوئی اس ایمان جیسا ایمان نہیں رکھتا وہ کافر اور فاسق ہے۔ کیا تم صرف اس امر کی بنا پر ہمیں طعن و تشنیع کرتے ہو جو تمام مکلفین پر سب سے زیادہ فرض ہے اور بائیں ہمہ کہ ان میں سے اکثر فاسق ہیں یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے باہر اور اس کی نافرمانی کی جسارت کرنے والے ہیں تو اے فاسقو! تمہارے لئے خاموش رہنا ہی بہتر ہے۔ پس اگر تم میں یہی عیب ہوتا جب کہ تم فسق سے پاک ہوتے، حالانکہ یہ بہت بعید ہے۔۔۔ تو یہ برائی تمہارے فسق کی معیت میں تمہارے ہماری بابت طعن و تشنیع سے خفیف تر ہوتی۔

اہل ایمان پر ان کا طعن و تشنیع کرنا اس امر کا تقاضا کرتا ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھتے ہیں کہ اہل ایمان میں برائی ہے اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُل﴾ یعنی انکی برائی اور قباحت کے بارے میں ان کو آگاہ کرتے ہوئے کہہ دیجئے ﴿هَلْ أَنْتُمْ بِمَشِيرَةٍ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ ”کیا میں تمہیں خبر دوں اس سے بھی بری بات کی؟“ جس کے بارے میں تم ہمیں طعن و تشنیع کرتے ہو اس کو صحیح فرض کرتے ہوئے ﴿مَنْ لَعَنَهُ اللَّهُ﴾ ”جس پر اللہ نے لعنت کی۔“ یعنی اس کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ﴿وَعَضِبَ عَلَيْهِ﴾ ”اس پر غضب نازل کیا“ یعنی اسے دنیا و آخرت کے عذاب میں مبتلا کیا ﴿وَجَعَلَ مِنْهُمْ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيرَ وَ عِبَادَ الطَّاغُوتِ﴾ ”اور ان میں سے بعضوں کو بندر اور سور بنا دیا اور جنہوں نے طاغوت کی بندگی کی“ یہاں طاغوت سے مراد شیطان ہے اور ہر وہ چیز جس کی اللہ کے سوا عبادت کی جائے وہ طاغوت ہے۔

﴿أُولَٰئِكَ﴾ یعنی وہ لوگ جن کا ان فیج خصال کے حوالے سے ذکر کیا گیا ہے ﴿شَرٌّ مِمَّا كَانَ﴾ ”ان کا ٹھکانا (اہل ایمان سے) برا ہے۔“ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ان کی نسبت زیادہ قریب ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اس نے ان کو دنیا و آخرت میں ثواب سے نواز دیا ہے، کیونکہ انہوں نے اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لئے

خالص کر لیا۔

یہ ”أَفْعَلُ التَّفْضِيلِ“ کو ایک دوسرے اسلوب میں استعمال کرنے کی نوع ہے اور اسی طرح یہ قول ہے۔ ﴿وَأَضَلُّ عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ﴾ اور بہت نیچے ہوئے ہیں سیدھی راہ سے، یعنی وہ اعتدال کی راہ سے بہت دور ہیں۔ ﴿وَإِذَا جَاءَ وَكُمُ قَالُوا آمَنَّا﴾ اور جب وہ تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لائے، یعنی وہ مکرو فریب اور نفاق کی بنا پر کہتے ہیں ﴿وَقَدْ خَلُّوا بِالْكَفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوا بِهِ﴾ حالانکہ وہ کفر لے کر آتے ہیں اور اسی کو لے کر جاتے ہیں۔ یعنی وہ اس حال میں داخل ہوئے کہ وہ کفر میں گھرے ہوئے تھے اور اسی کے ساتھ وہ نکلے۔ پس ان کا داخل ہونا اور ان کا نکلنا کفر کے ساتھ ہے۔ بایں ہمہ وہ اپنے آپ کو مومن کہتے ہیں۔ ان سے زیادہ برا اور ان سے زیادہ بد حال کوئی اور ہو سکتا ہے؟ ﴿وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا كَانُوا يَكْتُمُونَ﴾ اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں، پس اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اچھے برے اعمال کا بدلہ دے گا۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے مومن بندوں کی مدد اور تائید کی خاطر بتکرار ان یہود و کفار کے معایب بیان کرتا ہے۔ ﴿وَتَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ﴾ اور تو ان میں سے اکثر کو دیکھے گا، یعنی یہودیوں میں سے ﴿يُسَارِعُونَ فِي الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ وہ گناہ اور زیادتی میں دوڑ کر حصہ لیتے ہیں، یعنی وہ ان گناہوں کی طرف سبقت کرتے ہیں جو خالق کے حقوق سے متعلق ہیں اور مخلوق پر ظلم اور تعدی کے زمرے میں آتے ہیں ﴿وَآكَلْهُمْ السُّحْتِ﴾ اور ان کے حرام کھانے پر، جو کہ حرام ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے صرف یہ خبر دینے پر اکتفا نہیں کیا کہ وہ ان افعال کا ارتکاب کرتے ہیں بلکہ یہ بھی خبر دی کہ وہ ان افعال بد میں سبقت کرتے ہیں اور یہ چیز ان کی خباثت اور برائی پر دلالت کرتی ہے۔ گناہ اور ظلم ان کے نفس کی فطرت کا حصہ بن گئے۔ یہ ہے ان کا حال اور وہ ہیں کہ اپنے لئے مقامات بلند کا دعویٰ کرتے ہیں ﴿لَيْسَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ بہت برے کام ہیں جو وہ کر رہے ہیں، یہ ان کی مذمت اور ان کی تشنیع کی انتہا ہے۔

﴿لَوْلَا يَنْهَاهُمُ الرَّبِّيُّونَ وَالْأَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْإِثْمَ وَآكَلِهِمُ السُّحْتِ﴾ کیوں نہیں روکتے ان کو درویش اور علماء گناہ کی بات کہنے سے اور حرام کھانے سے، یعنی علماء جو عوام الناس کے نفع کے درپے ہوتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے علم و دانش سے نوازا ہے، انہوں نے لوگوں کو ان گناہوں سے کیوں نہ روکا جو ان سے صادر ہوتے ہیں تاکہ ان سے جہالت دور ہو جاتی اور ان پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو جاتی۔ کیونکہ یہ علماء ہی کی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو نیکیوں کا حکم دیں اور برائیوں سے منع کریں اور ان کے سامنے دین کا راستہ واضح کریں، انہیں بھلائیوں کی ترغیب دیں اور برائیوں کے انجام سے ڈرائیں ﴿لَيْسَ مَا كَانُوا يَصْنَعُونَ﴾ بلاشبہ وہ بہت برا کرتے ہیں۔“

وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلَعْنُوا بِمَا قَالُوا بَلْ يَدَا
 اور کہا یہود نے ہاتھ اللہ کے بندھے ہوئے ہیں۔ بند ہو جائیں ہاتھ انہی کے اور لعنت کئے جائیں بسبب انکے قول کے بلکہ اس کے تو دونوں ہاتھ
 مَبْسُوطَتَيْنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ وَلِيَزِيدَنَّ كَثِيرًا مِنْهُمْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ
 کھلے ہیں وہ خرچ کرتا ہے جیسے چاہتا ہے اور یقیناً زیادہ کریگا بہتوں کو ان میں سے (وہ قرآن) جو اتارا گیا آپ کی جانب، طرف سے
 رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا وَالْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ
 آپ کے رب کی سرکشی اور کفر میں۔ اور ڈال دی ہم نے ان کے درمیان عداوت اور بغض قیامت کے دن تک
 كَلِمًا أَوْ قَدُوا نَارًا لِلْحَرْبِ أَطْفَاهَا اللَّهُ وَيَسْعُونَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا
 جب کبھی جلاتے ہیں وہ آگ لڑائی کے لیے تو بجھا دیتا ہے اسے اللہ اور دوڑتے پھرتے ہیں وہ زمین میں فساد کرنے کو
 وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴿۳۷﴾ وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ
 اور اللہ نہیں پسند کرتا فساد یوں کو اور اگر بیشک اہل کتاب ایمان لے آئیں اور تقویٰ اختیار کر لیں تو یقیناً دور کر دیں گے ہم ان سے
 سَيِّئَاتِهِمْ وَلَا دَخَلْنَا لَهُمُ جَنَّتِ النَّعِيمِ ﴿۳۸﴾ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ
 ان کی برائیاں اور ضرور داخل کریں گے ان کو نعمت والے باغوں میں اور اگر بیشک وہ قائم رکھتے تورات اور انجیل کو
 وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ
 اور جو کچھ نازل کیا گیا ہے انکی طرف ان کے رب کی طرف سے تو یقیناً کھاتے وہ اپنے اوپر سے اور اپنے پیروں کے نیچے سے
 مِنْهُمْ أُمَّةٌ مُقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءٌ مَا يَعْمَلُونَ ﴿۳۹﴾

ان میں سے ایک گروہ ہے درمیانی راہ چلنے والا اور زیادہ لوگ ان میں سے برا ہے جو وہ کر رہے ہیں

اللہ تبارک و تعالیٰ یہود کے انتہائی خبیث قول اور ان کے قبیح ترین عقیدے کے بارے میں آگاہ کرتے
 ہوئے فرماتا ہے: ﴿وَقَالَتِ الْيَهُودُ يَدُ اللَّهِ مَغْلُولَةٌ﴾ ”یہود نے کہا اللہ کا ہاتھ بند ہو گیا ہے“ یعنی بھلائی احسان
 اور نیکی سے ﴿غُلَّتْ أَيْدِيهِمْ وَلَعْنُوا بِمَا قَالُوا﴾ ”انہی کے ہاتھ بند ہو جائیں اور لعنت ہے ان کے اس کہنے
 پر“ یہ انہی کی گفتگو کی جنس کے ساتھ ان کے لئے بددعا ہے چونکہ ان کی یہ بدگوئی اللہ کریم کو بخل اور عدم احسان کی
 صفات سے متصف کرنے کو متضمن ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان پر اسی وصف کو منطبق کر کے ان کو اس بدگوئی کا
 بدلہ دیا ہے۔ پس یہود بخیل ترین، نیکی کے اعتبار سے قلیل ترین اللہ تعالیٰ کے بارے میں سوء ظنی میں بدترین اور اللہ
 تعالیٰ کی اس رحمت سے بعید ترین لوگ ہیں جو ہر چیز پر سایہ کناں ہے اور جس سے تمام عالم علوی اور سفلی لبریز
 ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿بَلْ يَدَا مَبْسُوطَتَيْنِ يُنْفِقُ كَيْفَ يَشَاءُ﴾ ”بلکہ اس کے تو دونوں ہاتھ
 کھلے ہوئے ہیں وہ جیسے چاہتا ہے خرچ کرتا ہے“ اس پر کوئی پابندی عائد نہیں اور کوئی روکنے والا نہیں جو اسے اپنے

ارادے سے روک سکے۔ اس کا فضل و کرم اور دینی اور دنیاوی احسان بہت وسیع ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو حکم دیا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے جود و کرم کے جھونکوں سے مستفید ہوں۔ وہ اپنی نافرمانیوں کے ذریعے سے اپنے آپ پر اس کے فضل و احسان کے دروازے بند نہ کریں۔ اس کی داد و دہش دن رات جاری ہے اس کی عطا و بخشش ہر وقت موسلا دھار بارش کی مانند ہے۔

وہ دکھوں کو دور کرتا ہے، غموں کا ازالہ کرتا ہے، محتاج کو بے نیاز کرتا ہے، قیدی کو آزاد کرتا ہے، ٹوٹے ہوئے کو جوڑتا ہے، مانگنے والے کی دعا قبول کرتا ہے، محتاج کو عطا کرتا ہے، مجبوروں کو ان کی پکار کا جواب دیتا ہے، سوال کرنے والوں کے سوال کو پورا کرتا ہے۔ جو اس سے سوال نہیں کرتا اسے بھی نعمتیں عطا کرتا ہے، جو اس سے عافیت طلب کرتا ہے اسے عافیت عطا کرتا ہے، وہ کسی نافرمان کو اپنی بھلائی سے محروم نہیں کرتا بلکہ نیک اور بد سب اس کی بھلائی سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ وہ اپنے اولیا کو نیک اعمال کی توفیق سے نوازتا ہے جو اس کا جود و کرم ہے، پھر وہ ان اعمال پر ان کی تعریف کرتا اور ان کی اضافت ان کی طرف کرتا ہے اور یہ بھی اس کے جود و کرم کا نتیجہ ہے اور ان کو دنیا و آخرت میں ایسا ثواب عطا کرتا ہے کہ زبان اس کے بیان سے قاصر ہے اور بندے کے طائر خیال کی اس تک رسائی ممکن نہیں۔ وہ تمام امور میں ان کو لطف و کرم سے نوازتا ہے۔ وہ اپنا احسان ان تک پہنچاتا رہتا ہے۔ وہ اپنے طور پر ہی ان سے بہت سی مصیبتیں دور کر دیتا ہے کہ ان کو اس کا شعور تک نہیں ہوتا۔

پاک ہے وہ ذات کہ بندوں کے پاس جو نعمت ہے وہ اسی کی طرف سے ہے اور تکالیف کو دور کرنے کے لئے اسی کے سامنے گڑگڑاتے ہیں اور برکت والی ہے وہ ذات جس کی مدح و ثنا کو کوئی شمار نہیں کر سکتا، بس وہ ایسے ہے جیسے اس نے خود اپنی مدح و ثنائیاں کی۔ بالا و بلند ہے وہ ہستی کہ بندے ایک لمحے کے لئے بھی اس کے فضل و کرم سے علیحدہ نہیں ہوتے بلکہ ان کا وجود اور ان کی بقا اسی کے جود و کرم کی مرہون ہے۔

اللہ تعالیٰ برا کرے ان لوگوں کا جو اپنی جہالت کی بنا پر اپنے آپ کو اپنے رب سے بے نیاز سمجھتے ہیں اور اس کی طرف ایسے امور منسوب کرتے ہیں جو اس کی جلالت کے لائق نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ان یہود کے ساتھ جنہوں نے یہ بدگوئی کی ہے اور ان جیسے دیگر لوگوں کے ساتھ ان کے کسی قول پر معاملہ کرتا، تو وہ ہلاک ہو جاتے اور دنیا میں بدبختی کا شکار ہو جاتے۔ مگر وہ اس قسم کی گستاخانہ باتیں کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے بردباری سے پیش آتا ہے اور ان سے درگزر فرماتا ہے، ان کو ڈھیل دیتا ہے مگر ان کو مہمل نہیں چھوڑتا۔

﴿ وَلَئِنْ يَدَانَ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَّا أَنْزَلْنَا إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ﴾ ”اور یقیناً ان میں سے بہتوں کو وہ کلام جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے سرکشی اور کفر میں ہی بڑھائے گا“ یہ بندے کے لئے سب سے بڑی سزا ہے کہ وہ ذکر جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر نازل کیا ہے جس میں قلب و روح

کی زندگی دنیا و آخرت کی سعادت اور فلاح ہے جو اللہ کا سب سے بڑا احسان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس سعادت کے ذریعے سے اپنے بندوں پر احسان فرمایا ہے جو ان پر واجب ٹھہراتی ہے کہ وہ اسے قبول کرنے کے لئے آگے بڑھیں اس کے سبب سے اللہ کے سامنے سر جھکا دیں اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔۔۔ وہی ذکر اس کی گمراہی سرکشی اور کفر میں اضافے کا باعث بن جائے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ اس نے اس سے روگردانی کی اور اسے ٹھکرا دیا اس سے عناد رکھا اور شہادت باطلہ کی بنا پر اس کی مخالفت کی۔

﴿ وَالْقَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَاوَةَ وَالْبَغُضَاءَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ ﴾ اور ہم نے ڈال دی ہے ان کے درمیان دشمنی اور بغض قیامت کے دن تک۔ پس وہ ایک دوسرے سے محبت نہیں کریں گے ایک دوسرے کی مدد نہیں کریں گے اور وہ کسی ایسی بات پر متفق نہیں ہوں گے جس میں ان کی کوئی مصلحت ہو بلکہ وہ ہمیشہ اپنے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف کینہ اور بغض رکھیں گے اور قیامت تک ایک دوسرے پر ظلم اور تعدی کا ارتکاب کرتے رہیں گے۔ ﴿ كَلِمًا أَوْ قَدْوًا نَارًا لِّلْحَرْبِ ﴾ جب کبھی آگ سلگاتے ہیں لڑائی کے لئے، تاکہ اس طرح وہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف سازشیں کریں ان کے خلاف چالیں چلیں اور ان پر سوار اور پیادے چڑھا لائیں ﴿ أَطْفَأَهَا اللَّهُ ﴾ اللہ اس کو بجھا دیتا ہے اللہ تعالیٰ ان کو بے یار و مددگار چھوڑ کر ان کے لشکروں کو منتشر کر کے ان کے خلاف مسلمانوں کی نصرت فرما کر اس آگ کو بجھا دیتا ہے۔ ﴿ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا ﴾ اور یہ ملک میں فساد کے لیے دوڑے پھرتے ہیں۔ یعنی زمین میں فساد پھیلانے کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔ معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں اپنے باطل دین کی طرف دعوت دیتے ہیں اور لوگوں کو اسلام میں داخل ہونے سے روکتے ہیں ﴿ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُفْسِدِينَ ﴾ اور اللہ فساد کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا، بلکہ ان کے ساتھ سخت ناراض ہوتا ہے وہ عنقریب انہیں اس کی سزا دے گا۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَكُوِّنَ أَهْلَ الْكِتَابِ أُمَّمًا مُّؤْمِنًا وَالنَّصَارَةَ كُفْرًا عَلَيْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَا دَخَلْنَا لَهُمْ جَنَّةَ النَّعِيمِ ﴾ اگر اہل کتاب ایمان لاتے اور ڈرتے تو ہم ان سے ان کی برائیاں دور کر دیتے اور ان کو نعمت والے باغوں میں داخل کرتے، یہ اللہ تعالیٰ کا جو دو کرم ہے کہ جہاں اس نے اہل کتاب کی برائیوں اور ان کے معایب اور ان کے اقوال باطلہ کا ذکر فرمایا ہے وہاں ان کو توبہ کی طرف بھی بلایا ہے اور یہ کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ پر اس کے فرشتوں اس کی تمام کتابوں اور اس کے تمام رسولوں پر ایمان لے آئیں اور گناہوں سے پرہیز کریں تو اللہ تعالیٰ ان کی تمام برائیاں خواہ کتنی ہی کیوں نہ ہوں، مٹا دے گا اور ان کو نعمتوں سے بھری ہوئی جنت میں داخل کرے گا جس میں وہ کچھ ہے کہ نفس اس کی چاہت رکھتے ہیں اور آنکھیں اس سے لذت اٹھاتی ہیں۔ ﴿ وَكُوِّنَ أَهْلُهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ مِنْ رَبِّهِمْ ﴾ اور اگر وہ قائم کرتے تورات، انجیل اور اس کو جو

نازل کیا گیا ان پر ان کے رب کی طرف سے، یعنی اگر وہ تورات و انجیل کے احکام کو قائم کرتے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو توجہ دلائی اور ان کو ترغیب دی ہے۔ تورات و انجیل کو قائم کرنے سے مراد ان امور پر ایمان لانا ہے جن کی طرف یہ دونوں کتابیں دعوت دیتی ہیں۔ یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ اور قرآن پر ایمان لانا۔

اگر وہ اس عظیم نعمت کو قائم کرتے جس کو ان کے رب نے ان کی طرف نازل فرمایا ہے یعنی ان کی خاطر اور ان کے ساتھ اعتقاد کی بنا پر اس نعمت کو ان کی طرف نازل کیا ہے ﴿لَا كَلُومًا مِنْ فَوْقِهِمْ وَمِنْ تَحْتِ أَرْجُلِهِمْ﴾ ”تو وہ کھاتے اپنے اوپر سے اور اپنے پاؤں کے نیچے سے“ یعنی اللہ تعالیٰ ان پر رزق کے دروازے کھول دیتا آسمان سے ان پر بارش برساتا اور زمین ان کے لئے فضلیں اگاتی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ أٰمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ (الاعراف: ٩٦، ٩٧) ”اگر بستیوں کے لوگ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان پر زمین اور آسمان کی برکتوں کے دروازے کھول دیتے“۔

﴿مِنْهُمْ﴾ ”ان میں سے“ یعنی اہل کتاب میں سے ﴿اُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ﴾ ”ایک گروہ ہے سیدھی راہ پر“ یعنی ایک گروہ ایسا بھی ہے جو تورات و انجیل پر عامل ہے مگر اس کا عمل قوی اور نشاط انگیز نہیں ہے ﴿وَكَثِيرٌ مِنْهُمْ سَاءَ مَا يَحْمِلُونَ﴾ ”اور بہت سے ایسے ہیں جن کے اعمال برے ہیں۔“ یعنی ان میں برائیوں کا ارتکاب کرنے والے بہت زیادہ ہیں اور نیکیوں کی طرف سبقت کرنے والے بہت کم ہیں۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ ۗ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ

اے رسول! پہنچا دیجئے جو نازل کیا گیا ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے اور اگر ایسا نہ کیا تو نہیں پہنچایا آپ نے رِسَالَتَهُ ۗ وَاللَّهُ يُعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٥٩﴾
اس کا پیغام اور اللہ حفاظت کرے گا آپ کی لوگوں سے۔ بے شک اللہ نہیں ہدایت کرتا کافر لوگوں کو ○

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کو حکم ہے اور یہ سب سے بڑا اور جلیل ترین حکم ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ نازل فرمایا ہے اسے اس کے بندوں تک پہنچایا جائے۔۔۔ اس میں وہ تمام امور شامل ہیں جو امت نے آپ سے حاصل کئے مثلاً عقائد، اعمال، اقوال، احکام شرعیہ اور مطالب الہیہ وغیرہ۔

رسول اللہ ﷺ نے بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کو پوری طرح پہنچا دیا آپ ﷺ نے لوگوں کو دعوت دی ان کو برے انجام سے ڈرایا ان کو ایمان لانے پر اچھے انجام کی خوشخبری سنائی ان کے لئے آسانیاں پیدا کیں ان پڑھ جابلوں کو علم سکھایا حتیٰ کہ وہ علمائے ربانی بن گئے۔ آپ ﷺ نے اپنے قول و فعل اپنے مراسلات اور اہلچلیوں کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کے دین کو پہنچا دیا۔ کوئی ایسی بھلائی نہیں جس کی طرف آپ نے امت کی راہنمائی نہ کی ہو اور کوئی ایسی برائی نہیں جس سے آپ نے امت کو ڈرایا نہ ہو۔ آپ کی اس تبلیغ کی گواہی افاضل امت یعنی صحابہ

کرام رضوان اللہ علیہم نے دی اور ان کے بعد ائمہ دین اور مسلمانوں نے دی۔

﴿وَأَنْ لَّمْ تَفْعَلْ﴾ اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا۔ یعنی جو چیز آپ ﷺ کے رب کی طرف سے آپ پر اتاری گئی ہے اگر آپ نے اسے لوگوں تک نہ پہنچایا ﴿فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ﴾ تو نہیں پہنچایا آپ نے اس کا پیغام، یعنی آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری نہیں کی ﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ مِنَ النَّاسِ﴾ اور اللہ آپ کو لوگوں سے بچائے گا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول ﷺ کی حمایت اور لوگوں سے آپ کی حفاظت کا وعدہ ہے۔ آپ کے لئے مناسب یہی ہے کہ آپ تعلیم و تبلیغ پر توجہ مرکوز رکھیں مخلوق کا خوف آپ کو اس مقصد سے نہ ہٹا دے۔ کیونکہ مخلوق کی پیشانیاں اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں اس نے آپ کی حفاظت کا ذمہ لے رکھا ہے اور آپ کی ذمہ داری پہنچا دینا ہے جو کوئی ہدایت حاصل کرتا ہے تو وہ اپنے لئے ہے۔

رہے کفار جن کا خواہشات نفس کی پیروی کے سوا کوئی مقصد نہیں تو ان کے کفر کے سبب سے اللہ تعالیٰ انہیں ہدایت دے گا نہ انہیں بھلائی کی توفیق عطا کرے گا۔

قُلْ يَا هَلْ الْكِتَابِ لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ وَمَا أُنزِلَ
کہہ دیجئے! اے اہل کتاب! نہیں ہو تم اوپر کسی چیز کے یہاں تک کہ قائم کرو تم تورات اور انجیل کو اور جو کچھ نازل کیا گیا
إِلَيْكُمْ مِّنْ رَبِّكُمْ وَلِيُزِيدَنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ
تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اور یقیناً زیادہ کرے گا بہتوں کو ان میں سے (وہ قرآن) جو نازل کیا گیا ہے آپ کی طرف
مِن رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا ۚ فَلَا تَأْسَ عَلَى الْكٰفِرِينَ ﴿۵۸﴾
آپ کے رب کی طرف سے سرکشی اور کفر میں۔ پس نہ غم کھائیں آپ کافر لوگوں پر ○

یعنی اہل کتاب کی گمراہی کی منادی اور ان کے باطل کا اعلان کرتے ہوئے کہہ دیجئے! ﴿لَسْتُمْ عَلَىٰ شَيْءٍ﴾
”تم کسی چیز پر نہیں ہو“ یعنی تم کسی بھی دینی اصول پر قائم نہیں ہو۔ تم قرآن اور محمد ﷺ پر ایمان لائے ہو نہ تم نے اپنے نبی اور اپنی کتاب کی تصدیق کی ہے تم نے حق کو تھا ما ہے نہ کسی اصول پر تمہارا اعتماد ہے ﴿حَتَّىٰ تُقِيمُوا التَّوْرَةَ
وَالْإِنْجِيلَ﴾ ”جب تک تم تورات اور انجیل کو قائم نہ رکھو گے۔“ یعنی جب تک کہ تم تورات اور انجیل پر ایمان لا کر ان کو قائم نہ کرو ان کی اتباع نہ کرو اور جن امور کی طرف یہ دعوت دیتی ہیں ان میں سے ہر چیز کو مضبوطی سے تھام نہ لو۔ اور جب تک کہ تم اس چیز کو قائم نہ کرو ﴿وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ مِّن رَّبِّكُمْ﴾ جو تم پر تمہارے رب کی طرف سے اتاری گئی ہے، جس نے تمہاری تربیت کی اور تمہیں نعمتوں سے نوازا۔ تم پر اس کی سب سے بڑی نعمت یہ ہے کہ تمہاری طرف کتابیں نازل فرمائیں۔ پس تم پر فرض ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے رہو اس کے احکام کا التزام کرو اور اللہ تعالیٰ کی امانت اور اس کے عہد کی جو ذمہ داری تم پر ڈالی گئی ہے اسے پورا کرو۔

﴿ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ مَّا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ طُغْيَانًا وَكُفْرًا فَلَا تَأْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ ﴾ اور جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل ہوا ہے اس سے ان میں سے اکثر لوگوں کی سرکشی اور کفر میں اضافہ ہوگا اس لئے آپ کافروں کے گروہ پر متاسف نہ ہوں۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالصَّابِقُونَ وَالنَّصْرِيُّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَاليَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١٩﴾
اور دن آخرت کے اور عمل کرے نیک تو نہیں خوف ہوگا اور ان کے اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اہل قرآن اہل تورات اور اہل انجیل کے بارے میں بیان فرماتا ہے کہ ان سب کی سعادت اور نجات ایک ہی طریقے اور ایک ہی اصول میں ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لانا اور نیک عمل کرنا۔۔۔ لہذا ان میں سے جو کوئی اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان لائے گا اور نیک عمل کرے گا اسی کے لئے نجات ہے۔ ان کو کوئی خوف نہ ہوگا، انہیں خوف زدہ کرنے والے امور کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا اور وہ امور جو وہ پیچھے چھوڑ چکے ہیں ان کے بارے میں غمگین نہ ہوں گے۔۔۔ یہ حکم مذکور تمام زمانوں کو شامل ہے۔

لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَارْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رَسُولًا قُلْنَا إِنَّ هَذَا رَسُولٌ مِّنَّا لَا تُهْوَىٰ أَنفُسُهُمْ وَلَا فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ ﴿٢٠﴾ وَحَسِبُوا أَنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا فِي فِتْنَةٍ فَخَسِبُوا وَصَمُوا ثُمَّ عَمُوا وَصَمُوا
البتہ تحقیق لیا تھا ہم نے عہد بنی اسرائیل سے اور بھیجے ہم نے ان کی طرف کئی رسول جب آیا ان کے پاس رسول ہما لا تھوی انفسہم لا فریقاً کذبوا و فریقاً یقتلون ﴿۲۰﴾ و حسبوا
رسول ساتھ ایسی چیز کے کہ نہیں چاہتے تھے انکے نفس تو کچھ کو انہوں نے جھٹلایا اور کچھ کو وہ قتل ہی کر ڈالتے ○ اور گمان کیا انہوں نے
اَلَا تَكُونُ فِتْنَةً فَخَسِبُوا وَصَمُوا ثُمَّ عَمُوا وَصَمُوا
کہ نہ ہوگی کوئی آزمائش پس وہ اندھے ہو گئے اور بہرے ہو گئے پھر متوجہ ہوا اللہ اور انکے پھر اندھے ہو گئے اور بہرے ہو گئے

كثِيرٌ مِّنْهُمْ ط وَاللَّهُ بِصِيرٍ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿٢١﴾

زیادہ لوگ ان میں سے اور اللہ خوب دیکھنے والا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں ○

﴿ لَقَدْ أَخَذْنَا مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴾ ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا، یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کے واجبات کو قائم کرنے کے بارے میں ان سے بھاری عہد لیا جن کے بارے میں گزشتہ صفحات میں
﴿ وَلَقَدْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ بَنِي إِسْرَائِيلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيبًا (المائدہ: ۱۲/۵) ﴾
کی تفسیر کے ضمن میں بحث گزر چکی ہے۔ ﴿ وَارْسَلْنَا إِلَيْهِمْ رَسُولًا ﴾ اور ان کی طرف رسول بھیجے جو پے در پے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دیتے تھے اور ان کو رشد و ہدایت کی طرف بلاتے رہتے تھے مگر یہ چیز ان کے کسی

کام آئی نہ اس نے کوئی فائدہ دیا ﴿كُلَّمَا جَاءَهُمْ رَسُولٌ بِمَا لَا تَهْوَىٰ أَنفُسُهُمْ﴾ ”جب لایا کوئی رسول وہ حکم جس کو ان کے نفس نہیں چاہتے تھے، یعنی حق کو ان کے نفس پسند نہیں کرتے تھے۔ انہوں نے حق کو جھٹلایا اس سے عناد رکھا اور اس کے ساتھ بدترین معاملہ کیا ﴿فَرِيقًا كَذَّبُوا وَفَرِيقًا يَقْتُلُونَ﴾ ”انہوں نے رسولوں کے ایک گروہ کی تکذیب کی اور ایک گروہ کو قتل کیا۔“

﴿وَحَسِبُوا أَنَّا لَنَكُونَ فَتْنَةً﴾ ”اور یہ خیال کرتے تھے کہ کوئی آفت نہیں آنے کی۔“ یعنی وہ سمجھتے ہیں کہ ان کی نافرمانی اور ان کی تکذیب کی وجہ سے ان پر عذاب نہیں آئے گا نہ ان کو سزا دی جائے گی اور وہ اپنے باطل پر ہمیشہ قائم رہیں گے ﴿فَعَمُوا وَصَمُوا﴾ ”پس وہ (حق دیکھنے سے) اندھے اور (حق بولنے سے) گونگے ہو گئے“ ﴿ثُمَّ تَابَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ﴾ ”پھر اللہ نے ان پر مہربانی فرمائی“ یعنی پھر اللہ تعالیٰ نے ان لغزشوں کو نظر انداز کر دیا جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے پاس توبہ کی اور اس کی طرف رجوع کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی ﴿ثُمَّ﴾ ”پھر انہوں نے اس توبہ پر دوام نہ کیا یہاں تک کہ ان کے اکثر لوگ بدترین احوال کی طرف پلٹ گئے ﴿عَمُوا وَصَمُوا الْكَثِيرَ مِنْهُمْ﴾ ”ان میں سے بہت سے اندھے اور بہرے ہو گئے۔“ یعنی انہی اوصاف کے ساتھ وہ پھر اندھے اور گونگے ہو گئے۔ ان میں سے بہت کم لوگ اپنی توبہ اور ایمان پر قائم رہے ﴿وَاللَّهُ بِصِيْرِهِمْ بَصِيرَةٌ﴾ ”اور اللہ وہ جو کچھ کرتے ہیں اس کو دیکھتا ہے“ پس اللہ تعالیٰ ہر عمل کرنے والے کو اس کے عمل کی جزا دے گا۔ اگر اچھا عمل ہو تو اچھی جزا ہوگی اور اگر برا عمل ہو تو بری جزا ہوگی۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ وَقَالَ الْمَسِيحُ
البتہ تحقیق کفر کیا ان لوگوں نے جنہوں نے کہا بے شک اللہ وہی مسیح ابن مریم ہے۔ اور کہا مسیح نے
يَبْنِي إِسْرَائِيلَ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ
اے بنی اسرائیل! عبادت کرو تم اللہ کی میرے رب اور اپنے رب کی۔ تحقیق جو شریک ٹھہراتا ہے ساتھ اللہ کے تو یقیناً حرام کردی
اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةُ وَمَأْوَاهُ النَّارُ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِنْ أَنْصَارٍ ﴿٥٠﴾ لَقَدْ كَفَرَ
اللہ نے اوپر اس کے جنت اور اس کا ٹھکانا آگ ہے اور نہیں ہے ظالموں کے لیے کوئی مددگار ○ البتہ تحقیق کافر ہوئے
الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ ثَلَاثَةٍ وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهُ وَاحِدٌ وَإِن
وہ لوگ جنہوں نے کہا بے شک اللہ تیسرا ہے تین میں سے اور نہیں کوئی معبود مگر معبود ایک۔ اور اگر وہ
لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٥١﴾
باز نہ آئے اس سے جو کہتے ہیں تو ضرور پینچے گا ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا ان میں سے عذاب دردناک ○
أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لَهُ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٥٢﴾ مَا الْمَسِيحُ
کیا پس نہیں توبہ کرتے طرف اللہ کی اور بخشش مانگتے اس سے اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے ○ نہیں ہیں مسیح

ابن مریمؑ کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے ان کے اس قول کو نقل فرماتا ہے ﴿إِنَّ

اللَّهَ هُوَ الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ﴾ ”بے شک اللہ وہی مسیح ابن مریم ہے“ اس شبہ کی وجہ سے کہ ان کو ان کی ماں نے

بغیر باپ کے جنم دیا اور وہ تخلیق میں عادت الہی کے خلاف متولد ہوئے..... دراصل حالیہ عیسیٰ علیہ السلام نے خود ان

کے اس دعوے کی تکذیب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿يَبْنَئِي إِسْرَائِيلَ اَعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ﴾ ”اے بنی

اسرائیل! اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے“ مسیح علیہ السلام نے اپنے لئے کامل عبودیت اور اپنے رب کے

لئے کامل ربوبیت کا اثبات کیا ہے جو تمام مخلوق کو شامل ہے۔ ﴿إِنَّهُ مَن يُشْرِكْ بِاللَّهِ﴾ ”جو کوئی مخلوق میں سے

کسی کو بھی (خواہ وہ عیسیٰ علیہ السلام ہوں یا کوئی اور) اللہ کا شریک ٹھہراتا ہے“۔ ﴿فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ

وَمَا أَوْهَنَ النَّارُ﴾ ”تحقیق اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے“ کیونکہ اس نے مخلوق کو خالق کے

برابر ٹھہرا دیا اور اس چیز کو جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے اسے تخلیق فرمایا۔ یعنی خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت..... اس کو

اللہ تعالیٰ کی طرف سے پھیر کر غیر اللہ کی طرف کر دیا..... اس لئے وہ اس بات کا مستحق ہے کہ ہمیشہ جہنم میں رہے

﴿وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن نَّصِيرٍ﴾ ”اور ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں ہوگا“ جو انہیں اللہ کے عذاب سے بچا

سکیں یا ان سے اس مصیبت کو دور کر سکیں جو ان پر نازل ہوئی ہے۔ ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِينَ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ ثَالِثُ

ثَلَاثَةٍ﴾ ”یقیناً ان لوگوں نے کفر کیا جنہوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ تین میں سے تیسرا ہے“ یہ نصاریٰ کا قول ہے جو ان

کے ہاں متفق علیہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین میں سے تیسرا ہے یعنی اللہ تعالیٰ، عیسیٰ اور مریم..... اللہ ان

کے قول باطل سے بالا و بلند تر ہے..... یہ نصاریٰ کی کم عقلی کی سب سے بڑی دلیل ہے۔ انہوں نے اس بدترین

قول اور فتنہ ترین عقیدے کو کیسے قبول کر لیا؟ ان پر خالق اور مخلوق کیسے مشتبه ہو گئے؟ جہانوں کا رب ان پر کیسے مخفی رہ

گیا؟

اللہ تعالیٰ نے ان کا اور ان جیسے دیگر لوگوں کا رد کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَا مِنْ إِلَهٍ إِلَّا إِلَهُ وَاحِدٌ﴾ ”اور

نہیں ہے کوئی معبود مگر ایک ہی معبود“ جو ہر صفت کمال سے متصف اور ہر نقص سے پاک ہے وہ تخلیق و تدبیر

کائنات میں متفرد ہے۔ مخلوق کے پاس جو بھی نعمت ہے وہ اسی کی طرف سے ہے۔ پس اس کے ساتھ غیر اللہ کو

کیسے معبود بنایا جا سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ اس بات سے بہت بلند ہے جو یہ ظالم کہتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو وعید سناتے ہوئے فرمایا: ﴿وَإِنْ لَمْ يَنْتَهُوا عَمَّا يَقُولُونَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ”اگر وہ اپنے اس عقیدے سے باز نہ آئے تو ان میں سے جو لوگ کافر ہیں انہیں ضرور دردناک عذاب پہنچے گا“ پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اس گناہ سے توبہ کرنے کی دعوت دی جو ان سے صادر ہوا اور بیان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے۔ فرمایا: ﴿أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ﴾ ”کیا پس وہ اللہ کی طرف توبہ نہیں کرتے؟“ یعنی وہ اپنی بات کو چھوڑ کر اس چیز کی طرف کیوں نہیں لوٹتے جسے اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور اس سے راضی ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی توحید کا اقرار اور اس حقیقت کا اعتراف کہ عیسیٰ ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔

﴿وَيَسْتَغْفِرُونَ﴾ اور ان گناہوں کی بخشش کیوں نہیں مانگتے جو ان سے صادر ہوئے ہیں؟ ﴿وَاللَّهُ عَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ”اور اللہ تو بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کے گناہ بخش دیتا ہے خواہ وہ آسمان کی بلندیوں تک کیوں نہ پہنچے ہوئے ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کر کے اور ان کی برائیوں کو نیکیوں میں تبدیل کر کے ان پر رحم فرماتا ہے۔ ان کو توبہ کی دعوت اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد سے صادر ہوتی ہے جو لطف و کرم اور مہربانی کی انتہا ہے ﴿أَفَلَا يَتُوبُونَ إِلَى اللَّهِ﴾ ”کیا پس وہ اللہ کی طرف توبہ نہیں کرتے؟“

پھر اللہ تعالیٰ نے جناب مسیح ﷺ اور ان کی والدہ ماجدہ کی حقیقت بیان فرمائی جو کہ حق ہے۔ فرمایا: ﴿مَا الْمَسِيحُ ابْنُ مَرْيَمَ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ﴾ ”نہیں ہیں مسیح ابن مریم مگر ایک رسول نبی ان سے پہلے بھی کئی رسول گزرے“ یعنی جناب مسیح کے معاملے کی غایت و انتہا یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں اور رسولوں میں سے ایک ہیں جن کو کسی معاملے میں کوئی اختیار نہیں اور نہ وہ تشریح کا کوئی اختیار رکھتے ہیں سوائے اس چیز کے جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے ان کو مبعوث فرمایا ہے۔ جناب مسیح بھی ان رسولوں کی جنس سے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں ان کو دوسرے رسولوں پر کوئی ایسی فضیلت حاصل نہیں جو انہیں بشریت سے نکال کر ربوبیت کے مرتبے پر فائز کر دے ﴿وَأُمَّهُ﴾ ”اور ان کی ماں“ یعنی مریم ﷺ ﴿صِدِّيقَةٌ﴾ ”صدیقہ ہیں۔“ یعنی جناب مریم ﷺ کی بھی غایت و انتہا یہ ہے کہ صدیقین میں ان کا شمار ہوتا ہے جو انبیاء و مرسلین کے بعد مخلوق میں سب سے بلند مرتبے پر فائز ہوتے ہیں۔

صدیقیت وہ علم نافع ہے جس کا ثمرہ یقین اور عمل صالح ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جناب مریم نبی نہ تھیں۔ ان کا بلند ترین حال صدیقیت ہے اور فضیلت اور شرف کے لئے یہی کافی ہے۔

اسی طرح عورتوں میں سے کوئی عورت نبی مبعوث نہیں ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نبوت کامل تر صنف یعنی مردوں ہی میں رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ إِلَّا رَجَالًا نُوحِي إِلَيْهِمْ﴾

(یوسف: ۱۰۹/۱۲) ”اور ہم نے تم سے پہلے مرد ہی بھیجے تھے جن کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے۔“

جب حضرت عیسیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ انبیاء و مرسلین کی جنس میں سے ہیں جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں اور ان کی والدہ ماجدہ صدیقہ تھیں تو نصاریٰ نے کس بنا پر اللہ تعالیٰ کے ساتھ ان دونوں کو بھی اللہ قرار دے دیا۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿كَانَا يَا كَلْبَانَ الْقَعَامَ﴾ ”وہ دونوں کھانا کھاتے تھے“ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ وہ دونوں اللہ تعالیٰ کے فقیر اور محتاج بندے تھے جیسا کہ انسان کھانے پینے کے محتاج ہوتے ہیں۔ پس اگر جناب عیسیٰ اور مریم عَلَيْهِمَا السَّلَامُ ہوتے تو وہ کھانے پینے سے بے نیاز ہوتے اور کسی چیز کے بھی محتاج نہ ہوتے۔ کیونکہ معبود بے نیاز اور قابل تعریف ہوتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے یہ دلیل اور برہان واضح کر دی تو فرمایا: ﴿أَنْظُرْ كَيْفَ نَبَّيْنَهُمَا الْآيَاتِ﴾ ”دیکھو ہم کیسے ان کے لئے آیات بیان کرتے ہیں“ جو حق کو واضح کرتی ہیں اور یقین کو منکشف کرتی ہیں۔ بائیں ہمہ انہیں کوئی چیز فائدہ نہیں دیتی بلکہ وہ اپنی بہتان طراز یوں جھوٹ اور افترا پردازی پر بضد ہیں اور یہ ان کا ظلم اور عناد ہے۔

قُلْ أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا وَاللَّهُ

کہہ دیجئے! کیا تم عبادت کرتے ہو اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی جو نہیں اختیار رکھتی تمہارے لیے نقصان کا اور نہ نفع کا اور اللہ

هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿۶۱﴾

وہی ہے خوب سننے والا خوب جاننے والا ○

﴿قُلْ﴾ یعنی اے رسول صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ان سے کہہ دیجئے! ﴿أَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ کیا تم اللہ کے سوا مخلوق کی عبادت کرتے ہو جو محتاج اور فقیر ہیں؟ ﴿مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَلَا نَفْعًا﴾ جو تمہارے لیے نفع اور نقصان کا اختیار نہیں رکھتے، اور تم اس ہستی کو چھوڑ دیتے ہو جس کی اکیلی کے قبضہ قدرت میں نفع و نقصان ہے اور صرف وہی ہستی ہے جو عطا کرتی اور محروم کرتی ہے۔ ﴿وَاللَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ ”اور اللہ وہی سننے والا ہے۔“ اللہ تعالیٰ مخلوق کے اختلافات زبان اور تنوع حاجات کے باوجود سب آوازیں سنتا ہے ﴿الْعَلِيمُ﴾ ”جاننے والا ہے۔“ وہ ظاہر و باطن، غیب و شہادت اور ماضی اور مستقبل کے امور کو جانتا ہے۔ پس صاحب کمال، ہستی جو ان اوصاف کی مالک ہے وہی عبادت کی تمام انواع اور خالص اطاعت کی مستحق ہے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ

کہہ دیجئے! اے اہل کتاب! نہ غلو کرو تم اپنے دین میں نفاق اور نہ پیروی کرو ان لوگوں کی خواہشات کی

قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ وَأَصْلُوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴿۶۲﴾

جو گمراہ ہو چکے اس سے پہلے اور گمراہ کیا انہوں نے بہت سوں کو اور بہک گئے وہ سیدھی راہ سے ○

لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ
ذَلِكَ بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ ﴿۵۸﴾ كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ
بِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿۵۹﴾ تَرَى كَثِيرًا مِنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَبِئْسَ
الْبِئْتَةَ بَرَاةً جُتِبَتْ عَلَيْهِمُ الْغَيْبُ وَاللَّيْلُ وَالنَّجْمُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ ﴿۶۰﴾
مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ أَنْفُسُهُمْ أَنْ سَخِطَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿۶۱﴾
وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالنَّبِيِّ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوا هُمْ
أَوْلِيَاءَ وَلَكِنْ كَثِيرًا مِنْهُمْ فَسِقُونَ ﴿۶۲﴾

دوست، لیکن زیادہ لوگ ان میں سے فاسق ہیں ○

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ہے: ﴿ قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ لَا تَغْلُوا فِي دِينِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ ﴾
”اے اہل کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو نہ کرو، یعنی حق سے تجاوز کر کے باطل میں نہ پڑو۔ ان کا یہ قول حضرت
مسیح کے بارے میں ان کے اس قول کی مانند ہے جس کا ذکر گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے۔ یہ غلو بعض مشائخ کے
بارے میں ان کے غلو کی مانند ہے۔ ایسا انہوں نے ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی کرتے ہوئے کیا، جن کی
بابت کہا گیا تھا ﴿ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهْوَاءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوا مِنْ قَبْلُ ﴾ اور ایسے لوگوں کی خواہشوں کے پیچھے نہ چلو
جو (خود بھی) گمراہ ہوئے اس سے پہلے۔“ یعنی ان کی گمراہی سامنے آچکی ہے۔ ﴿ وَأَصَلُّوا كَثِيرًا ﴾ اور
(دوسرے) بہت سوں کو گمراہ کیا۔“ یعنی جس دین پر یہ کار بند ہیں اس کی طرف دعوت دے کر بہت سے لوگوں کو
گمراہ کر چکے ہیں ﴿ وَضَلُّوا عَنْ سَوَاءِ السَّبِيلِ ﴾ اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔“ یعنی راہ اعتدال سے
بھٹک گئے پس گمراہ ہونے اور دوسروں کو گمراہ کرنے دونوں برائیوں کو انہوں نے جمع کر لیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو
ائمہ ضلالت ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے ڈرایا ہے اور ان کی مہلک خواہشات اور گمراہ کن آراء سے بچنے کا حکم دیا
ہے۔

﴿ لُعِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ﴾

گیا اور اللہ کی رحمت سے دور کر دیا گیا ﴿ عَلَى لِسَانِ دَاوُدَ وَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ ﴾ ”داؤد اور عیسیٰ ابن مریم کی

زبان پر، یعنی ان دونوں کی گواہی اور ان کے اقرار پر بایں طور پر کہ ان پر حجت قائم ہوگئی اور انہوں نے اس حجت و دلیل سے عناد رکھا ﴿ذَلِكَ﴾ یعنی یہ کفر اور لعنت ﴿بِمَا عَصَوْا وَكَانُوا يَعْتَدُونَ﴾ ”اس لیے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔“ یعنی اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں پر ظلم کرتے تھے۔ یہ چیز ان کے کفر اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری کا سبب بن گئی، کیونکہ گناہوں اور ظلم کی سزا ملتی ہے۔

ان کے وہ گناہ جن کی وجہ سے ان پر سزا ضروری ٹھہری اور جن کی بنا پر ان پر عقوبات واقع ہوئیں، یہ تھے کہ وہ ﴿كَانُوا لَا يَتَنَبَّأُونَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعْلُوهُ﴾ ”برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے ایک دوسرے کو روکتے نہیں تھے۔“ یعنی وہ برائیوں کا ارتکاب کرتے تھے اور برائیوں سے ایک دوسرے کو منع نہیں کرتے تھے۔ پس وہ لوگ جو برائی کرتے تھے اور وہ جو برائی نہیں کرتے تھے مگر قدرت رکھنے کے باوجود برائی سے روکتے نہیں تھے۔ دونوں قسم کے لوگ اسی مشترک سزا کے مستحق قرار پائے۔

یہ چیز اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو حقیر سمجھتے تھے اور گناہ کا ارتکاب ان کے لئے بہت معمولی بات تھی۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی تعظیم کرتے تو اس کے محارم کی ہتک پر انہیں غیرت آتی اور اللہ تعالیٰ کے ناراض ہونے پر وہ بھی ناراض ہوتے اور قدرت ہونے کے باوجود برائی پر خاموش رہنا اور اس پر نکیر نہ کرنا سزا کا موجب ہے کیونکہ اس میں بہت بڑے مفسد پنہاں ہیں، مثلاً

- (۱) برائی پر سکوت اختیار کرنا بذات خود برائی ہے خواہ سکوت اختیار کرنے والا خود برائی میں ملوث نہ ہو۔ اس لئے کہ جس طرح معصیت سے اجتناب فرض ہے اسی طرح برائی کے مرتکب پر نکیر کرنا ضروری ہے۔
- (۲) جیسا کہ گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے کہ یہ چیز گناہوں کو معمولی سمجھنے اور ان کو زیادہ اہمیت نہ دینے پر دلالت کرتی ہے۔

(۳) اس طرح فساق و فجار میں کثرت سے گناہ کرنے کی جرأت بڑھ جاتی ہے۔ جب ان کو گناہوں سے روکا نہ جائے تو شر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ دینی اور دنیاوی مصائب بڑھ جاتے ہیں اور شوکت و غلبہ شریروں کے ہاتھ میں آ جاتا ہے۔ اہل خیر کمزور پڑ جاتے ہیں اور وہ اہل شر کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ حتیٰ کہ انہیں اتنی ہی قدرت بھی حاصل نہیں رہتی جتنی ابتدا میں تھی۔

(۴) منکر پر نکیر ترک کرنے سے علم مٹ جاتا ہے اور جہالت بڑھ جاتی ہے، کیونکہ جب معصیت بہت سے لوگوں سے بتکرار صادر ہوتی ہے اور اس پر اہل علم اور اہل دین لوگوں کی طرف سے نکیر نہیں ہوتی تو اس کے بارے میں گمان گزرتا ہے کہ یہ معصیت نہیں بسا اوقات جاہل لوگ اسے مستحسن عبادت سمجھ لیتے

ہیں۔

اس سے بڑی کونسی برائی ہو سکتی ہے کہ کسی ایسی چیز کو حلال قرار دے دیا جائے جسے اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے۔ نفوس پر حقائق بدل جائیں اور انہیں باطل حق نظر آنے لگے۔

(۵) نافرمان لوگوں کی معصیت پر سکوت سے بسا اوقات معصیت لوگوں کے دلوں میں مزین ہو جاتی ہے اور برائی میں لوگ ایک دوسرے کی پیروی کرنے لگ جاتے ہیں۔ اس لئے کہ انسان اپنے گروہ اور ابنائے جنس کی پیروی کا شیفتہ ہوتا ہے۔

چونکہ یہ برائیوں پر سکوت کی جزا ہے اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے منصوص فرمایا کہ کفار بنی اسرائیل انہی لوگوں میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی نافرمانی اور تعدی کی بنا پر ان پر لعنت کی اور ان برائیوں میں سے اس برائی کو مخصوص کیا ﴿لَيْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ ”البتہ برا ہے جو وہ کرتے تھے“

﴿تَرَى كَثِيرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ ”آپ دیکھیں گے کہ ان میں سے اکثر کافروں کو دوست رکھتے ہیں“ یعنی ان کے ساتھ محبت اور موالات رکھتے ہیں اور انکی مدد کرتے ہیں ﴿لَيْسَ مَا قَدَّامَتْ لَهُمْ أَنفُسُهُمْ﴾ ”برا ہے وہ جو ان کے نفسوں نے ان کے لئے آگے بھیجا“ یعنی انہوں نے گھنیا مال پیش کیا اور خسارے کا سودا کیا..... اور یہ ہے اللہ تبارک و تعالیٰ کی ناراضی جس کے ناراض ہونے سے کائنات کی ہر چیز ناراض ہو جاتی ہے اور جس کی ناراضی کا نتیجہ عذاب عظیم میں خلود اور دوام ہے۔ پس ان کے نفسوں نے ان پر ظلم کیا کہ انہوں نے یہ بری مہمانی آگے بھیجی اور انہوں نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا کہ انہوں نے انہیں ہمیشہ رہنے والی نعمت سے محروم کر دیا۔ ﴿وَلَوْ كَانُوا يُؤْمِنُونَ بِاللهِ وَالْيَوْمِئَةِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِ مِمَّا اتَّخَذُواهُمْ أَوْلِيَاءَ﴾ ”اگر وہ اللہ پر پیغمبر پر اور اس کتاب پر جو ان کی طرف نازل کی گئی ہے ایمان رکھتے تو ان کو دوست نہ بناتے۔“ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ اور کتاب اللہ پر ایمان بندے پر واجب ٹھہراتا ہے کہ وہ اپنے رب اور اس کے اولیا کے ساتھ موالات رکھے اور ان لوگوں سے عداوت رکھے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کیا اور اس سے عداوت رکھی اور اس کی نافرمانیوں میں پڑ گئے۔ پس اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت، موالات اور اس پر ایمان کی شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو دوست نہ بنایا جائے۔

چونکہ ان میں مطلوبہ شرط موجود نہیں اس لئے یہ چیز مشروط کی نفی پر دلالت کرتی ہے۔ فرمایا ﴿وَلَكِنَّ كَثِيرًا مِّنْهُمْ فَسِقُونَ﴾ ”لیکن ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں“ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے اس پر اور اس کی نبی ﷺ پر ایمان کے دائرے سے خارج ہیں اور ان کے فسق میں سے ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں سے موالات رکھتے ہیں۔

لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا
 یقیناً پائیں گے آپ سخت ترین سب لوگوں سے عداوت میں واسطے ان لوگوں کے جو ایمان لائے یہود کو اور انکو جنہوں نے شرک کیا
 وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِيّ ذٰلِكَ
 اور یقیناً پائیں گے آپ قریب ترین ان (سب) سے دوستی میں واسطے انکے جو ایمان لائے انکو جنہوں نے کہا ہم نصاریٰ ہیں یہ
 بِأَنَّ مِنْهُمْ قِسِيّسِيْنَ وَرُهَبَانًا وَّ أَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۷﴾

اس سب سے کہ بے شک ان میں کچھ پڑھے ہوئے ہیں اور کچھ زاہد اور یہ کہ وہ نہیں تکبر کرتے ○

اللہ تعالیٰ اس گروہ کے بارے میں بیان فرماتا ہے جو محبت اور موالات میں مسلمانوں کے زیادہ قریب ہے اور
 دوسرا محبت اور موالات میں ان سے زیادہ دور ہے ﴿لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ
 وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا﴾ ”آپ پائیں گے سب لوگوں سے زیادہ دشمن مسلمانوں کا، یہودیوں کو اور مشرکوں کو“ یہ دو
 گروہ علی الاطلاق اسلام اور مسلمانوں سے سب سے زیادہ عداوت اور ان کو نقصان پہنچانے کے لئے سب سے
 زیادہ بھاگ دوڑ کرنے والے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کے خلاف شدید بغض و حسد اور سخت کفر و
 عناد رکھتے ہیں۔ ﴿وَلَتَجِدَنَّ أَقْرَبَهُم مَّوَدَّةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ قَالُوا إِنَّا نَصْرِيّ﴾ ”اور آپ پائیں گے
 سب سے نزدیک محبت میں مسلمانوں کے ان لوگوں کو جو کہتے ہیں کہ ہم نصاریٰ ہیں“ اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس
 مودت و محبت کے متعدد اسباب ذکر فرمائے ہیں:

- (۱) ﴿مِنْهُمْ قِسِيّسِيْنَ وَرُهَبَانًا﴾ ”یہ اس لیے کہ ان میں عالم بھی ہیں اور مشائخ بھی۔“ یعنی ان کے اندر
 علماء زہاد اور گرجاؤں میں عبادت کرنے والے عباد ہیں، کیونکہ زہد کے ساتھ علم اور اسی طرح عبادت
 کے ساتھ علم یہ ایسی چیز ہے جو قلب کو لطیف اور رقیق بنا دیتی ہے، اور اس کے اندر موجود سختی اور جفا کو
 زائل کر دیتی ہے۔ بنا بریں ان کے اندر یہود کی سختی اور مشرکین کی سی شدت نہیں پائی جاتی۔
- (۲) ﴿وَأَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُونَ﴾ ”اور وہ تکبر نہیں کرتے۔“ یعنی ان کے اندر اتباع حق کے بارے میں
 تکبر اور سرکشی نہیں پائی جاتی۔ اور یہ چیز مسلمانوں سے ان کی قربت اور محبت کا باعث ہے کیونکہ تواضع
 اور متکسر المزاج شخص، تکبر کی نسبت بھلائی کے زیادہ قریب ہے۔



وَلَقَدْ بَعَثْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهِيَ كَلِمٌ مَبْدُوءَةٌ

تَذَكِّرُ بِالْحِكْمِ وَالنَّبِيِّينَ
فِي تَفْسِيرِ كَلَامِ الْمَنَانِ

المعروف

(أردو)

تفسیر السعدی

فی تفسیر عبد الرحمن بن ناصر السعدی

دار السلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور
لندن • ہیوسٹن • نیو یارک



ہیڈ آفس : پوسٹ بکس: 22743 الرياض: 11416 سعودی عرب

فون : 4033962 - 4043432 (00966 1) فیکس: 4021659

ای میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون و فیکس: 4614483

جدہ فون و فیکس: 6807752 البر فون: 8692900 فیکس: 8691551

شارجہ فون : 5632623 فیکس: 5632624 (009716)

پاکستان: ① 50 نورمال نزدیم - لے - اوکلیج لاہور فون: 7232400 - 7240024 (0092 42)

فیکس: 7354072 ای میل: darussalampk@hotmail.com

② اقراسنٹر، غزنی سٹریٹ، اڈوبازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

لندن فون: 5202666 فیکس: 5217645 (0044 208)

ہیوسٹن فون: 7220419 فیکس: 7220431 (001 713) نیویارک فون: 625 5925 (001 718)

Website: <http://www.dar-us-salam.com>

وَأَقْرَبُ لِلنَّبِيِّ وَالْقُرْآنِ لِلذَّكَوٰنِ مِنَ الذَّكَوٰنِ

تیسیر
الکرام الرحمن

فی تفسیر کلام المثنان
(اردو ترجمہ)

پارہ نمبر سات 7

مفسر قرآن: فضیلان عبدالرحمان بن ناصر السعدی رحمہ اللہ

تحریر: عبدالرحمان بن محمد اللویحی رحمہ اللہ

ترجمہ: انیس پر وفیسر طیب شاہین لودھی رحمہ اللہ

ترجمہ: قرآن: حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ



دار السلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ



فرمان الہی

وَقَالَ الرَّسُولُ
يَا رَبِّ إِنِّي قَوْمِي أَخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَجْجُورًا

اور رسول (ﷺ) روز قیامت فرمائیں گے:
"اے الہی! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔"
(الفرقان: ۲۵/۳۷)

فرمان نبوی

إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ
بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيُضِعُّ بِهَا خَيْرِينَ

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو بلندیاں
عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلت و پستی میں ڈھیل دیتا ہے
(صحیح مسلم، حدیث: ۸۱۷)

پارہ نمبر سات 7

شمار پارہ	صفحہ نمبر	نام سورت	نمبر شمار
۲ - ۵ - ۴	720	سورة النساء (جاری)	۴
۷ - ۶	747	سورة المائدة	۵

وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ تَرَأَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوا

اور جب سنا انہوں نے جو نازل کیا گیا رسول کی طرف تو دیکھتے ہیں آپ انکی آنکھوں کو بہتی ہیں آنسوؤں سے اس وجہ سے کہ پہچان لیا
مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُولُونَ رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ ﴿٨٤﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ
انہوں نے حق کو کہتے ہیں دہائے ہمارے رب! ایمان لائے ہم پس لکھ لے تو ہمیں ساتھ شہادت دینے والوں کے ○ اور کیا ہے ہمیں کہ نہ ایمان لائیں ہم

بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ ﴿٨٥﴾
اللہ پر اور (اس پر) جو آیا ہمارے پاس حق؟ اور ہم توقع رکھتے ہیں یہ کہ داخل کرے گا ہمیں ہمارا رب ساتھ قوم صالحین کے ○

فَاتَّبَعَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا جَنَّتِ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا ۗ وَذَلِكَ
پس بدلے میں دے گا انکو اللہ بوجہ اسکے جو انہوں نے کہا ایسے باغات کہ بہتی ہیں انکے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں اور یہ

جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ ﴿٨٥﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ﴿٨٦﴾
جزا ہے نیکی کرنے والوں کی ○ اور جنہوں نے کفر کیا اور جھٹلایا ہماری آیتوں کو یہ لوگ ہیں دوزخ والے ○

اس کا ایک سبب یہ بھی ہے ﴿وَإِذَا سَمِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَى الرَّسُولِ﴾ ”جب وہ اس (کتاب) کو سنتے ہیں جو محمد
رسول اللہ ﷺ پر نازل کی گئی“ تو یہ کتاب ان کے دلوں پر اثر کرتی ہے اور وہ اس کے سامنے جھک جاتے ہیں اور
ان کی آنکھوں سے اس حق کے سننے کے مطابق جس پر وہ یقین لائے ہیں آنسو جاری ہو جاتے ہیں پس اسی لئے
وہ ایمان لے آئے اور اس کا اقرار کیا اور کہا: ﴿رَبَّنَا آمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشَّاهِدِينَ﴾ ”اے ہمارے رب! ہم ایمان
لائے پس تو ہمیں گواہوں کے ساتھ لکھ لے۔“ اور یہ محمد ﷺ کی امت کے لوگ ہیں وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اس
کے رسولوں کی رسالت اور جو کچھ یہ رسول لے کر آئے ہیں اس کی صحت کی گواہی دیتے ہیں۔ نیز تصدیق و تکذیب
کے ذریعے سے گزشتہ امتوں کی گواہی دیتے ہیں۔ وہ عادل ہیں اور ان کی گواہی مقبول ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
﴿وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَسَطًا لِتَكُوْنُوْا شٰهَدًا عَلٰى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَیْكُمْ شٰهِيْدًا﴾ (البقرہ: ۱۴۳/۲)

”اور اسی طرح ہم نے تمہیں امت وسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور رسول تم پر گواہ بنے۔“

گویا انہیں جب ان کے ایمان لانے اور ایمان میں ان کی سبقت پر ملامت کی گئی تو انہوں نے اس کے جواب میں
کہا: ﴿وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَمَا جَاءَنَا مِنَ الْحَقِّ وَنَطْمَعُ أَنْ يُدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصَّالِحِينَ﴾ ”اور ہمیں کیا
ہے کہ اللہ پر اور حق بات پر جو ہمارے پاس آئی ہے ایمان نہ لائیں اور ہم امید رکھتے ہیں کہ پروردگار ہم کو نیک بندوں
کے ساتھ (بہشت میں) داخل کرے گا۔“ یعنی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے سے ہمیں کون سی چیز مانع ہے۔ درآں حالیکہ
ہمارے پاس ہمارے رب کی طرف سے حق آ گیا ہے جس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ جب ہم ایمان لے آئیں گے اور
حق کی اتباع کریں گے تب ہمارا رب ہمیں صالح لوگوں کے زمرے میں شامل کرے گا۔ تب کونسی چیز ہمیں ایمان لانے

سے روک سکتی ہے۔ کیا یہ چیز ایمان لانے میں جلدی کرنے اور ایمان لانے سے پیچھے نہ رہنے کی موجب نہیں؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَأَنبَأَهُمُ اللَّهُ بِمَا قَالُوا﴾ ”پس اللہ نے ان کو ان کے کہنے پر بدلہ دیا“ یعنی انہوں نے ایمان لانے کی بات کی، نطق زبان سے ایمان کا اقرار کیا اور حق کی تصدیق کی ﴿جَدَّتْ نَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَلِيدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ جَزَاءُ الْمُحْسِنِينَ﴾ ”باغات کا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے اور یہ بدلہ ہے نیکو کاروں کا“۔ یہ آیات کریمہ ان عیسائیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لے آئے تھے، مثلاً نجاشی اور دیگر ایمان لانے والے عیسائی۔ اسی طرح ان کے اندر ایسے لوگ پائے جاتے رہیں گے جو دین اسلام کو اختیار کریں گے اور ان پر اپنے دین کا بطلان واضح ہوتا رہے گا۔ یہ لوگ یہودیوں اور مشرکین سے اسلام کے زیادہ قریب ہیں۔

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے نیکی کرنے والوں کے لئے ثواب کا ذکر فرمایا تو برائی کرنے والوں کے لئے عذاب کا ذکر کیا۔ ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ﴾ ”اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا یہی لوگ جہنمی ہیں“ کیونکہ انہوں نے کفر کیا اور حق کو واضح کرنے والی آیات کی تکذیب کی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا
اے لوگو جو ایمان لائے ہو! مت حرام ٹھہراؤ وہ پاکیزہ چیزیں جن کو حلال کیا اللہ نے تمہارے لیے اور نہ حد سے گزرو
إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ﴿۵۹﴾ وَكُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَالًا طَيِّبًا وَاتَّقُوا
یقیناً اللہ نہیں پسند کرتا حد سے گزرنے والوں کو اور کھاؤ اس میں سے جو رزق دیا تمہیں اللہ نے حلال پاکیزہ اور ڈرو

اللَّهُ الَّذِي أَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿۶۰﴾

اللہ ہے جس پر تم ایمان رکھتے ہو ○

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكُمْ﴾ ”اے ایمان والو! جن پاکیزہ چیزوں کو اللہ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے تم انہیں حرام مت کرو“ یعنی اللہ تعالیٰ نے ماکولات و مشروبات میں جو چیزیں حلال ٹھہرا رکھی ہیں انہیں حرام نہ ٹھہراؤ۔ کیونکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں ہیں جو اس نے تمہیں عطا کی ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء بیان کرو کیونکہ اس نے تمہارے لئے ان نعمتوں کو حلال ٹھہرایا اور اس کا شکر ادا کرو۔ کفر ان نعمت عدم قبول اور ان کی تحریم کا اعتقاد رکھتے ہوئے ان نعمتوں کو نہ ٹھہراؤ۔ ورنہ تم کفر ان نعمت اور اللہ تعالیٰ پر افسردہ بازی کے ساتھ حلال کو حرام اور ناپاک قرار دینے کے مرتکب بھی ٹھہرو گے..... اور یہ حد سے تجاوز ہے اور اللہ تعالیٰ نے حد سے بڑھنے سے منع فرمایا ہے ﴿وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ ”اور حد سے نہ بڑھو اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں فرماتا“ بلکہ ان سے ناراض ہوتا ہے اور اس پر ان کو سزا دے گا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اہل شرک کے طریقے کے برعکس جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام ٹھہرایا

حکم دیا ﴿ وَكُلُوا مِنَّمَا رَزَقَكُمُ اللَّهُ حَلَلًا ﴾ ”اور جو حلال طیب روزی اللہ نے تمہیں دی ہے اسے کھاؤ۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کے اس رزق میں سے کھاؤ جو اللہ تعالیٰ نے ان اسباب کے ذریعے سے تمہاری طرف بھیجا ہے جو تمہیں میسر ہیں۔ بشرطیکہ یہ رزق حلال ہو اور چوری یا غصب شدہ وغیرہ مال میں سے نہ ہو جو ناحق حاصل کیا گیا ہوتا ہے، نیز وہ پاک بھی ہو یعنی اس میں کوئی ناپاکی نہ ہو۔ اس طرح درندے اور دیگر ناپاک چیزیں اس دائرے سے نکل جاتی ہیں۔

﴿ وَانْفُوا لِلَّهِ ﴾ ”اور اللہ سے ڈرتے رہو۔“ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور اس کی منہیات کے اجتناب میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو ﴿ اَلَّذِي اَنْتُمْ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴾ ”وہ اللہ جس پر تم ایمان رکھتے ہو“ کیونکہ اللہ تعالیٰ پر ایمان تم پر تقویٰ اور حقوق اللہ کی رعایت و حفاظت واجب کرتا ہے کیونکہ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوتا۔ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی حلال چیز مثلاً ماکولات، مشروبات یا لونڈی وغیرہ کو حرام ٹھہرا لیتا ہے تو یہ چیز اس کے حرام ٹھہرا لینے سے حرام نہیں ہو جاتی۔ البتہ اگر وہ ایسا کرتا ہے تو قسم کا کفارہ واجب ہو جائے گا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللَّهُ لَكَ ﴾ (التحریم: ۱۶۶) ”اے نبی! آپ اس چیز کو کیوں حرام ٹھہراتے ہیں جو اللہ نے آپ کے لئے حلال قرار دی ہے؟“ مگر بیوی کو اپنے آپ پر حرام ٹھہرانے سے ظہار کا کفارہ لازم آئے گا۔^①

اس آیت کریمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ انسان کے لئے مناسب نہیں کہ وہ پاک چیزوں سے اجتناب کرے اور انہیں اپنے آپ پر حرام ٹھہرا لے بلکہ وہ انہیں استعمال کرے اور اس طرح اطاعت الہی پران سے مدد لے۔

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللَّهُ بِاللَّغْوِ فِي أَيْمَانِكُمْ وَلَكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ

نہیں مواخذہ کرے گا تمہارا اللہ تمہاری لغو قسموں پر لیکن وہ مواخذہ کرے گا تمہارا ان پر جو مضبوط ہانڈھیں تم نے

الْأَيْمَانَ فَكَفَّارَتُهَا إِطْعَامُ عَشْرَةِ مَسْكِينٍ مِنْ أَوْسَطِ مَا تَطْعَمُونَ

قسمیں، پس کفارہ اس کا کھانا کھلانا ہے دس مسکینوں کو اوسط درجے کا جو کھلاتے ہو تم

أَهْلِيكُمْ أَوْ كِسْوَتُهُمْ أَوْ تَحْرِيرُ رَقَبَةٍ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ

اپنے اہل و عیال کو یا کپڑے پہنانا ہے انہیں یا آزاد کرنا ایک گردن کا، پس جو نہ پائے تو روزے رکھنے ہیں تین دن کے۔

① اس مسئلے میں کافی اختلاف ہے ایک رائے یہ بھی ہے جس کا اظہار فاضل مفسر رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے دوسری رائے یہ ہے کہ اس میں کفارہ بیعتن ہے (اور یہی زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے واللہ اعلم) اور تیسری رائے ہے کہ اس میں سرے سے کوئی کفارہ ہی نہیں ہے۔ امام ابن قیم اور امام ابن کثیر کا رجحان دوسری رائے کی طرف اور امام شوکانی کا تیسری رائے کی طرف ہے۔ تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر فتح القدیر آیت زیر بحث۔ زاد المعاد، ج: ۱۵، ۳۰۲-۳۱۲، فسخ الباری، کتاب الطلاق، والروضۃ الندیہ، ج: ۲، کتاب الطلاق وغیرہا من الکتب (ص۔ی)

ذٰلِكَ كَفَّارَةٌ اِيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَقْتُمْ وَاَحْفَظُوْا اِيْمَانَكُمْ كَذٰلِكَ يَبَيِّنُ اللّٰهُ

یہ کفارہ ہے تمہاری قسموں کا جب قسم کھا بیٹھو تم اور حفاظت کرو تم اپنی قسموں کی۔ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ

لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۹﴾

تمہارے لیے اپنی آیتیں تاکہ تم شکر کرو ○

یعنی تمہاری ان قسموں کے بارے میں اللہ تعالیٰ تمہارا مواخذہ نہیں کرے گا جو تم سے لغو اُ صادر ہوتی ہیں۔ اس سے مراد وہ قسمیں ہیں جو انسان بغیر کسی نیت اور ارادے کے کھا لیتا ہے یا یہ سمجھتے ہوئے کھاتا ہے کہ وہ سچا ہے مگر معاملہ اس کے برعکس نکلتا ہے: ﴿وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُمُ الْاٰيْمَانَ﴾ ”لیکن پکڑتا ہے ان قسموں پر جن کو تم نے مضبوط باندھا“ یعنی جس کا تم عزم کر لیتے ہو اور جس پر تمہارے دل جم جاتے ہیں۔ جیسا کہ ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَلٰكِنْ يُؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ﴾ (البقرہ: ۲۲۵/۲) ”مگر وہ قسمیں جو تم دلی ارادے سے کھاتے ہو ان پر تمہارا مواخذہ کرے گا“۔

﴿فَكَفَّارَتْهَا﴾ ”تو اس کا کفارہ“ یعنی ان قسموں کا کفارہ جو تم قصد اور ارادے سے کھاتے ہو ﴿اِطْعَامَ عَشْرَةِ مَسْكِيْنَ﴾ ”دس مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے“ اور یہ کھانا ﴿مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعَمُوْنَ اٰهْلِيْكُمْ﴾ ”اوسط درجے کا کھانا جو تم کھلاتے ہو اپنے گھر والوں کو“ ﴿اَوْ كِسُوْتُهُمْ﴾ ”یا ان دس مسکینوں کو لباس پہنانا ہے“ اور یہاں لباس سے مراد کم از کم اتنا لباس ہے جس سے نماز ہو جاتی ہے ﴿اَوْ تَحْرِيرَ رَقَبَةٍ﴾ ”یا ایک گردن آزاد کرنی ہے“ یعنی مومن غلام جیسا کہ بعض دیگر مقام پر اسے ایمان کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔

جب ان مذکورہ تینوں صورتوں میں سے کسی ایک پر عمل کر لے تو اس کی قسم کا کفارہ ادا ہو جائے گا ﴿فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ﴾ ”اور جس کو یہ میسر نہ ہو۔“ یعنی جب کوئی ان تینوں صورتوں میں سے کسی پر بھی عمل کرنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو ﴿فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ اَيَّامٍ﴾ ”تو تین دن کے روزے رکھنے ہیں“ ﴿ذٰلِكَ﴾ یعنی یہ مذکورہ صورت ﴿كَفَّارَةُ اِيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَقْتُمْ﴾ ”تمہاری قسموں کا کفارہ ہے جب تم قسم کھا لو۔“ یہ ان کو مٹا دیتا ہے اور گناہ کو ختم کر دیتا ہے۔

﴿وَاَحْفَظُوْا اِيْمَانَكُمْ﴾ ”اور اپنی قسموں کی حفاظت کرو۔“ اللہ تعالیٰ کے نام پر چھوٹے اور کثرت سے حلف اٹھانے سے اپنی قسموں کی حفاظت کرو اور جب تم حلف اٹھانی لو پھر ٹوٹنے سے اس کو بچاؤ۔ سوائے اس کے کہ قسم توڑنے میں کوئی بھلائی ہو۔ پس قسم کی کامل حفاظت یہ ہے کہ انسان بھلائی پر عمل کرے اور اس کی قسم بھلائی کے راستے میں رکاوٹ نہ بنے۔ ﴿كَذٰلِكَ يَبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ﴾ ”اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے اپنی آیات“ جو حلال و حرام کو بیان کرنے والی اور احکام کو واضح کرنے والی ہیں ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ﴾ ”شاید تم اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بنو“ کہ اس نے تمہیں وہ کچھ سکھایا جو تم نہیں جانتے تھے۔ پس بندہ مومن پر اللہ تعالیٰ کا شکر واجب ہے کہ اس نے احکام شریعت کی معرفت اور ان کی توضیحات سے نوازا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ وَالْأَزْلَامُ رِجْسٌ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! یقیناً شراب اور جوا اور بت اور قال نکالنے کے تیر ناپاک ہیں

مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطَانِ فَاجْتَنِبُوهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿٩٠﴾ إِنَّمَا يُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ

عمل سے ہیں شیطان کے پس بچو تم اس سے تاکہ تم فلاح پاؤ ۰ یقیناً چاہتا ہے شیطان کہ

يُوقِعَ بَيْنَكُمْ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللَّهِ

ڈال دے تمہارے درمیان عداوت اور بغض شراب اور جوئے کے ذریعے اور روک دے تمہیں اللہ کے ذکر سے

وَعَنِ الصَّلَاةِ ۚ فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ ﴿٩١﴾

اور نماز سے پس کیا تم باز آتے ہو (ان شیطانی کاموں سے)؟ ۰

اللہ تبارک و تعالیٰ ان مذکورہ قبیح اشیا کی مذمت کرتے ہوئے آگاہ فرماتا ہے کہ یہ شیطانی اور گندے کام ہیں۔

﴿فَاجْتَنِبُوهُ﴾ ”پس بچو ان سے“ یعنی ان گندے کاموں کو چھوڑ دو ﴿لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ﴾ ”تاکہ تم فلاح پاؤ“ کیونکہ فلاح

اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک کہ ان چیزوں سے اجتناب نہ کیا جائے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ خاص طور پر مذکورہ فواحش:

(الف) خمر: ہر وہ چیز خمر ہے جو عقل کو ڈھانپ لے یعنی عقل پر نشے کا پردہ ڈال دے۔

(ب) جوا: وہ تمام مقابلے جن میں جائین کی طرف سے جیتنے والے کے لئے عوض مقرر کیا گیا ہو، مثلاً گھوڑ دوڑ وغیرہ کی شرط۔

(ج) انصاب: اس سے مراد وہ بت وغیرہ ہیں جن کو نصب کر دیا جاتا ہے اور اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کی جاتی ہے۔

(د) پانے: جن کے ذریعے سے لوگ اپنی قسمت کا حال معلوم کرتے ہیں۔

یہ وہ چار چیزیں ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے روکا ہے اور ان کے ارتکاب پر زجر و توبیخ کی ہے اور ان کے ان مفاسد سے آگاہ فرمایا جو ان کو ترک کرنے اور ان سے اجتناب کے داعی ہیں۔

(۱) یہ تمام امور (رجس) یعنی ناپاک ہیں۔ اگرچہ حسی طور پر یہ ناپاک نہیں مگر معنوی طور پر ناپاک ہیں اور ناپاک امور سے بچنا اور ان کی گندگی میں ملوث ہونے سے اجتناب کرنا ہی مناسب ہے۔

(۲) یہ تمام امور شیطانی اعمال ہیں اور شیطان انسان کا سب سے بڑا دشمن ہے۔ اور ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ دشمن سے ہمیشہ دور رہا جاتا ہے اور اس کی گھاتوں اور سازشوں سے بچا جاتا ہے خاص طور پر ان اعمال

سے بچنے کی کوشش کی جاتی ہے جن میں دشمن ملوث کر کے ہلاک کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اور سب

سے بڑی احتیاط یہ ہے کہ اپنے کھلے دشمن کے اعمال سے دور رہ کر اس سے بچنا چاہئے اور ان اعمال میں پڑنے سے ڈرنا چاہئے۔

(۳) مذکورہ امور سے اجتناب کئے بغیر بندے کی فلاح ممکن نہیں۔ فلاح امر مطلوب کے حصول میں کامیابی اور امر مرہوب سے نجات کا نام ہے اور یہ تمام امور فلاح سے مانع اور اس کے لئے رکاوٹ ہیں۔

(۴) مذکورہ اعمال لوگوں کے درمیان بغض اور عداوت کے موجب ہیں۔ شیطان ان اعمال کو لوگوں کے درمیان پھیلانے کا بڑا حریص ہے، خاص طور پر شراب اور جوا۔ تاکہ وہ اہل ایمان کے درمیان بغض اور عداوت کا بیج بوسکے۔ کیونکہ شراب پینا عقل میں فتور آنے کا ہوش و حواس کے چلے جانے کا اور مومن بھائیوں کے درمیان بغض اور عداوت پیدا کرنے کا سبب بنتا ہے خاص طور پر جبکہ اس کے ساتھ وہ اسباب بھی موجود ہوں جو شراب پینے والے کے لوازم میں شمار ہوتے ہیں۔ تب یہ شراب نوشی بسا اوقات قتل کے اقدام تک پہنچا دیتی ہے۔ جوئے میں ایک شخص کو دوسرے شخص پر جو جیت حاصل ہوتی ہے اور وہ بغیر کسی مقابلہ کے بہت سا مال حاصل کر لیتا ہے تو یہ چیز بغض و عداوت کا سب سے بڑا سبب ہے۔

(۵) مذکورہ اعمال قلب کو ذرا الہی سے روکتے ہیں اور بدن کو ذکر اور نماز سے دور کر دیتے ہیں۔ حالانکہ یہی وہ دو چیزیں ہیں جن کے لئے بندے کو تخلیق کیا گیا ہے اور انہی دو امور میں بندے کی سعادت ہے۔

شراب اور جوا تو ذکر الہی اور نماز کے لئے سب سے بڑی رکاوٹ ہے۔ قلب مشغول ہو جاتا ہے اور ذہن شراب اور جوئے میں مشغول ہو کر غافل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ طویل مدت اس پر گزر جاتی ہے اور انسان کو ہوش تک نہیں رہتا کہ وہ کہاں ہے۔ پس کون سا گناہ اس گناہ سے بڑھ کر قبیح ہے جو انسان کو ناپاک کر کے ناپاک لوگوں میں شامل کر دے اور وہ اسے شیطان کے اعمال اور اس کے مکرو فریب کے جال میں پھنسا دے اور وہ شیطان کا اس طرح مطیع ہو جائے جس طرح مویشی چرواہے کے مطیع ہوتے ہیں۔ شیطان بندے اور اس کی فلاح کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ اہل ایمان کے درمیان بغض اور عداوت کا بیج بوتا ہے اور انہیں ذکر الہی اور نماز سے روکتا ہے۔ (کیا یہ مفاسد جو مذکور ہوئے کم ہیں؟) اور کیا ان مفاسد سے بڑھ کر بھی کوئی چیز ہے جو ان سے بڑی ہو؟

بنابرین اللہ تعالیٰ نے عقل سلیم کو ان چیزوں سے روکتے ہوئے فرمایا ﴿فَهَلْ أَنْتُمْ مُنْتَهُونَ﴾ کیا تم باز آتے ہو؟“ کیونکہ ایک عقل مند شخص جب ان مفاسد میں سے کسی ایک پر نظر ڈالتا ہے تو گھبرا اٹھتا ہے اور اپنے آپ کو ان برائیوں کے ارتکاب سے باز رکھتا ہے۔ اسے کسی لمبے چوڑے وعظ اور بہت زیادہ زجر و توبیخ کی ضرورت نہیں ہوتی۔

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَاحْذَرُوا فَإِن تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا

اور اطاعت کرو تم اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی اور ڈرو تم، پس اگر پھر جاؤ تم، تو جان لو کہ

أَنْتُمْ عَلَى رَسُولِنَا الْبَلِغِ الْمُبِينِ ﴿٩٦﴾

ہمارے رسول پر تو صرف پہنچا دینا ہے کھول کر

اللہ تبارک و تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ایک ہی چیز کا نام ہے جو کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے وہ رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے اور جو کوئی رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہے۔ یہ اطاعت اس بات کو متضمن ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے احکام کی تعمیل کی جائے۔ یعنی ظاہری و باطنی اعمال و اقوال، حقوق اللہ اور حقوق مخلوق سے متعلق واجب اور مستحب اعمال بجالائے جائیں۔ اور اس امر کو متضمن ہے کہ ان امور سے اجتناب کیا جائے جن سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے منع کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم ایک عام حکم ہے جو تمام احکام کو شامل ہے۔ جیسا کہ آپ جانتے ہیں کہ اس میں تمام اوامر و نواہی اور ظاہر و باطن شامل ہیں۔ فرمایا ﴿وَاحْذَرُوا﴾ ”اور ڈرتے رہو۔“ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی سے بچو، کیونکہ یہ نافرمانی شر اور واضح خسارے کی موجب ہے ﴿فَإِن تَوَلَّيْتُمْ﴾ ”پس اگر تم اعراض کرو،“ یعنی جس چیز کا تمہیں حکم دیا گیا اور جس چیز سے تمہیں روکا گیا ہے اگر تم اس کی تعمیل کرنے سے گریز کرو ﴿فَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ عَلَى رَسُولِنَا الْبَلِغِ الْمُبِينِ﴾ ”تو جان لو کہ ہمارے رسول (ﷺ) کے ذمہ تو صرف پیغام کا کھول کر پہنچا دینا ہے“ اور اس نے یہ فریضہ ادا کر دیا ہے۔ اگر تم راہ راست اختیار کرتے ہو تو اس کا فائدہ تمہارے لئے ہے اور اگر تم برائیوں کا ارتکاب کرتے ہو تو اللہ تعالیٰ تمہارا محاسبہ کرے گا۔ ہمارے رسول ﷺ کے ذمہ جو کچھ تھا وہ انہوں نے پہنچا دیا۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا إِذَا مَا اتَّقَوْا

نہیں ہے اوپر ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور عمل کیے نیک، کوئی گناہ اس چیز میں جو کھا چکے وہ جب ڈر جائیں وہ

وَأَمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَآمَنُوا ثُمَّ اتَّقَوْا وَأَحْسَنُوا وَاللَّهُ

اور ایمان لے آئیں اور عمل کریں نیک پھر تقویٰ اختیار کریں وہ اور ایمان لائیں پھر تقویٰ اختیار کریں وہ اور نیکی کریں اور اللہ

يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ﴿٩٧﴾

محبت کرتا ہے نیک کرنے والوں سے

جب شراب کی تحریم، ممانعت کی تاکید اور اس کی بابت سخت حکم نازل ہوا، تو بہت سے اہل ایمان کی خواہش تھی کہ انہیں اپنے ان مومن بھائیوں کے بارے میں معلوم ہو جو حالت اسلام میں فوت ہوئے اور شراب کی تحریم سے

قبل وہ شراب پیا کرتے تھے چنانچہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جُنَاحٌ﴾ ”جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے ان پر ان چیزوں کا کچھ گناہ نہیں۔“ یعنی ان پر گناہ اور حرج نہیں ہے ﴿فِي مَا طَعَبُوا﴾ ”اس میں جو کچھ پہلے کھا چکے“ یعنی شراب اور جوئے کی تحریم سے قبل وہ شراب پیا کرتے تھے۔ چونکہ نفی حرج مذکورہ اشیا وغیرہ کو شامل ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس ارشاد کے ذریعے سے اس کو مقید فرمایا ﴿إِذَا مَا اتَّقَوْا وَآمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ ”جب کہ وہ آئندہ کو ڈر گئے اور ایمان لائے اور نیک عمل کئے“ یعنی اس شرط کے ساتھ کہ وہ گناہوں کو ترک کریں اللہ تعالیٰ پر ایسا صحیح ایمان رکھیں جو عمل صالح کا موجب ہوتا ہے۔ پھر اس پر ہمیشہ قائم رہیں۔۔۔۔۔ ورنہ بندہ کبھی اس صفت سے متصف ہوتا ہے اور کبھی نہیں ہوتا۔ یہ ایمان اس وقت تک کافی نہیں جب تک کہ اس پر دوام نہ ہو اور اسی حالت میں اس کو موت نہ آئے۔ نیز نیک اعمال پر اس کا دوام ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ اچھے طریقے سے اپنے خالق کی عبادت کرنے والے نیکو کاروں کو پسند کرتا ہے اور وہ بندوں کو نفع پہنچانے کو پسند کرتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں وہ شخص بھی شامل ہے جو تحریم کے نازل ہونے کے بعد کوئی حرام کردہ چیز کھاتا ہے یا کسی حرام فعل کا ارتکاب کرتا ہے، پھر اپنے گناہ کا اعتراف کرتے ہوئے توبہ کر لیتا، تقویٰ اختیار کر لیتا ہے اور نیک کام کرتا ہے، تو اللہ تعالیٰ اس کو بخش دے گا اور اس بارے میں اس کے گناہ کا بوجھ ہٹا دے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كَيْبَلُوا لَكُمْ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالَهُ أَيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! البتہ ضرور آزمائے گا تمہیں اللہ کچھ شکار سے کہ پہنچ سکتے ہیں اس تک تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے

لِيَعْلَمَ اللَّهُ مَن يَخَافُهُ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدَىٰ بَعْدَ ذَلِكَ فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٣﴾

تاکہ معلوم کر لے اللہ کہ کون ڈرتا ہے اس سے بن دیکھے؟ پس جو حد سے گزرے بعد اسکے سوا اس کیلئے عذاب ہے بہت دردناک ○

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرْمٌ ۖ وَمَن قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُّتَعَدِّيًا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ مارو تم شکار کو جب کہ تم احرام میں ہو اور جو کوئی مارے گا تم میں سے اس کو جان بوجھ کر

فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعْمِ يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنكُمْ هَدْيًا بَلِغَ

توبہ لے (اس پر) مثل اسکے جو مارا اس نے جو پاؤں سے فیصلہ کریں گے اس کا دو انصاف والے تم میں سے بطور قربانی کے پہنچنے والی

الْكَعْبَةِ أَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسْكِينٍ أَوْ عَدْلٌ ذَلِكُمْ صِيَامًا لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ ۗ

کعبہ میں یا کفارہ ہے کھانا کھلانا کچھ مسکینوں کو یا برابر اس کے روزے رکھنے ہیں تاکہ چکھے وہ سزا اپنے کام کی۔

عَفَا اللَّهُ عَمَّا سَلَفَ ۚ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللَّهُ مِنْهُ ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿١٤﴾

معاف کیا اللہ نے اس سے جو گزر چکا اور جو کوئی پھر کرے تو انتقام لے گا اللہ اس سے اور اللہ غالب ہے انتقام لینے والا ○

أَحَلَّ لَكُمْ صَيْدَ الْبَحْرِ وَطَعَامَهُ مَتَاعًا لَكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۗ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ

حلال کیا گیا ہے تمہارے لیے شکار سمندر کا اور کھانا اس کا فائدے کے لیے تمہارے اور مسافروں کے اور حرام کیا گیا ہے تم پر

صَيْدِ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرْمًا ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ ﴿٦﴾

شکار خشکی کا جب تک ہو تم احرام میں اور ڈرو تم اللہ سے وہ جس کی طرف تم اکٹھے کیے جاؤ گے ○

اللہ تعالیٰ کا بندوں پر یہ فضل و احسان ہے کہ اس نے ان کو خریدی ہے کہ وہ قضا و قدر کے اعتبار سے یہ فعل سر انجام دے گا تاکہ وہ اس کی اطاعت کریں اور بصیرت کے ساتھ آگے آئیں اور جسے ہلاک ہونا ہے وہ دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جسے زندہ رہنا ہے وہ دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔ فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ ”اے ایمان والو!“ ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان کا امتحان لے ﴿يَنْبِئُوكُمُ اللَّهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيِّدِ﴾ ”البتہ ضرور آزمائے گا تم کو اللہ ایک بات سے ایک شکار میں“ یعنی کسی زیادہ بڑی چیز کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ تمہیں نہیں آزمائے گا بلکہ اپنے لطف و کرم کی بنا پر تخفیف کرتے ہوئے بہت معمولی سی چیز کے ذریعے سے تمہارا امتحان لے گا۔ یہ شکار ہے جس کے ذریعے سے اللہ تبارک و تعالیٰ تمہیں آزمائے گا ﴿تَنَالُهُ آيْدِيكُمْ وَرِمَاحُكُمْ﴾ ”جس پر پہنچتے ہیں تمہارے ہاتھ اور تمہارے نیزے“ یعنی تم اس کے شکار پر متمسک ہوتے ہوتا کہ اس طرح آزمائش مکمل ہو جائے۔ اگر ہاتھ یا نیزے کے ذریعے سے شکار قدرت و اختیار میں نہ ہو تو آزمائش کا کوئی فائدہ باقی نہیں رہتا۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آزمائش کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿لِيَعْلَمَ اللَّهُ﴾ ”تاکہ جان لے اللہ“ یعنی ایسا جاننا جو مخلوق پر ظاہر ہو اور اس پر ثواب و عذاب مترتب ہوتا ہو ﴿مَنْ يَخَافُ بِالْغَيْبِ﴾ ”کون اس سے غائبانہ ڈرتا ہے۔“ پس جس چیز کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے روکا ہے اس پر قدرت و اختیار ہونے کے باوجود وہ اس سے رک جاتا ہے تو وہ اسے بہت زیادہ اجر عطا فرماتا ہے اس کے برعکس وہ شخص ہے جو اللہ تعالیٰ سے غائبانہ طور پر ڈرتا ہے نہ اس کی نافرمانی سے باز آتا ہے اس کے سامنے شکار آ جاتا ہے اگر اس پر قابو پاسکتا ہے تو اس کو شکار کر لیتا ہے۔۔۔۔

﴿فَمِنْ أَعْتَدَى﴾ ”تو جو زیادتی کرے۔“ یعنی تم میں سے جو کوئی حد سے تجاوز کرے گا ﴿بَعْدَ ذَلِكَ﴾ ”اس

کے بعد“ یعنی اس بیان کے بعد جس نے ہر قسم کی حجت کو باطل کر کے راستے کو واضح کر دیا ہے ﴿فَلَهُ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ”پس اس کے لئے انتہائی دردناک عذاب ہے“ جس کا وصف اللہ کے سوا کوئی بیان نہیں کر سکتا۔ کیونکہ حد سے تجاوز کرنے والے اس شخص کے لئے کوئی عذر نہیں۔ اعتبار اس شخص کا ہے جو لوگوں کی عدم موجودگی میں غائبانہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے۔ رہا لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے خوف کا اظہار کرنا تو یہ کبھی کبھی لوگوں کے خوف کی وجہ سے بھی ہوتا ہے تب اس پر کوئی ثواب نہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حالت احرام میں شکار کرنے سے منع کر کے شکار کرنے کو حرام قرار دے دیا۔ چنانچہ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَأَنْتُمْ حُرُمٌ﴾ ”اے ایمان دارو! جب تم احرام کی حالت میں ہو تو شکار نہ مارنا۔“ یعنی جب تم نے حج اور عمرہ کا احرام باندھا ہوا ہو۔ شکار مارنے کی ممانعت، شکار مارنے کے مقدمات کی ممانعت کو بھی شامل ہے۔ جیسے شکار مارنے میں اشتراک، شکار کی نشاندہی کرنا اور شکار کرنے میں اعانت کرنا، احرام کی حالت میں سب ممنوع ہے۔ حتیٰ کہ محرم کو وہ شکار کھانا بھی ممنوع ہے جو اس کی خاطر شکار کیا گیا ہو۔ یہ سب کچھ اس عظیم عبادت کی تعظیم کے لئے ہے جس کی خاطر محرم کے لئے اس شکار کو مارنا حرام کیا گیا ہے جو احرام باندھنے سے پہلے تک اس کے لئے حلال تھا۔ ﴿وَمَنْ قَتَلَهُ مِنْكُمْ مُتَعَدًّا﴾ ”اور جو تم میں سے جان بوجھ کر اسے مارے۔“ یعنی اس نے جان بوجھ کر شکار مارا ﴿فَجَزَاءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ﴾ ”تو اس پر بدلہ ہے اس مارے ہوئے کے برابر مویشی میں سے“ یعنی اس پر لازم ہے کہ اونٹ، گائے اور بکری کا فدیہ دے۔ شکار کے بارے میں دیکھا جائے گا کہ وہ کس سے مشابہت رکھتا ہے تو اس جیسا مویشی ذبح کر کے صدقہ کیا جائے گا اور مماثلت کی تعیین میں کس کا فیصلہ معتبر ہو گا؟ ﴿يَحْكُمُ بِهِ ذَوَا عَدْلٍ مِنْكُمْ﴾ ”تم میں سے دو عادل شخص اس کا فیصلہ کریں گے“، یعنی دو عادل اشخاص جو فیصلہ کرنا جانتے ہوں اور وجہ مشابہت کی بھی معرفت رکھتے ہوں جیسا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کیا۔ انہوں نے کبوتر کا شکار کرنے پر بکری، شتر مرغ کا شکار کرنے پر اونٹنی اور نیل گائے کی تمام اقسام پر گائے ذبح کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اسی طرح تمام جنگلی جانور جو مویشیوں میں کسی کے ساتھ مشابہت رکھتے ہیں، تو فدیہ کے لئے وہی اس کے مماثل ہیں۔ اگر کوئی مشابہت نہ ہو تو اس میں قیمت ہے۔ جیسا کہ تلف شدہ چیزوں میں قاعدہ ہے۔

یہ بھی لازم ہے کہ یہ ہدی بیت اللہ پہنچے ﴿هُدًىٰ بَلِغَ الْكَعْبَةِ﴾ ”وہ جانور بطور قربانی پہنچایا جائے کعبہ تک“ یعنی اس کو حرم کے اندر ذبح کیا جائے ﴿أَوْ كَفَّارَةً طَعَامٍ مَسْكِينٍ﴾ ”یا اس جزا کا کفارہ چند مسکین کو کھانا کھلانا ہے“ یعنی مویشیوں میں سے مماثل کے مقابلے میں مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔ بہت سے علماء کہتے ہیں کہ جزا یوں پوری ہوگی کہ مماثل مویشی کی قیمت کے برابر غلہ وغیرہ خریدا جائے اور ہر مسکین کو ایک مد گیہوں یا گیہوں کے علاوہ کسی دوسری جنس میں سے نصف صاع دیا جائے ﴿أَوْ عَدْلٌ ذَلِكِ﴾ ”یا اس کھانے کے بدل میں“ ﴿صِيَامًا﴾ ”روزے رکھے۔“ یعنی ایک مسکین کو کھانا کھلانے کے بدلے میں ایک روزہ رکھے ﴿نَبِيذٍ وَقِيٍّ﴾ ”تا کہ چکھے وہ“ اس مذکورہ جزا کے وجوب کے ذریعے سے ﴿وَبَالَ أَمْرِهِ﴾ ”سزا اپنے کام کی“ ﴿وَمَنْ عَادَ﴾ ”اور پھر جو کرے گا“، یعنی اس کے بعد ﴿فَيَنْتَقِمُ اللَّهُ مِنْهُ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ذُو انتِقَامٍ﴾ ”تو اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لے گا اور اللہ تعالیٰ غالب اور انتقام لینے والا ہے۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ نے جان بوجھ کر شکار مارنے پر اس کی سزا کی صراحت کی ہے باوجود اس بات کے کہ بدلہ تو ہر غلطی کا ضروری ہوتا ہے چاہے اس کا مرتکب جان بوجھ کر کرے یا غلطی سے، جیسا کہ شرعی قاعدہ ہے کہ جان اور مال کو تلف کرنے والے پر ضمان لازم ہے خواہ کسی بھی حال میں اس سے یہ اتلاف صادر ہوا ہو۔ جبکہ یہ اتلاف ناحق ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس پر بدلہ اور انتقام مرتب کیا ہے اور یہ سب جان بوجھ کر کرنے والے کے لئے ہے، لیکن غلطی سے کرنے والے کے لئے سزا نہیں ہے، صرف بدلہ ہے۔ یہی جمہور علماء کی رائے ہے، مگر صحیح وہی ہے جس کی آیت کریمہ نے تصریح کی ہے کہ جس طرح بغیر جانے بوجھے اور بغیر ارادے کے شکار مارنے والے پر کوئی گناہ نہیں اسی طرح اس پر جزا بھی لازم نہیں ہے۔

چونکہ شکار کا اطلاق بری اور بحری دونوں قسم کے شکار پر ہوتا ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے سمندری شکار کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿أَحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ﴾ ”احرام کی حالت میں تمہارے لئے سمندر کا شکار کرنا اور اس کا کھانا حلال ہے“ اور ”سمندر کے شکار“ سے مراد سمندر کے زندہ جانور ہیں اور (طعام) ”اس کے کھانے“ سے مراد سمندر میں مرنے والے سمندری جانور ہیں۔ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ مرے ہوئے بحری جانور بھی حلال ہیں۔ ﴿مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلْيَتَامَى﴾ ”تمہارے فائدے کے لئے اور مسافروں کے لئے، یعنی اس کی اباحت میں تمہارے لئے فائدہ ہے تا کہ تم اور تمہارے وہ ساتھی اس سے فائدہ اٹھا سکیں جو تمہارے ساتھ سفر کرتے ہیں ﴿وَحَرَّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدَ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا﴾ ”اور جب تک تم احرام کی حالت میں ہو تم پر خشکی (جنگل) کا شکار حرام ہے۔“ یہاں لفظ ”شکار“ سے یہ مسئلہ اخذ کیا جاتا ہے کہ یہ ضروری ہے کہ شکار کیا ہوا جانور جنگلی ہو، کیونکہ پالتو اور گھریلو جانور پر شکار کا اطلاق نہیں ہوتا۔ نیز یہ ایسا جانور ہو جس کا گوشت کھایا جاتا ہو کیونکہ جس جانور کا گوشت کھایا نہ جاتا ہو اس کو شکار نہیں کیا جاتا اور نہ اس پر ”شکار“ کا اطلاق ہی کیا جاتا ہے۔

﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾ ”اور اس اللہ سے ڈرو جس کی طرف تم اکٹھے کئے جاؤ گے، یعنی اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا حکم دیا ہے اس پر عمل کر کے اور جس چیز سے روکا ہے اس کو ترک کر کے تقویٰ اختیار کرو اور اپنے اس علم سے حصول تقویٰ میں مدد لو کہ تمہیں اللہ تعالیٰ کے پاس اکٹھا کیا جائے گا اور وہ تمہیں اس بات کی جزا دے گا کہ آیا تم نے اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کیا تھا۔ تب وہ تمہیں بہت زیادہ ثواب سے نوازے گا یا اگر تقویٰ کو اختیار نہیں کیا تب اس صورت میں وہ تمہیں سخت سزا دے گا۔“

جَعَلَ اللَّهُ الْكُكْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَمًا لِلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ

بنایا ہے اللہ نے کعبے کو جو گھر ہے حرمت والا قیام کا سبب لوگوں کے لیے اور حرمت والے مہینوں کو اور حرم والی قربانی کو

وَالْقَلَابِدُ ذَلِكَ لَتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ

اور پتوں (والے جانوروں) کو یہ اس لیے تاکہ تم جان لو کہ یقیناً اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے

وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٩٥﴾ اَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ غَفُورٌ

اور بے شک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○ جان لو! بے شک اللہ سخت سزا دینے والا ہے اور بلاشبہ اللہ بہت بخشنے والا

رَحِيمٌ ﴿٩٦﴾ مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا تَكْتُمُونَ ﴿٩٧﴾

نہایت مہربان ہے ○ نہیں ہے رسول پر مگر پہنچا دینا اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو تم چھپاتے ہو ○

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ ﴿جَعَلَ اللَّهُ الْكعبةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيَمًا لِلنَّاسِ﴾ ”اس نے کعبہ یعنی

محترم گھر کو لوگوں کے لئے قیام کا باعث بنایا۔“ یعنی اس کی تعظیم کے قیام کے ساتھ ان کا دین اور دنیا قائم ہیں۔

کعبہ کے ساتھ ان کے اسلام کی تکمیل ہوتی ہے۔ ان کے بوجھ ہلکے ہوتے ہیں۔ اس گھر کا قصد کرنے سے بہت

زیادہ نوازشیں اور بہت زیادہ احسانات حاصل ہوتے ہیں۔ اسی کعبہ کے سبب سے اموال خرچ کئے جاتے ہیں اور

اسی کی خاطر بڑے بڑے اہوال میں گھسا جاتا ہے۔ اس محترم گھر میں دور دور سے مختلف رنگ و نسل کے مسلمان

اکٹھے ہوتے ہیں ایک دوسرے سے متعارف ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے مدد لیتے ہیں مصالح عامہ میں ایک

دوسرے سے مشورہ کرتے ہیں ان کے درمیان ان کے دینی اور دنیاوی مفادات کے ضمن میں روابط استوار ہوتے

ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَيْشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ وَيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ فِي أَيَّامٍ مَّعْلُومَاتٍ عَلَى مَا

رَدَّ قَهُمْ مِنْ بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ﴾ (الحج: ٢٨/٢٢) ”تاکہ وہ اپنے فائدے کے کاموں میں حاضر ہوں اور

قربانی کے چند معلوم دنوں میں ان مویشیوں پر اللہ کا نام لیں جو اللہ تعالیٰ نے عطا کئے ہیں۔“

اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے اس محترم گھر کو لوگوں کے لئے اجتماعی زندگی کے قیام کا ذریعہ بنایا۔ بعض علماء کہتے

ہیں کہ ہر سال بیت اللہ کا حج کرنا فرض کفایہ ہے۔ اگر تمام لوگ حج چھوڑ دیں تو تمام وہ لوگ گناہ گار ٹھہریں گے جو حج

کرنے کی قدرت رکھتے ہیں بلکہ اگر تمام لوگ حج چھوڑ دیں تو ان کی اجتماعی زندگی کا سہارا ختم ہو جائے گا اور

قیامت قائم ہو جائے گی۔

﴿وَالْهَدَىٰ وَالْقَلَابِدُ﴾ ”اور قربانی کو اور ان جانوروں کو جن کے گلے میں پٹے بندھے ہوں۔“ یعنی اور اسی

طرح اللہ تعالیٰ نے قربانی کے جانوروں اور پٹے والے جانوروں کو جو کہ قربانی کی بہترین قسم ہے لوگوں کے

گزارے کا ذریعہ بنایا۔ لوگ ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ثواب حاصل کرتے ہیں۔ ﴿ذَلِكَ لَتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ

يَعْلَمُ مَا فِي السَّمَوَاتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ ”یہ اس لئے تاکہ تم جان لو کہ اللہ کو معلوم

ہے جو کچھ کہ آسمان و زمین میں ہے اور اللہ ہر چیز سے خوب واقف ہے“ پس یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا علم ہی ہے کہ

اس نے تمہارے لئے یہ محترم گھر بنایا کیونکہ وہ تمہارے دینی اور دنیاوی مصالح کا علم رکھتا ہے۔

﴿اعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ”جان لو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے“ یعنی ان دونوں امور کے بارے میں جزم و یقین کے ساتھ تمہارے دلوں میں علم موجود ہے۔ یہ حقیقت ہمیشہ تمہیں معلوم رہے کہ اللہ تعالیٰ نافرمانی کرنے والوں کو دنیا میں اور آخرت میں سخت عذاب دینے والا ہے اور وہ ان لوگوں کو بخش دینے والا اور ان پر بہت رحم کرنے والا ہے جو توبہ کر کے اس کی اطاعت کرتے ہیں۔ پس اس کے عذاب کا خوف اور اس کی بخشش اور ثواب کی امید اس علم کے ثمرات ہیں اور تم خوف اور امید کے تقاضوں کے مطابق عمل کرتے ہو، پھر اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿مَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلَاغُ﴾ ”رسول کے ذمے صرف پہنچا دینا ہے“ اور آپ ﷺ کو جیسے حکم دیا گیا، آپ نے پہنچا دیا۔ آپ نے اپنی ذمہ داری پوری کر دی اور اس کے سوا دیگر معاملات میں آپ کو کوئی اختیار نہیں ﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ﴾ ”اور اللہ جانتا ہے جو تم ظاہر کرتے اور جو تم چھپاتے ہو“ اور اللہ تعالیٰ تمہارے اعمال کی اپنے علم کے مطابق جزا دے گا۔

قُلْ لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ فَاتَّقُوا اللَّهَ

کہہ دیجئے! انہیں برابر ہو سکتے ناپاک اور پاک اگرچہ تعجب میں ڈالے آپ کو کثرت ناپاک کی، پس ڈرو تم اللہ سے

يَأُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ ﴿١٠﴾

اے عقل والو! تاکہ تم فلاح پاؤ

﴿قُلْ﴾ ”کہہ دیجیے“ یعنی لوگوں کو شر سے ڈراتے ہوئے اور ان کو بھلائی کی ترغیب دیتے ہوئے کہہ دیجئے ﴿لَا يَسْتَوِي الْخَبِيثُ وَالطَّيِّبُ﴾ ”ناپاک چیزیں اور پاک چیزیں برابر نہیں ہوتیں۔“ یعنی ہر چیز میں اچھے اور برے برابر نہیں ہو سکتے۔ ایمان اور کفر اطاعت اور معصیت اہل جنت اور اہل جہنم اعمال خبیثہ اور اعمال صالحہ برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح حرام مال اور حلال مال کے درمیان کوئی مساوات نہیں ﴿وَلَوْ أَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيثِ﴾ ”اگرچہ ناپاک کی کثرت آپ کو بھلی لگے“ کیونکہ ناپاک چیز کی کثرت اپنے مالک کو کوئی فائدہ نہیں دیتی بلکہ دین و دنیا میں اسے نقصان دیتی ہے ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ﴾ ”پس اے عقل مندو! اللہ سے ڈرو تاکہ تم فلاح پاؤ“ پس اللہ تعالیٰ نے عقل مندوں، یعنی پوری عقل اور کامل رائے کے حامل لوگوں کو حکم دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے خطاب کا رخ انہی لوگوں کی طرف ہے۔ یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جن کی پروا کی جاتی ہے اور انہی میں خیر کی امید ہوتی ہے اور ان کو آگاہ فرمایا ہے کہ فلاح تقویٰ پر موقوف ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی میں اس کی موافقت کا نام ہے۔ پس جس نے تقویٰ اختیار کیا اس نے پوری فلاح پالی۔ جس نے تقویٰ کو ترک کر دیا اس کے نصیب میں خسارہ آیا اور نفع سے محروم رہ گیا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنَ أَشْيَاءٍ إِن تَبَدَّلَ لَكُمْ تَسْوُكُمْ ۚ وَإِن تَسْأَلُوا

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ سوال کرو ایسی چیزوں کی بابت کہ اگر ظاہر کر دی جائیں وہ تمہارے لیے تو ناگوار گزریں تمہیں اور اگر پوچھو گے تم

عَنْهَا حِينَ يُنزَلُ الْقُرْآنُ تَبَدَّلَ لَكُمْ طَعْفًا اللَّهُ عَنْهَا ۖ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿۱۱﴾

انکی بابت جب کہ اتنا راجا رہا ہے قرآن تو ظاہر کر دی جائیں گی وہ تم پر ڈر گزر کر کیا اللہ نے ان سے اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت بردبار ہے

قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّن قَبْلِكُمْ ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كَافِرِينَ ﴿۱۲﴾

تحقیق پوچھا تھا ان کی بابت ایک قوم نے تم سے پہلے پھر ہو گئے وہ ان کے ساتھ کفر کرنے والے

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کو ایسی چیزوں کے بارے میں سوال کرنے سے منع کرتا ہے جن کو اگر ان کے سامنے بیان کر دیا جائے تو ان کو بری لگیں گی اور ان کو غمزدہ کر دیں گی مثلاً بعض مسلمانوں نے اپنے آباء و اجداد کے بارے میں سوال کیا تھا کہ آیا وہ جنت میں ہیں یا جہنم میں۔ اگر اس قسم کے سوال پر سائل کو واضح جواب دیا جائے تو بسا اوقات اس میں بھلائی نہیں ہوتی مثلاً غیر واقع امور کے بارے میں ان کا سوال کرنا یا ایسا سوال کرنا جس کی بنا پر کوئی شرعی شدت مترتب ہو اور بسا اوقات اس سوال کی وجہ سے امت حرج میں مبتلا ہو جاتی ہے یا کوئی اور لایعنی سوال کرنا۔ یہ سوالات اور اس قسم کے دیگر سوالات ممنوع ہیں۔ رہا وہ سوال جس کے ساتھ مذکورہ بالا چیزوں کا تعلق نہ ہو، تو وہ مامور بہ ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَسْأَلُوا أَهْلَ الذِّكْرِ إِن كُنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ (النحل: ۴۳/۱۶) ”اہل ذکر سے پوچھ لو اگر تم نہیں جانتے“۔

﴿وَإِن تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنزَلُ الْقُرْآنُ تَبَدَّلَ لَكُمْ﴾ ”اور اگر پوچھو گے یہ باتیں ایسے وقت میں کہ قرآن نازل ہو رہا ہے تو تم پر ظاہر کر دی جائیں گی“ یعنی جب تمہارا سوال اس کے محل نزول سے موافقت کرے اور تم اس وقت سوال کرو جب تم پر قرآن نازل کیا جا رہا ہو اور تم کسی آیت میں اشکال کے بارے میں سوال کرو یا کسی ایسے حکم کے بارے میں سوال کرو جو تم پر مخفی رہ گیا ہو اور یہ سوال کسی ایسے وقت پر ہو جب آسمان سے وحی کے نزول کا امکان ہو تو تم پر ظاہر کر دیا جائے گا۔ یعنی اس کو تمہارے سامنے واضح کر دیا جائے گا ورنہ جس چیز کے بارے میں اللہ تعالیٰ خاموش ہے تم بھی خاموش رہو۔ ﴿عَفَا اللَّهُ عَنْهَا﴾ ”اللہ نے ایسی باتوں (کے پوچھنے) سے درگزر فرمایا ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو معاف کرتے ہوئے سکوت سے کام لیا۔ پس ہر وہ معاملہ جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے سکوت اختیار کیا ہو وہ معاف ہے اور مباحات کے زمرے میں آتا ہے۔ ﴿وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ﴾ ”اور اللہ بخشنے والا بردبار ہے۔“ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ ہمیشہ سے مغفرت کی صفت سے موصوف، حلم اور احسان میں معروف ہے۔ پس اس سے اس کی مغفرت اور احسان کا سوال کرو اور اس سے اس کی رحمت اور رضا طلب کرو۔

یہ سوالات جن سے تمہیں منع کیا گیا ہے ﴿قَدْ سَأَلَهَا قَوْمٌ مِّن قَبْلِكُمْ﴾ ”تحقیق پوچھ چکی ہے یہ باتیں ایک

جماعت تم سے پہلے، یعنی اس جنس کے اور اسی قسم کے سوالات تھے۔ ان کا سوال طلب رشد کے لئے نہ تھا بلکہ تلبیس کی خاطر تھا۔ جب ان کے سوال کا جواب واضح ہو کر ان کے سامنے آ گیا ﴿ثُمَّ أَصْبَحُوا بِهَا كُفْرِينَ﴾ تو وہ ان کے ساتھ کفر کرنے والے ہو گئے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے صحیح حدیث میں فرمایا ”جب میں تمہیں کسی چیز سے روک دوں تو اس سے اجتناب کرو اور جب کسی کام کے کرنے کا حکم دوں تو اپنی استطاعت کے مطابق اس حکم کی تعمیل کرو کیونکہ تم سے پہلے تو میں کثرت سوال اور اپنے نبیوں سے اختلاف کرنے کی بنا پر ہلاک ہوئیں“^①

مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ وَلَا سَائِبَةٍ وَلَا وَصِيلَةٍ وَلَا حَامٍ وَلَا لَكِنَّ الَّذِينَ

نہیں مقرر کیا اللہ نے کوئی بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام، لیکن وہ لوگ

كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَكَثُرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ۝۱۰۶ وَإِذَا قِيلَ

جنہوں نے کفر کیا، باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ اور اکثر ان کے نہیں عقل رکھتے ۱۰۶ اور جب کہا جاتا ہے

لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ

ان سے آؤ تم اس چیز کی طرف جو نازل کی اللہ نے اور (آؤ) رسول کی طرف تو کہتے ہیں کافی ہے ہمیں وہ کہ پایا ہم نے اس پر

أَبَاءَنَا أَوْ لَوْ كَانَ آبَاؤُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ شَيْئًا وَلَا يَهْتَدُونَ ۝۱۰۷

اپنے آباؤ اجداد کو کیا اگرچہ ہوں آباؤ اجداد ان کے نہ جانتے ہوں کچھ اور نہ ہوں وہ ہدایت یافتہ ۱۰۷

یہ مشرکین کی مذمت ہے جنہوں نے دین میں ایسی چیزیں گھڑ لی تھیں جن کا اللہ تعالیٰ نے حکم نہیں دیا تھا اور وہ چیزیں حرام قرار دے لی تھیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال ٹھہرایا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی فاسد آراء کی بنا پر اپنی ان اصطلاحات کے مطابق کچھ مویشی حرام قرار دے دیئے جو کتاب اللہ کے مخالف تھیں۔ بنا بریں فرمایا: ﴿مَا جَعَلَ اللَّهُ مِنْ بَحِيرَةٍ﴾ ”نہیں مقرر کیا اللہ نے بحیرہ“ (بَحِيرَةٌ) اس اونٹنی کو کہا جاتا تھا جس کے کان پھاڑ دیا کرتے، اس پر سواری کرنے کو حرام کر لیتے اور اس کو مقدس خیال کرتے تھے۔ ﴿وَلَا سَائِبَةٍ﴾ ”اور نہ سائبہ“ اونٹنی، گائے یا بکری جب سن رسیدہ ہو جاتی تو اسے سائبہ کہا جاتا تھا اور اسے آزاد چھوڑ دیتے تھے اس پر سواری کی جاتی تھی نہ اس پر بوجھ لادا جاتا تھا۔ اور نہ اس کا گوشت کھایا جاتا تھا۔ بعض لوگ اپنے مال میں سے کچھ نذرمان کر اس کو ”سائبہ“ بنا کر چھوڑ دیتے تھے۔ ﴿وَلَا حَامٍ﴾ ”اور نہ حام“ یعنی اونٹ جب ایک خاص حالت کو پہنچ جاتا جو ان کے ہاں معروف تھی تو اس اونٹ پر سواری کی جاتی تھی نہ اس پر سامان لادا جاتا تھا۔ ان تمام چیزوں کو مشرکین نے بغیر کسی دلیل اور برہان کے حرام قرار دے رکھا تھا۔ یہ اللہ تعالیٰ پر افترا اور بہتان تھا جو ان کی جہالت اور بے عقلی سے صادر ہوا تھا۔ اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَكِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَكَثُرُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ﴾

”لیکن کافر اللہ پر اترنا بندھتے تھے اور ان کے اکثر عقل نہیں رکھتے تھے۔“ ان مذکورہ امور میں کوئی نقلی دلیل تھی نہ عقلی بایں ہمہ انہیں اپنی آراء بہت پسند تھیں جو ظلم اور جہالت پر مبنی تھیں۔

جب انہیں دعوت دی جاتی ﴿إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ﴾ ”اس کی طرف جو اللہ نے نازل کیا اور رسول کی طرف“ تو اس سے روگردانی کرتے اور اسے قبول نہ کرتے ﴿قَالُوا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ آبَاءَنَا﴾ ”اور کہتے کہ جس دین پر ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو پایا ہے وہ ہمارے لئے کافی ہے“ اگرچہ یہ دین نادرست ہی کیوں نہ ہو۔ اور یہ دین اللہ کے عذاب سے نجات نہ دلا سکتا ہو۔ پھر اگر ان کے آباؤ اجداد کافی ہوتے ان میں معرفت اور درایت ہوتی تو معاملہ آسان ہوتا۔ مگر ان کے آباؤ اجداد میں تو کچھ بھی عقل نہ تھی۔ ان کے پاس کوئی معقول شے تھی نہ علم و ہدایت کا کوئی حصہ۔ ہلاکت ہے اس کے لئے جو کسی ایسے شخص کی تقلید کرتا ہے جس کے پاس علم صحیح ہے نہ عقل راجح اور وہ اللہ کی نازل کردہ کتاب اور اس کے انبیاء و مرسلین کی اتباع کو چھوڑ دیتا ہے جو قلب کو علم و ایمان اور ہدایت و ایقان سے لبریز کرتی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! لازم ہے تم پر فکر اپنی جانوں کی، نہیں نقصان پہنچا سکے گا تمہیں جو گمراہ ہوگا جب کہ تم خود ہدایت پر ہو

إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿۱۵﴾

اللہ ہی کی طرف واپسی ہے تمہاری سب کی؛ پھر وہ خبر دے گا تمہیں جو تھے تم عمل کرتے

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنْفُسُكُمْ﴾ ”اے ایمان والو! تم پر لازم ہے فکر اپنی جان کا“، یعنی اپنے نفوس کی اصلاح، ان کو منزل کمال تک پہنچانے اور ان کو صراطِ مستقیم پر گامزن کرنے کی کوشش کرو، کیونکہ اگر تم نے اپنی اصلاح کر لی تو وہ شخص تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا جو راہِ راست سے بھٹک گیا ہے اور دینِ قیام کے راستے کو اختیار نہیں کرتا۔ وہ صرف اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس امر پر دلالت نہیں کرتی کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ چھوڑ دینے سے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ کیونکہ خود بندے کی ہدایت بھی اس وقت تک تکمیل نہیں پاتی جب تک کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جو ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے اسے ادا نہیں کرتا۔ ہاں! اگر وہ اپنے ہاتھ اور زبان سے برائی کا انکار کرنے پر قادر نہیں تو اپنے دل میں اس برائی کو برا سمجھے۔ تب کسی دوسرے کی گمراہی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

﴿إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا﴾ ”تم سب کو اللہ کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔“ یعنی قیامت کے دن تم سب اللہ

تعالیٰ کی طرف لوٹو گے اور اس کے سامنے اکٹھے ہو گے ﴿فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ ”وہ تم کو تمہارے سب کاموں سے آگاہ کرے گا۔“ یعنی اچھے اور برے جو عمل بھی کرتے رہے ہو اللہ تعالیٰ تمہیں ان کے بارے میں آگاہ کرے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنَكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمْ الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! شہادت ہونی چاہیے تمہارے درمیان جب آپنچے کسی کو تم میں سے موت وقت وصیت کے

اِثْنِ ذَوَاعَدِلٍ مِّنْكُمْ أَوْ آخَرِينَ مِنْ غَيْرِكُمْ إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ

دو عادل شخصوں کی تم میں سے، یا دو اورہوں تم مسلمانوں کے سوا، اگر تم سفر کر رہے ہو زمین میں

فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ تَحْبِسُونَهُمَا مِنْ بَعْدِ الصَّلَاةِ فَيُقْسِمْنَ بِاللَّهِ إِنْ

پھر اپنے تمہیں مصیبت موت کی، روک لو ان دونوں کو بعد نماز کے، پس قسمیں کھائیں وہ اللہ کی اگر

ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِي بِهِ ثَمَنًا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَلَا تَكْتُمُ شَهَادَةَ اللَّهِ إِنْ آتَا

تم تک کرو (وہ کہیں) ہم نہیں لیتے اس (قسم) کے بدلے کوئی قیمت اگرچہ ہو وہ رشتے دار اور نہیں چھپاتے ہم گواہی اللہ کی یقیناً ہم اس وقت

لَيْسَ مِنَ الْأَشْيَاءِ ۗ فَإِنْ عَثَرَ عَلَىٰ أَنَّهُمَا اسْتَحَقَّا إِثْمًا فَأَخْرَجَ يَقُومُنْ مَقَامَهُمَا

گناہ گاروں میں سے ہوں گے ○ پھر اگر اطلاع ہو جائے اس پر کہ وہ دونوں مرتکب ہوئے ہیں گناہ کے تو دو گواہ کھڑے ہوں انکی جگہ

مِنَ الَّذِينَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْأَوْلِيَانُ فَيُقْسِمْنَ بِاللَّهِ لَشَهَادَتُنَا أَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا

ان لوگوں میں سے جن کی حق تلفی ہوئی ہے قریب تر (میت کے) پھر قسمیں کھائیں دونوں اللہ کی کہ ہماری شہادت زیادہ سچی ہے انکی شہادت سے

وَمَا اعْتَدَيْنَا لِئَلَّا إِذَا لَيْسَ الظُّلُمَاتِ ۗ ذٰلِكَ اَدْنَىٰ اَنْ يَأْتُوا بِالشَّهَادَةِ

اور نہیں زیادتی کی ہم نے پیشک ہم اس وقت ظالموں میں سے ہوں گے ○ یہ (طریقہ) قریب تر ہے اس کے کہ دیں وہ شہادت

عَلَىٰ وَجْهَهَا أَوْ يَخَافُونَ أَنْ تُرَدَّ أَيْبَانُ بَعْدَ إِيْمَانِهِمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ

ٹھیک طریقے پر یا ڈریں اس سے کہ رد کر دی جائیں گی قسمیں (ان کی) بعد ان (ورثاء) کی قسموں کے اور ڈرو تم اللہ سے

وَأَسْعَوْا وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ۗ

اور سبزو اور اللہ نہیں ہدایت دیتا فاسق لوگوں کو ○

اللہ تبارک و تعالیٰ خبر دیتا ہے جو کہ اس حکم کو متضمن ہے کہ جب انسان کی موت کی علامات اور اس کے مقدمات سامنے آ جائیں تو اپنی وصیت پر دو گواہ بنا لے۔ اس کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ اپنی وصیت کو تحریر کروائے اور اس پر دو عادل اور معتبر گواہوں کی گواہی ثبت کروائے۔ ﴿أَوْ آخَرِينَ مِنْ غَيْرِكُمْ﴾ "یا دوسرے دو گواہ تمہارے سوا" یعنی مسلمانوں کے سوا کوئی اور یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہ۔ یہ سخت ضرورت اور حاجت کے وقت ہے جب یہود و نصاریٰ کے سوا مسلمانوں میں سے گواہ موجود نہ ہوں ﴿إِنْ أَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ "جب تم زمین میں سفر کر رہے ہو" ﴿فَأَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةُ الْمَوْتِ﴾ "اور اپنے تمہیں مصیبت موت کی" یعنی تم ان دونوں کو گواہ بنا لو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو گواہ بنانے کا حکم اس لئے دیا ہے کہ اس صورتحال میں ان کی گواہی مقبول ہے اور ان کے بارے

ان آیات کریمہ کا حاصل یہ ہے کہ سفر وغیرہ میں جب میت کی موت کا وقت آ جائے اور وہ ایسی جگہ پر ہو جہاں گمان یہ ہو کہ معتبر گواہ بہت کم ہوں گے تو میت کے لئے مناسب یہ ہے کہ وہ دو مسلمان عادل گواہوں کے سامنے وصیت کرے اور اگر صرف دو کافر گواہ مہیا ہو سکیں تو ان کے پاس بھی وصیت کرنا جائز ہے۔

اگر ان گواہوں کے کفر کی وجہ سے میت کے اولیاء ان کے بارے میں شک کریں تو نماز کے بعد ان سے حلف لیں کہ انہوں نے خیانت کا ارتکاب کیا ہے نہ جھوٹ بولا ہے اور نہ انہوں نے وصیت میں کوئی تغیر و تبدل کیا ہے۔ اس طرح وہ اس حق کی ذمہ داری سے بری ہو جائیں گے جو ان پر ڈال دی گئی تھی۔ اگر میت کے اولیاء ان کی گواہی کو تسلیم نہ کریں اور وہ کوئی ایسا قرینہ پائیں جو گواہوں کے جھوٹ پر دلالت کرتا ہو۔ پس اگر میت کے اولیاء میں سے دو گواہ کھڑے ہو کر قسم کھائیں کہ ان کی گواہی پہلے گواہوں کی گواہی سے صحیح ہے اور یہ کہ پہلے گواہ خیانت کے مرتکب ہوئے ہیں اور انہوں نے جھوٹ بولا ہے تو وہ ان پہلے گواہوں کے مقابلے میں اپنے دعوے میں مستحق قرار پائیں گے۔

یہ آیات کریمہ تمیم داری رضی اللہ عنہم اور عدی بن براء کے قصہ میں نازل ہوئی ہیں جو بہت مشہور ہے اور قصہ یوں ہے کہ عدوی^(۱) نے ان دونوں حضرات کے پاس وصیت کی تھی۔ واللہ اعلم^(۲)۔ ان آیات کریمہ سے متعدد احکام پر استدلال کیا جاتا ہے۔

- (۱) وصیت کرنا مشروع ہے جس کی موت کا وقت قریب آ جائے تو اسے چاہئے کہ وصیت کرے۔
- (۲) جب موت کے مقدمات و آثار نمودار ہو جائیں تو مرنے والے کی وصیت اس وقت تک معتبر ہے جب تک اس کے ہوش و حواس قائم ہیں۔
- (۳) وصیت میں دو عادل گواہوں کی گواہی ضروری ہے۔
- (۴) وصیت اور اس قسم کے دیگر مواقع پر بوقت ضرورت کفار کی گواہی مقبول ہے۔ یہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ بہت سے اہل علم دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ حکم منسوخ ہے۔ مگر نسخ کے اس دعویٰ پر کوئی دلیل نہیں۔

① مفسر موصوف کو سہو ہوا ہے صحیح بخاری ترمذی ابن کثیر اور دیگر مفسرین کے نزدیک عدوی کی جگہ سہی وارد ہوا ہے یعنی سہوہم کا ایک آدمی۔
 ② یہ قصہ اصل میں اس طرح ہے کہ حضرت تمیم داری (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) اور عدی بن براء یہ دونوں نصرانی تھے اور تجارت کے لیے شام گئے ہوئے تھے۔ ایک مسلمان بدیل بن ابی مریم بھی وہاں گئے ہوئے تھے وہاں بدیل سخت بیمار ہو گئے حتیٰ کہ زندگی سے ماپوس ہو گئے۔ انہوں نے ان دونوں کو وصیت کی اور اپنا سامان بھی ان کے سپرد کر دیا کہ وہ اسے ان کے گھر پہنچادیں۔ ان دونوں نے اس سامان میں سے چاندی کا ایک پیالہ نکال کر بیچ دیا اور اس کی رقم آپس میں بانٹ لی۔ بعد میں وراثت کو اس کا علم ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے حلف لیا۔ (صحیح بخاری، الوصایا، حدیث: ۲۷۸۰۔ ترمذی، التفسیر، حدیث: ۳۰۵۹) (ص۔ ی)

(۵) اس حکم کے اشارہ اور اس کے معنی سے مستفاد ہوتا ہے کہ مسلمان گواہوں کی عدم موجودگی میں وصیت کے علاوہ دیگر مسائل میں بھی کفار کی گواہی قابل قبول ہے۔ جیسا کہ یہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔

(۶) اس آیت کریمہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر خوف کی بات نہ ہو تو کفار کی معیت میں سفر جائز ہے۔
(۷) تجارت کے لئے سفر کرنا جائز ہے۔

(۸) اگر دونوں گواہوں کی گواہی کے بارے میں شک ہو مگر ایسا کوئی قرینہ موجود نہ ہو جو ان کی خیانت پر دلالت کرتا ہو اور وصیت کرنے والے کے اولیاء ان گواہوں سے قسم لینا چاہتے ہوں تو وہ انہیں نماز کے بعد روک لیں اور ان سے اس طریقے سے قسم لیں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کیا ہے۔

(۹) اگر ان دونوں کی گواہی میں کوئی شک اور تہمت نہ ہو تو ان کو روکنے اور ان سے قسم لینے کی کوئی ضرورت نہیں۔
(۱۰) یہ آیت کریمہ شہادت کے معاملے کی تعظیم پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے شہادت کو اپنی طرف مضاف کیا ہے، نیز یہ کہ اس کو درخور اعتنا سمجھنا اور انصاف کے مطابق اس کو قائم کرنا واجب ہے۔

(۱۱) گواہوں کے بارے میں اگر شک ہو تو گواہوں کا امتحان اور ان کو علیحدہ علیحدہ کر کے گواہی لینا جائز ہے، تا کہ سچ اور جھوٹ کے اعتبار سے گواہی کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جاسکے۔

(۱۲) جب ایسے قرائن پائے جائیں جو اس مسئلہ میں دونوں وصیوں (گواہوں) کے جھوٹ پر دلالت کرتے ہوں تو میت کے اولیاء میں سے دو آدمی کھڑے ہوں اور اللہ کی قسم کھائیں کہ ہماری قسم ان کی قسم سے زیادہ سچی ہے۔ انہوں نے خیانت کی ہے اور جھوٹ کہا ہے پھر جس چیز کا وہ دعویٰ کرتے ہیں ان کے حوالے کر دی جائے گی۔ ان کی قسموں کے ساتھ قرینہ ثبوت کے قائم مقام ہے۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا بِإِنَّكَ أَنْتَ

جس دن جمع کرے گا اللہ رسولوں کو پس کہے گا کیا جواب دیئے گئے تھے تم؟ وہ کہیں گے نہیں علم ہمیں بے شک تو ہی

عَلَامُ الْغُيُوبِ ۝ إِذْ قَالَ اللَّهُ يَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَ

خوب جاننے والا ہے غیوبوں کا ○ جس وقت کہے گا اللہ اے عیسیٰ ابن مریم! یاد کر تو میری نعمت (جو ہوئی) تجھ پر اور

عَلَىٰ وَالِدَتِكَ إِذْ أَيَّدتُّكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ فَكَلَّمَ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَإِذْ

تیری والدہ پر جب قوت دی میں نے تجھے ساتھ روح القدس کے کلام کرتا تھا تو لوگوں سے گود میں اور پختہ عمر میں اور جب

عَلَّمتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرَةَ وَالْإِنْجِيلَ ۚ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ

تعلیم دی میں نے تجھے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل کی اور جب بناتا تھا تو گارے سے مانند شکل

الظَّيْرِ بِأَذْنِي فَتَنْفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِأَذْنِي وَ تُبْرِئِي الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ

پرندے کی میرے حکم سے پھر پھونک مارتا اس میں تو ہو جاتا وہ پرندہ میرے حکم سے اور تندرست کرتا تھا تو پیدائشی نابینے کو اور برص والے کو

بِأَذْنِي ۖ وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَى بِأَذْنِي ۖ وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنْكَ إِذْ

میرے حکم سے اور جب (زندہ) نکالتا تھا تو مردوں کو میرے حکم سے اور جب روکا میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے جب

جَحْتَهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۱۰﴾

لایا تھا تو ان کے پاس واضح دلیلیں تو کہا تھا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا ان میں سے، نہیں ہے یہ مگر جادو و جادو ظاہر ○

اللہ تبارک و تعالیٰ قیامت کے دن اور اس کی ہولناکیوں کے بارے میں خبر دیتا ہے نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ تمام رسولوں کو جمع کر کے ان سے پوچھے گا ﴿مَاذَا أُجِبْتُمْ﴾ ”تمہیں کیا جواب ملا تھا؟“ یعنی اس بارے میں تمہاری امتوں نے کیا جواب دیا؟ ﴿قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا﴾ ”وہ جواب دیں گے کہ ہمیں کوئی علم نہیں۔“ تجھے ہی علم ہے۔ اے ہمارے رب! تو ہم سے زیادہ جانتا ہے ﴿إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾ ”تو ہی غیب کی باتوں سے واقف ہے۔“ یعنی تو حاضر و غائب تمام امور کو جانتا ہے۔ ﴿إِذْ قَالَ اللَّهُ لِيَعْقُوبَ ابْنَ مَرْيَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِي عَلَيْكَ وَعَلَىٰ وَالِدَتِكَ﴾ ”جب کہا اللہ نے اے عیسیٰ ابن مریم! یاد کر میری نعمت جو تجھ پر اور تیری ماں پر ہوئی“ یعنی اپنے دل اور زبان سے یاد کیجیے اور اس کے واجبات کو ادا کر کے اپنے رب کا شکر کیجیے۔ کیونکہ اس نے آپ کو اتنی نعمتیں عطا کی ہیں جو کسی دوسرے کو عطا نہیں کیں۔ ﴿إِذْ آيَدُنَاكَ بَرْوَجَ الْقُدَّاسِ﴾ ”جب میں نے روح القدس سے تیری مدد کی۔“ یعنی جب ہم نے تجھ کو روح اور وحی کے ذریعے سے تقویت دی جس نے تجھ کو پاک کیا اور تجھ کو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور اس کی طرف دعوت دینے کی قوت حاصل ہوئی اور بعض نے کہا کہ روح القدس سے مراد جبریل ہیں۔ بڑے بڑے سخت مقامات پر اللہ تعالیٰ نے جبریل کی ملازمت (ساتھ رہنے) اور ان کے ذریعے سے ثبات عطا کر کے جناب عیسیٰ علیہ السلام کی مدد فرمائی۔

﴿تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي النَّهْدِ وَكَهْلًا﴾ ”تو کلام کرتا تھا لوگوں سے گود میں اور بڑی عمر میں“ یہاں کلام کرنے

سے مراد مجھ و کلام کرنا نہیں ہے بلکہ اس سے مراد وہ کلام ہے جس سے متکلم اور مخاطب دونوں مستفید ہوں اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دینا۔ جناب عیسیٰ کو اس عمر میں رسالت بھلائیوں کی طرف دعوت اور برائیوں سے روکنے کی ذمہ داری عطا کر دی گئی اور دیگر اولوالعزم انبیاء و مرسلین کو بڑی عمر میں یہ ذمہ داری عطا کی گئی تھی۔ حضرت عیسیٰ تمام انبیاء کرام میں اس بنا پر ممتاز ہیں کہ انہوں نے پنگوڑے میں کلام فرمایا ﴿إِنِّي عَبْدُ اللَّهِ الْكَنَبِ

وَجَعَلَنِي نَبِيًّا وَجَعَلَنِي مُبْرَكًا ابْنًا مَّا كُنْتُ وَأَوْصَيْتَنِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمْتُ حَيًّا﴾ (مریمہ: ۳۱۳-۳۱۹)

”میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب عطا کی اور مجھے نبی بنایا اور میں جہاں کہیں بھی ہوں مجھے بابرکت بنایا۔“

جب تک میں زندہ رہوں مجھے نماز اور زکوٰۃ کی وصیت فرمائی۔“

﴿وَإِذْ عَلَّمْنَاكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ﴾ اور جب سکھلائی میں نے تجھ کو کتاب اور حکمت“ یہ کتاب تمام کتب سابقہ خصوصاً تورات کو شامل ہے۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جناب موسیٰ کے بعد تورات کے سب سے بڑے عالم تھے۔۔۔ اور انجیل کو بھی شامل ہے جو ان پر نازل کی گئی۔۔۔ حکمت سے اسرار شریعت اس کے فوائد اور اس کی حکمتوں کی معرفت، دعوت و تعلیم کی خوبی اور تمام امور کا ان کی اہمیت اور مناسبت کے مطابق خیال رکھنا مراد ہے۔ ﴿وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ﴾ اور جب تو بنا تا تھا گارے سے جانور کی سی صورت، یعنی پرندوں کی تصویر جس میں روح نہیں ہوتی ﴿فَتَنْفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِي وَتُبْرِئُ الْأَكْمَةَ﴾ پھر تو اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے اڑنے والا ہو جاتا اور اچھا کرتا تھا تو مادر زاد اندھے کو، (الْأَكْمَةَ) اس شخص کو کہتے ہیں جس کی بینائی ہونہ آئے۔ ﴿وَالْأَبْرَصَ بِإِذْنِي وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِي﴾ اور کوڑھی کو میرے حکم سے اور جب نکال کھڑا کرتا تھا تو مردوں کو میرے حکم سے، یہ واضح نشانیاں اور نمایاں معجزات ہیں جن سے بڑے بڑے اطباء وغیرہ بھی عاجز ہیں۔ ان معجزات کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کی مدد فرمائی اور اس کے ذریعے سے ان کی دعوت کو تقویت بخشی۔

﴿وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِي إِسْرَائِيلَ عَنْكَ إِذْ جِئْتَهُمُ بِالْبَيِّنَاتِ فَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ﴾ اور جب روکا میں نے بنی اسرائیل کو تجھ سے جب تو لے کر آیا ان کے پاس نشانیاں تو کہا ان لوگوں نے جو ان میں سے کافر تھے“ یعنی جب ان کے پاس حق آ گیا جس کی ایسے دلائل کے ساتھ تائید کی گئی تھی جن پر ایمان لانا واجب ہے تو انہوں نے کہا: ﴿إِنَّ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ﴾ ”یہ تو کھلا جادو ہے“ اور انہوں نے جناب عیسیٰ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور اپنے اس ارادے کو عملی جامہ پہنانے کی پوری کوشش کی مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھ روک دیئے اور حضرت عیسیٰ کی ان سے حفاظت کی اور ان کو ان کے شر سے بچالیا۔ پس یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے احسانات جن سے اس نے اپنے بندے اور رسول عیسیٰ ابن مریم کو نوازا اور ان کو ان احسانات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے اور ان کو قائم کرنے کا حکم دیا۔۔۔ حضرت عیسیٰ نے ان احسانات کے تقاضوں کو پوری طرح ادا کیا اور اس راہ کی سختیوں پر اسی طرح صبر کیا جس طرح دیگر اولوالعزم انبیاء و رسل نے صبر کیا تھا۔

وَإِذْ أَوْحَيْتُ إِلَى الْحَوَارِيِّينَ أَنْ آمِنُوا بِي وَبِرَسُولِي قَالُوا آمَنَّا وَاشْهَدْ بِأَنبَاءِنَا

اور جب الہام کیا میں نے حواریوں کو یہ کہ ایمان لاؤ مجھ پر اور میرے رسول پر تو کہا انہوں نے: ایمان لائے ہم اور گواہ رہو کہ بیشک ہم

مُسْلِمُونَ ﴿۱۱۱﴾ إِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّونَ لِيَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنْزِلَ

فرماں بردار ہیں ○ جب کہا حواریوں نے اے عیسیٰ ابن مریم! کیا طاقت رکھتا ہے تیرا رب یہ کہ نازل کرے

عَلَيْنَا مَا يَدَّءُ مِنَ السَّمَاءِ ۖ قَالَ اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١١٧﴾ قَالُوا نُرِيدُ

ہم پر دسترخوان آسمان سے؟ کہا اس (عیسیٰ) نے ڈرو تم اللہ سے اگر ہو تم مؤمن ○ کہا انہوں نے چاہتے ہیں ہم

أَنْ نَأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمِئِنَّ قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا

یہ کہ کھائیں ہم اس میں سے اور مطمئن ہو جائیں ہمارے دل اور جان لیں ہم یہ کہ سچ کہا تو نے ہم سے اور ہو جائیں ہم اس پر

مِنَ الشُّهَدَاءِ ﴿١١٨﴾ قَالَ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً

شہادت دینے والوں میں سے ○ کہا عیسیٰ ابن مریم نے اے اللہ! اے ہمارے رب! نازل فرما ہم پر دسترخوان

مِّنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عَيْدًا لِأَوْلَانَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنكَ ۗ وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ

آسمان سے کہ بن جائے وہ عید ہمارے پہلوں اور ہمارے بعد والوں کیلئے اور نشانی تیری طرف سے اور رزق دے ہمیں اور تو

خَيْرُ الرَّازِقِينَ ﴿١١٩﴾ قَالَ اللَّهُ إِنِّي مُنزِلُهَا عَلَيْكُمْ ۖ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَإِنِّي

بہترین رزق دینے والا ہے ○ فرمایا اللہ نے: بیشک میں نازل کروں گا وہ تم پر پھر جو شخص کفر کرے گا بعد اسکے تم میں سے تو بالضرور میں

أَعَذِّبُهُ عَذَابًا لَّا أُعَذِّبُهُ أَحَدًا مِّنَ الْعَالَمِينَ ﴿١٢٠﴾ وَإِذْ قَالَ اللَّهُ لِيَعِيسَى

عذاب دوں گا اس کو ایسا کہ نہیں عذاب دوں گا میں ویسا کسی اور کو جہانوں میں سے ○ اور جب کہے گا اللہ اے عیسیٰ

ابْنَ مَرْيَمَ ۖ أَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمَّيَّ الْهَيْنِ مِنْ دُونِ اللَّهِ ۖ قَالَ

ابن مریم! کیا کہا تھا تو نے لوگوں کو کہ بنا لو مجھے اور میری ماں کو دو معبود سوائے اللہ کے؟ تو کہے گا وہ (عیسیٰ)

سُبْحٰنَكَ مَا يَكُونُ لِيَ أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِيَ بِحَقِّ طَّ ۖ إِنْ كُنْتَ قُلْتَهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ۖ كَلَّ

پاک ہے تو نہیں لائق تھا میرے کہ کہوں میں وہ بات جس کا نہیں مجھے حق اگر ہوں میں کہہی ہے میں نے یہ بات تو یقیناً جانتا ہے تو اسکو

تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۖ إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿١٢١﴾ مَا قُلْتُ

تو جانتا ہے جو میرے دل میں ہے اور نہیں جانتا میں جو تیرے دل میں ہے بلاشبہ تو ہی خوب جانتے والا ہے غیوب ○ کہ نہیں کہا تھا میں نے

لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنْ أَعْبُدَ وَاللَّهُ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۖ وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا

ان سے مگر وہی کہ حکم دیا تھا تو نے مجھے اس کا یہ کہ عبادت کرو تم اللہ کی میرے رب اور اپنے رب کی اور تھا میں ان پر نگران

مَا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنْتُ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ وَأَنْتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ

جب تک رہا میں ان میں پھر جب اٹھا لیا تو نے مجھے تو تھا تو ہی نگہبان ان پر اور تو ہر ایک چیز پر

شَهِيدٌ ﴿١٢٢﴾ إِنَّ تَعَذُّبَهُمْ فَأَتَّهُمْ عِبَادَكَ ۖ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٣﴾

مطلع ہے ○ اگر عذاب دے تو ان کو تو بیشک وہ بندے ہیں تیرے اور اگر بخش دے ان کو تو بلاشبہ تو ہی ہے غالب حکمت والا ○

قَالَ اللَّهُ هَذَا يَوْمٌ يَنْفَعُ الصَّادِقِينَ صِدْقُهُمْ ۖ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا

فرمائے گا اللہ! یہ دن ہے کہ نفع دے گا سچوں کو ان کا سچ ان کے لیے ایسے باغات ہیں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے

الْأَنْهَرُ خُلْدِيَيْنَ فِيهَا أَبَدًا رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ ذَلِكَ الْقَوْمُ الْعَظِيمُ ﴿١١٩﴾

نہریں ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں ابد تک راضی ہوا اللہ ان سے اور راضی ہوئے وہ اس سے یہی ہے کامیابی بڑی

بِاللَّهِ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ ط وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٢٠﴾

اللہ ہی کے لیے ہے بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی اور جو کچھ ان میں ہے اور وہ ہر چیز پر خوب قادر ہے

یعنی میری اس نعمت کو یاد رکھیے جس سے میں نے تجھ کو نوازا اور تجھ کو انصار و اعموان اور تابعین مہیا کیے۔ پس میں نے حواریوں کی طرف وحی کی یعنی ان کو الہام کیا اور میں نے ان کے دلوں میں القا کیا کہ وہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لائیں یا تیری زبان پر میں نے ان کی طرف وحی کی یعنی میں نے ان کو اس وحی کے ذریعے سے حکم دیا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تیرے پاس آئی۔ انہوں نے اس وحی پر لبیک کہا اس کی اطاعت کی اور کہا ”ہم ایمان لائے“ گواہ رہیے کہ ہم مسلمان ہیں“ پس انہوں نے ظاہری اسلام اعمال صالحہ اور باطنی ایمان کو جو مومن کو نفاق اور ضعف ایمان کے دائرے سے خارج کرتا ہے جمع کیا۔ حواریوں سے مراد انصار ہیں جیسا کہ جناب مسیح نے حواریوں سے فرمایا تھا: ﴿مَنْ أَنْصَرَنِي إِلَى اللَّهِ قَالَ الْخَوَارِثُونَ نَحْنُ أَنْصَارُ اللَّهِ﴾ (آل عمران: ۵۲، ۳) ”اللہ کی راہ میں میرا مددگار کون ہے“ حواریوں نے عرض کیا ”ہم اللہ کے مددگار ہیں“۔

﴿إِذْ قَالَ الْخَوَارِثُونَ لِيَعِيسَى ابْنِ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَنْ يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ﴾

”جب حواریوں نے کہا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تیرا رب طاقت رکھتا ہے کہ وہ ہم پر آسمان سے بھرا ہوا خوان اتارے؟“ یعنی ایسا دسترخوان جس پر کھانا لگا ہوا ہو۔۔۔ یہ مطالبہ اس بنا پر نہیں تھا کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور طاقت میں کوئی شک تھا بلکہ یہ درخواست تھی جو عرض اور ادب کے پیرائے میں تھی۔ چونکہ من مانے معجزات کا مطالبہ اطاعت حق کے منافی ہوتا ہے اور یہ کلام حواریوں سے صادر ہوا تھا اور یہ چیز ان کو وہم میں ڈال سکتی تھی اس لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ ”اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو“ کیونکہ مومن کا سرمایہ ایمان اسے تقویٰ کے التزام اور اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت پر آمادہ کرتا رہتا ہے اور وہ بغیر جانے بوجھے معجزات کا مطالبہ نہیں کرتا کیونکہ اسے معلوم نہیں ہوتا کہ اس کے بعد کیا ہوگا۔ حواریوں نے عرض کیا کہ ان کا مطالبہ اس معنی میں نہیں ہے بلکہ وہ تو نیک مقاصد رکھتے ہیں ان کا یہ مطالبہ ضرورت کے تحت ہے ﴿قَالُوا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ﴾ ”ہم اس سے کھانا چاہتے ہیں“ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ اس کھانے کے محتاج تھے ﴿وَتَطْمَئِنُّ قُلُوبُنَا﴾ ”اور ہمارے دل مطمئن ہو جائیں“ جب ہم عیاشیوں پر معجزات کا مشاہدہ کریں گے تو دل ایمان پر مطمئن ہوں گے حتیٰ کہ ایمان عین یقین کے درجہ پر پہنچ جائے گا جیسا کہ جناب خلیل علیہ السلام نے اپنے رب سے عرض کیا کہ وہ انہیں اس امر کا مشاہدہ کروائے کہ وہ مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے ﴿قَالَ أَوْ لَمْ

تُؤْمِنُ قَالَ بَلَىٰ وَلَٰكِن لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ﴿۱۲﴾ (البقرة: ۲۶۰) ”فرمایا: کیا تو ایمان نہیں رکھتا؟ عرض کیا کیوں نہیں۔ یہ عرض تو محض اس لئے ہے کہ میرا دل مطمئن ہو جائے۔“ پس بندہ ہمیشہ اپنے علمِ ایمان اور یقین میں اضافے کا محتاج اور متمنی رہتا ہے ﴿وَلَعَلَّمَ أَنَّ قَدْ صَدَقْتُنَا﴾ ”اور ہم جان لیں کہ آپ نے ہم سے سچ کہا ہے۔“ یعنی جو چیز آپ لے کر مبعوث ہوئے ہیں ہم اس کی صداقت کو جان لیں کہ یہ حق اور سچ ہے ﴿وَنَكُونُ عَلَيْهِمَا مِنَ الشُّهَدَاءِ﴾ ”اور ہم اس پر گواہوں میں سے ہو جائیں“ اور یہ چیز ہمارے بعد آنے والوں کے لئے مصلحت کی حامل ہوگی۔ ہم آپ کے حق میں گواہی دیں گے تب حجت قائم ہو جائے گی اور دلیل و برہان کی قوت میں اضافہ ہوگا۔

جب عیسیٰ علیہ السلام نے ان کی یہ بات سنی اور ان کا مقصود انہیں معلوم ہو گیا تو انہوں نے ان کی درخواست قبول فرما کر اللہ تعالیٰ سے دعا کی ﴿اللَّهُمَّ رَبَّنَا أَنْزِلْ عَلَيْنَا مَائِدَةً مِنَ السَّمَاءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِأَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآيَةً مِنْكَ﴾ ”اے اللہ! ہم پر آسمان سے بھرا ہوا خوان اتار دے ہمارے پہلے اور پچھلے لوگوں کے لئے خوشی کا باعث اور تیری طرف سے نشانی ہو“ یعنی اس کھانے کے نازل ہونے کا وقت ہمارے لئے عید اور یادگار بن جائے تاکہ اس عظیم معجزے کو یاد رکھا جائے اور مردِ ایمان کے ساتھ اس کی حفاظت کی جائے اور ہم اس کو بھول نہ جائیں۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی عیدیں اور عبادت کے دن مقرر فرمائے ہیں جو اس کی آیات کی یاد دلاتے ہیں اور انبیاء و مرسلین کی سنن اور ان کی سیدھی راہ اور ان پر اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کی طرف توجہ مبذول کراتے ہیں ﴿وَارْزُقْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ﴾ ”اور ہمیں روزی دے اور تو ہی سب سے بہتر روزی دینے والا ہے“ یعنی اسے ہمارے لئے رزق بنا۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان دو مصلحتوں کی بنا پر اللہ تعالیٰ سے دسترخوان کے اترنے کی دعا کی تھی۔ دینی مصلحت، یعنی یہ نشانی کے طور پر باقی رہے اور دنیاوی مصلحت، یعنی یہ رزق ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ فَمَنْ يَكْفُرْ بَعْدَ مَنكُمُ فَأَنِّي آعِدُّهُ عَذَابًا لَّا أَعِدُّهُ أَحَدًا مِنَ الْعَالَمِينَ﴾ ”بے شک میں اسے تم پر اتاروں گا“ پس اس کے بعد تم میں سے جو کفر کرے گا تو میں اسے ایسا عذاب دوں گا جو جہانوں میں سے کسی کو نہیں دوں گا“ کیونکہ اس نے واضح معجزے کا مشاہدہ کر کے ظلم اور عناد کی بنا پر اس کا انکار کر دیا اور یوں وہ دردناک عذاب اور سخت سزا کا مستحق ٹھہرا۔

آپ کو معلوم ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ وہ دسترخوان نازل کرے گا اور اس کے ساتھ ساتھ ان کو ان کے کفر کی صورت میں مذکورہ بالا وعید بھی سنائی مگر اللہ تعالیٰ نے اس کے نازل کرنے کا ذکر نہیں فرمایا۔ احتمال یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس وجہ سے اسے نازل نہیں فرمایا ہوگا کہ انہوں نے اس کو اختیار نہیں کیا۔ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ اس کا ذکر انجیل کے اس نسخے میں نہیں ہے جو اس وقت عیسائیوں کے پاس ہے۔

اس میں اس امر کا بھی احتمال ہے کہ دسترخوان نازل ہوا ہو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا اور اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرتا۔ اور انجیل میں اس کا ذکر نہ ہونے کا سبب یہ ہے کہ وہ اسے بھلا بیٹھے ہوں گے جس کو یاد رکھنے کے لئے ان کو کہا گیا تھا اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ واقعہ سرے سے انجیل میں موجود ہی نہ ہو بلکہ نسل در نسل زبانی منتقل ہوا ہو اور اللہ تعالیٰ نے انجیل میں اس کا ذکر کئے بغیر اس کو بیان کرنے پر اکتفا کیا ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَنُكُونُ عَلَيْهِمْ مِنَ الشَّاهِدِينَ﴾ اور ہم اس پر گواہ رہیں۔“ بھی اس معنی پر دلالت کرتا ہے۔ حقیقت حال کو اللہ تعالیٰ زیادہ جانتا ہے۔

﴿وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يُعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمَّيَ الْهَيْبِينَ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾
 ”اور جب اللہ کہے گا اے عیسیٰ ابن مریم! کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری ماں کو دو معبود بنا لینا اللہ کے سوا“۔ یہ نصاریٰ کے لئے زبرد تو بخ ہے جو کہتے ہیں کہ اللہ تین میں سے ایک ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ خطاب حضرت عیسیٰ کے لئے ہے۔ جناب عیسیٰ علیہ السلام اس سے براءت کا اظہار کرتے ہوئے فرمائیں گے: ﴿سُبْحٰنَكَ﴾
 ”پاک ہے تو“ یعنی میں اس قبیح کلام اور جو اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق نہ ہو اس سے اللہ کی پاکی اور تزیہہ بیان کرتا ہوں ﴿مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقِّ﴾ ”مجھے کب شایاں تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کچھ حق نہیں۔“ یعنی میرے لئے مناسب نہیں ہے اور نہ میری شان کے لائق ہے کہ میں ایسی کوئی بات کہوں جو میرے اوصاف میں شامل ہے نہ میرے حقوق میں کیونکہ مخلوق میں سے کسی کو بھی یہ حق نہیں۔ اللہ کے مقرب فرشتوں انبیاء و مرسلین اور دیگر مخلوق میں سے کوئی بھی مقام الوہیت کا حق اور استحقاق نہیں رکھتا۔ یہ تمام ہستیاں اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں اور اس کی تدبیر کے تحت ہیں اللہ تعالیٰ کی مسخر کی ہوئی عاجز اور محتاج مخلوق ہیں۔

﴿إِنْ كُنْتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ تَعَلَّمَ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ﴾ ”اگر میں نے یہ کہا ہوگا تو تجھ کو ضرور معلوم ہوگا تو جانتا ہے جو میرے جی میں ہے اور میں نہیں جانتا جو تیرے جی میں ہے۔“ یعنی جو کچھ مجھ سے صادر ہو چکا ہے تو اسے زیادہ جانتا ہے ﴿إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ﴾ ”بے شک تو علام الغیوب ہے۔“ یہ عیسیٰ علیہ السلام کی طرف سے اپنے رب سے مخاطب ہوتے وقت کمال ادب کا مظاہرہ ہے۔ چنانچہ آپ نے یہ نہیں کہا (لم اقل شيئاً من ذلك) ”میں نے تو اس میں سے کچھ بھی نہیں کہا“ بلکہ آپ نے ایک ایسی بات کی خبر دی ہے جو آپ کی طرف سے ہر ایسی بات کہی جانے کی نفی کرتی ہے جو آپ کے منصب شریف کے منافی ہو نیز یہ کہ ایسا کہنا امر محال ہے۔ آپ نے اپنے رب کی تزیہہ بیان فرمائی اور علم کو غائب اور موجود کے جاننے والے اللہ کی طرف لوٹا دیا۔ پھر مسیح علیہ السلام نے تصریح فرمائی کہ انہوں نے بنی اسرائیل کے سامنے صرف وہی چیز بیان کی تھی کہ جس کا اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا تھا ﴿مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ﴾ ”میں نے ان سے کچھ نہیں کہا، بجز اس کے جس کا

تو نے مجھے حکم دیا۔“ پس میں تو تیرا تابع بندہ ہوں مجھے تیری عظمت کے سامنے دم مارنے کی جرأت نہیں ﴿اَنْ اَعْبُدُ وَاللّٰهُ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ﴾ ”یہ کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔“ میں نے تو صرف اللہ واحد کی عبادت اور اخلاص دین کا حکم دیا تھا جو کہ اس بات کا متضمن ہے کہ مجھے اور میری والدہ کو معبود بنانے سے باز رہیں اور اس بیان کا متضمن ہے کہ میں تو اپنے رب کی ربوبیت کا محتاج ہوں۔ وہ جیسے تمہارا رب ہے ویسے ہی میرا بھی رب ہے۔ ﴿وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيْهِمْ﴾ ”اور میں ان پر گواہ رہا جب تک میں ان میں موجود رہا“ یعنی میں گواہی دیتا ہوں کہ کون اس بات پر قائم رہا اور کون اس پر قائم نہ رہ سکا ﴿فَلَمَّا تَوَقَّيْتُنِيْ كُنْتُ اَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ﴾ ”پس جب تو نے مجھ کو (آسمان پر) اٹھالیا تو تو ہی ان کی خبر رکھنے والا تھا۔“ یعنی ان کے بھیدوں اور ضمائر کو جاننے والا ﴿وَاَنْتَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ﴾ ”اور تو ہر چیز سے خبر دار ہے“ یعنی تو چونکہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے تو سننے والا ہر چیز کو دیکھنے والا ہے اس لئے تو ہر چیز پر شاہد ہے۔ تیرا علم تمام معلومات کا احاطہ کئے ہوئے ہے تیری سماعت مسوعات کو سن رہی ہے اور تیری بصر تمام مریات کو دیکھ رہی ہے۔ پس تو ہی اپنے بندوں کو اپنے علم کے مطابق خیر و شر کی جزا دے گا۔

﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ﴾ ”اگر تو ان کو عذاب دے تو وہ تیرے بندے ہیں“ یعنی تو اس سے بھی زیادہ رحم کرنے والا ہے جس قدر وہ اپنے آپ پر رحم کر سکتے ہیں۔ تو ان کے احوال زیادہ جانتا ہے اگر وہ متکبر اور سرکش بندے نہ ہوتے تو تو انہیں کبھی عذاب نہ دیتا ﴿وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيْمُ﴾ ”اور اگر تو ان کو بخش دے تو تو غالب حکمت والا ہے۔“ تیری مغفرت تیری کامل قدرت اور غلبہ سے صادر ہوتی ہے۔ تیری مغفرت اور تیرا معاف کر دینا اس شخص کی مانند نہیں جو عاجزی اور عدم قدرت کی بنا پر معاف کر دیتا ہے تو حکمت والا ہے جہاں کہیں تیری حکمت تقاضا کرتی ہے تو اس شخص کو بخش دیتا ہے جو تیری مغفرت کے اسباب لے کر تیری خدمت میں آتا ہے۔ ﴿قَالَ اللّٰهُ﴾ قیامت کے روز بندوں کا جو حال ہوگا اللہ تعالیٰ اسے بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ قیامت کے روز کون کامیابی سے بہرہ ور ہوگا اور کون ہلاک ہوگا، کسے سعادت نصیب ہوگی اور کس کے حصے میں بدبختی آئے گی ﴿هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صَدَقَتُهُمْ﴾ ”یہ دن ہے کہ کام آئے گا چوں کہ ان کا سچ“ اصحاب صدق سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے اعمال، اقوال اور نیات درست، صراط مستقیم پر قائم اور صحیح سچ پر ہیں۔ قیامت کے روز وہ اپنے صدق کا پھل پائیں گے جب اللہ تبارک و تعالیٰ انہیں پاک مقام میں ہر طرح کی کامل قدرت رکھنے والے بادشاہ کے پاس ٹھہرائے گا۔

بنا برس فرمایا: ﴿لَهُمْ جَنَّتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا

عَنْهُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ ”ان کے لئے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اللہ

ان سے راضی اور وہ اللہ سے راضی ہوئے یہ ہے کامیابی بڑی۔ جھوٹوں کے ساتھ اس کے برعکس معاملہ ہوگا۔ ان کو ان کے جھوٹ اور بہتان سے ضرر پہنچے گا اور وہ اپنے فاسد اعمال کا پھل چکھیں گے۔

﴿يَلَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا فِيهِنَّ﴾ اللہ ہی کے لئے ہے بادشاہی آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ ان کے بیچ میں ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے زمین اور آسمان کو پیدا کیا ہے اور وہی اپنے حکم کوئی و قدری، حکم شرعی اور حکم جزائی کے ذریعے سے ان کی تدبیر کر رہا ہے اس لئے فرمایا: ﴿وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ اور وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ پس کوئی چیز اسے عاجز نہیں کر سکتی بلکہ تمام اشیاء اس کی مشیت کی مطیع اور اس کے حکم کے سامنے مخر ہیں۔

سُورَةُ الْأَنْعَامِ

سُورَةُ الْأَنْعَامِ (۱۶) مَكِّيَّةٌ (۱۸۸)

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

اللہ کے نام سے (شرح) ہر نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے

۱۶ آیتیں ۲۰ رکوعاً

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ①

تمام تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے پیدا کیے آسمان و زمین اور بنائے اندھیرے اور روشنی، پھر وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اپنے رب کیساتھ (اوروں کو) برابر ٹھہراتے ہیں ① اسی نے پیدا کیا تمہیں مٹی سے پھر مقرر کیا اس نے ایک وقت

وَاجَلٌ مُّسْتَقَرٌّ عِنْدَهُ ثُمَّ أَنْتُمْ تَمْتَرُونَ ①

اور ایک وقت معین ہے اس کے ہاں (قیامت کا) پھر (بھی) تم ٹک کرتے ہو ①

یہ صفات کمال اور نعوت عظمت و جلال کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ کی عمومی حمد و ثنا اور ان صفات کے ذریعے سے اس کی خصوصی حمد و ثنا ہے چنانچہ اس نے اس امر پر اپنی حمد و ثنایاں کی ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو تخلیق فرمایا۔ جو اس کی قدرت کا ملکہ وسیع علم و رحمت، حکمت عامہ اور خلق و تدبیر میں اس کی انفرادیت پر دلالت کرتی ہے نیز اس چیز پر دلالت کرتی ہے کہ اس نے تاریکیوں اور روشنی کو پیدا کیا۔ اور اس میں حسی اندھیرے اور اجالے بھی شامل ہیں جیسے رات دن، سورج اور چاند وغیرہ اور معنوی اندھیرے اجالے بھی، مثلاً جہالت، شک، شرک، معصیت اور غفلت کے اندھیرے اور علم، ایمان، یقین اور اطاعت کے اجالے۔ یہ تمام امور قطعی طور پر دلالت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہی عبادت اور اخلاص کا مستحق ہے مگر اس روشن دلیل اور واضح برہان کے باوجود ﴿ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ﴾ ”پھر وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، اپنے رب کے ساتھ اوروں کو برابر کئے دیتے ہیں“، غیروں کو اللہ کے برابر قرار دیتے ہیں۔ وہ انہیں عبادت اور تعظیم میں اللہ تعالیٰ کے مساوی قرار دیتے ہیں اگرچہ وہ کمالات

میں ان کو اللہ تعالیٰ کا ہمسر نہیں سمجھتے اور وہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ ہستیاں ہر لحاظ سے محتاج، فقیر اور ناقص ہیں۔

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ طِينٍ﴾ ”وہی ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا“، یعنی تمہارا اور تمہارے باپ کا مادہ مٹی سے تخلیق کیا گیا ہے ﴿ثُمَّ قَضَىٰ أَجَلًا﴾ ”پھر ایک مدت مقرر کر دی“، یعنی اس دنیا میں رہنے کے لئے تمہارے لئے ایک مدت مقرر کر دی اس مدت میں تم اس دنیا سے فائدہ اٹھاتے ہو اور رسول بھیج کر تمہارا امتحان لیا جاتا ہے اور تمہاری آزمائش کی جاتی ہے۔ جیسا کہ فرمایا: ﴿لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا﴾ (الملك: ۲۱/۶۷) ”تا کہ وہ تمہیں آزمانے کے تم میں سے کون اچھے عمل کرتا ہے“۔ ﴿وَاجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهُ﴾ ”اور ایک مدت مقرر ہے اللہ کے نزدیک“ اس مدت مقررہ سے مراد آخرت ہے، بندے اس دنیا سے آخرت میں منتقل ہوں گے پھر اللہ تعالیٰ ان کو ان کے اچھے برے اعمال کی جزا دے گا ﴿ثُمَّ﴾ پھر اس کا بیان اور دلیل قاطع کے باوجود ﴿أَنْتُمْ تَمْتَرُونَ﴾ ”تم شک کرتے ہو“، یعنی تم اللہ تعالیٰ کے وعدہ و وعید اور قیامت کے دن جزا و سزا کے وقوع کا انکار کرتے ہو۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اندھیروں ﴿الظُّلُمَاتِ﴾ کو ان کے کثرت مواد اور ان کے تنوع کی بنا پر جمع کے صیغے میں بیان فرمایا ہے اور اجالے ﴿وَالنُّورِ﴾ کو واحد استعمال کیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا راستہ ایک ہی ہوتا ہے اس میں تعدد نہیں ہوتا اور یہ وہ راستہ ہے جو حق، علم اور اس پر عمل کو متضمن ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ﴾ (الانعام: ۱۵۳/۶) ”اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے اور تم اسی پر چلو اور دوسرے راستوں پر نہ چلو ورنہ تم اللہ کے راستے سے الگ ہو جاؤ گے“۔

وَهُوَ اللَّهُ فِي السَّمَوَاتِ وَفِي الْأَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ ﴿۷﴾

اور وہی اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں وہ جانتا ہے تمہارا پوشیدہ اور تمہارا ظاہر اور جانتا ہے جو کچھ تم کماتے ہو

یعنی آسمانوں میں اور زمین میں وہی معبود ہے۔ آسمان اور زمین کے رہنے والے اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں، تمام مقرب فرشتے، انبیاء و مرسلین، صدیقین، شہداء اور صالحین سب اس کی عظمت کے سامنے جھکے ہوئے اور اس کے غلبہ و جلال کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ تمہارے ظاہر و باطن کو جانتا ہے اور تمہارے اعمال بھی جانتا ہے اس لئے تم اس کی نافرمانی سے بچو اور ایسے اعمال میں رغبت کرو جو تمہیں اس کے قریب کر دیں اور اس کی رحمت کا مستحق بنا دیں اور ہر ایسے عمل سے بچو جو تمہیں اس سے اور اس کی رحمت سے دور کر دے۔

وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ ﴿۸﴾ فَقَدْ

اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی آیت ان کے رب کی آیات سے مگر ہوتے ہیں وہ اس سے اعراض کرنے والے ﴿پس تحقیق

کذبوا بالحق لئلا جاءهم ففسوف يأتيتهم انبؤا ما كانوا به يستهزون﴾ ﴿۸﴾

جھٹلایا انہوں نے حق کو جب آیا انکے پاس سو عنقریب آئیں گی انکے پاس خبریں اس چیز کی کہ تمہو وہ اسکے ساتھ استہزا کرتے ﴿۸﴾

الْمُ يَرَوْا كَمَا أَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنْتَهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ يُمْكِنْ

کیا نہیں دیکھا انہوں نے کتنی ہی ہلاک کر دیں ہم نے ان سے پہلے ایسی امتیں کہ طاقت دی تھی ہم نے انکو زمین میں وہ جو نہیں طاقت دی ہم نے

لَكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ مِدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِيًا مِنْ تَحْتِهِمْ

تمہیں اور بھیجی ہم نے بارش اور پران کے موسلا دھارا اور بنا میں ہم نے نہریں کہ وہ بہتی تھیں ان کے (گھروں کے) نیچے سے

فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِدُنُوبِهِمْ وَأَنْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿٦﴾

پھر ہلاک کر دیا ہم نے انہیں بوجہ ان کے گناہوں کے اور پیدا کیں ہم نے ان کے بعد امتیں اور ○

یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مشرکین کے اعراض ان کی شدت تکذیب اور ان کی عداوت کے بارے میں خبر ہے، نیز یہ کہ آیات و معجزات انہیں کوئی فائدہ نہیں دیں گے جب تک کہ ان پر عبرت تک عذاب نازل نہ ہو جائے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَمَا تَأْتِيهِمْ مِنْ آيَةٍ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِمْ﴾ اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی ان کے رب کی نشانیاں میں سے، جو حق پر دلیل قطعی ہیں جو حق کے قبول کرنے اور اس کی اتباع کرنے کی دعوت دیتی ہیں۔ ﴿إِلَّا كَانُوا عَنْهَا مُعْرِضِينَ﴾ ”مگر وہ اس سے اعراض کرتے ہیں۔“ یعنی وہ ان آیات کو غور سے سنتے نہیں اور ان میں تدبر نہیں کرتے۔ ان کے دل دوسرے امور میں مصروف ہیں اور انہوں نے پیٹھ پھیر لی ہے۔

﴿فَقَدْ كَذَّبُوا بِالْحَقِّ لَمَّا جَاءَهُمْ﴾ ”انہوں نے حق کو جھٹلایا جب ان کے پاس آیا“ حالانکہ حق اس بات کا مستحق ہے کہ اس کی پیروی کی جائے۔ اور اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا جائے کہ اس نے ان کے لئے حق کو آسان کر دیا اور وہ ان کے پاس حق لے کر آیا، مگر انہوں نے اس حق کا سامنا اس رویہ کے برعکس رویئے کے ساتھ کیا جس رویئے کے ساتھ انہیں اس کا سامنا کرنا چاہئے تھا۔ اس لئے وہ سخت عذاب کے مستحق ٹھہرے۔

﴿فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ﴾ ”سواب آیا چاہتی ہے ان کے پاس حقیقت اس بات کی جس پر وہ ہنستے تھے“ یعنی وہ چیز جس کا تمسخر اڑایا کرتے تھے اس کے بارے میں عنقریب انہیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ حق اور سچ ہے اللہ تعالیٰ جھٹلانے والوں کے جھوٹ اور بہتان کو کھول دے گا۔ یہ لوگ دوبارہ اٹھائے جانے جنت اور جہنم کا مذاق اڑایا کرتے تھے۔ قیامت کے روز ان جھٹلانے والوں سے کہا جائے گا ﴿هَذِهِ النَّارُ الَّتِي كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُونَ﴾ (الطور: ۱۴۱/۵۲) ”یہ ہے وہ آگ جسے تم جھٹلایا کرتے تھے“۔ ﴿وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَا يَبْعَثُ اللَّهُ مِنْ يَمُوتٍ بَلَىٰ وَعَدَّ عَلَيْنِهِ حَقًّا وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ﴿لِيُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي يُخْتَلِفُونَ فِيهِ وَلِيَعْلَمَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَهَلُمْ كَانُوا كَذِبِينَ﴾ (النحل: ۳۹/۳۸/۱۶) ”اور اللہ کی سخت قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ جو مر جاتا ہے اللہ اسے دوبارہ زندہ کر کے نہیں اٹھائے گا۔ کیوں نہیں یہ اللہ کا سچا وعدہ ہے مگر اکثر لوگ نہیں جانتے۔ تاکہ جن باتوں میں یہ لوگ اختلاف کرتے تھے ان پر ظاہر کر دے اور اس لئے

بھی کہ کافروں کو معلوم ہو جائے کہ وہ جھوٹے تھے۔“

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ امم سابقہ کے انجام سے عبرت پکڑیں، چنانچہ فرمایا: ﴿الَّذِينَ يَرَوْنَ كَذِبَ أَهْلِكُنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ﴾ ”کیا انہوں نے دیکھا نہیں کہ ہم نے جھٹلانے والی کتنی ہی قوموں کو پے در پے ہلاک کر دیا؟“ اور اس ہلاکت سے پہلے ہم نے انہیں مہلت دی ﴿مَكَثْتُهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمِئِنُ لَكُمْ﴾ ”ہم نے ان کو زمین میں وہ قوت و طاقت دی جو تمہیں ہم نے نہیں دی، یعنی ہم نے انہیں مال اولاد اور خوشحالی سے نوازا ﴿وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِمْ مِدْرَارًا وَجَعَلْنَا النَّهْرَ تَجْرِيًا مِنْ تَحْتِهِمْ﴾ اور چھوڑ دیا ہم نے ان پر آسمان کو لگاتار برستا ہوا اور بنا دیں ہم نے نہریں بہتی ہوئی ان کے نیچے“ پھر اللہ تعالیٰ جو چاہتا اس پانی سے کھیتیاں اور پھل اگتے تھے جن سے وہ لوگ فائدہ اٹھاتے تھے اور جو دل چاہتا تھا تناول کرتے تھے۔ مگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا نہ کیا، شہوات نے ان کو اپنی گرفت میں لے لیا اور لذات نے ان کو غافل کر دیا۔ پس ان کے رسول واضح دلائل کے ساتھ ان کے پاس آئے مگر انہوں نے ان کی تصدیق نہ کی بلکہ ان کو ٹھکرا دیا اور ان کو جھٹلا دیا ﴿فَأَهْلَكْنَاهُمْ بَدَأْتُوهُمْ وَانْشَأْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ﴾ ”تو ہم نے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر دیا اور پیدا کیا ہم نے ان کے بعد دوسری امتوں کو، یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے گناہوں کی پاداش میں ہلاک کر ڈالا پھر ان کے بعد اس نے اور قومیں پیدا کر دیں۔ گزری ہوئی اور آنے والی قوموں کے بارے میں یہی اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے سامنے ان کا جو قصہ بیان کیا ہے اس سے عبرت پکڑو۔“

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَابٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا

اور اگر اتارتے ہم آپ پر کوئی نوشتہ (لکھا ہوا) کاغذ میں پھر چھوتے وہ اس کو اپنے ہاتھوں سے تو بھی کہتے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا

إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ۝ وَقَالُوا لَوْلَا أَنْزَلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۖ وَلَوْ أَنْزَلْنَا

نہیں ہے یہ مگر جادو ظاہر ○ اور کہا انہوں نے کیوں نہیں نازل کیا گیا اس پر فرشتہ؟ اور اگر نازل کرتے ہم

مَلَكًا لَّفَقِضَى الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يَنْظُرُونَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَجَعَلْنَاهُ رَجُلًا

کوئی فرشتہ تو فیصلہ کر دیا جاتا معاملے کا پھر نہ مہلت دیتے جاتے ○ اور اگر بناتے ہم اس کو فرشتہ تو بھی بناتے ہم اس کو آدمی ہی

وَلَكَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَا يَلِيسُونَ ۙ

اور بہتہ شبہ ڈالتے ہم ان پر (وہی) جو شبہ وہ (اب) کر رہے ہیں ○

اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول (ﷺ) کو کفار کی شدت عناد سے آگاہ فرمایا ہے اور یہ کہ ان کا یہ جھٹلانا آپ کی لائی ہوئی کتاب میں کسی نقص کی وجہ سے نہ تھا اور نہ اس کا سبب ان کی جہالت تھا، یہ تو محض ظلم اور زیادتی کی

بنا پر تھا جس میں تمہارے لیے کوئی چارہ نہیں۔ اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي

قِرطابین فَلَکَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ ﴿۱۰﴾ ”اگر اتاریں ہم آپ پر لکھا ہوا کاغذ میں پھر چھولیں اس کو اپنے ہاتھوں سے“ یعنی انہیں یقین آ جائے ﴿لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ ”تو جو کافر ہیں وہ کہیں گے۔“ یعنی ظلم اور تعدی کی بنا پر کفار کہیں گے ﴿إِنْ هَذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ﴾ ”یہ تو کھلا جادو ہے۔“ اس سے بڑھ کر اور کون سی دلیل ہو سکتی ہے؟ اور یہ ہے اس بارے میں ان کا انتہائی قبیح قول۔ انہوں نے ایسی محسوس چیز کا انکار کر دیا جس کا انکار کوئی ایسا شخص نہیں کر سکتا جس میں معمولی سی بھی عقل ہے۔

﴿وَقَالُوا﴾ یعنی وہ تلمیس کے طور پر کہتے ہیں جو معقول سے لاعلمی اور جہالت پر مبنی ہے ﴿لَوْ أَنزَلْنَا عَلَيهِ مَلَكٌ﴾ ”ان پر فرشتہ کیوں نازل نہ ہوا؟“ یعنی محمد (ﷺ) کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہ اترا جو اس کی مدد کرتا اور اس کام میں اس کی معاونت کرتا، کیونکہ وہ اس زعم باطل میں مبتلا تھے کہ رسول اللہ ﷺ تو بشر ہیں اور رسالت تو فرشتوں میں ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اس کی رحمت اور اپنے بندوں کے ساتھ لطف و کرم کا معاملہ ہے کہ اس نے انہی میں سے ایک بشر کو رسول بنا کر بھیجا تا کہ جو کچھ وہ لے کر مبعوث ہوتا ہے اس پر ایمان، علم و بصیرت کی بنا پر اور بالغیب ہو۔ ﴿وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكًا﴾ ”اگر ہم فرشتہ نازل کرتے۔“ اگر ہم نے اپنی رسالت کے ساتھ کسی فرشتے کو بھیجا ہوتا تو یہ ایمان معرفت حق کی بنا پر نہ ہوتا بلکہ ایک ایسا ایمان ہوتا جو مشاہدہ سے صادر ہوتا ہے اور ایسا ایمان اکیلا کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ یہ اس صورت میں ہے کہ اگر وہ ایمان لے آئیں مگر غالب یہ ہے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ اگر وہ ایمان نہ لائے ﴿لَقُضِيَ الْأَمْرُ﴾ ”تو طے ہو جائے قصہ“ تو ان کی فوری ہلاکت اور عدم مہلت کا فیصلہ ہو جائے گا۔ یہ اس شخص کے بارے میں سنت الہی ہے جو حسب خواہش معجزات کا مطالبہ کرتا ہے اور ان پر ایمان نہیں لاتا۔ اس لئے ان کی طرف رسول بشری کو آیات بینات کے ساتھ مبعوث کرنا، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ یہ بندوں کے لئے بہتر اور نرم ہیں، نیز کفار اور جھٹلانے والوں کو مہلت دینا، ان کے لئے زیادہ فائدہ مند ہے۔ پس ان کافر شتے اتارنے کا مطالبہ اگر وہ جانیں تو ان کے لئے بہت برا ہے۔

بایں ہمہ اگر فرشتہ نازل کر کے ان کی طرف رسول بنا کر بھیج دیا جائے تو وہ اس سے کچھ سیکھنے کی طاقت رکھتے نہ اس کے متحمل ہو سکتے ہیں اور نہ ان کے تو اے فانی اس کا بوجھ اٹھانے کی طاقت رکھتے ہیں ﴿وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا﴾ ”اور اگر ہم رسول بنا کر بھیجتے کسی فرشتے کو تو وہ بھی آدمی ہی کی صورت میں ہوتا“ کیونکہ حکمت الہیہ اسی کا تقاضا کرتی ہے ﴿وَلَلْبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلِيْسُونَ﴾ ”اور ان کو اسی شے میں ڈال دیتے جس میں اب پڑ رہے ہیں“ یعنی ان پر معاملہ مختلط ہو جاتا اور اس کا سبب یہ ہے کہ انہوں نے خود اپنے آپ کو شبہ میں مبتلا کر لیا کیونکہ انہوں نے اپنے معاملے کی بنیاد اسی قاعدے پر رکھی جو مشتبہ تھا اور اس میں حق واضح نہیں تھا۔ پس جب صحیح طریقوں سے حق ان کے پاس آ گیا اور اس کے وہ قواعد بھی آ گئے جو اس کے حقیقی قواعد ہیں تو یہ حق ان کے لئے

ہدایت کا باعث نہ بن سکا جبکہ دوسروں نے اس کے ذریعے سے ہدایت پائی۔ گناہ ان کا اپنا ہے کیونکہ انہوں نے خود اپنے آپ پر ہدایت کے دروازے بند کر کے گمراہی کے دروازے کھول لئے۔

وَلَقَدْ اسْتَهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ

اور تحقیق استہزا کیا گیا رسولوں کیساتھ آپ سے پہلے پھر گھیر لیا انکو جنہوں نے تمسخر کیا تھا ان میں سے اس (عذاب) نے کہ تھے وہ اس کیساتھ

يَسْتَهْزِءُونَ ۝ قُلْ سِيرُوا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انظروا كيف كان عاقبة المكدبين ۝

تمسخر کرتے ۝ کہہ دیجئے! سیر کرو تم زمین میں پھر دیکھو کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا؟ ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کو تسلی دیتا ہے اور اسے صبر کی تلقین کرتا ہے اور اس کے دشمنوں کو تہدید و وعید سناتے ہوئے کہتا ہے: ﴿وَلَقَدْ اسْتَهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ اور تحقیق استہزا کیا گیا رسولوں سے آپ سے پہلے۔ جب وہ واضح دلائل کے ساتھ اپنی امتوں کے پاس آئے تو انہوں نے ان کو جھٹلایا انہوں نے ان کے ساتھ اور ان کی تعلیمات کے ساتھ استہزا کیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو اس کفر اور تکذیب کے باعث ہلاک کر دیا اور عذاب میں سے ان کو پورا پورا حصہ دیا۔ ﴿فَاحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُمْ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ﴾ ”پس گھیر لیا ان کو جو ان میں سے استہزا کرنے والے تھے اس چیز نے جس کے ساتھ وہ استہزا کرتے تھے۔“ پس اے جھٹلانے والو! جھٹلانے کی روش پر قائم رہنے سے باز آ جاؤ ورنہ تمہیں بھی وہی عذاب آ لے گا جو ان قوموں پر آیا تھا۔ ﴿قُلْ سِيرُوا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انظروا كيف كان عاقبة المكدبين﴾ ”کہو کہ ملک میں چلو پھر اور دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔“ یعنی اگر تمہیں اس بارے میں کوئی شک و شبہ ہے تو زمین میں چل پھر کر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوا۔ تم دیکھو گے کہ ایسی قوم ہلاک کر دی گئی اور ایسی امتیں عذاب میں مبتلا کر دی گئیں۔ ان کے گھر ویران ہو گئے اور ان عیش کدوں میں رہ کر مسرتوں کے مزے لوٹنے والے نیست و نابود ہو گئے۔۔۔ اللہ جبار نے ان کو ہلاک کر دیا اور اہل بصیرت کے لئے ان کو نشان عبرت بنا دیا۔ یہ (سیر) جس کا حکم دیا گیا ہے بدنی اور قلبی سیر کو شامل ہے جس سے عبرت جنم لیتی ہے۔ رہا عبرت حاصل کئے بغیر چل پھر کر دیکھنا تو اس کا کوئی فائدہ نہیں۔

قُلْ لَيْسَ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط قُلْ لِلّٰهِ كَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمٰةَ ط لِيَجْزِيَكُمْ

کہہ دیجئے اس کا ہے جو آسمانوں اور زمین میں ہے؟ فرمادیجئے اللہ ہی کا ہے لازم کر لیا جس نے اپنے نفس پر مہربانی کرنا یقیناً وہ جس کے تمہیں

اٰلِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ط الَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

روز قیامت کے نہیں ہے کوئی شک اس میں جن لوگوں نے خسارے میں ڈالا اپنے آپ کو پس وہ نہیں ایمان لاتے ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے رسول ﷺ سے فرماتا ہے ﴿قُلْ﴾ ”کہہ دیجئے“ یعنی ان مشرکین سے توحید کا اقرار

کرواتے اور ان پر اس کی حجت ثابت کرتے ہوئے کہیے! ﴿لَمَنْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ”کس کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے؟“ یعنی جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے کس نے پیدا کیا؟ کون ان کا مالک اور ان میں تصرف کرنے والا ہے؟ ﴿قُلْ﴾ ان سے کہہ دیجیے! ﴿يَلٰهٖ﴾ ”اللہ کا ہے“ وہ اس کا اقرار کرتے ہیں انکار نہیں کرتے کیا جب وہ یہ اقرار کرتے ہیں کہ وہ اکیلا ہی کائنات کا مالک اور اس کی تدبیر کرنے والا ہے تو اس کے لئے توحید اور اخلاص کا اعتراف کیوں نہیں کرتے؟ ﴿كَتَبَ عَلٰی نَفْسِهٖ الرَّحْمَةَ﴾ ”اس نے لکھا ہے اپنے نفس پر رحم کرنا“ یعنی تمام عالم علوی اور عالم سفلی اس کے اقتدار اور تدبیر کے تحت ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی رحمت اور احسان کی چادر پھیلا رکھی ہے اور اس کی بے پایاں رحمت نے ان سب کو ڈھانپ رکھا ہے۔ اس نے اپنے لئے لکھ رکھا ہے کہ ”اس کی رحمت اس کے غصے پر غالب ہے“۔ عطا کرنا اس کے نزدیک محروم کرنے سے زیادہ محبوب ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے تمام بندوں کے لئے رحمت کے دروازے کھول دیئے ہیں اگر بندے اپنے گناہوں کے سبب خود ان کو اپنے آپ پر بند نہ کر لیں پھر اس نے انہیں ان دروازوں میں داخل ہونے کی دعوت دی ہے اگر ان کے گناہ اور عیب ان کو ان دروازوں کی طلب سے روک نہ دیں۔ ﴿لِيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰی يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ﴾ ”البتہ اکٹھا کرے گا تم کو قیامت کے دن جس میں کوئی شک نہیں“ اور یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے قسم ہے اور وہ سب سے زیادہ سچی خبر دینے والا ہے اور اس پر اس نے ایسے براہین و دلائل قائم کئے ہیں جو اسے حق الیقین قرار دیتے ہیں مگر ان ظالموں نے دلائل و براہین کو ٹھکرا دیا اور اللہ تعالیٰ کی اس قدرت کا انکار کر دیا کہ وہ مخلوق کو دوبارہ زندہ کرے گا اور گناہ کرنے میں جلدی کی اور اس کے ساتھ کفر کرنے کی جسارت کی پس وہ دنیا و آخرت میں خسارے میں پڑ گئے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿الَّذِيْنَ خَسِرُوْا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ ”جن لوگوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال لیا تو وہ ایمان نہیں لاتے۔“

وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِي الْبَيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿١٣﴾ قُلْ اَغَيَّرَ اللّٰهُ اَتَّخِذْ وَلِيًّا

اور اسی کا ہے جو سکون کرتا ہے رات اور دن میں (اور جو حرکت کرتا ہے) اور وہ سنے جانے والا ہے ﴿کہہ دیجئے! کیا سوائے اللہ کے بتلوں میں معبود؟

فَاَطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعَمُ وَلَا يُطْعَمُ قُلْ اِنِّيْ اَمَرْتُ اَنْ اَكُوْنَ

پیدا کرنے والا آسمانوں اور زمین کا اور وہ (سب کو) کھلاتا ہے اور (اسے) نہیں کھلایا جاتا کہہ دیجئے! بیشک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ ہو جاؤں میں

اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٤﴾ قُلْ اِنِّيْ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ

پہلا وہ جو اسلام لایا اور نہ ہوں آپ مشرکین میں سے ﴿کہہ دیجئے! بیشک میں خوف کرتا ہوں اگر نافرمانی کی میں نے

رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿١٥﴾ مَنْ يُصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْنَا وَذٰلِكَ

اپنے رب کی عذاب سے ایک بہت بڑے دن کے ﴿جو شخص کہ ہٹا لیا گیا (عذاب) اس سے اس دن تو یقیناً رحم کر دیا اس پر اس (اللہ) نے اور یہی ہے

الْفَوْزِ الْمُبِينِ ﴿١٧﴾ وَإِنْ يَمْسُوكَ اللَّهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ

کامیابی ظاہر ہو اور اگر پہنچائے آپ کو اللہ کوئی تکلیف تو نہیں کوئی دور کرنے والا اسے مگر وہی اور اگر

يَمْسُوكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٨﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ ط وَهُوَ

پہنچائے وہ آپ کو کوئی بھلائی تو وہ اوپر ہر چیز کے خوب قادر ہے اور وہ غالب ہے اوپر اپنے بندوں کے اور وہی ہے

الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ ﴿١٨﴾ قُلْ أَمَىٰ شَيْءٍ أَكْبَرُ شَهَادَةً ط قُلِ اللَّهُ تَعَالَىٰ شَهِيدٌ بَيْنِي

خوب حکمت والا خبردار کہہ! کون سی چیز زیادہ بڑی ہے شہادت کے اعتبار سے؟ کہہ دیجئے! اللہ ہی گواہ ہے میرے

وَبَيْنَكُمْ تَعَالَىٰ وَأَوْحَىٰ إِلَىٰ هَذَا الْقُرْآنِ لِأَنَّذَرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ ط أَيُّكُمْ لَتَشْهَدُونَ

اور تمہارے درمیان اور وہی کیا گیا ہے میری طرف یہ قرآن تاکہ ڈراؤں میں تمہیں اس کے ذریعے سے اور جس کو یہ پہنچے کیا تم شہادت دیتے ہو

أَنَّ مَعَ اللَّهِ إِلَهَةً أُخْرَىٰ ط قُلْ لَا أَشْهَدُ قُلْ إِنَّمَا هُوَ إِلَهٌُ وَاحِدٌ وَإِنِّي

کہہ دیتا ہوں کہ اللہ کے ساتھ معبود ہیں دوسرے (بھی)؟ کہہ دیجئے! نہیں شہادت دیتا میں کہہ دیجئے! بس وہ تو ایک ہی معبود ہے اور یقیناً میں

بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ ﴿١٩﴾ الَّذِينَ اتَّيْنَهُمُ الْكِتَابَ يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ

بری ہوں اس سے جو تم شریک ٹھہراتے ہو وہ لوگ کہہ دی ہم نے انہیں کتاب پہنچانے میں وہ اسے جس طرح پہنچاتے ہیں وہ

أَبْنَاءَهُمْ مِّنَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٢٠﴾

اپنے بیٹوں کو وہ لوگ جنہوں نے خسارے میں ڈالا اپنے آپ کو تو وہ نہیں ایمان لاتے

معلوم ہونا چاہئے کہ یہ سورہ مبارکہ تو حید کو متحقق کرنے کے لئے ہر عقلی اور نقلی دلیل پر مشتمل ہے، بلکہ تقریباً تمام سورت ہی تو حید کی شان، مشرکین اور انبیاء و رسل کی تکذیب کرنے والوں کے ساتھ مجادلات کے مضامین پر مشتمل ہے۔ ان آیات کریمہ میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان دلائل کا ذکر فرمایا ہے جن سے ہدایت واضح ہوتی ہے اور شرک کا قلع قمع ہوتا ہے چنانچہ فرمایا: ﴿وَلَهُ مَا سَكَنَ فِي اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ﴾ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ آرام پکڑتا ہے رات میں اور دن میں، یہ جن و انس، فرشتے، حیوانات اور جمادات سب اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں۔ یہ سب اللہ کی تدبیر کے تحت ہیں۔ یہ سب اللہ کے غلام ہیں جو اپنے رب عظیم اور مالک قاہر کے سامنے مسخر ہیں۔۔۔ کیا عقل و نقل کے اعتبار سے یہ بات صحیح ہے کہ ان غلام اور مملوک ہستیوں کی عبادت کی جائے جو کسی نفع و نقصان پر قادر نہیں اور خالق کائنات کے لئے اخلاص کو ترک کر دیا جائے جو کائنات کی تدبیر کرتا، اس کا مالک اور نفع و نقصان کا اختیار رکھتا ہے؟ یا عقل سلیم اور فطرت مستقیم اس بات کی داعی ہے کہ اللہ رب العالمین کے لئے ہر قسم کی عبادت کو خالص کیا جائے، محبت، خوف اور امید صرف اسی سے ہو؟ ﴿السَّبِيحُ﴾ ”وہ سنتا ہے۔“ اختلاف لغات اور تنوع حاجات کے باوجود وہ تمام آوازوں کو سنتا ہے ﴿الْعَلِيمُ﴾ ”وہ جانتا ہے۔“ وہ ان تمام چیزوں کو جانتا ہے جو تھیں اور جو مستقبل میں

ہوں گی اور ان کو بھی جانتا ہے جو نہ تھیں کہ اگر وہ ہوتیں تو کیسی ہوتیں اللہ تعالیٰ ظاہر و باطن ہر چیز کی اطلاع رکھتا ہے۔

﴿قُلْ﴾ ”کہہ دیجیے!“ یعنی آپ اللہ تعالیٰ سے شرک کرنے والوں سے کہہ دیجئے! ﴿اعْزِزْ اللَّهُ اتَّخِذُوا لِيْنَا﴾ ”کیا اللہ کے سوا کسی اور کو میں مددگار بناؤں؟“ ان عاجز مخلوقات میں سے کون میرا سرپرست و مددگار بنے گا؟ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو اپنا والی اور مددگار نہیں بناتا کیونکہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمین کا مالک ہے یعنی ان کا خالق اور ان کی تدبیر کرنے والا ہے ﴿وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ﴾ ”اور وہ سب کو کھلاتا ہے اور اسے کوئی نہیں کھلاتا“ یعنی وہ تمام مخلوقات کو رزق عطا کرتا ہے بغیر اس کے کہ اس کو ان میں سے کسی کے پاس کوئی حاجت ہو۔ تب یہ کیسے مناسب ہے کہ میں کسی ایسی ہستی کو اپنا والی بنا لوں جو پیدا کرنے والی ہے نہ رزق عطا کرنے والی جو بے نیاز ہے نہ قابل تعریف۔ ﴿قُلْ إِنِّي أُمِرْتُ أَنْ أَكُونَ أَوَّلَ مَنْ أَسْلَمَ﴾ ”کہہ دیجئے! مجھے حکم ہوا ہے کہ سب سے پہلے حکم مانوں“ یعنی میں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی اطاعت کے ساتھ اس کے سامنے سر تسلیم خم کر دوں، کیونکہ میں ہی سب سے زیادہ اس بات کا مستحق ہوں کہ اپنے رب کے احکام کی اطاعت کروں ﴿وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ ”اور آپ ہرگز شرک کرنے والوں میں سے نہ ہوں“ یعنی مجھے اس بات سے بھی روک دیا گیا ہے کہ میں مشرکوں میں شامل ہوں یعنی ان کے اعتقادات میں نہ ان کے ساتھ مجالست میں اور نہ ان کے ساتھ اجتماع میں۔ اور یہ حکم میرے لئے سب سے بڑا فرض اور سب سے بڑا واجب ہے۔

﴿قُلْ إِنِّي أَخَافُ أَنْ عَصَيْتُ رَبِّيَ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ﴾ ”کہہ دیجئے! میں ڈرتا ہوں اگر میں نے اپنے رب کی نافرمانی کی بڑے دن کے عذاب سے“ کیونکہ شرک ہمیشہ جہنم میں رہنے اور اللہ جبار کی ناراضی کا موجب ہے اور یوم عظیم سے مراد وہ دن ہے جس کے عذاب سے خوف کھایا جاتا ہے اور اس کی سزا سے بچا جاتا ہے کیونکہ جو اس روز عذاب سے بچا لیا گیا وہی درحقیقت اللہ تعالیٰ کی رحمت کے سائے میں ہوگا اور جس نے اس عذاب سے نجات پالی وہی درحقیقت کامیاب ہے جیسے جس کو اس دن کے عذاب سے نجات نہ ملی تو وہ بد بخت ہلاک ہونے والا ہے۔

یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی توحید کے دلائل ہیں کہ صرف وہی ایک ہستی ہے جو تکلیفوں کو دور کرتی ہے اور صرف وہی ہے جو بھلائی اور خوشحالی عطا کرتی ہے۔ ﴿وَإِنْ يَسْأَلْكَ اللَّهُ بَضْرًا﴾ ”اور اگر اللہ تم کو کوئی سختی پہنچائے“ یعنی اگر اللہ تعالیٰ تجھے کسی فقر، مرض، عسرت یا غم و ہوم وغیرہ میں مبتلا کر دے ﴿فَلَا كَاشِفَ لَهُ إِلَّا هُوَ وَإِنْ يَسْأَلْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ”تو اسے کوئی دور کرنے والا نہیں سوائے اس کے اور اگر پہنچائے وہ تجھ کو کوئی بھلائی، تو وہ ہر چیز پر قادر ہے“ پس جب وہی اکیلا نفع و نقصان پہنچانے کا اختیار رکھتا ہے تو وہی اکیلا عبودیت والوہیت کا بھی مستحق ہے۔ ﴿وَهُوَ النَّقَّاهُ فَوْقَ عِبَادِهِ﴾ ”اور وہ غالب ہے اپنے بندوں پر“ پس اللہ تعالیٰ کی مشیت کے بغیر

کوئی تصرف کر سکتا ہے نہ کوئی حرکت کرنے والا حرکت کر سکتا ہے اور نہ اس کی مشیت کے بغیر کوئی ساکن ہو سکتا ہے۔ مملوک کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اس کی ملکیت اور تسلط سے نکل سکے، وہ اللہ کے سامنے مغلوب و مقہور اور اس کے دائرہ تدبیر میں ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ غالب و قاہر ہے اور دوسرے مغلوب و مقہور، تو ظاہر ہوا کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی عبادت کا مستحق ہے ﴿ وَهُوَ الْحَكِيمُ ﴾ اور وہ دانائے۔ وہ اپنے اوامر و نواہی، ثواب و عقاب اور خلق و قدر میں حکمت سے کام لیتا ہے ﴿ الْخَبِيرُ ﴾ ”خبردار ہے۔“ وہ اسرار و ضمائر اور تمام مخفی امور کی اطلاع رکھتا ہے اور یہ سب توحید الہی کے دلائل ہیں۔

﴿ قُلْ ﴾ ”کہہ دیجیے“ چونکہ ہم نے ان کے سامنے ہدایت کو بیان کر دیا اور سیدھی راہوں کو واضح کر دیا ہے اس لئے ان سے کہہ دیجئے ﴿ اَمْ لِي شِرْكٌ اَكْبَرُ شَهَادَةً ﴾ ”سب سے بڑھ کر کس کی شہادت ہے۔“ یعنی اس اصول عظیم کے بارے میں کس کی شہادت سب سے بڑی شہادت ہے ﴿ قُلِ اللّٰهُ ﴾ کہہ دیجئے اللہ تعالیٰ کی شہادت سب سے بڑی شہادت ہے ﴿ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ ﴾ ”وہ گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان“ پس اس سے بڑا کوئی شاہد نہیں، وہ اپنے اقرار و فعل کے ذریعے سے میری گواہی دیتا ہے، میں جو کچھ کہتا ہوں اللہ تعالیٰ اس کو تحقق کر دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ وَكَوَتَقْوَالَ عَلَيْنَا بَعْضُ الْاَقْوَامِ لَا خَدْنَا مِنْهُ بِالْيَسِينِ ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْاَوْتَيْنِ ﴾ (الحاقہ: ۴۶-۴۷، ۶۹) ”اگر یہ ہمارے بارے میں کوئی جھوٹ گھڑتا تو ہم اس کو داہنے ہاتھ سے پکڑ لیتے اور پھر اس کی شرگ کاٹ دیتے۔“

پس اللہ تبارک و تعالیٰ قادر اور حکمت والا ہے۔ اس کی حکمت اور قدرت کے لائق نہیں کہ ایسے جھوٹے شخص کو برقرار رکھے جو یہ دعویٰ کرے کہ وہ اللہ کا رسول ہے حالانکہ وہ اللہ کا رسول نہ ہو اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے ان لوگوں کو دعوت دینے پر مامور کیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا کوئی حکم نہ دیا ہو اور یہ کہ جو اس کی مخالفت کریں گے اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے ان کا خون، ان کا مال اور ان کی عورتیں مباح کر دی ہیں۔ اس فریب کاری کے باوجود اللہ تعالیٰ اپنے اقرار و فعل کے ذریعے سے اس کی تصدیق کرنے، وہ جو کچھ کرے معجزات باہرہ اور آیات ظاہرہ کے ذریعے سے اس کی تائید کرے اور اسے فتح و نصرت سے نوازے جو اس کی مخالفت کرے اور اس سے عداوت رکھے، اسے اپنی نصرت سے محروم کر دے۔ پس اس گواہی سے بڑی کون سی گواہی ہے؟

﴿ وَاَوْحٰى اِلٰى هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِاَنْذَرَكُمْ بِهٖ وَمَنْ يَّبٰغِ ﴾ ”اور اتارا گیا میری طرف قرآن، تاکہ ڈراؤں میں تم کو اس کے ساتھ اور جس کو یہ پہنچے، یعنی تمہارے فائدے اور تمہارے مصالحوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ قرآن میری طرف وحی کیا ہے، تاکہ میں تمہیں دردناک عذاب سے ڈراؤں۔ (انذار) یہ ہے کہ جس چیز سے ڈرانا مقصود ہو اسے بیان کیا جائے۔ جیسے ترغیب و ترہیب، اعمال اور اقوال ظاہرہ و باطنہ۔ جو کوئی ان کو قائم کرتا ہے وہ گویا

انذار کو قبول کرتا ہے۔ پس اے مخاطبین! یہ قرآن تمہیں اور ان تمام لوگوں کو جن کے پاس قیامت تک یہ پہنچے گا برے انجام سے ڈراتا ہے۔ کیونکہ قرآن میں ان تمام مطالب الہیہ کا بیان موجود ہے جن کا انسان محتاج ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر اپنی گواہی کا ذکر فرمایا جو سب سے بڑی گواہی ہے تو اپنے رسول ﷺ سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی خبر کی مخالفت کرنے والوں اور اس کے رسولوں کو جھٹلانے والوں سے کہہ دیجئے ﴿اٰیٰتِنَا لَنَشْهَدَنَّ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ الْاٰلِهَةُ الْاٰخَرٰی قُلْ لَا اَشْهَدُ﴾ ”کیا تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور بھی معبود ہیں؟ کہہ دیجئے! میں تو گواہی نہیں دیتا“ یعنی اگر وہ گواہی دیں تو ان کے ساتھ گواہی مت دیجئے۔

پس اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے لاشریک ہونے پر ایک طرف اللہ کی گواہی ہے جو سب سے زیادہ سچا اور تمام جہانوں کا پروردگار ہے اور اسی طرح مخلوق میں سے پاکیزہ ترین ہستی (آخری رسول) کی گواہی ہے جس کی تائید میں قطعی دلائل اور روشن براہین ہیں اور دوسری طرف مشرکین کی شہادت ہے جن کی عقل اور دین خلط ملط ہو گئے ہیں جن کی آراء اور اخلاق خرابی کا شکار ہو گئے ہیں اور جنہوں نے عقل مندوں کو اپنے آپ پر ہنسنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ ان دونوں شہادتوں کے درمیان موازنہ کیا جائے۔

بلکہ ان مشرکین کی گواہی تو خود ان کی اپنی فطرت کے خلاف ہے اور ان کے اقوال اللہ تعالیٰ کے ساتھ دوسرے خداؤں کے اثبات کے بارے میں متناقض ہیں۔ بایں ہمہ جس چیز کی وہ مخالفت کرتے ہیں اس کے خلاف دلائل تو کجا ایک ادنیٰ سا شبہ بھی وارد نہیں ہو سکتا۔ اگر تو سمجھ بوجھ رکھتا ہے تو اپنے لئے ان دونوں میں سے کوئی سی گواہی چن لے۔ ہم تو اپنے لئے وہی چیز اختیار کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کے لئے اختیار کی ہے اور اس کی پیروی کرنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ﴾ ”کہہ دیجئے کہ صرف وہی ایک معبود ہے۔“ یعنی وہ اکیلا معبود ہے اور اس کے سوا کوئی عبودیت اور الوہیت کا مستحق نہیں جیسے وہ تخلیق و تدبیر میں منفرد ہے ﴿وَ اِنِّیْ بِرَبِّیْٓ اِنَّمَا تُشْرِكُوْنَ﴾ ”اور میں بیزار ہوں تمہارے شرک سے“ یعنی تم جن بتوں اور دیگر خداؤں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتے ہو اور وہ تمام چیزیں جن کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا جاتا ہے میں ان سے براءت کا اظہار کرتا ہوں۔ یہ ہے توحید کی حقیقت یعنی اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا اثبات اور اللہ تعالیٰ کے سوا ہر ایک سے اس کی نفی۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید پر اپنی اور اپنے رسول کی شہادت کا ذکر فرمایا اور اس کے برعکس مشرکین کی شہادت کا بھی ذکر کیا جن کے پاس کوئی علم نہیں تو اہل کتاب میں سے یہود و نصاریٰ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿یَعْرِفُوْنَہٗ﴾ ”وہ پہچانتے ہیں اسے“ یعنی وہ توحید کی صحت کو جانتے ہیں ﴿کَمَا یَعْرِفُوْنَ اٰبَآءَہُمْ﴾ ”جیسے وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں“ یعنی اس کی صحت میں ان کے ہاں کسی بھی پہلو سے کوئی شک نہیں جیسے انہیں اپنی اولاد

کے بارے میں کوئی اشتباہ واقع نہیں ہوتا، خاص طور پر وہ بیٹے جو غالب طور پر اپنے باپ کے ساتھ ہوتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں یہ احتمال بھی ہے کہ ضمیر رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹی ہو۔ تب اس کے معنی ہوں گے کہ آپ ﷺ کی رسالت کے حق ہونے میں اہل کتاب کو کوئی اشتباہ تھا نہ کوئی شک، کیونکہ ان کے پاس آپ کی بعثت کے بارے میں بشارتیں موجود تھیں اور وہ تمام صفات (جو ان کی کتابوں میں لکھی ہوئی تھیں) آپ ﷺ کے سوا کسی پر منطبق ہوتی تھیں نہ آپ ﷺ کے سوا کسی کے شایان شان تھیں۔ دونوں معنی ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ ﴿الَّذِينَ حَسِرُوا أَنْفُسَهُمْ﴾ ”وہ لوگ جنہوں نے اپنے نفسوں کو نقصان میں ڈالا، یعنی جس ایمان اور توحید کے لئے ان کے نفس کو تخلیق کیا گیا تھا انہوں نے اپنے نفس کو ان سے بے بہرہ کر دیا اور بزرگی کے مالک بادشاہ حقیقی کے فضل سے ان کو محروم کر دیا ﴿فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ ”پس وہ ایمان نہیں لائیں گے“ پس جب ان کے اندر ایمان ہی موجود نہیں تو اس خسارے اور شر کے بارے میں مت پوچھ جو ان کو حاصل ہوگا۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظالمون ﴿۱۱﴾

اور کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جو باندھے اور پر اللہ کے جھوٹ یا جھٹلائے اسکی آیات کو یقیناً نہیں فلاح پائیں گے ظالم ○
یعنی ظلم اور عناد میں اس شخص سے بڑھ کر کوئی نہیں جس میں ان دونوں اوصاف میں سے کوئی ایک وصف ہو،
چہ جائیکہ جس میں دونوں ہی جمع ہوں:

(۱) اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ گھڑنا۔ (۲) اور اس کی آیات کو جھٹلانا جنہیں رسول لے کر آئے ہیں۔
یہ شخص سب سے بڑا ظالم ہے اور ظالم کبھی فلاح نہیں پاتا۔

اس آیت کریمہ کی وعید میں وہ تمام لوگ داخل ہیں جو اللہ تعالیٰ کے بارے میں افترا پر دازی کرتے ہوئے اس کے شریک اور معاون ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی بندگی کرنا جائز ہے یا اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے کوئی بیوی یا بیٹا بنایا ہے۔ اور اس وعید میں وہ تمام لوگ بھی شامل ہیں جنہوں نے حق کو جھٹلایا جسے لے کر انبیاء و مرسلین مبعوث ہوئے اور جس کے علم بردار ان کے جانشین (داعیان حق) ہوئے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَبِيحًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا آيِنَ شُرَكَائِكُمْ الَّذِينَ كُنْتُمْ

اور جس دن ہم اکٹھا کریں گے ان سب کو پھر ہم کہیں گے ان لوگوں کو جو شریک ٹھہراتے تھے کہاں ہیں تمہارے وہ شریک کہ جنہیں تم

تَزْعُمُونَ ﴿۱۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فَتَنْتَهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبَّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿۱۳﴾

(شریک) گمان کرتے؟ ○ پھر نہ ہوگی معذرت ان کی مگر یہ کہ وہ کہیں گے قسم ہے اللہ ہمارے رب کی! نہیں تھے ہم مشرک ○

أَنْظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَصَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۱۴﴾

دیکھیں! کیسا جھوٹ بولیں گے وہ اپنے آپ پر اور گم ہو جائے گا ان سے جو تھے وہ افتراء باندھتے۔ ○

اللہ تبارک و تعالیٰ قیامت کے روز اہل شرک کے انجام کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے، ان سے اس شرک کے بارے میں پوچھا جائے گا اور ان کو زبرد تو بیخ کی جائے گی اور ان سے کہا جائے گا ﴿ اَيْنَ شُرَكَائِكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴾ ”تمہارے وہ شریک کہاں ہیں جن کو تم شریک گمان کرتے تھے؟“ یعنی اللہ تعالیٰ کا تو کوئی شریک نہیں یہ محض زعم باطل اور تمہاری افترا پر دازی ہے جو تم نے اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہرا دیئے۔ ﴿ ثُمَّ لَمْ يَكُنْ فَتَنُّهُمْ ﴾ ”پھر نہ رہے گا ان کے پاس کوئی فریب“ یعنی جب ان کو آزمایا جائے گا اور مذکورہ سوال کیا جائے گا تو ان کا جواب اس کے سوا کوئی نہیں ہوگا کہ وہ اپنے شرک کا ہی انکار کر دیں گے اور قسم اٹھا کر کہیں گے کہ وہ مشرک نہیں ہیں ﴿ اَنْظُرْ ﴾ ”دیکھئے“ یعنی ان پر اور ان کے احوال پر تعجب کرتے ہوئے دیکھئے ﴿ كَيْفَ كَذَبُوا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ ﴾ ”کیسے جھوٹ بولا انہوں نے اپنے پر“ یعنی انہوں نے ایسا جھوٹ باندھا کہ..... اللہ کی قسم!..... اس کا خسارہ اور انتہائی نقصان انہی کو پہنچے گا ﴿ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴾ ”اور کھو گئیں ان سے وہ باتیں جو وہ بنایا کرتے تھے“ یعنی وہ شریک جو وہ گھڑا کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ الوہیت میں شریک ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی اس افترا پر دازی سے بالا و بلند تر ہے۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَسْتَمِعُ اِلَيْكَ وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً اَنْ يَفْقَهُوْهُ

اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو کان لگاتے ہیں آپ کی طرف اور کر دیئے ہم نے انکے دلوں پر پردے کہ وہ اسے سمجھ ہی (نہ) سکیں

وَفِيْ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ط وَانْ يَّرْوٰكُلَّ اٰيَةٍ لَا يُؤْمِنُوْا بِهَا ط حَتّٰى اِذَا جَآءُوْكَ

اور انکے کانوں میں ڈاٹ ہے اور اگر دیکھ لیں وہ ساری نشانیاں، نہیں ایمان لائیں گے وہ ان پر حتیٰ کہ جب آتے ہیں وہ آپ کے پاس

يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّا اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿١٥﴾

جھگڑتے ہوئے آپ سے تو کہتے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، نہیں ہیں یہ مگر داستانیں پہلوں کی ○

یعنی ان مشرکین میں سے کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کو ان کے بعض داعیے بسا اوقات سننے پر آمادہ کر دیتے ہیں مگر یہ سننا قصد حق اور اس کی اتباع سے عاری ہوتا ہے بنا بریں وہ اس سننے سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے، کیونکہ ان کا ارادہ بھلائی کا نہیں ہوتا ﴿ وَجَعَلْنَا عَلٰی قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً ﴾ ”اور ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں“ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے کلام کو نہ سمجھیں اور اللہ تعالیٰ کا کلام اس قسم کے لوگوں سے محفوظ رہے ﴿ وَفِيْ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا ﴾ ”اور ان کے کانوں میں ثقل پیدا کر دیا ہے۔“ یعنی ان کے کانوں میں بہرا پن اور گرانی ہے، وہ اس طرح نہیں سن سکتے جس سے ان کو کوئی فائدہ پہنچے۔ ﴿ وَانْ يَّرْوٰكُلَّ اٰيَةٍ لَا يُؤْمِنُوْا بِهَا ﴾ ”اور اگر وہ دیکھ لیں تمام نشانیاں تب بھی ایمان نہیں لائیں گے“ اور یہ ظلم و عناد کی انتہا ہے کہ وہ حق کو ثابت کرنے والے واضح دلائل کو مانتے ہیں نہ ان کی تصدیق کرتے ہیں، بلکہ حق کو نیچا دکھانے کے لئے باطل کی مدد سے جھگڑتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴾ ”یہاں تک کہ جب آپ کے پاس آتے ہیں جھگڑنے کو تو کافر کہتے ہیں یہ تو صرف پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں“ یعنی یہ سب کچھ پہلے لوگوں کی لکھی ہوئی کتابوں سے ماخوذ ہے جو اللہ کی طرف سے ہیں نہ اس کے رسولوں کی طرف سے۔ یہ ان کا کفر محض ہے ورنہ اس کتاب کو پہلے لوگوں کی کہانیاں کیسے کہا جاسکتا ہے جو گزرے ہوئے اور آنے والے لوگوں انبیاء و مرسلین کے لائے ہوئے حقائق، حق اور ہر پہلو سے کامل عدل و انصاف پر مشتمل ہے؟

وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْهَوْنَ عَنْهُ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۳۱﴾

اور وہ روکتے ہیں اس سے (دوسروں کو) اور دور رہتے ہیں (خود بھی) اس سے اور نہیں ہلاک کرتے وہ مگر اپنے آپ کو اور وہ نہیں شعور رکھتے ○

﴿ وَهُمْ ﴾ ”اور وہ“ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والے اور اس کے رسول ﷺ کی تکذیب کرنے والے لوگ گمراہ ہونے اور گمراہ کرنے کی صفات کے جامع ہیں۔ وہ لوگوں کو بھی اتباع حق سے روکتے ہیں، انہیں حق سے ڈراتے ہیں اور خود اپنے آپ کو بھی حق سے دور رکھتے ہیں۔ وہ اپنے ان کرتوتوں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے مومن بندوں کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے ﴿ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴾ ”وہ اپنے آپ ہی کو ہلاک کرتے ہیں اور سمجھتے نہیں ہیں“ یعنی ان کو اس کا شعور نہیں۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وَقَفُوا عَلَى النَّارِ فَقَالُوا يَلَيْتُنَا نَرُدُّ وَلَا نُكَذِّبُ بِآيَاتِ رَبِّنَا

اور اگر آپ دیکھیں جب کہ کھڑے کئے جائیں گے وہ اوپر آگ کے تو کہیں گے کہ کاش ہم لوٹا دیئے جائیں تو نہ جھٹلائیں گے ہم آیات اپنے رب کی

وَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۳۲﴾ بَلْ بَدَأَهُم مَّا كَانُوا يُخْفُونَ مِنْ قَبْلُ ط وَكَوْرُدُّوْا

اور ہوں گے ہم مومنوں سے ○ بلکہ ظاہر ہو جائے گا ان کے لیے جو تھے وہ چھپاتے پہلے اور اگر وہ لوٹا دیئے جائیں

لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۳۳﴾ وَ قَالُوا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا

تب بھی کریں گے وہ پھر وہی کام کرو گئے تھے وہ ان سے اور یقیناً وہ جھوٹے ہیں ○ اور کہتے ہیں وہ کہ نہیں ہے یہ (زندگی) مگر زندگی ہماری دنیا کی

وَمَا نَحْنُ بِسَبْعُوْثِيْنَ ﴿۳۴﴾

اور نہیں ہم اٹھائے جائیں گے ○

اللہ تعالیٰ قیامت کے روز مشرکین کے حال اور جہنم کے سامنے ان کو کھڑے کئے جانے کے بارے میں آگاہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿ وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وَقَفُوا عَلَى النَّارِ ﴾ ”اگر آپ دیکھیں جس وقت کھڑے کئے جائیں گے وہ دوزخ پر“ تاکہ ان کو زجر و توبیخ کی جائے۔۔۔ تو آپ بہت ہولناک معاملہ اور ان کا بہت برا حال دیکھتے نیز آپ یہ دیکھتے کہ یہ لوگ اپنے کفر و فسق کا اقرار کرتے ہیں اور تمنا کرتے ہیں کہ کاش ان کو دنیا میں پھر واپس بھیجا جائے ﴿ فَقَالُوا يَلَيْتُنَا نَرُدُّ وَلَا نُكَذِّبُ بِآيَاتِ رَبِّنَا وَنَكُونُ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ ”پس وہ کہیں گے اے کاش!

ہم پھر بھیج دیئے جائیں اور ہم نہ جھٹلائیں اپنے رب کی آیتوں کو اور ہو جائیں ہم ایمان والوں میں سے۔“

﴿بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوا يُخْفُونَ مِن قَبْلُ﴾ بلکہ ظاہر ہو گیا ان کے لئے جو وہ چھپاتے تھے پہلے اس لئے کہ وہ اپنے دل میں اس حقیقت کو چھپاتے تھے کہ وہ جھوٹے ہیں اور ان کے دلوں کا جھوٹ بسا اوقات ظاہر ہو جاتا تھا۔ مگر ان کی فاسد اغراض ان کو حق سے روک دیتی تھیں اور ان کے دلوں کو بھلائی سے پھیر دیتی تھیں وہ اپنی ان تمناؤں میں جھوٹے ہیں ان کا مقصد محض اپنے آپ کو عذاب سے ہٹانا ہے۔ ﴿وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ﴾ اور اگر ان کو واپس لوٹا بھی دیا گیا تو یہ دوبارہ وہی کچھ کریں گے جس سے ان کو روکا گیا ہے اور بے شک یہ سخت جھوٹے ہیں۔ ﴿وَقَالُوْا﴾ اور وہ کہتے ہیں۔ “یعنی مرنے کے بعد دوبارہ اٹھائے جانے کا انکار کرنے والے کہتے ہیں ﴿اِنْ هِيَ اِلَّا حَيٰثِنَا الدُّنْيَا﴾ ہماری جو دنیا کی زندگی ہے بس یہی (زندگی) ہے۔“ یعنی حقیقت حال یہ ہے کہ ہمیں وجود میں لانے کا اس دنیا کی زندگی کے سوا اور کوئی مقصد نہیں ﴿وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ﴾ ہمیں مرنے کے بعد دوبارہ نہیں اٹھایا جائے گا۔“

وَلَوْ تَرَىٰٓ اِذْ وَقَفُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ ط قَالَ الْاَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ط قَالُوْا بَلٰی

اور کاش کہ دیکھیں آپ جب کھڑے کیے جائیں گے وہ سامنے اپنے رب کے کہے گا وہ کیا نہیں ہے یہ حق؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں

وَرَبَّنَا ط قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ۝۷

قسم ہے ہمارے رب کی! تو فرمائے گا وہ پس چکھو تم عذاب بوجہ اس کے جو تم تم تکفر کرتے

﴿وَلَوْ تَرَىٰ﴾ اور اگر آپ دیکھیں، یعنی اگر آپ کافروں کو دیکھیں ﴿اِذْ وَقَفُوْا عَلٰی رَبِّهِمْ﴾ جبکہ انہیں ان کے رب کے سامنے کھڑا کیا جائے گا“ تو آپ بہت بڑا معاملہ اور بہت ہولناک منظر دیکھیں گے۔ ﴿قَالَ﴾ اللہ تعالیٰ ان کو جروتویخ کرتے ہوئے فرمائے گا: ﴿الْاَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ﴾ کیا یہ برحق نہیں؟“ یعنی وہ عذاب جو تم دیکھ رہے ہو کیا یہ سچ نہیں؟ ﴿قَالُوْا بَلٰی وَرَبَّنَا﴾ وہ کہیں گے کیوں نہیں قسم ہے ہمارے رب کی! پس وہ اقرار اور اعتراف کریں گے جبکہ یہ اعتراف انہیں کوئی فائدہ نہ دے گا ﴿قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ﴾ اللہ فرمائے گا: پس چکھو اس عذاب کا مزاج جس کا تم انکار کیا کرتے تھے۔“

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَاءِ اللّٰهِ حَتّٰی اِذَا جَاءَتْهُمْ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا

یقیناً خسارے میں رہے وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی ملاقات کو یہاں تک کہ جب آئے گی انکے پاس قیامت اچانک تو کہیں گے وہ

يٰحَسْرَتَنَا عَلٰی مَا فَرَطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰی ظُهُورِهِمْ ط

ہائے افسوس! اس پر جو کوتاہی کی ہم نے اس کی بابت اور وہ اٹھائے ہوئے اپنے بوجھ اور اپنی پٹیوں کے

الْاِسَاءَ مَا يَزِدُّوْنَ ﴿۳۱﴾

خبردار! برا ہے جو (بوجھ) وہ اٹھائیں گے ○

جس کسی نے بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملاقات کو جھٹلایا وہ خائب و خاسر ہوا اور ہر قسم کی بھلائی سے محروم کر دیا گیا۔ پس یہ تکذیب محرمات کے انکار کی جسارت اور ہلاکت میں ڈالنے والے اعمال کے اکتساب کی جرأت کی موجب ہوتی ہے ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً﴾ ”یہاں تک کہ جب آپہنچے گی ان پر قیامت اچانک“ اور وہ اس وقت بدترین اور قبیح ترین حال میں ہوں گے تب وہ انتہائی ندامت کا اظہار کریں گے ﴿قَالُوا يَحْسَرْتُنَا عَلَىٰ مَا فَزَّطْنَا فِيهَا﴾ ”کہیں گے، ہائے افسوس! کیسی کوتاہی ہم نے کی اس میں“ مگر حسرت اور ندامت کے اظہار کا وقت چاچکا ہوگا ﴿وَهُمْ يَحْمِلُونَ أَوْزَارَهُمْ عَلَىٰ ظُهُورِهِمْ اَلْاِسَاءَ مَا يَزِدُّوْنَ﴾ ”اور وہ اٹھائے ہوئے ہوں گے اپنے بوجھ اپنی پیٹھوں پر سن لو! کہ برا ہے وہ بوجھ جس کو وہ اٹھائیں گے۔ کیونکہ ان کا بوجھ ایسا بوجھ ہوگا جو ان کے لئے سخت بھاری ہوگا اور وہ اس سے گلو خلاصی پر قادر نہ ہوں گے۔ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اور اللہ جبار کی ابدی ناراضی کے مستحق ہوں گے۔

وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّلَكَدَّارُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ط

اور نہیں ہے زندگی دنیا کی مگر کھیل اور تماشہ اور گھر آخرت کا بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو ڈرتے ہیں

اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾

کیا پس نہیں عقل رکھتے تم؟ ○

یہی دنیا اور آخرت کی حقیقت ہے۔ رہی دنیا کی حقیقت تو یہ محض لہو و لعب ہے۔ بدن کا کھیل تماشہ۔ اور قلب کا کھیل تماشہ، پس دل لہو و لعب پر فریفتہ، نفوس اس پر عاشق اور ارادے اس سے پیوست رہتے ہیں اور لہو و لعب میں مشغولیت اس میں ایسے ہوتی ہے جیسے بچے کھیل میں مگن ہوتے ہیں۔ رہی آخرت تو وہ ﴿خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ﴾ اپنی ذات و صفات اور بقا و دوام کے اعتبار سے اہل تقویٰ کے لئے بہتر ہے۔ اس میں ہر وہ چیز موجود ہوگی جس کی نفس خواہش کریں گے، جس سے آنکھیں لذت حاصل کریں گی، یعنی قلب و روح کی نعمت اور مسرت و فرحت کی کثرت۔ مگر یہ نعمتیں اور مسرتیں ہر ایک کے لئے نہیں ہوں گی بلکہ صرف متقی لوگوں کے لئے ہوں گی جو اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں اور اس کی منہیات کو ترک کرتے ہیں ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ ”کیا تم عقل نہیں رکھتے؟“ کیا تمہارے پاس عقل نہیں جس کے ذریعے سے تم یہ ادراک کر سکو کہ دنیا اور آخرت میں سے کون سا گھر ترجیح دیئے جانے کا مستحق ہے؟

قَدْ نَعْلَمُ إِنَّهُ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ فَإِنَّهُمْ لَا يَكْذِبُونَكَ وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ

تحقیق جانتے ہیں ہم بلاشبہ تمگین کرتی ہے آپ کو وہ بات جو وہ کہتے ہیں پس بے شک وہ نہیں جھٹلاتے آپ کو لیکن وہ ظالم تو

بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ ﴿٣٢﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَى مَا كُذِّبُوا

اللہ کی آیات کا انکار کرتے ہیں اور بلاشبہ جھٹلائے گئے کئی رسول آپ سے پہلے تو صبر کیا انہوں نے اور پر اس کے جو وہ جھٹلائے گئے

وَأُوذُوا حَتَّى أَتَاهُمْ نَصْرُنَا وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِ اللَّهِ وَلَقَدْ جَاءَكَ مِنْ نَبِيِّ

اور ایذا دیئے گئے حتیٰ کہ آئی ان کے پاس ہماری مدد اور نہیں کوئی تبدیل کرنا والا اللہ کے کلمات کو اور یقیناً آچکی ہیں آپ کے پاس کچھ خبریں

الْمُرْسَلِينَ ﴿٣٣﴾ وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا

رسولوں کی اور اگر ہو گراں آپ پر اعراض کرنا ان کا تو اگر استطاعت رکھتے ہیں آپ یہ کہ تلاش کریں کوئی سرنگ

فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ

زمین میں یا سیرھی آسمان میں پھر لے آئیں آپ ان کے پاس کوئی نشانی (تو کر دیکھیں) اور اگر چاہتا اللہ تو جمع کر دیتا انہیں

عَلَى الْهُدَىٰ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ ﴿٣٤﴾

ہدایت پر نہیں نہ ہوں آپ نادانوں سے

یعنی ہمیں علم ہے کہ آپ کی تکذیب کرنے والے آپ کے بارے میں جو کچھ کہتے ہیں اس سے آپ کو تکلیف پہنچتی ہے اور آپ غم زدہ ہوتے ہیں۔ ہم نے آپ کو صبر کرنے کا حکم محض اس لئے دیا ہے تاکہ آپ کو مقامات بلند اور گراں قیمت احوال حاصل ہوں۔ پس آپ یہ نہ سمجھیں کہ ان کا یہ قول اس سبب سے صادر ہوا ہے کہ ان کو آپ کے بارے میں کوئی اشتباہ یا شک لاحق ہوا ہے ﴿فَأِنَّهُمْ لَا يَكْذِبُونَكَ﴾ بے شک وہ آپ کو نہیں جھٹلاتے، کیونکہ وہ آپ کی صداقت آپ کے اندر باہر اور آپ کے تمام احوال کو خوب جانتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے آپ کو ”امین“ کہا کرتے تھے ﴿وَلَكِنَّ الظَّالِمِينَ بِآيَاتِ اللَّهِ يَجْحَدُونَ﴾ ”لیکن ظالم لوگ اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں۔“ یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی ان آیات کو جھٹلاتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے ہاتھ پر ظاہر کیا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوا عَلَىٰ مَا كُذِّبُوا وَأُوذُوا حَتَّىٰ

أَتَاهُمْ نَصْرُنَا﴾ ”آپ سے پہلے رسولوں کو بھی جھٹلایا گیا پس انہوں نے اپنی تکذیب کو اور ایذا دیئے جانے پر صبر کیا“

یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آگئی“ پس جس طرح انہوں نے صبر کیا اسی طرح آپ بھی صبر کیجئے۔ جس

طرح وہ ظفریاب ہوئے آپ بھی ظفریاب ہوں گے۔ ﴿وَلَقَدْ جَاءَكَ مِنْ نَبِيِّ الْمُرْسَلِينَ﴾ ”اور آپ کے پاس

گزرشتہ انبیاء و مرسلین کی خبر پہنچ گئی ہے“ جس سے آپ کے دل کو تقویت اور اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ ﴿وَإِنْ كَانَ

كُتِبَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ ﴿﴾ اور اگر ان کی روگردانی آپ پر شاق گزرتی ہے۔ یعنی اگر ان کا اعراض آپ پر شاق گزرتا ہے، کیونکہ آپ ان کے ایمان کی بہت خواہش رکھتے ہیں تو آپ اس بارے میں اپنی پوری کوشش کر دیکھئے۔ پس اس شخص کو ہدایت دینا آپ کے بس میں نہیں جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دینا نہ چاہتا ہو۔ ﴿فَإِنْ اسْتَعْطَتْ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلْبًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ﴾ ”پس اگر آپ سے ہو سکے کہ ڈھونڈ نکالیں کوئی سرنگ زمین میں یا کوئی سیڑھی آسمان میں پھر لائیں آپ ان کے پاس کوئی نشانی، یعنی یہ سب کچھ کر دیکھئے ان میں سے کوئی چیز بھی ان کو فائدہ نہیں دے گی۔ یہ آیت کریمہ اس قسم کے معاندین حق کی ہدایت کی تمنا اور امید کو منقطع کرتی ہے۔ ﴿وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُم عَلَى الْهُدَى﴾ ”اور اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر جمع کر دیتا،“ مگر حکمت الہی متقاضی ہوئی کہ وہ اپنی گمراہی پر باقی رہیں ﴿فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْبَهْلِيِّينَ﴾ ”پس آپ جاہلوں میں شامل نہ ہوں، جو حقائق امور کی معرفت نہیں رکھتے اور ان امور کو ان کے مقام پر نہیں رکھتے۔

إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْعَوْنَ وَالْمُوتِي يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ ﴿﴾ وَقَالُوا

بلاشبہ قبول تو وہی لوگ کرتے ہیں جو سستے ہیں۔ اور مردے اٹھائے گا انکو اللہ پھر اسی کی طرف وہ لوٹائے جائیں گے اور کہا انہوں نے

لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِنْ رَبِّهِ قُلْ إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَى أَنْ يُنْزِلَ آيَةً

کیوں نہیں اتاری گئی اس (نبی) پر کوئی بڑی نشانی اسکے رب کی طرف سے؟ کہہ دیجئے! یقیناً اللہ قادر ہے اس پر کہ اتارے بڑی نشانی

وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۶﴾

لیکن اکثر ان کے نہیں علم رکھتے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے ﴿إِنَّمَا يَسْتَجِيبُ﴾ ”بلاشبہ قبول کریں گے۔“ آپ کی دعوت اور آپ کی رسالت پر صرف وہی لوگ لبیک کہیں گے اور آپ کے امر و نہی کے سامنے صرف وہی لوگ سر تسلیم خم کریں گے ﴿الَّذِينَ يَسْعَوْنَ﴾ ”جو سستے ہیں۔“ یعنی جو اپنے دل کے کانوں سے سنتے ہیں جو ان کو فائدہ دیتا ہے اور یہ عقل اور کان رکھنے والے لوگ ہیں۔ یہاں سننے سے مراد دل سے سننا اور اس پر لبیک کہنا ہے ورنہ مجرد کانوں سے سننے میں نیک اور بد سب شامل ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کی آیات کو سن کر تمام مکلفین پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہوگئی اور حق کو قبول نہ کرنے کا ان کے پاس کوئی عذر باقی نہ رہا۔ ﴿وَالْمُوتِي يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيْهِ يُرْجَعُونَ﴾ ”اور مردوں کو زندہ کرے گا اللہ پھر اس کی طرف وہ لائے جائیں گے،“ اس میں اس امر کا احتمال ہے کہ یہ معنی مذکور بالا معنی کے بالمقابل ہوں۔ یعنی آپ کی دعوت کا جواب صرف وہی لوگ دیں گے جن کے دل زندہ ہیں رہے وہ لوگ جن کے دل مر چکے ہیں، جنہیں اپنی سعادت کا شعور تک نہیں اور جنہیں یہ بھی احساس نہیں کہ وہ کون سی چیز ہے جو انہیں نجات دلائے گی تو ایسے لوگ آپ کی دعوت پر لبیک نہیں کہیں گے۔ اور نہ وہ آپ کی

اطاعت کریں گے۔ ان کے لئے وعدے کا دن تو قیامت کا دن ہے اس روز اللہ تعالیٰ انہیں دوبارہ زندہ کرے گا۔ پھر وہ اس کی طرف لوٹائے جائیں گے۔ اس آیت کریمہ میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس کے ظاہری معنی مراد لئے جائیں۔ نیز یہ کہ اللہ تعالیٰ معاد کو متحقق کر رہا ہے کہ وہ قیامت کے روز تمام مردوں کو زندہ کرے گا پھر ان کو ان کے اعمال سے آگاہ کرے گا۔

یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی دعوت پر لبیک کہنے کی ترغیب اور اس کا جواب نہ دینے پر ترہیب کو مضمّن ہے۔ ﴿وَقَالُوا﴾ ”اور کہتے ہیں۔“ یعنی عناد کی وجہ سے رسول کی تکذیب کرنے والے کہتے ہیں: ﴿لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ﴾ ”کیوں نہیں اتاری گئی اس پر کوئی نشانی اس کے رب کی طرف سے؟“ یعنی ان کی خواہش کے مطابق نشانیاں نازل کی جائیں جن کا انتخاب وہ اپنی فاسد عقل اور گھٹیا آراء کے ذریعے سے کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ قول نقل فرمایا ہے: ﴿وَقَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ بِكَ حَتَّىٰ تُفَجِّرَ لَنَا مِنَ الْأَرْضِ يَنْبُوعًا أَوْ تَكُونَ لَكَ جَنَّةٌ مِّن نَّخِيلٍ وَعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْأَنْهَارَ خِلَافَهَا تَفْجِيرًا أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمَتِ عَلَيْنَا كِسْفًا أَوْ تَأْتِيَ بَالَهُ وَالْمَلَائِكَةُ قَبِيلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۹۰/۱۷-۹۲) ”اور وہ کہتے ہیں کہ ہم تم پر ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ تم زمین سے ہمارے لئے چشمہ جاری نہ کرو یا تمہارے لئے کھجوروں اور انگوروں کا کوئی باغ ہو اور اس باغ کے پتھوں بچ نہریں جاری کرو یا جیسا کہ تم دعویٰ کیا کرتے ہو ہم پر آسمان کے ٹکڑے گرا دو یا اللہ اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آؤ۔“

﴿قُل﴾ ان کا جواب دیتے ہوئے کہہ دیجئے ﴿إِنَّ اللَّهَ قَادِرٌ عَلَىٰ أَنْ يُنَزِّلَ آيَةً﴾ ”یقیناً اللہ اس بات پر قادر ہے کہ کوئی نشانی اتار دے“ اس کی قدرت ایسا کرنے سے قاصر نہیں اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ ہر چیز اس کے غلبہ کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے اور اس کی قدرت و تسلط کی اطاعت کئے ہوئے ہے ﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے“ پس وہ اپنی جہالت اور عدم علم کی بنا پر ایسی نشانیوں کا مطالبہ کر رہے ہیں کہ اگر وہ نشانیاں ان کے پاس آ جائیں تو بھی وہ ایمان نہیں لائیں گے اور پھر ان پر جلدی سے عذاب نازل کر دیا جائے گا۔ جیسا کہ یہ سنت الہی ہے جو کبھی تبدیل نہیں ہوتی۔ بایں ہمہ اگر ان کا مقصود وہ نشانیاں ہیں جو حق کو واضح کر کے راہ حق کو روشن کر دیں تو جناب محمد مصطفیٰ ﷺ ہر قسم کی قطعی دلیل اور روشن برہان پیش کرتے ہیں جو اس حق پر دلالت کرتی ہیں جس کے ساتھ آپ ﷺ مبعوث ہوئے، کیونکہ بندہ دین کے ہر مسئلہ میں متعدد عقلی اور نقلی دلائل پاتا ہے کہ اس کے دل میں ادنیٰ سا شک و شبہ باقی نہیں رہتا۔ پس نہایت بابرکت ہے وہ ذات جس نے اپنے رسول ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا اور واضح دلائل کے ساتھ اس کی تائید کی تاکہ جو کوئی ہلاک ہو دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جو کوئی زندہ رہے دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔ بیشک اللہ تعالیٰ سننے والا اور

جاننے والا ہے۔

وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا ظَلِيْرٍ يَطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أَمَمَهُ أَمْثَالُكُمْ ط مَا فَزَطْنَا

اور نہیں ہے کوئی چلنے والا زمین پر اور نہ کوئی پرندہ جو اڑتا ہے ساتھ اپنے دونوں پروں کے گمراہیں ہیں وہ تمہاری ہی طرح نہیں چھوڑی ہم نے

فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ۗ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ﴿٢٨﴾

کتاب میں کوئی چیز پھر اپنے رب کی طرف وہ اکٹھے کیے جائیں گے ○

زمین میں رہنے والے، ہوا میں اڑنے والے، بہائم، جنگلوں میں رہنے والے وحشی جانور اور پرندے سب تمہاری طرح گروہ ہیں۔ ان کو بھی ہم نے اسی طرح پیدا کیا ہے جس طرح تمہیں پیدا کیا ہے، اسی طرح ہم ان کو بھی رزق عطا کرتے ہیں جس طرح تمہیں عطا کرتے ہیں۔ ہماری قدرت اور مشیت ان پر بھی اسی طرح نافذ ہے جس طرح تم پر نافذ ہے۔ ﴿مَا فَزَطْنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ﴾ ہم نے کتاب میں کسی چیز میں کوتاہی نہیں کی۔“ یعنی ہم نے کسی چیز کو لوح محفوظ میں لکھنے میں کوتاہی اور غفلت نہیں کی بلکہ تمام چھوٹی بڑی چیزیں جیسی بھی وہ ہیں لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہیں۔ پس تمام حوادث اس کے مطابق واقع ہوتے ہیں جو قلم سے لکھے جا چکے ہیں۔

یہ آیت کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ سب سے پہلے لوح محفوظ میں تمام کائنات کی تقدیر لکھ دی گئی۔ یہ قضا و قدر کے مراتب میں سے ایک مرتبہ ہے۔ قضا و قدر کے چار مراتب ہیں۔

(۱) اللہ تبارک و تعالیٰ کا علم تمام اشیا کو شامل ہے۔

(۲) اس کی کتاب (یعنی لوح محفوظ) تمام موجودات کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

(۳) اس کی مشیت اور قدرت عامہ ہر چیز پر نافذ ہے۔

(۴) تمام مخلوقات کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے، حتیٰ کہ بندوں کے افعال کا خالق بھی وہی ہے۔

اس آیت مبارکہ میں یہ احتمال ہو سکتا ہے کہ ”کتاب“ سے مراد قرآن ہو۔ تب اس کے معنی قرآن کریم کی اس آیت کی مانند ہوں گے ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تَبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ (النحل: ۸۹/۱۶) ”اور ہم نے تم پر کتاب نازل کی جس میں ہر چیز بیان کر دی گئی ہے۔“

﴿ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ﴾ ”پھر سب اپنے رب کی طرف جمع کیے جائیں گے۔“ یعنی تمام امتوں کو قیامت کے میدان میں اللہ تعالیٰ کے حضور جمع کیا جائے گا۔ یہ انتہائی ہولناک مقام ہوگا۔ پس اللہ تعالیٰ اپنے عدل و احسان سے سب کو جزا دے گا اور ان پر اپنا فیصلہ نافذ کرے گا، جس کی تعریف اولین و آخرین آسمانوں والے اور زمین والے سب کریں گے۔

وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا صُمُّ وَبُكْمٌ فِي الظُّلُمَاتِ مَنْ يَشَأِ اللَّهُ يُضِلَّهُ ط وَمَنْ يَشَأِ
اور جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو وہ بہرے اور گونگے ہیں اندھیروں میں جسے چاہے اللہ گمراہ کرتا ہے اسکو اور جسے چاہے

يَجْعَلُهُ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿۳۹﴾

کر دیتا ہے اسے اوپر صراط مستقیم کے

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کے رسولوں کی تکذیب کرنے والوں کا حال بیان ہوا ہے کہ انہوں نے اپنے آپ پر ہدایت کے دروازے بند کر کے ہلاکت کے دروازے کھول لئے۔ اور وہ ﴿صُمَّ﴾ ”بہرے“ یعنی حق سننے سے بہرے ہیں ﴿وَبُكْمٌ﴾ ”اور گونگے“ یعنی حق بولنے سے گونگے ہیں پس باطل کے سوا کچھ نہیں بولتے۔ ﴿فِي الظُّلُمَاتِ﴾ ”اندھیروں میں“ یعنی جہالت، کفر، ظلم، عناد اور نافرمانی کی تاریکیوں میں ڈوبے ہوئے ہیں اور یہ اللہ تعالیٰ کا ان کو گمراہ کر دینا ہے؛ کیونکہ ﴿مَنْ يَشَأِ اللَّهُ يُضِلَّهُ وَمَنْ يَشَأِ يُجْعَلُهُ عَلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ ”وہ جس کو چاہتا ہے، گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اسے صراط مستقیم پر ڈال دیتا ہے“ کیونکہ وہی اکیلا اپنی حکمت اور فضل و کرم کے تقاضوں کے مطابق ہدایت دیتا یا گمراہ کرتا ہے۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ أَغَيْرَ اللَّهِ تَدْعُونَ

کہہ دیجئے! مجھے بتلاؤ! اگر آئے تم پر عذاب اللہ کا یا آ جائے تم پر قیامت، تو کیا غیر اللہ کو پکارو گے تم؟

إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۴۰﴾ بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ شَاءَ

اگر ہو تم سچے ○ بلکہ صرف اسی کو پکارو گے تم پھر دور کر دے گا (اللہ) وہ تکلیف کہ پکارو گے تم اس کے لیے اگر چاہے گا وہ

وَتَنْسَوْنَ مَا تَشْرِكُونَ ﴿۴۱﴾

اور فراموش کر دو گے تم جنہیں شریک ٹھہراتے تھے ○

﴿قُلْ﴾ اللہ تعالیٰ کے ہمسر ٹھہرانے والے مشرکین سے کہہ دیجئے ﴿أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَتَاكُمْ عَذَابُ اللَّهِ أَوْ أَتَتْكُمُ السَّاعَةُ أَغَيْرَ اللَّهِ تَدْعُونَ﴾ ”بھلا بتلاؤ! اگر تمہارے پاس اللہ کا عذاب آ جائے یا قیامت آ جائے، تو کیا تم اللہ کے سوا اوروں کو پکارو گے اگر تم سچے ہو؟“ یعنی جب تم ان تکالیف اور کرب و غم میں مبتلا ہوتے ہو اور تم ان کو ہٹانے پر مجبور ہوتے ہو تب اس وقت تم اپنے خداؤں اور بتوں کو پکارتے ہو یا تم اپنے رب بادشاہ حقیقی کو پکارتے ہو؟ ﴿بَلْ إِيَّاهُ تَدْعُونَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُونَ إِلَيْهِ إِنْ شَاءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تَشْرِكُونَ﴾ ”بلکہ تم صرف اسی کو پکارتے ہو پھر وہ دور کر دیتا ہے اس مصیبت کو جس کے لئے اس کو پکارتے ہو اگر وہ چاہے اور ان کو بھول جاتے ہو جن کو تم شریک ٹھہراتے ہو۔“ جب سختیوں کے وقت تمہارا اپنے معبودوں کے بارے میں یہ حال ہے کہ تم ان کو بھول جاتے ہو کیونکہ تمہیں علم ہے کہ وہ نفع و نقصان کے مالک ہیں نہ موت و حیات کے اور نہ وہ

قیامت کے روز دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہیں اور تم (اس وقت) نہایت اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہو، کیونکہ تم جانتے ہو کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی نفع و نقصان کا مالک ہے، وہی ہے جو مجبور کی دعا قبول کرتا ہے۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ فراخی اور خوشحالی کے وقت تم شرک کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہراتے ہو؟ کیا عقل یا نقل نے تمہیں اس راہ پر لگایا ہے یا تمہارے پاس کوئی دلیل ہے یا تم اللہ تعالیٰ کے بارے میں جھوٹ گھڑ رہے ہو؟

وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ فَآخَذْنَاهُمْ بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ

اور تحقیق بھیجے ہم نے امتوں کی طرف (رسول) آپ سے پہلے پھر پکڑا ہم نے ان کو ساتھ سختی اور تکلیف کے تاکہ وہ

يَتَضَرَّعُونَ ﴿۲۲﴾ فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ وَزَيَّنَ

عاجزی کریں ○ پھر کیوں نہ جب آیا ان پر ہمارا عذاب عاجزی کی انہوں نے؟ لیکن سخت ہو گئے ان کے دل اور مزین کر دیا

لَهُمُ الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۲۳﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ أَبْوَابَ

ان کیلئے شیطان نے جو تھے وہ عمل کرتے ○ پس جب بھلا دیا انہوں نے اسکو کہ نصیحت کیے گئے تھے وہ اسکی تو کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے

كُلِّ شَيْءٍ طَحَّتِي إِذَا فَرِحُوا بِمَا أَوْتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ ﴿۲۴﴾

ہر چیز کے یہاں تک کہ جب وہ اترا گئے ساتھ ان چیزوں کے جو وہ دیئے گئے تو پکڑ لیا ہم نے انہیں ناگہاں تب وہ ناامید ہو گئے ○

فَقَطَّعَ دَابِرَ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا ط وَالْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿۲۵﴾

پس قطع کر دی گئی جزا اس قوم کی جنہوں نے ظلم کیا تھا، اور ہر قسم کی حمد اللہ رب العالمین ہی کے لیے ہے ○

﴿وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا إِلَىٰ أُمَمٍ مِّن قَبْلِكَ﴾ اور ہم نے آپ سے پہلے بہت سی امتوں کی طرف پیغمبر بھیجے۔“

یعنی ہم نے سابقہ اور گزرے ہوئے زمانوں میں رسول بھیجے۔ انہوں نے ہمارے رسولوں کو جھٹلایا اور ہماری آیات

کا انکار کیا ﴿فَآخَذْنَاهُمْ بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ﴾ ”ہم انہیں سختیوں اور تکلیفوں میں پکڑتے رہے۔“ یعنی ان پر رحم

کرتے ہوئے فقر و مرض اور آفات و مصائب کے ذریعے سے ان کی گرفت کی ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُونَ﴾ ”تاکہ وہ

عاجزی کریں۔“ شاید کہ وہ اللہ کے پاس عاجزی سے گڑگڑائیں اور سختی کے وقت اس کے پاس پناہ طلب کریں۔

﴿فَلَوْلَا إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا تَضَرَّعُوا وَلَكِنْ قَسَتْ قُلُوبُهُمْ﴾ ”پس کیوں نہ گڑگڑائے جب آیا ان پر عذاب

ہمارا، لیکن سخت ہو گئے دل ان کے، یعنی ان کے دل پتھر ہو گئے ہیں جو حق کے سامنے نرم نہیں پڑتے ﴿وَزَيَّنَ لَهُمُ

الشَّيْطَانُ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ”اور بھلے کر دکھائے ان کو شیطان نے جو کام وہ کر رہے تھے“ اس لئے وہ سمجھتے رہے

کہ جس راستے پر وہ گامزن ہیں یہی دین حق ہے۔ پس وہ اپنے باطل میں غلطیاں کچھ عرصہ فائدہ اٹھاتے ہیں اور

شیطان ان کی عقلوں کے ساتھ کھیلتا ہے۔

﴿فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمُ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ﴾ ”پھر جب وہ بھول گئے اس نصیحت کو

جوان کو کی گئی تھی تو کھول دیئے ہم نے ان پر دروازے ہر چیز کے، یعنی ان پر دنیا، اس کی لذتوں اور اس کی غفلتوں کے دروازے کھول دیئے ﴿حَتَّىٰ إِذَا فَرِحُوا بِمَا أُوتُوا أَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً فَإِذَا هُمْ مُبْلِسُونَ﴾ ”یہاں تک کہ جب وہ خوش ہوئے ان چیزوں پر جو ان کو دی گئیں تو ہم نے ان کو اچانک پکڑ لیا، پس اس وقت وہ ناامید ہو کر رہ گئے، یعنی وہ ہر بھلائی سے مایوس ہو گئے۔ یہ عذاب کی سخت ترین نوعیت ہے کہ انہیں اچانک غفلت اور اطمینان کی حالت میں پکڑ لیا جائے تاکہ ان کی سزا سخت اور مصیبت بہت بڑی ہو۔ ﴿فَقَطَّعَ دَابِرَ الْقَوْمِ الَّذِينَ ظَلَمُوا﴾ ”پھر کٹ گئی جڑ ظالموں کی، یعنی عذاب سے وہ برباد ہو گئے اور ان کے تمام اسباب منقطع ہو گئے ﴿وَالْحَسْبُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ”اور تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو سارے جہانوں کا پالنے والا ہے۔“ اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر نے جھٹلانے والوں کی جو ہلاکت مقدر کی ہے اس پر پروردگار عالم کی تعریف ہے، کیونکہ اسی سے اللہ تعالیٰ کی آیات اس کے اولیا کی عزت و تکریم اس کے دشمنوں کی ذلت و رسوائی اور رسولوں کی تعلیمات کی سچائی ظاہر ہوتی ہے۔

قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ مَنَ إِلَهٌ غَيْرُ

کہہ دیجئے، مجھے بتلاؤ! اگر چھین لے اللہ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور مہر لگا دے تمہارے دلوں پر تو کون معبود ہے سوائے

اللَّهُ يَأْتِيكُمْ بِهِ ۗ أَنْظُرْ كَيْفَ نَصَرَفُ الْآيَاتِ ثُمَّ هُمْ يَصِدُّونَ ﴿۳۵﴾ قُلْ أَرَأَيْتُمْ

اللہ کے حوالہ دے نہیں یہ (چیزیں)؟ دیکھیے اس طرح پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں ہم آیتیں پھر بھی وہ اعراض کرتے ہیں ○ کہہ دیجئے مجھے بتلاؤ!

إِنْ أَنْتُمْ عَدَابُ اللَّهِ بَغْتَةً أَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلِكُ إِلَّا الْقَوْمَ الظَّالِمُونَ ﴿۳۵﴾

اگر آجائے تم پر عذاب اللہ کا یکایک یا علانیہ، تو نہیں ہلاک کیے جائیں گے مگر ظالم لوگ ہی ○

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ جس طرح وہ تمام کائنات کی تخلیق و تدبیر میں متفرد ہے اسی طرح وہ وحدانیت اور الوہیت میں بھی متفرد ہے۔ فرمایا: ﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَخَذَ اللَّهُ سَمْعَكُمْ وَأَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلَىٰ قُلُوبِكُمْ﴾ ”کہہ دیجئے، بتلاؤ! اگر اللہ تعالیٰ چھین لے تمہارے کان اور آنکھیں اور مہر لگا دے تمہارے دلوں پر، یعنی تم اس حالت میں باقی رہ جاؤ کہ تمہاری سماعت ہونہ بصارت اور نہ سوچنے سمجھنے کی قوت ﴿مَنْ إِلَهٌ غَيْرُ اللَّهِ يَأْتِيكُمْ بِهِ﴾ ”تو کون ایسا معبود ہے اللہ کے سوا جو تم کو یہ چیزیں لادے؟“ جب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہستی ایسی نہیں جو یہ چیز عطا کر سکے تو پھر تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسی ہستیوں کی عبادت کیوں کرتے ہو جن کے پاس کچھ بھی قدرت و اختیار نہیں مگر جب اللہ چاہے۔

یہ آیت کریمہ توحید کے اثبات اور شرک کے بطلان کی دلیل ہے اس لئے فرمایا: ﴿أَنْظُرْ كَيْفَ نَصَرَفُ الْآيَاتِ﴾ ”دیکھو! ہم کیوں کر طرح طرح سے بیان کرتے ہیں باتیں، یعنی ہم اپنی آیات کو کس طرح متنوع بناتے ہیں، ہم ہر اسلوب میں اپنی نشانی لاتے ہیں، تاکہ حق روشن اور مجرموں کی راہ واضح ہو جائے ﴿ثُمَّ هُمْ يَصِدُّونَ﴾ ”پھر

بھی وہ اعراض کرتے ہیں۔ یعنی اس کا مل تبیین و توضیح کے باوجود بھی یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی آیتوں سے روگردانی اور اعراض کرتے ہیں۔ ﴿قُلْ أَرَأَيْتُمْ﴾ یعنی مجھے خبر دو ﴿إِنْ أَنْتُمْ عَذَابَ اللَّهِ بَغْتَةً أَوْ جَهْرًا﴾ ”اگر تم پر اللہ کا عذاب بے خبری میں یا خبر آنے کے بعد آئے“ یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب اچانک آ جائے یا اس عذاب کے مقدمات ظاہر ہو جائیں جن سے تمہیں اس عذاب کے وقوع کا علم ہو جائے ﴿هَلْ يَهْدِيكُمْ إِلَّا الْقَوْمَ الظَّالِمُونَ﴾ ”تو کیا ظالموں کے سوا کوئی اور بھی ہلاک ہوگا۔“ یعنی وہی ظالم لوگ ہلاک ہوں گے جو اپنے ظلم و عناد کی وجہ سے اس عذاب کے وقوع کا سبب بنے۔ اس لئے ظلم پر قائم رہنے سے بچو، کیونکہ ظلم ابدی ہلاکت اور دائمی بدبختی ہے۔

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ فَمَنْ آمَنَ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ

اور نہیں بھیجتے ہم رسولوں کو مگر بشارت دینے اور ڈرانے والے بنا کر پھر جو شخص ایمان لے آئے اور اصلاح کر لے تو نہیں کوئی خوف ہوگا

عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا يَسْهُمُ الْعَذَابُ

ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو پہنچے گا انہیں عذاب

بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٣٩﴾

بوجہ اس کے جو تھے وہ نافرمانی کرتے

اللہ تبارک و تعالیٰ اس چیز کا خلاصہ بیان فرماتا ہے جس کے ساتھ اس نے رسولوں کو بھیجا اور وہ ہے تبشیر اور انذار۔ یہ چیز مُبَشِّرٌ مُبَشِّرٌ بہ اور ان اعمال کے بیان کو مستلزم ہے کہ جب بندہ ان کو بجالاتا ہے تو اسے بشارت حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح یہ مُنذِرٌ مُنذِرٌ بہ اور ایسے اعمال کے بیان کو لازم قرار دیتی ہے کہ بندہ جب ان اعمال کا ارتکاب کرتا ہے تو انذار کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ لوگ انبیاء و مرسلین کی دعوت پر لبیک کہنے یا ان کی دعوت کا جواب نہ دینے کے اعتبار سے دو اقسام میں منقسم ہیں ﴿فَمَنْ آمَنَ وَأَصْلَحَ﴾ ”پھر جو شخص ایمان لائے اور اصلاح کر لے یعنی جو اللہ تعالیٰ اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اس کے رسولوں اور یوم آخرت پر ایمان لاتے ہیں اور اپنے ایمان اعمال اور نیت کی اصلاح کرتے ہیں ﴿فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ﴾ ”تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہوگا“ آنے والے امور سے انہیں کوئی خوف نہ ہوگا ﴿وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ ”اور نہ وہ غم زدہ ہوں گے۔“ اور گزرے ہوئے امور پر وہ غمزدہ نہ ہوں گے۔

﴿وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا يَسْهُمُ الْعَذَابُ﴾ ”اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا ان کو عذاب پہنچے

گا“ اور وہ اس کا سزا چکھیں گے ﴿بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ﴾ ”اس پاداش میں کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے۔“

قُلْ لَا أَقُولُ لَكُمْ عِنْدِي خَزَائِنُ اللَّهِ وَلَا أَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَا أَقُولُ لَكُمْ إِنِّي

کہہ دیجئے انہیں کہتا میں تم سے کہ میرے پاس خزانے ہیں اللہ کے اور نہ میں جانتا ہوں غیب اور نہیں کہتا میں تم سے کہ یقیناً میں

مَلِكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيْ طَقُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ط

فرشتہ ہوں، نہیں پیروی کرتا میں مگر اسی چیز کی جو وحی کی جاتی ہے میری طرف۔ کہہ دیجئے! کیا برابر ہو سکتا ہے نابینا اور بینا؟

اَفَلَا تَتَّفَكَّرُوْنَ ط

کیا پس نہیں غور کرتے تم ؟ ط

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ وہ معجزات کا مطالبہ کرنے والوں سے کہہ دیں یا جو آپ سے یہ کہتے ہیں کہ ”تو صرف اس لئے ہمیں دعوت دیتا ہے کہ ہم تجھے بھی اللہ کے ساتھ الہ مان لیں“ ﴿ لَا اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَايِنُ اللّٰهِ ﴾ ”میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں“ یعنی اللہ تعالیٰ کے رزق اور رحمت کی کنجیاں ﴿ وَلَا اَعْلَمُ الْغَيْبِ ﴾ ”اور نہ میں غیب جانتا ہوں“ غیب کا علم تو تمام تر اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے جس کی صفت ہے: ﴿ مَا يَفْتَحُ اللّٰهُ لِلنّٰسِ مِنْ رَحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَمَا يُمْسِكُ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْ بَعْدِهٖ ﴾ (فاطر: ۲۱۳۵) ”اللہ تعالیٰ لوگوں پر رحمت کا جو دروازہ کھول دے اسے کوئی بند کرنے والا نہیں اور جو دروازہ وہ بند کر دے تو اس کے بعد کوئی کھول نہیں سکتا۔“ یعنی وہ اکیلا ہی ہے جو غائب اور موجود کا علم رکھتا ہے ﴿ فَلَا يُظْهَرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ ﴾ (الحج: ۲۶، ۲۷) ”وہ کسی پر اپنے غیب کو ظاہر نہیں کرتا سوائے اس رسول کے جسے وہ پسند کرے۔“

﴿ وَلَا اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلِكٌ ﴾ ”اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میں فرشتہ ہوں“ کہ میں اللہ تعالیٰ کے تصرفات کو نافذ کرنے والا ہوں، میں اپنے اس مرتبہ و مقام سے بڑھ کر کوئی دعویٰ نہیں کرتا جس پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے مجھے فائز کیا ہے۔ ﴿ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰى اِلَيْ ﴾ ”میں تو صرف اس حکم پر چلتا ہوں جو مجھے آتا ہے۔“ یعنی یہ میرے معاملے کی غایت و انتہا ہے، میں وحی کے سوا کسی چیز کی پیروی نہیں کرتا، میں خود بھی اس پر عمل کرتا ہوں اور تمام مخلوق کو بھی اسی پر عمل کرنے کی دعوت دیتا ہوں۔ جب میں نے اپنا مرتبہ اور مقام پہچان لیا ہے تو تلاش کرنے والا میرے پاس کیا چیز تلاش کرتا ہے یا مجھ سے ایسی کس چیز کا مطالبہ کرتا ہے جس کا میں نے کبھی دعویٰ ہی نہیں کیا۔ کیا انسان پر اس کے سوا کوئی چیز لازم ہے جس کے وہ درپے ہے؟ جب میں تمہیں اس چیز کی طرف بلاتا ہوں جو میری طرف وحی کی گئی ہے، تو تم کس بنا پر مجھ پر یہ لازم کرتے ہو کہ میں کسی ایسی چیز کا دعویٰ کروں جو میرے مرتبہ کے شایان نہیں، کیا یہ محض تمہارا ظلم، عناد اور سرکشی نہیں؟

جو آپ کی دعوت قبول کرتے ہیں اور آپ کی طرف بھیجی گئی وحی کی اتباع کرتے ہیں اور جو ایسا نہیں کرتے ان کے درمیان فرق واضح کرتے ہوئے کہہ دیجئے! ﴿ قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ اَفَلَا تَتَّفَكَّرُوْنَ ﴾ ”کہہ دیجئے! کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا تم غور نہیں کرتے؟“ کیا تم غور و فکر نہیں کرتے کہ تمام اشیا کو ان

کے اپنے مرتبے اور مقام پر رکھو اور اسی چیز کو اختیار کرو جو اختیار کئے جانے اور ترجیح دیے جانے کی مستحق ہے۔

وَأَنْذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْ يُحْشَرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِنْ دُونِهِ

اور ڈرائیں آپ اسکے ذریعے انکو جو ڈرتے ہیں اس سے کہ وہ اکٹھے کئے جائیں گے اپنے رب کی طرف نہیں ہوگا انکا اس کے سوا

وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ

کوئی دوست اور نہ کوئی سفارشی تاکہ وہ تقویٰ اختیار کریں ○ اور مت دور کریں ان لوگوں کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو بیچ

وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ

اور شام چاہتے ہیں وہ چہرہ اس کا نہیں ہے آپ کے ذمے ان کے حساب میں سے کچھ اور نہیں ہے آپ کے حساب میں سے

عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُونَ مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۵۲﴾ وَكَذَلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ

انکے ذمے کچھ کہ دور کریں آپ انکو (ایسا کیا) تو ہو جائیں گے آپ ظالموں سے (۵۲) اور اسی طرح فتنے میں ڈالا ہم نے انکے ایک کو

بِبَعْضٍ لِيَقُولُوا أَهَؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ

دوسرے کے ذریعے سے تاکہ کہیں وہ کیا یہی لوگ ہیں کہ احسان کیا اللہ نے ان پر ہمارے درمیان میں سے؟ کیا نہیں ہے اللہ خوب جانتا

بِالشَّاكِرِينَ ﴿۵۳﴾ وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ

شکر کر نیوالوں کو؟ ○ اور جب آئیں آپکے پاس وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں ہماری آیات پر تو کہہ دیجئے سلام ہو تم پر لازم کر لیا ہے

رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَا أَنَّهُ مَن عَمِلَ مِنْكُمْ سُوءًا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ

تمہارے رب نے اوپر اپنے نفس کے مہربانی کرنا بے شک جو شخص عمل کرے تم میں سے برا جہالت سے پھر وہ توبہ کرے

مِنْ بَعْدِهِ وَأَصْلَحَ فَإِنَّهُ عَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذَلِكَ نُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ لَّا

انکے بعد اور اصلاح کرے لے تو یقیناً وہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے ○ اور اسی طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیات کو تاکہ واضح ہو جائے

سَبِيلُ الْمُجْرِمِينَ ﴿۵۵﴾

راستہ مجرموں کا ○

یہ قرآن تمام مخلوق کے لئے انداز ہے مگر اس سے صرف وہی لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں ﴿الَّذِينَ يَخَافُونَ أَنْ

يُحْشَرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ﴾ ”جو اس حقیقت کا خوف رکھتے ہیں کہ انہیں ان کے رب کے پاس اکٹھے کئے جانا ہے۔“

پس انہیں پورا پورا یقین ہے کہ وہ اس گھر سے منتقل ہو کر آخرت کے ہمیشہ رہنے والے گھر میں داخل ہوں گے۔ وہ

اپنے ساتھ وہی کچھ رکھتے ہیں جو ان کو فائدہ دیتا ہے اور اسے چھوڑ دیتے ہیں جو انہیں نقصان دیتا ہے۔

﴿لَيْسَ لَهُمْ مِنْ دُونِهِ﴾ ”نہیں ہوگا ان کے لئے اس کے بغیر“ یعنی اللہ کے بغیر ﴿وَلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ﴾

”کوئی دوست اور نہ سفارشی“ یعنی کوئی ایسی ہستی نہیں ہوگی جو ان کے معاملے کی سرپرستی کر سکے جس سے ان کا

مطلوب حاصل ہو جائے اور ان سے تکلیف دور ہو جائے، نہ ان کا کوئی سفارشی ہوگا، کیونکہ تمام مخلوق کے پاس کوئی اختیار نہیں ﴿لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴾ ”تا کہ وہ پرہیزگار بنیں۔“ شاید وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی اطاعت اور اس کے نواہی سے اجتناب کے ذریعے سے تقویٰ اختیار کریں۔ کیونکہ انذارِ تقویٰ کا موجب اور اس کے اسباب میں سے ایک سبب ہے۔ ﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُمْ بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ﴾ ”اور مت دور کیجئے ان لوگوں کو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں، چاہتے ہیں اسی کا چہرہ“ یعنی دوسروں کی مجالست کی امید میں اہل اخلاص اور اہل عبادت کو اپنی مجلس سے دور نہ کیجئے جو ہمیشہ اپنے رب کو پکارتے رہتے ہیں، ذکر اور نماز کے ذریعے سے اس کی عبادت کرتے ہیں، صبح و شام اس سے سوال کرتے ہیں اور اس سے ان کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کا چہرہ ہے۔ اس مقصدِ حلیل کے سوا ان کا کوئی اور مقصد نہیں۔ بنا بریں یہ لوگ اس چیز کے مستحق نہیں کہ انہیں اپنے سے دور کیا جائے یا ان سے روگردانی کی جائے بلکہ یہ لوگ تو آپ ﷺ کی موالات، محبت اور قربت کے زیادہ مستحق ہیں، کیونکہ یہ مخلوق میں سے چنے ہوئے لوگ ہیں اگرچہ یہ فقرا اور نادار ہیں اور یہی درحقیقت اللہ کے ہاں باعزت لوگ ہیں اگرچہ یہ لوگوں کے نزدیک گھٹیا اور کم مرتبہ ہیں۔

﴿مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِنْ شَيْءٍ﴾ ”نہیں ہے آپ پر ان کے حساب میں سے کچھ اور نہ آپ کے حساب میں سے ان پر ہے کچھ“ یعنی ہر شخص کے ذمہ اس کا اپنا حساب ہے اس کا نیک عمل اسی کے لئے ہے اور برے عمل کی شامت بھی اسی پر ہے ﴿فَتَطْرُدْهُمْ فَتَكُونُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾ ”پس اگر ان کو دور کرو گے تو ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔“ رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی پوری طرح پیروی کی، چنانچہ جب آپ ﷺ فقرائے مومنین کی مجلس میں بیٹھے تو دلجمعی سے ان کے ساتھ بیٹھے، ان کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آتے، ان کے ساتھ حسن خلق اور نرمی کا معاملہ کرتے اور انہیں اپنے قریب کرتے بلکہ آپ ﷺ کی مجلس میں زیادہ تر یہی لوگ ہوتے تھے۔

ان آیات کریمہ کا سبب نزول یہ ہے کہ قریش میں سے یا اعراب میں سے چند اجڈ لوگوں نے آپ ﷺ سے کہا کہ اگر تم چاہتے ہو کہ ہم تم پر ایمان لائیں اور تمہاری پیروی کریں تو فلاں فلاں شخص جو کہ فقرائے صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے اپنے پاس سے اٹھا دو، کیونکہ ہمیں شرم آتی ہے کہ عرب ہمیں ان گھٹیا لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے دیکھیں۔ ان معترضین کے اسلام لانے اور ان کے اتباع کرنے کی خواہش کی بنا پر آپ ﷺ کے دل میں بھی یہ خیال آیا، مگر اللہ تعالیٰ نے اس آیت اور اس جیسی دیگر آیات کے ذریعے سے آپ کو ایسا کرنے سے منع فرمایا۔

﴿وَكَذَلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِيَقُولُوا أَهَؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنْ بَيْنِنَا﴾ ”اور اسی طرح ہم نے آزمایا ہے بعض لوگوں کو بعضوں سے، تا کہ کہیں کیا یہی لوگ ہیں جن پر ہمارے درمیان میں سے اللہ نے فضل

کیا؟“ یعنی یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کی آزمائش ہے کہ اس نے بعض کو خوشحال بنایا اور بعض کو محتاج اور تنگ دست پیدا کیا۔ بعض کو صاحب شرف پیدا کیا، بعض کو گھٹیا اور کم تر۔ جب اللہ تبارک و تعالیٰ کسی نادار اور کم تر شخص کو ایمان عطا کر کے اس پر احسان کرتا ہے تو یہ چیز خوشحال اور بلند مرتبہ شخص کے لئے امتحان کا باعث ہوتی ہے۔ اگر اس کا مقصد اتباع حق ہے تو وہ ایمان لا کر مسلمان ہو جاتا ہے اور اسے ایمان لانے سے اس شخص کی مشارکت نہیں روک سکتی جس کو وہ مال و دولت اور جاہ و مرتبہ میں اپنے سے کم تر خیال کرتا ہے۔ اگر وہ طلب حق میں سچا نہیں تو یہ وہ گھائی ہے جو اسے اتباع حق سے روک دیتی ہے۔ جن کو وہ اپنے آپ سے کم تر خیال کرتے ہیں ان کو حقیر گردانتے ہوئے کہتے ہیں: ﴿أَهْوَأَآءَ مَنَ اللّٰهُ عَلَيْهِم مِّنْ بَيْنِنَا﴾ ”کیا یہی لوگ ہیں جن پر ہمارے درمیان میں سے اللہ نے فضل کیا؟“ اسی چیز نے ان کی عدم طہارت کے باعث ان کو اتباع حق سے روک دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس کلام کا جو اللہ تعالیٰ پر اعتراض کو متضمن ہے کہ اس نے ان کو ہدایت سے نواز دیا اور ان کو محروم کر دیا۔۔۔ جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ﴾ ”کیا نہیں ہے اللہ خوب جاننے والا شکر کرنے والوں کو؟“ جو اللہ تعالیٰ کی نعمت کو پہچانتے ہیں اور اس کا اعتراف کرتے ہیں اور اس کے تقاضوں کے مطابق عمل صالح کرتے ہیں پس اللہ تعالیٰ ایسے ہی کو اپنے فضل و احسان سے نوازتا ہے نہ کہ ان کو جو اس کے شکر گزار نہیں ہوتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ حکمت والا ہے وہ اپنے فضل و کرم سے کسی ایسے شخص کو نہیں نوازتا جو اس کا اہل نہ ہو اور یہ معترضین اسی وصف کے مالک ہیں۔ اس کے برعکس جن فقرا کو اللہ تعالیٰ نے ایمان سے نوازا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے شکر گزار لوگ ہیں۔

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو اپنے مطیع مومن بندوں کو دور کرنے سے روک دیا تو ان کفار کے مقابلے میں انہیں اکرام، تعظیم، عزت اور احترام سے پیش آنے کا حکم دیا چنانچہ فرمایا: ﴿وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِآيَاتِنَا فَقُلْ سَلَمٌ عَلَيْكُمْ﴾ ”جب آپ کے پاس ایسے لوگ آیا کریں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو انہیں السلام علیکم کہیں۔“ یعنی جب اہل ایمان آپ کی خدمت میں حاضر ہوں تو آپ ان کو سلام کہیں، ان کو خوش آمدید کہیں۔ سلام و تحیات سے ان کا استقبال کریں اور انہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے جود و احسان کی بشارت دیں جو ان کے عزائم اور ارادوں میں نشاط پیدا کرے اور انہیں منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے ہر راستہ اور ہر سبب اختیار کرنے کی ترغیب دیں۔ ان کو گناہوں پر قائم رہنے سے ڈرائیں اور انہیں گناہوں سے توبہ کرنے کا حکم دیں تاکہ وہ اپنے رب کی مغفرت اور اس کے جود و کرم کو پا سکیں۔ ﴿كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلَىٰ نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ إِنَّكَ مِّنْ عَمَلِكُمْ سَوَاءٌ وَإِنِ ابْتِغَىٰ وَجْهَكَ لِلدُّنْيَا لَمَلِكٌ مُّوَدِّعٌ يُّؤْتِي السَّالِفِينَ مِمَّا كَسَبُوا وَهُوَ وَاسِعٌ﴾ ”لکھ لیا ہے تمہارے رب نے اپنے اوپر رحمت کو جو کوئی کرے تم میں سے برائی، ناواقفیت سے، پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور نیک ہو جائے،“ یعنی (قبولیت توبہ کے

لئے) گناہوں کو ترک کرنا، ان کا قلع قمع کرنا، ان پر نادم ہونا اور اعمال کی اصلاح کرنا ضروری ہے نیز ان امور کی ادائیگی جن کو اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا ہے اور جو ظاہری اور باطنی اعمال فاسد ہو چکے ہیں ان کی اصلاح کرنا ضروری ہے۔ جب یہ تمام امور موجود ہوں ﴿فَأَنذَرْتُكَ عَفْوَرٌ رَّحِيمٌ﴾ تو بات یہ ہے کہ وہ بخشنے والا مہربان ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو جن امور کا حکم دیا ہے اس کی بجا آوری کے مطابق ان پر اپنی مغفرت اور رحمت کا فیضان کرتا ہے۔ ﴿وَكَذَلِكَ نَقُصُّكَ الْآيَاتِ﴾ اور اسی طرح ہم اپنی آیات کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔ یعنی اسی طرح ہم اپنی آیات کو واضح کرتے ہیں، مگر اسی میں سے ہدایت کے راستے کو تمیز کرتے ہیں، رشد و ہدایت اور ضلالت میں فرق کرتے ہیں تاکہ راہ ہدایت پر چلنے والے ہدایت پالیں، تاکہ حق کا راستہ عیاں ہو جائے جس پر گامزن ہونا چاہئے۔

﴿وَلِتَسْتَبِينَ سَبِيلَ الْمَجْرُمِينَ﴾ اور تاکہ مجرموں کا راستہ واضح ہو جائے، جو اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے عذاب تک پہنچاتا ہے، کیونکہ جب مجرموں کا راستہ ظاہر اور صاف واضح ہو جاتا ہے تو اس سے اجتناب کرنا اور اس سے دور رہنا آسان ہو جاتا ہے۔ اور اس کے برعکس اگر راستہ مشتتب اور غیر واضح ہو تو یہ مقصد جلیل حاصل نہیں ہو سکتا۔

قُلْ إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ قُلْ لَآ أَتَّبِعُ
کہہ دیجئے! یقیناً میں روک دیا گیا ہوں اس سے کہ عبادت کروں ان کی جنہیں تم پکارتے ہو سوائے اللہ کے کہہ دیجئے! نہیں پیچھے چلتا میں
أَهْوَاءِكُمْ ۚ قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿۵۶﴾ قُلْ إِنِّي عَلَىٰ بَيِّنَةٍ

تمہاری خواہشات کے، تحقیق گمراہ ہو جاؤں گا میں اس وقت اور نہ ہوں گا میں ہدایت پانے والوں سے کہہ دیجئے! یقیناً میں دلیل پر ہوں
مَنْ رَبِّي وَكَذَّبْتُمْ بِهِ ۚ مَا عِنْدِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ ۚ إِنَّ الْحُكْمَ لِلَّهِ ط
اپنے رب کی طرف سے اور جھٹلایا تم نے اسے نہیں ہے میرے پاس وہ چیز کہ جلدی طلب کر رہے ہو تم اسکو نہیں ہے حکم مگر اللہ ہی کا
يَقْضُ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفَصِيلِينَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَوْ أَنَّ عِنْدِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ
بیان فرماتا ہے وہ حق بات اور وہ بہترین فیصلہ کرینو والا ہے کہہ دیجئے! اگر میرے پاس ہوتی وہ چیز کہ جلدی طلب کر رہے ہو تم

بِهِ لَقَضَى الْأَمْرَ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالظَّالِمِينَ ﴿۵۸﴾

اس کو تو فیصلہ کر دیا جاتا معاملے کا میرے درمیان اور تمہارے درمیان اور اللہ خوب جانتا ہے ظالموں کو

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے: ﴿قُلْ﴾ ان مشرکین سے کہہ دیجئے جو اللہ کے ساتھ دوسرے معبودوں کو بھی پکارتے ہیں ﴿إِنِّي نُهِيتُ أَنْ أَعْبُدَ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو مجھے ان کی عبادت سے منع کیا گیا ہے۔ یعنی مجھے منع کیا گیا ہے کہ میں اللہ کی بجائے اللہ کے بناوٹی ہمسروں اور بتوں کی عبادت کروں جو کسی نفع و نقصان کے مالک ہیں نہ موت و حیات اور دوبارہ اٹھانے کا کوئی اختیار رکھتے ہیں۔ یہ سب باطل ہے۔ اس میں تمہارے لئے کوئی دلیل ہے نہ اس کے باطل ہونے میں کوئی شبہ

ہے۔ سوائے خواہشاتِ نفس کی پیروی کے جو سب سے بڑی گمراہی ہے۔

بنابریں فرمایا: ﴿قُلْ لَّا أَتَّبِعُ أَهْوَاءَكُمْ قَدْ ضَلَلْتُ إِذًا﴾ ”کہہ دیجئے میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کرتا بیشک تب میں بہک جاؤں گا“ یعنی اگر میں تمہاری خواہشات کی پیروی کروں تو گمراہ ہو جاؤں گا ﴿وَمَا أَنَا مِنَ الْمُهْتَدِينَ﴾ ”اور کسی پہلو سے بھی راہِ راست پر نہیں رہوں گا۔“ رہی وہ توحید اور اخلاصِ عمل جن پر میں عمل پیرا ہوں تو یہی حق ہے جس کی تائید واضح براہین اور قطعی دلائل کرتے ہیں۔

﴿عَلَىٰ بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّي﴾ ”میں تو اپنے رب کی دلیل روشن پر ہوں۔“ آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اس قرآن کی صحت اور اس کے ماسوا کے بطلان کا واضح یقین رکھتا ہوں۔ یہ رسول کی طرف سے قطعی شہادت ہے جو ہر قسم کے تردد سے پاک ہے۔ رسول علی الاطلاق سب سے عادل گواہ ہوتا ہے۔ اہل ایمان نے رسول کی گواہی کی تصدیق کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو جس ایمان سے نوازا ہے اس ایمان کے مطابق ان کے ہاں اس شہادت کی صحت اور صداقت متحقق ہے۔

﴿وَمَا كُنَّا بِمُشْرِكِيكُمْ﴾ ”تم نے اس کی تکذیب کی“ اور یہ تمہاری طرف سے اس سلوک کا مستحق نہ تھا تصدیق کے سوا کوئی اور سلوک اس کے شایانِ شان نہ تھا۔ جب تم تکذیب پر مصر ہو تو جان رکھو کہ لامحالہ عذاب تم پر واقع ہونے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ عذاب مقرر ہے وہ جب چاہے گا اور جیسے چاہے گا تم پر نازل کرے گا۔

اگر تم جلدی مچاتے ہو تو معاملہ میرے اختیار میں نہیں ﴿إِنَّ الْحُكْمَ لِلَّهِ﴾ ”حکم صرف اللہ کا ہے“ جس طرح اس نے اوامر و نواہی میں اپنا حکم شرعی نافذ کیا ہے اسی طرح وہ حکم جزائی نافذ کرے گا اور اپنی حکمت کے تقاضوں کے مطابق ثواب و عقاب دے گا۔ پس اس کے فیصلے پر اعتراض درخور اعتنائیں۔ اللہ تعالیٰ نے راہِ حق کو واضح کر دیا ہے اور اپنے بندوں کے سامنے حق بیان کر کے ان کا عذر ختم کر دیا اور یوں ان کی حجت منقطع ہو گئی تا کہ جو ہلاک ہو تو وہ دلیل کے ساتھ ہلاک ہو اور جو زندہ رہے وہ دلیل کے ساتھ زندہ رہے۔ ﴿وَهُوَ خَيْرُ الْفَاصِلِينَ﴾ ”وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔“ وہ دنیا و آخرت میں اپنے بندوں کے درمیان بہترین فیصلہ کرنے والا ہے وہ ان کے درمیان ایسا فیصلہ کرتا ہے جس پر اس کی تعریف کی جاتی ہے حتیٰ کہ وہ بھی تعریف کئے بغیر نہیں رہتا جس کے خلاف فیصلہ ہوتا ہے اور وہ حق کو واضح اور متعین کر دیتا ہے۔

﴿قُلْ﴾ ان لوگوں سے کہہ دیجئے جو جہالت، عناد اور ظلم کی بنا پر عذاب کے لئے جلدی مچا رہے ہیں ﴿لَوْ أَنِّي عِنْدِي مَا تَسْتَعْجِلُونَ بِهِ لَفُضِيَ الْأَمْرُ بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ﴾ ”اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کی تم جلدی کر رہے ہو تو طے ہو چکا ہوتا جھگڑا میرے اور تمہارے درمیان“ پس میں تم پر عذاب واقع کر دیتا۔ اس جلدی مچانے میں

تمہارے لئے بھلائی نہیں۔ لیکن تمام تر معاملہ اللہ تعالیٰ کے قبضہ اختیار میں ہے جو نہایت بردبار اور صبر کرنے والا ہے۔ نافرمان اس کی نافرمانی کرتے ہیں اور گناہوں کا ارتکاب کرنے والے اس کے سامنے بڑی جرأت سے گناہ کرتے ہیں مگر وہ ان سے درگزر کرتا ہے ان کو رزق عطا کرتا ہے اور ان کو ظاہری اور باطنی نعمتوں سے بھی نوازتا ہے ﴿وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِالظَّالِمِينَ﴾ اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے، ان کے احوال میں سے کوئی چیز اس سے چھپی ہوئی نہیں ہے، پس وہ ان کو مہلت دیتا ہے مگر مہل نہیں چھوڑتا۔

وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَا

اور اسی کے پاس ہیں چابیاں غیب کی، نہیں جانتا انہیں کوئی بھی مگر وہی اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی اور تری میں ہے اور نہیں

تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٌ فِي ظِلْمِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٌ

گرتا کوئی پتا بھی مگر وہ جانتا ہے اس کو اور نہیں کوئی دانہ اندھیروں میں زمین کے اور نہ کوئی تر چیز

وَلَا يَأْبِسُ إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴿۵۹﴾

اور نہ خشک چیز مگر (سب) کتاب واضح میں ہے ○

یہ آیت کریمہ قرآن مجید کی عظیم ترین آیات میں شمار ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے علم محیط کی تفصیل بیان کرتی ہے جو تمام غیب کو شامل ہے۔ وہ جسے چاہتا ہے اسے ان غیب میں سے کسی پر مطلع کر دیتا ہے۔ اس نے اپنا بہت سا علم عام جہان والے تو کجا ملائکہ مقربین اور انبیاء و مرسلین سے بھی پوشیدہ رکھا ہے۔ صحراؤں اور بیابانوں میں حیوانات، درخت، ریت کے ذرات، نکر اور مٹی سب اس کے علم میں ہیں۔ سمندروں کے جانوروں، ان کی معدنیات، ان کے شکار وغیرہ اور ان تمام اشیا کو وہ جانتا ہے جو ان کے کناروں کے اندر اور ان کے پانیوں میں شامل ہیں۔ ﴿وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ﴾ اور نہیں گرتا کوئی پتا، بحر و بر آبادیوں، بیابانوں اور دنیا و آخرت کے درختوں پر سے اگر کوئی پتا گرتا ہے تو اسے بھی وہ جانتا ہے ﴿وَلَا حَبَّةٌ فِي ظِلْمِ الْأَرْضِ﴾ اور نہیں کوئی دانہ زمین کے اندھیروں میں، یعنی پھل اور کھیتوں کے دانے، وہ بیج جو لوگ زمین میں بوتے ہیں اور جنگلی نباتات کے بیج جن سے مختلف اصناف کی نباتات پیدا ہوتی ہے ﴿وَلَا رَطْبٌ وَلَا يَأْبِسُ﴾ اور نہ کوئی ہری چیز اور نہ کوئی سوکھی چیز، یہ خصوص کے بعد عموم کا ذکر ہے ﴿إِلَّا فِي كِتَابٍ مُبِينٍ﴾ مگر وہ سب کتاب مبین میں ہے، یعنی لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اور لوح محفوظ ان تمام امور کو شامل ہے۔ ان میں سے بعض امور تو بڑے بڑے عقل مندوں کو حیران اور مبہوت کر دیتے ہیں اور یہ چیز رب عظیم کی عظمت اور اس کے تمام اوصاف میں اس کی وسعت پر دلالت کرتی ہے۔ اگر تمام مخلوق کے اولین و آخرین جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کی کسی صفت کا احاطہ کرنا چاہیں تو وہ اس پر قادر نہیں اور نہ ان میں اس کی طاقت ہی ہے۔ نہایت بابرکت ہے رب عظیم کی ذات جو وسعت والی، علم رکھنے والی

قابل تعریف بزرگی والی دیکھنے والی اور ہر چیز کا احاطہ کرنے والی ہے۔ وہ الہ جلیل ہے، کوئی اس کی حمد و ثنا کا شمار نہیں کر سکتا بلکہ وہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے خود اپنی حمد و ثنا بیان کی ہے۔ اس کی جو حمد و ثنا اس کے بندے بیان کرتے ہیں وہ اس سے بہت بڑھ کر ہے۔ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ اس کا علم تمام اشیا کا احاطہ کئے ہوئے اور اس کی کتاب تمام حوادث پر محیط ہے۔

وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُم بِاللَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُم بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثْكُمْ فِيهِ
اور وہی ہے جو فوت کرتا ہے تمہیں رات کو اور جانتا ہے جو کچھ کرتے ہو تم دن میں پھر اٹھاتا ہے تمہیں اس (دن) میں
لِيُقْضَىٰ أَجَلٌ مُّسَمًّى ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٦﴾
تاکہ پورا کیا جائے وقت معین پھر اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے تمہارا پھر خبر دے گا وہ تمہیں اس کی جو تم کرتے
وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمْ
اور وہ غالب ہے اوپر اپنے بندوں کے اور بھیجتا ہے تم پر محافظ (فرشتے) حتیٰ کہ جب آتی ہے کسی ایک کو تم میں سے
الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفِرُّونَ ﴿١١﴾ ثُمَّ رُدُّوْا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقُّ
موت تو فوت کرتے ہیں اسے ہمارے رسول (فرشتے) اور وہ نہیں کٹاتی کرتے پھر لوٹائے جاتے ہیں وہ اللہ کی طرف جو مالک ہے ان کا سچا

إِلَّا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحُسَيْنِ ﴿١٧﴾

خبردار! اسی کے لیے ہے فیصلہ کرنا اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے

یہ آیت کریمہ تمام تر توحید الوہیت کے تحقق، مشرکین کے خلاف دلائل اور اس بیان پر مشتمل ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی محبت، تعظیم، اجلال اور اکرام کا مستحق ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ وہ اکیلا ہی ہے جو بندوں کی ان کے سوتے جاگتے میں تدبیر کرتا ہے وہ رات کو انہیں وفات یعنی نیند کی وفات دیتا ہے ان کی حرکات پر سکون طاری ہو جاتا ہے اور ان کے بدن آرام کرتے ہیں نیند سے بیداری کے بعد وہ ان کو دوبارہ زندہ کرتا ہے تاکہ وہ اپنے دینی اور دنیاوی مصالح میں تصرف کریں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں اور وہ جن اعمال کا اکتساب کرتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان میں اسی طرح تصرف کرتا رہتا ہے حتیٰ کہ وہ اپنی مقررہ مدت پوری کر لیتے ہیں۔ وہ اپنی اس تدبیر کے ذریعے سے ان کی مدت مقررہ کا فیصلہ کرتا ہے یعنی مدت حیات اور اس کے بعد ایک اور مدت ہے اور وہ ہے مرنے کے بعد دوبارہ اٹھنا۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ثُمَّ إِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ﴾ پھر اس کی طرف ہی تمہارا لوٹنا ہے، اس کے سوا اور کسی کی طرف لوٹنا نہیں ہے ﴿ثُمَّ يُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ ”پھر وہ تم کو تمہارے عمل جو تم کرتے ہو بتائے گا۔“ نیک اور بد جو کام بھی تم کرتے رہے ہو اللہ تعالیٰ تمہیں اس سے آگاہ فرمائے گا۔

﴿وَهُوَ﴾ اور وہ، یعنی اللہ تعالیٰ ﴿الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ﴾ غالب ہے اپنے بندوں پر وہ ان پر اپنا ارادہ اور اپنی مشیت عامہ نافذ کرتا ہے۔ بندے کسی چیز کا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر حرکت و سکون کے بھی مالک نہیں۔ بایں ہمہ اس نے اپنے بندوں پر فرشتوں کو محافظ مقرر کر رکھا ہے اور بندے جو عمل کرتے ہیں یہ فرشتے اس کو محفوظ کر لیتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَإِنَّ عَلَيْنَا لَلْحَفِظِينَ كِرَامًا كَاتِبِينَ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ﴾ (الانفطار: ۱۰۱، ۱۰۲-۱۲) اور تم پر نگہبان مقرر ہیں باعزت تمہاری باتوں کو لکھنے والے ہیں جو کچھ تم کرتے ہو وہ اسے جانتے ہیں۔ ارشاد فرماتا ہے ﴿عَنِ الْمِيمِينِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيدٌ ۝ مَا يَلْفُظُونَ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدَيْهِ رَقِيبٌ عَتِيدٌ﴾ (ق: ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۰) اس کے دائیں اور بائیں جانب بیٹھے ہوتے ہیں۔ وہ جب کوئی بات کہتا ہے تو ایک نگہبان اس کے پاس تیار رہتا ہے۔ یہ ان کی زندگی کے احوال میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی حفاظت ہے۔

﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا﴾ ”یہاں تک کہ جب آپہنچے تم میں سے کسی کو موت تو قبضے میں لے لیتے ہیں اس کو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے“ یعنی وہ فرشتے جو روح قبض کرنے پر مقرر ہیں ﴿وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ﴾ اور وہ کوتاہی نہیں کرتے“ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنی قضا و قدر سے جو مدت مقرر کر دی ہے وہ اس میں ایک گھڑی کا اضافہ کر سکتے ہیں نہ ایک گھڑی کی کمی وہ صرف مکتوب الہی اور تقدیر ربانی کو نافذ کرتے ہیں۔

﴿ثُمَّ﴾ ”پھر“ موت اور حیات برزخ کے بعد اور جو کچھ اس میں خیر و شر ہے ﴿رُدُّوۡا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ﴾ ”پہنچائے جائیں گے وہ اللہ کی طرف جو ان کا سچا مالک ہے“ یعنی وہ مولائے حق اپنے حکم قدری کے مطابق ان کا والی ہے اور ان کے اندر اپنی مختلف انواع کی تدابیر کو نافذ کرتا ہے۔ پھر وہ امر و نہی اور حکم شرعی کے ذریعے سے ان کا والی ہے اس نے ان کی طرف رسول بھیجے اور ان پر کتابیں نازل کیں پھر ان کو اسی کی طرف لوٹایا جائے گا وہ ان میں اپنا حکم جزائی نافذ کرے گا اور ان کو ان کے اچھے اعمال کا ثواب عطا کرے گا اور ان کی بدیوں اور برائیوں کی پاداش میں انہیں عذاب دے گا۔ ﴿اَلَا لَهٗ الْحُكْمُ﴾ ”سن رکھو! حکم اسی کا ہے“ وہ اکیلا جس کا کوئی شریک نہیں، فیصلے کا مالک ہے ﴿وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِیۡنَ﴾ ”اور وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے“ کیونکہ اس کا علم بھی کامل ہے اور اس نے ان کے اعمال کو بھی محفوظ کیا ہوا ہے۔ پہلے اس نے ان کو لوح محفوظ میں ثبت کیا، پھر فرشتوں نے اپنی اس کتاب میں ثبت کیا جو ان کے ہاتھوں میں ہے۔

جب اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی تخلیق و تدبیر میں متفرد ہے اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے وہ اپنے بندوں کو ان کے تمام احوال میں درخور اعتنا سمجھتا ہے، وہی حکم قدری، حکم شرعی اور حکم جزائی کا مالک ہے پھر مشرکین کیوں کر اس ہستی سے روگردانی کر کے جو ان صفات کی مالک ہے ایسی ہستیوں کی بندگی اختیار کرتے ہیں جن کے اختیار میں

کچھ بھی نہیں جو ذرہ بھر نفع کی مالک نہیں اور ان میں کوئی قدرت اور ارادہ نہیں؟

ان کی حالت یہ ہے کہ وہ کھلے عام کفر و شرک کا ارتکاب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی عظمت پر بہتان کی جرأت کرتے ہیں اور وہ ان کو معاف کر دیتا ہے اور ان کو رزق عطا کرتا ہے۔ اللہ کی قسم! اگر انہیں یہ معلوم ہو جائے کہ اللہ تعالیٰ کتنا حلیم ہے اور اس کا غنم اور اس کی رحمت ان پر سایہ کناں ہے تو ان کے داعیے اس کی معرفت کی طرف خود بخود کھینچے چلے آئیں اور ان کی عقل اس کی محبت میں (دیگر ہر شے سے) غافل ہو جائے اور وہ خود اپنے آپ پر سخت ناراض ہوں کیونکہ انہوں نے شیطان کے داعی کی اطاعت کی جو رسوائی اور خسارے کا موجب ہے مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو عقل سے عاری ہیں۔

قُلْ مَنْ يَنْجِيكُمْ مِنْ ظُلْمِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً ۗ لَكِنْ

کہہ دیجئے! کون نجات دیتا ہے تمہیں خشکی اور تری کے اندھیروں سے؟ پکارتے ہو تم اسے عاجزی سے اور چپکے چپکے (کہتے ہو) اگر

اَنْجِنَا مِنْ هٰذَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ ﴿۶۶﴾ قُلِ اللّٰهُ يَنْجِيكُمْ مِنْهَا

وہ نجات دے دے ہمیں اس سے تو ضرور ہو جائیں گے ہم شکر گزاروں سے ○ کہہ دیجئے! اللہ ہی نجات دیتا ہے تمہیں اس سے

وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ مُّشْرِكُوْنَ ﴿۶۷﴾

اور ہر غم سے پھر تم شرک ٹھہراتے ہو ○

﴿قُلْ﴾ ”کہہ دیجیے“ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنے والوں اور اس کے ساتھ دوسرے معبودوں کو پکارنے والوں سے ان کے توحید ربوبیت کے اثبات کو ان کے توحید الوہیت کے انکار پر الزامی دلیل اور حجت بناتے ہوئے کہیے ﴿مَنْ يَنْجِيكُمْ مِنْ ظُلْمِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ ”کون تمہیں نجات دیتا ہے خشکی اور سمندر کی تاریکیوں سے؟“ یعنی جب بحروں کی سختیوں اور مشقتوں سے نجات کا کوئی بھی حلیہ تمہیں مشکل نظر آتا ہے تو تم اپنے رب کو گڑگڑا کر دل کے خشوع و خضوع کے ساتھ اپنی دعائیں اپنی حاجت کے لئے پکارتے ہو اور اپنی اس مصیبت کی حالت میں کہتے ہو: ﴿لَكِنْ اَنْجِنَا مِنْ هٰذَا﴾ ”اگر اس نے ہمیں بچالیا اس سے“ یعنی اس مصیبت سے جس میں ہم گرفتار ہیں ﴿لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ﴾ ”تو ہم ضرور (اللہ تعالیٰ) کے شکر گزار ہوں گے“ اس کی نعمت کا اعتراف کریں گے اور اس نعمت کو اپنے رب کی اطاعت میں استعمال کریں گے اور اس نعمت کو اس کی نافرمانی میں صرف کرنے سے بچیں گے۔ ﴿قُلِ اللّٰهُ يَنْجِيكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ﴾ ”کہہ دیجیے! اللہ ہی تمہیں اس (خاص مصیبت) اور دیگر تمام مصائب سے نجات دلاتا ہے“ ﴿ثُمَّ اَنْتُمْ مُّشْرِكُوْنَ﴾ ”پھر بھی تم شرک کرتے ہو“ تم اللہ کے بارے میں جو کہتے ہو اسے پورا نہیں کرتے اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو فراموش کر دیتے ہو۔ پس شرک کے بطلان اور توحید کی صحت پر اس سے واضح اور کون سی دلیل ہو سکتی ہے؟

قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلَىٰ أَنْ يَبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ

آپ کہہ دیجئے! وہی قادر ہے اوپر اس کے کہ وہ بھیجے تم پر عذاب تمہارے اوپر سے یا نیچے سے

أَرْجُلِكُمْ أَوْ يَلْبَسَكُمْ شِيعًا وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ أَنْظُرْ كَيْفَ

تمہارے پاؤں کے یا غلط ملط کر دے تمہیں مختلف گروہوں میں اور چکھائے تم میں سے بعض کو (مزہ) لڑائی کا بعض سے دیکھیں کیسے

نُصِرِفُ الْآيَاتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ ۝۶۵ وَكَذَّبَ بِهِ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ط

پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں ہم آیات کو تاکہ وہ سمجھیں ○ اور جھٹلایا اس (قرآن) کو آپ کی قوم نے حالانکہ وہ حق ہے

قُلْ لَسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ ط لِكُلِّ نَبِيٍّ مُّسْتَقَرٌّ وَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۝۶۶

کہہ دیجئے! نہیں ہوں میں تم پر نگہبان ○ ہر ایک خبر کا وقت مقرر ہے اور عنقریب تم جان لو گے ○

یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ ہر سمت سے تم پر عذاب بھیجنے پر قدرت رکھتا ہے فرمایا: ﴿مَنْ فَوْقَكُمْ أَوْ مِنْ تَحْتِ أَرْجُلِكُمْ﴾ ”تمہارے اوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے“ ﴿أَوْ يَلْبَسَكُمْ شِيعًا﴾ ”یا تمہیں فرقہ فرقہ کر دے“ یعنی تمہیں مختلف فرقوں میں بانٹ دے ﴿وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ﴾ ”اور چکھادے لڑائی ایک کو ایک کی“ یعنی تمہیں فتنہ میں مبتلا کر دے اور ایک دوسرے کو قتل کرنے لگو۔ پس اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں پر قادر ہے اس لئے اس کی نافرمانی پر قائم رہنے سے بچو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہیں عذاب آ لے اور وہ تمہیں تلف کر کے تمہارا نام و نشان مٹا ڈالے۔ اس کے باوجود کہ اس نے آگاہ فرمایا ہے کہ وہ ہر چیز پر قادر ہے مگر یہ اس کی بے پایاں رحمت کا فیضان ہے کہ اس نے اس امت پر سے اوپر سے پتھر برسنے اور نیچے زمین میں دھنس جانے کے عذاب کو اٹھالیا ہے۔ اس نے اس امت میں سے جس کسی کو بھی عذاب کا مزا چکھایا ہے تو وہ یہ ہے کہ اس نے ایک دوسرے کو ایک دوسرے کی طاقت کا مزا چکھایا ہے اور ان کو ان سزاؤں کے ساتھ ایک دوسرے پر مسلط کر دیا۔ یہ ایک ایسی فوری سزا ہے جسے عبرت پکڑنے والے دیکھ سکتے ہیں اور عمل کرنے والے اسے سمجھ سکتے ہیں۔

﴿أَنْظُرْ كَيْفَ نُصِرِفُ الْآيَاتِ﴾ ”دیکھو ہم آیتوں کو کس کس طرح بیان کرتے ہیں“ یعنی ہم ان آیات کو مختلف انواع میں لاتے ہیں اور بہت سے پہلوؤں سے ان کو بیان کرتے ہیں۔ یہ تمام آیات حق پر دلالت کرتی ہیں ﴿لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُونَ﴾ ”تاکہ یہ لوگ سمجھیں۔“ یعنی شاید وہ اس بات کو سمجھ جائیں کہ انہیں کس چیز کی خاطر پیدا کیا گیا ہے۔ نیز حقائق شرعیہ اور مطالب الہیہ ان کی سمجھ میں آ جائیں۔ ﴿وَكَذَّبَ بِهِ﴾ ”اور اس کو جھٹلایا۔“ یعنی قرآن کو جھٹلایا ﴿قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ﴾ ”آپ کی قوم نے حالانکہ وہ حق ہے“ اور اس میں کوئی شک و شبہ نہیں ﴿قُلْ لَسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيلٍ﴾ ”کہہ دیجئے! میں تم پر داروغہ نہیں ہوں“ کہ تمہارے اعمال کی نگرانی کروں اور اس پر تمہیں بدلہ دوں میں تو صرف پہنچانے والا اور ڈرانے والا ہوں۔

﴿لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ﴾ ”ہر خبر کے لیے ایک وقت مقرر ہے۔“ یعنی ہر خبر کے استقرار کا ایک وقت اور ایک زمانہ ہے جس سے وہ آگے پیچھے نہیں ہو سکتی ﴿وَسَوْفَ تَعْلَمُونَ﴾ ”اور تم کو عنقریب معلوم ہو جائے گا۔“ یعنی جس جس عذاب کی تمہیں وعید سنائی گئی ہے تم اسے عنقریب جان لو گے۔

وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي آيَاتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ ۗ وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ ۚ وَلَٰكِنْ ذِكْرَىٰ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿۶۹﴾

ان لوگوں کے ذمے جو ڈرتے ہیں ان کے حساب میں سے کچھ لیکن صرف نصیحت کرنا تاکہ وہ ڈریں ○

اللہ تبارک و تعالیٰ کی آیات میں جھگڑنے اور مشغول ہونے سے مراد ہے ان کے بارے میں ناحق باتیں کرنا، اقوال باطلہ کی تحسین کرنا، ان کی طرف دعوت دینا، اقوال باطلہ کے قائلین کی مدح کرنا، حق سے روگردانی کرنا اور حق اور اہل حق کی عیب چینی کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے اصولی طور پر اپنے رسول ﷺ کو اور تبعاً تمام اہل ایمان کو حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی کو اللہ تعالیٰ کی آیات کی مذکورہ عیب چینی میں مشغول دیکھیں تو اس سے اعراض کریں۔ باطل میں مشغول لوگوں کی مجالس میں نہ جائیں جب تک کہ وہ کسی اور بحث میں مشغول نہ ہو جائیں۔ اگر وہ آیات الہی کی بجائے کسی اور بحث میں مشغول ہوں تو ان میں بیٹھنا اس ممانعت کے زمرے میں نہیں آئے گا۔ اگر ان میں بیٹھنے میں کوئی راجح مصلحت ہو تو وہ ان میں بیٹھنے پر مامور ہے، اگر ایسا نہ ہو تو یہ بیٹھنا مفید ہے نہ وہ اس پر مامور ہے۔ باطل میں مشغولیت کی مذمت درحقیقت حق میں غور و فکر اور بحث و تحقیق کی ترغیب ہے۔

﴿وَإِمَّا يُنسِيَنَّكَ الشَّيْطَانُ﴾ ”اگر شیطان آپ کو بھلا دے۔“ یعنی اگر آپ کو شیطان بھلا دے اور آپ غفلت و نسیان کی وجہ سے ان کی مجلس میں بیٹھ جائیں ﴿فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرَىٰ مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ ”تو یاد آنے کے بعد ظالموں کے ساتھ نہ بیٹھیں۔“ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ان تمام لوگوں کو شامل ہے جو باطل میں مشغول ہوتے ہیں۔ جو ایسی باتیں کہتے یا کرتے ہیں جن کو حرام ٹھہرایا گیا ہے تو ان لوگوں میں بیٹھنا حرام ہے۔ منکرات کی موجودگی میں جبکہ وہ ان کے ازالے کی قدرت نہ رکھتا ہو، اس مجلس میں حاضر ہونا بھی ممنوع ہے۔

یہ نہیں اور ممانعت اس شخص کے لئے ہے جو ایسے لوگوں کی مجلس میں شریک ہوتا ہے اور تقویٰ کا دامن چھوڑ کر ان کے قول اور عمل محرم میں خود بھی شریک ہو جاتا ہے یا ان کے غیر شرعی افعال و اقوال پر خاموشی اختیار کرتا ہے اور ان پر نکیر نہیں کرتا، لیکن اگر وہ تقویٰ کا التزام کرتے ہوئے مجلس میں شریک ہو، شرکائے مجلس کو نیکی کا حکم دے، اس

برائی اور بری گفتگو سے روکے جو اس مجلس میں صادر ہو جس سے یہ برائی زائل ہو جائے یا اس میں تخفیف ہو جائے تو ایسی مجلس میں شریک ہونے میں کوئی حرج ہے نہ کوئی گناہ۔ بنا بریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا عَلَى الَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِنْ شَيْءٍ ۚ وَلٰكِنْ ذِكْرًا لِّعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴾ اور پرہیزگاروں پر نہیں ہے جھگڑنے والوں کے حساب میں سے کوئی چیز لیکن ان کے ذمے نصیحت کرنی ہے، تاکہ وہ ڈریں، یعنی صرف اس لئے وہ ان کو وعظ و نصیحت کرے کہ شاید وہ اللہ تعالیٰ سے ڈر جائیں۔

اس آیت کریمہ میں اس امر کی دلیل ہے کہ وعظ و نصیحت کرنے والا ایسا اسلوب کلام استعمال کرے جو مقصود تقویٰ کے حصول میں زیادہ مدد اور کارگر ہو۔ اور اس آیت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اگر وعظ و نصیحت سے برائی میں اضافہ ہونے کا اندیشہ ہو تو وعظ و نصیحت ترک کرنا واجب ہے، کیونکہ جو وعظ و نصیحت مطلوب و مقصود کے مخالف ہو تو اس کو ترک کرنا بھی مقصود ہے۔

وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا ۖ وَلَهْوًا ۖ وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۚ وَذَكِّرْ

اور چھوڑ دیجئے ان لوگوں کو جنہوں نے بنا لیا ہے اپنے دین کو کھیل اور تماشا اور دھوکے میں ڈالا ان کو حیات دنیا نے اور نصیحت کیجئے آپ

بِهِ اَنْ تُبَسِّلَ نَفْسًا بِمَا كَسَبَتْ ۗ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللّٰهِ وَاٰلٍ وَلَا

ساتھ اس قرآن کے تاکہ (نہ) ہلاک کی جائے کوئی جان بدلے لاسکے جو کمایا اس نے نہیں ہوگا اس کیلئے سوائے اللہ کے کوئی دوست اور نہ کوئی

شَفِيعٌ ۗ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلُّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذُ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِينَ أُبْسِلُوا بِمَا

سفاشی اور اگر بدلے میں دے ہر طرح کا فدیہ تو بھی نہ لیا جائے گا اس سے یہی ہیں وہ لوگ جو ہلاک کیے گئے بوجہ اس کے جو

كَسَبُوا ۗ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ۚ وَعَذَابٌ اَلِيْمٌ ۗ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ۝۷

کمایا انہوں نے ان کے لیے پینا ہوگا گرم پانی سے اور عذاب ہوگا دردناک بوجہ اس کے جو تھے وہ کفر کرتے ○

بندوں سے جو چیز مطلوب ہے وہ یہ ہے کہ وہ دین کو اللہ کے لئے خالص کریں، یعنی اللہ وحدہ لا شریک کے سوا کسی کی بندگی نہ کریں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے محبوب امور کے حصول میں مقدور بھر کوشش کریں اور یہ چیز اس بات کو متضمن ہے کہ قلب اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر اور اس کی طرف متوجہ رہے بندے کی کوشش انتہائی سنجیدہ اور نفع مند ہونے کہ غیر سنجیدہ اور یہ کوشش اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو اس میں ریا اور شہرت کی خواہش کا شائبہ نہ ہو۔ یہی وہ حقیقی دین ہے جس کو دین کہا ہے۔ رہا وہ شخص جو اس زعم میں مبتلا ہے کہ وہ حق پر ہے اور وہ صاحب دین اور صاحب تقویٰ ہے اور حالت یہ ہے کہ اس نے دین کو لہو و لعب بنا رکھا ہے اور اس کا قلب اللہ تعالیٰ کی محبت اور معرفت سے خالی ہو کر لہو و لعب میں مستغرق ہو گیا اور ہر اس چیز میں مصروف ہو گیا جو اس کے لئے ضرر رساں ہے وہ اپنے بدن کے ساتھ لہو اور باطل میں مشغول ہے، کیونکہ عمل اور بھاگ دوڑ اگر غیر اللہ کے لئے ہو تو وہ لہو و لعب

ہے۔۔۔ تو اس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ اسے چھوڑ دیا جائے، اس سے بچا جائے، اس سے دھوکہ نہ کھایا جائے اور اس کے احوال پر غور کیا جائے، اس کی کارستانیوں سے ہیشا رہے اور وہ تقرب الہی والے اعمال سے روکے تو اس کے دھوکہ میں نہ آئے۔

﴿وَذَكِّرْ بِهِ﴾ ”اور اس کے ذریعے سے نصیحت کرتے رہیں۔“ یعنی قرآن کے ذریعے سے ان کو نصیحت کیجئے جو بندوں کے لئے نفع مند ہے قرآن کے احکامات سنا کر اس کی تفصیلات بیان کر کے، قرآن میں جو اچھے اوصاف مذکور ہیں ان کی تحسین کر کے اور وہ اوصاف جو بندوں کے لئے ضرر رساں ہیں ان سے ان کو منع کر کے، اس کی انواع کی تفصیل بیان کیجئے اور جو قبیح اوصاف بیان ہوئے ہیں، جن کا ترک کرنا ضروری ہے (ان سب کے ساتھ) ان کو نصیحت کیجئے۔ یہ سب کچھ اس وجہ سے ہے کہ کہیں نفس اپنے کسب کی وجہ سے ہلاکت میں نہ ڈال دیا جائے، یعنی بندے کے گناہوں میں گھس جائے، اللہ علام الغیوب کے سامنے جرأت کرنے اور گناہوں پر قائم رہنے سے پہلے اسے نصیحت کیجئے، تاکہ وہ باز آ جائے اور اپنے فعل سے رک جائے۔

﴿لَيْسَ لَهَا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ﴾ ”نہیں ہوگا واسطے اس کے اللہ کے سوا، کوئی دوست اور نہ کوئی سفارشی،“ یعنی نفس کو اس کے گناہوں کا احاطہ کر لینے سے پہلے نصیحت کرو کیونکہ اس کے بعد مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے کام نہ آئے گا۔ نہ کوئی قریبی رشتہ دار اور نہ کوئی دوست اللہ کے سوا اس کا کوئی ولی اور مددگار نہ ہوگا اور نہ اس کی کوئی سفارش کرنے والا ہوگا ﴿وَإِنْ تَعْدِلْ كَلَّ عَدْلٍ﴾ ”اگرچہ وہ ہر چیز معاوضے میں دینا چاہے۔“ یعنی اگر یہ نفس ہر قسم کا فدیہ دے خواہ وہ زمین بھر سونا کیوں نہ ہو ﴿لَا يُؤَخِّذُ مِنْهَا﴾ ”وہ اس سے قبول نہ ہوگا۔“ یعنی اس سے یہ فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا اور نہ یہ فدیہ کوئی فائدہ دے گا ﴿أُولَئِكَ﴾ وہ لوگ جو مذکورہ اوصاف سے موصوف ہیں ﴿الَّذِينَ أُبْسِلُوا﴾ یعنی ان کو ہلاک کر دیا گیا اور وہ ہر قسم کی بھلائی سے مایوس ہو گئے اور یہ ان کے اعمال کے سبب سے ہے ﴿لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَيْبٍ﴾ ”ان کا مشروب ابلتا ہوا گرم پانی ہوگا“ جو ان کے چہروں کو بھون دے گا اور ان کی انتڑیوں کو کاٹ ڈالے گا ﴿وَعَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ ”بہا کا نوا کفر و کفر و کفر“ اور ان کے کفر کی پاداش میں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔“

قُلْ أَدْعُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلَىٰ أَعْقَابِنَا

کہہ دیجئے! کیا پکاریں ہم سوائے اللہ کے، بکو جو نفع دے سکیں ہمیں اور نہ نقصان پہنچا سکیں ہمیں اور پھیر دیئے جائیں ہم اپنی اڑیوں پر (لئے پاؤں)

بَعْدَ إِذْ هَدَيْنَا اللَّهُ كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ الشَّيْطَانُ فِي الْأَرْضِ حَيْرَانَ ۝ لَهٗ

بعد اس کے کہ ہدایت دی ہمیں اللہ نے، مانند اس شخص کے جسے بہکا دیا شیطانوں نے زمین میں حیران (پھرتا) ہے اس کے

اَصْحَبُ يَدْعُوْنَكَ اِلَى الْهُدَى اَتَتَنَا ط قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدَى ط وَ

کچھ ساتھی ہیں جو بلاتے ہیں اسے سیدھی راہ کی طرف کہ آجا ہمارے پاس کہہ دیجئے! یقیناً ہدایت تو اللہ ہی کی ہدایت ہے اور

اَمْرًا لِنُسَلِّمَ لِرَبِّ الْعَالَمِيْنَ ۝۱۱۱ وَ اَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَ اتَّقُوْهُ ط وَ هُوَ الَّذِي

حکم دیئے گئے ہیں ہم کہ مطیع ہو جائیں ہم رب العالمین کے ۝ اور یہ کہ قائم کرو نماز اور ڈرو اس (اللہ) سے اور وہی ہے کہ

اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۱۱۲ وَ هُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ط وَ يَوْمَ يَقُوْلُ

اس کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے تم ۝ اور وہی ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو ساتھ حق کے اور جس دن وہ کہے گا

كُنْ فَيَكُوْنُ ط قَوْلُهُ الْحَقُّ ط وَ لَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ ط عِلْمُ الْغَيْبِ

ہو جائے تو (حشر برپا) ہو جائے گا۔ اسی کا قول حق ہے اور اسی کی بادشاہی ہوگی جس دن پھونکا جائے گا صورتوں میں جانے والا ہے غیب

وَ الشَّهَادَةِ ط وَ هُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝۱۱۳

اور حاضر کا اور وہی ہے خوب حکمت والا خبر دار ۝

﴿قُلْ﴾ اے رسول ﷺ! اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنے والوں اور اس کے ساتھ دوسرے معبودوں کو پکارنے

والوں سے کہہ دو جو تمہیں اپنے دین کی دعوت دیتے ہیں وہ دین جو ان کے معبودوں کے وصف کی تشریح کر کے واضح کرتا ہے۔ ایک عقل مند شخص کو ان معبودوں کو چھوڑنے کے لئے ان کے اوصاف کا ذکر کرنی کافی ہے، کیونکہ ہر

عقل شخص جب مشرکین کے مذہب میں غور و فکر کرتا ہے تو اس کے بطلان پر دلائل و براہین کے قائم ہونے سے پہلے ہی اس کے بطلان کا اسے قطعی یقین ہو جاتا ہے۔ اور وہ پکارا ٹھکتا ہے ﴿اَنْدَعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا

وَلَا يَضُرُّنَا﴾ ”کیا ہم اللہ کے سوا ان ہستیوں کو پکاریں جو ہمیں نفع دے سکتی ہیں نہ نقصان۔“ اس وصف میں ہر وہ معبود داخل ہے جس کی بھی اللہ کے سوا بندگی کی جاتی ہے کیونکہ وہ نفع دے سکتی ہے نہ نقصان۔ اسے کسی معاملے کا

کوئی اختیار نہیں، تمام معاملہ صرف اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔

﴿وَ نُرِّدُّ عَلٰی اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰنَا اللّٰهُ﴾ ”اور کیا پھر جائیں ہم اٹلے پاؤں، اس کے بعد کہ اللہ

سیدھی راہ دکھا چکا ہم کو، یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت سے نوازے جانے کے بعد کیا ضلالت کی طرف پلٹ جائیں، رشد کو چھوڑ کر گمراہی کی طرف لوٹ جائیں، نعمتوں بھری جنت کے راستے کو چھوڑ کر ان

راستوں پر چل نکلیں جو اپنے سالک کو عذاب الیم کی منزل پر پہنچا دیتے ہیں؟ رشد و ہدایت رکھنے والا شخص اس حال پر کبھی راضی نہیں رہ سکتا۔ ایسی حالت والے شخص کی مثال اس شخص کی سی ہے ﴿كَالَّذِي اسْتَهْوَتْهُ

الشَّيْطٰنِ فِي الْاَرْضِ﴾ جسے شیاطین نے بیابان میں اس کے راستے سے بھٹکا دیا ہو جو اس کی منزل کو جاتا تھا ﴿حَيْرَانَ لَهٗ اَصْحَابٌ يَدْعُوْنَكَ اِلَى الْهُدَى﴾ ”وہ حیران ہے، اس کے ساتھی اسے راستے کی طرف

بلا تے ہیں، اور شیاطین اسے ہلاکت کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ وہ دونوں پکارنے والوں کے درمیان حیران و سرگرداں ہے۔

تمام لوگوں کا یہی حال ہے سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا ہے۔ اس لیے کہ لوگ اپنے اندر رکش رکھنے والے امور اور متعارض داعیے رکھتے ہیں۔ رسالت، عقل صحیح اور فطرت سلیم کے دواعی ﴿يَا عَاذُونَ﴾ اِلَى الْهُدَى ﴿﴾ اس کو صحیح راستے کی طرف بلا تے ہیں۔ اور اعلیٰ علیین کی بندگیوں کی طرف دعوت دیتے ہیں اور شیطان کے داعیے اور وہ لوگ جو اس کی راہ پر گامزن ہیں اور نفس امارہ اسے گمراہی اور اسفل سافلین کی پستیوں میں گرجانے کی دعوت دیتے ہیں۔ لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جو اپنے تمام امور میں یا اکثر امور میں ہدایت کے دواعی کے ساتھ چلتے ہیں اور کچھ ایسے لوگ ہیں جن کا رویہ اس کے برعکس ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہیں جن میں دونوں قسم کے داعیے مساوی ہوتے ہیں اس وقت دو جاذب امور باہم متعارض ہوتے ہیں۔ یہ وہ مقام ہے جہاں اہل سعادت اور اہل شقاوت کی پہچان ہوتی ہے۔

﴿قُلْ اِنَّ هُدٰى اللّٰهُ هُوَ الْهُدٰى﴾ اللہ نے جو راہ بتلائی ہے وہی سیدھی راہ ہے، یعنی اس راستے کے سوا کوئی راستہ ہدایت کا راستہ نہیں جسے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی زبان پر مشروع کیا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر راستے گمراہی، موت اور ہلاکت کے سوا کچھ نہیں ﴿وَاْمُرْنَا لِنُسَلِّمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم پروردگار عالم کے تابع رہیں۔ یہ کہ ہم اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو مانیں، اس کے اوامر و نواہی کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں اور اس کی عبودیت کے تحت داخل ہو جائیں، کیونکہ یہ بندوں پر سب سے بڑی نعمت اور اس کی سب سے کامل ربوبیت ہے جو اس نے اپنے بندوں تک پہنچائی ہے۔ ﴿وَ اَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ﴾ اور یہ کہ نماز پڑھتے رہو۔ یعنی ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم نماز کو اس کے تمام ارکان، شرائط، سنن اور اس کی تکمیل کرنے والے تمام امور کے ساتھ قائم کریں ﴿وَالْتَقُوْهُ﴾ اور اس سے ڈرتے رہو۔ جس چیز کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا اسے بجالا کر اور جس چیز سے روکا ہے اس سے اجتناب کر کے تقویٰ کا التزام کرو ﴿وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ﴾ اور وہی تو ہے جس کے پاس تم جمع کیے جاؤ گے۔ یعنی قیامت کے روز تم اس کے پاس جمع ہو جاؤ گے اور وہ تمہیں تمہارے اچھے اور برے اعمال کی جزا دے گا۔

﴿وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ﴾ وہی ذات ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو حق کے ساتھ، تاکہ وہ بندوں کو حکم دے اور بعض چیزوں سے روکے پھر اس پر انہیں ثواب و عقاب دے ﴿وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ قَوْلُهُ الْحَقُّ﴾ اور جس دن کہے گا کہ ہو جا تو وہ ہو جائے گا، اس کا ارشاد برحق ہے۔ جس میں کوئی شک ہے نہ کوئی ایچ پیچ اور نہ اللہ تعالیٰ کوئی عبث بات کہتا ہے ﴿وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ

فی الصُّور ﴿۶﴾ ”اور اسی کی بادشاہی ہے جس دن پھونکا جائے گا صور“ یعنی قیامت کے روز۔ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر قیامت کے دن کا ذکر اس لئے کیا ہے حالانکہ وہ ہر چیز کا مالک ہے، کیونکہ قیامت کے دن تمام ملکیتیں ختم ہو جائیں گی اور اللہ واحد و قہار کی ملکیت باقی رہ جائے گی۔ ﴿عِلْمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ﴾ ”وہ جاننے والا ہے چھپی اور کھلی باتوں کا اور وہی حکمت والا خبر دار ہے“۔ جو حکمت تام، نعمت کامل اور احسان عظیم کا مالک ہے اس کا علم اسرارِ نہاں باطنی راز اور چھپے ہوئے امور کا احاطہ کئے ہوئے ہے جس کے سوا کوئی معبود اور کوئی رب نہیں۔

وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ أَرِئِي مَا تَعْبُدُ ۖ قَالَ تَعْبُدُ الْآصْنَامَ ۖ وَاللَّهُ عَالِمُ غُيُوبِكُمْ ﴿۷﴾

اور جب کہا ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے! کیا تمہراتے ہو تم بتوں کو معبود؟ بلاشبہ میں دیکھتا ہوں تم کو اور تمہاری قوم کو

فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ ﴿۷﴾ وَكَذَلِكَ نُرِي إِبْرَاهِيمَ مَلَكُوتَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

گر اسی ظاہر میں ○ اور اسی طرح دکھاتے تھے ہم ابراہیم کو بادشاہی آسمانوں اور زمین کی

وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُؤَقِنِينَ ﴿۸﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى كَوْكَبًا ﴿۹﴾ قَالَ هَذَا

اور تاکہ ہو جائے وہ یقین کرنے والوں سے ○ پس جب چھا گئی اس پر رات تو دیکھا اس نے ایک تارا ابراہیم نے کہا یہ

رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْأَفْلِينَ ﴿۱۰﴾ فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِعًا قَالَ هَذَا

میرا رب ہے پس جب غروب ہو گیا وہ تو کہا نہیں محبت کرتا میں غروب ہو نیوالوں سے ○ پس جب دیکھا اس نے چاند چمکتا ہوا تو کہا یہی

رَبِّي ۖ فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ ﴿۱۱﴾

میرا رب ہے پھر جب غروب ہو گیا وہ تو کہا اگر نہ ہدایت دی مجھے میرے رب نے تو ہو جاؤں گا میں گمراہ قوم میں سے ○

فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِعَةً قَالَ هَذَا رَبِّي هَذَا أَكْبَرُ ۖ فَلَمَّا أَفَلَتْ قَالَ يُقَوْمُ

پھر جب (ابراہیم نے) دیکھا سورج جگمگاتا ہوا تو کہا یہ میرا رب ہے یہ سب سے بڑا ہے پھر جب وہ غروب ہو گیا تو کہا ستارے میری قوم!

إِنِّي بَرِّئُ مِمَّا تُشْرِكُونَ ﴿۱۲﴾ إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِي فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْ

یقیناً میں بیزار ہوں ان سے، جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو ○ تحقیق میں نے متوجہ کیا اپنا چہرہ اس کیلئے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور

الْأَرْضِ حَنِيفًا ۖ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿۱۳﴾ وَحَاجَّهُ قَوْمُهُ ﴿۱۴﴾ قَالَ اتَّحَابُوا نِي

زمین کو اللہ ہی کا پرستار ہو کر اور نہیں ہوں میں مشرکین سے ○ اور جھگڑا کیا اس سے اس کی قوم نے تو کہا ابراہیم نے کیا جھگڑتے ہو تم مجھ سے

فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدِينَا وَلَا آخَافُ مَا تُشْرِكُونَ بِهِ إِلَّا أَنْ يُشَاءَ رَبِّي شَيْئًا ط

اللہ کے بارے میں حالانکہ اسی نے ہدایت دی مجھے؟ اور نہیں ڈرتا میں ان سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو اس کا مگر یہ کہ چاہے میرا رب کچھ

وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ط أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ ﴿۱۵﴾ وَكَيْفَ آخَافُ مَا أَشْرَكْتُكُمْ

گھیر لیا ہے میرے رب نے ہر چیز کو (اپنے) علم سے کیا پس نہیں نصیحت حاصل کرتے تم؟ ○ اور کیونکر ڈروں میں ان سے جنہیں تم شریک ٹھہراتے ہو

وَلَا تَخَافُونَ أَنْكُمْ اشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا فَأَيُّ
 جِبْهَةٍ تَمُنُّونَ؟ جبکہ تم نہیں ڈرتے اس بات سے کہ تم شریک ٹھہراتے ہو اللہ کا ان کو جن کی نہیں نازل کی اس نے تم پر کوئی دلیل؟ پس کونسا
 الْفَرِيقَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۸۱﴾ الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا
 دونوں فریقوں میں سے زیادہ حق دار ہے اس کا (بتاؤ) اگر ہو تم جانتے؟ جو لوگ ایمان لائے اور نہیں غلط ملط کیا انہوں نے
 إِيْمَانَهُمْ يُظْلِمُوا لَكُمْ وَاللَّهُ الْأَعْلَمُونَ ﴿۸۲﴾ وَتِلْكَ حُجَّتُنَا
 اپنے ایمان کو ساتھ ظلم (شرک) کے یہی لوگ ہیں کہ ان کیلئے ہی اس ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں اور یہ ہے ہماری دلیل
 آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَىٰ قَوْمِهِ طَرْفُ دَرَجَةٍ مِّنْ نُّشَاءِ ط إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿۸۳﴾
 کہی تھی ہم نے یہ ابراہیم کو مقابلے میں اس کی قوم کے بلند کرتے ہیں ہم ہر جے جسکے چاہتے ہیں یقیناً آپکا رب ہے حکمت والا جاننے والے

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قصے کو یاد کیجئے، ان کی دعوت توحید اور شرک سے
 ممانعت کے احوال میں ان کی تعریف و ثنا اور تعظیم کیجئے ﴿وَإِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ لِأَبِيهِ وَإِلَى الَّذِينَ أَنَا فِيهِمْ أَتَعْبُدُونَ مَا تَدْعُوا بِاللَّهِ وَرِيسٍ لَّغْوٍ مَّعًا أَتَعْبُدُونَ﴾
 ”جب ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے کہا، کیا تو بتوں کو معبود مانتا ہے؟“ جو نفع پہنچا سکتے ہیں نہ نقصان، جو کسی
 اختیار کے مالک نہیں ﴿إِنِّي أَرَاكَ وَقَوْمَكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾ ”میں تجھ کو اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں
 دیکھتا ہوں“ کیونکہ تم ایسی ہستیوں کی عبادت کرتے ہو جو عبادت کی مستحق نہیں اور اپنے خالق رازق اور تدبیر
 کرنے والے کی عبادت کو چھوڑ دیتے ہو۔

﴿وَكَذَلِكَ﴾ اور اسی طرح“ جب ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو توحید اور اس کی طرف دعوت کی توفیق عطا
 کی ﴿نُرِيهِمْ مَلَائِكَةَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ ”ہم دکھانے لگے ابراہیم کو آسمانوں اور زمین کے
 عجائبات“ تاکہ وہ چشم بصیرت سے ان قطعی دلائل اور روشن براہین کو ملاحظہ کر لے جن پر زمین اور آسمان کی
 بادشاہی مشتمل ہے ﴿وَلِيَكُونَ مِنَ الْمُوقِنِينَ﴾ اور تاکہ وہ صاحب ایقان ہو، کیونکہ تمام مطالب میں دلائل
 کے قیام کے مطابق ایقان اور علم کامل حاصل ہوتا ہے۔ ﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ﴾ ”جب رات نے ان کو ڈھانپ
 لیا۔“ یعنی جب رات تاریک ہو گئی ﴿رَأَى الْكُوكَبَاتِ﴾ ”اس نے ایک ستارہ دیکھا“ شاید یہ ستارہ زیادہ روشن ستارہ ہو
 گا، کیونکہ اس کے تذکرے کی تخصیص دلالت کرتی ہے کہ اس کی روشنی دوسروں سے زیادہ تھی۔ بنا بریں بعض اہل
 علم کہتے ہیں کہ اس سے مراد زہرہ ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

﴿قَالَ هَذَا رَبِّي﴾ ”کہنے لگے یہ میرا رب ہے۔“ یعنی انہوں نے دلیل کی خاطر مد مقابل کے مقام پر
 اترتے ہوئے کہا کہ ”یہ میرا رب ہے“ آؤ ہم دیکھیں کہ کیا یہ ربوبیت کا مستحق ہے؟ کیا ہمارے سامنے کوئی
 ایسی دلیل قائم ہوتی ہے جو اس کے رب ہونے کو ثابت کرتی ہو؟ کیونکہ کسی عقل مند کے لئے یہ مناسب نہیں کہ

وہ بغیر کسی حجت و برہان کے اپنی خواہشات نفس کو اپنا معبود بنا لے۔ ﴿فَلَمَّا أَفَلَ﴾ یعنی جب یہ ستارہ غائب ہو گیا ﴿قَالَ لَا أَحِبُّ الْأَفْلِينَ﴾ ”تو کہا، میں غائب ہونے والوں کو پسند نہیں کرتا“ یعنی جو ظاہر ہونے کے بعد غائب ہو کر عبادت کرنے والے سے اوجھل ہو جائے۔ کیونکہ معبود کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ اس شخص کے مصالح کا انتظام اور اس کے تمام معاملات کی تدبیر کرے جو اس کی عبادت کرتا ہے۔ رہی وہ ہستی جو اکثر اوقات غیر موجود اور غائب ہوتی ہے تو عبادت کی کیوں کر مستحق ہو سکتی ہے؟ کیا ایسی ہستی کو معبود بنانا سب سے بڑی بے وقوفی اور سب سے بڑا باطل نہیں؟

﴿فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِعًا﴾ ”پھر جب چاند کو دیکھا کہ چمک رہا ہے۔“ یعنی جب انہوں نے چاند کو طلوع ہوتے دیکھا اور یہ مشاہدہ بھی کیا کہ اس کی روشنی ستاروں کی روشنی سے زیادہ ہے اور یہ ان کے مخالف بھی ہے ﴿قَالَ هَذَا رَبِّي﴾ ”کہا یہ میرا رب ہے“ یعنی دلیل کی خاطر مخالفین کے مقام پر اتر کر کہا ﴿فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِن لَّمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّالِّينَ﴾ ”جب وہ غائب ہو گیا بولے اگر نہ ہدایت کرے گا مجھ کو میرا رب تو بے شک رہوں گا میں گمراہ لوگوں میں“ ابراہیم علیہ السلام اپنے رب کی راہنمائی کے بے حد محتاج تھے اور انہیں علم تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو راہ راست نہ دکھائے تو کوئی راہ دکھانے والا نہیں ہے۔ اگر اپنی اطاعت پر وہ ان کی اعانت نہ کرے تو کوئی مدد کرنے والا نہیں ہے۔ ﴿فَلَمَّا رَأَى الشَّمْسَ بَازِعَةً قَالَ هَذَا رَبِّي هَذَا أَكْبَرُ﴾ ”پس جب سورج کو چمکتے ہوئے دیکھا تو کہا یہ ہے میرا رب یہ سب سے بڑا ہے۔ یہ تمام (ستاروں اور چاند) سے بڑا ہے“ ﴿فَلَمَّا أَفَلَتْ﴾ ”جب وہ غروب ہو گیا“ یعنی جب سورج بھی غروب ہو گیا تو ہدایت متحقق ہو گئی اور ہلاکت مضمحل ہو گئی ﴿قَالَ يَقَوْمِ إِنِّي بَرِيءٌ مِّمَّا تُشْرِكُونَ﴾ ”(تو) کہا اے میری قوم! بے شک میں بیزار ہوں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو“ کیونکہ اس کے بطلان پر سچی اور واضح دلیل قائم ہو چکی ہے۔

﴿إِنِّي وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِينَ فَطَرَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ حَنِيفًا﴾ ”میں نے متوجہ کر لیا اپنے چہرے کو اسی کی طرف جس نے بنائے آسمان اور زمین سب سے یکسو ہو کر“ یعنی صرف اللہ واحد کی طرف یکسوئی کے ساتھ متوجہ ہو کر اور ہر ماسوا سے منہ موڑ کر ﴿وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾ ”اور میں نہیں ہوں شرک کرنے والا“ پس یوں ابراہیم علیہ السلام نے شرک سے براءت کا اظہار کیا اور توحید کے سامنے سر تسلیم خم کیا اور توحید پر دلیل قائم کی۔۔۔ یہ ہے ان آیات کریمہ کی تفسیر جو ہم نے بیان کی ہے اور یہی صواب ہے، نیز یہ کہ یہ مقام جناب ابراہیم کی طرف سے اپنی قوم کے ساتھ مناظرے کا مقام تھا اور مقصد ان اجرام فلکی وغیرہ کی الوہیت کا بطلان تھا۔ رہا ان لوگوں کا موقف کہ یہ جناب ابراہیم کے ایام طفولیت میں غور و فکر کا مقام تھا تو اس پر کوئی دلیل نہیں۔ ﴿وَحَاجَّةٌ قَوْمَهُ ط قَالَ اتَّحَابُونِي فِي اللَّهِ وَقَدْ هَدَانِ﴾ ”اور اس سے جھگڑا کیا اس کی قوم نے ابراہیم نے

کہا، کیا تم مجھ سے اللہ کے ایک ہونے میں جھگڑتے ہو اور وہ مجھ کو سمجھا چکا، یعنی بھلا اس شخص کے لئے جھگڑنے میں کون سا فائدہ ہے جس کے سامنے ہدایت واضح نہیں ہوئی۔ جبکہ وہ شخص جسے اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نوازا دیا ہے اور وہ یقین کے بلند ترین مقام پر فائز ہے تو وہ خود لوگوں کو اس راستے کی طرف بلاتا ہے جس پر وہ خود گامزن ہے۔

﴿وَلَا آخَافُ مَا أَشْرَكُونَ بِهِ﴾ اور میں نہیں ڈرتا ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو اس کے ساتھ، کیونکہ یہ جھوٹے خدا مجھے کوئی نقصان نہیں دے سکتے نہ مجھے کسی نفع سے محروم کر سکتے ہیں ﴿إِلَّا أَنْ يَشَاءَ رَبِّي شَيْئًا وَسِعَ رَبِّي كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا أَفَلَا تَتَذَكَّرُونَ﴾ مگر یہ کہ چاہے اللہ میرا رب۔ احاطہ کر لیا ہے میرے رب کے علم نے سب چیزوں کا، کیا تم نہیں نصیحت پکڑتے؟“ پس تم جان لیتے کہ اللہ تعالیٰ ہی اکیلا معبود ہے جو کہ عبودیت کا مستحق ہے۔ ﴿وَكَيْفَ آخَافُ مَا أَشْرَكْتُكُمْ﴾ اور میں کیوں کر ڈروں ان سے جن کو تم شریک کرتے ہو“ دراصل یہ معبودان باطل عاجز محض اور کسی قسم کا فائدہ پہنچانے سے محروم ہیں ﴿وَلَا تَخَافُونَ أَكْثَمَ أَشْرَكْتُمْ بِاللَّهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ بِهِ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا﴾ اور تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم اللہ کا ایسی چیزوں کو شریک ٹھہراتے ہو جس پر اس نے کوئی دلیل نہیں اتاری، یعنی سوائے خواہش نفس کی پیروی کے اس پر کوئی دلیل نہیں ﴿فَأَيُّ الْقَرِيفَيْنِ أَحَقُّ بِالْأَمْنِ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ پس کون سا گروہ امن کا زیادہ مستحق ہے اگر تم جانتے ہو؟“

اللہ تبارک و تعالیٰ فریقین کے درمیان فیصلہ کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿الَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يَلْبِسُوا إِيمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ وہ لوگ جو ایمان لائے اور نہیں ملایا انہوں نے اپنے ایمان میں ظلم، یعنی ایمان کو شرک کے ساتھ خلط ملط نہیں کیا۔ ﴿أُولَئِكَ لَهُمُ الْأَمْنُ وَهُمْ مُهْتَدُونَ﴾ یہی لوگ ہیں جن کے لئے امن ہے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ وہ ہر قسم کے خوف سے مامون ہوں گے عذاب اور شقاوت وغیرہ میں سے کسی قسم کا خوف نہ ہوگا اور سیدھے راستے کی طرف راہنمائی سے نوازے جائیں گے۔ اگر انہوں نے اپنے ایمان کو کسی قسم کے ظلم سے ملوث نہ کیا ہوگا یعنی انہوں نے شرک کیا ہوگا نہ گناہ، تو انہیں امن کامل اور ہدایت تام نصیب ہوگی اور اگر انہوں نے اپنے ایمان کو شرک سے تو پاک رکھا مگر وہ برے اعمال کا ارتکاب کرتے رہے تو انہیں اگرچہ کامل امن اور کامل ہدایت تو حاصل نہ ہوگی تاہم انہیں اصل ہدایت اور امن حاصل ہوں گے۔ آیت کریمہ کا مخالف مفہوم یہ ہے کہ وہ لوگ جنہیں یہ دو امور حاصل نہیں وہ ہدایت اور امن سے محروم رہیں گے بلکہ ان کے نصیب میں بدبختی اور گمراہی کے سوا کچھ نہ ہوگا۔

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے قطعی دلائل و براہین بیان کر کے ابراہیم علیہ السلام کے حق میں فیصلہ کر دیا تو فرمایا ﴿وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا إِبْرَاهِيمَ عَلَى قَوْمِهِ﴾ اور یہ ہے ہماری دلیل کہ دی تھی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اس کی قوم کے مقابلے میں، یعنی ان دلائل و براہین کی مدد سے ابراہیم علیہ السلام نے ان کو نیچا دکھایا اور ان پر غالب آئے۔

﴿ تَرْفَعُ دَرَجَاتٍ مَّن لِّشَاءِ ﴾ ”ہم جس کے چاہتے ہیں درجے بلند کرتے ہیں“ جس طرح ہم نے حضرت ابراہیم کے دنیا و آخرت میں درجات بلند فرمائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ علم کے ذریعے سے صاحب علم کو دوسرے بندوں پر فوقیت عطا کرتا ہے۔۔۔۔۔ خاص طور پر وہ عالم جو صاحب عمل بھی ہے اور معلم بھی۔ پس اللہ تعالیٰ اس کے حسب حال اسے لوگوں کا امام بنا دیتا ہے۔ اس کے افعال کو دیکھا جاتا ہے اس کے آثار کی پیروی کی جاتی ہے اس کے نور سے روشنی حاصل کی جاتی ہے اور اس کے علم کی مدد سے تیرہ و تارتار کیوں میں رواں دواں رہا جاتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ يَرْفَعُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ وَالَّذِينَ أُوتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ ﴾ (المجادلہ: ۱۱/۵۸) ”تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور جن کو علم عطا کیا گیا اللہ ان کے درجات بلند کرتا ہے“ ﴿ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴾ ”بے شک تمہارا رب دانا، علم والا ہے۔“ اس لئے وہ علم و حکمت کو ان کے شایان شان مقام پر رکھتا ہے اور اللہ تعالیٰ اس مقام کو اور جو کچھ اس کے لئے مناسب ہے خوب جانتا ہے۔

وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ ط كَلَّا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِن ذُرِّيَّتِهِ
اور عطا کیے ہم نے اس کو اسحاق اور یعقوب سب کو ہدایت دی ہم نے اور نوح کو ہدایت دی ہم نے پہلے اس سے اور انکی اولاد میں سے
دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ ط وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ﴿۷۳﴾
داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون کو اور اسی طرح جزاء دیتے ہیں ہم احسان کرنے والوں کو ○ اور
زَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ وَعِيسَىٰ وَإِيلَىٰ ط كُلٌّ مِّنَ الصَّالِحِينَ ﴿۷۴﴾ وَاسْمٰعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ
(ہدایت دی) زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور ایلیاس کو سب صالحین میں سے تھے ○ اور اسماعیل اور یسع اور یونس
وَلُوطًا ط وَكَلَّا فَضَلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۷۵﴾ وَمِنْ آبَائِهِمْ وَذُرِّيَّاتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ
اور لوط کو (بھی) اور (ان) سب کو فضیلت دی ہم نے اوپر جہانوں کے ○ اور کچھ کو ان کے آباء و اجداد اور انکی اولاد اور انکے بھائیوں میں سے
وَأَجْتَبَيْنَاهُمْ وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿۷۶﴾ ذَلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَنْ
اور چن لیا ہم نے انہیں اور ہدایت دی ہم نے انہیں طرف صراط مستقیم کی ○ یہ ہے ہدایت اللہ کی ہدایت دیتا ہے اس کی جسے
يَشَاءُ مِّنْ عِبَادِهِ ط وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۷۷﴾ أُولَئِكَ الَّذِينَ
چاہتا ہے وہ اپنے بندوں میں سے اور اگر شرک کرتے وہ لوگ تو برباد ہو جاتے ان سے جو کچھ کہتے تھے وہ کرتے ○ یہ وہ لوگ ہیں
اتَّبَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنَّبُوءَةَ فَإِن يُكْفَرُ بِهَا هُولاةٌ فَقَدْ وَكَلْنَا بِهَا
کہ دی ہم نے انہیں کتاب اور حکم اور نبوت پس اگر کفر کریں ساتھ ان (باتوں) کے یہ لوگ تو تحقیق مقرر کر دی ہم نے ان باتوں کیلئے
قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكٰفِرِينَ ﴿۷۸﴾ أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهِدَاهُمُ اقْتَدِهْ ط
ایسی قوم کہ نہیں ہے وہ ان کا انکار کرنے والی ○ یہ لوگ ہیں جنہیں ہدایت دی اللہ نے سوان کے طریقے کی اقتداء کریں آپ

قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ لِلْعَالَمِينَ ﴿٩﴾

کہہ دیجئے: انہیں مانگتا میں تم سے اس پر کوئی اجر نہیں ہے یہ مگر نصیحت جہانوں کے لیے ○

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندے اور خلیل ابراہیم علیہ السلام کا اور اپنے اس احسان کا ذکر کیا کہ اللہ نے ان کو علم، دعوت اور صبر سے نوازا تو اب ذکر فرما رہا ہے کہ صالح اور پاک نسل کے ذریعے سے بھی اللہ نے ان کو بڑی تکریم بخشی۔ اللہ نے مخلوق میں سے منتخب اور چنے ہوئے لوگ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل میں سے بنائے اور یہ اتنی بڑی منقبت اور اتنی زیادہ عزت افزائی ہے کہ اس کی مثال نہیں ملتی، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَوَهَبْنَا لَكَ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ﴾ اور ہم نے عطا کئے اسے اسحاق اور یعقوب، یعنی اسحاق علیہ السلام کے فرزند جن کو اسرائیل کہا جاتا ہے۔ ایک بڑے گروہ کے باپ جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں پر فضیلت بخشی۔

﴿كَلَامًا﴾ ”سب کو“ یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک کو ﴿هَدَيْنَا﴾ ”ہم نے ہدایت دی۔“ یعنی علم و عمل میں راہ راست دکھائی ﴿وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ﴾ اور اس سے قبل ہم نے نوح کو ہدایت سے نوازا، یہ ہدایت اعلیٰ ترین انواع میں سے تھی جو دنیا کے صرف معدودے چند افراد کو حاصل ہوئی ہے اور وہ اولوالعزم رسول تھے۔ نوح علیہ السلام ان میں سے ایک تھے۔

﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ﴾ ”اور ان کی نسل میں سے“ اس میں احتمال ہے کہ ضمیر نوح علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے، کیونکہ یہ قریب ترین مرجع ہے، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسی زمرہ میں حضرت لوط کا ذکر کیا جو کہ نوح کی ذریت سے ہیں، حضرت ابراہیم کی ذریت سے نہیں، کیونکہ حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے۔۔۔ نیز اس بات کا احتمال بھی ہے کہ ضمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہو کیونکہ سیاق کلام ابراہیم علیہ السلام کی مدح و ثنا میں ہے اور لوط علیہ السلام اگرچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ذریت میں سے نہیں ہیں تاہم یہ ان لوگوں میں سے ہیں جو جناب خلیل علیہ السلام کے ہاتھ پر ایمان لائے تھے۔ حضرت لوط علیہ السلام کا حضرت ابراہیم علیہ السلام پر ایمان لانا مجرد ان کا بیٹا ہونے سے زیادہ ان کے لئے منقبت اور فضیلت کا حامل ہے۔

﴿دَاوُدَ وَ سُلَيْمَانَ﴾ ”داود اور سلیمان“ یعنی سلیمان بن داود علیہ السلام ﴿وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ﴾ ”ایوب اور یوسف“ یعنی ایوب اور یوسف بن یعقوب علیہ السلام ﴿وَمُوسَى وَ هَارُونَ﴾ ”موسیٰ اور ہارون“ یعنی عمران کے بیٹے ﴿وَكَذَلِكَ﴾ ”اور اسی طرح“ یعنی جس طرح ہم نے ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی ذریت کو صالح بنایا، کیونکہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کی بندگی کو بہترین طریقے سے ادا کیا اور اللہ کی مخلوق کو بہترین طریقے سے فائدہ پہنچایا ﴿نَجَّيْنَا الْمُحْسِنِينَ﴾ ”ہم بدلہ دیتے ہیں احسان کرنے والوں کو“، نیکو کار لوگوں کی جزا یہ ہے کہ ہم انہیں ان کی نیکیوں کے مطابق سچی مدح و ثنا اور صالح اولاد سے نوازتے ہیں۔

﴿وَزَكَرِيَّا وَيَحْيَىٰ﴾ ”زکریا اور یحییٰ“ یعنی یحییٰ زکریا علیہ السلام کے فرزند ﴿وَعِيسَى﴾ یعنی عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام ﴿وَالْيَاسِينَ﴾ ”اور الیاس کو بھی یہ سب“ یعنی یہ تمام لوگ ﴿مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ ”نیوکارتھے۔“ یعنی اپنے اخلاق اعمال اور علوم میں صالح لوگ تھے بلکہ صلحا کے سردار قائد اور ان کے امام تھے۔ ﴿وَإِسْحٰقَ﴾ یعنی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیٹے جو نسل انسانی کے ایک بڑے گروہ کے جد امجد تھے، یعنی گروہ عرب کے باپ اور اولاد آدم کے سردار حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد۔ ﴿وَيُونُسَ﴾ یعنی یونس بن متی علیہ السلام ﴿وَلُوطًا﴾ یعنی ابراہیم علیہ السلام کے بھائی ہاران کے بیٹے ﴿وَكُلًّا﴾ یعنی ان تمام انبیاء و مرسلین کو ﴿فَضَّلْنَا عَلَى الْعَالَمِينَ﴾ ”ہم نے جہانوں پر فضیلت دی“ کیونکہ فضیلت کے چار درجے ہیں جن کا ذکر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں کیا ہے ﴿وَمَنْ يُطِيعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَٰئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصَّادِقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ﴾ (النساء: ۶۹/۴) ”جو اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرتے ہیں وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا یعنی انبیاء صدیقین شہداء اور صلحا“ اور یہ مذکور انبیاء کرام علیہم السلام بہت بلند درجے پر فائز ہیں بلکہ علی الاطلاق تمام رسولوں سے افضل ہیں۔ پس وہ تمام انبیاء و مرسلین جن کا قصہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں بیان فرمایا ہے، بلاشبہ ان نبیوں میں سے افضل ہیں جن کا ذکر نہیں فرمایا۔

﴿وَمِنَ آبَائِهِمْ﴾ یعنی ان انبیاء مذکورین کے آباؤ اجداد میں سے ﴿وَذُرِّيَّتِهِمْ وَآخْوَانِهِمْ﴾ ”اور ان کی اولاد اور بھائیوں میں سے“ یعنی ہم نے ان کے آباؤ اجداد ان کی ذریت اور ان کے بھائی بند لوگوں کو ہدایت سے نوازا ﴿وَأَجْتَبَيْنَاهُمْ﴾ ”ہم نے ان کو چن لیا“ ﴿وَهَدَيْنَاهُمْ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ﴾ ”اور ان کی صراط مستقیم کی طرف راہنمائی کی۔“ ﴿ذٰلِكَ﴾ ”یہ“ یعنی یہ ہدایت مذکورہ ﴿هُدًى لِّلَّهِ﴾ ”اللہ کی ہدایت ہے“ جس کی ہدایت کے سوا کوئی ہدایت نہیں ﴿يَهْدِي بِهَا مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ﴾ ”وہ ہدایت دیتا ہے اس کی جس کو چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے“ پس اسی سے ہدایت طلب کرو اگر وہ راہنمائی نہ کرے تو اس کے سوا تمہیں راہ دکھانے والا کوئی نہیں اور جن کی ہدایت اللہ تعالیٰ کی مشیت میں ہے ان میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جن کا ذکر گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے۔

﴿وَلَوْ أَشْرَكُوا﴾ ”اگر یہ لوگ شرک کرتے“ یعنی بفرض محال ﴿لَحَبَطَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ”تو ان کے عمل برباد ہو جاتے“ کیونکہ شرک تمام اعمال کو ساقط اور اکارت کر دیتا ہے اور جہنم میں خلود اور دوام کا موجب بنتا ہے۔ اگر یہ چنے ہوئے بہترین لوگ بھی شرک کرتے حالانکہ وہ اس سے پاک ہیں تو ان کے اعمال بھی اکارت ہو جاتے۔ دیگر لوگ تو اس جزا کے زیادہ مستحق ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے ﴿أُولَٰئِكَ﴾ یعنی یہ مذکورہ بالا لوگ ﴿الَّذِينَ هَدَىٰ اللَّهُ فَبِهِدَاهُمُ اقْتَدَبَهُ﴾

”وہ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی، پس آپ ان کی ہدایت کی پیروی کریں“ یعنی اے رسول کریم ﷺ ان انبیائے اخبار کی پیروی اور ان کی ملت کی اتباع کیجئے اور واقعی رسول اللہ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کرتے ہوئے پہلے انبیاء و مرسلین کی پیروی کی اور ان کے ہر کمال کو اپنے اندر جمع کر لیا۔ آپ ﷺ کے اندر ایسے فضائل اور خصائص جمع تھے جن کی بنا پر آپ کو تمام جہانوں پر فوقیت حاصل ہوئی۔ آپ تمام انبیاء و مرسلین کے سردار اور متقین کے امام تھے۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین۔ یہ ہے (آپ ﷺ کی سیرت کا) وہ پہلو جس سے بعض صحابہ کرام نے استدلال کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ تمام انبیاء و مرسلین سے افضل ہیں۔

﴿قُلْ﴾ یعنی ان لوگوں سے کہہ دیجئے جنہوں نے آپ ﷺ کی دعوت سے اعراض کیا ﴿رَاٰ سَمْعَمُ عَلَیْہِ اَجْرًا﴾ ”میں تم سے اس کا صلہ نہیں مانگتا“، یعنی میں تم سے اپنی تبلیغ اور تمہیں اسلام کی دعوت دینے کے عوض کسی مال اور تاوان کا مطالبہ نہیں کرتا جو تمہارے اسلام نہ لانے کا سبب بنے، میرا جو صرف اللہ کے ذمے ہے ﴿اِنَّ هُوَ اِلَّا ذِکْرٰی لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾ ”یہ تو محض نصیحت ہے جہان کے لوگوں کے لئے“ جو چیز ان کے لئے مفید ہے اس سے وہ نصیحت پکڑتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں اور جو چیز ان کے لئے ضرر رساں ہے اسے چھوڑ دیتے ہیں۔ وہ اس کے ذریعے سے اپنے رب اور اس کے اسما و صفات کی معرفت حاصل کرتے ہیں اور اس کے ذریعے سے اخلاق حمیدہ ان کے حصول کے مناج اور اخلاق رذیلہ اور ان میں مبتلا کرنے والے امور کا علم حاصل کرتے ہیں۔ چونکہ یہ تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہے اس لئے یہ سب سے بڑی نعمت ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نوازا ہے اور ان پر واجب ہے کہ وہ اس نعمت کو قبول کریں اور اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِہٖ اِذْ قَالُوْا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ قُلْ مَنْ

اور نہیں قدر کی انہوں نے اللہ کی حیطہ حق ہے اسکی قدر کرنے کا جس وقت کہا انہوں نے نہیں نازل کی اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز کہہ دیجئے اس نے

اَنْزَلَ الْکِتٰبَ الَّذِیْ جَاءَ بِہٖ مُّوْسٰی نُوْرًا وَّ هُدًی لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَہٗ قَرَاطِیْسَ

نازل کی کتاب وہ جو لائے اسے موسیٰ؟ وہ نور اور ہدایت (تھی) لوگوں کیلئے (نقل) کرتے ہو تم اس (کتاب) کو اوراق میں

تُبَدُّوْنَہَا وَتُخْفَوْنَ کَثِیْرًا وَّ عَلِمْتُمْ مَا لَمْ تَعْلَمُوْا اَنْتُمْ وَاَبَاؤُکُمْ قُلْ اللّٰهُ

نظار کرتے ہو اس سے (کچھ) اور چھپاتے ہو بہت اور تم کھلائے گئے ہو وہ کچھ کہ نہیں جانتے تھے تم اور نہ باپ دادا تمہارے کہہ دیجئے (نازل کی) اللہ نے

ثُمَّ ذَرٰہُمْ فِیْ خَوْضِہُمْ یَلْعَبُوْنَ ﴿۹﴾

پھر چھوڑے انہیں وہ اپنی مشغولیت میں کھیلتے رہیں ○

اللہ تعالیٰ نے یہود و مشرکین کے نفی رسالت کے قول کو سخت قبیح قرار دیا ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے

انسان پر کوئی چیز نازل نہیں فرمائی۔ جو اس بات کا قائل ہے اس نے اللہ تعالیٰ کی وہ قدر اور تعظیم نہیں کی جو کرنی

چاہئے تھی کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت میں عیب جوئی ہے، وہ یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو مہمل چھوڑ دے گا ان کو کوئی حکم دے گا نہ ان کو کسی چیز سے روکے گا اور اس نے درحقیقت اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت کی نفی کی ہے جس سے اس نے اپنے بندوں کو نوازا ہے۔ اور وہ یہ رسالت ہے۔ اس رسالت کے سوا بندوں کے لئے سعادت، کرامت اور فلاح حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں، تب اس نفی رسالت سے بڑھ کر اللہ تعالیٰ کی ذات میں اور کون سی طعن و تشنیع ہے؟

﴿قُلْ﴾ ان کے فساد قول کو متحقق کرتے ہوئے اور جس چیز کا وہ خود اقرار کرتے ہیں اس کو منواتے ہوئے ان سے کہہ دیجئے! ﴿مَنْ أَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِي جَاءَ بِهِ مُوسَىٰ﴾ کون ہے جس نے وہ کتاب اتاری جسے موسیٰ لے کر آئے؟ اور وہ ہے تورات عظیم ﴿نُورًا﴾ جو جہالت کی تاریکیوں میں روشنی ہے ﴿وَهُدًى﴾ اور گمراہی میں ہدایت ہے اور علم و عمل میں راہ راست کی طرف راہنمائی کرتی ہے۔ یہ وہ کتاب ہے جو شائع ہو کر پھیل چکی ہے اور جس کے تذکروں نے کانوں اور دلوں کو لبریز کر دیا ہے حتیٰ کہ انہوں نے اسے کتابوں میں لکھنا شروع کیا اور پھر جیسے جی چاہا اس میں تصرف کیا۔ جو ان کی خواہشات کے موافق تھا اسے ظاہر کیا اور جو ان کے خلاف تھا اسے چھپا کر تسمان حق کے مرتکب ہوئے اور ایسا حصہ بہت زیادہ ہے۔

﴿وَعَلَّمْنُمُ﴾ اور تمہیں وہ علوم سکھائے گئے، جو اس کتاب جلیل کے سبب سے تھے ﴿مَا لَمْ تَعْلَمُوا أَنْتُمْ وَلَا آبَاؤُكُمْ﴾ جو نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے باپ دادا، جب آپ نے اس ہستی کے بارے میں ان سے پوچھ لیا جس نے یہ کتاب نازل کی جو ان صفات سے موصوف ہے تو انہیں اس کا جواب دیجئے ﴿قُلِ اللَّهُ﴾ کہہ دیجئے! اللہ، یعنی انہیں بتلا دیں کہ کتاب نازل کرنے والا اللہ ہے۔ ﴿ثُمَّ ذَرَهُمْ فِي خَوْضِهِمْ يُلْعَبُونَ﴾ پھر ان کو چھوڑ دو کہ اپنی بے ہودہ باتوں میں کھیلتے رہیں۔ یعنی پھر ان کو ان کے اپنے حال پر باطل میں مشغول چھوڑ دیجئے، تاکہ یہ ان چیزوں کے ساتھ کھیلتے رہیں جن کا کوئی فائدہ نہیں، یہاں تک کہ وہ اپنے اس دن سے جا ملیں جس کا ان کے ساتھ وعدہ کیا جاتا ہے۔

وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبْرَكٌ مُّصَدِّقٌ لِّلَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ

اور یہ کتاب ہم نے اتارا اسے مبارک ہے تصدیق کرنے والی ہے اس (کتاب) کی جو اس سے پہلے ہے اور تاکہ آپ ڈرامیں مکہ اور

حَوْلَهَا طَوَّالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَهُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ ﴿۱۶﴾

اسکے آس پاس والوں کو اور وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں آخرت پر وہ ایمان لاتے ہیں اس (قرآن) پر اور وہ اپنی نماز کی حفاظت کرتے ہیں ○

﴿وَهَذَا﴾ اور یہ، یعنی قرآن مجید ﴿كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبْرَكٌ﴾ کتاب ہے اس کو اتارا ہم نے آپ کی

طرف برکت والا، یعنی برکت اس کا وصف ہے اور اس کا سبب یہ ہے کہ یہ بھلائیوں اور نیکیوں پر مشتمل ہے

﴿مُصَدِّقِ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ﴾ جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے۔ یعنی یہ کتاب، گزشتہ کتابوں کی موافقت کرتی ہے اور ان کی صداقت پر گواہ ہے۔ ﴿وَلِتُنذِرَ أُمَّ الْقُرَىٰ وَمَنْ حَوْلَهَا﴾ نیز ہم نے یہ کتاب اس لئے نازل کی ہے تاکہ آپ بستیوں کی ماں یعنی مکہ مکرمہ کے لوگوں اور اس کے ارد گرد دیا عرب بلکہ تمام شہروں کے لوگوں کو ڈرائیں تاکہ لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب اور اس کی پکڑ سے بچیں اور ان امور سے بچیں جو اس کے عذاب کے موجب ہیں۔ ﴿وَالَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ يُؤْمِنُونَ بِهِ﴾ اور جن کو یقین ہے آخرت کا وہ اس پر ایمان لاتے ہیں کیونکہ جب خوف دل میں جاگزیں ہوتا ہے تو اس کے تمام ارکان آباد ہو جاتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا کی پیروی کرنے لگ جاتا ہے ﴿وَهُمْ عَلَىٰ صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُونَ﴾ اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ یعنی وہ نمازوں پر دوام کرتے ہیں اس کے ارکان و حدود اس کے آداب و شرائط اور اس کی تکمیل کرنے والے دیگر تمام امور کی حفاظت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی ان میں شامل کرے۔

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ قَالَ أُوحِيَ إِلَيَّ وَلَمْ يُوحَ إِلَيْهِ شَيْءٌ

اور کون زیادہ ظالم ہے اس سے جو باندھے اوپر اللہ کے جھوٹ؟ یا کہے وحی کی گئی ہے میری طرف جبکہ نہیں وحی کی گئی اکی طرف کوئی چیز

وَمَنْ قَالَ قَالَ سَائِرُ مِثْلَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ ط وَ لَوْ تَرَىٰ إِذِ الظالمونَ فِي عَمْرَاتِ الموتِ

اور جس نے کہا ابھی اتاروں گا میں بھی مثل اسکے جو اتار اللہ نے اور کاش کہ آپ دیکھیں جبکہ ظالم لوگ موت کی تختیوں میں ہوتے ہیں

وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوا أَيْدِيهِمْ أَخْرِجُوا أَنْفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ بِمَا

اور فرشتے پھیلاتے ہیں اپنے ہاتھ (یہ کہتے ہوئے کہ) نکالو اپنی جانیں آج بدل دیئے جاؤ گے تم عذاب ذلت کا جو اس کے کہ

كُنْتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَ كُنْتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿٦٢﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا

تھے تم کہتے اللہ پر ناحق (باتیں) اور تھے تم اس کی آیات سے تکبر کرتے اور یقیناً تم آئے ہو ہمارے پاس

فِرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَ تَرَكْتُمْ مَا خَوَّلْنَاكُمْ وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ وَمَا نَرَىٰ مَعَكُمْ

اکیلے حشر کے پیدا کیا تھا ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ اور چھوڑ آئے تم جو کچھ دیا تھا ہم نے تمہیں اپنی بینوں کے پیچھا نہیں دیکھتے ہم تمہارے ساتھ

شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ لَقَدْ تَقَطَّعَ بَيْنَكُمْ

تمہارے وہ سفارشی جن کی بابت دعویٰ کرتے تھے کہ بے شک وہ تمہارے (معاملات) میں شریک ہیں۔ تحقیق ٹوٹ گیا (تعلق) تمہارے درمیان

وَصَلَّ عَنْكُمْ مَا كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿٦٣﴾

اور تم ہو گئے تم سے وہ (معبود) کہ تھے تم (جن کو) گمان کرتے تھے

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس شخص سے بڑا ظالم اور مجرم کوئی اور نہیں جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی بات یا حکم منسوب کرتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ بری ہے۔ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے کو سب سے بڑا ظلم اس لئے کہا گیا ہے، کیونکہ یہ بہتان پر مبنی ہے۔ اس میں ادیان ان کے اصول و فروع میں تغیر و تبدل کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جو سب سے بڑی برائی ہے۔ نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرنا اور یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی بھیجی ہے، اسی افترا میں شامل ہے۔ اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھنے اور اس کی عظمت و غلبہ کے سامنے جسارت کا ارتکاب کرنے کے ساتھ اس بات کو بھی واجب ٹھہراتا ہے کہ وہ اس (جھوٹے نبی) کی پیروی کریں اور اس بات پر لوگوں سے لڑائی کریں اور اپنے مخالفین کے جان و مال کو وہ حلال قرار دیتا ہے۔ اس آیت کریمہ کی وعید میں ہر وہ شخص داخل ہے جس نے نبوت کا دعویٰ کیا جیسے مسیلمہ کذاب، اسود عسی، مختار ثقفی اور دیگر مدعیان نبوت جو اس وصف سے متصف ہیں۔

﴿وَمَنْ قَالَ سَأُنْزِلُ مِثْلَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ﴾ اور جو کہے کہ میں بھی اتارنا ہوں مثل اس کے جو اتار اللہ نے“ یعنی اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو یہ زعم رکھتا ہے کہ وہ اس چیز پر قادر ہے جس پر اللہ تعالیٰ قادر ہے، وہ احکام میں اللہ تعالیٰ کا مقابلہ کر سکتا ہے، وہ بھی اسی طرح شریعت بنا سکتا ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے بنائی ہے۔ اس وعید میں وہ شخص بھی شامل ہے جو دعویٰ کرتا ہے کہ وہ قرآن کا مقابلہ کر سکتا ہے اور قرآن جیسی کتاب وہ بھی بنا سکتا ہے۔ اس سے بڑا ظلم اور کیا ہو سکتا ہے کہ ایک بالذات محتاج اور عاجز بندہ جو ہر لحاظ سے ناقص ہے، یہ دعویٰ کرے کہ وہ ایک طاقتور اور بے نیاز ہستی کے ساتھ خدائی میں شریک ہے جو ہر پہلو سے اپنی ذات، اسما اور صفات میں کمال مطلق کی مالک ہے۔ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان ظالموں کی مذمت کی تو ساتھ ہی اس عذاب کا بھی ذکر فرما دیا جو ان کے لئے تیار کیا گیا ہے اور حالت نزع میں ان کو دیا جائے گا۔ ﴿وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّالِمُونَ فِي غَمْرَاتِ الْمَوْتِ﴾ اور اگر آپ دیکھیں جس وقت کہ ظالم ہوں موت کی سختیوں میں، یعنی جب یہ ظالم موت کی شدت اس کے ہول اور اس کے کرب میں مبتلا ہوں تو آپ ایک نہایت ہولناک حالت اور معاملہ دیکھیں گے کہ کوئی اس کا وصف بیان نہیں کر سکتا ﴿وَالْمَلَائِكَةُ بَاسِطُوا أَيْدِيهِمْ﴾ اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھا رہے ہیں، جب نزع کی حالت میں فرشتے ان ظالموں کو ماریں گے اور عذاب کے ساتھ ان کی طرف ہاتھ بڑھائیں گے ان کی روحوں کو قبض کرتے اور حرکت دیتے وقت۔ جبکہ روہیں جسموں سے نکلنے سے انکار کریں گی، کہیں گے: ﴿أَخْرِجُوا أَنفُسَكُمُ الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ﴾ کہ نکالو تم اپنی جانیں، آج تمہیں رسوائی کا عذاب دیا جائے گا، یعنی ایسا سخت عذاب جو تمہیں ذلیل و رسوا کر دے گا اور جزا ہمیشہ عمل کی جنس سے ہوتی ہے۔ یہ عذاب اس پاداش میں ہے کہ ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيِّرَ الْحَقِّ﴾ اس لیے کہ تم اللہ کے ذمے ناحق باتیں لگاتے تھے۔ تم جھوٹ بولتے تھے اور حق کو ٹھکراتے تھے جو انبیاء لے کر تمہارے پاس آئے تھے ﴿وَكُنْتُمْ عَنْ آيَاتِهِ تَسْتَكْبِرُونَ﴾ اور اس کی آیتوں سے سرکشی کرتے تھے۔ اور تم

اللہ تعالیٰ کی آیات کی اطاعت اور ان کے احکام کو ماننے سے اپنے آپ کو بالاتر سمجھتے تھے۔

یہ آیت کریمہ برزخ کے عذاب اور برزخ کی نعمت پر دلالت کرتی ہے کیونکہ اس خطاب اور عذاب کا رخ ان کی طرف عین نزاع کے وقت اور موت سے تھوڑا سا پہلے اور پھر موت کے بعد ہے، نیز یہ آیت کریمہ اس امر پر بھی دلالت کرتی ہے کہ روح جسم رکھتی ہے جو داخل ہوتی ہے اور خارج ہوتی ہے جس کو مخاطب کیا جاتا ہے۔ وہ جسد کے ساتھ مل کر رہتی ہے اور اس سے علیحدہ ہو جاتی ہے۔ یہ ان کا برزخی حال ہے۔

قیامت کے روز جب یہ وارد ہوں گے تو نہایت افلاس کی حالت میں اکیلے اکیلے آئیں گے۔ ان کے ساتھ گھر والے ہوں گے نہ مال ہوگا نہ اولاد ہوگی، ان کے ساتھ لشکر ہوں گے نہ اعوان و انصار۔ وہ قیامت کے روز اسی طرح ہر چیز سے عاری اور عریاں حالت میں آئیں گے جس طرح اللہ تبارک و تعالیٰ نے پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا، کیونکہ اشیا تو اس کے بعد ان اسباب کے ذریعے سے حاصل کی جاتی ہیں جو ان کے لئے مقرر ہیں۔ اس روز وہ تمام امور منقطع ہو جائیں گے جو دنیا میں بندے کے ساتھ تھے۔ سوائے نیک اعمال یا بد اعمال کے اور یہ اعمال ہی آخرت کا مادہ ہیں جن سے آخرت ظہور پذیر ہوگی، آخرت کا حسن و قبح، اس کا سرور و غم اور اس کا عذاب و نعمت اعمال کے مطابق حاصل ہوگا۔ یہ اعمال ہی ہیں جو نفع دیں گے یا نقصان دیں گے، جو اچھے لگیں گے یا برے لگیں گے اور ان اعمال کے علاوہ اہل و اولاد، مال و متاع اور اعوان و انصار تو یہ سب دنیا میں رہ جانے والے اسباب زائل ہو جانے والے اوصاف اور بدل جانے والے احوال ہیں۔ بنا بریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُونَا فَرَادَىٰ كَمَا خَلَقْنَاكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَتَرَكْتُمْ مَا خَوَّلْنَاكُمْ﴾ "البتہ تم ہمارے پاس آ گئے ایک ایک ہو کر جیسے ہم نے پیدا کیا تھا تم کو پہلی مرتبہ اور چھوڑ آئے تم جو کچھ اسباب ہم نے دیئے تھے تمہیں، یعنی جو کچھ ہم نے تمہیں عطا کیا اور جن نعمتوں سے ہم نے تمہیں نوازا تھا ﴿وَرَاءَ ظُهُورِكُمْ﴾ "اپنے پیچھے" انہیں پیچھے چھوڑ آئے ہو اور وہ تمہارے کسی کام نہ آئیں گی ﴿وَمَا تَرَىٰ مَعَكُمْ شُفَعَاءَكُمُ الَّذِينَ زَعَمْتُمْ أَنَّهُمْ فِيكُمْ شُرَكَاءُ﴾ "اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ سفارشچیوں کو جن کو تم گمان کرتے تھے کہ ان کا تم میں ساجھا ہے" مشرکین اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا کرتے تھے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ملائکہ، انبیاء اور صالحین وغیرہم کی عبادت بھی کیا کرتے تھے، حالانکہ یہ سب اللہ کی ملکیت ہیں مگر وہ لوگ ان مخلوق ہستیوں کے لئے ایک حصہ ٹھہراتے تھے اور اپنی عبادت میں ان کو شریک کرتے تھے اور یہ ان کا زعم باطل اور ظلم ہے کیونکہ یہ سب اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کا مالک اور ان کی عبادت کا مستحق ہے، لہذا ان کے شرک فی العبادۃ، بعض بندوں کو عبادت کا مستحق ٹھہرانے اور ان کو خالق و مالک کا مقام دینے کی بنا پر قیامت کے روز ان کو زجر و توبیخ کی جائے گی اور ان سے مذکورہ بات کہی جائے گی ﴿لَقَدْ نَقَطَعَ بَيْنَكُمْ﴾ "تمہارے آپس کے سب تعلقات منقطع ہو گئے۔" یعنی آج تمہارے اور تمہارے

شرکاء کے مابین سفارش وغیرہ کے تمام روابط اور تعلقات منقطع ہو گئے اور ان تعلقات نے کوئی فائدہ نہ

دیا۔ ﴿وَصَلَّ عَنْكُمْ مَا كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ﴾ اور جاتے رہے وہ دعوے جو تم کیا کرتے تھے۔ وہ نفع، امن، سعادت اور نجات جن کے وہ بڑے بڑے دعوے کیا کرتے تھے، گم ہو گئے جن کو شیطان تمہارے سامنے مزین کیا کرتا تھا تمہارے دلوں میں انہیں خوبصورت بنایا کرتا تھا اور تمہاری زبانوں پر ان کا ذکر رہا کرتا تھا اور تم اپنے اس زعم باطل کے فریب میں مبتلا رہے جس کی کوئی حقیقت نہیں یہاں تک کہ ان تمام دعوؤں کا بطلان واضح ہو گیا اور ظاہر ہو گیا کہ تم خود اپنی ذات اپنے اہل و عیال اور اپنے مال و متاع کے بارے میں خسارے میں پڑے رہے۔

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَى ط يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ط

بلاشبہ اللہ بھاڑنے والا ہے دانے اور گٹھلی کو وہ نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالنے والا ہے مردہ کو زندہ سے

ذُكِرَ اللَّهُ فَالِقُ تُوْفُكُونَ ﴿۹۵﴾ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ

یہ ہے اللہ جس کو کہاں پھیرے جاتے ہو تم؟ ○ نمودار کر نیوالا ہے سپید صبح کا اور بنایا اس نے رات کو سکون کا باعث اور سورج اور چاند کو

حُسْبَانًا ط ذُكِرَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿۹۶﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا

حساب کا ذریعہ، یہ (سب) اندازہ ہے بہت ذریرت جاننے والے کا ○ اور وہی ہے جس نے بنائے تمہارے لیے تارے تاکہ راہ پاؤ تم ان کے ذریعے

فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط قَدْ فَضَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿۹۷﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ

اندھروں میں گٹھلی اور تری کے تحقیق کھول کر بیان کر دی ہیں ہم نے (اپنی) آیتیں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں ○ اور وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہیں

مِّنْ نَّفْسٍ وَاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَمُسْتَوْدَعٌ ط قَدْ فَضَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ﴿۹۸﴾

ایک جان سے جس (تمہارے لیے) ایک تراگاہ ہے اور ایک جائے لگات تحقیق منسل بیان کر دی ہیں ہم نے (اپنی) آیتیں ان لوگوں کے لیے جو سمجھتے ہیں ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے کمال، عظمت سلطان، قوت اقتدار و وسعت رحمت بے پایاں فضل و کرم اور اپنی مخلوق

کے ساتھ انتہائی عنایت کے بارے میں خبر دیتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَى﴾ ”بے

شک اللہ بھاڑ نکالتا ہے دانہ اور گٹھلی، یہاں دانہ ہر قسم کے دانوں کو شامل ہے جن کو عام طور پر لوگ کاشت

کرتے ہیں اور وہ بھی جن کو کاشت نہیں کیا جاتا مثلاً وہ دانے جو اللہ تبارک و تعالیٰ نے صحراؤں اور بیابانوں میں

بکھیر دیئے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ کھیتیوں اور مختلف انواع و اشکال و منفعت والی نباتات کے بیجوں کو پھاڑتا ہے اور

درختوں کی نوع میں کھجور اور دیگر پھلوں کی گٹھلی کو جس سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق، انسان، مویشی اور دیگر جانور فائدہ

اٹھاتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ بیج اور گٹھلی سے جو کچھ اگاتا ہے یہ اسے کھاتے ہیں اور اس سے اپنی خوراک اور ہر قسم

کی منفعت حاصل کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اس میں مقرر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنے فضل و احسان کی

جھلک دکھاتا ہے جس سے عقل ششدر اور بڑے بڑے اصحاب فضیلت حیران رہ جاتے ہیں۔ وہ ان کو اپنی انوکھی

صنعت گری اور اپنی حکمت کا کمال دکھاتا ہے جس کے ذریعے سے وہ اسے پہچانتے ہیں اور اسے ایک مانتے ہیں

اور جانتے ہیں کہ وہ حق ہے اور اس کے سوا ہستی کی عبادت باطل ہے۔

﴿يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ﴾ وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے، مثلاً وہ منی سے حیوان اور انڈے سے چوزہ پیدا کرتا ہے، دانے اور گٹھلی سے اناج اور درخت پیدا کرتا ہے ﴿وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ﴾ اور مردہ کو نکالتا ہے، میت سے مراد وہ تمام اشیا ہیں جو نشوونما کی صلاحیت سے محروم ہوں یا ان کے اندر روح نہ ہو ﴿مِنَ الْحَيِّ﴾ ”زندہ سے“ مثلاً درختوں اور کھیتوں سے گٹھلیاں اور دانے پیدا کرتا اور پرندے سے انڈہ نکالتا ہے۔

﴿ذِكْرُكُمْ﴾ ”وہ ہستی جو یہ تمام افعال سرانجام دیتی ہے اور ان اشیاء کی تخلیق اور تدبیر میں منفرد ہے وہ ﴿اللَّهُ رَبُّكُمْ﴾ ”اللہ ہے رب تمہارا“ تمام مخلوق پر فرض ہے کہ وہ اس کی الوہیت و عبودیت کو تسلیم کرے جس نے اپنی نعمتوں کے ذریعے سے تمام جہانوں کی ربوبیت فرمائی اور اپنے فضل و کرم سے ان کو غذا مہیا کی ﴿فَأَنَّى تُؤْفَكُونَ﴾ ”پھر تم کہاں بےکے پھرتے ہو؟“ یعنی تم کہاں پھرے جاتے ہو اور جو اس شان کا مالک ہے اس کی عبادت کو چھوڑ کر ایسی ہستیوں کی عبادت کرتے ہو جو خود اپنے لئے کسی نفع و نقصان، موت و حیات اور دوبارہ اٹھانے پر قادر نہیں۔ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے غذاؤں کی تخلیق کے مادے کا ذکر فرمایا تو اب اس احسان کا ذکر کیا جو اس نے مساکن مہیا کر کے مخلوق پر کیا ہے اور ہر وہ چیز تخلیق کر کے جس کے بندے محتاج ہوتے ہیں، مثلاً روشنی، تاریکی اور وہ تمام منافع اور مصالح جو اس پر مرتب ہوتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿فَالِقُ الْإِصْبَاحِ﴾ ”پھاڑنے والے صبح کی روشنی کا“ یعنی جس طرح اللہ تعالیٰ دانے اور گٹھلی کو پھاڑتا ہے اسی طرح اندھیری رات کے اندھیروں کو جو تمام روئے زمین کو ڈھانپ لیتے ہیں، صبح کے اجالے کے ذریعے سے پھاڑتا ہے جو دھیرے دھیرے تاریکی کے پردے کو چاک کئے چلا جاتا ہے حتیٰ کہ تمام تاریکی ختم ہو جاتی ہے اور مخلوق اپنے مصالح، معاش اور اپنے دین و دنیا کے فوائد کے حصول میں مصروف ہو جاتی ہے۔

چونکہ مخلوق سکون، آرام اور ٹھہرنے کی محتاج ہوتی ہے اور یہ امور دن اور رات کے وجود کے بغیر مکمل نہیں ہوتے ﴿وَجَعَلَ﴾ اللہ تعالیٰ نے بنایا ﴿أَنبِلَ سَكَنًا﴾ ”رات کو آرام کے لئے“ جس میں آدمی اپنے گھروں اور خواب گاہوں میں، جانور اور مویشی اپنے ٹھکانوں میں اور پرندے اپنے گھونسلوں میں آرام کرتے ہیں اور سب راحت اور آرام میں سے اپنا اپنا حصہ وصول کرتے ہیں اور پھر اللہ تعالیٰ اسے روشنی کے ذریعے سے زائل کر دیتا ہے اور یہ سلسلہ ہمیشہ قیامت تک چلتا رہے گا۔ ﴿وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ حُسْبَانًا﴾ ”اور سورج اور چاند حساب کے لئے“ اللہ تعالیٰ نے سورج اور چاند بنائے جن کے ذریعے سے زمان و اوقات کی پہچان کی جاتی ہے ان کے ذریعے سے عبادت کے اوقات منضبط ہوتے ہیں، معاملات کی مدت مقرر ہوتی ہے اور سورج اور چاند کے وجود ہی سے یہ معلوم کیا جاتا ہے کہ کتنا وقت گزر گیا ہے۔ اگر سورج اور چاند کا وجود اور ان کا باری باری ایک دوسرے کے پیچھے آنا

نہ ہوتا تو عامتہ الناس ان تمام امور کو معلوم کر کے علم میں اشتراک نہ کر سکتے بلکہ چند افراد کے سوا کوئی بھی ان امور کی معرفت حاصل نہ کر پاتا اور وہ بھی نہایت کوشش اور اجتہاد کے بعد اور اس طرح تمام ضروری مصالح فوت ہو جاتے۔

﴿ذٰلِكَ﴾ یہ مذکورہ اندازہ ﴿تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ﴾ ”اندازہ ہے غالب جاننے والے کا“ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا غلبہ ہے کہ یہ بڑی بڑی مخلوق اس کی تدبیر کے سامنے سر تسلیم خم کئے ہوئے ہے اور اس کے حکم سے مطیع اور مسخر ہو کر اپنے راستے پر جاری و ساری ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے جو حدود مقرر کر دی ہیں وہ اس سے سر مو انحراف نہیں کر سکتی آگے ہو سکتی ہے نہ پیچھے۔ ﴿الْعَلِيمِ﴾ وہی ہستی ہے جس کے علم نے تمام ظاہر و باطن اور اوائل و اواخر کا احاطہ کر رکھا ہے اور اس کے علم محیط کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اس نے بڑی بڑی مخلوقات کو ایک اندازے پر ایک انوکھے نظام کے ذریعے سے مسخر کر رکھا ہے کہ جس کے حسن و کمال اور مصالح اور حکمتوں کے ساتھ اس کی مطابقت کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے۔

﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ ”وہی ہے جس نے بنائے تمہارے لئے ستارے تاکہ ان کے ذریعے سے تم راستے معلوم کرو، خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں“ جب راستے تم پر مشتتبہ ہو جاتے ہیں اور مسافر کا سفر تھیر کا شکار ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو راستے دکھانے کے لئے ستاروں کو تخلیق فرمایا۔ لوگ اپنے مصالح، سفر تجارت اور دیگر سفروں میں ان راستوں کی پہچان کے محتاج ہوتے ہیں۔ کچھ ستارے ایسے ہیں جو ہمیشہ دکھائی دیتے ہیں اور اپنی جگہ نہیں چھوڑتے۔ کچھ ستارے ہمیشہ رواں دواں رہتے ہیں۔ ستاروں کی معرفت رکھنے والے ستاروں کی رفتار کو پہچانتے ہیں، بنا بریں وہ سمیتیں اور اوقات معلوم کر سکتے ہیں۔ یہ آیت کریمہ اور اس قسم کی دیگر آیات دلالت کرتی ہیں کہ ستاروں کی رفتار اور ان کے محل و مقام کا علم حاصل کرنا مشروع ہے جسے ستاروں کی رفتار کے علم سے موسوم کیا جاتا ہے، کیونکہ اس کے بغیر راستوں کے علم سے بہرہ ور ہونا ممکن نہیں۔

﴿قَدْ فَضَّلْنَا الْآيَاتِ﴾ ”ہم نے آیات کھول کھول کر بیان کر دیں۔“ یعنی ہم نے نشانیوں کو بیان کر کے واضح کر دیا ہے اور ہر جنس اور نوع کو ایک دوسری سے ممیز کر دیا، حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی آیات صاف ظاہر اور عیاں ہو گئیں ﴿لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾ ”جاننے والوں کے لیے۔“ یعنی ہم نے ان آیات کو ان لوگوں کے سامنے واضح کر دیا جو علم اور معرفت سے بہرہ ور ہیں، کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جن کی طرف خطاب کا رخ ہے اور جن سے جواب مطلوب ہے۔ بخلاف جہلاء اور اہل جفا کے جو اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس علم سے منہ موڑتے ہیں جسے لے کر انبیاء و مرسلین مبعوث ہوئے۔ کیونکہ ان کے سامنے بیان کرنا ان کو کوئی فائدہ نہیں دیتا اور ان کے سامنے اس کی تفصیل بیان کرنے سے ان کا التباس رفع نہیں ہو سکتا اور اس کی توضیح سے ان کا اشکال دور نہیں ہوتا۔

﴿ وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ ﴾ ”اور وہی ذات ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا“

اور وہ آدم ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آدم عَلَيْهِ السَّلَامُ سے تمام نسل انسانی کو پیدا کیا جس نے روئے زمین کو بھر دیا ہے اور یہ اضافہ بڑھتا جا رہا ہے۔ نسل انسانی کے افراد کی خلقت ان کے اخلاق اور اوصاف میں اس قدر تفاوت ہے کہ ان کو ضبط میں لانا اور ان کے تمام اوصاف کا ادراک ممکن ہی نہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کا مُسْتَقَر یعنی ان کی غایت و انتہا مقرر فرمادی ہے جس کی طرف ان کو لے جایا جا رہا ہے اور وہ ہے آخرت کی جائے قرار اس سے آگے کوئی غایت و منتہا نہیں۔ دنیا وہ گھر ہے جہاں رہنے کے لئے مخلوق کو پیدا کیا گیا اور ان کو اس لئے وجود میں لایا گیا تاکہ وہ ان اسباب کے لئے بھاگ دوڑ کریں جو زمین میں پیدا ہوتے ہیں اور زمین ان سے آباد ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے آباء کی پشتوں میں اور ماؤں کے رحموں میں امانت رکھ دیا وہاں سے یہ امانت اس دنیا میں آجاتی ہے پھر برزخ میں منتقل ہو جاتی ہے۔ ہر جگہ اس کی حیثیت امانت کی ہوتی ہے جس کو ٹھہراؤ اور ثبات نہیں بلکہ منتقل ہوتی رہتی ہے یہاں تک کہ دار آخرت میں اسے پہنچا دیا جائے جو اس کا مستقر و مقام ہے۔ رہا دنیا کا یہ گھر تو یہ صرف گزرگاہ ہے ﴿ قَدْ فَضَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَفْقَهُونَ ﴾ ”تحقیق ہم نے کھول کر بیان کر دیں نشانیاں ان لوگوں کے لئے جو سمجھتے ہیں“ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ سے اس کی آیات کو سمجھیں اور اس کے دلائل و براہین کا فہم حاصل کریں۔

وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا

اور وہی ہے جس نے اتارا آسمان سے پانی پس نکالیں ہم نے اس کے ذریعے سے نباتات ہر چیز کی پھر نکالا ہم نے اس سے ہبزہ

نُخْرَجَ مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنَ طَلْحِهَا قَنَوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَعَلَتْ

نکالتے ہیں ہم اس سے دانے باہم بٹے ہوئے اور کھجوروں کے ٹکونی سے کچھے جھکے ہوئے اور (نکالے) بانات

مِّنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرَّمَانَ مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ أَنْظَرُوا إِلَى ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ

انگوروں اور زیتون اور انار کے ملتے جلتے ہیں (پتے انکے) اور مختلف ہیں (پھل انکے) دیکھو اس کے پھل کو جبکہ وہ پھل لائے

وَيَبْعُهُ إِنَّا فِي ذَلِكُمْ آيَاتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٩٩﴾

اور اس کا پکنا بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان کے لیے جو ایمان لاتے ہیں ○

اس آیت کریمہ میں مذکور نعمت اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت ہے انسان اور دیگر مخلوق جس کے سخت محتاج ہیں اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ضرورت اور حاجت کے وقت پے در پے پانی برسایا اس پانی کے ذریعے سے ہر قسم کی نباتات اگائی جسے انسان اور حیوانات کھاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مخلوق اس نباتات کو کھاتی ہے اس کے عطا کردہ رزق سے انبساط محسوس کرتی ہے لوگ اس کے احسان پر خوش ہوتے ہیں اور

ان سے قحط اور خشک سالی دور ہو جاتی ہے۔ پس دل خوش ہو جاتے ہیں اور چہرے نکھر جاتے ہیں بندوں کو اللہ رحمان و رحیم کی بے پایاں رحمت نصیب ہوتی ہے جس سے وہ متمتع ہوتے ہیں اس سے اپنی غذا حاصل کرتے ہیں۔ یہ چیز ان پر واجب ٹھہراتی ہے کہ وہ اس ہستی کا شکر ادا کریں جس نے انہیں یہ نعمتیں عطا کی ہیں اور اس کی عبادت اس کی طرف انابت اور اس کی محبت میں اپنی کوشش صرف کریں۔ جب اللہ تعالیٰ نے اس پانی سے اگنے والے درختوں اور نباتات کا عمومی ذکر کیا تو اب (خصوصی طور پر) کھیتوں اور کھجوروں کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ ان کی منفعت بہت زیادہ ہے اور اکثر لوگوں کی خوراک بھی انہی سے حاصل ہوتی ہے۔

﴿فَاخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرَجُ مِنْهُ﴾ پھر نکالی ہم نے اس سے سبز کھیتی ہم نکالتے ہیں اس سے یعنی اس سرسبز نباتات میں سے ﴿حَبًّا مُتَرَاكِبًا﴾ دانے ایک پر ایک چڑھا ہوا، یعنی گندم جو مکئی اور چاول جیسی زرعی اجناس میں دانے اپنی بالیوں میں ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس کے وصف میں ”ایک دوسرے پر چڑھے ہوئے“ کا لفظ اشارہ کرتا ہے کہ ایک بالی میں متعدد دانے ہوتے ہیں سب ایک ہی مادے سے خوراک حاصل کرتے ہیں وہ ایک دوسرے سے خلط ملط نہیں ہوتے تمام دانے متفرق ہوتے ہیں ان کی جز ایک ہی ہوتی ہے۔ یہ دانوں کی کثرت ان کے بڑے اور غلے کے عام ہونے کی طرف بھی اشارہ ہے تاکہ کچھ توجیح کیلئے باقی رہے اور دوسرا غلہ کھایا اور ذخیرہ کیا جاسکے۔ ﴿وَمِنَ النَّخْلِ﴾ اور کھجور سے اللہ تعالیٰ نے نکالا ﴿مِنْ طَلْحِهَا﴾ اس کے گابھے سے، اور وہ کھجور کا خوشہ نکلنے سے قبل اس پر چڑھا ہوا غلاف ہے۔ پس اس غلاف میں سے کھجور کا خوشہ نکلتا ہے ﴿قِنَوَانٍ دَانِيَةً﴾ پھل کے گچھے جھکے ہوئے، یعنی قریب قریب لگے ہوئے خوشے جن کا حصول بہت آسان ہوتا ہے جو کوئی خوشوں کو توڑنا چاہے وہ ان کے بہت قریب ہوتا ہے۔ انہیں کھجور سے حاصل کرنا مشکل نہیں ہوتا خواہ کھجور کا درخت کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہو کیونکہ کھجور کے تنے سے کئی ہوئی شاخوں کی جگہ بیڑھیال سی بن جاتی ہیں ان کی مدد سے کھجور پر چڑھنا آسان ہو جاتا ہے ﴿وَجَدْتِ مِنْ أَعْنَابٍ وَالزَّيْتُونَ وَالرُّمَّانَ﴾ اور (اس پانی سے) انگور زیتون اور انار کے باغات اگائے۔ چونکہ یہ درخت کثیر الفوائد اور عظیم وقعت کے حامل ہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے درختوں اور نباتات کا عمومی ذکر کرنے کے بعد ان کا خاص طور پر ذکر کیا ہے۔

﴿مُشْتَبِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ﴾ ”آپس میں ملتے جلتے بھی اور جدا جدا بھی“ اس میں اس امر کا احتمال ہے کہ اس سے مراد انار اور زیتون ہو کیونکہ ان کے درخت اور پتے ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں اور ان کے پھل غیر مشابہ (جدا جدا) ہوتے ہیں اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد تمام درخت اور میوے وغیرہ ہوں جن میں سے بعض ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں اور بعض ایک دوسرے کے قریب ہوتے ہیں اور بعض اوصاف میں ایک دوسرے سے کوئی مشابہت نہیں رکھتے (بلکہ ایک دوسرے سے مختلف ہوتے ہیں)۔

ان تمام درختوں سے بندے فائدہ اٹھاتے ہیں ان سے پھل اور غذا حاصل کرتے ہیں اور عبرت پکڑتے ہیں۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے ان سے عبرت حاصل کرنے کا حکم دیا ہے ﴿ اَنْظُرُوا ﴾ ”دیکھو“ یعنی غور و فکر اور عبرت کی نظر سے دیکھو ﴿ اِلَى ثَمَرِهِ ﴾ تمام درختوں کے پھل کی طرف عام طور پر اور کھجور کے پھل کی طرف خاص طور پر ﴿ اِذَا اَشْرَبَ ﴾ ”جب وہ پھل لائے“ ﴿ وَيَنْعَمَ ﴾ ”اور اس کے پکنے پر“ یعنی اس کے شگوفے نکلنے، پھل پکنے اور اس کے پک کر سرخ ہونے کی طرف دیکھو کیونکہ اس میں عبرت اور نشانیاں ہیں جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے جوہ و احسان کی وسعت اس کے کامل اقتدار اور بندوں پر اس کی بے پایاں عنایات پر استدلال کیا جاتا ہے۔

مگر ہر ایک تفکر و تدبر کے ذریعے سے عبرت حاصل نہیں کرتا اور یہ بھی ضروری نہیں کہ جو کوئی غور و فکر کرے وہ معنی مقصود کو پالے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آیات الہی سے فائدہ اٹھانے کو مومنین کے ساتھ خاص کیا ہے چنانچہ فرمایا: ﴿ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَآيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُوْنَ ﴾ ”اس میں ایمان رکھنے والے لوگوں کے لئے نشانیاں ہیں“ کیونکہ مومنین کا ایمان ان کو اپنے ایمان کے تقاضوں اور لوازم پر عمل کرنے پر آمادہ کرتا ہے اور ان لوازم میں آیات الہی میں غور و فکر ان سے نتائج کا استخراج ان کا معنی مراد اور یہ آیات عقلاً، شرعاً اور فطرتاً جس چیز پر دلالت کرتی ہیں سب شامل ہیں۔

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ الْجِنِّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِيْنَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ سُبْحٰنَهُ

اور تمہارا انہوں نے اللہ کا شریک جنوں کو ملا لکھا اس نے تو انہیں پیدا کیا ہے اور گھڑ لیے انہوں نے اس (اللہ) کے بیٹے اور بیٹیاں بغیر علم کے پکے وہ

وَتَعْلٰی عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۱۰۱ بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنۢىۤ يَكُوْنُ لَهُ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَهُ

اور بلند ان باتوں سے جو وہ بیان کرتے ہیں ۝ وہی موجد ہے آسمانوں اور زمین کا کس طرح ہو سکتی ہے اسکی اولاد جب کہ نہیں ہے کوئی اسکی

صٰحِبَةٌ ط وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۱۰۲ ذٰلِكُمْ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَا اِلٰهَ اِلَّا

ہو بیوی؟ اور اسی نے پیدا کیا ہر چیز کو اور وہی ہر چیز کو جاننے والا ہے ۝ یہ اللہ رب ہے تمہارا نہیں کوئی معبود سوائے

هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاَعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝۱۰۳ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ

اس کے خالق ہے ہر چیز کا پس تم اسی کی عبادت کرو اور وہ اوپر ہر چیز کے نگران ہے ۝ نہیں پاسکتیں اس کو آنکھیں

وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللّٰطِيْفُ الْخَبِيْرُ ۝۱۰۴ قَدْ جَاءَكُمْ بَصٰٓئِرٌ مِّنْ رَبِّكُمْ

اور وہ پالیتا ہے آنکھوں کو اور وہ باریک بین ہے خبردار ۝ تحقیق آپکیں تمہارے پاس دلیلیں تمہارے رب کی طرف سے

فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ط وَمَا اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝۱۰۵

پس جس نے بصیرت سے کام لیا تو اپنے ہی لیے اور جو اندھا رہا تو اسی پر ہے (وہاں) اور میں ہوں میں تم پر محافظ ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ آگاہ فرماتا ہے کہ اپنے بندوں پر اس کے احسان اور واضح نشانیوں کے ذریعے سے ان کو

اپنی معرفت عطا کرنے کے باوجود مشرکین قریش وغیرہم جنوں اور فرشتوں کو اس کے شریک ٹھہراتے ہیں ان کو پکارتے ہیں اور ان کی عبادت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں اور ان میں ربوبیت اور الوہیت کی کوئی بھی صفت نہیں۔ وہ ان کو اس ہستی کا شریک ٹھہراتے ہیں جو خلق و امر کی مالک ہے اور وہ ہر قسم کی نعمت عطا کرنے والی اور تمام دکھوں اور تکالیف کو دور کرنے والی ہے۔ اور اسی طرح مشرکین نے اپنی طرف سے اللہ تعالیٰ پر بہتان گھڑتے اور جھوٹ باندھتے ہوئے بغیر کسی علم کے اللہ تعالیٰ کے بیٹے بیٹیاں بنا ڈالے۔ اس سے بڑا ظالم کون ہے جو علم کے بغیر کوئی بات اللہ تعالیٰ کے ذمے لگاتا ہے اور اس پر ایسے بدترین نقص کا بہتان باندھتا ہے جس سے اس کی تزییہ واجب ہے بنا بریں اللہ تعالیٰ نے اپنے آپ کو مشرکین کی افترا پرداز یوں سے منزه قرار دیتے ہوئے فرمایا:

﴿سُبْحٰنَهُ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ﴾ ”وہ ان باتوں سے جو اس کی نسبت بیان کرتے ہیں پاک ہے۔“ پس اللہ تعالیٰ ہر صفت کمال سے متصف اور ہر نقص آفت اور عیب سے منزه ہے۔

﴿بَدِیْعَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ”نئی طرح پر بنانے والا آسمانوں اور زمین کا“ اللہ تعالیٰ ان کو تخلیق کرنے والا بغیر کسی سابقہ نمونے کے ان کو مہارت کے ساتھ بہترین شکل میں بہترین نظام اور خوبصورتی کے ساتھ بنانے والا ہے۔ بڑے بڑے عقل مندوں کی عقل اس جیسی کوئی چیز وجود میں لانے سے قاصر ہے۔ اسی طرح زمین اور آسمان کی تخلیق میں کوئی اس کا شریک بھی نہیں۔ ﴿اَنْیَ یَكُوْنُ لَهٗ وَاَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَهٗ صَاحِبَةً﴾ ”کیوں کر ہو سکتی ہے اس کی اولاد جب کہ اس کی بیوی ہی نہیں ہے؟“ یعنی اللہ تعالیٰ کی اولاد کیسے ہو سکتی ہے حالانکہ وہ بے نیاز سردار اور الحق ہے جس کی کوئی ساتھی یعنی بیوی نہیں ہے وہ اپنی تمام مخلوق سے بے نیاز ہے۔ تمام مخلوق اس کی محتاج اور اپنے تمام احوال میں اللہ تعالیٰ کے سامنے مجبور ہے اور اولاد لازمی طور پر اپنے باپ کی جنس سے ہوتی ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے۔ اس کی مخلوقات میں کوئی چیز ایسی نہیں جو کسی بھی پہلو سے اس کی مشابہ ہو۔ چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس امر کا عمومی ذکر فرمایا ہے کہ اس نے تمام اشیا کو پیدا کیا ہے اس لئے اس نے یہ بھی ذکر فرمایا کہ اس کا علم ان تمام اشیا کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔ ﴿وَهُوَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ﴾ ”اور وہ ہر چیز کو جانتا ہے۔“ تخلیق کے بعد علم کا ذکر کرنا اس دلیل عقلی کی طرف اشارہ ہے کہ اسے اپنی مخلوق کا علم بھی ہے اور مخلوق میں اس کی پیدا کردہ تمام چیزیں اور وہ پورا نظام ہے جس پر کائنات قائم ہے۔ اس لئے کہ اس میں خالق کے علم کی وسعت اور اس کی کامل حکمت پر دلیل ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَهُوَ اللّٰطِیْفُ الْخَبِیْرُ﴾ (الملک: ۱۴۱۶۷)

”بھلا جس نے پیدا کیا وہ نہیں جانتا؟ وہ تو پوشیدہ اور باریک امور سے آگاہ اور ان کی خبر رکھنے والا ہے۔“ اور فرمایا:

﴿وَهُوَ الْخَلِیْقُ الْعَلِیْمُ﴾ (یس: ۸۱۱۳۶) ”وہ بڑا پیدا کرنے والا اور علم رکھنے والا ہے۔“ ﴿ذَلِکُمْ اللّٰهُ رَبُّکُمْ﴾ ”یہی اللہ تمہارا رب ہے۔“ یعنی یہ معبود جو انتہائی تدلل اور انتہائی محبت کا مستحق ہے وہی تمہارا رب ہے

جس نے اپنی نعمتوں کے ذریعے سے تمام مخلوق کی ربوبیت کا انتظام فرمایا اور ان سے مختلف اصناف کی تکالیف کو دور بنایا۔ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ﴾ ”اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ ہر چیز کا خالق ہے، پس تم اسی کی عبادت کرو۔“ یعنی جب یہ بات ثابت ہے کہ وہ اللہ ہی ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، تو اپنی ہر قسم کی عبادت کا رخ اسی کی طرف پھیر دو، اپنی تمام عبادات کو اسی کے لئے خالص کرو اور ان عبادات میں صرف اسی کی رضا کو مقصد بناؤ۔ تخلیق کائنات کا مقصد بھی یہی ہے اور اسی کی خاطر ان کو پیدا کیا گیا ہے۔ ﴿وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ﴾ (الذاریات: ۵۶/۵۷) ”میں نے جن وانس کو صرف اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔“ ﴿وَهُوَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ وَكِيلٌ﴾ ”اور وہ ہر چیز پر کارساز ہے۔“ یعنی تمام اشیا تخلیق و تدبیر اور تصرف کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ کی وکالت اور بندوبست کے تحت ہیں اور یہ بات معلوم ہے کہ وہ امر جو کسی کے تصرف میں دیا گیا ہے، اس کی استقامت، اس کا اتمام اور اس کا کمال انتظام وکیل کے حسب حال ہوتا ہے۔ تمام اشیا پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی وکالت، مخلوق کی وکالت کی مانند نہیں ہے کیونکہ مخلوق کی وکالت تو درحقیقت نیابت ہے اور اس میں وکیل اپنے موکل کے تابع ہوتا ہے۔ جہاں تک باری تعالیٰ کی ذات ہے، تو اس کی وکالت اپنی طرف سے اپنے لئے ہوتی ہے جو کمال علم، حسن تدبیر اور عدل و احسان کو متضمن ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سے کسی کے لئے یہ ممکن نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر استدراک (کسی کو تباہی کا ازالہ) کرنے نہ اسے اللہ تعالیٰ کی تخلیق میں کوئی خلل نظر آئے گا اور نہ اس کی تدبیر میں کوئی نقص اور عیب۔ اللہ تعالیٰ کی وکالت کا ایک حصہ یہ ہے کہ اس نے اپنے دین کی توضیح و تبیین کا کام اپنے ذمہ لیا اور دین کو خراب کرنے اور بدلنے والے تمام امور سے اس کی حفاظت کی اور وہ اہل ایمان کی حفاظت اور ایسے امور سے ان کو بچانے کا ضامن بنا جو ان کے دین و ایمان کو خراب کرتے ہیں۔

﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ ”اسے آنکھیں نہیں پاسکتیں“ اس کی عظمت اور اس کے جلال و کمال کی بنا پر نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرسکتیں۔ یعنی نگاہیں اس کا احاطہ نہیں کرسکتیں۔ اگرچہ آخرت میں اس کو دیکھ سکیں گی اور اس کے چہرہ مکرم کے نظارے سے خوش ہوں گی۔ پس ادراک کی نفی سے رویت کی نفی لازم نہیں آتی بلکہ مفہوم مخالف کی بنا پر رویت کا اثبات ہوتا ہے کیونکہ ادراک جو کہ رویت کا ایک خاص وصف ہے، کی نفی رویت کے اثبات پر دلالت کرتی ہے۔ اس لئے کہ اگر اس آیت کریمہ سے رویت باری تعالیٰ کی نفی مراد ہوتی تو اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہوتا (لا تراہ الابصار) یا اس قسم کا کوئی اور فقرہ۔ پس معلوم ہوا کہ آیت کریمہ میں معطلہ کے مذہب پر کوئی دلیل نہیں جو آخرت میں رب تعالیٰ کے دیدار کا انکار کرتے ہیں، بلکہ اس سے ان کے مذہب کے نقیض (برعکس) کا اثبات ہوتا ہے۔

﴿وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ﴾ ”اور وہ آنکھوں کو پاسکتا ہے“ یعنی وہی ہے جس کے علم نے ظاہر و باطن کا احاطہ

کر رکھا ہے اس کی سماعت تمام جہری اور خفیہ آوازوں کو سنتی ہے اور بصارت تمام چھوٹی بڑی مریات کو دیکھتی ہے۔ بنا برس فرمایا: ﴿وَهُوَ الْأَطِيفُ الْغَيْبُ﴾ ”اور وہ نہایت باریک بین، خبردار ہے۔“ یعنی جس کا علم اور خبر بہت باریک اور دقیق ہے حتیٰ کہ اسرار نہاں، چھپی ہوئی چیزوں اور باطن کا بھی ادراک کر لیتا ہے۔ یہ اس کا لطف و کرم ہے کہ وہ اپنے بندے کی اس کے دینی مصالح کی طرف راہنمائی کرتا ہے اور ان مصالح کو اس کے پاس اس طریقے سے پہنچاتا ہے کہ بندے کو اس کا شعور تک نہیں ہوتا اور اسے ان مصالح کے حصول کے لئے تگ و دو نہیں کرنی پڑتی۔ وہ اپنے بندے کو ابدی سعادت اور دائمی فلاح کی منزل پر اس طرح پہنچاتا ہے جس کا وہ اندازہ ہی نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ وہ بندے کے لئے ایسے امور مقدر کر دیتا ہے جنہیں بندہ ناپسند کرتا ہے اور ان کی وجہ سے دکھ اٹھاتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے ان کو دور کرنے کی دعا کرتا ہے مگر اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ اس کا دین اس کے لئے زیادہ درست ہے اور اس کا کمال انہی امور پر موقوف ہے۔ پاک ہے وہ لطف و کرم والی باریک بین ذات جو مومنوں کے ساتھ بہت رحیم ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات اور واضح دلائل کو بیان کر دیا جو تمام مطالب و مقاصد میں حق پر دلالت کرتی ہیں تو ان کو آگاہ کر کے خبردار کر دیا کہ ان کی ہدایت اور گمراہی خود ان کی ذات کے لئے ہے۔ پس فرمایا: ﴿قَدْ جَاءَكُمْ بَصَائِرٌ مِنْ رَبِّكُمْ﴾ ”تحقیق آنچکیں تمہارے پاس نشانیاں تمہارے رب کی طرف سے“ یعنی تمہارے پاس ایسی آیات آگئی ہیں جو حق کو واضح کرتی ہیں۔ وہ قلب کے لئے حق کو ایسے واضح اور نمایاں کر دیتی ہیں جیسے آنکھوں کے سامنے سورج، کیونکہ یہ آیات فصاحت لفظ، بیان و وضوح، معانی جلیلہ کے ساتھ مطابقت اور حقائق جلیلہ پر مشتمل ہیں۔ اس لئے کہ یہ اس رب کی طرف سے صادر ہوئی ہیں جو اپنی مختلف ظاہری اور باطنی نعمتوں کے ذریعے سے اپنی مخلوق کی تربیت کرتا ہے اور ان میں جلیل ترین نعمت تین آیات اور توضیح مشکلات ہے۔

﴿فَمَنْ أَبْصَرَ﴾ ”پس جس نے دیکھ لیا“ جو کوئی ان آیات کے ذریعے سے عبرت کے مواقع دیکھ لیتا ہے اور اس کے تقاضوں کے مطابق عمل کرتا ہے ﴿فَلِنَفْسِهِ﴾ ”تو یہ خود اس کی ذات کے لئے ہے“ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو بے نیاز اور قابل تعریف ہے ﴿وَمَنْ عَمِيَ﴾ ”اور جو اندھا رہا“ یعنی وہ دیکھتا تو ہے مگر بصیرت کے ساتھ غور و فکر نہیں کرتا، اسے زبردستی کی جاتی ہے مگر وہ اسے قبول نہیں کرتا، اس کے سامنے حق واضح کیا جاتا ہے مگر وہ اس کی اطاعت کرتا ہے نہ اس کے سامنے جھکتا ہے، پس اس کے اندھے پن کا نقصان اسی کے لئے ہے۔ ﴿وَمَا أَنَا﴾ یعنی اے رسول ﷺ! کہہ دیجئے ”اور نہیں ہوں میں“ ﴿عَلَيْكُمْ بِحَفِيفٍ﴾ ”تم پر نگہبان“ کہ میں تمہارے اعمال پر نظر رکھوں اور دائمی طور پر ان کی نگرانی کروں، میری ذمہ داری تو صرف پہنچا دینا ہے اور میں نے یہ ذمہ داری ادا کر دی۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ مجھ پر نازل کیا تھا میں نے پہنچا دیا اور یہی میرا فرض ہے۔ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ

میرے فرائض میں شامل نہیں۔^①

وَكَذَلِكَ نَصْرَفُ الْآيَاتِ وَلِيَقُولُوا دَرَسَتْ وَلِيُبَيِّنَ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ①

اور اسی طرح پھر پھر کر بیان کرتے ہیں ہم آیات کو تا کہ کہیں وہ پڑھا ہے تو نے (کسی سے) اور تا کہ ہم بیان کریں وہاں لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں

اتَّبِعْ مَا أُوحِيَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ ② وَكُو

بیروی کریں اس چیز کی جو وحی کی جاتی ہے آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے، نہیں کوئی معبود مگر وہی اور اعراض کیجئے مشرکین سے ② اور اگر

شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكُوا وَمَا جَعَلْنَاكَ عَلَيْهِمْ حَفِيظًا ③ وَمَا أَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيلٍ ④

چاہتا اللہ تو نہ شرک کرتے وہ، اور نہیں بنایا ہم نے آپ کو ان پر محافظ اور نہیں ہیں آپ ان کے ذمے دار ③

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ كَذَلِكَ

اور مت گالی دو ان کو جنہیں پکارتے ہیں وہ اللہ کے سوا پس گالی دیں گے وہ (بھی) اللہ کو حد سے گزرتے ہوئے بغیر علم کے اسی طرح

زَيْنًا لِحُلِّ أُمَّةٍ عَلَيْهِمْ مِنْ ثُمَّ إِلَى رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْلَمُونَ ⑤

مزین کر دیا ہم نے ہر امت کیلئے انکا عمل، پھر طرف اپنے رب کی انکی واپسی ہے پس وہ خبر دے گا انہیں انکی جو تھے وہ عمل کرتے ⑤

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو ایک ایسے کام سے روکا ہے جو بنیادی طور پر جائز بلکہ مشروع ہے اور وہ ہے مشرکین کے معبودوں کو سب و شتم کرنا۔ جن کے بت بنائے گئے اور جن کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ معبود بنا لیا گیا ہے ان کی اہانت اور سب و شتم سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے، لیکن چونکہ یہ سب و شتم مشرکین کے لئے اللہ رب العالمین کو سب و شتم کرنے کا ذریعہ بن جاتا ہے جس عظیم ذات کی ہر عیب و آفت اور سب و شتم سے تزیہہ واجب ہے اس لئے مشرکین کے معبودوں کو برا بھلا کہنے سے روک دیا گیا ہے، کیونکہ وہ اپنے دین میں متعصب ہیں اور اپنے دین کے لئے جوش میں آجاتے ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے اعمال کو ان کے لئے مزین کر دیا ہے۔ وہ اعمال انہیں اچھے دکھائی دیتے ہیں لہذا وہ ہر طریقے سے ان کی مدافعت کرتے ہیں، حتیٰ کہ اگر مسلمان ان کے معبودوں کو گالی دیں تو وہ اللہ تعالیٰ کو بھی گالی دیئے بغیر نہیں رہتے جس کی عظمت ابرار و فجار کے دلوں میں راسخ ہے۔

مگر تمام مخلوق کو انجام کار قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹنا ہے، پھر انہیں اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہونا ہے اور ان کے اعمال پیش کئے جائیں گے اور جو وہ اچھا برا کام کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو آگاہ کرے گا۔

اس آیت کریمہ میں اس شرعی قاعدہ پر دلیل ہے کہ وسائل کا اعتبار ان امور کے ذریعے سے کیا جاتا ہے جن تک یہ پہنچاتے ہیں چنانچہ امور محرّمہ کی طرف لے جانے والے وسائل و ذرائع حرام ہیں، خواہ وہ فی نفسہ حلال ہی کیوں نہ ہوں۔

① مؤلف رحمۃ اللہ علیہ نے آیت نمبر ۱۰۴ کے بعد آیت نمبر ۱۰۵ تا ۱۰۷ کی تفسیر نہیں کی۔ از مفتح

وَأَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ لَئِن جَاءَتْهُمْ آيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا قُلْ إِنَّمَا

اور تمہیں کھائیں انہوں نے اللہ کی پختہ قسمیں کہ اگر آجائے انکے پاس (مخصوص) نشانی تو ضرور ایمان لائیں گے وہ اس پر کہہ دیجئے: ایقیناً
الآیَاتِ عِنْدَ اللَّهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۱۹﴾ وَنَقَلِبُ أَقْدَانَهُمْ

نشانیوں تو اللہ ہی کے پاس ہیں اور تمہیں کون سمجھائے یہ کہ جب وہ نشانی آجائے گی وہ ایمان نہیں لائیں گے اور پھیر دیں گے ہم ان کے دل

وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوْلَ مَرَّةٍ وَنَذَرَهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۲۰﴾

اور انکی آنکھیں جیسے نہیں ایمان لائے تھے وہ اس پر پہلی مرتبہ اور چھوڑ دیں گے ہم انکو انکی سرکشی میں سرگرداں پھرتے ہوئے

یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرنے والے مشرکین قسمیں اٹھاتے ہیں ﴿بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ﴾ یعنی زوردار اور موکد قسمیں ﴿لَئِن جَاءَتْهُمْ آيَةٌ﴾ ”اگر ان کے پاس کوئی نشانی آگئی“ جو محمد مصطفیٰ ﷺ کی صداقت پر دلالت کرتی ہو ﴿لَيُؤْمِنُنَّ بِهَا﴾ ”تو وہ ضرور اس پر ایمان لے آئیں گے“۔ یہ کلام جو ان سے صادر ہوا اس سے ان کا مقصد طلب ہدایت نہ تھا بلکہ ان کا مقصد تو محض دفع اعتراض اور اس چیز کو قطعی طور پر ٹھکراتا تھا جو انبیاء و رسل لے کر آئے ہیں۔ بلاشبہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی آیات و بینات اور واضح دلائل کے ساتھ تائید فرمائی۔ ان دلائل کی طرف التفات کرنے سے اس بات میں ادنیٰ سا شبہ اور اشکال باقی نہیں رہتا کہ جو کچھ آپ ﷺ لے کر مبعوث ہوئے ہیں وہ صحیح ہے۔ اس کے بعد ان آیات و معجزات کا مطالبہ کرنا محض تعنت ہے جس کا جواب دینا لازم نہیں بلکہ کبھی کبھی ان کو جواب نہ دینا ان کے لئے بہتر ہوتا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں اس کی سنت یہ ہے کہ اس کے انبیاء و رسل سے معجزات کا مطالبہ کرنے والوں کے پاس جب معجزات آجاتے ہیں اور وہ ان پر ایمان نہیں لاتے تو ان پر عذاب بھیج دیا جاتا ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ إِنَّمَا الْآيَاتُ عِنْدَ اللَّهِ﴾ ”کہہ دیجئے! کہ نشانیوں تو اللہ کے پاس ہیں“۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہی ہے جو جب چاہتا ہے معجزات نازل کرتا ہے اور وہ جب چاہتا ہے روک دیتا ہے۔ میرے اختیار میں کچھ بھی نہیں۔ لہذا مجھ سے تمہارا مطالبہ کرنا ظلم اور ایسی چیز کا مطالبہ ہے جس پر مجھے کوئی اختیار نہیں تاہم تمہارا مقصود اس سے صرف اس چیز کی توضیح و تصدیق ہے جو میں لایا ہوں جب کہ وہ ثابت شدہ امر ہے۔ بایں ہمہ یہ بھی معلوم نہیں کہ جب ان کے پاس یہ نشانیوں آجائیں گی تو یہ ان پر ایمان لے آئیں گے اور ان کی تصدیق کریں گے۔ بلکہ ان کے احوال یہ ہیں کہ وہ غالب طور پر صراطِ مستقیم پر گامزن ہونے کی توفیق سے محروم ہونے کی وجہ سے ایمان نہیں لاتے۔ بنا بریں فرمایا: ﴿وَمَا يُشْعِرُكُمْ أَنَّهَا إِذَا جَاءَتْ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ ”اور تمہیں کیا معلوم کہ جب ان کے پاس نشانیوں آ بھی جائیں تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔“

﴿وَنَقَلِبُ أَقْدَانَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوْلَ مَرَّةٍ وَنَذَرَهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾ ”اور ہم

’الٹ دیں گے ان کے دل اور ان کی آنکھیں جیسے کہ ایمان نہیں لائے نشانیوں پر پہلی بار اور ہم چھوڑے رکھیں

گے ان کو ان کی سرکشی میں بہکتے ہوئے۔ یعنی جب ان کے پاس حق کی دعوت دینے والا آیا اور ان پر حجت قائم ہو گئی مگر وہ ایمان نہیں لائے۔ اس پہلی مرتبہ کے انکار کے نتیجے میں ہم ان کو عذاب دیں گے ان کے دلوں کو حق سے پھیر کر ان کے اور ایمان کے درمیان حائل ہو کر اور صراط مستقیم پر گامزن ہونے کی توفیق سے محروم کر کے۔ یہ بندوں کے ساتھ اس کا عدل اور اس کی حکمت ہے۔ انہوں نے اپنے آپ پر جرم کا ارتکاب کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے دروازہ کھولا مگر وہ اس میں داخل نہیں ہوئے اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ہدایت کا راستہ واضح کر دیا، لیکن وہ اس پر گامزن نہ ہوئے۔ اگر اس کے بعد ان کو توفیق سے محروم کر دیا گیا تو یہ ان کے احوال کے عین مطابق ہے۔



وَلَقَدْ بَعَثْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهِيَ كَلِمٌ مَبْدُوءَةٌ

تَذَكِّرُ بِالْحِكْمِ وَالنَّبِيِّينَ
فِي تَفْسِيرِ كَلَامِ الْمَنَانِ

المعروف

(أردو)

تفسیر السعدی

فی تفسیر عبد الرحمن بن ناصر السعدی

دار السلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور
لندن • ہیوسٹن • نیو یارک



ہیڈ آفس : پوسٹ بکس: 22743 الزیاض: 11416 سعودی عرب

فون : 4033962 - 4043432 (00966 1) فیکس: 4021659

ای میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون و فیکس: 4614483

جدہ فون و فیکس: 6807752 البر فون: 8692900 فیکس: 8691551

شارجہ فون : 5632623 فیکس: 5632624 (009716)

پاکستان: ① 50 نورمال نزدیم - لے - اوکلیج لاہور فون: 7232400 - 7240024 (0092 42)

فیکس: 7354072 ای میل: darussalampk@hotmail.com

② اقراسنٹر، غزنی سٹریٹ، اڈوبازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

لندن فون: 5202666 فیکس: 5217645 (0044 208)

ہیوسٹن فون: 7220419 فیکس: 7220431 (001 713) نیویارک فون: 625 5925 (001 718)

Website: <http://www.dar-us-salam.com>

وَأَقْرَبُ لِلنَّبِيِّ وَالْقُرْآنِ لِلذَّكَوٰنِ مِنَ مَرْكَبٍ

تيسير الکرم الرحمن

فی تفسیر کلام المثنان
(اردو ترجمہ)

پارہ نمبر آٹھ 8

مفسر قرآن: فضیلہ شیخ عبدالرحمان بن ناصر السعدی رحمۃ اللہ علیہ

تحریر: عبدالرحمان بن محمد اللہوی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: انیس پر وفیسر طیب شاہین لودھی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: قرآن: حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ



دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ



فرمان الہی

وَقَالَ الرَّسُولُ
يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَلْجُودًا

اور رسول (ﷺ) روز قیامت فرمائیں گے:
"اے الہی! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔"
(الفرقان: ۲۵-۳۷)

فرمان نبوی

إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ
بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيُضَعُّ بِهَا خَيْرِينَ

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو بلندیاں
عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلت و پستی میں ڈھیل دیتا ہے
(صحیح مسلم، حدیث: ۸۱۷)

پاره نمبر آٲه 8

شمار پاره	صفءه نمبر	نام سورت	نمبر شمار
٨ - ٤	811	سورة الأنعام (جاری)	٦
٩ - ٨	854	سورة الأعراف	٤

وَلَوْ أَنَّا نَزَّلْنَا إِلَيْهِمُ الْمَلَكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ

اور اگر بلاشبہ ہم نازل کرتے ان کی طرف فرشتے اور کلام کرتے ان سے مردے اور اکٹھا کر دیتے ہم ان پر ہر چیز کو

قُبَلًا مَّا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ يَجْهَلُونَ ﴿١١﴾

سامنے، تب بھی نہ تھے وہ کہ ایمان لے آتے مگر یہ کہ چاہتا اللہ لیکن اکثر ان کے جہالت سے کام لیتے ہیں ○

اسی طرح ان کا اپنے ایمان کو اپنے ارادے اور خود اپنی مشیت سے معلق کرنا اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ نہ کرنا سب سے بڑی غلطی ہے۔ کیونکہ اگر ان کے پاس بڑی بڑی نشانیاں اور معجزات بھی آجائیں، فرشتے نازل ہو کر رسول کی رسالت کی شہادت دے دیں ان کے ساتھ مردے باتیں کرنے لگیں اور خود ان کو مارنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دیا جائے ﴿وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ اور زندہ کر دیں ہر چیز کو ان کے سامنے، حتیٰ کہ وہ ان کے ساتھ باتیں کریں ﴿قُبَلًا﴾ ”سامنے“ یعنی ان کے سامنے نظر آتے ہوئے اس چیز کی تصدیق کریں جسے لے کر رسول آیا ہے، تب بھی ان کے حصے میں ایمان نہیں آسکتا، اگر اللہ کی مشیت ان کے ایمان لانے کی نہ ہو۔ مگر ان میں سے اکثر جاہل ہیں اسی لیے انہوں نے اپنے ایمان کو مجرد آیات و معجزات کے ساتھ مشروط کیا ہے۔

عقل اور علم کا تقاضا تو یہ ہے کہ بندے کا مطلوب و مقصود اتباع حق ہو اور وہ اسے ان طریقوں سے تلاش کرے جنہیں اللہ تعالیٰ نے واضح کر دیا ہے، حق پر عمل کرے اور اس کی اتباع میں اپنے رب کی مدد طلب کرے۔ اپنے نفس اور اپنی قوت و اختیار پر بھروسہ نہ کرے اور ان آیات و معجزات کا مطالبہ نہ کرے جن کا کوئی فائدہ نہیں۔

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيْطِينَ الْإِنْسِ وَالْجِنَّ يُوحَىٰ بَعْضُهُمْ

اور اسی طرح بنائے ہم نے ہر نبی کے دشمن شیطان انسانوں اور جنوں (دونوں) میں سے، ڈالتا ہے ایک ان کا

إِلَىٰ بَعْضِ زُخْرَفِ الْقَوْلِ غُرُورًا وَلَوْ شَاءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوهُ فَذَرْهُمْ

دوسرے کی طرف بلع کی ہوئی بات دھوکہ دینے کیلئے اور اگر چاہتا آپکا رب تو نہ کرتے وہ یہ (کام) پس چھوڑیے آپ ان کو

وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿١٢﴾ وَلِيَتَصْنَعِيَ إِلَيْهِ أَفْدَاةَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

اور جو وہ افترا باندھتے ہیں ○ اور تاکہ مائل ہو جائیں اس (جھوٹ) کی طرف دل ان کے جو نہیں ایمان لاتے

بِالْآخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُمْ مُقْتَرِفُونَ ﴿١٣﴾

آخرت پر اور تاکہ راضی ہوں وہ اس (جھوٹ) سے اور تاکہ کرتے رہیں (برے کام) جو وہ کر رہے ہیں ○

اللہ تبارک و تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے جس طرح ہم نے آپ کے دشمن بنا دیئے جو آپ کی دعوت کو ٹھکراتے ہیں اور آپ سے حسد کرتے ہیں، تو یہ ہماری سنت ہے، ہم ہر نبی کے جس کو ہم مخلوق کی طرف مبعوث کرتے ہیں، جنوں اور انسانوں میں سے دشمن مقرر کر دیتے ہیں وہ ان تمام امور کی مخالفت کرتے ہیں

جنہیں رسول لے کر آئے ہیں۔ ﴿يُوجِي بَعْضُهُمْ إِلَى بَعْضٍ زُخْرَفَ الْقَوْلِ غُرُورًا﴾ ”سکھلاتے ہیں وہ ایک دوسرے کو طمع کی ہوئی باتیں، فریب دینے کے لیے“ یعنی وہ ایک دوسرے کو ان باطل امور کو سجا کر اور مزین کر کے پیش کرتے ہیں جن کی طرف وہ دعوت دیتے ہیں اور وہ اس کی تعبیرات کو آراستہ کر کے بہترین اسلوب میں پیش کرتے ہیں تاکہ بیوقوف اس سے دھوکہ کھا جائیں اور سیدھے سادے لوگ ان کے سامنے سراطعت خم کر دیں جو حقائق کا فہم رکھتے ہیں نہ معانی کو سمجھتے ہیں؛ بلکہ خوبصورت الفاظ اور طمع سازی ان کو اچھی لگتی ہے؛ پس وہ حق کو باطل اور باطل کو حق سمجھنے لگتے ہیں۔ بنا بریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلِيَتَصَفَّى إِلَيْهِ﴾ ”تاکہ اس کی طرف مائل ہوں۔“ یعنی اس مزین کلام کو سننے کی طرف مائل ہوں ﴿أَفِيْدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ﴾ ”ان لوگوں کے دل جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے“ کیونکہ یوم آخرت پر ان کا ایمان نہ رکھنا اور عقل نافع سے ان کا محروم ہونا؛ ان کو اس بات پر آمادہ کرتا ہے ﴿وَلِيَبْزُوهُ﴾ ”اور تاکہ وہ اس کو پسند بھی کر لیں“ یعنی اس کی طرف مائل ہونے کے بعد۔ پس ان کے دل پہلے اس کی طرف مائل ہوتے ہیں پھر ان خوبصورت اور مزین عبارت کو جب دیکھتے ہیں تو ان کو پسند کرنے لگتے ہیں یہ عبارات ان کے دل میں سج جاتی ہیں اور ایک راسخ عقیدہ اور لازم وصف بن جاتی ہیں۔ پھر اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ان سے اس قسم کے اعمال سرزد ہوتے ہیں یعنی وہ اپنے قول و فعل میں جھوٹ کا ارتکاب کرتے ہیں جو ان عقائد قبیحہ کا لازمہ ہیں پس یہ حال ان شیاطین جن و انس کا ہے جو ان کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ رہے آخرت پر ایمان رکھنے والے عقل مند اور سنجیدہ لوگ تو وہ ان عبارات سے دھوکہ کھاتے ہیں نہ ان طمع سازیوں کا شکار ہوتے ہیں؛ بلکہ ان کی ہمت اور ان کے ارادے حقائق کی معرفت حاصل کرنے میں مصروف رہتے ہیں وہ ان معانی پر نظر رکھتے ہیں جن کی طرف دعوت دینے والے دعوت دیتے ہیں۔ اگر یہ معانی حق ہیں تو انہیں قبول کر لیتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں خواہ ان کو کم تر عبارات اور غیر وافی الفاظ میں کیوں نہ بیان کیا گیا ہو اور اگر یہ معانی باطل ہیں تو انہیں ان کے قائل کی طرف لوٹا دیتے ہیں خواہ ان کا قائل کوئی بھی ہو اور خواہ ان الفاظ کو ریشم سے بھی زیادہ خوشنما لبادہ اوڑھادیا گیا ہو۔

یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی حکمت بالغہ ہے کہ اس نے انبیاء کرام علیہم السلام کے دشمن بنا دیئے اور باطل کے انصار و اعوان مقرر کر دیئے جو باطل کی طرف دعوت دیتے ہیں تاکہ اس کے بندوں کی آزمائش اور امتحان ہو سکے اور سچے جھوٹے، عقل مند اور جاہل، صاحب بصیرت اور اندھے کے درمیان امتیاز ہو سکے اور یہ بھی اس کی حکمت کا حصہ ہے کہ حق و باطل کی اس کشمکش کے اندر حق کی تمیز اور توضیح ہے کیونکہ جب باطل حق کا مقابلہ کرتا ہے تو حق روشن ہو کر اور نکھر کر سامنے آ جاتا ہے۔ تب اس وقت حق کے وہ دلائل اور شواہد واضح ہو جاتے ہیں جو حق کی صداقت اور حقیقت اور باطل کے فساد اور اس کے بطلان پر دلالت کرتے ہیں جو سب سے بڑا مقصد ہے جس کی طرف ایک دوسرے سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہیں۔

أَفَغَيْرَ اللَّهِ ابْتِغَىٰ حَكْمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا وَالَّذِينَ
 كَفَرُوا بِهِمْ لَا يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنْزَلٌ مِّن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُونَنَّ
 مِنَ الْمُنْتَرِينَ ﴿١١٧﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ
 وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١١٨﴾

اور وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے

یعنی اے رسول ﷺ! ان سے کہہ دیجئے ﴿أَفَغَيْرَ اللَّهِ ابْتِغَىٰ حَكْمًا﴾ ”کیا میں اللہ کے سوا کوئی منصف تلاش کروں“ اور اس کے پاس اپنے فیصلے لے کر جاؤں اور اس کے اوامر و نواہی کی پابندی کروں؟ کیونکہ غیر اللہ حاکم نہیں محکوم ہوتا ہے اور مخلوق کے لیے ہر تدبیر اور ہر فیصلہ، نقص، عیب اور ظلم و جور پر مشتمل ہوتا ہے اور جسے حاکم بنانا واجب ہے، وہ صرف اللہ وحدہ لا شریک لہ کی ذات ہے جو خلق و امر کی مالک ہے۔ ﴿وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا﴾ ”حالانکہ اسی نے اتاری ہے تم پر کتاب واضح“، یعنی جس میں حلال و حرام احکام شریعت اور دین کے اصول و فروع واضح کئے گئے ہیں، اس کی توضیح سے بڑھ کر کوئی توضیح نہیں، اس کی دلیل سے روشن کوئی دلیل نہیں، اس کے فیصلے سے اچھا کوئی فیصلہ نہیں اور اس کی بات سے زیادہ درست کسی کی بات نہیں کیونکہ اس کے احکام حکمت و رحمت پر مشتمل ہیں۔

کتب سابقہ کے حاملین یہود و نصاریٰ اس حقیقت کو پہچانتے ہیں ﴿يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنْزَلٌ مِّن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ﴾ ”(اور) جانتے ہیں کہ وہ آپ کے رب کی طرف سے ٹھیک نازل ہوئی ہے“ اسی لیے اخبار سابقہ اس کی موافقت کرتی ہیں ﴿فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُنْتَرِينَ﴾ پس آپ اس بارے میں شک و شبہ میں مبتلا نہ ہوں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے فرمایا ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا﴾ ”اور آپ کے رب کی بات پوری سچی ہے اور انصاف کی“، یعنی خبر میں صداقت اور اوامر و نواہی میں عدل ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کتاب عزیز میں جو خبریں بیان کی ہیں اس سے سچی کوئی خبر نہیں اور اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی سے بڑھ کر کسی حکم میں عدل و انصاف نہیں۔ ﴿لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ﴾ ”اس کی بات کو کوئی بدلنے والا نہیں“ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت فرمائی ہے اور صدق کی مختلف انواع اور حق کے ذریعے سے ان کو محکم کیا ہے۔ اس لیے ان میں تغیر و تبدل کرنا ممکن نہیں اور نہ اس سے زیادہ خوبصورت کلام وجود میں لایا جاسکتا ہے ﴿وَهُوَ السَّمِيعُ﴾ ”اور وہ سنتا ہے“

وہ مختلف زبانوں اور متفرق حاجتوں پر مبنی تمام آوازوں کو سن سکتا ہے ﴿الْعَلِيمُ﴾ ”جانتا ہے۔“ جس کا علم ظاہر و باطن اور ماضی و مستقبل ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے۔

وَإِنْ تُطِيعْ أَكْثَرُ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ إِنْ يَتَّبِعُونَ

اور اگر اطاعت کریں آپ اکثر کی ان میں سے جو زمین میں ہیں تو وہ بہکا دیں گے آپ کو اللہ کے راستے سے نہیں پیروی کرتے وہ

إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿١١٦﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ

مگر اپنے گمان کی اور نہیں ہیں وہ مگر اٹکل بچھو کرتے ۱۱۶ یقیناً آپ کا رب وہ خوب جانتا ہے اس کو جو بہکتا ہے

عَنْ سَبِيلِهِ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١١٧﴾

اس کی راہ سے اور وہ خوب جانتا ہے ہدایت یافتہ لوگوں کو ۱۱۷

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ کو لوگوں کی اکثریت کی اطاعت سے بچنے کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا ہے ﴿وَإِنْ تُطِيعْ أَكْثَرُ مَنْ فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ ”اگر آپ کہنا مانیں گے اکثر ان لوگوں کا جو دنیا میں ہیں تو آپ کو اللہ کے راستے سے بہکا دیں گے“ کیونکہ ان میں سے اکثر لوگ اپنے دین اعمال اور علوم سے منحرف ہو چکے ہیں۔ پس ان کے دین فاسد اور ان کے اعمال ان کی خواہشات نفس کے تابع ہیں اور ان کے علوم میں تحقیق ہے نہ سیدھے راستے کی طرف راہنمائی۔ ان کا تمام تر مقصد ظن و گمان کی پیروی ہے اور ظن و گمان حق کے مقابلے میں کچھ کام نہیں آتا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں محض اندازوں سے ایسی بات کہتے ہیں جس کا انہیں علم نہیں۔ جس کے یہ احوال ہوں تو اس سے اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو ڈرانا اور ان کے احوال کو بیان کرنا مناسب ہے کیونکہ اس آیت کریمہ کا خطاب اگرچہ نبی اکرم ﷺ کی طرف ہے تاہم آپ کی امت ان تمام احکام میں آپ کی تابع ہے جو خصوصی طور پر صرف آپ کے لیے نازل نہیں فرمائے گئے اور اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ سچی بات کہنے والا ہے ﴿هُوَ أَعْلَمُ مَنْ يَضِلُّ عَنْ سَبِيلِهِ﴾ ”وہ خوب جانتا ہے اس کو جو اس کے راستے سے بھٹکے“ اور وہ اسے بھی جانتا ہے جو راہ راست پر چلے اور جو راہ راست کی طرف راہنمائی کرے۔ پس اے مومنو! تم پر فرض ہے کہ تم اس کی نصیحتوں پر عمل کرو اور اس کے اوامر و نواہی کی پیروی کرو۔ کیونکہ وہ تم سے زیادہ تمہارے مصالِح کا علم رکھتا ہے اور تم سے زیادہ تم پر رحم کرنے والا ہے۔

یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ کسی گروہ کی کثرت سے اس کے حق ہونے پر استدلال نہیں کیا جاسکتا اور اسی طرح اگر کسی معاملے میں اس کو اختیار کرنے والے تھوڑے ہوں تو یہ قلت ان کے ناحق ہونے کی دلیل نہیں بن سکتی بلکہ اسکے برعکس فی الواقع حقیقت یہ ہے کہ اہل حق تعداد میں بہت کم اور اللہ تعالیٰ کے ہاں قدر اور اجر میں بہت عظیم ہوتے ہیں۔ اس لیے ضروری ہے کہ حق و باطل کی پہچان کے لیے ان ذرائع کو اختیار کیا جائے جو اس کے

لیے معروف ہیں۔

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ أَلَّا

پس کھاؤ تم اس (جانور) میں سے کہ ذکر کیا گیا ہے نام اللہ کا اس پر اگر ہو تم اسکی آیتوں پر ایمان لائو الے اور کیا ہے تمہیں کہ نہ

تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَضَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا

کھاؤ تم اس (جانور) میں سے کہ ذکر کیا گیا ہے نام اللہ کا اس پر؟ جبکہ واضح کر دیا ہے اس نے تمہارے لیے جو حرام کیا ہے اس نے تم پر گمراہ کہ

اضْطُرْتُمْ إِلَيْهِ وَإِنْ كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ بِأَهْوَاءِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ إِنْ رَبَّكَ

مجبور کر دیئے جاؤ تم اس (کے کھانے) پر اور بلاشبہ اکثر لوگ بہکاتے ہیں (لوگوں کو) اپنی خواہشات سے بغیر علم کے بیشک آپ کا رب

هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ﴿۱۱۹﴾

وہ خوب جانتا ہے حد سے گزرنے والوں کو

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ایمان کے تقاضے پورے کرنے کا حکم دیتا ہے نیز وہ یہ بھی حکم دیتا ہے کہ اگر وہ مومن ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں تو وہ ان حلال مویشیوں کا گوشت کھائیں جن پر ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو اور ان جانوروں کی حلت کا اعتقاد بھی رکھیں اور اس طرح نہ کریں جس طرح اہل جاہلیت کیا کرتے تھے۔ انہوں نے شیاطین کے گمراہ کرنے کے باعث اپنی طرف سے گھڑ کے بہت سی حلال چیزوں کو حرام قرار دے رکھا تھا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ مومن کی علامت یہ ہے کہ وہ اس مذموم عادت میں جو اللہ تعالیٰ کی شریعت میں تغیر و تبدل کو مضممن ہے اہل جاہلیت کی مخالفت کریں نیز یہ کہ کون سی چیز ہے جو انہیں اس جانور کو کھانے سے روکتی ہے جس پر اللہ تعالیٰ کا نام لیا گیا ہو؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر مفصل طور پر بیان کر کے واضح کر دیا ہے کہ کون سی چیز ان پر حرام ٹھہرائی گئی ہے؟ تب کوئی اشکال اور کوئی شبہ باقی نہیں رہتا کہ حرام میں پڑنے کے خوف کی وجہ سے بعض حلال چیزیں بھی کھانی چھوڑ دی جائیں۔ اور آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ تمام اشیا میں اصل اباحت ہے۔ اگر شریعت کسی چیز کو حرام قرار نہیں دیتی تو وہ اپنی اباحت پر باقی ہے۔ پس جس چیز کے بارے میں اللہ تعالیٰ خاموش ہے وہ حلال ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو حرام ٹھہرایا ہے اس کی تفصیل بیان کر دی ہے اور جس کے بارے میں کوئی تفصیل بیان نہیں کی وہ حرام نہیں ہے۔ بایں ہمہ وہ حرام چیزیں جن کو اللہ تعالیٰ نے وضاحت کے ساتھ کھول کھول کر بیان کر دیا ہے ان کو بھی اللہ تعالیٰ نے سخت بھوک اور اضطراری حالت میں مباح کر دیا ہے ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةُ وَالِدَامُ وَلَحْمُ الْخَنزِيرِ﴾ ”تم پر مبراہو جانور بہتا خون اور خنزیر کا گوشت حرام کر دیا گیا ہے۔“ اس کے بعد فرمایا ﴿فَمَنْ اضْطُرَّ فِي مَخْصَصَةٍ غَيْرِ مُتَجَانِفٍ لِآثِمٍ فَإِنَّ اللَّهَ عَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ (المائدہ: ۳۱۵) ”اگر کوئی بھوک کی شدت میں مجبور ہو جائے اور وہ گناہ کی طرف مائل نہ ہو تو اللہ بخشنے

والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے بہت سے لوگوں سے ڈراتے ہوئے فرمایا: ﴿وَأِنَّ كَثِيرًا لِّيَضِلُّونَ بِأَهْوَاءِهِمْ﴾ ”اور بہت سے لوگ بہکاتے ہیں اپنی خواہشات سے، یعنی مجرذ خواہشات نفس کے ذریعے سے ﴿بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ بغیر کسی علم اور بغیر کسی دلیل کے۔۔۔ پس بندے کو اس قسم کے لوگوں سے بچنا چاہئے اور جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے سامنے ان کے اوصاف بیان کئے ہیں۔ ان کی علامت یہ ہے کہ ان کی دعوت کسی دلیل اور برہان پر مبنی نہیں ہے اور نہ ان کے پاس کوئی شرعی حجت ہے۔ پس ان کی فاسد خواہشات اور گھٹیا آراء کے مطابق ان کو شبہ لاحق ہوتا ہے۔ پس یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کے بندوں پر ظلم و تعدی کا ارتکاب کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اس کے برعکس راہ راست کی طرف راہنمائی کرنے والے ہدایت یافتہ لوگ حق اور ہدایت کی طرف دعوت دیتے ہیں اور اپنی دعوت کو دلائل عقلیہ و نقلیہ کی تائید فراہم کرتے ہیں اور وہ اپنی دعوت میں اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے تقرب کے سوا اور کوئی مقصد پیش نظر نہیں رکھتے۔

وَذُرُّوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيَجْزَوْنَ

اور چھوڑ دو ظاہر گناہ اور پوشیدہ گناہ بلاشبہ جو لوگ کرتے ہیں گناہ عنقریب جزاء دیئے جائیں گے وہ

بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۱۳۰﴾

ساتھ اس کے جو تھے وہ کرتے ○

یہاں (اثم) سے مراد تمام معاصی ہیں جو بندے کو گناہ گار کرتے ہیں یعنی اسے ان امور کے بارے میں گناہ اور حرج میں مبتلا کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور بندوں کے حقوق سے متعلق ہوتے ہیں۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ظاہری اور باطنی گناہوں کے ارتکاب سے منع کیا ہے یعنی چھپ کر یا علانیہ ان تمام گناہوں سے روکا ہے جو بدن، جوارح اور قلب سے متعلق ہیں۔ بندہ ظاہری اور باطنی گناہوں کو اس وقت تک کامل طور پر ترک نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ بحث و تحقیق کے بعد ان کی معرفت حاصل نہیں کر لیتا۔ بنا بریں گناہوں کے بارے میں بحث و تحقیق کرنا، قلب و جوارح کے گناہوں کی معرفت اور ان کے بارے میں علم حاصل کرنا مکلف پر حتمی طور پر فرض ہے اور بہت سے لوگوں پر ان کے گناہ مخفی رہتے ہیں خاص طور پر قلب کے گناہ چھپے رہتے ہیں مثلاً تکبر، خود پسندی اور ریا وغیرہ۔ یہاں تک کہ بندہ ان میں سے بہت سے گناہوں کا مرتکب ہوتا ہے مگر اسے اس کا احساس اور شعور تک نہیں ہوتا اور یہ علم سے اعراض اور عدم بصیرت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ جو لوگ ظاہری اور باطنی گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں ان کے اکتساب کے مطابق اور ان کے گناہوں کی قلت و کثرت کے اعتبار سے ان کو سزا دی جائے گی اور یہ سزا آخرت میں ملے گی۔

کبھی کبھی بندے کو دنیا میں مزادے دی جاتی ہے اس طرح اس کی برائیوں اور گناہوں میں تخفیف ہو جاتی ہے۔

وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ وَإِنَّ الشَّيْطَانَ

اور مت کھاؤ تم اس (جانور) میں سے کہ نہیں ذکر کیا گیا نام اللہ کا اس پر اور یقیناً یہ (کھانا) البتہ فسق ہے اور بلاشبہ شیطان

لَيُؤْحِنُ إِلَىٰ أَوْلِيَٰهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿۱۶﴾

البتہ (شبہات) ڈالتے ہیں طرف اپنے دوستوں کی تاکہ جھگڑا کریں وہ تم سے اور اگر اطاعت کی تم نے انکی تو یقیناً تم بھی البتہ مشرک ہو گے ○

اس ممانعت میں وہ اشیا بھی داخل ہیں جن پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو مثلاً بتوں اور مشرکین کے معبودوں کے لیے ذبح کرنا۔ اور یہ ممانعت ﴿أَهْلًا بِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ﴾ (المائدہ: ۳۱۵) ”جس چیز پر اللہ کے سوا کسی اور کا نام پکارا جائے۔“ کی نص کے ذریعے سے خصوصی طور پر حرام ہے۔ اس تحریم میں وہ جانور بھی شامل ہیں جو اللہ کے لیے ذبح کئے گئے ہوں مگر ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو مثلاً قربانی اور ہدی کے جانور کا ذبیحہ یا گوشت کھانے کے لیے جانور ذبح کرنا۔ بہت سے علماء کے نزدیک یہ جانور اس وقت حرام ہوگا جب جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کا نام نہ لیا گیا ہو اور اس عموم سے دوسری نصوص کی بنا پر دفع حرج کی خاطر بھول کر ذبح کرتے وقت اللہ تعالیٰ کا نام چھوڑنے والا مستثنیٰ ہے۔ اس تحریم میں وہ جانور بھی شامل ہے جو بغیر ذبح کئے مرجاتا ہے کیونکہ اس پر بھی اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیا گیا ہوتا۔ اور اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر یہ نص بیان فرمائی ہے ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ الْمَيْتَةُ﴾ (المائدہ: ۳۱۵) ”تم پر مردہ جانور حرام کر دیا گیا ہے“ اور شاید اس فرمان کے نازل ہونے کی وجہ بھی یہی ہے ﴿وَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَيُؤْحِنُ إِلَىٰ أَوْلِيَٰهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ﴾ ”اور شیطان دل میں ڈالتے ہیں اپنے رفیقوں کے تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں“ یعنی وہ تمہارے ساتھ بغیر کسی علم کے جھگڑا کریں گے کیونکہ مشرکین نے جب یہ سنا کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے مردار کو حرام قرار دے دیا ہے اور جس کو ذبح کیا گیا ہو اس کو حلال قرار دیا ہے اور ان کا مسلک یہ تھا کہ وہ مردار کے کھانے کو حلال سمجھتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول سے عناد کی بنا پر بغیر کسی دلیل اور برہان کے کہا ”تم اس جانور کو تو کھا لیتے ہو جسے تم نے خود قتل کیا اور وہ جانور نہیں کھاتے جسے اللہ تعالیٰ نے قتل کیا ہے“ اور اس سے مراد وہ مردار لیتے۔

یہ انتہائی فاسد رائے ہے جو کسی دلیل اور حجت کی بنیاد پر نہیں بلکہ ان کی کج بخشی کی بنیاد پر قائم کی گئی ہے۔ اگر حق ان کی آراء کا تابع ہوتا تو زمین و آسمان اور ان کے رہنے والے سب فساد کا شکار ہو جاتے۔ اس لیے ہلاکت ہے اس شخص کے لیے جو اللہ تعالیٰ کی شریعت اور اس کے احکام پر جو کہ مصالح عامہ اور منافع خاصہ کے موافق ہیں اس عقل کو مقدم رکھتا ہے۔ اور یہ ان سے کچھ بعید بھی نہیں کیونکہ یہ آراء ان سے اس بنا پر صادر ہوئی ہیں کہ ان کے سر پرست شیاطین انکو باطل آراء الہام کرتے ہیں جو یہ چاہتے ہیں کہ مخلوق بھٹک کر اپنے دین سے دور

ہو جائے اور وہ ان کو دعوت دیتے رہتے ہیں تاکہ وہ جہنمی بن جائیں ﴿وَإِنْ أَعْطَيْنَاهُمْ﴾ اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی۔ یعنی اگر تم نے ان کے شرک ان کے حرام کو حلال ٹھہرانے اور حلال کو حرام قرار دینے میں ان کی بات مانی ﴿إِنَّكُمْ لَشُرِكُونَ﴾ ”تو تم بھی مشرک ہو جاؤ گے“ کیونکہ تم نے اللہ کو چھوڑ کر ان کو اپنا سرپرست اور والی بنا لیا ہے اور وہ جس بنیاد پر مسلمانوں سے علیحدہ ہوئے تم نے بھی اس کی موافقت کی اس لیے تمہارا راستہ اور ان کا راستہ ایک ہے۔

یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ وہ کشف والہامات جو دل میں القاء ہوتے ہیں اور یہ کشف والہام خاص طور پر صوفیہ کے ہاں بہت کثرت سے واقع ہوتے ہیں۔۔۔ اپنے مجرد الہام ہونے کی بنا پر اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ حق ہیں۔ اور ان کی اس وقت تک تصدیق نہیں کی جاسکتی جب تک کہ ان کو قرآن و سنت پر پیش نہ کیا جائے۔ اگر قرآن و سنت ان کو قبول کرنے کی شہادت دیں تو ان کو قبول کر لیا جائے۔ اگر یہ کشف والہام قرآن و سنت کے منافی ہوں تو ان کو رد کر دیا جائے۔ اگر ان کا حق یا باطل ہونا واضح نہ ہو تو اس میں توقف کیا جائے اس کی تصدیق کی جائے نہ تکذیب۔ کیونکہ وحی اور الہام شیطان کی طرف سے بھی ہوتا ہے اس لیے الہام رحمانی اور الہام شیطانی کے مابین فرق اور امتیاز کرنا نہایت ضروری ہے کیونکہ دونوں قسم کے الہامات کے درمیان عدم تفریق سے بندہ جن غلطیوں اور گمراہیوں کا شکار ہوتا ہے ان کو اللہ کے سوا کوئی شمار نہیں کر سکتا۔

أَوْ مَنْ كَانَ مَيِّتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَشِيءُ بِهِ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَثَلُهُ

کیا وہ شخص جو تھا مردہ پھر زندہ کیا ہم نے اس کو اور بنا دیا اس کیلئے نور وہ چلتا ہے اسکے ساتھ لوگوں میں اس شخص جیسا (ہو سکتا) ہے

فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِنْهَا كَذَلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٢﴾

جو کہ اندھیروں میں ہے نہیں نکلتا ان سے اسی طرح مزین کئے گئے کافروں کے لیے وہ (کام) جو تھے وہ کرتے ○

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا فِي كُلِّ قَرْيَةٍ أَكْبَرًا مُجْرِمِيهَا لِيُبْكَرُوا فِيهَا وَمَا يَمْكُرُونَ

اور اسی طرح بنا دیا ہم نے ہر بستی میں بڑے لوگوں کو جرائم پیشہ اس بستی کا تاکہ مکر کریں وہ اس میں اور نہیں مکر کرتے وہ

إِلَّا بِأَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿١٣٣﴾ وَإِذَا جَاءَتْهُمْ آيَةٌ قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ حَتَّى نُؤْتَىٰ

مگر اپنے آپ ہی سے نہیں شعور رکھتے وہ ○ اور جب آتی ہے ان کے پاس نشانی تو کہتے ہیں! ہرگز نہیں ایمان لائیں گے ہم یہاں تک کہ دیئے جائیں ہم

مِثْلَ مَا أُوتِيَ رَسُلُ اللَّهِ ۗ اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ۗ سَيُصِيبُ الَّذِينَ

مثل اسکے جو دیئے گئے اللہ کے رسول اللہ خوب جانتا ہے جہاں وہ رکھتا ہے اپنی رسالت، عنقریب پہنچے گی ان لوگوں کو جنہوں نے

أَجْرُمُوا صَغَارًا عِنْدَ اللَّهِ وَعَذَابٌ شَدِيدٌ ۗ لِمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ ﴿١٣٤﴾

جرم کئے ذلت اللہ کے ہاں اور شدید عذاب بوجہ اس کے جو تھے وہ مکر کرتے ○

﴿ اَوْ مَنْ كَانَ ﴾ بھلا ایک شخص جو کہ تھا، یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ کے ہدایت عطا کرنے سے پہلے ﴿ مَیۡتًا ﴾ ”مردہ“ یعنی کفر، جہالت اور گناہوں کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ﴿ فَاَحۡیٰنَا ﴾ پھر ہم نے اس کو زندہ کیا۔ پھر ہم نے اسے علم، ایمان اور اطاعت کی روشنی کے ذریعے سے زندہ کر دیا اور وہ اس روشنی میں لوگوں کے درمیان چلتا پھرتا ہوا اپنے امور میں بصیرت سے بہرہ ور ہوا اپنے راستے کو جانتا ہوا بھلائی کی معرفت رکھتا ہوا سے ترجیح دیتا ہوا اپنے آپ پر اور دوسروں پر اس کے نفاذ کی کوشش کرتا ہوا جو برائی کی معرفت رکھتا ہو، اسے ناپسند کرتا ہو اور اسے ترک کرنے کی کوشش کرتا ہو اور خود اپنی ذات سے اور دوسروں سے اس برائی کو دور کرنے کی کوشش کرتا ہو۔۔۔ کیا یہ اس شخص کے برابر ہو سکتا ہے جو جہالت، گمراہی، کفر اور گناہوں کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا ہو؟

﴿ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنۡهَا ﴾ ”وہاں سے نکلنے والا نہ ہو“ اس پر تمام راستے مشتبہ ہو گئے ہوں وہ تاریکی کے راستوں میں بھٹک رہا ہو، پس اسے غم و ہمووم، حزن اور بدبختی نے گھیر لیا ہو اور ان میں سے نکل نہ سکتا ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے عقل کو ان امور کے ذریعے سے متنبہ کیا ہے جن کا وہ ادراک کر سکتی ہے اور ان کی معرفت رکھتی ہے کہ یہ دونوں قسم کے شخص مساوی نہیں ہو سکتے ہیں جیسے رات اور دن، اندھیرا اور اجالا، زندہ اور مردہ برابر نہیں ہوتے۔ گویا یوں کہا گیا ہے کہ وہ شخص جو رتی بھر بھی عقل رکھتا ہے اس حالت میں رہنے کو کیسے ترجیح دے سکتا ہے اور وہ گمراہی کے اندھیروں میں حیران و سرگرداں کیسے رہ سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ نے جواب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ زَیۡنَ لِّلۡکٰفِرِیۡنَ مَا کَانُوۡا یَعۡمَلُوۡنَ ﴾ ”مزین کر دیئے گئے کافروں کی نگاہ میں ان کے کام، پس شیطان ان کے سامنے ان کے اعمال کو خوشنما بناتا رہتا ہے اور ان کو ان کے دل میں سجا تا رہتا ہے یہاں تک کہ یہ اعمال ان کو اچھے لگنے لگ جاتے ہیں اور حق دکھائی دیتے ہیں۔ یہ چیزیں عقیدہ بن کر ان کے دل میں بیٹھ جاتی ہیں اور ان کا وصف راسخ بن کر ان کے کردار میں شامل ہو جاتی ہیں۔ بنا بریں وہ اپنی برائیوں اور قباحتوں پر راضی رہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اندھیروں میں سرگرداں اور اپنے باطل میں لڑکھڑاتے رہتے ہیں۔ تاہم ان کی حیثیت ایک دوسرے سے مختلف ہوتی ہے۔ کچھ ان میں سے قائدین اور متبوعین ہیں اور کچھ تابع اور پیروکار۔

پہلی قسم میں وہ لوگ شامل ہیں جو انتہائی بدبختی کے احوال سے بہرہ یاب ہوئے بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَ کَذٰلِکَ جَعَلۡنَا فِیۡ کُلِّ قَرۡبَیۡۃٍ اَکۡبَرَ مُجۡرِمِیۡہَا ﴾ ”اور اسی طرح کئے ہیں ہم نے ہر بستی میں گناہ گاروں کے سردار“ یعنی وہ قائدین اور رؤسا جن کا جرم بہت بڑا اور سرکشی بہت سخت ہوتی ہے ﴿ لَیۡسَکُرُوۡا فِیۡہَا ﴾ ”کہ حیلے کیا کریں وہاں“ یعنی فریب کاری، شیطان کے راستے کی طرف دعوت دینے، انبیاء و مرسلین اور ان کے پیروکاروں کے ساتھ قوی و فعلی جنگ و جدل کے ذریعے سے سازشیں کریں، مگر ان کی سازش اور فریب کاری انجام کارا نہیں کے خلاف

جاتی ہے۔ وہ بھی چالیں چلتے ہیں اور اللہ تعالیٰ بھی چال چلتا ہے اور اللہ تعالیٰ بہترین چال چلنے والا ہے۔ اسی طرح اللہ تبارک و تعالیٰ کبارائے ہدی اور بڑے بڑے فاضل لوگوں کو کھڑا کرتا ہے جو ان مجرموں کا مقابلہ کرتے ہیں ان کے نظریات و اقوال کا جواب دیتے ہیں اللہ کے راستے میں جہاد کرتے ہیں اور اس طرح وہ ان راستوں پر گامزن ہوتے ہیں جو انہیں ان کے مقصد تک پہنچاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی مدد سے نوازتا ہے ان کی رائے کو درست کرتا ہے ان کو ثابت قدمی عطا کرتا ہے اور کامیابی ان کے اور ان کے دشمنوں کے مابین الٰہی بدلتی رہتی ہے۔ یہاں تک کہ انجام کار فتح و نصرت اور غلبہ اہل ایمان کے حصہ میں آتا ہے۔

بڑے بڑے مجرم صرف حسد اور بغاوت کی بنا پر باطل پر قائم اور حق کو ٹھکرا رہے تھے اور کہتے تھے: ﴿لَنْ نُؤْمِنَ حَتَّىٰ نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ رُسُلُ اللَّهِ﴾ ”ہم ہرگز نہ مانیں گے جب تک کہ نہ دیا جائے ہم کو جیسا کچھ دیا گیا ہے اللہ کے رسولوں کو“ یعنی نبوت اور رسالت۔ یہ ان کی طرف سے محض اللہ تبارک و تعالیٰ پر اعتراض ان کی خود پسندی اور اس حق کے مقابلے میں تکبر کا اظہار تھا جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و رسل پر نازل فرمایا تھا نیز اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان پر قدغن لگانی تھی۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے فاسد اعتراض کو رد کرتے ہوئے آگاہ فرمایا کہ یہ لوگ بھلائی کی صلاحیت نہیں رکھتے۔ نیز یہ کہ ان لوگوں کا انبیاء و مرسلین بنا تو کجا ان میں تو کوئی ایسی چیز بھی نہیں جو ان کو اللہ کے نیک بندوں میں شمار کرنے کی موجب ہو۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ﴾ ”اللہ خوب جانتا ہے اس موقع کو جہاں رکھے وہ اپنی پیغمبری“ یعنی اللہ کے علم میں جو رسول بننے کا اہل ہے جو رسالت کے بوجھ کو اٹھا سکتا ہے جو ہر قسم کے خلق جمیل سے متصف اور ہر قسم کے گندے اخلاق سے مبرا ہو اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے تقاضے کے مطابق اسے رسالت کا منصب عطا کرتا ہے اور جو اس معیار پر پورا نہ اترتا ہو اور اس کی اہلیت نہ رکھتا ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو اپنے بہترین مواہب سے ہرگز نہیں نوازتا اور نہ وہ اللہ تعالیٰ کے ہاں پاک گردانا جاتا ہے۔

یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے کمال حکمت پر دلالت کرتی ہے۔ ہر چند کہ اللہ تعالیٰ نہایت رحیم و وسیع جو دو کریم اور بہت فضل و احسان کا مالک ہے تاہم وہ حکیم بھی ہے اس لیے وہ اپنی بخشش سے صرف اس کو نوازتا ہے جو اس کا اہل ہوتا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجرموں کو وعید سناتے ہوئے فرمایا: ﴿سَيُصِيبُ الَّذِينَ أَجْرَمُوا صَغَارٌ عِنْدَ اللَّهِ﴾ ”عنقریب پہنچے گی گناہ گاروں کو ذلت اللہ کے ہاں“ یعنی اہانت اور ذلت۔ جیسے وہ حق کے ساتھ تکبر سے پیش آئے اللہ تعالیٰ نے ان کو ذلیل و رسوا کر دیا۔ ﴿وَعَذَابٌ شَدِيدٌ بِمَا كَانُوا يَمْكُرُونَ﴾ ”اور سخت عذاب اس وجہ سے کہ وہ مکر کرتے تھے“ یعنی یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر ظلم نہیں بلکہ ان کی چال بازیوں کے سبب سے اللہ تعالیٰ انہیں سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔

فَمَنْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يَهْدِيَهُ يَشْرَحْ صَدْرَهُ لِلْإِسْلَامِ وَمَنْ يُرِدْ أَنْ يُضِلَّهُ
يَجْعَلْ صَدْرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا كَأْتَمَا يَضَعُ فِي السَّبَاءِ ط كَذَلِكَ يَجْعَلُ اللَّهُ
تو کر دیتا ہے اس کا سینہ تنگ انتہائی تنگ گویا کہ وہ چڑھ رہا ہے آسمان میں اسی طرح کرتا ہے اللہ

الرِّجْسَ عَلَى الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿١٧٥﴾

پلیدی اور ان لوگوں کے جو نہیں ایمان لاتے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں کے سامنے بندے کی سعادت و ہدایت اور اس کی شقاوت و ضلالت کی علامات بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ جس کو اسلام کے لیے انشراح صدر ہو جاتا ہے یعنی اس کا سینہ وسیع ہو جاتا ہے۔ تو دل نور ایمان سے منور اور یقین کے پر تو سے زندہ ہو جاتا ہے اور نفس ایمان پر مطمئن ہو جاتا ہے، نفس نیکی سے محبت کرنے لگتا ہے اور وہ نیکی میں لذت محسوس کرتے ہوئے نیکی کرتا ہے نیکی کو بوجھ نہیں سمجھتا۔ پس یہ اس بات کی علامت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ہدایت عطا کر دی ہے اور اسے توفیق سے نواز کر سب سے درست راستے پر گامزن کر دیا ہے اور جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے اس کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا سینہ تنگ اور گھٹا ہوا کر دیتا ہے یعنی اس کا سینہ ایمان، علم اور یقین کے لیے بہت تنگ ہو جاتا ہے اس کا دل شہوات و شہوات کے سمندر میں غرق ہو جاتا ہے، بھلائی اس تک راہ نہیں پاسکتی نہ بھلائی اور نیکی کے لیے اس کو انشراح صدر حاصل ہوتا ہے۔ گویا وہ سخت تنگی اور شدت میں ہے، گویا وہ آسمان پر چڑھ رہا ہے۔ یعنی اسے آسمان پر چڑھنے کا مکلف کیا جا رہا ہے جہاں چڑھنے کا اس کے اندر کوئی حیلہ نہیں۔

یہ ہے ان کے عدم ایمان کا سبب اور یہی وہ چیز ہے جو اس بات کی موجب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر عذاب بھیجے کیونکہ انہوں نے خود اپنے آپ پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور احسان کے دروازے بند کر لیے۔ یہ ایسی میزان ہے جو کبھی خیانت نہیں کرتی اور ایسا راستہ ہے جو کبھی نہیں بدلتا۔ بیشک جو کوئی اللہ کے راستے میں مال عطا کرتا ہے اللہ سے ڈرتا ہے نیکی کی تصدیق کرتا ہے تو ہم اس کو آسان راستے (بھلائی) کی توفیق عطا کر دیتے ہیں اور جو اللہ کی راہ میں خرچ کرنے میں بخل کرتا ہے اور بے پروا بنا رہتا ہے اور نیکی کو جھٹلاتا ہے تو ہم اس کو مشکل راستے (گناہ) پر گامزن کر دیتے ہیں۔

وَهَذَا صِرَاطٌ رَبِّكَ مُسْتَقِيمًا ۚ قَدْ فَضَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَذَّكَّرُونَ ﴿١٧٦﴾ لَهُمْ

اور یہ ہے راستہ آپ کے رب کا سیدھا تحقیق مفصل بیان کر دیں ہم نے آیات ان لوگوں کیلئے جو نصیحت حاصل کرتے ہیں ○ ان کیلئے ہے

دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٧٦﴾

گھر سلامتی کا نزدیک ان کے رب کے اور وہی دوست ہے ان کا بہ سبب اس کے جو تھے وہ عمل کرتے ○

یعنی آپ کے رب تک اور عزت و تکریم کے گھر تک پہنچانے والا راستہ معتدل راستہ ہے؛ جس کے احکام واضح کر دیئے گئے ہیں؛ جس کے قوانین کی تفصیل یہاں بیان کر دی گئی ہے اور خیر کو شر سے ممیز کر دیا گیا۔ یہ تفصیل و توضیح ہر شخص کے لیے نہیں ہے بلکہ صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو نصیحت پڑتے ہیں۔ کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو علم رکھتے ہیں؛ پھر اپنے علم سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان کے لیے بہت بڑی جزا اور خوبصورت اجر تیار کیا گیا ہے۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَهُمْ دَارُ السَّلَامِ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ان کے لیے سلامتی کا گھر ہے ان کے رب کے ہاں؛ چونکہ جنت ہر عیب، آفت و تکدر اور غم و ہوموم جیسی ناخوشگوار یوں سے سلامت اور پاک ہے؛ اس لیے اس کو ”دار السلام“ کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اور اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ جنت کی نعمتیں انتہائی کمال کو پہنچی ہوئی ہوں گی؛ کہ کوئی ان کا وصف بیان کرنے کی قدرت نہیں رکھتا ہے۔ جنت کے اندر قلب و روح اور بدن کے لیے نعمتوں کے جو سامان ہیں تمنا کرنے والے اس سے بڑھ کر کسی نعمت کی تمنا نہیں کر سکتے۔ اس جنت میں ان کے لیے وہ سب کچھ ہوگا جو ان کے دل چاہیں گے اور جس سے ان کی آنکھوں کو لذت حاصل ہوگی اور وہ اس جنت میں ابدًا آباد تک رہیں گے۔

﴿وَهُوَ وَلِيُّهُمْ﴾ ”وہی ان کا ولی و مددگار ہے“ جو ان کی تدبیر اور تربیت کا مالک ہے؛ وہ ان کے تمام معاملات میں ان کے ساتھ لطف و کرم سے پیش آتا ہے جو اپنی اطاعت پر ان کی مدد کرتا ہے اور ان کے لیے ہر وہ راستہ آسان کرتا ہے جو انہیں اس کی محبت کی منزل تک پہنچاتا ہے اور وہ ان کی سرپرستی اپنے ذمے صرف اس لیے لیتا ہے کہ وہ نیک اعمال بجالاتے اور ایسے کام آگے بھیجتے ہیں جن سے ان کا مقصد اپنے آقا کی رضا مندی حاصل کرنا ہوتا ہے۔ اس کے برعکس وہ شخص ہے جس نے اپنے آقا سے روگردانی کی اور اپنی خواہشات نفس کے پیچھے لگا رہا تو اللہ تعالیٰ اس پر شیطان مسلط کر دیتا ہے جو اس کا سرپرست بن کر اس کے دین و دنیا کو تباہ کر دیتا ہے۔

وَيَوْمَ يُحْشَرُهُمْ جَمِيعًا ۚ يُعْشَرُ الْجِنُّ قَدِ اسْتَكْثَرْتُمْ مِنَ الْإِنْسِ ۚ وَقَالَ

اور جس دن وہ اکٹھا کرے گا ان سب کو (تو فرمائے گا) کہ گروہ جنوں کے تحقیق بہت زیادہ (مگرو) کہنے تھے تم نے انسانوں میں سے اور کہیں گے

أَوْلِيَؤُهُمْ مِنَ الْإِنْسِ رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَّغْنَا آجَلَنَا الَّذِي أَجَلْت

انکے دوست انسانوں میں سے ہمارے رب! فائدہ اٹھایا ہمارے ایک نے دوسرے سے اور پہنچے ہم اس ميعاد کو جو مقرر فرمائی تھی تو نے

لَنَا ۚ قَالَ النَّارُ مَثْوَاكُمْ خَلِيدِينَ فِيهَا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ

ہمارے لیے (اللہ) فرمائے گا! آگ ہی ٹھکانا ہے تمہارا؛ ہمیشہ رہو گے (تم) اس میں مگر جو چاہے اللہ تعالیٰ آپ کا رب حکمت والا ہے

عَلِيمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَكَذَلِكَ نُؤَيُّ بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴿۱۷۹﴾

خوب جاننے والا ○ اور اسی طرح مسلط کر دیتے ہیں ہم بعض ظالموں کو بعض پر؛ بہ سبب اس کے جو تھے وہ کما تے ○

يُبْعَثَرُ الْجِنَّ وَالْإِنْسَ الْمَ يَأْتِكُمْ رَسُولٌ مِّنْكُمْ يَقْضُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ

اے جماعت جنوں اور انسانوں کی! کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس رسول تم میں سے وہ بیان کرتے تھے تم پر میری آیات

وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا قَالُوا شَهِدْنَا عَلَىٰ أَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمْ

اور ڈراتے تھے تمہیں ملاقات سے تمہارے اس دن کی؟ تو وہ کہیں گے! گواہی دیتے ہیں ہم اپنے آپ پر اور دھوکے میں ڈالے رکھا نہیں

الْحَيَاةَ الدُّنْيَا وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ

زندگانی دنیا نے اور گواہی دیں گے وہ اپنے آپ پر کہ بے شک وہ تھے کفر کرنے والے ﴿۱۳۰﴾ یہ (رسول بھیجنا) اس لیے کہ نہیں

يَكُنْ ذَرْبُكَ مُهْلِكِ الْقُرَىٰ بِظُلْمٍ ۖ وَ أَهْلَهَا غُفْلُونَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلِّ دَرَجَةٍ مِّمَّا

ہے آپ کا رعب ہلاک کرے والا بستیوں کو ظلم سے جبکہ ان کے باشندے غافل ہوں ﴿۱۳۱﴾ اور ہر ایک کے درجے ہیں بہ سب اسکے جو

عَمِلُوا ۖ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۖ إِن يَشَاءُ

عمل کے انہوں نے اور نہیں آپ کا رعب غافل اس سے جو وہ عمل کرتے ہیں ﴿۱۳۲﴾ اور آپ کا رعب بے نیاز ہے رحمت والا اگر وہ چاہے

يُدْهِبَكُمْ وَيَسْتَخْلِفَ مِنْ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَاءُ كَمَا أَنْشَأَكُمْ مِنْ ذُرِّيَّةِ

تو لے جائے تمہیں اور جا شین بنا دے بعد تمہارے جنہیں وہ چاہے جس طرح کہ پیدا فرمایا اس نے تمہیں نسل سے

قَوْمٍ آخَرِينَ ﴿۱۳۳﴾ إِنَّ مَا تُوْعَدُونَ لَأَيُّ ۖ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يَاقَوْمِ

دوسرے لوگوں کی ﴿۱۳۳﴾ اے بلاشبہ جس کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو یقیناً وہ آنے والی ہے اور نہیں تم عاجز کرنے والے ﴿۱۳۴﴾ کہہ دیجئے اے میری قوم!

اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَانَتِكُمْ إِنِّي عَامِلٌ ۖ فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ۖ مَن تَكُونُ لَهُ

عمل کرو تم اپنے مقام پر پیشک میں عمل کرنے والا ہوں (اپنی جگہ پر) پس عقرب جان لو گے تم اس شخص کو کہ ہے اس کے لیے

عَاقِبَةُ الدَّارِ ۗ إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ ﴿۱۳۵﴾

(اچھا) انجام آخرت کا یقیناً نہیں فلاح پائیں گے ظالم ﴿۱۳۵﴾

﴿ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَبِيحًا ﴾ اور جس دن جمع کرے گا ان سب کو یعنی تمام جن وانس کو ان میں سے جو گمراہ

ہوئے اور جنہوں نے دوسروں کو گمراہ کیا۔ اللہ تعالیٰ جنوں کو جنہوں نے انسانوں کو گمراہ کیا، برائی کو ان کے سامنے

مزین کیا اور ارتکاب معاصی میں ان کی مدد کی جز و تویح کرتے ہوئے فرمائے گا: ﴿ يَبْعَثُ الْجِنَّ قِيَادًا اسْتَكْبَرْتُمْ

مِنَ الْإِنْسِ ﴾ اے گمراہ جنات تم نے انسانوں سے بہت (فائدے) حاصل کیے۔ یعنی اے جنوں کی جماعت!

تم نے انسانوں کو خوب گمراہ کیا اور ان کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکا۔ تم نے کیسے میرے محارم کی خلاف ورزی کی

اور میرے رسولوں کے ساتھ عنادر کھنے کی جرأت کی اور تم اللہ تعالیٰ کے خلاف جنگ کرنے کے لیے کھڑے ہوئے

اللہ تعالیٰ کے بندوں کو اس کے راستے سے روکنے اور جہنم کے راستے پر دھکیلنے کی کوشش کی؟ آج تم میری لعنت کے

حق دار ہو اور تم پر میری ناراضی واجب ہو گئی۔ آج ہم تمہیں تمہارے کفر اور دوسروں کو گمراہ کرنے کے مطابق زیادہ عذاب دیں گے۔ آج تمہارے پاس کوئی عذر نہیں جو پیش کر سکو، کوئی ٹھکانا نہیں جہاں تم پناہ لے سکو، کوئی سفارش نہیں جو تمہاری سفارش کر سکے اور نہ تمہاری پکار ہی سنی جائے گی۔

اس وقت مت پوچھئے کہ ان پر سزا کے کون سے پہاڑ ٹوٹیں گے اور انہیں کون سی رسوائی اور وبال کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے کسی عذر کا ذکر نہیں فرمایا۔ رہے ان کے دوست انسان تو وہ عذر پیش کریں گے جسے قبول نہیں کیا جائے گا ﴿رَبَّنَا اسْتَنْبِعْ بَعْضَنَا بِبَعْضٍ﴾ اے رب ہمارے! فائدہ اٹھایا ہم میں سے ایک نے دوسرے سے، یعنی تمام جنوں اور انسانوں نے ایک دوسرے سے خوب فائدہ اٹھایا جنوں نے انسانوں سے اپنی اطاعت، اپنی عبادت اور اپنی تعظیم کروا کے اور ان کی پناہ کی طلب سے فائدہ اٹھایا۔ اور انسان جنوں کی خدمت کے مطابق اپنی اغراض اور شہوات کے حصول میں ان سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ انسان جنوں کی عبادت کرتے ہیں، جن ان کی خدمت کرتے ہیں اور ان کی دنیاوی حاجتیں پوری کرتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ ہم سے بہت ہی گناہ سرزد ہوئے اور اب ان کا لوٹنا ناممکن نہیں ﴿وَبَلَّغْنَا آجَلَنَا الَّذِي أَجَلْتَنَا﴾ اور ہم پہنچے اپنے اس وعدے کو جو تو نے ہمارے لیے مقرر کیا تھا، یعنی اب ہم اس مقام پر پہنچ چکے ہیں جہاں ہمیں ہمارے اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ اب تو جو چاہے ہمارے ساتھ سلوک کر اور جو تیرا ارادہ ہے ہمارے بارے میں وہی فیصلہ کر۔ ہماری حجت تو منقطع ہو گئی، ہمارے پاس کوئی عذر باقی نہیں رہا۔ معاملہ وہی ہوگا جو تیرا حکم ہے۔ فیصلہ وہی ہے جو تیرا فیصلہ ہے۔ ان کے اس کلام میں ایک قسم کی گریہ زاری اور رقت ہے مگر یہ سب کچھ بے وقت اور بے موقع ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں عدل پر مبنی فیصلہ جو ظلم و جور سے پاک ہے کرتے ہوئے فرمایا ﴿النَّارُ مَثْوًى لِّكُمْ خَالِدِينَ فِيهَا﴾ ”تمہارا ٹھکانا جہنم ہے تم ہمیشہ اس کی آگ میں (جلتے) رہو۔“ چونکہ یہ فیصلہ اللہ تعالیٰ کی حکمت اور علم کا تقاضا کرتا ہے۔ اس لیے فرمایا: ﴿إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ﴾ بے شک تمہارا رب دانا، خبردار ہے۔“ جیسے اس کا علم تمام اشیا کا احاطہ کئے ہوئے ہے، ویسے ہی اس کی بے انتہا حکمت تمام اشیا پر عام اور تمام اشیا کو شامل ہے۔

﴿وَكَذَلِكَ نُؤَيِّدُ بَعْضَ الظَّالِمِينَ بَعْضًا بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ﴾ اور اسی طرح ہم سر پرست بنا دیتے ہیں گناہ گاروں کو ایک دوسرے کا، ان کے اعمال کے سبب، یعنی جیسے ہم سرکش جنوں کو مسلط کر دیتے ہیں کہ وہ انسانوں میں سے اپنے دوستوں کو گمراہ کریں اور ہم ان کے کسب و کوشش کے سبب سے ان کے درمیان موالات اور موافقت پیدا کر دیتے ہیں۔ اسی طرح یہ ہماری سنت ہے کہ ہم کسی ظالم کو اسی جیسے کسی ظالم پر مسلط کر دیتے ہیں جو اسے شر پر آمادہ کرتا ہے اور اس کو شر کی ترغیب دیتا ہے، خیر میں بے رغبتی پیدا کر کے اسے اس سے متنفر کرتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے بہت بڑی سزا ہے جو بہت خطرناک ہے اور اس کا اثر بہت برا ہے۔ گناہ کرنے والا ظالم ہی ہے

پس یہ وہ شخص ہے جو اپنے آپ کو نقصان پہنچاتا ہے اور جن بھی اس کو نقصان پہنچاتا ہے ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ﴾ (حم السجدة: ٤٦/٤١) ”اور تیرا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا“۔

ظالموں کو مسلط کرنے کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جب بندوں کا فساد اور ظلم بہت بڑھ جاتا ہے اور وہ حقوق واجبہ ادا نہیں کرتے تو ان پر ظالم مسلط کر دیئے جاتے ہیں جو انہیں بدترین عذاب میں مبتلا کر دیتے ہیں اور وہ ان سے ظلم و جور کے ذریعے سے اس سے کئی گنا زیادہ چھین لیتے ہیں جو وہ اللہ اور اس کے بندوں کے حق کے طور پر ادا کرنے سے انکار کرتے ہیں اور وہ ان سے اس طرح وصول کرتے ہیں کہ ان کو اس کا اجر و ثواب بھی نہیں ملتا۔ جیسے جب بندے درست اور راست رو ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کے حکمرانوں کو درست کر دیتا ہے اور انہیں ظالم اور گمراہ حاکم نہیں بلکہ انہیں عدل و انصاف کے امام بنا دیتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ ان تمام جن و انس کو جزو تو بیخ کرتا ہے۔ جو حق سے روگردانی کرتے ہوئے اسے ٹھکر دیتے ہیں وہ ان کی خطا واضح کرتا ہے اور وہ اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَمَعْشَرُ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ أَلَمْ يَأْتِكُمْ رَسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمُ آيَاتِي﴾ ”اے جنوں اور انسانوں کی جماعت! کیا نہیں پہنچے تھے تمہارے پاس رسول تمہی میں سے کہ سناتے تھے تمہیں میرے حکم“ یعنی واضح آیات جن کے اندر امر و نہی، خیر و شر اور وعدہ و وعید کی تفصیلات ہیں ﴿وَيَذُرُّونَكُمُ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَذَا﴾ ”اور اس دن کی ملاقات سے تمہیں ڈراتے تھے“ یعنی تمہیں آگاہ کرتے تھے کہ تمہاری نجات اسی میں ہے۔ فوز و فلاح صرف اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور نواہی سے اجتناب میں ہے۔ اور ان کو ضائع کرنے میں انسان کی بدبختی اور خسارہ ہے وہ اس کا اقرار اور اعتراف کرتے ہوئے کہیں گے ﴿شَهِدْنَا عَلَىٰ أَنفُسِنَا وَعَنَّتْهُمْ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا﴾ ”ہم نے اقرار کیا اپنے گناہ کا اور ان کو دھوکہ دیا دنیا کی زندگی نے“ یعنی دنیا کی زندگی نے اپنی زینت آرائش اور نعمتوں کے ذریعے سے ان کو دھوکے میں مبتلا کر دیا وہ دنیا پر مطمئن اور راضی ہو کر بیٹھ گئے۔ اور دنیا نے انہیں آخرت کے بارے میں غافل کر دیا۔ ﴿وَشَهِدُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كٰفِرِينَ﴾ ”اور گواہی دی انہوں نے اپنے آپ پر کہ وہ کافر تھے“ ان کے خلاف اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو گئی۔ تب اس وقت ہر ایک نے اور خود انہوں نے بھی جان لیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ عدل کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں دردناک عذاب کا فیصلہ کرتے ہوئے فرمائے گا ﴿ادْخُلُوا فِي أُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِكُم مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنْسِ﴾ (الاعراف: ٣٨/١٧) ”یعنی جنوں اور انسانوں کے تم سے پہلے جو گروہ گزر چکے ہیں ان میں داخل ہو جاؤ“۔ ان کے کرتوت بھی تمہارے کرتوتوں کی مانند تھے۔ انہوں نے بھی اپنے حصے سے خوب فائدہ اٹھایا جیسے تم نے فائدہ اٹھایا۔ وہ بھی باطل میں گھس گئے جیسے تم گھس گئے ہو۔ یہ سب خسارے میں رہنے والے لوگ تھے۔ یعنی پہلے لوگ بھی اور یہ لوگ بھی اور کون سا خسارہ جنت سے محرومی کے خسارے سے بڑا خسارہ ہو سکتا ہے؟

کون سا خسارہ سب سے مکرم ہستی کی ہمسائیگی سے محرومی کے خسارے سے بڑا خسارہ ہو سکتا ہے؟ البتہ یہ لوگ اگرچہ خسارے میں مشترک ہوں گے۔ مگر خسارے کی مقدار میں وہ ایک دوسرے سے بہت متفاوت ہوں گے۔ ﴿وَلِكُلِّ ۙ﴾ اور ہر ایک کے لیے۔ ”یعنی ان میں سے ہر ایک کے لیے ﴿دَرَجَاتٍ مِّمَّا عَمِلُوا﴾” بلحاظ اعمال درجے (مقرر) ہیں۔ ”یعنی ان کے اعمال کے مطابق ان کے درجات ہیں جس نے تھوڑی سی برائی کا ارتکاب کیا ہے وہ اس شخص کی مانند نہیں ہو سکتا جس نے بہت برائیاں کمائی ہیں۔ تابع متبوع کے برابر ہو سکتا ہے نہ رعایا حکمران کے برابر ہو سکتی ہے۔ جیسے اہل ثواب اور اہل جنت منافع، فوز و فلاح اور جنت میں داخل ہونے میں مشترک ہیں، مگر ان کے درجات میں اس قدر تفاوت ہو گا کہ اللہ کے سوا اسے کوئی نہیں جانتا۔ اس کے باوجود وہ سب اس پر راضی ہوں گے جو ان کا آقا ان کو عطا کرے گا اور اس پر قناعت کریں گے۔

پس ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں بھی جنت الفردوس کے بلند درجات عطا کرے جو اس نے اپنے مقرب پنے ہوئے اور محبوب بندوں کے لیے تیار کر رکھی ہے ﴿وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُونَ﴾ اور آپ کا رب ان کے اعمال سے غافل نہیں ہے، وہ ہر ایک کو اس کے قصد اور عمل کے مطابق جزا دے گا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نیک کام کرنے کا حکم دیا ہے اور ان پر رحم کرتے ہوئے اور ان کی بھلائی کی خاطر ان کو برے اعمال سے منع کیا ہے۔ ورنہ وہ بذاتہ تمام مخلوقات سے بے نیاز ہے۔ اطاعت کرنے والوں کی اطاعت اسے کوئی فائدہ دیتی ہے نہ نافرمانی کرنے والوں کی نافرمانی اس کا کچھ بگاڑ سکتی ہے۔ ﴿إِنْ يَشَاءُ يُدْهِبْكُمْ﴾ اگر وہ چاہے تو تمہیں لے جائے، ”یعنی تمہیں ہلاک کر کے ختم کر دے ﴿وَيَسْتَخْلِفُ مِنْ بَعْدِكُمْ مَا يَشَاءُ كَمَا أَنْشَأَكُمْ مِنْ ذُرِّيَّةٍ قَوْمٍ آخَرِينَ﴾ اور تمہارے بعد جس کو چاہے تمہارا جانشین بنا دے جیسے تمہیں پیدا کیا اور ان کی اولاد سے، ”جب تمہیں اچھی طرح معلوم ہو گیا کہ دوسرے لوگوں کی طرح تمہارا اس دنیا سے منتقل ہونا لا بدی ہے تم بھی اپنے بعد آنے والوں کے لیے اس دنیا کو خالی کر کے یہاں سے کوچ کر جاؤ گے جیسے تم سے پہلے لوگ یہاں سے کوچ کر گئے اور انہوں نے اس دنیا کو تمہارے لیے خالی کر دیا۔ پھر تم نے اس دنیا کو کیوں ٹھکانا اور وطن بنا لیا اور تم نے کیوں فراموش کر دیا کہ یہ دنیا ٹھکانا اور جائے قرار نہیں بلکہ گزر گاہ ہے اور اصل منزل تمہارے سامنے ہے۔ یہی وہ گھر ہے جہاں ہر نعمت جمع کر دی گئی ہے اور جو ہر آفت اور نقص سے محفوظ ہے۔ یہی وہ منزل ہے جس کی طرف اولین و آخرین لپکتے ہیں اور جس کی طرف سابقین و لاحقین کوچ کرتے ہیں۔ یہ وہ جگہ ہے جہاں دائمی اور لازمی قیام ہے۔ یہ وہ منزل ہے جس کے آگے کوئی منزل نہیں، یہ وہ مطلوب و مقصود ہے جس کے سامنے ہر مطلوب پہنچ ہے اور یہ وہ مرغوب نعمت ہے جس کے مقابلے میں ہر مرغوب مضحک ہے۔

اللہ کی قسم! وہاں وہ نعمتیں عنایت ہوں گی جن کو نفس چاہیں گے اور آنکھیں لذت حاصل کریں گی اور رغبت

کرنے والے رغبت کریں گے۔ جیسے روحوں کی لذت بے پایاں فرحت، قلب و بدن کی نعمت اور اللہ علام الغیوب کا قرب۔ پس کتنی اعلیٰ فکر ہے جو ان مقامات پر مرتکز ہے اور کتنا بلند ارادہ ہے جو ان اعلیٰ درجات کی طرف مائل پرواز ہے اور وہ کتنا بد نصیب ہے جو اس سے کم تر پر راضی ہے اور وہ کتنا کم ہمت ہے جو گھانے کا سودا پسند کرتا ہے۔ غفلت کا شکار و گرداں شخص اس منزل پر جلدی سے پہنچنے کو بعید نہ سمجھے۔ ﴿إِنَّ مَا تُوعَدُونَ لَآتٍ وَمَا أَنْتُمْ بِمُعْجِزِينَ﴾ ”تم سے جس چیز کا وعدہ کیا جاتا ہے وہ آنے والی ہے اور تم عاجز نہیں کر سکتے“ یعنی تم اللہ تعالیٰ کو عاجز نہیں کر سکتے اور اس کے عذاب سے کہیں بھاگ کر نہیں جا سکتے کیونکہ تمہاری پیشانیاں اس کے قبضہ قدرت میں ہیں اور تم اس کی تدبیر اور تصرف کے شکنجے میں جکڑے ہوئے ہو۔

﴿قُلْ﴾ ”کہہ دیجیے“ اے رسول (ﷺ) جبکہ آپ نے ان کو اللہ تعالیٰ کی طرف دعوت دے دی اور ان کے انجام اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کے بارے میں ان کو آگاہ کر دیا اور وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کو ماننے سے باز رہے بلکہ اپنی خواہشات کے پیچھے لگے رہے اور اپنے شرک پر قائم رہے تو آپ ان سے کہہ دیجئے ﴿يَقَوْمِ اعْمَلُوا عَلَىٰ مَكَاتِبِكُمْ﴾ ”اے میری قوم! تم کام کرتے رہو اپنی جگہ پر“ یعنی جس حال میں تم ہو اور جس حال کو تم نے اپنے لیے پسند کر لیا ہے اسی پر قائم رہو ﴿إِنِّي عَامِلٌ﴾ ”میں (اپنی جگہ) عمل کیے جاتا ہوں۔“ میں اللہ تعالیٰ کے حکم پر عمل اور اس کی مرضی کی اتباع کرتا ہوں ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ مَنْ تَكُونُ لَهُ عَاقِبَةُ الدَّارِ﴾ ”عنقریب تم جان لو گے کہ کس کو ملتا ہے عاقبت کا گھر“ یعنی آخرت کا گھر تمہارے لیے ہے یا میرے لیے۔ اور یہ انصاف کا عظیم مقام ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اعمال اور ان پر عمل کرنے والوں کے بارے میں بیان فرمادیا اور نہایت بصیرت کے ساتھ ان اعمال کی جزا بھی ساتھ بیان فرمادی جہاں تصریح سے گریز کرتے ہوئے تلویح سے کام لیا ہے۔ اور یہ حقیقت معلوم ہے کہ دنیا و آخرت میں اچھا انجام صرف اہل تقویٰ کے لیے ہے۔ آخرت کا گھر اہل ایمان کے لیے ہے اور انبیاء و رسل کی لائی ہوئی شریعت سے روگردانی کرنے والوں کا انجام انتہائی برا ہے۔ اس لیے فرمایا ﴿إِنَّهُ لَا يُفْلِحُ الظَّالِمُونَ﴾ ”یقیناً ظالم فلاح یاب نہیں ہوں گے“ ظالم خواہ اس دنیا سے کتنا ہی فائدہ اٹھالے اس کی انتہا اضمحلال اور اٹلاف ہے۔ حدیث میں ہے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَيَمْلِكُ لِلظَّالِمِ حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَهُ لَم يَفْلِتْهُ﴾^① ”اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا ہے یہاں تک کہ جب اس کو پکڑ لیتا ہے تو اسے چھوڑتا نہیں“

وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هَذَا لِلَّهِ بِزَعْمِهِمْ

اور ٹھہرایا انہوں نے اللہ کیلئے اس میں سے جو پیدا کی اس نے بھتی اور چوپائے ایک حصہ پس کہا یہ اللہ کیلئے ہے انکے خیال کے مطابق

وَهَذَا لِشُرَكَائِنَا فَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللَّهِ وَمَا كَانَ لِلَّهِ

اور یہ (حصہ) ہے ہمارے دیوتاؤں کیلئے تو جو (حصہ) ہے انکے دیوتاؤں کا پس وہ نہیں پہنچتا اللہ کی طرف اور جو حصہ ہے اللہ کا

فَهُوَ يَصِلُ إِلَى شُرَكَائِهِمْ سَاءَ مَا يَحْكُمُونَ ﴿١٣٨﴾ وَكَذَلِكَ زَيْنَ لِكَثِيرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ

تو وہ پہنچ جاتا ہے طرف انکے دیوتاؤں کی برا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں ○ اور اسی طرح مزین کر دیا بہت سے شرکوں کے لیے

قَتَلَ أَوْلَادِهِمْ شُرَكَائِهِمْ لِيُرِدُّوهُمْ وَلْيَلْبِسُوا عَلَيْهِمْ دِينَهُمْ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا

قتل کرنا اپنی اولاد کا ان کے دیوتاؤں نے تاکہ وہ ہلاک کر دیں انہیں اور تاکہ غلط ملط کر دیں ان پر ان کا دین اور اگر چاہتا اللہ تو نہ

فَعَلُوهُ فَذَرَهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ﴿١٣٩﴾ وَقَالُوا هَذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرِثٌ حَجْرٌ لَا

کرتے وہ یہ پس چھوڑ دیجئے انہیں اور جو وہ افتراء باندھتے ہیں ○ اور کہا انہوں نے یہ چوپائے اور کھیتی ممنوع ہے نہیں

يَطْعَمُهَا إِلَّا مَن نَّشَاءُ بَزْعِيبِهِمْ وَأَنْعَامٌ حَرَمَتْ ظُهُورُهَا وَأَنْعَامٌ لَا

کھا سکتا ہے گروہی جسے ہم چاہیں (یہ کیا نہیں نے) اپنے خیل کے مطابق اور بعض چوپائے ہیں کہ حرام کر دی گئیں انکی پٹھیں اور بعض چوپائے ہیں کہ نہیں

يَذْكُرُونَ اسْمَ اللَّهِ عَلَيْهَا افْتِرَاءً عَلَيْهِ سَيَجْزِيهِمْ بِمَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿١٤٠﴾

ذکر کرتے وہ اللہ کا نام ان پر افتراء باندھتے ہوئے اس (اللہ) پر عنقریب وہ سزا دے گا انہیں بوجہ اس کے جو تھے وہ افتراء باندھتے

وَقَالُوا مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُورِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا

اور کہا انہوں نے جو (بچہ) ہے بیٹوں میں ان چوپایوں کے وہ خالص ہے صرف ہمارے مردوں کیلئے اور حرام ہے ہماری بیویوں پر

وَإِن يَكُن مَّيْتَةً فَهُمْ فِيهِ شُرَكَاءُ سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ

اور اگر ہو وہ مردہ تو وہ سب (مرد و عورت) اس میں شریک ہیں عنقریب وہ سزا دے گا انہیں انکے (اس) بیان کی یقیناً وہ حکمت والا

عَلِيمٌ ﴿١٤١﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَحَرَّمُوا

جاننے والا ہے ○ تحقیق خسارے میں رہے وہ لوگ جنہوں نے قتل کیا اپنی اولاد کو بیوقوفی سے بغیر علم کے اور حرام ٹھہرایا انہوں نے

مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ افْتِرَاءً عَلَى اللَّهِ قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ ﴿١٤٢﴾

جو رزق دیا انہیں اللہ نے افتراء باندھتے ہوئے اللہ پر تحقیق گمراہ ہو گئے وہ اور نہ ہوئے وہ ہدایت یافتہ ○

اللہ تعالیٰ رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرنے والے مشرکین کی بیوقوفی، کم عقلی اور انتہا کو پہنچی ہوئی جہالت کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے۔ چنانچہ ان کی متعدد خرافات کا ذکر کیا ہے تاکہ وہ ان کی گمراہی پر متنبہ کر کے اہل ایمان کو ان سے بچائے اور ان بیوقوفوں کا اس حق کی مخالفت کرنا جسے انبیاء و رسل لے کر مبعوث ہوئے ہیں حق میں نقص کا باعث نہیں۔ کیونکہ وہ حق کا مقابلہ کرنے کی اہلیت ہی نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی جہالت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ﴿وَجَعَلُوا لِلَّهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا﴾ اور (یہ لوگ) اللہ ہی کی پیدا کی ہوئی چیزوں یعنی کھیتی اور چوپایوں میں اللہ کا بھی ایک حصہ مقرر کرتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو موسیٰ اور کھیتی پیدا کی ہے وہ اس میں سے اللہ تعالیٰ کا حصہ بھی مقرر کرتے ہیں اور ایک حصہ اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے لیے مقرر کرتے

ہیں۔ درآں حالیکہ اللہ تعالیٰ نے ان چیزوں کو پیدا کر کے بندوں کے لیے رزق فراہم کیا ہے۔ انہوں نے دو منظور امور بلکہ تین کو یکجا کر دیا جن سے بچنے کے لیے ان کو کہا گیا تھا۔

(۱) اللہ تعالیٰ پر ان کا احسان دھرنا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کا حصہ مقرر کیا اور یہ اعتقاد رکھنا کہ یہ ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ پر نوازش ہے۔

(ب) اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کو موسیٰوں اور کھیتوں کی پیداوار میں شریک کرنا حالانکہ وہ ان میں سے کسی چیز کو بھی وجود میں نہیں لائے۔

(ج) اور ظلم و جور پر مبنی ان کا یہ فیصلہ کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حصے کی کوئی پروا نہیں کرتے، اگرچہ یہ حصہ اپنے شریکوں کے حصے کے ساتھ ملا دیں اور اپنے ٹھہرائے ہوئے شریکوں کے حصے کو درخور اعتناء سمجھتے ہوئے اس کی حفاظت کرتے ہیں اور اس کو اللہ تعالیٰ کے حصے کے ساتھ نہیں ملاتے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب مشرکین کو کھیتوں اور پھلوں کی پیداوار اور موسیٰ حاصل ہوتے، جن کو اللہ تعالیٰ ان کے لیے وجود میں لایا، تو اس کو دو حصوں میں تقسیم کر دیتے

(۱) ایک حصے کے بارے میں بزعم خود کہتے ”یہ اللہ تعالیٰ کا حصہ ہے“۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ اسی چیز کو قبول فرماتا ہے جو خالص اسی کی رضا کے لیے ہو۔ اللہ تعالیٰ شرک کرنے والے کے عمل کو قبول نہیں فرماتا۔

(۲) دوسرا حصہ اپنے ٹھہرائے ہوئے معبودوں اور بتوں کی نذر کرتے تھے، اگر کوئی چیز اللہ تعالیٰ کے حصے میں سے نکل کر اس حصے میں خلط ملط ہو جاتی جو غیر اللہ کے لیے مقرر کیا تھا تو اس کی پروا نہیں کرتے تھے۔ اور اس کو اللہ تعالیٰ کے حصہ کی طرف نہیں لوٹاتے تھے اور کہتے تھے ”اللہ اس سے بے نیاز ہے“ اور اگر کوئی چیز جو انہوں نے اپنے معبودوں اور بتوں کے لیے مقرر کی تھی اس حصے کے ساتھ خلط ملط ہو جاتی جو اللہ تعالیٰ کے لیے مقرر کیا تھا، تو اسے بتوں کے لیے مقرر حصے کی طرف لوٹا دیتے اور کہتے ”یہ بت تو محتاج ہیں اس لیے ان کے حصے کو ان کی طرف لوٹانا ضروری ہے“۔۔۔ کیا اس سے بڑھ کر ظلم پر مبنی بدترین فیصلہ کوئی اور ہو سکتا ہے؟ کیونکہ انہوں نے جو حصہ مخلوق کے لیے مقرر کیا ہے اس کی اللہ تعالیٰ کے حق سے زیادہ خیر خواہی اور حفاظت کرتے ہیں۔

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں اس معنی کا احتمال بھی ہو سکتا ہے جو رسول اللہ ﷺ کی ایک صحیح حدیث سے ثابت ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ”میں تمام شریکوں سے بڑھ کر شرک سے بے نیاز ہوں۔ جو کوئی میرے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے میں اسے اور اس کے شرک کو چھوڑ دیتا ہوں... الحدیث“ آیت

کریمہ کے معنی یہ ہیں کہ مشرکین نے اپنے معبودوں اور بتوں کے تقرب کے حصول کے لیے جو حصے مقرر کر رکھے ہیں وہ خالص غیر اللہ کے لیے ہیں۔ ان میں سے کچھ بھی اللہ تعالیٰ کے لیے نہیں اور ان کے زعم باطل کے مطابق انہوں نے جو حصہ اللہ تعالیٰ کے لیے مقرر کیا ہے وہ ان کے شرک کی بنا پر اللہ تعالیٰ کے حضور نہیں پہنچتا بلکہ یہ بھی ان کے معبودوں اور بتوں کا حصہ ہے کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ اس سے بے نیاز ہے۔ وہ مخلوق میں سے اس شخص کا عمل کبھی قبول نہیں کرتا جو اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہراتا ہے۔

مشرکین کی حماقت اور گمراہی یہ ہے کہ اکثر مشرکین کے سامنے ان کے خداؤں یعنی ان کے سرداروں اور شیاطین نے ان کے اعمال، یعنی قتل اولاد کو مزین کر دیا ہے۔ یہاں قتل اولاد سے مراد ان لوگوں کا اپنے بچوں کو قتل کرنا ہے جو بھوک اور فقر کے ڈر سے اپنے بچوں کو اور عار کے ڈر سے اپنی بچیوں کو زندہ درگور کر دیا کرتے تھے۔ یہ سب شیاطین کی فریب کاری ہے جو انہیں ہلاکت کی وادیوں میں دھکیلنا چاہتے ہیں اور وہ چاہتے ہیں کہ ان کا دین ان پر مشتبہ ہو جائے اس لیے وہ انتہائی برے کاموں کا ارتکاب کرتے ہیں۔ ان کے یہ شرکاء ان کے ان اعمال کو آراستہ کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ یہ ان کے ہاں نیکی کے اعمال اور اچھے خصائل بن جاتے ہیں۔

اگر اللہ تبارک و تعالیٰ ان کو ان اعمال سے روکنا اور ان کے اور ان افعال قبیحہ کے درمیان حائل ہونا چاہتا اور اگر وہ چاہتا کہ ماں باپ اپنی اولاد کو قتل نہ کریں تو وہ کبھی قتل نہ کرتے۔ مگر یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا ہے کہ وہ ان کو مہلت دینے کے لیے ان کے اور ان کے اعمال کے درمیان سے ہٹ جائے اور ان کے اعمال کی پروا نہ کرے۔ اس لیے فرمایا: ﴿فَذَرْنَهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ﴾ "تو ان کو چھوڑ دو کہ وہ جانیں اور ان کا جھوٹ۔" یعنی ان کو ان کے جھوٹ اور افتراء کے ساتھ چھوڑ دیں اور ان کے بارے میں غم زدہ نہ ہوں کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ ان کی حماقت و سفاہت کی ایک قسم یہ بھی ہے کہ انہوں نے ان مویشیوں اور چوپایوں کے سلسلے میں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے عام طور پر حلال ٹھہرایا اور ان کے لئے ان کو رزق اور رحمت کا ذریعہ بنایا، جن کو فائدہ اٹھاتے ہیں، اپنی طرف سے بدعات اور بدعی اقوال گھڑ لیے ہیں۔ بعض مویشیوں اور کھیتوں کے بارے میں انہوں نے اصطلاح وضع کر رکھی ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں: ﴿هَذِهِ أَنْعَامٌ وَحَرْثٌ حِجْرٌ﴾ "یہ مویشی اور کھیتی ممنوع ہے، یعنی یہ حرام ہیں ﴿لَا يَطْعَمُهَا إِلَّا مَنْ نَشَاءُ﴾" اسے اس شخص کے سوا جسے ہم چاہیں کوئی نہ کھائے۔" یعنی اس کا کھانا کسی کے لیے جائز نہیں اور اس کو صرف وہی کھا سکتا ہے جسے ہم چاہیں یا ہم بیان کریں کہ فلاں قسم کا شخص کھا سکتا ہے۔ یہ سب کچھ ان کا زعم باطل ہے جس کی کوئی دلیل نہیں۔ سوائے اس کے کہ یہ ان کی خواہشات نفس اور باطل آراء ہیں۔ مویشی ان پر کسی لحاظ سے حرام نہیں تھے بلکہ انہوں نے ان کی پیٹھ کو حرام ٹھہرایا یعنی ان پر سواری کرنے اور بوجھ لادنے کو۔ اور ایسے جانور کو انہوں نے (حام) سے موسوم کر رکھا تھا۔ "حام" حَمَىٰ

بحمی سے ہے بمعنی ”حفاظت کرنا۔“ پیٹھ کی سواری اور بوجھ سے حفاظت کرنے کی وجہ سے یہ نام پڑا۔ کچھ جانور وہ تھے جن پر وہ اللہ تعالیٰ کا نام نہیں لیتے تھے بلکہ ان بتوں کا نام لیتے تھے جن کی وہ اللہ تعالیٰ کے سوا عبادت کیا کرتے تھے اور وہ تمام افعال کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا کرتے تھے۔ حالانکہ وہ جھوٹے اور فاسق و فاجر تھے

﴿سَيَجْزِيهِمْ بِمَا كَانُوا يَفْتُرُونَ﴾ ”عنقریب وہ سزا دے گا ان کو اس جھوٹ کی“ یعنی شرک کو حلال ٹھہرانے اور کھانے پینے اور دیگر منفعت کی اشیا کو حرام ٹھہرانے میں وہ اللہ تعالیٰ پر جو جھوٹ گھڑتے تھے۔

ان کی کم عقلی پر مبنی آراء میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ بعض مویشیوں کو معین کر دیتے اور کہتے کہ ان کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ مردوں کے لیے حلال اور عورتوں کے لیے حرام ہے۔ چنانچہ وہ کہتے تھے: ﴿مَا فِي بُطُونِ هَذِهِ الْأَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُنُورِنَا﴾ ”جو کچھ ان مویشیوں کے پیٹوں میں ہے اس کو صرف ہمارے مرد ہی کھائیں گے“ یعنی ان کے لیے حلال ہے اس کے کھانے میں عورتیں شریک نہیں ہوں گی ﴿وَمَحْزَمَةٌ عَلَىٰ أَزْوَاجِنَا﴾ اور ہماری عورتوں کو (اس کا کھانا) حرام ہے۔ یعنی یہ ہماری عورتوں پر حرام ہے۔ مگر یہ اس صورت میں ہے کہ وہ زندہ پیدا ہو۔ اگر مویشی کے پیٹ میں جو بچہ ہے وہ مردہ پیدا ہوا تو اس میں سب شریک ہوں گے یعنی وہ مردوں اور عورتوں سب کے لیے حلال ہے ﴿سَيَجْزِيهِمْ وَصْفَهُمْ﴾ ”وہ عنقریب سزا دے گا ان کو ان کی غلط بیانیوں کی“ اس لیے کہ انہوں نے اس چیز کو حرام ٹھہرایا جسے اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا تھا اور حرام کو حلال سے موصوف کیا پس اس طرح انہوں نے اللہ تعالیٰ کی شریعت کی مخالفت کی اور پھر اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر ڈالا ﴿إِنَّهُ حَكِيمٌ﴾ ”بے شک وہ حکمت والا ہے۔“ کیونکہ اس نے ان کو مہلت دی اور اس گمراہی کا ان کو اختیار دیا جس میں یہ سرگرداں ہیں ﴿عَلِيمٌ﴾ ”جاننے والا ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ ان کو جانتا ہے اس سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جانتا ہے وہ ان کی باتوں اور افترا پر دازیوں کا بھی خوب علم رکھتا ہے۔ بایں ہمہ وہ ان کو معاف کرتا اور ان کو رزق سے نوازتا ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے خسران اور ان کی کم عقلی کو بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِينَ قَتَلُوا أَوْلَادَهُمْ سَفَهًا بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ ”بے شک خسارے میں رہے وہ لوگ جنہوں نے بغیر علم کے اپنی اولاد کو قتل کیا“ یعنی وہ اپنے دین اولاد اور عقل کے بارے میں خسارے میں رہے۔ پختہ رائے اور عقل کے بعد ہلاکت انگیز حماقت اور ضلالت ان کا وصف ٹھہری ﴿وَحَرَمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللَّهُ﴾ ”اور حرام ٹھہرایا اس رزق کو جو اللہ نے ان کو دیا“ یعنی اللہ تعالیٰ نے جس چیز کو ان کے لیے رحمت بنایا اور اسے ان کے لیے رزق قرار دیا تھا۔ پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کو ٹھکرا دیا، پھر انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ انہوں نے اس نعمت کو حرام سے موصوف کیا۔

حالانکہ یہ نعمت ان کے لیے سب سے زیادہ حلال تھی۔ اور یہ سب کچھ ﴿افْتَرَاءٌ عَلَى اللَّهِ﴾ ”جھوٹ باندھ کر اللہ

پر، یعنی یہ سب کچھ جھوٹ ہے اور ہر عناد پسند کا فرجھوٹ گھڑتا ہے ﴿قَدْ ضَلُّوا وَمَا كَانُوا مُهْتَدِينَ﴾ ”وہ بے شبہ گمراہ ہیں اور ہدایت یافتہ نہیں ہیں۔“ یعنی وہ بہت دور کی گمراہی میں جا پڑے اور وہ اپنے تمام امور میں سے کسی چیز میں بھی راہ راست پر نہیں ہیں۔

وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ مَّعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ

اور وہی (اللہ) ہے جس نے پیدا فرمائے باغات چھتریوں پر چڑھائے ہوئے اور بغیر چڑھائے ہوئے اور (پیدا فرمائی) کھجور اور کھیتی

مُخْتَلِفًا أَكْلُهُ وَالزَّيْتُونَ وَالرَّمَانَ مُتَشَابِهًا وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ كُلًّا مِّنْ ثَمَرَةٍ

مختلف ہیں (مڑے میں) ان کے پھل، اور زیتون اور انار، ملتے جلتے بھی اور نہ ملتے جلتے بھی، تم کھاؤ اس کا پھل

إِذَا أَثْمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ ۗ وَلَا تُسْرِفُوا إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ﴿۱۳﴾

جب وہ پھل لائے اور دو اس کا حق، دن اس کی کٹائی کے اور نہ اسراف کرو تم، بلاشبہ اللہ نہیں پسند کرتا فضول خرچوں کو ○

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کھیتوں اور مویشیوں میں مشرکین کے تصرف کا ذکر فرمایا جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے حلال ٹھہرایا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی نعمت کا تذکرہ فرمایا اور کھیتوں اور مویشیوں کے بارے میں ان کے لازمی وظیفہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَ جَنَّاتٍ﴾ ”وہی ہے جس نے باغ پیدا کئے جس میں مختلف انواع کے درخت اور نباتات ہیں۔ ﴿مَعْرُوشَاتٍ وَغَيْرَ مَعْرُوشَاتٍ﴾ ”جو ٹیٹوں (چھتریوں) پر چڑھائے جاتے ہیں اور جو ٹیٹوں پر نہیں چڑھائے جاتے“ یعنی ان میں سے بعض باغات کے لیے چھتریاں بنائی جاتی ہیں اور ان کو ان چھتریوں پر چڑھایا جاتا ہے اور یہ چھتریاں انہیں اوپر اٹھنے میں مدد دیتی ہیں اور بعض درختوں کے لیے چھتریاں نہیں بنائی جاتیں بلکہ وہ اپنے تنے پر کھڑے ہوتے ہیں یا زمین پر بچھ جاتے ہیں۔ اس آیت کریمہ میں ان کے کثرت منفعات اور ان کے فوائد کی طرف اشارہ ہے، نیز اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو سکھایا کہ پودوں کو کیسے چھتریوں پر چڑھانا اور کیسے ان کی پرورش کرنا ہے۔

﴿وَالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا أَكْلُهُ﴾ ”(اور پیدا کئے) کھجور کے درخت اور کھیتی کہ مختلف ہیں ان کے پھل“

یعنی اللہ تعالیٰ نے ایک ہی جگہ پر کھجور اور کھیتیاں پیدا کیں جو ایک ہی پانی سے سیراب ہوتی ہیں مگر کھانے اور ذائقے کے اعتبار سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ایک دوسرے پر فضیلت دی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خاص طور پر کھجور اور کھیتوں کا ذکر کیا ہے، کیونکہ یہ مختلف انواع و اقسام کی بنا پر بہت سے فوائد کی حامل ہیں نیز یہ اکثر مخلوق کے لیے خوراک کا کام دیتی ہیں۔

﴿وَالزَّيْتُونَ وَالرَّمَانَ مُتَشَابِهًا﴾ ”اور زیتون اور انار جو ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں۔“ یعنی اللہ تعالیٰ

نے زیتون اور انار کو پیدا کیا جس کے درخت ایک دوسرے سے مشابہ ہیں ﴿وَغَيْرَ مُتَشَابِهٍ﴾ ”اور جدا جدا بھی“ جو

اپنے پھل اور ذائقے میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ گویا کہا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان باغات کو کس مقصد کے لیے پیدا کیا اور کس پر یہ نوازش کی؟ اس کے جواب میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کی منفعت کے لیے یہ باغات پیدا کئے۔ اس لیے فرمایا: ﴿كُلُوا مِنْ ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ﴾ ”جب وہ پھل لائیں“ ﴿وَاتُوا حَقَّهُ يَوْمَ حَصَادِهِ﴾ ”اور جس دن (پھل توڑو) اور کھیتی کا ٹوٹو اللہ کا حق اس میں سے ادا کرو۔“ یعنی فصل کی برداشت کے روز کھیتی کا حق ادا کرو۔ اس سے کھیتی کی زکوٰۃ (یعنی عشر) مراد ہے جس کا نصاب شریعت میں مقرر ہے۔

ان کو حکم دیا کہ زکوٰۃ فصل کی برداشت کے وقت ادا کریں کیونکہ برداشت کا دن ایک سال گزرنے کے قائم مقام ہے۔ نیز یہ وہ وقت ہے جب فقراء کے دلوں میں زکوٰۃ کے حصول کی امید بندھ جاتی ہے اور اس وقت کاشت کاروں کے لیے اپنی زرعی جنس میں سے زکوٰۃ نکالنا آسان ہوتا ہے۔ اور جو زکوٰۃ نکالتا ہے اس کے لیے یہ معاملہ ظاہر ہو جاتا ہے اور زکوٰۃ نکالنے والے اور زکوٰۃ نہ نکالنے والے کے درمیان امتیاز واقع ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَلَا تُسْرِفُوا﴾ ”اور بے جا خرچ نہ کرو“ یہ ممانعت کھانے میں اسراف کے لیے عام ہے یعنی عادت اور حدود سے تجاوز کر کے کھانا۔ یہ اسراف اس بات کو بھی شامل ہے کہ کھیتی کا مالک اس طرح کھائے جس سے زکوٰۃ کو نقصان پہنچے اور کھیتی کا حق نکالنے میں اسراف یہ ہے کہ واجب سے بڑھ کر زکوٰۃ نکالے یا اپنے آپ کو یا اپنے خاندان یا اپنے قرض خواہوں کو نقصان پہنچائے۔ یہ تمام چیزیں اسراف کے زمرے میں آتی ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند نہیں بلکہ سخت ناپسند ہے اور وہ اسراف پر سخت ناراض ہوتا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ پھلوں میں بھی زکوٰۃ فرض ہے اور ان میں زکوٰۃ کی ادائیگی ایک سال گزرنے کی شرط سے مشروط نہیں ہے۔ غلے کی زکوٰۃ فصل کٹنے اور کھجوروں کی زکوٰۃ پھل چنے جانے پر واجب ہو جاتی ہے۔ پھر زرعی اجناس زکوٰۃ کی ادائیگی کے بعد کئی سال تک بھی بندے کے پاس پڑی رہیں تو ان میں زکوٰۃ فرض نہیں بشرطیکہ وہ تجارت کی غرض سے نہ رکھی گئی ہوں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے صرف فصل کی برداشت کے وقت زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔ نیز اگر فصل برداشت کرنے سے قبل صاحب زراعت کی کوتاہی کے بغیر باغ یا کھیتی پر کوئی آفت آ جائے تو وہ اس کا ضامن نہیں ہوگا اور زکوٰۃ نکالنے سے پہلے اگر کھیتی یا کھجور کے پھل میں سے کچھ کھا لیا جائے تو اسے زکوٰۃ کے حساب میں شامل نہیں کیا جائے گا، بلکہ جو باقی بچے گا اسی کے حساب سے زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ رسول اللہ ﷺ پھل کا اندازہ لگانے کا ماہر روانہ فرمایا کرتے تھے جو زکوٰۃ ادا کرنے والے لوگوں کی کھیتوں اور کھجوروں کے پھل کا اندازہ لگاتے تھے آپ ﷺ انہیں حکم دیتے کہ اندازہ لگانے کے بعد وہ ان کے اور دیگر لوگوں کے کھانے کے لیے ایک تہائی یا ایک چوتھائی چھوڑ دیا کریں۔

وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةً وَفَرْشًا ۖ كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوتَ

اور (پیدا کیے) چوپایوں میں سے بوجھ اٹھانے والے اور زمین سے لگے ہوئے کھاؤ تمہیں سے جو یا تمہیں اللہ نے اور مت پیچھے لگو توڑوں کے

الشَّيْطَانِ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿١٣٦﴾ ثَبْنِيَّةٌ أَزْوَاجٌ ۖ مِنَ الضَّانِّ اثْنَيْنِ وَمِنَ

شیطان کے یقیناً وہ تمہارا دشمن ہے ظاہر ○ (پیدا فرمائیں) آٹھ قسمیں؛ بھیڑ میں سے دو اور

الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۖ قُلْ آءَ الذَّاكِرِينَ حَرَّمَ أَمِ الْأُنثِيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامٌ

بکری میں سے دو کہہ دیجئے! کیا دونوں نر اللہ نے حرام کئے ہیں یا دونوں مادہ یا وہ (بچہ) کہ مشتمل ہیں اس پر حرم

الْأُنثِيَيْنِ نَبِّئُونِي بِعِلْمٍ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿١٣٧﴾ وَمِنَ الْإِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ

دونوں مادوں کے؟ تم خبر دو مجھے ساتھ علم کے، اگر ہو تم سچے ○ اور (پیدا فرمائے) اونٹ میں سے دو اور

الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۖ قُلْ آءَ الذَّاكِرِينَ حَرَّمَ أَمِ الْأُنثِيَيْنِ أَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ أَرْحَامٌ

گائے میں سے دو کہہ دیجئے! کیا دونوں نر حرام کئے اللہ نے یا دونوں مادہ یا وہ (بچہ) کہ مشتمل ہیں اس پر حرم

الْأُنثِيَيْنِ أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ وَصَّيْنَاكُمْ اللَّهُ بِهَذَا ۖ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرَى

دونوں مادوں کے؟ کیا تھے تم حاضر جب وصیت کی تھی تمہیں اللہ نے اس کی؟ پس کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جس نے گھڑا

عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿١٣٨﴾

اور اللہ کے جھوٹ، تاکہ گمراہ کرے وہ لوگوں کو بغیر علم کے یقیناً اللہ نہیں ہدایت دیتا ظالم قوم کو ○

﴿وَمِنَ الْأَنْعَامِ حَمُولَةً وَفَرْشًا﴾ اور پیدا کئے مویشیوں میں سے بوجھ اٹھانے والے اور زمین سے لگے ہوئے

یعنی اللہ تعالیٰ نے چوپائے پیدا کئے جن میں سے بعض پر تم سواری کرتے ہو اور ان سے بار برداری کا کام لیتے ہو۔

اور ان میں سے بعض اپنی کم عمری کی وجہ سے سواری اور بار برداری کے قابل نہیں ہوتے مثلاً ان چوپایوں کے

بچے جو ابھی بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ پس یہ مویشی سواری اور بار برداری کے پہلو سے ان دو اقسام میں منقسم

ہوتے ہیں۔ رہا ان کو کھانے کا پہلو اور ان سے دیگر مختلف انواع کے فوائد حاصل کرنا، تو یہ تمام مویشی کھائے بھی

جاتے ہیں اور ان سے دیگر فوائد بھی حاصل کئے جاتے ہیں۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللَّهُ

وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوتَ الشَّيْطَانِ﴾ ”کھاؤ اللہ کے رزق میں سے اور مت چلو شیطان کے قدموں پر“، یعنی شیطان کے

طریقوں اور اس کے اعمال کی پیروی نہ کرو۔ ان میں سے منجملہ یہ ہیں کہ تم ان چیزوں کو حرام ٹھہرا لیتے ہو جو اللہ

تعالیٰ نے تمہیں رزق کے طور پر عطا کی ہیں ﴿إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ ”وہ تمہارا کھلا دشمن ہے“، پس وہ تمہیں صرف

اسی بات کا حکم دے گا جس میں تمہارا نقصان اور تمہاری ابدی بدبختی اور بد نصیبی ہے۔

یہ چوپائے جن سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں کو نوازا ہے اور ان سب کو حلال اور طیب قرار دیا ان کی

تفصیل یوں بیان کی ہے ﴿ثَمْنِيَةَ أَزْوَاجٍ مِنَ الضَّأْنِ اثْنَيْنِ﴾ ”پیدا کئے آٹھ تراور مادہ، بھیڑ میں سے دو، یعنی تراور مادہ ﴿وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ﴾ اور دو (۲) بکریوں میں سے۔“ یعنی اسی طرح بکریوں میں سے دو تراور مادہ۔ یہ چار اصناف ان مویشیوں میں شامل ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا۔ ان میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں۔ ان تکلف کرنے والوں سے کہہ دیجئے! جو ان میں سے کسی چیز کو حرام ٹھہراتے ہیں یا ان میں سے کچھ اصناف کو عورتوں پر حرام ٹھہراتے ہیں۔ جس کو انہوں نے مباح اور جس کو انہوں نے حرام ٹھہرایا، ان دونوں کے درمیان فرق کے عدم وجود کو ان پر لازم کرتے ہوئے ان سے کہئے ﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَاتُ﴾ ”یادو نوں (کے) مادہ کو۔“ یعنی مادہ بھیڑ اور بکری کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے؟ تم اس بات کے بھی قائل نہیں ہو۔ تم دونوں (کے) مادہ کو۔“ پس تم اس بات کے قائل نہیں ہو ﴿أَمْ لَمْ نَنْبِتْ لَكُمُ الْيَتُونَ﴾ ”یادو نوں (کے) مادہ کو۔“ یعنی مادہ بھیڑ اور بکری کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے؟ تم اس بات کے بھی قائل نہیں ہو۔ تم دونوں اصناف میں سے خالص نر کی تحریم کے قائل ہونہ خالص مادہ کی۔ باقی رہی یہ بات کہ اگر مادہ کا رحم نر اور مادہ بچے پر مشتمل ہو یا تراور مادہ کے بارے میں علم نہ ہو۔ پس فرمایا ﴿إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْبَاطِنَ﴾ ”یا جو بچہ دونوں مادوں کے پیٹوں میں ہو۔“ یعنی کیا تم تراور مادہ کے فرق کے بغیر اسے حرام ٹھہراتے ہو جو بھیڑ یا بکری کے رحم میں ہے؟ تم اس قول کے بھی قائل نہیں ہو۔ جب تم ان تین اقوال میں کسی ایک قول کے بھی قائل نہیں جو ممکنہ تمام صورتوں پر محیط ہیں۔ تو پھر تم کون سے مذہب پر عامل ہو ﴿يَعْتَوِي بِعِلْمٍ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ ”اگر سچے ہو تو مجھے سند سے بتاؤ۔“ یعنی اگر تم اپنے قول اور دعوے میں سچے ہو تو مجھے علمی دلیل سے آگاہ کرو اور یہ بدیہی طور پر معلوم ہے کہ وہ کوئی ایسا قول نہیں لا سکتے جسے عقل تسلیم کر لے سوائے اس کے کہ مذکورہ تینوں باتوں میں سے کوئی ایک بات کہیں اور وہ ان میں سے کوئی بات نہیں کہتے۔ صرف یہ کہتے ہیں کہ بعض مویشی جن کے بارے میں انہوں نے اپنی طرف سے کچھ اصطلاحات گھڑ رکھی ہیں مردوں کی بجائے عورتوں پر حرام ہیں، یا وہ بعض اوقات واحوال میں حرام ہیں یا اس قسم کے دیگر اقوال، جن کے بارے میں بلا شک و شبہ ہمیں معلوم ہے کہ ان کا مصدر جہل مرکب، راہ راست سے منحرف عقل اور فاسد آراء و نظریات ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے قول پر کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی اور نہ ان کے پاس کوئی اور حجت و برہان ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسی طرح اونٹ اور گائے کا ذکر فرمایا۔ جب ان کے قول کا بطلان اور فساد واضح ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ایک ایسی بات کہی جس سے نکلنا ان کے بس میں نہ تھا۔ سوائے شریعت کی اتباع کے ﴿أَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاءَ إِذْ وَضَعَكُمُ اللَّهُ فِي بَهْدِكُمْ﴾ ”کیا تم حاضر تھے جس وقت تم کو اللہ نے یہ حکم دیا تھا، یعنی تمہارے پاس اپنے دعویٰ کے سوا باقی کچھ بھی نہیں، جس کی صداقت اور صحت کو پرکھنے کے لیے تمہارے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔ اور وہ ہے تمہارا یہ کہنا کہ ”اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس کی وصیت کی ہے اور اس نے ہماری طرف وحی کی ہے جس

طرح اس نے اپنے انبیاء و مرسلین کی طرف وحی کی، بلکہ اس نے ہماری طرف ایسی وحی بھیجی جو اس چیز کے مخالف ہے جس کی طرف انبیاء و رسل نے دعوت دی اور جس کے ساتھ کتابیں نازل ہوئیں، اور یہ ایک ایسا بہتان ہے جس سے کوئی شخص ناواقف نہیں ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ﴾ ”پس اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو بہتان باندھے اللہ پر جھوٹا، تاکہ بغیر تحقیق کے لوگوں کو گمراہ کرے، یعنی اس کے جھوٹ اور اللہ تعالیٰ پر اس کے بہتان و افتراء باندھنے کے ساتھ وہ اس سے اللہ کے بندوں کو بغیر کسی دلیل و برہان اور بغیر کسی عقل و نقل کے اللہ کے راستے سے گمراہ کرتا ہے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ ”اللہ تعالیٰ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا، جن کا ظلم و جور اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ گھڑنے کے سوا اور کوئی ارادہ نہیں۔

قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً

کہہ دیجئے انہیں پاتا میں جو وحی کی گئی ہے میری طرف کوئی چیز حرام کسی کھانے والے پر جو کھائے اسے، مگر یہ کہ ہو وہ مردار

أَوْ دَمًا مَّسْفُوحًا أَوْ لَحْمَ خِنزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ أَوْ فِسْقًا أُهْلًا لِغَيْرِ اللَّهِ بِهِ فَمَنْ

یا خون بہایا ہوا یا گوشت سور کا پس یقیناً وہ ناپاک ہے یا وہ فسق ہے کہ نام پکارا گیا ہے اللہ کے سوا کسی اور کا اس پر پھر جو شخص

اضْطَرَّ غَيْرِ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۳۹﴾ وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا

لاچار ہو جائے (بشرطیکہ) نہ ہو وہ سرکش اور نہ حد سے گزرنے والا تو آپکارب ہے بہت بخشنے والا رحم کرنے والا اور پراگے جو یہودی ہوئے

حَرَمْنَا كُلَّ ذِي ظُفْرٍ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَمْنَا عَلَيْهِمْ شَحُومَهُمَا

حرام کیا تھا ہم نے ہر ناخن والا (جانور) اور گائے اور بکری میں سے حرام کیں ہم نے ان پر چربی ان دونوں کی

إِلَّا مَا حَصَلَتْ ظُهُورُهُمَا أَوْ الْحَوَايَا أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ذَلِكَ جَزَيْنَهُمْ

مگر جس کو اٹھایا ہوا ہو ان کی پیٹھوں یا آنتوں نے، یا جو ٹلی ہو ساتھ ہڈی کے یہ سزا دی ہم نے انہیں

بِبَغْيِهِمْ وَإِنَّا لَصَدِيقُونَ ﴿۱۴۰﴾

بوجہ ان کی سرکشی کے اور یقیناً ہم البتہ سچے ہیں

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس امر پر مشرکین کی مذمت کی کہ انہوں نے حلال کو حرام ٹھہرایا اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا اور ان کے اس قول کا ابطال کیا تو اس نے اپنے رسول ﷺ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کے سامنے واضح کر دیں کہ اللہ تعالیٰ نے کیا چیز ان پر حرام ٹھہرائی ہے تاکہ انہیں معلوم ہو جائے کہ اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ حلال ہے اور جو کوئی اس کی تحریم کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے وہ جھوٹا اور باطل پرست ہے، کیونکہ تحریم صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسول کے توسط سے ہوتی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ

سے فرمایا: ﴿قُلْ لَا أَجِدُ فِي مَا أُوحِيَ إِلَيَّ مَعْزَمًا عَلَىٰ طَاعِمٍ يَطْعَمُهُ﴾ ”آپ کہہ دیجئے کہ میں نہیں پاتا اس وحی میں کہ مجھ کو پہنچی ہے کسی چیز کو حرام کھانے والے پر جو اس کو کھائے، یعنی اس کو کھانے کے علاوہ اس سے دیگر فوائد حاصل کرنے یا نہ کرنے سے قطع نظر، میں کوئی چیز نہیں پاتا جس کا کھانا حرام ہو۔ ﴿إِلَّا أَنْ يَكُونَ مَيْتَةً﴾ ”مگر یہ کہ وہ چیز مردار ہو“ مردار وہ جانور ہے جو شرعی طریقے سے ذبح کئے بغیر مر گیا ہو۔ یہ مراد جانور حلال نہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالْدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ﴾ (المائدہ: ۳۱۵) ”حرام کر دیا گیا تم پر مردار، خون اور خنزیر کا گوشت“۔

﴿أَوْ دَمًا مَّسْفُورًا﴾ ”یا بہتا ہوا خون“ یہ وہ خون ہے جو ذبیحہ کو ذبح کرتے وقت اس میں سے خارج ہوتا ہے کیونکہ اس خون کا ذبیحہ کے بدن میں رہنا ضرر رساں ہے۔ جب یہ خون بدن سے نکل جاتا ہے تو گوشت کا ضرر زائل ہو جاتا ہے۔ لفظ کے مفہوم مخالف سے مستفاد ہوتا ہے کہ جانور کو ذبح کرنے کے بعد جو خون گوشت اور رگوں میں بچ جاتا ہے وہ حلال اور پاک ہے ﴿أَوْ لَحْمَ خِنْزِيرٍ فَإِنَّهُ رِجْسٌ﴾ ”یا سور کا گوشت کہ وہ ناپاک ہے، یعنی مذکورہ تینوں اشیاء گندی ہیں یعنی ناپاک اور مضر ہیں اور اللہ تعالیٰ نے تم پر لطف و کرم کرتے ہوئے اور تمہیں خباث کے قریب جانے سے بچانے کے لیے ان گندی اشیاء کو حرام قرار دے دیا ہے۔ ﴿أَوْ فَسْقًا آهْلًا يَغْيِرُ اللَّهُ بِهِ﴾ ”یا ذبیحہ کو اللہ کے سوا بتوں اور ان معبودوں کے لیے ذبح کیا گیا ہو جن کی مشرکین عبادت کرتے ہیں۔ یہ فسق ہے اور فسق سے مراد ہے اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل کر اس کی معصیت میں داخل ہو جانا۔ ﴿فَمَنْ اضْطُرَّ﴾ ”پس اگر کوئی مجبور ہو جائے۔“ یعنی بایں ہمہ اگر کوئی ان حرام اشیاء کو استعمال کرنے پر مجبور ہے حاجت اور ضرورت نے اسے ان اشیاء کو کھانے پر مجبور کر دیا ہے۔ وہ اس طرح کہ اس کے پاس کھانے کے لیے کچھ نہیں اور بھوک کے باعث اس کو اپنی جان کا خوف ہے ﴿غَيْرَ بَاغٍ﴾ ”نافرمانی کرنے والا نہ ہو۔“ یعنی بغیر کسی اضطراری حالت کے اس کو کھانے کا ارادہ نہ رکھتا ہو ﴿وَلَا عَادٍ﴾ ”اور نہ زیادتی کرنے والا ہو“ (عابد) سے مراد ہے ”ضرورت سے زائد کھا کر حد سے تجاوز کرنے والا“ ﴿فَإِنْ رَبَّكَ عَفْوٌ رَّحِيمٌ﴾ ”تو بلاشبہ تمہارا رب بخشنے والا مہربان ہے۔“ یعنی جو شخص اس حالت کو پہنچ جائے اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ نرمی کی ہے۔

اہل علم نے اس آیت کریمہ میں مذکورہ محرمات پر حصر کے بارے میں مختلف رائے کا اظہار کیا ہے۔ کیونکہ اس کے علاوہ بھی محرمات موجود ہیں جن کا یہاں ذکر نہیں کیا گیا مثلاً (کچلیوں والے) درندے اور بچے سے شکار کرنے والے تمام پرندے وغیرہ چنانچہ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ یہ آیت کریمہ ان زائد چیزوں کی تحریم سے قبل نازل ہوئی ہے۔ اس لیے یہ حصر مذکور ان اشیاء میں تحریم متاخر کے منافی نہیں ہے۔ کیونکہ یہ چیزیں اس وقت اس زمرے میں نہیں آتی تھیں جس وقت مذکورہ حرمت کی وحی آپ کی طرف بھیجی گئی تھی۔

بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ آیت مبارکہ تمام محرمات کی تحریم پر مشتمل ہے۔ البتہ بعض کی تحریم کی تصریح کر دی گئی ہے اور بعض کی تحریم اس کے معنی اور حرمت کی عمومی علت سے اخذ کی گئی ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آیت کریمہ کے اواخر میں مردار، خون اور خنزیر کے گوشت کی تحریم کی علت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فَأَنذَرْتُكُمْ جَسَّسًا﴾ ”وہ ناپاک ہے“ اور یہ ایسا وصف ہے جو تمام محرمات کو شامل ہے۔ کیونکہ تمام محرمات (دجسس) یعنی گندگی اور ناپاک ہیں اور یہ محرمات سب سے زیادہ ناپاک ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو گندگی اور ناپاکی سے بچانے کے لیے ان کو حرام قرار دیا ہے۔

ناپاک اور محرمات کی تفصیل سنت نبوی سے اخذ کی جاتی ہیں کیونکہ سنت قرآن کی تفسیر کر کے اس کے مقاصد کو بیان کرتی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کھانے والے کے لیے صرف اسی چیز کو حرام قرار دیا جس کا اس نے ذکر فرمایا اور تحریم کا مصدر صرف اللہ تعالیٰ کی شریعت ہے، تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ مشرکین اپنے آپ پر اللہ تعالیٰ کے رزق کو حرام قرار دے کر اللہ تعالیٰ پر بہتان طرازی اور اس کی طرف ایسی بات منسوب کرتے ہیں جو اس نے نہیں کہی۔ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں خنزیر کی حرمت کا ذکر نہ کیا ہوتا تو اس کا قوی احتمال تھا کہ آیت کریمہ کا سیاق مشرکین کے مذکورہ بالا ان اقوال کی تردید میں ہے جس میں انہوں نے ان چیزوں کو حرام ٹھہرایا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا اور اپنے نفس کی فریب دہی کے مطابق اس میں مشغول ہو گئے۔ اور یہ خاص طور پر چوپایوں کے بارے میں ہے۔ اور ان چوپایوں میں کچھ بھی حرام نہیں سوائے ان اشیاء کے جن کا ذکر آیت کریمہ میں کر دیا گیا ہے مردار اور غیر اللہ کے نام پر پکاری گئی چیز۔ اور ان کے سوا دیگر تمام اشیاء حلال ہیں۔ اس احتمال کی بنا پر خنزیر کا یہاں ذکر شاید اس مناسبت سے کیا گیا ہو کہ بعض جہال خنزیر کو (بِهَيْمَةً الْأَنْعَامِ) میں داخل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خنزیر بھیڑ بکری کی نوع میں سے ہے۔ اس قسم کا تو ہم نصاریٰ میں سے جہلاء اور ان جیسے بعض دیگر لوگوں کو لاحق ہوا ہے۔ وہ خنزیر کو اسی طرح پالتے ہیں جیسے مویشیوں کو پالا جاتا ہے اور اس کو حلال سمجھتے ہیں۔ اور وہ اس کے اور دیگر مویشیوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کرتے۔ پس یہ تمام محرمات جو اس امت پر حرام قرار دی گئی ہیں یہ حفاظت اور تنزیہ کی خاطر ہے۔

اور وہ چیزیں جو اہل کتاب پر حرام قرار دی گئیں ان میں سے بعض پاک اور طیب تھیں مگر سزا کے طور پر ان چیزوں کو ان پر حرام کر دیا گیا۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُلْفُرٍ﴾ ”اور یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام کر دیا تھا“ مثلاً اونٹ اور اس قسم کے دیگر جانور ﴿وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ﴾ ”اور گائے اور بکری میں سے حرام کئے تھے“ ان کے بعض اجزاء ﴿شُحُومُهُمَا﴾ اور وہ تھی ان کی چربی۔ اور ہر قسم کی چربی ان پر حرام نہ تھی بلکہ صرف دنبے کی چکیتی اور اوجھڑی اور آنتوں کی باریک چربی حرام تھی۔ اس لیے اس

میں سے حلال چربی کو مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے فرمایا: ﴿إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمْ أَوِ الْحَوَايَا﴾ ”مگر وہ چربی جو پشت پر اور انتڑیوں کے ساتھ لگی ہوتی ہے“ ﴿أَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ﴾ ”یا وہ چربی جو ہڈی کے ساتھ پیوست ہوتی ہے۔“
 ﴿ذَلِكَ﴾ ”یہ“ یہودیوں پر نافذ کی گئی یہ تحریم ﴿جَزَيْنَهُمْ بِغَيْرِهِمْ﴾ ”ایک سزا تھی جو ہم نے ان کو دی تھی ان کی شرارت پر“ یعنی اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے حقوق کے بارے میں ان کے ظلم و تعدی کی جزا تھی، پس اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر ان کے لیے یہ چیزیں حرام کر دی تھیں ﴿وَإِنَّا لَصَادِقُونَ﴾ ”اور ہم سچ کہتے ہیں“ یعنی ہم جو کچھ کہتے ہیں جو کرتے ہیں اور جو فیصلہ کرتے ہیں سب صدق پر مبنی ہوتا ہے اور اہل ایمان کے نزدیک اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر سچی بات کہنے والا اور سب سے اچھے فیصلے کرنے والا کون ہے؟

فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ

پھر اگر جھٹلائیں وہ آپ کو تو کہہ دیجئے تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے اور نہیں پھیرا جاتا اس کا عذاب

عَنِ الْقَوْمِ الْمَجْرُمِينَ ﴿١٣٥﴾

مجرم قوم سے ○

یعنی اگر یہ مشرکین آپ کی تکذیب کرتے ہیں تو آپ ترغیب و ترہیب کے ذریعے سے ان کو دعوت دیتے رہئے اور ان کو آگاہ کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ﴿ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ﴾ ”بے پایاں رحمت کا مالک ہے“ جو تمام مخلوقات کو شامل ہے۔ لہذا اس کی رحمت کی طرف اس کے اسباب کے ذریعے سے سہقت کرو۔ جس کی اساس اور بنیاد محمد مصطفیٰ ﷺ اور ان پر نازل ہونے والی وحی کی تصدیق ہے۔ ﴿وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمَجْرُمِينَ﴾ ”اور اس کا عذاب گناہ گاروں سے نہیں ٹالا جاتا“ یعنی جن کے جرائم اور گناہ بہت بڑھ گئے ہوں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دعوت دینے والے جرائم سے بچو، ان میں سب سے بڑا جرم محمد مصطفیٰ ﷺ صلوات اللہ علیہ وسلم کی تکذیب ہے۔

سَيَقُولُ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا أَشْرَكْنَا وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَمَمْنَا مِنْ

عنقریب کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا، اگر چاہتا اللہ تو نہ شرک کرتے ہم اور نہ باپ دادا ہمارے اور نہ حرام کرتے ہم کوئی

شَيْءٍ ۗ كَذَلِكَ كَذَّبَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتَّىٰ ذَاقُوا بَأْسَنَا ۗ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ

چیز اسی طرح جھٹلایا تمہارا لوگوں نے جو ان سے پہلے تھے یہاں تک کہ چکھا انہوں نے ہمارا عذاب، کہہ دیجئے! کیا ہے تمہارے پاس

مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا ۗ إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ﴿١٣٦﴾

کچھ علم؟ تو نکالو تم اس کو ہمارے لیے نہیں بیروی کرتے تم مگر گمان کی اور نہیں ہو تم مگر اٹکل بچو کرتے ○

قُلْ فِئْتِهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۗ فَلَوْ شَاءَ لَهَدَاكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿١٣٦﴾

کہہ دیجئے! پس اللہ ہی کے لیے ہے دلیل محکم پھر اگر وہ چاہتا تو ہدایت دیتا تم سب کو ○

یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے خبر ہے کہ مشرکین اپنے شرک اور اللہ تعالیٰ کی حلال ٹھہرائی ہوئی چیزوں کو حرام ٹھہرانے پر اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے دلیل پکڑتے ہیں اور اپنے آپ سے مذمت کو دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کی مشیت کو جو خیر و شر ہر چیز کو شامل ہے دلیل بناتے ہیں۔ چنانچہ انہوں نے وہی کچھ کہا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی تھی جیسا کہ ایک دوسرے مقام پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا لَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ﴾ (النحل: ۳۵/۱۶) ”وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا کہتے ہیں کہ اگر اللہ کی مشیت ہوتی تو ہم اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرتے“۔ پس یہ وہ دلیل ہے جو انبیاء و رسل کو جھٹلانے والی قومیں انبیاء کی دعوت کو رد کرنے کے لیے پیش کرتی رہی ہیں مگر یہ ان کے کسی کام آئی نہ اس نے انہیں کوئی فائدہ ہی دیا اور یہی ان کی عادت رہی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں ہلاک کر کے عذاب کا مزا چکھایا۔

اگر ان کی یہ دلیل صحیح ہوتی تو ان سے عذاب کو ہٹا لیا جاتا اور اللہ تعالیٰ ان کو عذاب میں مبتلا نہ کرتا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا عذاب صرف اسی پر نازل ہوتا ہے جو اس کا مستحق ہوتا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ یہ ان کی فاسد دلیل اور انتہائی گھٹیا شبہ ہے اور اس کی متعدد وجوہات ہیں۔

- (۱) اللہ تبارک و تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ اگر ان کی دلیل صحیح ہوتی تو ان پر عذاب نازل نہ ہوتا۔
- (۲) دلیل کے لیے ضروری ہے کہ اس کی بنیاد علم اور برہان ہو۔ اگر دلیل محض گمان اور اندازے پر مبنی ہو جو حق کے مقابلے میں کوئی کام نہیں آسکتی، تو یہ باطل ہے۔ اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا﴾ ”کہہ دیجئے اگر تمہارے پاس کوئی علم ہے تو ہمارے سامنے پیش کرو“ پس اگر ان کے پاس علم ہوتا حالانکہ وہ سخت جھگڑا لوگ ہیں، تو وہ اسے ضرور پیش کرتے اگر انہوں نے کوئی علمی دلیل پیش نہیں کی تو معلوم ہوا کہ وہ علم سے بے بہرہ ہیں۔

﴿إِنْ تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنْتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ﴾ ”تم تو نرے گمان پر چلتے ہو اور صرف تخمینے ہی کرتے ہو“ اور جو کوئی اپنے دلائل کی بنیاد گمان اور اندازوں پر رکھتا ہے وہ باطل پرست اور خسارے میں پڑنے والا ہے اور جب اس کی بنیاد سرکشی، دشمنی اور شر و فساد پر ہو تو اس کی کیفیت کیا ہوگی؟

- (۳) حجت بالغہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، جو کسی کے لیے کوئی عذر نہیں رہنے دیتی، جس پر تمام انبیاء و مرسلین، تمام کتب الہیہ، تمام آثار نبویہ، عقل صحیح، فطرت سلیم اور اخلاق مستقیم متفق ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ جو کوئی اس آیت قاطعہ کی مخالفت کرتا ہے وہ باطل ہے، کیونکہ حق کی مخالفت کرنے والا باطل کے سوا کچھ بھی نہیں۔

- (۴) اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہر انسان کو قدرت اور ارادہ عطا کیا ہے جس کے ذریعے سے وہ ان تمام افعال

کے ارتکاب پر قادر ہے جن کا اسے مکلف کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر کوئی ایسی چیز واجب

نہیں کی جس کے فعل پر وہ قدرت نہیں رکھتا اور نہ کسی ایسی چیز کو اس پر حرام ٹھہرایا ہے جس کو ترک کرنے کی وہ طاقت نہیں رکھتا۔ پس اس کے بعد قضاء و قدر کو دلیل بنانا محض ظلم اور مجرم و عناد ہے۔

(۵) اللہ تعالیٰ نے بندوں کے افعال میں جبر نہیں کیا، بلکہ ان کے افعال کو ان کے اختیار کے تابع بنایا ہے۔ پس اگر وہ چاہیں تو کسی فعل کا ارتکاب کریں اور اگر چاہیں تو اس فعل کے ارتکاب سے باز رہ سکتے ہیں۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ اس کا انکار صرف وہی کر سکتا ہے جو حق کے ساتھ عناد رکھتا ہے اور محسوسات کا انکار کرتا ہے، کیونکہ ہر شخص حرکت اختیاری اور حرکت جبری میں امتیاز کر سکتا ہے اگرچہ تمام حرکات اللہ تعالیٰ کی مشیت اور اس کے ارادہ کے تحت آتی ہیں۔

(۶) اپنے گناہوں پر قضا و قدر کو دلیل بنانے والے تناقض (تضاد) کا شکار ہیں، کیونکہ ان کے لیے اس کو درست ثابت کرنا ممکن نہیں۔ بلکہ اگر کوئی مار پیٹ یا مال وغیرہ چھین کر ان کے ساتھ برا سلوک کر کے تقدیر کا بہانہ پیش کرتا ہے تو وہ اس شخص کی دلیل کو کبھی قبول نہیں کریں گے اور اس شخص پر سخت ناراض ہوں گے۔ نہایت عجیب بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی ناراضی کے کاموں پر تو قضا و قدر کا عذر پیش کرتے ہیں اور اگر کوئی ان کے ساتھ برا سلوک کر کے ان کو یہی دلیل پیش کرتا ہے تو اسے قبول نہیں کرتے۔

(۷) قضا و قدر سے استدلال کرنا ان کا مقصد نہیں ہے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ قضا و قدر کا عذر دلیل نہیں۔ ان کا مقصد تو صرف حق کو ٹھکرانا اور اس کو روکنا ہے کیونکہ وہ حق کو یوں سمجھتے ہیں جیسے کوئی حملہ آور ہو۔ چنانچہ وہ ہر صحیح یا غلط خیال کے ذریعے سے جو ان کے دل میں آتا ہے حق کو روکنے کی کوشش کرتے ہیں۔

قُلْ هَلْ مَسَّ شُهَدَاءُكُمْ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَذَا فَيَنْ شَهِدُوا فَلَا

کہہ دیجئے! لے آؤ تم اپنے گواہ وہ جو گواہی دیں اس بات کی کہ بلاشبہ اللہ نے حرام کیا ہے ان کو پھر اگر وہ گواہی دیں تو نہ

تَشْهَدُ مَعَهُمْ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ

گواہی دیں آپ انکے ساتھ اور نہ پیچھے چلیں آپ انکی خواہشات کے جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو اور (نہ) انکے جو نہیں ایمان لاتے

بِالْآخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ ﴿۱۵﴾

آخرت پر اور وہ اپنے رب کے ساتھ برابر ٹھہراتے ہیں ○

یعنی آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی حلال ٹھہرائی ہوئی چیزوں کو حرام ٹھہرایا اور اس تحریم کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر دیا، کہ وہ اپنے ان گواہوں کو لے آئیں جو یہ گواہی دیں کہ اس چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ جب ان سے یہ بات کہی جائے گی تو مندرجہ ذیل دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہوگی:

(۱) یا تو وہ اس پر کسی کو گواہ کے طور پر پیش ہی نہیں کر سکیں گے تب اس صورت میں ان کا دعویٰ باطل اور دلیل اور گواہوں سے محروم ہوگا۔

(۲) یا وہ کسی ایسے گواہ کو پیش کر دیں گے جو ان کے لیے گواہی دے مگر کسی جھوٹے اور بہتان طراز کے سوا کوئی شخص اس پر گواہی نہیں دے سکتا، اور ایسے جھوٹے اور بہتان طراز شخص کی گواہی قابل قبول نہیں ہے۔

یہ معاملہ ایسے امور میں شمار نہیں ہوتا جس پر کسی عادل گواہ کا گواہی دینا جائز ہو بنا بریں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور آپ کے تابعین کو اس گواہی سے روکتے ہوئے فرمایا: ﴿فَإِنْ شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ وَلَا تَتَّبِعْ أَهْوَاءَ الَّذِينَ كَذَبُوا بِآيَاتِنَا وَالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ﴾ اگر وہ گواہی دیں تو آپ ان کے ساتھ گواہی نہ دیں اور ان لوگوں کی خواہشات کی پیروی نہ کریں جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور وہ جو آخرت پر یقین نہیں رکھتے اور وہ اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو برابر ٹھہراتے ہیں، یعنی وہ بتوں اور اپنے گھڑے ہوئے معبودوں کو اللہ تعالیٰ کے برابر قرار دیتے ہیں۔ چونکہ وہ یوم آخرت کا انکار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی توحید کے قائل نہیں اس لیے ان کی خواہشات ان کے اس عقیدے کے مطابق ہیں جو شرک اور تکذیب پر مبنی ہے۔ جن کا یہ معاملہ ہو تو مناسب یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں سے بہترین ہستی کو ان کی اتباع کرنے اور ان کے ساتھ گواہی دینے سے روک دے۔ تب معلوم ہوا کہ ان کا اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ چیزوں کو حرام ٹھہرانا ان کی گمراہ کن خواہشات نفس کی پیداوار ہے۔

قُلْ تَعَالَوْا أَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبِّيَ عَلَيْكُمْ أَلَّا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَبِالْوَالِدَيْنِ

کہہ دیجئے! آؤ پڑھتا ہوں میں جو کچھ کہ حرام کیا تمہارے رب نے اوپر تمہارے یہ کہ نہ شریک ٹھہراؤ تم ساتھ اسکے کسی چیز کو اور ساتھ والدین کے

إِحْسَانًا ۖ وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ ۖ مِنْ إِمْلَاقٍ ۖ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ ۖ وَلَا

احسان کرو، اور مت قتل کرو اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے، ہم ہی رزق دیتے ہیں تمہیں اور انہیں، اور مت

تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۖ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ

قریب جاؤ بے حیائی کے کاموں کے جو ظاہر ہوں ان میں سے اور جو پوشیدہ اور مت قتل کرو اس جان کو جس کو حرام کیا

اللَّهُ إِلَّا بِالْحَقِّ ذُلِكُمْ وَضَعَمُ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَقْرَبُوا مَالَ الْيَتِيمِ

اللہ نے مگر ساتھ حق کے یہ (سب باتیں) وصیت کی ہے اللہ نے تمہیں انکی تاکہ تم سمجھو اور مت قریب جاؤ تم یتیم کے مال کے

إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ ۖ وَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ ۖ

مگر ساتھ اس طریقے کے جو بہترین ہو یہاں تک کہ پہنچ جائے وہ اپنی پختگی کو اور پورا کرو تم ماپ اور تول کو ساتھ انصاف کے

لَا تُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۖ وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ ۖ

نہیں تکلیف دیتے ہم کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے مطابق ہی، اور جب کہو تم، تو انصاف سے کام لو، اگرچہ ہو وہ قریبی ہی

وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذُكُّمُ وَصُكُّمُ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۱۵۶﴾ وَأَنَّ هَذَا

اور عہد اللہ کا پورا کرو تم یہ وصیت کی ہے (اللہ نے) تمہیں اس کی تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ○ اور بلاشبہ یہ

صِرَاطِیُّ مُسْتَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ

میرا راستہ ہے سیدھا پس پیروی کرو تم اسی کی اور مت پیروی کرو تم (اور) راستوں کی پس الگ کر دیں گے وہ تمہیں اس (اللہ) کے راستے سے

ذُكُّمُ وَصُكُّمُ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿۱۵۷﴾

یہ وصیت کی ہے (اللہ نے) تمہیں اس کی تاکہ تم ڈرو ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے ﴿قُلْ﴾ ”کہہ دیجیے“ ان لوگوں سے کہہ دیجئے جنہوں نے ان چیزوں کو حرام قرار دے ڈالا جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال ٹھہرایا ﴿تَعَالَوْا اتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ﴾ ”آؤ میں سنا دوں جو حرام کیا ہے تم پر تمہارے رب نے“ یعنی اللہ تعالیٰ نے عام طور پر کیا چیز حرام کی ہے۔ یہ تحریم سب کے لیے ہے اور ماکولات و مشروبات اور اقوال و افعال وغیرہ تمام محرمات پر مشتمل ہے۔ ﴿أَلَا تُشْرِكُوا بِهِ﴾ ”یہ کہ اللہ کے ساتھ شرک نہ کرنا۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کے ساتھ تھوڑا یا زیادہ ہرگز شرک نہ کرو۔

اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کی حقیقت یہ ہے کہ مخلوق کی اسی طرح عبادت کی جائے جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی ہے، یا مخلوق کی تعظیم اسی طرح کی جائے جس طرح اللہ تعالیٰ کی تعظیم کی جاتی ہے، یا ربوبیت اور الوہیت کی صفات مخلوق میں ثابت کی جائیں۔ جب بندہ ہر قسم کا شرک چھوڑ دیتا ہے تو وہ اپنے تمام احوال میں موحد اور اللہ تعالیٰ کے لیے مخلص بندہ بن جاتا ہے۔ پس بندوں پر اللہ کا یہ حق ہے کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حق کا تذکرہ کرنے کے بعد سب سے زیادہ مومکد حق سے ابتدا کی اور فرمایا ﴿وَابِئْوَالِدَيْنِ إِحْسَانًا﴾ ”اور والدین کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔“ یعنی اقوال حسنہ اور افعال جمیلہ کے ذریعے سے اپنے والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو۔ ہر وہ قول و فعل جس سے والدین کو کوئی منفعت حاصل ہو یا اس سے مسرت حاصل ہو تو یہ ان کے ساتھ حسن سلوک ہے اور حسن سلوک کا وجود نافرمانی کی نفی کرتا ہے۔ ﴿وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُمْ﴾ ”اور نہ قتل کرو تم اپنی اولاد کو“ یعنی اپنے بچوں اور بچیوں کو ﴿مِنْ أَمْلَاقٍ﴾ ”ناداری کے (اندیشے) سے۔“ یعنی فقر اور رزق کی تنگی کے سبب سے۔ جیسا کہ جاہلیت کے ظالمانہ دور میں ہوتا تھا۔ جب اس حال میں ان کو قتل کرنے سے روکا گیا ہے جب کہ وہ ان کی اپنی اولاد ہو تو پھر ان کو بغیر کسی موجب کے قتل کرنا یا دوسروں کی اولاد کو قتل کرنا تو بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا۔

﴿نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ﴾ ”ہم رزق دیتے ہیں تم کو اور ان کو“ یعنی ہم نے تمام مخلوق کے رزق کی ذمہ داری

لی ہوئی ہے۔ یہ تم نہیں ہو جو اپنی اولاد کو رزق عطا کرتے ہو بلکہ تم خود اپنے آپ کو بھی رزق عطا نہیں کر سکتے۔ پھر تم

ان کے بارے میں تنگی کیوں محسوس کرو۔ ﴿وَلَا تَقْرُبُوا الْفَوَاحِشَ﴾ اور بے حیائی کے کاموں کے قریب نہ جاؤ۔ یہاں فواحش سے مراد بڑے بڑے اور فحش گناہ ہیں ﴿مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ﴾ جو ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔ یعنی کھلے گناہوں کے قریب جاؤ نہ چھپے ہوئے گناہوں کے۔ نہ کھلے گناہوں کے متعلقات کے قریب پھلکو اور نہ قلب و باطن کے گناہوں کے متعلقات کے قریب جاؤ۔ فواحش کے قریب جانے کی ممانعت فواحش کے مجرد ارتکاب کی ممانعت سے زیادہ بلیغ ہے۔ کیونکہ یہ فواحش کے مقدمات اور ان کے ذرائع اور وسائل سب کو شامل ہے۔ ﴿وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِي حَرَّمَ اللَّهُ﴾ اور نہ قتل کرو اس جان کو جس کو اللہ نے حرام کیا ہے، اس سے مراد مسلمان جان ہے خواہ مرد ہو خواہ عورت، چھوٹا ہو یا بڑا، نیک ہو یا بد۔ اسی طرح اس کافر جان کو قتل کرنا بھی قتل ناحق ہے جو عہد و میثاق کی وجہ سے معصوم ہو ﴿إِلَّا بِالْحَقِّ﴾ مگر حق کے ساتھ، مثلاً شادی شدہ زانی، قاتل، مرتد ہو کر مسلمانوں کی جماعت سے علیحدگی اختیار کرنے والا۔

﴿ذِكْرُكُمْ﴾ یہ مذکورہ بالا تمام امور ﴿وَضَعَكُمْ بِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ﴾ اس کے ساتھ تم کو حکم کیا ہے تاکہ تم سمجھو، یعنی شاید تم اللہ تعالیٰ کی وصیت کو سمجھو پھر تم اس کی حفاظت کرو، اس کی رعایت کرو اور اس کو قائم کرو۔ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ بندہ اپنی عقل کے مطابق ان امور کو قائم کرتا ہے جن کا اللہ تعالیٰ نے اس کو حکم دیا ہے۔

﴿وَلَا تَقْرُبُوا مَالَ الْيَتِيمِ﴾ اور نہ قریب جاؤ تم یتیم کے مال کے، یعنی مال کھانے کے لیے یا اپنے لیے معاوضہ بنانے یا بغیر کسی سبب کے مال لینے کے لیے۔ ﴿إِلَّا بِالَّتِي هِيَ أَحْسَنُ﴾ مگر ایسے طریق سے کہ بہت ہی پسندیدہ ہو۔ یعنی البتہ ایسے طریقے سے ان کے مال کے قریب جاؤ جس سے ان کے مال کی اصلاح ہو اور وہ اس مال سے فائدہ اٹھائیں۔ یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ اس طریقے سے یتیموں کے مال کے قریب جانا اور اس میں تصرف کرنا جائز نہیں جس سے یتیموں کو نقصان پہنچتا ہو اور اس طریقے سے بھی ان کے مال کے قریب جانا جائز نہیں جس میں کوئی نقصان تو نہ ہو البتہ اس میں کوئی مصلحت بھی نہ ہو۔

﴿حَتَّىٰ يَبْلُغَ أَشُدَّهُ﴾ حتیٰ کہ وہ جوانی کو پہنچ جائے۔ یعنی یہاں تک کہ یتیم بالغ اور سمجھ دار ہو جائے اور اسے مال میں تصرف کرنے کی معرفت حاصل ہو جائے اور جب وہ سمجھ دار اور بالغ ہو جائے تو اس وقت مال اس کے حوالے کیا جائے اور وہ خود اپنی صوابدید کے مطابق اس مال میں تصرف کرے۔ یہ اس امر کی دلیل ہے کہ یتیم بالغ ہونے سے قبل اپنے مال میں تصرف نہیں کر سکتا۔ اس کے سرپرست کو مال میں احسن طریقے سے تصرف کرنے کا اختیار حاصل ہے۔ مال کے تصرف پر یہ پابندی یتیم کے بالغ ہونے پر ختم ہو جائے گی۔

﴿وَأَوْفُوا الْكَيْدَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ﴾ نہایت عدل و انصاف سے ناپ تول کو پورا کرو، یعنی جب تم انصاف

کے ساتھ ناپ تول کو پورا کرنے کی ذمہ داری کو ادا کرنے میں جدوجہد کرو گے تو ﴿لَا تُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾

”ہم کسی کو تکلیف نہیں دیتے مگر اس کی طاقت کے مطابق۔“ یعنی ہم اس کی مقدرت کے مطابق اسے مکلف بناتے ہیں اور ایسی چیز کا مکلف نہیں بناتے جو اس کے بس سے باہر ہو پس جو کوئی ناپ تول کو پورا کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے اور اس میں ہرگز کوتاہی نہیں برتا اور لاعلمی میں کوئی تقصیر باقی رہ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور نہایت رحم والا ہے۔

اس آیت کریمہ سے علمائے اصول یہ اصول اخذ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔ پس اسے جو حکم دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے ممکن حد تک اس کی تعمیل کرتا ہے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔

﴿وَإِذَا قُلْتُمْ﴾ ”جب کوئی بات کہو۔“ یعنی جب تم کوئی بات کہو جو لوگوں کے درمیان کسی فیصلے کسی خطاب کی تفصیل پر مبنی ہو یا تم احوال و مقالات پر کلام کر رہے ہو ﴿فَاعْبُدُوا﴾ ”تو انصاف سے کہو۔“ یعنی صدق انصاف اور عدم کتمان کو مد نظر رکھتے ہوئے ان لوگوں کے درمیان جن کو تم پسند کرتے ہو یا ناپسند کرتے ہو عدل سے بات کرو کیونکہ جسے آپ ناپسند کرتے ہیں اس کے بارے میں یا اس کے مقالات کے بارے میں اس کے خلاف حد سے بڑھ کر بات کرنا ظلم ہے جو کہ حرام ہے، بلکہ اگر صاحب علم اہل بدعت کے مقالات و نظریات پر کلام کرتا ہے تو اس پر فرض ہے کہ وہ ہر حق دار کو اس کا حق عطا کرے اور ان مقالات میں جو کچھ حق اور باطل موجود ہے اس کو پوری طرح بیان کرے کہ ان مقالات میں کون سی چیز حق کے قریب اور کون سی چیز حق سے دور ہے۔ فقہاء نے یہاں تک ذکر کیا ہے کہ قاضی پر فرض ہے کہ وہ فریقین کے درمیان اپنے لہجے اور اپنی نظر میں بھی انصاف کرے۔

﴿وَعَهْدًا لِلَّهِ أَوفُوا﴾ ”اور اللہ کا عہد پورا کرو“ یہ آیت کریمہ اس عہد کو بھی شامل ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے اپنے حقوق پورے کروانے کے بارے میں لیا ہے اور اس عہد کو بھی شامل ہے جو مخلوق کے درمیان واقع ہوتا ہے۔ پس ان تمام معاہدوں کو پورا کرنا فرض اور ان کو توڑنا یا ان میں خلل اندازی کرنا حرام ہے ﴿ذَلِكُمْ﴾ مذکورہ تمام احکام میں ﴿وَضَعْنَاهُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ ”تم کو حکم کر دیا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو“ یعنی وہ تمام احکام جو اس نے تمہارے لیے بیان کئے ہیں اور تم اللہ تعالیٰ کی اس وصیت کو پوری طرح قائم کرو جو اس نے تمہیں کی ہے اور تم ان تمام حکمتوں اور احکام کی معرفت حاصل کر لو جو ان کے اندر ہیں۔

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے بڑے بڑے احکام اور اہم شرائع کو واضح کر دیا تو اب ان کی طرف اور ان سے زیادہ عمومیت کی حامل بات کی طرف اشارہ فرمایا: ﴿وَأَنَّ هَذَا صِرَاطٌ مُسْتَقِيمٌ﴾ ”اور یہ کہ میرا سیدھا راستہ یہی ہے۔“ یعنی یہ اور اس قسم کے دیگر احکام جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے اپنی کتاب میں بیان کر دیا ہے اللہ تعالیٰ کا سیدھا راستہ ہے جو معتدل آسان اور نہایت مختصر ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے اکرام و تکریم کی منزل تک پہنچاتا

ہے ﴿فَاتَّبِعُوهُ﴾ ”پس اس کی پیروی کرو“ تاکہ تم فوز و فلاح، تمناؤں اور فرحتوں کو حاصل کر سکو۔ ﴿وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ﴾ ”اور راستوں پر نہ چلنا۔“ یعنی ان راستوں پر نہ چلو جو اللہ تعالیٰ کے راستے کی مخالفت کرتے ہیں ﴿فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيلِهِ﴾ ”پس وہ تمہیں اس (اللہ) کے راستے سے جدا کر دیں گے۔“ یعنی یہ راستے تمہیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دیں گے اور تمہیں دائیں بائیں دوسرے راستوں پر ڈال دیں گے اور جب تم صراط مستقیم سے بھٹک جاؤ گے تو تمہارے سامنے صرف وہ راستے رہ جائیں گے جو جنہم تک پہنچانے والے ہیں۔ ﴿ذَلِكُمْ وَضَعْنَا لَكُمْ لَعْنَةً تَتَّقُونَ﴾ ”یہ حکم کر دیا ہے تم کو تاکہ تم متقی بن جاؤ“ کیونکہ جب تم علم و عمل کے اعتبار سے ان احکام کی تعمیل کرو گے جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے سامنے بیان کیا ہے تو تم اللہ تعالیٰ کے متقی اور فلاح یاب بندے بن جاؤ گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے صراط مستقیم کو واحد ذکر کر کے اپنی طرف مضاف کیا ہے کیونکہ صرف یہی ایک راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچتا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ اس راستے پر گامزن لوگوں کی مدد کرتا ہے۔

۱۰۱

ثُمَّ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحْسَنَ وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ۖ
 پھر دی ہم نے موسیٰ کو کتاب واسطے پورا کرنے (نعمت کے) اس شخص پر جس نے نیکی کی اور واسطے تفصیل بیان کرنے کے ہر چیز کی
 وَهُدًى وَرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰۱﴾ وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ
 اور (باعث ہدایت اور (ذریعہ) رحمت تاکہ وہ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لے آئیں ○ اور یہ (قرآن) ایک عظیم کتاب ہے تاکہ ہم نے اسکو
 مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ وَاتَّقُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۱۰۲﴾ أَنْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَنْزَلَ الْكِتَابَ
 مبارک ہے پس پیروی کرو تم اس کی اور ڈرو تاکہ تم رحم کئے جاؤ ○ تاکہ (نہ) کہو تم! بلاشبہ نازل کی گئی تھی کتاب
 عَلَى طَائِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۖ وَإِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغَفْلِينَ ﴿۱۰۳﴾ أَوْ تَقُولُوا لَوْ
 او پر دو گروہوں کے پہلے ہم سے اور بے شک تھے ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے غافل ○ یا کہو تم! اگر
 أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ لَكُنَّا أَهْدَىٰ مِنْهُمْ فَقَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ
 بلاشبہ نازل کی جاتی ہم پر کتاب تو البتہ ہوتے ہم زیادہ ہدایت یافتہ ان سے پس تحقیق آگئی ہے تمہارے پاس واضح دلیل تمہارے سب کی طرف سے
 وَهُدًى وَرَحْمَةً ۖ فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ۗ
 اور ہدایت اور رحمت پس کون زیادہ ظالم ہے اس سے جس نے جھٹلایا اللہ کی آیات کو اور اعراض کیا ان سے؟
 سَنَجْزِي الَّذِينَ يَصْدِفُونَ عَنْ آيَاتِنَا سُوءَ الْعَذَابِ
 عنقریب ہم سزا دیں گے ان لوگوں کو جو اعراض کرتے ہیں ہماری آیات سے سخت عذاب کی

بِسَاءِ مَا كَانُوا يَصْدِفُونَ ﴿۱۰۴﴾

بوجہ اس کے جو تھے وہ اعراض کرتے ○

﴿ثُمَّ﴾ ”پھر“ اس مقام پر (ثُمَّ) سے مراد ترتیب زمانی نہیں ہے کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کا زمانہ اس زمانے سے بہت متقدم ہے جب رسول اللہ ﷺ نے یہ تلاوت فرمائی تھی۔ یہاں دراصل ترتیب اخباری مراد ہے۔

﴿اٰتَيْنَا مُوسٰى الْكِتٰبَ﴾ ”موسیٰ کو کتاب عنایت کی“ پس اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ اس نے حضرت موسیٰ کو کتاب عطا کی۔ اس سے مراد تورات ہے ﴿تَمَامًا﴾ اپنی نعمت اور احسان کو پورا اور مکمل کرنے کے لیے ﴿عَلٰى الذِّىْ اَحْسَنَ﴾ ”ان پر جو نیکو کار ہیں۔“ یعنی جناب موسیٰ کی امت میں سے ان لوگوں پر اپنی نعمت کو پورا کرنے کے لیے جنہوں نے نیک کام کئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے نیکو کاروں کو اتنی نعمتوں سے نوازا ہے جن کو شمار نہیں کیا جاسکتا۔ من جملہ ان کامل نعمتوں کے ان پر تورات کا نازل کرنا ہے پس ان پر اللہ تعالیٰ کی نعمت مکمل ہو گئی اور ان پر ان نعمتوں کا شکر ادا کرنا واجب ٹھہرا۔ ﴿وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ﴾ ”اور ہر چیز کی تفصیل کے لیے“ یعنی ہر اس چیز کی تفصیل بیان کرتی ہے۔ جس کے وہ محتاج ہیں اس کا تعلق حلال و حرام سے ہو اور انوار و ابی سے ہو یا عقائد وغیرہ سے۔ ﴿وَهُدٰى﴾ ”اور ہدایت۔“ یعنی وہ بھلائی کی طرف ان کی راہنمائی کرتی ہے اور اصول و فروع میں ان کو برائی کی پہچان کرواتا ہے ﴿وَرَحْمَةً﴾ ”اور رحمت“ یعنی اس رحمت کے ذریعے سے انہیں سعادت اور خیر کثیر سے نوازا جاتا ہے ﴿لَعَلَّهُمْ﴾ ”تا کہ وہ لوگ“ یعنی ہمارے ان پر کتاب اور واضح دلائل نازل کرنے کے سبب سے ﴿بِلِقَاءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ﴾ ”اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لائیں“ کیونکہ یہ کتاب قیامت اور جزائے اعمال کے قطعی دلائل اور ایسے امور پر مشتمل ہے جو ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی ملاقات پر ایمان اور اس کے لیے تیاری کے موجب ہیں۔

﴿وَهٰذَا﴾ ”اور یہ“ یعنی یہ قرآن عظیم اور ذکر حکیم ﴿كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبْرَكًا﴾ ”کتاب ہم نے اتاری ہے برکت والی۔“ یعنی اس کتاب کے اندر خیر کثیر اور بے انتہا علم ہے جس سے تمام علوم مدد لیتے ہیں اور اس سے برکات حاصل کی جاتی ہیں۔ کوئی ایسی بھلائی نہیں جس کی طرف اس کتاب عظیم نے دعوت اور ترغیب نہ دی ہو اور اس بھلائی کی حکمتیں اور مصلحتیں بیان نہ کی ہوں جو اس پر آمادہ کرتی ہیں اور کوئی ایسی برائی نہیں جس سے اس کتاب نے روکا اور ڈرایا نہ ہو اور ان اسباب اور عواقب کا ذکر نہ کیا ہو جو اس برائی کے ارتکاب سے باز رکھتے ہوں۔ ﴿فَاتَّبِعُوْهُ﴾ ”پس اس کی پیروی کرو“ یعنی اس کے امر و نہی میں اس کی اتباع کرو اور اس پر اپنے اصول و فروع کی بنیاد رکھو ﴿وَ اتَّقُوْا﴾ ”اور ڈرو“ یعنی کسی بھی امر میں اللہ کی مخالفت کرنے سے ڈرو ﴿لَعَلَّكُمْ تَرْحَمُوْنَ﴾ ”تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔“ یعنی اگر تم اس کی اتباع کرو گے تو شاید تم پر رحم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کا سب سے بڑا سبب علم و عمل کے اعتبار سے اس کتاب کی پیروی ہے۔

﴿اَنْ تَقُوْلُوْا اِنَّمَا اَنْزَلَ الْكِتٰبَ عَلٰى طٰىفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا﴾ ”اس واسطے کہ کہیں تم کہنے لگو کہ کتاب جو اتاری

تھی، سوان ہی دو فرقوں پر جو ہم سے پہلے تھے، یعنی قطع حجت کے لیے ہم نے تم پر یہ مبارک کتاب نازل کی ہے اور تاکہ تم یہ نہ کہو کہ ہم سے پہلے تو دو گروہوں پر کتاب نازل کر دی گئی۔ یعنی یہود و نصاریٰ پر ﴿وَإِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغَفِيلِينَ﴾ اور ہم کو تو ان کے پڑھنے پڑھانے کی خبر ہی نہ تھی۔ یعنی تم کہو کہ ہم پر کوئی کتاب نہیں اتاری گئی اور یہود و نصاریٰ پر جو کتابیں نازل کی گئیں ان کے بارے میں ہمیں کوئی علم ہے نہ معرفت۔ اس لیے ہم نے تمہاری طرف ایک ایسی کتاب نازل کی جس سے بڑھ کر جامع واضح اور روشن کوئی اور کتاب آسمان سے نازل نہیں کی گئی۔ ﴿أَوْ تَقُولُوا لَوْ أَنَّا أُنزِلَ عَلَيْنَا الْكِتَابُ لَكُنَّا أَهْدَىٰ مِنْهُمْ﴾ یا تم کہو کہ اگر اترتی ہم پر کتاب تو ہم ان سے بہتر راہ پر چلنے والے ہوتے، یعنی یا تو تم یہ عذر پیش کرو گے کہ تمہارے پاس اصل ہدایت ہی نہیں پہنچی یا تمہارا عذر یہ ہوگا کہ یہ ہدایت کامل نہ تھی۔ پس تمہیں اپنی کتاب کیساتھ اصل اور کامل ہدایت حاصل ہو گئی۔ بنا بریں فرمایا: ﴿فَقَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ﴾ پس تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیل آ گئی۔ یہ اسم شخص ہے اور اس میں ہر وہ چیز داخل ہے جو حق کو بیان کرے ﴿وَهُدَىٰ﴾ اور ہدایت، مگر ابی کے اندھیروں میں راہ ہدایت ہے ﴿وَرَحْمَةً﴾ اور رحمت، یعنی دین و دنیا میں تمہارے لیے سعادت ہے۔

پس یہ چیز تم پر واجب کرتی ہے کہ تم اس کے احکام کی تعمیل کرو اور اس کی خبروں پر ایمان لاؤ اور جس کسی نے اس کی پروا نہ کی اور اس کو جھٹلایا وہ سب سے بڑا ظالم ہے۔ بنا بریں فرمایا: ﴿فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَصَدَفَ عَنْهَا﴾ اب اس سے زیادہ ظالم کون ہے جو اللہ کی آیتوں کو جھٹلائے اور ان سے کترائے؟ یعنی اس نے روگردانی کی اور پہلو بچا کر نکل گیا ﴿سَنَجْزِي الَّذِينَ يَصْدِفُونَ عَنْ آيَاتِنَا سُوءَ الْعَذَابِ﴾ ہم سزا دیں گے ان کو جو ہماری آیتوں سے کتراتے ہیں، برے عذاب کی، یعنی وہ ایسا عذاب ہوگا کہ وہ اس میں مبتلا شخص کو سخت تکلیف دے گا، اس پر بہت شاق گزرے گا ﴿بِمَا كَانُوا يَصْدِفُونَ﴾ اس کترانے کے بدلے میں، وہ خود اپنے آپ کو اور دوسروں کو ہماری آیتوں سے پھیرتے تھے، یہ انکے اعمال بد کا بدلہ ہے ﴿وَمَا رَبُّكَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيدِ﴾ (حم السجدہ: ۴۶/۴۷) اور آپ کا رب بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

یہ آیات کریمہ دلالت کرتی ہیں کہ قرآن کا علم، جلیل ترین، انتہائی بابرکت اور تمام علوم سے زیادہ وسیع علم ہے۔ اسی کے ذریعے سے صراط مستقیم کی طرف کامل راہنمائی حاصل ہوتی ہے۔ اس کے ہوتے ہوئے انسان اولین و آخرین میں سے متکلمین کے قیاسات اور اندازوں اور فلسفیوں کے افکار و نظریات کا محتاج نہیں رہتا۔ عام طور پر معروف ہے کہ کتاب یہود و نصاریٰ کے سوا کسی پر نہیں اتری اور علی الاطلاق وہی اہل کتاب ہیں۔ دیگر تمام گروہ، مجوس وغیرہ اہل کتاب کے زمرے میں نہیں آتے۔ ان آیات مبارکہ سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ نزول قرآن سے قبل جاہلی عرب، ان اہل کتاب کے علم سے بے بہرہ تھے جن کے پاس علم تھا اور ان کی کتب کے

پڑھنے پڑھانے سے غافل تھے۔

هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ
نہیں انتظار کرتے وہ مگر اس بات کا کہ آئیں ان کے پاس فرشتے یا آئے آپ کا رب یا آئیں بعض نشانیاں آپ کے رب کی
يَوْمَ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ
جس دن آجائیں گی بعض نشانیاں آپ کے رب کی تو نہ نفع دے گا کسی نفس کو ایمان (لانا) اس کا کہ جو نہیں تھا ایمان لایا اس سے پہلے

أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا ط قُلْ انتظروا إنا منتظرون ﴿۵۸﴾

یا (نہیں) کمائی اس نے اپنے ایمان میں کوئی بھلائی، کہہ دیجئے انتظار کرو تم! یقیناً ہم بھی منتظر ہیں ○

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ کیا یہ لوگ جو اپنے ظلم و عناد پر جتھے ہوئے ہیں اس بات کا انتظار کر رہے ہیں
﴿إِلَّا أَنْ تَأْتِيَهُمُ الْمَلَائِكَةُ﴾ ”کہ ان کے پاس فرشتے آئیں۔“ یعنی آخرت اور عذاب کے مقدمات کی صورت
میں ان کے سامنے فرشتے ان کی روح قبض کرنے کے لیے آ حاضر ہوں۔ کیونکہ جب وہ اس حالت کو پہنچ جائیں
گے تو اس وقت ایمان اور اعمال صالحہ ان کو کوئی فائدہ نہ دیں گے۔ ﴿أَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ﴾ ”یا خود تمہارا رب آئے۔“
یعنی تمہارا رب بندوں کے درمیان فیصلہ کرنے، نیکو کاروں اور بدکاروں کو ان کے اعمال کی جزا و سزا دینے کے لیے
آجائے ﴿أَوْ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ﴾ ”یا تمہارے رب کی کچھ نشانیاں آجائیں“ جو قرب قیامت پر دلالت کرتی
ہوں ﴿يَوْمَ يَأْتِيَ بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ﴾ ”جس دن تمہارے رب کی کچھ نشانیاں آجائیں گی“ یعنی خارق عادت
معجزات جن سے یہ معلوم ہو کہ قیامت کی گھڑی قریب آن لگی ہے اور بہت قریب پہنچ گئی ہے ﴿لَا يَنْفَعُ نَفْسًا
إِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ آمَنَتْ مِنْ قَبْلُ أَوْ كَسَبَتْ فِي إِيمَانِهَا خَيْرًا﴾ ”تو جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا ہوگا اس
وقت اسے ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا یا اپنے ایمان (کی حالت) میں نیک عمل نہیں کیے ہوں گے۔“ یعنی
جب اللہ تعالیٰ کی بعض نشانیاں آ موجود ہوں گی تو اس کے بعد کافر کا ایمان اسے کوئی فائدہ دے گا نہ کوتاہی کے
شکار مومن کے اعمال میں اضافہ اس کے کسی کام آئے گا بلکہ صرف وہی ایمان کی پونجی اس کے کام آئے گی جو
تھوڑی بہت اس کے دامن میں ہوگی اور صرف وہی نیک اعمال اس کو فائدہ دیں گے جو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں
آ جانے سے قبل اس نے کئے ہوں گے۔ اس میں ظاہری حکمت یہ ہے کہ ایمان صرف وہی فائدہ دیتا ہے جو
بالغیب ہو اور بندہ اپنے اختیار اور ارادے سے ایمان لایا ہو۔ لیکن جب اللہ کی نشانیاں آجائیں اور معاملہ غیب
سے شہادت میں منتقل ہو جائے تو ایمان لانے میں کوئی فائدہ نہیں رہتا۔ کیونکہ یہ جبری ایمان کے مشابہ ہے مثلاً
ڈوبتے ہوئے یا جلتے ہوئے شخص وغیرہ کا ایمان لانا، یعنی وہ شخص جب موت کا چہرہ دیکھ لیتا ہے تو اپنی بد اعمالیوں
کو ختم کر دیتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿فَلَمَّا رَأَوْا بَأْسَنَا قَالُوا آمَنَّا بِاللَّهِ وَحَدَّاهُ وَكَفَرْنَا بِمَا كُنَّا

بِهِ مُشْرِكِينَ ۝ فَلَمْ يَكُ يَنْفَعُهُمْ إِنَّمَا هُمْ لَنَا رَاوَا بِأَسْنَا سُنَّتَ اللّٰهِ الَّتِي قَدْ خَلَتْ فِي عِبَادِهِ ۝

(المؤمن: ۸۴، ۸۵، ۸۶، ۸۷) ”پس جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو پکارا اٹھے کہ ہم اللہ واحد پر ایمان لائے اور ہم نے ان کا انکار کیا جن کو ہم اللہ کا شریک بنایا کرتے تھے۔ مگر جب انہوں نے ہمارا عذاب دیکھ لیا تو ان کے ایمان نے انہیں کوئی فائدہ نہ دیا۔ یہ سنت الہی ہے جو اس کے بندوں کے بارے میں چلی آ رہی ہے۔“

بہت سی صحیح احادیث میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ یہاں ”اللہ تعالیٰ کی بعض نشانیوں“ سے مراد ہے سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، لوگ جب سورج کو مغرب سے طلوع ہوتا دیکھیں گے تو جھٹ ایمان لے آئیں گے مگر ان کا ایمان ان کو کوئی فائدہ نہ دے گا اور اس وقت توبہ کا دروازہ بند کر دیا جائے گا۔^①

چونکہ یہ آیت کریمہ رسول اللہ ﷺ کے جھٹلانے والوں کے لیے وعید ہے۔ آپ ﷺ ان نشانیوں کے ظہور کے منتظر ہیں اور کفار بھی منتظر ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلِ اَنْتُمْ نَظَرُوْا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ﴾ ”کہہ دیجئے تم انتظار کرو، ہم بھی انتظار کر رہے ہیں“ پس عنقریب تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کون امن کا مستحق ہے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ کے افعال اختیاری کا اثبات ہے مثلاً استواء علی العرش، آسمان دنیا پر نازل ہونا اور اس کا آنا مخلوق کی صفات کے ساتھ کسی تشبیہ کے بغیر۔ اور اس اعتبار سے یہ اہل سنت والجماعت کے مذہب کی دلیل ہے اور اس موضوع پر کتاب و سنت میں بہت سا مواد موجود ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ قیامت کی جملہ نشانیوں میں سے ایک نشانی سورج کا مغرب سے طلوع ہونا ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ حکمت والا ہے کائنات میں اس کی یہ سنت و عادت جاری و ساری ہے کہ ایمان صرف اسی وقت فائدہ دیتا ہے جبکہ وہ اختیاری ہو اضطراری نہ ہو۔ جیسا کہ گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے۔ نیز یہ کہ انسان کا اکتساب خیر ایمان ہی کے ساتھ فائدہ مند ہے نیکی، تقویٰ وغیرہ اسی وقت فائدہ دیتے ہیں اور نشوونما پاتے ہیں جب بندے کے دامن میں سرمایہ ایمان بھی ہو۔ جب قلب ایمان سے خالی ہو تو بندے کو کوئی چیز فائدہ نہیں دیتی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شَيْعًا لَّسَتْ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ اِنْمًا

بے شک وہ لوگ جنہوں نے تفرقہ بازی کی اپنے دین میں اور ہو گئے وہ گروہ گروہ نہیں ہیں آپ ان سے کسی چیز میں یقیناً

اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ﴿۱۵۹﴾ مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ

ان کا معاملہ اللہ کی طرف ہے پھر وہ خبر دے گا انہیں اس چیز کی جو تھے وہ کرتے جو شخص لائے گا ایک نیکی

فَلَهُ عَشْرٌ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ

تو اس کے لیے دس گنا (ثواب) ہے اس کا اور جو شخص لائے گا ایک برائی تو نہیں سزا دیا جائے گا وہ

إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦١﴾

مگر مثل اسی کے اور وہ نہیں ظلم کئے جائیں گے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ ان لوگوں کو وعید سناتا ہے جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کیا اور دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے فرقوں میں بٹ گئے اور ہر ایک نے اپنا ایک نام رکھ لیا جو انسان کے لیے اس کے دین میں کوئی کام نہیں آتا۔ جیسے یہودیت، نصرانیت اور مجوسیت وغیرہ۔ یا اس سے انسان کے ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی، جیسے وہ شریعت میں سے کسی ایک چیز کو اخذ کر کے اس کو دین بنا لے اور اس جیسی یا اس سے کسی افضل چیز کو چھوڑ دے جیسا کہ اہل بدعت اور ان گمراہ فرقوں کا حال ہے جنہوں نے امت سے الگ راستہ اختیار کر لیا ہے۔

آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ دین اجتماعیت اور اکٹھے رہنے کا حکم دیتا ہے اور تفرقہ بازی اور اہل دین میں اور تمام اصولی و فروعی مسائل میں اختلاف پیدا کرنے سے روکتا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا آپ ان لوگوں سے براءت کا اظہار کریں جنہوں نے اپنے دین میں تفرقہ پیدا کیا۔ ﴿لَسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ﴾ ”ان سے آپ کو کچھ کام نہیں۔“ یعنی آپ ﷺ ان میں سے ہیں نہ وہ آپ میں سے۔ کیونکہ انہوں نے آپ کی مخالفت کی اور آپ سے عناد رکھا۔ ﴿إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ﴾ ”ان کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے۔“ یعنی ان کو اللہ کی طرف لوٹایا جائے گا وہ ان کو ان کے اعمال کی جزا دے گا ﴿ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ ”پھر وہ (اللہ) ان کو ان کے افعال سے آگاہ کرے گا۔“ پھر اللہ تعالیٰ نے جزا کا وصف بیان کرتے ہوئے فرمایا ﴿مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ﴾ ”جو کوئی نیکی لے کر آئے گا۔“ یعنی جو کوئی حقوق اللہ اور حقوق العباد سے متعلق قوی، فعلی، ظاہری اور باطنی نیکی لے کر اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوتا ہے ﴿فَلَهُ عَشْرُ أَثْمَالِهَا﴾ ”تو اس کے لیے اس کا دس گنا ہے“ نیکیوں کو کوئی گنا کرنے کے ضمن میں یہ کم ترین جزا ہے ﴿وَمَنْ جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا﴾ ”اور جو کوئی لاتا ہے ایک برائی سو سز پائے گا اسی کے برابر“ یہ اللہ تعالیٰ کا کامل عدل و احسان ہے۔ اور وہ ذرہ بھر ظلم نہیں کرتا۔ بنا بریں فرمایا ﴿وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ﴾ ”ان پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔“

قُلْ إِنِّي هَدَيْتَنِي رَبِّيَ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ۖ دِينًا قَبِيماً مِّلَّةَ إِبْرَاهِيمَ

کہہ دیجئے! بلاشبہ میں ہدایت دی مجھے میرے رب نے طرف صراطِ مستقیم کی (یعنی) دین صحیح کی جو طریقہ ہے ابراہیم کا

حَنِيفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٦١﴾ قُلْ إِنْ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ

اس حال میں کہ وہ رب کا پرستار تھا اور نہیں تھا وہ مشرکوں میں سے ○ کہہ دیجئے! یقیناً میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی

وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٦٢﴾ لَا شَرِيكَ لَهُ ۗ وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ وَأَنَا أَوَّلُ

اور میری موت (سب) اللہ رب العالمین کیلئے ہے ○ نہیں کوئی شریک اسکا اور اسی کا حکم دیا گیا ہوں میں اور میں سب سے پہلا

الْمُسْلِمِينَ ﴿۱۳۱﴾ قُلْ اَعْيَرَ اللهُ اَبْعِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ وَلَا تَكْسِبُ

مسلمان ہوں ○ کہہ دیجئے! کیا سوائے اللہ کے تلاش کروں میں رب؟ جب کہ وہی ہے رب ہر چیز کا اور نہیں کمانی

كُلِّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ اُخْرَى ثُمَّ اِلَىٰ رَبِّكُمْ مَرْجِعُكُمْ

کوئی جان (گناہ) گمراہی پر ہے (وہاں) اور نہیں اٹھائے گی کوئی (جان) بوجھ اٹھانے والی بوجھ دوسری (جان) کا پھر طرف تمہارے رب کی واپسی ہے تمہاری

فَيَنْبَغُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ ﴿۱۳۲﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْخَلِيفَةَ فِي الْاَرْضِ

پس وہ خبر دے گا تمہیں ساتھ اس چیز کے کہ تمہیں اس میں اختلاف کرتے ○ اور وہی ہے جس نے بنایا تمہیں جانشین زمین میں

وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا اَتاكمُ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيعٌ

اور بلند کیا تمہارے ایک کو دوسرے پر درجات میں تاکہ آزمائے وہ تمہیں ان (نعمتوں) میں جو اس نے تمہیں دیں یہ نیک آپ کا رب جلد

العقاب ﴿۱۳۳﴾ وَاِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۱۳۴﴾

سزا دینے والا ہے اور بلاشبہ وہ البتہ بہت بخشنے والا مہربان ہے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ وہ جس راہ ہدایت اور صراط مستقیم پر گامزن ہیں اس کے بارے میں اعلان کر دیں یعنی معتدل دین کا جو عقائد نافذہ اعمال صالحہ ہر اچھی بات کے حکم اور ہر بری بات سے ممانعت کو متضمن ہے۔ یہ وہ دین ہے جس پر تمام انبیاء و مرسلین عمل پیرا رہے جو خاص طور پر امام الحنفیہ بعد میں مبعوث ہونے والے تمام انبیاء و مرسلین کے باپ اور اللہ رحمن کے خلیل ابراہیم علیہ السلام کا دین تھا۔ یہی وہ دین حنیف ہے جو تمام اہل انحراف مثلاً یہود و نصاریٰ اور مشرکین کے ادیان باطلہ سے روگردانی کو متضمن ہے۔

یہ عمومی ذکر ہے پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے افضل ترین عبادت کا خاص طور پر ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿قُلْ اِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي﴾ کہہ دیجیے کہ میری نماز اور میری قربانی۔ ان دو عبادات کا ذکر ان کے فضل و شرف اور اس بنا پر کیا ہے کہ یہ دونوں عبادات اللہ تعالیٰ سے محبت دین کو اس کے لیے خالص کرنے، قلب و لسان، جوارح اور قربانی کے ذریعے سے اس کے تقرب کے حصول پر دلالت کرتی ہیں اور قربانی سے مراد ہے کہ مال وغیرہ کو جو نفس کو محبوب ہے، اس ہستی کے لیے خرچ کرنا جو اس کو سب سے زیادہ محبوب ہے۔ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ۔ جس نے اپنی نماز اور قربانی کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیا تو یہ اس بات کو مستلزم ہے کہ اس نے اپنے تمام اعمال و اقوال کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کر لیا۔

﴿وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي﴾ اور میرا جینا اور میرا مرنا۔ یعنی میں جو کچھ اپنی زندگی میں کرتا ہوں اللہ تعالیٰ جو کچھ میرے ساتھ کرتا ہے اور زمانہ موت میں اللہ تعالیٰ میرے لیے جو کچھ مقدر کرے گا ﴿يَلِدُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ لا شریک لہ ﴿سب اللہ رب العالمین کے لیے ہے۔ عبادت میں اس کا کوئی شریک ہے نہ اقتدار اور تدبیر میں، اللہ تبارک و تعالیٰ کے

لیے یہ اخلاص کوئی نئی اور انوکھی چیز نہیں جو میں نے خود گھڑی ہو بلکہ ﴿وَبِذَلِكَ أُمِرْتُ﴾ اور مجھے اسی (اخلاص) کا حکم دیا گیا ہے۔ یعنی حتمی حکم۔ اور اس حکم کی تعمیل کے بغیر میں اس کی ذمہ داری سے عہدہ برآ نہیں ہو سکتا ﴿وَأَنَا أَوَّلُ الْمَسْلُومِينَ﴾ اور میں سب سے اول فرماں بردار ہوں۔ یعنی اس امت میں پہلا مسلمان ہوں۔ ﴿قُلْ أَغْيَرَ اللَّهُ﴾ کہہ دیجئے، کیا اب میں اللہ کے سوا، یعنی مخلوق میں سے ﴿أَبْغَى رَبًّا﴾ تلاش کروں کوئی رب؟ کیا یہ میرے لیے اچھا اور میرے لائق ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو اپنا رب اور مدبر بنا لوں؟ حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا رب ہے اور تمام مخلوق اس کی ربوبیت کے تحت داخل اور اس کے حکم کے سامنے تسلیم خم کئے ہوئے ہے۔ پس مجھ پر اور دیگر لوگوں پر یہ بات واجب ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو اپنا رب تسلیم کریں اور اس پر راضی رہیں۔ محتاج عاجز اور مر بوب مخلوق میں سے کسی کو رب نہ بنائیں۔

پھر اللہ تعالیٰ جزا و سزا کی ترغیب و ترہیب کے لیے فرماتا ہے ﴿وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ﴾ اور جو کوئی جو کماتا ہے، یعنی ہر شخص خیر و شر کا جو ارتکاب کرتا ہے ﴿إِلَّا عَلَيْهَا﴾ اس کی جزا و سزا صرف اسی کے لیے ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِهِ وَمَنْ أَسَاءَ فَعَلَيْهَا﴾ (حم السجده: ۴۱/۴۶) ”جو کوئی نیک کام کرتا ہے اس کی جزا اسی کے لیے ہے اور جو برا کام کرتا ہے اس کا وبال اسی پر ہے۔“

﴿وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى﴾ ”کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا“ بلکہ ہر شخص اپنا بوجھ خود اٹھائے گا۔ اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کی گمراہی اور اس کے گناہ کا سبب بنا تو اسے سبب بننے کے گناہ کا بوجھ اٹھانا ہوگا اور گناہ کا ارتکاب کرنے والے کے گناہ میں کوئی کمی نہ ہوگی۔ ﴿ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُمْ مَرْجِعُكُمْ﴾ پھر تمہارے رب کے پاس ہی سب کلوٹ کر جانا ہے، یعنی قیامت کے روز ﴿فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيهِ تَخْتَلِفُونَ﴾ ”تو جن جن باتوں میں تم اختلاف کیا کرتے تھے وہ تم کو بتائے گا۔“ یعنی خیر و شر میں جو تم اختلاف کرتے ہو اس کے بارے میں تمہیں آگاہ کرے گا اور تمہیں اس کی پوری پوری جزا دے گا۔

﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلْفَ الْأَرْضِ﴾ اور وہی تو ہے جس نے زمین میں تم کو اپنا نائب بنایا۔ یعنی تم ایک دوسرے کے جانشین بنتے ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہیں زمین میں جانشین بنایا اور زمین کی تمام موجودات کو تمہارے لیے مسخر کر کے تمہیں آزمایا تاکہ وہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ ﴿وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجَاتٍ﴾ اور بلند کیا اس نے تمہیں درجوں میں ایک کو ایک پر، یعنی قوت عافیت رزق خلقت اور خلق میں ایک دوسرے پر فوقیت عطا کی ﴿لِيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتَاكُمْ﴾ تاکہ تمہیں آزمائے وہ ان چیزوں میں جو اس نے تمہیں دیں۔ پس تمہارے اعمال ایک دوسرے سے متفاوت ہیں ﴿إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ الْعِقَابِ﴾ تمہارا رب ان لوگوں کو بہت جلد سزا دینے والا ہے۔ ان کو جو اس کی نافرمانی اور اس کی آیات کی تکذیب کرتے ہیں ﴿وَأِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ”اور بیشک وہ بخشنے والا مہربان ہے۔“ ان لوگوں کیلئے جو اس پر ایمان لاتے ہیں نیک عمل کرتے ہیں اور مہلک گناہوں سے توبہ کرتے ہیں۔

تَفْسِيرُ سُورَةِ الْأَعْرَافِ

سُورَةُ الْأَعْرَافِ
۱۴۱ آيَاتٍ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
اللہ کے نام سے (شرعیع) جو نہایت مہربان بہت رحم کرنے والا ہے

آیاتھا ۲۰۶
ذکوٰۃھا ۲۳

الْمَصِّ ۱ كِتَابٌ أَنْزَلَ إِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ مِنْهُ لِتُنذِرَ بِهِ وَذَكَرَى
الْمَصِّ (یہ) کتاب اتاری گئی ہے آپ کی طرف پس نہ ہو آپ کے سینے میں تنگی اس سے تاکہ ڈرائیں آپ اسے ذریعے اور نصیحت ہے
لِلْمُؤْمِنِينَ ۱ اتَّبِعُوا مَا أَنْزَلَ إِلَيْكُم مِّن رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوا مِن دُونِهِ أَوْلِيَاءَ
مومنوں کیلئے تم پیروی کرو اس چیز کی جو اتاری گئی ہے تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اور نہ پیروی کرو تم اسکے سوا (اور) دوستوں کی
قَلِيلًا مَّا تَذَكَّرُونَ ۲ وَكَمْ مِّن قَرْيَةٍ أَهْلَكْنَاهَا فَجَاءَهَا بَأْسُنَا بَيَاتًا أَوْ هُمْ
بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو تم اور بہت ہی بستیاں ہیں کہ ہلاک کر دیا ہم نے انکو پس آیا اسکے پاس ہمارا عذاب رات کو یا جب کہ وہ
قَائِلُونَ ۳ فَمَا كَانَ دَعْوَاهُمْ إِذْ جَاءَهُمْ بَأْسُنَا إِلَّا أَنْ قَالُوا إِنَّا كُنَّا
دو پہر کو آرام کر رہے تھے پھر نہ تھی ان کی پکار جب آ گیا ان کے پاس ہمارا عذاب مگر یہ کہ کہا انہوں نے! بلاشبہ ہم ہی تھے
ظَالِمِينَ ۴ فَلَنَسْأَلَنَّ الَّذِينَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ وَلَنَسْأَلَنَّ الْمُرْسَلِينَ ۵
ظالم پس ہم پوچھیں گے ان لوگوں سے کہ بھیجے گئے ان کی طرف (رسول) اور ضرور پوچھیں گے ہم بھیجے گئے (رسولوں) سے
فَلَنَقْصِنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَمَا كُنَّا غَافِينَ ۶
پھر ہم بیان کریں گے (سب کچھ) ان پر ساتھ علم کے اور نہ تھے ہم غائب

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ سے قرآن کی عظمت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿ كِتَابٌ أَنْزَلَ إِلَيْكَ ﴾ ”یہ کتاب اتاری گئی ہے آپ پر“ یعنی یہ نہایت جلیل القدر کتاب جو ان امور پر مشتمل ہے جن کے بندے محتاج ہیں اور اس میں تمام مطالب الہیہ اور مقاصد شرعیہ محکم اور مفصل طور پر موجود ہیں ﴿ فَلَا يَكُنْ فِي صَدْرِكَ حَرَجٌ مِنْهُ ﴾ ”پس آپ کا سینہ اس (کے پہنچانے) سے تنگ نہ ہو“ یعنی آپ کے دل میں کوئی تنگی اور شک و شبہ نہ ہو۔ تاکہ آپ جان لیں کہ یہ حکمت والی اور قابل تعریف ہستی کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے اور سب سے سچا کلام ہے۔ ﴿ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ ﴾ (حم السجده: ۴۲/۴۱) ”باطل اس کے آگے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے“۔ اس لیے آپ کے سینے کو کشادہ اور آپ کے دل کو مطمئن ہونا چاہئے۔ پس آپ اللہ تعالیٰ کے اوامر و نواہی کو کھول کر بیان کیجئے اور کسی کی ملامت اور مخالفت سے نہ ڈریئے۔ ﴿ لِتُنذِرَ بِهِ ﴾ ”تاکہ آپ اس کے ذریعے سے (لوگوں کو) ڈرائیں“۔ اس کتاب کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کو

ڈرایے اور ان کو وعظ و نصیحت کیجئے۔ پس اس طرح معاندین حق پر حجت قائم ہو جائے گی۔ ﴿وَذِكْرَىٰ لِّلْمُؤْمِنِينَ﴾ اور اہل ایمان کے لیے یاد دہانی ہوگی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَذِكْرٌ فَاِنَّ الذِّكْرَىٰ تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِينَ﴾ (الذاریات: ۵۱/۵۰) ”نصیحت کیجئے کیونکہ نصیحت مومنوں کو فائدہ دیتی ہے۔“ اہل ایمان کو اس کے ذریعے سے صراط مستقیم، ظاہری اور باطنی اعمال کی یاد دہانی ہوگی اور ان امور کے بارے میں بھی یاد دہانی ہوگی جو بندے اور اس کے سلوک کے درمیان حائل ہو جاتے ہیں۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے بندوں کو اپنی کتاب کی طرف متوجہ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اَتَّبِعُوا مَا اُنزِلَ اِلَيْكُمْ﴾ ”پیروی کرو اس چیز کی جو اتاری گئی تمہاری طرف“ یعنی اس کتاب کی جو میں تمہاری خاطر نازل کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں ﴿مِنْ رَبِّكُمْ﴾ تمہارے رب کی طرف سے“ جو تمہاری تربیت کی تکمیل چاہتا ہے اس مقصد کے لیے اس نے تم پر یہ کتاب نازل کی، اگر تم اس کتاب کی پیروی کرو گے تو تمہاری تربیت مکمل ہو جائے گی، تم پر اللہ تعالیٰ کی نعمت پوری ہو جائے گی اور تمہیں بہترین اور بلند ترین اعمال کی طرف راہنمائی نصیب ہوگی۔

﴿وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِہٖ اَوْلِيَاءَ﴾ اور اس کے سوا اور رفیقوں کی پیروی نہ کرو۔“ یعنی تم اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو دوست نہ بناؤ، جن کی خواہشات کی تم پیروی کرو اور ان کی خاطر تم حق کو چھوڑ دو ﴿قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ﴾ تم بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو، اگر تم نصیحت حاصل کر لیتے اور مصلحت کو پہچان لیتے تو تم ضرر رساں چیز کو نفع بخش چیز پر اور دشمن کو دوست پر کبھی ترجیح نہ دیتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ان سزاؤں سے ڈرایا ہے جو اس نے ان قوموں کو دیں جنہوں نے اپنے رسولوں اور ان کی دعوت کو جھٹلایا۔ پس وہ ان کی مشابہت اختیار نہ کریں۔

﴿وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَاَجَآءَهَا بَاسُنَا﴾ اور کتنی ہی بستیاں ہم نے ہلاک کر دیں، پس آیا ان کے پاس ہمارا عذاب“ یعنی ہمارا سخت عذاب ان پر نازل ہوا ﴿بَيِّنَاتٍ اَوْ هُمْ قَابِلُوْنَ﴾ راتوں رات یاد دہیہر کو سوتے ہوئے“ یعنی ہمارا عذاب ان کی غفلت کی حالت میں نازل ہوا۔ جبکہ وہ خواب غفلت کے مزے لے رہے تھے اور ہلاکت کا ان کے دل میں کبھی خیال بھی نہ آیا ہوگا۔ جب ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا تو وہ اپنے آپ کو عذاب سے نہ بچا سکے اور ان کے وہ معبود بھی ان کے کوئی کام نہ آسکے جن سے انہیں بڑی امیدیں تھیں اور وہ جن گناہوں اور ظلم کا ارتکاب کیا کرتے تھے انہوں نے ان پر تکبر بھی نہیں کی۔

﴿فَمَا كَانَ دَعْوُهُمْ اِذْ جَآءَهُمْ بَاسُنَا اِلَّا اَنْ قَالُوْا اِنَّا كُنَّا ظَالِمِيْنَ﴾ جب ان کو ہمارے عذاب نے آیا تو ان کی پکار اس کے سوا کچھ نہ تھی کہ بے شک ہم ظالم تھے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَكَمْ قَصَبْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝ فَلَمَّا اَحْسَوْا بَاسُنَا اِذَا هُمْ مِنْهَا يَرْكُضُوْنَ ۝ لَا تَرْكُضُوْا وَاَرْجِعُوْا اِلَىٰ مَا اَنْتُمْ فِيْهِ وِمَسٰكِنِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ قَالُوْا اِيُوَيْدِنَا اِنَّا كُنَّا ظَالِمِيْنَ ۝

فَمَا زَاكَتُ تِلْكَ دَعْوَاهُمْ حَتَّى جَعَلْنَاهُمْ حَصِيدًا خُلْدِيْنَ ﴿﴾ (الانبیاء: ۱۱۲/۱۵) ”دکتنی ہی بستیاں ہیں جن کو ہم نے ہلاک کر ڈالا جو ظالم تھیں اور ان کے بعد دوسرے لوگوں کو پیدا کیا۔ پس جب انہوں نے ہمارے عذاب کو دیکھا تو لگے اس سے بھاگنے۔ اب نہ بھاگو۔ ان نعمتوں کی طرف لوٹو جن کے تم مزے لوٹا کرتے تھے اور اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاؤ۔ شاید تم سے پوچھا جائے کہنے لگے ہائے ہماری ہلاکت! بے شک ہم ہی ظالم تھے۔ وہ اس طرح پکارتے رہے اور ہم نے انہیں کھیتی کی طرح کاٹ کر ڈھیر کر دیا۔“

﴿ فَالْتَسْتَلْنَ الَّذِيْنَ أُرْسِلَ إِلَيْهِمْ ﴾ ”ہم ان قوموں سے ضرور پوچھیں گے جن کی طرف ہم نے انبیاء و مرسلین کو مبعوث کیا تھا“ کہ انہوں نے اپنے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا۔ ﴿ وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ فَيَقُولُ مَاذَا أَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ (القصص: ۶۵/۲۸) ”اور جس روز وہ (اللہ) انہیں پکار کر کہے گا کہ تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا تھا؟“ ﴿ وَلْتَسْتَلْنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴾ ”اور ہم رسولوں سے بھی پوچھیں گے۔“ یعنی ہم رسولوں سے ان کے رب کے پیغام کو پہنچانے کے بارے میں ضرور پوچھیں گے اور یہ بھی ضرور پوچھیں گے کہ ان کی امتوں نے کیا جواب دیا۔ ﴿ فَلْتَقْضُنَّ عَلَيْهِمْ ﴾ ”پھر ہم ان کے حالات بیان کریں گے۔“ یعنی ہم تمام مخلوق کو بتائیں گے کہ وہ کیا عمل کرتے رہے تھے ﴿ يَعْلَمُ ﴾ ”اپنے علم سے“ یعنی اللہ تعالیٰ اپنے علم سے ان کو ان کے اعمال کے بارے میں بتائے گا ﴿ وَمَا كُنَّا غَائِبِيْنَ ﴾ ”ہم کسی بھی وقت غیر موجود نہ تھے۔“ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ أَحْصَاهُ اللّٰهُ وَنَسُوهُ ﴾ (المجادلہ ۶۱/۵۸) ”اللہ نے ان کے تمام اعمال کو محفوظ رکھا ہے اور وہ بھول گئے ہیں۔“ اور فرمایا: ﴿ وَلَقَدْ خَلَقْنَا فَوْقَكُمْ سَبْعَ طَرَائِقَ وَمَا كُنَّا عَنِ الْخَلْقِ غَافِلِيْنَ ﴾ (المؤمنون: ۱۷/۲۳) ”ہم نے تمہارے اوپر سات آسمان پیدا کئے اور ہم خلقت سے غافل نہیں ہیں۔“

وَالْوِزْنَ يَوْمَ يَصِفُ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ۝۸ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ بِمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلِمُونَ ۝۹

اور (اعمال کا) وزن اس دن حق ہے پھر جو شخص کہ بھاری ہوگی میزان اس (کے نیک اعمال) کی تو وہی اولگ ہیں کامیاب ۸ اور جو شخص کہ

خفّت موازینہ فاولئک الذین خسروا انفسہم بما کانوا بایتنا یظلمون ۹

ہلکی ہوگی میزان اسکی تو یہی لوگ ہیں جنہوں نے خسارے میں ڈالا اپنی جانوں کو بوجہ اسکے کہ تھے وہ ہماری آیتوں کیساتھ بے انصافی کرتے ۹

پھر اعمال کی جزا بیان فرمائی۔ یعنی قیامت کے روز اعمال کا وزن عدل و انصاف کے ساتھ کیا جائے گا۔ کسی بھی لحاظ سے کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا ﴿ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِينُهُ ﴾ ”تو جن لوگوں کے وزن بھاری ہوں گے۔“ یعنی جن کی نیکیوں کا پلڑا برائیوں کے پلڑے سے بھاری ہوگا ﴿ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴾ ”تو وہی نجات پانے والے ہوں گے۔“ یہی لوگ ہیں جو ناپسندیدہ امور سے نجات حاصل کریں گے اور اپنے محبوب امور کو پالیں گے جن کو بہت بڑا نفع اور دائمی سعادت حاصل ہوگی۔ ﴿ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِينُهُ ﴾ ”اور جن کے وزن ہلکے ہوں گے۔“ یعنی جن کی برائیوں کا پلڑا بھاری ہوا ان کا معاملہ اس کے مطابق ہوگا ﴿ فَأُولَٰئِكَ الَّذِينَ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ ﴾ ”پس یہی وہ لوگ

ہیں جنہوں نے اپنا نقصان کیا“ کیونکہ وہ ہمیشہ رہنے والی نعمتوں سے محروم ہو کر دردناک عذاب میں مبتلا ہوں گے ﴿يَسَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَظْلُمُونَ﴾”اس واسطے کہ ہماری آیتوں کے بارے میں بے انصافی کرتے تھے“ یعنی ان آیات کریمہ کی اطاعت جس طرح کرنا ان پر واجب تھی انہوں نے نہیں کی۔

وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشٌ قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ ۝۱۰

اور البتہ تحقیق قدرت دی ہم نے تمہیں زمین میں اور بنا دیے ہم نے تمہارے لیے اس میں اسباب گزران بہت ہی کم تم شکر کرتے ہو

اللہ تبارک و تعالیٰ معاش و مسکن کا ذکر کرتے ہوئے اپنے بندوں پر احسان جتلاتا ہے ﴿وَلَقَدْ مَكَّنَّاكُمْ فِي الْأَرْضِ﴾”اور ہم نے تمہیں زمین میں ٹھکانا مہیا کیا“ جس سے تم زمین میں گھر بناتے ہو کھیتی باڑی کرتے ہو اور بعض دیگر وجوہ سے اس سے استفادہ کرتے ہو ﴿وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشٌ﴾”اور مقرر کر دیں ہم نے اس میں تمہارے لیے روزیاں“ تمام معاش کا دار و مدار ان چیزوں پر ہے جو درختوں، نباتات، معدنیات، مختلف قسم کی صنعتوں اور تجارت سے ہوتی ہیں۔ وہی ہے جس نے تمہیں یہ تمام چیزیں مہیا کیں اور مختلف اسباب کو تمہارے لیے مسخر کیا ﴿قَلِيلًا مَّا تَشْكُرُونَ﴾”مگر تم ہی شکر کرتے ہو“ یعنی تم اللہ تعالیٰ کا بہت ہی کم شکر ادا کرتے ہو جس نے انواع و اقسام کی نعمتوں سے تمہیں نواز اور مختلف مصائب کو تم سے دور کیا۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوا لِآدَمَ ۖ فَسَجَدُوا ۗ

اور البتہ تحقیق پیدا کیا ہم نے تمہیں پھر صورتیں بنائیں ہم نے تمہاری پھر کہا ہم نے فرشتوں سے سجدہ کرو تم آدم کو پس سجدہ کیا انہوں نے

إِلَّا إِبْلِيسَ ۖ لَمْ يَكُنْ مِنَ السَّٰجِدِينَ ۝۱۱ قَالَ مَا مَنَعَكَ إِلَّا تَسْجُدَ إِذْ

سوائے ابلیس کے نہ ہوا وہ سجدہ کرنے والوں میں سے ○ کہا (اللہ نے) اِس چیز نے منع کیا تجھے اس سے کہ تو سجدہ کرے جب کہ

أَمْرُكَ ۖ قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ ۝۱۲ قَالَ

میں نے حکم دیا تھا تجھ کو؟ اس نے کہا میں بہتر ہوں اس سے پیدا کیا تو نے مجھے آگ سے اور پیدا کیا تو نے اس کوٹی سے ○ فرمایا

فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُونُ لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّٰغِرِينَ ۝۱۳

پس اتر تو اس (آسمان) سے پس نہیں لائق تھا واسطے تیرے یہ کہ تکبر کرے تو اس میں سونکل جا تو بلاشبہ تو ذلیلوں میں سے ہے ○

قَالَ أَنْظِرْنِي إِلَى يَوْمِ يُبْعَثُونَ ۝۱۴ قَالَ إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ ۝۱۵

اس نے کہا! مہلت دے تو مجھے اس دن تک کہ وہ اٹھائے جائیں گے ○ کہا اللہ نے! تو مہلت دیے گئے (لوگوں) میں سے ہے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ بنی آدم سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَاكُمْ﴾”اور ہم نے تمہیں پیدا کیا“ یعنی

تمہارے جدا جدا آدم کی اصل اور اس کے مادے کی تخلیق کی جس سے تم سب پیدا کئے گئے ﴿ثُمَّ صَوَّرْنَاكُمْ﴾”پھر

تمہاری صورت شکل بنائی۔“ پھر ہم نے تمہیں بہترین صورت اور بہترین قامت عطا کی۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے

آدم کو تمام چیزوں کے نام سکھائے جس سے اس کی باطنی صورت کی تکمیل ہوئی، پھر باعزت فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم کے اکرام و احترام اور اس کی فضیلت کے اعتراف کے طور پر اسے سجدہ کریں۔ چنانچہ انہوں نے اپنے رب کے حکم کی تعمیل کی ﴿فَسَجَدُوا﴾ ”پس انہوں نے سجدہ کیا۔“ یعنی تمام فرشتوں نے سجدہ کیا ﴿إِلَّا ابْلِيسَ﴾ مگر ابلیس نے تکبر اور خود پسندی کی بنا پر سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو زبرد تو بخ کرتے ہوئے فرمایا: ﴿مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ﴾ ”تجھ کو کیا مانع تھا کہ تو نے سجدہ نہ کیا؟“ جس کو میں نے اپنے ہاتھ سے تخلیق کیا، میں نے اسے وہ شرف اور فضیلت عطا کی جو کسی اور کو عطا نہیں کی، تو نے میرے حکم کی نافرمانی کر کے میری اہانت اور تحقیر کا ارتکاب کیا ﴿قَالَ﴾ ابلیس نے اپنے رب کی مخالفت کرتے ہوئے کہا: ﴿اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ﴾ ”میں اس سے بہتر ہوں“ پھر اس نے اپنے اس باطل دعوے کی دلیل دیتے ہوئے کہا: ﴿خَلَقْتَنِي مِنْ نَّارٍ وَخَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ﴾ ”تو نے مجھے آگ سے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے“ اور یہ چیز اس بات کی موجب ہے کہ وہ مخلوق جو آگ سے پیدا کی گئی ہے اس مخلوق سے افضل ہو جس کی تخلیق مٹی سے ہے۔ کیونکہ آگ مٹی پر غالب ہے اور اوپر اٹھ سکتی ہے۔

شیطان کا یہ قیاس فاسد ترین قیاس ہے کیونکہ یہ متعدد وجوہ سے باطل ہے۔

- (۱) یہ قیاس اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے مقابلے میں ہے کہ آدم کو سجدہ کیا جائے اور جب قیاس نص سے معارض ہو تو وہ باطل ہے۔ کیونکہ قیاس کا تو مقصد ہی یہ ہے کہ جس معاملے میں نص موجود نہ ہو اس کا حکم منصوص علیہ امور کے احکام کے بالکل قریب اور ان کے تابع ہو۔ رہا وہ قیاس جو منصوص علیہ احکام کے معارض ہو اور اس کو معتبر قرار دینے سے نصوص کا لغو ہونا لازم آتا ہو تو یہ قیاس بدترین قیاس ہے۔
- (۲) ابلیس کا مجرد یہ کہنا (اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ) ”میں اس (آدم) سے بہتر ہوں“ ابلیس خبیث کے نقص کے لیے کافی ہے۔ اس نے اپنے نقص پر اپنی خود پسندی، تکبر اور بلا علم اللہ تعالیٰ کی طرف قول منسوب کرنے کو دلیل بنایا اس سے بڑا اور کون سا نقص ہو سکتا ہے؟

- (۳) ابلیس نے آگ کو مٹی اور گارے کے مادہ پر فوقیت دے کر جھوٹ کا ارتکاب کیا ہے، کیونکہ مٹی کے مادے میں خشوع، سکون اور سنجیدگی ہے۔ اس مٹی ہی سے زمین کی برکتیں ظاہر ہوتی ہیں۔ مثلاً مختلف انواع و اجناس کے درخت اور نباتات وغیرہ۔ اس کے برعکس آگ میں خفت، طیش اور جلانے کی خاصیت ہے۔ اسی لیے شیطان نے اس قسم کے افعال کا ارتکاب کیا اور اسی لیے وہ بلند ترین درجات سے گر کر اسفل السافلین کی سطح پر جا پہنچا۔

پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَاهْبِطْ مِنْهَا﴾ ”تو اس سے اتر جا۔“ یعنی جنت سے اتر جا ﴿فَمَا يَكُونُ

لَكَ أَنْ تَتَكَبَّرَ فِيهَا﴾ ”تیرے یہ شایاں نہیں کہ تو یہاں (جنت میں) رہ کر تکبر کرے“ کیونکہ یہ طیب اور طاہر لوگوں کا گھر ہے پس یہ جنت اللہ تعالیٰ کی بدترین اور خبیث ترین مخلوق کے لائق نہیں۔ ﴿فَاخْرُجْ إِنَّكَ مِنَ الصَّغِيرِينَ﴾ ”پس نکل جا تو ذلیل ہے۔“ یعنی تو حقیر ترین اور ذلیل ترین مخلوق ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے تکبر اور خود پسندی پر اہانت اور ذلت کی سزا دی۔ جب اللہ کے دشمن نے اللہ تعالیٰ کے سامنے آدم اور اولاد آدم کے ساتھ عداوت کا اعلان کیا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے قیامت تک کے لیے مہلت مانگی تاکہ وہ مقدر و بھرا اولاد آدم کو گمراہ کر سکے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا تقاضا تھا کہ وہ اپنے بندوں کو آزمائش اور امتحان میں مبتلا کرے تاکہ سچے اور جھوٹے کے درمیان امتیاز ہو جائے۔ نیز یہ بھی معلوم ہو جائے کہ کون اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتا ہے اور کون اس کے دشمن کی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو مہلت دے دی اور فرمایا: ﴿إِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ﴾ ”تجھ کو مہلت دی گئی“

قَالَ فِيمَا آغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ﴿١٦﴾ ثُمَّ لَا تَيِّدُهُمْ

اس نے کہا پس بوجہ اسکے گمراہ کیا تو نے مجھے ضرور بیٹھوں گا میں ان (کو گمراہ کرنے) کیلئے تیرے سیدھے راستے پر پھر ضرور آؤں گا میں ان کے پاس

مَنْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ ط

ان کے سامنے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے

وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ﴿١٧﴾

اور نہیں پائے گا تو ان کی اکثریت کو شکر گزار

جب ابلیس اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو گیا تو کہنے لگا: ﴿قَالَ فِيمَا آغْوَيْتَنِي لَأَقْعُدَنَّ لَهُمْ﴾ ”جیسا تو نے مجھے گمراہ کیا ہے میں بھی ضرور بیٹھوں گا ان کے لیے“ یعنی مخلوق کے لیے ﴿صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ﴾ ”تیرے سیدھے راستے پر“۔ اور لوگوں کو اس راستے سے روکنے اور اس پر چلنے سے منع کرنے کی بھرپور کوشش کروں گا۔ ﴿ثُمَّ لَا تَيِّدُهُمْ مَنْ بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ أَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ﴾ ”پھر میں ان پر آؤں گا ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے“ یعنی میں تمام جہات اور تمام اطراف سے ان پر حملہ آور ہوں گا اور ہر طریقے سے جہاں کہیں سے بھی مجھے ان سے اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیابی حاصل ہوگی۔ جب شیطان خبیث کو معلوم ہو گیا کہ اولاد آدم بہت کمزور ہے ان میں سے بہت سے لوگوں پر بسا اوقات غفلت غالب آ جاتی ہے تو اس نے ان کو گمراہ کرنے کا حتمی فیصلہ کر لیا اور اس کا گمان سچ نکلا اس لیے کہنے لگا ﴿وَلَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ﴾ ”اور تو ان میں اکثر کو شکر گزار نہ پائے گا“ کیونکہ شکر گزاری بھی صراط مستقیم پر چلنے ہی کا حصہ ہے اور شیطان ان کو اس راستے پر گامزن ہونے سے روکتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِنَّمَا يَدْعُوا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنَ أَصْحَابِ السَّعِيرِ﴾ (فاطر: ۶۱۳۵) ”وہ تو اپنے گروہ کو اس لیے بلاتا ہے تاکہ وہ جہنم والے بن

جائیں۔“ شیطان نے جو کچھ کہا اور اپنے فعل کے عزم کا اظہار کیا اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس پر محض اس لیے متنبہ فرمایا ہے تاکہ ہم اپنے دشمن سے بچتے رہیں اور اس کے مقابلے کے لیے پوری طرح تیار رہیں اور ان راستوں اور داخل ہونے کے ان مقامات کی معرفت حاصل کر کے جہاں سے وہ حملہ آور ہوتا ہے اپنی حفاظت کر سکیں۔ پس یہ خبر دے کر اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنی نعمت کامل سے نوازا ہے۔

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُومًا مَّدْحُورًا لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَأَمَلَنَّ

کہا اللہ نے! نکل جا اس سے حقیر اور دھتکارا ہوا البتہ جو پیروی کرے گا تیری ان میں سے تو ضرور بھروسہ گا میں

جَهَنَّمَ مِنْكُمْ أَجْعَلِينَ ﴿۱۸﴾

جہنم کو تم سب سے ○

یعنی ابلیس نے جو کچھ کہا اس کے جواب میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿اخرُج مِنْهَا﴾ ”نکل یہاں سے“ یعنی ذلت و خواری کے ساتھ نکلتا۔ اس سے عزت و اکرام کے ساتھ نکلتا مراد نہیں ﴿مَذْءُومًا﴾ بلکہ مذمت کے ساتھ نکلتا مراد ہے ﴿مَدْحُورًا﴾ ”مردود ہو کر“ یعنی اللہ تعالیٰ اس کی رحمت اور ہر بھلائی سے دور ﴿لَأَمَلَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ﴾ ”میں تم سے جہنم کو بھر دوں گا۔“ یعنی میں جہنم کو تجھ سے اور تیرے پیروکاروں سے بھر دوں گا ﴿أَجْعَلِينَ﴾ ”تم سب سے“ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے قسم ہے کہ جہنم نافرمانوں کا ٹھکانا ہے وہ لازمی طور جہنم کو ابلیس اور اس کے جن اور انسان پیروکاروں سے بھر دے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آدم کو ابلیس کے شر اور فتنے سے ڈراتے ہوئے فرمایا:

وَيَا آدَمُ اسْكُنْ أَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هَذِهِ

اور اے آدم! رہ تو اور تیری بیوی جنت میں اور کھاؤ جہاں سے چاہو تم دونوں اور مت قریب جانا تم دونوں اس

الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّيْطَانُ لِيُبْدِيَ لَهُمَا

درخت کے کہ ہو جاؤ گے تم ظالموں میں سے ○ پس وسوسہ ڈال ان دونوں (کو بہکانے) کیلئے شیطان نے تاکہ ظاہر کر دے وہ ان کیلئے

مَا وَرَىٰ عَنْهُمَا مِنْ سَوَاتِيهِمَا وَقَالَ مَا نَهَاكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ

جو کہ چھپائی گئی تھیں ان سے شرم گا ہیں ان کی اور کہا (شیطان نے) نہیں روکا تم دونوں کو تمہارے رب نے اس درخت سے

إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَيْنِ أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَا إِنِّي لَكُمَا

مگر (اس لیے) کہ کہیں ہو جاؤ تم فرشتے یا ہو جاؤ تم ہمیشہ رہنے والوں میں سے ○ اور قسم کھائی اس نے انکے سامنے کہ میں تم دونوں کیلئے

لَكُمْ النَّاصِحِينَ ﴿۲۱﴾ فَذَلَّهُمَا بِغُرُورٍ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوَاتِيهِمَا

خبر خواہوں میں سے ہوں ○ پس پھسلادیا (شیطان نے) انکو دھوکے سے پھر جب چکھا انہوں نے اس درخت سے تو ظاہر ہو گئیں ان کیلئے شرم گا ہیں انکی

وَطَفِقًا يَخْصِفْنَ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ وَنَادِيَهُمَا رَبُّهُمَا أَلَمْ أَنْهَكُمَا

اور گئے وہ چپکانے اور پانپنے پتے جنت کے (ستر ڈھانکنے کے لیے) اور آواز دی انکو انکے رب نے کیا نہیں روکا تھا میں نے تمہیں

عَنْ تِلْكَ الشَّجَرَةِ وَأَقُلُّ لَكُمْ إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ مُبِينٌ ﴿۱۷﴾ قَالَا رَبَّنَا

اس درخت سے؟ اور (نہیں) کہا تھا میں نے تمہیں کہ شیطان تم دونوں کا دشمن ہے کھلا؟ ○ کہا انہوں نے اے ہمارے رب!

ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا سَكَنَةً وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَسِرِينَ ﴿۱۸﴾

ظلم کیا ہم نے اپنے آپ پر اور اگر نہ بخشا تو نے ہمیں اور (نہ) رحم کیا تو نے ہم پر تو ہو جائیں گے ہم خسارہ پانے والوں میں سے ○

یعنی اللہ تعالیٰ نے جناب آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی کو جو اللہ تعالیٰ نے ان کو سکون کے لیے عطا فرمائی تھی، حکم دیا

کہ وہ جنت میں جہاں سے جو جی میں آئے کھائیں اور جنت سے متمتع ہوں البتہ اللہ تعالیٰ نے ایک معین درخت کا

پھل کھانے سے روک دیا۔ اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ وہ کس چیز کا درخت تھا؟ اس درخت کے تعین میں ہمارے

لیے کوئی فائدہ نہیں۔ اس درخت کا پھل کھانے کی تحریم پر اللہ تعالیٰ کا یہ قول دلیل ہے ﴿فَتَوْنَا مِنَ الظَّالِمِينَ﴾

”تم دونوں گناہ گاروں میں سے ہو جاؤ گے“ آدم علیہ السلام اور ان کی بیوی نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی پابندی کی یہاں

تک کہ ان کا دشمن ابلیس اپنے مکر و فریب سے ان کے پاس گھس آیا اور اس نے ان کے دل میں دوسرے ڈال ان کو فریب

میں مبتلا کر دیا اور ان کے سامنے بناوٹ سے کام لیتے ہوئے کہنے لگا: ﴿مَا نَهَكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ

إِلَّا أَنْ تَكُونَا مَلَكَتَيْنِ﴾ ”تم کو نہیں روکا تمہارے رب نے اس درخت سے، مگر اس لیے کہ کہیں تم ہو جاؤ فرشتے“

یعنی فرشتوں کی جنس میں سے ﴿أَوْ تَكُونَا مِنَ الْخَالِدِينَ﴾ ”یا ہو جاؤ ہمیشہ رہنے والوں میں سے“ جیسا کہ اللہ تعالیٰ

نے ایک دوسری آیت میں اس کا قول ذکر فرمایا: ﴿هَلْ أَدُلُّكَ عَلَى شَجَرَةِ الْخُلْدِ وَمُلْكٍ لَّا يَبْلَى﴾

(طلہ: ۱۲۰/۱۲۱) ”کیا میں تجھے ایسا درخت بتاؤں جس کا پھل ہمیشہ کی زندگی عطا کرے اور ایسا اقتدار جو کبھی زائل نہ ہو۔“

یہ سب کچھ کہنے کے ساتھ ساتھ اس نے اللہ کی قسم کھاتے ہوئے کہا: ﴿إِنِّي لَكُمْ لِبِئْسَ النَّاصِحِينَ﴾ ”میں تو تمہارا

خیر خواہ ہوں۔“ یعنی میں نے جو کچھ کہا ہے اس میں تمہاری خیر خواہی کرنے والا ہوں۔ پس آدم علیہ السلام شیطان کے

دھوکے میں آ گئے اور اس حال میں عقل پر شہوت نفس غالب آ گئی۔ ﴿فَدَلَّاهُمَا﴾ ”پس نیچے لے آیا ان دونوں کو“

یعنی شیطان نے آدم و حوا علیہم السلام کو ان کے بلند مرتبے سے جو کہ گناہوں سے دوری پر مبنی تھا اتار کر نافرمانی کی گندگی میں

لتھیر دیا اور انہوں نے آگے بڑھ کر اس شجر ممنوعہ کے پھل کو کھا لیا ﴿فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوَاتُهُمَا﴾

”پس جب چکھا ان دونوں نے درخت کو تو ان پر ان کی شرم گاہیں کھل گئیں“ یعنی دونوں کا ستر ظاہر ہو گیا اس سے

پہلے ان کا ستر چھپا ہوا تھا۔ پس اس حالت میں تقویٰ سے باطنی عریانی نے ظاہری لباس میں اپنا اثر دکھایا۔ حتیٰ کہ وہ

لباس اتار گیا اور ان کا ستر ظاہر ہو گیا اور جب ان پر ان کا ستر ظاہر ہوا تو وہ بہت شرمسار ہوئے اور جنت کے درختوں

کے پتوں سے اپنے ستر کو چھپانے لگے۔ ﴿وَنَادَاهُمَا رَبُّهُمَا﴾ اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے ان کو زبرد تو بیخ کرتے ہوئے آواز دی ﴿أَلَمْ أَنهَكُمَا عَنْ تِلْكَ الشَّجَرَةِ وَأَقُلْتُ لَكُمَا إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِينٌ﴾ ”کیا میں نے تمہیں اس درخت سے منع نہیں کیا تھا اور تمہیں کہا نہیں تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے“ پھر تم نے اپنے دشمن کی اطاعت کر کے ممنوعہ کام کا ارتکاب کیوں کیا؟ پس اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر کے ان پر احسان کیا اور انہوں نے اپنے گناہ کا اعتراف کر کے اللہ تعالیٰ سے اس کی مغفرت طلب کرتے ہوئے عرض کیا ﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ ”اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر تو ہمیں بخشے گا اور ہم پر رحم نہیں کرے گا تو ہم تباہ ہو جائیں گے۔“ یعنی ہم سے وہ گناہ سرزد ہو گیا جس سے تو نے ہمیں روکا تھا۔ ہم نے گناہ کا ارتکاب کر کے اپنے آپ کو سخت نقصان پہنچایا اور اگر تو نے گناہ اور اس کی عقوبت کے آثار کو نہ مٹایا اور اس قسم کی خطاؤں سے توبہ قبول کر کے معافی کے ذریعے سے ہم پر رحم نہ کیا تو ہم نے سخت خسارے کا کام کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کر لی ﴿وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ ۝ ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهُ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدَىٰ﴾ (ظہ: ۱۲۱/۱۲۲) ”اور آدم نے اپنے رب کی نافرمانی کی اور راہ سے بھٹک گیا۔ پھر اس کے رب نے اس پر نوازش کی اور اس پر توجہ فرمائی اور راہ نمائی کی“۔

یہ رو یہ آدم عليه السلام کا تھا۔ مگر اس کے برعکس ابلیس اپنی سرکشی پر جمار ہا اور نافرمانی سے باز نہ آیا۔ پس جو کوئی آدم کی طرح اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے ندامت کے ساتھ مغفرت کا سوال کرتا ہے اور گناہ سے باز آ جاتا ہے تو اس کا رب اسے چن لیتا ہے اور سیدھی راہ پر ڈال دیتا ہے اور جو کوئی ابلیس کی طرح اپنے گناہ اور نافرمانی پر جم جاتا ہے اور اس کی نافرمانیاں بڑھتی ہی چلی جاتی ہیں تو اللہ تعالیٰ سے دوری کے سوا اسے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔

قَالَ اهْبِطُوا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ ﴿۲۳﴾

کہا (اللہ نے) اترو تم ایک تمہارا دوسرے کا دشمن ہے اور تمہارے لیے زمین میں ٹھہرنا اور فائدہ اٹھانا ہے ایک وقت (معین) تک ۰ یعنی اللہ تعالیٰ نے آدم اور حوا عليهما السلام کو جمع کے صیغے کے ساتھ مخاطب کر کے نیچے اترنے کا حکم دیا، کیونکہ ابلیس تو اس سے قبل اتارا جا چکا تھا، پھر سب زمین کی طرف اتارے گئے۔ آدم و حوا عليهما السلام کے ساتھ ابلیس کو بھی بتکرار حکم دیا گیا تاکہ معلوم ہو کہ وہ ہمیشہ ایک دوسرے کے ساتھ ہوں گے، کیونکہ ابلیس انسان سے کبھی جدا نہیں ہوتا بلکہ ہر وقت ساتھ رہتا ہے اور اولاد آدم کو گمراہ کرنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔

﴿بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ﴾ کا جملہ (اهْبِطُوا) کی ضمیر سے حال ہونے کی بنا پر نصب کے مقام پر ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا عليهما السلام اور شیطان سے کہا کہ سب جنت سے نکل کر زمین پر اتر جاؤ درآں حالیکہ تم ایک دوسرے کے دشمن ہو زمین پر تمہارا ٹھکانا ہے اس وقت تک جب تک تمہارا زمین میں رہنا مقدر ہے۔

قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ ﴿٥٥﴾ يَبْنِيْ اَدَمَ قَدْ

فرمایا اسی (زمین) میں زندہ رہو گے تم اور اسی میں مرو گے تم اور اسی سے (روز قیامت) نکالے جاؤ گے ○ اے بنی آدم! تحقیق
اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُؤَارِي سَوَاتِكُمْ وَرِيْشًا وَلِبَاسُ التَّقْوَى ذٰلِكَ خَيْرٌ
اتارا ہم نے تم پر ایسا لباس جو چھپاتا ہے تمہاری شرم گاہیں اور (اتارا) لباس زینت اور لباس تقویٰ کا یہ بہت بہتر ہے۔

ذٰلِكَ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَدْكُرُوْنَ ﴿٥٦﴾

یہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ وہ (لوگ) نصیحت حاصل کریں ○

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے آدم ﷺ ان کی بیوی اور ان کی اولاد کو زمین پر اتار دیا تو ان کو زمین کے اندران کے قیام کے احوال کے بارے میں آگاہ فرمایا کہ زمین کے اندران کے لیے ایک ایسی زندگی مقرر کر دی ہے جس کے تعاقب میں موت ہے جو ابتلاء و امتحان سے لبریز ہے۔ وہ اسی دنیا میں رہیں گے اللہ تعالیٰ ان کی طرف اپنے رسول بھیجے گا ان پر کتاب نازل کرے گا۔ حتیٰ کہ ان پر موت آئے گی اور وہ اسی زمین میں دفن کر دیئے جائیں گے۔ پھر جب وہ اپنی مدت پوری کر لیں گے تو اللہ تعالیٰ ان کو دوبارہ زندہ کرے گا اور اس دنیا سے نکال کر حقیقی گھر میں جو دائمی قیام کا گھر ہے داخل کرے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے اس احسان کا ذکر فرمایا کہ اس نے ان کو ضروری لباس مہیا فرمایا۔ وہ لباس جس سے خوبصورتی مقصود ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں تمام اشیاء مثلاً کھانا پینا، سواری اور بیویاں وغیرہ عطا کیں۔ اس کی تکمیل کی خاطر اللہ تعالیٰ نے دیگر ضروریات مہیا کیں اور ان پر واضح کر دیا کہ یہ سب کچھ بالذات مقصود نہیں ہے بلکہ یہ لباس اللہ تعالیٰ نے صرف اس لیے نازل کیا ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت میں ان کا مددگار ثابت ہو۔ بنا بریں فرمایا: ﴿وَلِبَاسُ التَّقْوَى ذٰلِكَ خَيْرٌ﴾ اور جو تقویٰ کا لباس ہے وہ سب سے اچھا ہے۔ یعنی تقویٰ کا لباس حسی لباس سے بہتر ہے۔ کیونکہ لباس تقویٰ بندے کے ساتھ ہمیشہ رہتا ہے کبھی پرانا اور بوسیدہ نہیں ہوتا اور لباس تقویٰ قلب و روح کا جمال ہے۔ رہا حسی اور ظاہری لباس تو اس کی انتہا یہ ہے کہ یہ ایک محدود وقت کے لیے ظاہری ستر کو ڈھانپتا ہے یا انسان کے لیے خوبصورتی کا باعث بنتا ہے۔ اس سے بڑھ کر اس کا اور کوئی فائدہ نہیں۔ نیز فرض کیا یہ لباس موجود نہیں تب زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اس کا ظاہری ستر منکشف ہو جائے گا جس کا اضطراری حالت میں منکشف ہونا نقصان دہ نہیں اور اگر لباس تقویٰ معدوم ہو جائے تو باطنی ستر کھل جائے گا اور اسے رسوائی اور فضیحت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

﴿ذٰلِكَ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَدْكُرُوْنَ﴾ یہ نشانیاں ہیں اللہ کی قدرت کی تاکہ وہ غور کریں، یعنی یہ مذکورہ

لباس جس سے تم ایسی چیزوں کو یاد کرتے ہو جو تمہیں نفع و نقصان دیتی ہیں اور اس ظاہری لباس سے تم اپنے باطن کی ستر پوشی میں مدد لیتے ہو۔

يَبْنِي أَدَمَ لَا يَفْتَنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا

اے نبی آدم! نہ فتنے میں ڈال دے تمہیں شیطان جس طرح نکلوایا تھا اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے جبکہ اترواتا تھا وہ ان دونوں سے

لباسہما لیریبہما سواتہما ۝ إِنَّهُ يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ مِّنْ حَيْثُ لَا

ان کا لباس تاکہ دکھا دے ان کو شرم گا ہیں ان کی یقیناً وہ دیکھتا ہے تمہیں وہ اور اس کا قبیلہ جہاں سے نہیں

تَرَوْنَهُمْ ۝ إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيْطَانَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ ۝۲۵

دیکھتے تم ان کو یقیناً ہم نے بنا دیا شیطانوں کو دوست ان لوگوں کا جو نہیں ایمان لاتے ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ اولاد آدم کو ڈراتا ہے کہ شیطان کہیں تمہارے ساتھ بھی وہی کچھ نہ کرے جو اس نے تمہارے جدا مجد آدم کے ساتھ کیا تھا چنانچہ فرماتا ہے: ﴿يَبْنِي أَدَمَ لَا يَفْتَنَنَّكُمُ الشَّيْطَانُ﴾ اے آدم کی اولاد! نہ بہکائے تم کو شیطان، یعنی ایسا نہ ہو کہ وہ تمہارے سامنے گناہ اور معاصی کو آراستہ کر کے تمہیں ان کی طرف بلائے اور ترغیب دے اور تم اس کی اطاعت کر لو ﴿كَمَا أَخْرَجَ أَبَوَيْكُم مِّنَ الْجَنَّةِ﴾ جیسے اس نے تمہارے ماں باپ کو جنت سے نکلوایا اور انہیں بلند ترین مقام سے اتار کر فرو ترین مقام پر پہنچا دیا۔ پس اس سے بچو وہ تمہارے ساتھ بھی وہی کچھ کرنا چاہتا ہے وہ تمہیں گمراہ کرنے کی کوشش میں ذرہ بھر کوتاہی نہیں کرتا جب تک کہ تمہیں فتنے میں مبتلا نہ کر دے۔ اس لیے تم اس سے اپنا بچاؤ کرتے رہو اور اس کے مقابلے میں زرہ بکتر پہنے رکھو اور جن راستوں سے داخل ہو کر وہ تم پر شب خون مارتا ہے ان راستوں سے غافل نہ رہو۔ ﴿إِنَّهُ﴾ ”بے شک وہ“ دائی طور پر تمہاری نگرانی کرتا ہے ﴿يَرَاكُمْ هُوَ وَقَبِيلُهُ﴾ ”وہ اور اس کے قبیلے کے شیاطین جن تمہیں اس مقام سے دیکھتے ہیں“ ﴿مِّنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ﴾ ﴿إِنَّا جَعَلْنَا الشَّيْطَانَ أَوْلِيَاءَ لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ﴾ ”جہاں سے تم ان کو نہیں دیکھ سکتے۔ ہم نے شیاطین کو ان لوگوں کا دوست بنا دیا جو ایمان نہیں لاتے۔“ پس عدم ایمان ہی انسان اور شیطان کے درمیان دوستی اور موالات کے عقد کا موجب ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِنَّهُ لَيْسَ لَهُ سُلْطٰنٌ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ۝ إِنَّمَا سُلْطٰنُهُ عَلَى الَّذِينَ يَتَوَكَّلُوْنَ وَالَّذِينَ هُمْ بِهِ مُشْرِكُونَ﴾ (النحل: ۹۹/۱۰۰) ”جو مومن ہیں اور اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں ان پر اس کا کوئی اختیار نہیں۔ اس کا اختیار تو ان لوگوں پر ہے جو اس کو اپنا دوست بناتے ہیں اور اس کے سبب سے اللہ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔“

وَإِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا قُلْ

اور جب کرتے ہیں وہ کوئی بے حیائی کا کام تو کہتے ہیں پایا ہم نے اس پر اپنے باپ دادا کو اور اللہ نے حکم دیا ہمیں اس کا کہہ دیجئے!

إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ ۝ اتَّقُوا اللَّهَ عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝۲۶ قُلْ أَمَرَ

یقیناً اللہ نہیں حکم دیتا بے حیائی کا کیا کہتے ہو تم اللہ پر وہ باتیں جو نہیں جانتے تم؟ ۝ کہہ دیجئے! حکم دیا ہے

رَبِّي بِالْقِسْطِ وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ

میرے رب نے انصاف کا اور (یہ کہ) سیدھے (قبلہ رخ) کرو اپنے چہرے ہر نماز کے وقت اور پکارو اسی کو خالص کرتے ہوئے

لَهُ الدِّينَ هُ كَمَا بَدَأَكُمْ تَعُودُونَ ﴿۱۹﴾ فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ

اس کیلئے اطاعت جیسے پہلے پیدا کیا اس نے تمہیں لوگوں کے تم (ویسے ہی) ایک فریق کو ہدایت دی اس نے اور ایک فریق ثابت ہو گئی اوپر انکے

الضَّلَاةَ إِنَّهُمْ اتَّخَذُوا الشَّيْطَانَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ اللَّهِ

ضلالت۔ یقیناً انہوں نے بنا لیا شیطان کو دوست سوائے اللہ کے

وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ ﴿۲۰﴾

اور وہ گمان کرتے ہیں کہ بلاشبہ وہ ہدایت یافتہ ہیں ○

اللہ تبارک و تعالیٰ مشرکین کا حال بیان کرتا ہے جو گناہوں کا ارتکاب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ ﴿وَإِذْ أَعْلَمُوا فَاجِشَةً﴾ جب وہ کوئی فحش کام کرتے ہیں۔ ”فحش سے مراد ہر وہ کام ہے جو برا اور انتہائی قبیح ہو۔ عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف کرنا بھی اسی زمرے میں آتا ہے۔ ﴿قَالُوا وَجَدْنَا عَلَيْهَا آبَاءَنَا﴾ کہتے ہیں ہم نے اس پر اپنے باپ دادا کو پایا ہے“ اور وہ اس بارے میں سچے ہیں ﴿وَاللَّهُ أَمَرَنَا بِهَا﴾ ”اور اللہ نے ہمیں اس کا حکم دیا ہے“ وہ اس فحش کام کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرنے میں جھوٹ بولتے ہیں۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: ﴿قُلْ إِنَّ اللَّهَ لَا يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ﴾ کہہ دیجیے اللہ بے حیائی کے کام کرنے کا ہرگز حکم نہیں دیتا۔ ”یعنی یہ بات اللہ تعالیٰ کی حکمت اور کمال کے لائق نہیں کہ وہ اپنے بندوں کو فحش کاموں کا حکم دے اللہ نے اس فحش کام کا حکم دیا ہے جس کا ارتکاب یہ مشرک کرتے ہیں نہ کسی اور فحش کام کا۔ ﴿اتَّقُوا اللَّهَ عَلَىٰ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ کیا تم اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاتے ہو جو تم کو معلوم نہیں؟“ اور اس سے بڑا اور کون سا بہتان ہو سکتا ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس چیز کا ذکر فرمایا جس کا وہ حکم دیتا ہے ﴿قُلْ أَمَرَ رَبِّي بِالْقِسْطِ﴾ کہہ دیجیے کہ میرے رب نے تو انصاف کرنے کا حکم دیا ہے۔ ”یعنی اللہ تعالیٰ نے عبادات و معاملات میں ظلم و جور کا حکم نہیں دیا بلکہ عدل و انصاف کا حکم دیا ہے ﴿وَأَقِيمُوا وُجُوهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ اور سیدھے کرو اپنے منہ ہر نماز کے وقت“ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف توجہ رکھو عبادات کی تکمیل کی کوشش کرو۔ خاص طور پر نماز کو ظاہر اور باطن میں کامل طور پر قائم کرو اور اسے تمام نقائص اور مفاسد سے پاک رکھو۔ ﴿وَادْعُوهُ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ﴾ اور پکارو اس کو خالص اس کے فرماں بردار ہو کر“ یعنی صرف اسی کی رضا جوئی کا مقصد رکھو وہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ دعا دعائے مسئلہ اور دعائے عبادت دونوں کو شامل ہے۔ یعنی تمہاری دعا کی تمام اغراض میں اللہ تعالیٰ کی عبودیت اور اس کی رضا کے سوا کوئی اور مقصد واردہ نہیں ہونا چاہئے۔ ﴿كَمَا بَدَأَكُمْ﴾ جیسے پہلی مرتبہ تمہاری ابتدا کی“ ﴿تَعُودُونَ﴾ تم پھر

پیدا ہو گے۔ یعنی اس طرح مرنے کے بعد تمہیں دوبارہ زندہ کیا جائے گا۔ وہ ہستی جو تمہاری تخلیق کی ابتدا پر قادر ہے وہ اس تخلیق کا اعادہ کرنے کی بھی قدرت رکھتی ہے، بلکہ اس کا اعادہ زیادہ آسان ہے۔ ﴿فَرِيقًا﴾ ایک فریق کو، یعنی تم میں سے ایک فریق کو ﴿هَدَى﴾ ”اس نے ہدایت دی۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے اسے ہدایت کی توفیق سے نوازا، اس کے اسباب مہیا کئے اور اس کے موانع کو اس سے دور کیا ﴿وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ﴾ ”اور ایک فریق ثابت ہو گئی اس پر گمراہی، چونکہ انہوں نے گمراہی کے اسباب اختیار کئے اور ہلاکت کے اسباب پر عمل پیرا ہوئے اس لیے اللہ تعالیٰ نے گمراہی کو ان پر واجب کر دیا۔

﴿إِنَّهُمْ اتَّخَذُوا الشَّيْطَانَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ ”انہوں نے شیطانوں کو رفیق بنایا، اللہ کو چھوڑ کر“ اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا دوست بناتا ہے وہ واضح خسارے میں مبتلا ہو جاتا ہے اور چونکہ وہ اللہ رحمن کی ولایت اور دوستی سے نکل گئے اور انہوں نے شیطان کی دوستی کو پسند کر لیا، اس لیے انہیں اللہ تعالیٰ کی مدد و توفیق سے محرومی میں سے وافر حصہ نصیب ہوا اور چونکہ انہوں نے اپنے آپ پر بھروسہ کیا اس لیے وہ بہت بڑے خسارے میں پڑ گئے۔ ﴿وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهِتَدُونَ﴾ ”اور وہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت پر ہیں“ یعنی ان کے ہاں حقائق بدل گئے اور انہوں نے باطل کو حق اور حق کو باطل سمجھ لیا۔ ان آیات کریمہ میں اس امر کی دلیل ہے کہ اوامر و نواہی اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کے تابع ہیں، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ یہ تصور بھی نہیں کیا جاسکتا کہ اللہ تعالیٰ کسی ایسے امر کا حکم دے جسے عقل فحش سمجھتی ہو اور اسے ناپسند کرتی ہو اور اللہ تعالیٰ عدل و انصاف کے سوا کسی چیز کا حکم نہیں دیتا۔

اس میں اس امر کی بھی دلیل ہے کہ ہدایت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کا دار و مدار اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر ہے اور گمراہی یہ ہے کہ جب بندہ اپنے ظلم و جہالت سے شیطان کو اپنا دوست اور اس کو اپنی گمراہی کا سبب بنا لے تو اللہ اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیتا ہے اور جو کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ راہ ہدایت پر ہے درآں حالیکہ وہ بھٹک چکا ہو تو اس کے لیے کوئی عذر نہیں کیونکہ وہ ہدایت حاصل کر سکتا تھا، لیکن اس نے اپنے گمان ہی کو سب کچھ سمجھا اور ہدایت کی منزل کو پہنچانے والے راستے کو ترک کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا۔

يٰۤاٰدَمُ خُذْ زِينَتَكَ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَكُلْ وَاشْرَبْ وَلَا تُسْرِفْ ۗ

اے بنی آدم! اختیار کرو تم اپنی زینت ہر نماز کے وقت، اور کھاؤ اور پیو اور نہ اسراف کرو

إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِينَ ۝

یقیناً وہ نہیں پسند کرتا اسراف کرنے والوں کو ○

اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم پر لباس نازل کرنے کے بعد جس سے وہ اپنا ستر ڈھانپتے ہیں اور زینت اختیار کرتے

ہیں فرمایا: ﴿يَذِيئِيَّ اَدَمَ خُدُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ﴾ ”اے بنی آدم! ہر نماز کے وقت اپنے تئیں مزین کیا کرو۔“ یعنی ہر نماز کے وقت خواہ نماز فرض ہو یا نفل، اپنے ستر کو ڈھانپو؛ کیونکہ ستر ڈھانپنا ہی بدن کی زینت ہے جیسے ستر کھولنا بدن کو فحش اور بدنمناہ دیتا ہے۔

اس آیت میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس زینت سے مراد لباس کی نظافت ہو۔ پس اس صورت میں آیت کریمہ میں نماز کے اندر ستر ڈھانپنے، زینت اختیار کرنے اور لباس کو میل کچیل اور نجاست سے پاک رکھنے کا حکم ہے۔ پھر فرمایا: ﴿وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا﴾ ”اور کھاؤ اور پیو۔“ یعنی ان پاک چیزوں میں سے کھاؤ پیو جو اللہ تعالیٰ نے تمہیں عطا کی ہیں ﴿وَلَا تُسْرِفُوْا﴾ ”اور (ان میں) اسراف نہ کرو۔“ اسراف سے یا تو یہ مراد ہے کہ ماکولات کو اس مقدار سے زیادہ استعمال کرنا جو انسان کو کفایت کرتی ہیں کیونکہ ماکولات کو زیادہ کھانے کی حرص جسم کو نقصان دیتی ہے۔ یا اس سے مراد ہے ماکولات، مشروبات اور ملبوسات میں حد سے زیادہ خرچ کرنا۔ یا مراد ہے حلال سے تجاوز کر کے حرام میں پڑنا۔ ﴿اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ﴾ ”بے شک وہ (اللہ) اسراف کرنے والوں کو پسند نہیں فرماتا“ کیونکہ حد سے تجاوز کرنے پر اللہ تعالیٰ ناراض ہوتا ہے۔ اسراف انسان کے جسم اور اس کی معیشت کو نقصان پہنچاتا ہے۔ اسراف بسا اوقات انسان کو ایسی حالت تک پہنچا دیتا ہے کہ وہ ان نفقات سے بھی عاجز رہ جاتا ہے جو اس پر واجب ہیں۔

اس آیت کریمہ میں کھانے پینے کا حکم ہے اور کھانا پینا چھوڑنے اور اس میں اسراف کرنے کی ممانعت ہے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبَاتِ مِنَ الرِّزْقِ قُلْ

کہہ دیجئے! کس نے حرام کی زینت اللہ کی وہ جو پیدا کی اس نے اپنے بندوں کے لیے؟ اور پاکیزہ چیزیں رزق کی؟ کہہ دیجئے!

هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ كَذٰلِكَ نَفْصِلُ

بیان لوگوں کیلئے (بھی) ہیں جو ایمان لائے زندگی میں دنیا کی جبکہ خاص ہوں گی (ان کیلئے) کون قیامت کے اسی طرح مفصل بیان کرتے ہیں ہم

الْاٰتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا

آیات ان لوگوں کیلئے جو ظلم رکھتے ہیں ○ کہہ دیجئے! بیشک حرام ٹھہرایا ہے میرے رب نے بے حیائی کی باتوں کو جو ظاہر ہوں ان میں سے اور جو

بَطْنٍ وَّالِثَمِّ وَالْبَغْيِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزَّلْ

پوشیدہ اور گناہ کو اور ظلم کو بغیر حق کے اور یہ کہ شریک ٹھہراؤ تم ساتھ اللہ کے اس چیز کو کہ نہیں اتاری اللہ نے

بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلٰی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۸﴾

اس کی کوئی دلیل اور یہ کہ کہو تم اوپر اللہ کے وہ جو نہیں تم جانتے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اس شخص پر تکبیر کرتا ہے جو تکلف میں پڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی حلال ٹھہرائی ہوئی پاک چیزوں

کو حرام قرار دیتا ہے۔ چنانچہ فرماتا ہے: ﴿قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ﴾ ”کہہ دیجئے کہ زینت و آرائش

کی چیزیں جو اللہ نے اپنے بندوں کے لیے پیدا کی ہیں ان کو کس نے حرام کیا ہے؟“ انواع و اصناف کے لباس، طیبات رزق یعنی ماکولات و مشروبات کی تمام اقسام کو کس نے حرام قرار دیا ہے؟ یعنی وہ کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کو حرام کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو عطا کی ہیں؟ کون ان کو اس بارے میں تنگی میں مبتلا کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے وسعت رکھی ہے؟ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے طیبات کو اس لیے وسیع کیا تاکہ وہ ان سے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مدد لیں۔ اس نے ان چیزوں کو صرف اپنے مومن بندوں کے لیے مباح کیا ہے۔ بنا بریں فرمایا: ﴿قُلْ هِيَ لِلَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ کہہ دیجئے! یہ نعمتیں اصل میں ایمان والوں کے واسطے ہیں دنیا کی زندگی میں خالص انہی کے واسطے ہوں گی قیامت کے دن، یعنی ان نعمتوں کے بارے میں ان پر کوئی تاوان نہیں ہوگا۔

آیت کریمہ کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں لاتے بلکہ وہ ان نعمتوں کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرتے ہیں تو یہ نعمتیں ان کے لیے خالص ہیں نہ ان کے لیے مباح، بلکہ ان نعمتوں کو استعمال کرنے پر ان کو سزا دی جائے گی اور قیامت کے روز ان سے ان نعمتوں کے بارے میں سوال کیا جائے گا۔

﴿كَذَلِكَ نَقُصُّكَ الْآيَاتِ﴾ ہم اسی طرح آیات کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔ یعنی ہم ان آیات کی توضیح کرتے ہیں اور ہم ان کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں۔ ﴿لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾ ان کے لیے جو جانتے ہیں، کیونکہ یہی لوگ ہیں جو ان آیات سے فائدہ اٹھاتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے کھول کھول کر بیان کیا ہے، وہ جانتے ہیں کہ یہ آیات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں چنانچہ وہ اس میں غور و فکر کرتے ہیں اور ان کو سمجھتے ہیں۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان محرمات کا ذکر فرمایا جن کو اس نے تمام شریعتوں میں حرام قرار دیا ہے۔ فرمایا:

﴿قُلْ إِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّي الْفَوَاحِشَ﴾ کہہ دیجئے! بے شک میرے رب نے حرام کیا ہے بے حیائی کی باتوں کو، یعنی بڑے بڑے گناہ جن کی برائی اور قباحت کی وجہ سے ان کو فحش اور سخت قبیح سمجھا جاتا ہے مثلاً زنا، سدومیت (عمل قوم لوط) وغیرہ۔ ﴿مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَّنَ﴾ جو ان میں کھلی ہوئی ہیں اور جو چھپی ہوئی ہیں، یعنی وہ فواحش جن کا تعلق بدن کی حرکات سے ہے اور وہ فواحش جن کا تعلق قلب کی حرکات سے ہے مثلاً تکبر، خود پسندی، ریاء اور نفاق وغیرہ۔

﴿وَالْإِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ﴾ اور گناہ کو اور ناحق کی زیادتی کو، یعنی گناہ کے اعمال جو گناہ میں مبتلا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حقوق کے بارے میں سزا کے موجب ہیں اور (بغی) سے مراد ہے لوگوں کے جان و مال اور عزت و ناموس میں ان پر زیادتی وغیرہ۔ پس اس میں وہ تمام گناہ داخل ہیں جو حقوق اللہ اور حقوق العباد سے متعلق ہیں۔

﴿وَأَنْ تُشْرِكُوا بِاللَّهِ مَا لَهُمْ بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّهِ سُلْطَانًا﴾ اور اس بات کو کہ شریک کرو اللہ کا ایسی چیز کو کہ جس کی اس نے سند

نہیں اتاری، یعنی اللہ تعالیٰ نے اس شرک پر کوئی دلیل و برہان نازل نہیں فرمائی بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے توحید کی

تائید کے لیے دلائل و براہین نازل فرمائے ہیں اور شرک یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اس کے ساتھ مخلوق میں سے کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ بسا اوقات شرک اصغر بھی اسی زمرے میں آجاتا ہے۔ مثلاً ریا اور غیر اللہ کی قسم وغیرہ۔

﴿وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ اور اس بات کو کہ اللہ کے ذمے وہ باتیں لگاؤ جو تم نہیں جانتے، یعنی اس کے اسماء و صفات، افعال اور اس کی شریعت کے بارے میں لاعلمی پڑتی بات کہنا۔ ان تمام امور کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے اور بندوں کو ان میں مشغول ہونے سے روکا ہے کیونکہ یہ امور مفاسد عامہ اور مفاسد خاصہ پر مشتمل ہیں اور یہ امور ظلم و تعدی اور اللہ تبارک و تعالیٰ کی جناب میں جسارت و جرأت کے موجب اللہ تعالیٰ کے بندوں پر دست درازی اور اللہ تعالیٰ کے دین اور شریعت میں تغیر و تحریف کا باعث ہیں۔

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ أَجَلٌ فَإِذَا جَاءَ أَجْلُهُمْ لَا يَسْتَأْخِرُونَ سَاعَةً وَلَا يَسْتَقْدِرُونَ ﴿۳۷﴾

اور ہر امت کیلئے ایک وقت (عین) ہے سو جب آجائے گا انکا (عین) وقت تو نہ پیچھے ہوں گے وہ (اس سے) لمحہ بھر اور نہ آگے ہوں گے ۳۷

یعنی اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو جنت سے نکال کر زمین پر آباد کر دیا اور ان کے لیے ایک مدت مقرر کر دی۔ قوموں میں سے کوئی قوم اپنی مدت مقررہ سے آگے بڑھ سکتی ہے نہ پیچھے ہٹ سکتی ہے، تمام قومیں اکٹھی ہو کر اس مدت مقررہ سے آگے ہو سکتی ہیں نہ ان کے افراد۔

يَبْنِي آدَمَ! إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي ۖ فَمَنِ اتَّقَىٰ

اے بنی آدم! اگر آئیں تمہارے پاس رسول تم میں سے جو بیان کریں تم پر میری آیتیں، تو جس نے تقویٰ اختیار کیا

وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا

اور (اپنی) اصلاح کر لی تو نہ ہوگا کوئی خوف ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے ۳۸ اور وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو

وَأَسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۳۹﴾

اور تکبر کیا ان سے، یہ لوگ ہیں دوزخی، وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ۳۹

جب اللہ تعالیٰ نے اولاد آدم کو جنت سے نکال دیا تو ان کو رسول بھیج کر اور کتابیں نازل کر کے آزمایا۔ یہ رسول ان کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ کر سناتے تھے اور اس کے احکام ان پر واضح کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس شخص کی فضیلت بیان فرمائی جس نے رسولوں کی دعوت پر لبیک کہا اور اس شخص کا خسارہ بیان کیا جس نے رسولوں کی دعوت کا جواب نہ دیا۔ چنانچہ فرمایا: ﴿فَمَنِ اتَّقَىٰ﴾ ”پس جس شخص نے تقویٰ اختیار کیا۔“ یعنی جو ان امور سے بچ گیا جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے مثلاً شرک اور دیگر کبیرہ اور صغیرہ گناہ ﴿وَأَصْلَحَ﴾ ”اور اس نے (ظاہری اور باطنی اعمال کی) اصلاح کر لی“ ﴿فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ﴾ ”تو ایسے لوگوں کو نہ کچھ خوف ہوگا۔“ یعنی وہ اس شرکے خوف سے مامون ہوں گے جس سے دیگر لوگ خوفزدہ ہوں گے۔ ﴿وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ﴾ ”اور نہ وہ

(گزرے ہوئے واقعات پر) غمگین ہوں گے۔“ جب ان سے حزن و خوف کی نفی ہوگئی تو انہیں کامل امن اور ابدی فلاح و سعادت حاصل ہوگئی۔ ﴿وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا﴾ اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اور ان سے تکبر کیا، یعنی ان آیات پر ان کے دل ایمان لائے نہ ان کے جوارح نے ان آیات کے احکام کی اطاعت کی۔ ﴿أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾ وہی دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“ یعنی جس طرح انہوں نے ہماری آیات کی اہانت کی اور ان کی تکذیب پر جھے رہے اسی طرح ان کو ہمیشہ رہنے والے عذاب کے ذریعے سے رسوا کیا جائے گا۔

فَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ افْتَرَىٰ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِهِ أُولَٰئِكَ يَنَالُهُمُ

پس کون زیادہ ظالم ہے اس شخص سے جس نے باندھا اللہ پر جھوٹ یا جھٹلایا اس کی آیات کو؟ یہ لوگ ہیں کہ بچنے کا نہیں نصیبہمُ مِنَ الْكِتَابِ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ رَسُولُنَا يُتَوْفَوْنَهُمْ قَالُوا آيِنَّا كَا حَصْر لکھے ہوئے سے یہاں تک کہ جب آئیں گے ان کے پاس ہمارے قاصد جو قبض کریں گے انکی رو میں تو وہ کہیں گے! کہاں ہیں

مَا كُنْتُمْ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ قَالُوا ضَلُّوا عَنَّا وَشَهِدُوا

وہ کہ تھے تم پکارتے (ان کو) سوائے اللہ کے؟ وہ کہیں گے! وہ گم ہو گئے ہم سے اور گواہی دیں گے اپنے

عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ أَنَّهُمْ كَانُوا كَافِرِينَ ﴿۳۵﴾

خلاف کہ بیشک وہ تھے کفر کرنے والے ○

یعنی اس شخص سے بڑھ کر ظالم کوئی نہیں جس نے بہتان طرازی کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی طرف شریک اور اس کی ذات و صفات کی طرف نقص کی نسبت کی اور اس کی طرف کسی ایسی بات کو منسوب کیا جو اس نے نہیں کہی۔ ﴿أَوْ كَذَّبَ بِآيَاتِنَا﴾ یا اس کی آیات کو جھٹلایا۔“ یعنی جس نے حق مبین کو بیان کرنے والی واضح آیات کو جھٹلایا جو راہ راست کی طرف راہ نمائی کرتی ہیں یہ لوگ اگرچہ اس دنیا سے فائدہ اٹھا رہے ہیں تاہم انہیں وہ عذاب ضرور مل کر رہے گا جو لوح محفوظ میں ان کے لیے لکھ دیا گیا ہے۔ کوئی چیز ان کے کسی کام نہیں آئے گی۔ وہ اس دنیا سے تھوڑی سی مدت کے لیے فائدہ اٹھائیں گے اور ابد الابد تک عذاب بھگتیں گے۔ ﴿حَتَّىٰ إِذَا جَاءَهُمْ رَسُولُنَا يُتَوْفَوْنَهُمْ﴾ یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے (فرشتے) جان نکالنے آئیں گے۔“ یعنی جب ان کے پاس وہ فرشتے آ جائیں گے جو ان کی مدت مقررہ پوری کرنے اور روح قبض کرنے پر مامور ہیں ﴿قَالُوا﴾ یعنی اس حالت میں فرشتے ان کو زجر و توبخ کرتے ہوئے کہیں گے: ﴿آيِنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ﴾ وہ (بت اور تمہارے خود ساختہ معبود) کہاں ہیں جن کو تم پکارا کرتے تھے؟“ اب ضرورت کا وقت آ گیا ہے اگر وہ تمہیں کوئی فائدہ دے سکتے ہیں یا کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں؟ (تو ان کو بلاؤ)

﴿قَالُوا صَلُّوا عَلَنَا﴾ ”وہ کہیں گے وہ ہم سے گم ہو گئے، یعنی وہ مضحل اور باطل ہو گئے اور وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کے مقابلے میں ہمارے کسی کام کے نہیں۔ ﴿وَشَهِدُوا عَلٰی اَنْفُسِهِمْ اَنْهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ﴾ اور وہ اپنے آپ پر گواہی دیں گے کہ وہ کافر تھے، یعنی وہ دائمی طور پر سواکن عذاب کے مستحق ہیں۔

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْ اُمَّمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ كَلِمًا كَبِهَآ (اللہ!) داخل ہو جاؤ تم ہمراہ ان امتوں کے جو گزر چکیں تم سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے آگ میں۔ جب بھی دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَعْنَتْ اُخْتَهَا حَتّٰى اِذَا دَارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا قَالَتْ دَاخِلٌ هُوَ اِيك اِمْت تُو لَعْنَتْ كَرِے كِ اِپِنے جِيسِی دوسری اِمْت كو يِهَا تِنك كِه جِب اَكْشَه هُوِن كِه وَه اِس مِی سَب تُو كِه كِی اُخْرِبُهُمْ لِاَوْلٰئِهِمْ رَبَّنَا هُوَ لَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاتِهْمُ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ اِكِی كِچھلی جَمَاعَت اِكِی پہلی جَمَاعَت كِی بَابَت اے هَمَارے رَب! انهُوِن نے گمراه كِیا تَهَا هِمِیِن پَس دے تُو اَكُو عَذَاب دِگنَا آگ كَا

قَالَ لِكُلِّ ضِعْفٍ وَلٰكِنْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿٣٨﴾

كِهے گا (اللہ! تم میں سے) ہر ایک کے لیے دگنا (عذاب) ہے لیکن تم نہیں جانتے

فرشتے ان سے کہیں گے: ﴿قَالَ ادْخُلُوْا فِيْ اُمَّمٍ﴾ ”ان قوموں میں داخل ہو جاؤ۔“ یعنی ان جملہ امتوں میں داخل ہو جاؤ۔ ﴿قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ﴾ ”جو تم سے پہلے جنوں اور انسانوں میں سے گزر چکیں،“ یعنی وہ بھی اسی راستے پر گامزن رہے تھے جس پر تم چلتے رہے ہو۔ یعنی کفر و استکبار کا راستہ۔۔۔ اس لیے سب رسوائی اور ہلاکت کے مستحق ٹھہرے ﴿فِي النَّارِ﴾ اور ہمیشہ کے لیے جہنم میں رہو۔

سرکش اور نافرمان قوموں میں سے جب کوئی قوم جہنم میں داخل ہوگی ﴿لَعْنَتْ اُخْتَهَا﴾ ”اپنی جیسی جماعت پر لعنت کرے گی۔“ یعنی اپنے جیسے مشرکانہ عقائد رکھنے والی قوم پر لعنت کرے گی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُ بَعْضُكُمْ بِبَعْضٍ وَيَلْعَنُ بَعْضُكُمْ بَعْضًا﴾ (العنكبوت: ۲۵/۲۹) ”قیامت کے روز تم ایک دوسرے کا انکار کرو گے اور ایک دوسرے پر لعنت بھیجو گے۔“ ﴿حَتّٰى اِذَا دَارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا﴾ ”یہاں تک کہ جب سب اس میں داخل ہو جائیں گے۔“ یعنی جب جہنم میں اولین و آخرین قائدین رؤساء ان کے پیروکار اور مقلدین سب جمع ہو جائیں گے ﴿قَالَتْ اُخْرِبُهُمْ﴾ ”تو کہیں گے ان کے پچھلے،“ یعنی رؤساء وقائدین کے پیروکار ﴿لِاَوْلٰئِهِمْ﴾ ”پہلوں کو،“ یعنی وہ اپنے سرداروں اور رؤساء کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرتے ہوئے کہ انہوں نے گمراه كِیا تَهَا۔۔۔ کہیں گے: ﴿رَبَّنَا هُوَ لَآءِ اَضَلُّوْنَا فَاتِهْمُ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ﴾ ”اے ہمارے رب! ان ہی لوگوں نے ہمیں گمراه كِیا تَهَا تُو ان كو آتَش جِهَنم كَا دِگنَا عَذَاب دے۔“ یعنی اے ہمارے رب انہیں کئی گنا عذاب دے، کیونکہ انہوں نے ہمیں گمراه كِیا اور ناپاک اعمال کو ہمارے سامنے مزین کر کے پیش کیا۔

وَقَالَتْ اُولَهُمْ اِخْرَبُهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فذُوْقُوا الْعَذَابَ

اور کہے گی ان کی پہلی جماعت ان کی پھیلی جماعت کو پس نہیں ہے تمہارے لیے ہم پر کوئی فضیلت سو چکھو تم عذاب

بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ﴿۳۹﴾

بوجہ اس کے جو تھے تم کما تے ○

﴿حَدَّثَ اَلَّتْ لَوْلَهُمْ اِخْرَبُهُمْ﴾ ”لو، کہیں گے ان کے پہلے پھیلوں کو“ یعنی سرور، اپنے پیروکار، اول سے کہیں گے: ﴿فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ﴾ ”پس کچھ نہ ہوئی تم کو ہم پر بڑائی“ یعنی ہم گمراہی ضلالت اور عذاب کے اسباب اختیار کرنے میں مشترک ہیں۔ تمہیں ہم پر کون سی فضیلت ہے؟ ﴿قَالَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ فرمائے گا: ﴿لِكُلِّ ضِعْفٍ﴾ ”تم میں سے ہر ایک کے لیے دو گنا عذاب ہے“ ﴿فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ﴾ ”اب چکھو عذاب بسبب اپنی کمائی کے“ لیکن یہ معلوم ہے کہ سرداروں اور ائمہ ضلالت کو ان کے پیروکاروں کی نسبت زیادہ سخت اور برا عذاب دیا جائے گا۔ جیسے ائمہ ہدیٰ کو ان کے تبعین کے ثواب کے مقابلے میں زیادہ بڑی نعمتوں سے نوازا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَاصَدُّوا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا فَاَوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كَانُوْا يُفْسِدُوْنَ﴾ (النحل: ۸۸/۱۶) ”وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کے راستے سے روکا ہم انہیں عذاب پر عذاب دیں گے اس پاداش میں کہ وہ فساد برپا کرتے تھے“۔

یہ آیت کریمہ اور اس قسم کی دیگر آیات دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرنے والوں کی تمام اقسام جہنم میں ہمیشہ رہیں گی اس کی اتھاہ گہرائی میں سب اکٹھے ہوں گے اگرچہ عذاب کی مقدار میں ان کے اعمال، عناد، ظلم اور افترا پر دازی کے مطابق تفاوت ہوگا اور ان کی وہ محبت و مودت جو دنیا میں ان کے مابین تھی، قیامت کے روز دشمنی اور ایک دوسرے پر لعنت میں بدل جائے گی۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفْتَحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمٰوٰتِ

یقیناً وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو اور تکبر کیا ان سے، نہیں کھولے جائیں گے ان کے لیے دروازے آسمان کے

وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلْبِغَ الْجَمَلُ فِي سِمِّ الْخِيَاطِ ط وَكَذٰلِكَ نَجْزِي

اور نہ داخل ہوں گے وہ جنت میں یہاں تک کہ گھس جائے اونٹ ناکے میں سوئی کے اور اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ہم

الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۴۰﴾ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَمِّنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ط

مجرموں کو ○ ان کے لیے جہنم ہی کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر (اسی کا) اوڑھنا ہوگا

وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۴۱﴾

اور اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ہم ظالموں کو ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اس شخص کے عذاب کے بارے میں آگاہ فرماتا ہے جس نے اس کی آیتوں کو جھٹلایا اور وہ ان پر ایمان نہ لایا۔۔۔۔۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کی آیات بالکل واضح تھیں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات سے تکبر کیا اور ان کے احکام کے سامنے سر تسلیم خم نہ کیا بلکہ انہوں نے ان کو جھٹلایا اور پیٹھ پھیر کر چل دیئے۔۔۔۔۔ یہ ہر بھلائی سے مایوس ہوں گے۔ ان کی روحمیں اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے آسمان کی طرف بلند ہوں گی اور اجازت طلب کریں گی مگر ان کو اجازت نہیں ملے گی۔ وہ موت کے بعد آسمان کی طرف اسی طرح بلند نہ ہو سکیں گی جس طرح انہوں نے ایمان باللہ اللہ تعالیٰ کی معرفت اور اس کی محبت کی طرف التفات نہ کیا، کیونکہ جزا عمل کی جنس سے ہوتی ہے۔ اس آیت کریمہ کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اہل ایمان کی روحمیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی مطیع ہیں، اس کی آیات کی تصدیق کرنے والی ہیں ان کے لیے آسمان کے دروازے کھول دیئے جائیں گے یہاں تک کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف بلند ہوں گی اور عالم علوی میں وہاں پہنچ جائیں گی جہاں اللہ تعالیٰ چاہے گا اور اپنے رب کے قرب اور اس کی رضا کا لطف اٹھائیں گی۔

اہل جہنم کے بارے میں فرمایا: ﴿وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّى يَلْبِغَ الْجَمَلُ﴾ وہ جنت میں داخل نہ ہوں گے یہاں تک کہ داخل ہو اونٹ، یعنی معروف اونٹ۔ ﴿فِي سِمَةِ الْخِيَاطِ﴾ سوئی کے ناکے میں، یعنی جب تک کہ اونٹ جو کہ سب سے بڑا حیوان ہے سوئی کے ناکے میں سے جو کہ سب سے تنگ گزرنے کی جگہ ہے نہ گزر جائے۔ یہ کسی چیز کو محال کے ساتھ معلق کرنے کے باب میں سے ہے، یعنی جس طرح اونٹ کا سوئی کے ناکے میں سے گزرنا محال ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرنے والوں کا جنت میں داخل ہونا محال ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَزَمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَأْوَهُ النَّارُ﴾ (المائدہ: ۷۲/۵) جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرے گا اللہ تعالیٰ جنت کو اس پر حرام کر دے گا اور اس کا ٹھکانا جہنم ہوگا۔ اور یہاں فرمایا: ﴿وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِينَ﴾ اور ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں گناہ گاروں کو، یعنی وہ لوگ جن کے جرائم بہت زیادہ اور جن کی سرکشی بے انتہا ہے۔

﴿لَهُمْ مِنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ﴾ ان کے لیے جہنم کا پچھونا ہے، یعنی ان کے نیچے آگ کے پچھونے ہوں گے ﴿وَمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ﴾ ان کے اوپر سے اوڑھنا، یعنی عذاب کے بادل ہوں گے جو ان پر چھائے ہوئے ہوں گے ﴿وَكَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ﴾ اور اسی طرح ہم بدلہ دیتے ہیں ظالموں کو اپنے آپ پر ظلم کرنے والوں کو ہم ان کے جرم کے مطابق جزا دیتے ہیں اور تیرا رب اپنے بندوں پر ظلم نہیں کرتا۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا أُولَٰئِكَ

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے عمل کئے اچھے، نہیں تکلیف دیتے ہم کسی جان کو مگر اسکی طاقت کے مطابق ہی، یہ لوگ ہیں

أَصْحَابِ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٢﴾ وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غَلٍ

جنتی وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے ○ اور نکال دیں گے ہم جو ہو گا ان کے سینوں میں کینہ

تَجْرِمِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا

بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں اور کہیں گے وہ سب تعریف اللہ ہی کے لیے ہے جس نے ہدایت دی ہمیں اس کی اور نہ

كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنْ هَدَانَا اللَّهُ لَقَدْ جَاءَتْ رَسُولُ رَبِّنَا بِالْحَقِّ

تھے ہم کہ ہدایت پاتے اگر نہ ہوتی یہ بات کہ ہدایت دی ہم کو اللہ نے البتہ تحقیق آئے تھے رسول ہمارے رب کے ساتھ حق کے

وَنُودُوا أَنْ تِلْكَ الْجَنَّةُ الَّتِي أُورِثْتُمُوهَا بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿٢٣﴾

اور آواز دیئے جائیں گے وہ کہ یہ جنت ہے وارث بنائے گئے ہو تم اس کے بسبب اس کے جو تھے تم عمل کرتے ○

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے نافرمان ظالموں کو دیئے جانے والے عذاب کا ذکر فرمایا تب اس نے اہل

اطاعت بندوں کے ثواب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا﴾ اور جو لوگ ایمان لائے۔ یعنی جو دل

سے ایمان لائے ﴿وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ اور عمل نیک کرتے رہے۔ یعنی اپنے جوارح سے نیک عمل کرتے

رہے۔ پس اس طرح وہ ایمان و عمل اعمال ظاہرہ اور اعمال باطنہ کو جمع کرتے ہیں اور بیک وقت فعل واجب اور

ترک محرمات پر عمل کرتے ہیں۔ چونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ﴿وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾ ایک عام لفظ ہے جو

واجب اور مستحب تمام نیکیوں کو شامل ہے اور بسا اوقات بعض نیکیاں بندے کی مقدرت سے باہر ہوتی ہیں۔ اس

لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَا يُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ ہم ہر نفس کو اس کی طاقت کے مطابق مکلف کرتے ہیں۔

اور اس کی مقدرت سے بڑھ کر اس پر بوجھ نہیں ڈالتے۔ لہذا اس حال میں اس پر فرض ہے کہ وہ استطاعت بھر اللہ

تعالیٰ سے ڈرے اگر بعض فرائض و واجبات کی تعمیل سے عاجز ہو اور ان کو بجالانے پر قادر نہ ہو تو یہ فرائض اس پر

سے ساقط ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا﴾ (البقرہ: ۲۸۶/۲)

”اللہ کسی شخص کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا، یعنی اللہ تعالیٰ کسی شخص پر صرف وہی چیز فرض کرتا ہے

جسے سرانجام دینے کی وہ طاقت رکھتا ہے۔ فرمایا: ﴿لَا يُكَلِّفُ اللَّهُ نَفْسًا إِلَّا مَا آتَاهَا﴾ (الطلاق: ۷/۶۵)

”اللہ کسی شخص کو تکلیف نہیں دیتا مگر صرف اسی کے مطابق جو اس کو عطا کیا ہے۔ فرمایا: ﴿وَمَا جَعَلْنَا عَلَيْكُمْ فِي

الَّذِينَ مِنَ حَرْجٍ﴾ (الحج: ۷۸/۲۲) اور (اللہ تعالیٰ نے) تم پر دین میں کوئی تکلیف نہیں رکھی۔ فرمایا: ﴿فَاتَّقُوا اللَّهَ مَا

اسْتَطَعْتُمْ﴾ (التغابن: ۱/۶۱۶) ”پس جہاں تک طاقت ہو اللہ سے ڈرتے رہو۔ پس معلوم ہوا کہ عاجز ہونے کی

صورت میں واجب کی ادائیگی لازم نہیں اور نہ اضطراری صورت حال میں محرمات سے اجتناب واجب رہتا ہے۔

﴿أُولَئِكَ﴾ ایسے ہی لوگ، یعنی ایمان اور عمل صالح سے متصف لوگ ﴿أَصْحَابِ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ﴾

”اہل بہشت ہیں اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“ یعنی انہیں جنت سے نکالا نہیں جائے گا اور نہ وہ خود جنت کے بدلے کوئی اور چیز چاہیں گے، کیونکہ انہیں جنت میں انواع و اقسام کی لذتیں حاصل ہوں گی، تمام خواہشات پوری ہوں گی، انہیں کوئی روک ٹوک نہ ہوگی اور اس سے بلند تر کسی مقام کی طلب نہ ہوگی۔ ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ﴾ اور نکال لیں گے ہم جو کچھ ان کے دلوں میں خفگی ہوگی، یہ اہل جنت پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم اور احسان ہوگا کہ دنیا میں ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف جو کینہ اور بغض اور ایک دوسرے سے مقابلے کی جو رغبت موجود تھی، اللہ تعالیٰ اس کو زائل اور ختم کر دے گا یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے سے محبت کرنے والے بھائی اور باصفا دوست ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَنَزَعْنَا مَا فِي صُدُورِهِمْ مِنْ غِلٍّ إِخْوَانًا عَلَىٰ سُرُرٍ مُّتَقَابِلِينَ﴾ (الحجر: ۴۷/۱۵) ”اور ان کے دلوں میں جو کینہ اور کدورت ہوگی ہم اسے نکال دیں گے اور وہ بھائی بھائی بن کر تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے بیٹھیں گے۔“ اللہ تعالیٰ ان کو اکرام و تکریم عطا کرے گا جس پر ہر ایک کو خوشی اور مسرت ہوگی اور ہر ایک یہی سمجھے گا کہ جو نعمتیں اسے عطا ہوئی ہیں ان سے بڑھ کر کوئی اور نعمت نہیں اس لیے وہ حسد اور بغض سے محفوظ و مامون رہیں گے، کیونکہ حسد اور بغض کے تمام اسباب منقطع ہو جائیں گے۔ ﴿تَجْرِي مِنْ تَحْتِهِمُ الْأَنْهَارُ﴾ بہتی ہوں گی ان کے نیچے نہریں، یعنی وہ جب چاہیں گے اور جہاں چاہیں گے نہریں نکال لیں گے۔ اگر وہ یہ نہریں اپنے محلات میں لے جانا چاہیں یا اپنے بلند و بالا خانوں میں یا پھولوں سے سجے ہوئے باغات کی روشوں میں لے جانا چاہیں تو لے جائیں گے۔ یہ ایسی نہریں ہوں گی جن میں گڑھے نہیں ہوں گے اور بھلائیاں ہوں گی جن کی کوئی حد نہ ہوگی۔

﴿وَأُورِثُهَا﴾ اور اس لیے جب وہ اللہ تعالیٰ کے انعام و اکرام کو دیکھیں گے ﴿قَالُوا الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا﴾ ”کہیں گے کہ اللہ کا شکر ہے جس نے ہمیں یہاں کا راستہ دکھایا۔“ یعنی وہ پکاراٹھیں گے ہر قسم کی تعریف اللہ تعالیٰ کے لیے ہے جس نے ہم پر احسان فرمایا، ہمارے دلوں میں الہام فرمایا اور اس پر ایمان لے آئے اور ایسے اعمال کئے جو نعمتوں کے اس گھر تک پہنچاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے ایمان و اعمال کی حفاظت کی حتیٰ کہ اس نے ہمیں اس جنت میں داخل کر دیا۔ بہت ہی اچھا ہے وہ رب کریم جس نے ہمیں نعمتیں عطا کیں، ظاہری اور باطنی اتنی نعمتوں سے نوازا کہ کوئی ان کو شمار نہیں کر سکتا۔ ﴿وَمَا كُنَّا لِنَهْتَدِيَ لَوْلَا أَنَّ هَدَانَا اللَّهُ﴾ ”اور اگر اللہ ہم کو راستہ نہ دکھاتا تو ہم راستہ نہ پاسکتے۔“ اگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں اپنی ہدایت اور اتباع رسل سے نوازا ہوتا تو ہمارے نفوس میں ہدایت کو قبول کرنے کی قابلیت نہ تھی۔ ﴿لَقَدْ جَاءَتْ رُسُلٌ رَبِّنَا بِالْحَقِّ﴾ ”یقیناً لائے تھے ہمارے رب کے رسول سچی بات“ یعنی جب وہ ان نعمتوں سے متمتع ہو رہے ہوں گے جن کے بارے میں انبیاء و مرسلین نے خبر دی تھی اور یہ خبر ان کے لیے علم الیقین کے بعد حق الیقین بن گئی۔ وہ کہیں گے کہ ہمارے سامنے یہ

بات متحقق ہوگئی اور ہم نے ہر وہ چیز دیکھ لی ہے جس کا انبیاء و رسل نے ہمارے ساتھ وعدہ کیا تھا اور یہ حقیقت بھی واضح ہوگئی کہ وہ سب کچھ حق البقین ہے جو انبیاء و مرسلین لے کر مبعوث ہوئے۔ جس میں کوئی شک و شبہ اور کوئی اشکال نہیں۔

﴿وَنُودُوا﴾ اور منادی کر دی جائے گی۔“ تہنیت و اکرام اور سلام و احترام کے طور پر انہیں پکارا جائے گا ﴿اَنْ تَلْكُمُ الْجَنَّةُ اَوْ تَمُوها﴾ یہ جنت ہے وارث ہوئے تم اس کے، یعنی تم اس کے وارث ہو اور یہ تمہاری جاگیر ہے؛ جب کہ جہنم کافروں کی جاگیر ہوگی۔ ﴿بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُونَ﴾ اپنے اعمال کے بدلے میں، سلف میں سے کسی نے فرمایا ہے کہ اہل جنت اللہ تعالیٰ کے عفو کی وجہ سے جہنم سے نجات پائیں گے، اس کی رحمت کی بنا پر جنت میں داخل ہوں گے اور اپنے اعمال کے بدلے اس کے وارث بنیں گے اور اس کی منازل کو باہم تقسیم کریں گے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی ہے بلکہ اس کی رحمت کی بلند ترین نوع ہے۔

وَنَادَىٰ اصْحَابُ الْجَنَّةِ اصْحَابَ النَّارِ اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا

اور پکار کر کہیں گے جنتی، دوزخیوں کو کہ تحقیق پایا ہم نے جو وعدہ کیا تھا ہم سے ہمارے رب نے

حَقًّا فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا قَالُوا نَعَمْ فَاذَنْ مُّوَدِّنٌ

سچا تو کیا پایا ہے تم نے بھی جو وعدہ کیا تھا تمہارے رب نے تم سے سچا؟ کہیں گے وہ ہاں پھر اعلان کرے گا ایک اعلان کر نیوالا

بَيْنَهُمْ اَنْ لَّعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۷﴾ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنِ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اور میان ان کے کہ لعنت ہے اللہ کی اوپر ظالموں کے وہ لوگ جو روکتے تھے اللہ کی راہ سے

وَيَبْغُوْنَهَا عَوْجًا وَهُمْ بِالْآخِرَةِ كٰفِرُوْنَ ﴿۲۸﴾

اور تلاش کرتے تھے اس میں کجی اور وہ ساتھ آخرت کے کفر کرنے والے تھے ○

اللہ تعالیٰ یہ ذکر کرنے کے بعد کہ اہل ایمان اور کفار جنت اور جہنم میں اپنے اپنے ٹھکانوں میں داخل ہو جائیں گے اور وہاں سب کچھ ویسا ہی پائیں گے جیسا انبیاء و رسل نے ان کو خبر دی تھی اور جیسا کہ ثواب و عقاب کے بارے میں انبیاء کی لائی ہوئی کتابوں میں تحریر تھا فرماتا ہے کہ اہل جنت جنہمیوں کو پکار کر کہیں گے: ﴿اَنْ قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا﴾ کہ جو وعدہ ہمارے رب نے ہم سے کیا تھا ہم نے تو اسے سچا پایا۔“ جب اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے اور نیک عمل کرنے پر جنت کا وعدہ کیا تو ہم نے اس کے وعدہ کو سچا پایا، اس نے ہمیں جنت میں داخل کر دیا ہم نے وہاں وہ سب کچھ دیکھا جو اس نے ہمارے لیے بیان کیا تھا ﴿فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا﴾ جھلا جو وعدہ تمہارے رب نے تم سے کیا تھا، کیا تم نے بھی اسے سچا پایا؟، یعنی تمہارے کفر اور معاصی پر تمہارے رب نے جو وعدہ کیا تھا کیا تم نے اسے سچا پایا؟

﴿قَالُوا نَعَمْ﴾ "وہ کہیں گے ہاں!" ہم نے اسے سچ پایا۔ پس تمام مخلوق کے سامنے یہ بات واضح ہو جائے گی کہ اللہ تعالیٰ کا وعدہ سچا ہے اور اللہ تعالیٰ کی بات سے زیادہ کس کی بات سچی ہو سکتی ہے؟ تمام شکوک و شبہات دور ہو جائیں گے اور معاملہ حق الیقین بن جائے گا۔ اہل ایمان اللہ تعالیٰ کے وعدے پر خوش ہوں گے، کفار بھلائی سے مایوس ہو جائیں گے۔ وہ اپنے بارے میں خود اقرار کریں گے کہ وہ عذاب کے مستحق ہیں۔

﴿فَإِذَنْ مَوْذَنًا بَيْنَهُمْ﴾ (تو اس وقت) ان میں ایک پکارنے والا پکارے گا۔ پکارنے والا اہل جہنم اور اہل جنت کے درمیان پکار کر کہے گا: ﴿أَنْ لَعْنَةُ اللَّهِ﴾ کہ لعنت ہے اللہ کی یعنی ہر بھلائی سے بُعد اور محرومی ﴿عَلَى الظَّالِمِينَ﴾ "ظالموں پر" کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے اپنی رحمت کے دروازے کھولے مگر انہوں نے اپنے ظلم کی وجہ سے ان سے منہ موڑا، خود اپنے آپ کو بھی اللہ تعالیٰ کے راستے سے روک رکھا اور دوسروں کو بھی اس راستے پر نہ چلنے دیا۔ پس وہ خود بھی گمراہ ہوئے اور دوسروں کو بھی گمراہ کیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ چاہتا ہے کہ اس کا راستہ سیدھا رہے اور اس پر چلنے والے اعتدال کے ساتھ اس پر گامزن رہیں۔ ﴿وَأُزِيهَ كُفَّارًا﴾ "اور وہ کفر سے بے غور ہو جائے" ڈھونڈتے ہیں اس میں کجی، یعنی سیدھے راستے سے ہٹا ہوا ﴿وَهُمْ بِالْآخِرَةِ كَافِرُونَ﴾ "اور وہ آخرت کے منکر تھے" یہی کفر ہے جو راہ راست سے ان کے انحراف کا باعث بنا اور یہی کفر ہے جو نفس کی شہواتِ محرّمہ کو محور بنانے آخرت پر عدم ایمان، عذاب سے عدم خوف اور ثواب سے ناامیدی کا موجب بنا۔ اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اہل ایمان پر سایہ کننا، اس کا فضل ان کے شامل حال اور اس کا احسان ان پر متواتر ہے۔

وَبَيْنَهُمَا حِجَابٌ وَعَلَى الْأَعْرَافِ رِجَالٌ يَعْرِفُونَ كُلًّا بِسِيئَتِهِمْ وَنَادُوا

اور ان کے درمیان پردہ ہوگا اور اوپر اعراف کے کچھ لوگ ہوں گے جو پہچانتے ہوں گے ہر ایک کو انکی خاص علامات سے اور وہ پکاریں گے

أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ سَلِمَ عَلَيْكُمْ لَمْ يَدْخُلُوهَا وَهُمْ يَطْعُونَ ۝ وَإِذَا

جنت والوں کو کہ سلام ہو تم پر نہ داخل ہوئے ہوں گے وہ جنت میں (ابھی تک) اور وہ امید رکھتے ہوں گے ○ اور جب

صُرِفَتْ أَبْصَارُهُمْ تِلْقَاءَ أَصْحَابِ النَّارِ قَالُوا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ

پھیری جائیں گی ان کی آنکھیں طرف دوزخیوں کی تو وہ کہیں گے! اے ہمارے رب! نہ کر تو ہمیں ساتھ

الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ۝ وَنَادَى أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُمْ

ظالم لوگوں کے ○ اور پکار کر کہیں گے اعراف والے کچھ ایسے لوگوں کو جنہیں وہ پہچانتے ہوں گے

بِسِيئَتِهِمْ قَالُوا مَا أَغْنَىٰ عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تُسْتَكْبِرُونَ ۝

ان کی خاص علامات سے کہیں گے کہ نہیں فائدہ دیا تمہیں تمہارے جتھے نے اور (نہ اس نے) جو تمہے تم تکبر کرتے ○

أَهْوَالَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ أَدْخُلُوا الْجَنَّةَ

کیا یہی وہ لوگ ہیں جنکی بابت قسمیں کھاتے تھے تم کہ نہیں پہچائے گا انکو اللہ رحمت (ان سے تو کہہ دیا گیا) داخل ہو جاؤ تم جنت میں

لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ ﴿۳۹﴾

نہیں ہے کوئی خوف تم پر اور نہ تم غمگین ہو گے ○

یعنی اہل جنت اور اہل جہنم کے درمیان ایک حجاب ہوگا جسے ”مقام اعراف“ کہا جائے گا۔ یہ مقام جنت میں شامل ہوگا نہ جہنم میں۔ اس مقام سے جنت اور جہنم دونوں میں جھانکا جاسکے گا اور جنتیوں اور جہنمیوں کے احوال کو دیکھا جاسکے گا۔ اس مقام اعراف میں کچھ لوگ ہوں گے جو اہل جنت اور اہل جہنم کو ان کی ان علامات کے ذریعے سے پہچانتے ہوں گے جو ان کی امتیازی علامات ہیں۔ جب وہ اہل جنت کی طرف دیکھیں گے تو پکار کر کہیں گے ﴿أَنْ سَلِمَ عَلَيْكُمْ﴾ ”سلامتی ہے تم پر“ یعنی وہ ان پر سلام کہیں گے۔ وہ ابھی تک جنت میں داخل نہیں ہوئے ہوں گے البتہ وہ جنت میں داخلے کے امیدوار ہوں گے اور اللہ تعالیٰ ان کے دلوں میں امید تب ہی جاگزیں کرتا ہے جب وہ ان کو اپنی تکریم سے نوازنے کا ارادہ کرتا ہے۔ ﴿وَرِذَّاصٌ لِلَّذِينَ أَحْسَبُ النَّارَ﴾ ”اور جب ان کی نظر اہل جہنم کی طرف جائے گی“ تو ان کو بہت ہی ہولناک اور قبیح منظر دیکھنے کو ملے گا۔ تو وہ پکار اٹھیں گے ﴿رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ﴾ ”اے ہمارے رب ہم کو ظالموں کے ساتھ نہ کرنا“ اہل اعراف جب اہل جنت کو دیکھیں گے تو وہ بھی جنت میں ان کی معیت کی خواہش کریں گے اور وہ ان کو تحیہ و سلام پیش کریں گے اور جب غیر اختیاری طور پر ان کی نظریں اہل جہنم کی طرف اٹھیں گی تو وہ عمومی طور پر ان کی حالت سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کریں گے۔

عمومی ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے خصوصی ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَنَادَى الْأَعْرَافُ رَجَالًا لَا يَعْرفُونَهُمْ﴾ ”اور اعراف والے پکاریں گے ان لوگوں کو کہ ان کو پہچانتے ہوں گے ان کی نشانی سے“۔ اور وہ اہل جہنم ہوں گے وہ دنیا میں شرف و آبرو اور مال و اولاد والے تھے۔۔۔ ان کو اکیلے عذاب میں مبتلا دیکھ کر کہ اب ان کا کوئی حامی و ناصر نہیں۔۔۔ کہیں گے: ﴿مَا آغْفِي عَنْكُمْ جَعَلَكُمْ﴾ ”آج تمہاری جماعت تمہارے کچھ کام نہ آئی۔“ یہاں تمہارے وہ جتھے کام نہ آئے جن کی مدد سے دنیا میں اپنی تکالیف دور کیا کرتے تھے۔ دنیاوی مطالب کے حصول کے لیے ان کو وسیلہ بنایا کرتے تھے۔ آج ہر چیز مضحک ہوگئی اور کچھ بھی تمہارے کام نہ آیا اور اسی طرح حق‘ حق لانے والے اور حق کی اتباع کرنے والوں کے مقابلے میں تمہارے تکبر نے تمہیں کیا فائدہ دیا؟ پھر وہ اہل جنت کی طرف‘ جو دنیا میں کمزور و ناتواں اور محتاج ہوا کرتے تھے۔۔۔ اشارہ کر کے اہل جہنم سے کہیں گے ﴿أَهْوَاءٍ﴾ ”اب یہ وہی ہیں“ یعنی جن کو اللہ تعالیٰ نے جنت میں داخل کیا ﴿الَّذِينَ أَقْسَمْتُمْ لَا يَنَالُهُمُ اللَّهُ بِرَحْمَةٍ﴾ ”جن کے بارے میں تم قسمیں کھایا کرتے تھے کہ اللہ اپنی رحمت سے ان کی دستگیری نہیں کرے گا۔“ یعنی تم لوگ اہل ایمان کے ساتھ نفرت اور حقارت کا اظہار کرتے ہوئے نہایت خود پسندی کے ساتھ قسمیں اٹھا کر کہا کرتے

تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی رحمت سے نہیں نوازے گا۔ اب تم اپنی قسموں میں جھوٹے ہو گئے ہو۔ اس چیز کی حقیقت تمہارے سامنے اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دی ہے جسے تم کسی شمار میں نہیں لایا کرتے تھے۔

﴿أَدْخُلُوا الْجَنَّةَ﴾ تم جنت میں داخل ہو جاؤ۔ یعنی اپنے اعمال کے صلہ میں جنت میں داخل ہو جاؤ یعنی کمزور اور ناتواں لوگوں کو اکرام و احترام کے ساتھ کہا جائے گا کہ اپنے نیک اعمال کی جزا کے طور پر جنت میں داخل ہو جاؤ ﴿لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمْ﴾ مستقبل میں تمہیں کسی تکلیف کا خوف نہ ہوگا ﴿وَلَا أَنْتُمْ تَحْزَنُونَ﴾ اور جو کچھ گزر گیا ہے تم اس پر غمزدہ نہیں ہو گے۔ بلکہ تم محفوظ و مامون، مطمئن اور ہر بھلائی پر فرحاں و شاداں ہو گے۔ اس کی نظیر اللہ تبارک و تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے! ﴿إِنَّ الَّذِينَ أَجْرَمُوا كَانُوا مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا يَضْحَكُونَ ۖ وَإِذَا امْرَأُوهُمْ يَتَغَامَزُونَ ۖ وَإِذَا انْقَلَبُوا إِلَىٰ أَهْلِهِمْ انْقَلَبُوا فَكِهِينَ ۖ وَإِذَا رَأَوْهُمْ قَالُوا إِنَّ هَؤُلَاءِ لَضَائِقُونَ ۖ وَمَا أَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ حَفِظِينَ ۖ قَالَ يَوْمَ الَّذِينَ آمَنُوا مِنَ الْكُفَّارِ يَضْحَكُونَ ۖ عَلَىٰ الْأَرَابِكِ يُنظَرُونَ﴾ (المطففين: ۲۹/۸۳-۳۵) ”وہ مجرم جو دنیا میں اہل ایمان پر ہنسا کرتے تھے جب ان کے پاس سے گزرتے تو حقارت سے اشارے کیا کرتے تھے اپنے گھر واپس لوٹنے تو اکڑنوں کے ساتھ اترتے ہوئے لوٹتے اور جب اہل ایمان کو دیکھتے تو کہتے یہ تو گمراہ ہیں۔ حالانکہ وہ ان پر نگران بنا کر نہیں بھیجے گئے تھے۔ آج اہل ایمان کافروں پر نہیں گے اور اپنے تختوں پر بیٹھے کافروں کا حال دیکھ رہے ہوں گے۔“

اہل علم اور مفسرین میں اس بارے میں اختلاف ہے کہ اصحاب اعراف سے کیا مراد ہے اور ان کے اعمال کیا ہیں۔ اس بارے میں صحیح مسلک یہ ہے کہ اصحاب اعراف وہ لوگ ہیں جن کی نیکیاں اور برائیاں برابر ہوں گی۔ نہ تو ان کی برائیاں زیادہ ہوں گی جس کی بنا پر وہ جہنم میں داخل ہو جائیں اور نہ ان کی نیکیاں زیادہ ہوں گی کہ جنت میں داخل ہو جائیں۔ پس جب تک اللہ چاہے گا یہ لوگ مقام اعراف میں قیام کریں گے پھر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے انہیں جنت میں داخل کرے گا کیونکہ اس کی رحمت اس کے غضب پر سبقت کرتی اور غالب آتی ہے اور اس کی رحمت ہر چیز پر سایہ کننا ہے۔

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ أَصْحَابَ الْجَنَّةِ أَنْ افِضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا

اور پکار کر کہیں گے دوزخی جنٹیوں کو یہ کہ ڈالو تم ہم پر کچھ پانی سے یا (پھینکو) کچھ اس میں سے جو

رَزَقَكُمُ اللَّهُ ۗ قَالُوا إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهَا عَلَىٰ الْكٰفِرِينَ ۗ الَّذِينَ اتَّخَذُوا

رزق دیا ہے تمہیں اللہ نے، کہیں گے جنتی ایک اللہ نے حرام کر دی ہیں یہ دونوں چیزیں اوپر کافروں کے ۙ وہ لوگ جنہوں نے بنا لیا

دِينَهُمْ لَهُمْ ۗ وَاعْبَاءً ۗ وَغَرَّتُهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا ۗ فَاَلْيَوْمَ نَنسِفُهُمْ كَمَا نَسُوا

اپنے دین کو تماشہ اور کھیل اور دھوکے میں ڈالے رکھا انکو زندگی دنیا نے، پس آج ہم بھلا دیں گے انہیں جیسے بھلا دیا تھا انہوں نے

لِقَاءِ يَوْمِهِمْ هَذَا وَمَا كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ ﴿٥١﴾ وَلَقَدْ جِئْتَهُمْ بِكِتَابٍ

ملاقات کو اپنے اس دن کی اور جو تھے وہ ہماری آیات کا انکار کرتے اور البتہ تحقیق لائے ہم ان کے پاس ایسی کتاب کہ

فَصَلَّنَاهُ عَلَىٰ عِلْمٍ هُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿٥٢﴾ هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ ۗ

مفصل بیان کیا ہم نے اسکو سادہ علم کے وہدایت اور رحمت ہے ان لوگوں کیلئے جو ایمان لاتے ہیں انہیں انتظار کرتے وہ مگر اسکا انجام (قیامت) کا

يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلَهُ يَقُولُ الَّذِينَ نَسُوهُ مِنْ قَبْلُ قَدْ جَاءَتْ رُسُلُ رَبِّنَا

جس دن آئے گا انجام اس کا تو کہیں گے وہ لوگ جو بھولے ہوئے تھے اس کو اس سے پہلے تحقیق آئے تھے رسول ہمارے رب کے

بِالْحَقِّ ۗ فَهَلْ لَنَا مِنْ شَفْعَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا أَوْ نُرَدُّ فَنَعْمَلْ غَيْرَ الَّذِي كُنَّا

ساتھ حق کے پس کیا ہمارے لیے کوئی سفارشی ہیں کہ وہ سفارش کریں ہمارے لیے یا لوٹا دیئے جائیں ہم تو عمل کریں گے علاوہ انکے جو تھے

نَعْمَلُ ۗ قَدْ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٥٣﴾

ہم (پہلے) عمل کرتے، تحقیق خسارے میں ڈالا انہوں نے اپنے آپ کو اور گم ہو گیا ان سے جو تھے وہ افتراء باندھتے

جب اہل جہنم کو عذاب پوری طرح گھیر لے گا جب وہ بے انتہا بھوک اور انتہائی تکلیف دہ پیاس میں مبتلا

ہوں گے تو وہ اہل جنت کو پکار کر مدد کے لیے بلائیں گے اور کہیں گے: ﴿أَفِيضُوا عَلَيْنَا مِنَ الْمَاءِ أَوْ مِمَّا رَزَقَكُمُ

اللَّهُ﴾ ”بہاؤ ہم پر تھوڑا سا پانی یا کچھ اس میں سے جو روزی دی تم کو اللہ نے“ یعنی اللہ تعالیٰ نے جو کھانا تمہیں عطا کیا

ہے اہل جنت ان کو جواب میں کہیں گے: ﴿إِنَّ اللَّهَ حَرَّمَهَا﴾ ”اللہ نے ان دونوں کو حرام کر دیا ہے“ یعنی جنت کا پانی

اور کھانا ﴿عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ ”کافروں پر۔“ یہ سب کچھ اس پاداش میں ہے کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی آیات کا انکار

کیا اور انہوں نے اس دین کو۔۔۔ جس پر قائم رہنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا اور اس پر انہیں بڑے اجر کا وعدہ کیا گیا

تھا، کھیل تماشہ بنا لیا ﴿لَهُمْ وَأَلْعَابٌ﴾ ”تماشا اور کھیل“ یعنی ان کے دل غافل اور دین سے گریزاں تھے اور انہوں نے

دین کا تمسخر اڑایا۔ یا اس کے معنی یہ ہیں کہ انہوں نے دین کے بدلے لہو و لعب کو اختیار کر لیا اور دین قیم کے عوض لہو

و لعب کو چن لیا۔

﴿وَعَذَّتْهُمْ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا﴾ ”اور دنیا کی زندگی نے انہیں دھوکے میں ڈال دیا“ یعنی دنیا نے اپنی زیب و زینت سے

اور دنیا کی طرف بلانے والوں کی کثرت نے انہیں دھوکے میں ڈال دیا۔ پس وہ دنیا سے مطمئن ہو کر اس سے خوش

اور راضی ہو گئے اور آخرت سے منہ موڑ کر اسے بھول گئے ﴿قَالِ يَوْمَ نُنسَهُمْ﴾ ”پس آج ہم ان کو بھلا دیں گے“ یعنی

انہیں عذاب میں چھوڑے دے رہے ہیں ﴿كَمَا نَسُوا لِقَاءَ يَوْمِهِمْ هَذَا﴾ ”جیسا انہوں نے بھلا دیا اس دن کے

ملنے کو“ گویا کہ وہ صرف دنیا ہی کے لیے پیدا کئے گئے ہیں ان کے سامنے کوئی مقصد اور کوئی جزا نہیں ﴿وَمَا

كَانُوا بِآيَاتِنَا يَجْحَدُونَ﴾ ”اور جیسا کہ وہ ہماری آیتوں کے منکر تھے“۔

حال یہ ہے کہ ان کا یہ کفر و جحود اس بنا پر نہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات اور اس کی روشن دلیلوں کو سمجھنے سے قاصر تھے ﴿جَنَّهُمْ بِكُتُبٍ قَدِ اسْتَلْنَاهُ﴾ ”ہم نے ان کے پاس کتاب پہنچا دی ہے جس کو کھول کھول کر بیان کر دیا ہے۔“ بلکہ ہم تو ان کے پاس ایک ایسی کتاب لے کر آئے جس میں ہم نے وہ تمام مطالب کھول کھول کر بیان کر دیئے ہیں مخلوق جن کی محتاج ہوتی ہے ﴿عَلَىٰ عِلْمٍ﴾ ”خبر داری سے“ یعنی ہر زمان و مکان میں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے احوال کا علم رکھتا ہے کہ ان کے لیے کیا درست ہے اور کیا درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا کھول کھول کر بیان کرنا اس ہستی کا سائیں جو معاملات کا علم نہیں رکھتی اور بعض احوال اس سے اوجھل رہ جاتے ہیں اور اس سے کوئی نامناسب فیصلہ ہو جاتا ہے۔ بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا بیان کرنا اس ہستی کا سا ہے جس کا علم ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے ہے اور جس کی رحمت ہر چیز پر سایہ کننا ہے۔ ﴿هُدًى وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ﴾ ”اور وہ مومنوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے۔“ یعنی اس کتاب کے ذریعے سے اہل ایمان کے لیے گمراہی میں سے ہدایت واضح ہو جاتی ہے۔ حق و باطل اور رشد و ضلالت کے درمیان فرق واضح اور نمایاں ہو جاتا ہے، نیز وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے مستحق بن جاتے ہیں اور یہ دنیا و آخرت میں بھلائی اور سعادت کا نام ہے اور ان سے اس رحمت کے ذریعے سے گمراہی اور شقاوت دور ہو جاتی ہے۔

وہ لوگ جو عذاب کے مستحق ٹھہرے وہ اس عظیم کتاب پر ایمان نہ لائے تھے اور انہوں نے اس کے اوامر و منہیات کے احکام کی تعمیل نہیں کی تھی اب ان کے لیے کوئی چارہ سوائے اس کے نہیں رہا کہ وہ اس عذاب کے مستحق ہوں اور وہ عذاب ان پر ٹوٹ پڑے جس کے بارے میں قرآن نے آگاہ فرمایا تھا۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿هَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا تَأْوِيلَهُ﴾ ”کیا اب وہ اسی کے منتظر ہیں کہ اس کا مضمون ظاہر ہو جائے“ یعنی کیا وہ اس امر کے واقع ہونے کا انتظار کر رہے ہیں جس کی خبر دی گئی ہے جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے اس وقت فرمایا تھا جب ان کا خواب سچا ہو گیا ﴿هَذَا تَأْوِيلُ رُءْيَايَ مِنْ قَبْلُ﴾ (یوسف: ۱۰۰/۱۲) ”یہ حقیقت ہے میرے خواب کی جو اس سے قبل میں نے دیکھا“ فرمایا: ﴿يَوْمَ يَأْتِي تَأْوِيلَهُ يَقُولُ الَّذِينَ نَسُوهُ مِنْ قَبْلُ﴾ ”جس دن ظاہر ہو جائے گا اس کا مضمون“ کہنے لگیں گے وہ لوگ جو اس کو بھول رہے تھے پہلے سے ”یعنی جو کچھ بیت گیا ہے اس پر ندامت اور تاسف کا اظہار کرتے ہوئے اپنے گناہوں کی بخشش کے لیے سفارش تلاش کرتے ہوئے اور اس چیز کا اقرار کر کے جسے لے کر انبیا و مرسلین مبعوث ہوئے۔ کہیں گے: ﴿قَدْ جَاءَتْ رُسُلٌ رَبَّنَا بِالْحَقِّ فَهَلْ لَنَا مِنْ شَفَعَاءَ فَيَشْفَعُوا لَنَا أَوْ نُرَدُّ﴾ ”بے شک لائے تھے ہمارے سب کے رسول سچے بات سوا ب کوئی ہماری سفارش کرنے والے ہیں تو ہماری سفارش کریں یا ہم لوٹا دیئے جائیں“ ﴿فَنَعْمَلْ غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ﴾ ”تو ہم عمل کریں خلاف اس کے جو ہم کر رہے تھے“ حالانکہ دنیا کی طرف واپس لوٹنے کا وقت گزر چکا ہے ﴿فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشُّفَعَاءِ﴾ (المدثر: ۴۸/۷۴)

”پس سفارش کرنے والوں کی سفارش ان کے کسی کام نہیں آئے گی۔“ ان کی دنیا میں واپس لوٹنے کی التجا، تاکہ وہ نیک عمل کر سکیں، محض جھوٹ ہے ان کا مقصد تو محض اس عذاب کو دور کرنا ہے جو ان پر وارد ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ﴾ (الانعام: ۲۸۱۶) ”اگر انہیں دنیا میں دوبارہ بھیج بھی دیا جائے تو یہ وہی کام کریں گے جن سے ان کو روکا گیا ہے۔ بے شک یہ جھوٹے ہیں۔“

﴿قَدْ خَسِرُوا أَنفُسَهُمْ﴾ ”بے شک نقصان میں ڈالا انہوں نے اپنے آپ کو“ جب کہ وہ منافع سے محروم ہو گئے اور ہلاکت کی راہوں پر جانٹکے۔ یہ خسارہ مال اور اثاثوں یا اولاد کا خسارہ نہیں بلکہ یہ تو ایسا خسارہ ہے کہ متاثرین کے لیے اس کی کوئی تلافی ہی نہیں۔ ﴿وَضَلَّ عَنْهُمْ مَأْكَاؤُا يَفْتَرُونَ﴾ ”اور گم ہو جائے گا ان سے جو وہ افتراء کیا کرتے تھے“ یعنی دنیا میں اپنی خواہشات نفس اور شیطان کے وعدوں کے مطابق بہتان طرازی کیا کرتے تھے اور اب ان کے سامنے وہ کچھ آ گیا جو ان کے کسی حساب ہی میں نہ تھا۔ ان کے سامنے ان کا باطل اور گمراہی اور انبیاء مرسلین علیہم السلام کی صداقت روز روشن کی طرح واضح ہو گئی۔

إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَىٰ

یقیناً تمہارا رب وہ اللہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پھر وہ مستوی ہو گیا

عَلَى الْعَرْشِ يُغْشَىٰ الْيَلَّ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ

اور عرش کے وہ ڈھانپتا ہے رات سے دن کو طلب کرتی ہے (رات) اس (دن) کو جلدی جلدی اور (پیدا کئے) سورج اور چاند اور تارے

مُسَخَّرَاتٍ بِأَمْرِهِ ۗ أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ ۗ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ ﴿۵۷﴾

درآسمانیکہ وہ (سب) تابع ہیں اللہ کے حکم کے آگاہ رہو! اسی کیلئے ہے پیدا کرنا اور حکم فرمانا بہت بابرکت ہے اللہ رب جہانوں کا ○

اللہ تبارک و تعالیٰ واضح کرتا ہے کہ وہ اکیلا رب معبود ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ چنانچہ فرماتا ہے: ﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضَ﴾ ”بے شک تمہارا رب وہ اللہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو“ اور جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے زمین و آسمان کی وسعت، ان کی عظمت، ان کے محکم ہونے، ان کے مہارت کے ساتھ بنے ہوئے اور ان کی انوکھی تخلیق کے باوصف ﴿فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ﴾ ”چھ دن میں“ سب کچھ اللہ تعالیٰ نے چھ دن میں پیدا کیا ہے۔ پہلا دن اتوار تھا اور آخری دن جمعہ تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق پوری کر دی اور ان کے اندر اپنے تمام امور و روایت کر دیئے۔ ﴿اسْتَوَىٰ عَلَى الْعَرْشِ﴾ ”وہ عرش پر جاٹھرا“، یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ عرش عظیم پر مستوی ہوا اور عرش عظیم تمام آسمانوں، زمین اور جو کچھ ان کے اندر ہے سب پر محیط ہے۔ اللہ تعالیٰ عرش عظیم پر اس طرح مستوی ہوا جس طرح اس کے جلال اس کی عظمت اور اس کی سلطنت کے لائق ہے۔ پس وہ عرش پر مستوی ہوا اس کا اقتدار تمام ممالک کو شامل ہے اس نے اپنے تمام احکام تکوینی اور احکام

دینی جاری فرمائے۔ بنا بریں فرمایا: ﴿يَغْشَىٰ اللَّيْلَ﴾ ”اڑھاتا ہے وہ رات کو“ ﴿النَّهَارَ﴾ ”دن پر“ یعنی اندھیری رات روشن دن کو ڈھانپ لیتی ہے اور زمین پر اندھیرا چھا جاتا ہے انسان آرام کرتے ہیں اور مخلوقات اپنے اپنے مسکنوں میں دن بھر کے آنے جانے اور تھکاوٹ سے آرام پاتے ہیں۔ ﴿يَطْلُبُهُ حَثِيثًا﴾ ”کہ وہ اس کے پیچھے لگا آتا ہے دوڑتا ہوا“ جب رات آتی ہے تو دن چلا جاتا ہے اور جب دن آتا ہے تو رات چلی جاتی ہے اور یہ گردش لیل و نہار ہمیشہ جاری رہے گی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس کائنات کی بساط لپیٹ دے گا اور بندے اس جہان فانی سے دوسرے جہان میں منتقل ہو جائیں گے۔ ﴿وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ مَسْحَرَاتٍ بِأَمْرِ﴾ ”اور پیدا کئے سورج چاند اور تارے تابع دار اپنے (اللہ) کے حکم کے“ یعنی سورج چاند اور ستارے اس کی تخیر و تدبیر سے مسخر ہیں جو اس کے اوصاف کمال کی دلیل ہے۔ پس ان کی تخلیق اور ان کا اتنا بڑا ہونا اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر اور اس کائنات کا محکم مضبوط اور منظم ہونا اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر دلالت کرتا ہے اور سورج چاند اور ستاروں میں جو ضروری اور بعض دیگر فوائد اور مصالح رکھے ہیں وہ اس کے بے کراں علم اور بے پایاں رحمت پر دلیل ہیں۔ نیز اس حقیقت پر دلالت کرتے ہیں کہ وہی معبود برحق ہے اور اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں۔

﴿أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ﴾ اسی کے لیے ہے پیدا کرنا بھی اور حکم بھی۔“ یعنی وہی تخلیق کا مالک ہے جس سے تمام مخلوقات مخلوق علوی، مخلوق سفلی، ان کے اعیان، اوصاف اور افعال صادر ہوتے ہیں اور امر کا بھی مالک ہے جو شریعت و نبوت کو متضمن ہے۔ پس ”تخلیق“ اس کے احکام کوئی و قدری کو اور ”امر“ احکام دینی و شرعی کو متضمن ہے اور احکام جزا کا اجرا و دار بقا میں ہوگا ﴿تَبَرَّكَ اللَّهُ﴾ یعنی وہ بلند اور عظمت والا ہے اس کی بھلائی اور احسان بہت زیادہ ہے وہ اپنی ذات کے اعتبار سے بھی اپنی عظمت اوصاف اور کمال صفات کی بنا پر بہت بابرکت ہے اور مخلوق کو بے پایاں بھلائی اور بے شمار نیکی سے نواز کر دوسروں کو بھی برکت عطا کرتا ہے۔ پس اس کائنات میں جو برکات نظر آتی ہیں وہ اس کی رحمت کے آثار ہیں۔ بنا بریں فرمایا: ﴿تَبَرَّكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ ”بڑا بابرکت ہے اللہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔“ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی صفت عظمت و جلال کا ذکر فرمایا جو عقل مندوں کی اس حقیقت کی طرف راہ نمائی کرتی ہے کہ تمام حوائج میں وہی اکیلا معبود مقصود ہے۔ تو اب اس چیز کا حکم دیا جو اس حقیقت پر مرتب ہوتی ہے۔

أَدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ ۝ وَلَا

پکارو تم اپنے رب کو آہ و زاری کرتے ہوئے اور چپکے چپکے تحقیق وہ نہیں پسند کرتا حد سے تجاوز کرنے والوں کو ۝ اور نہ

تفسدوا فی الارض بعد اصلاحها وادعوه خوفاً وطمعاً ان رحمت اللہ

فساد کرو تم زمین میں بعد اس کی اصلاح کے اور پکارو اللہ کو خوف اور طمع کرتے ہوئے یقیناً اللہ کی رحمت

قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ ﴿٥٦﴾

قریب ہے احسان کرنے والوں کے ○

”دعا“ میں دعائے مسئلہ اور دعائے عبادت دونوں شامل ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ وہ اسے پکاریں ﴿تَضَرُّعًا﴾ ”عاجزی سے“، یعنی گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے مانگیں اور جم کر اس کی عبادت کریں۔ ﴿وَخُفْيَةً﴾ ”اور چپکے سے“، یعنی با آواز بلند اور علانیہ نہ گڑگڑائیں جس سے ریا کا خدشہ ہو بلکہ چھپ چھپ کر خالص اللہ تعالیٰ کے لیے آہ وزاری کریں ﴿إِنَّهُ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ﴾ ”وہ حد سے بڑھنے والوں کو دوست نہیں رکھتا“، یعنی تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ یہ بھی حد سے تجاوز ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ سے ایسی چیزوں کا سوال کرے جو بندے کے لیے درست نہیں یا وہ سرے سے سوال کرنا ہی چھوڑ دے یا وہ بہت زیادہ بلند آواز میں دعا مانگے۔ یہ تمام امور تجاوز حد میں شامل ہیں جو ممنوع ہیں۔ ﴿وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ﴾ ”اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ۔“ یعنی اپنی نافرمانیوں کے ذریعے سے زمین میں فساد نہ پھیلاؤ ﴿بَعْدَ إِصْلَاحِهَا﴾ ”اس کی اصلاح کے بعد“، یعنی اطاعت اور نیکی کے ذریعے سے اس کی اصلاح کر لینے کے بعد، کیونکہ معاصی، اخلاق، اعمال اور رزق کو فاسد کر دیتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ﴾ (الروم: ۴۱، ۳۰) ”لوگوں کی بد اعمالیوں کے سبب سے بحر و بر میں فساد پھیل گیا۔“ جیسے نیکیوں سے اخلاق، اعمال، رزق اور دنیا و آخرت کے احوال کی اصلاح ہوتی ہے۔

﴿وَادْعُوهُ خَوْفًا وَطَمَعًا﴾ ”اور اس (اللہ) سے خوف کرتے ہوئے اور امید رکھ کر دعا میں مانگتے رہو۔“ اس کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اور اس کے ثواب کی امید رکھتے ہوئے اسے پکارو، نیز یہ امید بھی رکھو کہ اللہ تعالیٰ اس دعا کو قبول فرمائے گا اور اس بات سے بھی ڈرو کہ کہیں اللہ تعالیٰ دعا کو رد نہ کر دے۔ اس بندے کی طرح دعانہ مانگو جو ناز و ادا کے ذریعے سے اپنے رب کے سامنے جرات اور گستاخی کا مرتکب ہوتا ہے۔ جو خود پسندی کا شکار ہے اور جس نے اپنے نفس کو اس کی اصل حیثیت سے بڑھ کر حیثیت دی ہے اور نہ اس شخص کی طرح دعا مانگو جو غافل دل کے ساتھ دعا مانگتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آداب دعا کے بارے میں جو کچھ ذکر فرمایا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ دعا میں صرف اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص ہو اور دعائے خفی اللہ تعالیٰ کے لیے اخلاص کو متضمن ہے۔ دعا کا چھپانا اور اس کا انخفاء یہ ہے کہ دل اللہ تعالیٰ سے خائف ہو اور اس کے ساتھ ساتھ دعا کی قبولیت کی امید رکھتا ہو، غافل دل کے ساتھ دعانہ کرے اپنے آپ کو مومن نہ سمجھے اور نہ قبولیت دعا کے بارے میں بے پروائی کا اظہار کرے اور یہ چیز دعا میں احسان کا درجہ رکھتی ہے۔ کیونکہ ہر عبادت میں احسان یہ ہے کہ بندہ اس عبادت میں اپنی پوری جدوجہد صرف کر دے اسے نہایت کامل طریقے سے ادا کرے اور کسی طور بھی اس میں نقص واقع نہ ہونے

دے۔ اسی لیے اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِنَّ رَحْمَتَ اللَّهِ قَرِيبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِينَ﴾ اللہ کی رحمت احسان کرنے والوں کے قریب ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مقام احسان پر پہنچنے والے اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آنے والے لوگ۔ پس بندہ جتنا زیادہ احسان کے مقام پر فائز ہوگا اتنی ہی زیادہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے قریب ہوگی۔ اس آیت کریمہ میں احسان کی ترغیب ہے جو مخفی نہیں۔

وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ
اور وہی ہے جو بھیجتا ہے ہوائیں خوشخبری دینے والی پہلے اپنی رحمت سے، یہاں تک کہ جب وہ اٹھاتی ہیں
سَحَابًا ثِقَالًا سُقْنَهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ فَأَخْرَجْنَا بِهِ
بھاری بادل کو تو ہانکتے ہیں ہم انکو ایک شہر مردہ کی طرف پھراتا رہتے ہیں ہم انکے ذریعے پانی پھر نکالتے ہیں ہم انکے ذریعے سے
مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ كَذٰلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿۵۷﴾ وَالْبَلَدُ
ہر طرح کے میوے اسی طرح نکالیں گے ہم مردوں کو (قبروں سے) تاکہ تم نصیحت حاصل کرو ○ اور شہر
الطَّيِّبُ يَخْرُجُ نَبَاتُهُ بِإِذْنِ رَبِّهِ وَالَّذِي خَبثَ لَا يَخْرُجُ إِلَّا
پاکیزہ (عمدہ زمین) نکلتی ہے اس کی انگوری اپنے رب کے حکم سے اور جو (زمین) خراب ہے، نہیں نکلتی (اس کی انگوری) مگر
نَكِدًا كَذٰلِكَ نُصِرُّكَ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ لَّيْشْكُرُونَ ﴿۵۸﴾
ناقص، اسی طرح پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں ہم آیات کو ان لوگوں کے لیے جو شکر کرتے ہیں ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی قدرت اور رحمت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَهُوَ الَّذِي يُرْسِلُ الرِّيحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ﴾ اور وہی ہے جو چلاتا ہے ہوائیں خوشخبری لانے والی اس کی رحمت (بارش) سے پہلے، یعنی وہ ہوائیں جو بارش کی خوشخبری دیتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے حکم سے بادلوں کو زمین سے اٹھاتی ہیں اور مخلوق اللہ تعالیٰ کی اس رحمت کو دیکھ کر خوش ہوتی ہے اور اس کے برسنے سے قبل ان کے دلوں میں خوشی کے کنول کھل اٹھتے ہیں ﴿حَتَّىٰ إِذَا أَقَلَّتْ﴾ یہاں تک کہ جب وہ اٹھالاتی ہیں، یعنی ہوائیں ﴿سَحَابًا ثِقَالًا﴾ بھاری بادلوں کو، بعض ہوائیں ان بادلوں کو اٹھاتی ہیں، بعض دوسری ہوائیں ان کو اکٹھا کرتی ہیں اور کچھ ہوائیں ان کو باردار کرتی ہیں ﴿سُقْنَهُ لِبَلَدٍ مَّيِّتٍ﴾ تو ہانک دیتے ہیں ہم اس (بادل) کو ایک مردہ شہر کی طرف، اس علاقے کے حیوانات ہلاکت کے قریب اور وہاں کے باسی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہو چلے تھے ﴿فَأَنْزَلْنَا بِهِ الْمَاءَ﴾ پھر اس (بادل) سے مینہ برساتے ہیں۔ یعنی اس بادل کے ذریعے سے ہم نے اس مردہ زمین پر خوب پانی برسایا، اللہ تعالیٰ نے ایک ہوا کو مسخر کیا جو بادلوں کو پانی سے لبریز کرتی ہے اور دوسری ہوا اللہ کے حکم سے ان بادلوں کو لخت لخت کر کے بکھیرتی ہے ﴿فَأَخْرَجْنَا بِهِ مِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ﴾ پھر نکالتے ہیں ہم اس سے ہر طرح کے پھل، پس وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت پر

خوش ہو جاتے ہیں اور اس کی بھلائی سے خوب خوب فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ﴿كَذَلِكَ نُخْرِجُ الْمَوْتَى لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ ”اسی طرح ہم نکالیں گے مردوں کو تاکہ تم نصیحت پکڑو“، یعنی جس طرح ہم نے زمین کے مردہ ہونے کے بعد اس کو نباتات کے ذریعے سے زندہ کیا اسی طرح ہم مردوں کو جب وہ اپنی قبروں میں ریزہ ریزہ ہو کر مٹی بن چکے ہوں گے زندہ کریں گے۔ یہ استدلال بہت واضح ہے دونوں امور میں کوئی فرق نہیں۔ زندگی بعد موت کو بعید سمجھتے ہوئے اس کا انکار کرنا۔۔۔۔۔ حالانکہ اس کا انکار کرنے والا اس کے نظائر کا مشاہدہ کرتا ہے۔۔۔۔۔ عناد اور محسوسات کے انکار کے زمرے میں آتا ہے۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو چشم غفلت سے دیکھنے کی بجائے چشم عبرت سے ان میں غور کرنے اور تدبر و تفکر کی ترغیب دی گئی ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان مختلف قطععات زمین میں تفاوت کا ذکر فرمایا ہے جس پر بارش برستی ہے۔ ﴿وَالْبَلَدُ الطَّيِّبُ﴾ ”اور جو شہر پاکیزہ ہے“، یعنی جس کی مٹی اور اصل پاکیزہ ہے جب اس پر بارش اترتی ہے ﴿يَخْرُجُ نَبَاتٌ﴾ ”اس کا سبزہ نکلتا ہے“ جو اس کے لیے تیار ہوتی ہے ﴿بِإِذْنِ رَبِّهِ﴾ ”اس کے رب کے حکم سے“ یہ نباتات اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے سے ظاہر ہوتی ہیں اور جب تک اللہ تعالیٰ کا حکم نہ ہو تو اشیا کے وجود میں اسباب کوئی مستقل حیثیت نہیں رکھتے۔ ﴿وَالَّذِي حَبَّتْ لَآيَخْرُجُ إِلَّا نَكِدًا﴾ ”اور جو خراب زمین ہے اس میں سے خراب اور خسیس نباتات ہی نکلتی ہیں“ جس میں کوئی فائدہ اور کوئی برکت نہیں ہوتی۔ ﴿كَذَلِكَ نُصَرِّفُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَشْكُرُونَ﴾ ”اسی طرح ہم آیتوں کو شکر گزار لوگوں کے لیے پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں۔“، یعنی ہم آیات کی مختلف انواع اور مثالیں ان لوگوں کے سامنے بیان کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اعتراف اور اقرار کر کے اس کے شکر گزار ہوتے ہیں اور ان نعمتوں میں اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق تصرف کرتے ہیں۔ پس یہی لوگ ہیں جو ان احکام اور مطالب الہیہ سے مستفید ہوتے ہیں جن کی اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں تفصیل بیان کی ہے کیونکہ وہ ان احکام الہیہ کو اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت خیال کرتے ہیں جو ان کے رب کی طرف سے ان کے پاس پہنچی ہے اور وہ اپنے آپ کو اس نعمت کا محتاج سمجھتے ہوئے اسے خوشی خوشی قبول کرتے ہیں اور ان احکام میں غور و فکر کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی استعداد کے مطابق ان کے سامنے ان احکام کے معانی بیان کر دیتا ہے۔

یہ دلوں کے لیے ایک مثال ہے جب ان پر وحی الہی کا نزول ہوتا ہے یہ مادہ حیات ہے اور بادل بارش کا مادہ ہے۔ قلوب طاہرہ کے پاس جب وحی آتی ہے تو اسے قبول کرتے ہیں اور اسے سیکھتے ہیں اور اپنی فطرت کی پاکیزگی اور اپنے عنصر کی اچھائی کے مطابق نشوونما پاتے ہیں۔ قلوب خبیثہ جن میں کوئی بھلائی نہیں ہوتی جب ان کے پاس وحی آتی ہے تو وہ قابل قبول مقام محل نہیں پاتی بلکہ وہ انہیں غافل اور روگرداں یا مخالفت کرنے والے پاتی ہے۔ پس اس کی مثال اس بارش کی مانند ہے جو شور زدہ زمین ریت کے ٹیلوں اور چٹانوں پر برستی ہے تو ان پر کوئی اثر

تھے جبکہ وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ ﴿فَقَالَ﴾ نوح ﷺ نے ان سے فرمایا: ﴿يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ﴾ اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو۔ یعنی صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو۔ ﴿مَا لَكُمْ مِّنَ الْاِلٰهِ غَيْرُهُ﴾ اُس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، کیونکہ وہی خالق و رازق اور تمام امور کی تدبیر کرنے والا ہے اور اس کے سوا ہر چیز مخلوق اور اللہ تعالیٰ کی تدبیر و تصرف کے تحت ہے اور کسی معاملے میں اسے کوئی اختیار نہیں۔ پھر انہیں عدم اطاعت کی صورت میں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے ہوئے فرمایا: ﴿اِنَّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴾ میں ڈرتا ہوں تم پر ایک بڑے دن کے عذاب سے، یہ ان کے لیے نوح ﷺ کی خیر خواہی اور شفقت ہے کہ وہ ان کے بارے میں ابدی عذاب اور دائمی بدبختی سے خائف ہیں جیسے ان کے بھائی دیگر انبیاء و مرسلین مخلوق پر ان کے ماں باپ سے زیادہ شفقت رکھتے تھے۔

جب نوح ﷺ نے ان سے یہ بات کہی تو انہوں نے حضرت نوح ﷺ کو بدترین جواب دیا: ﴿قَالَ الْمَلَاۤمِنَ قَوْمٍ﴾ ان کی قوم کے سرداروں نے کہا، یعنی سرداروں اور دولت مند راہنماؤں نے کہا، حق کے سامنے تکبر کرنا اور انبیاء و مرسلین کی اطاعت نہ کرنا ہمیشہ سے ان کی عادت رہی ہے ﴿اِنَّ اِلٰهَكَ رَبُّكَ فِيْ صُلٰبِ قُمِيْنٍ﴾ ہم دیکھتے ہیں تجھ کو صریح بہکا ہوا، انہوں نے اسی پر بس نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ ان کا برا کرے۔ کہ انہوں نے انبیاء و رسل کی اطاعت نہیں کی بلکہ وہ جناب نوح ﷺ سے تکبر کے ساتھ پیش آئے اور ان کی عیب چینی کی اور ان کو گمراہی سے منسوب کیا پھر انہوں نے آں جناب کو مجر و گمراہ کہنے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ ایسی گمراہی سے منسوب کیا جو ہر ایک پر واضح ہوتی ہے۔ یہ انکار حق اور عناد کی بدترین قسم ہے جو کمزور لوگوں میں عقل و فہم نہیں چھوڑتی یہ وصف تو قوم نوح پر منطبق ہوتا ہے جو بتوں کو خدا مانتے ہیں جن کو انہوں نے خود اپنے ہاتھوں سے پتھروں کو تراش کر بنایا ہے۔ جو سن سکتے ہیں نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ ان کے کسی کام آسکتے ہیں۔ انہوں نے ان خداؤں کو وہی مقام دے دیا جو اس کائنات کو پیدا کرنے والے کا مقام ہے اور ان کے تقرب کے حصول کی خاطر مختلف عبادات ان کے لیے مقرر کر دیں۔ اگر ان کا ذہن نہ ہوتا جس کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہوتی ہے تو ان کے بارے میں یہی فیصلہ ہوتا کہ فاتر العقل لوگ ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہیں بلکہ ان سے زیادہ عقل مند ہیں۔

نوح ﷺ نے نہایت لطیف پیرائے میں جواب دیا جو ان میں رقت پیدا کرے شاید کہ وہ اطاعت کرنے لگیں۔ ﴿يَقَوْمِ لَيْسَ بِيْ ضَلٰلَةٌ﴾ اے میری قوم! مجھ میں کسی طرح کی گمراہی نہیں ہے۔ یعنی میں کسی بھی مسئلہ میں کسی طرح بھی گمراہ نہیں ہوں بلکہ میں تو ہدایت یافتہ اور راہ ہدایت دکھانے والا ہوں، بلکہ آنجناب کی راہ نمائی، دیگر اولوالعزم رسولوں کی راہ نمائی کی جنس سے ہے اور راہنمائی کی نہایت اعلیٰ اور کامل ترین نوع ہے اور یہ ہے رسالت کاملہ و تامہ کی راہ نمائی۔ بنا بریں فرمایا ﴿وَلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ لیکن میں تو رسول ہوں رب

العالمین کی طرف سے، یعنی جو میرا تمہارا اور تمام مخلوق کا رب ہے، جو مختلف انواع کی ربوبیت کے ذریعے سے مخلوق کو نوازتا ہے اس کی سب سے بڑی ربوبیت یہ ہے کہ اس نے اپنے بندوں کی طرف اپنے رسول بھیجے جو انہیں اعمال صالحہ، اخلاق حسنہ اور عقائد صحیحہ کا حکم دیتے ہیں اور ان کے منافی اور متضاد امور سے روکتے ہیں۔ ﴿اَبْلَغَكُمْ رِسَالَتِي وَاَنْصَحْ لَكُمْ﴾ پہنچاتا ہوں تم کو پیغام اپنے رب کے اور خیر خواہی کرتا ہوں تمہاری، یعنی میری ذمہ داری نہایت خیر خواہی اور شفقت کے ساتھ تمہیں اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کے اوامر و نواہی و وضاحت کے ساتھ پہنچا دینا ہے۔ ﴿وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ اور میں جانتا ہوں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جو تم نہیں جانتے اس لیے جو چیز متعین ہے وہ یہ ہے کہ تم میری اطاعت کرو اور اگر تم علم رکھتے ہو تو میرے حکم کی تعمیل کرو۔

﴿اَوْ عَجِبْتُمْ اَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ﴾ کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آئی، یعنی تم اس حالت پر کیوں کر تعجب کرتے ہو جس پر تعجب نہیں ہونا چاہئے وہ یہ کہ تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک شخص کے ذریعے سے، جس کی حقیقت، صداقت اور حال سے تم واقف ہو اللہ تعالیٰ کی طرف سے یاد دہانی، نصیحت اور خیر خواہی آئی؟ یہ صورت حال تم پر اللہ تعالیٰ کی عنایت اور اس کا احسان ہے جس کو شکرگزاری کے ساتھ قبول کیا جانا چاہئے۔ ﴿لِيُنذِرَكُمْ وَلِتَتَّقُوا وَاَعْلَمَكُمْ تُرْحَمُونَ﴾ تاکہ وہ تمہیں ڈرائے اور تاکہ تم پر ہیزار بنو اور تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ یعنی تاکہ وہ تمہیں دردناک عذاب سے ڈرائے اور تاکہ تم ظاہری اور باطنی طور پر تقویٰ پر عمل کر کے اپنے لیے نجات کے اسباب مہیا کرو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بے پایاں رحمت حاصل ہوتی ہے۔

مگر ان کی بابت نوح علیہ السلام کی کوششیں کامیاب نہ ہوئیں ﴿فَكَذَّبُوهُ فَاَنْجَيْنَاهُ وَاَلَّذِيْنَ مَعَهُ فِى الْفُلْكِ﴾ ”پس انہوں نے اس کو جھٹلایا، پھر ہم نے بچالیا اس کو اور ان کو جو اس کے ساتھ تھے کشتی میں، یعنی اس کشتی میں ان کو نجات دی جس کو بنانے کا اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کو حکم دیا تھا اور ان کی طرف وحی فرمائی کہ وہ تمام حیوانات میں سے ایک ایک جوڑا اپنے گھر والوں اور اپنے ساتھی اہل ایمان کو اس کشتی میں سوار کر لیں۔ انہوں نے ان سب کو سوار کر لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کشتی کے ذریعے سے ان کو نجات دی۔ ﴿وَاَعْرَفْنَا الَّذِيْنَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عٰمِيْنَ﴾ اور غرق کر دیا ان کو جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتوں کو بے شک وہ لوگ اندھے تھے، یعنی وہ ہدایت سے اندھے تھے، انہوں نے حق کو دیکھ لیا تھا، اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ السلام کے ہاتھ پر ان کو ایسی ایسی کھلی نشانیاں دکھائی تھیں کہ عقلمند لوگ ان پر ایمان لے آتے ہیں مگر انہوں نے حضرت نوح علیہ السلام کا تمسخر اڑایا، آنجناب کے ساتھ گستاخی سے پیش آئے اور ان کا انکار کیا۔

وَالِى عَادِ أَخَاهُمْ هُودًا ۱ قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ ۲
اور (ہیچا ہم نے) طرف عاد کی انکے بھائی ہود کو اس نے کہا اے میری قوم! عبادت کرو تم اللہ کی نہیں ہے تمہارے لیے کوئی معبود سوائے اسکے
أَفَلَا تَتَّقُونَ ۳ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ إِنَّا لَنَرُّكَ فِي
کیا پس نہیں ڈرتے تم؟ ۳ کہا ان چودھریوں نے جنہوں نے کفر کیا تھا اس کی قوم میں سے بلاشبہ ہم البتہ دیکھتے ہیں تجھے
سَفَاهَةً وَإِنَّا لَنُظُنُّكَ مِنَ الْكٰذِبِينَ ۴ قَالَ يَقَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ
بیوقوفی میں اور یقیناً ہم گمان کرتے ہیں تجھے جھوٹوں میں سے ۴ کہا (ہود نے) اے میری قوم! نہیں ہے میرے ساتھ بیوقوفی
وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعٰلَمِينَ ۵ اٰبَلِغْكُمْ رِسٰلَتِ رَبِّيْ وَاَنَا لَكُمْ
لیکن میں تو رسول ہوں رب العالمین کی طرف سے ۵ پہنچاتا ہوں تمہیں پیغامات اپنے رب کے اور میں تمہارے لیے
نٰصِحٌ اٰمِيْنٌ ۶ اَوْ عَجِبْتُمْ اَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ
خیر خواہ ہوں امین ہوں ۶ کیا تعجب کرتے ہو تم اس بات سے کہ آئی تمہارے پاس نصیحت تمہارے رب کی طرف سے اوپر ایسے آدمی کے
مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ وَاذْكُرُوْا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ
جو تم ہی میں سے ہے تاکہ ڈرائے وہ تمہیں اور یاد کرو جبکہ اس نے بنایا تمہیں ایک دوسرے کا جانشین بعد قوم نوح کے
وَازٰدَكُمْ فِى الْخَلْقِ بَصۜطَةً ۷ فَاذْكُرُوْا الْاٰیَةَ اللّٰهِ لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُوْنَ ۸
اور زیادہ دیا تمہیں قد و قامت میں پھیلاؤ ۷ پس یاد کرو تم نعمتیں اللہ کی تاکہ تم فلاح پاؤ ۸
قَالُوْا اٰجَعْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰهَ وَحٰدَةً وَّنٰذَرَ مَا كَانَ يٰعْبُدُ اٰبَاؤُنَا
انہوں نے کہا! کیا آیا ہے تو ہمارے پاس اس لیے کہ عبادت کریں ہم اللہ کی ایک اور چھوڑیں انہیں جن کی تھے عبادت کرتے ہمارے باپ دادا؟
فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۹ قَالَ قَدْ وُقِعَ عَلَيَّكُمْ
پس لے آ تو ہم پر وہ (عذاب) جس سے ڈراتا ہے تو ہمیں اگر ہے تو سچوں میں سے ۹ کہا (ہود نے) تحقیق ثابت ہو گیا تم پر
مِّن رَّبِّكُمْ رِجْسٌ وَّعَضْبٌ ۱۰ اَتَجَادِلُوْنِنِيْ فِىْ اَسْمَاءِ سَبَّيْتُوْهَا
تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غضب ۱۰ کیا جھگڑتے ہو تم مجھ سے ان ناموں کے بارے میں کہ رکھ لیے ہیں وہ
اَنْتُمْ وَاٰبَاؤُكُمْ مَا نَزَّلَ اللّٰهُ بِهَا مِنْ سُلْطٰنٍ فَاَنْتَظِرُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ
تم نے اور تمہارے آباؤ اجداد نے؟ نہیں نازل فرمائی اللہ نے ان کی کوئی دلیل سوا انتظار کرو تم بے شک میں بھی تمہارے ساتھ
مِّنَ الْمُنتَظِرِيْنَ ۱۱ فَاَنْجَيْنٰهُ وَاَلَّذِيْنَ مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَقَطَعْنَا دَاۤبِرَ
انتظار کر نیوالوں میں سے ہوں ۱۱ پھر نجات دی ہم نے ہود کو اور انکو جو اس کیساتھ تھے ساتھ اپنی رحمت کے اور کاٹ دی ہم نے جڑ

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِآيٰتِنَا وَمَا كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ۱۲

ان کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو اور نہ تھے وہ ایمان لانے والے ۱۲

﴿وَالِي عَادِ أَخَاهُمْ هُودًا﴾ اور قوم عاد کی طرف ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ یعنی ہم نے عاد اولیٰ کی طرف جو سرزمین یمن میں آباد تھے ان کے نسبی بھائی ہود علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا جو ان کو توحید کی دعوت دیتے تھے اور ان کو شرک اور زمین میں سرکشی سے روکتے تھے ﴿قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ أَفَلَا تَتَّقُونَ﴾ انہوں نے کہا اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں پس کیا تم ڈرتے نہیں۔ اپنے اس رویے پر قائم رہتے ہوئے تمہیں اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کے عذاب سے ڈرنے لگتا؟ مگر انہوں نے حضرت ہود کی بات مانی نہ ان کی اطاعت کی۔ ﴿قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ﴾ ان کی قوم کے سردار جو کافر تھے کہنے لگے۔ یعنی ان کی قوم کے سرداروں نے ان کی دعوت کو ٹھکراتے ہوئے اور ان کی رائے میں عیب چینی کرتے ہوئے کہا: ﴿إِنَّا لَنَرُّكَ فِي سَفَاهَةٍ وَإِنَّا لَنَنْظُنُّكَ مِنَ الْكَاذِبِينَ﴾ ہم تجھے بیوقوف اور بے راہ رو سمجھتے ہیں اور ہمارا ظن یہ ہے کہ تو جھوٹا ہے۔

ان کے سامنے حقیقت بدل گئی اور ان کا اندھا پن مستحکم ہو گیا کیونکہ انہوں نے اپنے نبی (علیہ السلام) کی مذمت کی اور ایسے وصف کو ان کی طرف منسوب کیا جس سے خود متصف تھے، حالانکہ ہود علیہ السلام لوگوں میں سب سے زیادہ اس وصف سے دور تھے۔ درحقیقت وہ خود بیوقوف اور جھوٹے تھے۔

اس شخص سے بڑھ کر کون بیوقوف ہو سکتا ہے جو سب سے بڑے حق کو ٹھکراتا اور اس کا انکار کرتا ہے۔ جو تکبر سے راہ ہدایت دکھانے والوں اور خیر خواہوں کی اطاعت نہیں کرتا۔ جو اپنے دل و جاں سے ہر سرکش شیطان کی اطاعت کرتا ہے اور غیر مستحق ہستیوں کی عبادت کرتا ہے چنانچہ وہ پتھروں اور درختوں کی عبادت کرتا ہے جو اس کے کسی کام نہیں آسکتے۔ اور اس شخص سے بڑھ کر کون جھوٹا ہو سکتا ہے جو ان مذکورہ امور کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتا ہے؟ ﴿قَالَ يَقَوْمِ لَيْسَ بِي سَفَاهَةٌ﴾ انہوں نے کہا اے میری قوم میں بے عقل نہیں، یعنی وہ کسی طرح بھی بیوقوف نہیں ہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول راہ ہدایت دکھانے والے اور ہدایت یافتہ ہیں ﴿وَلَكِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ﴾ ”میں جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہوں۔“ ﴿أَبْلَغَكُمْ رِسَالَتِي وَأَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ أَمِينٌ﴾ ”میں پہنچاتا ہوں تم کو اپنے رب کے پیغام اور میں تمہارا خیر خواہ ہوں، اعتماد کے لائق، پس تم پر فرض ہے کہ تم میری رسالت کو مانتے ہوئے اور بندوں کے رب کی اطاعت کرتے ہوئے اسے قبول کرو۔

﴿أَوْ عَجِبْتُمْ أَنْ جَاءَكُمْ ذِكْرٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَلَى رَجُلٍ مِّنكُمْ لِيُنذِرَكُمْ﴾ ”کیا تم کو اس بات سے تعجب ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کے ہاتھ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس نصیحت آئی تاکہ وہ تمہیں ڈرائے۔“ یعنی تم ایسے معاملے میں کیوں کر تعجب کرتے ہو جس پر تعجب نہیں ہونا چاہئے اور وہ معاملہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم ہی میں سے ایک شخص کو جس کو تم خوب جانتے ہو تمہاری طرف رسول بنا کر بھیجا ہے وہ تمہیں ان باتوں کی یاد دہانی کراتا

ہے جن میں تمہارے مصالِح پنہاں ہیں اور تمہیں ان امور کی ترغیب دیتا ہے جن میں تمہارے لیے فائدہ ہے اور تم اس پر اس طرح تعجب کرتے ہو جیسے منکرین تعجب کرتے ہیں۔ ﴿وَاذْكُرُوا اِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ﴾ اور یاد کرو جب کہ تم کو جانشین بنایا قوم نوح کے بعد، یعنی تم اپنے رب کی حمد و ثنا بیان کرو اور اس کا شکر ادا کرو کیونکہ اس نے تمہیں زمین میں اقتدار عطا کیا اور اس نے تمہیں ہلاک ہونے والی قوموں کا جانشین بنایا جنہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تھا اللہ تعالیٰ نے ان کو اس پاداش میں ہلاک کر دیا اور تمہیں باقی رکھا تا کہ وہ دیکھے کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔ تم رسولوں کی تکذیب پر جسے رہنے سے بچو جیسے وہ جسے رہے ورنہ تمہارے ساتھ بھی وہی سلوک ہوگا جو ان کے ساتھ ہوا تھا۔

اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد رکھو جو اس نے تمہارے لیے مختص کی اور وہ نعمت یہ ہے ﴿وَزَادَكُمْ فِي الْخَلْقِ بَضْعَةً﴾ ”اس نے زیادہ کر دیا تمہارے بدن کا پھیلاؤ“ یعنی اس نے تمہیں بہت زیادہ قوت بڑے بڑے مضبوط جسم اور نہایت سخت پکڑ عطا کی۔ ﴿فَاذْكُرُوا الْاٰلَاءَ اللّٰهِ﴾ پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔ ”یعنی تم اللہ تعالیٰ کی بے پایاں نعمتوں اور اس کے مکرر احسانات کو یاد رکھو ﴿لَعَلَّكُمْ﴾ تا کہ تم، ”یعنی اگر تم ان نعمتوں کو شکر گزاری کے ساتھ اور ان کا حق ادا کرتے ہوئے یاد رکھو گے ﴿تُقْلِحُوْنَ﴾ کا میاب ہو جاؤ“ یعنی اپنے مطلوب و مقصود کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ گے اور اس چیز سے نجات پا لو گے جس سے ڈرتے ہو۔ ہود علیہ السلام نے ان کو نصیحت کی، ان کو توحید کا حکم دیا اور ان کے سامنے خود اپنے اوصاف بیان کئے اور فرمایا کہ وہ ان کے لیے نہایت امانت دار خیر خواہ ہیں۔ انہیں اس بات سے ڈرایا کہ کہیں اللہ تعالیٰ ان کا اسی طرح مواخذہ نہ کرے جس طرح اس نے ان سے پہلی قوموں کا مواخذہ کیا ہے۔ ان کو اللہ تعالیٰ کی نعمتیں یاد دلائیں اللہ تعالیٰ کا احسان یاد دلا یا جو وافر رزق کی صورت میں ان پر کیا گیا۔ مگر انہوں نے جناب ہود علیہ السلام کی اطاعت کی نہ ان کی دعوت کو قبول کیا۔

﴿قَالُوْۤا﴾ انہوں نے ہود علیہ السلام کی دعوت پر تعجب کرتے اور ان کو خبردار کرتے ہوئے کہ یہ بہت محال ہے کہ وہ ان کی اطاعت کریں، کہا: ﴿اَجَعَلْنَا لِلنَّبِيِّ وَاللّٰهِ وَحْدًا وَّوَنَّا رَمًا كَانِ يَعْْبُدُ اٰبَاؤَنَا﴾ کیا تو ہمارے پاس اس واسطے آیا کہ ہم صرف ایک اللہ کی بندگی کریں اور ان کو چھوڑ دیں جن کو ہمارے باپ دادا پوجتے رہے، اللہ تعالیٰ ان کا برا کرے کہ انہوں نے اس امر کے مقابلے میں جو سب سے زیادہ واجب اور سب سے زیادہ کامل ہے اس مذہب کو پیش کیا جس پر انہوں نے اپنے آباء و اجداد کو گامزن پایا۔ اپنے گمراہ آباء و اجداد کے شرک اور عبادت اصنام کو انبیا و مرسلین کی دعوت یعنی اللہ وحدہ لا شریک کی توحید پر ترجیح دی اور اپنے نبی کو جھٹلایا اور کہنے لگے: ﴿فَاْتَيْنَا بِمَا تَعْبُدْنَ اِنْ كُنْتُمْ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ ”پس لے آ تو ہمارے پاس جس چیز سے تو ہم کو ڈراتا ہے اگر تو سچا ہے“ یہ مطالبہ خود ان کی طرف سے تھا۔ ﴿قَالَ﴾ ہود علیہ السلام نے ان سے کہا: ﴿قَدْ وُقِعَ عَلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ﴾

رَجَسٌ وَغَضَبٌ﴾ ”تم پر واقع ہو چکا ہے تمہارے رب کی طرف سے عذاب اور غصہ“ یعنی اللہ تعالیٰ کے عذاب کا واقع ہونا اٹل ہے کیونکہ اس کے اسباب وجود میں آگئے اور ان کی ہلاکت کا وقت قریب آ گیا ﴿اَتَجَادِلُوْنِي فِيْ اَسْمَاءِ سَبَّيْتُمْوهَا اَنْتُمْ وَاَبَاؤُكُمْ﴾ ”کیا تم مجھ سے ایسے ناموں کے بارے میں جھگڑتے ہو جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے خود رکھ لیے ہیں۔“ یعنی تم ایسے امور میں میرے ساتھ کیوں کر جھگڑتے ہو جن کی کوئی حقیقت نہیں اور ان بتوں کے بارے میں میرے ساتھ کیسے بحث کرتے ہو جن کو تم نے معبودوں کے نام سے موسوم کر رکھا ہے حالانکہ ان کے اندر الوہیت کی ذرہ بھر بھی صفت نہیں ﴿مَا نَدَّالَ اللّٰهُ بِهَآ مِنْ سُلْطٰنٍ﴾ ”اللہ نے ان پر کوئی دلیل نہیں اتاری“ کیونکہ اگر یہ واقعی معبود ہوتے تو اللہ تعالیٰ ان کی تائید میں ضرور کوئی دلیل نازل فرماتا۔ پس اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل کا عدم نزول ان کے باطل ہونے کی دلیل ہے، کیونکہ کوئی ایسا مطلوب و مقصود نہیں۔۔۔ خاص طور پر بڑے بڑے امور۔۔۔ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے دلائل و براہین کو بیان نہ فرمادیا ہو اور ایسی حجت نازل نہ فرمادی ہو جس کے ہوتے مطلوب و مقصود مخفی نہیں رہ سکتا۔

﴿فَاَنْتَظِرُوْا﴾ ”پس تم انتظار کرو۔“ یعنی پس اس عذاب کا انتظار کرو جو تم پر ٹوٹ پڑنے والا ہے جس کا میں نے تمہارے ساتھ وعدہ کیا ہے ﴿اِنِّيْ مَعَكُمْ مِنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ﴾ ”میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں“ اور انتظار کی دونوں اقسام میں فرق ہے ایک انتظار اس شخص کا انتظار ہے جو عذاب کے واقع ہونے سے ڈرتا ہے دوسرا انتظار اس شخص کا انتظار ہے جو اللہ تعالیٰ کی مدد اور ثواب کا امیدوار ہے۔ بنا بریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے دونوں فریقوں کے درمیان فیصلہ فرمادیا۔ ﴿فَاَنْجِبْنٰهُ﴾ پس ہم نے ہود علیہ السلام کو نجات دے دی ﴿وَالَّذِيْنَ﴾ اور ان کو جو ایمان لائے تھے ﴿مَعَهُ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا﴾ اُس کے ساتھ اپنی رحمت سے، کیونکہ وہی ہے جس نے ان کی ایمان کی طرف راہ نمائی کی اور ان کے ایمان کو ایسا سبب بنایا جس کے ذریعے سے وہ اس کی رحمت حاصل کرتے ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان کو نجات عطا کر دی۔ ﴿وَقَطَعْنَا دَاۤیْرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰیٰتِنَا﴾ ”اور جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا تھا ان کی جڑ کاٹ دی۔“ یعنی ہم نے سخت عذاب کے ذریعے سے ان کی جڑ کاٹ دی اور اس عذاب نے ان میں سے کسی کو باقی نہ چھوڑا اور اللہ تعالیٰ نے ان پر نامبارک سخت ہوا مسلط کر دی۔ وہ جس چیز پر بھی چلتی اسے ریزہ ریزہ کرتی چلی جاتی۔ پس وہ ہلاک کر دیئے گئے اور وہ ایسے ہو گئے کہ ان کے گھروں کے سوا کہیں کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ پس ان لوگوں کا انجام دیکھو جن کو اس انجام سے ڈرایا گیا تھا، ان پر حجت قائم کی گئی تھی مگر انہوں نے تسلیم نہ کیا، ان کو ایمان لانے کا حکم دیا گیا مگر وہ ایمان نہ لائے۔ تب ان کا انجام ہلاکت رسوائی اور فضیحت کی صورت میں ظاہر ہوا۔ ﴿وَاتَّبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا رَبَّهُمْ اَلَاۤ اَبْعَدَا لِعٰدِ قَوْمٍ هُوْدٍ﴾ (ہود: ۶۰، ۱۱) ”اور اس دنیا میں بھی لعنت ان کا پیچھا کرتی رہی اور قیامت کے روز بھی یہ

لغت ان کے پیچھے لگی رہے گی۔ دیکھو عادی نے اپنے رب کا انکار کیا اور دیکھو ہودی قوم عاد پر پھٹکار ہے۔
یہاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ﴿وَقَطَعْنَا دَايِرَ الَّذِينَ كَفَرُوا بآيَاتِنَا وَمَا كَانُوا مُؤْمِنِينَ﴾ اور
جڑ کاٹ دی ہم نے ان کی جو جھٹلاتے تھے ہماری آیتوں کو اور نہیں مانتے تھے، یعنی وہ کسی طرح بھی ایمان نہ لائے
تھے بلکہ تکذیب اور عناد ان کا وصف، تکبر اور فساد ان کی پہچان تھی۔

وَالِى شَمُودَ أَخَاهُمْ ضَلْحًا قَالَ يَقَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِنْ إِلَهٍ غَيْرُهُ
اور (بھجباہم نے) طرف شمودی انکے بھائی صالح کو (صالح نے) کہا اے میری قوم! عبادت کرو اللہ کی نہیں تمہارے لیے کوئی معبود سوائے اسکے
قَدْ جَاءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ هَذِهِ نَاقَةُ اللَّهِ لَكُمْ آيَةٌ فَذَرُوهَا تَاكُلْ
تحقیق آگئی ہے تمہارے پاس واضح دلیل تمہارے رب کی طرف سے یعنی نوقی ہے اللہ کی تمہارے لیے خاص نشانی پس چھوڑ دو تم اسے کہ جرتی پھرے
فِي أَرْضِ اللَّهِ وَلَا تَمْسُوهَا بِسُوءٍ فَيَأْخُذَكُمْ عَذَابُ آيِمٍ ﴿۴۶﴾ وَاذْكُرُوا إِذْ
اللہ کی زمین میں اور مت ہاتھ لگانا اسے ساتھ برائی کے، ورنہ پکڑ لے گا تمہیں عذاب دردناک اور یاد کرو جب کہ
جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ وَبَوَّأَكُمْ فِي الْأَرْضِ تَتَّخِذُونَ
اس نے بنایا تمہیں ایک دوسرے کا جانشین بعد عاد کے اور ٹھکانا دیا تمہیں زمین میں بناتے ہو تم
مِنْ سُهُولِهَا قُصُورًا وَتَنْجِتُونَ الْجِبَالَ بُيُوتًا فَاذْكُرُوا الْآيَةَ اللَّهِ وَلَا
اس کی نرم (مٹی) سے محلات اور (بناتے ہو تم) تراش کر پہاڑوں کو گھر پس یاد کرو تم نعمتیں اللہ کی اور مت
تَعَثُوا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿۴۷﴾ قَالَ الْمَلَأَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ
پھر زمین میں فسادى بن کر ○ کہا ان وڈیوں نے جنہوں نے تکبر کیا اس کی قوم میں سے
لِلَّذِينَ اسْتَضَعِفُوا لِمَنْ آمَنَ مِنْهُمْ أَتَعْلَمُونَ أَنَّ ضَلْحًا مُرْسَلٌ
واسطے ان لوگوں کے جو کمزور سمجھے جاتے تھے جو ایمان لے آئے تھے ان میں سے کیا تم جانتے ہو کہ صالح فرستادہ ہے
مِنْ رَبِّهِ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرْسِلَ بِهِ مُؤْمِنُونَ ﴿۴۸﴾ قَالَ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا إِنَّا
اپنے رب کا؟ کہا انہوں نے یقیناً ہم اس چیز پر کہ بھیجا گیا ہے وہ ساتھ اسکا ایمان لاتے ہیں ○ کہا انہوں نے جنہوں نے تکبر کیا یقیناً ہم
بِالَّذِي آمَنْتُمْ بِهِ كَفَرُونَ ﴿۴۹﴾ فَعَقَرُوا النَّاقَةَ وَعَتَوْا عَنْ أَمْرِ رَبِّهِمْ وَقَالُوا
ساتھ اس چیز کے کہ ایمان لائے ہو تم اس پر کفر کرتے ہیں ○ پس کاٹ ڈالیں انہوں نے نوقی کی اور سرکشی کی اپنے رب کے حکم سے اور کہا
يُضِلِحَ آيَاتِنَا بِمَا تَعَدْنَا إِنْ كُنْتُمْ مِنَ الْمُرْسَلِينَ ﴿۵۰﴾ فَآخَذَتْهُمْ الرَّجْفَةُ
اسے صالح! لے آہم پر وہ عذاب کڈراتا ہے تو ہمیں (اس سے) اگر ہے تو بھیجے ہوئے (رسولوں) میں سے ○ تو پکڑ لیا انہیں زلزلے نے
فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جُثَيِّينَ ﴿۵۱﴾ فَتَوَلَّى عَنْهُمْ وَقَالَ يَقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ
پس ہو گئے وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل گرے ہوئے ○ پس پھر اوہ ان سے اور کہا اے میری قوم! بلاشبہ پہنچا دیا تمہیں نے تمہیں

رِسَالَةَ رَبِّي وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلَكِنْ لَا تُحِبُّونَ التُّصْحِينَ ۝۹

پیغام اپنے رب کا اور خیر خواہی کی تھی میں نے تمہاری اور لیکن نہیں پسند کرتے تم خیر خواہوں کو ۝

﴿وَالِی شَمُودَ﴾ اور شمود کی طرف، شمود قدیم عربوں کا معروف قبیلہ تھا جو جزیرۃ العرب اور ارض حجاز میں حجر اور اس کے اردگرد کے علاقوں میں آباد تھا ﴿اَخَاهُمْ ضِلْحًا﴾ اللہ تعالیٰ نے صالح علیہ السلام کو نبی بنا کر ان کی طرف مبعوث کیا جو انہیں توحید اور ایمان کی دعوت دیتے تھے اور انہیں شرک اور اللہ تعالیٰ کے ہمسر گھرنے سے روکتے تھے۔ ﴿قَالَ یَقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ﴾ ”انہوں نے کہا: اے میری قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں۔“ صالح علیہ السلام کی دعوت بھی وہی تھی جو ان کے بھائی دیگر انبیاء و مرسلین کی دعوت تھی یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دینا اور یہ واضح کر دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا بندوں کا کوئی الٰہ نہیں ﴿قَدْ جَاءَ تِلْكَ بَیِّنَةٌ مِّنْ رَبِّکُمْ﴾ ”تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک معجزہ آچکا ہے۔“ یعنی ایک خارق عادت دلیل تمہارے پاس آگئی ہے جو آسمانی معجزہ ہے اور انسان اس قسم کی نشانی پیش کرنے پر قادر نہیں۔ پھر اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿هٰذِهِ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمْ اٰیَةٌ﴾ ”یہی اللہ کی اونٹنی تمہارے لیے معجزہ ہے۔“ یہ شرف و فضل کی حامل اونٹنی ہے کیونکہ اللہ کی طرف اس کی اضافت اس کے شرف کی باعث ہے اور اس میں تمہارے لیے ایک عظیم نشانی ہے۔ صالح علیہ السلام نے اس اونٹنی کے معجزہ ہونے کی وجہ بیان فرمائی: ﴿لَهَا شَرْبٌ وَّلَکُمْ شَرْبٌ یَّوْمَ مَعْلُومٍ﴾ (الشعراء: ۱۵۵/۲۶) ”ایک دن اس کے پانی پینے کی باری ہے اور ایک مقررہ دن تمہارے پانی پینے کی باری ہے۔“ ان کے ہاں ایک بہت بڑا کنواں تھا جو ”اونٹنی والا کنواں“ کے نام سے معروف تھا۔ اسی کنوئیں سے وہ اور اونٹنی اپنی اپنی باری کے مطابق پانی پیتے تھے۔ ایک دن اونٹنی کے پانی پینے کے لیے مقرر تھا۔ وہ اس اونٹنی کے تھنوں سے دودھ پیتے تھے۔ ایک دن لوگوں کے لیے مقرر تھا اس دن وہ کنوئیں پر پانی لینے کی غرض سے آتے تو اونٹنی وہاں سے چلی جاتی۔ ان کے نبی صالح علیہ السلام نے ان سے کہا: ﴿فَذَرُوْهَا تَاْكُلْ فِیْ اَرْضِ اللّٰهِ﴾ ”پس اس کو چھوڑ دو کہ کھائے اللہ کی زمین میں“ تم پر اس اونٹنی کا کچھ بھی بوجھ اور ذمہ داری نہیں ﴿وَلَا تَمْسُوْهَا بِسَوْءٍ﴾ ”اور نہ ہاتھ لگاؤ اس کو بری طرح“ یعنی اس کی کوچھیں وغیرہ کاٹنے کی نیت سے اسے مت چھونا۔ ﴿فِیَاْخُذْکُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴾ ”ورنہ تمہیں ایک دردناک عذاب آ لے گا۔“

﴿وَاذْکُرُوْا اِذْ جَعَلْکُمْ خَلْفَآءَ﴾ اور یاد کرو جب اس نے تمہیں جانشین بنایا، یعنی یاد کرو اس وقت کو جب زمین میں تمہیں جانشین بنایا، تم اس زمین سے فائدہ اٹھاتے ہو اور اپنے مقاصد حاصل کرتے ہو: ﴿مِّنْۢ بَعْدِ عَادٍ﴾ عاد کے بعد، جن کو اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر ڈالا اور ان کے بعد تمہیں ان کا جانشین مقرر کیا۔ ﴿وَبَاۗءَ اَکْمَرِیْنَ﴾ اور تمہیں زمین پر آباد کیا۔“ یعنی اس نے زمین میں تمہیں ٹھکانا عطا کیا اور اس نے تمہیں وہ اسباب مہیا کئے جن کے ذریعے

سے تم اپنے ارادوں اور مقاصد کو پورا کرتے ہو۔ ﴿تَتَّخِذُوْنَ مِنْ سَهْوِهَا قُصُوْرًا﴾ اور بناتے ہو تم نرم زمین میں محل، یعنی نرم اور ہموار زمین پر جہاں پہاڑ نہیں ہوتے۔۔۔ تم قصر تعمیر کرتے ہو ﴿وَتَنْجُوْنَ الْجِبَالَ بُيُوْتًا﴾ اور پہاڑوں کو تراش تراش کر بناتے ہو گھر، جیسا کہ پہاڑوں میں ان کے آثار اور مسکن وغیرہ دیکھ کر اب تک مشاہدہ ہوا ہے اور جب تک یہ پہاڑ باقی ہیں یہ آثار بھی باقی رہیں گے۔

﴿فَاذْكُرُوْا اِلٰهَ اللّٰهِ﴾ پس اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو۔، یعنی تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد کرو کہ اس نے تمہیں اپنے فضل و کرم رزق اور قوت سے نوازا۔ ﴿وَلَا تَعْمُوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴾ اور زمین میں فساد نہ کرتے پھرو۔، یعنی فساد اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کے ذریعے سے زمین کو مت اجاڑو کیونکہ گناہ آباد شہروں کو بیابان بنا دیتے ہیں۔ چنانچہ ان کے شہران سے خالی ہو گئے اور ان کے مسکن بے آباد اجڑے ہوئے باقی رہ گئے۔

﴿قَالَ الْمَلَا الْاٰذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهِ﴾ اس کی قوم کے وہ رؤسا اور اشراف جنہوں نے تکبر سے حق کو ٹھکرایا۔ انہوں نے کہا ﴿لَلَّذِيْنَ اسْتَضْعَفُوْا﴾ ان لوگوں سے جو کمزور تھے، چونکہ تمام مستضعفین مومن نہ تھے ﴿لِيْمَنَ اَمَنْ مِنْهُمْ اتَّعَلَمُوْنَ اَنْ صٰلِحًا مَّرْسَلًا مِنْ رَبِّهِ﴾ کہ جو ان میں سے ایمان لا چکے تھے کیا تم جانتے ہو کہ صالح کو اس کے رب نے بھیجا ہے؟ یعنی انہوں نے ان مستضعفین سے کہا جو صالح رضی اللہ عنہ پر ایمان لے آئے تھے کہ آیا صالح (رضی اللہ عنہ) سچا ہے یا جھوٹا؟ مستضعفین نے جواب دیا ﴿قَالُوْا اِنَّا اِمَّا اُرْسِلَ بِهِ مَوْمِنُوْنَ﴾ ہم کو تو جو وہ لے کر آیا اس پر یقین ہے، یعنی تو حید الہی اس کے بارے میں خبر اور اللہ کے اوامرو نواہی۔ ان سب پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔ ﴿قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا اِنَّا بِالَّذِيْ اٰمَنْتُمْ بِهِ كٰفِرُوْنَ﴾ ان لوگوں نے کہا جنہوں نے تکبر کیا، جس پر تم کو یقین ہے، ہم اس کو نہیں مانتے، تکبر نے ان کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ حق کی اطاعت نہ کریں جس کی اطاعت قوم صالح کے کمزور و ناتواں لوگ کر رہے ہیں۔

﴿فَعَقَرُوْا النَّاقَةَ﴾ پس انہوں نے اس اونٹنی کو ہلاک کر دیا، جس کے بارے میں جناب صالح رضی اللہ عنہ نے ان کو دھمکی دی تھی کہ اگر انہوں نے اس اونٹنی کو بری نیت سے ہاتھ لگایا تو ان پر دردناک عذاب نازل ہوگا ﴿وَعَتُوْا عَنْ اَمْرِ رَبِّيْهِمْ﴾ اور سرکشی کی انہوں نے اپنے رب کے حکم سے، یعنی انہوں نے سخت دلی کامظاہرہ کیا اور اس کے حکم کو تکبر سے ٹھکرا دیا کہ جس کے خلاف اگر کوئی سرکشی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سخت عذاب کا مزا چکھاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر وہ عذاب نازل کیا جو دوسروں پر نازل نہیں کیا۔

﴿وَقَالُوْا﴾ ان افعال کے ارتکاب کے ساتھ ساتھ انہوں نے جناب الہی میں جسارت کرتے ہوئے اسے عاجز سمجھتے ہوئے اور اپنے کرتوتوں کی پروا نہ کرتے ہوئے بلکہ ان پر فخر کرتے ہوئے کہا: ﴿يٰصٰلِحُ اِنَّا بِمَا تَعْدُنَا﴾ اے صالح! لے آ ہم پر جس سے تو ہم کو ڈراتا ہے، یعنی جس عذاب کی تو ہمیں دھمکی دیتا ہے ﴿اِنْ كُنْتُمْ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ اگر

تو رسول ہے۔ ﴿فَقَالَ تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ ذَلِكُمْ وَعَدَّ غَيْرُ مَكْدُوبٍ﴾ (ہود: ۶۵/۱۱) ”صالح نے کہا اپنے گھروں میں تین دن اور فائدہ اٹھا لو یہ ایسا وعدہ ہے جو جھوٹا نہ ہوگا۔“ ﴿فَاخَذَ ثَمَمُ الرَّجْفَةَ فَأَصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جُثَيِّينَ﴾ ”پس آپکرا ان کو زلزلے نے پھر صبح کو رہ گئے اپنے گھروں میں اوندھے پڑے“ وہ اپنے گھنٹوں کے بل اوندھے منہ پڑ رہ گئے۔ اللہ نے ان کو ہلاک کر دیا اور ان کی جزا کاٹ دی۔ ﴿فَتَوَلَّى عَنْهُمْ﴾ ”پس صالح ان سے منہ پھیر کر چل دیے“ جب اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل فرمایا تو صالح علیہ السلام ان کو چھوڑ کر چل دیے ﴿وَقَالَ﴾ اور اللہ تبارک و تعالیٰ کے ان کو ہلاک کر دینے کے بعد ان سے مخاطب ہو کر ان کو زجر و توبیح کرتے ہوئے فرمایا: ﴿يَقَوْمِ لَقَدْ أَبْلَغْتُكُمْ رَسُولًا مِّن رَّبِّي وَأَنْصَحْتُ لَكُمْ﴾ ”اے میری قوم! میں نے تم کو اللہ کا پیغام پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کی۔“ یعنی میں ان تمام احکامات کو تم تک پہنچا چکا ہوں جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے مجھے تمہاری طرف مبعوث کیا تھا۔ میں تمہاری ہدایت کا بہت متمنی تھا اور میں نے تمہیں صراط مستقیم اور دینِ قیوم پر گامزن کرنے کی بہت کوشش کی۔ ﴿وَلَكِن لَّا تُحِبُّونَ النَّصِيحِينَ﴾ ”لیکن تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے“ بلکہ تم نے خیر خواہوں کی بات کو ٹھکرادیا اور ہر دھتکارے ہوئے شیطان کی اطاعت کی۔

معلوم ہونا چاہئے کہ اس قصہ کے ضمن میں بہت سے مفسرین ذکر کرتے ہیں کہ صالح علیہ السلام کی اونٹنی ایک نہایت سخت اور چکنی چٹان سے اس وقت برآمد ہوئی تھی جب کفار نے صالح علیہ السلام سے معجزے کا مطالبہ کیا تھا۔ اس پتھر نے اونٹنی کو اسی طرح جنم دیا تھا جس طرح کوئی حاملہ اپنے بچے کو جنم دیتی ہے۔ ان کے دیکھتے دیکھتے یہ اونٹنی پتھر میں سے برآمد ہوئی۔ جب انہوں نے اونٹنی کو ہلاک کیا تو اس کے ساتھ اس کا بچہ بھی تھا۔ یہ بچہ تین بار بلبلایا اس کے سامنے پہاڑ پھٹ گیا اور اونٹنی کا یہ بچہ پہاڑ کے اس شکاف میں داخل ہو گیا۔ نیز ان مفسرین کے مطابق صالح علیہ السلام نے کفار سے فرمایا تھا کہ تم پر عذاب کے نازل ہونے کی نشانی یہ ہے کہ ان مذکورہ تین دنوں میں پہلے دن تمہارے چہرے زرد دوسرے دن سرخ اور تیسرے دن سیاہ پڑ جائیں گے اور جیسے حضرت صالح علیہ السلام نے کہا تھا ویسا ہی ہوا۔

ان مفسرین کا بیان کردہ یہ قصہ اسرائیلیات میں شمار ہوتا ہے جن کو اللہ کی کتاب کی تفسیر میں نقل کرنا مناسب نہیں۔ قرآن مجید میں کوئی ایسی چیز وارد نہیں ہوئی جو کسی بھی پہلو سے اس کی صداقت پر دلالت کرتی ہو، بلکہ اس کے برعکس اگر یہ قصہ صحیح ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کا ضرور ذکر فرماتا، کیونکہ یہ واقعہ بہت تعجب انگیز عبرت انگیز اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانی ہوتا تو اللہ تعالیٰ کبھی اس کو مہمل نہ چھوڑتا اور اپنی کتاب میں اس کا ذکر کئے بغیر نہ رہتا اور یوں یہ قصہ ناقابل اعتماد ذرائع سے نقل نہ ہوتا۔ بلکہ قرآن کریم اس قصہ کے بعض مشمولات کی تکذیب کرتا ہے۔ صالح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا: ﴿تَمَتَّعُوا فِي دَارِكُمْ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ﴾ (ہود: ۶۵-۱۱) ”اپنے گھروں میں تین دن اور فائدہ حاصل کر لو۔“ یعنی اس بہت ہی تھوڑے سے وقت میں نعمتوں اور لذتوں سے استفادہ کر لو، کیونکہ اس

کے بعد تمہارے حصے میں کوئی لذت نہ ہوگی اور ان لوگوں کے لیے کون سی لذت اور نعمتوں سے فائدہ اٹھانا ہو سکتا ہے، جن کو ان کے نبی نے عذاب کے وقوع کی وعید سنائی ہو اور اس عذاب کے مقدمات کا بھی ذکر کر دیا ہو اور یہ عذاب روز بروز بتدریج اسی طریقے سے واقع ہو رہا ہو جو سب کو شامل ہو کیونکہ ان کے چہروں کا سرخ، زرد اور پھر سیاہ ہو جانا اللہ تعالیٰ کا عذاب ہے؟ کیا یہ قصہ قرآن کے بیان کردہ واقعات کے خلاف اور متضاد نہیں؟ جو کچھ قرآن بیان کرتا ہے وہی کافی ہے اور وہی راہ ہدایت ہے۔ ہاں! جو چیز رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہو جائے اور وہ کتاب اللہ کے خلاف نہ ہو تو سر آنکھوں پر اور یہی وہ چیز ہے جس کی اتباع کا قرآن نے حکم دیا ہے۔ ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ (الحشر: ۷۱۵۹) ”جو کچھ رسول تمہیں دے وہ لے لو اور جس چیز سے روک دے اس سے رک جاؤ“۔

گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے کہ اسرائیلی روایات سے کتاب اللہ کی تفسیر کرنا جائز نہیں، اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ ایسے امور کو جن کا جھوٹ ہونا قطعی نہ ہو، بنی اسرائیل سے روایت کرنا جائز ہے۔ تب بھی ان کے ذریعے سے کتاب اللہ کی تفسیر کرنا جائز نہیں۔ کیونکہ کتاب اللہ کے معانی یقینی ہیں اور ان اسرائیلیات کی تصدیق کی جاسکتی ہے نہ تکذیب۔ پس دونوں میں اتفاق ناممکن ہے۔

وَلَوْطًا إِذْ قَالَ لِقَوْمِهِ أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ
اور (یاد کیجئے!) لوط کو جب کہا اس نے اپنی قوم سے کیا کرتے ہو تم ایسی بے حیائی جو نہیں کی پہلے تم سے وہ (برائی) کسی نے بھی
مِنَ الْعَالَمِينَ ﴿۸۰﴾ إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُونِ النِّسَاءِ بَلْ أَنْتُمْ
جہان والوں میں سے؟ ○ بلاشبہ تم آتے ہو مردوں کے پاس شہوت رانی کے لیے چھوڑ کر عورتوں کو، بلکہ تم
قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ ﴿۸۱﴾ وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ
لوگ ہو حد سے بڑھ جانے والے ○ اور نہیں تھا جواب اس کی قوم کا مگر یہ کہ کہا انہوں نے! نکال دو انہیں
مِن قَرِيْبَتِكُمْ إِنَّهُمْ أَنَاسٌ يَّتَطَهَّرُونَ ﴿۸۲﴾ فَانجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَتَهُ
اپنی بہتی سے، بیشک یہ لوگ ہیں بڑے پاک صاف بننے ○ تو نجات دی ہم نے اسکو اور اسکے گھر والوں کو سوائے اسکی بیوی کے
كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ﴿۸۳﴾ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطْرًا فَاَنْظُرْ

کہ تھی وہ باقی ماندہ (ہلاک ہونے والوں) میں سے ○ اور برسائی ہم نے ان پر بارش (پتھروں کی) تو دیکھ لیجئے

كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ﴿۸۴﴾

کیسا ہوا انجام مجرموں کا ؟ ○

﴿وَلَوْطًا﴾ یعنی ہمارے بندے لوط (علیہ السلام) کا ذکر کیجئے جب ہم نے ان کو ان کی قوم کی طرف مبعوث کیا کہ

وہ انہیں صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کا حکم دیں اور انہیں اس برائی سے روکیں جو پورے جہاں میں ان سے پہلے کسی نے نہیں کی۔ لوط علیہ السلام نے کہا: ﴿أَتَأْتُونَ الْفَاحِشَةَ﴾ کیا تم کرتے ہو ایسی بے حیائی، یعنی تم ایک ایسے گناہ کا ارتکاب کرتے ہو جس کی قباحت اتنی زیادہ ہے کہ فواحش کی تمام اقسام کو اس کے اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔ ﴿مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ أَحَدٍ مِنَ الْعَالَمِينَ﴾ ”کہ تم سے پہلے نہیں کیا اس کو کسی نے جہاں میں“ اس کا فحش ہونا قبیح ترین چیز ہے اور یہ کہ اس قبیح فعل کو ان لوگوں نے شروع کر کے بعد میں آنے والوں کے لیے رواج دیا تھا اس سے بھی قبیح تر ہے۔ پھر لوط علیہ السلام نے واضح کرتے ہوئے فرمایا: ﴿إِنَّكُمْ لَتَأْتُونَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِنْ دُونِ النِّسَاءِ﴾ ”خواہش نفسانی پورا کرنے کے لیے عورتوں کو چھوڑ کر لونڈوں پر گرتے ہو۔“ یعنی تم کیسے عورتوں کو چھوڑ کر جن کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے پیدا کیا ہے جن سے تمتع کرنا فطرت اور جبلی شہوت کے مطابق ہے مردوں کے ساتھ بد فعلی کرتے ہو جو کہ قباحت اور خباثت کی انتہا ہے۔ یہ جسم کا وہ حصہ ہے جہاں سے گندگی اور بدبودار مادے خارج ہوتے ہیں اس حصے کو چھونا اور اس کے قریب جانا تو کجا اس کا نام لینے سے بھی شرم آتی ہے۔ ﴿بَلْ أَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُونَ﴾ ”بلکہ تم لوگ ہوا سے گزرنے والے“ یعنی تم اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدود کو پھلانگتے ہو اور اس کے محرمات کے ارتکاب کی جسارت کرتے ہو۔ ﴿وَمَا كَانَ جَوَابَ قَوْمِهِ إِلَّا أَنْ قَالُوا أَخْرِجُوهُمْ مِنْ قَرْيَتِكُمْ إِنَّهُمْ أَنَاسٌ يَتَطَهَّرُونَ﴾ ”اور انہیں تھا جواب اس قوم کا“ مگر یہ کہ ان کو اپنی بستی سے نکال دو یہ لوگ بہت ہی پاک رہنا چاہتے ہیں“ یعنی اپنے آپ کو اس فحش کام سے دور رکھنا چاہتے ہیں ﴿وَمَا لَقَمُوا مِنْهُمْ إِلَّا أَنْ يُؤْمِنُوا بِاللَّهِ الْعَزِيزِ الْحَمِيدِ﴾ (البـروج: ۸۱/۸۵) ”وہ ان پر صرف اسی بات پر ناراض ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے جو غالب اور قابل ستائش ہے۔“

﴿فَأَنْجَيْنَاهُ وَأَهْلَهُ إِذْكَامرَأَتُهُ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ﴾ ”پس ہم نے اس کو اور اس کے گھر والوں کو نجات دی مگر اس کی بیوی کہ رہ گئی وہ وہاں کے رہنے والوں میں“ یعنی وہ پیچھے رہ جانے اور عذاب میں گرفتار ہونے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوط علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنے گھر والوں کو لے کر راتوں رات وہاں سے نکل جائیں کیونکہ صبح سویرے ان کی قوم پر عذاب ٹوٹنے والا ہے۔ حضرت لوط علیہ السلام اپنی بیوی کے سوا تمام گھر والوں کو لے کر وہاں سے نکل گئے۔ اس عورت کو بھی اس عذاب نے آیا جو ان بدکار لوگوں پر آیا تھا۔

﴿وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا﴾ ”اور ہم نے ان پر (پتھروں کا) مینہ برسایا۔“ یعنی ہم نے سخت گرم کھنگر کے پتھر ان پر برسائے اور اللہ تعالیٰ نے اس بستی کو الٹ کر اوپر نیچے کر دیا۔ ﴿فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ﴾ ”پس دیکھو کیا ہوا انجام گناہ گاروں کا۔“ ہلاکت اور دائمی رسوائی۔

وَإِلَىٰ مَدْيَنَ أَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُمْ مِن إِلَهٍ غَيْرُهُ ﴿١٧٠﴾
 اور (بھجیا ہم نے) طرف مدین کی ان کے بھائی شعیب کو اس نے کہا اے میری قوم! عبادت کر تم اللہ کی نہیں ہے تمہارے لیے کوئی معبود سوائے اس کے
 قَدْ جَاءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَوْفُوا الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ وَلَا تَبْخُسُوا ﴿١٧١﴾
 تحقیق آ گئی تمہارے پاس واضح دلیل تمہارے رب کی طرف سے پس پورا کرو تم ماپ اور تول کو اور مت کم کر کے دو
 النَّاسَ أَشْيَاءَهُمْ وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ
 لوگوں کو ان کی چیزیں اور مت فساد کرو تم زمین میں بعد اس کی اصلاح کے یہ بہت بہتر ہے تمہارے لیے
 إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ ﴿١٧٢﴾ وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ تُوعِدُونَ وَتَصُدُّونَ
 اگر ہو تم مؤمن ○ اور مت بیٹھو تم ہر ایک راستے پر ڈراتے ہو تم اور روکتے ہو
 عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِهِ وَتَبْغُونَهَا عِوَجًا وَاذْكُرُوا إِذْ كُنْتُمْ قَلِيلًا
 اللہ کے راستے سے اس شخص کو جو ایمان لائے ساتھ اس کے اور تلاش کرتے ہو تم اس (راہ) میں کمی اور یاد کرو جب کہ تھے تم تھوڑے
 فَكُتِرْكُمْ وَاَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٧٣﴾ وَإِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ
 پس اس نے زیادہ کیا تمہیں۔ اور دیکھو! کیسا ہوا تھا انجام فساد یوں کا ○ اور اگر ہے ایک گروہ
 مِّنكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلْتُ بِهِ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوا فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ
 تم میں سے جو ایمان لایا اس پر کہ بھجیا گیا ہوں میں ساتھ اس کے اور ایک گروہ ہے کہ نہیں ایمان لایا وہ پس صبر کرو تم یہاں تک کہ
 يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ ﴿١٧٤﴾

فیصلہ کرے اللہ ہمارے درمیان اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ○

﴿وَإِلَىٰ مَدْيَنَ﴾ ”مدین کی طرف“ یعنی ایک معروف قبیلہ کی طرف ﴿أَخَاهُمْ شُعَيْبًا﴾ ”ان کے بھائی شعیب کو“ مبعوث کیا جو نسب میں ان کے بھائی تھے۔ جو انہیں اللہ وحدہ کی عبادت کی طرف دعوت دیتے تھے اور ناپ تول کو پورا کرنے کا حکم دیتے تھے۔ وہ ان کو تلقین کرتے تھے کہ وہ لوگوں کو کم چیزیں نہ دیں اور کثرت معاصی کے ارتکاب سے زمین میں فساد نہ پھیلائیں۔ ﴿وَلَا تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ بَعْدَ إِصْلَاحِهَا ذَلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ إِن كُنْتُمْ مُّؤْمِنِينَ﴾ ”اور زمین میں خرابی مت ڈالو اس کی اصلاح کے بعد یہ بہتر ہے تمہارے لیے اگر تم مؤمن ہو“ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی اطاعت کرتے ہوئے اور اس کے تقرب کی خاطر گناہوں کو ترک کرنا بندے کے لیے ان گناہوں کے ارتکاب سے۔۔۔ جو اللہ جبار کی ناراضی اور جہنم کے عذاب کا باعث ہے۔۔۔ بہتر اور فائدہ مند ہے۔ ﴿وَلَا تَقْعُدُوا بِكُلِّ صِرَاطٍ﴾ ”اور ہر راستے پر نہ بیٹھا کرو“ یعنی لوگوں کے لیے راستوں پر گھات لگا کر نہ بیٹھو جہاں کثرت سے لوگوں کا گزر ہوتا ہے اور تم ان راستوں سے لوگوں کو ڈراتے ہو۔ ﴿تُوعِدُونَ﴾ ”ڈراتے ہو“ اور ان پر چلنے سے ان

کو دھمکاتے ہو۔ ﴿وَتَصَدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اور اللہ کے راستے سے روکتے ہو۔ یعنی جو کوئی راہِ راست پر چلنا چاہتا ہے اسے اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکتے ہو۔ ﴿وَتَبْغُونَهَا عِوَجًا﴾ اور اس میں کجی ڈھونڈتے ہو۔ یعنی تم اللہ کے راستے میں کجی چاہتے ہو اور اپنی خواہشاتِ نفس کی پیروی میں اسے ٹیڑھا کرنا چاہتے ہو۔

تم پر اور دوسرے لوگوں پر واجب ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے راستے کی تعظیم اور احترام کرو جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے مقرر کر دیا ہے، تاکہ وہ اس کی رضا کی منزل اور عزت والے گھر تک پہنچنے کے لیے اس پر گامزن ہوں اور اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اپنے بندوں کو اپنی عظیم رحمت سے نوازے۔ تمہیں تو چاہئے کہ تم اس کی مدد کرو اس کی طرف لوگوں کو دعوت دو اور اس کا دفاع کرو۔ نہ اس کے برعکس کہ تم اس راستے کے راہزن بن کر اس کو مسدود کرو اور لوگوں کو اس راستے سے روکو، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناسپاسی، اللہ تعالیٰ کے ساتھ عداوت اور سب سے درست اور معتدل راستے کو ٹیڑھا کرنا ہے اور تم ان لوگوں کو برا بھلا کہتے ہو جو اس راستے پر گامزن ہیں۔

﴿وَإِذْ كُنَّا﴾ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو ﴿إِذْ كُنْتُمْ قَلِيلًا فَكَثَرْنَا﴾ جب کہ تم تھوڑے تھے پس اس نے تم کو زیادہ کر دیا، یعنی تمہیں بیویاں، نسل اور صحت عطا کر کے تمہاری تعداد کو بڑھایا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کسی و با اور کسی ایسی بیماری میں مبتلا نہیں کیا جو تعداد کو کم کر دیتی ہے نہ تم پر کوئی ایسا دشمن مسلط کیا جو تمہیں ہلاک کر دیتا اور نہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین میں تتر بتر کیا۔۔۔ بلکہ یہ اللہ کا تم پر انعام ہے کہ اس نے تمہیں مجتمع رکھا، تمہیں بے حساب رزق اور کثرتِ نسل سے نوازا۔ ﴿وَانظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ﴾ اور دیکھو کیا ہوا انجامِ فساد کرنے والوں کا، کیونکہ تم ان کی جمعیت میں تشنت اور افتراق اور ان کے گھروں میں وحشت اور ہلاکت کے مناظر کے سوا کچھ نہیں پاؤ گے۔ انہوں نے اپنے بارے میں اپنے پیچھے کوئی اچھے تذکرے نہیں چھوڑے، بلکہ اس کے برعکس اس دنیا میں بھی لعنت ان کا پیچھا کر رہی ہے اور قیامت کے روز بھی ان کو رسوائی اور فضیحت کا سامنا کرنا ہوگا۔

﴿وَإِنْ كَانَ طَآئِفَةٌ مِّنْكُمْ آمَنُوا بِالَّذِي أُرْسِلَتْ بِهِ وَطَآئِفَةٌ لَّمْ يُؤْمِنُوا﴾ اور اگر تم میں سے ایک فرقہ ایمان لایا اس پر جو میرے ہاتھ بھیجا گیا اور ایک فرقہ ایمان نہیں لایا اور ایمان نہ لانے والا گروہ ان میں سے اکثریت کا گروہ ہے ﴿فَاصْبِرُوا حَتَّىٰ يَحْكُمَ اللَّهُ بَيْنَنَا وَهُوَ خَيْرُ الْحَاكِمِينَ﴾ تو صبر کرو یہاں تک کہ اللہ فیصلہ کرے ہمارے درمیان اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔ پس وہ حق کو ماننے والے کی مدد کرے گا اور حق کا ابطال کرنے والے پر عذاب واقع کرے گا۔



وَلَقَدْ بَعَثْنَا لِدَاوُدَ إِكْرِيمًا إِنَّ فِي ذَلِكَ لَمُبَدَّلًا

تِلْكَ آيَاتُ الْكِتَابِ الْمُبِينِ
فِي تَفْسِيرِ كَلَامِ الْمَثَانِ

المعروف

(أردو)
تفسیر السعدی

فی تفسیر عبد الرحمن بن ناصر السعدی

دار السلام

کتاب و سنت کی روشنی میں
ادارہ

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور
لندن • ہیوسٹن • نیو یارک



ہیڈ آفس : پوسٹ بکس: 22743 الرياض: 11416 سعودی عرب

فون : 4033962 - 4043432 (00966 1) فیکس: 4021659

ای میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون و فیکس: 4614483

جدہ فون و فیکس: 6807752 البر فون: 8692900 فیکس: 8691551

شارجہ فون : 5632623 فیکس: 5632624 (009716)

پاکستان: ① 50 نورمال نزدیم - لے - اوکلیج لاہور فون: 7232400 - 7240024 (0092 42)

فیکس: 7354072 ای میل: darussalampk@hotmail.com

② اقراسنٹر، غزنی سٹریٹ، اڈوبازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

لندن فون: 5202666 فیکس: 5217645 (0044 208)

ہیوسٹن فون: 7220419 فیکس: 7220431 (001 713) نیویارک فون: 625 5925 (001 718)

Website: <http://www.dar-us-salam.com>

وَأَقْرَبُ لِلنَّبِيِّ وَالْقُرْآنِ لِلذَّكَوٰنِ مِنَ الذَّكَوٰنِ

تیسیر
الکرام الرحمن

فی تفسیر کلام المثنان
(اردو ترجمہ)

پا رة نمبر نو 9

مفسر قرآن: فضیلان عبدالرحمان بن ناصر السعدی

تحریر: عبدالرحمان بن محمد اللویحی

ترجمہ: پروفیسر طیب شاہین لودھی

ترجمہ: حافظ صلاح الدین یوسف



دار السلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ



فرمان الہی

وَقَالَ الرَّسُولُ
يَا رَبِّ إِنِّي قَوْمِي أَخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَلْجُورًا

اور رسول (ﷺ) روز قیامت فرمائیں گے:
"اے الہی! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔"
(الفرقان: ۲۵/۳۷)

فرمان نبوی

إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ
بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيُضَعِّقُ بِهَا أُخْرَى

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو بندیاں
عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلت و پستی میں ڈھیل دیتا ہے
(صحیح مسلم، حدیث: ۸۱۴)

پا رة نمبر نو 9

نمبر شمار	نام سورت	صفحہ نمبر	شمار پارہ
۷	سورة الاعراف (جاری)	902	۸ - ۹
۸	سورة الأنفال	967	۹ - ۱۰

قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لَنُخْرِجَنَّكَ يَشْعِيبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا

کہا ان وڈیروں نے جنہوں نے تکبر کیا اس کی قوم میں سے ہم ضرور نکال دیں گے تجھے اے شعیب! اور ان لوگوں کو بھی جو ایمان لائے

مَعَكَ مِنْ قَرِيْبَتِنَا أَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۚ قَالَ أَوْ لَوْ كُنَّا كَرِهِيْنَ ۙ قَدْ

تیرے ساتھ اپنی ہستی سے لوٹ آؤ گے تم ہمارے دین میں۔ (شعیب نے) کہا کیا اگرچہ ہوں ہم کراہت کرنے والے بھی ○ تحقیق

اِفْتَرَيْنَا عَلٰی اللّٰهِ كِذْبًا اِنْ عُدْنَا فِيْ مِلَّتِكُمْ بَعْدَ اِذْ نَجَّيْنَا اللّٰهَ مِنْهَا ۗ وَمَا

(پھرتو) باندھا ہم نے اللہ پر جھوٹ! اگر لوٹ آئیں ہم تمہارے دین میں بعد اس کے کہ نجات دی ہمیں اللہ نے اس سے اور نہیں ہے

يَكُوْنُ لَنَا اَنْ نُّعُوْدَ فِيْهَا اِلَّا اَنْ يَّشَاءَ اللّٰهُ رَبَّنَا ۗ وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ

لائق ہمارے لیے کہ لوٹ آئیں ہم اس میں مگر یہ کہ چاہے اللہ ہمارا رب گھیر لیا ہے ہمارے رب نے ہر چیز کو

عِلْمًا ۗ عَلٰی اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا ۗ رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ ۗ وَاَنْتَ خَيْرُ

(اپنے) علم سے اور اللہ ہی کے بھروسہ کیا ہم نے اے ہمارے رب! تو فیصلہ فرما ہمارے اور ہماری قوم کے درمیان ساتھ حق کے اور تو بہتر

الْفَتِيْحِيْنَ ۙ ۱۹ وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ لِيْنَ اَتَّبَعْتُمْ شَعِيْبًا اِنَّكُمْ

فیصلہ کرنے والا ہے ○ اور کہا ان سرداروں نے جنہوں نے کفر کیا اس کی قوم میں سے کہ اگر اتباع کیا تم نے شعیب کا تو یقیناً تم

اِذَا لَخِسْرُوْنَ ۙ ۲۰ فَاَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ ۗ فَاصْبَحُوْا فِيْ دَارِهِمْ جُنُودًا ۙ ۲۱

اس وقت البتہ خسارہ اٹھانے والے ہو گئے ○ پس پکڑ لیا انہیں زلزلے نے تو ہو گئے وہ اپنے گھروں میں گھنٹوں کے بل پڑے ہوئے ○

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شَعِيْبًا كَانَ لَمْ يَغْنَوْا فِيْهَا ۗ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا شَعِيْبًا كَانُوْا

وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو (یوں ہو گئے) گویا کہ وہ کبھی نہیں بے تھے ان میں وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا شعیب کو تھے

هُمُ الْخٰسِرِيْنَ ۙ ۲۲ فَتَوَلٰٓى عَنْهُمْ وَقَالَ يٰۤاَقُوْمُ لَقَدْ اَبْلَغْتُمْ رِسٰلَتِ رَبِّيْ

وہی خسارہ پانے والے ○ پھر منہ پھیرا (شعیب نے) ان سے اور کہا اے میری قوم! البتہ تحقیق پہنچائے میں نے تمہیں پیغامات اپنے رب کے

وَوٰصَحْتُ لَكُمْ ۗ فَكَيْفَ اَسٰى عَلٰی قَوْمٍ كٰفِرِيْنَ ۙ ۲۳

اور خیر خواہی کی میں نے تمہاری پس کیوں غم کھاؤں میں اور کافر قوم کے ○؟

﴿ قَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ اسْتَكْبَرُوا مِنْ قَوْمِهِ ﴾ ”کہا ان سرداروں نے جو تکبر تھے اس کی قوم میں سے“ اس سے

مراد ان کے اشراف اور بڑے آدمی ہیں جنہوں نے اپنی لذات میں مستغرق ہو کر اپنی خواہشات نفس کی پیروی کی جب ان کے پاس حق آیا اور انہوں نے دیکھ لیا کہ حق ان کی خواہشات نفس کے خلاف ہے تو انہوں نے نہایت تکبر سے حق کو ٹھکرادیا اور اپنے نبی شعیب علیہ السلام اور ان مستضعفین سے کہنے لگے جو حضرت شعیب علیہ السلام کے ساتھ تھے۔

﴿ لَنُخْرِجَنَّكَ يَشْعِيبُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَكَ مِنْ قَرِيْبَتِنَا أَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ﴾ ”ہم ضرور نکال دیں گے اے

شعیب تجھ کو اور ان کو جو تیرے ساتھ ایمان لائے اپنے شہر سے، یا یہ کہ تم لوٹ آؤ اپنے دین میں، انہوں نے حق کے خلاف بہیمانہ قوت استعمال کی اور انہوں نے کسی اصول، کسی ذمہ اور کسی حق کی پاسداری نہ کی۔ انہوں نے تو صرف اپنی خواہشات نفس کی رعایت اور ان کی پیروی کی اور اپنی ناقص عقل کے پیچھے لگے جو ان کے قول فاسد پر دلالت کرتی ہے۔ پس شعیب ؑ سے کہنے لگے ”یا تو تجھے اور تیرے ساتھیوں کو ہمارے دین میں واپس لوٹنا ہوگا یا ہم تجھے اپنی بستی سے نکال باہر کریں گے“۔ شعیب ؑ ان کے ایمان لانے کی امید میں ان کو ایمان کی دعوت دیتے رہے مگر وہ اب تک ایمان نہ لائے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ انہوں نے آجنگنا ؑ کو دھمکی دی کہ اگر وہ ان کی پیروی نہیں کریں گے تو وہ ان کو ان کے اس وطن سے جلا وطن کر دیں گے جس میں رہنے کے شعیب ؑ اور ان کے اصحاب زیادہ مستحق ہیں۔

﴿قَالَ﴾ شعیب ؑ نے ان کی اس بات پر تعجب کرتے ہوئے فرمایا: ﴿أَوَلَوْ كُنَّا كِرْهَيْنَ﴾ ”خواہ ہم (تمہارے دین سے) بیزار ہی ہوں۔“ یعنی کیا ہم ناپسند کرتے ہوئے بھی تمہارے باطل دین اور ملت کی اتباع کریں؟ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ تمہارا دین باطل ہے۔ اس دین کی طرف تو صرف اسی کو دعوت دی جاتی ہے جو اس میں کوئی رغبت رکھتا ہو اور وہ شخص جو علی الاعلان لوگوں کو اس دین کی پیروی سے روکتا ہے اور جو کوئی اس دین کی اتباع کرتا ہے اس کو برا کہتا ہے، تو وہ کیوں کر اس دین کی دعوت دے سکتا ہے؟

﴿قَدْ افْتَرَيْنَا عَلَى اللَّهِ كَذِبًا إِنْ عُدْنَا فِي مِلَّتِكُمْ بَعْدَ إِذْ نَجَّصْنَا اللَّهُ مِنْهَا﴾ ”اگر ہم اس کے بعد کہ اللہ ہمیں اس سے نجات بخش چکا ہے، تمہارے مذہب میں لوٹ جائیں تو بے شک ہم نے اللہ پر جھوٹ باندھ دیا۔“ یعنی تم گواہ رہو کہ اگر ہم تمہاری ملت اور دین میں واپس لوٹ آئے اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس سے نجات دے دی ہے اور اس کے شر سے ہمیں بچا لیا ہے۔۔۔ تو ہم جھوٹے اور اللہ تعالیٰ پر بہتان طرازی کرنے والے ہیں۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ اس شخص سے بڑھ کر کوئی افتراء پرداز نہیں جو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہراتا ہے حالانکہ وہ ایک، یکتا اور بے نیاز ہے جس کی کوئی بیوی ہے نہ بیٹا اور نہ اقتدار میں کوئی شریک۔ ﴿وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا﴾ ”اور ہمیں شایاں نہیں کہ ہم اس میں لوٹ جائیں۔“ یعنی ہم جیسے لوگوں کے لیے ممکن نہیں کہ ہم اس دین میں پھر لوٹ آئیں کیونکہ یہ بالکل محال ہے۔ جناب شعیب ؑ نے متعدد وجوہ سے کفار کو اس بات سے مایوس کر دیا کہ وہ ان کی موافقت کریں گے۔

(۱) حضرت شعیب ؑ اور ان کے اصحاب ان کے دین کو ناپسند کرتے تھے اور اس سے سخت بغض رکھتے تھے کیونکہ ان کا دین شرک پر مبنی تھا۔

(۲) شعیب ؑ نے ان کے دین کو جھوٹ قرار دیا تھا اور ان کو اس بات پر گواہ بنایا تھا کہ اگر انہوں نے اور

ان کے اصحاب نے کفار کے دین کی اتباع کی تو وہ جھوٹے ہیں۔

(۳) انہوں نے علی الاعلان اعتراف کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کفار کے دین سے بچا کر ان پر احسان کیا

ہے۔

(۴) ان کی استقامت پر مبنی حالت پر غور کریں ان کے دلوں میں اللہ تعالیٰ کی جو تعظیم اس کی عبودیت کا جو

اعتراف نیز اس بات کا اعتراف کہ وہی الہ واحد ہے صرف وہی اکیلا عبادت کے لائق ہے اس کا کوئی

شریک نہیں اور اس بات کا اعلان کہ مشرکین کے گھرے ہوئے معبود سب سے بڑا باطل اور اور سب

سے بڑا فریب ہیں۔۔۔۔۔ ان امور کو دیکھتے ہوئے یہ بات محال ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ان کو ہدایت

سے نوازنے کے بعد وہ ان کے دین میں واپس لوٹیں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو ایسی عقل سے نوازا

ہے جس کے ذریعے سے وہ حق اور باطل ہدایت اور گمراہی کو پہچانتے ہیں۔

اور اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت اور تمام مخلوقات میں نافذ اس کے ارادے میں غور کیا جائے جس سے باہر نکلنا کسی

کے لیے ممکن نہیں خواہ پے در پے اسباب مہیا ہوں اور قوتیں باہم موافق ہوں۔۔۔۔۔ تو وہ اپنے بارے میں یہ

فیصلہ نہیں کر سکتے کہ وہ عنقریب فلاں فعل سرانجام دیں گے یا اس کو چھوڑ دیں گے۔ بنا بریں شعیب علیہ السلام نے

استثناء کا اسلوب استعمال کرتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَا يَكُونُ لَنَا أَنْ نَعُودَ فِيهَا إِلَّا أَنْ يَشَاءَ اللَّهُ رَبُّنَا﴾ ”اور ہمیں

شایاں نہیں کہ ہم اس میں لوٹ جائیں ہاں اللہ جو ہمارا رب ہے وہ چاہے تو۔“ یعنی ہمارے لئے یا کسی اور کیلئے اللہ تعالیٰ

کی مشیت سے جو اللہ تعالیٰ کے علم اور اس کی حکمت کے تابع ہے باہر نکلنا ممکن نہیں۔ ﴿وَسِعَ رَبُّنَا كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾

”گھیرے ہوئے ہے ہمارا پروردگار سب چیزوں کو اپنے علم میں“ پس وہ جانتا ہے کہ بندوں کے لیے کیا درست

ہے اور کس چیز کے ذریعے سے وہ بندوں کی تدبیر کرے ﴿عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا﴾ ”ہمارا اللہ ہی پر بھروسہ ہے۔“ یعنی

ہمیں اللہ تعالیٰ پر اعتماد ہے کہ وہ ہمیں صراط مستقیم پر ثابت قدم رکھے گا اور جہنم کے تمام راستوں سے ہمیں بچائے

گا کیونکہ جو کوئی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے وہ اس کے لیے کافی ہو جاتا ہے اور وہ اس کے دین اور دنیا کے معاملے

کو آسان کر دیتا ہے۔

﴿رَبَّنَا افْتَحْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ قَوْمِنَا بِالْحَقِّ﴾ ”اے ہمارے رب فیصلہ کر ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ“

یعنی ظالم اور حق کے خلاف عناد رکھنے والے کے مقابلے میں مظلوم اور صاحب حق کی مدد فرما۔ ﴿وَأَنْتَ خَيْرُ

الْفَاتِحِينَ﴾ ”اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے“ اپنے بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کے فیصلے کی دو اقسام ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ باطل میں سے حق کو گمراہی میں سے ہدایت کو بیان کر کے نیز یہ واضح کر کے کہ کون صراط

مستقیم پر گامزن ہے اور کون اس سے منحرف ہے۔۔۔۔۔ فیصلہ کرتا ہے یہ اس کا علمی فیصلہ ہے۔

(۲) ظالموں کو سزا دینے اور صالحین کو نجات اور اکرام عطا کرنے کے لیے جو فیصلہ کرتا ہے وہ اس کا جزائی فیصلہ ہے۔

پس اہل ایمان نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ حق اور انصاف کے ساتھ ان کے اور ان کی قوم کے درمیان فیصلہ فرمادے اور وہ انہیں ایسی آیات و علامات دکھا دے جو فریقین کے مابین فیصلہ کن حیثیت رکھتی ہیں۔

﴿ وَقَالَ الْمَلَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَوْمِهِ ﴾ اور ان کی قوم میں سے سردار لوگ جو کافر تھے کہنے لگے۔ ”یعنی ان کی قوم کے سرداروں نے حضرت شعیب کی اتباع سے ڈراتے ہوئے کہا: ﴿ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَخٰسِرُونَ ﴾ ”اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو تم نقصان اٹھاؤ گے۔“ ان کے نفس نے ان کے لیے مزین کر دیا تھا کہ رشد و ہدایت کی اتباع سراسر خسارہ اور شقاوت ہے انہیں یہ معلوم نہیں کہ خسارہ تو تمام تر خود گمراہی میں پڑے رہنے اور دوسروں کو گمراہ کرنے میں ہے اور جب ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہوا تو اس وقت انہیں یہ حقیقت معلوم ہوئی۔ ﴿ فَآخَذْنَا ثَمَّ الرِّجْفَ ﴾ پس ایک شدید زلزلے نے ان کو آیا۔ ﴿ فَاصْبَحُوا فِي دَارِهِمْ جَثِيئِينَ ﴾ اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے پڑے رہ گئے۔ ”یعنی وہ خشک کئے ہوئے درخت کی مانند چھاڑے ہوئے مردہ پڑے تھے۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی حالت کی اطلاع دیتے ہوئے فرمایا: ﴿ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا لَمْ يَغْنُوا فِيهَا ﴾ ”جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا، گویا کبھی وہ وہاں بسے ہی نہ تھے“ یعنی گویا کہ وہ گھروں میں رہتے ہی نہ تھے اور گویا کہ انہوں نے گھروں کے صحنوں سے کبھی استفادہ کیا تھا نہ ان کی چھاؤں میں کبھی وقت گزارا تھا۔ اور وہ اس دیار کے دریاؤں کے کنارے چراگا ہوں میں رہے تھے نہ انہوں نے اس کے درختوں کے پھل کھائے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان کو آ پکڑا اور ان کو لہو و لعب اور لذات کی دنیا سے نکال کر حزن و غم، عقوبت اور ہلاکت کے گڑھوں میں منتقل کر دیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ الَّذِينَ كَذَّبُوا شُعَيْبًا كَانُوا هُمُ الْخٰسِرِينَ ﴾ ”جنہوں نے شعیب کو جھٹلایا، وہی ہوئے خسارہ اٹھانے والے“ یعنی وہ پوری طرح خسارے میں گھرے ہوئے ہیں کیونکہ قیامت کے روز وہ خود اور ان کے گھر والے سخت خسارے میں ہوں گے اور یہی واضح خسارہ ہے نہ کہ وہ جن کو انہوں نے کہا تھا۔ ﴿ لَئِنِ اتَّبَعْتُمْ شُعَيْبًا إِنَّكُمْ إِذًا لَخٰسِرُونَ ﴾ ”اگر تم نے شعیب کی پیروی کی تو بے شک تم خسارے میں پڑ گئے۔“ پس جب وہ ہلاک ہو گئے تو ان کا نبی (ﷺ) ان سے منہ پھیر کر چل دیا۔ ﴿ وَقَالَ ﴾ اور ان کی موت کے بعد ان کو جزو تو بیخ کرتے ہوئے ان سے مخاطب ہوا: ﴿ يُقَوْمُ لَقَدْ اٰتٰنَاكُمْ رِسٰلَتِ رَبِّيْ ﴾ ”اے میری قوم! میں نے تم کو اپنے رب کے پیغام پہنچا دیے۔“ یعنی میں نے اپنے رب کا پیغام تم تک پہنچا دیا اور اسے کھول کھول کر بیان کر دیا حتیٰ کہ یہ پیغام تمہیں پوری طرح پہنچ گیا اور تمہارے دلوں نے اچھی طرح اسے سمجھ لیا۔

﴿ وَنَصَحْتُ لَكُمْ ﴾ اور میں نے تمہاری خیر خواہی کی، ”مگر تم نے میری خیر خواہی کو قبول کیا نہ تم نے میری بات مانی

بلکہ اس کے برعکس تم نے نافرمانی کی اور سرکشی اختیار کی۔ ﴿فَكَيْفَ آتَىٰ عَلَىٰ قَوْمٍ كَافِرِينَ﴾ ”تو میں کافروں پر رنج و غم کیوں کروں۔“ یعنی میں ایسے لوگوں کے انجام پر کیوں کر غمزدہ ہو سکتا ہوں جن میں کوئی بھلائی نہ تھی بھلائی ان کے پاس آئی مگر انہوں نے اسے ٹھکرا دیا، اسے قبول نہ کیا، یہ لوگ شر کے سوا کسی چیز کے لائق نہ تھے۔ پس یہ اس چیز کے مستحق نہیں ہیں کہ ان کی ہلاکت پر افسوس کیا جائے بلکہ ان کی ہلاکت اور استیصال پر تو خوش ہونا چاہئے۔ اے اللہ! فضیحت اور رسوائی سے تیری پناہ! اس سے بڑھ کر کون سی بدبختی اور سزا ہو سکتی ہے کہ وہ اس حالت کو پہنچ جائیں کہ مخلوق میں سب سے زیادہ خیر خواہ، ہستی بھی ان سے براءت کا اظہار کرے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّبِيٍّ إِلَّا أَخَذْنَا أَهْلَهَا بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ لَعَلَّهُمْ

اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی مگر پکڑا ہم نے اس کے رہنے والوں کو ساتھ سختی اور تکلیف کے تاکہ وہ

يَضَّرَّعُونَ ﴿۹۰﴾ ثُمَّ بَدَلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ حَتَّىٰ عَفَوْا وَقَالُوا قَدْ مَسَّ

گزر گزائیں ○ پھر بدل کر دے دی ہم نے (ان کو) برائی کی جگہ اچھائی، یہاں تک کہ جب زیادہ ہو گئے وہ اور کہا پہنچی تھی

أَبَاءَنَا الضَّرَّاءِ وَالسَّرَّاءِ فَأَخَذْنَاهُمْ بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ ﴿۹۱﴾

ہمارے آباؤ اجداد کو بھی سختی اور راحت تو پکڑ لیا ہم نے انہیں یکا یک اور وہ نہیں شعور رکھتے تھے ○

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرْيَةٍ مِّن نَّبِيٍّ﴾ اور نہیں بھیجا ہم نے کسی بستی میں کوئی نبی، جو انہیں اللہ تعالیٰ کی عبادت کی

طرف بلاتا اور جن برائیوں میں وہ مبتلا ہیں ان برائیوں سے وہ ان کو روکتا۔ مگر وہ اس کی اطاعت نہ کرتے ﴿إِلَّا

أَخَذْنَا أَهْلَهَا﴾ ”مگر ہم مواخذہ کرتے وہاں کے لوگوں کا“ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان کو آزما یا۔ ﴿بِالْبَأْسَاءِ وَالضَّرَّاءِ﴾

”سختی اور تکلیف میں“ یعنی محتاجی، مرض اور دیگر مصائب کے ذریعے سے۔ ﴿لَعَلَّهُمْ﴾ ”شاید کہ وہ“ یعنی جب ان

پر مصیبت نازل ہو تو شاید ان کے نفس جھک جائیں۔ ﴿يَضَّرَّعُونَ﴾ ”عاجزی اور زاری کریں۔“ اللہ تعالیٰ کے

حضور عاجزی سے گزر گزائیں اور حق کے سامنے فروتنی کا اظہار کریں۔ ﴿ثُمَّ﴾ پھر جب ان کو ابتلا نے کوئی فائدہ

نہ دیا اور وہ اپنے تکبر پر جمے رہے اور اپنی سرکشی میں بڑھتے ہی چلے گئے ﴿بَدَلْنَا مَكَانَ السَّيِّئَةِ الْحَسَنَةَ﴾ ”بدل دی

ہم نے برائی کی جگہ بھلائی“ پس اللہ تعالیٰ نے ان کے رزق میں اضافہ کر دیا، ان کو جسمانی عافیت دی اور ان سے

آزمائش اور تکالیف کو دور کر دیا۔ ﴿حَتَّىٰ عَفَوْا﴾ ”حتیٰ کہ ان کی تعداد زیادہ ہو گئی“ ان کے رزق میں اضافہ ہو گیا اور

اللہ تعالیٰ کی نعمت اور اس کے فضل و کرم میں مزے اڑانے لگے اور وہ اس بات کو بھول گئے کہ ان پر کیا مصیبتیں

نازل ہوئی تھیں۔

﴿وَقَالُوا قَدْ مَسَّ آبَاءَنَا الضَّرَّاءِ وَالسَّرَّاءِ﴾ اور انہوں نے کہا کہ پہنچی رہی ہے ہمارے باپ دادا کو بھی

مصیبت اور خوشی، یعنی رنج و راحت کا آنا تو ایک عادت جاریہ ہے اولین و آخرین تمام لوگوں پر رنج و راحت کے

حالات آتے رہتے ہیں۔ کبھی وہ راحت میں ہوتے ہیں اور کبھی رنج و غم سے دوچار ہوتے ہیں، انقلابات زمانہ اور گردش ایام کے ساتھ ساتھ کبھی وہ خوش ہوتے ہیں اور کبھی غم زدہ۔ وہ ان مصائب اور راحتوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نصیحت اور تنبیہ سمجھتے ہیں نہ استدراج اور تکبیر۔ یہاں تک کہ جو کچھ ان کو عطا کیا گیا تھا اسی میں شاداں و فرحاں رہے اور دنیا ان کے لیے سب سے زیادہ خوش کن چیز تھی۔ ﴿فَلَاخَذْنَاهُمْ﴾ کہ ہم نے (عذاب کے ذریعے سے) ان کو پکڑ لیا۔ ﴿بَغْتَةً وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ﴾ اچانک اور ان کو خبر نہ تھی، یعنی ہلاکت ان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جو کچھ عطا کیا ہے وہ اسے حاصل کرنے پر قادر تھے اور یہ سب کچھ ان سے زائل ہوگا نہ ان سے واپس لیا جائے گا۔

وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ

اور اگر بیشک بستیوں والے ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے، تو کھول دیتے ہم ان پر برکتیں آسمان اور زمین کی

وَلٰكِنْ كَذَّبُوْا فَاَخَذْنَا مِنْهُم مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۹۷﴾ اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرَىٰ اَنْ

لیکن انہوں نے جھٹلایا تو پکڑ لیا ہم نے انہیں بوجہ ان (معمولوں) کے جو تھے وہ کما تے ○ کیا پس بے خوف ہو گئے بستیوں والے اس سے کہ

يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا بَيَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ ﴿۹۸﴾ اَوْ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرَىٰ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ

آجائے انکے پاس ہمارا عذاب رات کو اور وہ سوئے ہوئے ہوں ○ اور کیا بے خوف ہو گئے بستیوں والے اس سے کہ آجائے انکے پاس

بَأْسُنَا ضَحًى وَهُمْ يَلْعَبُونَ ﴿۹۹﴾ اَفَاَمِنُوْا مَكَرَ اللّٰهِ فَلَا يَأْمَنُ مَكَرَ اللّٰهِ

ہمارا عذاب دن چڑھے اور وہ کھیل رہے ہوں ○ کیا پس بے خوف ہو گئے وہ اللہ کی تدبیر سے پس نہیں بے خوف ہوتے اللہ کی تدبیر سے

اِلَّا الْقَوْمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۰۰﴾

مگر خسارہ پانے والے لوگ ہیں ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے جہاں انبیاء و مرسلین کو جھٹلانے والے گروہ کے بارے میں ذکر فرمایا کہ ان کو نصیحت اور تنبیہ کے لیے مصائب میں مبتلا کیا جاتا ہے اور مکر و استدراج کے طور پر انہیں آسانی اور فراخی عطا کی جاتی ہے۔ وہاں یہ بھی فرمایا کہ اگر بستیوں والے صدق دل سے ایمان لے آتے، ان کے اعمال اس ایمان کی تصدیق کرتے اور ظاہر و باطن میں تقویٰ سے کام لے کر اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ تمام چیزوں کو چھوڑ دیتے تو ان پر زمین و آسمان کی برکات کے دروازے کھول دیئے جاتے۔ پس اللہ تعالیٰ آسمان سے ان پر لگاتار بارش برساتا اور زمین سے ان کے لیے وہ کچھ اگاتا جس پر ان کی اور ان کے جانوروں کی معیشت کا دار و مدار ہے اور انہیں بغیر کسی تنگی اور بغیر کسی محنت اور مشقت کے وافر رزق عطا کرتا، مگر وہ ایمان لائے نہ انہوں نے تقویٰ اختیار کیا ﴿فَاَخَذْنَا مِنْهُم مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ﴾ پس ہم نے ان کی بد اعمالیوں کے سبب سے ان کو عذاب اور مصائب میں مبتلا کر دیا۔ ان سے برکات

چھین لیں اور کثرت کے ساتھ ان پر آفتیں نازل کیں۔ یہ ان کے اعمال کی سزا کا کچھ حصہ ہے۔ ورنہ اگر اللہ تعالیٰ ان کے برے اعمال کی پوری سزا دنیا ہی میں دے دے تو روئے زمین پر کوئی جاندار نہ بچے گا۔ ﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ (الروم: ۴۱۳۰) ”بحر و بر میں لوگوں کی بد اعمالیوں کے سبب سے فساد پھیل گیا تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزا چکھائے شاید کہ وہ لوٹ آئیں۔“

﴿أَفَأَمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ﴾ ”کیا بستیوں والے (جنہوں نے انبیاء کی تکذیب کی) اپنے آپ کو مامون سمجھتے ہیں؟“ ﴿أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا﴾ ”اس بات سے کہ آئے ان کے پاس ہمارا عذاب“ یعنی ہمارا سخت عذاب ﴿بَيِّنَاتًا وَهُمْ نَائِمُونَ﴾ ”راتوں رات جب کہ وہ سوئے ہوئے ہوں“ یعنی ان کے آرام کی گھڑیوں میں اور ان کی غفلت کے اوقات میں۔ ﴿أَوْ آمِنَ أَهْلُ الْقُرَىٰ أَنْ يَأْتِيَهُمْ بَأْسُنَا ضَبْحًا وَهُمْ يُلْعَبُونَ﴾ ”کیا بے خوف ہیں بستیوں والے اس بات سے کہ آئیے ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے جب کہ وہ کھلتے ہوں“ یعنی کون سی چیز انہیں محفوظ و مامون رکھ سکتی ہے حالانکہ انہوں نے عذاب الہی کے تمام اسباب کو اکٹھا کر لیا ہے اور بڑے بڑے جرائم کا ارتکاب کیا جن میں سے بعض جرائم ہلاکت کے موجب ہیں؟ ﴿أَفَأَمِنُوا مَكْرَ اللَّهِ﴾ ”کیا وہ بے خوف ہو گئے ہیں اللہ کے داؤسے“ کیونکہ اللہ تعالیٰ ڈھیل دے کر فریب میں مبتلا کر رہا ہے جسے وہ نہیں جانتے۔ اللہ تعالیٰ انہیں مہلت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی چال بہت سخت ہے۔ ﴿فَلَا يَأْمَنُ مَكْرَ اللَّهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُونَ﴾ ”پس اللہ کے داؤسے وہی لوگ بے خوف ہوتے ہیں جو نقصان اٹھانے والے ہیں“ کیونکہ جو کوئی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے محفوظ سمجھتا ہے وہ اعمال کی جزا و سزا کی تصدیق کرتا ہے نہ وہ انبیاء و مرسلین پر حقیقی ایمان رکھتا ہے۔

اس آیت کریمہ میں اس بات پر بہت زور دیا گیا ہے کہ بندے کے لیے مناسب نہیں ہے کہ وہ جتنا کچھ ایمان رکھتا ہے اس کے ضیاع سے بے خوف ہو جائے وہ ہمیشہ اس بات سے ڈرتا رہے کہ کہیں اللہ تعالیٰ اسے ایسی آزمائش سے دوچار نہ کر دے کہ جس سے اس کا سرمایہ ایمان سلب ہو جائے اور وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا کرتا رہے ﴿يَا مقلبَ الْقُلُوبِ بَثِّ قَلْبِي عَلَىٰ دِينِكَ﴾^① ”اے دلوں کے پھیرنے والے میرے دل کو اپنے دین پر قائم رکھ۔“ اور فتنوں کے وقوع کے وقت وہ ہر اس سبب کے حصول کے لیے کوشاں رہے جو اس کو شر سے نجات دے کیونکہ بندہ۔۔۔ خواہ اس کا حال کیسا ہی کیوں نہ ہو۔۔۔ اس کی سلامتی یقینی نہیں۔

أَوْ لَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرْتُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصْبَنَهُمُ

کیا نہیں واضح ہوئی ان لوگوں کے لیے جو وارث بنے زمین کے بعد (ہلاک ہونے) اس کے بندہ لوگوں کے یہ بات کہ اگر ہم چاہیں تو سزا لوں کو

بِذُنُوبِهِمْ ۙ وَطَبَعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهَمْ لَا يَسْعَوْنَ ۝ تِلْكَ الْقُرَىٰ نَقِصٌ

بوجہ ان کے گناہوں کے اور مہر لگا دیں اور پران کے دلوں کے پس وہ (کچھ) نہ سیں ○ یہ بستیاں ہیں بیان کرتے ہیں ہم

عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءِهَا ۙ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ۙ فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا

آپ پر کچھ خبریں آئی اور البتہ تحقیق آئے انکے پاس رسول انکے ساتھ واضح دلیلوں کے پس نہ ہوئے وہ (اس لائق) کہ ایمان لاتے

بِمَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ ۙ كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِ الْكَافِرِينَ ۝ وَمَا وَجَدْنَا

اس پر جسے جھٹلا چکے تھے وہ پہلے اسی طرح مہر لگا دیتا ہے اللہ دلوں پر کفر کرنے والوں کے ○ اور نہیں پایا ہم نے

لَا كَثْرَهُمْ مِنْ عَهْدٍ ۙ وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَسِيقِينَ ۝

ان کے اکثر کے لیے کوئی عہد (کا پاس) اور بلاشبہ پایا ہم نے ان کے اکثر کو نافرمان ہی ○

اللہ تبارک و تعالیٰ گزشتہ قوموں کی ہلاکت کے بعد باقی رہ جانے والی قوموں کو متنبہ کرتے ہوئے فرماتا ہے:

﴿ أَوْ لَمْ يَهْدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ أَهْلِهَا أَنْ لَوْ نَشَاءُ أَصْبَنَهُمْ بِذُنُوبِهِمْ ﴾ کیا ان لوگوں کو جو اہل

زمین کے (مر جانے کے) بعد زمین کے مالک ہوتے ہیں یہ امر موجب ہدایت نہیں ہوا کہ اگر ہم چاہیں تو ان کے

گناہوں کے سبب ان پر مصیبت ڈال دیں۔ ” کیا ان امتوں پر واضح نہیں ہوا جو ان قوموں کے اپنے گناہوں کے

سبب سے ہلاکت کے بعد جو ان سے پہلے گزر چکی ہیں زمین میں وارث بنی ہیں؟ پھر انہوں نے بھی ان ہلاک

ہونے والے لوگوں جیسے اعمال کا ارتکاب شروع کر دیا۔ کیا انہیں اس حقیقت کا علم نہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو

انہیں بھی ان کے گناہوں کے سبب سے پکڑ لے؟ کیونکہ اولین و آخرین کے بارے میں یہی سنت الہی ہے۔

﴿ وَطَبَعَ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ فَهَمْ لَا يَسْعَوْنَ ﴾ ” اور ہم ان کے دلوں پر مہر لگا دیں پس وہ نہ سیں۔ ” یعنی جب اللہ تعالیٰ

انہیں تنبیہ کرے تو وہ متنبہ نہ ہوں انہیں نصیحت کرے مگر وہ نصیحت نہ پکڑیں اور اللہ تعالیٰ آیات اور عبرتوں کے

ذریعے سے ان کی راہ نمائی کرے مگر وہ راہ نمائی حاصل نہ کریں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ان کو عذاب دیتا ہے اور

ان کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے پس ان کے دلوں پر میل کچیل جم جاتا ہے اور وہ زنگ آلود ہو جاتے ہیں۔۔۔ ان

کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے حق ان میں داخل نہیں ہو سکتا، بھلائی ان تک پہنچ نہیں سکتی۔ وہ کوئی ایسی بات نہیں سن

سکتے جو انہیں فائدہ دے۔ وہ تو صرف وہی بات سن سکتے ہیں جو ان کے خلاف حجت بنے گی۔

﴿ تِلْكَ الْقُرَىٰ ﴾ ” وہ بستیاں ” یعنی وہ بستیاں جن کا ذکر گزشتہ سطور میں گزر چکا ہے ﴿ نَقِصٌ عَلَيْكَ مِنْ

أَنْبَاءِهَا ﴾ ” ہم بیان کرتے ہیں آپ پر ان کی کچھ خبریں ” جس سے عبرت حاصل کرنے والوں کو عبرت حاصل ہوتی ہے

ظالموں کے لیے زجر و توبیخ ہے اور اہل تقویٰ کے لیے نصیحت ہے ﴿ وَلَقَدْ جَاءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ ﴾ ” اور ان

کے پاس ان کے پیغمبر نشانیاں لے کر آئے۔ ” یعنی ان جھٹلانے والوں کے پاس ان کے رسول آئے جو ان کو ان

امور کی طرف دعوت دیتے تھے جن میں ان کی سعادت تھی، اللہ تعالیٰ نے ظاہر معجزات کے ذریعے سے ان رسولوں کی تائید کی اور حق کو کامل طور پر واضح کر دینے والے دلائل کے ذریعے سے ان کو تقویت بخشی۔ مگر اس چیز نے انہیں کوئی فائدہ دیا نہ ان کے کسی کام آئی۔

﴿فَمَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا بِهَا كَذَّبُوا مِنْ قَبْلُ﴾ ”پھر ہرگز نہ ہوا کہ ایمان لائیں اس بات پر جس کو پہلے جھٹلا چکے تھے“ یعنی ان کی تکذیب اور حق کو پہلی مرتبہ رد کر دینے کے سبب سے اللہ تعالیٰ ایمان کی طرف ان کی راہ نمائی نہیں کرے گا، یہ حق کو ٹھکرادینے کی سزا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَنَقَلِبٌ أَلِفَتْ لَهُمْ وَأَبْصَارُهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَدَّرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾ (الانعام: ۱۱۰/۱۶) ”ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پلٹ دیں گے جیسے وہ اس پر پہلی مرتبہ ایمان نہیں لائے (ویسے ہی پھر ایمان نہیں لائیں گے) ہم انکو ان کی سرکشی میں سرگرداں چھوڑ دیں گے“۔ ﴿كَذَلِكَ يَطْبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الْكَافِرِينَ﴾ ”اسی طرح اللہ کافروں کے دلوں پر مہر لگا دیتا ہے۔“ یعنی سزا کے طور پر اور اللہ تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا انہوں نے خود ہی اپنے آپ پر ظلم کیا۔

﴿وَمَا وَجَدْنَا لِأَكْثَرِهِمْ مِنْ عَهْدٍ﴾ ”ہم نے ان ہی سے اکثر میں عہد کا نباہ نہیں دیکھا۔“ یعنی ہم نے اکثر قوموں میں جن کی طرف رسول بھیجے گئے، عہد کی پاسداری نہیں دیکھی، یعنی اللہ تعالیٰ کی وصیت کا التزام اور اس پر ثابت قدمی جو اس نے تمام جہانوں کو کر رکھی ہے اور نہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ان احکام کی تعمیل کی ہے جو اس نے اپنے انبیاء و مرسلین کے ذریعے سے ان تک پہنچائے ہیں ﴿وَإِنْ وَجَدْنَا أَكْثَرَهُمْ لَفَاسِقِينَ﴾ ”اور اکثر ان میں پائے نافرمان“ یعنی ہم نے ان کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے نکل بھاگنے اور بے راہ رو ہو کر خواہشات نفس کی پیروی کرنے والے ہی پایا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے رسول مبعوث فرما کر کتابیں نازل کر کے اپنے بندوں کو آزمایا ہے اور ان کو حکم دیا ہے کہ وہ اس کے عہد اور اس کی ہدایت کی اتباع کریں۔ مگر بہت کم لوگوں نے اس کے حکم کی تعمیل کی، یعنی صرف ان لوگوں نے جن کے لیے پہلے ہی سعادت لکھ دی گئی تھی۔ اور رہے اکثر لوگ تو انہوں نے ہدایت سے روگردانی کی اور ان تعلیمات کو تکبر سے ٹھکرادیا جو رسول لے کر آئے تھے۔ پس اس پاداش میں اللہ تعالیٰ نے ان پر مختلف قسم کے عذاب نازل فرمائے۔

ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُوسَىٰ بِآيَاتِنَا إِلَىٰ فِرْعَوْنَ وَمَلَئِهِ فَظَلَمُوا بِهَا ۚ فَانظُرْ
پھر بھیجا ہم نے بعد اُنکے موسیٰ کو ساتھ اپنی آیات کے فرعون اور اس کے درباریوں کی طرف پس ظلم کیا انہوں نے ساتھ اُنکے پس دیکھئے
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿۱۰۶﴾ وَقَالَ مُوسَىٰ يُفْرِعُونَ إِنِّي رَسُولٌ
کیسا ہوا انجام فساد کرنے والوں کا ○ اور کہا موسیٰ نے اے فرعون! بلاشبہ میں رسول ہوں

مَنْ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٣٦﴾ حَقِيقٌ عَلَىٰ أَنْ لَا أَقُولَ عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقُّ قَدْ جِئْتُمْكُمْ

رب العالمین کی طرف سے ○ سزاوار ہے (میرے لیے) یہ بات کہ نہ کہوں میں اللہ پر مگر حق، تحقیق آیا ہوں میں تمہارے پاس

بَيِّنَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ فَأَرْسِلْ مَعِيَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿١٣٧﴾ قَالَ إِنَّ كُنْتَ جِئْتَ بِآيَةٍ

ساتھ واضح دلیل کے تمہارے رب کی طرف سے پس بھیج دے تو میرے ساتھ بنی اسرائیل کو ○ اس نے کہا اگر ہے تو آیا ساتھ کسی (بڑی) نشانی کے

فَأْتِ بِهَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصَّادِقِينَ ﴿١٣٨﴾ فَأَلْفَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ ﴿١٣٩﴾

تو لے آئے اگر ہے تو بچوں سے ○ پس ڈال دیا موسیٰ نے اپنا عصا تو دفعتاً وہ اڑدھا تھا ظاہر ○

وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنُّظُرِينَ ﴿١٤٠﴾ قَالَ الْمَلَأُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ

اور (باہر) نکالا اس نے اپنا ہاتھ تب وہ سفید چمکتا ہوا تھا دیکھنے والوں کے لیے ○ کہا سرداروں نے فرعون کی قوم میں سے

إِنَّ هَذَا لَسِحْرٌ عَلِيمٌ ﴿١٤١﴾ يُرِيدُ أَنْ يُخْرِجَكُمْ مِّنْ أَرْضِكُمْ فَأِذَا تَأْمُرُونَ ﴿١٤٢﴾

یقیناً یہ تو جادوگر ہے بڑا ماہر ○ چاہتا ہے وہ یہ کہ نکال دے تمہیں تمہاری زمین سے تو کیا مشورہ دیتے ہو تم؟ ○

قَالُوا أَرْجَاهُ وَأَخَاهُ وَأَرْسِلْ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ ﴿١٤٣﴾ يَا تَوَكُّبِكُمْ لِكُلِّ سِحْرٍ عَلِيمٌ ﴿١٤٤﴾

انہوں نے کہا مہلت دے سے اور اسکے بھائی کو اور بھیج تو شہروں میں اکٹھے کرنے والے ○ لے آئیں وہ تیرے پاس ہر جادوگر ماہر کو ○

وَجَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ قَالُوا إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ ﴿١٤٥﴾ قَالَ نَعَمْ

اور آئے جادوگر فرعون کے پاس (اور) کہا یقیناً ہمارے لیے انعام ہوگا اگر ہوئے ہم غالب ○ فرعون نے کہا ہاں

وَإِنَّكُمْ لَيَمِنَ الْمُكَذِّبِينَ ﴿١٤٦﴾ قَالُوا يَمُوسَىٰ إِمَّا أَنْ تُلْفَىٰ وَإِمَّا أَنْ نَكُونَ نَحْنُ

اور بلاشبہ تم البتہ مقرب لوگوں میں سے ہو گے ○ انہوں نے کہا اے موسیٰ! یا تو تو ڈالے اور یا یہ کہ ہم ہی ہوں (پہلے)

الْمُلْقِينَ ﴿١٤٧﴾ قَالَ الْقُوا فَلَمَّا أَلْقَوْا سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ

ڈالنے والے (موسیٰ نے) کہا تم ہی ڈالو پس جب انہوں نے ڈالیں (الٹھیاں) تو جادو کر دیا آنکھوں پر لوگوں کی اور ڈرا دیا انہیں

وَجَاءُوا بِسِحْرِ عَظِيمٍ ﴿١٤٨﴾ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ فَإِذَا هِيَ

اور لائے وہ جادو بہت بڑا ○ اور وحی کی ہم نے طرف موسیٰ کی کہ ڈال تو (بھی) اپنا عصا (جب اس نے ڈالا) تو یکایک وہ

تَلْقَفَ مَا يَأْفِكُونَ ﴿١٤٩﴾ فَوَقَعَ الْحَقُّ وَبَطَلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٥٠﴾ فَغَلَبُوا

نکلنے لگے (جھوٹ) جو وہ گھڑتے تھے ○ پس ثابت ہو گیا حق اور باطل ہو گیا جو کچھ کہتے تھے وہ کر رہے ○ پس مغلوب ہو گئے وہ (جادوگر)

هُنَالِكَ وَانْقَلَبُوا ضُغِرِينَ ﴿١٥١﴾ وَأَلْقَى السَّحَرَةُ سُجُودًا ﴿١٥٢﴾ قَالُوا

وہاں اور لوٹے وہ ذلیل و خوار ○ اور گرا دیئے گئے جادوگر (چہروں کے بل) سجدہ کرتے ہوئے ○ انہوں نے کہا!

أَمَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿١٥٣﴾ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴿١٥٤﴾ قَالَ فِرْعَوْنُ امْنُتُمْ بِهِ

ایمان لائے ہم رب العالمین پر ○ رب موسیٰ اور ہارون پر ○ کہا فرعون نے! (کیا) ایمان لے آئے ہو تم اس پر

قَبْلَ أَنْ أَدْنَى لَكُمْ إِنَّ هَذَا لَمَكْرٌ مَكْرْتُمُوهُ فِي الْبَدِينَةِ لِيُخْرِجُوا مِنْهَا

پہلے اس سے کہ اجازت دوں میں تمہیں؟ یقیناً یہ مکر ہے، مکر کیا ہے تم نے یہ اس شہر میں تاکہ نکال دو تم اس (شہر) سے

أَهْلَهَا فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ ﴿۱۳۲﴾ لَا قَطْعَانَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِّنْ خِلَافٍ ثُمَّ

اس کے رہنے والوں کو پس عنقریب جان لو گے تم ○ البتہ ضرور کاٹوں گا میں تمہارے ہاتھ اور تمہارے پاؤں مخالف سمت سے پھر

لَأَصْلِبَنَّكُمْ أَجْعِينَ ﴿۱۳۳﴾ قَالُوا إِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ ﴿۱۳۴﴾ وَمَا نُنْقِمُ مِنَّا

ضرور سولی پر لٹکاؤں گا میں تم سب کو ○ انہوں نے کہا! یقیناً ہم طرف اپنے رب ہی کی لوٹنے والے ہیں ○ اور نہیں سزا دے رہا تو ہمیں

إِلَّا أَنْ أَمَّا بِأَيْتِ رَبِّنَا لَبَّآ جَاءَتْنَا رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوَفَّنَا

مگر اس کی کہ ایمان لائے ہم آیات پر اپنے رب کی جب آئیں وہ ہمارے پاس اے ہمارے رب اذال دے اور ہمارے صبر اور توفیق کر ہمیں

مُسْلِمِينَ ﴿۱۳۵﴾ وَقَالَ الْبَلَاءُ مِنْ قَوْمٍ فِرْعَوْنَ أَتَدْرُ مُوسَىٰ وَقَوْمَهُ لِيُفْسِدُوا

جب کہ ہم مسلمان ہوں ○ اور کہا چودھریوں نے فرعون کی قوم میں سے کیا چھوڑتا ہے تو موسیٰ اور اس کی قوم کو تاکہ فساد کریں وہ

فِي الْأَرْضِ وَيَذَرَكَ وَالْهَتَكُ قَالَ سَنَقْتِلُ أَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِ

زمین میں اور چھوڑ دے وہ تجھے اور تیرے معبودوں کو؟ کہا (فرعون نے) عنقریب قتل کر دیں گے ہم انکے بیٹے اور زندہ رہنے دیں گے

نِسَاءَهُمْ وَإِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ ﴿۱۳۶﴾ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ

ان کی عورتیں (بیٹیاں) اور بلاشبہ ہم اوپر ان کے غالب ہیں ○ کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے مدد طلب کرو تم اللہ سے

وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ

اور صبر کرو یقیناً زمین تو اللہ ہی کی ہے وہ وارث بناتا ہے اس کا جسے چاہتا ہے اپنے بندوں میں سے اور (اچھا) انجام تو

لِلْمُتَّقِينَ ﴿۱۳۷﴾ قَالُوا أُوذِينَا مِنْ قَبْلِ أَنْ تَأْتِينَا وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا

متقیوں ہی کیلئے ہے ○ کہا انہوں نے ایذا دیئے گئے ہم پہلے اس سے کہ آئے تو ہمارے پاس اور بعد اسکے کہ آیا تو ہمارے پاس

قَالَ عَسَىٰ رَبُّكُمْ أَنْ يُهْلِكَ عَدُوُّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ

(موسیٰ نے) کہا امید ہے کہ تمہارا رب ہلاک کر دے گا تمہارے دشمن کو اور جا نشین بنا دے گا تمہیں زمین میں پھر وہ دیکھے گا کہ کیسے

تَعْمَلُونَ ﴿۱۳۸﴾ وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ وَنَقَصْنَا مِنَ الثَّمَرَاتِ

عمل کرتے ہو تم؟ ○ اور البتہ تحقیق پکڑا ہم نے آل فرعون کو ساتھ قحط سالیوں کے اور ساتھ نقصان کرنے کے پھلوں میں

لَعَلَّهُمْ يَذْكُرُونَ ﴿۱۳۹﴾ فَإِذَا جَاءَتْهُمْ الْحَسَنَةُ قَالُوا لَنَا هَذِهِ وَإِنْ

تاکہ وہ نصیحت حاصل کریں ○ پھر جب آتی ان کے پاس بھلائی تو کہتے ہمارے لیے ہی ہے یہ اور اگر

تُصِبَّهُمْ سَيِّئَةٌ يُطَيِّرُهَا بِمُوسَىٰ وَمَنْ مَّعَهُ إِلَّا إِنَّمَا ظَنُّهُمْ

پہنچی انہیں کوئی برائی تو نحوست پکڑتے ساتھ موسیٰ کے اور ان لوگوں کے جو اس کے ساتھ تھے خبردار! ان کی نحوست

عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۱۳۱﴾ وَقَالُوا مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ
اللہ کے پاس ہے لیکن اکثر ان کے نہیں جانتے ○ اور انہوں نے کہا 'جو بھی لائے تو ہمارے پاس کوئی
آیۃ لَتَسْحَرَنَا بِهَا' فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ ﴿۱۳۲﴾ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ
نشانی تاکہ جا دو کرے تو ہم پر ساتھ اس کے تو بھی نہیں ہیں ہم تیرے لیے ایمان لانے والے ○ پس بھیجا ہم نے اوپر انکے طوفان
وَالْجَرَادَ وَالْقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالِدَّمَ أَيْتٌ مُفْصَلَةٌ فَاسْتَكْبَرُوا وَكَانُوا
اور مڈی دل اور جوئیں اور مینڈک اور خون (تمام) نشانیاں الگ الگ پھر بھی تکبر کیا انہوں نے اور تھے ہی وہ
قَوْمًا مُّجْرِمِينَ ﴿۱۳۳﴾ وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ قَالُوا يُمُوسَىٰ ادْعُ لَنَا
لوگ مجرم ○ اور جب واقع ہوتا اوپر ان کے عذاب تو کہتے اے موسیٰ! دعا کر تو ہمارے لیے
رَبِّكَ بِمَا عَاهَدَ عَلَيْكَ ۚ لَئِنْ كَشَفْتَ عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَلَنُرْسِلَنَّ
اپنے رب سے سبب اسکے جو عہد کیا اس نے تجھ سے اگر رو کر دے تو ہم سے یہ عذاب تو ضرور ایمان لے آئیں گے تم تجھ پر اور ضرور بھیج دیں گے ہم
مَعَكَ بَنِي إِسْرَائِيلَ ﴿۱۳۴﴾ فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمْ الرِّجْزَ إِلَىٰ آجَلٍ هُمْ بِلُغْوِهِ
تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو ○ پس جب ہٹا دیتے ہم ان پر سے عذاب ایک وقت تک کہ وہ پہنچنے والے ہوتے اس کو
إِذَا هُمْ يَنْكُثُونَ ﴿۱۳۵﴾ فَأَنْتَقَبْنَا مِنْهُمْ فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا
تب وہ عہد توڑ دیتے ○ پس انتقام لیا ہم نے ان سے پھر غرق کر دیا انہیں سمندر میں بوجہ اس کے کہ انہوں نے جھٹلایا
بِأَيْتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ﴿۱۳۶﴾ وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ
ہماری آیتوں کو اور تھے وہ ان سے غفلت کرنے والے ○ اور وارث کر دیا ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے
مَشَارِقِ الْأَرْضِ وَمَعَارِبَهَا الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا ط وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ
اس زمین کی مشرقی اور مغربی جہتوں کا وہ (زمین) کہ برکت رکھی تھی ہم نے اس میں اور پورا ہوا وعدہ آپ کے رب کا اچھا
عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ ۖ بِمَا صَبَرُوا ط وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ
اور بنی اسرائیل کے بوجہ اسکے جو صبر کیا انہوں نے اور تباہ کر دیں ہم نے وہ (فیکٹریاں) کہ تھا بناتا (ان کو) فرعون اور اسکی قوم
وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ ﴿۱۳۷﴾ وَجُوزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ فَأَتَوْا عَلَىٰ قَوْمٍ
اور ان (محللات) کو جو تھے وہ بلند کرتے ○ اور پار اتار دیا ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے تو آئے وہ اوپر ایسے لوگوں کے
يَعْكُفُونَ عَلَىٰ أَصْنَامٍ لَّهُمْ قَالُوا يُمُوسَىٰ اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ ط
جو عبادت میں لگے تھے اپنے بتوں کی انہوں نے کہا اے موسیٰ! بنا دے تو ہمارے لیے ایک معبود جس طرح کہ ہیں ان کے معبود
قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ ﴿۱۳۸﴾ إِنَّ هَؤُلَاءِ مَتَّبِعُوا مَا هُمْ فِيهِ وَبُطِلَ
(موسیٰ نے) کہا بلاشبہ تم لوگ تو (بکسر) جاہل ہو یقیناً یہ لوگ تباہ ہونے والا ہے وہ (مذہب) کہ وہ اس میں (مشغول) ہیں اور باطل ہے

مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۳۹﴾ قَالَ اَغْيِرَ اللّٰهُ اَبْغِيَكُمْ اِلٰهًا وَهُوَ فَضَّلَكُمْ

جو کچھ کہیں وہ عمل کرتے ○ (موسیٰ نے) کہا کیا سوائے اللہ کے تلاش کروں میں تمہارے لیے معبود جبکہ اسی نے فضیلت دی ہے

عَلَى الْعَالَمِينَ ﴿۴۰﴾ وَاِذْ اَنْجَيْنَاكُمْ مِّنْ اِلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ

تمہیں جہانوں پر ○ اور جب نجات دی ہم نے تمہیں آل فرعون سے وہ دیتے تھے تمہیں بدترین عذاب

يُقَتِّلُونَ اَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ

قتل کر دیتے تھے وہ بیٹے تمہارے اور زندہ رہنے دیتے تھے عورتیں (بیٹیاں) تمہاری اور اس میں آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے

عَظِيْمٌ ﴿۴۱﴾ وَوَعَدْنَا مُوسٰى ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاْتَمَنَّا بِعَشْرِ فِتْمٰتٍ

بہت بڑی ○ اور وعدہ کیا ہم نے موسیٰ سے تیس راتوں کا اور پورا کیا ہم نے ان کو ساتھ دس راتوں کے تو پوری ہو گئی مدت مقررہ

رَبِّهٖ اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً وَّقَالَ مُوسٰى لِاَخِيهِ هٰرُونَ اخْلُفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ وَاَصْلِحْ

اسکے رب کی چالیس راتیں اور کہا موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے میری جانشینی کرنا میری قوم میں اور اصلاح کرنا (ان کی)

وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَلَمَّا جَاءَ مُوسٰى لِبَيْقَاتِنَا وَكَلِمَةُ رَبِّهٖ لَا

اور نہ پیروی کرنا راستے کی فساد کرنے والوں کے ○ اور جب آئے موسیٰ ہماری مقررہ مدت پر اور کلام کیا ان سے ان کے رب نے

قَالَ رَبِّ اَرِنِيْ اَنْظُرْ اِلَيْكَ قَالَ كُنْ تَرٰنِيْ وَلٰكِنْ اَنْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ

تو کہا موسیٰ نے اے میرے رب! دکھا مجھے (اپنی جھلک) کہ دیکھوں میں تجھے کہا ہرگز نہیں دیکھ سکے گا تو مجھے لیکن دیکھ تو طرف اس پہاڑ کی

فَاِنْ اَسْتَقَرَّ مَكَانُهٗ فَسَوْفَ تَرٰنِيْ فَلَمَّا تَجَلَّى رَبُّهٗ لِلْجَبَلِ جَعَلَهٗ دَكًا

پس اگر ٹھہرا ہوا وہ اپنی جگہ پر تو ضرور دیکھ سکے گا تو بھی مجھے پھر جب جلوہ ڈالا اس کے رب نے پہاڑ پر تو کر دیا اس کو ریزہ ریزہ

وَخَرَّ مُوسٰى صَعِقًا فَلَمَّا اَفَاقَ قَالَ سُبْحٰنَكَ تُبْتُ اِلَيْكَ وَاَنَا اَوَّلُ

اور گر پڑے موسیٰ بے ہوش ہو کر پھر جوبہ ہوش میں آئے تو کہا پاک ہے تو توبہ کی میں نے تیری طرف اور میں ہوں سب سے پہلا

الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾ قَالَ يٰمُوسٰى اِنِّىْ اصْطَفَيْتُكَ عَلَى النَّاسِ بِرِسٰلَتِيْ وَبِكَلٰمِيْ ۗ

مومن ○ کہا (اللہ نے) اے موسیٰ! بلاشبہ میں نے چن لیا ہے تجھے اوپر لوگوں کے اپنے پیغامات (پہنچانے) اور اپنی ہمکلامی کیلئے

فَاخْذْ مَا اَتَيْتُكَ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَكَتَبْنَا لَهُ فِى الْاَلْوٰاحِ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ

پس لے لے تو جو دیا میں نے تجھے اور ہو جا تو شکر گزاروں میں سے ○ اور لکھ دی ہم نے اس (موسیٰ) کے لیے تختیوں میں ہر چیز کی

مَوْعِظَةً وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ فَخْذْهَا بِقُوَّةٍ وَاْمُرْ قَوْمَكَ يٰاْخِذُوْا بِحَسْنٰهَا

نصیحت اور تفصیل ہر ایک شے کی سو پکڑ لے تو ان کو ساتھ قوت کے اور حکم دے اپنی قوم کو کہ پکڑیں وہ اچھی باتیں ان کی

سَاوْرِكُمْ دَارَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿۴۵﴾ سَاَصْرِفُ عَنْ اٰيٰتِيْ الَّذِيْنَ يَتَكَبَّرُوْنَ فِى الْاَرْضِ

عنقریب دکھاؤں گا میں تمہیں گھر فاسقوں کا ○ اور البتہ پھیر دوں گا میں اپنی آیتوں سے ان لوگوں کو جو تکبر کرتے ہیں زمین میں

بِغَيْرِ الْحَقِّ وَإِنْ يَرَوْا كَلَّ آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الرُّشْدِ
 اور اگر دیکھ لیں وہ ہر نشانی تو بھی نہ ایمان لائیں گے وہ ساتھ ان کے اور اگر دیکھ لیں وہ راہ ہدایت
 لَا يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا وَإِنْ يَرَوْا سَبِيلَ الْغَيِّ يَتَّخِذُوهُ سَبِيلًا ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ
 تو نہ پکڑیں اسے (اپنے لیے) راستہ اور اگر دیکھ لیں وہ راستہ گمراہی کا تو پکڑ لیں اسے (اپنے لیے) راستہ یہ اس لیے کہ بلاشبہ انہوں نے
 كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ ﴿١٣٦﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَلِقَاءِ
 جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور تھے وہ ان سے غافل ○ اور وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں اور ملاقات کو
 الْآخِرَةِ حَظَّتْ أَعْيَالُهُمْ هَلْ يُجْزَوْنَ إِلَّا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٧﴾ وَاتَّخَذَ
 آخرت کی برباد ہو گئے ان کے عمل نہیں بدلہ دیے جائیں گے وہ مگر ان کاموں کا جو تھے وہ کرتے ○ اور بنایا
 قَوْمَ مُوسَىٰ مِنْ بَعْدِهِ مِنْ خَلْقِهِمْ عَجَلًا جَسَدًا لَّهُ خُوَارٌ أَلَمْ يَرَوْا
 موسیٰ کی قوم نے بعد (جانے) اس (موسیٰ) کے اپنے زیورات سے ایک بچھڑا جو ایک جسم تھا اسکی آواز تھی گانے کی کیا نہیں دیکھا انہوں نے
 أَنَّهُ لَا يَكْتُمُهُمْ وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا اتَّخَذُوهُ وَكَانُوا ظَالِمِينَ ﴿١٣٨﴾ وَلَمَّا
 کہ وہ نہیں کلام کرتا ان سے اور نہیں بتلاتا انہیں کوئی راستہ؟ بنا لیا انہوں نے اسے (معبود) اور تھے وہ ظالم ○ اور جب
 سَقَطَ فِي أَيْدِيهِمْ وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا قَالُوا لَئِنْ لَمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا
 نادم ہوئے وہ اور دیکھا انہوں نے کہ بلاشبہ گمراہ ہو گئے ہیں وہ تو کہا انہوں نے اگر نہ رحم کیا ہم پر ہمارے رب نے
 وَيَغْفِرَ لَنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿١٣٩﴾ وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ
 اور نہ بخش ہمیں تو ضرور ہو جائیں گے ہم خسارہ پانے والوں میں سے ○ اور جب واپس آئے موسیٰ طرف اپنی قوم کی
 غَضَبَانَ اسْفًا قَالَ بئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِنْ بَعْدِي أَعَجَلْتُمْ أَمْرَ رَبِّكُمْ
 غضب ناک افسوس کرتے ہوئے تو کہا ہری ہے جو جانشینی کی تم نے میری میرے (جانے کے) بعد کیا جلدی کی تم نے اپنے رب کے حکم سے؟
 وَاللّٰقِيَ الْاَلْوَاخِ وَاخَذَ بِرَأْسِ أَخِيهِ يَجُرُّهُ إِلَيْهِ قَالَ ابْنَ أُمَّ إِنَّ الْقَوْمَ
 اور ڈال دیں تختیاں اور پکڑ لیا سر اپنے بھائی کا کھینچتے تھے اسکو اپنی طرف کہا (ہارون) نے اے میرے ماں جانے! بیشک ان لوگوں نے
 اسْتَضَعْفُونِي وَكَادُوا يَقْتُلُونَنِي فَلَا تُشِيتْ بِي الْأَعْدَاءُ وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ
 کمزور سمجھا مجھے اور قریب تھے کہ وہ قتل ہی کر دیتے مجھے پس نہ ہنسا مجھ پر دشمنوں کو اور نہ (شامل) کر تو مجھے ساتھ
 الْقَوْمِ الظَّالِمِينَ ﴿١٤٠﴾ قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِي وَلِإِخِي وَادْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ
 ان لوگوں کے جو ظالم ہیں ○ کہا (موسیٰ نے) اے میرے رب! تو بخش دے مجھے اور میرے بھائی کو اور داخل فرما ہمیں اپنی رحمت میں
 وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّاحِمِينَ ﴿١٤١﴾ إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ
 اور تو ہے سب سے زیادہ رحم کرنے والا ○ بے شک وہ لوگ جنہوں نے بنایا بچھڑے کو (معبود) عنقریب پہنچے گا انہیں غضب

مَنْ رَبِّهِمْ وَذِلَّةً فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا ۖ وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ ۝۱۵۶
 ان کے رب کی طرف سے اور ذلت زندگی دنیا میں اور اسی طرح سزا دیتے ہیں ہم بہتان باندھنے والوں کو
وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِهَا وَآمَنُوا ۖ إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا
 اور وہ لوگ جنہوں نے عمل کئے برے پھر توبہ کی بعد ان کے اور ایمان لے آئے تو یقیناً آپ کا رب اس کے بعد
لَغَفُورٌ رَحِيمٌ ۝۱۵۷ وَلَهَا سَكَتٌ عَنْ مُوسَى الْغَضَبِ أَخْذَ الْاَلْوَاخِ ۖ وَفِي سُخْرِيهَا
 البتہ بہت بخشنے والا ہے نہایت مہربان ○ اور جب ٹھنڈا ہوا موسیٰ کا غصہ تو اٹھائیں اس نے تختیاں اور ان کے مضامین میں
هُدًى وَرَحْمَةً لِّلَّذِينَ هُمْ لِرَبِّهِمْ يَرْهَبُونَ ۝۱۵۸ وَاخْتَارَ مُوسَى قَوْمَهُ
 ہدایت اور رحمت تھی ان لوگوں کے لیے جو اپنے رب سے ڈرتے تھے ○ اور منتخب کئے موسیٰ نے اپنی قوم میں سے
سَبْعِينَ رَجُلًا لِّمِيقَاتِنَا ۖ فَلَمَّا أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ قَالَ رَبِّ لَوْ شِئْتَ
 ستر آدمی ہمارے مقررہ وقت کے لیے۔ پس جب پکڑ لیا ان کو زلزلے نے تو کہا موسیٰ نے اے میرے رب! اگر چاہتا تو
اهلكتهم مِّن قَبْلُ وَايَايَ اَتَهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا ۗ اِنْ هِيَ
 تو ہلاک کر دیتا انہیں پہلے اس سے اور مجھے بھی کیا ہلاک کرتا ہے تو ہمیں بوجہ اسکے جو کیا یہ تو فوفوں نے ہم میں سے؟ نہیں ہے یہ
اِلَّا فِتْنَتُكَ ۖ تُضِلُّ بِهَا مَن تَشَاءُ وَتَهْدِي مَن تَشَاءُ ۗ اَنْتَ وَلِيُّنَا
 مگر آزمائش تیری، گمراہ کرتا ہے تو ساتھ اس (آزمائش) کے جسے چاہتا ہے اور ہدایت دیتا ہے جسے چاہتا ہے تو ہی ہمارا کارساز ہے
فَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا ۗ وَاَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ ۝۱۵۹ وَاَكْتَبَ لَنَا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا
 پس بخش دے ہمیں اور رحم فرما ہم پر اور تو ہے بہترین بخشنے والا ○ اور لکھ دے تو ہمارے لیے اس دنیا میں
حَسَنَةً ۗ وَفِي الْاٰخِرَةِ ۗ اِنَّا هُدْنَا ۗ اِلَيْكَ ۗ قَالَ عَذَابِيْٓ اُصِيبُ بِهٖ مَن
 بھلائی اور آخرت میں بھی یقیناً ہم نے رجوع کیا تیری طرف کہا (اللہ نے) میرا عذاب پہنچاتا ہوں میں وہ جسے
اَشَاءُ ۗ وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ ۗ فَسَاكْتِبْهَا لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ
 چاہتا ہوں اور میری رحمت اس نے گھیر رکھا ہے ہر ایک چیز کو پس عنقریب لکھ دوں گا میں یہ (رحمت) ان لوگوں کیلئے جو ڈرتے ہیں
وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ ۗ وَالَّذِيْنَ هُمْ بِاٰيٰتِنَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۶۰ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ
 اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور وہ لوگ کہ وہ ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں ○ وہ لوگ جو اتباع کرتے ہیں
الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاَلٰهِي الَّذِي يَجِدُوْنَہٗ مَكْتُوبًا ۗ عِنْدَهُمُ فِي التَّوْرَةِ
 اس رسول کا جو نبی امی ہے وہ جو پاتے ہیں وہ اس کو لکھا ہوا اپنے ہاں تورات
وَالْاِنْجِيْلِ ۗ يٰۤاٰمُرُهُمُ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ
 اور انجیل میں وہ حکم دیتا ہے انہیں اچھے کاموں کا اور روکتا ہے انہیں برے کاموں سے اور وہ حلال کرتا ہے ان کیلئے پاکیزہ چیزیں

وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبِيثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ ۗ

اور حرام ٹھہراتا ہے ان پر ناپاک چیزیں اور اتارتا ہے ان سے ان کے بوجھ اور وہ طوق جو تھے اوپر ان کے

فَالَّذِينَ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّرُوهُ وَنَصَرُوهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ لَا

پس وہ لوگ جو ایمان لائے ساتھ اس کے اور تعظیم کی اس کی اور مدد کی اس کی اور اتباع کیا اس نور کا جو نازل کیا گیا ساتھ اس کے

أُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿۱۵۸﴾ قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جَمِيعًا

یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے ۰ کہہ دیجیے اے لوگو! یقیناً میں رسول ہوں اللہ کا تم سب کی طرف

الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ يُحْيِي وَيُمِيتُ ۗ فَآمِنُوا

وہ ذات کہ اسی کیلئے بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین کی نہیں ہے کوئی معبود (برحق) مگر وہی وہ زندہ کرتا اور مارتا ہے پس ایمان لاؤ

بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ وَاتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ

تم ساتھ اللہ اور اسکے رسول کے جو نبی امی ہے وہ جو (خود بھی) ایمان لاتا ہے ساتھ اللہ اور اسکے کلمات کے اور اتباع کرو اس کا تاکہ تم

تَهْتَدُونَ ﴿۱۵۹﴾ وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٌ يَهْتَدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴿۱۶۰﴾

ہدایت پاؤ ۰ اور موسیٰ کی قوم میں سے ایک جماعت ہے جو رہنمائی کرتی ہے ساتھ حق کے اور ساتھ اسی (حق) کے وہ عدل کرتی ہے ۰

وَقَطَّعْنَاهُمْ أَشْتَتَىٰ عَشْرَةَ أَسْبَاطًا أُمَمًا ۗ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ إِذِ اسْتَسْقَمَهُ

اور جدا جدا کر دیا ہم نے انہیں بارہ قبیلوں کے لحاظ سے (بارہ) جماعتوں میں اور وحی کی ہم نے طرف موسیٰ کی جب پانی مانگا اس سے

قَوْمَهُ أَنِ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانْبَجَسَتْ مِنْهُ اثنَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۗ قَدْ

اس کی قوم نے یہ کہ مار تو لاٹھی اپنی (اس) پتھر پڑ (اس نے ماری) تو پھوٹ پڑے اس (پتھر) سے بارہ چشمے، تحقیق

عَلِمَ كُلُّ أَنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۗ وَظَلَلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ ۗ وَأَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّانَ

جان لیا ہر قبیلے نے اپنا گھاٹ اور سایہ کیا ہم نے اوپر ان کے بادلوں کا اور نازل کیا اوپر ان کے من

وَالسَّلْوَٰطَىٰ كُلُّوًا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ ۖ وَمَا ظَلَمُونَا وَلَكِن كَانُوا أَنفُسَهُمْ

اور سلوئی (اور کھا) کھاؤ تم ان پاکیزہ چیزوں سے جو رزق دیا ہم نے تمہیں اور نہیں ظلم کیا انہوں نے ہم پر لیکن تھے وہ اپنی ہی جانوں پر

يُظَلِّمُونَ ﴿۱۶۱﴾ وَإِذْ قِيلَ لَهُمُ اسْكُنُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ وَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ

ظلم کرتے ۰ اور جب کہا گیا ان سے ٹھہرو تم اس بستی میں اور کھاؤ اس میں سے جہاں سے چاہو تم

وَقُولُوا حِطَّةٌ ۗ وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطِيئَتَكُمْ ۗ

اور کہو معاف کر دے ہمیں اور داخل ہو دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے تو بخش دیں گے ہم تمہارے لیے تمہاری خطائیں

سَنَزِيدُ الْمُحْسِنِينَ ﴿۱۶۲﴾ فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي

عنقریب زیادہ دیں گے ہم نیک کرنے والوں کو پس بدل دیا ان لوگوں نے جنہوں نے ظلم کیا تھا ان میں سے بہت کو مخالف اس بات کے جو

قِيلَ لَهُمْ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿١١٦﴾

کہی گئی تھی ان سے تو بھیجا ہم نے اوپر ان کے عذاب آسمان سے بوجہ اس کے جو تھے وہ ظلم کرتے

وَسَأَلَهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ إِذْ يَعْدُونَ فِي السَّبْتِ

اور پوچھے ان (لوگوں) سے اس ہستی کے بارے میں جو تھی ساحل سمندر پر جب وہ حد سے تجاوز کرتے تھے ہفتے کے (دن کے) بارے میں

إِذْ تَأْتِيهِمْ حِيَتَانَهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَّعًا وَيَوْمَ لَا يَسْبِتُونَ لَا تَأْتِيهِمْ

جب کہ آتی تھیں ان کے پاس مچھلیاں ان کی ان کے ہفتے کے دن میں ظاہر (پانی کے اوپر) اور چون ہفتے کا نہ ہوتا تو نہ آتیں وہ ان کے پاس

كَذَلِكَ نَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١١٧﴾ وَإِذْ قَالَتْ أُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ

اسی طرح ہم آزماتے تھے انہیں بوجہ اس کے جو تھے وہ نافرمانی کرتے اور جب کہا ایک گروہ نے ان میں سے کیوں

تَعْظُونَ قَوْمًا لَّا اللَّهُ مَهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا قَالُوا

وعظ کرتے ہو تم ایسی قوم کو کہ اللہ ہلاک کرنے والا ہے انہیں یا عذاب دینے والا ہے انہیں عذاب سخت تو انہوں نے کہا

مَعذِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ ﴿١١٨﴾ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ

معذرت پیش کرنے کیلئے تمہارے رب کی طرف اور شاید کہ وہ ڈر جائیں پس جب بھلا دیا انہوں نے جو نصیحت کے گئے تھے وہ ساتھ اس کے

أَنْجَيْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ وَأَخَذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا بِعَذَابٍ بَّيِّنٍ

تو نجات دی ہم نے ان لوگوں کو جو روکتے تھے برے کام سے اور پکڑ لیا ہم نے ان کو جنہوں نے ظلم کیا ساتھ بدترین عذاب کے

بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿١١٩﴾ فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَا نُهُوا عَنْهُ قُلْنَا لَهُمْ كُونُوا

بوجہ اس کے جو تھے وہ نافرمانی کرتے پس جب سرکشی کی انہوں نے اس سے کہ روکے گئے تھے وہ اس سے تو کہا ہم نے ان کو ہو جاؤ تم

قَرْدَةً حَسِيبِينَ ﴿١٢٠﴾ وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ لِيُبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَن

بندر ذلیل اور (یا دکرو) جب جتلا دیا آپ کے رب نے کہ وہ ضرور بھیجتا رہے گا اوپر ان کے روز قیامت تک ایسے شخص کو جو

يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٢١﴾

چکھاتا رہے گا انہیں برا عذاب بلاشبہ آپ کا رب البتہ جلدی سزا دینے والا ہے اور یقیناً وہ البتہ بہت بخشنے والا رحم کرنے والا ہے

وَقَطَّعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَّمًا مِّنْهُمْ الصَّالِحُونَ وَمِنْهُمْ دُونَ ذَلِكَ وَبَلَّوْنَهُمْ

اور جدا جدا کر دیا ہم نے انہیں زمین میں کئی گروہ بنا کر کچھ ان میں سے صالح تھے اور کچھ ان میں سے علاوہ اسکے اور آرمایا ہم نے انہیں

بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿١٢٢﴾ فَخَلَفَ مِنْ بَعدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا

ساتھ نعتوں اور تکلیفوں کے تاکہ وہ رجوع کریں (اللہ کی طرف) پھر جانشین بنے بعد ان کے ناخلف جو وارث ہوئے

الْكِتَابَ يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَذَا الْأَدْنَىٰ وَيَقُولُونَ سَيُغْفَرُ لَنَا وَإِن يَأْتِهِمْ

کتاب (تورات) کے وہ لے لیتے سامان اس ادنیٰ (دنیا) کا اور کہتے کہ عنقریب بخش دیا جائے گا ہمیں اور اگر آئے ان کے پاس (پھر)

عَرَضٌ مِّثْلُهُ يَأْخُذُ وَهُوَ ط أَلَمْ يُؤْخَذْ عَلَيْهِمْ مِيثَاقُ الْكِتَابِ أَنْ لَا يَقُولُوا

سامان اس جیسا ہی تو وہ لے لیں اسے (بھی) کیا نہیں لیا گیا ان سے پختہ وعدہ کتاب میں یہ کہ وہ نہ کہیں

عَلَى اللَّهِ إِلَّا الْحَقُّ وَدَرَسُوا مَا فِيهِ وَالِدَارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ

اوپر اللہ کے سوائے حق کے؟ حالانکہ انہوں نے پڑھ لیا ہے جو کچھ اس میں ہے اور گھر آخرت کا بہت بہتر ہے ان لوگوں کے لیے

يَتَّقُونَ ۙ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿١٩﴾ وَالَّذِينَ يَسْكُونَ بِالْكِتَابِ وَاقَامُوا الصَّلَاةَ

جو تقویٰ اختیار کرتے ہیں کیا پس نہیں عقل رکھتے تم؟ اور وہ لوگ جو مضبوطی سے پکڑتے ہیں کتاب کو اور قائم کیا انہوں نے نماز کو

إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ ﴿٢٠﴾ وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ كَأَنَّهُ ظِلَّةٌ

تو یقیناً ہم نہیں ضائع کرتے اجر اصلاح کرنے والوں کا اور جب اٹھایا ہم نے پہاڑ کو اوپر ان کے گویا کہ وہ ایک سامان ہے

وَوَضَّوْا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ خُذُوا مَا آتَيْنَكُم بِقُوَّةٍ

اور یقین کر لیا تھا انہوں نے کہ یقیناً وہ (پہاڑ) گرنے والا ہے ان پر (کہا ہم نے) پکڑو اس (تورات) کو جو دی ہم نے تمہیں ساتھ قوت کے

وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٢١﴾

اور یاد کرو جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم بچ جاؤ

پھر ان رسولوں کے بعد ہم نے امام عظیم اور رسول کریم موسیٰ کلیم اللہ ﷺ کو انتہائی سرکش اور جاہر قوم یعنی فرعون اور اس کے سرداروں اور اشراف کی طرف مبعوث کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو بڑی بڑی آیات و معجزات کا مشاہدہ کروایا کہ ان جیسے معجزات کا مشاہدہ کبھی نہیں ہوا۔ ﴿فَظَلَمُوا بِهَا﴾ پس ظلم کیا انہوں نے ان کے مقابلے میں“ بایں صورت کہ انہوں نے اس حق کی پیروی نہ کی کہ جس کی پیروی نہ کرنا ظلم ہے اس کے برعکس انہوں نے تکبر کے ساتھ حق کو ٹھکرا دیا ﴿فَانظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ﴾ پس دیکھو کیا انجام ہوا مفسدوں کا“ یعنی دیکھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو کیسے ہلاک کر دیا دنیا میں کیسے ان کو ملعون اور مذموم ٹھہرایا اور قیامت کے روز بھی لعنت ان کے پیچھے لگی رہے گی۔ بہت برا ہے وہ انعام جو ان کو ملا ہے۔

یہ مجمل بیان تھا اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَقَالَ مُوسَىٰ﴾ موسیٰ (ﷺ) نے فرمایا، ”یعنی موسیٰ ﷺ نے فرعون کے پاس آ کر اسے ایمان کی دعوت دی اور فرمایا: ﴿يَفِرُّعُونَ مِنِّي رَسُولٌ مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ﴾“ نے فرعون میں رب العالمین کا بھیجا ہوا (رسول) ہوں، ”یعنی میں ایک عظیم ہستی کی طرف سے بھیجا گیا رسول ہوں جو عالم علوی اور عالم سفلی تمام جہانوں کا رب ہے جو مختلف تدابیر الہیہ کے ذریعے سے تمام مخلوق کی تربیت کرتا ہے۔ ان جملہ تدابیر میں ایک یہ بھی ہے کہ وہ لوگوں کو مہمل نہیں چھوڑتا بلکہ وہ انبیاء و مرسلین کو خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کر ان کی طرف مبعوث کرتا ہے۔ وہ ایسی ہستی ہے کہ کوئی شخص یہ دعویٰ کرنے کی

جرات نہیں کر سکتا کہ اسے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے درآں حالیکہ اسے رسول نہ بنایا گیا ہو۔ جب اس عظیم ہستی کی یہ شان ہے اور اس نے مجھے اپنی رسالت کے لیے چن لیا ہے۔ تو مجھ پر فرض ہے کہ میں اللہ تعالیٰ پر جھوٹ نہ باندھوں اور اس کی طرف وہی بات منسوب کروں جو حق ہے اور اگر میں اللہ تعالیٰ کے بارے میں اس کے علاوہ کچھ اور کہوں تو وہ مجھے بہت جلد عذاب میں مبتلا کر دے گا اور وہ مجھے ایسے پکڑے گا جیسے ایک غالب اور قادر ہستی پکڑتی ہے۔ پس یہ امر اس بات کا موجب ہے کہ وہ موسیٰ علیہ السلام کی اتباع کریں اور ان کے حکم کی تعمیل کریں، خاص طور پر جبکہ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح دلیل آگئی ہے جو اس حق پر دلالت کرتی ہے جو موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے۔ اس لئے ان پر واجب ہے کہ وہ آنجناب کی رسالت کے مقاصد پر عمل درآمد کریں۔ اس رسالت کے دو عظیم مقاصد ہیں۔

(۱) وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائیں اور ان کی اتباع کریں۔

(۲) بنی اسرائیل کو آزاد کر دیں جو ایسی قوم ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے تمام جہانوں پر فضیلت بخشی ہے۔ جو

انبیاء علیہم السلام کی اولاد اور یعقوب علیہ السلام کا سلسلہ ہے اور موسیٰ علیہ السلام اس سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا ﴿ قَالَ اِنْ كُنْتَ حَقًّا بِاٰيَةِ قَاتِلِهَا اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴾ اگر تم کوئی نشانی لے کر آئے ہو تو لاؤ دکھاؤ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو۔ ﴿ فَاَنْفَىٰ عَصَاهُ فَاِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِيْنٌ ﴾ پس موسیٰ نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا تو وہ واضح طور پر سانپ بن گیا، جو بھاگ رہا تھا اور وہ سب کھلی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر رہے تھے۔ ﴿ وَنَوَّعَ يَدَاہُ ﴾ حضرت موسیٰ نے اپنا ہاتھ اپنے گریبان سے نکالا، ﴿ فَاِذَا هِيَ بِيْضًاۗءٌ لِّلنّٰظِرِيْنَ ﴾ پس وہ دیکھنے والوں کو (بغیر کسی عیب اور مرض کے) سفید نظر آتا تھا۔ یہ دو بڑے معجزے جو موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم اور ان کی صداقت پر دلالت کرتے تھے کہ وہ تمام جہانوں کے رب کی طرف سے رسول ہیں۔ مگر وہ لوگ جو ایمان نہیں لاتے اگر ان کے پاس تمام معجزات آجائیں وہ تب بھی ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ وہ دردناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

بنابریں ﴿ قَالَ الْمَلَاۗءُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ ﴾ قوم فرعون کے جو سردار تھے وہ کہنے لگے۔ یعنی جب انہوں نے

معجزات کو دیکھا اور ان معجزات نے ان کو مبہوت کر دیا تو وہ ایمان نہ لائے وہ معجزات کے لیے فاسد تاویلات تلاش کرنے لگے اور بولے ﴿ اِنَّ هٰذَا السّٰجِدُ عَلَيْنَا ﴾ یہ بڑا ماہر جادوگر ہے۔ یعنی یہ اپنے جادو میں بہت ماہر ہے۔

پھر وہ کمزور عقل اور کم فہم لوگوں کو ڈراتے ہوئے کہنے لگے ﴿ يٰرَبِّدِّۡنَا ﴾ یعنی اس فعل سے موسیٰ علیہ السلام کا ارادہ ہے

﴿ اَنْ يُخْرِجَكُم مِّنْ اَرْضِكُمْ ﴾ کہ وہ تمہیں تمہارے وطن سے نکال باہر کرے۔ ﴿ فَمَا اِذَا تَاْمُرُوْنَ ﴾ اب تمہاری

کیا صلاح ہے، یعنی انہوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کیسے نبٹا جائے اور ان کے زعم کے

مطابق موسیٰ علیہ السلام کے ضرر سے کیسے بچا جائے۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام جو کچھ لے کر آئے ہیں اگر اس کا مقابلہ کسی ایسی چیز

سے نہ کیا جائے جو اسے باطل اور بے اثر کر دے تو موسیٰ کے معجزات عوام میں سے اکثر لوگوں کے ذہنوں کو متاثر کریں گے۔

تب وہ ایک رائے پر متفق ہوئے اور انہوں نے فرعون سے کہا ﴿أَرْجِهْ وَأَخَاذٌ﴾ ”(فی الحال) موسیٰ (علیہ السلام) اور اس کے بھائی کے معاملے کو معاف رکھیے۔“ یعنی دونوں بھائیوں کو روک کر ان کو مہلت دو اور تمام شہروں میں ہر کارے دوڑا دو جو مملکت کے لوگوں کو اکٹھا کریں اور تمام ماہر جادو گروں کو لے آئیں تاکہ وہ موسیٰ (علیہ السلام) کے معجزات کا مقابلہ کر سکیں۔ چنانچہ انہوں نے موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا ”ہمارے اور اپنے درمیان ایک وقت مقرر کر لو؛ نہ ہم اس کی خلاف ورزی کریں گے نہ تم اس کے خلاف کرو گے اور یہ مقابلہ ایک ہموار میدان میں ہوگا۔“ موسیٰ (علیہ السلام) نے جواب میں فرمایا: ﴿مَوْعِدُكُمْ يَوْمَ الزَّيْنَةِ وَأَنْ يُحَشِّرَ النَّاسَ صُنْعِي ۖ فَتَوَلَّىٰ فِرْعَوْنُ فَجَمَعَ كَيْدَهُ ثُمَّ أَتَىٰ﴾ (ظہ: ۵۹، ۶۰) ”تمہارے لئے مقابلے کا دن عید کا روز مقرر ہے اور یہ کہ تمام لوگ چاشت کے وقت اکٹھے ہو جائیں۔ فرعون لوٹ گیا۔ اس نے اپنی تمام چالیں جمع کیں پھر مقابلے کے لیے آ گیا۔“

﴿وَجَاءَ السَّحَرَةُ فِرْعَوْنَ﴾ ”اور جادوگر فرعون کے پاس آ پہنچے۔“ جادوگر غالب آنے کی صورت میں انعام کا مطالبہ کرتے ہوئے فرعون کے پاس آئے اور کہنے لگے: ﴿إِنَّ لَنَا لَأَجْرًا إِنْ كُنَّا نَحْنُ الْغَالِبِينَ﴾ ”اگر ہم مقابلے میں کامیاب ہو گئے تو ہمیں انعام دیا جائے گا؟“ ﴿قَالَ﴾ فرعون نے کہا ﴿نَعَمْ﴾ ہاں تمہیں انعام سے نوازا جائے گا ﴿وَأَنْتُمْ لِمَنْ الْمَقْرَبِينَ﴾ ”اور اس پر مستزاد یہ کہ تم میرے مقربین میں سے ہو جاؤ گے۔“ فرعون نے جادوگروں کو انعام و اکرام دینے ان کو اپنے مقربین میں شامل کرنے اور ان کی قدر و منزلت بڑھانے کا وعدہ کر لیا تاکہ وہ موسیٰ (علیہ السلام) کے مقابلے میں اپنی پوری طاقت صرف کر دیں۔ جب لوگوں کے ایک بہت بڑے مجمع کے سامنے جادوگر موسیٰ (علیہ السلام) کے مقابلے میں آئے۔ ﴿قَالُوا﴾ تو انہوں نے موسیٰ (علیہ السلام) کے معجزات کے بارے میں بے پروائی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا ﴿يُؤْتِيهِمَ آيَاتِنَا أَنْ تُلْقِيَ﴾ ”اے موسیٰ! یا تو تم ڈالو۔“ یعنی تمہارے پاس جو کچھ ہے تم سامنے لاتے ہو۔ ﴿وَأَمَّا أَنْ تَكُونَ نَحْنُ الْمُلْقِينَ﴾ ”یا ہم ڈالتے ہیں۔“ یعنی ہم اپنا جادو دکھاتے ہیں۔

﴿قَالَ﴾ موسیٰ (علیہ السلام) نے کہا ﴿الْقُوا﴾ ”ڈالو تم“ تاکہ لوگ دیکھ لیں کہ ان جادوگروں کے پاس کیا ہے اور موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس کیا ہے ﴿فَلَمَّا أَلْقَوْا﴾ ”پس جب انہوں نے ڈالیں۔“ یعنی جب انہوں نے اپنی رسیاں اور لاشعیاں زمین پر ڈالیں تو ان کے جادو کے سبب سے یوں لگا جیسے لاشعیاں اور رسیاں سانپ بن گئی ہیں جو بھاگتے پھر رہے ہیں۔ ﴿سَحَرُوا أَعْيُنَ النَّاسِ وَاسْتَرْهَبُوهُمْ وَجَاءُوا بِسِحْرٍ عَظِيمٍ﴾ ”اس طرح انہوں نے جادو کر کے ان کی نظر بندی کر دی اور اپنے جادو سے ان کو ڈرا دیا اور بہت بڑا جادو دکھایا۔“ جادو کی دنیا میں جس کی نظیر نہیں ملتی۔ ﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ أَلْقِ عَصَاكَ﴾ ”اور ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنی لاشعی ڈال دے“ پس موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنا عصا زمین پر ڈال دیا ﴿فَأَذَاهِمْ﴾ ”وہ فوراً“ یعنی عصا دوڑتا ہوا سانپ بن گیا ﴿تَلَقَّفُ

مَا يَأْتُونَ ﴿ اور انہوں نے جھوٹ اور شعبدہ بازی سے جو سانپ بنائے تھے ان کو لگتا گیا۔

﴿ فَوَقَّعَ الْحَقُّ ﴾ ”تو حق ثابت ہو گیا۔“ یعنی اس بھرے مجمع میں حق واضح طور پر نمایاں اور ظاہر ہو گیا ﴿ وَبَطَّلَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾ ”اور جو کچھ وہ کرتے تھے سب باطل ہو گیا۔“ ﴿ فَغَلِبُوا هُنَالِكَ ﴾ ”اس مقام پر وہ مغلوب ہو گئے۔“ ﴿ وَانْقَلَبُوا صَاحِبِينَ ﴾ ”اور وہ حقیر بن کر رہ گئے“ ان کا باطل مضحل اور ان کا جادو نابود ہو گیا اور انہیں وہ مقصد حاصل نہ ہو سکا جس کے حصول کا وہ گمان رکھتے تھے جادو گروں پر حق عظیم واضح ہو گیا جو جادو کی مختلف اقسام اور جزئیات کو پہچانتے تھے جو کہ دوسرے لوگ نہ پہچانتے تھے۔۔۔ وہ جناب موسیٰ کے معجزات کی عظمت کے قائل ہو گئے پس انہوں نے پہچان لیا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے معجزات میں سے ایک عظیم معجزہ ہے جو کسی انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ ﴿ وَآتَى السَّحَرَةَ سُجُودًا ۚ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۚ رَبِّ مُوسَىٰ وَهَارُونَ ﴾ ”جادوگر سجدے میں گر پڑے اور کہنے لگے کہ ہم جہانوں کے پروردگار پر ایمان لائے (یعنی) موسیٰ اور ہارون کے پروردگار پر۔“ یعنی موسیٰ علیہ السلام جن معجزات اور دلائل کے ساتھ مبعوث ہوئے ہیں ہم ان کی تصدیق کرتے ہیں۔

﴿ قَالَ فِرْعَوْنُ ﴾ فرعون نے ان کے ایمان لانے پر ان کو دھمکی دیتے ہوئے کہا ﴿ اَمْنْتُمْ بِهِ قَبْلَ أَنْ أَدْنَلَ لَكُمْ ﴾ ”کیا تم اس پر میری اجازت سے پہلے ہی ایمان لے آئے؟“ وہ خبیث شخص جابر حکمران تھا وہ ادیان و مذاہب کے مقابلے میں اپنی رائے کو ترجیح دیتا تھا۔ ان لوگوں کے ہاں اور خود اس کے نزدیک بھی یہ بات تسلیم شدہ تھی کہ وہ اطاعت کا حق دار ہے اور ان کے اندر اس کا حکم نافذ ہے اور اس کے حکم سے سرتابی کرنا کسی کے لیے جائز نہیں۔ ان حالات کا شکار ہو کر قومیں انحطاط پذیر ہوتی ہیں ان کی عقل کمزور اور اس کی قوت نفوذ کم ہو جاتی ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ فَاسْتَخَفَّ قَوْمَهُ فَاطَّاعُوهُ ﴾ (الزخرف: ۵۴/۵۳) ”پس اس نے اپنی قوم کو ہلکا سمجھا اور انہوں نے اس کی بات مان لی“۔ یہاں فرعون نے کہا ﴿ اَمْنْتُمْ بِهِ قَبْلَ أَنْ أَدْنَلَ لَكُمْ ﴾ ”اس سے پہلے کہ میں تمہیں اجازت دوں تم اس پر ایمان لے آئے۔“ یعنی یہ تمہاری طرف سے سوء ادبی اور میرے حضور بہت بڑی جسارت ہے۔ پھر اس نے اپنی قوم کے سامنے فریب کاری سے کام لیتے ہوئے کہا ﴿ إِنَّ هَذَا لَمَكْرٌ مَكْرَتُهُمْ فِي الْمَدِينَةِ ۖ لِيُخْرِجُوا مِنْهَا أَهْلَهَا ﴾ ”بے شک یہ فریب ہے جو تم نے مل کر شہر میں کیا ہے تاکہ اہل شہر کو یہاں سے نکال دو۔“ یعنی موسیٰ علیہ السلام تمہارا سردار ہے تم نے اس کے ساتھ مل کر سازش کی تاکہ تم اس کے غلبہ حاصل کرنے میں مدد کرو۔ پھر تم اس کی اطاعت کرو پھر تمام لوگ یا اکثر لوگ تمہاری اطاعت کریں اور تم سب مل کر یہاں کے لوگوں کو نکال باہر کرو۔ یہ سب جھوٹ تھا، فرعون خود بھی جانتا تھا اصل صورت احوال یہ تھی کہ موسیٰ علیہ السلام کی ان میں سے کسی جادوگر سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی، فرعون اور اس کے ہر کاروں کے حکم پر ان جادوگروں کو جمع کیا گیا تھا اور موسیٰ علیہ السلام نے وہاں جو کچھ کر دکھایا تھا وہ معجزہ تھا۔ تمام جادوگران کو نیچا دکھانے سے عاجز رہے اور حق ان کے سامنے واضح ہو گیا اور وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ فرعون نے جادوگروں کو دھمکی دیتے ہوئے کہا ﴿ فَسَوْفَ

تَعْلَمُونَ“ تمہیں عنقریب معلوم ہو جائے گا، کہ تم کس سزا سے دوچار ہونے والے ہو۔

﴿لَا قَطْعَانَ أَيْدِيكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ مِنْ خِلَافٍ﴾ میں تمہارے ایک طرف کے ہاتھ اور دوسری طرف کے پاؤں کٹا دوں گا۔ وہ خبیث شخص سمجھتا تھا کہ یہ جادوگر زمین میں فساد برپا کرنے والے ہیں لہذا وہ ان کے ساتھ وہی سلوک کرے گا جو فساد یوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ میں تمہارے ہاتھ پاؤں مخالف سمت سے کٹا دوں گا..... یعنی دایاں ہاتھ اور بایاں پاؤں ﴿ثُمَّ لَأَصْلِبَنَّكُمْ﴾ پھر تم کو سولی دوں گا۔ یعنی کھجور کے تنوں پر تم سب کو سولی دے دوں گا۔ ﴿اجْمَعِينَ﴾ سب کو۔ یعنی یہ سزا تم میں سے کسی ایک کو نہیں دوں گا بلکہ تم سب اس سزا کا مزہ چکھو گے۔ ایمان لانے والے جادوگروں کو جب فرعون نے دھمکی دی تو انہوں نے کہا: ﴿إِنَّا إِلَى رَبِّنَا مُنْقَلِبُونَ﴾ ہم تو اپنے رب کی طرف پھرنے والے ہیں، یعنی ہمیں تمہاری سزا کی کوئی پروا نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے لئے بہتر ہے اور وہ ہمیشہ رہنے والا ہے۔ اس لئے تو جو فیصلہ کرنا چاہتا ہے کر لے۔ ﴿وَمَا تَنْقِمُ مِنْآ﴾ تجھ کو ہماری کون سی بات بری لگی ہے۔ یعنی وہ کون سی بری بات ہے جس پر تو ہماری نکیر کرتا ہے اور ہمیں دھمکی دیتا ہے۔ ہمارا کوئی گناہ نہیں ﴿إِلَّا أَنْ أَمَّا بِأَلِيَّتِ رَبِّنَا لَمَّا جَاءَنَا﴾ سوائے اس کے کہ ہم ایمان لائے اپنے رب کی آیتوں پر جب وہ ہمارے پاس آئیں، پس اگر یہ گناہ ہے جس کو معیوب کہا جائے اور اس کے مرتکب کو سزا کا مستحق سمجھا جائے تو ہم نے اس گناہ کا ارتکاب کیا ہے۔ پھر جادوگروں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ وہ انہیں ثابت قدمی عطا کرے اور انہیں صبر سے نوازے۔ ﴿رَبَّنَا أفرغ علينا صبراً﴾ ہم پر صبر عظیم کا فیضان کر۔۔۔ جیسا کہ (صبراً) میں نکرہ کا سیاق اس پر دلالت کرتا ہے۔۔۔ کیونکہ یہ بہت بڑا امتحان ہے جس میں جان کے جانے کا بھی خطرہ ہے۔ پس اس امتحان میں صبر کی سخت ضرورت ہوتی ہے تاکہ دل مضبوط ہو اور مومن اپنے ایمان پر مطمئن ہو اور قلب سے بے یقینی کی کیفیت دور ہو جائے۔ ﴿وَتَوْفَاتَا مُسْلِمِينَ﴾ اور ہمیں مسلمان مارنا۔ یعنی ہمیں اس حالت میں وفات دے کہ ہم تیرے تابع فرمان بندے اور تیرے رسول کی اطاعت کرنے والے ہوں۔

ظاہر ہے کہ فرعون نے جو دھمکی دی تھی اس پر عمل کیا ہوگا اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو ایمان پر ثابت قدم رکھا ہوگا۔ یہ تو تھا ان جادوگروں کا حال فرعون اس کے سرداروں اور ان کے پیروکار عوام نے اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ تکبر کیا اور ظلم کے ساتھ ان کا انکار کر دیا۔ انہوں نے فرعون کو موسیٰ علیہ السلام پر ہاتھ ڈالنے پر اکساتے ہوئے اور یہ سمجھتے ہوئے کہ موسیٰ جو کچھ لائے ہیں سب باطل اور فاسد ہے..... کہا ﴿اتذروا موسیٰ وقومہ لیفسدوا فی الارض﴾ کیا تم موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ دو گے کہ ملک میں خرابی کریں۔ یعنی کیا تم موسیٰ اور اس کی قوم کو چھوڑ رہے ہو، تاکہ وہ دعوت توحید مکارم اخلاق اور محاسن اعمال کی تلقین کے ذریعے سے زمین میں فساد پھیلانے۔ حالانکہ ان اخلاق و اعمال میں زمین کی اصلاح ہے اور جس راستے پر فرعون اور اس کے سردار گامزن تھے وہ درحقیقت فساد کا راستہ ہے مگر ان ظالموں کو کوئی پروا نہ تھی کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں۔

﴿وَيَذَرَكْ وَالِهَتَكَ﴾ وہ تجھے اور تیرے معبودوں کو چھوڑ دے، اور لوگوں کو تیری اطاعت کرنے سے روک دے۔ ﴿قَالَ﴾ فرعون نے ان کو جواب دیا کہ وہ بنی اسرائیل کو موسیٰ (علیہ السلام) کے ساتھ اس حالت میں رکھے گا جس سے ان کی آبادی اور تعداد میں اضافہ نہیں ہوگا۔ اس طرح فرعون اور اس کی قوم۔۔۔۔۔ بزعم خود۔۔۔۔۔ ان کے ضرر سے محفوظ ہو جائیں گے۔ چنانچہ کہنے لگا: ﴿سَنَقْتِلُ اَبْنَاءَهُمْ وَنَسْتَحْيِي نِسَاءَهُمْ﴾ ہم ان کے بیٹوں کو قتل اور عورتوں کو زندہ رکھیں گے، یعنی ان کی عورتوں کو باقی رکھیں گے اور انہیں قتل نہیں کریں گے۔ جب تک یہ حکمت عملی اختیار کریں گے تو ہم ان کی کثرت تعداد سے محفوظ رہیں گے اور ہم باقی ماندہ لوگوں سے خدمت بھی لیتے رہیں گے اور ان سے جو کام چاہیں گے لیں گے۔ ﴿وَاِنَّا فَوْقَهُمْ قَاهِرُونَ﴾ اور ہم ان پر غالب ہیں، یعنی وہ ہماری حکمرانی اور تغلب سے باہر نکلنے پر قادر نہ ہوں گے۔ یہ فرعون کا انتہا کو پہنچا ہوا ظلم و جبر، اس کی سرکشی اور بے رحمی تھی۔

﴿قَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ﴾ موسیٰ (علیہ السلام) نے اپنی قوم سے کہا، ان حالات میں جن میں وہ کچھ کرنے کی طاقت نہ رکھتے تھے اللہ تعالیٰ کی مدد کے بغیر وہ ان حالات کا مقابلہ کرنے سے عاجز تھے۔ موسیٰ (علیہ السلام) نے ان کو وصیت کرتے ہوئے کہا: ﴿اَسْتَعِينُوا بِاَللّٰهِ﴾ اللہ سے مدد طلب کرو، یعنی اس چیز کے حصول میں جو تمہارے لئے فائدہ مند ہے اور اس چیز کو دور ہٹانے میں جو تمہارے لئے ضرر رساں ہے اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو۔ اس پر اعتماد کرو وہ تمہارے معاملے کو پورا کرے گا۔ ﴿وَاصْبِرُوا﴾ اور صبر کرو، یعنی مصائب و ابتلاء کے دور ہونے کی امید رکھتے ہوئے صبر کا التزام کرو۔ ﴿اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ﴾ زمین اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے، فرعون اور اس کی قوم کی ملکیت نہیں کہ وہ اس زمین میں حکم چلائیں ﴿يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ﴾ وہ اس کا وارث اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے بناتا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مشیت اور حکمت کے مطابق زمین کی حکمرانی باری باری لوگوں کو عطا کرتا ہے۔ مگر اچھا انجام متقین کا ہوتا ہے کیونکہ اس حکمرانی کی مدت میں اگر ان کو امتحان میں ڈالا جائے اللہ تعالیٰ کی طرف سے آزمائش اور اس کی حکمت کے تحت۔ تب بھی بالآخر کامیابی انہی کے لئے ہے۔

﴿وَالْعَاقِبَةُ﴾ اور اچھا انجام، ﴿لِلْمُتَّقِينَ﴾ متقین کے لئے ہے، یعنی جو اپنی قوم کے بارے میں تقویٰ اختیار کرتے ہیں۔ یہ بندہ مومن کا وظیفہ ہے کہ مقدور بھر ایسے اسباب مہیا کرتا رہے جن کے ذریعے سے وہ دوسروں کی طرف سے دی ہوئی اذیت سے اپنی ذات کو بچا سکے اور جب وہ ایسا کرنے سے عاجز آجائے تو صبر کرے اور اللہ تعالیٰ سے مدد مانگے اور اچھے وقت کا انتظار کرے۔

﴿قَالُوا﴾ بنی اسرائیل نے جو کہ طویل عرصے سے فرعون کی تعذیب اور عقوبت برداشت کرتے کرتے تنگ آچکے تھے۔۔۔۔۔ موسیٰ (علیہ السلام) سے کہا: ﴿اَوْذَيْنَا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَاْتِنَا﴾ ہمیں تکلیفیں دی گئیں آپ کے آنے سے پہلے، کیونکہ انہوں نے ہمیں بدترین عذاب میں مبتلا کر رکھا تھا وہ ہمارے بیٹوں کو قتل کر دیا کرتے تھے اور ہماری

عورتوں کو زندہ رکھتے تھے ﴿وَمِنْ بَعْدِ مَا جِئْتَنَا﴾ اور آپ کے آنے کے بعد بھی، ایسا ہی سلوک ہے ﴿قَالَ﴾ جناب موسیٰ علیہ السلام نے ان کو آل فرعون کے شر سے نجات اور اچھے وقت کی امید دلاتے ہوئے فرمایا: ﴿عَلَىٰ رَبِّكُمْ أَن يَهْلِكَ عِذَابُكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِي الْأَرْضِ﴾ ”امید ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو ہلاک کر دے اور تم کو زمین میں غلیفہ بنا دے، یعنی زمین میں تمہیں حکومت عطا کر دے اور زمین کا اقتدار اور تدبیر تمہارے سپرد کر دے۔ ﴿فَيَنْظُرْ كَيْفَ تَعْمَلُونَ﴾ پھر دیکھے تم کیسے کام کرتے ہو، اللہ تعالیٰ کا شکر کرتے ہو یا ناشکری کرتے ہو۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا وعدہ تھا اور جب وہ وقت آ گیا جس کا اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا تھا تو اس نے یہ وعدہ پورا کر دیا۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آخری مدت میں آل فرعون کے ساتھ جو معاملہ کیا اللہ تعالیٰ اس کا حال بیان فرماتا ہے کہ قوموں کے بارے میں اس کی سنت اور عادت یہ ہے کہ وہ تختیوں اور تکلیفوں کے ذریعے سے ان کو آزما تا ہے شاید کہ وہ اس کے سامنے فروتنی کا اظہار کریں ﴿وَلَقَدْ أَخَذْنَا آلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِينَ﴾ ”ہم نے ان پر خشک سالی اور قحط کو مسلط کر دیا۔“ ﴿وَلَقَيْتُمْ مِنَ الشَّرَّاتِ لَعَلَّهُمْ يَدْكَرُونَ﴾ ”اور میووں کے نقصان میں پکڑاتا کہ نصیحت حاصل کریں۔“ یعنی ان پر جو قحط سالی مسلط کی گئی اور جو مصیبت نازل کی گئی شاید وہ اس سے نصیحت پکڑیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عتاب ہے، شاید وہ اپنے کفر سے رجوع کریں۔ مگر اس کا کوئی فائدہ نہ ہوا اور وہ اپنے ظلم اور فساد پر بدستور جمے رہے۔ ﴿فَإِذَا جَاءَهُمُ الْحَسَنَةُ﴾ ”پس جب پہنچتی ان کو بھلائی،“ یعنی جب انہیں شادابی اور رزق میں کشادگی حاصل ہوتی۔ ﴿قَالُوا لَنَا هَذِهِ﴾ ”تو کہتے ہم اس کے مستحق تھے“ اور اللہ تعالیٰ کے شکر گزار نہ ہوتے۔ ﴿وَإِنْ تُصِيبَهُمْ سَيِّئَةٌ﴾ ”اور اگر پہنچتی ان کو کوئی برائی،“ یعنی جب ان پر قحط اور خشک سالی وارد ہوتی ﴿يَظْتَرُوا بِمُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ﴾ ”تو نحوست بتلاتے موسیٰ کی اور اس کے ساتھیوں کی،“ یعنی وہ کہتے کہ اس تمام مصیبت کا سبب موسیٰ (علیہ السلام) کی آمد اور بنی اسرائیل کا ان کی اتباع کرنا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿أَلَا إِنَّمَا ظَلَمُوا عِنْدَ اللَّهِ﴾ ”ان کی بدشگونی تو (اللہ کی قضا و قدر سے) اس کے ہاں مقدر ہے،“ اور یہ معاملہ ایسے نہیں جیسے وہ کہتے ہیں بلکہ ان کا کفر اور ان کے گناہ ہی بدشگونی کا اصل سبب ہیں ﴿وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”لیکن ان کے اکثر لوگ نہیں جانتے،“ بنا بریں وہ یہ سب کچھ کہتے ہیں۔

﴿وَقَالُوا﴾ ”اور انہوں نے کہا،“ یعنی انہوں نے موسیٰ علیہ السلام پر واضح کرتے ہوئے کہا کہ وہ اپنے باطل پر قائم رہیں گے۔ ﴿مَهْمَا تَأْتِنَا بِهِ مِنْ آيَةٍ لِنَسْحَرَنَّ بِهَا فَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ ”یعنی ہمارے ہاں یہ بات تسلیم شدہ ہے کہ تو جادو گر ہے تو جو بھی کوئی معجزہ لے کر آئے، ہمیں قطعی یقین ہے کہ وہ جادو ہے اس لئے ہم تجھ پر ایمان لاتے ہیں نہ تیری تصدیق کرتے ہیں۔ یہ عناد کی انتہا ہے جس نے کفار کو اس مقام پر پہنچا دیا کہ ان پر کوئی معجزہ نازل ہو یا نہ ہو ان کے لیے حالات برابر ہیں۔ ﴿فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمُ الطُّوفَانَ﴾ ”ہم نے ان پر طوفان بھیجا۔“ یعنی ہم نے بہت

بڑا سیلاب بھیجا جس میں ان کی کھیتیاں اور باغات ڈوب گئے اور انہیں بہت بڑا نقصان اٹھانا پڑا۔ ﴿وَالْجَرَادَ﴾ اور ٹڈیاں، ہم نے ان پر ٹڈی دل بھیجا جو ان کے باغات، کھیتوں اور ہر قسم کی نباتات کو چوٹ کر گیا۔ ﴿وَالْقُمَّلَ﴾ اور جوئیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد چھوٹی ٹڈی ہے۔ مگر ظاہر ہے کہ اس سے مراد معروف جوں ہے۔ ﴿وَالضَّفَادِعَ﴾ اور مینڈک، پس مینڈکوں نے ان کے برتنوں وغیرہ کو بھر دیا ان کے لیے سخت تکلیف اور قلق کا باعث بنے ﴿وَالدَّمَ﴾ اور خون، یا تو اس سے مراد نکیر ہے یا اس سے مراد یہ ہے جیسا کہ بہت سے مفسرین کی رائے ہے کہ ان کا پینے والا پانی خون میں بدل جاتا تھا وہ خون کے سوا کچھ نہیں پی سکتے تھے اور کچھ نہیں پکا سکتے تھے۔

﴿آيَةُ مُفْصَلَةٍ﴾ ”نشانیوں جدا جدا“ یہ اس بات کے واضح دلائل تھے کہ وہ جھوٹے اور ظالم ہیں اور موسیٰ علیہ السلام حق اور صداقت پر ہیں۔ ﴿فَاسْتَكْبَرُوا﴾ ”پس انہوں نے تکبر کیا۔“ جب انہوں نے ان معجزات الہی کو دیکھا تو تکبر کرنے لگے ﴿وَكَانُوا قَوْمًا مُّجْرِمِينَ﴾ ”اور وہ لوگ تھے ہی گناہ گار۔“ یعنی پہلے ہی سے ان کا معاملہ یہ تھا کہ وہ مجرموں کی قوم تھی۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی اور ان کو گمراہی پر برقرار رکھا۔

﴿وَلَمَّا وَقَعَ عَلَيْهِمُ الرِّجْزُ﴾ اور جب ان پر عذاب واقع ہوا، اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد طاعون ہو جیسا کہ بہت سے مفسرین کی رائے ہے اور اس سے مراد وہ عذاب بھی ہو سکتا ہے جس کا ذکر گزشتہ سطور میں آچکا ہے یعنی طوفان، ٹڈی دل، جوئیں، مینڈک اور خون۔ یہ تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب تھیں..... یعنی جب ان پر ان میں سے کوئی عذاب نازل ہوتا۔ ﴿قَالُوا يَا مُوسَىٰ ادْعُ لَنَا رَبَّكَ بِمَا عٰهَدَ عِنْدَكَ﴾ ”تو کہتے اے موسیٰ! ہمارے لئے اپنے رب سے دعا کر، اس عہد کی وجہ سے جو اللہ نے تجھ سے کیا ہوا ہے،“ یعنی وہ موسیٰ علیہ السلام کو سفارشی بناتے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وحی اور شریعت کا عہد کر رکھا ہے اور کہتے: ﴿لَئِن كَشَفْتَا عَنَّا الرِّجْزَ لَنُؤْمِنَنَّ لَكَ وَكَانُوا مِن قَبْلِكَ كٰفِرًا مِّن قَبْلِ يَوْمٍ لَّا يُنصَرُونَ﴾ ”اگر دور کر دیا تو نے ہم سے یہ عذاب، تو بے شک ہم ایمان لے آئیں گے تجھ پر اور جانے دیں گے تیرے ساتھ بنی اسرائیل کو۔“ وہ اس بارے میں سخت جھوٹے تھے اور اس بات سے ان کا اس کے سوا اور کوئی مقصد نہ تھا کہ ان سے وہ عذاب دور ہو جائے جو ان پر نازل ہو چکا تھا اور وہ سمجھتے تھے کہ جب عذاب ایک بار دور ہو گیا، دوبارہ کوئی عذاب واقع نہیں ہوگا۔

﴿فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُمُ الرِّجْزَ إِلَىٰ اٰجَلٍ هُمْ بِلِغْوٰةٍ﴾ ”پھر جب ہم ایک مدت کے لیے جس تک ان کو پہنچنا تھا ان سے عذاب دور کر دیتے۔“ یعنی جب ایک مدت تک ان سے عذاب دور کر دیا جاتا جس مدت تک اللہ تعالیٰ نے ان کی بقا مقدر کی تھی۔ یہ عذاب ہمیشہ کے لیے ان سے دور نہیں کیا جاتا تھا بلکہ ایک مقرر وقت تک کے لیے اس عذاب کو ہٹایا جاتا تھا۔ ﴿اِذَا هُمْ يَنْكُفُّوْنَ﴾ ”تو اسی وقت عہد توڑ ڈالتے“ وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے اور بنی اسرائیل کو آزاد کر دینے کے عہد کو جو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کیا تھا، توڑ دیتے۔ وہ موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے نہ انہوں نے بنی اسرائیل کو آزاد کیا، بلکہ وہ اپنے کفر پر جسے رہے اور اسی میں سرگرداں رہے اور بنی اسرائیل کو تعذیب دینا

انہوں نے اپنی عادت بنالیا تھا۔ ﴿فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ﴾ ”پھر بدلہ لیا ہم نے ان سے“ یعنی جب ان کی ہلاکت کے لیے مقرر کیا ہوا وقت آ گیا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ راتوں رات بنی اسرائیل کو لے کر وہاں سے نکل جائیں اور ان کو آگاہ فرما دیا کہ فرعون اپنی فوج کے ساتھ ضرور اس کا پیچھا کرے گا ﴿فَارْسَلْنَا فِرْعَوْنَ فِي الْمَدَائِنِ حَاشِرِينَ﴾ (الشعراء: ۵۳/۲۶) ”پس فرعون نے تمام شہروں میں اپنے نقیب روانہ کر دیئے۔“ تاکہ وہ لوگوں کو جمع کر کے بنی اسرائیل کا تعاقب کریں اور کہلا بھیجا۔ ﴿إِنَّ هَؤُلَاءِ لَشِرْذِمَةٌ قَلِيلُونَ ۝ وَإِنَّهُمْ لَنَا لَغَآِظُونَ ۝ وَإِنَّا لَجَبِيحٌ خَذِرُونَ ۝ فَأَخْرَجْنَاهُمْ مِنْ جَنَّتٍ وَعُيُونٍ ۝ وَكُنُوزٍ وَمَقَامٍ كَرِيمٍ ۝ كَذَلِكَ وَأَوْرَثْنَاهَا بَنِي إِسْرَائِيلَ ۝ فَاتَّبَعُوهُمْ مُشْرِقِينَ ۝ فَلَمَّا تَرَاءَ الْجَعْنُ قَالَ أَصْحَابُ مُوسَى إِنَّا لَمَذْرُؤُونَ ۝ قَالَ كَلَّا إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ ۝ فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانْفَلَقَ فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالظُّلُودِ الْعَظِيمِ ۝ وَأَزَلْنَا لَهُمُ الْخَيْرِينَ ۝ وَأَنْجَيْنَا مُوسَىٰ وَمَنْ مَعَهُ أَجْمَعِينَ ۝ ثُمَّ أَغْرَقْنَا الْآخِرِينَ﴾ (الشعراء: ۵۴/۲۶-۶۶) ”یہ لوگ ایک نہایت قلیل سی جماعت ہیں اور یہ ہمیں غصہ دلا رہے ہیں اور ہم سب تیار اور چوکنے ہیں۔ پس ہم نے ان کو باغات اور چشموں سے نکال باہر کیا اور اس طرح ان کو خزانوں اور اچھے مکانوں سے بے دخل کیا اور ان چیزوں کا بنی اسرائیل کو وارث بنا دیا۔ پس سورج نکلنے ہی انہوں نے ان کا تعاقب کیا اور جب دونوں جماعتیں آمنے سامنے ہوئیں تو موسیٰ کے اصحاب نے کہا ہم تو پکڑ لئے گئے۔ موسیٰ نے کہا ہرگز نہیں میرے ساتھ میرا رب ہے وہ ضرور مجھے راہ دکھائے گا۔ پس ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنا عصا سمندر پر مارو تو سمندر پھٹ گیا اور ہر ٹکڑا یوں لگا جیسے بہت بڑا پہاڑ ہو اور ہم وہاں دوسروں کو بھی قریب لے آئے اور موسیٰ اور ان کے تمام ساتھیوں کو ہم نے نجات دی پھر دوسروں کو غرق کر دیا۔“

یہاں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿فَأَغْرَقْنَاهُمْ فِي الْيَمِّ بِأَنَّهُمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَكَانُوا عَنْهَا غَافِلِينَ﴾ ”پس ہم نے ان کو دریا میں ڈبو دیا اس لیے کہ وہ ہماری آیتوں کو جھٹلاتے اور ان سے بے پروائی کرتے تھے۔“ یعنی ان کے آیات الہی کو جھٹلانے اور حق سے روگردانی کرنے کے سبب سے، جس پر یہ آیات دلالت کرتی ہیں، ہم نے ان کو غرق کر دیا۔ ﴿وَأَوْرَثْنَا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَانُوا يُسْتَضْعَفُونَ﴾ ”اور وارث کر دیا ہم نے ان لوگوں کو جو کمزور سمجھے جاتے تھے“ یعنی بنی اسرائیل جو زمین میں کمزور لوگ تھے جو آل فرعون کی خدمت پر مامور تھے اور آل فرعون ان کو بدترین عذاب دیا کرتے تھے۔ ﴿مَشَارِقِ الْأَرْضِ وَمَغَارِبَهَا﴾ ”اُس زمین کے مشرق و مغرب کا“ اللہ تعالیٰ نے ان کو زمین کے مشرق و مغرب کا وارث بنا دیا۔ یہاں (ارض) سے مراد سرزمین مصر ہے،^① جہاں بنی اسرائیل کو مطیع اور غلام بنا

① بنو اسرائیل کا مصر سے نکلنے کے بعد تاریخی طور پر دوبارہ مصر جانا ثابت نہیں۔ اس لیے یہاں زمین سے مراد جس کا وارث اور حکمران بنو اسرائیل کو بنایا گیا، شام و فلسطین کا علاقہ ہے۔ اس علاقے پر عمالقہ کی حکمرانی تھی۔ حضرت موسیٰ اور

کر رکھا گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس سرزمین کا مالک بنا دیا اور ان کو اس کی حکمرانی عطا کر دی۔ ﴿الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ الْحُسْنَىٰ عَلَىٰ بَنِي إِسْرَائِيلَ بِمَا صَبَرُوا﴾ ”جس میں برکت رکھی ہے ہم نے اور پورا ہو گیا نیکی کا وعدہ تیرے رب کا بنی اسرائیل پر بسبب ان کے صبر کرنے کے“ اور یہ اس وقت ہوا جب موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا ﴿اسْتَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُورِثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾ (الأعراف: ۱۲۸/۱۷) ”اللہ سے مدد مانگو اور صبر کرو۔ اللہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے زمین کا وارث بنا دیتا ہے۔ اچھا انجام تو پرہیزگاروں کے لیے ہے۔“

﴿وَدَمَّرْنَا مَا كَانَ يَصْنَعُ فِرْعَوْنُ وَقَوْمُهُ﴾ ”اور تباہ کر دیا ہم نے جو کچھ بنایا تھا فرعون اور اس کی قوم نے“ یعنی ہم نے ان کی حیران کن عالی شان عمارتیں اور سبجے سجائے گھر تباہ کر دیئے ﴿وَمَا كَانُوا يَعْرِشُونَ﴾ ”اور (وہ انگوڑے کے باغات تباہ کر دیئے) جو وہ چھترپوں پر چڑھاتے تھے۔“ یہ ان کے گھر ہیں جو ان کے ظلم کے باعث خالی پڑے ہیں۔ بے شک اس میں علم رکھنے والے لوگوں کے لیے نشانی ہے۔

﴿وَجُوزْنَا بِبَنِي إِسْرَائِيلَ الْبَحْرَ﴾ ”اور پارا تار دیا ہم نے بنی اسرائیل کو سمندر سے“ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن فرعون اور اس کی قوم سے نجات دے کر سمندر سے پار کیا اور فرعون اور اس کی قوم کو بنی اسرائیل کے سامنے ہلاک کر ڈالا۔ ﴿فَأْتَوْا﴾ ”پس وہ پہنچے۔“ یعنی ان کا گزر ہوا ﴿عَلَىٰ قَوْمٍ يَعْلَمُونَ عَلَىٰ أَصْنَامٍ لَهُمْ﴾ ”ایک قوم پر جو اپنے بتوں کے پوجنے میں لگی ہوئی تھی۔“ یعنی وہ ان بتوں کے پاس ٹھہرتے تھے ان سے برکت حاصل کرتے تھے اور ان کی عبادت کرتے تھے۔ ﴿قَالُوا﴾ ”بنی اسرائیل نے اپنی جہالت اور بے وقوفی کی بنا پر اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معجزات دکھائے تھے اپنے نبی موسیٰ علیہ السلام سے کہا ﴿يُؤَسِّى اجْعَلْ لَنَا إِلَهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ﴾ ”اے موسیٰ! جیسے ان لوگوں کے معبود ہیں ہمارے لیے بھی ایک معبود بنا دو۔“ یعنی تو ہمارے لئے بھی جائز کر دے کہ ہم بھی بتوں کو معبود بنائیں جیسے ان لوگوں نے بتوں کو معبود بنایا ہوا ہے۔

﴿قَالَ﴾ ”موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا ﴿إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ﴾ ”تم لوگ تو جہالت کا ارتکاب کرتے ہو“ اس شخص کی جہالت سے بڑھ کر کون سی جہالت ہو سکتی ہے جو اپنے رب اور خالق سے جاہل ہے اور چاہتا ہے کہ وہ غیر اللہ کو اس کا ہمسر بنائے جو کسی نفع نقصان کا مالک نہیں اور نہ زندگی اور موت اور دوبارہ اٹھایا جانا اس کے اختیار میں ہے؟ بنا بریں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿إِنَّ هَؤُلَاءِ مَتَّبِعُوا مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ ”یہ لوگ“

◀ ہارون علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نے عمالقہ کو شکست دی اور بنو اسرائیل کے لیے یہاں آنے کا راستہ ہموار کیا۔ قرآن کے الفاظ ”ہم نے اس زمین میں برکت رکھی۔“ سے بھی اسی کی تائید ہوتی ہے۔ کیونکہ قرآن نے دوسرے مقام (بنی اسرائیل: ۱۷۱) پر ارض فلسطین ہی کو بابرکت کہا ہے۔ (ص۔ ی)

تباہ ہونے والی ہے وہ چیز جس میں وہ لگے ہوئے ہیں اور غلط ہے جو وہ کر رہے ہیں؛ کیونکہ ان کا ان معبودوں کو پکارنا باطل ہے؛ معبود خود باطل، وہ عمل جو وہ کرتے ہیں باطل اور اس کی غرض و غایت باطل ہے۔

فرمایا ﴿ اَعْبِدَ اللّٰهَ اَبْغَيْكُمْ اَلِهًا ﴾ ”کیا میں اللہ کے سوا تمہارے لیے کوئی اور معبود تلاش کروں“، یعنی کیا اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر جو اپنی ذات، صفات اور افعال میں کامل معبود ہے تمہارے لیے کوئی اور معبود تلاش کروں ﴿ وَهُوَ فَضَّلَكُمْ عَلٰى الْعٰلَمِيْنَ ﴾ ”حالانکہ اس نے تمہیں تمام دنیا پر فضیلت بخشی ہے“ اور اس فضیلت کا تقاضا یہ ہے کہ تم اس پر اللہ تعالیٰ کے شکر گزار بندے بنو۔۔۔ اور شکرگزاری یہ ہے کہ تم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو عبادت کا مستحق جانو اور ہر اس ہستی کا انکار کرو جسے اللہ تعالیٰ کے سوا پکارا جاتا ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان پر اپنے احسانات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ وَاِذْ اَنْجَيْنٰكُمْ مِّنْ اِلٰ فِرْعَوْنَ ﴾ ”اور جب ہم نے تم کو آل فرعون سے نجات دی۔“ یعنی جب ہم نے تمہیں فرعون اور آل فرعون سے نجات دی ﴿ يَسْؤُمُوْكُمْ سُوْءَ الْعَذَابِ ﴾ ”دیتے تھے وہ تم کو برا عذاب“ انہوں نے تم پر بدترین عذاب مسلط کر رکھا تھا۔ ﴿ يُقَتِّلُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَاءَكُمْ وَفِيْ ذٰلِكُمْ ﴾ ”کہ مار ڈالتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ رکھتے تھے تمہاری عورتوں کو اور اس میں“ یعنی ان کے عذاب سے نجات میں ﴿ بَلَاءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴾ ”تمہارے رب کی طرف سے جلیل ترین نعمت اور بے پایاں احسان تھا“ یا اس کا معنی یہ ہے کہ آل فرعون کی طرف سے تم پر جو عذاب مسلط تھا اس میں ”تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے لیے ایک بہت بڑی آزمائش تھی“۔ پس جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو وعظ و نصیحت کی تو وہ اس سے باز آ گئے۔

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ان کے دشمن سے نجات دلا کر اور زمین میں اقتدار عطا کر کے ان پر اپنی نعمت کی تکمیل کر دی تو اللہ تعالیٰ نے ارادہ فرمایا کہ وہ شرعی احکام اور صحیح عقائد پر مشتمل کتاب نازل کر کے ان پر معنوی نعمت کی بھی تکمیل کر دے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے تیس راتوں کا وعدہ کیا اور دس راتیں اور شامل کر کے چالیس راتوں کی میعاد پوری کر دی تاکہ موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے وعدے کے لیے اپنے آپ کو تیار کر لیں، تاکہ اس کے نزول کا موقع ان کے ہاں ایک عظیم موقع ہو اور اس کے نزول کا انہیں اشتیاق ہو۔ جب موسیٰ علیہ السلام اپنے رب کے مقرر کردہ وعدے پر جانے لگے تو انہوں نے ہارون علیہ السلام سے بنی اسرائیل کے بارے میں جن پر وہ بہت شفقت فرماتے تھے وصیت کرتے ہوئے فرمایا: ﴿ اٰخُلَفْنِيْ فِيْ قَوْمِيْ ﴾ ”میرے بعد تم میری قوم میں میرے جانشین ہو۔“ یعنی تم ان کے اندر میرے خلیفہ ہو ان کے ساتھ وہی سلوک کرنا جو میں کیا کرتا تھا ﴿ وَاَصْلِحْ ﴾ ”اصلاح کرتے رہنا۔“ یعنی اصلاح کے راستے پر گامزن رہنا۔ ﴿ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ ﴾

”اور مفسدوں کی راہ مت چلنا“ یہاں مفسدین سے مراد وہ لوگ ہیں جو معاصی کا ارتکاب کرتے ہیں۔

﴿وَلَمَّا جَاءَ مُوسَىٰ لِمِيقَاتِنَا﴾ اور جب پہنچے موسیٰ اپنے وعدے پر یعنی وہ وعدہ جو ہم نے کتاب نازل کرنے کے لیے کر رکھا تھا ﴿وَكَلَّمَآ رَبُّهُ﴾ اور ان کے رب نے ان سے کلام کیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنے کلام کے ذریعے سے وحی نازل کی اور ان کو اوامر و نواہی سے نوازا تو اپنے رب کی محبت اور اس کے اشتیاق میں ان کے دل میں اللہ تعالیٰ کے دیدار کی چاہت پیدا ہوئی۔ ﴿قَالَ رَبِّ آرِنِي آنظُرْ إِلَيْكَ﴾ عرض کیا اے میرے رب! مجھے اپنا جلوہ دکھاتا کہ میں تیرا دیدار کروں ﴿قَالَ لَنْ تَرَانِي﴾ فرمایا تو مجھے ہرگز نہ دیکھ سکے گا۔ یعنی اس وقت تو میرے دیدار کی طاقت نہیں رکھتا۔ اس لئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مخلوق کو اس کائنات میں اس طرح پیدا کیا ہے کہ وہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کر سکتے اور نہ وہ اس کے دیدار کی طاقت رکھتے ہیں اور یہ چیز اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ جنت میں بھی اس کا دیدار نہیں کر سکیں گے۔ کیونکہ قرآن اور احادیث نبوی کی نصوص دلالت کرتی ہیں کہ اہل جنت اپنے رب کا دیدار کریں گے اور اس کے چہرہ انور کے جلوے سے متمتع ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو جنت میں ایسی کامل تخلیق سے نوازے گا جس کی بنا پر وہ اس کا دیدار کر سکیں گے۔ اسی لئے اس آیت کریمہ میں اللہ نے اپنے دیدار کے بارے میں موسیٰ علیہ السلام کی دعا کی عدم قبولیت پر تسلی کے لیے اپنی تجلی کے سامنے پہاڑ کے قائم رہ سکنے کی شرط عائد کی۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَلَكِن اَنْظُرْ اِلَى الْجَبَلِ فَاِنْ اسْتَقَرَّ مَكَانَهُ﴾ لیکن پہاڑ کی طرف دیکھو اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا، یعنی جب پہاڑ پر اللہ تعالیٰ اپنی تجلی فرمائے اور پہاڑ اپنی جگہ پر قائم رہ جائے۔ ﴿فَسَوْفَ تَرَانِي﴾ تو تو مجھے دیکھ سکے گا۔

﴿فَلَمَّا تَجَلَّىٰ رَبُّهُ لِلْجَبَلِ﴾ جب موسیٰ کے رب نے پہاڑ پر تجلی فرمائی، جو کہ نہایت سخت اور ٹھوس تھا۔ ﴿جَعَلَهُ دَكَّآ﴾ تو اسے ریزہ ریزہ کر دیا۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تجلی کے سامنے خوف اور گھبراہٹ کی وجہ سے پہاڑ ریت کے ذروں کی مانند ہو گیا ﴿وَخَرَّ مُوسَىٰ صَوْعًا﴾ اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ یعنی پہاڑ کو ریزہ ریزہ ہوتے دیکھ کر بے ہوش ہو گئے اور گر پڑے۔ ﴿فَلَمَّا آفَاقَ﴾ جب وہ ہوش میں آئے۔ یعنی جب موسیٰ علیہ السلام کو ہوش آیا تو ان پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ جب پہاڑ اللہ تعالیٰ کی تجلی کے سامنے کھڑا نہ رہ سکا تو موسیٰ علیہ السلام کو برداشت کرنا بدرجہ اولیٰ ناممکن تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے اس سوال پر اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی جو بے موقع اور بے محل ان سے صادر ہوا تھا۔ اس لئے انہوں نے عرض کیا ﴿سُبْحٰنَكَ﴾ تیری ذات پاک ہے۔ یعنی تو بہت بڑا اور ہر اس چیز سے پاک اور منزہ ہے جو تیری شان کے لائق نہیں۔ ﴿تُبْتُ إِلَيْكَ﴾ اور میں تیرے حضور تو بہ کرتا ہوں۔ یعنی میں تمام گناہوں اور اس سوء ادبی سے جو میں تیری جناب میں کر بیٹھا ہوں تیرے پاس تو بہ کرتا ہوں۔ ﴿وَ اَنَا اَوَّلُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ اور میں سب سے پہلے یقین لایا، یعنی موسیٰ علیہ السلام نے اس چیز کے ساتھ اپنے ایمان کی تجدید کی جس کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے ان کے ایمان کی تکمیل فرمائی اور اس چیز کو ترک کر دیا جس

کے بارے میں وہ اس سے قبل لاعلم تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے دیدار سے محروم کر دیا حالانکہ موسیٰ علیہ السلام دیدار الہی کے بہت مشتاق تھے۔۔۔ تو اللہ تعالیٰ نے ان کو خیر کثیر سے نوازا دیا۔

﴿ قَالَ يُمُوسَىٰ إِنَّي اصْطَفَيْتَكَ عَلَى النَّاسِ ﴾ ”اے موسیٰ! میں نے لوگوں میں سے ممتاز کیا ہے۔“ یعنی میں نے تجھے چن لیا، تجھے فضیلت عطا کی اور تجھے خاص طور پر عظیم فضائل اور جلیل القدر مناقب سے نوازا ﴿ بِرِسَالَتِي ﴾ ”اپنی رسالت کے لئے“ جو ایسا منصب ہے جو بطور خاص صرف مخلوق میں سے بہترین شخص کو عطا کرتا ہوں۔ ﴿ وَبِكَلَامِي ﴾ ”اور اپنے کلام کے لئے“ میں نے بلا واسطہ تجھ سے کلام کیا۔ یہ فضیلت بطور خاص موسیٰ علیہ السلام کو عطا ہوئی اور وہ تمام انبیاء و مرسلین میں اسی صفت سے معروف ہیں۔

﴿ فَخُذْ مَا آتَيْنَكَ ﴾ ”تو جو میں نے تم کو عطا کیا ہے اسے پکڑ رکھو۔“ یعنی میں نے تمہیں جو نعمتیں عطا کی ہیں ان سے استفادہ کرو اور میں نے جو احکام امر و نہی نازل کئے ہیں انہیں شرح صدر اور اطاعت مندی کے ساتھ قبول کرو ﴿ وَكُنْ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴾ ”اور (میرا) شکر بجالاؤ۔“ اللہ تعالیٰ نے تجھے فضیلت عطا کی ہے اور تجھے اپنا خاص بندہ بنایا، اس پر اس کا شکر ادا کرو۔ ﴿ وَكَتَبْنَا لَهُ فِي الْأَنْوَاجِ مِنْ حُلِيِّ شَيْءٍ ﴾ ”اور ہم نے (تورات کی) تختیوں میں ان کے لیے ہر چیز لکھ دی۔“ یعنی ہر وہ چیز جس کے بندے محتاج ہوتے ہیں۔ ﴿ مَوْعِظَةً ﴾ ”اور نصیحت“ یعنی لوگوں کو بھلائی کے کاموں کی ترغیب دیتی اور برائی کے کاموں سے ڈراتی ہے۔ ﴿ وَتَفْصِيلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ ﴾ ”اور ہر چیز کی تفصیل“ یعنی احکام شریعت، عقائد، اخلاق اور آداب وغیرہ کی پوری تفصیل موجود ہے۔ ﴿ فَخُذْهَا بِقُوَّةٍ ﴾ ”پس پکڑ لو ان کو زور سے“ یعنی ان احکام کو قائم کرنے کی بھرپور جدوجہد کیجئے۔ ﴿ وَأْمُرْ قَوْمَكَ يَا خُدَّاءُ بِأَحْسَنِهَا ﴾ ”اور حکم کرو اپنی قوم کو کہ پکڑے رہیں اس کی بہتر باتیں“ اس سے مراد واجب اور مستحب احکامات ہیں کیونکہ یہی بہترین احکام ہیں۔ اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ ہر شریعت میں اللہ تعالیٰ کے احکام نہایت کامل، عادل اور اچھائی پر مبنی ہوتے ہیں۔ ﴿ سَأُورِيكُمْ دَارَ الْفَاسِقِينَ ﴾ ”عنقریب میں دکھاؤں گا تم کو نافرمانوں کا گھر“ یعنی اللہ تعالیٰ نافرمانوں کو ہلاک کرنے کے بعد ان کے گھروں کو باقی رکھتا ہے، ان سے توفیق یافتہ اور متواضع مومن نصیحت پکڑتے ہیں۔

رہے اہل ایمان کے علاوہ دیگر لوگ تو ان کے بارے میں فرمایا: ﴿ سَأَصْرِفُ عَنْ آيَتِيَ ﴾ ”میں اپنی آیتوں سے پھیر دوں گا“ یعنی آفاق اور انفس میں موجود نشانیوں سے عبرت پکڑنے اور کتاب اللہ کی آیات کے فہم سے میں ان کو روک دوں گا۔ ﴿ الَّذِينَ يَتَكَبَّرُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ ﴾ ”ان کو جو تکبر کرتے ہیں زمین میں ناحق“ یعنی جو بندوں کے ساتھ تکبر سے پیش آتے ہیں، حق کے ساتھ تکبر کا رویہ رکھتے ہیں اور ہر اس شخص کو تکبر سے ملتے ہیں جو ان کے پاس آتا ہے اور جس کا یہ رویہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو بہت سی بھلائی سے محروم کر دیتا ہے اور اسے اپنے

حال پر چھوڑ دیتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کو سمجھ سکتا ہے نہ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔۔۔۔۔ بلکہ بسا اوقات اس کے سامنے حقائق بدل جاتے ہیں اور وہ بدی کو نیکی سمجھنے لگ جاتا ہے۔ ﴿وَلَنْ يَزِيدَا كَلَّ اِيَّوَا لَا يُؤْمِنُوَا بِهَا﴾ ”اگر وہ دیکھ لیں ساری نشانیاں ایمان نہ لائیں ان پر“ کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی آیات سے روگردانی کرتے ہیں اور ان پر اعتراضات کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) کی مخالفت کرتے ہیں ﴿وَلَنْ يَزِيدَا سَبِيْلَ الرَّشِيْدِ﴾ ”اور اگر دیکھیں وہ ہدایت کا راستہ“ یعنی ہدایت اور استقامت کی راہ۔۔۔۔۔ اور یہ وہ راستہ ہے جو اللہ تعالیٰ تک اور عزت و اکرام کے گھر تک پہنچاتا ہے۔ ﴿لَا يَتَّخِذُوَا سَبِيْلًا﴾ ”تو نہ ٹھہرائیں اس کو راہ“ یعنی وہ اس راستے پر گامزن ہوتے ہیں اور نہ اس پر گامزن ہونے کی رغبت رکھتے ہیں۔ ﴿وَلَنْ يَزِيدَا سَبِيْلَ الْعَنِي﴾ ”اور اگر دیکھیں وہ گمراہی کا راستہ“ یعنی جو اپنے چلنے والے کو بدبختی کی منزل تک پہنچاتا ہے۔ ﴿يَتَّخِذُوَا سَبِيْلًا﴾ ”تو اس کو ٹھہرائیں راہ“ یعنی اسی راستے پر رواں دواں رہتے ہیں۔ ان کے اس انحراف کا سبب یہ ہے ﴿ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَذَّبُوَا بِآيٰتِنَا وَكَانُوَا عَنْهَا غٰفِلِيْنَ﴾ ”یہ اس لئے کہ انہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو اور ان سے بے خبر رہے“ پس ان کا آیات الہی کو ٹھکرادینا اور ان کے بارے میں غفلت اور حقارت کا رویہ اختیار کرنا یہی ان کو گمراہی کے راستوں پر لے جانے اور رشد و ہدایت کی راہ سے ہٹانے کے موجب بنے ہیں۔

﴿وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوَا بِآيٰتِنَا﴾ ”اور وہ لوگ جنہوں نے ہماری (ان عظیم) آیات کو جھٹلایا“ جو اس چیز کی صحت پر دلالت کرتی ہیں جس کے ساتھ ہم نے اپنے رسولوں کو مبعوث کیا ہے۔ ﴿وَلِقَاءِ الْاٰخِرَةِ حٰصِلَتْ اَعْمَالُهُمْ﴾ ”اور آخرت کی ملاقات کو برباد ہو گئے اعمال ان کے“ کیونکہ ان کی کوئی اساس نہ تھی اور ان کے صحیح ہونے کی شرط مفقود تھی۔ اعمال کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آیات پر ایمان رکھا جائے اور اس کی جزا و سزا کی تصدیق کی جائے ﴿هَلْ يُجْزَوْنَ﴾ ”وہی بدلہ پائیں گے“ ان کے اعمال کے اکارت جانے اور ان کے مقصود کے حصول کی بجائے اس کے متضاد امور کے حاصل ہونے میں ﴿اِلَّا مَا كَانُوَا يَعْمَلُوْنَ﴾ ”جو کچھ وہ عمل کرتے تھے“ کیونکہ اس شخص کے اعمال جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتا وہ ان اعمال پر کسی ثواب کی امید نہیں رکھتا اور نہ ان اعمال کی غرض و غایت ہی ہوتی ہے، پس بنا بریں یہ اعمال باطل ہو گئے۔

﴿وَاتَّخَذَ قَوْمُ مُوسٰى مِنْ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِيِّهٖمْ عِجْلًا جَسَدًا﴾ ”اور بنالیاموسی کی قوم نے اس کے پیچھے اپنے زیور سے بچھڑا ایک بدن“۔ بچھڑے کے اس بت کو سامری نے بنایا تھا۔ اس نے فرشتے کے نشان قدم سے مٹھی بھر مٹی لے کر بچھڑے کے بت پر ڈال دی۔ ﴿لَهُ حُوَارٌ﴾ ”اس کی آواز تھی۔“ اس میں سے بچھڑے کی آواز آنے لگی۔ بنی اسرائیل نے اس کو معبود مان لیا اور اس کی عبادت کرنے لگے۔

سامری نے کہا ”یہ تمہارا اور موسیٰ کا معبود ہے، موسیٰ اسے بھول گیا ہے اور اسے تلاش کرتا پھر رہا ہے“..... یہ

ان کی سفاہت اور قلت بصیرت کی علامت تھی ان پر زمین اور آسمانوں کے پروردگار اور ایک پھڑے کے درمیان کیسے اشتباہ واقع ہو گیا۔ پھڑا تو کمزور ترین مخلوق ہے؟ اسی لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ اس پھڑے کے اندر ایسی صفات ذاتی یا صفات فعلی موجود نہیں ہیں جو اس کے معبود ہونے کے استحقاق کو ثابت کرتی ہوں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿الَّذِينَ يَدْعُونَ أَنفُسَهُمْ بِاللَّهِ عِبَادَةً وَرَبًّا وَرَبًّا لَّيْسَ لَهُمْ شِرْكٌ﴾ کیا انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ وہ ان سے بات بھی نہیں کرتا، یعنی کلام کرنے سے محرومی ایک بہت بڑا نقص ہے وہ خود اس حیوان سے زیادہ کامل حالت کے مالک ہیں جو بولنے کی قدرت نہیں رکھتا۔ ﴿وَلَا يَهْدِيهِمْ سَبِيلًا﴾ اور نہیں بتلاتا ان کو راستہ، یعنی وہ کسی دینی طریقے کی طرف ان کی راہنمائی نہیں کر سکتا اور نہ انہیں کوئی دنیاوی فائدہ عطا کر سکتا ہے۔

انسانی عقل و فطرت میں یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ کسی ایسی ہستی کو خدا بنانا جو کلام نہیں کر سکتی جو کسی کو نفع و نقصان نہیں دے سکتی سب سے بڑا باطل اور سب سے بڑی بے قوفی ہے۔ بنا بریں فرمایا: ﴿إِنَّ خُلُوفَ وَهٍ وَكَانُوا ظَالِمِينَ﴾ انہوں نے اس کو معبود بنا لیا اور وہ ظالم تھے، کیونکہ انہوں نے ایسی ہستی کی عبادت کی جو عبادت کی مستحق نہ تھی انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا جس پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے کلام کا انکار کرتا ہے تو وہ تمام خصائص الہیہ کا منکر ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے کہ کلام نہ کرنا اس ہستی کے الہ ہونے کی عدم صلاحیت پر دلیل ہے جو کلام نہیں کر سکتی۔

﴿وَلَمَّا﴾ اور جب، یعنی جب موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم میں واپس آئے ان کو اس حالت میں پایا اور ان کو ان کی گمراہی کے بارے میں آگاہ فرمایا تو انہیں بڑی ندامت ہوئی۔ ﴿سَقَطَ فِي آيَاتِهِمْ﴾ پچھتائے، یعنی وہ اپنے فعل پر بہت غم زدہ اور بہت نادوم ہوئے ﴿وَرَأَوْا أَنَّهُمْ قَدْ ضَلُّوا﴾ اور دیکھا کہ وہ گمراہ ہو گئے ہیں تو انہوں نے نہایت عاجزی کے ساتھ اس گناہ سے براءت کا اظہار کیا۔ ﴿قَالُوا لَيْن لَّمْ يَرْحَمْنَا رَبُّنَا﴾ اور انہوں نے کہا اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہیں کرے گا۔ یعنی اگر وہ ہماری راہنمائی نہ کرے اور ہمیں اپنی عبادت اور نیک اعمال کی توفیق سے نہ نوازے۔ ﴿وَيَغْفِرَ لَنَا﴾ اور ہم کو معاف نہیں کرے گا۔ یعنی پھڑے کی عبادت کا گناہ جو ہم سے صادر ہوا ہے اسے بخش نہ دے۔ ﴿لَتَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ تو ہم یقیناً ان لوگوں میں شامل ہو جائیں گے جنہیں (دنیا و آخرت) میں خسارہ ملا۔

﴿وَلَمَّا رَجَعَ مُوسَىٰ إِلَىٰ قَوْمِهِ غَضْبَانَ أَسِفًا﴾ اور جب موسیٰ (علیہ السلام) اپنی قوم میں نہایت غصے اور افسوس کی حالت میں واپس آئے۔ یعنی موسیٰ (علیہ السلام) ان کے بارے میں غیظ و غضب سے لبریز واپس لوٹے۔ کیونکہ ان کی غیرت اور (اپنی قوم کے بارے میں) ان کی خیر خواہی اور شفقت کامل تھی۔ ﴿قَالَ بِئْسَمَا خَلَفْتُمُونِي مِن بَعْدِي﴾ کہنے لگے تم نے میرے بعد بہت ہی بد اطواری کی۔ یعنی بہت ہی برے اطوار تھے جن کے ساتھ تم نے

میرے جانے کے بعد میری جانشینی کی۔ یہ ایسے احوال و اطوار تھے جو ابدی ہلاکت اور دائمی شقاوت کے موجب بنتے ہیں۔ ﴿اَعْجَلْتُمْ اَمْرَ رَبِّكُمْ﴾ کیا تم نے اپنے رب کے حکم کے بارے میں جلدی کی؟ کیونکہ اس نے تمہارے ساتھ کتاب نازل کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ پس تم اپنی فاسد رائے کے ذریعے سے جلدی سے اس قبیح خصلت کی طرف آگے بڑھے۔ ﴿وَالْقَىٰ الْاَلْوَاخِ﴾ اور (تورات کی) تختیاں ڈال دیں۔ یعنی نہایت غصے سے ان کو پھینک دیا۔ ﴿وَاَخَذَ بِرَاسِ اَخِيهِ﴾ اور اپنے بھائی کے سر (اور داڑھی) کو پکڑ کر۔ ﴿يَجْرَةً اِلَيْهِ﴾ اپنی طرف کھینچا اور ان سے کہا: ﴿مَا مَنَعَكَ اِذْ رَاَيْتَهُمْ ضَلُّوْا اِلَّا تَتَّبِعِنَ اَفْصَيْتَ اَمْرِي﴾ (ظہ: ۹۲/۲۰-۹۳) ”جب تم نے ان کو دیکھا کہ وہ بھٹک گئے ہیں تو تمہیں کس چیز نے میری پیروی کرنے سے روکا۔ کیا تم نے میری حکم عدولی کی؟“ یعنی میرے حکم ﴿اِخْلَفْنِي فِي قَوْمِي وَاَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيْلَ الْمُفْسِدِيْنَ﴾ (الاعراف: ۱۴۲/۷) کی نافرمانی کی۔ ہارون علیہ السلام نے عرض کیا ﴿يَبْنُوْنَ لَنَا تَأْخُذْ بِلِحْيَتِي وَلَا بِرَاسِي رَاَيْتَ اَنْ تَقُوْلَ فَرَقْتَ بَيْنَ بَنِي اِسْرَائِيْلَ وَاَنْ تَقُوْلَ قَوْلِي﴾ (ظہ: ۹۴/۲۰) ”اے میرے ماں جائے بھائی! مجھے میری داڑھی اور سر کے بالوں سے نہ پکڑیے میں تو اس بات سے ڈرتا تھا کہ کہیں آپ یہ نہ کہیں کہ تو نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا اور میرے حکم کو ملحوظ نہ رکھا۔“

﴿قَالَ ابْنُ اَمْرِ﴾ کہا اے ماں جائے یہاں صرف ماں کا ذکر بھائی کو نرم کرنے کے لیے کیا ہے ورنہ ہارون علیہ السلام ماں اور باپ دونوں کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کے بھائی تھے۔ ﴿اِنَّ الْقَوْمَ اسْتَضَعَفُوْنِي﴾ لوگوں نے مجھ کو کمزور سمجھا، یعنی جب میں نے ان سے کہا: ﴿يَقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهِ وَاِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِي وَاَطِيعُوْا اَمْرِي﴾ (ظہ: ۹۰/۲۰) ”اے میری قوم! اس سے تمہاری آزمائش کی گئی ہے تمہارا پروردگار تو اللہ رحمن ہے۔ پس میری اتباع کرو اور میرے حکم کی تعمیل کرو۔“

﴿وَاكَاذِبًا يَفْتُلُوْنِي﴾ اور قریب تھے کہ مجھ کو مار ڈالیں، یعنی مجھے قصور وار نہ سمجھیں ﴿فَلَا تُشْبِهْتَنِي الْاَعْدَاءُ﴾ ”پس نہ ہنسناؤ مجھ پر دشمنوں کو، یعنی مجھے ڈانٹ ڈپٹ اور میرے ساتھ برا سلوک کر کے دشمنوں کو خوش ہونے کا موقع فراہم نہ کریں۔ کیونکہ دشمن تو چاہتے ہیں کہ وہ میری کوئی غلطی پکڑیں یا انہیں میری کوئی لغزش ہاتھ آئے۔ ﴿وَلَا تَجْعَلْنِي مَعَ الْقَوْمِ الظَّالِمِيْنَ﴾ اور مجھے ظالم لوگوں میں مت ملائیے۔“ یعنی مجھے ظالم لوگوں کے ساتھ شامل کر کے میرے ساتھ ان جیسا معاملہ نہ کریں۔ موسیٰ علیہ السلام نے عجلت میں اپنے بھائی کی براءت معلوم کرنے سے پہلے ہی اس کے ساتھ جو معاملہ کیا اس پر انہیں سخت ندامت ہوئی۔

﴿قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلَا لِاٰخِي﴾ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کی کہ اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو بخش دے۔ ﴿وَاَدْخِلْنَا فِي رَحْمَتِكَ﴾ اور تو ہمیں اپنی رحمت میں داخل کر۔ تیری بے پایاں رحمت ہمیں ہر جانب

سے گھیر لے، کیونکہ تیری رحمت تمام برائیوں کے مقابلے میں ایک مضبوط اور محفوظ قلعہ ہے اور ہر بھلائی اور مسرت کا سرچشمہ ہے۔ ﴿وَأَنْتَ أَرْحَمُ الرَّحِيمِينَ﴾ اور تو سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، یعنی تو ہمارے ماں باپ، اولاد، ہر رحم کرنے والے بلکہ خود ہم سے زیادہ ہم پر رحم کرنے والا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے پچھڑے کی پوجا کرنے والوں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ﴾ ”وہ لوگ جنہوں نے پچھڑے کو (معبود) بنا لیا“ ﴿سَيَنَالُهُمُ غَضَبٌ مِّنْ رَبِّهِمْ وَاذَلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ ”ان کو پینچے گا غضب ان کے رب کی طرف سے اور ذلت دنیا کی زندگی میں“ جیسا کہ انہوں نے اپنے رب کو ناراض کیا اور اس کے حکم کی تحقیر کی۔ ﴿وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ﴾ ”اور اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ہم بہتان باندھنے والوں کو“ پس ہر وہ شخص جو اللہ تعالیٰ پر بہتان طرازی کرتا ہے اس کی شریعت پر جھوٹ گھڑتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف وہ باتیں منسوب کرتا ہے جو اس نے نہیں کہیں تو اسے اللہ تعالیٰ کی ناراضی کا سامنا کرنا ہوگا اور دنیا کی زندگی میں اسے ذلت اٹھانا پڑے گی، چنانچہ انہیں اللہ تعالیٰ کے غضب کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنے آپ کو قتل کریں اور اللہ تعالیٰ ان سے اس وقت تک خوش نہیں ہوگا جب تک کہ وہ یہ فعل سرانجام نہ دیں۔ پس انہوں نے ایک دوسرے کو قتل کیا اور مقتولین کی کثرت سے میدان بھر گیا۔ پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔

یہاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک عام حکم ذکر فرمایا جس میں یہ لوگ اور دیگر لوگ شامل ہیں فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ عَمِلُوا السَّيِّئَاتِ﴾ ”اور جنہوں نے برے اعمال کیے۔“ یعنی جنہوں نے شرک، کبیرہ اور صغیرہ گناہوں کا ارتکاب کیا ﴿ثُمَّ تَابُوا مِنْ بَعْدِهَا﴾ ”پھر اس کے بعد توبہ کر لی۔“ یعنی گزشتہ گناہوں پر ندامت کے ساتھ ساتھ ان کے ارتکاب سے رک گئے اور عزم کر لیا کہ وہ ان گناہوں کا اعادہ نہیں کریں گے۔ ﴿وَأَمْنًا﴾ اور وہ اللہ تعالیٰ اور ان تمام امور پر ایمان لے آئے جن پر ایمان لانا اللہ تعالیٰ نے واجب قرار دیا ہے اور ایمان، اعمال، قلوب اور اعمال جو ارجح جو ایمان کا نتیجہ ہیں کے بغیر مکمل نہیں ہوتا۔

﴿إِنَّ رَبَّكَ مِنْ بَعْدِهَا﴾ ”بے شک تمہارا رب اس کے بعد۔“ یعنی اس حالت کے بعد، یعنی گناہوں سے توبہ اور نیکیوں کی طرف رجوع کے بعد ﴿لَعَفْوٌ﴾ ”بخشنے والا۔“ وہ گناہوں کو بخش کر انہیں مٹا دیتا ہے خواہ یہ زمین بھر کیوں نہ ہوں۔ ﴿رَحِيمٌ﴾ ”رحم کرنے والا ہے۔“ وہ توبہ قبول کر کے اور بھلائی کے کاموں کی توفیق عطا کر کے اپنی بے پایاں رحمت سے نوازتا ہے۔ ﴿وَلَمَّا سَكَتَ عَنْ مُوسَى الْغَضَبُ﴾ ”اور جب موسیٰ (علیہ السلام) کا غصہ فرو ہوا۔“ یعنی جب ان کا غصہ ٹھنڈا ہوا اور وہ آپے میں آ کر پوری صورت حال کو سمجھ گئے تو وہ اہم تر امور میں مشغول ہو گئے۔ ﴿أَخَذَ الْأَنْوَاحَ﴾ ”انہوں نے ان تختیوں کو اٹھایا“ جن کو انہوں نے غصے میں آ کر پھینک دیا تھا۔ یہ

جلیل القدر تختیاں تھیں۔ ﴿وَفِي نُحْسَتِهَا﴾ ”اور ان میں جو لکھا ہوا تھا یعنی یہ تختیاں جس چیز پر مشتمل تھیں ﴿هُدًى وَرَحْمَةً﴾ ”اس میں ہدایت اور رحمت تھی۔“ ان میں گمراہی اور ہدایت کو واضح کیا گیا تھا۔ حق اور باطل، اعمال خیر، اعمال شر، بہترین اعمال کی طرف راہ نمائی، اخلاق و آداب کو ان تختیوں میں کھول کھول کر بیان کیا گیا تھا اور ان تختیوں میں ان لوگوں کے لیے رحمت اور سعادت ہے جو ان پر عمل کرتے ہیں اور ان کے احکام اور معانی کی تعلیم دیتے ہیں۔ مگر ہر شخص اللہ تعالیٰ کی ہدایت اور رحمت کو قبول نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو صرف وہی لوگ قبول کرتے ہیں اور اس پر عمل کرتے ہیں۔ ﴿لِلَّذِينَ هُمْ لِوَالِهِمْ يَرْهَبُونَ﴾ ”جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں۔“ جو اللہ تعالیٰ اور قیامت کے روز اس کے حضور کھڑے ہونے سے نہیں ڈرتا تو اس سے اس کی سرکشی اور روگردانی میں اضافہ ہی ہوگا اور اس بارے میں اس پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم ہو جائے گی۔

جب بنی اسرائیل نے توبہ کرنی اور وہ رشد و ہدایت کی راہ پر لوٹ آئے۔ ﴿وَاخْتَارَ مُوسَىٰ قَوْمَهُ﴾ ”اور چن لئے موسیٰ نے اپنی قوم میں سے“ ﴿سَبْعِينَ رَجُلًا﴾ ”(بہترین) ستر آدمی“ تاکہ وہ اپنی قوم کی طرف سے رب کے حضور معذرت پیش کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایک وقت مقرر کر دیا تھا تاکہ اس وقت وہ اللہ کے حضور حاضر ہوں اور جب وہ حاضر ہوئے تو انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: ﴿أَرَأَىٰ اللَّهُ جَهْرَةً﴾ (النساء: ۱۵۳/۴) ”ان ظاہری آنکھوں سے ہمیں اللہ کا دیدار کروا“۔ پس انہوں نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں جسارت اور اس کے حضور بے ادبی کا مظاہرہ کیا۔ ﴿أَخَذَتْهُمُ الرَّجْفَةُ﴾ ”تو ان کو زلزلے نے پکڑ لیا“ پس وہ بے ہوش ہو کر ہلاک ہو گئے۔

پس موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حضور فرقتی اور تدلل سے گڑ گڑاتے رہے۔ انہوں نے عرض کیا: ﴿رَبِّ لَوْ شِئْتَ أَهْلَكْتَهُم مِّن قَبْلُ وَإِنِّي أَهْلَكَتُهُمْ مِّن قَبْلُ﴾ ”اے میرے رب! اگر تو ان کو ہلاک ہی کرنا چاہتا تو مجھے اور ان کو میقات کی طرف نکلنے سے پہلے ہی ہلاک کر دیتا“ ﴿أَتَهْلِكُنَا بِمَا فَعَلَ السُّفَهَاءُ مِنَّا﴾ ”کیا تو ہم کو ہلاک کرتا ہے اس کام پر جو ہماری قوم کے بے وقوفوں نے کیا“ یعنی جو کچھ کم عقل اور بے وقوف لوگوں نے کیا ہے۔ پس موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حضور گڑ گڑائے اور معذرت کی کہ جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے حضور یہ جسارت کی ہے وہ کامل عقل کے مالک نہیں ہیں، ان کی بے وقوفی کے قول و فعل سے صرف نظر کر۔ وہ ایک ایسے فتنے میں مبتلا ہو گئے جس میں انسان خطا کا شکار ہو جاتا ہے اور دین کے چلے جانے کا خوف لاحق ہو جاتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا: ﴿إِن هِيَ إِلَّا فِتْنَتُكَ تُضِلُّ بِهَا مَن تَشَاءُ وَتَهْدِي مَن تَشَاءُ أَنْتَ وَلِيْنَا فَاعْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا وَأَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ﴾ ”یہ سب تیری آزمائش ہے، گمراہ کرتا ہے اس کے ذریعے سے جس کو چاہتا ہے اور سیدھا رکھتا ہے جس کو چاہتا ہے، تو ہی ہمارا کارساز ہے، پس ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے، یعنی تو بخش دینے والوں میں سے بہترین ہستی ہے۔ سب سے زیادہ رحم کرنے والا اور عطا کرنے والوں میں سب سے زیادہ فضل و

کرم کا مالک ہے۔ گویا کہ حضرت موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ نے اللہ تعالیٰ کے حضور یوں عرض کیا ”اے ہمارے رب ہم سب کا اولین مقصد تیری اطاعت کا التزام اور تجھ پر ایمان لانا ہے اور جس میں عقل اور سمجھ موجود ہے اور تیری توفیق جس کے ہم رکاب رہے گی وہ ہمیشہ راہ راست پر رواں دواں رہے گا۔

رہا وہ شخص جو ضعیف العقل ہے جو کمزور رائے رکھتا ہے اور جس کو فتنے نے گمراہی کی طرف پھیر دیا تو وہی شخص ہے جس نے ان دو اسباب کی بنا پر اس جسارت کا ارتکاب کیا۔ بایں ہمہ تو سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا اور سب سے زیادہ بخش دینے والا ہے پس تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما۔“ پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ کی دعا قبول کر لی اور ان (ستر آدمیوں) کو موت دینے کے بعد دوبارہ زندہ کر دیا اور ان کے گناہ بخش دیئے۔

موسیٰ عَلَيْهِ السَّلَامُ نے اپنی دعا کو مکمل کرتے ہوئے عرض کیا ﴿وَأَنْتَبَ لَنَا فِي هَذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةً﴾ اور لکھ دے ہمارے لئے اس دنیا میں بھلائی، یعنی اس دنیا میں علم نافع، رزق واسع اور عمل صالح عطا کر۔ ﴿وَفِي الْآخِرَةِ﴾ اور آخرت میں ”یہ وہ ثواب ہے جو اس نے اپنے اولیائے صالحین کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ ﴿إِنَّا هَذَا نَأْتِيكَ﴾ ”ہم تیری طرف رجوع کر چکے۔“ ہم اپنی کوتاہی کا اقرار کرتے اور اپنے تمام امور تیرے سپرد کرتے ہوئے تیری طرف رجوع کرتے ہیں۔ ﴿قَالَ﴾ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿عَدَا ابْنِي أُصِيبُ بِهِ مَنَ أَشَاءَ﴾ ”میرا عذاب پہنچاتا ہوں میں اس کو جس کو چاہوں، یعنی اس کو جو بد بخت ہے اور بد بختی کے اسباب اختیار کرتا ہے ﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ اور میری رحمت اس نے گھیر لیا ہے ہر چیز کو۔“ میری بے پایاں رحمت نے عالم علوی اور عالم سفلی، نیک اور بد، مومن اور کافر سب کو ڈھانپ رکھا ہے۔ کوئی مخلوق ایسی نہیں جس پر اللہ تعالیٰ کی رحمت سایہ کنناں نہ ہو اور اس کے فضل و کرم نے اس کو ڈھانپ نہ رکھا ہو مگر اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت جو دنیا و آخرت کی سعادت کی باعث ہوتی ہے وہ ہر ایک کو نصیب نہیں ہوتی۔ بنا بریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس رحمت کے بارے میں فرمایا: ﴿فَسَا كَتَبَهَا لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ﴾ ”سو اس کو لکھ دوں گا ان کے لئے جو ڈر رکھتے ہیں، جو صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے بچتے ہیں ﴿وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ﴾ اور جو (مستحق لوگوں کو) زکوٰۃ دیتے ہیں“ ﴿وَالَّذِينَ هُمْ بِآيَاتِنَا يُؤْمِنُونَ﴾ اور جو ہماری آیات پر یقین رکھتے ہیں“ اللہ تعالیٰ کی آیات پر کامل ایمان یہ ہے کہ ان کے معانی کی معرفت حاصل کی جائے اور ان کے تقاضوں کے مطابق عمل کیا جائے اور انہی میں سے دین کے اصول و فروع میں ظاہری اور باطنی طور پر نبی اکرم صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ کی اتباع ہے۔

﴿الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ الْأَرْحَمَ﴾ ”وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے یہاں تمام انبیائے کرام کے ذکر سے احتراز کیا ہے، کیونکہ یہاں صرف حضرت محمد مصطفیٰ بن عبد اللہ بن عبد المطلب صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مقصود ہیں۔ یہ آیت بنی اسرائیل کے حالات کے سیاق میں ہے ان کے لیے ایمان میں داخل ہونے کی لازمی

شرط یہ ہے کہ وہ نبی اکرم ﷺ پر ایمان لائیں۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت مطلق جو اس نے اپنے بندوں کے لیے لکھ رکھی ہے صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو نبی اکرم ﷺ پر ایمان لا کر اس کی اتباع کرتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کو ﴿الْأُمَّتِي﴾ کے وصف سے موصوف فرمایا ہے کیونکہ آپ عربوں میں سے ہیں اور عرب ایک ان پڑھا امت تھے جو لکھ سکتے تھے نہ پڑھ سکتے تھے اور قرآن مجید سے پہلے ان پر کوئی کتاب نازل نہیں ہوئی۔ ﴿الَّذِي يَجِدُ وَنَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ﴾ ”وہ آپ (ﷺ) کا نام اور آپ ﷺ کی صفات (کو تورات و انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں۔“ اور ان میں سب سے بڑی اور جلیل ترین صفت وہ ہے جس کی طرف آپ ﷺ دعوت دیتے ہیں اور جس چیز سے آپ منع کرتے ہیں۔

﴿يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ﴾ ”وہ معروف کا حکم دیتے ہیں۔“ اور (مغفور) سے مراد ”ہر وہ کام ہے جس کی اچھائی بھلائی اور اس کا فائدہ مند ہونا معروف ہو۔“ ﴿وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ”اور برے کاموں سے روکتے ہیں۔“ (منکر) سے مراد ”ہر وہ برا کام ہے جس کی برائی اور قباحت کو عقل اور فطرت سلیم تسلیم کرتی ہو“ پس وہ نماز، زکوٰۃ، روزے، حج، صلہ رحمی و والدین کے ساتھ نیک سلوک، ہمسایوں اور غلاموں کے ساتھ نیکی، تمام مخلوق کو فائدہ پہنچانے، سچائی، پاکبازی، نیکی، خیر خواہی اور دیگر اچھے کاموں کا حکم دیتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک، قتل ناحق، زنا، شراب اور نشہ دار مشروبات پینے، تمام مخلوق پر ظلم کرنے، جھوٹ، فسق و فجور اور دیگر برائیوں سے روکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے رسول ہونے کی سب سے بڑی دلیل وہ کام ہیں جن کا آپ حکم دیتے ہیں جن سے آپ روکتے ہیں جن کو آپ حلال قرار دیتے ہیں اور جن کو آپ حرام قرار دیتے ہیں۔ اس لئے ﴿وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ﴾ ”وہ حلال کرتا ہے ان کے لئے سب پاک چیزیں“ یعنی آپ ماکولات، مشروبات اور منکوحات میں سے طیبات اور پاک چیزوں کو حلال قرار دیتے ہیں۔ ﴿وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبَائِثَ﴾ ”اور ناپاک چیزوں کو ان پر حرام ٹھہراتے ہیں۔“ یعنی ماکولات اور مشروبات میں سے ناپاک چیزوں، ناپاک اقوال و افعال اور ناپاک عورتوں کو حرام قرار دیتے ہیں۔ ﴿وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ ”اور ان پر سے بوجھ اور طوق جو ان کے سر پر اور گلے میں تھے اتارتے ہیں۔“ یعنی آپ ﷺ کا ایک وصف یہ ہے کہ آپ کا لایا ہوا دین نہایت آسان، نرم اور کشادہ ہے۔ اس دین میں کوئی بوجھ، کوئی ناروا بندش، کوئی مشقت اور کوئی تکلیف نہیں ہے۔

﴿قَالَتَيْنِ آمَنُوا بِهِ وَعَزَّوَاهُ﴾ ”پس وہ لوگ جو آپ پر ایمان لائے اور جنہوں نے آپ کی توفیق و تعظیم کی“ ﴿وَلَصَّوَاهُ وَاتَّبَعُوا النُّورَ الَّذِي أُنزِلَ مَعَهُ﴾ ”اور آپ کی مدد کی اور تابع ہوئے اس نور کے جو آپ کے ساتھ اترا ہے“ نور سے مراد قرآن ہے جس سے شک و شبہات اور جہالت کے تیرہ و تاراندھیروں میں روشنی حاصل کی جاتی ہے اور مقالات و نظریات کے اختلاف میں اس کو راہ نما بنایا جاتا ہے ﴿أُولَئِكَ هُمُ الْفَاطِحُونَ﴾ ”وہی مراد پانے

والے ہیں۔“ یہی لوگ ہیں جو دنیا و آخرت کی بھلائی سے ظفریاب ہوں گے اور یہی لوگ دنیا و آخرت کے شر سے نجات پائیں گے، کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں جو فلاح کا سب سے بڑا سبب لے کر اللہ تعالیٰ کے ہاں حاضر ہوئے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو اس نبی امی ﷺ پر ایمان نہ لائے، انہوں نے آپ کی تعظیم و توقیر کی نہ آپ کی مدد کی اور نہ اس نور کی اتباع کی جو آپ کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔ پس یہی وہ لوگ ہیں جو خسارہ اٹھانے والے ہیں۔

چونکہ آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل میں سے اہل تورات کو رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی دعوت دی ہے اور بسا اوقات کوئی شخص اس وہم میں مبتلا ہو سکتا ہے کہ یہ حکم صرف بنی اسرائیل تک محدود ہے اس لئے وہ اسلوب اختیار کیا جو عمومیت پر دلالت کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿قُلْ يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنِّي رَسُولُ اللَّهِ إِلَيْكُمْ جِيئًا﴾ ”کہہ دیجئے! لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا بھیجا ہوا ہوں۔“ یعنی اہل عرب، اہل عجم، اہل کتاب اور دیگر تمام قوموں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ ﴿الَّذِي لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ ”جس کی حکومت ہے آسمانوں اور زمین میں“ وہ اپنے احکام تکوینی، تدابیر سلطانی اور احکام دینی کے ذریعے سے کائنات میں تصرف کرتا ہے۔ اس کے احکام دینی و شرعی میں سے ایک حکم یہ ہے کہ اس نے تمہاری طرف ایک عظیم رسول مبعوث کیا۔ جو تمہیں اللہ تعالیٰ اور اس کے عزت و اکرام کے گھر کی طرف دعوت دیتا ہے اور تمہیں ہر اس چیز سے بچنے کی تلقین کرتا ہے جو تمہیں اس گھر سے دور کرتی ہے۔ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ﴾ ”اس (اللہ تعالیٰ) کے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں“ وہ ایک ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں۔ اس کی عبادت کی معرفت صرف اس کے انبیاء و مرسلین کے توسط ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ ﴿يُحْيِي وَيُمِيتُ﴾ ”وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے۔“ اس کی جملہ تدابیر و تصرفات میں سے زندہ کرنا اور مارتا ہے، جس میں کوئی ہستی شریک نہیں ہو سکتی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے موت کو ایک ایسا پل بنایا ہے جسے عبور کر کے انسان دارفانی سے دارالبقا میں داخل ہوتا ہے۔ جو کوئی اس دارالبقا پر ایمان لاتا ہے تو وہ اللہ کے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کی یقیناً تصدیق کرتا ہے۔

﴿قَامُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ النَّبِيِّ الْأُمِّيِّ﴾ ”پس اللہ پر اور اس کے رسول پیغمبر امی پر ایمان لاؤ۔“ یعنی اس نبی امی پر ایسا کامل ایمان لاؤ جو اعمال قلوب اور اعمال جوارح کو متضمن ہو۔ ﴿الَّذِي يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَكَلِمَاتِهِ﴾ ”جو یقین رکھتا ہے اللہ پر اور اس کی باتوں پر“ یعنی اس رسول پر ایمان لاؤ جو اپنے عقائد و اعمال میں راست رو ہے ﴿وَأَتَّبِعُوهُ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ﴾ ”اور اس کی پیروی کرو تا کہ تم راہ پاؤ“ یعنی اگر تم اس کی اتباع کرو گے تو اپنے دینی اور دنیاوی مصالح میں ہدایت پاؤ گے، کیونکہ جب تم اس نبی کی اتباع نہیں کرو گے تو بہت دور کی گمراہی میں جا پڑو گے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٍ﴾ ”موسیٰ کی قوم میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں“ ﴿يَهْتَدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ﴾ ”جو راہ بتلاتے ہیں حق کی اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں“ یعنی لوگوں کو تعلیم دے

کران کی راہ نمائی کرتے ہیں، ان کو فتویٰ دیتے ہیں اور ان کے آپس کے جھگڑوں کے فیصلوں میں حق کے ساتھ انصاف کرتے ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ آيَةً يَهْتَدُونَ بِأَيَّتِنَا يُوَقِّنُونَ﴾ (السجده: ۲۴، ۲۵) اور ان میں سے ہم نے راہ نمائے جو ہمارے حکم کے مطابق راہ نمائی کیا کرتے تھے جب تک وہ صبر کرتے رہے اور ہماری آیتوں پر یقین رکھتے رہے۔

اس آیت کریمہ میں امت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت بیان ہوئی ہے، نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر پیشوا مقرر کئے جو اس کے حکم سے پیشوائی کرتے تھے۔ اس آیت کریمہ کو یہاں بیان کرنا درحقیقت گزشتہ آیات کے مضامین سے احتراز کی ایک قسم ہے، کیونکہ گزشتہ آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے ایسے معایب بیان فرمائے ہیں جو کمال کے منافی اور ہدایت کی ضد ہیں۔ بسا اوقات کسی کو یہ وہم لاحق ہو سکتا ہے کہ مذکورہ معایب میں بنی اسرائیل کے تمام لوگ شامل ہیں، بنا بریں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ بنی اسرائیل میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو راست رو ہدایت یافتہ تھے جو دوسرے لوگوں کو راہ ہدایت دکھاتے تھے۔

﴿وَقَطَعْنَهُمْ﴾ اور ہم نے ان کو تقسیم کر دیا۔ ﴿اِثْنَتَيْ عَشْرَةَ أَسْبَاطًا أُمَّةً﴾ بارہ قبیلوں (کی شکل) میں بڑی بڑی جماعتیں، یعنی بارہ قبیلے بنا دیئے جو ایک دوسرے کو پہچانتے تھے اور باہم الفت رکھتے تھے۔ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ہر بیٹے کی اولاد ایک قبیلہ بنی۔ ﴿وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ إِذِ اسْتَسْقَاهُ قَوْمَهُ﴾ اور وحی کی ہم نے موسیٰ کی طرف، جب مانگا اس کی قوم نے اس سے پانی، یعنی جب انہوں نے موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کیا کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ انہیں پانی عطا کرے جسے وہ خود پیئیں اور اپنے مویشیوں کو پلائیں اور اس مطالبے کی وجہ یہ تھی۔۔۔ واللہ اعلم۔۔۔ کہ وہ ایک ایسے علاقے میں تھے جہاں پانی بہت کم دستیاب تھا۔ تو اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی درخواست قبول کرتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام کی طرف وحی فرمائی ﴿أَنْ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْحَجَرَ﴾ اپنی لٹھی اس پتھر پر مار، اس میں یہ احتمال ہے کہ مذکورہ پتھر کوئی معین پتھر ہو اور اس میں یہ احتمال بھی موجود ہے کہ (الْحَجَرُ) اسم جنس کے لیے استعمال ہوا ہو جو پتھر کو شامل ہے۔۔۔ پس حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر عصا مارا ﴿فَأَنْبَجَسَتْ﴾ (اس پتھر سے) پھوٹ پڑے ﴿اِثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا﴾ بارہ چشمے، آہستہ آہستہ بہتے ہوئے۔

﴿قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَشْرِبَهُمْ﴾ سب لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کر لیا۔ ان بارہ قبائل کے درمیان اس پانی کو تقسیم کر دیا گیا اور ہر قبیلے کے لیے ایک چشمہ مقرر کر دیا گیا اور انہوں نے اپنے اپنے چشمے کو پہچان لیا۔ پس انہوں نے اطمینان کا سانس لیا اور تھکاوٹ اور مشقت سے راحت پائی۔ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کی نعمت کا اتمام تھا۔ ﴿وَوَضَّلْنَا عَلَيْهِمُ الْغَمَامَ﴾ اور ہم نے ان پر بادلوں کا سایہ کیا، پس یہ بادل انہیں سورج کی گرمی سے بچاتا تھا۔ ﴿وَأَنْزَلْنَا عَلَيْهِمُ الْمَنَّ﴾ اور اتارا ہم نے اوپر ان کے من، اس سے مراد میٹھا میوہ ہے ﴿وَالسَّلْوَى﴾ اس

سے مراد پرندوں کا گوشت ہے یہ بہترین اور لذیذ ترین قسم کے پرندوں کا گوشت تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی راحت اور اطمینان کے لیے ان پر بیک وقت سایہ پینے کے لیے پانی اور کھانے کے لیے میٹھے میوے اور گوشت عطا کیا۔ ان سے کہا گیا: ﴿كُلُوا مِنْ طَيِّبَاتِ مَا رَزَقْنَاكُمْ وَمَا ظَلَمُونَا﴾ ”وہ سٹھری چیزیں کھاؤ جو ہم نے تمہیں دیں اور انہوں نے ہمارا کچھ نہ بگاڑا“ یعنی اللہ تعالیٰ نے ان پر جو چیز واجب قرار دی تھی اسے پورا نہ کر کے اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا نہ کر کے ہم پر ظلم نہیں کیا ﴿وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ ”بلکہ انہوں نے اپنے آپ پر ہی ظلم کیا“ کیونکہ انہوں نے اپنے آپ کو ہر بھلائی سے محروم کر لیا اور اپنے نفس کو شر اور اللہ تعالیٰ کی ناراضگی میں مبتلا کر لیا۔ یہ سب کچھ اس مدت کے دوران ہوا جب وہ بیابان میں سرگرداں تھے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِذْ قِيلَ لَهُمْ اسْكُنُوا هَذِهِ الْقَرْيَةَ﴾ ”جب ان سے کہا گیا کہ اس شہر میں سکونت اختیار کرو۔“ یعنی اس بستی میں داخل ہو جاؤ تاکہ یہ بستی تمہارا وطن اور مسکن بن جائے۔ یہ بستی ”ایلیاء“ یعنی ”قدس“ کی بستی تھی۔ ﴿وَكُلُوا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ﴾ ”اور اس میں سے جو چاہو کھاؤ۔“ یعنی اس بستی میں بہت زیادہ درخت بے حساب پھل اور وافر سامان زندگی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا تھا کہ جو جی چاہے کھاؤ۔ ﴿وَقُولُوا﴾ ”یعنی جب تم بستی کے دروازے میں داخل ہو تو کہو۔ ﴿حِطَّةٌ﴾ ”یعنی ہم سے ہمارے گناہوں کو دور کر دے اور ہمیں معاف کر دے۔ ﴿وَادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا﴾ ”اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو“ یعنی اپنے رب کے سامنے خشوع و خضوع اس کے غلبہ کے سامنے انکساری اور اس کی نعمت کا شکر ادا کرتے ہوئے دروازے میں داخل ہو۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو خضوع و خشوع اور بخشش طلب کرنے کا حکم دیا اور اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ ان کے گناہ بخش دینے اور دنیاوی اور اخروی ثواب کا وعدہ فرمایا ﴿تَغْفِرَ لَكُمْ حَطِيئَتِكُمْ سَاءَ زِينَتِ الْمُحْسِنِينَ﴾ ”ہم تمہاری خطائیں بخش دیں گے البتہ زیادہ دیں گے ہم نیکی کرنے والوں کو“ یعنی ہم دنیا اور آخرت کی بھلائی میں اضافہ کریں گے مگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل نہ کی بلکہ اس کی خلاف ورزی کی۔

﴿قَبَلِ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ﴾ ”پس بدل ڈالنا ظالموں نے ان میں سے“ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کے حکم کی تحقیر کی ﴿قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ﴾ ”دوسرا لفظ اس کے سوا جو ان سے کہا گیا تھا“ پس انہوں نے طلب مغفرت اور (حِطَّةٌ) کو (حَبَّةٌ فِي شَعِيرَةٍ) سے بدل ڈالا۔ جب قول کے آسان اور سہل ہونے کے باوجود انہوں نے اس کو بدل ڈالا تو فعل کو بدلنے کی ان سے بدرجہ اولیٰ توقع کی جاسکتی ہے۔ اس لئے وہ اپنی سرینوں پر گھٹتے ہوئے شہر کے دروازے میں داخل ہوئے۔ ﴿فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ﴾ ”تو ہم نے ان پر بھیجا۔“ یعنی جب انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی اور اس کی نافرمانی کا ارتکاب کیا۔ ﴿رِجْزًا مِنَ السَّمَاءِ﴾ ”آسمان سے سخت عذاب۔“ یہ عذاب یا تو طاعون کی شکل میں تھا یا کوئی اور آسمانی سزا تھی۔ یہ سزا دے کر اللہ تعالیٰ

نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ یہ سزا تو ان کے اس ظلم کی پاداش میں تھی جو وہ کیا کرتے تھے۔

﴿وَسَأَلَهُمْ﴾ ”ان (بنی اسرائیل) سے پوچھے“ ﴿عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ﴾ ”اس بستی کا حال جو دریا کے کنارے تھی“، یعنی جب انہوں نے ظلم و تعدی سے کام لیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی اس حال میں کہ بستی سمندر کے کنارے پر تھی۔ ﴿إِذْ يَعِدُونَ فِي السَّبْتِ﴾ ”جب وہ حد سے بڑھنے لگے ہفتے کے حکم میں“ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا تھا کہ وہ ہفتے کی تعظیم اور احترام کریں ہفتے کے روز شکار نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو آ زمایا اور ان کا امتحان لیا۔ ﴿إِذْ تَأْتِيهِمْ حِينَتَانَهُمْ يَوْمَ سَبْتِهِمْ شُرَعًا﴾ ”جب آتیں ان کے پاس مچھلیاں ہفتے کے دن پانی کے اوپر“، یعنی مچھلیاں سطح سمندر پر بہت کثیر تعداد میں تیرتی ہوئی آتیں۔ ﴿وَيَوْمَ لَا يُسَبِّتُونَ﴾ ”اور جب سبت کا دن نہ ہوتا“، یعنی سبت کا دن گزر جاتا ﴿لَا تَأْتِيهِمْ﴾ ”ان کے پاس نہ آتیں۔“، یعنی مچھلیاں سمندر میں واپس چلی جاتی ہیں اور ان میں سے کوئی مچھلی دکھائی نہ دیتی۔ ﴿كَذَلِكَ نَبَلَّوْهُمْ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ﴾ ”اسی طرح ہم نے ان کو آ زمایا اس لئے کہ وہ نافرمان تھے“، یعنی یہ ان کا فسق تھا جو اس بات کا موجب بنا کہ اللہ تعالیٰ ان کو آ زمانے اور ان کا امتحان ہو۔ ورنہ اگر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی نہ کی ہوتی تو اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دیتا اور ان کو مصیبت اور شر میں مبتلا نہ کرتا۔ پس انہوں نے شکار کے لیے حیلہ کیا، وہ سمندر کے کنارے گڑھے کھود لیتے اور ان گڑھوں میں جال لگا دیتے۔ جب سبت کا دن آتا تو مچھلیاں ان گڑھوں میں آ کر جال میں پھنس جاتیں اور وہ اس روز ان مچھلیوں کو نہ پکڑتے۔ جب اتوار کا دن آتا تو وہ ان مچھلیوں کو پکڑ لیتے۔ یہ حیلہ ان میں بہت زیادہ ہو گیا اور اس بارے میں بنی اسرائیل تین گروہوں میں منقسم ہو گئے۔

(۱) ان میں زیادہ تر وہ لوگ تھے جنہوں نے علی الاعلان سبت کے قانون کو توڑنے کی جسارت کی۔

(۲) دوسرے وہ لوگ تھے جنہوں نے علانیہ ان کو ایسا کرنے سے روکا اور ان پر نکیر کی۔

(۳) تیسرے وہ لوگ تھے جنہوں نے انکار کرنے والوں کے انکار ہی کو کافی سمجھا (اور خود خاموش رہے) اور

انہوں نے منع کرنے والوں سے کہا: ﴿لِمَ تَعْظُونَ قَوْمًا اللَّهُ مَهْلِكُهُمْ أَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا﴾

”تم ایسے لوگوں کو نصیحت کیوں کرتے ہو جن کو اللہ نے ہلاک کرنا یا سخت عذاب دینا ہے“، گویا وہ کہتے

تھے کہ ان لوگوں کو نصیحت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں جو اللہ تعالیٰ کے محارم کا ارتکاب کرتے ہیں اور خیر

خواہوں کی بات پر کان نہیں دھرتے، بلکہ اس کے برعکس ظلم اور تعدی پر جمے ہوئے ہیں۔ اللہ تبارک و

تعالیٰ ضرور ان کو سزا دے گا یا تو ان کو ہلاک کرے گا یا ان کو سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔ نصیحت کرنے

والے کہتے تھے کہ ہم تو ان کو نصیحت کرتے رہیں گے اور ان کو برائیوں سے روکتے رہیں گے۔

﴿مَعْذِرَةً إِلَى رَبِّكُمُ﴾ ”تا کہ تمہارے رب کے ہاں عذر پیش کر سکیں“ ﴿وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ﴾ ”اور

شاید کہ وہ پرہیزگار بن جائیں۔“ یعنی شاید وہ اس نافرمانی کو ترک کر دیں جس میں وہ پڑے ہوئے ہیں، ہم ان کی ہدایت سے مایوس نہیں ہیں بسا اوقات ان میں نصیحت کا رگر ہو جاتی ہے اور ملامت اثر کر جاتی ہے اور برائی پر تکیہ کرنے کا سب سے بڑا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں معذرت ہوتا کہ اس شخص پر حجت قائم ہو سکے جسے روکا گیا یا اسے کسی کام کا حکم دیا گیا ہو۔۔۔ اور شاید اللہ تعالیٰ اسے ہدایت عطا کر دے اور وہ امر و نہی کے تقاضوں پر عمل کر سکے۔

﴿فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ﴾ جب انہوں نے اس چیز کو بھلا دیا جس کی ان کو یاد دہانی کرائی گئی تھی، اور وہ اپنی گمراہی اور نافرمانی پر جسے رہے۔ ﴿أَنْجَبْنَا الَّذِينَ يَنْهَوْنَ عَنِ السُّوءِ﴾ ہم نے ان کو بچالیا جو برائی سے روکتے تھے، اپنے بندوں کے بارے میں یہی سنت الہی ہے کہ جب عذاب نازل ہوتا ہے تو وہ لوگ اس عذاب سے نجات پاتے ہیں جو نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے رہے ہیں۔ ﴿وَآخِذْنَا الَّذِينَ ظَلَمُوا﴾ اور پکڑ لیا ہم نے ظالموں کو، یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے سبت کا قانون توڑا تھا ﴿بَعْدَ آيٍ بَيِّنَةٍ﴾ بڑے عذاب میں، یعنی سخت عذاب میں۔ ﴿بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ﴾ اُس پاداش میں کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔“

رہا وہ گروہ جو برائی سے روکنے والوں سے کہا کرتا تھا: ﴿لِمَ تَعْظُونَ قَوْمًا اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ﴾ ”تم ان لوگوں کو نصیحت کیوں کرتے ہو جن کو اللہ ہلاک کرنے والا ہے“..... اہل تفسیر میں ان کی نجات اور ان کی ہلاکت کے بارے میں اختلاف ہے۔ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ نجات پانے والوں میں شامل تھے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہلاکت کو صرف ظالموں کے ساتھ مخصوص کیا اور اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو ظالموں میں ذکر نہیں کیا۔ پس یہ اس بات کی دلیل ہے کہ سزا خاص طور پر صرف ان لوگوں کو ملی تھی جنہوں نے سبت کی پابندی کو توڑا تھا، نیز نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا فرض کفایہ ہے جب کچھ لوگ اس فرض کو ادا کر رہے ہوں تو دوسرے لوگوں سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے اور ان کے لیے یہی کافی ہے کہ وہ اس برائی کو برائی سمجھتے ہوئے اسے ناپسند کریں۔ علاوہ ازیں انہوں نے (ان بدکردار لوگوں پر) ان الفاظ میں تکبیر کی ﴿لِمَ تَعْظُونَ قَوْمًا اللَّهُ مُهْلِكُهُمْ أَوْ مَعَدَّ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيدًا﴾ ”تم ان لوگوں کو نصیحت کیوں کرتے ہو جن کو اللہ ہلاک کرنے والا یا انہیں سخت عذاب دینے والا ہے“۔ پس انہوں نے ان پر اپنی ناراضی کا اظہار کر دیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں ان کا یہ فعل سخت ناپسند تھا اور یہ کہ اللہ تعالیٰ ان کو سخت سزا دے گا۔

﴿فَلَمَّا عَتَوْا عَنْ مَا نُهُوا عَنْهُ﴾ پھر جب وہ بڑھ گئے اس کام میں جس سے وہ روکے گئے تھے، یعنی وہ نہایت سنگ دل ہو گئے۔ ان میں نرمی آئی نہ انہوں نے نصیحت حاصل کی۔ ﴿فَلَمَّا لَهْمُ﴾ تو ہم نے ان سے کہا، یعنی قضا و قدر کی زبان میں۔ ﴿مَوْنُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ﴾ ہو جاؤ تم بندر ذلیل، پس وہ اللہ کے حکم سے بندر بن گئے اور

اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا، پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ ان میں سے جو لوگ باقی بیچ گئے تھے ان پر ذلت اور محکومی مسلط کر دی گئی۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكَ﴾ ”جب تیرے رب نے آگاہ کر دیا تھا، یعنی واضح طور پر بتا دیا۔ ﴿لَيَبْعَثَنَّ عَلَيْهِمْ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ مَنْ يَسُومُهُمْ سُوءَ الْعَذَابِ﴾ ”کہ ضرور بھیجتا رہے گا یہود پر قیامت کے دن تک ایسے شخص کو جو ان کو برا عذاب دیا کرے گا“ جو ان کو ذلیل و رسوا کرتا رہے گا ﴿إِنَّ رَبَّكَ لَسَرِيعُ الْعِقَابِ﴾ ”بے شک تیرا رب جلد عذاب کرنے والا ہے۔“ یعنی اس شخص کو بہت جلد سزا دیتا ہے جو اس کی نافرمانی کرتا ہے یہاں تک کہ اس دنیا میں بھی اس پر جلدی سے عذاب بھیج دیتا ہے۔ ﴿وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ”اور وہ بخشنے والا مہربان ہے۔“ اور اللہ تعالیٰ اس شخص کے لیے بہت غفور و رحیم ہے جو کوئی توبہ کر کے اس کی طرف رجوع کرتا ہے۔ وہ اس کے گناہ بخش دیتا ہے اس کے عیوب کی پردہ پوشی کرتا ہے اس پر رحم کرتے ہوئے اس کی نیکیوں کو قبول فرماتا ہے وہ اسے ان نیکیوں پر انواع و اقسام کے ثواب عطا کرتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے ساتھ وہی سلوک کیا جو اس نے ان کے ساتھ وعدہ کیا تھا، وہ ہمیشہ سے ذلیل و خوار اور دوسروں کے محکوم چلے آ رہے ہیں ان کی اپنی کوئی رائے نہیں اور نہ (دنیا کی انصاف پسند قوموں میں) ان کی کوئی مدد کرنے والا ہے۔ ﴿وَقَطَعْنَاهُمْ فِي الْأَرْضِ أُمَّمًا﴾ ”اور ہم نے انہیں ٹکڑے ٹکڑے کر کے زمین میں منتشر کر دیا۔“ جب کہ پہلے وہ مجتمع تھے۔ ﴿مِنْهُمْ الصَّالِحُونَ﴾ ”کچھ ان میں نیک ہیں“ ان میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق کو پورا کرتے ہیں۔ ﴿وَمِنْهُمْ دُونَ ذَلِكَ﴾ ”اور بعض اور طرح کے ہیں۔“ اور ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو نیکی کے کم تر درجے پر فائز ہیں یا تو وہ نیکی میں متوسط قسم کے لوگ ہیں یا وہ اپنی جانوں پر ظلم کرتے ہیں۔ ﴿وَبَلَّوْنَهُمْ﴾ ”اور ہم نے اپنی عادت اور سنت کے مطابق ان کو آزما دیا ﴿بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ﴾ ”خوبیوں میں اور برائیوں میں“ یعنی آسانی اور تنگی کے ذریعے سے ﴿لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ ”شاید کہ وہ لوٹ آئیں۔“ شاید کہ وہ ہلاکت کی وادی سے واپس لوٹ آئیں جس میں وہ مقیم ہیں اور اس ہدایت کی طرف رجوع کریں جس کے لیے ان کو پیدا کیا گیا ہے۔ پس ان میں ہمیشہ سے نیک، بد اور متوسط لوگ موجود رہے ہیں۔ ﴿فَخَلَفَ مِنْهُمْ بَعْدَهُمْ خَلْفٌ﴾ ”پھر پیچھے آئے ان کے ناخلف“ ان کا شریک بڑھ گیا ﴿وَرَثُوا الْكِتَابَ﴾ ”وہ (ان کے بعد) کتاب کے وارث بن گئے“ اور کتاب کے بارے میں لوگوں کا مرجع بن گئے اور انہوں نے اپنی خواہشات کے مطابق کتاب میں تصرف شروع کر دیا۔ ان پر مال خرچ کیا جاتا تھا، تاکہ وہ ناحق فتوے دیں اور حق کے خلاف فیصلے کریں اور ان کے اندر رشوت پھیل گئی۔

﴿يَأْخُذُونَ عَرَضَ هَذَا الْأَذَى وَيَقُولُونَ﴾ ”لیتے سامان ادنیٰ زندگی کا اور کہتے“ یعنی یہ اقرار کرتے ہوئے کہ یہ ظلم اور گناہ ہے کہتے ﴿سَيَغْفِرَ لَنَا﴾ ”ہم کو معاف ہو جائے گا“ ان کا یہ قول حقیقت سے خالی ہے، کیونکہ درحقیقت

یہ استغفار ہے نہ مغفرت کی طلب ہے۔ اگر انہوں نے حقیقت میں اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کی ہوتی تو اپنے کئے پر ان کو ندامت ہوتی اور اس کا اعادہ نہ کرنے کا عزم کرتے۔۔۔ مگر اس کے برعکس جب ان کو مال اور رشوت پیش کی جاتی تو اسے لے لیتے تھے۔ پس انہوں نے آیات الہی کو بہت تھوڑی قیمت پر فروخت کر دیا اور اچھی چیز کے بدلے گھٹیا چیز لے لی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان پر تکبیر کرتے ہوئے اور ان کی جسارت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿اَلَمْ يُوَخِّدْ عَلَيْهِمْ وَايَاتِنَاۙ اَلْكِتٰبَ اَنْ لَا يَقُوْلُوْا عَلٰی اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ﴾ ”کیا ان سے کتاب میں عہد نہیں لیا گیا کہ نہ بولیں اللہ پر سوائے سچ کے“ پس انہیں کیا ہو گیا ہے کہ اپنی خواہشات نفس کے تحت اور طمع و حرص کی طرف میلان کے باعث اللہ تعالیٰ کی طرف باطل قول منسوب کرتے ہیں۔ ﴿وَاَلَمْ نَجْعَلِ لَكَ دَرْسًاۙ مَّا فِیْہِ﴾ ”انہوں نے اس کتاب کے مشمولات کو پڑھ بھی لیا ہے۔“ پس انہیں اس بارے میں کوئی اشکال نہیں بلکہ انہوں نے جو کچھ کیا ہے جان بوجھ کر کیا ہے اور ان کو اس معاملے میں پوری بصیرت حاصل تھی اور ان کا یہ رویہ بہت بڑا گناہ سخت ملامت کا موجب اور بدترین سزا کا باعث ہے اور یہ ان میں عقل کی کمی اور ان کی بے وقوفی پر مبنی رائے ہے کہ انہوں نے آخرت پر دنیا کی زندگی کو ترجیح دی۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالَّذٰرِ الْاٰخِرَةُۙ خَيْرٌۭ لِّلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ﴾ ”اور آخرت کا گھر بہتر ہے ان لوگوں کے لئے جو ڈرتے ہیں“ یعنی جو ان امور سے بچتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ان پر حرام ٹھہرا دیا ہے اور اللہ تعالیٰ کی نازل کردہ کتاب کے خلاف فیصلے کے عوض رشوت کھانے سے اور دیگر محرمات سے پرہیز کرتے ہیں۔ ﴿اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴾ ”کیا تم سمجھتے نہیں۔“ کیا تم میں وہ عقل نہیں جو یہ موازنہ کر سکے کہ کس چیز کو کس چیز پر ترجیح دی جانی چاہئے اور کون سی چیز اس بات کی مستحق ہے کہ اس کے لیے بھاگ دوڑ اور کوشش کی جائے اور اسے دیگر تمام چیزوں پر مقدم رکھا جائے۔۔۔ عقل کی خاصیت یہ ہے کہ وہ انجام پر نظر رکھتی ہے۔ رہا وہ شخص جو جلدی حاصل ہونے والی اور ختم ہوجانے والی نہایت حقیر اور خسیس چیز پر نظر رکھتا ہے وہ ہمیشہ باقی رہنے والی بہت بڑی نعمت سے محروم ہو جاتا ہے اس کے پاس عقل اور رائے کہاں ہے؟

حقیقی عقل مند وہ لوگ ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے اپنے اس ارشاد میں وصف بیان کیا ہے ﴿وَالَّذِیْنَ یَسْتَكُوْنَ بِالْكِتٰبِ﴾ ”اور جو لوگ کتاب کو مضبوط پکڑے ہوئے ہیں۔“ یعنی علم و عمل کے لحاظ سے کتاب اللہ سے تمسک کرتے ہیں۔ کتاب اللہ کے احکام و اخبار کا علم رکھتے ہیں۔ کتاب اللہ کے احکام و اخبار کا علم، جلیل ترین علم ہے۔ وہ کتاب اللہ کے اوامر کا علم رکھتے ہیں جن میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک، دلوں کا سرور، روح کی فرحت اور ان کے دین و دنیا کی بھلائی ہے۔ ان مامورات میں سب سے بڑی چیز جس کی پابندی واجب ہے ظاہری اور باطنی طور پر نماز قائم کرنا ہے۔ بنا بریں اس کی فضیلت و شرف اس کے ایمان کا میزان و معیار ہونے اور اس کے قیام کا دوسری عبادات کے قیام کا سبب ہونے کے باعث اللہ تبارک و تعالیٰ نے خاص طور پر اس کا ذکر کیا ہے۔ چونکہ ان کا عمل

تمام تر بھلائی پر مبنی ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿إِنَّا لَا نُضِيعُ أَجْرَ الْمُصْلِحِينَ﴾ ”ہم اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتے۔“ ہم ان لوگوں کا اجر ضائع نہیں کرتے جو اپنے قول و اعمال اور نیتوں میں خود اپنی اور دوسروں کی اصلاح کرتے ہیں۔

یہ آیت کریمہ اور اس نوع کی دیگر آیات دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و رسل کو فساد اور ضرر رساں امور کے ساتھ مبعوث نہیں کیا بلکہ اصلاح اور نفع رساں احکام کے ساتھ مبعوث کیا ہے اور دنیا و آخرت کی اصلاح کی خاطر ان کو بھیجا گیا ہے۔ پس جو کوئی جتنا زیادہ صالح ہے اتنا ہی زیادہ ان کی اتباع کے قریب ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ فَوْقَهُمْ﴾ ”اور جس وقت اٹھایا ہم نے پہاڑ ان کے اوپر“ یعنی جب انہوں نے تورات کے احکام کو قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان پر عمل کو لازم کر دیا اور ان کے سروں پر پہاڑ کو معلق کر دیا۔ پہاڑ ان پر یوں تھا ﴿كَأَنَّهُ ظِلَّةٌ وَظَلُّوا أَنَّهُ وَاقِعٌ بِهِمْ﴾ ”گویا کہ وہ سائبان ہو اور وہ سمجھے کہ پہاڑ ان پر گرنے کو ہے۔“ ان سے کہا گیا۔ ﴿حُدُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ﴾ ”پکڑو جو ہم نے دیا ہے تم کو زور سے“ یعنی پوری کوشش اور جہد سے پکڑے رہو۔ ﴿وَإِذْ كُرُوا مَا فِيهِ﴾ ”اور یاد رکھو جو اس میں ہے“ درس مباحثے اور عمل کے ذریعے سے اس کے مضامین کو یاد رکھو ﴿لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ﴾ ”شاید کہ تم بچ جاؤ“ جب تم یہ سب کچھ کر لو گے تو امید ہے کہ تم پر ہیزگار بن جاؤ گے۔

وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْ بَنِي آدَمَ مِنْ ظُهُورِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَأَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ

اور جب پکڑا (نکالا) آپ کے رب نے بنی آدم کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو اور گواہ بنایا انہیں اوپر

أَنْفُسِهِمْ أَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوا بَلَىٰ شَهِدْنَا أَنَّا نَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

ان کی جانوں کے (اور پوچھا) کیا نہیں ہوں میں تمہارا رب؟ انہوں نے کہا کیوں نہیں! گواہی دیتے ہیں ہم (تا کہ نہ) کہو تم دن قیامت کے

إِنَّا كُنَّا عَنْ هَذَا غٰفِلِينَ ﴿۱۰۰﴾ أَوْ تَقُولُوا إِنَّمَا أَشْرَكَ آبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ

کہ ہم تو تھے اس بات سے غافل ○ یا (نہ) کہو تم بے شک شرک کیا تھا ہمارے باپ دادا نے ہم سے پہلے

وَكَانَ ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ أَفْتٰهَلِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُونَ ﴿۱۰۱﴾ وَكَذٰلِكَ

اور تھے ہم اولاد (ان کی) بعد ان کے کیا پس تو ہلاک کرتا ہے ہمیں بوجہ اس (فعل) کے جو کیا تھا گمراہ لوگوں نے ○ اور اسی طرح

نُقِصِلُ الْآيَاتِ وَكَعَلَهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۱۰۲﴾

مفصل بیان کرتے ہیں ہم آیتیں اور تا کہ وہ رجوع کریں ○

یعنی انسانوں کی صلبوں میں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کے درمیان قرن بعد قرن سلسلہ متاسل و توالد

جاری ہوا۔ ﴿وَ﴾ ”اور“ جب ان کو ان کی ماؤں کے بطنوں اور ان کے آباء کی صلبوں سے نکالا ﴿أَشْهَدَهُمْ عَلَىٰ

اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ ﴿۱﴾ اقرار کرایا ان سے ان کی جانوں پر کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟“ یعنی ان کی فطرت میں اپنے رب ہونے ان کا خالق و مالک ہونے کا اقرار و دلیت کر کے اپنی ربوبیت کے اثبات کا اقرار کروایا۔

﴿۲﴾ قَالُوا بَلٰی ﴿۲﴾ ”انہوں نے کہا ہاں! ہم نے اقرار کیا“..... کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو دین حنیف پر پیدا کیا ہے۔ پس ہر شخص کو دین حنیف پر تخلیق کیا گیا ہے۔ مگر عقل پر عقائد فاسدہ کے غلبہ کی وجہ سے کبھی کبھی فطرت میں تغیر و تبدل واقع ہو جاتا ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿۳﴾ قَالُوا بَلٰی شَهِدْنَا اَنْ تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ﴿۳﴾ ”وہ کہنے لگے کیوں نہیں ہم گواہ ہیں کہ قیامت کے دن کہیں یوں نہ کہنے لگو کہ ہم کو تو اس کی خبر ہی نہ تھی۔“ یعنی ہم نے تمہارا امتحان لیا حتیٰ کہ تم نے اس بات کا اقرار کیا جو تمہارے نزدیک ثابت ہے کہ اللہ تمہارا رب ہے اور ہم نے یہ امتحان اس لئے لیا کہ کہیں تم قیامت کے روز انکار نہ کرو اور کسی بھی چیز کا اقرار نہ کرو اور یہ دعویٰ کرنے لگو کہ تم پر اللہ تعالیٰ کی حجت قائم نہیں ہوئی اور اس بارے میں تمہارے پاس کوئی علم نہ تھا بلکہ اس بارے میں تم بالکل لاعلم اور غافل تھے۔ پس آج تمہاری حجت منقطع ہو گئی اور اللہ تعالیٰ کی حجت تم پر قائم ہو گئی۔

یا تم ایک اور حجت سے استدلال کرتے ہوئے یہ کہو ﴿۴﴾ اِنَّمَا اَشْرَكْنَا اٰبَاؤُنَا مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا ذُرِّيَّةً مِّنْ بَعْدِهِمْ ﴿۴﴾ ”یہ شُرک تو ہم سے پہلے ہمارے باپ دادا نے کیا تھا اور ہم ان کے بعد ان کی اولاد ہوئے“۔ پس ہم ان کے نقش قدم پر چلے اور ان کے باطل میں ہم نے ان کی پیروی کی۔ ﴿۵﴾ اَفَتَهْتِكُنَا بِمَا فَعَلَ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۵﴾ ”کیا تو ہم کو ایسے فعل پر ہلاک کرتا ہے جو گمراہوں نے کیا“۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہاری فطرت میں ایسی چیز و دلیت کر دی ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جو کچھ تمہارے آباء و اجداد کے پاس تھا وہ باطل تھا اور حق وہ ہے جو انبیاء و مرسلین لے کر آئے ہیں اور یہ حق اس چیز کے خلاف اور اس پر غالب ہے جس پر تم نے اپنے آباء و اجداد کو پایا۔

ہاں! کبھی کبھی اپنے گمراہ آباء و اجداد کے بعض ایسے اقوال اور فاسد نظریات بندے کے سامنے آتے ہیں جنہیں وہ حق سمجھ بیٹھتا ہے اور ان کو حق سمجھنے کی وجہ صرف یہ ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے براہین اس کے دلائل اور آفاق و انفس میں اس کی آیات سے گریز کرتا ہے۔ اس کا یہ گریز اور اہل باطل کے نظریات کی طرف اس کا متوجہ ہونا اس کو اس مقام پر پہنچا دیتا ہے جہاں وہ باطل کو حق پر ترجیح دینے لگتا ہے۔

ان آیات کریمہ کی تفسیر میں یہی قرین صواب ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ وہ دن ہے جب اللہ تعالیٰ نے جناب آدم علیہ السلام کی ذریت کو ان کی پیٹھ سے نکال کر ان سے عہد لیا اور ان کو خود ان کی ذات پر گواہ بنایا اور انہوں نے یہ گواہی دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت ان کو جو حکم دیا تھا اس کو دنیا و آخرت میں ان کے کفر و عناد میں ان کے ظلم کے خلاف ان پر حجت بنایا۔۔۔ مگر آیت کریمہ میں کوئی ایسی چیز نہیں جو اس قول کی تائید کرتی ہو یا اس سے مناسبت رکھتی ہو۔۔۔ نہ حکمت الہی اس کا تقاضا کرتی ہے۔ اور واقعہ اس کا شاہد ہے اس لئے کہ وہ عہد اور میثاق

جس کا یہ لوگ ذکر کرتے ہیں وہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم کی ذریت کو ان کی پیٹھ سے نکالا اس وقت وہ چیونٹی کی مانند تھی یہ عہد کسی کو یاد نہیں اور نہ کسی آدمی کے خیال میں اس میثاق کا گزر ہوا ہے۔۔۔ پس اللہ تعالیٰ کسی ایسی چیز کو بندوں کے خلاف کیسے دلیل بنا سکتا ہے جس کی انہیں کوئی خبر ہی نہیں جس کی کوئی حقیقت ہے نہ اثر؟^① چونکہ یہ معاملہ نہایت واضح اور نمایاں ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَكَذَلِكَ نَفْصَلُ الْآيَاتِ﴾ ”ہم اس طرح آیات کو کھول کھول کر بیان کرتے ہیں“ ﴿وَلَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ﴾ ”شاید وہ (اس چیز کی طرف) رجوع کریں جو اللہ تعالیٰ نے ان کی فطرت میں ودیعت کی ہے اور شاید وہ اس عہد کی طرف لوٹیں جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا ہے اور اس طرح وہ برائیوں سے باز آجائیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا فَاتَّبَعَهُ الشَّيْطَانُ

اور پڑھیے ان پر خبر اس شخص کی کہ دی تھیں ہم نے اسے اپنی آیتیں پس نکل گیا وہ ان سے تو پیچھے لگا لیا اس کو شیطان نے

فَكَانَ مِنَ الْغَوِيْنَ ۝۶۵ وَكُوشُنَّا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا وَلَكِنَّهُ أَخْلَدَ إِلَى الْأَرْضِ

پس ہو گیا وہ گمراہوں میں سے اور اگر چاہتے ہم تو البتہ بلند کرتے اس کو بسبب ان (آیات) کے لیکن وہ جھک پڑا طرف زمین کی

وَاتَّبَعَهُ هُوَهُ ۝ فَمَثَلُهُ كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلَ عَلَيْهِ يَلْهَثْ أَوْ

اور پیچھے لگ گیا وہ اپنی خواہش کے پس مثال اس کی مانند مثال کتے کی ہے کہ اگر بوجھ لادے تو اس پر تو بھی وہ بانپتا ہے یا

تَتْرُكُهُ يَلْهَثْ ۝ ذَلِكُمْ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا ۝ فَاقْصُصِ الْقَصَصَ

چھوڑ دے تو اس کو تو بھی بانپتا ہے یہی مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو پس بیان کریں آپ یہی واقعات

① آیت ﴿وَإِذْ أَخَذَ رَبُّكَ.....﴾ کی تفسیر میں مفسرین کی زیادہ تر دورائے ہیں۔ ایک وہ جو ہمارے فاضل مفسر رحمہ اللہ نے

اختیار کی ہے کہ ربوبیت الہی کا اقرار و اعتراف اور اس کی گواہی سے مراد توحید الہی پر انسان کی تخلیق ہے یعنی ہر انسان کی

فطرت میں اللہ کی عظمت و محبت اور اس کی وحدانیت و ودیعت کر دی گئی ہے حافظ ابن کثیر کا رجحان بھی اسی طرف ہے۔ اس

تفسیر کی رو سے عالم واقعات میں ایسا نہیں ہوا ہے بلکہ یہ ایک تمثیل ہے۔ دوسری رائے یہ ہے کہ یہ تمثیل نہیں ہے۔ بلکہ ایک

واقعہ ہے اللہ تعالیٰ نے صلب آدم سے (براہ راست) پیدا ہونے والے انسانوں کو اور پھر بنی آدم کی صلبوں سے نسل بعد نسل

پیدا ہونے والے انسانوں کو چیونٹی کی شکل میں نکالا اور ان سے اپنی ربوبیت کا عہد و اقرار لیا۔ اس کی تائید میں بعض صحیح

احادیث بھی ہیں اور صحابہ کرام کے آثار و اقوال بھی۔ اس کی مختصر تفصیل تفسیر ”احسن البیان“ میں دیکھی جاسکتی ہے۔ اسی لیے

امام شوکانی نے اسی تفسیر کو راجح اور صحیح قرار دیا ہے۔ بنا بریں فاضل مفسر کا اس دوسری رائے کو یکسر غیر صحیح قرار دینا صحیح نہیں

ہے۔ باقی رہا یہ اعتراض کہ یہ عہد و اقرار کسی کو یاد ہی نہیں ہے تو اس پر گرفت کیوں کر صحیح ہو سکتی ہے؟ تو یہی اعتراض پہلی تفسیر

پر بھی ہو سکتا ہے کہ کسی چیز کا انسان کی فطرت میں ودیعت کر دینا کیا اس بات کے لیے کافی ہے کہ وہ اس کی پابندی کرے جب

کہ اسے اس بات کا شعور و ادراک ہی نہیں ہے؟ اس کی جو توجیہ ہو سکتی ہے دوسری تفسیر میں بھی وہی توجیہ ہے (ص۔ ی)

لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ ﴿۱۶۹﴾ سَاءَ مَثَلًا الْقَوْمَ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَأَنْفُسَهُمْ
تاکہ وہ غور و فکر کریں ○ بری ہے مثال ان لوگوں کی جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیات کو اور اپنی جانوں پر
كَانُوا يَظْلِمُونَ ﴿۱۷۰﴾ مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِيٌّ وَمَنْ يُضِلَّهُ
تھے وہ ظلم کرتے ○ جسے ہدایت دے اللہ پس وہی ہے ہدایت یافتہ اور جسے گمراہ کر دے (اللہ)

فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿۱۷۱﴾

تو وہی لوگ ہیں خسارہ پانے والے ○

﴿وَأْتِلْ عَلَيْهِمْ نَبَأَ الَّذِي آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا﴾ ”اور سنا دو ان کو حال اس شخص کا جس کو ہم نے اپنی آیتیں
دیں“، یعنی ہم نے اسے کتاب اللہ کی تعلیم دی اور وہ ایک علامہ اور ماہر عالم بن گیا ﴿فَأَنسَلَخْنَا مِنْهَا فَاتْبَعَهُ
الشَّيْطٰنُ﴾ ”پھر وہ ان کو چھوڑ نکلا اور شیطان اس کے پیچھے گیا“، یعنی وہ اللہ تعالیٰ کی آیات کے علم سے حقیقی طور پر
متصف نہ ہوا کیونکہ آیات الہی کا علم صاحب علم کو مکارم اخلاق اور محاسن اخلاق سے متصف کر دیتا ہے اور اسے
اعلیٰ ترین درجات اور بلند ترین مقامات پر فائز کر دیتا ہے۔ پس اس نے کتاب کو چھوڑ دیا اور ان اخلاق کو دور
پھینک دیا جن کا حکم کتاب اللہ دیتی تھی اور ان اخلاق کو اس طرح (اپنی ذات سے) اتار دیا جس طرح لباس اتارا
جاتا ہے۔ جب وہ آیات الہی سے نکل گیا تو شیطان اس کے پیچھے لگ گیا اور جب وہ مضبوط پناہ گاہ سے نکل بھاگا
تو شیطان اس پر مسلط ہو گیا اور یوں وہ ادنیٰ ترین لوگوں میں شامل ہو گیا شیطان نے اسے گناہوں پر آمادہ کیا (اور
وہ گناہوں میں گھر گیا) ﴿فَكَانَ مِنَ الْغٰوِيْنَ﴾ ”پس وہ گمراہوں میں سے ہو گیا۔“ جب کہ وہ ہدایت یافتہ
لوگوں میں سے تھا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے حال پر چھوڑ کر اس کے نفس کے حوالے کر دیا تھا۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَوْ شِئْنَا لَرَفَعْنَاهُ بِهَا﴾ ”اور اگر ہم چاہتے تو اس کا رتبہ ان آیتوں کی بدولت
بلند کر دیتے“، یعنی ہم اسے آیات الہی پر عمل کرنے کی توفیق عطا کرتے اور یوں وہ دنیا و آخرت میں بلند درجات
پاتا اور اپنے دشمنوں سے محفوظ ہو جاتا ﴿وَلٰكِنَّا﴾ مگر اس نے ایسے افعال سرانجام دیئے جو اس بات کا تقاضا کرتے
تھے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنی توفیق سے محروم کر دے۔ ﴿أَخْلَدْنَا إِلَى الْأَرْضِ﴾ ”وہ ہور ہا زمین کا“، یعنی وہ سفلی جذبات
و خواہشات اور دنیاوی مقاصد کی طرف مائل ہو گیا ﴿وَاتَّبَعْنَا هَوَاهُ﴾ اور خواہشات نفس کے پیچھے لگ گیا اور اپنے
آقا و مولیٰ کی اطاعت چھوڑ دی۔ ﴿فَمَثَلُهُ﴾ ”تو اسکی مثال۔“ پس دنیا کی حرص کی شدت اور اسکی طرف میلان
میں اس کی حالت یہ ہو گئی ﴿كَمَثَلِ الْكَلْبِ إِنْ تَحْمِلَ عَلَيْهِ يَلْهَثُ أَوْ تَتْرَكُهُ يَلْهَثُ﴾ ”جیسے کتا
ہوتا ہے اس پر تو بوجھ لادے تو ہانپے اور چھوڑ دے تو ہانپے“، یعنی وہ ہر حال میں (حرص کی وجہ سے) زبان باہر
نکالے رکھتا ہے، سخت لالچی بنا رہتا ہے اس میں ایسی حرص ہے جس نے اس کے دل کو کھڑے کھڑے کر کے رکھ دیا

ہے دنیا کی کوئی چیز اس کی محتاجی کو دور نہیں کر سکتی۔ ﴿ذَلِكَ مَثَلُ الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا﴾ ”یہ مثال ہے ان لوگوں کی جنہوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا“ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف اپنی آیات بھیجیں مگر انہوں نے ان کی اطاعت نہ کی بلکہ انہوں نے خواہشات نفس کی پیروی میں ان آیات کو جھٹلا کر ٹھکرا دیا۔ ﴿فَأَقْصِبْ قَلْبُكَ لِالْعَالِمِ لِقَاءِ رَبِّكَ﴾ ”پس بیان کرو یہ احوال“ تاکہ وہ غور و فکر کریں، یعنی شاید وہ ان ضرب الامثال آیات الہی اور عبرتوں میں غور و فکر کریں، کیونکہ جب وہ غور و فکر کریں گے تو انہیں علم حاصل ہوگا، جب علم حاصل ہوگا تو اس پر عمل بھی کریں گے۔

﴿سَاءَ مَثَلًا الْقَوْمِ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَأَنْفُسَهُمْ كَانُوا يَظْلِمُونَ﴾ ”جن لوگوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی ان کی مثال بری ہے اور انہوں نے اپنا ہی نقصان کیا۔“ یعنی اس شخص کی بہت بری مثال ہے جس نے اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کی اور مختلف قسم کے گناہ اور معاصی کے ذریعے سے اپنے نفس پر ظلم کیا۔ پس ان کی مثال بدترین مثال ہے۔ یہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کا علم عطا کیا تھا احتمال ہے کہ اس سے کوئی معین شخص مراد ہو جس سے یہ سب کچھ واقع ہوا جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے اور بندوں کو تنبیہ کے لیے یہ قصہ بیان کیا اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد اسم جنس ہو اور اس کے عموم میں ہر وہ شخص شامل ہو جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی آیات کا علم عطا کیا ہو اور وہ ان سے نکل بھاگا ہو۔

ان آیات کریمہ میں علم پر عمل کرنے کی ترغیب ہے، نیز یہ کہ علم پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ صاحب علم کو رفعت عطا کرتا اور شیطان سے بچاتا ہے۔ نیز ان آیات کریمہ میں علم پر عدم عمل سے ڈرایا گیا ہے اس لئے کہ اگر علم پر عمل نہ کیا جائے تو اللہ تعالیٰ عمل نہ کرنے والے کو اسفل سافلین کے درجے پر اتار دیتا ہے اور اس پر شیطان کو مسلط کر دیتا ہے۔ ان آیات کریمہ میں اس بات کی بھی دلیل ہے کہ جو کوئی خواہشات نفس کی پیروی کرتا ہے اور شہوات میں دھنس جاتا ہے تو یہ چیز اس بات کا سبب بنتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اس کے حال پر چھوڑ دے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ راہ راست دکھانا اور گمراہ کرنا صرف اسی اکیلے کے قبضہ قدرت میں ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿مَنْ يَهْدِ اللَّهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ﴾ ”جس کو اللہ ہدایت دے“ یعنی نیکوں کی توفیق عطا کر کے اللہ تعالیٰ جسے راہ راست دکھا دے اور ناپسندیدہ امور سے بچالے اور ان چیزوں کے علم سے نواز دے جنہیں وہ نہیں جانتا تھا ﴿فَهُوَ الْمُهْتَدِ﴾ ”تو وہی حقیقی ہدایت یافتہ ہے“ کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو ترجیح دی۔ ﴿وَمَنْ يُضِلِلْ﴾ ”اور جس کو گمراہ کر دے“ یعنی جسے اس کے حال پر چھوڑ کر اور بھلائی کی توفیق سے محروم کر کے وہ گمراہ کر دے۔ ﴿فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ﴾ ”تو ایسے ہی لوگ نقصان اٹھانے والے ہیں۔“ یہی لوگ قیامت کے روز اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو خسارے میں ڈالنے والے ہیں۔ خبردار! یہی کھلا خسارہ ہے۔

وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ ۗ لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا

اور البتہ تحقیق پیدا کیے ہم نے جہنم کے لیے بہت سے جن اور انسان ان کے دل ہیں (لیکن) نہیں

يَفْقَهُونَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا ۚ وَلَهُمْ أَذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ

سمجھتے وہ ساتھ ان کے (حق کو) اور ان کی آنکھیں ہیں (لیکن) نہیں دیکھتے وہ ساتھ ان کے اور ان کے کان ہیں (لیکن) نہیں سنتے وہ

بِهَا ۚ أُولَٰئِكَ كَأَلِ النَّعَامِ بَلَّ هُمْ أَضَلُّ أُولَٰئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ ﴿۹۵﴾ وَ لِلَّهِ

ساتھ ان کے (حق) یہی لوگ ہیں مانند چوپایوں کے بلکہ وہ (ان سے) بھی زیادہ گمراہ ہیں یہی لوگ ہیں غافل اور اللہ ہی کیلئے ہیں

الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَىٰ فَادْعُوهُ بِهَا ۖ وَذُرُوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِ

نام اچھے اچھے سو تم پکارو اسے ساتھ ان (ناموں) کے اور چھوڑ دو ان لوگوں کو جو کجروی اختیار کرتے ہیں اس کے ناموں میں

سَيُجْزَوْنَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿۹۶﴾ وَمِمَّنْ خَلَقْنَا أُمَّةً يَهْتَدُونَ بِالْحَقِّ

عقربند ہلادیئے جائیں گے وہ اسکا جو تھے وہ عمل کرتے اور ان میں سے جنہیں پیدا کیا ہم نے ایک جماعت ہے جو رہنمائی کرتی ہے ساتھ حق کے

وَبِهِ يُعْدِلُونَ ﴿۹۷﴾ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُم مِّنْ حَيْثُ

اور ساتھ اسی کے وہ عدل کرتی ہے اور وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو ضرور بتدریج پکڑیں گے ہم انہیں جہاں سے

لَا يَعْلَمُونَ ﴿۹۸﴾ وَأَمْ لِي لَهُمْ قَدٌّ إِنَّ كَيْدِي مَتِينٌ ﴿۹۹﴾ أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا سَكَنَةَ مَا

انہیں علم بھی نہ ہوگا اور مہلت دیتا ہوں میں انہیں بلاشبہ میری تدبیر انتہائی مضبوط ہے کیا نہیں غور کیا انہوں نے کہ نہیں

بِصَاحِبِهِمْ مِّنْ جَنَّةٍ إِنْ هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۰۰﴾ أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ

ہے ان کے ساتھی (پیغمبر) کو کوئی جنوں؟ نہیں ہے وہ مگر ڈرانے والا ظاہر اور کیا نہیں دیکھا انہوں نے بادشاہی میں

السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ ۖ وَأَنْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ قَدِّ

آسمانوں اور زمین کی اور جو کچھ پیدا کیا اللہ نے ہر چیز سے؟ اور یہ کہ شاید

اِقْتَرَبَ أَجَلُهُمْ ۖ فَبِآيٍ حَدِيثٍ بَعْدَهُ يُؤْمِنُونَ ﴿۱۰۱﴾ مَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَآ

قریب آگئی مقررہ مدت ان کی پس ساتھ کس بات کے بعد اس (قرآن) کے وہ ایمان لائیں گے؟ جس کو گمراہ کر دے اللہ تو نہیں

هَادِي لَهُ ۖ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ ﴿۱۰۲﴾ يَسْأَلُونَكَ عَنِ السَّاعَةِ

کوئی ہدایت دینے والا اسے اور وہ چھوڑ دیتا ہے انہیں ان کی سرکشی میں وہ سرگرمیاں پھرتے ہیں سوال کرتے ہیں آپ سے قیامت کے بارے میں

أَيَّانَ مَرْسَهَا ۚ قُلْ إِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي ۖ لَّا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا

کہ کب ہے واقع ہونا اس کا؟ کہہ دیجئے! یقیناً اسکا علم نزدیک میرے رب ہی کے ہے، نہیں ظاہر کرے گا اس کو اس کے وقت پر مگر

هُوَ ۚ ثَقُلَتْ فِي السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ لَّا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً ۚ يَسْأَلُونَكَ

وہی (حادثہ) ہے وہ (قیامت) آسمانوں اور زمین میں نہیں آئے گی وہ تمہارے پاس مگر اچانک ہی وہ (لوگ) سوال کرتے ہیں آپ سے

كَانَكَ حَفِيٌّ عَنْهَا قُلْ إِنَّمَا عَلِمَهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۸۵﴾ قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ وَلَوْ كُنْتُ جَانَةً كَهْدِجِيٍّ! نہیں اختیار رکھتا میں اپنی جان کے لیے نفع کا اور نہ نقصان کا، مگر جو چاہے اللہ اور اگر ہوتا

أَعْلَمُ الْغَيْبِ لَا سْتَكْبَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوءُ إِنْ أَنَا إِلَّا نَذِيرٌ ﴿۸۶﴾ میں جانتا غیب تو البتہ بہت حاصل کر لیتا میں بھلائیاں اور نہ پہنچتی مجھے تکلیف نہیں ہوں میں (کچھ بھی) مگر ڈرانے والا (کافروں کو)

وَبَشِيرٌ لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۸۷﴾ هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ وَجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا فَلَمَّا تَغَشَّيَا حَمَلًا خَفِيًّا فَهَرَّتْ بِهِ ﴿۸۸﴾ اس سے اسکا جوڑا تاکہ وہ سکون حاصل کرے اس سے پس جب صحبت کی اس نے بیوی سے تو اٹھایا اس نے حمل ہلکا پس وہ لیے پھرتی رہی

اس کو سو جب بوجھل ہو گئی وہ تو دعا کی ان دونوں نے اللہ اپنے رب سے کہ اگر دیا تو نے ہمیں تندرست (بچے) تو ہو گئے ہم

مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿۸۹﴾ فَلَمَّا أَتَاهَا صَالِحًا جَعَلَ لَهُ شُرَكَاءَ فِيهَا أَتْهَمَاءَ ﴿۹۰﴾ شکر گزاروں میں سے وہ پس جب دیا اللہ نے انہیں تندرست (بچے) تو بنا لیے انہوں نے اللہ کے شریک اس میں جو دیا تھا اس نے انہیں

فَتَعَلَى اللَّهِ عَمَّا يُشْرِكُونَ ﴿۹۱﴾ أَيْشُرُّوْنَ مَا لَا يَخْلُقُ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ ﴿۹۲﴾ پس بلند تر ہے اللہ اس سے جو وہ شرک کرتے ہیں کیا شریک ٹھہراتے ہیں وہ ان کو جو نہیں پیدا کرتے کوئی چیز بھی اور وہ خود

پیدا کئے جاتے ہیں اور نہیں طاقت رکھتے وہ ان (شرکین) کی مدد کرنے کی اور نہ اپنی ہی وہ مدد کر سکتے ہیں

وَأَنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَى لَا يَتَّبِعُكُمْ ط سَوَاءٌ عَلَيْكُمْ أَدَعَوْتُهُمْ أَوْ لَمْ تَدْعُوهُمْ أَمْ أَنْتُمْ صَامِتُونَ ﴿۹۳﴾ اور اگر بلاؤ تم انہیں طرف ہدایت کی تو نہیں پیروی کریں گے وہ تمہاری برابر ہے اوپر تمہارے خواہ تم بلاؤ ان کو

یا ہو تم خاموش رہنے والے

اللہ تبارک و تعالیٰ راہ راست سے بھٹکے ہوئے گمراہ لوگوں اور شیطان لعین کے پیروکاروں کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿وَلَقَدْ ذَرَأْنَا﴾ اور ہم نے پیدا کیا۔ یعنی ہم نے پیدا کیا اور پھیلا یا ﴿لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِّنَ الْجِنَّ وَالْإِنْسِ﴾ جہنم کے لئے بہت سے جن اور آدمی، پس چوپائے بھی ان سے بہتر حالت میں ہیں ﴿لَهُمْ

قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا ﴿﴾ ان کے دل ہیں جن سے وہ سمجھتے نہیں، یعنی علم اور سمجھ ان تک راہ نہیں پاتے، سوائے ان کے خلاف قیام حجت کے ﴿وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا﴾ ان کی آنکھیں ہیں جن سے وہ دیکھتے نہیں، یعنی وہ ان آنکھوں سے اس طرح نہیں دیکھتے کہ دیکھنا ان کے لئے فائدہ مند ہو بلکہ انہوں نے اپنی بینائی کی منفعت اور فائدے کو کھود دیا۔ ﴿وَلَهُمْ اَذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا﴾ ان کے کان ہیں جن سے وہ سنتے نہیں، وہ ان کانوں سے اس طرح نہیں سنتے کہ ان کے دلوں تک معانی و مفاہیم پہنچ جائیں۔ ﴿اُولٰٓئِكَ﴾ ”یہ“ یعنی وہ لوگ جو ان اوصاف قبیحہ کے حامل ہیں ﴿كَالْاَنْعَامِ﴾ ”چوپاؤں کی مانند ہیں“ جو عقل سے محروم ہیں۔ انہوں نے فانی چیزوں کو ان چیزوں پر ترجیح دی جو ہمیشہ باقی رہنے والی ہیں پس ان سے عقل کی خاصیت سلب کر لی گئی ﴿بَلْ هُمْ اَصْلٰٓءٌ﴾ ”بلکہ وہ زیادہ بھٹکے ہوئے ہیں۔“ یعنی وہ چوپاؤں سے بھی زیادہ گمراہ اور بے سمجھ ہیں کیونکہ بہائم سے تو وہ کام لئے جاتے ہیں جن کاموں کے لیے ان کو تخلیق کیا گیا ہے ان کے ذہن ہیں جن کے ذریعے سے وہ مضرت و منفعت کا ادراک کرتے ہیں۔ بنا بریں چوپاؤں کا حال ان کے حال سے اچھا ہے۔ ﴿اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ﴾ ”وہی لوگ ہیں غافل“ جو سب سے زیادہ نفع مند چیز سے غافل ہیں وہ اللہ تعالیٰ پر ایمان اس کی اطاعت اور اس کے ذکر سے غافل ہیں حالانکہ ان کو دل، کان اور آنکھیں عطا کی گئیں تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل اور اس کے حقوق کی ادائیگی میں ان سے مدد لیں، لیکن انہوں نے اس مقصد کے برعکس امور کے لئے ان کو استعمال کیا۔ پس یہ لوگ اس بات کے مستحق ہیں کہ ان کو ان لوگوں میں شمار کیا جائے جن کو اللہ تعالیٰ نے جہنم کے لیے تخلیق کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو آگ میں جھونکنے کے لیے پیدا کیا ہے اور یہ لوگ اہل جہنم کے اعمال سرانجام دے رہے ہیں۔

رہا وہ شخص جو ان جوارج کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں استعمال کرتا ہے جس کا قلب اللہ تعالیٰ پر ایمان اور اس کی محبت کے رنگ میں رنگا جاتا ہے اور وہ اللہ سے کبھی غافل نہیں ہوتا۔ پس ایسے ہی لوگ اہل جنت ہیں اور وہ اہل جنت کے اعمال سرانجام دیتے ہیں۔ یہ آیت کریمہ اللہ تعالیٰ کے جلال کی عظمت اور اس کے اوصاف کی وسعت کو بیان کرتی ہے، نیز یہ بیان کرتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے تمام نام اسمائے حسنیٰ ہیں، یعنی اس کا ہر نام اچھا ہے۔ اس کا قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ہر نام ایک عظیم صفت کمال پر دلالت کرتا ہے۔ اسی لئے ان اسماء کو اسمائے حسنیٰ کہا گیا ہے۔ اگر یہ اسماء صفات پر دلالت نہ کرتے بلکہ محض علم ہوتے تو یہ اسماء ”حسنیٰ“ نہ ہوتے اس طرح اگر یہ اسماء کسی ایسی صفت پر دلالت کرتے جو صفت کمال نہ ہوتی بلکہ اس کے برعکس صفت نقص یا صفت منقسم ہوتی یعنی بہ یک وقت مدح و قدح پر دلالت کرتے تب بھی یہ اسماء ”حسنیٰ“ نہ کہلا سکتے۔ پس اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہر اسم پوری صفت پر دلالت کرتا ہے جس سے یہ اسم مشتق ہے اور وہ اس صفت کے تمام معانی کو شامل ہے۔

مثلاً اللہ تعالیٰ کا اسم مبارک (الْعَلِيم) اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ ایسے علم کا مالک ہے جو عام ہے اور تمام اشیاء کا احاطہ کئے ہوئے ہے، پس زمین و آسمان میں ایک ذرہ بھی اس کے دائرہ علم سے باہر نہیں۔ اس کا اسم مبارک (الْمُرْحِيم) دلالت کرتا ہے کہ وہ عظیم اور بے پایاں رحمت کا مالک ہے جو ہر چیز پر سایہ کننا ہے۔ (الْقَدِير) دلالت کرتا ہے کہ وہ قدرت عامہ کا مالک ہے کوئی چیز بھی اس کی قدرت کو عاجز اور لاچار نہیں کر سکتی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کے اسماء کا کامل طور پر (حُسْنِي) ہونا یہ ہے کہ اس کو ان اسماء حسنیٰ کے سوا کسی اور اسم سے نہ پکارا جائے بنا بریں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے ﴿قَادُ عَوَّةٍ بِهَا﴾ ”پس اس کو انہی ناموں سے پکارو“ اور اس دعا میں دعائے عبادت اور دعائے مسئلہ دونوں شامل ہیں۔ پس ہر مطلوب میں اللہ تعالیٰ کو اس کے اس اسم مبارک سے پکارا جائے جو اس مطلوب سے مناسبت رکھتا ہے۔

پس دعا مانگنے والوں دعا مانگے ”اے اللہ مجھے بخش دے مجھ پر رحم کر بے شک تو بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔“ ”اے توبہ قبول کرنے والے میری توبہ قبول کر“ ”اے رزق دینے والے مجھے رزق عطا کر“ اور ”اے لطف و کرم کے مالک مجھے اپنے لطف سے نواز۔۔۔“ وغیرہ۔

﴿وَذُرِّوا الَّذِينَ يُلْحِدُونَ فِي أَسْمَائِهِمْ سِيًّا ۖ إِنَّهُمْ كَانُوا يَعْمَلُونَ﴾ اور ان لوگوں کو چھوڑ دو جو اس کے ناموں میں کج روی اختیار کرتے ہیں، عنقریب ان کو ان کے عملوں کا بدلہ دیا جائے گا، یعنی اللہ تعالیٰ کے اسماء میں الحاد کی پاداش میں انہیں سخت سزا اور عذاب دیا جائے گا اور الحاد کی حقیقت یہ ہے کہ ان اسماء کو ان معانی سے ہٹا کر جن کے لیے ان کو وضع کیا گیا ہے دوسری طرف موڑنا (اور اس کی مختلف صورتیں ہیں)۔

(۱) ان ناموں سے ایسی ہستیوں کو موسوم کرنا جو ان ناموں کی مستحق نہیں، مثلاً مشرکین کا اپنے معبودوں کو ان ناموں سے موسوم کرنا۔

(۲) ان اسماء کے اصل معانی و مراد کی نفی اور ان میں تحریف کر کے ان کے کوئی اور معانی گھڑ لینا، جو اللہ اور اس کے رسول کی مراد نہیں۔

(۳) ان اسماء سے دوسروں کو تشبیہ دینا۔ پس واجب ہے کہ اسمائے حسنیٰ میں الحاد سے بچا جائے اور اسماء میں الحاد کرنے والوں سے دور رہا جائے۔ صحیح حدیث میں نبی اکرم ﷺ سے ثابت ہے آپ نے فرمایا: ”اللہ تبارک و تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جو ان کو یاد کر لیتا ہے وہ جنت میں داخل ہوگا“^①

﴿وَمَنْ خَلَقْنَا أُمَّةً يَهْدُونَ بِالْحَقِّ﴾ اور ہماری مخلوقات میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں جو حق کا راستہ بتاتے ہیں۔“ یعنی ان تمام لوگوں میں جن کو ہم نے پیدا کیا ہے ایک ایسا گروہ بھی ہے جو فضیلت کا مالک ہے جو خود کامل

① صحیح البخاری، کتاب الشروط، باب ما يجوز من الاشرط والثنيا في الإقرار..... الخ، ح ۲۷۳۶

ہے اور دوسروں کی حق کی طرف راہ نمائی کرتا ہے یہ لوگ حق کا علم رکھتے ہیں اس پر عمل کرتے ہیں، حق کی تعلیم دیتے، اس کی طرف بلا تے اور اس پر عمل کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔ ﴿وَبِهِ يَعْدِلُونَ﴾ اور اسی کے موافق انصاف کرتے ہیں، جب وہ لوگوں کے مال، خون، حقوق اور ان کے مقالات وغیرہ کے بارے میں فیصلے کرتے ہیں تو حق کی بنیاد پر انصاف کرتے ہیں۔ یہ لوگ ائمہ ہدی اور تارکیوں میں روشن نقادیل ہیں۔ یہی لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے ایمان، عمل صالح، حق کی وصیت اور صبر کی وصیت جیسی نعمتوں سے نوازا ہے۔ وہ صدیق ہیں جن کا مرتبہ رسالت کے بعد ہے اور خود ان کے مراتب میں ان کے احوال اور قدر و منزلت کے مطابق تفاوت ہے۔

پس پاک ہے وہ ذات جو اپنی رحمت کے لیے جس کو چاہتی ہے، مختص کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ بہت بڑے فضل کا مالک ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی ان آیات کی تکذیب کی جو محمد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی کتاب اور ہدایت کی صحت پر دلالت کرتی ہیں، پس انہوں نے ان کو ٹھکرا دیا اور ان کو قبول نہ کیا ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ہم ان کو آہستہ آہستہ ایسی جگہ سے پکڑیں گے جہاں سے ان کو خبر بھی نہ ہوگی، یعنی اس طرح کہ اللہ تعالیٰ ان کو وافر رزق بہم پہنچاتا ہے۔ ﴿وَأْمَلِي لَهُمْ﴾ اور میں ان کو مہلت دیتا ہوں، یہاں تک کہ وہ یہ سمجھ بیٹھتے ہیں کہ ان کا مواخذہ نہیں کیا جائے گا اور ان کو سزا نہیں دی جائے گی، پس وہ کفر اور سرکشی میں بڑھتے چلے جاتے ہیں اور ان کے شر میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے۔ بنا بریں ان کی سزا میں بھی اضافہ ہو جاتا ہے اور ان کا عذاب کئی گنا بڑھ جاتا ہے اور انہیں علم تک نہیں ہوتا۔ اس لئے فرمایا: ﴿إِن كَيْدِي مَتِينٌ﴾ میری تدبیر (بڑی) مضبوط ہے۔ یعنی میری چال بہت مضبوط اور کارگر ہے۔ ﴿أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا مَا بِصَاحِبِهِمْ﴾ کیا انہوں نے غور نہیں کیا کہ ان کے ساتھی کو، یعنی محمد مصطفیٰ ﷺ کو ﴿مِن حِنَّةٍ﴾ کوئی جنون نہیں، یعنی کیا انہوں نے غور و فکر نہیں کیا کہ ان کے ساتھی کا حال، جس کو یہ اچھی طرح جانتے ہیں، چھپا ہوا نہیں ہے۔ کیا وہ پاگل ہے؟ پس اس کے اخلاق و اطوار اس کی سیرت، طریقے اور اس کے اوصاف کو دیکھیں اور اس کی دعوت میں غور و فکر کریں۔ وہ اس میں کامل ترین صفات، بہترین اخلاق اور ایسی عقل و رائے کے سوا کچھ نہیں پائیں گے جو تمام جہانوں پر فوقیت رکھتی ہے۔ وہ بھلائی کے سوا کسی چیز کی دعوت نہیں دیتا اور برائی کے سوا کسی چیز سے نہیں روکتا۔ پس اے صاحبان عقل و دانش! کیا اس شخص کو جنون لاحق ہے یا یہ شخص بہت بڑا راہ نما، کھلا خیر خواہ، مجدد و کرم کا مالک اور رؤف و رحیم ہے؟ بنا بریں فرمایا: ﴿إِن هُوَ إِلَّا نَذِيرٌ مُّبِينٌ﴾ وہ تو صرف ڈرانے والا ہے، یعنی وہ تمام مخلوق کو اس چیز کی طرف بلاتا ہے جو انہیں عذاب سے نجات دے اور جس سے انہیں ثواب حاصل ہو۔

﴿أَوَلَمْ يَنْظُرُوا فِي مَلَكُوتِ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ﴾ کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی سلطنت میں

نظر نہیں کی، کیونکہ جب یہ لوگ زمین و آسمان کی بادشاہی میں غور و فکر کریں گے تو وہ اسے اس کے رب کی

وحدانیت اور اس کی صفات کمال پر دلیل پائیں گے۔ ﴿وَمَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ﴾ اور جو کچھ پیدا کیا اللہ نے ہر چیز سے، اسی طرح وہ ان تمام چیزوں میں غور و فکر کریں، کیونکہ کائنات کے تمام اجزا اللہ تعالیٰ کی ذات اس کی قدرت اس کی حکمت اور اس کی بے کراں رحمت اس کے احسان اس کی مشیت نافذہ اور اس کی ان عظیم صفات پر سب سے بڑی دلیل ہیں جو اس حقیقت پر دلالت کرتی ہیں کہ وہ اکیلا خلق و تدبیر کا مالک ہے وہ اکیلا معبود و محمود وہ اکیلا پاکیزگی کا مستحق اور واحد محبوب ہے۔ فرمایا: ﴿وَأَنْ عَسَىٰ أَنْ يَكُونَ قَدِ افْتَرَبَ أَجْهَهُمْ﴾ اور شاید کہ قریب آ گیا ہوان کا وعدہ، یعنی وہ اپنے خصوصی احوال میں غور کریں اس سے قبل کہ ان کا وقت آن پہنچے اور اچانک ان کی غفلت اور اعراض کی حالت میں موت کا پنچہ ان کو اپنی گرفت میں لے لے اور اس وقت وہ اپنی کوتاہی کا استدراک نہ کر سکیں ﴿فَبِأَيِّ حَدِيثٍ بَعْدَٰهُ يُؤْمِنُونَ﴾ تو اس کے بعد وہ اور کس بات پر ایمان لائیں گے؟ یعنی اگر یہ اس جلیل القدر کتاب پر ایمان نہیں لائے تو پھر کون سی بات پر ایمان لائیں گے؟ کیا یہ جھوٹ اور گمراہی کی کتابوں پر ایمان لائیں گے؟ کیا وہ بہتان طراز اور دجال کی بات پر ایمان لائیں گے؟ مگر گمراہ شخص کی ہدایت کی کوئی سبیل نہیں۔

﴿مَنْ يُضِلِلِ اللَّهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ وَيَذَرُهُمْ فِي طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُونَ﴾ جس کو اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور اللہ چھوڑے رکھتا ہے ان کو گمراہی میں سرگرداں، یعنی وہ اپنی سرکشی میں حیران و سرگرداں پھرتے ہیں وہ اپنی سرکشی سے نکل کر حق کی طرف نہیں آتے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ جناب محمد مصطفیٰ ﷺ سے فرماتا ہے: ﴿يَسْأَلُونَكَ﴾ آپ سے پوچھتے ہیں۔ یعنی یہ جھٹلانے والے اور تلبیس کی غرض سے سوال کرنے والے آپ ﷺ سے پوچھتے ہیں۔ ﴿عَنِ السَّاعَةِ أَيَّانَ مُرْسِلُهَا﴾ قیامت کے بارے میں کہ اس کے واقع ہونے کا وقت کب ہے۔ یعنی وہ وقت کب ہوگا جب قیامت کی گھڑی آئے گی اور مخلوق میں قیامت قائم ہوگی۔ ﴿قُلْ إِنَّمَا عَلِمَهَا عِنْدَ رَبِّي﴾ کہہ دیجئے! اس کا علم صرف میرے رب کے پاس ہے، یعنی قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہے۔ ﴿لَا يُجَلِّيهَا لِوَقْتِهَا إِلَّا هُوَ﴾ وہی اسے اس کے وقت پر ظاہر کرے گا۔ یعنی وہ وقت جو اس کے قائم ہونے کے لیے مقرر کیا ہوا ہے صرف اللہ تعالیٰ ہی ظاہر کرے گا ﴿ثَقَلَتْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ﴾ وہ بھاری بات ہے آسمانوں اور زمین میں، یعنی زمین و آسمان کے رہنے والوں پر قیامت کی گھڑی مخفی ہے اس گھڑی کا معاملہ ان کے لیے نہایت شدید اور وہ اس گھڑی سے بہت خوف زدہ ہیں۔ ﴿لَا تَأْتِيكُمْ إِلَّا بَغْتَةً﴾ اور وہ ناگہاں تم پر آجائے گی۔ یہ گھڑی اچانک انہیں اس طرح آئے گی کہ وہ ان کے خواب و خیال میں بھی نہ ہوگی اور اس کے لیے وہ تیار بھی نہ ہوں گے۔ ﴿يَسْأَلُونَكَ كَأَنَّكَ حَفِيٌّ عَنْهَا﴾ یہ آپ سے اس طرح دریافت کرتے ہیں کہ گویا آپ اس سے بخوبی واقف ہیں۔ وہ اس گھڑی کے بارے میں آپ سے سوال کرنے کے بہت خواہش مند ہیں گویا کہ آپ اس سوال کے متعلق پورا علم رکھتے ہیں اور انہوں نے اس بات کو نہیں جانا کہ باوجود

اس بات کے کہ آپ کو اپنے رب کی بابت کمال علم حاصل ہے اور یہ کہ رب سے کون سی بات پوچھنی فائدہ مند ہے آپ ایسے سوال کی پروا نہیں کرتے تھے جو مصلحت سے خالی ہوتا اور جس کا جاننا ناممکن ہوتا، قیامت کی گھڑی کو کوئی رسول جانتا ہے نہ کوئی مقرب فرشتہ۔ اور اس کا تعلق ایسے امور سے ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی کامل حکمت اور وسیع علم کی بنا پر مخلوق سے مخفی رکھا ہے۔

﴿قُلْ إِنَّمَا عَلَّمَهَا عِنْدَ اللَّهِ وَلَكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ﴾ کہہ دیجئے! اس قیامت کا علم اللہ کے پاس ہے، لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے، اسی لئے وہ اس چیز کے خواہش مند ہوتے ہیں جس کی خواہش کرنا ان کے لیے مناسب نہیں۔ خاص طور پر وہ لوگ جو ان اہم امور کے بارے میں تو سوال نہیں کرتے، جن کے بارے میں علم حاصل کرنا ان پر فرض ہے اور ان امور کے بارے میں سوال کرتے ہیں جن کے بارے میں حصول علم کی کوئی سبیل نہیں ہوتی، نہ ان سے یہ مطالبہ ہی کیا جائے گا کہ انہوں نے اس کا علم حاصل کیوں نہیں کیا۔

﴿قُلْ لَا أَمْلِكُ لِنَفْسِي نَفْعًا وَلَا ضَرًّا﴾ کہہ دیجئے! میں تو اپنے نفس کے لئے بھی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا، اس لئے کہ میں تو محتاج بندہ ہوں اور کسی دوسری ہستی کے دست تدبیر کے تحت ہوں۔ مجھے اگر کوئی بھلائی عطا ہوتی ہے تو صرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور مجھ سے شربھی کوئی دور کرتا ہے تو صرف وہی اور میرے پاس کوئی علم بھی نہیں سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے مجھے عطا کیا ہے ﴿وَلَوْ كُنْتَ أَعْلَمُ الْغَيْبِ لَاسْتَكْتَرْتُمْ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسْنِيَ السُّوءُ﴾ ”اگر میں غیب جان لیا کرتا تو بہت بھلائیاں حاصل کر لیتا اور مجھے برائی کبھی نہ پہنچتی، یعنی میں وہ اسباب مہیا کر لیتا جن کے بارے میں مجھے علم ہوتا کہ وہ مصالح اور منافع پر منتج ہوں گے اور میں ہر تکلیف دہ اور نا پسندیدہ چیز سے بچ جاتا کیونکہ مجھے ان کے وقوع کا بھی پہلے ہی سے علم ہوتا اور مجھے یہ بھی معلوم ہوتا کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ مگر مجھے غیب کا علم نہ ہونے کی وجہ سے کبھی کبھی تکلیف بھی پہنچتی ہے اور اسی وجہ سے کبھی کبھی مجھ سے دنیاوی فوائد اور مصالح بھی فوت ہو جاتے ہیں۔ اور یہ اس بات کی اولین دلیل ہے کہ میں غیب کا علم نہیں جانتا ﴿إِنَّا لَا نَزِدُ بِرَبِّكَ﴾ میں تو صرف ڈر سنانے والا ہوں۔“ یعنی میں تو صرف دنیاوی دینی اور اخروی سزاؤں سے ڈراتا ہوں اور ان اعمال سے آگاہ کرتا ہوں جو ان سزاؤں کا باعث بنتے ہیں اور سزاؤں سے بچنے کی تلقین کرتا ہوں۔ ﴿وَبَشِيرٍ﴾ ”اور خوشخبری سنانے والا ہوں۔“ اور ثواب عاجل و آجل کی منزل تک پہنچانے والے اعمال کو واضح کر کے اور ان کی ترغیب دے کر اس ثواب کی خوشخبری سناتا ہوں۔ مگر ہر شخص اس تبشیر و انذار کو قبول نہیں کرتا بلکہ صرف اہل ایمان ہی اس بشارت و انذار کو قبول کر کے اس سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔

یہ آیات کریمہ اس شخص کی جہالت کو بیان کرتی ہیں جو نبی اکرم ﷺ کی ذات کو مقصود بناتا ہے اور حصول منفعت اور دفع مضرت کے لیے نبی کریم ﷺ کو پکارتا ہے..... کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے اختیار میں کچھ بھی نہیں

جسے اللہ تعالیٰ نفع پہنچانا نہ چاہے آپ اسے کوئی نفع نہیں پہنچا سکتے اور اللہ تعالیٰ جس سے ضرر دور نہ کرے آپ اس سے ضرر کو دور نہیں کر سکتے۔ اسی طرح آپ کے پاس علم بھی صرف وہی ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو عطا کیا ہے۔ صرف تبشیر و انذار اور ان پر عمل ہی فائدہ دیتا ہے جن کے ساتھ آپ ﷺ کو مبعوث کیا گیا۔ یہ تبشیر اور انذار ہی آپ ﷺ کی طرف سے فائدہ ہے جو ماں باپ، دوست احباب اور بھائیوں کی طرف سے فائدے پر فوقیت رکھتا ہے، یہی وہ نفع ہے جس کے ذریعے سے بندوں کو ہر بھلائی پر آمادہ کیا جاتا ہے اور ہر برائی سے ان کے لیے حفاظت ہے اور اس میں ان کے لیے حد درجہ بیان اور توضیح ہے۔

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ﴾ وہی ہے جس نے تمہیں پیدا کیا۔“ اے مردو اور عورتو! جو روئے زمین پر پھیلے ہوئے ہو تمہاری کثرت تعداد اور تمہارے متفرق ہونے کے باوصف ﴿مَنْ نَفْسٍ وَاحِدَةٍ﴾ ”ایک جان سے“ اور وہ ہیں ابوالبشر آدم علیہ السلام۔ ﴿وَجَعَلْ مِنْهَا زَوْجَهَا﴾ ”اور اسی سے بنایا اس کا جوڑا“ یعنی آدم علیہ السلام سے ان کی بیوی حوا علیہا السلام کو تخلیق کیا۔ ﴿لِيَسْكُنَ إِلَيْهَا﴾ ”تاکہ اس کے پاس آرام پکڑے“ چونکہ حوا علیہا السلام کو آدم علیہ السلام سے پیدا کیا گیا ہے اس لئے ان دونوں کے مابین ایسی مناسبت اور موافقت موجود ہے جو تقاضا کرتی ہے کہ وہ ایک دوسرے سے سکون حاصل کریں اور شہوت کے تعلق سے ایک دوسرے کی اطاعت کریں۔ ﴿فَلَمَّا تَغَشَّاهَا﴾ ”سو جب وہ اس کے پاس جاتا ہے۔“ یعنی جب آدمی نے اپنی بیوی سے مجامعت کی تو باری تعالیٰ نے یہ بات مقدر کر دی کہ اس شہوت اور جماع سے ان کی نسل وجود میں آئے اور اس وقت ﴿حَصَلَتْ حَمْلًا خَفِيًّا﴾ ”حمل رہا ہلکا سا حمل“ یہ کیفیت حمل کے ابتدائی ایام میں ہوتی ہے عورت اس کو محسوس نہیں کر پاتی اور نہ اس وقت یہ حمل بوجھل ہوتا ہے۔ ﴿فَلَمَّا﴾ ”پس جب“ یہ حمل اسی طرح موجود رہا ﴿أَثْقَلَتْ﴾ ”بوجھل ہو گئی“ یعنی اس حمل کی وجہ سے جب کہ وہ حمل بڑا ہو جاتا ہے تو اس وقت والدین کے دل میں بچے کے لیے شفقت اس کے زندہ صحیح و سالم اور ہر آفت سے محفوظ پیدا ہونے کی آرزو پیدا ہوتی ہے۔ بنا بریں ﴿دَعَا اللَّهُ رَبَّهُمَا لَئِنْ آتَيْتَنَا﴾ ”دونوں نے دعا کی اللہ اپنے رب سے، اگر بخشا تو نے ہم کو“ یعنی بچہ ﴿صَالِحًا﴾ ”صحیح و سالم“ یعنی صحیح الخلق پورا اور ہر نقص سے محفوظ ﴿لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ﴾ ”تو ہم شکر گزار بندوں میں سے ہوں گے۔“

﴿فَلَمَّا أَتَاهُمَا صَالِحًا﴾ ”پس جب وہ ان کو صحیح و سالم (بچہ) دیتا ہے۔“ یعنی ان کی دعا قبول کرتے ہوئے جب ان کو صحیح سالم بچہ عطا کیا اور اس بارے میں ان پر اپنی نعمت کی تکمیل کر دی ﴿جَعَلْنَا لَهُ شُرَكَاءَ فِيمَا آتَيْنَاهُمَا﴾ ”تو اس میں جو وہ ان کو دیتا ہے اس کا شریک مقرر کرتے ہیں۔“ یعنی اس بچے کے عطا ہونے پر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے شریک ٹھہرا دیئے۔ جس کو اکیلا اللہ تعالیٰ وجود میں لایا ہے اس نے یہ نعمت عطا کی ہے اور اسی نے یہ بچہ عطا کر کے والدین کی آنکھیں ٹھنڈی کیں۔ پس انہوں نے اپنے بیٹے کو غیر اللہ کا بندہ بنا دیا۔ یا تو اسے غیر اللہ کے

بندے کے طور پر موسوم کر دیا مثلاً ”عبدالجارث“، ”عبدالعزئی“ اور ”عبدالکعبہ“ وغیرہ۔ یا انہوں نے یہ کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو ان نعمتوں سے نوازا جن کا شمار کسی بندے کے بس سے باہر ہے، تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت میں شرک کیا۔

کلام میں یہ انتقال نوع سے جنس کی طرف انتقال کی قسم شمار ہوتا ہے کیونکہ کلام کی ابتدا آدم اور حوا علیہم السلام کے بارے میں ہے پھر کلام آدم و حوا علیہم السلام سے جنس کی طرف منتقل ہو گیا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ شرک آدم و حوا علیہم السلام کی ذریت میں بہت کثرت سے موجود ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان سے شرک کے بطلان کا اقرار کروایا ہے نیز یہ کہ وہ اس بارے میں سخت ظالم ہیں، خواہ یہ شرک اقوال میں ہو یا افعال میں کیونکہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے ان سب کو ایک جان سے پیدا کیا پھر اس جان سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور ان میں سے ان کے جوڑے پیدا کئے پھر ان کے درمیان مودت و محبت پیدا کی جس کی بنا پر وہ ایک دوسرے کے پاس سکون پاتے ہیں، ایک دوسرے کے لیے الفت رکھتے ہیں اور ایک دوسرے سے لذت حاصل کرتے ہیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس امر کی طرف ان کی راہ نمائی فرمائی جس سے شہوت، لذت، اولاد اور نسل حاصل ہوتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے وقت مقررہ تک ماؤں کے بطن میں اولاد کو جو عطا کیا۔ وہ بڑی امیدوں کے ساتھ اولاد کی پیدائش کا انتظار کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ بچے کو صحیح سالم ماں کے پیٹ سے باہر لائے۔ پس (اس دعا کو قبول کرتے ہوئے) اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی نعمت پوری کر دی اور ان کو ان کا مطلوب عطا کر دیا۔ تب کیا اللہ تعالیٰ اس بات کا مستحق نہیں کہ وہ صرف اسی کی عبادت کریں، اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں اور اسی کے لیے اطاعت کو خالص کریں؟ مگر معاملہ اس کے برعکس ہے، انہوں نے ان ہستیوں کو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرا دیا ﴿مَا لَیَخْلُقُ شَیْئًا وَهُمْ یُخْلَقُونَ وَلَا یَسْتَطِیْعُونَ لَهُمْ﴾ جو پیدا نہ کریں کوئی چیز بھی اور وہ پیدا ہوئے ہیں اور نہیں کر سکتے وہ ان کے لئے، یعنی اپنے عبادت گزاروں کے لیے ﴿نَصْرًا وَلَا أَنفُسَهُمْ یَنْصُرُونَ﴾ ”مدد اور نہ اپنی ہی مدد کریں“ کسی کی مدد کرنے کی طاقت رکھتے ہیں نہ خود اپنی مدد کر سکتے ہیں۔

جب (شریک ٹھہرائی ہوئی اس ہستی کی) یہ حالت ہو کہ وہ پیدا نہ کر سکتی ہو، ایک ذرہ بھی پیدا کرنے پر قادر نہ ہو بلکہ وہ خود مخلوق ہو اور وہ اپنے عبادت گزار سے کسی تکلیف دہ چیز کو دور کرنے کی طاقت نہ رکھتی ہو بلکہ خود اپنی ذات سے بھی کسی تکلیف دہ چیز کو دور کرنے پر قادر نہ ہو، تو بھلا اس کو اللہ کے ساتھ کیسے معبود بنایا جا سکتا ہے؟ بلاشبہ یہ سب سے بڑا ظلم اور سب سے بڑی حماقت ہے۔

﴿وَإِنْ تَدْعُوهُمْ﴾ اور اگر تم ان کو پکارو۔ یعنی اے مشرک! اگر تم ان بتوں کو جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو، پکارو ﴿إِلَى الْهُدَىٰ لَا یَتَّبِعُكُمْ سَوَاءٌ عَلَیْكُمْ أَدْعَوْتُهُمْ أَمْ أَنْتُمْ صَامِتُونَ﴾ ”راستے کی

طرف، تو نہ چلیں تمہاری پکار پر برابر ہے تم پر کہ تم ان کو پکارو یا چپکے ہو رہو، ان معبودوں سے تو انسان ہی اچھا ہے کیونکہ یہ معبود سنتے ہیں نہ دیکھتے ہیں۔ یہ کسی کی راہ نمائی کر سکتے ہیں نہ ان کی راہ نمائی کی جاسکتی ہے۔ ایک عقل مند شخص جب ان تمام امور کو مجرد طور پر اپنے تصور میں لاتا ہے تو اسے یقین ہو جاتا ہے کہ ان کی الوہیت باطل ہے اور جو کوئی ان کی عبادت کرتا ہے وہ بے وقوف ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادًا أَمْثَلُكُمْ فَأَدْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا

بے شک وہ لوگ جنہیں پکارتے ہو تم اللہ کو چھوڑ کر (وہ تو) بندے ہیں تم جیسے ہی سو پکارو تم انہیں پس چاہیے کہ جواب دیں وہ

لَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ﴿۱۹۰﴾ أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَبَأُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِذْ جَاءَهُمُ الْمُرْسَلُونَ

تمہیں اگر ہو تم سچے کیا ان کے ایسے پیر ہیں کہ چلتے ہیں وہ ان سے؟ کیا ان کے ایسے ہاتھ ہیں کہ پکارتے ہیں وہ

بِهَآءِ أَمْ لَهُمْ آعْيُنٌ يُبْصِرُونَ بِهَآءِ أَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَسْمَعُونَ بِهَآءِ قُلْ

ان سے؟ کیا ان کی ایسی آنکھیں ہیں کہ دیکھتے ہیں وہ ان سے؟ کیا ان کے ایسے کان ہیں کہ وہ سنتے ہیں ان سے؟ کہہ دیجئے!

ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُوا فَلَا تُنظِرُونَ ﴿۱۹۱﴾ إِنَّ لِلَّهِ الَّذِي

بلاؤ تم اپنے شریکوں کو پھر تدبیر کرو تم میرے خلاف اور نہ مہلت دو تم مجھے بلاشبہ میرا کارساز تو اللہ ہی ہے جس نے

نَزَّلَ الْكِتَابَ وَهُوَ يَتَوَلَّى الصَّالِحِينَ ﴿۱۹۲﴾

نازل کی ہے یہ کتاب اور وہی کارساز کرتا ہے صالحین کی

یہ بتوں کے پوجنے والے مشرکین کو مقابلے کی دعوت ہے اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ تَدْعُونَ

مِنْ دُونِ اللَّهِ عِبَادًا أَمْثَلُكُمْ﴾ ”جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو تم جیسے ہی بندے ہیں“ ان کے اور تمہارے

درمیان کوئی فرق نہیں، تم سب اللہ تعالیٰ کے بندے اور اس کے غلام ہو۔ اگر تم اپنے آپ کو سچا سمجھتے ہو کہ یہ ہستیاں

جن کو تم نے معبود بنا رکھا ہے عبادت کی مستحق ہیں ﴿فَادْعُوهُمْ فَلْيَسْتَجِيبُوا لَكُمْ﴾ ”تو تم انہیں پکارو پس چاہیے کہ وہ

تمہاری پکار کا جواب دیں“۔ پس اگر وہ تمہاری پکار کا جواب دے دیں اور تمہارا مطلوب حاصل ہو جائے۔۔۔۔

ورنہ ثابت ہو گیا کہ تم اپنے دعوے میں جھوٹے ہو اور اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان لگا رہے ہو۔

یہ چیز کوئی وضاحت کی محتاج نہیں، کیونکہ اگر تم ان کی طرف دیکھو تو ان کی شکل ہی دلالت کرتی ہے کہ ان کے

پاس کوئی نفع مند چیز نہیں۔۔۔ ان کے پاس چلنے کے لیے پاؤں، پکڑنے کے لیے ہاتھ، دیکھنے کے لیے آنکھیں

اور سننے کے لیے کان نہیں۔ یہ تمام اعضاء و قویٰ سے محروم ہیں جو انسان میں موجود ہوتے ہیں۔ جب تم انہیں

پکارتے ہو تو یہ جواب نہیں دے سکتے۔ تو یہ تمہاری ہی مانند بندے ہیں بلکہ تم ان سے زیادہ کامل اور ان سے زیادہ

طاقت ور ہو۔ تب کس بنا پر تم ان کی عبادت کرتے ہو؟ ﴿قُلْ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ ثُمَّ كِيدُوا فَلَا تُنظِرُونَ﴾ ”کہہ

دیجئے! پکارو اپنے شریکوں کو پھر برائی کرو میرے حق میں اور مجھ کو ڈھیل نہ دو، یعنی اگر تمہارے معبود اور تم خود مجھے برائی اور تکلیف پہنچانے کے لیے اکٹھے ہو جاؤ اور مجھے کوئی ڈھیل اور مہلت بھی نہ دو تب بھی تم مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچا سکو گے۔ ﴿إِنَّ وَلِيََّ اللَّهُ﴾ نیز احمایتی تو اللہ ہے جو میری سرپرستی کرتا ہے پس مجھے ہر قسم کی منفعت عطا کرتا ہے اور ہر قسم کے ضرر سے بچاتا ہے۔ ﴿الَّذِي نَزَّلَ الْكِتَابَ﴾ جس نے کتاب نازل فرمائی۔ جس میں ہدایت، شفا اور روشنی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی اپنے خاص بندوں کی دینی تربیت کے لیے سرپرستی ہے۔ ﴿وَهُوَ يَتَوَكَّلُ الصَّالِحِينَ﴾ اور وہ حمایت کرتا ہے نیک بندوں کی، وہ لوگ جن کی نیتیں اعمال اور اقوال پاک ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ﴿اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخْرِجُهُم مِّنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ﴾ (البقرہ: ۲۵۷/۲) ”اللہ تعالیٰ ان لوگوں کا دوست اور سرپرست ہے جو ایمان لائے وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔“

پس صالح مومن جب ایمان اور تقویٰ کے ذریعے سے اپنے رب کو اپنا دوست اور سرپرست بنا لیتے ہیں اور کسی ایسی ہستی کو اپنا دوست نہیں بناتے جو کسی کو نفع پہنچا سکتی ہے نہ نقصان، تو اللہ تعالیٰ ان کا دوست اور مددگار بن جاتا ہے ان کو اپنے لطف و کرم سے نوازتا ہے ان کے دین و دنیا کی بھلائی اور مصالحوں میں ان کی مدد کرتا ہے اور ان کے ایمان کے ذریعے سے ان سے ہر نا پسندیدہ چیز کو دور کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ يُدْفِعُ عَنِ الَّذِينَ آمَنُوا﴾ (الحج: ۳۸/۲۲) ”اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے ان کے دشمنوں کو ہٹاتا ہے۔“

وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهِ لَا يَسْتَجِيبُونَ نَصْرَكُمْ وَلَا أَنفُسَهُمْ

اور وہ جنہیں تم پکارتے ہو سوائے اللہ کے، نہیں استجاعت رکھتے وہ تمہاری مدد کرنے کی اور نہ اپنی ہی

يُنصرون ﴿۱۹﴾ وَإِنْ تَدْعُوهُمْ إِلَى الْهُدَىٰ لَا يَسْمَعُوا وَتَرْكُهُمْ

وہ مدد کر سکتے ہیں ○ اور اگر بلاؤ تم انہیں طرف ہدایت کی تو نہ سنیں وہ اور دیکھتے ہیں آپ ان کو

يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ ﴿۱۹﴾

کدکھ رہے ہیں وہ طرف آپ کی حالانکہ وہ نہیں دیکھتے ○

یہ آیت بھی ان بتوں کی عبادت کے عدم استحقاق کو بیان کرتی ہے جن کی یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر عبادت کرتے ہیں، کیونکہ یہ خود اپنی مدد کرنے کی استجاعت اور قدرت رکھتے ہیں نہ اپنے عبادت گزاروں کی مدد کر سکتے ہیں۔ ان میں قوت عقل ہے نہ جواب دینے کی طاقت۔ اگر تو ان کو ہدایت کی طرف بلائے تو ان کی طرف نہیں آئیں گے کیونکہ یہ تو زندگی کے بغیر محض تصویریں ہیں۔ تو ان کو دیکھے گا کہ گویا وہ تیری طرف دیکھ رہے ہیں مگر حقیقت میں وہ دیکھ نہیں سکتے، کیونکہ مصوروں نے ان کو انسانوں وغیرہ جانداروں کی صورت دی ہے ان کی آنکھیں اور دیگر اعضاء بنائے ہیں۔ جب تو ان کی طرف دیکھے گا تو کہہ اٹھے گا کہ یہ زندہ ہیں مگر جب تو ان کو غور سے دیکھے گا تو

پہچان لے گا کہ یہ تو جامد پتھر ہیں جن میں کوئی حرکت ہے نہ زندگی۔ تب کس بنا پر مشرکین نے ان کو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اللہ ٹھہرا لیا؟ کون سی مصلحت اور کون سے فائدے کی خاطر یہ لوگ ان کے پاس اعتکاف کرتے ہیں اور مختلف عبادات کے ذریعے سے ان کا تقرب حاصل کرتے ہیں؟

جب اس چیز کی معرفت حاصل ہوگئی تو یہ بات واضح ہوگئی کہ اگر مشرکین اور ان کے معبود جن کی یہ عبادت کرتے ہیں، اکٹھے ہو کر ان لوگوں کے خلاف چالیں چل لیں جن کو زمین اور آسمانوں کی تخلیق کرنے والے نے اپنی سرپرستی میں لے رکھا ہے اور اپنے نیک بندوں کے احوال کا والی ہے، وہ اپنی چال سے ذرہ بھر نقصان پہنچانے پر قادر نہیں کیونکہ وہ کامل طور پر عاجز اور ان کے معبود بھی عاجز ہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ پوری قوت اور کامل اقتدار کا مالک ہے اور وہ شخص بھی قوی ہے جو اس کے جلال کی پناہ لیتا اور اس پر بھروسہ کرتا ہے۔

کہا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿وَتَرْهَمُ يَنْظُرُونَ إِلَيْكَ وَهُمْ لَا يُبْصِرُونَ﴾ میں ضمیر مشرکین کی طرف لوٹتی ہے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کی (تب اس کے معنی یہ ہوں گے) اے اللہ کے رسول! آپ سمجھتے ہیں کہ مشرکین آپ کو اعتبار کی نظر سے دیکھتے ہیں تاکہ جھوٹے میں سے سچے کا امتیاز ہو سکے۔ مگر وہ آپ ﷺ کی حقیقت کو نہیں دیکھ سکتے اور وہ جمال و کمال اور صدق کی ان علامتوں کو نہیں دیکھ سکتے جن کے ذریعے سے پہچاننے والے حقیقت کو پہچانتے ہیں۔

خُذِ الْعَفْوَ وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِينَ ﴿۱۹۹﴾

اختیار کیجئے درگزر کو اور حکم کیجئے نیک کام کا اور اعراض کیجئے جاہلوں سے ○

یہ آیت کریمہ لوگوں کے ساتھ حسن اخلاق اور ان کے ساتھ رویے کے بارے میں جامع آیت ہے۔ لوگوں کے ساتھ معاملے میں مناسب رویہ یہ ہے کہ ان کے ساتھ عفو و درگزر، آسان اعمال و اخلاق اور نرمی سے پیش آیا جائے، ان کو کسی ایسی بات کا مکلف نہ کیا جائے جس کو ان کی طبائع قبول نہ کریں بلکہ ہر شخص کی بات اور اچھے یا برے فعل کو قبول کیا جائے، ان کی کوتاہی سے درگزر کیا جائے اور ان کے نقائص سے چشم پوشی کی جائے۔ کسی جھوٹے کے ساتھ اس کے چھوٹا ہونے، کسی ناقص العقل کے ساتھ اس کے نقص اور کسی محتاج کے ساتھ اس کی محتاجی کی بنا پر تکبر سے پیش نہ آیا جائے، بلکہ تمام لوگوں کے ساتھ لطف و کرم کا اور احوال کے تقاضے کے مطابق معاملہ کیا جائے کہ جس سے ان کے سینے کھل جائیں۔

﴿وَأْمُرْ بِالْعُرْفِ﴾ اور حکم کیجئے نیک کام کرنے کا، یعنی ہر قریب اور بعید شخص کو اچھی بات اچھے فعل اور کامل اخلاق کا حکم دیجئے۔ آپ جو کچھ لوگوں کو عطا کریں وہ تعلیم علم ہو یا کسی بھلائی کی ترغیب دینا، جیسے صلہ رحمی یا والدین کے ساتھ حسن سلوک یا لوگوں کے درمیان صلح کروانا یا نفع بخش خیر خواہی یا صاحب رائے یا نیکی اور تقویٰ پر معاونت

یا برائی پر زجر و توبیح یا کسی دینی یا دنیاوی بھلائی کی طرف راہ نمائی۔ چونکہ جاہل کی طرف سے تکلیف اور اذیت کا پہنچنا ایک لابدی امر ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ جاہل سے اعراض اور درگزر سے کام لیا جائے اور اس کی جہالت کا مقابلہ نہ کیا جائے۔ پس جو کوئی آپ کو اپنے قول و فعل سے اذیت دیتا ہے آپ اس کو اذیت نہ دیں جو آپ کو محروم کرتا ہے آپ اس کو محروم نہ کریں جو آپ سے قطع تعلق کرتا ہے آپ اس سے تعلق جوڑے رکھیں اور جو آپ پر ظلم کرتا ہے آپ اس کے ساتھ انصاف کریں۔

رہی یہ بات کہ بندہ مومن کو شیاطین جنوں اور انسانوں کے ساتھ کیسا معاملہ کرنا چاہئے؟ تو ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَإِمَّا يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ ۖ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۰﴾

اور اگر ابھارے آپ کو شیطان کا کوئی وسوسہ تو پناہ مانگئے اللہ کی یقیناً وہ خوب سننے والا خوب جاننے والا ہے

إِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا إِذَا مَسَّهُمْ طَيفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوا فَإِذَا هُمْ

بے شک وہ لوگ جنہوں نے تقویٰ اختیار کیا جب پہنچتا ہے انہیں کوئی وسوسہ شیطان کی طرف سے تو چونک پڑتے ہیں پھر ناگہاں وہ

مُبْصِرُونَ ﴿۳۱﴾ وَإِخْوَانُهُمْ يَمُدُّوْنَهُمْ فِي الْغَيِّ ثُمَّ لَا يُقْصِرُونَ ﴿۳۲﴾

سوچ بوجھ والے ہو جاتے ہیں ○ اور بھائی ان (شیاطین) کے کھینچتے ہیں وہ انہیں گمراہی میں پھر نہیں وہ کی کرتے ○

﴿يَنْزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيْطَانِ نَزْعٌ﴾ ”ابھارے آپ کو شیطان کی چھیڑ“ یعنی کسی وقت اور کسی حال میں بھی اگر آپ شیطان کی طرف سے کوئی وسوسہ بھلائی کے راستے میں رکاوٹ برائی کی ترغیب اور اکتاہٹ محسوس کریں ﴿فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ﴾ ”تو اللہ تعالیٰ کی پناہ لیجئے“ اور اس کی حفاظت میں آ کر محفوظ ہو جائیے ﴿إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”بے شک وہ سننے والا ہے۔“ آپ جو کچھ کہتے ہیں اللہ اسے سنتا ہے۔ ﴿عَلِيمٌ﴾ ”جاننے والا ہے۔“ آپ کی نیت آپ کی کمزوری اور آپ کی پناہ لینے کی قوت کو خوب جانتا ہے وہ آپ کو اس کے فتنے سے محفوظ رکھے گا اور آپ کو اس کے وسوسوں سے بچائے گا۔ جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿قُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ ○ مَلِكِ النَّاسِ ○ إِلَهِ النَّاسِ ○ مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ ○ الَّذِي يُوَسْوِسُ فِي صُدُورِ النَّاسِ ○ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ ○﴾ (الناس: ۱-۶) ”کہو میں پناہ مانگتا ہوں لوگوں کے رب کی لوگوں کے بادشاہ حقیقی کی لوگوں کے معبود کی شیطان وسوسہ انداز کی برائی سے شیطان پیچھے ہٹ جانے والے سے جو لوگوں کے سینوں میں وسوسہ انداز کرتا ہے خواہ وہ شیطان جنوں میں سے ہو یا انسانوں میں سے۔“

جب بندے کا غافل ہو جانا اور اس شیطان کا اس کو کچھ نہ کچھ شکار کر لینا لازمی امر ہے جو ہمیشہ گھات لگائے رہتا اور بندے کی غفلت کا منتظر رہتا ہے تو اب اللہ تعالیٰ نے گمراہ کرنے والوں سے بچ جانے والوں کی علامت

ذکر کی ہے۔۔۔ اور صاحب تقویٰ جب شیطانی وسوسے کو محسوس کر لیتا ہے اور وہ کسی فعل واجب کو ترک کر کے یا کسی فعل حرام کا ارتکاب کر کے گناہ کر بیٹھتا ہے، تو فوراً اسے تنبیہ ہوتی ہے، وہ غور کرتا ہے کہ شیطان کہاں سے حملہ آور ہوا ہے اور کون سے دروازے سے داخل ہوا ہے۔ وہ ان تمام لوازم ایمان کو یاد کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس پر واجب قرار دیئے ہیں تو اسے بصیرت حاصل ہو جاتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتا ہے اور جو اس سے کوتاہی واقع ہوئی ہے، توبہ اور نیکیوں کی کثرت کے ذریعے سے اس کی تلافی کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ پس وہ شیطان کو ذلیل و رسوا کر کے دھتکار دیتا ہے اور شیطان نے اس سے جو کچھ حاصل کیا ہوتا ہے، اس پر پانی پھیر دیتا ہے۔

رہے شیاطین کے بھائی اور ان کے دوست، تو یہ جب کسی گناہ میں پڑ جاتے ہیں تو یہ اپنی گمراہی میں بڑھتے ہی چلے جاتے ہیں، گناہ پر گناہ کرتے ہیں اور گناہ کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کرتے، پس شیاطین بھی ان کو بدراہ کرنے میں کوتاہی نہیں کرتے کیونکہ جب وہ دیکھتے ہیں کہ وہ نہایت آسانی سے ان کے تابع ہو جاتے ہیں اور برائی کے ارتکاب میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے، تو وہ ان کی بدراہی کے بہت خواہش مند ہو جاتے ہیں۔

وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بآيَةٍ قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا

اور جب نہیں لاتے آپ ان کے پاس کوئی نشانی تو کہتے ہیں، کیوں نہیں خود بنا لیا تو؟ کہہ دیجیے! میں تو پیروی کرتا ہوں صرف اس چیز کی

يُؤْتِي إِلَيَّ مِنْ رَبِّي هَذَا بَصَائِرُ مِنْ رَبِّكُمْ وَهُدًى

جو وحی کی جاتی ہے میری طرف میرے رب کی طرف سے، یہ روشن دلائل ہیں تمہارے رب کی طرف سے اور ہدایت

وَرَحْمَةً لِقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿۶۴﴾

اور رحمت ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں ○

یہ جھٹلانے والے آپ کے ساتھ عناد رکھتے ہی رہیں گے خواہ ان کے پاس رشد و ہدایت پر کتنے ہی دلائل کیوں نہ آجائیں۔ پس جب آپ ان کو کوئی ایسی دلیل دیتے ہیں جو آپ کی صداقت پر دلالت کرتی ہے، تو یہ اسے تسلیم نہیں کرتے۔ ﴿وَإِذَا لَمْ تَأْتِهِمْ بآيَةٍ﴾ اور جب تم ان کے پاس کوئی آیت نہیں لاتے۔ یعنی جب ان کے حسب خواہش آیات و معجزات نہیں لاتے ﴿قَالُوا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا﴾ تو کہتے ہیں کہ تم نے (اپنی طرف سے) کیوں نہیں بنالی۔ یعنی کہتے ہیں کہ تم فلاں آیت اور فلاں معجزہ کیوں نہیں لاتے گویا کہ آیات اور معجزات آپ نازل کرتے ہیں اور تمام مخلوقات کی تدبیر آپ کرتے ہیں۔ حالانکہ انہیں اس بات کا علم نہیں کہ آپ تو کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتے۔۔۔۔۔ (یا وہ یوں کہتے ہیں کہ) تم نے ان آیات کو اپنے پاس سے کیوں نہیں گھڑ لیا۔ ﴿قُلْ إِنَّمَا أَتَّبِعُ مَا يُؤْتِي إِلَيَّ مِنْ رَبِّي﴾ کہہ دیجیے کہ میں تو اس حکم کی اتباع کرتا ہوں جو میرے رب کی طرف سے میرے پاس آتا ہے۔ پس میں تو اللہ تعالیٰ کا تابع فرمان بندہ اور اس کے دست تدبیر کے تحت ہوں۔ وہ اللہ تعالیٰ

ہی ہے جو معجزات نازل کرتا ہے وہ اپنی حمد و ثنا اور حکمت بالغہ کے تقاضوں کے مطابق آیات اور معجزات بھیجتا ہے۔ اگر تم ایسی نشانی اور معجزہ چاہتے ہو جو مور و اوقات کے ساتھ کمزور نہ ہو اور ایسی حجت چاہتے ہو جو کسی بھی لمحہ باطل نہ ہو تو ﴿هَذَا﴾ ”یہ“ قرآن عظیم اور ذکر حکیم ﴿بَصَا بِرْمِنْ رَيْكُم﴾ ”تمہارے رب کی طرف سے دانائی ہے“ جن کے ذریعے سے الہی مطالب اور انسانی مقاصد کو پرکھا جاتا ہے۔ یہ قرآن عظیم دلیل اور مدلول ہے۔ جو کوئی اس میں تدبر کرتا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ اللہ حکمت والے اور قابل تعریف کی طرف سے نازل کردہ ہے باطل جس کے سامنے سے آسکتا ہے نہ پیچھے سے اور یہ قرآن ہر اس شخص کے خلاف حجت ہے جس کے پاس یہ پہنچتا ہے۔ مگر اکثر لوگ ایمان نہیں لاتے۔

ورنہ جو کوئی اس پر ایمان لاتا ہے ﴿وَهْدَى﴾ ”اور ہدایت ہے“ تو یہ قرآن گمراہی کے اندھیرے میں اس کے لئے ہدایت کا نور ہے ﴿وَرَحْمَةً﴾ ”اور رحمت ہے“ اور بد بختیوں میں اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے۔ پس مومن قرآن سے راہ نمائی حاصل کرتا ہے اور اس کی اتباع کرتا ہے اپنی دنیا و آخرت میں سعادت مند ہے اور جو کوئی اس پر ایمان نہیں لاتا وہ دنیا و آخرت میں گمراہ اور بد بخت ہے۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ﴿۲۴۰﴾

اور جب پڑھا جائے قرآن تو غور سے (کان لگا کر) سنو تم اس کو اور خاموش رہو تاکہ تم کو رحم کئے جاوے

یہ ہر اس شخص کے لیے ایک عام حکم ہے جو کتاب اللہ کی تلاوت سنتا ہے وہ اسے غور سے سننے اور خاموش رہنے پر مامور ہے۔ استماع اور انصات کے درمیان فرق یہ ہے کہ (انصات) ”چپ رہنا“ ظاہر میں بات چیت اور ایسے امور میں مشغولیت کو ترک کرنے کا نام ہے جن کی وجہ سے وہ غور سے سن نہیں سکتا اور (استماع) ”سننا“ یہ ہے کہ سننے کے لیے پوری توجہ مبذول کی جائے قلب حاضر ہو اور جو چیز سننے اس میں تدبر کرے۔

کتاب اللہ کی تلاوت کے وقت جو کوئی ان دونوں امور کا التزام کرتا ہے وہ خیر کثیر بے انتہا علم دائمی تجدید شدہ ایمان بہت زیادہ ہدایت اور دین میں بصیرت سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے حصول رحمت کو ان دونوں امور پر مترتب قرار دیا ہے اور یہ امر اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ جس کے سامنے کتاب اللہ کی تلاوت کی جائے اور وہ اسے غور سے نہ سنے اور خاموش نہ رہے تو رحمت کے بہت بڑے حصے سے محروم ہو جاتا ہے وہ خیر کثیر حاصل نہیں کر پاتا اور قرآن سننے والے کو سخت تاکید ہے کہ جہری نمازوں میں جب کہ امام قراءت کرے وہ توجہ سے سنے اور خاموش رہے کیونکہ اسے چپ رہنے کا حکم ہے۔ یہاں تک کہ اکثر اہل علم کی رائے ہے کہ نماز کے اندر امام کی قراءت کے وقت خاموش رہنا سورہ فاتحہ وغیرہ پڑھنے سے اولیٰ ہے۔^①

① یہ مؤلف کتاب کی اپنی رائے ہے اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے مرحوم کی یہ رائے صحیح نہیں کیونکہ یہ نصوص صریحہ کے خلاف ہے

وَادْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ

اور یاد کیجئے اپنے رب کو اپنے دل میں عاجزی سے اور ڈرتے ہوئے اور ایسی آواز سے کہ کم ہو پکار کر بات کرنے سے

بِالْغَدْوِ وَالْأَصَالِ وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَفِيلِينَ ﴿۱۵﴾ إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ

صبح اور شام کو اور نہ ہوں آپ غفلوں میں سے ○ بے شک وہ (فرشتے) جو آپ کے رب کے پاس ہیں

لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ وَيَسَبِّحُونَهُ وَلَهُ يَسْجُدُونَ ﴿۱۶﴾

نہیں تکبر کرتے وہ اس کی عبادت سے اور تسبیح بیان کرتے ہیں وہ اس کی اور اسی کو وہ سجدہ کرتے ہیں ○

اللہ تبارک و تعالیٰ کا ذکر قلب کے ذریعے سے، زبان کے ذریعے سے اور قلب اور زبان دونوں کے ذریعے سے ہوتا ہے اور یہ ذکر اپنی نوع اور احوال کے اعتبار سے کامل ترین ذکر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول جناب محمد مصطفیٰ ﷺ کو اصلاً اور دیگر اہل ایمان کو تبعاً حکم دیا ہے کہ وہ نہایت اخلاص کے ساتھ اپنے دل میں اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں۔ ﴿تَضَرُّعًا﴾ عاجزی اور تذلل سے، ذکر کی مختلف انواع کے تکرار کے ساتھ اپنی زبان سے ذکر کریں ﴿وَخِيفَةً﴾ اور ڈرتے ہوئے، اور آپ کی حالت یہ ہونی چاہئے کہ آپ اپنے دل میں اللہ تعالیٰ سے خائف اور ڈرتے ہوں مبادا کہ آپ کا عمل قبول نہ ہو۔ اور اللہ تعالیٰ کے خوف کی علامت یہ ہے کہ بندہ خیر خواہی کے ساتھ اپنے عمل کی اصلاح اور تکمیل میں پیہم گوشاں رہتا ہے۔ ﴿وَدُونَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ﴾ اور ایسی آواز سے جو کم پکار کر بولنے سے کم ہو، یعنی متوسط رویہ اختیار کیجئے ﴿وَلَا تَجْهَرُ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافُ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَلِكَ سَبِيلًا﴾ (بنی اسرائیل: ۱۱۰، ۱۱۷) ”اپنی نماز بلند آواز سے پڑھے نہ بہت آہستہ آواز سے بلکہ درمیان کاراستہ اختیار کیجئے“۔ ﴿بِالْغَدْوِ﴾ ”دن کے ابتدائی حصے میں“ ﴿وَالْأَصَالِ﴾ ”اور دن کے آخری حصے میں“۔ ان دونوں اوقات کو دیگر اوقات پر فضیلت حاصل ہے۔ ﴿وَلَا تَكُنْ مِنَ الْغَفِيلِينَ﴾ ”اور غفلت کرنے والوں میں سے نہ ہوں“ یعنی وہ لوگ جنہوں نے اللہ تعالیٰ کو فراموش کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کا یہ حال کر دیا کہ وہ اپنے آپ کو بھول گئے۔ پس وہ دنیا اور آخرت کی بھلائی سے محروم رہ گئے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کی عبودیت میں ہر فلاح و سعادت سے روگردانی کی اور اللہ تعالیٰ کے ذکر میں ہر بدبختی اور ناکامی کی طرف متوجہ رہے۔ یہ وہ آداب ذکر ہیں جن کی بندے کو رعایت رکھنی چاہئے جیسا کہ رعایت رکھنے کا حق ہے یعنی دن اور رات

ہے۔ احادیث میں وضاحت موجود ہے کہ امام ہر آیت پر وقف کر کے سورہ فاتحہ پڑھے اور اس وقفے میں مقتدی بھی سورہ فاتحہ پڑھتے جائیں۔ کیونکہ سورہ فاتحہ کے بغیر نماز نہیں ہوتی۔ اس طرح وقفوں اور سکنت میں سورہ فاتحہ پڑھنے سے استماع اور انصاف کی بھی خلاف ورزی نہیں ہوتی اور حدیث پر بھی عمل ہو جاتا ہے ہاں البتہ سورہ فاتحہ کے علاوہ کچھ اور پڑھنا جائز نہیں۔ (ص۔ی)

کے اوقات میں، خاص طور پر دن کے دونوں کناروں میں، نہایت اخلاص، خشوع و خضوع، عاجزی، تذلّل کے ساتھ پرسکون حالت میں، قلب و لسان کو ایک دوسرے سے ہم آہنگ کرتے ہوئے، نہایت ادب و وقار سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا جائے اور بہت توجہ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر اور اس سے دعا کی جائے۔ غفلت کو دور کر کے حضور قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے دعا کی جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ غافل اور مشغول دل کے ساتھ کی ہوئی دعا کو قبول نہیں فرماتا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ اس کے کچھ ایسے بندے بھی ہیں جو ہمیشہ اس کی عبادت اور خدمت میں مصروف رہتے ہیں۔۔۔ اور وہ ہیں اللہ تعالیٰ کے فرشتے۔۔۔ تاکہ تمہیں معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہاری کثرت عبادت سے کوئی کمی پوری کرنی چاہتا ہے نہ تمہاری عبادت کے ذریعے سے ذلت سے نکل کر معزز ہونا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہاری عبادت کے ذریعے سے تمہیں ہی فائدہ دینا چاہتا ہے تاکہ تم اس کے ہاں اپنے اعمال سے کئی گنا زیادہ نفع حاصل کر سکو۔ بنا بریں فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ﴾ ”وہ لوگ جو آپ کے رب کے پاس ہیں“ یعنی اللہ تعالیٰ کے مقرب فرشتے، عرش الہی کو اٹھانے والے فرشتے اور اس کے اشراف فرشتے ﴿لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِهِ﴾ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے، بلکہ اس کی عبادت کے لیے سراغ لگندہ اور اپنے رب کے احکام کے سامنے مطیع ہیں ﴿وَيَسْتَجِوْنَهُ﴾ ”اور اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں۔“ رات دن اس کی تسبیح میں مگن رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر افتخار پر دازی نہیں کرتے۔ ﴿وَلَهُ﴾ ”اور اس کے لیے۔“ یعنی اللہ وحدہ لا شریک کے لیے ﴿يَسْجُدُونَ﴾ ”سجدے کرتے ہیں۔“ پس بندوں کو ان ملائکہ کرام کی پیروی کرنی چاہئے اور ہمیشہ اللہ، علم والے بادشاہ حقیقی کی عبادت میں مصروف رہنا چاہئے۔

تَفْسِيرُ سُورَةِ الْاِنْفَالِ

سُورَةُ الْاِنْفَالِ
۱۰۱ آیتیں (۸۸)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
اللہ کے نام سے شروع ہونا بہت سہرا بہت حکم کرنے والا ہے

اِنْفَالُ ۸
۱۰ آیتیں

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاِنْفَالِ قُلِ الْاِنْفَالُ لِلّٰهِ وَالرَّسُولِ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاصْلِحُوا

سوال کرتے ہیں وہ آپ سے غنیمتوں کے بارے میں کہہ دیجئے! غنیمتیں اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہیں پس ڈرو تم اللہ سے اور اصلاح کر لو تم

ذَاتَ بَيْنِكُمْ وَاَطِيعُوا اللّٰهَ وَرَسُولَهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝۱ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ

اپنی آپس میں اور اطاعت کرو تم اللہ کی اور اس کے رسول کی اگر ہو تم مؤمن ۝ یقیناً (کامل) مؤمن

الَّذِيْنَ اِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَّتْ قُلُوْبُهُمْ وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهُ زَادَتْهُمْ

تو وہ لوگ ہیں کہ جب ذکر کیا جائے اللہ کا تو ڈر جاتے ہیں دل ان کے اور جب تلاوت کی جاتی ہے اور ان کے اس کی آیتیں تو زیادہ کر دیتی ہیں وہ ان کو

إِيمَانًا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ ﴿٦﴾ الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا

ایمان میں اور اوپر اپنے رب ہی کے وہ توکل کرتے ہیں ○ وہ لوگ جو قائم کرتے ہیں نماز اور اس سے جو

رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ ﴿٧﴾ أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ

رزق دیا ہم نے ان کو وہ خرچ کرتے ہیں ○ یہی لوگ ہیں مومن سچے ان کے لیے درجے ہیں نزدیک ان کے رب کے

وَمَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿٨﴾

اور بخشش ہے اور رزق باعزت ○

﴿الْأَنْقَالَ﴾ سے مراد غنائم ہیں جو اللہ تعالیٰ نے کفار کے مال میں سے اس امت کو عطا کی ہیں۔ اس سورہ

مبارکہ کی یہ آیات کریمات غزوہ بدر کے بارے میں نازل ہوئیں۔ غزوہ بدر میں مسلمانوں کو کفار سے اولین مال غنیمت حاصل ہوا تو اس کے بارے میں بعض مسلمانوں میں نزاع واقع ہو گیا چنانچہ انہوں نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے استفسار کیا۔ پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں۔

﴿يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْأَنْقَالِ﴾ ”وہ آپ سے غنیمتوں کے بارے میں پوچھتے ہیں“ ان کو کیسے تقسیم کیا جائے اور

انہیں کن لوگوں میں تقسیم کیا جائے۔ ﴿قُل﴾ آپ ان سے کہہ دیجئے! ﴿الْأَنْقَالَ لِلَّهِ وَالرَّسُولِ﴾ ”غنیمتیں اللہ اور رسول کے لئے ہیں“ وہ جہاں چاہیں گے ان غنائم کو خرچ کریں گے۔ پس تمہیں اللہ اور اس کے رسول کے فیصلے پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں؛ بلکہ تم پر فرض ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول فیصلہ کر دیں تو تم ان کے فیصلے پر

راضی رہو اور ان کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دو اور یہ چیز اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد میں داخل ہے۔ ﴿فَاتَّقُوا

اللَّهَ﴾ ”پس اللہ سے ڈرو“ اس کے احکام کی تعمیل اور اس کے نواہی سے اجتناب کر کے۔ ﴿وَأَصْلِحُوا ذَاتَ بَيْنِكُمْ﴾

”اور صلح کرو آپس میں“، یعنی تم آپس کے بغض، قطع تعلق اور ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرنے کی آپس کی مودت،

محبت اور میل جول کے ذریعے سے اصلاح کرو۔ اس طرح تم میں اتفاق پیدا ہوگا اور قطع تعلق، خصامت اور آپس

کے لڑائی جھگڑے کی وجہ سے جو نقصان پہنچا ہے اس کا ازالہ ہو جائے گا۔ آپس کے معاملات کی اصلاح میں حسن

اخلاق اور براسلوک کرنے والوں سے درگزر کا بہت بڑا دخل ہے اس سے دلوں کا بغض اور نفرت دور ہو جاتی ہے

اور ان تمام باتوں کی جامع بات یہ ہے ﴿وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ إِن كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ ”اللہ اور اس کے رسول کی

اطاعت کرو اگر تم مومن ہو“ کیونکہ ایمان اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت کا تقاضا کرتا ہے جیسے جو اللہ تعالیٰ

اور اس کے رسول کی اطاعت نہیں کرتا وہ مومن نہیں؛ جس کی اطاعت الہی اور اطاعت رسول ناقص ہے اس کا ایمان

بھی اتنا ہی ناقص ہے۔

چونکہ ایمان کی دو قسمیں ہیں:

(۱) ایمان کامل جس پر مدح و ثنا اور کامل فوز و فلاح مترتب ہوتی ہے۔

(۲) ناقص ایمان۔

تو اس کامل ایمان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ﴾ ”مؤمن تو صرف وہ ہیں“ الف لام استغراق کے لیے ہے جو تمام شرائع ایمان کو شامل ہے ﴿الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَّتْ قُلُوبُهُمْ﴾ ”کہ جب ذکر کیا جائے اللہ کا تو ڈر جائیں دل ان کے“ یعنی ان کے دل ڈر جاتے ہیں اور یہ ڈر خشت الہی اور محارم سے اجتناب کا موجب بنتا ہے، کیونکہ خوف الہی گناہوں سے باز آنے کی سب سے بڑی علامت ہے۔

﴿وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا﴾ ”اور جب ان پر اس کی آیات پڑھی جائیں تو زیادہ کر دیتی ہیں ان کو ایمان میں“ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ آیات الہی کو حضور قلب کے ساتھ غور سے سنتے ہیں تاکہ وہ ان میں غورو فکر کریں جس سے ان کے ایمان میں اضافہ ہو کیونکہ تدبیر اعمال قلوب میں شمار ہوتا ہے، نیز ان کے لیے معافی کی بھی توضیح ہوتی ہے جن سے وہ لاعلم ہیں اور ان کو ان امور کی یاد دہانی ہوتی ہے جن کو وہ فراموش کر چکے ہیں یا ان کے دلوں میں نیکیوں کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور اپنے رب کے اکرام و تکریم کے حصول کا شوق پیدا ہوتا ہے یا ان کے دل میں عذاب سے خوف اور معاصی سے ڈر پیدا ہوتا ہے اور ان تمام امور سے ایمان بڑھتا ہے۔

﴿وَعَلَىٰ رَبِّهِمْ﴾ ”اور اپنے رب پر“ یعنی اپنے رب وحدہ لا شریک پر ﴿يَتَوَكَّلُونَ﴾ ”وہ بھروسہ کرتے ہیں“ یعنی اپنے مصالحوں کے حصول اور دینی اور دنیاوی مضرتوں کو دور کرنے میں اپنے دلوں میں اپنے رب پر بھروسہ کرتے ہیں اور انہیں پورا وثوق ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ کام ضرور کرے گا۔ توکل ہی انسانوں کو تمام اعمال پر آمادہ کرتا ہے توکل کے بغیر اعمال وجود میں آتے ہیں نہ تکمیل پاسکتے ہیں۔

﴿الَّذِينَ يَقِيمُونَ الصَّلَاةَ﴾ ”جو نماز پڑھتے ہیں۔“ فرض اور نفل نماز کو اس کے ظاہری اور باطنی اعمال مثلاً حضور قلب جو کہ نماز کی روح اور اس کا مغز ہے کے ساتھ قائم کرتے ہیں۔ ﴿وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ﴾ ”اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے وہ خرچ کرتے ہیں“ یعنی وہ نفقات واجبہ مثلاً زکوٰۃ، کفارہ، بیویوں، اقارب اور غلاموں پر خرچ کرتے ہیں اور نفقات مستحبہ مثلاً بھلائی کے تمام راستوں میں صدقہ کرتے ہیں۔ ﴿أُولَٰئِكَ﴾ ”یعنی وہ لوگ جو ان صفات سے متصف ہیں ﴿هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا﴾ ”وہی حقیقی مومن ہیں“ کیونکہ انہوں نے اسلام اور ایمان، اعمال باطنہ اور اعمال ظاہرہ، علم اور عمل اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی کو جمع کیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اعمال قلوب کو مقدم رکھا ہے، کیونکہ اعمال قلوب، اعمال جوارح کی بنیاد اور ان سے افضل ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اس بات کی دلیل ہے کہ ایمان گھٹتا اور بڑھتا ہے۔ نیکی کے افعال سے ایمان بڑھتا ہے

اور اس کے متضاد افعال سے ایمان گھٹتا ہے، نیز بندے کو چاہئے کہ وہ اپنے ایمان کی حفاظت کرے اور اس کو نشوونما دے اور یہ مقصد کتاب اللہ میں تدریس اور اس کے معانی میں غور و فکر کرنے سے بدرجہ اولیٰ حاصل ہوتا ہے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل ایمان کے لیے حقیقی ثواب کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا: ﴿لَهُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ ”اور ان کے لیے ان کے رب کے ہاں درجات ہیں۔“ یعنی ان کے اعمال کے مطابق ان کے درجات بلند ہوں گے۔ ﴿وَمَغْفِرَةٌ﴾ اور ان کے گناہوں کی بخشش ﴿وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾ ”اور عزت کی روزی۔“ یہ وہ روزی ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے اکرام و عزت والے گھر میں اہل ایمان کے لیے تیار کر رکھی ہے جو کسی آنکھ نے دیکھی ہے نہ کسی کان نے سنی ہے اور نہ کسی بشر کا طائر خیال وہاں تک پہنچا ہے۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو کوئی ایمان میں ان کے درجے تک نہیں پہنچ پاتا، وہ اگرچہ جنت میں داخل ہو جائے گا مگر اللہ تعالیٰ کی کرامت تامہ جو انہیں حاصل ہوئی ہے، اسے حاصل نہیں ہوگی۔

كَمَا أَخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ بَيْتِكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّ فَرِيقًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ

جس طرح کہ نکالا تھا آپ کو آپ کے رب نے آپ کے گھر سے ساتھ حق کے اور بلاشبہ کچھ لوگ مومنوں میں سے

لَكَرِهُونَ ۵ يُجَادِلُونَكَ فِي الْحَقِّ بَعْدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى الْمَوْتِ

البتہ ناپسند کرتے تھے وہ جھگڑتے تھے آپ سے حق میں بعد اسکے کہ واضح ہو گیا تھا وہ گویا کہ ہانکے جا رہے ہیں وہ موت کی طرف

وَهُمْ يَنْظُرُونَ ۶ وَإِذْ يَعِدُكُمُ اللَّهُ إِحْدَى الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ

اور وہ دیکھ رہے ہیں (اسے) اور جب وعدہ کر رہا تھا تم سے اللہ دو گروہوں میں سے ایک کا کہ یقیناً وہ تمہارے لیے ہے

وَتَوَدُّونَ أَنَّ غَيْرَ ذَاتِ الشُّوْكَةِ تَكُونُ لَكُمْ وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ

اور تم چاہتے تھے کہ جو غیر مسلح (گروہ) ہے وہی ہو تمہارے لیے اور چاہتا تھا اللہ کہ وہ ثابت کر دکھائے

الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ وَيَقْطَعُ دَابِرَ الْكَافِرِينَ ۷ لِيُحِقَّ الْحَقَّ وَيُبْطِلَ

حق کو ساتھ اپنے حکموں کے اور کاٹ دے جز کافروں کی تاکہ وہ حق کر دکھائے حق کو اور باطل کر دکھائے

الْبَاطِلَ وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ ۸

باطل کو اگرچہ ناپسند کریں (اسے) مجرم لوگ

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس عظیم اور مبارک غزوہ کے ذکر سے قبل اہل ایمان کی صفات بیان فرمائی ہیں جن کو انہیں اختیار کرنا چاہئے، کیونکہ جو کوئی ان صفات کو اختیار کرتا ہے اس کے احوال میں استقامت آ جاتی ہے اور اس کے اعمال درست ہو جاتے ہیں۔ جن میں سب سے بڑا عمل جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ پس جیسے ان کا ایمان سچا اور حقیقی ایمان ہے ان کے لیے جزا بھی حقیقی ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ کر رکھا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے

رسول ﷺ کو بدر کے مقام پر مشرکین کے ساتھ معرکہ آرائی کرنے کے لیے اس حق کے ساتھ باہر نکالا، جس حق کو اللہ تعالیٰ پسند کرتا ہے اور اس معرکہ کو اللہ تعالیٰ نے مقدر کر رکھا تھا اگرچہ گھر سے نکلنا اور اپنے دشمن کے خلاف لڑنا کبھی ان کے حاشیہ خیال میں بھی نہ آیا تھا۔

جب ان پر یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ معرکہ ہو کر رہے گا تو مومنوں میں سے ایک گروہ نے اس بارے میں رسول اللہ ﷺ سے جھگڑنا شروع کر دیا، وہ دشمن کا مقابلہ کرنے کو ناپسند کرتے تھے، گویا کہ ان کو ان کے دیکھتے ہوئے موت کی طرف دکھایا جا رہا ہے۔ حالانکہ یہ رویہ ان کو زیب نہیں دیتا تھا خاص طور پر جب ان پر واضح ہو گیا تھا کہ ان کا گھر سے نکلنا حق پر مبنی ہے، یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور وہ اس پر راضی ہے۔ اس صورت حال میں یہ بحث کرنے کا مقام نہیں تھا بحث کرنے کا محل و مقام وہ ہوتا ہے جہاں حق میں اشتباہ اور معاملے میں التباس ہو وہاں بحث کرنا مفید ہوتا ہے، لیکن جب حق واضح اور ظاہر ہو جائے تو اس کی اطاعت اور اس کے سامنے سرانگنہ ہونے کے سوا کوئی اور صورت نہیں رہتی۔ یہ تو تھی ان لوگوں کی بات، مگر اکثر اہل ایمان نے اس بارے میں کسی قسم کی بحث نہیں کی اور نہ انہوں نے دشمن کا مقابلہ کرنے کو ناپسند کیا۔ اس طرح وہ لوگ جن پر اللہ تعالیٰ نے عتاب فرمایا تھا انہوں نے جہاد کے لیے سر تسلیم خم کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ثابت قدمی عطا فرمائی اور ان کو وہ اسباب مہیا فرمائے جن سے ان کے دل مطمئن ہو گئے۔ جیسا کہ ان میں سے بعض اسباب کا ذکر آئندہ سطور میں آئے گا۔

ان کا مدینہ منورہ سے باہر نکلنے کا اصل مقصد تو اس تجارتی قافلے کا راستہ روکنا تھا جو اوسفیان کی قیادت میں قریش کا سامان تجارت لے کر شام گیا تھا، یہ ایک بہت بڑا قافلہ تھا۔ جب مسلمانوں کو قریش کے قافلے کی واپسی کی اطلاع ملی تو رسول اللہ ﷺ نے اس قافلے کو روکنے کے لیے مسلمانوں کو اکٹھا کیا چنانچہ آپ کے ساتھ تین سو سے کچھ زائد مسلمان مدینہ منورہ سے نکلے۔ ستر اونٹوں کے ساتھ جن پر وہ باری باری سوار ہوتے تھے اور ان پر انہوں نے اپنا سامان لادادھا تھا۔ قریش کو بھی مسلمانوں کے باہر نکلنے کی خبر پہنچ گئی وہ اپنے تجارتی قافلے کو بچانے کے لیے کثیر تعداد میں جنگی ساز و سامان کی پوری تیاری گھوڑ سواروں اور پیادوں کے ساتھ مکہ سے نکلے۔ ان کی تعداد تقریباً ایک ہزار تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے ساتھ وعدہ فرمایا تھا کہ وہ ان دونوں گروہوں، یعنی قافلہ یا فوج، میں سے ایک کے مقابلے میں ان کو فتح سے نوازے گا۔ مسلمانوں نے اپنی تنگ دستی کی وجہ سے قافلے کے ملنے کو پسند کیا، نیز قافلہ والوں کے پاس طاقت بھی زیادہ نہیں تھی مگر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کے لیے اس امر کو پسند کیا جو اس سے اعلیٰ و افضل تھا جسے مسلمان پسند کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ وہ کفار کی فوج کے مقابلے میں ظفر یاب ہوں جس کے اندر کفار کے بڑے سردار اور بہادر شہسوار لڑنے کے لیے آئے تھے۔

﴿وَيُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُحِقَّ الْحَقَّ بِكَلِمَاتِهِ﴾ اور اللہ چاہتا تھا کہ سچا کر دے حق کو اپنے کلمات سے، پس اس

طرح وہ اہل حق کی مدد فرماتا ہے ﴿وَيَقْطَعُ دَابِرَ الْكَافِرِينَ﴾ اور کاٹ ڈالے جڑ کافروں کی، یعنی وہ اہل باطل کا استیصال کرتا ہے اور اپنے بندوں کو نصرت حق کا ایسا معاملہ دکھاتا ہے کہ جس کے بارے میں کبھی ان کے دل میں خیال بھی نہیں گزرا ہوتا ﴿لِيُحَقِّقَ الْحَقَّ﴾ تاکہ حق کو ثابت کر دے۔ ”حق کی صحت اور صداقت کے شواہد اور براہین کو ظاہر کر کے۔ ﴿وَيُبْطِلَ الْبَاطِلَ﴾ اور باطل کو باطل کر دے۔“ اس کے بطلان پر دلائل اور شواہد قائم کر کے۔ ﴿وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُونَ﴾ خواہ مجرموں کو یہ بات ناپسند ہی کیوں نہ ہو، پس اللہ تعالیٰ کو ان کی کوئی پروا نہیں۔

اِذْ تَسْتَغِيثُونَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اِنِّي مُهِدُّكُمْ بِالْفِ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ
 جب فریاد کر رہے تھے تم اپنے رب سے پس قبول کر لی اس نے (فریاد) تمہاری کہ بیشک میں مدد کروں گا تمہاری ساتھ ایک ہزار فرشتوں کے
 مُرْدِفَيْنَ ٩ وَمَا جَعَلَهُ اللهُ اِلَّا بُشْرٰى وَلِتَطْمَِٔنَّٓ اِلَيْهِ قُلُوْبُكُمْ
 ایک دوسرے کے پیچھے آنے والے اور نہیں بنایا اس (مدد) کو اللہ نے مگر خوشخبری اور تاکہ مطمئن ہو جائیں اس سے تمہارے دل
 وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيْمٌ ١٠ اِذْ يُغَشِّكُمْ
 اور نہیں ہے نصرت مگر اللہ ہی کے پاس سے بلاشبہ اللہ غالب ہے خوب حکمت والا اور (یاد کرو) جب طاری کر رہا تھا (اللہ) تم پر
 النَّعَاسِ اٰمَنَةٌ مِنْهُ وَيُنزِلُ عَلَيْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً لِّيَطَهِّرَ كُمْ بِهِ
 اُوگھ امن دینے کے لیے اپنی طرف سے اور نازل فرما رہا تھا تم پر آسمان سے پانی (بارش) تاکہ وہ پاک کر دے تمہیں اسکے ساتھ
 وَيُذْهِبَ عَنْكُمْ رِجْزَ الشَّيْطٰنِ وَلِيُرِيْطَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ وَيُثَبِّتَ بِهِ
 اور لے جائے تم سے نجاست شیطان کی اور تاکہ مضبوط کر دے تمہارے دلوں کو اور تاکہ ثابت رکھے اس کی وجہ سے
 الْاَقْدَامَ ١١ اِذْ يُوْحٰى رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ مَعَكُمْ فَثَبَّثُوا الَّذِيْنَ
 قدموں کو اور (یاد کرو) جب وحی کر رہا تھا آپ کا رب طرف فرشتوں کی کہ بیشک میں تمہارے ساتھ ہوں پس ثابت (قدم) رکھو تم انکو
 اٰمَنُوْا سَاَلْتَنِىْ فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا الرُّعْبَ فَاَضْرِبُوْا فَوْقَ
 جو ایمان لائے عنقریب ڈالوں گا میں دلوں میں ان لوگوں کے جنہوں نے کفر کیا رعب۔ پس مارو تم اوپر
 الْاَعْنَاقِ وَاَضْرِبُوْا مِنْهُمْ كُلَّ بَنٰنٍ ١٢ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ شَاقُّوْا اللّٰهَ
 (ان کی) گردنوں کے اور ضرب لگاؤ ان کی (ہر) ہر پور پر اور یہ اس لیے کہ بلاشبہ انہوں نے مخالفت کی اللہ
 وَرَسُوْلَهُ وَمَنْ يُشٰقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ١٣
 اور اس کے رسول کی اور جو کوئی مخالفت کرے اللہ اور اس کے رسول کی تو یقیناً اللہ سخت سزا دینے والا ہے اور

ذٰلِكُمْ فَذُوْقُوْهُ وَاَنَّ لِلْكَافِرِيْنَ عَذَابَ النَّارِ ١٤

یہ (سزا) پس چکھو تم اس کو اور بے شک کافروں کے لیے عذاب ہے آگ کا اور

یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمت کو یاد کرو کہ جب اس نے دشمنوں کے ساتھ تمہاری مدد بھیڑ کو یقینی اور قریب کر دیا، تو تم نے اپنے رب کو مدد کے لیے پکارا اور اس سے اعانت اور نصرت کے طلب گار ہوئے۔ ﴿فَاسْتَجَابَ لَكُمْ﴾ پس اس نے تمہاری پکار کا جواب دیا، اور متعدد امور کے ساتھ تمہاری مدد فرمائی، مثلاً اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد کے لیے فرشتوں کو بھیجا۔ ﴿بِأَلْفٍ مِّنَ الْمَلَائِكَةِ مُرَوِّفِينَ﴾ ہزار فرشتے لگاتار آنے والے، یعنی وہ پے در پے ایک دوسرے کے پیچھے آ رہے تھے۔ ﴿وَمَا جَعَلَهُ اللَّهُ﴾ اور نہیں بنایا اس کو اللہ نے، یعنی فرشتوں کے نازل کرنے کو ﴿إِلَّا بَشْرًا﴾ مگر خوش خبری، تاکہ اس سے تمہارے دل خوشی حاصل کریں۔ ﴿وَلِيَتَّظَمِنَ بِهِ قُلُوبُكُمْ﴾ اور تمہارے دل مطمئن ہوں، ورنہ فتح و نصرت تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے، فتح کثرت تعداد اور ساز و سامان سے حاصل نہیں ہوتی۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ﴾ بے شک اللہ غالب ہے۔ کوئی اس پر غالب نہیں آ سکتا بلکہ وہی غالب ہے وہ جن لوگوں سے علیحدہ ہو کر ان کی مدد چھوڑ دیتا ہے خواہ ان کی تعداد کتنی ہی زیادہ اور آلات حرب خواہ کتنے ہی کیوں نہ ہوں (غلبہ حاصل نہیں کر سکتے) ﴿حَكِيمٌ﴾ حکمت والا ہے۔ کیونکہ اس نے تمام امور کو ان کے اسباب کے ساتھ مقدر کیا ہے اور اس نے ہر چیز کو اس مقام پر رکھا ہے جو اس کے لیے مناسب ہے۔

اس کی فتح و نصرت اور تمہاری دعا کی قبولیت یہ ہے کہ اس نے تم پر اونگھ نازل کر دی ﴿إِذْ يَغْشِيكُمْ﴾ جو تمہیں ڈھانپ رہی تھی۔ یعنی تمہارے دل میں جو ڈر اور خوف تھا اسے دور کر رہی تھی۔ ﴿أَمْنَةً﴾ تمہارے لئے سکون کا باعث، فتح و نصرت اور اطمینان کی علامت تھی۔ اور اس کی نصرت ہی کی ایک صورت یہ تھی کہ اس نے تم پر آسمان سے بارش نازل کی، تاکہ تم سے ناپاکی اور گندگی دور کر کے تمہیں پاک کرے اور شیطانی وسوسوں اور اس کی نجاست سے تمہاری تطہیر کرے۔ ﴿وَلِيَذِيبَ بِطَعَالَى قُلُوبِكُمْ﴾ اور تمہارے دلوں کو مضبوط کر دے۔ یعنی دلوں کو مضبوطی اور ثبات بخشنے کیونکہ دل کی مضبوطی بدن کی مضبوطی ہے۔ ﴿وَيُثَبِّتْ بِهِ الْاَقْدَامَ﴾ اور جمادے اس کے ذریعے سے تمہارے قدم، کیونکہ زمین، ہموار اور نرم تھی جب اس پر بارش نازل ہوئی تو سخت اور ٹھوس ہو گئی اور قدم مضبوطی سے جمنے لگے۔

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی نصرت تھی کہ اس نے فرشتوں کی طرف وحی بھیجی۔ ﴿أَنِّي مَعَكُمْ﴾ کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ یعنی میری مدد نصرت اور تائید تمہارے ساتھ ہے۔ ﴿فَشَتَبُوا الَّذِينَ اٰمَنُوا﴾ پس ثابت رکھو تم دل ایمان والوں کے، یعنی دشمن کے مقابلے میں ان کے دلوں کو مضبوط کرو اور ان کے دلوں کو جرأت سے لبریز کر دو اور انہیں جہاد کی ترغیب دو ﴿سَأَلْنِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعْبَ﴾ میں ڈال دوں گا کافروں کے دلوں میں دہشت، جو کافروں کے مقابلے میں تمہارا سب سے بڑا لشکر ہے، کیونکہ جب اللہ تعالیٰ اہل ایمان کو ثابت قدمی عطا کرتا ہے اور کفار کے دلوں میں رعب ڈال دیتا ہے تو کفار ثابت قدم نہیں رہ سکتے اور اللہ تعالیٰ ان کی گردنیں اہل ایمان کے

قبضے میں دے دیتا ہے۔ ﴿فَاضْرِبُوا فَوْقَ الْأَعْنَاقِ﴾ ”پس تم انکی گردنیں مارو“ ﴿وَاضْرِبُوا مِنْهُمْ كُلَّ بَنَانٍ﴾ ”اور کائون کی پور پور“ یعنی ان کے جوڑ جوڑ پر ضرب لگاؤ۔۔۔ یہ خطاب یا تو ان فرشتوں سے ہے جن کی طرف وحی کی گئی تھی کہ وہ اہل ایمان کے دل مضبوط کریں تب یہ اس بات کی دلیل ہے کہ غزوہ بدر میں فرشتے قتال میں شریک ہوئے۔۔۔ یا یہ خطاب اہل ایمان سے ہے۔ اللہ تعالیٰ اہل ایمان کا حوصلہ بڑھاتا ہے اور انہیں تعلیم دیتا ہے کہ وہ مشرکین کو کیسے قتل کریں اور یہ کہ وہ ان پر رحم نہ کریں۔

﴿ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ شَاقُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ ”یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کی۔“ یعنی یہ اس لیے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ جنگ کی اور ان کے ساتھ عداوت کا اظہار کیا۔ ﴿وَمَنْ يُشَاقِقِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَإِنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ ”اور جو مخالف ہو اللہ اور اس کے رسول کا تو بے شک اللہ کا عذاب سخت ہے“ اور یہ بھی اس کا عذاب ہی ہے کہ اس نے اپنے اولیاء کو اپنے اعداء پر مسلط کیا اور ان کے ہاتھوں قتل کروایا۔ ﴿ذَلِكَم﴾ یہ عذاب مذکور ﴿فَدُوْقُوهُ﴾ ”پس چکھو تم اس کو“ اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والو! (اس دنیا کے) فوری عذاب کا مزا چکھ لو ﴿وَأَنَّ لِلْكَافِرِينَ عَذَابَ النَّارِ﴾ ”اور کافروں کے لیے جہنم کا عذاب ہے۔“

اس قصہ میں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نشانیاں ہیں جو اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ جو کچھ محمد رسول اللہ ﷺ لے کر تشریف لائے ہیں وہ حق ہے۔

(۱) اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل ایمان کے ساتھ ایک وعدہ کیا اور یہ وعدہ پورا کر دیا۔

(۲) اس میں سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿قَدْ كَانَ لَكُمْ آيَةٌ فِي فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِي سَبِيلِ

اللَّهِ وَالْآخَرَىٰ كَأَفْرَةٍ يَزَوُّنَهُمْ فَشَكَبَهُمْ رَأْيَ الْعَيْنِ﴾ (آل عمران: ۱۳۱۳) ”تمہارے لئے ان دو گروہوں میں (جنگ بدر میں) جن کی مڈبھیڑ ہوئی ایک نشانی تھی ایک گروہ وہ تھا جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں لڑ رہا تھا اور دوسرا گروہ کافروں کا تھا وہ اپنی آنکھوں سے انہیں اپنے سے دو گنا مشاہدہ کر رہے تھے۔“

(۳) جب اہل ایمان نے اللہ تعالیٰ کو مدد کے لیے پکارا تو اللہ تعالیٰ نے ان اسباب کے ذریعے سے ان کی دعا

قبول فرمائی جن کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔ اور اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومن بندوں کے حال اور ان اسباب کے مقدر کرنے کے ساتھ بڑا اعتناء پایا جاتا ہے جن کے ذریعے سے اہل ایمان کے ایمان مضبوط اور ان میں ثابت قدمی پیدا ہو اور ان سے تمام ناپسندیدہ امور اور شیطانی وسوسے دور ہوں۔

(۴) یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندے پر لطف و کرم ہے کہ وہ داخلی اور خارجی اسباب کے ذریعے سے اس کے لئے اطاعت کے راستوں کو آسان اور سہل کر دیتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحَفًا فَلَا تُوَلُّوهُمْ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب ملو تم ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا، اکٹھے ہو کر تو نہ پھیرو ان سے (اپنی)

الْأَدْبَارَ ۝ وَمَنْ يُؤَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبْرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ

پٹھیں ۝ اور جو شخص پھیرے گا ان سے اس دن اپنی پیٹھ سوائے اس شخص کے جو پینترا بدلنے والا ہو لڑائی کے لیے

أَوْ مُتَحَيِّرًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَا وَهُ

یا پناہ پکڑنے والا ہو طرف (اپنی) کسی جماعت کی تو یقیناً لوٹنا وہ شخص ساتھ غضب کے اللہ کے اور اس کا ٹھکانا

جَهَنَّمَ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ۝

جہنم ہے اور بری ہے وہ جگہ پھرنے کی ۝

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے اہل ایمان بندوں کو شجاعت ایمانی، اللہ کے معاملے میں قوت اور دلوں اور جسموں کو مضبوط کرنے والے اسباب فراہم کرنے کا حکم دیا ہے اور جب دونوں فوجوں کے درمیان معرکہ ہو تو میدان جنگ سے فرار ہونے سے منع کیا ہے۔ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقِيتُمْ الَّذِينَ كَفَرُوا زَحَفًا﴾ اے ایمان والو! جب بھڑو تم کافروں سے میدان جنگ میں، یعنی جب لڑائی کے لیے صف بندی ہو چکی ہو، فوجیں ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہی ہوں اور جنگجو ایک دوسرے کے قریب آ چکے ہوں، ﴿فَلَا تُوَلُّوهُمْ الْأَدْبَارَ﴾ تو پھر کفار کے سامنے پیٹھ پھیر کر نہ بھاگو، بلکہ ان سے لڑنے کے لیے ثابت قدمی سے ڈٹ جاؤ اور ان کی قوت اور حملے کا صبر سے مقابلہ کرو، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت، اہل ایمان کے دلوں کی مضبوطی اور دشمنوں کو خوف زدہ کرنے کا باعث ہوگی۔

﴿وَمَنْ يُؤَلِّهِمْ يَوْمَئِذٍ دُبْرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّرًا إِلَىٰ فِئَةٍ فَقَدْ بَاءَ﴾ اور جو کوئی

پیٹھ پھیرے ان سے اس دن، مگر یہ کہ ہنر کرتا ہو لڑائی کا یا جا ملتا ہو فوج میں، تو پھر اوہ، یعنی وہ لوٹنا، ﴿بِغَضَبٍ مِّنَ

اللَّهِ وَمَا وَهُ﴾ اللہ کا غضب لے کر اور اس کا ٹھکانا، ﴿جَهَنَّمَ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ﴾ جہنم ہے اور وہ کیا برا ٹھکانا

ہے، یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ کسی عذر کے بغیر میدان جنگ سے فرار ہونا سب سے بڑا گناہ ہے۔ جیسا کہ صحیح احادیث میں وارد ہوا ہے اور جیسا کہ یہاں اللہ تعالیٰ نے فرار ہونے والے کے لیے سخت وعید سنائی ہے۔

اس آیت کریمہ کا مفہوم یہ ہے کہ جنگی چال کے طور پر میدان جنگ سے ہٹنے میں، یعنی میدان جنگ میں ایک

جگہ چھوڑ کر دوسری جگہ جا کر لڑنا تاکہ اس جنگی چال میں دشمن کو زک پہنچا سکے، کوئی حرج نہیں، کیونکہ وہ میدان جنگ

سے منہ موڑ کر نہیں بھاگا بلکہ اس نے دشمن پر غالب آنے کے لیے ایسا کیا ہے، یا اس نے کسی پہلو سے دشمن پر حملہ کرنے کے لیے، یا دشمن کو دھوکہ دینے کے لیے یہ چال چلی ہے، یا دیگر جنگی مقاصد کے لیے ایسا کیا ہے۔ اسی طرح کفار کے خلاف مکہ کے طور پر ایک جماعت سے علیحدہ ہو کر دوسری جماعت میں جا کر ملنا بھی جائز ہے۔

اگر لشکر کا وہ گروہ جس کے ساتھ یہ گروہ جا کر ملا ہے، میدان جنگ میں موجود ہے تو ایسا کرنے کا جواز بالکل واضح ہے اور اگر وہ گروہ مقام معرکہ کی بجائے کسی اور مقام پر ہے، مثلاً مسلمانوں کا کفار کے مقابلے سے کسی ایک شہر سے پسا ہو کر مسلمانوں کے کسی دوسرے شہر میں پناہ لینا یا ایک میدان جنگ کو چھوڑ کر کسی دوسری جگہ دشمن پر حملہ آور ہونا، تو اس بارے میں صحابہ کرامؓ سے جو آراء منقول ہوئی ہیں وہ اس کے جواز پر دلالت کرتی ہیں۔ شاید پسپائی اس شرط سے مشروط ہے کہ مسلمان سمجھتے ہوں کہ پسپائی انجام کاران کے لیے بہتر اور دشمن کے مقابلے میں زیادہ مفید ہو اور اگر وہ یہ سمجھتے ہوں کہ میدان جنگ میں جبرے رہنے سے کفار پر ان کو غلبہ حاصل ہو جائے گا تو اس صورت حال میں یہ بعید ہے کہ پسپائی کا جواز ہو، کیونکہ تب میدان جنگ سے فرار ہونے کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ہے جس سے روکا گیا ہے۔ یہ آیت کریمہ مطلق ہے۔ (یعنی فرار کی ہر صورت ممنوع ہے) البتہ سورت کے آخر میں اس کو تعداد کے ساتھ مشروط کرنے کا بیان ہے۔ (دیکھئے آیت نمبر ۶۶ کی تفسیر)

فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ ۖ وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ

پس نہیں قتل کیا تم نے انہیں لیکن اللہ ہی نے قتل کیا ہے انہیں اور نہیں پھینکی تھی آپ نے (ٹھی بھر خاک) جبکہ پھینکی تھی آپ نے، لیکن

اللَّهُ رَمَىٰ ۖ وَلِيُبْلِيَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءً حَسَنًا ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۱۵﴾

اللہ ہی نے پھینکی تھی وہ اور تاکہ نوازے وہ مومنوں کو اپنی طرف سے اچھے انعام سے یقیناً اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے ○

ذَلِكُمْ ۖ وَأَنَّ اللَّهَ مُوهِنُ كَيْدِ الْكَافِرِينَ ﴿۱۶﴾ ۚ إِنَّ تَسْتَفْتِحُوا فَقَدْ جَاءَكُمْ

یہ تھی (حکمت) اور بے شک اللہ کمزور کرنے والا ہے تدبیر کافروں کی ○ اگر طلب کرتے ہو تم فیصلہ تو تحقیق آ گیا ہے تمہارے پاس

الْفَتْحُ ۚ وَإِن تَنْتَهُوا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَإِن تَعُدُّوا نَعْدًا ۚ وَلَكِن نُّغْنِي

فیصلہ اور اگر باز آ جاؤ تم تو وہ بہت بہتر ہے تمہارے لیے اور اگر تم پھر ایسا کرو گے تو ہم بھی دوبارہ ایسا ہی کریں گے اور ہرگز نہیں فائدہ دے گی

عَنْكُمْ فَعِتْكُمْ شَيْئًا ۚ وَلَوْ كَثُرَتْ ۚ وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۷﴾

تمہیں تمہاری جماعت کچھ اگرچہ کثیر ہی ہو، اور یقیناً اللہ ساتھ ہے مومنوں کے ○

جب غزوہ بدر میں مشرکین کو شکست ہوئی اور مسلمانوں نے ان کو قتل کیا، تو اس ضمن میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے

فرمایا: ﴿فَلَمْ تَقْتُلُوهُمْ﴾ تم نے ان کو قتل نہیں کیا، یعنی تم نے اپنی قوت سے ان کو قتل نہیں کیا ﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ قَتَلَهُمْ﴾

”لیکن اللہ نے ان کو قتل کیا“ کیونکہ ان کے قتل پر اللہ تعالیٰ نے تمہاری مدد فرمائی تھی، جیسا کہ گزشتہ سطور میں گزرا۔

﴿وَمَا رَمَيْتَ إِذْ رَمَيْتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ رَمَى﴾ اور آپ نے نہیں پھینکی مٹھی خاک کی جس وقت کہ پھینکی تھی لیکن اللہ نے پھینکی۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ جب معرکہ شروع ہوا تو رسول اللہ ﷺ ایک خیمہ میں چلے گئے اور اللہ تعالیٰ سے قسمیں دے دے کر فتح و نصرت کے لیے دعائیں کرنے لگے پھر خیمے سے باہر تشریف لائے آپ ﷺ نے خاک کی ایک مٹھی اٹھا کر کفار کے چہروں کی طرف پھینکی اور اللہ تعالیٰ نے یہ خاک ان کے چہروں تک پہنچادی ان میں سے کوئی ایسا نہ تھا جس کے چہرے منہ اور آنکھوں میں یہ خاک نہ پڑی ہو۔ پس اس وقت ان کی طاقت ٹوٹ گئی ان کے ہاتھ شل ہو گئے ان کے اندر کمزوری اور بزدلی ظاہر ہوئی پس وہ شکست کھا گئے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ سے فرمایا ”جب آپ نے کفار کی طرف خاک کی مٹھی پھینکی تو آپ نے اپنی قوت سے یہ خاک ان کے چہروں تک نہیں پہنچائی تھی بلکہ ہم نے اپنی قوت اور قدرت سے یہ خاک ان کے چہروں تک پہنچائی۔“

﴿وَلِيُبَيِّنَ الْمُؤْمِنِينَ مِنْهُ بَلَاءٌ حَسَنًا﴾ اور تاکہ اللہ آزمائے مومنوں کو اپنی طرف سے خوب آزمائے، یعنی براہ راست لڑائی کے بغیر اللہ تعالیٰ کفار کے مقابلے میں اہل ایمان کی مدد کرنے پر قادر ہے مگر اللہ تعالیٰ مومنوں کا امتحان لینا اور جہاد کے ذریعے سے انہیں بلند ترین درجات اور اعلیٰ ترین مقامات پر فائز کرنا نیز انہیں اجر حسن اور ثواب جزیل عطا کرنا چاہتا ہے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”بے شک اللہ سنتا جانتا ہے۔“ بندہ جو بات چھپا کر کرتا ہے یا اعلان کرنا ہے اللہ تعالیٰ اسے خوب سنتا ہے۔ بندے کے دل میں جو اچھی یا بری نیت ہوتی ہے اللہ تعالیٰ اسے جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے علم و حکمت اور بندوں کے مصالح کے مطابق ان کی تقدیر مقرر کرتا ہے اور ہر شخص کو اس کی نیت کے مطابق جزا دیتا ہے۔ ﴿ذَلِكُمْ﴾ یہ فتح و نصرت اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے۔ ﴿وَأَنَّ اللَّهَ مُوهِنُ كَيْدِ الْكَافِرِينَ﴾ اور بلاشبہ اللہ کافروں کی تدبیر کو کمزور کر دینے والا ہے۔ یعنی کفار اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو مکر و فریب اور سازشیں کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی چالوں کو کمزور کرتا ہے اور انہی کو ان کی چالوں میں پھنسا دیتا ہے۔ ﴿إِنْ تَسْتَفْتِحُوا﴾ اور اگر تم چاہتے ہو فیصلہ اے مشرکوں! اگر تم اللہ تعالیٰ سے مطالبہ کرتے ہو کہ وہ ظلم و تعدی کا ارتکاب کرنے والوں پر اپنا عذاب نازل کر دے۔ ﴿فَقَدْ جَاءَكُمْ الْفَتْحُ﴾ ”تو تحقیق آچکا تمہارے پاس فیصلہ، یعنی جب اللہ تعالیٰ نے تم پر اپنا عذاب نازل کیا جو تمہارے لئے سزا اور متقین کے لیے عبرت ہے ﴿وَإِنْ تَنْتَهُوا﴾ اور اگر تم باز آ جاؤ۔“ یعنی اگر تم فیصلہ چاہنے سے باز آ جاؤ۔ ﴿فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ﴾ تو یہ تمہارے لئے بہتر ہے، کیونکہ بسا اوقات اللہ تعالیٰ تمہیں مہلت دیتا ہے اور تمہیں فوراً سزا نہیں دیتا۔

﴿وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِتْنَتَكُمْ شَيْئًا وَكَوْكَرْتُمْ﴾ اور تمہاری جماعت خواہ کتنی ہی کثیر ہو تمہارے کچھ بھی کام نہ آئے گی۔ یعنی وہ انصار و اعوان تمہارے کچھ کام نہ آئیں گے جن کے بھروسے پر تم جنگ کر رہے ہو چاہے وہ کتنے ہی زیادہ ہوں۔ ﴿وَأَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ اور اللہ ایمان والوں کے ساتھ ہے اور اللہ تعالیٰ جن کے ساتھ

ہوتا ہے وہی فتح و نصرت سے نوازے جاتے ہیں خواہ وہ کمزور اور تعداد میں کم ہی کیوں نہ ہوں۔

یہ معیت جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے کہ وہ اس کے ذریعے سے اہل ایمان کی تائید فرماتا ہے ان کے اعمالِ ایمان کے مطابق ہوتی ہے۔ اگر بعض اوقات دشمنوں کو اہل ایمان پر فتح حاصل ہوتی ہے تو یہ اہل ایمان کی کوتاہی و اجباتِ ایمان اور اس کے تقاضوں کو پورا نہ کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ ورنہ اگر وہ ہر اعتبار سے اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کریں تو ان کا پرچم کبھی سرنگوں نہ ہو اور دشمن کو کبھی ان پر غالب آنے کا موقع نہ ملے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَوَلَّوْا عَنَّهُ وَ أَنْتُمْ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نہ منہ پھیرو تم اس سے جب کہ تم

تَسْمَعُونَ ﴿۲۱﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ ﴿۲۲﴾

سن رہے ہو ○ اور نہ ہو تم مانند ان لوگوں کی جنہوں نے کہا تھا سن لیا ہم نے حالانکہ وہ نہیں سنتے تھے ○

چونکہ اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ہے کہ وہ اہل ایمان کے ساتھ ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کو حکم دیا کہ وہ ایمان کے تقاضوں کو پورا کریں جن سے اللہ تعالیٰ کی معیت حاصل ہوتی ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی، یعنی ان کے اوامر کی پیروی اور ان کے نواہی سے اجتناب کر کے ﴿وَلَا تَوَلَّوْا عَنَّهُ﴾ اور اس سے روگردانی نہ کرو، یعنی اس معاملے سے منہ نہ موڑو جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت ہے۔ ﴿وَأَنْتُمْ تَسْمَعُونَ﴾ اور تم سنتے ہو، حالانکہ تم پر اللہ تعالیٰ کی کتاب اس کے اوامر اس کی وصیتوں اور اس کی نصیحتوں کی جو تلاوت کی جاتی ہے تم اسے سنتے ہو۔ اس حال میں تمہارا اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے منہ موڑنا بدترین حال ہے۔

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ﴾ اور تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جنہوں نے کہا ہم نے سن لیا اور وہ سنتے نہیں، یعنی مجر دخالی خولی دعووں پر اکتفا نہ کرو جن کی کوئی حقیقت نہیں، کیونکہ یہ ایسی حالت ہے جس سے اللہ اور اس کا رسول راضی نہیں۔ ایمان محض تمناؤں اور دعوؤں سے مزین ہونے کا نام نہیں ہے بلکہ ایمان وہ ہے جو دل میں جاگزیں ہو اور اعمال اس کی تصدیق کریں۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الصُّمُّ الْبُكْمُ الَّذِينَ لَا يَعْقِلُونَ ﴿۲۳﴾ وَلَوْ عَلِمَ

بے شک بدترین زمین پر چلنے والے اللہ کے نزدیک وہ بہرے گوئے ہیں جو نہیں عقل رکھتے ○ اور اگر جانتا

اللَّهُ فِيهِمْ خَيْرًا لَّا سَمِعَهُمْ وَلَا أَسْمَعَهُمْ لَتَوَلَّوْا وَهُمْ مُّعْرِضُونَ ﴿۲۴﴾

اللہ ان میں کوئی بھلائی تو البتہ سنو اور تا وہ انہیں اور اگر سنو تا وہ انہیں تو ضرور منہ پھیر لیتے وہ اور وہ اعراض کرینوالے ہوتے ○

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ﴾ سب جان داروں سے بدتر اللہ کے ہاں، جن کو معجزات

رسول کی آواز پر لبیک کہنا، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے جو حکم دیا ہے اس کی تعمیل کرنا، اس کی تعمیل کے لیے سبقت کرنا اور اس کی طرف لوگوں کو دعوت دینا اور انہوں نے جس چیز سے روکا ہے اس سے باز رہنا اور اس سے اجتناب کرنا۔ ﴿إِذَا دَعَاكُمْ لِمَا يُحْيِيكُمْ﴾ جس وقت بلائے تم کو اس کام کی طرف جس میں تمہاری زندگی ہے، یہ ہر اس امر کا وصف لازم ہے جس کی طرف اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ دعوت دیتے ہیں اور نیز یہ اس کے حکم کے فائدے اور حکمت کو بیان کرتا ہے، کیونکہ قلب و روح کی زندگی کا دار و مدار اللہ تعالیٰ کی عبودیت اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے دائمی التزام پر ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اللہ اور رسول کی پکار پر لبیک نہ کہنے پر ڈراتے ہوئے فرمایا: ﴿وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ يَحُولُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهِ﴾ اور جان لو کہ اللہ آڑ بن جاتا ہے آدمی اور اس کے دل کے درمیان۔ اس لئے جب اللہ تعالیٰ کا حکم پہلی بار تمہارے پاس آئے تو اس کو ٹھکرانے سے بچو کیونکہ پھر اگر اس کے بعد اس کا ارادہ کرو گے تو اللہ تعالیٰ اس کے درمیان اور تمہارے درمیان حائل ہو جائے گا اور تمہارے دلوں میں اختلاف پیدا ہو جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ بندے اور اس کے قلب کے درمیان حائل ہو جاتا ہے۔ جیسے چاہتا ہے اسے اول بدل کرتا ہے اور جیسے چاہتا ہے اس میں تصرف کرتا ہے۔ پس بندے کو بہت کثرت سے یہ دعا کرتے رہنا چاہئے (يَا مُقَلَّبَ الْقُلُوبِ ثَبِّتْ قَلْبِي عَلَى دِينِكَ^①، أَلْهَمْ مُصْرَفِ الْقُلُوبِ صِرْفَ قَلْبِي عَلَى طَاعَتِكَ^②) فرمایا: ﴿وَأَنَّهُ إِلَيْهِ تُحْشَرُونَ﴾ اور یہ کہ تم سب اس کے روبرو جمع کیے جاؤ گے۔ یعنی تم سب اس دن اکٹھے کئے جاؤ گے جس کے آنے میں کوئی شک و شبہ نہیں وہ نیکو کاروں کو ان کی نیکی کی جزا اور بدکاروں کو ان کی بدی کی سزا دے گا۔

﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً﴾ اور اس فتنے سے بچو جو تم میں سے خاص ظالموں پر ہی نہیں آئے گا، بلکہ یہ فتنہ ظلم کرنے والوں اور دیگر لوگوں کو اپنی پلیٹ میں لے لے گا۔ اور اس کا سبب یہ ہے کہ جب ظلم غالب آجائے اور اس کو بدلنا نہ جائے تو اس کی سزا ظلم کرنے والوں اور دوسرے لوگوں سب کے لئے عام ہوتی ہے۔ اس لئے برائیوں سے منع کر کے اہل شرک کا قلع قمع کر کے کہ وہ ظلم اور معاصی کا ارتکاب نہ کر سکیں، اس فتنے سے بچا جائے ﴿وَأَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ اور جان لو کہ اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ جو کوئی اللہ تعالیٰ کی ناراضی مول لیتا ہے اور اس کی رضا کو ترک کر دیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو سخت عذاب دیتا ہے۔

وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ تَخَافُونَ أَنْ

اور یاد کرو جب تم (بہت) تھوڑے تھے کمزور سمجھے جاتے تھے زمین میں خوف کھاتے تھے تم اس بات سے کہ

يَتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ فَأَوَكُمُ وَأَيَّدَكُمُ بِنَصْرِهِ وَرَزَقَكُمُ

(کہیں) اچک (نہ) لے جائیں تمہیں لوگ، پس جگہ دی اللہ نے تمہیں اور تمہاری تائید کی ساتھ اپنی نصرت کے اور رزق دیا تمہیں

مِنَ الطَّيِّبَاتِ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٣٨﴾

پاکیزہ چیزوں سے تاکہ تم شکر گزار ہو

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے بندوں پر اپنے احسان کا تذکرہ کرتا ہے کہ وہ کمزور اور مغلوب تھے اس نے ان کو اپنی نصرت سے نوازا وہ قلیل تھے اس نے ان کو کثرت عطا کی اور وہ تنگ دست تھے اس نے ان کو فراخی عطا کی۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَاذْكُرُوا إِذْ أَنْتُمْ قَلِيلٌ مُسْتَضْعَفُونَ فِي الْأَرْضِ﴾ اور یاد کرو جب تم تھوڑے تھے کمزور تھے زمین میں، یعنی تم غیروں کی حکومت میں محکوم و مجبور تھے ﴿تَخَافُونَ أَنْ يَتَخَفَّكُمْ النَّاسُ﴾ تم ڈرتے تھے کہ کہیں لوگ تمہیں اچک نہ لیں ﴿فَأُولَئِكَمُ وَيَدَّكُم بَصِيرَةٌ وَرَذَقَكُمْ مِنَ الطَّيِّبَاتِ﴾ تو اس نے تمہیں جگہ دی اور اپنی مدد سے تم کو تقویت دی اور پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایک شہر عطا کیا جہاں تم نے پناہ لی اللہ تعالیٰ نے تمہارے ہاتھوں تمہارے دشمنوں کو شکست دی تم نے ان سے مال غنیمت حاصل کیا جس کے ذریعے سے تم مال دار ہو گئے۔ ﴿لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ﴾ تاکہ تم شکر کرو، یعنی شاید کہ تم اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت اور کامل احسان پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کر کے اور اس کے ساتھ شرک سے اجتناب کر کے اس کا شکر ادا کرو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَخُونُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ وَتَخُونُوا أَمْنَكُمْ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿٣٩﴾

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! امت خیانت کرو تم اللہ اور اسکے رسول سے اور (نہ) خیانت کرو تم اپنی آپس کی امانتوں میں جب کہ تم

تعلّمون ﴿٣٩﴾ واعلموا أنّما أموالكم وأولادكم فتنة لا وأن

جانتے ہو اور جان لو! یقیناً تمہارے مال اور تمہاری اولاد فتنہ ہیں اور بلاشبہ

اللَّهُ عِنْدَكَ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿٤٠﴾

اللہ اس کے ہاں اجر عظیم ہے

اللہ تعالیٰ اپنے اہل ایمان بندوں کو حکم دیتا ہے کہ اس نے اوامر و نواہی کی جو امانت ان کے سپرد کی ہے وہ اسے ادا کریں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ امانت آسمانوں، زمین اور پہاڑوں پر پیش کی تو وہ ڈر گئے اور انہوں نے اس امانت کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا اور انسان نے اس بوجھ کو اٹھا لیا، کیونکہ وہ نہایت ظالم اور نادان ہے۔ پس جو کوئی امانت ادا کرتا ہے وہ بے پایاں ثواب کا مستحق بن جاتا ہے اور جو کوئی یہ امانت ادا نہیں کرتا تو سخت عذاب اس کے حصے میں آتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ اس کے رسول (ﷺ) اور اپنی امانت میں خیانت کا مرتکب قرار پاتا ہے وہ اپنے آپ کو خیانت جیسی خسیس ترین صفات اور بدترین علامات سے متصف کر کے اپنے نفس کو نقصان میں ڈالتا ہے اور امانت جیسی بہترین اور کامل ترین صفات سے محروم ہو جاتا ہے۔

چونکہ بندے کو اس کے مال اور اولاد کے ذریعے سے امتحان میں مبتلا کیا گیا ہے اس لئے بسا اوقات مال اور

اولاد کی محبت میں بندہ خواہشات نفس کو امانت کی ادائیگی پر ترجیح دیتا ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ مال اور اولاد ایک آزمائش ہے جن کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں بندے کو عاریتاً عطا کی گئی ہیں جو عنقریب اس ہستی کو واپس لوٹانا ہوں گی جس نے یہ چیزیں عاریتاً عطا کی تھیں۔ ﴿وَأَنَّ اللَّهَ عِنْدَآ أَجْرٌ عَظِيمٌ﴾ اور اللہ کے پاس بہت بڑا اجر ہے۔ پس اگر تم میں کوئی عقل اور رائے ہے تو اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل عظیم کو چھوٹی سی فانی اور ختم ہو جانے والی لذت پر ترجیح نہ دو۔ عقل مند شخص تمام اشیاء کے درمیان موازنہ کرتا ہے اور بہترین چیز کو ترجیح دیتا ہے اور تقدیم کی مستحق چیز کو مقدم رکھتا ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ يَجْعَلْ لَكُمْ فُرْقَانًا وَيُكَفِّرْ عَنْكُمْ

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر ڈرو تم اللہ سے تو وہ بنا دے گا تمہارے لیے کسوٹی (دلیل حق) اور مٹا دے گا تم سے

سَيِّئَاتِكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ ﴿۳۹﴾

تمہاری برائیاں اور بخش دے گا تمہیں اور اللہ مالک ہے فضل عظیم کا ○

بندے کا اپنے رب سے تقویٰ اختیار کرنا سعادت کا عنوان اور فلاح کی علامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا و آخرت کی بہت سی بھلائیوں کا دار و مدار تقویٰ پر رکھا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہاں بیان فرمایا ہے کہ جو کوئی اس سے ڈرتا ہے اسے چار چیزیں عطا ہوتی ہیں اور ان میں سے ہر چیز دنیا و ما فیہا سے کہیں بہتر ہے۔

(۱) اللہ تعالیٰ صاحب تقویٰ مؤمن کو ”فرقان“ عطا کرتا ہے۔ فرقان سے مراد علم و ہدایت ہے جس کے

ذریعے سے وہ ہدایت اور گمراہی، حق اور باطل، حلال اور حرام، خوش بخت اور بد بخت لوگوں کے درمیان امتیاز کرتا ہے۔

(۲) برائیوں کو مٹانا اور گناہوں کو بخش دینا۔ اطلاق اور اجتماع کے وقت یہ دونوں امور ایک دوسرے میں

داخل ہیں۔ (السَّيِّئَاتِ) برائیوں کے مٹانے کی تفسیر گناہ صغیرہ سے اور (الدُّنُوبِ) گناہوں کو بخش دینے کی تفسیر کبیرہ گناہوں کو مٹانے سے کی جاتی ہے۔

(۳) وہ شخص جو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے اور اپنی خواہش نفس پر اللہ تعالیٰ کی رضا کو ترجیح دیتا ہے اس کے لئے بہت

بڑا اجر اور بے پایاں ثواب ہے۔ ﴿وَاللَّهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيمِ﴾ اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل کا مالک ہے۔

وَإِذْ يَبْغُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِيُبْتِلُواكَ أَوْ يَقْتُلُوكَ أَوْ يُخْرِجُوكَ ط

اور یاد کیجئے! جب تمہیں کر رہے تھے آپ کی بابت وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا تا کہ وہ قید کر دیں آپ کو یا قتل کر دیں آپ کو یا نکال دیں آپ کو

وَيَمْكُرُونَ وَيَمْكُرُ اللَّهُ ط وَاللَّهُ خَيْرُ الْمَكْرِيْنَ ﴿۴۰﴾

اور تدبیریں کر رہے تھے وہ اور تدبیر کر رہا تھا اللہ بھی اور اللہ سب سے بہتر تدبیر کرنے والا ہے ○

یعنی اے رسول ﷺ! اللہ تبارک و تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کیجئے جس سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا ہے ﴿وَإِذْ يَمَكُرُ بِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ ”جب سازش کرتے تھے کافر آپ کے بارے میں“ جب مشرکین مکہ نے ”دارالندوہ“ میں مشورہ کیا کہ رسول ﷺ کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟

- (۱) آپ کو بیڑیاں پہنا کر محبوس کر دیا جائے۔
- (۲) آپ کو قتل کر دیا جائے تاکہ۔۔۔ بزعم خود۔۔۔ ہمیشہ کے لیے آپ سے نجات حاصل کر لیں۔
- (۳) آپ کو مکہ سے نکال باہر کر کے ملک بدر کر دیا جائے۔

ہر شخص نے اپنی اپنی رائے کا اظہار کیا۔ آخر کار تمام لوگوں نے اس مجلس میں شریک شریک ترین آدمی ابو جہل (لَعْنَةُ اللَّهِ) کی رائے سے اتفاق کیا کہ قریش کے تمام قبائل سے ایک ایک آدمی لے کر اسے تیز تلوار دی جائے اور تمام لوگ بیک وقت حملہ کر کے آپ کو قتل کر دیں تاکہ تمام قبائل آپ کے قتل کے ذمہ دار ٹھہریں۔ اس صورت میں بنو ہاشم آپ کی دیت قبول کرنے پر راضی ہو جائیں گے اور قصاص لینے کے لیے قریش کے تمام قبائل کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے۔ چنانچہ وہ رات کے وقت گھات لگا کر بیٹھ گئے تاکہ جب آپ اپنے بستر سے بیدار ہوں تو آپ پر حملہ کر دیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آسمان سے وحی نازل ہوئی۔ آپ باہر تشریف لائے آپ نے ان سب کے سروں میں خاک ڈالی اور وہاں سے نکل گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو اندھا کر دیا۔ جب بہت دیر ہو گئی تو کسی آنے والے نے کہا ”وائے تمہاری ناکامی! محمد (ﷺ) تو نکل گیا اور تمہارے سروں میں خاک بھی ڈال گیا ہے۔“ انہوں نے اپنے سروں سے مٹی جھاڑی اور اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو بچا لیا اور آپ کو مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دے دی۔ پس آپ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی۔ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین و انصار کے ذریعے سے آپ کی مدد فرمائی اور یوں آپ کو غلبہ حاصل ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ آپ فاتح بن کر مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے۔ تمام قریش مکہ نے آپ کی اطاعت قبول کر لی اور آپ کے ماتحت آگئے حالانکہ اس سے پہلے آپ ان سے چھپ کر جان کے خوف سے وہاں سے نکلے تھے۔ پس پاک ہے وہ ہستی جو اپنے بندوں کو لطف و کرم سے نوازتی ہے اور جس پر کوئی غالب نہیں آ سکتا۔

وَإِذَا تَتَلَىٰ عَلَيْهِمْ آيَاتُنَا قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا إِنْ

اور جب پڑھی جاتی ہیں ان پر ہماری آیتیں تو کہتے ہیں تحقیق سن لیا ہم نے اگر چاہیں ہم تو کہہ سکتے ہیں ہم بھی مثل اس کی نہیں ہے

هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۳۱﴾ وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ

یہ مگر داستانیں پہلوں کی ○ اور جب کہا انہوں نے اے اللہ! اگر ہے یہ (قرآن) حق

مِنْ عِنْدِكَ فَأَمْطُرُ عَلَيْكَ حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوْ اِثْتِنَا بِعَذَابِ
تیری طرف سے تو برسا ہم پر پتھر آسمان سے یا لے آ ہم پر عذاب
الْإِيمِ ۳۲ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ

دردناک ○ اور نہیں ہے اللہ کہ عذاب دے انہیں جبکہ آپ بھی ان کے اندر موجود ہوں اور نہیں ہے اللہ عذاب دینے والا ان کو

وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ ۳۳ وَمَا لَهُمْ إِلَّا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ وَهُمْ يَصُدُّونَ

جب کہ وہ بخشش طلب کرتے ہوں ○ اور (اب) کیا وجہ ہے ان کے لیے کہ نہ عذاب دے انہیں اللہ جب کہ وہ روکتے ہیں

عَنِ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ وَمَا كَانُوا أَوْلِيَاءَهُ ۗ إِنْ أَوْلِيَاءُكَ إِلَّا

مسجد حرام سے درآں حالیکہ نہیں ہیں وہ مختار اس کے؟ نہیں ہیں مختار اس کے مگر

الْمُتَّقُونَ وَلَكِنَّ أَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ۳۴

متقی لوگ ہی اور لیکن اکثر ان کے نہیں جانتے ○

رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرنے والے آپ کے ساتھ جو عناد رکھتے تھے اسے بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَإِذَا تَشَلَّىٰ عَلَيْهِمُ الْيَتْمَانُ﴾ اور جب ان پر ہماری آیتیں پڑھی جاتی ہیں، جو اس چیز کی صداقت پر دلالت کرتی ہیں جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں ﴿قَالُوا قَدْ سَمِعْنَا لَوْ نَشَاءُ لَقُلْنَا مِثْلَ هَذَا إِنْ هَذَا إِلَّا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ﴾ تو کہتے ہیں اگر ہم چاہیں تو ہم بھی اس جیسی بات کہہ سکتے ہیں یہ تو صرف پہلوں کی کہانیاں ہیں، یہ انہوں نے ظلم اور عناد کی بنا پر کہا تھا اور نہ اللہ تعالیٰ نے تو ان کو مقابلے کی دعوت دیتے ہوئے کہا تھا کہ وہ اس جیسی ایک سورت ہی بنا لائیں اور اللہ کے سوا جس کسی کو اپنی مدد کے لیے بلا سکتے ہیں بلا لیں۔ مگر وہ ایسا نہ کر سکے جس سے ان کی بے بسی ظاہر ہوگی۔

قائل سے صادر ہونے والا یہ قول مجرد دعویٰ ہے، جس کا جھوٹ ہونا ثابت ہے۔ ہمیں یہ حقیقت معلوم ہے کہ نبی اکرم ﷺ پڑھے ہوئے نہ تھے آپ لکھ پڑھ نہیں سکتے تھے، گزشتہ قوموں کی تاریخ کا علم حاصل کرنے کے لئے آپ نے کہیں سفر نہیں کیا تھا، بایں ہمہ آپ نے یہ جلیل القدر کتاب پیش کی جس کے سامنے سے یا پیچھے سے باطل دخل اندازی نہیں کر سکتا، یہ کتاب حکمت والے اور قابل تعریف اللہ کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔

﴿وَإِذْ قَالُوا اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ﴾ اور جب انہوں نے کہا اے اللہ! اگر یہ تیری

طرف سے حق ہے، جس کی طرف محمد مصطفیٰ ﷺ دعوت دیتے ہیں ﴿فَأَمْطُرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَاءِ أَوْ اِثْتِنَا

بِعَذَابِ الْإِيمِ﴾ تو ہم پر برسا دے پتھر آسمان سے یا ہم پر کوئی دردناک عذاب لا۔ انہوں نے اپنے باطل پر ڈٹتے ہوئے

اور آداب تحطاب سے جہالت کے ساتھ پورے جزم سے یہ بات کہی تھی۔ اگر انہوں نے۔۔۔ جبکہ وہ اپنے

باطل پر ملمع سازی کر رہے تھے جو ان کے لئے یقین اور بصیرت کی موجب تھی۔۔۔ اپنے ساتھ مناظرہ کرنے

والے اس شخص سے یہ کہا ہوتا جو اس بات کا مدعی ہے کہ حق اس کے ساتھ ہے ”اگر وہ چیز جس کا تم دعویٰ کرتے ہو کہ وہ حق ہے تو ہماری بھی راہ نمائی کیجئے“۔ تو یہ چیز ان کے لیے زیادہ بہتر ہوتی اور ان کے ظلم و تعدی کی زیادہ اچھے طریقے سے پردہ پوشی کر سکتی تھی۔ پس جب سے انہوں نے کہا ﴿اللَّهُمَّ إِنْ كَانَ هَذَا هُوَ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِكَ﴾ ان کی مجرد اسی بات سے معلوم ہو گیا کہ وہ انتہائی بے وقوف، بے عقل، جاہل اور ظالم ہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ ان پر عذاب بھیجنے میں جلدی کرتا تو ان میں سے کوئی بھی باقی نہ رہتا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو ہٹا دیا، کیونکہ ان کے اندر رسول (ﷺ) موجود ہیں اس لئے فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَأَنْتَ فِيهِمْ﴾ ”اللہ آپ کی موجودگی میں ان کو عذاب نہیں دے گا“۔ پس رسول اللہ ﷺ کا وجود مبارک ان کے لیے عذاب سے امن کی ضمانت تھی۔

اپنے اس قول کے باوجود جس کا وہ برسر عام اظہار کرتے تھے وہ اس قول کی قباحت کو اچھی طرح جانتے تھے اس لئے وہ اس کے وقوع سے ڈرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے استغفار بھی کیا کرتے تھے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَا كَانَ اللَّهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ﴾ ”اور اللہ ان کو عذاب نہیں دے گا جب کہ وہ معافی مانگنے والے ہوں گے“ یہی وہ مانع تھا جو عذاب کو واقع ہونے سے روک رہا تھا حالانکہ اس کے اسباب منعقد ہو چکے تھے۔ پھر فرمایا: ﴿وَمَا لَهُمْ آلَا يُعَذِّبَهُمُ اللَّهُ﴾ ”اور ان میں کیا بات ہے کہ اللہ ان کو عذاب نہ دے“، یعنی کون سی چیز ان سے اللہ تعالیٰ کے عذاب کو دور کر سکتی ہے حالانکہ ان کے کثرت ایسے ہیں جو اس عذاب کو واجب ٹھہراتے ہیں اور وہ ہے ان کا لوگوں کو مسجد حرام میں عبادت سے روکنا، خاص طور پر انہوں نے نبی مصطفیٰ ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام کو مسجد حرام سے روکا حالانکہ مسجد حرام میں عبادت کرنے کے وہی سب سے زیادہ مستحق تھے۔ بنا بریں فرمایا: ﴿وَمَا كَانُوا﴾ ”اور نہیں تھے وہ“، یعنی مشرکین ﴿أَوْلِيَاءَ﴾ ”اس کا اختیار رکھنے والے“ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹتی ہو، یعنی (اولیاء اللہ) نیز یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ ضمیر کا مرجع مسجد حرام ہو، یعنی وہ مسجد حرام کے دوسرے لوگوں سے زیادہ مستحق نہ تھے۔

﴿إِنْ أَوْلِيَاءُ ذَاكَ إِلَّا الْمُنَافِقُونَ﴾ ”اس کا اختیار رکھنے والے تو وہی ہیں جو اللہ سے ڈرتے ہیں“ اور یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں جنہوں نے صرف اللہ تعالیٰ کو عبادت کا مستحق قرار دیا اور اپنے دین کو اللہ تعالیٰ کے لیے خالص کیا ﴿وَلَكِنْ أَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”لیکن ان میں سے اکثر نہیں جانتے۔“ اسی لئے وہ اپنے لئے ایسے امور کے مدعی ہیں جن کے دوسرے لوگ زیادہ مستحق ہیں۔

وَمَا كَانَ صَلَاتُهُمْ عِنْدَ الْبَيْتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصْدِيَةً ۚ فَذُوقُوا الْعَذَابَ

اور نہیں تھی نماز ان (مشرکین) کی بیت اللہ کے پاس مگر سیٹیاں اور تالیاں بجانا ہی پس چکھو تم عذاب

بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ ﴿۳۵﴾

بجہ اس کے جو تھے تم کفر کرتے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ نے مسجد حرام صرف اس لئے بنائی ہے کہ اس میں اس کے دین کو قائم کیا جائے اور اس میں خالص اسی کی عبادت کی جائے۔ پس اہل ایمان ہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل کی اور رہے یہ مشرکین جنہوں نے لوگوں کو مسجد حرام سے روکا تو ان کی نماز جو کہ سب سے بڑی عبادت ہے ﴿إِلَّا مَكَاءً وَتَصَدِيَةً﴾ ”ٹیٹوں اور تالیوں کے سوا کچھ بھی نہیں“ جو کہ جہلا اور کم عقل لوگوں کا فعل ہے جن کے دل اپنے رب کی تعظیم سے خالی ہوتے ہیں جو اپنے رب کے حقوق کی معرفت سے تہی دست ہوتے ہیں اور ان کے دل میں افضل ترین خطہ زمین کا کوئی احترام نہیں ہوتا۔ جب ان کی نماز کا یہ حال ہے تو ان کی بقیہ عبادت کا کیا حال ہوگا؟ پس ان میں کون سی چیز ایسی ہے جس کی بنا پر وہ اپنے آپ کو ان مومنوں سے زیادہ بیت اللہ کا مستحق سمجھتے ہیں جو اپنی نمازوں میں خشوع و خضوع اختیار کرتے ہیں جو لغو باتوں سے اعراض کرتے ہیں اور ان میں وہ تمام اوصاف حمیدہ اور افعال سدیدہ موجود ہیں جو ان کے رب نے بیان فرمائے ہیں۔

یقیناً اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو اپنے محترم گھر کا وارث بنایا اور اس پر ان کو قدرت عطا کی۔۔۔ اور پھر ان کو اس پر قدرت عطا کرنے کے بعد فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا﴾ (التوبہ: ۲۸/۹) ”اے مومنو! مشرکین تو ناپاک ہیں اس لئے وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب بھی نہ جائیں“۔ اور یہاں فرمایا: ﴿فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُونَ﴾ ”اپنے کفر کی پاداش میں عذاب کا مزا چکھو۔“

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يَنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ
بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، خرچ کرتے ہیں وہ اپنے مال تاکہ روکیں وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے
فَسَيَنْفِقُونَهَا ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُونَ وَالَّذِينَ
سو عقرب خرچ کریں گے وہ ان مالوں کو پھر ہوگا وہ (خرچ کرنا) ان پر (باعث) حسرت پھر وہ مغلوب کردیے جائیں گے اور وہ لوگ
كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ ﴿٣٥﴾ لِيَبَيِّرَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ
جنہوں نے کفر کیا، طرف جہنم کی اکٹھے کیے جائیں گے تاکہ الگ کر دے اللہ ناپاک کو پاک سے
وَيَجْعَلَ الْخَبِيثَ بَعْضُهُ عَلَىٰ بَعْضٍ فَيَرْكُمَهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلُهُ
اور کر دے ناپاک (یعنی) اس کے بعض کو اوپر بعض کے، پس اوپر تلے ڈھیر لگا دے وہ اس کا اکٹھا پھر ڈال دے اسے

فِي جَهَنَّمَ ۗ أُولَٰئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ ﴿٣٥﴾

جہنم میں، یہی لوگ ہیں خسارہ پانے والے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ مشرکین کی عداوت ان کے مکر و فریب، اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ ان کی مخالفت، اللہ کے چراغ کو بجھانے کے لیے ان کی کوششوں اور اللہ تعالیٰ کے کلمہ کو نچا دکھانے کے لیے ان کی تگ و دو کا ذکر کرتے

ہوئے واضح کرتا ہے کہ ان کے مکرو فریب اور ان کی سازشوں کا وبال انہی پر پڑے گا۔ مکرو فریب کی برائی صرف فریب کاروں کو اپنی لپیٹ میں لیتی ہے۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنْفِقُونَ أَمْوَالَهُمْ لِيَصُدَّوْا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ ”کافر اپنے مال خرچ کرتے ہیں تاکہ وہ اللہ کے راستے سے روکیں“ یعنی تاکہ وہ حق کا ابطال کر کے باطل کی مدد کریں اور اللہ رحمن کی وحدانیت کی نفی کر کے بتوں کی عبادت کے دین کو قائم کریں۔ ﴿فَسَيَنْفِقُونَهَا﴾ ”سوا بھی اور خرچ کریں گے“ یعنی یہ نفقات ان سے ابھی اور صادر ہوں گے اور یہ نفقات انہیں بہت خفیف محسوس ہوں گے کیونکہ وہ باطل سے چپٹے ہوئے ہیں اور حق کے خلاف سخت بغض رکھتے ہیں؛ ﴿ثُمَّ تَكُونُ عَلَيْهِمْ حَسْرَةً﴾ ”پھر آخر ہوگا وہ ان پر افسوس“ یعنی ان کو ندامت رسوائی اور ذلت کا سامنا کرنا ہوگا؛ ﴿ثُمَّ يَغْلِبُونَ﴾ ”پھر وہ مغلوب ہوں گے“ پس ان کے مال و متاع اور آرزوئیں خاک میں مل جائیں گی اور آخرت میں انہیں سخت عذاب دیا جائے گا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ يُحْشَرُونَ﴾ ”تمام کفار کو جہنم میں اکٹھا کیا جائے گا“ تاکہ وہ جہنم کا عذاب چکھیں کیونکہ جہنم ہی خبیث لوگوں اور انکی خباثت کا ٹھکانا ہے۔

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ وہ پاک اور ناپاک کو علیحدہ علیحدہ کر کے دونوں کو اپنے مخصوص ٹھکانوں میں داخل کر دے پس خبیث اعمال، خبیث اموال اور خبیث اشخاص سب کو جمع کر دے ﴿فَيَرْكِبُهُ جَمِيعًا فَيَجْعَلُهُ فِي جَهَنَّمَ أُولَئِكَ هُمُ الْخٰسِرُونَ﴾ ”پھر اس کو ڈھیر کر دے اکٹھا پھر ڈال دے اس کو جہنم میں یہی لوگ ہیں نقصان اٹھانے والے“ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے قیامت کے روز اپنے آپ کو اور اپنے گھر والوں کو خسارے میں ڈالا۔ آگاہ رہنا! یہی کھلا خسارہ ہے۔

قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ يَنْتَهُوا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ وَإِنْ

کہہ دیجئے! ان لوگوں سے جنہوں نے کفر کیا! اگر باز آ جائیں وہ تو بخش دیا جائے گا ان کے لیے جو کچھ پہلے گزر چکا اور اگر

يَعُودُوا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْأَوَّلِينَ ﴿٣٨﴾ وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ

دوبارہ ایسا ہی کریں گے وہ تو تحقیق گزر چکی ہے (ہماری) سنت پہلے لوگوں (میں) اور لڑو تم ان سے یہاں تک کہ نہ رہے

فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ فَإِنْ انْتَهَوْا فَإِنَّ اللَّهَ بِمَا يَعْمَلُونَ

فتنہ (شُرک) اور ہو جائے دین سارا کا سارا اللہ ہی کا پس اگر باز آ جائیں وہ (کافر) تو یقیناً اللہ ساتھ اس کے جو وہ عمل کرتے ہیں

بَصِيرٌ ﴿٣٩﴾ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَاَعْلَمُوْا أَنَّ اللَّهَ مَوْلٰكُمْ ط

خوب دیکھنے والا ہے اور اگر وہ منہ پھیریں تو جان لو! یقیناً اللہ ہی تمہارا کارساز ہے

نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِيْرُ ﴿٤٠﴾

اور وہ اچھا کارساز ہے اور اچھا مددگار ہے

یہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں پر لطف و کرم ہے کہ ان کا کفر اور ان کا دائمی عناد اسے اس بات سے نہیں روکتا کہ وہ انہیں رشد و ہدایت کے راستے کی طرف بلائے اور انہیں گمراہی اور ہلاکت کی راہوں پر چلنے سے منع کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ لِلَّذِينَ كَفَرُوا اِنْ يَنْتَهُوا﴾ کفار سے کہہ دیجیے اگر وہ باز آ جائیں۔ یعنی اگر وہ کفر سے باز آ جائیں اور یہ اسی طرح ممکن ہے کہ وہ اللہ وحدہ لا شریک لہ کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں۔ ﴿يُخَفِّرْ لَهُمْ مَا قَدْ سَلَفَ﴾ تو بخش دیا جائے گا جو کچھ ہو چکا ہے، یعنی ان سے جن جرائم کا ارتکاب ہو چکا ہے ﴿وَ اِنْ يَعُودُوا﴾ ”اگر وہ اعادہ کریں۔“ یعنی اگر وہ اپنے کفر اور عناد کا اعادہ کریں ﴿فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ﴾ ”تو تحقیق گزر چکا ہے طریقہ پہلوں کا“، یعنی رسولوں کو جھٹلانے والی قوموں کو ہلاک کرنے کا۔ پس وہ بھی اسی عذاب کا انتظار کریں جو ان معاندین حق پر نازل ہوا تھا۔۔۔۔۔ عنقریب ان کے پاس وہی خبریں آئیں گی جن کا یہ تمسخر اڑایا کرتے تھے۔ یہ خطاب تو جھٹلانے والوں سے تھا۔ رہا وہ خطاب جو اہل ایمان کو کفار کے ساتھ معاملہ کرنے کا حکم دیتے وقت اہل ایمان کے ساتھ تھا تو اس میں اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا: ﴿وَ قَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةً﴾ ”اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ نہ رہے فساد“، یعنی جب تک کہ شرک اور اللہ تعالیٰ کے راستے کی تمام رکاوٹیں دور نہ ہو جائیں اور کفار اسلام کے احکام کے سامنے سرنگوں نہ ہو جائیں۔ ﴿وَ يَكُوْنَ الدِّيْنُ كُلُّهُ لِلّٰهِ﴾ ”اور ہو جائے حکم سب اللہ کا“، پس دشمنان دین کے خلاف جہاد اور قتال کا یہی مقصد ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دین کو کفار کے شر سے بچایا جائے اور اللہ تعالیٰ کے دین کی جس کے لیے تمام کائنات تخلیق کی گئی ہے، حفاظت کی جائے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کا دین تمام ادیان پر غالب آ جائے۔

﴿فَاِنْ اَنْتَهُوا﴾ ”پس اگر وہ باز آ جائیں۔“ اپنے ظلم کے رویے سے ﴿فَاِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ﴾ ”تو بے شک اللہ ان کے کاموں کو دیکھتا ہے“ اور اللہ تعالیٰ سے ان کی کوئی چیز چھپی نہیں رہ سکتی۔ ﴿وَ اِنْ تَوَلَّوْا﴾ ”اور اگر وہ روگردانی کریں۔“ یعنی اگر اطاعت سے منہ موڑ کر کفر و سرکشی میں سرگرم ہو جائیں۔ ﴿فَاَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَوْلٰىكُمْ نِعْمَ الْمَوْلٰى﴾ ”تو جان لو کہ اللہ تمہارا حمایتی ہے، کیا اچھا حمایتی ہے“ جو اپنے مومن بندوں کی سرپرستی کرتا ہے، انہیں ان کے مصالحہ ہم پہنچاتا ہے اور ان کے لیے دینی اور دنیاوی فوائد کے حصول میں آسانیاں پیدا کرتا ہے۔ ﴿وَ نِعْمَ النَّصِيْرُ﴾ ”اور کیا اچھا مددگار ہے“ جو ان کی مدد کرتا ہے، ان کے خلاف فساق و فجار کی سازشوں کو ناکام بناتا ہے اور شرار کی عداوت سے حفاظت کرتا ہے اور جس کا سر پرست اور حامی و ناصر اللہ تعالیٰ ہو تو اسے کسی قسم کا خوف نہیں ہوتا اور جس کا اللہ تعالیٰ مخالف ہو اسے کوئی مدد اور سہارا نہیں دے سکتا۔



وَلَقَدْ بَعَثْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهِيَ كَلِمٌ مَبْدُوءَةٌ

تَذَكِّرُ بِالْحِكْمِ وَالرَّحْمَةِ
فِي تَفْسِيرِ كَلَامِ الْمَثَانِ

المعروف

(أردو)

تفسیر السعدی

فی تفسیر عبد الرحمن بن ناصر السعدی

دار السلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ

دارالسلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ
ریاض • جدہ • شارجہ • لاہور
لندن • ہیوسٹن • نیو یارک



ہیڈ آفس : پوسٹ بکس: 22743 الرياض: 11416 سعودی عرب

فون : 4033962 - 4043432 (00966 1) فیکس: 4021659

ای میل: darussalam@naseej.com.sa بک شاپ فون و فیکس: 4614483

جدہ فون و فیکس: 6807752 البر فون: 8692900 فیکس: 8691551

شارجہ فون : 5632623 فیکس: 5632624 (009716)

پاکستان: ① 50 نورمال نزدیم - لے - اوکلیج لاہور فون: 7232400 - 7240024 (0092 42)

فیکس: 7354072 ای میل: darussalampk@hotmail.com

② اقراسنٹر، غزنی سٹریٹ، اڈوبازار، لاہور فون: 7120054 فیکس: 7320703

لندن فون: 5202666 فیکس: 5217645 (0044 208)

ہیوسٹن فون: 7220419 فیکس: 7220431 (001 713) نیویارک فون: 625 5925 (001 718)

Website: <http://www.dar-us-salam.com>

وَأَقْرَبُ إِلَيْنَا الْقُرْآنَ لِلذَّكَرِ وَمِنْ مَرَكِبِكُمْ

تيسير
الكلمة الحمن
في تفسير كلام المثنان
(اردو ترجمہ)

پارہ نمبر دس 10

مفسر قرآن: فضیلہ شیخ عبدالرحمان بن ناصر السعدی رحمۃ اللہ علیہ

تحریر: عبد الرحمان بن محمد اللویحی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: انیس پر وفیسر طیب شاہین لودھی رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ: قرآن: حافظ صلاح الدین یوسف رحمۃ اللہ علیہ



دار السلام

کتاب و سنت کی اشاعت کا عالمی ادارہ



فرمان الہی

وَقَالَ الرَّسُولُ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّخَذُوا هَذَا الْقُرْآنَ مَجْزُورًا

اور رسول (ﷺ) فرمیں گے:
اے ایمان والو! یقیناً میری قوم نے اس قرآن کو پس پشت ڈال دیا تھا۔
(الفرقان: ۲۵/۳۷)

فرمان نبوی

إِنَّ اللَّهَ يَرْفَعُ
بِهَذَا الْكِتَابِ أَقْوَامًا وَيُضَعِّقُ بِهَا أُخْرَى

اللہ تعالیٰ اس کتاب کے ذریعے بہت سی قوموں کو بندیاں
عطا فرماتا ہے اور اسی کی وجہ سے دوسروں کو ذلت و پستی میں ڈھیل دیتا ہے
(صحیح مسلم، حدیث: ۸۱۴)

پا رة نمبر دس 10

شمار پارہ	صفحہ نمبر	نام سورت	نمبر شمار
۱۰ - ۹	989	سورة الأنفال (جاری)	۸
۱۱ - ۱۰	1011	سورة التوبة	۹

وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ حُمْسَهُ وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ

اور جان لو تم کہ جو غنیمت حاصل کرو تم کسی چیز سے تو بیشک اللہ کے لیے ہے پانچواں حصہ اس کا اور رسول کے لیے اور رشتے داروں
وَالْيَتَامَىٰ وَالسَّكِينِ وَأَبْنِ السَّبِيلِ ۚ إِن كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا أَنْزَلْنَا عَلَىٰ
اور یتیموں اور مسکینوں اور مسافروں کے لیے اگر ہو تم ایمان لائے ساتھ اللہ کے اور (ساتھ) اس کے جو اتارا ہم نے اوپر
عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ يَوْمَ التَّقَىٰ الْجَعْنِ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۱﴾

اپنے بندے کے دن فیصلے کے جس دن کہ ملیں دو جماعتیں اور اللہ اوپر ہر چیز کے خوب قادر ہے ○
إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ وَالرَّكْبُ أَسْفَلَ مِنْكُمْ ۗ
جس وقت کہ تھے تم قریب کے کنارے پر اور وہ (تمہارے دشمن) تھے دور کے کنارے پر اور قافلہ نیچے کی جانب تھا تم سے
وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ لِاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيعَادِ ۗ وَلَكِنَّ لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا
اور اگر تم آپس میں وعدہ کرتے تو ضرور اختلاف کرتے تم وقت (مقرر کرنے) میں لیکن (اللہ نے یوں ہی جمع کر دیا) تاکہ پورا کرے اللہ اس کام کو

كَانَ مَفْعُولًا ۗ لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَن بَيْتِنَا وَيَحْيِيَ مَنْ حَيٌّ

کہ تھا وہ کیا ہوا تاکہ ہلاک ہو جو ہلاک ہو دلیل سے (حجت قائم ہونے کے بعد) اور زندہ رہے جو زندہ رہے

عَنْ بَيْتِنَا ۗ وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۳۲﴾

دلیل سے (حق پہچان کر) اور بیشک اللہ سنتا جانتا ہے ○

﴿وَاعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ﴾ اور جان رکھو کہ تم مال غنیمت سے جو کچھ حاصل کرو۔ یعنی کفار کا جو مال تم فتح یاب ہو کر حق کے ساتھ حاصل کرو خواہ وہ تھوڑا ہو یا زیادہ ﴿فَإِنَّ لِلَّهِ حُمْسَهُ﴾ تو اس میں سے پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہے۔ اور باقی تمہارے لئے ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے غنیمت کی اضافت ان کی طرف کی ہے اور اس میں سے پانچواں حصہ نکال دیا ہے۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ پانچواں حصہ نکال کر باقی ان میں اسی طرح تقسیم کیا جائے گا جس طرح رسول اللہ ﷺ نے تقسیم فرمایا تھا۔۔۔ یعنی پیادے کے لیے ایک حصہ اور سوار کے لیے دو حصے ایک حصہ خود اس کے لیے اور ایک حصہ اس کے گھوڑے کے لیے ①۔ رہا خمس تو اس کو پانچ حصوں میں تقسیم کیا جائے ان میں سے ایک حصہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے لیے مختص ہے جو کسی تعین کے بغیر عام مسلمانوں کے مصالحوں پر خرچ کیا جائے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اللہ اور رسول ﷺ کا حصہ قرار دیا ہے اور اللہ

① لیکن حدیث سے سوار کے لیے تین حصے ثابت ہوتے ہیں دو حصے اس کے گھوڑے کے لیے اور ایک حصہ خود اس کے لیے۔

«إِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ جَعَلَ لِلْفَرَسِ سَهْمَيْنِ وَلِصَاحِبِهِ سَهْمًا» (صحیح بخاری، الجهاد والسير، باب

سهام الفرس، حدیث: ۲۸۶۳، ۴۲۲۸) (ص-ی)

اور اس کا رسول ﷺ اس سے بے نیاز ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ یہ حصہ درحقیقت بندگان الہی کے لیے ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے مصارف متعین نہیں فرمائے اس لئے واضح ہوا کہ اس کو مصالِح عامہ میں صرف کیا جائے گا۔
خمس کا دوسرا حصہ ذووالقربیٰ کے لیے ہے اور یہاں ذووالقربیٰ سے مراد رسول اللہ ﷺ کے قرابت دار یعنی بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب ہیں۔ ذووالقربیٰ کی طرف اس کی اضافت اس امر کی دلیل ہے کہ اس حکم کی علت مجرد قرابت ہے جس میں ان کے مال دار اور محتاج مرد اور عورتیں سب شامل ہیں۔

خمس کا تیسرا حصہ یتیموں کے لیے ہے جن کے باپ فوت ہو چکے ہیں اور خود وہ بہت کم سن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر رحمت کی بناء پر ان کے لیے خمس کا پانچواں حصہ مقرر فرمایا ہے، کیونکہ وہ خود اپنے مصالِح کی دیکھ بھال کرنے سے عاجز ہیں اور وہ کسی ایسی ہستی سے بھی محروم ہیں جو ان کے مصالِح کا انتظام کرے۔

خمس کا چوتھا حصہ مساکین یعنی چھوٹوں بڑوں مردوں اور عورتوں میں سے محتاج اور تنگ دستوں کے لیے ہے۔
خمس کا آخری حصہ مسافروں کی بہبود کے لیے ہے۔ (ابن السبیل) سے مراد وہ غریب الوطن شخص ہے جو اپنے وطن سے کٹ کر رہ گیا ہو۔

بعض مفسرین کہتے ہیں کہ مال غنیمت کا پانچواں حصہ ان مذکورہ مصارف سے باہر خرچ نہ کیا جائے۔ البتہ یہ لازم نہیں کہ ان اصناف مذکورہ میں برابر برابر تقسیم کیا جائے بلکہ مصالِح کے مطابق ان کے درمیان اس مال کو تقسیم کیا جائے گا۔۔۔ یہی رائے زیادہ قرین صواب ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے خمس کو اس طریقے سے خرچ کرنا ایمان کی شرط قرار دیا ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿إِنْ كُنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلْنَا عَلَىٰ عَبْدِنَا يَوْمَ الْفُرْقَانِ﴾ اگر تم ایمان رکھتے ہو اللہ پر اور اس چیز پر جو ہم نے نازل کی اپنے بندے پر فیصلے کے دن (یوم الفرقان) سے مراد یوم بدر ہے جس کے ذریعے سے اللہ تبارک و تعالیٰ نے حق اور باطل میں فیصلہ کیا۔ حق کو غالب کیا اور باطل کا بطلان ظاہر کیا۔ ﴿يَوْمَ التَّتَلَّىٰ الْجَبِينِ﴾ جس دن بھڑگئیں دونوں فوجیں، یعنی مسلمانوں کے گروہ اور کفار کے گروہ کی ٹڈبھیڑ ہوئی۔۔۔ یعنی اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور اس حق پر ایمان رکھتے ہو جو اس نے اپنے رسول ﷺ پر بدر کے روز نازل فرمایا، جس سے ایسے دلائل اور براہین حاصل ہوئے جو اس امر پر دلالت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جو کچھ لائے ہیں وہ حق ہے ﴿وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ یعنی جو کوئی اللہ کا مقابلہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ہی غالب آتا ہے۔

﴿إِذْ أَنْتُمْ بِالْعُدْوَةِ الدُّنْيَا﴾ جس وقت تم قریب کے ناکے پر تھے، یعنی جب تم مدینہ سے قریب ترین وادی میں تھے۔ ﴿وَهُمْ بِالْعُدْوَةِ الْقُصْوَىٰ﴾ اور وہ (کفار) مدینہ سے بعید ترین وادی میں تھے، اللہ تعالیٰ نے تم دونوں گروہوں کو ایک ہی وادی میں جمع کر دیا ﴿وَالزُّكْبُ﴾ اور قافلہ، یعنی وہ تجارتی قافلہ جس کے تعاقب میں تم نکلے

تھے، مگر اللہ تعالیٰ کا ارادہ کچھ اور ہی تھا ﴿أَسْفَلَ مِنْكُمْ﴾ ”تم سے نیچے کی طرف تھا“ یعنی وہ ساحل کے ساتھ ساتھ تھا۔ ﴿وَلَوْ تَوَاعَدْتُمْ﴾ ”اور اگر تم آپس میں قرار داد کر لیتے“ اگر تم نے اور کفار نے اس حال میں اور اس وصف کے ساتھ ایک دوسرے سے وعدہ کیا ہوتا ﴿لَاخْتَلَفْتُمْ فِي الْمِيْعَادِ﴾ ”تو نہ پہنچتے وعدے پر ایک ساتھ“ یعنی مقررہ میعاد میں تقدیم و تاخیر یا جگہ کے انتخاب وغیرہ میں کسی عارضہ کی بنا پر تم میں اختلاف واقع ہو جاتا جو تمہیں میعاد مقررہ پر پہنچنے سے روک دیتا۔ ﴿وَلَكِنْ﴾ ”اور لیکن“ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس حال میں اکٹھا کر دیا۔ ﴿لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا﴾ ”تاکہ اللہ اس امر کو پورا کرے (جو روز ازل سے مقرر ہے) جس کا واقع ہونا لابدی ہے۔ ﴿لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ﴾ ”تاکہ مرے جس کو مرنا ہے دلیل کے وانہ ہونے کے بعد“ تاکہ معاند حق کے خلاف حجت اور دلیل قائم ہو جائے، کہ اگر وہ کفر اختیار کرے تو پوری بصیرت کے ساتھ اختیار کرے اور اس کے بطلان کا اسے پورا یقین ہو اور یوں اللہ کے حضور پیش کرنے کے لیے اس کے پاس کوئی عذر نہ ہو۔ ﴿وَيَخِينِي مَنْ خَانَ عَنْ بَيِّنَةٍ﴾ ”اور زندہ رہے جس کو جینا ہے دلیل کے واضح ہونے کے بعد“ تاکہ اللہ تعالیٰ نے دونوں گروہوں پر جو حق کے دلائل واضح کئے ہیں اس کی بنا پر اہل ایمان کے یقین اور بصیرت میں اضافہ ہو۔ یہ دلائل و براہین عقل مندوں کے لیے یاد دہانی ہے۔ ﴿وَإِنَّ اللَّهَ لَسَمِيعٌ﴾ ”بے شک اللہ سننے والا ہے“ تمام آوازوں کو زبانوں کے اختلاف اور مخلوق کی مختلف حاجات کے باوجود۔ ﴿عَلِيمٌ﴾ ”جاننے والا ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ ظاہری اعمال، ضمیر میں چھپی ہوئی نیتوں اور بھیدوں، غائب اور حاضر ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔

إِذْ يُرِيكَهُمُ اللَّهُ فِي مَنَامِكَ قَلِيلًا ۖ وَلَوْ أَرَاكَهُمْ كَثِيرًا لَّفَشَلْتُمْ

جب دکھلاتا تھا ان (کافروں) کو اللہ آپ کے خواب میں تھوڑا اور اگر دکھلاتا وہ آپ کو انہیں زیادہ تو تم پست ہمت ہو جاتے

وَلَتَنَازَعَنَّ فِي الْأَمْرِ وَلَكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿۳۶﴾

اور ضرور باہم نزاع کرتے اس معاملے میں لیکن اللہ نے بچا لیا، بے شک وہ خوب جانتا ہے راز سینوں کے

وَإِذْ يُرِيكُمُوهُمْ إِذِ التَّقِيْتُمْ فِي أَعْيُنِكُمْ قَلِيلًا وَيُقَلِّلُكُمْ فِي أَعْيُنِهِمْ

اور جب دکھلاتا تھا وہ تمہیں ان کافروں کو جب ملے تم، تمہاری آنکھوں میں تھوڑا اور تھوڑا دکھلاتا تھا تم کو ان کی آنکھوں میں

لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا ۖ وَإِلَى اللَّهِ تُرْجَعُ الْأُمُورُ ﴿۳۷﴾

تاکہ پورا کر دے اللہ اس کام کو کہ تھا وہ کیا ہوا اور طرف اللہ ہی کی لوٹائے جاتے ہیں سارے کام

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو آپ کے خواب میں مشرکین کی بہت کم تعداد دکھائی۔ اس بنا پر

آپ نے اپنے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو خوشخبری دے دی اس سے وہ مطمئن اور ان کے دل مضبوط ہو گئے۔ اللہ

تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَلَوْ أَرَاكُمْ كَثِيرًا﴾ ”اور اگر اللہ ان کو بہت کر کے تمہیں دکھاتا“ یعنی اگر اللہ تعالیٰ

نے آپ ﷺ کو کفار کثیر تعداد میں دکھائے ہوتے اور پھر آپ نے اس کی خبر اپنے اصحاب جنی اللہم کو دی ہوتی ﴿لَفَشَلْتُمْ وَلَتَنَازَعْتُمْ فِي الْأُمُورِ﴾ تو تم لوگ جی چھوڑ دیتے اور جو معاملہ تمہیں درپیش تھا اس میں جھگڑنا شروع کر دیتے، کوئی کہتا کہ آگے بڑھ کر کفار سے لڑائی کرو اور کوئی اس رائے کے خلاف ہوتا اور جھگڑا کمزوری کا باعث بنتا ہے۔ ﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ سَلَّمَ﴾ اور لیکن اللہ نے بچالیا، یعنی اللہ نے تم پر لطف و کرم کیا ﴿إِنَّهُ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ﴾ ”بے شک وہ سینوں کی باتوں تک سے واقف ہے۔“ یعنی تمہارے سینوں میں ثابت قدمی یا بے صبری، سچائی یا جھوٹ جو کچھ بھی ہے اللہ تعالیٰ اسے خوب جانتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے تمہارے دلوں کی اس کیفیت کو جان لیا جو تم پر اس کے لطف و احسان اور اس کے رسول ﷺ کے خواب کی صداقت کا باعث بنی اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی نگاہوں میں ان کے دشمن کو تھوڑا کر کے دکھایا۔۔۔ اور اے مومنو! تمہیں ان کی نظروں میں تھوڑا کر کے دکھایا۔ چنانچہ دونوں گروہوں میں سے ہر گروہ کو اپنا مد مقابل تھوڑا نظر آتا تھا، تاکہ دونوں میں سے ہر ایک دوسرے پر پیش قدمی کرنے میں تامل نہ کرے۔

﴿لِيَقْضِيَ اللَّهُ أَمْرًا كَانَ مَفْعُولًا﴾ ”تاکہ اللہ تعالیٰ اس امر کو پورا کر دے جس کا پورا ہونا مقدر تھا“ یعنی اہل ایمان کو فتح و نصرت عطا کرے، کفار کو ان کے حال پر چھوڑ کر ان سے علیحدہ ہو جائے چنانچہ ان کے راہ نما اور گمراہ سردار قتل ہوئے اور ان میں سے کوئی قابل ذکر شخص باقی نہ بچا۔ پھر اس کے بعد جب کفار کو اسلام کی دعوت دی گئی تو ان کا مطیع ہونا آسان ہو گیا اور یہ چیز باقی بچ جانے والے لوگوں پر اللہ تعالیٰ کے لطف و کرم کا باعث بنی جن کو اللہ تعالیٰ نے اسلام قبول کرنے کی توفیق عطا کر کے ان پر احسان فرمایا۔ ﴿وَالِیَ اللَّهِ تَرْجِعُ الْأُمُورُ﴾ ”اور سب کاموں کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے۔“ یعنی مخلوق کے تمام معاملات اللہ تعالیٰ کی طرف ہی لوٹتے ہیں، اللہ تعالیٰ پاک اور ناپاک کو علیحدہ علیحدہ کرتا ہے، تمام مخلوقات پر عدل و انصاف پر مبنی فیصلے کو نافذ کرتا ہے جس میں کوئی ظلم و جور نہیں ہوتا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقَيْتُمْ فَعَةً فَاقْتَبُوا وَادْكُرُوا اللَّهَ كَثِيرًا لَعَلَّكُمْ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! جب کھراؤ تم کسی جماعت سے تو ثابت قدم رہو اور یاد کرو اللہ کو بہت تاکہ تم

تُفْلِحُونَ ﴿۵﴾ وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَلَا تَنَازَعُوا فَتَفْشَلُوا وَتَذْهَبَ

فلاح پاؤ اور اطاعت کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نہ نزاع کرو آپس میں پس کم ہمت ہو جاؤ گے تم اور جاتی رہے گی

رِيحُكُمْ وَأَصْبِرُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۶﴾ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ

تمہاری ہوا اور صبر کرو بے شک اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے اور نہ ہو تم مانند ان لوگوں کی جو

خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطْرًا وَرِئَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ

نکلے اپنے گھروں سے اترتے ہوئے اور لوگوں کے دکھلانے کے لیے اور روکتے تھے وہ اللہ کی راہ سے

وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ ﴿۳۷﴾ وَإِذْ زَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ وَقَالَ
 اور اللہ اس کو جو وہ عمل کرتے ہیں گھیرنے والا ہے ○ اور جب مزین کر دکھائے ان کے لیے شیطان نے ان کے عمل اور کہا
 لَا غَلِبَ لَكُمْ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ وَإِنِّي جَارٌ لَّكُمْ ۚ فَلَمَّا تَرَأَتْ الْفِئْتَنَ
 نہیں کوئی غالب آنے والا تم پر آج کے دن لوگوں میں سے اور میں پشت پناہ ہوں تمہارا۔ پس جب آسنے سانسے ہوئیں دونوں جماعتیں
 نَكَصَ عَلَى عَقْبَيْهِ وَقَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنْكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ إِنِّي
 تو پھر گیا وہ اوپر اپنی دونوں ایزیوں کے اور کہا بے شک میں بیزار ہوں تم سے، تحقیق میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے بے شک میں
 أَخَافُ اللَّهَ وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۳۸﴾ إِذْ يَقُولُ الْمُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ
 ڈرتا ہوں اللہ سے اور اللہ سخت سزا دینے والا ہے ○ جب کہ کہتے تھے منافق اور وہ لوگ کہ
 فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّهُوا إِذِ دِينَهُمْ وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ
 جن کے دلوں میں روگ تھا دھوکے میں ڈال دیا ہے ان کو ان کے دین نے اور جو کوئی بھروسہ کرے اوپر اللہ کے

فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۳۹﴾

تو یقیناً اللہ زبردست خوب حکمت والا ہے ○

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا لَقَيْتُمْ فِتْنَةً﴾ اے ایمان والو! جب ملو تم کسی گروہ کو، یعنی کفار کا گروہ جو تمہارے
 ساتھ جنگ کرتا ہے ﴿فَاتَّبِعُوا﴾ ”تو ثابت قدم رہو۔“ یعنی کفار کے خلاف جنگ میں ثابت قدم رہو صبر سے کام
 لو اور اس عظیم نیکی میں جس کا انجام عزت و نصرت ہے اپنے آپ کو قابو میں رکھو۔ اور اس بارے میں کثرت ذکر
 سے مدد لو۔ ﴿لَعَلَّكُمْ تَفْلِحُونَ﴾ ”تا کہ تم فلاح پاؤ۔“ یعنی شاید تم وہ کچھ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاؤ جو تمہارا
 مطلوب و منشا ہے یعنی دشمنوں کے مقابلے میں فتح و نصرت۔ پس صبر ثابت قدمی اور اللہ تعالیٰ کے ذکر کی کثرت
 فتح و نصرت کے سب سے بڑے اسباب ہیں۔

﴿وَاطِيعُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔ ان دونوں کے احکام کی اپنے
 تمام احوال میں پیروی کر کے اور اس کے پیچھے چل کر ﴿وَلَا تَنَازَعُوا﴾ ”اور آپس میں نہ جھگڑنا۔“ یعنی اس
 طرح نہ جھگڑو جس سے تمہارے دل تشنت اور افتراق کا شکار ہو جائیں۔ ﴿فَتَفْسَلُوا﴾ ”پس تم بزدل ہو جاؤ
 گے۔“ ﴿وَتَذْهَبَ رِيحُكُمْ﴾ ”اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے“ یعنی عزائم کمزور ہو جائیں گے تمہاری طاقت بکھر جائے گی اور
 تم سے فتح و نصرت کا وہ وعدہ اٹھا لیا جائے گا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت سے مشروط ہے۔
 ﴿وَاصْبِرُوا﴾ ”اور صبر سے کام لو“ یعنی اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر ثابت قدم رکھو ﴿إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾

”بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مدد فتح و نصرت اور تائید کے ذریعے سے صبر

کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اس لئے اس سے ڈرو اور اس کے سامنے عاجزی اختیار کرو۔

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ خَرَجُوا مِنْ دِيَارِهِمْ بَطْرًا وَرِغَاءَ النَّاسِ وَيَصُدُّونَ عَنِ سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اور تم ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جو اترتے ہوئے اور لوگوں کو دکھلاتے ہوئے نکلے اور وہ لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے تھے، یعنی یہ ان کا مقصد تھا جس کے لیے وہ نکل کر آئے تھے، یہی ان کا منشا تھا جس نے ان کو ان کے گھر سے نکالا تھا ان کا مقصد صرف غرور اور زمین میں تکبر کا اظہار تھا، تاکہ لوگ ان کو دیکھیں اور وہ ان کے سامنے فخر کا اظہار کریں۔ گھروں سے نکلنے میں ان کا سب سے بڑا مقصد یہ تھا کہ وہ ان لوگوں کو روکیں جو اللہ کے راستے پر گامزن ہونا چاہتے ہیں۔ ﴿وَاللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطٌ﴾ اور اللہ کے احاطہ میں ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں، اسی لئے اس نے تمہیں ان کے مقاصد کے بارے میں آگاہ کیا ہے اور تمہیں ان کی مشابہت اختیار کرنے سے ڈرایا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ عنقریب انہیں سخت سزا دے گا۔ پس گھروں سے نکلنے میں تمہارا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کی طلب دین کی سربلندی، اللہ تعالیٰ کی ناراضی کی منزل کو جانے والے راستے سے روکنا اور اللہ تعالیٰ کے سیدھے راستے کی طرف لوگوں کو کھینچنا ہو جو نعمتوں سے بھری جنت کو جاتا ہے۔

﴿وَإِذْ زَيْنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ﴾ اور جب شیطان نے ان کے اعمال ان کو آراستہ کر دکھائے، یعنی شیطان نے ان کے دلوں میں ان کے اعمال خوبصورت بنا دیئے اور انہیں دھوکے میں ڈال دیا۔ ﴿وَقَالَ لَا غَالِبَ لَكُمْ الْيَوْمَ مِنَ النَّاسِ﴾ اور اس نے کہا آج تم پر کوئی غالب نہیں ہوگا لوگوں میں سے، کیونکہ تم تعداد ساز و سامان اور ہیئت کے اعتبار سے اتنے طاقتور ہو کہ محمد (ﷺ) اور اس کے ساتھی تمہارا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ﴿وَإِنِّي جَارٌ لَكُمْ﴾ اور میں تمہارا حمایتی ہوں، میں اس کے مقابلے میں تمہارا ساتھی ہوں جس کے شب خون سے تم ڈرتے ہو، کیونکہ ابلیس سراقہ بن مالک بن جعشم مد لُجی کی شکل میں قریش کے پاس آیا، قریش اور بنو مد لُج کے درمیان عداوت تھی اس لئے قریش ان کے شب خون سے بہت خائف تھے۔ شیطان نے ان سے کہا ”میں تمہارے ساتھ ہوں۔ چنانچہ ان کے دل مطمئن ہو گئے اور وہ غضب ناک ہو کر آئے۔

﴿فَلَمَّا تَرَأَتْهُ الْفِئْتَانِ﴾ پس جب دونوں فوجیں ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں، مسلمانوں اور کافروں کا آ مناسا منا ہوا اور شیطان نے جبریل علیہ السلام کو دیکھا کہ وہ ترتیب کے ساتھ فرشتوں کی صف بندی کر رہے ہیں تو سخت خوفزدہ ہوا ﴿نَكَصَ عَلَى عَقَبَيْهِ﴾ تو وہ ایڑیوں کے بل پیچھے ہٹ گیا۔ یعنی پسپا ہو کر اٹلے پاؤں واپس بھاگا۔ ﴿وَقَالَ﴾ اور جن کو اس نے دھوکہ اور فریب دیا تھا ان سے کہنے لگا ﴿إِنِّي بَرِيءٌ مِّنْكُمْ إِنِّي أَرَىٰ مَا لَا تَرَوْنَ﴾ میں تمہارے ساتھ نہیں ہوں، میں دیکھتا ہوں جو تم نہیں دیکھتے، یعنی میں ان فرشتوں کو دیکھ رہا ہوں جن کا کوئی مقابلہ نہیں کر سکتا ﴿إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ﴾ مجھے تو اللہ سے ڈر لگتا ہے۔ یعنی میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں

کہہیں وہ مجھے اس دنیا ہی میں عذاب نہ دے دے ﴿وَاللَّهُ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ اور اللہ سخت مزادینے والا ہے۔ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ شیطان نے ان کے دل میں وسوسہ ڈال کر ان کے سامنے یہ بات مزین کر دی ہو کہ آج کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا، آج میں تمہارا رفیق ہوں اور جب وہ ان کو میدان جنگ میں لے آیا تو براہت کا اظہار کرتے ہوئے پسپا ہو کر ان کو چھوڑ کر بھاگ گیا، جیسا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كَمَثَلِ الشَّيْطَانِ إِذْ قَالَ لِلْإِنْسَانِ اكْفُرْ فَلَمَّا كَفَرَ قَالَ إِنِّي بَرِيءٌ مِّنكَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ رَبَّ الْعَالَمِينَ ۝ فَكَانَ عَاقِبَتُهُمَا أَنَّهُمَا فِي النَّارِ خَالِدِينَ فِيهَا وَذَلِكَ جَزَاءُ الظَّالِمِينَ﴾ (الحشر: ۱۶، ۱۷) ”ان کی مثال شیطان کی سی ہے اس نے انسان سے کہا کفر کر، جب اس نے کفر کیا تو کہنے لگا میں تجھ سے بری ہوں۔ میں تو اللہ جہانوں کے رب سے ڈرتا ہوں۔ پس دونوں کا انجام یہ ہوگا کہ دونوں جہنم میں جائیں گے اور ہمیشہ اس میں رہیں گے اور ظالموں کی یہی سزا ہے۔“

﴿إِذْ يَقُولُ الْمُبْفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ﴾ اس وقت منافق اور جن کے دلوں میں مرض تھا کہتے تھے ”یعنی جب اہل ایمان اپنی قلت اور مشرکین کی کثرت کے باوجود لڑائی کے لیے نکلے تو ضعیف الایمان لوگ جن کے دلوں میں شک و شبہ تھا اہل ایمان سے کہنے لگے ﴿عَرَّهٗٔوْا لَآءِ دِيْنِهِمْ﴾ ”ان لوگوں کو ان کے دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے۔“ یعنی جس دین پر یہ کاربند ہیں اس دین نے انہیں اس ہلاکت انگیز مقام پر پہنچا دیا ہے جس کا مقابلہ کرنے کی ان میں طاقت نہیں ہے۔ یہ بات وہ اہل ایمان کو حقیر اور کم عقل سمجھتے ہوئے کہتے تھے حالانکہ وہ خود..... اللہ کی قسم..... کم عقل اور بے سمجھ تھے، کیونکہ جذبہ ایمان مومن کو ایسے ہولناک مقامات میں کود جانے پر آمادہ کرتا ہے جہاں بڑے بڑے لشکر آگے بڑھنے سے گریز کرتے ہیں۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرنے والا مومن جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس کوئی قوت و اختیار نہیں۔ اگر تمام لوگ کسی شخص کو ذرہ بھر فائدہ پہنچانے کے لیے اکٹھے ہو جائیں تو اسے کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتے اور اگر اس کو نقصان پہنچانے پر اکٹھے ہو جائیں تو اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے مگر صرف وہی جو اللہ تعالیٰ نے اس کی تقدیر میں لکھ دیا ہے۔ مومن جانتا ہے کہ وہ حق پر ہے اور اللہ تعالیٰ اپنی قضا و قدر میں حکمت والا اور نہایت رحمت کرنے والا ہے اس لیے جب وہ کوئی اقدام کرتا ہے تو وہ (مخالفین کی) کثرت اور قوت کو خاطر میں نہیں لاتا۔ وہ اطمینان قلب کے ساتھ اپنے رب پر بھروسہ کرتا ہے۔ وہ گھبراتا ہے نہ بزدلی دکھاتا ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ فَإِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ﴾ ”اور جو اللہ پر بھروسہ کرتا ہے تو اللہ غالب ہے“ کوئی طاقت اس کی طاقت پر غالب نہیں آسکتی۔ ﴿حَكِيمٌ﴾ ”وہ حکمت والا ہے۔“ یعنی وہ اپنی قضا و قدر میں نہایت حکمت والا ہے۔

وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ يَتَوَفَّى الَّذِينَ كَفَرُوا السَّلٰٓكَةَ يَصْرَبُونَ وَجُوهُهُمْ

اور کاش! دیکھیں آپ جبکہ جان قبض کرتے ہیں ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا، فرشتے مارتے ہیں وہ (فرشتے) ان کے چہروں کو

وَأَذَابَ لَهُمْ ۚ وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ ﴿۵۰﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمْتُمْ أَيْدِيكُمْ

اور ان کی پٹھوں کو اور (کہتے ہیں) چکھو عذاب جلانے والا ○ یہ بہ سبب اس کے ہے جو آگے بھیجا تمہارے ہاتھوں نے

وَأَنَّ اللَّهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِلْعَبِيدِ ﴿۵۱﴾ كَذَّابِ آلِ فِرْعَوْنَ ۗ وَالَّذِينَ

اور یہ کہ بے شک اللہ نہیں ہے ظلم کرنے والا اپنے بندوں پر ○ جیسے عادت تھی آل فرعون اور ان لوگوں کی

مِنْ قَبْلِهِمْ ۚ كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ بِذُنُوبِهِمْ ط

جو ان سے پہلے تھے کفر کیا انہوں نے اللہ کی آیتوں کے ساتھ تو پکڑ لیا ان کو اللہ نے بہ سبب ان کے گناہوں کے

إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿۵۲﴾

بے شک اللہ طاقت ور سخت سزا دینے والا ہے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر آپ کفر کا ارتکاب کرنے والوں کو اس وقت دیکھیں جب موت کے فرشتے

ان کی روح قبض کر رہے ہوں گے، ان کو سخت قلق ہوگا اور وہ سخت تکلیف اور کرب میں ہوں گے ﴿يَضْرِبُونَ

وُجُوهُهُمْ وَأَذَابَ لَهُمْ﴾ ”مارتے ہیں وہ ان کے مونہوں پر اور ان کے پیچھے اور ان سے کہتے ہیں ”اپنی جان نکالو۔“

ان کی جانیں نکلنے سے انکار کریں گی، کیونکہ انہیں علم ہے کہ انہیں کس دردناک عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔ اسی لئے

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَذُوقُوا عَذَابَ الْحَرِيقِ﴾ ”اور عذاب آتش چکھو۔“ یعنی نہایت سخت اور جلانے والے

عذاب کا مزا چکھو۔ یہ عذاب تمہیں تمہارے رب کی طرف سے کسی ظلم و جور کی وجہ سے نہیں دیا جائے گا بلکہ یہ

صرف تمہارے گناہوں کی پاداش ہے جن کی یہ تاثیر ہے، جس نے یہ اثر دکھایا ہے اور اولین و آخرین کے بارے

میں یہی سنت الہی ہے، کیونکہ ان جھٹلانے والوں کی عادت اور ان کے گناہوں کی پاداش میں ان کی ہلاکت ایسے

ہی ہے ﴿كَذَّابِ آلِ فِرْعَوْنَ ۗ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ﴾ ”جیسے عادت آل فرعون کی تھی اور ان کی جو ان سے پہلے تھے“

یعنی انبیاء و مرسلین کی تکذیب کرنے والی گزشتہ قوموں میں سے ﴿كَفَرُوا بِآيَاتِ اللَّهِ فَأَخَذَهُمُ اللَّهُ﴾ ”انہوں

نے اللہ کی آیتوں کا انکار کیا، تو اللہ نے ان کو پکڑ لیا۔“ اللہ تعالیٰ نے عذاب کے ذریعے سے ان کو پکڑ لیا ﴿بِذُنُوبِهِمْ

إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ شَدِيدُ الْعِقَابِ﴾ ”ان کے گناہوں پر یقیناً اللہ طاقت ور ہے، سخت عذاب کرنے والا۔“ اللہ تعالیٰ

اپنے عذاب کے ساتھ جس کی گرفت کرنا چاہے تو اسے کوئی بے بس نہیں کر سکتا۔ ﴿مَا مِنْ دَابَّةٍ إِلَّا هُوَ آخِذٌ

بِنَاصِيَتِهَا﴾ (ہود: ۵۶/۱۱) ”زمین پر چلنے والا جو بھی جانور ہے اللہ نے اس کو پیشانی کے بالوں سے پکڑ رکھا ہے۔“

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا

یہ اس واسطے کہ بے شک اللہ نہیں ہے بدلنے والا کسی نعمت کا جو انعام کی ہو اس نے اوپر کسی قوم کے یہاں تک کہ وہ خود ہی بدل دیں

مَا بِأَنْفُسِهِمْ ۗ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿۵۳﴾ كَذَّابٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ ۖ وَالَّذِينَ

جو ان کے دلوں میں ہے اور بلاشبہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے ۝ جیسے عادت تھی آل فرعون اور ان لوگوں کی جو
مِنْ قَبْلِهِمْ ۖ كَذَّبُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ ۖ وَأَغْرَقْنَا
ان سے پہلے تھے انہوں نے جھٹلایا اپنے رب کی آیتوں کو تو ہلاک کر دیا ہم نے ان کو بہ سبب ان کے گناہوں کے اور غرق کر دیا ہم نے

إِلَىٰ فِرْعَوْنَ ۖ وَكُلُّهُمْ ظَالِمِينَ ﴿۵۴﴾

آل فرعون کو اور سب تھے وہ ظالم ۝

﴿ذٰلِكَ﴾ وہ عذاب جو اللہ تعالیٰ نے جھٹلانے والی قوموں پر نازل فرمایا تھا اور وہ نعمتیں جو انہیں حاصل تھیں؛
ان سے سلب کر لی گئی تھیں۔ اس کا سبب ان کے گناہ اور ان کا اطاعت کے رویے کو بدل کر نافرمانی کا رویہ اختیار کرنا
تھا۔ ﴿يَاۤ اِنَّ اللّٰهَ لَمَّ يَكْ مُغَيِّرًا لِّعَمَلٍ اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ﴾ ”اللہ بدلنے والا نہیں ہے اس نعمت کو جو دی اس
نے کسی قوم کو“ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو دین و دنیا کی نعمتیں عطا کرتا ہے تو ان کو سلب نہیں کرتا بلکہ ان کو باقی رکھتا ہے اور
اگر وہ شکر کرتے رہیں تو ان میں اضافہ کرتا ہے۔ ﴿حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ﴾ ”جب تک وہی نہ بدل ڈالیں
اپنے دلوں کی بات“ یعنی جب تک کہ وہ اطاعت کے رویے کو بدل کر نافرمانی کا رویہ اختیار نہیں کرتے پس جب
وہ نعمتوں کی ناشکری کرتے اور ان کے بدلے کفر کرتے ہیں۔۔۔ تب اللہ تعالیٰ ان سے ان نعمتوں کو چھین لیتا ہے
اور ان نعمتوں کو اس طرح بدل ڈالتا ہے جس طرح انہوں نے اپنے رویے کو بدل ڈالا۔

اس بارے میں اپنے بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ حکمت اور عدل و احسان پر مبنی ہے، کیونکہ وہ ان کو
عذاب نہیں دیتا مگر ان کے ظلم کے سبب سے اور بندے اس کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں تو ان کو عبرت ناک
سزا دیتا ہے جس سے وہ اپنے اولیا کے دل اپنی طرف کھینچ لیتا ہے۔ ﴿وَ اَنَّ اللّٰهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ﴾ ”بے شک اللہ
سنتا جانتا ہے۔“ بولنے والے جو کچھ بولتے ہیں خواہ وہ آہستہ آواز سے بات کریں یا اونچی آواز میں اللہ تعالیٰ
سب کی باتیں سنتا ہے اور وہ سب کچھ جانتا ہے جو بندوں کے ضمیر میں مخفی اور ان کی نیتوں میں چھپا ہوا ہے وہ اپنے
بندوں کی تقدیر میں وہی کچھ جاری کرتا ہے جس کا اس کا علم اور اس کی مشیت تقاضا کرتے ہیں۔

﴿كَذَّابٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ﴾ ”جیسی عادت آل فرعون کی“ یعنی فرعون اور اس کی قوم کی عادت ﴿وَالَّذِينَ مِنْ

قَبْلِهِمْ كَذَّبُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ﴾ ”اور ان کی جو ان سے پہلے لوگ تھے انہوں نے رب کی آیتوں کو جھٹلایا“ یعنی جب
ان کے پاس ان کے رب کی نشانیاں آئیں تو انہوں نے ان کی تکذیب کی۔ ﴿فَاَهْلَكْنَاهُمْ بِذُنُوبِهِمْ﴾ ”پس ہم
نے ان کو ان کے گناہوں کے باعث ہلاک کر دیا۔“ ہر ایک کو اس کے جرم کے مطابق۔ ﴿وَ كُلُّهُمْ﴾ ”اور وہ سب“

یعنی تمام ہلاک ہونے والے اور جن پر عذاب نازل کیا گیا۔ ﴿كَانُوا ظَالِمِينَ﴾ ”ظالم تھے۔“ یعنی وہ اپنے آپ

پر ظلم کرنے والے اور اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے والے تھے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان پر ظلم نہیں کیا اور نہ ان کو کسی ایسے جرم میں پکڑا ہے جس کا انہوں نے ارتکاب نہ کیا ہو۔ پس ان لوگوں کو جو ان آیات کریمات کے مخاطب ہیں، ظلم میں ان قوموں کی مشابہت سے بچنا چاہئے ورنہ ان پر بھی اللہ تعالیٰ وہی عذاب نازل کرے گا جو ان فساق و فجار لوگوں پر نازل کیا تھا۔

إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ الَّذِينَ كَفَرُوا فَهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ﴿۵۵﴾ الَّذِينَ

بے شک بدترین زمین پر چلنے والے اللہ کے نزدیک وہ لوگ ہیں جنہوں نے کفر کیا، پس وہ نہیں ایمان لاتے ○ وہ لوگ کہ

عَهْدَتْ مِنْهُمْ ثُمَّ يَنْقُضُونَ عَهْدَهُمْ فِي كُلِّ مِرَّةٍ وَهُمْ لَا يَتَّقُونَ ﴿۵۶﴾

عہد باندھا آپ نے ان سے پھر توڑ دیتے رہے وہ اپنا عہد ہر مرتبہ اور وہ (ذرا) نہیں ڈرتے ○

فَأَمَّا تَثَقَفْتَهُمْ فِي الْحَرْبِ فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلَفَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَذْكُرُونَ ﴿۵۷﴾

پس اگر پائیں آپ ان کو لڑائی میں تو بھگا دیں ان کے ذریعے سے ان لوگوں کو جو ان کے پیچھے ہیں، تاکہ وہ نصیحت پکڑیں ○

فرمایا ﴿إِنَّ﴾ بے شک وہ لوگ جن میں یہ تین خصلتیں جمع ہیں۔۔۔ یعنی کفر، عدم ایمان اور خیانت۔۔۔ خیانت سے مراد یہ ہے کہ وہ جو عہد کرتے ہیں اس پر ثابت قدمی نہیں دکھاتے اور جو بات کرتے ہیں اس پر پکے نہیں رہتے ﴿شَرَّ الدَّوَابِّ عِنْدَ اللَّهِ﴾ ”سب جان داروں میں بدتر ہیں اللہ کے ہاں“، پس وہ گدھوں اور کتوں اور دیگر چوپایوں سے بھی بدتر ہیں کیونکہ ان کے اندر بھلائی معدوم ہے اور برائی متوقع ہے، لہذا ان کو ختم کرنا اور ہلاک کرنا ضروری ہے، تاکہ ان کی بیماری دوسروں میں نہ پھیلے، اسی لئے فرمایا: ﴿فَأَمَّا تَثَقَفْتَهُمْ فِي الْحَرْبِ﴾ ”پس جب تم ان کو حالت جنگ میں پاؤ“ جب کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد و میثاق نہ ہو۔ ﴿فَشَرِّدْ بِهِمْ مَّنْ خَلَفَهُمْ﴾ ”تو ان کو ایسی سزا دو کہ دیکھ کر بھاگ جائیں ان کے پیچھے“، یعنی ان کے ذریعے سے دوسروں کو سبق سکھادیں اور ان کو ایسی سزا دیں کہ وہ بعد میں آنے والوں کے لیے نشان بن جائیں۔ ﴿لَعَلَّهُمْ﴾ ”شاید کہ وہ“ یعنی بعد میں آنے والے ﴿يَذْكُرُونَ﴾ ”نصیحت پکڑیں۔“ ان کے کرتوتوں سے نصیحت پکڑیں تاکہ ان پر بھی وہی عذاب نازل نہ ہو جائے جو ان پر نازل ہوا تھا۔ یہ سزاؤں اور حدود کے فوائد ہیں جو گناہوں پر مرتب ہوتی ہیں۔ یہ ان لوگوں کیلئے زجر و توبیخ کا سبب ہیں، جنہوں نے گناہ نہیں کئے بلکہ ان کے لیے بھی جنہوں نے گناہ کا ارتکاب کیا تاکہ وہ گناہ کا اعادہ نہ کریں۔

اس عقوبت کے لیے حالت جنگ کی قید لگانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ کافر۔۔۔ اگرچہ بہت زیادہ خیانت کا ارتکاب کرنے والا بدعہد ہو۔۔۔ جب اس سے معاہدہ امن کر لیا جائے تو اس عہد میں خیانت کرنا اور اسے عقوبت دینا جائز نہیں۔

وَأَمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَأَنْتِذِرِيهِمْ عَلَى سَوَاءٍ إِنَّ اللَّهَ

اور اگر آپ ڈریں کسی قوم کی بد عہدی سے تو پھینک دیں ان کی طرف (ان کا عہد) اوپر برابری کے بے شک اللہ

لَا يُحِبُّ الْخَائِبِينَ ۵۸

نہیں پسند کرتا بد عہدی کرنے والوں کو ○

یعنی جب آپ ﷺ کے اور کسی قوم کے درمیان جنگ نہ کرنے کا عہد اور میثاق ہو اور آپ کو اس قوم کی طرف سے خیانت اور بد عہدی کا خدشہ ہو یعنی ان کی طرف سے معاہدے کی صریحاً خلاف ورزی کے بغیر ایسے قرآن و احوال ہوں جو عہد میں ان کی خیانت پر دلالت کرتے ہوں ﴿فَأَنْتِذِرِيهِمْ﴾ ”تو انہی کی طرف پھینک دیں“ ان کا عہد یعنی ان کی طرف پھینک دیں اور ان کو اطلاع دے دیں کہ آپ کے درمیان اور ان کے درمیان کوئی معاہدہ نہیں ﴿عَلَى سَوَاءٍ﴾ ”تا کہ تم اور وہ برابر ہو جاؤ“ یعنی معاہدہ ٹوٹنے کے بارے میں آپ ﷺ کا علم اور ان کا علم مساوی ہو آپ کے لیے جائز نہیں کہ آپ ان کے ساتھ بد عہدی کریں یا کوئی ایسی کوشش کریں کہ موجبات عہد اس سے مانع ہوں جب تک کہ آپ ان کو اس کے بارے میں آگاہ نہ کر دیں ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْخَائِبِينَ﴾ ”بے شک اللہ خیانت کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا“ بلکہ اس کے برعکس اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں سے سخت ناراض ہوتا ہے۔ اس لئے معاملے کا واضح ہونا نہایت ضروری ہے جو تمہیں خیانت سے بری کر دے۔

یہ آیت کریمہ دلالت کرتی ہے کہ جب ان کی خیانت متحقق ہو جائے تو ان کی طرف معاہدہ پھینکنے کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ ان کی طرف سے کوئی اخفا نہیں رہا بلکہ ان کی بد عہدی معلوم ہو چکی ہے، علاوہ ازیں اس کا کوئی فائدہ بھی نہیں نیز اس بنا پر کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿عَلَى سَوَاءٍ﴾ ”برابر“ اور یہاں ان کی بد عہدی سب کو معلوم ہے۔ آیت کریمہ کا مفہوم اس پر بھی دلالت کرتا ہے کہ اگر ان کی طرف سے کسی خیانت کا خدشہ نہ ہو یعنی ان کے اندر کوئی ایسی چیز نہ پائی جاتی ہو جو ان کی خیانت پر دلالت کرتی ہو تو عہد کو ان کی طرف پھینکنا جائز نہیں، بلکہ اس معاہدے کو مدت مقررہ تک پورا کرنا واجب ہے۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَبَقُوا إِتَاهُمْ لَا يُعْجِزُونَ ۵۹

اور نہ گمان کریں وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ وہ پہلے نکلے بے شک وہ نہیں عاجز کر سکتے (اللہ کو) ○

یعنی اپنے رب کے ساتھ کفر کرنے والے اور اس کی آیات کو جھٹلانے والے یہ نہ سمجھ لیں کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بازی لے گئے۔ وہ اللہ تعالیٰ کو بے بس نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ ان کی گھات میں ہے اور کفار کو مہلت دینے اور ان کو سزا دینے میں عجلت نہ کرنے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پنہاں ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے مومن بندوں کی آزمائش ان کا اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور اس کی رضا کو زادراہ بنانا جس کے ذریعے سے وہ مقامات بلند پر پہنچتے ہیں

اور ان کا اپنے آپ کو ان اخلاق و اوصاف سے متصف کرنا جن کے بغیر وہ اس منزل پر نہیں پہنچ سکتے تھے۔۔۔۔۔ سب اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ ہی کا حصہ ہے۔

وَاعِدُّوا لَهُمْ مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهَبُونَ

اور تیاری کرو ان (کافروں) کے لیے، جتنی استطاعت رکھو تم قوت کی اور (تیار) بندھے ہوئے گھوڑے (فراہم کرنے) کی خوف زدہ کرو گے تم

بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ وَأَخْرَيْنَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمُ اللَّهُ

اس کے ذریعے سے اللہ کے دشمنوں اور اپنے دشمنوں کو اور دوسروں کو ان کے علاوہ نہیں جانتے تم ان کو اللہ ہی

يَعْلَمُهُمْ وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يُوَفَّ إِلَيْكُمْ

جانتا ہے ان کو اور جو بھی خرچ کرو گے تم کوئی چیز اللہ کی راہ میں پورا دیا جائے گا تمہیں (اس کا اجر)

وَأَنْتُمْ لَا تظَلُمُونَ ﴿۱۰﴾

اور تم نہیں ظلم کئے جاؤ گے ○

اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں سے فرمایا: ﴿وَاعِدُّوا﴾ اور تیار کرو تم، یعنی اپنے کفار دشمنوں کے لیے تیار کرو جو تمہیں ہلاک کرنے اور تمہارے دین کے ابطال کے درپے رہتے ہیں۔ ﴿مَا اسْتَطَعْتُمْ مِنْ قُوَّةٍ﴾ اپنی طاقت بھر قوت، یعنی قوت عقلیہ، قوت بدنیہ اور مختلف انواع کا اسلحہ جو دشمن کے خلاف جنگ میں تمہاری مدد کرے۔ کفار کے خلاف اس تیاری میں وہ تمام صنعتیں آجاتی ہیں جن سے اسلحہ اور آلات حرب بنائے جاتے ہیں، مثلاً توپیں، مشین گنیں، بندوقیں، جنگی طیارے بری اور بحری سواریاں، دفاعی قلعہ بندیاں، مورچے اور دیگر دفاعی آلات حرب وغیرہ۔ نیز حکمت عملی اور سیاست کاری میں مہارت پیدا کرنا، جس کے ذریعے سے وہ آگے بڑھ سکیں اور دشمن کے شر سے اپنا دفاع کر سکیں۔ نشانہ بازی، شجاعت اور جنگی منصوبہ سازی کی تعلیم حاصل کرنا۔ اسی لئے نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ((أَلَا إِنَّ الْقُوَّةَ الرَّهْمِيَّةَ)) "سن لو! قوت سے مراد تیر اندازی ہے"۔^① کیونکہ عہد رسالت میں تیر اندازی جنگ کرنے کا ایک بہت بڑا ذریعہ تھا۔ نیز ان گاڑیوں کی تیاری جو جنگ میں نقل و حمل کے کام آتی ہیں، جنگی استعداد میں شمار ہوتی ہیں۔ بنا بریں فرمایا: ﴿وَمِنْ رِبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهَبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ اور گھوڑوں کو تیار رکھ کر کہ اس سے دھاک بٹھاؤ تم اللہ کے دشمنوں پر اور اپنے دشمنوں پر، اس حکم کی علت اس زمانے میں بھی موجود ہے اور وہ ہے دشمنوں کو مرعوب رکھنا۔ حکم کا دار و مدار علت پر ہوتا ہے۔ اگر دنیا میں ایسے آلات اور سامان حرب موجود ہوں جن کے ذریعے سے دشمن کو مذکورہ چیزوں سے زیادہ خوف زدہ رکھا جاسکتا ہو۔۔۔۔۔ یعنی گاڑیاں اور ہوائی طیارے جو جنگ میں کام آتے ہیں اور جن کی ضرب بھی کاری ہے۔۔۔۔۔ تو ان کو

① صحیح مسلم، کتاب الإمامة، باب فضل الرمي..... الخ، حدیث: ۱۹۱۷

حاصل کر کے ان کے ذریعے سے جنگی استعداد بڑھانا فرض ہے۔ حتیٰ کہ اگر اس سامان حرب کو صنعت کی تعلیم حاصل کئے بغیر حاصل کرنا ممکن نہ ہو تو یہ تعلیم حاصل کرنا بھی فرض ہوگا، کیونکہ فقہی قاعدہ ہے (مَا لَا يَتِمُّ الْوَجِبُ إِلَّا بِهِ فَهُوَ وَاجِبٌ) ”جس کے بغیر واجب کی تکمیل ممکن نہ ہو تو وہ بھی واجب ہے“۔

اللہ تعالیٰ کے اس فرمان: ﴿تُوهِبُونَ بِهِ عَدُوَّ اللَّهِ وَعَدُوَّكُمْ﴾ میں ”تمہارے دشمن“ سے مراد وہ ہیں جن کے بارے میں تم جانتے ہو کہ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ ﴿وَآخِرِينَ مِنْ دُونِهِمْ لَا تَعْلَمُونَهُمْ﴾ ”اور دوسروں کو ان کے سوا، جن کو تم نہیں جانتے“، یعنی جن کے بارے میں تمہیں معلوم نہیں جو اس وقت کے بعد جب اللہ تم سے مخاطب ہے تمہارے ساتھ لڑائی کریں گے۔ ﴿اللَّهُ يَعْلَمُهُمْ﴾ ”اللہ ان کو جانتا ہے“۔ پس اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان کے خلاف تیار رہنے کا حکم دیا ہے۔

دشمن کے خلاف جنگ میں جو چیز سب سے زیادہ مدد دیتی ہے وہ ہے کفار کے خلاف جہاد میں مال خرچ کرنا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے جہاد میں مال خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿وَمَا تُنْفِقُوا مِنْ شَيْءٍ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ ”اور جو کچھ تم خرچ کرو گے اللہ کی راہ میں“ خواہ یہ قلیل ہو یا کثیر ﴿يُوفَّ إِلَيْكُمْ﴾ ”وہ پورا پورا تمہیں دیا جائے گا“، یعنی قیامت کے روز اس کا اجر کئی گنا کر کے ادا کیا جائے گا حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کئے گئے مال کا ثواب سات سو گنا تک، بلکہ اس سے بھی زیادہ بڑھا کر دیا جائے گا۔ ﴿وَأَنْتُمْ لَا تظَلُمُونَ﴾ ”اور تمہاری حق تلفی نہ ہوگی“، یعنی تمہارے لئے اس کے اجر و ثواب میں کچھ بھی کمی نہ کی جائے گی۔

وَإِنْ جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّيِّعُ

اور اگر جھکیں وہ واسطے صلح کے تو جھک جائیں آپ بھی اس کے لیے اور بھروسہ کیجئے اللہ پر بے شک وہی خوب سننے والا

الْعَلِيمُ ﴿۱۱﴾ وَإِنْ يُرِيدُوا أَنْ يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ هُوَ الَّذِي

خوب جاننے والا ہے اور اگر ارادہ کریں وہ یہ کہ دھوکہ دیں آپ کو تو بے شک کافی ہے آپ کو اللہ وہی ہے جس نے

أَيْدِكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِينَ ﴿۱۲﴾ وَالْفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ لَوْ أَنْفَقْتَ مَا

تائید کی آپ کی اپنی مدد سے اور مومنوں کے ذریعے سے اور الفت ڈال دی اس نے درمیان ان کے دلوں کے اگر خرچ کر دیتے آپ جو کچھ

فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا مَّا أَلْفَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ أَلْفَ بَيْنَهُمْ ط

زمین میں ہے سارا نہیں الفت ڈال سکتے تھے آپ درمیان ان کے دلوں کے، لیکن اللہ ہی نے الفت ڈالی درمیان ان کے

إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۱۳﴾ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبَكَ اللَّهُ

بیشک وہ زبردست، حکمت والا ہے اور اے نبی! کافی ہے آپ کو اللہ

وَمَنْ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۶۲﴾

اور وہ جنہوں نے پیروی کی آپ کی مومنوں میں سے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَأَنْ جَنَحُوا﴾ ”اگر وہ مائل ہوں“ یعنی جنگ کرنے والے کفار ﴿لِلسَّلَامِ﴾ ”صلح کی طرف“، یعنی صلح اور ترک قتال کی طرف ﴿فَأَجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ﴾ ”تو آپ بھی اس (صلح) کی طرف مائل ہو جائیں اور اللہ پر بھروسہ کریں“، یعنی جو چیز وہ طلب کرتے ہیں اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے ان کو دے دو، کیونکہ اس میں بہت سے فوائد ہیں، مثلاً:

(۱) ہر وقت طلب عافیت مطلوب ہے اور اگر وہ طلب عافیت میں ابتدا کرتے ہیں تو اس کا مثبت جواب دینا اولیٰ ہے۔

(۲) اس سے تمہاری قوتیں جمع ہوں گی اور کسی دوسرے وقت اگر ان کے خلاف جنگ ناگزیر ہو جائے تو تمہاری یہ جنگی استعداد تمہارے کام آئے گی۔

(۳) اگر تم نے صلح کر لی اور ایک دوسرے سے مامون ہو گئے اور ایک دوسرے کے اطوار کی معرفت حاصل کر لی، تو اسلام کی خاصیت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ غالب آتا ہے کبھی مغلوب نہیں ہوتا۔

پس ہر وہ شخص جو عقل و بصیرت سے بہرہ ور ہے اگر وہ انصاف سے کام لیتا ہے تو وہ اسلام کو اس کے اوامرو نواہی کی خوبی، مخلوق کے ساتھ اس کے حسن معاملہ اور ان کے ساتھ عدل و انصاف کی بنا پر دوسرے ادیان پر ترجیح دے گا۔ وہ یہ بھی دیکھے گا کہ کسی پہلو سے اس میں کوئی ظلم و جور نہیں اور کثرت سے لوگ اس کی طرف راغب ہوتے ہیں۔ تب یہ صلح کفار کے خلاف مسلمانوں کے لیے مددگار ثابت ہوتی ہے۔

اس صلح میں صرف ایک بات کا خوف ہوتا ہے کہ کہیں کفار کا مقصد مسلمانوں کو دھوکہ دینا اور اس کے ذریعے سے صرف وقت اور مہلت حاصل کرنا نہ ہو۔۔۔۔۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو آگاہ فرمایا ہے کہ وہ کفار کے مکرو فریب کے مقابلے میں ان کے لیے کافی ہے اور اس مکرو فریب کا ضرر انہی کی طرف لوٹے گا۔ چنانچہ فرمایا:

﴿وَأِنْ يَرِيْدَا أَنْ يَخْدَعُوْكَ فَاِنَّ حَسْبَكَ اللّٰهُ﴾ ”اور اگر وہ آپ کو دھوکہ دینا چاہیں تو آپ کو اللہ کافی ہے“۔

یعنی آپ کو جو ایذا پہنچتی ہے اللہ تعالیٰ اس کے لیے کافی ہے۔ وہی ہے جو آپ کے مصالح اور امور ضروریہ کی دیکھ بھال کرتا ہے۔ آپ کے لیے اللہ تعالیٰ کی نصرت اور کفایت اس سے پہلے بھی تھی جس پر آپ کا قلب مطمئن تھا۔

﴿هُوَ الَّذِيْ اَيَّدَكَ بِنَصْرِهِ وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ”وہی ہے جس نے آپ کو اپنی مدد سے اور مومنوں (کی جمعیت)

سے تقویت بخشی“، یعنی وہی ہے جس نے آسمانی مدد کے ذریعے سے آپ کی اعانت فرمائی اور یہ اس کی طرف سے ایسی مدد ہے جس کا کوئی چیز مقابلہ نہیں کر سکتی نیز اللہ تعالیٰ کا اہل ایمان کے ذریعے سے آپ کی مدد فرمانا یہ ہے

کہ ان کو آپ کی مدد پر مقرر فرما دیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَالْفَ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ﴾ اللہ نے ان کے دلوں کو جوڑ دیا، پس وہ اکٹھے ہو گئے اور اس سبب سے ان کی قوت میں اضافہ ہو گیا۔ یہ سب کچھ اللہ کی طاقت کے سوا کسی اور کی کوشش اور طاقت کے سبب سے نہ تھا۔ ﴿لَوْ أَنْفَقْتَ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا﴾ اگر آپ خرچ کر دیتے جو کچھ زمین میں ہے سارا، اس شدید نفرت اور افتراق کے ہوتے ہوئے جو ان میں پایا جاتا تھا اگر آپ زمین کا تمام سونا، چاندی وغیرہ ان کے دلوں کو جوڑنے کے لیے خرچ کر دیتے ﴿مَا آفَتْ بَيْنَ قُلُوبِهِمْ﴾ پھر بھی آپ ان کے دلوں کو کبھی جوڑ نہ سکتے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ہستی دلوں کو بدلنے پر قادر نہیں۔ ﴿وَلَكِنَّ اللَّهَ آفَ بَيْنَهُمْ إِنَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ لیکن اللہ نے الفت ڈال دی ان میں بے شک وہ غالب ہے حکمت والا۔ یہ اس کا غلبہ ہی ہے کہ اس نے ان کے دلوں میں الفت ڈال دی اور ان کے افتراق اور تفرقہ کے بعد ان کو اکٹھا اور متحد کر دیا۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَإِذْ كَرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً فَأَلْفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَى شَفَا حُفْرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا﴾ (آل عمران: ۱۰۳/۳) ”اور اللہ کی نعمت کو جو تم پر ہوئی یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے اس نے تمہارے دلوں میں الفت ڈال دی اور تم اس کی نعمت سے بھائی بھائی ہو گئے اور تم آگ کے گڑھے کے کنارے پر تھے پس اللہ نے تمہیں اس سے بچالیا۔“

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَسْبُكَ اللَّهُ﴾ اے نبی اللہ آپ کو کافی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ آپ کو کافی ہے ﴿وَمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ اور آپ کے تابعین اہل ایمان کے لیے (بھی) کافی ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے مومن بندوں کے لیے جو اس کے رسول کے اطاعت گزار ہیں، کافی ہونے کا اور ان کے دشمنوں کے خلاف فتح و نصرت کا وعدہ ہے۔ جب انہوں نے ایمان اور اتباع رسول کے سبب کو اختیار کیا تو ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ ان کی دین و دنیا کی پریشانیوں سے ان کے لیے کافی ہو جاتا۔ اللہ تعالیٰ کی کفایت تو صرف اپنی شرط کے معدوم ہونے پر معدوم ہوتی ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ

اے نبی! اجماعی مومنوں کو اوپر لڑائی کے اگر ہوں گے تم میں سے بیس صبر کرنے والے تو غالب آئیں گے وہ دوسو پر۔ اور اگر ہوں گے تم میں سے ایک سو تو غالب آئیں گے وہ ہزار پر

مَنْ الَّذِينَ كَفَرُوا بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ ۗ ۱۵ أَلَنْ حَقَّفَ اللَّهُ

ان میں سے جنہوں نے کفر کیا، اس لیے کہ وہ ایسے لوگ ہیں جو نہیں سمجھتے ○ اب تخفیف کر دی اللہ نے

عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا فَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ صَابِرَةٌ يَغْلِبُوا

تم سے اور جان لیا اس نے کہ تمہارے اندر کمزوری ہے۔ پس اگر ہوں گے تم میں سے ایک سو صبر کرنے والے تو غالب آئیں گے

مَا آتَيْنَ ۙ وَإِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ أَلْفٌ يَغْلِبُوا أَلْفَيْنِ بِإِذْنِ اللَّهِ ط

وہ دو سو پڑا اور اگر ہوں گے تم میں سے ایک ہزار تو غالب آئیں گے وہ دو ہزار پڑا اللہ کے حکم سے

وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿۱۶﴾

اور اللہ ساتھ ہے صبر کرنے والوں کے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَى الْقِتَالِ﴾ اے

نبی! مومنوں کو جہاد کی ترغیب دو۔ یعنی آپ انہیں ہر اس طریقے کے ذریعے سے قتال پر آمادہ کریں جس سے ان

کے عزائم مضبوط ہوں اور ان کے ارادوں میں نشاط پیدا ہو۔ یعنی جہاد اور دشمن سے مقابلے کی ترغیب دی جائے اور

جہاد سے باز رہنے کے انجام سے ڈرایا جائے۔ شجاعت اور صبر کے فضائل اور ان پر مرتب ہونے والی دین و دنیا کی

بھلائی کا ذکر کیا جائے۔ بزدلی کے نقصانات بیان کئے جائیں اور یہ واضح کیا جائے کہ بزدلی ایک انتہائی رذیل اور

ناقص خصلت ہے اور شجاعت کا اہل ایمان کی صفت ہونا دوسروں کی نسبت زیادہ اولیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿إِنْ تَكُونُوا تَأْمِنُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْمِنُونَ كَمَا تَأْمِنُونَ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ﴾ (النساء: ۱۰۴/۱)

”اگر تمہیں تکلیف پہنچتی ہے تو انہیں بھی تکلیف پہنچتی ہے جیسے تمہیں پہنچتی ہے جبکہ تم اللہ سے ایسی امیدیں رکھتے ہو جو وہ

نہیں رکھتے۔“ ﴿إِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ﴾ اے مومنو! اگر ہوں تم میں سے ﴿عِشْرُونَ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا أِمَّا تَتَيْنِ وَإِنْ

يَكُنْ مِنْكُمْ مِائَةٌ يَغْلِبُوا أَلْفًا مِنَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ ”بیس شخص ثابت قدم رہنے والے تو غالب ہوں گے وہ دو سو پر

اور اگر ہوں تم میں سے سو شخص تو غالب ہوں گے ہزار کافروں پر“ یعنی ایک مومن دس کافروں کا مقابلہ کرے گا اور

اس کا سبب یہ ہے ﴿يَأْتَهُمْ﴾ کہ وہ ”یعنی کفار ﴿قَوْمٌ لَا يَفْقَهُونَ﴾“ ایسے لوگ ہیں جو سمجھ نہیں رکھتے“ یعنی

انہیں کوئی علم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے راستے میں جہاد کرنے والے مجاہدین کے لیے کیا ثواب تیار کر رکھا ہے۔

پس یہ کفار زمین میں اقتدارِ تغلب اور اس میں فساد پھیلانے کے لیے لڑتے ہیں اور تم (اے مسلمانو!) اس جنگ

کا مقصد سمجھتے ہو کہ یہ جنگ اعلائے کلمۃ اللہ دین کے غلبہ کتاب اللہ کی حفاظت اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے

بڑی کامیابی کے حصول کے لیے ہے اور یہ تمام امور شجاعت، صبر و ثبات اور اقدام علی القتال کے اسباب ہیں۔ پھر

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے اس حکم میں تخفیف کر دی۔ چنانچہ فرمایا: ﴿أَلَنْ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ

وَعَلِمَ أَنَّ فِيكُمْ ضَعْفًا﴾ ”اب بوجھ بکا کر دیا اللہ نے تم پر سے اور جان لیا کہ تم میں کمزوری ہے“۔ اسی

لئے اللہ کی رحمت اور اس کی حکمت اس بات کی متقاضی ہوئی کہ اس حکم میں تخفیف کر دی جائے چنانچہ اب اگر تم

میں سے سو آدمی ثابت قدم رہنے والے ہوں، تو وہ دو سو پر اور اگر ہزار ہوں تو وہ دو ہزار پر غالب ہوں گے۔ ﴿وَاللَّهُ مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اپنی مدد اور تائید کے ذریعے سے صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔

ان آیات کریمہ کا اسلوب اگرچہ اہل ایمان کے بارے میں خبر کا ہے کہ جب وہ اس معینہ تعداد تک پہنچتے ہیں تو وہ مقابلے میں کفار کی مذکورہ تعداد پر غالب آجاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان پر اپنے اس احسان کا ذکر فرمایا کہ اس نے ان کو شجاعت ایمانی سے نوازا ہے، مگر اس کا معنی اور حقیقی منشا امر ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کو پہلے حکم دیا کہ ایک مومن کو (میدان جنگ میں) دس کافروں کے مقابلے سے فرار نہیں ہونا چاہئے، اسی طرح دس مومنوں کو سو کافروں اور سو مومنوں کو ہزار کافروں کے مقابلے سے منہ نہیں موڑنا چاہئے۔

پھر اس بارے میں اللہ تعالیٰ نے تخفیف فرمادی اور حکم دیا کہ وہ اپنے سے دو گنا کفار کے مقابلے سے فرار نہ ہوں۔ اگر کفار کی تعداد دو گنا سے زیادہ ہو تو اس صورت میں کفار کے مقابلے سے بھاگنا جائز ہے۔ مگر دو امور اس کی تردید کرتے ہیں۔

(۱) یہ حکم خبر کے اسلوب میں ہے اور خبر کا اصول یہ ہے کہ یہ اپنے باب کے مطابق استعمال ہوتی ہے اور اس سے مقصود اللہ تعالیٰ کے احسان کا ذکر اور امر واقع کی خبر دینا ہے۔

(۲) اس عدد مذکور کو صبر کی قید کے ساتھ مقید کیا گیا ہے۔ یعنی انہوں نے صبر کو مشق کے ذریعے سے اپنی عادت بنا لیا ہو۔

اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر وہ صابر نہ ہوں تو ان کے لیے فرار جائز ہے خواہ کافران سے کم ہی کیوں نہ ہوں۔ یہ اس صورت میں ہے جب نقصان پہنچنے کا اندیشہ غالب ہو، جیسا کہ حکمت الہیہ کا تقاضا ہے۔

پہلے نکتے کا جواب یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کا ارشاد ﴿الَّذِينَ خَفَّفَ اللَّهُ عَنْكُمْ﴾ ... سے لے کر ﴿مَعَ الصَّابِرِينَ﴾ تک۔۔۔ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ امر لازم اور حتمی ہے پھر اللہ تعالیٰ نے اس تعداد میں تخفیف فرما دی۔ پس اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آیت کریمہ کا پیرا یہاں اگرچہ خبر کا ہے مگر اس سے مراد امر ہے۔

اس بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حکم کو خبر کے پیرائے میں بیان کرنے میں ایک انوکھا نکتہ پنہاں ہے جو امر کے اسلوب میں ہرگز نہ پایا جاتا۔۔۔ اور وہ یہ کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل ایمان کے دلوں کے لیے تقویت اور بشارت ہے کہ وہ عنقریب کافروں پر غالب آئیں گے۔

دوسرے نکتے کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اہل ایمان کو صبر کی صفت سے مقید کرنا درحقیقت ان کو صبر کی ترغیب دینا ہے۔ یعنی تمہارے لئے مناسب یہ ہے کہ تم وہ تمام اسباب اختیار کرو جو صبر کے موجب ہیں۔

جب وہ صبر کا التزام کرتے ہیں تو تمام اسباب ایمانی اور اسباب مادی اس امر کے حصول کی خوشخبری دیتے ہیں جس کی اللہ تعالیٰ نے خبر دی ہے۔۔۔ یعنی اہل ایمان کی قلیل تعداد کو فتح و نصرت سے نوازا۔

مَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يُكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ط تَرْيِدُونَ

نہیں لائق کسی نبی کے کہ ہوں اسکے پاس قیدی (اور وہ انہیں قتل نہ کرے) یہاں تک کہ وہ خوب خوں ریزی کر لے زمین میں ارادہ کرتے ہو تم

عَرَضَ الدُّنْيَا ط وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ ط وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۶۷﴾ كُو لَا كِتَابٌ

سامان دنیا کا اور اللہ ارادہ کرتا ہے آخرت کا اور اللہ زبردست حکمت والا ہے ○ اگر نہ ہوتی (ایک بات) لکھی ہوئی

مِّنَ اللَّهِ سَبَقَ لَكُمْ فِيهَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿۶۸﴾ فَكُلُوا مِمَّا غَنَبْتُمْ

اللہ کی طرف سے پہلے ہی تو پہنچا تم کو اس (کے بدلے) میں جو لیا تم نے عذاب بڑا ○ پس کھاؤ تم اس سے جو لیا تم نے نصیحت کا مال

حَلَالًا ط طَيِّبًا ط وَاتَّقُوا اللَّهَ ط إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۶۹﴾

حلال پاکیزہ اور ڈرو اللہ سے بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے ○

یہ غزوہ بدر کے موقع پر اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اپنے رسول ﷺ اور اہل ایمان پر عتاب ہے جب انہوں نے مشرکین کو جنگی قیدی بنایا اور ان سے معاوضہ لینے کے لئے اپنے پاس رکھا۔ امیر المؤمنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ ان سے مالی معاوضہ لینے کی بجائے ان کو قتل کر کے ان کی جڑ کاٹ دی جائے۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿مَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يُكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ﴾ ”نبی کے شایاں نہیں کہ اس کے قبضے میں قیدی رہیں یہاں تک کہ (کافروں کو قتل کر کے) زمین میں کثرت سے خون نہ بہا دے۔“ یعنی نبی کے لیے یہ بات ہرگز مناسب نہیں کہ جب وہ کفار کے ساتھ جنگ کرے جو اللہ تعالیٰ کی روشنی کو بھگانا اور اس کے دین کو مٹانا چاہتے ہیں اور وہ یہ بھی خواہش رکھتے ہیں کہ روئے زمین پر کوئی ایسا شخص باقی نہ رہے جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہو۔۔۔۔۔ تو محض فدیہ کی خاطر (کفار کو قتل کرنے کی بجائے) قیدی بنانا شروع کر دے۔ یہ فدیہ اس مصلحت کی نسبت سے بہت حقیر ہے جو ان کے قلع قمع اور ان کے شر کے ابطال کا تقاضا کرتی ہے۔ جب تک ان میں شر اور حملہ کرنے کی قوت موجود ہے اس وقت تک بہتر یہی ہے کہ ان کو (قتل کرنے کی بجائے) جنگی قیدی نہ بنایا جائے۔ جب خونریزی کے بعد کفار کا قلع قمع اور مشرکین کے شر کا سدباب ہو جائے اور ان کا معاملہ کمزور پڑ جائے تب ان کو (میدان جنگ میں) قیدی بنانے اور ان کی جان بخشی کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿تَرْيِدُونَ﴾ ”تم چاہتے ہو“ یعنی تم ان کی جان بخشی کر کے اور اس کے عوض فدیہ لے کر ﴿عَرَضَ الدُّنْيَا﴾ ”دنیاوی مال و متاع لینا“ یعنی تم کسی ایسی مصلحت کی خاطر ان کی جان بخشی نہیں کر رہے جو دین کی طرف راجع ہو۔ ﴿وَاللَّهُ يُرِيدُ الْآخِرَةَ﴾ ”اور اللہ آخرت (کی بھلائی) چاہتا ہے۔“ مگر

اللہ تعالیٰ دین کو عزت سے نواز کر اپنے اولیاء کی مدد کر کے اور دیگر قوموں پر انہیں غلبہ بخش کر اہل ایمان کے لئے آخرت کی بھلائی چاہتا ہے۔ پس وہ انہیں انہی امور کا حکم دیتا ہے جو اس منزل مراد پر پہنچاتے ہیں۔ ﴿وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ اور اللہ غالب، حکمت والا ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کامل غلبے کا مالک ہے۔ اگر وہ کسی لڑائی کے بغیر کفار پر فتح دینا چاہے تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔ مگر وہ حکمت والا ہے، وہ تمہیں ایک دوسرے کے ذریعے سے آزماتا ہے۔

﴿لَوْلَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ﴾ اگر اللہ کا حکم پہلے نہ ہو چکا ہوتا، یعنی اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر مقرر نہ ہو چکی ہوتی اور تمہارے لئے غنائم کو حلال نہ کر دیا گیا ہوتا اور اے امت مسلمہ!..... تم سے عذاب کو نہ اٹھا لیا گیا ہوتا ﴿لَسَّكُمْ فِيهَا أَخَذْتُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾ تو تم نے جو فدیہ حاصل کیا ہے اس کی پاداش میں تمہیں عذاب عظیم آ لیتا۔ اور حدیث میں آتا ہے ”اگر بدر کے روز (قیدیوں کے فدیہ کے معاملے میں) عذاب نازل ہوتا تو عمر (رضی اللہ عنہ) کے سوا کوئی نہ بچتا۔“^①

﴿فَكُلُوا مِمَّا غَنِمْتُمْ حَلَالًا طَيِّبًا﴾ ”پس کھاؤ تم جو تم کو غنیمت میں ملا حلال پاکیزہ“ یہ اس امت پر اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے کہ اس نے اس کے لیے غنائم کو حلال کر دیا حالانکہ اس سے قبل کسی امت پر غنائم کو حلال نہیں کیا گیا تھا۔ ﴿وَاتَّقُوا اللَّهَ﴾ اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یعنی اپنے تمام معاملات میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے رہو۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ﴾ ”بے شک اللہ بخشنے والا ہے۔“ جو کوئی توبہ کر کے اس کی طرف لوٹتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ بخش دیتا ہے اور جس نے شرک نہیں کیا، اللہ تعالیٰ اس کے تمام گناہ بخش دے گا۔ (اگر چاہے گا) ﴿رَحِيمٌ﴾ اللہ تعالیٰ تم پر بہت مہربان ہے کہ اس نے تم پر مال غنیمت کو مباح کیا اور اس کو تمہارے لئے حلال اور پاک قرار دیا۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي أَيْدِيكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنَّ يَعْلَمِ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ

اے نبی! کہہ دیجئے! ان سے جو تمہارے ہاتھوں میں (گرفتار) قیدی ہیں، اگر جانے گا اللہ تمہارے دلوں میں

خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿٤٠﴾

بھلائی تو دے گا وہ تمہیں زیادہ بہتر اس سے جو (فدیے میں) لیا گیا تم سے اور بخش دے گا تمہیں، اور اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے

وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ ط

اور اگر ارادہ کریں وہ آپ سے خیانت کا تو تحقیق وہ خیانت کر چکے ہیں اللہ سے اس سے پہلے تو قدرت دی اللہ نے (آپ کو) ان پر

وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿٤١﴾

اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے

یہ آیت کریمہ اسیران بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور ان قیدیوں میں رسول اللہ ﷺ کے چچا حضرت عباس بھی شامل تھے۔ جب رہائی کے عوض ان سے فدیہ کا مطالبہ کیا گیا تو انہوں نے عرض کیا کہ انہوں نے اس سے قبل اسلام قبول کیا ہوا تھا، مگر مسلمانوں نے ان سے فدیہ کو ساقط نہ کیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ان کی اور ان لوگوں کی دل جوئی کی خاطر یہ آیت کریمہ نازل فرمائی جو اس قسم کی صورت حال سے دوچار ہوں۔ فرمایا:

﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِمَنْ فِي آيَاتِكُمْ مِنَ الْأَسْرَىٰ إِنَّ يَعْلَمَ اللَّهُ فِي قُلُوبِكُمْ خَيْرًا يُؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّا أُخِذَ مِنْكُمْ﴾ ”اے نبی! ان سے کہہ دو! جو تمہارے ہاتھوں میں قیدی ہیں، اگر اللہ تمہارے دلوں میں کچھ نیکی جانے گا، تو تمہیں اس سے بہتر دے گا جو تم سے لیا گیا ہے، یعنی جو مال تم سے لیا گیا ہے اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اس کے بدلے خیر کثیر عطا کرے گا۔ ﴿وَيَغْفِرَ لَكُمْ﴾ ”اور (اللہ تعالیٰ) تمہارے گناہ بخش دے گا،“ اور تمہیں جنت میں داخل کرے گا۔ ﴿وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ”اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔“ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے اپنا وعدہ پورا کر دیا، اس کے بعد انہیں بہت زیادہ مال حاصل ہوا۔ حتیٰ کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے پاس بہت زیادہ مال آیا، حضرت عباس رضی اللہ عنہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تو آپ نے ان کو حکم دیا کہ وہ اپنے کپڑے میں جتنا مال اٹھا سکتے ہیں لے لیں۔ انہوں نے اتنا مال لیا کہ ان سے اٹھایا نہیں جا رہا تھا۔

﴿وَإِنْ يُرِيدُوا خِيَانَتَكَ﴾ ”اور اگر یہ لوگ آپ سے دغا کرنا چاہتے ہیں، یعنی اگر وہ آپ ﷺ کے ساتھ جنگ کرنے کی کوشش کر کے خیانت کا ارتکاب کرتے ہیں ﴿فَقَدْ خَانُوا اللَّهَ مِنْ قَبْلُ فَأَمْكَنَ مِنْهُمْ﴾ ”تو وہ خیانت کر چکے ہیں اللہ کی اس سے پہلے، پس اس نے ان کو پکڑا دیا،“ پس وہ آپ کے ساتھ خیانت کرنے سے بچیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ ان پر اختیار رکھتا ہے اور وہ اس کے قبضہ قدرت میں ہیں۔ ﴿وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ﴾ ”یعنی اللہ تعالیٰ علیم ہے، وہ ہر چیز کا علم رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ حکمت والا ہے، وہ ہر چیز کو اس کے مقام پر رکھتا ہے۔ یہ اس کا علم و حکمت ہی ہے کہ اس نے تمہارے لئے نہایت خوبصورت اور جلیل القدر احکام وضع فرمائے اور کفار کے شر اور ان کی خیانت کے ارادے کے مقابلے میں تمہاری کفایت کا ذمہ لیا۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجْهَهُمْ وَأَمْوَالِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
بِيَتَّكَ وَهَاجَرُوا وَجْهَهُمْ وَأَمْوَالِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
وَالَّذِينَ آمَنُوا وَنَصَرُوا أَوْلِيَاءَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٌ وَالَّذِينَ آمَنُوا
أُورِدَهُ لُوكَ جَنَّهُونَ نَ (مہاجرین کو) جگہ دی اور مدد کی یہی لوگ ہیں کہ بعض ان کے حمایتی ہیں بعض کے اور وہ جو ایمان لائے
وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا وَإِنْ
اور نہیں ہجرت کی انہوں نے، نہیں ہے تمہارے لیے ان کی حمایت سے کچھ بھی یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں۔ اور اگر

اَسْتَنْصَرُوَكُمْ فِي الدِّينِ فَعَلَيْكُمْ النَّصْرُ اِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ

وہ مدد طلب کریں تم سے دین (کے کام) میں تو تم پر واجب ہے مدد کرنا، مگر مقابلے میں اس قوم کے کہ تمہارے

وَبَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيْرٌ ﴿۴۲﴾

درمیان اور ان کے درمیان کوئی عہد ہو اور اللہ ان کو جو تم عمل کرتے ہو دیکھنے والا ہے ○

یہ موالات اور محبت کا رشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے مہاجرین کے درمیان..... جو ایمان لائے، جنہوں نے اللہ کے راستے میں ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں جہاد کی خاطر اپنے وطن کو چھوڑا۔۔۔۔۔ اور انصار کے درمیان قائم کیا، جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام رضی اللہ عنہم کو پناہ دی، اپنے گھر، مال اور خود ان کی ذات کے بارے میں ان کی مدد کی۔ یہ سب لوگ اپنے کامل ایمان اور ایک دوسرے کے ساتھ مکمل اتصال کی بنا پر ایک دوسرے کے دوست ہیں۔ ﴿ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُمْ مِنْ وَلَايَتِهِمْ مِنْ شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا ﴾ ”اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور ہجرت نہیں کی، تم کو ان کی رفاقت سے کچھ کام نہیں، جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں“ کیونکہ انہوں نے تم سے علیحدہ ہو کر تمہاری ولایت و دوستی کا رشتہ ایسے وقت میں منقطع کر لیا جب کہ تمہیں مردوں کی مدد کی سخت ضرورت تھی اور چونکہ انہوں نے ہجرت نہیں کی اس لئے مومنین کی طرف سے ان کی کوئی دوستی نہیں۔ البتہ ﴿ وَاِنْ اَسْتَنْصَرُوكُمْ فِي الدِّينِ ﴾ ”اگر وہ تم سے دین (کے معاملات) میں مدد طلب کریں“ یعنی اگر کوئی قوم ان کے خلاف لڑائی کرے اور یہ اس لڑائی میں تم سے مدد مانگیں ﴿ فَعَلَيْكُمْ النَّصْرُ ﴾ ”تو تم کو مدد کرنی لازم ہے۔“ یعنی تم پر ان کی مدد کرنا اور ان کے ساتھ مل کر ان کے دشمن کے خلاف لڑنا واجب ہے اور اگر وہ اس کے علاوہ دیگر مقاصد کے لیے لڑتے ہیں تو تم پر ان کی مدد کرنا واجب نہیں۔ ﴿ اِلَّا عَلَىٰ قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيثَاقٌ ﴾ ”مگر ان لوگوں کے مقابلہ میں کہ تم میں اور ان میں (صلح کا) عہد ہو چکا ہے (مدد نہیں کرنی چاہیے)۔“ یعنی جن کے ساتھ تمہارا جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہے اور وہ مومن جنہوں نے ہجرت نہیں کی، اگر ان کے ساتھ لڑنے کا ارادہ رکھتے ہوں تو ان کے خلاف ان مومنوں کی مدد نہ کرو، کیونکہ تمہارے اور ان کے درمیان جنگ نہ کرنے کا معاہدہ ہے۔ ﴿ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيْرٌ ﴾ ”اور اللہ تمہارے سب کاموں کو دیکھ رہا ہے۔“ یعنی وہ تمہارے احوال اور رویوں کو جانتا ہے، اس لئے اس نے تمہارے لئے ایسے احکام مشروع کئے ہیں جو تمہارے احوال کے لائق ہیں۔

وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ اَوْلِيَاءُ بَعْضٍ اِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ

اور وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، بعض ان کے حمایتی ہیں بعض کے۔ اگر (مسلمانوں!) نہ کرو گے تم ایسا (باہم حمایت) تو ہوگا فتنہ

فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيْرٌ ﴿۴۳﴾

زمین میں اور فساد بڑا ○

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اہل ایمان کے درمیان ممالک کا رشتہ قائم کر دیا تو اس نے آگاہ فرمایا کہ چونکہ کفار کو ان کے کفر نے اکٹھا کر دیا ہے اس لئے وہ ایک دوسرے کے دوست اور مددگار ہیں اور ان جیسے کفار کے سوا ان کا کوئی ولی اور دوست نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿إِلَّا تَفْعَلُوهُ﴾ ”تو (مومنو) اگر تم (بھی) یہ (کام) نہ کرو گے“، یعنی اگر تم مومنوں کے ساتھ ممالک اور کفار کے ساتھ عداوت کے اصول پر عمل نہیں کرو گے یعنی تم اہل ایمان کی حمایت اور کفار سے دشمنی نہیں کرو گے یا تم کفار کی حمایت کرو گے اور اہل ایمان سے دشمنی رکھو گے ﴿تَكُنْ فِتْنَةً فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ﴾ ”تو ملکوں میں فتنہ برپا ہو جائے گا اور بڑا فساد پھیلے گا۔“ یعنی حق و باطل اور مومن و کافر کے اختلاط سے ایک ایسی برائی جنم لے گی جس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا اور بہت سی بڑی بڑی عبادات مثلاً جہاد اور ہجرت وغیرہ معدوم ہو جائیں گی۔ جب اہل ایمان صرف اہل ایمان ہی کو اپنا دوست اور حمایتی نہیں بنائیں گے تو شریعت اور دین کے اس قسم کے مقاصد فوت ہو جائیں گے۔

وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَا

اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا انہوں نے اللہ کی راہ میں اور (اسی طرح) وہ لوگ جنہوں نے (مہاجرین کو) جگہ دی

وَأَنْصَرُوا أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ ﴿۴۱﴾

اور مدد کی (ان کی) یہی ہیں مومن سچے انہی کے لیے ہے مغفرت اور روزی باعزت ○

وَالَّذِينَ آمَنُوا مِنْ بَعْدُ وَهَاجَرُوا وَجَاهِدُوا مَعَكُمْ فَأُولَئِكَ مِنْكُمْ ط

اور وہ لوگ جو ایمان لائے بعد میں اور ہجرت کی انہوں نے اور جہاد کیا تمہارے ساتھ (مل کر) پس یہ لوگ تم ہی میں سے ہیں

وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ط

اور رشتے دار بعض ان میں سے زیادہ حق دار ہیں ساتھ بعض کے اللہ کی کتاب میں۔

إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۴۲﴾

بیشک اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے ○

گزشتہ آیات میں مہاجرین و انصار کے رشتہ ممالک کا تذکرہ تھا اور ان آیات میں ان کی مدد اور ثواب کا ذکر ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿وَالَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهِدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَا وَأَنْصَرُوا﴾ ”اور جو لوگ ایمان لائے اور وطن سے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں لڑائیاں کرتے رہے اور جنہوں نے (ہجرت کرنے والوں کو) پناہ دی اور ان کی مدد کی“ یعنی مہاجرین و انصار ﴿أُولَئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا﴾ یعنی وہی سچے مومن ہیں کیونکہ انہوں نے ہجرت نصرت دین ایک دوسرے کے ساتھ ممالک اور اپنے دشمنوں کفار و منافقین کے ساتھ جہاد کر کے اپنے ایمان کی تصدیق کی ہے۔ ﴿لَهُمْ مَغْفِرَةٌ﴾ ”ان کے لیے مغفرت ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کی

طرف سے۔ جس سے ان کی برائیاں محو کر دی جائیں گی اور ان کی لغزشیں ختم کر دی جائیں گی ﴿وَرَزَقْنَا كَرِيمًا﴾ اور عزت کی روزی، یعنی ان کے لیے ان کے رب کی طرف سے نعمتوں بھری جنتوں میں خیر کثیر ہے۔ بسا اوقات اس دنیا ہی میں انہیں بہت جلد ثواب عطا کر دیا جاتا ہے جس سے ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتی ہیں اور دل مطمئن ہوتے ہیں۔ اسی طرح جو لوگ ان مہاجرین و انصار کے بعد آئیں، نیکیوں میں ان کی اتباع کریں، ایمان لائیں، ہجرت کریں اور اللہ کے راستے میں جہاد کریں ﴿فَأُولَٰئِكَ مِنْكُمْ﴾ ”پس وہ لوگ تم ہی میں سے ہیں“ ان کے وہی حقوق ہیں جو تمہارے حقوق ہیں اور ان کے ذمے وہی فرائض ہیں جو تمہارے ذمے ہیں۔ ایمان پر مبنی یہ موالات اسلام کے ابتدائی زمانے میں تھی۔ اس کی بہت بڑی وقعت اور عظیم شان ہے۔ حتیٰ کہ نبی مصطفیٰ ﷺ نے مہاجرین و انصار کے درمیان جو اخوت قائم کی تھی، وہ خاص اخوت تھی جو اخوت عامہ و ایمانیہ کے علاوہ ہے، حتیٰ کہ وہ ایک دوسرے کے وارث بھی بنے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی ﴿وَأُولَٰئِكَ الْأَرْحَامُ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ﴾ ”اور رشتے دار آپس میں زیادہ حق دار ہیں ایک دوسرے کے، اللہ کے حکم میں“ اس لئے میت کی وراثت صرف انہی لوگوں کو ملے گی جو اصحاب الفروض ہیں یا وہ میت کا عصبہ ہیں۔ اگر میت کا عصبہ اور اصحاب الفروض موجود نہ ہوں تو ذو الارحام میں سے وہ لوگ وارث نہیں گے جو رشتہ میں میت کے سب سے زیادہ قریب ہیں جیسا کہ آیت کریمہ کا عموم دلالت کرتا ہے۔ ﴿فِي كِتَابِ اللَّهِ﴾ ”اللہ کی کتاب میں“ یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم اور اس کی کتاب میں۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾ ”کچھ شک نہیں کہ اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔“ اس کے احاطہ علم میں تمہارے احوال بھی شامل ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کی مناسبت سے تم پر دینی اور شرعی احکام جاری کرتا ہے۔

سُورَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ (۹) ۱۲۹ آيَاتُهَا ۱۶ رُكُوعَاتُهَا

سُورَةُ التَّوْبَةِ

بَرَاءَةٌ مِّنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ إِلَى الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ ۖ فَسِيحُوا

(یہ) دست برداری ہے اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے ان لوگوں سے کہ عہد کر رکھا تھا تم نے (ان) مشرکین سے ○ پس چلو پھر تم

فِي الْأَرْضِ أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللَّهِ ۗ

زمین میں چار مہینے اور جان لو کہ بیشک تم نہیں عاجز کرنے والے اللہ کو

وَأَنَّ اللَّهَ مُخْزِي الْكَافِرِينَ ۝

اور یہ کہ بلاشبہ اللہ سزا کرنے والا ہے کافروں کو ○

یہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے تمام مشرکین و معاندین سے اظہار براءت ہے۔ انہیں چار ماہ کی مہلت دی گئی ہے کہ وہ مسلمانوں کی طرف سے مامون ہیں، اس مدت میں وہ اپنے اختیار سے زمین میں چل پھر لیں۔ چار ماہ کے بعد ان کے ساتھ کوئی معاہدہ و میثاق نہیں۔ یہ معاملہ ان کفار کے ساتھ ہے جن کے ساتھ لاحد و مدت کے لئے معاہدہ ہے یا معاہدہ کی مدت چار ماہ یا اس سے کم ہے۔ رہا وہ معاہدہ جو چار ماہ سے زیادہ مدت کے لیے کیا گیا ہو اگر معاہدہ سے خیانت کا خدشہ نہ ہو اور اس سے نقض عہد کی بھی ابتدا نہ ہوئی ہو تو مدت معینہ تک اس کے ساتھ کئے گئے معاہدے کو پورا کیا جائے گا۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے معاہدین کو ان کی مدت عہد کے بارے میں ڈرایا ہے کہ اگرچہ وہ اس دوران میں مامون و محفوظ ہیں مگر وہ اللہ تعالیٰ کو عاجز کر سکیں گے نہ اس سے بچ سکیں گے اور ان میں سے جو کوئی اپنے شرک پر قائم رہے گا اللہ تعالیٰ ضرور اسے رسوا کرے گا۔۔۔ اور یہ چیز ان کے اسلام میں داخل ہونے کا باعث بن گئی۔ سوائے ان لوگوں کے جنہوں نے معاندانہ رویہ اختیار کیا اور اپنے کفر پر اصرار کیا اور اللہ تعالیٰ کی وعید کی کوئی پروا نہیں کی۔

وَ اِذْ اَنَّ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلَهٗ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِيءٌ

اور اعلان ہے اللہ اور اس کے رسول کی جانب سے لوگوں کی طرف دن حج اکبر کے کہ بے شک اللہ دست بردار ہے

مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۗ وَرَسُوْلُهٗٓ اَطْفَانٌ تُّبْنُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ

مشرکین سے اور اس کا رسول (بھی) پس اگر تم توبہ کر لو تو یہ بہتر ہے تمہارے لیے اور اگر تم نے منہ پھیرے رکھا

فَاعْلَمُوْا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِي اللّٰهِ وَبَشِيْرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳﴾

تو جان لو کہ بیشک تم نہیں عاجز کرنے والے اللہ کو اور خوش خبری دے دیجئے ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا عذاب دردناک کی ○

یہ اللہ تعالیٰ کا اہل ایمان کے ساتھ وعدہ ہے کہ وہ اپنے دین کو فتح مند اور اپنے کلمہ کو بلند کرے گا اور ان کے مشرک دشمنوں سے علیحدہ ہو جائے گا جنہوں نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو مکہ مکرمہ اور اللہ تعالیٰ کے محترم گھر سے نکال کر حجاز کے اس خطہ ارضی سے جلا وطن کیا جس پر ان کا تسلط تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور مومنین کو فتح و نصرت سے نوازا حتیٰ کہ مکہ فتح ہو گیا۔ مشرکین مغلوب ہوئے اور ان علاقوں کا اقتدار اور غلبہ مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا، تو نبی اکرم ﷺ نے اپنے اعلان کرنے والے کو حکم دیا کہ وہ حج اکبر کے دن جو کہ قربانی اور جزیرۃ العرب کے مسلمانوں اور کفار کے اکٹھے ہونے کا دن ہے۔۔۔۔ اعلان کر دے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری الذمہ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کے ہاں اب ان کے لیے کوئی عہد اور میثاق نہیں۔ وہ جہاں کہیں بھی ملیں گے ان کو قتل کیا جائے گا اور ان سے یہ بھی کہہ دیا گیا کہ وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب بھی نہ جائیں اور یہ سن ۹ ہجری تھا۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے ساتھ حج کیا اور قربانی کے روز رسول اللہ ﷺ کے چچا زاد بھائی حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے براءت کا اعلان کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو توبہ کی ترغیب دی اور ان کو شرک پر جمے رہنے سے ڈرایا۔ ﴿فَإِنْ تَابْتُمْ فَهِيَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَإِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَأَعْلَمُوا أَنَّكُمْ عَيْرٌ مُّعْجِزِي اللَّهِ﴾ پس اگر تم توبہ کرو تو تمہارے لئے بہتر ہے اور اگر نہ مانو تو جان لو کہ تم اللہ کو ہرگز نہ تھکا سکو گے۔ یعنی تم اللہ تعالیٰ سے بھاگ نہیں سکتے بلکہ تم اس کے قبضہ قدرت میں ہو اور وہ اس بات پر قادر ہے کہ تم پر اپنے مومن بندوں کو مسلط کر دے۔ ﴿وَبَشِّرِ الَّذِينَ كَفَرُوا بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ اور کافروں کو دکھ دینے والے عذاب کی خوش خبری سنا دو۔ جو دنیا میں قتل، اسیری اور جلا وطنی کی صورت میں انہیں دیا جائے گا اور آخرت میں جہنم کی آگ کا جو بہت برا ٹھکانا ہے۔

إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ثُمَّ لَمْ يَنْقُصُوا شَيْئًا
مگر وہ لوگ جن سے تم نے عہد کر رکھا ہے مشرکین میں سے پھر نہیں کمی کی انہوں نے تمہارے ساتھ ذرا بھی
وَلَمْ يَظَاهِرُوا عَلَيْكُمْ أَحَدًا فَأَتِمُّوا إِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ إِلَىٰ مُدَّتِهِمْ
اور نہ مدد کی تمہارے خلاف کسی کی سو پورا کرو ان کے ساتھ ان کا عہد ان کی مدت (مقررہ) تک۔

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ۝

بے شک اللہ پسند کرتا ہے متقیوں کو ○

یعنی یہ تمام مشرکین سے کامل اور مطلق براءت کا اظہار ہے۔ ﴿إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ مِنَ الْمُشْرِكِينَ﴾
”سوائے ان مشرکین کے جن سے تم نے معاہدہ کر رکھا ہے“ اور وہ اپنے عہد پر قائم ہیں اور ان سے کسی ایسے فعل کا ارتکاب نہیں ہوا جو نقض عہد کا موجب ہو۔ انہوں نے معاہدے میں کوئی کوتاہی کی ہے نہ تمہارے خلاف کسی کی مدد کی ہے۔ پس ان لوگوں کے ساتھ کئے ہوئے معاہدے کو اس کی مدت مقررہ تک پورا کرو خواہ یہ مدت تھوڑی ہو یا زیادہ۔۔۔ کیونکہ اسلام خیانت کا حکم نہیں دیتا وہ تو معاہدوں کو پورا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ﴾ بے شک اللہ پسند کرتا ہے تقویٰ اختیار کرنے والوں کو۔ وہ لوگ جنہوں نے ان ذمہ داروں کو ادا کیا جن کا انہیں حکم دیا گیا اور شرک، خیانت اور دیگر گناہوں سے بچے۔

فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرْمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ
پس جب گزر جائیں مہینے حرمت والے تو قتل کرو مشرکین کو جہاں کہیں پاؤ تم انہیں
وَخُدُّوهُمْ وَاحْصُرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ ۚ إِن تَابُوا وَأَقَامُوا

اور پکڑو انہیں اور گھیرے میں لیے رکھو ان کو اور بیٹھو ان کی تاک میں ہر گھات پر۔ پھر اگر وہ توبہ کر لیں اور قائم کریں

الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۹﴾

نماز اور دیں زکوٰۃ تو چھوڑ دو ان کا راستہ۔ بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿فَإِذَا انسَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ﴾ ”پس جب گزر جائیں مہینے پناہ کے“ یعنی وہ مہینے جن میں معاہدہ شرکین کے خلاف جنگ کو حرام ٹھہرایا گیا ہے اور یہ آسانی کے چار ماہ ہیں اور جن کے ساتھ چار ماہ سے زیادہ مدت کا معاہدہ کیا گیا ہے اس مدت کو پورا کیا جائے۔۔۔ اس کے بعد ان کے ساتھ معاہدہ کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔ ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ﴾ ”پس مشرکوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو۔“ یعنی وہ جس وقت اور جہاں کہیں بھی ہوں۔ ﴿وَخُذُواهُمْ﴾ ”ان کو قیدی بناؤ“ ﴿وَاحْصِرُوهُمْ﴾ ”اور ان کو گھیر لو۔“ یعنی ان پر زمین تنگ کر دو۔ اللہ کی اس زمین میں انہیں اس طرح نہ چھوڑ دو کہ وہ کھلے دندناتے پھرتے رہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے عبادت گاہ بنایا ہے۔ یہ لوگ اس زمین پر رہنے کے قابل نہیں بلکہ وہ اس زمین سے بالشت بھر جگہ کے بھی مستحق نہیں کیونکہ زمین اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے اور کفار اللہ تعالیٰ کے دشمن ہیں جو اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتے ہیں ان کے خلاف جنگ کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ زمین اللہ تعالیٰ کے دین سے خالی ہو جائے۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنے نور کو پورا کر کے رہے گا خواہ کفار کو ناگوار ہی کیوں نہ گزرے۔ ﴿وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ﴾ ”اور ہر گھات کی جگہ پر ان کی تاک میں بیٹھو۔“ یعنی ہر گھاتی اور ہر راستے میں گھات لگا کر بیٹھو جہاں سے وہ گزرتے ہیں۔ ان کے خلاف جہاد کے لیے پوری طرح تیار رہو اور جہاد میں اپنی پوری کوشش صرف کر دو اور ان کے خلاف اس وقت تک جہاد کرتے رہو جب تک کہ وہ اپنے شرک سے توبہ نہ کر لیں۔ بنا بریں فرمایا: ﴿فَإِن تَابُوا﴾ ”پس اگر وہ توبہ کر لیں“ یعنی اپنے شرک سے ﴿وَاقَامُوا الصَّلَاةَ﴾ ”اور نماز پڑھنے لگیں“ یعنی اسے اس کے حقوق کے ساتھ ادا کریں ﴿وَآتُوا الزَّكَاةَ﴾ ”اور زکوٰۃ دینے لگیں“ مستحقین کو زکوٰۃ دیں۔ ﴿فَخَلُّوا سَبِيلَهُمْ﴾ ”تو ان کی راہ چھوڑ دو۔“ یعنی ان کو چھوڑ دو اب وہ تمہارے برابر ہیں ان کے وہی حقوق ہیں جو تمہارے ہیں اور ان کے ذمے وہی فرائض ہیں جو تمہارے ذمے ہیں ﴿إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ ”بے شک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں کا شرک اور ان کے دیگر کم تر گناہ بخش دیتا ہے۔ انہیں توبہ کی توفیق بخش کر اور پھر اس توبہ کو قبول کر کے انہیں اپنی رحمت کے سائے میں لے لیتا ہے۔

یہ آیت کریمہ اس بات کی دلیل ہے کہ جو کوئی نماز قائم کرنے یا زکوٰۃ ادا کرنے سے رکے گا اس کے خلاف اس وقت تک جنگ کی جائے گی جب تک کہ وہ نماز قائم نہیں کرتا اور زکوٰۃ ادا نہیں کرتا۔ جیسا کہ جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اس آیت کریمہ سے استدلال کیا تھا۔

وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ فَأَجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلِمَ اللَّهِ ثُمَّ

اور اگر کوئی مشرکین میں سے پناہ مانگے آپ سے تو پناہ دے دیں اس کو تاکہ سنے وہ کلام اللہ کا پھر

أَبْلِغَهُ مَا مَنَعَهُ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ قَوْمٌ لَا يَعْلَمُونَ ﴿٦﴾

پہنچادیں اس کو اس کے امن کی جگہ پر۔ یہ اس سبب سے کہ وہ لوگ ایسے ہیں کہ نہیں علم رکھتے

اللہ تبارک و تعالیٰ کا گزشتہ ارشاد ﴿فَإِذَا اسْتَلَخَ الْأَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِينَ حَيْثُ وَجَدْتُمُوهُمْ

وَخُذُواهُمْ وَاحْصِرُوهُمْ وَاقْعُدُوا لَهُمْ كُلَّ مَرْصِدٍ﴾ تمام اشخاص کے لیے اور تمام احوال میں ایک عام حکم ہے۔ ہاں اگر

مصلحت ان میں سے کسی کو قریب کرنے کا تقاضا کرتی ہو تو یہ جائز بلکہ واجب ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَإِنْ أَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ اسْتَجَارَكَ﴾ ”اگر مشرکین میں سے کوئی آپ سے پناہ طلب کرے“ یعنی وہ یہ

چاہے کہ آپ اس کو ضرر سے بچالیں تو اس مقصد کے لیے اس کو پناہ دے دیں تاکہ وہ اللہ کا کلام سن لے اور اسلام

میں اچھی طرح غور و فکر کر لے۔ ﴿فَاجِرْهُ حَتَّىٰ يَسْمَعَ كَلِمَ اللَّهِ﴾ ”تو اس کو پناہ دے دو یہاں تک کہ وہ اللہ کا

کلام سنے۔“ یعنی پھر اگر وہ اسلام قبول کر لے تو بہتر ورنہ اسے امن کی جگہ پہنچادیں یعنی وہ جگہ جہاں وہ مامون ہو

اور اس کا سبب یہ ہے کہ کفار بے علم لوگ ہیں۔ بسا اوقات ان کا کفر پر قائم رہنا جہالت کی وجہ سے ہوتا ہے جب یہ

سبب زائل ہو جاتا ہے تو وہ اسلام قبول کر لیتے ہیں۔

اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ اور آپ کی امت کو احکام میں اس کے نمونے کو اختیار کرنے

کا حکم دیا ہے۔ اور وہ یہ کہ کفار میں سے جو کوئی اللہ تعالیٰ کے کلام کو سننے کی خواہش کرے تو اس کو امان دے دیں۔

اس آیت کریمہ میں اہل سنت والجماعت کے مذہب پر صریح دلیل ہے جو اس بات کے قائل ہیں کہ قرآن

اللہ تعالیٰ کا کلام اور غیر مخلوق ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کلام کیا ہے اور اس نے اس کی اضافت اپنی طرف کی ہے

جیسے صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہوتی ہے۔۔۔۔۔ نیز اس سے معتزلہ اور ان کے ہم نواؤں کے مذہب کا

بطلان ثابت ہوتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ قرآن مخلوق ہے۔۔۔۔۔ کتنے ہی دلائل ہیں جو ان کے اس قول کے بطلان

پر دلالت کرتے ہیں، لیکن یہ ان کی تفصیل کا مقام نہیں۔

كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ إِلَّا الَّذِينَ

کیوں کر ہو سکتا ہے واسطے مشرکوں کے عہد نزدیک اللہ کے اور نزدیک اس کے رسول کے سوائے ان لوگوں کے جن سے

عَهْدُكُمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ

عہد کیا تم نے نزدیک مسجد حرام کے پس جب تک سیدھے رہیں وہ تمہارے لیے تو سیدھے رہو تم بھی ان کے لیے

إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ ⑨

بے شک اللہ پسند کرتا ہے متقیوں کو ⑨

یہ اس حکمت الہی کا بیان ہے جو اس بات کی موجب ہے کہ اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بری ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿كَيْفَ يَكُونُ لِلْمُشْرِكِينَ عَهْدٌ عِنْدَ اللَّهِ وَعِنْدَ رَسُولِهِ﴾ کیوں کر ہو مشرکین کے لئے کوئی عہد اللہ کے نزدیک اور اس کے رسول کے نزدیک؟ کیا انہوں نے واجبات ایمان کو قائم کیا ہے؟ یا انہوں نے رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کو اذیت دینا چھوڑ دی ہے؟۔۔۔ (بلکہ) انہوں نے حق کے خلاف جنگ کی اور باطل کی مدد کی۔۔۔ کیا انہوں نے زمین میں فساد پھیلانے کی بھرپور کوشش کر کے اپنے آپ کو اس بات کا مستحق نہیں ٹھہرایا کہ اللہ تعالیٰ ان سے بری الذمہ ہو، اللہ اور اس کے رسول کے ہاں ان کے لیے کوئی عہد اور ذمہ نہ ہو؟ ﴿إِلَّا الَّذِينَ عَاهَدْتُمْ﴾ سوائے ان کے جن سے تم نے عہد کیا، یعنی مشرکین میں سے جن کے ساتھ تم نے معاہدہ کیا ﴿عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ﴾ ”مسجد حرام کے پاس“ پس اس عہد میں۔۔۔ خاص طور پر فضیلت والی اس جگہ پر۔۔۔ ان کے لیے حرمت ہے جو اس بات کی موجب ہے کہ ان کی رعایت رکھی جائے۔ ﴿فَمَا اسْتَقَامُوا لَكُمْ فَاسْتَقِيمُوا لَهُمْ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِينَ﴾ ”پس جب تک وہ اپنے عہد پر قائم رہیں تو تم بھی اپنے عہد پر قائم رہو۔ بے شک اللہ اہل تقویٰ کو پسند کرتا ہے۔“ بنا بریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا:

كَيْفَ وَإِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلَّا وَلَا ذِمَّةً ٥

کیوں کر (رہ سکتا ہے عہد) اور آں حالیکہ اگر غالب آ جائیں وہ تم پر تو نہیں خیال کریں گے وہ تمہارے بارے میں رشتے داری کا اور نہ کسی عہد کا ویرضونکم بأفواہہم وتابى قلوبہم واکثرہم فسقون ٥ اشرتروا وہ خوش کرتے ہیں تمہیں ساتھ اپنے مومنوں کے اور انکار کرتے ہیں دل ان کے اور اکثر ان کے نافرمان ہیں ⑤ بیچا انہوں نے

بأيت الله ثمنا قليلا فصدا عن سبيله انهم ساء ما كانوا

اللہ کی آیتوں کو مول تھوڑے پر اور روکا (لوگوں کو) اس کے راستے سے پس بے شک برا ہے جو ہیں وہ یعملون ⑥ لا یرقبون فی مؤمنین الا ولا ذمہ ط واولیک ہم

عمل کرتے ⑥ نہیں خیال کرتے وہ کسی مومن کے بارے میں رشتے داری کا اور نہ کسی عہد کا اور یہ لوگ وہی ہیں المعتدون ⑩ فان تابوا واقاموا الصلوة واتوا الزکوة فإخوانکم حد سے نکل جانے والے ⑩ پس اگر وہ توبہ کر لیں اور قائم کریں نماز اور دیں زکوٰۃ تو وہ تمہارے بھائی ہیں

فی الدین ونفصل الایة لقوم یعلمون ⑪

دین میں اور ہم مفصل بیان کرتے ہیں اپنی نشانیاں ان لوگوں کے لیے جو علم رکھتے ہیں ⑪

﴿ كَيْفَ ﴾ ”کیسے“ یعنی اللہ تعالیٰ کے ہاں مشرکین کے لیے کیسے عہد و میثاق ہو سکتا ہے۔ ﴿ وَإِنْ يَظْهَرُوا عَلَيْكُمْ ﴾ ”کہ اگر وہ تم پر غلبہ پالیں“ ان کا حال تو یہ ہے کہ اگر ان کو تم پر قدرت اور غلبہ حاصل ہو تو تم پر کوئی رحم نہیں کریں گے۔ ﴿ لَا يَرْقُبُوا فِيكُمْ إِلَّا وَاذِمَّةً ﴾ ”تو نہ قرابت کا لحاظ کریں نہ عہد کا۔“ یعنی وہ کسی عہد اور قرابت کا لحاظ نہیں رکھیں گے وہ تمہارے بارے میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈریں گے بلکہ وہ تمہیں بدترین عذاب دیں گے۔ اگر وہ غالب آجائیں تو ان کا تمہارے ساتھ یہ حال ہوگا لیکن اگر وہ تم سے ڈر کر تمہارے ساتھ کوئی معاملہ کرتے ہیں تو تمہیں ان کے بارے میں دھوکے میں نہیں آنا چاہئے کیونکہ ﴿ يَرْضَوْنَكُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ وَتَأْبَى قُلُوبُهُمْ ﴾ ”وہ اپنے منہ سے تمہیں خوش کر دیتے ہیں اور ان کے دل تمہاری طرف میلان اور محبت سے انکار کرتے ہیں“ بلکہ وہ تمہارے حقیقی دشمن ہیں اور تمہارے ساتھ دلی بغض رکھتے ہیں۔ ﴿ وَأَكْثَرُهُمْ فَسِقُونَ ﴾ ”اور ان کے اکثر بد عہد ہیں۔“ ان میں کوئی دیانت اور مروت نہیں۔

﴿ اِشْتَرَوْا بِآيَاتِ اللَّهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ﴾ ”یہ اللہ کی آیات کے عوض تھوڑا سا فائدہ حاصل کرتے ہیں۔“ یعنی انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لانے اور اللہ تعالیٰ کی آیات پر عمل کرنے کی بجائے اس دنیا میں جلدی حاصل ہونے والے خسیس عوض کو اختیار کر لیا۔ ﴿ فَصَدَّوْا عَنْ سَبِيلِهِ ﴾ انہوں نے خود اپنے آپ کو اور دوسروں کو اللہ کے راستے سے روکا۔ ﴿ إِنَّهُمْ سَاءَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴾ ”بلاشبہ بہت ہی برے کام ہیں جو یہ کرتے ہیں۔“ ﴿ لَا يَرْقُبُونَ فِي مُؤْمِنٍ إِلَّا وَاذِمَّةً ﴾ ”وہ کسی حرمت کے حق میں نہ تو رشتہ داری کا پاس کرتے ہیں نہ عہد کا۔“ یعنی ایمان اور اہل ایمان سے عداوت کی بنا پر وہ کسی عہد اور قرابت کا لحاظ نہیں کرتے۔ وہ وصف جس کی بنا پر وہ تم سے عداوت اور بغض رکھتے ہیں۔۔۔ وہ ایمان ہے اس لئے اپنے دین کا دفاع کرو اور اس کی مدد کرو اور جو کوئی تمہارے دین سے عداوت رکھتا ہے اسے اپنا دشمن سمجھو اور جو تمہارے دین کی مدد کرتا ہے اسے اپنا دوست سمجھو۔ دوستی کے وجود اور عدم وجود کے اعتبار سے دین کو حکم کا مدار بناؤ۔ طبیعت کو دوستی اور دشمنی کا معیار نہ بناؤ کہ جدھر خواہش کا میلان ہو تم بھی ادھر جھک جاؤ اور اس بارے میں اس نفس کی پیروی کرو جو برائی کا حکم دیتا ہے۔

اس لئے فرمایا: ﴿ فَإِنْ تَابُوا ﴾ ”اگر وہ توبہ کر لیں“ یعنی اگر وہ اپنے شرک سے توبہ کر کے ایمان کی طرف لوٹ آئیں ﴿ وَآقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ فَآخَوْا نَكُمْ فِي الدِّينِ ﴾ ”اور نماز قائم کریں زکوٰۃ دیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں“ اور اس عداوت کو فراموش کر دو جب وہ مشرک تھے تا کہ تم سب اللہ کے مخلص بندے بن جاؤ اور اس طرح بندہ اللہ تعالیٰ کا حقیقی بندہ بن جاتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے عظیم احکام کو بیان فرمایا ان میں سے کچھ احکام کی توضیح فرمائی، کچھ حکمتوں اور فیصلوں کو بیان کیا، تو فرمایا: ﴿ وَنُقِصِلُ الْآيَاتِ ﴾ ”ہم آیات کو

واضح اور میز کرتے ہیں ﴿لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾ ”جاننے والے لوگوں کے واسطے“ پس سیاق کلام انہی کی طرف ہے انہی کے ذریعے سے آیات و احکام کا علم حاصل ہوتا ہے اور انہی کے ذریعے سے دین اسلام اور شریعت کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔

اے اللہ! اے رب العالمین! اپنی رحمت اپنے جو دو کرم اور اپنے احسان سے ہمیں ایسے لوگوں میں شامل کر جو علم رکھتے ہیں اور ان باتوں پر عمل کرتے ہیں جن کا ان کو علم ہے۔

وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ فَقَاتِلُوا

اور اگر توڑ دیں وہ قسمیں اپنی بعد اپنے عہد کر لینے کے اور طعن کریں تمہارے دین میں تو لڑو تم

أَيُّمَةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ ﴿۱۲﴾ أَلَا تَقَاتِلُونَ

(ان) پیشوا یا ان کفر سے بے شک نہیں (معتبر) قسمیں ان کی تاکہ وہ باز آ جائیں ○ کیا نہیں لڑو گے تم

قَوْمًا نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ وَهُمْ أَوْ بِأَخْرَاجِ الرَّسُولِ وَهُمْ بَدَّوْكُمْ

ان لوگوں سے کہ توڑ دیں انہوں نے قسمیں اپنی اور ارادہ کیا تھا انہوں نے نکالنے کا رسول کو اور انہوں ہی نے (لڑائی) شروع کی تم سے

أَوَّلَ مَرَّةٍ أَتَخْشَوْنَهُمْ فَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۳﴾

پہلے پہل کیا ڈرتے ہو تم ان سے؟ پس اللہ زیادہ حق دار ہے کہ ڈرو تم اس سے اگر ہو تم مؤمن ○

قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ وَيُخْزِهِمْ وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ

لڑو تم ان سے کہ عذاب دے ان کو اللہ تمہارے ہاتھوں سے اور رسوا کرے ان کو اور مدد کرے تمہاری ان کے مقابلے پر اور شفا بخشنے

صُدُورَ قَوْمٍ مُؤْمِنِينَ ﴿۱۴﴾ وَيُدْهِبُ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ وَيَتُوبُ اللَّهُ

سینوں کو مؤمن قوم کے ○ اور دور کر دے وہ غصہ ان کے دلوں کا اور توبہ فرماتا ہے اللہ

عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۵﴾

جس پر چاہتا ہے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے ○

اس بات کا ذکر کرنے کے بعد کہ اگر مشرک معاہدین اپنے عہد پر قائم رہتے ہیں تو تم بھی اپنے عہد پر قائم رہتے ہوئے ان سے اپنے عہد کو پورا کرو۔۔۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَإِنْ نَكَثُوا أَيْمَانَهُمْ مِنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ﴾ ”اور اگر عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں“ یعنی انہوں نے اپنے حلف کو توڑ دیا اور جنگ میں تمہارے خلاف دشمن کی مدد کی یا تمہیں نقصان پہنچایا ﴿وَطَعَنُوا فِي دِينِكُمْ﴾ ”اور تمہارے دین میں طعن کرنے لگیں“ یعنی تمہارے دین میں عیب چینی کی یا اس کا تمسخر اڑایا۔ یہ دین اور قرآن میں ہر قسم کے طعن و تشنیع کو شامل ہے۔ ﴿فَقَاتِلُوا أَيْمَةَ الْكُفْرِ﴾ تو ان کفر کے پیشواؤں سے جنگ کرو۔ ”یعنی قائدین کفر اور ان

سرداروں سے لڑو جو اللہ رحمن کے دین میں طعن و تشنیع کرتے ہیں اور شیطان کے دین کی مدد کرتے ہیں۔ ان قائدین کفر کا خاص طور پر ذکر اس لئے کیا ہے کیونکہ ان کا جرم بہت بڑا تھا اور دیگر لوگ تو محض ان کے پیروکار تھے اور تاکہ یہ اس بات کی دلیل ہو کہ جو کوئی دین میں طعن و تشنیع کا مرتکب ہوتا ہے اور اس کو ٹھکرانے کے درپے ہوتا ہے تو اس کا شمار ائمہ کفر میں ہوتا ہے۔

﴿إِنَّهُمْ لَا إِيْمَانَ لَهُمْ﴾ یعنی ان کا کوئی عہد و میثاق نہیں کہ وہ اس کے ایفا کا التزام کریں بلکہ وہ تو ہمیشہ خیانت کرتے رہتے ہیں اور عہد کو توڑتے رہتے ہیں۔ ان پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ ﴿لَعَلَّهُمْ﴾ ”شاید کہ وہ“ یعنی ان کے ساتھ تمہارے لڑائی کرنے میں ﴿يَذْتَهُونَ﴾ ”باز آ جائیں۔“ یعنی تمہارے دین میں طعن کرنے سے باز آ جائیں اور بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ دین میں داخل ہو جائیں۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے کفار و مشرکین کے خلاف جہاد کی ترغیب دی ہے اور دشمنوں سے جو اوصاف صادر ہوتے ہیں ان کو بیان کر کے اہل ایمان کو ان کے خلاف جہاد پر ابھارا ہے، کیونکہ جن اوصاف سے یہ کفار متصف ہیں وہ ان کے خلاف جہاد کا تقاضا کرتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا: ﴿أَلَا تَقَاتِلُونَ قَوْمًا نَكَثُوا آيْمَانَهُمْ وَهَمُّوا بِإِخْرَاجِ الرَّسُولِ﴾ ”تم ان لوگوں سے کیوں نہیں لڑتے جنہوں نے اپنے عہدوں کو توڑ دیا اور رسول کو نکالنے کا ارادہ کیا“ جس کا احترام اور تعظیم و توقیر فرض ہے، نیز انہوں نے ارادہ کیا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو جلا وطن کر دیں اور اس مقصد کے لیے انہوں نے امکان بھر کوشش کی۔ ﴿وَهُمْ بَدَأُوا وَاوَّلَ مَرَّةٍ﴾ ”اور انہوں نے پہلے چھیڑ کی تم سے“ جبکہ انہوں نے نقض عہد کا ارتکاب کیا اور تمہارے خلاف دشمن کی اعانت کی اور یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب قریش نے۔۔۔۔۔ درآں حالیکہ انہوں نے مسلمانوں کے ساتھ معاہدہ کر رکھا تھا۔۔۔۔۔ بنو خزاعہ کے خلاف اپنے حلیفوں یعنی بنو بکر کی مدد کی۔ بنو خزاعہ رسول اللہ ﷺ کے حلیف تھے اور قریش نے بنو خزاعہ کے خلاف لڑائی کی جیسا کہ اس کی تفصیل سیرت کی کتابوں میں مذکور ہے۔

﴿أَتَخَشَوْنَهُمْ﴾ ”کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟“ یعنی کیا تم ان سے قتال کرنے سے ڈرتے ہو؟ ﴿قَالَ اللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَوْهُ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ﴾ ”حالانکہ اللہ اس بات کا زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو اگر تم مومن ہو“ اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کی تمہیں سخت تاکید کی ہے۔ اگر تم مومن ہو تو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کرو اور کفار سے ڈر کر اللہ تعالیٰ کے حکم کو ترک نہ کرو۔

پھر اللہ تعالیٰ نے کفار کے ساتھ جنگ کرنے کا حکم دیا اور ان فائدہ کا ذکر کیا جو کفار کے خلاف جہاد پر مرتب ہوتے ہیں یہ سب اہل ایمان کے لیے کفار کے خلاف جہاد کی ترغیب ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿قَاتِلُوهُمْ يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ بِأَيْدِيكُمْ﴾ ”ان سے لڑائی کرو اللہ ان کو مزادے گا تمہارے ہاتھوں سے“ یعنی قتل کے ذریعے

سے ﴿وَيُخْزِهِمْ﴾ اور رسوا کرے گا ان کو، یعنی جب اللہ تعالیٰ کفار کے خلاف تمہاری مدد کریگا۔ یہ وہ دشمن ہیں جن کی رسوائی مطلوب ہے اور اس کی خواہش کی جاتی ہے ﴿وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ﴾ اور تم کو ان پر غالب کر دے گا۔ یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے وعدہ اور بشارت تھی اور اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔

﴿وَيَشْفِ صُدُورَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ وَيُدْهِبُ غَيْظَ قُلُوبِهِمْ﴾ اور ٹھنڈے کرے گا دل مسلمان لوگوں کے اور نکالے گا ان کے دلوں کی جلن، کیونکہ کفار کے خلاف ان کے دل غیظ و غضب سے لبریز ہیں۔ ان کے خلاف قتال کرنے اور ان کو قتل کرنے سے اہل ایمان کو ان کے دلوں میں موجود غیظ و غضب اور غم و ہوم سے شفا ملتی ہے۔ کیونکہ وہ ان دشمنوں کو دیکھتے ہیں کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے خلاف برسریکا رہیں اور اللہ کے نور کو بجھانے میں کوشاں ہیں چنانچہ انہیں قتل و رسوا کر کے مومنوں کے دلوں میں موجود غیظ و غضب زائل ہوتا ہے۔ یہ آیت کریمہ اس امر کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے محبت کرتا ہے اور ان کے احوال کو درخور اعتناء سمجھتا ہے۔ حتیٰ کہ اس نے اہل ایمان کے دلوں کو شفا دینا اور ان کے غیظ و غضب کو زائل کرنا مقاصد شرعیہ میں شمار کیا ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَيَتُوبُ اللَّهُ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ﴾ اور جس پر چاہے گا اللہ رحمت کرے گا۔ یعنی ان برسریکا کفار میں سے جسے چاہے اسلام میں داخل ہونے کی توفیق عطا کر کے اس کی توبہ قبول کر لے، اسلام کو ان کے دلوں میں آراستہ کر دے اور کفر، فسق اور نافرمانی کو ان کے لیے ناپسندیدہ کر دے۔ ﴿وَاللَّهُ عَلَيْهِمْ حَكِيمٌ﴾ اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ یعنی وہ تمام اشیا کو ان کے مقام پر رکھتا ہے۔ وہ خوب جانتا ہے کہ کون ایمان لانے کی صلاحیت رکھتا ہے؟ چنانچہ وہ اس کی راہ نمائی کرتا ہے اور کون اس صلاحیت سے محروم ہے؟ وہ اس کو اس کی گمراہی اور سرکشی میں غطاں چھوڑ دیتا ہے۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا وَلَمَّا يَعْلَمِ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ

کیا تم نے گمان کر لیا ہے کہ تم (یوں ہی) چھوڑ دیے جاؤ گے جب کہ ابھی نہیں جانا اللہ نے ان لوگوں کو جنہوں نے جہاد کیا تم میں سے و لَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِجَنَّةٍ ط اور نہیں بنایا انہوں نے سوائے اللہ کے اور نہ سوائے اس کے رسول کے اور نہ مومنین کے کوئی دلی دوست

وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿١٦﴾

اور اللہ خوب خبردار ہے ان سے جو تم عمل کرتے ہو

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو جہاد کا حکم دینے کے بعد ان سے فرماتا ہے: ﴿أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تُتْرَكُوا﴾ کیا تم یہ گمان کرتے ہو کہ تم چھوٹ جاؤ گے، یعنی تمہیں کسی آزمائش اور امتحان میں مبتلا کئے بغیر اور تمہیں کوئی ایسا حکم دیئے بغیر چھوڑ دیا جائے گا جس سے سچے اور جھوٹے کے درمیان فرق واضح ہوتا ہے۔ ﴿وَلَمَّا

يَعْلَمُ اللَّهُ الَّذِينَ جَاهَدُوا مِنْكُمْ ﴿﴾ ” حالانکہ ابھی معلوم نہیں کیا اللہ نے تم میں سے ان لوگوں کو جنہوں نے جہاد کیا ہے، یعنی ایسا علم جو اس چیز کو خارج میں ظاہر کر دے جو قوت میں موجود ہے، تاکہ اس پر ثواب و عقاب مرتب ہو۔ پس ان لوگوں کو جان لے جو اس کے کلمہ کو بلند کرنے کے لیے اس کے راستے میں جہاد کرتے ہیں۔ ﴿وَلَمْ يَتَّخِذُوا مِنْ دُونِ اللَّهِ وَلَا رَسُولِهِ وَلَا الْمُؤْمِنِينَ وَلِيجَةً﴾ ” اور نہیں بنایا انہوں نے اللہ اس کے رسول اور مومنوں کے سوا کوئی دوست، یعنی انہوں نے کفار کو اپنا دوست نہیں بنایا بلکہ وہ اللہ اس کے رسول اور اہل ایمان کو اپنا دوست بناتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جہاد اس لئے مشروع فرمایا، تاکہ اس سے یہ عظیم مقصد حاصل ہو سکے اور وہ عظیم مقصد یہ ہے کہ سچے لوگ جنہوں نے اپنے آپ کو صرف دین کے لیے وقف کر رکھا ہے، ان جھوٹے لوگوں سے ممتاز ہو جائیں جو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں اور حال ان کا یہ ہے کہ وہ اللہ اس کے رسول اور مومنین کو چھوڑ کر دوسروں کو اپنا دلی دوست اور مددگار بناتے ہیں۔ ﴿وَاللَّهُ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ﴾ ” اور اللہ تمہارے سب کاموں سے باخبر ہے۔“ یعنی تم سے جو کچھ صادر ہوتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح آگاہ ہے پس وہ تمہاری آزمائش اس طریقہ سے کرتا ہے جس سے تمہاری پوری حقیقت ظاہر ہو جائے۔ نیز وہ تمہیں اور تمہارے اچھے برے اعمال کی جزا دے گا۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ أَنْ يَعْمُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ شَاهِدِينَ عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ

نہیں ہے لائق واسطے مشرکین کے یہ کہ آباد کریں وہ مسجدیں اللہ کی جب کہ وہ شہادت دینے والے ہے اپنے نفسوں پر

بِالْكَفْرِ ۚ أُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ ۖ وَفِي النَّارِ هُمْ خَالِدُونَ ﴿۱۵﴾

کفر کی، یہی لوگ ہیں کہ برباد ہو گئے عمل ان کے اور آگ ہی میں وہ ہمیشہ رہیں گے ○

إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسْجِدَ اللَّهِ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ

یقیناً صرف وہی آباد کرتا ہے مسجدیں اللہ کی جو ایمان لایا اللہ پر اور یوم آخرت پر اور قائم کی اس نے نماز

وَأَتَى الزَّكَاةَ وَلَمْ يَخْشَ إِلَّا اللَّهَ ۚ فَعَسَىٰ أُولَٰئِكَ أَنْ

اور اد اکی زکوٰۃ اور نہیں ڈرا وہ مگر اللہ ہی سے سو امید ہے کہ وہی

يَكُونُوا مِنَ الْمُهْتَدِينَ ﴿۱۸﴾

ہوں گے ہدایت یافتہ لوگوں میں سے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِينَ﴾ ”مشرکوں کو زیبا نہیں،“ یعنی مشرکین کے لائق اور

ان کے لیے مناسب نہیں ﴿أَنْ يَعْمُرُوا مَسْجِدَ اللَّهِ﴾ ”کہ آباد کریں وہ اللہ کی مسجدوں کو،“ یعنی عبادات

نماز اور مختلف انواع کی نیکیوں کے ذریعے سے اللہ کی مساجد کو آباد کریں اور حال ان کا یہ ہے کہ وہ اپنی فطرت اور

فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ

اللہ کی راہ میں ساتھ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے وہ سب سے بڑھ کر ہیں درجے میں نزدیک اللہ کے
وَأُولَئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۲۰﴾ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَدَّتْ
اور یہی لوگ ہیں کامیاب ○ خوش خبری دیتا ہے ان کو ان کا رب رحمت کی اپنی طرف سے اور رضامندی کی اور ایسے بانگوں کی کہ

لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ﴿۲۱﴾ خَلِيدِينَ فِيهَا أَبَدًا

ان کے لیے ان میں نعمت ہے ہمیشہ رہنے والی ○ ہمیشہ رہیں گے وہ اس میں ابد تک

إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۲۲﴾

بے شک اللہ اسی کے پاس ہے اجر بہت بڑا ○

جب بعض مسلمانوں کے درمیان یا بعض مسلمانوں اور مشرکوں کے درمیان اس امر میں اختلاف واقع ہو گیا
کہ مسجد حرام کی تعمیر اس کے اندر نماز پڑھنا، اس میں عبادت کرنا اور حاجیوں کو پانی پلانا افضل ہے یا اللہ تعالیٰ پر
ایمان لانا اور اس کے راستے میں جہاد کرنا؟ تو اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ ان دونوں کے درمیان بہت تفاوت
ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ﴾ ”کیا کر دیا تم نے حاجیوں کے پانی پلانے کو“ یعنی ان کو آب زم زم
پلانا جیسا کہ معروف ہے جب پلانے کا ذکر مطلق کیا جائے تو اس سے مراد آب زم زم پلانا ہی ہوتا ہے ﴿وَعِمَارَةَ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ أَمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ لَا يَسْتَوِنَ عِنْدَ اللَّهِ﴾
”اور مسجد حرام کے بسانے کو“ اس شخص کے برابر جو ایمان لایا اللہ اور یوم آخرت پر اور لڑا اللہ کی راہ میں یہ برابر
نہیں ہیں اللہ کے نزدیک۔“ پس جہاد اور ایمان باللہ حاجیوں کو آب زم زم پلانے اور مسجد حرام کی تعمیر سے کئی
درجے افضل ہیں کیونکہ ایمان دین کی اساس ہے اور اسی کے ساتھ اعمال قابل قبول ہوتے ہیں اور خصائل کا تزکیہ
ہوتا ہے۔

رہا جہاد فی سبیل اللہ تو وہ دین کی کوہان ہے جہاد ہی کے ذریعے سے دین اسلام کی حفاظت ہوتی ہے اور اس
میں وسعت پیدا ہوتی ہے۔ جہاد ہی کے ذریعے سے حق کی مدد جاتی ہے اور باطل بے یار و مددگار ہوتا ہے۔

رہا مسجد حرام کو آباد کرنا اور حاجیوں کو آب زم زم پلانا یہ اگرچہ نیک اعمال ہیں مگر ان کی قبولیت ایمان باللہ پر
موقوف ہے اور ان اعمال میں وہ مصالح نہیں ہیں جو ایمان باللہ اور جہاد میں ہیں۔ اسی لئے فرمایا: یہ اللہ کے ہاں
برابر نہیں۔ ﴿وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ ”اور اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا“ یعنی وہ لوگ جن کا
وصف ہی ظلم ہے جو بھلائی کی کسی چیز کو بھی قبول کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے بلکہ برائی کے سوا کوئی چیز ان کے

لائق نہیں۔ پھر نہایت صراحت کے ساتھ اہل ایمان کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿الَّذِينَ آمَنُوا

وَهَاجِرُوا وَجَهْدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ ﴿۹﴾ ”وہ لوگ جو ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کے راستے میں جہاد کیا اپنے مالوں کے ساتھ“ یعنی اپنا مال جہاد میں اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والوں کو جہاد کا سامان مہیا کرنے میں خرچ کرتے ہیں۔ ﴿۱۰﴾ وَأَنْفُسِهِمْ ﴿۱۰﴾ ”اور اپنی جانوں کے ساتھ“ اور خود جہاد کے لیے نکلتے ہیں ﴿۱۱﴾ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللَّهِ وَأَوْلِيكَ هُمُ الْفَائِزُونَ ﴿۱۱﴾ ”ان کے لئے بڑا درجہ ہے اللہ کے ہاں اور یہی لوگ ہیں مراد کو پہنچنے والے“ یعنی کوئی شخص اپنا مطلوب حاصل کر سکتا ہے نہ کسی ڈر سے نجات پاسکتا ہے سوائے اس کے جو ان کی صفات سے متصف ہوتا ہے اور ان کے اخلاق کو اپناتا ہے۔

﴿۱۲﴾ يَبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ ﴿۱۲﴾ ”ان کو ان کا رب بشارت دیتا ہے“ اپنی طرف سے رحم و کرم ان پر لطف و احسان اور ان سے اعتناء اور محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ﴿۱۳﴾ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ ﴿۱۳﴾ ”اپنی طرف سے رحمت کی“ جس کے ذریعے سے وہ ان سے برائیوں کو دور کرتا اور ہر طرح کی بھلائی ان تک پہنچاتا ہے۔ ﴿۱۴﴾ وَرِضْوَانٍ ﴿۱۴﴾ ”اور اپنی رضامندی کی“ جو جنت میں سب سے بڑی اور نہایت جلیل القدر نعمت ہوگی۔ پس وہاں اللہ تعالیٰ اہل جنت کے سامنے اپنی رضامندی کا اعلان فرمائے گا اور پھر کبھی ان پر ناراض نہیں ہوگا۔ ﴿۱۵﴾ وَجَنَّتْ لَهُمْ فِيهَا نَعِيمٌ مُّقِيمٌ ﴿۱۵﴾ ”اور باغوں کی جن میں ان کو آرام ہے ہمیشہ کا“ ان جنتوں میں ہمیشہ رہنے والی ہر قسم کی نعمتیں موجود ہوں گی جن کی دل خواہش کریں گے اور جن سے آنکھیں لذت حاصل کریں گی جن کے اوصاف اور مقدار کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا جو یہ نعمتیں عطا کرے گا۔ ان میں سے ایک نعمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے راستے میں جہاد کرنے والے مجاہدین کے لیے جنت میں سو درجے تیار کر رکھے ہیں ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا آسمان اور زمین کے درمیان۔ اگر تمام مخلوق ایک درجہ میں جمع ہو جائے تو اس ایک درجہ میں سما جائے۔ ﴿۱۶﴾ خَلِيدِينَ فِيهَا أَبَدًا ﴿۱۶﴾ ”اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے“ وہ وہاں سے منتقل ہوں گے نہ وہاں سے نکلنا چاہیں گے۔ ﴿۱۷﴾ إِنَّ اللَّهَ عِنْدَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ ﴿۱۷﴾ ”بے شک اللہ کے پاس ہے بڑا اجر“ اجر کی کثرت اللہ تعالیٰ کے فضل سے کوئی بعید نہیں اور نہ اس اجر کا بڑا اور اچھا ہونا اس ہستی کے بارے میں کوئی تعجب خیز ہے جو کسی چیز سے جب کہتی ہے ”ہو جا“! تو وہ ہو جاتی ہے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ إِنِ اسْتَحَبُّوا

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! نہ بناؤ اپنے باپوں کو اور اپنے بھائیوں کو دوست! اگر وہ پسند کریں

الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ﴿۲۳﴾

کفر کو ایمان پر اور جو دوستی رکھے گا ان سے تم میں سے تو یہی لوگ ہیں ظالم ○

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ

کہہ دیجئے! اگر ہیں تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا قبیلہ کنبہ

وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسْكِينٌ تَرْضَوْنَهَا

اور وہ مال جو کمائے تم نے اور وہ تجارت کہ ڈرتے ہو تم اس کے مندے پڑ جانے سے اور وہ گھر کہ پسند کرتے ہو تم انہیں

أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ فَتَرَبَّصُوا حَتَّىٰ

زیادہ محبوب تمہیں اللہ سے اور اس کے رسول سے اور جہاد کرنے سے اس کی راہ میں تو انتظار کرو تم یہاں تک کہ

يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرٍ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿۲۷﴾

لائے اللہ اپنا حکم اور اللہ نہیں ہدایت دیتا ان لوگوں کو جو نافرمانی کرنے والے ہیں ○

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ ”اے مومنو!“ ایمان کے تقاضوں کے مطابق عمل کرو۔ جو ایمان کے تقاضوں کو پورا کرتا ہے اس کے ساتھ موالات رکھو جو ان تقاضوں کو پورا نہیں کرتا ان سے عداوت رکھو اور ﴿لَا تَتَّخِذُوا آبَاءَكُمْ وَإِخْوَانَكُمْ أَوْلِيَاءَ﴾ ”نہ بناؤ تم اپنے باپوں اور بھائیوں کو دوست“ جو لوگوں میں سے سب سے زیادہ تمہارے قریب ہیں اور دوسرے لوگوں کے بارے میں تو زیادہ اولیٰ ہے کہ تم ان کو دوست نہ بناؤ۔ ﴿إِن اسْتَحَبُّوا الْكُفْرَ عَلَى الْإِيمَانِ﴾ ”اگر وہ کفر کو پسند کریں ایمان کے مقابلے میں“ یعنی اگر وہ برضا و رغبت اور محبت سے ایمان پر کفر کو ترجیح دیں۔ ﴿وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ ”اور جو بھی دوستی کرے گا ان سے تم میں سے پس وہی لوگ ہیں ظالم“ کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی جسارت کی اور اللہ تعالیٰ کے دشمنوں کو اپنا دوست بنایا چونکہ ولایت اور دوستی کی اساس محبت اور نصرت ہے اور ان کا کفار کو دوست بنانا کفار کی اطاعت اور ان کی محبت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی اطاعت و محبت پر مقدم رکھنے کا موجب ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے اس سبب کا ذکر فرمایا ہے جو اس کا موجب ہے اور وہ ہے اللہ اور اس کے رسول کی محبت۔ اس سے یہ بات متعین ہوگئی کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت ہر چیز پر مقدم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمام اشیاء کی محبت کو اس محبت کے تابع کیا ہے۔

فرمایا: ﴿قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ﴾ ”کہہ دیجئے! اگر ہیں تمہارے باپ“ اسی طرح یہ حکم ماؤں کے بارے میں بھی ہے ﴿وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ﴾ ”اور تمہارے بیٹے اور بھائی“ یعنی نسبی اور خاندانی اعتبار سے۔ ﴿وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ﴾ ”اور تمہاری بیویاں اور دیگر عمومی رشتہ دار“ ﴿وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا﴾ ”اور وہ مال جو تم کماتے ہو“ جس کے حصول میں مشقت برداشت کرتے ہو۔ کمائے ہوئے مال کا خاص طور پر اس لئے ذکر کیا ہے کیونکہ یہ اصحاب اموال کے نزدیک مرغوب ترین مال ہوتا ہے اور انہیں اس مال کی نسبت جو انہیں بغیر کسی محنت اور مشقت کے حاصل ہوتا ہے زیادہ محبوب و مرغوب ہوتا ہے۔ ﴿وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا﴾ ”اور وہ سوداگری جس کے مندے ہونے سے تم ڈرتے ہو“ یعنی سامان کے ارزاں ہونے اور اس میں نقصان واقع

ہونے سے ڈرتے ہو۔ اس میں تجارت اور کاروبار کی تمام اقسام شامل ہیں، مثلاً ہر قسم کا سامان تجارت، مال کی قیمتیں، برتن، اسلحہ، اشیائے استعمال، غلہ جات، کھیتیاں اور مویشی وغیرہ سب اسی زمرے میں آتے ہیں۔ ﴿وَمَسْكِنٌ تَرْضَوْنَهَا﴾ اور وہ گھر جن کو تم پسند کرتے ہو، ان کی خوبصورتی، سجاوٹ اور ان کا تمہاری خواہشات اور پسند کے مطابق ہونے کی وجہ سے۔ ﴿أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ اللَّهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٍ فِي سَبِيلِهِ﴾ ”اگر یہ تمام چیزیں تمہیں اللہ اور اس کے رسول اور جہاد سے زیادہ محبوب ہیں، تو تم فاسق و فاجر اور ظالم ہو۔ ﴿فَتَرَبَّصُوا﴾ ”تو انتظار کرو۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل ہونے کا انتظار کرو ﴿حَتَّىٰ يَأْتِيَ اللَّهُ بِأَمْرِهِ﴾ ”یہاں تک کہ اللہ کا حکم آجائے“ جسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ ﴿وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ﴾ ”اور اللہ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کے دائرہ اطاعت سے باہر نکلنے والے اور اللہ تعالیٰ کی محبت پر مذکورہ بالا اشیاء کی محبت کو ترجیح دینے والے کو اللہ تعالیٰ ہدایت سے نہیں نوازتا۔

یہ آیت کریمہ اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت فرض ہے اور دیگر تمام اشیاء کی محبت پر مقدم ہے۔ نیز آیت کریمہ میں اس شخص کے لیے نہایت سخت وعید اور شدید ناراضی کا اظہار کیا گیا ہے جسے یہ مذکورہ اشیاء اللہ اس کے رسول اور جہاد سے زیادہ محبوب ہیں۔ اس کی علامت یہ ہے کہ اگر اس کے سامنے دو امور پیش ہوں ان میں ایک اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کو محبوب ہو مگر اس میں اس کے نفس کی چاہت کا کوئی پہلو نہ ہو اور دوسرے معاملے کو نفس پسند کرتا ہو مگر اس کو اختیار کرنے سے اس چیز سے محروم ہو جاتا ہو جسے اللہ اور اس کا رسول پسند کرتے ہیں یا اس چیز میں کمی واقع ہو جاتی ہو..... اس صورت میں اگر وہ اس چیز کو اس امر پر ترجیح دیتا ہے جو اللہ تعالیٰ کو پسند ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ ظالم اور اس امر کا تارک ہے جسے اللہ تعالیٰ نے اس پر واجب کیا ہے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۗ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ

البتہ تحقیق مدد کی تمہاری اللہ نے بہت سی جگہوں میں اور دن حنین کے (بھی) جب کہ خوش نہی میں ڈال دیا تھا تم کو

كَثَرْتُمْ فَلَئِمَّا تُغْنِي عَنْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

تمہاری کثرت نے، پس نہ کام آئی وہ تمہارے کچھ بھی اور تنگ ہو گئی تم پر زمین باوجود فراخی کے

ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ ۗ ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَىٰ رَسُولِهِ

پھر لوٹے تم پیٹھے پھرتے ہوئے ○ پھر نازل کی اللہ نے اپنی سکینت اپنے رسول پر

وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا وَعَذَّبَ الَّذِينَ كَفَرُوا ۗ

اور مومنوں پر اور نازل کئے اس نے ایسے لشکر کہ نہیں دیکھا تم نے ان کو اور عذاب دیا ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا،

وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ ﴿٣٦﴾ ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ ۗ
اور یہی سزا ہے کافروں کی ○ پھر توبہ فرمائے گا اللہ بعد اس کے جس پر چاہے گا

وَاللَّهُ عَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣٧﴾

اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے مومن بندوں پر اپنے احسان کا ذکر فرماتا ہے کہ اس نے بہت سی لڑائیوں اور جنگی معرکوں میں انہیں اپنی نصرت سے نوازا حتیٰ کہ ”حنین“ کی جنگ میں جب کہ وہ انتہائی شدید صورت حال سے دوچار تھے وہ دیکھ رہے تھے کہ لوگ ان کو چھوڑ کر فرار ہو رہے ہیں اور زمین اپنی کشادگی اور وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہو رہی ہے۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ فتح مکہ کے بعد رسول اللہ ﷺ کو خبر پہنچی کہ بنو ہوازن آپ پر حملہ کرنے کے لیے اکٹھے ہو رہے ہیں۔ چنانچہ آپ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور فتح مکہ کے بعد مسلمان ہونے والے قریش کو ساتھ لے کر مقابلے کے لیے نکلے اس وقت ان کی تعداد بارہ ہزار اور مشرکین کی تعداد چار ہزار تھی۔ کچھ مسلمانوں نے اس کثرت تعداد پر اترتے ہوئے کہا ”آج ہم پر کوئی غالب نہیں آسکے گا“۔

جب بنو ہوازن اور مسلمانوں کی مدبھیڑ ہوئی تو انہوں نے مسلمانوں پر ایک بارگی حملہ کیا جس سے مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور شکست کھا کر بھاگ اٹھے اور انہوں نے پلٹ کر ایک دوسرے کی طرف نہ دیکھا۔ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سو کے لگ بھگ آدمی رہ گئے تھے جو نہایت ثابت قدمی کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ڈٹے مشرکین سے لڑ رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ اپنے نچر کو ایزد لگا کر مشرکین کی طرف پیش قدمی کر رہے تھے اور فرما رہے تھے۔ «أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبَ آتَانُ عَبْدُ الْمُطَّلِبِ» ”میں نبی ہوں اس میں کوئی جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں“۔ جب آپ نے مسلمانوں کی یہ ہزیمت دیکھی تو آپ نے حضرت عباس بن عبدالمطلب کو جو کہ بلند آواز شخص تھے حکم دیا کہ وہ انصار اور باقی مسلمانوں کو آواز دیں۔ چنانچہ انہوں نے پکار کر کہا:

”اے اصحاب بیعت رضوان! اے اصحاب سورۃ بقرہ!“

جب بھاگنے والوں نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز سنی تو وہ ایک بارگی واپس پلٹے اور مشرکین پر ٹوٹ پڑے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو زبردست شکست سے دوچار کیا۔ میدان جنگ مسلمانوں کے ہاتھ رہا۔ ان کے اموال اور عورتیں مسلمانوں کے قبضے میں آگئیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ ۗ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ﴾ ”یقیناً اللہ نے تمہاری مدد فرمائی بہت سی جگہوں میں اور حنین کے دن“ حنین مکہ مکرّمہ اور طائف کے درمیان وہ مقام ہے جہاں حنین کا معرکہ ہوا تھا ﴿إِذْ أَعْجَبَتْكُم كَثْرَتُكُمْ فَلَمَّ تُغْنِ

عَنْكُمْ شَيْئًا﴾ ”جب تمہیں تمہاری کثرت نے گھمنڈ میں مبتلا کر دیا پس اس نے تمہیں کچھ فائدہ نہیں دیا“ تمہاری

کثرت نے تمہیں تھوڑا یا زیادہ کچھ بھی فائدہ نہ دیا۔ ﴿وَصَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ﴾ ”اور زمین تم پر تنگ ہو گئی۔“ یعنی جب تمہیں شکست ہوئی اور تم پر غم و ہوموم کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اور تم پر زمین تنگ ہو گئی۔ ﴿بِمَا رَحَبْتَ﴾ ”اپنی کشادگی اور وسعت کے باوجود“ ﴿ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ﴾ ”پھر تم پیٹھ پھیر کر بھاگ نکلے۔“

﴿ثُمَّ أَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ عَلَى رَسُولِهِ وَعَلَى الْمُؤْمِنِينَ﴾ ”پھر اللہ نے اپنے رسول اور مومنوں پر سکینت نازل فرمائی“ سکینت اس کیفیت کا نام ہے جو دل کو ہلا دینے والے تباہ کن واقعات اور زلزلوں کے وقت اللہ تعالیٰ دل میں پیدا کرتا ہے جو دل کو سکون عطا کر کے مطمئن کرتی ہے۔ یہ سکون قلب بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے ﴿وَأَنْزَلَ جُنُودًا لَّمْ تَرَوْهَا﴾ ”اور ایسے لشکر اتارے جو تمہیں نظر نہیں آتے تھے“ وہ فرشتے تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے حنین کی جنگ میں مسلمانوں کی مدد کے لیے نازل فرمایا جو مسلمانوں کو ثابت قدم رکھتے تھے اور انہیں فتح و نصرت کی خوشخبری دیتے تھے۔ ﴿وَعَذَابَ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ ”اور کافروں کو عذاب دیا“ اللہ تعالیٰ نے کفار کو شکست، قتل، ان کے اموال و اولاد اور ان کی عورتوں پر مسلمانوں کے قبضہ کے ذریعے سے عذاب کا مزا چکھا دیا۔ ﴿وَذَلِكَ جَزَاءُ الْكَافِرِينَ﴾ ”اور یہ ہے سزا کافروں کی“ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں بھی عذاب دے گا اور آخرت میں سخت عذاب میں مبتلا کرے گا۔

﴿ثُمَّ يَتُوبُ اللَّهُ مِنْ بَعْدِ ذَلِكَ عَلَى مَنْ يَشَاءُ﴾ ”پھر اللہ اس کے بعد جس پر چاہتا ہے رجوع فرماتا ہے“ اللہ تبارک و تعالیٰ نے، ہوازن کے کفار میں سے جن کے ساتھ جنگ ہوئی، اکثر کی توبہ قبول فرمائی اور وہ اسلام قبول کر کے تائب ہو کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ان کی عودتیں اور بچے واپس کر دیئے ﴿وَاللَّهُ عَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ ”اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔“ یعنی اللہ تعالیٰ بے انتہا مغفرت اور بے پایاں رحمت کا مالک ہے وہ توبہ کرنے والے کے بڑے بڑے گناہ بخش دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو توبہ اور اطاعت کی توفیق عطا کر کے ان کے جرائم سے درگزر کر کے اور ان کی توبہ قبول کر کے ان پر رحم کرتا ہے۔ پس کسی نے کتنے ہی بڑے بڑے گناہوں اور جرائم کا ارتکاب کیوں نہ کیا ہو، اسے اللہ تعالیٰ کی رحمت اور بخشش سے ہرگز مایوس نہیں ہونا چاہئے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الْمُشْرِكُونَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ
اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! بلاشبہ مشرکین تو ناپاک ہیں پس نہ قریب جائیں وہ مسجد حرام کے
بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ
بعد اپنے اس سال کے اور اگر تم خوف کرتے ہو مفلسی سے تو عنقریب غنی کر دے گا تم کو اللہ اپنے فضل سے

إِنْ شَاءَ ۗ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۳۸﴾

اگر اس نے چاہا یقیناً اللہ خوب جاننے والا بڑا حکمت والا ہے ○

﴿ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّمَا الشِّرْكُونَ ﴾ ”اے ایمان والو! بے شک مشرکین، یعنی جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا اور اس کے ساتھ غیروں کی عبادت کی ﴿ نَجَسٌ ﴾ ”ناپاک ہیں۔“ یعنی اپنے عقائد و اعمال میں ناپاک ہیں، اور اس شخص سے بڑھ کر ناپاک اور کون ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خود ساختہ معبودوں کی عبادت کرتا ہے جو نفع دے سکتے ہیں نہ نقصان اور نہ وہ کوئی کام آسکتے ہیں اور ان لوگوں کے اعمال اللہ تعالیٰ کے ساتھ جنگ کرنے، اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے، باطل کی مدد کرنے، حق کو ٹھکرانے اور زمین میں اصلاح کی بجائے فساد کے لیے کام کرنے جیسے افعال پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اس لئے تم پر فرض ہے کہ تم سب سے زیادہ شرف کے حامل اور سب سے زیادہ پاک گھر سے مشرکین کو پاک رکھو۔ ﴿ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا ﴾ ”پس یہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ جائیں“ اور یہ ۹ھ کا سال تھا جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے لوگوں کے ساتھ حج کیا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچا زاد بھائی علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو روانہ فرمایا کہ حج کے روز ”براءت“ کا اعلان کر دیں، چنانچہ انہوں نے اعلان کیا کہ سال رواں کے بعد کوئی مشرک حج کے لیے نہیں آئے گا اور نہ کوئی شخص عریاں ہو کر بیت اللہ کا طواف کرے گا۔

یہاں نجاست سے مراد بدن کی نجاست نہیں، کیونکہ کافر کا بدن بھی دوسرے لوگوں کے بدن کی طرح پاک ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے کتابیہ عورت کے ساتھ مباشرت جائز قرار دی ہے مگر اس کا پسینہ وغیرہ لگ جانے کی صورت میں اسے دھونے کا حکم نہیں دیا۔ مسلمان ہمیشہ سے کفار کے ساتھ بدنی اختلاط رکھتے چلے آئے ہیں مگر ان سے یہ بات منقول نہیں کہ انہوں نے کفار کو اس طرح ناپاک سمجھا ہو جس طرح وہ گندگی کو ناپاک سمجھتے ہیں۔ درحقیقت اس سے مراد جیسا کہ گزشتہ صفحات میں گزر چکا ہے..... معنوی نجاست، یعنی شرک ہے۔ تو جس طرح توحید اور ایمان معنوی طہارت ہے اسی طرح شرک معنوی نجاست ہے۔

﴿ وَإِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً ﴾ ”(اے مسلمانو!) اگر تمہیں محتاجی کا خوف ہو۔“ یعنی مشرکین کو مسجد حرام کے قریب جانے سے روک دینے کی وجہ سے تمہارے اور ان کے درمیان دنیاوی امور میں قطع تعلق کی بنا پر فقر و احتیاج کے لاحق ہونے کا ڈر ہو۔ ﴿ فَسَوْفَ يُغْنِيكُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ ﴾ ”تو اللہ اپنے فضل سے تمہیں غنی کر دے گا“ رزق کا ایک ہی دروازہ اور ایک ہی جگہ تو نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس اگر رزق کا ایک دروازہ بند ہو جاتا ہے تو بے شمار دوسرے دروازے کھل جاتے ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ بے انتہا فضل و کرم اور بہت بڑے جو دو سخا کا مالک ہے۔ خاص طور پر اس شخص کے لیے جو محض اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی چیز کو ترک کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سب سے بڑا کریم ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا، کیونکہ اس نے اپنے فضل و کرم سے مسلمانوں کو غنی کر دیا۔ انہیں اس قدر کشادہ رزق عطا کیا کہ وہ بڑے بڑے مال داروں اور بادشاہوں میں شمار ہونے لگے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ﴿ اِنْ شَاءَ ﴾ ”اگر اس نے چاہا“ اللہ تعالیٰ کا غنی کرنا اس کی مشیت کے ساتھ معلق ہے، کیونکہ دنیا کے اندر غنا کا حاصل ہونا لوازم ایمان میں شمار ہوتا ہے نہ اللہ تعالیٰ کی محبت پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی مشیت کے ساتھ معلق کیا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ دنیا ہر ایک کو دیتا ہے اپنے محبوب بندے کو بھی اور اس کو بھی جس سے وہ محبت نہیں کرتا، مگر وہ ایمان اور دین صرف اسے عطا کرتا ہے جس کے ساتھ وہ محبت کرتا ہے۔ ﴿ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴾ ”بے شک اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔“ اس کا علم بڑا وسیع ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کون غنا عطا کئے جانے کے لائق ہے اور کون ہے جو اس کے لائق نہیں اور اللہ تعالیٰ تمام اشیاء کو ان کے لائق مقام پر رکھتا ہے۔

آیت کریمہ ﴿ فَلَا يَقْرُبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا ﴾ دلالت کرتی ہے کہ مشرکین مکہ بیت اللہ کی وجہ سے ریاست اور بادشاہی کے مالک تھے پھر فتح مکہ کے بعد حکومت اور اقتدار رسول اللہ ﷺ اور مومنین کے پاس آ گیا اور مشرکین مکہ بیت اللہ اور مکہ مکرمہ میں مقیم رہے، پھر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جب نبی اکرم ﷺ نے وفات پائی تو (وفات کے وقت) آپ نے حکم دیا کہ مشرکین کو سرزمین حجاز سے نکال دیا جائے۔ حجاز میں بیک وقت دودین نہیں رہ سکتے..... اور یہ اس وجہ سے، تاکہ ہر کافر کو مسجد حرام سے دور رکھا جائے۔ پس ہر کافر اللہ تعالیٰ کے حکم ﴿ فَلَا يَقْرُبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هَذَا ﴾ میں داخل ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ

لِلَّهِ وَلَا لِرَسُولِهِ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ

اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ

اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ

اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ

اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ

اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ

اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ

اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ

اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ

اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ

اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ

اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ

اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ

اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ

اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ اللَّهُ نَعَىٰ وَأَسْرَأَ لَكَ

ہے اور یہ (تحریف شدہ) وہ دین ہے جسے اللہ تعالیٰ نے مشروع نہیں کیا یا وہ اس دین پر عمل پیرا ہیں جو منسوخ ہے یعنی جسے اللہ تعالیٰ نے مشروع فرمایا تھا، پھر محمد مصطفیٰ ﷺ کی شریعت کے ذریعے سے منسوخ کر دیا۔ پس اس کے منسوخ ہونے کے بعد اس کے ساتھ تمسک کرنا جائز نہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ جہاد کرنے کا حکم اور اس کی ترغیب دی ہے، کیونکہ وہ لوگوں کو اپنے باطل نظریات کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ اس سے لوگوں کو اس سبب سے بہت نقصان پہنچتا ہے کہ وہ اہل کتاب ہیں اور اس قتال و جہاد کی غایت و انتہا یہ مقرر کی ہے۔ ﴿حَتَّىٰ يُعْطُوا الْجِزْيَةَ﴾ ”یہاں تک کہ وہ جزیہ دیں“ یعنی وہ مال ادا کریں جو ان کے خلاف مسلمانوں کے قتال ترک کرنے اور مسلمانوں کے درمیان اپنے مال و متاع سمیت پر امن رہنے کا عوض ہے جو ہر سال ہر شخص سے اس کے حسب حال خواہ وہ امیر ہے یا غریب وصول کیا جائے گا۔ جیسا کہ امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر سربراہان نے کیا تھا۔ ﴿عَنْ يَدَيْ﴾ ”اپنے ہاتھوں سے“ یعنی مطیع ہو کر اور اقتدار چھوڑ کر یہ مالی عوض ادا کریں اور اپنے ہاتھ سے ادا کریں اور اس کی ادائیگی کے لیے خادم وغیرہ نہ بھیجیں، بلکہ یہ جزیہ صرف انہی کے ہاتھ سے وصول کیا جائے۔ ﴿وَهُمْ صَٰغِرُونَ﴾ اور وہ زیر دست اور مطیع بن کر رہیں۔

جب ان کا یہ حال ہو اور وہ مسلمانوں کو جزیہ ادا کرنا، مسلمانوں کے غلبہ اور ان کے احکامات کے تحت آنا قبول کر لیں، حالات ان کے شر اور فتنہ سے مامون ہوں۔ وہ مسلمانوں کی ان شرائط کو تسلیم کر لیں جو ان پر عائد کی گئی ہوں جن سے ان کے اقتدار اور تکبر کی نفی ہوتی ہو اور جو ان کی زیر دستی کی موجب ہوں..... تو مسلمانوں کے امام یا اس کے نائب پر واجب ہے کہ وہ ان کے ساتھ معاہدہ کر لے۔ اگر وہ معاہدے کو پورا نہ کریں اور زیر دست رہ کر جزیہ ادا نہ کریں تو ان کو امان دینا جائز نہیں، بلکہ ان کے ساتھ قتال کیا جائے یہاں تک کہ اطاعت کر لیں۔

اس آیت کریمہ سے جمہور اہل علم استدلال کرتے ہیں کہ جزیہ صرف اہل کتاب سے لیا جائے، کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے صرف اہل کتاب سے جزیہ وصول کرنے کا حکم دیا ہے۔ رہے اہل کتاب کے علاوہ دیگر کفار تو ان کے خلاف اس وقت تک لڑنے کا ذکر ہے جب تک کہ وہ اسلام قبول نہ کر لیں۔ جزیہ ادا کرنے اور اس کے عوض مسلمانوں کے شہروں میں رہنے کے احکام میں مجوس بھی شامل ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے علاقہ ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا۔ پھر امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایران کے مجوسیوں سے جزیہ وصول کیا۔

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ اہل کتاب اور غیر اہل کتاب تمام کفار سے جزیہ قبول کیا جائے گا کیونکہ یہ آیت کریمہ مشرکین عرب کے ساتھ قتال سے فراغت کے بعد اور اہل کتاب وغیرہ کے ساتھ قتال شروع ہونے پر نازل ہوئی ہے۔ تب یہ قید واقعہ کی خبر ہے اس کا مفہوم نہیں۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مجوسیوں سے جزیہ لیا گیا ہے

حالانکہ وہ اہل کتاب میں شمار نہیں ہوتے۔ نیز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بعد میں آنے والے مسلمانوں سے تو اتر کے ساتھ ثابت ہے کہ وہ جس قوم کے خلاف جنگ کرتے انہیں سب سے پہلے تین میں سے ایک چیز قبول کرنے کی دعوت دیتے تھے۔ (۱) اسلام قبول کرنا۔ (۲) جزیہ ادا کرنا۔ (۳) یا تلوار کا فیصلہ قبول کرنا..... اور اس میں انہوں نے اہل کتاب اور غیر اہل کتاب کے درمیان کبھی کوئی فرق نہیں رکھا۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عِزَّىٰرُ بْنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصْرَى الْمَسِيحُ ابْنُ اللَّهِ ذَلِكَ

اور کہا یہودیوں نے 'عزیر بیٹا ہے اللہ کا اور کہا نصاریٰ نے 'مسح بیٹا ہے اللہ کا' یہ

قَوْلُهُمْ بِأَفْوَاهِهِمْ يُضَاهَهُونَ قَوْلَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ قَتَلَهُمُ اللَّهُ

بات ہے انکے مونہوں کی (بوں) مشابہت کرتے ہیں وہ ان لوگوں کی بات کی جنہوں نے کفر کیا ان سے پہلے ہلاک کرے ان کو اللہ

أَنِّي يُؤْفَكُونَ ۝ اتَّخَذُوا أَحْبَابَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ

کہاں وہ پھیرے جاتے ہیں ○ بنا لیا انہوں نے اپنے علماء اور درویشوں کو (اپنا) رب اللہ کو چھوڑ کر

وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا أُمْرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا ۚ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ

اور مسح ابن مریم کو (بھی) حالانکہ نہیں حکم دیے گئے تھے وہ مگر یہ کہ وہ عبادت کریں (صرف) ایک معبود کی نہیں ہے کوئی معبود سوائے اس کے

سُبْحٰنَهُ عَنَّا يُشْرِكُونَ ۝ يَرِيدُونَ أَن يُطْفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ وَيَأْبَى

وہ پاک ہے اس سے جو وہ شریک ٹھہراتے ہیں ○ وہ چاہتے ہیں یہ کہ بجھا دیں نور اللہ کا اپنے مونہوں سے اور انکار کرتا ہے

اللَّهُ إِلَّا أَن يَتَمَنَّوْا نُورًا ۖ وَكَوْكَرَهُ الْكَفِرُونَ ۝ هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ

اللہ مگر یہ کہ پورا کرے اپنا نور اگرچہ ناخوش ہوں کافر ○ وہ (اللہ) وہ ذات ہے جس نے بھیجا اپنا رسول

بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ ۖ وَكَوْكَرَهُ الْمُشْرِكُونَ ۝

ساتھ ہدایت اور دین حق کے تاکہ غالب کرے اس کو سب دینوں پر اگرچہ ناخوش ہوں مشرک ○

جب اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کے ساتھ قتال کا حکم دیا تو ان کے ان خبیث اقوال کا ذکر کیا جو اہل ایمان کو جن کے اندر اپنے دین اور اپنے رب کے بارے میں غیرت ہوتی ہے ان کے ساتھ جنگ کرنے ان کے خلاف جدوجہد کرنے اور اس میں پوری کوشش صرف کرنے پر آمادہ کرتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا ﴿ وَقَالَتِ الْيَهُودُ عِزَّىرُ بْنُ اللَّهِ ﴾ یہود نے کہا 'عزیر اللہ کے بیٹے ہیں' ان کا یہ قول ان کے تمام عوام کا قول نہ تھا بلکہ ان میں سے ایک فریق کا قول تھا۔ البتہ یہ آیت کریمہ اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ یہودیوں کی سرشت میں خباثت اور شرکوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا جس نے ان کو یہاں تک پہنچا دیا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہ بات کہنے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت و جلال میں نقص ثابت کرنے کی جسارت کی۔

بعض اہل علم کہتے ہیں کہ حضرت عزیر ؑ کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا بیٹا ہونے کا دعویٰ کرنے کا سبب یہ تھا کہ جب (غیر اسرائیلی مشرک) بادشاہوں نے ان پر تسلط حاصل کر کے ان کو تتر بتر کر دیا اور حاملین تورات کو قتل کر دیا اس کے بعد انہوں نے عزیر ؑ کو پایا کہ تمام تورات یا اس کا بیشتر حصہ ان کو حفظ ہے، حضرت عزیر ؑ نے ان کو تورات اپنے حافظہ سے املا کروادی اور انہوں نے تورات کو لکھ لیا۔ بنا بریں انہوں نے حضرت عزیر ؑ کے بارے میں یہ بدترین دعویٰ کیا۔ ﴿ **وَقَالَتِ الْيَهُودُ النَّصْرِيُّ الْمَسِيحُ** ﴾ ”اور عیسائیوں نے کہا کہ مسیح“ عیسیٰ بن مریم ﴿ **ابْنُ اللَّهِ** ﴾ ”اللہ کا بیٹا ہے“۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ **ذَلِكَ** ﴾ ”یہ“ یعنی وہ قول جو یہ کہتے ہیں۔ ﴿ **قَوْلُهُمْ يَا قَوْمِ هُمْ** ﴾ ”باتیں ہیں ان کے مونہوں کی“ جس کی صداقت پر یہ لوگ کوئی حجت اور دلیل قائم نہیں کر سکے۔ جس شخص کو اس بات کی پروا نہ ہو کہ وہ کیا بولتا ہے اگر وہ کیسی بھی بات کرے تو اس کے بارے میں یہ چیز تعجب خیز نہیں، کیونکہ اس کے پاس کوئی عقل اور کوئی دین نہیں جو اس کو ایسی بات کرنے سے روکے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ **يُضَاهَوْنَ** ﴾ ”وہ مشابہت رکھتے ہیں۔“ یعنی وہ اپنے اس قول میں مشابہت رکھتے ہیں۔ ﴿ **قَوْلِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ قَبْلُ** ﴾ ”ان لوگوں کے قول سے جنہوں نے اس سے پہلے کفر کیا“ یعنی ان کا قول مشرکین کے قول سے مشابہت رکھتا ہے جو یہ کہتے ہیں کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں۔ باطل ہونے میں ان کے اقوال باہم مشابہت رکھتے ہیں۔ ﴿ **قَاتَلَهُمُ اللَّهُ أَنْ يَكْفُرُوا** ﴾ ”اللہ ان کو ہلاک کرے“ کہاں پھرے جاتے ہیں، یعنی وہ کیسے واضح اور خالص حق کو واضح طور پر باطل کی طرف موڑ دیتے ہیں۔

یہ رویہ اگرچہ ایک بڑی امت سے بہت نادر اور عجیب سا لگتا ہے کہ وہ کسی ایسی بات پر متفق ہو جس کے بطلان پر ادنیٰ سا غور و فکر اور عقل اور سمجھ دلاست کرتے ہیں، کیونکہ اس کا سبب یہ ہے کہ ﴿ **إِتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ** ﴾ ”انہوں نے ٹھہر لیا اپنے احبار کو“ (أحبار) سے مراد ان کے ”علماء“ ہیں۔ ﴿ **وَرُؤَسَاءَهُمْ** ﴾ ”اور اپنے رہبان کو“ اور (رُؤَسَاءَهُمْ) سے مراد ”وہ عبادت گزار لوگ ہیں جنہوں نے عبادت کے لیے گوشہ نشینی اختیار کی ہے۔“ ﴿ **أَرْبَابًا مِّنْ دُونِ اللَّهِ** ﴾ ”رب اللہ کے سوا“ وہ ان کے لیے ان امور کو حلال کرتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے اور یہ ان کو حلال سمجھ لیتے ہیں اور ان امور کو حرام کرتے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے حلال ٹھہرایا ہے۔ اور یہ (ان کی تقلید میں) ان امور کو حرام قرار دے لیتے ہیں۔ یہ احبار اور رہبان ان کے لیے ایسی شریعت اور اقوال مشروع کرتے ہیں جو انبیاء و رسل کے دین کے منافی ہیں اور یہ ان کی تقلید کرتے ہیں۔ نیز یہ اپنے مشائخ و عباد کے بارے میں غلو سے کام لیتے ہیں ان کی تعظیم کرتے ہیں ان کی قبروں کو بت بنا دیتے ہیں جن کی اللہ کے سوا عبادت کی جاتی ہے، جہاں جانور ذبح کرنے کی منتیں مانی جاتی ہیں، دعائیں مانگی جاتی ہیں اور ان کو مدد کے لیے پکارا جاتا ہے۔ ﴿ **وَالْمَسِيحَ ابْنَ مَرْيَمَ** ﴾ ”اور مسیح ابن مریم کو۔“ یعنی انہوں نے اللہ کے سوا مسیح ابن مریم ؑ کو بھی معبود بنا

لیا۔ اس حال میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی خلاف ورزی کی جو اس نے اپنے انبیاء و مرسلین کے توسط سے ان کو دیا تھا۔ ﴿وَمَا أُمْرُوا إِلَّا لِيَعْبُدُوا إِلَهًا وَاحِدًا﴾ ”حالانکہ انہیں یہ حکم دیا گیا تھا کہ اللہ واحد کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔“ پس عبادت اور اطاعت کو صرف اسی کے لیے خالص کریں۔ محبت اور دعا کے لیے صرف اسی کو مخصوص کریں۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کو دور پھینک دیا اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا جس پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی۔ ﴿سُبْحٰنَهُ﴾ ”پاک ہے وہ اس سے“ اور بلند ہے۔ ﴿عَمَّا يُشْرِكُونَ﴾ ”ان چیزوں سے جن کو وہ شریک ٹھہراتے ہیں“ وہ پاک اور مقدس ہے، اس کی عظمت اور شان ان کے شرک اور بہتان طرازی سے بہت بلند ہے، کیونکہ وہ اس بارے میں نقص کے مرتکب ہیں اور اسے ایسی صفات سے متصف کرتے ہیں جو اس کی جلالت شان کے لائق نہیں اور اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے اوصاف و افعال میں ہر اس چیز سے منزہ اور بلند ہے جو اس کے کمال مقدس کے منافی ہے۔

جب یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ ان کے قول کی کوئی دلیل اور ان کے اصول کی کوئی برہان تائید نہیں کرتی۔ ان کا قول محض ان کے منہ کی بات ہے اور ایک ایسا بہتان ہے جو انہوں نے خود گھڑ لیا ہے..... تو اللہ تعالیٰ نے آگاہ فرمایا ﴿يُرِيدُونَ﴾ ”وہ چاہتے ہیں۔“ اس کے ذریعے سے ﴿أَنْ يُظْفِقُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفْوَاهِهِمْ﴾ ”کہ وہ اللہ کے نور کو اپنے منہوں سے بچھادیں“ یہاں اللہ کے نور سے مراد اس کا دین ہے جس کو اس نے اپنے رسولوں کے ذریعے سے بھیجا اور کتابوں کے ذریعے سے نازل فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے دین کو نور کہا ہے، کیونکہ جہالت اور ادیان باطلہ کے اندھیروں میں اس کے ذریعے سے روشنی حاصل کی جاتی ہے، کیونکہ دین، حق کے علم اور حق پر عمل کا نام ہے اور حق کے علاوہ ہر چیز اس کی ضد ہے۔ یہ یہود و نصاریٰ اور ان کی مانند دیگر مشرکین چاہتے ہیں کہ وہ محض اپنی ایسی خالی خولی باتوں سے اللہ تعالیٰ کی روشنی کو بچھادیں، جن کی اساس کسی دلیل پر قائم نہیں۔ ﴿وَيَأْتِي اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورًا﴾ ”اور اللہ نہ رہے گا بغیر پورا کیے اپنے نور کے“ اور اللہ تعالیٰ اپنا نور پورا کر کے رہے گا، کیونکہ یہ نور ایسا غالب نور ہے کہ تمام مخلوق اگر اس کو بچھانے کے لیے اکٹھی ہو جائے تو اسے بچھانیں سکتی اور جس نے یہ نور نازل فرمایا ہے، تمام بندوں کی پیشانی اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اس نے ہر اس شخص سے جو اس کے بارے میں برا ارادہ رکھتا ہے، اس نور کی حفاظت کا ذمہ اٹھایا ہوا ہے۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَيَأْتِي اللَّهُ إِلَّا أَنْ يُتِمَّ نُورًا وَنُورَهُ الْكَافِرُونَ﴾ ”اور اللہ اپنے نور کو پورا کیے بغیر رہنے کا نہیں، اگرچہ کافروں کو برا ہی لگے۔“ یعنی وہ اس نور کے ابطال اور اس کو رد کرنے میں پوری طرح کوشاں رہتے ہیں مگر ان کی یہ بھاگ دوڑ حق کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتی۔

پھر اللہ تعالیٰ نے اس نور کو جس کی تکمیل اور حفاظت کا اس نے ذمہ اٹھایا ہے، واضح کرتے ہوئے فرمایا ﴿هُوَ

الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَى ﴿۹﴾ ”وہی ذات ہے جس نے بھیجا اپنے رسول کو ہدایت کے ساتھ“ جو کہ علم نافع کا نام ہے۔ ﴿۱۰﴾ **وَدِينِ الْحَقِّ** ﴿۱۰﴾ ”اور دین حق کے ساتھ“ جو کہ عمل صالح کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جناب محمد ﷺ کو جو دین دے کر مبعوث فرمایا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء و صفات اس کے افعال اور اس کے احکام و اخبار کے بارے میں باطل میں سے حق کو واضح کرنے اور ہر ایسے حکم پر مشتمل ہے جو بدن روح اور قلب کے لیے نافع اور ان کی اصلاح کرتا ہے یعنی دین میں اخلاص اللہ تعالیٰ سے محبت اور اسی کی عبادت کا حکم دیتا ہے وہ مکارم اخلاق، محاسن عادات، اعمال صالحہ اور آداب نافعہ کے احکام پر مشتمل ہے اور ان تمام برے اخلاق اور برے اعمال سے روکتا ہے جو ان کی ضد ہیں۔ جو دنیا و آخرت میں قلب و بدن کے لیے ضرور رساں ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ مبعوث فرمایا۔ ﴿۱۱﴾ **لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ** ﴿۱۱﴾ ”تا کہ اس (دین) کو تمام دینوں پر غالب کرے، اگرچہ کافر ناخوش ہی ہوں۔“ یعنی تا کہ حجت و برہان اور شمشیر و سناں کے ذریعے سے تمام ادیان پر اسے غالب کرے۔ اگرچہ مشرکین کو یہ بات بہت ناگوار گزرتی ہے، وہ اس کے خلاف فساد برپا کرتے ہیں اور اس کے خلاف سازشیں کرتے ہیں مگر سازش کا نقصان سازش کرنے والے ہی کو پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمایا ہے اور وہ اپنا وعدہ ضرور پورا کرے گا اس نے جو ذمہ اٹھایا ہے وہ اسے ضرور نبھائے گا۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِّنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لِيَآكُفُونَ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! بے شک بہت سے علماء اور درویش البتہ کھاتے ہیں

أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ

مال لوگوں کے باطل طریقے سے اور روکتے ہیں وہ (لوگوں کو) اللہ کے راستے سے اور وہ لوگ جو جمع کر کے رکھتے ہیں

الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿۱۲﴾

سونا اور چاندی اور نہیں خرچ کرتے اسے اللہ کی راہ میں۔ پس خوش خبری دے دیجئے ان کو ساتھ عذاب دردناک کے ○

يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ

جس دن کہ تپایا جائے گا وہ (مال) جہنم کی آگ میں پھر داغا جائے گا اس سے ان کی پیشانیوں کو اور ان کے پہلوؤں کو

وظُهُورُهُمْ ط هَذَا مَا كُنْتُمْ لِنَفْسِكُمْ فَذُوقُوا

اور ان کی پیٹھوں کو (اور کہا جائے گا) یہ ہے وہ جو تم جمع کر کے رکھتے تھے اپنے نفسوں کے لیے سو (مزہ) چکھو تم

مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ ﴿۱۳﴾

(اس کا) جو تھے تم جمع کر کے رکھتے ○

یہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے اپنے اہل ایمان بندوں کو تحذیر ہے کہ وہ بہت سے احبار اور رہبان یعنی اہل کتاب کے علماء اور عبادت گزاروں سے بچیں جو باطل یعنی ناحق طریقے سے لوگوں کا مال کھاتے ہیں اور انہیں اللہ کے راستے سے روکتے ہیں، کیونکہ ان کے علم، ان کی عبادت اور ان کی پیشوائی کی وجہ سے لوگوں کے مال اور ان کے چندوں میں سے ان کے وظائف مقرر ہیں۔ یہ احبار اور رہبان وظائف لیتے ہیں اور لوگوں کو اللہ کے راستے سے روکتے ہیں۔ ان کا اس طریقے سے وظائف لینا حرام اور ظلم ہے، کیونکہ لوگ ان پر اپنا مال اس لئے خرچ کرتے ہیں، تاکہ وہ راہ راست کی طرف ان کی راہ نمائی کریں اور ناحق طریقے سے لوگوں کا مال ہتھیانے کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ لوگ ان کو مال دے کر ایسا فتویٰ حاصل کرتے تھے یا ان سے ایسا فیصلہ کرواتے تھے جو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کے مطابق نہیں ہوتا تھا۔ ان احبار اور رہبان کی ان دو حالتوں سے بچنا چاہئے:

(۱) ناحق لوگوں کا مال لینا۔ (۲) لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنا۔

﴿وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ﴾ اور جو لوگ سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں۔ یعنی ان کو روک رکھتے ہیں۔ ﴿وَلَا يَنْفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ اور ان کو اللہ کے راستے میں خرچ نہیں کرتے۔ یعنی بھلائی کے راستوں میں خرچ نہیں کرتے جو اللہ تعالیٰ تک پہنچاتے ہیں۔ یہ وہ جمع کرنا ہے جو حرام ہے، یعنی مال کو روک رکھنا اور اسے وہاں خرچ نہ کرنا جہاں خرچ کرنا فرض ہے، مثلاً زکوٰۃ ادا نہ کرنا، بیویوں اور دیگر اقارب کو نفقات واجبہ نہ دینا۔ ﴿فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ﴾ تو انہیں دردناک عذاب کی خوشخبری دیجئے۔

پھر اس عذاب کی تفسیر بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿يَوْمَ يُحْصَىٰ عَلَيْهَا﴾ جس دن اس (مال) کو گرم کیا جائے گا۔ یعنی ان کے مال پر آگ دہکائی جائے گی۔ ﴿فِي نَارِ جَهَنَّمَ﴾ جہنم کی آگ میں۔ یعنی ہر دینار اور ہر درہم پر علیحدہ علیحدہ آگ دہکائی جائے گی۔ ﴿فَتَكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ﴾ (پھر اس سے قیامت کے روز) ان لوگوں کی پیشانیوں، ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائے گا۔ جب بھی یہ دینار و درہم ٹھنڈے پڑ جائیں گے تو ان کو دوبارہ دن بھر تپایا جائے گا اور وہ دن پچاس ہزار سال کے برابر ہوگا اور انہیں زجر و توبیخ اور ملامت کرتے ہوئے کہا جائے گا۔ ﴿هَذَا مَا كُنْتُمْ لَا نَفْسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُونَ﴾ یہی وہ مال ہے جو تم سینت سینت کر رکھتے تھے اپنی جانوں کے لئے اب مزہ چکھو اپنے جمع کرنے کا، پس اللہ تعالیٰ نے تم پر ظلم نہیں کیا بلکہ تم نے خود ہی اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اس خزانے کے ذریعے سے تم نے اپنی جانوں کو عذاب میں مبتلا کیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان دو آیات کریمہ میں انسان کے اپنے مال کے بارے میں انحراف کا ذکر فرمایا ہے۔ یہ انحراف دو امور کے ذریعے سے ہوتا ہے۔

(۱) انسان اس کو باطل کے راستے میں خرچ کرتا ہے جس کا اس کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا بلکہ اس سے اس کو

صرف نقصان ہی پہنچتا ہے، مثلاً معاصی اور شہوات میں مال خرچ کرنا جس سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت

پر اعانت حاصل نہیں ہوتی۔ اور لوگوں کو اللہ تعالیٰ کے راستے سے روکنے کے لیے مال خرچ کرنا۔
(۲) جہاں مال خرچ کرنا واجب ہو وہاں مال خرچ نہ کرنا اور کسی چیز سے روکنا درحقیقت اس کی ضد کا حکم دینا ہے۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ
بَيْتَكَ شَارِ مَهِينُونَ كَأُزْدِيكَ اللَّهُ كَبَارَهُ مَهِينِينَ هِيَ هِيَ اللَّهُ كِتَابِ اللَّهِ فِي كِتَابِ اللَّهِ يَوْمَ خَلَقَ
السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرْمٌ ذَلِكَ الدِّينُ الْقَيِّمُ فَلَا
آسَانَ أَوْ زَمِينَ ان مِيسَ سَ چَار (مِيسَ) هِيَ حَرَمَتِ وَالْهُ هِيَ هِيَ دِينَ سِيدَهَا پَس نَه
تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً
ظَلَمَ كَرُوْتَمِ ان مِيسَ اِپْنِي جَانُوْنِ پُرْ اُوْر لُزُوْتَمِ مِشْرُوْنِ سَ اِكْطَهْ جِيسَ وَه لُزَتِ هِيَ تَمِ سَ اِكْطَهْ
وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّادِقِينَ ﴿۳۶﴾

اور جان لو کہ اللہ ساتھ ہے پرہیزگاروں کے ○

﴿إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ﴾ اللہ کے ہاں مہینوں کی گنتی، یعنی اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر میں۔ ﴿اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا﴾ بارہ مہینے ہے، یہ وہی معروف مہینے ہیں۔ ﴿فِي كِتَابِ اللَّهِ﴾ اللہ کی کتاب میں، یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم قدری میں۔ ﴿يَوْمَ خَلَقَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ﴾ جس دن اس نے پیدا کئے تھے آسمان اور زمین، اللہ تعالیٰ نے اس کے لیل و نہار جاری کئے، اس کے اوقات کی مقدار مقرر کی اور اس کو ان بارہ مہینوں میں تقسیم کیا۔ ﴿مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرْمٌ﴾ ان میں سے چار مہینے حرمت والے ہیں، اور یہ ہیں رجب، ذیقعد، ذوالحجہ اور محرم..... اور ان کے احترام کی وجہ سے ان کو حرام مہینوں سے موسوم کیا گیا ہے۔ نیز ان کو اس وجہ سے بھی حرام مہینے کہا گیا ہے کہ ان میں قتال کرنا حرام ٹھہرایا گیا ہے۔

﴿فَلَا تَظْلِمُوا فِيهِنَّ أَنْفُسَكُمْ﴾ پس ان میں تم اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو، اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ ضمیر بارہ مہینوں کی طرف لوٹتی ہے اور یہ کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ اس نے ان مہینوں کو بندوں کے لیے وقت کی مقدار کے تعین کے لیے مقرر فرمایا ہے۔ پس ان مہینوں کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے معمور رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان پر اس کا شکر ادا کیا جائے، نیز یہ کہ اس نے ان مہینوں کو اپنے بندوں (کے مصالح) کے لیے مقرر فرمایا۔ پس اپنے آپ پر ظلم کرنے سے بچو۔ اس میں یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے کہ ضمیر صرف چار حرام مہینوں کی طرف لوٹتی ہو یعنی ان کے لیے ممانعت ہے کہ وہ خاص طور پر ان چار مہینوں میں ظلم کریں۔ حالانکہ تمام اوقات میں ظلم کرنے کی ممانعت ہے، لیکن چونکہ ان چار مہینوں کی حرمت زیادہ ہے اور ان مہینوں میں دوسرے مہینوں کی نسبت

ظلم کے گناہ کی شدت بھی زیادہ ہے اس لئے ان مہینوں میں ظلم کرنے سے بطور خاص منع کیا گیا۔ ان چار مہینوں میں ان علماء کے نزدیک جو یہ کہتے ہیں کہ حرام مہینوں میں لڑائی کی تحریم منسوخ نہیں لڑائی کرنا ممنوع ہے۔ وہ ان مہینوں میں قتال کی تحریم کے بارے میں عام نصوص پر عمل کرتے ہیں۔ بعض اہل علم کہتے ہیں کہ ان مہینوں میں قتال کی تحریم منسوخ ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی عمومیت پر عمل کرتے ہیں۔ ﴿ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِينَ كَافَّةً كَمَا يُقَاتِلُونَكُمْ كَافَّةً ﴾ ”اور تم سب کے سب مشرکوں سے لڑو جیسے وہ سب کے سب تم سے لڑتے ہیں۔“ یعنی تمام قسم کے مشرکین اور رب العالمین کا انکار کرنے والوں سے لڑو اور لڑائی کے لیے کسی کو مخصوص نہ کرو بلکہ تمام مشرکین اور کفار کو اپنا دشمن سمجھو جیسا کہ تمہارے ساتھ ان کا رویہ ہے۔ وہ اہل ایمان کو اپنا دشمن سمجھتے ہیں اور شرارت سے کبھی نہیں چوکتے۔

اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ ﴿ كَافَّةً ﴾ ”قاتلوا“ کی واؤ سے حال ہو تب معنی یہ ہوگا کہ تم سب اکٹھے ہو کر مشرکین سے جنگ کرو اس صورت میں تمام اہل ایمان پر جہاد کے لیے نکلنا فرض ہے۔ اس احتمال کے مطابق یہ آیت کریمہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ارشاد ﴿ وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُونَ لِيَنفِرُوا كَافَّةً ﴾ (التوبہ: ۱۲۲/۹) ”اہل ایمان کے لیے ضروری نہ تھا کہ وہ سارے کے سارے نکل کھڑے ہوتے“ کے لئے ناخ قرار پائے گی۔

﴿ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ مَعَ الْمُتَّقِينَ ﴾ ”اور جان رکھو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔“ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ اپنی مدد نصرت اور تائید کے ذریعے سے تقویٰ شعار لوگوں کے ساتھ ہے۔ پس تم اپنے ظاہر و باطن اور اطاعت الہی پر قائم رہنے میں اللہ تعالیٰ کا تقویٰ اختیار کرنے کے حریص بنو۔ خاص طور پر کفار کے خلاف قتال کے وقت کیونکہ ایسی صورت حال میں جنگ میں شریک کفار دشمنوں کے معاملہ میں مومن سے تقویٰ کا دامن ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے۔

إِنَّمَا النَّسِيءُ زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ يُضَلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا
بیشک مہینے کو پیچھے ہٹا دینا تو زیادتی ہے کفر میں گمراہ کئے جاتے ہیں اس کی وجہ سے کافر لوگ حلال کر لیتے ہیں وہ اس کو ایک سال
وَيُحَرِّمُونَهُ عَامًا لِيُؤَاطِعُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ فَيُحِلُّوا مَا
اور حرام کر دیتے ہیں اسکو (دوسرے) سال تاکہ پوری کریں کتنی ان مہینوں کی جو حرام ٹھہرائے اللہ نے۔ پس وہ حلال کر لیتے ہیں جس کو
حَرَّمَ اللَّهُ طُ زَيْنَ لَهُمْ سُوءُ أَعْمَالِهِمْ ط وَاللَّهُ
حرام کیا اللہ نے مزین کر دیئے گئے ان کے لیے برے عمل ان کے اور اللہ

لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿۳۷﴾

نہیں ہدایت دیتا کافر قوم کو ○

﴿التَّاسِيَةُ﴾ ”تاخیر“ وہ ہے جو اہل جاہلیت حرام مہینوں میں استعمال کیا کرتے تھے۔ یہ ان کی جملہ بدعات میں سے ایک بدعت تھی کہ جب انہیں حرام مہینوں میں سے کسی مہینے میں لڑائی کی ضرورت پڑتی تو وہ..... اپنی فاسد آراء کے مطابق..... سمجھتے تھے کہ حرام مہینوں کی گنتی کو پورا رکھا جائے جن کے اندر لڑائی حرام ہے۔ اور یہ کہ وہ بعض حرام مہینوں کو موخر یا مقدم کر دیتے تھے اور اس کی جگہ حلال مہینوں میں سے کسی مہینے کو حرام بنا لیتے تھے۔ جب ان حرام کی جگہ حلال مہینوں کو مقرر کر دیتے تو حرام مہینوں میں لڑائی کو حلال کر لیتے اور حلال مہینوں کو حرام قرار دے دیتے۔ ان کا یہ رویہ..... جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں آگاہ فرمایا ہے..... ان کی طرف سے مزید کفر اور گمراہی کا رویہ ہے کیونکہ اس میں ایسے امور ہیں جن سے پرہیز کیا جانا چاہیے۔

(۱) انہوں نے (نسیسی) کو اپنی طرف سے گھڑ کر اللہ تعالیٰ کی شریعت اور دین قرار دے دیا حالانکہ اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہیں۔

(۲) انہوں نے دین کو بدل ڈالا، حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دے ڈالا۔

(۳) انہوں نے بزعم خود اللہ تعالیٰ اور اس کے بندوں کے ساتھ فریب کیا۔ اللہ تعالیٰ کے بندوں پر ان کے دین کو گڈنڈ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ کے دین میں حیلہ سازی اور فریب کاری کو استعمال کیا۔

(۴) شریعت کی مخالفت میں بار بار کئے جانے والے اعمال پر دوام سے لوگوں کے دلوں سے ان کی قباحت زائل ہو جاتی ہے، بلکہ بسا اوقات ایسے کام اچھے محسوس ہونے لگتے ہیں اس کے جو خطرناک نتائج نکلتے ہیں محتاج وضاحت نہیں۔

بنا برس اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يُضِلُّ بِهِ الَّذِينَ كَفَرُوا يُحِلُّونَهُ عَامًا وَ يَحَرِّمُونَهُ عَامًا لِيُؤْطِئُوا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ﴾ ”گمراہی میں پڑتے ہیں اس سے کافر، حلال کر لیتے ہیں اس مہینے کو ایک برس اور حرام رکھتے ہیں اس کو دوسرے برس، تاکہ پوری کر لیں گنتی ان مہینوں کی جن کو اللہ نے حرمت والا قرار دیا ہے، یعنی حرام مہینوں کے عدد میں موافقت کریں اور جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے انہیں حلال قرار دے لیں ﴿رُزِينَ لَهُمْ سُوءَ أَعْمَالِهِمْ﴾ ”ان کے برے اعمال ان کے لیے مزین کر دیے گئے ہیں۔“ یعنی شیاطین نے ان کے سامنے ان کے برے اعمال کو مزین کر دیا اور ان کے دلوں میں جو عقائد مزین ہو گئے ہیں ان کی وجہ سے وہ ان اعمال کو اچھا سمجھتے ہیں۔ ﴿وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ﴾ ”اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں دیتا۔“ یعنی وہ لوگ جو کفر کے رنگ میں رنگے گئے ہیں اور تکذیب نے ان کے دلوں میں جڑ پکڑ لی ہے لہذا ان کے پاس اگر تمام نشانیاں بھی آجائیں تو یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِثَّا قُلْتُمْ

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! کیا ہے تمہیں؟ جب کہا جاتا ہے تم سے کہ کوچ کرو اور اللہ کی توجہ حاصل ہو جائے (اور گرے جاتے) ہو تم

إِلَى الْأَرْضِ أَرْضَيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ ۚ فَمَا مَتَاعٌ

طرف زمین کی، کیا تم نے پسند کر لیا ہے دنیا کی زندگی کو بمقابلہ آخرت کے؟ پس نہیں ہے فائدہ

الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فِي الْآخِرَةِ إِلَّا قَلِيلٌ ﴿۳۸﴾ إِلَّا تَنْفِرُوا يُعَذِّبْكُمْ

دنیا کی زندگی کا آخرت کے مقابلے میں مگر تھوڑا ○ اگر نہ کوچ کرو گے تم تو دے گا وہ تمہیں

عَذَابًا أَلِيمًا ۚ وَيَسْتَبَدُّ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا ط

عذاب دردناک اور بدل کر لے آئے گا کسی اور قوم کو سوائے تمہارے اور نہ بگاڑ سکو گے تم اس کا کچھ بھی

وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿۳۹﴾

اور اللہ ہر چیز پر خوب قادر ہے ○

واضح رہے کہ اس سورہ کریمہ کا اکثر حصہ غزوہ تبوک میں نازل ہوا ہے جب رسول اللہ ﷺ نے رومیوں کے مقابلے میں جنگ کے لیے لوگوں کو بلایا۔ اس وقت سخت گرمی کا موسم تھا لوگوں کے پاس زادِ راہ بہت کم تھا اور ان کے معاشی حالات عمرت کا شکار تھے۔ اس کی وجہ سے بعض مسلمانوں میں سستی آگئی تھی جو اللہ تعالیٰ کے عتاب کی موجب بنی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو جہاد کے لیے اٹھنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ ”اے ایمان والو! کیا تم ایمان کے تقاضوں اور یقین کے داعیوں کو نہیں جانتے؟ ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں سبقت کی جائے اس کی رضا کے حصول اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور تمہارے دین کے دشمنوں کے خلاف جہاد کی طرف سرعت سے بڑھا جائے۔ پس ﴿مَا لَكُمْ إِذَا قِيلَ لَكُمْ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ إِثَّا قُلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ﴾ ”تمہیں کیا ہے کہ جب تمہیں کہا جاتا ہے کہ اللہ کے راستے میں کوچ کرو تو گرے جاتے ہو زمین پر“ یعنی تم سستی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بیٹھ رہے ہو اور راحت و آرام کی طرف مائل ہو رہے ہو۔ ﴿أَرْضَيْتُمْ بِالْحَيَاةِ الدُّنْيَا مِنَ الْآخِرَةِ﴾ ”کیا تم آخرت کو چھوڑ کر دنیا کی زندگی پر خوش ہو بیٹھے ہو۔“ یعنی تمہارا حال تو بس اس شخص جیسا ہے جو دنیا کی زندگی پر راضی ہے اور اسی کے لیے بھاگ دوڑ کرتا ہے اور آخرت کی کوئی پروا نہیں کرتا۔ گویا آخرت پر وہ ایمان ہی نہیں رکھتا۔

﴿فَمَا مَتَاعٌ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ ”پس نہیں ہے نفع اٹھانا دنیا کی زندگی کا“ جس کی طرف تم مائل ہو جس کو تم

نے آخرت پر ترجیح دے رکھی ہے۔ ﴿إِلَّا قَلِيلٌ﴾ ”مگر بہت تھوڑا“ کیا اللہ تعالیٰ نے تمہیں عقل سے نہیں نوازا

جس کے ذریعے سے تم تمام معاملات کو تولو کہ کون سا معاملہ ہے جو ترجیح دیئے جانے کا مستحق ہے؟ کیا ایسا نہیں کہ

یہ دنیا..... اول سے لے کر آخر تک..... آخرت کے ساتھ اس کی کوئی نسبت ہی نہیں؟ اس دنیا میں انسان کی عمر بہت تھوڑی ہے یہ عمر اتنی نہیں کہ اسی کو مقصد بنا لیا جائے اور اس کے ماوراء کوئی مقصد ہی نہ ہو اور انسان کی کوشش اس کی جہد اور اس کے ارادے اس انتہائی مختصر زندگی سے آگے نہ بڑھتے ہوں جو حکمدر سے لبریز اور خطرات سے بھرپور ہے۔ تب کس بنا پر تم نے دنیا کی زندگی کو آخرت پر ترجیح دے دی جو تمام نعمتوں کی جامع ہے جس میں وہ سب کچھ ہوگا نفس جس کی خواہش کریں گے اور آنکھیں جس سے لذت حاصل کریں گی اور تم اس آخرت میں ہمیشہ رہو گے..... اللہ کی قسم! وہ شخص جس کے دل میں ایمان جاگزیں ہو گیا ہے جو صائب رائے رکھتا ہے اور جو عقل مندوں میں شمار ہوتا ہے، کبھی دنیا کو آخرت پر ترجیح نہیں دے گا۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے جہاد کے لیے نہ نکلنے پر ان کو سخت وعید سناتے ہوئے فرمایا: ﴿إِلَّا تَنْفَرُوا يُعَذِّبَكُمُ عَذَابًا أَلِيمًا﴾ ”اگر تم نہ نکلو گے تو وہ تم کو عذاب دے گا دردناک عذاب“ دنیا اور آخرت میں، کیونکہ جہاد کے لیے بلانے پر جہاد کے لیے گھر سے نہ نکلنا کبیرہ گناہ ہے جو سخت ترین عذاب کا موجب ہے، کیونکہ اس میں شدید نقصان ہے بوقت ضرورت جہاد سے جی چرا کر پیچھے بیٹھ رہنا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی منہیات کا ارتکاب ہے۔ جہاد سے گریز کرنے والے نے اللہ تعالیٰ کے دین کی مدد کی نہ اس کی کتاب اور شریعت کی مدافعت کی اور نہ اس نے اپنے مسلمان بھائیوں کی ان کے ان دشمنوں کے خلاف مدد کی جو ان کو ختم کرنا اور ان کے دین کو مٹانا چاہتے ہیں۔

نیز بسا اوقات ضعیف الایمان لوگ جہاد سے جی چرانے میں ان کی پیروی کرنے لگتے ہیں، بلکہ اس طرح دشمن کے خلاف جہاد کرنے والوں کی قوت ٹوٹ جاتی ہے۔ اس لئے جس کا یہ حال ہو تو وہ اسی قابل ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے سخت وعید سنائے۔ اس لئے فرمایا: ﴿إِلَّا تَنْفَرُوا يُعَذِّبَكُمُ عَذَابًا أَلِيمًا وَيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوهُ شَيْئًا﴾ ”اگر تم نہ نکلو گے تو تم کو دردناک عذاب دے گا اور تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو بدلے میں لے آئے گا اور تم اس کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے“ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین کی نصرت اور اپنے کلمہ کو بلند کرنے کا ذمہ اٹھا رکھا ہے۔ اس لئے اگر تم اللہ تعالیٰ کے احکام کی تعمیل کرتے ہو یا ان کو اپنی پیٹھ پیچھے پھینک دیتے ہو اللہ کے لئے برابر ہے۔ ﴿وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾ ”اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔“ اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ کرے تو وہ اسے بے بس نہیں کر سکتی اور کوئی اس پر غالب نہیں آ سکتا۔

إِلَّا تَنْصُرُوهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللَّهُ إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا ثَانِي اثْنَيْنِ

اگر نہ مدد کرو گے تم انکی تو تحقیق مدد کی اس (پیغمبر) کی اللہ نے جب کہ نکال دیا تھا اسکا ان لوگوں نے جنہوں نے کفر کیا (دو) دوسرا تھا وہ میں سے

إِذْ هَمَّا فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فَأَنْزَلَ اللَّهُ

جب وہ دونوں تھے غار میں جب کہ وہ کہہ رہا تھا اپنے ساتھی سے غم نہ کر پیٹھ اللہ ہمارے ساتھ ہے پس نازل کی اللہ نے

سَكِينَتَهُ عَلَيْهِ وَأَيْدَاهُ بِجَنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا

اپنی سکینت اس پر اور مدد کی اسکی ایسے لشکروں سے کہ نہیں دیکھا تم نے ان کو اور کردی اس نے بات ان لوگوں کی جنہوں نے کفر کیا

السُّفْلَىٰ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ۗ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۳۰﴾

نیچی۔ اور بات اللہ کی وہی ہے بالا اور اللہ بڑا زبردست بہت حکمت والا ہے ۰

اگر تم اللہ تعالیٰ کے رسول محمد مصطفیٰ ﷺ کی مدد نہیں کرتے تو اللہ تعالیٰ تم سے بے نیاز ہے تم اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ اس نے قلت زاد اور بے کسی کے حالات میں بھی آپ کی مدد فرمائی۔ ﴿إِذْ أَخْرَجَهُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ ”جب اس کو کافروں نے نکال دیا۔“ جب کفار نے آپ کو مکہ مکرمہ سے نکال دیا تھا، جب انہوں نے آپ کو قتل کرنے کا ارادہ کیا اور اس مقصد کے حصول کے لیے بھرپور کوشش کی اور وہ اس کی شدید خواہش رکھتے ہیں۔ آخر انہوں نے آپ کو مکہ مکرمہ سے نکلنے پر مجبور کر دیا۔ ﴿ثَانِي اثْنَيْنِ﴾ ”وہ دو میں سے دوسرا تھا“ یعنی نبی کریم ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما ﴿إِذْ هُمَا فِي الْغَارِ﴾ ”جب وہ دونوں غار میں تھے“ یعنی جب رسول اللہ ﷺ اور ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہما مکہ مکرمہ سے نکل کر مکہ سے نیچے کی طرف واقع غار ثور میں پناہ گزین ہوئے۔ دونوں اس وقت تک غار میں ٹھہرے رہے جب تک کہ ان کی تلاش کا معاملہ ٹھنڈا نہیں پڑ گیا۔ دونوں اصحاب شدید حرج اور مشقت کی حالت میں مبتلا رہے۔ جب ان کے دشمن ان کی تلاش میں ہر طرف پھیل گئے تاکہ ان کو پکڑ کر قتل کر دیں اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی نصرت نازل فرمائی جس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

﴿إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ﴾ ”جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے۔“ یعنی جب نبی اکرم ﷺ نے اپنے ساتھی حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے جب کہ وہ سخت غم زدہ اور قلق کا شکار تھے فرمایا: ﴿لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا﴾ ”غم نہ کھا اللہ ہمارے ساتھ ہے“ یعنی اللہ تعالیٰ کی مدد نصرت اور تائید ہمارے ساتھ ہے۔ ﴿فَأَنْزَلَ اللَّهُ سَكِينَتَهُ﴾ ”پس اتاری اللہ نے اپنی طرف سے اس پر سکینت“ یعنی اللہ تعالیٰ نے ثابت قدمی، طمانیت اور ایسا سکون نازل فرمایا جو دل کی مضبوطی کا باعث ہوتا ہے۔ اس لئے جب آپ کا ساتھی گھبرایا تو آپ نے اس کو پرسکون کرتے ہوئے فرمایا ”غم نہ کھا اللہ ہمارے ساتھ ہے۔“ ﴿وَأَيَّدَاهُ بِجَنُودٍ لَّمْ تَرَوْهَا﴾ ”اور اس کی مدد کو وہ فوجیں بھیجیں کہ تم نے نہیں دیکھیں“ اور وہ معزز فرشتے تھے جن کو اللہ نے آپ کا محافظ بنا دیا۔

﴿وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِينَ كَفَرُوا السُّفْلَىٰ﴾ ”اور کافروں کی بات کو پست کر دیا۔“ یعنی اللہ تعالیٰ نے کفار کو ساقط اور بے یار و مددگار چھوڑ دیا، کیونکہ کفار سخت غضب ناک تھے اور رسول اللہ ﷺ پر سخت غصہ تھا وہ سمجھتے تھے کہ وہ رسول اللہ ﷺ کو گرفتار کر کے قتل کر سکتے ہیں۔ انہوں نے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کی پوری کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو ان کے حال پر چھوڑ دیا اور وہ مقصد حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے، بلکہ وہ کچھ

بھی حاصل نہ کر سکے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی مدافعت فرما کر آپ کو اپنی نصرت سے نوازا۔ یہی وہ مدد ہے جس کا اس مقام پر ذکر کیا گیا ہے۔ اس لئے کہ مدد کی دو قسمیں ہیں۔

(۱) جب مسلمان دشمن کو زک پہنچانے کے خواہش مند ہوں۔ اللہ تعالیٰ ان کی خواہش اور مقصد کو پورا کرتا ہے اور وہ اپنے دشمن پر غالب آجاتے ہیں۔

(۲) مدد کی دوسری قسم مستضعفین کی مدد ہے جن کو ان کا طاقتور دشمن نقصان پہنچانا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کے دشمن کو آپ سے دور کر کے اور دشمن سے آپ کا دفاع کر کے آپ کی مدد فرمائی اور شاید مدد و نصرت کی یہ قسم سب سے زیادہ فائدہ مند ہے۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے رسول کی مدد کرنا جب کفار نے دونوں کو مکہ مکرمہ سے نکال دیا تھا..... نصرت کی اسی نوع میں شمار ہوتا ہے۔

﴿ وَكَلِمَةُ اللَّهِ هِيَ الْعُلْيَا ﴾ اور بات تو اللہ ہی کی بلند ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے کلمات قدریہ اور کلمات دینیہ دیگر تمام کلمات پر غالب ہیں۔ اس مفہوم کی چند دیگر آیات یہ ہیں۔ ﴿ وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِينَ ﴾ (الروم: ۴۷/۳۰) ”اور اہل ایمان کی مدد کرنا ہم پر لازم ہے۔“ فرمایا: ﴿ إِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ﴾ (غافر: ۵۱/۴۰) ”ہم اپنے رسولوں کی اور ان کی جو ایمان لائے دنیا کی زندگی میں اور جس روز گواہ (گواہی دینے کے لیے) کھڑے ہوں گے ضرور مدد کریں گے۔“ ﴿ وَإِن جُنَدَنَا لَهُمُ الْغُلَبُونَ ﴾ (الصفات: ۱۷۳/۳۷) ”اور بے شک ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا۔“ پس اللہ تعالیٰ کا دین واضح دلائل حیرت انگیز آیات اور تائید کرنے والے براہین کے ذریعے سے تمام ادیان پر غالب ہے۔ ﴿ وَاللَّهُ عَزِيزٌ ﴾ اور اللہ غالب ہے۔ ”کوئی اس پر غالب آسکتا ہے نہ کوئی بھاگ کر اس سے بچ سکتا ہے۔“ ﴿ حَكِيمٌ ﴾ ”وہ حکمت والا ہے۔“ تمام اشیاء کو ان کے مناسب مقام پر رکھتا ہے وہ کبھی کبھی اپنے گروہ کی مدد کو کسی دوسرے وقت تک موخر کر دیتا ہے جس کا تقاضا حکمت الہیہ کرتی ہے۔ اس آیت کریمہ میں جناب ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت میں ایک ایسی خصوصیت بیان کی گئی ہے جو اس امت کے کسی اور فرد میں نہیں اور وہ ہے یہ منقبت جلیلہ اور صحبت جمیلہ..... اور تمام مسلمان اس بات پر متفق ہیں کہ اس آیت کریمہ سے یہی مراد ہے۔ بنا بریں جن لوگوں نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صحبت کا انکار کیا انہوں نے ظلم و تعدی اور کفر کا ارتکاب کیا، کیونکہ اس نے قرآن کا انکار کیا جو اس صحبت کی تصریح کرتا ہے۔

اس آیت کریمہ سے سکینت کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ مصیبت اور خوف کے اوقات میں جب دل پریشان ہو جاتے ہیں تو سکینت اللہ تعالیٰ کی نعمت کاملہ ہے۔ یہ نعمت کاملہ بندہ مومن کو اس کی اپنے رب کی معرفت اپنے رب کے سچے وعدے پر اعتماد اپنے ایمان اور اپنی شجاعت کے مطابق عطا ہوتی ہے۔ اس آیت کریمہ سے یہ

بھی ثابت ہوتا ہے کہ حزن کبھی کبھار اللہ تعالیٰ کے خاص بندوں اور صدیقین کو بھی لاحق ہو جاتا ہے۔ بایں ہمہ جب بندہ مومن پر یہ کیفیت نازل ہو تو بہتر یہ ہے کہ وہ اس کیفیت کو دور کرنے کی کوشش کرے، کیونکہ حزن بندے کے دل کو کمزور اور اس کی عزیت کو پراگندہ کر دیتا ہے۔

انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ
کوچ کرو تم، ہلکے بھی اور بھاری بھی اور جہاد کرو ساتھ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے اللہ کی راہ میں
ذِكْمُ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ ﴿۳۱﴾ لَوْ كَانَ عَرَضًا قَرِيبًا وَسَفَرًا
یہ بہت بہتر ہے تمہارے لیے اگر ہو تم علم رکھتے ○ اگر ہوتا مال جلد مل جانے والا اور سفر (بھی)
قَاصِدًا لَا تَبْعُوكَ وَلَكِنْ بَعَدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ وَسَيَحْلِفُونَ
درمیانہ تو ضرور پیروی کرتے وہ آپ کی لیکن دور دکھائی دی ان کو مسافت اور عنقریب وہ قسمیں کھائیں گے
بِاللَّهِ لَوْ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ
اللہ کی کہ اگر ہم استطاعت رکھتے تو ضرور نکلتے ہم تمہارے ساتھ ہلاک کر رہے ہیں وہ اپنی ہی جانوں کو

وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿۳۲﴾

اور اللہ جانتا ہے کہ بلاشبہ وہ جھوٹے ہیں ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو اپنے راستے میں جہاد کے لیے نکلنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتا ہے۔ ﴿انْفِرُوا خِفَافًا وَثِقَالًا﴾ ”نکو ہلکے اور بوجھل“، یعنی تنگی اور فراخی، نشاط اور ناگوارگی، گرمی اور سردی تمام احوال میں جہاد کے لیے نکو۔ ﴿وَجَاهِدُوا بِأَمْوَالِكُمْ وَأَنْفُسِكُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ﴾ ”اور اللہ کے راستے میں مال اور جان سے جہاد کرو۔“ یعنی اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کے لیے اپنی پوری کوشش صرف کر دو اور اپنی جان و مال کو کھپا دو۔ اس آیت کریمہ میں اس امر کی دلیل ہے کہ جس طرح جان کے ساتھ جہاد فرض ہے اسی طرح بوقت ضرورت مال کے ساتھ بھی جہاد فرض ہے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ذِكْمُ خَيْرٌ لَّكُمْ إِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُونَ﴾ ”یہ تمہارے حق میں اچھا ہے بشرطیکہ تمہیں علم ہو۔“ یعنی گھر بیٹھ رہنے کی نسبت جان و مال سے جہاد کرنا تمہارے لئے بہتر ہے، کیونکہ جہاد میں اللہ تعالیٰ کی رضا اللہ تعالیٰ کے ہاں بلند درجات کا حصول اللہ تعالیٰ کے دین کی نصرت اس کی فوج اور اس کے گروہ میں داخل ہونا ہے۔ ﴿لَوْ كَانَ﴾ ”اگر ہوتا“ ان کا گھروں سے نکلنا ﴿عَرَضًا قَرِيبًا﴾ ”جلد حاصل ہو جانے والا سامان۔“ یعنی دنیوی نفع (مال غنیمت) اہل الحصول ہوتا۔ ﴿وَسَفَرًا قَاصِدًا﴾ ”سفر ہلکا“، قریب اور آسان۔ ﴿لَا تَبْعُوكَ﴾ تو (زیادہ مشقت نہ ہونے کی وجہ سے) ضرور آپ کی پیروی کرتے۔ ﴿وَلَكِنْ بَعَدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ﴾ ”لیکن لمبی نظر آئی ان کو مشقت“

یعنی مسافت بہت طویل تھی اور سفر پر صعوبت تھا لہذا وہ آپ کے ساتھ جہاد میں شرکت چھوڑ کر بیٹھ رہے۔ اور یہ عبودیت کی علامات نہیں ہیں۔ بندہ درحقیقت ہر حال میں اپنے رب کا عبادت گزار ہے، عبادت خواہ مشکل ہو یا آسان وہ اپنے رب کی عبودیت کو قائم کرتا ہے۔ یہی بندہ ہر حال میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے۔

﴿وَسِيحِلْفُونَ بِاللَّهِ لَوْ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ﴾ اور اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ اگر ہم طاقت رکھتے، تو ضرور آپ کے ساتھ نکلتے۔ یعنی وہ جہاد کے لیے نہ نکلنے اور پیچھے رہ جانے پر قسمیں اٹھا کر کہیں گے کہ وہ معذور تھے اور وہ جہاد کے لیے نکلنے کی استطاعت نہ رکھتے تھے۔ ﴿يَهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ﴾ اپنے تئیں ہلاک کر رہے ہیں۔ یعنی جہاد سے جی چرا کر پیچھے بیٹھ رہنے، جھوٹ بولنے اور خلاف واقع خبر دینے پر اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں۔ ﴿وَاللَّهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاِبُونَ﴾ اور اللہ جانتا ہے کہ وہ یقیناً جھوٹے ہیں۔ یہ عتاب منافقین کے لیے ہے جو غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک نہ ہو کر پیچھے بیٹھ رہے اور مختلف قسم کے جھوٹے عذر پیش کئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان منافقین کو آزمائے بغیر کہ کون سچا اور کون جھوٹا ہے ان کے محض معذرت پیش کرنے پر معاف فرمادیا بنا بریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان منافقین کا عذر قبول کرنے کی جلدی پر آپ کو متنبہ کرتے ہوئے فرمایا۔

عَفَا اللَّهُ عَنْكَ لِمَ أَذْنَتْ لَهُمْ حَتَّى يَتَّبِعَنَّ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ
معاف کر دیا اللہ نے آپ کو کیوں اجازت دی آپ نے انکو؟ یہاں تک کہ ظاہر ہو جائے آپ کیلئے وہ لوگ جو سچے تھے اور جان لیتے آپ
الْكَذِبِينَ ﴿۳۴﴾ لَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ أَنْ
جھوٹوں کو ○ نہیں اجازت مانگتے آپ سے وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں اللہ اور یوم آخرت پر اس سے کہ
يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ ﴿۳۵﴾ إِنَّمَا
وہ جہاد کریں ساتھ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے اور اللہ خوب جاننے والا ہے پرہیزگاروں کو ○ بے شک
يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ
اجازت تو وہی مانگتے ہیں آپ سے جو نہیں ایمان رکھتے اللہ اور یوم آخرت پر اور شک میں پڑے ہوئے ہیں ان کے دل
فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَكَرِّدُونَ ﴿۳۵﴾

پس وہ اپنے شک میں پڑے تردد کر رہے ہیں ○

﴿عَفَا اللَّهُ عَنْكَ﴾ اللہ نے آپ سے درگزر فرمایا، اور آپ سے جو کچھ صادر ہوا اسے بخش دیا۔ ﴿لِمَ أَذْنَتْ لَهُمْ﴾ آپ نے (انہیں پیچھے رہ جانے کی) اجازت کیوں دی۔ ﴿حَتَّى يَتَّبِعَنَّ لَكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَتَعْلَمَ الْكَذِبِينَ﴾ حتیٰ کہ آپ پر وہ لوگ ظاہر ہو جاتے جو سچے ہیں اور وہ بھی آپ کو معلوم ہو جاتے

جو چھوٹے ہیں۔“ یعنی ان کو آ زمانے کے بعد معلوم ہوتا کہ سچا کون اور جھوٹا کون ہے، تب آپ اس شخص کا عذر قبول فرماتے جو اس کا مستحق ہے اور اس شخص کا عذر قبول نہ فرماتے جو اس کا مستحق نہیں۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے آگاہ فرمایا کہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھنے والے اپنے جان و مال کے ذریعے سے جہاد ترک کرنے کی اجازت طلب نہیں کرتے، بلکہ بغیر کسی عذر کے جہاد ترک کرنے کی اجازت مانگنا تو کجا، بغیر کسی ترغیب کے ایمان اور بھلائی میں ان کی رغبت انہیں جہاد پر آمادہ رکھتی ہے۔ ﴿وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالْمُتَّقِينَ﴾ اور اللہ متقین کو خوب جانتا ہے۔“ پس وہ انہیں اس بات کی جزا دے گا کہ انہوں نے تقویٰ کو قائم رکھا۔ متقین کے بارے میں یہ اللہ تعالیٰ کا علم ہی ہے کہ اس نے آگاہ فرمایا کہ ان کی علامت یہ ہے کہ وہ جہاد چھوڑنے کی اجازت نہیں مانگتے۔ ﴿إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ﴾ ”آپ سے رخصت تو صرف وہی مانگتے ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر یقین نہیں رکھتے اور ان کے دل شک میں پڑے ہوئے ہیں“ یعنی ان کے اندر ایمان کامل اور یقین صادق نہیں ہے اسی لئے بھلائی میں ان کی رغبت بہت کم ہے۔ قتال کے بارے میں وہ بز دلی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور حاجت محسوس کرتے ہیں کہ وہ قتال ترک کرنے کی اجازت طلب کریں۔ ﴿فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ﴾ ”اور وہ اپنے شک میں متردد رہتے ہیں۔“

وَلَوْ أَرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً ۚ وَلَكِنْ كَرِهَ اللَّهُ انبِعَاثَهُمْ
 اور اگر ارادہ کرتے وہ نکلنے کا تو ضرور تیار کرتے اس کے لیے کچھ سامان، لیکن نہیں پسند کیا اللہ نے ان کے اٹھنے (جانے) کو
 فَشَبَّطَهُمْ وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقَاعِدِينَ ﴿٣٧﴾ لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَا زَادُوكُمْ
 پس انکو سست کر دیا (روک دیا) اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھے رہو تم ساتھ بیٹھے والوں کے اگر وہ نکلنے تم میں (شامل ہو کر) تو نہ زیادہ کرتے تمہارے لیے
 إِلَّا خِبَالًا وَلَا أَوْضَعُوا خِلَالَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ ۗ وَفِيكُمْ سَمْعُونُ
 مگر خرابی ہی اور البتہ دوڑاتے وہ (اپنے گھوڑے) تمہارے درمیان تلاش کرتے ہوئے تمہارے اندر فتنہ اور تم میں (کچھ) جاسوس ہیں
 لَهُمْ ۗ وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِينَ ﴿٣٨﴾ لَقَدْ ابْتِغَوْا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ وَقَلَبُوا
 ان کے لیے اور اللہ خوب جاننے والا ہے ظالموں کو البتہ تحقیق تلاش کیا تھا انہوں نے فتنہ اس سے پہلے بھی اور اٹ پلٹ کرتے رہے
 لَكَ الْأُمُورَ حَتَّىٰ جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَرِهُونَ ﴿٣٩﴾
 آپ کے لیے معاملات کو یہاں تک کہ آگیا حق اور غالب ہو گیا حکم اللہ کا جبکہ وہ ناپسند کرنے والے تھے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ بیان فرماتا ہے جہاد سے جی چرا کر پیچھے رہ جانے والے منافقین کی علامات اور قرآن سے ظاہر ہو گیا ہے کہ جہاد کے لیے نکلنے کا ان کا ارادہ ہی نہ تھا اور ان کی وہ معذرتیں جو وہ پیش کر رہے ہیں سب باطل ہیں، کیونکہ عذر جہاد کے لیے نکلنے سے تب مانع ہوتا ہے جب بندہ مومن پوری کوشش کر کے جہاد کے لیے نکلنے

کے تمام اسباب استعمال کرنے کی سعی کرتا ہے، پھر کسی شرعی مانع کی وجہ سے جہاد کے لیے نکل نہیں سکتا تو یہی وہ شخص ہے جس کا عذر قبول ہے۔ ﴿و﴾ ”اور“ یہ منافقین ﴿لَوْ آرَادُوا الْخُرُوجَ لَأَعَدُّوا لَهُ عُدَّةً﴾ ”اگر نکلنے کا ارادہ کرتے، تو اس کے لئے ضرور کچھ سامان تیار کرتے“ یعنی وہ تیاری کرتے اور ایسے تمام اسباب عمل میں لاتے جو ان کے بس میں تھے۔ چونکہ انہوں نے اس کے لیے تیاری نہیں کی اس لئے معلوم ہوا کہ ان کا جہاد کے لیے نکلنے کا ارادہ ہی نہ تھا ﴿وَلَكِنْ كَرِهَ اللَّهُ انشِعَابَهُمْ﴾ ”لیکن اللہ نے پسند نہیں کیا ان کا اٹھنا“ یعنی ان کا جہاد کے لیے تمہارے ساتھ نکلنا اللہ تعالیٰ کو ناپسند ہوا ﴿فَشَبَّطَهُمْ﴾ ”سوروک دیا ان کو“ اللہ تعالیٰ نے قضا و قدر کے ذریعے سے ان کو جہاد کے لیے نکلنے سے باز رکھا۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جہاد کے لیے نکلنے کا حکم دیا تھا اور اس کی ان کو ترغیب بھی دی اور وہ ایسا کرنے کی قدرت بھی رکھتے تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کی بنا پر ان کی اعانت نہ فرمائی، اس نے ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیا اور ان کو جہاد کے لیے نکلنے سے باز رکھا۔ ﴿وَقِيلَ اقْعُدُوا مَعَ الْقُعْدِيْنَ﴾ ”اور کہا گیا بیٹھے رہو بیٹھنے والوں کے ساتھ“ یعنی عورتوں اور معذروں کے ساتھ بیٹھے رہو۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا﴾ ”اگر وہ تمہارے ساتھ نکلتے تو تمہارے نقصان ہی میں اضافہ کرتے“ (خبالاً) یعنی ”نقصان“ ﴿وَلَا اَوْصَعُوا خِلَّكُمْ﴾ ”اور گھوڑے دوڑاتے تمہارے درمیان“ یعنی تمہارے درمیان فتنہ و فساد برپا کرنے کی کوشش کرتے اور تمہاری متحد جماعت میں تفرقہ پیدا کرتے۔ ﴿يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ﴾ ”بگاڑ کرانے کی تلاش میں“ یعنی وہ تمہارے درمیان فتنہ برپا کرنے اور عداوت پیدا کرنے کے بہت حریص ہیں۔ ﴿وَفِيكُمْ﴾ ”اور تمہارے اندر“ ضعیف العقل لوگ موجود ہیں۔ جو ﴿سَسْعُونَ لَهُمْ﴾ ”جاسوسی کرتے ہیں ان کے لئے“ یعنی ان کے دھوکے میں آ کر ان کی دعوت پر لبیک کہتے ہیں۔ پس جب وہ تمہیں تنہا چھوڑ دینے، تمہارے درمیان فتنہ ڈالنے اور تمہیں تمہارے دشمنوں کے خلاف لڑنے سے باز رکھنے کے بہت حریص ہیں اور تم میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو ان کی بات کو قبول کرتے ہیں اور ان کو اپنا خیر خواہ سمجھتے ہیں، تو کیا آپ اندازہ نہیں کر سکتے کہ اگر وہ جہاد کے لیے اہل ایمان کے ساتھ نکلتے تو انہیں کتنا زیادہ نقصان پہنچتا؟

پس اللہ تعالیٰ کی حکمت کتنی کامل ہے کہ اس نے ان کو اس سے باز رکھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں پر رحم اور لطف و کرم کرتے ہوئے ان کے ساتھ جہاد کے لیے نکلنے سے ان کو روک دیا، تاکہ وہ ان کے معاملات میں دخل اندازی نہ کریں جس سے ان کو کوئی فائدہ پہنچنے کی بجائے نقصان پہنچتا۔ ﴿وَاللَّهُ عَلِيمٌ بِالظَّالِمِيْنَ﴾ ”اور اللہ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔“ پس وہ اپنے بندوں کو تعلیم دیتا ہے کہ وہ کیسے ان کی فتنہ پردازی سے بچیں، نیز وہ ان مفاسد کو واضح کرتا ہے جو ان کے ساتھ میل جول سے پیدا ہوتے ہیں، نیز اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا کہ پہلے بھی ان

کی شراغیزی ظاہر ہو چکی ہے۔ ﴿لَقَدْ ابْتِغَوْا الْفِتْنَةَ مِنْ قَبْلُ﴾ ”وہ اس سے پہلے بھی بگاڑ تلاش کرتے رہے ہیں“ یعنی جب تم لوگوں نے مدینہ کی طرف ہجرت کی تو اس وقت بھی انہوں نے فتنہ اٹھانے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ ﴿وَقَلَّبُوا لَكَ الْأُمُورَ﴾ ”اور الٹتے رہے ہیں آپ کے کام“ یعنی انہوں نے افکار کو الٹ پلٹ کر ڈالا تمہاری دعوت کو ناکام کرنے اور تمہیں تنہا کرنے کے لیے حیلہ سازیاں کیں اور اس میں انہوں نے کسی قسم کی کوتاہی نہیں کی۔ ﴿حَتَّىٰ جَاءَ الْحَقُّ وَظَهَرَ أَمْرُ اللَّهِ وَهُمْ كَرِهُونَ﴾ ”یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ کا حکم غالب ہو گیا اور وہ ناخوش تھے“ پس ان کی تمام سازشیں ناکام ہو گئیں اور ان کا باطل مضحکہ منگھل ہو گیا۔ سو اس قسم کے لوگ اسی قابل ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ان سے بچنے کی تلقین کرے اور اہل ایمان ان کے پیچھے رہ جانے کی پروا نہ کریں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَقُولُ ائْذَنْ لِّي وَلَا تَفْتِنِّي اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا

اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو کہتے ہیں! اجازت دیجئے مجھے اور نہ فتنے میں ڈالیں مجھے۔ آگاہ رہو! فتنے میں تو وہ گر چکے ہیں!

وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿۳۹﴾

اور بے شک جہنم یقیناً گھیرنے والی ہے کافروں کو ○

اور ان منافقین میں کچھ وہ بھی تھے جو جہاد میں نہ جانے کی اجازت مانگتے تھے اور عجیب و غریب قسم کے عذر پیش کرتے تھے۔ کوئی یہ کہتا تھا ﴿اِئْذَنْ لِّي﴾ ”مجھے (پیچھے رہنے کی) اجازت دیجئے۔“ ﴿وَلَا تَفْتِنِّي﴾ ”اور مجھے (گھر سے نکلنے کے باعث) فتنے میں نہ ڈالئے۔“ کیونکہ جب میں بنی اصف (رومیوں) کی عورتوں کو دیکھوں گا تو صبر نہیں کر سکوں گا۔ جیسا کہ جد بن قیس نے کہا تھا..... اللہ تعالیٰ اس کا برا کرے اس کا مقصد محض ریا اور نفاق تھا اور وہ اپنی زبان سے ظاہر کرتا تھا کہ اس کا مقصد اچھا ہے اور جہاد میں نکلنے سے وہ فتنہ اور شر میں مبتلا ہو جائے گا اور اگر وہ جہاد کے لیے نہ جائے تو عافیت میں ہوگا اور فتنہ سے محفوظ رہے گا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کے جھوٹ کا پول کھولتے ہوئے فرمایا ﴿اَلَا فِي الْفِتْنَةِ سَقَطُوا﴾ ”خبردار وہ تو گمراہی میں پڑ چکے“ اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ یہ قائل اپنے قصد میں سچا ہے تب بھی پیچھے رہ جانے میں بہت بڑی مفسدت اور عظیم فتنہ متحقق ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی نافرمانی نیز کبیرہ گناہ کے ارتکاب اور اس کے بہت بڑے بوجھ کو اٹھانے کی جسارت۔ رہا جہاد کے لیے نکلنا تو جہاد کے لیے نکلنے میں نہ نکلنے کی نسبت بہت تھوڑے مفاسد ہیں اور وہ بھی محض متوہم ہیں۔ بایں ہمہ اس قائل کا مقصد پیچھے رہنے کے سوا کچھ بھی نہیں اس لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کو وعید سناتے ہوئے فرمایا: ﴿وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالْكَافِرِينَ﴾ ”بے شک جہنم گھیر رہی ہے کافروں کو“ جہنم سے بھاگ کر ان کے لیے کوئی پناہ اور کوئی مفر نہیں، جہنم سے ان کے لیے گلو خلاصی ہے نہ نجات۔

إِنْ تُصِيبَكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِيبَكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا

اگر پہنچتی ہے آپ کو کوئی بھلائی تو بری لگتی ہے ان کو اور اگر پہنچتی ہے آپ کو کوئی مصیبت تو کہتے ہیں وہ تحقیق ہم نے تو اختیار کر لی تھی (احتیاط)

أَمْرًا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَهُمْ فَرِحُونَ ﴿٥﴾ قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا

اپنے معاملے میں پہلے ہی اور پھرتے ہیں وہ شاداں و فرحاں ○ کہہ دیجئے! ہرگز نہیں پہنچے گا ہمیں مگر وہی

كَتَبَ اللَّهُ لَنَا هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿٥﴾

جو لکھ دیا ہے اللہ نے ہمارے لیے وہی ہے کارساز ہمارا اور اوپر اللہ ہی کے پس چاہیے کہ بھروسہ کریں مومن ○

اللہ تبارک و تعالیٰ منافقین کے بارے میں یہ واضح کرتے ہوئے کہ وہی حقیقی دشمن اور اسلام کے خلاف بغض رکھنے والے ہیں..... فرماتا ہے ﴿إِنْ تُصِيبَكَ حَسَنَةٌ﴾ ”اگر پہنچے آپ کو کوئی بھلائی“ مثلاً فتح و نصرت اور دشمن کے خلاف آپ کی کامیابی ﴿تَسُؤْهُمْ﴾ ”تو ان کو بری لگتی ہے۔“ یعنی ان کو غمزدہ کر دیتی ہے ﴿وَإِنْ تُصِيبَكَ مُصِيبَةٌ﴾ ”اور اگر آپ کو پہنچے کوئی مصیبت“ مثلاً آپ کے خلاف دشمن کی کامیابی ﴿يَقُولُوا﴾ ”تو کہتے ہیں۔“ آپ کے ساتھ نہ جانے کی وجہ سے سلامت رہنے کی بنا پر نہایت فخر سے کہتے ہیں: ﴿قَدْ أَخَذْنَا أَمْرًا مِنْ قَبْلُ﴾ ہم نے اس سے پہلے اپنا بچاؤ کر لیا تھا اور ہم نے ایسا رویہ رکھا جس کی وجہ سے ہم اس مصیبت میں گرفتار ہونے سے بچ گئے ﴿وَيَتَوَلَّوْا وَهُمْ فَرِحُونَ﴾ اور پھر کہ جائیں وہ خوشیاں کرتے ہوئے ”یعنی وہ آپ کی مصیبت اور آپ کے ساتھ اس میں عدم مشارکت پر خوش ہوتے ہیں۔“

اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے اس قول کا جواب دیتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿قُلْ لَنْ يُصِيبَنَا إِلَّا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَنَا﴾ ”کہہ دیجئے! ہمیں وہی پہنچے گا جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دیا ہے“ یعنی جو کچھ اس نے مقدر کر کے لوح محفوظ میں لکھ رکھا ہے۔ ﴿هُوَ مَوْلَانَا﴾ ”وہی ہمارا کارساز ہے۔“ یعنی وہ ہمارے تمام دینی اور دنیاوی امور کا سرپرست ہے پس ہم پر اس کی قضا و قدر پر راضی رہنا فرض ہے۔ ہمارے ہاتھ میں کوئی اختیار نہیں ﴿وَعَلَى اللَّهِ﴾ ”اور اللہ پر“ یعنی اکیلے اللہ تعالیٰ ہی پر ﴿فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ﴾ ”مومنوں کو توکل کرنا چاہیے۔“ یعنی اہل ایمان کو اپنے مصالح کے حصول اور ضرر کو دور کرنے کے لیے اعتماد اور اپنے مطلوب و مقصود کی تحصیل کی خاطر اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتا ہے وہ کبھی خائب و خاسر نہیں ہوتا اور جو غیروں پر تکیہ کرتا ہے تو وہ ایک تو بے یار و مددگار رہے گا دوسرے اپنی امیدوں کے حصول میں ناکام رہے گا۔

قُلْ هَلْ تَرَبَّصُونَ بِنَا إِلَّا إِحْدَى الْحُسَيْنِيَّةِ وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ بِكُمْ

کہہ دیجئے! ہمیں انتظار کرتے تم ہمارے معاملے میں مگر ایک کا دو بھلائیوں میں سے اور ہم انتظار کرتے ہیں تمہارے حق میں

أَنْ يُصِيبَكُمْ اللَّهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهِ أَوْ بِأَيْدِينَا ۖ

یہ کہ پہنچائے تمہیں اللہ عذاب اپنے پاس سے یا ہمارے ہاتھوں سے

فَتَرَبَّصُوا إِنَّا مَعَكُمْ مُتَرَبِّصُونَ ﴿۵۲﴾

پس انتظار کرو تم بلاشبہ ہم بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والے ہیں ○

آپ ان منافقین سے کہہ دیجئے جو تم لوگوں پر مصیبت کا پہاڑ ٹوٹنے کا انتظار کر رہے ہیں ”تم ہمارے بارے میں کس چیز کا انتظار کر رہے ہو؟ تم ہمارے بارے میں ایسی چیز کا انتظار کر رہے ہو جو مآل کار ہمارے لئے فائدہ مند ہے اور وہ ہے دو میں سے ایک بھلائی“۔

(۱) دشمنوں پر فتح و نصرت اور اخروی اور دنیاوی ثواب کا حصول۔

(۲) شہادت جو مخلوق کے لئے سب سے اعلیٰ درجہ اور اللہ تعالیٰ کے ہاں سب سے ارفع مقام ہے۔

اور اے گروہ منافقین! ہم جو تمہارے بارے میں انتظار کر رہے ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارے توسط کے بغیر تمہیں عذاب دے گا یا ہمیں تم پر مسلط کر کے ہمارے ذریعے سے تمہیں عذاب میں مبتلا کرے گا پس ہم تمہیں قتل کریں گے۔

﴿فَتَرَبَّصُوا﴾ ”پس تم منتظر ہو۔“ پس تم ہمارے بارے میں (اس بھلائی کے) منتظر ہو ﴿إِنَّا مَعَكُمْ

مُتَرَبِّصُونَ﴾ ”ہم تمہارے بارے میں (اس برائی کے) منتظر ہیں۔“

قُلْ أَنْفِقُوا طَوْعًا أَوْ كَرْهًا لَّنْ يَتَّخِذَ مِنْكُمْ إِتْكَمَ كُنْتُمْ قَوْمًا

کہہ دیجئے! خرچ کرو تم، خوشی سے یا ناخوشی سے ہرگز نہیں قبول کیا جائے گا تم سے کیونکہ تم ہو قوم

فَسٰقِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ

نافرمان ○ اور نہیں مانع ہوا ان کے یہ کہ قبول کئے جائیں ان سے ان کے صدقات، مگر یہ (امر کہ) بلاشبہ کفر کیا انہوں نے اللہ کے ساتھ

وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلٰوةَ إِلَّا وَهُمْ كَسٰلٰی

اور اس کے رسول کے ساتھ اور نہیں آتے وہ نماز کو مگر اس حال میں کہ وہ ست ہوتے ہیں

وَلَا يَنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كِرْهُونَ ﴿۵۴﴾

اور نہیں خرچ کرتے وہ مگر ناگواری کے ساتھ ○

اللہ تبارک و تعالیٰ منافقین کے صدقات کے بطلان اور اس کے سبب کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿قُلْ﴾

ان سے کہہ دیجئے ﴿أَنْفِقُوا طَوْعًا﴾ ”خوشی سے خرچ کرو۔“ یعنی بطیب خاطر خرچ کرو ﴿أَوْ كَرْهًا﴾ ”یا

ناخوشی سے، یا اپنے اختیار کے بغیر ناگواری کے ساتھ خرچ کرو۔ ﴿لَنْ يُتَقَبَلَ مِنْكُمْ﴾ ”تم سے ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔“ اللہ تعالیٰ تمہارے کسی عمل کو قبول نہیں کرے گا۔ ﴿إِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فَسِيقِينَ﴾ ”اس لیے کہ تم نافرمان لوگ ہو۔“ یعنی تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے دائرے سے باہر نکلے۔ لوگ ہو۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ ان کے فسق اور ان کے اعمال کا وصف بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقَبَّلَ مِنْهُمْ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ﴾ ”اور نہیں موقوف ہوا ان کے خرچ کا قبول ہونا، مگر اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا۔“ ایمان تمام اعمال کے قبول ہونے کی شرط ہے اور یہ لوگ ایمان اور عمل صالح سے محروم لوگ ہیں حتیٰ کہ ان کی حالت تو یہ ہے کہ جب یہ لوگ نماز..... جو کہ افضل ترین بدنی عبادت ہے..... پڑھنے کے لیے کھڑے ہوتے ہیں تو کسمساتے ہوئے اٹھتے ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی یہ حالت بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كَسَالَى﴾ ”اور نماز کو آتے ہیں تو ست و کابل ہو کر۔“ یعنی نماز کے لیے بوجھل پن کے ساتھ اٹھتے ہیں چونکہ نماز ان پر گراں گزرتی ہے اس لیے نماز پڑھنا ان کے لئے بہت ہی مشکل ہے۔ ﴿وَلَا يَنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كِرْهُونَ﴾ ”اور خرچ کرتے ہیں تو ناخوشی سے۔“ یعنی وہ انشراح صدر اور ثبات نفس کے بغیر خرچ کرتے ہیں۔ یہ ان لوگوں کی مذمت کی انتہا ہے جو ان جیسے افعال کا ارتکاب کرتے ہیں۔

بندے کے لیے مناسب یہ ہے کہ جب وہ نماز کے لیے آئے تو نشاط بدن اور نشاط قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر ہو اور جب وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کرے تو انشراح صدر اور ثبات قلب کے ساتھ خرچ کرے اور امید رکھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے آخرت کے لیے ذخیرہ کر لیا ہے اور صرف اسی سے ثواب کی امید رکھے اور منافقین کی مشابہت اختیار نہ کرے۔

فَلَا تُعْجِبْكَ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا

پس نہ حیرت میں ڈالیں آپ کو ان کے مال اور نہ ان کی اولاد یقیناً ارادہ کرتا ہے اللہ کہ عذاب دے ان کو ان کی وجہ سے

فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿۵۵﴾ وَيَحْلِفُونَ بِاللَّهِ

دنیا کی زندگی ہی میں اور نکلیں ان کی جانیں اس حال میں کہ وہ کافر ہوں ○ اور قسمیں کھاتے ہیں وہ اللہ کی

إِنَّهُمْ لِبِنْتِكُمْ وَمَا لَهُمْ مِنْكُمْ وَلَكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَفْرُقُونَ ﴿۵۶﴾ لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً

کہ بیشک وہ تم ہی میں سے ہیں حالانکہ نہیں ہیں وہ تم میں سے لیکن وہ تو ایسے لوگ ہیں کہ ڈرتے ہیں ○ اگر پائیں وہ کوئی جائے پناہ

أَوْ مَغْرَبٍ أَوْ مَدْخَلًا لَّوَلَوْ أَلِيَهُ وَهُمْ يَجْحُون ﴿۵۷﴾

یا غاریں یا کوئی اور گھس بیٹھنے کی جگہ تو ضرور بھاگ جائیں وہ اس کی طرف رسیاں تڑاتے ہوئے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان منافقین کا مال اور اولاد آپ کو تعجب میں نہ ڈالے، کیونکہ یہ کوئی قابل رشک بات نہیں۔ مال اور اولاد کی ایک ”برکت“ ان پر یہ ہوئی کہ انہوں نے اس مال اور اولاد کو اپنے رب کی رضا پر ترجیح دی اور اس کی خاطر انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا ارتکاب کیا، فرمایا: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ ”اللہ چاہتا ہے کہ ان چیزوں سے دنیا کی زندگی میں ان کو عذاب دے۔“ یہاں عذاب سے مراد وہ مشقت اور کوشش ہے جو اسے حاصل کرنے میں انہیں برداشت کرنی پڑتی ہے اور اس میں دل کی تنگی اور بدن کی مشقت ہے۔ اگر آپ اس مال کے اندر موجود ان کی لذات کا مقابلہ اس کی مشقتوں سے کریں تو ان لذتوں کی ان مشقتوں کے ساتھ کوئی نسبت ہی نہیں اور ان لذات نے چونکہ ان کو اللہ تعالیٰ کے ذکر سے غافل کر دیا ہے اس لئے یہ ان کے لیے اس دنیا میں بھی وبال ہیں۔ ان کا سب سے بڑا وبال یہ ہے کہ ان کا دل انہی لذات میں لگن رہتا ہے اور ان کے ارادے ان لذات سے آگے نہیں بڑھتے، یہ لذات ان کی منتہائے مطلوب اور ان کی مرغوبات ہیں، ان کے قلب میں آخرت کے لیے کوئی جگہ نہیں اور یہ چیز اس بات کی موجب ہے کہ یہ لوگ دنیا سے اس حالت میں جائیں ﴿وَتَزْهَقَ أَنفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ﴾ ”اور جب ان کی جان نکلے تو وہ کافر ہی ہوں۔“ یعنی اس حالت میں ان کی جان نکلے کہ ان کا رویہ انکار حق ہو۔ تب اس عذاب سے بڑھ کر کون سا عذاب ہے جو دائمی بد بختی اور کبھی دور نہ ہونے والی حسرت کا موجب ہے؟

اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَيَخْلِفُونَ بِاللَّهِ لَئِنَّمْ لَیُنْکُمْ وَمَا هُمْ بِمِنكُمْ﴾ ”اور وہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ وہ بے شک تم میں سے ہیں حالانکہ وہ تم میں سے نہیں ہیں“ ان کی قسمیں اٹھانے میں ان کا مقصد یہ ہے ﴿قَوْمٌ یَفْرَقُونَ﴾ ”وہ ایسے لوگ ہیں جو (تم سے) خوفزدہ ہیں۔“ یعنی وہ گردشِ ایام سے خائف ہیں اور ان کے دل ایسی شجاعت سے محروم ہیں جو ان کو اپنے احوال بیان کرنے پر آمادہ کرے۔ وہ اس بات سے خائف ہیں کہ اگر انہوں نے اپنا حال ظاہر کر دیا اور کفار سے براءت کا اظہار کر دیا تو ہر طرف سے لوگ ان کو اچک لیں گے۔ رہا وہ شخص جو دل کا مضبوط اور مستقل مزاج ہے تو یہ صفات اسے اپنا حال..... خواہ وہ اچھا ہو یا برا..... بیان کرنے پر آمادہ رکھتی ہیں۔ مگر اس کے برعکس منافقین کو بزدلی کا لباس اور جھوٹ کا زیور پہنا دیا گیا ہے۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کی بزدلی کی شدت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿کُوَیْجِدُونَ مَلْجَأً﴾ ”اگر وہ کوئی پناہ گاہ پا لیں، تو جس وقت ان پر مصائب نازل ہوں تو یہ اس میں پناہ لے لیں ﴿أَوْ مَغْرَبٍ﴾ ”یا کوئی غاریں“ جن میں یہ داخل ہو کر اسے اپنا ٹھکانا بنالیں ﴿أَوْ مَدَآخِلًا﴾ ”یا سرگھسانے کی جگہ“ یعنی انہیں ایسی جگہ مل جائے جہاں یہ گھس بیٹھیں اور اس طرح اپنے آپ کو محفوظ کر لیں ﴿لَوْ نَوَآءُ إِلَیْهِ وَهُمْ یَجْمَحُونَ﴾ ”تو اٹھ بھاگیں گے اسی طرف رسیاں تڑاتے“ یعنی اس کی طرف تیزی سے بھاگیں گے۔ پس یہ ایسے ملکہ سے محروم ہیں جس کے ذریعے

سے وہ ثابت قدمی پر قادر ہوں۔

وَمِنْهُمْ مَّنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ
اور بعض ان میں سے وہ ہیں کہ طعن کرتے ہیں آپ پر صدقات میں سوا کر دیئے جائیں۔ اس میں سے تو راضی ہوتے ہیں اور اگر نہ
يُعْطُوا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ ﴿۵۸﴾ وَكُؤُا أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ
دیئے جائیں وہ اس میں سے تو جھٹ ناراض ہو جاتے ہیں ○ اور (کیا اچھا ہوتا) اگر وہ راضی ہوتے اس پر جو دیا ان کو اللہ نے
وَرَسُولُهُ ۙ وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ ۙ
اور اس کے رسول نے اور کہتے کافی ہے ہمارے لیے اللہ عنقریب دے گا ہمیں اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول بھی

إِنَّا إِلَى اللَّهِ دُغْبُونَ ﴿۵۹﴾

بیشک ہم اللہ ہی کی طرف رغبت کرنے والے ہیں ○

یعنی ان منافقین میں ایسے لوگ بھی ہیں جو صدقات کی تقسیم میں آپ کی عیب جوئی اور اس بارے میں آپ پر
تنقید کرتے ہیں اور ان کی تنقید اور نکتہ چینی کسی صحیح مقصد کی خاطر اور کسی راجح رائے کی بنا پر نہیں ہے بلکہ ان کا مقصد
تو صرف یہ ہے کہ انہیں بھی کچھ عطا کیا جائے۔ ﴿وَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطُوا مِنْهَا إِذَا هُمْ
يَسْخَطُونَ﴾ ”پس اگر اس میں سے ان کو دیا جائے تو راضی ہو جاتے ہیں اور اگر نہ دیا جائے ان کو تو جب ہی وہ
ناخوش ہو جاتے ہیں۔“ حالانکہ بندے کے لئے مناسب نہیں کہ اس کی رضا اور ناراضی، دنیاوی خواہش نفس اور کسی
فاسد غرض کے تابع ہو بلکہ مناسب یہ ہے کہ اس کی خواہشات اپنے رب کی رضا کے تابع ہوں جیسا کہ نبی ﷺ
نے فرمایا: ﴿لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّىٰ يَكُونَ هُوَ آتِبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهِ﴾ ”تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک
مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہشات اس چیز کے تابع نہ ہوں جو میں لے کر آیا ہوں۔“^①

یہاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَكَؤُا أَنَّهُمْ رَضُوا مَا آتَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ﴾ ”اگر وہ راضی ہوتے
اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اور اس کے رسول نے، یعنی انہیں کم یا زیادہ جو کچھ بھی دیا ہے ﴿وَقَالُوا حَسْبُنَا اللَّهُ﴾
”اور کہتے کہ اللہ ہمیں کافی ہے“ اور اس نے جو کچھ ہماری قسمت میں رکھا ہے ہم اس پر راضی ہیں۔ انہیں چاہئے کہ
وہ یہ کہہ کر اللہ تعالیٰ کے فضل و احسان کی امید رکھیں ﴿سَيُؤْتِينَا اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ وَرَسُولُهُ إِنَّا إِلَى اللَّهِ
دُغْبُونَ﴾ ”وہ اللہ دے گا ہم کو اپنے فضل سے اور اس کا رسول بے شک ہم تو اللہ ہی کی طرف رغبت رکھتے ہیں“
یعنی اپنی منفعتوں کے حصول اور نقصانات سے بچنے کے لیے نہایت عاجزی سے اس سے دعا کرتے ہیں۔

إِنَّمَا الصَّدَقَتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَبْدِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةَ قُلُوبَهُمْ

بیشک زکوٰۃ تو صرف فقیروں اور مسکینوں اور ان اہل کاروں کے لیے ہے جو اس (کی وصولی) پر مقرر ہیں اور ان کے لیے جن کی تالیف قلب منظور ہے

وَفِي الرِّقَابِ وَالْغُرْمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ فَرِيضَةً

اور (خرچ کرنا ہے) گردنیں (چھڑانے) میں اور تاوان (اور قرض) ادا کرنے والوں میں اور اللہ کی راہ اور مسافروں میں (یہ) فریضہ ہے

مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ حَكِيمٌ ﴿۱۰﴾

اللہ کی طرف سے اور اللہ خوب جاننے والا حکمت والا ہے ○

پھر اللہ تعالیٰ نے صدقات و اجبہ کی تقسیم کی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرمایا: ﴿إِنَّمَا الصَّدَقَتُ﴾
”صدقات و خیرات“ یعنی زکوٰۃ واجب..... اور اس کی دلیل یہ ہے کہ مستحب صدقات ہر ایک شخص کو دیئے جاسکتے ہیں ان صدقات کو خرچ کرنے کے لیے کسی کو مختص نہیں کیا گیا۔ جب کہ صدقات واجبہ صرف ان لوگوں پر خرچ کئے جائیں جن کا قرآن مجید میں ذکر کیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے صدقات کے مصرف کو صرف انہی لوگوں میں محدود رکھا ہے۔ ان کی آٹھ اصناف ہیں۔

(۲۱) فقراء و مساکین اس مقام پر یہ دو الگ اقسام ہیں جن میں تفاوت ہے فقیر مسکین سے زیادہ ضرورت مند ہوتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان اصناف کے ذکر کی ابتداء ”فقیر“ سے کی ہے اور ابتداء کا طریقہ یہی ہے کہ پہلے سب سے اہم چیز کا پھر اس سے کم تر مگر دوسروں سے اہم تر کا بیان ہوتا ہے۔ فقیر کی یہ تفسیر بیان کی گئی ہے کہ اس سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو یا جس سے کفایت ہو سکتی ہو اس کے پاس اس کے نصف سے بھی کم ہو۔ مسکین اس شخص کو کہا جاتا ہے جس کے پاس کفایت سے نصف یا اس سے کچھ زیادہ موجود ہو مگر اس کے پاس پوری کفایت موجود نہ ہو، کیونکہ اگر اس کے پاس پوری کفایت موجود ہو تو وہ غنی ہوتا۔ پس فقراء اور مساکین کو اتنی زکوٰۃ دی جائے جس سے ان کا فقر و فاقہ اور مسکنت زائل ہو جائے۔

(۳) وہ لوگ جو صدقات کی وصولی وغیرہ کے کام پر مامور ہوں اور یہ وہ لوگ ہیں جو صدقات کے ضمن میں کسی ذمہ داری میں مشغول ہوں ان کی وصولی کرنے والے صدقات کے مویشیوں کو چرانے والے ان کے نقل و حمل کا انتظام کرنے والے اور صدقات کا حساب کتاب لکھنے والے سب ”عالمین“ کے زمرے میں آتے ہیں..... لہذا ان کو ان کے کام کا معاوضہ صدقات میں سے دیا جائے اور یہ ان کے کام کی اجرت ہے۔

(۴) وہ لوگ جن کی تالیف قلب مطلوب ہو۔ (مُؤَلَّفَةُ الْقُلُوبِ) سے مراد وہ لوگ ہیں جن کی اپنی قوم میں

اطاعت کی جاتی ہے، جس کے اسلام قبول کرنے کی امید ہو یا جس کے شرک کا خوف ہو، یا جس کو عطا کرنے سے اس کی قوت ایمان میں اضافہ ہوتا ہو یا اس جیسے کسی اور شخص کے اسلام قبول کرنے کی توقع ہو یا کسی ایسے شخص سے صدقات وصول ہونے کی توقع ہو جو صدقات ادا نہ کرتا ہو۔ اس صورت میں ﴿وَالْمَوْلَاةُ قُلُوبُهُمْ﴾ کو صدقات میں سے دیا جاسکتا ہے جس میں کوئی مصلحت اور ان کی تالیف قلب مطلوب ہو۔

(۵) گردنیں چھڑانے میں اس سے مراد وہ غلام ہیں جنہوں نے اپنے آقاؤں سے مکاتبت کے ذریعے سے آزادی خرید رکھی ہو اور وہ غلامی سے اپنی گردن چھڑانے کے لیے جدوجہد کر رہے ہوں۔ پس زکوٰۃ کی مدد سے ان کی مدد کی جاسکتی ہے اور وہ مسلمان جو کفار کی قید میں ہیں ان کو آزاد کرانے کے لیے بھی زکوٰۃ کا مال خرچ کیا جاسکتا ہے، بلکہ یہ مسلمان قیدی بدرجہ اولیٰ اس مدد کے مستحق ہیں اور مستقلاً کسی غلام کو آزاد کرنے پر خرچ کرنا بھی جائز ہے، کیونکہ یہ بھی (وفی الرقاب) کے زمرے میں آتے ہیں۔

(۶) قرض داروں کی مدد کرنے میں..... قرض داروں کی دو قسمیں ہیں۔

(اول) وہ قرض دار جنہوں نے لوگوں کے درمیان صلح کرانے کے لیے قرض اٹھایا ہو۔ اس کی صورت یہ ہے کہ دو گروہوں کے درمیان کوئی فتنہ یا فساد پھیل جائے تو وہ آدمی ان دونوں کے درمیان پڑ کر ان کے مابین صلح کروا کر ان میں سے کسی ایک کی طرف سے یا سب کی طرف سے مالی تاوان ادا کر دے۔ اس قسم کے قرض دار پر زکوٰۃ کی مدد میں سے خرچ کیا جاسکتا ہے، تاکہ اس کے لیے زیادہ نشاط انگیز اور اس کے عزم کے لیے زیادہ قوت کا باعث ہو۔ وہ اگرچہ مال دار بھی ہو، تب بھی اسے زکوٰۃ کی مدد میں سے عطا کیا جاسکتا ہے۔

(ثانی) دوسری قسم کا قرض دار وہ ہے جس نے کسی ذاتی ضرورت کی بنا پر قرض لیا مگر وہ عسرت کی وجہ سے قرض واپس نہ کر سکا۔ تو اسے صدقات میں سے اتنا مال عطا کیا جائے جس سے اس کے ذمہ سے قرض ادا ہو جائے۔

(۷) اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرنے والے۔ یہ وہ مجاہدین ہیں جو رضا کارانہ جہاد میں شریک ہوتے ہیں جن کا نام باقاعدہ فوج میں درج نہیں۔ ان کو زکوٰۃ کی مدد میں سے اتنا مال عطا کیا جاسکتا ہے جو جہاد میں اس کی سواری، اسلحہ اور اس کے اہل و عیال کی کفالت کے لیے کافی ہوتا کہ وہ اطمینان قلب کے ساتھ پوری طرح سے جہاد میں شریک ہو سکے۔

بہت سے فقہاء یہ کہتے ہیں کہ اگر روزی کمانے پر قدرت رکھنے والا شخص اپنے آپ کو طلب علم کے لیے

وقف کر دے تو اسے بھی زکوٰۃ میں سے مال دیا جائے۔ کیونکہ حصول علم بھی جہاد فی سبیل اللہ کے زمرے میں آتا ہے، نیز بعض فقہا کہتے ہیں کہ کسی فقیر کو فریضہ حج کی ادائیگی کے لیے زکوٰۃ میں سے مال عطا کیا جاسکتا ہے۔ مگر یہ قول محل نظر ہے۔^(۱)

(۸) مسافر اور یہاں مسافر سے مراد وہ غریب الوطن ہے جو اپنے وطن سے دور پردیس میں منقطع ہو کر رہ گیا ہو۔ اسے زکوٰۃ کی مد میں سے اتنا مال عطا کیا جاسکتا ہے جو اسے اپنے وطن پہنچانے کے لیے کافی ہو۔ یہ آٹھ قسم کے لوگ ہیں صرف انہی کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے ﴿قَوِيضَةً مِّنَ اللَّهِ﴾ اللہ کی طرف سے مقرر کر دیے گئے ہیں۔ یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کو فرض اور مقرر کیا ہے اور فریضہ زکوٰۃ اس کے علم اور اس کی حکمت کے تابع ہے۔ واضح رہے کہ صدقات کے یہ آٹھ مصارف دو امور کی طرف راجع ہیں۔

(۱) وہ شخص جسے اس کی حاجت اور فائدے کے لیے زکوٰۃ دی جاتی ہے، مثلاً فقیر اور مسکین وغیرہ۔
(۲) وہ شخص جسے اس لئے زکوٰۃ دی جاتی ہے کہ مسلمانوں کو اس کی ضرورت و حاجت ہوتی ہے اور اسلام کو اس سے فائدہ پہنچتا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے مال داروں کے مال میں سے یہ حصہ عوام و خواص اسلام اور مسلمانوں کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے مقرر کیا ہے۔ مگر مال دار لوگ اپنے مالوں کی زکوٰۃ صحیح معنوں میں شرعی طریقے سے ادا کریں، تو مسلمانوں میں کوئی فقیر نہ رہے اور اسی طرح زکوٰۃ سے اتنا مال جمع ہو سکتا ہے جس سے سرحدوں کی حفاظت، کفار کے ساتھ جہاد اور دیگر تمام دینی مصالح کا انتظام ہو سکتا ہے۔

وَمِنْهُمْ الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ قُلْ أُذُنٌ خَيْرٌ لَّكُمْ

اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو ایذا دیتے ہیں نبی کو اور کہتے ہیں وہ تو کان ہے کہہ دیجئے! (وہ) کان ہے بھلائی کا تمہارے لیے

يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِينَ وَرَحْمَةٌ لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنْكُمْ

یقین رکھتا ہے اللہ پر اور یقین رکھتا ہے مومنوں (کی باتوں) پر اور رحمت ہے ان کے لیے جو ایمان لائے تم میں سے

وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۱﴾ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ

اور وہ لوگ جو ایذا دیتے ہیں رسول اللہ کو ان کے لیے ہے عذاب بہت درد ناک ○ وہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی

(۱) لیکن ان کی بنیاد سنن ابی داؤد وغیرہ کی ایک روایت ہے جس کی رو سے حج و عمرہ پر زکوٰۃ کی رقم صرف کرنے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے لیکن اس میں عمرہ کے ذکر کو شاید قرار دیا ہے۔ (ملاحظہ ہو ارواء الغلیل ۳/۲۷۲) علاوہ ازیں صحابہ میں سے حضرت ابن عباس اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ائمہ میں سے امام احمد و امام اسحاق رحمۃ اللہ علیہم وغیرہ بھی اس کے قائل ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے راقم کی کتاب ”زکوٰۃ“ عشر اور صدقۃ الفطر۔ ص ۱۰۳-۱۰۴ مطبوعہ دارالسلام۔ (ص-ی)

لَكُمْ لِيَرْضَوْكُمْ وَاللَّهُ وَرَسُولَهُ أَحَقُّ أَنْ يُرْضَوْهُ إِنْ كَانُوا

تمہارے سامنے تاکہ راضی کریں تمہیں، حالانکہ اللہ اور اس کا رسول زیادہ حق دار ہے اسکا کہ وہ اس کو راضی کریں اگر ہیں وہ
مؤمنین ﴿۱۰﴾ اَلَمْ يَعْلَمُوا اَنَّهُ مِنْ يُحَادِدِ اللّٰهُ وَرَسُولَهُ فَاِنَّ لَهُ
مؤمن ۱۰ کیا نہیں معلوم ہوا انہیں کہ بے شک جو مخالفت کرے اللہ اور اس کے رسول کی تو بلاشبہ اس کے لیے ہے

نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيهَا ذَلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيمُ ﴿۱۱﴾

آگ جہنم کی ہمیشہ رہے گا وہ اس میں یہ ہے رسوائی بہت بڑی ۱۱

یعنی یہ منافقین ﴿الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ﴾ ”جو نبی کو ایذا دیتے ہیں۔“ یعنی جو ردی اقوال اور عیب جوئی کے
ذریعے سے نبی اکرم ﷺ کو ایذا پہنچاتے ہیں۔ ﴿وَيَقُولُونَ هُوَ أذُنٌ﴾ ”اور کہتے ہیں کہ وہ کان (کا کچا)
ہے۔“ اور انہیں اس بات کی پروا نہیں ہوتی کہ ان کی بدگوئی کی وجہ سے نبی اکرم ﷺ کو دکھ پہنچتا ہے۔ وہ کہتے
ہیں کہ جب ان میں سے کچھ باتیں آپ تک پہنچتی ہیں تو ہم آپ کے پاس معذرت پیش کرنے کے لیے آجاتے
ہیں اور آپ ہماری معذرت قبول کر لیتے ہیں، کیونکہ آپ کان کے کچے ہیں۔ یعنی آپ سے جو کچھ کہا جاتا ہے
آپ اسے تسلیم کر لیتے ہیں سچے اور جھوٹے میں تمیز نہیں کرتے۔ ان کا مقصد تو محض یہ تھا..... اللہ ان کا برا
کرے..... کہ وہ اس بات کی کوئی پروا کریں نہ اس کو اہمیت دیں، کیونکہ اگر ان کی کوئی بات آپ تک نہ پہنچے تو
یہی ان کا مطلوب ہے اور اگر آپ تک وہ بات پہنچ جائے تو صرف باطل معذرتوں پر اکتفا کریں۔ پس انہوں نے
بہت سے پہلوؤں سے برائی کا رویہ اختیار کیا:

(۱) ان میں سب سے بری بات یہ ہے کہ وہ اپنے نبی (ﷺ) کو ایذا پہنچاتے ہیں جو ان کی رہنمائی اور
ان کو ہلاکت اور شقاوت کے گڑھے سے نکال کر ہدایت اور سعادت کی راہ پر گامزن کرنے کے لیے
تشریف لائے۔

(۲) وہ اس ایذا رسانی کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے یہ مجرد ایذا رسانی پر ایک قدر زائد ہے۔

(۳) وہ نبی کریم ﷺ کی عقل و دانش میں عیب نکالتے تھے آپ کو عدم ادراک اور سچے اور جھوٹے کے
درمیان امتیاز نہ کر سکنے کی صفات سے متصف کرتے تھے۔ حالانکہ آپ مخلوق میں سب سے زیادہ عقل
کامل سے بہرہ مند بدرجہ اتم ادراک کے حامل، عمدہ رائے اور روشن بصیرت رکھنے والے تھے۔

بنا بریں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿قُلْ اُذُنٌ خَيْرٌ لِّكُمْ﴾ ”آپ کہہ دیجئے، کان ہیں تمہاری بہتری
کے لئے،“ یعنی جو کوئی بھلی اور سچی بات کہتا ہے آپ ﷺ اسے قبول فرمالتے ہیں۔ رہا آپ کا صرف نظر کرنا اور
جھوٹے عذرات پیش کرنے والے منافقین کے ساتھ سختی سے پیش نہ آنا، تو یہ آپ کی کشادہ نظری، ان کے

معاملے میں عدم اہتمام اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی اطاعت کی بنا پر تھا۔ ﴿سَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ اِلَيْهِمْ لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ فَاعْرِضُوْا عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رَجْسٌ﴾ (التوبہ: ۹۵/۹) ”جب تم واپس لوٹو گے تو یہ منافقین قسمیں کھائیں گے، تاکہ تم ان سے صرف نظر کرو واپس تم ان کے معاملے کو نظر انداز کر دو کیونکہ وہ ناپاک ہیں۔“ رہی یہ حقیقت کہ آپ ﷺ کے دل میں کیا ہے اور آپ کی رائے کیا ہے تو اس کے بارے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: ﴿يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَيُؤْمِنُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ ”وہ یقین کرتا ہے اللہ پر اور یقین کرتا ہے مومنوں کی بات پر“ جو سچے اور تصدیق کرنے والے ہیں اور وہ سچے اور جھوٹے کو خوب پہچانتا ہے اگرچہ وہ بہت سے ایسے لوگوں سے صرف نظر کرتا ہے جن کے بارے میں اسے معلوم ہے کہ وہ جھوٹے ہیں اور ان میں سچائی معدوم ہے۔ ﴿وَرَحْمَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ﴾ ”اور رحمت ہے ان لوگوں کے لئے جو تم میں سے ایمان لائے“ کیونکہ وہی آپ کی وجہ سے راہ راست پر گامزن ہوتے اور آپ کے اخلاق کی پیروی کرتے ہیں۔ رہے اہل ایمان کے علاوہ دیگر لوگ تو انہوں نے اس رحمت کو قبول نہ کیا، بلکہ ٹھکرا دیا اور یوں وہ دنیا و آخرت کے گھاٹے میں پڑ گئے۔ ﴿وَالَّذِيْنَ يُؤْذُوْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ ”اور وہ لوگ جو (قول و فعل کے ذریعے سے) رسول اللہ کو دکھ دیتے ہیں۔“ ﴿لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴾ ”ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔“ دنیا و آخرت میں۔ اور دنیا میں ان کے لیے دردناک عذاب یہ ہے کہ آپ کو دکھ پہنچانے والے اور آپ کی شان میں گستاخی کرنے اور ایذا پہنچانے والے کی حتمی سزا قتل ہے۔

﴿يَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِيُرْضُوْكُمْ﴾ ”وہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی تاکہ تمہیں راضی کریں“ اور ان کی طرف سے جو ایذا رسانی ہوئی وہ اس سے بری ٹھہریں۔ پس ان کی غرض و غایت محض یہ ہے کہ تم ان سے راضی رہو۔ ﴿وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهُ اَحَقُّ اَنْ يُرْضُوْهُ اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴾ ”حالانکہ اللہ اور اس کا رسول اس بات کے زیادہ حق دار ہیں کہ وہ ان کو راضی کریں اگر وہ مومن ہوں“ کیونکہ بندہ مومن اپنے رب کی رضا پر کسی چیز کو ترجیح نہیں دیتا۔ یہ آیت ان کے ایمان کی نفی پر دلالت کرتی ہے، کیونکہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کی رضا پر دوسروں کی رضا کو مقدم رکھا اور یہ اللہ تعالیٰ کی مخالفت اور کھلی دشمنی ہے اور جو کوئی اللہ تعالیٰ سے دشمنی رکھتا ہے اس کے لیے سخت وعید ہے۔ چنانچہ فرمایا: ﴿اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنْهُ مِنْ يُحَادِدِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ﴾ ”کیا انہوں نے نہیں جانا کہ جو کوئی مقابلہ کرے اللہ سے اور اس کے رسول سے“ یعنی اللہ تعالیٰ کے اوامر کی اہانت و تحقیر اور اس کے محارم کے ارتکاب کی جسارت کر کے وہ اللہ اور اس کے رسول سے بہت دور اور ان کے مخالف ہو جائے ﴿فَاِنَّ لَهُ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدًا فِيْهَا ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ﴾ ”تو اس کے لئے جہنم کی آگ ہے اور اس میں وہ ہمیشہ رہے گا یہ بڑی رسوائی کی بات ہے۔“ جس سے بڑھ کر کوئی رسوائی نہیں، کیونکہ وہ دائمی نعمتوں سے محروم ہو گئے اور بھڑکتی ہوئی آگ کا

عذاب حاصل کر لیا۔ ان کے حال سے اللہ کی پناہ!

يَحْذَرُ الْمُنْفِقُونَ أَنْ تَنْزَلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ قُلْ
 ذُرْتُمْ هِيَ مِنْ مَنَاقِبِ اسْبَاطِئِكُمْ سَبَّحُوا بِحَمْدِ رَبِّكُمْ قَائِمِينَ ۝۱۰۱
 اِسْتَهْزِءُوا ۗ اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ ۝۱۰۲ وَلٰكِنْ سَاَلْتَهُمْ لَيَقُوْلُنَّ
 اِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰتِيهِ وَرَسُوْلِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰۳
 اِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰتِيهِ وَرَسُوْلِهِ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۰۴
 لَا تَعْتَدِرُوْا وَاَقْدُ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ ۗ اِنْ نَّعَفُ عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ
 نَعَذِّبُ طَآئِفَةً اٰنَآهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ۝۱۰۵
 تو ہم عذاب دیں گے (دوسرے) گروہ کو یہ سب اس کے کہ بلاشبہ تھے وہ مجرم

اس سورہ کریمہ کو (الْفَاضِحَةُ) ”رسوا کرنے والی سورت“ کے نام سے بھی موسوم کیا گیا ہے، کیونکہ اس نے منافقین کے بھید کھولے ہیں اور ان کے رازوں پر سے پردہ اٹھایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ”ان میں سے بعض“۔ ”ان میں سے بعض“ کہہ کر ان کے اوصاف بیان کئے ہیں۔ لیکن متعین طور پر اشخاص کے نام نہیں لئے، اس کے دو فائدے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ ”ستار“ ہے وہ اپنے بندوں کے گناہوں کی پردہ پوشی کو پسند کرتا ہے۔
 (۲) مذمت کا رخ ان تمام منافقین کی طرف ہے جو ان صفات سے متصف ہیں جس میں وہ بھی آگئے جو (بلا واسطہ) مخاطب تھے اور ان کے علاوہ قیامت تک آنے والے منافقین بھی اس میں شامل ہیں۔
 اس اعتبار سے اوصاف کا تذکرہ زیادہ عمومیت کا حامل اور زیادہ مناسب ہے تاکہ لوگ خوب خائف رہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿لَئِنْ لَّمْ يَنْتَهِ الْمُنْفِقُونَ وَالَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَّرَضٌ وَالْمُرْجِفُونَ فِي الْمَدِيْنَةِ لَنَغْرِيبَنَّكَ بِهِمْ ثُمَّ لَا يُجَاوِرُونَكَ فِيهَا اِلَّا قَلِيْلًا ۝ مَلْعُوْنِيْنَ اٰيْمًا ثُقُوْا اٰخِرًا وَاَقْتُلُوْا ثُقُوْبًا﴾ (الأحزاب: ۶۰/۳۳-۶۱)
 ”اگر منافقین اور وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور جو مدینہ میں بری بری افواہیں پھیلاتے ہیں، اپنے کرتوتوں سے باز نہ آئے تو ہم آپ کو ان کے پیچھے لگا دیں گے پھر وہ بہت تھوڑے دن ہی آپ کے پڑوس میں رہ سکیں گے۔ وہ دھتکارے ہوئے جہاں بھی پائے جائیں، پکڑے جائیں اور قتل کر دیئے جائیں“۔ اور یہاں اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿يَحْذَرُ الْمُنْفِقُونَ أَنْ تَنْزَلَ عَلَيْهِمْ سُورَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِي قُلُوبِهِمْ﴾

”منافقین اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان پر کوئی سورت نازل ہو جو ان کو جہادے جو ان کے دلوں میں ہے“ یعنی وہ سورت ان کو ان کے کرتوتوں کے بارے میں آگاہ کر کے ان کی فضیحت کا سامان کرتی ہے اور ان کا بھید کھولتی ہے یہاں تک کہ ان کی کارستانیاں لوگوں کے سامنے عیاں ہو جاتی ہیں اور وہ دوسروں کے لیے سامان عبرت بن جاتے ہیں۔

﴿قُلِ اسْتَهْزِءُوا﴾ ”کہہ دو کہ ہنسی مذاق کیے جاؤ۔“ یعنی استہزاء اور تمسخر کا تمہارا جو رویہ ہے اس پر قائم رہو ﴿اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا تَحْذَرُوْنَ﴾ ”اللہ کھول کر رہے گا اس چیز کو جس سے تم ڈرتے ہو“ اور اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دیا اور یہ سورت نازل فرمائی جو ان کے کرتوت بیان کر کے ان کو رسوا کرتی ہے اور ان کے رازوں پر پردہ اٹھاتی ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَلٰكِن سَاَلْتَهُمْ﴾ ”اور اگر آپ ان سے دریافت کریں۔“ اس بارے میں جو وہ مسلمانوں اور ان کے دین کی بابت طعن و تشنیع کرتے ہیں۔ ان میں سے ایک گروہ غزوہ تبوک کے موقع پر کہتا تھا ”ہم نے ان جیسے لوگ نہیں دیکھے“ ان کی مراد نبی اکرم ﷺ اور آپ کے اصحاب کرام تھے ”جو کھانے میں پیؤ زباناں کے جھوٹے اور میدان جنگ میں بزدلی دکھانے والے ہیں“^①

جب انہیں یہ بات پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کی ہرزہ سرانی کا علم ہو گیا ہے تو معذرت کرتے اور یہ کہتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے ﴿اِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ وَنَلْعَبُ﴾ ”ہم تو بات چیت کرتے تھے اور دل لگی“ یعنی ہم تو ایک ایسی بات کہہ رہے تھے جس سے کسی کو نشانہ بنانا یا طعن اور عیب جوئی ہمارا مقصود نہ تھا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ان کا عدم عذر اور ان کا جھوٹ واضح کرتے ہوئے فرمایا: ﴿قُلْ﴾ ان سے کہہ دیجئے: ﴿اٰی اللّٰهِ وَاٰیٰتِہٖ وَرَسُوْلِہٖ کُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ لا تَعْتَنِ رُوَا قَدْ کَفَرْتُمْ بَعْدَ اٰیْمَانِکُمْ﴾ ”کیا تم اللہ سے اس کے حکموں سے اور اس کے رسول سے ٹھنھے کرتے تھے؟ تم بہانے مت بناؤ تم ایمان لانے کے بعد کافر ہو چکے ہو۔“ کیونکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ استہزاء اور تمسخر کفر ہے جو دائرہ اسلام سے خارج کر دیتا ہے، کیونکہ دین کی اساس اللہ تعالیٰ اس کے دین اور اس کے رسول کی تعظیم پر مبنی ہے۔ ان میں سے کسی کے ساتھ استہزاء کرنا اس اساس کے منافی اور سخت متناقض ہے۔ بنا بریں جب وہ معذرت میں یہ بات کہتے ہوئے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے ان سے اس سے زیادہ کچھ نہ فرمایا ﴿اٰی اللّٰهِ وَاٰیٰتِہٖ وَرَسُوْلِہٖ کُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ﴾ لا تَعْتَنِ رُوَا قَدْ کَفَرْتُمْ بَعْدَ اٰیْمَانِکُمْ﴾ ”کیا تم اللہ اس کی آیات اور اس کے رسول کے ساتھ دل لگی کرتے تھے؟ اب معذرتیں نہ کرو تم نے ایمان لانے کے بعد کفر کا ارتکاب کیا“ فرمایا: ﴿اِنَّ نَعْفُ عَنْ طَآٰفِیۡۃٍ مِّنْکُمْ﴾ ”اگر ہم تم میں سے ایک جماعت کو معاف بھی کر دیں“ ان کی توبہ و استغفار اور ان کی ندامت کی وجہ

سے ﴿نَعَذِبُ طَائِفَةً﴾ ”تاہم بعض کو ضروری عذاب دیں گے“ ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا﴾ ”کیونکہ وہ“ یعنی اس سبب سے کہ ﴿كَانُوا مُجْرِمِينَ﴾ ”وہ گناہ گارتھے“ یعنی اپنے کفر و نفاق پر قائم ہیں۔ یہ آیات کریمہ اس امر پر دلالت کرتی ہیں کہ جو کوئی اپنا بھید چھپاتا ہے خاص طور پر وہ بھید جس میں اللہ تعالیٰ کے دین کے خلاف سازش، اللہ تعالیٰ اس کی آیات اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ استہزاء ہو تو اللہ تعالیٰ اس بھید کو کھول دیتا ہے اس شخص کو رسوا کرتا ہے اور اسے سخت سزا دیتا ہے اور جو کوئی کتاب اللہ اور اس کے رسول کی سنت ثابتہ کے ساتھ کسی قسم کا استہزاء کرتا ہے یا ان کا تمسخر اڑاتا ہے یا ان کو ناقص گردانتا ہے یا رسول اللہ ﷺ سے استہزاء کرتا ہے یا آپ کو ناقص کہتا ہے تو وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کا ارتکاب کرتا ہے۔ نیز اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ہر قسم کے گناہ کی توبہ قبول ہو جاتی ہے خواہ وہ کتنا ہی بڑا کیوں نہ ہو۔

الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ

منافق مرد اور منافق عورتیں ان کے بعض بعض سے (یعنی ایک جیسے ہی) ہیں حکم دیتے ہیں وہ برے کام کا

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ نَسُوا اللَّهَ فَنَسِيَهُمْ ط إِنَّ

اور روکتے ہیں نیک کام سے اور بند رکھتے ہیں اپنے ہاتھ (خرچ کرنے سے) بھلا دیا انہوں نے اللہ کو تو اس نے بھی بھلا دیا ان کو بے شک

الْمُنْفِقِينَ هُمُ الْفٰسِقُونَ ﴿۱۶﴾ وَعَدَّ اللَّهُ الْمُنْفِقِينَ وَالْمُنْفِقَاتِ وَالْكٰفِرَ

منافقین وہی ہیں نافرمان ○ وعدہ کیا ہے اللہ نے منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے

نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِينَ فِيهَا هِيَ حٰسِبُهُمْ وَلَعَنَهُمُ

جہنم کی آگ کا ہمیشہ رہیں گے وہ اس میں یہی (عذاب) کافی ہے ان کو اور لعنت کی ان پر

اللَّهُ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيمٌ ﴿۱۷﴾

اللہ نے اور ان کے لیے عذاب ہے دائمی ○

﴿الْمُنْفِقُونَ وَالْمُنْفِقَاتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ﴾ ”منافق مرد اور منافق عورتیں آپس میں ایک ہی

ہیں۔“ کیونکہ نفاق ان میں قدر مشترک ہے اس لئے وہ ایک دوسرے کے باہم دوست ہیں۔ اس آیت کریمہ

سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اہل ایمان اور منافقین کے درمیان موالات کا رشتہ منقطع ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے

منافقین کا عمومی وصف بیان فرمایا جس سے ان کا چھوٹا اور بڑا کوئی بھی باہر نہیں۔ ﴿يَأْمُرُونَ بِالْمُنْكَرِ﴾ وہ

بری بات کا حکم دیتے ہیں، اور وہ ہے کفر، فسق اور معصیت۔ ﴿وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوفِ﴾ اور معروف سے

روکتے ہیں، معروف سے مراد ایمان، اخلاق فاضلہ، اعمال صالحہ اور آداب حسنہ ہیں۔ ﴿وَيَقْبِضُونَ أَيْدِيَهُمْ﴾

”اور بند رکھتے ہیں اپنے ہاتھوں کو“ صدقہ اور بھلائی کے راستوں سے۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان کو بخل کی صفت سے

موصوف کیا ہے۔ ﴿نَسُوا اللَّهَ﴾ ”وہ بھول گئے اللہ کو“ پس وہ بہت کم اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں۔ ﴿قَسِيْبُهُمْ﴾ ”تو وہ بھی بھول گیا ان کو“ یعنی ان پر رحمت کرنے سے۔ پس اللہ تعالیٰ ان کو بھلائی کی توفیق عطا نہیں کرتا اور نہ ان کو جنت میں داخل کرے گا بلکہ وہ ان کو جہنم کے سب سے نچلے درجہ میں چھوڑ دے گا جہاں ان کو ہمیشہ رکھا جائے گا۔ ﴿إِنَّ الْمُنْفِقِينَ هُمُ الْفٰسِقُونَ﴾ ”بے شک منافق ہی نافرمان ہیں“ اللہ تعالیٰ نے فسق کو منافقین میں محصور کر دیا، کیونکہ ان کا فسق دیگر فساق کے فسق سے زیادہ بڑا ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ ان کو دیا جانے والا عذاب دوسروں کو دیئے جانے والے عذاب کی نسبت زیادہ بڑا ہے۔ نیز اہل ایمان جب ان کے درمیان رہ رہے تھے تو ان منافقین کے باعث ان کو آزمائش میں ڈالا گیا اور ان سے بچنے کی نہایت سختی سے تاکید کی گئی۔

﴿وَعَدَّ اللَّهُ الْمُنْفِقِينَ وَالْمُنٰفِقَاتِ وَالْكٰفِرَاتِ رَاٰجِهَةً خٰلِدِيْنَ فِيْهَا هِيَ حَسْبُهُمْ وَاعْتَبِرْهُمُ اللّٰهُ وَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ﴾ ”وعدہ دیا ہے اللہ نے منافق مرد اور منافق عورتوں کو اور کافروں کو جہنم کی آگ کا“ ہمیشہ رہیں گے اس میں وہی بس ہے ان کو اور لعنت کی ان پر اللہ نے اور ان کے لئے برقرار رہنے والا عذاب ہے“ اللہ تبارک و تعالیٰ منافقین اور کفار کو جہنم اور لعنت میں اکٹھا کر دے گا جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، کیونکہ دنیا میں بھی وہ کفر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ عداوت اور اللہ تعالیٰ کی آیات کے انکار پر متفق تھے۔

كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا
(تم منافقو!) ان لوگوں کی طرح ہو جو تم سے پہلے ہوئے تھے وہ زیادہ سخت تم سے قوت میں اور زیادہ تھے مال اور اولاد میں۔

فَاَسْتَنْتَعُوْا بِخَلٰقِهِمْ فَاَسْتَمْتَعْتُمْ بِخَلٰقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ
پس فائدہ اٹھایا انہوں نے ساتھ اپنے حصے کے اور فائدہ اٹھایا تم نے بھی ساتھ اپنے حصے کے جیسے فائدہ اٹھایا تھا ان لوگوں نے جو

مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلٰقِهِمْ وَحُضْتُمْ كَالَّذِيْنَ خَاصُّوْا اَوْلِيٰك حٰبِطٌ
تم سے پہلے تھے ساتھ اپنے حصے کے اور تم بھی فضول بحث میں الجھے جیسے وہ فضولیات میں الجھے رہے یہی لوگ ہیں کہ برباد ہو گئے

اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَاْلْاٰخِرَةِ ۗ وَاَوْلِيٰك هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَمْ يٰۤاَتِيْهِمْ نَبَاُ
ان کے عمل دنیا اور آخرت میں اور یہی لوگ ہیں خسارہ پانے والے ۰ کیا نہیں آئی ان کو خبر

الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ وَّثٰمُوْدَ وَّقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ
ان لوگوں کی جو ان سے پہلے ہوئے؟ قوم نوح اور عاد اور ثمود کی اور قوم ابراہیم

وَاَصْحٰبِ مَدِيْنَ وَاَلْمُؤْتَفِكِ اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَمَا كَانَ اللّٰهُ
اور مدین والوں اور الہی بستیوں والوں کی آئے ان کے پاس ان کے رسول واضح دلائل کے ساتھ پس نہیں ہے اللہ

لِيُظْلِمَهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۲۰﴾

کہ ظلم کرتا ان پر لیکن تھے وہ اپنی ہی جانوں پر ظلم کرتے ۰

اللہ تبارک و تعالیٰ منافقین کا حال بیان کرتے ہوئے فرماتا ہے، اے منافقو! تمہارا حال تم جیسے ان منافقین کی مانند ہے جنہوں نے تم سے پہلے نفاق اور کفر کا ارتکاب کیا۔ وہ تم سے زیادہ طاقتور تم سے زیادہ دولت مند اور تم سے زیادہ اولاد والے تھے۔ ان کے لیے جو حظوظ دنیا (دنوی منافع اور حصے) مقدر کئے گئے تھے انہوں نے ان سے خوب فائدہ اٹھایا۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ذکر اور اس کے تقویٰ سے روگردانی کی۔ انبیائے کرام کے ساتھ نہایت تحارت اور استخفاف کے ساتھ پیش آئے اور اپنے اور انبیائے کرام کے معاملہ میں ان کا خوب تمسخر اڑایا۔ تم نے بھی دنیا کی لذتوں سے جو تمہارے لئے مقدر کی گئی تھیں، خوب فائدہ اٹھایا جیسے پہلے لوگوں نے فائدہ اٹھایا تھا۔ تم بھی باطل اور ان منکرات میں ڈوبے ہوئے ہو جن میں تمہارے پیشرو ڈوبے ہوئے تھے۔ ان کے اعمال اکارت گئے اور ان اعمال نے ان کو دنیا و آخرت میں کوئی فائدہ نہ دیا اور وہ سراسر خسارے میں رہے۔ تم بھی سوء حال و مال اور برے انجام میں انہی کی مانند ہو۔ ﴿فَاسْتَبْتِعْتُمْ بِخَلْقِكُمْ﴾ ”تم نے اپنے حصے سے فائدہ اٹھایا۔“ یعنی اپنے دنیاوی نصیب سے۔ اللہ تعالیٰ کی مراد کو نظر انداز کرتے ہوئے تم نے لذت و شہوت کے پہلو سے دنیا کو استعمال کیا۔ اس نصیب دنیا سے تم نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی پر مدد لی، تمہارا عزم اور ارادہ ان دنیاوی نعمتوں سے آگے نہ بڑھ سکا، جیسے تم سے پہلے لوگوں نے کیا تھا ﴿وَحُضِّنْتُمْ كَالَّذِي خَاصُوا﴾ ”اور جس طرح وہ باطل میں ڈوبے رہے اسی طرح تم باطل میں ڈوبے رہے۔“ یعنی تم بھی (پہلو کی طرح) باطل اور جھوٹ میں مستغرق ہو اور حق کو ناکام کرنے کے لیے تم باطل کے ذریعے سے جھگڑتے ہو۔ پس یہ ہیں ان کے اعمال و علوم نصیب دنیا سے استفادہ کرنا اور باطل میں مستغرق رہنا۔ اس لئے یہ بھی عذاب اور ہلاکت کے مستحق ہیں جیسے پہلے لوگ اس ہلاکت کے مستحق ٹھہرے جن کے وہی کرتوت تھے جو ان کے ہیں۔ رہے اہل ایمان..... اگر انہوں نے دنیاوی نعمتوں میں اپنے حصے سے فائدہ اٹھایا ہے..... تو صرف اللہ تعالیٰ کی اطاعت پر مدد لینے کے لیے۔ رہے ان کے علوم تو یہ درحقیقت انبیاء و رسل کے علوم ہیں جو تمام مطالب عالیہ میں یقین کی منزل تک پہنچاتے ہیں اور باطل کو سرنگوں کرنے کے لیے حق کے ذریعے سے مجادلہ کی راہ پر گامزن کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ منافقین کو اس عذاب سے ڈراتا ہے جو ان سے پہلے جھٹلانے والی قوموں پر نازل ہوا تھا۔ جیسے قوم نوح، عاد، ثمود، قوم ابراہیم، اصحاب مدین اور المؤمنون تفکات یعنی قوم لوط کی بستیاں ﴿اِنَّهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنَاتِ﴾ ”ان کے پاس ان کے پیغمبر نشانیاں لے کر آئے۔“ یعنی ان سب کے پاس ان کے رسول واضح اور روشن حق لے کر آئے جو تمام اشیاء کے حقائق کو بیان کرتا ہے مگر انہوں نے اس حق کو جھٹلایا، تب ان پر وہی عذاب نازل ہوا جس کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا۔ پس تمہارے اعمال بھی ان کے اعمال سے مشابہت رکھتے ہیں۔ ﴿فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُظْلِمَهُمْ﴾ ”اور اللہ تو ایسا نہ تھا کہ ان پر ظلم کرتا۔“ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو سزا دی تو یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا ظلم نہیں

تھا۔ ﴿وَلَكِنْ كَانُوا أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ﴾ ”بلکہ انہوں نے خود ہی اپنے آپ پر ظلم کیا“ کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں کی جسارت کی اس کے رسولوں کی اطاعت نہ کی اور ہر سرکش اور جبار کی بات کے پیچھے لگ گئے۔

وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ

اور مومن مرد اور مومن عورتیں بعض ان کے دوست ہیں بعض کے حکم دیتے ہیں وہ نیک کام کا

وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَيُطِيعُونَ اللَّهَ

اور روکتے ہیں برے کام سے اور قائم کرتے ہیں نماز اور دیتے ہیں زکوٰۃ اور اطاعت کرتے ہیں اللہ کی

وَرَسُولَهُ أَطِيعَ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿۴۷﴾ وَعَدَّ

اور اسکے رسول کی یہی لوگ ہیں ضرور رحم فرمائے گا ان پر اللہ بے شک اللہ ہے بہت زبردست خوب حکمت والا ○ وعدہ کیا ہے

اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ

اللہ نے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے ایسے باغوں کا کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں

خَالِدِينَ فِيهَا وَمَسْكِنٍ طَيِّبَةٍ فِي جَنَّاتٍ عَدْنٍ وَرِضْوَانٍ مِنَ اللَّهِ

ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں اور پاکیزہ مکانوں کا ہمیشہ رہنے والے باغوں میں اور رضا مندی اللہ کی

أَكْبَرُ ذَلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ ﴿۴۸﴾

سب سے بڑھ کر ہوگی یہی ہے کامیابی بہت بڑی ○

جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہ ذکر فرمایا کہ منافقین آپس میں ایک ہی ہیں تو یہ بھی واضح فرما دیا کہ اہل ایمان بھی ایک دوسرے کے والی اور مددگار ہیں اور ان کو ایسے اوصاف سے متصف کیا ہے جو منافقین کے اوصاف کی ضد ہیں چنانچہ فرمایا: ﴿وَالْمُؤْمِنُونَ وَالْمُؤْمِنَاتُ﴾ ”اہل ایمان مرد اور عورتیں“ ﴿بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ﴾ ”ایک دوسرے کے دوست ہیں۔“ یعنی محبت، موالات، منسوب ہونے اور مدد کرنے میں باہم والی و مددگار ہیں۔

﴿يَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ﴾ ”وہ بھلائی کا حکم دیتے ہیں“ (المعروف) ہر ایسے کام کے لیے ایک جامع نام ہے

جس کی بھلائی مسلم ہو، مثلاً عقائد حسنہ، اعمال صالحہ اور اخلاق فاضلہ وغیرہ۔ اور نیکی کے اس حکم میں سب سے پہلے

خود داخل ہوتے ہیں۔ ﴿وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ ”اور برائی سے روکتے ہیں“ اور ہر وہ کام جو (المعروف) کے

خلاف اور اس کے منافی ہو (المنکر) کے زمرے میں آتا ہے، مثلاً عقائد باطلہ، اعمال خبیثہ اور اخلاق رذیلہ وغیرہ۔

﴿وَيُطِيعُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ﴾ ”اور وہ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں۔“ یعنی وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ اور

اس کے رسول کی اطاعت کا التزام کرتے ہیں۔ ﴿أُولَئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللَّهُ﴾ ”یہی لوگ ہیں جن پر اللہ رحم

کرے گا۔“ یعنی اللہ تعالیٰ انہیں اپنی بے پایاں رحمت کے سائے میں داخل کرے گا اور انہیں اپنے احسان سے

نوازے گا۔ ﴿إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ﴾ ”بے شک اللہ غالب حکمت والا ہے۔“ یعنی وہ طاقتور اور غالب ہے طاقتور ہونے کے ساتھ ساتھ وہ حکمت والا بھی ہے وہ ہر چیز کو اس کے لائق مقام پر رکھتا ہے۔ وہ جو کچھ تخلیق کرتا ہے اور جو کچھ حکم دیتا ہے اس پر اس کی حمد بیان کی جاتی ہے۔

پھر اللہ تبارک و تعالیٰ اس ثواب کا ذکر فرماتا ہے جو اس نے اہل ایمان کے لیے تیار کر رکھا ہے۔ فرمایا: ﴿وَعَدَ اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ﴾ ”وعدہ دیا ہے اللہ نے ایمان والے مردوں اور ایمان والی عورتوں کو باغوں کا کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں“ ان جنتوں میں ہر نعمت اور ہر فرحت جمع ہے اور وہ تمام تکلیف دہ چیزوں سے بالکل خالی ہیں ان کے محلات، گھروں اور درختوں کے نیچے سے نہریں بہ رہی ہیں جو خوبصورت باغات کو سیراب کرتی ہیں۔ ان جنتوں میں جو بھلائیاں ہیں انہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ﴿خَالِدِينَ فِيهَا﴾ ”اس میں ہمیشہ رہیں گے۔“ اور وہ کسی اور جگہ منتقل ہونا نہ چاہیں گے۔ ﴿وَمَسْكِنٍ أَطْيَبَ فِي جَنَّةِ عَدْنٍ﴾ ”اور ستھرے مکانوں کا ہمیشہ کے باغوں میں“ ان مسکنوں کو آراستہ اور خوبصورت بنا کر اللہ تعالیٰ کے متقی بندوں کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ جنت کے نظارے اس کی منازل اور آرام گاہیں بہت خوبصورت ہیں۔ بلند مرتبہ مسکن کے تمام آلات اور ساز و سامان ان کے اندر مہیا کئے گئے ہیں۔ تمنا کرنے والے اس سے بڑھ کر کسی چیز کی تمنا نہیں کر سکتے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے ایسے بالا خانے تیار کر رکھے ہیں جو انتہائی خوبصورت اور پاک صاف ہیں۔ جن کے اندر سے باہر کا نظارہ کیا جاسکے گا اور باہر سے اندر دیکھا جاسکے گا۔ پس یہ خوبصورت مسکن اس لائق ہیں کہ نفس ان میں سکون حاصل کریں، دل ان کی طرف کھینچے چلے آئیں اور ارواح ان کی مشتاق ہوں، اس لیے کہ وہ جنت عدن میں مقیم ہوں گے اور یہ ایسی جگہ ہے جہاں سے وہ کوچ کرنا اور کسی دوسری جگہ منتقل ہونا نہیں چاہیں گے۔

﴿وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ﴾ ”اور اللہ کی رضامندی“ جو وہ اہل جنت پر نازل فرمائے گا۔ ﴿الْكَبِيرِ﴾ ”سب سے بڑی ہوگی، یعنی ان تمام نعمتوں سے جو ان کو حاصل ہوں گی۔ کیونکہ ان کو حاصل ہونے والی تمام نعمتیں ان کے رب کے دیدار اور اس کی رضا کے بغیر اچھی نہ لگیں گی اور یہ وہ غایت مقصود ہے عبادت گزار جس کا مقصد رکھتے ہیں اور یہ وہ منتہائے مطلوب ہے اہل محبت جس کے حصول کے لیے کوشاں رہتے ہیں۔ پس زمین و آسمان کے رب کی رضا جنت کی تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔ ﴿ذَلِكَ هُوَ الْقَوْزُ الْعَظِيمُ﴾ ”یہی بڑی کامیابی ہے۔“ کیونکہ ان کا ہر مطلوب و مقصود حاصل ہوگا۔ ان سے ہر خوف دور ہوگا۔ ان کے تمام معاملات خوبصورت اور خوشگوار ہوں گے..... ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ اپنے جو دو کرم سے ہمیں بھی ان کی معیت نصیب فرمائے۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ط

اے نبی! جہاد کیجئے کافروں اور منافقوں سے! اور سختی کیجئے ان پر!

وَمَا لَهُمْ جَهَنَّمَ ط وَبئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۴۱﴾ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ

اور ان کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے لوٹ کر جانے کی ○ وہ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ نہیں کہی انہوں نے (کوئی بات) حالانکہ ضرور

قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ وَهُمْ أَسَاءَ لِمَا يَنَالُونَ وَمَا

کہی انہوں نے بات کفر کی اور کفر کیا انہوں نے بعد اپنے اسلام کے اور ارادہ کیا تھا انہوں نے اس کا جو وہ حاصل نہ کر سکے اور نہیں

نَقَمُوا إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ فَإِنْ يَتُوبُوا يَكُ

غصہ نکالا انہوں نے مگر اس بات پر کہ غنی کر دیا انہیں اللہ نے اور اس کے رسول نے اپنے فضل سے؛ پس اگر وہ توبہ کر لیں تو ہوگا

خَيْرًا لَهُمْ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا يُعَذِّبُهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿۴۲﴾

بہتر ان کے لیے اور اگر وہ منہ پھیریں تو عذاب دے گا ان کو اللہ عذاب بہت درد ناک

فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿۴۳﴾

دنیا میں اور آخرت میں؛ اور نہیں ہوگا ان کے لیے زمین میں کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار ○

اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے: ﴿يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنَافِقِينَ﴾ اے

پیغمبر! کافروں اور منافقوں سے جہاد کریں، بھر پور جہاد۔ ﴿وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ﴾ اور ان پر سختی کریں۔ جہاں

حالات سختی کا تقاضا کریں وہاں سختی کیجیے۔ اس جہاد میں تلوار کا جہاد اور حجت و دلیل کا جہاد سب شامل ہیں۔ پس جو

جنگ کرتا ہے اس کے خلاف ہاتھ زبان اور شمشیر و سناں کے ذریعے سے جہاد کیا جائے اور جو کوئی ذمی بن کر یا

معاہدہ کے ذریعے سے اسلام کی بالادستی قبول کرتا ہے تو اس کے خلاف دلیل و برہان کے ذریعے سے جہاد کیا

جائے۔ اس کے سامنے اسلام کے محاسن اور کفر و شرک کی برائیاں واضح کی جائیں۔ پس یہ تو وہ رویہ ہے جو دنیا میں

ان کے ساتھ ہونا چاہئے۔ ﴿وَ﴾ اور آخرت میں تو ﴿وَمَا لَهُمْ جَهَنَّمَ﴾ ان کا ٹھکانا جہنم ہے، یعنی ان کی

جائے قرار جہاں سے وہ کبھی نہیں نکلیں گے۔ ﴿وَبئْسَ الْمَصِيرُ﴾ اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے۔

﴿يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ مَا قَالُوا وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ﴾ قسمیں کھاتے ہیں اللہ کی کہ انہوں نے نہیں کہا

اور بے شک کہا ہے انہوں نے لفظ کفر کا، یعنی جب انہوں نے اس شخص کی مانند بات کہی تھی جس نے یہ کہا تھا

﴿لِيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ﴾ (المنافقون: ۸۱، ۶۳) ”عزت دار و ذلیل لوگوں کو مدینہ سے باہر نکال دیں

گے۔ اور وہ باتیں جو دین اور رسول (ﷺ) کے ساتھ استہزاء کرتے ہوئے ایک کے بعد دوسرا کرتا تھا۔ جب

ان کو یہ بات پہنچی کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کی باتیں معلوم ہو گئی ہیں تو وہ قسمیں کھاتے ہوئے آپ کی خدمت

میں حاضر ہو کر کہنے لگے کہ انہوں نے یہ بات ہرگز نہیں کہی۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ان کی تکذیب کرتے ہوئے فرماتا ہے: ﴿وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ﴾ ”بے شک کہا ہے انہوں نے لفظ کفر کا اور منکر ہو گئے وہ اسلام لانے کے بعد“ گزشتہ وقت میں ان کے اسلام قبول کرنے نے اگرچہ ان کو ظاہری طور پر دائرہ کفر سے نکال دیا تھا، مگر ان کا یہ آخری کلام اسلام کے متناقض ہے جو انہیں کفر میں داخل کر دیتا ہے۔

﴿وَهُمْ أَيْمَانُكُمْ يَنْتُظَرُونَ﴾ ”اور انہوں نے ایسی چیز کا ارادہ کیا جو انہیں نہیں ملی“ یہ اس واقعہ کی طرف اشارہ ہے جب انہوں نے غزوہ تبوک میں رسول اللہ ﷺ کو دھوکے کے ساتھ قتل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ان کے منصوبے کے بارے میں آگاہ فرما دیا چنانچہ آپ نے کسی کو حکم دیا اور اس نے ان کو اپنے منصوبے پر عمل کرنے سے روک دیا۔ ﴿وَ﴾ ”ان کا حال یہ ہے“ ﴿مَا لَقِمُوا﴾ یعنی ”وہ رسول اللہ ﷺ پر صرف اس وجہ سے ناراض ہیں، اور آپ کی عیب جوئی کرتے ہیں“ ﴿إِلَّا أَنْ أَعْنَهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ﴾ ”کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اللہ کے فضل سے ان کی محتاجی کے بعد ان کو غنی کر دیا،“ یہ نہایت ہی عجیب بات ہے کہ وہ اس ہستی کی اہانت کریں جو ان کو تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لانے اور محتاجی کے بعد غنا کا سبب بنی۔ کیا ان پر اس ہستی کا حق نہیں کہ وہ اس کی تعظیم اور توقیر کریں اور اس پر ایمان لائیں؟ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے توبہ پیش کرتے ہوئے فرمایا: ﴿فَإِنْ يَتُوبُوا إِلَيْكَ خَيْرًا لَّهُمْ﴾ ”پس اگر وہ توبہ کر لیں تو ان کے لئے بہتر ہے“ کیونکہ توبہ دنیا و آخرت کی سعادت کی اساس ہے۔ ﴿وَإِنْ يَتُوبُوا﴾ ”اور اگر وہ منہ پھیر لیں،“ یعنی اگر وہ توبہ اور انابت سے منہ موڑ لیں۔ ﴿يَعَذِّبُهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ﴾ ”تو عذاب دے گا اللہ ان کو دردناک عذاب دنیا اور آخرت میں“ دنیا میں ان کے لیے عذاب یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے دین کو فتح و نصرت سے نوازتا ہے اور اپنے نبی ﷺ کو عزت عطا کرتا ہے اور یہ لوگ اپنا مقصد حاصل نہیں کر پاتے تو حزن و غم کا شکار ہو جاتے ہیں اور آخرت میں ان کو جہنم کا عذاب ملے گا۔ ﴿وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ﴾ ”اور زمین میں ان کا کوئی دوست نہیں“ جو ان کے معاملات کی سرپرستی کرے اور ان کو ان کے مقصد تک پہنچائے ﴿وَلَا نَصِيرٍ﴾ ”اور نہ کوئی مددگار“ جو تکلیف دہ امور کو ان سے دور کرے۔ جب وہ اللہ تعالیٰ کی سرپرستی سے محروم ہو گئے تو پھر شر، خسران، بدبختی اور حرماں نصیبی ہی ان کا مقدر بن جاتی ہے۔

وَمِنْهُمْ مَنُ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنِ اٰتٰنَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ

اور بعض ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے عہد کیا اللہ سے البتہ اگر دیا ہمیں اللہ نے اپنے فضل سے تو ہم ضرور صدقہ خیرات کریں گے

وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۵﴾ فَلَمَّآ اٰتٰهُمْ مِنْ فَضْلِهِ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَكَّلُوْا

اور ہو جائیں گے ہم صالحین میں سے ○ پس جب نواز دیا اس نے ان کو اپنے فضل سے تو بخل کیا انہوں نے اسکے ساتھ اور پھر گئے

وَهُمْ مُعْرِضُونَ ﴿۹﴾ فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ إِلَى يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا

اور وہ روگرداں تھے ○ پس سزا دی انہیں اللہ نے نفاق (ڈال کر) ان کے دلوں میں اس دن تک کہ ملیں گے وہ اس سے بہ سبب ان کے

أَخْلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ ﴿۱۰﴾ أَلَمْ يَعْلَمُوا

خلاف ورزی کرنے کے اللہ سے اپنے وعدے کی اور بہ سبب اس کے جو تھے وہ جھوٹ بولتے ○ کیا نہیں معلوم انہیں

أَنَّ اللَّهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَأَنَّ اللَّهَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ ﴿۱۱﴾

کہ یقیناً اللہ جانتا ہے بھید ان کے اور سرگوشیاں ان کی اور یہ کہ بے شک اللہ خوب جاننے والا ہے غیب کی باتوں کو؟ ○

ان منافقین میں سے کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا ﴿لَئِنْ آتَيْنَا مِنْ فَضْلِهِ﴾

”اگر وہ اپنے فضل سے ہمیں عطا کرے گا۔“ یعنی اگر اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا عطا کر کے اس میں کشادگی پیدا کرے

﴿لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ﴾ ”تو ہم ضرور صدقہ کریں گے اور ہم نیکو کاروں میں سے ہو جائیں

گئے“ پس ہم صلہ رحمی کریں گے، مہمان کی مہمان نوازی کریں گے، راہ حق میں لوگوں کی مدد کریں گے اور اچھے اور

نیک عمل کریں گے۔ ﴿فَلَمَّا آتَاهُمْ مِنْ فَضْلِهِ﴾ ”پس جب دیا ان کو اپنے فضل سے“ تو انہوں نے اس

وعدے کو پورا نہ کیا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے کیا تھا بلکہ ﴿بَخِلُوا بِهِ﴾ ”بخل کیا ساتھ اس کے“ ﴿وَتَوَلَّوْا﴾

اور اطاعت سے منہ موڑ گئے ﴿وَهُمْ مُعْرِضُونَ﴾ ”اور وہ روگردانی کرنے والے تھے“ یعنی بھلائی کی طرف التفات

نہ کرنے والے۔ جب انہوں نے اس عہد کو پورا نہ کیا جو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا تھا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو

سزا دی۔ ﴿فَأَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِي قُلُوبِهِمْ﴾ ”پس بطور سزا کر دیا نفاق ان کے دلوں میں“ یعنی ہمیشہ رہنے والا نفاق۔

﴿إِلَى يَوْمِ يَلْقَوْنَهُ بِمَا أَخْلَفُوا اللَّهَ مَا وَعَدُوهُ وَبِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ﴾ ”جس دن تک کہ وہ اس سے ملیں

گئے“ اس وجہ سے کہ انہوں نے خلاف کیا اللہ سے جو وعدہ اس سے کیا تھا اور اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولتے تھے“

پس بندہ مومن کو اس برے وصف سے بچنا چاہئے کہ اگر اس کو اس کا مقصد حاصل ہو گیا تو وہ فلاں کام کرے گا اس

کے بعد وہ اللہ تعالیٰ سے کئے ہوئے عہد کو پورا نہ کرے۔ اس لیے بسا اوقات اللہ تعالیٰ نفاق کے ذریعے سے اس کو

سزا دیتا ہے جیسا کہ ان لوگوں کو سزا دی۔ ایک صحیح حدیث میں جو کہ صحیحین میں ثابت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا

”منافق کی تین نشانیاں ہیں؛ جب بات کرے تو جھوٹ بولے جب عہد کرے تو بد عہدی سے کام لے اور

وعدہ کرے تو اسے پورا نہ کرے۔“^①

پس یہ منافق جس نے اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے فضل سے نوازا تو وہ ضرور

صدقہ کرے گا اور نیک بن جائے گا۔ پس اس نے اپنی بات میں جھوٹ بولا، عہد کر کے بد عہدی کی اور وعدہ کر کے

پورانہ کیا۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان تمام لوگوں کو یہ وعید سنائی جن سے یہ کام صادر ہوا چنانچہ فرمایا ﴿ اَلَمْ يَعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ سِرَّهُمْ وَنَجْوَاهُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ عَلٰمُ الْغُیُوْبِ ﴾ کیا انہیں معلوم نہیں کہ اللہ جانتا ہے ان کا بھید اور ان کا مشورہ اور یہ کہ اللہ خوب جانتا ہے سب چھپی باتوں کو۔ پس اللہ تعالیٰ ان کو ان کے ان اعمال کی جزا دے گا جنہیں وہ جانتا ہے۔

یہ آیات کریمہ منافقین میں سے ایک شخص کے بارے میں نازل ہوئیں جسے ”ثعلبہ“ کہا جاتا تھا۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ میرے لئے دعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ اسے اپنے فضل سے نواز دے، اگر اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے فضل و کرم سے نواز دیا تو وہ اللہ کے راستے میں صدقہ کرے گا، صلہ رحمی کرے گا اور راہ حق میں خرچ کرے گا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کے لیے دعا فرمائی۔ اس شخص کے پاس بکریوں کا ریوڑ تھا، وہ ریوڑ بڑھتا چلا گیا یہاں تک کہ اسے اس ریوڑ کو لے کر مدینہ منورہ سے باہر جانا پڑا۔ وہ نماز پڑھا نہ میں سے کسی اکا دکا نماز میں حاضر ہوتا تھا پھر اور دور چلا گیا یہاں تک کہ وہ صرف جمعہ کی نماز میں حاضر ہوتا تھا۔ جب بکریاں بہت زیادہ ہو گئیں تو وہ اور دور چلا گیا اور اس نے جماعت اور جمعہ دونوں میں حاضر ہونا بند کر دیا۔

پس جب وہ رسول اللہ ﷺ کو نظر نہ آیا اور آپ نے اس کے بارے میں پوچھا تو آپ کو اس کے حال کے بارے میں آگاہ کیا گیا۔ آپ نے کسی کو اس کے گھر صدقات کی وصولی کے لیے بھیجا۔ وہ ثعلبہ کے پاس آیا۔ ثعلبہ نے کہا ”یہ تو جزیہ ہے، یہ تو جزیہ کی بہن ہے“ پس اس نے زکوٰۃ ادا نہ کی، زکوٰۃ کے تحصیل دار رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کو تمام امور سے آگاہ کیا آپ نے تین بار فرمایا (یا وَیْحَ ثَعْلَبَةُ) ”افسوس ثعلبہ کے لئے ہلاکت ہے“۔ جب اس کے بارے میں اور اس جیسے دیگر لوگوں کے بارے میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی تو اس کے گھر والوں میں سے کوئی شخص اس کے پاس گیا اور اس آیت کریمہ کے نازل ہونے کے بارے میں آگاہ کیا۔ چنانچہ وہ زکوٰۃ لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مگر آپ نے وہ زکوٰۃ قبول نہ فرمائی۔ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد وہ زکوٰۃ لے کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا مگر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی زکوٰۃ قبول نہ فرمائی۔ جناب ابوبکر رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا مگر انہوں نے بھی زکوٰۃ قبول نہ فرمائی۔ کہا جاتا ہے کہ وہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد میں مر گیا۔^①

① ثعلبہ کا یہ واقعہ بہت سے مفسرین نے ذکر کیا ہے۔ لیکن اس کو ماہر نقاد محمد شین نے ضعیف قرار دیا ہے۔ جیسے امام ابن حزم بیہقی، قرطبی، بیہقی، عراقی، ابن حجر سیوطی اور امام مناوی رضی اللہ عنہم نے اس کو ضعیف کہا ہے۔

اس قصے کی سند میں علی بن یزید معان بن رفاعہ اور قاسم بن عبد الرحمن ضعیف راوی ہیں اور ابن حزم رحمہ اللہ نے اس کو متن کے اعتبار سے بھی ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھیے: المحلی (۲۰۸/۱۱) الاصابة: ترجمۃ ثعلبہ، مجمع الزوائد

الَّذِينَ يَلْمِزُونَ الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ وَالَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ سَخِرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۹﴾ اِسْتَعْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ستر مرتبہ بھی تو ہرگز نہیں بخشے گا اللہ ان کو یہ اس لیے کہ بے شک انہوں نے کفر کیا ساتھ اللہ اور اس کے رسول کے

وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفَاسِقِينَ ﴿۱۰﴾

اور اللہ نہیں ہدایت دیتا نافرمان لوگوں کو ○

یہ بھی منافقین کی رسوائی کا باعث بننے والی باتوں میں سے ہے..... اللہ تعالیٰ ان کا برا کرے..... وہ اسلام اور مسلمانوں کے امور میں کوئی ایسی چیز دیکھتے جس پر زبان طعن دراز کر سکتے ہوں تو وہ ظلم و تعدی سے کام لیتے ہوئے طعن و تشنیع کرنے سے باز نہ آتے۔ جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے اہل ایمان کو صدقات کی ترغیب دی تو مسلمانوں نے نہایت تیزی سے اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل کی اور ان میں سے ہر امیر و غریب نے اپنے حسب حال اللہ کے راستے میں اپنا مال خرچ کیا۔ پس منافقین دولت مند مسلمانوں پر نکتہ چینی کرتے تھے کہ وہ صرف ریاء اور شہرت کی خاطر اپنا مال خرچ کرتے ہیں اور کم حیثیت مسلمانوں سے کہتے ”اللہ تعالیٰ اس صدقہ سے بے نیاز ہے.....“ تو اللہ تعالیٰ نے آیت کریمہ نازل فرمائی ﴿الَّذِينَ يَلْمِزُونَ﴾ ”جو عیب جوئی اور طعن کرتے ہیں“ ﴿الْمُطَّوِّعِينَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ فِي الصَّدَقَاتِ﴾ ”ان مومنوں پر جو دل کھول کر خیرات کرتے ہیں (ان کے صدقات میں“ پس کہتے ہیں کہ یہ ریاکار ہیں۔ صدقہ کرنے سے ان کا مقصد صرف ریاکاری اور فخر کا اظہار ہے۔ ﴿و﴾ ”اور“۔ وہ ان لوگوں پر نکتہ چینی کرتے ہیں ﴿الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ إِلَّا جُهْدَهُمْ﴾ ”جو اپنی محنت کے سوا کچھ نہیں پاتے“ پس وہ اپنی استطاعت کے مطابق اللہ کے راستے میں (تھوڑا سا) مال نکالتے ہیں۔ ان کے

﴿۳۲/۷﴾ الجامع لأحكام القرآن (۲۱۰/۱۸)؛ فیض القدیر (۲۵۷/۴) فتح الباری (۸/۳)؛ لباب النقول

للسیوطی (۱۲۱) و تخريج الإحياء للعراقی (۳۳۸/۳) (از محقق)

اس لیے اس سے حضرت ثعلبہ بن حاطب انصاری رضی اللہ عنہما کو مراد لینا درست نہیں ہے۔ اس آیت میں بھی دراصل منافقین

ہی کے کردار کے ایک نمونے کا بیان ہے۔ (ص۔ ی)

بارے میں یہ منافقین کہتے ”اللہ تعالیٰ ان کے صدقات سے بے نیاز ہے“۔ ﴿فَيَسْخَرُونَ مِنْهُمْ﴾ اس طرح وہ ان کا تمسخر اڑاتے ہیں۔ ”ان کے تمسخر کے مقابلے میں ان کے ساتھ تمسخر کیا گیا ﴿سَخَّرَ اللَّهُ مِنْهُمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ اللہ نے ان سے تمسخر کیا ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے“ کیونکہ انہوں نے اپنے اس کلام میں متعدد ایسے امور اکٹھے کر دیئے جن سے بچنا ضروری تھا۔

(۱) وہ مسلمانوں کے احوال کی تلاش میں رہتے تھے انہیں یہ خواہش رہتی تھی کہ وہ مسلمانوں کی کوئی ایسی بات پائیں جس پر یہ اعتراض اور نکتہ چینی کر سکیں، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُحِبُّونَ أَنْ تَشِيعَ الْفَاحِشَةُ فِي الَّذِينَ آمَنُوا لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ﴾ (النور: ۱۹/۲۴) ”جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اہل ایمان میں بے حیائی پھیلے ان کے لیے دردناک عذاب ہے“۔

(۲) وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر اور اسلام کے ساتھ بغض کی وجہ سے اہل ایمان پر ان کے ایمان کی وجہ سے زبان طعن دراز کرتے رہتے تھے۔

(۳) طعن زنی اور چغلی خوری کرنا حرام ہے، بلکہ دنیاوی امور میں یہ کبیرہ گناہوں میں شمار ہوتا ہے اور نیکی کے کام میں طعن زنی تو سب سے بڑا گناہ ہے۔

(۴) جو کوئی اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے ہوئے کوئی نیکی کا کام کرتا ہے تو اس کے بارے میں مناسب یہ ہے کہ نیکی کے اس کام میں اس کی اعانت اور اس کی حوصلہ افزائی کی جائے، مگر ان منافقین کا مقصد تو صرف اسے نیکی کے کاموں سے باز رکھنا اور اس کی عیب جوئی کرنا تھا۔

(۵) اللہ کے راستے میں مال کثیر خرچ کرنے والے کے بارے میں ان کا یہ فیصلہ کہ وہ ریاکار ہے سخت غلطی، غیب دانی کا دعویٰ اور اٹکل بچو ہے اور اس سے بڑی اور کون سی برائی ہو سکتی ہے؟

(۶) قلیل مقدار میں صدقہ کرنے والے کی بابت ان کا یہ کہنا ”اللہ تعالیٰ اس صدقہ سے بے نیاز ہے“۔ ایک ایسا کلام ہے جس کا مقصد باطل ہے، کیونکہ صدقہ خواہ قلیل ہو یا کثیر اللہ تعالیٰ صدقہ کرنے والے کے صدقہ سے مستغنی ہے، بلکہ وہ زمین اور آسمان کے تمام رہنے والوں سے بے نیاز ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ایسے امور کا حکم دیا ہے جن کے وہ خود محتاج ہیں۔ پس اللہ تعالیٰ..... اگرچہ

ان سے بے نیاز ہے، لیکن لوگ تو اس کے محتاج ہیں..... فرماتا ہے: ﴿فَمَنْ يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ

خَيْرًا يَرَهُ﴾ (الزلزال: ۷/۹۹) ”پس جو ذرہ بھر نیکی کرے گا اسے دیکھ لے گا“۔ چنانچہ ان کے اس

قول میں نیکی سے باز رہنے کی جو ترغیب ہے، وہ بالکل ظاہر اور بین ہے، لہذا ان کی جزا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ

ان کے ساتھ تمسخر کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہوگا۔

﴿ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً ﴾ ” آپ ان کے لئے بخشش مانگیں یا نہ مانگیں، اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی بخشش مانگیں گے، ستر مرتبہ کا لفظ مبالغہ کے طور پر استعمال کیا گیا ہے ورنہ اس کا مفہوم مخالف نہیں ہے ﴿ فَكُنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ﴾ ” تب بھی اللہ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دوسری آیت کریمہ میں فرمایا: ﴿ سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَهُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ لَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ﴾ (المنافقون: ۶۱-۶۳) ” ان کے لیے برابر ہے آپ ان کے لیے مغفرت مانگیں یا نہ مانگیں اللہ تعالیٰ ان کو ہرگز نہیں بخشے گا۔“ پھر اللہ تعالیٰ نے اس سبب کا ذکر کیا ہے جو ان کی مغفرت سے مانع ہے چنانچہ فرمایا: ﴿ ذَلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهِ ﴾ ” یہ اس واسطے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول سے کفر کیا، اور کافر جب تک اپنے کفر پر قائم ہے اسے کوئی استغفار کام دے سکتا ہے نہ کوئی نیک عمل۔ ﴿ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴾ ” اور اللہ فاسق لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا، یعنی فسق جن کا وصف بن چکا ہے جو فسق و فجور کے سوا کوئی اور چیز نہیں چن سکتے، جو اس کا بدل نہیں چاہتے۔ ان کے پاس واضح حق آتا ہے مگر یہ اسے ٹھکرا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو یہ سزا دیتا ہے کہ وہ اس کے بعد ان کو توفیق سے محروم کر دیتا ہے۔“

فِرْحَ الْمَخْلُفُونَ بِسَعْدِهِمْ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ وَكَرَهُوْا اَنْ يُجَاهِدُوْا

خوش ہوئے وہ لوگ جو پیچھے چھوڑ دیئے گئے تھے اپنے بیٹھ رہنے پر بعد (جانے) رسول اللہ کے اور انہوں نے ناپسند کیا کہ وہ جہاد کریں

بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيْلِ اللَّهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرْطِ قُلْ

ساتھ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے اللہ کی راہ میں اور کہا انہوں نے نہ کوچ کرو تم (اس) گرمی میں کہہ دیجئے!

نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿٨٦﴾ فَلْيُضْحَكُوْا قَلِيْلًا وَّ لْيَبْكُوْا

آگ جہنم کی (اس سے بھی) زیادہ سخت ہے گرمی میں اگر ہوں وہ سمجھتے ○ پس چاہیے کہ نہیں وہ تھوڑا اور روئیں

كَثِيْرًا ۚ جَزَاءً ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٨٧﴾ فَاِنْ رَّجَعَكَ اللّٰهُ اِلَى طَائِفَةٍ

زیادہ بدلے میں ان (عملوں) کے جو تھے وہ کما تے ○ پس اگر واپس لے آئے آپ کو اللہ کسی گروہ کی طرف

مِّنْهُمْ فَاَسْتَاذِنُوْكَ لِخُرُوْجٍ فَقُلْ لَنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلٰكِنْ

ان (منافقین) میں سے اور اجازت مانگیں وہ آپ سے نکلنے کی تو کہہ دیجئے! ہرگز نہ نکلو گے تم میرے ساتھ کبھی بھی اور نہ

تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا ۗ اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ

لڑو گے میرے ساتھ (مل کر) دشمن سے، بیشک تم راضی ہو گئے تھے بیٹھ رہنے پر

اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاَقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿٨٨﴾

پہلی مرتبہ سو بیٹھو (اب بھی) پیچھے رہنے والوں کے ساتھ ○

اللہ تبارک و تعالیٰ منافقین کا ان کے پیچھے رہ جانے پر تکبر اور فرحت کا اظہار کرنے اور اس پر ان کی لاپرواہی کو بیان کرتا ہے، جو ان کے عدم ایمان اور اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ وہ ایمان پر کفر کو ترجیح دیتے ہیں۔ چنانچہ فرمایا:

﴿ قَرِحَ الْمُخَلَّفُونَ بِمَقْعَدِهِمْ خَلْفَ رَسُولِ اللَّهِ ﴾ ”خوش ہو گئے پیچھے رہنے والے اپنے بیٹھ رہنے سے“

رسول اللہ سے جدا ہو کر، یہ خوش ہونا، پیچھے رہ جانے پر ایک قدر زائد ہے، کیونکہ جہاد سے جی چرا کر پیچھے بیٹھ رہنا حرام ہے اور اس پر مستزاد یہ ہے کہ وہ معصیت کے اس فعل پر خوشی اور فخر محسوس کرتے ہیں۔ ﴿ وَكَيْهُوا أَنْ يُجَاهِدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ﴾ ”اور وہ گھبرائے اس بات سے کہ لڑیں اپنے مالوں اور جانوں سے اللہ کی راہ میں“ اور اہل ایمان کا معاملہ اس کے برعکس ہے، وہ اگر پیچھے رہ جائیں..... خواہ اس کا سبب کوئی عذر ہی کیوں نہ ہو..... تو اپنے پیچھے رہ جانے پر سخت غمگین ہوتے ہیں، وہ اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ وہ اپنی جان اور مال کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کریں، کیونکہ ان کے دلوں میں ایمان موجزن ہے وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور اس کے احسان کی امید رکھتے ہیں۔

﴿ وَقَالُوا ﴾ یعنی منافقین کہتے ہیں: ﴿ لَا تَنْفِرُوا فِي الْحَرِّ ﴾ ”نہ کوچ کرو گرمی میں“، یعنی وہ کہتے ہیں گرمی کے موسم میں جہاد کے لیے باہر نکلنا ہمارے لئے مشقت کا باعث ہے۔ پس انہوں نے مختصر سی عارضی راحت کو ہمیشہ رہنے والی کامل راحت پر ترجیح دی۔ وہ اس گرمی سے گھبرائے جس سے سایہ میں بیٹھ کر بچا جاسکتا ہے جس کی شدت صبح و شام کے اوقات میں کم ہو جاتی ہے اور اس شدید ترین گرمی کو اختیار کر لیا جس کی شدت کو کوئی شخص برداشت کرنے کی قدرت نہیں رکھتا اور وہ ہے جہنم کی بھڑکتی ہوئی آگ۔ بنا بریں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ قُلْ تَارُ جَهَنَّمَ أَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوا يَفْقَهُونَ ﴾ ”کہہ دیجئے! جہنم کی آگ، کہیں زیادہ سخت گرم ہے، اگر وہ سمجھتے، کیونکہ انہوں نے فانی چیز کو ہمیشہ باقی رہنے والی چیز پر ترجیح دی اور انہوں نے نہایت ہی خفیف اور ختم ہو جانے والی مشقت سے فرار ہو کر دائمی مشقت کو اختیار کر لیا۔ ﴿ فَلْيَضْحَكُوا قَلِيلًا وَ لْيَبْكُوا كَثِيرًا ﴾ ”پس ہنسیں وہ تھوڑا اور روئیں زیادہ“، یعنی اس ختم ہو جانے والی دنیا سے خوب فائدہ اٹھائیں۔ اس کی لذت سے فرحت حاصل کریں اور اس کے کھیل کود میں مگن ہو کر غافل ہو جائیں وہ عنقریب دردناک عذاب میں خوب روئیں گے ﴿ جَزَاءُ إِيْمَانًا كَانُوا يَكْسِبُونَ ﴾ ”بدلہ اس کا جو کماتے تھے“ انہوں نے کفر، نفاق اور اپنے رب کے احکام کی عدم اطاعت پر مبنی افعال سر انجام دیئے تھے یہ ان کی جزا ہے۔

﴿ فَإِنْ رَجَعَكَ اللَّهُ إِلَى طَائِفَةٍ مِّنْهُمْ ﴾ ”پھر اگر لے جائے اللہ آپ کو ان میں سے کسی فرقے کی طرف“ اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو کسی عذر کے بغیر پیچھے بیٹھ رہے تھے اور پھر اپنے پیچھے رہ جانے پر انہیں کوئی حزن و ملال نہ تھا ﴿ فَاسْتَأْذِنُوا لَكُمْ لِيُخْرُجَ ﴾ ”پس وہ اجازت چاہیں آپ سے نکلنے کی“، یعنی جب وہ کسی اور

غزوہ میں سہولت دیکھیں تو جہاد کے لیے آپ سے اجازت طلب کریں۔ ﴿فَقُلْ﴾ ”تو ان سے کہئے“ یعنی سزا کے طور پر۔ ﴿لَنْ تَخْرُجُوا مَعِيَ أَبَدًا وَ لَنْ تُقَاتِلُوا مَعِيَ عَدُوًّا﴾ ”تم ہرگز نہ نکلو گے میرے ساتھ کبھی اور نہ لڑو گے میرے ساتھ ہو کر کسی دشمن سے“ کیونکہ اللہ تعالیٰ مجھے تم سے بے نیاز کر دے گا۔ ﴿إِنَّكُمْ رَضِيتُمْ بِالْقَعُودِ أَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوا مَعَ الْخُلَفَاءِ﴾ ”تم نے پسند کیا تھا بیٹھ رہنا پہلی مرتبہ پس بیٹھے رہو تم پیچھے رہنے والوں کے ساتھ“ یہ ایسے ہی ہے جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿وَنُقَلِّبُ أَقْدَانَهُمْ وَأَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾ (الأنعام: ۱۱۰، ۱۶) ”ہم ان کے دلوں اور نگاہوں کو الٹ دیں گے (اور) جیسے یہ قرآن پر پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے تھے (اب بھی نہیں لائیں گے)۔“ کیونکہ وہ شخص جو فرصت کے اوقات میں احکام کی بجا آوری میں سستی سے پیچھے رہ جاتا ہے تو اس کے بعد اس کو ان احکام کی تعمیل کی توفیق عطا نہیں ہوتی، چنانچہ اس کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کر دی جاتی ہیں۔

اس آیت کریمہ میں ان کے لیے تعزیر بھی ہے، کیونکہ جب مسلمانوں کے نزدیک یہ چیز متحقق ہوگئی کہ یہ لوگ اپنی نافرمانی کی بنا پر جہاد کی توفیق سے محروم کر دیئے گئے ہیں تو یہ چیز ان لوگوں کے لئے بھی زجر و توبیخ، عار اور عبرت کا باعث ہوگی جو ان کی طرح اس حرکت کا ارتکاب کریں گے۔

وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ ۚ إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ

اور نہ نماز پڑھیں آپ اوپر کسی کے ان میں سے جو مر جائے کبھی بھی اور نہ کھڑے ہوں اس کی قبر پر بیشک انہوں نے کفر کیا ساتھ اللہ

وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَسِقُونَ ﴿۸۴﴾

اور اس کے رسول کے اور مرے وہ اس حال میں کہ وہ نافرمان تھے ○

﴿وَلَا تُصَلِّ عَلَىٰ أَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ﴾ ”اور آپ نہ نماز پڑھیں ان میں سے کسی پر جو مر جائے“ منافقین میں سے اگر کوئی مر جائے ﴿وَلَا تَقُمْ عَلَىٰ قَبْرِهِ﴾ ”اور نہ کھڑے ہوں اس کی قبر پر“ ذن کرنے کے بعد تاکہ آپ اس کے حق میں دعا کریں، کیونکہ ان کی قبروں پر کھڑے ہو کر ان کے لیے دعا کرنا آپ ﷺ کی طرف سے ان کی شفاعت ہے اور شفاعت ان کو کوئی فائدہ نہیں دے گی۔ ﴿إِنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَمَاتُوا وَهُمْ فَسِقُونَ﴾ ”بے شک انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا اور وہ مرے نافرمان“ اور جو کافر ہے اور کفری کی حالت میں مر گیا تو کسی شفاعت کرنے والے کی شفاعت اس کے کام نہ آئے گی۔ اس آیت کریمہ میں دوسروں کے لیے عبرت اور زجر و توبیخ ہے۔ اسی طرح ہر اس شخص کی نماز جنازہ نہ پڑھی جائے جس کا کفر اور نفاق معلوم ہو۔

نیز آیت کریمہ میں اہل ایمان کی نماز جنازہ پڑھنے اور ان کی قبروں پر کھڑے ہو کر ان کے لیے دعا مانگنے کی مشروعیت کی دلیل ہے جیسا کہ اہل ایمان کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا طریقہ تھا، کیونکہ منافقین کے بارے

میں اللہ تعالیٰ کی یہ تعقید دلالت کرتی ہے کہ اہل ایمان کے بارے میں یہ چیز متحقق اور جائز ہے۔

وَلَا تُعْجِبُكَ أَمْوَالُهُمْ وَأَوْلَادُهُمْ إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا

اور نہ حیرت میں ڈالیں آپ کو ان کے مال اور ان کی اولاد بے شک چاہتا ہے اللہ کہ عذاب دے ان کو ان کی وجہ سے

فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ ﴿۸۵﴾

دنیا میں اور نکلیں ان کی جانیں اس حال میں کہ وہ کافر ہی ہوں ○

اللہ تعالیٰ نے ان کو جو مال اور اولاد سے نواز رکھا ہے اس سے دھوکہ نہ کھائیے، کیونکہ یہ مال اور اولاد ان کی مکرمیم کے لیے نہیں، یہ ان کی تحقیر اور اہانت کے لیے ہے۔ فرمایا: ﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ أَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا﴾ اللہ تو یہی چاہتا ہے کہ ان کو ان چیزوں کی وجہ سے دنیا میں عذاب میں رکھے، پس وہ اس کے حصول کے پیچھے لگے رہتے ہیں اس کے زوال سے خائف رہتے ہیں اور وہ اس مال سے لطف نہیں اٹھا سکتے بلکہ وہ مال کے حصول میں تکالیف اور مشقتیں برداشت کرتے رہتے ہیں مال اور اولاد ان کو اللہ تعالیٰ اور آخرت سے غافل کر دیتے ہیں یہاں تک کہ وہ اس دنیا کو چھوڑ کر چل دیتے ہیں۔ ﴿وَتَزْهَقَ أَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كَافِرُونَ﴾ اور نکلے ان کی جان اور وہ اس وقت تک کافر ہی رہیں، مال اور اولاد کی محبت نے ان سے ہر چیز سلب کر لی، ان کو موت نے آ لیا تو ان کے دل ابھی تک دنیا سے چمٹے ہوئے تھے اور ان کے ذہن ابھی تک اس کے لیے سرگرم تھے۔

وَإِذَا أَنْزَلْتُ سُورَةً أَنْ أَمِنُوا بِاللَّهِ وَجَاهِدُوا مَعَ رَسُولِهِ اسْتَأْذَنَكَ

اور جب نازل کی جاتی ہے کوئی سورت کہ ایمان لاؤ اللہ پر اور جہاد کرو ساتھ (مل کر) اسکے رسول کے تو اجازت مانگتے ہیں آپ سے

أُولَئِذَا الظُّلُمُ مِنْهُمْ وَقَالُوا ذَرْنَا نَكُنْ مَعَ الْمُقْعِدِينَ ﴿۸۶﴾ رَضُوا بِأَنْ يَكُونُوا

مقدور و دلان میں سے اور کہتے ہیں چھوڑ دیجئے ہمیں کہ ہو جائیں ہم ساتھ بیٹھنے والوں کے ○ راضی ہو گئے وہ اس پر کہ ہو جائیں وہ

مَعَ الْخَوَالِفِ وَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُونَ ﴿۸۶﴾

ساتھ پیچھے رہنے والی عورتوں کے اور مہر لگا دی گئی دلوں پر پس وہ نہیں سمجھتے ○

اللہ تبارک و تعالیٰ منافقین کی دائمی کاہلی اور نیکیوں سے ان کے دائمی گریز کا ذکر کرتے ہوئے فرماتا ہے نیز آگاہ فرماتا ہے کہ سورتیں اور آیات ان کے رویے پر کوئی اثر نہیں کرتیں، چنانچہ فرماتا ہے: ﴿وَإِذَا أَنْزَلْتُ سُورَةً﴾ اور جب اترتی ہے کوئی سورت، جس میں ان کو اللہ تعالیٰ پر ایمان اور جہاد فی سبیل اللہ کا حکم دیا گیا ہو ﴿اسْتَأْذَنَكَ أُولَئِذَا الظُّلُمُ مِنْهُمْ﴾ تو رخصت مانگتے ہیں ان کے صاحب حیثیت لوگ، یعنی دولت مند اور مال دار لوگ جنہیں کسی قسم کا عذر نہیں اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے مال اور بیٹوں سے نواز رکھا ہے۔ کیا وہ اللہ تعالیٰ کا شکر

اور اس کی تعریف نہیں کرتے اور واجبات کو قائم نہیں کرتے جن کو اللہ تعالیٰ نے ان پر واجب کر دیا ہے اور ان پر اپنا معاملہ سہل کر دیا ہے؟ مگر وہ سستی اور کاہلی کا شکار رہے اور پیچھے بیٹھ رہنے کی اجازت مانگتے رہے۔ ﴿وَقَالُوا اِذْ رَأَيْنَا نَكْنَ مَعَ الْقَعْدِيْنَ﴾ ”اور وہ کہتے ہیں ہمیں چھوڑ دو! ہو جائیں ہم (پیچھے) بیٹھ رہنے والوں کے ساتھ۔“

﴿رَضُوا بِاَنْ يَّكُونُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ﴾ ”وہ راضی ہو گئے اس بات پر کہ وہ پیچھے رہنے والی عورتوں کے ساتھ“ وہ کیوں کر اس بات پر راضی ہو گئے کہ وہ ان خواتین کے ساتھ پیچھے گھروں میں بیٹھ رہیں جو جہاد کے لیے نہیں نکلیں۔ کیا ان کے پاس کوئی عقل اور سمجھ ہے جو اس پر ان کی راہ نمائی کرے؟ ﴿وَصَبَّحَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ ”یا“ ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی ہے۔“ پس وہ کسی بھلائی کو یاد نہیں رکھ سکتے اور ان کے دل ان افعال کے ارادے سے خالی ہیں جو خیر و فلاح پر مشتمل ہیں۔ پس وہ اپنے مصالح و مفاد کو نہیں سمجھتے۔ اگر وہ حقیقی سمجھ رکھتے ہوتے تو وہ اپنے لئے اس صورت حال پر کبھی راضی نہ ہوتے۔ جس نے ان کو جواں مردوں کے مقام سے نیچے گر رکھا ہے۔

لٰكِنَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ط

لیکن رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور وہ لوگ جو ایمان لائے ساتھ اس کے انہوں نے جہاد کیا ساتھ اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے
 وَاُوْلٰئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ وَاُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللهُ لَهُمْ جَنَّتْ
 اور یہی لوگ ہیں کہ انکے لیے بھلائیاں ہیں اور یہی لوگ ہیں فلاح پانے والے ○ تیار کئے ہیں اللہ نے انکے لیے ایسے باغات
 تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾

کہ چلتی ہیں ان کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے وہ ان میں یہی ہے کامیابی بہت بڑی ○

اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: جب یہ منافقین جہاد سے جی چرا کر پیچھے بیٹھ رہے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے بے نیاز ہے۔ اس کی مخلوق میں اس کے ایسے خاص بندے ہیں جن کو اس نے اپنے فضل سے خاص طور پر نوازا ہے وہ اس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں اور وہ ہیں ﴿الرَّسُوْلُ﴾ رسول مصطفیٰ ﷺ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ﴾ ”اور وہ لوگ جو آپ پر ایمان لائے اور جہاد کیا انہوں نے آپ کے ساتھ اپنے مالوں اور جانوں سے۔“ وہ کاہل ہیں نہ ست بلکہ وہ فرحاں اور بشارت حاصل کرنے والے ہیں۔ ﴿وَاُوْلٰئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ﴾ ”یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے (دنیا و آخرت) کی بے شمار بھلائیاں ہیں۔“ ﴿وَاُوْلٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ﴾ ”اور یہی فلاح پانے والے ہیں۔“ جو بلند ترین مطالب اور کامل ترین مرغوبات کے حصول میں کامیاب ہیں۔ ﴿اَعَدَّ اللهُ لَهُمْ جَنَّتْ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ﴾ ”تیار کئے ہیں اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ کہ ان کے نیچے نہریں بہتی ہیں اس میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہی ہے بڑی کامیابی“ ہلاکت ہے ایسے شخص کے لیے جو ان امور میں رغبت نہیں رکھتا جن میں اہل جنت

رغبت رکھتے ہیں اور وہ اپنے دین اور دنیا و آخرت میں خسارے میں پڑنے والا شخص ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے اس قول کی نظیر ہے ﴿ قُلْ اٰمِنُوْا بِهٖ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا اِنَّ الَّذِيْنَ اٰوْتُوْا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖ اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِاِلٰذْقَانٍ سُبْحٰنًا ﴾ (بنی اسرائیل: ۱۰۷/۱۱۷) ”کہہ دیجئے کہ تم اس پر ایمان لاؤ یا نہ لاؤ جن لوگوں کو اس سے پہلے کتاب کا علم دیا گیا ہے جب ان کو پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر جاتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کی نظیر ہے ﴿ فَاِنْ يٰكْفُرْ بِهَا هٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴾ (الانعام: ۸۹/۱۶) ”اگر یہ کفار ان باتوں کا انکار کرتے ہیں تو ہم نے ان باتوں پر ایمان لانے کے لیے ایسے لوگوں کو مقرر کر دیا ہے جو اس کا انکار کرنے والے نہیں۔“

وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ

اور آئے بہانہ کرنے والے دیہاتیوں میں سے تاکہ اجازت دی جائے ان کو اور بیٹھ گئے وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ بولا اللہ

وَرَسُولَهُ سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۹۱﴾ لَيْسَ عَلَى الضَّعْفَاءِ

اور اسکے رسول سے عذریب پہنچے گا ان لوگوں کو جنہوں نے کفر کیا ان میں سے عذاب بہت دردناک ○ نہیں ہے ضعیفوں پر

وَلَا عَلَى الْمَرْضَى وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يَنْفِقُونَ حَرْجٌ إِذَا نَصَحُوا

اور نہ بیماروں پر اور نہ اوپر ان لوگوں کے جو نہیں پاتے وہ چیز کہ خرچ کریں کوئی گناہ (پیچھے رہنے میں) جب کہ خیر خواہی کرتے ہیں وہ

بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۹۲﴾

اللہ کی اور اسکے رسول کی نہیں ہے سبکی کرنے والوں پر (گرفت کرنے کی) کوئی راہ اور اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے ○

وَلَا عَلَى الَّذِينَ إِذَا مَا اتَّوَكَّلُوا لِيْتَخِطَّهُمْ قُلْتَ لَا أُحِبُّكُمْ

اور نہ ان لوگوں پر کہ جب آئے وہ آپ کے پاس تاکہ سواری دیں آپ انہیں تو آپ نے کہا نہیں پاتا میں ایسی چیز کہ سوار کروں میں تم کو

عَلَيْهِمْ تَوَلَّوْا وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا

اس پر تو وہ لوٹے جبکہ ان کی آنکھیں بہتی تھیں آنسوؤں سے اس غم سے کہ نہیں پاتے وہ جو وہ

مَا يَنْفِقُونَ ﴿۹۳﴾ إِنَّمَا السَّبِيلُ عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ

خرچ کریں ○ بے شک (گرفت کی) راہ تو اوپر ان لوگوں کے ہے جو اجازت مانگتے ہیں آپ سے حالانکہ وہ

أَغْنِيَاءٌ رَّضُوا بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ

مال دار ہیں وہ راضی ہو گئے اس بات پر کہ ہو جائیں وہ ساتھ پیچھے رہنے والی عورتوں کے اور مہر لگا دی اللہ نے اوپر ان کے دلوں کے

فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ ﴿۹۴﴾

پس وہ نہیں جانتے ○

﴿ وَجَاءَ الْمُعَذِّرُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ ﴾ ” اور آئے بہانے کرنے والے گنوار تا کہ ان کو رخصت مل جائے، یعنی وہ لوگ جنہوں نے سستی کی اور جہاد کے لیے نکلنے سے قاصر رہے، اس لئے آئے کہ انہیں ترک جہاد کی اجازت مل جائے۔ انہیں اپنی جفا، عدم حیا اور اپنے کمزور ایمان کی بنا پر معذرت کرنے کی بھی پروا نہیں..... اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول کو جھٹلایا، انہوں نے اعتذار کو بالکل ہی ترک کر دیا۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کے ارشاد ﴿ الْمُعَذِّرُونَ ﴾ ” عذر کرنے والے“ میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد وہ لوگ ہوں جو کوئی حقیقی عذر رکھتے تھے اور وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، تاکہ آپ ان کی معذرت قبول فرمائیں اور رسول اللہ ﷺ کی عادت شریفہ یہ تھی کہ آپ عذر پیش کرنے والے کا عذر قبول فرمایا کرتے تھے۔ ﴿ وَقَعَدَ الَّذِينَ كَذَبُوا اللَّهَ وَرَسُولَهُ ﴾ ” اور بیٹھ رہے وہ لوگ جنہوں نے جھوٹ بولا اللہ اور اس کے رسول سے، یعنی جنہوں نے اپنے دعوائے ایمان میں جو جہاد کے لیے نکلنے کا تقاضا کرتا ہے، اور اس کے ساتھ ان کے عمل نہ کرنے میں اللہ اور رسول سے جھوٹ بولا۔ پھر ان کو وعید سناتے ہوئے فرمایا: ﴿ سَيُصِيبُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴾ ” اب پہنچے گا ان کو جو کافر ہیں ان میں دردناک عذاب“ دنیا و آخرت میں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے معذرت پیش کرنے والوں کا ذکر فرمایا۔ ان کی دو قسمیں ہیں:

(۱) جو شرعی طور پر معذور ہیں۔

(۲) جو شرعی طور پر غیر معذور ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے معذور لوگوں کا ان الفاظ میں ذکر فرمایا ہے ﴿ لَيْسَ عَلَى الضَّعَفَاءِ ﴾ ”نہیں ہے (حرج) کمزوروں پر“۔ جو کمزور جسم اور کمزور نظر والے ہیں جو جہاد کے لیے باہر نکلنے اور دشمن سے لڑنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ﴿ وَلَا عَلَى الْمَرْضَى ﴾ ”اور نہ بیماروں پر“ یہ آیت ان تمام امراض کو شامل ہے جن کی بنا پر مریض جہاد اور قتال کے لیے باہر نہیں نکل سکتا، مثلاً لنگڑا پن، اندھا پن، بخار، نمونیہ اور فالج وغیرہ۔ ﴿ وَلَا عَلَى الَّذِينَ لَا يَجِدُونَ مَا يَنْفِقُونَ ﴾ ”اور نہ ان لوگوں پر جن کے پاس خرچ کرنے کو نہیں ہے، یعنی ان کے پاس زاد راہ ہے نہ سواری جس کے ذریعے سے منزل مطلوب پر پہنچ سکیں۔ پس ان مذکورہ لوگوں کے لیے کوئی حرج نہیں، بشرطیکہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خیر خواہی رکھتے ہوں، صادق الایمان ہوں، ان کی نیت اور ان کا عزم یہ ہو کہ اگر وہ جہاد پر قادر ہوئے تو وہ ضرور جہاد کریں گے اور ایسے کام کرتے ہوں جن پر وہ قدرت رکھتے ہیں مثلاً لوگوں کو جہاد کی ترغیب دینا اور جہاد کے لیے ان کا حوصلہ بڑھانا۔ ﴿ مَا عَلَى الْمُحْسِنِينَ مِنْ سَبِيلٍ ﴾ ”نیکی کرنے والوں پر کوئی راستہ نہیں، یعنی ایسا راستہ جس سے نیکی کرنے والوں کو کوئی ضرر پہنچے، کیونکہ انہوں نے حقوق اللہ اور حقوق العباد میں بھلائی سے کام لے کر ملامت کو ساقط کر دیا۔ بندہ مؤمن جس چیز پر قادر ہے جب اس میں اچھی کارکردگی دکھاتا

ہے تو اس سے وہ امور ساقط ہو جاتے ہیں جن پر وہ قادر نہیں۔ اس آیت کریمہ سے اس شرعی قاعدہ پر استدلال کیا جاتا ہے کہ جو کوئی کسی دوسرے شخص پر اس کی جان اور مال وغیرہ میں احسان کرتا ہے پھر اس احسان کے نتیجے میں کوئی نقصان یا اتلاف واقع ہو جاتا ہے تو اس احسان کرنے والے پر کوئی ضمان نہیں۔ کیونکہ وہ محسن ہے اور محسن پر کوئی گرفت نہیں۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ غیر محسن..... جو کام کو عمدہ طریقے سے انجام نہ دے اس کی حیثیت کوتاہی کرنے والے کی ہوگی اس لئے اس پر ضمان عائد کیا جائے گا۔

﴿وَاللَّهُ عَفُورٌ رَّحِيمٌ﴾ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ ”یہ اللہ تعالیٰ کی وسیع مغفرت اور بے پایاں رحمت ہی ہے کہ اس نے قدرت نہ رکھنے والے بے بس لوگوں کو معاف کر دیا ہے اور ان کی نیت کے مطابق ان کو وہ ثواب عطا کرتا ہے جو وہ قدرت رکھنے والوں کو عطا کرتا ہے۔

﴿وَأَعْلَى الَّذِينَ إِذَا مَا اتَّوَكَّلْتَ لِيَتَحِمَلَهُمْ﴾ اور نہ ان پر کوئی حرج ہے کہ جب وہ آپ کے پاس آئیں تا کہ آپ ان کو سواری دیں“ مگر انہوں نے آپ کے پاس کوئی چیز نہ پائی ﴿قُلْتَ﴾ اور آپ نے ان سے معذرت کرتے ہوئے کہا: ﴿لَا أَحَدٌ مَّا أَحْمَلُكُمْ عَلَيْهِ تَوَكَّلُوا وَأَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ حَزَنًا أَلَّا يَجِدُوا مَّا يُنْفِقُونَ﴾ ”میں کوئی ایسی چیز نہیں پاتا کہ میں تم کو اس پر سوار کراؤں تو وہ اٹھے پھرے اور ان کی آنکھوں سے آنسو بہتے تھے اس غم میں کہ وہ خرچ کرنے کو کچھ نہیں پاتے“ کیونکہ وہ عاجز بے بس اور اپنی جان کو خرچ کرنے والے ہیں۔ وہ انتہائی حزن و غم اور مشقت میں مبتلا ہیں جس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے کر دیا ہے۔

یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے کوئی حرج اور گناہ نہیں؛ جب ان سے گناہ ساقط ہو گیا تو معاملہ اپنی اصل کی طرف لوٹ گیا یعنی جو کوئی بھلائی کی نیت کرتا ہے اور اس کی اس نیت جازمہ کے ساتھ مقدور بھراس کی کوشش بھی مقرون ہوتی ہے اس کے باوجود وہ اس فعل کو بجالانے پر قادر نہیں ہوتا تو اس کو فاعل کامل ہی شمار کیا جائے گا۔

﴿إِنَّمَا السَّبِيلُ﴾ ”الزام تو“ یعنی گناہ اور ملامت تو ﴿عَلَى الَّذِينَ يَسْتَأْذِنُونَكَ وَهُمْ أَغْنِيَاءُ﴾ ”ان لوگوں پر ہے جو دولت مند ہیں اور پھر بھی آپ سے اجازت طلب کرتے ہیں۔“ یعنی جو جہاد کے لیے نکلنے پر قادر ہیں اور ان کے پاس کوئی عذر نہیں۔ ﴿رَضُوا﴾ ”وہ خوش ہیں۔“ یعنی اپنے دین اور اپنی ذات کے بارے میں ﴿بِأَنْ يَكُونُوا مَعَ الْخَوَالِفِ﴾ ”یہ کہ وہ عورتوں اور بچوں کے ساتھ گھروں میں رہیں۔“ ﴿وَأَنْ﴾ اور ان کا اس حال پر راضی رہنا اس وجہ سے تھا کہ ﴿طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِمْ﴾ ”اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔“ اس لئے ان کے اندر کوئی بھلائی داخل نہیں ہو سکتی اور وہ اپنے دینی اور دنیاوی مصالح کو محسوس نہیں کرتے ﴿فَهُمْ لَا يَعْلَمُونَ﴾ ”پس وہ نہیں جانتے۔“ کہ یہ اس گناہ کی سزا ہے جس کا انہوں نے ارتکاب کیا ہے۔

